نظامِ کائنات،
غزوۂ ھند
اور
وجودِ پاکستان
"United States of Islam"

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

Marfat.com

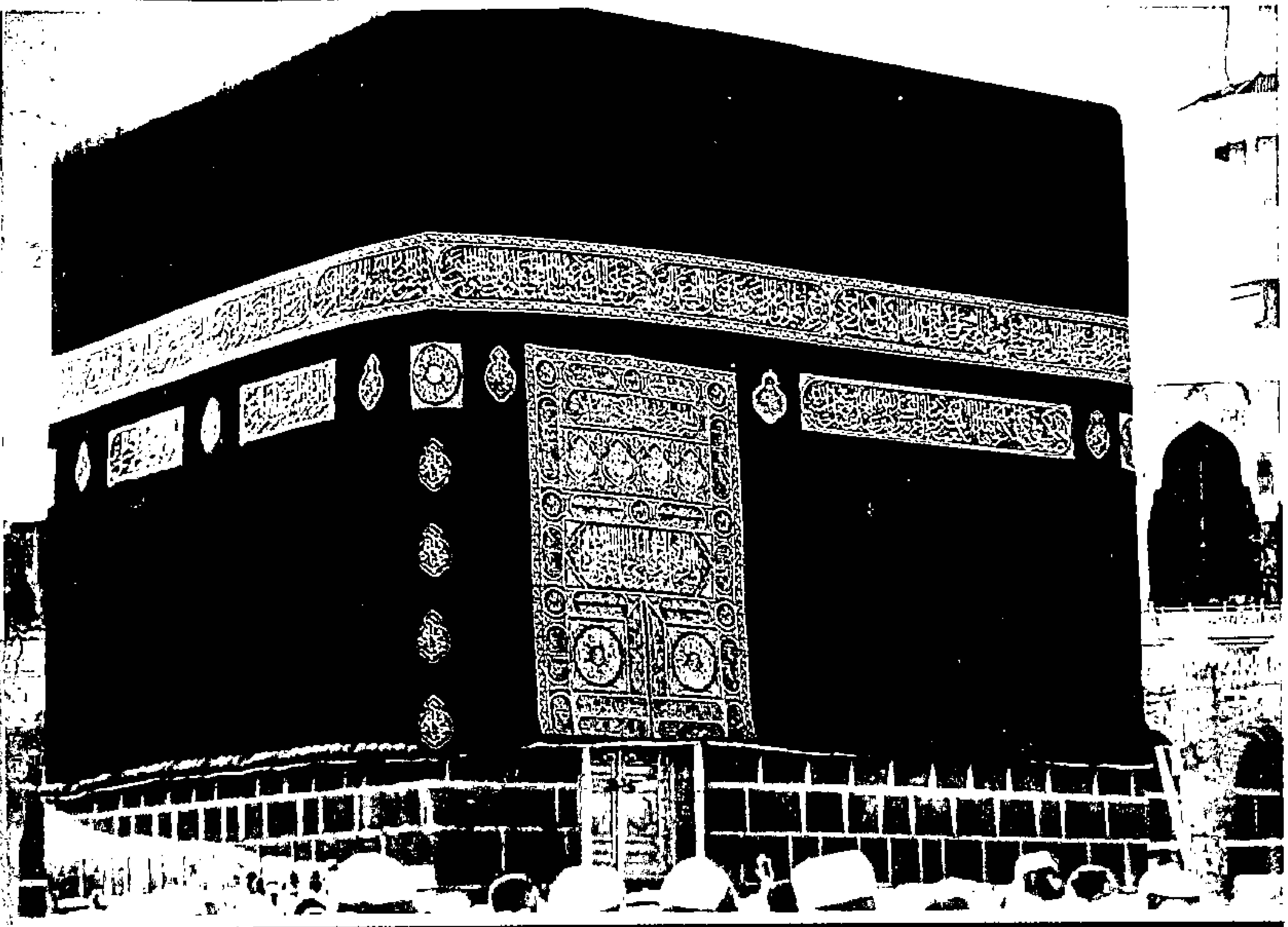

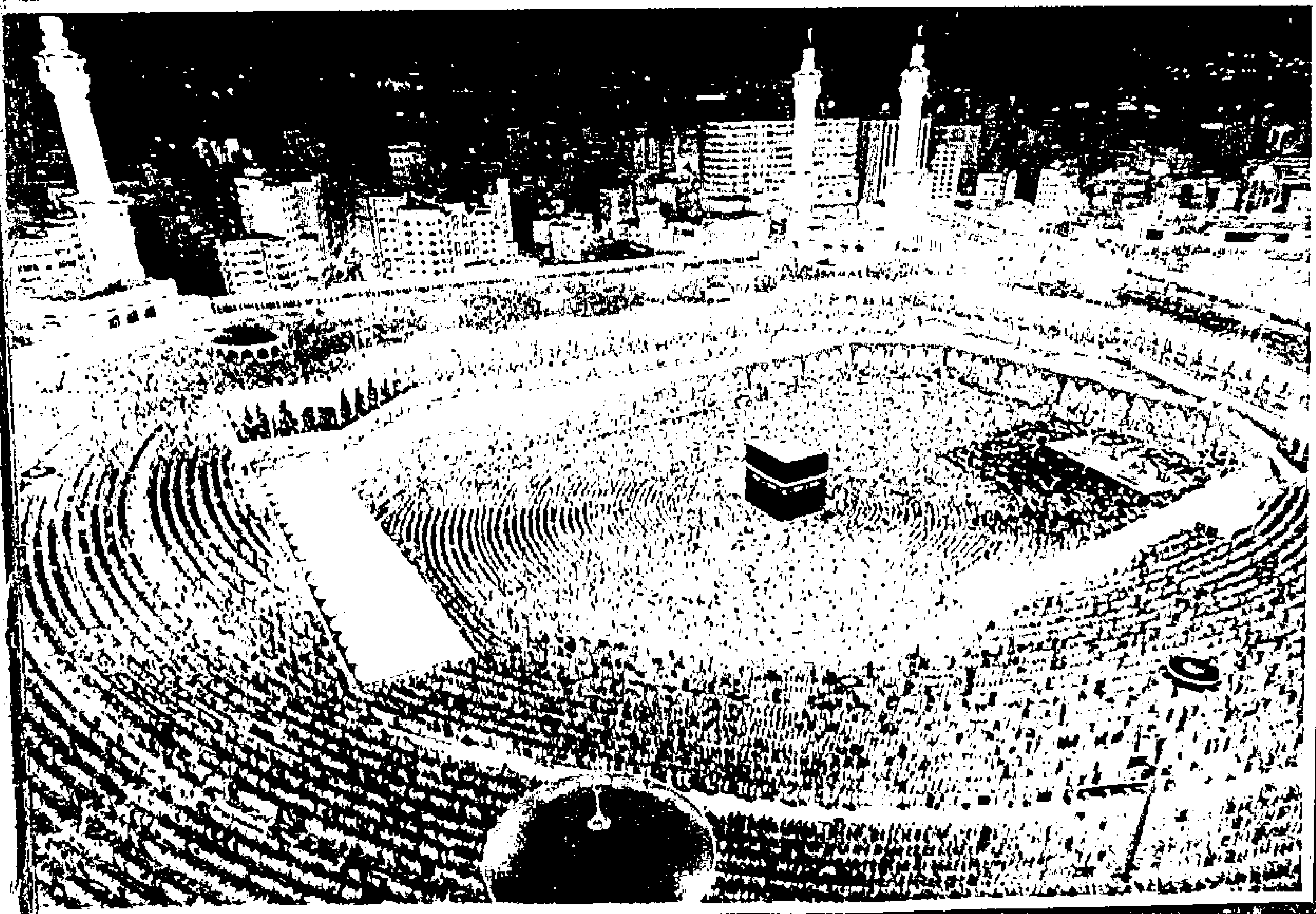

Marfat.com

نظامِ کائنات،

غزوۂ ہند

اور

وجودِ پاکستان

"United States of Islam"

مکمل ایڈیشن

تحقیق و ترتیب

ارم اختر صدیقی

بی ایڈ، ایم اے ، ایم ایڈ ، ایم بی اے

Marfat.com

۲۹۷،۰۳

کتاب	نظامِ کائنات، غزوۂ ہند اور وجودِ پاکستان
تحقیق اور تصنیف و تالیف	ارم اختر صدیقی
ایڈیشن	مکمل ایڈیشن
سال	2015
حقوق	بحق ناشر اور مولف و مصنف کتاب محفوظ ہیں
کمپوزنگ	محمد آصف، اسماعیل غنی
ڈیزائننگ	محمد آصف
قیمت	-/2000 روپے
ملنے کا پتہ	یونیک اسٹیشنرز نسیم الدین

شاپ نمبر 30، مین اُردو بازار ایم۔ اے جناح روڈ کراچی

فون نمبر: 021-32639040، موبائل نمبر: 0333-3191472

ارم اختر صدیقی نے ارم انٹر پرائز کراچی سے شائع کی۔

Erum Enterprise

Web : www.erumenterprise.com

Email : erumenterprise@hotmail.com

f : erum enterprise

Postal Address : PO Box No. 13764-Karachi

Marfat.com

﴿انتساب﴾

عاجز اپنی اس کاوش کو اپنے پیارے عظیم المرتب مرشد و مربیّ حضرت پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحبؒ اوام اللہ فیضہ کی طرف سے منسوب کرنے کی سعادت حاصل کرتی ہے۔ جنکی توجہات و عنایات اس عاجز بندی کے لئے لامحدود تقویت کا باعث رہتی ہیں۔

ارم اختر صدیقی

Marfat.com

وہی خدا ہے

کوئی تو ہے جو نظامِ ہستی چلا رہا ہے، وہی خدا ہے
دکھائی بھی جو نہ دے، نظر بھی جو آ رہا ہے، وہی خدا ہے

وہی ہے مشرق، وہی ہے مغرب، سفر کریں سب اسی کی جانب
ہر آئینے میں جو عکس اپنا دکھا رہا ہے، وہی خدا ہے

تلاش اس کو نہ کر بتوں میں، وہ ہے بدلتی ہوئی رتوں میں
جو دن کو رات اور رات کو دن بنا رہا ہے، وہی خدا ہے

نظر بھی رکھے سماعتیں بھی، وہ جان لیتا ہے نیتیں بھی
جو خانہ لاشعور میں جگمگا رہا ہے، وہی خدا ہے

کسی کو سوچوں نے کب سراہا، وہی ہوا، جو خدا نے چاہا
جو اختیار بشر پہ پہرے بٹھا رہا ہے، وہی خدا ہے

کسی کو تاج وقار بخشے، کسی کو ذلت کے غار بخشے
جو سب کے ماتھے پہ مہر قدرت لگا رہا ہے، وہی خدا ہے

سفید اس کا، سیاہ اس کا، نفس نفس ہے گواہ اس کا
جو شعلہ جاں جلا رہا ہے، بجھا رہا ہے، وہی خدا ہے

مظفر وارثی

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۔ تو شمع بزم انسانی، تو نور العین اے جانی
تو سرور جنت و انسانی، تو عین دین و ایمانی

۲۔ تو نور ازل، تو خیر ابد، تو احمد و ستر ذات احد
تو محرم راز سبحانی، تو وجہ خلق امکانی

۳۔ از تست کمال صدیقی رضہ، از تست جلال فاروقی رضہ
تو زینت حلم عثمانی رضہ، تو قوت شیر یزدانی رضہ

۴۔ از تست جمال سلمانی رضہ، از تست مقال نعمانی رحہ
تو ایقانی، تو ایمانی، تو عرفانی، تو قرآنی

۵۔ تو منبع فیض ہمہ آدم، تو مرجع خیر ہمہ عالم
ہم سہروردی رحہ، اجمیری رحہ، ہم نقشبندی، جیلانی رحہ

۶۔ باقی ز کمالت ہم باقی رحہ، ہم شان امام ربانی رحہ
ہم قیومی رحہ، ہم معصومی رحہ، ہم مظہر جان جانانی رحہ

۷۔ ہم فضلی رحہ، سعیدی رحہ، زواری رحہ، ہم نور غفوری عباسی رحہ
از خاک در ست کحلے جوید ہر چشم عالم امکانی

۲۲ ربیع الاول
سنہ ۱۴۰ھ

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب رحہ

اللہ تعالی قرآن میں فرماتا ھے

مَنْ عَمِلَ
صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى
وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً

(ترجمہ)

جس نے نیک عمل کئے خواہ مرد ہو یا عورت اور وہ مومن ہو تو ہم اس کو حیاتِ طیّبہ عطا فرمائینگے۔

(سورۃ النحل آیت نمبر 97)

اللہ تعالیٰ نے اہل اطاعت کو ان کے وصال کے بعد زندہ کر دیا ہے۔
اور اہل معاصی کو ان کی زندگی میں مردہ۔

(شفیق بلخیؒ)

Marfat.com

شجرۂ مبارکہ اردو منظوم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ بِعَدَدِ کُلِّ شَیْءٍ مَّعْلُوْمٍ لَّکَ

حمد کل ہے رب کی ذاتِ کبریا کے واسطے
اور درود و نعت مولیٰ مجتبیٰ کے واسطے

اے خدا تو اپنی ذاتِ کبریا کے واسطے
فضل کر مجھ پر محمد مصطفیٰ کے واسطے

حضرتِ صدیقِ اکبرؓ یارِ غارِ مصطفیٰ
صدق دے کامل تو اپنے پُرصفا کے واسطے

حضرتِ سلمان فارسیؓ شمس برجِ معرفت
درد اپنا دے مجھے اس جاں فدا کے واسطے

حضرتِ قاسمؒ تھے پوتے حضرتِ صدیقؓ کے
عالی ہمت کر مجھے اس ذوالعلا کے واسطے

حضرتِ جعفرؒ امامِ اتقیا و اصفیا
مطمئن مجھ کو بنا اس ذی عطا کے واسطے

قطبِ عالم غوثِ اعظم شیخ اکبر بایزیدؒ
نورِ عرفاں دے مجھے نور الوریٰ کے واسطے

خواجہ حضرت بوالحسنؒ جو ساکنِ خرقان تھے
ذکرِ قلبی دے مجھے اس باصفا کے واسطے

حضرتِ خواجہ ابوالقاسمؒ جو تھے گرگان کے
دُور کر عیباں مرے اس پُرحیا کے واسطے

فارمدی شیخِ عالم خواجہ حضرت بوعلیؒ
دے مجھے اعمالِ صالح اولیا کے واسطے

حضرتِ خواجہ ابویوسفؒ جو تھے ہمدان کے
نفس ہو مغلوب میرا مقتدا کے واسطے

غجدوانی خواجہ عبدالخالقؒ شیخِ کمال
دل منور کر مرا شمس الضحیٰ کے واسطے

حضرتِ خواجہ محمد عارفؒ ریوگری
اپنا عارف کر مجھے اس پیشوا کے واسطے

ساکنِ انجیر فغنہ یعنی محمودؒ ولی
دے مجھے توفیقِ حق اس بے بہا کے واسطے

حضرتِ خواجہ عزیزانِ علیؒ رامیتنی
نام میرا ہو عزیز اس بے ریا کے واسطے

خواجہ بابا سماسیؒ عاشقِ ذاتِ خدا
عشقِ صادق دے مجھے اس باصفا کے واسطے

میر میراں حضرتِ شاہ کلالؒ متقی
کر روا سب حاجتیں اس پُرسخا کے واسطے

حضرتِ خواجہ بہاءالدینؒ جو تھے نقشبند
کر منقش دل مرا نور الہدیٰ کے واسطے

حضرتِ خواجہ علاءالدینؒ جو عطار تھے
دل معطر ہو مرا اس خوش لقا کے واسطے

حضرتِ یعقوبؒ چرخی بیکسوں کے دستگیر
میری غفلت دُور کر اس باعطا کے واسطے

حضرتِ خواجہ عبیداللہؒ جو احرار تھے
دمبدم ہو عشق زائد دلربا کے واسطے

حضرتِ خواجہ محمد زاہدؒ زہد کمال
مجھ کو زاہد کر دے اس شاہِ ولا کے واسطے

خواجہ درویش محمدؒ میر درویشاں ہوئے
خاص درویشوں سے کر اس حق نما کے واسطے

خواجگی خواجہ محمدؒ واقفِ اسرارِ حق
مجھ کو بھی خواجہ بنا مردِ خدا کے واسطے

حضرتِ خواجہ محمد باقی باللہؒ رازداں
رازداں مجھ کو بنا اس دلکشا کے واسطے

Marfat.com

حضرت خواجہ مجدد الف ثانیؒ بحرِ علم — مجھ کو صبر و شکر دے بدر الدجیٰ کے واسطے
عروۃ الوثقیٰ محمد خواجہ معصومؒ اہلِ دل — دل منور کر مرا اس باصفا کے واسطے
خواجہ سیف الدینؒ صاحب سیف تھے جو دین کے — سر کٹے حرص و ہوا کا ذی لقا کے واسطے
حافظ محسنؒ ولی دہلوی تھے باخدا — معرفت دے مجھ کو اس شمس الہدیٰ کیواسطے
سید نور محمدؒ تھے بدایونی ولی — عشق و عرفاں کر عطا اس پیشوا کیواسطے
مرزا مظہر جانِ جاناںؒ تھے حبیب اللہ شہید — رکھ شریعت پر مجھے پیر ہدیٰ کے واسطے
خواجہ عبد اللہؒ شہ جو تھے مجدد دہلوی — خاص بندوں سے بنا اس رہنما کے واسطے
بوسعید احمد کہ جو غوثِ زماں تھے بیگماں — مجھ کو بھی اسعد بنا اُس باوفا کے واسطے
خواجہ احمد سعیدؒ دہلوی مدنی ہوئے — عشق دے اپنا مجھے اس بے ریا کے واسطے
حاجی دوست محمدؒ ساکنِ قندھار تھے — قلب ذاکر رکھ مرا اس خوش ادا کے واسطے
خواجہ عثمانؒ دامانی جو قطبِ وقت تھے — مجھ کو بھی دنیا بنا شیرِ خدا کے واسطے
شہ سراج الدینؒ شانِ حق سراجِ معرفت — قلب روشن کر مرا اس باصفا کیواسطے
شاہ تاج الاولیا فضل علیؒ بے عدیل — دے سیہ دل کی دوا اس پُرضیا کے واسطے
قطبِ دوراں روحِ عرفاں سعدِ دیں خواجہ سعیدؒ — دل ہو انور اس قریشی پارسا کے واسطے
قطب دین عین ولایت شاہ زوار حسین — شرع و ایماں کر عطا اس باصفا کیواسطے
یا الٰہی میرے دل کو نور سے معمور کر — بندۂ مخلص غلام مصطفےٰ کیواسطے
کر قبول ان ناموں کی برکت سے ہر جائز دعا — یا رب اپنی رحمتِ بے انتہا کے واسطے
میرا دل رکھ دائما ذاکر بذکرِ اسم ذات — اے خدا جملہ مقدس اصفیا کے واسطے
بحرِ عصیاں میں الٰہی میں سراپا غرق ہوں — فضل تیرا چاہیے مجھ مبتلا کے واسطے
اے خدا مجھ کو تہی دستی کی کلفت سے بچا — اپنے فضل و رحم اور جود و سخا کے واسطے
میرے ہر دشمن کو اپنے فضل سے مغلوب کر — اپنی رحمانی رحیمی اور عطا کے واسطے
یا الٰہی شرِ شیطانی سے تو محفوظ رکھ — ہر عمل ہو بے ریا تیری رضا کے واسطے

ہو منور قبر میری اور دے مجھ کو نجات
اے خدا حضرت محمد مصطفیٰؐ کے واسطے

Marfat.com

طلوعِ اسلام

نَصۡرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتۡحٌ قَرِيۡبٌ

حدیث

نبی کریم ﷺ نے ہم سے غزوۂ ہند کا وعدہ فرمایا:
(آگے ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں) ''اگر مجھے اس میں شرکت کا موقع مل گیا تو میں اپنی جان و مال اس میں خرچ کر دوں گا۔ اگر قتل ہو گیا تو میں افضل ترین شہداء میں شمار ہوں گا اور اگر واپس لوٹ آیا تو ایک آزاد ابو ہریرہؓ ہوں گا جسے اللہ تعالیٰ نے جہنم سے آزاد کر دیا ہوگا''

(نسائی کتاب السنن المجتبیٰ اور السنن الکبریٰ) (مسند احمد، البدایہ والنہایہ)

دلیلِ صبحِ روشن ہے ستاروں کی تنک تابی
افق سے آفتاب ابھرا، گیا دورِ گراں خوابی
عروقِ مردۂ مشرق میں خونِ زندگی دوڑا
سمجھ سکتے نہیں اس راز کو سینا و فارابی

Marfat.com

مقدمہ

تمام موجودات ومخلوقاتِ کائنات کا خالق و مالک ایک اور صرف ایک اللہ رب العزت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود کی پہچان کے لئے اپنی مخلوقات کو پیدا کیا۔ حضرت محمد ﷺ کے نور کو تخلیق کرنے کے بعد پوری کائنات کا وجود معرض العمل میں لایا گیا۔ سو خالق کائنات نے نبوت کا سلسلہ لوگوں کی رہنمائی کے لئے قائم کیا تا کہ دنیا سے الحاد، بت پرستی، شرک اور زمین پر فساد ختم کیا جائے۔ ساری کائنات اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے تخلیق کی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ''میری سنت میں تبدیلی ہوتی ہے نہ تعطل واقع ہوتا ہے''۔

تاریخ انسانی میں بہت سی تہذیبوں نے جنم لیا پھلی پھولیں اور وقت کی گرد میں دفن ہوگئیں۔ حق و باطل کی جنگ ازل سے قائم ہے اور ابد تک قائم رہے گی۔ دنیا میں صرف دو ہی قومیں رہی ہیں۔ ایک قوم جس نے اللہ کو واحد مانا۔ اور اسکو اپنا معبود سمجھا اور دوسری قوم وہ ہے جس نے ایک اللہ کے وجود سے انکار کر دیا۔ وقت کے نشیب وفراز میں حق و باطل کی جنگ چلتی رہی۔ انبیاءؑ آتے رہے اور اللہ کا پیغام پہنچاتے رہے۔ پھر آخری نبی ﷺ کو مبعوث کیا اور اسلام اور قرآن ہمیشہ کے لئے قائم کر دیے گئے۔ اور اس کی حفاظت تا قیامت اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمے رکھی ہے۔ دین اسلام کو نافذ کرنے کے مراحل بڑے کٹھن تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کا نظام قائم کر دیا۔ یہود اور نصاریٰ کی دشمنی بھی ساتھ چلتی رہی اور اس نافرمان قوم نے اللہ کے دین اور رسول اللہ ﷺ بغض اور عداوت ہمیشہ رکھی۔ لیکن مسلمانوں کے جذبہ ایمانی نے ہر قدم پر ان کو شکست سے ہمکنار کیا۔ اندرونی سازشوں نے بھی مسلمانوں کو بھی نقصان پہنچایا۔ اللہ کا دین جاری وساری رہا۔ مسلمانوں کے عروج وزوال میں اُن کے اپنے کردار نے اپنی مثال آپ قائم کی۔

دشت تو دشت ہے دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے　　　بحرِ ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

صحابہ کرامؓ کے دور سے لے کر صلاح الدین ایوبی، سلطنت اندلس وغرناطہ، سمرقند بخارا، سلطنتِ عثمانیہ، برصغیر پاک ہند اور بغداد کے میدانوں میں مسلمانوں نے اپنے اعمال صالح اور جذبہ ایمانی کی بدولت فتح ونصرت حاصل کی۔ برصغیر پاک ہند میں اسلام کی فتح اور مسلمانوں کے شاندار دورِ حکومت کا تذکرہ تاریخ میں موجود ہے۔ اس ہزار سالہ دورِ حکومت میں عادل

Marfat.com

بادشاہ بھی حکمران تھے اور اکبر بادشاہ جیسے دین سے غافل حکمران بھی رہے۔ اکبر کے دور میں حضرت مجدد الف ثانیؒ نے علم بلند کیا اور دوبارہ اسلام کی اشاعت کا بیڑہ اٹھایا۔ برصغیر کی تاریخ ہر دور میں اپنا رنگ بدلتی رہی اور مسلمان یہود اور نصاریٰ کی سازشوں کو نا سمجھ سکے تو وقت نے ان کو غلامی کے چنگل میں جکڑ لیا اور وہ اپنی ہی کوتاہیوں سے اپنے علاقے غیروں کے سپرد کرنے پر مجبور ہو گئے۔ لیکن قوموں کے عروج و زوال انسانوں کے لئے ہمیشہ نصیحت کا باعث بنتے ہیں۔ جب قومیں اپنا روایتی تشخص کھوتی ہیں تو تاریخ ہمیشہ اپنی نئی راہیں استوار کرنے لگتی ہے۔

1857ء کی جنگ آزادی مسلمانوں کی تباہی کی داستان ہے۔ اس قوم کے شعور کو اجاگر کرنے کے لئے اکابرینِ اسلام میدان میں اترے اور اپنی انتھک کوششوں سے مسلمانوں کی کھوئی ہوئی حیثیت اور شعور کو اجاگر کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اور جب مسلمانوں میں ایک قوم کا نظریہ جاگا تو جذبہ ایمانی اور اتحاد عمل میں آنے لگا۔ تو اس میں علامہ اقبالؒ نے اپنا کردار ادا کیا۔ اور مسلمانوں کی پہچان کے لئے ایک علیحدہ مملکت کا تصور پیش کیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کو الہامی شاعری کی ایسی صلاحیت عطا کی کہ وہ مسلمانان ہند کے دلوں میں جذبہ ایمانی کو اجاگر کرنے میں بلا آخر کامیاب ہوئے۔ ان کی نظر ایک قائد کی تلاش میں تھی اور آخر کار انہیں قائد اعظمؒ کی صورت میں مسلمانوں کا ایک لیڈر میسر آ گیا۔ علامہ اقبالؒ کے بعد قائد اعظمؒ نے مسلمانوں کو حقوق دلانے کے لئے اس فرض کو سرانجام دیا اور قائد اعظمؒ کی انتھک محنت اور علماء اور مشائخ کے کردار نے علامہ اقبالؒ کے خواب کو حقیقت کا رنگ دے دیا۔

کفر کے گھیرے میں خطہ پاکستان کا وجود میں آنا بہر حال ایک معجزہ ہے۔ اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے حکم پر ایک بار پھر پاکستان کی صورت میں مدینہ ثانی (پاکستان) کو قائم کیا گیا۔ یہ وہ خطہ اسلام (پاکستان) ہے جہاں سے عالم اسلام دوبارہ کفر کا خاتمہ کر کے اس دنیا پر پھر سے اسلام کا نظام قائم کرے گا۔ حالات کے اتار چڑھاؤ اور قیامت تک کے واقعات کا ثبوت و دلائل ہمیں قرآن و حدیث سے ملتے ہیں۔ اس آخری دور میں جو حصہ منتخب ہوا وہ پاکستان ہے۔ جہاں سے عالم اسلام دوبارہ سے اس دنیا پر حکمران ہو گا۔ لیکن یہ بات یہود و نصاریٰ بھی جانتے ہیں۔ اس لئے پاکستان بننے کے بعد سے ہی اس کو تباہ کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کی جاتی رہی ہے۔ پاکستان کے وجود کو ختم کرنے کے لیے کفار یہود و نصاریٰ سکون سے ایک دن نہ بیٹھے اور اس کے خلاف سازشوں کا ایسا نا ختم ہونے والا سلسلہ شروع کر دیا جس میں ہماری تہذیب و تمدن اور ہمارے اکابرین حتیٰ کہ قائد اعظمؒ کے کردار اور ان سے وابستہ تاریخ کو مسخ کر دیا گیا حقائق منظرِ عام سے ہٹا دیئے گئے اور جو اقدامات ایک سال کے دوران میں قائد اعظمؒ نے کیے تھے ان کا ریکارڈ تاریخ سے ہٹا دیا گیا۔

ملت کے ساتھ رابطہ استوار رکھ — *پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ*

Marfat.com

پاکستان کی بنیاد کلمہ توحید پر رکھی گئی۔ کفار جب اس مرحلے پر نا کام ہوئے تو ان کی اولین ترجیح اس خطہ اسلام (پاکستان) کے اندر نظام قرآن وسنت پر قائم ہونے سے روکنا تھا۔ پاکستان کا نظام قرآن وسنت پر قائم ہونا تھا لیکن ایسا نہیں ہو سکا۔ پاکستان بننے کا اصل مقصدِ حیات کہیں کھوسا گیا ہے۔ ملک پر ۲ جنگیں مسلط کر دی گئیں۔ بنگلہ دیش ہمارے ہاتھوں سے چلا گیا۔ ملک میں حکمرانوں کی غداری اس ملک کو کب کا ختم کر چکی ہوتی مگر اللہ رب العزت کی مہربانی سے پاکستان ایٹمی پاور بن گیا مگر کفار سکون سے نہ بیٹھے اور ورلڈ ٹریڈ سینٹر کی سازش کر دی گئی اور دوبارہ جنگ مسلط کر دی گئی۔

مگر میرے اللہ رب العزت نے اس ملک خطہ اسلام (پاکستان) کو اپنے ولیوں کی ایسی جمعیت سے نوازا ہے جو اللہ کے حکم سے اس سرزمین کی حفاظت پر معمور ہیں۔ اگر اس ملک میں اولیاء اللہ موجود نہیں ہوتے اور باطنی تکوینی نظام کے تحت اس کی حفاظت نہ ہوتی تو بڑا نقصان ہوتا۔ لیکن جس ملک کی حفاظت میرا اللہ خود کر رہا ہے وہاں دشمن ہمیشہ شکست سے ہمکنار ہوتا ہے اور ہوتا رہے گا انشاء اللہ۔

ختم نبوت کے بعد اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کا نفاذ کی ذمہ داری علماء راسخین کے سپرد کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا ایک نظام قائم کیا جسے نظامِ تکوین کہتے ہیں۔ اس نظام کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے۔ اس نظام میں اولیاء کرام اپنی ڈیوٹی اللہ کے حکم سے انجام دیتے ہیں۔ پوری ایڈمنسٹریشن کا ڈپارٹمنٹ قائم ہے۔ اس دنیا اور دوسری لاشمار دنیاؤں میں ۴ تکوینی شعبے کام کر رہے ہیں۔ ۱۔ قانون ۲۔ علوم ۳۔ اجرام سماوی ۴۔ نظامت۔ اولیاء کرام زیادہ تر نظامت سے منسلک ہوتے ہیں۔

خیر و شر کی یہ جنگ ازل سے قائم ہے اور ابد تک رہے گی۔ لیکن جس نے اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام کر رکھا وہی کامیاب و سرفراز ہوا۔ پاکستان کا معجزاتی وجود اور اس کا اب تک قائم رہنا یہ اللہ کی کرم نوازی میں سے ایک کرم نوازی ہے کیونکہ اس ملک نے عالم اسلام کی جنگ لڑنی ہے۔ قوم کی بنیاد پتھروں پر نہیں شہداء کی ہڈیوں اور خون پر رکھی جاتی ہے۔ اور ہر قوم کو اپنے شہداء پر ناز ہوتا ہے۔ اس دور میں مسلمانوں کو غزوہ ہند میں شریک ہونا ہے۔ اور پاکستان نے اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا مرکز بننا ہے۔ انشاء اللہ

غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں — جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں
کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زورِ بازو کا — نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

اس کتاب کی تحقیق اللہ کے نظام کو مدنظر رکھتے ہوئے کی گئی ہے۔ اس کتاب کو مرتب کرنے کا حکم میرے حضرت ڈاکٹر غلام مصطفی خان صاحبؒ نے بذریعہ خواب مجھے دیا تھا۔ غزوہِ ہند اور نشاۃ ثانیہ کا وقت قریب آ رہا ہے، اس کتاب کا مقصد پاکستان کی عوام اور امت مسلمہ کو اس جنگ کی تیاری میں مدد دینا ہے۔ ڈاکٹر غلام مصطفی خان صاحبؒ کا شمار برصغیر کے مستند اور ممتاز علمی ادبی اور روحانی بزرگوں میں ہوتا تھا۔ وہ ہمہ جہت شخصیت کے حامل تھے۔ ماہر لسانیت استاذ الاساتذہ تھے۔ ان کی

Marfat.com

نگرانی میں جن طلباء نے تحقیقی ڈگریاں حاصل کی ہیں ان کی تعداد ملک کی دوسری جامعات کے مقابلے میں بہت زیادہ ہیں۔

ڈاکٹر غلام مصطفٰے خان صاحبؒ سلسلہ نقشبندی مجددیہ اویسیہ کے صاحب مجاز بزرگ ہیں۔ ہزاروں بلا مبالغہ ہی نہیں لاکھوں افراد آپ کے مرید ہیں۔ انہوں نے بحیثیت محقق سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں قابل قدر علمی خدمات بھی انجام دیں اور لوگوں کو تزکیہ نفس اور تصوف کی تعلیم سے بھی آراستہ کیا ہے۔

لا الہ اللہ

خودی کا سِرِّ نہاں لاَاِلٰہَ اِلّاَ اللہ — خودی ہے تیغ، فساں لاَاِلٰہَ اِلّاَ اللہ
یہ دور اپنے ابراہیم کی تلاش میں ہے — صنم کدہ ہے جہاں، لاَاِلٰہَ اِلّاَ اللہ
کیا ہے تُو نے متاعِ غرور کا سودا — فریبِ سُود و زیاں، لاَاِلٰہَ اِلّاَ اللہ
یہ مال و دولتِ دنیا، یہ رشتہ و پیوند — بُتانِ وہم و گماں، لاَاِلٰہَ اِلّاَ اللہ
خرد ہوئی ہے زماں و مکاں کی زُناری — نہ ہے زماں نہ مکاں، لاَاِلٰہَ اِلّاَ اللہ
یہ نغمہ فصلِ گُل و لالہ کا نہیں پابند — بہار ہو کہ خزاں، لاَاِلٰہَ اِلّاَ اللہ
اگرچہ بُت ہیں جماعت کی آستینوں میں — مجھے ہے حکمِ اذاں، لاَاِلٰہَ اِلّاَ اللہ

میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکر گزار ہوں کہ مجھ جیسی گناہ گار بندی کو یہ فریضہ انجام دینے کی ہمت اور طاقت عطا فرمائی اور میں یہ کتاب مکمل کر کے امت مسلمہ کے سامنے پیش کر سکی۔ دو سال کی جدوجہد کے بعد میں تمام حقائق یکجا کرنے میں کامیاب ہوئی مجھے سب سے زیادہ فائدہ میرے حضرت کی ذاتی کتابوں سے ہوا۔ جہاں سے بے شمار شواہد مجھے اکٹھا کرنا آسان ہو گئے۔ کتاب میں مرتب کی گئی تاریخ کا مواد پورے پاکستان اور باہر ممالک سے کتابیں منگوا کر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی غیبی مدد اور حضرت کی باطنی توجہ کی وجہ سے یہ پوری تاریخ ایک جگہ جمع کی جا سکی ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت ڈاکٹر غلام مصطفٰے خان صاحب کی درجات عالیہ میں خوب خوب بلندی عطا فرمائے اور ان کا فیض تا قیامت جاری و ساری رکھے اللہ تعالیٰ میری اس کوشش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور یہ مجھ گناہ گار کی بخشش کا ذریعہ بن جائیں۔ آمین

اس کتاب کی ترتیب کے دوران جن بزرگوں، علماء، اساتذہ اور جن احباب نے میرا ساتھ دیا ہے اللہ تعالیٰ ان تمام لوگوں کو دونوں جہاں کی نعمتیں عطا فرمائے۔ آمین

سبق پھر صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا — لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

نوٹ: اس کتاب کی تحریر اور تحقیق میں کوئی غلطی ہو تو ضرور مطلع فرمائیں تاکہ آنے والا ایڈیشن میں اس کی تصحیح کی جا سکے۔

احقر

ارم اختر صدیقی

(نقشبندیہ مجددیہ اویسیہ)

Marfat.com

تقریظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً ومصلیاً

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے غزوۂ ہند کے متعلق چند احادیث منقول ہیں، جن سے مجموعی اعتبار سے چند باتیں معلوم ہوتی ہیں:

۱۔۔۔غزوۂ ہند میں شرکت کی ترغیب۔

۲۔۔۔غزوۂ ہند کے شہداء افضل شداء ہوں گے۔

۳۔۔۔اس میں شرکت کرنے والوں کو جہنم سے حفاظت کی بشارت۔

۴۔۔۔سندھ بقیہ ہند سے قبل اسلام کے زیر نگیں ہوگا۔

۵۔۔۔یہ غزوہ ایک روایت کے مطابق نزول عیسیٰ علیہ السلام کے قرب میں پایا جائے گا، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر جب وہ واپس پلٹیں گے تو عیسیٰ بن مریم کو شام میں پائیں گے۔

(البداية والنهاية، الاخبار عن غزوة الهند ۶-۲۲۳ (الفتن لنعيم بن حماد، غزوة الهند ۱-۴۰۹ رقم الحديث: ۱۲۳۶)

احادیث کے ان اجمالی خاکہ کے بعد احوال سندھ وہند کی طرف اجمالی نظر ڈالی جائے تو آپ ﷺ کی کچھ پیش گوئیوں کا ظہور واضح نظر آتا ہے، کچھ قریب الظہور رہیں اور بقیہ کا قرب قیامت کے وقت ظہور پذیر ہونا معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ برصغیر پاک وہند میں سندھ کو باب الاسلام کہا جاتا ہے، سندھ اور برصغیر کے مختلف علاقوں میں ۲۵ صحابہ کرام اور دیگر ۳۶ حضرات کی تشریف آوری بھی تاریخ سے ثابت ہے، جنہوں نے اس خطہ کو دین کے انوار سے منور کیا، سب سے پہلے بمبئی کے قریب تھانہ بندرگاہ ۱۵ھ میں عربوں کا حملہ ہوا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں سیستان فتح ہوگیا تھا لیکن یہاں کی بغاوتوں کو فرو کرنے کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں حضرت عبدالرحمٰن بن سمرۃ رضی اللہ عنہ نبرد آزما ہوئے اور ان تمام علاقوں پر قابض ہوئے جو آج کل مکران اور سیستان میں شامل ہیں، گویا خلفاء راشدین کے عہد زریں ہی میں برصغیر کے مختلف علاقوں میں اسلام کا پرچم لہرانے لگا، اور پھر مختلف ادوار میں یہاں کے مسلمان سردار مقرر کیے جانے لگے، ۸۶ھ میں دمشق کے تخت شاہی پر ولید اموی متمکن ہوا اور اس کی طرف سے حجاج بن یوسف کو ان علاقوں کا نگراں بنایا گیا تھا، اسی زمانے میں لنکا میں کچھ عرب تاجروں کا انتقال ہوا تو وہاں کے راجہ جس کو مسلمانوں سے خیر خواہی کا جذبہ تھا، اس نے ان عورتوں اور بچوں کو ایک جہاز میں سوار کر کے عراق روانہ کیا، راستہ میں دیبل کے قریب کچھ قزاقوں نے انہیں لوٹ لیا اور عورتوں اور بچوں کے قید کر لیا۔ حجاج

Marfat.com

ابتداً مصلحت سے کام لیتے ہوئے خط لکھا کہ ان لوگوں کو بحفاظت واپس کر دیں لیکن راجہ داہر نے جواب دیا کہ میں ان قزاقوں پر قدرت نہیں رکھتا تو حجاج نے پہلے عبداللہ اسلمی اور پھر بدیل بن طہفہ کو لشکر کے ساتھ روانہ کیا، بعدازاں محمد بن قاسم کو سندھ کا والی مقرر کر کے چھ ہزار شامی فوج کے ساتھ روانہ کیا، انہوں نے ۹۳ھ میں سندھ پر حملہ کیا اور تین سال میں محمد بن قاسم نے پنجاب کی سرحد (ملتان) سے لیکر کچھ تک اور مالوہ کی سرحد پر قبضہ کیا لیکن ۹۶ھ میں جب ولید کی جگہ سلیمان تخت نشین ہوا تو اس نے ذاتی عناد کی وجہ سے محمد بن قاسم کو بلوایا اور پھر قتل کرا دیا۔

بہرحال ! اسلام برصغیر میں فاتحانہ شان سے دیبل کے راستہ سے پہلی بار داخل ہوا اگر چہ اسلامی نور سے منور کرنے کے لیے کچھ لوگ پہلے بھی اس خطہ میں قدم رکھ چکے تھے۔

محمد بن قاسم نے جو سرچشمہ فیض بہایا تھا اسے اس کے عرب دوست مزید وسعت اور گہرائی نہیں دے سکے، پنجاب اور شمالی ہند کے باقی علاقوں میں آبیاری ان لوگوں نے کی جو عرب سے نہیں تھے بلکہ افغانستان سے تھے۔ چنانچہ ۱۲۷ھ میں سندھ اور ملتان فتح ہوئے، اس کے بعد کوئی اڑھائی تین سو سال تک راجپوت شمالی ہندوستان میں بالکل بے کھٹکے حکومت کرتے رہے، اور باہر سے کوئی مسلمان تلوار کا دھنی ہندوستان میں نہیں آیا۔ پھر ۹۸۰ھ کے قریب امیر سبکتگین کی نگاہ اس طرف پڑی اس وقت پشاور اور کابل کا علاقہ پنجاب کے راجہ جے پال کے زیر نگیں تھے، امیر سبکتگین نے ۹۹۷ھ میں وفات پائی، ان کی جگہ محمود تخت نشین ہوا جس کی فتوحات کا سلسلہ سکندر کی یاد دلاتا ہے، اس نے جے پال کے ساتھ لڑائی جاری رکھی اور ۱۰۰۱ء میں اسے اٹک کے قریب شکست سے دوچار کیا، پھر اس کے بیٹے نند پال سے سامنا ہوتا رہا، بالآخر پشاور میں اسے بھی راستہ سے ہٹا کر کانگڑھ تک چڑھ آیا، اس دوران محمود نے ہندوستان پر کئی حملے کیے، اور متھرا، قنوج اور سومناتھ کے علاقے فتح کیے اور بہت مال غنیمت حاصل کیا لیکن مسلمانوں نے فتوحات کے بعد ان علاقوں پر باقاعدہ اسلامی حکومت قائم نہیں کی حتی کہ دہلی کا راجہ پرتھوی راج جب مرا تو اس کے بیٹے ابن ابی کو سلطان نے ۵۸۸ ھجری میں دہلی کا راجہ بنا دیا اور اطاعت و خراج گزاری کا وعدہ لے کر اس کی حکومت برقرار رکھی۔

یہ مختصر روئیداد ہند اور سندھ میں اسلام کی فاتحانہ شان سے داخلہ کی ہے۔ اس کے بعد بھی حق و باطل نبرد آزما ہوتے رہے چنانچہ مختلف شورشوں اور بغاوتوں سے تاریخ کے صفحات بھرے پڑے ہیں۔ غرض اسلام کا اثر و رسوخ بڑھتا رہا اور صوفیاء کرام اور علماء اسلام کی محنتوں سے لوگ اسلام سے ہم آغوش ہوتے رہے، یوں حلقہ اسلام وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا تا آنکہ ۳ شعبان ۶۰۲ ھجری کو جب سلطان شہاب الدین غوری شہادت کے مقام بلند پر سرفراز ہوئے تو اس وقت ہندوستان کے مستقل دارالحکومت دہلی کے ماتحت تمام سندھ، ملتان، ممالک متحدہ آگرہ، اودھ، گجرات، بہار، بنگال، آسام، تبت آ چکے تھے اور آج کل جس براعظم کو ہندوستان کہا جاتا ہے اس میں صرف دکن اور مدراس باقی تھے ورنہ اس کے سوا پورے ہندوستان پر اسلامی حکومت آب و تاب کے ساتھ قائم ہو چکی تھی۔ اس کے بعد تیمور، بابر ہمایوں، شیر شاہ سوری اور اکبر کا زمانہ نہایت اہمیت کا حامل ہے کہ جس میں

Marfat.com

تقریظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً ومصلیاً

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے غزوۂ ہند کے متعلق چند احادیث منقول ہیں، جن سے مجموعی اعتبار سے چند باتیں معلوم ہوتی ہیں:

۱۔۔۔غزوۂ ہند میں شرکت کی ترغیب۔

۲۔۔۔غزوۂ ہند کے شہداء افضل شہداء ہوں گے۔

۳۔۔۔اس میں شرکت کرنے والوں کو جہنم سے حفاظت کی بشارت۔

۴۔۔۔سندھ بقیہ ہند سے قبل اسلام کے زیر نگیں ہوگا۔

۵۔۔۔یہ غزوہ ایک روایت کے مطابق نزول عیسیٰ علیہ السلام کے قرب میں پایا جائے گا، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر جب وہ واپس پلٹیں گے تو عیسیٰ بن مریم کو شام میں پائیں گے۔

(البداية والنهاية، الاخبار عن غزوة الهند ٦-٢٢٣ (الفتن لنعيم بن حماد، غزوة الهند ١-٤٠٩ رقم الحديث: ١٢٣٦)

احادیث کے ان اجمالی خاکہ کے بعد احوال سندھ وہند کی طرف اجمالی نظر ڈالی جائے تو آپ ﷺ کی کچھ پیشین گوئیوں کا ظہور واضح نظر آتا ہے، کچھ قریب الظہور ہیں اور بقیہ کا قرب قیامت کے وقت ظہور پذیر ہونا معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ برصغیر پاک وہند میں سندھ کو باب الاسلام کہا جاتا ہے، سندھ اور برصغیر کے مختلف علاقوں میں ۲۵ صحابہ کرام اور دیگر ۳۶ حضرات کی تشریف آوری بھی تاریخ سے ثابت ہے، جنہوں نے اس خطہ کو دین کے انوار سے منور کیا، سب سے پہلے بمبئی کے قریب تھانہ بندرگاہ ۱۵ھ میں عربوں کا حملہ ہوا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں سیستان فتح ہوگیا تھا لیکن یہاں کی بغاوتوں کو فرو کرنے کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں حضرت عبدالرحمٰن بن سمرۃ رضی اللہ عنہ نبرد آزما ہوئے اور ان تمام علاقوں پر قابض ہوئے جو آج کل مکران اور سیستان میں شامل ہیں، گویا خلفاء راشدین کے عہد زریں ہی میں برصغیر کے مختلف علاقوں میں اسلام کا پرچم لہرانے لگا، اور پھر مختلف ادوار میں یہاں کے مسلمان سردار مقرر کیے جانے لگے، ۸۶ھ میں دمشق کے تخت شاہی پر ولید اموی متمکن ہوا اور اس کی طرف سے حجاج بن یوسف کو ان علاقوں کا نگراں بنایا گیا تھا، اسی زمانے میں لنکا میں کچھ عرب تاجروں کا انتقال ہوا تو وہاں کے راجہ جس کو مسلمانوں سے خیر خواہی کا جذبہ تھا، اس نے ان عورتوں اور بچوں کو ایک جہاز پر سوار کر کے عراق روانہ کیا، راستہ میں دیبل کے قریب کچھ قزاقوں نے انہیں لوٹ لیا اور عورتوں اور بچوں کو قید کرلیا۔ حجاج

Marfat.com

ابتدا مصلحت سے کام لیتے ہوئے خط لکھا کہ ان لوگوں کو بحفاظت واپس کر دیں لیکن راجہ داہر نے جواب دیا کہ میں ان قزاقوں پر قدرت نہیں رکھتا تو حجاج نے پہلے عبداللہ اسلمی اور پھر بدیل بن طہفہ کو لشکر کے ساتھ روانہ کیا، بعدازاں محمد بن قاسم کو سندھ کا والی مقرر کر کے چھ ہزار شامی فوج کے ساتھ روانہ کیا، انہوں نے ۹۳ھ میں سندھ پر حملہ کیا اور تین سال میں محمد بن قاسم نے پنجاب کی سرحد (ملتان) سے لیکر کچھ تک اور مالوہ کی سرحد پر قبضہ کیا لیکن ۹۶ھ میں جب ولید کی جگہ سلیمان تخت نشین ہوا تو اس نے ذاتی عناد کی وجہ سے محمد بن قاسم کو بلوایا اور پھر قتل کرا دیا۔

بہرحال! اسلام برصغیر میں فاتحانہ شان سے دیبل کے راستہ سے پہلی بار داخل ہوا اگرچہ اسلامی نور سے منور کرنے کے لیے کچھ لوگ پہلے بھی اس خطہ میں قدم رکھ چکے تھے۔

محمد بن قاسم نے جو سرچشمہ فیض بہایا تھا اسے اس کے عرب دوست مزید وسعت اور گہرائی نہیں دے سکے، پنجاب اور شمالی ہند کے باقی علاقوں میں آبیاری ان لوگوں نے کی جو عرب سے نہیں تھے بلکہ افغانستان سے تھے۔ چنانچہ ۱۲۳ھ میں سندھ اور ملتان فتح ہوئے، اس کے بعد کوئی اڑھائی تین سو سال تک راجپوت شمالی ہندوستان میں بالکل بے کھٹکے حکومت کرتے رہے، اور باہر سے کوئی مسلمان تلوار کا دھنی ہندوستان میں نہیں آیا۔ پھر ۹۸۰ھ کے قریب امیر سبکتگین کی نگاہ اس طرف پڑی اس وقت پشاور اور کابل کا علاقہ پنجاب کے راجہ جے پال کے زیرنگیں تھے، امیر سبکتگین نے ۹۹۷ھ میں وفات پائی، ان کی جگہ محمود تخت نشیں ہوا جس کی فتوحات کا سلسلہ سکندر کی یاد دلاتا ہے، اس نے جے پال کے ساتھ لڑائی جاری رکھی اور ۱۰۰۱ء میں اسے اٹک کے قریب شکست سے دوچار کیا، پھر اس کے بیٹے نند پال سے سامنا ہوتا رہا، بالآخر پشاور میں اسے بھی راستہ سے ہٹا کر کانگڑہ تک چڑھ آیا، اس دوران محمود نے ہندوستان پر کئی حملے کیے، اور متھرا، قنوج اور سومناتھ کے علاقے فتح کیے اور بہت مال غنیمت حاصل کیا لیکن مسلمانوں نے فتوحات کے بعد ان علاقوں پر باقاعدہ اسلامی حکومت قائم نہیں کی حتی کہ دہلی کا راجہ پرتھوی راج جب مرا تو اس کے بیٹے ابن ابی کو سلطان نے ۵۸۸ ھجری میں دہلی کا راجہ بنا دیا اور اطاعت و خراج گزاری کا وعدہ لے کر اس کی حکومت برقرار رکھی۔

یہ مختصر روئیداد ہند اور سندھ میں اسلام کی فاتحانہ شان سے داخلہ کی ہے۔ اس کے بعد بھی حق و باطل نبرد آزما ہوتے رہے چنانچہ مختلف شورشوں اور بغاوتوں سے تاریخ کے صفحات بھرے پڑے ہیں۔ غرض اسلام کا اثر و رسوخ بڑھتا رہا اور صوفیاء کرام اور علماء اسلام کی محنتوں سے لوگ اسلام سے ہم آغوش ہوتے رہے، یوں حلقہ اسلام وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا تا آنکہ ۳ شعبان ۶۰۲ ھجری کو جب سلطان شہاب الدین غوری شہادت کے مقام بلند پر سرفراز ہوئے تو اس وقت ہندوستان کے مستقل دارالحکومت دہلی کے ماتحت تمام سندھ، ملتان، ممالک متحدہ آگرہ، اودھ، گجرات، بہار، بنگال، آسام، تبت آ چکے تھے اور آج کل جس براعظم کو ہندوستان کہا جاتا ہے اس میں صرف دکن اور مدراس باقی تھے ورنہ اس کے سوا پورے ہندوستان پر اسلامی حکومت آب و تاب کے ساتھ قائم ہو چکی تھی۔ اس کے بعد تیمور، بابر، ہمایوں، شیر شاہ سوری اور اکبر کا زمانہ نہایت اہمیت کا حامل ہے کہ جس میں

Marfat.com

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے قرون اولیٰ کی یاد تازہ کی اور استقامت کا کوہ بن کر ہر فتنہ کا مقابلہ کیا اور اسلام کی نشر و اشاعت کیلئے اپنی پوری توانائی صرف کی۔ ہندوستان میں اصلاحی کوششوں کے حوالہ سے ایک عظیم شخصیت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی ہے جن سے اسلام کے اقدار کو تقویت ملی ہمگر داخلی کمزوریوں اور تعیش پسندی نے مسلمانوں کو اندر سے کھوکھلا کر دیا تھا۔ سلطان ٹیپو اس کمزور عمارت کا آخری دفاعی حصار ثابت ہوئے چنانچہ سقوط سرنگاپٹم پر جرنل بیرڈ نے کہا کہ اب دنیا کی کوئی طاقت ہندوستان کو ہماری غلامی سے نہیں بچا سکتی الغرض مسلمانوں کی آزادی کا ٹمٹماتا ہوا چراغ جو ٹیپو سلطان کی صورت میں موجود تھا وہ بھی گھناؤنی سازشوں، عیاریوں اور میر صادق جیسے قوم فروشوں کی غداری کے سبب گل ہو گیا اور ہم ایک بھوکی ننگی قوم انگریزوں کے غلام بن گئے جو کہ حصول رزق کیلئے دنیا بھر کی خاک چھانتی پھرتی تھی۔ انگریز نے سب کچھ تہہ و بالا کر دیا اور مسلمان غلامی کے چکی تلے پستے رہے مگر پھر قوم نے انگڑائی لی اور اپنے دست و بازو سے کام لیتے ہوئے برسراقتدار حاکم قوم سے جا ٹکرائی، اگرچہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں مسلمانوں کو شکست ہوئی مگر اس جنگ کا مقصد انگریز سے آزادی حاصل کر کے پورے ہندوستان پر اسلام کا پھریرا لہرانے کا تھا۔ یہ مقصد اگرچہ کلی طور پر حاصل نہ ہوا مگر کلیۃً فوت بھی نہیں ہوا اور مسلمانوں کو مملکت خداداد اسلامی جمہوریہ پاکستان کی صورت میں اپنے خواب کی تعبیر مل گئی۔ اب ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے عہد کو نبھائیں، آئین پاکستان میں ہم نے جو اجتماعی اقرار کیا ہے اس کو پورا کریں اور پاکستان کی صورت میں ایک صحیح اسلامی ریاست تشکیل دیں اور پھر اس کو بنیاد بنا کر پورے ہند اور تمام عالم میں اسلام کی عظمت رفتہ کو بحال کریں۔ حق تعالیٰ سے امید ہے کہ پاکستان کے وجود کا مقصد حاصل ہوگا اور ہم پاکستان کو مرکز بنا کر ایک مرتبہ پھر اسلام کی وہ شان و شوکت دیکھ سکیں گے جس کے لیے اولیاء اللہ نے یہاں قدم رکھے تھے، بیرونی مسلمان فاتحین نے جس مقصد کے لیے یہاں کا رخ کیا تھا اور نظریہ پاکستان کی صورت میں جس کا ہم نے اپنے رب سے عہد کیا ہے۔ وما ذلك على الله بعزيز

زیر نظر کتاب میں مؤلفہ محترمہ ارم اختر صدیقی صاحبہ نے متذکرہ بالا مقصد کے پیش نظر مختلف مورخین کی کتابوں کے اقتباسات پیش کیے ہیں اور اپنی سوچ اور خیالات کو بالخصوص حضرت ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خانؒ کے نظریہ کو تفصیلات کے ساتھ بیان کیا ہے۔ یوں کہا جائے کہ کتاب کا محرک اور باعث ہی حضرت ڈاکٹر صاحب کی طرف سے القاء ہے تو بے جا نہ ہوگا۔

کتاب میں کی جنگ آزادی سے قیام پاکستان تک کا تاریخی مواد زیادہ ہے۔ تحریک پاکستان کے بعد کی اصلاحی کوششوں کو سراہا بھی گیا ہے اور کوتاہیوں پر تنقید بھی کی گئی ہے۔ تاریخ کے متعلق یہ بات بدیہی ہے کہ مورخ کے قلم کی جنبش اس کے انصاف کی محتاج ہوا کرتی ہے اور وہ تاریخ کو پس منظر اور پیش منظر کی مدد سے اپنے مقصد کے بیان کے لیے استعمال کرتا ہے، اس لیے تاریخی مواد کے تجزیہ و تحلیل اور اس سے استنباط و استدلال کے وقت ضروری نہیں کہ ہر قاری کو مقالہ نگار سے اتفاق بھی ہو۔ زاویہ نظر کا فرق اور طبیعت کا رجحان نتائج میں اختلاف کا باعث ہو جاتا ہے البتہ مقالہ نگار جس زاویہ سے بھی مواد کو پیش کیا گیا ہے وہ قاری کو غور و فکر کی دعوت ضرور دیتا ہے۔

Marfat.com

جیسا کہ ذکر ہوا کہ تحریک آزادی سے قبل کا مواد بھی کتاب میں بالتفصیل مذکور ہے۔قیام پاکستان سے قبل کی تاریخ اس لحاظ سے حساس ہے کہ دونوں ہی جانب اکابر علماء کرام اور بزرگان دین تھے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جانبین اپنی آراء میں مخلص اور صادق تھے مگر آراء میں اختلاف تھا، اس قسم کی اختلافی آراء کے بیان کے وقت سلامتی کی راہ یہی ہوتی ہے کہ جانبین کی آراء سامنے رکھ کر فیصلہ قاری پر چھوڑ دیا جائے۔

کتاب میں عنوان کی مناسبت سے اصل مواد ساتویں باب سے آگے کا ہے تاہم اس سے قبل ہمارے بزرگوں کا تذکرہ ہے اور ان کی تعلیمات پر روشنی جو ڈالی گئی ہے وہ بھی مفید اور نافع ہے۔

بعض شرعی اصطلاحی الفاظ جیسے معجزہ، کرامت وغیرہ کو ایک دوسرے کے متبادل کے طور پر استعمال کیا گیا ہے، بالغ نظر قارئین سیاق وسباق اور موقع ومحل کی مناسبت سے اس کا مفہوم متعین کر سکتے ہیں۔

کتاب کے پس پشت اصل روح تکوینی نظام اور اس کے رجال کا تصور ہے، اس فن سے واقف اور اس کی گلیوں سے آشنا حضرات کتاب کے ملاحظہ کے بعد کسی نتیجہ خیز معنی کا ادراک کر سکتے ہیں۔

امید ہے کہ فتح ہند اور پاکستان کو اسلامی مرکز بننے کی آرزو میں لکھی گئی کتاب (جسے حضرت ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خانؒ کے منامی القاء پر مرتب کیا گیا ہے) کو اللہ تعالیٰ نفع بخش بنا کر ہم سب کی اخروی نجات کا ذریعہ بنائیں گے۔

وصلی اللہ علیہ وسلم علی خیر خلقه وعلی آله وصحبه اجمعین

مفتی اسداللہ

۲۷/۱۱/۱۴۳۶ھ

Marfat.com

﴿آئینۂ کتاب نما﴾

تعارف وتقریظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

از علامہ الطاف الرحمٰن معاویہ بہاولنگری

تاریخ کی ورق گردانی سے یہ بات عیاں ہوجاتی ہے کہ اقوامِ کے عروج وزوال اور تہذیبوں کے نشیب وفراز کے ساتھ۔ سنت اللہ کا تلازم کچھ اس طرح سے رہا ہے۔

کہ اقوام وملل کی تہذیب وتمدن، کہنگی وجدت میں جب وہ منزل آتی ہے کہ جب اقوام آئینِ نو سے۔ خوف وخدشہ میں مبتلا ہوجاتی ہیں اور مزاج وطبع میں رچا بسا طرزِ کہن ہی مرغوب معلوم ہونے لگتا ہے اور قوموں کے لئے طرزِ کہن سے ہٹنا شدید مشکل نظر آنے لگتا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ کی قدیم اور ازلی سنت آگے بڑھ کر قوم کی باگ ڈور اپنے یدِ قدرت میں تھام لیتی ہے اور اپنے قدرتی اور تکوینی نظام کی قوت سے ہے اقوام کا رخ بدل دیتی ہے۔

تفصیل اس اجمالی کی یہ ہے کہ جب اللہ ربّ العالمین انتظام وتکوین میں تبدیلی کا کوئی فیصلہ صادر فرمادیتے ہیں تو اس کے لئے حالات سازگار ہوتے چلے جاتے ہیں اور رفتہ رفتہ ہمہ قسم کے ضروری سامان میسر ہوتے چلے جاتے ہیں۔

اِنَّمَآ اَمْرُہٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ۔ (سورۃ یٰسٓ آیت ۸۲)

ترجمہ: جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو بس اس کا معمول تو یہ ہے کہ اس چیز کو کہہ دیتا ہے کہ ہوجا پس وہ جاتی ہے۔

بالآخر وہ کچھ معرضِ وجود میں آجاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے فیصلے چاہت ومنشاء کے مطابق ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی کامل ومکمل سنّت کا یہی معاملہ اہلِ اسلام کی تاریخ عروج وزوال کے ساتھ بھی رہا ہے۔

تاریخ گواہ ہے جب صفحۂ گیتی پر پھیلی ہوئی قوم مسلم میں کریمانہ اخلاق۔ اعلیٰ صفات، بلند وبالا کردار کی روایات دھندلانے لگیں۔ تو حضرات صوفیائے کرام نے آگے بڑھ کر خانقاہوں آستانوں سے باہر نکل کر رسمِ شبیری ادا کی۔

اور قومِ مسلم کے قلوب پر شب وروز محنت کرکے ان نقوش کو اجاگر کیا۔ جن صفات وکمالات کا قوم مسلم کو امین وپاسدار ہونا چاہئے۔

سپاہِ تازہ برانگیزم زولایاتِ عشق ؎   کہ در حرم خطرے از بغاوت خرد است   (اقبال)

تازہ کمک خانقاہوں سے حاصل ہوتی ہے

تاریخ کے اس آخری دور میں یورپ کی یلغار کے بعد قوم مسلم زوال پذیر ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے حضرات صوفیائے کرام اور اربابِ قلوب کی ایک جماعت پر اس بات کا القاء والہام فرمایا کہ قوم مسلم بالخصوص ہندوستان میں دیگر اقوام مشرک کے

Marfat.com

ساتھ باہم مل جل کر نہیں رہ سکتیں۔ اقوام مشرکہ کے ساتھ شیر وشکر رہنے میں قوم مسلم کے دین وایمان۔ تہذیب وتمدن اخلاق وکردار صفات وخصوصیات کو بے شمار خطرات لاحق ہو سکتے ہیں۔ اس بڑے فساد سے بچنے کی صرف ایک ہی صورت تھی کہ قوم مسلم کا ایک الگ وطن ہو۔

سب سے پہلے یہ تصور حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ اور شاعر مشرق علامہ محمد اقبالؒ نے پیش کیا۔ اور علامہ اقبالؒ نے ترانہ ملی پیش کر کے برصغیر میں بسنے والی پوری قوم مسلم میں آزادی وحریت کا جذبہ پیدا کر دیا۔

ترانہ ملی

چین و عرب ہمارا ، ہندوستاں ہمارا
مسلم ہیں ہم، وطن ہے سارا جہاں ہمارا

توحید کی امانت سینوں میں ہے
آساں نہیں مٹانا نام و نشاں ہمارا

دنیا کے بت کدوں میں پہلا وہ گھر خدا کا
ہم اس کے پاسباں ہیں، وہ پاسباں ہمارا

تیغوں کے سائے میں ہم پل کر جواں ہوئے ہیں
خنجر ہلال کا ہے قومی نشاں ہمارا

مغرب کی وادیوں میں گونجی اذاں ہماری
تھمتا نہ تھا کسی سے سیل رواں ہمارا

باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم
سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا

اے گلستان اندلس! وہ دن ہیں یاد تجھ کو
تھا تیری ڈالیوں پر جب آشیاں ہمارا

اے موج دجلہ! تو بھی پہچانتی ہے ہم کو
اب تک ہے تیرا دریا افسانہ خواں ہمارا

اے ارض پاک! تیری حرمت پہ کٹ مرے ہم
ہے خوں تری رگوں میں اب تک رواں ہمارا

سالار کارواں ہے میر حجاز اپنا
اس نام سے ہے باقی آرام جاں ہمارا

اقبال کا ترانہ بانگ درا ہے گویا
ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا

اور دیگر صوفیائے کرام اور علمائے عظام نے بھی اس کی تائید وتصویب فرمائی۔ بالآخر قوم مسلم میں اس کا شعور پیدا ہوا۔ جو آگے چل کر ایک تحریک کی صورت اختیار کر گیا اور قیادت کا سہرا جناب قائداعظم محمد علی جناح مرحوم کے سر سجایا گیا۔

ہوتا ہے جادہ پیما۔ پھر کارواں ہمارا
لوگ ملتے گئے کارواں بنتا گیا

بالآخر وہ وقت بھی آیا کہ جب ہندوستان کے چپہ چپہ پر قیام پاکستان کی تحریک کے شعلے اٹھنے لگے۔ قوم مسلم کا قافلہ ایک عظیم کارواں بن کر مقصد کے حصول کے لئے گامزن ہو گیا۔ اور وہ مبارک گھڑی آن پہنچی جس کا انتظار تھا۔ لیلۃ القدر کی پر انوار رات اور 14 اگست 1947ء رات گئے نور کی بارش میں قیام پاکستان کا اعلان ہو گیا۔ قوم مسلم کو ایک الگ وطن مل گیا۔ اور مقاصد اس ملک کے حصول کے واضح تھے اور واضح ہیں۔ کہ یہ ملک صرف اور صرف کلمہ طیبہ کے نام پر حاصل کیا گیا کہ اس کا آئین وقانون قرآن وسنت اجماع امت اور فقہائے امت کی مجتہدانہ تعلیمات وتخلیقات کا ترجمان ہو۔ اور یہ ملک وقوم پورے عالم اسلام اور پوری دنیا کے سامنے ایک عظیم تر ماڈل مسلم ملک اور اسلامی وفلاحی ریاست کا عملی پریکٹیکل نمونہ پیش کرے۔

Marfat.com

اس عظیم مقصد کے حصول کے لئے تحریک چلی قربانی بہت دینا پڑی۔خون کے نذرانے پیش کئے گئے سخت مجاہدہ اور کوشش کے بعد ملک وجود میں آ گیا۔ملک کے معرضِ وجود میں آتے ہی چاروں طرف خطرات کے طوفانوں نے گھیرا، جنگیں مسلط کی گئیں، بڑی ریاستوں کی طرف سے سازشوں اور ریشہ دوانیوں کے جال بنے گئے۔اندرونی، بیرونی خطرات نے سر اٹھایا۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی (اقبال)

مگر یہ ملک اکیلا صرف اور صرف نصرت خداوندی کے بل پر اپنی بقاء کی جنگ لڑتا رہا ہے اور لڑ رہا ہے اور اب یہ جنگ پھیل کر پورے عالم اسلام کی بقاء کی جنگ بن گئی ہے۔اب ٹھیک وہی منزل آ گئی ہے، یہ ملک اپنی جغرافیائی حدود سے باہر نکل کر پورے عالم اسلام کی باگ ڈور سنبھالنے میں قائدانہ کردار ادا کرے، اور عالم اسلام کو ہر قسم کی اندرونی بیرونی جارحیت سے تحفظ فراہم کرے اور پوری امت مسلمہ کا ایک عظیم اتحاد وجود میں آئے اور خلافت اسلامیہ کا نقشہ قائم ہوا اور پوری امت مسلمہ متحد ہو کر یونائیٹڈ اسٹیٹ آف اسلام قائم کرے۔اور امت مسلمہ ایک عظیم اتحاد کے ساتھ نا قابل تسخیر طاقت بن کر ابھرے اور ایک ایسی اسلامی فلاحی ریاست وخلافت قائم ہو، جس کی بنیاد صرف اور صرف خدا پرستی اور انسان دوستی (خدمت خلق) کے زریں اصولوں پر استوار ہو۔

تو یقیناً اس عظیم الشان مقصد کے حصول کے لئے کچھ نا کچھ خاکہ ہونا چاہیئے، جو اس وقت کے معروضی اور اسا حالات میں راہنمائی اور روشنائی فراہم کرے۔تو اللہ رب العزت نے یہ فریضہ انجام دینے کے لئے، دختران مشرق میں سے ایک خاتون کو توفیق بخشی، جن کا نام نامی اسمِ گرامی ارم اختر صدیقی ہے جیسے کہ نام سے ظاہر ہے کہ محترمہ کو صدیقی خاندان کی چشم و چراغ ہونے کا شرف حاصل ہے۔مگر ساتھ ساتھ نقشبندیہ مجددیہ اویسیہ کے روحانی سلسلے کی منتسب بھی ہیں۔نقشبندیہ مجددیہ غفوریہ سلسلے کے ایک عظیم المرتبت شیخ حضرت اقدس ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خانؒ سے تربیت یافتہ ہونے کا بھی شرف حاصل ہے۔

اور اس وقت اپنے مرشد حضرت خان صاحبؒ کے عظیم مشن (پاکستان کی ترقی اور اتحاد امت) کو آگے بڑھانے اور سنبھالنے چلانے کی ذمہ داری بحسن وخوبی نبھا رہی ہیں، جو امانت ان کو مرشد حضرت خاں صاحبؒ سے ملی۔اس کا بلاشبہ حق ادا کیا ہے۔

تو جہاں پر امانت کو آگے بڑھانے میں انتھک کوشش اور پیہم محنت کی گئی بلاشبہ اس پر لاکھوں کے مصارف بھی صرف ہوئے۔انتہائی کدّ وکاوش اور محنت وکوشش کے بعد۔اللہ رب العزت نے اس کا صلہ وثمرہ بھی خوب عطا فرمایا۔یہ ضخیم کتاب آپ کے سامنے ہے۔جس کے صفحات کی تعداد کم وبیش دو ہزار کے قریب ہے یہ کتاب کیا ہے گویا ایک انسائیکلو پیڈیا۔

اور یہ کتاب کیا ہے؟ اور اس کتاب کے دامن میں مواد کیا ہے؟

اس کا صحیح اندازہ تو انشاء اللہ قارئین خود ہی کر سکیں گے مگر مجھ ناچیز کی لوحِ دماغ پر جو خاکہ مرتسم ہوا ہے، اس کی ہلکی سی جھلک ذیل کی سطور میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

Marfat.com

۱۔ تخلیقِ کائنات کیوں ہوئی؟ ۲۔ تخلیقِ کائنات کس کے لئے ہوئی؟
۳۔ تخلیقِ کائنات کیسے ہوئی؟ ۴۔ تخلیق کے بعد کائنات نے ارتقائی منازل کیسے طے کیں؟
۵۔ کائنات کو ہدایت وراہنمائی کی روشنی کہاں سے نصیب ہوئی؟
۶۔ اور کن کن شخصیات اور طبقات کے اہلِ کمال نے اس قندیل کو روشن رکھنے کے لئے کیا کیا خدمات انجام دیں؟
۷۔ اور کن شخصیات نے اس کی روشنی کو باقی رکھنے کے لئے کیسے کیسے اور کہاں کہاں قربانیاں دیں اور خون کے نذرانے پیش کئے
۸۔ کن کن شخصیات نے افکارِ تازہ پیش کر کے اس کی تابندگی کو جلا بخشی؟
بالخصوص محسن کائنات امام الانبیاء سراج الاتقیا تاجدارِ ختم نبوت مولائے کل سید الرسل ہادی اعظم محبوب کبریا سیدنا محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ اور آپ کے خلفائے راشدینؓ و دیگر صحابہؓ، تابعین، تبع تابعین اور اسلافِ امت، صوفیائے کرام، فقہائے عظام اور علمائے امت اور اربابِ فکر ودانش کی خدمات کا ایک وسیع ذخیرہ سمادیا گیا ہے۔
پھر خاص طور پر غزوۂ ہند کی روایات کا تذکرہ، ہندوستان کا ماضی حال اور قیامِ پاکستان 1947ء سے 2015 تک۔
پاکستان کی تاریخ، ۱۔ شہداء کی قربانیاں ۲۔ عوام کے خلوص کی جھلکیاں
۳۔ پھر کچھ ارتقائی منازل، عروج وزوال ایٹمی قوت اور ناقابل تسخیر پاکستان۔ جنگیں اور سازشیں۔
پورے تاریخی پس منظر میں کیا کھویا کیا پایا؟ کیا کرنا تھا کیا کیا؟ اور اب کیا کرنا ہے؟
اور عالم اسلام کی اس ناقابل تسخیر ریاست کو اپنے مشن (اتحادِ امت) کی طرف کیسے گامزن ہونا ہے؟
اپنی اندرونی صفوں میں اتحاد واستحکام پیدا کر کے کیسے آگے بڑھنا ہے اور بیرونی خطرات سے نبرد آزما ہونا ہے؟ اس کے لئے کیا لائحہ عمل ہونا چاہئے؟
عوام پاکستان اور اربابِ سیاست اہلِ حل وعقد اور اہلِ فضل وکمال، اصحابِ بست وکشاد
اور عساکر پاکستان کو اپنی ذمہ داریوں سے کیسے عہدہ براء ہونا چاہئے یہ سب کچھ اور ان سارے سوالات کے جوابات؟
اس کتاب میں آگئے ہیں، جس کے لئے یہ سطور صرف ایک آئینہ فراہم کرتی ہیں؟
اور فیصلہ اربابِ علم وفضل، یارانِ حکمت وآگہی خود کریں گے کہ کہاں تک خوشبو کی مہک محسوس ہوئی؟

خوشبو آن ہست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید

نوٹ: اس کتاب میں درج قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ کی روایات کو حتی الامکان تصحیح کی کوشش کی گئی ہے تاہم کوئی فرو گذاشت اہلِ علم کی نظر سے گذرے تو مطلع فرمائیں۔ بہت احسان ہوگا۔ اور آئندہ ایڈیشن میں اس کی تصحیح انشاء اللہ کردی جائیگی۔
(اللہ ھو الموفق للصواب)

خاکِ پائے اسلاف
بندہ الطاف الرحمٰن معاویہ بہاولنگری
فاضلِ جامعہ بنوری ٹاؤن، کراچی

۲۲ ذیقعد ۱۴۳۶ھ پیر، ۱۷ ستمبر ۲۰۱۵ء

Marfat.com

تقریظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

علامہ از محمد اطہر معاویہ ناظم تعلیمات لاہور

الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وعلیٰ الہ و اصحابہ اجمعین... امابعد!

محترمہ ارم اختر صدیقی صاحبہ کی تصنیف کردہ ضخیم کتاب ''نظام کائنات، غزوہ ہند اور وجود پاکستان'' میرے سا
ہے مئولفہ نے اصرار کیا کہ اس کتاب پر تبصرہ لکھ بھیجوں۔ جس شخص کے شب و روز صحرا نوردی میں بسر ہو رہے ہوں وہ بہار و گلز
پر کیا تبصرہ کرے؟ ریگستان کی خاک چھاننے والے کو چمن بندی کی نزاکتوں کا کیا پتہ؟ اُس کیلئے تو ایک خودرو درخت کی ٹہنی
چھاؤں ہی بہت ہے، اس لئے نہ اس کی تعریف کا کوئی بھروسہ نہ تنقید کا کوئی اعتبار۔

یہی وجہ ہے کہ ''نظام کائنات غزوہ ہند اور وجود پاکستان'' پر کوئی قابل ذکر تبصرہ نہ میرے بس کا ہے اور نہ ہی مجھے ا
بارے میں کوئی غلط فہمی ہے کہ اہل علم کی نظر میں میرے تبصرے کی قدر و قیمت کیا ہوگی؟

اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری اور لاریب کتاب میں ارشاد فرمایا ہے کہ ''یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْ
(الم سجدہ آیت نمبر 5) آسمان تا زمین تمام امور کا انتظام اللہ تعالیٰ کرتے ہیں۔ منتظم کیلئے جن خوبیوں کی ضرورت ہوتی ہے و
کی تمام اللہ تعالیٰ کی ذات میں کمال کے ساتھ پائی جاتی ہیں۔ جہاں میں پائی جانے والی تمام خوبیاں اور رعنائیاں ذات و
لا شریک لہ کا پتہ دیتی ہیں۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ساتھ اس کی اعلیٰ صفات و کمالات کو ثابت کر
ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے تعارف اور مخلوق کی ہدایت کیلئے شخصیات کا انتظام کیا جن کو وحی کے اعزاز سے نوازا ان ہستیوں
کو انبیاء کرام کہا جاتا ہے۔ اُن کی صحبت کیلئے بھی رب العالمین نے خوش نصیب افراد کا انتخاب کیا جن کو صحابہ کہا جاتا ہے۔ دین
صحابہ کرام نے نبی آخر زمان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا اُس پر جو بھی اخلاص و استقامت کے ساتھ چلا وہ ولی اللہ
(اللہ کا دوست) ہے۔ نبی علیہ سلام کی سنت کی پیروی میں، صحابہ کے نقش قدم میں، اللہ کے سچے دوستوں کے ساتھ محبت اور
اسلامی ریاست کی قدردانی اور حفاظت میں کامیابی ہے۔

زیر نظر کتاب ''نظام کائنات، غزوہ ہند اور وجود پاکستان'' میں بھی انہی عنوانات پر نہایت شرح و بست کے ساتھ طویل
کلام کیا گیا ہے۔ محترمہ ارم اختر صدیقی صاحبہ جو کہ اس کتاب کی مئولفہ ہیں نے بڑی محنت، جانفشانی اور عرق ریزی سے کام کیا
ہے۔ مئولفہ نے اس کتاب کی تصنیف کیلئے جن مشکل ترین اور خطرناک حالات میں ملک بھر کے اسفار کیئے میں حیران ہو کر رہ گیا
جذبہ ہے کہ جوان ہنگامی حالات میں بھی انہیں چین سے نہیں بیٹھنے دیتا۔ مجھے ارم اختر صدیقی صاحبہ کی لگن دیکھ کر اس بات کا

Marfat.com

احساس یقین میں بدل جاتا تھا کہ انسان کے محدود جسم میں ان دیکھی لامحدود طاقت ہے جس کے خوف سے پہاڑوں کو کپکپی آجاتی ہے اور سمندروں میں لرزہ طاری ہو جاتا ہے یہی طاقت انسانی خیالات کو فردوس کے مناظر دکھاتی ہے یہی جنوں کی صورت میں قوت انسانی کا منشور مرتب کرتی ہے۔ اللہ ان کی کاوش اور سعی جمیلہ کو قبول فرمائے۔

بندہ اس کتاب کو بالاستیعاب تو نہ پڑھ سکا اور قلیل وقت میں اس طویل وعریض کتاب کو مکمل پڑھا بھی نہیں جاسکتا۔ سرسری اور طائرانہ نظر سے جو چیزیں سامنے آئیں اُن میں سے مذکورہ مضامین کو کافی مفید پایا۔

1. اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی صفات کا تعارف۔
2. خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت کا مضمون خاص طور پر صلوٰۃ علیٰ النبی کا مفہوم اور معجزات کا تفصیلی بیان اور نقشہ جات سے جگہوں کا سمجھانا۔
3. خلفائے اربعہ کی تفصیلی سوانح حیات، اُن کے نمایاں کارنامے، فضائل وغیرہ بہت خوبصورت تحریر کیے گئے ہیں۔
4. نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسوں حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کے فضائل ومناقب کا باب۔
5. تصوف کی اہمیت اور حقیت کا بیان اور چیدہ چیدہ صوفیاء کرام کا تعارف۔
6. غزوہ ہند کا بیان۔
7. تحریک پاکستان اور اس کے بانیان کا تفصیلی تذکرہ خاص طور پر اس میں علماء کی خدمات وکردار کو بہت اچھے انداز سے اجاگر کیا گیا ہے جس کے ذیل میں مولانا اشرف علی تھانویؒ، شیخ اسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، مفتی محمد شفیع عثمانیؒ، مولانا نعیم الدین مرادآبادیؒ اور سید ابواعلیٰ مودودیؒ کی خدمات کو دل نشین انداز میں سپرد قلم کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ پاکستان اور اُس کے مسائل وغیرہ پر بھی سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ البتہ چند چیزیں محل نظر بھی سامنے آئیں مثلاً

1. کئی مقامات پر کتاب کی بہت سی عجیب غلطیاں ہیں مثلاً اس کتاب کے صفحہ نمبر 206 پر ہے ''وفود کو رخصت کرتے وقت جائزہ یعنی ھدیہ وتحفہ دیا کرو جس طرح میں اُن کو جائزہ دیا کرتا تھا'' اللہ کے نبی ﷺ جزیہ دیں؟ العیاذ باللہ۔
صفحہ نمبر 359 پر قرآنی آیت اس طرح لکھی ہے'' ایـنـکـمـا تـکـونـو ایـدرکـکـہ الـموت ''{اَیْنَ مَا تَکُوْنُوْا.... الخ} اسطرح کی غلطیاں کئی مقامات پر نظر آئیں۔
2. جلی اور ذیلی عنوانات میں فرق نہیں کیا گیا حضرت صدیق اکبرؓ کے حالات میں صفحہ نمبر 229 سے 233 کو دیکھا جاسکتا ہے۔
3. خلفائے راشدین کے عنوان کے تحت خلفاء اربعہ کا تذکرہ اور بعد میں حضرات حسنینؓ کا تذکرہ ہے حضرت معاویہؓ کا تذکرہ اس میں نہ ہونا ناانصافی ہے۔
4. کتاب مختلف موضوعات کا مجموعہ ہے ہر موضوع پر الگ کتاب ہونی چاہیے تھی کتاب کا حجم بھی امت کے اعتدالی مزاج کے خلاف ہے۔
5. ایک چیز یہ بھی دیکھنے میں آئی کہ کسی عنوان پر بحث شروع ہوتی ہے اس میں کسی چیز کا تذکرہ آیا اور پھر ساری بحث کا رُخ ادھر ہو گیا اس سے ایک تو خلط مبحث ہو جاتا ہے اور دوسرا مقصود کو سمجھنا بھی دشوار ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

مئولفہ کی محنت شاقہ کا اعتراف کرتے ہوئے اہل علم اور ارباب ذوق سے التجاء ہے کہ وہ شہرت اور پروپگنڈہ سے خالی الذہن ہو کر محترمہ صدیقی صاحبہ کی تحریر پڑھیں اور پھر فیصلہ کریں ''نظام کائنات، غزوہ ہند اور وجود پاکستان'' کا کیا مقام ہونا چاہیے۔ میں اس اظہار سے بھی عار محسوس نہیں کروں گا کہ اس تبصرے کو لکھنے میں میرے استاد محترم حضرت مولانا فرید احمد حقانی صاحب (دامت برکاتہم) کی سرپرستی و رہنمائی حاصل رہی۔

اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِ صْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِیْقِیْٓ اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَ اِلَیْہِ اُنِیْبُ.

15/09/13

محمد اطہر

ناظم تعلیمات

اقراء روضۃ الاطفال ٹرسٹ (لاہور زون)

مؤلفہ کی طرف سے مولانا اطہر صاحب کی تجاویز کے حوالہ سے چند وضاحتی گذارشات

مکرمی و محترمی جناب مولانا محمد اطہر صاحب زیدؔ شرفہم

مکرمی و محترمی جناب مولانا محمد اطہر صاحب زید شرفہم نے جن خیالات کا اظہار فرمایا ہے جو میرے لئے بڑی تقویت کا باعث ہیں۔ مولانا نے پیشتر مقامات پر حوصلہ افزائی فرمائی، تو ساتھ ساتھ کچھ مقامات پر موصوف نے چند اصلاحی تجاویز اور عمدہ مشوروں سے بھی نوازا۔

۱۔ نمبر ۱ پر جو کتابت کی غلطیاں تھیں اس کی اصلاح کر دی گئی ہے۔

۲۔ نمبر ۲ پر مولانا کا مشورہ بلاشبہ لائقِ احترام ہے انشاء اللہ آئندہ ایڈیشن میں اس پر عمل درآمد کی بھرپور کوشش کی جائے گی۔

۳۔ نمبر ۳ کے حوالہ سے بس اتنی گذارش ہے کہ حضرات خلفائے مسلمین کی سیرت و احوال کا مکمل استقصا نہ تو میرے پیش نظر تھا اور نہ ہی میرے موضوع کا حصہ اور ہم حضرت سیدنا امیر معاویہؓ کے اتنے ہی عقیدت مند ہیں جتنا کہ کسی صاحب ایمان کو ہونا چاہئے اور ان کی عقیدت اور محبت کو ہم جزو ایمان سمجھتے ہیں۔

۴۔ نمبر ۴ کا جواب چونکہ ہمارا موضوع کافی طویل الذیل تھا اور بہت اہم تاریخی مواد تھا اور اسے تکوینی لحاظ سے ایک جگہ رکھنا ضروری تھا ورنہ تو فی نفسہ، یہ سارا موضوع مختلف کتب میں موجود تھا اور ہمارا مقصد اس کو یکجا کر کے ایک سوچ کو اجاگر کرنا تھا اس لئے کتاب کو ایک مکمل ایڈیشن کی صورت میں شائع کیا گیا ہے۔

۵۔ نمبر ۵ پر بسا اوقات موضوع کی نزاکت کی وجہ سے ذیلی عنوانات بن جاتے ہیں اور بحث کسی قدر طویل ہو جاتی ہے جس سے بعض اوقات اجتناب مشکل ہو جاتا ہے۔

از مؤلفہ ۔ ارم اختر صدیقی

Marfat.com

حصہ اوّل

باب اول: اللہ تعالیٰ کی صفات	3
سورۃ الفاتحہ	3
ذات والاصفات	4
حالت فاعلی میں	5
حالت مفعولی میں ، حالت جر میں	6
ذات وصفات اور اسماء میں فرق	7
اللہ تعالیٰ کا اسلامی تصور	9
توحید خالص اور تعارف الٰہی	11
سورۃ اخلاص کی تشریح ، قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ	12
اَللّٰهُ الصَّمَدُ ، لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ	13
وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ	13
آیت الکرسی کی فضیلت وعظمت	14
صفات الٰہیہ کا بیان	17
سورۃ الحشر کا آغاز تسبیح الٰہی سے ہوا ہے	18
هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ	19
عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ	19
هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ	19
اَلْمَلِكُ ، اَلْقُدُّوْسُ ، اَلسَّلٰمُ	20
اَلْمُؤْمِنُ ، اَلْمُهَيْمِنُ ، اَلْعَزِيْزُ	21
اَلْجَبَّارُ ، اَلْمُتَكَبِّرُ	21
سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ	22
هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ	22
لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى	22
يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	22
وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ	22
کائنات کی تخلیق	22
چھ دن میں زمین وآسمان کی پیدائش	24
قرآن مجید ایک واضح حقیقت	26
بے ستون آسمان	26
تسخیر شمس وقمر ، لقائے رب کا یقین	26
پھلوں کے جوڑے	27
زمین کی تخلیق دو دن میں ، زمین کی برکتیں	28
تخلیق کے چار دن ، تخلیق آسمان	28
زمین وآسمان کو اللہ کا حکم	28
سات آسمان کی تخلیق دو دن میں	29
آسمان پہلے پیدا ہوا یا زمین	29
ہر آسمان کو اُس کے حکم کی وحی	29
توحید اور اُس کے دلائل	30
مخلوقات میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں	30
مخلوقات میں غور وفکر	31
انسان کی اصل ، حقیر انسان کی جرأت	32
اللہ کی قدرت ، درخت اور ایندھن	33
قدرت کاملہ کا بیان ، اللہ ہی حاکم مطلق ہے	33
جنوں اور انسانوں کی تخلیق عبادت کیلئے ہے	34
عرش الٰہی	34
اللہ کی حکومت	35
علم الٰہی کی وسعت	35
اللہ کے اسمائے حسنیٰ	35
اللہ کی تدبیر اور امور کا طریقہ	36
ہزار سال کے امور کا حکم اور اُسکی تفسیر	36
انسانو! اپنی تخلیق میں غور کرو	36
اللہ کی روح کا مطلب	37
نظام کائنات	37
باب دوئم: تخلیق کائنات کا سبب آنحضرت ﷺ	41
حضرت السائب بن یزیدؓ فرماتے ہیں	42
آنحضرت ﷺ تخلیق کائنات کا سبب	45
محمد ﷺ نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا	46
حضور پاک ﷺ کی پیدائش	46
نور محمد ﷺ کی سر عرش جلوہ ریزیاں	46

Marfat.com

ابتدائی تخلیق کی ترکیبی کنہ سے انسان واقف نہیں	47
حضرت آدم علیہ السلام کے جسم کے اجزاء	48
حضرت آدم علیہ السلام کو جنت کے پانی سے گوندھا گیا	50
انبیاء علیہ السلام	54
آسمانی کتابیں ، یہودیت	55
بنی اسرائیل کی تباہی و بربادی	55
یہودیوں کی قید سے رہائی اور بخت نصر کے مظالم کا خاتمہ	56
خاکستری ڈھیر کے نیچے کتاب ہدایت کی تلاش	57
لاحول ...... یہودی مالیخولیا	57
کتاب ہدایت کی حفاظت کا یہودی انتظام	57
قوم یہود پر چھائی ابدی ذلت کا تاریخی جائزہ	58
شاہ روم طیطس کے ہاتھوں یہود کی ذلت و تباہی	58
تورات کے محرف ہونے کی توراتی شہادت	59
خاکستری ڈھیر سے حاصل ہونے والی تورات اور انبیاء علیہم السلام پر گھناؤنے اخلاقی الزامات	59
بولتی حقیقت ، عیسائیت	60
اناجیل اربعہ کو منتخب کرنے کا عجیب انداز	61
مُردوں سے انجیل کی تصدیق اور دستخط کا انوکھا کارنامہ	61
ڈھائی سال کار نبوت کے بعد حضرت مسیح علیہ السلام کا پیغام حق	61
حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے آنے سے پہلے کے مذاہب	62
اول مذہب مجوس ، دوئم مذہب عیسوی	62
سوئم مذہب یہود ، چہارم مذہب مشرکین	63
پنجم مذہب صابئین ، ششم مذہب دہریہ	63
دنیا میں مذہب اسلام کی آمد	63
بنی ہاشم اور بنی زہرہ کی سعادت	64
خاندان نبوت ، نسب	75
پہلا حصہ ، دوسرا حصہ	75
تیسرا حصہ ، خانوادہ	76
ہاشم ، عبدالمطلب	76
چاہ زمزم کی کھدائی ، واقعہ فیل	78
حضرت عبداللہ۔ رسول اللہ ﷺ کے والد محترم	79
آنحضرت ﷺ دو ذبیحوں کے بیٹے	80
حضرت عبداللہ کا حضرت آمنہ سے نکاح	80
ولادت باسعادت اور حیات طیبہ کے چالیس سال	81
ولادت باسعادت	81
بنی سعد میں	83
واقعہ شق صدر	84
ماں کی آغوشِ محبت میں	84
دادا کے سایہ شفقت میں	84
شفیق چچا کی کفالت میں	85
روئے مبارک سے فیضانِ باراں کی طلب	85
بحیرا راہب	85
جنگ فجار ، حلف الفضول	86
جفاکشی کی زندگی	87
حضرت خدیجہؓ سے شادی	87
کعبہ کی تعمیر اور حجر اسود کے تنازعہ کا فیصلہ	88
حلیہ نبوی ﷺ ، مہر نبوت	89
ریش مبارک	90
لباس نبوی ﷺ	91
چادر ، ٹوپی	91
عمامہ ، پاجامہ	91
قمیض ، لنگی	92
موزے ، گدا ، انگوٹھی	92
نعلین مبارک ، خرقہ نبوی ﷺ	92
نبوت سے پہلے کی اجمالی سیرت	93
اسلام سے قبل عربوں کے حالات	94
سیاسی حالات ، معاشی حالات	94
مذہبی حالات	95
مشرکین یا بت پرست	95
صابی ، مجوسی ، یہودی	95

Marfat.com

نصاریٰ ، کاہن	96
جنات کے پجاری	96
اخلاقی ومعاشرتی حالت	96
باہمی تعلقات کی اساس	96
عورت کا مقام	97
عورت سے تعلقات	97
شرفاء کا طریقہ	97
استبضاع کا طریقہ	97
اولاد کو زندہ درگور کرنا	97
غلامی کا رواج	98
عدم مساوات کا پہلو	98
خانہ بدوشی کی زندگی	98
لباس وطعام وغیرہ	98
رسم ورواج ، کہانت	98
ضعیف الاعتقادی	99
مفاخرت	99
شراب نوشی، سودخوری، قمار بازی	99
لوٹ مار اور چوری	99
بدکاری اور فحش گوئی	100
سفاکی (درندگی)	100
بے حیائی	100
نبوت ورسالت کی چھاؤں میں	100
غار حرا کے اندر	100
جبریلؑ وحی لاتے ہیں	101
وحی کی بندش	103
جبریلؑ دوبارہ وحی لاتے ہیں	104
سُوْرَۃُ الضُّحٰی	104
فترت وحی اور کفار کے طعنے	104
اللہ آپ ﷺ سے ناراض نہیں ہے	105
آنحضرت ﷺ کو خوش کردینے کا وعدہ	105
آنحضرت ﷺ کی یتیمی	105
ہم نے آپ ﷺ کو ہدایت کاملہ عطا کی	106
ہم نے آپ ﷺ کو غنی کردیا	106
یتیموں کی دلجوئی کرو	106
یعنی تم نادار تھے	106
اللہ کے احسانات کی تذکیر کیجئے	107
اس سورت کے نزول کا پس منظر	107
قیام لیل کا حکم	107
تلاوت میں ترتیل کا حکم	108
سُوْرَۃُ اَلَمْ نَشْرَحْ	108
علوم ومعارف کے لئے آپ ﷺ کا سینہ کھول دیا	108
آپ ﷺ کا بوجھ اُتار دیا	108
آپ ﷺ کے ذکر کو بلندی دی	108
مشکل کے بعد آسانی ہے	109
تنہائی میں توجہ الی اللہ کی ترغیب	109
یہود ونصاریٰ کو اسلام کی دعوت	109
قیامت میں زمین کانپے گی	110
تورات کی پیشگوئی	110
بچوں کو بوڑھا کردینے والا دن	110
مطالعہ سیرت کی ضرورت واہمیت	110
تشریعی یا شرعی ضرورت	111
رسول بحیثیت رہبر وراہنما	111
رسول اللہ ﷺ کا خُلقِ عظیم	112
رسول اکرم ﷺ بحیثیت شارع	113
رسول ﷺ بحیثیت شارح	113
رسول ﷺ بحیثیت قاضی	113
بحیثیت مبلغ وداعی	113
بحیثیت سربراہ خاندان	114
نبی ﷺ بحیثیت سپہ سالار	114
بحیثیت فرمانروا	114

Marfat.com

عظیم انقلابی راہنما	114
مکی دور کے اہم واقعات اور نبوت سے پہلے کے واقعات	115
والدین کا انتقال	115
جنگ فجار	115
حضرت خدیجہؓ سے شادی	115
تعمیر کعبہ اور حجر اسود کے تنازع کا فیصلہ	115
غار حرا میں وحی کا نزول	115
اعلان نبوت کے بعد کے واقعات	115
پہلا دور۔ پس پردہ دعوت	115
نماز کا حکم	116
قریش کو اجمالی خبر	116
خصوصیات	116
جماعت المسلمین کا تیار ہونا	116
قریش کا توجہ نہ دینا	116
اشاعت اسلام	116
احکام الٰہی کا نزول	116
دوسرا دور۔ اعلانیہ نبوت	117
قرابت داروں کو دعوت	117
کوہ صفا پر خطاب	117
حق کا واشگاف اعلان	117
قریش ابوطالب کی خدمت میں	117
پہلی ہجرت حبشہ	117
دوسری ہجرت حبشہ	117
حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ کا اسلام قبول کرنا	118
شعب ابی طالب میں محصوری	118
عام الحزن	118
دوسرے دور کی خصوصیات	118
حق کا واشگاف اعلان	118
ابولہب کا قریش کو خطرے سے آگاہ کرنا	118
مشرکین کی پریشانی	118
مسلمانوں پر تکالیف کے پہاڑ ٹوٹنا	118
اسلام کی بنیادوں کا مضبوط ہونا	119
ہجرت کی اجازت	119
نبی کریم ﷺ کو غم پہنچنا	119
تیسرا دور۔۔ مکہ سے باہر اسلام کی دعوت	119
طائف میں تبلیغ	119
حضرت عائشہؓ سے نکاح	119
معراج النبی ﷺ	119
واقعہ اسریٰ	120
معراج النبی اور نماز کی فرضیت	120
بیعت عقبہ اولیٰ وثانیہ	120
تیسرے دور کی خصوصیات	121
قریش کی مخالفت کے اسباب اور دعوت حق کو روکنے کی تدابیر	121
حق کا واشگاف اعلان	121
آباؤ اجداد کی تقلید	121
دین اسلام کا اجنبی ہونا ، انا پرستی	121
مساوات کی ناپسندیدگی	122
قبائلی رقابت	122
نبی کریم ﷺ کی بشریت	122
تصور آخرت کا ابہام	122
مذہبی اثر ورسوخ کا خاتمہ	122
معاشرتی برائیوں کا خاتمہ	122
تجارتی نقصان کا اندیشہ	123
دعوت اسلامی کو روکنے کیلئے قریش کی تدابیر	123
مصالحت کی کوشش	123
قریش ابوطالب کی خدمت میں	123
سودے بازی کی کوشش	123
لالچ دینے کی کوشش	123
جناب ابوطالب پر دباؤ ڈالنے کی کوشش	123
پہلا وفد	123

Marfat.com

دوسرا وفد ، نبی ﷺ کے قتل کی تجویز	124
قریش کی ذلیل حرکات	124
آپ ﷺ کی بیٹیوں کو طلاق	124
صاحبزادے کی وفات پر اظہار مسرت	124
قرآن مجید کی آواز سن کر شور مچانا	124
مسلمانوں کو فضول بحثوں میں اُلجھانا	125
مسلمانوں کی تضحیک و تذلیل	125
ناواقف لوگوں کو غلط فہمیوں میں مبتلا کرنا	125
جھوٹ کی مہم ، وقتی مہم	125
دائمی مہم ، ثقافتی پروگرام	125
ظلم وستم کی مہم	126
صحابہ کرام پر ظلم وستم	126
کفار کی اذیتوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کے صبر وثبات کے اسباب اور انکے نتائج	126
اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان	126
آخرت کا تصور	126
دنیاوی واخروی وعدوں پر یقین	127
ثابت قدمی کے لئے آیات کا نزول	127
کامیابی کی بشارتیں ، پرکشش قیادت	127
احساس ذمہ داری	127
دنیاوی اسباب پر نظر نہ ہونا	127
اسلام کی حقانیت کا عیاں ہونا	128
نتائج ، کفر کا لاجواب ہونا	128
کفر سے نفرت میں اضافہ	128
کفر کی بنیادوں کا کھوکھلا ہونا	128
غیر متعصب دلوں میں ہمدردی کے جذبات	128
ثابت قدم اہل ایمان کی فراہمی	128
اشاعت اسلام	129
پوشیدہ حمایت کا کفر میں رخنے ڈالنا	129
نسل انسانی کے بہترین انسانوں کا نبی ﷺ کو میسر آنا	129
مکی دور کی خصوصیات	129
ہجرت مدینہ کے اسباب اور نتائج کی تفصیلات	129
کفار کا توحید سے انکار اور بت پرستی پر اصرار	129
ظلم وستم کی انتہا	130
شعائر اسلام کی بجاآوری میں رکاوٹیں	130
اشاعت اسلام کیلئے ناسازگار حالات	130
مکہ میں ، مکہ سے باہر ، حکم ربانی	130
معاشرتی مسائل ، معاشی مسائل	133
مسلمانوں کا تمسخر	133
نبی کریم ﷺ کے قتل کا منصوبہ	133
ہجرت حبشہ کا کامیاب تجربہ	133
اہل مدینہ کا قبول اسلام	133
اہل مدینہ کا اشتیاق	134
نبی کریم ﷺ کی مدینہ میں رشتہ داری	134
مدینہ کی جغرافیائی اہمیت	134
دفاعی حوالے سے	134
تجارتی حوالے سے	134
ہجرت مدینہ کے ثمرات ونتائج بلحاظ سیاست	134
اسلامی ریاست کا قیام	134
نبی کریم ﷺ بطور سیاسی راہنما	134
میثاق مدینہ ، اوس وخزرج کا اتحاد	134
مدینہ کی دفاعی حیثیت	135
مسلمانوں کے رعب ودبدبہ میں اضافہ	135
یہودیوں کی قوت کا خاتمہ	135
اسلام کا بین الاقوامی سطح پر متعارف ہونا	135
بلحاظ معاشرت	135
مواخات مدینہ	135
تعصبات کا خاتمہ	135
اسلامی معاشرے کا قیام	135
مسلمانوں کا منظم ہونا	136

Marfat.com

ظلم وستم سے نجات	136
معاشرتی مسائل کا خاتمہ	136
مسلمانوں کی اقلیت کا اکثریت میں تبدیل ہونا	136
اُصول زندگی کا بذریعہ وحی نزول	136
سن ہجری کی ابتداء	136
بلحاظ مذہب	136
مسجد نبوی کی تعمیر	136
اشاعت اسلام	136
اجر عظیم کی خوشخبری	137
اجتماعی احکام کا نزول	137
جہاد کی اجازت	137
غلبۂ اسلام	137
ایمان کی کسوٹی	137
اسلام سے وابستگی میں شدت	137
مذہبی آزادی	138
بلحاظ اقتصادیات	138
کفار مکہ کی معیشت کو خطرہ	138
معاشی استحکام	138
کاروبار کے مواقع	138
تجارت میں فروغ	138
دولت کی فراوانی	138
مواخات	139
اثرات ونتائج	139
نئے معاشرے کی تشکیل	139
آبادکاری کے مسئلہ کا حل	139
نسلی اور جاہلی تفاخرات کا خاتمہ	140
اخلاقیات کی بلندی	140
معاشی مسائل کا خاتمہ	140
میثاق مدینہ کا دیباچہ	140
باہمی تعلیم وتربیت کا بندوبست	140
مسلمانوں کی قوت میں اضافہ	140
کفر پر رعب ودبدبہ	140
مشرکین مکہ کی بے چینی میں اضافہ	143
مشرکین مکہ کی معیشت کو خطرہ	143
میثاق مدینہ اور اسکی اہمیت تاریخ کے پس منظر میں	143
مسلمانوں کا باہمی معاہدہ	143
مسلمان اور یہود کے درمیان معاہدہ	144
میثاق مدینہ کی اہمیت اثرات ونتائج	145
مدینہ کی سرحدوں کا محفوظ ہونا	145
یہود کے شر سے حفاظت	145
جنگی خطرات کا وقتی طور پر ٹل جانا	145
نئے اور بہتر معاشرے کی تشکیل	145
نسلی تفاخرات کا خاتمہ	145
مشرکین مکہ کی بے چینی میں اضافہ	145
مسلمانوں کی قوت میں اضافہ	146
اسلام کی بالادستی	146
صلح حدیبیہ کا تاریخی پس منظر	146
وجوہات عمرہ	146
مسلمانوں کا خارجہ پالیسی تیار کرنا	146
سیاسی اور افرادی قوت کا ہونا	146
کفار کے رعب ودبدبہ کا خاتمہ	146
خواب دیکھنا	147
واقعات	147
روانگی	147
قریش کو خبر	147
صلح کے لئے گفت وشنید	147
اسلامی سفیر	147
بیعت رضوان	149
صلح اور دفعات صلح	149
دفعات	149

Marfat.com

ابوجندل کی واپسی ، مکہ کی طرف واپسی	150
صلح حدیبیہ کے ثمرات ونتائج	150
مسلمانوں کی حقیقی فتح ، قریش کے وقار کا خاتمہ	150
مدینہ کو اسلامی ریاست تسلیم کرنا	150
سیاسی اقتدار کی تمہید ، مسلمانوں کی قوت کا اعتراف	150
مسلمانوں کی امن پسندی کا ثبوت	151
نبی کریم ﷺ کی سیاسی بصیرت کا شاہکار	151
فتح مکہ کا پیش خیمہ ، مسلمانوں کی قوت میں اضافہ	151
جنگ کا خاتمہ ، دعوت وتبلیغ میں آسانی	151
اشاعت اسلام ، مسلمانوں کے ایمان میں پختگی	151
یہودیوں سے نمٹنے میں آسانی	152
منافقین کا جماعت المسلمین سے الگ ہونا	152
کمزور مسلمانوں کا مسئلہ حل ہوگیا	152
اسلامی حکومت کے نظم ونسق کا مضبوط اور پائیدار بنیادوں پر قیام	152
تجارت میں وسعت ، قریش کی تجارتی ناکہ بندی	152
خانہ کعبہ	152
تحویل قبلہ کی حکمت اور اللہ کے علم کی تحقیق	153
استقبال بیت المقدس کی حکمت	154
استقبال کعبہ کا حکم ، فتح مکہ کے اسباب	155
معاہدہ حدیبیہ کی خلاف ورزی	155
خانہ کعبہ کی تطہیر	156
خانہ کعبہ کو اسلام کا مرکز بنانا	156
حرم پاک کی حرمت	156
واقعات ، غزوے کی تیاری	161
حاطب بن ابی بلتعہ ؓ کا واقعہ	161
اسلامی لشکر مکہ کی راہ پر	161
ابوسفیان دربار نبوت ﷺ میں	161
ابوسفیان کے مسلمان ہونے پر اعزاز	162
لشکر اسلام اچانک قریش کے سر پر	162
مکہ میں اسلامی لشکر کا داخلہ	162
مسجد حرام میں نبی کریم ﷺ کا داخلہ اور بتوں سے تطہیر	162
قریش سے خطاب ، عام معافی کا اعلان	163
کعبہ کی کنجیاں ، کعبہ کی چھت پر اذان بلالی	163
مکہ میں نبی کریم ﷺ کا قیام	166
فتح مکہ کے ثمرات ونتائج	166
فتح عظیم ، اہم مراکز پر مسلمانوں کا قبضہ	166
تجارتی مرکز ، سیاسی مرکز ، مذہبی مرکز	166
کعبۃ اللہ کا مسلمانوں کی تحویل میں آنا	166
کعبۃ اللہ کی تطہیر	166
استحکام ، سیاسی استحکام ، معاشی استحکام	167
غلبہ اسلام ، اشاعت اسلام	167
مسلمانوں کی افرادی قوت میں اضافہ	167
گردونواح میں مسلمانوں کا رعب ودبدبہ	167
قلبی اطمینان	167
مسلمانوں کی ایمانی قوت میں اضافہ	168
جاہلی عصبیتوں کا خاتمہ	168
نبی کریم ﷺ کی حکمت عملی کا اظہار	168
اسلام کی امن پسندی کا ثبوت	168
اسلام اور رسول ﷺ کی صداقت کا عیاں ہونا	168
مشرکین کی غلط فہمی کا ازالہ	168
خطبہ حجۃ الوداع منشور اعظم	168
بین الاقوامی منشور ، اسلام کا بنیادی ستون	169
حقوق انسانی کا عالمی منشور	169
توحید پرستی کا اعلان ، حقوق نسواں	169
غلاموں پر شفقت ، عظمت انسانی کا درس	169
مساوات نسل انسانی کا درس	170
عالمگیر اخوت کا درس	170
جیو اور جینے دو کا اصول	170
انتقام کے خاتمے کا اعلان	170
معاشرے کا بنیادی دستور	170

Marfat.com

جامع ضابطہ ، آخری وصیت ، تکمیل دین کی بشارت	170	آنحضرت ﷺ غزوات کے متعلق پیش گوئیاں	193
جاہلی روایات کی بیخ کنی	171	آئمہ مجتہدین کے متعلق پیش گوئیاں	193
آخرت کی یاددہانی ، سود کی حرمت	171	مذاہب اہل بدعت کے متعلق پیش گوئیاں	193
عظیم انقلاب ، تبلیغ کا حکم	171	دیگر واقعات مختلفہ کی پیش گوئیاں	193
دنیاوی منشوروں کے مقابلے میں خطبہ حجۃ الوداع کی اہمیت	171	اَن دیکھے واقعات کی اطلاع دینا	194
تبصرہ ، بین الاقوامی سطح پر خطبہ حجۃ الوداع کی اہمیت	172	معجزات عالم ملائکہ ، معجزات عالم انسان	195
تعداد اور ترتیب نکاح ، آپ ﷺ کے اولادِ کرام	176	معجزات متعلقہ بہ ظہور برکات وہدایت	195
قرآن میں نبی کریم ﷺ کی فضیلت و برتری	176	بیماروں اور مصیبت زدوں کی شفاء کے متعلق معجزات	196
صلوٰۃ علی النبی کا مفہوم	177	مُردوں کو زندہ کرنے کے متعلق معجزات	196
آنحضرت ﷺ پر مومنین کی صلوٰۃ	177	بے ادبوں پر قہر اور اعداء کے شر سے	197
نزولِ ملائکہ اور نزولِ رحمت کا وعدہ	178	آنحضرت ﷺ کی حفاظت کے معجزات	197
آنحضرت ﷺ کے مناقب	178	معجزات عالم جنات ، معجزات عالم علوی	197
آپ سراج منیر ہیں	178	معجزات عالم بسائط	198
اُمت محمدیہ کی فضیلت و برتری	179	یعنی پانی، آگ، ہوا اور مٹی کے متعلق معجزات	198
کپڑوں کی ظاہری اور باطنی طہارت	179	پانی کے متعلق معجزات ، آگ کے متعلق معجزات	198
آیاتِ قرآنیہ	179	عالم جمادات کے معجزات	199
معجزات نبوی ﷺ ، معجزہ کی تعریف	184	عالم نباتات کے معجزات	199
معجزات علمیہ اور معجزات عملیہ	184	شاخوں اور لکڑیوں کے متعلق معجزات	199
معجزہ شق القمر	184	پھلوں اور کھانے کے متعلق معجزات	199
شق القمر کے واقعہ کچھ شہادت اور جواب	186	معجزات عالم حیوانات	200
معجزات یُمن و برکت	187	سواری کے اور حلال جانوروں کے متعلق معجزات	200
استجابت دُعاء ، معجزات شفاء امراض	188	درندوں اور حرام جانوروں کے متعلق معجزات	200
تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَة	189	حیوانات سے حاصل شدہ اشیائے خوردنی کے متعلق معجزات	200
اِحْيَاءِ مَوْتىٰ	190	سفر آخرت	200
معجزات نبوی ﷺ کی تفصیل	191	علالت کی ابتداء ، حضرت فاطمہؓ کا رونا اور ہنسنا	204
معجزات عالم معانی ، معجزات قرآن مجید	191	واقعہ قرطاس	205
احادیث کی سچی پیشین گوئیاں	192	آخری خطبہ	207
متعلقہ خلفاء اربعہؓ	192	آخری نماز باجماعت	208
خلافت اور اہل خلافت کی فتوحات کے متعلق پیش گوئیاں	192	یوم الوصال	210
اہل بیتؓ کے لئے پیش گوئیاں	193	عالم نزع	211

Marfat.com

تاریخ وفات ، عمر شریف ، صحابہ کا اضطراب	212
صدیق اکبرؓ کا خطبہ	215
تجہیز وتکفین اور غسل ، فائدہ ، نماز جنازہ	218
تنبیہ ، فائدہ	219
تدفین ، ایمان مجمل ومفصل	220
عقیدہ ، حیات نبوی ﷺ	220
ایک شبہ ، جواب	222
باب سوئم: خلفائے راشدینؓ	225
حضرت ابوبکر صدیقؓ، نام ونسب، عہد جاہلیت	226
عہد اسلام	227
شجاعت، سخاوت	228
حضرت ابوبکر صدیقؓ کی شان میں اتاری گئی قرآنی آیات	229
آنحضرت ﷺ اور صحابہ کفار پر سخت ہیں	229
آپس میں نرم دل	229
صحابہ کرامؓ کے صفات حسنہ	230
صحابہ کرامؓ کا پچھلی کتابوں میں تذکرہ	230
کھیتی کی مثال اور صحابہ کرام	230
صحابہؓ سے حسد رکھنے والے	230
مومنین سے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ	230
غار ثور اور رسول اللہ ﷺ کے یار غار حضرت ابوبکر کا واقعہ	231
کسی کی برائی مشہور نہ کرو	232
بُرائی کو معاف کرنا بہتر ہے	233
اُمت محمدیہ پر اللہ کا انعام، علم وفضل	233
حسن معاشرت	234
حضرت ابوبکر صدیقؓ کی تاریخ کی روشنی میں انکا ایک جائزہ	237
مدینے کا داخلی انتشار، نبی کریم ﷺ کی تدفین کا مسئلہ	237
خلیفہ کا چناؤ، منافقین کی فتنہ انگیزیاں	237
قبائلی تعصبات کا ابھرنا، وفات پر حوصلہ کا اظہار	238
وراثت کا مسئلہ، ملت اسلامیہ کا انتشار، منکرین زکوۃ	238
جھوٹے مدعیان نبوت	238
فتنہ ارتداد، بیرونی دباؤ	239
قیصر وکسریٰ کے حملے کا خطرہ، لشکر اُسامہؓ کی روانگی	239
لشکر اُسامہ کی روانگی کے اثرات	240
مسلمانوں کا عمومی طور پر رعب ودبدبہ، غلبہ اسلام	240
تبلیغ کی راہ میں رکاوٹوں کا خاتمہ، یہود ونصاریٰ کی مایوسی	240
اندرونی شورشوں کی حوصلہ شکنی	240
مال غنیمت کا ہاتھ آنا	243
رفیق رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر صدیقؓ	243
حضرت عمر فاروقؓ، نسب وولادت	246
حلیہ فاروقیؓ	248
حضرت عمرؓ کی شان میں اتاری گئی قرآنی آیات	248
حضرت عمرؓ کے انتظام سلطنت کا انداز، مشاورت، ملکی تقسیم	254
عہد فاروقی کے اہم عہدے، عامل کا تقرر	255
صاحب الخراج، صاحب الاحداث، افسر خزانہ	255
قاضی، ذرائع آمدنی، زکوۃ، جزیہ	255
عشر، خراج ، فے، مال غنیمت، فوجی نظام، دیوان	256
فوجی تربیت ونظم وضبط، فوج کی تقسیم، فوجی سہولیات	257
فوجی چھاؤنیاں، محکمہ قضاء وافتاء	257
حدود وتعزیرات	258
شعبہ تعلیم، ٹکسال، دیگر محکمے، محکمہ ڈاک	258
محکمہ پولیس، محکمہ مال، محکمہ آبپاشی ، سڑکوں کی تعمیر	259
مردم شماری، خدمت دین	260
حضرت عثمانؓ، نام ونسب، فضائل	260
حلیہ مبارک	262
انتخاب	263
خلافت عثمانیؓ پر ایک نظر	265
خصائل وخصائص عثمانیؓ	271
بعض ضروری اشارات	272
مدینہ منورہ میں بلوائیوں کی حکومت	273
حضرت سیدنا عثمان بن عثمانؓ کی شان میں اتاری گئی قرآنی آیات	274

Marfat.com

بیعۃ الرضوان	274
حضرت عثمان غنیؓ	278
حضرت علیؓ ، نام ونسب	280
آپ کی خصوصیات، آپ کے فضائل	281
نکاح بحکم ربانی	282
خلافت علوی پر ایک نظر	283
حضرت سیدنا حضرت علیؓ کی شان میں اتاری گئی قرآنی آیات	290
حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم	292
حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم	293
حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم	294
خلافت راشدہ کی خصوصیات، انتخابی خلافت، شورائی نظام	295
آزادی رائے، عدل وانصاف، قانونی مساوات، بیت المال کا صحیح استعمال	296
تعصبات سے بالاتر، شرعی سزاؤں کا نفاذ، خلیفہ کا مقام	297
خلیفہ کا مثالی کردار، کتاب وسنت کی بالادستی	297
غلبہ اسلام ، اشاعت اسلام	297
بنیادی حقوق کا تحفظ	298
منصب امامت، فلاحی ریاست	298
باب چہارم: نواسہ رسول ﷺ	299
حضرت امام حسنؓ، نام ونسب وحلیہ وغیرہ، خصائل حمیدہ	300
حضرت حسنؓ کے قابل تذکرہ واقعات	301
حضرت حسنؓ پر کفر کا فتویٰ	302
صلح نامہ	304
آنحضرت ﷺ کی پیش گوئی	306
امام حسنؓ کی زہر سے شہادت	307
مجھے رسول اللہ ﷺ کے پہلو میں دفن کرنا	307
سیدہ عائشہؓ کی اجازت، مگر مروان کا انکار	308
حضرت حسنؓ حضرت حسینؓ کی وفات پر صبر وتحمل کا مظاہرہ کرنا	308
زہر کا افسانہ	308
خلافت حسنی پر ایک نظر	309
خلافت راشدہ کی خصوصیات	310
حضرت امام حسینؓ	313
قبیلہ قریش، بنوہاشم، خانوادۂ نبوت	313
نبوی خاندان اور اسکی بود وباش	314
سیدنا علی المرتضیٰؓ وسیدہ فاطمہؓ کی رہائش گاہ اور اسکا محل وقوع	314
سیدنا ابراہیم تک نسب عالی شان	315
حضرت امام حسینؓ کی پیدائش کی بشارت	315
حضرت امام حسینؓ کی پیدائش	318
ایک فرشتے کی پیدائش کے وقت شہادت کی خبر دینا	319
ولادت باسعادت	319
آپ ﷺ کا حضرت حسینؓ کے کان میں اذان دینا	320
آپ ﷺ کے حضرت حسینؓ کا نام رکھنے کا بیان	320
یہ نام پہلے کسی کا نہیں رکھا گیا، حضرت حسینؓ کے دو مینڈھوں کو ذبح کرنا	320
حضرت حسن وحسینؓ کا نام رکھنا اور ان کا ختنہ کرنا	321
حضرت ام فضلؓ کے خواب کی سچی تعبیر اور شہادت کی خبر	321
امت کی بخشش کا سبب اور شہادت حسینؓ	321
جنتی جوڑے	322
شہادت کی بشارت، حضرت ام سلمہؓ اور خاک کربلا	323
شہادت حسینؓ کی خبر، یہ حضرت حسینؓ کی شہادت گاہ کی مٹی ہے	324
حضرت حسینؓ کے قتل کا بدلہ، شہادت حسینؓ کی خبر	324
حضرت امام حسنؓ، حضرت امام حسینؓ کی خصوصی عظمت	325
حضرت سیدنا حسینؓ کی منقبت رسول اللہ ﷺ کی زبانی	326
رسول اللہ ﷺ کی زبانی سیدنا حسینؓ کی ترجمانی	326
رسول اللہ ﷺ کا حضرت ابراہیمؓ کو قربان کرنا حضرت امام حسینؓ کی محبت میں	329
وفات نبوی ﷺ، حضرت حسینؓ کے حلیہ مبارک کا تذکرہ	329
آپ ﷺ کے بال، رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مشابہت	330
وسمہ مہندی کا استعمال، حنا اور کتم مہندی کا استعمال	330
حضرت سیدنا حسینؓ کے لباس ودیگر اشیاء کا بیان	330
سرخ رنگ کا کرتہ پہننے کا ذکر	330
سیدنا حسینؓ کی پوشاک کا ذکر، چادر اور شلوار کا ذکر	331
لمبی ٹوپی اور عمامے کا ذکر	331

Marfat.com

ریشم کی جھالردار چادر، تہبند، چادر اور نعلین کا ذکر	331
سیدنا حسینؓ کی تلوار، آپؓ کی زرہ ودیگر اشیاء کا ذکر	332
بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا خصوصاً ماہ مبارک "رمضان" میں اور انگوٹھی کے نقش "اللہ بالغ امرہ" کا بیان	332
واقعہ کربلا کے اسباب ونتائج، سبائی سازش	332
یزید کی نامزدگی اور شخصی حکومت کا قیام، یزید کا بیعت پر اصرار	333
اہل کوفہ کے خطوط، اکابر صحابہ کی بات نہ ماننا	333
شہادت کی بشارت	333
اے ماں آج تیرا لعل حسین تجھ سے جدا ہو رہا ہے	334
حضرت حسین کا یہ سفر محض دین کی خاطر تھا، سفر کربلا	334
یہی مقتل ہے آل رسول ﷺ کا	336
عزت سے جئے تو جی لیں گے یا جام شہادت پی لیں گے	336
کوفیوں کے خطوط کا راز فاش کرنا، واقعہ شہادت	337
حضرت حسینؓ پر پانی کی بندش	340
اے حسین تم جلدی ہم سے آکر ملوگے، حضرت حسینؓ کی شہادت	343
حضرت حسینؓ کا تلواروں کے سائے میں بھی نماز نہ چھوڑنا	345
بوقت شہادت حضرت حسینؓ کے جسم اطہر کی حالت	345
اُم المومنین حضرت اُم سلمہ کا خواب	345
سر حضرت حسینؓ کی بے حرمتی	346
گرجے کے پادری کا حضرت امام حسینؓ کے سر مبارک کی تعظیم کرنا	346
مظلوم کربلا کے سر مبارک کا اعزاز و اکرام	346
حضرت حسینؓ کے سر مبارک کی برکت سے راہب مسلمان ہو گیا	347
نیزہ پر رکھا سر حسینؓ	347
خون سے لکھی تحریر	348
زید بن ارقمؓ کی نگاہ میں تمام عرب سیدنا حسین کی شہادت کے بعد غلام بن چکے	348
غم حسین میں کائنات رو پڑی	349
ابن زیاد سیدنا حسینؓ کی تائید میں اٹھنے والی ہر آواز کو ختم کرنا چاہتا ہے، شہداء کے سروں کو ملک شام بھیجنا	350
کوفہ روانگی	351
اے پاکیزہ نفس کے قاتل کہاں جاتے ہو؟ خبیث تو کبھی جنت نہ دیکھ سکے گا!	351
یزید کے دربار میں سیدہ زینبؓ کا تاریخ ساز خطاب	351
شہادت امام حسینؓ کے اثرات ونتائج	353
اُموی حکومت کے خلاف نفرت میں شدت	353
اہل بیت کی سیاست سے کنارہ کشی	353
اہل بیت کی محبت میں شدت، واقعہ حرہ	353
ابن زبیرؓ کا اعلان خلافت	353
توابین کا ظہور، گروہی تعصبات کا ظہور، عباسی تحریک کی ابتداء	354
بنو اُمیہ کا زوال، حق پرستوں کیلئے سبق	354
سیدنا حسینؓ کی کرامات آپؓ کے قاتلین اور اُن کے معاونین کا حشر	354
آپؓ کی کرامات، اللہ پر قسم کھائے تو پوری فرمائے	354
پانی سے روکنے والے کی سزا، سیدنا حسینؓ اور ابن حوزہ	355
آخرت کی آگ سے پہلے دنیا کی آگ	355
تو اس کے ساتھ کھا پی نہ سکے	355
شمر! تیری موت کا وقت آچکا، اللہ تجھے رسوا کرے	356
حضرت امام حسینؓ کی شان میں حضرت معین الدین چشتی اجمیریؒ	359
شاعر مشرق ڈاکٹر علامہ اقبال فرماتے ہیں	359
شہادت حسینؓ درحقیقت شہادت حضور سرور کائنات ﷺ	360
نبی شہید ولی زندہ ہیں	362
باب پنجم: اہل تکوین اولیاء اللہ کی تعریف	365
حضرت موسیٰ اور حضرت خضر کے واقعے کی اصل وجہ	367
مجمع البحرین کی تحقیق، حضرت یوشع سے حضرت موسیٰ کا خطاب	368
مچھلی کا گم ہونا، حضرت خضرؑ سے ملاقات	369
حضرت موسیٰ کی درخواست، حضرت خضرؑ کی پیشگوئی	369
حضرت موسیٰ کا وعدہ، حضرت خضرؑ کی شرائط	369
کشتی کا واقعہ، حضرت موسیٰ کا اعتراض، لڑکے کا قتل	370
حضرت موسیٰ کا دوسرا اعتراض، حضرت موسیٰ کی آخری درخواست	370
دیوار سیدھا کرنے کا واقعہ	370
حضرت موسیٰ کا تیسرا اعتراض، لڑکے کے قتل کی حکمت	371
دیوار سیدھا کرنے کی حکمت، اہل اللہ اور اہل تکوین کا تعارف	372
اولیاء اللہ کی تعریف	374

Marfat.com

حصولِ ولایت کا طریقہ	375
حقیقی اولیاء اللہ، تصوف کی تاریخ	376
زمین پر انسان کا پہلا دن، معاشرتی قوانین	377
جسمانی رُخ روحانی رُخ، ایک اور دنیا	378
نوعِ انسانی کا پہلا صوفی	378
نماز میں حضوری، دعوتِ حق	379
یومِ ازل کا وعدہ	380
اللہ کے نمائندے	381
اللہ کی بادشاہی کا رکن ، بشارت	382
قرآن اور تصوف، گھڑی کی سوئیاں	383
پیدائشی شعور، پہلے آسمان کا شعور	383
تصوف کی اہمیت وحقیقت	384
اسلام، ایمان، احسان	385
تصوف اور مکارمِ خلاق، اخلاقِ حسنہ، فضائلِ اخلاق	386
عبادات کا کردار، چارستون	388
سیرت طیبہ اور صوفیاء کرام	389
مابعد الطبیعی اساس	390
مومن کے اخلاقی اوصاف، تصوف، صحابہ کرامؓ اور صحابیاتؓ	391
سیدنا ابوبکر صدیقؓ، سیدنا فاروق اعظم عمر بن خطابؓ	392
سیدنا عثمان ذوالنورینؓ	392
سیدنا علی ابن ابی طالبؓ، اُم المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ	393
اُم المومنین حضرت عائشہؓ، حضرت بی بی فاطمۃ الزہرہؓ	393
حضرت انسؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ	394
حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت اسید بن حضیر عبادؓ	394
حضرت جابرؓ، حضرت سفینہؓ	395
حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ربیع بن حراشؓ	395
حضرت علاء بن حضرمیؓ، حضرت اُسامہ بن زیدؓ	396
حضرت سلمانؓ	396
سلاسل کی دینی جدوجہد اور نظامِ تربیت، روحانیت اور تصوف	397
تصوف کیا ہے؟	399
باطنی مشاہدات	400
روحانی تشریح	401
علم شریعت، نفس کا عرفان	402
تزکیہ نفس، اعمال واشغال	403
دو سو سلاسل	404
سلسلہ قادریہ، سلسلہ چشتیہ، حضرت معین الدین چشتی اجمیریؒ	405
حضرت خواجہ ممشاد دینوریؒ، سلسلہ چشتیہ کی خدمات	411
حضرت بابا فرید گنج شکرؒ	412
سلسلہ سہروردیہ، بہاؤالدین زکریہ ملتانیؒ	414
شیخ الاسلام، تبلیغی سرگرمیاں	415
دین پھیلانے والے تاجر، حضرت زکریا ملتانی کی فلاحی خدمات	416
سلسلہ نقشبندیہ	417
دل کی نگرانی کرنی چاہیئے، اویسی فیض	418
صوفیاء کرام کی دینی خدمات	419
روحانیت کے خلاف سازش	421
ابدی زندگی کا راز، آج کا انسان	421
شریعت، طریقت، حقیقت، معرفت	422
قربِ الٰہی	423
علم الیقین	425
عین الیقین	426
حق الیقین، صبر وثبات	427
سلسلہ نقشبندیہ میں طریقہ بیعت	428
ایمان مفصل، ایمان مجمل	429
اقسام اولیاء اللہ	430
مختصر حالات حضرات عالیہ نقشبندیہ مجددیہ رحمہم اللہ تعالیٰ	432
شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین محبوب رب العالمین احمدِ مجتبیٰ محمد	432
امیر المومنین امام المسلمین حضرت ابوبکر صدیقؓ	432
حضرت سلمان فارسیؓ	432
حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکرؒ	433
حضرت امام جعفر صادقؒ، حضرت سلطان العارفین بایزید بسطامیؒ	433

Marfat.com

حضرت شیخ ابوالحسن خرقانیؒ	433
حضرت شیخ ابو علی فارمدیؒ ، حضرت خواجہ یوسف ہمدانیؒ	434
حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ ، حضرت خواجہ محمد عارف ریوگریؒ	434
حضرت خواجہ محمود انجیر فغنویؒ ، حضرت خواجہ عزیزان علی رامیتنیؒ	435
حضرت خواجہ محمد بابا سماسیؒ	435
حضرت سید شمس الدین امیر کلالؒ، حضرت امام الشریعہ والطریقہ خواجہ خواجگانؒ	436
سید بہاؤالدین نقشبند بخاریؒ، حضرت خواجہ علاؤالدین عطارؒ	436
حضرت خواجہ یعقوب چرخیؒ، حضرت مولانا عبیداللہ احرارؒ	437
حضرت مولانا محمد زاہدؒ، حضرت مولانا درویش محمدؒ	438
حضرت خواجہ محمد امکنگیؒ، حضرت خواجہ بیرنگ محمد باقی باللہؒ	438
امام ربانی محرام اسرار سبع المثانی محبوب صمدانیؒ	439
حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد الفاروقی سرہندیؒ	439
حضرت مجدد الدین ابوالمکارم خواجہ محمد معصومؒ	440
حضرت خواجہ سیف الدینؒ، حضرت مولانا سید نور محمد بدایونیؒ	441
حضرت قیوم زمانی قطب جہانی شمس الدین حبیب اللہ مرزا مظہر جان جاناں شہیدؒ	441
مجدد مائۃ ثالث عشر حضرت مولانا عبداللہ المعروف بہ شاہ غلام علیؒ	441
شیخ الطریقت والحقیقت مولانا الشیخ ابوسعید زکی القدرؒ	442
حضرت شاہ احمد سعیدؒ، حضرت حاجی دوست محمد قندھاریؒ	442
حضرت امام الاولیا خواجہ محمد عثمان دامانیؒ	443
حضرت سراج الاولیا زبدۃ الاصفیا خواجہ سراج الدینؒ	443
حضرت تاج الاولیاء غریب نواز خواجہ محمد فضل علی قریشیؒ	443
حضرت قطب زماں خواجہ خواجگاں الحاج خواجہ محمد سعید قریشیؒ	444
حضرت مولانا شاہ زوار حسینؒ	445
باب چھٹا: ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاںؒ	447
ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاںؒ کا سوانحی خاکہ، تاریخ و سال پیدائش	448
خاندانی پس منظر	448
ننھیال، ازدواجی زندگی اور اولاد	450
تعلیم	451
ہجرت اور ملازمت	452
ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کی قرآن شناسی	454
ماحول، شخصیت اور دیگر معروفیات	455
ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاںؒ کے شاگرد	467
کنگ ایڈورڈ کالج امراوتی (برار) کے ممتاز طلبہ (انڈیا)	467
ناگپور یونیورسٹی کے ممتاز طلبہ (انڈیا)، اسلامیہ کالج کراچی کے ممتاز طلباء	468
اردو کالج کے چند معروف طلباء ، کراچی یونیورسٹی کے ممتاز طلباء	468
سندھ یونیورسٹی کے ممتاز طلباء	468
ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاںؒ، بہ حیثیت روحانی بزرگ	469
سلسلہ نقشبندیہ کا مختصر تعارف	469
سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت	471
ریاضت، خلافت واجازت	474
شجرہ سلسلہ نقشبندیہ ، حضرت ابوبکر صدیقؓ یار غار مصطفےٰ	475
حضرت کا آخری خطاب ، سانحہ ارتحال	477
ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحبؒ کی تعلیمات فرمودات، ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب کی تصوفانہ تعلیم	480
آداب گفتگو	481
مجالس خیر	483
زیارت قبور	484
شب براءت (۱۴ شعبان)	485
خوف ورجاء	487
فرمودات	488
ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں پر اللہ تعالیٰ کا کرم وعنایت	505
معجزات وکرامات، حضور انور ﷺ کی چند عنایتیں	505
چلو پیا ﷺ کے دیس، سکھی جی، چلو پیا ﷺ کے دیس	508
خواجہ معین الدین چشتی اجمیری قدس سرہ، اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی عنایتیں	516
حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے بعض اقوال	522
علامہ سید سلیمان ندوی علیہ الرحمہ کی شفقتیں	523
حضرت مولانا عبدالغفور عباسی مدنی علیہ الرحمہ کی شفقتیں	525
حضرت زوار حسین شاہ علیہ الرحمہ کی محبتیں	525
بعض متفرق واقعات	529
کچھ اور انعامات	532

Marfat.com

کچھ ذکر پیروں کا	537
مسجد، شامیانے کا ہوا میں بلند ہونا	539
فہرست تصنیفات، تالیفات اور تراجم	539
طویل مقالات، چھوٹے رسالے	542
زیر ترتیب کتابیں، اعزازات، حوالہ جات	543
باب ساتواں: حضرت ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خانؒ میں اور پاکستان	546
پاکستان	553
حصہ دوم	
باب آٹھواں: غزوۂ ہند ایک مبارک الہامی پیش گوئی	565
جنت تلواروں کے سائے تلے ہے	566
غزوات ثابتہ یا واقعہ، غزوہ	566
سریہ، غزوات موعودہ	567
حضرت ابو ہریرہؓ کی پہلی حدیث	569
حضور ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت ثوبانؓ کی حدیث	572
حضرت ابو ہریرہؓ کی دوسری حدیث	573
حضرت کعبؓ کی حدیث، حضرت صفوان بن عمروؓ کی حدیث	574
احادیث غزوۂ ہند سے مستنبط ہدایات واشارات	574
نبی اکرم ﷺ کے ساتھ صحابہ کرامؓ کی والہانہ عقیدت	575
صحابہ کرام کو نبی ﷺ کی سچائی پر پختہ یقین تھا	575
ہندوستان کی کچھ خصوصیات، ہندوستان کا وجود، سندھ کا وجود	576
سندھ عرب کے پڑوس میں اور اس پر چڑھائی غزوۂ ہند سے پہلے	576
سندھ اور ہند پر کفار کا قبضہ، نبی کریم ﷺ ان حقائق سے آگاہ تھے	576
نبوی اور صحابہ کرامؓ کی مجالس میں ہندوستان کا تذکرہ	577
غزوۂ ہند کے بارے میں حضور ﷺ کی نیت و آرزو	577
غزوۂ ہندوستان، نبی ﷺ کا وعدہ ہے	577
غزوۂ ہند کے شہداء کی فضیلت	577
مجاہدین کے لئے جہنم سے نجات کی بشارت	577
آخری جنگ میں فتح کی بشارت، مال غنیمت کی خوشخبری	578
سیدنا عیسیٰؑ سے ملاقات کی بشارت، ہندوستان کے ٹکڑے ہوں گے	578
نبی اکرم ﷺ سے بے انتہا محبت کرنے والے پیدا ہوں گے	578
ہندوستان کا جنتی دریا	579
رسول عربی ﷺ کی نسبتِ ہند	580
ہند کے ٹھنڈے ہوا کے جھونکے اور اقبال	580
حوالاجات	581
ہندوستان میں نبوت، عہد نبوی ﷺ میں ہندوستان سے تعلقات	582
ہندوستانی اشیاء میں حضور ﷺ کی دلچسپی	582
ہندوستانی راجہ کا تحفہ، قرآن پاک میں ہندوستانی اشیاء کا تذکرہ	583
لباس ہند اور رسالت مآب ﷺ	583
ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خانؒ کی تحقیق	583
ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خانؒ کی غزوۂ ہند کی بشارت	586
باب نواں: تاریخ ہند	588
تاریخ ہند قبل از اسلام	588
جین مت کا ظہور	589
اس نئے دھرم (جین) کی چند خصوصیات	589
مہاتما بدھ کی افزائش	589
ایرانیوں کا اقتدار و تسلط وادی سندھ پر	590
۳۲۶ ق۔م سکندر کا ہندوستان پر حملہ	590
ہندوستان میں موریہ سلطنت کی ابتداء	590
مہاراجہ اشوک موریہ خاندان کا لائق فخر بادشاہ	590
ہندو دھرم کی دو معروف کتابیں، رامائن، مہابھارت	591
دو خاندانوں کی باہمی آویزش	591
بیرونی حملے اور اندرونی حالتِ زار	592
ہندوستان کے ۵۰۰ء تک کے حالات و واقعات وانقلابات	592
کوشانی قبائل، دوسرے کوشانی حکمران خاندان کا بانی "کنشک"	592
اس دور میں ہندوستان کے کچھ متفرق حالات	593
بدھ مت کے پیروکاروں کی دو دھڑوں میں تقسیم	593
ہندوستان میں کنشک خاندان کے بعد گپت خاندان کی حکمرانی	594
بکرماجیت	594
ایک تاریخی مغالطہ اور اسکی صحیح صورتحال، دلیل	595

Marfat.com

ہندوستان کی سرزمین پر اُبھرنے والے دو تاریخی دھرم	595
چین کے معروف سیاح "فاھیان" کی ہندوستان آمد اور کچھ چشم دید حالات وواقعات کا جائزہ	595
ہندو فلسفہ کا عروج وکمال، ادبیات وفنون لطیفہ، علم وفن۔ تعمیر وترقی	596
ہندوستان میں اسلام، العرب والہند قدیم تعلقات	597
سب سے پہلے اسلام مالابار میں	598
باب الاسلام	599
فتوح السندھ اراضی سندھ وملتان وغیرہ	600
محمد بن قاسم، حالات زندگی، سیرت وکردار	601
کارنامے	602
کرد قبائل کی سرکوبی، سندھ کی فتوحات، دیبل کی تاریخ	602
دیبل کی فتح	604
حیدرآباد کی فتح، راجا داہر کو شکست، راور کی فتح	605
ملتان کی فتح، محمد بن قاسم کی خدمات، دینی خدمات	606
عبادت گاہوں کا تحفظ، مساجد کی تعمیر، اسلام کی تبلیغ واشاعت	606
مدارس کی تعمیر اور اہل علم کی تقرری	606
لائبریریوں کا قیام، معاشی خدمات، جزیہ کا نفاذ، زکوۃ اور عشر کا نظام	607
ٹیکسوں کے بوجھ کو کم کرنا، خراج میں تخفیف	607
ملازمین کی بحالی، شیخ ابوتراب تبع تابعی	607
شرق الہند میں اشاعت اسلام	608
برصغیر کی تہذیب پر اسلام کے اثرات، مذہبی اثرات	609
اشاعت اسلام، تصور توحید کی مقبولیت، قبیح رسوم کا خاتمہ	609
معاشرتی اثرات، ذات پات کا خاتمہ	610
عورت کے مقام میں تبدیلی	610
معاشی اثرات، معاشی خوشحالی، زراعت، صنعت اور تجارت کی ترقی	611
سیاسی اثرات، عمدہ نظام حکومت	611
مضبوط مرکزی حکومت کی تشکیل، مستقل فوج کا قیام	612
بحری فوج کی تشکیل، سفارتی تعلقات کا آغاز	612
تمدنی اثرات، اسلامی فن تعمیر کی مقبولیت	612
انڈو اسلامک آرٹ کا وجود، اردو زبان کا جنم لینا	613
لباس میں تبدیلی، سفر کی وسعت، علم کی اشاعت	613
سندھ میں علم وفضل، میاں نور محمد خاں کا کتب خانہ	614
ہملتن کی شہادت	614
فرید بکھری کی شہادت، غزنی ولاہور، امیر ناصرالدین سبکتگین	615
سلطان محمود غزنوی (وفات ۱۰۳۰ء)	617
محمود کے جانشین	619
دہلی کی فتح، علم وادب	620
علامہ ابوریحان البیرونی، علماء ومشائخ	622
شیخ صفی الدین گازرونیؒ	622
شاہ یوسف گردیزی ملتانیؒ، خطۂ لاہور کے علماء ومشائخ	623
شیخ اسماعیل لاہوری، حضرت داتا گنج بخش لاہوریؒ	624
امام حسن صنعانی لاہوریؒ	625
سلطان سخی سرورؒ	626
سندھ کے نقشبندی اولیاءؒ	627
مخدوم آدمؒ (المعروف "آدو" یعنی رونق) ٹھٹھہ والے	631
مخدوم ابوالقاسمؒ، شاہ صدرالدینؒ	632
شاہ فقیر اللہ علویؒ	633
ابوالحسن داہری نقشبندیؒ (م ۱۱۸۱ھ)، اولیائے لواری شریف	633
بزرگان دیگر	636
خاندان غزنوی کا زوال اور خاندان غوری کی حکومت	637
سلطان غلاماں، قطب الدین ایبک وغیرہ	637
ہندوستان میں مستقل اسلامی دارالحکومت دہلی ۵۸۹ء میں	637
فتح بہار وبنگال وآسام وتبت وغیرہ محمد بختیار خلجی کے ہاتھ پر	638
بہار کی فتح، بنگال کی فتح	639
آسام کی فتح صلحاً، تبت کی فتح، سلطان شہاب الدین غوری کی شہادت	640
ملاحدالموت سے مقابلہ اور گھگڑوں کا اسلام	640
سلطان شہاب الدین کے لشکر میں حضرت امام رازیؒ کا درس اور سلطان کی شہادت ملاحدہ کے ہاتھ سے	641
سلطان شہاب الدین کی وفات کے وقت ہندوستان کی اسلامی سلطنت کا رقبہ	642
ہندوستان کی مستقل خودمختار اسلامی سلطنت ۶۰۲ھ	642

Marfat.com

سلطنت غلاماں	642
سلطنت غلاماں کی چند خصوصیات	643
رضیہ سلطانہ	645
جائزہ، سلطان غیاث الدین بلبن	647
چالیس سے زائد فرمانرواؤں نے ہندوستان میں پناہ لی	651
خاندان خلجی کی حکومت اور فتح دکن وجنوبی ہند	651
فتح دکن ، دیوگیر (دولت آباد) کی فتح صلحا	652
قلعہ رنتھمبور کی فتح	654
محمد شاہ باغی کی دلیری، بیوفائی کی سزا، قلعہ چتوڑ پر حملہ	655
دکن اور جنوبی ہند کی مکمل فتح	655
ورنگل کی فتح صلحا ، میسور و مالابار وغیرہ کی فتح	657
ساحل کاردومنڈل کی فتح	658
گلبرگہ، مدکل، رائچور کا براہ راست سلطنت دہلی سے الحاق	658
خاندان خلجی کا افسوسناک خاتمہ ایک ہندو غلام زادہ کے ہاتھ پر	660
تغلق خاندان ۱۳۲۰ء تا ۱۴۱۲ء	667
سلطان غیاث الدین تغلق ۱۳۲۰ء تا ۱۴۱۲ء ، تخت نشینی	667
فتوحات، بنگال	668
دور حکومت کی خصوصیات	669
سلطان محمد بن تغلق ۱۳۲۵ء تا ۱۳۵۲ء	670
طرز حکومت کردار اور کارنامے	670
فیروز شاہ تغلق ۱۳۵۱ء تا ۱۳۸۸ء ، تخت نشینی	674
طرز حکومت، کردار اور خصوصیات، تغلق ثانی ۱۳۸۶ء سے ۱۴۱۲ء	675
ابوبکر تغلق ، ناصر الدین محمد شاہ	676
خاندان تغلق کا کردار خصوصیات	677
امیر تیمور، تیمور حملے کے اسباب، تیموری حملہ	679
تیموری کے حملے کے اثرات	680
سید خاندان ، سید خضر خاں ۱۴۱۴ء تا ۱۴۲۱ء	681
خصوصیات	682
سید مبارک شاہ	683
سید محمد شاہ ۱۴۳۴ء تا ۱۴۴۵ء	684
سید علاؤالدین شاہ، لودھی خاندان ۱۴۵۱ء تا ۱۵۲۶ء	685
کردار و خصوصیات، سلطان سکندر لودھی ۱۴۸۸ء تا ۱۵۱۷ء	687
کردار خصوصیات، سلطان ابراہیم لودھی ۱۵۱۷ء تا ۱۵۲۶ء	688
کردار و خصوصیات	689
بابر کے حملے کے وقت ہندوستان کی سیاسی حالت	690
پنجاب، ملتان، سندھ، جونپور، بہار، بنگال ، گجرات	691
مالوہ ، خاندیش، راجپوتانہ، کشمیر	692
اڑیسہ، دکن ، ظہیر الدین محمد بابر ۱۵۲۶ء تا ۱۵۳۰ء	693
کردار و خصوصیات	694
نصیر الدین محمد ہمایوں ۱۵۳۰ء تا ۱۵۴۰ء	696
ہمایوں کی ابتدائی مشکلات	696
محمود لودھی اور شیر خاں سے جنگ	698
بہادر شاہ سے جنگ ۱۵۳۲ء - ۱۵۳۵ء	698
شیر خاں سے جنگ ۱۵۳۷ء تا ۱۵۴۰ء	699
ہمایوں کا فرار اور عہد جلاوطنی	699
سلطنت پر ہمایوں کی بحالی	700
وفات، خصوصیات	701
خاندان سور ۱۵۴۰ء تا ۱۵۵۵ء	702
شیر شاہ سوری ۱۵۴۰ء تا ۱۵۴۵ء	702
کردار و خصوصیات	704
شیر شاہ کے جانشین، جلال الدین محمد اکبر ۱۵۵۶ء تا ۱۶۰۵ء	705
تخت نشینی ، بیرم خاں	706
بیرم خاں کا زوال	707
اکبر کا ۱۵۶۰ء سے ۱۵۶۴ء تک کا زمانہ	709
دین الٰہی	710
غیر اسلامی مضامین	711
دین الٰہی کی ناکامی اور اس کے اسباب	712
حضرت مجدد الف ثانیؒ	713
حضرت مجدد الف ثانیؒ کا تعارف	715
حضرت مجدد الف ثانیؒ کی خدمات، ہندو جارحیت کا مقابلہ	715

Marfat.com

دین اکبری کے خلاف جہاد، غیر اسلامی عقائد کے خلاف جہاد	716
امراء کی اصلاح، تصوف کی اصلاح، اتباع شریعت کی تحسین	717
بدعات کارد	717
تبلیغی وفود، علمائے سوء کی اصلاح	718
اسلامی قوانین کی بحالی، سجدہ تعظیمی سے انکار	719
حضرت مجدد الف ثانیؒ کی تحریک کے اثرات	719
شریعت کی بالادستی، تصوف کی اصلاح	719
جداگانہ قومیت کا تصور، احیائے اسلام، مشائخ طریقت	720
تخت نشینی، نورالدین جہانگیر ۱۶۰۵ء تا ۱۶۲۷ء	723
جہانگیر کی تخت نشینی کے وقت حالات، خسرو کی بغاوت	724
نور جہاں	725
شاہ جہاں کی بغاوت ۱۶۲۶ء تا ۱۶۲۴ء	726
مہابت خاں کی بغاوت	728
جہانگیر کی وفات، کردار و خصوصیات	730
شہاب الدین شاہ جہاں ۱۶۲۷ء تا ۱۶۵۸ء	731
تخت نشینی کے بعد ابتدائی احکامات	734
شاہ جہاں کے عہد حکومت کا جائزہ	734
تاج محل، موتی مسجد	735
آگرہ کا قلعہ، دہلی کی عمارتیں، جہانگیر کا مقبرہ	736
شالامار باغ اور نشاط باغ، شاہ جہاں کی شخصیت اور کردار	736
شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ	737
محی الدین اورنگ زیب عالمگیر ۱۶۵۸ء تا ۱۷۰۷ء	738
تخت نشینی، اورنگ زیب کی حکمت عملی	738
اورنگ زیب کی مذہبی احتیاط پسندی	739
اورنگ زیب اور عالم اسلام، اورنگ زیب اور اہل یورپ	741
اورنگ زیب کی سیرت	742
مغلوں کے زوال کے اسباب	744
حضرت شاہ ولی اللہؒ کی خدمات، حالات زندگی	749
تصانیف، خدمات، فکری خدمات	750
اسلام بطور ضابطۂ حیات، اسلامی فلسفہ کی بنیاد	750
تاریخ اسلام پر تنقیدی نگاہ، علمی خدمات	751
تفسیری خدمات، علم حدیث میں خدمات، علم فقہ میں خدمات	751
علم تاریخ میں خدمات	752
ادبی خدمات، تحریر، خطابت، شاعری، دینی خدمات	752
شاہ صاحب کا تعامل	752
شیعہ سنی اختلافات	753
اہل حدیث و اہل الرائے کا اختلاف	753
شریعت اور طریقت کا اختلاف، سیاسی خدمات	753
نجیب الدولہ اور احمد شاہ ابدالی کو دعوت، اصلاحی خدمات	754
اصلاح معاشرت، بیوہ کو نکاح ثانی کا حق	754
مہر کی زیادتی، خوشی و غمی کے مواقع پر رسومات کی بیخ کنی	755
بہادر شاہ ظفر	755
برصغیر میں حق و باطل کے معرکے ایک اجمالی جائزہ، باب الاسلام	756
غزنوی دور	757
غوری دور، سلطان الہندؒ	758
التمش، جلال الدین خوارزم کی سرزمین، بلبن	759
سکندر لودھی، تیمور، بابر، اکبر	760
جہانگیر، اورنگ زیب	762
مستان شاہ، ٹیپو	763
سلطان ٹیپو کی تنبیہ، سید احمد اور شاہ اسماعیل	764
ولایت علی	765
فرائضی تحریک	766
۱۸۵۷ء کے ناروا حالات اور ان کے اسباب، انگریز	766
بھارت کے حکمران، مغل خاندان کی سلطنت	767
بنگال کے سلطان، بنگال کے نواب، اودھ کے نواب	768
آرکوٹ کے نواب، حیدرآباد کے نظام، میسور کا حیدر علی خاندان	769
پنجاب کے حکمران	769
باب دسواں: حضرت نعمت اللہ شاہ ولیؒ کی آٹھ سو پچاس سالہ پیشین گوئی	770
حصہ اول	772

Marfat.com

حصہ دوئم	778
حصہ سوئم	786
غزوہ ہند نشاۃ ثانیہ کا دور	787
حصہ چہارم	792
حصہ دوئم	797
باب گیارھواں: آزادی ہند سے قیام پاکستان تک	797
دوقومی نظریہ	798
بانیان پاکستان افکار اور کردار ، سرسید احمد خان	800
سرسید احمد خان کی تعلیمی اور سیاسی خدمات	803
کانگریس، ہندو مہاسبھا، مسلمانان ہند کی سیاسی انجمن	804
سیاسی انجمن کا قیام، سید امیر علی (۱۸۴۹ء تا ۱۹۲۸ء)	805
سید امیر علی اور مسلم لیگ	806
نواب محسن الملک (۱۸۳۷ء تا ۱۹۰۷ء)	807
کارہائے نمایاں	810
مسلمانوں کی تعلیمی تحریکیں ، مسلم لیگ کا قیام	814
مسلمانوں کے خدشات ، نواب سلیم اللہ خان کے خیالات	815
مسلم لیگ کا وجود میں آنا	816
سیاسی حالات اور لیگ کے بانیوں کے خیالات	816
وقار الملک (۱۸۴۱ء تا ۱۹۱۷ء)	818
مسلم لیگ کے ابتدائی سال	821
۱۹۱۱ء کے بعد مسلم لیگ کے رویے میں تبدیلی	822
مسلم لیگ کے مقاصد میں تبدیلیاں، مولانا محمد علی جوہر	823
بطور صحافی	824
سیاست میں مولانا محمد علی جوہر کا کردار	825
علامہ اقبال، حالات زندگی، اقبال اور شاعری	826
کارنامے، فکری انقلاب کے لئے سعی بلیغ	827
ملت واحد کا تصور، دین وسیاست میں ہم آہنگی	827
مغربی تہذیب پر ضرب کاری، ازموں کی بیخ کنی، اتحاد عالم اسلام	828
دوقومی نظریہ، عزم وعمل سے آشنائی	829
حضرت مجدد الف ثانیؒ	829
اقبال اور تصوف	831
علامہ اقبال بارگاہ رسالت ﷺ میں	839
دوسرا واقعہ ، حضرت شیر محمد شرقپوریؒ	840
مسلم لیگ میں جناح کی شمولیت ، قائداعظم کی خانگی زندگی	841
ولادت، ابتدائی تعلیم	842
پہلا نکاح، رواداری، رتن بائی سے شادی	843
بیٹی سے قطع تعلق	846
عشق رسول ﷺ اور قائداعظمؒ	847
قائداعظم بحکم حضور پاک ﷺ برصغیر کی آزادی کے لئے ہندوستان تشریف لائے تھے	849
مولانا ظفر علی خان، میدان سیاست وصحافت میں	850
قومی شاعر	851
پیشین گوئیاں	854
جداگانہ تنظیم، اسلامی بازار	855
قائداعظم محمد علی جناح	856
امپیریل لیجیسلو کونسل کی رکنیت	857
میثاق لکھنؤ دسمبر ۱۹۱۶ء	858
تحریک خلافت ، ترکوں کا جنگ میں شامل ہونا	860
برصغیر کے مسلمان اور حکومت ، جنگ کا خاتمہ اور ترکی کی حالت	861
مسلم لیگ اور کانگریس کی مفاہمت	862
حکومت کا رویہ ، رولٹ بل	863
جلیانوالہ باغ کا حادثہ ، تحریک خلافت کا آغاز	864
تحریک خلافت کے مقاصد ، ہندو مسلم اتحاد کی نوعیت	865
وفد خلافت ، عدم تعاون کی تحریک	866
چوراچوری کا حادثہ ، تحریک خلافت کے مثبت اور منفی پہلو	867
سائمن کمیشن اور نہرو رپورٹ، قائداعظم کے چودہ نکات	868
گول میز کانفرنس	869
کانگریسی وزارتیں	870
علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ کا خطبہ الہ آباد	871
علماء اور مشائخ کا کردار	889

Marfat.com

تحریک پاکستان میں علماء کا کردار	893
کانگریس کی پالیسی اور اختلاف علماء	896
علمائے دیوبند اور نظریہ پاکستان	896
مولانا تھانوی اور مولانا شبیر احمد عثمانی	896
مولانا اشرف علی تھانوی	897
مولانا اشرف علی تھانوی اور مسٹر جناح	898
قائداعظم بارگاہ رسالت میں ﷺ	899
مولانا اشرف علی تھانوی کی نوید ، مولانا شبیر احمد عثمانی	899
مولانا ظفر احمد عثمانی	900
مفتی محمد شفیع	901
مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی ، سید ابوالاعلیٰ مودودی	902
تحریک پاکستان میں مشائخ کا کردار	905
پیر محمد اسماعیل روشن سرہندی، دیوان روشن (فارسی)	905
پیر محمد حسن جان سرہندی	906
پیر محمد حسین جان سرہندی	907
پیر محمد مقبول الرسول للہیؒ	909
مخدوم سید محمد رضا شاہ گیلانیؒ	910
خواجہ عبدالصمد المعروف حضوری جیؒ	912
پیر سید جماعت علی شاہ علی پوریؒ	914
سید سجاد حسین شاہ سیکریؒ	931
سید تار بادشاہ پشاوریؒ	932
خواجہ حسن نظامی دہلویؒ	933
ملا شور بازار کابلیؒ	835
میاں غلام اللہ شرقپوریؒ ، پیر معصوم بادشاہ چوراہیؒ	937
پیر غلام مجدد سرہندیؒ	939
خواجہ غلام صمد انبالویؒ	945
پیر محمد امین الحسنات آف مانکی شریفؒ	947
خواجہ غلام سدید الدین تونسویؒ	954
فقیر نور محمد سروری قادریؒ	956
پیر عبدالرحمٰن بھرچونڈویؒ	957
سید محمد حسین علی پوریؒ	960
سید محمد طاہر اشرف جیلانیؒ	962
پیر سید محمد محدث کچھوچھویؒ	963
خواجہ عبدالرشید پانی پتیؒ	965
سید علی احمد کیتھلیؒ	966
پیر محی الدین لال بادشاہ مکھڈویؒ	969
شاہ محمد مظہر اللہ دہلویؒ	971
پیر محمد شاہ بھیرویؒ	973
پیر محمد فضل شاہ جلال پوریؒ	974
سید منظور احمد مکان شریفیؒ	975
پیر سید سعید شاہ بنوری کوہاٹیؒ	976
سید مظہر گیلانی پشاوریؒ	978
پیر محمد ہاشم جان سرہندیؒ	979
پیر محمد اسحاق جان سرہندیؒ	980
پیر عبداللہ جان سرہندیؒ ، دیوان سید آل رسول علی خاں اجمیریؒ	982
پیر سید غلام محی الدین گولڑویؒ	985
میاں علی محمد خاںؒ	986
پیر عبداللطیف زکوڑی شریفؒ	987
سید محمد حسین ظفر سکھو چکیؒ	991
خواجہ محمد قمر الدین سیالویؒ	992
مخدوم سید شوکت حسین گیلانیؒ	998
صاحبزادہ ظہور الحق گورداسپوریؒ، پیر محمد قاسم مشوریؒ	999
پیر غلام مرتضیٰ سرہندیؒ، پیر عبدالستار جان سرہندیؒ	1001
حکیم محمد حسین بدر چشتیؒ	1002
شاہ محمد سلیمان پھلوارویؒ	1004
پیر فضل حق کربوغہ شریفؒ	1007
تحریک پاکستان میں طلباء کا کردار، تحریک پاکستان میں علی گڑھ کالج	1009
قائداعظم اور نوجوان ، تحریک میں طلباء کا کردار۔۔ پس منظر	1011
آل انڈیا سٹوڈنٹس فیڈریشن، قائد کا خطاب	1014
مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے قیام کی تجویز	1015

Marfat.com

مسلم طلباء کی کانفرنس ۔۔۔ لکھنؤ	1015
مسلم سٹوڈینٹس فیڈریشن کا قیام	1017
فیڈریشن کا پہلا اجلاس	1018
مولوی فضل حق کا خطاب	1019
افتتاحی خطاب	1022
قائداعظم کا خطبہ صدارت	1023
مسلمان طالبات کی فیڈریشن	1025
طالبات کانفرنس علی گڑھ ، پنجاب مسلم سٹوڈینٹس فیڈریشن	1026
پاکستان کانفرنس ، اسلامیہ کالج لاہور میں جلسہ	1027
جالندھر اجلاس	1028
طلباء کی سرگرمیاں سندھ میں	1029
مسلم سٹوڈینٹس فیڈریشن سرحد ، قائداعظم کا دورہ	1030
فیڈریشن کا اجلاس	1031
بلوچستان میں طلباء کی سرگرمیاں	1032
دورۂ قائداعظم ، انتخابی مہم اور مسلم طلباء	1033
پیرپور رپورٹ ، کانگریس حکومت کے دوران مسلم لیگ کی جدوجہد	1034
خط وکتابت ، نہرو کا تکبر	1037
علامہ اقبال کی وفات ، مولانا شوکت علی کی وفات	1038
اسلامی تہذیب کے داعی	1040
قرارداد سے قیام تک	1047
قرارداد لاہور	1048
ملکی سیاست	1049
ایک اور تحریک	1050
مسیحیت اور آریہ سماج ، ایک پیغمبر ، کہا گیا کہ ہر مسلمان کافر ہے	1051
جنگ کی صورت حال ، ابتدائی دور اور کانگرس	1051
اگست ۱۹۴۰ء کا اعلان ، روس اور جاپان کی جنگ میں شمولیت	1052
ہندوستان پر جاپان کے حملے کا خطرہ ، کرپس مشن ۔ تجاویز	1053
کانگرس کا ردعمل ، لیگ کا ردعمل	1054
اقتدار پر قبضہ کرنے کے لئے کانگرس کا منصوبہ	1054
الزام اور جوابی الزام	1055
قائداعظم سے گاندھی کی ملاقاتیں	1056
نواب بہادر یار جنگ کا خطاب	1056
صبح اُمید ، دو قومی نظریہ ، اقبال کا خواب ، نعرہ جنگ	1057
میدان کارزار ، عہد وفا	1058
نذرانہ جان ، پاکستان کا تعمیری لائحہ عمل ، پاکستان کا دستوری نظام	1059
پاکستان کا تعلیمی نظام	1060
پاکستان کا معاشی نظام	1061
جناب قائداعظم ، نشاۃ ثانیہ	1062
نوائے سروش ، جناح گاندھی مذاکرات ، ویول کی تجاویز	1063
شملہ کانفرنس	1064
۱۹۴۵۔۴۶ کے انتخابات ، کابینہ مشن	1065
مشن کی تجاویز ، مشن کی تجاویز کا حشر	1066
عبوری حکومت اور اس کی ناکامی ، کانگریس اور لیگ کے اختلافات	1067
شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانی کا خطبہ صدارت	1068
شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانیؒ کا خطبہ صدارت	1069
علماء ومشائخ کے فرائض	1069
حضرت عثمانؓ کا تاریخی فیصلہ ، رسول اکرم ﷺ کی نظر کرم	1070
حضرت شیخ مجددؒ کا نعرہ حق	1071
حضرت شیخ الہندؒ کا آخری پیغام ، دور جاہلیت کی تاریکیاں	1071
سرور عالم ﷺ کی تعلیمات ، یثرب کا پاکستان	1072
پاکستان اولیٰ کی فتوحات ، دارالحرب کے ضعفاء	1073
غلبۂ اسلام ، حضرت امام مالکؒ کا حکیمانہ قول	1074
ہندوستان کی جنگ آزادی ، انڈین نیشنل کانگریس	1075
کانگریس وزارتیں ، مسلم لیگ کا تاریخی فیصلہ	1076
حقیقتِ پاکستان ، نظامِ پاکستان	1077
پاکستان کے حدود ، آل انڈیا یونین کا فریب	1078
مسلم اکثریت کے صوبوں کی قوت	079
معروضات ومطالبات ، پاکستانی تجویز پر ایک دوست کے کچھ شبہات	080
ہمارا جواب	082
ہندوستان کے مسلمانوں کی حیثیت	083

Marfat.com

پاکستانی اور ہندوستانی مسلمانوں کا راستہ	1083
ہندوستان کے مسلمانوں کی قربانی	1084
دارالحرب سے ہجرت ، پاکستان کی اقتصادیات	1085
پاکستانی صوبوں کی زرخیزی	1086
ہمارے صوبوں کی معدنیات، صنعت اور تجارت	1087
برادران وطن کی گھبراہٹ، انگریز کی غلامی	1089
پاکستان کا قانون، جمیعۃ العلماء ہند کا فارمولا	1090
جمہور مسلمانوں کا مطالبہ، ملی خودکشی کے معنی	1091
پاکستان کا نظام حکومت	1092
مسلم لیگ کی درخشاں کامیابی ، ہمارا قومی نعرہ	1093
چودھری رحمت علی ، تحریک پاکستان اور خواتین	1095
فاطمہ جناح	1098
تحریک پاکستان میں خواتین کا حصہ	1099
تحریک پاکستان اور خواتین	1108
گورنر سیکریٹریٹ پر ہلالی پرچم، قید تنہائی اور مشقت، مہاجرین کی خدمت	1109
پاکستان کا پہلا نقشہ، ممبران سب کمیٹی کل ہند خواتین مسلم لیگ	1110
انتقال اقتدار، لیبر حکومت اور وائسرائے ویول	1110
۲۰ فروری ۱۹۴۷ء کا اعلان	1111
ماؤنٹ بیٹن، اس کے مشیر اور اختیارات	1112
ماؤنٹ بیٹن کا طریقہ کار، لیڈروں سے ملاقاتیں، ماؤنٹ بیٹن کی پہلی سکیم	1113
دوسری سکیم ، وزیراعظم اٹلی کا بیان، ۳ جون کا اعلان	1114
صلح حدیبیہ اور تشکیل پاکستان میں مماثلت	1115
قیام پاکستان کے راستے میں مشکلات	1116
ماؤنٹ بیٹن کے عزائم	1117
قائداعظم کا موقف	1118
پاکستان کی حد بندی میں بددیانتی، قیام پاکستان اور قائداعظم کی رہنمائی	1120
پاکستان منزل بہ منزل	1121
پاکستان کا مقصد قیام ، قیام پاکستان کا اعلان اور شب قدر	1128
شب قدر کی نسبت قرآن اور پاکستان	1129
شب جمعہ اور جمعۃ الوداع، لائے ہیں طوفاں سے ہم کشتی نکال کے	1130
عظیم نصب العین اور ملت ہند ، آئینی اصلاحات	1132
۱۸۶۱ء سے ۱۸۹۲ء تک آئینی ارتقاء	1133
انڈین کونسلز ایکٹ ۱۸۹۲ء	1134
انڈین کونسل ایکٹ ۱۸۹۲ء کی مندرجہ ذیل خصوصیات تھیں	1134
گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۰۹ء	1134
گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۱۹ء	1137
گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء	1142
اوّل: مرکزی فہرست	1043
دوم: صوبائی فہرست سوم: مشترکہ فہرست CONCURRENT LIST	1044
ہندوستان کی آزادی کا قانون ۱۹۴۷ء ، تفویض اختیارات	1052
پاکستان اسلام کی تجربگاہ	1053
عالم اسلام اور قائداعظم	1064
قائداعظم علماء کی نظر میں	1168
خراج تحسین	1172
اعزاز، قائداعظم کا سفر آخرت	1173
موت کے سائے میں	1181
قائداعظم کا جنازہ	1187
اہم واقعات کا سلسلہ تاریخ	1188
برطانوی وائسرائے اور گورنر جنرلز	1189
قائداعظم کا سوانحی خاکہ	1190
باب بارھواں: نظامِ پاکستان	1193
ہماری تاریخ کے دردناک اوراق، علامہ اسد	1194
Calling all Muslims	1196
کھرا سچ	1218
جدید اسلامی ریاست کے خدوخال اور علامہ عثمانیؒ	1220
مثالی اسلامی معاشرہ اور فرمان قائداعظم، مثالی معاشرہ	1221
مساوات، نشاۃ ثانیہ	1222
مذہبی پیشوائیت ، نظامِ ریاست	1224
حقیقی پیشوائیت فرمان نبوی ﷺ	1225
فرمان قائداعظم، اسلامی ریاست میں خواتین کا کردار	1225

Marfat.com

جاگیرداری نظام کا خاتمہ اور قائداعظم کے اقدامات	1227	پاکستان کے نام (لفظ) کے ساتھ وابستہ مخصوص واقعات	1273
قائد کا جاگیرداری نظام کے خاتمے کا فیصلہ	1228	رسول اللہ ﷺ کی مکی اور مدنی زندگی کا موازنہ	1274
پاکستان کا معاشی نظام اور اقبال، جناح اور جنگ کا تصور	1229	پاکستان عالم اسلام کا فکری و روحانی مرکز	1274
پاکستان کا معاشی نظام اور قائد کا ابدی منشور	1229	پاکستان کی سرزمین پر ارضِ پاکستانیہ پر قدرت کے احسانات	1275
منشور قائد، قائد کا اقتصادی ترقی کا اسلامی پلان	1230	ارضی خطے، موسم اور درجہ حرارت	1276
کیپٹلزم اور کمیونزم اور قائداعظم کا موقف	1232	"اور تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے"	1276
شہری اصلاحات علامہ اقبال اور مثالی شہری نظام	1232	رنگ و خون، پاکستان کا جغرافیہ، سندھ SIND اور ھند HIND	1277
قائد کا ایک تاریخ ساز انٹرویو	1233	پنجاب، انڈیا INDIA	1278
سوشلزم اور کمیونزم جناح کی نظر میں، آزادی کے بعد	1234	محل وقوع، پاکستان کے محل وقوع کی اہمیت	1279
باب تیرھواں: قراردادِ مقاصد	1241	پاکستان کے طبعی خدوخال، شمالی اور شمال مشرقی پہاڑی سلسلہ	1280
لیاقت علی خان	1242	سلسلہ کوہ ہمالیہ، سلسلہ کوہ قراقرم	1281
پاکستان کے پہلے وزیراعظم نوابزادہ لیاقت علی خان کی تقریر	1242	شمالی اور شمال مشرقی پہاڑی سلسلے کی اہمیت	1281
مقتدر اعلیٰ اللہ تعالیٰ، جمہوریت	1244	شمال مغربی اور مغربی پہاڑی سلسلے، سطح مرتفع، میدانی علاقے	1282
تھیوکریسی کی نفی، مساوات و عدل عمرانی	1245	ریگستانی علاقے بشمول ساحلی علاقے، ساحلی علاقہ	1282
اسلامی زندگی کے لئے تیاری	1246	آب و ہوا، وسائل، جنگلات، معدنیات	1283
فرقہ پرستی نہیں	1247	زراعت، نقد آور فصلیں، غذائی فصلیں	1284
غیر مسلموں کے حقوق محفوظ، وفاقی حکومت، بنیادی حقوق	1248	پھل، سبزیاں اور میوہ جات، آبپاشی، گلہ بانی	1284
اقلیتوں کا تحفظ، روشن مستقبل	1249	طاقتی وسائل، صنعت، سڑکیں، پاکستان کی اہم شاہراہیں	1285
لیاقت علی خان سیاسی و خارجی حکمتِ عملی	1250	ریلوے، فضائی راستے، بحری راستے، ای۔کامرس	1286
مجلس دستور ساز میں شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانی کی تقریر	1251	پاکستان ایک تہذیبی و معاشی وحدت	1286
باب چودھواں: میرا انعام پاکستان	1258	قدیم تہذیبی اکائی، مشترکہ تاریخی پس منظر	1288
پاکستان یا پاک۔ستان (Pak-Stan)	1259	نسلی اتحاد	1289
پاکستان حصارِ سلام، مدینہ ثانی	1261	لسانی یکسانیت	1290
ریاست مدینہ ایک رول ماڈل	1263	قومیتیں	1291
ریاستِ مدینہ اور ریاست پاکستان میں موازنہ	1267	معاشی اکائی	1292
مدینہ ثانی پاکستان کی ذمہ داری	1271	دنیا کی بہترین اور باصلاحیت ترین (talented) قوم	1293
میرا انعام پاکستان، قیام خلافت کی نوید	1272	ملتِ پاکستانیہ کی ذمہ داری	1293
کیا ارض مقدس سے مراد پاکستان ہے؟	1273	میرا پیغام پاکستان	1294
پاکستان کا معجزانہ نام	1273	**باب پندرھواں: تاریخ پاکستان 1947 تا 2015**	1295
معانی: پاک سرزمین، مقدس سرزمین یا ارض مقدس	1273	قائداعظم بطور پہلے گورنر جنرل (1947 1948)	1296

۱۵۲۷۰۷۰

Marfat.com

ان کی پہلی دستور ساز اسمبلی، پاکستان کی ابتدائی مشکلات	1296
لیاقت علی خان (پہلے وزیر اعظم) (1947 1951)	1297
قرارداد مقاصد (1949)	1297
لیاقت علی خان کی شہادت (1951)	1298
خواجہ ناظم الدین بطور گورنر جنرل اور وزیر اعظم	1298
تحریک ختم نبوت، خواجہ ناظم الدین کے دور میں ملکی سیاست	1298
اسلامی انقلاب	1299
غلام محمد بطور گورنر جنرل 1955 تا 1951	1300
بنیادی اُصولوں کی کمیٹی کی حتمی رپورٹ	1300
ظہیر الدین وزارت کی برطرفی (1953)	1300
محمد علی بوگرہ (1953-1955)، بوگرہ فارمولا	1300
ایوان بالا اور ایوان زیریں میں صوبائی تقسیم	1301
ملک کی سیاسی صورتحال	1301
پہلی دستور ساز اسمبلی کی برطرفی (اکتوبر 1954ء)	1301
دوسری دستور ساز اسمبلی (1955)	1301
چوہدری محمد علی وزارت (1955-1956)	1302
ون یونٹ کا قیام (1955)، 1956ء کا آئین	1302
سکندر مرزا (1955-1958)	1303
حسین شہید سہروردی کی وزارت (1956-1957)	1303
ابراہیم اسماعیل چندریگر اور فیروز خان نون کی وارتیں (1957-1958)	1303
جنرل ایوب خان اور پہلا مارشل لاء (1958-1969)	1304
ایوب حکومت کی اصلاحات	1304
بنیادی جمہوریتوں کا نظام، 1962ء کا آئین	1305
صدارتی انتخابات، 1965ء کی پاک بھارت جنگ	1306
بری فوج کے کارنامے	1306
پاک فضائیہ کی فضائی برتری، پاک بحریہ کی کامیابی	1307
معاہدہ تاشقند، شیخ مجیب الرحمٰن کے چھ نکات (1966)ء	1307
تحریک جمہوریت پاکستان اور ایوب حکومت کا خاتمہ	1308
جنرل یحیٰی خان (1969-1971)	1308
یحیٰی حکومت کی اصلاحات	1309
لیگل فریم ورک آرڈر، 1970ء کے عام انتخابات	1309
1971ء کی پاک بھارت جنگ	1310
ذوالفقار علی بھٹو کا دور (1971ء تا 1977)، بھٹو حکومت کے اقدامات	1310
1973ء کا آئین	1311
بھٹو دور کے دیگر اہم واقعات	1312
پاکستان قومی اتحاد کی تحریک اور بھٹو حکومت کا خاتمہ	1312
نوجوانوں کا بے مثل ایثار	1312
جنرل ضیاء الحق کا دور (1977ء تا 1988ء)	1313
نفاذ اسلام کے اقدامات، ضیاء الحق کے دور کے اہم واقعات	1313
جونیجو وزارت (1985ء تا 1988ء)	1314
جونیجو حکومت کی برطرفی، 1988ء کے عام انتخابات	1314
بینظیر بھٹو کا پہلا دور وزارت (1988-1990)	1314
نواز شریف کی وزارت کا پہلا دور (1990-1993)	1315
1993ء کے عام انتخابات	1315
بے نظیر بھٹو کا دوسرا دور خلافت (1993-1996)	1315
سردار فاروق احمد خان لغاری (1993-1997)	1316
نواز شریف کی وزارت کا دوسرا دور (1997-1999)	1316
جنرل پرویز مشرف (1999-2008)	1316
مشرف حکومت کی اصلاحات	1317
میر ظفر اللہ خان جمالی (2002-2004)	1317
اسلام آباد سارک کانفرنس کی کامیابی	1317
چوہدری شجاعت حسین، شوکت عزیز (2004-2007)	1318
محمد میاں سومرو، یوسف رضا گیلانی (2008-2012)	1318
آصف علی زرداری (2008-2013)	1318
راجہ پرویز اشرف (2012-2013)	1319
میر ہزار خان کھوسو (نگراں وزیر اعظم)	1319
میاں محمد نواز شریف (2013) تا حال	1319
ممنون حسین (2013) تا حال	1319
1973ء کے آئین میں آئینی ترامیم	1319
پہلی ترمیم (First Amendment)	1319

Marfat.com

دوسری ترمیم (Second Amendment)	1320	پوسٹنگ	1351
تیسری ترمیم (Third Amendment)	1320	بھارت کے عزائم اور پاکستان بننے کی کہانی	1352
چوتھی ترمیم (Fourth Amendement)	1320	آزاد کشمیر	1376
پانچویں ترمیم (Fifth Amendment)	1320	صلہ شہید	1402
چھٹی ترمیم (Sixth Amendment)	1320	ڈپٹی کمشنر جھنگ	1409
ساتویں ترمیم (Seventh Amendment)	1320	حج	1412
آٹھویں ترمیم (Eighth Amendment)	1320	گورنر جنرل مسٹر غلام محمد	1414
نویں ترمیم (Nineth Amendment)	1321	میجر جنرل اسکندر مرزا	1433
دسویں ترمیم (Tenth Amendment)	1321	صدر ایوب خان	1450
گیارہویں ترمیم (Eleventh Amendment)	1321	اصلاحی کمیشنوں کی فہرست، صدر ایوب اور سیاستدان	1456
بارہویں ترمیم (Twelfth Amendment)	1321	سی ایس پی سے استعفیٰ، یونیسکو	1471
تیرہویں ترمیم (Thirtteenth Amendment)	1321	چھوٹا منہ بڑی بات	1482
چودھویں ترمیم (Fourteenth Amendment)	1322	ممتاز مفتی، کالا شاہ کا کوٹیشن	1490
پندرھویں ترمیم (Fifteenth Amendment)	1323	پبلک سروس کمیشن کی ملازمت	1491
آئین کی معطلی، سولہویں ترمیم، سترہویں ترمیم	1323	سائیں اللہ بخش "مرد قلندر"	1493
ایمرجنسی پلس، چیف جسٹس سمیت معزول ججوں کی بحالی	1324	بندو خان، اللہ کی اماں ہے	1494
اٹھارویں ترمیم، انیسویں ترمیم	1324	کراچی ٹرانسفر	1496
بیسویں ترمیم، اکیسویں ترمیم، ریاست آزاد جموں وکشمیر، مختصر تاریخ	1325	پروگرام	1497
آزاد جموں وکشمیر، آزاد کشمیر کے ڈویژن	1326	عطیہ ربانی	1499
شمالی علاقہ جات۔ (گلگت بلتستان)	1327	ستارہ	1501
باب سولھواں: تکوین والے	1329	روحانی نظام	1503
ابن انشاء	1330	دستار بندی، سائڈ منی سوار	1504
بابائے اردو مولوی عبدالحق سے راہ ورسم	1331	مسجد نبوی ﷺ کی بیل	1505
ڈاکٹر مولوی عبدالحق بابائے اردو سے ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب کا تعلق	1333	علم جعفر	1506
پاکستان رائیڈز گلڈ میں شمولیت اور قدرت اللہ شہاب سے تعارف	1333	خصوصی حیثیت	1507
ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب کا ابن انشاء اور قدرت اللہ شہاب سے تعلق	1336	قدرت اللہ شہاب کا صدر مملکت کا سیکریٹری بننا تقرری	1508
ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب اور ابن انشاء	1337	کوتاہی، حضرت شاہ عبداللطیف المعروف امام بریؒ	1510
نیشنل بک سینٹر کی سربراہی	1341	بزرگوں کی میٹنگ	1511
ابن انشاء کی طبیعت خراب رہنے لگی۔ لندن میں آخری منصبی فرائض	1342	حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ	1512
وفات، قدرت اللہ شہاب، آئی سی ایس	1344	حج	1513

Marfat.com

شہدائے بدر سے ملاقات، جنرل یحییٰ حکومت	1514
مسجد اقصیٰ	1515
اسرائیلی جادو	1516
ذوالفقار تابش (ڈائریکٹر بک کونسل پاکستان)، حجاب	1517
لفٹ، شراب کی بوتلیں	1518
اور بات، کون سنے کون سنائے	1520
کھٹا کھٹ ہتھوڑا، قدرت اور میں	1521
نائنٹی 90	1522
مملکت خداداد	1523
کٹیا والے بابا، بے حیثیتہ	1528
شک وشبہ	1530
باب سترھواں: 1965ء کی جنگ کے حقائق	1532
پاکستان کی خارجہ پالیسی، چند بنیادی عناصر	1533
بھارت	1534
Resolution	1542
1965ء کی جنگ کے روحانی عوامل، جنگ	1550
معجزات	1551
پاکستان اور دعا، بھارتی پائلٹ، سیز فائر	1553
آزمائش کا دور	1554
فخور کا دعا، ایم ایم عالم کا کارنامہ، غلام مصطفےٰ خان صاحب "فضل کبیر" میں لکھتے ہیں	1555
صاحب خدمت بزرگ	1555
۱۹۶۵ء کی جنگ ہندوستان کے متعلق خواب میں قبل از وقت فتح پاکستان کی بشارت	1556
فرض شناسی	1557
باب اٹھارھواں: سقوطِ ڈھاکہ	1559
المیہ مشرقی پاکستان، مشرقی پاکستان کی علیحدگی	1560
مشرقی اور مغربی پاکستان کا جغرافیائی محل وقوع	1560
معاشرتی اور سماجی ڈھانچے میں فرق	1561
مارشل لاء، زبان کا مسئلہ، صوبائی خودمختاری	1561
معاشی اور اقتصادی محرومی اور پروپیگنڈہ	1561
ہندو اساتذہ کا کردار، بین الاقوامی سازشیں	1562
1970ء کے انتخابات میں شیخ مجیب الرحمٰن کی اکثریت	1562
مشرقی پاکستان میں فوجی کارروائی، بھارت کا حملہ	1562
بنگلہ دیش کو تسلیم کرنا، ہنگامے اور فسادات	1563
المیہ مشرقی پاکستان ایک جائزہ	1566
حمود الرحمٰن، حقیقت، سقوطِ ڈھاکہ کا شرمناک پہلو	1568
سقوطِ ڈھاکہ میں بیرونی طاقتوں کا کردار، مقصد	1570
1956-3 کا آئین	1571
1956-3 کے آئین کے نمایاں خدوخال	1571
1962-4 کا آئین، 1962-4 کے آئین کے نمایاں خدوخال	1572
1973-5 کا آئین، 1973 کے آئین کے نمایاں خدوخال	1573
باب انیسواں: ایٹمی دھماکہ	1575
پاکستان کی ایٹمی قوت	1576
ایٹمی دھماکہ اور ہماری ذمہ داریاں	1577
یہی تو کام کا وقت ہے	1579
دعا مبارک	1580
بھارتی ایٹمی دھماکے اور تازہ ترین اسرائیلی معاہدات	1581
پاکستان کے ایٹمی دھماکے، بھارتی راہنماؤں کے تاثرات	1581
پراچین یا اکھنڈ بھارت منصوبہ، عظیم تر بھارت	1582
باب بیسواں: ورلڈ ٹریڈ سینٹر	1584
یہود اور قرآن	1585
یہود کا پلان، یہودی فلسفہ کی تنقید اور عالمی ایجنڈے کا ارتقاء	1586
بن گورین اور یہود کا عالمی حکومت کا خواب	1587
جمعیت اقوام (UN) کی حقیقت	1591
علامہ اقبال کا نقطہ نظر	1592
یہودی دجالی نظام اور اس کی آرمی	1593
عالمی حکومت اور یہودی مذہبی بشارتیں، گلوبلائزیشن: Globalization	1595
مسیحیت اور بائبل کا نقطہ نظر	1595
یہودیت اور قیام اسرائیل، اسلامی نقطہ نظر	1596
یہودی کا عالمی غلبہ، مالی دسترس	1597

Marfat.com

یہود وہنود اتحاد اور قرآن	1599
قیام پاکستان، ریاست اسرائیل کا نظریاتی جواب	1599
یہود وہنود عزائم اور ہمارے ذمہ داری	1601
NATO کی تشکیل نو اور نئے اہداف	1601
وقت کا اہم ترین تقاضا	1603
پاکستان کی خصوصی اہمیت	1604
فلیش پوائنٹس	1605
ورلڈ ٹریڈ سینٹر کا سانحہ اور قرآن کریم کی پیش خبری	1606
حیرت انگیز مماثلت	1607
مسجد ضرار کی سازش کا پس منظر	1608
ورلڈ ٹریڈ سینٹر کی سازشی واردات کا حقیقی پس منظر	1610
مذموم مقاصد	1611
عالمی صیہونی منصوبہ	1614
وقتی اور عارضی کامیابی	1615
افغانستان، پاکستان پر امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے حملہ کا اصل پس منظر	1616
اصل دہشت گردی	1618
ملت کو دشمنوں کے عزائم اور عالمی استعمار سے تنبیہ	1623
منی پاکستان کی تباہی	1624
باب اکیسواں: بھارت کا خاتمہ	1625
تقسیم ہند اور ہندو عقیدہ، تقسیم ہند	1626
بھارت ماتا یا دھرتی ماتا کا مندر	1626
ہندوؤں کا خواب، آزادی بھارت کے بعد مسلمانوں کی حالت	1627
مسلم پرسنل لاء، بھارتی مسلمانوں کا محاصرہ	1628
BJP یا RSS، نصب العین	1628
آریہ تہذیب وتمدن کی بازیابی، نتھو رام گوڈسے	1628
جہاد ہند اور پاکستان کا کردار، بتکدے میں برہمن کی پختہ زناری بھی دیکھ	1629
بابری مسجد کی شہادت	1629
ایودھیا کی اصل حقیقت (بابری مسجد یا خانہ کعبہ؟)	1630
رتھ یاترا، رام مندر کی تعمیر	1631
یہود وہنود گٹھ جوڑ، نیو ورلڈ آرڈر میں بھارت کا کردار	1632
BJP کے سربراہ ایل کے ایڈوانی کا انٹرویو	1632
خوش ونت سنگھ	1633
تعارف	1634
گجرات کا مقدمہ	1640
سنگھ اور اس کے راکھشس	1644
فرقہ واریت کی مختصر تاریخ	1648
صرف بی جے پی ہی نہیں	1650
تلخ حقیقت	1652
کیا کوئی حل ہے؟	1655
ہندوستان کو ایک نئے دھرم کی ضرورت ہے	1657
پاکستان کے خاتمہ کی صیہونی منصوبہ بندی	1662
انڈین سپر سٹیٹ پلان INDIA SUPER STATE PLAN	1662
سٹڈی کے نکات	1663
مسٹر ٹیلر کے بقول اس سٹڈی کے شرکاء اس نتیجے پر پہنچے کہ	1664
کیا ہنود قوم نوح ہیں؟	1664
ہندوؤں کے ویدوں میں حضرت نوح اور سیلاب نوح کا تذکرہ	1665
اسلام اور ہندو میں مماثلتیں، موازنہ	1667
باب بائیسواں: اہل اللہ کے انکشافات	1669
جہاد ہند اور فرامین نبویہ	1670
نیز عرب قوم کے ہاتھوں میں نصرت اسلام	1671
جہاد (قتال) کی فرضیت اور مدینہ ثانی کا کردار	1672
علامہ شبیر احمد عثمانی کا عزم، ہماری تاریخ کے اہم موڑ، احیائے دین کی تحریک	1673
پاکستان کے کچھ اہم زمینی حقائق یا نظام ریاست کا زوال	1677
تکمیل پاکستان کیسے	1678
پاکستان کی روحانی نمود، اے ملت پاکستانیہ	1679
مسلمانان ہند کی جائے پناہ	1680
ملت پاکستان کا دوسرا رخ دنیا کی بہترین اور باصلاحیت قوم	1682
پاکستان عالم اسلام کا فکری وروحانی مرکز	1682
پاکستان عظیم کائناتی روحانی حقیقت (مملکت پاکستان ایک آسمانی ریاست)	1682
روحانی پس منظر میں پاکستان	1683

Marfat.com

پاکستان کا عالمی کردار اور اقبال کے جہانِ نو کے نمود کی سرزمین	1683	اللہ کا جلال، سبز آنکھوں والا مجاہد اور پاکستان کا مستقبل	1708
اقبال کا مرد راہداں اور خضرِ وقت	1684	تکمیل پاکستان اور عالمی مستقبل علامہ اقبال کی نظر میں	1709
اقبال اور جناح کے ربانی مشن، علامہ اقبال کا ربانی مشن	1685	اقبال مفکرِ فردا	1709
محمد علی جناح کا ربانی مشن	1686	جمیعتِ آدم	1714
پاکستان کی روحانی نمود (پاک و ہند کی چار سو سالہ تاریخ، ۱۰۰۰ھ تا ۱۴۰۰ھ)	1687	اقبال کی چشم بینا	1715
صوفیائے کرام، دینی دانشور و علماء، درویش صفت حکمران	1689	مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ	1716
مجاہدین جنگ آزادی، مجاہدین تحریک آزادی	1689	اقبالؒ کی غیر معمولی الہامی کیفیات	1717
قدرت کی منصوبہ بندی، تاریخ کی عظیم ہجرت	1690	پاک چین دوستی اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ	1719
مجاہدین آزادی، جعفر دودا یوف شہید کی وصیت	1690	ڈنڈے والی سرکار	1720
ابوالحسن علی ندوی اور پاکستان، حضرت واصف علی واصفؒ	1691	حسن اخری سید محمد عظیم برخیا، محمد عظیم، برخیا، قلندر بابا اولیاءؒ	1721
سرفراز علی شاہ صاحب، تاریخ پاکستان کا روشن باب	1691	جائے پیدائش	1721
دو قومی نظریہ اور قرآنی مثالیں	1692	تعلیم و تربیت، روحانی تربیت، نسبت فیضان، پیش گوئی	1722
دو قومی نظریہ اور قائد اعظمؒ	1693	حضرت عبدالعزیز مکی قلندرؒ پاک پٹن (اجودھن)	1724
حضرت شاہ احمد سعید دہلویؒ، تحفہ زواریہ	1694	خراسان سے کالے جھنڈے والے لشکر کے امیر مہدی ہوں گے	1725
ہندوستان کے صدر کی مجاہدین کے ہاتھوں گرفتاری کی نبوی بشارت	1696	نیک شخص کا خواب سچا ہوگا	1725
پاکستان کی ہاں اور ناں میں اقوام عالم کے فیصلے	1697	مومن کا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے	1725
حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی پیش خبری	1697	مسلمان دنیا کی سب سے بڑی فوج بنا سکتے ہیں	1726
تذکرہ انوار صابریؒ	1700	**باب تئیسواں: حالاتِ حاضرہ**	1727
علیم اللہ ابدال کا عریضہ لیجانا اور جناب بابا صاحب کا فرمان	1700	ایران کا جوہری پروگرام، ایرانی جوہری معاملے پر تیار شدہ مسودہ	1728
حضرت عبدالقدوس گنگوہی کی مزار شریف پر حاضری	1701	ایران.........تاریخ کے آئینے میں	1729
سلطان الہند خواجہ معین الدین چشتیؒ کا وصیت نامہ	1702	184 ممالک کی تنظیم "انٹرپول"	1734
کالم	1703	مسئلہ کشمیر	1737
پاکستان کی ہاں اور ناں میں اقوام عالم کے فیصلے	1704	بینظیر بھٹو کی شہادت۔۔۔پاکستان کی تاریخ کا بڑا سانحہ	1739
خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کا ہندوستان تشریف لانا اور شہاب الدین غوری کا دہلی فتح کرنا	1704	خودکش دھماکے، تاریخی پس منظر	1742
		1980ء کے بعد خودکش حملے، اکیسویں صدی اور خودکش حملے	1743
قطب الدین ایبک وصیت کا نامہ کا مکمل پابند رہا اور اس کا خاتمہ بخوبی ہوا	1705	خودکش دھماکے اور پاکستان	1744
پاکستان کا مستقبل	1706	پانی کی تقسیم پر پاک بھارت معاہدے اور تنازعات	1744
استقرار پاکستان میں حضرت کے افادات اور برکات کا حصہ	1707	سندھ طاس معاہدے کے مندرجات	1745
پاکستان کے لئے دعا، پاکستان کی پیش گوئی	1707	افسوسناک حقیقت، بھارت کی آبی جارحیت	1747
آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئیاں	1707	کشن گنگا پروجیکٹ	1748

Marfat.com

زراعت کا پانی پر انحصار	1749
پاکستان میں پانی کی بڑھتی کمی، بھارتی ڈیمز سے پاکستان کو درپیش مشکلات	1750
سندھ طاس واٹر کونسل کا نقطہ نظر	1751
آبی چوری کا بھارتی اعتراف	1752
فلسطین پر اسرائیلی قبضہ کے 66 برس (1948 تا حال)	1752
عرب اسرائیل جنگیں، فلسطینی تنظیمیں اور معاہدات	1755
فلسطینیوں کی حالتِ زار، امریکی و برطانوی پشت پناہی	1756
عراق پر امریکی جارحیت۔۔۔ تازہ ترین صورتحال تک	1758
عراق پر امریکی حملے کا پس منظر، امریکی حملے کے مقاصد	1758
امریکی جارحیت کے نو سال پر ایک نظر	1759
قومی تعلیمی پالیسی (2009)، تعلیمی پالیسی کے بنیادی نکات	1761
پاکستان میں امریکی جاسوس طیاروں کے حملے	1762
پاکستان پر حملے	1763
این آر او۔۔۔۔۔۔ قومی مصالحتی آرڈیننس	1764
این آر او سے مستفید ہونے والے بڑے نام، بلیک واٹر	1765
بلیک واٹر نیٹ ورک	1768
بلیک واٹر کے بظاہر مقاصد، بلیک واٹر کے خفیہ مقاصد	1768
افغانستان اور پاکستان میں خفیہ مقاصد، کالاباغ ڈیم	1769
قوموں کی ترقی میں ڈیمز کی اہمیت	1769
کالاباغ ڈیم کا مختصر تاریخی پس منظر	1770
کالاباغ ڈیم پر اعتراضات کی حقیقت	1771
کالاباغ ڈیم فوری بنانا کیوں ناگزیر ہے؟، مسئلہ سرکریک	1772
ایبٹ آباد آپریشن اور اسامہ بن لادن	1775
امریکی صدر کا موقف	1776
امریکی دستے کا تعارف، اسامہ کا مختصر تعارف، اسامہ اور افغانستان	1777
اسامہ پر الزامات	1778
اسامہ کے انتقال کی مختلف اطلاعات	1779
اسامہ اور موت کی آنکھ مچولی، امریکی صحافی کا نرالا دعوی	1779
لاہور میٹرو بس سروس	1779
گوادر بندرگاہ۔۔۔ چین کے حوالے	1780
عام انتخابات 2013ء کا انعقاد	1783
میاں محمد نواز شریف (تیسری بار وزیراعظم بننے کا اعزاز)	1784
ممنون حسین کے بارہویں صدر منتخب	1785
وزیراعظم نواز شریف کا کامیاب دورۂ چین	1786
مشترکہ اعلامیہ	1787
حسن روحانی ایران کے نئے صدر منتخب، حسن روحانی کا مختصر تعارف	1788
قومی توانائی پالیسی۔ ۲۰۱۳	1789
ایران ایٹمی معاہدہ	1790
ملک کے سب سے بڑے جوہری بجلی گھر کا سنگ بنیاد	1791
جنرل راحیل شریف نئے آرمی چیف مقرر	1792
پاکستانی مصنوعات بغیر ڈیوٹی برآمد کرنے کی اجازت	1794
تھرپارکر پراجیکٹ کا آغاز، پراجیکٹ کے اہم نکات	1794
ترک وزیراعظم رجب اردگان کا دورہ پاکستان	1795
پاک بحرین پندرہ معاہدوں پر دستخط	1797
ساؤتھ ایشیاء ویمن سمٹ 2014ء لاہور	1798
جوہری عدم پھیلاؤ کانفرنس۔۔۔۔۔ مارچ ۲۰۱۴ء	1798
پرویز مشرف پر فردِ جرم عائد	1800
چنیوٹ میں لوہے کے وسیع ذخائر کی دریافت	1801
جنوبی کورین وزیراعظم کا دورہ پاکستان (اپریل ۲۰۱۴)	1801
عالمی عدالتی کانفرنس، اسلام آباد (۲۰۱۴)	1802
گدو پاور پلانٹ کا افتتاح	1803
پاکستان تھرڈ جنریشن اور فورتھ جنریشن ٹیکنالوجی میں داخل	1803
پاکستان کے پہلے سولر پاور پراجیکٹ (بہاولپور) کا سنگ بنیاد	1804
وزیراعظم نواز شریف کا دورہ ایران (۲۰۱۴)	1805
بھارتی انتخابات میں بی جے پی کامیاب نریندر مودی وزیراعظم منتخب	1806
ساہیوال کول پاور پلانٹس کا سنگ بنیاد	1807
نندی پور پاور پراجیکٹ کا افتتاح	1808
الیکشن کمیشن کا پانچ سالہ سٹریٹجک پلان	1809
غزہ میں اسرائیلی جارحیت	1809
آئی ایس آئی ایس۔۔۔۔۔۔ داعش	1810

Marfat.com

ابوبکر البغدادی کا تعارف، سکاٹ لینڈ ریفرنڈم	1811
جنرل اسمبلی کے 69ویں اجلاس سے وزیراعظم نواز شریف کا خطاب	1812
ایشین انٹرنیشنل بینک کا قیام	1812
پہلی بین الاقوامی سرمایہ کاری کانفرنس اسلام آباد	1813
وزیراعظم نواز شریف کا کامیاب دورۂ چین (2014ء)	1814
جی 20 سربراہی اجلاس برسبین (2014ء)	1815
26واں ایپک اجلاس بیجنگ (2014ء)	1815
پاک روس دفاعی معاہدہ	1816
پاکستانی سکوک بانڈز کی کامیابی	1816
اٹھارویں سارک کانفرنس کھٹمنڈو (2014ء)	1816
نیشنل ایکشن پلان 2014ء	1817
افغانستان، نیٹو کا جنگی مشن ختم	1818
سعودی بادشاہ عبداللہ بن عبدالعزیز کی وفات	1820
اہم قومی وبین الاقوامی واقعات، اہم قومی واقعات 2014ء	1821
بین الاقوامی واقعات 2014ء	1827
2015 کے حالات ، تجزیہ	1838
باب چوبیسواں: نشاۃ الثانیہ	1839
انسانوں کے بارے میں اللہ کی اسکیم	1848
افراد کے عروج وزوال کے بارے میں اللہ کی سنت	1850
قوموں/تہذیبوں کے عروج وزوال کے بارے میں اللہ کی سنت	1852
قوموں/تہذیبوں کا عروج	1852
قوموں کے عروج وترقی کے معروضی اصول ، انسانی وسائل	1852
نموئی وسائل	1853
مادی وسائل	1854
دنیا میں قوموں/تہذیبوں کے عروج وترقی کے معروضی اصول	1854
مسلمانوں کا عروج اور نشاۃ الثانیہ کے امکانات	1855
مسلمانوں کے عروج کے اسباب	1856
نظریہ حیات سے وابستگی	1857
انسانی وسائل، محنت	1859
اتحاد	1860
تنظیم	1862
منصوبہ بندی	1863
پابندئ قانون	1864
ایثار وقربانی	1865
نموئی وسائل، تعلیم وتربیت	1868
تحقیق ، حریت فکر	1871
غور وفکر	1872
تجربہ ومشاہدہ ، سیاسی استحکام	1873
میڈیا	1874
مادی وسائل	1875
معاشی صلاحیت	1876
چوری، ڈکیتی، شہادت	1877
حربی قوت	1878
مسلم نشاۃ ثانیہ کے امکانات	1879
مسلم امہ۔۔۔تصویر کے کچھ روشن پہلو	1879
زوال مسلم	1883
مسلم تہذیب میں تجدید حیات کی منفرد خصوصیات	1883
مغرب کا ظلم وستم	1885
مغرب کے عروج کے اسباب	1890
نظریہ حیات کے ساتھ وابستگی	1891
انسانی وسائل، محنت، اتحاد	1891
تنظیم ومنصوبہ بندی، پابندی قانون، ایثار وقربانی	1892
نموئی وسائل، تعلیم وتربیت، تحقیق، سیاسی استحکام	1893
ابلاغ ، مادی وسائل، سائنس وٹیکنالوجی	1894
معاشی صلاحیت، حربی قوت	1894
مغرب کے متوقع زوال کے اسباب	1895
پہلا مقدمہ: اہل مغرب کا نظریہ حیات حتماً غلط ہے	1895
ہیومنزم (Humanism)	1896
سیکولرزم (Secularism)	1897
میٹریلزم (Materialism)	1898

Marfat.com

تجربیت (Empiricism)	1900
مغربی نظریات عقلاً بھی غلط ہیں	1903
مغرب کی گمراہی کے بارے میں چند شبہات اور ان کا ازالہ	1904
مغرب کی فکر اگر غلط ہے تو وہ غالب کیوں ہے؟	1904
مغرب تو عیسائی ہے اور عیسائیت ربانی دین ہے؟	1904
مغرب کی موجودہ سوچ تو سائنسی اصولوں پر مبنی ہے لہذا وہ کیسے غلط ہو سکتی ہے؟ یہ مفروضہ کئی لحاظ سے غلط ہے؟	1905
دوسرا مقدمہ: غلط نظریہ حیات حتماً فساد فی الارض کا سبب بنتا ہے	1907
اللہ پر ایمان نہ لانا موجب فساد ہے	1907
اللہ کی عبادت واطاعت سے انکار فساد فی الارض ہے	1908
قرآن کا انکار موجب فساد ہے	1908
شرک فساد فی الارض سبب ہے	1908
خدا کی بجائے اپنی مرضی کرنا فساد الارض ہے	1908
انکار آخرت موجب فساد فی الارض ہے	1908
دنیا میں مگن ہو جانا اور آخرت کو بھول جانا باعث فساد فی الارض ہے	1909
قتل وخونریزی، قتل وخونریزی کی وجہ انکار حق کا رویہ ہے	1909
قتل وخونریزی فساد فی الارض ہے	1909
ظلم وجبر	1910
ظلم کی بنیادی وجہ انکار حق اور حدود اللہ سے تجاوز کرنا ہے	1910
ظلم وجبر فساد فی الارض ہے	1910
استحصال	1910
انسانی رشتوں کی پامالی موجب فساد فی الارض	1911
جنسی انارکی فساد فی الارض کا سبب ہے	1911
اصلاحی قوتوں کی ناکامی	1912
عدم نفع آوری سبب زوال ہے	1913
قتل وخونریزی	1913
غیر ملکی زمین پر غیر قانونی قبضہ	1914
غلاموں کی تجارت	1914
جنگ آزادی	1914
امریکی خانہ جنگی	1914
ایٹم بم کی تیاری	1915
دیگر ممالک میں مداخلت اور حکومتوں کا خاتمہ، ظلم وجبر	1915
استحصال	1916
رشتوں کی پامالی اور جنسی انارکی	1916
نفع آوری کا خاتمہ	1917
اصلاحی قوتوں کی ناکامی	1917
مقدمہ نمبر۳۔ فساد فی الارض میں مبتلا قوم/تہذیب مٹ کر رہتی ہے	1918
شرک کی وجہ سے ہونے والے فساد فی الارض کا نتیجہ تباہی	1918
ظلم کا نتیجہ ہلاکت وبربادی ہے	1918
زمین کو فساد سے پاک کرنے کے لئے اللہ اہل باطل کو شکست سے دوچار کرتا ہے	1919
فساد فی الارض کے نتیجے میں اللہ قوموں کے عروج کو زوال سے بدل دیتا ہے	1919
آل فرعون بھی انکار حق کی وجہ سے مفسد قرار پائے اور تباہ کیے گئے	1919
مغرب کا زوال حتمی ہے	1920
ایئر کمپنیاں بند، انشورنس بزنس، بیروزگاری میں اضافہ	1922
ڈالر کی قیمت میں کمی، سونے اور پٹرول کی قیمت میں اضافہ	1922
دیوالیہ کمپنیاں، جنگی اخراجات	1923
تجارتی خسارہ، بجٹ خسارہ	1923
اسرائیل اور یہودیوں کی وجہ سے خسارہ	1923
مغرب (خصوصاً امریکہ) کے متوقع زوال کے اسباب	1926
مسلم نشاۃ ثانیہ کی اساس	1927
مغربی تہذیب مسلم نشاۃ ثانیہ کی اساس نہیں بن سکتی	1928
مسلم نشاۃ ثانیہ کی حکمت عملی	1934
بنیادی حکمت عملی۔ تعلیم وتزکیہ	1935
	1935
کیا تعلیم وتزکیہ سارے مسائل کا حل ممکن ہے؟	1937
تزکیہ نفس اور تصوف	1937
تعلیم وتزکیہ پر ترکیز سیاسی جدوجہد کے منافی نہیں	1938
تعلیم سے ہماری مراد صرف دینی تعلیم نہیں	1939
مسلم نشاۃ ثانیہ کا لائحہ عمل	1941

Marfat.com

مجوزہ لائحۂ عمل	
اتحاد امت	1941
پرائیویٹ و پبلک سیکٹر	1941
موتمر عالم اسلامی	1942
رابطہ عالم اسلامی	1942
اسلامی کانفرنس تنظیم	1942
سیاسی وتزویراتی امور	1943
مسلم ممالک کی داخلی سیاست	1943
پرائیویٹ سیکٹر ، پبلک سیکٹر	1943
سیاست خارجہ، بنیادی اصول ، امریکہ	1944
چین	1945
روس، یورپی یونین	1946
اسرائیل، بھارت، دفاع ، پرائیویٹ سیکٹر	1946
پبلک سیکٹر ،تعلیم وتربیت، پرائیویٹ سیکٹر، پبلک سیکٹر	1947
معیشت، پرائیویٹ سیکٹر	1948
پبلک سیکٹر	1949
قانون وانصاف ، پبلک سیکٹر	1950
دعوت واصلاح ، پرائیویٹ سیکٹر، پبلک سیکٹر	1951
میڈیا	1952
پرائیویٹ سیکٹر، پبلک سیکٹر، معاشرت،	1952
پبلک سیکٹر، صحت	1953
پرائیویٹ سیکٹر، پبلک سیکٹر	1953
صنعت وتجارت، پرائیویٹ سیکٹر، پبلک سیکٹر	1954
زراعت، پرائیویٹ سیکٹر، پبلک سیکٹر	1955
مسلم نشاۃ ثانیہ۔موانع اوران کا حل	1955
داخلی مانع اوراس کا حل	1955
اس کا حل کیا ہے؟	1957
اس کی عملی صورت کیا ہو؟	1957
خارجی مانع اوراس کا حل	1958
فراست ، دعوت	1959
مزاحمت	1960
عملی مانع اوراس کا حل	1961
نئی تنظیم کی ضرورت	1962
طریق تشکیل	1962
ہدف	1963
وسائل	1963
مسلم نشاۃ ثانیہ کی تکمیل	1963

Marfat.com

Marfat.com

حصہ اوّل

باب: اوّل

اللہ تعالیٰ کی صفات

Marfat.com

کائنات کی تخلیق کا سبب

حدیث قدسی

كُنْتُ كَنْزاً مَخْفِيّاً فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ ٥

ربُّ العالمین نے چاہا

میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں پس میں نے مخلوق کو پیدا کیا۔ اور دوسرا اعتبار جو کہ ظاہر ہوا وہ وجود ہے جو ایجاد کی تمہید اور مقدمہ ہے گویا تعین وجود، تعین جی کا ظل ہے اور تعین وجود کے لئے واسطہ ہے۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کی صفات

سورۃ الفاتحہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ہ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ہ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ہ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ہ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ہ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ ہ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ہ

سب تعریفیں اللہ پاک کیلئے ہیں جو پالنے والا سارے جہان کا۔ بے حد رحم والا مالک روزِ جزا کا۔ تیری ہی بندگی کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔ بتلا ہم کو راہ سیدھی۔ اُن لوگوں کی جن پر تو نے فضل فرمایا۔ جن پر نہ تیرا غصہ ہوا اور نہ وہ گمراہ ہوئے۔

ا۔ رحمٰن اور رحیم دونوں مبالغہ کے صیغے ہیں اور رحمٰن میں رحیم سے زیادہ مبالغہ ہے ترجمہ میں ان سب باتوں کا محافظ ہے۔

۲۔ ہر تعریف اللہ کی ہے: یعنی سب تعریفیں عمدہ سے عمدہ اول سے آخر تک جو ہوئی ہیں اور جو ہوں گی خدا ہی کو لائق ہیں کیونکہ ہر نعمت اور ہر چیز کا پیدا کرنے والا اور عطا کرنے والا وہی ہے خواہ بلا واسطہ عطا فرمائے یا بواسطہ جیسے دھوپ کی وجہ سے اگر کسی کو حرارت یا نور پہنچے تو حقیقت میں آفتاب کا فیض ہے۔

شعر حمد را با تو نسبتے ست درست بر در ہر کہ رفت بر در تست۔ تو اب اس کا ترجمہ کرنا کہ ہر طرح کی تعریف خدا ہی کو سزاوار ہے بڑی کوتاہی کی بات ہے جسکو اہل فہم خوب سمجھتے ہیں۔

۳۔ عالمین کے معنی مجموعہ مخلوقات کو عالم کہتے ہیں اور اسی لئے اُس کی جمع نہیں لاتے۔ مگر آیت میں عالم سے مراد ہر ہر جنس (مثلاً عالم جن، عالم ملائکہ، عالم انس وغیرہ وغیرہ) ہیں۔ اس لئے جمع لائے تاکہ جملہ افراد عالم کا مخلوق جناب باری ہونا خوب ظاہر ہو جائے۔

۴۔ اس کے خاص کرنے کی اول وجہ تو یہی ہے کہ اُس دن بڑے بڑے امور پیش آئیں گے۔ ایسا خوفناک روز نہ پہلے ہوا نہ آگے کو ہو دوسرے اس دور بجز ذات پاک حق تعالیٰ کے کسی کو ملک وحکومت ظاہری بھی تو نصیب نہ ہوگی۔ لمن الملک الیوم للہ الواحد القھار۔

۵۔ صرف اللہ سے استعانت اس آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ اُس کی ذات پاک کے سوا کسی سے حقیقت میں مدد مانگنی بالکل ناجائز ہے ہاں اگر کسی مقبول بندہ کو محض واسطہ رحمت الٰہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانت ظاہری اُس سے کرے تو یہ جائز ہے کہ یہ استعانت درحقیقت حق تعالیٰ ہی سے استعانت ہے۔

۶۔ اہل انعام اور اہل غضب جن پر انعام کیا گیا وہ چار فرقے ہیں نبیین صدیقین وشہداء وصالحین کلام اللہ میں دوسرے موقع پر اس کی تصریح ہے اور المغضوب علیھم سے یہود اور ضالین سے نصاریٰ مراد ہیں۔ دیگر آیات روایات اس پر شاہد ہیں اور صراط مستقیم سے محرومی کل دو طرح پر ہوتی ہے۔ عدم علم یا جان بوجھ کر کوئی فرقہ گمراہ اگلا پچھلا ان دو سے خارج نہیں ہوسکتا سو نصاریٰ تو وجہ اول میں اور یہود دوسری میں ممتاز ہیں۔

Marfat.com

۷۔ قرآن میں سورہ فاتحہ کی حیثیت یہ سورۃ خدا تعالیٰ نے بندوں کی زبان سے فرمائی کہ جب ہمارے دربار میں حاضر ہوتو ہم سے یوں سوال کیا کرو اس لئے اس سورۃ کا ایک نام تعلیم مسئلہ بھی ہے۔ اس سورۃ کے ختم پر لفظ آمین کہنا مسنون ہے۔ اور یہ لفظ قرآن شریف سے خارج ہے۔ معنی اس لفظ کے یہ ہیں کہ الٰہی ایسا ہی ہو' یعنی مقبول بندوں کی پیروی اور نافرمانوں سے علیحدگی میسر ہو اس سورۃ کے اول نصف میں اللہ تعالیٰ کی ثنا وصفت اور دوسرے حصے میں بندہ کے لئے دعا ہے فائدہ غیر المغضوب الخ الـذیـن کا بدل ہے یا اُس کی صفت ہے اس لئے اُس کے مناسب ترجمہ کیا گیا۔ بعض تراجم دہلویہ میں جو اس کا ترجمہ کیا ہے خلاف ترکیب وخلاف مقصود ہے۔

ذات والاصفات

اللہ تعالیٰ معبود حقیقی، خالق و مالک کائنات، جو ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔ اللہ اُس عظیم ترین ہستی کا اسم ذات ہے، جو تمام جہانوں کا پالن ہار ہے۔ رب العالمین و مالک یوم الدین ہے اور آسمانوں اور زمین کا حسن ونور ہے۔ پوری کائنات اُس کے انوارات اور تجلیات سے منور ہے۔ بلا شبہ وہ ذات اقدس وراء الوراء ثم الوراء (پیچھے سے پیچھے، دور سے دور، پرے سے پرے) ہے۔ ہر چیز کا حُسن و جمال اور لطف وکمال بھی اللہ سُبحانہ وتعالیٰ کے حسن و جمال کا آئینہ ہے۔ اَللّٰہُ جَمِیْلٌ "وَّیُحِبُّ الْجَمَالَ" کائنات کی ہر شے بلکہ ہر ذرّہ اس کی حمد وثناء جمیل میں مصروف ہے۔

وہ ہر آن نئی شان میں ہے۔ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَأْنٍ " (سورۃ الرحمن آیت نمبر ۲۹)

کتاب الٰہی کھولتے ہی انسان کا پہلا تعارف "اللہ" سے ہوتا ہے جو محض ایک لفظ ہی نہیں بلکہ اسم ذات خاص ہے۔ اسی ایک لفظ میں تمام صفات الٰہیہ کو جمع کر دیا گیا ہے جو اس کی ذات والاصفات کی کلیدِ معرفت ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات اقدس کے لئے اس خاص الخاص نام کو اختیار کیا اور اپنی مخلوق سے اپنے تعارف کا ذریعہ بنایا۔ قرآن مجید کتاب توحید ہے، جو معرفت الٰہی کا خزینہ اور منبع العلوم ہے۔ اُس کی ہر سورۃ، ہر آیت اور ہر کلمہ وفقرہ اُس کا تعارف کراتا ہے اور معرفت الٰہی کی طرف گامزن کرتا ہے۔ اُس کے ذکر خیر سے اُس کی تعریف وتوصیف، تمجید وتسبیح، اس کی حمد وثناء اس کی ذات عالیہ وصفات کمالیہ اور اسماء الحسنیٰ سے پورا کا پورا کلام الٰہی مزین ہے۔ ورنہ کسی مخلوق کے بس کی بات نہیں کہ اُس کی تعریف وتوصیف اور حمد وثناء بیان کر سکے۔ قرآن اس حقیقت کو سورۃ کہف آیت ۱۰۹ میں یوں واضح کرتا ہے۔

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَاداً لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا.

ترجمہ: آپ ﷺ فرما دیجئے اگر میرے رب کی باتیں لکھنے کے لئے سمندر سیاہی بن جائے تو میرے رب کی باتوں کے تمام ہونے سے پہلے سمندر ختم ہو جائے۔ اگرچہ ہم ویسا ہی ایک اور سمندر اُس کی مدد کے لئے آئیں۔

دوسری جگہ، سورۃ لقمان، آیت ۲۷ میں اس حقیقت کی وضاحت یوں فرمائی ہے۔

وَلَوْ اَنَّمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَام" وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّانَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ

Marfat.com

عَزِیزٌ حَکِیمٌ ٥

اور اگر یوں ہو کہ زمین میں جتنے درخت ہیں سب کے سب قلم ہوں اور سمندر کا تمام پانی سیاہی ہو اور اُس کے بعد سات سمندر اور ایسے ہی ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ کی باتیں ختم نہ ہوں۔ بیشک اللہ زبردست اور حکمت والا ہے۔

ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی باتوں سے مراد اُس کی تعریف و تعارف، تسبیح و تقدیس اور حمد و توصیف ہے، خواہ اُس کی حکمتوں اور قدرتوں کا بیان ہو، خواہ اُس کے کارناموں اور کمالوں کا ذکر ہو، خواہ تخلیق انسان و کائنات کا بیان ہو یا تخلیق جن و ملائکہ یا آسمان و زمین کا ذکر یا بشارتوں اور سزاؤں کی تعبیر و تذکیر ہو۔ غرض بات کسی چیز یا کسی شے کے حوالے سے کی گئی ہو، وہ گھوم پھر کر اللہ تعالیٰ کی تعریف و تحمید پر ہی ختم ہوتی ہے۔

بے شک قرآن کریم کتاب الٰہی ہے۔ جو ھُدًی لِّلنَّاسِ، ھُدًی لِّلْمُتَّقِینَ اور عالمین کے لئے نذیر ہے۔ یہ سب سے اعلیٰ و اکمل کتاب اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے مخصوص و مقرب ترین بندے رسول ﷺ پر اُتاری اور زمین والوں کو نعمت عظیمہ سے مشرف و ممتاز فرمایا۔ بلاشبہ اس کتاب میں کوئی ٹیڑھی ترچھی بات نہیں۔ آیات انتہائی سلیس و فصیح و بلیغ، اسلوب بیان نہایت موثر و شگفتہ اور فیصلہ کن۔ اُصول نہایت صاف، دلائل روشن، احکام معقول، وجوہ اعجاز واضح تعلیم متوسط و متعدل، جو ہر زمانہ اور ہر طبیعت کے لئے نہایت مناسب، عقل سلیم کے عین مطابق اور اس میں کسی قسم کی افراط و تفریط کا شائبہ تک نہیں۔ ''اللہ'' قرآن مجید فرقان حمید میں ایک تجزیاتی شمارے کے مطابق ۲۶۹۷ (دو ہزار چھ سو ستانوے) مقامات پر آیا ہے جس کی (المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم، بذیل مادہ (ا ل ہ) محمد فواد عبدالباقی) تفصیل یوں ہے

(۱) ''اللہ'' ۵۹۲ حالت مفعولی میں (اللہ کے ہ پر زبر کے ساتھ)

(۲) ''اللہ'' ۱۱۲۵ حالت جر میں (اللہ کے ہ پر زیر کے ساتھ)

(۳) ''اللہ'' ۹۸۰ حالت فاعلی میں (اللہ کے ہ پر پیش کے ساتھ)

(۴) ''اللہ'' بھی ۱۳۸ مقامات پر آیا ہے۔ (معجم القرآن، سید فضل الرحمٰن)

(۵) ''اللّٰھُمَّ'' پانچ آیات کریمہ میں حالت ندا میں آیا ہے۔ (آل عمران: ۲۶۔ مائدہ ۱۱۴، انفال ۳۲، یونس ۱۰، زمر ۴۶)

حالت فاعلی میں

حالت فاعلی میں ''اللہ'' یا تو بطور مبتداء آیا ہے، یعنی اُس کی خبر میں اُس کی کوئی صفت آئی ہے یا کوئی اُس کا فعل۔ دونوں لامحدود ہیں۔ کیونکہ ''اللہ'' کے بے شمار اسمائے حسنیٰ اور صفات کلیہ ہیں۔ وہ ہر کام کرنے پر قادر ہے۔ ان سب کا احاطہ ناممکن ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کے بعض اہم ترین افعال کا ذکر کیا جاتا ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ تخلیق فرماتا ہے اور زندگی اور موت دیتا ہے اور وہی قیامت میں تمام مخلوقات مکلفہ کو پھر سے جی اُٹھائے گا۔

(سورۃ بقرۃ ۷۲، ۱۲۸، ۳۵۹۔ آل عمران: ۲۷، انعام ۱۰۲ اور متعدد آیات)

Marfat.com

☆ اللہ تعالیٰ بندوں پر فضل فرماتا ہے۔ (سورۃ بقرۃ:۱۹، آل عمران ۷۴،۴نساء، ۳۲اور متعدد آیات)

☆ اللہ تعالیٰ بارش کے ذریعے زندگی اور رزق دیتا ہے۔ (سورۃ بقرۃ ۱۶۴، ۲۱۲،شوریٰ ۲۷،تغابن ۱۱وغیرہ)

☆ اللہ تعالیٰ انسانوں کو ہدایت دیتا ہے، اپنے رسولوں و کتابوں کے ذریعے ان کی دنیا اور آخرت سنوارتا ہے۔

(سورۃ بقرۃ: ۴، ۲۱۳،آل عمران ۸۶،الانعام ۳۹،الاعراف ۴۳وغیرہ)

☆ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ کر گذرتا ہے اور وہ ہر شے پر قادر ہے۔ (آل عمران: ۴۰، نساء ۱۷وغیرہ)

حالت مفعولی میں

حالت مفعولی میں لفظ ''اللہ'' کا ذکر جن آیات میں آیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی کسی صفت اور فعل سے تعلق رکھتی ہیں وہ بے شمار ہیں جن میں سے چند کا مثال کے طور پر ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ عالم الغیب والشہادہ (سورۃ بقرہ: ۷۷، آل عمران:۵، مائدہ ۷، انفال ۴۳ اور متعدد آیات)

۲۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ (سورۃ بقرۃ: ۸۳،آل عمران ۶۴،نساء ۲۶،اعراف ۵۹وغیرہ)

۳۔ اللہ تعالیٰ رازق ہے اور اسکا رزق بلا حساب ہے۔ (آل عمران: ۲۷، حج ۵۸،روم:۲۷،زمر ۲ ۵،شوریٰ ۱۲وغیرہ)

۴۔ اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے۔ (سورۃ بقرۃ: ۹، ۱۰۶،آل عمران ۱۶۵،طلاق ۱۲،جن ۱۲اور متعدد آیات)

۵۔ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو۔ (سورۃ مائدہ ۱۱، انفال ۶۹، مومنون ۲۳، حدید ۲۸، حشر ۱۸، ممتحنہ ۱۱وغیرہ)

۶۔ اللہ تعالیٰ آسمان و زمین اور پوری کائنات کا مالک ہے۔ (سورۃ بقرۃ ۱۰۷،مائدہ ۴،توبہ ۱۱۶وغیرہ)

۷۔ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ (سورۃ بقرۃ:۱۵۶،ودیگر آیات کریمہ وغیرہ)

۸۔ اللہ تعالیٰ تقویٰ و احسان والوں اور مومنوں کے ساتھ ہے۔ (سورۃ بقرۃ؛ ۲۲۲، ۱۹۵، ۵،دوسری آیات)

۹۔ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ (سورۃ بقرۃ؛ ۲۲۶، ۱۹۹، ۱۹۲،نساء ۱۲۹،مائدہ ۳۴،انفال ۶۹ ومتعدد آیات)

حالت جر میں

حالت جر میں لفظ ''اللہ'' کا جہاں ذکر آیا ہے، اُن میں اُس کی صفات وافعال کے لحاظ سے اُس کی ملکیت وحاکیت کا ذکر زیادہ غالب ہے۔ مثلاً رزق کی ملکیت الٰہی اور عطائے خاص کا ذکر اس طرح مذکور ہے۔

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ

ترجمہ: کھاؤ پیو اللہ کے دیئے ہوئے رزق میں سے مگر زمین میں فساد مچاتے نہ پھرو۔ (سورۃ البقرۃ: ۶۰)

اللہ تعالیٰ کے فضل عام کا ذکر متعدد آیات مقدسہ میں ہے۔ (سورۃ بقرۃ: ۱۸۲، ۶۴،نساء ۷۰،یونس ۵۸وغیرہ)

اُس کی ملکیت کائنات کا ذکر سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۱۶میں یوں کیا گیا ہے۔

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ (یعنی اللہ ہی مشرق ومغرب کا مالک ہے)

Marfat.com

اللہ تعالیٰ ہی ہدایت دینے والا اور مغفرت ورحمت کرنے والا ہے۔ (البقرۃ: ۱۴۲،۱۲؛ آل عمران: ۳،۱۵۷اوغیرہ)

مذکورہ بالا تمام آیات مقدسہ بطور مثال قرآن مجید میں اللہ جل شانہ کی ذات وصفات کو سمجھانے کے لئے پیش کی گئی ہیں۔ ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ پورا کلام الٰہی اپنے متکلم کے اسم جلالت سے مزین ہے۔ اللہ جل شانہ کا مقصد کریمہ یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کو اپنی معرفت دے۔ اس لئے اُس نے مختلف اسالیب وطرز تخاطب سے اپنے بارے میں حقائق کھولے ہیں۔ جو انسانیت کی فوز وفلاح، دینوی نجات اور مغفرتِ اُخروی کے لئے نہایت ضروری ہیں جبکہ ان حقائق ومعلومات سے تعرض نہیں کیا جاسکتا، جو انسانی فہم وادراک سے بالاتر ہیں اور اُن کے لئے کسی مصرف کے نہیں۔ اسی بناء پر ذات باری تعالیٰ کی تفصیلات نہیں بیان کی گئی ہیں۔ البتہ جو تفصیلات دی گئی ہیں وہ یا تو صفات ربانی کے حوالے سے ہیں یا بعض مثالوں کے ذریعے سے ہیں۔ جیسے سورۃ نور آیات ۳۵ میں اللہ تعالیٰ کو آسمان کا اور زمین کا نور کہا گیا ہے۔ ایک ایسا نور جو کسی طاق عالی میں رکھے ہوئے شیشے کے چراغ سے ہویدہ ہوا اور اُس کی روشنی اس بابرکت درخت زیتون کے تیل کی مرہون منت ہو، جو نہ تو شرقی ہو نہ غربی۔ جس کی صفائی وشفافی اتنی ہے کہ آگ دکھائے بغیر ہی وہ جل اُٹھتا ہے۔ نُور'' عَلیٰ نُورُ (روشنی کے اوپر روشنی) اللہ تعالیٰ اپنے نور ہدایت جس کو چاہتا ہے بخشتا ہے۔ یہ تمثیلیں لوگوں کی رہنمائی کے لئے بیان فرماتا ہے۔ وہ اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط

مَثَلُ نُورِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ ط اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ ط اَلزُّجَاجَۃُ کَاَنَّھَا کَوْکَب'' دُرِّیٌّ یُوْقَدُ مِنْ شَجَرَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ زَیْتُوْنَۃٍ لَّا شَرْقِیَّۃٍ وَّلَا غَرْبِیَّۃٍ لا یَّکَادُ زَیْتُھَا یُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْہُ نَارٌ ط نُور'' عَلٰی نُوْرٍ ط یَھْدِی اللّٰہُ لِنُوْرِہٖ مَنْ یَّشَآءُ ط وَیَضْرِبُ اللّٰہُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ہ وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ''

اس آیت کریمہ میں یہ تو محض اُس کی ذات بے ہمتا کی ایک قابل فہم مثال ہے، ورنہ اُس کی ذات والا صفات کی کوئی مثال ہے نہ اُس کی مثال کی مثل۔ وہ بے نظیر و بے دلیل ہے۔ اُس جیسا کوئی نہیں۔ (النور: ۳۵)

لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ'' یعنی اُس کی مثل کوئی چیز نہیں ہے۔ (الشوریٰ: ۱۱)

ذات وصفات اور اسماء میں فرق

۱۔ لفظ ''ذات'' ذو کا مؤنث ہے۔ ذات وہ مستقل شے ہے جو مرجع صفت ہوتی ہے، جیسے سفید کاغذ، سفید کا مرجع کاغذ ہے۔ اسی طرح سے سیاہ قلم میں سیاہ کا مرجع قلم ہے۔

۲۔ صفت وہ غیر مستقل شے ہے۔ جو مستقل شے میں ہوتی ہے۔ سفید کاغذ میں سفیدی غیر مستقل اور کاغذ مستقل شے ہے، اسی طرح سیاہ قلم میں سیاہی غیر مستقل اور قلم مستقل شے ہے۔

۳۔ اسم ذات، اسم صفات کے مجموعہ کا نام ہے جیسے رحمٰن (صاحب رحم) پس اللہ تعالیٰ ذات ہے اور رحیم صفت ہے اور رحمٰن اسم ہے اور اسم کی جمع اسماء ہے۔

Marfat.com

اسماء حسنیٰ میں سب سے پہلا جامع اور منفرد نام اسم ذات ''اللہ'' ہے جس کو تمام صفات وفضائل کا مجموعہ کہا جاسکتا ہے۔ یہی نام خالق و مالک کائنات کے لئے مخصوص ہے جس میں ربوبیت کی تمام صفات جلالیہ و جمالیہ اور کمالیہ پنہاں ہیں۔ یہی اسم مقدس انسان کو اس کی پہلی حالت یاد دلاتا ہے اور خالق سے رابطہ بڑھاتا ہے۔

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا ٥

ترجمہ: بے شک انسان پر زمانے میں ایک ایسا وقت بھی آچکا ہے کہ وہ کوئی چیز قابل ذکر نہ تھا۔ (سورۃ الدھر: ۱)

جب اُس کے نام کا تصور دل میں گھر کر لیتا ہے اور ایمان وایقان کی حقیقت وکیفیت واضح ہو جاتی ہے تو پھر دنیا کی ہر چیز اس کی نظر میں حقیر و بے توقیر ہو جاتی ہے۔ چہ جائیکہ غیر اللہ سے حاجت براری تک کا خیال دل ودماغ میں آئے۔ بندہ جب اس اسم مبارکہ کی تجلیات اور فیوض و برکات سے بہرہ مند ہوتا ہے تو اس ذات عالیہ میں ایسا محو و مستغرق ہو جاتا ہے کہ اپنے آپ کو بھی بھول جاتا ہے۔ اور تصوف کی اصطلاح میں فنافی اللہ کی منزل کی طرف گامزن ہو جاتا ہے۔

میری نظر میں تو اس قدر ہے — جدھر دیکھتا ہوں اُدھر تو ہی تو ہے

نہ تو زمانہ جاہلیت میں یہ نام کسی مخلوق کا رہا ہے اور نہ ہی اسلام آنے کے بعد۔ یہ اس لفظ کی خوبی ہے کہ دنیا کی کسی بھی زبان میں اللہ تعالیٰ کی ہستی کا مفہوم دینے والا کوئی لفظ نہیں۔ عربی زبان میں بھی یہ لفظ کسی اور ہستی کے لئے کبھی بھی استعمال نہیں ہوا۔ قدیم عربوں کے ہاں بھی لفظ ''اللہ'' اس عظیم ہستی کے لئے مستعمل تھا جو دیوتاؤں کا الہٰ تھا۔ جس کی دلیل یہ ہے کہ وہ ان الہوں کی نسبت سے نہیں بلکہ کعبہ کو اللہ تعالیٰ کو نسبت سے ''بیت اللہ'' یا ''کعبۃ اللہ'' کہتے تھے جبکہ دوسرے معبودوں کے لئے اُن کے ہاں الٰہ کا لفظ رائج تھا۔

اس حقیقت کا اظہار اس تاریخی واقعہ سے ہوتا ہے جب یمن کے بادشاہ ''ابرھمہ'' نے خانہ کعبہ کو ڈھانے کے لئے مکہ پر چڑھائی کی تھی۔ اس وقت خانہ کعبہ میں ۳۶۰ الہوں کے بُت ہوتے تھے مگر مشرکین نے اس کڑے وقت پر اُن سب کو چھوڑ کر صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کی مدد طلب کی۔ دعائیں مانگیں کہ وہ اس بلا سے اُن کو بچالے۔ گویا وہ اپنے دلوں میں اچھی طرح جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور اس نازک وقت میں اُن کی مدد نہیں کر سکتا کیونکہ وہ ہی سب الہوں کا الہٰ ہے۔

روایت میں آتا ہے کہ ابرھمہ سے جب حضرت عبدالمطلب کا مکالمہ ہوا کہ میرے اونٹ مجھے واپس کر دیئے جائیں تو برجستہ ابرھمہ نے کہا، اُس کعبہ کا کیا ہوگا جس کو میں مسمار کرنے جارہا ہوں، تب آپ نے فرمایا ''اللہ'' ہی اُس کا مالک ہے، وہی حفاظت کرے گا۔ چنانچہ حضرت عبدالمطلب خانہ کعبہ کے غلاف سے لپٹ لپٹ کر اللہ تعالیٰ سے اُسی کے گھر کی حفاظت کے لئے گڑگڑا کر دعائیں مانگتے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت خاص سے نصرت فرما کر دشمن کعبہ کو نیست و نابود کر دیا۔ جس کو سورۃ الفیل میں اس بیان کیا گیا ہے۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ٥ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ٥ وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ٥ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ٥

Marfat.com

ترجمہ: ''کیا تم نے دیکھا نہیں، کہ تمہارے پروردگار نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا۔ ان کا داؤ غلط نہیں کیا اور اُن پر جھگڑ کے جھگڑ جانور بھیجے جو اُن پر کنکر کی پتھریاں پھینکتے تھے تو ان کو ایسا کر دیا جیسے کھایا ہو بھُس''

مشرکین عرب اللہ کا لفظ خالق کائنات ہی کے لئے استعمال کرتے تھے۔ لیکن اسے تنہا کائنات کا مالک نہیں سمجھتے تھے۔ گویا کہ اُن کے ہاں توحید خالص کا فقدان تھا اور اللہ رب العزت کے ساتھ دوسرے الھوں کو شریک مانتے تھے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے زیادہ زور اس بات پر دیا کہ وہ دوسرے معبودوں کو چھوڑ کر خالصتاً ایک اللہ کی عبادت کریں۔

اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ (طٰہٰ ۱۴)

ترجمہ: بیشک میں ہی اللہ ہوں۔ میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ پس تم میری ہی عبادت کیا کرو۔

اللہ تعالیٰ کا اسلامی تصور

یہ اسلام ہی ہے جس نے افراط و تفریط کے درمیان نقطۂ اعتدال کو پیش نظر رکھا۔ جس کا سبب واضح ہے کہ اسلام کے ہاں ''اللہ'' کا تصور وہ ہی ہے جو کتاب الٰہی میں پیش کیا گیا ہے۔ اس کے برعکس یہودیوں اور عیسائیوں میں خدا کا تصور وہ ہے جو انہوں نے اپنے جی سے گھڑ لیا (Self interpretation) اور صحیح تصور خدا کی تحریف کرنے کے بعد کچھ سے کچھ بنا ڈالا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام میں ''اللہ'' نہ تو یہودیوں کے الٰہ کی طرح رب الافواج اور نہ وہ صرف گھریلو خدا ہے اور نہ وہ عیسائیوں کی طرح مجسم انسان یا انسانوں کا باپ ہے۔ اسلام میں ''اللہ'' کی ذات رحمٰن ورحیم و کریم بھی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ وہ شدید العقاب بھی ہے۔ مسلمانوں کا شیوہ یہ ہے کہ وہ ''اللہ'' سے ڈرتے بھی ہیں اور اُس سے محبت بھی کرتے ہیں۔ اُس سے اُمید بھی رکھتے ہیں اور خوف بھی۔ وہ اپنے اللہ کو رحم کا پیکر بھی سمجھتے ہیں لیکن ادب واحترام کی وجہ سے اُس کے سامنے اُن کی آوازیں پست بھی ہو جاتی ہیں، اور اپنی حاجات اُسی کو پیش کرتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ط اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ٥ (الاعراف: ۵۵)

ترجمہ: پکارو اپنے رب کو گڑگڑا کر اور چپکے چپکے۔ اُس کو پسند نہیں آتے حد سے بڑھنے والے۔

علامہ عثمانیؒ اس آیت کی تفسیر فرماتے ہیں کہ جب عالم خلق وامر کا مالک اور تمام برکات کا منبع وہی ذات ہے تو اپنی دینوی اور اُخروی حوائج میں اُسی کو پکارنا چاہیئے۔ اخلاص کے ساتھ بدون ریا کاری کے آہستہ آہستہ۔ اس سے معلوم ہوا کہ دعا میں اصل اخفا ہے۔ یہی سلف کا معمول تھا۔ بعض مواضع میں جہر واعلان کسی عارضی وجہ سے ہوگا۔ جس کی تفصیل ''روح المعانی'' وغیرہ میں ہے۔ بندہ حد ادب سے نہ بڑھے۔ مثلاً جو چیزیں عادتاً یا شرعاً محال ہیں وہ مانگنے لگے یا معاصی ولغو چیزوں کی طلب کرے۔ یا ایسا سوال کرے جو اُس کی شایان شان اور حیثیت کے مناسب نہیں۔ یہ سب ''اعتداء فی الدعاء'' میں داخل ہے۔ اسلام میں اللہ تعالیٰ کا تصور خالص توحیدی ہے۔ اسلام کا کلمہ ہی سب سے پہلے غیر اللہ کی بنیادوں کو منہدم کر دیتا ہے۔ لا الـٰـہ الا اللہ یعنی اللہ کے سوا کوئی بھی عبادت کے لائق ہے ہی نہیں۔ وہ تنہا صرف تنہا، اس پوری کائنات میں اس لائق ہے کہ اُس کی عبادت کی

Marfat.com

جائے۔اسے معبود برحق مانا جائے۔اُس کے سوا تمام معبودان باطل سے برأت کا اظہار کیا جائے۔کلمہ طیبہ میں دراصل یہ رمز برأت مخفی ہے کہ انکار سے کلمہ طیبہ شروع ہوتا ہے۔جس کے معنی لامحالہ یہی ہیں کہ اللہ رب العزت کی الوہیت کے اقرار کرنے سے پہلے غیراللہ سے برأت کرلی جائے۔تاکہ توحید خالص میں انسان داخل ہوجائے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ م لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ قف کُلُّ شَیْءٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجْھَہٗ ہ (سورۃ القصص ۸۸)

ترجمہ: اور اللہ کے سوا کسی دوسرے کو نہ پکارو کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس لئے کہ سب چیزیں فنا ہونے والی ہیں بجز اُس کی ذات کے۔

ھُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاھِرُ وَالْبَاطِنُ ج وَھُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ" ہ

ترجمہ: وہ ہی سب سے پہلا، سب سے آخر، وہی ظاہر، وہی باطن ہے اور وہ سب کچھ جانتا ہے۔ (سورۃ الحدید:۳)

ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ فَاعْبُدُوْہُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ وَّکِیْلٌ ہ (سورۃ الانعام:۱۰۲)

ترجمہ: یہ ہی اللہ تمہارا رب ہے۔نہیں ہے کوئی معبود سوائے اُس کے، جو پیدا کرنے والا ہے ہر چیز کا۔تو اس کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے

قَالَ فَمَنْ رَّبُّکُمَا یٰمُوْسٰی ہ قَالَ رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَہٗ ثُمَّ ھَدٰی. (سورۃ طٰہٰ:۴۹،۵۰)

ترجمہ: (فرعون نے) کہا پھر کون ہے تمہارا رب اے موسیٰ! انہوں نے کہا رب ہمارا وہ ہے جس نے دی ہر چیز کو اس کی صورت پھر راہ دکھائی۔

چونکہ فرعون خدائی کا دعویدار تھا۔اس لئے رب العٰلمین کا نام سُن کر حیرت میں پڑ گیا اور پوچھا کہ رب العالمین کون ہے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں فرمایا کہ میرا رب وہ ہے جس نے مخلوق کو اُس کی استعداد اور صلاحیت کے ساتھ مناسب شکل وصورت عطا فرمائی اور معنوی قوتیں اور خاصیتیں بخشیں۔پھر اُس کی زندگی و بقاء کے لئے جن جن خارجی سامانوں اور اسبابوں کی ضرورت تھی وہ سب اُس کے اطراف مہیا کئے اور اس کو اپنی فطری قوتوں اور خارجی سامانوں سے کام لینے کی راہ سجھائی۔انسان کے مرتبہ کے لحاظ سے اس کے اندر عقل کا چراغ روشن کیا۔جس سے وہ پروردگارِ عالم کے وجود کو تسلیم کرتا ہے۔پھر عقل کی رہنمائی کے لئے وحی نازل فرمائی۔ (تفسیر قرآن، مولانا محمد عبدالباری اورنگ آباد، طبع الرحیم اکیڈمی، کراچی)

جب ہم اللہ کا لفظ بولتے ہیں تو فوراً ہمارا ذہن ایک ایسی ہستی کی طرف منتقل ہوجاتا ہے جو ان تمام صفات حسن وکمال کا متصف ہے۔جو اُس کی نسبت بیان کئے گئے ہیں۔اللہ تعالیٰ کی ذات کیا ہے؟ اس کا مقام ومرتبہ کیا ہے؟

جواب میں اس کا ایک جامع ومانع تصور قرآن مجید فرقان حمید پر تدبر وتفکر سے سامنے آتا ہے۔جس کی علماء کرام اور محدثین عظام نے تفاسیر قرآن حکیم اور کتب احادیث مبارکہ میں صراحت کے ساتھ وضاحت فرمادی ہیں۔جوامت مسلمہ کا عظیم الشان ذخیرۂ رشد وہدایت ہے۔ان تشریحات وتوضیحات کے مطابق لفظ اللہ اسم ذات مقدسہ پر دلالت کرتا ہے۔اس مین ہر

Marfat.com

طرح کی صفات کمالیہ میں درجہ جمال وجلال پنہاں ہے۔اللہ تعالیٰ ہی خالق و مالک کائنات اور حسن ونور، رب العالمین، عالم الغیب، قادر مطلق، یکتا و یگانہ، احد الصمد، صاحب عرش عظیم ہے۔ وہی اول، وہی آخر، وہی ظاہر، وہی باطن ہے، وہی دلوں کا بھید جانتا اور ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔ ہر شے کو فنا ہے بجز اُس کی ذات عالیہ وصفات کمالیہ کے۔ وہ حَیُّ الْقَیُّوْم ہے جو ازل سے ہے اور ابد الآباد تک رہے گا۔ وہ کبھی نہ تو فنا ہوا تھا اور نہ ہی کبھی فنا ہوگا۔ وہ بقاہی بقا ہے۔ وہ خلق کے لئے رحمن و رحیم و کریم ہے وہی اقرب من حبل الورید ہے۔ خلاق عالم ہے۔ مقتدر اعلیٰ، حاکم واجب الاطاعت ہے اور حقیقتاً پوری کی پوری کائنات کا بلا شرکت غیر اللہ جل شانہ ہی فرمانروا ہے۔ اُس کے اذان کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا۔ وہ تمام مخلوق کا نگہبان و پروردگار ہے۔ ہر لمحے، ہر پل، ہر ساعت اپنی خلق کی فریاد، دُعا، التجا، استدعا سنتا ہے۔ ان کی طلب وضرورت اور حاجت کی پکار سننے اور اُس کی دادرسی کے لئے ہر وقت مستعد اور تیار رہتا ہے جیسا کہ نصوص قرآنی ہے۔

وَادْعُوْهُ خَوْفاً وَّطَمَعاً ط اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ہ

ترجمہ: اور پکارو اُس کو ڈرا اور توقع سے، بے شک اللہ کی رحمت نزدیک ہے نیک کام کرنے والوں سے۔ (سورۃ الاعراف: ۵۶)

توحید خالص اور تعارف الٰہی

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ہ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ہ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ہ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ہ

ترجمہ: اے نبی (ﷺ) ان لوگوں سے کہہ دو کہ وہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے نہ اُس کے کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے۔ اور نہ کوئی اُس کے برابر کا ہے۔

یہ سورۃ اخلاص ہے، اس لئے کہ اس میں توحید خالص کی تعلیم ہے۔ اللہ جل شانہ کے متعلق اہل عرب کا جو پست تخیل تھا اُس کو محمد ﷺ نے مٹا کر اُن کے سامنے جو توحید کا تخیل پیش کیا، اُس کا اندازہ حسب ذیل واقعہ سے ہوسکتا ہے۔ جس کے راوی حضرت ابی ابن کعبؓ ہیں جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سب سے زیادہ فہم قرآن کے ماہر سمجھے جاتے تھے۔ آپ ﷺ نے جب توحید کا نعرہ بلند فرمایا تو مشرکین عرب جو اپنے دیوتاؤں اور آل اولاد، بیویوں اور گوپیوں کے حمد کے ترانے گاتے تھے، اس نعرہ توحید سے بڑے مشتعل ہوئے۔ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فرمائش کی کہ ذرا اپنے اللہ واحد کا نسب تو ہمارے سامنے بیان کرو۔ گویا وہ اپنے دیوتاؤں سے اسلام کے اللہ جل شانہ سے مقابلہ کر کے بتانا چاہتے تھے کہ اس حیثیت سے اسلام کا اللہ ہمارے دیوتاؤں کی ہمسری نہیں کرسکتا۔ اس کے جواب میں وحی محمدی ﷺ نے اپنے اللہ کی حقیقت قرآن پاک کی اس سب سے مختصر سورۃ میں پیش کی۔ (سیرت النبی ﷺ، علامہ شبلی نعمانی وسید سلیمان ندوی)

اس سورۃ مبارکہ میں حضور ﷺ کو حکم ہوا کہ جو لوگ پوچھ رہے ہیں، ان سے کہہ دو کہ وہ اللہ جس کے بارے میں تم نے پوچھا ہے۔ اسکی پہلی صفت یہ ہے کہ وہ ایک ہے۔ یعنی اپنی ذات وصفات میں یکتا ہے۔ اس جیسا کوئی نہیں وہ صمد ہے یعنی بے نیاز ہے اور اپنی ذات وصفات میں کسی کا محتاج نہیں۔ ساری مخلوق اس کی محتاج ہے، وہ خالق اور سب مخلوق، وہ حاکم اور سب محکوم،

Marfat.com

وہ حاجت روا اور سب محتاج ۔ وہ ہی ساری کائنات کی چھوٹی بڑی ضرورتوں کو پورا کرتا ہے۔ گویا پوری کائنات کا پالن ہار ہے۔

لَمْ یَلِدْ، وَلَمْ یُوْلَدْ یعنی نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ کسی سے جنا گیا۔ یعنی نہ تو وہ کسی کی اولاد اور نہ ہی کوئی اس کی اولاد ہے۔ اللہ تعالیٰ کا تعلق کائنات اور اس کی چیزوں سے یہ ہے کہ وہ خالق ہے اور ساری کائنات اس کی تخلیق کردہ مخلوق ہے۔

وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ یعنی اس کا مقابل اور اسکے برابر کوئی نہیں ۔ اس لئے خالق و مخلوق کا کیا مقابلہ ۔ کوئی انسان کتنا ہی پاکیزہ کیوں نہ ہو جائے، وہ بندہ ہی رہتا ہے اس کے برابر ہرگز نہیں ہوسکتا۔ غرض اس چھوٹی سی سورۃ میں خالص اور کامل توحید کا سبق سکھایا گیا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی ایسی چار صفتیں بیان کی گئی ہیں جس سے صحیح توحید کا تصور قائم ہوتا ہے اور دنیا کی بددین (Secular) قوموں نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں جو مشرکانہ اور جاہلانہ تصورات پھیلا رکھے ہیں ان سب کی تردید ہو جاتی ہے۔

بیان القرآن میں حضرت تھانوی لکھتے ہیں کہ ''اللہ اپنے کمال ذات اور صفات میں ایک ہے۔ کمال ذات یہ ہے کہ واجب الوجود ہے اور کمال صفت یہ ہے کہ علم وقدرت وغیرہ اُس کے قدیم اور محیط ہے۔ اللہ ایسا بے نیاز ہے کہ وہ کسی کا محتاج نہیں اور اُس کے سب محتاج ہیں''۔

معارف القرآن میں مفتی محمد شفیع سورۃ اخلاص کے معاف ومسائل میں لکھتے ہیں: ترمذی، حاکم وغیرہ کی روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ مشرکین مکہ نے رسول اللہ ﷺ نے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات اور نسب بیان کیجئے۔ سوال میں یہ بھی تھا کہ اللہ تعالیٰ کس چیز کا بنا ہوا ہے۔ سونا، چاندی یا اور کچھ۔ ان کے جواب میں یہ سورۃ نازل ہوئی۔

سورۃ اخلاص کی تشریح

قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ

لفظ قل میں اشارہ ہے رسول اللہ ﷺ کی نبوت اور رسالت کی طرف کہ اُن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کو ہدایت کا حکم ہو رہا ہے اور لفظ ''اللہ'' اُس ذات کا نام ہے، جو واجب الوجود ہے جامع اور تمام نقائص سے پاک ہے۔ احد اور واحد دونوں کا ترجمہ ایک ہی کیا جاتا ہے۔ مگر مفہوم کے اعتبار سے لفظ ''اَحَدْ'' کے معنی میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ ترکیب اور تجزیئے سے اور تعدّد سے اور کسی چیز کا مشابہت اور مشاکلت سے پاک ہے۔ یعنی وہ کسی ایک یا متعدد مادوں سے نہیں بنا، نہ اُس میں تعدد کا کوئی امکان ہے، نہ کسی کے مشابہ ہے۔ یہ جواب ہوگیا اُن لوگوں کے لئے جو اللہ تعالیٰ کے متعلق پوچھتے تھے کہ وہ سونے چاندی کا ہے یا کسی جوہر (Atom) کا۔ اس ایک جملے میں ذات وصفات کے سب مباحث آگئے اور لفظ قل میں نبوت و رسالت کا مسئلہ آگیا، اس میں غور کرو تو یہ ایک مختصر جملہ اُن عظیم الشان مباحث کو حاوی ہے جو بڑی بڑی جلدوں میں لکھی جاتی ہیں۔

Marfat.com

اَللّٰہُ الصَّمَدُ

لفظ 'صمد' کے بہت سے معنی ہو سکتے ہیں۔ اسی لئے حضرات مفسرین کے اقوال اس پہ بہت ہیں۔ امام طبرانی نے "کتاب السنۃ" میں ان تمام اقوال کو جمع کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ سب صحیح ہیں اور ان میں جو صفات بیان کی گئی ہیں، وہ سب ہمارے رب کی صفات ہیں، لیکن اصل معنی صمد کے یہ ہیں کہ جس کی طرف لوگ اپنی حاجات اور ضروریات میں رجوع کریں اور جو بڑائی اور سرداری میں ایسا ہو کہ اُس سے کوئی بڑا نہیں، خلاصہ یہ کہ سب اُس کے محتاج ہیں اور وہ کسی کا محتاج نہ ہو۔ (ابن کثیر)

لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ

یہ اُن لوگوں کا جواب ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے نسب نامے کا سوال کیا تھا کہ اُس کو مخلوق پر قیاس نہیں کیا جا سکتا جو توالد وتناسل کے ذریعے وجود میں آتی ہے۔ نہ وہ کسی کی اولاد ہے نہ کوئی اُس کی اولاد۔

وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ

"کفو" کے لفظی معنی مثل اور مماثل کے ہیں۔ یعنی یہ کہ نہ کوئی اس کا مثل ہے نہ کوئی اس سے مشاکلت اور مشابہت رکھتا ہے۔

حضرت ابی ابن کعبؓ اس سورۃ کی تفصیل میں فرماتے ہیں کہ "صمد" وہ ہے جو نہ جنتا ہے اور نہ کسی نے اُسے جنا ہو، کیونکہ جو جنا جاتا ہے وہ مرتا بھی ہے اور جو مرتا ہے وہ اپنا وارث وجانشین بھی چھوڑ جاتا ہے۔ جبکہ اللہ نہ مرتا ہے اور نہ اُس کا کوئی جانشین ہے اور نہ ہی اس کا کوئی ہمسر ہے یعنی کوئی اُس کے برابر کا نہیں اور نہ کوئی اُس کے مثل ہے۔ غور کرو کہ محمد ﷺ کی تعلیم سے پہلے اہل عرب کا کتنا پست وذلیل تخیل تھا، جس کا اندازہ بخوبی اُن کے سوال سے کیا جا سکتا ہے۔ اور پھر آپ ﷺ کی تعلیم کے بعد کتنا پاک اعلیٰ اور بلند ہو گیا، جس کا اندازہ حضرت ابی کعبؓ کی تفسیر سے ہو سکتا ہے۔ جو اسی عرب نژاد قبیلے کے ایک ممتاز فرد تھے لیکن اُن کا دل محمد ﷺ کے فیض تعلیم سے منور ہو چکا تھا۔ اسی طرح حضرت ابو ہریرہؓ یمنی عرب ہیں۔ یعنی اس عرب کے ایک فرد نہیں جو تعلیم محمدی ﷺ سے پہلے بھی ان حقائق سے بے بہرہ تھا اور اب وہ تنزیہ وتقدیس کے یہ موتی اپنے منہ سے اُگل رہے ہیں۔ (سیرت النبی ﷺ علامہ شبلی نعمانی وسید سلمان ندویؒ)

حضرت ابو ہریرہؓ آپ ﷺ سے سن کر کہتے تھے کہ اللہ فرماتا ہے کہ آدم کے بیٹے نے مجھے جھٹلا دیا اور مجھے گالی دی۔ اُس کا جھٹلانا یہ ہے کہ اُس نے کہا کہ اللہ دوبارہ پیدا نہیں کرے گا، حالانکہ پہلی بار کے پیدا کرنے سے دوسری بار کا پیدا کرنا بہت آسان ہے اور اُس کا گالی دینا یہ ہے کہ اُس نے کہا کہ خدا کیا اولاد ہے حالانکہ وہ "واحد" اور "صمد" ہے۔ جس نے نہ کسی دوسرے کو جنا اور نہ اُس کو کسی نے جنا ہے۔ اور نہ کوئی اس کا ہمسر ہے۔ (صحیح بخاری "کتاب الایمان")

اس مختصر سورۃ میں سب سے چھوٹا لفظ "صمد" ہے لیکن درحقیقت قرآن کی بلاغت نے اس ایک لفظ میں صفات الٰہی کا بے پایاں دفتر چھپا رکھا ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین رحمہم اللہ علیہم اجمعین نے اس کی تفسیر میں حسب ذیل معنی بھی لکھے ہیں۔ حقیقتاً تمام معنی اس ایک ہی لفظ "صمد" کے اندر پوشیدہ ہیں جبکہ یہ سب صرف ایک حقیقت کی مختلف تعبیریں ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ : وہ جس کی طرف مصیبت کے وقت لوگ رجوع کریں۔

Marfat.com

حضرت ربیع بن انسؓ : جس کے نہ اولاد ہو نہ ماں باپ۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ : جس کے اندر معدہ وغیرہ اور جسمانی اعضاء نہ ہوں۔

حضرت بریدہؓ : جس میں خوف وحزن نہ ہو۔

حضرت عکرمہؓ : جو کھاتا نہ ہو۔ جس سے کوئی دوسری چیز نہ نکلے۔

حضرت قتادہؓ : جو باقی اور غیر فانی ہو، یعنی جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

حضرت حسن بصریؒ : وہی حی وقیوم جس کو زوال نہ ہو اور جو باقی ہو۔

اس سورۃ مبارکہ میں اللہ جل شانہ کی صفت میں دو الفاظ ہیں ''احد'' اور ''صمد''۔ دونوں اللہ کے دو متضاد و کمال اوصاف کو حاوی ہیں۔ اُس کی یکتائی کا نتیجہ تو یہ ہے کہ اُس جیسا کوئی نہیں۔ نہ اُس کو کسی کی حاجت ہے نہ اُس کو کسی سے غرض۔ وہ یکتا اور تنہا بے نیاز ہے۔ پروردہ سب سے مستغنی اور سب سے الگ ہے۔ لیکن اس کمال یکتائی کے ساتھ وہ سب کے ساتھ سب کا دستگیر، سب کی جاہ پناہ، سب کا حاجت روا، سب کا مرکز، سب کا مرجع سب کا ماؤی، سب کا ملجا، سب کی چٹان ہے۔ جو مصیبتوں میں بے سہاروں کا سہارہ، بلاؤں میں تسلی اور اضطرابوں میں تشفی ہے۔

فَفِرُّوْٓا اِلَی اللّٰہِ ط اِنِّیْ لَکُمْ مِّنْہُ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ہ

ترجمہ: ہر جگہ سے بھاگ کر اللہ کے ہاں پناہ لو۔ بے شک میں (ﷺ) اُس کی طرف کھلا ڈرانے والا ہوں۔ (الذاریات۔۵۰)

آیت الکرسی کی فضیلت وعظمت

اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ج اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ ط لَہٗ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَمَافِی الْاَرْضِ ط مَنْ ذَالَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا بِاِذْنِہٖ ط یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ ج وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ج وَسِعَ کُرْسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ج وَلَا یَـُٔوْدُہٗ حِفْظُھُمَا ج وَھُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ہ

ترجمہ: اللہ ہی ہے کہ اُس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ زندہ (اور سب کا) تھامنے والا ہے، اُس کو نہ اونگھ آتی ہے، اور نہ نیند آتی ہے۔ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اُسی کا ہے۔ کون ہے جو اُس کے سامنے اُس کی اجازت کے بغیر (کسی کی) سفارش کر سکے؟ جو کچھ لوگوں کے سامنے ہو رہا ہے، جو اُن کے پیچھے ہو چکا ہے، سب جانتا ہے اور لوگ اُس کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ ہاں جتنا علم چاہے اُتنا دیتا ہے اور اُس کی کرسی آسمانوں اور زمین کو گھیرے ہوئے ہے اور ان دونوں کی حفاظت اُسے کچھ بھی دشوار نہیں اور وہ بلند مرتبہ اور عظمت والا ہے۔ (سورۃ البقرۃ: ۲۵۵)

اس آیۃ مقدسہ کا لقب آیت الکرسی ہے۔ احادیث مبارکہ میں اس کی بڑی فضیلت اور ثواب منقول ہے۔

حضرت ابی بن کعبؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آیت الکرسی فضیلت میں قرآن مجید کی آیات میں سب سے اعظم یعنی بڑی آیت ہے۔ (مسلم ابوداود)

Marfat.com

حضرت سہل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ "آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ قرآن کی آیتوں کی سردار ہے" (ترمذی، ابن حبان، مستدرک الحاکم)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ آیۃ الکرسی جس بچہ اور مال پر رکھ دی جائے (یعنی اُس کو پڑھ کر دم کر دیا جائے یا لکھ کر رکھ دی جائے) شیطان اُس کے قریب نہیں آئے گا۔

نسائی کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جو شخص ہر نماز میں آیۃ الکرسی پڑھا کرے تو اُس کو بجز موت سے کوئی مانع نہیں کہ وہ جنت میں جائے گا (یعنی موت کے بعد فوراً وہ جنت کے آثار و رحمت کا مشاہدہ کرنے لگے گا"

(تفسیر ابن کثیر، معارف القرآن)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع اس آیت کے اجمالی مفہوم کو اس طرح بیان فرماتے ہیں: "اس آیت میں اللہ جل جلالہ کی تو توحید وصفات کا بیان ایک عجیب و غریب انداز میں بیان کیا گیا ہے جس میں اللہ جل شانہ کا موجود ہونا، زندہ ہونا، سمیع و بصیر ہونا، متکلم ہونا، واجب الوجود ہونا قائم ودائم و باقی ہونا سب کائنات کا موجد و خالق ہونا، تغیرات و تاثرات سے بالاتر ہونا اور تمام کائنات کا مالک ہونا، صاحب عظمت وجلال ہونا کہ اس کے آگے کوئی بغیر اُس کی اجازت کے بول نہیں سکتا۔ ایسی قدرت کاملہ ہونا کہ سارے عالم کو پیدا کرنے، باقی رکھنے اور اُن کا نظام محکم قائم رکھنے کے لئے نہ تو کوئی تھکان کا محسوس ہونا اور نہ ہی کوئی سستی کا آنا اور ایسے علم محیط کا مالک ہونا، جس سے کوئی کھلی یا چھپی چیز کا ذرہ یا قطرہ باہر نہ رہے"

(معارف القرآن، جلد اول صفحہ ۶۱۳-۶۱۲)

اس آیت کریمہ میں توحید ذات اور عظمت صفات حق تعالیٰ مذکور ہے۔ جو اُس کی ذات بزرگ و برتر کے بارے میں ہمارے علم میں اضافہ کرتی ہے۔

اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اول یہ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں۔ یہ صفت قرآن مجید میں تسلسل و تواتر سے صدہا مقامات پر بیان کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اِلٰــہ ہونے کا اثبات اور غیر اللہ کے اِلٰــہ ہونے کی نفی کرنے والی آیات میں بطور دلیل اللہ تعالیٰ کی مختلف صفات الٰہیہ جیسے خالق کل، خلاق عالم، صانع و فاطر السّمٰوات والارض اور زندگی وموت دینے پر قادر وغیرہ ہونے کا حوالہ دیا ہے اور غیر اللہ سے ان صفات کی نفی کی گئی ہے تاکہ اپنے دعویٰ "الوہیت" کی عقل ونقل کے مطابق تائید فرمائے۔ دراصل قرآن مجید میں تین طرح کی آیات آئی ہیں:

۱۔ وہ جن میں اللہ کے ماسوا تمام چیزوں کی الوہیت کی تردید کی گئی ہے۔

۲۔ وہ آیات کریمہ جن میں غیر اللہ کی نفی کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے الٰہ واحد ہونے کا اثبات کیا گیا ہے اور توحید الٰہی پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے۔

۳۔ اپنی الوہیت کو اپنی مخلوقات اور بندوں کے تعلق سے واضح فرمایا ہے کہ وہ ساری موجودات ومخلوقات کا خواہ علوی ہوں یا سفلی، مکلّف ہوں یا غیر مکلّف، ذوشعور ہوں یا بے شعور حیوان ہوں یا جمادات، غرض کے ہر چیز ہر شے کا الٰہ ہے۔ لہٰذا جب وہی الٰہ ہے تو دوسرا تو لازمی طور پر اُس کا بندا اور مخلوق ہوگا "الٰہ" کیسے ہوسکتا ہے؟

Marfat.com

اَلْحَیُّ الْقَیُّوْم دوم یہ کہ اس آیۃ الکرسی میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے آپ کو حی اور قیوم قرار دیا ہے۔ یہ دونوں صفات قرآن مجید کی تین سورتوں میں (سورۃ البقرۃ، سورۃ آل عمران، سورۃ طٰہٰ) میں مذکور ہیں۔ جن پر تدبر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے الحی اپنی زندہ وجاوید ہستی کے لئے استعمال کیا ہے۔ جس کو نہ کبھی عدم کا عارضہ لاحق تھا نہ کبھی موت آئے گی۔ یعنی وہ ازل سے تاابد رہے گا۔ وہ نہ کبھی فنا ہوا تھا نہ کبھی فنا ہوگا۔ وہ بقا ہی بقا ہے۔ اُس نے اپنی حیات دوام اور بقائے عام کا اظہار واعلان متعدد آیات مقدسہ میں کیا ہے۔

جیسے سورۃ القصص:۸۸ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ کُلُّ شَیْءٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجْھَہٗ

ترجمہ: یعنی اُس کے سوا کوئی معبود نہیں اس لئے کہ سب چیزیں فنا ہونے والی ہیں بجز اُس کی ذات اقدس کے۔

وَیَبْقٰی وَجْہُ رَبِّکَ ذُوالْجَلٰلِ وَالْاِکْرَامِ ہ (الرحمٰن:۲۷)

ترجمہ: جو کچھ زمین پر ہے سب فنا ہو جائے گا اور تمہارے پروردگار کی ذات باقی رہے گی جو صاحب جلال وعظمت ہے۔

ان آیات مقدسہ میں اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اپنی زندہ وجاوید ہستی کے بارے میں تصریح کی ہے کہ اُس کو کبھی فناء سے واسطہ نہیں ہوگا۔ جیسا کہ ہر نفس کا مقدر ہے۔ کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَۃُ الْمَوْتِ

قیــــوم کی صفت سے اس پر مزید صراحت کی ہے کہ وہ نہ صرف اپنی ذات سے قائم اور زندہ ہے بلکہ وہ اپنی مخلوقات کی زندگی، بقا اور قیام کا بھی ذمہ دار ہے اور اُن کی ہستی اور وجود کو باقی رکھنے والا ہے۔

لَاتَاْ خُذُہٗ سِنَۃٌ'' وَّلَا نَوْمٌ سوم یہ اعلان کر دیا کہ اُسے نہ صرف مستقل دوامی فنا سے تحفظ حاصل ہے۔ اونگھ اور نیند کے عارضی عارضہ سے بھی، جو غفلت اور موت کی فروتر صورتیں ہیں، نجات اور تحفظ حاصل ہے۔ پورے قرآن پاک میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی ذات عالی کے لئے یہ دونوں صفتیں استعمال نہیں کی ہیں بجز اس آیت کریمہ کے۔ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی حاکمیت، ہمہ دانی اور قدرت کاملہ کے علاوہ اپنی ذات گرامی کے کائنات میں نہ سما سکنے کا خوب صورت پیرائے میں اظہار کیا ہے

کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِیْ شَانٍ وہ ہر روز ایک شان میں ہے

زمین وآسمان کی ساری مخلوق فنا ہو جائے گی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ وہ ہمیشہ باقی رہے گا اس سے اُس کی عظمت وبزرگی نمایاں ہوتی ہے۔ یہ علم اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے، جو قرآن مجید کے ذریعے ظاہر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت اس سے بھی نمایاں ہے کہ آسمان وزمین کی ساری مخلوقات اُس کی محتاج ہے اور زبان حال وقال سے اُس کے سامنے ہاتھ پھیلاتی اور اُس سے اپنی ضرورتیں پوری کرنے کی التجا کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کی طرف متوجہ اور اپنے فضل وکرم سے سب کی ضرورتیں پوری کرتا ہے۔

امام ابن تیمیہؒ نے (مجموعہ تفسیر صفحہ ۲۰۰۔۱۹۹ میں) آیۃ الکرسی کو صفت کمال کے اثبات پر مبسوط بحث کرنے والی قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ''جس طرح قرآن کی پہلی آیت اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ اس پر دلالت کرتی ہے۔ قرآن کی ایک

Marfat.com

اور آیت اس سے زیادہ شرح وبسط کے ساتھ دلالت کرتی ہے اور وہ آیۃ الکرسی ہے'' اس کے ضمن میں انہوں نے ایک حدیث ''صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب فضل سورۃ الکھف وآیۃ الکرسی'' (اور ابو داود سے بھی وہ روایت) نقل کی ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابی ابن کعب سے فرمایا: ابوالمنذر تم کو معلوم ہے کہ کتاب اللہ کی سب سے عظیم آیت تمہارے پاس ہے، پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ج اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ**

حدیث نقل کرنے کے بعد علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے قول کو اللہ سے شروع کیا ہے، جو اُس کے قول رَبُّکَ سے اعظم ہے۔ اس بناء پر قرآن کریم فرقان عظیم کی سب سے اعظم اور پہلی سورۃ الفاتحہ کا آغاز اسی سے کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ **اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ہ**

علامہ موصوف نے اس کے بعد الحی القیوم پر بحث کرتے ہوئے کہا ہے کہ ان صفات کاملہ کا مختلف سورتوں پر تین جگہ ذکر کیا ہے اور ہر جگہ دین کے اہم ترین اصول کے ضمن میں، یعنی توحید، رسالت اور آخرت کے ضمن میں کیا ہے۔ انہوں نے بعض دوسرے شواہد بھی بیان کئے ہیں۔ علامہ ابن کثیرؒ نے متعدد احادیث نبوی ﷺ کا حوالہ دے کر لکھا ہے کہ آیۃ الکرسی اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم پر مشتمل ہے جو کہ دس مستقل جملوں پر محیط ہے۔ اس آیت کریمہ میں مشرکوں کے غیر اللہ کے الٰہ بنانے کی تردید کی ہے۔ علامہ موصوف نے اسمائے حسنہ پر مفصل بحث کی ہے۔

(ملاحظہ تفسیر القرآن العظیم ابن کثیر چہارم صفحہ ۳۴۲ تا ۳۴۳ نیز جلد دوم ۲۶۸ تا ۲۶۹)

امیر المؤمنین حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں کہ میں نے غزوہ بدر میں ایک وقت یہ چاہا کہ حضور اکرم ﷺ کو دیکھوں کہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ پہنچا تو دیکھا کہ آپ ﷺ سجدے میں بار بار یا حی یا قیوم یا حی یا قیوم کہہ رہے تھے''۔

معارف القرآن میں مفتی شفیعؒ لکھتے ہیں ''اللہ جل شانہ'' کے اسم وصفات میں ''الحی القیوم'' کا مجموعہ بہت سے حضرات کے نزدیک اسم اعظم ہے۔

صفات الٰہیہ کا بیان

ھُوَ اللّٰہُ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ج عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ ج ھُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ہ ھُوَ اللّٰہُ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ج اَلْمَلِکُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُھَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَکَبِّرُ ط سُبْحٰنَ اللّٰہِ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ہ ھُوَ اللّٰہُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَہُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ط یُسَبِّحُ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ج وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ہ

ترجمہ: وہ اللہ ہے، جس کے سوائے بندگی نہیں، کسی کو جانتا ہے جو پوشیدہ ہے، اور جو ظاہر ہے، وہ بڑا مہربان اور رحم والا، وہ اللہ ہے جس ک سوائے بندگی نہیں کسی کی، وہ بادشاہ ہے، پاک ذات، سب عیبوں سے سالم، امان دینے والا، پناہ میں لینے والا، زبردست دباؤ والا، صاحب عظمت پاک ہے، اللہ ان کے شریک بتلانے سے۔ وہ اللہ ہے، بنانے والا، نکال کھڑا کرنے والا،

Marfat.com

صورت کھینچنے والا، اسی کے ہیں سب نام خاصے۔ پاکی بول رہا ہے اس کو جو کچھ ہے آسمانوں اور زمین میں۔ اور وہی زبردست حکمت والا ہے۔ (سورۃ الحشر: ۲۴ تا ۲۲)

۴۰۔ یعنی سب نقائص اور کمزوریوں سے پاک، اور سب عیوب و آفات سے سالم، نہ کوئی برائی اس کی بارگاہ تک پہنچی نہ پہنچے۔

۴۱۔ ''مومن'' کا ترجمہ ''امان دینے والا'' کیا ہے۔ اور بعض مفسرین کے نزدیک ''مصدق'' کے معنی ہیں یعنی اپنی اور اپنے پیغمبروں کو قولاً و فعلاً تصدیق کرنے والا۔ یا مومنین کے ایمان پر مہر تصدیق ثبت کرنے والا۔

۴۲۔ یعنی اس کی ذات و صفات اور افعال میں کوئی شریک نہیں ہوسکتا۔

۴۳۔ ''خالق و باری'' کے فرق کی طرف ہم نے سورۃ ''بنی اسرائیل'' کی آیت ''ویسئلونک عن الروح قل الروح من ربی'' الخ کے فوائد کچھ اشارہ کیا ہے۔

۴۴۔ جیسا کہ نطفہ پر انسان کی تصویر کھینچ دی۔

۴۵۔ یعنی وہ نام جو اعلیٰ درجہ کی خوبیوں اور کمالات پر دلالت کرتے ہیں۔

۴۶۔ اسماء الٰہی یعنی زبان حال سے یا قال سے بھی جس کو ہم نہیں سمجھتے۔

۴۷۔ تمام کمالات و صفات الٰہیہ کا مرجع دو صفتوں ''عزیز'' اور ''حکیم'' کی طرف ہے۔ کیونکہ ''عزیز'' کمال قدرت پر، اور ''حکیم'' کمال علم پر دلالت کرتا ہے، اور جتنے کمالات ہیں علم اور قدرت سے کسی نہ کسی طرح وابستہ ہیں۔ روایات میں سورۃ ''حشر'' کی ان تین آیتوں (هو الله الذی لآ اله الا هو سے آخر تک) کی بہت فضیلت آئی ہے۔ مومن کو چاہئے کہ صبح و شام ان آیات کی تلاوت پر مواظبت رکھے۔

سورۃ الحشر کا آغاز تسبیح الٰہی سے ہوا ہے

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَمَافِی الْاَرْضِ ج وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ہ

ترجمہ: یعنی اللہ کی تسبیح کرتی ہیں جو چیزیں آسمانوں اور زمین میں ہیں اور وہی غالب و حکیم ہے۔

جبکہ اس سورۃ کا آخر بھی تسبیح الٰہی پر ہوا ہے ''یُسَبِّحُ لَهٗ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ج وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ (یعنی اس کی تسبیح کرتی ہیں، جو چیزیں آسمانوں اور زمین میں ہیں اور وہی غالب و حکیم ہے)۔

اس سورۃ مبارکہ میں منکرین و منافقین پر یہ بات واضح فرمادی گئی ہے کہ اُن کے شکوک و شبہات دور کرنے اور اُن کے دلوں میں گداز پیدا کرنے کے لئے اس قرآن کریم میں اللہ سبحانہ تعالیٰ نے وہ سب کچھ نازل فرمادیا جو ضروری ہے، جو جنت کا راستہ بتاتا ہے لیکن اُس سے وہی فائدہ اُٹھاتے ہیں جن کے دل اُس سے متاثر ہوں۔ مگر افسوس بہت سے لوگوں کے دل اس سے کچھ اثر نہیں لیتے ہیں۔ حالانکہ اس کی حقیقت و عظمت کا یہ حال ہے کہ اگر یہ قرآن کسی پہاڑ پر بھی اُتارا جاتا تو وہ بھی اللہ کی خشیت سے پاش پاش ہوجاتا اگر یہ تمہارے دلوں پر اثر انداز نہیں ہوتا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ تمہارے دل پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہیں اور تم اس بات کے مستحق ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ وہی معاملہ کرے جو تمہارے جیسے سنگ دلوں کے ساتھ وہ کیا کرتا ہے۔

Marfat.com

آخر میں اسماء الٰہی مذکور ہیں، تاکہ اہل ایمان میں اُن کے ذکر سے کامل تفویض وتسلیم اور ضعفاء کمزوروں میں عزم واستقلال، توکل واستغنا، حسن اخلاق، اخوت ومساوات پیدا ہو اور اُن کے اندر خشیت الٰہی موجزن ہو جائے اور منکرین ومنافقین کے اندر خوف پیدا ہو۔ ان اسماء الحسنٰی کی حیثیت بنیادی صفات الٰہی کی ہے، تاکہ مومنین، کافرین اور منافقین سب کو معلوم ہو جائے کہ جس رب سے اُن کو ڈرایا جارہا ہے وہ کن کن اوصاف کا مالک ہے۔ اُنہیں کس طرح اس سے ڈرنا چاہیئے؟ کس قدر اس سے محبت کرنی چاہئے؟ کس قدر اس سے محبت کرنی چاہیئے؟ کس طرح اس سے اُمید کرنی چاہیئے؟ کس طرح اس پر بھروسہ کرنا چاہیئے؟ اور کس طرح اسی کے لئے جینا اور اسی کی راہ میں مرنا چاہیئے؟ مفسرین کرام، فلسفۂ دین کی یہ حقیقت تفاسیر قرآن میں جگہ جگہ واضح کرتے آئے ہیں کہ تمام دین وشریعت کی بنیاد درحقیقت اللہ تعالیٰ کی صفات اور ان کے مقتضیات ہی پر ہے۔ قرآن میں اَلْحَمْدُ سے لے کر وَالنَّاس تک جو کچھ بیان ہوا ہے، وہ تمام تر صفات الٰہی کے مظاہر وانوار اور ان کے تقاضوں ہی کا بیان ہے۔ انہی سے دین کا فلسفہ وجود میں آیا ہے اور انہی سے دین کے مظاہر واشکال بھی ظہور پذیر ہوئے ہیں۔ اس وجہ سے ان کا سمجھنا ضروری ہے۔ لیکن ان کو سمجھنے کے لئے پورے قرآن کو سمجھنا ضروری ہے۔ یہاں ہم مذکورہ بالا صرف اُن پہلوؤں کی طرف اجمالی اشارہ کریں گے، جن سے ابتدائی تقاضوں کو سمجھنے میں مدد ملے۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ

سب سے پہلے اپنی الوہیت کی یاددہانی فرمائی اور ساتھ ہی اس بات کی کہ اس کے سوا کوئی اور معبود نہیں ہے۔ اس وجہ سے اُمید وبیم دونوں حالتوں میں بندوں کو اسی سے رجوع کرنا چاہیئے، اس کے سوا کوئی اور حق دار نہیں ہے کہ اس کو معبود مانا جائے یا اس کی پرستش کی جائے یا اس کو مرجع سمجھ کر اس سے اُمیدیں وابستہ کی جائیں۔

عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ

وہ غائب وحاضر دونوں کو جاننے والا ہے۔ لفظ غیب یہاں بندوں کے لحاظ سے استعمال ہوا ہے، ورنہ اللہ کے ہاں ہر چیز شہادت حاضر کے حکم میں داخل ہے۔ اس صفت کے اندر اُمید وبیم دونوں کے پہلو ہیں، کہ انسان جو کچھ بھی کرتا ہے خواہ پوشیدہ طور پر یا ظاہری طور پر، اُن کا اللہ کو علم ہے اور جب سب کچھ اُس کے علم میں ہے تو لازماً ایک ایک چیز سے متعلق باز پرس کرے گا۔ اُس کے سامنے نہ کوئی اپنے قول فعل کو چھپا سکے گا، نہ ہی کوئی غلط بیانی کر سکے گا۔ اُمید کو پہلو اس میں یہ ہے کہ جب اُس کا رب اُس کے ہر غائب وحاضر سے واقف ہے تو اس پر پورا بھروسہ رکھنا چاہیئے۔ اور اپنی ہر احتیاج وضرورت کی التجا ودرخواست اُسی کے آگے پیش کرنی چاہئے۔

هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ

یعنی بے حد مہربان نہایت رحم والا یہ دونوں مبالغے کے صیغے ہیں اور صفت رحمت کے بیان کو بڑی قوت سے پیش کررہے ہیں تاکہ اللہ سبحانہ کی رحمت کی وسعت اور اُس کے غیر محدود ہونے کا قلوب انسانی میں اچھی طرح جاگزیں ہو جائے۔

Marfat.com

صفت رحمٰن کے اندر رحمت کے جوش کا اور رحیم کے اندر رحمت کی پائیداری کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ جب اللہ رحمٰن بھی ہے اور رحیم بھی تو اس سے کسی ظلم و ناانصافی کا کوئی اندیشہ نہیں ہو سکتا۔ اُس نے جو کچھ کیا ہے اور جو کچھ کرے گا رحمت الٰہی کے لئے کیا ہے اور رحمت الٰہی کے لئے کرے گا۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی جب اللہ تعالیٰ رحمٰن و رحیم ہے تو وہ کسی کے ظلم کو گوارہ نہیں کرے گا بلکہ ہر ظالم کے ظلم کا لازماً بدلہ لے گا۔ چنانچہ یہ وجہ ہے کہ اُس نے قرآن میں جگہ جگہ قیامت کو اپنی صفت رحمت پر ہی مبنی کیا ہے۔ یہ اُس کی رحمت کا لازمی تقاضہ ہے کہ وہ قیامت لائے تا کہ ہر ایک کے ساتھ پورا پورا انصاف کرے۔

اَلْمَلِكُ

یعنی اصل بادشاہ وہی ہے، اُس نے یہ دنیا تخلیق کی ہے وہی بلا شرکت غیرے کامل و اختیارات سے اس کا خالق و مالک و حکمران ہے وہی اصلاً مقتدر اعلیٰ ہے، ملک و حکومت کا یقینی مالک، کہ تمام کائنات کے موجودات اُس کے تحت ہیں۔ اُس کی مالکیت و سلطنت دائمی ہے جسے زوال نہیں۔ اُس نے اپنے اس حق کی بناء پر اپنے انبیاء کرام علیہم افضل الصلوٰۃ والتسلیم بھیجے تا کہ اُس کے احکامات سے آگاہ کریں اور بندے اُن کی تعمیل کر کے اپنے مالک حقیقی خوشنودی حاصل کریں۔

اَلْقُدُّوْسُ

یعنی وہ ہر عیب، ہر نقص، ہر برائی سے بالکل پاک و منزہ ہے اس وجہ سے اُس نے اپنے بندوں کو پاکیزہ بنانے کے لئے ابتدائے عالم شہود سے ہی انبیاء و مرسلین مبعوث فرمائے اور یہ سلسلہ انسان اول حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ السلام سے شروع ہو کر سرور عالم سید البشر امام المرسلین، خاتم النبین رحمت للعالمین، محمد رسول اللہ ﷺ پر ختم ہوا۔ جنہوں نے کلام الٰہی کی آیتوں کی تلاوت، کتاب و حکمت کی تعلیم و تربیت کے ساتھ تزکیۂ نفس سے قلوب انسانی کی کثافت و تاریکی کو دور کر کے اُن کے قلوب کو منور و مطہر فرمایا تا کہ بنی آدم قرب الٰہی حاصل کرنے کے اہل بن جائیں۔

اَلسَّلٰمُ

یعنی سلامتی، سکھ اور چین جب کسی کو سلامتی کی دعا دینی ہو تو ہم یہی لفظ استعمال کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں لیلۃ القدر کے متعلق فرمایا: سَلٰمٌ " هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ " یعنی اس میں سلامتی ہی سلامتی ہے۔ وہ طلوع فجر تک ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لئے ہر آفت اور ہر خطرے سے امان اور سپر ہے۔ بندہ جب اپنے آپ کو اُس کی پناہ میں دے دیتا ہے تو وہ چین پاتا ہے۔ اُس کی اس صفت کا فیض ہے کہ اُس کی یاد دل کو سکونیت اطمینانیت بخشتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (الرعد: آیت ۲۸)

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں، جو ایمان لائے ہیں اور جن کے دلوں کو اللہ کی یاد سے اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ اور یاد رکھو اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔

Marfat.com

اَلْمُؤْمِنُ

اس کے معنی امان دینے والا، یعنی شیطان اور اُس کے ایجنٹوں کے حملوں سے بچنے کے لئے جب انسان اُس کی پناہ ڈھونڈتا ہے تو اللہ اُس کو اپنی پناہ میں لے لیتا ہے، یہ پناہ اُس کے سوا اور کہیں بھی بندے کو حاصل نہیں ہو سکتی۔ شیطان کی رسائی خدا کے دامن کے سوا ہر جگہ ہے۔

اَلْمُهَيْمِنُ

علمائے لغت وادب امام خلیل نحوی اور ابو عبیدہ کے نزدیک اس کے معنی نگران ونگہبان کے ہیں۔ ابن الانباری کے نزدیک القائم علی الناس یعنی لوگوں کے محافظ کے ہیں۔ امام فراہی رحمہ اللہ علیہ کے نزدیک اس کے معنی معتمد اور وکیل کے ہیں۔ جو محافظ ونگران ہوتا ہے وہی درحقیقت معتمد اور وکیل ہوتا ہے۔ قرآن بھی اَلْمُهَيْمِنُ ہے اس لئے تمام آسمانی صحیفوں کے لئے قابل اعتماد کسوٹی وہی ہے۔

اَلْعَزِيْزُ

یعنی زبردست وبالادست رسی سے مافوق ہونے کا اور غالب اور قوی ہونے کا مفہوم بھی ہے۔ یعنی اس پر اس پر کوئی حاوی نہیں ہو سکتا وہ سب کو شکست دے سکتا ہے۔

اَلْجَبَّارُ

اس کے معنی زورآور تگڑے کے ہیں، عربی میں یہ لفظ کھجوروں کے اُن درختوں کے لئے بھی آتا ہے جو غیر معمولی طور پر اونچے ہوں۔ قرآن میں یہ اُن زورآوروں کے لئے بھی آیا ہے جن سے ڈر کر بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کی تھی کہ اس بستی میں بڑے ہی زورآور اور تگڑے لوگ ہیں جب تک وہ اس میں ہیں، ہم اس میں داخل ہونے کا حوصلہ نہیں کر سکتے۔ یہ صفت اُن تمام تصورات الوہیت کی نفی کرتی ہے جس میں ساری اہمیت دیویوں کو دی گئی ہے۔ جبّار نافذ کرنے والا ہے۔ کہا گیا ہے کہ وہ اپنی کائنات کا نظام بزورِ قدرت رکھنے والا اور اپنے ارادے کو جو سراسر حکمت ومصلحت پر مبنی ہوتا ہے اور ہر چیز کا نافذ کرنے والا ہے۔

اَلْمُتَكَبِّرُ

اس کے معنی اپنی بڑائی اور برتری کا احساس رکھنے والا۔ یہ احساس اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے اندر ہو تو سراسر باطل، عیب اور گناہ ہے۔ کیونکہ حقیقت میں بڑائی حاصل نہ ہونے کے باوجود بڑائی کا دعویٰ جھوٹ وفریب ہے اور اللہ وہ ذات ہے جو حقیقت میں سب سے بڑی اور بے نیاز ہے۔ اس لئے قرآن میں المتکبر کا لفظ خالصتاً اللہ تعالیٰ کے لئے صفت کمال ہے، جبکہ غیر اللہ کے لئے جھوٹا دعویٰ۔

Marfat.com

سُبْحٰنَ اللّٰہِ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ

یعنی کہاں اللہ تعالیٰ کی یہ صفات جمال وکمال اور کہاں اُن مشرکوں کے فرضی دیوی دیوتا، دونوں میں کیا نسبت، جو اللہ ان صفات سے متصف ہے، وہ اس سے ارفع ہے کہ اُس کے ساتھ اس طرح کی چیزوں کا جوڑ ملایا جائے۔

ھُوَاللّٰہُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ

یعنی یہ اللہ ہی ہے جو ہر چیز کے وجود کے تمام مراحل کو طے کراتا ہے۔ وہی ہر چیز کا خاکہ تیار کرتا ہے وہی پھر اُس کو وجود بخشتا ہے۔ پھر وہی اُس کی صورت گری کرتا ہے۔ نوک پلک سنوارتا ہے۔ ان میں سے کسی مرحلے میں نہ وہ کسی سے مدد طلب کرتا ہے، نہ کوئی اُس کا ہاتھ بٹا سکتا ہے۔ ہر وجود کے اندر تین اولین مرحلے پیش آتے ہیں۔ پہلا مرحلہ اُس کے ڈیزائن کا ہوتا ہے۔ جس کے لئے عربی میں لفظ ''خلق'' ہے۔ دوسرا مرحلہ اُس کو وجود میں لانے کا ہے اس کے لئے لفظ ''برء'' ۔ تیسرا مرحلہ اُس کی نوک پلک سنوارنے کا ہے۔ جس کے لئے لفظ تصویر ہے۔ اگر بے شرکے لئے یہ تینوں مرحلے اللہ تعالیٰ طے کرتا ہے تو وہی ہر ایک کی تسبیح اور بندگی کا حقدار ہے۔

لَہُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی

یعنی یہ تو چند بنیادی صفات ہیں جو بیان ہوئی ہیں ان کے علاوہ جتنی بھی اچھی صفتیں ہیں ان سب کا حقیق موصوف وہی ہے لفظ ''اسماء'' یہاں صفات کے معنی میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے جتنے بھی نام ہیں، وہ سب اس کی کسی نہ کسی صفت ہی کو تعبیر کرتے ہیں۔

یُسَبِّحُ لَہٗ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

چونکہ ہر چیز کے وجود کے تمام مراحل اللہ تعالیٰ ہی نے طے کرائے ہیں۔ اس وجہ سے آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اللہ ہی کی تسبیح کرتی ہے۔ انسان اگر اختیار سے بہرہ مند ہونے کے سبب اس سے اعراض کرتا ہے تو یہ اس کا حق ناشناسی اور سرکشی ہے۔ اس کے لئے بھی صحیح رویہ یہی ہے کہ وہ اپنے ربّ ہی کی تسبیح و بندگی کرے۔ کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائے۔

وَھُوَالْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ

یہ آخر میں اپنی ان صفات کی پھر یاد دہانی کرادی۔ جن سے سورۃ کا آغاز فرمایا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ انسان کو یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ عزیز ہے۔ اس وجہ سے وہ جو چاہے کرسکتا ہے۔ اگر وہ چاہتا ہے تو انسان بھی اسی طرح مجبوراً نہ اپنے رب کی بندگی اور تسبیح کرتا ہے۔ جس طرح ساری کائنات کر رہی ہے۔ لیکن وہ حکیم بھی ہے اس وجہ سے اُس نے یہ چاہا کہ وہ انسان کو اختیار دے کر آزمائے، کہ وہ یہ شرف پا کر اپنے رب کا حق پہچانتا ہے یا شیطان کا مرید بن جاتا ہے۔

کائنات کی تخلیق

جب کائنات میں کسی چیز کا وجود نہیں تھا تمام موجودات عدم کے درجہ میں تھیں۔ اُس وقت ایک ہی ہستی کا وجود تھا و

Marfat.com

ہے اللہ جل شانہ کی ذات بابرکت، حضرت عمران بن حصین روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

کان اللہ ولم یکن شئ   ترجمہ: اللہ تعالیٰ اس وقت سے ہے جب اس کے علاوہ کسی چیز کا وجود نہ تھا۔

اللہ تعالیٰ نے کائنات کے پیدا کرنے کا ارادہ کیا تو تمام کائنات کو بلا کسی موجد اور نمونہ کے عدم سے نکال کر وجود دیا

قرآن کریم میں ارشاد ہے۔ **بدیع السموٰت والارض اذا قضیٰ امراً فانما یقول لہ کن فیکون**

(سورۃ یسین آیت نمبر ۸۲)

ترجمہ: نئی طرح پر بنانے والا ہے آسمان اور زمین کو اور جب فیصلہ کرتا ہے کسی کام کے بارے میں تو فرماتا ہے کہ ہو جا پس وہ ہو جاتا ہے۔ (شیخ الہند)

علامہ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں: یعنی آسمان و زمین کو ابتداء عدم سے نکال کر وجود میں لایا، پہلے سے کوئی نمونہ اور تخلیق کا قانون موجود نہ تھا۔

اسی طرح اللہ جل شانہ نے تمام کائنات اور اس کی اشیاء کو وجود بخشا لیکن کائنات اور اس کی اشیاء کی پیدائش مرحلہ وار ترتیب سے ہوئی ہے۔ ا۔الامام محمد بن اسماعیل البخاری، صحیح بخاری کتاب بدء الخلق ۱/۴۵۴ ۲۔ القرآن سورۃ البقرۃ ۱۱۷ ۳۔شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی تفسیر عثمانی سورۃ فاطر ۵۶۳

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ، اَلَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ج رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ج سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ،

ترجمہ: بیشک آسمان اور زمین کا بنانا اور رات اور دن کا آنا جانا اس میں نشانیاں ہیں عقل والوں کیلئے۔ وہ جو یاد کرتے ہیں اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے۔ اور فکر کرتے ہیں آسمان اور زمین کی پیدائش میں۔ کہتے ہیں اے رب ہمارے تو نے یہ عبث نہیں بنایا تو پاک ہے سب عیبوں سے، سو ہم کو بچا دوزخ کے عذاب سے۔ (سورۃ آل عمران آیت نمبر ۱۹۱)

یعنی عقلمند آدمی جب آسمان و زمین کی پیدائش اور اُن کے عجیب و غریب احوال و روابط اور دن رات کے مضبوط و محکم نظام میں غور کرتا ہے تو اسکو یقین کرنا پڑتا ہے کہ یہ سارا مرتب و منظم سلسلہ ضرور کسی ایک مختار کل اور قادر مطلب فرمانروا کے ہاتھ میں ہے جس نے اپنی عظیم قدرت و اختیار سے ہر چھوٹی بڑی مخلوق کی حد بندی کر رکھی ہے۔ کسی چیز کی مجال نہیں کہ اپنے محدود وجود اور دائرہ عمل سے باہر قدم نکال سکے۔ اگر اس عظیم الشان مشین کا ایک پرزہ یا اس کارخانہ کا ایک مزدور بھی مالک علی الاطلاق کی قدرت و اختیار سے باہر ہوتا تو مجموعہ عالم کا یہ مکمل و محکم نظام ہرگز قائم نہ رہ سکتا۔

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ ط مَا مِنْ شَفِیْعٍ اِلَّا مِنْ بَعْدِ اِذْنِهٖ ط ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ط اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ، اِلَیْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِیْعًا وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ط اِنَّهٗ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ لِیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ط وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِیْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِیْمٌ بِمَا كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ ، هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا

Marfat.com

عَدَدَالسِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ط مَاخَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِکَ اِلَّا بِالْحَقِّ ج يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ہ اِنَّ فِی اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ ہ

ترجمہ: تحقیق تمہارا رب اللہ ہے جس نے بنائے آسمان اور زمین چھ دن میں۔ پھر قائم ہوا عرش پر۔ تدبیر کرتا ہے کام کی کوئی سفارش نہیں کر سکتا مگر اُس کی اجازت کے بعد وہ اللہ ہے رب تمہارا سو اُسکی بندگی کرو کیا تم دھیان نہیں کرتے۔ اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے تم سب کو وعدہ ہے اللہ کا سچا وہی پیدا کرتا ہے اول بار پھر دوبارہ کریگا اُس کو تاکہ بدلا دے اُن کو جو ایمان لائے تھے اور کئے تھے کام نیک انصاف کے ساتھ اور جو کافر ہوئے اُن کو پینا ہے کھولتا پانی اور عذاب ہے دردناک اس لئے کہ کفر کرتے تھے۔ وہی ہے جس نے بنایا سورج کو چمک اور چاند کو چاندنا اور مقرر کیں اُسکے لئے منزلیں تاکہ پہچانو گنتی برسوں کی اور حساب یوں ہی نہیں بنایا اللہ نے یہ سب کچھ مگر تدبیر سے۔ ظاہر کرتا ہے نشانیاں اُن لوگوں کے لئے جن کو سمجھ ہے۔ البتہ بدلنے میں رات اور دن کے اور جو کچھ پیدا کیا ہے اللہ نے آسمانوں اور زمین میں نشانیاں ہیں اُن لوگوں کو جو ڈرتے ہیں۔

(سورۃ یونس آیت نمبر ۳، ۴، ۵)

چھ دن میں زمین وآسمان کی پیدائش

۴۔ یعنی اتنے وقت میں جو چھ دن کے برابر تھا اور ایک دن ابن عباس کی تفسیر کے موافق ایک ہزار سال کا لیا جائیگا۔ گویا چھ ہزار سال میں زمین وآسمان وغیرہ تیار ہوئے۔ بلاشبہ حق تعالیٰ قادر تھا کہ آن واحد میں ساری مخلوق کو پیدا کر دیتا لیکن حکمت اسی کو مقتضی ہوئی کہ تدریجاً پیدا کیا جائے۔ شاید بندوں کو سبق دینا ہو کہ قدرت کے باوجود ہر کام سوچ سمجھ کر تانی اور متانت سے کیا کریں۔ نیز تدریجی تخلیق میں بہ نسبت دفعتاً پیدا کرنے کے اس بات کا زیادہ اظہار ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ فاعل بالاضطرار نہیں بلکہ ہر چیز کا وجود بالکلیہ اس کی مشیت واختیار سے وابستہ ہے جب چاہے جس طرح چاہے پیدا کرے۔

۵۔ سورۂ اعراف کے ساتویں رکوع کے شروع میں اسی طرح کی آیت گذر چکی ہے۔ اُس کا فائدہ ملاحظہ کیا جائے۔

۶۔ یعنی مخلوق کے تمام کاموں کی تدبیر وانتظام اُسی کے ہاتھ میں ہے۔

۷۔ یعنی شریک اور حصہ دار تو اُس کی خدائی میں کیا ہوتا۔ سفارش کے لئے بھی اُس کی اجازت کے بدون لب نہیں ہلا سکتا۔

۸۔ یعنی دھیان کرو کہ ایسے رب کے سوا جس کی صفات اُوپر بیان ہوئیں۔ دوسرا کون ہے جس کی بندگی اور پرستش کی جا سکے۔ پھر تم کو کیسے جرأت ہوتی ہے کہ اُس خالق ومالک شہنشاہ مطلق اور حکیم برحق کے پیغاموں اور پیغامبروں کو محض اوہام وظنون کی بناء پر جھٹلانے لگو۔

۹۔ یعنی اُسی سے تم سب کا آغاز ہوا اور اُسی کی طرف انجام کار سب کو جانا ہے۔ پھر اُس کے احکام وسفراء سے سرتابی کرنا کیسے روا ہو سکتا ہے۔

۱۰۔ یعنی چھوٹی سے چھوٹی نیکی بھی ضائع نہ ہو۔

Marfat.com

۱۱۔ نور کا ضیاء کا فرق: بعض کے نزدیک "نور" عام ہے "ضیاء" سے۔ "ضیاء" خاص کو اس نور کو کہتے ہیں جو زیادہ تیز اور چمکدار ہو۔ بعض نے کہا کہ جس کی روشنی ذاتی ہو، وہ ضیاء اور جس کی دوسرے سے مستفادہ ہو، وہ "نور" ہے۔ سورج کی روشنی عالم اسباب میں کسی دوسرے کرہ سے حاصل نہیں ہوئی۔ چاند کی روشنی البتہ سورج سے مستفاد ہے۔ اور بعض محققین نے دونوں میں یہ فرق بتلایا ہے کہ "نور" مطلق روشنی کو کہتے ہیں۔ "ضیاء" اور "نور" اس کے انتشار (پھیلاؤ) کا نام ہے۔ سورجی روشنی کا پھیلاؤ چونکہ زیادہ ہے، اس لئے "ضیاء" سے تعبیر فرمایا۔ واللہ اعلم بمرادہ۔

۱۲۔ یعنی روزانہ بتدریج گھٹتا بڑھتا ہے۔ " وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ" (یٰس۔ رکوع ۳) علمائے ہیئت نے اس کے دورے کی تقسیم کر کے اٹھائیس منزلیں مقرر کی ہیں۔ جو بارہ بروج پر منقسم ہیں۔ قرآن میں خاص ان کی مصطلحات مراد نہیں مطلق سیر و مسافت کے مدارج مراد ہیں۔

۱۳۔ شمس و قمر کے بعض فوائد: یعنی برسوں کی گنتی اور مہینوں اور دنوں کے چھوٹے موٹے حساب سب چاند سورج کی رفتار سے وابستہ کر دیئے ہیں۔ اگر چاند سورج نہ ہوں تو دن رات، قمری اور شمسی مہینے، اور سال وغیرہ کیسے متعین ہوں۔ حالانکہ علاوہ دنیوی زندگی اور معاشی کاروبار کے بہت سے احکام شرعیہ میں بھی تعین اوقات کی ضرورت ہے۔

۱۴۔ یعنی فلکیات کا سلسلہ یوں ہی کیفما اتفق نہیں۔ بلکہ بڑے عظیم الشان نظام و تدبیر کے ماتحت اور ہزار ہا فوائد و حکم پر مشتمل ہے۔

۱۵۔ یعنی سمجھدار لوگ مصنوعات کے اس نظام کو دیکھ کر خداوند قادر و حکیم کی ہستی کا سراغ پاتے ہیں۔ اور مادیات کے انتظام سے روحانیات کے متعلق بھی اندازہ کر لیتے ہیں کہ وہاں کی دنیا میں کیسے کیسے چاند سورج خدا نے پیدا کئے ہوں گے۔ انہی کو انبیاء و مرسلین کہہ لیجئے۔

۱۶۔ دن اور رات میں اللہ کی نشانیاں: بلاشبہ دنیا کی ہر چھوٹی بڑی چیز میں خدا کی ہستی اور وحدانیت کے دلائل موجود ہیں۔ وَفِي كُلِّ شَيْءٍ لَهُ اٰيَةٌ. تَدُلُّ عَلٰى اَنَّهُ وَاحِدٌ۔ سورۃ "بقرۃ" میں پارہ سیقول کے ربع کے قریب ایک آیت گذر چکی جس میں زیادہ بسط و تفصیل سے ان نشانہائے قدرت کا بیان ہوا ہے۔

الٓمّٓرٰ قف تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ؕ وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْهٰرًا ؕ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ قف وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝

(سورۃ الرعد آیت نمبر ۱، ۲، ۳، ۴)

Marfat.com

ترجمہ: یہ آیتیں کتاب کی اور جو کچھ اُترا تجھ پر تیرے رب سے سو حق ہے لیکن بہت لوگ نہیں مانتے۔ اللہ وہ ہے جس نے اُونچے آسمان بغیر ستون دیکھتے ہو۔ پھر قائم ہوا عرش پر اور کام میں لگا دیا سورج اور چاند کو ہر ایک چلتا ہے وقت مقرر پر۔ تدبیر کرتا ہے کام کی ظاہر کرتا ہے نشانیاں کہ شاید تم اپنے رب سے ملنے کا یقین کرو۔ اور وہی ہے جس نے پھیلائی زمین اور رکھے اُس میں بوجھ اور ندیاں۔ اور ہر میوے کے رکھے اُس میں جوڑے دو دو قسم۔ ڈھانکتا ہے دن پر رات کو۔ اس میں نشانیاں ہیں اُنکے واسطے جو کہ دھیان کرتے ہیں۔ اور زمین میں کھیت ہیں مختلف ایک دوسرے سے متصل اور باغ ہیں انگور کے اور کھیتیاں ہیں اور کھجوریں ہیں ایک کی جڑ دوسری سے ملی ہوئی ہے اور بعض بن ملی اُنکو پانی بھی ایک ہی دیا جاتا ہے اور ہم ہیں کہ بڑھا دیتے ہیں اُن میں ایک کو ایک سے۔ میووں میں ان چیزوں میں نشانیاں ہیں اُن کو جو غور کرتے ہیں۔

قرآن مجید ایک واضح حقیقت

یعنی جو کچھ اس سورۃ میں پڑھا جانے والا ہے وہ عظیم الشان کتاب کی آیتیں ہیں۔ یہ کتاب جو آپ پر پروردگار کی طرف سے اُتاری گئی۔ یقیناً حق وصواب ہے لیکن جائے تعجب ہے کہ ایسی صاف اور واضح حقیقت کے ماننے سے بھی بہت لوگ انکار کرتے ہیں۔

بے ستون آسمان

یعنی اس دنیا کی ایسی عظیم الشان، بلند اور مضبوط چھت اللہ نے بنائی جسے تم دیکھتے ہو۔ اور لطف یہ ہے کہ کوئی ستون یا کھمبا یا گرڈر دکھائی نہیں دیتا جس پر اتنی بڑی ڈاٹ کھڑی کی گئی۔ بجز اس کے کیا کہا جائے کہ محض قدرت کے غیر مرئی ستون کے سہارے اُس کا قیام ہے وَیُمۡسِکُ السَّمَآءَ اَنۡ تَقَعَ عَلَی الۡاَرۡضِ اِلَّا بِاِذۡنِہٖ (حج رکوع ۹) کشش اجسام کا نظریہ اگر صحیح ہو تو وہ اس آیت کے منافی نہیں۔ کیونکہ کشش کو عرفاً عمد نہیں کہتے اور اگر عمد کہا جائے تو مرئی نہیں ہے۔

"رُوِیَ عَنِ عَبَّاسٍ وَمُجَاھِدٍ وَالْحَسَنِ وَقَتَادَۃَ وَغَیْرِ وَاحِدٍ اَنَّھُمْ قَالُوْا لَھَا عُمُدٌ" وَّلٰکِنْ لَّا نَرٰی (ابن کثیر)

یعنی ان بزرگوں نے فرمایا کہ آسمانوں کے ستون ہیں جو ہم کو نظر نہیں آتے۔ واللہ اعلم۔

تسخیر شمس وقمر

یعنی سورج اپنا دورہ ایک سال میں اور چاند ایک ماہ میں پورا کرتا ہے "یالاَجَلٍ مُّسَمًّی کے معنی وقت مقرر تک لئے جائیں تو یہ مطلب ہوگا کہ چاند سورج اسی طرح چلتے رہیں گے۔ قیامت تک۔

لقائے رب کا یقین

یعنی جس نے ایسی عظیم الشان مخلوقات کو پیدا کیا اُسے تمہارا دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔ نیز ایک باخبر، مدبر، با مغز اور طاقتور گورنمنٹ باغیوں اور مجرموں کو ہمیشہ کے لئے یوں ہی آزاد نہیں چھوڑے رکھتی۔ نہ وفادار امن پسند رعایا کی راحت رسانی سے اغماض کر سکتی ہے۔ پھر کیسے ممکن ہے کہ خداوند قدوس جو زمین وآسمان کے تخت کا تنہا مالک اور اپنی تدبیر وحکمت

Marfat.com

تمام مخلوقات علوی و سفلی کا انتظام باحسن اسلوب قائم رکھنے والا ہے۔ مطیع و عاصی کو یوں ہی مہمل چھوڑے رکھے۔ ضرور ہے کہ ایک دن وفاداروں کو وفاداری کا صلہ ملے اور مجرم اپنی سزا کو پہنچیں۔ پھر جب اس زندگی میں مطیع و عاصی کے درمیان ہم ایسی صاف تفریق نہیں دیکھتے تو یقیناً ماننا پڑے گا کہ اس زندگی کے بعد کوئی دوسری زندگی ہے جس میں سب کو آسمانی عدالت کے سامنے حاضر ہو کر عمر بھر کے اعمال کا پھل چکھنا ہوگا۔ یعنی پہاڑ جو ایک جگہ کھڑے ہیں اور دریا جو ہر وقت چلتے ہتے ہیں۔

پھلوں کے جوڑے

یعنی چھوٹا بڑا کھٹا میٹھا سیاہ سفید گرم سرد اور جدید تحقیق کے موافق ہر ایک میں نر و مادہ بھی پائے جاتے ہیں۔

اس کے معنی سورۂ اعراف میں آٹھویں پارے کے خاتمہ پر بیان ہو چکے وہاں دیکھ لیا جائے۔ رفتار الگ ہے اور ہر ایک کا کام جداگانہ ہے۔ ایک کی گرم و تیز شعاعیں جو کام کرتی ہیں، دوسرے کی ٹھنڈی اور دھیمی چاندنی سے وہ بن نہیں پڑتا۔ اسی طرح یہاں زمین کے مختلف احوال اور اُس سے تعلق رکھنے والی مختلف چیزوں کا ذکر فرمایا کہیں پہاڑ کھڑے ہیں کہیں دریا رواں ہیں، جو میوے اور پھل پیدا ہوتے ہیں اُن میں بھی شکل، صورت، رنگ مزہ، چھوٹے بڑے بلکہ نر و مادہ کا اختلاف ہے کبھی زمین دن کے اُجالے سے روشن ہو جاتی ہے کبھی رات کی سیاہ نقاب منہ پر ڈال لیتی ہے۔ پھر طرفہ تماشا یہ ہے کہ چند قطعات زمین جو ایک دوسرے سے متصل ہیں، ایک پانی سے سیراب ہوتے ہیں، ایک سورج کی شعاعیں سب کو پہنچتی ہیں۔ ایک ہی ہوا سب پر چلتی ہے۔ اس کے باوجود اس قدر مختلف پھول پھل لاتے ہیں اور باہم پیداوار کی کمی زیادتی کا اتنا فرق ہوتا ہے جو دیکھنے والوں کو حیرت زدہ کر دیتا ہے۔ غور و فکر کرنے والے ان نشانیوں کو دیکھ کر سمجھ لیتے ہیں کہ ایک ہی ابر رحمت کی آبیاری یا ایک ہی آفتاب ہدایت کی موجودگی میں انسانوں کے مادی اور روحانی احوال کا اختلاف بھی کچھ مستبعد و مستنکر نہیں ہے اور یہ کہ لامحدود قدرت کا کوئی زبردست ہاتھ آسمان سے زمین تک تمام مخلوق کے نظام ترکیبی کو اپنے قبضہ میں لئے ہوئے ہے جس نے ہر چیز کی استعداد کے موافق اس کے دائرہ عمل و اثر کی بہت مضبوط حد بندی کر رکھی ہے پھر ایسے لامتناہی قدرت و اختیار رکھنے والے خدا کو کیا مشکل ہے کہ ہم کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر دے اور اس عالم کے مخلوط عناصر کی کیمیائی تحلیل کر کے ہر خیر و شر کو اُس کے مستقر میں پہنچا دے۔ یعنی اس سے زیادہ عجیب بات کیا ہوگی کہ جس نے اول ایک چیز بنائی وہ دوبارہ بنانے پر قادر نہ ہو؟ العیاذ باللہ۔

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ؕ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۚ وَجَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِیْهَا وَقَدَّرَ فِیْهَاۤ اَقْوَاتَهَا فِیْۤ اَرْبَعَةِ اَیَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِیْنَ ۚ ثُمَّ اسْتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ وَهِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَاۤ اَتَیْنَا طَآئِعِیْنَ ۚ فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِیْ یَوْمَیْنِ وَاَوْحٰی فِیْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ؕ وَزَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ ۖ وَحِفْظًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ۚ

(سورۂ حم السجدہ آیت نمبر ۹۔ ۱۲)

ترجمہ: اور کہتے ہیں ہمارے دل غلاف میں ہیں اس بات سے جسکی طرف تو ہم کو بلاتا ہے اور ہمارے کانوں میں بوجھ ہے اور ہمارے اور تیرے بیچ میں پردہ ہے سو تو اپنا کام کر ہم اپنا کام کرتے ہیں۔ تو کہہ میں بھی آدمی ہوں جیسے تم حکم آتا ہے مجھ کو کہ تم پر

Marfat.com

بندگی ایک حاکم کی ہے۔ سو سیدھے رہو اُس کی طرف اور اس سے گناہ بخشواؤ۔ اور خرابی ہی شریک کرنیوالوں کو جو نہیں دیتے زکوٰۃ اور وہ آخرت سے منکر ہیں البتہ جو لوگ یقین لائے اور کئے بھلے کام اُن کو ثواب ملنا ہے جو موقوف نہ ہو۔ تو کہہ کیا تم منکر ہو اُس سے جس نے بنائی زمین دو دن میں اور برابر کرتے ہو اسکے ساتھ اوروں کو وہ ہے رب جہان کا اور رکھے اُس میں بھاری پہاڑ اوپر سے اور برکت رکھی اُسکے اندر اور ٹھہرائیں اُس میں خوراکیں اُسکی چار دن میں پورا ہوا پوچھنے والوں کو۔ پھر چڑھا آسمان کو اور وہ دھواں ہو رہا تھا۔ پھر کہا اُس کو اور زمین کو آؤ تم دونوں خوشی سے یا زور سے وہ بولے ہم آئے خوشی سے۔ پھر کر دیئے وہ سات آسمان دو دن میں۔ ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں (یعنی ستاروں) سے مزین کیا اور (شیطانوں سے) محفوظ رکھا یہ زبردست (اور) خبردار کے (مقرر کئے ہوئے) اندازے ہیں۔

زمین کی تخلیق دو دن میں

یعنی کس قدر تعجب کا مقام ہے کہ رب العالمین کی وحدانیت اور صفات کمالیہ کا انکار کرتے اور دوسری چیزوں کو اُس کے برابر سمجھتے ہو جو ایک ذرہ کا اختیار نہیں رکھتیں۔

زمین کی برکتیں

اور برکت رکھی اُس کے اندر "یعنی قسم قسم کی کانیں، درخت، میوے، پھل، غلے اور حیوانات سے نکلتے ہیں اور "ٹھہرائیں اُس میں خوراکیں اُس کی" یعنی زمین پر بسنے والوں کی خوراکیں ایک خاص اندازہ اور حکمت سے زمین کے اندر رکھدیں چنانچہ ہر اقلیم اور ہر ملک میں وہاں کے باشندوں کی طبائع اور ضروریات کے موافق خوراکیں مہیا کر دی گئی ہیں۔

تخلیق کے چار دن

یعنی یہ سب کام چار دن میں ہوا۔ دو روز میں زمین پیدا کی گئی اور دو روز میں اُس کے متعلقات کا بندوبست ہوا۔ جو پوچھے یا پوچھنے کا ارادہ رکھتا ہے اُسے بتلا دو کہ یہ سب مل کر پورے چار دن میں ہوئے بدون کسر اور کمی بیشی کے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی (پوچھنے والوں کا (جواب پورا ہوا" (تنبیہ) یہاں دنوں سے مراد ظاہر ہے معروف و متبادر دن نہیں ہو سکتے کیونکہ زمین اور سورج وغیرہ کی پیدائش سے قبل ان کا وجود متصور ہی نہیں۔ لامحالہ ان دنوں کی مقدار مراد ہوگی یا وہ دن مراد ہو جس کی نسبت فرمایا ہے "وَاِنَّ یَوْماً عِنْدَ رَبِّکَ کَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ" (حج رکوع ۶) واللہ اعلم

تخلیق آسمان

یعنی پھر آسمانوں کی طرف متوجہ ہوا ہو جو اُس وقت سارا ایک تھا دھوئیں کی طرح۔ اُس کو بانٹ کر سات آسمان کئے۔ جیسا کہ آگے آتا ہے (تنبیہ) ممکن ہے دُخان سے آسمانوں کے مادہ کی طرف اشارہ ہو۔

زمین و آسمان کو اللہ کا حکم

یعنی ارادہ کیا کہ ان دونوں (آسمان اور زمین) کے ملاپ سے دنیا بسائے خواہ اپنی طبیعت سے ملیں یا زور سے ملیں۔

Marfat.com

(بہر حال دونوں کو ملا کر ایک نظام بنانا تھا) وہ دونوں آ ملے اپنی طبیعت سے آسمان سے سورج کی شعاع آئی، گرمی پڑی ہوائیں اُٹھیں اُن سے گرد اور بھاپ اوپر چڑھی پھر پانی ہو کر مینہ برسا جس کی بدولت زمین سے طرح طرح کی چیزیں پیدا ہوئیں۔ اور پہلے جو فرمایا تھا کہ ''زمین میں اُس کی خوراکیں رکھیں'' یعنی اُس میں قابلیت ان چیزوں کے نکلنے کی رکھ دی تھی۔ واللہ اعلم۔

سات آسمان کی تخلیق دو دن میں

یعنی چار دن وہ تھے اور دو دن میں آسمان بنائے کل چھ دن ہو گئے۔ جیسا کہ دوسری جگہ ستة ایـــام کی تصریح ہے (تنبیہ) جن احادیث مرفوعہ میں تخلیق کائنات کے متعلق دنوں کے تعین و ترتیب آئی ہے کہ فلاں فلاں چیز اللہ نے ہفتہ کے فلاں فلاں دن میں پیدا کی، ان میں کوئی حدیث صحیح اب تک نظر سے نہیں گذری۔ حتی کہ ابو ہریرہ کی حدیث سے متعلق جو صحیح مسلم میں ہے ابن کثیرؒ لکھتے ہیں وہو من غرائب الصحیح وقد علله البخاری فی التاریخ فقال رواه بعضهم عن ابی ہریرہ عن کعب الاحبار وہوالاصح اور روح المعانی میں قفال شافعی سے نقل کیا ہے ''تفرد مسلم وقد تکلم علیه الحفاظ علی ابن المدینی والبخاری وغیرہ ہما وجعلوہ من کلام کعب وان اباہریرہ انما سمعه منه ولکن اشتبه علی بعض الرواۃ فجلعه مرفوعا''

آسمان پہلے پیدا ہوا یا زمین

باقی قرآن کریم کی اس آیت اور سورہ بقرہ کی آیت ثُمَّ اسْتَوٰىٓ اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ سے جو ظاہر ہوتا ہے کہ سات آسمان زمین کی پیدائش کے بعد بنائے گئے اور سورہ نازعات میں **وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا** سے ظاہر ہوتا ہے کہ زمین آسمان کے بعد بچھائی گئی۔ اسکے جواب کئی طرح دیئے گئے ہیں۔

ضروری نہیں کہ پہلی آیت میں ثُمَّ اور دوسری میں بَعْدَ ذٰلِكَ تراخی زمان کے لئے ہو۔ ممکن ہے ان الفاظ سے تراخی الاخبار یا تراخی رتبی مراد لیں جیسے **ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ**'' میں۔ یا دوسری جگہ **عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ**'' میں یہ ہی معنی مراد لئے گئے ہیں۔ بہر حال قرآن کریم میں ترتیب زمانی کی تصریح نہیں۔ ہاں نعمت کے تذکرہ میں زمین کا اور عظمت و قدرت کے تزکرہ میں آسمان کا ذکر مقدم رکھا ہے جس کا نکتہ ادنیٰ تامل و تدبر سے معلوم ہو سکتا ہے۔ تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔ یہ چند الفاظ اہل علم کی تنبیہ کے لئے لکھ دیئے ہیں۔

ہر آسمان کو اُس کے حکم کی وحی

یعنی جو حکم جس آسمان کے مناسب تھا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ''یہ رب کو معلوم ہے کو وہاں کون مخلوق بستی ہے اور اُنکا کیا اُسلوب (اور رنگ ڈھنگ) ہے اتنی زمین میں ہزاراں ہزار کارخانے ہیں، تو اتنے بڑے آسمان کب خالی پڑے ہونگے''

یعنی دیکھنے میں معلوم ہوتا ہے کہ گویا سب ستارے اسی آسمان میں جڑے ہوئے ہیں۔ رات کو ان قدرتی چراغوں سے آ... کد ا ر رونق معلوم ہوتا ہے۔ پھر محفوظ کتنا کر دیا ہے کہ کسی کو وہاں تک دسترس نہیں۔ فرشتوں کے زبردست پہرے لگے

Marfat.com

ہوئے ہیں۔کوئی طاقت اس نظام محکم میں رخنہ اندازی نہیں کرسکتی کیونکہ وہ سب سے بڑی زبردست اور باخبر ہستی کا قائم کیا ہوا ہے۔یعنی کفارمکہ اگر ایسے عظیم الشان آیات سننے کے بعد بھی نصیحت قبول کرنے اور توحید اسلام کی راہ اختیار کرنے سے اعراض کرتے رہیں تو فرما دیجئے کہ میں تم کو آگاہ کرتا ہوں کہ تمہارا انجام بھی ''عاد'' و ''ثمود'' وغیرہ اقوامِ معذ بین کی طرح ہوسکتا ہے۔ یعنی ہر طرف سے۔شاید بہت رسول آئے ہونگے۔مگر مشہور یہی دو رسول ہیں۔حضرت ہود اور حضرت صالح علی نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام۔اور یامِنْ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ سے مراد یہ ہوا کہ اُن کو ماضی اور مستقبل کی باتیں سمجھاتے ہوئے آئے۔کوئی جہت اور کوئی پہلو نصیحت وفہمائش کا نہیں چھوڑا۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۝ (سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۱۶۴)

ترجمہ: بیشک آسمان اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے بدلتے رہنے میں اور کشتیوں میں جو کہ لیکر چلتی ہیں دریا میں لوگوں کے کام کی چیزیں اور پانی میں جس کو کہ اُتارا اللہ نے آسمان سے پھر جلایا اُس سے زمین کو اُس کے مرگئے پیچھے اور پھیلائے اُس میں سب قسم کے جانور اور ہواؤں کے بدلنے میں اور بادل میں جو کہ تابعدار ہے اُسکے حکم کا درمیان آسمان وزمین کے۔بیشک ان سب چیزوں میں نشانیاں ہیں عقلمندوں کیلئے۔یعنی جس نے خود حق پوشی کی یا کسی دوسرے کی حق پوشی کے باعث گمراہ ہوا اور اخیر تک کافر ہی رہا اور توبہ نصیب نہ ہوئی تو وہ ہمیشہ کو معلون اور جہنمی ہوا مرنے کے بعد توبہ مقبول نہیں۔بخلاف اول فریق مذکور منافق کے کہ توبہ نے ان کی لعنت کو منقطع کردیا کہ زندگی ہی میں تائب ہوگئے۔یعنی اُن پر عذاب یکساں اور متصل رہے گا۔یہ نہ ہوتا کہ عذاب میں کسی قسم کی کمی ہوجائے یا کسی وقت اُن کو عذاب سے مہلت مل جائے۔

توحید اور اُس کے دلائل

یعنی معبود حقیقی تم سب کا ایک ہی ہے اور اس میں تعدد کا احتمال بھی نہیں سو اب جس نے اُس کی نافرمانی کی بالکل مردود اور غارت ہوا دوسرا معبود ہوا تا تو ممکن تھا کہ اُس سے نفع کی توقع باندھی جاتی۔یہی آقائی اور بادشاہی یا اُستادی اور یہی نہیں کہ ایک جگہ موافقت نہ آئی تو دوسری جگہ چلے گئے۔یہ معبودی اور خدائی ہے نہ اُسکے سوا کسی کو معبود بنا سکتے ہو اور نہ کسی سے اسکے علاوہ خیر کی توقع کرسکتے ہو۔جب آیہ والٰھکم الہ'' واحد نازل ہوئی تو کفار نے تعجب کیا کہ تمام عالم کا معبود اور سب کا کام بنانے والا ایک کیسے ہوسکتا ہے اور اسکی دلیل کیا ہے اس پر آیہ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ نازل ہوئی اور اُس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی نشانیاں بیان فرمائیں۔

مخلوقات میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں

یعنی آسمان کے قدر وسیع اور اُونچا اور بے ستون پیدا کرنے میں اور زمین کے اتنی وسیع اور مضبوط پیدا کرنے اور اُسکے

Marfat.com

پانی پر پھیلانے میں اور رات اور دن کے بدلتے رہنے اور آن کے گھٹانے اور بڑھانے میں اور کشتیوں کے دریا میں چلنے اور آسمان سے پانی برسانے اور اُس سے زمین کو سرسبز و تازہ کرنے میں جملہ حیوانات میں اُس سے تولد و تناسل نشو و نما ہونے میں اور حیات مختلفہ سے ہواؤں کے چلانے میں اور بادلوں کو آسمان اور زمین میں معلق کرنے میں دلائل عظیمیہ اور کثیرہ ہیں۔حق تعالیٰ کی وحدانیت اور اُس کی قدرت اور حکمت اور رحمت پر اُن کے لئے جو صاحب عقل اور فکر ہیں۔فائدہ:لا الہ الا ھو میں توحید ذات کا اور الرحمن الرحیم میں توحید صفات کا ثبوت تھا اور انّ فی خلق الخ میں توحید افعال کا ثبوت ہوا جس سے مشرکین کے شبہات بالکلیہ مندفع ہو گئے۔

اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ج رَبَّنَا مَاخَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلاً ج سُبْحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ . رَبَّنَآ اِنَّکَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَیْتَهٗ ط وَمَا للظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ.

ترجمہ:وہ جو یاد کرتے ہیں۔اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے۔ اور فکر کرتے ہیں آسمان اور زمین کی پیدائش میں کہتے ہیں اے رب ہمارے تو نے یہ عبث نہیں بنایا تو پاک ہے سب عیبوں سے سو ہم کو بچا دوزخ کے عذاب سے۔ اے رب ہماری جس کو تو نے دوزخ میں ڈالا سو اس کو رسوا کر دیا۔اور نہیں کوئی گنہگاروں کا مددگار۔ (سورۃ آل عمران آیت نمبر۱۹۲تا۱۹۰)

مخلوقات میں غور و فکر

یعنی ذکر و فکر کے بعد کہتے کہیں کہ خداوند! یہ عظیم الشان کارخانہ آپ نے بیکار پیدا نہیں کیا جس کا کوئی مقصد نہ ہو، یقیناً ان عجیب و غریب حکیمانہ انتظامات کا سلسلہ کسی عظیم و جلیل نتیجہ پر منتہی ہونا چاہئے۔گویا یہاں سے ان کا ذہن تصور آخرت کی طرف منتقل ہو گیا جو فی الحقیقت دنیا کی موجودہ زندگی کا آخری نتیجہ ہے اسی لئے آگے دوزخ کے عذاب سے محفوظ رہنے کی دعاء کی اور درمیان میں خدا تعالیٰ کی تسبیح و تنزیہہ بیان کر کے اشارہ کر دیا کہ جو احمق قدرت کے ایسے صاف و صریح نشان دیکھتے ہوئے تجھ کو نہ پہنچائیں یا تیری شان کو گھٹائیں یا کارخانہ عالم کو محض عبث و بعب سمجھیں، تیری بارگاہ ان سب کی ہزلیات و خرافات سے پاک ہے،اس آیت سے معلوم ہوا کہ آسمان و زمین اور دیگر مصنوعات الہیہ میں غور و فکر کرنا وہ ہی محمود ہو سکتا ہے جس کا نتیجہ خدا کی یاد اور آخرت کی طرف توجہ ہو، باقی جو مادہ پرست ان مصنوعات کے تاروں میں الجھ کر رہ جائیں اور صانع کی صحیح معرفت تک نہ پہنچ سکیں خواہ دنیا! انہیں بڑا محقق اور سائنس داں کہا کرے، مگر قرآن میں وہ اولوالالباب نہیں ہو سکتے۔بلکہ پرلے درجہ کے جاہل و احمق ہیں۔

جو شخص جتنی دیر دوزخ میں رہے گا اسی قدر رسوائی سمجھو۔اس قاعدہ سے دائمی رسوائی صرف کفار کے لئے ہے۔جن آیات میں عامہ مومنین سے خزی (رسوائی) کی نفی کی گئی ہے وہاں یہ معنی سمجھنے چاہئیں۔

یعنی جس کو دوزخ میں ڈالنا چاہے،کوئی حمایت کر کے بچا نہیں سکتا۔ہاں جن کو ابتداء میں یا آخر میں چھوڑنا اور معاف کر دینا ہی منظور ہوگا (جیسے عصاۃ مومنین) ان کیلئے شفعاء کو اجازت دی جائیگی کہ سفارش کر کے بخشوائیں۔وہ اس کے مخالف نہیں۔بلکہ آیات و احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔

Marfat.com

إِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَ نَا وَرَضُوْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَانُّوْ بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ٥ (سورۃ یونس آیت نمبر ۷)

ترجمہ: البتہ جولوگ امید نہیں رکھتے تمہارے ملنے کی اور خوش ہوئے دنیا کی زندگی پر مطمئن ہو گئے اور جولوگ ہماری نشانیوں سے بے خبر ہیں۔

وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ قف وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ ط اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ٥ (سورۃ الرعد آیت نمبر ۴)

ترجمہ: اور زمین میں کھیت ہیں مختلف ایک دوسرے سے متصل اور باغ ہیں انگور کے اور کھیتیاں ہیں اور کھجور ہیں ایک کی دوسری سے ملی ہوئی اور بعض بن ملی اُنکو پانی بھی ایک ہی دیا جاتا ہے اور ہم ہیں کہ بڑھا دیتے ہیں اُن میں ایک کو ایک سے میووں میں ان چیزوں میں نشانیاں ہیں اُن کو جو غور کرتے ہیں۔

اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ٥ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ ط قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ٥ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ط وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ ٥ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ٥ اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ط بَلٰى ق وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ٥ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ٥ فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ٥ (سورۃ یسین آیت نمبر 83)

ترجمہ: کیا دیکھتا نہیں انسان کہ ہم نے اُس کو بنایا ایک قطرہ سے پھر تبھی وہ ہو گیا جھگڑنے بولنے والا۔ اور جھٹلاتا ہے ہم پر ایک اور بھول گیا اپنی پیدائش کہنے لگا کون زندہ کرے گا ہڈیوں کو جب کھوکھری ہو گئیں۔ تو کہہ اُن کو زندہ کریگا جس نے بنایا اُن کو پہلی بار اور وہ سب دن بنانا جانتا ہے۔ جس نے بنادی تم کو سبز درخت سے آگ پھر اب تم اُس سے سُلگاتے ہو کیا جس نے بنائے آسمان اور زمین نہیں بنا سکتا ان جیسے کیوں نہیں اور وہی ہے اصل بنانے والا سب کچھ جاننے والا۔ اُسکا حکم یہی ہے کہ جب کرنا چاہے کسی چیز کو تو کہے اس کو ہو وہ اُسی وقت ہو جائے سو پاک ہے وہ ذات جس کے ہاتھ ہے حکومت ہر چیز کی اور اُسی کی طرف پھر کر چلے جاؤ گے۔

انسان کی اصل

یعنی انسان اپنی اصل کو یاد نہیں رکھتا کہ وہ ایک ناچیز قطرہ تھا، خدا نے کیا سے کیا بنا دیا۔ اس پانی کی بوند کو وہ زور اور قوت گویائی عطا کی کہ بات بات پر جھگڑنے اور باتیں بنانے لگا۔ حتی کہ آج اپنی حد سے بڑھ کر خالق کے مقابلہ میں خم ٹھوک کر کھڑا ہو گیا۔

حقیر انسان کی جرأت

یعنی دیکھتے ہو! خدا پر کیسے فقرے چسپاں کرتا ہے۔ گویا اُس قادر مطلق کو عاجز مخلوق کی طرح فرض کر لیا ہے۔ جانتا ہے

Marfat.com

کہ آخر جب بدن گل سڑ کر صرف ہڈیاں رہ گئیں وہ بھی بوسیدہ اور پرانی اور کھوکھری، تو انہیں دوبارہ کون زندہ کریگا۔ ایسا سوال کرتے وقت اُسے اپنی پیدائش یاد نہیں رہی ورنہ اس قطرہ ناچیز کو جرأت نہ ہوتی۔ اپنی اصل پر نظر کر کے کچھ شرماتا اور کچھ عقل سے کام لے کر اپنے سوال کا جواب بھی حاصل کر لیتا جو اگلی آیت میں مذکور ہے۔

اللہ کی قدرت

یعنی جس نے پہلی مرتبہ ان ہڈیوں میں جان ڈالی اُسے دوسری بار جان ڈالنا کیا مشکل ہے۔ بلکہ پہلے سے زیادہ آسان ہونا چاہیے۔ (وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ) اور اُس قادر مطلق کے لئے تو سب ہی چیز آسان ہے۔ پہلی مرتبہ ہو یا دوسری مرتبہ، وہ ہر طرح بنانا جانتا ہے۔ اور بدن کے اجزاء اور ہڈیوں کے ریزے جہاں کہیں منتشر ہو گئے ہوں اُن کا ایک ایک ذرہ اُس کے علم میں ہے۔

درخت اور ایندھن

یعنی اول پانی سے سرسبز وشاداب درخت تیار کیا پھر اسی تر وتازہ درخت کو سکھا کر ایندھن بنا دیا جس سے اب تم آگ نکال رہے ہو پس جو خدا ایسی متضاد صفات کو اول بدل کر سکتا ہے کیا وہ ایک چیز کی موت وحیات کے اُلٹ پھیر پر قادر نہیں۔ (تنبیہ) بعض سلف نے ''شجر اخضر'' (سبز درخت) سے خاص وہ درخت مراد لئے ہیں جن کی شاخوں کو آپس میں رگڑنے سے آگ نکلتی ہو۔ جیسے بانس کا درخت ہے یا عرب میں مرخ اور عفار تھے۔ یعنی جس نے آسمان وزمین جیسی بڑی بڑی چیزیں پیدا کیں اُسے ان کافروں جیسی چھوٹی چیزوں کا پیدا کر دینا کیا مشکل ہے۔

قدرت کاملہ کا بیان

یعنی کسی چھوٹی بڑی چیز کے پہلی مرتبہ یا دوبارہ بنانے میں اُسے دقت ہی کیا ہو سکتی ہے۔ اُس کے ہاں تو بس ارادہ کی دیر ہے۔ جہاں کسی چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ کیا اور کہا ہو جا! فوراً ہوئی رکھی ہے۔ ایک سیکنڈ کی تاخیر نہیں ہو سکتی۔ (تنبیہ) میرے خیال میں اس آیت کے ساتھ ملا کر یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ پہلے خلق بدن کا ذکر تھا۔ یہاں نفخ روح کا مطلب سمجھا دیا۔ راجع فوائد سورۃ الاسرا تحت بحث الروح۔

اللہ ہی حاکم مطلق ہے

یعنی وہ اعلیٰ ترین ہستی جس کے ہاتھ میں فی الحال بھی اوپر سے نیچے تک تمام مخلوقات کی زمام حکومت ہے اور آئندہ بھی اسی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے۔ پاک ہے عجز وسفہ اور ہر قسم کے عیب ونقص سے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ہ مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ہ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ہ فَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذَنُوْبًا مِّثْلَ ذَنُوْبِ اَصْحٰبِهِمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُوْنِ ہ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ يَّوْمِهِمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ع

Marfat.com

ترجمہ: اور میں نے جو بنائے جن اور آدمی سو اپنی بندگی کو۔ میں نہیں چاہتا اُن سے روزینہ اور نہیں چاہتا کہ مجھ کو کھلائیں اللہ جو ہے وہی ہے روزی دینے والا اور زور آور اور مضبوط۔ سو ان گنہگاروں کا بھی ڈول بھر چکا ہے جیسا ڈول بھرا ان کے ساتھیوں کا۔ اب مجھ سے جلدی نہ کریں۔ سو خرابی ہے منکروں کو ان کو اس دن سے جس کا ان سے وعدہ ہو چکا ہے۔

(سورۃ الزاریات آیت نمبر ۵۶ تا ۶۰)

جنوں اور انسانوں کی تخلیق عبادت کیلئے ہے

یعنی اُنکے پیدا کرنے سے شرعاً بندگی مطلوب ہے۔ اسی لئے اُن میں خلقۃً ایسی استعداد رکھی ہے کہ چاہیں۔ تو اپنے اختیار سے بندگی کی راہ پر چل سکیں یوں ارادہ کونیہ قدریہ کے اعتبار سے تو ہر چیز اُسکے حکم تکوینی کے سامنے عاجز اور بے بس ہے۔ لیکن ایک وقت آیگا جب سب بندے اپنے ارادہ سے تخلیق عالم کی اس غرض شرعی کو پورا کریں گے بہر حال آپ سمجھاتے رہیے کہ سمجھانے ہی سے یہ مطلوب شرعی حاصل ہو سکتا ہے۔ بندگی بندوں کے فائدے کے لئے ہے

یعنی ان کی بندگی سے میرا کچھ فائدہ نہیں انہی کا نفع ہے۔ وہ مالک نہیں جو غلاموں سے کہے میرے لئے کما کر لاؤ یا میرے سامنے کھانا لا کر رکھو۔ میری ذات ان تخیلات سے پاک اور برتر ہے ان سے اپنے لئے روزی کیا طلب کرتا۔ ان کو اپنے پاس سے روزی پہنچاتا ہوں بھلا مجھ جیسے زور آور اور قادر و توانا کو تمہاری خدمت کی کیا حاجت ہو سکتی ہے بندگی کا حکم صرف اس لئے دیا گیا ہے کہ تم میری شہنشاہی اور عظمت و کبریا کا قولاً اور فعلاً اعتراف کر کے میری خصوصی الطاف و مراحم کے مورد و مستحق بنو۔

یعنی اگر یہ ظالم بندگی کی طرف نہیں آتے تو سمجھ لو کہ دوسرے ظالموں کی طرح ان کا بھی ڈول بھر چکا ہے۔ بس اب ڈوبا چاہتا ہے۔ خوامخواہ سزا میں جلدی نہ مچائیں جیسے دوسرے کافروں کو خدائی سزا کا حصہ پہنچا ان کو بھی پہنچ کر رہے گا۔

اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ٥ لَهٗ مَافِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَاتَحْتَ الثَّرٰى ٥ وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى ٥ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ط لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ٥ (سورۃ طٰہٰ آیت نمبر ۵ تا ۸)

ترجمہ: وہ بڑا مہربان عرش پر قائم ہوا۔ اُسی کا ہے جو کچھ ہے آسمان اور زمین میں اور ان دونوں کے درمیان اور نیچے گیلی زمین کے۔ اور اگر تو بات کہے پکار کر تو اُس کو تو خبر ہے چھپی ہوئی بات کی اور اُس سے بھی چھپی ہوئی کی۔ اللہ ہے جسکے سوا بندگی نہیں کسی کی اُس کے ہیں سب نام خاص۔

عرش الٰہی

استواء علی العرش کا مفصل بیان سورۃ ''اعراف'' کے فوائد میں دیکھ لیا جائے۔ ''عرش'' کے متعلق نصوص سے اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ اُس کے پائے ہیں اور خاص فرشتے اُٹھانے والے ہیں اور آسمانوں کے اوپر قبہ کی طرح ہے۔ صاحب روح المعانی نے ''عرش'' اور ''استواء علی العرش'' پر اس آیت کے تحت میں نہایت مبسوط کلام کیا ہے۔ من شاء فلیراجعہ۔

Marfat.com

اللہ کی حکومت

یعنی وہی ایک خدا بلاشرکت غیرے آسمانوں سے زمین تک اور زمین سے تحت الثریٰ تک تمام کائنات کا ملک و خالق ہے۔ اُسی کی تدبیر و انتظام سیکل سلسلے قائم ہیں (تنبیہ) آسمان و زمین کی درمیانی مخلوق سے یا تو کائنات جو مراد ہیں جو دائما دونوں کے درمیان ہی رہتی ہیں۔ مثلاً ہوا، بادل وغیرہ اور یا وہ چیزیں بھی اس میں شامل ہوں جو اکثر ہوا میں پرواز کرتی ہیں جیسے پرند جانور اور ثری (گیلی زمین) سے زمین کے نیچے کا طبقہ مراد ہے جو پانی کے قرب و اتصال کی وجہ سے تر رہتا ہے۔

علم الٰہی کی وسعت

پہلے عموم قدرت و تصرف کا بیان تھا۔ اس آیت میں علم الٰہی کی وسعت کا تذکرہ ہے۔ یعنی جو بات زور سے پکار کر کہی جائے وہ اُس علام الغیوب سے کیونکہ پوشیدہ رہ سکتی ہے۔ جس کو ہر کھلی چھپی بلکہ چھپی سے زیادہ چھپی ہوئی باتوں کی خبر ہے۔ جو بات تنہائی میں آہستہ کہی جائے اور جو دل میں گذرے ابھی زبان تک نہ آئی ہو اور جو ابھی دل میں بھی نہیں گذری آئندہ گذرنے والی ہو حق تعالیٰ کا علم اُن سب کو محیط ہے۔ اسی لئے بلاضرورت بہت زور سے چلا کر ذکر کرنے کو بھی علمائے شریعت نے منع کیا ہے۔ جن مواقع میں ذکر باآواز بلند منقول ہے بعض مصالح معتبرہ کی بناء پر تجربہ کاروں کے نزدیک نافع سمجھا گیا ہے۔ وہ عموم نہی سے مستثنیٰ ہونگے۔

اللہ کے اسمائے حسنیٰ

آیات بالا میں جو صفات حق تعالیٰ کی بیان ہوئی ہیں یعنی اُس کا خالق الکل، مالک علی الاطلاق، رحمان، قادر مطلق، اور صاحب علم محیط ہونا اُنکا اقتضاء یہ ہے کہ الوہیت بھی تنہا اُسی کا خاصہ ہو کر بجز اُس کے کسی دوسرے کے آگے سر عبودیت نہ جھکا جائے۔ کیونکہ نہ صرف صفات مذکورہ بالا بلکہ کل عمدہ صفات اور اچھے نام اُسی کی ذات منبع الکمالات کے لئے مخصوص ہیں۔ کوئی دوسری ہستی اس شان و صفت کی موجود نہیں۔ جو معبود بن سکے۔ نہ اُن صفتوں اور ناموں کے تعدد سے اُس کی ذات میں تعدد آتا ہے۔ جیسا کہ بعض جہاں عرب کا خیال تھا کہ مختلف ناموں سے خدا کو پکارنا دعویٰ توحید کے مخالف ہے۔

اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَھُمَا فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ط مَالَکُمْ مِّنْ دُوْنِہٖ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا شَفِیْعٍ ط اَفَلَا تَتَذَکَّرُوْنَ ہ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ ثُمَّ یَعْرُجُ اِلَیْہِ فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُہٗٓ اَلْفَ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ہ ذٰلِکَ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ہ اَلَّذِیْٓ اَحْسَنَ کُلَّ شَیْءٍ خَلَقَہٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ ہ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَہٗ مِنْ سُلٰلَۃٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّھِیْنٍ ہ ثُمَّ سَوّٰہُ وَنَفَخَ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِہٖ وَجَعَلَ لَکُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَۃَ ط قَلِیْلًا مَّا تَشْکُرُوْنَ ہ

ترجمہ: اللہ ہے جس نے بنائے آسمان اور زمین اور جو کچھ اُنکے بیچ میں ہے چھ دن کے اندر پھر قائم ہوا عرش پر۔ کوئی نہیں تمہارا اُسکے سوا حمایتی اور نہ سفارشی پھر تم کیا دھیان نہیں کرتے۔ تدبیر سے اُتارتا ہے کام آسمان زمین تک۔ پھر چڑھتا ہے وہ کام اسکی

Marfat.com

کی طرف ایک دن میں جس کا پیمانہ ہزار برس کا ہے تمہاری گنتی میں۔ یہی جاننے والا چھپے اور کھلے کا زبردست رحم والا۔ جس نے خوب بنائی جو چیز بنائی اور شروع کی انسان کی پیدائش ایک گارے سے پھر بنائی اُسکی اولاد نچڑے ہوئے بے قدر پانی سے۔ پھر اسکو برابر کیا اور پھونکی اُس میں اپنی ایک جان۔ اور بنادیئے تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل تم بہت تھوڑا شکر کرتے ہو۔

(سورۃ السجدہ آیت نمبر 4 تا 9)

اللہ کی تدبیر اور امور کا طریقہ

بڑے کام اور اہم انتظامات کے متعلق عرش عظیم سے مقرر کر کے نیچے حکم اُترتا ہے۔ سب اسباب احسی ومنعوی، ظاہری و باطنی، آسمان وزمین سے جمع ہو کر اس کے انصرام میں لگ جاتے ہیں۔ آخر وہ کام اور انتظام اللہ کی مشیت وحکمت سے مدتوں جاری رہتا ہے پھر زمانہ دراز کے بعد اُٹھ جاتا ہے۔ اس وقت اللہ کی طرف سے دوسرا رنگ اُترتا ہے۔ جیسے بڑے بڑے پیغمبر جن کا اثر قرنوں رہا یا کسی بڑی قوم میں سرداری جو نسلوں تک چلی۔ وہ ہزار برس اللہ کے ہاں ایک دن ہے۔ (موضح تبغیر یسر)

ہزار سال کے امور کا حکم اور اُسکی تفسیر

مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہزار سال کے انتظام وتدابیر فرشتوں کو القا کرتا ہے۔ اور یہ اُس کے ہاں ایک دن ہے۔ پھر فرشتے جب (انہیں انجام دیکر) فارغ ہو جاتے ہیں۔ آئندہ ہزار سال کے انتظامات القاء فرمادیتا ہے۔ یہ ہی سلسلہ قیامت تک جاری رہیگا۔ بعض مفسرین آیت کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ اللہ کا حکم آسمانوں کے اوپر سے زمین تک آتا ہے۔ پھر جو کاروائیاں اس کے متعلق یہاں ہوئی ہیں وہ دفتر اعمال میں درج ہونے کے لئے اوپر چڑھتی ہیں جو سمائے دنیا کے محدب پر واقع ہے اور زمین سے وہاں تک کا فاصلہ آدمی کی متوسط رفتار سے ایک ہزار سال کا ہے جو خدا کے ہاں ایک دن قرار دیا گیا۔ مسافت تو اتنی ہے یہ جداگانہ بات ہے کہ فرشتہ ایک گھنٹہ یا اس سے بھی کم میں قطع کرلے۔ بعض مفسرین یوں معنی کرتے ہیں کہ ایک کام اللہ تعالیٰ کو کرنا ہے تو اُسکے مبادی واسباب کا سلسلہ ہزار سال پہلے سے شروع کردیتے ہیں۔ پھر وہ حکمت بالغہ کے مطابق مختلف ادوار میں گذرتا اور مختلف صورتیں اختیار کرتا ہوا بتدریج اپنے منتہائے کمال کو پہنچتا ہے۔ اس وقت جو نتائج وآثار اس کے ظہور پذیر ہوتے ہیں بارگاہ ربوبیت میں پیش ہونے کے لئے چڑھتے ہیں بعض کے نزدیک ''یوم'' سے یوم قیامت مراد ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ آسمان سے زمین تک تمام دنیا کا بندوبست کرتا ہے۔ پھر ایک فت آیگا جب یہ سارا قصہ ختم ہو کر اللہ کی طرف لوٹ جائیگا اور آخری فیصلہ کے لئے پیش ہوگا۔ اُس کو قیامت کہتے ہیں۔ قیامت کا دن ہزار سال کی برابر ہے۔ بہر حال ''فِیْ یَوْمٍ'' کو بعض نے یُدَبِّرُ کے اور بعض نے یَعْرُجُ کے متعلق کیا ہے اور بعض نے تنازع فعلین مانا ہے۔ واللہ اعلم۔ یعنی ایسے اعلیٰ اور عظیم الشان انتظام وتدبیر کا قائم کرنا اُسی پاک ہستی کا کام ہے جو ہر ایک ظاہر وپوشیدہ کی خبر رکھے، زبردست اور مہربان ہو۔

انسانو! اپنی تخلیق میں غور کرو

یعنی نطفہ جو بہت سی غذاؤں کا نچوڑ ہے۔ یعنی شکل، صورت، اعضاء موزوں ومتناسب رکھے۔

Marfat.com

اللہ کی روح کا مطلب

حضرت شاہؒ صاحب لکھتے ہیں "جو مخلوق ہے اُسی کا مال ہے مگر جس کی عزت بڑھائی اس کو اپنا کہا جیسے فرمایا اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطَان" حالانکہ سب خدا کے بندے ہیں کما قال اِنْ کُلُّ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِی الرَّحْمٰنِ عَبْدًا سوانسان کی جان عالم غیب سے آئی ہے مٹی پانی سے نہیں بنی۔ اُس کو اپنا کہا۔ ورنہ اللہ کی جان کا اگر وہ مطلب لیا جائے جو مثلاً آدمی کی جان کا لیتے ہیں تو چاہے جان کسی بدن میں ہو، بدن ہوا تو ترکیب آئی، ترکیب آئی تو حدوث آیا۔ ذات پاک کہاں رہی (موضح بتغیر)

ان نعمتوں کا شکر یہ تھا کہ آنکھوں سے اُس کی آیات تکوینیہ کو بنظرِ امعان دیکھتے۔ کانوں سے آیات تنزیلیہ کو توجہ وشوق کے ساتھ سننے۔ دل سے دونوں کو ٹھیک ٹھیک سمجھنے کی کوشش کرتے۔ پھر سمجھ کر اُس پر عامل ہوتے۔ مگر تم لوگ بہت کم شکر ادا کرتے ہو۔

یعنی اس پر غور نہ کیا کہ اللہ نے اُن کو اوّل مٹی سے پیدا کیا ہے، اُلٹے شبہات نکالنے لگے کہ مٹی میں مل جانے کے بعد ہم دوبارہ کس طرح بنائے جائیں گے۔ اور شبہ یا استبعاد ہی نہیں بلکہ صاف طور پر لوگ بعث بعد الموت سے منکر ہو گئے۔

نظامِ کائنات

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: وہ آسمان سے لیکر زمین تک ہر کام کی تدبیر کرتا ہے۔ پھر وہ کام یا منصوبے ایک جیسے دن میں اس کی طرف عروج کرتا ہے جس کا اندازہ تمہاری گنتی کے ہزار سال کے برابر ہے۔ (السجدہ:۵)

اور سورۃ المعارج کی آیت نمبر۲ اور ۳ میں اللہ خالق و مالک کائنات کا فرمان ہے:

ترجمہ: ہم ہی بنانے والے ہیں ان تیز رفتار راستوں کے Elevator Type Passages جو پڑھنے پھلانگنے کے لئے استعمال ہوتے ہیں اور فرشتے اور جبرئیل انہی راستوں سے اللہ کے حضور حاضر ہوتے ہیں ایک دن کے وقت میں جس کی مقدار کرہ ارض کے پچاس ہزار سال کے برابر ہے"۔

یہ آیات مقدسہ اس حقیقت کی ٹھوس اور قطعی شہادت فراہم کر دیتی ہیں کہ کائنات کی واحد اور حقیقی سپر پاور اور اللہ قادر مطلق کا اپنا کائناتی نظام ہوتا ہے جو دو مراحل پر مشتمل ہوتا ہے۔ پہلا مرحلہ پچاس ہزار سال یا اس سے زائد مدت پر مشتمل ہوتا ہے پہلا مرحلہ پچاس ہزار سال یا اس سے زائد مدت پر مشتمل ہوتا ہے (المعارج ۳-۲) اور دوسرا مرحلہ ایک ہزار برس پر مشتمل ہوتا ہے جو آنے والے ایک ہزار برس کے دوران ہزار سالہ منصوبے کو روبعمل لانے کے لئے آسمان زمین پر اتار دیا جاتا ہے۔ کب کس متکبر، خودسر، نافرمان یا باغی حکمران یا سپر پاور کا غرور خاک میں ملانا ہے۔ کس کو نیست و نابود کر کے دوسروں کو نشان عبرت بنانا ہے۔ کب کسی ناتواں، پسماندگی کا شکار، گری پڑی قوم کو قوت وشوکت اقتدار کی دولت بخش کر دنیا کی سپر پاور بنانا ہے، دنیا کے کس خطہ میں دنیاوی اقتدار و ہوس ملک گیری کے لئے اور کمزور قوموں کے وسائل پر ناجائز قبضہ کیلئے لڑی جانے والی

Marfat.com

جنگ میں کس کو فتح وکامرانی کی نعمت سے نوازنا ہے۔اور کس کے مقدر میں شکست کی ذلت لکھنی ہے۔کس کے سر سے حکمرانی کا تاج اتارنا ہے اور کس کے سر پر سجانا ہے۔دنیا میں رونما ہونے والے اس نوع کے سارے واقعات ومعاملات وحادثات کا تعلق براہ راست اللہ عزیز المقتدر کے اس ہمہ گیر منصوبہ سے ہوتا ہے۔جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے۔

ترجمہ: (اے میرے حبیب ﷺ! آپ کہہ دیجئے کہ اللہ وحدہ، لاشریک ہی سارے جہاں کا حقیقی مالک وحاکم ہے۔جسے چاہے حکمرانی دے اور جسے چاہے سلطنت چھین لے۔وہ جسے چاہے عزت بخشے اور جسے چاہے ذلت دے۔سب بھلائیاں اسی ایک خدا کے ہاتھ میں ہیں جو ہر چیز پر قادر ہے۔)(آل عمران ۲۶)

اس کائناتی نظام کے نفاذ (Implementation) کی راہ میں دنیا کی کسی بڑی سے بڑی سپر پاور یا کسی طاقتور سے طاقتور فرد کا اپنا کوئی منصوبہ (World Order) حائل ہوسکتا ہے اور نہ کسی دنیاوی طاقت میں اس کائناتی نظام کے کسی چھوٹے سے چھوٹے جز یا حصہ بدل دینے یا ناکام بنا دینے کی طاقت وصلاحیت ہوتی ہے۔

Marfat.com

باب: دوئم

تخلیق کائنات کا سبب آنحضرت ﷺ

تخلیق کائنات کا سبب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

حدیث

لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر میں آپ کو پیدا نہ کرتا تو آسمانوں (مراد عالم) کو پیدا نہ کرتا اور میں ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا۔

Marfat.com

تخلیق کائنات کا سبب آنحضرت ﷺ

حضرت جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں۔

(۱) عبدالرزاق عن معمر (۲) عن ابن المنکدر (۳) عن جابر (۴) قال: سألت رسول اللهﷺ عن أول شيء خلقه الله تعالى؟ فقال: هو نور نبيک يا جابر خلقه الله، ثم خلاق فيه كل خير، و خلق بعده كل شيء، وحين خلقه أقامه قد امه من مقام القرب اثني عشر الف سنة، ثم جعله أربعه أقسام فخلق العرش /والكرسي من قسم؛ وحملة العرش و خزنة الكرسي من قسم، وأقام القسم الرابع في مقام الحب اثني عشر الف، ثم جعله أربعة اقسام فخلق القلم من قسم، واللوح من قسم، والجنة من قسم، ثم أقام القسم الرابع في مقام الخوف اثني عشر الف سنة جعله أربعة أجزاء فخلق الملائكة من جزء، والشمس من جزء، والقمر والكواكب من جزء، وأقام الجزء الرابع في مقام الرجاء اثني عشر ألف سنة، ثم جعله أربعه أجزاء فخلق العقل من جزء والعلم والحكمة والعصمة والتوفيق من جزء وأقام الجزء الرابع فى مقام الحياء اثني عشر ألف سنة ثم نظر الله عز و جل أليه فتر شح النور عرقا فقطر منه مائة ألف وأربعة.[وعشرون ألف وأربعة آلاف]" قطرة من نور، فخلق الله من كل قطرة روح نبي، أو روح رسول ثم تنفست أرواح الأنبياء فخلق الله من أنفاسهم الأولياء والشهداء والسعداء المطيعين ألى يوم القيامة، فالعرش والكرسي / من نوري / ۴ب والكروبيون من نوري والروحانيون والملائكة من نوري والجنة وما فيها من النعيم من نوري، وملائكة السموات السبع من نوري، والشمس والقمر والكواكب من نوري، والعقل والتوفيق من نوري، وأرواح الرسل والأنبياء من نوري، والشهدأ والسعداء والصالحون من نتاج نوري، ثم خلاق الله اثني عشر ألف حجاب فاقام الله نوري وهوالجزء الرابع، في كل حجاب ألف سنة، وهي مقامات العبودية والسكينة والصبر والصدق واليقين، فغمس الله ذالک النور في كل حجاب ألف سنة فلما أخرج الله النور من الحجب ركبه الله في الأرض فكان يضي ء منها ما بين المشرق والمغرب كالسراج في الليل المظلم، ثم خلق الله آدم من الأرض فركب فيه النور في جبينه، ثم انتقل منه الى شيث، وكان ينتقل من طاهر الى طيب، ومن طيب الى طاهر، الى أن أوصله الله صلب عبدالله بن عبدالمطلب، ومنه الى رحم أمي آمنه بنت وهب، ثم أخرجني الى الدنيا فجلعني / سيد المرسلين وخاتم النبين وحمة اللعالمين/ وقائد الغر المحجلين وهكذا كان بدء خلق نبيک ياجابر.

عبدالرزاق نے معمر سے اور وہ ابن منکدر سے اور وہ جابر سے نقل کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ اللہ نے سب سے پہلے کس چیز کو پیدا کیا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ اے جابر وہ تیرے نبی کا نور ہے پھر اس میں تمام کی تمام خیر کو پیدا کیا

Marfat.com

اور باقی تمام چیزوں کو اسکے بعد پیدا کیا۔ جب اس نور کو پیدا کر دیا تو اسکو اپنے سامنے مقام قرب میں بارہ سال کھڑے رکھا۔ پھر اسکو چار حصوں میں تقسیم فرما دیا۔ ایک قسم سے عرش و کرسی کو پیدا کیا۔ اور دوسری قسم سے عرش کے اٹھانے والوں کو اور کرسی کے پہرہ داروں کو پیدا کیا اور چوتھی قسم کو مقام حب میں بارہ سال ٹھہرایا پھر اس کو چار حصوں میں تقسیم فرمایا۔ ایک قسم سے قلم کو اور دوسری قسم سے لوح محفوظ کو اور تیسری قسم سے جنت کو پھر اسکو مقام خوف میں بارہ سال ٹھہرایا۔ اور چار حصوں میں تقسیم کیا۔ پہلے حصے سے فرشتوں کو اور سورج کو دوسرے حصے سے چاند اور ستاروں کو، تیسرے حصے سے پیدا کیا اور چوتھی قسم کو مقام رجآ (اُمید) میں بارہ سال ٹھہرایا۔ پھر اسکو چار حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک حصے سے عقل کو پیدا کیا اور دوسرے سے علم و حکمت کو اور تیسرے سے عصمت اور توفیق کو پیدا کیا اور چوتھی قسم کو مقام حیا میں بارہ سال ٹھہرایا۔ ادھر اسکی طرف نظر فرمائی تو وہ نور پسینہ پسینہ ہو گیا تو اس میں سے نور کے ایک لاکھ چوبیس ہزار 124000 ہزار قطرے گرے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ہر قطرے سے انبیاء اور اسکی روحوں کو پیدا فرمایا۔ پھر انبیاء علیہم السلام کی روحوں نے سانس لیا تو انکے سانس سے قیامت تک آنے والے اولیاء، شھداء اور سعادتمندوں اور نیک لوگوں کو پیدا فرمایا۔ تو پس عرش و کرسی کو میرے نور سے حملۃ العرش کو میرے نور سے اور روحانی لوگوں کو اور فرشتوں کو میرے نور سے اور جنت اور جو اسمیں نعمتیں ہیں میرے نور سے اور ساتوں آسمانوں کے فرشتوں کو میرے نور سے اور شمس و قمر اور ستاروں کو میرے نور سے عقل اور توفیق کو میرے نور سے انبیاء و رسل کی ارواح کو میرے نور سے شھداء اور سعداء اور صالحین میرے نور کے نتائج میں سے پیدا ہوئے، پھر اللہ تعالیٰ نے بارہ ہزار حجابات پس میرے نور کو جو کہ وہ سابقہ کا چوتھا حصہ تھا اسکو ٹھہرایا ہر ایک حجاب میں ہر ایک میں ہزار سال تک یہی مقامات عبودیت سکینہ صبر صدق اور یقین تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس نور کو ہر ایک حجاب میں ایک ہزار سال تک ڈبو رکھا۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے نور کو حجابات سے نکالا تو اسکو اللہ تعالیٰ نے زمین پر رکھا تو اس سے مغرب و مشرق منور تھا۔ جیسے کہ سخت اندھیری رات میں چراغ چمکتا ہے۔ تو پھر اللہ تعالیٰ نے زمین میں سے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو اس نور کو انکی پیشانی میں رکھا اور وہ نور سے حضرت شیثؑ کی طرف منتقل ہوا۔ تو وہ نور طاھرین سے طیبین کی طرف منتقل ہوتا رہا۔ اور طیبین سے طاھرین کی طرف، تا آنکہ اسکو اللہ تعالیٰ نے پہنچا دیا عبداللہ بن عبدالمطلب کی پشت میں پھر اسے میری والدہ صاحبہ سیدہ آمنہ بنت وھب کے رحم میں پھر مجھکو دنیا کی طرف ظاہر فرما دیا اور مجھکو سید المرسلین، خاتم النبین اور رحمۃ اللعالمین رچمکتی پیشانی والوں کا قائد و امام بنا دیا۔

حضرت السائب بن یزیدؓ فرماتے ہیں

(۱) عبدالرزاق عن معمر (۲) عن الزهري (۳) عن السائب بن يزيد (۱) قال: انّ الله تعالىٰ: خلق شجرة ولها أربعة أغصان فسماها شجرة اليقين، ثم خلق نور محمد صلى الله عليه وسلم في حجاب من درة بيضاء مثله كمثل الطاووس ووضعه على تلك الشجرة فسبح عليها مقدار سبعين ألف سنة، ثم خلق مرأة الحياء ووضعها باستقبالِهِ فلما نظر الطاووس فيها رأى صورت أحسن صورة وأزين هيئة، فاستحى

Marfat.com

من اللهفسجد خمس مرات، فصارت علينا تلك السجدات فرضا مؤقتا، فامر الله تعالىٰ بخمس صلوات على النبي صلى الله عليه وسلم أمته، والله تعالىٰ نظر الى ذالك النور فعرق حياء من الله تعالى، فمن عرق رأسه خلق الملائكة، ومن عرق وجهه خلق العرش والكرسي واللوح والقلم والشمن والقمر والحجاب الكواكب وما كان في السماء ومن عرق صدره خلق الأنبياء والرسل والعلماء والشهداء والصالحين، ومن عرق / حاجبيه فى أمة من المؤمنين والمؤمنات والمسلمين والمسلمات، ومن ذوق أذنيه خلق أرواح يوهد والنصارى والمجوس وما أشبه ومن عرق رجليه خلق الأرض من المشرق ومافيها، ثم الله نور محمد صلى الله عليه وسلم انظر الى أمامک فنظر محمد صلى الله عليه وسلم فرأى من أمامة نوراً وعن خلفة نورا، وعن يمينه نورا وعن يساره نوراوهوا أبو بكر وعمر و عثمان و علي رضي الله عنهم أجمعين، ثم سبح سبعين سنة ثم خلق نور الأانبياء من نور محمد صلى الله عليه ثم نظر الى ذالك النور فخلق أرواحهم فقالو الااله الا الله محمد رسول الله، ثم خلق قنديلاً من العقيق الأحمر يري ظاهره باطنه، ثم خلق صورة محمد ﷺ كصورته في الدنيا، ثم وضع في هذه القنديل قيامه كقيامه في الصلاة ثم طاقت الأرواح حول نور محمدصلى الله عليه وسلم فسبحوا وهـ ـا مقدارمائة الف سنة، ثم أمر لينظرو اليها كلهم فينظرون اليها كلهم فمنهم من رأى رأسه فصار خليفة وسلطاناً بين الخلائق، ومنهم رأى وجهه فصار أميرا عادلا، ومنهم من رأى عينيه فصار حافظاً / لكلام الله تعالى، ومنهم من رأى حاجبيه فصار مقبلا، ومنهم من رأى خديه فصار محسناً وعاقلاً ومنهم من رأى أنفه فصار حكيماً و طبيباً وعطاراً، ومنهم من رأى شفتيه فصار أحسن الوجه ووزيراً، ومنهم من رأى فمه فصار صائماً ومنهم من رأى سنه فصار أحسن الوجه من الرجال والنساء، ومنهم من رأى لسانه فصار رسولةً بين السلاطين، ومنهم من رأى حلقه فصار واعظاً ومؤذناً وناصحاً، ومنهم من رأى لحيته فصار مجاهداً في سبيل الله، ومنهم من رأي عنقه فصار تاجراً ، ومنهم من رأى عضديه فصار رماحاً وسيافاً ، ومنهم من رأى عضده اليمنى فصار حجاماً، ومنهم من رأى عضده اليسرى فصار جلاداً و جاهداً، ومنهم من رأى كفه اليمنى فصار صرافاً و طرازاً، ومنهم من رأى كفه اليسرى فصار كيالاً، ومنهم من رأى يديه فصار سخياً وكيياساً، ومنهم من رأى ظهر كفه اليمنى فصار صباغاً، ومنهم من رأى ظهر كفه اليسرى فصار حاطباً، ومنهم من رأى أناملـه فصار كاتباً، ومنهم من رأى ظهور أصابعه اليمنى فصار خياطاً / ومنهم من رأى ظهور أصابعه اليسرى فصار حداداً، ومنهم من رأى صدره فصار عالما و شكوراً ومجتهدا، ومنهم من رٓى ظهره فصار متواضعاً ومطيعاً بامر الشرع، ومنهم من راى جبينه فصار غازياً ومنهم من رأى بطنه فصار قانعاً وزاهداً، ومنهم من رأى ركبتيه فصار ساجداً وراكعاً، ومنهم من رأى رجليه فصار صياداً ،

Marfat.com

ومنهم من رأى تحت قدميه فصار ماشياً، ومنهم من رأى ظله فصار مغنياً، وصاحب الطنبور، ومنهم من لم ينظر اليه فصار مدعاً بربوبية كالفراعنة وغيرها من الكفار، ومنهم من نظر اليه ولم يره فصار يهودياً ونصرانياً وغيرهم من الكفار.

عبدالرزاق معمر سے نقل کرتے ہیں اور وہ زھری سے وہ سائب بن یزید سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے چار شاخوں والا درخت پیدا کیا اور اسکا نام شجرۃ الیقین رکھا۔ پھر نور محمد ﷺ کو پیدا کیا سفید موتی کے حجاب میں جسکی صورت مور جیسی تھی۔ اور اس مور کو ایک درخت پر بٹھا دیا تو اس مور نے اس درخت پر بیٹھ کر ستر ہزار سال تسبیح کی۔ پھر حیاء کے آئینہ کو پیدا فرمایا اور اسکو مور کے سامنے رکھا تو مور نے اپنی صوت کو اس میں دیکھا۔ پس اس نے اپنی شکل وھیت کو اچھا سمجھا تو اسکو اللہ سے حیاء آئی تو اس نے پانچ مرتبہ سجدہ کیا پس وہ سجدے ہم پر ایک معینہ وقت پر فرض کر دیئے گئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ اور آپکی امت کو پانچ نمازوں کو حکم دیا اور اللہ تعالیٰ نے اس نور کو دیکھا تو وہ حیاء کی وجہ سے پسینہ سے شرابور ہو گیا تو اسکے سر کے پسینے سے فرشتوں کو پیدا فرمایا اور اسکے چہرے کے پسینے سے عرش، کرسی، لوح وقلم، شمس وقمر، حجاب اور ستاروں کو اور جو کچھ آسمان میں ہے نکو پیدا کیا۔ اور آپ کے پسینے سے انبیاء ورسل، علماء، شھداء اور صالحین کو پیدا فرمایا۔ اور آپکے ابرو کے پسینے سے اُمت کے مومنین، مومنات، مسلمین ومسلمات کو پیدا فرمایا اور آپکے کانوں کے پسینے سے یہود ونصاریٰ اور مجوس کی ارواح کو پیدا فرمایا۔ اور اسکے پاؤں کے پسینے سے زمین کو اور جو کچھ اسمیں ہے مشرق تک کو پیدا فرمایا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے نور محمد ﷺ کی تخلیق فرمایا اور حکم دیا کہ سامنے دیکھو۔ تو حضرت محمد ﷺ نے آگے پیچھے، دائیں اور بائیں نور کو دیکھا وہ چاروں خلفاء، حضرت ابوبکر، عمر، عثمان وعلی رضی اللہ عنھم اجمعین تھے۔ پھر ستر سال تسبیح کی تو پھر انبیاء علیھم السلام کے نور کو نور محمدی ﷺ سے تخلیق فرمایا۔ پھر اس نور کو دیکھا پس اسمیں سے انکی روحوں کو پیدا فرمایا۔ تو بول اُٹھے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ پھر سرخ عقیق سے قندیل کو پیدا فرمایا جسکے ظاہر سے باطن دکھتا تھا (بوجہ شفافیت) پھر حضرت محمد ﷺ کی صورت کو پیدا فرمایا جیسے کہ دنیا میں آپکی صورت تھی۔ پھر اس قندیل میں رکھا نماز کے قیام کی حالت میں پھر ان روحوں نے نور محمد ﷺ کا طواف کیا۔ تسبیح وتہلیل کی ایک لاکھ سال تک۔ پھر حکم ہوا کہ سب اسکو نور محمدی ﷺ کو دیکھو۔ پس سب کے سب اسکو دیکھنے لگے۔ پس ان میں سے جس نے آپکے سر کو دیکھا تو مخلوق کا حاکم وبادشاہ بنا اور ان میں سے جس نے چہرے کو دیکھا تو عادل حکمران بنا اور ان میں سے جس نے انکی آنکھوں کو دیکھا تو کلام اللہ شریف کا حافظ بنا اور ان میں سے جس نے آپکے ابرو کو دیکھا اور ان میں سے جس نے آپکے رخساروں کو دیکھا تو نیک اور عقلمند بنا اور ان میں سے جس نے انکی ناک کو دیکھا تو حکیم وطبیب وعطر بنا اور ان میں سے جس نے آپکے ہونٹوں کو دیکھا تو خوش رو وزیر بنا اور جس نے منہ کو دیکھا روزہ دار بنا اور جس نے دانتوں کو دیکھا تو مردوں عورتوں میں سے حسین وجمیل بن گیا اور جس نے آپکی زبان کو دیکھا تو وہ سفیر بن گیا۔ بادشاہوں کے درمیان اور جس نے خلق کو دیکھا تو وہ واعظ موذن نصیحت کار بن گیا اور جس نے داڑھی کو دیکھا تو مجاہد فی سبیل اللہ بن گیا۔ اور جس نے گردن کو دیکھا تو تاجر بن گیا اور جس نے آپکی کلائیوں کو دیکھا تو وہ نیزہ باز اور تلوار کا دھنی بنا گیا اور جس نے آپ کی دائیں کلائی کو دیکھا تو وہ حجام بن گیا اور جس نے بائیں بازو کو دیکھا تو وہ جلاد بن گیا۔

Marfat.com

اور جس نے دائیں ہتھیلی کو دیکھا تو سنار بن گیا اور جس نے بائیں ہتھیلی کو دیکھا تو وہ ناپ تول کرنے والا بن گیا اور جس نے ہاتھوں کو دیکھا تو سخی بن گیا اور جس نے دائیں ہتھیلی کی پشت کو دیکھا رنگ ریز بن گیا اور جس نے بائیں ہتھیلی کی پشت کو دیکھا تو وہ لکڑیاں اکھٹی کرنے والا بن گیا۔ اور جس نے آپکی انگلیوں کے پوروں کو دیکھا تو کاتب بن گیا۔ اور جس نے دائیں انگلیوں کی پشت کو دیکھا تو درزی بن گیا اور جس نے بائیں انگلیوں کی پشت کو دیکھا تو لوہار بن گیا اور جس نے سینے کو دیکھا تو عالم شکر گزار اور مجتہد بن گیا اور جس نے کمر کو دیکھا تو وہ متواضع شخص اور امور شریعت کا متبع بن گیا اور جس نے پیشانی مبارک دیکھا تو غازی بن گیا اور جس نے پیٹ کو دیکھا تو زاہد اور قناعت کرنے والا بن گیا اور جس نے گھٹنوں کو دیکھا تو سجدہ و رکوع کرنے والا بن گیا اور جس نے پاؤں کو دیکھا تو وہ شکاری بن گیا اور جس نے پاؤں کی تلوؤں کو دیکھا تو پیدل سفر کرنے والا بن گیا اور جس نے سائیڈ دیکھا تو وہ گلوکار بن گیا اور طبلہ بجانے والا ہو گیا اور جس نے نہیں دیکھا وہ فرعونوں جیسا کافر بن گیا اور جس نے دیکھنے کے باوجود نہ دیکھا تو وہ یہودی نصرانی اور کافر بن گیا۔

آنحضرت ﷺ تخلیق کائنات کا سبب

آپ ﷺ کا رب آپ سے فرماتا ہے کہ اگر میں نے ابراہیمؑ کو اپنا دوست بنایا تھا تو آپ کو اپنا محبوب بنایا ہے، میں نے اپنے لئے آپ سے زیادہ شریف و معزز کوئی بھی رتبہ اور مرتبہ پیدا نہیں کی۔ میں نے دنیا اور دنیا والوں کو اس لئے پیدا کیا ہے تاکہ انہیں دیکھاؤ کہ میرے نزدیک آپ کا رتبہ اور مرتبہ ہے اور اگر آپ ﷺ نہ ہوتے تو میں دنیا کو پیدا نہ کرتا''

حدیث قدسی میں ارشاد فرمایا ہے: **لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ**

ترجمہ: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر میں آپ کو پیدا نہ کرتا تو آسمانوں (مراد عالم) کو پیدا نہ کرتا اور میں ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا۔

حاکم نے اپنی صحیح میں روایت کرتا ہے۔ سب سے پہلے جو چیز اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی وہ میرا نور یعنی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے۔

اول مخلوق من المجردات العقل ومن الاجسام القلم ....واول الانوار نور محمد ﷺ

ترجمہ: بغیر جسم والی (مخلوق) میں سب سے پہلے عقل کو پیدا کیا گیا ہے، اور جسم والی چیزوں میں سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا گیا ہے۔ اور نورانی چیزوں میں سب سے پہلے آنحضرت ﷺ کے نور کو پیدا کیا گیا۔ (الامام حسین ابن محمد بن حسن الدیار بکری، تاریخ الخمیس ۱/۲۱ اکوثر نگ صفحہ نمبر ۲۲)

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۝

ترجمہ: اور جب ہم نے سب نبیوں سے ان کا عہد لیا اور (اے نبی ﷺ) آپ سے اور نوح سے اور ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ ابن مریم (علیہم السلام) سے عہد لیا۔

اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آپ کی پیدائش سب نبیوں سے پہلے ہوئی کیونکہ عالم ارواح کی ترتیب میں آپ کو مقدم بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

كُنْتُ اَوَّلَ النَّبِيِّيْنَ فِي الْخَلْقِ وَاٰخِرَهُمْ فِي الْبَعْثِ

ترجمہ: باعتبار پیدائش کے میں سب سے اول اور باعتبار بعثت کے سب سے آخری نبی ہوں۔

Marfat.com

نیز حضرت قتادہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! کُنْتُ اَوَّلَ النَّاسِ فِی الْخَلْقِ وَاٰخِرَهُمْ فِی الْبَعْثِ

ترجمہ: میں سب انسانوں میں بلحاظ پیدائش پہلا ہوں اور سب نبیوں میں باعتبار بعثت پچھلا

محمد ﷺ نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا

اسی طرح سیرت النبویہ والآثار المحمدیہ میں حاکم کی حضرت عمر فاروقؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ: حضرت آدمؑ نے عرش پر رسول اللہ ﷺ کا نام نامی لکھا ہوا دیکھا تھا۔

''اے آدم اپنا سر اٹھا'' آدمؑ نے سر اٹھایا تو ان کو عرش کے پردوں میں آنحضرت ﷺ کا نور نظر آیا۔ انہوں نے حق تعالیٰ سے عرض کیا کہ ''اے پروردگار یہ نور کیا ہے''

اور اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا تھا کہ ''اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں تمہیں پیدا نہ کرتا'' نیز مختلف سندوں سے ایک روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو پیدا کیا تو ان کے دل میں ڈالا گیا کہ وہ یہ کہیں: اے پروردگار! تو نے میرا لقب ابو محمد ﷺ کیوں رکھا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جواب ملا کہ ''یہ نور میرے نبی کا ہے جو تمہاری اولاد میں ہوں گے، آسمانوں میں ان کا نام احمد ﷺ ہے اور زمین میں محمد ﷺ ہوگا۔ اگر وہ نہ ہوتے تو نہ میں تمہیں پیدا کرتا اور نہ زمین اور آسمان کو پیدا کرتا''

حضور پاک ﷺ کی پیدائش

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ایک دفعہ حضرت جبریلؑ سے پوچھا اے جبریلؑ تیری عمر کتنی ہے؟ حضرت جبریلؑ نے عرض کیا کہ حضور ﷺ کچھ یاد نہیں۔ ہاں اتنا جانتا کہ چوتھے حجاب میں ایک ستارہ ستر ہزار سال کے بعد چمکا کرتا تھا اور میں نے اسے بہتر ہزار مرتبہ چمکتے اور طلوع ہوتے دیکھا ہے۔ جناب رسول ﷺ نے یہ سن کر فرمایا ''وعزة ربی انا ذٰلک الکوکب (اور مجھے میرے رب کی عزت کی قسم میں ہی وہ ستارہ ہوں) ستر ہزار ضرب بہتر ہزار برابر ہے پانچ ارب اور چار کروڑ سال کے اور واضح رہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو دنیا میں تشریف لائے کوئی نوئے پچانوے صدیاں گذری ہیں۔ اس ضمن میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی اس حدیث مبارکہ پر بھی غور کیجئے ''ان اللہ تعالیٰ خلق ماۃ الف آدم'' (اللہ نے دنیا میں ایک لاکھ آدم پیدا کئے ہیں)

اور حضرت امام بخاری کی نقل کردہ یہ حدیث مقدسہ جو حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے، بھی اہم اور قابل غور ہے ''حضور اکرم ﷺ نے فرمایا مجھے بنی آدم کے بہترین طبقوں میں قرن بعد قرن پیدا کیا گیا ہے یہاں تک کہ اس قرن میں پیدا ہوا جس میں کہ اب ہوں''

ہر کجا ہنگامہ عالم بود — رحمۃ للعلمینی ہم بود — (علامہ اقبال)

نور محمد ﷺ کی سر عرش جلوہ ریزیاں

عن العرباض بن سارية عن رسول الله صلى الله علية وسلم أنه قال انى عبدالله مكتوب خاتم النبين و

Marfat.com

آدم لمجدل فی طینۃ.

ترجمہ: عرباض بن ساریہ آپ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کے ہاں آخری نبی ہوا تھا جبکہ آدم اپنی گیلی مٹی میں پڑے ہوئے تھے۔ (مشکوٰۃ المصابیح 513)

انی عنداللہ فی ام الکتاب لخاتم النبیین و ان آدم لمجدل فی طینۃ (علی المتقی، کنزل العمال 11/25)

ترجمہ: میں اللہ تعالیٰ کے ہاں لوح محفوظ میں آخری نبی لکھا ہوا تھا جب آدم اپنی گیلی مٹی میں پڑے ہوئے تھے۔

ابتدائی تخلیق کی ترکیبی کنہ سے انسان واقف نہیں

انسان اول اور اسکی تخلیق کا مادہ ہمیں قرآن کریم اور احادیث رسول نے بتا دیا کہ انسان اول آدم علیہ السلام ہیں اور ان کی تخلیق یعنی پیدائش مٹی سے ہوئی ہے رہا یہ مسئلہ کہ پیدائش کی کیفیت کیا تھا، تو تخلیق انسانی کے اس آغاز کو اس تفصیلی کیفیت کے ساتھ سمجھنا ہمارے لئے نہایت مشکل ہے، ہم اس حقیقت کا پوری طرح ادراک نہیں کر سکتے کہ مواد ارضی سے بشر یعنی انسان کس طرح بنایا گیا، پھر اس کی صورت گری اور تعدیل کیسے ہوئی اور اس کے اندر روح پھونکنے کی صورت کیا تھی، یہ سب عالم غیب کے واقعات ہیں، جن کی صحیح حقیقت و ماہیت صرف خداوند عالم ہی جانتا ہے اور ایک مسلمان کے ایمان کا صحیح تقاضا یہ ہے کہ وہ ان نصوص کے ظاہری مفہوم پر یقین کرتے ہوئے اس کی ماہیت و حقیقت کو خدائے بزرگ کے سپرد کر دے کیونکہ انسان کا علم بہت تھوڑا ہے۔ **وما أوتیتم من العلم الا قلیلاً** اس بناء پر ہر چیز کی حقیقت و ماہیت کو صحیح طور پر سمجھنا اس کے بس میں نہیں خود عالم طبیعی ہی کے بے شمار چیزیں ایسی ہیں جن کے صحیح ادراک سے انسانی ذہن عاجز و بے بس ہے تو پھر وہ فوق الطبیعی عالم کے حقائق کا ادراک کس طرح کر سکتا ہے۔ لہٰذا ایمان کی سلامتی اسی میں ہے کہ جس چیز کی حقیقت اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول نے بتا دی بغیر کسی تاویل و تأمل کے اس پر ایمان رکھا جائے اور جس چیز کی حقیقت سے اللہ اور اس کے رسول نے صرف نظر کیا ہے کہ اس کی حقیقت سمجھنے کے پیچھے پڑ کر خواہ مخواہ اپنی توانائی ضائع نہ کرے، قرآن کریم نے، **لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم** اعلان کر کے بتلا دیا کہ خالق کائنات کی قدرت تخلیق و تکوین میں انسان کی تخلیق احسن تقویم کا درجہ رکھتی ہے۔ اسی وجہ سے وہ تمام کائنات کے مقابلہ میں تکریم و تعظیم کا مستحق ہے اور اپنے حسن و تقویم اور لائق تکریم ہونے کی بناء پر بلا شبہ وہی امانت الٰہی کا علمبردار ہو کر خلیفۃ اللہ کے منصب پر فائز ہونے کا حق رکھتا ہے لیکن خلیفۃ اللہ ہو کر انسان کو اللہ تعالیٰ کے قانون فطرت میں تبدیلی کی ہرگز اجازت نہیں دی جا سکتی، اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ اس نے انسانوں کو ایک دوسرے سے مختلف و ممتاز پیدا کیا ہے۔ اور کائنات کی تخلیق میں اختلاف و تنوع رکھا ہے، رنگ و نسل کی تمیز مقرر کی ہے، ارشاد خداوندی ہے: **الم تر ان اللہ انزل من السمآء ماء لفاخر جنا بہ ثمرات مختلفاً الوانھا ومن الجبال جدد بیض وحمر، مختلف الوانھا و غرابیب سود، ومن الناس والدواب والانعام مختلف الوانہ، کذالک انما یخشی اللہ من عبادۃ العلموا ان اللہ عزیز غفور.** (سورۃ فاطر آیت نمبر ۲۷، ۲۸)

Marfat.com

ترجمہ: کیا تو نے نہ دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اُتارا آسمان سے پانی پھر ہم نے نکالے اس کے ذریعہ سے طرح طرح کے پھل، جن کے رنگ مختلف ہیں پہاڑوں میں بھی سفید، سرخ اور گہری سیاہ دھاریاں پائی جاتی ہیں، جن کے رنگ مختلف ہوتے ہیں اور اسی طرح انسانوں اور جانوروں اور مویشیوں کے رنگ بھی مختلف ہیں، حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے بندوں میں سے علم رکھنے والے لوگ اس سے ڈرتے ہیں کہ بے شک زبردست اور درگذر کرنے والے ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کے جسم کے اجزاء

حضرت آدم علیہ السلام کا ظہور یا پیدائش کسی کے بطن سے نہیں ہوئی بلکہ اللہ تعالیٰ کے دست قدرت کے ذریعے مافوق الفطرت طریقہ سے عمل میں آئی۔ قرآن وحدیث کی تصریحات کے مطابق یکبارگی اور مکمل آدمیت کی شکل میں ظہور ہوا تھا آپ بغیر ماں باپ کے بطور معجزہ خداوندی نمودار ہوئے تاکہ کسی بھی شخص کو اس کی قدرت کاملہ سے انکار کی گنجائش نہ رہے اور یہ کہ تخلیق الٰہی اور اس کی قدرت وربوبیت سے مکمل آگاہی حاصل کرنا انسان کے بس کی بات نہیں۔ قرآن وسنت نے تخلیق آدم کا تذکرہ خصوصی طور پر کیا ہے، دونوں کی تصریحات کے مطابق آدم علیہ السلام کی پیدائش مٹی سے ہوئی ہے، لیکن پیدائش ایک منظم منصوبہ بندی کے تحت ہوئی ہے، خداوند تعالیٰ کا آدم کی پیدائش سے متعلق فرشتوں سے مشورہ لینا مرحلہ وار مادے کو ایک صورت سے دوسری صورت میں تبدیل کرنا اسی منصوبہ بندی کی نشاندہی کرتا ہے، مفصل تذکرہ ہی ہے:

واذ قال ربک للملئکة انی جاعل فی الارض خلیفة، قالو اتجعل فیها من یفسد فیها ویسفک الدمآء ونح نسبح بحمدک ونقدس لک قال انی اعلم مالا تعلمون. (سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۳۰)

ترجمہ: اور جب کہا تیرے رب نے فرشتوں کو کہ میں بنانے والا ہوں زمین میں ایک نائب، کہا فرشتوں نے کیا قائم کرتا ہے تو زمین میں اس کو جو فساد کرے اور خون بہائے اور ہم پڑھتے رہتے ہیں تیری خوبیاں اور یاد کرتے ہیں تیری پاک ذات کو فرمایا مجھ کو معلوم ہے جو تم نہیں جانتے (شیخ الہند)

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو مٹی سے پیدا کیا اور اس کا خمیر تیار ہونے سے قبل ہی اس نے فرشتوں کو یہ اطلاع دی کہ عنقریب وہ مٹی سے ایک مخلوق پیدا کرنے والا ہے جو بشر کہلائے گا اور زمین میں ہماری خلافت کا شرف حاصل کرے گا۔ مولانا محمد حفظ الرحمٰن قصص القرآن 1/19

چنانچہ زمین سے مٹی حاصل کرنے کے لئے فرشتے کو بھیجا گیا جس کا تذکرہ احادیث میں اس انداز میں ہے

فلما اراد اللہ ان یخلق آدم بعث ملکامن حملة العرش یأتی بتراب من الارض فلما هوی لیأخذقالت الارض أسالک بالذی ارسلک ان لا تأخذ من الیوم شیئاً یکون منه، للنار نصیب غدا فترکها فلما رجع الی ربه قال ما منعک ان تأتنی بما أسر تک قال سَا لتنی بک فعظمت ان ارد شیئاً سَالنی بک، فارسل ملکاً اخر فقال مثل زلک حتی ارسل کلهم فارسل ملک الموت فقالت له مثل ذالک قال ان الذی ارسلنی احق بالطاعة منک فأخذ من وجه الارض کلها، من طیبها وخبیثها.

Marfat.com

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی پیدائش کا ارادہ کیا، تو عرش اُٹھانے والے فرشتوں میں سے ایک فرشتے کو بھیجا تا کہ وہ مٹی زمین سے لے آئے، جب فرشتہ اترا تا کہ وہ زمین سے مٹی حاصل کرلے تو زمین نے کہا کہ میں تجھے واسطہ دیتی ہوں اس ذات کا جس نے تجھے بھیجا ہے کہ آج کے دن تو مجھ سے کوئی چیز نہ لے کہ کل اس کیلئے آگ سے ایک حصہ مقرر ہو جائے تو اس نے زمین کو چھوڑ دیا اور اپنے رب کی طرف واپس ہوا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تجھے کس چیز نے منع کیا اس چیز کے لانے سے جس کا میں نے تجھے حکم دیا تھا فرشتے نے کہا کہ اس نے تیرا واسطہ مجھے دیا تو میں نے اس بات کو بہت ناگوار سمجھا کہ میں اس کو رد کر دوں جس نے تیرا واسطہ مجھے دیا، تو اللہ تعالیٰ نے دوسرے فرشتے کو بھیجا تو اس فرشتے نے بھی اس طرح کی بات کہی، یہاں تک کہ تمام فرشتوں کو بھیجا (آخر) میں ملک الموت کو بھیجا تو زمین نے ملک الموت سے وہی بات کہی، جو پہلے فرشتوں سے کہی تھی، ملک الموت نے جواب دیا کہ وہ ذات جس نے مجھے بھیجا زیادہ اطاعت کی حقدار ہے تجھ سے تو اس نے تمام سطح زمین کی اچھی اور بری مٹی لی۔ (عبدالرحمٰن جلال الدین السیوطی تفسیر الدر المنثور 1/15)

بعض روایات میں بھیجنے والے فرشتوں اور مٹی کی صفات کا تذکرہ آیا ہے۔

بعث الله جبريل الى الارض ليأتية بطين منها فقالت الارض اعوذ بالله منك ان تنقص مني فرجع ولم يأخذ شيئا وقال يارب انها اعاذت بك فاغذتها فبعث الله ميكائيل كذالك فبعث ملك الموت فعاذت منه، فقال انا اعوذ بالله ان ارجع ولم انفذ امره فأخذ من وجه الارض وخلط ولم يأخذ من مكان واحد وأخذ من تربة حمراء وبيصآء وسودآء فلذلك خرج بنو آدم مختلفين فصعد به.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے جبریل کو زمین کی طرف بھیجا تا کہ وہ زمین سے مٹی لے آئے، زمین نے کہا کہ میں تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں کہ تو مجھ سے کوئی چیز لے تو جبریل واپس ہوئے اور کوئی چیز حاصل نہ کر سکے اور کہا کہ اے رب اس نے مجھ سے آپ کی پناہ مانگی تو میں نے دے دی، اللہ تعالیٰ نے میکائیل کو اسی طرح بھیجا، اس کے بعد ملک الموت کو بھیجا تو زمین نے اس سے پناہ مانگی تو اس نے جواب دیا کہ میں اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ میں واپس جاؤں اور اسکا حکم نافذ نہ کروں تو اس نے سطح زمین سے مٹی کو لیا اور اس کو خلط ملط کر دیا اور ایک جگہ سے نہیں لیا، سرخ، سفید اور کالی مٹی کو لیا اسی وجہ سے تو اولاد آدم (رنگ کے لحاظ سے) مختلف ہیں ملک الموت مٹی آسمان پر لے گئے۔ (عبدالرحمٰن جلال الدین السیوطی تفسیر الدر المنثور 1/112)

حضرت آدمؑ کی مٹی چونکہ مختلف مقامات سے لی گئی ہے اس لئے روایات میں بعض مقامات کا تذکرہ بھی ہے جیسا کہ:
حضرت ابو ہریرۃ سے روایت ہے

عن أبي هريرة مرفوعاً خلق الله آدم من تراب الجابية.. والجابية على ما في القاموس قرية بدمشق.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرۃ سے مرفوع روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو جابیہ کی مٹی سے پیدا کیا۔۔ جابیہ جیسا کے قاموس میں ہے دمشق میں ایک دیہات کا نام ہے۔

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ دحناء کی مٹی سے پیدائش ہوئی ہے۔

عن سعيد بن جبير قال خلق الله آدم منم ارض يقال لها دحناء.

Marfat.com

ترجمہ: چنانچہ مختلف اطراف سے مختلف رنگ کی مٹی حاصل کی گئی جس کا اثر بعد میں اولادِ آدم کے رنگوں اور مزاجوں پر پڑا۔

عن أبی موسیٰ عن النبی صلی الله علیه وسلم قال ان الله خلق آدم من قبضة قبضها من جمیع الارض فجآء بنو آدم علی قدر الارض فجآء منهم الابیض والاحمر والاسود و بین ذالک والخبیث والطیب والسهل والحزن وبین ذالک. (ابوالفدآء الامام الحافظ ابن کثیر دمشقی، البدایہ والنہایہ 1/79)

ترجمہ: ابوموسیٰ آپ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو ایک مٹھی مٹی سے پیدا کیا جس کو تمام زمین سے لیا گیا تھا تو اولادِ آدم زمین کے مختلف رنگوں کی مقدار کے مطابق آئے، ان میں بعض سفید، بعض سرخ اور بعض کالے رنگ میں ہیں، اور بعض درمیانے، بعض برے، بعض اچھے، بعض نرم اور بعض سخت اور بعض اعتدال پسند ہیں۔ (کو کنگ ص:۵۶تا۵۹)

حضرت آدم علیہ السلام کو جنت کے پانی سے گوندھا گیا

مٹی زمین سے حاصل کر لینے کے بعد مٹی کو جنت کے پانی سے گیلا کر کے گوندھا گیا۔ ملا علی قاری حضرت ابوہریرۃ سے روایت کرتے ہیں۔

عن أبی هریرة مرفوعاً خلق الله آدم من تراب الجابیة وعجنه بماء الجنة.

ترجمہ: حضرت ابوہریرۃ سے مرفوع روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو جابیہ کی مٹی سے بنایا اور جنت کے پانی سے گوندھا گیا۔

ابن زید کی ایک طویل روایت میں اس طرح کے الفاظ آئے ہیں۔

فالقی الله تلک القبضة فی نهر من انهار الجنة ... ثم خلق منها آدم.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے اسی حاصل کردہ مٹی کو جنت کی نہروں میں سے ایک نہر کے اندر پھینک دیا۔۔ پھر اسی سے آدم کو پیدا کیا۔

تو ان روایات سے معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے اجزائے ترکیبی میں اللہ تعالیٰ نے پانی کو شامل کیا ہے۔

تخلیق آدمؑ کے سلسلے میں جو آیات قرآن کریم میں مختلف مقامات پر اتاری گئی ہیں تو ان آیات میں آدمؑ کے مادے کو مختلف الفاظ سے بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً تراب یعنی مٹی سے پیدا کیا گیا۔

عیسیٰ کی مثال اللہ تعالیٰ کے نزدیک آدم جیسی ہے بنایا اس (آدم) کو مٹی سے یعنی گارا جو مٹی میں پانی ملا کر بنایا جاتا ہے، سے پیدا کیا۔

اللہ وہ ذات ہے جس نے خلقت کے لحاظ سے ہر چیز [illegible]اب بنایا اور انسان کی پیدائش گارے سے شروع کی۔

حمأ مسنون (وہ گارا جس کے اندر بو پیدا ہو جائے) [illegible]ا کیا۔ اور بنایا ہم نے انسان کو کھنکھناتے سنے ہوئے گارے سے۔

طین لازب. لیس دار گارا، یعنی وہ گارا جس کے اندر کافی دیر [illegible]ے رہنے کے باعث لیس پیدا ہو جائے۔ ہم نے ہی ان کو بنایا ہے ایک چپکتے گارے سے۔

صلصال من حماءٍ مسنون یعنی وہ سڑا ہوا گارا جو سوکھنے کے بعد کھنکھناتی آواز دے۔ بولا میں وہ نہیں ہ سجدہ کروں ایک بشر کو

Marfat.com

جس کو تو نے بنایا کھنکھناتے سنے ہوئے گارے۔

صلصال کالفخار یعنی وہ سڑا ہوا گارا جو سوکھنے کے بعد یکجا ہوئی مٹی کے ٹھیکرے جیسا ہو جائے۔ بشیر جو مٹی کی آخری صورت میں شکل بنایا گیا، جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص روح پھونکی اور جب کہا تیرے رب نے فرشتوں کو میں بناؤں گا ایک بشر کھنکھناتے سنے ہوئے گارے سے پھر جب ٹھیک کروں اس کو اور پھونک دوں میں اپنی جان تو گر پڑو اس کے آگے سجدہ کرتے ہوئے۔ تو ان مختلف قسم کے الفاظ کو لانے سے مقصود تخلیق انسان کے ابتدائی مراتب اور انسان کے عناصر یعنی اجزاء کو بیان کرنا ہے کہ انسان کے جسم میں یہ اجزاء شامل ہیں، ان اجزاء کو آپس میں ترکیب دے کر انسان کا جسم بنایا گیا ہے۔

علامہ فرید وجدی اس بارے میں لکھتے ہیں

عناصر الانسان: ذکر اللّٰہ تعالیٰ العناصر التی خلق منها آدم علیه السلام ونبه علی أنه، جعله انسانا فی سبع درجات واشار الی ذالک فی مواضع مختلفة حسب مااقتضته، الحکمته، فقال فی موضع خلقه من تراب اشارة الی المبدأ الاول وفی آخر من طین. اشارة الی الجمع بین التراب والمآء وفی آخر من حماءٍ مسنون اشارة الی الطین المتغیر. بالهوآء ادنی تغیر وفی آخر من طین لازب اشارة الی الطین المستقر علی حالة من الاعتدال یصلح لقبول الصورة وفی آخر من صلصال من حماءٍ مسنون اشارة الی یبسه وسماع صلصاله منه کالفخار وهوا لذی قد اصلح بالمومن النار کالخذف وبهذه القوة الناریة حصل فی الانسان اثر من الشیطنة وعلی هذا المعنی دل بقوله خلق الانسان من صلصال کالفخار وخلق الجان من مارج من نار فمنه علی ان الانسان فیه من القوة الشیطینة بقدر مافی الفخار من اثر النار وان الشیطان ذاته من المارج الذی استقرارله ثم نبه اللّٰہ علی تکمیل الانسان بنفخ الروح فیه فقال انی خالق بشر امن طین فاذا سویته، ونفخت فیه من روحی فقعواله ساجد ین فهذا سبع درجات نبه علیها کماتری.

ترجمہ: انسانی عناصر: اللہ تعالیٰ نے ان عناصر کو بیان کیا ہے جن سے آدم کی تخلیق ہوئی ہے اور اس بات کی خبر دی ہے کہ سات مراحل میں انسان کی تکمیل ہوئی ہے، مختلف مقامات پر حسب تقاضہ حکمت اس کی طرف اشارہ کیا ہے، ایک جگہ فرمایا کہ انسان کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے تو یہ اشارہ ہے ابتدائی پیدائش کی طرف، دوسرے مقام پر گارے سے پیدائش کا فرمایا تو یہ اشارہ ہے مٹی او رپانی کو جمع کرنے کی طرف ایک اور مقام پر حماء مسنون (یعنی بدبو والا گارا) فرمایا تو یہ اشارہ ہے گارے کو ہوا کے ذریعہ تھوڑا سا تبدیل کرنے کی طرف، دیگر مقام پر طین لازب لیس دار گارا فرمایا گیا، تو یہ اشارہ ایسے گارے کی طرف جو ایک حالت پر استقرار حاصل کر چکا ہو اور کسی بھی صورت کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، دوسرے مقام پر صلصال من حماءٍ مسنون یعنی سڑا ہوا گارا جو سوکھنے کے بعد کھنکھنانے کی آواز دے فرمایا گیا تو یہ اشارہ ہے کہ اس گارے کی سوکھنے کی اور اس سے کھنکھنانے کی آواز سننے کی طرف، ایک اور مقام پر صلصال کالفخار فرمایا یعنی کھنکھنانے والی خشک مٹی جو ٹھیکری جیسی ہو یہ وہ ہے جس کو بنا کر آگ سے

Marfat.com

پکایا گیا ہو گویا کہ وہ ٹھیکری کی طرح ہو گئی ہو اسی ناری قوت کے سبب انسان میں شیطانیت کا اثر پڑا، اسی معنی پر اللہ تعالیٰ کا یہ قول دلالت کرتا ہے، **خلق الانسان من صلصال کالفخار خلق الجان من مارج من نار** (پیدا کیا ہے انسان کو کھنکھناتی مٹی سے، جیسے ٹھیکرا اور بنایا جن کو آگ کی لپیٹ سے) اسی سے اخذ کیا گیا ہے کہ انسان میں شیطانیت کا اثر اس قدر ہے جتنی مقدار میں ٹھیکری کے اندر آگ کا اثر ہے۔ اور شیطان کی بناوٹ آگ کی لپیٹ سے ہے جو باقاعدہ استقرار رکھتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے خبر دی انسان کے مکمل ہونے کی انسان میں روح ڈالنے کے ساتھ فرمایا، **انی خالق بشراً من طین فاذا سویته ونفخت فیه من روحی فقعو له ساجدین** (میں بنانے والا ہوں ایک انسان گارے سے جب ٹھیک کروں اس کو اور پھونک دو اس میں اپنی جان تو گر پڑو اس کے آگے سجدہ کرتے ہوئے) یہ سات درجات ہیں جس کی خبر اللہ نے دی جیسے تو نے دیکھا۔

شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی تخلیق انسان پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

آدمی کے پیدائش کے متعلق یہاں دو الفاظ فرمائے صلصال (بجنے والی کھنکھناتی مٹی جو آگ میں پکنے اس حالت کو پہنچی ہے اس کو دوسری جگہ کالفخار فرمایا) اور حماءٍ مسنون (سڑا ہوا گارا جس سے بو آتی ہو) خیال یہ ہوتا ہے کہ اول سنے ہوئے گارے سے آدم کا پتلا تیار کیا، پھر جب خشک ہو کر اور پک کر کھن کھن بجنے لگی تب مختلف تصرفات کے بعد اس درجہ پر پہنچا کہ انسانی روح پھونکی جائے روح المعانی میں بعض علماء کا قول نقل کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: **کانه سبحانه افرغ الحماء فصور من ذلک تمثال انسان اجوف فیبس حتی اذا نقر صوت ثم غیره طورا بعد طور حتی نفخ فیه من روحه فتبارک اللہ احسن الخالقین،** حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں، مٹی پانی میں تر کی اور خمیر اٹھایا کہ کھن کھن بولنے لگی وہ ہی بدن ہوا انسان کا اسکی خاصیتیں سختی اور بوجھ اس میں رہ گئیں، اس طرح گرم ہوا کی خاصیت (حدت وخفت) جن کی پیدائش میں رہی، راغب اصفہانی نے ایک طویل مضمون کے ضمن میں تنبیہ کی ہے کہ حماءٍ مسنون اور طین لازب وغیرہ الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ مٹی پر پانی کو ملا کر ہوا سے خشک اور فخار کا لفظ دلالت کرتا ہے کہ کسی درجہ میں آگ سے پکایا گیا یہ ہی ناری جز آدمی کی شیطنت کا منشاء ہے، اسی مناسبت سے ایک جگہ فرمایا، **خلق الانسان من صلصال کالفخار وخلق الجان من مارج من نار۔**

ان دو حوالوں سے اس بات کی وضاحت ہو گئی ہے کہ انسانی تخلیق میں عناصر اربعہ یعنی مٹی، پانی ہوا اور آگ کارفرما ہیں، ان ہی اجزاء کی ترکیب سے انسانی شکل وصورت بنی اور یہ انسان کے اجزاء ترکیبی کہلائے اور یہ کہ انسان کا وجود تقریباً سات منازل طے کرنے کے بعد سامنے آیا۔

مولانا ادریس کاندھلویؒ ان عناصر اربعہ کی نشاندہی بڑے بہترین انداز میں کرتے ہوئے لکھتے ہیں

انسان میں حرارت اور برودت رطوبت اور یبوست کے آثار ظاہر ہونے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جسم مختلف التاثیر اور مختلف المزاج اجزاء سے مرکب بنا ہوا ہے، ورنہ ایک شئی سے دو مختلف اور متضاد کیفیتوں کا پیدا ہونا محال ہے، پس ضروری ہے کہ

Marfat.com

ہرایک کیلئے جداجدامخزن اور علیحدہ علیحدہ معدن ہوا، اس لئے حکماء نے غور وخوض کے بعد اس کا سراغ لگایا کہ حرارت کا مخزن کرۂ نار ہے اور رطوبت کا معدن کرۂ آب ہے اور یبوست اور برودت کا منبع کرہ زمین اور طبقہ ہوا ہے اور جسم انسانی کی ترکیب کا شیرازہ بکھر جاتا ہے تو پھر تحلیل کے بعد تمام اجزاء اپنی اپنی اصل میں جاملتے ہیں، اس لئے کہ تجزیہ سے یہ معلوم ہوا ہے کہ اگر کسی جزء خاکی کو سطح زمین سے کتنا ہی بلند کیوں نہ لے جائیں جب اس کو چھوڑیں گے زمین ہی کی طرف دوڑے گا اور اگر کسی جز ہوائی کو کتنا ہی زیرآب لے جائیں جب چھوڑیں تو اوپر ہی جائے گا، آپ کا یہ حال ہے کہ اوپر کو دوڑتی ہے مشعل کا سر کتنا ہی نیچا جھکادیئے مگر شعلہ اوپر ہی کی طرف جائے گا۔ حضرت آدمؑ مٹی زمین سے حاصل کرنے کے بعد جنت کے پانی سے گیلا کر کے لیس دار گارا بنایا گیا اسی گارے کو تھوڑے عرصہ کیلئے اپنی حالت پر چھوڑا گیا جب اس میں بدبو پیدا ہو کر خوب چپکنے کی قوت ظاہر ہوئی تو اسی سے آدم علیہ السلام کی شکل وصورت اللہ تعالیٰ نے بنائی، پھر اسی حالت میں چھوڑا گیا جب کالبد سوکھ گیا اور ٹھیکری کی طرح آواز دینے لگا تو اسی حالت میں روح ڈال دی گئی کالبد کے جس حصہ کو روح پہنچی مٹی کے بجائے گوشت وخون کی صورت اختیار کرنے لگا حضرت ابو ہریرۃ روایت کرتے ہیں۔

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ان الله خلق آدم من تراب ثم جعله طينا ثم تركه، حتى اذاكان حمأ مسنون خلقوه وصوره ثم تركه، حتى اذا كان صلصالاً كالفخار قال فكان ابليس يمربه فيقول له، لقد خلقت لامر عظيم ثم نفخ الله فيه من روحه.

ترجمہ: آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا پھر اسکو گارا بنایا پھر اس کو (کچھ عرصے کیلئے) چھوڑا یہاں تک کہ سڑا ہوا گارا بنا اسی سے اسکو پیدا کیا ور اسکی صورت بنائی پھر اس کو چھوڑا یہاں تک کہ وہ ٹھیکری کی طرح کھنکھنانے لگی تو آپ نے فرمایا کہ ابلیس اس پر گزرنے لگا اور اسے کہتا کہ تو کسی بڑے کام کیلئے پیدا کیا گیا ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے اس میں اپنی روح پھونک دی۔

فالقى الله تلك القبضة في نهر من أنهار الجنته حتى صارت طينا، فكان اوّل طين ثم تركها حتى صارف حمأ مسنون منتن الريح، ثم خلق منها آدم ثم تركه، في الجنة اربعين سنة حتى صار صلصالاً كالفخار، ويبس حتى كان كالفخار ثم نفخ فيه الروح بعد ذلك.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے یہی مٹھی بھر مٹی جنت کی نہروں میں سے ایک نہر میں ڈال دی، یہاں تک کہ وہ گارا بن گیا تو اول میں گارا تھا پھر اسکو چھوڑا یہاں تک کے وہ سڑا ہوا گارا بن گیا، جس سے بدبو اُٹھتی، اس سے آدم کا (کالبد) بنایا، پھر جنت میں چالیس سال تک چھوڑا یہاں تک کہ وہ ٹھیکری کی طرح کھنکھنانے لگی اور سوکھ کر ٹھیکری کی طرح ہوا پھر اس کے بعد اس میں روح پھونک دی۔

فلما نفخ الله فيه من روحه اتت النفخة من قبل رأسه فجعل لا يجرى شئى منها فى جسده الاصار لحماً و دماً.

ترجمہ: جب خدا تعالیٰ نے اس میں اپنی روح ڈال دی روح کی پھونک سر کی طرف سے شروع ہوئی تو وہ جسد کے جس حصہ میں

Marfat.com

جاتی وہ گوشت اور خون بن جاتا۔

مولانا مودودی تحریر کرتے ہیں۔

زندہ بشر بن جانے کے بعد آدم اور ان کی نسل سے پیدا ہونے والے انسانوں کے جسم کو اس مٹی سے کوئی مناسبت باقی نہ رہی، جس سے ان کو پیدا کیا گیا تھا، اگر چہ اب بھی ہمارا جسم پورا کا پورا زمین ہی کے اجزاء سے مرکب ہے لیکن ان اجزاء نے گوشت پوست اور خون کی شکل اختیار کر لی ہے، اور جان پڑنے کے بعد تو وہ خاک کی بہ نسبت ایک بالکل مختلف چیز بن گیا ہے۔

حضرت آدمؑ کی پیدائش جنت میں بروز جمعہ ہوئی اور بوقت پیدائش حضرت آدمؑ کا قد (لمبائی) ساٹھ گز تھا، روایات ملاحظہ ہوں۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم صور اللهآدم فى الجنة تركه ماشاء الله ان بتركه.

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب اللہ نے جنت میں آدم کی صورت گری کی تو ان کے کالبد کو کچھ عرصہ یونہی چھوڑے رکھا۔

عن ابى هريرة عن النبى صلى اللهعليه وسلم خلق الله آدم وطوله ستون ذراعاً.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ آپ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ نے آدم کو پیدا کیا تو اس وقت اسکا قد ساٹھ گز تھا۔

عن أبى هريره قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم خير يوم طلعت فيه الشمس يوم الجمعة فيه خلق آدم وفيه اهبط فيه تيب عليه وفيه مات.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرۃ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بہترین دن جس میں سورج طلوع ہوا ہو، جمعہ کا دن ہے، اسی دن آدمؑ پیدا کئے گئے، اسی دن (زمین پر) اتارے گئے اسی دن اس کی توبہ قبول ہوئی اور اسی دن فوت ہوئے۔ حضرت آدمؑ سے حضرت حوا پیدا ہوئیں دونوں کا نکاح ہوا ان دونوں سے نسل انسانی پھیلی قرآن حکیم میں ہے۔

يا ايها الناس اتقو ربكم الذى خلقكم منم نفس واحدة وخلق منها زوجها وبث منهما رجالاً كثيرا ونساءً.

ترجمہ: اے لوگوں ڈرتے رہو اپنے رب سے جس نے پیدا کیا تم کو ایک جان سے اور اسی سے پیدا کیا اس کا جوڑا اور پھیلائے ان دونوں سے بہت مرد اور عورتیں۔ (شیخ الہند) کلوننگ ص: ۶۰ تا ۶۸

انبیاء علیہ السلام

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر بھیجے ہیں۔ جن میں سے کچھ کا ذکر قرآن میں آیا ہے۔ جن میں سے کچھ کا نام ذیل میں درج ہے۔

ا۔ حضرت آدمؑ، حضرت شیثؑ، حضرت ادریسؑ، حضرت نوحؑ، حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ، حضرت ابراہیمؑ،

Marfat.com

حضرت اسماعیلؑ، حضرت لوطؑ، حضرت اسحٰقؑ، حضرت یعقوبؑ، حضرت یوسفؑ، حضرت شعیبؑ، حضرت ایوبؑ، حضرت موسیٰؑ،
حضرت خضرؑ، حضرت سلیمانؑ، حضرت یوشعؑ، حضرت تالوطؑ، حضرت خرقیل ابن سوریؑ، حضرت حنظلہؑ، حضرت داؤدؑ،
حضرت شموئیلؑ، حضرت عزیرؑ، حضرت زکریاؑ، حضرت یحییٰؑ، حضرت شمعونؑ، حضرت عیسیٰؑ، حضرت محمد ﷺ۔ (قصص الانبیاء)

آسمانی کتابیں

اللہ تعالیٰ نے چار کتابیں نازل فرمائی ہیں۔

ا۔ توریت (حضرت موسیٰ علیہ السلام)، زبور (حضرت داؤد علیہ السلام)، انجیل (حضرت عیسیٰ علیہ السلام)، قرآن مجید (حضرت محمد ﷺ)

یہودیت

یہودیت کی بنیاد بلاشبہ دین سماوی پر تھی اور روحِ الٰہی کے سرچشمہ سے فیض یاب بھی اور اپنے آپکو اہل کتاب کہہ کر کتاب وعلم کے ماہر ہونے کے دعویدار بھی تھے مگر کہاں؟ اپنی کتابوں کے ڈھیر اور علوم وفنون کی فراوانی کے باوجود اپنی تعلیمات کو صحیح وسچی موسوی تعلیمات ثابت کر سکتے ہیں۔ ہرگز نہیں ذیل میں اس ناقابل انکار حقیقت کا اک جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

بنی اسرائیل کی تباہی وبربادی

فراعنہ مصر کی غلامی میں جو قوم صدیوں بھٹکتی رہی تو غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں۔
غلامی سے تو قوم کا ضمیر بھی بدل جاتا ہے۔ تو جو قوم بے تدبیر ہونے کے ساتھ ساتھ بے ضمیر بھی ہوگئی ہو اس قوم میں بھلا کتب سماویہ کی سچی تعلیمات کو سنبھال کر رکھنے کی اور تروتازہ رکھنے کی صلاحیت کیونکر ہوسکتی ہے۔ حضرت سیدنا یعقوب علی نبینا علیہ السلام کی اولاد میں سے بارہ خاندانوں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے امانت سونپی تھی توریت کی حفاظت کریں اور اسکی تعلیمات کو اگلی نسل تک بلاکم وکاست پہنچائیں۔

مگر تاریخ گواہ ہے کہ ان بارہ میں سے دس خاندانوں کا صفایا تو نمرود اور اسکے بیٹے سرگون نے کر ڈالا تھا۔ اور یہودیوں کو انکے آبائی وطن شہش شامردن سے نکال باہر کیا تھا اور قتل وغارت گری، سفاکی ودرندگی کا جو ظالمانہ کھیل رچایا تو اس میں لاکھوں قتل ہوئے اور لاکھوں گرفتار کر لئے گئے۔ سرگون نے انکو شمال مشرقی ایشیاء کے علاقہ میں جنگلی جانوروں کی طرح دربدر کر دیا۔ تو جب یہودیت اتنی بڑی قتل وغارت اور قید وبند کا شکار ہوئی تو شریعت موسوی کی کیسے حفاظت کر سکتی تھی جو اپنی جانوں کے حوالے سے خوف وخطر کا شکار ہوتی۔ دار ورسن جنکا مقدر بنا ہو، زنجیروں اور رسیوں میں جکڑے ہوئے وطن سے نکال دیئے گئے ہوں۔ وہ بھلا کیا حفاظت کریں گے، حضرت سیدنا موسیٰ علی نبینا علیہ السلام کی شریعت کی۔ اب دس خاندان تو نمرود اور اسکے بیٹے کے بے انتہا مظالم کا شکار ہو کر نیست ونابود ہوگئے اور باقی بچے کچھے دو خاندان بخت نصر کی چیرہ دستی اور ظلم وبربریت کا شکار ہوئے، اسکی ساری تفصیل سورۃ الاسرا پارہ نمبر ۱۵ پہلے رکوع میں دیکھی جاسکتی ہے۔ مختصر یہ کہ یہودیوں کے مرکز بابل شہر میں

Marfat.com

گھس کر بخت نصر کی فوجوں نے پوری قوم کے مرد عورت بچے بوڑھے سب کو گرفتار کرلیا۔ ہیکل سلیمان کو ڈھا کر پیوند خاک کر دیا اور پورے شہر کی اینٹ سے اینٹ بجادی حتی کہ فیصل شہر کو بھی جلا کر خاکستر کر دیا۔ اور بادشاہ کو بھی گرفتار کرلیا اور آنکھیں نکال کر اندھا کر دیا۔ شہزادوں کو باپ کے سامنے طرح طرح کے ظلم کر کے ختم کر دیا۔ یہودیوں کا بادشاہ اندھا کر دیا گیا۔ یہودی اگرچہ زندہ رکھے گئے مگر وہ ذلت کی زندگی موت سے بھی بدترین تھی۔ ہر طرح کی محنت و مشقت ان سے لی جاتی تھی جفاکشی اور مصیبت انکا مقدر تھی اپنی گذشتہ حالت کو یاد کر کے سخت کرب والم میں روتے پیٹتے تھے۔ اور یہ کہ انکو مذہبی رسومات تک ادا کرنے کی اجازت نہ تھی۔ قربانی نہ کر سکتے تھے، روزے نہ رکھ سکتے تھے الغرض انتہائی درجہ کی بے بسی بے کسی نے انکی کمر ہمت توڑ کر رکھ دی تھی۔ یہ تو عملی حالت کا ایک ہلکا سا نمونہ ہے کہ کس طرح شریعت موسوی کے اعمال بجالانے میں پابندیوں کا سامنا تھا گویا عملاً دور کر دیئے گئے تھے۔

شریعت موسوی کی مقدس کتاب کے متعلق اور علوم و کرامات سے محرومی کے حوالے سے ذلت ناک حال کا سامنا کرنا پڑا۔ اسکی شہادت تاریخ دیتی ہے کہ تاریخ الیہود کا مولف لکھتا ہے کہ تورات مقدس اور قدیم آسمانی صحیفوں (جو انبیاء علیھم السلام پر نازل ہوئے تھے کہیں کوئی اتا پتا نہ تھا۔ اسلئے کہ بابل والوں کے خوف ناک حملوں کیوجہ سے افراتفری اور بدتمیزی کا طوفان برپا ہوا اس نے یہودیوں کی کتاب مقدسہ سمیت اگلے دور کے سارے اسرائیلی علمی ذخیرے کو بھی تہس نہس کر دیا تھا۔ اس تاریخی شہادت سے معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل کے یہی دو آخری خاندان (سبط) جو دین موسوی کے سہارا سمجھے جاتے تھے اسیر ہو کر ذلیل ورسوا ہو چکے تھے۔ اور غلامی کی اس ذلت سے انکو بڑے طویل عرصہ کے بعد رہائی ملی تھی وہ بھی اس حال میں کہ اصل خاندان دوران اسیری ہی مر کھپ چکا تھا۔ صرف دو بچے رہ گئے تھے جنہوں نے اپنے ماں باپ کو انتہائی کسمپرسی کے عالم میں اسباب پر روتے پیٹتے دیکھا تھا کہ مذہبی تعلیمات پر عمل ممنوع ہے اور علمی ذخیرہ مفقود ہو چکا ہے نہ علم کا پتا اور نہ ہی عمل کی کوئی سبیل تاہم اس واویلے کیوجہ سے انکے ذہن میں یہ بات سما چکی تھی کہ انکے آباؤ اجداد کسی سماوی شریعت کے وارث رہ چکے ہیں۔

یہودیوں کی قید سے رہائی اور بخت نصر کے مظالم کا خاتمہ

گریہ وزاری آہ و بکا کا یہ اثر ہوا اور قدرت کی طرف سے اسکا انتقام ہوا۔ اب قید و بند کی ذلت ورسوائی سے آزادی کی سبیل پیدا ہوئی۔ شاہ ایران (سائرس) نے عراق پر حملہ کر دیا اور نمرود کی حکومت کا تختہ الٹ کر محکوم ورسوا قبائل کو آزاد کر دیا اسمیں یہودی قوم کو بھی نجات ملی۔ انہی یہودیوں میں سے ایک بھاری جماعت بالآخر اپنے قدیم مرکز یروشلم پہنچی جہاں ہیکل سلیمانی کی راکھ اب تک پھیلی پڑی تھی۔ اس راکھ کے ڈھیر پر رونے دھونے کے علاوہ اور کوئی کام نہ تھا حتی کہ وہ دو بچے بھی جواب بڑے ہو چکے تھے آپہنچے انہوں نے آ کر یاد دلایا کہ ہاں ہمارے آباؤ اجداد بھی ایک شریعت اور کتاب تورات کے وارث رہ چکے ہیں۔ لہذا ہمیں اب اس کتاب کی تلاش وجستجو کرنی چاہئے مگر اس سے پہلے جو حالات تھے کہ کتاب موسوی (تورات) کا کوئی نسخہ کتابی صورت میں روئے زمین پر موجود نہ تھا نہ کامل نہ ناقص اور یہودی خاندان قید و بند کی صعوبتیں جھیلتے جھیلتے مر گئے اور نئی نسل

Marfat.com

دوران اسیری پیدا ہوئی وہ بھی کتاب کے تصور سے محروم تھی۔

خاکستری ڈھیر کے نیچے کتاب ہدایت کی تلاش

لاحول۔۔۔۔یہودی مالیا خولیا

یروشلم کے خاکستری ڈھیر پر بالآخر خدا تعالیٰ کی دھتکار یہودی اس قوم یہود کے باقیات نے فیصلہ کیا۔(غور کیجئے اور سردھنئے) چلو اسی راکھ کے ڈھیر کو پلٹ کر دیکھتے ہیں شاید کوئی ہدایت کا سامان مل جائے۔

اس کدو کاوش کے بعد یہود بزعم خود اس راکھ کے ڈھیر کے نیچے کسی تہہ خانے میں عزیز علیہ السلام کے ذریعہ تورات کا نسخہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

کتاب ہدایت کی حفاظت کا یہودی انتظام

بقول یہود کے یہ وہی کتاب تھی جس کی حفاظت یہود کے دو اسباط (خاندان) کرتے چلے آرہے تھے اور اسکی تدبیر اور انتظام یہ تھا کہ ہیکل میں ایک نسخہ محفوظ رہتا تھا یہودیوں کے کسی گھر میں کتاب ہدایت (تورات) کا کوئی نسخہ موجود نہیں تھا اور یہودی ہر ساتویں سال اسکو سنا کرتے تھے۔کتاب ہدایت تورات کی تلاش کی یہودی کوشش اور اسکی حفاظتی تدبیر وانتظام ملاحظہ کرنے کے بعد یہودیوں کا دعویٰ بھی ملاحظ کیجئے اور ایک قہقہہ ماحول کی نذر کیجئے۔

جس خوفناک آگ نے ہیکل کو پیوند خاک کر دیا اسکی خطرناک آتش فشانی نے ہیکل کے تنکے تنکے سمیت ہر چیز کو جلا کر رکھ بنا دیا تھا مگر بزعم یہود اسکے نیچے محفوظ تھی اس پر کوئی آنچ نہ آئی تھی جبکہ اس آتش زدگی اور تلاش کی کوشش میں سالہا سال کا زمانے بعد بھی حائل ہے۔جو کو دبخود ہر چیز کو زنگ آلود کر کے مٹی بنا دیا ہے مگر یہود کو اسپر فخر ہے۔کہ ہماری نجات وہدایت کا سامان تورات اسی طرح محفوظ وسلامت تھی جیسے کہ وہ اپنی اصلی حالت میں کبھی ہوا کرتی تھی جی ہاں! خدا تعالیٰ کی دھتکاری ہوئی قوم کا سرمایہ ہدایت اسی طرح ہی محفوظ ہونا چاہئے تھا۔اور آگے چل کر تورات تمام نسخہ جات کیلئے اسی کو اصل قرار دیا گیا اور خدا تعالیٰ کی دھتکاری ہوئی قوم یہود نے اسکو اپنی ہدایت نجات کا ذریعہ سمجھ لیا۔اب اسی موہوم سے توراتی ذخیرے کو یہودی حضرت سیدنا موسیٰ علیٰ نبینا علیہ السلام تک پہنچنے کا اک ذریعہ سمجھتے تھے مگر یہ معمولی سا موہوم سا سوراخ بھی زیادہ دیر تک کھلا نہ رہ سکا۔اللہ رب العزت نے اس قوم کی ذلت ورسوائی تکوینی انتظامات اپنی قدرت کاملہ کے تحت بڑے مضبوط طریقہ سے کر رکھتے ہیں۔اسکا اعلان اپنی ازلی ابدی کتاب قرآن مجید میں کر دیا ہے۔

وَاِذْتَاَذَّنَ رَبُّکَ لَیَبْعَثَنَّ عَلَیْھِمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ مَنْ یَّسُوْمُھُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ط اِنَّ رَبَّکَ لَسَرِیْعُ الْعِقَابِ ج

ترجمہ: اور اسوقت کو یاد کرو جب خبر کر دی تھی تیرے رب نے کہ ضرور بھیجتا رہیگا یہود پر قیامت کے دن تک ایسے شخص کو کہ دیا کرے گا انکو برا عذاب۔بیشک تیرا رب جلد عذاب کرنے والا ہے۔ (سورہ الاعراف آیت نمبر ۱۶۷)(ترجمہ: شیخ الہنداء)

Marfat.com

مذکورہ بالا آیات قرآنی کو ذرا غور سے دیکھئے کہ کس قدر اس رسوائے زمانہ قوم یہود کی ذلت خواری کا اعلان کرتی ہے۔

صرف اعلان ہی نہیں پوری تاریخ کی روشنی میں جائزہ لیجئے کہ یہ قوم یہود کس کس طرح ابتدائی سے لیکر اب تک ذلیل وخوار ہوتی چلی آئی ہے۔اور انشاء اللہ اپنی روایت کے مطابق آئندہ بھی اسی طرح ذلیل وخوار ہوتی رہے گی اور آخری دور میں خروج دجال الملعون کے وقت اسکی قیامت میں یہی رسوائے زمانہ قوم ساتھ ساتھ ہوگی تو جسطرح وہ ملعون دجال حضرت سیدنا مسیح علیہ السلام کے ہاتھوں مارا جائے گا تو یہ قوم بھی ذلیل ورسوا ہو کر درختوں اور جھاڑیوں کی اوٹ میں چھپتی پھرے گی مگر کوئی شجر وحجر اس قوم کو پناہ نہ دے گا بلکہ بول کر بتائے گا کہ آؤ ایک ملعون یہودی میری اوٹ میں چھپا بیٹھا ہے۔اس کا کام تمام کر ڈالو۔تو اس طرح بالآخر یہ قوم یہود کرہ ارض سے ملیامیٹ ہو جائیگی۔اور وجود گیتی پر اس رسوا نسل کا کوئی شخص بھی باقی نہ رہیگا پھر خدا کی زمین پر برکات سے بھرپور اک نے دور کا آغاز ہوگا۔

قوم یہود پر چھائی ابدی ذلت کا تاریخی جائزہ

کبھی یونان سے کبھی روم سے اس قوم پر حملے ہوتے تھے کہ یہ قوم تہس نہس ہو جاتی تھی۔

انٹونیس یونانی کا خوفناک حملہ جب ہوا تو اس نے ڈھونڈ ڈھونڈ کر تورات کے نسخوں کو جلایا اسطرح اس نے تورات کو پھر دنیا سے ناپید کر یا ہیکل کو پیوند خاک کر دیا اسکی جگہ پر مندر تعمیر کر دیا۔اتنا سخت حکم تھا کہ کسی کے پاس اگر ایک ورق بھی تورات کا ملے تو اسکو ذبح کر دیا جائے۔اس قدر بربادی سے دوچار ہونے کے بعد بھی یہ شرم وحیاء سے طاری قوم کہتی ہے کہ ایک مقامی یہودی بادشاہ کے ذریعہ تورات کو ہم نے محفوظ کر لیا تھا۔انٹونیس یونانی کے بعد ذلت وپستی کا ایک نیا دور شروع ہوا۔

شاہِ روم طیطس کے ہاتھوں یہود کی ذلت وتباہی

چنانچہ روم کا بادشاہ طیطس ایک آگ کے بادل کی طرح اُٹھا۔اور اس نے یہودی بستیوں کو تخت وتاراج کرنا شروع کر دیا اور قتل وغارتگری کا وہ سلسلہ شروع کیا کہ جسکی جلدی سے مثال نہیں ملتی اور اس خونریز معرکہ میں گیارہ لاکھ یہودی مارے گئے۔

اور ہیکل پھر سے جلا کر راکھ کر دیا گیا اور کتاب ہدایت تورات بھی اسی آتش زدگی میں ضائع ہوگئی۔مگر پھر بھی یہ بے شرم قوم یہود کہتی ہے کہ ہم نے تورات کو پھر سے حاصل کر لیا ہے حالانکہ تورات شاہی خزانہ میں محفوظ رکھی جاتی تھی یا پھر ہیکل میں۔جو اس خونیں معرکہ میں دونوں ہی تباہ ہو گئے تھے مگر قوم یہود کو پھر بھی اصرار ہے کہ ہم نے تورات کو حاصل کر لیا ہے۔ملاحظہ کیجئے یہود کی اندھیر نگری۔بات صرف یہاں تک نہ تھی بلکہ اس قوم یہود کی ذلت وخواری کا سلسلہ مزید آگے بڑھا۔طیطس کے بعد قیصر روم ہڈرین پھر حملہ کر دیا۔اس میں پانچ لاکھ یہودی مارے گئے اور انکی کتاب کلیسی حشر وہی کیا جو اس سے پہلے ہوتا چلا آیا تھا۔

قیصر روم نے اور دو ہاتھ آگے بڑھ کر ہیکل سلیمانی کی جگہ پیڑ دیوتا کا مجسمہ نصب کر دیا اور اس مقدس شہر یروشلم کا نام

Marfat.com

تبدیل کر کے ایلیا رکھ دیا۔ اور آغاز اسلام تک اس شہر کا نام یہی ایلیا ہی رہا حتی کہ وہ یوم سعید آپہنچا نیک بختی وسعادت کی ہوائیں چلیں طلوع سحر کی نوید کوہِ فاران کی چوٹیوں سے سنائی گئیں آفتاب ہدایت کی ضیاء پاش کرنوں نے آفاقِ عالم کو ہدات وایمان کی روشنی سے بقعۂ نور بنا دیا۔

وہ اتر کر حراء سے سوئے قوم آیا اک نسخہ کیمیاء بھی ساتھ اپنے لایا
وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی عرب کی دھرتی جس نے ساری ہلادی (حالی)

تو اس کوہ فاران کی چوٹیوں سے تقدس کی ہوائیں چلیں تو انکے نرم نرم جھونکوں نے یہودیوں کے اس شہر کی تقدیس کو بھی چار چاند لگا دیئے اور ایلیا سے بدل کر اس کا نام بیت المقدس ہو گیا اور سترہ ۱۷ ماہ تک مدینہ منورہ میں اہل اسلام اسکی طرح منہ کر کے نمازیں پڑھتے رہے اس عمل نے اسکی عظمت وتقدیس کو ملأ اعلیٰ تک پہنچا دیا یہ بھی میرے آقا حبیب کبریا ﷺ کا صدقہ تھا۔ یہودی اپنے شہر کو اپنی مرضی کا نام بھی نہ دے سکتے تھے جو آپ ﷺ کی آمد وتشریف آوری سے ممکن ہوسکا ان ساری تفصیلات کو سامنے رکھ کر فیصلہ آپ خود کیجئے کہ یہود اپنے دعویٰ میں کتنے سچے ہیں۔ راکھ کے ڈھیر میں سے جو انکو کتاب ملی وہ واقعتاً وہی کتاب تھی جسکو حضرت سیدنا موسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام خدا تعالیٰ سے لیکر آئے تھے۔ اور کیا واقعتاً وہ برآمد شدہ کتاب یہود کو حضرت سیدنا موسیٰ علیہ نبینا وعلیہ السلام تک پہنچنے کی سچی راہنمائی اور روشنی دلیل فراہم کرتی ہے۔

تورات کے محرف ہونے کی توراتی شہادت

بہت ہی عجیب بات ہے کہ ہزار سال سے یہودی جس کتاب کے پیروکار ہونے کے دعویٰ دار چلے آرہے ہیں۔ وہ کتاب خاکستری ڈھیر کے نیچے سالہا سال پڑی رہی اور وہاں سے برآمد ہونے کے بعد دنیا کی مختلف زبانوں میں اسکے غلط سلط ترجمہ بھی ہوتے رہے اور اسی طرح ترجموں کا ترجمہ ہوتا رہا اور اس میں اس قسم کے عجیب وغریب حالات وواقعات کو داخل کر دیا گیا ہے۔ جو بالکل ہی باطل ہیں اور انکی نسبت حضرت سیدنا موسیٰ علی نبینا علیہ والسلام کی طرف بالکل باطل ہے۔ اور ان کتابوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات اور تجہیز وتکفین کے واقعات بھی ہیں حالانکہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں ان پہ نازل ہوئی تھی اسمیں انکی وفات کا تذکرہ کیونکر ہوسکتا ہے اس کھلے اور واضح جھوٹ کو کون برداشت کرسکتا ہے۔ ہاں البتہ یہی خدا تعالیٰ کی دھتکاری ہوئی قوم یہود ہی برداشت کرسکتی ہے۔ سوچئے اور سمجھے۔

خاکستری ڈھیر سے حاصل ہونے والی تورات اور انبیاء علیہم السلام پر گھناؤنے اخلاقی الزامات

ذرا غور کیجئے جس کتاب میں حضرات انبیاء علیہم الصلوٰت التسلیمات جیسی عظیم ہستیوں پر نعوذ باللہ معاذ اللہ شرب نوشی اور حرام کاری کے الزامات ہوں وہ کتاب کہاں تک سچی ہوسکتی ہے۔

دیکھئے، سوچئے اور غور کیجئے فیصلہ آپکے سامنے ہے۔ اور بالخصوص حضرات سیدنا لوط علی نبینا علیہ والسلام پر نا قابل ذکر قسم کے غلیظ اور فحش الزامات ہوں، فحش گالیاں ہوں، مغلظات ہوں۔ وہ کیونکر اللہ تعالیٰ کی کتاب ہوسکتی ہے۔

Marfat.com

اور جس کتاب میں خود خدا تعالیٰ کی ذات والا صفات پر ناقص اور رکیک حملے ہوں خدا تعالیٰ کو مجبور اور معاذ اللہ بے بس ٹھہرایا گیا ہو وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کیونکہ ہو سکتی ہے۔

بولتی حقیقت

ایک عیسائی مناظر دوسرے فرقہ کے عیسائی مناظر کو کہتا ہے کہ اب میں کسی پروٹسٹنٹ سے پوچھتا ہوں کہ بھلا وہ بھی اپنی نجات کا بھروسہ ایک ایسی کتاب پر کر سکتا ہے؟ کہ جسے وہ سمجھ نہیں سکتا۔

ایک کتاب ہے جسے وہ کلام الٰہی ثابت نہیں کر سکتا۔

ایک کتاب ہے جسے جہلاء اور ضعفآء اپنی ہلاکت کیلئے پڑھتے ہیں۔

ایک کتاب ہے جس کے اکثر حصے کھو گئے ہیں۔

ایک کتاب ہے جو بے حد اغلاط سے بھرپور ہے۔

ایک کتاب ہے جس میں نجات پانے کی ضروری ہدایات کا فقدان ہے۔

تو ایسی کتاب ایمانیات کا قاعدہ کلیہ اور نجات پانے کی مکمل راہ ہو سکتی ہے؟

تو کیوں نہ مان لیا جائے کہ وہ کتاب ایک وقت کیلئے تھی ایک قوم کیلئے تھی اور ایک حد تک تھی۔

اور اب وہ تاریخ کا حصہ بن گئی، اسکی تعلیمات ناپید ہو گئیں بنی اسرائیل کے دس اسباط خاک میں مل گئے اور باقی دو بھی کھو گئے۔ باقی صرف توہم پرستی اور غلط فہمیوں کا ڈھیر رہ گیا اور کچھ بھی نہیں۔

عیسائیت

عیسائیت کے پس و پیش پر نظر دوڑائیے تو تاریخ آپکو بتلادیگی کہ عیسائی مذہب جو کہ پیغمبر حضرت سیدنا عیسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام کی اتباع و پیروی کا دعویٰ کرتا ہے انہوں نے (عیسیٰ علیہ السلام) نے خود ڈھائی سال کارِ نبوت کے بعد ارشاد فرمادیا تھا کہ تمہارے لئے میرا جانا ہی بہتر ہے۔ اسلئے کہ میرے بعد ایک جلیل القدر پیغمبر آنے والا ہے وہ میرے جانے کے بعد ہی آئے گا اور انکا نام احمد ہوگا سورۃ الصفّت کی آیت نمبر ۶ میں اسکا مفصل ذکر موجود ہے۔ مگر پھر بھی عیسائی کہتے ہیں کہ وہ نہیں گئے بلکہ موجود ہیں تو جب ان عیسائیوں سے سوال کیا جاتا ہے کہ تم حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام تک اور انکی تعلیمات و ہدایات تک کیسے پہنچتے ہو؟ تو اس وقت انکی حالت انتہائی افسوسناک ہوتی ہے، ادھر اُدھر دیکھتے ہیں مگر کوئی واضح جواب انکے پاس نہیں ہوتا۔ حیرت و حسرت کا نمونہ بن جاتے ہیں۔ ان بیچاروں کے پاس کوئی واضح تصور عیسوی تعلیمات و ارشادات کا نہیں ہوتا۔ البتہ چند موہوم قسم کے ہلکے پھلکے، بچگانہ قسم کے وسائل ہوتے ہیں۔ جنکی عبادتوں میں کوئی وزن اور حقانیت کی رمق نہیں ہوتی، انہیں ہلکے پھلکے وسائل کا نام انجیل مقدس رکھ لیا ہے اسی قسم کی ہزارہا اناجیل میں سے چار کو منتخب کر لیا ہے مگر انداز انتخاب خود ایک معمہ اور طرفہ تماشہ ہے۔ اسی کی بنیاد بنا کر پروپیگنڈہ کر دیا گیا اور اسکو دنیا بھر میں پھیلا دیا گیا، آیئے اس اندازِ انتخاب کا جائزہ لیتے ہیں

Marfat.com

اناجیل اربعہ کو منتخب کرنے کا عجیب انداز

ان کتابوں کو منتخب کرنے کیلئے مشرق روم کا ایک شہر جسکو انگریزی میں فیلس کہتے ہیں ۳۲۵ء میں قسطنطین اعظم کے حکم کے مطابق اس شہر میں نصاریٰ کی ایک معروف میٹنگ ہوئی اس میں دنیائے عیسائیت تین سو سے زائد راہنما جس میں بڑے بڑے مذہبی راہنما بھی تھے۔اور سیاسی بھی۔ بادشاہ وقت کی صدارت میں تقریبا دو مہینے تک اجلاس ہوتے رہے اور اسباب پر غور فکر کرتے رہے کہ کتاب عیسائیت کا انتخاب کیسے کیا جائے اور یہ کہ بنیادی تعلیمات کیا ہونی چاہئیں؟ تو اس کدو و کاوش اور سوچ و بچار کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ اناجیل کے ڈھیر کو بڑے میز پر رکھ دیا جائے سو رکھ دیا گیا۔اور اس میز کے نیچے جبہ پوش پادریوں نے سجدہ ریز ہو کر دعائیں شروع کر دیں کہ اے اللہ جو سچی کتاب ہے وہ رہ جائے باقی سب گر جائیں اور ساتھ ساتھ منتر بھی پڑھتے رہے جب آنکھیں کھولیں صرف چار اناجیل ٹیبل کے اوپر تھیں اور کچھ پولوس (مذہبی راھنما کے خطوط) باقی تھے۔بس انہیں کو سچا سمجھ کر سر پر رکھ لیا اور اس پر مذہب کی بنیاد رکھ دی۔

مُردوں سے انجیل کی تصدیق اور دستخط کا انوکھا کارنامہ

انجیل کی تصدیق وتائید کا انداز تو صفحات بالا میں آپ پڑھ چکے ہیں۔اب گڑے ہوئے مردوں سے بھی انجیل کی تائید وتصدیق اور دستخط کرنے کا انوکھا انداز بھی ملاحظہ کیجئے۔

کہتے ہیں کہ پادریوں کی شوریٰ میں دو ارکان کا انتقال ہو گیا تھا اب ان مردہ لوگوں سے کیسے تصدیق کروائی جائے تو وہی کاغذی مسودات راتوں رات انکی قبروں پر رکھ دیئے گئے اور جب صبح اُٹھ کر دیکھا تو ان مسودات پر ان مردوں کے تائیدی دستخط موجود تھے۔اس انوکھے اور اچھوتے انداز تصدیق کو دیکھئے اور فیصلہ کیجئے کہ کیا واقعی کسی آسمانی شریعت کی کتاب مقدس کا تصدیقی انداز یہی ہے؟ اس سے بہتر اور آسان صورت یہ تھی کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے پیغام کو سمجھتے اور اسکو اہمیت دیتے اور اس پر عمل کرتے تو اس قسم کی مضحکہ خیز صورت حال سے ہرگز دوچار نہ ہوتے۔

ڈھائی سال کار نبوت کے بعد حضرت مسیح علیہ السلام کا پیغام حق

مسیحی برادری اگر صدق دل سے حضرت مسیح علیہ السلام کے پیغام کو سمجھتی اور ٹیبل پر رکھ کر انجیل کی تصدیق کرنے اور منتر پڑھنے اور مُردوں کے دستخط کروانے جیسے مضحکہ خیز اور بچگانہ اقدامات نہ کرتی۔اور براہ راست سیدنا عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام کے کھلے اور واشگاف الفاظ پر غور کرتی کہ

"مُبَشِّراً بِرَسُوْلٍ يَّاْتِىْ مِنْۢ بَعْدِى اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ (القرآن)

ترجمہ: کہ میں تم کو ایک رسول کی خوشخبری سناتا ہوں جو میرے بعد آنے والے ہیں اور انکا نام احمد ہے۔میں انکی بشارت سنانے کیلئے آیا ہوں۔

باقی اصل کار نبوت و رسالت تو وہ آ کر انجام دیں گے تو اسی سے مسیحی برادری کو ہدایت و شریعت کا اصل راستہ روشن راستہ مل جاتا۔

Marfat.com

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے آنے سے پہلے کے مذاہب

آنحضرت ﷺ نے علماء تورات اور انجیل کے سامنے علی الاعلان یہ بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے ظہور اور بعثت کی خبر توریت اور انجیل میں دی ہے اور انبیاء سابقین نے یہ اطلاع دی ہے کہ آخر زمانہ میں ایک پیغمبر آخرالزماں مبعوث ہوگا جس کی نبوت تمام انس وجن کے لئے یکساں ہوگی اور اہل کتاب تم کو اس کا علم ہے لہذا تم مجھ پر ایمان لاؤ آپ اس دعوے اور حجت کے بعد بہت سے اہل کتاب ایمان لائے اور اس بات کی شہادت دی کہ آپ نے شک وہی نبی برحق ہیں جن کی توریت اور انجیل میں پہلے خبر دی گئی ہے۔

اور بہت سے اہل کتاب باوجود اس علم کے، حسد کے بنا پر ایمان نہیں لائے حالانکہ آپ کے ظہور سے پہلے علمائے اہل کتاب ان بشارات کو نقل کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ اہل مکہ! نبی آخرالزماں کے ظہور کا زمانہ قریب آن پہنچا ہے ان کو یہ خوف ہوا کہ نبی اکرم ﷺ کی اتباع کے بعد ہماری سرداری ختم ہو جائے گی اس لئے ایمان نہیں لائے مگر یہ کسی کی مجال نہ ہوئی کی قرآن کریم کی ان آیات کی تکذیب کر سکے جن میں حضور پرنور ﷺ کے متعلق یہ مذکور ہے کہ آپ کا ذکر توریت اور انجیل میں ہے بلکہ قرآن کریم نے یہ بھی دعویٰ کیا ہے کہ آپ کے صحابہ کا تذکرہ بھی توریت اور انجیل میں ہے کما قال تعالیٰ ذلک مثلھم فی التوراۃ ومثلھم فی النجیل (۷) اور علماء اہل کتاب یہ نہیں کہہ سکتے کہ معاذ اللہ قرآن کریم کی یہ خبر غلط ہے اور توریت اور انجیل میں نہ حضور پرنور کی کوئی بشارت مذکور ہے اور نہ آپ کے صحابہ کا ذکر ہے جس وقت قرآن کریم کی یہ آیتیں نازل ہو رہی تھیں کہ اس نبی امی کا ذکر توریت اور انجیل میں موجود ہے تو اس وقت ملک میں ہزارہا علماء یہود اور نصاریٰ موجود تھے اگر قرآن کریم کا یہ دعویٰ غلط ہوتا تو علماء یہود ونصاریٰ اس غلطی کو فاش کرتے تاکہ جو یہود ونصاریٰ اسلام میں داخل ہو چکے ہیں، وہ اسلام سے برگشتہ ہو جائیں اور آئندہ کو کوئی یہودی اور عیسائی اپنا دین چھوڑ کر مسلمان نہ ہو جائے۔ جس وقت آنحضرت ﷺ دنیا میں مبعوث ہوئے، اس وقت تمام دنیا گمراہی میں ڈوبی ہوئی اور قسم قسم کی گمراہیوں میں مبتلا تھی اس وقت زیادہ تر دنیا میں چھ مذہب رائج تھے۔

اول مذہب مجوس

جو ایران اور فارس سے لے کر خراساں اور ترکستان تک پھیلا ہوا تھا، کسرے کی حکومت اس مذہب کی سرپرست تھی مجوس دو خدا کے قائل تھے یزداں اور اہرمن، آگ پرستش کرتے تھے مردار کھاتے تھے بیٹی اور بہن سے نکاح سے کرتے تھے اور پھوپھی اور خالہ کا تو ذکر ہی کیا۔

دوئم مذہب عیسوی

یہ مذہب شام اور عراق وغیرہ میں پھیلا ہوا تھا۔ قیصرے روم کیونکہ مذہبا عیسائی تھا اس لئے یہ مذہب شاہان روم کی سرپرستی میں نشوونما پایا تھا۔ یہ لوگ تثلیث، ابنیت اور الوہیت مسیح اور کفارہ کے قائل تھے۔

Marfat.com

سوئم مذہب یہود

جو توریت کو مانتے تھے مگر ضد اور تکبر کا یہ عالم تھا کہ انبیاء کرام اور علماء کو نصیحتوں پر قتل کر ڈالنا ان کا دستور ہو گیا تھا۔

قال تعالیٰ ی یقتلون النبیین بغیر حق ویقتلون الذین یامرون بالقسط (۸) یہود اکثر یمن میں اور خیبر میں مدینہ کے اطراف میں رہتے تھے جبکہ جاہ و مال اور دین فروشی اور مسائل پر رشوت ستانی اور صحف انبیاء ان کا تحریف ان کا خاص شعار تھا۔

چہار مذہب مشرکین

یعنی بت پرستوں کا مذہب جو بتوں کو پوجتے تھے یہ مذہب جزیرۃ العرب اور ہندوستان میں شائع تھا۔

پنجم مذہب صابئین

جو روحانیت کے قائل تھے اور کواکب اور نجوم کی پرستش کرتے تھے۔ یہ مذہب ایران اور عراق میں زیادہ رائج تھا۔ نمرود کے زمانے میں لوگ زیادہ تر اسی مذہب کے تھے۔ جن کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراھیم علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔

ان الذین آمنو و اللذین هادو و الصابئین والنصاری والمجوس والذین اشرکو ا ان الله یفصل بینهم یوم القیامة ان الله علی کل شیءِ شهید (۹) اس آیت میں ان ہی پانچ مذاہب کا ذکر ہے جو آپ کی بعثت کے وقت دنیا میں رائج تھے۔

ششم مذہب دھریہ

گذشتہ آیت قرآنیہ میں جن پانچ مذاہب کا ذکر ہے وہ تو مشہور تھے ان کے علاوہ ایک فرقہ دہریہ تھا جس کا قول حق تعالیٰ نے یہ نقل فرمایا **وقالو الاحیانتا الدنیا نموت ونحیا وما یهلکنا الادهر وما لهم بذلک من علم ان هم الا یظنون.**

ترجمہ: اور جابجا قرآن کریم میں فرقہ دھریہ کا رد مذکور ہے اس فرقہ کے رد میں اس جا چیز نے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس کا نام اثبات صانع عالم وابطال دہریت و مادیت ہے۔ طالبین حق اس کی مراجعت کریں۔

دنیا میں مذہب اسلام کی آمد

حضور پاک ﷺ جب دین حق لے کر دنیا میں تشریف لائے دنیا میں اس وقت مختلف مذاہب موجود تھے اور سلاطین اور امراء اور اہلیان ریاست کی سرپرستی میں پرورش پا رہے تھے۔ اور دین اسلام ان سب ادیان اور مذاہب کے خلاف تھا۔ جو اس مذہب اسلام کو لے کر وہ ایک یتیم اور بے کس اور امی تھا اس نے مبعوث ہونے کے بعد دین اسلام کو دنیا کے سامنے پیش کیا۔ اور ہر ملت اور ہر مذہب کا دلائل اور براہین سے ایسا رد کیا کہ دنیا حیران رہ گئی اور بڑے بڑے زیرک اور عقلاء اور فضلا یہود نصاری

Marfat.com

سے آپ ﷺ کے مناظرے ہوئے مگر تمام فضلاء مل کر بھی آپ کی کسی دلیل اور برہان پر نقص نا وارد کر سکے۔ حالانکہ آپ امی تھے لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ قرآن کریم نے حدیث نبوی ﷺ مذاہب باطلہ کی تردید اور ابطال سے بھرا پڑا ہے۔ یہ اس امر کی واضح اور روشن دلیل ہے کہ آپ ﷺ بلاشبہ ملہم من اللہ اور مؤید من اللہ تھے اس لئے کہ باوجود امی ہونے کے دلائل قاطعہ اور براہین ساطعہ سے حق کو ثابت کر دینا اور دنیا کے تمام مذاہب کو دلائل سے باطل کر دکھلانا بدون الہام ربانی اور تائید رحمانی ناممکن اور نا محال ہے تیرہ سال کی مسلسل دعوت و تبلیغ کے بعد جب دنیا پر حق واضح ہو گیا اور کسی شک وشبہ کی گنجائش نہ رہی تو آپ نے حکم خداوندی مکہ مکرمہ سے ہجرت کی اور پھر ہجرت کے ایک سال بعد حکم خداوندی معاندین حق سے جہاد و قتال کا آغاز فرمایا اور حسب وعدہ خداوندی مظفر و منصور ہوئے اور ان غزوات و سرایا میں تائید غیبی کے وہ عجیب و غریب کرشمے وہ ظاہر ہوئے کے دشمنان حق ان کو دیکھ کر یہ سمجھ گئے اس بے سروسامانی میں یہ حیرت انگیز کامرانی اور ساز وسامان والوں کی ان فقیروں اور درویشوں کے مقابلے میں ناکامی اور یہ ذلت یہ رسوائی بدون تائید آسمانی ناممکن اور نا محال ہے۔ بالآخر جب مجبور ہو گئے تو حق کے سامنے گردن ڈال دی۔ اور اللہ کے دین میں فوج درفوج داخل ہونے لگے۔

بنی ہاشم اور بنی زہرہ کی سعادت

گذشتہ آسمانی کتابوں میں آپ ﷺ کے ظہور کی اطلاع ہے، انبیاء کے ذریعہ دوسروں تک پہنچی۔ چنانچہ جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا اس سعادت اور بزرگی کے لئے گذشتہ دور میں ہر قوم آرزومند رہی جس کی طرف آپ ﷺ نے اوپر کی روایت میں ارشاد فرمایا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے سعادت بنی ہاشم اور بنی زہرہ کے مقدر میں لکھی تھی کہ آنحضرت ﷺ کی والد حضرت عبداللہ قریش میں ہاشم کی اولاد میں ہوئے اور آپ ﷺ کے والدہ ماجدہ حضرت آمنہ زہرہ کی اولاد میں ہوئیں اور اس طرح دونوں خاندانوں کے ذریعہ سرور کائنات ﷺ اس عالم میں تشریف لائے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ

ترجمہ: حضور ﷺ کو جملہ عالمین کے لئے رحمت بنایا گیا ہے

اس آیت مبارکہ کو زیب عنوان کرتے ہی مجھے خیال آیا، قرآن مجید دیکھنا چاہئے کہ لِلْعٰلَمِیْنَ کا لفظ کن کن اشیاء یا اشخاص کے متعلق آیا ہے؟ مجھے مندرجہ ذیل آیات میں یہ لفظ ملا

۱۔ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِیْنَ (سورۃ انعام۔ ع ۱۰)

۲۔ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ (سورۃ یوسف۔ سورۃ ص، سورہ تکویر)

۳۔ وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ (سورۃ ن)

۴۔ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا لِلْعٰلَمِیْنَ (سورۃ انبیاء۔ ع ۵)

۵۔ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِیْنَ (سورۃ آل عمران۔ ع ۱)

Marfat.com

تبرکات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

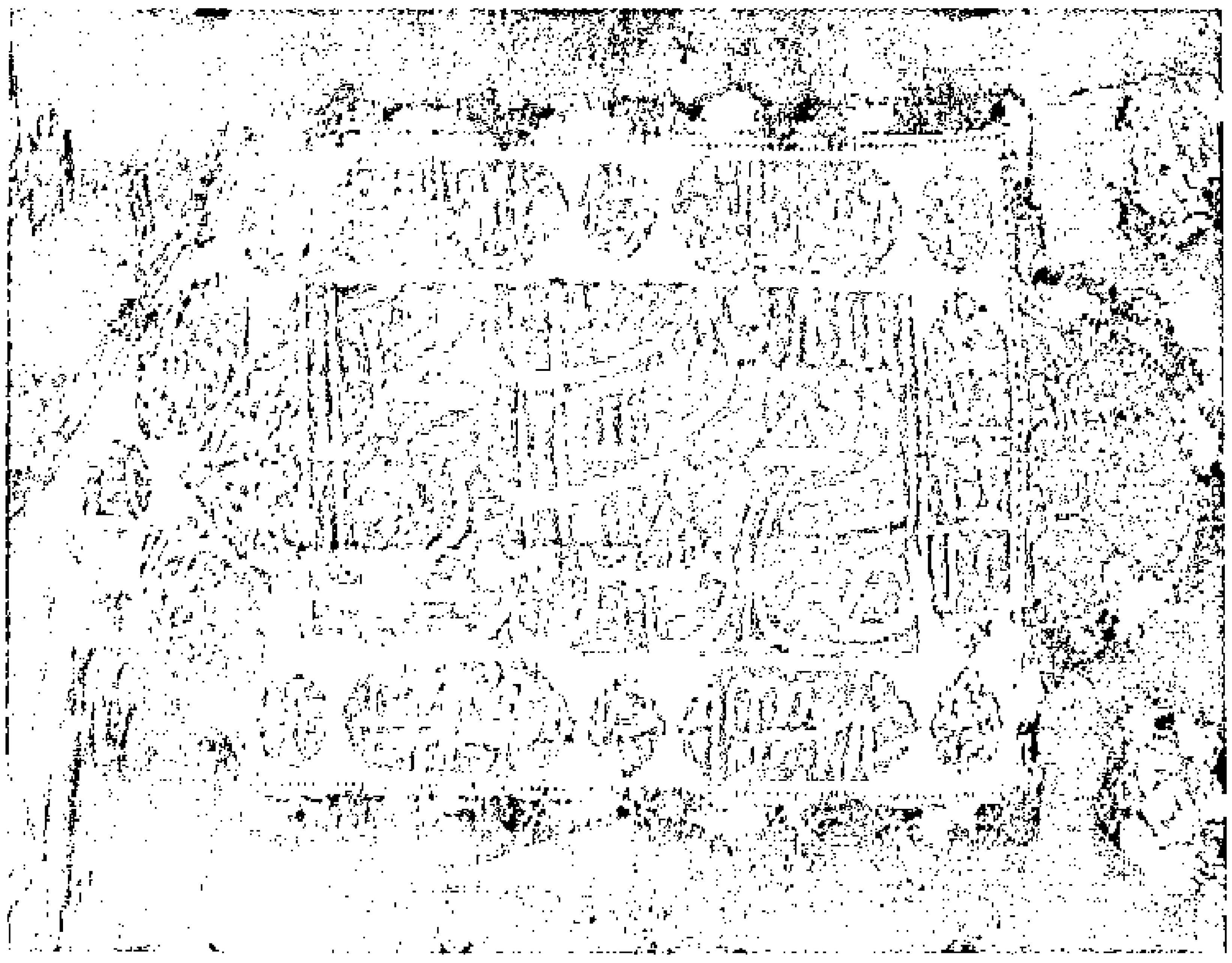

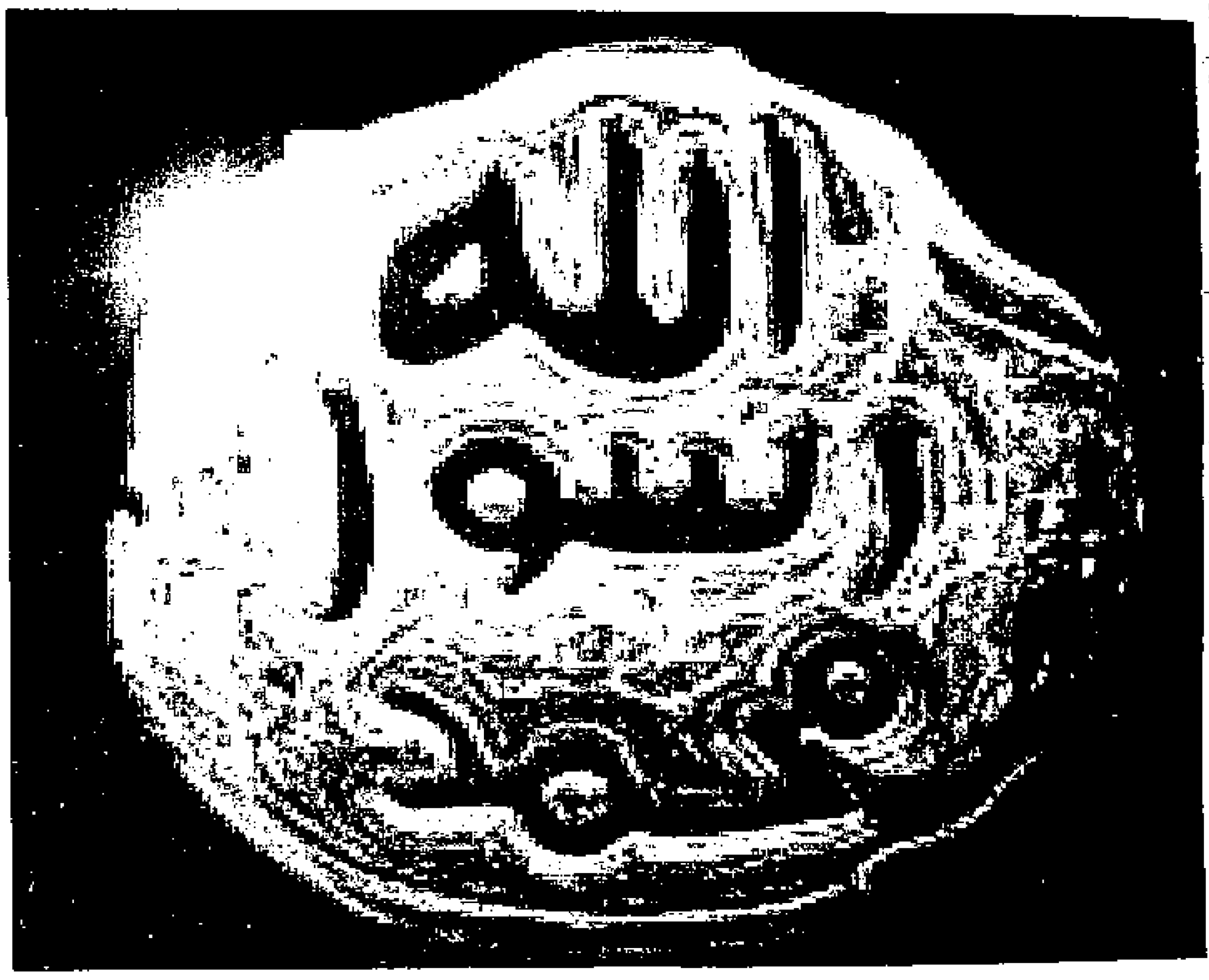

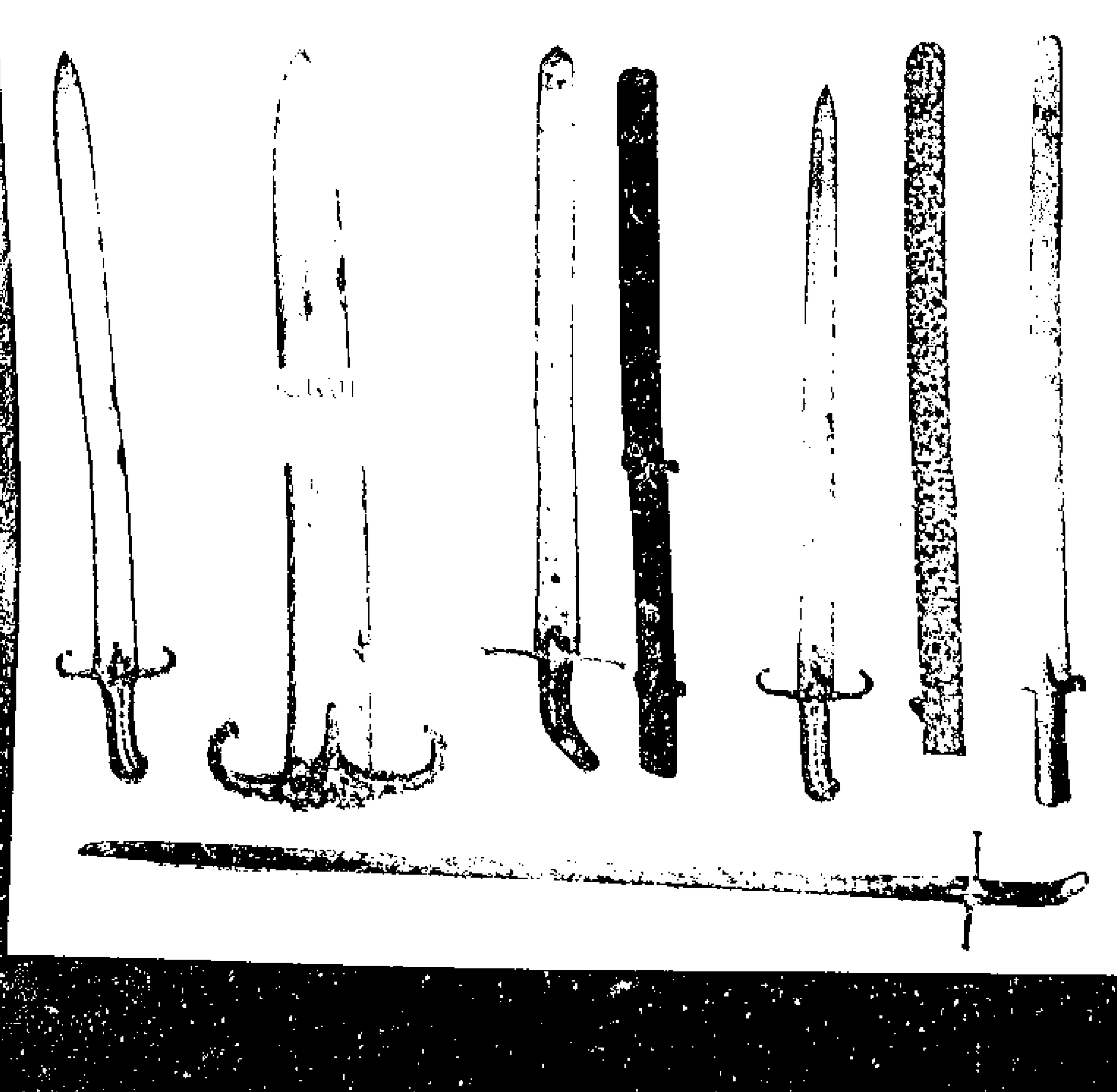

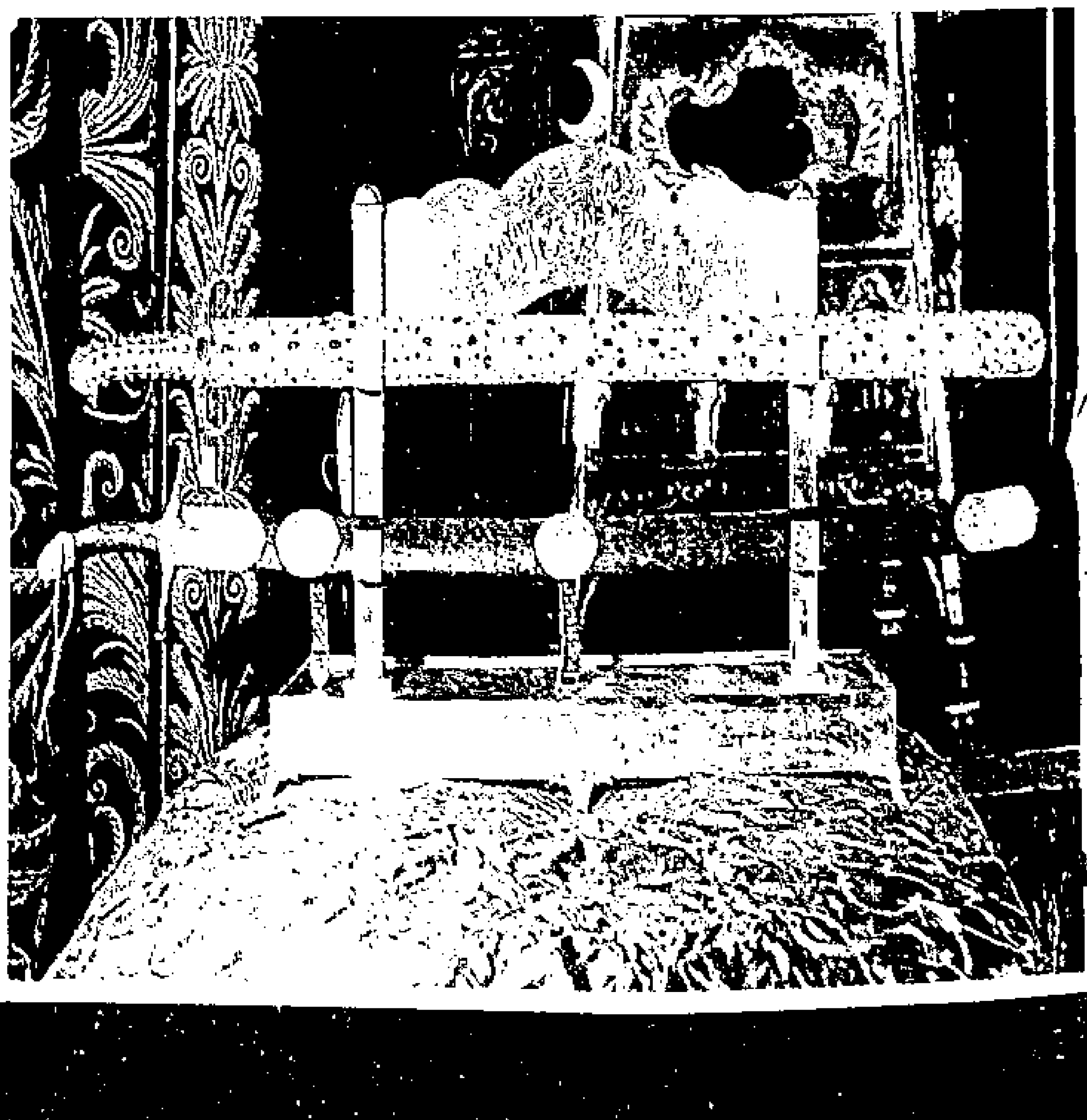

Marfat.com

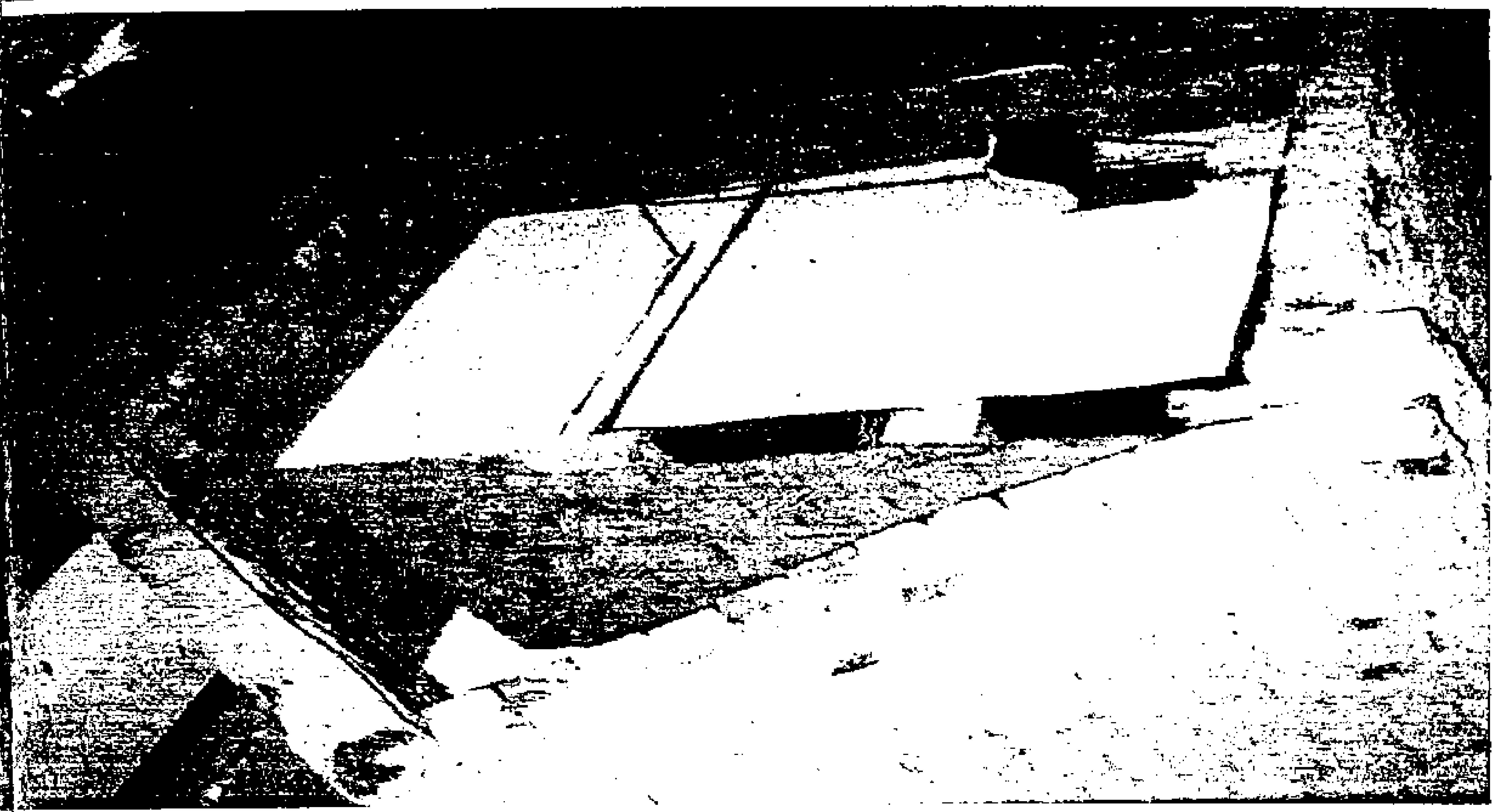

بیت الرسول ﷺ کی حفاظت کے لئے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی تعمیر کردہ
پانچ گوشہ دیوار کا ایک ماڈل (تیار کردہ ڈاکٹر انجینئر عبدالعزیز کعکی، دارالمدینہ میوزیم، مدینہ منورہ)

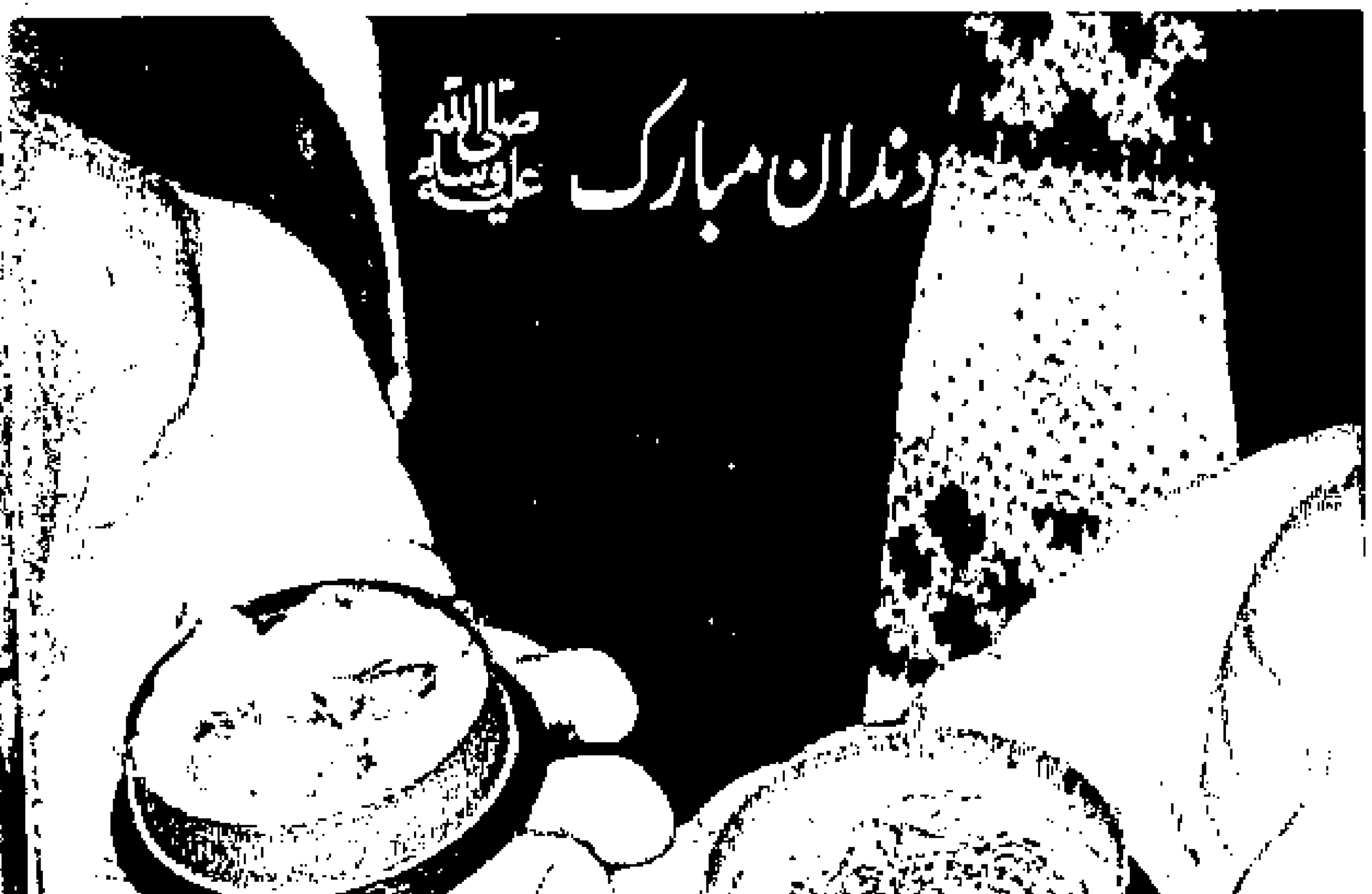

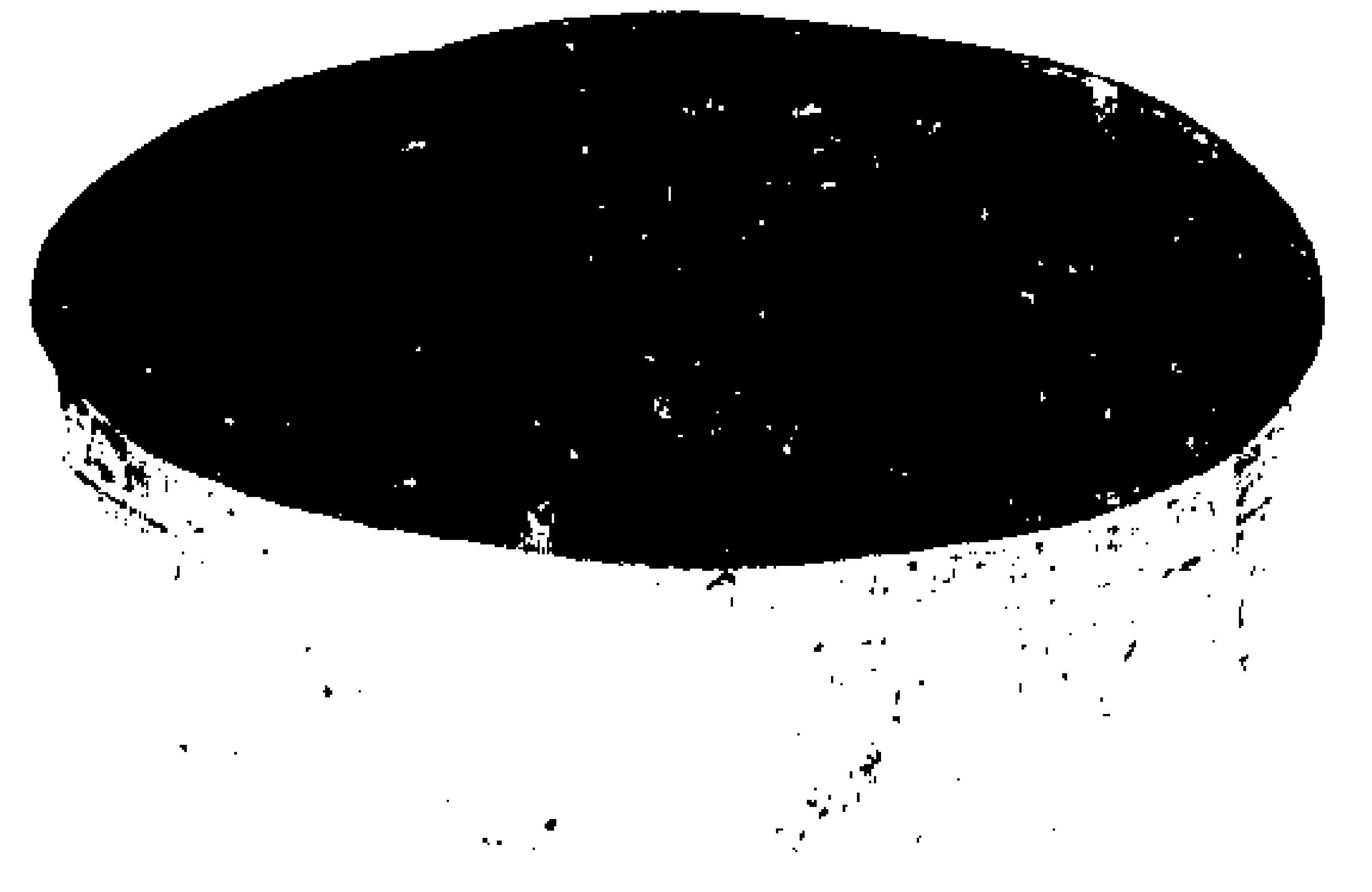

سہل بن سعدؓ کا وہ پیالہ جس میں آقا ﷺ نے پانی نوش فرمایا، یہ مبارک پیالہ توپ کاپی میوزیم ترکی میں محفوظ ہے

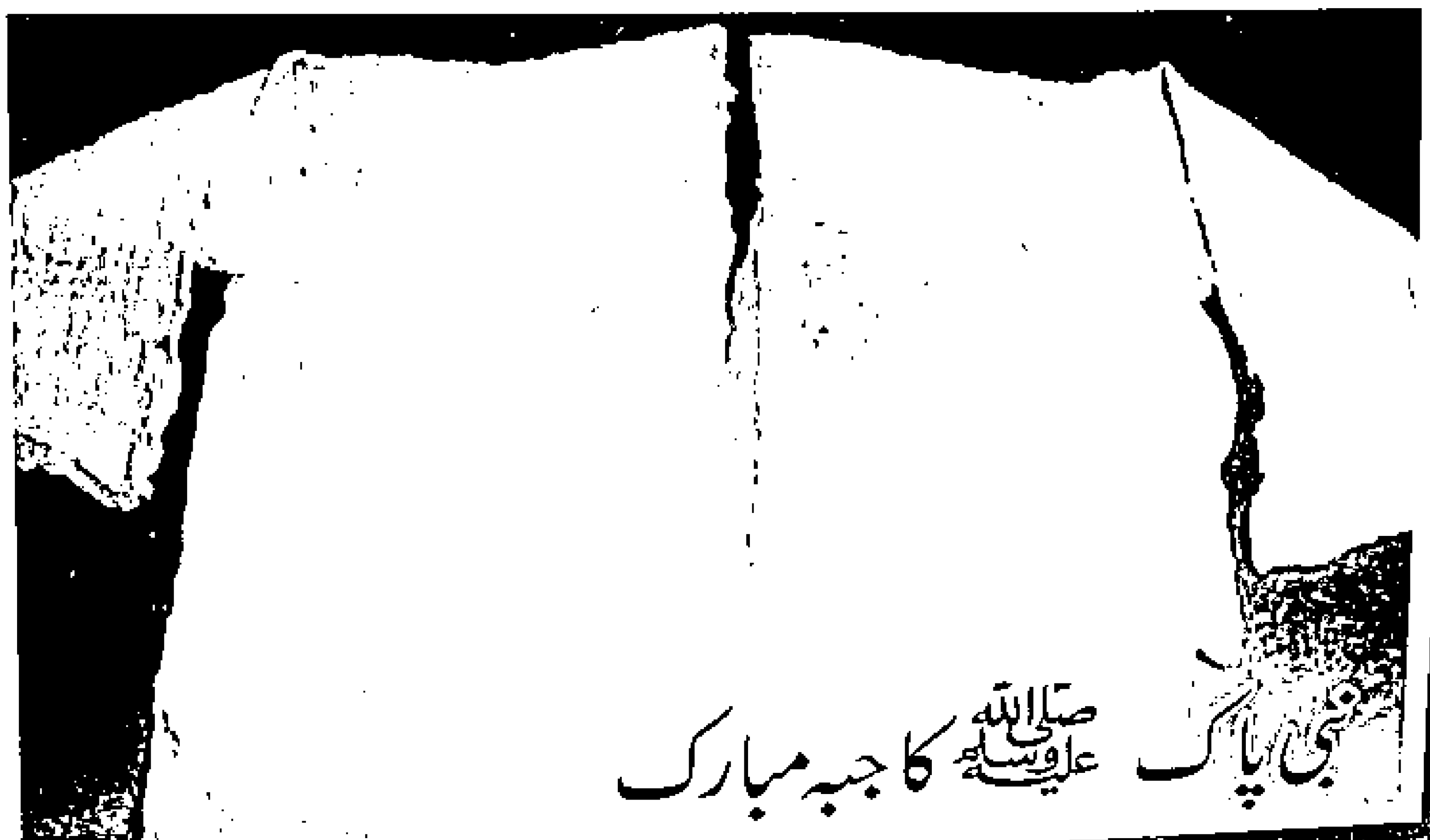

Marfat.com

۶۔ فَاَنْجَیْنٰهُ وَاَصْحٰبَ السَّفِیْنَةِ وَجَعَلْنٰهَآ اٰیَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ (سورۃ عنکبوت۔ ع ۲)

۷۔ وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰیَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ (سورۃ انبیاء۔ ع ۲)

۸۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلَمِیْنَ (سورۃ انبیاء۔ ع ۵)

آیات بالا پر غور کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ آیات نمبر۱، نمبر۲، نمبر۳ میں قرآن مجید کو ذکر للعالمین فرمایا گیا اور اس میں کلام نہیں کہ یہ خدا کا کلام ہے۔ جو جملہ عالمین کے لئے ذکر ہے۔

نبی ﷺ کا اسم مبارک تو اس مصدر کے ساتھ مذکر ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَذَکِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَکِّرٌ" (سورۃ غاشیہ)

آیات نمبر۴ و نمبر۵ میں اللہ تعالیٰ نے لفظ برکت کا استعمال کیا ہے۔ آیت نمبر۴ بیت المقدس کے لئے اور آیت نمبر۵ بیت الحرام کے لئے مسلمان ان دونوں مسجدوں کو اسی ادب و احترام کا مستحق سمجھتے ہیں جو کلام الٰہی میں اُن کے لئے ظاہر فرمائے گئے ہیں اور چونکہ لفظ برکت ہر دور کے لئے مشترک ہے اور لفظ ھدیً بیت الحرام کے لئے خاص اور زائد ہے، اس لئے بیت الحرام کا درجہ بھی بیت المقدس سے زیادہ تسلیم شدہ ہے۔

آیت نمبر۶ و نمبر۷ و نمبر۸ میں لفظ آیت کا استعمال ہوا ہے اور اسکا مصداق ان مختلف آیات میں متعدد ہے۔ آیت نمبر۶ میں حضرت نوح کی کشتی کو یا اہل کشتی کو آیت فرمایا گیا ہے۔ آیت نمبر۷ میں حضرت مریم اور اُن کے فرزند کو آیت بتایا گیا ہے۔ آیت نمبر۸ میں نوع انسان کی مختلف زبانوں اور متلون رنگتوں کے اختلاف کو آیت بیان کیا گیا ہے۔ اور ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ

ذِکْر" لِلْعَالَمِیْنَ — صرف قرآن مجید ہے

مُبَارَک" لِلْعَالَمِیْنَ — بیت المقدس و بیت الحرام ہیں۔

اٰیَات" لِلْعَالَمِیْنَ اصحاب نوح اور کشتی نوح اور حضرت مریم و حضرت ابن مریم اور اقوام عالم کا اختلاف الوان اور تبلبل السنہ ہیں۔

اور لفظ رحمت ایسا لفظ ہے جس کا استعمال نبی ﷺ ہی کیلئے ہوا ہے۔ حضور کے سوا کسی دوسرے کے لئے نہیں ہوا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ (سورۃ اعراف۔ ع ۱۹) میری رحمت ہر سے زیادہ وسیع ہے۔

پس جب نبی ﷺ کو جملہ عالمین کے لئے رحمت بنایا گیا ہے تو ثابت ہو گیا کہ حضور ﷺ کی نبوت بھی جملہ عالمین کے لئے ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ رحمۃ للعالمین وہی وجود مزکی ٹھہرے گا۔

جس کے لئے اہل عالم، بلکہ عالم در عالم کی بہبود و سود، رفاہ و فلاح، خیر و صلاح، عروج و ارتقا، صفا و بہا کے لئے بلا شائبہ غرض اور بلا آمیزش طمع اپنی مقدس زندگی کو صرف کیا ہو۔ جس نے بندوں کو خدا سے ملایا ہو، جس نے الٰہی جلوہ انسانوں کو دکھایا ہو، جس نے دل کو پاک، روح کو روشن، دماغ کو درست، طبع کو ہموار بنایا ہو۔ جس کی تعلیم نے امن عامہ کو مستحکم اور مصلحت عامہ کو استوار کیا ہو، جو غریبی و امیری، جوانی و پیری، امن اور جنگ، امیدوار ترنگ، گدائی و پادشاہی، مستی و پارسائی،

Marfat.com

رنج وراحت، حزن و مسرت کے ہر درجہ ہر پایہ اور ہر مقام پر انسان کی رہبری کرتا ہو۔ جس نے فلک کی بلندی، زمین کی پستی، رات کی تاریکی، دن کی روشنی، سورج کی چمک، جگنو کی دمک، پرندہ کی پرواز، قطرہ کی طراوت میں عرفان ربانی کی سیر کرائی ہو۔ جس کی تعلیم نے درندوں کو چوپانی، بھیڑوں کو گلہ بانی، رہزنوں کو جہان بانی، غلاموں کو سلطانی، شاہوں کو اخوانی سکھائی ہو۔ جس نے خشک میدانوں میں علم و معرفت کے دریا بہائے ہوں۔ جس نے سنگ لاخ زمینوں سے کتاب وحکمت کے چشمے چلائے ہوں۔ جس نے خود غرضوں کو محبت قومی کا دردمند بنایا۔ جس نے دشمنوں کو اپنا جگر بند ٹھہرایا ہو۔

وہ	غریب کا محبّ	مسکین کا ساتھی
	شاہوں کا تاج	آقاؤں کا آقا
	غلاموں کا محسن	یتیموں کا سہارا
	بے آسروں کا آسرا	بے خانمانوں کا ماویٰ
	دردمندوں کی دوا	چارہ گروں کا درمن
	مساوات کا حامی	اخوت کا بانی
	محبت کا جوہری	اخلاص کا مشتری
	صدق کا منبع	صبر کا معدن
	خاکساری کا نمونہ	رحمت ربانی کا پتلا
	اولین انسان	آخرین رسول ﷺ

اگر رحمۃ اللعالمین کے لقب سے ملقب نہ ہوگا تو پھر ان جملہ صفات کے جامع کا اور کیا نام ہوگا؟

ہاں رحمۃ اللعالمین وہی ہے جس نے ملکوں کی دوری، اقوام کی بیگانگی، رنگتوں کا اختلاف، زبانوں کا تباین دور کر کے سب کے دلوں میں ایک ہی ولولہ، سب کے دماغوں میں ایک ہی تصور، سب کی زبانوں پر ایک ہی کلمہ جاری کر دیا ہو۔ ہاں رحمۃ اللعالمین وہی ہے، جو یہودیوں کی طرح نذر و منت کی قبولیت کے واسطے نبی لاوی کا واسطہ ضروری نہیں ٹھہرایا۔ جو کاتھولکوں کی طرح آسمان کی کنجیاں شخص واحد کے ہاتھ میں سپرد نہیں کر دیتا۔

جو روح کو سرگ یا نرگ میں دھکیل دینے کی طاقت صرف برہمنوں ہی کو عطا نہیں کرتا، جو خاص رقبہ کے باشنوں کو آسمانی بادشاہت کے فرزند نہیں ٹھہراتا۔ جو نسل واحد کے افراد ہی کو خدا کی برگزیدہ قوم نہیں قرار دیتا۔ جو یہودیوں، عیسائیوں، زردشتیوں، برہمنوں، جینیوں اور لاماؤں کی طرح اپنے سوا باقی سب پر رحمت وافضال کے بھرپور خزانے بند نہیں کرتا۔ ہاں رحمۃ اللعالمین وہی ہے جو بندہ کو خدا کی حضوری تک لے جاتا اور اسے اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ کی قدسی آواز سے آشنا بناتا ہے اور خداوند بندہ کے درمیان کسی تیسرے کے لئے کوئی رخنہ باقی نہیں چھوڑتا۔

ہاں رحمۃ اللعالمین وہی ہے جس کے دربار میں

Marfat.com

عداس نینوائی	بلال حبشی	سلیمان فارسی
صہیب رومی	ضماد ازدی	طفیل دوسی
ذوالکلاع حمیری	عدی طائی	اثامہ نجری
ابوسفیان اُموی	ابوذرغفاری	ابوعامر اشعری
کرزفہری	ابوحارث مصطلقی	سُراقہ مُدلجی

پہلو بہ پہلو بیٹھے نظر آتے ہیں، اتنی قوموں اور اتنے مختلف الدعاوی سرداروں کا مجمع کسی اور جگہ نظر آتا ہے؟

یہاں ہر شخص اپنے اپنے ملک اور اپنی قوم کا حق وکالت ادا کر رہا ہے اور ہر شخص اپنے اپنے دامان دل کی وسعت کے موافق پھولوں سے جھولیاں بھر رہا ہے اور اپنے اپنے ملک کے مشام جان کو ان سے معطر کر رہا ہے۔ ہاں رحمتہ اللعالمین وہی ہے، جس کے دربار میں عثمان طلحہ بھی موجود ہے جو کعبہ کا کلید بردار ہونے سے حجازی قوموں میں اُسی اعزاز کا مالک سمجھا جاتا تھا جو عزت کلیسائے روما کے مسند نشین کو آسمان کے کلید بردار ہونے کی حیثیت سے حاصل ہے۔

اُس کے دربار میں عبداللہ بن سلام بھی موجود ہے۔ نسب عالی کے سلسلہ کو دیکھو تو یوسف بن یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم علیہم الصلوٰۃ والسلام تک منتہی ہوتا ہے۔ قومی وجاہت پر نظر کرو تو یہودان، بنو قریضہ و بنو قینقاع و بنو نضیر و خیبر و فدک کا بچہ بچہ انہیں خَیرُنَا و ابن خیرنا کہہ کر یاد کرتا ہے۔ فضیلت علمی اور امامت قوم کی بزرگی کا اندازہ کرنا ہو تو ربیون اور اَحبار تک سَیّدنا و ابن سیّدنا کہہ کر ان کو مخاطب کرتے ہیں۔ یہی بزرگوار دربار محمدی کے صف نعل میں جاگزین ہے اور دل ہی دل میں یہ کہہ کر خوش ہو رہا ہے ۔

تیری مجلس میں جہاں بیٹھ گئے بیٹھ گئے

اسی دربار میں صرمہ ابن انس بھی حاضر ہے۔ صحف انبیاء کا عالم ہے۔ سوریا اور یروشلم کے متواتر سفر کر چکا ہے۔ تورات و انجیل کو قدیم زبانوں میں پڑھا ہے۔ دربار ہرقل میں اس کی بڑی تعظیم کی جاتی ہے اور دربار حبش میں اس کی کرامتوں کا خوب چرچا ہے۔ عیسائیان حجاز کا گویا سب سے بڑا بشپ یہی ہے۔ وہی مَا الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ کو بار بار پڑھ رہا ہے اور توحید خالص کی لذت میں مستغرق ہے۔

اسی دربار میں سلمان بھی موجود ہے۔ فارس کے بڑے زمیندار کا اکلوتا بیٹا ہے جو زرتشی مذہب چھوڑ کر کاتھولیکی عیسائی بنا، پھر اطمینان قلب نہ پا کر دین حق کی طلب میں ایران سے شام، شام سے عراق، عراق سے حجاز پہنچا تھا۔ اب تو دل و جان کو حضور ﷺ کے قدموں کا فرش بنا چکا ہے۔ کوئی شخص اگر ان سے باپ دادا کا نام پوچھتا ہے تو فرما دیتے ہیں، سلمان بن اسلام سبعین اسی طرح ستر بار کہتے چلے جاؤ۔

اسی دربار میں خالد بن ولید بھی حاضر ہے۔ بت پرستی کی تائید اور بتوں کی حمایت میں شجاعت و مردانگی کے جوہر دکھا چکا ہے۔ احد میں اسلامی لشکر کو فاش شکست دے چکا ہے۔ نتیجہ یہ ہونا چاہیئے کہ فتح کا غرور اور غلبہ کا سرور اس کے از دیاد غفلت

Marfat.com

اور ترقی رعونت کا سبب بن جائے، لیکن رحمت عالم کی خاکساری اور فاتح کے دل کو بھی فتح کر لیا ہے، وہ خود ہی کچھا کچھا آتا ہے اور لات وعزیٰ کے توڑنے کی خدمت حاصل کرنے کی التجا کر رہا ہے۔

اسی دربار میں شاہ حبش کا عرضہ پیش ہو رہا ہے، جو سلطنت چھوڑنے اور حاضر خدمت ہو جانے کی اجازت کا خواستگار ہے۔

اسی دربار میں ذوالبجادین موجود ہے جو گھر بار اہل وعیال چھوڑ کر آیا ہے۔ کمبل کا تہہ بند، کمبل کرتہ جس پر ببول کے کانٹوں نے بخیہ گری کی ہے، زیب تن ہے۔ فرطِ شوق اور جوش انبساط سے معلوم ہوتا ہے کہ آج شاہ کج کلاہ سے اپنے آپ کو برتر سمجھ رہا ہے۔

ہاں رحمتہ اللعالمین وہی ہے، جو یہودیوں جیسی مخذول و مقہور قوم کے ساتھ ان الفاظ میں معاہدہ کرتا ہے:۔

ا۔ اِنَّ یَھود بنی عوف امّۃ مع المومنین	یہود بھی مسلمانوں کی طرح ایک قوم سمجھی جائے گی۔
۲۔ وَاَنَّ بینھم النصر علیٰ منم حارَبَ	جو کوئی اُن سے لڑے مسلمان ان کو مدد دیں گے۔
۳۔ انّ بینھم النصح والنصیحۃ والبردون الاثم	مسلمانوں اور یہودیوں کے خیر اندیشی نفع رسائی نیکی کے ہوں گے۔
۴۔ وان بطانۃ یھود کا نفسھم	یہودیوں کے حلیف بھی اس معاہدہ میں ان کے ساتھ شامل ہیں۔
۵۔ وان النصر المظلوم	مظلوم کی ہمیشہ مدد کی جائے گی۔

رحمتہ اللعالمین وہی ہے جو خراج گزار اور مفتوح عیسائیوں کے ساتھ ان الفاظ میں معاہدہ کرتا ہے:

ا۔ لِنَجران جوار اللہ وذمۃ محمد النبی	اہل نجران کو خدا کی حفاظت اور محمد رسول کی ذمہ داری حاصل ہوگی۔ ان کی جان اور
عَلیٰ انفسھم وملتھم ارضھم	مذہب اور ملک اور اموال کے تمام موجودہ اشخاص اور غیر موجودہ اور ان کی قوم اور
واموالھم وغائبھم و شاھدھم وعشیرتھم وتبعھم	پیروی ہی ذمہ داری میں شامل ہوں گے۔
۲۔ وان لّا یغیّرو لما کانو علیہ	ان کی موجودہ حالت تبدیل نہیں کی جائے گی۔
۳۔ ولا یغیر حق من حقو قھم	اُن کے حقوق میں سے کوئی حق بدلا نہ جائے گا۔
۴۔ ولا یغیر کلما تحت ایدیھم من قلیل او کثیر۔	اور جو کچھ تھوڑا بہت ان کے قبضہ میں ہے اُس میں کوئی نہ کیا جائے گا۔

رحمتہ اللعالمین وہ ہے جو کافروں کو بھی یہ آواز بلند سناتا ہے:

لَکُمْ دِینُکُمْ وَلِیَ دِینِ ہ	تمہارے لئے تمہارا دین اور میرے لئے میرا دین

رحمتہ اللعالمین وہ ہے جو دین اور مذہب کے متعلق کل دنیا کو یہ اُصول سکھاتا ہے:

Marfat.com

لَآ اِکْرَاهَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ ہ

دین کے معاملہ میں کسی پر بوجھ نہیں ہے۔ تحقیق ہدایت اور گمراہی میں ظاہر دیا ہوا امتیاز ہو گیا ہے۔

پھر اسی سلسلہ میں اپنی حیثیت کو کھلے لفظوں میں ظاہر کرتا ہے:

مَاعَلَی الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَاغُ

رسول کا کام لوگوں کو احکام الٰہی کو سنا دیتا ہے اور بس

رحمۃ اللعالمین وہی ہے جو تمام عالم سے نیکی اور عمدہ سلوک کی تعلیم اس طرح پر دیتا ہے:

لَا یَنْھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَلَمْ یُخْرِجُوْکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ اِنْ تَبَرُّوْھُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَیْھِمْ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ہ

خدا تم کو لوگوں کے ساتھ نیکی اور اچھا سلوک کرنے سے نہیں روکتا بلکہ خدا تو ایسے کام کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ لیکن یہ لوگ ایسے ہوں کہ انہوں نے دین کے لئے تم سے جنگ نہ کی ہو اور دین کے لئے تم کو اور دین کے لئے تم کو وطن سے نہ نکالا ہو (سورۃ ممتحنہ۔ ع ۲)

رحمۃ اللعالمین وہی ہے، جو دشمنوں کے ساتھ برتاؤ کے طریق کی اس طرح تعلیم دیتا ہے:

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَہٗ عَدَاوَۃٌ کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ۔

بدی کا بدلہ نیکی سے دو۔ پھر جس شخص کے ساتھ تمہاری عداوت ہے، وہ تمہارا گرم جوش حامی بن جائے گا۔

رحمۃ اللعالمین وہ ہے جو معاملات انصاف میں عداوت و نفرت کے تاثرات سے ہم کو علیحدہ رہنے کا حکم دیتا ہے، اور خالص انصاف کرنے کا حکم دیتا ہے:

وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اِلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌ م بِمَا تَعْمَلُوْنَ۔ (سورہ مائدہ ع ۲)

کسی قوم سے مخالفت کا ہونا تمہیں انصاف کرنے کی طرف کھینچ نہ لے جائے، انصاف ہی کرو۔ یہی خدا شناسی سے قریب تر ہے اور تقویٰ اختیار کرو تم جو کچھ کرتے ہو خدا خوب جانتا ہے۔ (سورۃ مائدہ ع ۲)

وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْکُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰہَ (سورہ مائدہ ع ۱)

قوم کی یہ مخالفت کہ انہوں نے تم کو مسجد الحرام سے روک دیا تھا۔ تم کو ادھر نہ لے جائے کہ ان پر زیادتی کرنے لگے تم تو نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں اُن کی مدد کرو اور گناہ و سرکشی کے کاموں میں ان کا ساتھ نہ دو خدا سے ڈرتے رہو۔ (سورۃ مائدہ ع ۱)

رحمۃ اللعالمین وہی ہے، جو شہادت واقعہ کے لئے لوگوں کو اس طرح تیار کرتا ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰہِ شُھَدَآءَ بِالْقِسْطِ (مائدہ ع ۲)

اے ایمان والو! اللہ کے لئے کھڑے ہو جاؤ اور انصاف کے ساتھ شہادت دیا کرو۔

Marfat.com

انصاف کا وجود شہادت ہی پر قائم ہے، اس لئے شہادت کی بابت پھر ان الفاظ میں تعلیم دی گئی ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْ كُوْنُوْ قَوّٰامِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاِنَّ اللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوْ الْهَوٰى اَنْ تَعْدِلُوْ وَ اِنْ تَلْوٗٓ اَوْتُعْرِضُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا.

اے ایمان والو انصاف کے ساتھ قیام کرنے والے اور اللہ کے لئے گواہی دینے والے بن جاؤ، خواہ تمہاری گواہی خود تمہارے والدین کے خلاف یا اقربا کے خلاف ہو۔ امیر یا یا غریب کہ رعایت یا رحم کے خیالات بھی آتے ہوں، مگر یادرکھو کہ خدا اُن دونوں سے بڑھ کر ہے دیکھو، ایسا نہ کرنا سچی شہادت سے عدولی کرو یا دبی زبان سے کوئی بات کہ گواہی سے ٹل ہی جاؤ، یہ باتیں تو خواہش نفس پر چلنے کی ہیں جو کچھ تم کرتے ہو خدا خوب جانتا ہے۔

ہاں رحمتہ اللعالمین وہی ہے، جو ہر انسان کو اُس کی بیوی کے متعلق یہ تعلیم دیتا ہے:

وَمِنْ اٰيَاتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓ اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مُّوَدَّةً وَّرَحْمَةً اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ.

خدا کے نشانوں میں سے ایک یہ ہے کہ اُس نے تمہاری بیویوں کو تمہاری جنس کا بنادیا تا کہ تم اُن سے تسلی پاؤ۔ تمہارے درمیان محبت اور پیار قائم کر دیا، سوچنے کے لئے اُس کے اندر بہت سے نشان ہیں۔

رحمتہ اللعالمین وہی ہے، جس نے شوہر بیوی کے رشتہ کو اتنا پاک ٹھہرایا کہ بہشت میں جاتے وقت اس جوڑے کو ایک دوسرے سے الگ نہ کیا، بلکہ یوں خبر دی:

اُدْخُلُوْ الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ (سورۃ حروف. ع ۱۷)

تم اور تمہاری بیویاں شادی ونشاط اور نعمت شادمانی کے ساتھ جنت میں چلے جاؤ۔

رحمتہ اللعالمین وہی ہے جو شوہر اور بیوی کے حقوق کی بابت یہ فیصلہ سناتا ہے:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِىْ عَلَيْهِنَّ

عورتوں کے حق شوہروں پر ویسے ہی ہیں، جیسے شوہروں کے حق عورتوں پر۔

پھر سنیارٹی کے متعلق یہ تعلیم فرماتا ہے:

اَلرِّجَالُ قَوّٰامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّ بِمَآ اَنْفَقُوْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ (نساء ع ٦)

مرد غالب ہیں عورتوں پر وجہ اُس فضیلت کے جو خدا نے (پیدائش سے) ایک کو دوسرے پر دی ہے، اور اس وجہ سے کہ مرد اپنا مال عورتوں پر صرف کرتے ہیں۔

ہاں رحمتہ اللعالمین وہی ہے جو ایک انسان کی جان کی قدر و قیمت ان الفاظ میں ظاہر فرماتا ہے:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ

اگر کسی شخص نے ایک انسان کو بھی قتل کر دیا اور جب

Marfat.com

فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَکَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعاً وَّمَنْ اَحْیَاھَا فَکَاَنَّمَا اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعاً .(سورہ مائدہ. ع ۵)

القصاص اور مجرم اس سے الگ ہیں۔ گویا اُس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے ایک شخص کی جان بچائی گویا اُس نے تمام انسانوں کی جان بچائی۔

رحمۃ اللعالمین وہ ہے جو خونخوار لڑائیوں کو بند کرتا، حکمرانی کی آرزو یا توسیع ملک کی تمنا یا غلبہ قوت کے اظہار یا جوش انتقام کے وفور کے اصول پر لڑائی کرنے کو قطعاً ممنوع ٹھہراتا ہے، وہ جنگ کو اسراف مظلوم کی امداد کا آخری ذریعہ، عاجزوں، درماندوں، عورتوں، بچوں کو ظالموں کے ہاتھ سے چھڑانے کا وسیلہ، مذاہب مختلفہ اور ادیان متعددہ میں عدل و توازن قائم کرنے کا آخری حیلہ بتاتا ہے۔ دنیا کا رحمدل سے رحمدل شخص بھی ان اصولوں کے لئے لڑائی کی ضرورت سے انکار نہیں کرسکتا۔ اور معمولی سمجھ کا انسان بھی ایسی لڑائی کو سراپا رحمت کہنے میں ذرا قائل نہیں کرسکتا۔ اب اصول بالا پر رحمۃ اللعالمین کے بتائے ہوئے احکام سنو:

۱۔ اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْ وَاِنَّ اللہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرُ ۝ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْ مِنْ دِیَارِھِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْ رَبُّنَا اللہُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللہِ النَّاسَ بَعْضُھُمْ بِبَعْضٍ لَّھُدِّ مَتْ صَوَامِعُ وَبِیَعٌ وَّصَلَوَاتٌ وَّمَسَاجِدُ یُذْکَرُ فِیْھَا اسْمُ اللہِ کَثِیْراً . (سورۃ الحج آیت نمبر 40)

جن مسلمانوں سے قتال ہوا، ان کو جنگ کی اجازت دی گئی، ہے کیونکہ وہ مظلوم تھے اور خدا ان کی نصرت پر قدرت رکھتا ہے، یہ لوگ ہیں ہیں جو اپنے گھروں سے بلا کسی وجہ کے نکالے گئے ہیں، صرف اس لئے کہ انہوں نے اللہ کو اپنا پروردگار مان لیا ہے۔ اگر خدا تعالیٰ (یہ اجازت دے کہ) بعض لوگوں (دشمنوں) کو بعض لوگوں (مسلمانوں) کے ذریعہ سے روک نہ دینا۔ تب عیسائیوں کے گرجے یہودیوں کے معابدہ پارسیوں کے مندر اور مسلمانوں کی مسجدیں جن میں خدا کا بہت نام لیا جاتا ہے۔ ضرور گرائی جائیں۔

۲۔ وَمَالَکُمْ لَاتُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللہِ وَالْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَآءِ وَالْوِالْدَانِ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ ھٰذِہِ الْقَرْیَۃِ الظَّالِمِ اَھْلُھَا. (سورۃ النساء آیت نمبر 75)

تم خدا کی راہ میں اور ضعیف مردوں اور عورتوں اور بچوں کے بچاؤ کے لئے کیوں جنگ نہیں کرتے۔ حالانکہ وہ دعائیں کررہے ہیں کہ خدایا ہم کو اس بستی سے نکال جہاں کے باشندے بڑے ظالم ہیں۔

ان احکام سے واضح ہے کہ اسلام میں جنگ کو اختیار کیا گیا ہے۔ تو نہ ملک گیری کے لئے، نہ ہوس حکمرانی کے لئے بلکہ ضعیفوں، عورتوں، بچوں کو ظالموں کے پنجہ سے رہائی دینے کے لئے جنگ کو اختیار کیا گیا تھا، نہ تلوار کا خوف دلا کر کلمہ اسلام پڑھوانے کے لئے، بلکہ یہودیوں، عیسائیوں، ترساؤں کے معابد کو حفاظت و حمایت میں مثل مساجد لے کر ان سب کو انہدام سے بچانے کے لئے۔

Marfat.com

کیا کسی اور مذہب کی پاک ترین کتاب سے بھی یہ بیان مل سکتا ہے۔ کہ ادیان مختلفہ کے بچاؤ اوران کی عبادت گاہوں کے قیام کے واسطے کسی قوم نے جنگ کی ہو، اگر نہیں اور ہم کو وثوق کے ساتھ یقین ہے کہ ہرگز نہیں۔تو سب کو اقرار کرنا پڑے گا کہ یہ رحمتہ اللعالمین ہی کی رحمت قلبی کا نتیجہ ہے کہ جنگ کا مقصد ایسا مقدس بنایا، جس سے آج دنیا کا کوئی مذہب انکار نہیں کرسکتا۔

ایسی ضروری جنگ کے لئے رحمتہ اللعالمین یہ بھی ضروری ٹھہراتے ہیں کہ الٹی میٹم ایک لمبے وقت کا دیا جائے تا کہ اس عرصہ میں باہمی سمجھوتے کی ایسی صورتیں نکل آئیں جس سے جنگ ٹل بھی جائے۔

قرآن مجید میں ہے:

فَسِيحُوا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ (التوبہ. ع ۱) یعنی تم کو چارہ کی مہلت ہے۔

جنگ کے لئے اتنی مہلت کا دیا جانا ہی رحمت ہے، لیکن جنگ شروع ہوجانے کے بعد مستثنیات کا خاص طور پر ذکر ہے:

(الف) اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ" — جولوگ ایسی قوم سے تعلق رکھتے ہوں، جن سے تمہارا عہد ہے۔

(ب) اَوْجَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْيُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ. — یاوہ جوحاضر ہوکر ظاہر کردیں کہ وہ تم سے یا اپنی قوم سے جنگ کرنے میں رُک گئے (سورہ نساء۔ع ۱۲)

تووہ جنگ سے مستثنیٰ ہوں گے۔چنانچہ صاف لفظوں میں فرمایا:

فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا . (سورة نساء، ع ۱۲) — پھر اگر یہ لوگ علیحدہ ہوجائیں اورتم سے جنگ نہ کریں اورتم سے صلح کی درخواست کریں تب خدا نے تم کو ان پر کوئی راہ نہیں دی۔

خیال کرو کہ ایسے احکام کس طرح ظاہر کرتے ہیں کہ اس جنگ کا مقصد دین کو بجز قبولوانے کا ہرگز نہیں۔غور کرو کہ ایک معاہدہ قوم کا وجود بھی تم کو نظر آئے گا جو مسلمان نہیں، اگر مسلمان ہوتے تو اُن سے مسلمانوں کا تعلق وَبَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ" ہی کا نہ ہوتا، بلکہ وہ تو فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ کے درجہ ہوتے۔

پھر اس معاہد قوم کی بھی اتنی عزت ہے کہ اگر فریق جنگ میں سے کوئی شخص اس کے پاس چلا جائے تو وہ فریق جنگ کے حکم سے نکل جائے گا۔پھر وہ شخص بھی جنگ سے مستثنیٰ ہوجائے گا۔ جو مسلمانوں سے یہ عہد کرلے کہ وہ نیوٹروں (غیر جانبدار) رہے گا۔نہ مسلمانوں کا طرفدار ہوگا، نہ اُن کے مخالفین کا۔ دیکھو اگر جنگ کی بنیاد مذہب کا بہ جبر قبولوانا ہوتا، تو ان غیر مذاہب والوں کے لئے یہ ضوابط کبھی نہ ہوتے۔

ہاں رحمتہ اللعالمین وہ ہے جو انسان کو اخلاق فاضلہ اور فضائل محمودہ اور محاسن جمیلہ اور صفات کاملہ کی تعلیم دیتا ہے۔

ماں باپ کی بابت سکھایا:

Marfat.com

وَاخفِض لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحمَةِ وَقُل رَّبِّ ارحَمهُمَا كَمَا رَبَّیَانِی صَغِیراً . (سورہ بنی اسرائیل ع ۳)

اُن کے لئے ذلت کے بازوؤں کو زمین پر بچھادے اور دعا بھی کیا کر۔ اے خدا ان پر رحمت کر جیسا کہ انہوں نے مجھے چھٹپنے سے پالا ہے۔

اس حکم میں فرماں برداری اطاعت و خدمت گزاری کا بھی حکم دیا اور یہ بھی بتایا کہ ماں باپ کے لئے دعا کرنا بھی ضروری ہے کیونکہ جس طرح بچہ ماں باپ کی تربیت کا محتاج ہے اسی طرح ہر انسان خدا کے رحم کا محتاج ہے۔

قصور والوں کی معافی کے متعلق فرمایا گیا ہے:

وَلیَعفُوا وَلیَصفَحُوا اَلَا تُحِبُّونَ اَن یَّغفِرَ اللّٰہُ لَکُم (سورۃ نور۔ ع ۳)

چاہئیے کہ تم معافی دیا کرو اور درگزر کیا کرو، کیا تم یہ پسند نہیں کرتے۔ ہو کہ خدا تم کو معاف کردے۔

معافی دینا انسان کو ذرا مشکل اور شاق گذرتا ہے۔ اس لئے اسے سمجھایا گیا ہے کہ جب انسان معافی کا خدا سے خواستگار ہے تو کیا وجہ یہ کہ وہ خود معافی دینے کو پسند نہیں کرتا۔ گویا یہ اصول بتایا معاف کرو، تم کو بھی معاف کیا جائے گا۔

زنا کی برائی کے متعلق بھی استدلال کا ایسا ہی طریق اختیار کیا گیا ہے:

وَلَا تَقرَبُو الزِّنیٰ اِنَّہٗ کَانَ فَاحِشَۃً وَّسَآءَ سَبِیلاً. (سورۃ بنئی اسرائیل ع ۴)

زنا کے قریب بھی نہ جاؤ یہ تو بے حیائی ہے اور بُرا راستہ ہے۔

بُرے راستہ کے لفظ پر غور کرنا چاہئیے۔

ایک عیاش مزاج شاید اپنی شوریدگی طبع کی حالت میں زنا کو کچھ معیوب نہ سمجھتا ہو مگر اسے غور کرنا چاہئیے کہ کسی کی بہو بیٹی کو اپنے بستر پر بلانا تو اسے ناگوار نہیں گزرتا، لیکن کیا اسے یہ بھی ناگوار نہیں کہ اس کی بیٹی بہو غیر کے بستر پر جائے، اگر اسکی غیرت اُسے پسند نہیں کرتی تو اُسے سمجھ لینا چاہئیے کہ یہ شخص خود اپنے طرزِ عمل سے ایسی ہی برائیوں کا رستہ بنا رہا ہے؟ یہ رستہ سب سے پہلے اُس کے گھر تک سیدھی سڑک بن جائے گا۔

رحمتہ اللعالمین وہ ہے جس نے شراب اور جوئے کی حرمت کا حکم تمام عالم کو سنایا۔ شراب کو جس اور عمل شیطان اور بنائے عداوت و سبب بغض و سرمایہ غفلت اور ذریعہ دوری از خدا بتایا۔ یہ فیصلہ اس زمانہ کا ہے جب تمام دنیا شراب پر لٹو تھی۔ جب بزرگوار پولوس کی ہدایت کے پابند سادہ پانی پینے کو معیوب سمجھتے تھے۔ جب ایران شراب کے پیالہ کو جام جم سمجھتا تھا۔ جب ہندوستان دیوتاؤں اور ٹھاکروں کے تقرب کے لئے اُس کا استعمال ضروری سمجھتا تھا۔ جب بہت سے مراسم دینی و دینوی کی تکمیل شراب کے بغیر نہیں ہوسکی تھی۔ جب عرب کے کسی شاعر و زبان آور کا کلام اُس کی توصیف سے خالی نہ ہوتا تھا۔ اسلام کے اس حکم کا تیرہ سو برس تک دنیا نے مقابلہ جاری رکھا تھا، لیکن یورپ کی جنگ عظیم از ۱۴ تا ۱۹۱۸ نے اس حکم کی اصلیت کو منکشف کردیا۔

شاہ برطانیہ جارج پنجم نے ترک سے مے نوشی میں اول قوم کو خود نمونہ بن کر دکھایا۔ پھر روس وانگلستان وفرانس میں

Marfat.com

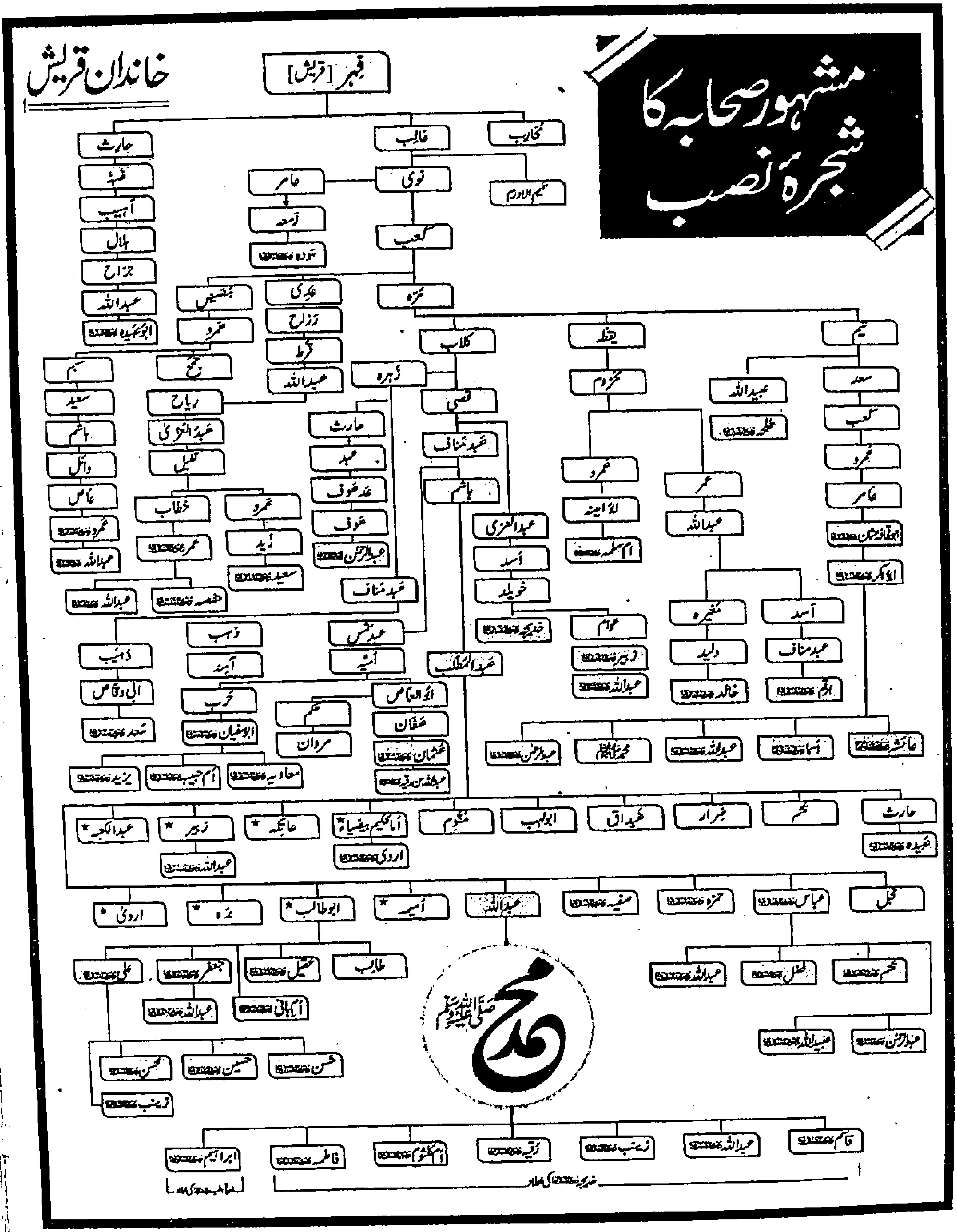
مشہور صحابہ کا شجرۂ نسب
خاندان قریش
فہر [قریش]
محارب
غالب
حارث
لوی
عامر
تیم الادرم
زمعہ
کعب
سودہ
عدی
مرہ
عبداللہ
کلاب
یقظہ
تیم
زہرہ
قصی
مخزوم
سعد
عبیداللہ
کعب
عمرو
عامر
عبد مناف
ہاشم
عبدالعزیٰ
اسد
خویلد
خدیجہ
عوام
زبیر
عبداللہ
عمرو
ام سلمہ
عمر
عبداللہ
مغیرہ
ولید
خالد
اسد
عبدمناف
ارقم
ابوقحافہ عثمان
ابوبکر
عائشہ
اسماء
عبداللہ
محمد
عبدالرحمن
حارث
عوف
عبدالرحمن
عبد مناف
عبد شمس
امیہ
عبدالمطلب
خطاب
عمر
حفصہ
عبداللہ
زید
سعید
ابی وقاص
سعد
حرب
ابوسفیان
یزید
ام حبیبہ
معاویہ
ابوالعاص
عفان
عثمان
عبداللہ بن رقیہ
حکم
مروان
عبدالکعبہ
زبیر
عاتکہ
ام حکیم بیضاء
اروی
مقوم
ابولہب
غیداق
ضرار
حجل
حارث
عبیدہ
اروی
برّہ
ابوطالب
امیمہ
عبداللہ
صفیہ
حمزہ
عباس
قثم
طالب
عقیل
جعفر
علی
ام ہانی
عبداللہ
حسن
حسین
محسن
زینب
عبداللہ
فضل
قثم
عبیداللہ
عبدالرحمن
محمد صلی اللہ علیہ وسلم
قاسم
عبداللہ
زینب
رقیہ
ام کلثوم
فاطمہ
ابراہیم

Marfat.com

ایک حد تک اس پرعمل کیا گیا۔ امریکہ نے شراب تیار نہ کرنے کا عزم ظاہر کیا۔ فی الواقع ترک شراب ایک رحمت ہے۔ اور جس وجود پاک نے سب سے پہلے دنیا کو اس مسئلہ کی ہدایت کی وہ رحمتہ اللعالمین ہے۔ ایسے احکام قرآن مجید اور حدیث مبارک سے سینکڑوں کی تعداد میں شمار کیے جا سکتے ہیں۔

کہ ہم نے اس مضمون میں جن مسائل کا ذکر کیا ہے، یہ خالص ایسے مسائل ہیں کہ مسلم وغیر مسلم ہر دو مساوی طور پر اُن سے مستفید ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ مستفید ہو رہے ہیں۔ ان مسائل کے ترک کر دینے کے بعد تمدن کے قیام اور شائستگی کے وجود کی بقا ہی نہیں رہ سکتی۔ اس لئے دنیا کو ماننا پڑے گا کہ نبی ﷺ فی الواقع رحمتہ اللعالمین تھے۔

البتہ اہل اسلام کے ساتھ نبی ﷺ کو التفات خاص ہے۔ اور یہ لوگ اس آفتاب حقیقت سے زیادہ تر منور رہنے کی سعی کیا کرتے ہیں۔ اس لئے رب العالمین نے حضور ﷺ کی صفت میں فرمایا ہے۔ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَؤُوْفٌ رَّحِیْمٌ" دیکھو رحمت کے ساتھ یہاں رافت کا اضافہ ہو گیا ہے۔

مبارک ہیں وہ لوگ جو نبی ﷺ کی رحمت اور رافت سے استفاضہ کرتے ہیں۔

خاندانِ نبوت

نسب

نبی ﷺ کا سلسلۂ نسب تین حصوں پر تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک حصہ جس کی صحت پر اہل سیر اور ماہرین انساب کا اتفاق ہے۔ یہ عدنان تک منتہی ہوتا ہے۔ دوسرا حصہ جس میں اہل سیر کا اختلاف ہے کسی نے توقف کیا ہے اور کوئی قائل ہے، یہ عدنان سے اوپر ابراہیم علیہ السلام تک منتہی ہوتا ہے۔ تیسرا حصہ جس میں یقیناً کچھ غلطیاں ہیں یہ حضرت ابراہیمؑ سے اوپر حضرت آدمؑ تک جاتا ہے۔ اس کی جانب اشارہ گذر چکا ہے۔ ذیل میں تینوں حصوں کی قدرے تفصیل پیش کی جا رہی ہے۔

پہلا حصہ

محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب (شیبہ) بن ہاشم (عمرو) بن عبد مناف (مغیرہ) بن قصی (زید) بن کلاب بن مرۃ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر، انہی کا لقب قریش تھا اور ان ہی کی طرف قبیلہ قریش منسوب ہے) بن مالک بن نضر (قیس) بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ (عامر) بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔

دوسرا حصہ

عدنان سے اوپر یعنی عدنان بن اُد بن ہمیسع بن سلامان بن عوص بن بوز بن قموال بن اُبی بن عوام بن ناشد بن حزا بن بلداس بن یدلاف بن طابخ بن جاحم بن ناحش بن ماکی بن عیض بن عبقر بن عبید بن الدعا بن حمدان بن سنبر بن یثربی بن یحزن بن یلحن بن اُرعوی بن عیض بن دیشان بن عیصر بن اُفناد بن اُیہام بن مقصر بن ناحث بن زراح بن سمی بن مزی بن عوضہ بن عرام بن قیدار بن اسماعیل بن ابراہیمؑ۔

Marfat.com

تیسرا حصہ

حضرت ابراہیمؑ سے اوپر ابراہیم بن تارح (آزر بن ناحور بن ساروع (یا ساروغ) بن راعو بن فالغ بن عابر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوحؑ بن مالک بن متوشلخ بن اخنوخ (کہا جاتا ہے کہ یہ ادریسؑ کا نام ہے) بن یرد بن مہلائیل بن قینان بن آنوشہ بن شیث بن آدمؑ

خانوادہ

نبی ﷺ کا خانوادہ اپنے جد اعلیٰ ہاشم بن عبد مناف کی نسبت سے خانوادۂ ہاشمی کے نام سے معروف ہے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہاشم اور ان کے بعد کے بعض افراد کے مختصر حالات پیش کر دیئے جائیں۔

ہاشم

جب بنو عبد مناف اور بنو عبد الدار کے درمیان عہدوں کی تقسیم پر مصالحت ہوگئی تو عبد مناف کی اولاد میں ہاشم ہی کو سقایہ اور رفادہ یعنی حجاج کرام کو پانی پلانے اور ان کی میزبانی کرنے کا منصب حاصل ہوا۔ ہاشم بڑے معزز اور مالدار تھے۔ یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے مکے میں حاجیوں کو شوربا رروٹی سان کر کھلانے کا اہتمام کیا۔ ان کا اصل نام عمرو تھا لیکن روٹی توڑ کو شوربے میں ساننے کی وجہ سے انکو ہاشم کہا جانے لگا کیونکہ ہاشم کے معنی ہیں توڑنے والا۔ پھر یہی ہاشم وہ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے قریش کے لئے گرمی اور جاڑے کے دو سالانہ تجارتی سفروں کی بنیاد رکھی ان کے بارے میں شاعر کہتا ہے:

عمرو الذی ھشم الثرید لقومه　　قوم بمكة مُسنتين عجاف

سنت اليه الرحلتان كلا هما　　سفر الشتاء ورحلة الأميات

"یہ عمرو ہی ہیں جنہوں نے قحط کی ماری ہوئی اپنی لاغر قوم کو مکہ میں روٹیاں توڑ کر شوربے میں بھگو بھگو کر کھلائیں اور جاڑے اور گرمی کے دونوں سفروں کی بنیاد رکھی" ان کا ایک اہم واقعہ یہ ہے کہ وہ تجارت کے لئے ملک شام تشریف لے گئے۔ راستے میں مدینہ پہنچے تو وہاں قبیلہ بنی نجار کی ایک خاتون سلمٰی بنت عمرو سے شادی کر لی اور کچھ دنوں وہیں ٹھہرے رہے۔ پھر بیوی کو حالت حمل میں میکے ہی میں چھوڑ کر ملک شام روانہ ہوگئے۔ اور وہاں جا کر فلسطین کے شہر غزہ میں انتقال کر گئے ادھر سلمٰی کے بطن سے بچہ پیدا ہوا۔ ۴۹۷ء کی بات ہے چونکہ بچے کے سر کے بالوں میں سفیدی تھی اس لئے سلمٰی نے انکا نام شیبہ رکھا اور یثرب میں اپنے میکے ہی کے اندر اس کی پرورش کی۔ آگے چل کر یہی بچہ عبد المطلب کے نام سے مشہور ہوا۔ عرصے تک خاندان ہاشم کے کسی آدمی کو اس کے وجود کا علم نہ ہوسکا، ہاشم کے کل چار بیٹے اور پانچ بیٹیاں تھیں جن کے نام یہ ہیں۔ اسد، ابو صیفی، فضلہ، عبد المطلب، شفاء، خالدہ، ضعیفہ، رقیہ اور جنۃ۔

عبد المطلب

سقایہ اور رفادہ کا منصب ہاشم کے بعد ان کے بھائی مطلب کو ملا۔ یہ بھی اپنی قوم میں بڑی خوبی و اعزاز کے مالک

Marfat.com

تھے۔ان کی بات ٹالی نہیں جاتی تھی۔ان کی سخاوت کے سبب قریش نے انکا لقب فیاض رکھ چھوڑا تھا۔جب شیبہ یعنی عبدالمطلب دس بارہ برس کے ہوگئے تو مطلب کو ان کا علم ہوا اور وہ انہیں لینے کے لئے روانہ ہوئے۔جب یثرب کے قریب پہنچے اور شیبہ پر نظر پڑی تو اشکبار ہو گئے انہیں سینے سے لگا لیا اور پھر اپنی سواری پر پیچھے بٹھا کر مکہ کے لئے روانہ ہو گئے۔مگر شیبہ نے ماں کی اجازت کے بغیر ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔اس لئے مطلب ان کی ماں سے اجازت کے طالب ہوئے مگر ماں نے اجازت نہ دی۔آخر مطلب نے کہا کہ یہ اپنے والد کی حکومت اور اللہ کے حرم کی طرف جارہے ہیں۔اس پر ماں نے اجازت دیدی اور مطلب انہیں اپنے اونٹ پر بٹھا کر مکہ لے آئے۔مکے والوں نے دیکھا تو کہا یہ عبدالمُطّلِب ہے یعنی مطلب کا غلام ہے۔مُطّلِب نے کہا نہیں نہیں۔یہ میرا بھتیجا یعنی میرے بھائی ہاشم کا لڑکا ہے۔پھر شیبہ نے مُطّلِب کے پاس پرورش پائی اور جوان ہوئے۔اسکے بعد مقام ردمان (یمن) میں مُطّلِب کی وفات ہوگئی اور ان کے چھوڑے ہوئے مناصب عبدالمُطّلِب کو حاصل ہوئے۔عبدالمُطّلِب نے اپنی قوم میں اس قدر شرف واعزاز حاصل کیا کہ ان کے آباؤ اجداد میں بھی کوئی اس مقام کو نہ پہنچ سکا تھا۔قوم نے انہیں دل سے چاہا اور ان کی بڑی عزت وقدر کی۔

جب مُطّلِب کی وفات ہوگئی تو نوفل نے عبدالمُطّلِب کے صحن پر غاصبانہ قبضہ کرلیا۔عبدالمُطّلِب نے قریش کے کچھ لوگوں سے اپنے چچا کے خلاف مدد چاہی لیکن انہوں نے یہ کہہ کر معذرت کر دی کہ ہم تمہارے اور تمہارے چچا کے درمیان دخیل نہیں ہوسکتے۔آخر عبدالمُطّلِب نے بنی نجار میں اپنے ماموں کو کچھ اشعار لکھ بھیجے جس میں ان سے مدد کی درخواست کی تھی۔جواب میں انکا ماموں ابوسعد بن عدی اسی سوار لے کر روانہ ہوا اور مکے کے قریب ابطح میں اترا۔عبدالمطلب نے وہیں ملاقات کی اور کہا ماموں جان گھر تشریف لے چلیں۔ابوسعد نے کہا:نہیں خدا کی قسم! یہاں تک کے نوفل سے مل لوں۔اسکے بعد ابوسعد آگے بڑھا اور نوفل کے سر پر آن کھڑا ہوا۔نوفل حطیم میں مشائخ قریش کے ہمراہ بیٹھا تھا۔ابوسعد نے تلوار بے نیام کرتے ہوئے کہا:اس گھر کے رب کی قسم! اگر تم نے میرے بھانجے کی زمین واپس نہ کی تو یہ تلوار تمہارے اندر پیوست کردوں گا''نوفل نے کہا اچھا! لو میں نے واپس کردی۔اس پر ابوسعد نے مشائخ قریش کو گواہ بنایا۔پھر عبدالمطلب کے گھر گیا اور تین روز مقیم رہ کر عمرہ کرنے کے بعد مدینہ واپس چلا گیا۔اس واقعے کے بعد نوفل نے بنی ہاشم کے خلاف بنی عبدشمس سے باہمی تعاون کا عہدو پیمان کیا ادھر بنو خزاعہ نے دیکھا کہ بنو نجار نے عبدالمطلب کی اس طرح مدد کی ہے تو کہنے لگے کہ عبدالمطلب جس طرح تمہاری اولاد ہے ہماری بھی اولاد ہے۔لہٰذا ہم پر اس کی مدد کا حق زیادہ ہے۔اس کی وجہ یہ تھی کہ عبدمناف کی ماں قبیلہ خزاعہ ہی سے تعلق رکھتی تھیں۔چنانچہ بنوخزاعہ نے دارالندوہ میں جا کر بنو عبدشمس اور بنونوفل کے خلاف بنو ہاشم سے تعاون کا عہدو پیمان کیا یہی پیمان تھا جو آگے چل کر اسلامی دور میں فتح مکہ کا سبب بنا۔

بیت اللہ کے تعلق سے عبدالمطلب کے ساتھ دو اہم واقعات پیش آئے۔ایک چاہ زمزم کی کھدائی کا واقعہ اور دوسرا اصحاب فیل کا واقعہ۔

Marfat.com

چاہ زمزم کی کھدائی

پہلے واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ عبدالمطلب نے خواب دیکھا کہ انہیں زمزم کا کنواں کھودنے کا حکم دیا جارہا ہے اور خواب ہی میں انہیں اس کی جگہ بھی بتائی گئی۔ انہوں نے بیدار ہونے کے بعد کھدائی شروع کی اور رفتہ رفتہ وہ چیزیں برآمد ہوئیں جو بنو جرہم نے مکہ چھوڑتے وقت چاہ زمزم میں دفن کی تھیں۔ یعنی تلواریں، زریں، اور سونے کے دونوں ہرن، عبدالمطلب نے تلواروں سے کعبے کا دروازہ ڈھالا۔ سونے کے دونوں ہرن بھی دروازے ہی میں فٹ کئے اور حاجیوں کو زمزم پلانے کا بندوبست کیا۔

کھدائی کے دوران یہ واقعہ بھی پیش آیا کہ جب زمزم کا کنواں نمودار ہو گیا تو قریش نے عبدالمطلب سے جھگڑا شروع کیا اور مطالبہ کیا کہ ہمیں بھی کھدائی میں شریک کرلو۔ عبدالمطلب نے کہا میں ایسا نہیں کرسکتا۔ میں اس کام کے لئے مخصوص کیا گیا ہوں۔ لیکن قریش کے لوگ باز نہ آئے۔ یہاں تک کے فیصلے کے لئے بنوسعد کی ایک کاہنہ عورت کے پاس جانا طے ہوا اور لوگ مکہ سے روانہ بھی ہو گئے لیکن راستے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسی علامات دکھلائیں کہ وہ سمجھ گئے کہ زمزم کا کام قدرت کی طرف سے عبدالمطلب کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس لئے راستے ہی سے پلٹ آئے یہی موقع تھا جب عبدالمطلب نے نذر مانی کی اگر اللہ نے انہیں دس لڑکے عطا کئے اور وہ سب کے سب اس عمر کو پہنچے کہ انکا بچاؤ کرسکیں تو وہ ایک لڑکے کو کعبہ کے پاس قربان کر دیں گے"

واقعہ فیل

دوسرے واقعے کا خلاصہ یہ ہے کہ ابرہہ صباح حبشی نے (جو نجاشی بادشاہ حبش کی طرف سے یمن کا گورنر جنرل تھا) جب دیکھا کہ اہل عرب خانہ کعبہ کا حج کرتے ہیں تو صنعاء میں ایک بہت بڑا کلیسا تعمیر کیا۔ اور چاہا کہ عرب کا حج اسی کی طرف پھیر دے مگر جب اس کی خبر بنو کنانہ کے ایک آدمی کو ہوئی تو اس نے رات کے وقت کلیسا کے اندر گھس کر اس کے قبلے پر پائخانہ پوت دیا۔ ابراہہ کو پتا چلا تو سخت برہم ہوا۔ اور ساٹھ ہزار کا ایک لشکر جرار لے کر کعبے کو ڈھانے کے لئے نکل کھڑا ہوا۔ اس نے اپنے لئے ایک زبردست ہاتھی بھی منتخب کیا۔ لشکر میں کل نو یا تیرہ ہاتھی تھے ابرہہ یمن سے یلغار کرتا ہوا مغمس پہنچا اور وہاں اپنے لشکر کو ترتیب دیکر اور ہاتھی کو تیار کر کے مکے میں داخلے کے لئے چل پڑا جب مزدلفہ اور منی کے درمیان وادی محسر میں پہنچا تو ہاتھی بیٹھ گیا۔ اور کعبے کی طرف بڑھنے کے لئے کسی طرح نہ اُٹھا۔ اس کا رُخ شمال جنوب یا مشرق کی طرف کیا جاتا تو اٹھ کر دوڑنے لگتا لیکن کعبہ کی طرف کیا جاتا تو بیٹھ جاتا۔ اسی دوران اللہ نے چڑیوں کا ایک جھنڈ بھیج دیا جس نے لشکر پر ٹھیکرے جیسے پتھر گرائے اور اللہ نے اسی سے انہیں کھائے ہوئے بھس کی طرح بنا دیا۔ یہ چڑیاں ابابیل اور قمری جیسی تھیں، ہر چڑیا کے پاس تین تین کنکریاں تھیں، ایک چونچ میں اور دو پنجوں میں کنکریاں چنے جیسی تھیں مگر جس کو لگ جاتی تھیں اس کے اعضاء کٹنا شروع ہو جاتے تھے۔ اور وہ مر جاتا تھا۔ یہ کنکریاں ہر آدمی کو نہیں لگی تھیں، لیکن لشکر میں ایسی بھگدڑ مچی کہ ہر شخص دوسرے کو روندتا کچلتا گرتا پڑتا بھاگ رہا

Marfat.com

تھا پھر بھاگنے والے ہر راہ پر گر رہے تھے اور ہر چشمے پر مر رہے تھے۔ادھر ابرہہ پر اللہ نے ایسی آفت بھیجی کہ اس کی انگلیوں کے پور جھڑ گئے اور صنعاء پہنچتے پہنچتے چوزے جیسا ہو گیا۔ پھر اس کا سینہ پھٹ گیا، دل باہر نکل آیا اور وہ مر گیا۔ ابرہہ کے اس حملے کے موقع پر مکے کے باشندے جان کے خوف سے گھاٹیوں میں بکھر گئے تھے اور پہاڑ کی چوٹیوں پر جا چھپے تھے۔ جب لشکر پر عذاب نازل ہو گیا تو اطمینان سے اپنے گھروں کو پلٹ آئے۔

یہ واقعہ بیشتر اہل سیر کے بقول نبی کریم ﷺ کی پیدائش سے صرف پچاس اور پچپن دن پہلے ماہ محرم میں پیش آیا تھا۔ لہٰذا یہ ۵۷۱ء کی فروری کے اواخر یا مارچ کے اوائل کا واقعہ ہے یہ درحقیقت ایک تمہیدی نشانی تھی جو اللہ نے اپنے نبی اور اپنے کعبہ کے لئے ظاہر فرمائی تھی کیونکہ آپ بیت المقدس کو دیکھئے کہ اپنے دور میں اہل اسلام کا قبلہ تھا اور وہاں کے باشندے مسلمان تھے۔ اس کے باوجود اس پر اللہ کے دشمن یعنی مشرکین کا تسلط ہو گیا تھا۔ جیسا کہ بخت نصر کے حملہ (۵۸۷ ق م) اور اہل روما کے قبضہ ۷۰ء سے ظاہر ہے۔ لیکن اسکے برخلاف کعبہ پر عیسائیوں کو تسلط حاصل نہ ہو سکا، حالانکہ اس وقت یہی مسلمان تھے اور کعبے کے باشندے مشرک تھے۔

پھر یہ واقعہ ایسے حالات میں پیش آیا کہ اس کی خبر اس وقت کی متمدن دنیا کے بیشتر علاقوں یعنی روم و فارس میں آناً فاناً پہنچ گئی کیونکہ حبشہ کا رومیوں سے بڑا گہرا تعلق تھا۔ اور دوسری طرف فارسیوں کی نظر رومیوں پر برابر رہتی تھی اور وہ رومیوں اور انکے حلیفوں کے ساتھ پیش آنے والے واقعات کا برابر جائزہ لیتے رہتے تھے یہی وجہ ہے کہ اس واقعے کے بعد اہل فارس نے نہایت تیزی سے یمن پر قبضہ کر لیا۔ اب چونکہ یہی دو حکومتیں اس وقت متمدن دنیا کے اہم حصے کی نمائندہ تھیں۔ اس لئے اس واقعے کی وجہ سے دنیا کی نگاہیں خانہ کعبہ کی طرف متوجہ ہو گئیں۔ انہیں بیت اللہ کے شرف و عظمت کا ایک کھلا ہوا خدائی نشان دکھلائی پڑ گیا۔ اور یہ بات دلوں میں اچھی طرح بیٹھ گئی کہ اس گھر کو اللہ نے تقدیس کے لئے منتخب کیا ہے۔ لہٰذا آئندہ یہاں کی آبادی سے کسی انسان کا دعویٰ نبوت کے ساتھ اٹھنا اس واقعے کے تقاضے کے عین مطابق ہو گا۔ اور اس خدائی حکمت کی تفسیر ہو گا جو عالم اسباب سے بالاتر طریقے پر اہل ایمان کے خلاف مشرکین کی مدد میں پوشیدہ تھی۔

عبدالمطلب کے کل دس بیٹے تھے جن کے نام یہ ہیں: حارث، زبیر، ابو طالب، عبداللہ، حمزہ، ابولہب، غیداق، مقوم، صفار اور عباسؓ۔ بعض نے کہا ہے کہ گیارہ تھے۔ اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ تیرہ تھے۔ ایک نام عبدالکعبہ اور ایک نام حجل تھا لیکن دس کے قائلین کہتے ہیں کہ مقوم ہی کا دوسرا نام عبدالکعبہ اور غیداق کا دوسرا نام حجل تھا۔ اور قثم نام کا کوئی شخص عبدالمطلب کی اولاد میں نہ تھا۔ عبدالمطلب کی بیٹیاں چھ تھیں۔ نام یہ ہیں۔ ام الحکیم ان کا نام بیضاء ہے۔ برہ، عاتکہ، صفیہ، اروی اور امیمہ۔

حضرت عبداللہ۔ رسول اللہ ﷺ کے والد محترم

ان کی والدہ کا نام فاطمہ تھا اور وہ عمرو بن عائذ بن عمران بن مخزوم بن یقظہ بن مرہ کی صاحبزادی تھیں۔ عبدالمطلب کی اولاد میں عبداللہ سب سے زیادہ خوبصورت پاکدامن اور چہیتے تھے اور ذبیح کہلاتے تھے۔ ذبیح کہلانے کی وجہ یہ تھی کہ جب

Marfat.com

عبدالمطلب کے لڑکوں کی تعداد پوری دس ہوگئی اور وہ بچاؤ کرنے کے لائق ہو گئے۔ تو عبدالمطلب نے انہیں اپنی نذر سے آگاہ کیا۔ سب نے بات مان لی اس کے بعد عبدالمطلب نے قسمت کے تیروں پر ان سب کے نام لکھے۔ اور ہُبل کے قیم کے حوالے کیا۔ قیم نے تیروں کو گردش دے کر قرعہ نکالا تو عبداللہ کا نام نکلا۔ عبدالمطلب نے عبداللہ کا ہاتھ پکڑا۔ چھری لی اور ذبح کرنے کے لئے خانہ کعبہ کے پاس لے گئے۔ لیکن قریش اور خصوصاً عبداللہ کے ننھیال والے یعنی بنومخزوم اور عبداللہ کے بھائی ابوطالب آڑے آئے۔ عبدالمطلب نے کہا تب میں اپنی نذر کا کیا کروں۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ وہ کسی خاتون عرافہ کے پاس جا کر حل دریافت کریں۔ عبدالمطلب ایک عرافہ کے پاس گئے۔ اس نے کہا کہ عبداللہ اور دس اونٹوں کے درمیان قرعہ اندازی کریں۔ اگر عبداللہ کے نام قرعہ نکلے تو مزید دس اونٹ بڑھا دیں۔ اس طرح اونٹ بڑھاتے جائیں اور قرعہ اندازی کرتے جائیں۔ یہاں تک کہ اللہ راضی ہو جائے۔ پھر اونٹوں کے نام قرعہ نکل آئے تو انہیں ذبح کر دیں۔ عبدالمطلب نے واپس آکر عبداللہ اور دس اونٹوں کے درمیان قرعہ اندازی کی مگر قرعہ عبداللہ کے نام نکلا۔ اس کے بعد وہ دس دس اونٹ بڑھاتے گئے اور قرعہ اندازی کرتے گئے مگر قرعہ عبداللہ کے نام ہی نکلتا رہا۔ جب سو اونٹ پورے ہو گئے تو قرعہ اونٹوں کے نام نکلا۔ اب عبدالمطلب نے انہیں عبداللہ کے بدلے ذبح کیا اور وہیں چھوڑ دیا۔ کسی انسان یا درندے کے لئے کوئی رکاوٹ نہ تھی۔ اس واقعے سے پہلے قریش اور عرب میں خون بہا (دیت) کی مقدار دس اونٹ تھی مگر اس واقعے کے بعد سو ۱۰۰ اونٹ کر دی گئی۔ اسلام نے بھی اس مقدار کو برقرار رکھا نبی کریم ﷺ سے آپ کا یہ ارشاد مروی ہے کہ میں دو ذبیح کی اولاد ہوں۔ ایک حضرت اسماعیلؑ اور دوسرے آپ ﷺ کے والد عبداللہ۔

آنحضرت ﷺ دو ذبیحوں کے بیٹے

کشاف میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں دو ذبیحوں کی اولاد ہوں۔ مراد ہیں حضرت عبداللہ اور حضرت اسماعیلؑ۔ بعض حضرات لکھتے ہیں کہ ہم حضرت معاویہؓ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ لوگوں میں ذبیح کے متعلق بات چل پڑی کہ آیا ذبیح حضرت اسماعیلؑ ہیں یا حضرت اسحاق ہیں (ذبیح اس کو کہتے ہیں جس کی قربانی کی جانے والی ہو، جیسے حضرت اسماعیلؑ کو اور آنحضرت ﷺ کے والد عبداللہ کو ذبیح کہتے ہیں) چونکہ بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ذبیح حضرت اسحاق یعنی حضرت اسماعیلؑ کے بھائی تھے۔ اس لئے مولف اس کے متعلق مختلف روایات کے ذریعہ ظاہر کر رہے ہیں کہ ذبیح حقیقت میں حضرت اسماعیلؑ ہی تھے) حضرت معاویہؓ نے یہ سن کر فرمایا کہ تم ایک باخبر اور جاننے والے آدمی کے پاس آئے۔ (یعنی مجھے اس کے متعلق معلومات ہیں۔ تم نے میرے سامنے یہ بات کر کے ٹھیک کیا پھر فرمایا)۔

حضرت عبداللہ کا حضرت آمنہ سے نکاح

عبدالمطلب جب عبداللہ کے فدیہ سے فارغ ہوئے تو شادی کی فکر وامنگیر ہوئی۔ قبیلہ بنی زہرہ جو شرافت نسبی میں ممتاز تھا۔ اس میں وہب بن عبد مناف کی صاحبزادی سے جن کا نام آمنہ تھا اور اپنے چچا وہیب بن عبد مناف کی زیر تربیت تھیں

Marfat.com

ان سے حضرت عبداللہ کے نکاح کا پیام دیا اور خود وہیب (حضرت آمنہ کے چچا) کی صاحبزادی جن کا نام ہالہ تھا ان سے عبدالمطلب نے خود اپنے نکاح کا پیام دیا۔ ایک ہی مجلس میں دونوں نکاح پڑھے گئے۔ حضرت حمزہ انہی کے بطن سے ہیں جو رشتہ میں چچا بھی ہیں اور رضاعی بھائی بھی۔

ابن عباس فرماتے ہیں کہ جب عبدالمطلب اپنے فرزند عبداللہ کو نکاح کے لئے لے کر چلے تو راستہ میں ایک یہودی عورت پر گذر ہوا جس کا نام فاطمہ بنت مرتھا۔ رتوریت وانجیل وغیرہ سے بخوبی واقف تھی حضرت عبداللہ کے چہرے میں نور نبوت دیکھ کر اپنی طرف بلایا اور کہا کہ میں تجھ کو سو ۱۰۰ اونٹ نذر کروں گی۔ حضرت عبداللہ نے جواب میں یہ اشعار پڑھے۔

اما الحرام فالممات دُونه وَالحل لاحل فاستبينه

كيف بالامر الذى تبغينه يحمى الكريم عرضو دينه

حرام کے ارتکاب سے موت آسان ہے اور ایسا فعل بالکل حلال نہیں جس کو معرض ظہور میں لاسکوں۔ جس ناجائز امر کی تو طلبگار ہے وہ مجھ سے کیسے ممکن ہے کریم النفس آدمی تو اپنی آبرو اور اپنے دین کی پوری حمایت اور حفاظت کرتا ہے۔

حضرت عبداللہ جب حضرت آمنہ سے نکاح کر کے واپس ہوئے تو واپسی میں پھر اسی عورت پر گذر ہوا تو اس نے دریافت کیا کہ اے عبداللہ تم یہاں سے جانے کے بعد کہاں رہے۔ حضرت عبداللہ نے کہا کہ میں نے اس عرصہ میں وہب بن عبدمناف کی صاحبزادی آمنہ سے نکاح کیا اور نکاح کے بعد تین روز وہاں قیام کیا۔ اس یہودی عورت نے سن کر یہ کہا کہ واللہ میں کوئی بدکار عورت نہیں۔ تمہارے چہرے میں نور نبوت کو دیکھ کر یہ چاہا تھا کہ یہ نور میری طرف منتقل ہو جائے لیکن اللہ نے جہاں چاہا وہاں اس نور کو ودیعت رکھا۔

عبدالمطلب نے اپنے صاحبزادے عبداللہ کی شادی کے لئے حضرت آمنہ کا انتخاب کیا جو وہب بن عبدمناف بن زہرہ بن کلاب کی صاحبزدی تھیں اور نسب اور رتبے کے لحاظ سے قریش کی افضل ترین خاتون شمار ہوتی تھیں۔ ان کے والد نسب اور شرف دونوں حیثیت سے بنوزہرہ کے سردار تھے۔ وہ مکہ ہی میں رخصت ہو کر حضرت عبداللہ کے پاس آئیں مگر تھوڑے عرصے بعد عبداللہ کو عبدالمطلب نے کھجور لانے کے لئے مدینہ بھیجا اور وہ وہیں انتقال کر گئے۔

ولادت باسعادت اور حیات طیبہ کے چالیس سال

ولادت باسعادت

رسول اللہ ﷺ مکہ میں شعب بنی ہاشم کے اندر ۹ ربیع الاول عام الفیل یوم دوشنبہ کو صبح کے وقت پیدا ہوئے۔ اس وقت نوشیرواں کی تخت نشینی کا چالیسواں سال تھا اور ۲۰ یا ۲۲ اپریل ۵۷۱ء کی تاریخ تھی۔ علامہ محمد سلیمان صاحب سلمان منصور پوریؒ اور محمود پاشا فلکی کی تحقیق یہی ہے۔ بعض روایات میں ۱۲ ربیع الاوّل ہے۔ ابن سعد کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی والدہ نے فرمایا "جب آپ کی ولادت ہوئی تو میرے جسم سے ایک نور نکلا جس سے ملک شام کے محل روشن ہو گئے۔ امام احمد نے

Marfat.com

حضرت عریاضب بن ساریہ سے بھی تقریبا اسی مضمون کی ایک روایت نقل فرمائی ہے۔

بعض روایتوں میں بتایا گیا ہے کہ ولادت کے وقت بعض واقعات نبوت کے پیش خیمے کے طور پر ظہور پذیر ہوئے یعنی ایوان کسریٰ کے چودہ کنگرے گر گئے۔ مجوس کا آتش کدہ ٹھنڈا ہو گیا۔ بحیرہ ساوہ خشک ہو گیا اور اسکے گرجے منہدم ہو گئے۔ یہ بیہقی کی روایت ہے۔ لیکن محمد غزالی نے اس کو درست تسلیم نہیں کیا ہے۔

ولادت کے بعد آپ کی والدہ نے عبدالمطلب کے پاس پوتے کی خوشخبری بھجوائی۔ وہ شاداں وفرحاں تشریف لائے۔ اور آپ ﷺ کو خانہ کعبہ میں لے جا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ اس کا شکر ادا کیا اور آپ کا نام محمد ﷺ تجویز کیا۔ یہ نام عرب میں معروف تھا۔ پھر عرب دستور کے مطابق ساتویں دن ختنہ کیا۔ آپ کو آپ کی والدہ کے بعد سب سے پہلے ابولہب کی لونڈی ثویبہ نے دودھ پلایا۔ اس وقت اس کی گود میں جو بچہ تھا اس کا نام مسروح تھا۔ ثویبہؓ نے آپ ﷺ سے پہلے حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کو اور آپ ﷺ کے بعد ابو سلمہ بن عبدالاسد مخزومی کو بھی دودھ پلایا تھا۔

بنی سعد میں

عرب کے شہری باشندوں کا دستور تھا کہ وہ اپنے بچوں کو شہری امراض سے دور رکھنے کے لئے دودھ پلانے والی بدوی عورتوں کے حوالے کر دیا کرتے تھے تا کہ ان کے جسم طاقتور اور اعصاب مضبوط ہوں۔ اور اپنے گہوارہ ہی سے خالص اور ٹھوس عربی زبان سیکھ لیں۔ اسی دستور کے مطابق عبدالمطلب نے دودھ پلانے والی دایہ تلاش کی اور نبی ﷺ کو حضرت حلیمہؓ بنت ابی ذویب کے حوالے کیا۔ یہ قبیلہ بنی سعد بن بکر کی ایک خاتون تھیں۔ ان کے شوہر کا نام حارث بن عبدالعزیٰ اور کنیت ابو کبشہ تھی۔ اور وہ بھی قبیلہ بنی سعد ہی سے تعلق رکھتے تھے۔

حارث کی اولاد کے نام یہ ہیں جو رضاعت کے تعلق سے رسول ﷺ کے بھائی بہن تھے۔ عبداللہ، حذافہ یا جذامہ، انہیں کا لقب شیماء تھا اور اسی نام سے وہ زیادہ مشہور ہوئیں۔ یہ رسول اللہ ﷺ کو گود کھلایا کرتی تھیں۔ ان کے علاوہ ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب رسول اللہ ﷺ کے چچیرے بھائی تھے۔ وہ بھی حضرت حلیمہؓ کے واسطے سے آپ کے رضاعی بھائی تھے۔ آپ ﷺ کے چچا حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب بھی دودھ پلانے کے لئے بنو سعد کی ایک عورت کے حوالے کئے گئے تھے۔ اس عورت نے بھی ایک دن جب رسول اللہ حضرت حلیمہؓ کے پاس تھے آپ کو دودھ پلایا۔ اس طرح آپ اور حضرت حمزہؓ دوہرے رضاعی بھائی ہو گئے ایک ثویبہ کے تعلق سے اور دوسرے بنو سعد کی اس عورت کے تعلق سے۔ رضاعت کے دوران حضرت حلیمہؓ نے نبی ﷺ کی برکت کے ایسے ایسے مناظر دیکھے کہ سراپا حیرت رہ گئیں۔ تفصیلات انہیں کی زبانی سنئے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ حضرت حلیمہؓ بیان کیا کرتی تھیں کہ وہ اپنے شوہر کے ساتھ اپنا ایک چھوٹا سا دودھ پیتا بچہ لے کر بنی سعد کی کچھ عورتوں کے قافلے میں اپنے شہر سے باہر دودھ پینے والے بچوں کی تلاش میں نکلیں۔ یہ قحط سالی کے دن تھے اور قحط نے کچھ باقی نہ چھوڑا تھا۔ میں اپنی ایک سفید گدھی پر سوار تھی اور ہمارے پاس ایک اونٹنی بھی تھی لیکن بخدا اس سے ایک قطرہ دودھ نہ نکلتا تھا۔

Marfat.com

ادھر بھوک سے بچہ اس قدر بلکتا تھا کہ ہم رات بھر سو نہیں سکتے تھے۔ یہ میرے سینے میں بچہ کے لئے کچھ تھا نہ اونٹنی اس کی خوراک دے سکتی تھی۔ بس ہم باراور خوشحالی کی آس لگائے بیٹھے تھے۔ میں اپنی گدھی پر سوار ہو کر چلی تو وہ کمزور اور دبلے پن کے سبب اتنی سست رفتار نکلی کہ پورا قافلہ تنگ آ گیا۔ خیر ہم کسی نہ کسی طرح دودھ پینے والے بچوں کی تلاش میں مکہ پہنچ گئے۔ پھر ہم میں سے کوئی عورت ایسی نہیں تھی جس پر رسول اللہ ﷺ کو پیش نہ کیا گیا ہو مگر جب اسے بتایا جاتا کہ آپ ﷺ یتیم ہیں تو وہ آپ ﷺ کو لینے سے انکار کر دیتی، کیونکہ ہم بچے کے والد سے دادودہش کی اُمید رکھتے تھے۔ ہم کہتے کہ یہ تو یتیم ہے بھلا اس کی بیوہ ماں اس کے دادا کیا دے سکتے ہیں۔ بس یہی وجہ تھی کہ ہم آپ کو لینا نہیں چاہتے تھے۔ ادھر جتنی عورتیں میرے ہمراہ آئی تھیں سب کو کوئی نہ کوئی بچہ مل گیا صرف مجھ کو نہ مل سکا۔ جب واپسی کی باری آئی تو میں نے اپنے شوہر سے کہا خدا کی قسم! مجھے اچھا نہیں لگتا کہ میری ساری سہیلیاں تو بچے لے لے کر جائیں اور تنہا میں کوئی بچہ لئے بغیر واپس جاؤں۔ میں جا کر اسی یتیم بچے کو لے لیتی ہوں۔ شوہر نے کہا کہ کوئی حرج نہیں۔ ممکن ہے اللہ اسی میں ہمارے لئے برکت دے۔ اس کے بعد میں نے جا کر بچہ لے لیا اور محض اس بناء پر لے لیا کہ کوئی اور بچہ نہ مل سکا۔ حضرت حلیمہ ؓ کہتی ہیں کہ جب میں بچے کو لے کر اپنے ڈیرے پر واپس آئی اور اسے اپنی آغوش میں رکھا تو اس نے جس قدر چاہا دونوں سینے دودھ کے ساتھ اس پر اُمنڈ پڑے اور اس نے شکم سیر ہو کر پیا۔ اس کے ساتھ اس کے بھائی نے بھی شکم سیر ہو کر پیا۔ پھر دونوں سو گئے۔ حالانکہ اس سے پہلے ہم اپنے بچے کے ساتھ سو نہیں سکتے تھے۔ ادھر میرے شوہر اونٹنی دوہنے گئے تو دیکھا کہ اس کا تھن دودھ سے لبریز ہے۔ انہوں نے اتنا دودھ دوہا کہ ہم دونوں نے نہایت آسودہ ہو کر پیا اور بڑے آرام سے رات گزاری۔ ان کا بیان ہے کہ صبح ہوئی تو میرے شوہر نے کہا حلیمہ! خدا کی قسم تم نے ایک بابرکت روح حاصل کی ہے۔ میں نے کہا: مجھے بھی یہی توقع ہے۔

حلیمہ ؓ کہتی ہیں کہ اس کے بعد ہمارا قافلہ روانہ ہوا میں اپنی اسی خستہ حال گدھی پر سوار ہوئی اور اس بچے کو بھی اپنے ساتھ لیا، لیکن اب وہی گدھی خدا کی قسم پورے قافلے کو کاٹ کر اس طرح آگے نکل گئی کہ کوئی گدھا اس کا ساتھ نہ پکڑ سکا۔ یہاں تک میری سہیلیاں مجھ سے کہنے لگیں ''او: ابوذویب کی بیٹی! ارے یہ کیا ہے؟ ذرا ہم پر مہربانی کر۔ آخر یہ تیری وہی گدھی تو ہے جس پر تو سوار ہو کر آئی تھی'' میں کہتی ''ہاں! بخدا یہ وہی ہے'' وہ کہیں ''اس کا یقیناً کوئی خاص معاملہ ہے''

پھر ہم بنوسعد میں اپنے گھروں کو آ گئے۔ مجھے معلوم نہیں کہ اللہ کی روئے زمین کا کوئی خطہ ہمارے علاقے سے زیادہ قحط زدہ تھا لیکن ہماری واپسی کے بعد میری بکریاں چرنے جاتیں تو آسودہ حال اور دودھ سے بھرپور واپس آئیں۔ ہم دوہتے اور پیتے جبکہ کسی اور انسان کو دودھ کا ایک قطرہ بھی نصیب نہ ہوتا۔ ان کے جانوروں کے تھنوں میں دودھ سرے سے رہتا ہی نہ تھا۔ حتیٰ کہ ہماری قوم کے شہری اپنے چرواہوں سے کہتے کہ کم بختو! جانور وہیں چرانے لے جایا کرو جہاں ابوذویب کی بیٹی کا چرواہا لے جاتا ہے۔ لیکن تب بھی ان کی بکریاں بھوکی واپس آتیں۔ ان کے اندر ایک قطرہ دودھ نہ رہتا جبکہ میری بکریاں آسودہ اور دودھ سے بھرپور پلٹتیں۔ اس طرح ہم اللہ کی طرف سے مسلسل اضافے اور خیر کا مشاہدہ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ اس بچے کے دو سال پورے ہو گئے اور میں نے دودھ چھڑا دیا۔ یہ بچہ دوسرے بچوں کے مقابلے میں اس طرح بڑھ رہا تھا کہ دو سال پورے

Marfat.com

ہوتے ہوتے وہ کڑا اور گھٹیلا ہو چلا۔ اس کے بعد ہم اس بچے کو اس کی والدہ کے پاس لے گئے لیکن ہم اس کی جو برکت دیکھنے آئے تھے اس کی وجہ سے ہماری انتہائی خواہش یہی تھی کہ وہ ہمارے پاس ہی رہے۔ چنانچہ ہم نے اس کی ماں سے گفتگو کی میں نے کہا: کیوں نہ آپ اپنے بچے کو میرے پاس ہی رہنے دیں کہ ذرا مضبوط ہو جائے کیونکہ مجھے اس کے متعلق مکہ کی وباء کا خطرہ ہے۔ غرض ہمارے مسلسل اصرار پر انہوں نے بچہ ہمیں واپس دے دیا۔

واقعۂ شقِ صدر

اس طرح رسول اللہ ﷺ مدت رضاعت ختم ہونے کے بعد بھی بنو سعد ہی میں رہے یہاں تک کہ ولادت کے چوتھے یا پانچویں سال شق صدر (سینہ مبارک چاک کئے جانے) کا واقعہ پیش آیا۔ اس کی تفصیل حضرت انس سے صحیح مسلم میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس حضرت جبرائیلؑ تشریف لائے۔ آپ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ حضرت جبرائیلؑ نے آپ کو پکڑ کر لٹایا اور سینہ چاک کر کے دل نکالا پھر دل سے ایک لوتھڑا نکال کر فرمایا یہ تم سے شیطان کا حصہ ہے، پھر دل کو ایک طشت میں زمزم کے پانی سے دھویا اور پھر اسے جوڑ کر اس کی جگہ لوٹا دیا۔ ادھر بچے دوڑ کر آپ ﷺ کی ماں یعنی دایہ کے پاس پہنچے اور کہنے لگے محمد قتل کر دیا گیا۔ ان کے گھر کے لوگ جھٹ پٹ پہنچے، دیکھا تو آپ کا رنگ اترا ہوا تھا۔

ماں کی آغوشِ محبت میں

اس واقعے کے بعد حلیمہؓ کو خطرہ محسوس ہوا اور انہوں نے آپ کو آپ کی ماں کے حوالے کر دیا۔ چنانچہ آپ چھ سال کی عمر تک والدہ ہی کی آغوشِ محبت میں رہے۔ ادھر حضرت آمنہ کا ارادہ ہوا کہ وہ اپنے متوفی شوہر کی یادِ وفا میں یثرب جا کر ان کی قبر کی زیارت کریں۔ چنانچہ وہ اپنے یتیم بچے محمد ﷺ اپنی خادمہ، اُم ایمن اور اپنے سرپرست عبدالمطلب کی معیت میں کوئی پانچ سو کلومیٹر کی مسافت طے کر کے مدینہ تشریف لے گئیں اور وہاں ایک ماہ تک قیام کر کے واپس ہوئیں لیکن ابھی ابتداء راہ میں تھیں کہ بیماری نے آلیا۔ پھر یہ بیماری شدت اختیار کرتی گئی یہاں تک کہ مکہ اور مدینہ کے درمیان مقام ابواء میں پہنچ کر رحلت کر گئیں۔

دادا کے سایہ شفقت میں

بوڑھے عبدالمطلب اپنے پوتے کو لے کر مکہ پہنچے۔ انکا دل اپنے اس یتیم پوتے کی محبت و شفقت کے جذبات سے تپ رہا تھا۔ کیونکہ اب اسے ایک نیا چرکا لگا تھا جس نے پرانے زخم کرید دیئے تھے۔ عبدالمطلب کے جذبات میں پوتے کے لئے ایسی رقت تھی کہ ان کی اپنی صلبی اولاد میں سے بھی کسی کے لئے ایسی رقت نہ تھی چنانچہ قسمت نے آپ کو تنہائی کے جس صحرا میں لا کھڑا کیا تھا عبدالمطلب اس میں آپ کو تنہا چھوڑنے کے لئے تیار نہ تھے بلکہ آپ کو اپنی اولاد سے بھی بڑھ کر چاہتے اور بڑوں کی طرح ان کا احترام کرتے تھے۔ ابن ہشام کا بیان ہے کہ عبدالمطلب کے لئے خانہ کعبہ کے سائے میں فرش بچھایا جاتا ان کے سارے لڑکے فرش کے اردگرد بیٹھ جاتے۔ عبدالمطلب تشریف لاتے تو فرش پر بیٹھتے۔ ان کی عظمت کے پیش نظر ان کو کوئی لڑکا فرش پر نہ

Marfat.com

بیٹھتا لیکن رسول اللہ ﷺ تشریف لاتے فرش ہی پر بیٹھ جاتے۔ابھی آپ کم عمر بچے تھے۔آپ ﷺ کے چچا حضرات آپ ﷺ کو پکڑ کر اتار دیتے لیکن جب عبدالمطلب انہیں ایسا کرتے دیکھتے تو فرماتے، میرے اس بیٹے کو چھوڑ دو۔ بخدا اس کی شان نرالی ہے، پھر انہیں اپنے ساتھ اپنے فرش پر بٹھا لیتے۔اپنے ہاتھ سے پیٹھ سہلاتے اور ان کی نقل وحرکت دیکھ کر خوش ہوتے۔آپ ﷺ کی عمر ابھی ۸ سال دو مہینے دس دن کی ہوئی تھی کہ دادا عبدالمطلب کا بھی سایہ شفقت اُٹھ گیا۔ان کا انتقال مکہ میں ہوا۔اور وہ وفات سے پہلے آپ ﷺ کے چچا ابو طالب کو جو آپ کے والد عبداللہ کے سگے بھائی تھے، آپ کی کفالت کی وصیت کر گئے تھے۔

شفیق چچا کی کفالت میں

ابو طالب نے اپنے بھتیجے کا حق کفالت بڑی خوبی سے ادا کیا، آپ ﷺ کو اپنی اولاد میں شامل کیا، بلکہ ان سے بھی بڑھ کر مانا۔مزید اعزاز واحترام سے نوازا۔چالیس سال سے زیادہ عرصے تک قوت پہنچائی، اپنی حمایت کا سایہ دراز رکھا اور آپ ﷺ کی بنیاد پر دوستی اور دشمنی کی۔

روئے مبارک سے فیضانِ باراں کی طلب

ابن عساکر نے جلہمہ بن عرفطہ سے روایت کی ہے کہ میں مکہ آیا۔لوگ قحط سے دوچار تھے۔قریش نے کہا: ابو طالب! وادی قحط کا شکار ہے، بال بچے کال کی زد میں ہیں چلیئے بارش کی دعا کیجئے۔ابو طالب ایک بچہ ساتھ لے کر برآمد ہوئے۔بچہ ابر آلود سورج معلوم ہوتا تھا۔جس سے گھنا بادل ابھی ابھی چھٹا ہو۔اس کے اردگرد اور بھی بچے تھے۔ابو طالب نے اس بچے کا ہاتھ پکڑ کر اس کی پیٹھ کعبہ کی دیوار سے ٹیک دی، بچے نے ان کی انگلی پکڑ رکھی تھی۔اس وقت آسمان پر بادل کا ایک ٹکڑا نہ تھا۔لیکن دیکھتے دیکھتے ادھر اُدھر سے بادل کی آمد شروع ہوگئی اور ایسی دھواں دھار بارش ہوئی کہ وادی میں سیلاب آ گیا۔اور شہر و بیاباں شاداب ہوگئے۔بعد میں ابو طالب نے اسی واقعے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے محمد ﷺ کی مدح میں کہا تھا:

وابیض یستسقی الغمام بوجهه ثمال الیتامیٰ عصمة للأرامل

”وہ خوبصورت ہیں، ان کے چہرے سے بارش کا فیضان طلب کیا جاتا ہے۔یتیموں کے ماویٰ اور بیواؤں کے محافظ ہیں“

بحیرا راہب

بعض روایات کے مطابق: جن کی استنادی حیثیت مشکوک ہے۔جب آپ کی عمر بارہ برس اور ایک تفصیلی قول کے مطابق بارہ برس دو مہینے دس دن کی ہوگئی تو ابو طالب آپ ﷺ کو ساتھ لے کر تجارت کے لئے ملک شام کے سفر کے لئے نکلے اور بصریٰ پہنچے۔بصریٰ شام کا ایک مقام اور حوران کا مرکزی شہر ہے۔اس وقت یہ جزیرۃ العرب کے رومی مقبوضات کا دارالحکومت تھا۔اس شہر میں جرجیس نامی ایک راہب رہتا تھا۔جو بُحیرا کے لقب سے معروف تھا۔جب قافلے نے وہاں پڑاؤ ڈالا تو یہ راہب اپنے گرجا سے نکل کر قافلے کے اندر آیا اور اسکی میزبانی کی حالانکہ اس سے پہلے وہ کبھی نہیں نکلتا تھا۔اس نے رسول اللہ ﷺ کو آپ ﷺ کے اوصاف کی بناء پر پہنچان لیا اور آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑ کر کہا: یہ سید العالمین ہیں، اللہ انہیں

Marfat.com

رحمۃ اللعالمین بنا کر بھیجے گا۔ ابو طالب نے کہا: آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا؟ اس نے کہا: ''تم لوگ جب گھاٹی کے اس جانب نمودار ہوئے تو کوئی بھی درخت یا پتھر ایسا نہیں تھا جو سجدہ کے لئے جھک نہ گیا ہو اور یہ چیزیں نبی کے علاوہ کسی اور انسان کو سجدہ نہیں کرتیں۔ پھر میں انہیں مہر نبوت سے پہچانتا ہوں جو کندھے کے نیچے کری (نرم ہڈی) کے پاس سیب کی طرح ہے اور ہم انہیں اپنی کتابوں میں بھی پاتے ہیں۔ اسکے بعد بُحیرا راہب نے ابو طالب سے کہا کہ انہیں واپس کردو۔ ملک شام نہ لے جاؤ کیونکہ یہود سے خطرہ ہے۔ اس پر ابو طالب نے بعض غلاموں کی معیت میں آپ ﷺ کو مکہ واپس بھیج دیا۔

جنگ فُجار

آپ کی عمر پندرہ برس کی ہوئی تو جنگ فجار پیش آئی۔ اس جنگ میں ایک طرف قریش اور انکے ساتھ بنو کنانہ تھا اور دوسری طرف قیس عیلان تھے۔ قریش اور کنانہ کا کمانڈر حرب بن اُمیہ تھا۔ کیونکہ وہ اپنے سن و شرف کی وجہ سے قریش و کنانہ کے نزدیک بڑا مرتبہ رکھتا تھا۔ پہلے پہر کنانہ پر قیس کا پلہ بھاری تھا لیکن دوپہر ہوتے ہوتے قیس پر کنانہ کا پلہ بھاری ہو گیا۔ اسے حرب فجار اسلئے کہتے ہیں کہ اس میں حرم اور حرام مہینے دونوں کی حرمت چاک کی گئی۔ اس جنگ میں رسول اللہ ﷺ بھی تشریف لے گئے تھے اور اپنے چچاؤں کو تیر تھماتے تھے۔

حلف الفضول

اس جنگ کے بعد ایک حرمت والے مہینے ذی قعدہ میں حلف الفضول پیش آئی۔ چند قبائل قریش یعنی بنی ہاشم، بنی مطلب، بنی اسد بن عبدالعزیٰ، بنی زہرہ بن کلاب اور بنی تیم بن مرہ نے اس کا اہتمام کیا۔ یہ لوگ عبداللہ بن جدعان تیمی کے مکان پر جمع ہوئے۔ کیونکہ وہ سن و شرف میں ممتاز تھا۔ اور آپس میں عہد و پیمان کیا کہ مکہ میں جو بھی مظلوم نظر آئے گا خواہ مکے کا رہنے والا ہو یا کہیں اور کا یہ سب اس کی مدد اور حمایت میں اُٹھ کھڑے ہوں گے۔ اور اس کا حق دلوا کر رہیں گے۔ اس اجتماع میں رسول اللہ ﷺ بھی تشریف فرما تھے اور بعد میں شرف رسالت سے مشرف ہونے کے بعد فرمایا کرتے تھے۔ میں عبداللہ بن جدعان کے مکان پر ایک ایسے معاہدے میں شریک تھا کہ مجھے اس کے عوض سرخ اونٹ بھی پسند نہیں اور اگر (دور) اسلام میں اس عہد و پیمان کے لئے مجھے بلایا جاتا تو میں لبیک کہتا۔

اس معاہدے کی روح عصبیت کی تہ سے اٹھنے والی جاہلی حمیت کے منافی تھی۔ اس معاہدے کا سبب یہ بتایا جاتا ہے کہ زبید کا ایک آدمی سامان لے کر مکہ آیا اور عاص بن وائل نے اس سے سامان خریدا۔ لیکن اس کا حق روک لیا۔ اس نے حلیف قبائل عبدالدار، مخزوم، جمح، سہم اور عدی سے مدد کی درخواست کی لیکن کسی نے توجہ نہ دی۔ اس کے بعد اس نے جبل ابو قیس پر چڑھ کر بلند آواز سے چند اشعار پڑھے۔ جن میں اپنی داستان مظلومیت بیان کی تھی۔ اس پر زبیر بن عبدالمطلب نے دوڑ دھوپ کی اور کہا کہ یہ شخص بے یار و مددگار کیوں ہے؟ ان کی کوشش سے اوپر ذکر کئے ہوئے قبائل جمع ہو گئے۔ پہلے معاہدہ طے کیا اور پھر عاص بن وائل سے اس زبیدی کا حق دلایا۔

Marfat.com

جفاکشی کی زندگی

عنفوان شباب میں رسول اللہ ﷺ کا کوئی معین کام نہ تھا، البتہ یہ خبر متواتر ہے کہ آپ ﷺ بکریاں چراتے تھے۔ آپ ﷺ نے بنی سعد کی بکریاں چرائیں اور مکہ میں بھی اہل مکہ کی بکریاں چند قیراط کے عوض چراتے رہے۔ پچیس سال کی عمر ہوئی تو حضرت خدیجہؓ کا مال لے کر تجارت کے لئے ملک شام تشریف لے گئے۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ خدیجہ بنت خویلد ایک معزز مالدار اور تاجر خاتون تھیں۔ لوگوں کو اپنا مال تجارت کے لئے دیتی تھیں اور مضاربت کے اُصول پر ایک حصہ طے کر لیتی تھیں پورا قبیلہ قریش ہی تاجر پیشہ تھا۔ جب انہیں رسول اللہ ﷺ کی راست گوئی امانت اور مکارم اخلاق کا علم ہوا تو انہوں نے ایک پیغام کے ذریعے پیش کش کی کہ آپ ان کا مال لے کر تجارت کے لئے ان کے غلام میسرہ کے ساتھ ملک شام تشریف لے جائیں وہ دوسرے تاجروں کو جو کچھ دیتی ہیں اس سے بہتر اُجرت آپ کو دیں گی۔ آپ نے یہ پیش کش قبول کر لی۔ اور اُن کا مال لے کر انکے غلام میسرہ کے ساتھ ملک شام تشریف لے گئے۔

حضرت خدیجہؓ سے شادی

جب آپ مکہ واپس آئے اور حضرت خدیجہؓ نے اپنے مال میں ایسی امانت و دیانت دیکھی جو اس سے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ اور ادھر ان کے غلام میسرہ نے آپ ﷺ کے شیریں اخلاق، بلند پایہ کردار موزوں انداز فکر راست گوئی اور امانت دارانہ طور طریقہ کے متعلق اپنے مشاہدات بیان کئے تو حضرت خدیجہؓ کو اپنا گم گشت گوہر مطلوب دستیاب ہو گیا۔ اُس سے پہلے بڑے بڑے سردار اور رئیس ان سے شادی کے خواہاں تھے لیکن انہوں نے کسی کا پیغام منظور نہ کیا تھا۔ اب انہوں نے اپنے دل کی بات اپنی سہیلی نفیسہ بنت منبہ سے کہی اور نفیسہ نے جا کر نبی ﷺ سے گفت وشنید کی۔ آپ ﷺ راضی ہو گئے۔ اور اپنے چچاؤں سے اس معاملے میں بات کی۔ انہوں نے حضرت خدیجہؓ کے چچا سے بات کی اور شادی کا پیغام دیا اسکے بعد شادی ہو گئی نکاح میں بنی ہاشم اور روسائے مُضر شریک ہوئے۔ یہ ملک شام سے واپسی کے دو مہینے بعد کی بات ہے۔ آپ ﷺ نے مہر میں بیس اونٹ دیئے۔ اس وقت حضرت خدیجہؓ کی عمر چالیس سال تھی۔ اور وہ نسب و دولت اور سوجھ بوجھ کے لحاظ سے اپنی قوم کی سب سے معزز اور افضل خاتون تھیں۔ یہ پہلی خاتون تھیں جن سے رسول اللہ ﷺ نے شادی کی اور ان کی وفات تک کسی دوسری خاتون سے شادی نہیں کی۔

ابراہیم کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کی بقیہ تمام اولاد اُنہی کے بطن سے تھی۔ سب سے پہلے قاسم پیدا ہوئے اور انہی کے نام پر آپ ﷺ کی کنیت ابوالقاسم پڑی۔ پھر زینبؓ، رقیہؓ، اُم کلثومؓ، فاطمہؓ، اور عبداللہ پیدا ہوئے۔ عبداللہ کا لقب طیب اور طاہر تھا۔ آپ ﷺ کے سب بچے بچپن ہی میں انتقال کر گئے البتہ بچیوں میں سے ہر ایک نے اسلام کا زمانہ پایا۔ مسلمان ہوئیں اور ہجرت کے شرف سے مشرف ہوئیں لیکن حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے سوا باقی کا انتقال آپ کی زندگی ہی میں ہو گیا۔ حضرت فاطمہ کی وفات آپ کی رحلت کے چھ ماہ بعد ہوئی۔

Marfat.com

کعبہ کی تعمیر اور حجر اسود کے تنازعہ کا فیصلہ

آپ ﷺ کی عمر کا پینتیسواں سال تھا کہ قریش نے نئے سرے سے خانہ کعبہ کی تعمیر شروع کی وجہ یہ تھی کہ کعبہ صرف قد سے کچھ اونچی چہار دیواری کی شکل میں تھا۔ حضرت اسماعیلؑ کے زمانے ہی سے اس کی بلندی ۹ ہاتھ تھی اور اس پر چھت نہ تھی۔ اس کیفیت کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے کچھ چوروں نے اس کے اندر رکھا ہوا خزانہ چرا لیا۔ اسکے علاوہ اس کی تعمیر پر ایک طویل زمانہ گذر چکا تھا۔ عمارت خستگی کا شکار ہو چکی تھی اور دیواریں پھٹ گئی تھیں۔ ادھر اسی سال ایک زوردار سیلاب آیا۔ اس کے بہاؤ کا رُخ خانہ کعبہ کی طرف تھا۔ اس کے نتیجے میں خانہ کعبہ کسی بھی لمحے ڈھ سکتا تھا۔ اسلئے قریش مجبور ہو گئے کہ اس کا مرتبہ و مقام برقرار رکھنے کے لئے اسے از سر نو تعمیر کریں۔ اس مرحلے پر قریش نے یہ متفقہ فیصلہ کیا کہ خانہ کعبہ کی تعمیر میں صرف حلال رقم ہی استعمال کریں گے۔ اس میں سود کی دولت اور کسی کا ناحق لیا ہوا مال استعمال نہیں ہونے دیں گے۔ (نئی تعمیر کے لئے پرانی عمارت کو ڈھانا ضروری تھا) لیکن کسی کو ڈھانے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ بالآخر ولید بن مغیرہ مخزومی نے ابتداء کی۔ جب لوگوں نے دیکھا کہ اس پر کوئی آفت نہیں ٹوٹی تو باقی لوگوں نے بھی ڈھانا شروع کیا اور جب قواعد ابراہیم تک ڈھا چکے تو تعمیر کا آغاز کیا۔ تعمیر کے لئے الگ الگ ہر قبیلے کا حصہ مقرر تھا۔ اور ہر قبیلے نے علیحدہ علیحدہ پتھر کے ڈھیر لگا رکھے تھے۔ تعمیر شروع ہوئی، باقوم نامی ایک رومی معمار نگراں تھا۔ جب عمارت حجر اسود تک بلند ہو چکی تو یہ جھگڑا اُٹھ کھڑا ہوا کہ حجر اسود کو اس کی جگہ رکھنے کا شرف و امتیاز کسے حاصل ہو۔ یہ جھگڑا چار پانچ روز تک جاری رہا اور رفتہ رفتہ اس قدر شدت اختیار کر گیا کہ معلوم ہوتا تھا سر زمین حرم میں سخت خون خرابہ ہو جائے گا لیکن ابوامیہ مخزومی نے یہ کہہ کر فیصلے کی ایک صورت پیدا کر دی کہ مسجد حرام کے دروازے سے دوسرے دن جو سب سے پہلے داخل ہو اسے اپنے جھگڑے کا حکم مان لیں۔ لوگوں نے یہ تجویز منظور کر لی۔ اللہ کی مشیت کہ اس کے بعد سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ لوگوں نے آپ ﷺ کو دیکھا تو چیخ پڑے کہ ھٰذا الامین رضیناہ ھٰذا مُحمد ﷺ یہ امین ہیں۔ ہم ان سے راضی ہیں یہ محمد ﷺ ہیں۔ پھر جب آپ ان کے قریب پہنچے اور انہوں نے آپ ﷺ کو معاملے کی تفصیل بتائی تو آپ ﷺ نے ایک چادر طلب کی بیچ میں حجر اسود کو رکھا اور متنازعہ قبائل کے سرداروں سے کہا کہ آپ سب حضرات چادر کا کنارہ پکڑ کر اوپر اُٹھائیں۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ جب چادر حجر اسود کے مقام تک پہنچ گئی تو آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے حجر اسود کو اسکی مقررہ جگہ پر رکھ دیا۔ یہ بڑا معقول فیصلہ تھا۔ اس پر ساری قوم راضی ہو گئی۔

ادھر قریش کے پاس مال حلال کی کمی پڑ گئی اسلئے انہوں نے شمال کی طرف سے کعبہ کی لمبائی تقریباً چھ ہاتھ کم کر دی۔ یہ ٹکڑا حجر اور حطیم کہلاتا ہے۔ اس دفعہ قریش نے کعبہ کا دروازہ زمین سے خاصہ بلند کر دیا تا کہ اس میں وہی شخص داخل ہو سکے جسے وہ اجازت دیں۔ جب دیواریں پندرہ ہاتھ بلند ہو گئیں تو اندر چھ ستون کھڑے کر کے اوپر سے چھت ڈال دی گئی اور کعبہ اپنی تکمیل کے بعد قریب قریب چوکور شکل کا ہو گیا۔ اب خانہ کعبہ کی بلندی پندرہ میٹر ہے۔ حجر اسود والی دیوار اور اسکے سامنے کی دیوار یعنی جنوبی اور شمالی دیواریں دس دس میٹر ہیں۔ حجر اسود مطاف کی زمین سے ڈیڑھ میٹر کی بلندی پر ہے۔ دروازے والی دیوار اور

Marfat.com

اسکے سامنے کی دیوار یعنی پورب اور پچھم کی دیواریں ۱۲۔۱۲ میٹر ہیں۔ دروازہ زمین سے دو میٹر بلند ہے۔ دیوار کے گرد نیچے ہر چہار جانب سے ایک بڑھے ہوئے کرسی نما ضلعے کا گھیرا ہے جس کی اوسط اونچائی ۲۵ سینٹی میٹر اور اوسط چوڑائی ۳۰ سینٹی میٹر ہے۔ اسے شاذروان کہتے ہیں۔ یہ بھی دراصل بیت اللہ کا جز ہے لیکن قریش نے اسے بھی چھوڑ دیا تھا۔

حلیہ نبوی ﷺ

آنحضرت ﷺ نہ زیادہ لمبے تھے اور نہ پست قد، میانہ قد تھے، سر بڑا تھا، ریش مبارک گھنی تھی، آپ کے سر اور ریش مبارک میں گنتی کے تقریباً بیس پچیس بال سفید تھے، چہرہ انور نہایت خوبصورت اور نورانی تھا، جس نے بھی آپ کا چہرہ انور دیکھا ہے اس نے حضور ﷺ کے چہرہ انور کو چودھویں رات کے چاند کی طرح منور بیان کیا ہے۔

آپ کے پسینہ میں ایک خاص قسم کی خوشبو تھی، چہرہ انور سے جب پسینہ ٹپکتا تو موتیوں کی طرح معلوم ہوتا، حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے دیباج اور حریر کو آپ کی جلد سے زیادہ نرم نہیں دیکھا اور مشک وعنبر میں آپ کے بدن معطر سے زیادہ خوشبو نہیں سونگھی۔

مہر نبوت

دونوں شانوں کے درمیان دائیں شانہ کے قریب مہر نبوت تھی، صحیح مسلم میں ہے کہ حضور انور ﷺ کے دونوں شانوں کے درمیان میں ایک سرخ گوشت کا ٹکڑا کبوتر کے انڈے کے مانند تھا۔

یہ مہر نبوت آنحضرت ﷺ کی نبوت کی خاص نشانی تھی جس کا ذکر کتب سابقہ اور انبیاء سابقین کی بشارتوں میں تھا۔ علماء بنی اسرائیل اسی علامت کو دیکھ کر پہچان لیتے تھے کہ حضور پر نور ﷺ نبی آخری الزمان ہیں جن کی انبیاء سابقین نے بشارت دی ہے اور جو علامت (مہر نبوت) بتلائی تھی وہ آپ میں موجود ہے، گویا یہ مہر نبوت آپ کی نبوت کے لئے من جانب اللہ تعالیٰ کی مہر اور سند تھی۔

علامہ سہیلیؒ فرماتے ہیں کہ مہر نبوت حضور انور ﷺ کے بائیں شانہ کی ہڈی کے قریب تھی۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ جسم انسانی میں شیطان کے داخل ہونے کی یہی جگہ ہے، پیچھے ہی سے آکر شیطان دل میں وسوسہ ڈالتا ہے، اس لئے آپ کے جسم مبارک میں اس جگہ مہر نبوت لگادی گئی، تاکہ شیطان کی آمد کا دروازہ بند ہوجائے اور کے قلب منور میں کسی راہ سے شیطان کا کوئی وسوسہ نہ داخل ہوسکے۔ اور بعض روایات میں ہے کہ حضور انور ﷺ کی پشت پر جو مہر نبوت تھی اس میں قدرتی طور پر محمد رسول اللہ ﷺ معلوم ہوتا تھا۔

اخرج ابن عساکر والحاکم فی تاریخ نیسا بور عن ابن عمر قال کان خاتم النبوة علی ظهر النبی ﷺ مثل البندقة من لحم مکتوب فیها باللحم محمد رسول الله

”حافظ ابن عساکر اور حاکم نے تاریخ نیساپور میں ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ مہر نبوت آنحضرت ﷺ کی پشت پر

Marfat.com

گوشت کی بوٹی کی طرح تھی اور گوشت ہی سے (قدرتی طور پر) اس میں محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا''۔

علامہ زرقانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہے۔ بعض طریق ان میں سے باطل ہیں اور بعض ضعیف اور شیخ عبدالرؤف مناوی لکھتے ہیں کہ حافظ الدین جلبی نے اور پھر ان کی تبیعت میں حافظ مغلطائی نے اس حدیث کے طرق اور اسانید کا استیعاب کیا ہے مگر کوئی روایت ان میں سے درجہ صحت اور ثبوت کو نہیں پہنچی۔ انتہی کلامہ اور علامہ قاری نے یہی لکھا ہے کہ یہ روایت پایہ ثبوت کو نہیں پہنچی۔

سر کے بال اکثر مونڈھے تک اور کبھی نرمہ گوش تک لٹکتے رہتے تھے، بالوں میں کنگھی بھی کرتے تھے اور آنکھوں میں سرمہ بھی ڈالتے تھے باوجودیکہ آنکھیں قدرتی طور پر سرگیں تھیں۔

آپ کی آنکھیں نہایت خوشنما اور کشادہ تھیں، خوب سیاہ اور سرخی مائل تھیں، سینہ سے لے کر ناف تک ایک نہایت خوب صورت باریک خط تھا، دونوں بازو اور قدم میں گوشت پر تھے۔ حضور پر نور ﷺ جب چلتے تو ایسا معلوم ہوتا گویا کہ پاؤں جما کر اٹھاتے ہیں اور اوپر سے نیچے کی طرف جا رہے ہیں۔ الغرض آپ کا جسم اطہر اور چہرہ انور تمام ظاہری اور باطنی محاسن سے مزین تھا، سوائے مسکرانے کے کبھی بھی آپ کھل کھلا کر نہیں ہنسے، حدیث میں ہے کہ صورت اور سیرت میں آپ سب سے زیادہ حضرت ابراہیمؑ کے مشابہ تھے۔

ریش مبارک

ریش مبارک یعنی داڑھی آپ کی گھنی تھی۔ آپ اسے بالکل کترواتے نہ تھے، البتہ مونچھیں کترواتے تھے مگر گاہ بگاہ جو بال زائد ہو جاتے تھے ان کو کتروا دیتے تھے تا کہ صورت بدنما نہ معلوم ہو، چونکہ ڈاڑھی تمام انبیاء و مرسلین کی سنت تھی معاذ اللہ ملکی اور قومی رواج کی بناء پر نہ تھی جیسی کہ بعض گمراہوں اور نادانوں کا خیال ہے۔

ڈاڑھی صرف سنت محمدیہ اور طریقہ اسلام ہی نہیں بلکہ تمام پیغمبروں (جن کی تعداد تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے) کی سنت ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے: من سنن المرسلین یعنی ڈاڑھی تمام انبیاء و مرسلینؑ کی سنت ہے۔

گرجاؤں میں آج بھی جو حضرت عیسیٰؑ کی تصویر رکھی ہوئی ہے اس میں ڈاڑھی موجود ہے اور علماء یہود اور انصاریٰ جن کو پادری کہتے ہیں وہ اکثر و بیشتر نیچی ڈاڑھی رکھتے ہیں، غرض یہ کہ مذہبی گروہ کا ہونا یہ اس امر کی صریح دلیل ہے کہ ڈاڑھی انبیاء کرام کی سنت ہے اور سیدنا ہارونؑ کی ڈاڑھی کا ذکر قرآن کریم میں صراحۃً موجود ہے۔ یابن ام لا تاخذ بلحیتی ولا براسی ۔ عرب میں جو لوگ ملت ابراہیمی کے متبع تھے، وہ ڈاڑھی رکھتے تھے ورنہ اکثر مشرکین ڈاڑھی منڈاتے تھے اس لئے آپ نے ارشاد فرمایا: خالفوا المشرکین احفوا الشوارب واعفوا اللحی ۔ مشرکین کی مخالفت کرو اور ان کی طرح ڈاڑھی مت منڈاؤ، انبیاء کرام کی سنت کے مطابق مونچھیں کتراؤ اور ڈاڑھی اور مشرکین کے تشبہ سے اپنے آپ کو محفوظ رکھو اور انبیاء و مرسلین کی ہیئت اور شکل اختیار کرو، برگزیدہ بندوں کی ہیئت اور شکل بھی پسندیدہ ہوتی ہے اور مغضوب علیہم اور ضالین یعنی یہود و

Marfat.com

نصاریٰ کی مشابہت میں غضب اور ضلال کا اندیشہ ہے۔

غرض یہ کہ ڈاڑھی کل انبیاء ومرسلین اور تمام صحابہ وتابعین اور تمام علماء ربانین کی سنت مستمرہ ہے اور شعائر اسلام میں سے ہے، ڈاڑھی نہ رکھنا گناہ کبیرہ ہے شعائر اسلام کی علی الاعلان بے حرمتی ہے اور داڑھی کا مذاق اڑانا کفر ہے، اس لئے ڈاڑھی کا مذاق اڑانا تمام انبیاء ومرسلین کا استہزاء اور تمسخر ہے اور تمام شریعتوں کے ایک مسلمہ حکم کی توہین ہے اور تمام صحابہ وتابعین اور چودہ صدیوں کے تمام علماء، صلحاء، اولیاء اور سلاطین اسلام کی تحمیق اور تجہیل ہے، ڈاڑھی کا مذاق اڑانے والے یہ نہیں سمجھتے کہ پچاس سال قبل کے سلسلہ نسب کے تمام آباؤ اجداد ڈاڑھی رکھتے تھے، کیا اس مسخرہ کے نزدیک اس کے تمام آباؤ اجداد حماقت کا سائن بورڈ لگائے ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ ان نادانوں کو عقل دے۔ آمین

لباس نبوی ﷺ

آنحضرت ﷺ کا لباس نہایت سادہ اور معمولی ہوتا تھا، فقیرانہ اور درویشانہ زندگی تھی، عام لباس آپ کا تہد، چادر، کرتہ، اور کمبل تھا جس میں پیوند لگا ہوتا تھا۔

آپ کو سبز لباس پسند تھا آپ کی پوشاک عموماً سفید ہوتی تھی۔

چادر

یمنی چادر جس پر سبز اور سرخ خطوط ہوں آپ کو بہت مرغوب تھی جو بردیمانی کے نام سے مشہور تھی، خالص سرخ سے منع فرماتے۔

ٹوپی

سر سے چمٹی ہوئی تھی اور اونچی ٹوپی کبھی استعمال نہیں فرمائی، ابو کبشہ انماری سے مروی ہے کہ صحابہ کرام کی ٹوپیاں چپٹی سر سے لگی ہوئی ہوتی تھیں، اونچی نہیں ہوتی تھیں۔

عمامہ

آنحضرت ﷺ عمامہ کے نیچے ٹوپی کا التزام رکھتے تھے، فرماتے ہیں کہ ہم میں اور مشرکین میں بھی فرق ہے کہ ہم ٹوپیوں پر عمامہ باندھتے ہیں۔ حضور پرنور ﷺ جب عمامہ باندھتے تو اس کا شملہ دونوں شانوں کے درمیان لٹکا لیتے اور کبھی دائیں جانب اور کبھی بائیں جانب ڈال لیتے اور کبھی تحت الحنک (تھوڑی کے نیچے) لپیٹ لیتے، حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ نے جنگ بدر اور جنگ حنین میں میری امداد کے لئے ایسے فرشتے اتارے جو عمامے باندھے ہوئے تھے جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے بخمسة الاف من الملائكة مسومين۔

پاجامہ

حدیث میں ہے کہ آپ نے منیٰ کے بازار میں پاجامہ بکتا ہوا دیکھا، دیکھ کر اسے پسند فرمایا اور فرمایا کہ اس میں بہ نسبت

Marfat.com

ازار کے تستر زیادہ اور اس کو خرید فرمایا۔ لیکن استعمال کرنا ثابت نہیں۔

قمیص

پیراہن آپ کو بہت محبوب تھا، سینہ پر اس کا گریبان تھا، کبھی کبھی اس کی گھنڈیاں کھلی ہوئی ہوتی تھیں۔

لنگی

آپ کے تمام کپڑوں ٹخنوں سے اوپر رہتے تھے۔ بالخصوص آپ کا تہمند آدھی پنڈلی تک ہوتا تھا۔

موزے

موزے بھی استعمال فرماتے تھے اور ان پر مسح فرماتے۔

گدا

آپ کا گدا ایک چمڑے کا ہوتا تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی اور بسا اوقات حضور پر نور ﷺ ایک بوریئے پر سویا کرتے تھے۔ حصیر (بوریا) آپ کا بستر تھا۔

انگوٹھی

دست مبارک میں چاندی کی انگوٹھی تھی استعمال فرماتے تھے، آنحضرت ﷺ نے جب قیصر روم اور نجاشی شاہ حبشہ وغیر کو دعوت اسلام کے خطوط لکھنے کا ارادہ فرمایا کہ سلاطین بدون مہر کے کوئی تحریر قبول نہیں کرتے، اس لئے آپ نے چاندی کی ایک انگوٹھی بنوائی، جس میں تین سطروں میں اوپر نیچے محمد، رسول، اللہ لکھا ہوا تھا۔

نعلین مبارک

نعلین مبارکین چپل کے طرز کے ہوتے تھے کہ جس میں نیچے صرف ایک تلا ہوتا تھا اور اوپر دو تسمے لگے ہوتے تھے، جن میں انگلیاں ڈال لیتے تھے۔

خرقہ نبوی ﷺ

قال اللہ تعالیٰ

يَاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا

يَاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ

؎ اے برادر در لباس صوف باش ۔۔۔ باصفتہائے خدا موصوف باش

آپ کے پاس صوف کا ایک کالا کمبل بھی تھا جس میں پیوند لگے ہوئے تھے جس کو خرقہ (گدڑی) کہتے ہیں، صوف کا کالا کمبل جس میں پیوند لگے ہوئے ہوں یہ انبیاء کرام کی سنت ہے جو اولیاء اللہ درویشوں کو وراثت میں ملا ہے۔ افسوس اور ہزار

Marfat.com

افسوس کہ یہ سنت اب دنیا سے رخصت ہوئی۔صوفی کوصوفی اسی لئے کہا جاتا ہے کہ جوصوف کا کمبل انبیاء کرام کی سنت پر عمل کرنے کے لئے پہنتا ہواور دنیا کو تین طلاقیں مغلظہ بائنہ دے کے بے فکر ہو گیا ہواور حلہ شاہی اورامیری کو اس خرقہ درویشی کے مقابلہ میں ہیچ سمجھتا ہو۔

نبوت سے پہلے کی اجمالی سیرت

نبی ﷺ کا وجود ان تمام خوبیوں اور کمالات کا جامع تھا جو متفرق طور پر لوگوں کے مختلف طبقات میں پائے جاتے ہیں۔آپ ﷺ اصابت فکر، دور بینی اور حق پسندی کا بلند مینار تھے۔آپ ﷺ کو حسن فراست پختگی فکراور وسیلہ ومقصد کی درستگی سے حظ وافر عطا ہوا تھا۔آپ ﷺ اپنی طویل خاموشی سے مسلسل غور وخوض، دائمی تفکیر اور حق کی کرید میں مدد لیتے تھے۔آپ ﷺ نے اپنی شاداب عقل اور روشن فطرت سے زندگی کے صحیفے،لوگوں کے معاملات اور جماعتوں کے احوال کا مطالعہ کیا۔اور جن خرافات میں یہ سب لت پت تھیں ان سے سخت بیزاری محسوس کی۔چنانچہ آپ ﷺ نے ان سب سے دامن کش رہتے ہوئے پوری بصیرت کے ساتھ لوگوں کے درمیان زندگی کا سفر طے کیا یعنی لوگوں کا جو کام اچھا ہوتا اس میں شرکت فرماتے ورنہ اپنی مقررہ تنہائی کی طرف لوٹ جاتے۔چنانچہ آپ ﷺ نے شراب کو کبھی منہ نہ لگایا، آستانوں کا ذبیحہ نہ کھایا اور بتوں کے لئے منائے جانے والے تہوار اور میلوں ٹھیلوں میں کبھی شرکت نہ کی۔آپ ﷺ کو شروع ہی سے ان باطل معبودوں سے اتنی نفرت تھی کہ ان سے بڑھ کر آپ کی نظر میں کوئی چیز مبغوض نہ تھی حتیٰ کہ لات وعزیٰ کی قسم سننا بھی آپ کو گوارا نہ تھا۔

اس میں شبہ نہیں کہ تقدیر نے آپ پر حفاظت کا سایہ ڈال رکھا تھا۔چنانچہ جب بعض دنیاوی تمتعات کے حصول کے لئے نفس کے جذبات متحرک ہوئے یا بعض ناپسندیدہ رسم ورواج کی پیروی پر طبیعت آمادہ ہوئی تو عنایت ربانی دخیل ہو کر رکاوٹ بن گئی۔ابن اثیر کی ایک روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اہل جاہلیت جو کام کرتے تھے مجھے دو دفعہ کے علاوہ کبھی ان کا خیال نہیں گذرا لیکن ان دونوں میں سے بھی ہر دفعہ اللہ تعالیٰ نے میرے اور اس کام کے درمیان رکاوٹ ڈال دی۔اس کے بعد پھر کبھی مجھے اس کا خیال نہ گذرا یہاں تک کہ اللہ نے مجھے اپنی پیغمبری سے مشرف فرمایا۔ہوا یہ کہ جو لڑکا بالائی مکہ میں میرے ساتھ بکریاں چرایا کرتا تھا اس سے ایک رات میں نے کہا: کیوں نہ تم میری بکریاں دیکھو اور میں مکہ جا کر دوسرے جوانوں کی طرح وہاں کی شبانہ قصہ گوئی کی محفل میں شرکت کرلوں۔اس نے کہا ٹھیک ہے،اس کے بعد میں نکلا اور ابھی مکہ کے پہلے ہی گھر کے پاس پہنچا تھا کہ باجے کی آواز سنائی پڑی۔میں نے دریافت کیا کہ کیا ہے؟ لوگوں نے بتلایا فلاں کی فلاں سے شادی ہے۔میں سننے بیٹھ گیا اور اللہ نے میرا کان بند کر دیا اور میں سو گیا۔پھر سورج کی تمازت ہی سے میری آنکھ کھلی۔اور میں اپنے ساتھی کے پاس واپس چلا گیا اس کے پوچھنے پر میں نے تفصیلات بتائیں۔اس کے بعد ایک رات پھر میں نے یہی بات کہی اور مکہ پہنچا تو پھر اسی رات کی طرح کا واقعہ پیش آیا اور اسکے بعد پھر کبھی غلط ارادہ نہ ہوا۔

صحیح بخاری میں حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ جب کعبہ تعمیر کیا گیا تو نبی ﷺ اور حضرت عباسؓ

Marfat.com

پتھر ڈھو رہے تھے۔ حضرت عباسؓ نے نبی ﷺ سے کہا! اپنا تہبند اپنے کندھے پر رکھ لو۔ پتھر سے حفاظت رہے گی لیکن جونہی آپ ﷺ نے ایسا کیا آپ ﷺ زمین پر جا گرے۔ نگاہیں آسمان کی طرف اُٹھ گئیں۔ افاقہ ہوتے ہی آواز لگائی، میرا تہبند، میرا تہبند۔ اور آپؐ کا تہبند آپ کو باندھ دیا گیا۔

نبی ﷺ اپنی قوم میں شیریں کردار، فاضلانہ اخلاق اور کریمانہ عادات کے لحاظ سے ممتاز تھے۔ چنانچہ آپ سب سے زیادہ بامروت، سب سے خوش اخلاق، سب سے معزز، ہمسایہ سب سے بڑھ کر دور اندیش سب سے زیادہ راست گو سب سے نرم پہلو سب سے زیادہ پاک نفس، خیر میں سب سے زیادہ کریم، سب سے نیک عمل، سب سے بڑھ کر پابند عہد اور سب سے بڑے امانت دار تھے۔ حتیٰ کہ آپ کی قوم نے آپ کا نام ہی امین رکھ دیا تھا۔ کیونکہ آپ احوال صالحہ اور خصال حمیدہ کا پیکر تھے اور جیسا کہ حضرت خدیجہؓ کی شہادت ہے۔ آپ ﷺ درماندوں کا بوجھ اُٹھاتے تھے، تہی دستوں کا بندوبست فرماتے تھے، مہمان کی میزبانی کرتے تھے۔ اور مصائب حق میں اعانت فرماتے تھے۔

اسلام سے قبل عربوں کے حالات

سیاسی حالات

موجودہ دور کی طرح عربوں کے ہاں باقاعدہ طور پر کوئی سیاسی نظام موجود نہیں تھا۔ عربوں کے ہاں وحدت کا بہت فقدان تھا۔ امن عامہ کے لئے عدالتیں اور پولیس نہیں تھی۔ بیرونی حملوں کی روک تھام کے لئے فوج موجود تھی اور نہ ہی عربوں کا اپنا کوئی سکہ اور ٹکسال وغیرہ موجود تھا۔ اگر چہ عرب دو بڑی نسلوں قحطان اور عدنان سے تعلق رکھتے تھے لیکن وہ کئی قبائل میں تقسیم ہو گئی تھیں۔ ہر قبیلہ چند خاندانوں کا مجموعہ ہوتا تھا اور وہ کسی بزرگ کے نام پر مشہور ہوتا تھا، جیسے بنو عباس، بنو ہاشم، بنو مخزوم وغیرہ۔ ہر قبیلے کا اپنا سردار ہوتا جسے لوگ شیخ کہہ کر پکارتے تھے۔ سردار کا انتخاب عمر، طاقت، اثر ورسوخ اور کثرت دولت کی بنیاد پر ہوتا تھا۔ سردار افراد قبائل کے مشورے سے کام چلاتا تھا۔ ہر قبیلہ آزاد ہوتا تھا۔ قبیلے کا سردار ہی سپہ سالار ہوتا تھا۔ اگر کبھی جھگڑا وغیرہ ہو جاتا تو سردار فیصلہ کرتا۔ اگر قبائل کی آپس میں لڑائی ہو جاتی تو پھر یہ سلسلہ سالوں پر محیط ہوتا تھا۔ قبیلہ بنی بکر اور بنی تغلب کے درمیان اونٹنی کی وجہ سے ہونے والی لڑائی چالیس سال تک جاری رہی۔ اس لڑائی کو جنگ بسوں کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اسی طرح گھوڑے دوڑانے پر بنو عبس اور بنو ذبیان کے درمیان ہونے والی لڑائی برسوں تک جاری رہی۔

اگر کوئی باقاعدہ حکومت ہوتی تو جنگوں کا یہ سلسلہ اس طرح جاری نہ رہتا کہا جاتا ہے کہ قریش کے سردار قصی بن کلاب نے مکہ میں حکومت قائم کی تھی۔ عبدالمطلب بن ہاشم نے اسے مزید تقویت دی۔ ۵۷۰ء میں ابرہہ نے انہی کے دور حکومت میں مکہ پر چڑھائی کی کوشش کی تو تباہ ہو گیا جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورہ فیل میں کیا ہے۔

معاشی حالات

اہل عرب مکہ، مدینہ اور طائف میں حکومت پذیر تھے۔ ان شہروں کے مکین حضری کہلاتے تھے جو بزرگ صحراؤں او

Marfat.com

ریگستانوں میں بدوی زندگی بسر کرتے تھے وہ بدو کہلاتے تھے۔ مدینہ میں پانی کی افراط کی وجہ سے فصلیں کاشت کی جاتی تھیں۔ طائف میں پھلوں کی کثرت کی وجہ سے تجارت ہوتی تھی۔ مکہ کے لوگ بے آب وگیاہ ہونے کیوجہ سے اونٹوں پر سامان لاد کر تجارت کے لئے باہر لے جاتے تھے، اور نفع کماتے تھے۔ بدوی لوگ بھیڑ بکریاں اور اونٹ پال کر گزارہ کرتے تھے۔ عرب بالعموم صنعت وحرفت کو باعث عار تصور کرتے تھے۔ یمن میں چادریں اور کمبل تیار کئے جاتے تھے۔

مذہبی حالات

عربوں کی مذہبی حالت بدترین تھی، عرب گمراہی اور جہالت کے عمیق گڑھوں میں گر چکے تھے۔ جس سے ان کا نکلنا محال تھا۔ عرب لوگ مختلف مذاہب سے تعلق رکھتے تھے، جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

مشرکین یا بت پرست

عرب کے لوگوں کی اکثریت بت پرستی میں مبتلا تھی عربوں میں بت پرستی کی بنیاد سے پہلے عمرو بن لحی نے رکھی تھی جو ملک شام سے ہبل نامی ایک بت لایا تھا۔ اس کی پرستش کا مکہ کے اردگرد اس قدر رواج ہوا کہ اسے نجات دہندہ سمجھا جانے لگا۔ بعد میں ہر قبیلے نے الگ الگ بت بنا لئے، قریش کا سب سے بڑا بت ہبل نامی تھی۔ بیت اللہ میں تین سو ساٹھ بت تھے۔ عرب ان سے فال بھی نکالتے تھے۔ بتوں کے نام پر چڑھاوے چڑھاتے اور انہیں حاجت روا اور مشکل کشا تصور کرتے۔ غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح کرتے تھے۔

اسلام نے غیر اللہ کے نام پر نذر ونیا کو حرام قرار دیا اور غیر اللہ کے نام پر چڑھاوے چڑھانے کو بھی حرام قرار دیا ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ٥ (البقرہ)

ترجمہ: بے شک اللہ نے مردار، خون، سور کا گوشت اور غیر اللہ کے لئے نامزد کردہ چیز حرام قرار دی ہے"

صابی

یہ لوگ مظاہر قدرت (چاند، سورج اور ستاروں) کے پجاری تھے۔ یہ لوگ صرف حضرت یحیٰ علیہ السلام کو نبی مانتے تھے لیکن مذہبی عقائد بنی اسرائیل سے متصادم تھے۔ اہل عرب انہیں حقیر اور ذلیل تصور کرتے تھے۔ یہ لوگ بھی شرک میں مبتلا تھے

مجوسی

یہ لوگ آگ کے پجاری تھے۔ جزیرۂ عرب کے مشرق بالخصوص بحرین میں آباد تھے۔ زرتشت ان لوگوں کا بانی تھا۔ یہ دو خداؤں یزدان اور اہرمن کے قائل تھے۔ یزدان کو خیر کا اور اہرمن کو شر کا خدا تصور کرتے تھے۔

یہودی

پانچویں صدی قبل مسیح میں بخت نصر کی تباہی کے خوف سے بنی اسرائیل عرب کی طرف آئے۔ اور یمن، خیبر اور مدینہ

Marfat.com

وغیرہ میں پھیل گئے۔ بنو قریظہ، بنو قینقاع اور بنو نضیر مشہور یہودی قبائل تھے۔ یہ لوگ حضرت موسیٰ کے پیروکار اور مقدس کتاب تورات پر ایمان رکھتے تھے۔ یہ لوگ بھی شرک میں مبتلا تھے۔ یہودی حضرت عزیزؑ کو اللہ کا بیٹا اور فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں خیال کرتے تھے۔ یہ قوم انتہا درجے کی سود خور تھی۔ یہودیوں نے تورات میں تحریف کر ڈالی تھی۔

نصاریٰ

یہ لوگ حضرت عیسیٰؑ کے پیروکار تھے۔ ان کی مقدس کتاب انجیل تھی۔ جو حضرت عیسیٰؑ پر نازل ہوئی تھی۔ نجران کے بہت سے باشندے عیسائی ہو گئے تھے۔ خیبر کا بادشاہ نعمان بن منذر بھی عیسائی ہو گیا تھا۔ قبائل طے، ربیعہ اور غسانی سب عیسائی تھے۔ عیسائی عقیدہ تثلیت کے قائل تھے۔ یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا مانتے تھے۔ یہودیوں کی طرح عیسائیوں نے بھی انجیل میں تحریف کر ڈالی تھی۔ موحدین

یہ لوگ توحید کے قائل تھے مگر ان کی تعداد بہت ہی کم تھی۔ زید بن عمرو بن نفیل مشہور موحد تھے۔ آپ خانہ کعبہ میں کھڑے ہو کر کہا کرتے تھے کہ میرے علاوہ کوئی بھی دین ابراہیمی پر نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: زید بن عمرو بن نفیل قیامت کے دن اکیلے اُمت کی حیثیت سے اُٹھائے جائیں گے۔ موحدین شرک اور مذموم رسوم سے نفرت کرتے تھے۔

کاہن

یہ لوگ خانہ کعبہ کے قریب رہتے تھے۔ تیروں سے فال لے کر لوگوں کو قسمت بتایا کرتے تھے۔ اسکے علاوہ یہ غیب کی خبریں بھی بتاتے تھے۔

جنات کے پجاری

اہل عرب جنات کی بھی پوجا کرتے تھے۔ جنات سے اس طرح ڈرتے تھے جس طرح ایک موحد اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے۔ جنات کو حاجت روا اور مشکل کشا تصور کرتے تھے۔

اخلاقی و معاشرتی حالت

باہمی تعلقات کی اساس

عربوں کی اخلاقی اور معاشرتی حالت انتہائی خراب تھی۔ ان لوگوں کے باہمی تعلقات کی اساس خونی رشتہ تھی، یعنی اس شخص کے ساتھ ہی تعلقات قائم کرتے جو ان کے قبیلے کا آدمی ہوتا۔ رشتہ داریاں بھی عام طور پر اسی بنیاد پر ہوتی تھیں۔ لوگ اپنے بھائیوں کی مدد کرنا ہر صورت میں فرض سمجھتے تھے خواہ ان کا بھائی ظالم ہی کیوں نہ ہو۔ عربوں کے ہاں ایک فقرہ مشہور تھا۔

اُنْصُرْ اَخَاکَ ظَالِماً اَوْمَظْلُوْماً ہ

ترجمہ: ''اپنے بھائی کی مدد کر چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم''

Marfat.com

عورت کا مقام

عرب معاشرے میں عورت کو کوئی اہمیت حاصل نہ تھی۔بعض قبائل میں عورت غلاموں کی طرح بے حد مظلوم تھی۔ جوئے میں بیوی کو ہار دینا ان لوگوں کا مشغلہ تھا۔عورتوں کو وراثت سے محروم رکھا جاتا تھا۔بعض قبائل میں عورت کو بیٹی اور ماں کا مقام حاصل تھا۔وہ اپنے قبیلہ کی صنف نازک کے لئے کٹ مرتے تھے۔ابوسفیان کی بیوی اور حضرت خدیجہ کو معاشرے میں ایک بلند مقام حاصل تھا۔

عورت سے تعلقات

عربوں کے ہاں عورت کے ساتھ تعلقات کے سلسلے میں دو طریقے رائج تھے۔

۱۔ شرفاء کا طریقہ ۲۔ استبضاع کا طریقہ

شرفاء کا طریقہ

اس طریقے میں عورت کے ساتھ باقاعدہ منگنی کی جاتی، اسکے بعد نکاح ہوتا اور پھر تعلقات قائم کئے جاتے۔یہ طریقہ عام طور پر شرفاء میں رائج تھا۔

استبضاع کا طریقہ

استبضاع کے معنی ہیں اپنی عورت کو کسی دوسرے کے پاس بھیجنا۔عربوں کی اکثریت اسی طریقہ سے شادی کرتی تھی۔ مرد اپنی بیوی کے ساتھ تعلقات قائم کرنے سے پہلے اپنی بیوی کو کسی دوسرے نیک آدمی یا بزرگ کے پاس بھیجتا وہ اس کے ساتھ رات گزارتا پھر وہ اپنے اصل خاوند کے پاس لوٹ آتی۔عربوں کے ہاں مغلوب قبیلے کی عورتوں کے ساتھ تعلقات قائم کرنے کا بھی رواج تھا، اسی لئے بیٹی کو پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کر دیا جاتا تھا۔عربوں کے ہاں کثرت ازدواج کا بھی رواج تھا۔ایک شخص نے کئی کئی عورتوں سے شادی کر رکھی ہوتی تھی۔حجرت عیلان بن سلمیٰ ثقفی نے جب اسلام قبول کیا تو اس کے ہاں دس عورتیں تھیں اور وہب اسدی کے پاس آٹھ بیویاں تھیں۔طلاق کا حق صرف مرد کے پاس تھا۔عورت کو خلع کا حق حاصل نہ تھا۔ مرد جتنی دفعہ چاہتا طلاق دیتا اور رجوع کر لیتا۔آزاد عورتیں دس یا اس سے کم مردوں کے ساتھ تعلقات قائم کر لیتی تھیں۔اگر حمل ٹھہر جاتا تو جس کا چاہتیں نام لگا دیں پھر وہی شخص بچے کا باپ قرار پاتا۔اس کے علاوہ فاحشہ عورتیں بھی عرب میں کثیر تعداد میں پائی جاتی تھیں۔یہ عورتیں اپنے مکان پر جھنڈیاں لگا کر رکھتی تھیں جس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ یہاں ہر کوئی اپنی خواہش پوری کر سکتا ہے۔اگر حمل قرار پاتا تو ایک قیافہ شناس آ کر جس کا نام لگا دیتا وہی بچے کا باپ قرار پاتا۔

اولاد کو زندہ درگور کرنا

عرب کے لوگ غربت کے خوف کی وجہ سے اپنی اولاد کو قتل کر دیتے تھے یا پھر زندہ درگور کر دیتے تھے۔

قرآن نے کہا: لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۝ ترجمہ: ''اپنی اولاد کو بھوک کے ڈر سے قتل نہ کرو''

Marfat.com

اس کے علاوہ اولاد کو معبودوں کے نام پر قربان کرنے کا رواج بھی تھا۔حضرت عبدالمطلب نے منت مانی تھی کہ اگر میرے دس بیٹے ہوں اور وہ میری آنکھوں کے سامنے جوان ہوں تو ایک کو تیری راہ میں قربان کردوں گا۔قرعہ ڈالا گیا تو حضرت عبداللہ کا نام نکلا۔بالآخر حضرت عبداللہ کی جگہ سو اونٹ ذبح کئے گئے۔

غلامی کا رواج

عربوں کے ہاں غلامی کا رواج بہت زیادہ تھا۔غلاموں کے ساتھ حیوانوں جیسا سلوک کیا جاتا تھا۔حضرت بلالؓ کا آقا امیہ بن خلف ان پر سخت ظلم کرتا تھا۔حضرت ابوبکرؓ نے انہیں آزاد کرادیا۔صہیب رومیؓ،حضرت بلالؓ،سلمان فارسیؓ اور حضرت زید بن حارثہ مشہور غلام تھے۔طاقتور قبائل کو کمزور قبائل پر حملہ کر کے انہیں اپنا غلام بنالیتے اور پھر وہ ہمیشہ کے لئے غلامی کی زنجیروں میں جکڑے رہتے۔

عدم مساوات کا پہلو

عربوں کے ہاں دیگر بدنما پہلوؤں کی طرح عدم مساوات کا پہلو بھی تھا۔غلام آقا کے برابر نہیں بیٹھ سکتا تھا،آقا جیسے کپڑے نہیں پہن سکتا تھا،آقا جیسا کھانا نہیں کھا سکتا تھا۔عورت کو وراثت سے محروم رکھا جاتا تھا۔

خانہ بدوشی کی زندگی

عربوں کے ہاں خانہ بدوشی کی زندگی کا بھی رواج تھا۔ان کا پیشہ زیادہ تر اونٹ اور بھیڑ بکریاں وغیرہ چرانا ہوتا تھا۔جہاں کہیں پانی وغیرہ ہوتا وہیں ڈیرے ڈال دیتے تھے۔

لباس وطعام وغیرہ

لوگ ہاتھ سے بنے ہوئے کپڑے پہنتے تھے۔امیر لوگ ذرا اچھے کپڑے پہن لیتے اور غریب لوگ زیادہ تر پیوند شدہ لباس ہی پہنتے تھے۔کھانے پینے کی اشیاء میں پنیر،ستو،روغن زیتون اور کھجور عام طور پر استعمال کرتے تھے۔

رسم ورواج

جاہل معاشرہ غیر مہذب ہونے کی وجہ سے رسومات کا مجموعہ بن گیا تھا۔لوگوں نے پیدائش اور موت پر مختلف رسمیں ایجاد کی ہوئی تھیں۔کسی کے مرنے پر مرد وعورتیں میت کے گھر جا کر رونا پیٹنا شروع کردیتے۔اگر نوحہ کرنے والی عورتیں میسر نہ ہوتیں تو کرایہ پر حاصل کرتے۔

کہانت

کاہن اپنے جن ساتھی کی مدد سے لوگوں کو غیب کی خبریں بتاتے تھے۔یہ لوگ خاص چلوں کی مدد سے جن پر قابو پالیتے تھے۔یہ جن غیب کی خبریں بتاتا تھا۔لوگوں کو یقین تھا کہ کاہن جو بتاتے ہیں درست بتاتے ہیں۔

Marfat.com

ضعیف الاعتقادی

بت پرستی کی وجہ سے لوگ ضعیف الاعتقادی کا بھی شکار تھے۔ان کے ہاں مشہور تھا کہ جن عورتوں پر عاشق ہو جاتے ہیں۔الو کے بولنے کو موت اور کوے کے بولنے کو جدائی کی علامت سمجھتے تھے۔اس کے علاوہ سانپ کو نہیں مارنا چاہئیے یہ جوڑا ہوتا ہے اور پھر بدلہ لیتا ہے۔کوئی شخص ہزار اونٹ کا مالک بن جائے تو ایک اونٹ کی آنکھیں نکال دے ورنہ سارے بدنظری کا شکار ہو جائیں گے۔کہیں سفر پر جانا ہوتا اور پرندہ یا جانور سامنے سے گزر جاتا یعنی بلی وغیرہ تو سفر منحوس قرار پاتا۔گھر سے باہر جاتے وقت ایک درخت کی ٹہنی پر گرہ باندھ دیتے اگر واپسی پر کھلی ہوتی تو بیوی بدکار قرار پاتی۔لوگوں کا اعتقاد تھا کہ آدمی سفر کرتے ہوئے راستہ بھول جائے تو کپڑے الٹے پہننے سے راستہ معلوم ہو جاتا ہے۔خشک سالی کا سماں ہوتا تو بھیڑ کی دُم کے ساتھ گھاس پھوس باندھ کر آگ لگا دیتے اور بارش ہوتی۔لات اور عزیٰ کو گالی دینے والے کو کوڑھ ہو جاتا ہے۔اس کے علاوہ پھلبیری کا بھی شکار ہو جاتا ہے۔

مفاخرت

عرب لوگ دو چیزوں پر فخر کرتے تھے مہمان نوازی اور بہادری،کوئی مہمان پناہ لیتا تو اسکی خاطر اپنی جان تک قربان کر ڈالتے۔اپنی بہادری کا جوہر دکھانے کے لئے اکثر دوسرے قبائل پر حملے کرتے۔تلوار نہ اُٹھانے والوں کو معاشرے میں گھٹیا شمار کیا جاتا تھا۔

شراب نوشی،سود خوری،قمار بازی

عرب لوگ شراب نوشی کے عادی تھے۔وہ سرعام شراب پیتے تھے۔عربی زبان میں شراب کے دو سو پچاس ۲۵۰ سے زیادہ نام آتے ہیں۔اسلام نے آہستہ آہستہ شراب کو حرام قرار دیا۔پہلے ۲ ہجری میں پھر ۴ ہجری میں اور اس کے بعد ۶ ہجری میں مکمل طور پر حرام قرار دیا۔

سود خوری کا عام رواج تھا۔اپنی رقم سود پر دیتے تھے۔سود کی بھاری رقم وصول کرتے تھے۔اس طرح معاشرے میں طبقاتی کشمکش پیدا ہوتی۔اسلام نے سود کو حرام قرار دیا۔نبی کریم ﷺ حجتہ الوداع کے موقع پر اپنے چچا حضرت عباسؓ کا سود معاف کر دیا۔جواء بھی عرب میں بہت زیادہ کھیلا جاتا تھا۔اگر ان کے پاس جواء کھیلنے کے لئے کچھ نہ ہوتا تو اپنے بیوی بچوں کو بھی جواء میں دے دیتے،بڑے بڑے شرفاء جواء کھیلتے تھے۔

لوٹ مار اور چوری

عربوں کے ہاں لوٹ مار اور چوری کا بہت زیادہ رواج تھا۔اس کی بنیادی وجہ ان کی اقتصادی حالت تھی۔عورتیں مردوں کی نسبت زیادہ چوری کرتی تھیں۔جب کوئی عورت مسلمان ہوتی تھی تو نبی کریم ﷺ عورت سے بیعت لیتے ہوئے خاص طور پر اس بات کی بیعت بھی لیتے تھے کہ وہ چوری نہیں کرے گی۔

Marfat.com

ابولہب چوری کرنے میں بہت مشہور تھا۔سلیک بن السلکہ اور تابطا اس وقت کے بڑے چور تھے۔مسلم شریف میں آتا ہے کہ لوگوں نے چوری کرنے کے لئے مختلف قسم کے آلے بنا رکھے تھے۔قبیلہ بنو اسلم، بنوغفار، جہینہ اور بنو طے چوری کرنے میں بڑے مشہور تھے۔

بدکاری اور فحش گوئی

عرب کے لوگ بدکاری اور فحش گوئی کے صرف مرتکب ہی نہیں ہوتے تھے بلکہ اس کا پرچار بھی کرتے تھے۔امراء بن قیس کے شعر فحش گوئی سے بھرے پڑے ہیں۔یہ شاعر اپنی پھوپھی کی بیٹی کے ساتھ بدکاری کو اپنے اشعار میں بڑے فخر سے بیان کرتا ہے۔عبداللہ بن ابی بھی بدکاری میں بڑا مشہور تھا۔آدمی کے بدکار نہ ہونے کو اس کی کمزوری سمجھا جاتا تھا۔

سفاکی (درندگی)

ان لوگون کے اندر درندگی اس حد تک تھی کہ زندہ اونٹ کو کوہان کھانے کے لئے کاٹ لیتے تھے۔تیر اندازی کی مشق زندہ جانوروں پر کرتے۔حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کر دیتے۔دشمن کی کھوپڑی میں شراب پینا فخر سمجھتے۔عورت کو گھوڑے کی دُم کے ساتھ باندھ کر سرپٹ دوڑا کر سزا دیتے۔

بے حیائی

بے حیائی کا یہ عالم تھا کہ ننگے کعبہ کا طواف کرتے۔رفع حاجت کے لئے پردہ نہ کرتے تھے جو نوجوان کسی عورت سے عشق نہ کرے اسے نوجوان نہ سمجھتے تھے۔قبیلہ بنو زہرہ کا عشق بڑا مشہور تھا۔

نبوت ورسالت کی چھاؤں میں

غار حرا کے اندر

رسول اللہ ﷺ کی عمر شریف جب چالیس برس کے قریب ہو چلی اور اس دوران آپ ﷺ کے اب تک کے تاملات نے قوم سے آپ ﷺ کا ذہنی اور فکری فاصلہ بہت وسیع کر دیا تھا۔تو آپ ﷺ کو تنہائی محبوب ہوگئی۔ چنانچہ آپ ﷺ ستو اور پانی لے کر مکہ سے کوئی دو میل دور کوہ حرا کے ایک غار میں جا رہتے۔یہ ایک مختصر سا غار ہے جس کا طول چار گز اور عرض پونے دو گز ہے۔یہ نیچے کی جانب گہرا نہیں ہے بلکہ ایک مختصر راستے کے بازو میں اوپر کی چٹانوں کے باہم ملنے سے ایک کوتل کی شکل اختیار کئے ہوئے ہے۔

آپ ﷺ جب یہاں تشریف لے جاتے تو حضرت خدیجہؓ بھی آپ ﷺ کے ہمراہ جاتیں اور قریب ہی کسی جگہ موجود رہتیں۔آپ ﷺ رمضان بھر اس غار میں قیام فرماتے۔آنے جانے والے مسکینوں کو کھانا کھلاتے اور بقیہ اوقات اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزارتے۔آپ ﷺ غار حرا میں تحنث فرماتے تھے جسے آج کی اصطلاح مراقبہ کہا جاتا ہے۔کائنات کے مشاہد اور اسکے پیچھے کارفرما قدرت نادرہ پر غور فرماتے۔آپ ﷺ کو اپنی قوم کے لچر لوچ شرکیہ عقائد اور واہیات تصورات

Marfat.com

پر بالکل اطمینان نہ تھا لیکن آپ ﷺ کے سامنے کوئی واضح راستہ معین طریقہ اور افراط و تفریط سے ہٹی ہوئی کوئی ایسی راہ نہ تھی جس پر آپ ﷺ اطمینان وانشراح قلب کے ساتھ رواں دواں ہوسکتے۔ نبی ﷺ کی یہ تنہائی پسندی بھی درحقیقت اللہ تعالیٰ کی تدبیر کا ایک حصہ تھی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو آنے والے کارعظیم کے لئے تیار کررہا تھا۔ درحقیقت جس روح کے لئے بھی یہ مقدر ہو کہ وہ انسانی زندگی کے حقائق پر اثر انداز ہو کر ان کا رُخ بدل ڈالے اس کے لئے ضروری ہے کہ زمین کے مشاغل، زندگی کے شور اور لوگوں کے چھوٹے چھوٹے ہم وغم کی دنیا سے کٹ کر کچھ عرصہ کے لئے الگ تھلگ اور خلوت نشین رہے۔ ٹھیک اسی سنت کے مطابق جب اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو امانت کبریٰ کو بوجھ اُٹھانے، روئے زمین کو بدلنے اور خط تاریخ کو موڑنے کے لئے تیار کرنا چاہا تو رسالت کی ذمہ داری عائد کرنے سے تین سال پہلے آپ ﷺ کے لئے خلوت نشینی مقدر کردی۔ آپ ﷺ اس خلوت میں ایک ماہ تک کائنات کی آزاد روح کے ساتھ ہم سفر رہتے اور اس وجود کے پیچھے چھپے ہوئے غیب کے اندر تدبر فرماتے تاکہ جب اللہ تعالیٰ کا اذن ہو تو اس غیب کے ساتھ تعامل کیلئے مستعد رہیں۔

جبریلؑ وحی لاتے ہیں

جب آپ ﷺ کی عمر چالیس برس ہوگئی۔ اور یہی سنِ کمال ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ یہی پیغمبروں کی بعثت کی عمر ہے۔ تو زندگی کے اُفق کے پار سے آثار نبوت چمکنا اور جگمگانا شروع ہوئے۔ یہ آثار خواب تھے۔ آپ ﷺ جو بھی خواب دیکھتے وہ سپیدۂ صبح کی طرح نمودار ہوتا۔ اس حالت پر چھ ماہ کا عرصہ گذر گیا۔ جو مدت نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔ اور کل مدت نبوت تیئس برس ہے۔ اس کے بعد جب حراء میں خلوت نشینی کا تیسرا سال آیا تو اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ روئے زمین کے باشندوں پر اس کی رحمت کا فیضان ہو چنانچہ اس نے آپ ﷺ کو نبوت سے مشرف کیا اور حضرت جبریلؑ قرآن مجید کی چند آیات لیکر آپ ﷺ کے پاس تشریف لائے۔

دلائل وقرائن پر ایک جامع نگاہ ڈال کر حضرت جبریلؑ کی تشریف آوری کے اس واقعے کی تاریخ معین کی جاسکتی ہے۔ ہماری تحقیق کے مطابق یہ واقعہ رمضان المبارک کی ۲۱ تاریخ کو دوشنبہ کی رات میں پیش آیا۔ اس روز اگست کی ۱۰ تاریخ تھی اور ۶۱۰ء تھا۔ قمری حساب سے نبی ﷺ کی عمر چالیس سال چھ مہینے بارہ دن اور شمسی حساب سے ۳۹ سال تین مہینے ۲۲ دن تھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبانی اس واقعے کی تفصیلات سنیں۔ یہ انوارِ لاہوت کا ایک ایسا شعلہ تھا جس سے کفر و ضلالت کی تاریکیاں چھٹتی چلی گئیں، یہاں تک کہ زندگی کی رفتار بدل گئی اور تاریخ کا رُخ پلٹ گیا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں رسول اللہ ﷺ پر وحی کی ابتدا نیند میں اچھے خواب سے ہوئی۔ آپ ﷺ جو بھی خواب دیکھتے تھے وہ سپیدۂ صبح کی طرح نمودار ہوتا تھا۔ پھر آپ ﷺ کو تنہائی محبوب ہوگئی۔ چنانچہ آپ ﷺ غار حرا میں خلوت اختیار فرماتے اور کئی کئی رات گھر تشریف لائے بغیر مصروف عبادت رہتے۔ اس کے لئے آپ ﷺ توشہ لے جاتے۔ پھر (توشہ ختم ہونے پر) حضرت خدیجہؓ کے پاس واپس آتے اور تقریباً اتنے ہی دنوں کیلئے پھر توشہ لے جاتے۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ کے پاس حق آیا اور آپ ﷺ غار حرا

Marfat.com

میں تھے یعنی آپ ﷺ کے پاس فرشتہ آیا اور اس نے کہا پڑھو! آپ ﷺ نے فرمایا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ اس پر اس نے مجھے پکڑ کر اس زور سے دبایا کہ میری قوت نچوڑ دی۔ پھر چھوڑ کر کہا، پڑھو، میں نے کہا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ اس نے دوبارہ پکڑ کر دبوچا پھر چھوڑ کر کہا، پڑھو۔ میں نے پھر کہا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، اس نے تیسری بار پکڑ کر دبوچا پھر چھوڑ کر کہا:

اِقْرَاء بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ہ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ہ اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ ہ (سورة العلق)

ترجمہ: ''پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا، انسان کو لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھ اور تمہارا رب نہایت کریم ہے''

ان آیات کے ساتھ رسول ﷺ پلٹے۔ آپ ﷺ کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ حضرت خدیجہؓ بنت خویلد کے پاس تشریف لائے اور فرمایا مجھے چادر اُوڑھا دو، مجھے چادر اُوڑھا دو۔ انہوں نے آپ ﷺ کو چادر اوڑھا دی یہاں تک کہ خوف جاتا رہا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے حضرت خدیجہؓ کو واقعے کی اطلاع دیتے ہوئے فرمایا، یہ مجھے کیا ہو گیا ہے؟ مجھے تو اپنی جان کا ڈر لگتا ہے۔ حضرت خدیجہؓ نے کہا قطعاً نہیں بخدا آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ رسوا نہ کرے گا۔ آپ ﷺ صلہ رحمی کرتے ہیں۔ درماندوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، تہی دستوں کا بندوبست کرتے ہیں، مہمان کی میزبانی کرتے ہیں اور حق کے مصائب پر اعانت کرتے ہیں۔

اس کے بعد حضرت خدیجہؓ آپ ﷺ کو اپنے چچیرے بھائی ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبدالعزیٰ کے پاس لے گئیں۔ ورقہ دور جاہلیت میں عیسائی ہو گئے تھے اور عبرانی میں لکھنا جانتے تھے چنانچہ عبرانی زبان میں حسب توفیق الٰہی انجیل لکھتے تھے۔ اس وقت بہت بوڑھے اور نابینا ہو چکے تھے ان سے حضرت خدیجہؓ نے کہا بھائی جان! آپ اپنے بھتیجے کی بات سنیں، اور انہوں نے کہا: بھتیجے تم کیا دیکھتے ہو؟ رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ دیکھا تھا بیان فرمایا۔ اس پر ورقہ نے آپ ﷺ سے کہا: یہ تو وہی ناموس ہے جسے اللہ نے موسیٰ پر نازل کیا تھا۔ کاش میں اس وقت توانا ہوتا کاش میں اس وقت زندہ ہوتا جب آپ ﷺ کی قوم آپ ﷺ کو نکال دے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! اچھا تو کیا یہ لوگ مجھے نکال دیں گے؟ ورقہ نے کہا! ہاں جب بھی کوئی آدمی اس طرح کا پیغام لایا جیسا تم لائے ہو تو اس سے ضرور دشمنی کی گئی اور اگر میں نے تمہارا زمانہ پالیا تو تمہاری زبردست مدد کروں گا۔ اس کے بعد ورقہ جلد ہی فوت ہو گئے اور وحی رُک گئی۔

طبری اور ابن ہشام کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اچانک وحی کی آمد کے بعد غارِ حرا سے نکلے تو پھر واپس آ کر اپنی بقیہ مدت قیام پوری کی، اس کے بعد مکہ تشریف لائے۔ طبری کی روایت سے آپ کے نکلنے کے سبب پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ روایت یہ ہے:

رسول اللہ ﷺ نے وحی کی آمد کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ''اللہ کی مخلوق میں شاعر اور پاگل سے بڑھ کر میرے نزدیک کوئی قابل نفرت نہ تھا (میں شدت نفرت سے) ان کی طرف دیکھنے کی تاب نہ رکھتا تھا۔ (اب جو وحی آئی تو) میں نے (اپنے جی میں) کہا کہ یہ ناکارہ۔ یعنی خود آپ۔ شاعر یا پاگل ہے! میرے بارے میں قریش ایسی بات کبھی نہ کہہ سکیں گے۔

Marfat.com

میں پہاڑ کی چوٹی پر جارہا ہوں وہاں سے اپنے آپ کو نیچے لڑھکا دوں گا اور اپنا خاتمہ کرلوں گا اور ہمیشہ کیلئے راحت پا جاؤں گا"
آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں یہی سوچ کر نکلا جب بیچ پہاڑ پہنچا تو آسمان سے ایک آواز سنائی دی۔ اے محمد ﷺ تم اللہ کے رسول ہو اور میں جبریل ہوں۔ آپ ﷺ کہتے ہیں کہ میں نے آسمان کی طرف اپنا سر اُٹھایا۔ دیکھا تو جبریلؑ ایک آدمی کی شکل میں اُفق کے اندر پاؤں جمائے کھڑے ہیں اور کہہ رہے ہیں: اے محمد ﷺ تم اللہ کے رسول ہو اور میں جبریل ہوں۔
آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں وہیں ٹھہر کر جبریل کو دیکھنے لگا اور اس شغل نے مجھے میرے ارادے سے غافل کردیا۔ اب میں نہ آگے جارہا تھا نہ پیچھے۔ البتہ اپنا چہرہ آسمان کے افق میں گھما رہا تھا اور اس کے جس گوشے پر بھی میری نظر پڑتی تھی جبریل اسی طرح دکھائی دیتے تھے۔ میں مسلسل کھڑا رہا نہ آگے بڑھ رہا تھا نہ پیچھے۔ یہاں تک کہ خدیجہ نے میری تلاش میں اپنے قاصد بھیجے اور وہ مکہ تک جا کر پلٹ آئے لیکن میں اپنی جگہ کھڑا رہا۔ پھر جبریل چلے گئے اور میں بھی اپنے اہل خانہ کی طرف پلٹ آیا اور خدیجہؓ کے پاس پہنچ کران کی ران کے پاس انہیں پر ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ انہوں نے کہا ابوالقاسم! آپ ﷺ کہاں تھے؟ بخدا! میں نے آپ ﷺ کی تلاش میں آدمی بھیجے اور وہ مکہ تک جا کر واپس آگئے اس کے جواب میں میں نے جو کچھ دیکھا تھا انہیں بتادیا۔ انہوں نے کہا: چچا کے بیٹے! آپ ﷺ خوش ہوجایئے اور آپ ثابت قدر رہیئے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، میں اُمید کرتی ہوں کہ آپ ﷺ اس امت کے نبی ہوں گے۔ اس کے بعدہ ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں۔ انہیں ماجرا سنایا۔ انہوں نے کہا قدوس، قدوس، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں ورقہ کی جان ہے، ان کے پاس وہی ناموس اکبر آیا ہے جو موسیٰ کے پاس آیا کرتا تھا۔ یہ اس اُمت کے نبی ہیں۔ ان سے کہو ثابت قدم رہیں۔ اس کے بعد حضرت خدیجہؓ نے واپس آکر آپ ﷺ کو ورقہ کی بات بتائی۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ نے حرا میں اپنا قیام پورا کرلیا اور (مکہ) تشریف لائے تو آپ ﷺ نے ورقہ سے ملاقات کی اور آپ ﷺ کی زبانی تفصیلات سن کر کہا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، آپ ﷺ اس اُمت کے نبی ہیں۔ آپ ﷺ کے پاس وہی ناموس اکبر آیا ہے جو موسیٰ کے پاس آیا تھا۔

وحی کی بندش

رہی یہ بات کہ وحی کتنے دن تک بند رہی تو اس سلسلے میں ابن سعد نے ابن عباسؓ سے ایک روایت نقل کی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ یہ بندش چند دنوں کے لئے تھے اور سارے پہلوؤں پر نظر ڈالنے کے بعد یہی بات راجح بلکہ یقینی معلوم ہوتی ہے اور یہ جو مشہور ہے کہ وحی کی بندش تین سال یا ڈھائی سال تک رہی تو یہ قطعاً صحیح نہیں۔ البتہ یہاں دلائل پر بحث کی گنجائش نہیں۔
وحی کی اس بندش کے عرصے میں رسول اللہ ﷺ حزین وغمگین رہے اور آپ پر حیرت واستعجاب طاری رہا۔ چنانچہ صحیح بخاری کتاب التعبیر کی رویت ہے کہ: "وحی بند ہوگئی جس سے رسول اللہ ﷺ اس قدر غمگین ہوئے کہ کئی بار بلند وبالا پہاڑ کی چوٹیوں پر تشریف لے گئے کہ وہاں سے لڑھک جائیں لیکن جب کسی پہاڑ کی چوٹی پر پہنچتے کہ اپنے آپ کو لڑھکا لیں تو حضرت جبریلؑ نمودار ہوتے اور فرماتے "اے محمد ﷺ! آپ اللہ کے رسول برحق ہیں اور اس کی وجہ سے آپ کا اضطراب تھم جاتا۔

Marfat.com

نفس کو قرار آجاتا اور آپ واپس آجاتے۔ پھر جب آپ ﷺ پر وحی کی بندش طول پکڑ جاتی تو آپ پھر اسی جیسے کام کے لئے نکلتے لیکن جب پہاڑ کی چوٹی پر پہنچتے تو حضرت جبریلؑ نمودار ہو کر وہی بات دہراتے۔

جبریلؑ دوبارہ وحی لاتے ہیں

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ یہ (یعنی وحی کی چند روزہ بندش) اس لئے تھی تا کہ آپ ﷺ پر جو خوف طاری ہو گیا تھا وہ رخصت ہو جائے اور دوبارہ وحی کی آمد کا شوق و انتظار پیدا ہو جائے۔ چنانچہ جب حیرت کے سائے سکڑ گئے حقیقت کے نقوش پختہ ہو گئے اور نبی ﷺ کو یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ آپ ﷺ خدائے بزرگ و برتر کے نبی ہو چکے ہیں اور آپ ﷺ کے پاس جو شخص آیا تھا وہ وحی کا سفیر اور آسمانی خبر کا ناقل ہے اس طرح وحی کے لئے آپ ﷺ کا شوق و انتظار اس بات کا ضامن ہو گیا کہ آئندہ وحی کی آمد پر آپ ﷺ ثابت قدم رہیں گے اور اس بوجھ کو اٹھالیں گے، تو حضرت جبریلؑ دوبارہ تشریف لائے۔ صحیح بخاری میں حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی زبانی بندش وحی کا واقعہ سُنا آپ ﷺ فرما رہے تھے: ''میں چلا جا رہا تھا کہ مجھے اچانک آسمان سے ایک آواز سنائی دی میں نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہی فرشتہ جو میرے پاس حراء میں آیا تھا آسمان و زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہے۔ میں اس سے خوف زدہ ہو کر زمین کی طرف جا جھکا۔ پھر میں نے اپنے اہل خانہ کے پاس آ کر کہا، مجھے چادر اوڑھا دو، مجھے چادر اوڑھا دو۔ انہوں نے مجھے چادر اوڑھا دی، اسکے بعد اللہ تعالیٰ نے یَآ اَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ... وَالرُّجْزَ فَاھْجُرْ۔ (سورۃ المدثر) تک نازل فرمائی پھر (نزول) وحی میں گرمی آگئی اور وہ پے در پے نازل ہونے لگی''

سُوْرَۃُ الضُّحٰی

وَالضُّحٰی ہ وَالَّیْلِ اِذَا سَجٰی ہ مَاوَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی ہ وَلَلْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی ہ وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی ہ اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْماً فَاٰوٰی ہ وَوَجَدَکَ ضَآلاً فَھَدٰی ہ وَوَجَدَکَ عَآئِلاً فَاَغْنٰی ہ فَاَمَّاالْیَتِیْمَ فَلَاتَقْھَرْ ہ وَاَمَّاالسَّآئِلَ فَلَا تَنْھَرْ ہ وَاَمَّا بِنِعْمَۃِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ ہ

فترۃ الوحی اور کفار کے طعنے

روایات صحیحہ میں ہے کہ جبریل علیہ السلام دیر تک رسول اللہ ﷺ کے پاس نہ آئے (یعنی وحی قرآنی بند رہی) مشرکین کہنے لگے کہ (لیجئے) محمد کو اس کے رب نے رخصت کر دیا۔ اُس کے جواب میں یہ آیات نازل ہوئیں۔ میرا گمان یہ ہے (واللہ عالم) کہ یہ زمانہ فترۃ الوحی کا ہے جب سورہ 'اقرأ' کی ابتدائی آیات نازل ہونے کے بعد ایک طویل مدت تک وحی رُکی رہی تھی اور حضور ﷺ خود اس فترت کے زمانہ میں سخت مغموم و مضطرب رہتے تھے، تا نکہ فرشتہ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یا ایھا المدثر کا خطاب سنایا! غالب ہے کہ اس وقت مخالفوں نے اس طرح کی چہ مگوئیاں کی ہوں۔ چنانچہ ابن کثیرؒ نے محمد اسحاق وغیرہ سے جو الفاظ نقل کئے ہیں وہ اسی احتمال کی تاکید کرتے ہیں ممکن ہے اسی دوران میں وہ قصہ بھی پیش آیا ہو جو بعض احادیث

Marfat.com

صیحہ میں بیان ہوا ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ بیماری کی وجہ سے دو تین رات نہ اُٹھ سکے۔ تو ایک (خبیث) عورت کہنے لگی۔ اے محمد! معلوم ہوتا ہے، تیرے شیطان نے تجھ کو چھوڑ دیا ہے (العیاذ باللہ) غرض ان سب خرافات کا جواب سورہ والضحیٰ میں دیا گیا ہے۔

اللہ آپ ﷺ سے ناراض نہیں ہے

پہلے قسم کھائی دھوپ چڑھتے وقت کی اور اندھیری رات کی۔ پھر فرمایا کہ (دشمنوں کے سب خیالات غلط ہیں) نہ تیرا رب تجھ سے ناراض اور بے بیزار ہوا نہ تجھ کو رخصت کیا۔ بلکہ جس طرح ظاہر میں وہ اپنی قدرت وحکمت کے مختلف نشان ظاہر کرتا، اور دن کے پیچھے رات اور رات کے پیچھے دن کو لاتا ہے، یہی کیفیت باطنی حالات کی سمجھو۔ اگر سورج کی دھوپ کے بعد رات کی تاریکی کا آنا اللہ کی خفگی اور ناراضگی کی دلیل نہیں۔ اور نہ اس کا ثبوت ہے کہ اس کے بعد دن کا اُجالا کبھی نہ ہوگا۔ تو چند روز نور وحی کے رُکے رہنے سے یہ کیونکر سمجھ لیا جائے کہ آج کل خدا اپنے منتخب کئے ہوئے پیغمبر سے خفا اور ناراض ہو گیا اور ہمیشہ کے لئے وحی کا دروازہ بند کر دیا ہے۔ ایسا کہنا تو خدا کے علم محیط اور حکمت بالغہ پر اعتراض کرنا ہے۔ گویا اُسے خبر نہ تھی کہ جس کو میں نبی بنا رہا ہوں وہ آئندہ چل کر اس کا اہل ثابت ہوگا؟ العیاذ باللہ۔ یعنی آپ کی پچھلی حالت پہلی حالت سے کہیں ارفع واعلیٰ ہے۔

وحی کی یہ چند روزہ رکاوٹ آپ کے نزول وانحطاط کا سبب نہیں بلکہ بیش از بیش عروج وارتقاء کا ذریعہ ہے اور اگر پچھلی سے بھی پچھلی حالت کا تصور کیا جائے یعنی آخرت کی شان وشکوہ کا، جبکہ آدم اور آدم کی ساری اولاد آپ کے جھنڈے تلے جمع ہوگی۔ تو وہاں کی بزرگی اور فضیلت تو یہاں کے اعزاز واکرام سے بے شمار درجہ بڑھ کر ہے۔

آنحضرت ﷺ کو خوش کر دینے کا وعدہ

یعنی ناراض اور بیزار ہو کر چھوڑ دینا کیسا، ابھی تو تیرا رب تجھ کو (دنیا وآخرت میں) اس قدر دولتیں اور نعمتیں عطا فرمائیگا کہ پوری طرح مطمئن اور راضی ہو جائے۔ حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ محمد راضی نہیں ہوگا، جب تک اس کی اُمت کا ایک آدمی بھی دوزخ میں رہے (ﷺ)

آنحضرت ﷺ کی یتیمی

حضرت ﷺ کی ولادت باسعادت سے پہلے ہی آپ کے والد وفات پا چکے تھے۔ چھ سال کی عمر تھی کہ والدہ نے رحلت کی۔ پھر آٹھ سال کی عمر تک اپنے دادا (عبدالمطلب) کی کفالت میں رہے۔ آخر اس دریتیم اور نادرۂ روزگار کی ظاہری تربیت وپرورش کی سعادت آپ کے بیحد شفیق چچا ابو طالب کے حصہ میں آئی۔ انہوں نے زندگی بھر آپ کی نصرت وحمایت اور تکریم وتبجیل میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔ ہجرت سے کچھ پہلے وہ بھی دنیا سے رخصت ہوئے۔ چند روز بعد یہ امانت الٰہی اللہ کے حکم سے انصار مدینہ کے گھر پہنچ گئی۔ ''اوس'' اور ''خزرج'' کی قسمت کا ستارہ چمک اُٹھا اور انہوں نے اُس کی حفاظت اس طرح کی جس کی نظیر چشم فلک نے کبھی نہ دیکھی ہوگی۔ یہ سب صورتیں درجہ بدرجہ ایواء کے تحت میں داخل ہیں۔ کما اشار الیہ ابن کثیرؒ۔

Marfat.com

ہم نے آپ ﷺ کو ہدایت کاملہ عطا کی

جب حضرت جوان ہوئے قوم کے مشرکانہ اطوار اور بیہودہ رسم وراہ سے سخت بیزار تھے اور قلب میں خدائے وحدانیت کی عبادت کا جذبہ پورے زور کے ساتھ موجزن تھا۔ عشق الٰہی کی آگ سینہ مبارک میں بڑی تیزی سے بھڑک رہی تھی۔ وصول اللہ اور ہدایت خلق کی اُس اکمل ترین استعداد کا چشمہ جو تمام عالم سے بڑھ کر نفس قدسی میں ودیعت کیا گیا تھا۔ اندر ہی اندر جوش مارتا تھا، لیکن کوئی صاف کھلا ہوا راستہ اور مفصل دستور العمل بظاہر دکھائی نہ دیتا تھا جس سے اُس عرش و کرسی سے زیادہ وسیع قلب کو تسکین ہوتی۔ اسی جوش طلب اور فرط محبت میں آپ بے قرار اور سرگرداں پھرتے اور غاروں اور پہاڑوں میں جا کر مالک کو یاد کرتے اور محبوب حقیقی کو پکارتے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے ''غار حرا'' میں فرشتہ کو وحی دیکر بھیجا اور وصول الی اللہ اور اصلاح خلق کی تفصیلی راہیں آپ پر کھول دیں۔ یعنی دین حق نازل فرمایا ''وما کنت تدری ما الکتاب ولا الایمان ولکن جعلنا ہ نوراً نھدی بہ من نشاء من عبادنا'' الخ (شوریٰ رکوع ۵) (تنبیہ) یہاں ضالا کے معنی کرتے وقت سورہ 'یوسف' کی آیت قالو تاللہ انک لف ضلالک القدیم 'پیش نظر رکھنا چاہیئے۔

ہم نے آپ ﷺ کو غنی کر دیا

اس طرح کی حضرت خدیجہ کی تجارت میں آپ مضارب ہوگئے۔ اُس میں نفع ملا۔ پھر حضرت خدیجہؓ نے آپ ﷺ سے نکاح کر لیا اور اپنا تمام مال حاضر کر دیا۔ یہ تو ظاہری غنا تھا۔ باقی آپ کے قلبی اور باطنی غنا کا درجہ تو وہ غنی عن العالمین ہی جانتا ہے۔ کوئی بشر اُس کا کیا اندازہ کر سکے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ ابتداء سے مورد انعامات رہے ہیں۔ آئندہ بھی رہیں گے۔ جس پروردگار نے اس دن سے آپ کی تربیت فرمائی، کیا وہ خفا ہو کر آپ کو یونہی درمیان میں چھوڑ دیگا۔ استغفر اللہ۔

یتیموں کی دلجوئی کرو

بلکہ اُس کی خبر گیری اور دلجوئی کر جس طرح تم کو یتیمی کی حالت میں اللہ تعالیٰ نے ٹھکانا دیا۔ تم دوسرے یتیموں کو ٹھکانا دو۔ اسی طرح کے مکارم اخلاق اختیار کرنے سے بندہ اللہ کے رنگ میں رنگا جاتا ہے" صبغة اللہ ومن احسن من اللہ صبغة حدیث میں آپ نے فرمایا: ''انا و کا قل الیتیم کھاتین'' و اشار الی السبابة والوسطیٰ.

یعنی تم نادار تھے

اللہ تعالیٰ نے غنا عطا فرمایا۔ اب شکر گزار بندے کا حوصلہ یہی ہونا چاہیئے کہ مانگنے والوں سے تنگ دل نہ ہو اور حاجتمندوں کے سوال سے گھبرا کر جھڑکنے ڈانٹنے کا شیوہ اختیار نہ کرے۔ بلکہ فراخدلی اور خوش اخلاقی کا گرویدہ بنا دیتے ہیں۔ (تنبیہ) روح المعانی لکھتے ہیں کہ سائل کے زجر کی ممانعت اُس صورت میں ہے جب وہ نرمی سے مان جائے۔ ورنہ اگر اڑی لگا کر کھڑا ہو جائے اور کسی طرح نہ مانے اُس وقت زجر جائز ہے۔

Marfat.com

اللہ کے احسانات کی تذکیر کیجئے

محسن کے احسانات کا بہ نیت شکر گزاری (نہ بقصد فخر و مباہات) چرچا کرنا شرعاً محمود ہے۔ لہٰذا جو انعامات اللہ تعالیٰ نے آپ پر فرمائے اُن کو بیان کیجئے۔ خصوصاً وہ نعمت ہدایت جس کا ذکر ووجدک ضالا فھدیٰ" میں ہوا۔ اُس کا لوگوں میں پھیلانا اور کھول کھول کر بیان کرنا تو آپ کا فرض منصبی ہے۔ شاید آپ کے ارشادات وغیرہ کو جو حدیث کہا جاتا ہے۔ وہ اسی لفظ فحدث سے لیا گیا ہو۔ واللہ اعلم۔

یٰٓاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ ہ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلاً ہ نِّصْفَہٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْہُ قَلِیْلاً ہ اَوْزِدْ عَلَیْہِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلاً ہ

(سورۃ المزمل آیت ۴ تا ۱)

ترجمہ: اے کپڑے میں لپٹنے والے۔ کھڑا رہ رات کو مگر کسی رات۔ آدھی رات یا اُس میں سے کم کر دے تھوڑا سا یا زیادہ کر اُس پر۔ اور کھول کھول کر پڑھ قرآن کو صاف۔

اس سورت کے نزول کا پس منظر

یہ سورت ابتدائی سورتوں میں سے ہے جو مکہ میں نازل ہوئیں۔ روایات صحیحہ میں ہے کہ شروع میں جب وحی کی دہشت اور ثقل سے آپ کا بدن کانپنے لگا تو آپ ﷺ نے فرمایا "زملونی زملونی" مجھے کپڑا اُوڑھاؤ کپڑا اُوڑھاؤ چنانچہ کپڑا اُوڑھایا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں اس سے اگلی سورت میں آپ کو وہی نام لیکر پکارا۔ اور بعض روایات میں ہے کہ قریش نے "دارالندوہ" میں جمع ہو کر آپ کے متعلق مشورہ کیا کہ آپ کی حالت کے مناسب کوئی لقب تجویز کرنا چاہیئے۔ کسی نے "کاہن" کہا کسی نے "جادوگر" کسی نے "مجنون" مگر اتفاق رائے کسی چیز پر نہ ہوا۔ خیر میں "ساحر" کی طرف رُجحان تھا۔ آپ کو خبر ہوئی تو رنجیدہ اور غمگین ہوئے اور کپڑوں میں لپٹ گئے۔ جیسا کہ اکثر سوچ اور غم میں مغموم آدمی اس طرح کر لیتا ہے۔ اُس پر حق تعالیٰ نے تانیس و ملاطفت کے لئے اس عنوان سے خطاب فرمایا۔ جیسے آپ نے حضرت علیؓ کو ایک مرتبہ "قم ابا تراب" فرمایا تھا جبکہ وہ گھر سے رنجیدہ ہو کر چلے گئے اور مسجد میں زمین پر لیٹے ہوئے تھے۔ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ لکھتے ہیں کہ اس سورت میں خرقہ پوشی کے لوازم و شرط بیان ہوئی ہیں۔ گویا یہ سورۃ اس شخص کی سورۃ ہے جو درویشوں کا خرقہ پہنے اور اپنے تئیں اس رنگ میں رنگے۔ لغت عرب میں "مزمل" اُس شخص کو کہتے ہیں جو بڑے کشادہ کپڑے کو اپنے اوپر لپیٹ لے۔ اور آنحضرت ﷺ کا معمول ایسا تھا کہ جب نماز تہجد اور قرآن شریف کی تلاوت کے لئے رات کو اُٹھتے تو ایک کمبل دراز اوڑھ لیتے تھے۔ تا کہ سردی سے بدن محفوظ رہے اور وضو و نماز کی حرکات میں کسی کا حرج واقع نہ ہو۔ نیز اس عنوان کے اختیار کرنے میں اُن لوگوں کو ہوشیار کرنا ہے کہ جو کپڑوں میں لپٹے ہوئے رات کو آرام کر رہے ہوں کہ رات کا ایک معتد بہ حصہ اللہ کی عبادت میں گزاریں۔

قیام لیل کا حکم

یعنی کسی رات اتفاق سے نہ ہو سکے تو معاف ہے اور اکثر مفسرین کے نزدیک الّا قلیلا کا مطلب یہ ہے کہ رات کو اللہ

Marfat.com

کی عبادت میں کھڑے رہو ہاں تھوڑا سا حصہ شب کا اگر آرام کرو، تو مضائقہ نہیں، غالباً تھوڑے سے مراد یہاں نصف ہوگا کیونکہ رات جو آرام کے لئے تھی جب آدمی عبادت میں گذاری تو اُس کے اعتبار سے باقی نصف کو ''تھوڑا'' ہی کہنا موزوں تھا۔ یعنی آدھی رات سے کچھ کم جو تہائی تک پہنچ سکتی ہے۔ یا آدھی سے زیادہ جو دو تہائی تک ہو۔

بقرینہ قولہ تعالیٰ فیما بعد ان ربک یعلم انک تقوم ادنیٰ من ثلثی الیل و نصفہ وثلثہ' الخ.

تلاوت میں ترتیل کا حکم

یعنی تہجد میں قرآن ٹھہر ٹھہر کر پڑھ کر ایک ایک حرف صاف سمجھ میں آئے۔ اس طرح پڑھنے سے فہم و تدبر میں مدد ملتی ہے اور دل پر اثر زیادہ ہوتا ہے اور ذوق و شوق بڑھتا ہے۔

سُوْرَةُ اَلَمْ نَشْرَحْ

اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ ہ وَوَضَعْنَا عَنْکَ وِزْرَکَ ہ الَّذِیْٓ اَنْقَضَ ظَھْرَکَ ہ وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ ہ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ہ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ہ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ہ وَاِلٰی رَبِّکَ فَارْغَبْ ہ

علوم و معارف کے لئے آپ ﷺ کا سینہ کھول دیا

اُس میں علوم و معارف کے سمندر اُتار دیا اور لوازم نبوت اور فرائض رسالت برداشت کرنے کو بڑا وسیع حوصلہ دیا کہ بیشمار دشمنوں کی عداوت اور مخالفوں کی مزاحمت سے گھبرانے نہ پائیں (تنبیہ) احادیث و سیر سے ثابت ہے کہ ظاہری طور پر بھی فرشتوں نے متعدد مرتبہ آپ کا سینہ چاک کیا۔ لیکن مدلول آیت کا بظاہر وہ معلوم نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم۔

آپ ﷺ کا بوجھ اُتار دیا

وحی کا اُترنا اول سخت مشکل تھا۔ پھر آسان ہوگیا۔ یا منصب رسالت کی ذمہ داریوں کو محسوس کر کے خاطر شریف پر گرانی گزرتی ہوگی۔ وہ رفع کردی گئی۔ یا ''وزر'' سے وہ امور مباحہ مراد ہوں ہو گا وہ بگاہ آپ قرین حکمت و صواب سمجھ کر کر لیتے تھے اور بعد میں اُن کا خلاف حکمت یا خلاف اولیٰ ہونا ظاہر ہوتا تھا اور آپ بوجہ علوشان اور زیارت قرب کے اُس سے ایسے ہی مغموم ہوتے تھے جس طرح کوئی گناہ سے مغموم ہوتا ہے۔ تو اس آیت میں اُن پر مواخذہ نہ ہونے کی بشارت ہوئی۔ کذا روی عن بعض السلف اور حضرت شاہ عبدالعزیزؒ لکھتے ہیں کہ آپ کی ہمت عالی اور پیدائشی استعداد جن کمالات و مقامات پر پہنچنے کا تقاضہ کرتی تھی۔ قلب مبارک کو جسمانی ترکیب یا نفسانی تشویشات کی وجہ سے اُن پر فائز ہونا دشوار معلوم ہوتا ہوگا۔ اللہ نے جب سینہ کھول دیا اور حوصلہ کشادہ کر دیا وہ دشواریاں جاتی رہیں اور سب بوجھ ہلکا ہوگیا۔

آپ ﷺ کے ذکر کو بلندی دی

یعنی پیغمبروں اور فرشتوں میں آپ کا نام بلند ہے۔ دنیا میں تمام سمجھ دار انسان نہایت عزت و وقعت سے آپ ﷺ کا ذکر کرتے ہیں۔ اذان، اقامت خطبہ، کلمہ طیبہ اور التحیات وغیرہ میں اللہ کے نام کے بعد آپ کا نام لیا جاتا ہے اور اللہ نے جہاں بندوں کو اپنی اطاعت کا حکم دیا ہے وہیں ساتھ کے ساتھ آپ کی فرمانبرداری کی تاکید کی ہے۔

Marfat.com

مشکل کے بعد آسانی ہے

یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں جو سختیاں آپ نے برداشت کیں اور رنج وتعب کھینچے۔اُن میں سے ہر ایک سختی کے ساتھ کئی کئی آسانیاں ہیں۔مثلاً حوصلہ فراخ کر دینا جس سے اُن مشکلات کا اُٹھانا سہل ہوگیا اور ذکر کا بلند کرنا جس کا قصور بڑی بڑی مصیبتوں کے تحمل کو آسان کر دیتا ہے۔یا یہ مطلب ہے کہ جب ہم نے آپ کو روحانی راحت دی اور روحانی کلفت رفع کر دی جیسا کہ 'الم نشرح' الخ سے معلوم ہوا تو اس سے دنیوی راحت ومحنت میں بھی ہمارے فضل وکرم کا اُمیدوار رہنا چاہیئے جو وعدہ کرتے ہیں کہ بیشک موجودہ مشکلات کے بعد آسانی ہونے والی ہے اور تاکید مزید کے لئے پھر کہتے ہیں کہ ضرور موجودہ سختی کے بعد آسانی ہو کر رہے گی۔چنانچہ احادیث وسیر سے معلوم ہو چکا کہ وہ سب مشکلات ایک ایک کر کے دور کر دی گئیں۔اور ہر ایک سختی اپنے بعد کئی کئی آسانیاں لے کر آئی۔اب بھی عادۃ اللہ یہی ہے کہ جو شخص سختی پر صبر کرے اور سچے دل سے اللہ پر اعتماد رکھے اور ہر طرف سے ٹوٹ کر اُسی سے لو لگائے اُسی کے فضل ورحمت کا اُمیدوار رہے۔امتداد زمانہ سے گھبرا کر آس نہ توڑ بیٹھے ضرور اللہ اُس کے حق میں آسانی کرے گا۔ایک طرح کی نہیں، کئی طرح کی وفی الحدیث ''لن یغلب عسر'' یسیرین " وفیه ایضاً " لو جاء العسر فد خل ھٰذا الجحر لجاء الیسر حتی ید خل علیه فیخرجه " .

تنہائی میں توجہ الی اللہ کی ترغیب

یعنی جب خلق کے سمجھانے سے فراغت پائے تو خلوت میں بیٹھ کر محنت کر، تا مزید یسر کا سبب بنے اور اپنے رب کی طرف وبلاواسطہ متوجہ ہو (تنبیہ) خلق کو سمجھانا اور نصیحت کرنا آپ کی اعلیٰ ترین عبادت تھی لیکن اُس میں فی الجملہ مخلوق کا توسط ہوتا تھا یہ مطلوب یہ ہے کہ ادھر سے ہٹ کر بلا واسطہ بھی متوجہ ہونا چاہیئے۔اس کی تفسیر اور کئی طرح کی گئی ہے مگر اقرب یہی معلوم ہوتی ہے۔

یٰٓاَھۡلَ الۡکِتٰبِ قَدۡ جَآءَکُمۡ رَسُوۡلُنَا یُبَیِّنُ لَکُمۡ کَثِیۡرًا مِّمَّا کُنۡتُمۡ تُخۡفُوۡنَ مِنَ الۡکِتٰبِ وَیَعۡفُوۡ عَنۡ کَثِیۡرٍ ۵ قَدۡ جَآءَکُمۡ مِّنَ اللّٰہِ نُوۡرٌ وَّکِتٰبٌ مُّبِیۡنٌ ۵ (سورۃ المائدہ آیت ۱۵)

ترجمہ: اے کتاب والوں تحقیق آیا ہے تمہارے پاس رسول ہمارا ظاہر کرتا ہے تم پر بہت سی چیزیں جن کو تم چھپاتے تھے کتاب میں سے اور در گذر کرتا ہے بہت چیزوں سے۔بیشک تمہارے پاس آئی ہے اللہ کی طرف سے روشنی اور کتاب ظاہر کرنے والی۔

یہود ونصاریٰ کو اسلام کی دعوت

یہ سب ''یہود ونصاریٰ'' کو خطاب ہے کہ وہ نبی آخر الزماں ﷺ کی آمد کی بشارت تمہاری کتابوں میں اس قدر تحریف ہونے پر بھی کسی نہ کسی عنوان سے موجود ہیں۔تشریف لے آئے، جن کے منہ میں خدا نے اپنا کلام ڈالا ہے اور جنہوں نے اُن حقائق کی جو حضرت مسیح ناتمام چھوڑ گئے تھے۔''تورات'' و''انجیل'' کی جن باتوں کو تم چھپاتے تھے اور ادل بدل کر کے بیان کرتے تھے اُن میں کی سب ضروری باتیں اس نبی آخر الزماں نے ظاہر فرما دیں اور جن باتوں کی اب چنداں ضرورت نہ تھی اُن سے درگزر کیا۔

Marfat.com

إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا ٥ شَاهِداً عَلَيْكُمْ كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَى فِرْعَوْنَ رَسُولًا ٥ فَعَصَى فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ فَأَخَذْنَهُ أَخْذاً وَّبِيلًا ٥ فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ إِنْ كَفَرْتُمْ يَوْماً يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيباً ٥ السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌ بِهِ ٥ كَانَ وَعْدُهُ مَفْعُوْلًا ٥

ترجمہ: ہم نے بھیجا تمہاری طرف رسول بتلانے والا تمہاری باتوں کا۔ بھیجا فرعون کے پاس رسول۔ پھر کہا نہ مانا فرعون نے رسول کا پھر پکڑی ہم نے اُسکو وبال کی پکڑ۔ پھر کیونکر بچو گے اگر منکر ہو گئے اُس دن جو کرڈالے لڑکوں کو بوڑھا۔ آسمان پھٹ جائیگا اُس دن میں اُسکا وعدہ ہونے والا ہے۔ (سورۃ المزمل آیت ۱۸ تا ۱۵)

قیامت میں زمین کانپے گی

یعنی اُس عذاب کی تمہید اس وقت سے شروع ہوگی جب پہاڑوں کی جڑیں ڈھیلی ہو جائیں گیا ور وہ کانپ کر گر پڑیں گے اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ جیسے ریت کے تودے جس پر قدم جم نہ سکے۔ یعنی ہی پیغمبر اللہ کے ہاں گواہی دیگا کہ کس نے اُس کا کہنا مانا اور کس نے نہیں مانا تھا۔

تورات کی پیشگوئی

یعنی حضرت موسیٰ کی طرح تم کو مستقبل دین اور عظیم الشان کتاب دیکر بھیجا۔ شاید اُس پیشن گوئی کی طرف اشارہ ہے جو تورات سفرا استثناء میں ہے کہ " میں اُن کے لئے اُن کے بھائیوں (بنی اسماعیل) میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا"۔ جب موسیٰ کے قوم کو ایسا سخت پکڑا تو محمد ﷺ کے منکرین کو کیوں نہ پکڑے گا۔ جو تمام انبیاء سے افضل اور برتر ہیں۔

بچوں کو بوڑھا کر دینے والا دن

یعنی دنیا میں اگر بچ گئے تو اس دن کیونکر بچے گے جس دن کی مشقت اور درازی بچوں کو بوڑھا کر دینے والی ہوگی۔ خواہ فی الحقیقت بچے بوڑھے نہ ہوں لیکن اُس روز کی سختی اور لمبائی کا اقتضاء یہی ہوگا۔

مطالعہ سیرت کی ضرورت واہمیت

اسلام کی اصطلاح میں نبی کریم ﷺ کی زندگی کے حالات وواقعات کے مطالعے کا نام سیرت ہے۔ مطالعہ سیرت کی ضرورت دو لحاظ سے ہے۔

ا۔ تکوینی ضرورت یا فطری ضرورت ۲۔ تشریعی یا شرعی ضرورت ۳۔ تکوینی ضرورت

انسان جب مظاہر قدرت اور نظام کائنات کو دیکھتا ہے تو فوراً اس کے ذہن میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان تمام اشیاء کا بنانے والا کون ہے؟ انہیں کنٹرول کرنے والا کون ہے؟ سورج صبح طلوع ہوتا ہے اور شام کو غروب ہو جاتا ہے، اسی طرح تمام سیارے اپنی اپنی جگہ حرکت میں ہیں۔ اس تمام نظام کو کنٹرول کرنے والا کون ہے۔ اس سلسلے میں ہمارے پاس جتنے علم کے ذرائع

Marfat.com

ہیں سب کے سب ناقص ہیں۔صرف وحی ہی ایسا ذریعہ ہے جس سے ہمیں اس سوال کا مستند جواب ملتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کا مقصد عبادت بیان کیا ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ٥ (الذاریات: ۵۸)

یہاں عبادت سے مراد پوری زندگی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں دینا ہے۔بس جب انسان کی کامیابی خدائی ضابطہ کی اطاعت میں مضمر ہے تو لازم ہے کہ انسان پتا لگائے کہ ضابطہ الٰہی کیا ہے؟ تاکہ انسان اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا حاصل کرے اور اس کی ناراضگی سے اجتناب کرے۔اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول کا طریقہ کیا ہے؟ خدائی احکامات جاننے کے جتنے ذرائع ہیں وحی کے علاوہ باقی سب ناقص ہیں۔چونکہ وحی الٰہی ہی خدائی احکام جاننے کا واحد معتبر ذریعہ ہے اس لئے صاحب وحی کی سیرت کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔اللہ تعالیٰ نے رسولوں اور نبیوں کے ذریعے اپنے احکام انسانوں تک پہنچائیں ان احکامات کو جاننے اور ان پر عمل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس شخص کی سیرت کا مطالعہ کیا جائے جس کے ذریعے یہ احکام ہم تک پہنچے ہیں۔

تشریعی یا شرعی ضرورت

اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام نبی کریم ﷺ کے ذریعے انسانوں تک پہنچائے ہیں اور آپ ﷺ نے ان خدائی احکامات پر عمل کر کے بھی دکھایا ہے اس لئے ہمیں نبی کریم ﷺ کی سیرت کے مطالعہ کی ضرورت محسوس ہوتی ہے ورنہ دین میں بے شمار راہیں نکل آئیں گی جن سے اُمت کی وحدت پارہ پارہ ہو جائے گی۔مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ نے ہمیں نماز ادا کرنے کا حکم دیا ہے لیکن نماز کی شرائط،طریقہ اور اوقات نہیں بتائے۔اس کے لئے ہمیں ضرورت پڑتی ہے کہ ہمیں رسول اکرم ﷺ طریقہ اور شرائط بھی بتائیں ورنہ ہر کوئی اپنا اپنا طریقہ اپنائے گا۔اس طرح ہدایت کی بجائے گمراہی پھیلنے کا اندیشہ ہے۔اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نبی کریم ﷺ کی مختلف حیثیتیں بیان فرمائی ہیں جن کا تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے۔

رسول بحیثیت رہبر و راہنما

قرآن مجید نبی کریم ﷺ کو راہبر و راہنما کی حیثیت سے پیش کرتا ہے۔اسکے ساتھ آپ ﷺ کی زندگی کو نمونہ قرار دے کر آپ ﷺ کی پیروی کا حکم دیتا ہے۔آپ ﷺ کی قیادت سے انکار کرنا سراسر کفر ہے۔

ارشاد ربانی ہے: لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ ٥

ترجمہ:"بے شک تمہارے لئے رسول اللہ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے"۔(الاحزاب:۲۱)

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ ٥ (آل عمران: ۳۱)

ترجمہ: "کہو اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت رکھے گا"۔

اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ ٥ ترجمہ:"اللہ اور رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے"۔(آل عمران:۱۳۲)

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ کا خُلقِ عظیم

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ خلق عظیم سے مراد دین عظیم ہے کہ اللہ کے نزدیک اس دین اسلام سے زیادہ کوئی محبوب دین نہیں۔حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ آپکا خلق خود قرآن ہی یعنی قرآن کریم جن اعلیٰ اعمال واخلاق کی تعلیم دیتا ہے۔آپ اُن سب کا عملی نمونہ ہیں۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ خلق عظیم سے مراد آداب القرآن ہیں یعنی وہ آداب جو قرآن نے سکھائے ہیں۔حاصل سب کا تقریباً ایک ہی ہے۔رسول کریم ﷺ کے وجود باجود میں حق تعالیٰ نے تمام ہی اخلاق فاضلہ بدرجہ کمال جمع فرمادیئے تھے۔خود آنحضرت ﷺ نے فرمایابعثت لا تمم مکارم الاخلاق یعنی مجھےاس کام کے لئے بھیجا گیا ہے کہ میں اعلیٰ اخلاق کی تکمیل کردوں۔(ابوحیان)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے دس (۱۰) سال رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اس پوری مدت میں جو کام میں نے کیا آپ نے کبھی یہ نہیں فرمایا کہ ایسا کیوں کیااور جو کام نہیں کیا اُس پر کبھی یہ نہیں فرمایا کہ یہ کام کیوں نہیں کیا۔(حالانکہ یہ ظاہر ہے کہ دس سال کی مدت میں خدمت کرنے والے کے بہت سے کام خلاف طبع ہوئے ہونگے)(بخاری ومسلم)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آپ کے مکارمِ اخلاق کا یہ حال تھا کہ مدینہ کی کوئی لونڈی باندی بھی آپ کا ہاتھ پکڑ جہاں لیجانا چاہے لیجاسکتی تھی۔ (رواہ البخاری)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی اپنے ہاتھ سے کسی کو نہیں مارا بجز جہاد فی سبیل اللہ کے کہ اس میں کفار کو مارنا اور قتل کرنا ثابت ہے ورنہ آپ نے نہ کسی خادم کو نہ کسی عورت کو کبھی مارا،اُن میں سے کسی سے خطاولغزش بھی ہوئی تو اسکا انتقام نہیں لیا۔بجز اسکے کہ اللہ کے حکم کے خلاف ورزی کی ہوتو اُس پر شرعی سزا جاری فرمائی۔(رواہ ومسلم)

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے کبھی کسی چیز کا سوال نہیں کیا گیا جس کے جواب میں آپ نے نہیں فرمایا ہو(بخاری ومسلم) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نہ فحش گو تھے نہ فحش کے پاس جاتے تھے نہ بازاروں میں شوروشغب کرتے تھے برائی کا بدلہ کبھی برائی سے نہیں دیتے تھے بلکہ معافی اور درگزر کا معاملہ فرماتے تھے۔اور حضرت ابوالدرداؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میزان عمل میں خلق حسن کی برابر کسی عمل کا وزن نہیں ہوگا،اور اللہ تعالیٰ گالی گلوچ کرنے والے بدزبان سے بغض رکھتے ہیں (رواہ الترمذی وقال حدیث حسن صحیح)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان اپنے حسن خلق کی بدولت اُس شخص کا درجہ حاصل کرلیتا ہے جو ہمیشہ رات کو عبادت میں جاگتا اور دن بھر روزہ رکھتا ہو (رواہ ابوداؤد)

حضرت معاذؓ نے فرمایا کہ مجھے یمن کا عامل مقرر کرکے بھیجنے کے وقت آخری وصیت جو آپنے مجھےاس وقت فرمائی جبکہ میں اپنا ایک پاؤں رکاب میں رکھ چکا تھاوہ یہ تھی یَامَعَاذُ اَحْسِنْ خُلُقَکَ لِلنَّاسِ (اے معاذ لوگوں سے حسن خلق کا برتاؤ کرو)۔

Marfat.com

رسول اکرم ﷺ بحیثیت شارع

قرآن مجید میں بہت واضح الفاظ میں نبی کریم ﷺ کو تشریعی اختیارات دیئے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امر و نہی تحلیل و تحریم صرف وہی نہیں جو قرآن مجید میں بیان ہوئے ہیں بلکہ وہ سب چیزیں ہیں جنہیں نبی کرم ﷺ نے حلال یا حرام قرار دیا ہے۔

يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ ٥ (الاعراف: ۱۵۷)

ترجمہ: ''وہ انہیں نیکی کا حکم دیتا ہے اور برائی سے منع کرتا ہے اور ان کے لئے پاکیزہ چیزیں حلال کرتا ہے اور ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے۔''

وَمَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ٥ (الحشر: ۷)

ترجمہ: ''جو رسول تمہیں دے وہ لے لو اور جس سے منع کرے اس سے رُک جاؤ''۔

رسول ﷺ بحیثیت شارح

''شارح'' کے معنی ہیں، شرح بیان کرنے والا۔ نبی کریم ﷺ جہاں قرآن کی عملی تفسیر تھے وہاں آپ ﷺ نے اپنے قول سے بھی قرآن مجید کی تشریح فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ ٥ (القرآن)

ترجمہ: ''اور ہم نے ذکر (قرآن) تم پر نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کے لئے کھول کر بیان کر دیں جو ان کی طرف نازل کیا گیا ہے''

قرآن مجید کے مجمل احکامات کو سمجھنے کیلئے آپ ﷺ کی سیرت کا مطالعہ ضروری ہے۔

رسول ﷺ بحیثیت قاضی

نبی کریم ﷺ کو مسلمانوں نے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے منصف بنایا ہے۔ آپ ﷺ کی یہ حیثیت رسالت کا ہی ایک حصہ ہے۔ جو شخص نبی کریم ﷺ کے فیصلے کو تسلیم نہیں کرتا وہ مسلمان نہیں ہے۔

اِنَّا اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا اَرٰىكَ اللّٰهُ ٥ (القرآن)

ترجمہ: ''ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ تمہاری طرف نازل فرمائی ہے تاکہ جو راہ راست اللہ نے آپ کو دکھائی ہے اس کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں''۔

آپ ﷺ کے فیصلوں کو جاننے کے لئے ضروری ہے کہ آپ ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کیا جائے۔

بحیثیت مبلغ وداعی

نبی کریم ﷺ مبلغ اسلام بھی تھے اور داعی الحق بھی۔ آپ ﷺ نے مخلوق خدا کو اللہ تعالیٰ کا آخری پیغام بڑی وضاحت اور کامیابی سے پہنچایا۔ حجۃ الوداع کے موقع پر اعلان فرمایا: اے لوگو! تم سے قیامت کے دن میرے بارے میں سوال

Marfat.com

کیا جائے گا تو کیا جواب دو گے؟ تو صحابہ نے کہا کہ ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا ہے اور نصیحت وخیر خواہی کا حق ادا کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو دعوت کے لوازمات اس طرح سکھائے۔

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ٥ (نحل: ۱۲۵)

ترجمہ: ''اپنے رب کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلائیے اور اچھے طریقے سے مناظرہ کیجئے''۔

بحیثیت سربراہ خاندان

آپ ﷺ نے اپنے گھرانے کا سربراہ ہونے کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریوں کو جس انداز سے نبھایا وہ ہر خاندان کے سربراہ کے لئے قابلِ اتباع اور نمونہ ہے۔ ارشاد فرمایا: ''تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو اپنے اہل (خاندان) کے لئے بہتر ہو اور میں اپنے اہل کے حق میں سب سے بہتر ہوں'' (ترمذی)

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک بار حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا کہ نبی کریم ﷺ کا گھر کے کام کاج کے متعلق کیا رویہ تھا۔ انہوں نے جواب دیا اپنے گھریلو کاموں میں مشغول رہتے۔ نماز کا وقت ہوتا تو اُٹھ کر چل پڑتے۔ اولاد پر بڑی شفقت فرماتے تھے۔ حضرت فاطمہؓ گھر تشریف لاتیں تو اُٹھ کھڑے ہو جاتے۔ خدام کو ہمیشہ گھر کا فرد ہی تصور کرتے تھے۔ زیدؓ بن حارثہ کو جانے یا نہ جانے کا اختیار دیا تو انہوں نے آستانہ رحمت کو شفقت والدین پر ترجیح دی۔ حضرت اُسامہؓ سے اتنی محبت فرماتے کہ کہتے اگر اسامہ بیٹی ہوتی تو میں اسے زیور پہناتا۔

نبی ﷺ بحیثیت سپہ سالار

نبی کریم ﷺ کی دس سالہ مدنی زندگی سرد یا گرم جنگوں پر مشتمل ہے جس میں مجاہدین کے نقصان کے اوسط ایک ماہ فی کس بنتی ہے۔ اسی طرح قیدیوں کی کل تعداد ۶۵۶۴ ہے جن میں سے صرف دو قیدیوں کو انکے سنگین جرم کی پاداش میں قتل کروایا۔ یہ اعداد وشمار اس امر کی بین دلیل ہیں کہ آپ ﷺ دنیا کے بہترین سپہ سالار ہیں۔ اس لحاظ سے آپ ﷺ نے دنیا کے تمام سپہ سالاروں کے لئے ایک نمونہ چھوڑا ہے۔ جاہلیت میں جنگ کا مقصد مال غنیمت اکٹھا کرنا، بہادری کا سکہ بٹھانا یا ذاتی انتقام ہوتا تھا۔ آپ ﷺ نے جاہلیت کے جنگ کے تمام اُصولوں کو تبدیل کر دیا۔

بحیثیت فرمانروا

قرآن مجید کی متعدد آیات بتلاتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کی جانب سے مقرر کردہ حاکم ہیں۔ آپ ﷺ کا رسول ہونا ہی حاکم ہونے کی دلیل ہے۔ بطور حاکم آپ ﷺ کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ آپ ﷺ نے حکمرانوں کو حکومت کرنے کے اُصول سکھائے۔

عظیم انقلابی راہنما

نبی کریم ﷺ نے ایک سیاسی راہنما کی حیثیت سے عالم انسانی میں ایک عظیم انقلاب برپا کر دیا۔ بنجر زمین کو زرخیز

Marfat.com

اور ریت کے ذروں کی طرح بکھری ہوئی قوم کو جسد واحد بنا دیا۔

مولانا حالی اس انقلاب کے بارے میں لکھتے ہیں: وہ بجلی کا کڑکا تھا کہ صوت ہادی عرب کی زمیں جس نے ہلا دی

مکی دور کے اہم واقعات اور نبوت سے پہلے کے واقعات

والدین کا انتقال

نبی کریم ﷺ کی پیدائش سے قریبا دو ماہ پہلے آپ ﷺ کے والد حضرت عبداللہ انتقال کر گئے تھے۔ چھ برس کی عمر میں والدہ ماجدہ حضرت آمنہ کا انتقال ہوگیا۔ نبی کریم ﷺ عمر کے آٹھویں برس میں تھے کہ عمر رسیدہ دادا نے انتقال فرمایا۔

جنگ فجار

جنگ فجار میں نبی کریم ﷺ نے صرف اپنے چچاؤں کو تیر وغیرہ ہی پکڑائے۔ یہ جنگ قریش اور قیس کے قبیلوں کے درمیان ہوئی۔ جنگ کے بعد ہر مظلوم کی مدد کرنے کا معاہدہ ہوا تھا۔ نبی کریم ﷺ بھی اس معاہدے میں شریک تھے۔

حضرت خدیجہؓ سے شادی

آپ ﷺ نے پچیس (۲۵) سال کی عمر میں حضرت خدیجہؓ سے شادی کی۔ اس وقت حضرت خدیجہؓ کی عمر ۴۰ سال تھی۔

تعمیر کعبہ اور حجر اسود کے تنازع کا فیصلہ

نبی کریم ﷺ اپنی عمر کے پینتیسویں (۳۵) سال میں تھے کہ قریش نے خانہ کعبہ کو نئے سرے سے تعمیر کیا تو حجر اسود نصب کرنے پر اختلاف ہوا۔ قریب تھا کہ تلواریں نکل آتیں، آپ ﷺ نے فہم وفراست سے معاملہ کو سلجھایا۔

غار حرا میں وحی کا نزول

نبوت سے پہلے آپ ﷺ غار حرا میں عبادت کے لئے جایا کرتے تھے۔ چالیس سال کی عمر میں غار حرا میں ہی اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیلؑ کے ذریعے آپ ﷺ کو نبوت سے سرفراز فرمایا۔

اعلان نبوت کے بعد کے واقعات

اعلان نبوت کے بعد کے واقعات کو ہم تین ادوار میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

ا۔	پہلا دور	پس پردہ دعوت (ابتدائی تین سال)
۲۔	دوسرا دور	اعلانیہ دعوت (۴ سن نبوی تا ۱۰ سن نبوی کے اواخر تک)
۳۔	تیسرا دور	مکہ کے باہر اسلام کی دعوت اور پھیلاؤ (سن ۱۱ نبوی تا ہجرت مدینہ)

پہلا دور۔ پس پردہ دعوت

مکہ ایسا مرکز تھا جہاں کعبہ کے پاسبان بھی تھے اور بتوں کے نگہبان بھی۔ ان لوگوں کو پورا عرب تقدس کی نگاہ سے

Marfat.com

دیکھتا تھا۔اس کیفیت کے پیش نظر حکمت کا تقاضہ تھا کہ پہلے پہل دعوت کا کام پس پردہ انجام دیا جائے۔اس دعوت کے نتیجے میں ایک چھوٹی سی جماعت المسلمین تیار ہوگئی، جس کے کارکنان حضرت خدیجہؓ،حضرت ابوبکرؓ،حضرت علیؓ،حضرت زیدؓ،بن حارثہ، عبدالرحمٰنؓ بن عوف، زبیرؓ،طلحہؓ وغیرہ تھے۔

نماز کا حکم

ابتداء میں جو کچھ نازل ہوا ان میں نماز کا حکم بھی تھا۔مقاتل بن سلیمانؒ کہتے ہیں کہ ابتداء میں دو رکعت صبح اور دو رکعت شام کی نماز فرض ہوئی تھی۔صحابہ کرام گھاٹیوں میں چھپ کر یہ نماز ادا کرتے تھے۔(ابن ہشام)

قریش کو اجمالی خبر

قریش نے حضرت محمد ﷺ کو محض دینی آدمی سمجھا جو الوہیت پر بحث کرتا ہے جیسا کہ امیہ بن ابی الصلت،قیس بن ساعدہ اور زید بن عمرو بن نفیل وغیرہ کیا کرتے تھے۔لہٰذا انہوں نے کسی ردعمل کا اظہار نہیں کیا۔

خصوصیات

جماعت المسلمین کا تیار ہونا

نبی کریم ﷺ کی خفیہ دعوت کے نتیجے میں مسلمانوں کی ایک چھوٹی سی جماعت تیار ہوگئی۔اگر آپ ﷺ شروع میں ہی اعلانیہ دعوت دیتے تو شاید یہ جماعت تیار نہ ہوسکتی کیونکہ مشرکین نے آپ ﷺ کی فوراً مخالفت شروع کر دینی تھی اور آپ ﷺ کی دعوت کو ناکام بنانے کے لئے پوری توانائی صرف کر دینی تھی۔

قریش کا توجہ نہ دینا

نبی کریم ﷺ سے پہلے بھی چند لوگ ایسے گزرے تھے جو لوگوں کو توحید کی دعوت دیتے تھے اس لئے کفار نے آپ ﷺ کی دعوت کے خلاف فوری طور پر کاروائی نہ کی۔انہوں نے آپ ﷺ کو بھی ان لوگوں سے مختلف نہ سمجھا۔

اشاعت اسلام

قریش کے توجہ نہ دینے کی وجہ سے لوگ چوری چھپے مسلمان ہوتے گئے۔اس طرح آہستہ آہستہ تین سالوں میں اسلام کی جڑیں مضبوط ہوگئیں۔دیے سے دیا روشن ہوتا گیا اور اسلام کافی حد تک پھیل گیا۔

احکام الٰہی کا نزول

اس دور میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر ﷺ پر مختلف احکامات نازل کیے،مثلاً نماز ادا کرنے کا حکم نازل ہوا،اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی بذریعہ وحی رہنمائی کرتا تھا۔

Marfat.com

دوسرا دور۔ اعلانیہ نبوت

قرابت داروں کو دعوت

اظہار دعوت کے متعلق سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کا حکم نازل ہوا۔

وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ ۝ (شعراء) ترجمہ: آپ اپنے نزدیک ترین قرابت داروں کو ڈرایئے۔

نبی کریم ﷺ نے بنی ہاشم کو جمع کر کے دعوت دی تو ابولہب نے سب سے پہلے دعوت کو جھٹلایا۔ نبی کریم ﷺ نے دوبارہ لوگوں کو اکٹھا کیا اور اسلام کا پیغام نہیں دیا۔ ابولہب نے پھر کہا، اللہ کی قسم یہ برائی ہے۔ اسکے ہاتھ تم دوسروں سے پہلے ہی پکڑ لو۔

کوہِ صفا پر خطاب

ایک دن نبی کریم ﷺ نے صفاء پہاڑی پر چڑھ کر یا صباحا یا صباحا کی صدا لگا کر لوگوں کو اکٹھے کر کے اسلام کی دعوت دی تو ابولہب نے کہا:

تَبًّا لَکَ یَا مُحَمَّدُ اَلِھٰذَا جَمَعْتَنَا ۝ ترجمہ: "اے محمد تو تباہ ہو جائے تو نے ہمیں اسی لئے یہاں جمع کیا تھا"

اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر ابولہب کی مذمت میں سورۃ اللھب نازل فرمائی۔

حق کا واشگاف اعلان

اس آواز کی گونج بھی مکے میں ہی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے حکم نازل فرمایا: فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِکِیْنَ ۝ "پس آپ ﷺ کو جو حکم دیا جا رہا ہے اسے (بلا جھجک) بجالائیں اور مشرکوں کی (رکاوٹوں کی) پرواہ نہ کریں"

قریش ابوطالب کی خدمت میں

قریش نے ابوطالب کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ اپنے بھتیجے کو روکو وہ ہمارے خداؤں کو برا بھلا کہتا ہے۔ ہمارے دین پر عیب چینی کرتا ہے۔ ابوطالب نے جواباً نرم بات کہی۔ اس کے بعد آپ ﷺ کو لالچ دینے کی بھی کوشش کی گئی مگر آپ ﷺ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔

پہلی ہجرت حبشہ

۴ ہجری میں جور و ستم کا شروع ہونے والا سلسلہ بڑھتا بڑھتا اپنے شباب کو پہنچ گیا حتیٰ کہ مسلمانوں کا مکہ میں رہنا مشکل ہو گیا۔ نبی کریم ﷺ نے حالت کے پیش نظر مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دے دیا۔

دوسری ہجرت حبشہ

ہجرت کرنے کے بعد مسلمانوں کو غلط فہمی ہوئی کہ کفار کے ساتھ نبی کریم ﷺ نے اتحاد کر لیا ہے تو وہ واپس آ گئے۔

Marfat.com

واپسی پر خبر غلط معلوم ہوئی تو دوبارہ حبشہ چلے گئے۔ اس دفعہ قریباً ۸۲ مردوں نے اور ۱۹ عورتوں نے ہجرت کی۔

حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ کا اسلام قبول کرنا

نبی کریم ﷺ اکثر دعا کیا کرتے تھے کہ یا اللہ عمر بن خطاب یا عمرو بن ہشام (ابوجہل) کو مسلمان کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی دعا قبول کی اور حضرت عمرؓ مسلمان ہو گئے۔ حضرت حمزہؓ ان سے پہلے ہی مسلمان ہو گئے تھے۔

شعب ابی طالب میں محصوری

مشرکین کو کامیابی کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو انہوں نے بنی ہاشم کا بائیکاٹ کر دیا۔ بائیکاٹ صحیفہ خانہ کعبہ کے اندر لٹکا دیا گیا۔ یہ واقعہ ۷ نبوی کا ہے۔ محرم سن ۱۰ نبوی مشرکین نے خود ہی یہ بائیکاٹ ختم کر دیا۔

عام الحزن

شعب ابی طالب کی محصوری کے خاتمہ کے چھ ماہ بعد حضرت ابو طالب کی وفات ہوئی اور ان کی وفات کے دو یا تین ماہ بعد حضرت خدیجہؓ بھی انتقال فرما گئیں۔ یہ دونوں الم انگیز حادثے چند ماہ میں پیش آئے۔ یہ سال آپ ﷺ کے لئے انتہائی غمگین تھا اس لئے عام الحزن کہلاتا ہے۔

دوسرے دور کی خصوصیات

حق کا واشگاف اعلان

اس دور میں اعلانیہ دعوت کا حکم نازل ہوا۔ نبی کریم ﷺ نے پہلے تین سال خفیہ تبلیغ کی، پھر رشتہ داروں کو دعوت دی اور اس کے بعد اعلانیہ دعوت دی۔

ابولہب کا قریش کو خطرے سے آگاہ کرنا

نبی کریم ﷺ نے خاندان بنو ہاشم کو دعوت دی تو ابولہب نے لوگوں کو آگاہ کر دیا کہ محمد ﷺ جس دعوت کو لے کر اٹھا ہے وہ مستقبل میں ہمارے لئے خطرناک ہو سکتی ہے، لہٰذا ابھی اس کو روک دو۔

مشرکین کی پریشانی

اعلانیہ دعوت کے مکہ کے تمام مشرکین پریشان ہو گئے کیونکہ وہ اپنے خود ساختہ مذہب کی حقیقت سے آگاہ تھے۔

وہ ہر وقت نبی کریم ﷺ کی دعوت کو ناکام بنانے کے لئے منصوبے بناتے رہتے تھے۔

مسلمانوں پر تکالیف کے پہاڑ ٹوٹنا

جب رسول پاک ﷺ کی تبلیغ نے اپنا اثر دکھانا شروع کیا تو مشرکین مکہ نے نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کو تکالیف دینا شروع کر دیں۔ حضرت خبابؓ کو انگاروں پر لٹایا جاتا۔ حضرت بلالؓ کو تپتی ریت پر لٹا دیا جاتا۔ اس طرح

Marfat.com

دیگر صحابہ کو اذیتیں دی جاتی تھیں۔

اسلام کی بنیادوں کا مضبوط ہونا

اس دور میں کچھ ایسے لوگ بھی ایمان لائے جو اسلام کی تقویت کا باعث بنے۔ مثلاً حضرت عمرؓ اور حضرت حمزہؓ اس کے بعد کفار کے ظلم وستم کا زور ٹوٹ گیا اور مسلمانوں کو اسلام پھیلانے میں سہولت ہوگئی۔

ہجرت کی اجازت

کفار کی تکالیف کے نتیجے میں مسلمانوں کو ہجرت کی اجازت مل گئی۔ چنانچہ پہلے حبشہ کی طرف اور پھر مدینۃ المنورہ کی جانب ہجرت کی۔

نبی کریم ﷺ کو غم پہنچنا

اس دور میں آپ ﷺ کے محبوب چچا جناب ابو طالب کا انتقال ہوا۔ ان کے بعد حضرت خدیجہؓ کا انتقال ہوا، انکی وفات سے نبی کریم ﷺ کو بہت غم پہنچا۔

تیسرا دور۔ مکہ سے باہر اسلام کی دعوت

طائف میں تبلیغ

نبی کریم ﷺ نے مکہ سے باہر تبلیغ کرنے کے لئے وادی طائف کا انتخاب کیا۔ آپ ﷺ نے طائف پہنچ کر وہاں کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے پتھر مار مار کر آپ ﷺ کو لہولہان کردیا۔ طائف کے لوگوں کے رویے نے آپ ﷺ کی پریشانی میں اور اضافہ کردیا۔ اگر چند لوگ بھی ایمان لے آتے تو آپ ﷺ کو بہت خوشی ہوتی۔

حضرت عائشہؓ سے نکاح

حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد نبی کریم ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے نکاح کرلیا، یہ واقعہ معراج سے پہلے پیش آیا۔

معراج النبی ﷺ

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۝

ترجمہ: پاک ذات ہے جو لے گیا اپنے بندہ کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک۔ جس کو گھیر رکھا ہے ہماری برکت نے تاکہ دکھلائیں اسکو کچھ اپنی قدرت۔ وہی ہے سننے والا دیکھنے والا۔

یعنی اُس کی ذات نقص وقصور اور ہر قسم کے ضعف وعجز سے پاک ہے جو بات ہمارے خیال میں بے انتہا عجیب معلوم ہو اور ہماری ناقص عقلیں اُسے بعید مستبعد سمجھیں، خدا کی قدرت ومشیت کے سامنے وہ کچھ بھی مشکل نہیں۔

Marfat.com

واقعہ اسریٰ

یعنی صرف ایک رات کے محدود حصہ میں اپنے مخصوص ترین اور مقرب ترین بندہ (محمد رسول اللہ ﷺ) کو حرم مکہ سے بیت القدس تک لے گیا۔ اس سفر کی غرض کیا تھی؟ آگے لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا میں اُس کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ خود اس سفر میں یا ''بیت المقدس'' سے آگے کہیں اور لیجا کر اپنی قدرت کے عظیم الشان نشان اور حکیمانہ انتظامات کے عجیب و غریب نمونے دکھلانے منظور تھے۔ سورۂ نجم میں ان آیات کا کچھ ذکر کیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ''سدرۃ المنتہیٰ'' تک تشریف لے گئے اور نہایت عظیم الشان آیات کا مشاہدہ فرمایا۔

وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى عِنْدَ هَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى اِذْ يَغْشَ السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى مَازَاغَ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى (سورۃ النجم رکوع :۱)

معراج النبی اور نماز کی فرضیت

نبوت کے دسویں سال ۲۷ رجب کو نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے معراج سے نوازا۔ معراج کے موقع پر نماز پنجگانہ فرض ہوئیں۔

معراج شریف یعنی حضور اکرم ﷺ کے حکم سے رات کو حالت بیداری میں اپنے جسم مبارک کے ساتھ براق پر سوار ہو کر مکہ معظمہ سے بیت المقدس تک اور وہاں سے ساتوں آسمانوں اور سدرۃ المنتہیٰ تک پھر وہاں سے جہاں تک اللہ تعالیٰ کو منظور تھا تشریف لے گئے اور وہ مقام قرب حاصل ہوا کہ ''کس نہ کشود نہ کشاید بہ حکمت این معمارا'' یعنی کسی شخص نے نہ اس راز کو مصلحت کھولا اور نہ کھولے۔ اسی رات میں آپ کو جنت دوزخ کی سیر کرائی گئی اور آپ ﷺ نے تمام ملکوت السموت والارض کو دیکھا اور یہ سب کچھ رات کے ایک خفیف حصہ میں پیش آیا یعنی آپ کا بستر بھی گرم تھا اور مکان کی کنڈی (زنجیر) ابھی تک ہل رہی تھی کہ آپ اپنی قیام گاہ پر واپس تشریف لے آئے۔ اسی کو معراج کہتے ہیں اور یہ معراج جسمانی تھی اور حق تھی، اس میں شبہ کرنا اور نہ ماننا کفر ہے۔ اس جسمانی معراج کے علاوہ اس سے پہلے بھی آنحضرت ﷺ کو چند مرتبہ (غالباً چار یا پانچ مرتبہ) خواب میں معراج ہوئی لیکن یہ منامی معراجیں تھیں۔ انبیاء علیہم السلام کے خواب سچے ہوتے ہیں ان میں غلطی اور خطا کا شبہ نہیں ہو سکتا۔ دیگر انبیاء علیہم السلام کو بھی اپنے اپنے مقام کے مطابق معراجیں ہوئیں لیکن حضور انور ﷺ کی جسمانی معراج سب سے اعلیٰ و افضل ہے۔

بیعت عقبہ اولیٰ و ثانیہ

نبوت کے گیارھویں سال یثرب کے چھ آدمیوں نے اسلام قبول کیا، ان کی تبلیغ سے مزید سات آدمیوں نے اسلام قبول کیا اور عقبہ کے مقام پر نبی ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ نبوت کے تیرھویں سال ستر سے زیادہ لوگ فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے تشریف لائے اور انہوں نے چھپ کر عقبہ کی گھاٹی میں رات کے وقت نبی کریم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس بیعت کا

Marfat.com

نام بیعت عقبہ ثانیہ ہے۔

تیسرے دور کی خصوصیات

۱۔ طائف کے لوگوں نے آپ ﷺ پر پتھر برسائے او اللہ تعالیٰ نے فرشتہ بھیجا کہ اے پیغمبر اگر آپ کہیں تو ہم طائف والوں کو تباہ کر دیتے ہیں۔ مگر آپ ﷺ نے ان کے لئے ہدایت کی دعا فرمائی۔ فتح مکہ کے بعد وہی لوگ آپ ﷺ کی خدمت میں قیدی کی حیثیت سے پیش ہوئے مگر آپ ﷺ نے سب کو معاف کر دیا۔

۲۔ اس دور کی نمایاں خصوصیات پنجگانہ نماز کی فرضیت ہے۔

۳۔ حضرت خدیجہؓ اور جناب ابو طالب کی وفات سے آپ بہت پریشان تھے۔ اللہ نے آپ کو آسمانوں کی سیر کروائی جس نے آپ کی پریشانی ختم کر دی۔ تاریخ میں یہ واقعہ معراج النبی ﷺ کہلاتا ہے۔

قریش کی مخالفت کے اسباب اور دعوت حق کو روکنے کی تدبیریں

حق کا واشگاف اعلان

نبی کریم ﷺ کی مخالفت کی سب سے بڑی وجہ آپ ﷺ کا حق کا واشگاف اعلان تھا۔ جب تک آپ ﷺ نے خفیہ تبلیغ کی، کسی نے آپ ﷺ کی مخالفت نہیں کی۔ آپ ﷺ نے جونہی حق کا واشگاف اعلان کیا مکہ کے لوگ آپ ﷺ کے دشمن بن گئے۔

آباؤ اجداد کی تقلید

مخالفت کی دوسری وجہ آباؤ اجداد کی اندھی تقلید تھی۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْ بَلْ نَتَّبِعُ مَ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَ نَاه

ترجمہ: ''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو کچھ اللہ نے نازل کیا ہے اس کی پیروی کرو تو کہتے ہیں کہ ہم تو اپنے آباؤ اجداد کی پیروی کریں گے''

دین اسلام کا اجنبی ہونا

عرب کے مشرکین سمجھتے تھے کہ جو کچھ ہم کر رہے ہیں ٹھیک ہی تو کر رہے ہیں اگر غلط ہو تو اللہ تعالیٰ ہمیں روک دے اس لئے توحید کا پیغام ان کے لئے اجنبی تھا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ حضرت عیسیٰ علیہم السلام اور حضرت محمد ﷺ کے درمیان ۵۷۰ سال کا فاصلہ ہے۔ اتنے طویل عرصے میں لوگ توحید کو ویسے ہی بھول چکے تھے۔

انا پرستی

مخالفت کا ایک اہم سبب انا پرستی بھی تھا۔ مکہ کے لوگ سمجھتے تھے کہ اگر ہم نے دین اسلام قبول کر لیا تو نہ صرف مکہ والوں

Marfat.com

کے درمیان سے بلکہ پورے عرب سے ہماری چودھراہٹ کا خاتمہ ہو جائے گا۔

مساوات کی ناپسندیدگی

اسلام چونکہ مساوات کا درس دیتا ہے اور عربوں کے ہاں عدم مساوات کا تصور تھا اس لئے وہ لوگ کیسے اسلام کو برداشت کرسکتے تھے کہ جہاں ہم بیٹھیں وہیں پر غریب اور غلام لوگ بھی بیٹھیں۔

قبائلی رقابت

اسلام سے قبل ہی عرب کے لوگ قبائلی طور پر ایک دوسرے کے رقیب تھے۔ نبی کریم ﷺ کا تعلق بنی ہاشم سے تھا جن قبائل کی ان سے مخالفت تھی انہوں نے اس رقابت کی وجہ سے بھی دعوت اسلامی کو روکنے کی کوشش کی۔

نبی کریم ﷺ کی بشریت

عربوں کے ہاں نبوت بشریت کے منافی سمجھی جاتی تھی وہ سمجھتے تھے کہ نبی کسی فرشتے کو ہونا چاہئیے۔ ایک انسان کیسے نبی ہوسکتا ہے۔ اس پر انہیں حیرانی ہوتی تھی۔ ان کا عقیدہ قرآن مجید میں یوں نقل کیا ہے۔

مَالِهٰذَا الرَّسُوْلِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ہ ترجمہ: ''یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے''

تصور آخرت کا ابہام

ایک اہم بات جس کی وجہ سے قریش مکہ نے دعوت اسلامی کو روکنے کی سرتوڑ کوشش کی وہ یہ تھی کہ اسلام نے آخرت کا تصور دیا ہے، ان کے ہاں آخرت کا کوئی تصور نہیں تھا۔ ان کا عقیدہ تھا کہ ہم مرنے کے بعد خاک میں مل جائیں گے تو دوبارہ کیسے اُٹھیں گے۔

مذہبی اثر ورسوخ کا خاتمہ

مذہبی طور پر قریش کو عربوں میں ایک خاص مقام حاصل تھا۔ یہ خاندان نیک تصور ہوتا تھا۔ یہ لوگ خانہ کعبہ کے متولی بھی تھے اور پورے عرب سے چڑھاوے وصول کرتے تھے۔ انہیں خطرہ تھا کہ نبی ﷺ کا ساتھ دینے سے ان کا مذہبی اثر و رسوخ ختم ہو جائے گا۔

معاشرتی برائیوں کا خاتمہ

اسلام معاشرے کو ہر قسم کی برائیوں سے پاک کرنا چاہتا تھا جبکہ عرب کے لوگ معاشرتی برائیوں جن میں سود اور زنا سب سے اہم تھے، کے رسیا بن چکے تھے۔ انہیں یہ برائیاں چھوڑنا گوارا نہ تھا۔ لہٰذا انہوں نے اسلام کی مخالفت میں ہی اپنی سلامتی سمجھی۔

Marfat.com

تجارتی نقصان کا اندیشہ

مکہ کے لوگوں کی اکثریت تجارت کرتی تھی جس کی وجہ سے مکہ نے ایک تجارتی حیثیت حاصل کرلی تھی۔ قریش کو تجارت پر مکمل اجارہ داری حاصل تھی۔ لہٰذا جو قبائل تجارتی شاہراہوں پر آباد تھے ان کے ساتھ تعلقات قائم رکھنا ضروری ہوگیا تھا ورنہ مخالفت کی صورت میں انہیں تجارتی نقصان کا سامنا کرنا پڑتا۔

دعوت اسلامی کو روکنے کیلئے قریش کی تدابیر

مصالحت کی کوشش

قریش نے مصالحت کی کوشش تین طرح سے کی۔

قریش ابوطالب کی خدمت میں

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ اشراف قریش میں سے چند آدمیوں نے ابوطالب کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کی کہ آپ اپنے بھتیجے کو روک لیں یہ ہمارے معبودوں کو بُرا بھلا کہتا ہے۔ ہمارے آباؤ اجداد کو گمراہ گردانتا ہے۔ اس کے جواب میں ابوطالب نے نرم بات کہی اور رازدارانہ لہجہ اختیار کیا۔

سودے بازی کی کوشش

مشرکین نے کچھ لو اور کچھ دو کے اُصول پر یعنی کچھ باتیں مشرکین چھوڑ دیں اور بعض نبی ﷺ سے سودے بازی کی کوشش کی۔

ابن جریر اور طبری کی ایک روایت مطابق مشرکین نے تجویز پیدکی کہ ایک سال آپ ﷺ ہمارے معبودوں کی عبادت کریں، ایک سال ہم آپ ﷺ کے رب کی عبادت کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ کافرون نازل کر کے غیر اللہ کی عبادت کی مکمل نفی کردی۔

لالچ دینے کی کوشش

مشرکین کی جب کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی تو انہوں نے ایک تجویز سوچی کہ نبی کریم ﷺ کو لالچ دیتے ہیں اور کہا کہ اگر آپ ﷺ مال چاہتے ہیں تو ہم مال و دولت کے ڈھیر لگا دیتے ہیں، اگر شادی کا ارادہ ہے تو مکہ کی جس عورت سے کہو شادی کرا دیتے ہیں، اگر بادشاہ بننے کا اردہ ہے تو ہم تمہیں بادشاہ بنا لیتے ہیں لیکن تم ہمارے معبودوں کی توہین سے باز آجاؤ۔

جناب ابوطالب پر دباؤ ڈالنے کی کوشش

پہلا وفد

مشرکین نے دیکھا کہ ابوطالب کے کہنے کے باوجود حضرت محمد ﷺ باز نہیں آئے تو انہوں نے ابوطالب پر دباؤ

Marfat.com

ڈالنے کی کوشش کی اور کہا کہ ہم نے پہلے بھی آپ سے کہا تھا کہ اسے روک لیں لیکن آپ نے نہیں روکا۔ یاد رکھو ہم اسے برداشت نہیں کر سکتے ۔ ایسی جنگ چھڑ سکتی ہے کہ ایک فریق کا صفایا ہو جائے گا۔ ابو طالب پر اس بات کا اثر ہوا تو انہوں نے نبی کریم ﷺ سے کہا کہ مجھے قریش نے اس طرح کہا ہے۔ آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور فرمایا: ''چچا جان! اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھ دیں تو میں پھر بھی باز نہیں آ سکتا'' ابو طالب نے کہا'' بھتیجے جو چاہو کرو۔ اللہ کی قسم میں تمہیں کبھی نہیں چھوڑ سکتا''

دوسرا وفد

قریش نے دیکھا کہ ابو طالب ساتھ چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہیں تو انہوں نے ولید بن مغیرہ کے لڑکے کو نبی ﷺ کے بدلے میں ابو طالب کی خدمت میں پیش کیا کہ اس کے بدلے حضرت محمد ﷺ کو ہمارے حوالے کر دو۔ ابو طالب نے کہا اللہ کی قسم کتنا برا سودا ہے جو تم لوگ مجھ سے کر رہے ہو۔ میں اپنے بھتیجے کو کسی صورت میں تمہارے حوالے نہیں کروں گا۔

نبی ﷺ کے قتل کی تجویز

جب کفار کو ہر طرف سے ناکامی ہوئی تو نبی ﷺ کے قتل کی تجویز دی گئی۔ نبی ﷺ صبح کے وقت نماز کے لئے خانہ کعبہ میں آئے تو ابو جہل ایک پتھر لے کر نبی ﷺ کو ختم کرنے کے لئے لے کر آیا کہ جونہی آپ ﷺ سجدہ میں جائیں پتھر پھینک کر معاملہ صاف کر دوں لیکن شکست خوردہ حالت میں واپس پہنچا۔ پوچھنے پر بتایا کہ میرے اور محمد ﷺ کے درمیان ایک اونٹ آڑے آ گیا تھا۔ ایسا اونٹ پہلے کبھی نہیں دیکھا وہ مجھے کھانا چاہتا تھا۔

قریش کی ذلیل حرکات

آپ ﷺ کی بیٹیوں کو طلاق

بعثت سے پہلے نبی کریم ﷺ نے اپنی دو بیٹیوں حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم کا نکاح عتبہ اور عتیبہ سے کر رکھا تھا۔ بعثت کے بعد انہوں نے نہایت سختی اور درشتی سے ان دونوں کو طلاق دے دی۔

صاحبزادے کی وفات پر اظہار مسرت

نبی کریم ﷺ کے دوسرے صاحبزادے حضرت عبداللہ کا انتقال ہوا تو ابو لہب کو اتنی خوشی ہوئی کہ دوڑتا ہوا اپنے رفقاء کے پاس آیا اور کہا کہ حضرت محمد ﷺ ابتر (نسل بریدہ) ہو گئے ہیں۔

قرآن مجید کی آواز سن کر شور مچانا

کفار قرآن مجید کی آواز سن کر شور مچاتے تا کہ ان پر اثر نہ کر جائے اور دوسرے لوگ بھی نہ سن سکیں۔ قرآن مجید نے ان کی اس حرکت کا تذکرہ کچھ یوں کیا ہے۔

Marfat.com

لَاتَسْمَعُوْ لِهٰذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْ فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ترجمہ: ''اس قرآن کو نہ سنو بلکہ شور مچاؤ تاکہ تم غالب آجاؤ'' (حم سجدہ: ۲۶)

مسلمانوں کو فضول بحثوں میں اُلجھانا

مشرکین پہلے لوگوں کے واقعات اور افسانوں کا قرآن مجید سے مقابلہ کرتے اور لوگوں کو اسی میں الجھائے رکھتے۔

نضر بن حارث بادشاہوں اور رستم واسفندیار کے قصے لوگوں کو سنا کر کہتا کہ محمد ﷺ کی باتیں سمجھ سے بہتر نہیں ہیں۔

مسلمانوں کی تضحیک وتذلیل

کفار مسلمانوں کا مذاق اُڑاتے تھے۔ راہ چلتے انہیں انگلیوں سے اشارے کرتے کہ یہ ہیں جنت کے مستحق لوگ۔

قرآن مجید نے مشرکین کی اس خصلت کا تذکرہ یوں کیا ہے ''گنہگار لوگ ایمان والوں کی ہنسی اُڑایا کرتے تھے اور جب ان کے پاس سے گزرتے تو آپس میں آنکھ کے اشارے کرتے'' (المطففین)

ناواقف لوگوں کو غلط فہمیوں میں مبتلا کرنا

مشرکین ناواقف لوگوں کو یہ کہہ کر یہ تو پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں غلط فہمی میں مبتلا کرتے تھے۔ قرآن مجید نے مشرکین کے اس رویے کی طرف اس طرح اشارہ کیا ہے۔ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ (نحل:۲۴)

ترجمہ: ''جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے پروردگار نے کیا نازل کیا ہے تو کہتے ہیں اگلوں کی کہانیاں''

جھوٹ کی مہم

وقتی مہم

نبی کریم ﷺ کی تبلیغ کو ناکام بنانے کے لئے قریش نے جھوٹ کی مہم شروع کردی۔ حج کے موقع پر آنے والوں کو بتاتے کہ محمد ﷺ جادوگر ہے جو باپ بیٹے بہن بھائی اور شوہر بیوی کے درمیان تفریق ڈال دیتا ہے۔

دائمی مہم

پہلی مہم تو صرف حج کے موقع کے لئے تھی لیکن دوسری مہم سالانہ تھی۔ اس مہم میں ابولہب نے بہت اہم کردار ادا کیا۔ نبی کریم ﷺ جب تبلیغ کے لئے نکلتے تو ابولہب پیچھے پیچھے رہتا اور کہتا لوگو! اس کی بات نہ ماننا یہ میرا بھتیجا ہے بڑا جھوٹا ہے۔ بعض اوقات بدتمیزی بھی کرتا ہے۔ یہ مہم دائمی اور وسیع پیمانے پر تھی۔

ثقافتی پروگرام

حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نضر بن حارث نے چند لونڈیاں تیار کر رکھی تھیں۔ جب وہ کسی آدمی کے متعلق سنتا کہ وہ نبی کریم ﷺ کی طرف مائل ہے تو اس پر ایک لونڈی مسلط کر دیتا جو اسے کھلاتی پلاتی اور گانے سناتی۔ یہاں تک کہ اسلام کی طرف اسکا جھکاؤ باقی نہ رہتا۔

Marfat.com

ظلم وستم کی مہم

۱۔ ابولہب کی بیوی ام جمیل نبی کریم ﷺ کے راستے میں جنگل سے کانٹے لاکر بچھاتی تھی۔

۲۔ ابولہب، حکم بن ابی العاص بن امیہ، عقبہ بن ابی معیط، عدی بن حمراء، ابن الاصداء ہذلی نبی کریم ﷺ کے پڑوسی تھے اور آپ ﷺ کو بہت اذیت پہنچاتے تھے۔ یہ لوگ آپ ﷺ کے گھر گندگی پھینک دیتے تھے۔

۳۔ عقبہ بن ابی معیط نے نبی کریم ﷺ پر حالت نماز میں اونٹ کی اوجھڑی پھینکی۔

۴۔ ابولہب حج کے موقع پر نبی کریم ﷺ کی تکذیب کرتا اور پتھر پھینکتا۔

صحابہ کرام پر ظلم وستم

۱۔ حضرت عثمانؓ بن عفان کا چچا انہیں کھجور کی چٹائی میں لپیٹ کر نیچے سے دھواں دیتا۔

۲۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ کی والدہ نے اسلام لانے کی وجہ سے دانہ پانی بند کر دیا اور گھر سے نکال دیا۔

۳۔ حضرت بلالؓ کا آقا گردن میں رسی ڈال کر لڑکوں کو کھینچنے کے لئے دیتا۔ خود بھی باندھ کر ڈنڈے برساتا۔ کھانے پینے کے لئے کچھ نہ دیتا۔ دوپہر کی گرمی میں دھوپ میں ڈال کر بھاری پتھر سینے پر رکھ دیتا۔

۴۔ عمار بن یاسر اور ان کے والدین کو ابوجہل پتھریلی زمین کی تپش سے سزا دیتا۔ حضرت یاسر ظلم کی تاب نہ لاتے ہوئے اللہ کو پیارے ہو گئے۔ حضرت سمیہؓ کی شرمگاہ میں ابوجہل نے نیزہ مار کر انہیں شہید کر دیا۔

۵۔ حضرت خبابؓ کو کئی بار دہکتے انگاروں پر لٹا کر سینے پر بھاری پتھر رکھ دیا جاتا۔

۶۔ حضرت فکیہہؓ جن کا نام افلح تھا ان کے مالکان پاؤں میں رسی ڈال کر زمین پر گھسیٹتے۔

۷۔ حضرت زنیرہؓ کی بیٹیوں کو اسلام لانے کی وجہ سے سخت سزائیں دی گئیں۔

۸۔ بعض صحابہ کو اونٹ اور گائے کی کچی کھال میں لپیٹ دیا جاتا اور بعض کو لوہے کی زرہ پہنا کر پتھر پر لٹا دیا جاتا۔

کفار کی اذیتوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کے صبر وثبات کے اسباب اور انکے نتائج

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان

نبی کریم ﷺ کے صحابہ کفار کی شدید اذیتوں کو اس لئے برداشت کر رہے تھے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر پورا یقین تھا، جس شخص کے دل میں ایمان کی بشاشت جاگزیں ہو جاتی ہے وہ دنیا کی مشکلات خواہ وہ جتنی بھی زیادہ ہوں اور جیسی بھی بھاری بھرکم اور سخت کیوں نہ ہوں اپنے ایمان کے بالمقابل کوئی اہمیت نہیں دیتا۔

آخرت کا تصور

آخرت پر ایمان ایک ایسی چیز تھی جس نے صحابہ کرام کو ایک نیا ولولہ دیا۔ وہ جانتے تھے کہ اس زندگی کے بعد ہم دوبارہ زندہ ہوں گے اور دنیا کی گزاری ہوئی زندگی کا حساب دیں گے۔ بُرے اعمال کے نتیجے میں ہمیں جہنم میں ڈال دیا جائے گا جو

Marfat.com

بہت ہی بُری جگہ ہے دنیا کی برداشت کی ہوئی تکلیف آخرت میں آسائش کا باعث ہوگی۔

دنیاوی و اخروی وعدوں پر یقین

صحابہ کرامؓ سے نبی کریمؐ نے دنیاوی اور اخروی کامیابی کے لئے جو وعدے کئے تھے صحابہ کرامؓ کو ان وعدوں پر مکمل بھروسہ تھا اس لئے انہوں نے تکلیفیں برداشت کرنا گوارا کرلیں لیکن دین سے ایک قدم بھی پیچھے ہٹنا گوارا نہ کیا۔

ثابت قدمی کے لئے آیات کا نزول

مکی زندگی میں مشکل ترین حالات میں ایسی سورتیں اور آیات نازل ہو رہی تھیں جن میں اسلام کے لئے ٹھوس دلائل اور مسلمانوں کے جذبات اور احساسات کو پامردی و ثابت قدمی پر اُبھارا جا رہا تھا۔ اس کے لئے مثالیں دی جارہی تھیں اور حکمتیں بیان ہو رہی تھیں۔

کامیابی کی بشارتیں

اُخروی کامیابی کی بشارتوں نے مسلمانوں کو ثابت قدم رہنے کے لئے بہت مدد کی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر ﷺ کے ذریعے مسلمانوں سے کہا کہ کافر جو مرضی کرلیں بالآخر مسلمان ہی دنیا اور آخرت میں کامیاب ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خوشخبری سنائی کہ ان تکالیف کے بدلے میں انہیں جنت دی جائے گی اور کافروں کو عذاب دیا جائے گا۔ جنت کے حصول کے شوق نے مسلمانوں کو ثابت قدم رکھا۔

پرکشش قیادت

نبی کریم ﷺ جو کہ ملت اسلامیہ کے ہی نہیں بلکہ ساری انسانیت کے سب سے بلند پایہ قائد اور راہنما تھے، ایسے جسمانی جمال، نفسانی کمال، کریمانہ اخلاق، باعظمت کردار اور شریفانہ عادات واطوار سے بہرہ ور تھے کہ دل خود بخود آپ ﷺ کی طرف مائل ہوتے تھے۔

احساس ذمہ داری

صحابہ کرام کو اپنی ذمہ داری کا اس قدر احساس تھا کہ اگر ہم نے ان مشکلات سے گھبرا کر اپنی ذمہ داری سے پہلوتہی کی تو آخرت میں سخت عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔

دنیاوی اسباب پر نظر نہ ہونا

عام طور پر مادی قوت اور مال و دولت وغیرہ ہی بڑے دنیاوی اسباب ہیں جن کی وجہ سے انسان سکون محسوس کرتا ہے اور بعض اوقات فخر و تکبر کی حد تک پہنچ جاتا ہے۔ صحابہ کرام کے دلوں میں دنیا کی محبت کی بجائے اسلام کی محبت نے گھر کرلیا تھا اس لئے وہ دنیاوی اسباب کو ہیچ تصور کرتے تھے۔ انہیں کبھی بھی اس بات کا احساس نہیں ہوا کہ ہمارے پاس مال و دولت نہیں یا

Marfat.com

جن سے ہمارا مقابلہ ہو رہا ہے وہ تعداد میں بہت زیادہ ہیں۔ان کی فتح و کامرانی کا سب سے بڑا سبب اللہ تعالیٰ کی تائید تھی۔

اسلام کی حقانیت کا عیاں ہونا

انسان کسی چیز پر اس وقت پختہ ہوتا ہے جب اس چیز کی حقیقت اس پر آشکار ہو جاتی ہے۔صحابہ کرام پر اسلام کی حقیقت ظاہر ہو چکی تھی کہ اسلام کا مقصد ظاہری مال و اسباب اور شان و شوکت نہیں بلکہ اُخروی کامیابی ہے۔جو شخص اس سے بہرہ ور ہو گیا وہی کامیاب ہے۔اگرچہ کامیابی کتنی مصیبتوں کے بعد ہی اسے ملے۔اس حقیقت کے اظہار نے صحابہ کرام کے قدموں کو جمائے رکھا۔

نتائج

کفر کا لاجواب ہونا

صحابہ کرام کے صبر و ثبات نے اسلام کے مقابلے میں کفر کو لاجواب کر کے رکھ دیا۔کفار کو اس بات کا اندازہ ہو گیا تھا کہ جو شخص ایک دفعہ اسلام قبول کر لیتا ہے دوبارہ کسی صورت میں بھی کفر کی طرف لوٹ نہیں سکتا۔

کفر سے نفرت میں اضافہ

کفار کی سختیوں کی وجہ سے اہل ایمان کی کفر سے نفرت بڑھتی گئی اور ایمان میں پختگی آتی گئی۔جو لوگ اسلام کی طرف مائل ہونا چاہتے تھے وہ صحابہ کرام کو دی جانے والی اذیتوں کو دیکھ کر کفر سے نفرت کرتے اور اسلام قبول کرنے لگے۔

کفر کی بنیادوں کا کھوکھلا ہونا

صحابہ کرام کے صبر و ثبات نے کفر کی بنیادوں کے اندر رخنے ڈال دیئے۔طرح طرح کی دی جانے والی اذیتوں نے اس بات کو ثابت کر دیا کہ کفر باطل ہے اور اسلام حق ہے۔انہیں اس بات کا بھی احساس ہو گیا تھا کہ سختیوں کے نتیجے میں دیگر لوگوں کے دل بھی اسلام کی طرف مائل ہوتے ہیں اسی لئے تو انہوں نے ابو طالب کی خدمت میں حاضر ہو کر اور مال و دولت کا لالچ دیکر سودے بازی کی کوشش کی کہ کم از کم کفر کی بنیاد تو قائم رہے۔

غیر متعصب دلوں میں ہمدردی کے جذبات

کفار کی سختیاں اسلام کے لئے مشکلات کا سامان تو ضرور تھیں لیکن اس سے اسلام کو فائدہ یہ ہوا کہ غیر متعصب دلوں میں ہمدردی کے جذبات نے جوش مارا اور اسلام کے بدترین دشمن ایمان کی نعمت سے سرفراز ہوئے۔حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ کے ایمان لانے کا واقعہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ غیر متعصب لوگوں کے دل ایمان کی نعمت سے مالا مال ہو گئے۔

ثابت قدم اہل ایمان کی فراہمی

دعوت اسلامی کو روکنے کے لئے قریش کی تدابیر نے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دیا۔کھوٹے اور کھرے کی پہچان

Marfat.com

کروادی ۔قریش پر یہ بات واضح ہوگئی کہ سختیوں سے کوئی بھی شخص ایمان نہیں چھوڑ سکتا۔اس طرح نبی کریم ﷺ کو ثابت قدم اہل ایمان ملے جنہوں نے کفر کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور کامیاب وکامران ہوئے۔

اشاعت اسلام

سختیوں کی وجہ سے مکہ کے اندر اسلام کی اشاعت میں مدد ملی۔ایک تو یہ کہ جو آدمی مسلمان ہو جاتا وہ دوسروں تک اسلام پہنچاتا جیسے حضرت ابوبکرؓ کی تبلیغ سے کئی لوگ مسلمان ہوئے۔دوسرے یہ کہ سختیوں کے باوجود دین پر قائم رہنے نے ثابت کر دیا کہ اس دین کے اندر حقانیت ہے ورنہ یہ لوگ اپنی جانوں پر اتنی تکلیف کیوں کر برداشت کرتے۔

پوشیدہ حمایت کا کفر میں رخنے ڈالنا

کفار کے اندر لوگوں کی ایسی تعداد بھی موجود تھی جو کفار کی سختیوں کی وجہ سے اسلام کا اظہار نہ کرتی تھی لیکن اند ونی طور پر اسلام کی حقانیت ان کے دلوں میں جاگزیں ہو چکی تھی،اس طرح اسلام کو مخفی حمایت بھی حاصل تھی۔

نسل انسانی کے بہترین انسانوں کا نبی ﷺ کو میسر آنا

کفار کی سختیوں کے نتیجے میں نبی کریم ﷺ کو بہترین انسان میسر آئے جن میں ابو بکرؓ،عثمانؓ،علیؓ،عمرؓ اور حمزہؓ جیسی شخصیات شامل تھیں۔کھوٹا اور کھرا الگ ہو گیا۔صرف وہ لوگ پیچھے رہ گئے جن پر مہریں لگ چکی تھیں اور جہنم ان کا مقدر بن چکی تھی۔

مکی دور کی خصوصیات

مکی دور کی خصوصیات کو ہم دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

۱۔ قریش کی مخالفت ۲۔ رسول کریم ﷺ کے ساتھیوں کا صبر وثبات

قریش کی مخالفت کو بھی ہم دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

۱۔ مخالفت کے اسباب ۲۔ مزاحمتی تدابیر

اسی طرح ہم رسول کریم ﷺ کے ساتھیوں کے صبر وثبات کو بھی دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

۱۔ صبر وثبات کے اسباب ۲۔ نتائج

ہجرت مدینہ کے اسباب اور نتائج کی تفصیلات

کفار کا توحید سے انکار اور بت پرستی پر اصرار

نبی کریم ﷺ نے تیرہ سال مکہ کے اندر رہ کر اسلام کی تبلیغ کی۔بالآخر محسوس کیا کہ مشرکین مکہ کی کفر پر ضد اور ہٹ دھرمی اسلام کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ ہے۔یہ لوگ کسی بھی صوت مکہ کو اسلام کا مرکز نہیں بننے دیں گے۔اس لئے یہاں سے

Marfat.com

ہجرت کرنا ہی مناسب فیصلہ ہے۔

ظلم وستم کی انتہا

کفار نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام پر انتہا درجہ کا ظلم کرتے تھے۔ مسلمان اس قدر طاقتور نہیں تھے کہ بزور قوت اس ظلم کو روک سکیں۔ ان کے پاس اسکے علاوہ اور کوئی راہ نہیں تھی کہ وہ کسی پُر امن علاقے کی طرف ہجرت کر جائیں۔

شعائر اسلام کی بجا آوری میں رکاوٹیں

مذہبی طور پر مسلمانوں کو اسلام کے احکامات پر آزادنہ عمل کرنے کی اجازت نہ تھی بلکہ انہیں عبادت سے روکنے کے لئے ہر ہتھکنڈا استعمال کرتے تھے۔ مسلمان کافی عرصہ تک چھپ کر نماز ادا کرتے رہے، بآواز بلند انہیں اذان دینے کی بھی اجازت نہ تھی۔

اشاعت اسلام کیلئے ناساز گار حالات

مکہ میں

چونکہ مکہ کے لوگ نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کے دشمن بن چکے تھے اس لئے مکہ کی فضا کسی لحاظ سے بھی اشاعت اسلام کے لئے موزوں نہ تھی۔

مکہ سے باہر

نبی ﷺ نے مکہ سے باہر طائف جا کر بھی تجربہ کر لیا تھا کہ نہ تو مکہ کی فضا اشاعت اسلام کے موزوں ہے اور نہ ہی مکہ سے باہر کی فضا۔ اسلئے علاقے کو چھوڑنا ہی بہتر ہے۔

حکم ربانی

ہجرت کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ اللہ نے اپنے رسول ﷺ کے ذریعے مسلمانوں کو مکہ چھوڑنے کا حکم دیا۔ ہجرت کا حکم ان الفاظ کے ساتھ آیا۔

يَا عِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ ہ (عنکبوت: ۵۹)

ترجمہ: ''اے میرے وہ بندو جو ایمان لائے ہو بے شک میری زمین وسیع ہے۔ پس تم میری عبادت کرو''۔

یعنی کسی ایسی جگہ چلے جاؤ جہاں بغیر کسی روک ٹوک کے میرے احکام کے مطابق زندگی گزار سکو۔ بخاری شریف میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ آپ ﷺ خود حضرت ابوبکرؓ کے گھر تشریف لے گئے اور فرمایا کہ مجھے ہجرت کا حکم مل گیا ہے، آپ میرے ساتھ چلیں۔

Marfat.com

Marfat.com

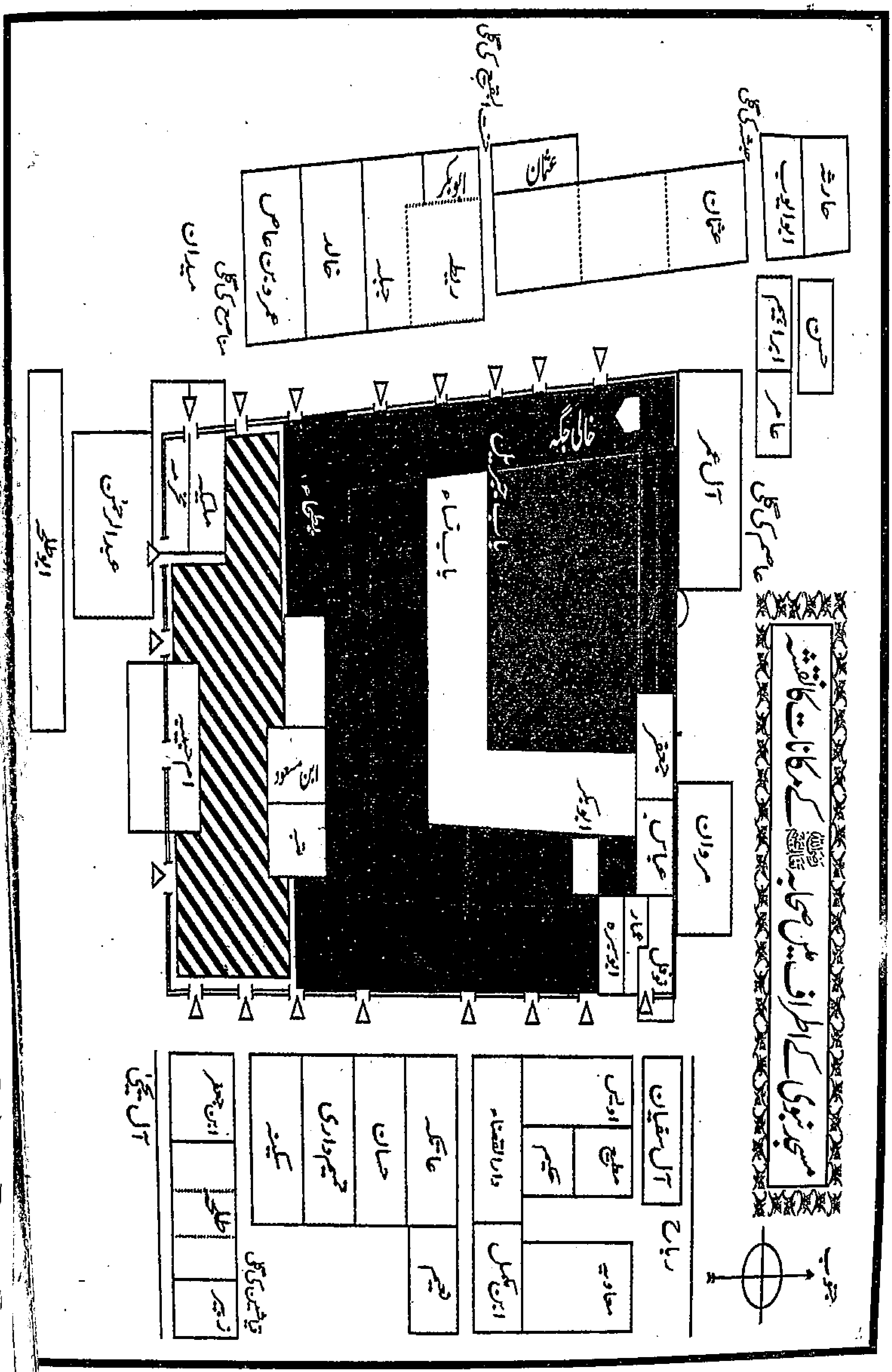

Marfat.com

معاشرتی مسائل

نبی کریم ﷺ کو معاشرتی مسائل میں الجھانا بھی ہجرت مدینہ کا ایک سبب تھا۔ نبی کریم ﷺ کی دو صاحبزادیوں حضرت رقیہؓ اور حضرت ام کلثومؓ کی شادی ابولہب کے دو بیٹوں عتبہ اور عتیبہ سے ہوئی تھی۔ انہوں نے طلاق دے کر نبی کریم ﷺ کو معاشرتی مسائل سے دوچار کر دیا۔ اس کے علاوہ آپ ﷺ کے لئے آئے دن کوئی نہ کوئی مسئلہ کھڑا کر دیتے تھے۔

معاشی مسائل

کافروں نے مسلمانوں کے ساتھ ہر قسم کے معاشی تعلقات منقطع کر کے انہیں معاشی مسائل میں الجھا دیا۔ جس سے مسلمان معاشی مسائل کا شکار ہو گئے۔ حضرت خبابؓ جو کہ لوہار کا کام کرتے تھے مشرکین سے کام لے لیتے لیکن انہیں مزدوری ادا نہ کرتے تھے۔

مسلمانوں کا تمسخر

کفار مسلمانوں کا تمسخر اُڑا کر انہیں تنگ کیا کرتے تھے جس کا تذکرہ قرآن مجید میں یوں کیا گیا ہے۔

ترجمہ: ''گنہگار لوگ ایمان والوں کو ہنسی اُڑایا کرتے تھے اور جب ان کے پاس سے گزرتے تو آپس میں آنکھ کے اشارے کرتے تھے'' (المطففین: ۳۸-۳۹)

مسلمانوں کے پاس کفار کی شرارتوں سے نجات پانے کا یہی طریقہ تھا کہ وہ ہجرت کر جائیں۔

نبی کریم ﷺ کے قتل کا منصوبہ

جب کفار دعوت اسلامی کو روکنے میں بے بس ہو گئے تو انہوں نے نبی کریم ﷺ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کفار کے ہاتھوں سے معجزانہ طور پر بچا لیا۔ حالات کا تقاضہ تھا کہ آپ ﷺ مکہ چھوڑ جائیں۔

ہجرت حبشہ کا کامیاب تجربہ

ہجرت مدینہ سے پہلے مسلمانوں نے ۵ ہجری میں حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ ہجرت کا یہ تجربہ بہت کامیاب رہا تھا۔ وہاں کے حکمران نجاشی نے مسلمانوں کو پناہ دی۔ آپ ﷺ اس کامیاب تجربے کو بنیاد بنا کر مسلمانوں کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا۔

اہل مدینہ کا قبول اسلام

مدینہ کے کچھ لوگ بیعت عقبہ اولیٰ و بیعت عقبہ ثانیہ کی صورت میں مسلمان ہوئے تو آپ ﷺ کا حوصلہ بلند ہوا۔ انہوں نے آپ ﷺ اور صحابہ کی حفاظت کی ذمہ داری لی۔ ایسے حالات میں مدینہ کا رُخ کرنا ہی مناسب تھا۔

Marfat.com

اہل مدینہ کا اشتیاق

اہل مدینہ کو اس بات کا اشتیاق تھا کہ نبی کریم ﷺ جلد از جلد مدینہ تشریف لے آئیں۔ بیعت عقبہ ثانیہ کے موقع پر انہوں نے کہا تھا کہ آخر کب تک ہم اسی طرح ترستے رہیں گے۔

نبی کریم ﷺ کی مدینہ میں رشتہ داری

مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی آپ ﷺ کے والد کی شادی مدینہ میں ہوئی تھی اس لحاظ سے مدینہ میں نبی کریم ﷺ ننھیال تھے۔ اس رشتہ داری کی وجہ سے آپ ﷺ نے مدینہ کا انتخاب کیا۔ آپ ﷺ کے چچا ابو طالب نے بھی وصیت کی تھی کہ بیٹا اگر مکہ کی سرزمین تمہارے لئے تنگ ہو جائے تو مدینہ چلے جانا۔

مدینہ کی جغرافیائی اہمیت

دفاعی حوالے سے

مدینہ کے اردگرد پہاڑ تھے۔ دشمن آسانی سے حملہ نہیں کر سکتا تھا لہٰذا مدینہ کی جغرافیائی سرحدیں محفوظ تھیں۔

تجارتی حوالے سے

شام کو جانے والی شاہراہ مدینہ کے قریب سے گزرتی تھی۔ اس لحاظ سے یہ مسلمانوں کے لئے بڑی مفید جگہ تھی۔

ہجرت مدینہ کے ثمرات ونتائج بلحاظ سیاست

اسلامی ریاست کا قیام

مسلمانوں نے ایک جمعیت کے ذریعے مدینہ پہنچ کر چھوٹی سی اسلامی ریاست کی طرح ڈالی جس کے سربراہ حضرت محمد ﷺ تھے۔

نبی کریم ﷺ بطور سیاسی راہنما

مدینہ میں نبی کریم ﷺ کے پہنچنے سے قبل کوئی حکومت قائم نہ تھی۔ نبی ﷺ نے ایک اسلامی ریاست کی بنیاد رکھ کر اپنے آپ کو ایک اعلیٰ مدبر اور عظیم سیاسی راہنما تسلیم کروایا۔

میثاق مدینہ

مدینہ کے مضافات میں یہودی قبائل آباد تھے جو آپس میں لڑتے رہتے تھے اور ہر وقت مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈہ کرتے رہتے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے میثاق مدینہ کے ذریعے اتفاق واتحاد کی فضا پیدا کی۔

اوس وخزرج کا اتحاد

میثاق مدینہ کے ذریعے اوس وخزرج کا اتحاد نبی ﷺ کی سیاسی بصیرت کا شاہکار تھا۔ یہ قبائل کئی سالوں سے

Marfat.com

خونریزی کی جنگ لڑ رہے تھے۔آپ ﷺ نے اپنی سیاسی بصیرت سے ان کے درمیان اتحاد قائم کیا۔

مدینہ کی دفاعی حیثیت

میثاق مدینہ کے ذریعے نبی ﷺ نے مدینہ کی دفاعی حیثیت کو مضبوط کیا۔ان کے ساتھ معاہدہ کیا کہ اگر یہودیوں پر کوئی قبیلہ باہر سے حملہ آور ہو تو مسلمان مدد کریں گے اور اگر مسلمانوں پر حملہ آور ہو تو یہودی مدد کریں گے۔

مسلمانوں کے رعب و دبدبہ میں اضافہ

اوس وخزرج کے ساتھ اتحاد کی وجہ سے مسلمانوں کا مدینہ کے اردگرد قبائل پر رعب و دبدبہ بڑھ گیا جس سے ان کی تبلیغی مشکلات دور ہو گئیں۔

یہودیوں کی قوت کا خاتمہ

یہودی مختلف شرارتوں کے ذریعے مسلمانوں کو تنگ کرتے رہتے تھے وہ مسلمانوں کو بالکل ختم کر دینا چاہتے تھے لیکن رسول کریم ﷺ نے میثاق مدینہ کے ذریعے ان کی قوت کو کچل کر رکھ دیا۔

اسلام کا بین الاقوامی سطح پر متعارف ہونا

مدینہ پہنچ کر تمام رکاوٹیں دور ہو چکی تھیں۔لہٰذا رسول کریم ﷺ نے اپنے مبلغین اور خطوط کے ذریعے اسلام کو بین الاقوامی سطح پر متعارف کروایا۔

بلحاظ معاشرت

مواخات مدینہ

رسول کریم ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان بھائی چارے کا رشتہ قائم کیا۔اس طرح آپ ﷺ نے تمام مسلمانوں کو بھائی بھائی بنا دیا۔

تعصبات کا خاتمہ

نبی ﷺ کے مدینہ آنے سے قبل قبائل تعصب کی فضا پیدا ہو چکی تھی۔آپ ﷺ نے مواخات مدینہ اور میثاق مدینہ کے ذریعے اس فضا کو ختم کر دیا۔

اسلامی معاشرے کا قیام

آپ ﷺ نے مواخات مدینہ کے بعد ایک خوبصورت اسلامی معاشرے کی بنیاد رکھی جس کا ہر فرد دوسرے کا ہمدرد تھا۔اسلامی معاشرے کی بنیاد اُخوت تھی۔

Marfat.com

مسلمانوں کا منظم ہونا

نبی ﷺ نے اپنی فراست سے مسلمانوں کو ایک تنظیم کی شکل دی۔ اس طرح مسلمانوں نے منظم ہو کر کافروں کے خلاف جہاد کیا اور غالب آئے۔

ظلم و ستم سے نجات

مکہ میں مسلمان کمزور تھے اور انہیں ظلم و ستم کا نشانہ بنایا جارہا تھا یہاں آ کر مسلمانوں نے ایک وحدت کی شکل اختیار کر لی جس کی وجہ سے انہیں ظلم و ستم سے نجات مل گئی۔

معاشرتی مسائل کا خاتمہ

کفار مکہ مسلمانوں کو معاشرتی مسائل میں الجھاتے تھے۔ مدینہ میں مواخات مدینہ اور میثاق مدینہ کے ذریعے مسلمانوں کے معاشرتی مسائل حل ہو گئے۔

مسلمانوں کی اقلیت کا اکثریت میں تبدیل ہونا

مکہ میں مسلمان قلیل تعداد میں تھے۔ یہاں آ کر مسلمان اکثریت میں تبدیل ہو گئے۔

اُصول زندگی کا بذریعہ وحی نزول

مکہ میں جو آیات نازل ہوتی تھیں ان میں توحید، شرکت، رسالت اور آخرت پر زور دیا جاتا تھا۔ نبی ﷺ مدینہ پہنچے تو اُصول زندگی کا نزول بھی شروع ہو گیا۔ مثلاً سورہ نور یا دیگر مدنی سورتیں۔

سن ہجری کی ابتداء

حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں اسلامی تقویم پر بات ہوئی تو انہوں نے سن کی ابتداء ہجرت سے کی۔ گویا کہ اسلامی کیلنڈر کی ابتداء ہجرت سے ہوئی۔

بلحاظ مذہب

مسجد نبوی کی تعمیر

نبی ﷺ نے مدینہ پہنچنے کے بعد سب سے پہلے مسجد تعمیر کی جو مسجد نبوی ﷺ کے نام مشہور ہے۔

اشاعت اسلام

نبی کریم ﷺ نے مدینہ میں آ کر باہر کے ممالک کے امراء اور بادشاہوں کو دعوتی خطوط لکھے۔ اس کے علاوہ مبلغین بھیج کر بھی اسلام کو دنیا کے کونے کونے میں پہنچا دیا۔

Marfat.com

اجرِ عظیم کی خوشخبری

اللہ تعالیٰ نے مہاجرین کو اجرِ عظیم کی خوشخبری سے نوازا۔

سورہ توبہ میں ارشاد فرمایا: اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْ وَھَاجَرُوْ وَجَاھَدُوْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ اَعْظَمُ دَرَجَۃً عِنْدَ اللّٰہِ ہ وَاُوْلٰئِکَ ھُمُ الْفَائِزُوْنَہ ہ (توبہ:۲۰)

ترجمہ: ''جو لوگ ایمان لائے، ہجرت کی، اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کیا وہ اللہ کے ہاں بہت مرتبے والے ہیں اور یہی لوگ مراد پانے والے ہیں''

اجتماعی احکام کا نزول

اجتماعی احکام جن میں نماز، جہاد، حج وغیرہ شامل ہیں ان کا نزول ہجرت مدینہ کے بعد ہوا۔

جہاد کی اجازت

ہجرت مدینہ سے پہلے جہاد کی باقاعدہ اجازت نہیں ملی تھی۔ ہجرت مدینہ کے بعد جہاد کی فرضیت کے سلسلے مین یہ آیت نازل ہوئی۔

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْ وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرُ'' ہ (الحج: ۳۹)

ترجمہ: ''جن لوگوں سے جنگ کی جارہی ہے انہیں لڑنے کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ ان پر ظلم ہوا ہے''

غلبۂ اسلام

مدینہ میں مسلمانوں کی تبلیغ اس قدر موثر ثابت ہوئی کہ چند سالوں میں ہی انہوں نے ایک بہت بڑی جمعیت کی شکل اختیار کرلی۔ اسلام دور دراز علاقوں تک پھیل گیا۔ غزوہ بدر کی شکست نے کافروں کو مغلوب کردیا۔

ایمان کی کسوٹی

مدینہ میں مسلمانوں میں ایسے لوگوں کی تعداد بھی کثیر تھی جو منافق تھے جن کے سینوں میں ابھی تک کفر چھپا ہوا تھا۔ عبداللہ بن ابی ان کا سردار تھا۔ ان کی خباثت غزوہ اُحد کے موقع پر ظاہر ہوئی۔ اس طرح خالص ایمان والوں اور منافقوں کا پتا چل گیا۔

اسلام سے وابستگی میں شدت

کفار مکہ سختیوں کے ذریعے اسلام کی محبت مسلمانوں کے دلوں سے نکال نہ سکے۔ اب جبکہ مسلمانوں پر سے مظالم اٹھ چکے تھے۔ مسلمانوں کے دل میں اسلام کی محبت نے شدت اختیار کرلی۔ حضرت عمرؓ جب بھی اسلام کے خلاف کوئی بات سنتے تو تلوار نکال لیتے اور کہتے یارسول اللہ ﷺ یہ منافق ہے مجھے حکم دیجئے کہ میں اس کی گردن تن سے جدا کردوں۔

Marfat.com

مذہبی آزادی

مدینہ آکر مسلمان مذہبی طور پر آزاد ہو گئے۔ اذان بلند آواز سے دیتے۔ نماز باجماعت ادا کرتے۔ اسی طرح دیگر عبادات میں کوئی چیز مانع نہ تھی۔

بلحاظ اقتصادیات

کفار مکہ کی معیشت کو خطرہ

شام کو جانے والی تجارتی شاہراہ مدینہ کے قریب سے گزرتی تھی۔ کمزور مسلمانوں کے ایک گروہ نے اس تجارتی شاہراہ کو بند کر دیا جس سے کفار مکہ کی معیشت خطرے میں پڑ گئی۔

معاشی استحکام

تجارتی شاہراہ مدینہ کے قریب سے گزرنے کی وجہ سے مسلمان دیگر ممالک میں آسانی سے مال لے جا سکتے تھے۔ اس طرح مسلمانوں کی معیشت کافی مستحکم ہو گئی۔

کاروبار کے مواقع

مدینہ میں مکہ کی نسبت کاروبار کے مواقع زیادہ تھے۔ مدینہ کے اردگرد یہودیوں کے باغ تھے۔ کچھ مسلمان ان میں مزدوری کر کے روزی کماتے، کچھ اندرون شہر تجارت کرتے اور کچھ باہر کے علاقوں میں مال لے کر جاتے تھے۔

تجارت میں فروغ

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تجارت میں اس قدر برکت دی کہ مسلمان کافی امیر ہو گئے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف جن کے پاس تھوڑا سا مال تھا ان کی تجارت نے اس قدر فروغ پایا کہ جب وہ فوت ہوئے تو ان کی بیویوں کے حصے کثیر تعداد میں مال آیا اور جب انہوں نے ہجرت کے کچھ دن بعد شادی کی تو بیوی کو سوا تولہ کے قریب حق مہر ادا کیا۔

دولت کی فراوانی

ہجرت کے کچھ عرصہ بعد ہی دولت کی اس قدر ریل پیل ہو گئی کہ کوئی شخص غریب نہ رہا۔ ہر شخص زکوٰۃ ادا کرنے کی اہلیت رکھتا تھا۔ مسلمانوں کے پاس کثیر تعداد میں مال غنیمت آیا تھا تو نبی کریم ﷺ اسے صحابہ کرام کے درمیان تقسیم کر دیتے تھے۔ نبی کریم ﷺ کا اپنا ارشاد ہے۔ ''میرا رزق میری تلوار کے سائے میں ہے'' (الحدیث)

حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں قیصر و کسریٰ فتح ہوئے تو اس میں سونے چاندی کے کنگن تھے۔ اس دور میں دولت کی فراوانی اس حد تک ہو گئی تھی کہ زکوٰۃ لینے والا کوئی نہ تھا۔

Marfat.com

مواخات

مواخات کے لغوی معنی بھائی چارے کے ہیں۔ مواخات کا اصطلاحی مفہوم یہ ہے کہ جب مسلمان مکہ سے مدینہ ہجرت کر کے گئے تو رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان جو بھائی چارہ قائم کرایا اسے مواخات کہتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ سمیت مدینہ پہنچے تو مدینہ میں اور اس کے اردگرد تعصبات کی آگ بھڑک رہی تھی۔ نبی ﷺ نے جس طرح مسجد نبوی کی تعمیر کا اہتمام فرما کر باہمی اجتماع اور میل ومحبت کے مرکز کو وجود بخشا اسی طرح مہاجرین اور انصار کے درمیان تاریخ انسانی کا نہایت تابناک کارنامہ سرانجام دیا۔ رسول اکرم ﷺ نے حضرت انس بن مالکؓ کے مکان میں مہاجرین اور انصار کو جمع کیا اور ان کے درمیان بھائی چارہ قائم کر دیا۔ کل نوے (۹۰) آدمی تھے۔ بھائی چارے کی بنیاد یہ تھی کہ ایک دوسرے کے غم خوار ہوں گے اور موت کے بعد قرابتداروں کی بجائے یہی ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔ وراثت کا یہ حکم غزوہ بدر تک جاری رہا۔ پھر آیت نازل ہوئی۔

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ ٥ (القرآن) ترجمہ: ''اور قرابتدار ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں''

اس کے بعد انصار ومہاجرین کے درمیان باہمی توارث کا حکم ختم کر دیا لیکن بھائی چارے کا عہد باقی رہا۔ اس بھائی چارے کا مقصد نسل، رنگ اور وطن کے امتیازات مٹانا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت سعد بن ربیع کے درمیان معاہدہ کروایا (بخاری شریف) اس کے بعد سعدؓ بن ربیع نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے کہا کہ میں انصار میں سب سے زیادہ مالدار ہوں۔ آپ میرا مال لے کر دو حصوں میں بانٹ لیں۔ حضرت عبدالرحمٰن نے کہا اللہ تعالیٰ آپ کے مال واہل میں برکت پیدا فرمائے مجھے بازار کا راستہ بتا دیجئے۔ یہ مواخات کی انتہا تھی۔ اسی طرح حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ انصار نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ آپ ﷺ ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے درمیان کھجور کے باغات تقسیم کر دیں، آپ ﷺ نے جواب دیا نہیں۔ تب انصار نے کہا کہ آپ لوگ (مہاجرین) ہمارا کام کر دیں، ہم آپکو پھلوں کی پیداوار میں شریک کر لیں گے۔ انہوں نے کہا یہ ٹھیک ہے۔ یہ بھائی چارہ ایک نادر حکمت، حکیمانہ سیاست اور مسلمانوں کو درپیش بہت سے مسائل کا حل تھا۔

اثرات ونتائج

نئے معاشرے کی تشکیل

مواخات مدینہ نے ایک نئے اسلامی معاشرے کو جنم دیا جس میں ایثار وغمگساری اور موانست کے جذبات شامل تھے۔ اس معاشرے کا ہر فرد دوسرے کا ہمدرد تھا۔

آبادکاری کے مسئلہ کا حل

مسلمان اپنے مکان مکہ میں چھوڑ گئے تھے۔ مدینہ پہنچے تو انہیں آبادکاری کا مسئلہ پیش آیا۔ مواخات مدینہ قائم ہونے

Marfat.com

سے مہاجرین کا یہ مسئلہ حل ہو گیا۔

نسلی اور جاہلی تفاخرات کا خاتمہ

نبی اکرم ﷺ کی آمد سے قبل مدینہ کے لوگ نسلی عصبیتوں کا شکار تھے جس کی وجہ سے بعض اوقات آپس میں جنگ کا سلسلہ بھی شروع ہو جاتا تھا۔ اوس اور خزرج کی لڑائی نبی ﷺ کی آمد کے وقت جاری تھی۔ آپ ﷺ نے مواخات مدینہ کے ذریعے مسلمانوں اور میثاق مدینہ کے ذریعے غیر مسلموں کے ذہنوں سے عصبیتوں کا خاتمہ کر دیا۔

اخلاقیات کی بلندی

مہاجرین کو نبی ﷺ کی صحبت میں رہنے کی وجہ سے بلندی اخلاق کا وصف حاصل تھا۔ اب انصار کو بھی نبی کریم ﷺ کی صحبت میں رہنے کی وجہ سے یہ وصف نصیب ہو گیا۔

معاشی مسائل کا خاتمہ

انصار مدینہ باغات وغیرہ کے مالک تھے۔ مہاجرین ان کے کھیتوں میں کام کرتے اور روزی کماتے۔ اس کے علاوہ جو لوگ کاروباری تھے، وہ بھی دوسروں کے ساتھ کاروبار میں شریک ہو گئے۔ اس طرح مہاجرین کا معاشی مسئلہ بھی حل ہو گیا۔

میثاق مدینہ کا دیباچہ

مواخات مدینہ میثاق مدینہ کا دیباچہ ثابت ہوا۔ جب یہ تجربہ یعنی مواخات مدینہ کارگر ثابت ہوا تو پھر آپ ﷺ کو اردگرد کے یہود کے ساتھ معاہدہ کے لئے اُمید کی ایک کرن ملی جس کے نتیجہ میں میثاق مدینہ وجود میں آیا۔

باہمی تعلیم وتربیت کا بندوبست

مواخات مدینہ کی وجہ سے تعلیم وتربیت کے عمل کو بھی مدد ملی۔ جو لوگ پڑھنا لکھنا جانتے تھے انہوں نے اپنے دوسرے بھائیوں کو بھی لکھنا پڑھنا سکھا دیا۔ اس طرح مواخات کے ذریعے تعلیم وتربیت کا بندوبست بھی ہو گیا۔

مسلمانوں کی قوت میں اضافہ

مدینہ میں مسلمانوں کو کھل کر تبلیغ اسلام کا موقع ملا جس کے نتیجے میں لوگ مسلمان ہوتے گئے۔ اس طرح مسلمانوں کی افرادی قوت میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ ہجرت کے وقت مسلمان سو (۱۰۰) کے لگ بھگ تھے تو صلح حدیبیہ کے وقت چودہ سو صحابہ کرام نبی کریم ﷺ کے ہمراہ تھے۔

کفر پر رعب ودبدبہ

مسلمانوں کی اس بڑھتی ہوئی تعداد نے کفر پر رعب ودبدبہ ڈالا۔ غزوہ بدر میں شکست کھانے سے ہی کفار کے حوصلے پست ہو گئے تھے لیکن کفر کے تعصب نے انہیں غزوہ اُحد میں ایک بار پھر موت کے منہ میں دھکیل دیا۔ اب تو کفار بالکل مایوس ہو گئے تھے۔

Marfat.com

بادشاہوں کے نام حضور ﷺ کے خطوط (نقشہ)

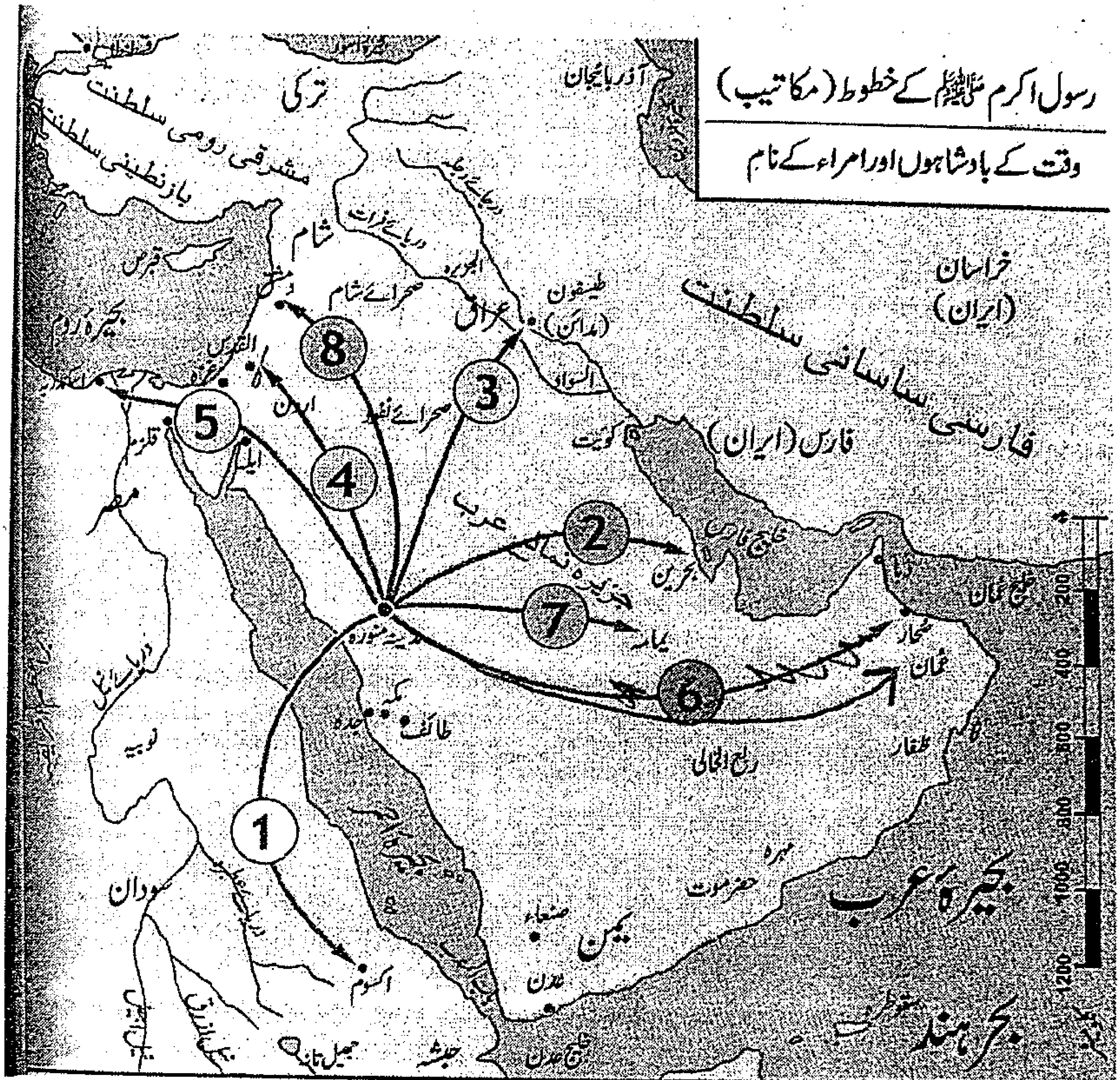

نبی کریم ﷺ کا مکتوب

منذر بن ساوی کے نام

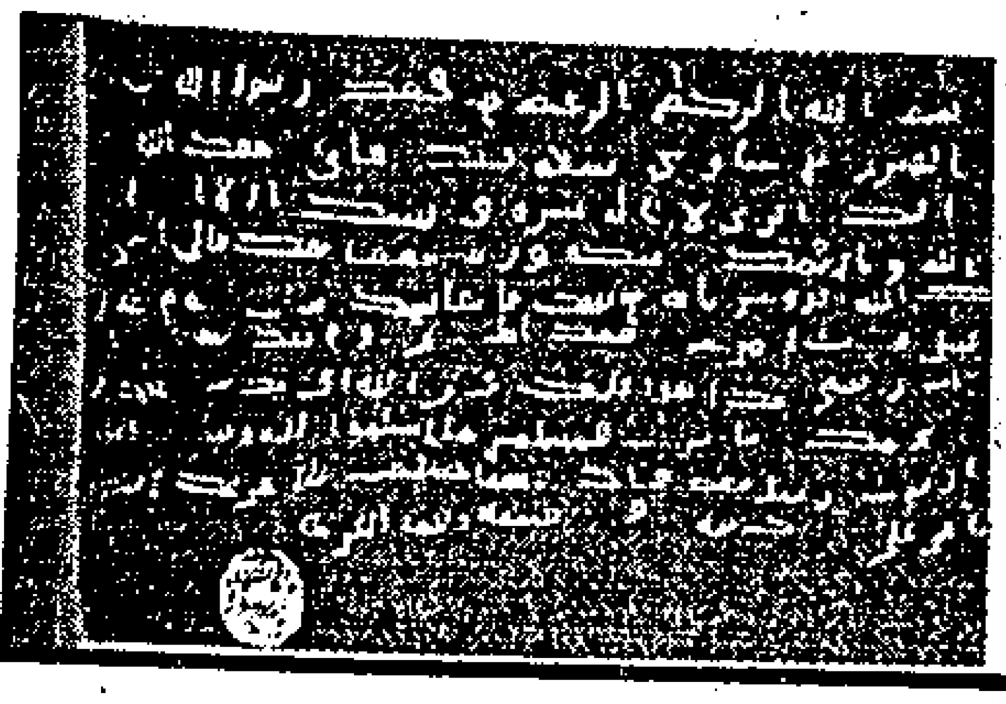

نمبر شمار	حامل مکتوب	ملک / شہر	مکتوب الیہ
1	عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ	اکسوم (حبشہ)	نجاشی
2	علاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ	بحرین	منذر بن ساوی
3	عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ	طیسفون (مدائن)	کسرائے فارس
4	دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ	القدس (یروشلم)	قیصر روم ہرقل
5	حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ	اسکندریہ (مصر)	مقوقس
6	عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ	عمان	جیفر و عبد پسران جلندی
7	سلیط بن عمرو عامری رضی اللہ تعالیٰ عنہ	یمامہ	ہوذہ بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
8	شجاع بن وہب اسدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ	غوطہ (نواح دمشق)	حارث بن ابی شمر غسانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

Marfat.com

حضور پاک ﷺ کے مختلف بادشاہوں کو لکھے گئے خطوط

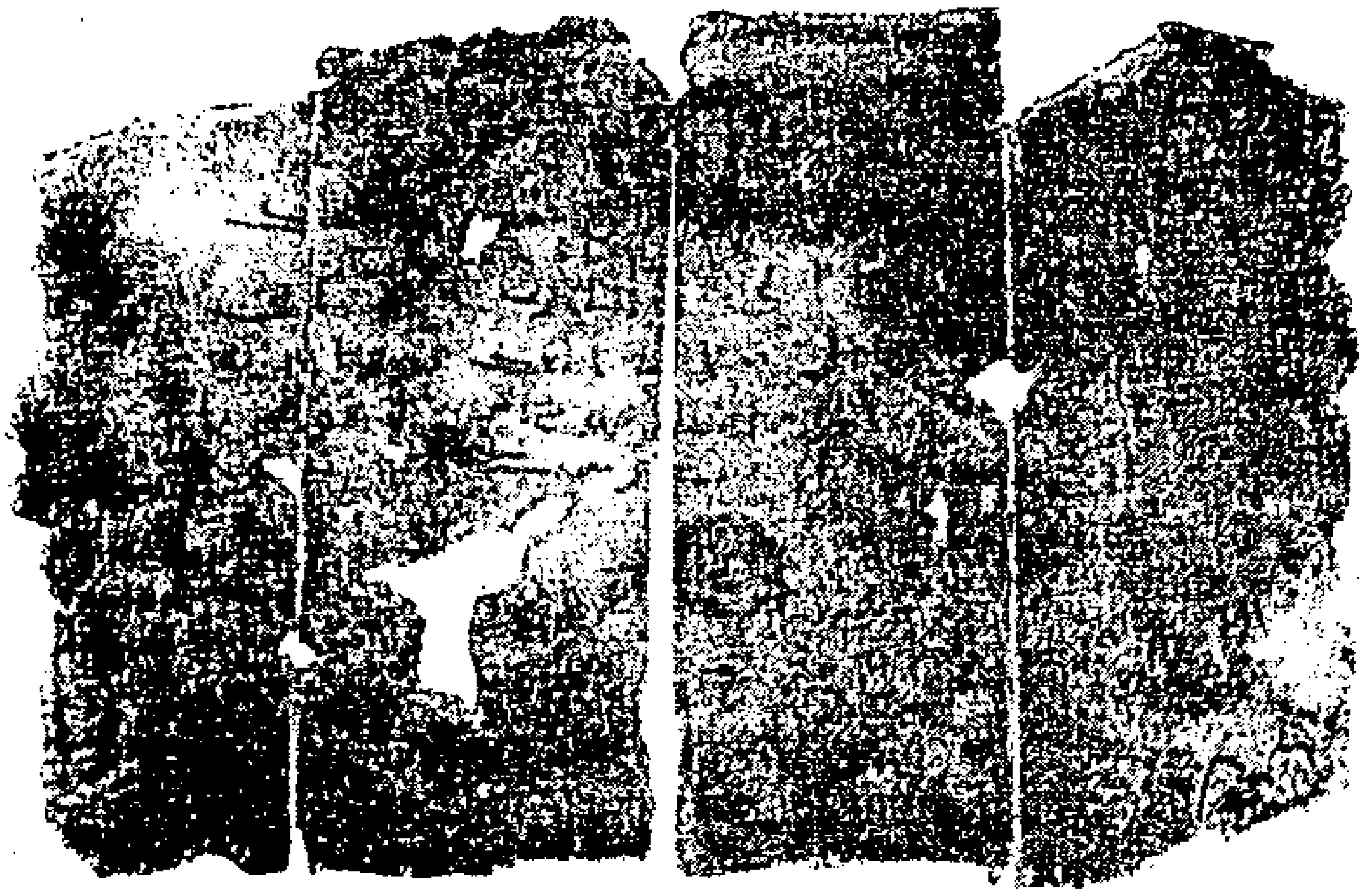

1

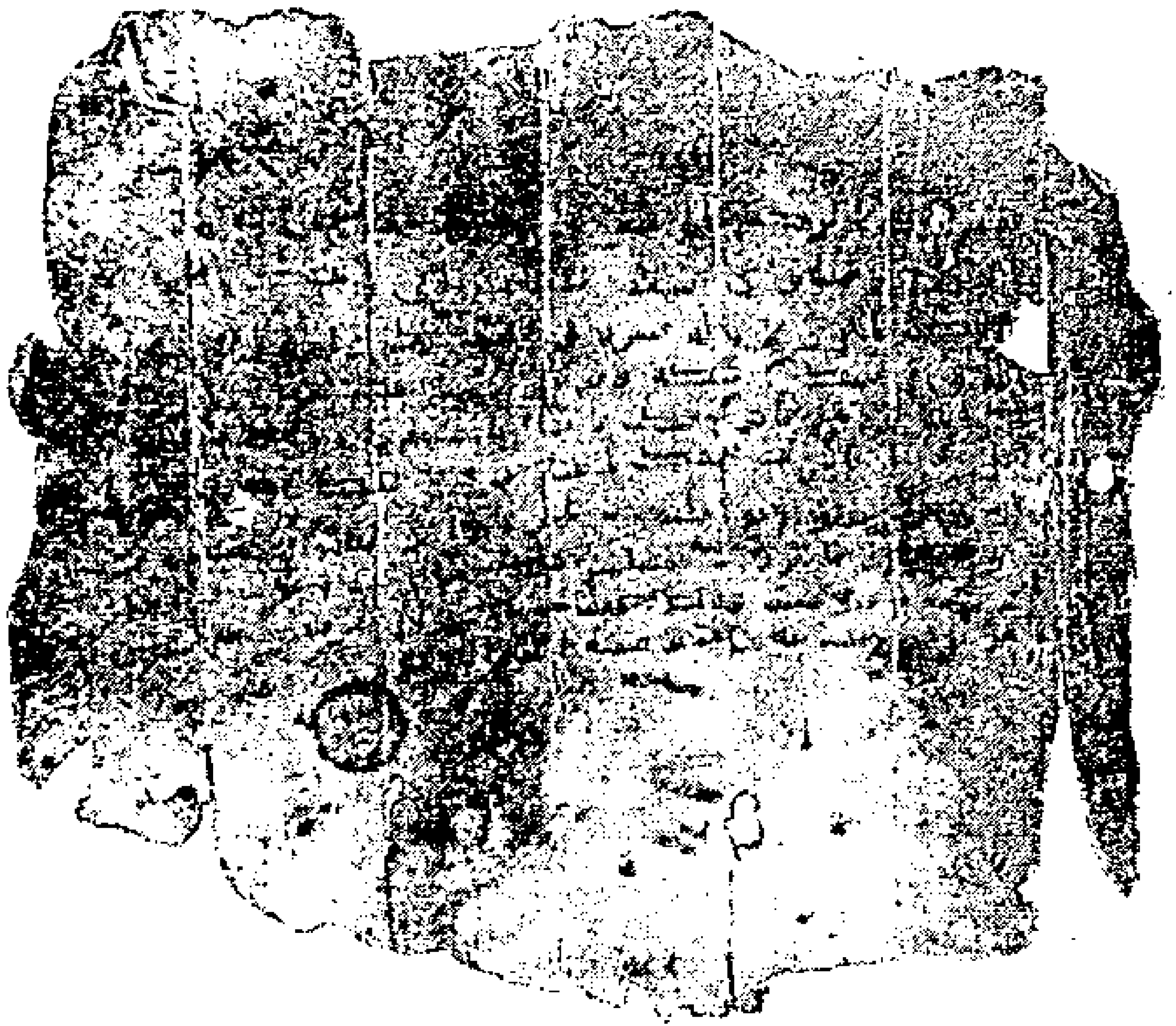

2

3

مسیلمہ کذاب کے نام گرامی نامہ رسول کا عکس ٹاپ کاپی ترکی میوزیم میں محفوظ ہے۔

Marfat.com

مشرکین مکہ کی بے چینی میں اضافہ

جوں جوں مسلمانوں کی تعداد بڑھتی گئی کفار مکہ کی بے چینی میں اضافہ ہوتا رہا اور وہ دن رات مسلمانوں کو ختم کرنے کے ناکام منصوبے تیار کرتے رہتے تھے۔

مشرکین مکہ کی معیشت کو خطرہ

مدینہ کے قریب سے گزرنے والی تجارتی شاہراہ مسلمانوں کے قبضے میں آ گئی جو کہ مشرکین کی معیشت کے لئے خطرے کی گھنٹی تھی۔

میثاق مدینہ اور اسکی اہمیت تاریخ کے پس منظر میں

مسلمان مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے مگر کفار نے انکا پیچھا نہ چھوڑا۔ سرداران مکہ نے عبداللہ بن ابی کے نام ایک خط لکھا جس کے الفاظ یوں تھے۔ تم نے ہمارے آدمی کو پناہ دی ہے۔ واللہ یا تو تم اسے قتل کر ڈالو یا اسے مدینہ سے نکال دو ورنہ ہم لوگ تم پر حملہ کر دیں گے اور تم پر حملہ کر کے تم کو قتل کریں گے اور تمہاری عورتوں پر ظلم کریں گے۔

یہ مشرکین مکہ کی طرف سے اعلان جنگ تھا۔ رسول کریم ﷺ نے عبداللہ بن ابی سے ملاقات کر کے اسے سمجھایا تو بات اس کی سمجھ میں آ گئی اور وہ مسلمانوں پر حملہ کرنے سے رُک گیا۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ مکہ والوں کے اعلان جنگ کا کیا کیا جائے۔ بعد کے واقعات سے معلوم ہوا کہ یہ ذمہ داری آپ ﷺ نے اٹھائی۔ نبی کریم ﷺ نے یثرب کے دفاع کی ذمہ داری قبول کرنے کے بعد فیصلہ کیا کہ دفاع کی ذمہ داری کسی ریاست کے شہری ہی ادا کر سکتے ہیں۔ آپ ﷺ نے مدینہ کو ریاست کی شکل دینے کا فیصلہ کیا۔ یثرب کی ریاست کو تحریری آئین کی شکل دینے کا فیصلہ ہوا تو تحریر کا ایک ایک لفظ کھلے دربار میں پڑھا گیا۔ اس تحریر کے تمام پہلوؤں کی وضاحت کر دی گئی۔ یہ معاہدہ نہ تھا بلکہ ایک قانونی دستاویز تھی اسے میثاق مدینہ کا نام دیا گیا۔ اس معاہدے کے دو حصے تھے۔ ایک کا تعلق مسلمانوں کے ساتھ اور دوسرے کا تعلق یہود کے ساتھ تھا۔

مسلمانوں کا باہمی معاہدہ

۱۔ یہ سب اپنے ماسوا انسانوں سے الگ ایک اُمت ہیں۔

۲۔ مہاجرین قریش اپنی سابقہ حالت کے مطابق باہم دیت کی ادائیگی کریں گیا ور مومنین کے درمیان انصاف کے ساتھ اپنے قیدی کا فدیہ دیں گے اور انصار کے تمام قبیلے اپنی سابقہ حالت کے مطابق باہم دیت کی ادائیگی کریں گے اور ان کا ہر گروہ معروف طریقے پر اور اہل ایمان کے درمیان انصاف کے ساتھ اپنے قیدی کا فدیہ ادا کرے گا۔

۳۔ اہل ایمان اپنے درمیان کسی بے کس کو فدیہ یا دیت کے معاملے میں معروف طریقے کے مطابق عطا و نوازش سے محروم نہ رکھیں گے۔

۴۔ سارے راست باز مومنین اس شخص کے خلاف ہوں گے جو ان پر زیادتی کرے گا یا اہل ایمان کے درمیان ظلم اور گناہ و

Marfat.com

زیادتی اور فساد کی راہ کا جویا ہوگا۔

۵۔ سب مومنین کے ہاتھ اس شخص کے خلاف ہوں گے جو ان پر ظلم کرے خواہ وہ ان میں سے کسی کا لڑکا ہی کیوں نہ ہو۔

۶۔ کوئی مومن کسی مومن کو کافر کے بدلے قتل کرے گا اور نہ ہی کسی مومن کے خلاف کسی کافر کی مدد کرے گا۔

۷۔ اللہ کا ذمہ (عہد) ایک ہوگا۔ ایک معمولی سا آدمی کا دیا ہوا ذمہ بھی سارے مسلمانوں پر لاگو ہوگا۔

۸۔ جو یہود ہمارے پیروکار ہو جائیں ان کی مدد کی جائے اور دوسرے مسلمانوں کی مثل ہوں گے۔ نہ ان پر ظلم کیا جائے گا اور نہ ان کے خلاف تعاون کیا جائے گا۔

۹۔ مسلمانوں کی صلح ایک ہوگی۔ کوئی مسلمان کسی مسلمان کو چھوڑ کر قتال فی سبیل اللہ کے سلسلے میں مصالحت نہیں کرے گا بلکہ سب کے سب برابری اور عدل کی بنیاد پر عہد و پیمان کریں گے۔

۱۰۔ مسلمان اس خون میں ایک دوسرے کے مساوی ہوں گے جسے کوئی فی سبیل اللہ بہائے گا۔

۱۱۔ مسلمانوں میں جو بھی اختلاف ہوگا اس کا فیصلہ حضرت محمد ﷺ خود فرمائیں گے۔

۱۲۔ جو شخص کسی مومن کو قتل کرے گا اور ثبوت موجود ہوگا اس سے قصاص لیا جائے گا سوائے اس صورت کے کہ مقتول کا ولی راضی ہو جائے۔

۱۴۔ کسی مومن کے لئے حلال نہ ہوگا کہ کسی ہنگامہ برپا کرنے والے یا بدعتی کی مدد کرے اور اسے پناہ دے اور جو اس کی مدد کرے گا یا اسے پناہ دے گا اس پر قیامت کے دن اللہ کی لعنت اور اسکا غضب ہوگا۔ اور اسکا فرض و نفل کچھ بھی قبول نہ کیا جائے گا۔

مسلمان اور یہود کے درمیان معاہدہ

۱۔ بنو عوف کے یہود مسلمانوں کے ساتھ مل کر ایک ہی اُمت ہونگے۔ یہود اپنے دین پر عمل کریں گے اور مسلمان اپنے دین پر اور ان کے غلاموں اور متعلقین کا بھی یہی حق ہوگا اور بنو عوف کے علاوہ دوسرے یہود کے بھی یہی حقوق ہوں گے۔

۲۔ یہود اپنے اخراجات کے ذمہ دار ہوں گے اور مسلمان اپنے اخراجات کے۔

۳۔ جو طاقت اس معاہدے کے کسی فریق سے جنگ کرے گی سب اس کی خلاف آپس میں تعاون کریں گے۔

۴۔ اس معاہدے کے شرکاء کے باہمی تعلقات خیر خواہی، خیر اندیشی اور فائدہ رسانی کی بنیاد پر ہوں گے گناہ پر نہیں۔

۵۔ کوئی آدمی اپنے حلیف کی وجہ سے مجرم نہ ٹھہرے گا۔

۶۔ مظلوم کی مدد کی جائے گی۔

۷۔ جب تک جنگ برپا رہے گی یہود بھی مسلمانوں کے ساتھ خرچ برداشت کریں گے۔

۸۔ اس معاہدے کے سارے شرکاء پر مدینہ میں ہنگامہ آرائی اور کشت و خون حرام ہوگا۔

۹۔ اس معاہدے کے فریقوں میں کوئی نئی بات یا جھگڑا پیدا ہو جائے جس میں فساد کا اندیشہ ہو تو اس کا فیصلہ اللہ اور

Marfat.com

محمد رسول اللہ ﷺ فرمائیں گے۔

۱۰۔ قریش اور اسکے مددگاروں کو پناہ نہیں دی جائے گی۔

۱۱۔ جو کوئی یثرب پر دھاوا بول دے اس سے لڑنے کے لئے سب باہم تعاون کریں گے اور ہر فریق اپنے اپنے اطراف کا دفاع کریگا۔

۱۲۔ یہ معاہدہ کسی ظالم یا مجرم کے لئے آڑ نہ بنے گا۔

میثاق مدینہ کی اہمیت رثمرات ونتائج

مدینہ کی سرحدوں کا محفوظ ہونا

میثاق مدینہ میں چونکہ اردگرد کے یہودی قبائل بھی شامل تھے اس لئے مدینہ کی دفاعی حیثیت مضبوط ہوگئی۔

یہود کے شر سے حفاظت

یہودی قبائل کو میثاق مدینہ میں خاص طور پر شامل کیا گیا تھا اس لئے مسلمان ان کے شر سے محفوظ ہو گئے۔ اس سے پہلے وہ ہر وقت مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں مصروف رہتے تھے۔

جنگی خطرات کا وقتی طور پر ٹل جانا

مدینہ کے اردگرد کے قبائل کے ساتھ امن کے معاہدے کرنے کی وجہ سے مسلمانوں پر سے عارضی طور پر جنگی خطرات ٹل گئے۔ اگرچہ خطرہ کا ٹلنا عارضی تھا لیکن مسلمانوں کو اپنے قدموں پر کھڑے ہونے کا موقع مل گیا۔

نئے اور بہتر معاشرے کی تشکیل

اس میثاق سے شرارتی ذہنوں میں بغض وعداوت کی جگہ محبت والفت نے لے لی۔ جس سے ایک نئے معاشرے کی بنیاد پڑی۔

نسلی تفاخرات کا خاتمہ

میثاق مدینہ سے قبل مدینہ اور اس کے آس پاس کی آبادی معاشرتی اونچ نیچ کا شکار تھی۔ لوگ اپنے اپنے قبائل پر فخر کرتے تھے۔ میثاق مدینہ نے ان تمام تفاخرات کا خاتمہ کر دیا اور لوگوں کو مساوات نسل انسانی کا درس دیا۔

مشرکین مکہ کی بے چینی میں اضافہ

میثاق مدینہ نے مشرکین مکہ کی بے چینی میں اس حد تک اضافہ کر دیا کہ وہ ہر وقت مسلمانوں کو ختم کرنے کے لئے سوچتے رہتے تھے۔ غزوہ بدر، اُحد اور خندق وغیرہ اسی سلسلے کی کڑیاں تھیں۔

Marfat.com

مسلمانوں کی قوت میں اضافہ

مسلمانوں نے یہود اور مدینہ کے اردگرد کے قبائل کو معاہدے میں جکڑ دیا۔ اب مسلمان دشمنان اسلام کے مقابلے میں ایک قوت تھے۔ مسلمانوں کی اس قوت کی وجہ سے کفار پر رعب و دبدبہ طاری ہوگیا۔ مسلمانوں کی اس قوت نے کفر کی دنیا میں ہلچل مچادی۔

اسلام کی بالادستی

اب عرب میں اسلام اور مسلمانوں کی بالادستی قائم ہو چکی تھی۔ یہودی شرارتیں ختم ہو چکی تھیں۔ جس کی وجہ سے اسلام کی اشاعت میں مدد ملی اسلام کا پیغام حجاز سے نکل کر قیصر و کسریٰ کے محلات تک پہنچ گیا۔

صلح حدیبیہ کا تاریخی پس منظر

۶ ہجری میں نبی کریم ﷺ نے خواب دیکھا کہ آپ ﷺ صحابہ کرام کے ہمراہ خانہ کعبہ کا طواف کر رہے ہیں۔ یہ خواب ایک قسم کا غیبی اشارہ تھا۔ ہجرت مدینہ کے بعد مسلمان کعبہ کی زیارت کے لئے نہیں گئے تھے۔ مہاجرین اپنا آبائی وطن چھوڑ کر مدینہ پہنچے تو ہجرت کے ابتدائی تین سال ان پر نہایت شاق گزرے۔ انہیں کفار سے کئی مرتبہ مقابلہ کرنا پڑا۔ عزیز و اقارب اور وطن کی محبت مہاجرین کے دلوں کو مضطرب کئے رہتی۔ مدینہ میں وہ اس اُمید کے ساتھ زندگی بسر کر رہے تھے کہ ایک دن ضرور آئے گا کہ مکہ ان کے زیر تسلط ہوگا۔ انہی حالات میں نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو عمرہ کی خوشخبری دی۔

وجوہات عمرہ

مسلمانوں کا خارجہ پالیسی تیار کرنا

میثاق مدینہ مسلمانوں کے لئے ایک سنہری موقع تھا جس سے مسلمانوں نے خوب فائدہ اُٹھایا۔ مسلمانوں نے اسلام کی شان و شوکت کو دنیا پر ظاہر کر دیا۔ اسلام کا رعب و دبدبہ لوگوں کے دلوں میں بیٹھ گیا۔ اسلام کی اس شان و شوکت کا اظہار اس عمرے کے ذریعے کیا گیا۔

سیاسی اور افرادی قوت کا ہونا

میثاق مدینہ نے جہاں مسلمانوں کی افرادی قوت میں اضافہ کیا وہاں مسلمان سیاسی اعتبار سے بھی کافی مستحکم ہوگئے۔ میثاق مدینہ اسلامی ریاست کی بنیاد تھا جس سے نبی کریم ﷺ کی سیاسی بصیرت ظاہر ہوتی ہے۔

کفار کے رعب و دبدبہ کا خاتمہ

یہودی قبائل کے ساتھ معاہدہ کرنے کی وجہ سے کفار کا وہ رعب و دبدبہ جو مکہ میں رہتے ہوئے مسلمانوں کے ذہنوں میں تھا مکمل طور پر ختم ہوگیا اس لئے بغیر کسی خوف و خطر کے انہوں نے مکہ کا رُخ کر لیا۔

Marfat.com

خواب دیکھنا

نبی کریم ﷺ نے ۶ ہجری میں خواب دیکھا کہ آپ ﷺ اپنے صحابہ کرام کے ہمراہ خانہ کعبہ کا طواف کر رہے ہیں۔ جب خواب صحابہ کے سامنے بیان کیا تو انہیں بڑی مسرت ہوئی کیونکہ نبی کا خواب بھی وحی ہوتا ہے۔ انہیں معلوم ہو گیا کہ اب ہم مکہ میں داخل ہو کر ہی رہیں گے۔

واقعات

روانگی

نبی کریم ﷺ نے عمرہ کرنے کے لئے صحابہ کرام کو تیاری کا حکم دے دیا۔ چنانچہ چودہ سو صحابہ کرام نبی کریم ﷺ کے ہمراہ عازم مکہ ہوئے۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو تلقین کی کہ تلواریں نیام میں رکھیں اور کوئی دوسرا ہتھیار ساتھ نہ لیں تاکہ قریش کو یہ گمان نہ ہو کہ مسلمان مکہ پر حملہ کی غرض سے آ رہے ہیں۔

قریش کو خبر

مکہ کے نزدیک آباد قبیلہ خزاعہ مسلمانوں کا حلیف تھا اس کے رئیس بدیل بن ورقہ نے نبی کریم ﷺ خبر دی کہ قریش آپ ﷺ کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ آپ ﷺ نے حدیبیہ کے مقام پر ڈیرے ڈال دیئے اور فرمایا کہ قریش سے جا کر کہہ دو کہ ہم لڑنے کے لئے نہیں بلکہ عمرہ کی غرض سے آئے ہیں۔ احرام باندھے ہوئے ہیں اور قربانی کے جانور ہمارے ساتھ ہیں۔ جب بدیل نے یہ پیغام قریش مکہ کو سنایا تو وہ کچھ بھی سننے کے لئے تیار نہ تھے لیکن عمر رسیدہ لوگوں کے سمجھانے سے سمجھ گئے۔ قریش کے ایک خودسر نوجوان کی جماعت موقع پا کر مکہ سے نکل آئی کہ موقع پا کر حضرت محمد ﷺ کو قتل کر دیں (نعوذ باللہ) لیکن صحابہ کرام نے سب کو گرفتار کر لیا۔ نبی کریم ﷺ نے سب کو معاف کر دیا اور چھوڑ دیا۔

صلح کے لئے گفت و شنید

بدیل بن ورقہ کی باتیں سن کر ایک معمر شخص مسعود ثقفی نے کہا کہ چلو میں رسول اللہ حضرت محمد ﷺ کے ساتھ بات کرتا ہوں۔ صلح کی کوئی نہ کوئی راہ ضرور نکل آئے گی۔ چنانچہ لوگوں نے مسعود ثقفی کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا۔ گفت و شنید کے بعد وہ کفار سے جا کر کہنے لگا کہ حضرت محمد ﷺ کے ساتھیوں کا تو یہ حال ہے کہ وہ وضو کا پانی نیچے نہیں گرنے دیتے۔ ایسے میں تمہارا ان سے مقابلہ کرنا ناممکن ہے۔

اسلامی سفیر

نبی کریم ﷺ نے اپنی طرف سے حضرت عثمانؓ کو سفیر بنا کر بھیجا۔ جب وہ مکہ میں داخل ہوئے تو ان کے قبیلہ کے ایک رئیس سعید بن عامر نے انہیں مرحبا کہا اور اپنی پناہ میں لے لیا۔ اس کے بعد انہیں گھر لے گیا۔ انہوں نے حضرت عثمانؓ کو

Marfat.com

مقام بیعت حدیبیہ

بیعت رضوان (ذی القعدہ 6ھ)

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۙ﴿۱۸﴾ (القرآن)

"اللہ تعالیٰ مومنوں سے راضی ہوگیا جب وہ درخت کے نیچے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کی کیفیت جان لی اور ان پر اطمینان وسکون نازل فرمایا اور ان کو ایک قریبی فتح عطا فرمائی۔" (الفتح:18/48)

× حدیبیہ کا مقام

• میقات کی علامت

آغاز حرم کی علامت

حرم مکی کی حدود

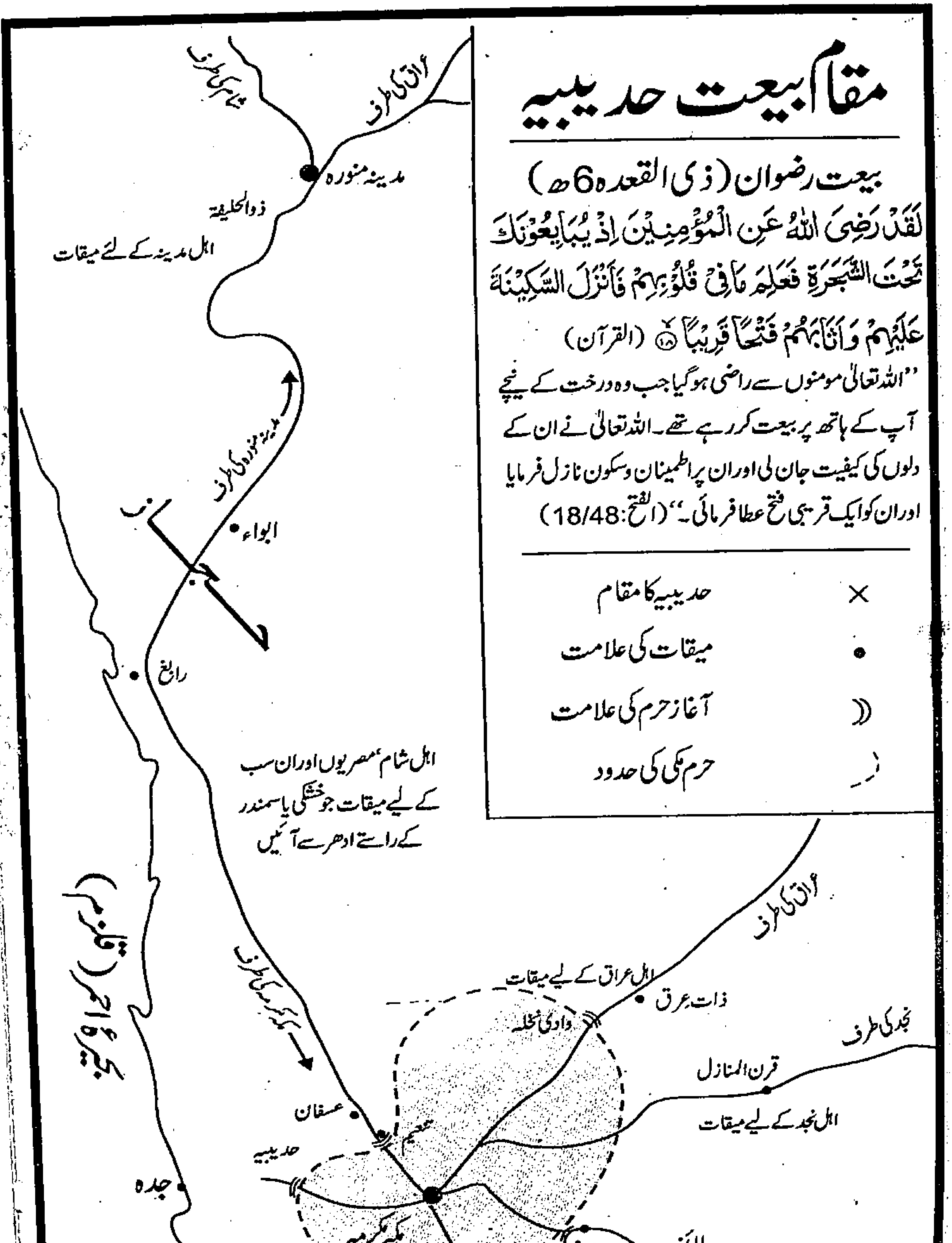

Marfat.com

طواف کعبہ کی پیشکش کی لیکن حضرت عثمانؓ نے مسترد کردی۔ قریش نے حضرت عثمانؓ کو روک لیا۔ ادھر خبر مشہور ہوگئی کہ حضرت عثمانؓ کو شہید کردیا گیا ہے۔

بیعت رضوان

جب نبی اکرم ﷺ کو خبر ملی کی عثمانؓ کو شہید کردیا گیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا جب تک ہم عثمانؓ کے خون کا بدلہ نہیں لیں گے یہاں سے واپس نہیں جائیں گے۔ یہ کہہ کر ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور صحابہ کرام سے بیعت لینی شروع کردی۔ صحابہ کرام کی تعداد قریباً ڈیڑھ ہزار کے قریب تھی۔ بعد میں پتہ چلا کہ حضرت عثمانؓ کے قتل کی افواہ غلط تھی اس بیعت کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یوں کیا ہے۔

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ ہ (فتح؛ ۱۱)

ترجمہ: ''بے شک اللہ ان مومنوں سے راضی ہوگیا جنہوں نے اس درخت کے نیچے بیعت کی تھی''

صلح اور دفعات صلح

بہر حال قریش نے معاملے کی نزاکت محسوس کی اور جھٹ سہیل بن عمرہ کو صلح کے لئے بھیجا اور تاکید کی کہ لازماً صلح میں یہ بات رکھنا کہ مسلمان اس سال واپس جائیں گے۔ ایسا نہ ہو کہ عرب کہیں کہ مسلمان جبراً شہر میں داخل ہوگئے۔ نبی کریم ﷺ نے سہیل بن عمرو کو آتا دیکھ کر صحابہؓ سے کہا: ''تمہارا کام تمہارے لئے سہل کردیا گیا ہے'' اس شخص کو بھیجنے کا مقصد ہی یہ تھا کہ قریش صلح چاہتے ہیں۔ سہیل نے نبی کریم ﷺ کے پاس پہنچ کر دیر تک گفتگو کی، بالآخر طرفین میں صلح کی دفعات طے ہوگئیں۔

دفعات

۱۔ مسلمان اس سال مکہ میں داخل ہوئے بغیر واپس چلے جائیں گے۔

۲۔ اگلے سال مسلمان مکہ واپس آئیں گے اور تین روز قیام کریں گے۔ ان کے ساتھ سوار کا ہتھیار ہوگا، تلواریں نیام میں ہوں گی اور ان سے کسی قسم کا تعرض نہیں کیا جائے گا۔

۳۔ دس سال تک فریقین میں جنگ نہیں ہوگی۔ اس عرصے میں لوگ مامون رہیں گے۔ کوئی کسی پر ہاتھ نہیں اُٹھائے گا۔

۴۔ جو شخص حضرت محمد ﷺ کے عہد و پیمان میں داخل ہونا چاہے داخل ہوسکے گا اور جو قریش کے عہد و پیمان میں داخل ہونا چاہے، داخل ہوسکے گا۔ جو قبیلہ جس قبیلہ جس فریق کے ساتھ شامل ہوگا اس کا ایک جز سمجھا جائے گا۔ اگر قبیلے پر زیادتی ہو تو فریق پر زیادتی مقصود ہوگی۔

۵۔ قریش کا جو شخص بھاگ کر حضرت محمد ﷺ کے پاس آجائے تو اسے واپس کردیا جائے گا لیکن محمد ﷺ کے ساتھیوں میں سے کوئی شخص بھاگ کر کفار کے پاس آجائے تو اسے واپس نہیں کیا جائے گا۔

۶۔ مکہ میں جو مسلمان پہلے سے وہاں موجود ہیں ان میں سے کسی کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں گے اور مسلمانوں میں سے کوئی

Marfat.com

شخص مکہ میں رہ جانا چاہے تو اسے نہیں روکا جائے گا۔

ابو جندل کی واپسی

صلح نامہ کی شرائط لکھی جارہی تھیں کہ ابو جندلؓ جنہیں بیڑیاں پہنا کر قید کر دیا گیا تھا کفار کی قید سے بھاگ کر بیڑیوں سمیت وہاں پہنچے اور نبی کریم ﷺ سے اپنے ساتھ لے چلنے کی استدعا کی لیکن نبی کریم ﷺ نے ابو جندلؓ کو واپس کر دیا اور فرمایا اللہ تعالیٰ کشائش کر دے گا۔ نبی ﷺ نے ابو جندلؓ کو اسی حالت میں صحابہ کی مخالفت کے باوجود سہیل کے حوالے کر دیا۔

مکہ کی طرف واپسی

صلح حدیبیہ کے بعد تین دن تک مسلمانوں نے حدیبیہ میں قیام فرمایا۔ وہیں قربانی کی اور بال منڈوانے کے بعد احرام اتار دیا۔ اس کے بعد نبی کریم ﷺ مسلمانوں کے ہمراہ مدینہ لوٹ آئے۔

صلح حدیبیہ کے ثمرات ونتائج

مسلمانوں کی حقیقی فتح

بظاہر صلح حدیبیہ کی دفعات مسلمانوں کے خلاف تھیں لیکن ان میں ہی مسلمانوں کی فتح پنہاں تھی جس کا احساس صحابہ کرامؓ کو دو سال بعد ہوا۔

قریش کے وقار کا خاتمہ

صلح حدیبیہ کی وجہ سے قریش کو زبردست دھچکا لگا۔ قریش مکہ نے مسلمانوں کو اگلے سال عمرہ کی اجازت دے کر اپنے وقار کو اپنے ہاتھوں سے ہی منہدم کر ڈالا۔

مدینہ کو اسلامی ریاست تسلیم کرنا

کفار کا کثرت کے باوجود صلح کی طرف جھکنا اور اگلے سال عمرہ کی اجازت دینا اس بات کی بین دلیل ہے کہ اندرونی طور پر انہوں نے مدینہ کو ایک اسلامی ریاست تسلیم کر لیا تھا۔

سیاسی اقتدار کی تمہید

کفار کا جھک کر صلح کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کی سیاسی قوت کا اعتراف کر لیا ہے اور یہ معاہدہ سیاسی اقتدار (جو دو سال بعد حاصل ہوا) کی تمہید ہے۔

مسلمانوں کی قوت کا اعتراف

سہیل بن عمرو کا صلح کی شرائط طے کرنا مسلمانوں کی قوت کا اعتراف تھا ورنہ شرائط طے کرنے کی کیا ضرورت تھی سیدھی بات کرتے کہ جاؤ ہم تمہیں کبھی بھی عمرہ نہیں کرنے دیں گے۔

Marfat.com

مسلمانوں کی امن پسندی کا ثبوت

صلح حدیبیہ مسلمانوں کی امن پسندی کا ثبوت اس طرح ہے کہ ابھی معاہدے پر دستخط نہیں ہوئے تھے کہ ابو جندلؓ مسلمانوں کے پاس آگئے ہیں۔ اگر نبی کریم ﷺ چاہتے تو واپس نہ کرتے، چاہے لڑائی ہو جاتی لیکن آپ ﷺ نے امن پسندی کا ثبوت دیتے ہوئے انہیں واپس کر دیا۔

نبی کریم ﷺ کی سیاسی بصیرت کا شاہکار

اس معاہدہ کی تمام شقیں بظاہر مسلمانوں کے خلاف تھیں لیکن آئندہ چل کر نبی کریم ﷺ کی سیاسی بصیرت نے ثابت کر دیا کہ درحقیقت یہ مسلمانوں کے مفاد میں تھیں۔

فتح مکہ کا پیش خیمہ

چونکہ قریش نے خود ہی دو سال کے بعد تنگ آ کر معاہدہ توڑ دیا تھا اس لئے مسلمانوں کو مکہ پر حملہ کرنے کا موقع ملا اور فتح نصیب ہوئی۔

مسلمانوں کی قوت میں اضافہ

اس معاہدے سے قبل قریش مسلمانون کے کسی قبیلہ کے حلیف بننے میں ہر رکاوٹ بنتے تھے لیکن اب یہ رکاوٹ ختم ہو چکی تھی۔ بنوخزاعہ نے حدیبیہ کے موقع پر ہی مسلمانوں کے ساتھ اتحاد کا اعلان کر دیا۔

جنگ کا خاتمہ

اس معاہدے کی ایک شق یہ تھی کہ فریقین میں دس سال تک جنگ نہیں ہو گی اس سے پہلے کفار آئے دن مسلمانوں کو جنگ پر مجبور کرتے رہتے تھے۔

دعوت و تبلیغ میں آسانی

جنگ و جدال کے خاتمہ نے مسلمانوں کے لئے دعوت و تبلیغ میں آسانی پیدا کر دی۔ اب مسلمان آزادانہ طور پر لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے لگے۔

اشاعت اسلام

اس دعوت و تبلیغ کا اثر یہ ہوا کہ اسلام عرب کے دور دراز علاقوں تک پھیل گیا۔ اسلام کی جتنی اشاعت اس معاہدے کے دوران ہوئی پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی۔

مسلمانوں کے ایمان میں پختگی

جب اسلام کی دعوت دور دراز علاقوں تک بھی پہنچ گئی اور لوگ گروہ در گروہ آ کر مسلمان ہونے لگے تو مومنین کے دلوں

Marfat.com

میں اور زیادہ پختگی آگئی۔

یہودیوں سے نمٹنے میں آسانی

معاہدے سے پہلے مسلمانوں کے سر پر کفار مکہ کے حملے کا خطرہ ہر وقت رہتا تھا۔اب خطرہ ٹل گیا تھا جس کی وجہ سے یہود سے نمٹنے میں آسانی پیدا ہوگئی۔

منافقین کا جماعت المسلمین سے الگ ہونا

معاہدے میں ایک دفعہ یہ بھی شامل تھی کہ جو شخص چاہے حضرت محمد ﷺ کا ساتھی بن جائے اور جو شخص چاہے کفار کا۔ایسے موقع پر جماعت المنافقین عام لوگوں پر ظاہر ہوگئی۔

کمزور مسلمانوں کا مسئلہ حل ہوگیا

حضرت ابو بصیرؓ نے قریش کی سختیوں سے تنگ آ کر مدینہ میں پناہ لی۔دو آدمی لینے کے لئے آئے تو آپ ﷺ نے واپس کر دیا۔ابو بصیرؓ نے راستے میں انہیں قتل کر کے مسجد میں پہنچ گئے۔انہوں نے سمندر کے کنارے ڈیرے ڈال کر قریش کے قافلوں کو لوٹنا شروع کر دیا اس طرح کمزور مسلمان ابو بصیرؓ کے پاس پہنچ جایا کرتے تھے۔

اسلامی حکومت کے نظم ونسق کا مضبوط اور پائیدار بنیادوں پر قیام

قریش مکہ کی طرف سے جنگ بند ہونے کے بعد مسلمانوں کو اس بات کا موقع مل گیا کہ وہ اسلامی حکومت کے نظم ونسق کو مضبوط اور پائیدار بنیادوں پر قائم کریں۔

تجارت میں وسعت

اب قریش نے مسلمانوں کو تنگ کرنا ترک کر دیا تھا اور تجارتی شاہراہ بھی مسلمانوں کے ہاتھوں میں آچکی تھی جس کی وجہ سے تجارت کافی وسیع پیمانے پر پھیلی۔

قریش کی تجارتی ناکہ بندی

مدینہ کے قریب سے گزرنے والی تجارتی شاہراہ پر کمزور مسلمانوں کا گروہ جمع ہو کر مشرکین کے قافلوں کو لوٹ لیتا تھا جس سے ان کی تجارتی ناکہ بندی ہوگئی تھی۔

خانہ کعبہ

قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ج فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا ص فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ط وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ط وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ط وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ہ

Marfat.com

ترجمہ: بیشک ہم دیکھتے ہیں بار بار اُٹھنا تیرے منہ کا آسمان کی طرف۔ سو البتہ پھیریں گے ہم تجھ کو جس قبلہ کی طرف تو راضی ہے۔ اب پھیر منہ اپنا طرف مسجد الحرام کے اور جس جگہ تم ہوا کرو پھیر و منہ اسی کی طرف۔ جن کو ملی ہے کتاب البتہ جانتے ہیں کہ یہی ٹھیک ہے اُنکے رب کی طرف سے اور اللہ بے خبر نہیں اُن کاموں سے جو وہ کرتے ہیں۔ (سورۃ البقرہ : ۱۴۴)

تحویل قبلہ کی حکمت اور اللہ کے علم کی تحقیق

یعنی اصل قبلہ تمہارا تو کعبہ ہی تھا۔ جو حضرت ابرہیمؑ کے وقت سے چلا آتا ہے اور چند روز کے لئے جو بیت المقدس مقرر کر دیا تھا وہ تو صرف امتحان کے لئے تھا کہ کون تابعداری پر قائم رہتا ہے اور کون دین سے پھر جاتا ہے سو اس میں جو لوگ ایمان پر قائم رہے اُن کا بڑا درجہ ہے۔ فائدہ اس آیۃ میں لنبلونکم اور الّا لنعلم وغیرہ کلمات موجود ہیں ان سب سے بظاہر یوں سمجھ میں آتا ہے کہ حق تعالیٰ کی نعوذ باللہ ان اشیاء کا علم بعد کو ہوا ان چیزوں کے وجود سے پہلے علم نہ تھا۔ حالانکہ اُس کا علم ہر چیز کے ساتھ قدیم ہے۔ کان اللہ بکل شئی علیماً علماء نے کئی طرح سے اسکا جواب دیا ہے بعض نے علم سے متمیز اور جدا جدا کر دینا مراد لیا ہے بعض نے امتحان کے معنی لئے کسی نے علم کو بمعنی رویۃ لیا کسی نے مستقبل کو بمعنی ماضی فرمایا بعض نے حدوث علم کو نبی اور مومنین کی طرف رجوع کیا یا مخاطبین کی طرف لوٹایا بعض اکابر محققین نے علم حالی جو بعد وجود معلوم متحقق ہوتا ہے جس پر جزا و سزا مدح و ذم مترتب ہوتی ہے مراد لیا اور اُسی کو پسند فرمایا۔ بعض راسخین مدققین نے اُس کے متعلق دو باتیں نہایت دقیق و انیق بیان فرمائیں۔ اول کا خلاصہ یہ ہے کہ حسب ارشاد ان اللہ قد احاط بکل شئی علماً تمام چیزیں اول سے آخر تک حقیر و عظیم قلیل و کثیر خدا کے سامنے ہیں اور سب کا علم اُس کو ایک ساتھ ہے اس کے علم میں تقدم و تاخر ہرگز نہیں مگر آپس میں ایک دوسرے کی نسبت بیشک مقدم اور موخر گنی جاتی ہیں سو علم خداوندی کے حساب سے تو سب کی سب بمنزلہ شے واحد موجود ہیں اسلیئے وہاں ماضی حال استقبال نکالنا بالکل غلط ہوگا البتہ تقدم و تاخر باہمی کی وجہ سے یہ تینوں زمانے بالبداہت جدا جدا نکلیں گے سو جناب باری کبھی تو حسب موقع و حکمت اپنے معلوم ہونے کے لحاظ سے کلام فرماتا ہے اور کبھی اُن وقائع کے تقدم و تاخر کا لحاظ ہوتا ہے پہلی صورت میں تو ہمیشہ بلحاظ ایک فرق دقیق کے ہمیشہ ماضی کا صیغہ یا حال کا صیغہ مستعمل ہوتا ہے۔ استقبال کا صیغہ مستعمل نہیں ہوسکتا اور دوسری صورت میں ماضی کے موقع میں ماضی اور حال کے موقع میں حال اور استقبال کی جگہ استقبال لایا جاتا ہے سو جہاں کہیں وقائع آئندہ کو ماضی کے الفاظ سے بیان فرمایا ہے جیسا ونادیٰ اصحاب الجنۃ وغیرہ تو وہاں اس کا لحاظ ہے کہ حق تعالیٰ کو سب مختصر اور پیش نظر ہے اور جہاں امور گذشتہ کو صیغہ استقبال سے بیان فرمایا ہے جیسا اسی آیۃ میں الّا لنعلم ہے اور اسکے سوا تو وہاں یہ مدنظر ہے کہ یہ نسبت اپنے ماقبل کے مستقبل ہے علم الٰہی کے لحاظ سے استقبال نہیں جو اُس کے علم میں حدوث کا وہم ہو۔ دوسری تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم کو علم اشیاء دو طریق سے حاصل ہوتا ہے ایک تو بلاواسطہ دوسرا بواسطہ مثلاً آگ کو کبھی تو آنکھ سے مشاہدہ کرتے ہیں اور کبھی آگے تو ہم سے کسی آڑ میں ہوتی ہے مگر دھوئیں کو دیکھ کر آگ کا یقین ہو جاتا ہے اور بسا اوقات یہ دونوں علم ایک جگہ ایک ساتھ بلاواسطہ کیونکر آنکھ سے آگ کو دیکھ رہے ہیں۔ دوسرا بواسطہ یعنی آگ کا

Marfat.com

علم دھوئیں کے واسطہ سے اور یہ دونوں علم ہر چند ایک ساتھ ہیں آگے پیچھے پیدا نہیں ہوئے مگر علم بواسطہ علم بلاواسطہ میں ایسا محو ہوتا ہے کہ اُس کا دھیان بھی نہیں گذرتا۔علیٰ ہذا القیاس کبھی دو چیزوں کا علم بلاواسطہ بھی ایک ساتھ حاصل ہوتا ہے مثلاً آگ اور دھوئیں کا علم بلاواسطہ اور آگ کا علم دھوئیں کے واسطہ سے آگے کا علم بلاواسطہ اور دھوئیں کا علم آگ کے واسطہ سے دونوں ساتھ ہی پیدا ہوتے ہیں مگر جیسا قلم کو ہاتھ میں لے کر لکھیں تو ہر چند ہاتھ اور قلم ساتھ ہی ہلتے ہیں لیکن پھر یوں کہتے ہیں کہ ہاتھ پہلے تو قلم ہلا اسی طرح پر عقل سلیم باوجود ایک ساتھ ہونے کے ایک شے کے علم بلاواسطہ کو دوسری شے کے علم بالواسطہ سے جو بواسطہ پہلی شے کے حاصل ہوا ہے ایک طرح پر ضرور مقدم سمجھتی ہے۔جب یہ باتیں معلوم ہوچکیں تو اب سینئے کہ خداوند علیم کو بھی تمام اشیاء کا علم دونوں طرح پر ہے بلاواسطہ اور بواسطہ یکدگر یعنی لوازم کا ملزومات سے اور ملزومات کا لوازم سے اور دونوں علم ازل سے برابر ساتھ ہیں گو علم بواسطہ کسی چیز کا اُس کے علم بلاواسطہ میں محو اور مضمحل ہو اور ایسا ہی ایک چیز کا علم بلاواسطہ اور دوسری چیز کا علم بالواسطہ برابر ساتھ ہے اور دونوں قدیم ہیں گو علم بلاواسطہ کو بطریق مذکور مقدم اور علم بالواسطہ کو موخر کہیں سو جہاں کہیں علم خداوندی کے ذکر میں صیغہ استقبال کا بامعنی استقبال کے پائے جاتے ہیں وہ علم بالواسطہ کے لحاظ سے ہے زمانہ کے اعتبار سے کچھ تفاوت نہیں اور جہاں کہیں ماضی یا حال مستقبل ہے وہاں علم بلاواسطہ مراد ہے اور علم بالواسطہ کے اعتبار سے کلام فرماتے ہیں یہ حکمت ہے کہ کلام الٰہی کے مخاطب آدمی ہیں اور اُن کو اکثر اشیاء کا علم بالواسطہ ہوتا ہے اور جہاں کہیں جناب باری نے اپنے علم میں صیغہ استقبال استعمال فرمایا ہے وہ وہی امور ہیں جو بنی آدم کو بلاواسطہ معلوم نہیں ہوسکتے اگر ایسے مواقع میں بنی آدم سے باعتبار علم بلاواسطہ کلام کیا جاتا تو اُن پر پورا الزام نہ ہوتا اور جہاں یہ مصلحت نہیں وہاں باعتبار علم بلاواسطہ صیغہ ماضی یا حال کا استعمال کیا جاتا ہے۔مگر بنی آدم کو چونکہ اُن اشیاء کا علم بلاواسطہ ہو ہی نہیں سکتا اور اُن واسطوں کا علم قبل اُن کے وجود کے بنی آدم کو ممکن نہیں اور اس وجہ سے اُن کے تمام علوم برابر حاصل نہیں ہوتے تو وہ خدا کو اپنے اوپر قیاس کر کے صیغہ استقبال سے حدوث سمجھ جاتے ہیں اور حیران ہوتے ہیں کہ علم الٰہی میں حدوث ثابت ہو گیا مگر فہمیدہ اشخاص جو نکتہ مذکورہ سے واقف ہیں سب کو مطابق یکدگر سمجھتے ہیں، والحمدللہ۔

(۳۔۲) استقبال بیت المقدس کی حکمت

اول سے آپ کے لئے خانہ کعبہ قبلہ مقرر ہوا تھا بیچ میں چند عرصہ کے لئے امتحاناً بیت المقدس کو قبلہ مقرر فرمایا اور سب جانتے ہیں کہ امتحان اُسی چیز میں ہوتا ہے جو نفس پر دشوار ہو سو حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ بیشک بجائے بیعت کعبہ کے بیت المقدس کو قبلہ بنانا لوگوں کو بھاری معلوم ہوا عوام مسلمین کو تو اس وجہ سے کہ وہ عموماً عرب اور قریش تھے اور کعبہ کی افضلیت کے معتقد تھے اُن کو اپنے خیال اور رسم وعادت کے خلاف کرنا پڑا اور خواص کے گھبرانے کی یہ وجہ تھی کہ ملت ابراہیمی کے خلاف تھا جس کی موافقت کے مامور تھے اور اخص الخواص جن کو ذوق سلیم اور تمیز مراتب کی لیاقت عطا ہوئی تھی وہ کعبہ کے بعد بیت المقدس کی طرف متوجہ ہونے کو ترقی معکوس خیال کرتے تھے وہ جانتے تھے کہ جناب رسول اللہ ﷺ تمام انبیاء کے کمالات کے جامع اور آپکی

Marfat.com

رسالت جملہ عالم اور تمام اُمتوں کیلئے شامل ہے اس لئے ضرور ہے کہ استقبال بیت المقدس کی بھی نوبت آئے یہی وجہ ہے کہ شب معراج میں تمام انبیاء سابقین سے ملاقات بھی ہوئی اور اس کے بعد استقبال بیت المقدس کا بھی حکم ہوا واللہ اعلم۔

(۲-۴) یہود نے کہا کہ کعبہ قبلہ اصلی ہے تو اتنی مدت کی نماز جو بیت المقدس کی طرف پڑھی تھی ضائع ہوئی، بعض مسلمانوں کو شبہ ہوا کہ بیت المقدس جب قبلہ اصلی نہ تھا تو جو مسلمان اُسی حالت پر مر گئے اُن کے ثواب میں نقصان رہا باقی ماندہ رہنے والے تو آئندہ کو مکافات اور اُس کا تدارک کرلیں گے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ جب تم نے بیت المقدس کی طرف نماز محض مقتضائے ایمانی اور اطاعت حکم خداوندی کے سبب پڑھی تو تمہارے اجر و ثواب میں کسی طرح کا نقصان نہ ڈالا جائے گا۔

(۲-۵) استقبال کعبہ کا حکم

چونکہ آپ کا اصلی قبلہ اور آپ کے کمالات کے مناسب خانہ کعبہ تھا اور سب قبلوں سے افضل اور حضرت ابراہیمؑ کا بھی قبلہ وہی تھا (ادھر یہود طعن کرتے تھے کہ یہ نبی شریعت ہمارے مخالف اور رلمت ابراہیمی کے موافق ہو کر ہمارا قبلہ کیوں اختیار کرتے ہیں) ان وجوہ سے جس زمانہ میں آپ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے تھے تو دل یہی چاہتا تھا کہ کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم آجائے اور اس شوق میں آسمان کی طرف منہ اُٹھا کر ہر طرف کو دیکھتے تھے کہ شاید فرشتہ حکم لاتا ہو اس پر یہ آیت اُتری اور استقبال کعبہ کا حکم آگیا۔

(۲-۶) یعنی کعبہ کی طرف مسجد الحرام اس لئے کہتے ہیں کہ وہاں مقاتلہ کرنا اور شکار کرنا جانوروں کا اور درخت اور گھاس کا کاٹنا وغیرہ امور حرام ہیں اور کسی مسجد کی اتنی حرمت و عزت نہیں جس قدر مسجد الحرام کی حرمت ہے جب تحویل قبلہ کا یہ حکم نازل ہوا تو آپ باجماعت مسجد بنی سلمہ میں ظہر کی نماز پڑھ رہے تھے دو رکعت بیت المقدس کی طرف پڑھ چکے تھے نماز ہی میں آپ نے اور سب مقتدیوں نے کعبہ کی طرف منہ پھیر لیا اور باقی دو رکعتیں پوری کیں اُس مسجد کا نام مسجد القبلتین اور ذو قبلتین ہو گیا یعنی دو قبلہ والی۔

(۲-۷) یعنی حضر میں یا سفر میں مدینہ میں یا دوسرے شہر میں جنگل میں یا دریا میں یا خود بیت المقدس میں جہاں کہیں ہو کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو۔

فتح مکہ کے اسباب

معاہدہ حدیبیہ کی خلاف ورزی

معاہدہ حدیبیہ کی خلاف ورزی ہی حقیقت میں مکہ پر حملہ کی سب سے بڑی وجہ تھی۔ اس کے علاوہ جتنے اسباب ہیں وہ سب ذیلی ہیں۔

صلح حدیبیہ کی ایک شرط یہ تھی کہ جو قبیلہ جس فریق کے ساتھ شامل ہونا چاہے گا اس فریق کا حصہ سمجھا جائے گا۔ لہٰذا ایسا کوئی قبیلہ کسی زیادتی یا حملے کا شکار ہو تو یہ خود اس فریق پر حملہ یا زیادتی تصور ہوگی۔ اس دفعہ کے تحت جو خزاعہ نبی کریم ﷺ کے عہد و پیمان

Marfat.com

میں داخل ہو گئے اور بنو بکر قریش کے عہد و پیمان میں۔ اسطرح دونوں قبیلے ایک دوسرے سے بے خطر اور مامون ہو گئے۔ چونکہ ان قبیلوں کے درمیان شروع ہی سے دشمنی چلی آ رہی تھی اس لئے بنو بکر نے معاہدہ حدیبیہ کو غنیمت جان کر بنو خزاعہ سے پرانا بدلہ چکانا چاہا۔ چنانچہ نوفل بن معاویہ بنو بکر کی ایک جماعت کو ساتھ لے کر شعبان ۸ ہجری میں بنو خزاعہ پر حملہ آور ہوا: بنو خزاعہ کے متعدد افراد مارے گئے۔ قریش نے اس جنگ میں بنو بکر کی ہتھیاروں سے مدد کی اور تاریکی سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے کچھ اور لوگ بھی اس جنگ میں شریک ہو گئے۔ قبیلہ بنو خزاعہ کا ایک شخص عمرو بن سالم خزاعی بچ کر مدینہ پہنچا اور نبی کریم ﷺ کو ساری صورت حال سے آگاہ کیا۔ اس شخص کے بعد بدیل بن ورقہ خزاعی کی سرکردگی میں ایک جماعت نبی ﷺ کی خدمت میں پہنچی اور مدد کی درخواست کی۔ یہ سن کر نبی کریم ﷺ نے قبیلہ خزاعہ کی مدد کا اعلان کر دیا اور مکہ میں ایک قاصد بھیجا کہ یا تو مقتولین کا خون بہا ادا کریں یا بنی بکر کی حمایت چھوڑ دیں یا معاہدہ حدیبیہ توڑ دیں۔ یہ شرطیں سن کر قریش نے کہا کہ ہمیں تیسری شرط منظور ہے لیکن قاصد کی واپسی کے بعد ندامت محسوس ہوئی۔

قریش کو خطرہ تھا کہ کہیں نبی کریم ﷺ معاہدہ کے ٹوٹنے پر مکہ پر حملہ نہ کر دیں اس لئے انہوں نے تجدید صلح کے لئے ابوسفیان کو مدینہ روانہ کیا۔ چونکہ نبی کریم ﷺ قریش سے تنگ آ چکے تھے اس لئے آپ ﷺ نے قریش کی صلح کی پیشکش کو ٹھکرا دیا۔

خانہ کعبہ کی تطہیر

نبی کریم ﷺ کی بعثت کا مقصد شرک کا خاتمہ تھا۔ جب آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے گھر میں ہی شرک ہوتا دیکھتے تو ذہنی کوفت ہوتی کہ آخر کب تک اللہ کے گھر میں بت رہیں گے۔ اب آپ ﷺ کے لئے سنہری موقع تھا کہ اپنی دیرینہ خواہش کی تکمیل کریں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اس موقع سے بھرپور فائدہ اُٹھایا۔

خانہ کعبہ کو اسلام کا مرکز بنانا

آپ ﷺ خانہ کعبہ کو اسلام کا مرکز بنانا چاہتے تھے لیکن خانہ کعبہ پر کفار کا قبضہ ہونے کی وجہ سے قاصر رہے۔ خانہ کعبہ اسلام کا مرکز اسی صورت میں بن سکتا تھا جب کفار کو وہاں سے نکال دیا جاتا اور خانہ کعبہ کو اپنے قبضے میں لے لیا جاتا۔ معاہدہ حدیبیہ کے ٹوٹنے سے آپ ﷺ نے فائدہ اٹھاتے ہوئے مکہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تا کہ مکہ اسلام کا محور و مرکز بن جائے۔

حرم پاک کی حرمت

مکہ کے لوگ حرم پاک کی حرمت کو بری طرح سے پامال کرتے تھے وہ ننگے ہو کر خانہ کعبہ کا طواف کرتے تھے۔ شرم وحیا نام کی کوئی چیز ان کے ہاں باقی نہ رہی تھی جس وجہ سے انہوں نے بیت اللہ کی حرمت کا بھی لحاظ نہ کیا۔ نبی کریم ﷺ کو اپنے منصب کے سامنے رکھتے ہوئے کسی بھی صورت میں یہ بات قابل برداشت نہ تھی کہ مشرکین خانہ کعبہ کا ننگے ہو کر طواف کریں۔

Marfat.com

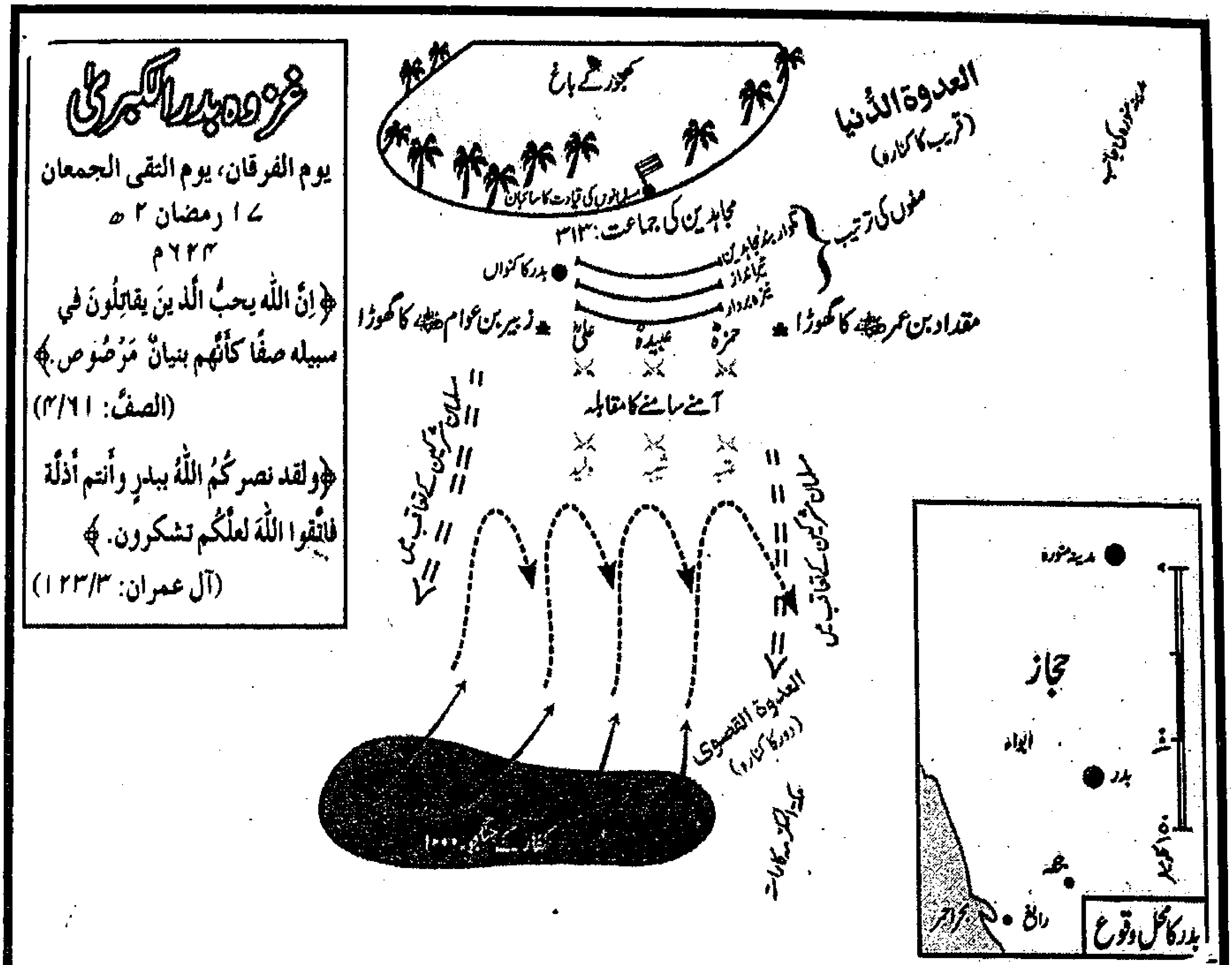

غزوہ بدر الکبریٰ
یوم الفرقان، یوم التقی الجمعان
۱۷ رمضان ۲ ھ
۶۲۴ م
﴿إنّ اللہ یحبّ الذین یقاتلون فی سبیلہ صفًا کأنّھم بنیانٌ مرصوص﴾
(الصفّ: ۶۱/۴)
﴿ولقد نصرکم اللہ ببدرٍ وأنتم أذلّۃ فاتقوا اللہ لعلّکم تشکرون﴾
(آل عمران: ۳/۱۲۳)
کھجور کے باغ
العدوۃ الدنیا
(قریب کا کنارہ)
صفوں کی ترتیب
مجاہدین کی جماعت: ۳۱۳
بدر کا کنواں
مقداد بن عمرو کا گھوڑا
زبیر بن عوام کا گھوڑا
حمزہ
عبیدہ
علی
آمنے سامنے کا مقابلہ
عتبہ
شیبہ
ولید
العدوۃ القصوی
(دور کا کنارہ)
حجاز
مدینہ منورہ
بدر
جدہ
رابغ
بحر احمر
بدر کا محل وقوع

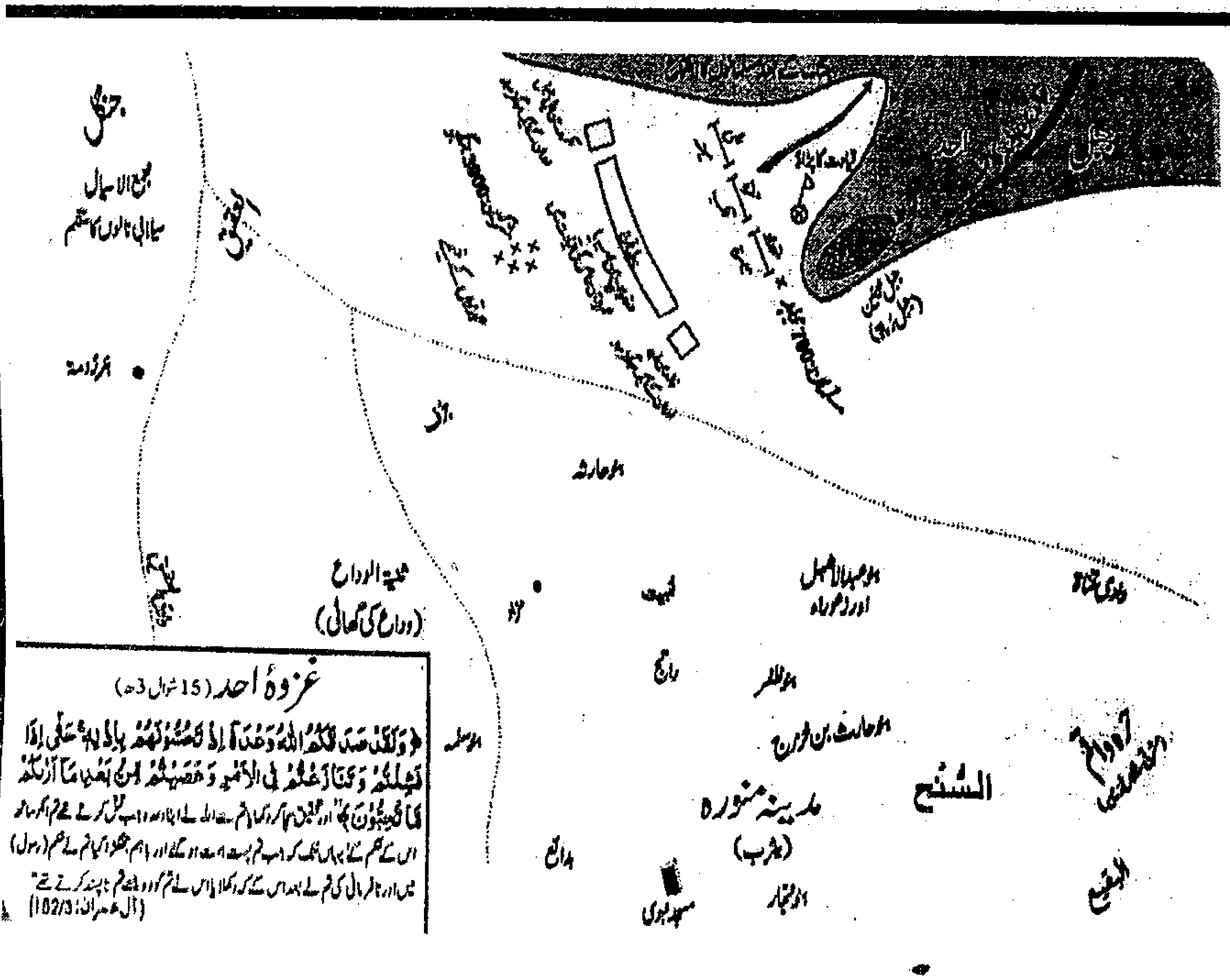

غزوہ احد (15 شوال 3ھ)
﴿ولقد صدقکم اللہ وعدہ إذ تحسّونھم بإذنہ حتی إذا فشلتم وتنازعتم فی الأمر وعصیتم من بعد ما أراکم ما تحبون﴾
(آل عمران: 152/3)
ثنیۃ الوداع
(وداع کی گھاٹی)
مدینہ منورہ
(یثرب)
السنح
مسجد نبوی
البقیع
راتج

Marfat.com

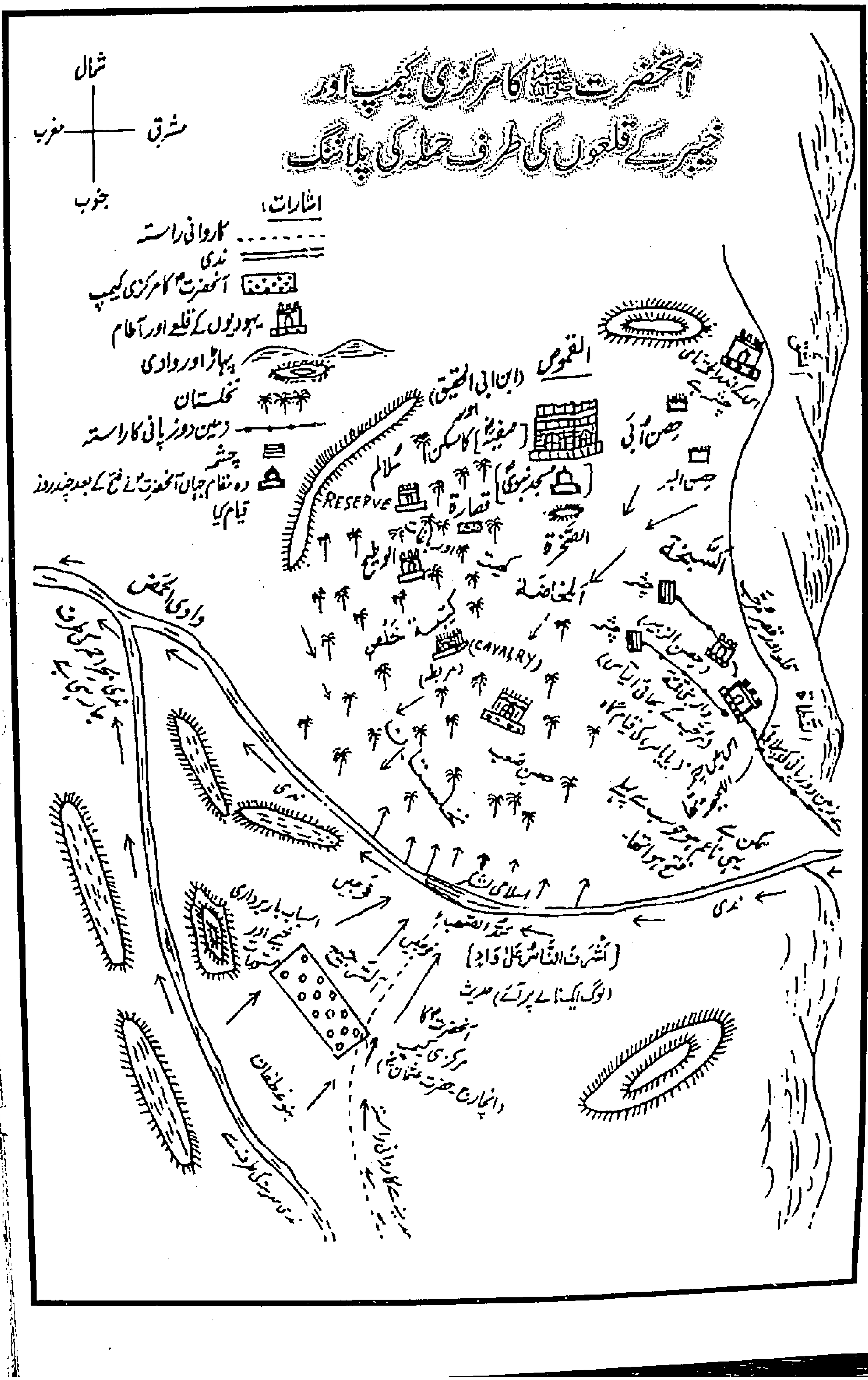
آنحضرت ﷺ کا مرکزی کیمپ اور
خیبر کے قلعوں کی طرف حملہ کی پلاننگ
شمال
مشرق
مغرب
جنوب
اشارات
کاروانی راستہ
ندی
آنحضرتؐ کا مرکزی کیمپ
یہودیوں کے قلعے اور آطام
پہاڑ اور وادی
نخلستان
زمین دوز پانی کا راستہ
چشمہ
وہ مقام جہاں آنحضرتؐ نے فتح کے بعد چند روز قیام کیا
القموص
ابن ابی الحقیق
RESERVE
CAVALRY
ندی

Marfat.com

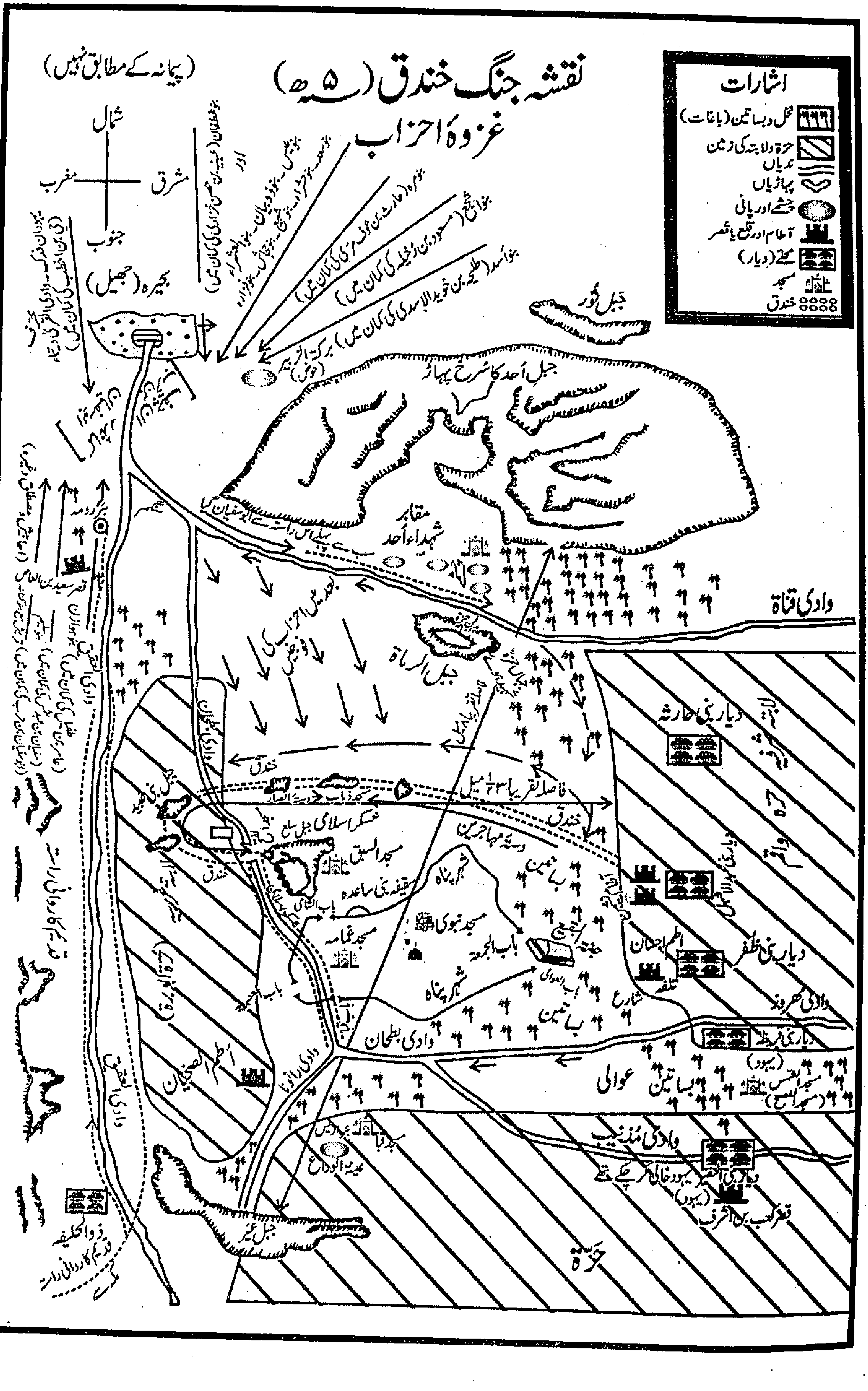
نقشہ جنگ خندق (۵ھ)
غزوۂ احزاب
(پیمانہ کے مطابق نہیں)
شمال
مشرق
مغرب
جنوب
اشارات
نخل وبساتین (باغات)
حرۃ ولابۃ کی زمین
ندیاں
پہاڑیاں
چشمے اور پانی
آطام اور قلع یا قصر
محلے (دیار)
مسجد
خندق
بحیرہ (جھیل)
جبل ثور
جبل اُحد کا سرخ پہاڑ
مقابر شہداء اُحد
وادی قناۃ
جبل الرماۃ
دیار بنی حارثہ
عسکر اسلامی جبل سلع
مسجد السبق
سقیفہ بنی ساعدہ
مسجد نبوی
شہر پناہ
باب الجمعۃ
مسجد غمامہ
دیار بنی ظفر
وادی مہزور
وادی بطحان
وادی رانونا
اطم الضحیان
عوالی
بساتین
وادی مذینب
قصر کعب بن اشرف
جبل عیر
حرۃ
ذوالحلیفہ
قصر سعید بن العاص

Marfat.com

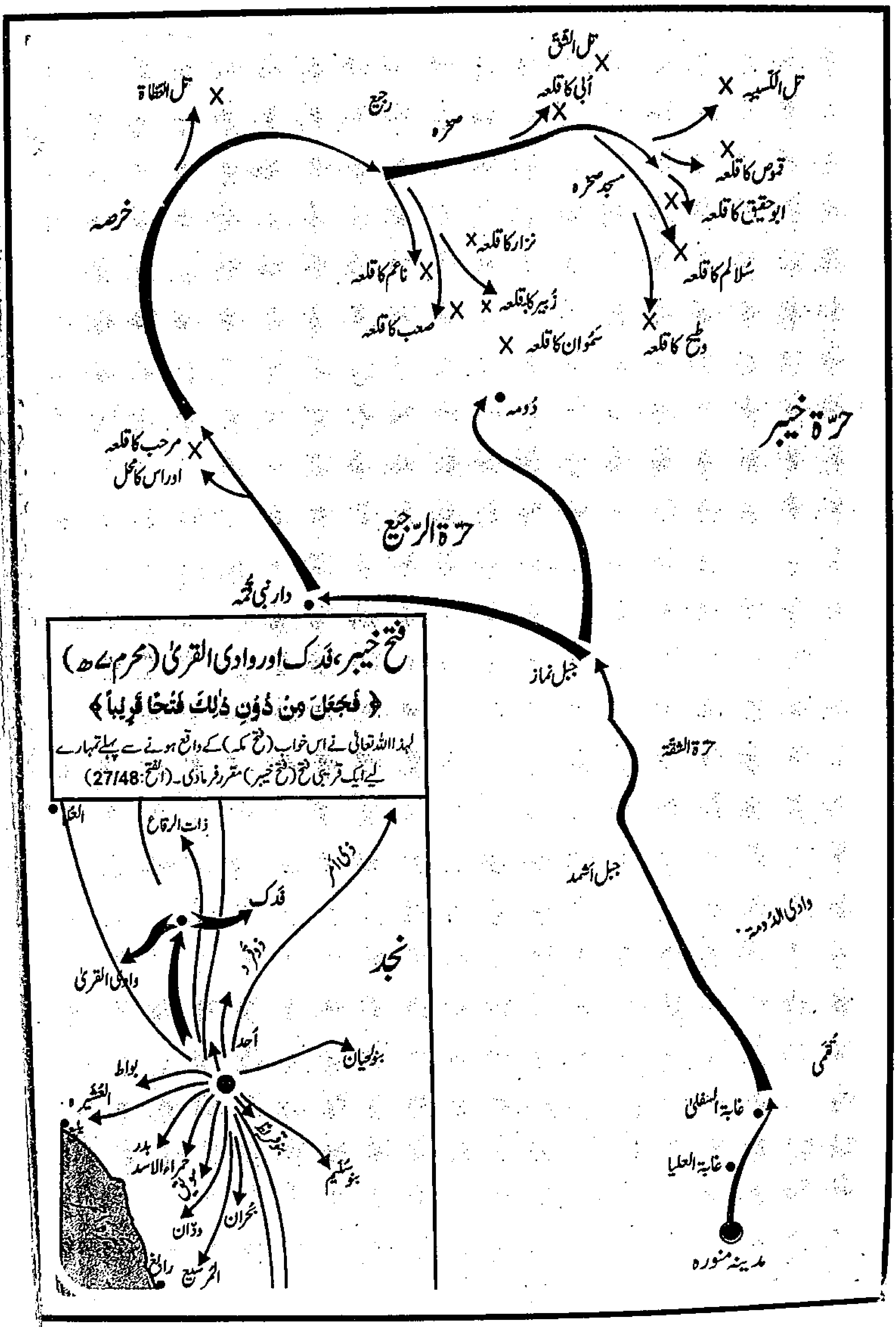

فتح خیبر، فدک اور وادی القریٰ (محرم ۷ھ)

﴿ فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيبًا ﴾

لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس خواب (فتح مکہ) کے واقع ہونے سے پہلے تمہارے لیے ایک قریبی فتح (فتح خیبر) مقرر فرما دی۔ (الفتح: 27/48)

Marfat.com

واقعات

غزوے کی تیاری

ابوسفیان کے مکہ واپس آنے پر نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کو مکہ پر چڑھائی کے لئے تیاری کا حکم دے دیا اور ارد گرد کے حلیف قبائل کو بھی تیاری کا حکم دے کر نصیحت کی کہ مکہ والوں کو اس کی خبر نہ ہونے پائے۔

حاطب بن ابی بلتعہؓ کا واقعہ

تیاری کے دوران یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک عورت مکہ سے مدینہ آئی ہوئی تھی۔ حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ نے ایک خط لکھ کر حضرت محمد ﷺ تم پر چڑھائی کرنا چاہتے ہیں، اس عورت کے حوالے کر دیا۔ نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے اس بات سے مطلع کر دیا۔

نبی کریم ﷺ نے حضرت علیؓ، حضرت مقدادؓ، حضرت زبیرؓ اور مرثد غنویؓ کو بھیج کر اس عورت سے وہ رقعہ چھین لیا۔ نبی کریم ﷺ نے پوچھا تو حاطب بن ابی بلتعہؓ نے کہا کہ یہ غلطی مجھ سے ہوئی ہے۔ پوچھا خط کیوں لکھا تھا تو انہوں نے عذر پیش کیا کہ میرے بیوی بچے مکہ میں کفار کی حراست میں ہیں۔ میں نے سوچا اگر میں انہیں اطلاع کر دوں تو وہ ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کریں گے۔ فاروق اعظمؓ نے کہا یارسول اللہ ﷺ یہ منافق ہے مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن تن سے جدا کر دوں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا عمر! اللہ نے تمام بدری صحابہ کو بخش دیا ہوا ہے یہ سن کر حضرت عمرؓ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

اسلامی لشکر مکہ کی راہ پر

۱۰ رمضان المبارک ۸ ہجری کو نبی کریم ﷺ نے مکہ کا رُخ کیا اور مکہ سے ایک منزل کی مسافت پر مرالظہر ان کے مقام پر قیام کیا۔ نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ روزے کی حالت میں تھے لیکن آپ ﷺ کے حکم پر سب نے روزے توڑ دیئے۔ مرالظہران پہنچ کر نبی کریم ﷺ کے حکم سے تمام صحابہ نے الگ الگ آگ جلائی۔ اس طرح دس ہزار چوکیوں میں آگ چلائی گئی۔

ابوسفیان دربار نبوت ﷺ میں

مرالظہران میں پڑاؤ ڈالنے کے بعد حضرت عباس گشت پر نکلے۔ ان کا خیال تھا کہ کوئی آدمی مل جائے تو اسے مطلع کر دیا جائے تا کہ ہمارے مکہ میں داخل ہونے سے پہلے ہی وہ لوگ امان لے لیں۔ ابوسفیان رات کے وقت تحقیق کرنے کے لئے نکلتا تھا کہ کہیں بنوخزاعہ والے رات کے وقت ہم پر حملہ نہ کر دیں۔ چنانچہ اس وقت بھی حکیم بن حزام، بدیل بن ورقاء اور ابوسفیان بھی جائزہ لینے کے لئے باہر نکلے تو آگ جلتی دیکھ کر ایک دوسرے سے کہا کہ کوئی لشکر ہم پر حملہ آور ہو گیا ہے۔ حضرت عباسؓ نے ابوسفیان کی آواز پہچان لی اور اس نے حضرت عباسؓ کو پہچان لیا۔ حضرت عباسؓ تمام حالات سے آگاہ کرنے کے بعد انہیں خچر پر بٹھا کر نبی کریم ﷺ کے پاس لے آئے۔ حضرت عمرؓ نے دیکھ کر کہا کہ یارسول اللہ علیک وسلم مجھے حکم دیجئے کہ میں

Marfat.com

کافر کی گردن اڑا دوں۔آپ ﷺ نے منع فرمایا۔ابوسفیان نے رات حضرات عباسؓ کے خیمے میں گزاری۔صبح ہوئی تو دربار رسالت ﷺ میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔

ابوسفیان کے مسلمان ہونے پر اعزاز

حضرت عباسؓ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ ابوسفیان اعزاز پسند ہے لہٰذا اسے کوئی اعزاز بخش دیجئے۔آپ ﷺ نے فرمایا:
''جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا اسے امان ہے۔جو اپنا دروازہ بند کر لے اسے بھی امان حاصل ہے اور جو حرم میں داخل ہو جائے اسے بھی امان حاصل ہوگی''

لشکر اسلام اچانک قریش کے سر پر

جب لشکر اسلام مکے میں داخلے ہونے کے لئے روانہ ہو گیا تو حضرت عباسؓ نے ابوسفیانؓ سے کہا کہ جاؤ اور اپنی قوم کو قتل و غارت سے بچالو۔ابوسفیان تیزی سے حضرت عباسؓ کے پاس سے ہٹ کر اپنی قوم کے پاس پہنچا اور کہا کہ لوگو حضرت محمد ﷺ تم پر حملہ آور ہونے کے لئے اتنا بڑا لشکر لے آئے ہیں کہ تم مقابلے کی تاب نہیں لا سکتے۔لہٰذا جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اسے امان حاصل ہے۔جو اپنا دروازہ بند کر لے اسے بھی امان حاصل ہے۔جو شخص حرم میں داخل ہو جائے اسے بھی امان حاصل ہے۔

ابوسفیان کی بات سن کر کچھ لوگ اس کے گھر میں داخل ہو گئے (یاد رہے کہ ابوسفیان کی حویلی بہت بڑی تھی) کچھ حرم میں اور باقی لوگوں نے اپنے گھروں کے دروازے بند کر لئے۔البتہ کچھ اوباش لوگوں کو مقابلے کے لئے چھوڑ دیا تا کہ اگر کامیابی کوئی صورت نظر آئے تو ہم بھی ان کے ساتھ مل جائیں گے۔

مکہ میں اسلامی لشکر کا داخلہ

لشکر اسلام گروہوں کی شکل میں شہر میں داخل ہوا۔سوائے جنوب کے راستے کے اور کہیں مزاحمت نہ ہوئی۔عکرمہ بن ابوجہل اور اسکے ساتھیوں نے حضرت خالد بن ولید کے دستے کو روکنے کی کوشش کی لیکن ناکام ہوئے۔تین مسلمان شہید اور تیرہ کفار اس کشاکش میں مارے گئے۔اس کے علاوہ اور کہیں جھڑپ نہیں ہوئی۔ادھر حضرت زبیرؓ نے آگے بڑھ کر مسجد فتح کے پاس اسلام کا جھنڈا گاڑا اور رسول اکرم ﷺ کے لئے ایک قبہ نصب کیا۔پھر مسلسل وہیں ٹھہرے رہے یہاں تک کہ رسول اکرم ﷺ خود تشریف لے آئے۔

مسجد حرام میں نبی کریم ﷺ کا داخلہ اور بتوں سے تطہیر

مکہ میں داخل ہوتے ہی نبی کریم ﷺ نے تطہیر کعبہ کی طرف توجہ اور اسے بتوں سے پاک کیا۔اس وقت کعبہ میں تین سو ساٹھ بت تھے۔حضرت محمد ﷺ یہ بت توڑتے جاتے اور زبان سے یہ الفاظ کہتے جاتے تھے۔

جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ٥ (سورة بنی اسرائیل : ٨١)

Marfat.com

ترجمہ: ''حق آگیا اور باطل مٹ گیا۔ بے شک باطل مٹنے کے لئے ہی ہے''

نبی کریم ﷺ نے خانہ کعبہ میں نماز ادا فرمائی۔ نماز سے فارغ ہو کر باہر تشریف لے آئے تو بڑے بڑے دشمنان اسلام موجود تھے جنہوں نے اسلام کے مٹانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔

قریش سے خطاب

نبی کریم ﷺ نے دروازے کے دونوں بازو پکڑ لئے اور یوں خطاب فرمایا: ''اللہ کے سوائی معبود نہیں۔ وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا۔ اپنے بندوں کی مدد کی ور تنہا سارے جتھوں کو شکست دی۔ سنو! حاجیوں کو پانی پلانے، بیت اللہ کی کلید برادری کے علاوہ سارے اعزاز و کمال یا خون میرے قدموں کے نیچے ہیں۔ اے قریش کے لوگو! اللہ نے تم سے جاہلیت کی نخوت اور باپ دادا پر فخر کرنا ختم کر دیا ہے۔ سارے لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے ہیں۔ اس کے بعد سورہ حجرات کی آیت تلاوت کی۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْباً وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَاللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ؕ

(حجرات: ۱۳)

ترجمہ: اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہارے خاندان اور قبیلے بنائے تاکہ تم پہچانے جا سکو۔ بے شک تم میں سے اللہ کے نزدیک معزز وہ ہے جو پرہیز گار ہے''

عام معافی کا اعلان

اس کے بعد رسول اکرم ﷺ نے قریش سے پوچھا تمہارا کیا خیال ہے کہ میں تمہارے ساتھ کیسا سلوک کرنے والا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ آپ کریم بھائی کے صاحبزادے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا میں آپ سے وہی بات کہہ رہا ہوں جو حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیو سے کہی تھی۔

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ؕ ترجمہ: ''آج تم پر کوئی سرزنش نہیں''

کعبہ کی کنجیاں

نبی کریم ﷺ نے فرمایا عثمان بن طلحہ کہاں ہیں۔ عثمان بن طلحہ حاضر ہوئے تو فرمایا عثمان! یہ لو خانہ کعبہ کی کنجی، آج کا دن نیکی اور وفا کا دن ہے۔ طبقات ابن سعد کی روایت میں ہے اسے ہمیشہ کے لئے لے لو تم سے وہی چھینے گا جو ظالم ہوگا۔ آپ ﷺ کے اس حسن سلوک کو دیکھ کر لوگ جوق در جوق مسلمان ہونے لگے۔

کعبہ کی چھت پر اذان بلالی

نماز کا وقت آیا تو حضرت بلالؓ نے خانہ کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دی۔ قریش کا فخر و غرور اگر چہ خاک میں مل چکا تھا مگر اب بھی جاہلیت کی عصبیت باقی تھی۔ چنانچہ اذان کی آواز سن کر ان کی غیرت مشتعل ہوگئی اور عقاب، بن اسید کی زبان

Marfat.com

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد پر
سرزمین اسلام سے بتوں کا صفایا

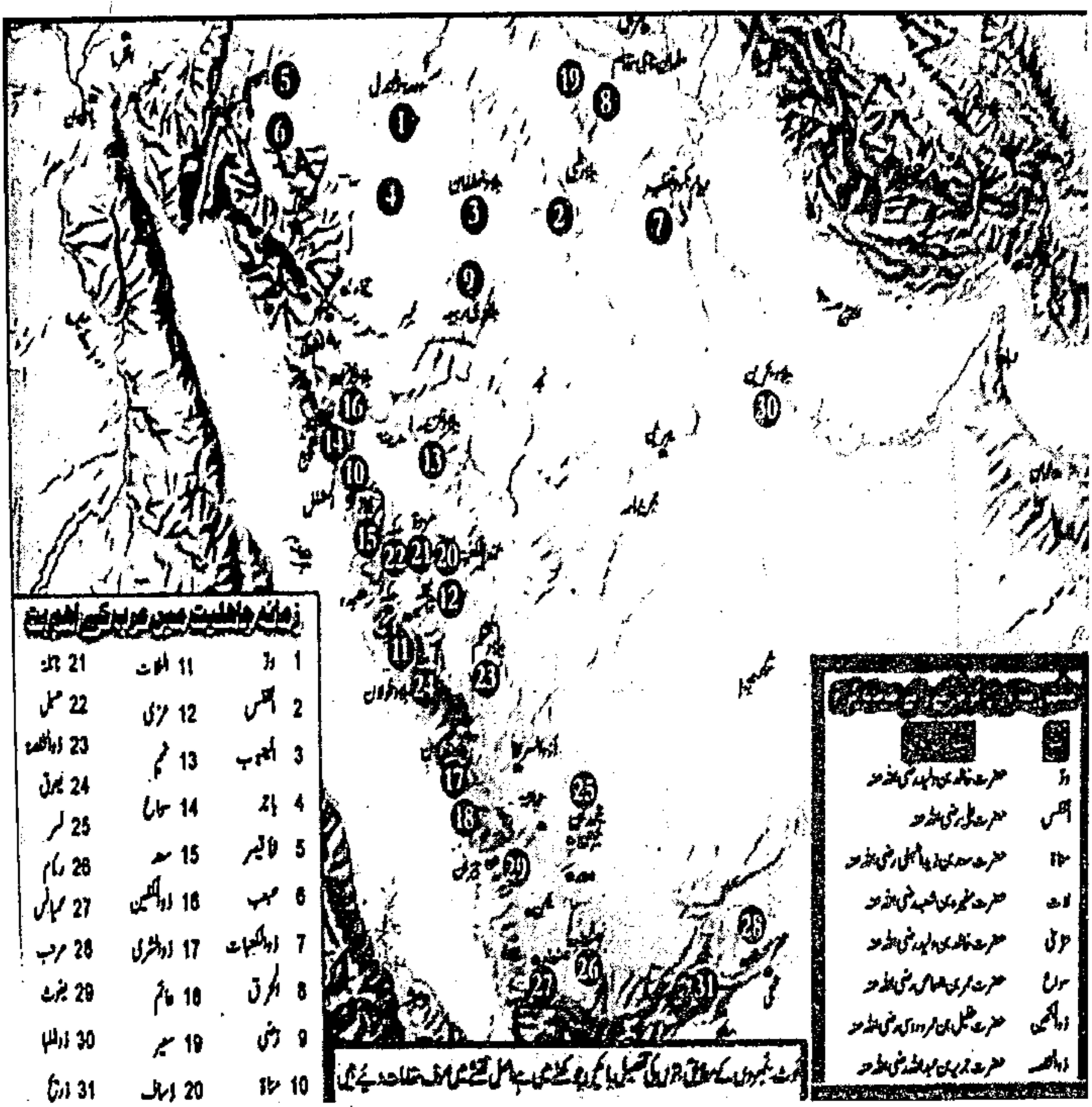

Marfat.com

مشہور بُت اور ان کو توڑنے والے صحابہ

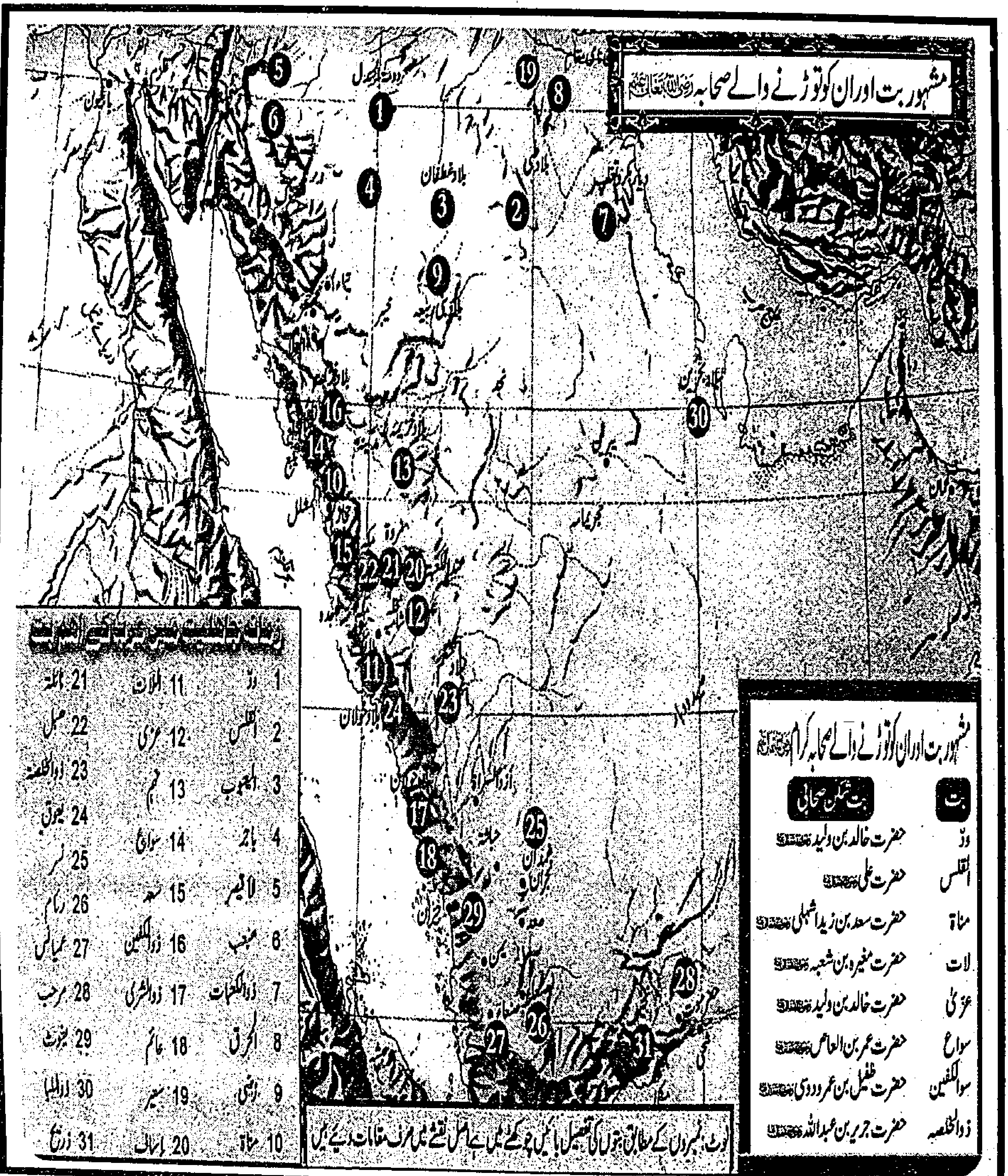

زمانہ جاہلیت میں عرب کے اہم بت

1 ودّ	11 اللات	21 نائلہ
2 القلس	12 عزیٰ	22 ہبل
3 الیعبوب	13 نہم	23 ذوالخلصہ
4 باجر	14 سواع	24 یعوق
5 الاقیصر	15 سعد	25 نسر
6 منعب	16 ذوالکفین	26 رئام
7 ذوالکعبات	17 ذوالشریٰ	27 عمیانس
8 الحرق	18 عائم	28 مرحب
9 رضی	19 سعیر	29 یغوث
10 تاجہ	20 اساف	30 ذواللبا
		31 ذریح

مشہور بت اور ان کو توڑنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

بت	بت شکن صحابی
ودّ	حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ
القلس	حضرت علی رضی اللہ عنہ
مناۃ	حضرت سعد بن زید اشہلی رضی اللہ عنہ
لات	حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ
عزّیٰ	حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ
سواع	حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ
سوالکفین	حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ
ذوالخلصہ	حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ

Marfat.com

سے بے ساختہ یہ الفاظ نکلے۔

اللہ نے میرے باپ کی عزت رکھ لی کہ اس آواز کو سننے کے زندہ نہ رہا۔

مکہ میں نبی کریم ﷺ کا قیام

نبی کریم ﷺ مکہ میں پندرہ روز قیام کرنے کے بعد حضرت معاذ بن جبلؓ کو نومسلموں کو تعلیم دینے کے لئے مکہ میں چھوڑ کر مدینہ تشریف لے آئے۔

فتح مکہ کے ثمرات ونتائج

فتح عظیم

فتح مکہ مسلمانوں کی ایسی فتح ہے جس نے بت پرستوں کی قوت مکمل طور پر ہمیشہ کے لئے ختم کردی۔ قرآن مجید نے اسے فتح مبین سے تعبیر کیا ہے۔

اِنَّا فَتَحۡنَا لَکَ فَتۡحًا مُّبِیۡنًا ہ (فتح) ترجمہ: ''بے شک ہم نے آپ کو فتح مبین دی''

اہم مراکز پر مسلمانوں کا قبضہ

تجارتی مرکز

ہندوستان کے لئے مکہ ایک تجارتی مرکز کی حیثیت رکھتا تھا جو کہ مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا۔

سیاسی مرکز

اہل مکہ نے ایک مدت سے عرب میں سیاسی غلبہ حاصل کرلیا تھا جس کی وجہ سے مکہ سیاسی مرکز بن گیا تھا۔

مذہبی مرکز

مکہ میں بیت اللہ ہونے کی وجہ سے مکہ ایک مذہبی مرکز تھا جو فتح مکہ کی وجہ سے مسلمانوں کے ہاتھ میں آگیا۔

کعبۃ اللہ کا مسلمانوں کی تحویل میں آنا

- بیت اللہ جس کا حج کرنا ہر صاحب استطاعت مسلمان پر فرض ہے اور جس کی طرف منہ کر کے تمام مسلمان نماز ادا کرتے ہیں مسلمانوں کی تحویل میں آگیا۔

کعبۃ اللہ کی تطہیر

مشرکین نے بیت اللہ (خانہ کعبہ) میں تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ کے تعمیر کردہ توحید کے مرکز مشرکین نے شرک کا مرکز بنادیا تھا۔ فتح ہوا تو نبی کریم ﷺ نے خانہ کعبہ کو بتوں سے پاک کردیا۔ شرک کے اڈے کے خاتمے سے سرزمین مکہ سے شرک ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نیست ونابود ہوگیا۔ جب کسی چیز کا مرکز ہی ختم ہوجائے تو وہ چیز کیسے قائم

Marfat.com

رہ سکتی ہے۔خانہ کعبہ کی تطہیر نے شرک کی بنیادوں کو کھوکھلا کر کے رکھ دیا۔

استحکام

سیاسی استحکام

فتح مکہ کے بعد مسلمانوں کو سیاسی استحکام نصیب ہوا۔اردگرد کی تمام غیر مسلم حکومتوں پر مسلمانوں کا رعب و دبدبہ پڑ گیا۔اس طرح مسلمانوں کو سیاسی استحکام ملا۔

معاشی استحکام

اہل مکہ نے ہمیشہ ہی مسلمانوں کو معاشی طور پر کمزور کرنے کے لئے پروپیگنڈہ کیا۔مکہ ان کا مرکز تھا۔چونکہ ان کا مرکز ہی مسلمانوں کے ہاتھوں میں آ گیا تھا اسلئے مسلمانوں کو معاشی حالت بہتر بنانے کے مواقع ملے۔

غلبہ اسلام

فتح مکہ نے اسلام کو غالب کرنے کے لئے بہت اہم کردار ادا کیا۔پوری دنیا کے کفر کو اندازہ ہو گیا کہ اسلام ایک غالب دین ہے اور یہ کفر پر غالب ہو کر ہی رہے گا۔

اشاعت اسلام

اہل مکہ اشاعت اسلام میں سب سے بڑی رکاوٹ تھے۔فتح مکہ کے بعد یہ رکاوٹ دور ہو گئی۔تاریخ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فتح مکہ کے بعد لوگ کس طرح گروہ در گروہ اسلام میں داخل ہوئے۔اسلام قیصر و کسریٰ کے محلات تک پہنچ گیا۔اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا کہ جب اللہ کی مدد اور فتح آ پہنچی تو تم نے دیکھا کہ لوگ گروہ در گروہ اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں۔

مسلمانوں کی افرادی قوت میں اضافہ

اسلام کی اشاعت ہوئی تو لوگوں کی کثیر تعداد اسلام میں داخل ہو گئی جس کے نتیجہ میں مسلمانوں کی افرادی قوت میں اضافہ ہو گیا۔ اگرچہ مسلمان ایک دوسرے سے بہت دور رہتے تھے لیکن وہ ایک جسم کی مانند ہیں۔

گردونواح میں مسلمانوں کا رعب ودبدبہ

مسلمانوں کو فتح مکہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے رعب و دبدبہ عطا فرمایا۔حجاز کے اردگرد کی جو حکومتیں اسلام کی شمع کو بجھانے کی سازشیں کر رہی تھیں فتح مکہ نے ان کی اُمیدوں پر پانی پھیر دیا۔

قلبی اطمینان

مسلمانوں پر ہر وقت خطرے کے بادل چھائے رہتے تھے کہ کسی وقت بھی کوئی حکومت یا کوئی قبیلہ ہم پر حملہ آور ہو سکتا

Marfat.com

ہے۔ مکہ کی فتح کے بعد مسلمانوں کے دلوں پر اطمینان طاری ہو گیا کہ اب اسلام غالب ہو کر ہی رہے گا۔ ہمیں کوئی مٹا نہیں سکتا۔

مسلمانوں کی ایمانی قوت میں اضافہ

فتح مکہ سے مسلمانوں کے ایمان میں مزید قوت پیدا ہوئی جس نے مسلمانوں کے حوصلوں کو بلند کر دیا۔ اب مسلمان ایک ایسی قوت تھے جو تعداد میں کم ہونے کے باوجود اپنے آپ کو پوری دنیا پر بھاری سمجھتے تھے۔ یہ ایمانی قوت کا نتیجہ تھا۔

جاہلی عصبیتوں کا خاتمہ

عرب معاشرہ عصبیتوں کا مجموعہ تھا۔ خاندان، قبیلے اور برادری کی عصبیتوں نے معاشرے پر نفرت کا رنگ چڑھا رکھا تھا۔ اسلام نے فتح مکہ کے بعد تمام عصبیتوں کو اپنے پاؤں تلے روند ڈالا اور برتری کا معیار تقویٰ کو ٹھہرایا۔

نبی کریم ﷺ کی حکمت عملی کا اظہار

کفر کے مرکز کو بغیر خون خرابے کو قابو میں لینا حکمت عملی سے خالی نہیں۔ نبی کریم ﷺ کی حکمت کا نتیجہ تھا کہ مکہ بغیر خون خرابے کے فتح ہو گیا۔ اس بات نے دنیا پر ظاہر کر دیا کہ حضرت محمد ﷺ سب سے بڑے حکیم (دانا) ہیں۔

اسلام کی امن پسندی کا ثبوت

نبی کریم ﷺ کا فتح مکہ کے موقع پر عام معافی کا اعلان کرنا امن پسندی کا ثبوت ہے۔ نبی کریم ﷺ چاہتے تو ایک ایک سے گن گن کر بدلہ لے سکتے تھے تمام مشرکین نبی ﷺ کی گرفت میں تھے لیکن آپ ﷺ نے سب کو معاف کر دیا۔

اسلام اور رسول ﷺ کی صداقت کا عیاں ہونا

رسول اکرم ﷺ اپنے صحابہ کو خوشخبریاں دیا کرتے تھے کہ تم قیصر و کسریٰ فتح کرو گے۔ مکہ کے فتح ہونے پر صحابہ کے ایمان میں پختگی آئی اور دوسروں پر بھی یہ بات عیاں ہو گئی کہ اسلام اور رسول ﷺ سچے ہیں۔ غلبہ ان کا مقدر ہے۔

مشرکین کی غلط فہمی کا ازالہ

مشرکین سمجھتے تھے کہ شاید حضرت محمد ﷺ کسی دنیاوی مقصد کے لئے یہ سب کچھ کر رہے ہیں۔ فتح مکہ نے ثابت کر دیا کہ آپ ﷺ کا مقصد صرف اور صرف اعلائے کلمۃ اللہ اور دین ابراہیمی کو شرک و بدعت سے پاک کرنا ہے۔

خطبہ حجۃ الوداع منشور اعظم

۸ ہجری میں مکہ فتح ہوا تو اسلام ایک غالب قوت بن گیا۔ باطل طاقتیں دم توڑ چکی تھیں۔ اب ضرورت اس امر کی تھی کہ لوگوں کو ایک جگہ جمع کر کے انہیں تعلیمات سے آگاہ کیا جائے۔ چنانچہ سن ۱۰ ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے حج کرنے کا اعلان فرمایا۔ مسلمان مدینہ میں جمع ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ ان کو لے کر حج کے لئے روانہ ہوئے۔ راستے میں اور لوگ بھی ملتے گئے۔ صحابہ کرام کی تعداد تقریباً ایک لاکھ تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو جمع کر کے خطبہ دیا جو تاریخ اسلام میں خطبہ

Marfat.com

حجۃ الوداع کے نام سے مشہور ہے۔ یہ خطبہ اسلامی تعلیمات کا نچوڑ ہے جو قیامت تک کے انسانوں کے حقوق کا جامع منشور کہلانے کا مستحق ہے۔ اس کی اہمیت مندرجہ ذیل باتوں سے واضح ہوتی ہے۔

بین الاقوامی منشور

اس خطبے کے نکات کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ خطبہ بین الاقوامی منشور تھا۔ انسانی کاوشیں اس سے زیادہ نہیں سوچ سکتیں۔ رسول اکرم ﷺ نے اس خطبے کے ذریعے قیامت تک کے انسانوں کے لئے فکر ونظر کی ایسی راہیں عیاں کیں کہ ہر بھٹکا ہوا راہی اپنی منزل کو بآسانی پہچان سکتا ہے۔

اسلام کا بنیادی ستون

آنحضرت ﷺ نے اپنے خطبے میں اسلامی طرز معاشرت اور مذہب اسلام کے بنیادی اُصول وقواعد کی حدیں متعین کر دیں۔ آپ ﷺ نے اپنے خطبے میں جن تعلیمات کا ذکر کیا وہ اسلام کے بنیادی ستون ہیں۔

حقوق انسانی کا عالمی منشور

اسلامی حکومت کے اُصولوں کی بنیاد جن باتوں پر رکھی گئی ہے یہ منشور اس کا اجمالی نقشہ ہمارے سامنے پیش کرتا ہے۔

توحید پرستی کا اعلان

رسول اکرم ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں نہ صرف اللہ کی وحدانیت کے عقیدے کا اظہار کیا بلکہ عبودیت کو نظام حیات کی روح کے طور پر پیش کیا۔

حقوق نسواں

اس خطبے میں عورتوں کے ساتھ نہ صرف بہترین سلوک روا رکھنے کی تلقین کی گئی بلکہ ان کے حقوق بھی متعین کر دیئے۔ موجودہ دور میں عورتیں اپنے حقوق کے حصول کے لئے تحریکیں چلاتی ہیں، اسلام نے آج سے ۱۴۰۰ سال پہلے ان کے حقوق کی وضاحت کر دی۔

غلاموں پر شفقت

جاہلیت میں غلاموں کو معاشرے میں کوئی مقام حاصل نہ تھا۔ نبی کریم ﷺ نے انہیں ایک معزز شہری قرار دیا۔ آپ ﷺ نے غلاموں کو عام انسان کے برابر قرار دے کر لوگوں کو ان کی قدر ومنزلت کی تلقین کی۔

عظمت انسانی کا درس

آپ ﷺ نے جان ومال اور آبرو کی حفاظت کا درس اس طریقہ سے ذہن نشین کروایا کہ اس کی مثال نہیں ملتی۔

Marfat.com

مساوات نسل انسانی کا درس

آپ ﷺ نے معاشرتی اونچ نیچ کا خاتمہ کر کے مساوات نسل انسانی کا درس دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمام لوگ بحیثیت انسان برابر ہیں۔ کسی کو کسی دوسرے پر برتری حاصل نہیں ہے۔ اگر کسی کو برتری حاصل ہے تو صرف تقویٰ کی بنیاد پر ہے۔

عالمگیر اُخوت کا درس

آپ ﷺ کی تعلیمات نے مسلمانوں کے درمیان ایک ایسا جذبہ پیدا کر دیا جس کی جڑیں بہت گہری تھیں۔ مسلمانوں کے اس اتفاق سے ان کی عزت چار دانگ عالم میں ہوئی۔

جیو اور جینے دو کا اُصول

آپ ﷺ نے قتل کا قصاص لینا اس لئے ضروری قرار دیا کہ بگڑے ہوئے لوگوں کو نظم وضبط کا پابند بنایا جا سکے۔ یہی وہ بنیادی اُصول ہیں جنکے لئے آج تیسری دنیا جدوجہد کر رہی ہے۔ عالمی طاقتیں کسی طرح بھی یہ حق دینے کے لئے تیار نہیں ہیں بلکہ اسلام جیو اور جینے دو کا اُصول سکھاتا ہے تاکہ دنیا امن کا گہوارہ بن سکے۔

انتقام کے خاتمے کا اعلان

آنحضرت ﷺ نے اپنے خطبے میں انتقامی جنگجوؤں کے خاتمے کا اعلان فرمایا اسکے علاوہ لوٹ مار اور دیگر معاشرتی برائیوں کے خاتمے کا اعلان فرمایا۔ افراد و اقوام کے درمیان انتقام کی تمام صورتوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔

معاشرے کا بنیادی دستور

رسول اکرم ﷺ نے اپنے آخری خطبے میں معاشرے کی بنیاد کتاب وسنت کو قرار دیا۔ اس کے ساتھ عقیدہ ختم نبوت کو ان کے اذہان میں اس طرح واضح کیا کہ شکوک وشبہات کے سرے سے پیدا ہی نہ ہوں۔

جامع ضابطہ

خطبہ حجتہ الوداع زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے۔ اس اعتبار سے یہ منشور ایک کسوٹی ہے کہ جس پر دنیا کے نظام حیات اور قیادت کو پرکھا جا سکے۔

آخری وصیت

خطبہ حجتہ الوداع کو آنحضرت ﷺ کی آخری وصیت کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کیونکہ اس میں قیامت تک کے انسانوں کے لئے درس موجود ہے۔

تکمیل دین کی بشارت

اس خطبہ کے اختتام پر آنحضرت ﷺ کو دین کے مکمل ہونے کی بشارت دی گئی۔ خطبہ کے اختتام پر میدان عرفات

Marfat.com

میں قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ہ (سورۃ انساء :۳)

ترجمہ: ''آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا''

جاہلی رویات کی بیخ کنی

اس خطبے میں ایسے صحت مند سماجی انقلاب کی دعوت دی گئی جس نے جاہلی معاشرے کی تمام روایات کی بیخ کنی کر دی۔

آخرت کی یاددہانی

اس خطبے میں آخرت کے تصور کو ہر وقت یاد رکھنے کی تلقین کی گئی۔ اگر کوئی فرد یا معاشرہ خود کو محاسبے سے بالاتر سمجھنے لگے تو ظاہر ہے کہ اس سے ظلم وستم کے سوا کچھ سرزد نہ ہوگا۔ آخرت کا عقیدہ معاشرتی برائیوں سے دوری اور محاسبے کا خوف پیدا کرتا ہے۔

سود کی حرمت

رسول اللہ ﷺ نے سود کی حرمت بیان کرکے اقتصادی زندگی سے استحصال کا خاتمہ کیا۔

عظیم انقلاب

اس منشور اعظم میں معاشرتی تمدنی، اخلاقی اور دینی مسائل کو جامعیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ جو نخوت کے بتوں پر ایک ضرب کاری سے کم نہیں۔

تبلیغ کا حکم

اس خطبے کی تعلیمات کو پوری انسانیت میں پھیلانے کی دعوت بھی آنحضرت ﷺ کے الفاظ میں بدرجہ اتم موجود ہے۔

دنیاوی منشوروں کے مقابلے میں خطبہ حجۃ الوداع کی اہمیت

ماضی وحال میں مفکرین نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ دنیا میں عدم توازن اور بدامنی صرف انسانی حقوق کے عدم تعین کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ مفکرین نے اپنی ذہنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر انسانی حقوق کے چارٹر تیار کئے۔

۱۔ انگلستان میں کنگ جان نے ۱۲۱۳ء میں میگنا کارٹا جاری کیا۔ یہ دراصل امراء کے دباؤ کے تحت پیش کیا گیا۔ اس میں امراء کے حقوق کی نشاندہی کی گئی تھی جبکہ عوام الناس کو مکمل طور پر نظر انداز کیا گیا۔

۲۔ ۱۷۸۹ء میں انقلاب فرانس کے وقت حقوق انسانی کا منشور تیار کیا گیا۔

۳۔ بگوٹا کانفرنس میں امریکی ریاستوں نے انسانی حقوق کا ایک منشور تیار کیا۔

۴۔ مجلس اقوام متحدہ نے بنیادی انسانی حقوق کی نشاندہی کے لئے ایک کمیشن قائم کیا جس نے پوری دنیا کے مفکرین سے

Marfat.com

مشورے کے بعد چند سفارشات پیش کیں۔۱۹۳۹ء میں حقوق انسانی کے منشور کے نام سے ایک قرارداد منظور ہوئی جس کی تیس دفعات تھیں۔ان دفعات میں سے پانچ اہم دفعات ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

۱۔ انسان آزاد پیدا کیا گیا ہے اور اپنے اپنے حقوق میں مساوی ہے۔

۲۔ ہر انسان کو وہ آزادی رکمل حقوق حاصل ہیں جو اس اعلان میں بیان کئے گئے ہیں یادر ہے کہ مذہب ،نسل ،جنس ،زبان ، جائیداد یا رتبہ کا اس میں کوئی لحاظ نہیں۔

۳۔ ہر شخص کو زندہ رہنے اور اپنی آزادی کو برقرار رکھنے کے لئے اپنی حفاظت کا حق حاصل ہے۔

۴۔ کسی کو غلامی میں نہیں رکھا جائیگا اور غلاموں کی تجارت ممنوع ہے۔

۵۔ کسی شخص کو اذیت نہیں دی جائیگی اور نہ ہی اس کیساتھ بے رحمی یا ظالمانہ سلوک کیا جائے گ اور نہ ہی ایسی سزادی جائیگی جس میں ظلم کا پہلو موجود ہو۔

تبصرہ

یہ وہ منشور ہے جسے دورِ حاضر کے تمام مدبرین نے مل کر تیار کیا لیکن اس منشور کا عملی پہلو بالکل تاریک ہے۔اقوام متحدہ اس منشور پر عمل نہیں کرواسکی۔ ہر ملک میں انسانی حقوق کی پامالی ہورہی ہے۔حضرت محمد ﷺ نے چودہ سو سال پہلے انسانی حقوق کا چارٹر دنیا کے سامنے پیش کیا اور دنیا والوں کے سامنے پیش کیا۔آپ ﷺ کے اعتمادی اور عملی نظام کی بنیاد توحید پر رکھی گئی ہے۔ جتنے اخلاقی ،معاشرتی اور تمدنی قوانین بنائے گئے ،ان سب کا مرکز ایک ہے۔اس کے بعد حقوق العباد کی بات آتی ہے۔اسلام نے سب سے پہلے مساوات کا اسلامی تصور پیش کیا۔نسلی امتیازات کو ختم کر کے غلاموں کو جو مقام عطا کیا اس کی مثال ہندوستان میں خاندان غلاماں کی صورت میں دی جاسکتی ہے۔پھر عورت کو دنیا میں بے مثل مقام عطاء کیا۔دنیا میں فساد کو ختم کرنے کے لئے عزت وآبرو کے احترام کی تعلیم دی۔سود کو معاشرے میں اس لیے حرام قرار دیا کہ کسی کا استحصال نہ ہو۔یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ آج جتنے بھی منشور تیار کیے جاتے ہیں وہ کسی نہ کسی طریقے سے اس چشمہ فیض سے ضرور رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔

بین الاقوامی سطح پر خطبہ حجۃ الوداع کی اہمیت

اگر بین الاقوامی سطح پر اس منشور کے اثرات دیکھنے ہوں تو حج کے عظیم الشان اجتماع کا نظارہ کیجئے ،جہاں ہر ملک ،ہر علاقے میں ،ہر نسل اور ہر مرتبے کے لوگ بیک وقت ایک ہی لباس میں ملبوس مناسک حج ادا کرتے نظر آتے ہیں۔

اسلامی معاشرے کا یہ بھی طرہ امتیاز ہے کہ جب مسلمان ،اور صوفیاء دیگر ممالک میں پہنچے اور انہوں نے اخوت مساوات کا مظاہرہ کیا تو اس کا اثر دوسری اقوام پر بھی پڑا۔صرف ہندوستان کی مثال لے لیجئے جو ذات پات کی تقسیم میں سر فہرست ہے۔یہاں مسلمان سپہ سالاروں اور تاجروں کی آمد سے ذات پات کے نظام میں بہت فرق آ گیا۔یہی حال دوسرے

Marfat.com

حضور ﷺ اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مکان مبارک

اس مکان میں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تجارت کا کاروبار سرانجام دیتی تھیں

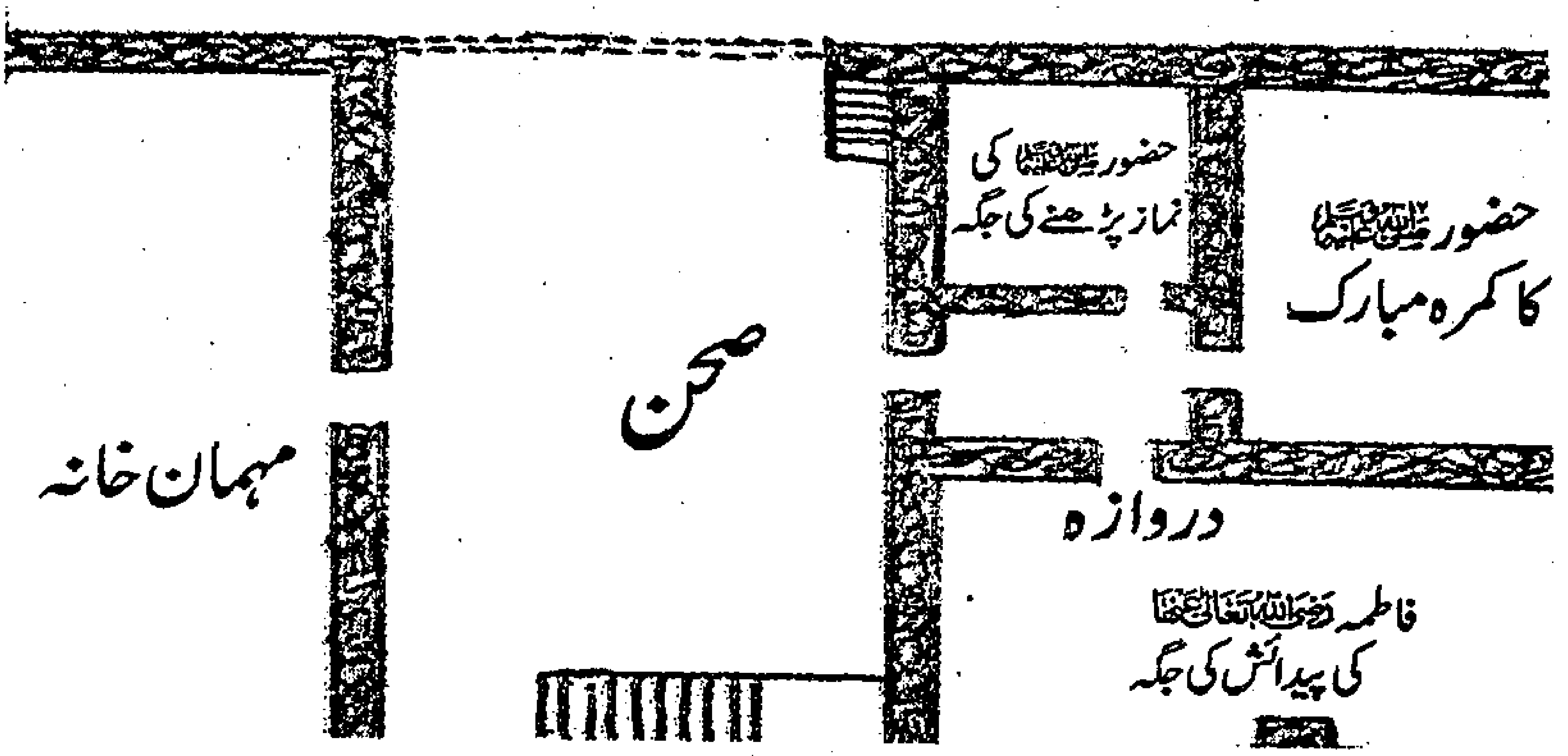

حضور ﷺ کی ازواج مطہرات کے مبارک مزارات

ازواجِ مطہرات

نام	سن نکاح	عمر ام المومنین وقت نکاح	حضور کی عمر وقت نکاح	مدت خدمت پیغمبر	سن وفات	کل عمر	مدفن
(۱) حضرت خدیجہؓ بنت خویلد	۲۵ میلاد النبی	۴۰ سال	۲۵ سال	تقریباً ۲۵ سال	۱۰ نبوت	۶۵ سال	مکہ
(۲) حضرت سودہؓ بنت زمعہ	۱۰ نبوت	۵۰ سال	۵۰ سال	۱۴ سال	۱۹ ہجری	۷۲ سال	مدینہ
(۳) حضرت عائشہؓ بنت ابوبکرؓ	۱۱ نبوت، رخصتی ۱ ہجری	۹ سال	۵۴ سال	۹ سال	۱۷ رمضان، ۵۷ ہجری	۶۳ سال	مدینہ
(۴) حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ	شعبان ۳ ہجری	۲۲ سال	۵۵ سال	۸ سال	جمادی الاوّل ۴۱ ہجری	۵۹ سال	مدینہ
(۵) حضرت زینبؓ بنت خزیمہ	۳ ہجری	تقریباً ۳۰ سال	۵۵ سال	۳ مہینے	۳ ہجری	تقریباً ۳۰ سال	مدینہ
(۶) حضرت ام سلمہؓ بنت ابوامیہ	۴ ہجری	۲۶ سال	۵۶ سال	۷ سال	۶۰ ہجری	۸۰ سال	مدینہ
(۷) حضرت زینبؓ بنت جحش	۵ ہجری	۳۶ سال	۵۷ سال	۶ سال	۲۰ ہجری	۵۱ سال	مدینہ
(۸) حضرت جویریہؓ بنت حارث	شعبان ۵ ہجری	۲۰ سال	۵۷ سال	۶ سال	ربیع الاوّل ۵۶ ہجری	۷۱ سال	مدینہ
(۹) حضرت ام حبیبہؓ بنت ابوسفیانؓ	۶ ہجری	۳۶ سال	۵۸ سال	۶ سال	۴۴ ہجری	۷۲ سال	مدینہ
(۱۰) حضرت صفیہؓ بنت حیی بنت اخطب	جمادی الآخرے ہجری	۱۷ سال	۵۹ سال	۳ سال ۹ ماہ	رمضان ۵۰ ہجری	۵۰ سال	مدینہ
(۱۱) حضرت میمونہؓ بنت حارث	ذیقعدہ ۷ ہجری	۳۶ سال	۵۹ سال	۳ سال ۳ ماہ	۵۱ ہجری	۸۰ سال	سرف

آنحضرتؐ کی حیات میں حضرت خدیجہؓ اور حضرت زینبؓ بنت خزیمہ وفات پا گئیں اور بعد وصال سب سے پہلے حضرت سودہؓ (۱۹ھ) اور سب سے آخر میں حضرت ام سلمہؓ نے (۶۰ھ) میں وفات پائی۔ حضرت ماریہ قبطیہؓ مصر سے ۶ھ میں آئیں۔ حضورؐ ان سے ازواج کا سا سلوک فرماتے۔ ام ولد کی حیثیت حاصل تھی۔ ۱۶ھ میں مدینے میں وفات پائی۔

Marfat.com

قبرستان کا دروازہ صبح فجر کی نماز کے بعد کھلتا ہے اور تقریباً ایک گھنٹہ بعد بند کر دیا جاتا ہے۔ جنت البقیع کی پوری طرح زیارت کرنے کے لئے آپ سب سے پہلے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے مزار پر پہنچ جائیں تاکہ دروازہ بند ہونے سے پہلے پہلے پوری طرح زیارت کر سکیں ورنہ سپاہی پریشان کرتے ہیں۔ مزار کی نشاندہی (*) اس نشان سے کی جا رہی ہے۔

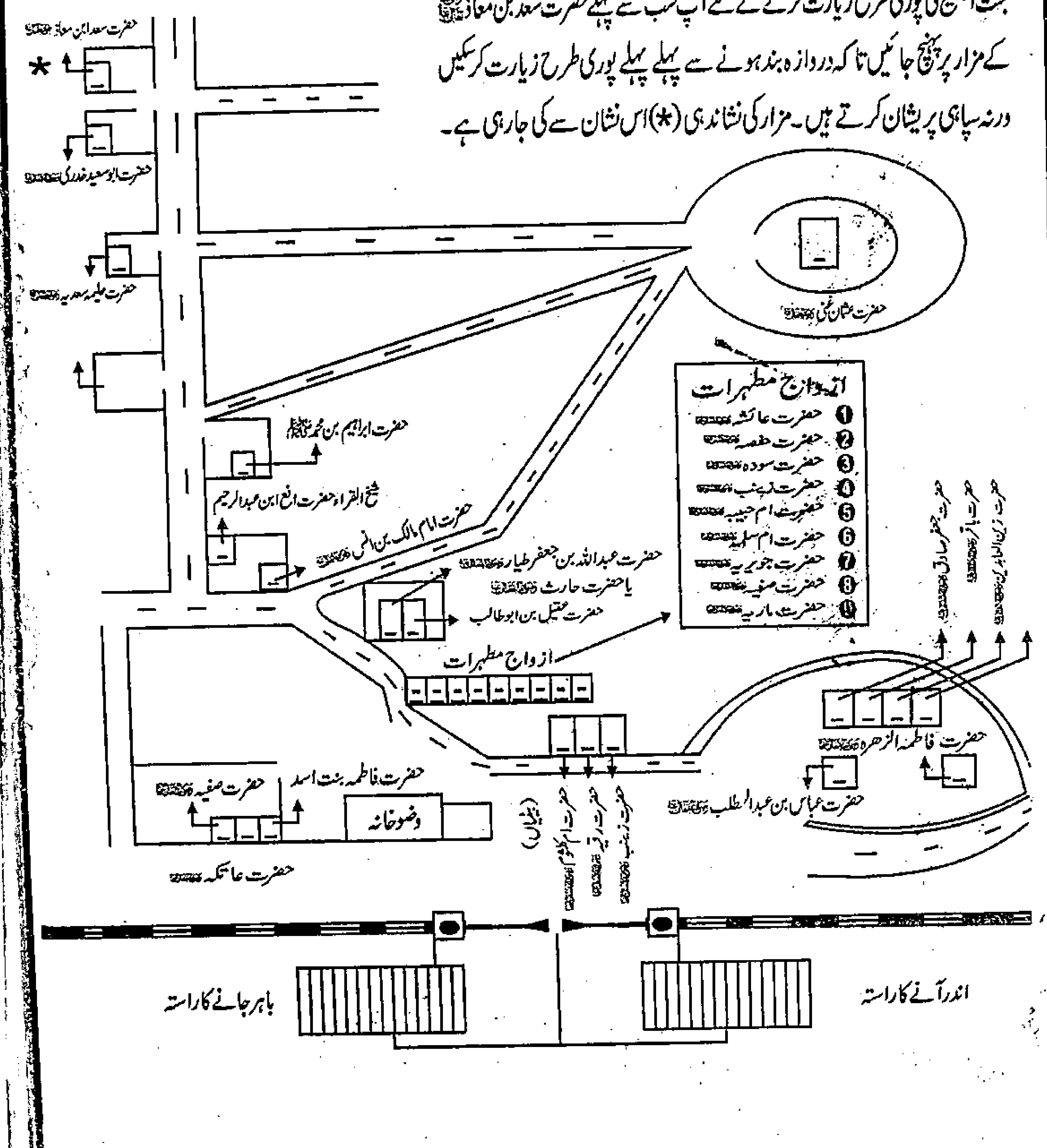

Marfat.com

شجرہ مبارک

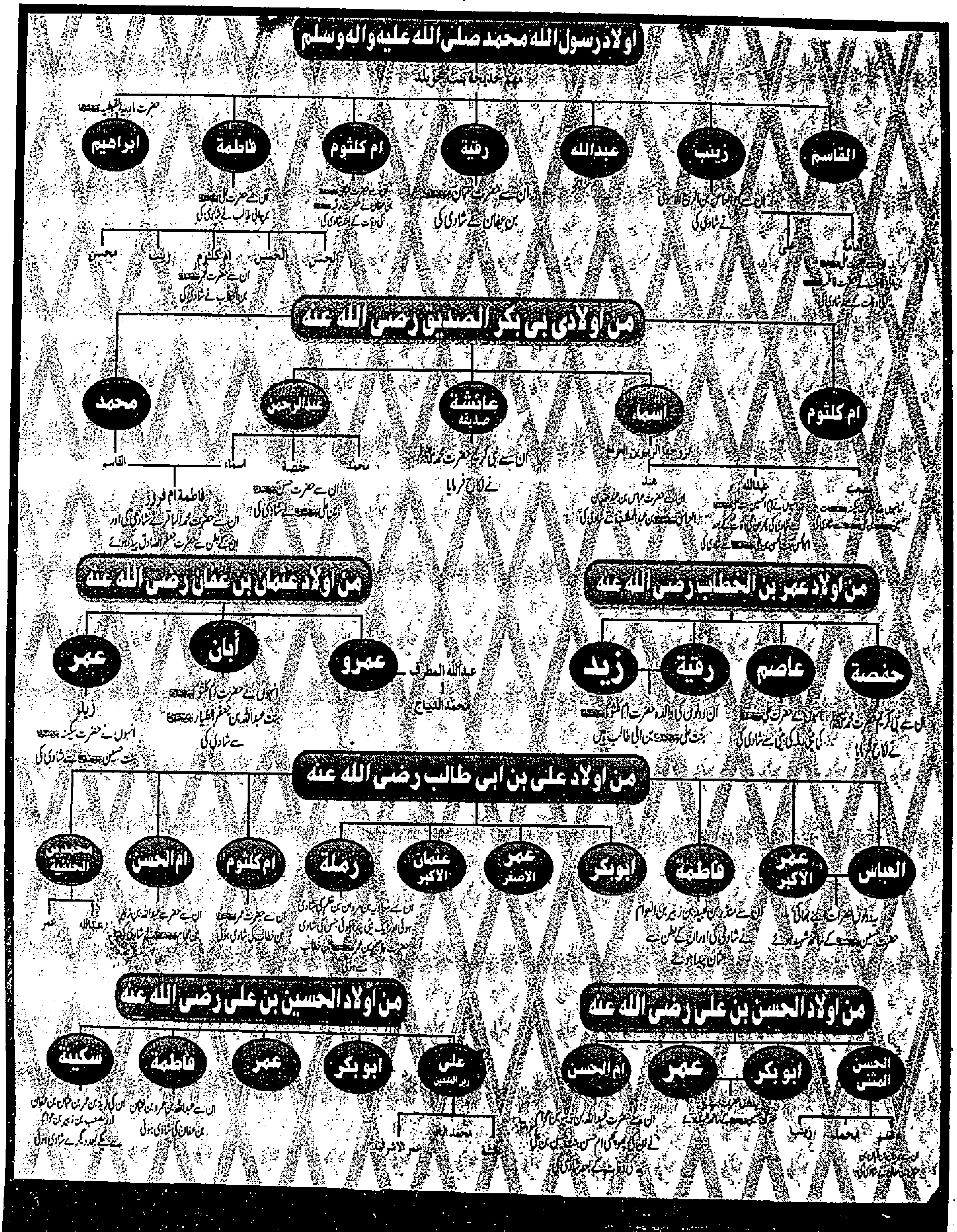
اولاد رسول الله محمد صلى الله عليه واله وسلم
القاسم
زينب
عبدالله
رقية
ام كلثوم
فاطمة
ابراهيم
ان سے حضرت عثمان بن عفان نے شادی کی
الحسن
الحسين
ام كلثوم
زينب
محسن
من اولادى ابى بكر الصديق رضى الله عنه
ام كلثوم
اسماء
عائشة صديقة
عبدالرحمن
محمد
ان سے نبی کریم حضرت محمد ﷺ نے نکاح فرمایا
القاسم
من اولاد عمر بن الخطاب رضى الله عنه
حفصة
عاصم
رقية
زيد
من اولاد عثمان بن عفان رضى الله عنه
عمرو
أبان
عمر
عبدالله المطرف
محمد الديباج
من اولاد على بن ابى طالب رضى الله عنه
العباس
عمر الاكبر
فاطمة
ابوبكر
عمر الاصغر
عثمان الاكبر
رملة
ام كلثوم
ام الحسن
محمد بن الحنفية
من اولاد الحسن بن على رضى الله عنه
الحسن المثنى
ابو بكر
عمر
ام الحسن
من اولاد الحسين بن على رضى الله عنه
على زين العابدين
ابو بكر
عمر
فاطمة
سكينة

معاشروں کا ہے۔ ان کے ہاں جو واضح تبدیلی ہوئی، اس میں براہ راست یا بالواسطہ مسلمان قوم کا ہاتھ ضرور ہے۔ نبی کریم ﷺ کے عطا کردہ منشور اعظم کے مقابلے میں دنیا میں حقوق انسانی کے نام پر دو بڑی بڑی تنظیمیں وجود میں آئیں۔ اس سلسلے میں حقوق انسانی کا سب سے بڑا ادارہ اقوام متحدہ ہے۔ یہ بات بڑے وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ اس ادارے کے سامنے بھی حقوق انسانی کے سب سے بڑے موجد حضرت محمد ﷺ کے خطبہ حجتہ الوداع کا متن رہا، جس میں تمام طبقات کے انسانوں کے حقوق کے تحفظ کی ضمانت دی گئی ہے۔

تعداد اور ترتیب نکاح

آپ ﷺ کی ازواج مطہرات گیارہ تھیں۔ جن میں سے دو نے آپ ﷺ کی حیات ہی میں انتقال کیا۔ ایک حضرت خدیجہؓ، دوسری حضرت زینب بنت خزیمہؓ اور نو بیبیاں حضور انور ﷺ کی وفات کے وقت تھیں۔

آپ ﷺ کی ازواج مطہرات کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

ام المومنین حضرت خدیجہ بنت خویلدؓ، ام المومنین حضرت سودہ بنت زمعہؓ، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ بنت صدیق اکبرؓ، ام المومنین حضرت حفصہ بنت فاروق اعظمؓ، ام المومنین حضرت زینب بنت خزیمہ ملقب بہ ام المساکینؓ، ام المومنین حضرت ام سلمہ بنت ابی امیہؓ، ام المومنین حضرت زینب بنت جحشؓ۔

آپ ﷺ کے اولادِ کرام

آپ ﷺ کی اولاد کے بارے میں اقوال مختلف ہیں۔ سب سے زیادہ معتبر اور مستند قول یہ ہے کہ تین صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں تھیں۔ جن کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔

قاسم، عبداللہ جن کو طیب اور طاہر کے نام سے بھی پکارا جاتا تھا۔ ابراھیم، زینب، رقیہ، ام کلثوم، فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

قرآن میں نبی کریم ﷺ کی فضیلت و برتری

رسول اللہ ﷺ کی جلالتِ شان اور کمالات نبوت خود اللہ تعالیٰ کے کلام مبین میں ہیں۔

محمد حامد حمد خدا بس ۔۔۔ خدا مدح آفرین مصطفیٰ بس

حق تعالیٰ جل شانہ نے ہمارے رسول مقبول احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کو تمام انبیاء اور رسل علیہم السلام میں ایک خاص امتیاز عطا فرمایا۔ آپ ﷺ کو سید الانبیاء قرار دیا اور آپ ﷺ کی ذات اقدس کو دنیا کے لئے ایک مثالی نمونہ بنا کر بھیجا ہے اسی لئے اہل عالم کے لئے آپ ﷺ کے تعارف اور آپ ﷺ کے اوصاف کمال بتانے کا بھی اللہ تعالیٰ نے خود ہی اپنے کلامِ مبین میں اہتمام فرمایا اور ارشاد فرمایا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ط یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ہ (سورۃ الاحزاب: ۵۶)

Marfat.com

ترجمہ: اللہ اور اُس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں رسول ﷺ پر اے ایمان والو رحمت بھیجو اُس پر اور سلام بھیجو سلام کہہ کر۔

صلوٰۃ علی النبی کا مفہوم

صلوٰۃ علی النبی کا مطلب ہے ''نبی کی ثناء و تعظیم رحمت و عطوفت کے ساتھ'' پھر جس کی طرف ''صلوٰۃ'' منسوب ہوگی اُسی کی شان و مرتبہ کے لائق ثناء و تعظیم اور رحمت و عطوفت مراد لیں گے۔ جیسے کہتے ہیں کہ باپ بیٹے پر، بیٹا باپ پر اور بھائی بھائی پر مہربان ہے یا ہر ایک دوسرے سے محبت کرتا ہے تو ظاہر ہے جس طرح کی محبت اور مہربانی باپ کی بیٹے پر ہے اُس نوعیت کی بیٹے کی باپ پر نہیں ہے۔ اور بھائی کی بھائی پر ان دونوں سے جداگانہ ہوتی ہے۔ ایسے ہی یہاں سمجھ لو اللہ بھی نبی کریم ﷺ پر صلوٰۃ بھیجتا ہے یعنی رحمت و شفقت کے ساتھ آپ کی ثناء اور اعزاز و اکرام کرتا ہے۔ اور فرشتے بھی بھیجتے ہیں۔ مگر ہر ایک کی صلوٰۃ اور رحمت و تکریم اپنی شان و مرتبہ کے موافق ہوگی۔

آنحضرت ﷺ پر مومنین کی صلوٰۃ

آگے مومنین کو حکم ہے کہ تم بھی صلوٰۃ و رحمت بھیجو۔ اس کی حیثیت اُن دونوں سے علیحدہ ہونی چاہیئے۔ علماء نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ رحمت بھیجنا اور فرشتوں کی صلوٰۃ استغفار کرنا اور مومنین کی صلوٰۃ دعا کرنا ہے۔ حدیث میں ہے کہ جب آیۃ نازل ہوئی صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ''سلام'' کا طریقہ تو ہمیں معلوم ہو چکا (یعنی نماز کے تشہد میں جو پڑھا جاتا ہے '' السَّلَامُ عَلَيْکَ اَيُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُه '' صلوٰۃ کا طریقہ بھی ارشاد فرما دیجئے جو نماز میں پڑھا کریں۔ آپ نے یہ درود شریف تلقین کیا۔

''اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّکَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ'' اَللّٰهُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّکَ حَمِيْدٌ'' مَّجِيْدٌ''

غرض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کو حکم دیا کہ تم بھی نبی پر صلوٰۃ (رحمت) بھیجو۔ نبی نے بتلا دیا کہ تمہارا بھیجنا یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے درخواست کرو کہ وہ اپنی بیش از بیش رحمتیں ابدالآباد تک نبی پر نازل فرماتا رہے۔ کیونکہ اس کی رحمتوں کی کوئی حد و نہایت نہیں یہ بھی اللہ کی رحمت ہے کہ اس درخواست پر جو مزید رحمتیں نازل فرمائے وہ ہم عاجز و ناچیز بندوں کی طرف منسوب کر دی جائیں۔ گویا ہم نے بھیجی ہیں۔ حالانکہ ہر حال میں رحمت بھیجنے والا وہ ہی اکیلا ہے کسی بندہ کی کیا طاقت تھی کہ سید الانبیاء کی بارگاہ میں اُن کے رتبہ کے لائق تحفہ پیش کر سکتا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ ''اللہ سے رحمت مانگنی اپنے پیغمبر پر اور اُن کے ساتھ اُن کے گھرانے پر بڑی قبولیت رکھتی ہے۔ ان پر اُن کے لائق رحمت اُترتی ہے اور ایک دفعہ مانگنے سے دس رحمتیں اُترتی ہیں مانگنے والے پر۔ اب جس کا جتنا جی چاہے اتنا حاصل کر لے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰهَ ذِکْرًا کَثِيْرًا ۝ وَّسَبِّحُوْهُ بُکْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝ هُوَ الَّذِیْ يُصَلِّیْ عَلَيْکُمْ وَمَلٰٓئِکَتُه

Marfat.com

لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ط وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ہ (سورۃ الاحزاب: ۴۳،۴۲،۴۱)

ترجمہ: اے ایمان والو یاد کرو اللہ کی بہت سی یاد اور پاکی بولتے رہو اُسکی صبح اور شام۔ وہی ہے جو رحمت بھیجتا ہے تم پر اور اُس کے فرشتے تاکہ نکالے تم کو اندھیروں سے اُجالے میں اور ہے ایمان والوں پر مہربان۔

نزول ملائکہ اور نزول رحمت کا وعدہ

یعنی اللہ کو بکثرت یاد کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ اپنی رحمت تم پر نازل کرتا ہے۔ جو فرشتوں کے توسط سے آتی ہے یہ ہی رحمت و برکت ہے جو تمہارا ہاتھ پکڑ کر جہالت وضلالت کی اندھیریوں سے علم وتقویٰ کے اُجالے میں لاتی ہے۔ اگر اللہ کی خاص مہربانی ایمان والوں پر نہ ہوتو دولت ایمان کہاں سے ملے اور کیونکر محفوظ رہے۔ اسی کہ مہربانی سے مومنین رشد وہدایت اور ایمان واحسان کی راہوں میں ترقی کرتے ہیں۔ یہ تو دنیا میں اُن کا حال ہوا، آخرت کا اعزاز واکرام آگے مذکور ہے۔

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ہ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ہ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ہ (سورۃ الاحزاب: ۴۵)

ترجمہ: اے نبی ہم نے تجھ کو بھیجا بتانے والا اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا۔ اور بلانے والا اللہ کی طرف اُسکے حکم سے اور چمکتا ہوا چراغ۔ اور خوشخبری سنادے ایمان والوں کو کہ ان کے لئے ہی خدا کی طرف سے بڑی بزرگی۔

یعنی اللہ ان پر سلام بھیجے گا اور فرشتے سلام کرتے ہوئے اُن کے پاس آئیں گے اور مومنین کے آپس میں بھی یہ ہی دُعا ہوگی جیسا کہ دنیا میں ہے۔

آنحضرت ﷺ کے مناقب

یعنی اللہ کی توحید سکھاتے اور اس کا رستہ بتاتے ہیں جو کچھ کہتے ہیں دل سے اور عمل سے اس پر گواہ ہیں اور محشر میں بھی اُمت کی نسبت گواہی دیں گے کہ خدا کے پیغام کو کس نے کس قدر قبول کیا۔

یعنی نافرمانوں کو ڈراتے اور فرمانبرداروں کو خوشخبری سناتے ہیں۔

آپ سراج منیر ہیں

پہلے جو فرمایا تھا کہ اللہ کی رحمت مومنین کو اندھیرے سے نکال کر اُجالے میں لاتی ہے۔ یہاں بتلا دیا کہ وہ اُجالا اس روشن چراغ سے پھیلا ہے۔ شاید چراغ کا لفظ اس جگہ اُس معنی میں ہو جو سورۂ نوح میں فرمایا:

جَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ہ

اور ان میں چاند کو نور (چیز) بنایا اور سورج کو (مثل) چراغ (روشن کے) بنایا۔

یعنی آپ آفتاب نبوت وہدایت ہیں جس کے طلوع ہونے کے بعد کسی دوسری روشنی کی ضرورت نہیں رہی۔ سب روشنیاں اسی نور اعظم میں محو ومدغم ہوگئیں۔

Marfat.com

اُمت محمدیہ کی فضیلت و برتری

یعنی دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ نے اُس اُمت کو حضرت محمد ﷺ کے طفیل سب اُمتوں پر بزرگی اور برتری دی۔

یعنی جب اللہ نے آپ کو ایسے کمالات اور ایسی برگزیدہ جماعت عنایت فرمائی تو آپ حسب معمول فریضہ دعوت و اصلاح کو پوری مستعدی سے ادا کرتے رہیے اور اللہ جو حکم دے اُس کے کہنے یا کرنے میں کسی کافر و منافق کی یاوہ گوئی کی پرواہ نہ کیجئے۔

یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ ہ قُمْ فَاَنْذِرْ ہ وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ ہ وَثِیَابَکَ فَطَھِّرْ ہ

ترجمہ: اے لحاف میں لپٹنے والے۔ کھڑا ہو پھر ڈر سنا دے۔ اور اپنے رب کی بڑائی بول۔ اور اپنے کپڑے پاس رکھ

۱۔ اسکے لئے سورہ مزمل کا پہلا فائدہ ملاحظہ کر لیا جائے۔

۲۔ انداز کا حکم: یعنی وحی کے ثقل اور فرشتہ کی ہیبت سے آپ کو گھبرانا اور ڈرنا نہیں چاہیئے۔ آپ کا کام تو یہ ہے کہ سب آرام و چین چھوڑ کر دوسروں کو خدا کا خوف دلائیں اور کفر و معصیت کے بُرے انجام سے ڈرائیں۔

۳۔ کیونکہ رب کی بڑائی بولنے اور بزرگی و عظمت بیان کرنے ہی سے اُس کا خوف دلوں میں پیدا ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی تعظیم و تقدیس ہی وہ چیز ہے جس کی معرفت سب اعمال و اخلاق سے پہلے حاصل ہونی چاہیئے۔ بہر حال اُس کے کمالات و انعامات پر نظر کرتے ہوئے نماز میں اور نماز سے باہر اُس کی بڑائی کا اقرار و اعلان کرنا تمہارا کام ہے۔

کپڑوں کی ظاہری اور باطنی طہارت

اس سورۃ کے نازل ہونے پر حکم ہوا کہ مخلوق کو خدا کی طرف بلائیں۔ پھر نماز وغیرہ کا حکم ہوا۔ نماز کے لئے شرط ہے کہ کپڑے پاک ہوں اور گندگی سے احتراز کیا جائے۔ اُن چیزوں کو یہاں بیان فرما دیا۔ یہ ظاہر ہے کہ جب کپڑوں کا حسی و معنوی نجاستوں سے پاک رکھنا ضروری ہے تو بدن کی پاکی بطریق اولیٰ ضروری ہوگی۔ اس لئے اس کے بیان کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ بعض علماء نے کپڑوں کے پاک رکھنے سے نفس کا بُرے اخلاق سے پاک رکھنا مراد لیا ہے۔ اور گندگی سے دور رہنے کے معنی یہ لئے ہیں کہ بتوں کی گندگی سے دور رہیئے۔ جیسے اب تک اور ہیں۔ بہر حال آیہ ہذا میں طہارت ظاہری و باطنی کی تاکید مقصود ہے۔ کیونکہ بدون اس کے رب کی بڑائی کما حقہ، دلنشین نہیں ہو سکتی۔

آیات قرآنیہ

۱۔ **ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ وَکَفٰی بِاللّٰہِ شَھِیْدًا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ تَرٰھُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا**

ترجمہ: وہ (اللہ) ایسا ہے کہ اس نے اپنے رسول کو ہدایت کا سامان یعنی (قرآن) اور سچا دین (یعنی اسلام) دے کر دنیا میں بھیجا تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کرے اور اللہ کافی گواہ ہے۔ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے صحبت یافتہ ہیں وہ

Marfat.com

کافروں کے مقابلے میں تیز ہیں اور آپس میں مہربان ہیں۔ اے مخاطب تو ان کو دیکھے گا کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں کبھی سجدے کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضا مندی کی جستجو میں لگے ہیں۔ (سورۃ فتح: آیت ۲۸۔۲۹)

۲۔ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ

ترجمہ: حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر احسان کیا جبکہ ان میں انہیں کی جنس سے ایک ایسے پیغمبر کو بھیجا کہ وہ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھ کر سناتے اور ان لوگوں کی (خیالات رسومات جہالت سے) صفائی کرتے رہتے ہیں اور ان کتاب کو اور فہم کی باتیں بتاتے رہتے ہیں۔ (سورۃ آل عمران: آیت ۱۶۷)

۳۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ: اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ.

ترجمہ: جو لوگ ایسے رسول نبی اُمی کا اتباع کرتے ہیں جن کو وہ لوگ اپنے پاس توریت اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں (جن کی صفت یہ بھی ہے) وہ ان کو نیک باتوں کا حکم فرماتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں اور ان لوگوں کے ان کے لئے حلال بتاتے ہیں اور گندی چیزوں کو (بدستور) ان پر حرام فرماتے ہیں اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق (یعنی شرائع سابقہ کے احکامات شدیدہ) تھے ان کو دور کرتے ہیں۔ سو جو لوگ اس نبی (موصوف) پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی حمایت کرتے ہیں ان کی مدد کرتے ہیں اور اس نور کی اتباع کرتے ہیں جو ان کے ساتھ بھیجا گیا ہے، ایسے لوگ پوری فلاح پانے والے ہیں۔

(سورۃ اعراف: آیت ۱۰۷)

۴۔ آپ کے نطق کی شان یوں ارشاد فرمائی

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى

ترجمہ: اور نہ وہ اپنی خواہش نفسانی سے باتیں بناتے ہیں ان کا ارشاد نری وحی ہے جو ان پر بھیجی جاتی ہے۔ (سورۃ النجم: آیت ۴)

۵۔ پھر اپنے بندوں سے اپنے محبوب نبی ﷺ کی خصوصیات کا اس طرح تعارف فرمایا

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ.

ترجمہ: (اے لوگو) تمہارے پاس ایک ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں جو تمہاری جنس (بشر) سے ہیں جن کو مضرت کی بات نہایت گراں گزرتی ہے۔ جو تمہاری منفعت کے بڑے خواہش مند رہتے ہیں۔ (یہ حالت تو سب کے ساتھ ہے۔ پھر بالخصوص) ایمان والوں کے ساتھ تو بڑے شفیق (اور) مہربان ہیں۔ (سورۃ التوبہ: آیت ۱۲۸)

۶۔ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ. (سورۃ احزاب: آیت ۶)

Marfat.com

ترجمہ: نبی مومنین کے ساتھ خودان کے نفس سے بھی زیاد تعلق رکھتے ہیں اور آپ کی بیبیاں ان کی (مومنین) کی مائیں ہیں (یعنی مسلمانوں پر اپنی جان سے بھی زیادہ آپ ﷺ کا حق اور آپ کی اطاعت مطلقاً اور تعظیم بدرجہ کمال واجب ہے۔اس میں احکام اور معاملات آگئے)۔

۷۔ پھر لوگوں کو اپنے رسول برحق اور ہادی بمین ﷺ کی اتباع کے لئے اس طرح حکم فرمایا

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

ترجمہ: تم لوگوں کے لئے رسول اللہ (کی ذات) میں ایک عمدہ نمونہ تھا اور ہمیشہ رہے گا۔۔ (سورۃ احزاب: آیت ۲۱)

۸۔ **وَمَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا**۔

ترجمہ: اور رسول تم کو جو کچھ دے دیا کریں، وہ لے لیا کرو اور جس چیز (کے لینے) سے تم کو روک دیں اور (بالعموم الفاظ یہی حکم ہے افعال اور احکام میں بھی) تم رکا جایا کرو۔ (سورۃ الحشر: آیت ۷)

۹۔ **مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ** (سورۃ النساء: آیت ۸)

ترجمہ: اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا سو وہ بڑی کامیابی کو پہنچے گا۔ (بیان القرآن)

۱۰۔ **مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا**۔ (سورۃ احزاب: آیت ۷۱)

ترجمہ: اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا سو وہ بڑی کامیابی کو پہنچے گا۔ (بیان القرآن)

۱۱۔ **وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا** (سورۃ النساء: آیت ۶۹)

ترجمہ: اور جو شخص اللہ اور رسول کا کہنا مان لے گا تو ایسے اشخاص بھی ان حضرات کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء وصلحاء اور یہ حضرات بہت اچھے رفیق ہیں۔ (بیان القرآن)

۱۲۔ **وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ م بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا**۔ (سورۃ النساء: آیت ۱۱۵)

ترجمہ: اور جو شخص رسول کی مخالفت کرے گا بعد اس کے کہ اس کو امر حق واضح ہو چکا تھا اور مسلمانوں رستہ چھوڑ کر دوسرے رستہ ہو لیا تو ہم اس کو جو کچھ وہ کرتا ہے کرنے دیں اور اس کو جہنم میں داخل کر دیں گے اور وہ بری جگہ ہے جانے کی۔ (بیان القرآن)

۱۳۔ **وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ**۔

(سورۃ النساء: آیت ۱۴)

ترجمہ: اور جو شخص اللہ اور رسول کا کہنا نہ مانے گا اور بالکل ہی اس کے ضابطوں سے نکل جائے گا۔اس کو آگ میں داخل کریں گے اس طور سے کہ وہ اس میں ہمیشہ رہے گا اور اس کو ایسی سزا ہوگی جس میں ذلت بھی ہے۔ (بیان القرآن)

۱۴۔ پھر اپنے محبوب نبی ﷺ کو اپنی زبان مبارک سے اپنے منصب رسالت اور مرتبہ رشد و ہدایت کے اعلان کے لئے یہ

Marfat.com

الفاظ عطا فرمائے۔

قُلْ يَآ اَيُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا نِ الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ.

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ اے (دنیا جہاں کے) لوگو! میں تم سب کی طرف سے اللہ کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں جس کی بادشاہی تمام آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اسکے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہی زندگی دیتا ہے، اور وہی موت دیتا ہے۔

(سورۃ الاعراف: آیت ۱۵۸)

۱۵۔ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِیْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ ۔ (سورۃ یوسف: آیت ۱۰۸)

ترجمہ: آپ فرما دیجئے کہ یہ میرا طریق ہے میں (لوگوں کو توحید) خدا کی طرف اس طور پر بلاتا ہوں کہ دلیل پر قائم ہوں اور میرے ساتھ والے بھی۔ (بیان القرآن)

۱۶۔ قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ . (سورۃ الانعام: آیت ۱۶۱)

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ مجھ کو میرے رب نے ایک سیدھا راستہ بتلا دیا ہے۔ (بیان القرآن)

۱۷۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ .

ترجمہ: آپ فرما دیجئے کہ اگر تم خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میرا اتباع کرو۔ خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے اور تمہارے سب گناہوں کو معاف کر دیں گے اور اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے بڑی عنایت فرمانے والے ہیں۔

(سورۃ آل عمران: آیت ۳۱)

۱۸۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو غایت لطف وکرم سے ان محترم الفاظ کے ساتھ مخاطب فرمایا۔

يٰسٓ. وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ . اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ . عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ . (سورۃ یس: آیت ۱ تا ۴)

ترجمہ: یٰسٓ۔ قسم ہے قرآن باحکمت کی کہ بے شک آپ منجملہ پیغمبروں کے ہیں (اور) سیدھے راستے پر ہیں۔ (بیان القرآن)

۱۹۔ يٰٓاَيُّهَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّنَذِيْرًا . وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا . (سورۃ احزاب: آیت ۴۵)

ترجمہ: اے نبی بے شک ہم نے آپ کو اس شان کا رسول بنا کر بھیجا ہے کہ آپ امت کے لئے گواہ ہوں گے اور آپ (مومنین) کے بشارت دینے والے ہیں (اور کفار کے) ڈرانے والے ہیں (سب کو) اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والے ہیں اور آپ ایک روشن چراغ ہیں۔

۲۰۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا . (سورۃ سبا: آیت ۲۸)

ترجمہ: آپ کی بعثت کا مقصد تمام انسانوں کے لئے بشیر ونذیر ہونا ہے۔

۲۱۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ . (سورۃ الانبیاء: آیت ۱۰۷)

ترجمہ: اور ہم نے (ایسے مضامین نافعہ دے کر) آپ کو اور کسی بات کے واسطے نہیں بھیجا مگر جہاں کے لوگوں (یعنی مکلفین) پر

Marfat.com

مہربانی کرنے کے لئے۔ (بیان القرآن)

۲۲۔ وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ. (سورۃ ن: آیت ۴)

ترجمہ: بے شک آپ اخلاق حسنہ کے اعلیٰ پیمانہ پر ہیں۔ (بیان القرآن)

۲۳۔ وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ. (سورۃ الم نشرح: آیت ۴)

ترجمہ: اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کا ذکر بلند کیا۔ (بیان القرآن)

۲۴۔ وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی. (سورۃ والضحیٰ: آیت ۵)

ترجمہ: اور عنقریب اللہ تعالیٰ آپ کو (آخرت میں بکثرت نعمتیں) دے گا سو آپ خوش ہو جائیں گے۔ (بیان القرآن)

۲۵۔ وَلَقَدْ اٰتَیْنٰکَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ. (سورۃ حجر: آیت ۸۷)

ترجمہ: اور ہم نے آپ کو سات آیتیں دیں جو (نماز میں) مکرر پڑھی جاتی ہیں (مراد سورہ فاتحہ) اور (بوجہ مضامین عجیبہ اس کے دینے کو یوں کہا جاتا ہے کہ گویا) قرآن عظیم دیا۔ (بیان القرآن)

۲۶۔ وَاَنْزَلَ اللّٰہُ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ وَعَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ وَکَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا.

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب اور حکمت کی باتیں نازل فرمائیں اور آپ کو وہ باتیں بتلائی ہیں جو آپ نہیں جانتے تھے اور آپ پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے۔ (سورۃ النساء: آیت ۱۱۳)

۲۷۔ باوجود کثیر التعداد دشمنان اسلام کی پیہم اور بے انتہا مخالفوں، ایذا رسانیوں اور معرکہ آرائیوں کے نبی برحق ﷺ نے نہایت قلیل عرصہ میں اپنے منصب رسالت واعلائے کلمۃ الحق میں جو بے مثال اور لازوال کامیابی حاصل کی اس پر اللہ جل شانہ نے اپنے محبوب خاتم النبیین سید المرسلین ﷺ کو اپنا خصوصی پروانہ خوشنودی اور رضائے کاملہ کی سند امتیازی عطا فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ. وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا. فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا

ترجمہ: اے محمد ﷺ جب اللہ تعالیٰ کی مدد اور فتح مکہ (مع اپنے آثار کے) آ پہنچے (یعنی واقع ہو جائے اور جو آثار اس فتح پر مرتب ہونے والے ہیں یہ ہیں کہ) آپ لوگوں کو دین اسلام میں جوق در جوق داخل ہوتا دیکھ لیں (تو اس وقت سمجھ لیجئے کہ مقصود دنیا میں رہنے کا آپ کی بعثت کا کہ تکمیل دین ہے وہ پورا ہو گیا اور اب سفر آخر قریب ہے اس کے لئے تیاری کیجئے) اور اپنے رب کی تسبیح وتحمید کیجئے اور اس سے استغفار کی درخواست کیجئے (یعنی ایسے امور جو خلاف اولیٰ واقع ہو گئے ہوں ان سے مغفرت مانگئے) وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔ (سورۃ النصر)

۲۸۔ پھر اپنے خاتم المرسلین رحمۃ اللعالمین ﷺ کے ذریعہ سے مخلوق عالم پر اپنے تمام احسانات وانعامات کا اس طرح اعلان فرمایا:

Marfat.com

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا. (سورۃ مائدہ: آیت ۳)

ترجمہ: آج کے دن تمہارے لئے تمہارے دین کو میں نے مکمل کر دیا اور میں نے تم پر اپنا انعام تمام کر دیا اور میں نے اسلام کو تمہارا دین بننے کے لئے پسند کر لیا۔ (بیان القرآن)

اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو اپنے محبوب نبی ﷺ کی تمام بابرکت سنتوں کی اتباع کی اور آپ ﷺ کی پاکیزہ تعلیمات پر اخلاص وصدق کے ساتھ عمل کی توفیق وافر وراسخ عطا فرمائے اور اس کی بدولت اس دنیا میں حیات وممات طیبات اور آخرت میں اپنی رضائے واسعہ وکاملہ اور آپ ﷺ کی شفاعت کبریٰ کی دولت لازوال نصیب فرمائیں۔ (آمین)

معجزات نبوی ﷺ

معجزہ کی تعریف

معجزہ اس امر خارق للعادۃ کو کہتے ہیں کہ جو مدعی نبوت کے ہاتھ پر ظاہر ہو اور کل عالم اس کے معارضہ اور مقابلہ یعنی اس کے مثل لانے سے عاجز اور درماندہ ہوتا کہ منکرین اور مخالفین پر یہ بات واضح ہو جائے کہ یہ شخص برگزیدہ خدا ہے کہ جس کے دشمنوں کے عاجز کرنے کے لئے خدا نے غیب سے یہ کرشمہ قدرت سے ظاہر فرمایا ہے اور لوگوں پر یہ امر منکشف ہو جائے کہ تائید غیبی اس کی پشت پر ہے۔ یہ شخص کوئی ساحر اور کاہن نہیں کہ کوئی اس کا معارضہ اور مقابلہ کر سکے لہٰذا اگر کسی کو صلاح اور فلاح درکار ہے تو صرف اس برگزیدہ ہستی پر ایمان لائے اور اس کی اتباع اور پیروی سے حاصل ہو سکتی ہے جس برگزیدہ ذات کو حق تعالیٰ نے اپنا نبی، خلیفہ، نائب، سفیر اور معتمد بنا کر بھیجا اس کی تکذیب اور مخالفت کا انجام سوائے شقاوت اور ہلاکت کے کیا ہو سکتا ہے فانظر و اکیف کان عاقبۃ المکذبین (۱۳)

معجزات علمیہ اور معجزات عملیہ

معجزات کی دو قسمیں ہیں ایک معجزات علمیہ اور ایک معجزات عملیہ۔ معجزہ عملی اس کو کہتے ہیں کہ مدعی نبوت کے ہاتھ سے ایسا عمل یعنی ایسا کام ظاہر ہو کہ اس جیسا کام کرنے سے سب عاجز آجائیں اور معجزہ علمی اس کا نام کہ مدعی نبوت ایسے علوم اور معارف ظاہر ہوں ساری دنیا اس کے معارضہ اور مقابلہ یعنی اس کے مثل لانے سے عاجز ہو۔ حق تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ دونوں قسم کے اس قدر کثیر معجزات عطا فرمائے جو حد احصار اور شمار سے باہر ہیں۔

معجزہ شق القمر

کفار مکہ نے رسول اللہ ﷺ سے آپ ﷺ کی نبوت ورسالت کے لئے کوئی نشانی معجزہ کی طلب کی، حق تعالیٰ نے آپ ﷺ کی حقانیت کے ثبوت کے لئے معجزہ شق القمر ظاہر فرمایا، اس معجزہ کا ثبوت قرآن کریم کی اس آیت میں موجود ہے وَانْشَقَّ الْقَمَرُ، اور احادیث صحیحہ جو صحابہ کرام کی ایک جماعت کی روایت سے آئی ہیں جن میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، عبداللہ بن عمرؓ، جبیر بن مطعم، ابن عباسؓ، انس بن مالکؓ وغیرہ شامل ہیں اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ خود اپنا اس وقت میں موجود ہونا

Marfat.com

اور معجزہ کا مشاہدہ کرنا بھی بیان فرماتے ہیں، امام طحاویؒ اور ابن کثیرؒ نے واقعۂ شق القمر کی روایات کو متواتر قرار دیا ہے، اس لئے اس معجزہ نبوی کا وقوع قطعی دلائل سے ثابت ہے۔

واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ کے مقام منیٰ میں تشریف رکھتے تھے، مشرکین مکہ نے آپ ﷺ سے نبوت کی نشانی طلب کی، یہ واقعہ ایک چاندنی رات کا ہے، حق تعالیٰ نے کھلا ہوا معجزہ دکھلا دیا کہ چاند کے دوٹکڑے ہو کر ایک مشرق کی طرف دوسرا مغرب کی طرف چلا گیا اور دونوں ٹکڑوں کے درمیان میں پہاڑ حائل نظر آنے لگا، رسول اللہ ﷺ نے سب حاضرین سے فرمایا کہ دیکھو اور شہادت دو، جب سب لوگوں نے صاف طور پر یہ معجزہ دیکھ لیا تو یہ دونوں ٹکڑے پھر آپس میں مل گئے۔اس کھلے ہوئے معجزہ کا انکار تو کسی آنکھوں والے سے ممکن نہ ہوسکتا تھا، مگر مشرکین کہنے لگے کہ مصطفیٰ (ﷺ) سارے جہان پر جادو نہیں کر سکتے، اطراف ملک سے آنے والے لوگوں کا انتظار کرو وہ کیا کہتے ہیں۔بیہقی اور ابو داؤد۔طیالسی کی روایت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے ہے کہ بعد میں تمام اطراف سے آنے والے مسافروں سے ان لوگوں نے تحقیق کی تو سب نے ایسا ہی چاند کے دوٹکڑے دیکھنے کا اعتراف کیا۔بعض روایات میں ہے معجزہ شق القمر مکہ مکرمہ میں دومرتبہ پیش آیا مگر روایات صحیحہ سے ایک ہی مرتبہ کا ثبوت ملتا ہے۔(بیان القرآن) اس معاملہ سے متعلق چند روایات حدیث یہ ہیں (جو تفسیر ابن کثیر سے لی گئی ہیں)

۱۔ صحیح بخاری میں حضرت انس بن مالکؓ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ:

اِنَّ اَهْلَ مَكَّةَ سَالُوْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّرِهَمْ اٰيَةً فَاَرَاهُمُ الْقَمَرَ شِقَّيْنِ حَتّٰى رَاَوْاحِرَاءَ بَيْنَهُمَا

ترجمہ: یعنی اہل مکہ نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ اپنی نبوت کے لئے کوئی نشانی (معجزہ) دکھلائیں تو اللہ تعالیٰ نے انکو چاند کے دوٹکڑے کر کے دکھلا دیا اور یہاں تک کہ انہوں نے جبل حراء کو دونوں ٹکڑوں کے درمیان دیکھا۔ (بخاری و مسلم)

۲۔ صحیح بخاری و مسلم اور مسند احمد میں حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے: **اِنْشَقَّ الْقَمَرُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شِقَّيْنِ حَتّٰى نَظَرُوْ اِلَيْهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اشْهَدُوْ،**

رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارک میں چاند شق ہوا اور دوٹکڑے ہو گئے جس کو سب نے صاف طور سے دیکھا اور آنحضرت ﷺ نے لوگوں سے فرمایا کہ دیکھو اور شہادت دو"

اور ابن جریر نے بھی اپنی پسند سے اس حدیث کو نقل کیا ہے، اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ: **كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِنًى فَانْشَقَّ الْقَمَرُ فَاَخَذَتْ فِرْقَةٌ" خَلْفَ الْجَبَلِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اشْهَدُوْ اشْهَدُوْ.**

(عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ہم منی میں رسول اکرم ﷺ کے ساتھ تھے، اچانک چاند کے دوٹکڑے ہو گئے اور ایک ٹکڑا پہاڑ کے پیچھے چلا گیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ گواہی دو، گواہی دو"

Marfat.com

۳۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہی کی روایت سے ابوداؤد طیالسی نے اور بیہقی نے یہ بھی نقل کیا ہے: اِنْشَقَّ الْقَمَرُ بِمَكَّةَ حَتّٰى صَارَ فِرْقَتَيْنِ فَقَالَ كُفَّارُ قُرَيْشٍ اَهْلِ مَكَّةَ هٰذَا سِحْرٌ" سَحَرَكُمْ بِهِ ابْنُ اَبِىْ كَبْشَةَ اُنْظُرُوْا السُّفَّارَ فَاِنْ كَانُوْا رَاَوْا مَا رَاَيْتُمْ فَقَدْ صَدَقَ وَاِنْ كَانُوْا لَمْ يَرَوْا مِثْلَ مَارَاَيْتُمْ فَهُوَ سِحْرٌ" سَحَرَكُمْ بِهِ فَسُئِلَ السُّفَّارُ قَالَ وَقَدِمُوْا مِنْ كُلِّ جِهَةٍ فَقَالُوْا رَاَيْنَا

مکہ مکرمہ (کے قیام کے زمانہ) میں چاند شق ہو کر دو ٹکڑے ہو گیا، کفار قریش کہنے لگے کہ یہ جادو ہے، ابن ابی کبشہ (یعنی محمد ﷺ) نے تم پر جادو کر دیا ہے، اس لئے تم انتظار کرو، باہر سے آنے والے مسافروں کا، اگر انہوں نے بھی یہ دو ٹکڑے چاند کے دیکھے ہیں تو انہوں نے سچ کہا ہے اور اگر باہر کے لوگوں نے ایسا نہیں دیکھا تو پھر یہ بیشک جادو ہی ہوگا، پھر باہر سے آنے والے مسافروں سے تحقیق کی جو ہر طرف سے آئے تھے، سب نے اعتراف کیا کہ ہم نے بھی یہ دو ٹکڑے دیکھے ہیں''

شق القمر کے واقعہ کچھ شہادت اور جواب

اس پر ایک شبہ تو یونانی فلسفہ کے اصول کی بناء پر کیا گیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آسمان اور سیارات میں فرق والتیام (یعنی شق ہونا اور جڑنا) ممکن نہیں، مگر یہ محض ایک دعویٰ ہے۔ اس پر جتنے دلائل پیش کئے گئے ہیں وہ سب بے بنیاد ہیں۔ اُن کا لغو و باطل ہونا متکلمین اسلام نے بہت واضح کر دیا ہے۔ اور آج تک کسی عقلی دلیل سے شق قمر کا محال اور ناممکن ہونا ثابت نہیں ہو سکا، ہاں ناواقف عوام ہر مستبعد چیز کو ناممکن کہنے لگتے ہیں، مگر یہ ظاہر ہے کہ معجزہ تو نام ہی اس فعل کا ہے جو عام عادت کے خلاف اور عام لوگوں کی قدرت سے خارج حیرت انگیز و مستبعد ہو، ورنہ معمولی کام جو ہر وقت ہو سکے اُسے کون معجزہ کہے گا؟

دوسرا عامیانہ شبہ یہ کیا جاتا ہے کہ اگر ایسا عظیم الشان واقعہ پیش آیا ہوتا تو پوری دنیا کی تاریخوں میں اسکا ذکر ہوتا، مگر سوچنے کی بات یہ ہے کہ یہ واقعہ مکہ معظمہ میں رات کے وقت پیش آیا ہے، اس وقت بہت سے ممالک میں تو دن ہوگا وہاں اس واقعہ کے نمایاں اور ظاہر ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں ہوتا، اور بعض ممالک میں نصف شب اور آخر شب میں ہوگا، جس وقت عام دنیا سوتی ہے اور جاگنے والے بھی تو ہر وقت چاند کو نہیں تکتے رہتے، زمین پر پھیلی ہوئی چاندنی میں اس کے دو ٹکڑے ہونے سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا جس کی وجہ سے کسی کو اس طرف توجہ ہوتی، پھر یہ تھوڑی دیر کا قصہ تھا، روزمرہ دیکھا جاتا ہے کہ کسی ملک میں چاند گہن ہوتا ہے اور آجکل تو پہلے سے اس کی اعلانات بھی ہو جاتے ہیں۔ اس کے باوجود ہزاروں لاکھوں آدمی اس سے بالکل بے خبر رہتے ہیں، ان کو کچھ پتہ نہیں چلتا، تو کیا اس کی یہ دلیل بنائی جاسکتی ہے کہ چاند گرہن ہوا ہی نہیں، اس لئے دنیا کی عام تاریخوں میں مذکور نہ ہونے سے اس واقعہ کی تکذیب نہیں ہو سکتی۔

اس کے علاوہ ہندوستان کی مشہور و مستند تاریخ فرشتہ میں اس کا ذکر بھی موجود ہے، کہ ہندوستان میں مہاراجہ مالیبار نے یہ واقعہ بچشم خود دیکھا، اور اپنے روزنامچہ میں لکھوایا اور یہی واقعہ ان کے مسلمان ہونے کا سبب بنا اور اوپر ابوداؤد طیالسی اور بیہقی کی روایات سے بھی یہ ثابت ہو چکا ہے کہ خود مشرکین مکہ نے بھی باہر کے لوگوں سے اس کی تحقیق کی تھی اور مختلف اطراف کے آنے

Marfat.com

والوں نے یہ واقعہ دیکھنے کی تصدیق کی تھی، واللہ سبحانہ، وتعالیٰ اعلم

معجزات یُمن و برکت

ہر نبی و رسول کی ذات والا صفات یُمن اور برکت کا سر چشمہ ہوتی ہے۔ مگر نبی اکرم ﷺ جس طرح اور کمالات میں انبیاء کرام افضل ہیں اسی طرح آپ سے جس قدر یمن و برکات کے معجزات صادر ہوئے وہ کسی اور سے صادر نہیں ہوئے۔ مختصر یہ کہ آپ کی برکت سے تھوڑے سے کھانے کا اور ایک تھوڑے سے پانی کا ایک لشکر عظیم کے سیری اور سیرابی کے لئے کافی ہو جانا جس کا متعدد مواضع میں مشاہدہ کیا گیا۔ چنانچہ

۱۔ جنگ خندق کے روز حضرت جابرؓ کے مکان میں صرف ایک سیر جو کے آٹے سے بہت سے آدمیوں کو پیٹ بھر کر کھانا کھلایا۔ (بخاری و مسلم۔ بروایت جابرؓ)

۲۔ حضرت ابوطلحہ کے مکان پر بھی جنہوں نے صرف آپ کی دعوت کی تھی اور دو تین آدمیوں کا کھانا پکایا تھا۔ اس تھوڑے سے کھانے سے تمام ساتھیوں کو بخوبی پیٹ بھر کر کھانا کھلایا۔ (بخاری و مسلم بروایت انسؓ)

۳۔ ایک دفعہ ایک صاع جو (یعنی ساڑھے تین سیر) اور ایک بکری کے بچے کے گوشت سے آپ نے اسی ۸۰ آدمیوں کو شکم سیر کر دیا۔ (بیہقی در دلائل النبوۃ)

۴۔ حدیبیہ کے کنویں میں پانی نہیں رہا تھا۔ آپ نے اپنے وضو کا بچا ہوا پانی اس میں ڈالا تو اس مین پانی چشمہ کی طرح جوش مارنے لگا۔ پندرہ سو آدمیوں نے پانی پیا اور اپنے جانوروں کو پلایا۔

(بخاری بروایت برائے بن عازبؓ مسلم بروایت سلمۃ بن اکوعؓ)

۵۔ تبوک کے چشمہ میں پانی سوکھ گیا تھا۔ حضور پرنور نے اپنی وضو کا پانی اس میں ڈال دیا تو اس چشمہ کا پانی اتنا چڑھ آیا کہ ہزارہا کی تعداد میں اہل لشکر نے خوب سیراب ہو کر پیا۔ (مسلم بروایت معاذؓ)

۶۔ ایک دفعہ تمام لشکر محمدی ﷺ پیاس سے بے تاب ہو گیا۔ تو حضور پرنور نے ایک چھوٹے سے پیالے (جس میں آپ ﷺ کا ہاتھ اچھی طرح پھیل نہیں سکتا تھا) میں اپنا دست مبارک رکھ دیا تو آپ کی انگلیوں سے پانی پھوٹنے لگا جس سے تمام لشکر نے پانی بھی پیا اور وضو بھی کیا۔ (بخاری و مسلم بروایت انسؓ)

۷۔ ایک دفعہ آپ کے پاس ایک دودھ کا پیالہ لایا گیا۔ آپ نے ابو ہریرہ کو حکم دیا کہ سب اہل صفہ کو بلاؤ، جو ستر اسی آدمی تھے۔ سب کے سب ایک پیالہ دودھ سے سیراب ہو گئے اور دودھ کا پیالہ اسی طرح باقی رہا۔ (بخاری شریف)

۸۔ آں حضرتؐ نے جب حضرت زینب سے نکاح کیا تو حضرت انس کی والدہ ام سلیم نے تھوڑا سا کھانا پکا کر آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ ﷺ نے بہت سے صحابہ کو مدعو کر لیا۔ اور حکم دیا کہ دس دس آدمی بیٹھ جائیں اور کھانا شروع کریں تقریباً تین سو آدمی سیر ہو گئے اور کھانا پہلے سے زیادہ تھا۔ (صحیح مسلم)

Marfat.com

استجابت دُعاء

من جملہ معجزات کے ایک قسم معجزہ کی یہ ہے کہ آپ ﷺ نے جس کے حق میں دعا فرمائی وہ قبول ہوئی۔ اس قسم کے معجزات کو معجزات سیف اللسانی بھی کہتے ہیں۔ سیف زبان اصطلاحی طور پر پیاس کو کہا جاتا ہے جس کی زبان سے جو کچھ نکل جائے ویسا ہی ہو جائے اور کسی طرح بھی ٹالے نہ ٹلے یہ خدا کے برگزیدیہ اور موید من اللہ ہونے کی علامت ہے کہ خدا تعالیٰ ان کی زبان سے جو کہلوا دیتا ہے وہ جوں کا توں ہو کر رہتا ہے۔ اور آنحضرت ﷺ کی زبان درفاں کا کیا کہنا جو فرمایا وہ پتھر کی لکیر ہو گیا اور جس شخص کی نسبت جو کلمہ آپ کی زبان مبارک سے نکل گیا وہ بالکل ویسے کا ویسا ہو کر رہا۔

۱۔ حضرت انس کے لئے دُعا فرمائی جو بہت مفلس تھے آپ کی دعا سے بڑے دولتمند ہو گئے۔

۲۔ عبدالرحمٰن بن عوف آپ کی دعا سے اس قدر مالدار ہوئے کہ لاکھوں کے مالک ہو گئے۔

۳۔ حضرت سعد کے لئے حضور پرنور نے دعا کہ کہ اے اللہ سعد کو مستجاب الدعات بنادے چنانچہ سعد جو دعا کرتے وہ قبول ہوتی۔

۴۔ سراقہ نے بوقت ہجرت آپ ﷺ کا تعاقب کیا اور آپ ﷺ کے نزدیک پہنچ گیا آپ ﷺ نے دعا کی کہ اے اللہ اس کو گھوڑا زمین میں دھنس جائے اسی وقت فی الفور گھٹنوں تک دھنس گیا پھر جب اُس نے ایمان قبول کر لیا تو آپ ﷺ نے دعا کی اسی وقت گھوڑا زمین سے نکل آیا۔

۵۔ عبداللہ بن عباس کے لئے بچپن میں آپ نے علم وحکمت کی دعا کی جس کا اثر یہ ہوا کہ علم وحکمت کے چشمے آپ کی زبان سے جاری ہو گئے۔

۶۔ ابو ہریرہؓ کے لئے حافظہ کی دعا کی جس کا اثر یہ ہوا کہ اس کے بعد ابو ہریرہ نے جو سنا اس میں سے کوئی چیز نہیں بھولے۔

۷۔ ابو ہریرہ کی والدہ کے لئے ہدایت کی دعا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت نصیب کی (بخاری)

۸۔ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کسی کے گھر تشریف لے گئے اور سب پر ایک چادر ڈال کر دعا کی اس دعا پر دروازہ کی دہلیز نے اور گھر کی دیواروں نے آمین کہی اور تین مرتبہ کہی۔

۹۔ قریش نے جب آپ کی سخت مخالفت کی تو آپ نے ان کے حق میں بددعا کی کہ اے اللہ ان پر قحط نازل فرما چنانچہ آپ کی دعا سے قریش پر قحط نازل ہوا (بخاری شریف)

۱۰۔ مدینہ منورہ میں قحط پڑا جمعہ کے خطبہ میں ایک شخص نے کھڑے ہو کر درخواست کی یا رسول اللہ بارش کے لئے دعا فرمادیجئے آپ نے ہاتھ اُٹھا کر دعا کی اسی وقت پانی برسنا شروع ہو گیا۔

معجزات شفاء امراض

۱۔ خیبر میں حضرت علی مرتضیٰ کی آنکھیں دُکھنے آگئیں۔ آپ ﷺ نے اپنا لب مبارک ان پر لگایا فوراً اسی وقت صحیح سلامت

Marfat.com

ہوئیں اور پھر کبھی دُکھنے نہیں آئیں۔ بخاری شریف بروایت ابن مسعود اس قسم کے معجزات کی تفصیل شرح شفاء قاضی عیاض اور شرح مواہب میں دیکھیں۔

۲۔ قتادۃ بن نعمان کی آنکھ نکل کر گر پڑی، آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اُس آنکھ کے ڈھیلہ کو اپنی جگہ پر رکھدیا تو وہ آنکھ ایسی صحیح وسلامت اور خوشنما ہوگئی کہ ویسی دوسری آنکھ بھی نہ تھی۔

۳۔ عبداللہ بن عتیکؓ جب ابورافع کو قتل کر کے واپس آنے لگے تو زینہ سے اترتے ہوئے گر پڑے اور ٹانگ ٹوٹ گئی۔ آپ نے اس پر اپنا دست مبارک پھیرا فوراً ایسی اچھی ہوگئی گویا کہ کبھی ٹوٹی ہی نہ تھی۔ بخاری شریف باب قتل ابی رافع۔

۴۔ غار ثور میں حضرت صدیقؓ کو سانپ نے ڈس لیا تھا تو آپ ﷺ نے لُعاب دہن لگا دیا، اسی وقت شفاء ہوگئی۔

۵۔ ایک نابینا آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے اس کو ایک خاص دعا بتلائی اور فرمایا کہ وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھو اور میرے وسیلہ سے یہ دعا مانگو اللہ تعالیٰ تمہارے حاجت پوری کریگا۔ اس نابینا نے اسی طرح دعا مانگی۔ عثمان بن حنیف کہتے ہیں کہ ہم ابھی اس مجلس سے اُٹھے نہ تھے کہ وہ نابینا بینا ہوگیا۔ ترمذی کتاب الدعوات و مستدرک حاکم ۱۹ھ۔ ج ا

۶۔ حبیب بن ابی فُدیک کے باپ کی آنکھوں میں پھلی پڑگئی۔ اور نابینا ہوگئے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کی آنکھوں پر پڑھ کر دم کیا اسی وقت آنکھیں اچھی ہوگئیں۔ (طبرانی و بیہقی و ابن ابی شیبہ)

۷۔ حجۃ الوداع میں ایک عورت اپنے ایک بچہ کو لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی جو گونگا تھا اور عرض کیا کہ یہ بچہ بولتا نہیں آپ نے پانی منگایا اور ہاتھ دھویا اور کلی کی اور یہ فرمایا کہ پانی اس بچہ کو پلاؤ اور کچھ اس پر چھڑکو دوسرے سال وہ عورت آئی وہ بچہ بالکل اچھا ہوگیا تھا اور بولنے لگا تھا۔ سنن ابن ماجہ باب النشرہ و دلائل ابی نعیم ۱۶۷۔

۸۔ محمد بن حاطب صحابی بچپن میں ماں کی گود سے آگ میں گر پڑے اور کچھ جل گئے۔ آپ ﷺ نے اس پر اپنا لعاب دہن لگا دیا فوراً اچھے ہوگئے۔ رواہ ابوداؤد الطیالسی واحمد بن حنبل والنجاری نے تاریخہ۔

۹۔ ابوہریرہ نے اپنے حافظہ کی شکایت کی کہ آپ سے جو سنتا ہوں وہ بھول جاتا ہوں آپ نے فرمایا اپنی چادر پھیلاؤ پھر آپ نے اس میں اپنی دولپ سے کچھ ڈالا اور فرمایا کہ اس کو اپنے سینے سے لگالو ابوہریرہ کہتے ہیں میں نے ایسا ہی کیا اس کے بعد میں کوئی بات نہیں بھولا (بخاری شریف)

۱۰۔ ایک شخص نے آکر آنحضرت ﷺ سے عرض کیا یارسول اللہ میرے بھائی بیمار ہے اور اس پر جنون کا اثر ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اُس کو لیکر آؤ جب وہ لایا گیا تو آپ ﷺ نے قرآن کریم کی متعدد سورتیں پڑھ کر اس پر دم کیں اسی وقت وہ اچھا ہوگیا اور جنون کا کوئی اثر اس پر نہ رہا۔ سنن ابن ماجہ باب الفزع والارق)

فِتْلِکَ عَشَرَةٌ کَامِلَة

غرض کہ شفاء امراض کے متعلق اور بھی حضور پرنور کے بہت سے معجزات ہیں جن پر آپ نے پڑھ کر دم کیا یا

Marfat.com

لعاب دہن لگایا یا ہاتھ پھیر دیا وہ فوراً اچھا ہو گیا۔

احیاءِ موتیٰ

حضرات انبیاء کرام اوراصل روحانی طبیب ہیں دل اور روح کی بیماریوں کے علاج کے لئے مبعوث ہوئے لیکن بطور خرق عادت کبھی کبھی حق تعالیٰ شانہ انبیاء کرام کے ہاتھ سے ایسے امراض کو شفا بخشتا ہے جس سے اطباء عاجز ہوتے ہیں اور گاہ بگاہ اپنی قدرت کاملہ سے انبیاء کے ہاتھ پر مُردے بھی زندہ کر دیتا ہے کہ لوگوں پر اس نبی برحق کا برگزیدۂ خداوندی ہونا واضح ہو جائے۔ اس قسم کے معجزات زیادہ تر عیسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوئے۔

حق جل شانہ نے سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کو باوجودیکہ گوناگوں اور قسم قسم کے معجزات عطا فرمائے مگر شفاء امراض اور احیاء موتیٰ کے قسم سے بھی آپ کو خط وافر عطا فرمایا اور مُردوں کی ایک جماعت آپ کے ہاتھ پر زندہ فرمائی۔ زرقانی ۱۷۰ ج ۱

؎ حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری　　انچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

ترجمہ: یوسفؑ کا رعنائی اور عیسیٰ دم کرتا پھونک مارنا　　اور موسیٰؑ کا چمکتا ہاتھ بھی رکھتے ہیں۔

امام قرطبی اپنی کتاب تذکرہ میں فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کے دست مبارک پر مُردوں کی ایک جماعت کو زندہ فرمایا جس کا قاضی عیاض نے اپنی شفاء میں ذکر کیا ہے۔ دیکھو شرح شفاء للعلامۃ القاری ۶۴۳ ج ۱

۱۔ حضرت انس راوی ہیں کہ ایک اندھی بڑھیا کا ایک جوان بیٹا مر گیا سب نے اس پر ایک کپڑا ڈال دیا اور اس کو ڈھانک دیا بوڑھی ماں کو بیحد صدمہ ہوا اور چلانے لگی اور یہ کہا کہ اے پروردگار تجھے خوب خوب معلوم ہے کہ میں خالص تیرے لئے اسلام لائی اور بتوں کو چھوڑا اور بصد شوق و رغبت تیرے رسول کی طرف ہجرت کی۔ اے اللہ مجھ پر بت پرستوں کو شماتت کا موقع نہ دے اور مجھ پر یہ ناقابل برداشت صدمہ نہ ڈال۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ اور ہم اصحاب صفہ اس وقت وہاں موجود تھے۔ خدا کی قسم ہم ابھی وہیں موجود تھے کہ یکایک وہ نوجوان زندہ ہو گیا اور اپنے منہ سے اپنی چادر اتاری اور ہمارے ساتھ کھانا کھایا اور وہ نوجوان آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد تک زندہ رہا اور اس کی بڑھیا ماں اس نوجوان کی زندگی میں وفات پا گئی اور وہ ابن عدی و ابن ابی الدنیا والبیہقی و ابونعیم تفصیل کے لئے زرقانی ۱۸۳ جلد ۵ دیکھئے۔

ف۔ اس استغاثہ اور آپ ﷺ کی برکت سے اس کا بیٹا زندہ ہو گیا۔

۲۔ دلائل بیہقی میں ہے کہ حضرت ﷺ نے ایک شخص کو اسلام کی دعوت دی اس نے یہ کہا کہ میں جب اسلام قبول کروں گا۔ جب آپ میری لڑکی کو زندہ کر دیں۔ جو قریب میں مر چکی ہے۔ آپ نے فرمایا مجھے اس کی قبر دکھلاؤ، وہ شخص آپ کو اس کی قبر پر لے گیا۔ آپ نے اس کی قبر پر کھڑے ہو کر اس لڑکی کا نام لے کر اس کو پکارا وہ لڑکی زندہ ہو گئی اور لبیک وسعدیک جی حاضر ہوں کہتی ہوئی قبر سے باہر نکل آئی۔ آپ ﷺ نے اسے ارشاد فرمایا کہ کیا تو اپنے ماں باپ کے پاس رہنا چاہتی ہے۔ اُس نے عرض کیا یا رسول اللہ خدا تعالیٰ کا قرب ماں باپ سے بہتر ہے اور میں نے آخرت کو دنیا سے بہتر پایا۔ (زرقانی۔ ۱۸۲ ج ۵ شفاء قاضی عیاض ۱۶۰)

Marfat.com

۳۔ عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ حجۃ الوداع میں مقام حجون میں اترے اور ایک روز میرے پاس رنجیدہ اور غمگین اور روتے ہوئے باہر گئے پھر جب واپس آئے تو مسرور تھے اور مسکرا رہے تھے، میں نے اسکا سبب دریافت کیا تو آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ میں نے حق تعالیٰ سے درخواست کی کہ میرے والدین کو زندہ کردے۔ اللہ تعالیٰ نے میرے والدین کو زندہ کردیا اور وہ مجھ پر ایمان لائے اور پھر وفات پا گئے۔

اس روایت کو سہیلی نے روض الانف میں ذکر اور یہ کہا کہ اس روایت کی سند کے راوی مجہول ہیں اور حافظ ابن کثیر یہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اگرچہ بہت ضعیف ہے مگر موضوع نہیں۔

۴۔ کتب حدیث میں متعدد طریق سے مروی ہے کہ خیبر میں ایک یہودی عورت نے ایک بھنی ہوئی بکری آپ کی خدمت میں پیش کی جس میں اُس نے زہر بھی ملا دیا تھا، آپ نے اس میں سے کچھ تناول فرمایا اور صحابہ کرام جو حاضر مجلس تھے انہوں نے بھی اس میں کچھ کھایا مگر فوراً ہی صحابہ سے فرمایا کہ اپنا ہاتھ کھینچ لو اور فرمایا کہ اس بکری نے مجھے خبر دی ہے کہ میں زہر آلود ہوں قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ حدیث شاۃ مسمومہ مشہور ہے جس کو ائمہ حدیث نے اپنی صحاح اور سنن میں روایت کیا ہے، ائمہ متکلمین کا اس میں اختلاف ہے، امام ابوالحسن اشعری اور قاضی ابوبکر باقلانی تو یہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسی مردہ بکری میں اپنی قدرت کاملہ سے کلام اور حروف اور اصوات کو پیدا کردیا جیسے خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے بارہا شجر اور حجر میں کلام اور حروف اور اصوات کو پیدا فرمایا پس اسی طرح بکری کا گوشت اپنی ہی حالت اور شکل پر رہا اور اللہ تعالیٰ نے اس میں قدرت گویائی پیدا کردی۔

اور بعض متکلمین یہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اُس گوشت میں حیات اور زندگی پیدا فرمائی اور حیات کے بعد اُس گوشت نے کلام کیا اور یہ ہی امام ابوالحسن اشعری سے منقول ہے۔ دیکھو شفاء قاضی عیاض۔

۵۔ آنحضرت ﷺ مسجد نبوی میں کھجور کے ایک ستون سے سہارا لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے۔ اس کے بعد جب منبر تیار ہو گیا تو آپ نے منبر پر خطبہ دینا شروع کر دیا تو یکبارگی صدقہ مفارقت میں وہ ستون چلا کر رونے لگا آپ منبر سے اترے اور اسکو اپنے بدن سے چمٹایا سو وہ ہچکیاں لینے لگا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ ستون ہمیشہ ذکر (خطبہ) سنا کرتا تھا اب جو نہ سنا تو رونے لگا (بخاری شریف) قاضی عیاض اور دیگر حضرات محدثین فرماتے ہیں کہ اگر یہ ستون کی حدیث متواتر ہے۔ صحابہ کرام کے ایک کثیر جماعت سے مروی ہے۔

معجزات نبوی ﷺ کی تفصیل

معجزاتِ عالم معانی

معجزاتِ قرآن مجید

ا۔ قرآن مجید، قران مجید بطور علم بلاغت کے سات ہزار سات سو معجزات پر مشتمل ہے۔

Marfat.com

۲۔ فتح خیبر کے متعلق قرآن مجید کی پیشین گوئی
۳۔ عمرۃ القضاء کے بارے میں قرآن مجید کی پیشین گوئی
۴۔ یہودیوں کے اہل اسلام کے مقابلے میں شکست کی پیش گوئی
۵۔ دفع شر مرتدین کی پیش گوئی
۶۔ مغلوبی کے بعد فارس پر روم کے غلبہ کی پیش گوئی
۷۔ یہودیوں کے موت کی تمنا نہ کرنے کی پیش گوئی
۸۔ خلافت خلفاء راشدین کی پیش گوئی
۹۔ تمام ادیان پر غلبہ اسلام کی پیش گوئی
۱۰۔ غزوہ بدر میں کفار کی شکست کی پیش گوئی
۱۱۔ سفر حدیبیہ میں رہتے ہوئے لوگوں کے جہاد کی پیش گوئی
۱۲۔ آنحضرت ﷺ کی قتل سے حفاظت کی پیش گوئی
۱۳۔ مسلمانوں کے ہاتھوں بادشاہانان روم وفارس سے حصول غنائم کی پیش گوئی

احادیث کی سچی پیشین گوئیاں

آنحضرت ﷺ نے قیامت تک آنے والے امور کی خبر دی تھی۔

متعلقہ بخلفاء اربعہؓ

۱۴۔ بالترتیب خلافت خلفاءؓ کی پیش گوئی
۱۵۔ حضرت عمرؓ اور عثمانؓ کی شہادت کی پیش گوئی
۱۶۔ حضرت عثمانؓ کے ابتلا کی پیش گوئی
۱۷۔ حضرت طلحہؓ کی شہادت کی پیش گوئی
۱۸۔ حضرت عمرؓ کی تا حیات انسداد فتن کی پیش گوئی، جب تک یہ شخص تم میں رہے گا تمہیں کوئی فتنہ نہ پہنچے گا۔
۱۹۔ حضرت عثمانؓ سے منافقین کی خلافت چھوڑنے کی طلب کی پیش گوئی
۲۰۔ فتنے میں حضرت عثمانؓ کی شہادت کی پش گوئی
۲۱۔ حضرت علیؓ کے ہاتھوں فتح خیبر کی پیش گوئی
۲۲۔ حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ کے درمیان وقوع قتال کی پیش گوئی
۲۳۔ حضرت علیؓ کی شان میں وقوع افراط وتفریط کی پیش گوئی
۲۴۔ حضرت علیؓ کی حالت شہادت کی پیش گوئی

خلافت اور اہل خلافت کی فتوحات کے متعلق پیش گوئیاں

۲۵۔ مسلمانوں کے بحری جہاد اور اس میں ام احرامؓ کی شرکت کی پیش گوئی
۲۶۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی خلافت کی پیش گو
۲۷۔ امت محمدیہ کی مشارق ومغارب پر سلطنت کی پیش گوئی
۲۸۔ خزانہ کسریٰ کی اہل اسلام میں تقسیم کی پیش گوئی
۲۹۔ فتح مصر اور حضرت ابوذرؓ کے دو شخصوں کو ایک اینٹ کی جھگڑتے ہوئے دیکھنے کی پیش گوئی
۳۰۔ ملک عرب کے راستوں کو پر امن ہونے کی پیش گوئی
۳۱۔ تیس سال تک خلافت میں رہنے کی پیش گوئی
۳۲۔ حضرت سراقہؓ کے ہاتھ میں کسریٰ کے کنگن پہنائے جانے کی پیشین گوئی
۳۳۔ سعد بن ابی وقاصؓ کی بیماری سے شفاء پانے کی پیش گوئی
۳۴۔ بیت المقدس کی فتح طاعون عمواس اور کثرت مال کی پیش گوئی

Marfat.com

۳۴۔اہل بیتؓ کے لئے پیش گوئیاں

۳۵۔حضور اکرم ﷺ کے بعد سب اہل بیت سے پہلے حضرت فاطمہؓ وفات پائیں گی

۳۶۔حضرت امام حسنؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان صلح کی پیش گوئی ۳۷۔شہادت حضرت امام حسینؓ کی پیش گوئی

۳۸۔شمر کے ابرص ہونے کی پیش گوئی

۳۹۔واقعہ جمل کی پیش گوئی اور جنگ جمل کے واقعہ کی تفصیل

۴۰۔تمام ازواج مطہرات سے پہلے حضرت زینبؓ کی وفات کی پیش گوئی ۴۱۔خلافت خلفاء بنی عباس کی پیش گوئی

آنحضرت ﷺ غزوات کے متعلق پیش گوئیاں

۴۲۔تعیین مقتولین بدر اور مقامات مقتولین بدر کی پیش گوئی

۴۳۔آنحضرتؐ کے ہاتھ سے ابی بن خلف منافق کے قتل کی پیش گوئی

۴۴۔غزوہ خندق کے بعد مدینہ منورہ پر کفار قریش کے لشکر کشی نہ کرنے کی پیش گوئی

۴۵۔حضرت عمار بن یاسرؓ کے باغیوں کے ہاتھوں شہید ہونے کی پیش گوئی

۴۶۔کعبہ کی چابی آنحضرت ﷺ کے ہاتھ میں آنے کی پیش گوئی اور یہ کہ قیامت تک عثمان بن طلحہؓ کے خاندان میں چابی رہے گی۔

۴۷۔قزمان کے جہنمی ہونے کی پیش گوئی ۴۸۔فتح حنین اور حصول غنائم کی پیش گوئی

۴۹۔خالد بن ولیدؓ کے اکیدر کو نیل گائے کے شکار میں پکڑنے کی پیش گوئی ۵۰۔ایک سخت آندھی کی پیش گوئی

ائمہ مجتہدین کے متعلق پیش گوئیاں

۵۱۔فارسیوں میں امام ابو حنیفہؒ اور امام بخاریؒ جیسے علماء کے لئے پیش گوئی

۵۲۔عالم مدینہ یعنی امام مالکؒ کی آمد کے لئے پیش گوئی

۵۳۔عالم قریش یعنی امام شافعیؒ آمد کے لئے پیش گوئی

مذاہب اہل بدعت کے متعلق پیش گوئیاں

۵۴۔ظہور خوارج کی پیش گوئی ۵۵۔ظہور رفض کی پیش گوئی

۵۶۔قدریہ (منکرین تقدیر) کے ظہور کی پیش گوئی، رافضیوں کی شکل بگڑنے کی حکایت

۵۷۔امت کے تہتر فرقے ہونے کی پیش گوئی

دیگر واقعات مختلفہ کی پیش گوئیاں

۵۸۔حجاز سے آگ کے ظہور ہونے کی پیش گوئی اور نار حجاز کے ظہور سے صدیوں پہلے کی کتابوں میں اس کے وقوع کا ذکر

Marfat.com

۵۹۔ بغداد پر ترکیوں کی فوج کشی کی پیش گوئی اس پیش گوئی کا ذکر اس فوج کشی سے چار سو سال پہلے کی کتاب میں موجود ہے

۶۰۔ زید بن ارقمؓ کی تندرستی اور وفات نبوی کے بعد نابینا ہونے کی پیش گوئی

۶۱۔ بنوثقیف میں حجاج اور مختار کے متعلق پیش گوئی

۶۲۔ اسلام میں یزید کی رخنہ اندازی کی پیش گوئی ۶۳۔ ثابت بن قیسؓ کی شہادت کی پیش گوئی

۶۴۔ اس امت کے کچھ لوگ یہود ونصاریٰ کی روش اختیار کریں گے ۶۵۔ واقعہ حرہ کی پیش گوئی

۶۶۔ بصرہ آباد ہونے کی پیش گوئی

۶۷۔ حاضر مجلس میں سے ایک شخص کے جہنمی ہونیکی پیش گوئی

۶۸۔ حضرت ابوذرؓ کی جنگل میں وفات مسلمانوں کے ان کے جنازہ میں شرکت کی پیش گوئی

۶۹۔ حاضرین مجلس میں سے آخری مرنے کے جہنمی ہونے کی پیش گوئی

۷۰۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو لوگوں سے اور لوگوں کو ان سے اذیت پہنچے گی

۷۱۔ حضرت زید بن صوحانؓ کا ایک عضو جنت میں پہلے جائے گا کی پیش گوئی

۷۲۔ سہیل بن عمروؓ سے ایکدن ایسا بیان واقع ہوگا جس سے دین کی بہت تائید ہوگی

۷۳۔ اس امت کے لوگ قالینیں بچھائیں گے کی پیش گوئی ۷۴۔ مسیلمہ کذاب کی ہلاکت کی پیش گوئی

ان دیکھے واقعات کی اطلاع دینا

۷۵۔ بوقت وقوع زیدؓ، جعفرؓ اور عبداللہ بن رواحہؓ کی شہادت کی اطلاع کی پیش گوئی

۷۶۔ بروز وقوع نجاشی کی وفات کی اطلاع کی پیش گوئی ۷۷۔ ایک منافق کی موت کی اطلاع کی پیش گوئی

۷۸۔ حضرت ام الفضلؓ کے پاس مدفون حضرت عباس کے مال کی اطلاع کی پیش گوئی

۷۹۔ حضور اکرم ﷺ کے قتل کے بارے میں صفوان اور عمیر کے مشورہ کی اطلاع کی پیش گوئی

۸۰۔ گم شدہ اونٹنی کی اطلاع کی پیش گوئی

۸۱۔ حاطب بن ابی بلتعہؓ کے خط کی اطلاع کی پیش گوئی

۸۲۔ خدا کے نام کے سوا کیڑے نے صحیفۂ ظالمہ کی ساری عبارت کھانے کی اطلاع

۸۳۔ جس رات کسریٰ قتل ہوا اس کی صبح کو اطلاع

۸۴۔ حضرت واثلہ بن اسقع کے دل کی بات کی اطلاع

۸۵۔ ایک انصاری اور ایک ثقفی کے دل کی بات کی اطلاع کی پیش گوئی

۸۶۔ بغیر مالک کی اجازت کے لی ہوئی بکری کے گوشت کی خبر کی پیش گوئی

Marfat.com

معجزات عالم ملائکہ

۸۷۔حضرت سعد بن وقاصؓ نے جنگ احد میں حضرت جبرئیل ومیکائیل کو دیکھا کی پیش گوئی

۸۸۔ایک صحابیؓ نے فرشتہ کو کوڑے مارنے کی اور اقبل یا حیزوم کہنے کی آواز سنی کی پیش گوئی

۸۹۔ابوواقد کی تلوار سے پہلے مشرک کا سر گر گیا

۹۰۔ابوجہل نے آگ کی خندق اور فرشتوں کو دیکھا

۹۱۔ایک فرشتہ نے سائب بن ابی حبیش کو گرفتار کیا

۹۲۔ایک فرشتہ نے حضرت عباسؓ کو گرفتار کیا

۹۳۔حضرت سہیل بن عمروؓ نے جنگ بدر میں فرشتوں کو دیکھا

۹۴۔حدیث جبریل علیہ السلام

۹۵۔حضرت عمران بن حصین کو فرشتوں کا سلام

۹۶۔حضرت حمزہؓ نے حضرت جبریلؑ کو دیکھا

۹۷۔حضرت ابن عباسؓ نے حضرت جبریلؑ کو دیکھا

۹۸۔حضرت اسامہؓ نے حضرت جبریلؑ کو دیکھا

۹۹۔حضرت ابو بردہؓ نے ایک فرشتہ کو کافر قتل کرتے ہوئے دیکھا کی پیش گوئی

۱۰۰۔حضرت اسید بن حضیرؓ نے ایک سائبان اور چراغاں کو آسمان سے اترتے دیکھا

معجزات عالم انسان

معجزات متعلقہ بہ ظہور برکات وہدایت

۱۰۱۔آنحضرت ﷺ کی دعا سے حضرت ابو ہریرہؓ کی والدہ کا اسلام لانا

۱۰۲۔آنحضرت ﷺ کی دعا سے حضرت ابو ہریرہؓ کو احادیث کا یاد رکھنا

۱۰۳۔حضرت حنظلہ کے سر پر آپ ﷺ کے ہاتھ رکھنے کا اثر کی پیش گوئی

۱۰۴۔حضرت عائذ بن عمروؓ کے لئے ظہور برکت کی پیش گوئی

۱۰۵۔حضرت عمرو بن ثعلبہؓ کے حق میں ظہور برکت کی پیش گوئی

۱۰۶۔زینب بنت مسلمہ کے حق میں ظہور برکت کی پیش گوئی

۱۰۷۔حضرت جریر بن عبداللہ کے حق میں ظہور برکت کی پیش گوئی

۱۰۸۔اہل بدر کے لئے ظہور برکت

۱۰۹۔کھانے کے ایک پیالہ میں ظہور برکت

۱۱۰۔آنحضرت ﷺ کی دعا سے حضرت انس کے مال واولاد میں ظہور برکت

۱۱۱۔ایک لونڈی کے لئے ظہور برکت

۱۱۲۔حضرت ابوایوب انصاریؓ کے کھانے میں برکت

۱۱۳۔آپ ﷺ کی دعا سے حضرت عبدالرحمٰن عوفؓ کے مال میں برکت

۱۱۴۔ایک صاع جو کا آٹا اور ایک بکری کا گوشت ایک سوتیس آدمیوں نے کھایا

۱۱۵۔ایک پیالہ کھانے کا تمام اہل صفہ نے سیر ہو کر کھایا

۱۱۶۔آدھ سیر آٹے اور ایک پیالہ دودھ سے چالیس آدمی سیر ہوئے

Marfat.com

۱۱۷۔ برکت طعام حضرت فاطمۃ الزہرؓا ۱۱۸۔ حضرت ابوقتادہؓ کے چہرہ اور بالوں میں ظہور برکت

۱۱۹۔ آپؐ کی دعا سے حضرت سعد کا مستجاب الدعوات ہونا

۱۲۰۔ آپ ﷺ کی دعا سے حضرت ابن عباسؓ کے علم میں برکت

۱۲۱۔ آپؐ کی دعا سے عبداللہ بن جعفرؓ کی خرید وفروخت میں برکت ۱۲۲۔ آپ کی دعا سے حضرت مقداد کے مال میں برکت

۱۲۳۔ آپ ﷺ کی دعا سے حضرت عروۃ بن ابی الجعد کے لئے برکت

۱۲۴۔ آپ کی دعا سے حضرت علیؓ میں سردی اور گرمی کا اثر نہ ہونا ۱۲۵۔ حضرت فاطمہؓ کی بھوک کی تکلیف نہ رہنا

۱۲۶۔ آپ ﷺ کی دعا سے حضرت طفیل بن عمرو کے کوڑے میں نور کا ظہور

۱۲۷۔ خالد بن ولیدؓ کی ٹوپی میں حضور ﷺ کے موہائے مبارک کی برکت ۱۲۸۔ پیدائش کے دن ایک لڑکے کا بولنا

۱۲۹۔ حضور ﷺ کے دھلے ہوئے جبہ کے پانی سے بیماروں کا شفاء پانا ۱۳۰۔ حضرت حسنینؓ کی پیاس کی تسکین

۱۳۱۔ شیر خوار بچوں کا سیر ہونا ۱۳۲۔ عتبہ بن فرقد کے بدن میں خوشبو

بیماروں اور مصیبت زدوں کی شفاء کے متعلق معجزات

۱۳۳۔ عبداللہ بن عتیکؓ کی ٹانگ ٹوٹ جانے کے بعد شفاء ۱۳۴۔ حضرت سلمہ بن اکوعؓ کی پنڈلی کی شفاء

۱۳۵۔ محمد بن حاطبؓ کے ہاتھ کو شفاء ۱۳۶۔ حضرت شرجیلؓ کے ہاتھ سے غدود کا دور ہونا

۱۳۷۔ حضور ﷺ کی دعا کی تعلیم اور نماز پڑھنے سے ایک اندھے کا بینا ہونا ۱۳۸۔ ابن ملاعب الاسنہ کے لئے شفاء

۱۳۹۔ حبیب کے والد کے آنکھ کی درستگی

۱۴۰۔ حضرت عبداللہ بن انیسؓ کے سر کی چوٹ کے لئے صحت

۱۴۱۔ حضرت علیؓ کی دکھنے والی آنکھ اچھی ہوگئیں ۱۴۲۔ علی بن حکم کی چوٹ کا اچھا ہونا

۱۴۳۔ آپ ﷺ کے آب دہن سے حضرت ابوبکرؓ کے پاؤں سے زہر کا اثر دور ہوگیا

۱۴۴۔ خبیب کے دو کندھوں کے درمیان لگنے والی تلوار کا اچھا ہونا ۱۴۵۔ ایک بیماری سے حضرت علی کا شفا پانا

۱۴۶۔ ایک گونگا بولنے لگا ۱۴۷۔ حضرت ابوقتادہؓ کے زخم کا اچھا ہونا

۱۴۸۔ مادر زاد گونگے کا بولنے والا ہونا ۱۴۹۔ جنون سے ایک شخص کا شفاء پانا

۱۵۰۔ تیر لگنے سے قتادہ بن نعمانؓ کے رخسار پر بہنے والی آنکھ کا درست ہونا

مُردوں کو زندہ کرنے کے متعلق معجزات

۱۵۱۔ ایک انصاری کے بچہ کا زندہ ہونا ۱۵۲۔ ثابت بن قیسؓ کا زندہ ہوکر باتیں کرنا

۱۵۳۔ حضرت زید بن خارجہؓ کا موت کے بعد زندہ ہوکر باتیں کرنا، حضرت غوث الثقلینؒ کی احیاء موتی کی کرامت

Marfat.com

بے ادبوں پر قہر اور اعداء کے شر سے آنحضرت ﷺ کی حفاظت کے معجزات

۱۵۴۔ایک شخص کا دایاں ہاتھ بے کار ہو جانا
۱۵۵۔آپ ﷺ کی بددعاء سے قوم مضر پر قحط پڑنا
۱۵۶۔آپ ﷺ کی بددعاء سے سلطنت فارس کا تباہ ہونا
۱۵۷۔عتیبہ بن ابی لھب کو شیر نے مار ڈالا
۱۵۸۔آپ ﷺ کی بددعاء سے ابو جہل، عتبہ اور دیگر کافروں کا ہلاک ہونا
۱۵۹۔آپ ﷺ کی بددعاء سے منہ پھڑ کنے کا مرض پیدا ہونا
۱۶۰۔آپ ﷺ کے قتل کے ارادہ سے جانے والی ابولہب کی بیوی آپ ﷺ کو نہ دیکھ سکی
۱۶۱۔قتل کے ارادہ سے چھپے ہوئے کافروں سے آپ ﷺ کا محفوظ ہونا

معجزات عالم جنات

۱۶۲۔حضرت عمرؓ کے سامنے بُت کے پیٹ میں جن کا بولنا
۱۶۳۔حضرت خالد بن ولیدؓ کا عزی کو قتل کرنا
۱۶۴۔حضرت ابن مسعودؓ کا جنوں کو دیکھنا اور شہادت نبوت کے لئے ایک درخت کا آنا
۱۶۵۔مدینہ میں لیلۃ الجن کی خبر دینا، حضور ﷺ کی خدمت میں چھ مرتبہ جنات کا حاضر ہونا
۱۶۶۔قصہ سواد بن قارب
۱۶۷۔ایک جن کے ساتھ مدینہ کی عورت کا واقعہ
۱۶۸۔ایک کاہنہ عورت کے ساتھ حضرت عثمانؓ کا واقعہ
۱۶۹۔مازن طائی کا واقعہ
۱۷۰۔موضع بوانہ میں ایک بت کے پیٹ میں جن کا بولنا
۱۷۱۔ذباب بن حارثؓ کا واقعہ
۱۷۲۔حضرت عمرؓ کا ایک کاہن کو قیافہ سے پہچاننا
۱۷۳۔مسعر جنی کا واقعہ
۱۷۴۔بت کے پیٹ سے صداقت نبوت کے اشعار کی آواز
۱۷۵۔حضرت عباس بن مرداسؓ کا واقعہ
۱۷۶۔حضور ﷺ کی صداقت میں ایک بت کے پیٹ سے خویلد ضمری کا آواز سننا
۱۷۷۔حضور ﷺ کے متعلق ایک جنگل میں حضرت تمیم داریؓ کا جن کی آواز سننا
۱۷۸۔سعید بن عمرو ہذلی کے باپ کا ایک بت کے پیٹ سے حضور ﷺ کی نبوت کی خبر سننا
۱۷۹۔حضرت جعد بن قیسؓ کے ذریعہ جنگل کے جنوں کا حضور ﷺ کو سلام بھجوانا
۱۸۰۔حضور ﷺ کے پاس حضرت بلال بن حارثؓ نے جنات کا ہجوم دیکھا
۱۸۱۔ایک جن کا حضور ﷺ کے پاس سانپ کی شکل میں آنا اور ایک عورت کا آسیب سے درست ہونا

معجزات عالم علوی

۱۸۲۔شق القمر (چاند کے دو ٹکڑے ہونا)
۱۸۳۔ردالشمس (سورج کا لوٹنا)

Marfat.com

۱۸۴۔ حضور ﷺ کی شب ولادت میں ستاروں کا جھک آنا

۱۸۵۔ پنگھوڑے میں انگلی کے اشارہ کے موافق چاند کا جھک آنا

معجزات عالم بسائط

یعنی پانی، آگ، ہوا اور مٹی کے متعلق معجزات

۱۸۶۔ سراقہ کے گھوڑے کو زمین کا نگلنا

۱۸۷۔ خاک کی ایک مٹھی سے کافروں کا شکست کھانا

۱۸۸۔ جس کے متعلق حضور ﷺ نے زمین کے قبول نہ کرنے کی دعا کی تھی دفن کے بعد زمین کا اس کو باہر پھینک دینا

۱۸۹۔ حضورؐ پر جھوٹ باندھنے والے کو دفن کے بعد زمین نے نکال کر پھینک دیا ۱۹۰۔ محلم بن جثامہ کو زمین کا قبول نہ کرنا

پانی کے متعلق معجزات

۱۹۱۔ آپ ﷺ کی مبارک انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہو گئے

۱۹۲۔ حدیبیہ کے کنویں میں حضور ﷺ کے وضو اور کُلی کرنے سے پانی کا واپس آنا

۱۹۳۔ عورت کی مشکوں میں پانی کا ختم نہ ہونا ۱۹۴۔ آپ ﷺ کی انگلیوں سے پانی کا نکلنا

۱۹۵۔ سفر میں آپ ﷺ کی انگلیوں سے پانی کا جاری ہونا اور صحابہ کا کھانے کی تسبیح کا سننا

۱۹۶۔ تھوڑے سے پانی سے سارا لشکر سیراب ہو گیا

۱۹۷۔ غزوۂ بدر میں آپ ﷺ کی دعا سے بارش ہونا

۱۹۸۔ آپ ﷺ کی برکت وضو سے قباء کے کنویں کا پانی بہت ہو جانا

۱۹۹۔ آب دہن مبارک سے انس بن مالکؓ کے کنویں کا شیریں ہونا ۲۰۰۔ پانی کا خوشبودار ہونا

۲۰۱۔ پانی کا دودھ ہو جانا

۲۰۲۔ حضرت عمرؓ کے رقعہ سے دریائے نیل کا جاری ہونا

آگ کے متعلق معجزات

۲۰۳۔ غزوۂ خندق میں حضرت جابرؓ کی دعوت

۲۰۴۔ ساریہ کے لشکر تک حضرت عمرؓ کی آواز کا پہنچنا

۲۰۵۔ دعا سے بارش ہونا اور اشارہ سے بادل ہٹ جانا ۲۰۶۔ لشکر احزاب کو ہوا کا بھگا دینا

۲۰۷۔ حرم کے پتھر کو حجاز کی آگ کا نہ جلانا، حدیم بن ابی طاہر علوی نے حضور ﷺ کے بال مبارک آگ میں ڈالے مگر آگ نے اثر نہ کیا۔

Marfat.com

عالم جمادات کے معجزات

۲۰۸۔ آنحضرت ﷺ کو درختوں اور پتھروں کا سلام کہنا

۲۰۹۔ آپ ﷺ کے اشارہ سے کعبہ کے بتوں کا گر پڑنا

۲۱۰۔ آنحضرت ﷺ کو ایک پتھر کا سلام کرنا

۲۱۱۔ آپؐ کے اور خلفاء ثلاثہؓ کے ہاتھ میں کنکریوں کا تسبیح کرنا

۲۱۲۔ حضرت عباسؓ اور ان کی اولاد کے لئے دعا پر چوکھٹ اور دیواروں کا آمین کہنا

عالم نباتات کے معجزات

۲۱۳۔ آپ ﷺ کے ساتھ دو درختوں کا چلنا اور پھر مل جانا

۲۱۴۔ درخت سلم کا حضور ﷺ کی نبوت کی تین بار گواہی دینا

۲۱۵۔ کھجور کے خوشہ کا آپ ﷺ کی نبوت کی گواہی دینا

۲۱۶۔ آپ ﷺ کے حکم سے ایک درخت کا چلا آنا

۲۱۷۔ آپ ﷺ کے حکم سے درختوں اور پتھروں کا جمع ہونا اور پھر بکھر جانا

۲۱۸۔ آپ ﷺ کے حکم سے کھجور کے دو درختوں کا مل جانا

۲۱۹۔ جنات کے روبرو ایک درخت کا آپ کی رسالت کے لئے گواہی دینا

۲۲۰۔ رکانہ پہلوان کو شکست دینا

شاخوں اور لکڑیوں کے متعلق معجزات

۲۲۱۔ حضرت عکاشہؓ کے ہاتھ میں خشک لکڑی کا تلوار بن جانا

۲۲۲۔ ستون حنانہ کا واقعہ

۲۲۳۔ قتادہ بن نعمانؓ کے ہاتھ میں درخت کی شاخ کا روشن ہو جانا

۲۲۴۔ منبر شریف کے ہلنے کا واقعہ

۲۲۵۔ حضرت عبداللہ بن جحشؓ کے ہاتھ میں شاخ خرما کا تلوار بن جانا

۲۲۶۔ حضرت اُسید بن حضیرؓ اور عباد بن بشیرؓ کے ہاتھ میں لکڑی کا روشن ہونا

پھلوں اور کھانے کے متعلق معجزات

۲۲۷۔ حضرت جابرؓ کے چھوہاروں میں برکت

۲۲۸۔ حضرت ابو ہریرہؓ کے توشہ دان کے چھوہاروں میں برکت

۲۲۹۔ حضور ﷺ کے حکم سے حضرت عمرؓ کا چار سو سواروں کو چار صاع چھوہاروں کا توشۂ سفر دینا

۲۳۰۔ غزوۂ تبوک میں تھوڑے سے توشہ سے تمام لشکر کے برتن بھر گئے

۲۳۱۔ ام سلیم کی جَو کی روٹیوں میں برکت سے ستر۔ اسی آدمی سیر ہو گئے

Marfat.com

معجزات عالم حیوانات

سواری کے اور حلال جانوروں کے متعلق معجزات

۲۳۲۔حضور ﷺ کی سواری کی برکت سے ابوطلحہؓ کے گھوڑے کا تیز رفتار ہونا

۲۳۳۔حضرت جابرؓ کے تھکے ہوئے اونٹ کا تیز رفتار ہونا

۲۳۴۔کثرت محنت اور قلت گھاس کی وجہ سے آپ ﷺ سے اونٹ کا شکایت کرنا اور ایک عورت کے مجنون بیٹے کا تندرست ہونا

۲۳۵۔ام معبدؓ کی بکری کا واقعہ

۲۳۶۔خالد بن عبدالعزیزؓ کی بکری کے گوشت میں برکت

۲۳۷۔خیبر کی بکریوں کا واقعہ

۲۳۸۔بکریوں کا آپ ﷺ کو سجدہ کرنا

۲۳۹۔اونٹ کا آپ ﷺ کو سجدہ کرنا

۲۴۰۔آپ ﷺ کی حفاظت کے لئے غار ثور پر کبوتروں کا انڈے دینا اور درخت کا پیدا ہونا اور مکڑی کا جالا بننا

۲۴۱۔قربان ہونے کے لئے آپ ﷺ کے آگے اونٹوں کا سبقت کرنا

۲۴۲۔ایک ہرنی کا آپ ﷺ کو پکارنا اور چھوٹ جانے کے بعد کلمہ شہادت پڑھنا

۲۴۳۔سفر میں چھوٹی بکری کے دودھ سے لشکر کا سیراب ہونا

۲۴۴۔ایک پٹھ بکری سے آنحضرت ﷺ کا دودھ پینا

۲۴۵۔حضرت حلیمہ سعدیہؓ کی بکریوں میں برکت

۲۴۶۔حضور ﷺ کی دعا سے جُعیل کی گھوڑی میں برکت

درندوں اور حرام جانوروں کے متعلق معجزات

۲۴۷۔بھیڑیئے کا حضور ﷺ کی نبوت کی خبر دینا

۲۴۸۔گوہ کا کلام کرنا اور آپ ﷺ کی پیغمبری کی گواہی دینا

۲۴۹۔حضور ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت سفینہؓ کو شیر کا راستہ بتانا

حیوانات سے حاصل شدہ اشیائے خوردنی کے متعلق معجزات

۲۵۰۔امام مالکؒ کے گھی میں برکت

۲۵۱۔ام سلیم کے حلوہ میں برکت

۲۵۲۔پیالہ بھر دودھ میں برکت جس سے تمام اصحاب صفہ سیر ہوگئے

۲۵۳۔غزوہ ہند کا آخری دور میں ہونا۔

۲۵۴۔حضرت مہدیؑ کا ظہور

۲۵۵۔حضرت عیسیٰؑ کا واپس آنا

سفر آخرت

حجۃ الوداع سے واپسی کے بعد آنحضرت ﷺ نے سفر آخرت کی تیاری شروع فرمادی اور تسبیح وتحمید اور توبہ واستغفار میں مشغول ہوگئے۔

سب سے پہلے جس سے آنحضرت ﷺ کو اپنی وفات کا قریب آجانا منکشف ہوا، وہ حق جل شانہ کا یہ ارشاد ہے:

Marfat.com

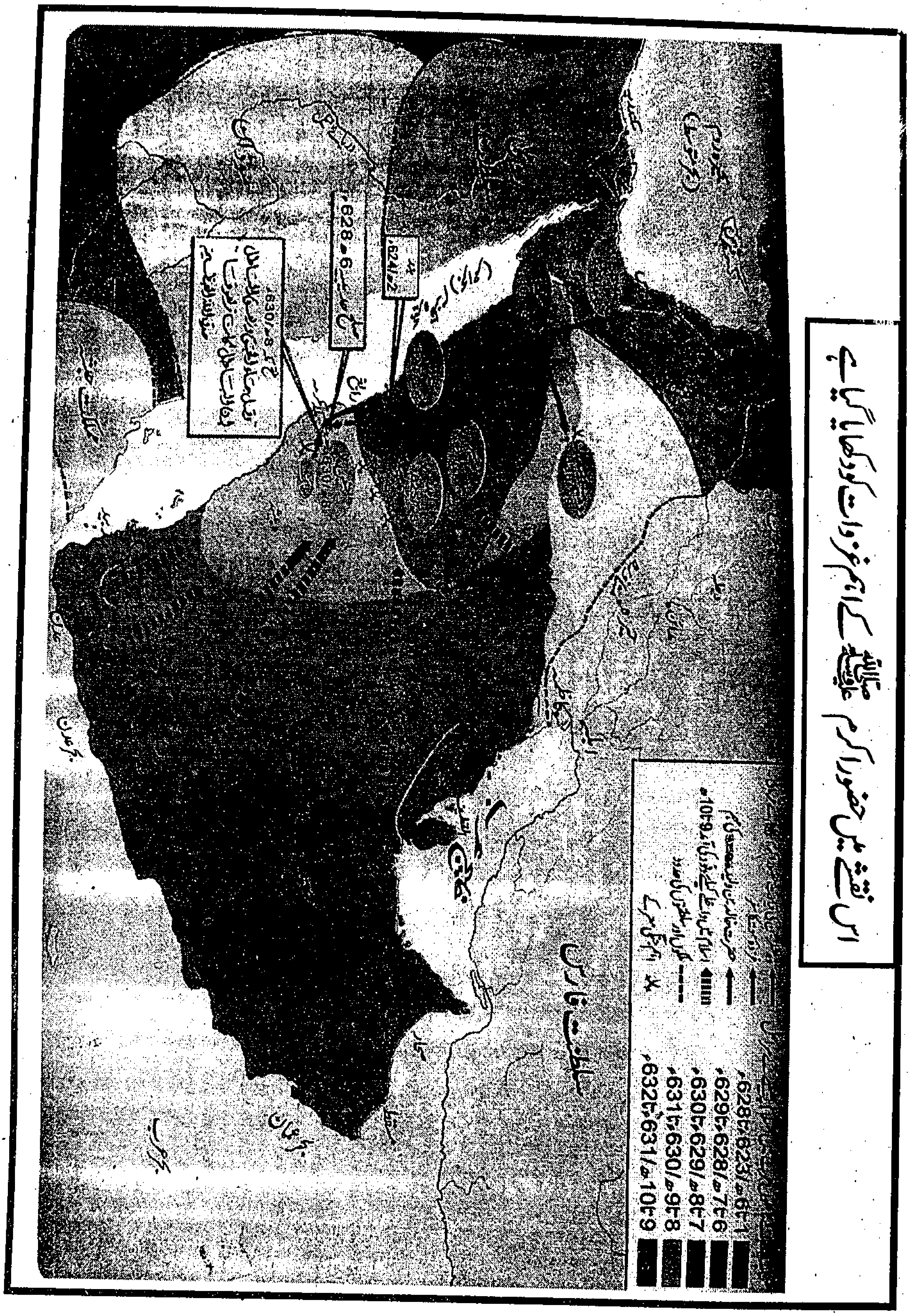
اس نقشے میں حضور اکرم ﷺ کے غزوات کو دکھایا گیا ہے
1ھ تا 6ھ/623ء تا 628ء
6ھ تا 7ھ/628ء تا 629ء
7ھ تا 8ھ/629ء تا 630ء
8ھ تا 9ھ/630ء تا 631ء
9ھ تا 10ھ/631ء تا 632ء
سلطنت فارس

Marfat.com

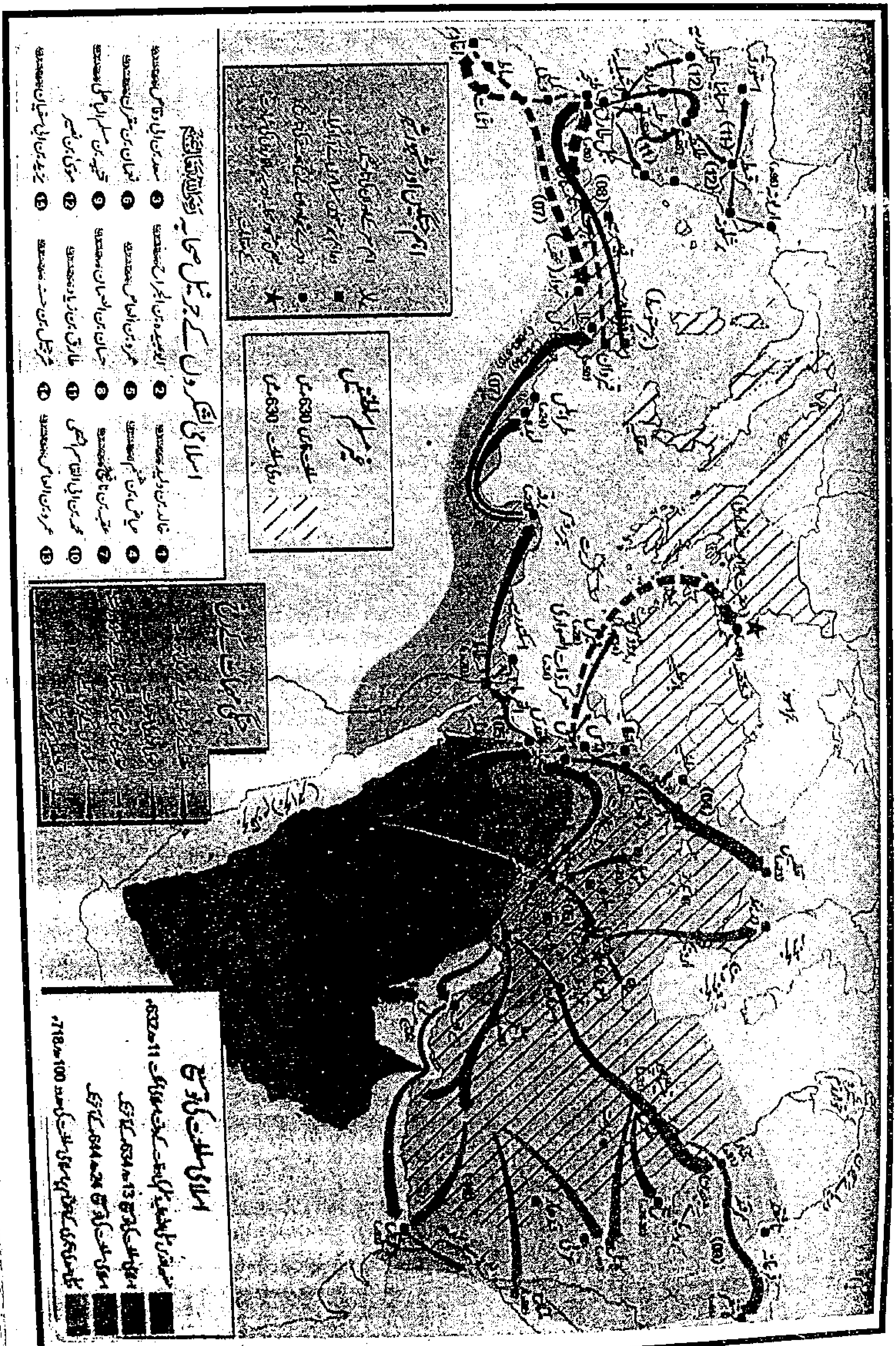

Marfat.com

ترجمہ: جب اللہ کی نصرت اور فتح آجائے اور آپ لوگوں کو دیکھیں کہ اللہ کے دین میں جوق در جوق داخل ہو رہے ہیں، تو آپ اللہ کی تسبیح وتحمید اور استغفار میں مشغول ہو جایئے۔ تحقیق اللہ بڑا توجہ فرمانے والا ہے۔

یعنی جب فتح ونصرت آچکی جس کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا اور کفر وشرک کا سر کچل دیا گیا، توحید کا علم سر بلند ہوا، حق کو باطل کے مقابلہ میں فتح مبین حاصل ہوئی، لوگ فوج کی فوج دین مبین میں داخل ہو گئے، دنیا کو اللہ کا پیغام مل گیا اور دین کی تکمیل مکمل ہو گئی، تو آپ کے دنیا میں بھیجنے سے جو مقصد تھا وہ پورا ہو گیا اور آپ کا جو کام تھا وہ کر چکے، اب ہمارے پاس آنے کی تیاری کیجئے، بیت اللہ کا حج (زیارت) کر چکے، اب رب البیت کے حج (زیارت) کی تیاری، خدا تعالیٰ نے آپ کو جس کام کے لئے دنیا میں بھیجا تھا وہ کام ختم ہو گیا۔ جس نے آپ کو دنیا میں بھیجا تھا، اب اس کے پاس واپس ہو جایئے اور اس کے پاس جانے کی تیاری کیجئے۔ یہ عالم فانی آپ کے رہنے کی جگہ نہیں، آپ جیسی ارواح مقدسہ کے لئے ملاء اعلیٰ رفیق اعلیٰ کا لحوق اور اتصال مناسب ہے۔

چنانچہ آپ اٹھتے اور بیٹھتے، آتے اور جاتے یہ پڑھتے تھے۔

سُبْحٰنَکَ اللّٰھُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِکَ اللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَتُبْ عَلَیَّ اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْم

اور کبھی

سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ وَاسْتَغْفِرُ اللّٰہَ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ پڑھتے اور کبھی یہ پڑھتے

سُبْحٰنَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ اَسْتَغْفِرُکَ وَاَتُوْبُ اِلَیْکَ

آنحضرت ﷺ نے حضرت فاطمہؓ سے ایک بار فرمایا کہ جبرئیل امین ہر رمضان میں میرے ساتھ قرآن کریم کا صرف ایک مرتبہ دور کیا کرتے تھے، لیکن اس رمضان میں دو مرتبہ دور فرمایا، میں گمان کرتا ہوں کہ میری روانگی کا وقت قریب آگیا ہے ہر سال آپ رمضان المبارک میں ایک عشرہ کا اعتکاف فرمایا کرتے تھے مگر اس سال آپ نے بیس دن کا اعتکاف فرمایا۔

حجۃ الوداع میں جب یہ آیت الیوم اکملت لکم دینکم الخ نازل ہوئی تو آپ اشارہ خداوندی کو سمجھ گئے۔

منتہائے کمال نقصان است گل بریزد بوقت سیرابی

اس لئے حجۃ الوداع کے خطبہ میں اعلان فرمایا کہ شاید اب اس کے بعد تم سے ملنا نہ ہو اور شاید پھر تمہارے ساتھ حج نہ کر سکوں اور پھر غدیر خم کے خطبہ میں فرمایا کہ میں بشر ہوں (اور بشر کے لئے خلود ودوام نہیں وما جعلنا لبشر من قبلک الخلد) شاید عنقریب میرے رب کا قاصد مجھے بلانے اور لینے کے لئے آجائے، اسی بنا پر حجۃ الوداع سے واپسی کے بعد ایک دن آپ جنت البقیع میں تشریف لے گئے اور آٹھ سال کے بعد شہداء احد پر نماز جنازہ پڑھی اور انکے لئے دعا خیر فرمائی جیسا کہ کوئی کسی سے رخصت ہوتا ہو، بقیع سے واپس آکر مسجد میں منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور خطبہ دیا کہ میں تم سے پہلے جا رہا ہوں تا کہ تمہارے لئے حوض وغیرہ کا انتظام کروں اور میرا تم سے حوض کوثر پر ملنے کا وعدہ ہے اور میں اپنے اسی مقام پر حوض کوثر کو دیکھ رہا ہوں اور تحقیق مجھ کو زمین کے خزانوں کی کنجیاں دے دی گئی ہیں اور مجھ کو اپنے بعد اس کا اندیشہ نہیں کہ تم (مجموعی طور پر) سب

Marfat.com

کے سب شرک میں مبتلا ہو جاؤ گے، یعنی پہلے کی طرح پوری قوم مشرک بن جائے، یہ اندیشہ تو نہیں البتہ خوف یہ ہے کہ تم دنیا کی حرص اور طمع اور باہمی تنافس میں مبتلا ہو جاؤ گے اور آپس میں لڑو گے اور ہلاک ہو گے۔

علالت کی ابتداء

ماہ صفر کے اخیر عشرہ میں آپ ﷺ ایک بار شب کو اٹھے اور اپنے غلام ابو مویہبہ کو جگایا اور فرمایا مجھ کو یہ حکم ہوا ہے کہ اہل بقیع کے لئے استغفار کروں، وہاں سے تشریف لائے تو دفعتہً مزاج ناساز ہو گیا، سر میں درد اور بخار کی شکایت پید ہوگئی۔

یہ ام المومنین میمونہ کی باری کا دن تھا اور بدھ کا روز تھا۔ اسی حالت میں آپ ﷺ باری باری ازواجِ مطہرات کے یہاں تشریف لے جاتے رہے، جب مرض میں شدت ہوئی تو ازواجِ مطہرات سے اجازت لے کر حضرت عائشہؓ کے یہاں تشریف لائے۔ دوشنبہ کے روز حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں منتقل ہوئے اور آئندہ دوشنبہ کو حضرت عائشہؓ ہی کے حجرہ میں رحلت فرمائے عالم آخرت ہوئے، تیرہ یا چودہ روز آپ علیل رہے۔ جس میں آخری ہفتہ کی تیمارداری عائشہؓ کے حصہ میں آئی۔

ایک روایت میں ہے کہ جب جبرئیل امین سورہ نصر یعنی اذا جاء نصر اللہ الخ لے کر نازل ہوئے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اے جبرئیل! اس سورہ میں مجھے اپنی موت کی اطلاع دی گئی ہے۔ جبرئیل امین نے کہا ولا خرۃ خیر لک من الاولی (رواہ الطبرانی من حدیث جابر)

اثناء علالت میں آپ کو اسود عنسی، مسیلمہ کذاب اور طلیحہ اسدی مدعیان نبوت اور لوگوں کے مرتد ہونے کی خبر معلوم ہوئی۔ آپ نے مرتدین سے جہاد کی وصیت اور تاکید فرمائی اور اسود عنسی کی سرزنش کے لئے انصار کی ایک جماعت روانہ ہوئی۔ آپ کی وفات سے ایک روز پیشتر اسود عنسی قتل کیا گیا۔

صحیح بخاری میں عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ آپ مرض الوفات میں یہ فرماتے تھے کہ یہ اسی زہر کا اثر ہے جو میں نے خیبر میں کھایا تھا۔ بخاری کی دوسری روایت میں ہے کہ آپ کی عادتِ شریفہ یہ تھی کہ جب بیمار ہوتے تو معوذات یعنی سورۂ اخلاص، سورۂ فلق اور سورۂ ناس پڑھ کر اپنے اوپر دم کرتے اور اپنا ہاتھ تمام بدن پر پھیر لیتے، عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں آپ کی آخری علالت میں معوذات پڑھ کر آپ پر دم کرتی، مگر برکت کے لئے آپ ہی کا دست مبارک آپ کے بدن پر پھیر دیتی۔

حضرت فاطمہؓ کا رونا اور ہنسنا

اسی بیماری میں آپ نے حضرت فاطمہؓ کو بلایا اور سرگوشی کی، حضرت فاطمہؓ رو پڑیں۔ اس کے بعد کچھ اور سرگوشی کی تو ہنس پڑیں۔ عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں ہم نے آپ کی وفات کے بعد حضرت فاطمہؓ سے اس کا سبب دریافت کیا تو یہ کہا کہ اول آپ نے مجھ سے یہ فرمایا کہ جبرئیل مجھ سے ہر سال رمضان میں قرآن کریم کا ایک مرتبہ دور کیا کرتے تھے، اس سال دو مرتبہ کیا۔ میرا خیال ہے کہ اسی بیماری میں میری وفات ہوگی، یہ سن میں رو پڑی، بعد ازاں آپ نے ارشاد فرمایا کہ میرے گھر والوں میں تو سب سے پہلے مجھ سے آ ملے گی۔ یہ سن کر میں ہنس پڑی، چنانچہ چھ ماہ بعد ہی حضرت سیدہ اس عالم سے رحلت فرما گئیں۔

Marfat.com

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے دوسری بار یہ فرمایا کہ تو بہشت کی تمام عورتوں کی سردار ہوگی۔

عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ جب بقیع سے تشریف لائے تو میرے سر میں درد تھا، تو اس حالت میں میری زبان سے یہ لفظ نکلا وا راساہ ہائے میرے سر، یعنی شاید اس تکلیف میں موت آجائے، آپ نے فرمایا بل انا اقول وا راساہ بلکہ میں کہتا ہوں کہ ہائے میرا سر، مطلب یہ تھا کہ میرے سر میں شدید درد ہے۔ شاید یہی درد میری موت کا پیش خیمہ ہو اور اس کے بعد فرمایا: اے عائشہؓ! اگر تو مجھ سے پہلے مر جائے تو میرا کیا نقصان ہے، میں تیرے کفن اور دفن کا انتظام کروں گا اور تیری نماز جنازہ پڑھوں گا اور تیرے لئے دعائے مغفرت کروں گا۔ عائشہ صدیقہؓ نے (بطور ناز) فرمایا گویا کہ آپ ﷺ میری موت چاہتے ہیں کہ اگر میں اس جہاں سے رخصت ہوگئی تو آپ اسی روز میرے ہی میں کسی اور زوجہ کے ساتھ آرام کرنے والے ہوں گے۔ مطلب یہ تھا کہ میرے مرنے کے بعد آپ مجھے بھول جائیں گے اور دوسری بیبیوں میں مشغول ہو جائیں گے۔ آپ یہ سن کر مسکرائے کہ یہ غافلات المومنات میں سے ہے، اسے خبر نہیں میں ہی دنیا سے جا رہا ہوں اور یہ میرے بعد زندہ رہے گی۔

واقعہ قرطاس

وفات سے چار یوم پیشتر بروز پنجشنبہ جب مرض میں شدت ہوئی تو جو لوگ حجرہ نبوی ﷺ میں حاضر تھے ان سے فرمایا: کاغذ، قلم دوات لے آؤ تا کہ تمہارے لئے ایک وصیت نامہ لکھوا دوں، اس کے بعد تم گمراہ نہ ہوگے، یہ سن کر اہل مجلس اختلاف کرنے لگے، حضرت عمرؓ نے کہا کہ آپ بیمار ہیں، درد کی شدت ہے، ایسی حالت میں تکلیف دینا مناسب نہیں، کتاب اللہ ہمارے پاس ہے (جو ہم کو گمراہی سے بچانے کے لئے کافی ہے) بعض نے حضرت عمرؓ کی تائید کی اور بعض نے کہا: دوات قلم لا کر لکھوا لینا چاہئے اور یہ کہا اھجر استفھموہ کیا آپ ﷺ نے بیماری شدت اور غفلت اور بیہوشی کی حالت میں معاذ اللہ کوئی لغو اور ہذیان کی بات کہی ہے، خود آپ سے دریافت کو لو یعنی آپ اللہ کے نبی و رسول ہیں۔ آپ کی زبان اور دل خطا اور غلطی سے معصوم اور مامون ہے، معاذ اللہ اوروں کی طرح نہیں کہ جو بیماری کی حالت میں واہی تباہی بولنے لگتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ اپنی زبان مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس زبان سے (کسی حالت میں) سوائے حق کے کچھ نہیں نکلتا۔

یہ جملہ (اھجر استفھموہ) حضرت عمرؓ کا مقولہ نہیں بلکہ ان لوگوں کا ہے جن کی رائے حضرت عمرؓ کے خلاف تھی۔ حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ حضور پر نور ﷺ کو لکھنے کی تکلیف نہ دی جائے اور بعض لوگ، جن کی رائے یہ تھی کہ دوات قلم لا کر لکھوا لیا جائے، ان لوگوں نے حضرت عمرؓ کے جواب میں یہ کہا: اھجر استفھموہ اور مطلب یہ تھا کہ جب حضور پر نور ﷺ حکم دے رہے ہیں تو کیوں نہ لکھوا لیا جائے، معاذ اللہ حضور پر نور ﷺ زبان مبارک سے کسی ہذیان یا لغوبات کا نکلنا ناممکن ہے۔ اسی وجہ سے ان لوگوں نے اھجر بطور استفہام انکاری الزاماً کہا خود اس کے قائل نہ تھے اور جن روایتوں میں یہ جملہ بدون حرف

Marfat.com

استفہام آیا ہے وہ بھی استفہام پر محمول ہیں اور حرف استفہام وہاں مقدر ہے۔

مجلس میں جب اختلاف زیادہ ہوا اور شور وشغب ہونے لگا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: میرے پاس سے اٹھ جاؤ، مجھ کو میرے حال پر چھوڑ دو، میں جس حالت میں ہوں، وہ بہتر ہے اس سے کہ جس کی طرف تم مجھ کو بلا رہے ہو۔ بعد ازاں باوجود اس تکلیف کے آپ نے لوگوں کو تین چیزوں کی زبانی وصیت فرمائی۔

۱۔ مشرکین کو جزیرہ عرب سے نکال دو یعنی جزیرہ عرب میں کوئی مشرک رہنے نہ پائے۔

۲۔ وفود کو رخصت کے وقت جائزہ یعنی ہدیہ وتحفہ دیا کرو جس طرح میں ان کو جائزہ دیا کرتا تھا۔

۳۔ تیسری بات سے آپ نے سکوت فرمایا راوی بھول گیا۔

بعض کہتے ہیں کہ تیسری بات یہ تھی کہ قرآن پر عمل کرنا جیش اسامہ کو روانہ کرنا یا میرے بعد میری قبر کو بت اور سجدہ گاہ نہ بنانا یا یہ کہ نماز کی پابندی کرنا اور غلاموں کا خیال رکھنا۔

ف: معلوم نہیں کہ جن باتوں کی آپ نے زبانی وصیت فرمائی، انہی کے لکھوانے کے لئے کاغذ قلم دوات منگواتے تھے یا ان کے علاوہ تھیں واللہ اعلم۔

بخاری اور مسلم میں عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (اس بیماری کی حالت میں) یہ فرمایا کہ میرا ارادہ ہوا تھا کہ ابوبکر اور ان کے فرزند (عبدالرحمٰن) کو بلانے کے لئے کسی کو بھیج دوں اور ان کو وصیت کر دوں اور ان کو اپنا ولی عہد بنا دوں تا کہ کہنے والے کچھ نہ کہہ سکیں اور تمنا کرنے والے کچھ تمنا نہ کر سکیں، لیکن پھر آپ نے اپنا یہ ارادہ فسخ کر دیا اور اہل ایمان بھی سوائے ابوبکر کے اور کسی کو قبول نہیں کریں گے اور ایک روایات میں یہ الفاظ آئے ہیں۔

(معاذ اللّٰہ ان یختلف الناس علی ابی بکر)

اللہ کی پناہ کہ لوگ ابوبکر کی خلافت میں اختلاف کریں۔

ان احادیث سے صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ کا دلی منشاء یہ تھا کہ آپ کے بعد ابوبکر خلیفہ ہوں، لیکن آپ نے قضا وقدر اور اجماع پر چھوڑ دیا کہ قضاء قدر سے یہی ہوگا کہ ابوبکر ہی خلیفہ ہوں گے اور مسلمانوں کے اہل حل وعقد کے اجماع اور اتفاق سے ان کی خلافت منعقد ہوگی اور سب مسلمان انہی کی خلافت پر متفق ہوں گے، امام بخاری کے کلام سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے کہ اس حدیث سے صدیق اکبرؓ خلافت لکھوانا مراد ہے اس لئے کہ امام بخاری نے کتاب الاحکام میں اس حدیث پر جو ترجمہ رکھا وہ یہ ہے کہ باب الاستخلاف معلوم ہوا کہ اس حدیث سے اشارہ خلافت کی طرف ہے۔

(دیکھو زرقانی ص ۶۵۷، وقسطلانی ص ۲۶۰ ج ۱۰، وفتح الباری ص ۱۷۷ ج ۱۳)

جس مجلس میں قرطاس کا واقعہ پیش آیا اور لوگوں کے اختلاف اور شور کی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے یہ فرمادیا کہ میرے پاس سے اٹھ جاؤ، پیغمبر خدا کے سامنے اختلاف اور شور مناسب نہیں لوگ اٹھ کر چلے گئے۔

لوگوں کے چلے جانے کے بعد آپ نے آرام فرمایا۔ ظہر کی نماز کے وقت جب طبیعت کو کچھ سکون ہوا اور مرض کی

Marfat.com

شدت میں کچھ افاقہ ہوا تو یہ ارشاد فرمایا کہ سات مشکیں پانی کی میرے سر پر ڈالو، شاید کچھ سکون ہو اور میں لوگوں کو وصیت کر سکوں، چنانچہ حسب الحکم آپ ﷺ پر پانی کی سات مشکیں ڈالی گئیں۔ اسی طرح غسل سے آپ کو ایک گونہ سکون ہوا اور آپ حضرت عباسؓ اور اور حضرت علیؓ کے سہارے سے مسجد میں تشریف لائے اور نماز پڑھائی۔ یہ ظہر کی نماز تھی اور بعد ازاں آپ نے خطبہ دیا اور یہ آپ کا آخری خطبہ تھا۔ یہ صحیح بخاری کی روایت ہے اور صحیح مسلم میں ہے کہ یہ خطبہ وفات سے پانچ شب یعنی چار روز پہلے تھے۔ حافظ عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ اس حساب سے یہ خطبہ جمعرات کے روز ارشاد فرمایا۔

آخری خطبہ

الغرض آپ نماز سے فارغ ہو کر منبر پر رونق افروز ہوئے۔ حق جل شانہ کی حمد و ثناء کے بعد سب سے پہلے اصحاب احد کا ذکر فرمایا اور ان کے لئے دعائے مغفرت کی۔ پھر مہاجرین کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم زیادہ ہو گے اور انصار کم ہوں گے، دیکھو انصار نے مجھ کو ٹھکانہ دیا۔ ان میں سے جو محسن؛ رنیکوکار ہو اس کے ساتھ احسان کرنا اور ان میں سے جو غلطی کر گزرے تم اسے در گزر کرنا۔

پھر فرمایا: اے لوگو! اللہ نے اپنے ایک بندہ کو اختیار دیا ہے کہ خواہ دنیا کی نعمتوں کو اختیار کرے یا خدا کے پاس نعمتوں یعنی آخرت کو اختیار کرے لیکن اس بندہ نے خدا کے پاس کی نعمتوں کو یعنی آخرت کو اختیار کر لیا۔ ابو بکرؓ چونکہ سب سے زیادہ علم والے تھے اس لئے سمجھ گئے کہ اس بندہ سے حضور پر نور ﷺ ہی مراد ہیں۔ سنتے ہی رو پڑے اور کہنے لگے: یا رسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ آپ نے فرمایا: اے ابو بکر! ٹھہرو اور قرار پکڑو۔ پھر مسجد کی طرف لوگوں کے جتنے دروازے کھلے ہوئے تھے ان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: یہ سب دروازے بند کر دیئے جائیں۔ صرف ایک ابو بکر کا دروازہ کھلا رہنے دیا جائے۔ جان و مال، صحبت و رفاقت کے اعتبار سے سب سے زیادہ احسان کرنے والا مجھ پر ابو بکر ہے۔ ابو بکر سے بڑھ کر میرا کوئی محسن نہیں۔ جس جس نے میرے ساتھ کوئی احسان کیا میں نے اس کی مکافات کر دی۔ سوائے ابو بکر کے کہ اس کے احسانات کا بدلہ اور صلہ اللہ ہی اس کو قیامت کے دن دے گا۔ اگر میں اپنے پروردگار کے سوا کسی کو اپنا جانی دوست بناتا، تو ابو بکر کو بناتا لیکن ان سے اسلامی اخوت اور مودت ہے جس میں وہ سب سے افضل اور برتر ہیں اور اخوت اور مودت میں کوئی دوسرا ان کا ہمسر نہیں۔

الغرض آپ نے اس خطبہ میں صدیق اکبرؓ کے وہ فضائل و کمالات بیان کئے جس میں کوئی دوسرا ان کا شریک و سہیم نہ تھا تا کہ لوگوں کے سامنے ان کی فضیلت اور برتری عیاں ہو جائے اور آپ کے بعد ان کی خلافت میں کوئی اختلاف نہ کر سکے اور اس کی تاکید کے لئے افضل العبادت یعنی نماز کی امامت ان کے سپرد کی، چنانچہ صحابہ نے ابو بکر سے بیعت کرتے وقت یہی کہا کہ اللہ کے رسول نے جس شخص کو ہمارے دین (نماز) کے لئے پسند فرمایا: ہم اس کو اپنی دنیا (خلافت و امارت) کیلئے کیوں نہ منتخب اور پسند کریں۔

Marfat.com

پھر اسی خطبہ میں یہ فرمایا کہ جیش اسامہ کو جلدی روانہ کرو اور فرمایا مجھے معلوم ہے کہ بعض لوگ (ابن سعد کہتے ہیں کہ یہ منافقین تھے) اسامہ کی امارت اور سرداری پر معترض ہیں کہ بوڑھوں کے ہوتے ہوئے نوجوان کو یہ منصب کیوں عطا کیا گیا، آگاہ ہو جاؤ کہ انہی لوگوں نے اس سے پہلے اس کے باپ زید کی امارت اور اس کی سرداری پر بھی اعتراض کیا تھا۔ خدا کی قسم اس کا باپ زید بھی امارت اور سرداری کا اہل تھا اور اس کے بعد اس کا بیٹا اسامہ بھی امارت کا اہل ہے اور میرے نزدیک محبوب ترین لوگوں میں سے ہے۔

اور یہ فرمایا کہ لعنت ہو اللہ کی یہود اور نصاریٰ پر جنہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا، مقصود آپ ﷺ کا اپنی امت کو آگاہ اور خبردار کرنا تھا کہ تم یہود و نصاریٰ کی طرح میری قبر کو سجدہ گاہ نہ بنانا۔

اور فرمایا: اے لوگو! مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تم اپنے نبی کی موت سے خوفزدہ ہو، کیا کوئی نبی مجھ سے پہلے اپنی امت میں ہمیشہ رہا ہے جو میں تم میں ہمیشہ رہوں (**کما قال تعالیٰ و ما جعلنا لبشر من قبلک الخلد . و ما محمد الا الرسول قد خلت من قبله الرسل**)

آگاہ ہو جاؤ کہ میں خدا سے ملنے والا ہوں اور آگاہ ہو جاؤ کہ تم بھی خدا سے ملنے والے ہو، میں تمام مسلمانوں کو وصیت کرتا ہوں کہ تقویٰ اور عمل صالح پر قائم رہیں کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: **والعصر ان الانسان لفی خسر الا الذین امنوا و عملوا الصلحت و تواصوا بالحق و تواصوا بالصبر.** اور اے مسلمانو! میں تمہیں انصار کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کہ ان کے ساتھ خیر اور حسن سلوک کا معاملہ کرنا، انصار نے اسلام اور ایمان کو ٹھکانہ دیا اور مکانوں، زمینوں، باغوں اور پھلوں میں تم کو اپنا شریک بنایا اور باوجود فقر و فاقہ کے تم کو اپنے نفسوں پر ترجیح دی۔ (**کما قال تعالیٰ ویؤثرون علی انفسهم ولو کان بهم خصاصه**)

اور فرمایا آگاہ ہو جاؤ کہ میں تم سے پہلے جا رہا ہوں اور تم بھی مجھ سے آکر ملو گے، حوضِ کوثر پر ملنے کا وعدہ ہے۔

اس کے بعد منبر سے اتر آئے اور حجرہ مبارک میں تشریف لے گئے۔

آخری نماز باجماعت

آنحضرت ﷺ میں جب تک طاقت رہی اس وقت تک آپ برابر مسجد تشریف لاتے رہے اور نماز پڑھاتے رہے۔ سب سے آخری نماز جو آپ نے پڑھائی وہ پنجشنبہ کی مغرب کی نماز تھی جس کے چار روز بعد بروز دوشنبہ آپ کا وصال ہو گیا، صحیح بخاری میں ام فضل سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ہم کو مغرب کی نماز پڑھائی جس میں والمرسلات پڑھی، اس کے بعد آپ نے ہم کو کوئی نماز نہیں پڑھائی، یہاں تک کہ آپ کی وفات ہو گئی۔ جب عشاء کا وقت آیا تو دریافت فرمایا کہ کیا لوگ نماز پڑھ چکے ہیں۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ! لوگ آپ کے منتظر ہیں۔ آپ نے کئی بار اٹھنے کا قصد فرمایا مگر شدت مرض کی وجہ سے بے ہوش ہو جاتے تھے۔ اخیر میں فرمایا کہ ابوبکر کو میری طرف سے حکم دو کہ وہ نماز پڑھائیں۔ عائشہ صدیقہؓ نے عرض کی:

Marfat.com

یارسول اللہ ﷺ ابوبکر بہت رقیق القلب ہیں یعنی نرم دل ہیں۔ جب آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو ان پر ایسی رقت طاری ہوگی کہ لوگوں کو نماز نہیں پڑھا سکیں گے اور گریہ وزاری کی وجہ سے لوگوں کو اپنی قرأت نہیں سنا سکیں گے۔ لہذا آپ عمر کو نماز پڑھانے کے لئے کہہ دیں۔ حضرت عائشہؓ نے ظاہر تو یہ کہا، مگر دل میں یہ تھا کہ جو شخص آپ کی جگہ کھڑا ہوگا، لوگ اس کو منحوس سمجھیں گے۔ اس لئے آپ نے خفا ہو کر فرمایا: تم یوسف کے ساتھ والیاں ہو (کہ زبان پر کچھ ہے اور دل میں کچھ ہے) ابوبکر کو حکم دو کہ وہی نماز پڑھائیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کے حکم دینے کے بعد عائشہؓ نے تین بار انکار کیا، مگر آپ نے ہر بار تاکید اور اصرار کے ساتھ یہی فرمایا کہ ابوبکر کو حکم دو کہ وہی نماز پڑھائیں، چنانچہ ابوبکر نماز پڑھانے آگے بڑھے۔

امام غزالی قدس اللہ سرہ نے احیاء العلوم میں عائشہؓ کا کلام معرفت التیام سے نقل کیا ہے جس میں عائشہؓ نے اپنے دلی منشاء کو ظاہر فرمایا ہے کہ وہ اپنے جلیل القدر باپ کی امامت کو کیوں ناپسند کرتی تھیں۔

''عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں کہ میں اپنے ماں باپ کی امامت سے اس لئے انکار کرتی تھی کہ میرا باپ دنیا سے بالکل علیحدہ رہے، اس لئے عزت و وجاہت خطرہ سے خالی نہیں ہوتی، اس کی ہلاکت کا اندیشہ ہے مگر جس کو اللہ صحیح و سالم رکھے وہی دنیا کے فتنہ سے بچ سکتا ہے اور نیز یہ بھی اندیشہ تھا کہ جو شخص آنحضرت ﷺ کی حیات میں آپ کی جگہ کھڑا ہوگا تو لوگ اس پر حسد کریں گے اور عجب نہیں کہ حسد میں اس پر کوئی زیادتی بھی کریں اور ان کو منحوس بھی سمجھیں، پس جب اللہ کا حکم اور اس کی قضاء و قدر یہی ہے یہ کہ میرا باپ رسول اللہ ﷺ کا قائم مقام بنے اور ان کی جگہ پر امامت کرے تو پھر دعا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے باپ کو دنیا اور دین کے ہر خوفناک امر سے محفوظ اور مامون رکھے''۔

سبحان اللہ یہ صدیقہؓ بنت صدیق کی فہم و فراست ہے کہ وہ اس امامت و نیابت کو آئندہ خلافت اور امارت کا پیش خیمہ سمجھے ہوئے ہیں اور دل و جان سے اس کوشش میں ہیں کہ میرا باپ نہ امام بنے اور نہ امیر، یہ امامت صغریٰ اور امامت کبریٰ میرے باپ سے ہٹ کر کسی اور کے پاس چلی جائے تاکہ میرا باپ دین و دنیا کے فتنہ سے بالکلیہ محفوظ ہو جائے۔ یہ تو بیٹی کا حال تھا اور باپ یعنی ابوبکر صدیقؓ کا حال بیعت کے وقت کے خطبہ سے معلوم کرو۔ فرمایا کہ خدا کی قسم میں نے اس امارت و خلافت کی نہ کبھی دل سے تمنا کی اور نہ کبھی زبان سے دعا مانگی مسلمانوں پر فتنہ کے خوف سے اسے قبول کر لیا۔

صدیق اور صدیقہ کی یہی شان ہوتی ہے کہ ان کا دل مال و جاہ کی طمع سے بالکل پاک اور منزہ ہوتا ہے مگر سمجھ لینا چاہئے کہ اللہ کا نبی اور اس کا رسول جس کے امام بنانے پر مصر ہو وہ بالیقین امام المتقین ہوگا اور اس کا ظاہر و باطن امارت اور خلافت کی طمع سے بالکل منزہ ہوگا اور کسی فتنہ کی مجال نہ ہوگی کہ اس کی طرف نظر اٹھا کر بھی دیکھ سکے۔

اللہ کے رسول نے جس شخص کو اپنی جگہ پر کھڑا کر دیا سمجھ لو کہ جو عنایات ربانی اور تائید آسمانی نبی کے ساتھ تھیں وہ اس کے قائم مقام کی بھی ضرور معین اور دستگیر ہوں گی، اس لئے کہ اللہ کا رسول بدون حکم خداوندی اپنا نائب اور قائم مقام نہیں مقرر کر سکتا۔

جس طرح کسی بادشاہ کا اپنی زندگی میں کسی کو اپنا تخت اور چتر سپرد کر دینا اس کو ولی عہد بنانے کے مرادف ہے، اسی

Marfat.com

طرح امام المتقین کا کسی کو اپنے مصلیٰ پر امامت کے لئے کھڑا کر دینا یہ اس کے مرادف ہے کہ یہ شخص اللہ کے رسول کا ولی عہد اور اس کا جانشین ہے۔

شنبہ یا یکشنبہ کو مزاج مبارک کچھ ہلکا ہوا تو حضرت عباس اور حضرت علیؓ کے سہارے آپ ﷺ مسجد میں تشریف لائے، ابوبکرؓ اس وقت ظہر کی نماز پڑھا رہے تھے، آپ ابوبکر کی بائیں جانب جا کر بیٹھ گئے اور باقی نماز لوگوں کو آپ نے پڑھائی، اب آپ امام تھے اور ابوبکر آپ ﷺ کی اقتداء کرنے لگے اور باقی نمازی ابوبکر کی تکبیروں پر نماز ادا کرنے لگے۔

یہ ظہر کی نماز تھی اور حضور پرنور ﷺ کی یہ امامت آخری امامت تھی۔ اس کے بعد مسجد کی حاضری سے بالکلیہ انقطاع ہو گیا اور ام فضل کی روایت جس جو یہ گزرا ہے کہ حضور ﷺ کی آخری نماز مغرب کی نماز تھی اس سے مستقل امامت کی نفی مراد ہے کہ از اول تا آخر جس نماز کی امامت اور قرأت فرمائی وہ مغرب کی نماز ہے۔ ہفتہ کے روز حضرت اسامہ اور دیگر صحابہ جن کو جہاد پر مامور فرمایا تھا آپ سے ملنے کے لئے آئے اور آپ سے رخصت ہو کر روانہ ہوئے۔ مدینہ سے ایک کوس چل کر مقام جرف میں پڑاؤ ڈال، تعمیل ارشاد کے لئے روانہ ہو گئے، مگر آپ کی علالت کی وجہ سے کسی کا قدم نہیں اٹھتا تھا۔ یکشنبہ کو پھر مرض میں شدت ہو گئی۔ حضرت اسامہ یہ خبر سنتے ہی پھر افتاں وخیزاں آپ کو دیکھنے کے لئے مدینہ واپس آئے، دیکھا تو مرض کی شدت ہے۔ آپ بات نہیں کر سکتے۔ حضرت اسامہؓ نے جھک کر پیشانی مبارک پر بوسہ دیا۔ آنحضرت ﷺ نے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے پر اسامہ پر رکھ دیئے۔ اسامہ کہتے ہیں کہ میں سمجھا کہ آپ میرے لئے دعا فرما رہے ہیں۔ بعد ازاں اسامہ جرف میں واپس آ گئے جہاں پڑاؤ تھا۔

ابن سعد طبقات میں اور زرقانی شرح مواہب میں لکھتے ہیں کہ اسی روز یعنی یک شنبہ دن لدود کا واقعہ پیش آیا۔

صحیح بخاری میں عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ مرض کی شدت میں ذات الجنب سمجھ کر ہم نے آپ کے منہ میں دوا ڈالی۔ آپ اشارہ سے منع بھی فرماتے رہے، مگر ہم یہ سمجھے کہ غالباً یہ طبعی ناگواری ہے جیسا کہ مریض عموماً دوا کو پسند نہیں کرتا ہے۔ بعد میں جب آپ کو افاقہ ہوا تو فرمایا: کیا میں نے تم کو منع نہیں کیا تھا۔ تمہاری سزا یہ ہے کہ سب کے منہ میں دوا ڈالی جائے سوائے عباس کے کہ وہ اس میں شریک نہ تھے۔

یوم الوصال

یہ دوشنبہ کا روز ہے جس میں آپ نے اس عالم فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرمائی اور رفیق اعلیٰ سے جا ملے، اسی دوشنبہ کی صبح کو آپ نے حجرہ کا پردہ اٹھایا، دیکھا کہ لوگ صف باندھے ہوئے صبح کی نماز میں مشغول ہیں۔ صحابہ کو دیکھ کر آپ مسکرائے، چہرہ انور کا یہ حال کہ گویا مصحف شریف کا ایک ورق ہے یعنی سپید ہو گیا ہے۔ ادھر صحابہ کی فرط مسرت سے یہ حالت کہ کہیں نماز نہ توڑ ڈالیں۔

صدیق اکبر نے ارادہ کیا کہ پیچھے ہٹیں، آپ نے اشارہ سے فرمایا کہ نماز پوری کرو۔ ضعف اور ناتوانی کی وجہ سے آپ

Marfat.com

زیادہ کھڑے نہ ہو سکے۔ حجرہ کا پردہ ڈال دیا اور اندر واپس تشریف لے گئے۔

آنحضرت ﷺ کا پردہ اٹھا کر نمازیوں کی طرف دیکھنا یہ چہرہ انور کی آخری جلوہ افروزی تھی اور صحابہ کرام کے لئے جمال نبوت کی آخری زیارت کا موقع تھا۔ عشاق کی زبان حال اس وقت یہ شعر پڑھ رہی تھی۔

''میں تو ایک گھڑی ہی کی جدائی کو موت سمجھتا تھا۔ پس اس جدائی کا کیا پوچھنا کہ جہاں لقاء کا وعدہ حشر کے بعد ہو''۔

صدیق اکبرؓ جب صبح کی نماز سے فارغ ہوئے تو سیدھا حجرہ مبارکہ میں گئے اور آپ کو دیکھ کر عائشہ صدیقہؓ سے کہا کہ میں دیکھتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کو اب سکون ہے، جو کرب اور بے چینی پہلے تھی وہ اب جاتی رہی اور چونکہ یہ دن صدیق اکبرؓ کی دو بیبیوں میں اس کی بیوی کی نوبت کا دن تھا جو مدینہ سے ایک کوس کے فاصلے پر رہتی تھی اس لئے آنحضرت ﷺ سے اجازت لے کر وہاں چلے گئے۔

اور ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ صدیق اکبر نے عرض کیا: ''یا نبی اللہ! میں دیکھتا ہوں کہ آپ نے اللہ کی نعمت اور فضل سے اچھی حالت میں صبح کی ہے اور آج میری ایک بیوی حبیبہ بنت خارجہ کی نوبت کا دن ہے۔ اگر اجازت ہو تو وہاں ہو آؤں، آپ نے فرمایا: ہاں چلے جاؤ''۔

اور دوسرے لوگوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کو سکون ہے تو وہ بھی اپنے گھروں کو واپس ہو گئے۔

حضرت علی حجرہ مبارکہ سے باہر آئے۔ لوگوں نے آپ کا مزاج دریافت کیا، حضرت علیؓ نے کہا: بحمد اللہ آپ اچھے ہیں۔ لوگ مطمئن ہو کر منتشر ہو گئے۔ حضرت عباسؓ نے حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑ کر کہا: اے علی! خدا کی قسم تین دن کے بعد تو عبد العصاء (لاٹھی کا غلام) ہو گا یعنی اور کوئی حاکم ہو گا اور تم اس کے محکوم ہو گے۔ خدا کی قسم میں یہ سمجھتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ اس بیماری میں وفات پائیں گے، بہتر ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں دریافت کر لیں کہ آپ کے بعد خلیفہ کون ہو گا، اگر ہم میں سے ہو گا تو معلوم ہو جائے گا، ورنہ آپ اس کو ہمارے بارے میں وصیت فرما دیں گے۔ حضرت علیؓ نے کہا: ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے متعلق انکار فرما دیں تو پھر ہم ہمیشہ کے لئے اس سے محروم ہو جائیں گے۔ خدا کی قسم میں آپ سے اس بارے میں ایک حرف بھی نہ کہوں گا۔

عالم نزع

لوگ تو یہ سمجھ کر کہ آپ کو افاقہ اور سکون ہے منتشر ہو گئے کچھ دیر نہ گزری تھی کہ عالم نزع شروع ہو گیا۔ آپ عائشہ صدیقہؓ کی آغوش میں سر رکھ کر لیٹ گئے۔ اتنے میں حضرت عائشہؓ کے بھائی عبد الرحمٰن بن ابی بکر ہاتھ میں مسواک لئے آئے۔ آپ ان کی طرف دیکھنے لگے، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ کے لئے مسواک لے لوں، آپ نے اشارہ سے فرمایا: ہاں۔ میں نے چبا کر وہ مسواک آپ کو دی۔ اسی وجہ سے عائشہ صدیقہؓ بطور فخر اور بطور تحدیث بالنعمۃ یہ کہا کرتی تھیں کہ اللہ تعالیٰ نے اخیر وقت میں میرا آب دہن آپ کے آب دہن کے ساتھ ملا دیا۔ آپ کی وفات میرے حجرہ میں اور میری

Marfat.com

نوبت کے دن میں اور میرے سینہ اور ہنسلی کے درمیان ہوئی۔

تاریخ وفات

یہ جاں گداز اور روح فرسا واقعہ جس نے دنیا کو نبوت و رسالت کے فیوض و برکات اور وحی ربانی کے انوار تجلیات سے محروم کردیا، بروز دوشنبہ دوپہر کے وقت ۱۲ ربیع الاول کو پیش آیا۔

اس میں تو کسی کو اختلاف نہیں کہ آپ کی وفات ماہ ربیع الاول میں بروز شنبہ کو ہوئی، اختلاف دو امر میں ہے۔ ایک یہ کہ کس وقت وفات ہوئی، دوسرے اس امر میں کہ ربیع الاول کی کون سی تاریخ تھی۔

مغازی ابن اسحاق میں ہے کہ چاشت کے وقت آپ کا وصال ہوا اور مغازی موسیٰ بن عقبہ میں زہری اور عروہ بن زبیرؓ سے مروی ہے کہ زوال کے وقت وصال ہوا، یہی روایت زیادہ صحیح ہے اور یہ اختلاف معمولی اختلاف ہے۔ چاشت اور زوال میں کچھ زیادہ فصل نہیں۔ البتہ تاریخ وفات میں اختلاف شدید ہے۔ مشہور قول کی بناء پر ۱۲ ربیع الاول کو وفات ہوئی۔ موسیٰ بن عقبہ بن سعد اور خوارزمی نے یکم ربیع الاول کو تاریخ وفات بتلایا ہے اور کلبی اور ابو مخنف نے دوم ربیع الاول تاریخ وصال قرار دی ہے۔ علامہ سہیلی نے روض الانف میں اور حافظ عسقلانی نے شرح بخاری میں اسی قول کو مرجح قرار دیا ہے۔

عمر شریف

انتقال کے وقت آپ ﷺ کی عمر شریف تریسٹھ سال کی تھی۔ یہی جمہور کا قول ہے اور یہی صحیح ہے اور بعض پینسٹھ اور بعض ساٹھ بتلاتے ہیں۔

صحابہ کا اضطراب

اس خبر قیامت اثر کا کانوں میں پہنچنا تھا کہ قیامت آگئی، سنتے ہی صحابہ کے ہوش اڑ گئے، تمام مدینہ میں تہلکہ پڑ گیا جو اس جاں گداز واقعہ کو سنتا تھا ششدر و حیران رہ جاتا تھا۔ ذی النورین عثمان غنیؓ ایک سکتہ کے عالم میں تھے۔ دیوار سے پشت لگائے بیٹھے تھے۔ شدت غم کی وجہ سے بات تک نہیں کر سکتے تھے۔ حضرت علیؓ کا یہ حال تھا کہ زار و قطار روتے تھے۔ روتے روتے بیہوش ہو گئے۔ حضرت عباسؓ بھی پریشانی میں سخت بے حواس تھے۔ حضرت عمرؓ کی پریشانی اور حیرانی سب ہی سے بڑھی ہوئی تھی۔ وہ تلوار کھینچ کھڑے ہو گئے اور با آواز بلند یہ کہنے لگے کہ منافقین کا گمان ہے کہ حضور پر نور ﷺ انتقال کر گئے۔ آپ ہرگز نہیں مرے، بلکہ آپ تو اپنے پروردگار کے پاس گئے ہیں جس طرح موسیٰؑ کوہ طور پر خدا تعالیٰ کے پاس گئے اور پھر واپس آ گئے۔ خدا کی قسم آپ بھی اسی طرح ضرور واپس آئیں گے اور منافقوں کا قلع قمع کریں گے۔ حضرت عمر جوش میں تھے۔ تلوار نیام سے نکالے ہوئے تھے۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ یہ کہے کہ آنحضرت ﷺ کا انتقال ہو گیا۔ ابو بکر صدیقؓ وصال کے وقت موجود نہ تھے۔ دوشنبہ کی صبح کو جب دیکھا کہ آپ کو سکون ہے تو عرض کیا! یا رسول اللہ ﷺ بحمد اللہ اب آپ کو سکون ہے۔ اگر اجازت ہو تو گھر ہو آؤں، آپ نے فرمایا: اجازت ہے۔ صدیق اکبرؓ آپ سے اجازت لے کر گھر چلے گئے جو مدینہ سے ایک کوس کے

Marfat.com

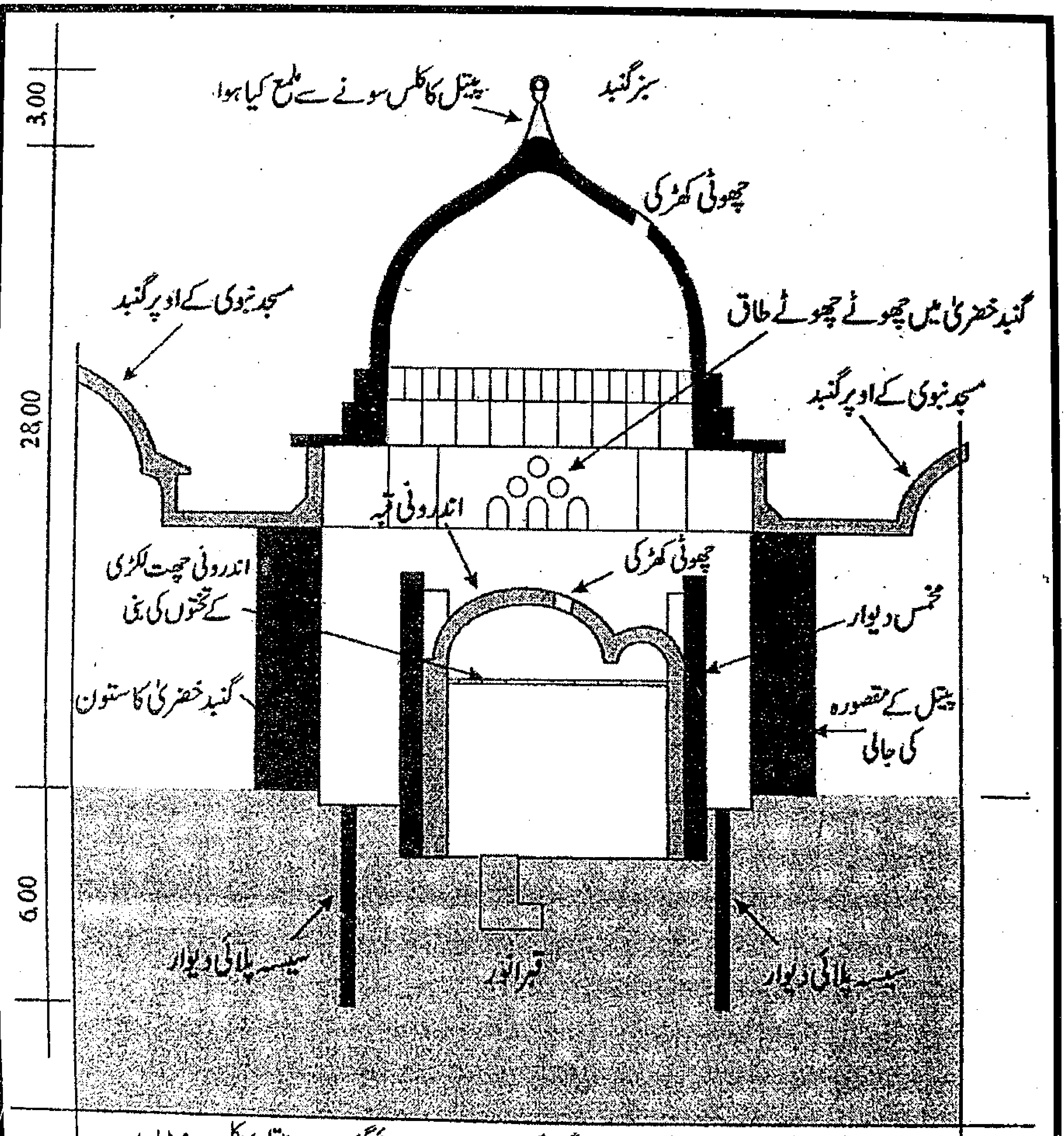

روضہ رسول اور گنبد خضریٰ کا خاکہ جس کی زمین سے گنبد کی بلندی 28 میٹر بتائی گئی ہے اور پیتل کا کلس ۳ میٹر لمبا ہے۔
حجرہ کے گرد سیسہ پلائی کندق کی گہرائی ۶ میٹر ہے۔

Marfat.com

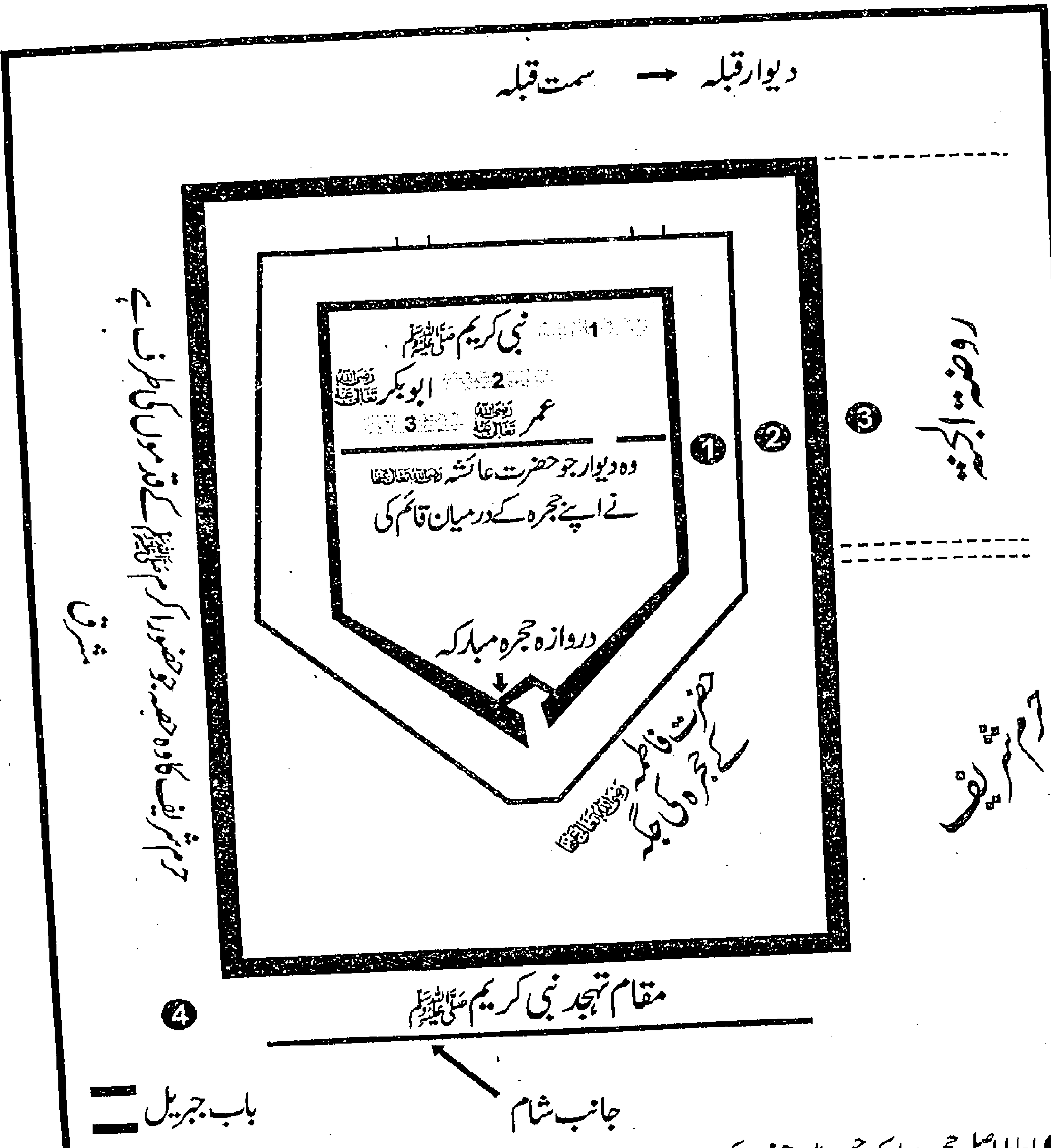

1 احاطہ اصل حجرہ مبارکہ جس میں حضور اکرم ﷺ اپنے دونوں رفیقوں کے ساتھ آرام فرما ہیں۔

2 وہ احاطہ جو قبر مبارکہ کے اطراف میں عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے بنایا۔

3 جالی مبارک جو احاطہ قبور کے چاروں طرف ہے

صُفّہ

4 ازواج مطہرات کے دوسرے حجروں کی جگہ جو ولید بن عبد الملک نے توسیع حرم میں داخل مسجد کی۔

فاصلے پر تھا۔ صدیق اکبرؓ تو گھر چلے گئے اور زوال کے وقت حضور پرنور ﷺ کا وصال ہو گیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو جب اس جاں گداز حادثہ کی خبر پہنچی تو فوراً گھوڑے پر سوار ہر کو مدینہ پہنچے۔ مسجد نبوی کے دروازہ پر گھوڑے سے اترے اور حزین و غمگین حجرہ مبارکہ کی طرف بڑھے اور عائشہ صدیقہؓ سے اجازت لے کر اندر داخل ہوئے۔ آنحضرت ﷺ بستر مبارک پر تھے اور تمام ازواج مطہرات آپ کے گرد بیٹھی ہوئی تھیں۔ ابوبکر صدیقؓ کی آمد کی وجہ سے سوائے عائشہ صدیقہؓ کے سب نے منہ ڈھک لیا اور پردہ کر لیا۔ صدیق اکبرؓ نے چہرہ انور سے چادر کو ہٹایا اور پیشانی مبارک پر بوسہ دیا اور روئے اور یہ کہا: **وا نبیاہ واخلیلاہ واصفیاہ** تین مرتبہ ایسا کیا **کما رواہ احمد وغیرہ۔**

اور کہا: میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں خدا کی قسم اللہ تعالیٰ آپ کو دو مرتبہ موت کا مزہ نہیں چکھائے گا۔ جو موت آپ کے لئے لکھی گئی تھی وہ آ چکی، یہ کہہ کر حجرہ شریفہ سے باہر آئے دیکھا کہ عمر جوش بھرے ہوئے ہیں۔ صدیق اکبرؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ انتقال کر گئے ہیں۔ اے عمر! کیا تو نے اللہ کا یہ قول نہیں سنا **انک میت وانھم میتون۔ وما جعلنا لبشر من قبلک الخلد** ۔ اب تمام لوگ حضرت عمر کو چھوڑ کر صدیق کے پاس جمع ہو گئے۔

صدیق اکبرؓ کا خطبہ

''اما بعد! جو شخص تم میں سے اللہ کی عبادت کرتا تھا سو جان لے کہ تحقیق اللہ زندہ ہے اور اس پر موت نہیں آ سکتی اور اگر بالفرض کوئی شخص محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا تو جان لے کہ محمد ﷺ وفات پا گئے اور نہیں ہیں محمد ﷺ اللہ کے ایک رسول ہیں جن سے پہلے اور بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ سو اگر آپ کا انتقال ہو جائے یا آپ شہید ہو جائیں تو کیا تم دین اسلام سے واپس ہو گا تو ہو اللہ کو ذرہ برابر بھی نقصان نہیں پہنچائے گا اور اللہ عنقریب شکر گزاروں کو انعام دے گا۔

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو مخاطف بنا کر یہ کہا ہے کہ بے شک آپ مرنے والے ہیں اور یہ سب لوگ بھی مرنے والے ہیں۔ ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔ صرف خداوند ذوالجلال والاکرام کی ذات بابرکات باقی رہے گی، ہر نفس موت کا مزہ چکھنے والا ہے۔ قیامت کے دن سب کو اعمال کا پورا پورا اجر ملے گا اور ابوبکر صدیقؓ نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی عمر درازی اور ان کو باقی رکھا، یہاں تک کہ اللہ کے دین کو قائم کر دیا اور اللہ کے حکم کو ظاہر کر دیا اور اللہ کے پیغام کو پہنچا دیا اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاں بلا لیا اور رسول اللہ ﷺ تم کو ایک سیدھے اور صاف راستہ پر چھوڑ کر دنیا سے گئے ہیں۔ اب جو ہلاک اور گمراہ ہو گا وہ حق واضح ہونے کے بعد گمراہ ہو گا۔ پس اللہ تعالیٰ جس کا رب ہو تو سمجھ لیجئے کہ اللہ تعالیٰ تو زندہ ہے اس کو کبھی موت نہیں آ سکتی اور جو شخص محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا اور ان کو خدا جانتا تھا تو جان لے کہ اس کا معبود تو ہلاک ہو گیا۔ اے لوگو! اللہ سے ڈرو اور اللہ کے دین کو مضبوط پکڑو اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھو۔ تحقیق اللہ کا دین قائم اور دائم رہے گا اور اللہ کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا اور اللہ اس شخص کا مددگار ہے جو اس کے دین کی مدد کرے اور اللہ اپنے دین کو عزت اور غلبہ دینے والا ہے

Marfat.com

اور اللہ کی کتاب ہمارے درمیان موجود ہے اور وہی نورِ ہدایت اور شفاء دل ہے۔ اسی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ محمد ﷺ کو راستہ بتلایا اور اس میں اللہ کی حلال و حرام کردہ چیزوں کا ذکر ہے۔ خدا کی قسم ہمیں اس شخص کی ذرہ برابر پرواہ نہیں جو ہم پر فوج کشی کرے، (یہ باغیوں اور مرتدین کی طرف اشارہ تھا)۔ تحقیق اللہ کی تلواریں جو ہمارے ہاتھوں میں ہیں۔ وہ اس کے دشمنوں پرستی ہوئی ہیں، وہ تلواریں ہم نے ابھی تک ہاتھ سے رکھی نہیں اور خدا کی قسم ہم اپنے مخالف سے اب بھی اسی طرح جہاد کریں گے جیسا کہ نبی کریم ﷺ کی معیت میں کیا کرتے تھے۔ پس مخالف خوب سمجھ لیں اور اپنی جان پر ظلم نہ کریں۔

صدیق اکبرؓ کا ان آیات کی تلاوت کرنا تھا کہ یکلخت حیرت کا عالم دور ہو گیا اور غفلت کا پردہ آنکھوں سے اٹھ گیا اور سب کو یقین ہو گیا کہ آنحضرت ﷺ کا وصال ہو گیا۔ اس وقت حالت یہ تھی کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ لوگوں نے اس سے پہلے یہ آیات سنی ہی نہ تھیں۔ جسے دیکھو وہ انہی آیتوں کو پڑھا ہے اور اپنے خیاس سے رجوع کیا۔

شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ فاروق اعظمؓ خوب جانتے تھے کہ آپ پر ایک دن ضرور موت آنے والی ہے لیکن ان کا گمان یہ تھا کہ جو صورتحال پیش آئی ہے وہ موت نہیں، بلکہ کسی باطنی مشغولی کی بناء پر فقط حواسِ ظاہری کا تعطل ہے جیسا کہ حضور پرنور ﷺ کو اثناء وحی میں واقع ہوتا تھا۔ صدیق اکبرؓ نے خطبہ سے فاروق اعظمؓ کا یہ خیال جاتا رہا اور حقیقت حال ان پر منکشف ہوگئی اور اپنے خیال سے رجوع فرمالیا۔ ایسے نازک وقت اور جانکاہ حادثہ میں ایسی ثابت قدمی اور ایسا استقلال صدیق اکبرؓ کا کمال تھا۔

ہم ان کے زور کے قائل ہیں، ہیں وہی شہ زور
جو عشق میں دل مضطر کو تھام لیتے ہیں

اور ایک روایت ہے کہ صدیق اکبرؓ کو جب آنحضرت ﷺ کی وفات کی خبر پہنچی تو فوراً اپنے مسکن سے جو سخ میں تھا روانہ ہو گئے اور کیفیت یہ تھی کہ آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور ہچکیاں بندھی ہوئی تھیں اور سینہ سانس سے پانی کے گھڑے کی طرح ہل رہا تھا۔ اسی حالت میں صلاۃ وسلام پڑھتے ہوئے حجرہ مبارکہ میں داخل ہوئے، مگر باوجود اس بے مثال حزن وملال کے عقل اور گویائی میں ذرہ برابر اختلال نہ تھا۔

آپ کے چہرہ انور کو کھولا اور پیشانی مبارک کو بوسہ دیا اور زار وقطار روتے جاتے تھے اور یہ کہتے جاتے تھے کہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں آپ حیات اور موت دونوں حالتوں میں پاکیزہ رہے۔ آپ کی وفات سے نبوت اور وحی منقطع ہوگئی جو کسی اور نبی کی وفات سے منقطع نہیں ہوئی تھی۔ آپ توصیف سے بالا اور برتر ہیں اور گریہ وزاری سے مستغنی ہیں۔ آپ کی ذات بابرکات اس اعتبار سے خاص اور مخصوص ہے کہ آپ کی وفات سے لوگ تسلی حاصل کریں گے اور آپ عالم بھی ہیں کہ ہم سب آپ کے رنج والم میں برابر ہیں۔ اگر آپ کی موت خود آپ کی اختیار کردہ نہ ہوتی (اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تو آپ کو اختیار دیا تھا مگر آپ نے خود آخرت کو اختیار کیا) تو ہم آپ کی موت کے لئے اپنی جانیں قربان کر دیتے اور اگر آپ ہم کو زیادہ رونے سے منع نہ فرماتے تو ہم آپ کی اپنی آنکھوں کا پانی ختم کر ڈالتے، البتہ دو چیزیں ایسی ہیں کہ ان کا ہٹانا اور مٹانا ہمارے اختیار میں ہیں۔ ایک غمِ فراق اور دوسرے غم میں جس کا لاغر ونحیف ہو جانا۔ یہ دونوں چیزیں باہم ایک دوسرے کی حلیف ہیں ایک

Marfat.com

دوسرے سے جدا نہیں ہوتیں۔ جس کا ایک کثیر حصہ صلاۃ وسلام پر مشتمل تھا اور آپ نے خطبہ میں یہ فرمایا۔

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ نے اپنے نبی سے جو وعدہ کیا تھا وہ سچ کر دکھایا، اس نے اپنے برگزیدہ بندہ کی مدد کی اور کافروں کی جماعتوں کو شکست دی۔ پس حمد اور شکر ہے کہ اس وحدہ لاشریک لہ کا''۔

اور میں شہادت دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول اور آخر نبی ہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ کتاب الہٰی یعنی قرآن کریم اسی طرح موجود ہے جس طرح وہ نازل ہوا تھا اور دین اسی طرح ہے جس طرح مشروع ہوا تھا اور حدیث اسی طرح ہے جس طرح نبی اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے حادث اور ظاہر ہوئی تھی اور قول اسی طرح سے ہے جس طرح آپ نے فرمایا تھا اور اللہ تعالیٰ حق ہے اور حق کو واضح کرنے والا ہے۔

اے اللہ! پس تو اپنی خاص رحمتیں اور عنایتیں نازل فرما محمد ﷺ پر جو تیرے خاص برگزیدہ بندے اور رسول اور نبی اور حبیب اور امین اور بہترین خلائق اور خلاصہ عالم ہے۔ ان پر ایسی بہترین صلاۃ وسلام نازل فرما کہ جو تو نے اپنے کسی خاص بندہ پر نازل فرمائی ہو اور اے اللہ! اپنی صلوات اور عافیت اور رحمت اور برکت نازل فرما سید المرسلین اور خاتم النبیین اور امام المتقین اور قائد خیر اور امام خیر اور رسول رحمت پر۔ اے اللہ! ان کے قرب کو اور زیادہ فرما اور ان کی دلیل اور برہان کو عظیم فرما اور ان کے مقام کو مکرم فرما اور ان کو مقام محمود (مقام شفاعت) میں کھڑا کر کہ جس پر تمام اولین اور آخرین رشک کریں گے اور قیامت کے دن ہم کو ان کے مقام محمود سے نفع دے اور دنیا و آخرت میں آپ ہمارے لئے ان کے عوض اپنی رحمت اور آپ کو جنت میں درجات عالیہ نصیب فرما۔ اے اللہ! محمد اور آل محمد پر اپنی خاص الخاص رحمتیں اور برکتیں نازل فرما جیسے خاص رحمتیں اور برکتیں تو نے ابرہیم اور آل ابراہین پر نازل کیں انک حمید مجید۔ پھر ابوبکر صدیقؓ نے یہ کہا کہ اے لوگو! جو تم میں محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا سو جان لے کہ محمد ﷺ رحلت فرما گئے اور جو اللہ کی عبادت کرتا تھا سو اللہ تعالیٰ حی لا یموت ہے اس پر موت نہیں آسکتی۔ وہ زندہ ہے، مرا نہیں اور حق تعالیٰ نے آپ کی وفات کے متعلق پہلے ہی اشارہ کر دیا تھا۔ لہذا گھبرانے کی ضرورت نہیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے لئے بجاۓ تمہارے اپنے قرب وجوار کو پسند کیا اور دار کرامت کی طرف ان کو بلایا اور ان کے بعد تمہاری ہدایت کے لئے اپنی کتاب اور اپنے نبی کی سنت کو تم میں باقی چھوڑا۔ پس جس نے کتاب اور سنت دونوں کو مضبوط پکڑا، اس نے حق کو پہچانا اور جس نے کتاب وسنت میں تفریق (مثلاً قرآن کو تو مانا اور سنت کو نہ مانا) تو اس نے حق کو نہیں پہچانا۔ اے ایمان والو! حق اور انصاف کے قائم کرنے والے ہو جاؤ اور شیطان لعین تم کو نبی کی موت کی وجہ سے دین سے نہ ہٹا دے، شیطان کے فتنہ میں ڈالنے سے پہلے خیر کو جلد لے لو اور خیر میں سبقت کر کے شیطان کو عاجز اور لاچار بنا دو اور شیطان کو اتنی مہلت نہ دو کہ وہ تم سے آکر ملے اور تم کو کسی فتنہ میں مبتلا کرے۔

صدیق اکبرؓ جب خطبہ سے فارغ ہوئے تو عمر کو مخاطب بنا کر کہا! اے عمر! تو ہی وہ شخص ہے جس کے متعلق مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تو پیغمبر کے دروازہ پر یہ کہتا ہے کہ پیغمبر خدا نہیں مرے، کیا تجھے معلوم نہیں کہ پیغمبر خدا نے اپنی وفات کے متعلق فلاں فلاں دن یہ فرمایا اور خدا تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے۔ انک میت وانھم میتون عمر فرماتے ہیں کہ میرا حال ایسا ہو گویا کہ

Marfat.com

میں نے کتاب اللہ کی یہ آیت اس سے پہلے سنی ہی نہ تھی۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ قرآن اسی طرح ہے جس طرح وہ نازل ہوا اور حدیث اسی طرح ہے جس طرح وہ حادث اور صادر ہوئی اور اللہ تبارک وتعالیٰ حی لا یموت ہے۔ ان للہ وانا الیہ راجعون اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہوں اس کے رسول پر اور ہم اللہ سے امید رکھتے ہیں کہ ہم کو اس مصیبت پر اجر ملے گا"۔

تجہیز وتکفین اور غسل

صدیق اکبرؓ کی بیعت سے فارغ ہونے کے بعد لوگ تجہیز وتکفین میں مشغول ہوئے۔ جب غسل کا ارادہ کیا تو یہ سوال پیدا ہو کہ کپڑے اتارے جائیں یا نہیں، ہنوز ابھی کوئی تصفیہ نہیں ہوا تھا کہ یکلخت سب پر ایک غنودگی طاری ہوگئی اور غیبی طور پر یہ آواز سنائی دی کہ اللہ کے رسول کو برہنہ نہ کرو، کپڑوں ہی میں غسل دو، چنانچہ پیراہن مبارک ہی میں آپ کو نہلایا گیا اور بعد میں وہ نکال لیا گیا۔

حضرت علیؓ غسل دے رہے تھے اور حضرت عباسؓ اور انکے دونوں صاحبزادے فضل اور قثم کروٹیں بدلتے تھے اور اسامہ اور شقران پانی ڈال رہے تھے۔

غسل کے بعد سحول کے بنے ہوئے تین کپڑوں میں آپ کو کفن دیا گیا جس میں قمیض اور عمامہ نہ تھا اور وہ پیراہن جس میں آپ کو غسل دیا گیا اور وہ اتار لیا گیا۔

تجہیز وتکفین کے بعد یہ سوال پیدا ہوا کہ آپ کہاں دفن ہوں۔ صدیق اکبرؓ نے کہا میں آنحضرت ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ پیغمبر اسی جگہ دفن ہوتے ہیں جہاں ان کی روح قبض ہوتی ہے۔

چنانچہ اسی جگہ آپ کا بستر ہٹا کر قبر کھودنا تجویز ہوا، لیکن اس میں باہم اختلاف ہوا کہ کس قسم کی قبر کھودی جائے۔ مہاجرین نے کہ مکہ کے دستور کے مطابق بغلی قبر کھودی جائے انصار نے کہا: مدینہ کے طریقہ پر لحد تیار کی جائے ابوعبیدہ بغلی قبر اور ابوطلحہ لحد کھودنے میں ماہر تھے۔ یہ طے پایا کہ دونوں کو بلانے کے لئے آدمی بھیج دیا جائے، جو شخص پہلے آجائے وہ اپنا کام کرے، چنانچہ ابوطلحہ پہلے آپہنچے اور آپ کے لئے لحد تیار کی۔

اور قبر کو کوہان کی شکل میں بنا دیا گیا جیسا کہ بخاری شریف میں ہے۔

فائدہ

ہر نبی کا مدفن ان کے محل وفات ہونے کا مطلب یہ ہے کہ بہتر یہ ہے کہ محل وفات میں ان کو دفن کیا جائے اور اگر کسی عارض کی وجہ سے دوسری جگہ دفن ہوں تو یہ اور بات ہے۔

نماز جنازہ

سنن ابن ماجہ میں عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ منگل کے روز جب آپ کی تجہیز وتکفین سے فارغ ہوئے تو جنازہ شریف کو قبر کے کنارے رکھ دیا گیا۔ ایک گروہ حجرہ شریفہ میں آتا تھا اور تنہا نماز پڑھ کر باہر واپس آجاتا تھا۔ کوئی کسی کی امامت

Marfat.com

نہیں کرتا تھا۔ الگ الگ بغیر امام کے نماز پڑھ کے واپس آجاتے تھے۔

شمائل ترمذی میں روایت ہے کہ لوگوں نے صدیق اکبرؓ سے دریافت کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے جنازہ کی نماز پڑھی جائے؟ آپ نے فرمایا: ہاں جنازہ پڑھو، لوگوں نے کہا کہ کس طرح، ابوبکر نے کہا: لوگوں کا ایک ایک گروہ حجرہ میں جائے اور تکبیر کہے، پھر درود اور دعا پڑھے اور باہر آجائے، پھر دوسرا گروہ داخل ہو اور اسی طرح تکبیر کہے اور پھر درود اور دعا کے بعد واپس آجائے۔ اسی طرح سب لوگ نماز پڑھیں۔

قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ صحیح یہی ہے کہ آپ پر حقیقتہً نماز جنازہ پڑھی گئی اور یہی جمہور کا مسلک ہے۔ انتھی کلامه اور اسی کو امام شافعی نے "کتاب الام" میں جزم کے ساتھ بیان کیا ہے کہ آپ پر نماز جنازہ پڑھی گئی۔

بعض کہتے ہیں کہ آپ کی نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی، بلکہ لوگ حجرہ شریفہ میں فوج درفوج داخل ہوتے تھے اور صلوٰۃ و سلام اور درود دعا پڑھ کر واپس آجاتے تھے۔

چنانچہ ابن سعدؒ کی ایک روایت میں ہے کہ ابوبکرؓ اور عمرؓ ایک گروہ کے ساتھ حجرہ نبوی میں داخل ہوئے اور جنازہ نبوی کے سامنے کھڑے ہو کر یہ دعا پڑھی: "سلام ہو آپ پر اے اللہ کے نبی ﷺ! اور اس کی رحمتیں اور برکتیں ہوں آپ پر۔ اے اللہ! ہم گواہی دیتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے وہ سب کچھ پہنچا دیا جو اس پر اتارا گیا اور آپ نے امت کی خیر خواہی کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ یہاں تک کہ اللہ نے اپنے دین کو غالب کیا اور اس کا بول بالا ہوا، اے اللہ! ہم کو ان لوگوں میں سے بنا جنہوں نے آپ کی وحی کا اتباع کیا اور ہم آپ کے ساتھ جمع کر، آپ مسلمانوں پر بڑے مہربان تھے۔ ہم اپنے ایمان کو کوئی معاوضہ اور قیمت نہیں چاہتے"۔

لوگوں نے آمین کہی جب مرد فارغ ہو گئے تو عورتوں کے بعد بچوں نے اسی طرح کیا۔

تنبیہ

مسند بزار اور مستدرک حاکم میں ہے کہ آپ نے ایک روز مرض الوفات میں اہل بیت کو حضرت عائشہؓ کے گھر میں بلایا، اہل بیت نے دریافت کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ کے جنازہ کی نماز کون پڑھائے۔ آپ نے فرمایا: جب میری تجہیز و تکفین سے فارغ ہو جاؤ تو تھوڑی دیر کے لئے حجرہ سے باہر چلے جانا۔ سب سے پہلے مجھ پر جبرئیل نماز پڑھیں گے، پھر میکائیل، پھر اسرافیل اور پھر ملک الموت، پھر باقی فرشتے۔ اس کے بعد تم ایک ایک گروہ کر کے اندر آنا اور مجھ پر صلوٰۃ و سلام پڑھنا۔

اس آیت میں ہر مسلمان کو صلوٰۃ و سلام کا فرداً حکم ہے۔ جس طرح آپ کی حیات میں صلوٰۃ و سلام بغیر امام اور بغیر جماعت کے فرض تھا اسی طرح آپ کی وفات کے بعد بھی بغیر کسی جماعت اور امام کے صلوٰۃ و سلام کا فریضہ فرداً فرداً ادا کیا گیا۔

فائدہ

ابن وحیہ فرماتے ہیں کہ تیس ہزار آدمیوں نے آپ کی نماز جنازہ پڑھی۔

Marfat.com

تدفین

دوشنبہ کو دوپہر کے وقت آپ کا وصال ہوا۔ یہ وہی دن اور وہی وقت تھا کہ جب آپ ہجرت کر کے مدینہ میں داخل ہوئے تھے۔ چہارشنبہ شب میں آپ دفن ہوئے۔ جمہور کا یہی قول ہے اور بعض روایات اس بارے میں صریح ہیں جن میں تاویل کی گنجائش نہیں، بعض کہتے ہیں کہ سہ شنبہ کو مدفون ہوئے۔

حضرت علیؓ، حضرت عباسؓ اور ان کے دونوں صاحب زادے فضل اور قثم نے آپ کو قبر میں اتارا، جب دفن سے فارغ ہوئے تو کوہان کی شکل میں آپ ﷺ کی تربت تیار کی اور پانی چھڑکا۔

حضرات صحابہ کرامؓ دفن سے فارغ ہو کر کف افسوس ملتے ہوئے اور خون کے آنسو بہاتے ہوئے اور اس مصیبت کبریٰ پر ان للہ وانا الیہ راجعون پڑھتے ہوئے گھروں کو واپس ہوئے۔

ایمان مجمل و مفصل

عقیدہ

نبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں اسی طرح بہ حیات حقیقی زندہ ہیں، جیسا کے دنیا میں تھے، کھاتے پیتے ہیں، جہاں چاہیں آتے جاتے ہیں۔ تصدیق وعدہ الٰہی کے لیے ایک آن کو ان پر موت طاری ہوئی، پھر زندہ ہو گئے، ان کی حیات شہدا کی حیات سے بہت ارفع واعلیٰ ہے۔ لیکن اس کی کیفیت اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ (زبدۃ الفقہ صفحہ نمبر ۳۲)

حیات نبوی ﷺ

تمام اہل سنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام وفات کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز اور عادت میں مشغول ہیں حضرات انبیاء کرام کی یہ برزخی حیات اگر چہ ہم کو محسوس نہیں ہوتی لیکن بلا شبہ یہ حیات حسی اور جسمانی ہے، اس لئے کہ روحانی اور معنوی حیات تو عامہ مومنین بلکہ ارواح کفار کو بھی حاصل ہے۔

مقتولین صحیحہ اور صریحہ سے ثابت ہے کہ مردے سنتے ہیں مگر جواب نہیں دے سکتے مقتولین بدر سے آپ کا خطاب فرمانا صحیحین اور تمام کتب حدیث میں مذکور اور مشہور ہے۔ نیز حدیث میں ہے کہ: **مامن احد یمر بقبر اخیه المؤمن کان یعرفه فی الدنیا فیسلم علیه الاعر فه ورد علیه السلام رواه ابن عبد البر و صححه ابو محمد عبد الخالق وقال ﷺ ان المیت یعرف من یغسله ویحمله ویدلیه فی قبره رواه احمد وغیره**

''جو شخص اپنے مومن بھائی کی قبر پر گزرے جس کو مرنے سے پہلے وہ دنیا میں پہچانتا تھا اور اس پر سلام کرے تو وہ مردہ بھی اس کو پہچانتا ہے اور اس کے سلام کا جواب بھی دیتا ہے، اس حدیث کو حافظ ابن عبد البر نے روایت کیا اور شیخ عبد الخالق نے اس کو صحیح بتایا، نیز نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ تحقیق میت اس شخص کو پہچانتا ہے جو اس کو غسل دے اور اس کو اٹھائے اور اس کو قبر میں اتارے۔ اس حدیث کو امام احمد وغیرہ نے روایت کیا ہے''

Marfat.com

مسند ابی یعلی میں انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: الا نبیاء احیاء فی قبور ھم یصلون.

''انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز و نیاز میں مشغول ہیں''

شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے اس حدیث کو حسن فرمایا اور علامہ مناوی ''فیض القدیر شرح جامع الصغیر'' میں فرماتے ہیں کہ ھذا حدیث صحیح اور علامہ سیوطی مرقاۃ الصعود حاشیہ سنن ابوداؤد میں فرماتے ہیں کہ حیاۃ انبیاء کے بارے میں احادیث درجہ تواتر کو پہنچی ہیں۔ اور انباہ الاذکیاء بحیاۃ الانبیاء میں فرماتے ہیں۔

حیات النبی ﷺ فی قبرہ ھو وسائر الانبیاء معلومة عندنا علما قطعیا لما قام عندنا من الادلة فی ذلک و تواترت به الخبار الدالة علی ذلک

''نبی کریم ﷺ کی حیات اپنی قبر مطہر میں اور تمام انبیاء کرام کی حیات اپنی اپنی قبر میں علم قطعی اور یقینی سے معلوم ہے، اس لئے کہ حیات انبیاء دلائل سے ثابت ہے اور احادیث متواترہ اس پر شاہد ہیں''

جمعہ کے دن تم مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو، کیونکہ تمہارا درود میرے سامنے کیا جاتا ہے، صحابہ نے عرض کیا: **کیف تعرض صلاتنا علیک وقد ازمت یقولون بلیت فقال ان اللہ حرم علی الارض ان تأکل اجساد الانبیاء اخرجه ابو داؤد و قال البیھقی له شواھد و قال العلامة القاری رواہ ابن حبان فی صحیحه و الحاکم و صححه و قال النووی اسنادہ صحیح.**

''ہمارا صلوٰۃ وسلام آپ پر کیسے پیش ہوگا حالانکہ وفات کے بعد آپ کا جسم بوسیدہ اور ریزہ ریزہ ہو چکا ہوگا، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا کہ وہ انبیاء کے اجسام کو کھائے۔ اس حدیث کو ابوداؤد نے روایت کیا، امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے اور بھی شواہد ہیں اور یہ حدیث صحیح ہے''۔

صحابی کا یہ سوال اور آنحضرت ﷺ کا یہ جواب اس امر کی صریح دلیل ہے کہ حیات سے جسمانی حیات مراد ہے، محض روحانی حیات مراد نہیں، ورنہ اگر فقط روح مبارک پر درود کا معروض ہونا مراد ہوتا تو صحابہ کرام کا یہ سوال وقد ارمت کہ آپ کا جسم تو وفات کے بعد بوسیدہ ہو جائے اور پھر حضور پرنور ﷺ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر اجساد انبیاء کو حرام کر دیا ہے، سب بے معنی ہو جائے، محض روح پر اعمال پیش ہونے کے لئے جسم کا محفوظ رہنا ضروری نہیں، آپ جواب میں یہ فرما دیتے کہ تمہیں جسم سے کیا بحث، تمہارا صلوٰۃ وسلام تو میری روح پر پیش ہوگا، محض روح پر اعمال کا پیش ہونا انبیاء کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ احادیث صحیحہ سے یہ امر ثابت ہے کہ مردہ کلام وسلام کو سنتے ہیں اور بعض ایام میں ان پر ان کے اقارب کے اعمال پیش ہوتے ہیں جیسا کہ شرح الصدور فی احوال الموتی والقبور للعلامۃ السیوطی میں اس پر مفصل کلام کیا ہے، روح متصل بالجسد پر قبر میں امت کے اعمال کا پیش ہونا یہ نبی کریم ﷺ کی خصوصیت ہے۔ (ھذا توضیح ماقاله العالمة القاری فی شرح المشکوٰۃ)

اور سنن ابن ماجہ میں ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہ جمع کے روز خاص طور پر مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو، جمعہ کے دن یوم مشہود ہے جس میں ملائکہ اللہ بکثرت حاضر ہوتے ہیں۔ جو شخص بھی مجھ پر درود پڑھے گا وہ مجھ پر پیش کیا جائے گا،

Marfat.com

ابوالدرداء کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا۔

(و بعد الموت قال ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء فنبی اللہ حی یرزق. رواہ ابن ماجہ قال الدمیری رجالہ ثقات کذا فی فیض القدیر)

''کیا بعد موت کے بھی آپ پر ہمارا درود پیش ہوگا۔ آپ نے فرمایا: تحقیق اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کے اجسام کو کھائے۔ پس اللہ کا ہر نبی قبر میں زندہ ہے اور اللہ کی طرف سے اس کو رزق دیا جاتا ہے''۔

واما ادلۃ حیاۃ الانبیاء فمقتضاھا حیاۃ الابدان کحالۃ الدنیا مع الاستغناء عن الغذاء ومع قوۃ النفوذ فی العالم وقد اوضحنا المسئلۃ فی کتابنا المسمی بالو فالما الحضرۃ المصطفی ﷺ.

''حیاۃ الانبیاء کے تمام دلائل کا مقتضیٰ یہ ہے کہ حضرات انبیاء اپنے ابدان اور اجساد مطہرہ کے ساتھ زندہ ہیں، جس طرح دنیا میں ابدان کے ساتھ زندہ تھے یعنی یہ آپ کی حیات برزخیہ حیات جسمانی ہونے میں حیات دنیویہ کے مماثل اور مشابہ ہے۔ فرق یہ ہے کہ عالم برزخ میں باوجود حیات جسمانی ہونے کے غذاء سے مستغنی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے نفوذ کی قوت عطا فرمائی ہے اور ہم نے اس مسئلہ کی پوری توضیح اپنی کتاب الوفاء میں کی ہے''۔

ایک شبہ

شبہ یہ ہے کہ قرآن کریم صراحۃً آپ کی موت کی متعلق ناطق ہے انک میت وانھم میتون ۔ اور حضور پر نور ﷺ کا ارشاد ہے: انی رجل مقبوض ۔ اور صدیق اکبرؓ نے وفات کے دن یہ خطبہ دیا: فان محمد ا قدمات ۔ جس کو تمام صحابہ نے تسلیم کیا۔ پھر حیات نبوی کے کیا معنی؟

جواب

آنحضرت ﷺ نے بحکم کل نفس ذائقۃ الموت ۔ تھوڑی دیر کے لئے موت کا مزہ چکھا اور پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو زندہ کر دیا اور زمین پر آپ کے جسم کو کھانا حرام کیا، پس آپ اب حیات جسمانی کے ساتھ زندہ ہیں اور آپ کی حیات حیات شہداء سے کہیں اکمل اور افضل ہے۔

قال الامام البیھقی فی کتاب الاعتقاد الانبیاء علیھم الصلوۃ والسلام بعد ما قبضوا ردت الیھم ارواحھم فھم احیاء عند ربھم کالشھداء

''امام بیہقی کتاب الاعتقاد میں فرماتے ہیں کہ حضرات انبیاء کی ایک مرتبہ قبض روح کے بعد پھر ان کی ارواح ان کے ابدان میں واپس کر دی گئیں، پس انبیاء کرام حق تعالیٰ کے پاس شہداء کی طرح (بلکہ ان سے بڑھ کر) زندہ ہیں''۔

اور حیات شہداء کے متعلق علامہ آلوسیؒ روح المعانی میں فرماتے ہیں۔

واختلف فی ھذہ الحیاۃ فذھب کثیر من السلف الی انھا حقیقۃ بالروح والجسد ولکننا لا ندر کھا فی

Marfat.com

هذه النشاة استدلوا بسياق قوله تعالیٰ عند ربهم یرزقون وبان الحیاة الروحانی التی لیست بالجسد لیست من خواصهم فلا یکون لهم امتیاز بذلک علی من عداهم وذهب البعض الی انها روحانیه

''حیات شہداء کی حقیقت میں علماء کا اختلاف ہے، جمہور سلف کا مسلک یہ ہے کہ یہ حیات جسم اور روح کے ساتھ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ شہداء کو خدا کے پاس رزق دیا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ رزق جسم کے لئے ہوتا ہے، نیز حیات روحانیہ شہداء کے ساتھ مخصوص نہیں، روحانی حیات تو تمام مردوں کو حاصل ہے خواہ مومن ہوں یا کافر، پس آیت بل احیاء سے جسمانی حیات مراد نہ ہو بلکہ روحانی حیات مراد ہو تو پھر شہداء کا امتیاز اور خصوصیت کیا ہوئی۔ حالانکہ مقصود آیت سے شہداء کا امتیاز اور ان کی خصوصیت کا بیان کرنا ہے کہ جو ان کے ساتھ مخصوص ہو اور دوسروں میں وہ خصوصیت نہ پائی جائے اور ظاہر ہے کہ وہ خصوصیت اور امتیاز حیات جسمانی ہے اور بعض علماء ادھر گئے ہیں کہ شہداء کی حیات روحانی ہے''۔

علامہ سبکیؒ فرماتے ہیں کہ یہ ناممکن ہے کہ شہید کو نبی سے بڑھ کر کوئی اعلیٰ اور ارفع مرتبہ حاصل ہو سکے، نیز شہداء کو یہ مرتبہ عالیہ (یعنی حیات جسمانی) کا مرتبہ نبی کی شریعت اور ملت کی حفاظت میں جانبازی اور سرفروشی کے صلہ میں ملا ہے، پس قیامت تک جو خدا کی راہ میں جہاد کرے گا اور شہید ہوگا، تو ان تمام شہداء کا اجر نبی کریم ﷺ کے نامہ اعمال میں ثبت ہوگا اور آپ کا مقام ان تمام شہدء سے باعتبار حیات کے سب سے اعلیٰ وارفع ہوگا، اس لئے کہ دین کا سنگ بنیاد رکھنے والے حضور انور ﷺ ہیں۔ لہذا آپ کی تنہا شہداء عالم کی حیات سے زیادہ قوی اور بلند ہوگی۔ نیز یہ کہ نبی کریم ﷺ شہید بھی ہیں۔ چنانچہ شیخ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ شاذ و نادر ہی کوئی نبی ایسا ہوگا کہ جہاں نبوت کے ساتھ شہادت جمع نہ کی گئی ہو، پس انبیاء کرام نبی ہونے کے اعتبار سے بھی زندہ ہیں اور شہید ہونے کے اعتبار سے بھی کیونکہ **ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربهم** کے عموم میں داخل ہیں۔

اور ہمارے نبی اکرم ﷺ نے بحالت شہادت وفات پائی، اس لئے کہ آپ کی وفات اس زہر کے اثر سے ہوئی ہے کہ جو یہود نے خیبر میں آپ کو دیا تھا۔

اخرج احمد و ابو یعلی والطبرانی والحاکم والبیهقی عن ابن مسعود قال لان احلف تسعا ان رسول اللہ ﷺ قتل قتلا احب الی من ان احلف واحدة انه لم یقتل وذلک ان اللہ اتخذه نبیا واتخذه شهیدا.

''امام احمد اور ابو یعلی اور طبرانی اور حاکم اور بیہقی روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود کہتے تھے کہ نو مرتبہ یہ قسم کھاؤں کہ رسول اللہ ﷺ مقتول ہوئے، یہ بہتر ہے اس سے کہ میں ایک مرتبہ یہ قسم کھاؤں کہ نبی اکرم ﷺ مقتول نہیں ہوئے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبی بھی بنایا اور شہید بھی بنایا''۔ بلکہ آنحضرت ﷺ تو سید الشہداء ہیں۔ تمام شہداء کے اعمال آپ کے نامہ اعمال اور میزان میں ہیں پس آپ کی حیات تمام شہداء کی حیات سے اکمل اور قوی ہوگی۔

علامہ شہاب خفاجی فرماتے ہیں:

Marfat.com

الانبیاء والشهداء احیاء و حیاة الانبیاء اقوی اذالم یسلط علیهم الارض فهم کالنائمین والنائم لا یسمع ولا ینطق حتی یتنبه حاشیه حیاة الانبیاء للبیهقی.

''انبیاء اور شہداء یہ دونوں گروہ اپنی قبروں میں زندہ ہیں، لیکن انبیاء کی حیات شہداء کی حیات سے بہت زیادہ قوی ہے اور جب زمین کو انبیاء کرام کے اجسام مبارکہ پر مسلط نہیں کیا اور انبیاء کے اجساد مطہرات بعینہ محفوظ ہیں تو سمجھ لو کہ انبیاء کرام بمنزلہ سونے والوں کے ہیں اور سونے والا حالت نوم میں سننے اور جواب دینے سے معطل رہتا ہے، جب تک وہ کسی کی طرف متوجہ نہ ہو''۔

خدا کی عظمتیں کیا ہیں

خدا کی عظمتیں کیا ہیں محمد مصطفےٰ جانے
مقام مصطفیٰ کیا ہے محمد کا خدا جانے

صدا کرنا میرے بس میں تھا میں نے تو صدا کر دی
وہ کیا دیں گے میں کیا لوں گا سخی جانے گدا جانے

مریض مصطفیٰ ہوں میں طبیبو چھیڑو نہ مجھ کو
مدینے مجھ کو پہنچا دو تو پھر دار الشفاء جانے

میری مٹی مدینے پاک کی راہ میں بچھا دینا
کہاں لے جائے گی اس کو مدینے کی ہوا جانے

کہا جبریل نے سدرہ تلک میری رسائی ہے
ہیں کتنی منزلیں آگے نبی جانے خدا جانے

ڈراتا کیوں ہے اے واعظ عذاب قبر سے مجھ کو
وہاں سرکار آئیں گے خطا جانے عطا جانے

مدینے پاک کی تم مانگتے رہنا دعا یارو
اثر ہوگا نہیں ہوگا نبی جانے دعا جانے

ہمیں تو سرخرو ہونا ہے آقا کی نگاہوں میں
زمانے کا ہے کیا ناصر برا جانے بھلا جانے

سید ناصر چشتی

Marfat.com

باب: سوئم

خلفاء راشدین رضی اللہ عنہ

Marfat.com

خلفاء راشدینؓ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

نام ونسب

آپ رضی اللہ عنہ کا نام عبداللہ بن ابوقحافہ بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ ہے۔ مرہ پر آپ آنحضرت ﷺ کے نسب پر مل جاتے ہیں اور باعتبار مراتب آباایک ہی درجہ میں ہیں کیونکہ دونوں میں مرہ تک چھ چھ پشتوں کا فاصلہ ہے۔ آپؓ کی والدہ کا نام سلمیٰ بنت صخر بن کعب بن سعد ہے۔ یہ ابوقحافہ کی چچازاد بہن تھیں اور ام الخیر کے نام سے مشہور تھیں۔ آپ کے والد ابوقحافہؓ کا نام عثمان ہے، آپ کو زمانہ جاہلیت میں عبدالکعبہ کہا جاتا تھا، آنحضرت ﷺ نے آپ کا نام عبداللہ رکھا۔ آپ کا نام عتیق بھی تھا۔ مگر جلال سیوطیؒ تاریخ الخلفاء میں لکھتے ہیں کہ جمہور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ عتیق آپ کا نام نہ تھا بلکہ لقب تھا۔ اس لئے کہ حدیث شریف کے موافق نار دوزخ سے عتیق یا آزاد تھے۔ بعض نے کہا کہ حسن و جمال کے سبب آپ کا نام عتیق مشہور ہوا۔ بعض کا قول ہے کہ چونکہ آپ کے نسب میں کوئی بھی ایسی بات نہیں جو عیب سمجھی جاسکے پس سلسلہ نسب کے بے عیب ہونے کے سبب آپ کا نام عتیق مشہور ہوا۔

تمام امت محمدی کا اس پر تفاق ہے کہ آپ کا لقب صدیق ہے۔ کیونکہ آپ نے بے خوف ہو کر آنحضرت ﷺ کی بلا تامل تصدیق فرمائی اور صدق کو اپنے اوپر لازم کیا۔ معراج کے متعلق بھی آپ نے کفار کے مقابلے میں ثابت قدمی دکھلائی اور آنحضرت ﷺ کے اقوال کی تصدیق فرمائی۔ آپؓ آنحضرت ﷺ سے دو سال دو مہینے چھوٹے تھے۔ لیکن بعض لوگوں نے کہا ہے کہ آپ آنحضرت ﷺ سے بڑے تھے۔ آپ مکہ میں پیدا ہوئے وہیں پرورش پائی۔ تجارت کی غرض سے آپ باہر سفر میں بھی جایا کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کے ساتھ آپ نے مکہ سے مدینے کی طرف ہجرت فرمائی اور مدینہ میں ہی داعی اجل کو لبیک کہا۔

عہد جاہلیت

زمانہ جاہلیت میں قریش کی شرافت وحکومت دس خاندانوں میں منحصر و منقسم تھی۔ ان معزز سردار خاندانوں کے نام یہ ہیں:

۱۔ ہاشم ۲۔ امیہ ۳۔ نوفل ۴۔ عبدالدار ۵۔ اسد ۶۔ تیمیب ۷۔ مخزوم ۸۔ عدی ۹۔ جمح ۱۰۔ سہم

ان میں بنو ہاشم کے متعلق سقایت یعنی حاجیوں کو پانی پلانا۔ بنو نوفل کے متعلق بے زاد حاجیوں کو توشہ دینا اور زاد سفر دینا تھا۔ بنو عبدالدار کے پاس خانہ کعبہ کی کنجی اور دربانی تھی۔ بنو اسد کے متعلق مشورہ اور دارالندوہ کا اہتمام تھا۔ بنو تیم کے متعلق خوں بہا اور تاوان کا فیصلہ تھا۔ بنو عدی کے متعلق سفارت اور قومی مفاخرت کا کام تھا۔ بنو جمح کے پاس شگون کے تیر تھے۔ سہم کے متعلق بتوں کا چڑھاوا رہتا تھا۔ جو تیم میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خوں بہا اور تاوان کا فیصلہ کرتے تھے جس

Marfat.com

ابوبکر صدیق رضی اللہ نہ مان لیتے، تمام قریش اس کو تسلیم کرتے اگر کوئی دوسرا اقرار کرتا تو کوئی بھی اس کا ساتھ نہ دیتا تھا۔ اسی طرح بنوعدی میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سفارت کی خدمت انجام دیتے تھے اور میدان جنگ میں بھی سفیر بن کر جاتے اور مقابلہ میں قومی مفاخر بیان کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ علاوہ اس شرف وفضیلت کے کہ وہ اپنے قبیلے کے سردار اور منجملہ دس سرداران قریش میں بڑے بامروت اور لوگوں پر احسان کرنے والے تھے۔ مصائب کے وقت صبر واستقامت سے کام لیتے اور مہمانوں کی خوب مدارات وتواضع بجالاتے۔ لوگ اپنے معاملات میں آپ سے آکر مشورہ لیا کرتے اور آپ کو اعلیٰ درجے کا صائب الرائے سمجھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ابن الدغنہ رضی اللہ آپ کو راستے سے جب کہ آپ مکہ سے رخصت ہو چکے تھے واپس لے آیا تھا۔ آپ انساب اور اخبار عرب کے بڑے ماہر تھے۔ آپ طبعاً برائیوں اور کمینہ خصلتوں سے محترز رہتے تھے۔ آپ نے جاہلیت ہی میں اپنے اوپر شراب حرام کر لی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے کسی نے پوچھا کہ آپ نے کبھی شراب پی ہے؟ آپ نے فرمایا نعوذ باللہ کبھی نہیں۔ اس نے پوچھا کیوں؟ آپ نے فرمایا میں نہیں چاہتا تھا کہ میرے بدن میں سے بو آئے اور مروت زائل ہو جائے۔ یہ گفتگو آنحضرت ﷺ کی مجلس میں روایت ہوئی تو آپ ﷺ نے دو مرتبہ فرمایا کہ ابوبکرؓ سچ کہتے ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ خیر مجسم، بے عیب، سلیم الطبع اور حق پسند وحق پرور تھے۔ یہی سبب تھا کہ جب آنحضرت ﷺ نے آپ کو دعوت اسلام پیش کی تو آپ نے کچھ بھی پس وپیش نہ کیا، فوراً قبول کر لیا اور نصرت وامداد کا وعدہ فرمایا۔ پھر وعدہ کو نہایت خوبی کے ساتھ پورا کر دکھایا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ بجز ابوبکر صدیقؓ کے جس کو میں نے اسلام کی دعوت دی اس نے کچھ نہ پس وپیش کیا۔

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ بجز نبی کے اور کسی پر جو ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بہتر ہو آفتاب طلوع نہ ہوا۔ چونکہ آپ قریش میں ہر دل عزیز تھے اس لئے بہت سے لوگ آپ کے سمجھانے سے ایمان لے آئے۔ جن میں عثمان بن عفان، طلحہ بن عبداللہ اور سعد بن وقاص رضی اللہ عنہم جیسے حضرات شامل تھے۔

عہد اسلام

حضرت ابوبکر صدیقؓ سب سے پہلے آنحضرت ﷺ پر ایمان لائے۔ جس شخص نے سب سے پہلے آنحضرت ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی وہ ابوبکر صدیقؓ تھے۔ میمون بن مہران سے کسی نے پوچھا کہ آپ کے نزدیک علیؓ افضل ہیں یا ابوبکر صدیقؓ؟ انہوں نے یہ سن کر سخت غصہ کیا اور فرمانے لگے مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ میں ان دونوں میں موازنہ کئے جانے کے وقت تک زندہ رہوں گا۔ ارے یہ دونوں اسلام کے لئے بمنزلہ سر کے تھے۔ مردوں میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ ایمان لائے اور لڑکوں میں سب سے پہلے علیؓ ایمان لائے۔ عورتوں میں سب سے پہلے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ایمان لائی تھیں۔

علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ آنحضرت ﷺ کی اجازت کے بغیر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کبھی رسول اللہ ﷺ کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ آپ نے اپنے اہل وعیال کو چھوڑ کر اللہ اور رسول کی محبت میں ہجرت کی، غار میں رسول اللہ ﷺ کا ساتھ دیا۔

Marfat.com

لڑائیوں میں آپ ﷺ کے ساتھ رہے۔ جنگ بدر میں آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت علیؓ سے فرمایا کہ تم میں سے ایک کے ساتھ جبرائیل ہے، دوسرے کے ساتھ میکائیل، جنگ بدر میں عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ مشرکین کے لشکر میں شامل تھے۔ جب وہ مسلمان ہوگئے تو انہوں نے اپنے والد ماجد یعنی ابوبکر صدیقؓ سے کہا کہ بدر کے روز آپ کئی مرتبہ میرے تیر کی زد میں آئے مگر میں نے اپنا ہاتھ روک لیا۔ آپ نے فرمایا اگر مجھے ایسا موقع ملتا تو میں تجھے بغیر نشانہ بنائے نہ رہتا۔

شجاعت

حضرت علیؓ نے ایک مرتبہ لوگوں سے سوال کیا کہ تمہارے نزدیک شجاع ترین کون شخص ہے؟ سب نے عرض کیا، آپؓ نے فرمایا میں ہمیشہ اپنے برابر کے جوڑے سے لڑتا ہوں۔ یہ کوئی شجاعت نہیں۔ تم شجاع ترین شخص کا نام لو، سب نے کہا ہمیں معلوم نہیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ شجاع ترین حضرت ابوبکر صدیقؓ ہیں۔ یوم بدر میں ہم نے رسول اللہ ﷺ کے لئے ایک سائبان بنایا تھا۔ قسم اللہ کی ہم میں سے کسی شخص کی ہمت نہ پڑی، مگر ابوبکر صدیقؓ ننگی تلوار لئے کھڑے ہوگئے اور کسی کو پاس نہ پھٹکنے دیا اور جس شخص نے آپ پر حملہ کیا ابوبکر صدیقؓ اس پر حملہ آور ہوئے۔

ایک دفعہ مکہ مکرمہ میں مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کو پکڑ لیا اور آپ ﷺ کو گھسیٹنے لگے اور کہنے لگے کہ تو ہی ہے جو ایک اللہ بتاتا ہے۔ واللہ کسی کو کفار کے مقابلے میں جرأت نہ ہوئی۔ مگر ابوبکر صدیقؓ آگے بڑھے وہ کفار کو مار مار کر ہٹاتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ ہائے افسوس تم ایسے شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا اللہ ایک ہے۔ یہ فرما کر حضرت علیؓ رو پڑے اور فرمانے لگے بھلا یہ تو بتاؤ مومن آل فرعون اچھے ہیں یا ابوبکر صدیقؓ لیکن جب لوگوں نے جواب نہ دیا تو فرمایا جواب کیوں نہیں دیتے، واللہ ابوبکر صدیقؓ کی ساعت ان کی ہزار ساعت سے بہتر ہے وہ تو ایمان کو چھپاتے تھے اور ابوبکر صدیقؓ نے ایمان کو ظاہر کیا۔

سخاوت

آپ صحابہ کرام میں سب سے زیادہ سخی تھے۔ (**وسیجنبھا الاتقی الذی یوتی مالہ یتزکی**) کے شان نزول آپ ہی ہیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جتنا مجھے ابوبکر صدیقؓ کے مال سے نفع پہنچا ہے کسی کے مال سے نہیں پہنچا۔ حضرت ابوبکر صدیق ﷺ رو کر فرمانے لگے کہ میں اور میرا مال کیا چیز ہے جو کچھ ہے سب آپ ﷺ ہی کے طفیل ہے۔
ایک اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے مال میں ویسا ہی تصرف فرماتے تھے جیسے اپنے مال میں۔
جس روز حضرت ابوبکر صدیقؓ ایمان لائے ہیں اس روز ان کے پاس چالیس ہزار درہم تھے آپ نے وہ سب کے سب آنحضرت ﷺ پر خرچ کر دیئے۔ ایک روز حضرت عمر فاروقؓ جیش عسرت یا جنگ تبوک کے چندہ کا تذکرہ فرما کر کہنے لگے آنحضرت ﷺ نے جب ہمیں مال تصدق کرنے کا حکم دیا تو میں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے بڑھ کر مال تصدق کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا اور اپنا نصف مال تصدق کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے دریافت کیا کہ اپنے اہل وعیال کے واسطے کچھ چھوڑا ہے؟

Marfat.com

میں نے عرض کیا کہ باقی نصف۔ اتنے میں ابوبکر صدیقؓ اپنا سارا مال لئے ہوئے آ گئے، آنحضرت ﷺ نے ان سے بھی وہی سوال کیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ اہل وعیال کے لئے اللہ اور رسول اللہ ﷺ کافی ہیں۔ میں نے یہ دیکھ کر کہا کہ میں ابوبکر صدیقؓ سے کسی بھی بات میں نہ بڑھ سکوں گا۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں سب کا احسان اتار چکا ہوں۔ البتہ ابوبکر صدیقؓ کا احسان باقی ہے۔ اس کا بدلہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ دے گا۔ کسی شخص کے مال سے مجھے اتنا فائدہ نہیں پہنچا جتنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مال سے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی شان میں اتاری گئی قرآنی آیات

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا قف يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِىْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِى التَّوْرٰةِ صلے وَمَثَلُهُمْ فِى الْاِنْجِيْلِ قف كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ٥

ترجمہ: محمد رسول اللہ کا اور جو لوگ اُسکے ساتھ ہیں زور آور ہیں کافروں پر۔ نرم دل ہیں آپس میں۔ تو دیکھا اُنکو رکوع میں اور سجدہ میں ڈھونڈتے ہیں اللہ کا فضل اور اُسکی خوشی۔ نشانی اُنکی اُنکے منہ پر ہے سجدہ کے اثر سے یہ شان ہی اُنکی تورات میں اور مثال ان کی انجیل میں۔ جیسے کھیتی نے نکالا اپنا پٹھا پھر اُسکی کمر مضبوط کی پھر موٹا ہوا پھر کھڑا ہو گیا اپنی نال پر۔ خوش لگتا ہے کھیتی والوں کو تا کہ جلائی اُن سے جی کافروں کا وعدہ کیا ہے اللہ نے ان مر جی حقین لائے ہیں اور کئے ہیں بھلے کام معافی کا اور بڑے ثواب کا۔

(سورۃ الفتح آیت نمبر ۲۹)

آنحضرت ﷺ اور صحابہ کفار پر سخت ہیں

یعنی کافروں کے مقابلہ میں سخت مضبوط اور قوی، جس سے کافروں پر رعب پڑتا اور کفر سے نفرت و بیزاری کا اظہار ہوتا ہے۔ قال تعالیٰ "وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً" (توبہ رکوع ۱۶) وقال تعالیٰ وَاغْلُظْ عَيْهِم" (توبہ رکوع ۱۰) وقالی تعالیٰ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيقَنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِيْنَ (مائدہ۔ رکوع ۸) حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ جو تندی اور نرمی اپنی خوہوہ سب جگہ برابر چلے اور جو ایمان سے سنور کر آئے وہ تندی اپنی جگہ اور نرمی اپنی جگہ "علماء نے لکھا ہے کہ کسی کافر کے ساتھ احساس اور حسن سلوک سے پیش آنا اگر مصلحت شرعی ہو۔ کچھ مضائقہ نہیں۔ مگر دین کے معاملہ میں وہ تم کو ڈھیلا نہ سمجھے۔

آپس میں نرم دل

یعنی اپنے بھائیوں کے ہمدرد و مہربان، اُنکے سامنے نرمی سے جھکنے والے اور تواضع و انکسار سے پیش آنے والے "حدیبیہ" میں صحابہ کی یہ دونوں شاخیں چمک رہی تھی اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ"۔

Marfat.com

صحابہ کرامؓ کے صفات حسنہ

یعنی نمازیں کثرت سے پڑھتے ہیں ۔ جب دیکھو رکوع وسجود میں پڑے ہوئے اللہ کے سامنے نہایت اخلاص کے ساتھ وظیفہ عبودیت ادا کررہے ہیں ۔ ریاء ونمود کا شائبہ نہیں ۔ بس اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کی تلاش ہے ۔

یعنی نمازوں کی پابندی خصوصاً تہجد کی نماز سے اُن کے چہروں پر خاص قسم کا نور اور رونق ہے ۔ گویا خشیت وخشوع اور حسن نیت واخلاص کی شعاعیں باطن سے پھوٹ پھوٹ کر ظاہر کو روشن کررہی ہیں ۔ حضرت کے اصحاب اپنے چہروں کو نور اور متقیانہ چال ڈھال سے لوگوں میں الگ پہچانے جاتے تھے ۔

صحابہ کرامؓ کا پچھلی کتابوں میں تذکرہ

یعنی پہلی کتابوں میں کاتم الانبیاء ﷺ کے ساتھیوں کی ایسی ہی شان بیان کی گئی تھی ۔ چنانچہ بہت سے غیر متعصب اہل کتاب اُن کے چہرے اور طور وطریق دیکھ کر بول اُٹھتے تھے کہ واللہ یہ تو مسیح کی حواری معلوم ہوتے ہیں ۔

کھیتی کی مثال اور صحابہ کرامؓ

حضرت شاہ صاحبؒ کھیتی کی مثال کی تقریر کرتے ہوئے لکھتے ہیں "یعنی اول اس دین پر ایک آدمی تھی پھر دو ہوئے پھر آہستہ آہستہ قوت بڑھتی گئی حضرت کے وقت میں پھر خلفاء کے عہد میں بعض علماء کہتے ہیں کہ اَخْـرَجَ شَـطْـاَهٗ' عہد صدیقی فَاٰزَرَهٗ' میں عہد فاروقی فَاسْتَغْلَظَ میں عہد عثمانی اور فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِهٖ میں عہد مرتضوی کی طرف اشارہ ہے ۔ جیسا کہ بعض دوسرے بزرگوں نے وَالَّـذِيْـنَ مَـعَـهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَـمَـآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا کو علی الترتیب خلفائے اصحاب بیعتہ الرضوان کی جن کا ذکر آغاز سورت سے برابر چلا آرہا ہے ۔ واللہ اعلم ۔ کھیتی کرنیوالے چونکہ اس کام کے مبصر ہوتے ہیں اس لئے ان کا ذکر خصوصیت سے کیا ۔ جب ایک چیز کا مبصر اس کو پسند کرے دوسرے کیوں نہ کریں گے ۔

صحابہؓ سے حسد رکھنے والے

یعنی اسلامی کھیتی کی یہ تازگی اور رونق وبہار دیکھ کر کافروں کے دل غیظ وحسد سے جلتے ہیں اس آیت سے بعض علماء نے یہ نکالا کہ صحابہ سے جلنے ولا کافر ہے ۔

مومنین سے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں " یہ وعدہ دیا اُن کو جو ایمان والے ہیں اور بھلے کام کرتے ہیں ۔ حضرت کے سب اصحاب ایسے ہی تھے مگر خاتمہ کا اندیشہ رکھا حق تعالیٰ بندوں کو ایسی صاف خوشخبری نہیں دیتا کہ نڈر ہو جائیں ۔

وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰهُمْ تَقْوٰهُمْ ۝

ترجمہ: اور جو لوگ راہ پر آئے ہیں انکو اور بڑھ گئی اس سے سوجھ اور انکو اس سے ملا بچ کر چلنا ۔ (سورۃ محمد آیت نمبر ۱۷)

سچائی کے راستے پر چلنے کا یہ اثر ہوتا ہے کہ آدمی روز بہ روز ۔ رشد وہدایت پر ترقی کرتا چلا جاتا ہے ۔ اور اسکی سمجھ بوجھ

Marfat.com

اور پرہیزگاری بڑھتی چلی جاتی ہے۔ یہ آیت مبارکہ بھی حضرت سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے فضائل ومناقب کو واضح کرتی ہے۔

وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ، الَّذِىْ يُؤْتِىْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ، وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ، اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ، وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ،

ترجمہ: اور بچادیں گے اُس سے بڑی ڈرنے والے کو۔ جو دیتا ہے اپنا مال دل پاک کرنے کو۔ اور نہیں کسی کا اُس پر احسان جس کا بدلہ دے مگر واسطے چاہیے مرضی اپنے رب کی جو سب سے برتر ہے۔ اور آگے وہ راضی ہوگا۔

(سورۃ اللیل آیت نمبر ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰)

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِى الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ج فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ط وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِىَ الْعُلْيَا ط وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ، (سورۃ التوبہ آیت نمبر ۴۰)

ترجمہ: اگر تم نہ مدد کرو گے رسول کی تو اُس کی مدد کی ہے اللہ نے جس وقت اسکو نکالا تھا کافروں نے کہ وہ دوسرا تھا دو میں کا جب وہ دونوں تھے غار میں جب وہ کہہ رہا تھا اپنے رفیق سے تو غم نہ کھا بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے پھر اللہ نے اُتاری اپنی طرف سے اس پر تسکین اور اُسکی مدد کو وہ فوجیں بھیجیں کہ تم نے نہیں دیکھیں اور نیچے ڈالی بات کافروں کی اور اللہ کی بات ہمیشہ اُوپر ہے اور اللہ زبردست ہے حکمت والا۔

غار ثور اور رسول اللہ ﷺ کے یار غار حضرت ابوبکر کا واقعہ

یعنی بالفرض اگر تم نبی کریم ﷺ کی مدد نہ کرو گے نہ سہی اُن کا منصور و کامیاب ہونا کچھ تم پر موقوف نہیں ایک وقت پہلے ایسا آچکا ہے۔ جب ایک یار غار کے سوا کوئی آپ کے ساتھ نہ تھا۔ چند مسلمان مکہ والوں کے مظالم سے تنگ آ کر ہجرت کر گئے تھے۔ آخر آپ ﷺ کو بھی ہجرت کا حکم ہوا۔ مشرکین کا آخری مشورہ یہ قرار پایا تھا۔ منتخب ہوا اور وہ سب مل کر بیک وقت آپ پر تلواروں کی ضرب لگائیں تا کہ خونبہا دینا پڑے تو سب قبائل پر تقسیم ہو جائے اور بنی ہاشم کی یہ ہمت نہ ہو کہ خون کے انتقام میں سارے عرب سے لڑائی مول لیں۔ جس شب میں اس ناپاک کاروائی کو عملی جامہ پہنانے کی تجویز تھی حضور ﷺ نے اپنے بستر پر حضرت علیؓ کو لٹایا تا کہ لوگوں کی امانتیں احتیاط سے آپ ﷺ کے بعد مالکوں کے حوالہ کر دیں اور حضرت علیؓ کی تسلی فرمائی کہ تمہارا بال بیکا نہ ہوگا پھر خود بنفس نفیس ظالموں کے ہجوم میں سے "شَاهَتِ الْوُجُوه" فرماتے ہوئے اور اُن کی آنکھوں میں خاک جھونکتے ہوئے صاف نکل آئے۔ حضرت ابوبکر صدیق کو ساتھ لیا اور مکہ سے چند میل ہٹ کر غار ثور میں قیام فرمایا۔ یہ غار پہاڑ کی بلندی پر ایک بھاری مجوف چٹان ہے۔ جس میں داخل ہونے کا صرف ایک راستہ تھا۔ وہ بھی ایسا تنگ کہ انسان کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر اس میں گھس نہیں سکتا۔ صرف لیٹ کر داخل ہونا ممکن تھا۔ اول حضرت ابوبکرؓ نے اندر جا کر اُسے صاف کیا۔ سب سوراخ کپڑے سے بند کئے کہ کوئی کیڑا کانٹا گزند نہ پہنچا سکے۔ ایک سوراخ باقی تھا اُس میں اپنا پاؤں اڑا دیا۔ سب انتظام

Marfat.com

کر کے حضور سے اندر تشریف لانے کو کہا۔ آپ ﷺ حضرت صدیقؓ کے زانو پر سر مبارک رکھ کر استراحت فرمارہے تھے، کہ سانپ نے ابوبکرؓ کا پاؤں ڈس لیا۔ مگر حضرت صدیقؓ پاؤں کو حرکت نہ دیتے تھے، مبادا حضور کی استراحت میں خلل پڑے۔ جب آپؐ کی آنکھ کھلی اور قصہ معلوم ہوا تو آپ نے لعاب مبارک صدیق کے پاؤں کو لگایا جس سے فوراً شفا ہوگئی۔ اُدھر کفار ''قائف'' کو ہمراہ لے کر جو نشانہائے قدم کی شناخت میں ماہر تھا۔ حضور ﷺ کی تلاش میں نکلے۔ اُس نے غار ثور تک نشان قدم کی شناخت کی، مگر خدا کی قدرت کے غار کے دروازہ پر مکڑی نے جالا تن لیا اور جنگلی کبوتر نے انڈے دے دیئے۔ یہ دیکھ کر سب نے قائف کو جھٹلایا اور کہنے لگے کہ یہ مکڑی کا جالا تو محمد ﷺ کی ولادت سے بھی پہلے کا معلوم ہوتا ہے۔ اگر اندر کوئی داخل ہوتا تو یہ جالا اور انڈے کیسے صحیح وسالم رہ سکتے تھے۔ ابوبکر صدیقؓ کو اندر سے کفار کے پاؤں نظر پڑتے تھے۔ اُنہیں فکر تھی کہ جان سے زیادہ محبوب جس کے لئے سب کچھ فدا کر چکے ہیں۔ دشمنوں کو نظر نہ پڑجائیں۔ گھبرا کر کہنے لگے کہ یارسول اللہ اگر ان لوگوں نے ذرا جھک کر اپنے قدموں کی طرف نظر کی تو ہمکو دیکھ پائیں گے۔ حضور نے فرمایا کہ ابوبکر تیرا کیا خیال ہے اُن دو کی نسبت، جن کا تیسرا اللہ ہے۔ یعنی جب اللہ ہمارے ساتھ ہے تو پھر کس کا ڈر ہے۔ اس وقت حق تعالیٰ نے ایک خاص قسم کی کیفیت سکون واطمینان حضور کے قلب مبارک پر اور آپ کی برکت سے ابوبکر کے قلب مقدس پر نازل فرمائی اور فرشتوں کی فوج سے حفاظت وتائید کی۔ یہ اُسی تائید غیبی کا کرشمہ تھا کہ لکڑی کا جالا جسے ''اوہن البیوت'' بتلایا ہے، بڑے بڑے مضبوط و مستحکم قلعوں سے بڑھ کر ذریعہ تحفظ بن گیا۔ اس طرح خدا نے کافروں کی بات نیچی کی اور اُن کی تدابیر خاک میں ملا دیں۔ آپ تین روز غار میں قیام فرما کر بعافیت تمام مدینہ طیبہ پہنچ گئے۔ بیشک انجام کار خدا ہی کا بول بالا رہتا ہے۔ وہ ہر چیز پر غالب ہے اور اُس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ (تنبیہ) بعض نے وَاَیَّدَہٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا سے بدر و حنین وغیرہ میں جو نزول ملائکہ ہوا وہ مراد لیا ہے مگر ظاہر سیاق سے وہ ہی ہے جو ہم نے بیان کیا۔ واللہ اعلم۔

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ۝ اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ۝

ترجمہ: اللہ تعالیٰ بری بات زبان پر لانے کو پسند نہیں کرتے بجز مظلوم کے اور اللہ تعالیٰ خوب سنتے ہیں، خوب جانتے ہیں۔ اگر نیک کام اعلانیہ کرو یا اسکو خفیہ کرو یا کسی برائی کو معاف کرو تو اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنیوالے ہیں پوری قدرت والے ہیں۔

(سورۃ النساء آیت نمبر ۱۴۸، ۱۴۹)

کسی کی برائی مشہور نہ کرو

یعنی اگر کسی میں دین یا دنیا کا عیب معلوم ہو تو اس کو مشہور نہ کرنا چاہیے خدا تعالیٰ سب کی بات سنتا ہے اور سب کے کام کو جانتا ہے ہر ایک کو اس کے موافق جزا دے گا اسی کو غیبت کہتے ہیں البتہ مظلوم کو رخصت ہے کہ ظالم کا ظلم لوگوں سے بیان کرے۔ ایسے ہی بعضی اور صورتوں میں غیبت روا ہے اور حکم یہاں شاید اس لئے فرمایا کہ مسلمان کو چاہیے کہ کسی منافق کا نام

Marfat.com

مشہور نہ کرے اور علی الاعلان اُس کو بدنام نہ کرے اس میں وہ بگڑ کر شاید ہدایت قبول کرے چنانچہ حضرت ﷺ بھی اایسا ہی کرتے تھے کسی کا نام لے کر مشہور نہیں فرماتے تھے۔

برائی کو معاف کرنا بہتر ہے

اس آیت میں مظلوم کو معافی کی رغبت دلانی منظور ہے کہ حق تعالیٰ زبردست اور قدرت والا ہو کر خطاوالوں کی خطا بخشتا ہے بندۂ زیردست عاجز کو بطریق اولیٰ دوسروں کو قصور معاف کر دینا چاہیے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ مظلوم کو ظالم سے بدلا لینا جائز ہے مگر افضل یہ ہے کہ صبر کرے اور بخش دے۔ آیت میں اشارہ ہے اس طرف کہ منافقوں کی اصلاح چاہتے ہو تو اُن کی ایذا اور شرارت پر صبر کرو اور نرمی اور پردہ سے اُن کو سمجھاؤ ظاہر کی طعن اور لعن سے بچو اور کھلا مخالف مت بناؤ۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ۔ ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ۔

ترجمہ: اور جو یقین لائے اور کئے بھلے کام اور مانا اُسکو جو اترا محمد پر اور وہی ہے سچا دین اسکے رب کی طرف سے ان پر سے اُتاریں اُنکی برائیاں اور سنوارا انکا حال۔ یہ اس لئے کہ جو منکر ہیں وہ چلے۔ (سورۃ محمد آیت نمبر ۲،۳)

اُمت محمدیہ پر اللہ کا انعام

یعنی برائیوں کی عادت چھڑا کر اللہ تعالیٰ اُن کا حال سنوار دیتا ہے کہ یوماً فیوماً نیکی میں ترقی کرتے رہتے ہیں۔ اور آخرت میں اُن کی کوتاہیوں سے درگذر فرما کر اچھے حال میں رکھتا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں'' پہلے زمانہ میں ساری مخلوق ایک شریعت کا مکلف نہ تھی۔ اس وقت سب جہاں کو ایک حکم ہے، اب سچا دین یہی ہے۔ اور بُرے بھلے کام مسلمان بھی کرتے ہیں اور کافر بھی لیکن سچا دین ماننے کو یہ قبولیت ہے کہ نیکی ثابت اور برائی معاف اور نہ ماننے کی یہ سزا ہے کہ نیکی برباد گناہ لازم۔ یعنی اس طرح کھول کھول کر اللہ تعالیٰ لوگوں کو اُن کے بھلے بُرے احوال پر متنبہ کرتا ہے۔ تا باطل پرستی کی نحوست وشامت اور حق پرستی کی برکت اُن کے پوری طرح ذہن نشین ہو جائے۔

علم وفضل

آپ صحابہ کرام میں سب سے زیادہ عالم اور ذکی تھے۔ جب کسی مسئلے کے متعلق صحابہ کرام میں اختلاف رائے ہوتا تو وہ مسئلہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سامنے پیش کیا جاتا۔ آپ اس پر جو حکم لگاتے وہ عین ثواب ہوتا۔ قرآن مجید کو علم آپ کو سب صحابیوں سے زیادہ تھا۔ اسی لئے آنحضرت ﷺ نے آپ کو نماز میں امام بنایا۔ سنت کا علم بھی آپ کو کامل تھا۔ اسی لئے صحابہ کرام مسائل سنت میں آپ سے رجوع کرتے تھے۔ آپ کا حافظہ بھی قوی تھا۔ آپ نہایت ذکی الطبع تھے۔ آپ کو آنحضرت ﷺ کا فیض صحبت ابتدائے بعثت سے وفات تک حاصل رہا۔

Marfat.com

زمانہ خلافت میں جب کوئی معاملہ پیش آتا تو قرآن مجید میں اس مسئلہ کو تلاش فرماتے اگر قرآن مجید میں نہ ملتا تو آنحضرت ﷺ کے قول وفعل کے مطابق فیصلہ کرتے۔ اگر ایسا قول وفعل کوئی نہ معلوم ہوتا تو باہر نکل کر لوگوں سے دریافت فرماتے کہ تم میں سے کسی نے کوئی حدیث اس معاملے کے متعلق سنی ہے؟ اگر کوئی صحابی ایسی حدیث بیان نہ فرماتے تو آپ جلیل القدر صحابہ کو جمع فرماتے اور ان کی کثرت رائے کے موافق فیصلہ صادر فرماتے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ عرب بھر کے بالعموم اور قریش کے بالخصوص بڑے نساب تھے۔ حتیٰ کہ جبیر بن مطعم جو عرب کے بڑے نسابوں میں شمار ہوتے ہیں۔ حضرت صدیق اکبرؓ کے خوشہ چین تھے اور کہا کرتے تھے کہ میں نے علم نسب کے سب سے بڑے نساب سے سیکھا ہے، علم تعبیر میں بھی آپکو سب سے زیادہ فوقیت حاصل تھی۔ یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ کے عہد میں آپ خوابوں کی تعبیر بتایا کرتے تھے۔ امام محمد بن سیرین کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد ابوبکر صدیقؓ سب سے بڑے معبر ہیں۔ آپ سب سے زیادہ فصیح تقریر کرنے والے تھے۔ بعض اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ صحابیوں میں سب سے زیادہ فصیح ابوبکر وعلی رضی اللہ عنہما تھے۔ تمام صحابیوں میں آپ کو عقل کامل اور اصابت رائے مسلم تھی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک بار فرمایا کہ اس امت محمدی میں سب سے زیادہ افضل ابوبکر صدیقؓ ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے فرمایا جو شخص مجھ کو ابوبکر وعمرؓ پر فضیلت دے گا، میں اس کے درے لگاؤں گا۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ابوبکرؓ پر رحم کرے کہ اس نے اپنی بیٹی مجھے زوجیت میں دی اور مجھے مدینہ تک پہنچایا اور بلالؓ کو آزاد کیا۔ اللہ تعالیٰ عمرؓ پر رحم کرے کہ حق بات کہتے ہیں، خواہ کتنی ہی تلخ کیوں نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ عثمان رضی اللہ پر رحم کرے کہ ان سے فرشتے حیاء کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ علیؓ پر رحم کرے، الٰہی جہاں کہیں علیؓ ہو حق اس کے ساتھ رکھ۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لوگوں نے صدیق اکبرؓ کو بالاجماع خلیفہ بنایا کیونکہ اس وقت دنیا کے پردے پر ان سے بہتر آدمی نہ ملا۔ معاویہ بن قرہ کہتے ہیں کہ صحابہ کو کبھی خلافت ابوبکر صدیقؓ میں شک نہیں ہوا اور وہ لوگ ہمیشہ ان کو خلیفہ رسول اللہ ﷺ کہتے رہے اور صحابی کبھی کسی خطا یا گمراہی پر اجتماع نہیں کر سکتے۔

حسن معاشرت

عطاء بن صائب کہتے ہیں کہ بیعت خلافت کے دوسرے دن حضرت ابوبکر صدیقؓ دو چادریں لئے ہوئے بازار کو جاتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ آپ کہاں جا رہے ہیں؟ فرمایا بازار۔ حضرت عمرؓ نے کہا اب آپ یہ دھندے چھوڑ دیں۔ آپ مسلمانوں کے امیر ہو گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا، پھر میں اور میرے اہل وعیال کہاں سے کھائیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ یہ کام ابوعبیدہؓ کے سپرد کیجئے چنانچہ دونوں صاحب ابوعبیدہؓ کے پاس گئے اور ان سے ابوبکر صدیقؓ نے کہا کہ میرا اور میرے اہل وعیال کا نفقہ مہاجرین سے وصول کر دیا کرو۔ ہر چیز معمولی حیثیت کی چاہیئے۔ گرمی اور جاڑوں کے کپڑوں کی بھی ضرورت ہوگی۔ جب پھٹ جایا کریں گے تو ہم واپس کر دیا کریں گے اور نئے لے لیا کریں گے۔ چنانچہ حضرت ابوعبیدہؓ ہر روز آپ کے

Marfat.com

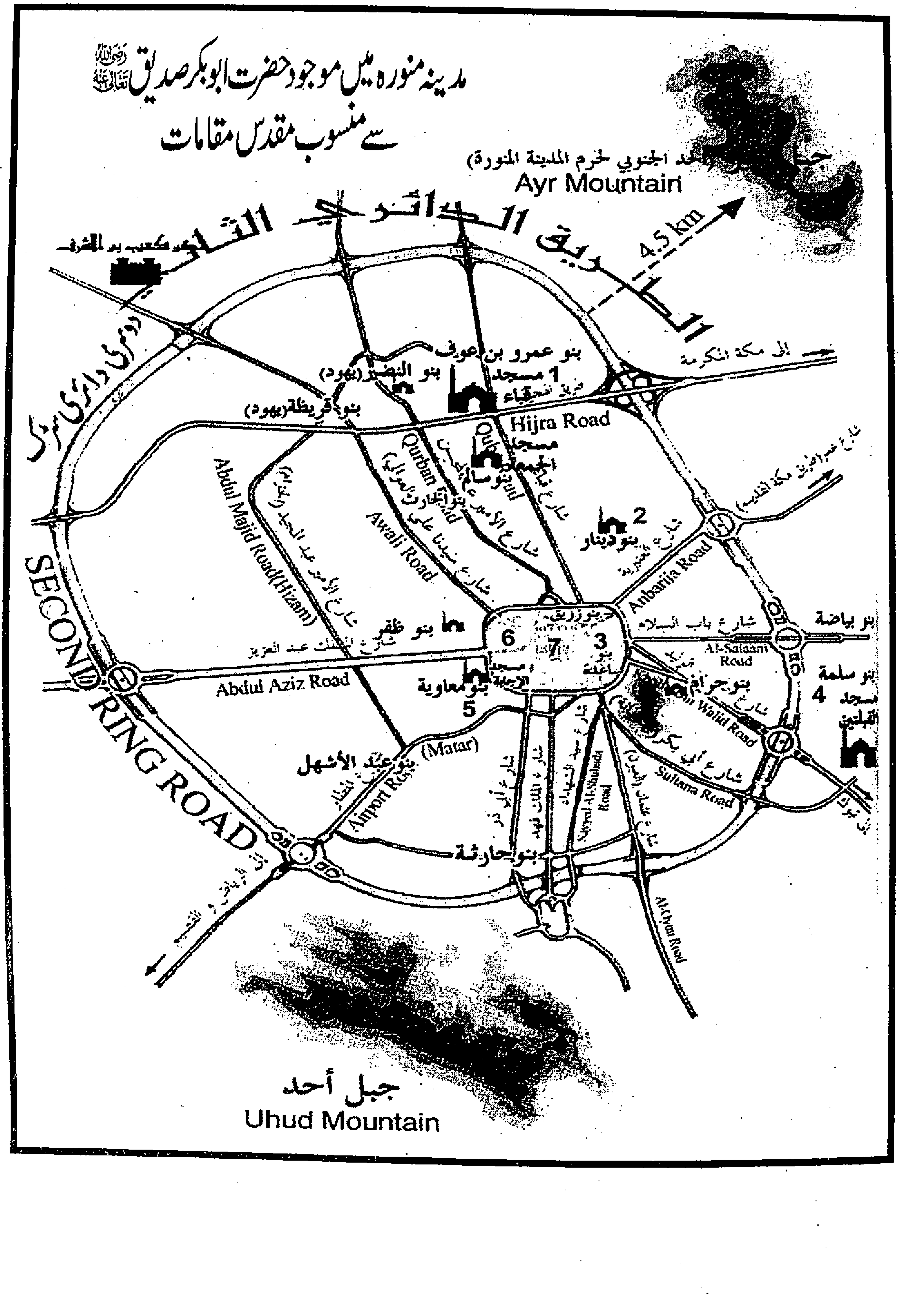

مدینہ منورہ میں موجود حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منسوب مقدس مقامات
Ayr Mountain
4.5 km
Hijra Road
Quban Road
Awali Road
Abdul Majid Road(Hizam)
Anbaria Road
Abdul Aziz Road
Airport Road
(Matar)
Al-Salaam Road
Sultana Road
SECOND RING ROAD
Al-Uyun Road
بنو عمرو بن عوف
بنو النضير (یہود)
بنو قریظة (یہود)
بنو دينار
بنو ظفر
بنو معاوية
بنو عبد الأشهل
بنو حارثة
بنو بياضة
بنو سلمة
1
2
3
4
5
6
7
جبل أحد
Uhud Mountain

Marfat.com

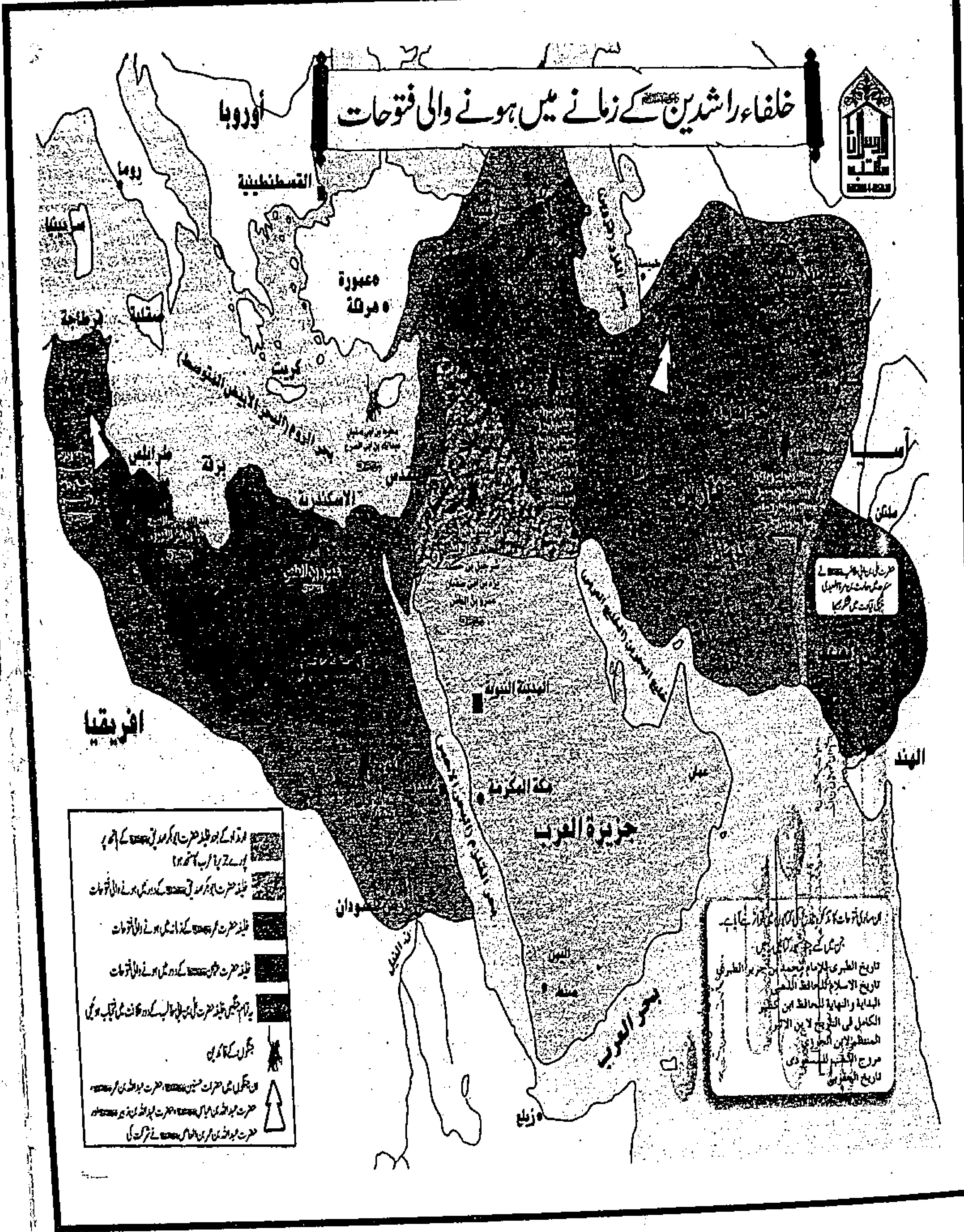
خلفاء راشدین کے زمانے میں ہونے والی فتوحات
أوروبا
روما
القسطنطينية
عمورية
هرقلة
صقلية
كريت
برقة
الإسكندرية
آسيا
افريقيا
المدينة النبوية
مكة المكرمة
جزيرة العرب
عمان
بحر العرب
الهند
زيلع
تاريخ الطبري للإمام محمد بن جرير الطبري
تاريخ الإسلام للحافظ الذهبي
البداية والنهاية للحافظ ابن كثير
الكامل في التاريخ لابن الأثير
المنتظم لابن الجوزي
مروج الذهب للمسعودي
تاريخ اليعقوبي

Marfat.com

یہاں آدھی بکری کا گوشت بھیج دیا کرتے تھے۔

ابوبکر بن حفص کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے انتقال کے وقت حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ مسلمانوں کے کام کرنے کی اُجرت میں نے کوڑی پیسے کا فائدہ حاصل نہیں کیا سوائے اس کے کہ موٹا جھوٹا کھا پہن لیا۔ اس وقت مسلمانوں کو تھوڑا یا بہت کوئی مال سوائے اس حبشی غلام اونٹنی اور پرانی چادر کے میرے پاس نہیں ہے۔ جب میں مرجاؤں تو ان سب کو عمرؓ کے پاس بھیج دینا۔

حضرت حسن بن علیؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے انتقال کے وقت حضرت عائشہ صدیقہؓ سے فرمایا کہ میرے مرنے کے بعد یہ اونٹنی جس کا دودھ ہم پیتے تھے اور یہ بڑا پیالہ جس میں ہم کھاتے تھے اور یہ چادریں عمرؓ کے پاس بھیج دینا کیونکہ میں نے ان چیزوں کو بحیثیت خلیفہ ہونے کے بیت المال سے لیا تھا۔ جب حضرت عمرؓ کو یہ چیزیں پہنچیں تو انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ابوبکر صدیقؓ پر رحم فرمائے کہ میرے واسطے کیسی کچھ تکلیف اٹھائی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بیت المال میں کبھی مال و دولت جمع نہیں ہونے دیا۔ جو کچھ آتا مسلمانوں کے لئے خرچ کر دیتے۔ فقراء و مساکین پر بحصہ مساوی تقسیم کر دیتے تھے۔ کبھی گھوڑے اور ہتھیار خرید کر فی سبیل اللہ دے دیتے۔ کبھی کچھ کپڑے لے کر غرباء صحرا نشینوں کو بھیج دیتے۔ حتیٰ کہ جب حضرت عمرؓ نے آپ کی وفات کے بعد مع اور چند صحابیوں کے بیت المال کا جائزہ لیا تو بالکل خالی پایا۔ محلّہ کی لڑکیاں اپنی بکریاں لے کر آپ کے پاس آجایا کرتیں اور آپ سے دودھ دوہا کر لے جاتیں۔ صدیق اکبرؓ بہت سے آدمیوں میں مل جل کر اس طرح بیٹھتے کہ کوئی پہچان بھی نہ سکتا تھا کہ ان میں خلیفہ کون ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی تاریخ کی روشنی میں ان کا ایک جائزہ

مدینے کا داخلی انتشار، نبی کریم ﷺ کی تدفین کا مسئلہ

نبی کریم ﷺ کے وصال سے مسلمان تذبذب کا شکار ہوگئے۔ اب مسئلہ پیدا ہوگیا کہ حضرت محمد ﷺ کو کہاں دفن کیا جائے۔ آیا اسی حجرے میں دفن کیا جائے، یا جنت البقیع میں۔ اسی کشمکش میں کافی وقت گذر گیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حدیث پیش کی کہ نبی جس جگہ وفات پاتا ہے وہیں اس کی تدفین ہوتی ہے۔

خلیفہ کا چناؤ

نبی کریم ﷺ اسلامی ریاست کے سربراہ تھے۔ آپ ﷺ کے وصال سے اسلامی ریاست کے سربراہ کا مسئلہ پیدا ہوگیا تھا۔ مہاجرین اور انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے تو مسئلہ خلافت پر بحث و تکرار شروع ہوئی۔ بالآخر حضرت ابوبکرؓ کی خلافت پر اتفاق ہوگیا۔

منافقین کی فتنہ انگیزیاں

نبی کریم ﷺ کے وصال سے منافقین کو موقع مل گیا۔ جب خلافت کے سلسلے میں مسلمانوں میں اختلاف ہوا تو

Marfat.com

منافقین نے بھی مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈہ شروع کر دیا۔ مہاجرین اور انصار کو لڑانے کی پوری کوشش کی گئی لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ کے ذریعے اس اُمت کو فتنے سے بچالیا۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے اپنی تقریر سے انصار کو مطمئن کر دیا۔

قبائلی تعصبات کا ابھرنا

جن تعصبات کو نبی کریم ﷺ نے دبایا تھا، آپ ﷺ کے وصال سے وہ پھر پیدا ہو گئے۔ برتری کا معیار تقویٰ کی بجائے خاندان بن گیا۔ مختلف قبائل اُٹھ کھڑے ہوئے کہ خلافت تو ہمارا حق ہے کیونکہ ہمارا تعلق فلاں قبیلے سے ہے۔

وفات پر حوصلہ کا اظہار

نبی کریم ﷺ کے وصال پر صحابہ کرام اس قدر پریشان ہوئے کہ انہیں کچھ سوجھ نہیں رہا تھا کہ کیا کرنا ہے۔ حضرت عمرؓ نے یہاں تک کہہ دیا کہ جو شخص یہ کہے گا کہ نبی کریم ﷺ وفات پا گئے ہیں میں اس کی گردن اُڑا دوں گا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اس موقع پر استقامت کا مظاہرہ کرتے ہوئے مسجد نبوی ﷺ میں خطبہ ارشاد فرمایا کہ نبی کریم ﷺ وصال پا چکے ہیں۔ اس پر سب کو یقین آ گیا اور حضرت عمرؓ نے تلوار نیچے کر لی۔ اس کے بعد خلافت کے مسئلہ میں بھی حضرت ابوبکرؓ کی استقامت نے اُمت مسلمہ کے انتشار کو روکے رکھا ورنہ خون ریزی یقینی تھی۔

وراثت کا مسئلہ

حضرت ابوبکرؓ نے خلافت سنبھالی تو وراثت کا مسئلہ پیدا ہو گیا۔ حضرت فاطمہؓ نے دعویٰ دائر کر دیا کہ مجھے نبی اکرم ﷺ کی وراثت سے حصہ دیا جائے۔ حضرت ابوبکرؓ کے لئے یہ بہت بڑا مسئلہ تھا لیکن اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ فہم و فراست سے انہوں نے یہ مسئلہ بھی حل کر دیا۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ کی حدیث پیش کی کہ انبیاء کی وراثت مال و دولت نہیں بلکہ علم ہوتا ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ کا مال بیت المال کا مال ہے۔

ملت اسلامیہ کا انتشار، منکرین زکوٰۃ

یہ مختلف قبائل کے لوگ تھے۔ نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد انہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ ان سے جہاد کے بارے میں صحابہ کرام کے درمیان جب اختلاف پیدا ہوا تو حضرت ابوبکرؓ نے عزم راسخ اور قوت فیصلہ کا اظہار فرمایا اور کہا "اللہ کی قسم جو شخص نبی ﷺ کی زندگی میں بکری کا بچہ بھی زکوٰۃ کے طور پر دیتا تھا اور آج اس کی ادائیگی سے منکر ہے میں اس کے خلاف جہاد کروں گا" چنانچہ منکرین زکوٰۃ کے خلاف فوجیں روانہ کی گئیں۔ بنی عبس اور بنی ذبیان کے مقابلے میں حضرت ابوبکرؓ خود نکلے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند ہی روز میں اکثر قبیلوں نے خود مدینہ آ کر زکوٰۃ دی۔

جھوٹے مدعیان نبوت

1۔ ایک شخص مسیلمہ کذاب نے نبی کریم ﷺ کی حیات میں ہی نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا مگر اس کی آواز رسول اکرم ﷺ کی

Marfat.com

موجودگی میں گم ہو کر رہ گئی۔ نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد اس نے باقاعدہ تحریک چلائی۔

۲۔ سجاح بنت خویلد ایک عورت تھی۔ اس نے رسول اکریم ﷺ کے وصال کے بعد نبوت کا دعویٰ کیا۔ قبیلہ بنو تمیم سے اس کا تعلق تھا۔ بعد میں مسیلمہ کذاب سے شادی کر لی۔

۳۔ تیسرا شخص اسود عنسی تھا۔ یہ بھی نبوت کا دعویٰ کر رہا تھا۔

۴۔ نبوت کا چوتھا دعویدار طلحہ بن خویلد تھا۔

حضرت ابوبکرؓ نے مسیلمہ کذاب کی سرکوبی کے لئے شرجیل بن حسنہؓ کو مقرر کیا اور حضرت عکرمہؓ ان کی مدد پر مامور کیے گئے۔ شرجیل اور عکرمہ دونوں نے شکست کھائی۔ طلیحہ بن خویلد کی طرف حضرت خالدؓ بن ولید کو روانہ کیا گیا۔ انہوں نے طلیحہ کے مریدوں کو قتل و گرفتار کیا۔ طلیحہ خود شام کی طرف بھاگ گیا۔ خالد بن ولید کو اس مہم سے فارغ ہونے کے بعد مسیلمہ کذاب کی سرکوبی کے لئے بھیجا گیا کیونکہ عکرمہؓ جلد بازی سے حملہ کر کے پسپا ہوئے تھے۔ مسیلمہ کذاب وحشی بن حرب کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ مسیلمہ کی بیوی سجاح جو خود نبوت کی دعویدار تھی فرار ہو گئی۔ اسود عنسی کی جماعت میں اختلاف پیدا ہو گیا اور اپنے ہی ساتھی قیس بن مکشوح کے ہاتھوں مارا گیا۔

فتنہ ارتداد

جو لوگ حیات رسول ﷺ میں مسلمان تھے ان میں سے کچھ آپ ﷺ کے وصال کے بعد مرتد ہو گئے۔ صرف مرتد ہی نہیں ہوئے بلکہ انہوں نے الگ خود مختار حکومتیں بھی قائم کر لیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے علاءؓ بن حضرمی، حذیفہؓ بن محصن اور زیادؓ بن لبید کو ان باغی سرداروں کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ حضرت علاءؓ بن حضرمی نے نعمان کو شکست دی۔ حضرت حذیفہؓ نے لقیط کو قتل کر کے اس کے قبیلے کو مطیع بنایا اور حضرت زیادؓ نے کندہ کے حکمرانوں کو اطاعت اسلام پر مجبور کیا۔

بیرونی دباؤ

قیصر و کسریٰ کے حملے کا خطرہ

جب بیرونی حکومتوں (روم، ایران، عراق اور شام وغیرہ) نے دیکھا کہ مسلمان اندرونی طور پر انتشار کا شکار ہیں تو ان کے منہ سے رال ٹپکنے لگی۔ انہوں نے مسلمانوں کو تر نوالا سمجھا۔ ان ممالک میں قیصر و کسریٰ ہی دو بڑی حکومتیں تھیں۔ مسلمانوں کے انتشار کو دیکھتے ہوئے انہوں نے حجاز پر حملے کی تیاریاں شروع کر دیں لیکن جب حضرت ابوبکرؓ نے دیگر بغاوتوں کو دبا دیا تو انہیں معلوم ہو گیا کہ انہیں ختم کرنا اتنا آسان نہیں جتنا کہ ہم سمجھتے ہیں اسلئے انہیں حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

لشکر اسامہؓ کی روانگی

نبی کریم ﷺ نے اپنی زندگی میں رومیوں کے خلاف چڑھائی کرنے کے لئے ایک دستہ متعین کیا تھا جس کا سپہ سالار حضرت اسامہ بن زیدؓ کو بنایا۔ ان کی عمر اس وقت صرف سترہ سال تھی۔ نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد صحابہ کرام

Marfat.com

کے درمیان اختلاف ہوا کہ اس مہم کو ترک کر دینا چاہیے۔ ان کا خیال تھا کہ ایسے حالات میں فوج کو مرکز سے دور بھیجنا مناسب نہیں مگر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے نہایت اولوالعزمی کے ساتھ فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر مدینہ میں اتنا سناٹا طاری ہو جائے کہ درندے آ کر میری ٹانگیں نوچیں تب بھی میں یہ لشکر روانہ کروں گا۔ جس لشکر کی روانگی کا حکم حضرت محمد ﷺ نے دیا ہوا ابوبکرؓ اسے کیسے روک سکتا ہے''۔

مہم روانہ ہوئی اور چالیس دن کے بعد کامیاب و کامران واپس آئی۔ حضرت ابوبکرؓ نے شہر سے باہر نکل کر اس فاتح فوج کا استقبال کیا۔ اس مہم کا یہ اثر ہوا کہ بیرونی طاقتوں کے دلوں پر خوف و ہراس چھا گیا اور ان لوگوں کو بھی جو عرب میں انقلاب لانے کے لئے سنہری خواب دیکھ رہے تھے یقین ہو گیا کہ مسلمانوں سے ٹکرانا آسان کام نہیں ہے۔

لشکر اُسامہ کی روانگی کے اثرات

مسلمانوں کا عمومی طور پر رعب و دبدبہ

جو حکومتیں مسلمانوں پر چڑھائی کا ارادہ رکھتی تھیں، حضرت اسامہ بن زیدؓ کی مہم کی کامیابی نے ان کی اُمیدوں پر پانی پھیر دیا۔ اس طرح مسلمانوں کا عمومی طور پر رعب و دبدبہ پیدا ہو گیا۔

غلبہ اسلام

منکرین زکوٰۃ، جھوٹے مدعیان نبوت اور مرتدین کے خلاف مسلمانوں کی کامیاب مہمات سے اسلام کو کفر پر غلبہ حاصل ہو گیا۔

تبلیغ کی راہ میں رکاوٹوں کا خاتمہ

جب حضرت ابوبکرؓ نے اپنی فہم و فراست سے تمام بغاوتوں کو فرو کر دیا تو ایسے لوگ جو اسلام کی تبلیغ کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کرتے تھے انہوں نے ڈر کر ہی اپنے رویے میں تبدیلی پیدا کر لی۔

یہود و نصاریٰ کی مایوسی

مدینہ کے اردگرد آباد یہود و نصاریٰ مدینہ کے اندرونی انتشار سے بڑے خوش تھے اور فائدہ اُٹھا کر مسلمانوں کو ختم کرنا چاہتے تھے لیکن اب یہود و نصاریٰ مایوس ہو چکے تھے۔

اندرونی شورشوں کی حوصلہ شکنی

مدینہ کے داخلی انتشار کو کنٹرول کرنے کی وجہ سے دیگر اُٹھنے والی اندرونی شورشوں کی حوصلہ شکنی ہوئی۔ اگر انتشار فرو نہ ہوتا تو نہ جانے کتنی شورشیں جنم لیتیں۔ لشکر اسامہ کی کامیاب روانگی نے ثابت کر دیا کہ مسلمان ہر شورش کو دبا سکتے ہیں۔

Marfat.com

حضور اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی نسل میں ہونے والی شادیاں

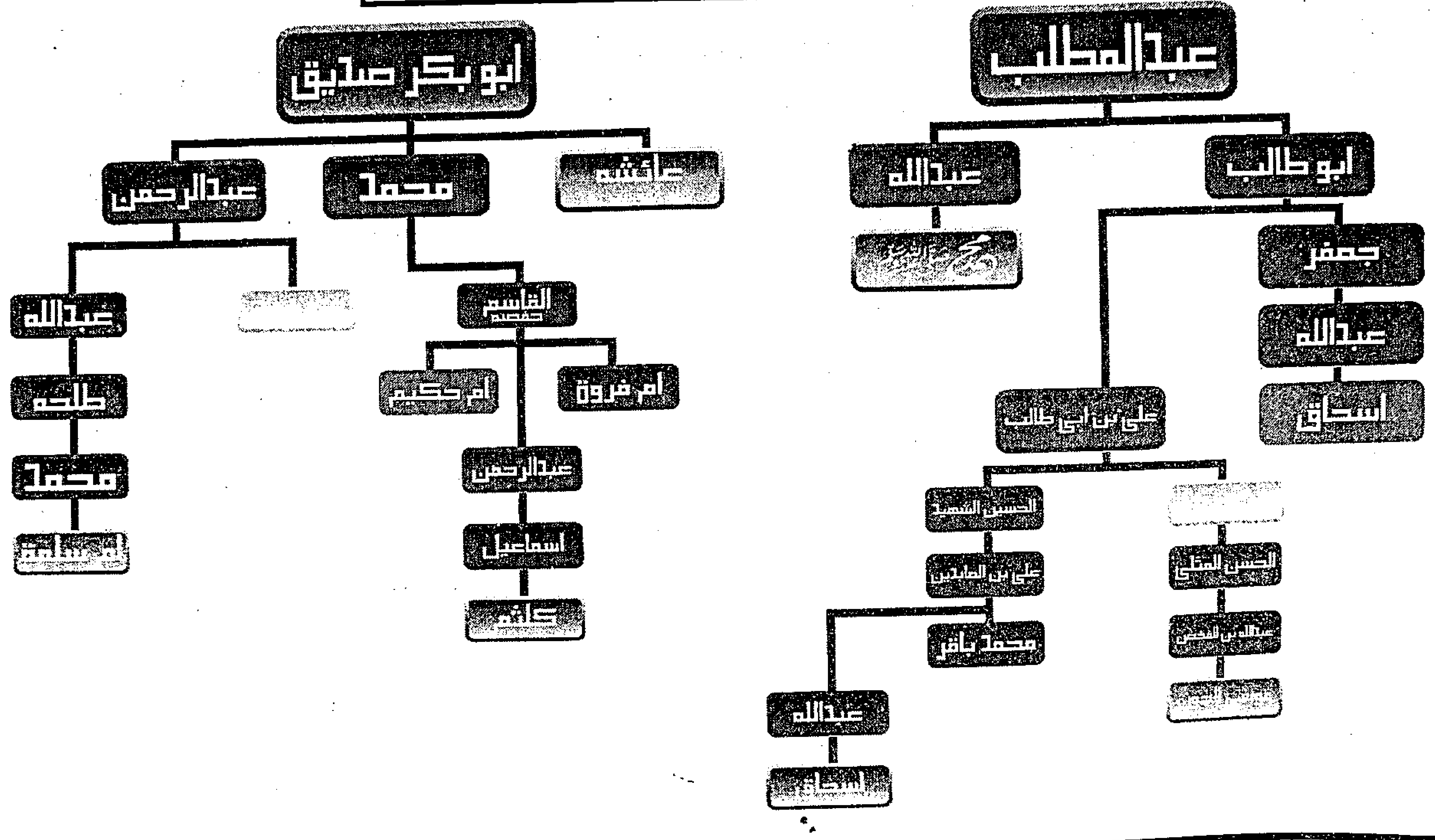

حضور ﷺ کے روضہ مبارک کا اندرونی نقشہ

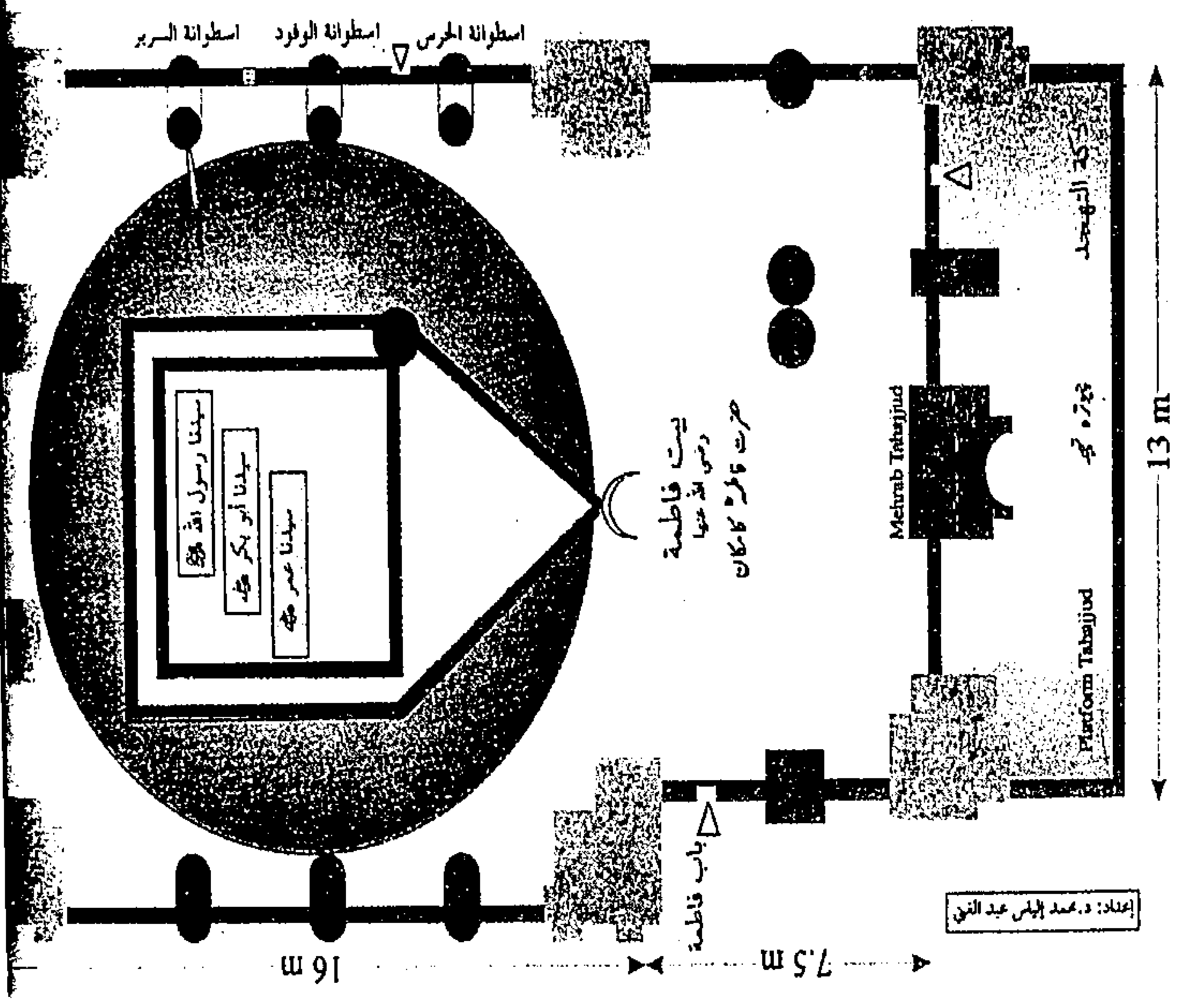

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک

Marfat.com

مال غنیمت کا ہاتھ آنا

لشکر اسامہ کامیابی کے ساتھ لوٹا تو مسلمانوں کے ہاتھ کافی مقدار میں مال غنیمت آیا۔اس مال غنیمت نے مسلمانوں کو مزید حالات بہتر بنانے میں مدد دی۔

رفیق رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر صدیقؓ

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں آپؓ کے بارے میں تحریر کرتے ہیں۔

آپ کا اسم گرامی عبداللہ اور لقب صدیق اور عتیق ہے۔اور یہ دونوں لقب حضور انور ﷺ نے عنایت فرمائے تھے۔ آپ کی کنیت ابوبکر ہے اور آپ کا نسب آٹھویں پشت میں حضور انور ﷺ سے مل جاتا ہے۔حضور انور ﷺ کی ولادت با سعادت کے دو سال اور قریب تین ماہ بعد آپ پیدا ہوئے۔اسلام سے پہلے آپ قریش کے اشراف میں بڑی عزت و ثروت رکھتے تھے۔ دیت اور تاوان کے فیصلے آپ ہی کے ذمے تھے، جب آپ کسی کی ضمانت کر لیتے تو وہ قابل اعتبار سمجھی جاتی۔علم انساب میں بڑی مہارت رکھتے تھے، فن شعر میں بھی کمال حاصل تھا، لیکن اسلام لانے کے بعد آپ نے شعر و شاعری چھوڑ دی تھی، بچپن ہی سے آپ کو حضور انور ﷺ سے بڑی محبت تھی، حضور انور ﷺ اپنے چچا ابو طالبؓ کے ساتھ ملک شام جانے لگے تو آپؓ نے حضرت بلالؓ کو کرایہ پر لے کر حضور انور ﷺ کی خدمت کے لئے ساتھ کر دیا تھا اور راستے کے لئے توشہ بھی ساتھ کر دیا تھا۔

حضور انور ﷺ کے مبعوث ہوتے ہی آپ مردوں میں سب سے پہلے اسلام لائے اور آپ ﷺ کی وجہ سے دوسروں کے دلوں میں بھی اسلام کی رغبت پیدا ہوئی۔آپ نے اسلام لاتے ہی مال تجارت کے علاوہ چالیس ہزار دینار اسلام کی اشاعت کے لئے پیش کئے۔اور سات غلاموں کو خرید کر آزاد کرایا، جن کو اسلام لانے کی وجہ سے ایذائیں دی جارہی تھیں۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور انور ﷺ نے راہ خدا میں کچھ مال دینے کا حکم دیا۔اس وقت میرے پاس بہت مال تھا، میں نے آدھا مال راہ خدا میں دے دیا۔

حضور انور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ اپنے اہل و عیال کے لئے کچھ مال چھوڑ کر آئے ہو؟ تو عرض کیا آدھا مال چھوڑ کر آیا ہوں، پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ سے دریافت کیا تو انہوں نے عرض کیا کہ میں اہل و عیال کے لئے اللہ اور اس کا رسول ﷺ کو کافی چھوڑا ہے۔

صدیق کے لئے ہے خدا کا رسول ﷺ بس

جب شروع بعثت میں یہ آیت نازل ہوئی کہ: (ترجمہ) اے نبی ﷺ احکام خداوندی کے لئے تکلیف برداشت کیجئے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضور انور ﷺ سے عرض کیا کہ آپ ابتدا نہ کریں کہیں قریش مشتعل ہو کر حملہ نہ کریں، اس لئے مجھے اجازت دیجئے کہ میں ابتدا کروں۔

Marfat.com

چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ایک خطبہ قریش کے سامنے پڑھا، جس میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضور انور ﷺ کی رسالت، پھر شرک و بت پرستی کی مذمت تھی۔ خطبہ بہت موثر تھا لیکن کفار نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو بہت زیادہ ایذائیں پہنچائیں، جو انہوں نے خوشی کے ساتھ قبول فرمائیں۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اسلام لانے کے بعد اپنے گھر کے سامنے ایک مسجد بنائی جو اسلام میں پہلی مسجد تھی۔ وہاں آپ ہر روز قرآن پاک (جتنا نازل ہو جاتا تھا) تلاوت فرماتے، اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے تھے۔ ایک مرتبہ جب صحن کعبہ میں کفار قریش بیٹھے ہوئے حضور انور ﷺ کے دین کا ذکر کر رہے تھے، اور اتفاق سے حضور انور ﷺ بھی وہاں پہنچ گئے تو ان لوگوں نے حضور انور ﷺ کو گھیر لیا اور گلے کی چادر سے حضور انور ﷺ کو لپیٹ کر کھینچنا شروع کیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اطلاع ملی تو وہ حضور انور ﷺ کو بچانے کے لئے دوڑے۔ ان لوگوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ پر حملہ کر دیا جس سے کئی دن آپ بے ہوش رہے اور جب کبھی تھوڑا ہوش آتا تو حضور انور ﷺ کی خیریت دریافت کرتے۔

نبوت کے ساتویں سال جب کفار قریش نے شعب ابی طالب میں حضور انور ﷺ اور ان کے خاندان کو تین سال تک محصور رکھا تو آپؓ بھی ان کے ساتھ رہے۔ اسی طرح ہر مشکل اور ہر جہاد میں بھی آپؓ نے حضور انور ﷺ کا ساتھ دیا۔

حضرت خدیجہؓ کا نکاح جب حضور انور ﷺ کے ساتھ ہوا تھا اس وقت بھی آپؓ نے ہی کوشش کی تھی اور جب حضرت خدیجہؓ کا انتقال ہوا تو آپؓ نے بہت ادب و اخلاق کے ساتھ اپنی صاحبزادی حضرت عائشہؓ کو حضور انور ﷺ کے نکاح میں پیش کیا۔

حضور انور ﷺ کو جب معراج ہوئی تو سب سے پہلے آپ ہی نے تصدیق کی، اسی وجہ سے آپؓ کا لقب صدیق ہوا۔ پھر سفر ہجرت میں حضور انور ﷺ کا جس طرح ساتھ دیا اس کی تفصیل احادیث میں آتی ہے کہ کس کس طرح آپؓ نے ہر وقت کا سامنا کیا۔ جب حضور انور ﷺ کے قدم مبارک چلنے سے زخمی ہو گئے تو آپؓ نے حضور انور ﷺ کو اپنے شانے پر سوار کر کے غار ثور تک پہنچایا۔ اور جب کفار کے دہانے کے قریب پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو سورۃ التوبہ میں بیان فرمایا کہ حضور انور ﷺ نے یہ کہہ کر آپؓ کو تسکین دی کہ: لا تحزن اِنَّ اللّٰہ معنا. (رنجیدہ نہ ہو، اللہ ہم دونوں کے ساتھ ہے)

حضور انور ﷺ نے انیس غزوات میں حصہ لیا۔ سب سے پہلا غزوہ بدر کا تھا۔ اور آخری تبوک کا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ ہر غزوہ اور ہر موقع پر ساتھ رہے اور جاں نثاری اور جاں بازی کے جو کارنامے پیش کئے ہیں وہ اسلامی تاریخ میں بہت اہم ہیں۔ غزوہ بدر میں جو ۱۷ رمضان ۲ھ کو پیش آیا، حضور انور ﷺ کی حفاظت کے لئے عریش چادریں تان کر ایک سائبان بنا دیا گیا تھا، حضرت ابوبکر صدیقؓ رات بھر تلوار لئے ہوئے عریش کا پہرہ دیتے رہے۔ اخیر رات میں حضور انور ﷺ دعا کر رہے تھے کہ ''اے اللہ اپنا وعدہ پورا کر'' اگر یہ تیرے فرماں بردار بندے یہاں شکست کھا جائیں گے تو پھر روئے زمین پر تیری عبادت نہ ہوگی''۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضور انور ﷺ کی بے قراری دیکھی تو عریش کے اندر آ کر عرض کیا کہ ''یا رسول اللہ بس

Marfat.com

چراغ منسوب بہ حضرت ابوبکر صدیقؓ

غار ثور جہاں آپ ﷺ نے تین دن قیام فرمایا
اللہ
غار ثور
5000FT
باب غار ماشاءاللہ

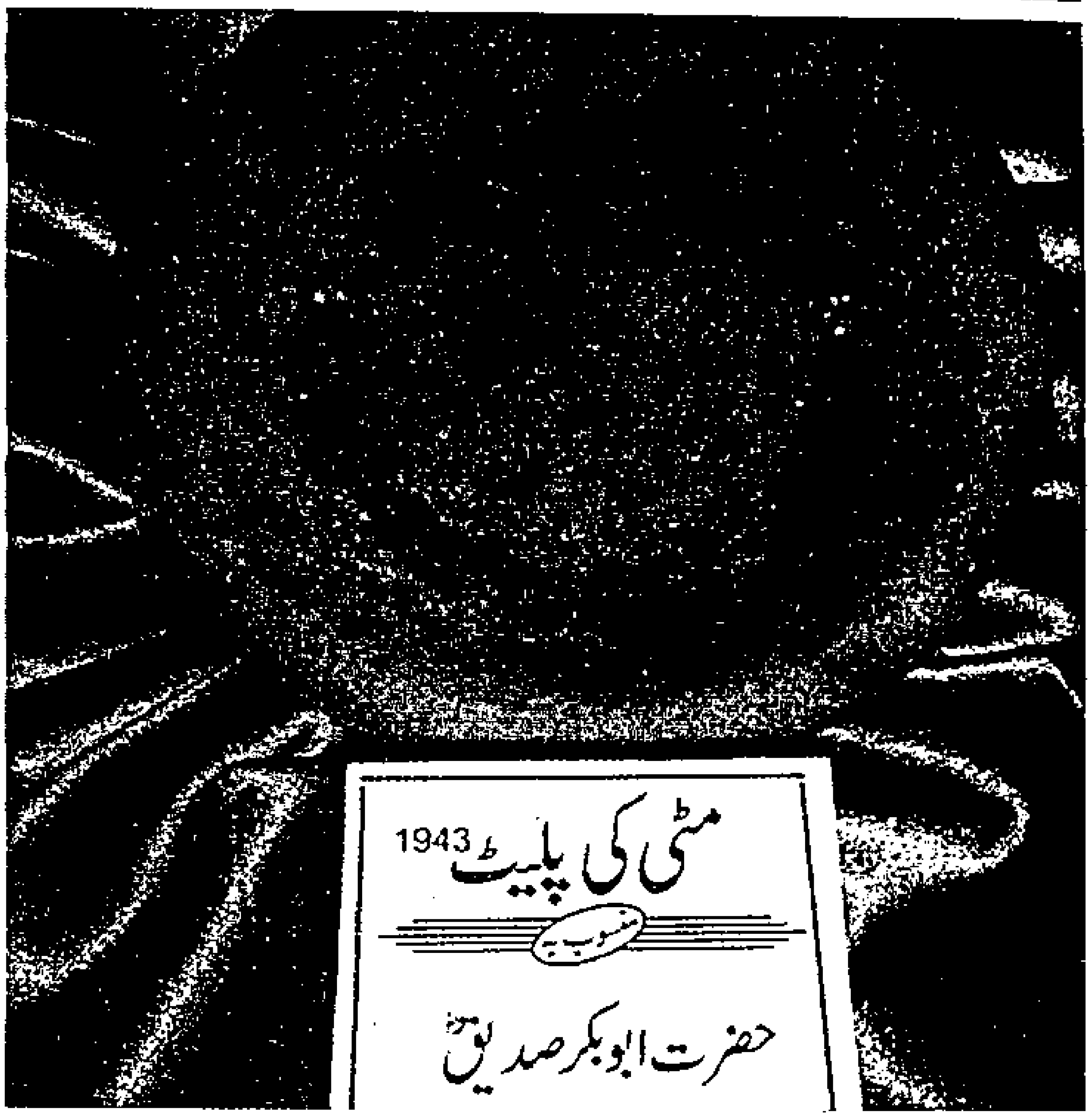
مٹی کی پلیٹ 1943
منسوب بہ
حضرت ابوبکر صدیقؓ

حضرت ابوبکر صدیق

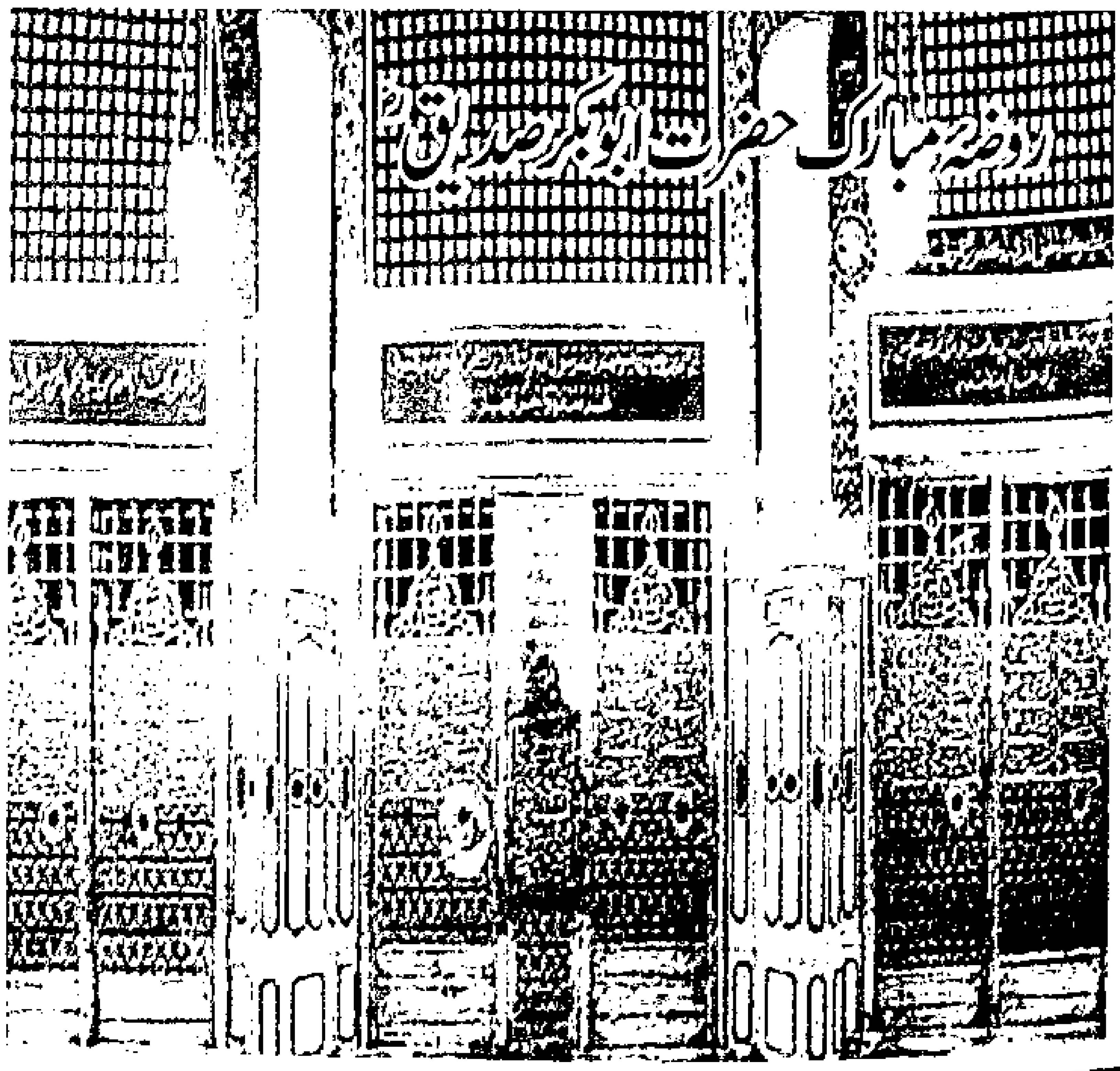
روضہ مبارک حضرت ابوبکر صدیقؓ

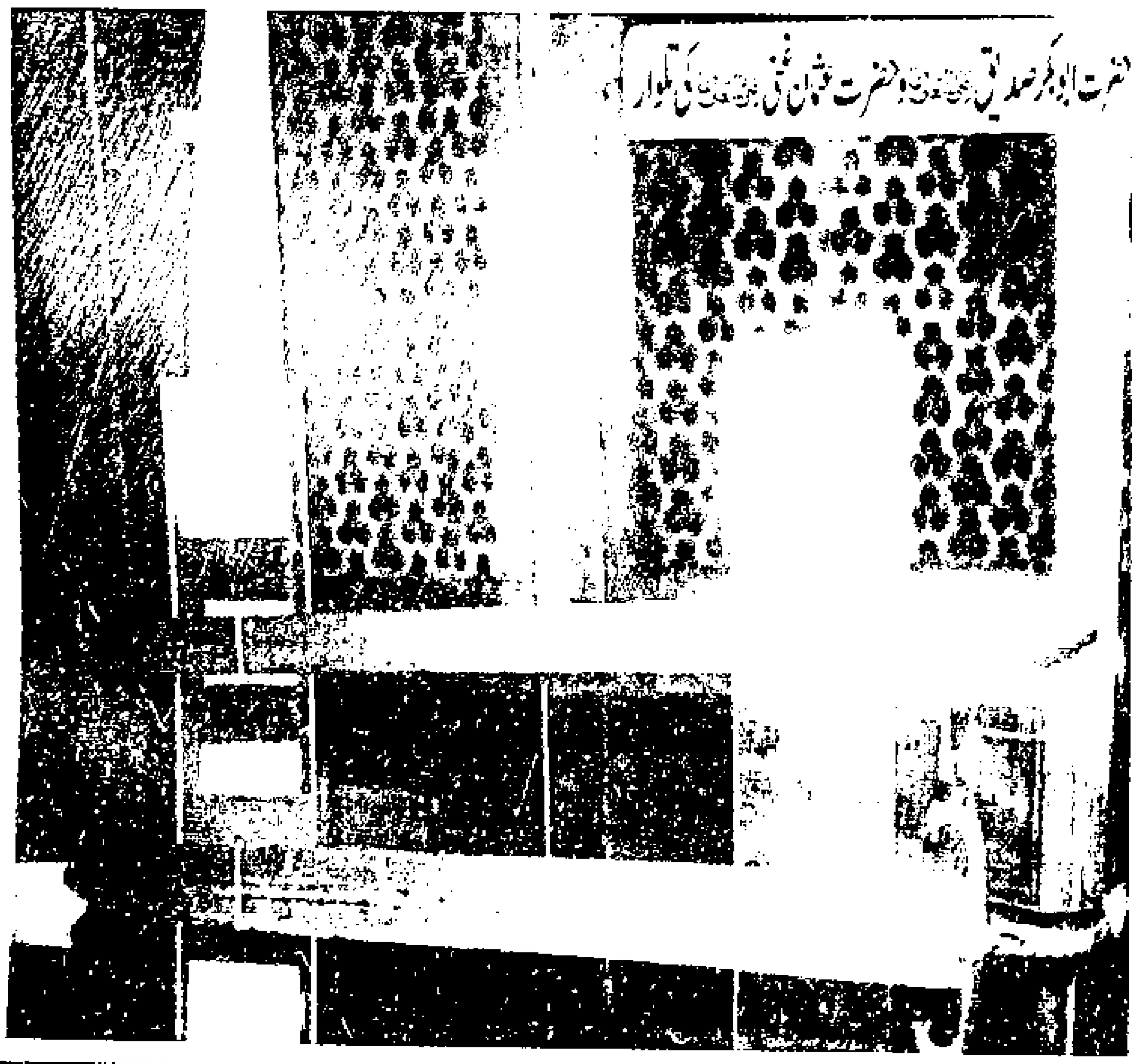
حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عثمان غنی کی تلوار

Marfat.com

حضرت عمر فاروقؓ نے جن غزوات میں حصہ لیا

غزوہ بدر ۲ھ، غزوہ احد ۳ھ، غزوہ بنو نضیر ۴ھ، غزوہ خندق ۵ھ، صلح حدیبیہ ۶ھ،

غزوہ خیبر ۷ھ، فتح مکہ ۸ھ، غزوہ حنین ۸ھ، غزوہ تبوک ۹ھ

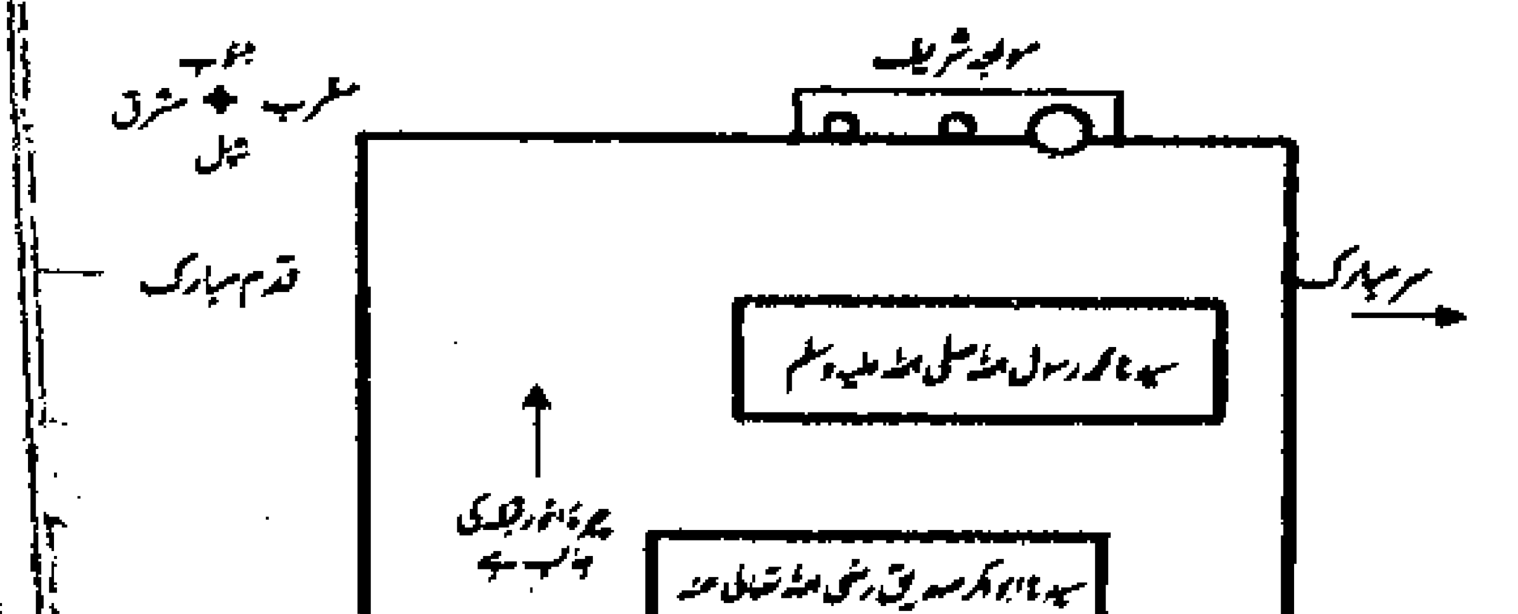

راجح قول کے مطابق تین قبور مبارکہ اس ترتیب سے ہیں

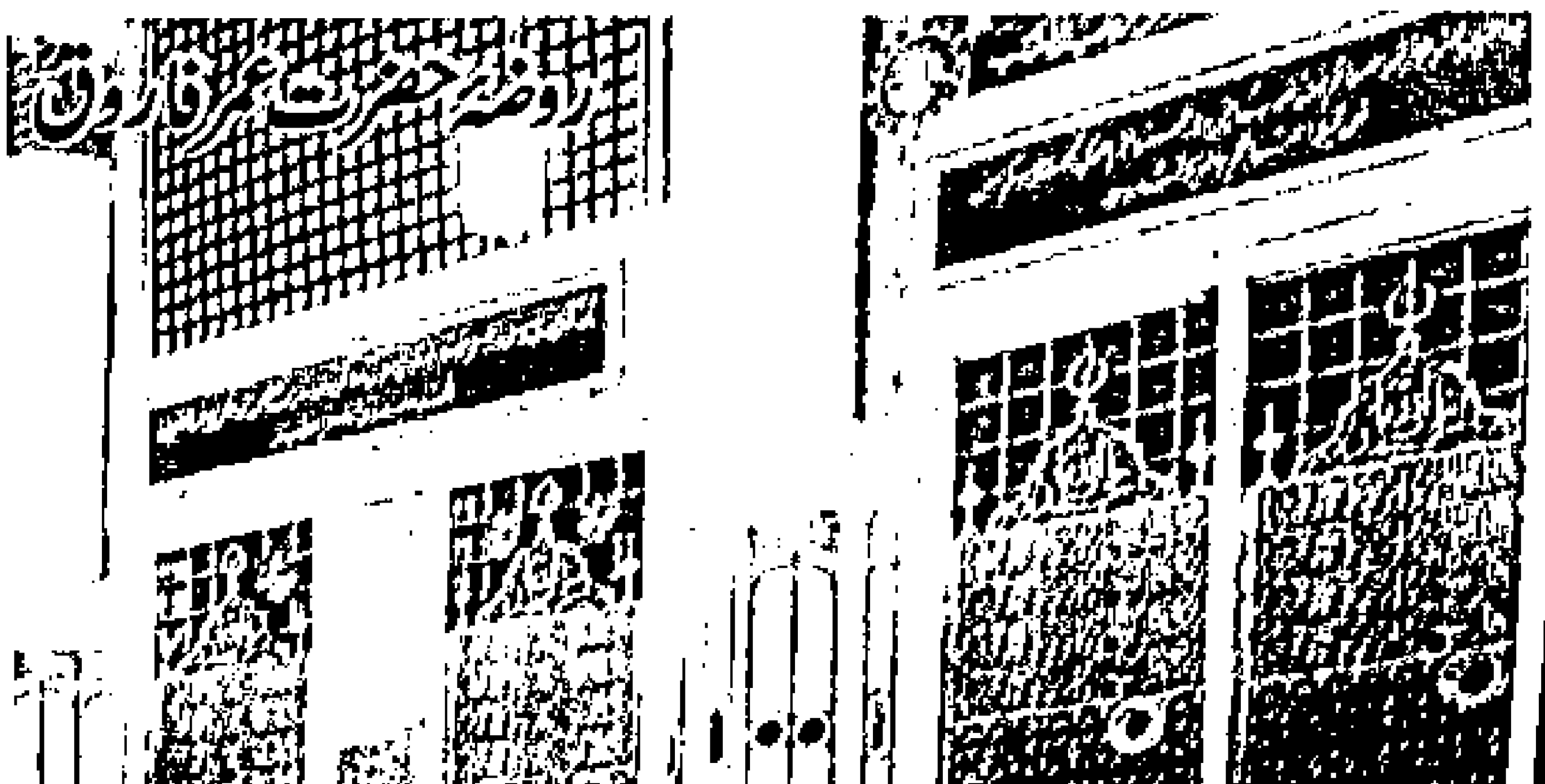

Marfat.com

اتنی دعا آپ کی کافی ہے' اس بات پر' جونہی سر اٹھایا تو جبریل علیہ السلام وحی لے آئے کہ ان کافروں کو جلد ہی شکست دی جائے گی اور یہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔ دوسرے غزوات میں بھی حضرت ابوبکر صدیق ؓ ہمیشہ اور ہر حال میں حضور انور ﷺ کی خدمت میں سینہ سپر ہو کر رہتے تھے۔

پھر جب حضور انور ﷺ کا وصال ہوا تو طرح طرح کی رکاوٹ کھڑی ہوئیں، بعض لوگ نبوت کے مدعی بن بیٹھے۔ ان میں مسیلمہ کذّاب، عنسی اور سجاح وغیرہ کے قتل کا حکم حضرت ابوبکر صدیق ؓ ہی نے نافذ فرمایا۔ ایک اور اہم واقعہ یہ تھا کہ حضور انور ﷺ نے اپنی آخری وصیت میں فرمایا تھا کہ اسامہ کا لشکر ملک شام کی طرف کیا جائے، لیکن پر آشوب حالات کی وجہ سے تمام جلیل القدر صحابیؓ فی الحال اس لشکر کے بھیجنے میں پس وپیش کر رہے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے حکم دیا کہ میری اونٹنی لاؤ میں خود مرتدوں کے قتال کے لئے جاتا ہوں اور اسامہ کا لشکر ابھی روانہ ہوگا، خدا کی قسم اگر چیل کوے میرا گوشت نوچ ڈالیں تب بھی میں اس لشکر کو نہ روکوں گا جس کی روانگی کا حکم حضور انور ﷺ دے گئے تھے۔ چنانچہ وہ لشکر فوراً روانہ ہوا، اور فتح ونصرت حاصل کر کے واپس ہوا۔ پھر بحرین، عراق، شام اور روم وغیرہ کی جنگوں کے لئے حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے بلا تکلف حکم دیا اور ہر جگہ فتح حاصل ہوئی۔

حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے سلسلے میں قرآن پاک میں جو آیتیں نازل ہوئی ہیں ان میں سے ایک تو وہی سورۃ توبہ کی آیت (۴۰) ہے جس میں حضور انور ﷺ نے غار ثور پر کافروں کے غلبے کے وقت فرمایا تھا کہ "رنجیدہ نہ ہو' اللہ ہم دونوں کے ساتھ ہے۔ دوسری آیت سورۃ الفتح کی آیت (۲۹) ہے جس میں وہ اور ان کے ساتھیوں کے متعلق فرمایا ہے کہ "وہ کافروں پر بہت سخت اور آپس میں بہت نرم ہیں"۔

تیسری آیت سورۃ الیل کی آیت (۱۸) ہے کہ "وہ بچایا جائے گا دوزخ کی آگ سے جو سب سے بڑا متقی ہے، جو اپنا مال دیتا ہے کہ ستھرا ہو"۔ چوتھی آیت سورۃ الحجرات (۱۳) کی کہ "تم میں خدا کے نزدیک زیادہ بزرگ وہ ہے جو متقی ہو"۔ مفسرین کے نزدیک یہ آیت بھی آپ ؓ کی شان کو ظاہر کرتی ہے۔

پانچویں آیت سورۃ النور (۲۲) کی ہے کہ "جو تم میں بزرگی اور وسعت والے ہیں وہ اپنے قرابت والوں کو دینے سے انکار نہ کریں"۔

احادیث بھی بکثرت ہیں جن میں آپ ؓ کی فضیلتیں مذکور ہیں۔ اور یہ عجیب بات ہے کہ صرف حضرت ابوبکر صدیق ؓ ایسے صحابی ہیں جن کی چار پشتیں صحابی ہیں۔ یعنی ماں باپ بھی بیٹے بھی اور پوتے بھی۔

۲۲ جمادی الآخر کو آپ ؓ کا وصال ہوا، اسی وقت میں حضرت عائشہ ؓ نے کوئی درد انگیز شعر پڑھا تو آپ ؓ نے فرمایا، "ایسا نہ کہو' بلکہ یہ آیت سورہ ق (۱۹) کی پڑھو کہ "آ گئی غفلت موت کی، حق کے ساتھ یہی وہ چیز ہے جس سے اے انسان تو بھاگتا تھا۔ اِنَّ لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

Marfat.com

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

نسب وولادت

آپ اشراف قریش میں تھے۔ زمانہ جاہلیت میں آپ کے خاندان سے سفارت مخصوص ومتعلق تھی۔ یعنی جب قریش کی کسی دوسرے قبیلے سے لڑائی ہوتی تھی تو آپ کے بزرگوں کو سفیر بنا کر بھیجا جاتا تھا یا جب کوئی تفاخر نسب کے اظہار کی ضرورت پیش آئی تو اس کام کے لئے آپ ہی کے بزرگ آگے نکلتے تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب اس طرح ہے: عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بن نفیل بن عبدالعزیٰ بن رباح بن عبداللہ بن زراح بن عدی بن کعب بن لوئی۔ کعب کے دو بیٹے تھے۔ ایک عدی دوسرے مرہ۔ مرہ آنحضرت ﷺ کے اجداد میں ہیں۔ یعنی آٹھویں پشت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نسب آنحضرت ﷺ کے سلسلہ نسب میں مل کر ایک ہو جاتا ہے۔ عمر فاروقؓ کی کنیت ابوحفص تھی۔ آنحضرت ﷺ نے آپ کو فاروق کے لقب سے ملقب فرمایا تھا۔

آپ ہجرت نبوی سے چالیس سال پہلے پیدا ہوئے۔ لڑکپن میں اونٹوں کے چرانے کا شغل تھا۔ جوان ہونے کے بعد عرب کے دستور کے موافق نسب دانی، سپہ گری، شہسواری اور پہلوانی کی تعلیم حاصل کی۔ عہد جاہلیت میں بھی اور مسلمان ہونے کے بعد بھی تجارت کا پیشہ کرتے تھے۔ فاروق اعظمؓ اسلام لانے سے پیشتر بازار عکاظ میں جہاں سالانہ اہل فن کا اجتماع ہوتا تھا اور بہت بڑا میلہ لگتا تھا۔ اکثر دنگل میں کشتی لڑا کرتے تھے اور ملک عرب کے نامی پہلوانوں میں سمجھے جاتے تھے۔ شہسواری میں یہ کمال حاصل تھا کہ گھوڑے پر اچھل کر سوار ہوتے اور اس طرح جم کر بیٹھتے کہ بدن کو حرکت نہ ہوتی تھی۔ آنحضرت ﷺ کی بعثت کے وقت فتوح البلدان کی روایت کے موافق قریش میں صرف سترہ آدمی ایسے تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ ان میں ایک عمر بن الخطابؓ بھی تھے۔ آپ چالیس مسلمان مردوں اور گیارہ عورتوں کے بعد اسلام لائے۔ بقول بعض ۳۹ مردوں اور ۲۳ عورتوں کے بعد اور بقول دیگر ۴۵ مردوں اور گیارہ عورتوں کے بعد اسلام میں داخل ہوئے۔ آپ سابقین اور عشرہ مبشرہ میں ہیں۔

آپ آنحضرت ﷺ کے خسر ہیں۔ آپ کا شمار علماء اور زہاد صحابہ میں ہے۔ ۱۵۳۹ احادیث آپ سے مروی ہیں۔ جن کو حضرت عثمانؓ، علیؓ، طلحہؓ، سعدؓ، ابن مسعودؓ، ابوذرؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، انسؓ، ابوہریرہؓ، عمرو بن عاصؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ، براء بن عازبؓ، ابوسعید خدریؓ اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے روایت کیا ہے۔

ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ جس روز حضرت عمر فاروقؓ ایمان لائے، اس روز مشرکین نے کہا کہ آج مسلمانوں نے ہم سے سارا بدلہ لے لیا اور اسی روز آیت (یا ایھا النبی حسبک اللہ ومن اتبعک من المومنین) نازل ہوئی۔

ابن مسعودؓ کی روایت ہے کہ جس روز حضرت عمر فاروقؓ ایمان لائے۔ اس روز سے اسلام عزت ہی پاتا گیا۔ آپ کا اسلام گویا فتح اسلام تھا۔ اور آپ کی ہجرت گویا نصرت تھی اور آپ کی امامت رحمت تھی۔ ہماری مجال نہ تھی کہ ہم کعبہ شریف میں نماز پڑھ سکیں لیکن جب عمر فاروقؓ ایمان لائے تو آپ نے مشرکین سے اس قدر جدال ومعرکہ آرائی کی کہ مجبوراً ان کو ہمیں نماز پڑھنے کی اجازت دینی پڑی۔ حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ جب سے عمر فاروقؓ ایمان لائے، اسلام بمنزلہ ایک اقبال مند آدمی کے ہو گیا

Marfat.com

تھا کہ ہر قدم پر ترقی کرتا تھا اور جب سے آپ نے شہادت پائی، اسلام کے اقبال میں کمی آگئی کہ ہر قدم پیچھے ہی پڑتا ہے۔

ابن سعدؓ کہتے ہیں کہ جب سے حضرت عمر فاروقؓ ایمان لائے، اسلام ظاہر ہوا۔ ہم کعبہ کے گرد بیٹھے، طواف کرنے، مشرکین سے بدلہ لینے اور ان کو جواب دینے لگے۔ ابن عساکر نے حضرت علیؓ سے روایت کی۔ کہ ہر شخص نے خفیہ طور پر ہجرت کی ہے لیکن جب حضرت عمرؓ نے ہجرت کا قصد کیا تو ایک ہاتھ میں برہنہ تلوار لی، دوسرے میں تیر اور پشت پر کمان کو لگا کر خانہ کعبہ میں تشریف لائے۔ سات مرتبہ طواف کیا اور دو رکعتیں مقام ابراہیم کے پاس کھڑے ہو کر پڑھیں، پھر سرداران قریش کے حلقہ میں تشریف لائے اور ایک ایک سے کہا کہ تمہارے منہ کالے ہوں۔ جو شخص اپنی ماں کو بے فرزند اور بیوی کو بیوہ کرنا چاہتا ہو وہ آکر مجھ سے مقابل ہو۔ کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ آپ کو روکتا۔

امام نووی کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ ہر ایک جنگ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہے اور یوم احد میں ثابت قدم رہے۔

آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ میں نے بحالت خواب جنت میں دیکھا کہ ایک عورت ایک قصر کے پہلو میں بیٹھی ہوئی وضو کر رہی ہے، میں نے پوچھا کہ یہ قصر کس کا ہے؟ معلوم ہوا کہ عمرؓ کا ہے، پھر آپ نے حضرت عمرؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ مجھ کو تمہاری غیرت یاد آگئی اور میں وہیں سے لوٹ آیا۔ حضرت عمرؓ رو پڑے اور فرمایا کہ میں اور آپ سے غیرت کروں۔

آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں نے دودھ پیالہ اور اس کی تازگی میرے ناخنوں تک پہنچ گئی ہے۔ پھر میں نے وہ دودھ عمرؓ کو دے دیا، لوگوں نے پوچھا کہ حضرت اس کی تعبیر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ دودھ سے مراد علم ہے۔ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ لوگوں کو میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے اور وہ قمیض پہنے ہوئے ہیں۔ بعض کے قمیض سینے تک ہیں، بعض کے اس سے زیادہ مگر عمرؓ کا قمیض زمین میں گھسٹتا جاتا ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ قمیض سے مراد کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ دین۔ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ واللہ! جس راستے سے تم جاؤ گے، اس راستے پر شیطان کبھی نہ چلنے پائے گا بلکہ وہ دوسرا راستہ اختیار کرے گا۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے بعد اگر کوئی نبی ہونے والا ہوتا تو وہ عمرؓ ہی ہوتا۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ عمر فاروقؓ چراغ اہل جنت ہیں۔ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب تک عمر تمہارے درمیان رہے گا، فضول کا دروازہ بند رہے گا۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ آسمان کا ہر فرشتہ عمرؓ کا وقار کرتا ہے اور زمین کا ہر شیطان اس سے ڈرتا ہے۔ حضرت ابوسعید خدریؓ کی حدیث میں مذکور ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جتنے نبی مبعوث ہوئے ہیں ان کی امت میں ایک محدث ضرور ہوا ہے۔ اگر میری امت میں بھی کوئی محدث ہو سکتا ہے تو وہ عمرؓ ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ محدث کسے کہتے ہیں؟

آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس کی زبان سے ملائکہ باتیں کریں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا ہے کہ روئے زمین پر کوئی شخص عمرؓ سے زیادہ مجھ کو عزیز نہیں ہے۔ حضرت علیؓ کا قول ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد ہم نے عمرؓ کو سب سے زیادہ ذہین پایا۔ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ اگر دنیا بھر کا علم ترازو کے ایک پلڑے میں اور حضرت عمرؓ کا دوسرے پلڑے میں رکھ کر تولا جائے تو حضرت عمرؓ کا پلڑا بھاری رہے گا۔ حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ دنیا بھر کا علم حضرت عمرؓ کی گود میں پڑا ہوا ہے۔

Marfat.com

نیز یہ کہ کوئی شخص سوائے حضرت عمرؓ کے ایسا نہیں ہے جس نے جرات کے ساتھ راہ الٰہی میں امامت سنی ہو۔ حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ کو کپڑا اوڑھے دیکھ کر فرمایا کہ اس کپڑا اوڑھے شخص سے زیادہ مجھے کوئی عزیز نہیں ہے۔ حضرت علیؓ سے کسی نے پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ حضرت عمرؓ ارادہ کی پختگی اور ہوش مندی و دلیری سے پر ہیں۔ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ حضرت عمرؓ کی فضیلت ان چار باتوں سے معلوم ہوتی ہے۔ اول اسیران جنگ بدر کے قتل کا حکم دیا اور اسکے بعد آیت (لو لا کتاب من الله) نازل ہوئی۔ دوم آپ نے امہات المومنینؓ کو پردہ کرنے کے لئے کہا اور پھر آیت پردہ نازل ہوئی۔ اسی پر حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ وحی تو ہمارے گھر میں اترتی ہے اور تم کو پہلے ہی القا ہو جاتا ہے۔ سوم رسول اللہ ﷺ کا دعا کرنا کہ الٰہی عمرؓ کو مسلمان کر کے اسلام کی مدد فرما۔ چہارم آپ کا اول ہی حضرت ابوبکرؓ سے بیعت کر لینا۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ ہم اکثر یہ ذکر کیا کرتے تھے کہ حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت میں شیطان قید میں رہے اور آپ کے انتقال کے بعد آزاد ہو گئے۔ ابو اسامہؒ نے کہا کہ تم جانتے بھی ہو کہ ابوبکر و عمرؓ کون تھے؟ وہ اسلام کے لئے بمنزلہ ماں اور باپ کے تھے۔ حضرت جعفر صادقؓ کا قول ہے کہ میں اس شخص سے بیزار ہوں جو ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو بھلائی سے نہ یاد کرے۔

حلیہ فاروقیؓ

فاروق اعظمؓ کی رنگت سفید تھی لیکن سرخی اس پر غالب تھی۔ قد نہایت لمبا تھا۔ پیادہ پا چلنے میں معلوم ہوتا تھا کہ سوار جا رہا ہے۔ رخساروں پر گوشت کم تھا، داڑھی گھنی، مونچھیں بڑی، سر کے بال سامنے سے اُڑ گئے تھے۔ ابن عساکر نے روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ دراز قد، موٹے تازے تھے۔ رنگت میں سرخی غالب تھی، گال پچکے ہوئے، مونچھیں بڑی تھیں اور ان کے اطراف میں سرخی تھی، آپ کی والدہ شریفہ ابوجہل کی بہن تھیں۔ اس رشتے سے آپ ابوجہل کے ماموں کہا کرتے تھے۔

حضرت عمرؓ کی شان میں اتاری گئی قرآنی آیات

قال السيوطي رحمته الله تعالىٰ في نظم الدر في موافقات عمرؓ (الحمد لله وصلى الله على نبيه الذى اجتباه)

بَسْمَلَ وحَمِدَ الله. وصلى على رسول تيمان.

[ياسائلي والحادثات تكثر. عن الذى وافق فيه عمر]

أياأيها السائل عن موافقات عمر رضى الله عنه للقرآن العظيم اللتورا وللسنة الشريفة.

[وما يرى أنزل في الكتاب . موافقاالرأيه الصواب]

أي عن الذي وافق به القرآن العظيم وكذالک التوراة وافق رأيه فيها كما سنبينه.

[خذ ماسالت عنه فى أبياتٍ . منظومة تأمن من شتات]

أي خذ جواب سؤالک: وهي الموافقات لكني نظمتها حفظاً لها من الشتات.

Marfat.com

وفي المقام وأساری بدر وآیتي تظاهر وستر

وفي قوله تعالی:

وَإِذْجَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِلنَّاسِ وَأَمْنًا ط وَاتَّخِذُوْ مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى ٥ (سورة البقره آیت نمبر ۱۲۵)

ترجمہ: یہ عہدہ نبوت کی خلاف ورزی کرنے والوں کو نہ ملے گا اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے کہ جس وقت ہم نے خانہ کعبہ کو لوگوں کا معبد، اور مقام امن (ہمیشہ سے) معزز رکھا اور مقام ابراہیم کو۔

وَفي قوله تعالیٰ مَاكَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ اَسرىٰ حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ . ٥ (سورة الانفال آیت نمبر۶۷)

ترجمہ: نبی کی شان کے لائق نہیں ہیں ان کے قیدی باقی رہے (بلکہ قتل کر دیئے جائیں) جب تک وہ زمین میں اچھی طرح (کفار کی) خون ریزی نہ کرلیں۔

وَفي قوله تعالی: وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَامَوْلٰهُ وَجِبْرِيْلُ وَصٰلِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ٥ (سورة تحریم آیت نمبر۴)

ترجمہ: اگر پیغمبر کے مقابلے میں تم دونوں کاروائیاں کرتی رہیں تو (یاد رکھو کہ) پیغمبر کا رفیق اللہ ہے اور جبرائیل ہے اور نیک مسلمان ہیں۔

وَفي قوله تعالیٰ: فَسْئَلُوْ هُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ٥ (سورة الاحزاب آیت نمبر۵۳)

ترجمہ: کوئی چیز مانگو تو پردے کے باہر سے مانگو۔

وذكر جبريل لأهل الغدر وآيتين أنزلا في الخمر

وفي قوله تعالیٰ: قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّالِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلیٰ قَلْبِكَ بِاِذْنِ ٥ (سورة البقره آیت نمبر ۹۷)

ترجمہ: آپ ان سے کہہ دیجئے کہ جو شخص جبریل سے عداوت رکھے سو انہوں نے یہ قرآن آپ کے قلب تک پہنچا دیا ہے خداوند کے حکم سے

وفي قوله تعالیٰ: يٰۤاَيُّهَاالَّذِيْنَ ءَ امَنُوْ لَا تَقْرَبُو الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرىٰ ٥ (سورة النساء آیت نمبر ۴۳)

ترجمہ: اے ایمان والوں تم نماز کے پاس بھی اسی حالت میں مت جاؤ کہ تم نشے میں ہو۔

وفي قوله تعالیٰ: وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُه رِجْس" مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ يٰۤاَيُّهَاالَّذِيْنَ ءَ امَنُوْ اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ ٥ (سورة المائده آیت نمبر ۹۰)

ترجمہ: اے ایمان والوں بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور بت وغیرہ اور قرعہ کے تیر یہ سب گندی باتیں شیطانی کام ہیں، سو ان سے بالکل الگ رہو تا کہ تم فلاح پاؤ۔

آية الصيام فی حل اللرفث وقوله نساؤكم حرث يبث

وفي قوله تعالیٰ: نِسَآئُكُمْ حَرْث" لَّكُمْ ٥ (سورة البقره آیت نمبر ۲۲۳)

ترجمہ: تمہاری بیبیاں تمہارے لئے (بمنزلہ) کھیت (کے) ہیں۔

Marfat.com

قوله لا یؤمنون حتی   یحکموک اذ یقتل أفت

و في قوله تعالی: فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجاً مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْماً ٥ (سورة النساء آیت نمبر ٦٥)

ترجمہ: پھر قسم ہے آپ کے رب کی یہ لوگ ایمان دار نہ ہوں گے جب تک یہ بات نہ ہو کہ ان کے آپس میں جو جھگڑا واقع ہو اس میں یہ لوگ آپ سے تصفیہ کروا دیں پھر آپ کے تصفیہ سے اپنے دلوں میں تنگی نہ پائیں اور پورا پورا تسلیم کر لیں۔

و آیة فیها لبدر أوبه   ولا تصل آیة في التوبه

و في قوله تعالی: کَمَآ اَخْرَجَکَ رَبُّکَ مِنْ م بَیْتِکَ بِالْحَقِّ ٥ (سورة الانفال آیت نمبر ٥)

ترجمہ: جیسا آپ کے رب نے آپ کے گھر اور بستی سے مصلحت کے ساتھ آپ کو (بدر کی طرف) روانہ کیا۔

وفي قوله تعالی: وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَداً ٥ (سورة التوبه آیت نمبر ٨٤)

ترجمہ: اور اُن میں کوئی مر جاوے تو اس (کے جنازہ) پر کبھی نماز نہ پڑھیے۔

[وآیة في النور هذا بهتان   وآیة فیها بها الاستذان]

و في قوله تعالی: هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِیْمٌ   (سورة النور آیت نمبر ١٦)

ترجمہ: یہ تو برا بہتان ہے۔

وفي قوله تعالی: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ ءامَنُوْا لِیَسْتَاْذِنْکُمُ الَّذِیْنَ مَلَکَتْ اَیْمٰنُکُمْ ٥

ترجمہ: اے ایمان والو (تمہارے پاس آنے والے کیلئے) مملوکوں کو اور تم میں حد بلوغ کو نہیں پہنچے۔ (سورة النور آیت نمبر ٥٨)

وفي ختام آیة في المؤمنین   تبارک الله بحفظ المتقین

وفي قوله تعالی: فَتَبٰرَکَ اللهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ ٥ (سورة المومنون آیت نمبر ١٤)

ترجمہ: سو کیسی بڑی شان ہے اللہ کی جو تمام صناعوں سے بڑھ کر ہے۔

وثلة من صفات السابقین   وفي سواء آیة المنافقین

و في قوله تعالی: ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ ٥ وَقَلِیْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ ٥ (سورة الواقعه آیت نمبر ١٤)

ترجمہ: اُن کا ایک بڑا گروہ تو اگلے لوگوں میں سے ہوگا۔ اور تھوڑے پچھلے لوگوں میں سے ہوں گے۔

وفی قوله تعالیٰ:   سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ   (سورة البقره آیت نمبر ٦)

ترجمہ: برابر ہے اُن کے حق میں

[وعددو من ذالک نسخ الرسم   لآیة قدر أنزلت في الرجم]

و في الآیي في الآیة التي نسخ رسمها وتلاوتها وبقي حکمها وهي: اذا زني الشیخ والشیخة فار جموهما البتة نکالا من الله والله عزیز حکیم.

Marfat.com

[وقال قولا هو في التوراة قد نبهه عليه كعب فسجد]

أي وافق التوراة في قوله: (ويل لملك الأرض من ملك السماء الا من حاسب نفسه. قد أعلمه كعب رضي الله عنه أنها في التوراة سجد شكراً الله لموافقة التوراة.

وقلت زيادة على مانظمه السيوطي. رحمه الله تعالى:

[رأيت أيضاً آية الايذاء وسؤله بدا عن الاشياء]

و في قوله تعالیٰ: وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ (سورة الاحزاب آيت نمبر ٥٨)

ترجمہ: اور جولوگ ایمان والے مردوں کو اور ایمان والی عورتوں کو۔

وفي قوله تعالى: يٰاَيُّهَاالَّذِيْنَ ءَ امَنُوْ لَا تَسْئَلُوْ عَنْ اَشْيَآءَ ہ (سورة المائده آيت نمبر ١٠١)

ترجمہ: اے ایمان والوایسی فضول باتیں مت پوچھو۔

[وآية الصفا مع الكلاله وآية اللعان لا محاله]

وفي قوله تعالى: اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِن شَعَآئِرِ اللهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِاعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَن يَّطَّوَّفَ بِهِمَاه

ترجمہ: تحقیقاً صفااور مروہ منجملہ یادگار (دین) خداوندی ہیں۔سو جوشخص حج کرے بیت اللہ کا یا اسکا عمرہ کرے اس پر ذرا بھی گناہ نہیں ان دونوں کے درمیان آمدورفت کرنے میں (جس کا نام سعی ہو) (سورة البقره آيت نمبر١٥٨)

وفي قوله تعالى: يَسْتَفْتُوْنَکَ قُلِ اللهُ يُفْتِيْكُمْ فِى الْكَلٰلَةِ ہ (سورة النساء آيت نمبر١٧٦)

ترجمہ: لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں آپ فرمادیجئے تم کو کلالہ کے باپ کا حکم دیتا ہے۔

وفي قوله تعالى: وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّا اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ

ترجمہ: اور جولوگ اپنی (منکوحہ) بیبیوں کو (زنا کی) تہمت لگائیں اوران کے پاس بجز اپنے (ہی دعویٰ کے) اور کوئی گواہ نہ ہو (جنکا عدد میں 4 ہونا چاہیے) توان کی شہادت (جو کہ دافع حبس یا حدقذف ہو) (سورة النور آيت نمبر٦)

[وآية الأمر من الأ من بدت وآية ليفتنونک انجلت]

وفي قوله تعالى: وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَالْاَمْنِ اَوِالْخَوْفِ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ أَذَا عُوْ بِهِ ہ

ترجمہ اور جب ان لوگوں کو کسی امر کی خبر پہنچتی ہے خواہ امن ہو یا خوف تو اس کو مشہور کردیتے ہیں۔ (سورة النساء آيت نمبر٨٣)

وفي قوله تعالى: وَاِنْ كَادُوْ لَيَفْتِنُوْنَکَ عَنِ الَّذِیْ اَوْحَيْنَآ اِلَيْکَ ہ (سورةبنی اسرائيل آيت نمبر٧٣)

ترجمہ: اور یہ (کافر) لوگ آپ کو اس چیز سے بچلانے ہی لگے تھے جو ہم نے آپ پر وحی کے ذریعے سے بھیجی ہے۔

ثم ذكر السيوطي. رحمه الله تعالىٰ. من موافقات السنة موافقة واحدة فقال:

[وفي الأذان الذكر للرسول رأيته في خبر موصول]

وهي في قول المؤذن: وأشهد أن محمداً رسوال الله

Marfat.com

دارارقم جہاں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام قبول کیا تھا

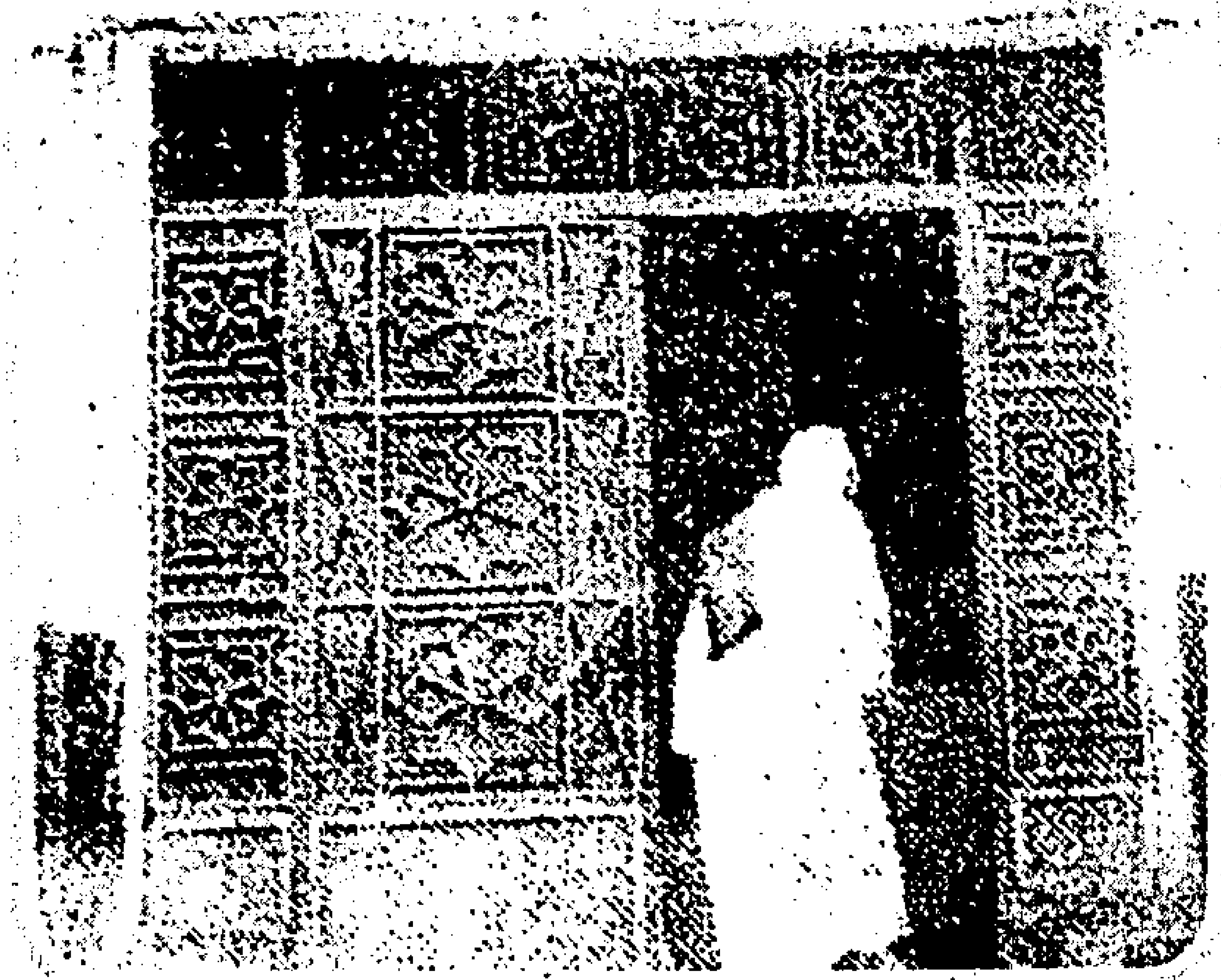

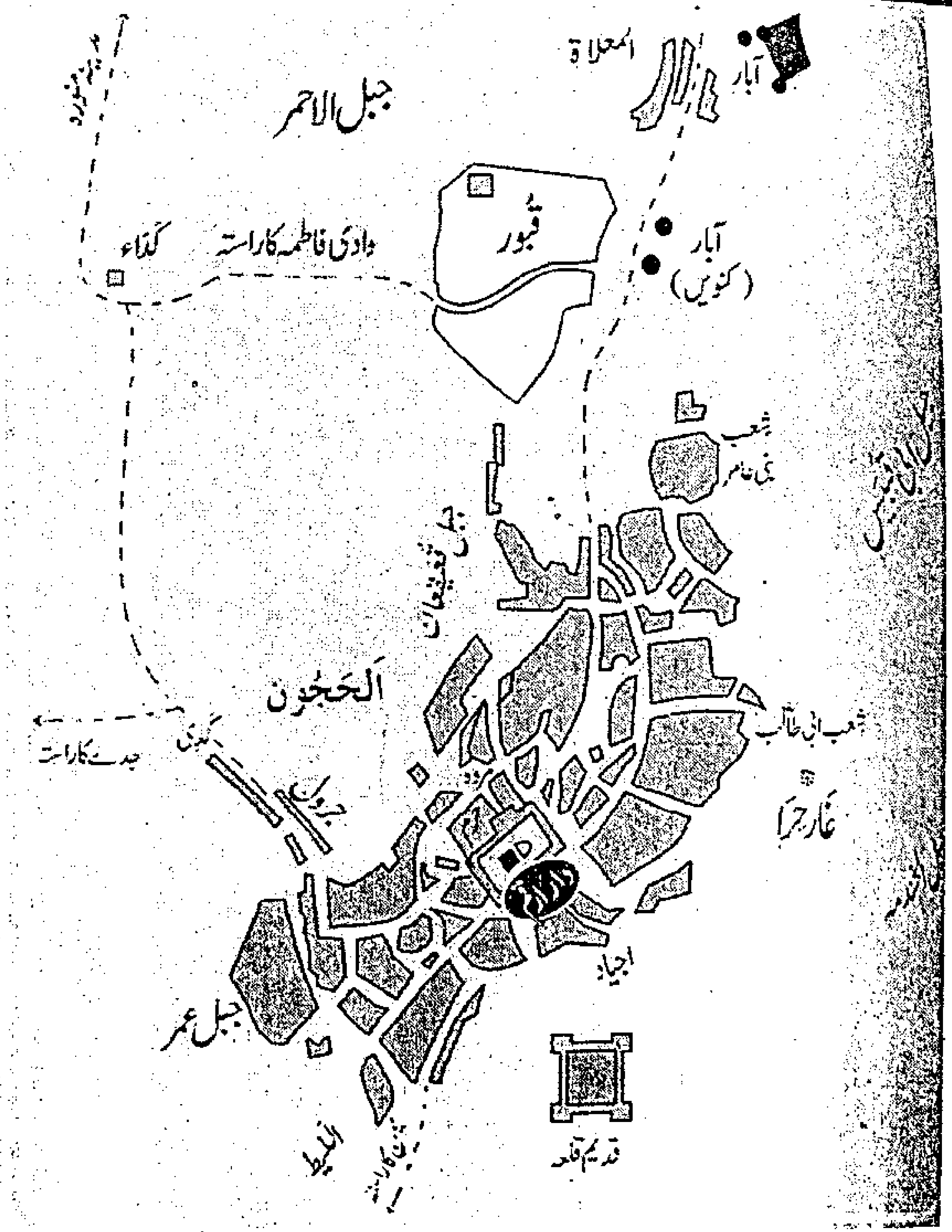

Marfat.com

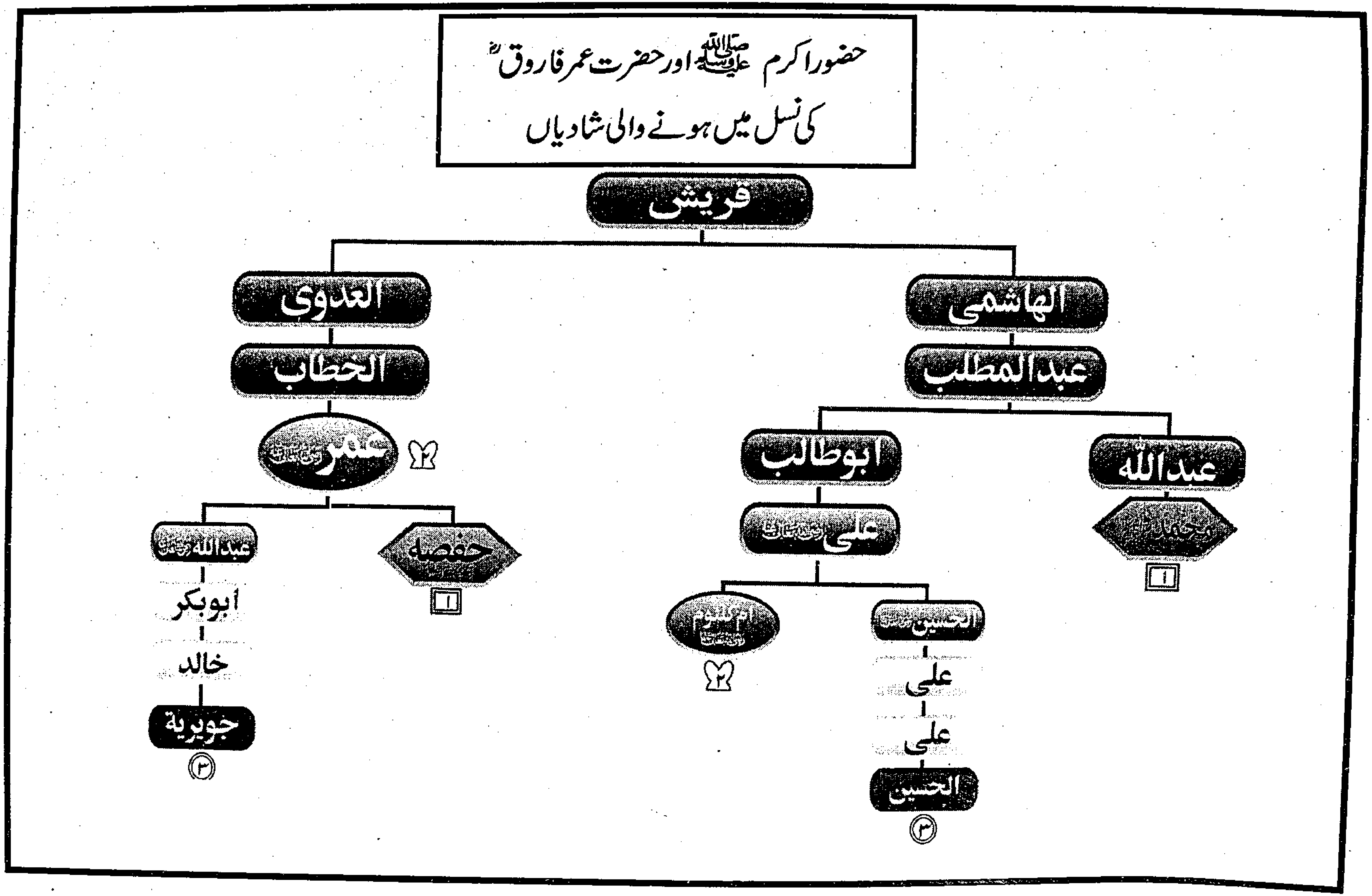

حضور اکرم ﷺ اور حضرت عمر فاروقؓ
کی نسل میں ہونے والی شادیاں
قریش
الهاشمی
العدوی
عبد المطلب
الخطاب
عبد الله
ابو طالب
عمر
محمد ﷺ
علی
حفصه
عبد الله
الحسین
ام کلثوم
ابو بکر
علی
خالد
علی
جویرية
الحسین

Marfat.com

واقول أيضاً : وفي نفس الأذان. وقلت:

[واسمع له موافقات أيضاً لسنة الهادي أفيضت فيضا]

أي من موافقات السنة الشريفة وعدتها:

[المحسنات منه قل والسيّات وسوف يعطيت رفيع الدرجات]

أي فٓ قولعمر. رضي اللهنه. الحسنات والسيئات من الله

وفي قوله لرجل أصاب النبي ﷺ بطنه فأدماه: سوف يعطيک. فأعطاه النبی ﷺ القود من نفسه لطفاً منه فقبّل الرجل سرته .

[ولا يفيُ الله الفئ أسداً أبدا فيمنح الهادي سواه أحدا]

أي في قول عمر: والله لا يفيئها الله على أسَدٍ من أُسدِه. ويعطيكها. فقال ﷺ الاصدق عمر"

[كذالک في ليحملو السلاحا ويعث عثمان لهم اصلاحا]

أي في اشارته بحمل السلاح في قصة الحديبيه. وفي ارسال عثمانلكفارمكة دونه ليخبرهم أنه ما أتي لقتال وأتي لزيارة البيت وتعظيم حرمته

[كذا تنحى عنه وهو ساجد وأمره بذالک فقد صاعد]

حضرت عمرؓ کے انتظام سلطنت کا انداز

مشاورت

حضرت عمر فاروقؓ تمام ملکی وقومی مسائل مجلس شوریٰ کے مشورے سے حل کرتے تھے۔ آپؓ کی مجلس شوریٰ مہاجرین اور انصار پر مشتمل تھی۔ اس کے ممتاز ارکان حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت ابیؓ بن کعب، حضرت معاذؓ بن جبل اور حضرت زیدؓ بن ثابت تھے۔ مجلس شوریٰ کے علاوہ مجلس عام بھی تھی جس میں مہاجرین وانصار کے علاوہ تمام قبائل کے سردار شامل تھے۔ ان سے بڑے اہم مسائل کے متعلق مشورہ لیا جاتا تھا۔ ایک مجلس خاص بھی تھی جس میں صرف مہاجرین صحابہ شریک ہوتے تھے۔ ان سے عام مسائل کے بارے میں مشورہ لیا جاتا تھا۔ مجلس شوریٰ کا اجلاس مسجد میں ہوتا تھا۔

ملکی تقسیم

حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے مفتوحہ علاقوں کا انتظام بڑی حکمت عملی سے کیا۔ انہوں نے مفتوحہ علاقوں کو آٹھ صوبوں میں تقسیم کیا، مدینہ، مکہ، کوفہ، بصرہ، شام، فلسطین، مصر، جزیرہ۔ اس تقسیم کے علاوہ عجم کے تین صوبے بنائے۔ آزربائیجان، خراسان، فارس۔

Marfat.com

عہد فاروقی کے اہم عہدے

عامل کا تقرر

حضرت عمرؓ نے ہر صوبے کے نظم و نسق کی بہتری کیلئے ایک عامل مقرر کیا ہوا تھا جسے گورنر یا یا والی بھی کہتے تھے۔ عامل تمام اختیارات کے باوجود خلیفہ کے سامنے جوابدہ ہوتا تھا۔

صاحب الخراج

ہر صوبے کی آمدنی اور اخراجات کا حساب رکھنے کے لئے ایک افسر مقرر ہوتا تھا جسے صاحب الخراج کہا جاتا تھا۔ موجودہ دور میں اسے افسر مال یا کلکٹر کہتے ہیں۔

صاحب الاحداث

پولیس کے اعلیٰ افسر کو صاحب الاحداث کہا جاتا تھا۔ موجودہ دور میں یہ عہدہ ایس پی کہلاتا ہے۔ بعض مقامات پر قاضی کی بجائے صاحب الاحداث ہی فیصلہ کرتا تھا۔

افسر خزانہ

ہر صوبے میں بیت المال کی آمدنی اور اخراجات کا حساب کتاب رکھنے کے لئے ایک افسر مقرر ہوتا تھا جسے صاحب بیت المال کہا جاتا تھا۔ یہ افسر آمدنی میں سے اخراجات منہا کر کے باقی رقم مرکزی بیت المال میں جمع کروا دیتا تھا۔

قاضی

ہر صوبے میں مقدمات کے فیصلوں کے لئے قاضی ہوتا تھا جیسے موجودہ دور میں جج ہوتے ہیں۔ ایک عہدہ قاضی القصناۃ کا بھی ہوتا تھا جسے موجودہ دور میں چیف جسٹس کہتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے صوبوں میں کو ضلعوں اور ضلعوں کو تحصیلوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ صوبوں کے علاوہ مرکز میں بھی مختلف شعبوں کا انتظام کے لئے افسر مقرر کر رکھے تھے جو اپنے فرائض منصبی بڑی دیانتداری سے سرانجام دیتے تھے۔

ذرائع آمدنی

زکوٰۃ

حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں زکوٰۃ باقاعدہ طور پر اکٹھی کر کے بیت المال میں جمع ہوتی تھی اور اس سے ضرورت مندوں کی ضروریات پوری کی جاتی تھیں۔

جزیہ

جزیہ وہ رقم ہے جو اسلامی حکومت غیر مسلموں سے ان کی جان و مال کی حفاظت کے عوض وصول کرتی ہے۔ حضرت عمرؓ

Marfat.com

کے دور میں جزیہ کی رقم بہت تھوڑی یعنی دو درہم سے لے کر دس درہم تک وصول کی جاتی تھی۔ اگر مسلم ریاست غیر مسلم رعایا کی حفاظت نہ کر سکتی تو مسلمان جزیہ کی وصول کی ہوئی رقم واپس کر دیتے تھے۔

عشر

عشر زمین کا وہ مالیہ ہے جو مسلمان کاشتکاروں سے وصول کیا جاتا ہے۔ عشر کی شرح زرعی پیداوار کا دسواں حصہ ہے اور چاہی زمینوں سے بیسواں حصہ لیا جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ غیر ملکی تاجروں سے بھی دس فیصد عشر وصول کرتے تھے۔

خراج

خراج ایسی زمینوں کا مالیہ تھا جو مفتوحہ ممالک کے غیر مسلموں سے لیا جاتا تھا۔ یہ زمین کی زرخیزی کی مناسبت سے وصول کیا جاتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے عثمانؓ بن حنیف کو عراق کی زمین کی پیمائش کے لئے مقرر کیا۔ انہوں نے بڑی احتیاط سے پیمائش کروائی۔ خراج کا حساب اسی پیمائش سے لگایا جاتا تھا۔

فے

براہ راست زمینوں اور جاگیروں سے جو آمدنی حاصل ہوتی، وہ بھی سرکاری خزانے میں جمع کروادی جاتی۔ اسکے علاوہ جنگلات وغیرہ کی آمدنی بھی سرکاری خزانے میں جمع ہو جاتی تھی۔

مال غنیمت

مسلمانوں کو جو مال کفار سے لڑائی کے دوران حاصل ہوتا ہے وہ مال غنیمت کہلاتا ہے اسکا پانچواں حصہ مرکزی بیت المال میں جمع کروادیا جاتا تھا جو رفاہ عامہ کے کاموں پر خرچ کیا جاتا تھا۔

فوجی نظام

۱۵ ہجری میں حضرت ابو ہریرہؓ نے حضرت عمرؓ کو مشورہ دیا کہ ایک مستقل اور منظم صیغہ فوج قائم کیا جائے۔ حضرت عمرؓ کو یہ تجویز پسند آئی اور انہوں نے اسی سال ایک منظم فوج کا شعبہ قائم کر دیا۔

دیوان

حضرت عمرؓ نے فوج کی تنخواہوں، وظیفوں اور دیگر انتظامی اُمور کے لئے ایک دیوان یعنی دفتر قائم کیا اور اس پر صاحب دیوان مقرر کیا جس کے پاس رجسٹر ہوتا تھا۔ اس رجسٹر میں فوجیوں کے نام، پتے اور نسب وغیرہ درج ہوتے تھے۔ ہر ایک فوجی کی تنخواہ مقرر کی گئی۔ تنخواہوں کی تقسیم خدمت اسلام کے پیش نظر مقرر کی گئی۔ بدری صحابہ کی تنخواہ پانچ ہزار درہم سالانہ، غزوہ اُحد میں حصہ لینے والوں کو چار ہزار درہم سالانہ، اُحد سے فتح مکہ تک اسلام قبول کرنے والے فوجیوں کو تین ہزار درہم سالانہ اور بعد کی جنگوں میں حصہ لینے والوں کو دو ہزار درہم سالانہ ملتے تھے۔ معمولی سپاہیوں کی تنخواہ دو تین سو درہم سے لے کر

Marfat.com

ایک ہزار درہم سالانہ تک تھی۔

فوجی تربیت و نظم وضبط

فوجیوں کو شہسواری، تیر اندازی، تیراکی، ننگے پاؤں بھاگنا، نیزہ بازی اور شمشیر زنی کی تربیت دی جاتی تھی۔ حضرت عمرؓ نظم ونسق کی پابندی میں بہت سخت تھے۔ وہ اپنی فوج میں جذبہ اطاعت امیر پیدا کرتے۔ آپ نے فوجوں کی نگرانی کے لئے خبر رسانی کا محکمہ بھی قائم کیا ہوا تھا۔

فوج کی تقسیم

فوج کی تنظیم کے لئے اسے کئی حصوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ پیدل، سوار اور ہراول دستے ہوتے تھے۔ عام طور پر دس سپاہیوں کا ایک دستہ ہوتا تھا۔

فوجی سہولیات

حضرت عمرؓ فوج کی سہولیات کا پورا پورا خیال رکھتے تھے۔ کسی فوجی کو گھر سے دور رہنے کے لئے مجبور نہیں کیا جاتا تھا۔ فوجیوں کو ان کے گھر والوں سے خط و کتابت کی اجازت ہوتی تھی۔ فوجیوں کو جمعہ کے روز چھٹی ہوتی تھی۔ انہیں چار ماہ بعد گھر جانے کی اجازت تھی۔ اس کے علاوہ انہیں بوقت ضرورت چھوٹی دے دی جاتی تھی۔

فوجی چھاؤنیاں

حضرت عمرؓ نے فوج کی رہائش کے لئے چھاؤنیاں بنوائی ہوئی تھیں۔ جنہیں ''جند'' کہا جاتا تھا۔ بصرہ، کوفہ، مدینہ، دمشق، موصل، فسطاط، حمص، اردن اور فلسطین وغیرہ میں چھاؤنیاں قائم تھیں۔ اسکے علاوہ چھوٹی چھوٹی چھاؤنیاں بھی قائم تھیں۔ ان کی حفاظت کا انتظام ایک محکمے کے سپرد تھا۔ جس کے سربراہ عبداللہ بن قیس تھے۔ ان چھاؤنیوں میں رہائش کے لئے مکانات، بارکیں اور گھوڑوں کے لئے اصطبل تعمیر کئے گئے تھے۔

محکمہ قضاء وافتاء

قضا کا معنی فیصلہ کرنا ہے۔ حضرت عمرؓ نے تمام صوبوں میں لوگوں کے اختلافات اور لڑائی جھگڑوں کا فیصلہ کرنے کے لئے عدالتیں قائم کی ہوئی تھیں۔ غیر مسلموں کے لئے علیحدہ عدالتیں ہوتی تھیں۔ آپ خود بھی قاضی القصناہ کی حیثیت سے مسجد نبوی ﷺ میں عدالت لگاتے تھے۔ آپ نے رشوت کے انسداد کے لئے قاضیوں کی بھاری تنخواہیں مقرر کی ہوئی تھیں۔ یہ عدالتیں تمام تر فیصلے عدل و انصاف کے ساتھ کرتی تھیں۔ افتاء فتویٰ دینے کو کہتے ہیں۔ مفتی صرف قانونی مشورہ کے لئے مقرر تھے۔ یہ فیصلے نہیں دیتے تھے۔ حکومت مفتی حضرات کو باقاعدہ تنخواہ دیتی تھی۔ حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت ابوذر غفاریؓ شعبہ افتاء کے ممتاز رکن تھے۔

Marfat.com

حدود و تعزیرات

حضرت عمرؓ نے حدود و تعزیرات کے سلسلے میں نہایت اہم اقدامات کئے

۱۔ قتل، زخم اور چوٹ وغیرہ کی سزا قصاص مقرر کی۔ اس میں مرد و عورت سب برابر تھے۔

۲۔ شرابی کی سزا اسی (۸۰) کوڑے مقرر کی۔

۳۔ اگر کوئی شخص کسی کو دھوکے سے قتل کر دے تو اسکی سزا بھی قتل مقرر کی۔

۴۔ الزام لگانے والے اور جھوٹی گواہی دینے والے کو بھی سزا دی جاتی۔

۵۔ بار بار سزا ملنے اور بار بار توبہ کرنے پر بھی اگر کوئی شخص جرم کا ارتکاب کرتا تو معاشرے کی بھلائی کے لئے اس کو جلاوطن کر دیتے یا قید کی سزا دیتے۔

شعبۂ تعلیم

حضرت عمرؓ نے تمام والیوں اور عاملوں کو اس امر کا ذمہ دار ٹھہرایا کہ وہ اپنے دیگر فرائض کے ساتھ ساتھ لوگوں کو قرآن وسنت کی تعلیم بھی دیں۔ اس ضرورت کا احساس کرتے ہوئے ایک دفعہ آپؓ نے فرمایا: ''اے اللہ اپنے تمام عہدیداروں پر تجھے گواہ ٹھہراتا ہوں کہ میں ان کو اس لئے مقرر فرمایا ہے کہ وہ لوگوں کو ان کے دین کی تعلیم دیں'' آپ تمام افسروں کو تعینات کرتے ہوئے اس بات کا بھی خیال رکھتے کہ وہ عالم اور فقیہ بھی ہوں۔ آپؓ نے قرآن وحدیث کی تعلیم کے لئے مکتب قائم کئے جن میں تنخواہ دار معلمین مقرر کئے گئے۔ طلبہ کو وظائف دیئے جاتے تھے۔ غیر مسلموں میں دین اسلام کی تبلیغ اور اشاعت کا کام بھی اس محکمہ کے سپرد تھا۔ حفاظ قرآن کو مختلف مقامات پر درس دینے کے لئے بھیجا کرتے تھے۔

ٹکسال

عرب میں ہمیشہ غیر ملکی سکے جاری تھے۔ حضرت عمرؓ کے دور میں عربی حروف والفاظ سے مزین سکوں کا اجراء ہوا۔ اس مقصد کے لئے آپ نے ٹکسالیں قائم کیں۔

دیگر محکمے

محکمہ ڈاک

حضرت عمرؓ نے پہلی مرتبہ ایک جگہ سے دوسری جگہ پیغام پہنچانے کے لئے محکمہ ڈاک قائم کیا۔ اس مقصد کے لئے تیز رفتار گھوڑوں اور اونٹوں کا بندوبست کیا گیا۔ آپ نے ڈاک کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانے کے لئے چوکیاں بھی قائم کیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عمرؓ مدینہ میں بیٹھ کر تمام جنگی محاذوں اور مہمات پر ہدایات پہنچاتے۔ آپ عراق، شام، فلسطین اور مصر جیسے دور دراز علاقوں کے حالات سے بھی غافل نہ رہتے۔

Marfat.com

محکمہ پولیس

حضرت عمرؓ نے جرائم کے انسداد اور ملک میں امن وامان قائم کرنے کے لئے صیغہ احداث قائم کیا جسے آجکل محکمہ پولیس کہا جاتا ہے۔اس محکمے کے چیف محمد بن مسلمہ تھے۔امن وامان کے علاوہ احتساب کے تمام اُمور مثلاً عوام کے اخلاق کی نگرانی کرنا، تاجروں اور ناپ تول کی نگرانی کرنا، جانوروں کی بار برداری کی نگرانی کرنا، شاہراہوں پر مکانات کی تعمیر کی ممانعت کرنا، شراب وغیرہ کی خرید وفروخت پر پابندی کی نگرانی کرنا۔اس کے علاوہ دیگر مفاد عامہ اور احترام شریعت سے متعلق اُمور کا انتظام واحتساب اسی محکمے کے ذمے تھا۔حضرت عمرؓ نے محکمہ احداث کو کوڑے استعمال کرنے کی اجازت دے رکھی تھی۔آپؓ نے پہلا جیل خانہ مکہ میں صفوان بن امیہ کو مکان خرید کر بنایا۔حضرت عمرؓ بار بار جرم کرنے والے کو جلاوطن کر دیتے تھے۔

محکمہ مال

عہد فاروقی سے پہلے اس محکمے کا وجود نہ تھا۔پہلے یہ قاعدہ تھا کہ جو علاقے فتح کئے جاتے وہ فاتحین کو بطور جاگیر تقسیم کر دیئے جاتے تھے۔حضرت عمرؓ نے باقاعدہ محکمہ مال قائم کیا جسے صیغہ محاصل کہتے تھے۔آپ نے تمام مفتوحہ علاقوں کو اسلامی حکومت کی ملکیت قرار دے کر اس کا انتظام محکمہ مال کے سپرد کر دیا۔پیداوار کے لحاظ سے مختلف علاقوں کی زمینوں پر مالیہ مقرر کیا جسے خراج کہتے تھے جو زمینیں پہلے سے مسلمانوں کے قبضے میں تھیں، ان پر عشر لاگو کیا گیا۔عراق کے علاوہ شام، مصر اور ایران میں وہی پرانا نظام تھوڑی بہت ترمیم کے ساتھ قائم رکھا۔آپ نے جاگیرداری سسٹم کو بالکل ختم کر دیا۔زراعت کی ترقی کے لئے یہ اُصول بنایا کہ جو شخص کسی زمین کو آباد کرے گا وہی اس کا مالک ہوگا۔زمین لینے کے بعد تین برس کے اندر اندر اس کو آباد کرنا ضروری قرار دیا۔اس قانون سے بنجر زمینیں بہت جلد آباد ہو گئیں۔

محکمہ آبپاشی

حضرت عمرؓ نے زراعت کو فروغ دینے کے لئے محکمہ آبپاشی بھی قائم کر رکھا تھا جس کی ذمہ داری ملک میں مختلف نہری بنا کر کھیتوں تک پانی پہنچانا تھا۔بصرہ میں پانی کی قلت کے پیش نظر دریائے دجلہ سے نو میل لمبی نہر کھودی گئی جو بصرہ کے حاکم ابوموسیٰ اشعری کے نام سے مشہور ہوئی۔نہر معقل مشہور صحابی حضرت معقل بن یسارؓ نے اپنی نگرانی میں تعمیر کروائی۔دریائے نیل اور بحیرہ قلزم کو ملانے کے لئے ننانوے (۹۹) میل لمبی نہر عمرو بن العاص نے تعمیر کروائی جو نہر امیر المومنین کے نام سے مشہور ہوئی۔اس کے علاوہ بھی ملک میں کئی ایک نہریں تعمیر کی گئیں۔

سڑکوں کی تعمیر

حضرت عمرؓ نے سفر کو آسان بنانے کے لئے سڑکوں کی تعمیر پر بھی خصوصی توجہ دی۔آپ نے ۱۷ ہجری میں مکہ اور مدینہ کے درمیان نہایت عمدہ سڑک تعمیر کر کے اس کی ہر منزل پر پانی کے لئے حوض، سرائیں، چوکیاں اور مسافروں کے لئے مہمان خانے بنائے۔

Marfat.com

مردم شماری

آپ کی خلافت کے دور میں پہلی مرتبہ مردم شماری ہوئی۔

خدمت دین

حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں صرف اسلامی سرحدوں کو ہی وسعت نہیں دی بلکہ اشاعت اسلام میں بھی بڑے انہماک سے حصہ لیا۔ آپ نے سپہ سالاروں کو ہدایت کر رکھی تھی کہ جنگ سے پہلے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی جائے۔ اس طرح آپ نے اشاعت اسلام کے لئے کوششیں کیں۔ حضرت عمرؓ نے مسلمانوں کو مذہبی تعلیم و تدریس کا بھی خصوصی انتظام کیا۔ اس مقصد کے لئے آپ نے مکتب تعمیر کروائے، وہاں تنخواہ دار ملازمین اور حفاظ مقرر کئے گئے جو لوگوں کو قرآن و حدیث کی تعلیم دیتے تھے۔ آپ نے حفاظ صحابہ کو مختلف ممالک میں لوگوں کی تعلیم و تربیت کے لئے بھیجا۔ حضرت عمرؓ نے اپنے عہد میں مذہبی تعلیم کا مرتب اور منظم سلسلہ قائم کیا جس میں آپ نے پوری دلچسپی اور دلجمعی سے کام لیا۔ ان انتظامات میں مساجد کی تعمیر، حرم کعبہ کی وسعت، مساجد میں روشنی کا انتظام، تنخواہ دار آئمہ اور موذن کا تقرر اور حجاج کی راحت و آسائش کا انتظام شامل ہے۔

حضرت عمرؓ نے لوگوں کو فقہی مسائل بتانے کے لئے تمام ممالک میں مستقل فقہاء و معلم مقرر فرمائے تھے اور ان کی بہت زیادہ تنخواہیں مقرر کی ہوئی تھیں۔ مقصد یہ تھا کہ لوگ فقہی مسائل میں اختلاف کا شکار نہ ہوں۔ آپؓ نے اپنے خطبات اور تقاریر کے ذریعے خود بھی لوگوں کو فقہی مسائل سے آگاہ کرتے تھے۔ اس مقصد کے حصول کی خاطر خود قرآن و حدیث کی روشنی میں مسائل کا حل تجویز فرماتے اور مجلس منعقد کر کے صحابہ سے مشورہ لئے جاتے نیز پیچیدہ مسائل کے حل لکھوا کر دوسرے علاقے کے لوگوں کو بھجوائے جاتے تھے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

نام و نسب

عثمانؓ بن عفان بن ابوالعاص بن امیہ بن عبدشمس بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی بن غالب آپ کی کنیت ابوعمرو ابوعبداللہ تھی۔ زمانہ جاہلیت میں آپ کی کنیت ابوعمرو تھی۔ مسلمان ہونے کے بعد حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا سے آپ کے یہاں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو آپ کی کنیت ابوعبداللہ ہوگئی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نانی آنحضرت ﷺ کے والد عبداللہ بن عبدالمطلب کی حقیقی بہن تھیں جو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ توام پیدا ہوئی تھیں۔ اس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کی پھوپھی زاد بہن کے بیٹے تھے۔

فضائل

آپ خلاق حیا میں خاص طور پر ممتاز تھے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ عثمانؓ میرے پاس سے گزرے تو مجھ سے ایک فرشتے نے کہا کہ مجھے ان سے شرم آتی ہے کیونکہ قوم ان کو قتل کردے

Marfat.com

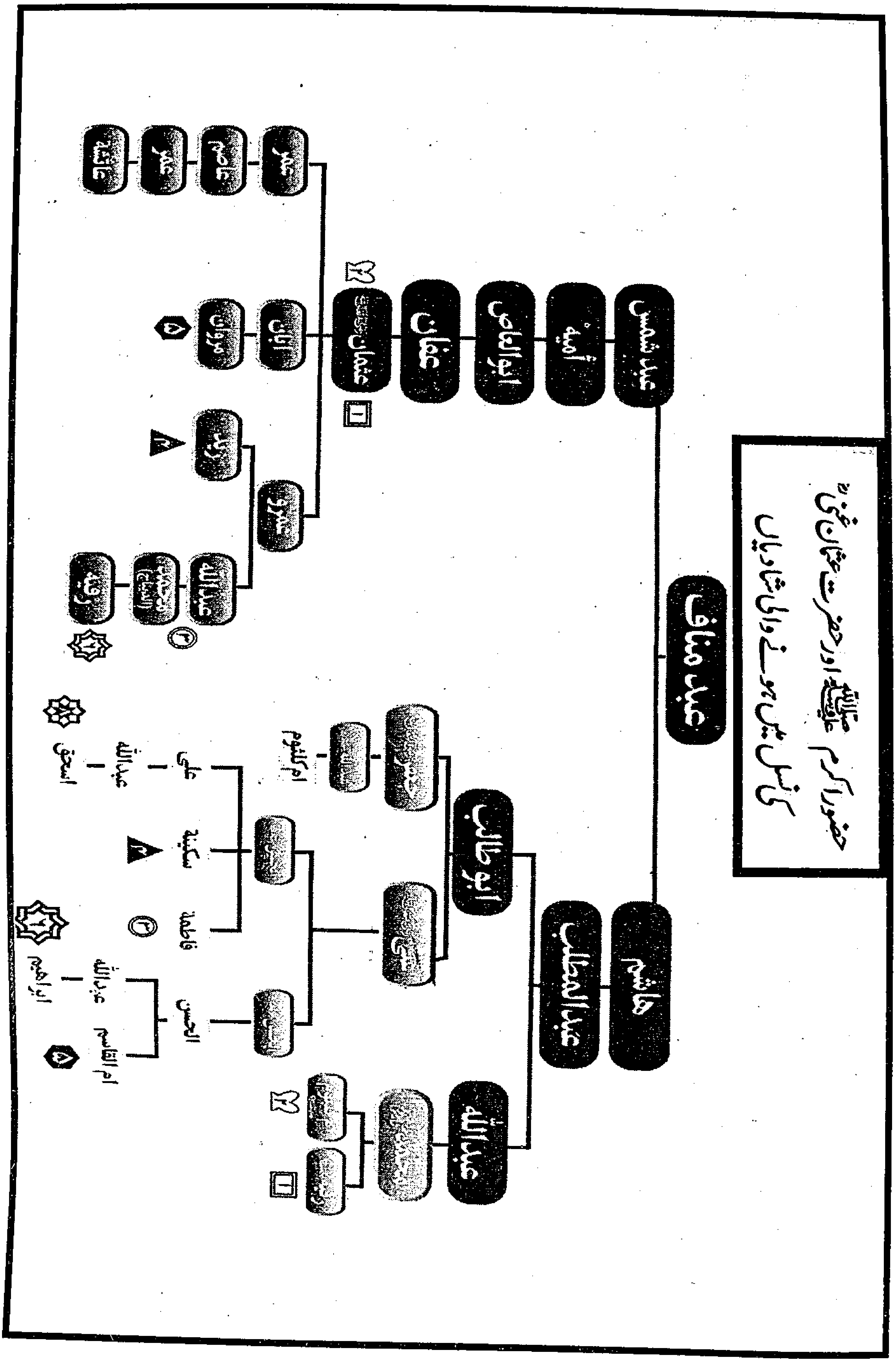
حضور اکرم ﷺ اور حضرت عثمان غنیؓ
کی نسل میں ہونے والی شادیاں
عبد مناف
عبد شمس
أمية
ابو العاص
عفان
عثمان
ہاشم
عبد المطلب
ابو طالب
عبد اللہ
مروان
ابان
ام كلثوم
سكينة
فاطمة
الحسن

Marfat.com

گی۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس طرح عثمانؓ اللہ اور اسکے رسول ﷺ سے حیا کرتے ہیں۔ فرشتے ان سے حیا کرتے ہیں۔ حضرت حسنؓ سے حضرت عثمانؓ کی حیا کا ذکر آیا تو انہوں نے فرمایا کہ اگر کبھی حضرت عثمانؓ نہانا چاہتے تو دروازہ کو بند کر کے کپڑے اتارنے میں اس قدر شرماتے کہ پشت سیدھی نہ کر سکتے تھے۔ آپؓ نے دو ہجرتیں کیں یعنی آپ نے حبش کی ہجرت بھی کی اور مدینہ کی بھی۔ آپ شکل وشمائل میں آنحضرت ﷺ سے بہت مشابہ تھے۔ آنحضرت ﷺ نے قبل از بعثت اپنی بیٹی رقیہؓ کی شادی حضرت عثمانؓ سے کر دی تھی۔ جب جنگ بدر کے روز وہ فوت ہو گئیں تو آنحضرت ﷺ نے اپنی دوسری بیٹی حضرت ام کلثومؓ کی شادی آپ سے کر دی، اسی لئے آپ ذوالنورین کے خطاب سے مشہور ہیں۔ ام کلثومؓ بھی سنہ ۹ھ میں فوت ہو گئیں۔ سوائے حضرت عثمان غنیؓ اور کوئی شخص دنیا میں ایسا نہیں گزرا جس کے نکاح میں کسی نبی کی دو بیٹیاں رہی ہوں۔ مناسک حج سب سے بہتر حضرت عثمانؓ جانتے تھے، آپ کے بعد حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔ حضرت عثمانؓ چوتھے مسلمان تھے یعنی آپ سے پیشتر صرف تین شخص ایمان لا چکے تھے۔ آپ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی تحریک سے مسلمان ہوئے تھے۔ آپ صحابہ کرام میں بہت مالدار تھے اور اسی طرح سب سے زیادہ سخی اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے تھے۔ آپ حضرت رقیہؓ کی سخت علالت کے سبب جنگ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے اور آنحضرت ﷺ کی اجازت وحکم کے موافق مدینہ منورہ میں رہے تھے لیکن جنگ بدر کے مال غنیمت میں سے آپ کو اسی قدر حصہ ملا جسقدر شرکاء جنگ کو ملا اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ عثمانؓ کو اصحاب بدر میں شامل سمجھنا چاہئیے۔ چنانچہ اصحابِ بدر میں آپ کا شمار کیا جاتا ہے۔ آپ صحابہ کرام میں کثرت عبادت کیلئے خصوصی شہرت رکھتے تھے۔ رات بھر کھڑے ہو کر نماز پڑھا کرتے اور برسوں روزے رکھا کرتے تھے۔ مسجد نبوی ﷺ کی بغل میں ازواج مطہرات کے لئے کچھ زمین آپ نے اپنے خرچ سے خریدی تھی۔ ایک سال مدینہ میں قحط پڑا تو آپ نے تمام محتاجوں کو غلہ دیا۔ مسلمان جب مدینہ میں آئے تو پانی کی وہاں سخت تکلیف تھی، ایک یہودی کا کنواں تھا، وہ پانی نہایت گراں فروخت کرتا تھا۔ آپ نے وہ کنواں اس یہودی سے ۳۵ ہزار درہم کا خرید کر وقف کر دیا۔ آپ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ مسلمان ہونے کے بعد ہر ہفتے ایک غلام خرید کر آزاد کر دیا کرتے تھے۔ آپ نے کبھی اپنے مالدار ہونے پر فخر نہیں کیا اور زمانہ جاہلیت میں کبھی شراب نہیں پی۔ آپ حدیث نبوی ﷺ کو نہایت عمدگی اور احتیاط سے روایت کرتے تھے۔ آپ نے جنگ تبوک کے واسطے ساڑھے چھ سو اونٹ اور پچاس گھوڑے راہ اللہ میں پیش کر دیئے۔ عہد جاہلیت میں آپ امرائے مکہ میں شمار ہوتے تھے۔

حلیہ مبارک

آپ میانہ قد، چیچک زدہ خوبصورت شخص تھے۔ داڑھی گھنی تھی، اس کو حنا سے رنگین رکھتے تھے۔ آپ کی ہڈی چوڑی تھی۔ رنگت میں سرخی جھلکتی تھی۔ پنڈلیاں بھری بھری تھیں۔ ہاتھ لمبے لمبے تھے۔ سر کے بال گھونگریالے تھے۔ دونوں شانوں میں زیادہ فاصلہ تھا۔ دانت بہت خوبصورت تھے۔ کنپٹی کے بال بہت نیچے تک آئے ہوئے تھے۔ حضرت عبداللہ حزم کا قول ہے کہ میں نے حضرت عثمانؓ سے زیادہ خوبصورت کسی مرد یا عورت کو نہیں دیکھا۔

Marfat.com

انتخاب

حضرت فاروق اعظمؓ نے انتخاب خلیفہ کے لئے تین دن کے مہلت مقرر فرما کر حضرت مقداد کو حکم دے دیا تھا کہ نامزد شدہ اشخاص کی مجلس میں جب تک وہ اپنے آپ میں سے کسی کو خلیفہ منتخب نہ کرلیں، کسی دوسرے کو نہ جانے دینا۔ صرف عبداللہ بن عمرؓ کو رائے دینے کے لئے شریک ہونے کی اجازت تھی تاکہ اس طرح رائے دہندوں کی تعداد طاق یعنی سات ہو جائے لیکن عبداللہ بن عمرؓ کے لئے پہلے سے آپ نے یہ حکم صادر فرما دیا تھا کہ ان کو ہرگز خلیفہ منتخب نہ کیا جائے۔ اس وقت کسی نے عبداللہ بن عمرؓ کیلئے کہا تو آپ نے فرمایا کہ بار خلافت کی ذمہ داری میرے ہی لئے کیا کم ہے کہ میں اپنے خاندان میں دوسروں پر بھی یہ محنت ڈالوں اور ان کو بہت سی آسائشوں سے محروم کردوں۔ فاروق اعظمؓ سے جب کسی شخص نے خلیفہ کے متعین و نامزد فرمانے کے لئے کہا تو آپ نے جواب دیا کہ میں صدیق اکبرؓ کی سنت پر عمل کر کے کسی کو اپنے بعد نامزد نہ کروں تو یہ میرے لئے جائز ہے۔ میں اپنے بعد کسی کو اگر خلیفہ مقرر کرتا تو وہ ابوعبیدہ بن الجراحؓ تھے۔ جو مجھ سے پہلے فوت ہو گئے یا پھر میں ابو حذیفہؓ کے غلام سالمؓ کو خلیفہ بناتا وہ بھی مجھ سے پہلے فوت ہو گئے یہ فرما کر پھر آپ نے ان چھ شخصوں کے نام لئے جو اوپر درج ہو چکے ہیں۔

حضرت مقداد الاسودؓ اور حضرت ابوطلحہ انصاریؓ نے وصیت فاروقی کے موافق فاروق اعظمؓ کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہو کر حضرت صہیبؓ کو تو عارضی طور پر تین دن کے لئے تا انتخاب خلیفہ مدینہ کا حکمران اور امام مقرر کیا اور خود اپنے آدمیوں کی جمعیت لے کر علیؓ، عثمانؓ، زبیرؓ، سعدؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو مسور بن المخزمہؓ اور بقول دیگر حضرت عائشہؓ کے مکان میں جمع کر کے دروازے پر حفاظت کی غرض سے بیٹھ گئے۔ حضرت طلحہؓ مدینہ میں موجود نہ تھے۔ کوئی اور اس مکان میں داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ حضرت عمر بن العاصؓ اور حضرت مغیرہ بن شعبہؓ دروازہ پر آ کر بیٹھ گئے تھے۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو معلوم ہوا تو انہوں نے ان دونوں کو دروازے پر بھی نہ بیٹھنے دیا اور وہاں سے اٹھا دیا تاکہ وہ کہیں یہ نہ کہہ سکیں کہ ہم بھی اصحاب شوریٰ میں شامل تھے۔ جب سب صاحبان اطمینان سے آ کر بیٹھ گئے تو سب سے اول حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کھڑے ہو کر کہا کہ جو لوگ خلافت کے لئے نامزد کئے گئے ہیں ان میں سے کون ایسا ہے جو اپنے آپکو خلافت سے دستبردار قرار دیتا ہے۔ اسی کو یہ اختیار دیا جائے گا کہ وہ جس کو تم میں سب سے افضل و لائق سمجھے اس کو خلیفہ مقرر کر دے۔ اس بات کو سن کر اس مختصر مجمع سے کسی نے کوئی جواب نہ دیا، سب خاموش رہے۔ تھوڑی دیر انتظار کرنے کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے پھر اعلان کیا کہ میں اپنے آپ کو خلافت سے دستبردار قرار دیتا ہوں اور انتخاب خلیفہ کے کام کو انجام دینے پر تیار ہوں۔ یہ سن کر سب نے تائید کی اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو اختیار دیا کہ آپ جس کو چاہیں ہم میں سے خلیفہ منتخب فرما دیں، مگر حضرت علیؓ بن ابی طالبؓ بالکل خاموش رہے، انہوں نے ہاں یا ناں کچھ نہیں کہا۔ تب حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے حضرت علیؓ کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ آپ نے کچھ نہیں فرمایا، آپ بھی اپنی رائے کا اظہار دیجئے۔ حضرت علیؓ نے کہا کہ میں بھی اس رائے سے متفق ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ تم پہلے یہ اقرار کرلو کہ جو فیصلہ کرو گے بلا رو رعایت اور نفسانیت کو دخل دیئے بغیر محض حق پرستی اور امت کی خیر خواہی کے

Marfat.com

لئے کرو گے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کہا کہ میں تم سے عہد کرتا ہوں کہ بلا رورعایت بلانفسانیت اور محض امت کی بہتری اور بھلائی کے لئے حق پرستی کی بنا پر فیصلہ کروں گا لیکن تم سب اس بات کا اقرار کرو کہ جس کو میں منتخب کروں گا اس پر رضامند ہو جاؤ گے اور جو میری رائے اور میرے فیصلے کی مخالفت کرے گا تم سب اس کے مقابلے میں میری مدد کرو گے۔ یہ سن کر حضرت علیؓ اور تمام مجمع نے اقرار کیا کہ ہم سب تمہارے فیصلہ کی تائید اور اسکے نفاذ میں تمہاری امداد کریں گے۔

یہ عہد و پیمان ہو جانے کے بعد مجمع منتشر ہوا اور لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے آئے کیونکہ ابھی تین دن کی مہلت باقی تھی۔ اس دن کے عرصہ میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ برابر صاحب الرائے اور جلیل القدر صحابہ کرام سے ان کی رائیں دریافت فرماتے رہے۔ خود بھی غور وخوض میں مصروف رہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمانؓ سے الگ ہو کر جا کر دریافت کیا کہ اگر میں آپ سے بیعت نہ کروں تو آپ مجھے کس کی بیعت کرنے کی رائے دیتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ آپ کو حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنی چاہیئے۔ پھر میں نے حضرت علیؓ سے بھی تنہائی میں یہی سوال کیا تو انہوں نے حضرت عثمانؓ کا نام لیا۔ پھر میں نے حضرت زبیرؓ سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا علیؓ یا عثمانؓ دونوں میں کسی ایک کے ہاتھ پر بیعت کرلو۔ پھر میں نے حضرت سعدؓ سے تنہائی میں دریافت کیا تو انہوں نے حضرت عثمان ب کا نام لیا۔ پھر میں نے اور صاحب الرائے حضرات سے دریافت کیا تو کثرت رائے حضرت عثمانؓ ہی کی نسبت ظاہر ہوئی۔

سہ روزہ مہلت کی آخری شب کو پھر مذکورہ بالا حضرات کا مجمع اسی مذکورہ مکان میں ہوا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے حضرت زبیر اور حضرت سعدؓ کو الگ بلا کر کہا کہ عام طور پر علیؓ و عثمانؓ کی نسبت لوگوں کی زیادہ رائیں ظاہر ہوئی ہیں، ان دونوں حضرات نے بھی انہیں دونوں کی نسبت اپنی رائے ظاہر کی۔ پھر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے کہا کہ آپ تو ہم سے بیعت لے لیں اور ہم کو ان جھگڑوں سے آزاد کردیں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے فرمایا، یہ کیسے ممکن ہے، میں تو ان لوگوں کے دائرے سے آزاد ہو چکا ہوں، جو خلافت کے لئے نامزد ہوئے تھے۔ پھر حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے حضرت علی اور حضرت عثمانؓ کو الگ لے جا کر کچھ باتیں کیں۔ انہیں مشوروں اور باتوں میں صبح ہوگئی، یہی صبح انتخاب خلیفہ کے اعلان ہونے کی صبح تھی۔ لوگ منتظر تھے، نماز فجر کے بعد تمام مسجد نبوی ﷺ آدمیوں سے کھچا کھچ بھرگئی، تمام حضرات مسجد میں تشریف رکھتے تھے اور منتظر تھے کہ دیکھئے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کیا فیصلہ سناتے ہیں۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے کچھ فرمانے سے پہلے بعض لوگوں نے اپنی اپنی رائے ظاہر کرنی شروع کردی۔ یہ لوگ اصحاب شوریٰ میں سے نہ تھے۔ مثلاً حضرت عمارؓ نے کہا کہ میں حضرت علیؓ کو مستحق خلافت سمجھتا ہوں۔ ابن ابی سرح اور عبداللہ بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہما نے کہا کہا کہ ہم حضرت عثمانؓ کو زیادہ مستحق و مناسب پاتے ہیں۔ اس قسم کی چہ مگوئیاں شروع ہوئیں تو حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے کہا کہ تم اب دیر کیوں کر رہے ہو، اندیشہ ہے کہ مسلمانوں میں کوئی فتنہ پیدا ہو جائے، تم جلد اپنی رائے کا اظہار کر کے اس مسئلہ کو ختم کردو۔ حضرت عبدالرحمنبن عوفؓ اٹھے اور تمام مجمع کو مخاطب کر کے کہا کہ جہاں تک میری طاقت میں تھا، میں نے ہر طبقہ اور ہر گروہ کی رائے معلوم کرلی ہے اور اس کام میں کسی غفلت و کم التفاتی

Marfat.com

کی مطلق راہ نہیں دی ہے۔ میرے فیصلے سے اب کسی کو انکار کا موقع حاصل نہیں ہے کیونکہ بہ رضا و رغبت تمام اصحاب شوریٰ اور نامزدگان خلافت نے میرے فیصلے کو ناطق تسلیم کر لیا ہے اور میں اپنی تمام طاقت صحیح فیصلہ تک پہنچنے کے لئے صرف کر چکا ہوں، یہ کہہ کر انہوں نے حضرت عثمانؓ کو اپنے پاس بلایا اور کہا کہ اللہ اور رسول ﷺ کے احکام اور سنت شیخین پر چلنے کا اقرار کرو۔ انہوں نے اقرار کیا کہ میں اللہ اور رسول کے حکم اور صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما کے نمونے پر چلنے کی کوشش کروں گا۔ اس کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر بیت کی۔ ان کے بعد سب لوگ حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنے لگے۔ حضرت علیؓ کو اول اس نظارے سے کچھ دل گرفتگی ہوئی اور مسجد سے اُٹھ کر باہر جانے لگے لیکن پھر کچھ خیال آیا تو فوراً بڑی عجلت و بے تابی کے ساتھ صفوں کے چیرتے ہوئے بڑھے اور حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ حضرت طلحہؓ اس روز یعنی یکم محرم کو مدینہ میں موجود نہ تھے اور اسی لئے وہ شریک مشورہ نہ ہو سکے تھے۔ حضرت طلحہؓ اگلے روز یعنی ۲ محرم سن ۲۴ھ کو مدینہ میں تشریف لائے اور یہ سن کر تمام لوگوں نے نے بالاتفاق حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے، حضرت عثمانؓ کی خدمت میں بغرض بیعت حاضر ہوئے۔ حضرت عثمانؓ نے ان سے کہا کہ آپ کی غیر موجودگی میں میرا انتخاب ہو گیا ہے اور زیادہ دنوں آپ کا انتظار نہیں ہو سکتا تھا۔ اگر آپ مدعی خلافت ہوں تو میں آپ کے حق میں خلع خلافت کرنے کو تیار ہوں۔ حضرت طلحہؓ نے کہا کہ جب تمام لوگوں نے آپ کی خلافت پر بیعت کر لی ہے تو میں بھی آپ کی خلافت پر رضامند ہوں، میں مسلمانوں میں کوئی فتنہ اور اختلاف ڈالنا نہیں چاہتا۔ یہ کہہ کر انہوں نے بھی حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

بیعت کے بعد حضرت عثمانؓ منبر پر کھڑے ہوئے اور لوگوں کو مخاطب کر کے اعمال صالحہ کی ترغیب دلائی۔ مال و دولت کی فراوانی سے جو غفلت پیدا ہوتی ہے اس سے ڈرایا اور رضائے الٰہی کو ہمیشہ مقدم رکھنے کی نصیحت کی۔ اس کے بعد صوبوں کے عاملوں اور حاکموں کے نام ایک خط جاری کیا جس میں فاروق اعظمؓ کی وفات اور اپنے انتخاب کا تذکرہ تھا۔ نیز انکو تاکید کی گئی تھی کہ جس طرح فاروق اعظمؓ کی خلافت میں دیانت و امانت کیساتھ اپنے فرائض انجام دیتے رہے ہو، اسی طرح انجام دیتے رہو۔

خلافت عثمانیؓ پر ایک نظر

خلافت عثمانی کے واقعات پڑھ کر بے اختیار قلب پر یہ نمایاں اثر ہوتا ہے کہ ہم عہد نبوی ﷺ اور خلافت صدیقیؓ اور فاروقیؓ کے زمانے کو طے کر کے کسی نئے زمانے میں داخل ہوتے ہیں نہ اس زمانے کی آب و ہوا بھی نئی ہے اور لوگوں کی وضع قطع بھی غیر معمولی تغیر پیدا ہو گیا ہے۔ زمین و آسمان غرض ہر چیز کی کیفیت متغیر ہے۔ خلافت فاروقی تک مسلمانوں کی نگاہ میں مال و دولت کی کوئی وقعت و قیمت نہ تھی۔ خود خلیفہ کی حالت یہ ہوتی تھی کہ اپنے اہل و عیال کی ضروریات پورا کرنے کے لئے دوسرے لوگوں سے بھی بہت ہی کم روپیہ ان کے ہاتھ میں آتا تھا اور اس بے زری و افلاسی کو نہ خلیفہ وقت کوئی مصیبت تصور فرماتا تھا نہ عام لوگ مال و دولت کی طرف خواہش مند نظر آتے تھے۔ مسلمانوں کی سب سے بڑی خواہش اور ان کی سب سے بڑی

Marfat.com

مسرت راہ الٰہی میں قربان ہو جانا تھا۔

عہد عثمانیؓ میں یہ بات محسوس طور پر کم ہو گئی تھی۔ حضرت عثمانؓ تو پہلے ہی سے مالدار شخص تھے۔ خلیفہ ہونے کے بعد بھی ان کی اور سابقہ ہر دو خلفاء کی حالتوں میں نمایاں فرق نظر آنا چاہیئے تھا، چنانچہ وہ فرق نظر آیا۔ فاروق اعظمؓ کے آخر زمانے تک فتوحات کا سلسلہ جاری رہا اور دولت مند و زرخیز علاقے ان کے زمانے میں مسلمانوں نے مسخر و مفتوح کیئے۔ ان کی دولت تو مسلمانوں کے قبضہ میں آ گئی اور آ رہی تھی لیکن وہ اس دولت کے استعمال اور عیش و راحت حاصل کرنے کے طریقوں سے نا آشنا تھے۔ حضرت عثمان غنیؓ کے زمانے میں مسلمانوں نے حاصل شدہ دولت سے عیش حاصل کرنا شروع کیا۔ مدینہ کے معمولی چھپر محلوں اور ایوانوں کی شکل میں تبدیل ہونے لگے۔ لوگوں کے دلوں میں جائیداد حاصل کرنے اور روپیہ جمع رکھنے کا شوق پیدا ہوا۔ اس شوق کے ساتھ ہی سپہ گری و مردانگی کا خصوصی جذبہ جو مسلمانوں اور عربوں کا امتیازی نشان تھا، کافور ہونے لگا۔ سپاہیانہ اخلاق کی جگہ آج کل کی اصطلاح کے مطابق رئیسانہ اخلاق پیدا ہونے لگے جن کو حقیقتاً زنانہ اخلاق کہنا چاہیئے اور یہ سب سے بڑی مصیبت اور سب سے بڑی بدنصیبی تھی جو مسلمانوں پر وارد ہوئی۔ صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کے زمانے تک قریشی اور حجازی عرب جس میں اکثریت آنحضرت ﷺ کا زمانہ دیکھے ہوئے تھی، ایک غالب عنصر کی حیثیت سے موجود تھے۔ وہ سب کے سب اسلام کو اپنی چیز سمجھتے اور اپنے آپ کو اسلام کا وارث جانتے تھے۔ اسلام کے مقابلے میں قبائلی امتیاز ان کے دلوں سے بالکل مٹ گئے تھے۔ اسلام کے رشتے سے بڑھ کر ان کے نزدیک کوئی رشتہ نہ تھا اور اسلام سے بڑھ کر ان کے لئے کوئی محبوب چیز نہ تھی۔

فتوحات کے وسیع ہونے اور ممالک اسلامیہ کے کثیر ہونے سے مسلمانوں کی افواج اور مسلمانوں کی جمعیت میں ایسے لوگوں کی تعداد بہت زیادہ بڑھ گئی جو ابھی چند روز سے اسلام میں داخل ہوئے تھے اور ان کے دلوں میں اسلامی محبت قبائلی امتیاز اور قومی و خاندانی خصوصیات پر غالب نہیں ہونے پائی تھی۔

عہد فاروقی کی فتوحات کثیرہ عظیمہ جن افواج کے ذریعہ ہوئیں ان میں بنی بکر، بنی وائل بنی عبدالقیس، بنی ربیعہ، بنی ازد، بنی کندہ، بنی تمیم، بنی قضاعہ وغیرہ ہم قبائل کے لوگ زیادہ تھے۔ انہیں لوگوں نے ایرانی صوبوں، شامی علاقوں اور مصر و فلسطین وغیرہ کو فتح کیا تھا۔ انہیں کے ذریعہ ایرانی و رومی شہنشاہیوں کے پرخچے اڑے تھے۔ لیکن ان مذکورہ قبائل میں سے کوئی بھی قبیلہ ایسا نہ تھا جو آنحضرت ﷺ کی شرف صحبت سے فیض یاب ہوا ہو۔ ان میں سے اگر کوئی شخص آنحضرت ﷺ کا فیض صحبت پائے ہوئے تھا تو ایسے لوگوں کی تعداد الشاذ کالمعدوم کے حکم میں تھی۔ یہ تمام قبائل جو اسلام کی جرار فوج ثابت ہوئے، معصیت سوز ایمان اور مجنونانہ شیفتگی اسلام میں قریشی اور حجازی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مرتبے کو نہیں پہنچ سکتے تھے۔ مگر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی نگاہ اس قدر وسیع و عمیق تھی کہ ہر مسئلہ کی جزئیات تک کا ان کو احاطہ تھا۔ انہوں نے ایسا نظام قائم کر رکھا تھا اور مہاجر و انصار کی سیادت کی ایسی حفاظت کی کہ ان کے عہد خلافت میں یہ ممکن ہی نہ ہوا کہ کوئی غیر مہاجر یا انصار کی ہمسری کا خیال تک بھی لا سکے۔ تمام مہاجر و انصار کی حیثیت فاروق اعظمؓ کے زمانہ میں ایک شاہی خاندان اور فاتح قوم کی تھی۔

Marfat.com

فاروق اعظمؓ نے ایک طرف بڑی کوشش اور احتیاط کے ساتھ اپنی فتح مند فوج اور صف شکن عربی سپاہیوں کے خصوصی سپاہیانہ اور جوانمردانہ جذبات کی حفاظت ونگرانی کی حتی کہ شام کے خوش سواد شہروں اور سامان عیش رکھنے والی بستیوں میں یا ان کے قریب بھی عہد فاروقیؓ میں اسلامی فوجوں کو قیام کرنے کا موقع نہیں دیا جاتا تھا۔ دوسری طرف سے انہوں نے نہایت ہی اعلیٰ تدبر اور انتہائی مال اندیشی کے ساتھ جلیل القدر اور صاحب اقتدار صحابیوں کو صحبت عوام بلکہ صحبت عام سے خاص خوبی کے ساتھ بچا کر رکھا کہ کسی کو بھی محسوس نہ ہونے پایا اور ان جلیل القدر اصحاب کرام کے رعب وعظمت کی ایک طرف حفاظت ہوئی، دوسری طرف ہمہ وقت ان کے گرد مدینہ منورہ میں نہ صرف ملک عرب بلکہ تمام دنیا کے منتخب اور بااقتدار صاحب اثر جماعت موجود رہتی تھی۔ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں یہ باتیں رفتہ رفتہ یکے بعد دیگرے مٹتی گئیں۔ مذکورہ بالا عربی قبائل اپنے آپ کو مہاجرین وانصار قریشی وحجازی لوگوں کا ہمسر بلکہ ان سے بڑھ کر سمجھنے لگے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جو شاہی خاندان کا مرتبہ رکھتے تھے دور دراز صوبوں میں منتشر ہو گئے۔ مدینہ منورہ کی جمعیت درہم برہم ہو گئی اور کو دارالخلافہ قوت کا مرکز نہ رہ سکا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ساتھ ہی ساتھ قومی وقبائلی امتیازات تازہ ہونے لگے۔ ہر ایک قبیلے اور ہر ایک خاندان کی الگ الگ عصبیت قائم ہو گئی۔ آپس میں وہی عہد جاہلیت کی رقابتیں زیادہ ہونے لگیں اور اسلامی رشتہ اور دینی اخوت کا اثر قومی وخاندانی امتیازات پر فائق نہ رہ سکا۔ مہاجرین وانصار نو مسلموں کی کثرت کے اندر درخور ہونے کی وجہ سے اپنے اقتدار وعظمت کو باقی نہ رکھ سکے۔

حضرت عثمانؓ نرم مزاج تھے۔ حکومت وانتظام کے باقی رکھنے کے لئے تنہا نرم مزاجی ہی کافی نہیں ہو سکتی بلکہ اس کے لئے طاقت وسختی کے اظہار کی بھی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں ایک طرف تو مسلمانوں کے دلوں میں مال ودولت اور عیش وراحت جسمانی کی قدر پیدا ہونے لگی اور دوسری طرف خلیفہ وقت کا رعب واقتدار دلوں سے کم ہونے لگا۔ اس حالت میں شہرت پسند اور جاہ طلب لوگوں کو اپنی اولوالعزمیوں کے اظہار اور اپنے ارادوں کو پورا کرنے کی کوشش کا موقع ملنے لگا۔ قریشیوں اور حجازیوں میں جو اس قسم کے اولوالعزم اشخاص تھے، ان کو بڑی آسانی کیساتھ نو مسلم قبائل کی حمایت اور فتح مند لشکریوں کی اعانت وحمایت حاصل ہونے لگی۔

اسلام سے پیشتر قبیلہ قریش دو حصوں میں تقسیم سمجھا جاتا تھا، ایک بنوامیہ، دوسرے بنو ہاشم۔ اگرچہ ہاشم اور بنوامیہ دونوں خاندان مل کر تمام قبیلہ قریش کو پورا نہیں کرتے تھے بلکہ مثل اس کے اور بھی خاندان قریش میں تھے لیکن بنو ہاشم اور بنوامیہ چونکہ ایک دوسرے کے رقیب اور مخالف تھے۔ لہٰذا باقی خاندان بھی انہیں میں سے کسی نہ کسی کے طرفدار تھے۔ بنوامیہ کی طاقت اور انکا اثر ورسوخ ظہور اسلام کے قریب زمانہ میں بنو ہاشم سے بڑھ گیا تھا۔ اگرچہ ظہور اسلام سے بہت پہلے وہ بنو ہاشم سے کمزور تھے۔ جب آنحضرت ﷺ قبیلہ بنو ہاشم میں مبعوث ہوئے تو بنوامیہ نے ہی آپ کی اور اسلام کی سب سے زیادہ مخالفت کی۔ احد واحزاب کی خطرناک وعظیم الشان لڑائیوں میں مخالفین اسلام کی فوجوں کا سپہ سالار ابوسفیانؓ تھا جو بنوامیہ سے تھا۔

آخر نتیجہ یہ ہوا کہ خود ابوسفیانؓ اور بنوامیہ سب اسلام میں داخل ہو گئے۔ امویوں اور ہاشمیوں کا فرق اور امتیاز بالکل مٹ گیا۔ اسلام نے بنوامیہ اور بنو ہاشم دونوں کے بالکل ایک کر دیا۔ نسلی اور قبائلی امتیازات کا نام ونشان باقی نہ رہا۔

Marfat.com

حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں بھی یہی کیفیت رہی اور سارے کے سارے قبائل ایک ہی رنگ میں رنگین نظر آتے تھے لیکن حضرت عثمان غنیؓ کے عہد خلافت میں بنوامیہ کو عہد جاہلیت کی رقابتیں پھر یاد آگئیں، پھر حضرت عثمان غنیؓ چونکہ بنوامیہ تھے اور ساتھ ہی ان کو اپنے کنبے کی پرورش اور اپنے رشتہ داروں پر احسان کرنے کا زیادہ خیال تھا۔ لہٰذا بنوامیہ کو زیادہ منافع حاصل ہوتے۔ ادھر فوجی اور جنگی اولوالعزمیوں کے ساتھ مالی اولوالعزمیاں بھی لوگوں کے دلوں میں پیدا ہونے لگی تھیں۔ خلیفہ وقت کے رعب واقتدار گرفت بھی کم ہوگئی تھی۔ مہاجرین وانصار اور قریشیوں کا اقتدار بھی نومسلم بہادروں کی کثرت کے سبب ہلکا پڑنے لگا تھا۔ مدینہ منورہ میں بھی بااثر اور طاقتور لوگوں کی ایک دل جمیعت کمزور ہوکر تقریباً معدوم ہوچکی تھی۔ لہٰذا بنوامیہ نے ان تمام باتوں سے فائدہ اُٹھانے میں کمی نہیں کی۔ حضرت عثمان غنیؓ کی نرم مزاجی سے تو انہوں نے یہ فائدہ اٹھایا کہ مروان بن الحکم کو ان کا امیر منشی ہونے کی حالت میں بنوامیہ کا ایسا حامی وطرفدار بنادیا کہ اس نے جا اور بے جا ہمہ وقت اور بہر طور بنوامیہ کو فائدہ پہنچوانے، آگے بڑھانے، طاقتور بنانے میں مطلق کوتاہی نہیں کی۔

جب ملکوں اور صوبوں کی گورنریاں زیادہ تر بنوامیہ ہی کو مل گئیں، اور تمام ممالک اسلامیہ میں ہر جگہ بنوامیہ ہی حاکم اور صاحب اقتدار نظر آنے لگے، تو انہوں نے اپنے اقتدار رفتہ کے واپس لینے یعنی بنوہاشم کے مقابلہ میں اپنا مرتبہ بلند قائم کرنے کی کوشش کی۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ بنوہاشم اور دوسرے قبائل کو بھی بنوامیہ کی ان کوششوں کا احساس ہوا۔ یہ کہنا کہ خود حضرت عثمان غنیؓ بنوامیہ کی ایسی کوششوں کے متحرک اور خواہش مند تھے، سراسر بہتان وافترا ہے کیونکہ ان کے اندر کسی سازش، کسی پالیسی، کسی منافقت کا نام ونشان تک بھی نہیں بتایا جاسکتا۔ ان کی نرم مزاجی، درگزر اور رشتہ داروں کے ساتھ نیک سلوک سے پیش آنے کی دونوں صفتوں نے مل کر بنوامیہ کو موقع دے دیا کہ وہ اپنے قومی وخاندانی اقتدار کے قائم کرنے کی تدبیروں میں مصروف ہوں اور اس طرح عہد جاہلیت کی فراموش شدہ رقابتیں پھر تازہ ہوجائیں۔ ان رقابتوں کو نتیجہ خیز بنانے کیلئے مال ودولت کی فراوانی اور عیش وتن آسانی کی خواہش نے اور بھی سہارا دیا۔ اس قسم کی باتوں کا وہم وگمان بھی صدیقی وفاروقی عہد خلافت میں کسی کو نہیں ہوسکتا تھا۔ اس موقع پر مجبوراً یہ کہنا پڑتا ہے کہ اگرچہ خاندان والوں اور رشتہ داروں کے ساتھ احسان کرنا ایک خوبی کی بات ہے لیکن اس اچھی بات پر ایک خلیفہ کو عمل درآمد کرانے کیلئے بڑی ہی احتیاط کی ضرورت ہے اور حضرت عثمان غنیؓ سے شاید کماحقہ احتیاط کے برتنے میں کمی ہوئی اور مروان بن الحکم اپنے چچازاد بھائی کو آخر وقت تک اپنا کاتب یعنی میر منشی اور وزیر ومشیر رکھنا تو بلا شک اختیار کے خلاف تھا۔ نہ اس لئے کہ وہ آپ کا رشتہ دار تھا بلکہ اس لئے کہ وہ اتقا اور روحانیت میں ناقص اور اس مرتبہ جلیلہ کا اپنی قابلیت وخصائل کے اعتبار سے اہل اور حقدار نہ تھا۔

حضرت عثمان غنیؓ کے خلیفہ ہوتے ہی ایرانی صوبوں میں جگہ جگہ بغاوتیں ہوئیں۔ مگر اسلامی فوجوں نے باغیوں کی ہر جگہ گوشمالی کی اور تمام بغاوت زدہ علاقوں میں پھر امن وامان اور اسلامی حکومت قائم کردی۔ ان بغاوتوں کے فرد کرنے میں ایک یہ بھی فائدہ ہوا کہ ہر باغی صوبہ کے سرحدی علاقوں کی طرف بھی توجہ کی گئی اور اس طرح بہت سے نئے نئے علاقے بھی مسلمانوں کے قبضہ میں آگئے۔ مثلاً جنوبی ایران کی بغاوتوں کو ختم کرنے کے سلسلے میں سیستان وکرمان کے صوبوں پر بھی مسلمانوں کا قبضہ

Marfat.com

ہوا۔شمالی ومشرقی ایران کی بغاوتوں، ترکوں اور چینیوں کی چڑھائیوں کے انسداد کی کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہرات، کابل، بلخ اور جیجون پار کے علاقوں پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا۔ رومیوں نے مصرواسکندریہ پر چڑھائیاں کیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رومیوں کو مسلمانوں نے شکست دے کر بھگا دیا اور جزیرہ سائپرس اور روڈس پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا۔ افریقہ کے رومی گورنر نے فوجیں جمع کر کے مصر کی اسلامی فوج کو دھمکانا چاہا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ برقہ طرابلس تک کا علاقہ مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔ اسی طرح ایشیائے کوچک کی رومی فوجوں نے بھی ہاتھ پاؤں ہلانے چاہے۔ مسلمانوں نے ان کو قرار واقعی سزا دے کر آرمینیہ اور طغلس تک کے علاقے پر قبضہ کرلیا۔

حضرت عثمان غنیؓ کے زمانے میں بھی بہت کافی اور اہم فتوحات مسلمانوں کو حاصل ہوئیں اور حدود اسلامیہ کے حدود پہلے سے بہت زیادہ وسیع ہوگئے۔ ایران وشام ومصر وگیرہ ملکوں میں حضرت عثمان غنیؓ کے حکم کے موافق گورنروں نے سڑکیں بنوانے، مدرسے قائم کرنے، تجارت وحرفت اور زراعت کو فروغ دینے کی کوششیں کیں یعنی سلطنت اسلامیہ نے اپنی ظاہری ترقی کے ساتھ ہی مصنوعی ترقی بھی کی لیکن یہ تمام ترقیات زیادہ تر خلافت عثمانی کے نصف اول یعنی ابتدائی چھ سال میں ہوئیں۔ نصف آخری یعنی چھ سال کے عرصہ میں اندرونی اور داخلی فسادات کی پیدائش اور نشو ونما ہوتی رہی۔ اس سے پیشتر کے مسلمانوں کا مطمع نظر اور قبلہ توجہ اشاعت اسلام اور شرک شکنی کے سوا اور کچھ نہ تھا لیکن اب وہ توجہ آپس کی مسابقت اور برادر افگنی میں بھی مصروف ہونے لگی۔ بنوامیہ نے مدینہ منورہ میں اپنی تعداد اور اثر کو بڑھایا اور اطراف وجوانب کے صوبوں اور ملکوں میں بھی ان کا اثر روز افزاں ترقی کرنے لگا۔

یہ ضروری نہ تھا کہ بنوامیہ کے اس طرز عمل کو دیکھ کر دوسرے مسلمان قبائل موافقت یا مخالفت میں بے سوچے سمجھے حصہ لینے لگے اور قومی جانب داری کی آگ میں کود پڑتے بلکہ بنوامیہ کی غلط کاریوں کو محسوس کرنے کے بعد صحابہ کرام یعنی مہاجرین و انصار کی محترم جماعت اگر سہولت ومعقولیت کے ساتھ لوگوں کو سمجھاتی اور اس فتنہ کو نشو ونما پانے سے پہلے دبا دینے کی کوشش کرتی تو اصحاب نبوی ﷺ کا اتنا اثر امت محمدیہ میں ضرور موجود تھا کہ ان بزرگوں کی کوشش صدا بصرا ثابت نہ ہوتی۔ بنوامیہ نے اپنا اقتدار بڑھانے کی کوششیں شروع کیں۔ ان کا احساس صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو کچھ عرصے کے بعد ہوا اور جب احساس ہوا تو اس وقت سے علاج کی کوششیں بھی شروع ہوکر کامیاب ہوسکتی تھیں لیکن بدقسمتی اور سوء اتفاق سے امت مسلمہ کو ایک سخت وشدید ابتلاء میں مبتلا ہونا پڑا یعنی عین اسی زمانے میں نہایت چالاک وعقل مند اور صاحب عزم وارادہ یہودی عبداللہ بن سبا اسلام کی تخریب ومخالفت کے لئے آمادہ ومستعد ہوگیا۔

آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں بھی منافقوں کے ہاتھوں سے مسلمانوں کو بار ہا ابتلا میں مبتلا ہونا پڑا اور اب عہد عثمانی میں بھی ایک منافق یہودی مسلمانوں کی ایذا رسانی کا باعث ہوا۔ یہ فیصلہ کرنا دشوار ہے کہ عبداللہ بن ابی زیادہ خطرناک منافق تھا یا عبداللہ بن سبا بڑا منافق تھا۔ لیکن یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ عبداللہ بن ابی کو اپنے شرارت آمیز منصوبوں میں کامیابی کم حاصل ہوئی اور نامرادی وناکامی بیشتر اس کے حصے میں آئی لیکن عبداللہ بن سبا اگرچہ خود کوئی ذاتی کامیابی حاصل نہ کرسکا، تاہم

Marfat.com

مسلمانوں کی جمعیت کو وہ ضرور نقصان عظیم پہنچا سکا کیونکہ اس نقصان عظیم کے موجبات پہلے سے مرتب و مہیا ہو رہے تھے۔

عبداللہ بن سبا کی مسلم کش کوششوں کا سب سے زبردست پہلو یہ تھا کہ اس نے بنوامیہ کی مخالفت میں یک لخت ویکا یک تمام عرب قبائل کو برانگیختہ اور مشتعل کر دیا۔ جس کے لئے اس نے حضرت علیؓ کی حمایت ومحبت کو ذریعہ اور بہانہ بنایا۔ جن قبائل میں اس نے مخالفت بنوامیہ اور عداوت عثمانی پیدا کرنی چاہی۔ یہ سب کے سب وہی لوگ تھے جو اپنی فتوحات پر مغرور اور اپنے کارنامے کے مقابلے میں قریش واہل حجاز کو خاطر میں نہ لاتے تھے لیکن سابق الاسلام نہ تھے بلکہ نومسلموں میں ان کا شمار تھا۔ عبداللہ بن سبا نے بڑی آسانی سے بنوامیہ کے سوا باقی اہل مدینہ کو حضرت عثمانؓ کی بدگوئی اور بنوامیہ کی عام شکایت پر آمادہ کر دیا، پھر وہ بصرہ کوفہ، دمشق وغیرہ فوجی مرکزوں میں گھوما جہاں سوائے دمشق کے ہر جگہ اس کو مناسب آب وہوا اور موافق سامان میسر ہوئے۔ دمشق میں بھی اس کو کم کامیابی نہیں ہوئی کیونکہ یہاں بھی اس نے حضرت ابوذر غفاریؓ والے واقعہ سے خوب فائدہ اُٹھایا۔ آخر میں وہ مصر پہنچا اور تمام مرکزی مقاموں کے اندر جہاں وہ خود سامان فراہم کرا آیا تھا، مصر میں بیٹھے بیٹھے اپنی تحریک کو ترقی دی۔ مصر کو اس نے اپنا مرکز اس لئے بنایا کہ یہاں کا گورنر عبداللہ بن سعدؓ خود مختاری میں تو دوسرے گورنروں سے کم اور رومیوں وغیرہ کے حملوں کی روک تھام کے خیال اور افریقہ وطرابلس وغیرہ کی حفاظت کی فکر میں اندرونی تحریکوں اور داخلی کاموں کی طرف زیادہ متوجہ نہیں ہو سکتا تھا۔ یہیں اس کو دو تین صحابی ایسے مل گئے جو بڑی آسانی سے اس کے ارادوں کی اعانت میں شریک ومصروف ہو گئے۔

اس نے بصرہ میں حضرت طلحہؓ اور کوفہ میں حضرت زبیرؓ کی مقبولیت کو بڑھا ہوا دیکھا لیکن وہ جانتا تھا کہ تمام عالم اسلام میں حضرت علیؓ کی مقبولیت ان دونوں حضرات سے بڑھ جائے گی۔ لہٰذا اس نے بصرہ، کوفہ، دمشق کو بڑی آسانی سے چھوڑ دیا اور مصر میں بیٹھ کر اپنے کام کو اس طرح شروع کیا کہ بصرہ، کوفہ والوں کی اس مخالفت کو ترقی دی جو ان کو بنوامیہ اور حضرت عثمانؓ کے ساتھ پیدا ہو چکی تھی لیکن مصر میں اس مخالفت کے پیدا کرنے اور اس کو ترقی دینے کے علاوہ حضرت علیؓ کی محبت اور ان کے مظلوم ہونے، حقدار خلافت ہونے، وصی ہونے وغیرہ کے خیالات کو ضائع کیا۔ اس اشاعت میں بھی بڑی احتیاط سے کام لیا اور حضرت علیؓ کے طرفداروں کی ایک زبردست جماعت بنا لینے میں کامیاب ہوا۔ عبداللہ بن سبا کی ان کارروائیوں نے بہت ہی جلد عالم اسلام میں ایک شورش پیدا کر دی، اس شورش کے پیدا ہو جانے کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے وہ موقع جاتا رہا کہ وہ خود بنوامیہ کے راہ راست پر رکھنے کی کوشش میں کامیاب ہوتے۔ عبداللہ بن سبا کی شرارتوں میں غالباً سب سے پلید شرارت یہ تھی کہ اس نے مدینہ منورہ سے حضرت علیؓ کی طرف فرضی خطوط کوفہ وبصرہ ومصر والوں کے پاس بھجوائے اور اس طرح اپنے آپ کو بھی حضرت علیؓ کا ایجنٹ تعین کرانے اور لوگوں کو دھوکا دینے میں خوب کامیاب ہوا۔ یہ اس کا ایسا فریب تھا کہ ایک طرف حضرت عثمانؓ شہید ہوئے اور دوسری طرف آج تک لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ نعوذ باللہ حضرت علیؓ کے اشارے اور سازش سے حضرت عثمانؓ شہید کئے گئے۔ حالانکہ اس سے زیادہ غلط اور نادرست کوئی دوسری بات نہیں ہو سکتی۔ وہ یعنی عبداللہ بن سبا نہ حضرت عثمانؓ کا دوست تھا، نہ حضرت علیؓ سے اس کو کوئی ہمدردی تھی۔ وہ تو دونوں کا یکساں دشمن اور اسلام کی بربادی کا

Marfat.com

خواہاں تھا۔اس لئے جہاں اس نے ایک طرف حضرت عثمانؓ کو شہید کرایا، دوسری طرف حضرت علیؓ کو شریک سازش ثابت کر کے ان کی عزت وحرمت کو بھی سخت نقصان پہنچانا چاہا۔

خصائل وخصائص عثمانیؓ

حضرت عثمانؓ کی فطرت نہایت ہی سلیم و بربادر ثابت ہوئی تھی۔عہد جاہلیت ہی میں شراب اپنے اور حرام کر لی تھی، کبھی عہد جاہلیت میں بھی زنا کے پاس تک نہیں بھٹکے، نہ کبھی چوری کی۔عہد جاہلیت میں بھی ان کی سخاوت سے لوگ ہمیشہ فیضیاب ہوتے رہتے تھے۔ہر سال حج کو جاتے، منیٰ میں اپنا خیمہ نصب کراتے، جب تک حجاج کو کھانا نہ کھلا لیتے لوٹ کر اپنے خیمہ میں نہ آتے اور یہ وسیع دعوت صرف اپنی جیب خاص سے کرتے۔جیش العسرۃ کا تمام سامان حضرت عثمانؓ نے مہیا فرمایا تھا۔آنحضرت ﷺ اور اہل بیت نبوی پر بارہا فاقہ کی مصیبت آتی تھی۔اکثر موقعوں پر حضرت عثمانؓ ہی واقف ہو کر ضروری سامان بھجواتے تھے۔

آنحضرت ﷺ نے بارہا ان کے لئے دعا کی ہے کہ (**اللھم انی قد رضیت عن عثمان فارض عنہ اللھم انی قد رضیت عن عثمان فارض عنہ**) (اے اللہ میں عثمانؓ سے راضی ہوں تو بھی اس سے راضی ہو جا۔اے اللہ! میں عثمانؓ سے راضی ہوں، تو بھی اس سے راضی ہو جا) ایک مرتبہ یہ دعا آپ شام سے صبح تک مانگتے رہے۔

ایک مرتبہ خلافت صدیقی میں سخت قحط پڑا۔لوگوں کو کھانا اور غلہ دستیاب نہ ہونے کی سخت تکلیف ہوئی۔ایک روز خبر مشہور ہوئی کہ حضرت عثمانؓ کے ایک ہزار اونٹ غلہ سے لدے ہوئے آئے ہیں۔مدینہ کے تاجر فوراً حضرت عثمانؓ کے پاس پہنچے اور کہا کہ ہم کو ڈیوڑھے نفع سے غلہ دے دو جس قدر تم کو غلہ سو روپے میں پڑا ہے، ہم سے اس کے ڈیڑھ سو روپے لے لو۔حضرت عثمانؓ نے کہا کہ تم سب لوگ گواہ رہو کہ میں نے اپنا تمام غلہ فقراء ومساکین مدینہ کو دے دیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اسی شب میں نے خواب دیکھا کہ آنحضرت ﷺ ایک گھوڑے پر سوار حلہ نوری پہنے ہوئے جا رہے ہیں۔میں دوڑ کر آگے بڑھا اور عرض کیا: مجھ کو آپ کی زیارت کا بے حد اشتیاق تھا۔آپ نے فرمایا کہ مجھے جانے کی جلدی ہے، عثمانؓ نے آج ایک ہزار اونٹ غلہ صدقہ دیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو قبول فرما کر جنت میں ایک عروس کے ساتھ عثمانؓ کا عقد کیا ہے۔اس عقد میں شریک ہونے جا رہا ہوں۔حضرت عثمانؓ جب سے ایمان لائے آخر وقت تک برابر جمعہ کو ایک غلام آزاد کرتے رہے۔کبھی اگر کسی جمع کو آزاد نہ کر سکے تو اگلے جمعہ کو دو غلام آزاد کئے۔ایام محاصرہ میں بھی جبکہ بلوائیوں نے آپ پر پانی تک بند کر رکھا تھا، آپ نے غلاموں کو برابر آزاد کیا۔آپ نہایت سادہ کھانا کھاتے تھے اور سادہ لباس پہنتے، لیکن مہمانوں کو ہمیشہ نہایت لذیذ اور قیمتی کھانا کھلاتے تھے۔عہد خلافت میں کبھی آپ نے دوسرے لوگوں سے برتری اور فضیلت تلاش نہیں کی۔سب کے ساتھ بیٹھتے، سب کی عزت کرتے اور کسی سے اپنی تکریم کے خواہاں نہ ہوتے تھے۔ایک مرتبہ آپ نے اپنے غلام سے کہا کہ میں نے تیرے اوپر زیادتی کی تھی تو مجھ سے اسکا بدلہ لے لے۔غلام نے آپ کے کہنے سے آپ

Marfat.com

کے کان پکڑے۔آپ نے اس سے کہا کہ بھائی خوب زور سے پکڑو، کیونکہ دنیا کا قصاص آخرت کے بدلے سے بہر حال آسان ہے۔

قرآن کریم کی اشاعت اور قرآن کریم کی ایک قرات پر سب کو جمع کرنا اور مذکورہ ہو چکا ہے۔مسجد نبوی ﷺ کی توسیع کا حال بھی اوپر آچکا ہے۔آپ نے روزینوں کی تقسیم اور وظائف کے دینے کے لئے ایام واوقات مقرر فرما رکھے تھے۔ہر ایک کام وقت پر اور باقاعدہ کرنے کی آپ کو عادت تھی۔آنحضرت ﷺ،حضرت ابوبکر صدیقؓ،عمر فاروقؓ کے زمانے میں جمعہ کے دن اذان اس وقت ہوتی تھی جب امام منبر پر جاتا تھا۔حضرت عثمان غنیؓ کے زمانے میں لوگوں کی کثرت ہوئی تو آپ نے حکم دیا کہ خطبہ کی اذان سے پہلے بھی ایک اذان ہوا کرے۔چنانچہ اس وقت سے لے کر آج تک جمعہ کے دن یہ اذان دی جاتی ہے۔

بعض ضروری اشارات

جس وقت بلوائیوں نے مدینہ منورہ میں داخل ہو کر بدتمیزیاں شروع کر دی تھیں،اس وقت حضرت عائشہ صدیقہؓ مدینہ سے مکہ کی جانب حج کے لئے روانہ ہوئیں۔حج سے فارغ ہو کر آپ مدینہ منورہ واپس آرہی تھیں کہ مقام سرف میں بنی لیث کے ایک شخص عبید بن ابی سلمہ نامی کے ذریعہ خبر سنی کہ حضرت عثمانؓ کو بلوائیوں نے شہید کر دیا۔یہ خبر سن کر آپ مکہ واپس لوٹ گئیں۔

جس وقت بلوائیوں نے مدینہ میں ہجوم کیا تو حضرت عمرو بن العاصؓ بھی مدینہ میں موجود تھے مگر جب انہوں نے یہ دیکھا کہ بلوائیوں کی گستاخیاں اور انکا تسلط ترقی کر کے تمام مدینہ کو مغلوب کر چکا ہے اور شرفاء مدینہ بلوائیوں کے مقابلے میں مجبور ہو چکے ہیں تو عمرو بن العاصؓ نے مع اپنے دونوں بیٹوں عبداللہ اور محمد کے مدینہ سے کوچ کیا اور فلسطین میں آکر رہنے لگے۔ یہاں تک کہ ان کے پاس فلسطین میں حضرت عثمانؓ کے شہید ہونے کی خبر پہنچی۔

عبداللہ بن سعدؓ گورنر مصر یہ سن کر مدینہ منورہ میں بلوائیوں نے حضرت عثمان غنیؓ کا محاصرہ کر رکھا ہے،مصر سے مدینہ کی جانب روانہ ہوئے مگر راستے میں یہ سن کر کہ عثمان غنیؓ شہید ہو گئے،مصر کی جانب لوٹے تو معلوم ہوا کہ وہاں محمد بن ربیعہ نے مصر پر قبضہ کر لیا ہے۔عبداللہ بن سعدؓ مجبوراً فلسطین میں مقیم ہو گئے اور پھر دمشق کی طرف چلے گئے۔قتل عثمانؓ کے وقت مدینہ منورہ میں علیؓ،طلحہؓ اور زبیرؓ تین بڑے اور صاحب اثر حضرات موجود تھے۔ان کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت سعد بن وقاصؓ وغیرہ بھی اسی مرتبہ کے حضرات تشریف رکھتے تھے مگر بلوائیوں اور باغیوں کے ہاتھوں سب کی عزتیں معرض خطرہ میں تھیں۔مدینہ کی حکومت تمام و کمال ان بلوائیوں کے ہاتھ میں تھی۔اول الذکر ہر سہ اصحاب اگرچہ بلوائیوں کی نگاہ میں خاص عزت و وقعت بھی رکھتے تھے لیکن ان سب نے اپنی اپنی عزتوں کی حفاظت کے خیال سے گھروں کے دروازے بند کر لئے تھے اور سب خانہ نشین ہو بیٹھے تھے۔کوئی گھر سے باہر نہیں نکلتا تھا۔حضرت علیؓ بعض ضرورتوں سے مدینہ کے باہر بھی تشریف لے جاتے تھے اور بعض کا یہ خیال ہے کہ آپ مدینہ سے باہر اسی غرض سے گئے تھے کہ ان بلوائیوں کی شرارتوں سے محفوظ رہیں۔

Marfat.com

چنانچہ جب حضرت عثمان غنیؓ شہید ہوئے تو آپ مدینہ سے کئی میل کے فاصلہ پر تھے۔

مدینہ منورہ میں بلوائیوں کی حکومت

مصر، کوفہ اور بصرہ کے باغیوں نے جب سے مدینہ منورہ میں داخل ہو کر حضرت عثمانؓ کو گھر سے نکلنے اور مسجد میں آنے سے روک دیا تھا، اسی روز سے مدینہ منورہ میں ان کی حکومت تھی لیکن چونکہ خلیفہ وقت گو حالت محاصرہ ہی میں کیوں نہ ہو، موجود تھا۔ لہٰذا بلوائیوں کی ظالمانہ حکومت کو حکومت کے نام سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا لیکن حضرت عثمانؓ کے شہید ہونے کے بعد مدینہ میں تقریباً ایک ہفتہ غافقی بن حرب عکی بلوائیوں کے سردار کی حکومت رہی، وہی ہر ایک حکم جاری کرتا اور وہی نمازوں کی امامت کراتا تھا۔ ان بلوائیوں میں بعض لوگ دوراندیش اور سمجھدار بھی تھے، انہوں نے اپنے دل میں سوچا کہ اگر ہم اسی طرح قتل عثمانؓ کے بعد یہاں سے منتشر ہو گئے تو ہمارے لئے بھی کوئی نیک نتیجہ پیدا نہیں ہو سکتا۔ ہم جہاں ہوں گے قتل کئے جائیں گیا اور یہ شورش محض فساد اور بغاوت سمجھی جائے گی، پھر اس طرح بھی ہم جائز احتجاج کا جامہ نہیں پہنا سکیں گے۔ لہٰذا انہوں نے آپس میں مشورہ کر کے سب کو اس بات پر آمادہ کیا کہ اب کسی کو جلد خلیفہ منتخب کراؤ اور بغیر خلیفہ منتخب کرائے ہوئے یہاں سے واپس ہونے اور جانے کا نام نہ لو۔ انہیں ایام شورش کے دوران یہ اطمینان کر لینے کے بعد کوفہ و بصرہ سے بھی اس تجویز و قرارداد کے موافق لوگ روانہ ہو کر مدینہ پہنچ گئے۔ عبداللہ بن سبا بھی مصر سے روانہ ہوا اور نہایت غیر مشہور اور غیر معلوم طریقے پر مدینہ میں داخل ہو کر اپنے ایجنٹوں اور دستوں میں شامل ہو گیا۔ چونکہ بلوائیوں کے اس تمام لشکر میں سب کے سب ہی ایسے اشخاص نہ تھے جو عبداللہ بن سبا کے رازدار ہوں بلکہ بہت سے بے وقوف و واقعہ پسند اور دوسرے ارادوں کے لوگ تھے۔ لہٰذا عبداللہ بن سبا نے یہاں آ کر خود کوئی سرداری یا نمبرداری کی شان مصلحتاً حاصل نہیں کی بلکہ اپنے دوسرے ایجنٹوں ہی کے ذریعہ تمام مجمع کو متحرک کر کے اپنے حسب منشاء کام لیتا رہا۔ یہ انتخاب خلیفہ کی تجویز بھی عبداللہ بن سبا کی تھی۔ چنانچہ یہ لوگ جمع ہو کر حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت علیؓ کے پاس الگ الگ گئے اور ان بزرگوں میں سے ہر ایک سے درخواست کی کہ آپ خلافت قبول فرما لیں اور ہم سے بیعت لیں۔ ہر ایک بزرگ نے خلافت کے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور یہ مجبور و نامراد ہو کر رہ گئے۔ آخر عبداللہ بن سبا نے ایک تدبیر سمجھائی اور مدینہ منورہ میں ان باغیوں اور بلوائیوں نے ایک ڈھنڈورا پٹوا دیا کہ اہل مدینہ ہی ارباب حل و عقد ہیں اور اہل مدینہ ہی ابتداء سے خلیفہ کا انتخاب کراتے آئے ہیں اور اہل مدینہ ہی کے مشورے اور انتخاب سے منتخب کئے ہوئے خلیفہ کو مسلمانوں نے ہمیشہ خلیفہ تسلیم کیا ہے۔ لہٰذا ہم اعلان کرتے ہیں اور اہل مدینہ کو آگاہ کرتے ہیں کہ تم کو صرف دو دن کی مہلت دی جاتی ہے۔ اس دوران کے عرصہ میں کوئی خلیفہ منتخب کر لو، ورنہ دو دن کے بعد ہم علی، طلحہ اور زبیر تینوں کو قتل کر دیں گے۔ اس اعلان کو سن کر مدینہ والوں کے ہوش و حواس جاتے رہے۔ وہ بیتابانہ اپنے اپنے گھروں سے نکل کر حضرت علیؓ کے پاس گئے۔ اسی طرح باقی دونوں حضرات کے پاس بھی مدینہ والوں کے وفود پہنچے۔ حضرت طلحہ و زبیرؓ نے تو صاف انکار کر دیا اور کہا کہ ہم خلافت کا بار اپنے کندھوں پر لینا نہیں چاہتے۔ حضرت علیؓ نے بھی اول انکار ہی کیا تھا لیکن جب لوگوں نے زیادہ اصرار و منت و

Marfat.com

سماجت کی تو وہ رضامند ہو گئے، ان کے رضامند ہوتے ہی لوگ جوق در جوق ٹوٹ پڑے۔ اہل مدینہ نے بھی اور بلوائیوں کی جمعیت نے بھی ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔

حضرت سیدنا عثمان بن عثمانؓ کی شان میں اتاری گئی قرآنی آیات

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْیُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ فَعَلِمَ مَافِیْ قُلُوْبِھِمْ فَاَنْزَلَ السَّکِیْنَۃَ عَلَیْھِمْ وَاَثَابَھُمْ فَتْحاً قَرِیْباہ

ترجمہ: تحقیق اللہ خوش ہوا ایمان والوں سے۔ جب بیعت کرنے لگے تجھ سے اُس درخت کے نیچے۔ پھر معلوم کیا جو اُنکے جی میں تھا، پھر اُتارا اُن پر اطمینان اور انعام دیا اُنکو۔ (سورۃ الفتح آیت نمبر ۱۷)

بیعۃ الرضوان

رسوال اللہ ﷺ کو جب یہ خبر پہنچی تو آپ کو بہت صدمہ ہوا اور یہ فرمایا کہ جب تک میں اُن سے بدلہ لے لوں گا یہاں سے حرکت نہ کروں گا اور وہیں کیکر کے درخت کے نیچے جس کے سایہ میں فروکش تھے۔ بیعت یعنی شروع کر دی کہ جب تک جان میں جان ہے کافروں سے جہاد وقتال کریں گے۔ مر جائیں گے مگر بھاگیں گے نہیں۔

سب سے پہلے ابوسنان اسدی نے بیعت کی معجم طبرانی میں عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو جب بیعت کے لئے بلایا تو سب سے پہلے ابوسنانؓ آپ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ بیعت کے لئے ہاتھ بڑھایئے آپ نے فرمایا کس چیز پر بیعت کرتا ہے ابوسنان نے کہا اُس چیز پر جو میرے دل میں ہے، آپ نے فرمایا تیرے دل میں کیا ہے؟ ابوسنان نے کہا یا رسول اللہ میرے دل میں یہ ہے کہ اس وقت تک تلوار چلاتا رہوں جب تک اللہ عزوجل آپ کو غلبہ نصیب فرمائے یا اس راہ میں مارا جاؤں، آپ نے اُن کو بیعت فرمایا اور اسی پر سب نے بیعت کی۔

صحیح مسلم میں ہے کہ سلمۃ بن اکوعؓ نے تین مرتبہ بیعت کی، ابتداء میں اور درمیان میں اور اخیر میں اور جب بیعت سے فارغ ہوئے تو بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ پر رکھ کر یہ فرمایا کہ یہ بیعت عثمان کی جانب سے ہے۔ (رواہ البخاری)

داہنا ہاتھ آپ کی طرف تھا اور بایاں ہاتھ حضرت عثمان کی جانب سے تھا۔ حضرت عثمانؓ اس واقعہ کو ذکر کر کے فرمایا کرتے تھے کہ میری جانب سے رسول اللہ ﷺ کا بایاں ہاتھ میرے دائیں ہاتھ سے کہیں بہتر تھا۔

اس بیعت کو بیعت الرضوان کہتے ہیں جس کا اللہ تعالیٰ نے سورہ فتح میں ذکر فرمایا ہے: (آیت نمبر ۱۸،۱۷)

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ	تحقیق اللہ راضی ہوا ایمان والوں سے جس وقت
یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ فَعَلِمَ	کہ وہ آپ کے ہاتھ پر درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے
مَافِیْ قُلُوْبِھِمْ فَاَنْزَلَ السَّکِیْنَۃَ	ان کے دلوں میں اللہ اور اسکے رسول کی
عَلَیْھِمْ وَاَثَابَھُمْ فَتْحاً قَرِیْباً وَّ	محبت اور اخلاص جو کچھ بھرا ہوا ہے وہ اللہ کو خوب

Marfat.com

مَغَانِمَ كَثِيرَةً يَّأْخُذُوْنَهَا وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ہ

معلوم ہے پس اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی خاص سکینت اور طمانیت کو اتار دیا اور انعام میں انکو قریبی فتح عطا فرمائی اور اس کے علاوہ اور بھی بہت سی غنیمتوں کرلیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ غالب اور حکمت والا ہے۔

لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ حضرت عثمانؓ کے قتل کی خبر غلط تھی قریش کو جب اس بیعت کا علم ہوا تو مرغوب اور خوف زدہ ہو گئے اور صلح کے لئے نامۂ و پیام کا سلسلہ شروع کیا۔ (فتح الباری ۳۴۵ رج ۷)

قبیلۂ خزاعہ اگرچہ ہنوز مشرف با اسلام نہ ہوا تھا لیکن ہمیشہ سے آپ کا حلیف اور خیر خواہ اور راز دار تھا۔ مشرکین مکہ آپ کے خلاف جو سازشیں کرتے اس سے آپ کو مطلع کیا کرتا تھا۔ اس قبیلہ کے سردار بُدیل بن ورقا قبیلہ خزاعہ کے چند آدمیوں کو اپنے ہمراہ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ قریش نے نواحی حدیبیہ میں پانی کے بڑے بڑے چشموں پر آپ کے مقابلے کے لئے لشکر عظیم جمع کیا ہے کہ آپ کو کسی طرح مکہ میں داخل نہ ہونے دیں اور دودھ والی اونٹنیاں انکے ساتھ ہیں۔ (یعنی طویل قیام کا ارادہ ہے، کھاتے پیتے رہیں اور مقابلہ کے لئے ڈٹے رہیں)

رسول اللہ ﷺ نے ارادہ فرمایا ہم کسی سے لڑنے کے لئے نہیں آئے، ہم فقط عمرہ کرنے کے لئے آئے ہیں۔ لڑائی نے قریش کو نہایت کمزور کر دیا ہے اگر وہ چاہیں تو میں ان کے لئے ایک مدت صلح کی مقرر کردوں اُس مدت میں ایک دوسرے سے کوئی تعرض نہ کرے اور مجھ کو اور عرب کو چھوڑ دیں۔ اگر اللہ کے فضل سے میں غالب ہوا تو وہ چاہیں تو اس دین میں داخل ہو جائیں اور فی الحال چند روز کے لئے تم آرام ملے اور اگر بالغرض عرب غالب آئے تو تمہاری تمنا پوری ہو گی لیکن میں تم سے یہ کہے دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ضرور بالضرور اپنے اس دین کو غالب کر کے رہے گا۔ اور اس دین کے ظہور اور غلبہ فتح اور نصرت کا جو وعدہ اُس تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے وہ ضرور پورا ہو کر رہے گا اور اگر وہ اس بات کو نہ مانیں تو قسم ہے ہے اُس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں ضرور ان سے جہاد و قتال کروں گا۔ یہاں تک کہ میری گردن الگ ہو جائے۔ بُدیل آپ کے پاس اُٹھ کر قریش کے پاس گئے اور یہ کہا کہ میں اس شخص کے پاس سے ایک بات سن کر آیا ہوں اگر چاہو تو تم پر پیش کروں جو احمق اور نادان تھے۔ انہوں نے یہ کہا ہمیں ضرورت نہیں ہم ان کی کوئی بات سننا نہیں چاہتے۔ مگر جوان میں ذی رائے اور سمجھدار تھے انہوں نے کہا ہاں بیان کرو۔

بُدیل نے کہا تم لوگ جلد باز ہو۔ محمد رسول اللہ ﷺ لڑائی کے نہیں آئے بلکہ عمرہ کرنے کیلئے آئے ہیں تم سے صلح کرنا چاہتے ہیں۔ قریش نے کہا کہ بے شک وہ لڑائی کے ارادہ سے نہیں آئے لیکن مکہ میں داخل نہیں ہو سکتے۔ عروۃ بن مسعود نے اُٹھ کر کہا اے قوم کیا میں تمہارے لئے بمنزلہ باپ کے اور تم میرے لئے بمنزلہ اولاد کے نہیں۔ لوگوں نے کہا بے شک کیوں نہیں عروہ نے کہا کیا تم میرے ساتھ کسی قسم کی بدگمانی رکھتے ہو۔ لوگوں نے کہا ہرگز نہیں۔ عروہ نے کہا اس شخص نے (یعنی رسول اللہ ﷺ) تمہاری بھلائی اور بہتری کی بات کہی ہے میرے نزدیک اس کو ضرور قبول کر لینا چاہئے۔ اور مجھ کو اجازت دو کہ میں

Marfat.com

محمد ﷺ سے مل کر اس بات میں گفتگو کروں لوگوں نے کہا بہتر ہے۔

عروہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے وہی فرمایا جو بُدیل سے فرما چکے تھے۔ عروہ نے کہا اے محمد ﷺ تم نے سنا بھی ہے کہ کسی نے اپنی قوم کو خود ہلاک اور برباد کیا ہو علاوہ ازیں اگر دوسری صورت پیش آئی (یعنی قریش کو غلبہ ہوا) تو میں دیکھتا ہوں کہ مختلف قوموں کے لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ اس وقت آپ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے ابوبکر صدیقؓ، رسول اللہ ﷺ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے عروہ کو گالی دے کر یہ فرمایا کیا ہم آپ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔ عروہ نے کہا یہ کون شخص ہے لوگوں نے کہا ابوبکر ہیں۔ عروہ نے کہا خدا کی قسم اگر مجھ پر احسان نہ ہوتا جس کا اب تک میں بدلہ نہیں دے سکا تو ضرور جواب دیتا۔ یہ کہہ کر رسول اللہ ﷺ سے گفتگو شروع کر دی اور جب کوئی بات کرتے تو رسول اللہ ﷺ کی داڑھی کو ہاتھ لگاتے۔ مغیرۃ بن شعبہ (یعنی عروہ کے بھتیجے) مسلح تلوار لئے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی پشت پر کھڑے ہوئے تھے۔ بارگاہِ نبوی میں اپنے چچا کی یہ جرأت گوارا نہ ہوئی اور فوراً عروہ سے کہا۔ اپنا ہاتھ رسول اللہ ﷺ کی داڑھی سے ہٹائے ایک مشرک کے لئے کسی طرح زیبا نہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو مس کر سکے۔ مغیرہ چونکہ خود وغیرہ پہنے ہوئے تھے اس لئے عروہ نے انکو پہچانا نہیں اور غصہ ہو کر آپ سے دریافت کیا یہ کون ہے آپ نے فرمایا یہ تمہارا بھتیجا مغیرۃ بن شعبہ ہے۔ اب عروہ نے مغیرہ کو پہچانا اور کہا۔ اور غدار کیا میں نے تیری غداری اور فتنہ پردازی کو رفع نہیں کیا۔

مغیرہ نے مسلمان ہونے سے پہلے چند رفقاء کے ساتھ سفر کر کے مقوقس شاہ مصر کے پاس گئے بادشاہ نے بہ نسبت مغیرہ کے دوسرے رفقاء کو زیادہ انعامات دیئے جس سے مغیرہ کو بہت رنج ہوا اور راستہ میں ایک مقام پر ٹھہرے اور شراب پی کر خوب غفلت کی نیند سوئے مغیرہ نے موقع پا کر ان سب قتل کر ڈالا اور ان کا مال لے کر بھاگ آئے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے آپ نے فرمایا۔ اسلام تو قبول کرتا ہوں مگر مال سے مجھ کو کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ وہ دھوکہ اور دغا سے لیا گیا ہے۔ عروہ نے ان آدمیوں کو دے کر قصہ کو رفع دفع کیا۔

بعد ازاں عروہ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صحابہ کی حسن عقیدت اور صدق اخلاص کا ایسا عجیب و غریب منظر دیکھا کہ جو اس سے پیشتر کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ یہ کہ جب آپ کوئی حکم دیتے ہیں تو ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ سب سے پہلے میں اس حکم کو بجالاؤں جب کبھی آپ کے دہن مبارک سے تھوک یا بلغم نکلتا ہے تو وہ زمین پر گرنے نہیں پاتا ہاتھوں ہاتھ اس کو لے لیتے ہیں اور اپنے چہروں سے مل لیتے ہیں۔ جب آپ وضو فرماتے ہیں تو آپ کے غُسالہ وضو پر بھی لوگوں کا یہی حال ہوتا ہے۔ قریب ہے کہ آپس میں لڑ پڑیں۔ آپ کے جسم سے کوئی بال گرنے نہیں پاتا تھا کہ فوراً اس کو لے لیتے ہیں۔ جب آپ کلام فرماتے ہیں تو ایک سناٹا ہو جاتا ہے گویا کہ ہر شخص سراپا گوش بنا ہوا ہے کسی مجال نہیں کہ نظر اُٹھا کر دیکھ سکے۔ گویا کہ بزبان حال یہ عروہ کی اس بدگمانی کا جواب تھا۔ جو اس نے ابتداء میں آپ کے جان نثاروں کے متعلق ظاہر کی تھی کہ اگر قریش کو غلبہ ہوا تو یہ لوگ آپ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔ یہ اخلاص و عقیدت محبت و عظمت کا حیرت انگیز عروہ کی حضرات صحابہ کے ساتھ بدگمانی کا شافی اور کافی جواب تھا کہ جن کی شیفتگی اور وارفتگی اور محبت و عقیدت کا یہ حال ہو بھلا وہ آپ کو چھوڑ کر کہیں بھاگ سکتے ہیں۔

Marfat.com

عروہ جب آپ کے پاس سے واپس ہوئے تو قریش سے جا کر کہا اے قوم واللہ میں نے قیصر و کسریٰ اور نجاشی اور بڑے بڑے بادشاہوں کے دربار دیکھے ہیں۔ مگر خدا کی قسم عقیدت و محبت تعظیم و جلال کا یہ عجیب و غریب منظر کہیں نہیں دیکھا۔ (یہ منظر نہ آپ سے پہلے دیکھا گیا اور نہ آپ کے بعد ممکن ہے آپ خاتم الانبیاء تھے عقیدت و محبت کا یہ حیرت انگیز منظر آپ پر ختم ہو گیا)

ایک روایت میں ہے کہ عروہ نے یہ کہا کہ اے قوم میں نے بہت سے بادشاہوں کو دیکھا مگر محمد ﷺ جیسا کسی کو نہیں دیکھا وہ بادشاہ نہیں معلوم ہوتے۔ رواہ ابن ابی شیبۃ مرسلا۔ عروہ نے صاف طور سے تو نہیں کہا کہ آپ نبی ہیں مگر اشارۃً یہ بتلا دیا کہ یہ شان بادشاہوں کی نہیں ہوتی بلکہ خدا تعالیٰ کے پیغمبروں کی ہوتی ہے۔ عروہ کی یہ گفتگو سن کر حبشیوں کے سردار حلیس بن علقمہ کنانی نے کہا مجھ کو اجازت دو کہ میں آپ سے مل کر آؤں۔ رسول اللہ ﷺ نے حلیس کو دور سے آتے ہوئے دیکھ کر یہ فرمایا کہ قربانی کے جانوروں کو کھڑا کر دو یہ شخص ان لوگوں میں سے ہے جو قربانی کے جانوروں کی تعظیم کرتے ہیں حلیس قربانی کے اونٹوں کو کھڑا دیکھ کر راستہ ہی سے واپس ہو گیا اور جا کر قریش سے یہ کہا قسم ہے رب کعبہ کی یہ لوگ تو فقط عمرہ کرنے آئے ہیں اور ان لوگوں کو بیت اللہ سے ہرگز نہیں روکا جا سکتا۔

قریش نے کہا بیٹھ جا تو تو جنگلی آدمی ہے سمجھتا بوجھتا نہیں حلیس کو غصہ آ گیا اور کہا اے گروہ قریش خدا کی قسم ہم نے تم سے اس کا عہد و پیمان نہیں کیا تھا کہ جو شخص محض بیت اللہ کی زیارت کے لئے آئے اس کو بیت اللہ سے روکا جائے قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں حلیس کی جان ہے۔ اگر تم محمد کو بیت اللہ کی زیارت سے روکو گے تو میں تمام حبشیوں کو لے کر تم سے یکلخت علیحدہ ہو جاؤں گا۔ قریش نے کہا اچھا آپ خفا ہو بیٹھے، ذرا ہم غور کر لیں بعد ازاں مجمع میں سے مکرز بن حفص اٹھا اور کہا کہ میں آپ کے پاس ہو کر آتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ کو آتے دیکھ کر فرمایا۔ یہ آدمی برا ہے حدیبیہ کے زمانہ قیام میں ایک مرتبہ مکرز نے پچاس آدمیوں کو لے کر شب خون مارنے کا ارادہ کیا۔ صحابہ نے ان کو گرفتار کر لیا اور مکرز فرار ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ کا اشارہ اس واقعہ کی طرف تھا۔

مکرز آپ سے گفتگو کر ہی رہا تھا کہ اتنے میں قریش کی طرف سے سہیل بن عمرو صلح کرنے کے لئے پہنچ گئے۔

رسول اللہ ﷺ نے سہیل کو آتے دیکھ کر صحابہ سے فرمایا:

قد سَهُلَ لَكُمْ مِنْ اَمْرِكُمْ — البتہ تمہارا معاملہ کچھ سہل ہو گیا۔

اور یہ فرمایا کہ قریش اب صلح کی طرف مائل ہو گئے ہیں اس شخص کو صلح کے لئے بھیجا ہے سہیل آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دیر تک صلح اور شرائط صلح پر گفتگو ہوتی رہی۔ جب شرائط صلح طے ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کو تحریر معاہدہ کا حکم دیا اور سب سے پہلے بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ٥ لکھنے کا حکم دیا۔

عرب کا قدیم دستور یہ تھا سرنامہ پر بـاسْمِکَ اَللّٰهُمَّ لکھا کرتے تھے اس انبار پر سہیل نے کہا میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو نہیں جانتا۔ قدیم دستور کے مطابق باسْمِکَ اَللّٰهُمَّ لکھو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اچھا یہی لکھو اور پھر فرمایا کہ یہ لکھو:

Marfat.com

هذا ما قاضی علیه محمد رسول اللہ یہ وہ عہد نامہ ہے جس پر محمد اللہ کے رسول نے صلح کی ہے۔

سہیل نے کہا اگر ہم آپ کو اللہ کا رسول سمجھتے تو پھر نہ آپ کو بیت اللہ سے روکتے اور نہ آپ سے لڑتے۔

بجائے محمد رسول اللہ کے محمد بن عبداللہ لکھئے۔ آپ نے فرمایا خدا کی قسم میں اللہ کا رسول ہوں اگر چہ تم میری تکذیب کرو اور حضرت علیؓ سے فرمایا الفاظ مٹا کر اُن کی خواہش کے مطابق خالی میرا نام لکھدو۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے عرض کیا یا رسول اللہ میں تو ہرگز آپ کا نام نہ مٹاؤں گا۔ آپ نے فرمایا اچھا وہ جگہ دکھلاؤ جہاں تم نے لفظ محمد رسول ﷺ لکھا ہے۔ حضرت علی نے انگلی رکھ کر وہ جگہ بتلائی آپ نے خود اپنے ہاتھ سے اُس لفظ کو مٹایا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو محمد بن عبداللہ لکھنے کا حکم دیا۔

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى. (سورۃ البقرہ آیت نمبر ۲۶۲)

ترجمہ: جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر خرچ کرنے کے بعد نہ تو (اس پر) احسان جتلاتے ہیں اور نہ (برتاؤ سے) اسکو آزار پہنچاتے ہیں۔

اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِداً وَّقَآئِماً يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْ رَحْمَةَ رَبِّهٖ .(سورۃ الزمر آیت نمبر ۹)

ترجمہ: جو شخص اوقات شب میں سجدہ و قیام (یعنی نماز) کی حالت میں عبادت کر رہا ہو آخرت سے ڈر رہا ہو اور اپنے پروردگار کی رحمت کی امید کر رہا ہو۔

اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰىٓ ہ (سورۃ الانبیا آیت نمبر ۱۰۱)

ترجمہ: (یہ تو دوزخیوں کا حال ہوا اور) جن کے لئے ہماری طرف سے بھلائی مقدر ہو چکی ہے۔

هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ط وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ہ (سورۃ النحل آیت نمبر ۷۶)

ترجمہ: کیا یہ شخص اور ایسا شخص باہم برابر ہو سکتے ہیں جو اچھی باتوں کی تعلیم کرتا ہو اور خود بھی معتدل طریقہ پر چلتا ہو۔

أَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ تَوَلّٰى ہ وَاَعْطٰى قَلِيْلًا وَّاَكْدٰى ہ (سورۃ النجم آیت نمبر ۳۳،۳۴)

ترجمہ: تو بھلا آپ نے ایسے شخص کو بھی دیکھا جس نے (دین حق سے) گردانی کی اور تھوڑا مال دیا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ہ (سورۃ فاطر آیت نمبر ۲۹)

ترجمہ: جو لوگ کتاب اللہ کی تلاوت (مع العمل) کرتے رہتے ہیں اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں۔

فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ج وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ہ (سورۃ البقرہ آیت نمبر ۱۳۷)

ترجمہ: تو (سمجھ لو کہ) تمہارے طرف سے عنقریب ہی نبٹ لیں گے اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ سنتے ہیں جانتے ہیں۔

حضرت عثمان غنیؓ

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں آپؓ کے بارے میں تحریر کرتے ہیں۔

حضرت عثمان ابن عفانؓ کا نسب پانچویں پشت میں حضور انور ﷺ سے مل جاتا ہے۔ آپؓ کی ولادت واقعہ فیل

Marfat.com

سے ۶ سال بعد ہوئی آپؓ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی رہنمائی سے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اسلام لانے کے بعد آپؓ کو قریش نے بہت ایذائیں پہنچائیں۔ خود آپؓ کے چچا نے آپ کو رسی سے باندھا اور کہا کہ "تم نے اپنے باپ دادا کا دین ترک کر کے نیا دین اختیار کیا ہے میں تم کو اس وقت تک نہ کھولوں گا جب تک کہ تم اس نئے دین کو ترک نہ کر دو"۔

آپؓ نے فرمایا کہ "اللہ کی قسم، میں دین اسلام کو ہرگز ترک نہ کروں گا"۔ آخر کار وہ ظالم عاجز آ گیا اور پھر آپؓ کو رہائی ملی۔

آپ اسلام لائے تو حضور انور ﷺ نے اپنی صاحبزادی رقیہؓ کا نکاح آپؓ کے ساتھ کر دیا۔ اور جب کفار مکہ نے مسلمانوں کی ایذا رسانی پر کمر باندھی تو آپؓ حضرت رقیہؓ کو لے کر ملک حبش ہجرت کر گئے۔ حضور انور ﷺ نے فرمایا کہ "عثمان" پہلے شخص ہیں جنہوں نے ابراہیمؑ اور لوطؑ کے بعد اپنے اہل بیت کے ساتھ ہجرت کی ہے"۔ جب حضور انور ﷺ نے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی تو حضرت عثمانؓ ملک حبش سے واپس مدینہ منورہ آ گئے اور حضرت رقیہؓ کی جب وفات ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ میں اس کی بہن ام کلثومؓ کا نکاح عثمانؓ سے کر دوں"۔ حضور انور ﷺ کی دو صاحبزادیوں سے نکاح کی وجہ سے حضرت عثمانؓ "ذوالنورین" کہلائے۔ حضرت عثمانؓ نے مالی خدمتیں بہت کی ہیں۔ غزوہ تبوک کے موقع پر سامان جہاد کے علاوہ کھانے کا سامان (راشن) اس قدر دیا کہ کئی اونٹوں پر لادنا پڑا۔ حضور انور ﷺ کے گھر میں ایک مرتبہ چار دن سے فاقہ تھا۔ آپؓ کو معلوم ہوا تو کئی بوریاں آٹے اور گیہوں کی، کئی بوریاں کھجوروں کی، بکری کا گوشت، پکا ہوا کھانا اور تین سو دینار بھیجے۔

ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانے میں سخت قحط پڑا۔ آپؓ نے ایک ہزار اونٹ غلے لے کر تمام حاجت مندوں میں تقسیم کر دیئے۔ اسی طرح جب مدینہ منورہ میں میٹھے پانی کی سخت ضرورت تھی تو آپ نے ایک کنواں جو بیر رومہ کے نام سے اب بھی موجود ہے، ایک یہودی سے خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا۔ اسی طرح مسجد نبوی ﷺ کی توسیع کے لئے ایک زمین قریب پچیس ہزار دینار میں خرید کر شامل کر دی۔ اسی طرح کی مختلف سخاوتوں کی وجہ سے آپؓ کو غنی کا لقب حاصل ہوا۔ آپؓ کا عہد خلافت بارہ دن کم بارہ سال رہا۔ اس زمانے میں دو قسم کی فتوحات ہوئیں۔ ایک تو وہ کہ بعض ممالک جو حضرت عمرؓ کے زمانے میں فتح ہوئے تھے اور ان کے بعد باغی ہو گئے تھے ان کو دوبارہ فتح کیا، دوسرے وہ جو اب فتح ہوئے۔ مثلاً افریقہ کی وہ فتح جو حرب العباد اللہ کہلاتی ہے یعنی جس میں چار عبداللہؓ شریک ہوئے۔ عبداللہ بن سعدؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن زبیرؓ اور عبداللہ بن عباسؓ۔ انہوں نے افریقہ کے بہت بڑے علاقے کو فتح کیا۔ اس کے بعد طرابلس، اندلس اور مغرب سے شہر قبضہ میں آ گئے۔ دوسری فتح قیصر روم کے ساحلی مقامات کی تھی جس کے لئے سب سے پہلی بحری جنگ حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت عثمان غنیؓ کے مشورے اور اجازت سے کی۔ قیصر روم اور ایران کا یزدگرد آپؓ ہی کے زمانے میں مارا گیا۔ اور ایران کے مقامات سے خراسان، جوین، بیہق، فیروز آباد، شیراز، طوس، ہرات، نیشاپور اور بلخ وغیرہ فتح ہوئے۔ غرض کہ فارس اور روم کی فتوحات کا تکملہ آپؓ کے ہاتھوں ہوا۔

حضرت عثمان غنیؓ کے عہد خلافت میں آخری چھ سال فتنہ پردازوں کی نذر ہوئے۔ حکام مصر عبداللہ بن سراح تھا، اسی

Marfat.com

وجہ سے فتنوں کا آغاز ہو۔ وہ وہاں بہت سے مظالم ڈھانے لگا تو حضرت عثمان غنیؓ نے اسے تنبیہ کی لیکن وہ باز نہیں آیا تو آپؓ نے اسے معزول کر دیا اور اس کی جگہ محمد بن ابی بکرؓ کو حاکم مقرر کر کے مصر بھیجا اور یہ بھی فرمایا کہ عبداللہ بن سراح نے جو مظالم ڈھائے ہیں ان کی تحقیقات بھی کریں۔ جب وہ مصر کی طرف روانہ ہوئے اور ابھی چوتھی منزل پر ہی تھے کہ دیکھا ایک غلام بھاگا چلا آ رہا ہے۔ اس سے پوچھا کہ تو کہاں جا رہا ہے تو اس نے غلط بیانی سے کام لے کر باور کرایا کہ وہ حضرت عثمان غنیؓ کا غلام ہے ، اور اس کے پاس ایک فرضی تحریر حضرت عثمان غنیؓ سے منسوب کر کے پائی گئی۔ اس تحریر کا مضمون یہ تھا کہ محمد بن ابی بکرؓ اور ان کے جو ساتھی مصر جا رہے ہیں عبداللہ بن سراح کو چاہئے کہ ان کو قتل کر دے اور خود حاکم بنا رہے۔ دراصل یہ فرضی اور جعلی تحریر مروان کی تھی جو حضرت عثمان غنیؓ کا قرابت دار تھا۔ بہرحال اس جھوٹ اور فریب سے بات بڑھتی گئی اور حضرت عثمان غنیؓ ٹھیک اس وقت شہید کئے گئے جبکہ قرآن پاک کی تلاوت میں مصروف تھے اور ان کا روزہ بھی تھا، بڑی بے دردی سے شہید کئے گئے یہ واقعہ ذی الحجہ ۳۵ھ کا ہے۔ حضرت عثمان غنیؓ کامل الحیاء والا ایمان ہیں۔ یعنی حیا اور ایمان میں کامل ہیں۔ حضور انور ﷺ نے ان کی حیا کی خاص طور پر تعریف فرمائی ہے اور بار بار ان کو جنت کی بشارت دی اور اپنی رفاقت کا مژدہ سنایا۔ ایک موقع پر حضور انور ﷺ نے فرمایا کہ: ''میں اس شخص سے کیوں نہ حیا کروں جس سے فرشتے حیا کرتے ہیں''۔ حیا ہی کی وجہ سے حضرت عثمان غنیؓ اپنی ضرورت کے موقع پر بھی کسی کو تکلیف نہ دیتے۔ کئی کئی لونڈی، غلام آپؓ کے پاس ہوتے لیکن آپؓ کبھی ان سے کوئی خدمت نہ لیتے، پھر اگر کوئی شخص درشت کلامی کرتا تو آپؓ نرمی سے جواب دیتے۔ کسی کو قرض دیتے تو اس سے واپس نہ لیتے۔ آپؓ کے بکثرت فضائل بھی تھے۔ مثلاً سوائے ممنوعہ ایام کے آپؓ ہمیشہ روزہ رکھتے تھے۔ شہادت کے دن بھی آپؓ کا روزہ تھا۔ آپ ہر روز تہجد میں پورا قرآن پاک ختم کیا کرتے تھے اور دن میں بھی اکثر تلاوت فرماتے رہتے تھے۔ آپؓ ایک مدت تک کاتب وحی رہے۔ عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔ سابقین اولین میں سے تھے۔ صدقہ دینے میں ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے۔ ہر جمعہ کو ایک غلام آزاد کرتے تھے۔ اگر کسی جمعہ کو غلام نہ ہوتا تو دوسرے جمعہ کو دو غلام خرید کر آزاد کرتے۔ جامع القرآن آپؓ اس لئے ہیں کہ شیخین کے زمانے میں جو قرآن جمع کیا گیا تھا اسے آپ نے لغت قریش کے مطابق کتابت کرا کے تمام ملکوں میں بھیجا اور صحیح پڑھنے والے قاریوں کو بھی ساتھ بھیجا تا کہ ہر جگہ ایک ہی طرح پڑھا جائے۔ پھر قرآن پاک میں جو ۵۴۰ رکوع ہیں وہ آپ ہی کے مقرر کردہ ہیں۔ تا کہ رمضان المبارک کی تراویح کی بیس رکعتوں میں ایک ایک رکوع پڑھا جائے اور آسانی کے ساتھ ستائیسویں شب میں ختم کیا جائے۔ اللہ پاک بے شک آپ سے راضی ہے اور آپ ان سے راضی ہیں۔

حضرت علیؓ

نام ونسب

علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن عرہ بن کعب بن لوئی بن غالب۔
آنحضرت ﷺ نے آپ کو ابوالحسن اور ابوتراب کی کنیت سے مخاطت فرمایا۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام فاطمہ بنت اسد بن ہاشم تھا۔

Marfat.com

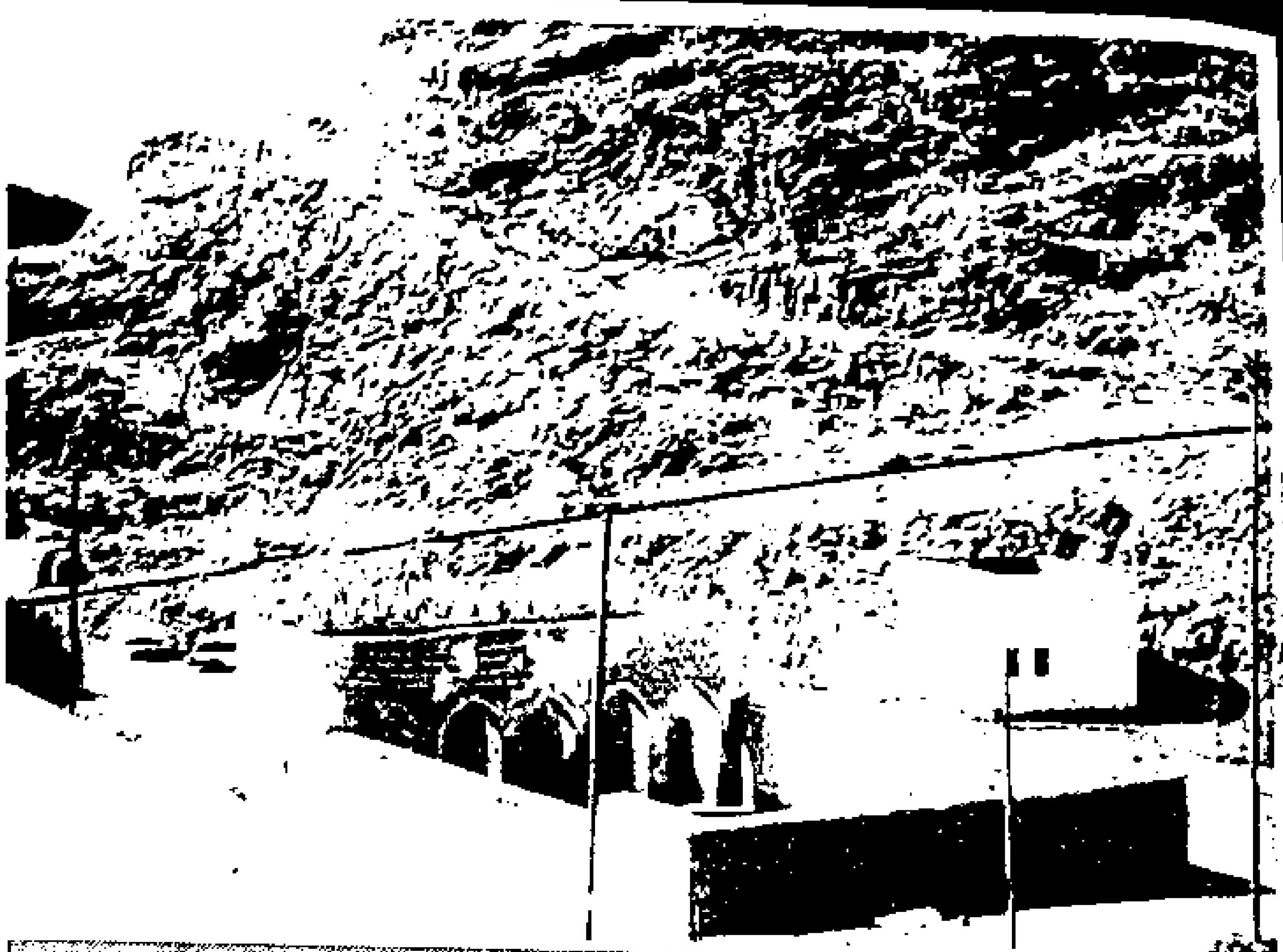

مسجد جہاں آپ ﷺ نے حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کی خبر آنے پر
آپ ﷺ نے کفار سے بدلہ لینے کے لئے صحابہ سے موت پر بیعت لی

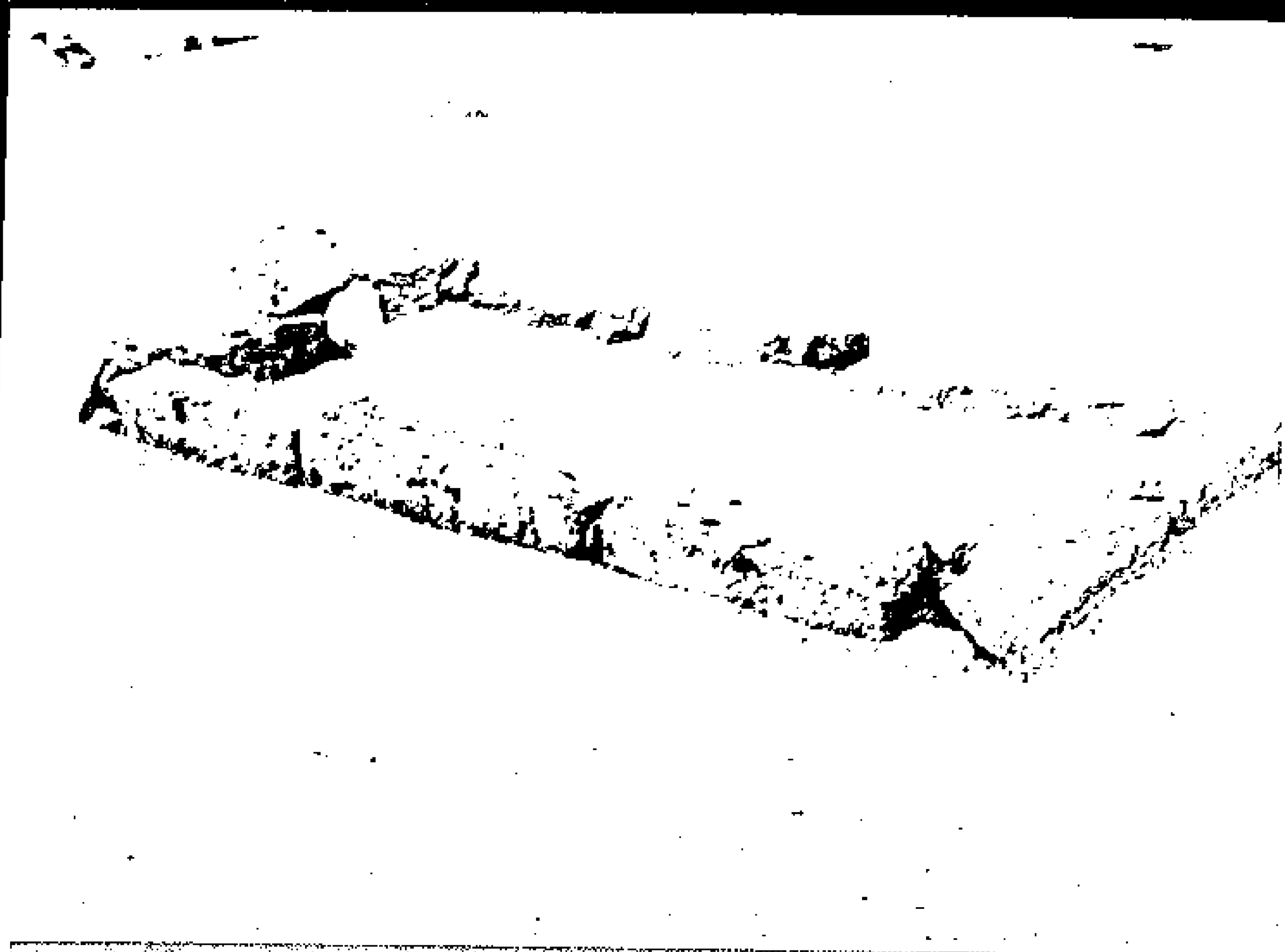

حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کی بشارت جس رات ملی کہ آپ خواب میں آپ حضور ﷺ کی زیارت ہوئی آپ ﷺ نے فرمایا
"اے عثمان افطار ہمارے ساتھ کرنا" ... (البدایہ والنہایہ)

وہ جگہ جہاں حضور اکرم ﷺ نے عثمان غنیؓ کی شہادت کی خبر سن کر صحابہ سے موت پر بیعت فرمائی

حضرت عثمان غنیؓ سے منسوب کنواں بئر اریس یا بئر خاتم کی تصویر

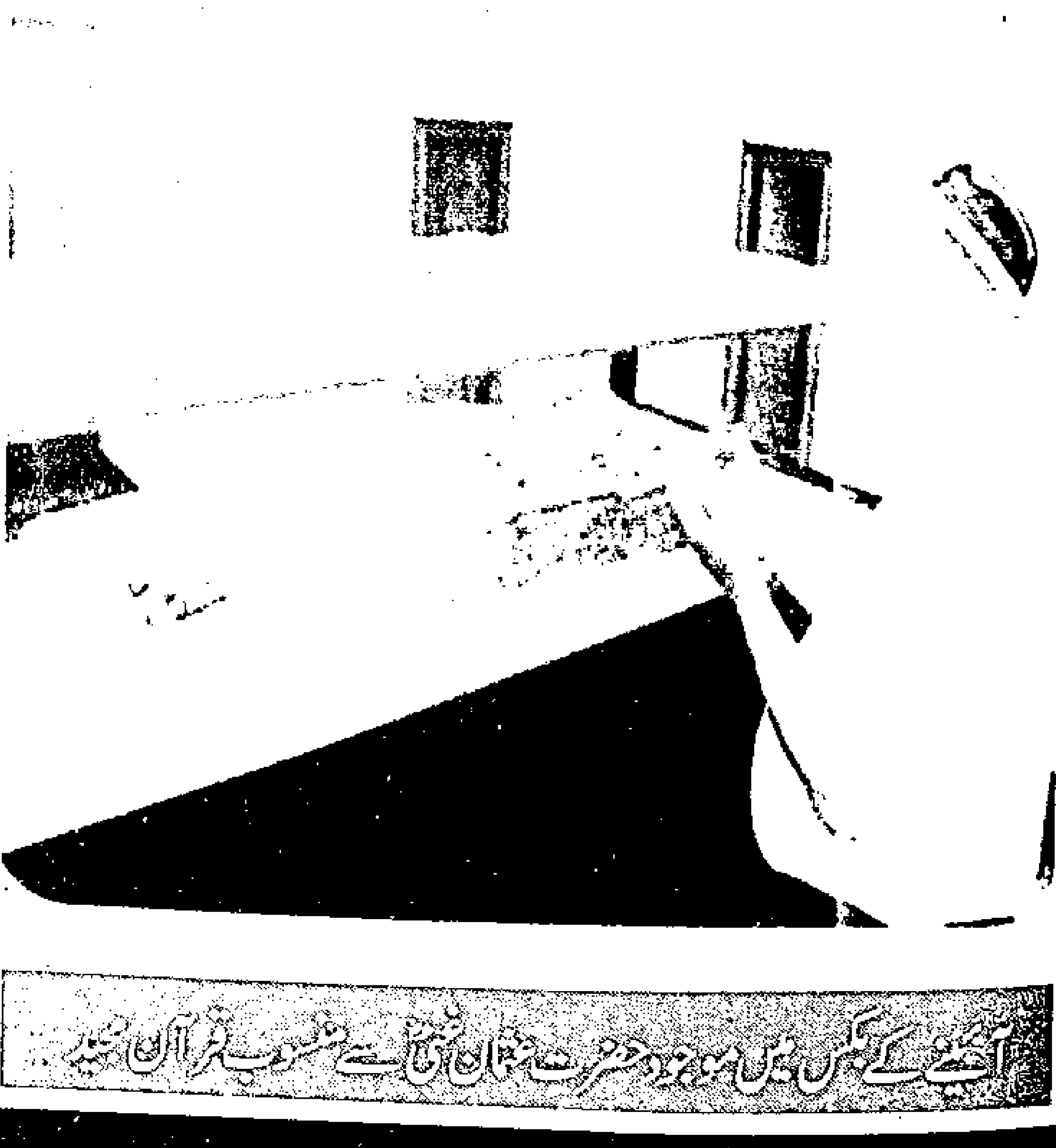

آئینے کے کیس میں موجود حضرت عثمان غنیؓ سے منسوب قرآن مجید

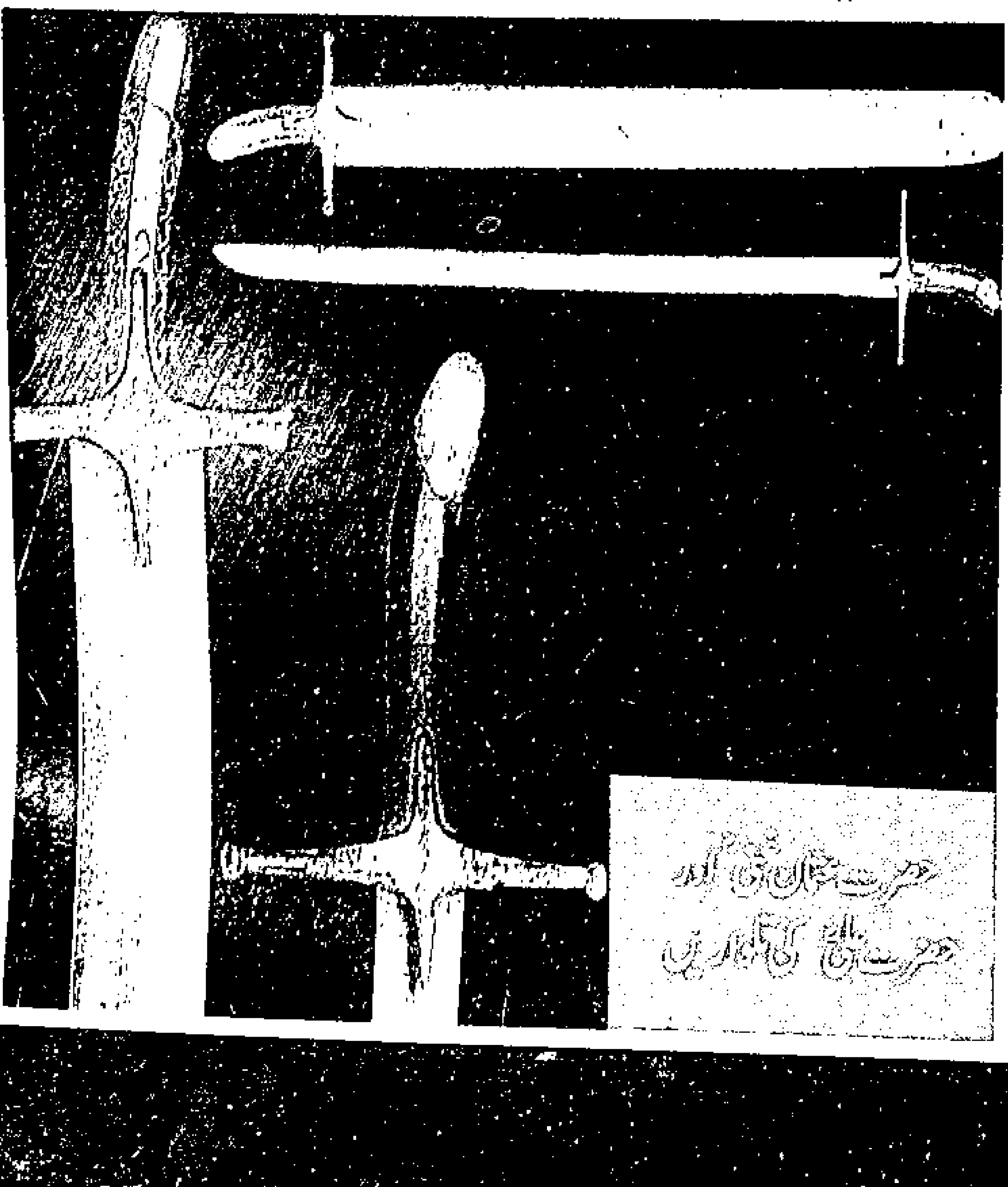

حضرت عثمان غنیؓ اور
حضرت علیؓ کی تلواریں

Marfat.com

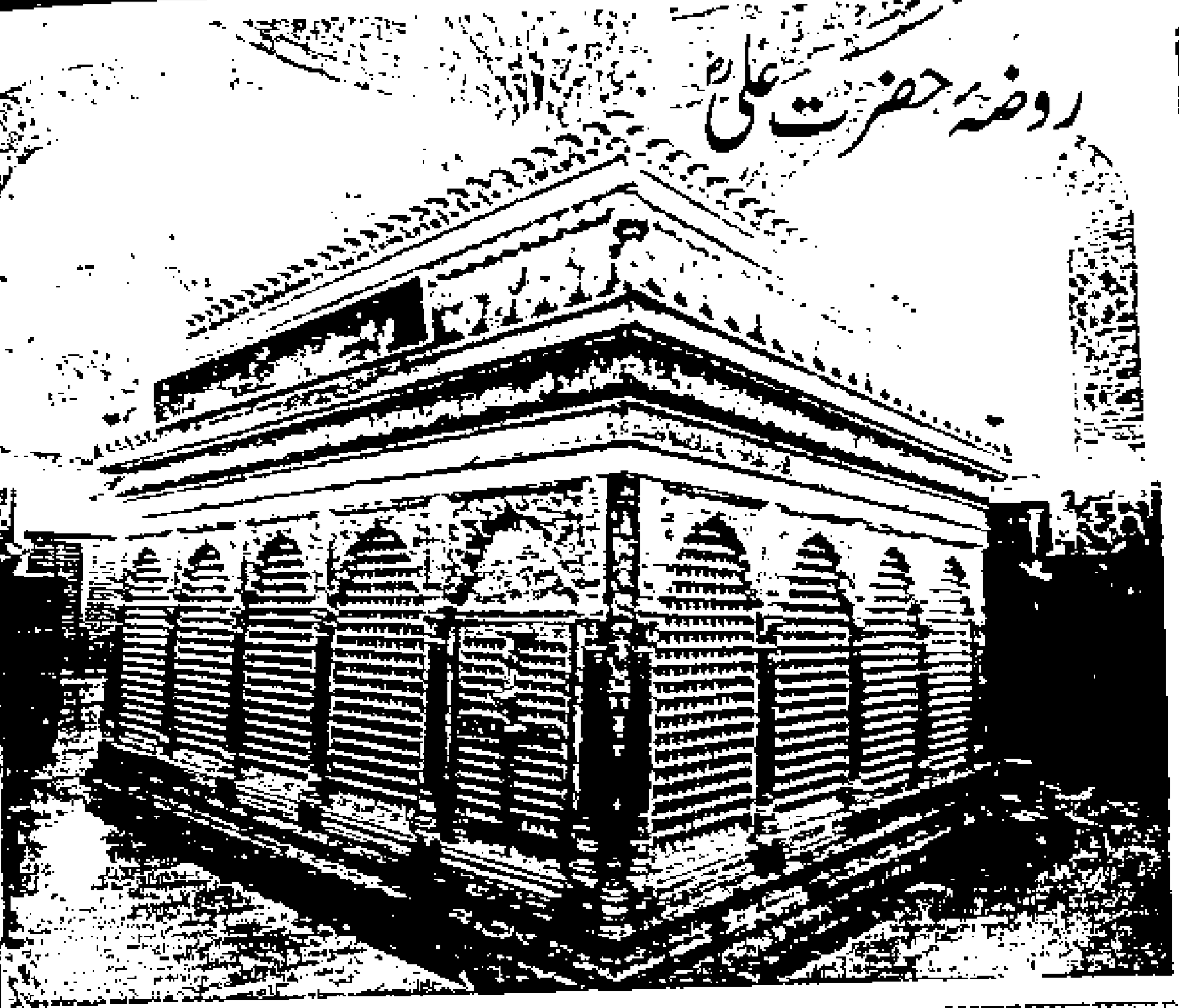

کوفہ میں موجود حضرت علیؓ کے گھر کا بیرونی منظر — کوفہ میں موجود حضرت علیؓ کے گھر کا اندرونی دروازہ

حضرت علیؓ کے گھر کا اندرونی منظر — کوفہ میں واقع حضرت علیؓ کے گھر [illegible]

خط کوفی میں لکھا حضرت علیؓ سے منسوب قرآن مجید

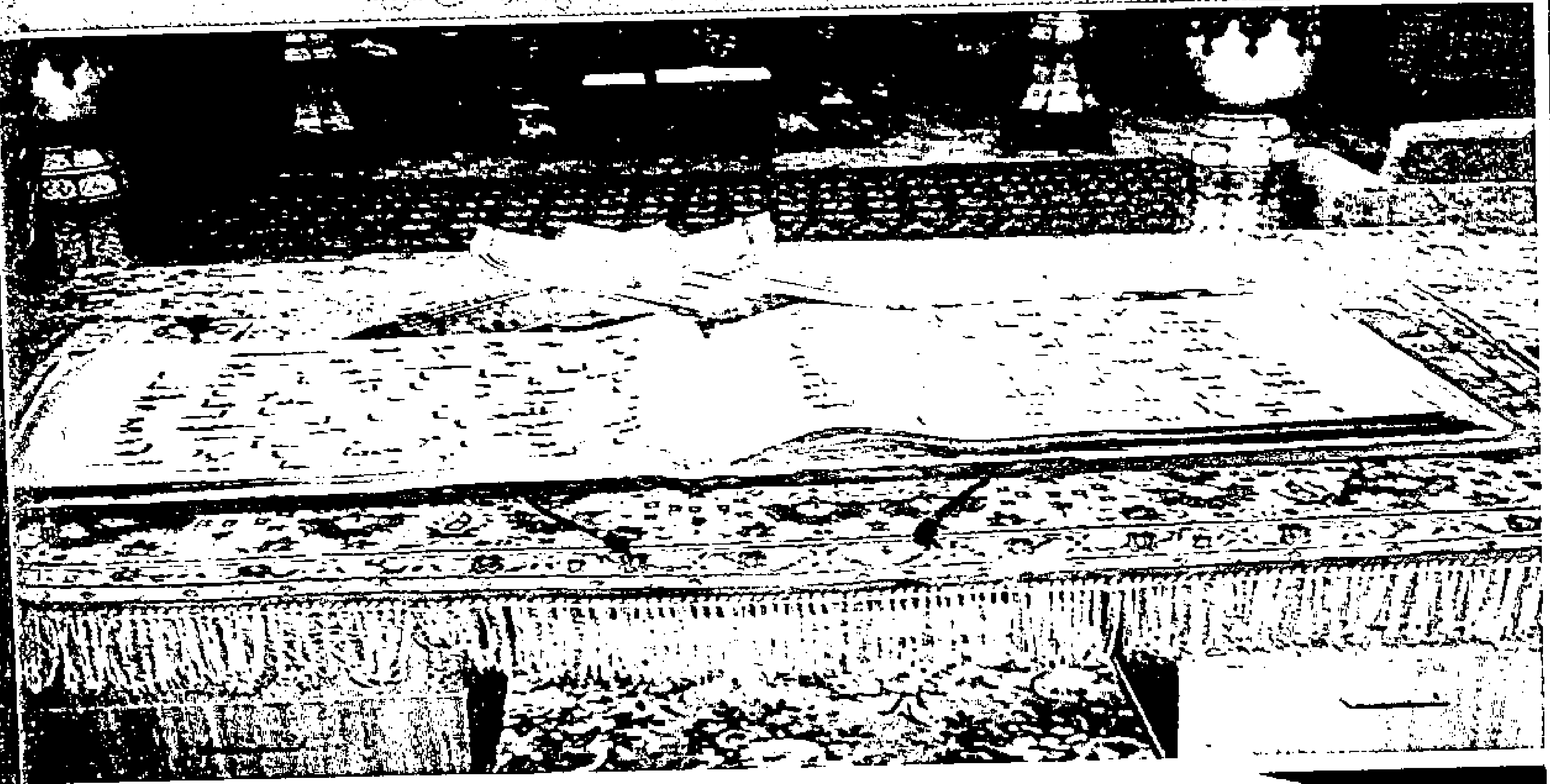

حضرت علیؓ سے منسوب [illegible] میں موجود ہے

ترکی [illegible] میں موجود ہے حضرت علیؓ سے منسوب [illegible] ہے

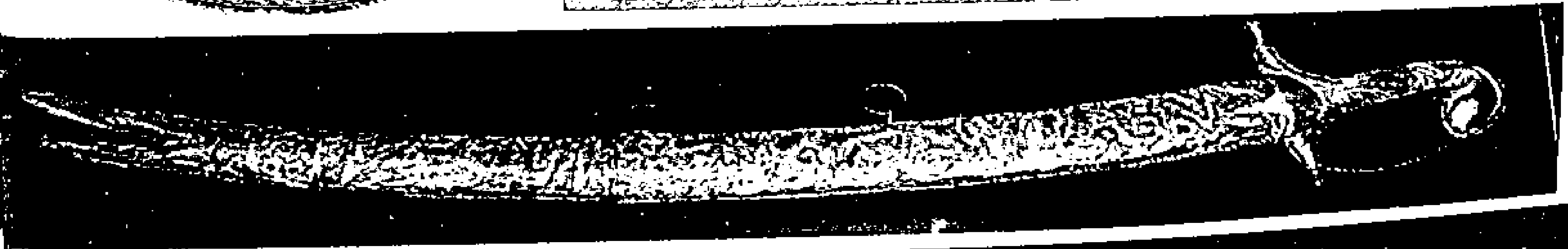

Marfat.com

آپ پہلی ہاشمیہ تھیں کہ خاندان ہاشمیہ میں منسوب ہوئیں، اسلام لائیں اور ہجرت فرمائی۔ حضرت علیؓ آنحضرت ﷺ کے چچا زاد بھائی تھے اور داماد بھی یعنی حضرت فاطمہؓ بنت آنحضرت ﷺ کے شوہر تھے۔ آپ میانہ قد، مائل بہ پستی تھے۔ دوہرا بدن، سر کے بال کسی قدر اڑے ہوئے۔ باقی تمام جسم پر بال اور لمبی گھنی داڑھی، گندم گوں تھے۔

آپ کی خصوصیات

حضرت علیؓ بچوں میں سب سے پہلے اسلام لانے والوں میں سے تھے۔ آپ ان لوگوں میں ہیں جنہوں نے قرآن مجید کو جمع کر کے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ آپ بنی ہاشم میں سب سے پہلے خلیفہ تھے۔ آپ نے ابتدائے عمر کبھی بتوں کی پرستش نہیں کی۔ آنحضرت ﷺ نے جب مکہ سے مدینہ کو ہجرت کی تو آپ کو مکہ میں اس لئے چھوڑ گئے کہ تمام امانتیں لوگوں کو پہنچادیں۔ آنحضرت ﷺ کے اس حکم کی تعمیل کرنے کے بعد آپ بھی ہجرت کر کے مدینہ میں پہنچ گئے۔

سوائے ایک جنگ تبوک کے اور تمام لڑائیوں میں آپ آنحضرت ﷺ کے ساتھ شریک ہوئے۔ جنگ تبوک کو جاتے وقت آپ کو آنحضرت ﷺ مدینہ کا عامل یعنی قائم مقام بنا گئے تھے۔ جنگ احد میں حضرت علیؓ کے جسم مبارک پر سولہ زخم آئے تھے۔ جنگ خیبر میں آنحضرت ﷺ نے جھنڈا آپ کے ہاتھ میں دیا تھا اور پہلے سے فرمادیا تھا کہ خیبر آپ کے ہاتھ پر فتح ہوگا۔ آپ نے خیبر کا دروازہ اپنی پشت پر اٹھالیا تھا، یہ دروازہ جب بعد میں لوگوں نے اٹھانا چاہا تو بہت سے آدمیوں کا زور لگے بغیر اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ آپ کو اپنا نام ابوتراب بہت پسند تھا۔ جب کوئی شخص آپکو اس نام سے پکارتو تو آپ بہت خوش ہوتے تھے۔ اس نام کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ایک روز آپ گھر سے (حضرت فاطمہؓ سے کسی وجہ سے ناراض ہوکر) نکل کر مسجد میں آئے اور وہیں پڑ کر سو رہے۔ آنحضرت ﷺ (کو جب معلوم ہوا تو آپ) مسجد میں تشریف لائے اور حضرت علیؓ کو اٹھایا اور ان کے جسم سے مٹی پونچھتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے کہ ابوتراب (مٹی کے باپ) اٹھو۔

آپ کے فضائل

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ غزوہ تبوک کے موقع پر جب آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کو مدینہ میں رہنے کا حکم دیا تو حضرت علیؓ نے کہا کہ آپ مجھ کو عورتوں اور بچوں پر خلیفہ بنا کر چھوڑے جاتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہوتے کہ میں تم کو اس طرح چھوڑ جاتا ہوں جس طرح حضرت موسیٰ نے حضرت ہارونؑ کو چھوڑا تھا۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ جنگ خیبر میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کل میں ایسے شخص کو علم دوں گا جس کے ہاتھ پر قلعہ فتح ہوگا اور جس نے اللہ اور رسول کو خوش کر لیا ہے۔ اگلے روز صبح کو تمام صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین منتظر تھے کہ دیکھیں وہ کونسا خوش نصیب شخص ہے۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کو بلوایا اور جھنڈا سپرد کیا اور قلعہ فتح ہوا۔ جب آیت مبارکہ نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ، فاطمہؓ، حسنؓ اور حسینؓ کو طلب فرمایا اور کہا کہ الٰہی یہ میرے کنبہ کے لوگ ہیں۔ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس کا میں دوست ہوں، اس کے علیؓ دوست ہیں، پھر فرمایا کہ الٰہی جو شخص علیؓ

Marfat.com

سے محبت رکھے تو بھی اس سے محبت رکھ اور جو علیؓ سے دشمنی رکھے تو بھی اس سے دشمنی رکھ۔

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ چار آدمی ایسے ہیں جن سے محبت رکھنے کا مجھ کو حکم دیا گیا ہے۔لوگوں نے عرض کیا ان کے نام بتا دیجئے۔آپ نے فرمایا علی، ابوذر، مقداد اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہم۔

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے صحابیوں میں بھائی چارہ کرایا تو حضرت علیؓ روتے ہوئے آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ آپ نے ہر ایک میں مواخات قائم کرادی لیکن میں رہ گیا۔آپ نے فرمایا کہ تم دنیا و آخرت میں میرے بھائی ہو۔

آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ میں علم کا شہر ہوں، تو علیؓ اس کا دروازہ ہیں۔حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ ہم سب میں حضرت علیؓ زیادہ معاملہ فہم ہیں۔حضرت عائشہ صدیقہؓ سے حضرت علیؓ کا ذکر آیا تو انہوں نے فرمایا کہ علیؓ سے زیادہ سنت کا اب کوئی واقف نہیں رہا۔حضرت عمار بن یاسرؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ دو شخص شقی ترین ہیں۔ایک احمر جس نے حضرت صالح کی اونٹنی کی کونچیں کاٹیں اور دوسرا وہ شخص جو تیرے سر پر تلوار مار کر تیری داڑھی کو جسم سے جدا کرے۔

نکاح بحکم ربانی

عن عبد اللّٰه بن مسعودؓ، عن رسول اللّٰه ﷺ، قال ان اللّٰه امرنی ان ازواج فاطمة من علی.

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ میں فاطمہ کا نکاح علی سے کردوں۔

قال رسول اللّٰه ﷺ یا انس! تدری ما جاء نی به جبریل من صاحب العرش؟ قال؛ ان اللّٰه امرنی ان ازواج فاطمة من علی.

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا؛ اے انسؓ کیا تم جانتے ہو کہ جبرئیل میرے پاس صاحب عرش کا کیا پیغام لائے ہیں؟ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں فاطمہ کا نکاح علی سے کردوں۔

عن انس رضی اللّٰه عنه قال، بینما رسول اللّٰه ﷺ فی المسجد، اذ قال ﷺ لعلی؛ هذا جبرئیل یخبرنی ان اللّٰه عزوجل زوجک فاطمة، واشهد علی تزویجک اربعین الف ملک، واوحٰ الی شجرة طوبیٰ ان انثری علیهم الدر والیاقوت، فنثرت علیهم الدر و الیاقوت، فابتدرت الیه الحور العین یلتقطن من الطباق الدر و الیاقوت، فهم یتها دونه بینهم الی یوم القیامة

حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے؛ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرماتے تھے کہ حضرت علی رضیؓ سے فرمایا یہ جبرئیل ہیں جو مجھے یہ بتا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فاطمہ سے تمہاری شادی کردی ہے اور تمہارے نکاح پر چالیس ہزار فرشتوں کو گواہ کے طور

Marfat.com

مجلس نکاح میں شریک کیا گیا، اور شجر ہائے طوبیٰ سے فرمایا؛ ان پر موتی اور یاقوت نچھاور کرو۔ پھر دلکش آنکھوں والی حوریں ان موتیوں اور یاقوتوں سے تھال بھرنے لگیں۔ جنہیں (تقریب نکاح میں شرکت کرنے والے) فرشتے قیامت تک ایک دوسرے کو بطور تحفہ دیں گے۔

عن علی رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال؛ قال رسول اللّٰہ ﷺ اتانی ملک ، فقال؛ یا محمد ! ان اللّٰہ تعالیٰ یقرا علیک السلام، ویقول لک؛ انی قدزوجت فاطمۃ ابنتک من علی بن ابی طالب فی الملا الا علی، فزوجھا منہ فی الارض.

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا؛ میرے پاس ایک فرشتے نے آ کر کہا: اے محمد ﷺ! اللہ تعالیٰ نے آپ پر سلام بھیجا ہے اور فرمایا ہے؛ میں نے آپ کی بیٹی فاطمہ کا نکاح ملا اعلیٰ میں علی ابن ابی طالب سے کر دیا ہے، پس آپ زمین پر بھی فاطمہ کا نکاح علی سے کر دیں۔

خلافت علوی پر ایک نظر

حضرت علیؓ ان عالی جاہ و بلند پایہ بزرگوں کے خاتم تھے، جن کے بعد کوئی شخص باقی نہ رہا، جس کی عزت و عظمت تمام عالم اسلامی میں مسلم ہوا اور وہ جرات و ہمت کے ساتھ نہی عن المنکر اور امر بالمعروف کر سکے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے جب حضرت علیؓ کی شہادت کا حال سنا تو فرمایا: ''اب عرب لوگ جو چاہیں سو کریں کیونکہ علیؓ کے بعد ایسا کوئی باقی نہ رہا کہ ان کو کسی برے کام سے منع کرے گا''

یہ نہ سمجھنا چاہئیے کہ حضرت علیؓ کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا کام ترک کر دیا تھا بلکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ایک ناصح اور واعظ کی حیثیت سے لوگوں کو نصیحت فرماتے تھے اور حضرت علیؓ ان لوگوں میں شامل تھے جو لوگوں کو نبیوں اور پیغمبروں کی طرح حکم دیتے تھے۔ حضرت امیر معاویہ بھی باوجود اس کے کہ حضرت علیؓ سے مخالفت رکھتے تھے، مذہبی مسائل میں حضرت علیؓ سے فتویٰ حاصل کر لیا کرتے تھے۔

حضرت علیؓ پالیسی اور چالاکی سے قطعاً پاک اور مبرا تھے۔ ان کے نزدیک حق اور سچ کو تسلیم کرنا سب سے زیادہ ضروری تھا۔ وہ ابتداءً آنحضرت ﷺ کے قریبی رشتہ دار ہونے کی وجہ سے اپنے آپ کو سب سے زیادہ حقدار خلافت سمجھتے تھے۔ لہٰذا انہوں نے نہایت صفائی کے ساتھ اس کا اظہار کر دیا اور چند روز تک حضرت ابو بکر صدیقؓ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی، پھر انہیں ایام میں جب ابوسفیانؓ نے ان کو حضرت ابو بکر صدیقؓ کے خلاف خروج پر آمادہ کرنا چاہا تو انہوں نے ابوسفیانؓ کو نہایت حقارت کے ساتھ جھڑک دیا کیونکہ وہ اس فعل کو برا جانتے تھے۔ جب ان کی سمجھ میں یہ بات آ گئی کہ خلافت کے معاملہ میں کسی رشتہ داری کو کوئی دخل نہیں ہے بلکہ اس کے لئے اور ضروری باتیں قابل لحاظ ہیں اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کے بعد خلافت کے مستحق تھے تو وہ خود بخود آ کر صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر بیعت ہو گئے اور بیعت ہونے کے بعد وہی سب سے زیادہ صدیق اکبرؓ کے معین و مددگار اور

Marfat.com

دل سے فرماں بردار تھے۔ فاروق اعظمؓ اپنے عہد خلافت میں سب سے زیادہ حضرت علیؓ کے مشوروں کی قدر کرتے اور اعاظم امور میں عموماً انہیں کی رائے کو قابل عمل جانتے تھے۔ حضرت عثمانؓ کو بھی انہوں نے ہمیشہ سچے اور اچھے مشورے دیئے اور اس بات کی مطلق پرواہ نہ کی کہ حضرت عثمان غنیؓ ان کے مشورے پر عمل کرتے ہیں یا دوسرے کی بات مانتے ہیں۔ انہوں نے حضرت عثمان غنیؓ کے بعض کاموں کو قابل اعتراض پایا تو بلا تامل ان پر اعتراض بھی کیا۔ لوگوں نے حضرت عثمان غنیؓ کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی تو جہاں تک ان کے نزدیک یہ احتجاج جائز تھا، وہاں تک انہوں نے اسکو اطمینان کی نظر سے دیکھا اور جس قدر حصہ انہوں نے ناجائز سمجھا اسی قدر اسکی مخالفت کی اور روکنا چاہا۔ مدینہ منورہ میں جب بلوائیں کا زور شور دیکھا اور ناشدنی علامات ظاہر ہوئے تو آپ نے چالاکی اور چالبازی کے ساتھ اپنی پوزیشن صاف دکھانے کیلئے کوئی تدبیر نہیں کی بلکہ صرف اپنی پاک طینی اور صاف باطنی پر مطمئن رہے۔ شہادت عثمان غنیؓ کے بعد جب لوگوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہی تو چونکہ وہ اب اپنے آپکو حضرت عثمان غنیؓ کے بعد سب سے زیادہ اس عہد کا مستحق سمجھتے تھے لہٰذا آپ نے کسی کسر نفسی اور تکلف کو کام میں لانے اور انکار کرنے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی۔ حضرت عثمان غنیؓ کے خلیفہ منتخب ہونے کے وقت ان کو توقع تھی کہ مجھ کو خلیفہ منتخب کیا جائے گا۔ لیکن صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اس احتیاط نے کہ خلافت اسلامی میں کسی رشتہ داری کو قطعاً کوئی دخل نہیں ہونا چاہیئے۔ حضرت علیؓ کی قابلیت کو حضرت عثمان غنیؓ کے مقابلہ میں موخر کر دیا تو حضرت علیؓ نے اپنے اقرار پر ثابت قدم رہنا ضروری سمجھا اور بلا اظہار مخالفت بیعت عثمانی میں داخل ہو گئے۔

غرض حضرت علیؓ کے تمام کاموں سے آفتاب نصف النہار کی طرح یہ امر ثابت ہے کہ وہ جس بات کو حق اور سچ جانتے تھے، اس کے حق اور سچ کہنے میں کسی مصلحت اور پالیسی کی وجہ سے تامل کرنا ہرگز ضروری نہ سمجھتے تھے۔ ان کا چہرہ ان کے قلب کی تصویر اور ان کا ظاہر ان کے باطن کا آئینہ تھا۔ وہ ایک شمشیر برہنہ تھے اور حق کو حق کہنے میں کبھی نہ چوکتے تھے۔ اگر انکی جگہ کوئی دوسرا شخص ہوتا تو وہ اپنے آپ کو قتل عثمانؓ کے وقت بہت کچھ بچا کر رکھتا اور بیعت خلافت کے وقت بڑی بڑی احتیاطیں عمل میں لاتا۔ اسی طرح بیعت خلافت کے بعد عام افواہوں کے اثر کو زائل کرنے اور بنو امیہ کی مخالفانہ کوششوں کو ناکام رکھنے کی غرض سے محمد بن ابی بکرؓ اور مالک اشتر وغیرہ چند بلوائی سرداروں کا قصاص عثمانی میں قتل کرا دینا اور زیر سیاست لانا زیادہ کچھ مشکل نہ تھا کیونکہ عام عالم اسلامی اس معاملہ میں حضرت علیؓ کی تائید کے لئے مستعد تھا لیکن ان کو ایسی پختہ شہادتیں نہ مل سکیں جن کی بناء پر ان لوگوں کو شرعاً زیر قصاص لا سکتے۔ لہٰذا انہوں نے تامل فرمایا اور اس تامل سے جو فتنے پیدا ہوئے، ان سب کا مقابلہ کیا، مگر اپنے نزدیک جس کام کو ناکردنی سمجھا تھا، اسکو ہرگز نہ کیا۔

حضرت علیؓ کو جن لوگوں سے واسطہ پڑا، ان میں زیادہ تر ایسے لوگ شامل تھے جو چالاکیوں، مصلحت اندیشیوں اور چالبازیوں سے کام لینا جانتے تھے۔ وہ خالص اسلامی کرہ ہوائی جو آنحضرت ﷺ کے زمانے میں پیدا ہو کر فاروق اعظمؓ کے آخر عہد تک قائم تھا دنیا طلبی، جاہ طلبی، نسلی وخاندانی تفوق وامتیاز اور ایران ومصر وغیرہ کے کثیر التعداد نو مسلموں کے اسلامی برادری کے شامل ہو جانے کے بعد خلیفہ ہوتے تو عہد فاروقی کی حالت کو باقی اور قائم رکھنے کی قابلیت رکھتے تھے لیکن حضرت عثمان غنیؓ

Marfat.com

خلافت کے بعد وہ عہد فاروقی کی حالت کو واپس لانے میں ناکام رہے۔ ان کے زمانے میں صحابہ کرام کی جماعت بہت مختصر رہ گئی تھی۔ بڑے بڑے صاحب اثر اور جلیل القدر صحابہ فوت ہو چکے تھے۔ جو تھوڑی سی تعداد باقی تھی، وہ سب منتشر تھی۔ کوئی کوفہ میں تھا، کوئی بصرہ میں، کوئی دمشق میں تھا، کوئی مصر میں، کوئی یمن میں تھا، کوئی فلسطین میں، کوئی مکہ میں تھا اور کوئی مدینہ میں۔ فاروق اعظمؓ کے زمانے تک صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک بڑی تعداد مدینہ منورہ میں موجود تھی اور بہت ہی کم لوگ باہر دوسرے شہروں میں ضرورتاً جاتے اور مدینے واپس آتے رہتے تھے۔ حضرت علیؓ نے مدینہ کی سکونت ترک کر کے کوفہ کو دارالخلافہ بنایا اور سوء اتفاق سے وہ فائدہ جو کوفہ دارالخلافہ بنانے میں انہوں نے سوچا تھا، حاصل نہ ہوا۔ ساتھ ہی اس فائدہ سے جو مدینہ کے دارالخلافہ ہونے میں مضمر تھا، وہ محروم ہو گئے۔ عالم اسلام میں ملک حجاز کو جو اہمیت حاصل تھی، کوفہ کے دارالخلافہ ہونے سے حجاز کی حیثیت اور اہمیت کم ہو گئی۔ جس کے سبب وہ امداد جو حضرت علیؓ کو ملک حجاز سے حاصل ہوتی، حاصل نہ ہو سکی۔

منافقوں اور خفیہ سازشیں کرنے والوں نے آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں بھی مسلمانوں کو کئی مرتبہ پریشانیوں میں مبتلا کیا لیکن وہ اپنے پلید و ناستودہ مقاصد میں ناکام و نامراد ہی رہے۔ عہد صدیقی اور عہد فاروقی میں یہ شریر لوگ کوئی قابل تذکرہ حرکت نہ کر سکے۔ عہد عثمانی میں ان کو پھر شرانگیزی کے مواقع میسر آ گئے اور حضرت علیؓ کا تمام عہد خلافت انہیں شریروں کی شرارتوں کے پیدا کیے ہوئے ہنگاموں میں گزرا۔ اگر حضرت علیؓ کو اور بھی مواقع ملتے اور انکی شہادت کا واقعہ اس قدر جلد عمل میں نہ آتا تو یقیناً وہ چند روز کے بعد تمام مفسدوں کی مفسدہ پردازیوں پر غالب آ کر عالم اسلامی کو ان اندرونی ہنگامہ آرائیوں سے پاک و صاف کر دیتے کیونکہ انکے عزم و ہمت اور استقلال و شجاعت میں کبھی کوئی فرق نہیں پایا گیا۔ وہ مشکلات کا مقابلہ کرنے اور ان پر غالب آنے کے لئے ہمیشہ مستعد پائے جاتے تھے۔ کسی وقت بھی ان کے قلب پر پوری مایوسی اور پست ہمتی طاری نہ ہو سکتی تھی اور یہ وہ بات تھی جس کی توقع کسی دوسرے شخص سے ایسے حالات میں ہرگز نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ لوگوں کی دھوکہ بازیوں، چالاکیوں اور پست ہمتیوں کے متعلق بھی اب تجربہ حاصل کر چکے تھے۔ وہ ان باتوں سے بھی واقف ہو چکے تھے جن کے نتائج ان کی توقع کے خلاف برآمد ہوئے تھے لیکن مشیت ایزدی اور حکم الٰہی یہی تھا کہ وہ جلد شہادت پائیں اور بنو امیہ کے لئے میدان خالی چھوڑ جائیں۔ بنو امیہ کا قبیلہ اپنے آپ کو ملک عرب کا سردار اور بنو ہاشم کو اپنا رقیب سمجھتا تھا۔ اسلام نے ان کے مفاخر کو مٹا اور بھلا دیا تھا۔ حضرت عثمان غنیؓ کے عہد خلافت نے ان کو پھر چونکا دیا اور منافقوں کی سازشوں نے ان کی تدابیر کو عملی جامہ پہنانے اور کامیاب بنانے میں امداد پہنچائی۔

عثمان غنیؓ کے عہد خلافت میں جو ناگوار اور ناشدنی حالات پیدا ہو چکے تھے، ان حالات کو روبا صلاح کرنے اور پہلی حالت دوبارہ قائم کرنے میں حضرت علیؓ کو زیادہ پریشانی اٹھانی پڑی اور زیادہ وقت یعنی اپنا تمام عہد خلافت صرف کرنے پر بھی وہ مشکلات پر غالب نہ ہونے پائے تھے کہ شہید ہوئے۔ مصلحت الٰہی اور مشیت ایزدی نے اسی کو مناسب سمجھا جو ظہور میں آیا۔

حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کی معرکہ آرائیوں اور حضرت زبیر و حضرت طلحہ اور حضرت علیؓ کی لڑائیوں وغیرہ کو ہم لوگ اپنے زمانہ کی مخالفتوں اور لڑائیوں پر قیاس کر کے بہت کچھ دھوکے اور فریب میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ہم ان بزرگوں کے

Marfat.com

اخلاق کو اپنے اخلاقی پیمانوں سے ناپنا چاہتے ہیں حالانکہ یہ بہت بڑی غلطی ہے۔ خوب غور کرو اور سوچو کہ جنگ جمل کے موقع پر حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما نے کس عزم وہمت کے ساتھ مقابلہ اور معرکہ آرائی کی تیاری کی تھی لیکن جب ان کو آنحضرت ﷺ کی ایک حدیث یاد دلائی گئی تو کس طرح وقت کے وقت پر جب کہ ایک زبردست فوج جاں نثاروں کی ان کے قبضہ میں تھی وہ میدان جنگ سے جدا ہو گئے۔ ان کی شمشیر خاراشگاف ہمیشہ بڑے بڑے میدانوں کو سر کرتی رہی تھی مگر انہوں نے کسی چیز کی بھی پرواہ دین وایمان کے مقابلہ نہ کی۔ انہوں نے ایک حدیث سنتے ہی اپنی تمام کوششوں، تمام امیدوں، تمام اولوالعزمیوں کو یک لخت ترک کر دیا۔

علماء جو مسلمانوں میں بڑی عزت وتکریم کا مقام رکھتے ہیں، اگر کسی مسئلے میں ایک دوسرے کے مخالف ہو جائیں تو برسوں مباحثوں اور مناظروں کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ ایک دوسرے کی ہر طرح تذلیل وتنقیص کرتے اور بعض اوقات کچہریوں میں مقدمات تک دائر کرا دیتے ہیں۔ گالیاں دینا اور اپنے حریف کو برا کہنا اپنا حق سمجھتے ہیں مگر یہ سراسر محل ہے کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک اپنی غلطی تسلیم کرلے اور اپنے حریف کی سچی بات تسلیم کر کے لڑائی جھگڑے کا خاتمہ کر دے۔

جنگ صفین اور فیصلہ حکمین کے بعد ایک مرتبہ حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت علیؓ کی خدمت میں ایک استفتاء بھیجا اور فتویٰ طلب کیا کہ خنثیٰ مشکل کی میراث کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟ حضرت علیؓ نے ان کو جواب میں لکھ بھیجا کہ اس کے پیشاب گاہ کی صورت سے حکم میراث جاری ہوگا یعنی اگر پیشاب گاہ مردوں کی مانند ہے تو حکم مرد کا ہوگا اور اگر عورت کی مانند ہے تو عورت کا حکم جاری ہوگی۔

بصرہ میں جنگ جمل کے بعد آپ داخل ہوئے تو قیس بن عبادہ نے عرض کیا کہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے آپ سے وعدہ فرمایا تھا کہ میرے بعد تم خلیفہ بنائے جاؤ گے۔ کیا یہ بات درست ہے؟ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ یہ بات غلط ہے۔ میں آنحضرت ﷺ پر ہرگز جھوٹ نہیں بول سکتا۔ اگر آپ مجھ سے یہ وعدہ فرماتے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمانؓ کو خلیفہ کیوں بننے دیتا اور کیوں ان کی بیعت کرتا۔

آج کے مولویوں اور صوفیوں سے اس قسم کی توقعات کہاں تک ہو سکتی ہیں۔ ہر ایک شخص خود ہی اپنے دل میں اندازہ کرلے۔ اس قرآن مجید کی نسبت بھی جس کی ابتدائی آیت (ذالک الکتاب لاریب فیہ) ہے۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے۔ (یضل بہ کثیر ویدھی بہ کثیرا) آدم علیہ السلام کے وقت سے لیکر قیامت تک حق وباطل کی معرکہ آرائی اور لڑائی کا سلسلہ جاری رہا ہے اور جاری رہے گا۔ رحمانی اور شیطانی دونوں گروہ دنیا میں ہمیشہ پائے گئے ہیں اور پائے جائیں گے۔ ارباب حق اور ارباب باطل کا وجود دنیا کو کبھی خالی نہیں چھوڑ سکتا اور یہی حق وباطل کا مقابلہ ہے، جس کی وجہ سے نیکوں کے لئے ان کی نیکی کا اجر مرتب ہوتا ہے اور مومن کے ایمان کی قدر اللہ تعالیٰ کی جناب میں کی جاتی ہے۔ پس جس طرح قرآن مجید کا وجود اکثر کے لئے ہدایت اور کسی کے لئے گمراہی کا موجب بن جائے تو تعجب کی بات نہیں ہے۔ مومنوں اور مسلمانوں کی تعریف اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں (امۃ وسطا) فرمائی ہے۔

Marfat.com

اسلام میانہ روی سکھاتا ہے اور افراط وتفریط کے پہلوؤں سے بچاتا ہے۔ بہت سے لوگ حضرت علیؓ کے معاملہ میں افراط وتفریط کے پہلوؤں کو اختیار کر کے گمراہ ہوگئے ہیں۔ ان گمراہ لوگوں میں سے ایک گروہ نے حضرت علیؓ کے خلاف پہلو پر اس قدر زور دیا کہ اپنی مخالفت کو عداوت بلکہ ذلیل ترین درجہ تک پہنچا دیا، اور اللہ تعالیٰ کے اس برگزیدہ بندے کو گالیاں تک دینے میں تامل نہ کر کے اپنی گمراہی اور خسران وخذلان میں کوئی کمی نہ رکھی۔ دوسرے گروہ نے ان کی محبت میں ضرورت سے زیادہ مبالغہ کر کے انکو معبود کے مرتبہ تک پہنچا دیا اور ایک بندے کو خدائی صفات کا مظہر قرار دے کر دوسرے پاک اور نیک بندوں کو گالیاں دینا اور برا کہنا ثواب سمجھا اور اس طرح اپنی گمراہی کو حد کمال تک پہنچا کر پہلے گروہ کے ہمسر بن گیا۔ اس معاملہ میں حضرت علیؓ کا وجود بہت کچھ حضرت مسیح علیہ السلام کے وجود سے مشابہ نظر آتا ہے کیونکہ یہودی ان کی مخالفت کے سبب گمراہ ہوئے اور عیسائی ان کی محبت وتعظیم میں مبالغہ کرنے اور انکو خدائی تک کا مرتبہ دینے میں گمراہ ہوئے۔ سچے پکے مسلمان جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں افراط وتفریط کے پہلوؤں یعنی یہود ونصاریٰ کے عقائد سے بچ کر طریق اوسط پر قائم ہیں۔

جس طرح صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو آج کل کے مسلمانوں، مولویوں اور صوفیوں پر قیاس کرنا غلطی ہے، اسی طرح ان کو انسانی کمزوریوں سے قطعاً مبرا یقین کرنا بھی غلطی ہے۔ آخر وہ بھی انسان تھے، کھانے، پینے اور سونے کی تمام ضرورتیں ان کو اسی طرح لاحق تھیں، جس طرح تمام انسانوں کو ہوا کرتی ہیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تو کہنا ہی کیا۔ خود آنحضرت ﷺ کو بھی اپنے انسان ہونے کا اقرار اور بشر رسول ﷺ ہونے پر فخر تھا۔ ہم روزانہ اپنی نمازوں میں (اشهد ان محمد عبده رسوله) کہتے اور آنحضرت ﷺ کے عبداللہ ہونے کا اقرار کرتے اور بندہ ہونے کی گواہی دیتے ہیں۔ ہاں! آنحضرت ﷺ کو معصوم عن الخطا اور جامع جمیع کمالات انسانیہ یقین کرتے اور نوع انسان کے لئے آپ کی زندگی کو ایک ہی سب سے بہتر کامل ومکمل نمونہ جانتے اور آپ ہی کی اقتدا میں سعادت انسانی تک پہنچنے کا طریق مانتے ہیں۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جماعت وہ برگزدہ جماعت ہے جنہوں نے براہ راست بلا توسط غیر آنحضرت ﷺ کی زندگی کے نمونہ کو دیکھا اور ہدایت یافتہ وسعادت اندوز ہوئے لیکن چونکہ وہ نبی نہ تھے معصوم بھی نہ تھے۔ ان کی استعدادیں بھی مختلف تھیں۔ لہٰذا ان میں ایک طرف صدیق وفاروقؓ نظر آتے ہیں تو دوسری طرف ان کی جماعت میں معاویہ ومغیرہؓ بھی موجود ہیں۔ ایک طرف ان میں عائشہؓ جیسے فقیہہ موجود ہیں تو دوسری طرف ان میں ابوہریرہؓ وابن مسعودؓ جیسے راوی ومحدث بھی پائے جاتے ہیں۔ ایک طرف ان میں عمرو بن العاصؓ جیسے سیاسی لوگ ہیں تو دوسری طرف ان میں عبداللہ بن عمرؓ اور ابوذرؓ جیسے متقی پائے جاتے ہیں۔ پس مختلف استعدادوں کی بناء پر اگر ان کے کاموں اور کارناموں میں ہمیں کوئی اختلاف نظر آئے تو وہ اختلاف درحقیقت ہمارے لئے ایک رحمت اور سامان ترقی ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم ان کے اختلاف کو اپنے لئے صبر وسکون کے ساتھ رحمت بنالیں اور عجلت وکوتاہ فہمی کے ذریعے باعث گمراہی نہ بننے دیں۔

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد سنہ ۳۰ھ تک یعنی بیس سال برابر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دنیا میں فتوحات حاصل ہوتی رہیں اور ہر سال بلکہ ہر مہینے کوئی نہ کوئی ملک یا صوبہ مفتوح ہو کر اسلامی سلطنت میں شامل ہوتا رہا۔ اس ۳۰

Marfat.com

سالہ فتوحات نے براعظم ایشیاء وافریقہ کے تقریباً تمام متمدن ممالک کو اسلامی حکومت کے دائرہ میں داخل کر دیا تھا اور اسلامی سیادت تمام دنیا میں مسلم ہو چکی تھی۔ سنہ ۳۰ھ سے سنہ ۴۰ھ تک فتوحات کا سلسلہ تقریباً بار کا رہا اور اس دس سال کی مدت میں مسلمانوں کے اندر آپس کے جھگڑے اور اندرونی نزاعات برپا رہے۔ چشم ظاہر میں وہ دس سالہ مدت کو سراسر زیان ونقصان ہی محسوس کرتی ہے لیکن فہم وفراست اور غور وتامل کے لئے اس میں بہت سی بھلائیں اور خوبیاں پوشیدہ ہیں۔ وہ 30 سالہ فتوحات جس طاقت کے ذریعے حاصل ہوئیں، وہ طاقت نتیجہ تھی اس روحانیت اور اس تعلیم کا جو قرآن مجید اور اسلام کے ذریعہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حاصل ہوئی تھی اور یہ وہ اندرونی خدشے جس نے پیدا کئے تھے اس طاقت کا جو مادیت اور اس دنیا کے باشندے ہونے کی وجہ سے ہر انسان میں پیدا ہو سکتی ہے۔ ان دس سالہ رکاوٹوں اور اندرونی جھگڑوں نے عالم اسلام کے لئے اسی طرح قوت اور سامان نمونہ بہم پہنچایا، جس طرح موسم خزاں میں درخت اپنے نشو ونما کے مادے جمع کر لیتا اور موسم بہار کے آنے پر پھل، پھول اور پتے پیدا کرتا ہے۔ اگر ان ابتدائی ایام میں مسلمان آپس کی لڑائیوں اور تباہیوں کے نظارے نہ دیکھ لیتے اور ان کی تاریخ کے ابتدائی صفحات میں دس سالہ دردانگیز صفحہ موجود نہ ہوتا تو آگے چل کر قرون اولیٰ کے بعد جب کبھی وہ ایسی زبردست ٹھوکر کھاتے تو ایسے حواس باختہ ہوتے اور اسطرح گرتے پھر کبھی سنبھل نہ سکتے۔ ٹھوکریں کھانا، آپس میں اختلاف کا پیدا ہونا، بھائی کا بھائی سے لڑنا، خانہ جنگی کے شعلوں کا گھروں کے اندر بلند ہونا، ہابیل وقابیل کے زمانہ کی انسانی سنت ہے اور بنی نوع انسان جب تک اس ربع مسکون میں آباد ہے، یہ چیزیں بھی اس دنیا میں برابر موجود رہیں گی۔ حق وباطل کی جنگ جس طرح دنیا میں جاری رہی ہے، اسی طرح روحانیت کے کمزور اور مادیت کے نمایاں ہو جانے پر حامیان حق کے اندر تھوڑے تھوڑے وقفوں کے بعد کھٹ پٹ ہوتی رہی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی جبکہ حضرت ہارون علیہ السلام کی داڑھی اور سر کے بال پکڑ کر کھینچ سکتے ہیں۔ یوسفؑ کو ان کے بھائی کنوئیں میں گرا سکتے ہیں اور چند درہموں کے عوض فروخت کر سکتے اور حوارین مسیح میں سے بعض بروایت اناجیل مروجہ خود حضرت مسیح کے خلاف گواہی دے سکتے ہیں تو ارباب حق کی اندرونی مخالفتوں اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مشاجرات پر حیران ہونے اور تعجب کرنے کا کوئی موقع نہیں ہے۔ آپس کی مخالفتوں اور لڑائی جھگڑوں سے نوع انسان کبھی بھی محفوظ نہیں ہو سکتی۔ پس یہ کوئی فطری تقاضا اگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانے میں ظہور پذیر نہ ہوتا تو بعد میں آنے والی نسلوں کے لئے اندرونی نزاعات کی مصیبت سے گزر کر پھر ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہونے، گر کر پھر سنبھلنے، رک کر پھر چلنے کا موقع نہیں رہتا اور آج اسلام اپنی اصلی حالت میں تلاش کرنے سے بھی کسی کو نہ مل سکتا۔ دوسرے الفاظ میں اس مضمون کو یوں بھی ادا کیا جا سکتا ہے کہ حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت طلحہؓ وزبیرؓ کی مخالفتیں اسلامی حکومت کی آئندہ زندگی کے لئے اس ٹیکہ کا مثال تھیں جو چیچک سے محفوظ رہنے کے لئے بچوں کو لگایا جاتا ہے یا طاعون سے بچنے کے لئے لوگوں کے جسم میں ٹیکہ کے ذریعے طاعونی مادہ داخل کیا جاتا ہے۔ چنانچہ یہ ٹیکہ بھی بہت مفید ثابت ہوا اور اس کی ناگوار یاد آج تک مسلمانوں کے لئے درس عبرت بن کر ہی تباہی وبربادی کے بعد ان کو پھر مستعد اور چوکس بناتی رہتی ہے۔ بنو امیہ اور بنو عباس کی مخالفت بنو عباس کے عہد خلافت میں سادات کا خروج، سلجوقیوں اور دیلمیوں کی رقابت، غزنویوں اور غوریوں کی لڑائیاں،

Marfat.com

فاطمین وموحدین کی کشمکش، عثمانیوں اور صفویوں کی زور آزمائیاں، افغانوں اور مغلوں کی معرکہ آرائی، غرض ہزار ہا خانہ جنگیاں ہیں جن میں سے ہر ایک مسلمانوں کی تباہی و بربادی کا کافی سامان رکھتی تھیں اور ہر موقع پر غیروں کی طرف سے یہی حکم لگایا جاتا کہ اب مسلمان سنبھلنے اور ابھرنے کے قابل نہیں رہے لیکن دنیا نے ہمیشہ دیکھا وہ سنبھلے اور ابھرے۔ انہوں نے مایوسی کا کافروں کا حصہ سمجھا اور اپنے آپ کو ہمیشہ امیدوں سے پر استقامت واستقلال سے لبریز رکھا۔ اسلام کی عزت کو اپنی عزت پر اور اسلامی کی بقا کو اپنی بقا پر ترجیح دی۔ ہلاکو نے بغداد کو برباد کیا تو مسلمانوں نے فوراً ہلاکو کی اولاد کے قلوب کو اسلام سے آباد کر دیا۔ عالم عیسائیت نے متحد ومتفق ہو کر بیت المقدس مسلمانوں سے چھین لیا مگر صلاح الدین ایوبی نے تمام یورپی طاقتوں کو نیچا دکھا کر اس مقدس شہر کو واپس لے لیا۔ انگورہ کے میدان نے بایزید یلدرم کی تمام اولوالعزمیوں کو عملی جامہ پہنا دیا۔ غرض خلافت راشدہ کے آخری دس سال میں جو کچھ ظہور میں آیا، اس نے مسلمانوں کو آئندہ کے لئے زیادہ باہمت، زیادہ صعوبت کش، زیادہ سخت جان، زیادہ مستقل مزاج، زیادہ اولوالعزم بنا دیا۔ بہر حال حضرت علیؓ کے زمانے کی لڑائیوں کو اگر اسلام اور عالم اسلام کے لئے نقصان رساں کہتے ہو تو کم از کم ان کے فوائد کو بھی، گو وہ نقصان کے مقابلہ میں کم ہی کیوں نہ ہوں، بالکل فراموش نہ کر دو۔ دن کے ساتھ رات، روشنی کے دامن میں تاریکی، بہار کی آغوش میں خزاں، گل کے پہلو میں خار، شیر کی خوبصورت اور دل ربا شکل و وضع میں درندگی، سانپ کی دلکش صورت ورفتار میں سم قاتل اور دریا کی پراز گوہر تہ میں غرق وہلاکت موجود پائی جاتی ہے۔ ایمان کی نعمت کا ہم کو مطلق احساس نہ ہوتا، اگر کفر کی لعنت دنیا میں موجود نہ ہوتی۔ چاندنی رات ہم کو ہرگز مسرور نہ کر سکتی، اگر شب ودیجور سے ہم کو واسطہ نہ پڑا کرتا۔ غرضکہ اللہ تعالیٰ نے ہر خوبی کے دامن سے ایک برائی کو باندھ دیا ہے اور ہر نوش میں نیش رکھ دیا ہے۔ اسی اصول پر ایک کارخانہ عالم چل رہا ہے۔ خلافت اسلامیہ یا حکومت وسلطنت اسلامیہ نوع انسان کے لئے دنیا میں ایک نعمت کہی جا سکتی ہے۔ جبکہ چاند اور سورج کے چہروں کو بھی گرہن کی سیاہی سے مفر نہیں ہے تو اس نعمت کو مکدر کرنے اور زوال ونکال میں مبتلا کرنے کے سامان بھی اگر دنیا میں موجود ہوتے رہے ہوں تو ہم کو حیران و پریشان ہونا نہیں چاہئے۔ حضرت عثمان غنیؓ کے عہد خلافت میں منافقوں اور مسلم نما دشمنان اسلام کے سازشی گروہ کا پیدا ہو جانا تاریخ کے مطالعہ کرنے والے کو سخت ناگوار معلوم ہوتا ہے اور وہ اس سازشی گروہ ہو سکنے کی ذمہ داری اسلام پر عائد کرنے سے درگزر نہیں کرتا لیکن اگر وہ غور کرے گا تو جس طرح زندگی یا حیات کو وہ تنازع للبقاء کشمکش، جدوجہد اور کشمکش کا ایک سلسلہ تسلیم کرے گا۔ اسلام درحقیقت نام ہے تمام شیطانی طاقتوں کے مقابلے میں ہمہ اوقات کمر بستہ رہنے اور شیطانی طاقتوں کو مغلوب کر کے رحمانی طاقتوں کے بول بالا کرنے کا۔ شیطانی طاقتوں میں سے سلطنت اسلامی کے خلاف سب سے زیادہ نقصان رساں منافقوں اور سازشی گروہوں کی شرارتیں ہوا کرتی ہیں۔ آج تک جب کبھی اور جہاں کہیں خلافت اسلامیہ یعنی سلطنت اسلامیہ کو نقصان پہنچا ہے وہ انہیں منافقوں اور سازش کنندوں کی بدولت پہنچا ہے۔ ان منافقوں کا سلسلہ آج تک دنیا میں موجود ہے اور آج کل تو پہلے سے زیادہ طاقتور معلوم ہوتا ہے۔ اس کی پیدائش حضرت عثمان غنیؓ کے عہد خلافت میں ہوئی بلکہ یوں کہیئے کہ شہادت فاروقی سے اس کی ابتداء ہوئی اور اس کے بعد جلد از جلد نشو ونما ہو کر شہادت عثمانی سے شہادت علوی تک اس کو نمایاں کامیابیاں حاصل ہوئیں۔ پھر آج تک اس کا

Marfat.com

سلسلہ موجود پایا جاتا ہے۔حضرت حذیفہؓ روایت ہے کہ جب حضرت عمر فاروقؓ نے شہادت پائی۔اسلام کے اقبال میں کمی آگئی۔آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تک یہ شخص (حضرت عمر فاروقؓ کی طرف اشارہ فرماکر) تم میں موجود ہے فتنوں کا دروازہ بند رہے گا،اور زمین کا ہر شیطان ان سے ڈرتا ہے۔ایک روز کعب احبارؓ سے حضرت فاروق اعظمؓ نے پوچھا کہ تم نے کہیں میرا ذکر بھی صحائف بنین اسرائیل میں دیکھا ہے؟انہوں نے کہا کہ ہاں آپ کی نسبت لکھا ہے کہ آپ امیر شدید ہوں گے اور راہ الٰہی میں کسی ملامت کرنے والے سے نہ ڈریں گے۔آپ کے بعد جو خلیفہ ہوگا اس کو ظالم لوگ قتل کر ڈالیں گے اور ان کے بعد بلا اور فتنہ پھیل جائے گا۔مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ ہم اکثر یہ ذکر کیا کرتے تھے کہ حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں شیاطین قید میں رہے اور آپ کے انتقال کے بعد آزاد ہوگئے۔

حضرت سیدنا حضرت علیؓ کی شان میں اتاری گئی قرآنی آیات

علی أي حال أعطاک قال: أعطاني وهوا راكع فكبر النبيﷺ ثم قرأ رسول اللهﷺ: انما وليكم الله ورسوله والذين آمنو الذين يقيمون الصلاة ويؤتون الزكاة وهم راكعون ومن يتول الله ورسوله والذين آمنو فانّ حزب الله هم الغالبون.

ترجمہ: نبی کریم ﷺ مسجد میں تشریف لائے اور لوگ نماز پڑھ رہے تھے۔ایک سائل کو دیکھا اور اس سے پوچھا کہ کسی نے تم کو کچھ دیا ہے تو اس نے کہا کہ یہ سونے کی انگوٹھی دی ہے،پھر پوچھا کہ کس نے دی ہے تو نے حضرت علیؓ کی طرف اشارہ کیا۔تو آپ ﷺ نے پھر پوچھا کہ کس حال میں دی ہے؟تو اس نے کہا جبکہ وہ رکوع میں تھے تو نبی کریم ﷺ نے اللہ اکبر کہا اور یہ آیت مبارکہ پڑھی۔

الذين ينفقون أموالهم بالليل والنهار سراً وعلانيه. (سورة البقره آيت نمبر ۲۷۴)

ترجمہ: جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں کو رات میں اور دن میں (یعنی بلا تخصیص (اوقات) پوشیدہ اور آشکارہ (یعنی بلا تخصیص حالات)

قالت في علي بن أبي طالب كان معه أربعة دراهم فانفق بالليل درهماً وبالنهار درهماً ودرهماً في السر ودرهماً في العلانية. فقال له رسول اللهﷺ: ما حملک على ذالک: فقلا: ان استوجبت على الله ما وعدني فقال: ألا أن لک ذالک: فنزلت الآية وتابع ابن عباس مجاهد وابن السائب ومقاتل.

ترجمہ: مذکورہ بالا آیت کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ حضرت سیدنا علیؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔جبکہ حضرت علیؓ نے ایک درھم دن،دوسرا رات میں تیسرا چھپا کر،چوتھا اعلانیہ طور پر صدقہ کیا تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آپ نے یہ کس وجہ سے کیا؟جواب:تاکہ میں وہ کچھ اللہ سے طلب کرلوں جسکا اللہ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے۔

وقولہ تعالی: **اَفَمَنْ وَعَدْنٰهُ وَعْداً حَسَناً فَهُوَا لَاقِيْهِ قال مجاهد نزلت في علي وحمزة وأبي جهل**

Marfat.com

حضرت علیؓ کا مدفن کا مقام

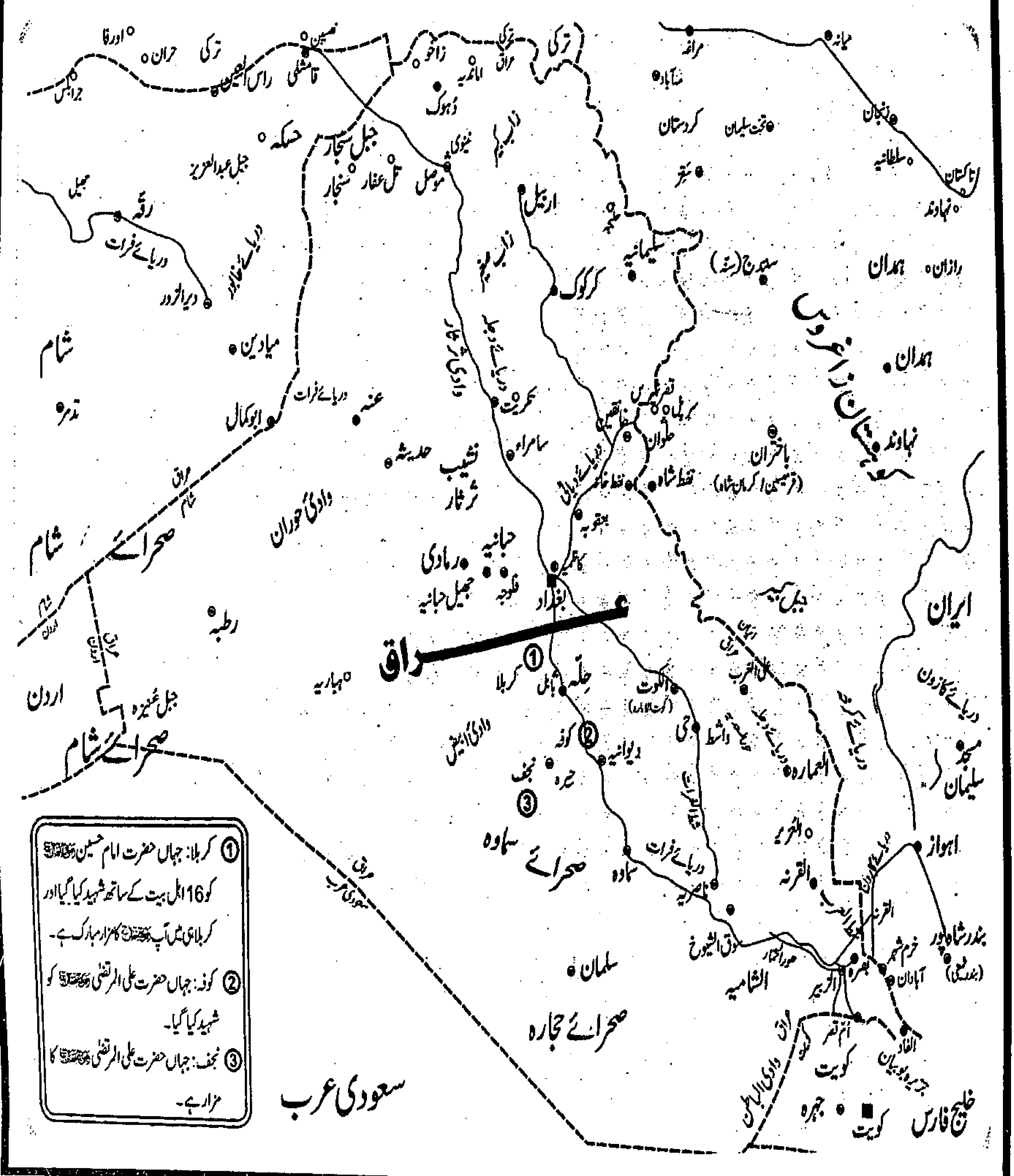

Marfat.com

ترجمہ: کیا تم لوگ نہیں سمجھتے بھلا وہ شخص جس سے ہم نے ایک پسندیدہ وعدہ کر رکھا ہے یا پھر وہ شخص اس (وعدہ کی چیز) کو پانے والا ہے۔ (سورة القصص آیت نمبر ۶۱)

سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا. (سورة مریم آیت نمبر ۹۶)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اُن کے لئے محبت پیدا کر دے گا۔

هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اختصموا فِیْ رَبِّهِمْ. (سورة الحج آیت نمبر ۱۹)

ترجمہ: دو فریق ہیں جنہوں نے دربار میں اپنے رب کے (دین کے باہم) اختلاف کیا۔

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ (سورة الزمر آیت نمبر ۲۲)

ترجمہ: سو جو شخص کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام (کے قبول کرنے) کے لئے کھول دیا۔

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا. (سورة الدھر آیت نمبر۸)

ترجمہ: اور جو لوگ (محض) اللہ کی محبت سے غریب اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا. (سورة الاحزاب آیت نمبر ۳۳)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ اے گھر والو تم سے آلودگی کو دور رکھے اور تم کو (ہر طرح ظاہراً و باطناً) پاک صاف رکھے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم

ابنِ عساکر نے حضرت حسنؓ کے حوالہ سے لکھا ہے جس وقت حضرت علیؓ بصرہ میں تشریف لائے تو ابن الکواءؓ اور قیس بن عبادہؓ نے کھڑے ہو کر آپ سے دریافت کیا کہ آپ ہمیں یہ بتلایئے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے آپ سے وعدہ فرمایا تھا کہ میرے بعد تم خلیفہ ہو گے یہ بات کہاں تک سچ ہے کیونکہ آپ سے زیادہ صحیح بات اور کون کہہ سکتا ہے آپ نے فرمایا یہ غلط ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے کوئی وعدہ فرمایا تھا جب میں نے آپ ﷺ کی نبوت کی سب سے پہلے تصدیق کی تو اب آپ ﷺ پر جھوٹ کیوں تراشوں اگر حضور ﷺ نے مجھ سے اس قسم کا کوئی وعدہ فرمایا ہوتا تو میں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کو حضور ﷺ کے منبر پر کیوں کھڑا ہونے دیتا میں دونوں حضرات کو قتل کر ڈالتا خواہ میرا ساتھ دینے والا کوئی بھی نہ ہوتا یہ تو سب کو معلوم ہے کہ رسول ﷺ کو دفعتاً نہ کسی نے قتل کیا اور نہ یکایک آپ ﷺ نے انتقال فرمایا اور جب آپ ﷺ کی بیماری نے شدت اختیار کی اور مؤذن نے آپ ﷺ کو نماز (پڑھانے) کے لئے حسب معمول بلایا تو پھر آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا اور ابوبکر صدیقؓ نے بموجب حکم نماز پڑھائی اور حضور ﷺ نے مشاہدہ فرمایا اس عرصہ میں ایک بار جب آپ ﷺ کی ازواج مطہرات میں سے ایک نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے لئے آپ ﷺ کو اس ارادہ سے باز رکھنا چاہا تو آپ ﷺ کو غصہ آیا اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم تو حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے کی عورتیں ہو جاؤ ابوبکرؓ کو کہو کہ وہ نماز پڑھائیں جب حضور ﷺ کا وصال ہو گیا تو ہم نے اپنے

Marfat.com

اپنے معاملات میں (دربار خلافت) غور کیا اور پھر ایسے شخص کو اپنی دنیا کے واسطے بھی اختیار کیا جس کو حضور ﷺ نے ہمارے دین (امامت) کے لئے منتخب فرمایا تھا کیونکہ نماز دین کی اصل ہے اور حضور ﷺ دین اور دنیا دونوں کے قائم رکھنے والے تھے۔ لہذا ہم سب نے حضرت ابوبکر صدیق ؓ سے بیعت کر لی اور سچی بات بھی یہی ہے کہ آپؓ ہی اس کے اہل بھی تھے۔ اسی واسطے آپ کی خلافت میں کسی نے اختلاف نہیں کیا اور نہ کسی نے کسی کو نقصان پہنچانے کا ارادہ کیا اور نہ کسی نے آپ کی خلافت سے روگردانی کی میں نے (حضرت علیؓ) اسی بنا پر آپ کا حق ادا کیا اور آپ کی اطاعت کی آپ نے جو دے دیا وہ بخوشی قبول کر لیا اور جہاں کہیں بھی آپ نے مجھے جنگ کے لئے بھیجا میں گیا اور دل کھول کر لڑا۔ یہاں تک کہ ان کے حکم سے شرعی سزائیں بھی دیں (حد جاری کی) یہاں تک کہ آپؓ کا وصال ہو گیا۔

ابن عساکر نے سوید بن غفلہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ: ابوسفیان حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کے پاس آئے اور کہا! اے علی اور اے عباس کیا بات ہے کہ خلافت قریش کے اس قبیلے میں گئی جو مرتبہ کے اعتبار سے کم اور تعداد کے لحاظ سے بھی قلیل ہی ہے بخدا اگر تم دونوں آمادہ ہو تو ہم مدینہ کو اپنے حامیوں اور مؤیدین کے لشکر سے بھر دیں۔ حضرت علیؓ نے جواب دیا خدا کی قسم میں ہرگز اس کی اجازت نہیں دے سکتا اگر ہم نے ابوبکر ؓ کو اس خلافت کا اہل نہ سمجھا ہوتا تو ہم اس آسانی سے منصب خلافت ان کے حوالے نہ کرتے اے ابوسفیان اہل ایمان کا شعار خلوص وصداقت ہے وہ ایک دوسرے کے خیر خواہ ہوتے ہیں ایک دوسرے سے محبت رکھتے ہیں خواہ ان کے مستقر اور ان کے اجسام میں مکانی طور پر کتنا ہی فاصلہ کیوں نہ ہو قلب وزبان کا تفاوت اور قول وفعل کا تضاد منافقین کا شیوہ ہے۔ (المرتضٰی بحوالہ کنز العمال ج3 ص 141)

امام بخاریؒ نے حضرت عقبہ بن الحارثؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عصر کی نماز پڑھی پھر مسجد سے نکل کر ٹہلنے لگے آپ نے دیکھا حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ بچوں کے ساتھ کھیل رہے ہیں آپ نے بڑھ کر ان کو اپنے کاندھے پر اٹھا لیا اور فرمایا! میرے ماں باپ قربان، یہ رسول اللہ ﷺ کے مشابہ ہیں علی کے نہیں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہنسنے لگے۔ (صحیح البخاری کتاب المناقب باب صفۃ النبی)

ان تمام باتوں سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ان دونوں اصحاب رسول اللہ ﷺ میں کتنی محبت تھی اور وہ (رحماء بینھم) کے مصداق آپ میں کتنے رحمدل تھے اور ایک دوسرے سے کتنی محبت رکھتے تھے۔

حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہم

حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی وفات ہوئی اور ان کی جگہ حضرت عمرؓ نامزد ہوئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمرؓ کو خلافت کے لئے اس لئے نامزد کیا تھا کہ انہیں اچھی طرح معلوم تھا کہ عمر فاروقؓ میں قوت فیصلہ مستقل مزاجی اور عقل ورائے کی پختگی بدرجہ اتم موجود ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ پہلے کی طرح میں نے حضرت عمرؓ کے بھی حقوق ادا کئے اور مکمل طور پر ان کی اطاعت کی جو کچھ انہوں نے مجھے عطا کیا میں نے لیا اور انہوں نے مجھے جنگوں میں بھیجا جہاں

Marfat.com

میں نے دشمنوں سے مقابلے کئے اور آپ کے عہد میں بھی اپنے کوڑوں سے مجرموں کو سزا دی۔ حضرت علیؓ حضرت عمرؓ کے ایک خیر خواہ قابل اعتماد رفیق و مشیر تھے حکیمانہ انداز میں مشکل سے مشکل مسئلہ کو اس طرح حل کر دیتے کہ شک وشبہ کی کوئی گنجائش ہی نہ رہتی ایک روایت ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا: "لولا علی الھلک عمر" اگر علیؓ ہوتے تو عمرؓ ہلاک ہو جاتا۔

(الاستیعاب از ابن عبدالبر 2015)

حضرت عمرؓ جب بیت المقدس کے سفر پر گئے تو اپنی جگہ پر قائم مقام حضرت علیؓ ہی کو بنا کر گئے۔ حضرت علیؓ نے اپنی صاحبزادی ام کلثومؓ کو حضرت عمرؓ کی زوجیت میں دے دیا تھا اور یہ دلیل ہے کہ وہ حضرت عمرؓ کی کتنی عزت دل میں رکھتے تھے اور ان کا آپس میں کس درجہ پیار تھا۔

حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم

حضرت عمر فاروقؓ کا وقت قریب آیا تو انہوں نے خلیفہ منتخب کرنے کی ذمہ داری ایک مجلس کے سپرد کی جو چھ افراد پر مشتمل تھی وہ چھ افراد یہ تھے۔ ۱۔ حضرت عثمان غنیؓ، ۲۔ حضرت علیؓ، ۳۔ حضرت طلحہ بن عبیداللہؓ، ۴۔ حضرت زبیرؓ، ۵۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، اور ۶۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ۔ ابن عساکر نے حضرت حسنؓ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ خیال آیا کہ اب خلافت کا بر میرے کندھوں پر رکھ دیا جائے گا اور یہ مجلس میرے برابر کسی کو حیثیت نہیں دے گی اور مجھے ہی خلیفہ منتخب کرے گی اس کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور ہم سے وعدہ لیا کہ اللہ تعالیٰ ہم میں سے جس کو خلیفہ مقرر کر دے ہم سب اس کی اطاعت کریں گے اور اس کے احکام کو برضا ورغبت بجالائیں گے اس کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے حضرت عثمان غنیؓ کے ہاتھ پر خود بیعت کی اسوقت میں نے سوچا کہ میری اطاعت بیعت پر غالب آ گئی۔ اور مجھ سے جو وعدہ لیا گیا وہ (اصل میں) دوسرے کی بیعت کے لئے تھا بہر حال میں نے حضرت عثمان غنیؓ کے ہاتھ پر بھی بیعت کی اور پہلے خلفاء کی طرح ان کی اطاعت وفرمانبرداری کی اور حضرت عثمانؓ کے حقوق ادا کئے ان کی قیادت میں جنگیں لڑیں ان کے عطیات کو قبول کیا اور شرعی سزائیں بھی دیں پھر حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد میں نے سوچا کہ وہ دونوں خلیفہ جن کی میں نے لفظ باالصلوۃ کے ساتھ بیعت کی تھی انتقال فرما چکے ہیں اور جن کی بیعت کے لئے مجھ سے وعدہ لیا گیا تھا وہ بھی اب رخصت ہو گئے پس یہ سوچ کر میں نے بیعت لینا شروع کر دی۔ حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کی طرف سے مدافعت اور باغیوں سے مقابلہ کرنے کے لئے اجازت طلب کی تو حضرت عثمانؓ نے فرمایا میں خدا کا واسطہ اس شخص کو دیتا ہوں جو اللہ کو جانتا ہے اور اس کے حق کو سمجھتا ہے اور اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ میرا اس پر کوئی حق ہے۔ ایک پچھنے لگانے بھر بھی میری خاطر خون نہ بہائے۔ حضرتؓ نے دوبارہ اجازت طلب کی اور انہوں نے دوبارہ جواب دیا پھر وہ (حضرت علیؓ) مسجد میں آئے اذان ہوئی لوگوں نے کہا: اباالحسن آگے بڑھئے اور نماز پڑھائیے حضرت علیؓ نے جواب دیا "امام جب کہ خانہ قید میں ہے میں نماز نہیں پڑھاؤں گا لیکن میں تنہا اپنی نماز پڑھوں گا چنانچہ تنہا نماز پڑھ کر اپنے گھر چلے گئے"۔

(عثمان بن عفان ذوالنورین ومتنود صادق عرجون ص 218-219)

Marfat.com

حضرت عثمانؓ کی ناکہ بندی جب اور بھی سخت ہوگئی اور ان کے لئے باہر سے کسی قسم کا رابطہ رکھنے کا موقعہ نہ رہا ان کے پاس جو پانی وہ ختم ہوگیا مسلمانوں سے انہوں نے پانی طلب کیا حضرت علیؓ خود اپنی سواری پر گئے اور پانی کا ایک مشکیزہ لے کر اندر داخل ہوئے بڑی مشقت سے وہاں پہنچ سکے۔ باغیوں نے ان کو برا بھلا کہا اور سخت وست کہا اور ان کی سواری کے جانور کو بھگا دیا۔ (المرتضیٰ بحوالہ ابن کثیر ج7 ص187)

خلفائے ثلاثہ سے حضرت علیؓ کی محبت کا ثبوت یہ بھی ہے کہ آپ نے اپنے ایک فرزند کا نام عمر دوسرے کا ابوبکر اور تیسرے کا نام عثمان رکھا۔ (المرتضیٰ بحوالہ البدایہ النہایہ ج7 ص 331-332)

عام طور پر لوگ اپنے فرزندوں کا انہیں لوگوں کے نام پر رکھتے ہیں جن سے دلی تعلق ہوتا ہے اور جن کو مثالی انسان سمجھا جاتا ہے۔

خلافت راشدہ کی خصوصیات

انتخابی خلافت

خلفائے راشدین میں سے کوئی ایک خلیفہ بھی ایسا نہیں تھا جو اپنی مرضی سے یا اپنی طاقت کے بل بوتے پر خلیفہ بن گیا ہو۔ تمام خلفا کو باہمی مشورے سے منتخب کیا گیا۔ کسی کو خلیفہ کی بیعت پر زبردستی مجبور نہیں کیا گیا۔ خلیفہ وہ شخص ہوتا تھا جسے لوگ پسند کرتے اور اس پر اعتماد کرتے۔ نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد خلافت کا معاملہ درپیش ہوا تو سقیفہ، بنوساعدہ میں بحث و تمحیص کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کا انتخاب کیا گیا۔ حالانکہ حضرت ابوبکر صدیقؓ خلافت کے خواہش مند نہ تھے۔ اسی طرح حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنی وفات سے قبل حضرت عمرؓ کے بارے میں جلیل القدر صحابہ کرام سے مشورہ کیا اور پھر لوگوں کو مسجد نبوی ﷺ میں جمع کر کے فرمایا۔ میں نے عمرؓ کو اپنا جانشین مقرر کر دیا ہے لہٰذا اس کی سنو اور اطاعت کرو۔ اس پر لوگوں نے کہا ہم سنیں گے اور اطاعت کریں گے۔

حضرت عمرؓ نے اپنی وفات کے وقت ایک مجلس مقرر کی جو چھ افراد پر مشتمل تھی۔ اس کمیٹی میں ان کے بیٹے عبداللہ بن عمرؓ بھی موجود تھے مگر انہیں خلافت کے عہدے سے مستثنیٰ قرار دیا۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد لوگوں نے انہیں خلیفہ بنانا چاہا تو انہوں نے بار بار انکار کیا۔ حضرت علیؓ کی وفات کے بعد جب لوگوں نے حضرت حسنؓ کو خلیفہ بنانے کے لئے کہا تو حضرت علیؓ نے فرمایا میں نہ تم کو منع کرتا ہوں اور نہ تمہیں اس کا حکم دیتا ہوں۔ تم خود اچھی طرح دیکھ سکتے ہو۔

شورائی نظام

خلافت راشدہ میں شورائی نظام نافذ تھا۔ تمام تر فیصلے مشورے سے طے ہوتے تھے۔ اس مقصد کے لئے ایک مجلس شوریٰ تھی جس میں معتبر صحابہ شامل تھے۔ شوریٰ کو آزادی رائے کا مکمل حق حاصل تھا۔ ان پر کسی قسم کا دباؤ نہیں ہوتا تھا۔ خلیفہ مجلس شوریٰ سے مشورہ کرنے کے بعد کوئی فیصلہ کرتا تھا۔

Marfat.com

آزادی رائے

خلفائے راشدین کے دور میں ہر شہری کو حق حاصل ہوتا تھا کہ وہ خلیفہ پر تنقید کر سکے۔خلیفہ عوام کے سامنے جوابدہ ہوتا تھا۔مشہور واقعہ ہے کہ حضرت عمرؓ سے مسجد نبوی ﷺ میں ایک شخص نے کھڑے ہوکر پوچھا کہ مال غنیمت میں آئی ہوئی چادروں میں سے ہر ایک کے حصے میں ایک ایک چادر آئی۔تم نے دو چادریں کیسے لیں (ایک چادر سے حضرت عمرؓ کی قمیض نہیں بن سکتی تھی) حضرت عمرؓ نے ناراض ہونے کے بجائے اپنے بیٹے حضرت عبداللہ سے کہا اٹھو اور وضاحت کرو۔انہوں نے بتایا کہ میرے باپ کے حصے میں ایک ہی چادر آئی تھی۔اس سے ان کی قمیض نہیں بن رہی تھی تو میں نے اپنی چادر بھی اپنے باپ کو دے دی۔ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے چار سو درہم سے زیادہ حق مہر پر خطبہ میں پابند لگادی تو ایک عورت نے انہیں وہیں پر روک دیا۔حضرت عمرؓ نے فوراً اپنی رائے سے رجوع کر لیا۔

خلفائے راشدین کے دور میں ہر شخص کو حق حاصل تھا کہ وہ اپنی رائے دے سکے۔خلفائے راشدین پر اگر کوئی شخص تنقید بھی کرتا تھا تو وہ ناراض نہیں ہوتے تھے بلکہ اس کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔

عدل وانصاف

خلافت راشدہ کا دور عدل وانصاف کے حوالے سے سنہری دور تھا۔بغیر کسی تفریق کے ہر شخص کو عدالت سے اس کا حق ملتا تھا۔اگر کسی شخص کو عدل وانصاف کے بارے میں کوئی شکایت ہوتی تو وہ خلیفہ وقت سے بات کر سکتا تھا۔حضرت علیؓ کا عدل تو بہت شہرت اختیار کر گیا تھا۔

قانونی مساوات

خلفائے راشدین کے دور میں ہر شخص کے ساتھ یکساں سلوک کیا جاتا تھا۔کسی شخص کو اس کے عہدے، خاندان یا مالی اعتبار سے کوئی برتری حاصل نہ تھی۔خلیفہ وقت کے خلاف کوئی مقدمہ دائر ہوتا تو وہ خود چل کر ایک فریق کی حیثیت سے عدالت میں پیش ہوتا۔حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ اپنے دور خلافت میں قاضی کی عدالت میں بطور مدعی اور مدعا علیہ پیش ہوئے۔

بیت المال کا صحیح استعمال

خلفائے راشدین بیت المال کو اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی امانت سمجھ کر استعمال کرتے تھے۔وہ اپنی جان ومال سے زیادہ بیت المال کی حفاظت کرتے تھے۔بیت المال میں سے مقررہ وظیفہ کے علاوہ کچھ نہ لیتے تھے۔خلفائے راشدین سے بیت المال کو اپنی ذاتی ملکیت نہیں سمجھتے تھے۔اگر کوئی عامل بیت المال کا بے جا استعمال کرتا تو اس کی اچھی طرح سے خبر لیتے تھے۔خلفا بیت المال کے سلسلے میں اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے ہاں جوابدہ سمجھتے تھے۔ایک دفعہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ بیت المال کے انچارج تھے۔انہوں نے حضرت عمرؓ کے بیٹے کو بیت المال میں سے ایک کھجور دے دی، حضرت عمرؓ نے فوراً کھجور واپس کر دی اور ناراضگی کا اظہار کیا۔

Marfat.com

تعصبات سے بالاتر

خلفائے راشدین کے دور کی ایک خوبی یہ ہے کہ اس میں قبائلی، نسلی اور وطنی تعصبات سے بالاتر ہو کر تمام لوگوں سے یکساں سلوک کیا جاتا تھا۔ اس دور میں حاکم ومحکوم، آقا وغلام، مسلم وغیر مسلم، خادم ومخدوم، گورے اور کالے میں کوئی فرق نہیں تھا۔

شرعی سزاؤں کا نفاذ

خلفائے راشدین کے دور میں معاشرے کو جرائم سے پاک رکھنے کے لئے شرعی سزائیں نافذ تھیں۔ اگر خلیفہ کا بیٹا یا کوئی عزیز بھی غلطی کرتا تو اسے بھی شرعی سزا دی جاتی تھی۔ حضرت عمرؓ نے خود اپنے بیٹے ابوشمہ پر حد جاری کروائی۔

خلیفہ کا مقام

خلیفہ لوگوں کا آقا اور خادم ہوتا تھا۔ حقوق کے اعتبار سے عوام میں اور خلیفہ میں کوئی فرق نہیں ہوتا تھا۔ اسے بھی دوسرے لوگوں کے برابر وظیفہ ملتا تھا۔ گھر میں کوئی خادم یا دربان نہ ہوتا تھا۔

خلیفہ کا مثالی کردار

تمام خلفائے راشدین کا کردار مثالی تھا۔ خلیفہ سادگی، تواضع اور تقویٰ کا بہترین نمونہ ہوتا تھا۔

کتاب وسنت کی بالادستی

خلفائے راشدین کے دور میں قرآن وسنت کو بالادستی حاصل تھی۔ تمام امور قرآن وسنت کی روشنی میں طے ہوتے تھے۔ خلفائے راشدین نے ملکی اور دینی معاملات میں ہمیشہ قرآن وسنت کو اولین حیثیت دی۔

غلبہ اسلام

خلفائے راشدین نے اسلام کے استحکام اور مضبوطی کے لئے ہر ممکن کوشش کی۔ اسلام کے مقابلے میں تمام بغاوتوں اور فتنوں کو فرو کر کے اسلام کو غالب کیا۔ خلفائے راشدین کے دور میں جہاد کو خصوصی اہمیت حاصل تھی۔ ہر وقت کسی نہ کسی علاقے میں جہاد جاری رہتا تھا۔ حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں قیصر وکسریٰ کی عظیم سلطنتوں کو فتح کر کے وہاں اسلام کا پرچم لہرا دیا گیا۔ خلافت راشدہ کے تیس سالہ دور میں مسلمانوں نے بے شمار علاقے فتح کئے۔

اشاعت اسلام

خلافت راشدہ میں اشاعت اسلام کا خصوصی اہتمام کیا گیا۔ حضرت عمرؓ نے مکاتیب قائم کر کے تنخواہ دار معلمین کا اہتمام کیا جو لوگوں کو قرآن وحدیث کی تعلیم دیتے تھے۔ اس کے علاوہ جو علاقے فتح ہوتے تھے وہاں کے لوگوں کو اسلام کی تعلیم دینے کے لئے کسی نہ کسی معلم کا ضرور بندوبست کرتے۔

Marfat.com

بنیادی حقوق کا تحفظ

خلافت راشدہ کے دور میں ہر شخص کو بنیادی حقوق حاصل تھے۔ خلیفہ لوگوں کی جان، مال اور آبرو کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ جو لوگ روزی کمانے کے قابل نہیں ہوتے تھے ان کا وظیفہ مقرر تھا۔ حضرت عمرؓ رات کے وقت بھیس بدل کر گلیوں میں پھرتے تھے کہ کسی کو کسی چیز کی ضرورت تو نہیں۔ اگر کسی کو کسی چیز کی ضرورت ہوتی تو خود بیت المال سے لے کر اس کے گھر پہنچاتے۔ ذمیوں سے بھی حسن سلوک کیا جاتا تھا۔

منصب امامت

خلیفہ اپنے وقت کا صرف حکمران ہی نہیں ہوتا تھا بلکہ امام و خطیب بھی ہوتا تھا۔ خلیفہ نمازوں میں لوگوں کی امامت کرواتا اور جمعہ وعیدین کے خطبے ارشاد فرماتا۔ اس طرح خلیفہ راشد امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ بھی ادا کرتا تھا۔

فلاحی ریاست

خلفائے راشدین کی خلافت کا مقصد امر بالمعروف ونہی عن المنکر، خوشحالی، اتحاد واتفاق، امن وامان کا قیام اور فلاحی معاشرہ قائم کرنا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ تمام فقہاء ومحدثین اور مسلمان اس دور کو مذہبی، سیاسی، اخلاقی اور اجتماعی نظام کے معاملہ میں معیار سمجھتے ہیں۔

Marfat.com

باب: چوتھا

نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

نواسہ رسول ﷺ

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ

نام ونسب وحلیہ وغیرہ

حسن بن علی ابی طالب رضی اللہ عنہ خلفاء راشدین میں سب سے آخری خلیفہ سمجھے جاتے ہیں۔ آپ نصف شعبان سنہ ۳ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی صورت آنحضرت ﷺ سے بہت مشابہ تھی۔ آپ کا نام آنحضرت ﷺ نے رکھا تھا۔ زمانہ جاہلیت میں یہ نام کسی کا نہ تھا۔ امام بخاریؒ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ منبر پر تشریف رکھتے تھے۔ حضرت حسنؓ آپ کے پہلو میں بیٹھے تھے۔ آپ کبھی لوگوں کی طرف اور کبھی حضرت حسنؓ کی طرف دیکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ میرا یہ بیٹا سردار ہے اور یہ مسلمانوں کے دو گروہوں میں مصالحت کرائے گا۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ایک روز حضرت حسنؓ کو اپنے کندھے پر بٹھا رکھا تھا کہ ایک شخص راستے میں ملا۔ اس نے حضرت حسنؓ کو مخاطب کر کے کہا کہ میاں صاحبزادے تم نے کیا اچھی سواری پائی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ سوار بھی تو بہت اچھا ہے۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا قول ہے کہ اہل بیت میں حضرت حسنؓ آنحضرت ﷺ سے بہت زیادہ مشابہ تھے اور آنحضرت ﷺ ان کو سب سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔

خصائل حمیدہ

حضرت حسنؓ نہایت حلیم، صاحب وقار، صاحب حشمت اور نہایت سخی تھے۔ فتنہ وخونریزی سے آپ کو سخت نفرت تھی۔ آپ نے پیادہ پا پچیس حج کئے حالانکہ اونٹ کوتل آپ کے ہمراہ ہوتے تھے۔ عمیر بن اسحاق کہتے ہیں کہ صرف حضرت حسنؓ ہی ایک ایسے شخص تھے کہ جب بات کرتے تھے تو میں چاہتا تھا کہ آپ باتیں کئے جائیں اور اپنا کلام ختم نہ کریں اور آپ کی زبان سے میں نے کبھی کوئی فحش کلمہ نہیں سنا۔

مروان بن الحکم جب مدینہ کا عامل مقرر تھا اور حضرت حسنؓ بھی بعد ترک خلافت مدینہ ہی میں رہتے تھے تو مروان نے ایک مرتبہ حضرت حسنؓ کے پاس ایک آدمی کے ہاتھ کہلا کر بھجوایا کہ (نعوذ باللہ) تیری مثال خچر کی سی ہے کہ جب اس سے پوچھا جائے کہ تیرا باپ کون تھا؟ تو وہ کہتا ہے کہ میری ماں گھوڑی تھی۔ آپ نے اس کے جواب میں کہلا بھیجا کہ میں یہ بات کبھی نہ بھولوں گا کہ تو مجھے بلا سبب گالیاں دیتا ہے۔ آخر ایک روز تجھ کو اور مجھ کو اللہ تعالیٰ کے سامنے جانا ہے۔ اگر تو اپنے قول میں سچا ہے تو اللہ تعالیٰ تجھ کو سچ بولنے کی جزائے خیر دے اور اگر تو جھوٹا ہے تو خوب یاد رکھ کہ اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ منتقم ہے۔

جریر بن اسماءؒ کہتے ہیں کہ جب حضرت حسنؓ نے وفات پائی تو مروان آپ کے جنازے پر رونے لگا۔ حضرت حسینؓ نے فرمایا کہ اب تو تو روتا ہے اور زندگی میں ان کو ستاتا رہا۔ مروان نے کہا: جانتے بھی ہو میں اس شخص کے ساتھ ایسا کرتا تھا جو

Marfat.com

پہاڑ سے بھی زیادہ حلیم تھا۔

علی بن زید کہتے ہیں کہ حضرت حسنؓ نے دو مرتبہ اپنا مال راہ الٰہی میں خیرات کیا اور تین مرتبہ نصف نصف خیرات کر دیا۔ یہاں تک کہ ایک جوتا رکھ لیا۔ ایک دے دیا۔ ایک موزہ رکھ لیا اور ایک دے دیا۔ آپ عورتوں کو طلاق بہت دیا کرتے تھے، بجز اس کے جس کو آپ سے محبت ہو جاتی۔ حتی کہ حضرت علیؓ کو اہل کوفہ سے کہنا پڑا کہ تم میرے بیٹے حسنؓ کو لڑکیاں نہ دو لیکن ہمدان نے کہا کہ ہم سے یہ نہ ہوگا کہ لڑکیاں انکے نکاح میں نہ دیں۔

ایک مرتبہ آپ کے سامنے ذکر ہوا کہ ابوذرؓ کہتے ہیں کہ میں تونگری سے مفلسی کو اور تندرستی سے بیماری کو زیادہ عزیز رکھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان پر رحم کرے، میں تو اپنے آپ کو بالکل اللہ کے ہاتھ میں چھوڑتا ہوں اور کسی بات کی تمنا نہیں کرتا وہ جو کچھ چاہے کرے، مجھے دخل دینے کی کیا مجال ہے۔

آپ نے ربیع الاول سنہ ۴۱ھ میں خلافت امیر معاویہؓ کے سپرد کر دی تو اس کے بعد آپ کے دوست جب آپ کو عار المسلمین کے نام سے پکارتے تو آپ فرمایا کرتے کہ عار (شرمندگی) نار (دوزخ) سے بہتر ہے۔ ایک شخص نے آپ سے کہا گدائے مسلمانوں کے ذلیل کرنے والے تجھ پر سلام ہو، تو آپ نے فرمایا کہ میں مسلمانوں کا ذلیل کرنے والا نہیں ہوں بلکہ مجھے یہ اچھا نہ معلوم ہوا کہ تم کو ملک کے لئے قتل کرا دیتا۔ جبیر بن نفیلؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت حسنؓ سے کہا کہ افواہ ہے کہ آپ پھر خلافت کے خواہشمند ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جب اہل عرب کے سر میرے ہاتھ میں تھے، جس سے چاہتا لڑا دیتا، اس وقت میں نے محض خوشنودی الٰہی کے لئے خلافت چھوڑ دی تو اب محض اہل حجاز کو خوش کرنے کے لئے کیوں قبول کرنے لگا تھا۔ آپ نے ماہ ربیع الاول سنہ ۵۰ھ میں وفات پائی۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ آپ کی شہادت زہر کی ذریعہ ہوئی۔ حضرت حسینؓ نے ہر چند آپ سے معلوم کرنا چاہا کہ آپ کو کس نے زہر دیا مگر آپ نے نہ بتلایا اور فرمایا کہ جس پر میرا شبہ ہے، اگر وہی میرا قاتل ہے تو اللہ تعالیٰ سخت انتقام لینے والا ہے ورنہ میرے واسطے کوئی کیوں ناحق قتل کیا جائے۔

حضرت حسنؓ کے قابل تذکرہ واقعات

حضرت علیؓ سے وفات کے وقت دریافت کیا گیا تھا کہ آپ کے بعد حضرت حسنؓ کے ہاتھ بیعت کی جائے؟ حضرت علیؓ نے فرمایا: میں اپنے حال میں مشغول ہوں، تم جس کو پسند کرو اس کے ہاتھ پر بیعت کر لینا۔ لوگوں نے اسکو حضرت حسنؓ کے متعلق اجازت سمجھ کر ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ سب سے پہلے قیس بن سعد بن عبادہ نے بیعت کے لئے ہاتھ بڑھایا اس کے بعد اور لوگ بھی آ آ کر بیعت کرنے لگے۔ بیعت کے وقت حضرت حسنؓ لوگوں سے اقرار لیتے جاتے تھے کہ:

"میرے کہنے پر عمل کرنا جس سے میں جنگ کروں تم بھی جنگ کرنا اور جس سے میں صلح کروں تم بھی اس سے صلح کرنا"

اس بیعت کے بعد ہی اہل کوفہ آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے کہ ان کا ارادہ جنگ کرنا کا نہیں معلوم ہوتا۔ حضرت امیر معاویہؓ کو جب حضرت علیؓ کی شہادت کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے اپنے لئے امیر المومنین کا لقب اختیار کیا اور اگرچہ وہ اہل شام

Marfat.com

سے فیصلہ حکمین کے بعد ہی بیعت خلافت لے چکے تھے لیکن اب دوبارہ پھر تجدید بیعت کرائی۔قیس بن سعدؓ جب حضرت حسنؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنے لگے تو انہوں نے کہا تھا کہ میں کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ نیز ملحدین سے جہاد کرنے پر بیعت کرتا ہوں۔حضرت حسنؓ نے ان سے فرمایا تھا کہ قتال و جہاد وغیرہ سب کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ میں شامل ہیں۔ان کے علیحدہ نام لینے کی ضرورت نہیں۔اسی فقرہ سے اہل کوفہ کو مذکورہ سرگوشی کا موقع ملا تھا اور ان کو شبہ ہو گیا تھا کہ یہ جنگ کی طرف مائل نہیں ہوتے۔حضرت امیر معاویہؓ تجدید بیعت کے کام سے فارغ ہو کر اور ساٹھ ہزار کا لشکر لے کر دمشق سے کوفہ کی جانب روانہ ہوئے اور حضرت حسنؓ کے پاس پیغام بھیجا کہ صلح جنگ سے بہتر ہے اور مناسب یہی ہے کہ آپ مجھ کو خلیفہ وقت تسلیم کر کے میرے ہاتھ پر بیعت کر لیں۔حضرت حسنؓ نے یہ سن کر کہ حضرت امیر معاویہؓ کوفہ کا عزم رکھتے ہیں، چالیس ہزار کا لشکر ہمراہ لیا اور کوفہ سے روانہ ہوئے۔منزلیں طے کرتے ہوئے جب مقام دیر عبدالرحمٰن میں پہنچے تو قیس بن سعدؓ کو بارہ ہزار کی جمعیت سے بطور مقدمۃ الجیش آگے روانہ کیا۔ساباط مدائن میں پہنچ کر لشکر کا قیام ہوا تو وہاں کسی نے یہ غلط خبر مشہور کر دی کہ قیس بن سعدؓ مارے گئے۔حضرت حسنؓ نے یہاں ایک روز قیام کیا تا کہ سواری کے جانوروں کو آرام کرنے کا موقع مل جائے۔اس جگہ آپ نے لوگوں کو جمع کر کے ایک خطبہ ارشا فرمایا اور حمد و ثنا کے بعد فرمایا کہ: ''لوگو! تم نے میرے ہاتھ پر اس شرط کے ساتھ بیت کی ہے کہ صلح و جنگ میں میری متابعت کرو گے۔میں اللہ تعالیٰ برتر و توانا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھ کو کسی سے بغض و عداوت نہیں۔مشرق سے مغرب تک ایک شخص بھی مجھ کو ایسا نظر نہیں آتا کہ میرے دل میں اس کی طرف سے رنج و ملال اور نفرت و کراہت ہو۔اتفاق و اتحاد، محبت و سلامتی اور صلح و اصلاح کو میں نا اتفاقی اور دشمنی سے بہر حال بہتر سمجھتا ہوں''

حضرت حسنؓ پر کفر کا فتویٰ

اس تقریر کو سن کر خوارج اور منافقین نے فوراً تمام لشکر میں یہ بات مشہور کر دی کہ حسنؓ معاویہؓ سے صلح کرنا چاہتے ہیں، پھر ساتھ ہی حضرت حسنؓ پر کفر کا فتویٰ بھی لگا دیا۔معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں پر کفر کا فتویٰ لگانے کی رسم منافقوں اور سبائیوں کی ایجاد کردہ رسم ہے۔انہیں لوگوں نے حضرت علیؓ پر بھی کفر کا فتویٰ لگایا تھا۔

کس قدر حیرت کا مقام ہے کہ آج ہمارے زمانے کے بڑے بڑے اعلم العلماء اور افضل الفضلاء کہلانے والے جبہ پوش مفتی منافقوں اور مسلم نما یہودیوں کی اس پلید سنت کے زندہ رکھنے اور امت محمدیہ کے شیرازہ کو اپنی تکفیر بازی و فتویٰ گری کے خنجر سے پارہ پارہ اور پریشان کرنے میں مستعدی و سرگرمی کو کام میں لا رہے ہیں۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔

غرض اس کفریہ فتوے کا حضرت حسنؓ کے لشکر پر یہ اثر ہوا کہ تمام لشکر میں ہلچل مچ گئی، کوئی کہتا تھا کہ حسنؓ کافر ہو گئے، کوئی کہتا تھا کہ کافر نہیں ہوئے۔آخر کافر کہنے والوں کا زور ہو گیا اور انہوں نے اپنے مخالف خیال کے لوگوں پر زیادتی اور مار دھاڑ شروع کر دی، پھر بہت سے لوگ کافر کہتے ہوئے حضرت حسنؓ کے خیمے میں گھس آئے اور ہر طرف سے آپ کا لباس پکڑ پکڑ کھینچنا شروع کر دیا، یہاں تک کہ آپکے جسم پر تمام لباس پارہ پارہ ہو گیا۔آپ کے کاندھے پر سے چادر کھینچ کر لے گئے اور ہر چیز

Marfat.com

خیمے کی لوٹ لی۔ یہ حال دیکھ کر حضرت حسنؓ فوراً اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے اور قوم ربیعہ وہمدان کو آواز دی۔ یہ دونوں قبیلے آپ کی حمایت وحفاظت کے لئے آئے اور بدمعاشوں کو آپ کے پاس سے دفع کرنے میں کامیاب ہوئے۔ کچھ دیر کے بعد وہ شور وشر جو لشکر میں برپا تھا، فرو ہوا۔ وہاں سے آپ شہر مدائن کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں ایک خارجی نے جس کو جراح بن قبیصہ کہتے تھے، موقع پا کر آپ کے ایک نیزہ مارا جس سے آپ کی ران زخمی ہوئی۔ آپ کو ایک چارپائی یا سر پا اٹھا کر مدائن کے قصر ابیض میں لائے اور وہیں آپ مقیم ہوئے۔ عبداللہ بن حنظل اور عبداللہ بن ظبیان نے جراح بن قبیصہ خارجی کو قتل کیا۔ قصر ابیض میں آپ کے زخم کا علاج جراحوں نے کیا اور جلد یہ زخم اچھا ہو گیا۔ قیس بن سعد جو بارہ ہزار کا لشکر لے کر بطور مقدمۃ الجیش آگے روانہ ہوئے تھے، مقام انبار میں مقیم تھے کہ حضرت امیر معاویہؓ نے آ کر ان کا محاصرہ کر لیا اور عبداللہ بن عامر کو تحریک صلح کیلئے مدائن کی طرف بطور مقدمۃ الجیش روانہ کیا۔ ادھر مدائن میں پہنچ کر اور اپنے لشکر والوں کی یہ بدتمیزیاں دیکھ کر حضرت حسنؓ پہلے ہی صلح کا ارادہ کر کے حضرت امیر معاویہؓ کے پاس ایک قاصد یعنی عبداللہ بن حارث بن نوفل کو جو امیر معاویہؓ کے بھانجے تھے مع درخواست صلح روانہ کر چکے تھے۔ عبداللہ بن عامر کو مدائن کے قریب پہنچا ہوا سن کر حضرت حسنؓ مقابلہ کے لئے مع لشکر مدائن سے نکلے۔ عبداللہ بن عامر نے اپنے مقابلہ پر لشکر کو آتے ہوئے دیکھ کر اور قریب پہنچ کر اہل عراق کو مخاطب کر کے کہا کہ میں لڑنے کے لئے نہیں آیا ہوں۔ میں امیر معاویہؓ کا مقدمۃ الجیش ہوں اور امیر معاویہؓ انبار میں بڑے لشکر کے ساتھ مقیم ہیں۔ تم لوگ حضرت حسنؓ کی خدمت میں میرا اسلام پہنچاؤ اور عرض کرو کہ عبداللہ آپ کو اللہ کا واسطہ دے کر کہتا ہے کہ لڑائی سے ہاتھ روکو تا کہ ہلاکت سے بچ جائیں۔ جب حضرت حسنؓ نے یہ بات سنی تو مدائن میں واپس چلے آئے اور عبداللہ کے پاس پیغام بھیجا کہ میں امیر معاویہؓ کے ساتھ صلح کرنے اور خلافت سے دستبردار ہونے پر آمادہ ہوں۔ بشرطیکہ امیر معاویہؓ میری چند شرطیں منظور کر لیں، جن میں سب سے مقدم یہ ہے کہ امیر معاویہؓ کتاب وسنت پر عامل رہنے اور سابقہ مخالفتوں کو فراموش کر کے کسی کی جان و مال سے تعرض نہ کرنے اور ہمارے طرفداروں کو جان کی امان دینے کا وعدہ کر لیں۔ الصلح خیر، عبداللہ بن عامر، یہ سن کر فوراً حضرت امیر معاویہؓ کے پاس واپس گئے اور کہا کہ چند شرطوں کے ساتھ حضرت حسنؓ تفویض خلافت پر آمادہ ہیں۔ حضرت امیر معاویہؓ نے پوچھا: وہ شرطیں کیا ہیں؟ عبداللہ بن عامر نے کہا کہ پہلی شرط یہ ہے کہ جب تم فوت ہو جاؤ تو تمہارے بعد خلافت حضرت حسنؓ کو ملے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ جب تک تم زندہ رہو، ہر سال پانچ لاکھ درہم سالانہ بیت المال سے حسنؓ کے پاس بھیجتے رہو۔ تیسری شرط یہ ہے کہ علاقہ اہواز وفارس کا خراج حسنؓ کو ملا کرے۔

یہ تینوں شرطیں عبداللہ بن عامر نے بطور خود حضرت حسنؓ کی طرف سے پیش کر کے پھر وہ شرطیں سنائیں جو حضرت حسنؓ نے عبداللہ بن عامر سے کہلا کر بھجوائی تھیں۔ حضرت امیر معاویہؓ نے کہا کہ مجھ کو یہ تمام شرطیں منظور ہیں اور حضرت حسنؓ کے علاوہ بھی اگر کوئی شرط پیش کریں گے تو وہ بھی مجھ کو منظور ہے کیونکہ ان کی نیت نیک معلوم ہوتی ہے اور مسلمانوں میں صلح وآشتی کے خواہاں نظر آتے ہیں۔ یہ کہہ کر حضرت امیر معاویہؓ نے ایک سفید کاغذ پر اپنی مہر ودستخط ثبت کر کے عبداللہ بن عامر کو دیا اور کہا کہ یہ کاغذ حضرت حسنؓ کے پاس لے جاؤ اور ان سے کہو کہ جو جو شرطیں آپ چاہیں اس کاغذ پر لکھ لیں، میں سب کو پورا کرنے کے لئے

Marfat.com

تیار ہوں۔ حضرت حسینؓ اور عبداللہ بن جعفرؓ کو یہ معلوم ہوا کہ حضرت حسنؓ صلح پر آمادہ ہیں تو وہ ان کے پاس آئے اور اس ارادے سے باصرار باز رکھنا چاہا لیکن حضرت حسنؓ نے ان کی رائے کو پسند نہ فرمایا۔ وہ حضرت علیؓ کے زمانہ سے اہل کوفہ اور اہل عراق کو دیکھ رہے تھے۔ دوسری طرف امیر معاویہؓ کے انتظام ملکی اور نظام حکومت کی مضبوطی بھی ان کے پیش نظر تھی۔ لہٰذا صلح کے ارادے پر قائم رہے۔

صلح نامہ

جب عبداللہ بن عامر امیر معاویہؓ کا مہری و دستخطی کاغذ لے کر آئے اور تمام پیش کردہ شرائط کا تذکرہ کیا تو حضرت حسنؓ نے کہا کہ میں اس شرط کو ہرگز پسند نہیں کرتا کہ حضرت امیر معاویہؓ کے بعد میں خلیفہ بنایا جاؤں کیونکہ اگر مجھ کو خلافت کی خواہش ہوتی تو میں اسی وقت کیوں اس کے چھوڑنے پر آمادہ ہو جاتا۔ اس کے بعد اپنے کاتب کو بلایا اور صلح نامہ لکھنے کا حکم دیا جو اس طرح لکھا گیا:

"یہ صلح نامہ حسن بن علی رضی اللہ عنہما بن ابی طالب اور معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے درمیان لکھا جاتا ہے۔ دونوں مندرجہ ذیل باتوں پر متفق اور رضامند ہیں: امر خلافت معاویہؓ بن ابی سفیانؓ کو سپرد کیا گیا۔ معاویہؓ کے بعد مسلمان مصلحت وقت کے مطابق جس کو چاہیں گے خلیفہ بنائیں گے۔ معاویہؓ کے ہاتھ اور زبان سے سب اہل اسلام محفوظ و مامون رہیں گے اور معاویہؓ سب کے ساتھ نیک سلوک کریں گے۔ حضرت علیؓ کے متعلقین اور انکے طرفداروں سے امیر معاویہؓ کوئی تعرض نہ کریں گے۔ حسنؓ بن علیؓ اور حسینؓ بن علیؓ اور انکے متعلقین کو امیر معاویہؓ کوئی ضرر نہ پہنچائیں گے۔ اور یہ دونوں بھائی ان کے متعلقین جس شہر اور جس آبادی میں جائیں گے، سکونت اختیار کریں گے۔ امیر معاویہؓ اور انکے عاملوں یا گماشتوں کو یہ حق نہ ہوگا کہ وہ ان کو اپنا محکوم سمجھ کر اپنے کسی ذاتی حکم کی تعلیم کیلئے مجبور کریں۔ صوبہ اہواز کا خراج حسن بن علیؓ کو امیر معاویہؓ پہنچاتے رہیں گے۔ کوفہ کے بیت المال میں جس قدر روپیہ اب موجود ہے، وہ سب حسن بن علیؓ کی ملکیت سمجھا جائیگا۔ وہ اپنے اختیار سے اس پر جس طرح چاہیں گے تصرف کریں گے۔ امیر معاویہؓ بنی ہاشم کو انعام و عطیہ میں دوسروں پر مقدم رکھیں گے"

اس عہد نامہ پر عبداللہ بن الحارث بن نوفل اور عمر بن ابی سلمہ وغیرہ کوئی اکابر کے دستخط بطور گواہ اور ضامن کے ہوئے۔ جب یہ صلح نامہ مرتبہ ہو کر امیر معاویہؓ کے پاس مقام انبار میں پہنچا تو وہ بہت خوش ہوئے۔ وہاں سے محاصرہ اٹھا کر اور قیس بن سعدؓ کو آزاد چھوڑ کر کوفہ کی طرف روانہ ہوئے۔ قیس بن سعدؓ بھی اسی روز شام کو مع اپنے ہمراہیوں کے کوفہ میں پہنچ گئے۔ امیر معاویہؓ نے کوفہ کی جامع مسجد میں پہنچ کر حضرت حسنؓ اور اہل کوفہ سے بیعت لی۔ قیس بن سعدؓ نے بیعت سے انکار کیا اور مسجد میں نہ آئے۔ امیر معاویہؓ نے ان کے پاس بھی ایک سادہ کاغذ پر اپنی دستخط ثبت کر کے بھیج دیا اور کہلا بھجوایا کہ جو کچھ تمہاری شرطیں ہوں اس پر لکھ لو مجھ کو منظور ہوں گی۔ انہوں نے صرف اپنی اور اپنے ہمراہیوں کی جان کی امان چاہی۔ مال وغیرہ مطلق طلب نہ کیا۔ امیر معاویہؓ نے فوراً ان کی شرط کو منظور کر لیا اور اسکے بعد انہوں نے اور ان کے ہمراہیوں نے بھی آ کر بیعت کر لی۔

Marfat.com

حضرت حسنؓ کی جنگوں کے مقامات

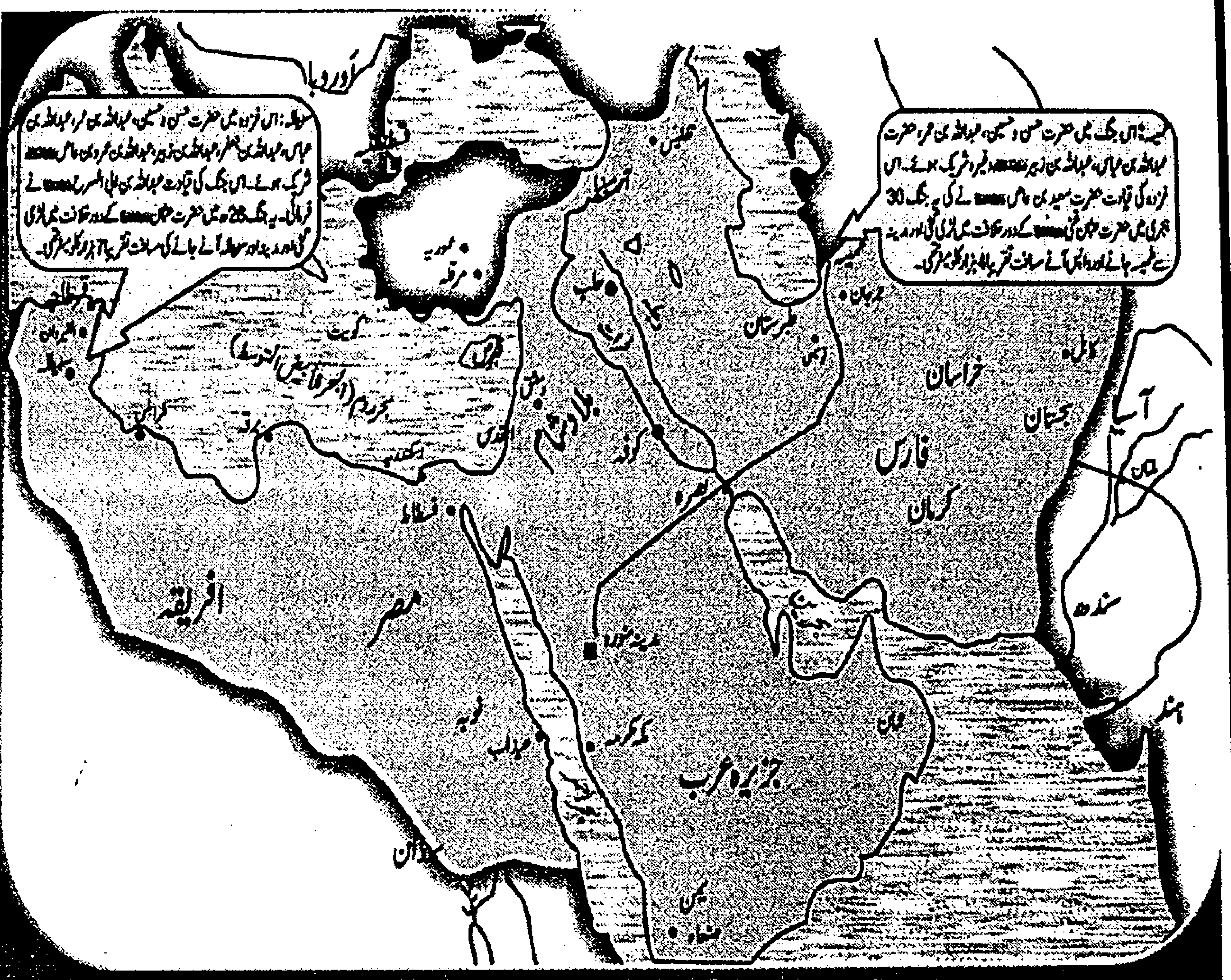

حوالہ جات

(1) سنن ابی داؤد (4648)، سنن ترمذی 341/3 (2226)، مسند 220/5 (21969) وتراجع رسالۃ البرونی کو نہ خامس الخلفاء الراشدین۔
(2) وقد جاء التصریح بانہ خامس الخلفاء الراشدین فی البدایۃ والنہایۃ 15/8۔ وشرح الطحاویہ (545)۔ واحکام القرآن لابن العربی 1720/4 وشرح النووی علی صحیح مسلم 201/12 وعمدۃ القاری شرح صحیح البخاری 24/24 وفیض القدیر 409/2، والصواعق المحرقۃ 397/2۔
(3) المجدی فی انساب الطالبین تحقیق مہدی رجائی ص 202۔
(4) المجدی فی انساب الطالبین ص 201، 202۔ لباب الانساب للبیہقی ص 343۔
(5) عمدۃ الذہب فی جمہرۃ انساب العرب لابن حزم ص 185 تہذیب الانساب للعبیدلی ص 33۔
(6) یراجع کتاب الحسن المثنی ولدہ عبداللہ من اصدارات البرۃ۔
(7) تاریخ دمشق ترجمہ (منذر بن زبیر) المحبر لابن حبیب 448۔
(8) جمہرۃ انساب العرب لابن حزم ص 38۔ أبناء الامام فی مصر والشام لابن طباطبا ص 77۔
(9) تاریخ الطبری 270/5۔ الکامل فی التاریخ لابن الاثیر (أحداث سنۃ 30ھ) وتاریخ ابن خلدون 135/2۔
(10) تاریخ ابن خلدون 128/2۔
(11) بخاری کتاب المناقب باب صفۃ النبی ﷺ (3349)۔
(12) الخراج لابی یوسف ص 43، مصنف عبدالرزاق 100/11، سیر اعلام النبلاء 259/3۔
(13) شرح نہج البلاغہ لابن ابی الحدید 215/12۔
(14) بحار الانوار مجلسی 38/10۔ مناقب آل ابی طالب لابن شہر آشوب 269/2۔
(15) ابن ابی شیبہ فی المصنف 224/15۔ تاریخ دمشق (ترجمہ حضرت عثمانؓ)(37694) 390/39۔ مسند اسحاق بن راہویہ (2088)
کتاب الشریعہ للآجری (434) البدایۃ والنہایۃ 36/8۔
(16) رواہ البخاری عن ابی بکرۃؓ فی کتاب الصلح باب قول النبی للحسن: ان ابنی ھذا سید۔ حدیث رقم (2704)۔
(17) انساب الاشراف للبلاذری (49/3)۔

Marfat.com

حضرت حسینؓ نے بھی بیعت سے نکار کیا۔ حضرت امیر معاویہؓ کی طرف سے اصرار ہوا تو حضرت حسنؓ نے معاویہؓ سے کہا کہ آپ حسینؓ سے اصرار نہ کریں۔ آپ کی بیعت کرنے کے مقابلہ میں انکو اپنا فخر عزیز تر ہے۔ یہ سن کر امیر معاویہؓ خاموش ہو گئے لیکن بعد میں پھر حسینؓ نے بھی امیر معاویہؓ سے بیعت کر لی۔ اس سفر میں امیر معاویہؓ کے ہمراہ عمرو بن العاصؓ بھی موجود تھے۔ انہوں نے امیر معاویہؓ سے کہا کہ اب آپ حسنؓ سے فرمائش کیجئے کہ وہ مجمع عام کے روبرو ایک خطبہ بیان فرمائیں۔ امیر معاویہؓ نے اس رائے کو پسند کیا اور ان کی درخواست کے موافق حضرت حسنؓ نے خطبہ ارشاد فرمایا کہ:

''مسلمانو! میں فتنے کو بہت مکروہ رکھتا ہوں۔ اپنے جد امجد کی امت میں سے فساد اور فتنے کو دور کرنے اور مسلمانوں کی جان و مال کو محفوظ رکھنے کے لئے میں نے حضرت امیر معاویہؓ سے صلح کی اور انکی امیر اور خلیفہ تسلیم کیا۔ اگر امارت اور خلافت ان کا حق تھا تو ان کو پہنچ گیا اور اگر یہ میرا حق تھا تو میں نے انکو بخش دیا''

آنحضرت ﷺ کی پیش گوئی

اس کے بعد صلح کے تمام مدارج طے ہو گئے اور آنحضرت ﷺ کی وہ پیش گوئی بھی جو حضرت حسنؓ کی نسبت آپ نے ارشاد فرمائی تھی۔ پوری ہو گئی۔ کہ ''میرا یہ بیٹا سردار ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کے دو گروہوں میں صلح کرا دے گا''

حضرت حسنؓ منبر سے اترے تو امیر معاویہؓ نے بے ساختہ ان سے مخاطب ہو کر کہا کہ:

''ابو محمد! آپ نے آج اس قسم کی جواں مردی اور بہادری دکھائی ہے کہ ایسی جواں مردی اور بہادری آج تک کوئی بھی نہ دکھا سکا''

یہ صلح سنہ ۴۱ھ میں حضرت علیؓ کی شہادت سے چھ ماہ بعد وقوع پذیر ہوئی، اس لئے سنہ ۴۱ھ کو عام الجماعت کے نام سے موسوم کیا گیا۔

بعد تکمیل صلح حضرت امیر معاویہؓ کوفہ سے دمشق کی جانب روانہ ہوئے اور جب تک حضرت حسنؓ زندہ رہے انکے ساتھ امیر معاویہؓ نے بڑی تکریم و تعظیم کا برتاؤ کیا اور برابران کی خدمت میں حسب قرارداد صلح نامہ روپیہ بھیجتے رہے۔ امیر معاویہؓ کے کوفہ سے واپس چلے جانے کے بعد اہل کوفہ نے آپس میں یہ چرچا کرنا شروع کر دیا کہ صوبہ اہواز کا اخراج تو ہمارا مال غنیمت ہے۔ ہم حسنؓ کو ہرگز نہ لینے دیں گے۔ حضرت حسنؓ نے سن کر اہل کوفہ کو جمع کیا اور انکے سامنے تقریر کی کہ:

''اے اہل عراق! میں تم سے بارہا درگزر کر چکا ہوں۔ تم نے میرے باپ کو شہید کیا، میرا گھر بار لوٹا، مجھے نیزہ مار کر زخمی کیا۔ تم دو قسم کے مقتولین کو یاد رکھتے۔۔۔۔ ایک وہ لوگ جو صفین میں مقتول ہوئے، دوسرے وہ جو نہروان کے مقتولین کا معاوضہ طلب کر رہے ہیں۔ معاویہؓ نے جو معاملہ تم سے کیا ہے اس میں تمہاری کوئی عزت بھی نہیں اور انصاف بھی یہی ہے۔ پس اگر تم موت پر راضی ہو تو میں اس صلح کو فسخ کر دوں اور تیغ تیز کے ذریعہ فیصلہ طلب کروں اور اگر تم زندگی کو عزیز رکھتے ہو تو پھر میں اس

Marfat.com

صلح پر قائم ہوں"

یہ سنتے ہی ہر طرف سے آوازیں آنے لگیں کہ صلح قائم رکھیے۔ بات یہ تھی کہ حضرت حسنؓ اہل کوفہ کی کم ہمتی اور بیوقوفی سے خوب واقف تھے۔ انہوں نے صرف دھمکی سے انکو سیدھا کرنا مناسب سمجھا۔ حضرت امیر معاویہؓ اب بلا اختلاف عام عالم اسلام کے خلیفہ ہو گئے۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ جو معاملات ملکی سے قطع تعلق کر کے اونٹوں اور بکریوں کو چرانے اور گوشہ نشینی کے عالم میں مصروف عبادت رہتے تھے۔ انہوں نے بھی حضرت امیر معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔ غرضکوئی ایسا قابل تذکرہ شخص باقی نہ رہا جس نے جلدیا کچھ تامل کے بعد حضرت امیر معاویہؓ کو خلیفہ وقت تسلیم کرے بیعت نہ کی ہو۔ بعد انعقاد صلح حضرت حسنؓ چند روز کوفہ میں رہے پھر کوفہ کی سکونت ترک کر کے مع جملہ متعلقین مدینہ منورہ کی جانب روانہ ہوئے۔ اہل کوفہ تھوڑی دور تک بطریق مشایعت ہمراہ آئے۔ مدینہ آکر پھر آپ نے کبھی کسی دوسری جگہ کی سکونت کا قصد نہیں فرمایا۔

امام حسنؓ کی زہر سے شہادت

حضرت قتادہؓ سے منقول ہے کہ حضرت حسنؓ نے مرض وصال میں اپنے بھائی حضرت حسینؓ سے فرمایا مجھے تین دفعہ زہر دیا گیا۔ مگر اس دفعہ جو زہر دیا گیا ہے اس نے میرے جگر کو کاٹ ڈالا ہے۔ حضرت حسینؓ نے پوچھا یہ زہر کس نے دیا ہے؟ حضرت حسنؓ نے پوچھا یہ سوال کیوں کر رہے ہو؟ کیا اسے قتل کرنا چاہتے ہو؟

اکلھم الی اللہ عزوجل: میں نے تو یہ معاملا اللہ کے سپرد کر دیا ہے

دوسری روایات کے الفاظ ہیں

لئن کان الذی اظن فا للہ اشد نقمۃ و ان کان غیرہ فلا یھد ان یقتل برای

اگر معاملہ میرے گمان کے مطابق ہے تو اللہ تعالیٰ سب سے سخت انتقام لینے والا ہے۔ اور اگر معاملہ اس کے علاوہ ہے تو میں اپنی رائے کی بنیاد پر قتل نہیں کرنا چاہتا۔ (ذخائر العقبیٰ 151)

مجھے رسول اللہ ﷺ کے پہلو میں دفن کرنا

جب مرض شدید ہو گیا تو سیدہ عائشہ صدیقہؓ کے پاس پیغام بھیجا کہ اگر اجازت ہو تو میں آپ ؓ کے حجرہ میں رسول اللہ ﷺ کے پہلو میں تدفین ہونا چاہتا ہوں۔

سیدہ عائشہؓ نے جواباً فرمایا: آپؓ کی تمنا و آرزو کی تکمیل میرے لئے سعادت ہے۔

اس کے بعد آپؓ نے حضرت حسینؓ کو بطور وصیت فرمایا:

جب میں فوت ہو جاؤں تو حضرت عائشہؓ کی خدمت میں عرض کرنا کہ مجھے نبی ﷺ کے پہلو میں دفن کی اجازت دیجیے۔ میں نے آپؓ سے اجازت چاہی تھی جو انہوں نے قبول کر لی تھی۔ ممکن ہے میری حیا ہو، اگر وہ اجازت دے دیں تو ان کے حجرہ میں دفن کر دینا اور میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ کچھ لوگ وہاں میری تدفین نہیں ہونے دیں گے، اگر ایسا ہو تو جھگڑا نہ کرنا مجھے

Marfat.com

جنت البقیع میں دفن کر دینا"۔

سیدہ عائشہؓ کی اجازت، مگر مروان کا انکار

جب آپؓ کا وصال ہو گیا تو حسب وصیت حضرت حسینؓ نے ام المومنین سیدہ عائشہؓ کی خدمت اقدس میں پیغام بھیجا کہ بھائی جان نے آپؓ سے حضور ﷺ کے پہلو میں دفن ہونے کی اجازت طلب کی تھی جو آپؓ نے منظور فرمائی تھی لیکن انہوں نے فرمایا تھا کہ وصال کے بعد دوبارہ پوچھ لینا۔ اس بارے میں ہمارے لئے کیا حکم ہے؟ جواباً آپؓ نے یہ کلمات ارشاد فرمائے:

نعم و کرامة

ہاں! میرے لئے یہ سعادت ہوگی (اسد الغابہ 16/2)

دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں: حباً و کرامة : یہ میں خود چاہتی ہوں اور یہ میرے لئے سعادت ہے (ذخائر العقبی 152)

مروان کو پتہ چلا تو اس نے یہ اعلان کر دیا کہ حکومت حضرت حسنؓ کو وہاں نہیں دفن ہونے دے گی۔ قریب تھا کہ لوگ مروان کے خلاف مسلح ہو کر لڑائی کرتے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کو پتہ چلا تو فرمایا:

واللہ ما ھو الاظلم بمنع حسن ان یدفن مع ابیه واللہ انه لا بن رسول اللہ ﷺ (الاستیعاب 377/1)

اللہ کی قسم حضرت حسنؓ کو نانا جان کے ساتھ دفن ہونے سے روکنا ظلم کی انتہا ہے اللہ کی قسم وہ رسول اللہ ﷺ کے بیٹے (نواسے) ہیں۔

حضرت حسنؓ حضرت حسینؓ کی وفات پر صبر و تحمل کا مظاہر کرنا

پھر حضرت ابو ہریرہؓ نے حضرت حسینؓ سے ملاقات کی اور عرض کیا کہ مروان فتنہ برپا کرنا چاہتا ہے۔ آپؓ اسے ناکام بنائیں۔ چونکہ حضرت حسنؓ نے وصیت کے وقت یہ بھی فرمایا تھا کہ اگر لوگ رکاوٹ بنیں تو مجھے جنت البقیع میں دفن کر دینا۔

ودفن الی جنب امه فاطمةؓ

لہذا آپؓ کو آپؓ کی والدہ ماجدہ سیدہ فاطمہؓ کے پہلو میں دفن کر دیا گیا۔ (الاستیعاب 377/1)

زہر کا افسانہ

سنہ ۵۰ یا سنہ ۵۱ ھ میں آپ نے وفات پائی۔ عام طور پر یہ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کو آپ کی بیوی جعدہ بنت الاشعث نے زہر دیا تھا مگر جبکہ خود حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو بھی تحقیق نہ ہو سکا کہ زہر کس نے دیا اور کیوں دیا۔ تو دوسروں کا حق نہیں ہے کہ وہ سینکڑوں ہزاروں برس کے بعد یقینی طور پر اسے مجرم قرار دیں۔

وفات کے بعد حضرت حسنؓ نے حضرت حسینؓ سے کہا کہ آنحضرت ﷺ کے بعد حضرت علیؓ تک خلافت پہنچی اور تلواریں میانوں سے نکل آئیں اور یہ معاملہ طے نہ ہوا۔ اب میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ نبوت اور خلافت ہمارے خاندان میں جمع نہیں رہ سکتیں۔ یہ بھی ایک اندیشہ ہے کہ سفہائے کوفہ تم کو یہاں سے نکالنے کی کوشش کریں گے، تم ان کے فریب میں نہ آنا۔

Marfat.com

اب لوگوں کا خیال ہے کہ تم پوچھو گے تو نہ مانیں گی مگر میرے بعد تم ان سے پر دریافت کرنا۔ اگر وہ اجازت نہ دیں تو اصرار نہ کرنا۔ حضرت حسنؓ کی وفات کے بعد حضرت حسینؓ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ مجھے بسرو چشم منظور ہے۔ لیکن مروان نے جب یہ خبر سنی کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اجازت دے دی ہے تو وہ مانع ہوا۔ حضرت حسینؓ اور انکے ساتھی مسلح ہو کر چلے مگر حضرت ابو ہریرہؓ نے آ کر حضرت حسینؓ کو سمجھایا اور کشت وخون کے ارادے سے باز رکھا۔ چنانچہ حضرت حسنؓ کو ان کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہؓ کے پاس دفن کر دیا گیا۔ حضرت حسنؓ کے نو بیٹے اور چھ بیٹیاں کل پندرہ (۱۵) اولاد تھیں۔

خلافت حسنی پر ایک نظر

بعض مورخین نے حضرت حسنؓ کی شش ماہہ خلافت کو خلافت راشدہ میں شامل نہیں سمجھا کیونکہ وہ قلیل مدت کے لئے تھی اور نامکمل تھی۔ نامکمل کہنا اس لئے نادرست ہے کہ حضرت علیؓ کی خلافت کو بھی پھر تو نامکمل کہہ کر خلافت راشدہ سے خارج کرنا پڑے گا۔ حالانکہ یہ جائز نہیں۔ مدت خلافت کا کم ہونا بھی کوئی معقول وجہ نہیں ہے۔ حضرت حسنؓ کی خلافت پر اگر صبر وسکون کے ساتھ نظر ڈالی جائے تو وہ خلافت راشدہ کا نہایت ہی اہم حصہ ہے اور حضرت حسنؓ کی خلافت اگرچہ ملکی فتوحات اور جنگ وپکار کے ہنگاموں سے خالی ہے لیکن حضرت حسنؓ نے جنگ کے میدان گرم کئے بغیر اور خون کے دریا بہائے بغیر اسلام اور عالم اسلام کو اس قدر فائدہ پہنچایا جو شاید بیسیوں برس کی خلافت اور سینکڑوں لڑائیاں لڑنے کے بعد بھی نہیں پہنچایا جاسکتا تھا۔ خدمت اسلام کے اعتبار سے حضرت حسنؓ یقیناً خلفاء راشدین کے پہلو بہ پہلو جگہ پانے کا حق رکھتے ہیں۔ انہوں نے دس سال کی خانہ جنگی کو جس کے دور ہونے کی توقع نہ تھی، یک لخت دور کر دیا۔ انہوں نے منافقوں اور مسلم یہودیوں کی شرارتوں اور ریشہ دوانیوں کو جو دس سال سے نشو ونما پا کر اب بہت طاقتور اور عظیم الشان ہو چکی تھی یکا یک درہم برہم کر دیا اور شرارت پیشہ لوگ حیران ومبہوت ہو کر ان کا منہ تکنے لگے۔ انہوں نے دس سال سے رکی ہوئی فتوحات اسلامی کو پھر سے جاری ہونے کا موقع دیا۔ انہوں نے مشرکین کے اطمینان کو جو دس سال سے مسلمانوں کی خانہ جنگی کا تماشا مزے لیکر دیکھ رہے تھے، برباد کر دیا۔ انہوں نے ان خاراشگاف تلواروں اور آہن گداز نیزوں کا رخ دشمنان اسلام کی طرف پھیر دیا جو اس سے پہلے مسلمانوں کی گردنیں اڑانے اور سینے زخمی کرنے میں مصروف تھے۔ خالد بن ولیدؓ کے بعد خالد بن ولیدؓ سے بھی بڑھ کر بہادری کا نمونہ دکھایا جبکہ کوفہ میں امیر معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ان کے اپنے ان مختصر الفاظ سے کہ: ”اگر امارت وخلافت امیر معاویہؓ کا حق تھا تو ان کو پہنچ گیا اور اگر یہ میرا حق تھا تو میں نے انکو بخش دیا“ نہ صرف اسی زمانے کے مسلمانوں کو عظیم الشان درس معرفت حاصل ہوا بلکہ قیامت تک کے لئے مسلمانوں کی رہبری کا عظیم الشان کام انجام دینے کی غرض سے خونخوار و بے پناہ سمندروں کی تاریکیوں میں ایک لائٹ ہاؤس قائم ہو گیا۔ حضرت حسنؓ کے پاس چالیس ہزار جنگجو فوج موجود تھی، یہ فوج خواہ کیسے ہی بیوقوف اور متلون مزاج لوگوں پر مشتمل ہو اور ان سے کیسی گستاخیاں بھی سرزد ہوئی ہوں لیکن اہل شام اور امیر معاویہؓ سے لڑنے اور مارنے مرنے کا حلف سب

Marfat.com

اٹھائے ہوئے تھے۔ ایسی حالت میں ایک ۲۷ سالہ جوان العمر جنگ آزمودہ اور بہادر باپ کا بیٹا اپنے باپ کے رقیب اور مدمقابل سے دودو ہاتھ کئے بغیر ہرگز نہیں رہ سکتا تھا۔ حضرت حسنؓ یہ بھی جانتے تھے کہ تمام عالم اسلام اس بات سے واقف ہے کہ ہمارے ساتھ آنحضرت ﷺ کو کس قدر محبت تھی اور ان کو حضرت علیؓ سے بھی زیادہ اس بات کا موقع حاصل تھا کہ وہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور عالم اسلام کے تمام مسلمانوں کی حمایت و ہمدردی کو تھوڑی سی مدت اور بڑی آسانی سے اپنی طرف جذب کر سکیں۔ ہم چشموں، بھائیوں، ماتحتوں، جنگی افسروں کی ترغیب اور صلح کی حالت میں طعن و تشنیع بھی ان کے لئے دامن گیر تھے۔ وہ خود سپہ سالاری کی قابلیت اور شہنشاہی کی اہلیت بخوبی رکھتے تھے۔ اولوالعزمی اور بلند ہمتی اس عمر کا خاصہ ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی ہزاروں ہزار اور بے شمار رحمتیں حضرت حسنؓ کی روح پر نازل ہوں کہ انہوں نے اخلاص، ایثار اور خدمت اسلام کا وہ بہترین نمونہ امت محمدیہ کے لئے چھوڑا، جس کی توقع خیر البشر، رحمتہ اللعالمین اور جامع جمیع کمالات انسانیت کے نواسے سے ہو سکتی تھی۔ اے حسنؓ! تو نے مسلمانوں کے دو ٹکڑوں کو آپس میں ملا کر ایک کر دینے کا وہ عظیم الشان کام کیا ہے جو دو لخت شدہ کرہ زمین کے جوڑے، شق شدہ آسمان کا باہم جوڑ ملانے سے بھی زیادہ مشکل کام تھا۔ اے حسنؓ! تو نے اپنی مدت خلافت میں کوئی میدان کارزار گرم نہیں کیا لیکن تو نے دنیا کے تمام بہادروں، تمام شمشیر زنوں، تمام سپہ سالاروں، تمام ملک گیروں، تمام شیر افگنوں کی سرداری حاصل کر لی۔ اے حسنؓ! تیرے ہی فعل حسن کا نتیجہ ہے کہ مسلمانوں نے بحر روم اور بحر روم کے جزیروں پر قبضہ کیا۔ قسطنطنیہ کی فصیل تک پہنچ کر عیسائی شہنشاہی کو ذلیل و فضیحت کیا۔ طرابلس الغرب، مراکو، اسپین، سندھ، افغانستان، ترکستان وغیرہ ممالک اسلامی حکومت میں شامل ہو گئے۔ اے حسنؓ! تو نے عالم اسلام میں زندگی کی روح پھونک دی۔ اے حسنؓ! تو نے اپنی شرافت کا نمونہ دکھا کر کشت اسلام کو از سر نو سرسبز کیا۔ اے حسنؓ! مسلمانوں کی ہر ایک کامیابی، مسلمانوں کی ہر ایک فتح مندی، مسلمانوں کی ہر ایک سربلندی تیری روح پر رحمت الٰہی کی ایک بارش بن جاتی ہو گی۔ اے فاطمۃ الزہرہؓ کے لاڈلے، اے خاندان ابی طالب کے ماہتاب اور اے امت مسلمہ کے چشم و چراغ میری روح تیری محبت میں گداز ہے۔ میرا دل تیری عزت و عظمت سے لبریز ہے۔ میرے جسم کے ہر رونگٹے اور میرے بدن کے ہر ذرے سے تیری مدح و ثنا کا ایک شور برپا ہے۔ تیری بہادری کوہ ہمالیہ سے زیادہ عظیم الشان ہے۔ تیری مردانگی بحر الکاہل سے زیادہ شوکت و جبروت رکھتی ہے۔ او اشجع الناس اور اہل جنت کے سردار میری طرف سے لاتعداد سلام وصلوٰۃ و برکات قبول فرما اور قیامت کے او بہادر مجھ کو بھول نہ جا، والسلام۔

خلافت راشدہ کی خصوصیات

خلافت راشدہ کی تاریخ ختم ہو چکی ہے۔ خلافت راشدہ کے بعد خلافت بنوامیہ کا بیان شروع ہو گا۔ خلافت بنوامیہ اور اسکے بعد قائم ہونے والی دوسری خلافتوں کے مقابلہ میں خلافت راشدہ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ خلفاء راشدین میں سے ہر ایک خلیفہ مسلمانوں کی صاحب الرائے جماعت کے انتخاب سے مقرر ہوتا تھا۔ اگر کسی خلیفہ کو اس کے پیشتر خلیفہ نے پہلے ہی سے نامزد اور تجویز کیا تو یہ نامزدگی اور تعین بھی صاحب الرائے حضرات سے مشورہ لینے کے بعد عمل میں آتا تھا۔ جس میں وراثت اور

Marfat.com

خاندانی حقوق کو مطلق دخل انداز نہیں ہونے دیا جاتا تھا۔ دوسری خلافتوں میں یہ طرز پسندیدہ نہیں پائی گئی بلکہ وراثت وولی عہدی کی نامعقول رسم جاری ہوگئی۔ خلافت راشدہ میں مسلمانوں کو معاملات حکومت اور انتظام سلطنت میں دخل دینے، اعتراض، جواب طلب کرنے، مشورہ دینے کا پورا پورا حق حاصل تھا لیکن بعد کی خلافتوں میں یہ حق مسلمانوں کو نہیں مل سکا۔ خلافت راشدہ میں خلفاء راشدین کی حیثیت ظاہری، ان کا لباس، ان کا مکان، انکی سواری، ان کی خورک، انکی نشست برخاست سب عام لوگوں کی مانند ہوتی تھی۔ خلیفہ کو دوسرے لوگوں پر کوئی فوقیت نہ تھی لیکن بعد کی خلافتوں میں خلیفہ کی شان شاہانہ اور دوسروں سے بہت برتر واعلیٰ ہوتی تھی۔ خلافت راشدہ میں خلفاء اپنے اختیار سے ایک پائی بھی اپنی ذات کے لئے یا بلا استحقاق کسی اپنے عزیز و رشتہ دار کے خرچ نہیں کر سکتے تھے لیکن بعد کی خلافتوں میں عام طور پر خلیفہ بیت المال کا مالک سمجھا جانے لگا اور اپنے اختیار سے لوگوں کو بلا استحقاق بھی انعام واکرام دیتا اور کوئی اعتراض کی جرات نہ کر سکتا تھا۔

خلفاء راشدین سب کے سب جلیل القدر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے تھے اور حضور نبی کریم ﷺ کی صحبت میں ہمیشہ رہتے تھے۔ بعد کی خلافتوں میں حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے سوا کوئی قابل تذکرہ صحابی خلیفہ نہ تھا۔

خلفاء راشدین سب کے سب ان لوگوں میں سے جو جنتی ہونے کی بشارت آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے سن چکے تھے لیکن بعد کی خلافتوں میں ایسے صحابہ نہیں پائے گئے۔ مسلمانوں کو اپنی اولاد سمجھ کر ان پر شفقت فرماتے تھے۔ مسلمانوں کو اپنا غلام نہیں جانتے تھے اور ان سے غلاموں کی طرح اپنے احکام کی تعمیل نہیں کراتے تھے۔ بعد کی خلافتوں میں اس کے برعکس اور حالات پیدا ہوئے اور خلفاء نے اپنے آپ کو قیصر وکسریٰ کا نمونہ بنا کر ظاہر کیا۔

خلفائے راشدین کی حکومت وسلطنت دنیوی اعتبار سے قیصر وکسریٰ کی طرف قہر وجبر کی حکومت نہ تھی۔ دینی معاملات میں بھی وہ بہ اختیار خود کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ جب کسی دینی مسئلہ میں اختلاف یا شبہ پیدا ہوتا تو دوسرے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بلا کر ان سے دریافت کرتے اور جو بات آنحضرت ﷺ سے ثابت ہو جاتی اس کے موافق احکام جاری کرتے۔ اگر کسی دینی معاملہ میں ان سے غلطی ہو جاتی اور بعد میں انکو اپنی غلطی کا احساس وعلم ہو جاتا تو فوراً اس کی اصلاح کر لیتے تھے۔ غرض دینی ودنیوی ہر دو پہلوؤں میں انکی سیادت وحکومت آج کل کی جمہوری حکومتوں کے صدر اور آج کل کے دینی علماء کی سیادت و حکومت سے بھی بہت ہی کم تھی۔ ان کا کام شریعت کے احکام کا نفاذ اور امن وامان کا قائم رکھنا تھا۔ ان کے زمانے میں لوگوں کو ہر قسم کی جائز آزادی حاصل تھی اور ہر چھوٹے سے چھوٹے معاملے میں ہر شخص ان سے جواب طلب کر سکتا تھا۔ ان کو اپنے احکام کے نافذ کرنے کے لئے کسی طاقت اور فوج کی ضرورت نہ تھی بلکہ ہر شخص ان کے حکم کو چاہے وہ اس کے خلاف ہو خود ہی اپنے اوپر جاری اور صادر کر لیتا اور اس کی تعمیل کرتا تھا جو دلیل اس امر کی ہے کہ ان کی حکومت محبت اور عقیدہ کی بنیاد پر قائم تھی۔ خوف و دہشت اور قہر وجبر کے ذریعہ قائم نہ تھی لیکن بعد کی خلافتوں میں احکام شرع کے نفاذ وقیام کا کام خلفائے نے خود چھوڑ کر مولویں، مفتیوں اور قاضیوں کے سپرد کر دیا۔ مساجد کے خطیب وامام الگ مقرر ہوئے۔ فوج اور خزانے کا اختیار اپنے قبضہ میں رکھ کر ان

Marfat.com

دونوں قوتوں کو استعمال مطلق العنان ہو کر شروع کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی حکومت وسلطنت، قہر و جبر، خوف و دہشت پر قائم ہوئی۔ لوگوں کی جائز آزادی چھن گئی۔ مذہبی احکام کے نفاذ و قیام میں بھی افہام وتفہیم اور رفع شکوک کی جائز آزادی لوگوں سے سلب ہوگئی۔ یہی وجہ ہے کہ آج کسی شخص کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ ایک معمولی نواب یا رئیس کی جس قدر ہیبت لوگوں کے دلوں پر طاری ہے اور وہ جس قدر اس کی تعظیم وتکریم بجالانا ضروری سمجھتے ہیں۔ خلفاء راشدین کی اس قدر ہیبت اور اس قدر تعظیم و تکریم خوف و دہشت کی وجہ سے کسی کے قلب پر طاری نہ تھی۔ ان کی ہیبت وعظمت شفیق استاد اور والدین کی ہیبت وعظمت کی مانند تھی۔ شیر مردم، درندہ مردم کش کی مانند تھی۔ آج ایک صوفی، ایک مفتی، ایک جبہ پوش مولوی کے قول وفعل پر نکتہ چینی کرتے ہوئے لوگ جس قدر ڈرتے اور خوف زدہ ہوتے ہیں، خلفاء راشدین کے قول وفعل پر اگر ذرا بھی شبہ ہوتا تھا تو لوگ آزادانہ اعتراض اور نکتہ چینی کرتے تھے۔

خلفائے راشدین ملکوں کے محاصل اور مال غنیمت کی آمدنی کو خزانہ میں ذخیرہ رکھنے کے عادی نہ تھے۔ جس قدر مال و دولت آتی وہ سب مسلمانوں میں تقسیم کر دیتے یا مسلمانوں کی بہتری کے کاموں میں خرچ کر دیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ بیت المال کا تمام مال خرچ کر کے بیت المال میں جھاڑو دلوا دیا کرتے تھے لیکن بعد میں قائم ہونے والی خلافتوں کی حالت اس کے خلاف رہی۔

خلفائے راشدین ہمیشہ خود حج کیلئے جاتے اور وہاں عالم اسلام کے ہر حصے اور اور ہر گوشے سے آئے ہوئے مسلمانوں سے ملتے اور ان کی ضرورتوں اور شکایتوں سے واقف ہو کر وہاں کے عاملوں کی قابلیت اور نا قابلیت سے واقف ہوتے۔ ضروری احکام جاری کرتے اور اس طرح حج کے موقع پر عظیم الشان اجتماع سے فائدہ اٹھا کر اپنے فرائض کو پورا کرتے۔ اگر کسی ضروری کام یا مجبوری کی وجہ سے خود حج کے لئے نہ جا سکتے تو اپنا قائم مقام بھیج کر ان ضرورتوں کو پورا کر لیتے تھے۔ لیکن خلافت راشدہ کے بعد حج کے اجتماع عظیم سے خلفاء نے یہ فائدہ اُٹھانا ترک کر دیا۔

خلفائے راشدین دار الخلافہ میں خود ہی نمازوں کی امامت کرتے اور جمعہ کا خطبہ بیان فرماتے تھے لیکن بعد میں صرف خلافت بنو امیہ کے اندر یہ رسم باقی رہی۔ ان کے علاوہ باقی خلافتوں میں خلفاء نے نمازوں کی امامت اور جمعہ کے خطبے دوسرے کے ذمے ڈال دیئے۔

خلفائے راشدین کے زمانے میں مسلمانوں کے اندر الگ الگ مذہبی فرقے اور جماعتیں قائم نہ تھیں۔ آپس میں اختلاف بھی ہوتا تھا لیکن دین وملت اور عقائد کے معاملے میں اس گروہ بندی کا نام ونشان بھی نہ تھا جو بعد میں پائی گئیں اور آج شیعہ، سنی، وہابی، حنفی، شافعی، قادری، چشتی وغیرہ سینکڑوں فرقے اپنی الگ الگ حیثیتیں قائم رکھنے پر مصر نظر آتے ہیں۔

خلفائے راشدین کے زمانے میں مذہب اور شریعت کے مقابلے میں کسی رشتہ داری، قومیت، ہم وطنی وغیرہ کی کوئی حقیقت نہ تھی۔ ان کے حالات پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بھائی بھائی کی پرواہ نہیں کرتا۔ باپ بیٹے کی رعایت ضروری نہیں سمجھتا۔ جبکہ دین وملت کا معاملہ درمیان آجائے۔ ہر شخص کو رائے کی آزادی حاصل تھی۔ خلیفہ کو سر منبر معمولی طبقہ کا آدمی روک اور

Marfat.com

حضرت فاطمہ الزہرہؓ کا جبہ مبارک

سریر حضرت فاطمہ الزہرہؓ

محراب حضرت فاطمہ الزہرہؓ

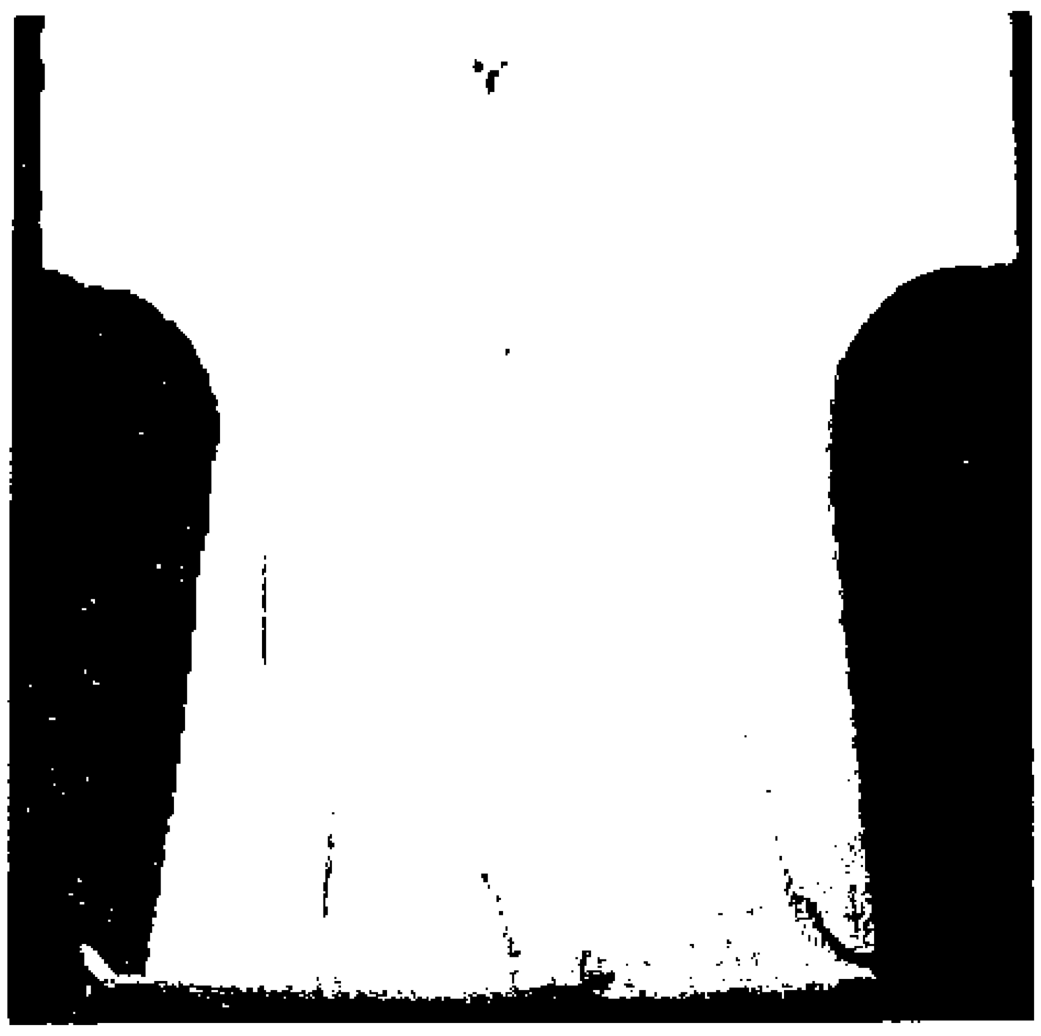

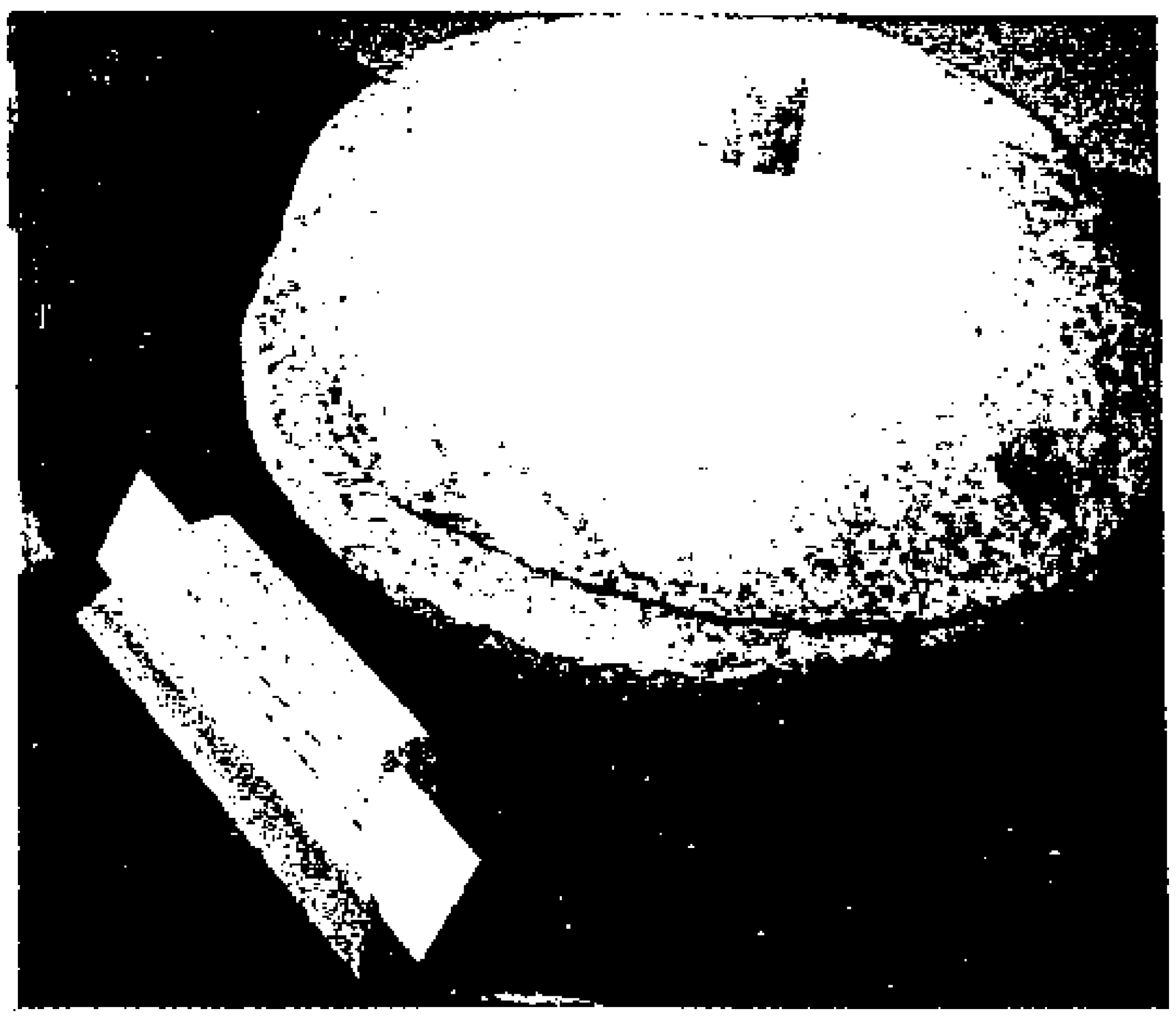

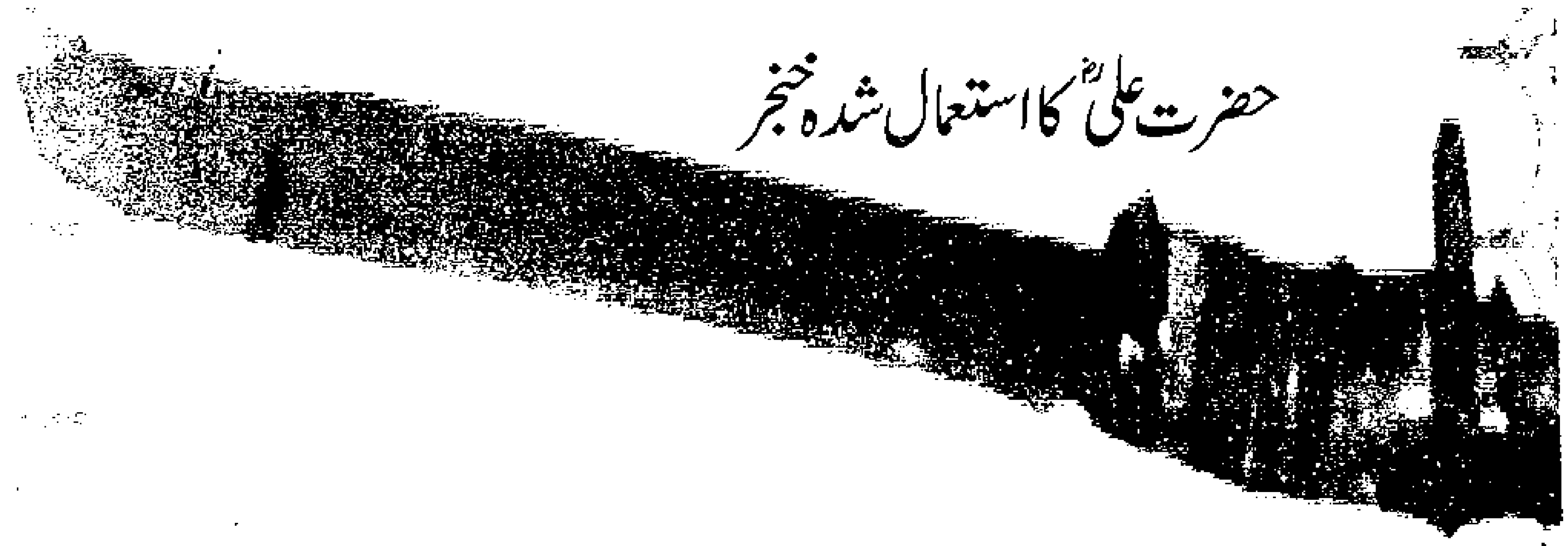

حضرت علیؓ کا استعمال شدہ خنجر

بنو ہاشم تبرکات میوزیم (فیصل آباد)

عمامہ حضرت علیؓ

قبر مبارک حضرت فاطمہ الزہرہؓ

قبر مبارک حضرت امام حسنؓ

Marfat.com

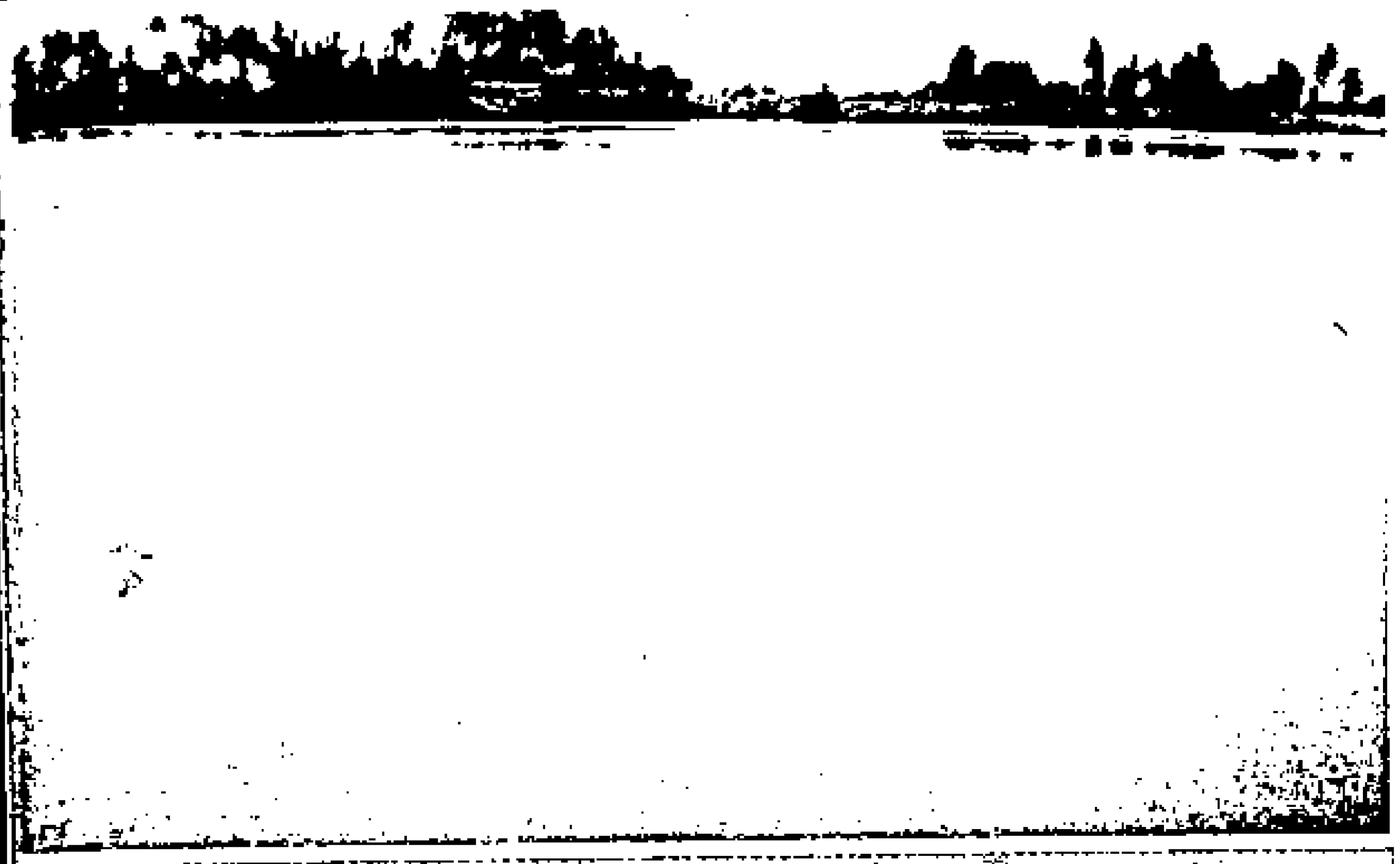

میدان کربلا کے متصل بہنے والے دریائے فرات کی ایک اہم نہر [illegible]

16 شہدائے کربلا کے سر مبارک کا جائے مدفن

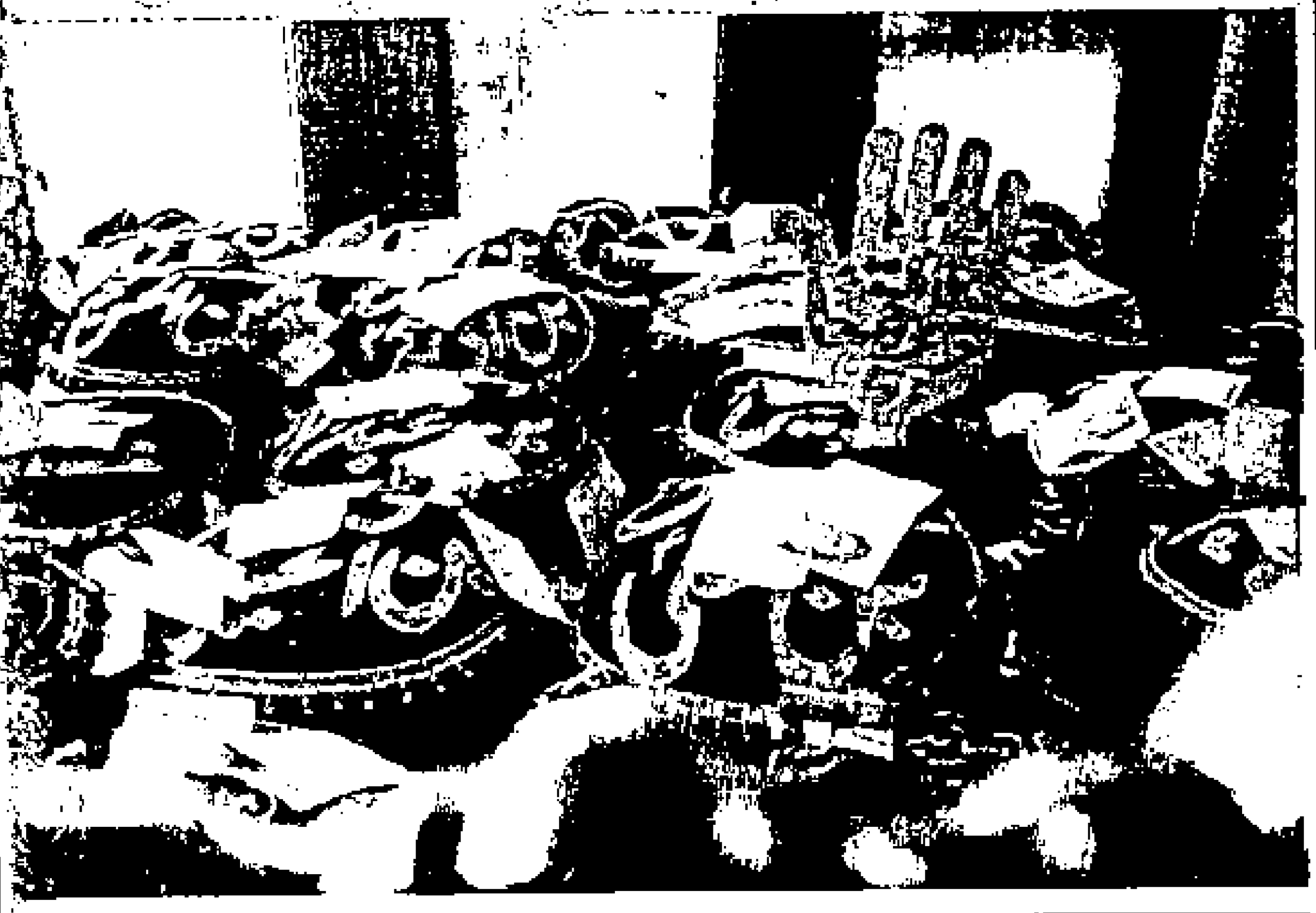

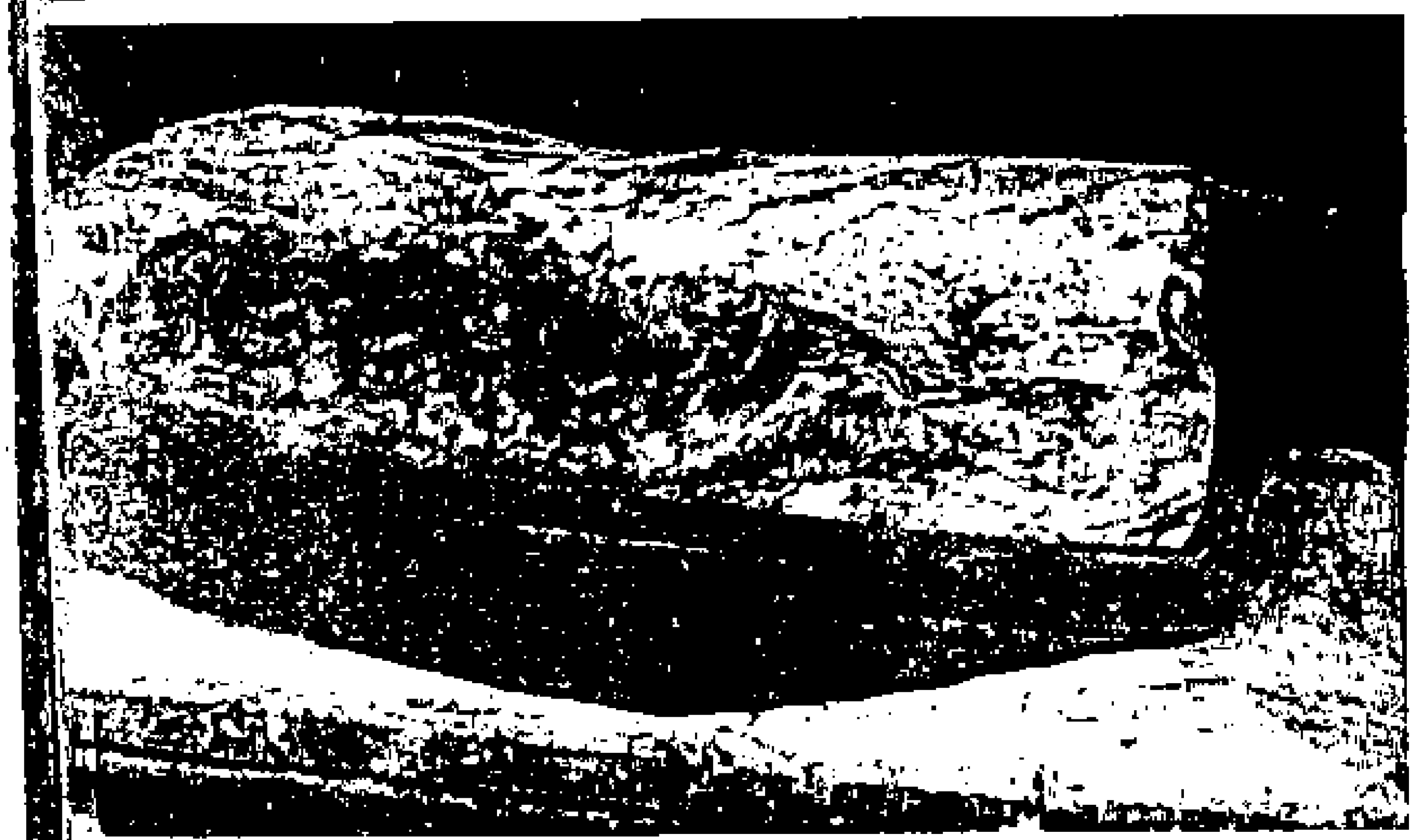

[illegible]

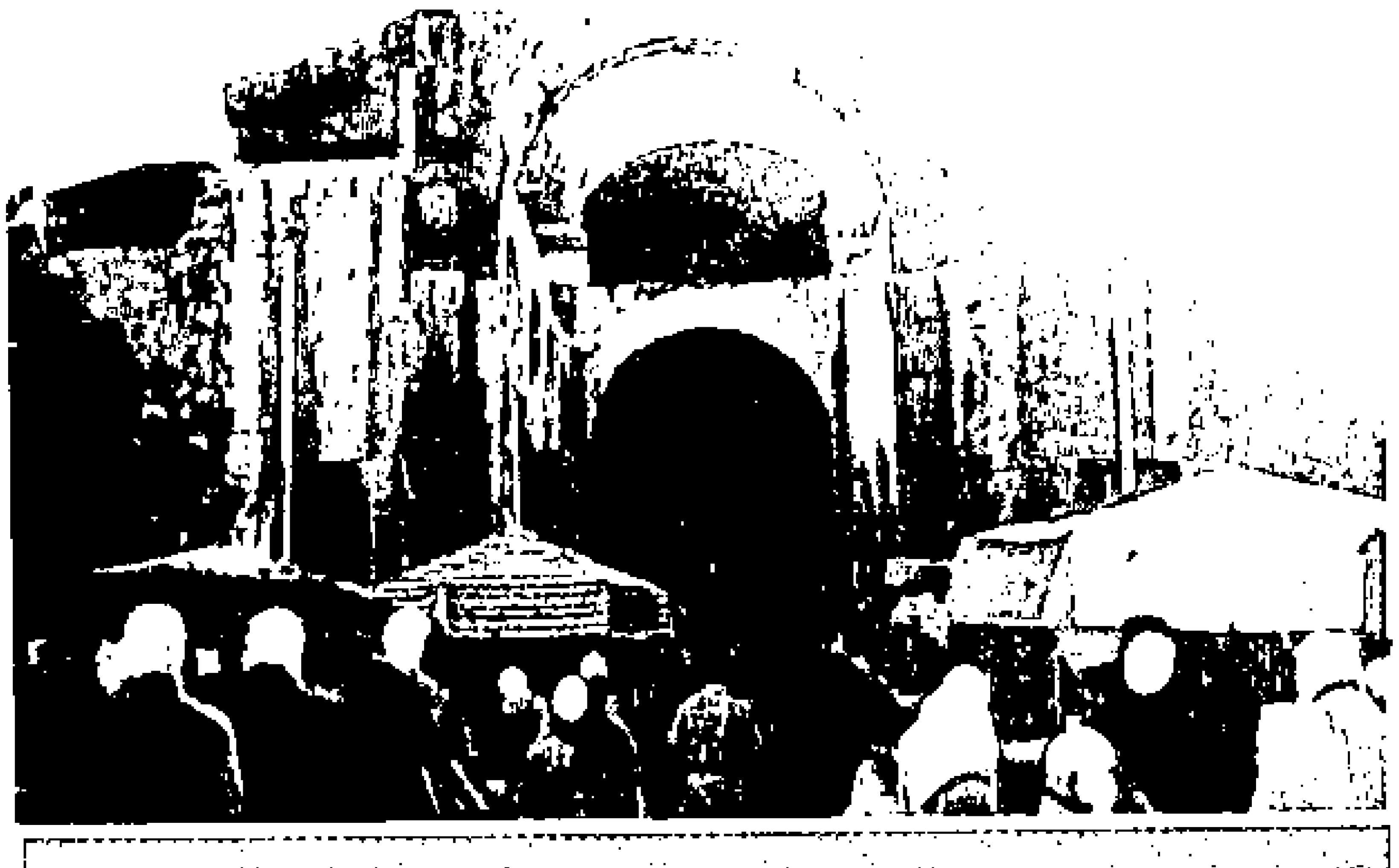

[illegible]

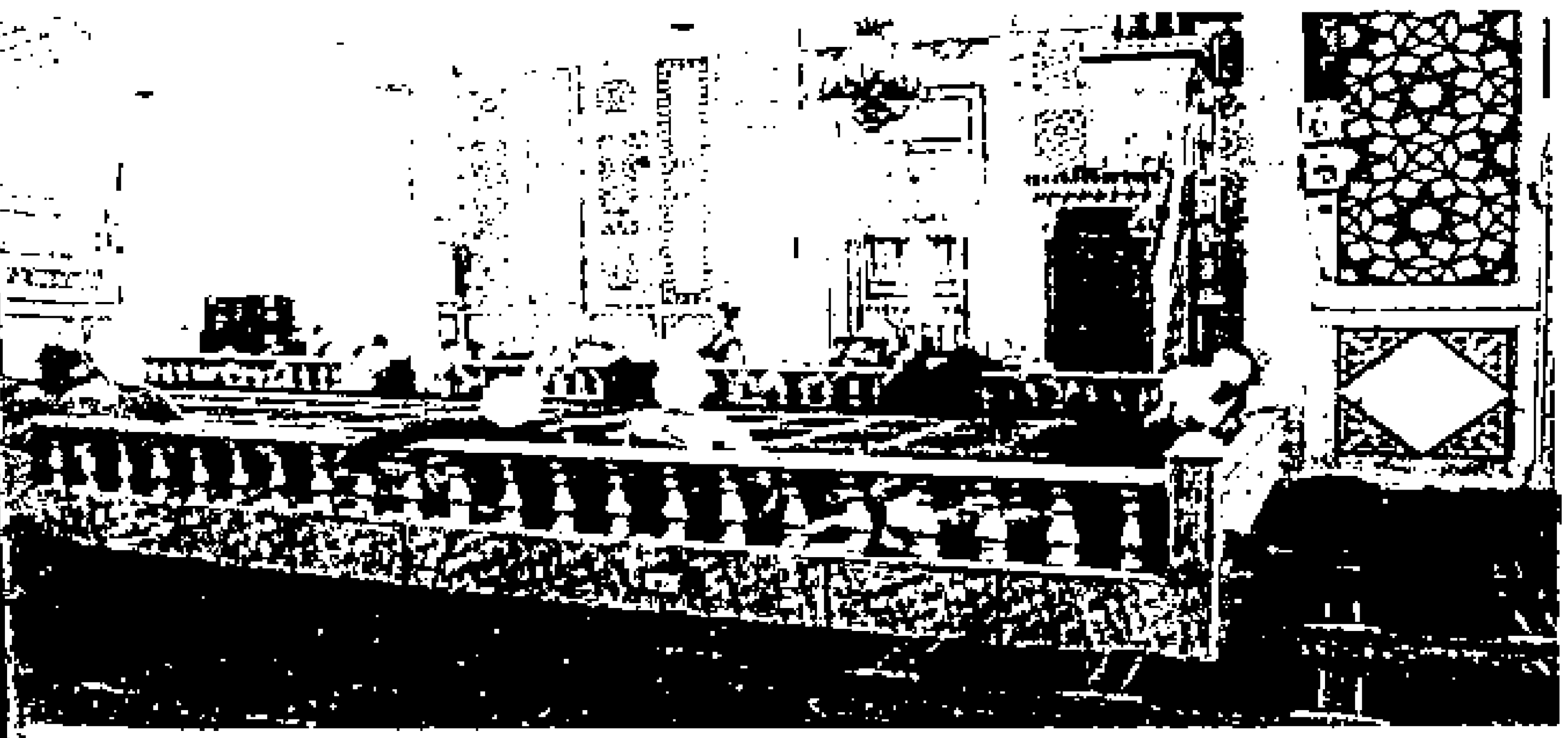

[illegible]

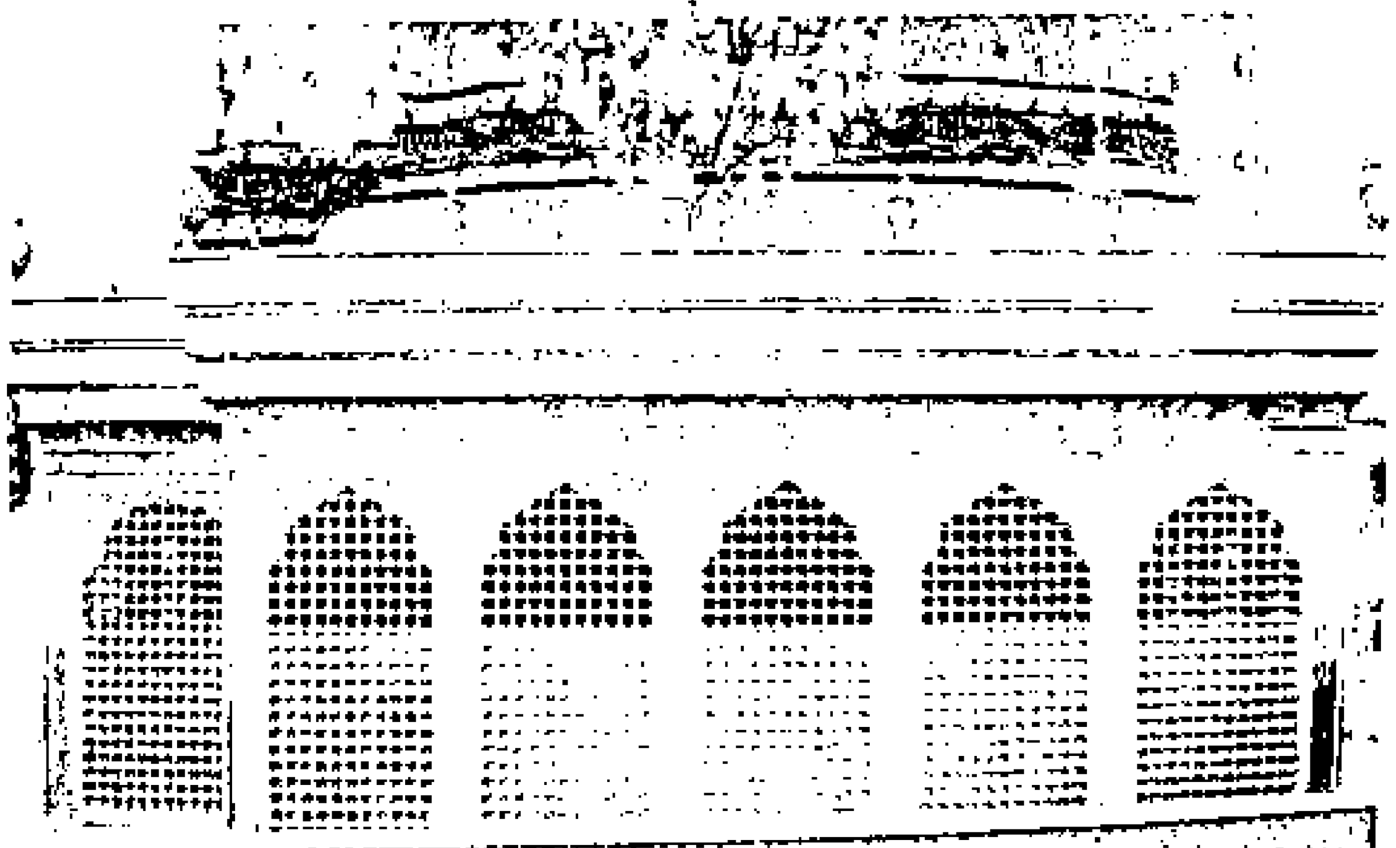

روضہ مبارک حضرت امام حسینؓ

Marfat.com

ٹوک سکتا تھا۔ بعد میں رائے کی یہ آزادی اور دین وملت کی یہ پاس داری کم ہوگئی تھی۔ خلفائے راشدین اپنے آپ کو مسلمانوں کو بادشاہ نہیں سمجھتے تھے بلکہ وہ اپنے آپ کو مسلمانوں کا خادم سمجھ کران کی خدمت کرتے اور مسلمانوں کا چرواہا اور چوکیدار سمجھ کران کی پاسبانی کرتے۔ خلفاء راشدین کو مسلمانوں کی صلاح وفلاح کا خیال سب سے زیادہ تھا۔ وہ اعلاء کلمتہ اللہ اور اجراء احکام شرع کے سب سے زیادہ خواہاں تھے لیکن ملک گیری ان کا نصب العین نہ تھا۔

حضرت امام حسینؓ

قبیلہ قریش

قریش کی سیادت، حق گوئی وبیباکی، پاکیزگیٔ اخلاق، شجاعت وبہادری فصاحت وبلاغت، مروت اور علوِ حسب نسب پر سارے عرب کا اتفاق ہے۔

بنو ہاشم

پھر قریش میں بنو ہاشم کو وہ مقام حاصل ہے جو ماہ تمام کو باقی ستاروں میں تاریخ کی کتابوں میں ان کے بارے میں اگرچہ مختصر اور ناکافی مواد ملتا ہے، لیکن جو کچھ ملتا ہے اس کو سامنے رکھا جائے تو اس سے ہم اندازہ کرسکتے ہیں کہ قریش کی یہ شاخ اپنے انسانی شعور اور اعتدال پسندی میں امتیاز رکھتی تھی دینی ودماغی طور پر بھی اس کو کسی قدر فوقیت حاصل تھی، بیت اللہ کا اللہ تعالیٰ کے یہاں جو مقام تھا، اس پر پختہ ایمان رکھتی تھی، ظلم وزیادتی کو گناہ سمجھنے کا شعور ختم نہیں ہوا تھا، ہٹ دھرمی اور ضد اس کا شعار نہیں تھا، ہمت بلند تھی، کمزوروں اور ضعیفوں پر رحم وشفقت کا برتاؤ کرتی، سخاوت وشجاعت اسکا مزاج تھا، غرض اخلاق وشرافت، سیر چشمی، حمیت اور جوش عمل کی وہ خصوصیات جن کے لئے عربی میں ایک جامع لفظ ''فروسیت'' کا ہے بدرجہ اتم موجود تھیں، ان کے اخلاق وسیرت رسول اللہ ﷺ کے آباؤ اجداد کے شایان شان تھے اور اسلام نے جن اخلاق عالیہ کی دعوت دی ہے ان سے ان کے اخلاق مناسبت رکھتے تھے۔

البتہ یہ ضرور ہے کہ ایک زمانہ تک وہ اپنی قوم وہم وطن قبائل کے عقائدِ جاہلیت اور غیر اللہ کی عبادت میں ان کے شریک ہوگئے تھے۔

خانوادۂ نبوت

یہی وہ گھر ہے جس سے چار دانگ عالم میں دین داری عام ہوئی، ایمان کا چرچا ہوا قرآن نغمے گونجنے لگے، محبت و مودت کا پرچار ہوا۔

یہی وہ گھر ہے جس کی چھت کے نیچے رسول اللہ ﷺ آرام فرما ہوتے تھے سیدنا جبریل امین علیہ السلام صبح شام حاضری دیا کرتے تھے، یہی گھر ہے جسے وحی الٰہی کا مہبط (اترنے کی جگہ) بننے کا شرف حاصل ہے۔ اللہ نے جسے ان اعمال سے نوازا اور منور فرمایا تھا جن کے ذریعے انعام کی تکمیل ہوتی ہے اور امت کے لئے عظیم رہنمائی کے حامل ہیں۔۔۔ جس کی عظمت

Marfat.com

شان اور بلندی مرتبت کے سامنے دنیا بھر کے گھر سرنگوں دکھائی دیتے ہیں۔ فصاحت و بلاغت کی دنیا اور تصوراتی نقشے اس کے جلال و جمال کے بیان سے سراپا عاجز نظر آتے ہیں۔ رحمت خداوندی اور سکینہ سے لبریز و سرشار ہے۔ بارگاہ خداوندی میں اسکا وہ مرتبہ اور مقام کہ دوسرا شخص جس کی تمنا اور خواہش کر ہی نہیں سکتا۔

نبوی خاندان اور اسکی بود و باش

یہ بات تو شکوک شبہات سے بالاتر ہے کہ اللہ جل جلالہ نے نبوی تہذیب، ثقافت اور بود و باش کو جو اعزاز و مقام مرحمت فرمایا ہے وہ دنیا کی کسی اور تہذیب کو حاصل نہیں، اس لئے کہ اس تہذیب کی اساس اور بنیاد وہ ایمان ہے جس کی وجہ سے ہر شے میں نور ایمانی سرایت کر چکا ہوتا ہے جس کی بدولت ہر شے نورانی و تاباں دکھائی دیتی ہے اور پھر معاشرے میں وہ اخلاق حمیدہ اور عظیم مقاصد پرورش پاتے ہیں جن سے باقی تمام معاشرے یکسر خالی نظر آتے ہیں۔

یہ وہ تہذیب و معاشرہ ہے جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اس مقدس جماعت نے پرورش پائی جو انبیاء علیہم السلام کے بعد خیر الخلائق کے لقب سے نوازدی گئی، نبوت کی نگرانی میں جن کی نگہداشت اور تربیت ہوئی، جنہیں قیادت نبوی ﷺ نے اخلاق حسنہ و اوصاف حمیدہ کے اس اعلیٰ ترین سانچے میں ڈھالا کہ پورے عالم میں ان کی مقبولیت اور پسندیدگی کا ڈنکا بجنے لگا۔ اسی طبقے کو رسول اللہ ﷺ نے "خیر القرون" جیسا درخشندہ لقب مرحمت فرمایا، جن کی عظمت و قیادت سنہری حروف میں تاریخی صفحات پر رقم ہوئی، اللہ نے اسلام اور مسلمانوں کو ان کے ذریعے عزت و وقار کی بلندیوں سے نواز کر قیامت تک آنے والی انسانیت کے لئے نمونہ اور معیار قرار دیا۔

سیدنا علی المرتضیٰؓ و سیدہ فاطمہؓ کی رہائش گاہ اور اسکا محل وقوع

حضرت علی و سیدہ فاطمہؓ کا دولت کدہ محل وقوع کے اعتبار سے نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات کے بعد مسجد نبوی کے سامنے واقع تھا، اس مکان کے مکینوں کی زندگی سراپا زہد و اخلاص عفت و غیرت، ایمان وللہیت، نظافت و سخاوت سے تعبیر تھی، عام گھروں کو اس مقدس مکان سے کیا مناسبت، یہ محض اللہ ہی کا فضل ہے جسے چاہتے ہیں عطا فرما دیتے ہیں، وہ بہت ہی بڑے فضل والا ہے۔ سیدنا حضرت امام حسینؓ سے متعلقہ جملہ نسبتیں اتنی عظیم اور محترم نسبتیں تھیں، کہ جن کی عظمت و برتری، فوقیت و فضیلت کے سامنے تمام حسب و نسب و نسبتیں لاشی اور ہیچ نظر آتی ہیں۔ مثلاً خیر القرون کا زمانہ، قبیلے کی عظمت و برتری، خانوادۂ نبوت، نبوی تربیت اور سیدنا علی و سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا معزز گھرانہ یہ اتنی اونچی و عالی مرتبت نسبت اور اعزاز ہے جس سے بڑھ کر کوئی اعزاز متصور نہیں ہو سکتا، اللہ تعالیٰ نے حق و سچ فرمایا:

رحمۃ اللہ و برکتہ علیکم اهل البیت انه حمید مجید" (هود. ۷۳)

یعنی (خانوادۂ ابراہیم کے بارے میں فرمایا) اس خاندان کے لوگو! تم پر اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں، بے شک اللہ حمد و ثنا کے لائق اور بڑی بزرگیوں والا ہے۔

Marfat.com

سیدنا ابراہیمؑ تک نسب عالی شان

سید حسینؓ بن سیدنا علیؓ بن ابی طالب بن عبدلمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکۃ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان بن ادو بن ہمسیع بن سلامان بن عوص بن بوز بن قموال بن ابی بن عوام بن ناشد بن حزا بن بلداس بن یدلاق بن طابخ بن جاحم بن ناخش بن ماخی بن عیض بن عبقر بن عبید بن الدعا بن حمدان بن سنبر بن یثربی بن یحزن بن یلحن بن ارعوی بن عیض بن دیشان بن عیصر بن افناد بن ایہام بن مقصر بن ناحث بن زارح بن سمی بن مزی بن عوضہ بن عرام بن قیدار بن اسماعیل ذبیح بن ابراہیم خلیل اللہ علیہما السلام۔ (سیرت ابن ہشام)

حضرت امام حسینؓ کی پیدائش کی بشارت

حضرت علیؓ کے گھر بیٹے کی پیدائش کی بشارت خواب میں ہوئی تھی حضور پاک کی چچی حضرت ام فضل جن کا نام کبانہ بنت جارب تھا۔ نبی پاک ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئیں حضرت ام فضل حضرت عباس کی بیوی تھی۔ حضرت عبداللہ ابن عباس کی والدہ تھیں اور نبی پاک ﷺ کی سگی چچی تھیں۔ نبی پاک سے فرمایا کہ رات میں جب میں بستر پر لیٹی تو میں نے نیند کی حالت میں بڑا خوفناک خطرناک ہیبت ناک خواب دیکھا اس خواب دیکھنے کے بعد سے پریشان ہوں، آپ نے فرمایا، پریشان نہ ہو، خواب بیان کریں میں نے دیکھا کہ جیسے آپ کے جسم مبارک کا ٹکڑا کٹ کر میری گود میں آ گیا ہے میں خواب دیکھ کر پریشان ہوں میں نہیں جانتی یہ کاٹنے والا کون ہے لانے والا کون ہے میری گود میں رکھنے والا کون ہے۔ جب نبی پاک نے چچی کا جواب سنا تو نبی پاک مسکرا پڑے۔ حضرت ام فضل سے فرمایا خواب مبارک ہے اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو میری بیٹی فاطمہ کے گھر ایک لڑکا پیدا ہو گا لیکن کھیلے گا۔ آپ کی گود میں پرورش بھی پائے گا۔ حضرت ام فضل فرماتی ہیں جیسے حضور پاک نے فرمایا تھا اللہ تعالیٰ نے اسی طرح فرمایا شعبان کا مہینہ تھا چار ہجری کا سال چل رہا تھا۔ اور 5 شعبان کو اللہ تعالیٰ نے حضرت فاطمہ کے گھر بیٹے کی پیدائش ہوئی۔ (سلطان کربلا دوئم صفحہ 19,18 سے ماخوذ)

دل کے آنگن پر غمِ کرب وبلا چھانے لگا
آنکھ میں اشکوں کا اک طوفاں سا منڈلانے لگا

لمحہ لمحہ شام کی پرچھائیاں ڈھلنے لگیں
یاد وہ شہزادۂ گلگوں قبا آنے لگا

کس نے ساحل آشنا کی کشتیٔ دینِ مُبیں
کس کی برکت سے پھریراحق کا لہرانے لگا

جب سے نوشِ جاں کیا جامِ شہادت آپ نے
موت کو بھی زندگی افزا کہا جانے لگا

(ابوبلال غلامِ مصطفےٰ المجد دی)

Marfat.com

شجرۂ نسبہ الطاہر

خاتم اانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ

علیؓ	حسینؓ	فاطمہؓ
ابی طالب	عبداللہ	
	عبدالمطلب	
	ابی	
ہاشم	قموال	عوام
عبد مناف	بوز	ناشد
قصی	عوض	حزا
کلاب	سلامان	بلداس
مرہ	ادو	طابخ
کعب	عدنان	جاحم
لوی	معد	ناخش
غالب	نزار	ماخی
فہر قریش	مضر	عیض
مالک	الیاس	عبقر
نضر	مدرکة	عبید
کنانہ		

خزیمہ

ابراهیم خلیل اللہؑ
اسماعیل علیہ السلام
قیدار
عرام
عوضہ
مزی
سمی
زارح
ناحث
مقصر
ایہام
افتاد
عیصر
دیشان
عیض
ارعویٰ
یلحن
یحزن
یثربی
سنبر
حمدان
الدعا

ولادت باسعادت

آپ ﷺ کا حضرت حسینؓ کے کانوں میں اذان واقامت کہنا

تحنیک، تسمیہ (نام رکھنا)

عقیقہ وختنہ وغیرہ

Marfat.com

حضرت امام حسینؓ کی جنگوں میں شرکت

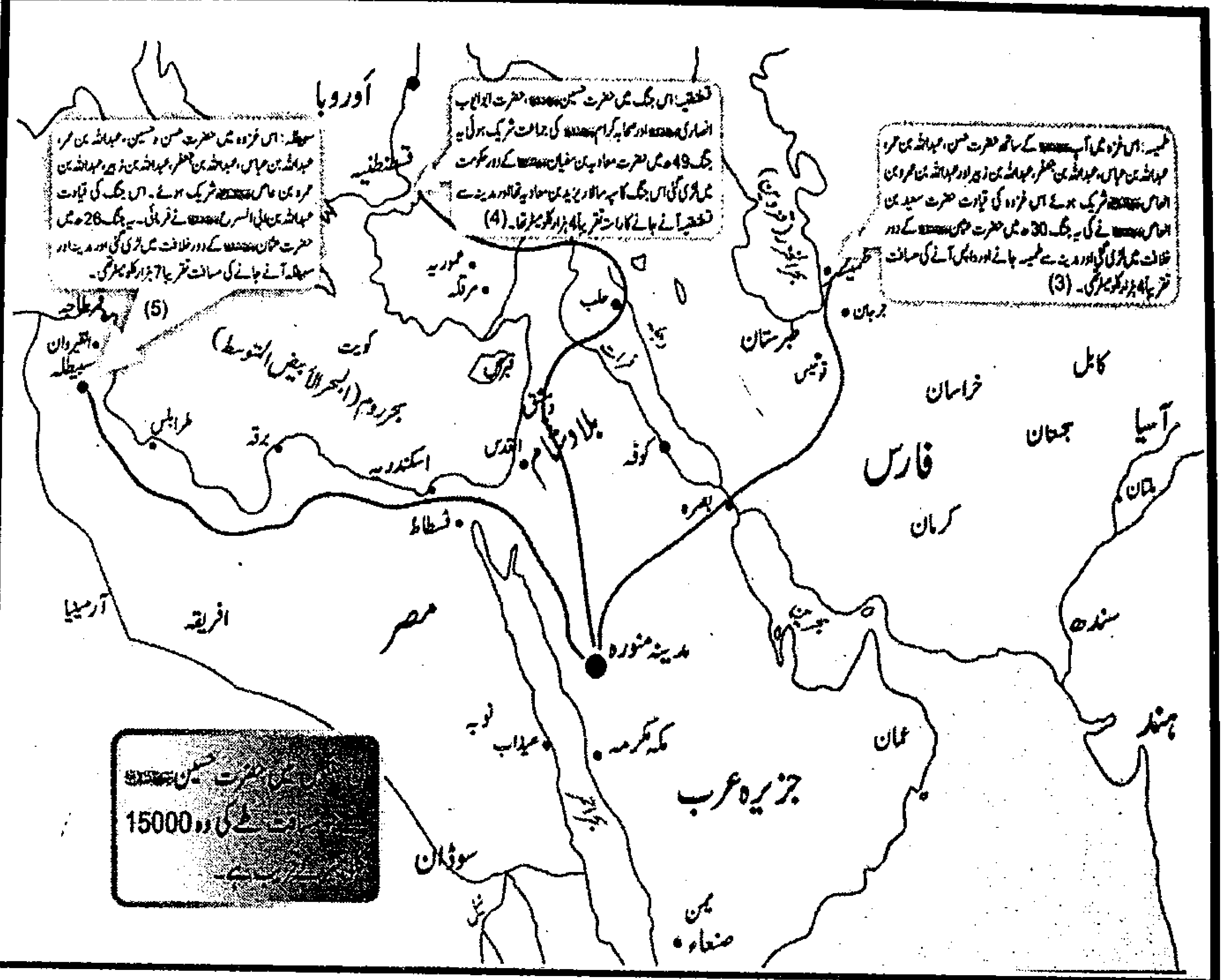

حضرت امام حسینؓ کی مقام شہادت

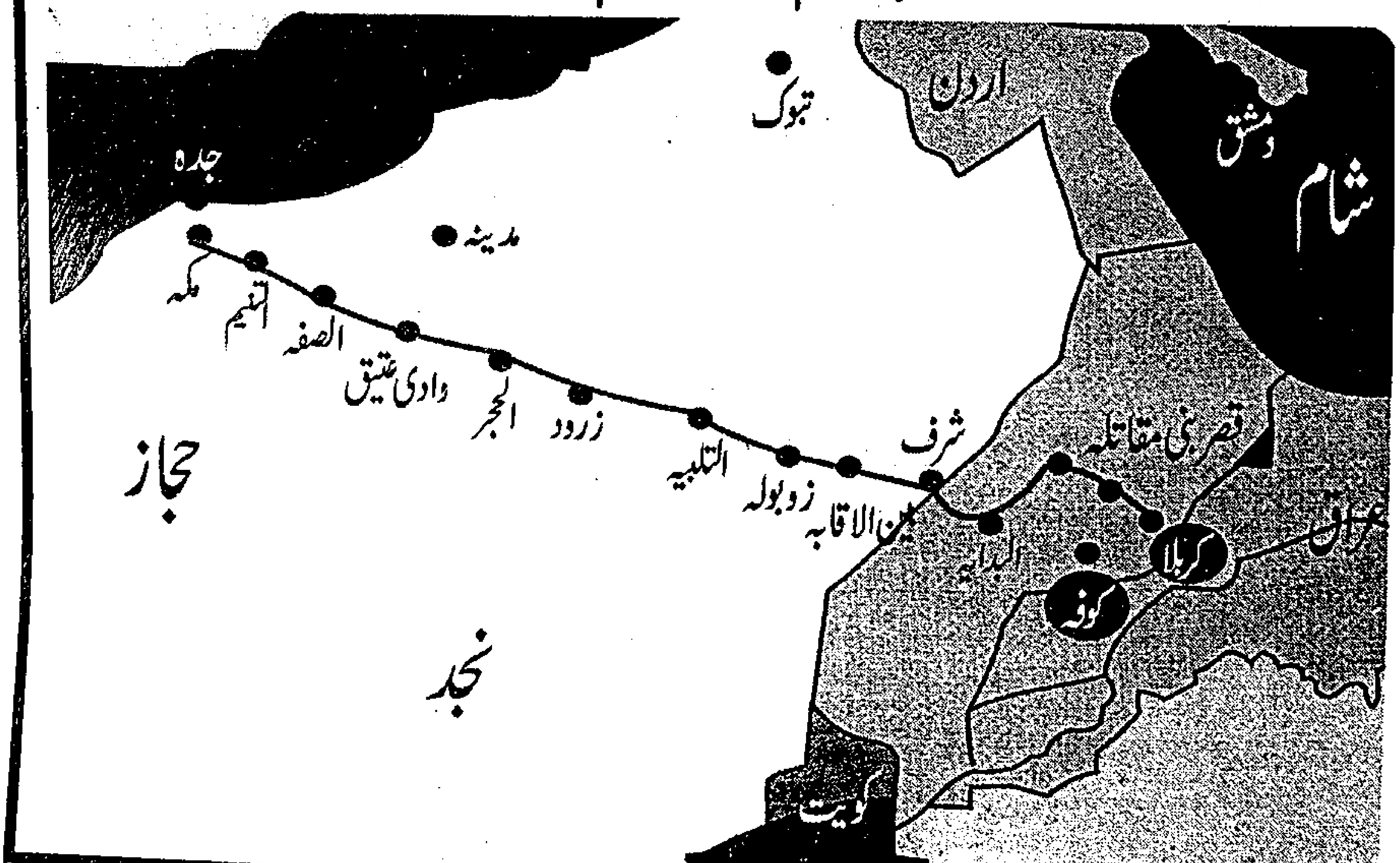

Marfat.com

قتلِ حسین اصل میں مرگِ یزید ہے   اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

حضرت امام حسینؓ کی پیدائش

5 شعبان کی صبح جب نبی پاک ﷺ فجر کی نماز سے فارغ ہوئے حضرت علیؓ کو اپنے پاس بلایا اور کسی صحابہ کو اطلاع دیئے بغیر مسجد نبوی سے باہر تشریف لے آئے اور سیدھے حضرت علی کے گھر کے قریب پہنچ گئے۔ حضرت علی کو دروازے پر کھڑے رہنے کا حکم فرمایا اور یہ حکم فرمایا کہ خیال رکھنا کہ جب تک میں اجازت نہ دوں کسی کو اندر داخل نہیں ہونے دینا۔ حضرت علی کو یہ خوشخبری سنائی کہ اللہ تعالیٰ نے ایک لڑکا عطا فرمایا ہے حسن مجتبیٰ کا بھائی دنیا میں تشریف لایا ہے۔ اسی وقت آسمانوں سے ہزاروں فرشتے بچے کی زیارت کے لئے اللہ تعالیٰ کے حکم پر آرہے ہیں۔ یہاں یہ اس بات کا ذکر بھی لازم ہے کہ حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہ کا نکاح عرش پر ہوا تھا اور اس نکاح کا حکم اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا۔

میرے آقا ﷺ گھر میں داخل ہوئے حضرت امام حسینؓ کو گود میں لیکر چوما شکل مبارک پر حضرت فاطمہ نے فرمایا کہ حضرت علی میرے آقا ﷺ کی شبیہ نظر آرہی ہے جس پر نبی پاک ﷺ مسکرا کر فرمایا آپ کا اندازہ صحیح ہے۔
ادھر مسجد نبوی میں صحابہ پریشان تھے، نبی پاک ﷺ کدھر تشریف لے گئے ہیں صحابہ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے فرمایا سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت علیؓ کے گھر پہنچے۔

حضور پاک کے جلیل القدر صحابہ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ پرسان بوئے خوش دارا کہ آنحضرت ازاں راہ گذشتہ بودمیروت وہ اسی راستے پر چل پڑتا جن راہوں پر حضور ﷺ چل کر تشریف لے جاتے۔ سرکار کی مخصوص خوشبو نبوت کی بھینی بھینی خوشبو حضور پاک کا پتہ بتادیتی تھی (سبحان اللہ)
(مدارج النبوت جلد اصفحہ 24 سرخ درود تاج صفحہ 159)

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت علیؓ نے فرمایا کہ نبی پاک کا پتہ کس سے نہیں پوچھا۔ بس سرکار کے جسم کی خوشبو سونگھتے سونگھتے یہاں تک پہنچ گیا ہوں۔ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ کو حضرت حسینؓ کی پیدائش کی خبر دی اور نبی پاک ﷺ کے پاس فرشتوں کی آمد کا معلوم ہوا تو آپ بھی حضرت علیؓ کے پاس تشریف فرما ہوگئے۔ اُس کے بعد حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت بلالؓ، حضرت جابرؓ، حضرت انسؓ، حضرت عباسؓ بھی تشریف لے آئے۔ اور نبی پاک ﷺ کا باہر انتظار فرمانے لگے۔
نبی پاک باہر تشریف لائے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے نواسے کی مبارک باد 4 لاکھ چوبیس ہزار فرشتے کی آنے کی خبر دی تو نبی پاک نے اس بات کی تائید فرمائی۔ (جامع المعجزات صفحہ نمبر 70,68)

Marfat.com

ایک فرشتے کی پیدائش کے وقت شہادت کی خبر دینا

حضرت امام حسین کی پیدائش پر ایک ایسا فرشتہ بھی آیا جس کے ہاتھ، پیر اور اڑنے والے پر موجود نہیں تھے۔ فرشتے کندھوں پر لیکر آئے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور جلال کی وجہ سے مجھے سزا دی گئی اور اللہ تعالیٰ نے مجھے زمین کے ایک جزیرہ پر گرادیا اور گزشتہ 7 سو سال ہو گئے حضرت محمد ﷺ نے فرمایا تو جزیرے میں قید تھا مدینے پھر کیسے آ گئے، عرض کی آقا سات سو سال سے جنگل میں پریشان رہا میں رو رو کر اللہ تعالیٰ کو سناتا رہا آج فرشتوں کا گذر یہاں سے ہوا تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ آپ میرے لئے دعا فرمادیں، اللہ پاک آپ کی دعا کو رد نہیں فرمائیں گے۔ آقا نے دعا فرمائی اور حضرت جبرائیلؑ آقا کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ حضرت امام حسینؓ کے جسم سے جو چادر لگی ہوئی ہو وہ چادر اُتار کر فرشتے کے جسم سے لگائیں، نبی پاک ﷺ نے حضرت امام حسینؓ سے چادر اتاری، فرشتے کے جسم سے لگائی اللہ تعالیٰ نے اسی وقت فرشتے کو ہاتھ، پاؤں اور اڑنے کی صلاحیت عطا فرمائی۔ (مسلم شریف جلد ۲ صفحہ 190، ذکر جمیل صفحہ 15، سلطان کربلا 41,40)

پھر حضرت امام حسینؓ کو دیکھنے لگا اور پھر زار و قطار رونے لگا، رونے کا سبب پوچھا تو فرشتے نے عرض کی حضور پاک حضرت امام حسینؓ کے غم میں رو رہا ہوں حضرت امام حسینؓ کو شریر فسادی لوگ شہید کریں گے۔ میرے آقا نے فرمایا کہ کون لوگ حسین کو شہید کردیں گے۔ فرشتے نے فرمایا کہ پوری تفصیل حضرت جبرائیل آپ کو بتادیں گے۔ حضرت جبرائیل نے عرض کی یارسول اللہ، اللہ تعالیٰ نے آج سے ایک ہزار سال پہلے اس فرشتے کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اس فرشتے کو بتایا تھا کہ سارے نبیوں کے بعد آخری نبی ﷺ جس پر نبوت ختم ہو گی اُن کو ایک نواسہ عطا کروں گا جس کا نام حسین ہوگا۔ یہ حسین جوان ہونے کے بعد میرے اسلام کی خاطر میرے دین کی خاطر مدینہ چھوڑے گا مکہ چھوڑ دے گا، کربلا کے تپتے ریگستان میں ڈیرے لگائے گا، بچے شہید کروائے گا، بھانجے شہید کرائے گا، بھائی شہید کرائے گا۔ پھر میرے دین کی خاطر تین دن کی بھوک پیاس برداشت کر کے خود بھی شہید ہو جائے گا۔ اے میرے فرشتے، جب میرے پیارا حسین شہید ہوگا اس کو قبر میں دفن کردیا جائیگا تو تو میرے حسین کی قبر پر چوکیدار بن کر پہرہ دے گا قیامت تک تو یہ ڈیوٹی دیتا رہے گا۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں، ابوبکرؓ نے عرض کی جی میرے آقا ﷺ نے فرمایا یہ بات کر کے سارے فرشتے آسمان کی طرف پرواز کر گئے۔

(سلطان کربلا 43,42، جامع المعجزات صفحہ 71,70)

ولادت باسعادت

۱۔ سیدنا حضرت حسین بن علیؓ کی ولادت باسعادت ہجرت کے چوتھے سال ۵ شعبان المعظم کو ہوئی۔ (البدایہ والنہایہ)

۲۔ ولادت کے بعد ایک سفید کپڑے میں لپیٹ کر آپؓ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کئے گئے، نبی کریم ﷺ نے آپ ﷺ کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت فرمائی، تحنیک کا عمل فرمایا، لعاب دہن منہ میں ڈالا اور برکت

Marfat.com

کی دعا فرمائی، سر پر زعفرانی خوشبو مل کر ان کی والدہ حضرت فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سپرد فرمایا، ساتویں روز سر کے بال مونڈ کر ان کے ہم وزن چاندی صدقہ کی، نام رکھا اور عقیقے میں دو مینڈھے ذبح کیے، ایک ران دایہ کو دی اس کے بعد ختنہ کیا گیا۔ (الدر المستطاب)

آپ ﷺ کا حضرت حسینؓ کے کان میں اذان دینا

۳۔ عاصم بن عبید اللہ علی بن حسینؓ سے روایت فرماتے ہیں اور وہ حضرت ابو رافع سے روایت فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت حسن و حسینؓ کی ولادت کے بعد دونوں کے کانوں میں اذان فرمائی (معرفۃ الصحاب لابی نعیم)

آپ ﷺ کے حضرت حسینؓ کا نام رکھنے کا بیان

۴۔ ہانی بن ہانی حضرت علیؓ سے روایت فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے فرمایا جب حسن پیدا ہوئے تو میں ان کا نام حرب رکھا، اتنے میں آپ ﷺ تشریف لائے اور فرمایا مجھے میرا بیٹا دکھاؤ! تم نے ان کا نام کیا تجویز کیا ہے؟

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: ہم نے انکا نام حرب رکھا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں حرب نہیں یہ تو حسن ہے۔ اسی طرح جب حسینؓ کی ولادت ہوئی تو میں نے ان کا نام حرب رکھ دیا، آپ ﷺ تشریف لائے اور فرمایا میرا لخت جگر مجھے دکھاؤ کیا نام رکھا ہے اس کا تم نے؟ میں نے عرض کیا حرب! آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں حرب نہیں یہ تو حسین ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جب تیسرے بچے کی ولادت ہوئی تو میں نے اس کا نام پھر حرب رکھ دیا چنانچہ آپ ﷺ تشریف لائے اور وہی گفتگو فرمائی کہ میرا جگر پارہ مجھے دکھاؤ، تم نے اسکا نام کیا رکھا ہے؟ حضرت علیؓ عرض کرتے ہیں کہ اس کا نام حرب تجویز کیا ہے؟

اس پر آپ ﷺ نے فرمایا نہیں حرب نہیں یہ تو "محسن" ہے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا میں نے ان تینوں کے نام حضرت ہارون علیہ السلام کے تین بیٹوں کی طرح رکھے ہیں کہ ان کے نام شبر، شبیر اور مشبر تھے۔

(مسند احمد، مجمع الزوائد)

یہ نام پہلے کسی کا نہیں رکھا گیا

ابن الاعرابی حضرت فضل سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں ناموں کو پردۂ غیب میں رکھا تھا کہ سب سے پہلے آپ ﷺ نے اپنے جگر پاروں حسن و حسینؓ کے لئے یہ نام تجویز فرمائے۔ (معرفۃ الصحابہ لابی نعیم)

حضرت حسینؓ کے دو مینڈھوں کو ذبح کرنا

حضرت عکرمہؓ حضرت عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ آپ ﷺ نے حضرت حسن و حضرت حسینؓ کے عقیقہ میں دو دو مینڈھے ذبح فرمائے (اخرجہ النسائی ۴۲۲۴)

Marfat.com

حضرت حسن وحسینؓ کا نام رکھنا اور ان کا ختنہ کرنا

حضرت جعفر بن محمد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے حضرت حسن وحسینؓ کا ساتویں روز نام رکھا (اخرجہ البغوی)

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت حسن وحسینؓ کا عقیقہ اور ختنہ ساتویں روز فرمایا۔ (اخرجہ الطبرانی)

حضرت ام فضلؓ کے خواب کی سچی تعبیر اور شہادت کی خبر

حضرت ام فضلؓ حضرت حسین کی پیدائش کا سن کر تشریف لائی اور نبی پاک سے فرمایا کہ آپ نے سچ فرمایا تھا کہ فاطمہؓ کے گھر لڑکا پیدا ہوگا۔ واقعی اللہ تعالیٰ نے بیٹا عطا کر دیا ہے، حضرت ام فضل سیدنا امام حسین کو نبی گود میں اٹھا کر حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں لے کر حاضر ہوئیں اور فرمایا کہ کتنا حسین وجمیل ہے، کتنا پیارا۔ اُم فضلؓ حسین کو چوم رہی تھیں اور مسکرا رہی تھیں اور حضور پاک حسین کو دیکھ کر رو رہے ہیں آج چچی سے فرمایا جس بچے کو آپ گود میں دیکھ رہی ہیں اُسے کربلا میں نیزے پر دیکھ رہا ہوں اسکو صحرا میں دیکھ رہا ہوں، آپ مدینہ دیکھ رہی ہیں میں کربلا دیکھ رہا ہوں، آپ بچپن دیکھ رہی ہیں میں اسکا بڑھاپا دیکھ رہا ہوں۔ آپ نے ولادت دیکھی ہے میں اسکی شہادت دیکھ رہا ہوں۔ حضرت امام حسین کی شہادت کی خبر سن کر آپ زار وقطار رونے لگی، یہ شہید ہو جائے گا آپ ﷺ نے فرمایا ابھی جبرائیل آئے تھے انہوں نے خبر دی کہ میری امت میرے اس فرزند کو قتل کر دے گی۔ حضور نے فرمایا قتل کرنے میں میرے ہی امتی ہوں گے۔ کلمہ پڑھنے والے ہوں گے اپنے آپ کو مسلمان کہلانے والے ہوں گے۔ حضور پاک ﷺ نے فرمایا کہ آپ چاہیں تو اس جگہ کی مٹی میں آپ کو دکھا سکتا ہوں اور نبی پاک نے ہاتھ مبارک کھول کر وہ مٹی جس پر حسین بھوکا پیاسا شہید کر دیا جائے گا، حضرت ام فضل نے فرمایا کہ یہ مٹی یہ یہاں کیسے آ گئی؟ آپ ﷺ نے فرمایا یہ مٹی حضرت جبرائیلؑ میرے پاس لے کر آئے ہیں جسکا رنگ سرخ تھا۔

(ابن ماجہ شریف صفحہ 289، مشکوۃ شریف صفحہ 572، مراۃ مشکوۃ جلد 8، صفحہ 490، 491، خصائص الکبری، جلد 2، صفحہ 125، صواعق عرفہ صفحہ 192، سر الشہادتین صفحہ 26، سوانح کربلا 68، سلطان کربلا 46،47)

امت کی بخشش کا سبب اور شہادت حسینؓ

حضرت امام حسین کی ولادت کے سات دن بعد حضور پاک ﷺ حضرت علی کے گھر اپنے نواسوں اور سیدہ فاطمہ کو ملنے کے لئے تشریف لائے۔ حضرت امام حسین پنگھوڑے میں آرام فرما ہیں حضور پاک ﷺ نے حضرت امام حسینؓ کو اٹھا کر اپنے سینے سے لگا کر حسینؓ کا گلہ چوم رہے تھے اور زار وقطار رو بھی رہے تھے۔ حضرت فاطمہؓ نے نبی پاک ﷺ سے فرمایا آپ حسینؓ کے گردن کیوں چوم رہے ہیں اور زار وقطار رو بھی رہے ہیں، بات کیا ہے؟ آپ ﷺ کے رونے سے لگتا ہے یہ گھر، مدینہ کے در و دیوار بلکہ ساری کائنات رو رہی ہے۔ آپ ﷺ نے جب یہ بات سنی تو فرمایا آج تو میں اکیلا رو رہا ہوں لیکن ایک دن ایسا آئے گا میری اس بات پر انبیاء، مزاروں میں روئیں گے۔ پتھر غاروں میں روئیں گے، حوریں جنت میں

Marfat.com

روئیں گی، فرشتے آسمانوں پر روئیں گے۔ مچھلیاں پانی میں روئیں گی، جنات جنگلوں میں روئیں گے۔ انسان گھروں میں روئیں گے، مسلمان مسجدوں میں روئیں گے، زمین آسمان خون کے آنسو روئیں گے۔ سیدہ نے مغموم ہو کر پوچھا وہ کون سی بات جس پر ساری کائنات روئے گی؟ حضور پاک ﷺ نے فرمایا بیٹا ایک ایسا وقت آنے والا ہے، تیرے اس بیٹے کی گردن پر خنجر چلے گا اس کے پاک جسم پر تیروں اور تلواروں کی بارش برسے گی۔ سیدہ فاطمہؓ نے فرمایا اُس وقت حسین کی مدد کوئی نہیں کر پائیں گے۔ حضور پاک ﷺ نے فرمایا جس دن حسین شہید ہوگا اُس دن بظاہر دنیا میں، میں تم اور علی اور حسن مجتبیٰ بھی نہیں ہونگے۔ میدان کربلا میں حسین اور زینب ہوگی جب سیدہ فاطمہؓ نے امام حسین کی مظلومانہ شہادت کی خبر سنی تو رو کر کہنے لگی بیٹا حسین کتنے مشکل لمحات ہونگے جب حسین شہید ہوگا۔ پوری کائنات روئی گی، دعا کریں گی۔

حضور پاک ﷺ نے حضرت فاطمہؓ سے فرمایا صبر کرو اور یہ بتاؤ کیا تم اس بات پر خوش نہیں کہ اللہ تعالیٰ تیرے دو بیٹوں کی قربانی لیکر میری ساری امت بخش دے۔ حضرت فاطمہؓ نے جب بابا کی یہ بات سنی تو وجد میں آ گئی آنسو صاف کر لئے، ہاتھوں کو چوم کر کہنے لگیں بابا آپ ﷺ نے میرے بیٹوں کی قربانی کے بدلے اپنی امت کی بخشش کا رب عزوجل سے سودا تو نہیں کر لیا؟ میرے آقا نے فرمایا سودا تو ہو گیا ہے تو بڑا سستا سودا ہوا ہے، ابو یہ تو میرے دو بیٹے حسن وحسین ہیں اگر سینکڑوں بیٹے بھی ہوتے تو میں سارے تیری امت پر قربان کر دیتی (سبحان اللہ)۔

(تذکرہ شہادت صفحہ 106، فاطمہ کا لال صفحہ 57,56 انیس الذاکرین صفحہ 15، مقدمہ جلاء الصیون مترجم جلد 2 صفحہ 50,49 سلطان کربلا 59,58)

جنتی جوڑے

29 رمضان المبارک کا دن تھا، حضرت امام حسن کی عمر 5 سال اور حضرت امام حسینؓ کی عمر 4 سال چار مہینے کی ہے۔ دونوں بچوں نے حضرت فاطمہؓ سے عید کے جوڑے کے فرمائش کی کہ والدہ محترمہ کل سب بچے نیا جوڑا پہنیں گے ہم بھی نیا جوڑا پہنیں گے۔ دونوں شہزادوں کو گلے سے لگا کر پیار کیا اور فرمایا کپڑے بھی آ جائیں گے شہزادوں نے عرض کی کب جوڑے آئیں گے۔ کل تو عید ہے آپ نے فرمایا پریشان نہ ہو درزی تمہارے کپڑے سلے سلائے لائے گا۔ سبحان اللہ۔

حضرت فاطمہؓ نے اللہ کی بارگاہ میں دعا فرمائی اے خالق کائنات کپڑے نہیں ہیں، لیکن حسینؓ سے وعدہ کر لیا ہے کہ تمہارے کپڑے سلے سلائے درزی لائے گا اے رب العالمین تو اچھی طرح جانتا ہے کہ تیرے محبوب کی اس بیٹی نے آج تک جھوٹ نہیں بولا تو دعاؤں کو قبول کرنے والا ہے۔ ساری رات اللہ تعالیٰ کی یاد میں گذار دی۔

صبح نماز کے بعد دروازے پر دستک ہوئی، پوچھا کون ہے؟ میں حسنین کریمین کا درزی ہوں، بچوں کے کپڑے سی کر لایا ہوں، لے لیجئے۔ سیدہ نے اللہ کا شکر ادا کیا اور کپڑے لے لئے، کپڑے سفید رنگ کے بہت خوبصورت تھے۔

اس واقعے کا ذکر نبی پاک ﷺ سے حضرت فاطمہؓ نے فرمایا تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ لباس مجھے بھی دکھاؤ۔ سحری کے وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیلؑ کو جنت سے دو لباس لیکر بھیجا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حسنین کریمین کا درزی بن کر جاؤ، لباس دیکر آؤ۔

Marfat.com

جن کو جبرائیل جھولا جھلاتے رہے
فلک سے جن کی پوشاک لاتے رہے
جن کو لب خود حضور ﷺ چٹاتے رہے
بلکہ کندھوں پر اپنے بٹھاتے رہے
اس محمد ﷺ کے دلبر پہ لاکھوں سلام
مصطفی ﷺ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

سفید لباس دیکھ کر بچے افسردہ تھے کہ ہم رنگین لباس پہنیں گے۔ اتنے میں جبرائیل تشریف لائے اور نبی پاک ﷺ سے فرمایا بچوں سے کپڑے کا رنگ پوچھ لیں اللہ تعالیٰ آپ کے ہاتھ کی برکت سے وہ رنگ عطا کر دیں گے۔

حضرت امام حسنؓ نے ہرا رنگ پسند کیا، آپ ﷺ نے لباس ہاتھ میں لیا حضرت جبرائیل نے پانی ڈالا اور لباس ہرے رنگ کا ہو گیا۔ حضرت امام حسینؓ نے سرخ رنگ پسند کیا، آپ نے لباس ہاتھ میں لیا، حضرت جبرائیلؑ نے پانی ڈالا اور لباس سرخ رنگ میں تبدیل ہو گیا (سبحان اللہ)۔

لباس سکھانے کے بعد دونوں شہزادوں کو پہنا دیئے اس پر حضرت جبرائیل نے دونوں کو دیکھا تو رو پڑے فرشتوں کے سردار کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ آپ ﷺ نے رونے کی وجہ پوچھی تو فرمایا ان کے لباس دیکھ کر ان کی موت یاد آ گئی جب امام حسنؓ فوت ہونگے تو ان کو زہر دے کر شہید کیا جائے گا جب امام حسنؓ کو ظالم زہر دیں گے تو امام حسنؓ کی وفات کے وقت آپ کا رنگ سبز ہو جائے گا۔ اور جب امام حسینؓ وصال فرمائیں گے تو ظالم آپ پر تلواروں اور تیروں سے حملہ کریں گے، جب حضرت امام حسینؓ شہید ہوں گے تو شہزادے کا رنگ سرخ ہو جائے گا اور اسی لئے رو رہا ہوں، شہزادوں نے اپنی رنگ پسند فرمایا ہے جو آخری رنگ ہوگا۔ حضرت جبرائیل کی بات سن کر سرکار ﷺ بھی تڑپ گئے۔

(روضۃ الشہداء جلد 2 صفحہ 140,137، جامع المعجزات صفحہ 280,278، تذکرہ شہادت صفحہ 134,131، سلطان کربلا صفحہ نمبر 510 تا 524)

شہادت کی بشارت

حضرت اُم سلمہؓ اور خاک کربلا

حضرت اُم سلمہ کہتی ہیں کہ ایک رات حضور ﷺ گھر سے باہر تشریف لے گئے اور کافی دیر کے بعد واپس آئے۔ میں نے آپ ﷺ کے بال غبار آلود دیکھے تو عرض کی یارسول اللہ ﷺ میں آج آپ ﷺ کو کس حال میں دیکھ رہی ہوں؟

حضور ﷺ نے فرمایا: مجھے آج (کارکنان قدرت) ایک ایسے مقام پر لے گئے جو عراق میں ہے اور جسے کربلا کہتے ہیں۔ یہی حضرت حسینؓ کی شہادت گاہ ہے۔ وہاں میں نے اپنی اولاد کا مشاہدہ کیا اور ان کے خون کو زمین سے اُٹھالیا، جو میرے ہاتھ میں ہے۔ حضور ﷺ نے مٹھی کھولی اور فرمایا: اسے پکڑلو اور حفاظت سے رکھو۔ میں نے اسے لے کر دیکھا تو یہ سرخ مٹی تھی۔ میں نے اسکو بوتل میں رکھ لیا اور اس بوتل کا سرا اچھی طرح سے باندھ دیا۔ جب حضرت حسین بن علیؓ نے عراق کا سفر اختیار کیا تو میں ہر روز اس شیشی کو باہر لا کر یکھتی تھی۔ اس میں مٹی اسی طرح تھی۔ جب میں نے اسے عاشورہ کے روز دیکھا تو اس میں

Marfat.com

خون تازہ ہو چکا تھا۔ میں سمجھ گئی کہ لوگوں نے حضرت حسینؓ کو شہید کر دیا ہے۔ میں بہت روئی۔ جب آپؓ کی شہادت کی خبر آئی تو وہی دن تھا۔ آپؓ کی شہادت عاشورہ کے روز 61 ہجری میں ہوئی۔ اس وقت آپؓ کی عمر چھپن سال 5 ماہ 5 دن تھی۔

شہادت حسینؓ کی خبر

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ حضرت جبرائیلؑ کے پاس تھے۔ اچانک حضرت حسینؓ انکے پاس آئے۔

حضرت جبرئیل نے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟

حضور ﷺ نے فرمایا: یہ میرا بیٹا ہے۔ یہ کہہ کر آپ ﷺ نے حضرت حسینؓ کو اپنی گود میں بٹھالیا۔

حضرت جبرائیل نے کہا: انہیں بہت جلد شہید کر دیا جائے گا۔

حضور ﷺ نے پوچھا: انہیں کون شہید کرے گا؟

حضرت جبرائیل نے فرمایا: آپ ﷺ کی اُمت۔ اگر آپ ﷺ فرمادیں تو آپ ﷺ کو وہ مقام بھی بتادوں جہاں انہیں شہید کیا جائے گا۔

یہ حضرت حسینؓ کی شہادت گاہ کی مٹی ہے

بعد ازاں حضرت جبرائیل نے کربلا کی طرف اشارہ کیا اور کچھ سرخ مٹی پکڑ کر حضور ﷺ کو دکھائی اور کہا یہ مٹی حضرت حسینؓ کی شہادت گاہ کی مٹی ہے۔

حضرت سیدنا زین العابدین سے روایت ہے کہ جب ہم کوفہ کی طرف روانہ ہوئے تو ہمارے کوچ اور قیام کی شاید ہی کوئی جگہ ہوگی جہاں جناب حضرت حسینؓ نے حضرت یحییٰ بن زکریا کا ذکر نہ کیا ہو۔ ایک روز فرمایا کہ دنیا کی ذلت وپستی کی یہ واضح دلیل ہے کہ حضرت یحییٰ کے سر مبارک کو ایک عورت وساطت سے بنی اسرائیل کے نابکاروں کو ہدیۃً پیش کیا گیا۔

حضرت حسینؓ کے قتل کا بدلہ

حضرت سعید بن جبیرؓ حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کو وحی آئی کہ ہم نے حضرت یحییٰ کے قتل کے بدلے ستر ہزار افراد کو ہلاک کیا اور آپ ﷺ کے فرزند کے بدلے دوگناہ افراد کو ہلاک کریں گے۔ یہ بات بصحت ثابت ہو چکی ہے کہ قاتلان حسین اور ان کے ساتھیوں میں سے کوئی ایسا شخص نہ رہا جو موت سے پہلے ذلیل نہ ہوا ہو۔ وہ سب کے سب قتل ہوئے یا اکثر مصائب میں گرفتار ہوئے۔

شہادت حسینؓ کی خبر

خالق کائنات نے اپنے حبیبؐ کو امام حسینؓ کے شہید ہونے کی پانچ مرتبہ خبر سنائی جب امام حسینؓ پیدا ہوئے۔ جب امام حسینؓ 4 ماہ کے ہوئے جب امام حسینؓ تین سال کے ہوئے جب امام حسینؓ 4 سال کے ہوئے۔ جب آپ 5 برس میں قدم

Marfat.com

رکھا۔ (فضائل حسینؓ صفحہ 15 فاطمہ کا لال صفحہ 59 ،سلطان کربلا 59)

حضرت امام حسنؓ ،حضرت امام حسینؓ کی خصوصی عظمت

۱۔ حُسَیْنٌ" مِنِّیْ وَاَنَا مِنْ حُسَیْنٍ اَحَبَّ اللّٰہُ مَنْ اَحَبَّ حُسَیْناً حُسَیْنٌ" سِبْطٌ"مِنَ الْاَسْبَاطِ (ترمذی)

ترجمہ: ''حسین مجھ سے ہیں اور میں حسین سے ہوں۔ اللہ اس سے محبت رکھے جو حسین سے محبت رکھے۔ حسین اسباط میں سے سبط ہیں''

۲۔ حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ حضور پر نور ﷺ نے سیدہ خاتون جنت علیہا السلام سے فرمایا:

اَلَا تَرْضِیْنَ اَنْ تَکُوْنِیْ سَیِّدَۃَ نِسَآءِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ وَابْنَیْکِ سَیِّدَ شَبَابِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ (کنز العمال)

ترجمہ: ''کیا تو اس بات پر راضی نہیں کہ جنت کی عورتوں کی سردار اور تیرے دونوں بیٹے جنت کے نوجوانوں کے سردار ہوں''

۳۔ حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکار ابد قرار حضور سید ابرار ﷺ نے فرمایا:

مَنْ اَحَبَّ الْحَسَنَ وَالْحُسَیْنَ فَقَدْ اَحَبَّنِیْ وَمَنْ اَبْغَضَھُمَا فَقَدْ اَبْغَضَنِیْ (ابن ماجه، المستدرک)

ترجمہ: ''جس نے حسن و حسین (رضی اللہ عنہما) سے محبت رکھی، اس نے مجھ سے محبت رکھی اور جس نے ان دو سے بغض رکھا، اس نے مجھ سے بغض رکھا''

۴۔ بیسیوں احادیث سیدنا امام حسین علی جدہ وعلیہ السلام کی خبر شہادت اور وقعت شہادت پر مشتمل ہیں۔

ان میں کوئی ایک حدیث بھی ایسی نہیں جس سے امام پاک کی مظلومیت کا اور حقانیت کا تصور نہ ابھرتا ہو۔

مثلاً حضرت انس بن حارث (صحابی رسول) فرماتے ہیں:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ ابْنِیْ ھٰذَا یُقْتَلُ بِاَرْضٍ یُقَالُ لَھَا کَرْبَلَآءُ فَمَنْ یَّشْھَدْ ذٰلِکَ مِنْکُمْ فَلْیَنْصُرْہُ ہ

''میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ نے فرمایا! میرا یہ بیٹا اس زمین میں قتل کر دیا جائے گا جسے کربلا کہتے ہیں تو تم میں سے جو بھی وہاں موجود ہو اس کی مدد کرے'' چنانچہ حضرت انس بن حارثؓ کربلا میں گئے اور سیدنا امام حسینؓ کے ساتھ وہیں شہید ہو گئے۔ (سر الشہادتین، البدایہ والنہایہ، خصائص کبریٰ)

۵۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں:

لَمْ یَکُنْ اَحَدٌ" اَشْبَہَ بِالنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنَ الْحَسَنِ بْنِ عَلِیٍّ وَّقَالَ فِی الْحُسَیْنِ اَیْضاً کَانَ اَشْبَھَھُمْ بِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ (بخاری)

ترجمہ: ''حضرت حسن بن علی سے زیادہ کوئی بھی نبی اکرم ﷺ سے مشابہ نہیں تھا اور جناب حسین کے بارے میں بھی یونہی فرمایا کہ وہ بھی رسول اللہ ﷺ کے سب سے زیادہ ہم شکل تھے''

Marfat.com

اپنی آنکھوں سے مل رہا تھا۔ اسی دن سے میں اس لڑکے کو دوست رکھتا ہوں کل قیامت کے دن اسکی شفاعت کروں گا اور اسکے ماں باپ کو بخشوا کر جنت میں داخل کراؤنگا۔

عیون الریاض میں لکھا ہے کہ حضرت امام حسین فرماتے ہیں کہ ایک دن میں اپنے جد بزرگوار کے حضور میں گیا۔ اس وقت ابی ابن کعب، حضور ﷺ کے پاس بیٹھے تھے۔ آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا ''مرحبا اے حسین، اے رونق آسمان وزمین'' ابی نے کہا حضور ﷺ ''یارسول اللہ ﷺ آپ کے سوا اور بھی کسی سے آسمان اور زمین کی رونق ہے'' آپ نے فرمایا: ابھی خدا کی قسم! حسین کی بزرگی آسمان میں دنیا سے زیادہ ہے۔ ان کا نام عین عرش پر ''مصباح ہدیٰ'' اور سفینہ نجات لکھا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا حضرت ابراہیمؑ کو قربان کرنا حضرت امام حسینؓ کی محبت میں

لطائف اشرف میں لکھا ہے کہ ایک روز حضرت رسول اللہ ﷺ کے داہنے زانو پر حضرت حسینؓ اور بائیں زانو پر حضرت ابراہیمؑ آپ کے صاحبزادے بیٹھے تھے کہ اتنے میں حضرت جبریلؑ آئے اور کہا کہ ''حق تعالیٰ ان دونوں کو آپ کے پاس نہیں رکھے گا، ایک کو آپ سے لے لیگا۔ پس آپ ہی ان دونوں میں سے کسی ایک کو پسند فرمالیں'' لہٰذا آپ نے حضرت حسینؓ کو پسند فرمایا اور حضرت ابراہیمؑ کا دنیا کوچ کرنا قبول فرمالیا لہٰذا اس واقعہ کے تین روز کے بعد حضرت ابراہیم کا انتقال ہوگیا۔ حضرت ابراہیم کے وصال کے بعد جب حضرت امام حسینؓ حضور کی خدمت میں آئے تو آپ ان کے بوسے لیتے تھے اور فرماتے تھے کہ ''مرحبا اے حسینؓ، ہم نے تم پر اپنے ابراہیم کو قربان کیا''

وفات نبوی ﷺ

حضرت امام حسینؓ کی عمر جب سات ماہ اور سات دن کی ہوئی تو حضور ﷺ سرور کائنات نے وفات پائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ کی زندگی کے سات سال سات ماہ اور سات دن حضور انور کے سایہ عاطفت میں بسر ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو حضور ﷺ کے ساتھ کسی غزوہ میں شریک ہونے کا موقع نہیں ملا۔

روایت ہے کہ ایام مرض میں حضور ﷺ نے حضرت فاطمہؓ سے ارشاد فرمایا کہ ''حسنؓ اور حسینؓ کو میرے پاس لاؤ'' حضرت فاطمہ گئیں اور حضرت حسنینؓ کو لے کر حاضر ہوئیں اور عرض کیا ''یارسول اللہ ﷺ! ان کو کچھ میراث بخشئے'' آپ نے فرمایا کہ ''حسن کو میری خصلت اور سیادت! اور حسین کو میری سعادت اور شجاعت نصیب ہوگی''

حضرت حسینؓ کے حلیہ مبارک کا تذکرہ

آپؓ کا درمیانہ قد تھا، نہ انتہائی طویل اور نہ ہی بہت کوتاہ، پیشانی کشادہ، سینہ فراخ تھا، مونڈھوں کے درمیان قدرے فاصلہ تھا، ہڈیاں بڑی اور مضبوط تھیں، ہتھیلیاں اور تلوے قدرے کشادہ تھے، جسم گٹھا ہوا انتہائی خوبصورت اور گورا تھا، خوبصورتی کے ساتھ حسن صوت کے بھی مالک تھے آواز میں سوز اور ترنم تھا، داڑھی مبارک پر وسمہ لگاتے تھے (وسمہ ایک بوٹی ہے جس کے پتے مہندی کے طور پر استعمال ہوتے ہیں)۔

Marfat.com

کہ حضرت فاطمہؓ آپ ﷺ کی سب سے محبوب صاحبزادی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ، حضرت فاطمہ کی اولاد کے سوا دوسری بیٹیوں کی اولاد کو اپنی نسل سے خیال نہیں فرماتے تھے۔ صرف حضرت فاطمہؓ ہی کی اولاد کو یہ شرف حاصل تھا۔ اسی لئے آپ فرماتے ہیں اللہ نے ہر نبی کی اولاد اس کے اپنے صلب سے بنائی، لیکن میری اولاد علیؓ کے صلب سے بنائی'' آپ حسینؓ کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ یہ دونوں دنیا میں میری خوشبو ہیں''

مدارج النبوت میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''اے لوگو! جب تم اللہ سے سوال کرو تو میرا وسیلہ دیا کرو'' صحابہ نے پوچھا! ''یارسول اللہ ﷺ آپ کے ساتھ کسی اور کا وسیلہ بھی دیا کریں'' فرمایا میرے اہل بیت کا وسیلہ دیا کرو کہ یہ اللہ کے نزدیک تمام مخلوق سے افضل ترین ہیں''

حضرت ابوبکر صدیقؓ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ ایک خیمے کے اندر تکیہ لگائے ہوئے بیٹھے تھے۔ اور آپ کے پاس حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت فاطمہؓ، حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ بیٹھے تھے اور خیمے سے باہر تمام جانثار کھڑے تھے۔ اس وقت آپ نے باآواز بلند فرمایا:

''اے مسلمانو! میں اس سے صلح کروں گا جو اہل خیمہ سے صلح رکھے گا اور میں اس سے لڑوں گا جو ان سے لڑے گا اور جو ان سے دوستی رکھے میں اس کا دوست ہوں اور ان سے محبت وہی کرے گا جو مجھ سے محبت رکھتا ہو''

حضور نے فرمایا کہ جو کوئی مجھ کو میرے نور العین حسنینؓ کو اور ان کے ماں باپ کو دوست رکھے تا وہ شخص میرے ساتھ جنت میں رہے گا۔

تفسیر کشاف میں لکھا ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''اے علیؓ! سب سے پہلے جنت میں، میں جاؤں گا اور بعد میں تم اور حسنؓ اور حسینؓ اور ہماری بیویاں میرے داہنے اور بائیں ہوں گی اور ہماری باقی اولاد بیبیوں کے پیچھے ہوگی۔ حضور ﷺ نے حضرت فاطمہؓ سے فرمایا:

''اے فاطمہ! ہم اور علیؓ اور حسنؓ اور حسینؓ ایک ہی مکان میں رہیں گے۔ حضرت رسول اللہ نے فرمایا کہ ''جس نے حسینؓ سے محبت رکھی اس نے مجھ سے محبت رکھی اور جس نے حسینؓ سے عداوت رکھی اس نے مجھ سے عداوت رکھی''

ایک اور حدیث ہے کہ حضور نے فرمایا کہ ''جس نے حسینؓ کو دوست رکھا اس نے مجھے دوست رکھا اور جس نے مجھے دوست رکھا اُس نے اللہ کو دوست رکھا اور جس نے حسینؓ سے دشمنی کی اس نے مجھ سے دشمنی کی، اور جس نے مجھ سے دشمنی کی اس نے اللہ سے دشمنی کی''

روایت ہے کہ ایک دن حضرت رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ مدینہ کی کسی گلی سے گذر رہے تھے۔ وہاں چند لڑکے کھیل رہے تھے۔ حضور ﷺ نے ان لڑکوں میں سے ایک لڑکے کو گود میں اٹھالیا۔ اس کی پیشانی پر بوسہ دیا اور بہت پیار کیا۔ صحابہ نے عرض کیا ''یارسول اللہ ﷺ یہ لڑکا کون ہے اور اس کو اس قدر پیار کرنے کا سبب کیا ہے؟'' فرمایا: پیار اور محبت کا سبب یہ ہے کہ ایک دن میں نے دیکھا کہ یہ لڑکا میرے پیارے حسینؓ کے ساتھ کھیل رہا تھا اور حسینؓ کے قدموں کی خاک لے کر

Marfat.com

آپ ﷺ کے بال

عبدالمطلب بن زیاد سدی سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: میں نے سیدنا حسینؓ کو دیکھا کہ ان کے سر کے بال عمامے کے نیچے سے نکل کر مونڈھوں تک لٹکے ہوئے تھے۔ (سیر اعلام النبلاء وطبرانی)

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مشابہت

ہانی بن ہانی حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا حسن سر سے سینے تک اور حسین باقی جسم میں رسول اللہ ﷺ کے جسم اطہر سے زیادہ مشابہت رکھتے تھے۔ (ترمذی)

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت حسینؓ کا جسم رسول اللہ ﷺ کے جسد اطہر کے بہت زیادہ مشابہ تھا۔

(طبرانی پسند ثقہ)

وسمہ مہندی کا استعمال

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں عبید اللہ بن زیاد کے پاس سیدنا حسینؓ کا سر مبارک لایا گیا تو ایک بڑے تھال میں رکھا ہوا تھا۔ ابن زیاد کے ہاتھ میں چھڑی تھی جسے وہ آپؓ کے دندان سے مس کرنے لگا اور آپؓ کے حسن کے بارے میں کچھ کہنے لگا تو حضرت انسؓ نے فرمایا کہ یہ تو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ انتہائی مشابہت رکھتے تھے اور داڑھی وسمہ مہندی سے رنگین تھی

(بخاری ومسند احمد)

حنا اور کتم مہندی کا استعمال

اور ایک روایت میں شیبہ اور عبداللہ بن عمرو بن ابان فرماتے ہیں کہ ہمیں احوص نے خبر دی وہ ابو اسحٰق سے اور وہ عیز ار بن حریث سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ حضرت حسن وحسینؓ حنا اور کتم بطور مہندی استعمال فرماتے تھے اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت حسینؓ کی ٹھوڑی پر چند سفید بال بھی تھے (معرفۃ الصحابہ لابی نعیم)

حضرت سیدنا حسینؓ کے لباس ودیگر اشیاء کا بیان

سیدنا حسینؓ لباس میں درج ذیل اشیاء استعمال فرماتے تھے۔ قمیص، عمدہ پوشاک، شلوار، لمبی ٹوپی، جھالر دار چادر اور ریشم کی جھالر لگی ہوئی چادر، عمامہ، لنگی اوپر اوڑھی جانے والی چادر اور جوتے، بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے، بالخصوص رمضان المبارک میں، انگوٹھی کے نگینے پر اللہ کا ذکر ' اللہ بالغ امرہ'' کے الفاظ کندہ تھے۔ ایک تلوار اور ایک زرہ بھی آپؓ کے پاس تھی۔ (الاعلام للزرکلی)

سرخ رنگ کا کرتہ پہننے کا ذکر

حضرت عبداللہ بن بریدہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد بریدہؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں

Marfat.com

خطبہ ارشاد فرما رہے تھے اتنے میں سیدنا حسن وسیدنا حسینؓ گر گر پڑتے آئے دونوں حضرات سرخ رنگ کی قمیص زیب تن کئے ہوئے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ منبر سے نیچے تشریف لائے اور انہیں اٹھا کر اپنے قریب بٹھایا اس کے بعد ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے کہ انما اموالکم و اولادکم فتنة یعنی تمہارا مال اور اولاد تمہارے لئے فتنہ ہیں، میں نے انہیں دیکھا کہ گرتے پڑتے آرہے ہیں تو میں صبر نہ کرسکا اور اپنی بات قطع کر کے انہیں اٹھایا۔

(مسند احمد، ترمذی باب مناقب نمبر ۴۷۷، ابوداؤد نسائی)

سیدنا حسینؓ کی پوشاک کا ذکر

سیدنا عمر بن خطابؓ بھی ان حضرات کا اکرام فرماتے اور گود میں اٹھاتے جیسا کہ ان کے والد ماجد حضرت علیؓ کا اکرام واعزاز فرماتے تھے اور وقتاً فوقتاً عطایا سے نوازتے رہتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ یمن سے کچھ پوشاک اور جوڑے آئے، حضرت عمرؓ نے وہ سب کے سب دیگر صحابہ کرام کے نوجوان لڑکوں میں تقسیم فرما دیئے انہیں کچھ نہ دیا اور فرمایا کہ ان جوڑوں میں ان حضرات کے شایان شان کوئی جوڑا نہیں اور ساتھ ہی یمن کے گورنر کو پیغام بھجوایا کہ ان حضرات کے شایان شان پوشاک تیار کروا کر روانہ کریں۔ (البدایہ والنہایہ ج ۸، ص ۲۲۶)

چادر اور شلوار کا ذکر

امام طبری فرماتے ہیں کہ جب حضرت حسینؓ شہید کر دیئے گئے تو ان کا سارا سامان حتیٰ کہ جسم کے کپڑے بھی لائے گئے جس میں شلوار اور ٹوپی بھی تھی، چنانچہ شلوار، بحر بن کعب نے اور ٹوپی قیس بن اشعث نے لی۔ (تاریخ طبری)

لمبی ٹوپی اور عمامے کا ذکر

(قصہ نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ) پھر حضرت حسینؓ نے وہ لمبی ٹوپی اتار دی اور عمامہ منگوا کر زیب تن فرمایا۔

(البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۲۰۲)

نیز مطلب بن زیاد سدی سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا میں نے سیدنا حسینؓ کو دیکھا کہ ان کی زلفیں عمامے کے نیچے سے ظاہر ہو رہی تھیں۔ (طبرانی ۲۷۹۶)

ریشم کی جھالردار چادر

عیزار بن حریث فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا حسینؓ کو ریشم کی جھالردار چادر اوڑھے دیکھا۔ (سیر اعلام النبلاء)

تہبند، چادر اور نعلین کا ذکر

مروی ہے کہ جب ظہر کا وقت داخل ہوا تو سیدنا حسینؓ نے حجاج بن مروق جعفی کو اذان ظہر کہنے کا حکم دیا اس کے بعد سیدنا حسینؓ تہبند پہنے، چادر اوڑھے اور نعلین زیب تن فرمائے تشریف لائے اور اپنے و پرائے سب ہی کے سامنے خطبہ ارشاد فرمایا۔ (البدایہ والنہایہ ۸ ص ۱۸۶)

Marfat.com

سیدنا حسینؓ کی تلوار

سیدنا امام زین العابدین علی بن حسینؓ فرماتے ہیں کہ جس صبح میرے والد شہید ہوئے اس صبح کی رات میں بیماری کی وجہ سے بیٹھا ہوا تھا اور میری پھوپھی زینب میری تیمارداری فرما رہی تھیں، اتنے میں میرے والد خیمہ میں تشریف لے گئے، آپؓ کے ساتھ آپ کے رفقاء بھی تھے اسی خیمہ میں حضرت ابوذر غفاریؓ کے آزاد کردہ غلام آپؓ کی تلوار صیقل فرما رہے تھے۔

(البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۹۱)

آپؓ کی زرہ و دیگر اشیاء کا ذکر

مروی ہے کہ شہادت کے بعد لوگوں نے ہلہ بول کر آپؓ کا جملہ سامان غصب کر لیا، بحر بن کعب نے آپؓ کی شلوار پر قبضہ کیا۔۔۔اور قیس بن اشعث نے آپؓ کی ریشم کی چادر کی طرف ہاتھ بڑھایا چنانچہ اس کے بعد وہ اسی چادر کی طرف نسبت سے مشہور ہوا۔۔۔اور قیس قطیفہ کے نام سے معروف ہوا۔

جابر بن زید ازدی نے عمامہ لیا۔

مالک بن بشر کنوی کے زرہ ہاتھ لگی۔۔۔۔

بنی اود کا ایک شخص آپؓ کے نعلین لے اُڑا۔۔۔۔

بنو نہشل بن وارم کا ایک فرد تلوار پر براجمان بن بیٹھا۔۔۔اس کے بعد وہ تلوار حبیب بن بدیل کے لوگوں کے ہاتھ لگی۔ فرماتے ہیں کہ پھر لوگ آپؓ کے دیگر سامان، خوشبو، کپڑے اور جانوروں پر پل پڑے اور چھینا جھپٹی کرنے لگے، حتی کہ خواتین اہل بیت و دیگر قیمتی اشیاء پر بھی ہلہ بول دیا، خواتین اہل بیت دشمنوں کی طرف پیٹھ کر کے اپنی اور اپنے سامان کی حفاظت کرتی رہیں مگر بعض دشمن اس کے باوجود کچھ سامان چھیننے میں کامیاب رہے۔

بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا خصوصاً ماہ مبارک ''رمضان'' میں اور انگوٹھی کے نقش ''اللہ بالغ امرہ'' کا بیان

ابونعیم اصفہانی فرماتے ہیں کہ سیدنا حسینؓ بائیں ہاتھ میں انگوٹھی زیب تن فرماتے تھے۔ (معرفۃ الصحابہ)

امام شعبیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا حسینؓ کو دیکھا کہ آپؓ رمضان المبارک کے مہینے میں انگوٹھی پہنتے تھے۔

(تاریخ الاسلام للذھبی)

جعفر بن محمد اپنے والد سے نقل فرماتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: سیدنا حسن و حسینؓ کی انگوٹھی کے نگینے پر اللہ کا ذکر کندہ تھا۔ (معرفۃ الصحابہ) امام زرکلی فرماتے ہیں کہ سیدنا حسینؓ کی انگوٹھی کا نقش ''اللہ بالغ امرہ'' تھا۔ (الاعلام)

واقعہ کربلا کے اسباب و نتائج

سبائی سازش

عبداللہ بن سبا یہودی تھا۔ اس نے اسلام اور اہل بیت کی محبت کا لبادہ اوڑھ کر مسلمانوں کو آپس میں لڑایا۔ شہادت

Marfat.com

عثمانؓ بھی سبائی سازش کا نتیجہ تھی۔اس کے بعد مسلمان دو گروہوں میں بٹ گئے۔حضرت علیؓ کا حامی گروہ شیعان علی کہلایا۔ دوسری طرف شام میں حضرت معاویہؓ تھے۔ان کے ساتھی شیعان معاویہ کہلائے۔سبائی گروہ نے ہمیشہ ان دونوں گروہوں کو آپس میں لڑانے کی کوشش کی۔جنگ جمل اور جنگ صفین سبائی سازش کا نتیجہ تھیں۔

جب حضرت معاویہؓ نے اپنے بیٹے یزید کو جانشین بنایا تو اس گروہ نے ایک طرف حضرت امام حسینؓ کو خطوط لکھے کہ ہم اس کی بیعت نہیں کریں گے۔آپ ہمارے پاس آجائیں، ہم آپ کی بیعت کر لیتے ہیں۔دوسری طرف یزید کو حضرت امام حسینؓ کے خلاف بھڑکایا کہ وہ تمہاری بیعت کے منکر ہیں اور اپنی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں۔

یزید کی نامزدگی اور شخصی حکومت کا قیام

حضرت معاویہؓ سے قبل اسلامی نظام حکومت کی بنیاد شورائیت پر تھی۔حضرت معاویہؓ نے اپنے بیٹے یزید کو نامزد کر کے اسلام کے مزاج میں تبدیلی پیدا کر دی۔ابھی تک بے شمار صحابہ موجود تھے جنہوں نے خلفائے راشدین کا سنہری دور دیکھا تھا لہٰذا وہ یزید کو خلیفہ ماننے کے لئے تیار نہ تھے،ان میں حضرت امام حسینؓ،حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نمایاں تھے۔

یزید کا بیعت پر اصرار

حضرت امام حسینؓ کو خلیفہ ماننے کے لئے تیار نہ تھے۔یزید نے مدینہ کے حاکم مروان بن حکم کو حکم دیا کہ حضرت امام حسینؓ سے زبردستی بیعت لی جائے۔مروان نے دباؤ ڈالنے کی کوشش کی مگر حضرت امام حسینؓ نے بیعت کرنے سے انکار کر دیا۔

اہل کوفہ کے خطوط

جن دنوں حضرت امام حسینؓ کو بیعت کے لئے مجبور کیا جاتا تھا انہی دنوں اہل کوفہ حضرت امام حسینؓ کو خطوط لکھ رہے تھے کہ آپ ہمارے پاس تشریف لے آئیں، ہم آپ کی بیعت کرنا چاہتے ہیں۔چنانچہ حضرت امام حسینؓ نے کوفہ کے حالات کا جائزہ لینے کے لئے اپنے چچازاد بھائی مسلم بن عقیل کو وہاں بھیج دیا۔

اکابر صحابہ کی بات نہ ماننا

مسلم بن عقیلؓ کو روانہ کرنے کے بعد اہل کوفہ کے مسلسل خطوط آتے رہے کہ آپ جلد از جلد تشریف لے آئیں، ہم آپ کی بیعت کرنے کے لئے تیار ہیں۔آپ ﷺ نے کوفہ والوں کا اصرار دیکھ کر وہاں جانے کا فیصلہ کر لیا۔جب آپ روانہ ہونے لگے تو اکابر صحابہ نے آپ کو روکا کہ آپ کوفہ نہ جائیں۔حضرت امام حسینؓ نے جواب دیا کہ میں جانے کا ارادہ کر چکا ہوں۔اب میں رُک نہیں سکتا۔

شہادت کی بشارت

حضرت حسینؓ کو جب اس یزیدی حکم کا پتہ چلا تو آپ نے مدینہ منورہ کی سکونت ترک فرما کر مکہ معظمہ چلے جانے کا ارادہ

Marfat.com

فرمالیا اور مدینہ منورہ سے روانگی سے پہلے رات کو نانا جان حضور سرور دو عالم ﷺ کے مزار انور پر حاضر ہوئے اور رو رو کر عرض حال کرنے لگے اور پھر روضہ انور سے لپٹ کر وہیں سو گئے۔ خواب میں دیکھا کہ نانا جان تشریف لائے ہیں اور آپ ﷺ نے حضرت حسینؓ کو چوما اور سینہ اقدس سے لگالیا اور فرمایا: بیٹا حسینؓ عنقریب ظالم تجھے کربلا میں بھوکا پیاسا قتل کر دیں گے۔ تیرے ماں باپ اور بھائی تیرے انتظار میں ہیں، بہشت تیرے لئے آراستہ ہو رہی ہے۔ اس میں ایسے درجات عالیہ ہیں جو شہید ہوئے بغیر تجھے نہیں مل سکتے۔ جاؤ بیٹا! صبر و شکر سے جام شہادت پی کر میرے پاس آجاؤ۔

اے ماں! آج تیرا لعل حسین تجھ سے جدا ہو رہا ہے

حضرت حسینؓ یہ خواب دیکھ کر گھر آئے اور اہل بیت کو جمع کر کے یہ خواب سنایا اور مدینہ سے مکہ جانے کا مصمم ارادہ کرلیا اور پھر اپنے برادر بزرگ حضرت حسنؓ کے مزار انور پر حاضر ہوئے اور کلمات رخصت زبان پر لائے اور پھر ماں کی قبر انور پر حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اماں جان! یہ نازوں کا پلا تمہارا حسین آج تم سے جدا ہونے آیا ہے اور آخری سلام عرض کرتا ہے۔ قبر انور سے آواز آئی: وعلیک السلام اے مظلوم اور آپ وہاں کچھ دیر روتے رہے اور پھر واپس تشریف لائے اور مکہ معظمہ جانے کی تیاری فرما کر مکہ معظمہ کو روانہ ہوئے۔

حضرت حسین کا یہ سفر محض دین کی خاطر تھا

حضرت حسینؓ محض تمام حجت کے لئے ان لوگوں کی دعوت پر وہاں تشریف لے گئے اور صرف دین کی حمایت کا جذبہ آپؓ کو آگے لے گیا جو گستاخ آپ کا مدعا سلطنت کا حصول بتاتے ہیں، وہ غور تو کریں کہ اگر بقول ان کے آپؓ کا یہی مدعا ہوتا تو آپؓ اس بے سروسامانی کے ساتھ ہرگز سفر نہ کرتے۔ جب کہ آپ کو علم تھا کہ دشمن بے حد قوی ہے اور ہزاروں کی تعداد مین لشکر رکھتا ہے۔ ادھر لشکر عظیم اور ادھر چند نفوس قدسیہ۔ کیا کوئی عقل کا دشمن یہ کہہ سکتا ہے کہ اس بے سروسامانی کے ساتھ آپ سلطنت کے حصول کے لئے نکلے تھے۔ ہرگز نہیں، بلکہ آپ کو میدان میں صرف حمایت دین کا جذبہ لے کر گیا تھا۔

نہ اپنی آن کی خاطر، نہ اپنی شان کی خاطر — وہ میداں میں نکل آئے فقط ایماں کی خاطر

سفر کربلا

آخر ۳ ماہ ذوالحجہ سنہ ۶۰ھ بروز دوشنبہ حضرت حسینؓ مدینہ سے معہ اہل و خاندان روانہ ہوئے۔ اسی تاریخ یعنی بروز دوشنبہ بتاریخ ۳ ذوالحجہ کوفہ میں مسلم بن عقیل قتل کیے گئے۔ حسینؓ جب مدینہ سے روانہ ہونے لگے تو عمرو بن سعد بن العاص اور بعض دوسرے اہل مکہ نے آ کر ان کو روکنا چاہا اور کہا کہ اگر آپ ویسے نہیں مانتے ہیں تو ہم آپکو زبردستی روکیں گے اور آپ کا مقابلہ کریں گے۔ حسینؓ نے کہا کہ جو کچھ تم سے ہوسکے کر گزرو اور لڑائی کا ارمان بھی نکال لو۔ یہ سن کر سب لوگ ان کے سامنے سے ہٹ گئے اور وہ روانہ ہوئے۔ رخصت کرتے وقت عبداللہ بن عباسؓ نے کہا کہ میں اس وقت تمہارے اونٹ کے آگے لیٹ جاتا کہ وہ مجھ کو بغیر کچلے ہوئے آگے نہ بڑھ سکے لیکن میں جانتا ہوں کہ تم پھر بھی نہ رکو گے اور عزیمت کوفہ سے باز نہ رہو گے۔

Marfat.com

آخر آپ مکہ سے روانہ ہوئے۔ مقام تنعیم میں ایک قافلہ ملا جو یزید کے پاس عامل یمن کی طرف سے تحائف لئے جارہا تھا۔ آپ نے اس قافلہ کو گرفتار کرلیا اور کچھ سامان اس قافلہ سے لیکر آگے روانہ ہوئے۔ مکہ اور کوفہ کے درمیان مقام صفاح میں عربی کے مشہور شاعر فرزدق سے ملاقات ہوئی جو کوفہ سے آرہا تھا۔ فرزدق جب کوفہ سے چلا تھا تو اس وقت تک عبیداللہ بن زیاد کوفہ میں داخل نہ ہوا تھا۔ حسینؓ نے فرزوق سے کوفہ اور کوفیوں کا حال پوچھا تو اس نے کہا کہ اہل کوفہ تو آپ کے ساتھ ہیں لیکن ان کی تلواریں آپ کی حمایت میں بلند نہیں ہوسکتیں۔ کچھ دور آگے بڑھتے تھے کہ عبداللہ بن جعفرؓ کا خط جو انہوں نے مدینے سے اپنے بیٹوں عون اور محمد کے کے نام لکھا تھا عبداللہ بن جعفرؓ نے لکھا تھا کہ میں آپکو اللہ کا واسطہ دیکر عرض کرتا ہوں کہ کوفہ کے ارادے سے باز رہیئے اور مدینے میں آجائیے۔ مجھ کو اندیشہ ہے کہ آپ قتل نہ ہوجائیں۔ اللہ کے لئے آپ اس معاملہ میں جلدی نہ کریں۔ ساتھ ہی مدینے کے والی کا خط بھی انہیں قاصدوں نے دیا۔ جس میں لکھا تھا کہ آپ مدینہ میں آکر رہنا چاہیں تو آپ کو امان ہے مگر حسینؓ نے واپسی سے قطعاً انکار کیا۔ محمد اور عون کو بھی اپنے ہمراہ لے لیا اور اپنے دلیل راہ سے جو بصرہ کا ایک شخص تھا کہا کہ جس قدر جلد ممکن ہو ہم کو کوفہ میں پہنچاؤ تا کہ ہم عبیداللہ بن زیاد کے پہنچنے سے پہلے کوفہ میں داخل ہوجائیں وہاں لوگ ہمارے سخت منتظر ہوں گے۔ اتفاقاً اسی روز عبیداللہ بن زیاد کے پاس یزید کا خط پہنچا تھا کہ اپنی حفاظت کرو اور چونکہ حسینؓ مکہ سے روانہ ہوچکے ہوں گے۔ لہٰذا ہر ایک راستے پر فوجیں متعین کردو کہ ان کو کوفہ تک نہ پہنچنے دیا جائے۔

حسینؓ اپنے دل میں یہ خیال کرتے ہوئے جارہے تھے کہ مسلم بن عقیل کے ہاتھ پر ہر روز لوگ بیعت کرتے ہوں گے اور اب جماعت بہت زیادہ ہوچکی ہوگی لیکن کوفہ میں عبیداللہ بن زیاد ان کی گرفتاری یا قتل کے لئے فوجیں نامزد کررہا تھا اور چند منزلیں طے کرنے کے بعد عبداللہ بن مطیع سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے حضرت حسینؓ کے ارادے سے واقف ہوکر نہایت اصرار کے ساتھ روکا اور مکہ کی طرف واپس چلنے کے لئے قسمیں دلائیں، پھر ان کو سمجھایا کہ آپ عراقیوں کے فریب میں نہ آئیں۔ اگر آپ بنو امیہ سے خلافت چھیننے کی کوشش کریں گے تو وہ آپ کو ضرور قتل کردیں گے اور ہر ایک ہاشمی ہر ایک عرب اور ہر ایک مسلمان کے قتل پر دلیر ہوجائیں گے۔ آپ اپنے آپکو ہلاکت میں ڈال کر اسلام عرب اور قریش کی حرمت کو نہ مٹائیں۔ مگر حسینؓ پر ان کی بات کا کوئی اثر نہ ہوا اور وہ بدستور کوفہ کی جانب گرم سفر رہے۔ مقام حاجز سے آپ نے قیس بن مسہر کے ہاتھ اہل کوفہ کے پاس ایک خط بھیجا کہ ہم قریب پہنچ گئے ہیں۔ ہمارے منتظر رہو۔ قیس قادسیہ میں پہنچے تھے کہ لشکر ابن زیاد کے ہاتھ میں گرفتار ہوگئے۔ ابن زیاد کے روبرو معہ خط پیش کئے گئے۔ اس نے قصر امارات سے چھت پر چڑھا کر اوپر سے گروادیا اور قیس گرتے ہی فوت ہوگئے۔ پھر اگلی منزل سے اپنے رضاعی بھائی عبداللہ بن یقطر کو اسی طرح خط دیکر بھیجا۔ وہ بھی اسی طرح گرفتار ہوکر اسی طرح قصر امارت سے گرا کر قتل کئے گئے۔ یہ قافلہ جب مقام ثعلبہ میں پہنچا تو معلوم ہوا کہ مسلم بن عقیل کوفہ میں قتل کردیئے گئے اور اب کوئی متنفس کوفہ میں حسینؓ کا حمایتی نہیں ہے۔ اس خبر کے سننے سے تمام قافلہ پر مایوسی چھاگئی اور واپسی کا ارادہ ہوا کیونکہ کوفہ کی جانب جانے میں قوی احتمال تھا کہ جو سلوک مسلم کے ساتھ ہوا ہے وہی اس قافلہ کے ساتھ ہوگا۔ یہ سن کر مسلم بن عقیل کے بیٹوں نے کہا کہ ہم کو ہرگز واپس نہیں ہونا چاہیئے۔ اب تو ہم مسلم کا قصاص لیں گے۔ ورنہ انہیں کی طرح جان

Marfat.com

دیں گے۔ دوسرے یہ کہ حسین بن علی مسلم بن عقیل کی طرح نہیں ہیں۔ ان کو جب کوفہ والے دیکھیں گے تو ضرور ان کے شریک حال ہو جائیں گے اور ابن زیاد کو گرفتار کر لیں گے۔ اس قافلے میں کئی سو آدمی شامل تھے اور راستے میں لوگ شامل ہو کر اس کی تعداد بڑھا رہے تھے۔

لیکن ثعلبیہ میں اس خبر کو سن کر جب قافلہ آگے بڑھا تو دوسرے قبائل کے لوگ بتدریج جدا ہونے شروع ہوئے۔ یہاں تک کہ خاص اپنے خاندان اور قبیلے کے لوگ باقی رہ گئے۔ جن کی تعداد ستر، اسی کے قریب بیان کی جاتی ہے۔ بعض روایتوں میں ڈھائی سو کے قریب بیان کی گئی ہے۔

یہی مقتل ہے آل رسول ﷺ کا

لوگوں نے کہا؛ اسے کربلا بھی کہتے ہیں۔

یہ سن کر آپؓ نے فرمایا؛

اللہ اکبر۔۔۔۔۔ اَرْضُ کَرْبٍ وَبَلَاءٍ وَسَفْکِ دِمَاءٍ

زمین کربلا یہی ہے، ہمارے خون بہنے کی جگہ یہی ہے۔ اب ہم یہاں سے کہیں نہیں جا سکتے۔

حضرت علی اکبر نے عرض کیا؛ ابا جان! آپؓ یہ کیا فرما رہے ہیں؟

فرمایا؛ بیٹا! تیرے دادا جان حضرت علی المرتضیٰ صفین جاتے ہوئے یہاں ٹھہرے اور بڑے بھائی حضرت حسینؓ کی زانوں پر سر رکھ کر سوئے۔ میں سرہانے کھڑا تھا کہ روتے ہوئے اٹھے۔ بڑے بھائی نے رونے کا سبب پوچھا تو فرمایا؛ میں نے ابھی خواب میں اس جگہ حسینؓ کو خون میں ڈوبتا ہوا ہاتھ پاؤں میں مارتا ہوا اور فریاد کرتا ہوا دیکھا ہے۔ مگر کوئی اس کی فریاد نہیں سنتا پھر مجھ سے فرمایا؛ بیٹا! جب تجھے اس جگہ واقعہ عظیم درپیش ہوگا تو اس وقت کیا کرے گا؟ میں نے عرض کیا؛ صبر کروں گا۔

اس پر فرمایا بیٹا! ایسا ہی صبر کرنا کہ صبر کرنے والوں کا ثواب بے شمار ہے۔

اِنَّمَا یُوَفَّی الصَّابِرُوْنَ اَجْرَ ھُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ

ترجمہ: یہ فرما کر آپ نے سامان اتروایا۔ فرات کے کنارے خیمہ نصب فرمایا اور دوسری محرم 61 ہجری کو آپ دشت کربلا میں قیام پذیر ہوئے۔ (تذکرہ حضرت حسینؓ 61)

عزت سے جئے تو جی لیں گے یا جام شہادت پی لیں گے

حضرت مسلم کی صاحبزادی والد کی شہادت کی خبر سن کر رونے لگی۔ فرزندان حضرت مسلمؓ دوڑے اور والد کی شہادت کی خبر سن کر وہ بھی روئے اور پھر انتہائی دلیری سے فرمانے لگے: چچا جان! انشاء اللہ ہم کوفیوں سے باپ کے خون کا بدلہ لیں گے یا خود بھی ان کی طرح شہید ہو جائیں گے۔ حضرت حسینؓ نے پھر اپنے ہمرائیوں میں ایک تقریر فرمائی اور فرمایا: کوفیوں سے بد عہدی کی اور حضرت مسلم کو شہید کر دیا۔ تم میں سے جس کا جی چاہے واپس چلا جائے۔ چنانچہ بعض لوگ جو ادھر اُدھر سے آ کر

Marfat.com

مل گئے تھے، یہ سن کر واپس چلے گئے اور جو ساتھ دینے والے تھے وہ رہ گئے۔ پھر یہ لشکر آگے بڑھا اور مقام ثعلبہ پر آ کے پڑاؤ ڈالا۔ حضرت حسینؓ اپنی بہن حضرت زینبؓ کے زانوں پر سر رکھ کر سو گئے۔

کوفیوں کے خطوط کا راز فاش کرنا

حضرت امام حسینؓ ابھی کوفہ نہیں پہنچے تھے کہ یزید کی فوج نے آپ کا راستہ روک لیا۔ آپ نے فوج کے سامنے وہ تمام خطوط کھول دیئے جو اہل کوفہ نے حضرت امام حسینؓ کو بلانے کے لئے لکھے تھے۔ اس کے ساتھ ہی آپ نے ان کے سامنے تجویز رکھی کہ مجھے واپس جانے دیں یا یزید سے ملنے دیں یا مجھے سرحد پر جانے دیں تاکہ میں کفار کے ساتھ لڑتا ہوا شہید ہو جاؤں مگر انہوں نے تینوں تجاویز مسترد کر دیں۔ یزید کی فوج نے کہا کہ اب آپ کے پاس صرف دو راستے ہیں۔ یزید کی بیعت کر لو یا جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اب آپ نہ آگے جا سکتے ہیں اور نہ پیچھے۔ اسکی وجہ وہ خطوط تھے جو انہوں نے حضرت امام حسینؓ کو لکھے تھے۔ اگر وہ خطوط یزید کے پاس پہنچ جاتے تو وہ خطوط لکھنے والے تمام افراد کو بغاوت کے جرم میں قتل کروا دیتا۔ یزید سے ملاقات کے بعد ممکن تھا کہ حضرت امام حسینؓ اور یزید کے درمیان صلح ہو جاتی۔ اگر ایسا ہو جاتا تو سبائی گروہ کی سازش ناکام ہو جاتی۔ سبائی گروہ چاہتا تھا کہ مسلمان آپس میں لڑیں۔ لہٰذا انہوں نے حضرت امام حسینؓ کو جنگ پر مجبور کر دیا جس سے آپ کی شہادت واقع ہوئی۔

واقعہ شہادت

عبیداللہ بن زیاد نے عمرو بن سعد بن ابی وقاص کو رے کی حکومت پر نامزد کیا اور فی الحال چار ہزار فوج دے کر مامور کیا کہ صحرا میں نکل کر تمام راستوں اور سڑکوں کی نگرانی کراؤ۔ حسین بن علیؓ کا کھوج لگاؤ کہ وہ کس طرف سے آ رہے ہیں اور کہاں ہیں اور ایک ہزار آدمی حر بن یزید تمیمی کے سپرد کر کے اس کو ابھی گشت و گرداوری پر مامور کیا۔ عمرو بن سعد مقام قادسیہ میں ہو کر ہر سمت کی خبریں منگوانے کا انتظار کرنے لگے۔ حضرت حسینؓ ایک عجیب شش و پنج کے عالم میں مقام شراف تک پہنچے۔ اس سے آگے بڑھے تو حر بن یزید تمیمی معہ اپنی ایک ہزار فوج کے سامنے آیا۔ اگر تم لوگ اپنے عہد و اقرار پر قائم ہو تو میں تمہارے شہر میں داخل ہوں، نہیں تو جس طرف سے آیا ہوں اسی طرف واپس چلا جاؤں گا۔ حر نے کہا کہ ہم عبیداللہ بن زیاد کا حکم ہے کہ آپ کے ساتھ رہیں اور آپ کو اس کے سامنے زیر حراست لے چلیں۔ حسینؓ نے کہا کہ یہ ذلت تو ہرگز گوارا نہیں ہو سکتی کہ ابن یزید کے سامنے گرفتار ہو کر جائیں۔ اس کے بعد انہوں نے واپس ہونے کا ارادہ کیا تو حر نے ابن زیاد کے خوف سے واپس ہونے سے روکا اور واپسی کے راستے میں اپنی فوج لے کر کھڑا ہو گیا۔ حسینؓ نے وہاں سے شمال کی جانب کوچ کیا اور قادسیہ کے قریب پہنچ گئے۔ وہاں معلوم ہوا کہ عمرو بن سعد ایک بڑی فوج کے ساتھ مقیم ہے۔ حر آپ کے پیچھے پیچھے تھا۔ قادسیہ کے قریب پہنچ کر حسینؓ وہاں سے لوٹے اور دس میل چل کر مقام کربلا میں آ کر مقیم ہوئے۔ عمرو بن سعد آپ کی خبر سن کر معہ فوج روانہ ہوا اور سراغ لیتا ہوا گلے روز کربلا پہنچ گیا۔ قریب پہنچ کر عمرو بن سعد اپنی فوج سے جدا ہو کر آگے آیا اور حسینؓ کو آواز دیکر اپنے قریب بلایا سلام علیک

کے بعد ابن سعد نے کہا کہ: ''بیشک آپ یزید کے مقابلے میں زیادہ مستحق خلافت ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہیں کہ آپ کے خاندان میں حکومت وخلافت آئے۔ حضرت علیؓ اور حضرت حسنؓ کے حالات آپ کے سامنے گزر چکے ہیں۔ اگر آپ اس سلطنت وحکومت کے خیال کو چھوڑ دیں تو بڑی آسانی سے آزاد ہو سکتے ہیں۔ نہیں تو پھر آپ کی جان کا خطرہ ہے، اور ہم لوگ آپ کی گرفتاری پر مامور ہیں''

حضرت حسینؓ نے فرمایا کہ میں اس وقت تین باتیں پیش کرتا ہوں، تم ان تین میں سے جس کو چاہو میرے لئے منظور کرلو۔

''اول تو یہ کہ جس طرف سے میں آیا ہوں، اسی طرف مجھے واپس جانے دو تا کہ میں مکہ مکرمہ پہنچ کر عبادت الٰہی میں مصروف رہوں۔ دوم یہ کہ مجھ کو کسی سرحد کی طرف نکل جانے دو کہ وہاں کفار کے ساتھ لڑتا ہوا شہید ہو جاؤں۔ سوم یہ کہ تم میرے راستے سے ہٹ جاؤ اور مجھ کو سیدھا یزید کے پاس دمشق کی جانب جانے دو۔ میرے پیچھے پیچھے اپنے اطمینان کی غرض سے تم بھی چل سکتے ہو۔ میں یزید کے پاس جا کر براہ راست اس سے اپنا معاملہ اسی طرح طے کرلوں گا جیسا کہ میرے بڑے بھائی حسنؓ نے امیر معاویہؓ سے طے کیا تھا''

عمرو بن سعد یہ سن کر بہت خوش ہوا اور کہا کہ میں بطور خود کوئی پختہ جواب آپ کو اس معاملے میں ان باتوں کے متعلق نہیں دے سکتا۔ میں ابھی عبیداللہ بن زیاد کو اطلاع دیتا ہوں۔ یقین ہے کہ وہ ضرور ان میں سے کسی ایک بات کو منظور کرلے گا۔ عمرو بن سعد بھی اسی میدان میں خیمہ زن ہو گیا اور ابن زیاد کو یہ تمام کیفیت لکھ بھیجی۔ ۲ محرم سنہ ۶۱ ھ کو کربلا میں عمرو بن سعد حسینؓ کے پہنچنے سے اگلے دن جا کر مقیم ہوا تھا اور اس نے کہا کہ حسینؓ نے وہ بات پیش کی ہے جس سے فتنہ کا دروازہ بالکل بند ہو جائے گا اور وہ یزید کے پاس جا کر بیعت کرلیں گے تو پھر کوئی خطرہ باقی نہ رہے گا لیکن شمر ذی الجوش اس وقت اس کے پاس موجود تھا۔ اس نے کہا کہ اے امیر اس وقت تجھ کو موقع حاصل ہے کہ تو حسینؓ کو بلا تکلف قتل کردے، تجھ پر کوئی الزام عائد نہ ہوگا لیکن اگر حسینؓ یزید کے پاس چلے گئے تو پھر ان کے مقابلے میں تیری کوئی عزت وقدر نہ رہے گی اور وہ تجھ سے زیادہ مرتبہ حاصل کرلیں گے۔ یہ سن کر ابن زیاد نے عمرو بن سعد کو جواب میں لکھا کہ:

''یہ تینوں باتیں کس طرح منظور نہیں ہوسکتیں۔ ہاں صرف ایک صورت قابل پذیرائی ہے، وہ یہ کہ امام حسینؓ اپنے آپ کو ہمارے سپرد کردیں اور یزید کی بیعت اول نیابتاً میرے ہاتھ پر کریں، پھر میں انکو یزید کے پاس اپنے اہتمام سے روانہ کروں گا''

اس جواب کے آنے پر عمرو بن سعد نے سیدنا حسینؓ کو اطلاع دی اور کہا کہ میں مجبور ہوں ابن زیاد خلافت یزید کی بیعت اول اپنے ہاتھ میں لینا چاہتا ہے اور کسی دوسری بات کو منظور نہیں کرتا، امام حسینؓ نے کہا کہ اس سے تو مر جانا بہتر ہے کہ ابن زیاد کے ہاتھ پر بیعت کروں۔

ابن سعد اس کوشش میں مصروف تھا کہ کسی طرح کشت وخون نہ ہو، یا سیدنا حسینؓ ہی ابن زیاد کی شرط مان لیں،

Marfat.com

یا ابن زیاد سیدنا حسینؓ کی منشاء کے موافق ان کو جانے کی اجازت دے دے۔ اس خط و کتاب اور انکار و اصرار میں ایک ہفتہ تک سیدنا حسینؓ اور ابن سعد دونوں اپنے اپنے ہمرائیوں کے ساتھ کربلا کے میدان میں خیمہ زن رہے، سیدنا حسینؓ کے ساتھی ابن سعد کے لشکریوں کیساتھ مل کر نمازیں پڑھتے، اور سیدنا حسینؓ صفوں کو درست کرتے، ابن زیاد کے پاس جب یہ خبر پہنچی تو اس کو فکر پیدا ہوئی، کہ کہیں ابن سعد امام حسینؓ سے سازش نہ کرے، اس نے فوراً ایک چوب دار جویرہ بن تمیمی کو بلایا اور ابن سعد کے نام ایک خط لکھ کر دیا کہ: ''میں نے تم کو حسینؓ کی گرفتاری پر مامور کیا تھا، تمہارا فرض تھا کہ ان کو گرفتار کر کے میرے پاس لاتے یا گرفتار نہ کر سکتے تو ان کا سر کاٹ کر لاتے، میں نے تم کو یہ حکم نہیں دیا تھا کہ تم ان کی مصاحبت اختیار کر کے دوستانہ تعلقات بڑھاؤ، اب تمہارے لئے بہتر یہی ہے کہ فوراً بلا تامل خط پڑھتے ہی یا تو حسین بن علیؓ کو میرے پاس لاؤ، ورنہ جنگ کر کے ان کا سر کاٹ کر بھیجو، اگر ذرا بھی تامل تم سے سرزد ہوا تو میں نے اپنے سرہنگ کو جو یہ خط لیکر آرہا ہے، حکم دیا ہے کہ وہ تم کو گرفتار کر کے میرے پاس پہنچائے اور لشکر وہیں مقیم رہ کر دوسرے سردار کا منتظر رہے، جس کو میں تمہاری جگہ مامور کر کے بھیجوں گا''

جویرہ یہ خط لے کر جمعرات کے دن ۹ محرم ۶۱ ھ کو ابن سعد کے پاس پہنچا، ابن سعد اس وقت اپنے خیمہ میں بیٹھا تھا، خط پڑھتے ہی کھڑا ہو گیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر لشکر کو تیاری کا حکم دیا، اور جویرہ بن بدر سے کہا کہ تم گواہ رہنا، کہ میں نے امیر کا حکم پڑھتے ہی اس کی تعمیل کی ہے، پھر صفوف جنگ آراستہ کر کے جویرہ کو ہمراہ لے کر آگے بڑھا اور سیدنا حسینؓ کو سامنے بلوا کر کہا کہ امیر ابن زیاد کا حکم آیا ہے اگر اس کی تعمیل میں ذرا بھی دیر کروں تو یہ قاصد موجود ہے، جس کو حکم دیا گیا ہے کہ فوراً مجھ کو قید کر لے۔ سیدنا حسینؓ نے کہا کہ مجھ کو کل تک کے لئے اور سوچنے کی مہلت دو، ابن سعد نے جویرہ کی طرف دیکھا، اس نے کہا کہ کل کچھ دور نہیں ہے، اتنی مہلت دے دینی چاہئے، ابن سعد میدان سے واپس آیا اور فوج کو حکم دیا کہ کمر کھول دو، آج کوئی لڑائی نہ ہوگی۔

عبیداللہ بن زیاد نے جویرہ بن بدر کے ہاتھ پر حکم روانہ کرنے کے بعد سوچا، اگر ابن سعد نے سستی کی اور جویرہ نے اس کو قید کر لیا تو فوج بغیر افسر منتشر ہو جائے گی اور ممکن ہے کہ سیدنا حسینؓ ہی سے جا ملے، اس صورت میں ضرور وقت و پریشانی کا سامنا ہوگا اور امام حسینؓ کو موقع مل جائے گا کہ وہ مکہ کی طرف فرار ہو جائیں اور قابو میں آئے ہوئے نکل جائیں، چنانچہ اس نے فوراً شمر ذی الجوشن کو بلوایا اور کہا کہ میں جویرہ کو بھیج چکا ہوں اور اس کو حکم دے دیا ہے کہ اگر ابن سعد لڑائی میں تامل کرے تو اس کو گرفتار کر کے لے آئے، ابن سعد کی طرف سے مجھ کو منافقت کا شبہ ہے، اگر ابن سعد کو جویرہ نے گرفتار کر لیا تو فوج جو میدان میں پڑی ہوئی ہے، سب آوارہ اور ضائع ہو جائے گی، میں تجھ سے بہتر اس کام کے لئے دوسرا شخص نہیں پاتا، تو میدان کربلا کی طرف جا اور ابن سعد گرفتار ہو چکا ہو تو فوج کی کمان اپنے ہاتھ میں لے اور سیدنا حسینؓ سے لڑ کر ان کا سر کاٹ لا، اگر ابن سعد گرفتار نہ ہوا اور لڑائی میں تامل کر رہا ہو تو فوراً جاتے ہی لڑائی چھیڑ دے، اور کام کو جلدی ختم کر دے، شمر ذی الجوشن نے کہا کہ میری ایک شرط ہے، وہ یہ کہ آپ کو معلوم ہے کہ میری بہن اُم نسبین بنت حرام سیدنا علیؓ کی بیوی تھی، جس کے بطن سے سیدنا علیؓ کے چار بیٹے عبیداللہ، جعفر، عثمان، عباس پیدا ہوئے، میرے یہ بھانجے بھی اپنے بھائی حسینؓ کے ہمراہ میدان کربلا میں موجود ہیں، آپ ان چاروں کو جان کی امان دے دیں، عبیداللہ بن زیاد نے اسی وقت کاغذ منگوا کر چاروں کے لئے امان لکھ کر اور مہر لگا کر

Marfat.com

شمر ذی الجوشن کے سپرد کیا اور اسی وقت اس کو رخصت کر دیا۔ جویریہ رات کے وقت روانہ ہوا تھا اور جمعرات کے دن علی الصبح لشکر گاہ کربلا میں پہنچ گیا تھا، شمر صبح کے وقت روانہ ہوا، اور عصر کے وقت پہنچا، شمر کے آنے پر تمام کیفیت جو پیش آئی تھی سنا دی، شمر نے کہا کہ میں تو ایک لمحہ کی بھی مہلت نہ دوں گا، یا تو اسی وقت لڑائی کے لئے تیار ہو جاؤ، ورنہ لشکر میرے سپرد کر دو، ابن سعد اسی وقت سوار ہوا اور شمر کو ہمراہ لے کر سیدنا حسینؓ کے پاس آیا اور کہا کہ عبیداللہ بن زیاد نے یہ دوسرا قاصد بھیجا ہے اور مہلت آپ کو بالکل دینا نہیں چاہتا، سیدنا حسینؓ نے کہا کہ سبحان اللہ اب مہلت کے دینے یا نہ دینے کی کیا ضرورت ہے، آفتاب تو غروب ہو رہا ہے، کیا رات کے وقت بھی تم لوگ جنگ کو کل کے لئے ملتوی نہ رکھو گے، یہ سن کر شمر ذی الجوشن نے بھی کل صبح تک کا انتظار مناسب سمجھا اور دونوں اپنے لشکر گاہ کو واپس چلے آئے۔

حضرت حسینؓ پر پانی کی بندش

رات کے وقت عبیداللہ بن زیاد کا حکم پہنچا کہ ''اگر ابھی لڑائی شروع نہیں ہوئی ہے تو اسی وقت جبکہ یہ حکم پہنچے پر قبضہ کر لو اور حسینؓ بن علیؓ اور انکے ہمرائیوں کے لئے پانی بند کر دو۔ اگر سپاہ شمر کے زیر کمان آ گئی ہے تو شمر کو اس حکم کی تعمیل کرنی چاہئے۔ عمرو بن سعد نے اس حکم کے پہنچتے ہی عمرو بن الحجاج کو پانچ سو سوار دے کر ساحل فرات پر متعین کر دیا۔ اتفاقاً دن میں حسینؓ کے ہمرائیوں نے پانی اپنے لئے نہیں بھرا تھا ان کے تمام برتن خالی ہو گئے تھے۔ رات کو جب پانی بھرنا چاہا تو معلوم ہوا کہ دشمنوں نے پانی پر قبضہ کر لیا ہے۔ حسین بن علیؓ نے اپنے بھائی عباس بن علی کو پچاس آدمیوں کے ہمراہ پانی لینے کو بھیجا کہ زبردستی پانی لائیں مگر ان ظالموں نے پانی نہ لینے دیا اب دم بدم پیاس کی شدت نے تکلیف پہنچانی شروع کی۔ یہ ایسی اذیت تھی جو تیر شمشیر کی اذیت سے زیادہ سوہان روح تھی۔ حسینؓ کے چھوٹے بیٹے علی بن حسین بیمار تھے اور خیمے میں پڑے رہتے تھے۔ وہ اور ان کی بہن اُم کلثوم یہ دیکھ کر صبح کو دشمنوں کا حملہ ہو گا اور تمام عزیز و اقارب جو اس وقت موجود ہیں۔ قتل و شہید ہوں گے، رونے لگے۔ ان دونوں کی رونے کی آواز سن کر حضرت حسینؓ خیمہ کے اندر آئے اور کہا کہ دشمن ہمارے قریب ہی خیمہ زن ہے۔ تمہارے رونے کی آواز سن کر وہ خوش ہوں گے اور ہمرائیوں کے دل تھوڑے ہوں گے۔ تم کو ہرگز ہائے وائے کچھ نہیں کرنی چاہئے۔ ان کو بہ مشکل خاموش کیا اور باہر آ کر فرمایا کہ واقعی بچوں اور عورتوں کے ہمراہ لانے میں ہم سے بڑی غلطی ہوئی ہے۔ انکو ہرگز ہمراہ نہ لانا چاہئے تھا۔ اس کے بعد حضرت حسینؓ نے اپنے تمام ہمرائیوں کو اپنے پاس بلا کر کہا کہ تم لوگ یہاں سے جس طرف کو مناسب سمجھو چلے جاؤ۔ تم کو کوئی بھی کچھ نہ کہے گا کیونکہ دشمنوں کو صرف میری ذات سے بحث ہے۔ تمہارے چلے جانے کو تو وہ اور بھی غنیمت سمجھیں گے۔ میں تم سب کو اجازت دیتا ہوں کہ اپنی اپنی جان بچالو۔ ہمرائیوں نے یہ سن کر کہا کہ ہم ہرگز ہرگز آپ کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتے۔ ہم سب آپ کے اوپر قربان ہو جائیں گے اور جب تک ہمارے دم میں دم ہے، آپ کو آزار نہ پہنچنے دیں گے۔

اسی شب تھوڑی دیر کے بعد ایک شخص طرماح بن عدی جو اس نواح میں آیا تھا، حضرت حسینؓ اور ابن سعد کے لشکروں کا حال سن کر حسین کے پاس آیا اور کہا کہ آپ تنہا میرے ساتھ چلیں، میں آپکو ایسے راستے سے لے چلوں گا کہ کسی کو مطلق اطلاع نہ

Marfat.com

ہو سکے گی اور اپنے قبیلہ بنی طے میں لے جا کر پانچ ہزار آدمی اپنے قبیلہ کے آپ کی خدمت میں پیش کروں گا۔ آپ ان پانچ ہزار سے جو چاہیں کام لیں۔ حسینؓ نے کہا کہ میں نے ابھی ان سب سے کہا تھا کہ مجھ کو تنہا چھوڑ کر تم سب چلے جاؤ تو انہوں نے اس بات کو گوارا نہیں کیا۔ اب یہ کیسے ممکن ہے کہ میں ان سب کو چھوڑ کر تنہا اپنی جان بچا کر نکل جاؤں۔ ان کے ہمرائیوں نے کہا کہ ہم لوگوں کو تو وہ کچھ کہیں گے نہیں جیسا کہ آپ ابھی فرما چکے ہیں وہ تو تنہا آپ کے دشمن ہیں۔ لہٰذا آپ اپنی جان بچانے کے لئے نکل جائیں۔ حسینؓ نے کہا کہ عزیزوں اور قریبی رشتہ داروں کے بغیر کوئی چیز بھی گوارا نہیں ہو سکتی۔ میں بغیر آپ لوگوں کی معیت کے اپنی جان بچانے کے لئے ہرگز نہ جاؤں گا۔ چنانچہ اس شخص کو شکریہ کے ساتھ واپس کر دیا۔

جب صبح ہوئی تو شمر ذی الجوشن اور عمر بن سعد صفوف لشکر کو آراستہ کر کے میدان میں آئے۔ حضرت حسینؓ نے بھی اپنے ہمرائیوں کو مناسب ہدایات کے ساتھ متعین کیا۔ شمر ذی الجوشن نے عبید اللہ، جعفر، عثمان، عباس کو میدان میں بلوا کر کہا کہ تم کو امیر ابن زیاد نے امان دے دی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ابن زیاد کی امان سے اللہ کی امان بہتر ہے۔ شمر اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔ بعض روایت کے موافق ایک سو چالیس (۱۴۰) اور بعض کے موافق دو سو چالیس تھے۔ بہر حال اگر بڑی سے بڑی تعداد یعنی دو سو چالیس بھی تسلیم کر لیں تو دشمنوں کی ہزار ہا جرار افواج کے مقابلے میں حسین کے ساتھ کوئی حقیقت نہ رکھتے تھے۔ حسینؓ اپنے ہمرائیوں کو مناسب مقامات پر کھڑا کر کے اور ضروری وصیتیں فرما کر اونٹ پر سوار ہوئے اور کوفی لشکر کی صفوف کے سامنے تنہا گئے۔ ان لوگوں کو بلند آواز سے مخاطب کر کے ایک تقریر شروع کی اور فرمایا کہ اے کوفیو! میں خوب جانتا ہوں کہ یہ تقریر کوئی نتیجہ میرے لئے اس وقت پیدا نہ کرے گی اور تم کو جو کچھ کرنا ہے، تم اس سے باز نہ آؤ گے لیکن میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی حجت تم پر پوری ہو جائے اور میرا عذر بھی ظاہر ہو جائے۔ ابھی اس قدر الفاظ کہنے پائے تھے کہ آپ کے خیمے سے عورتوں اور بچوں کے رونے کی آوازیں بلند ہوئیں اور ان آوازوں کے سننے سے آپ کو سخت ملال ہوا اور سلسلہ کلام کو روک کر لاحول پڑھ کر آپ نے کہا کہ عبد اللہ بن عباسؓ مجھ سے سچ کہتے تھے کہ عورتوں اور بچوں کو ہمراہ نہ لے جاؤ۔ مجھ سے غلطی ہوئی کہ میں ان سے مشورے پر عمل نہ کیا، پھر لوٹ کر اپنے بھائی اور بیٹے کو پکار کر کہا کہ ان عورتوں کو رونے سے منع کر و اور کہو کہ اس وقت خاموش رہو، کل خوب دل بھر کر رو لینا۔ انہوں نے عورتوں کو سمجھایا اور وہ آوازیں بلند ہوئیں۔ حضرت حسینؓ نے پھر کوفیوں کی طرف متوجہ ہو کر اپنی تقریر اس طرح شروع کی کہ: ''لوگو! تم میں سے ہر ایک شخص جو مجھ سے واقف ہے اور ہر ایک وہ شخص بھی جو مجھ کو نہیں جانتا، اچھی طرح آگاہ ہو جائے کہ میں آنحضرت ﷺ کا نواسا اور حضرت علیؓ کا بیٹا ہوں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا میری ماں اور جعفر طیارؓ میرے چچا تھے۔ اس فخر نسبتی کے علاوہ مجھ کو یہ فخر بھی حاصل ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مجھ کو اور میرے بھائی حسن کو جوانان اہل جنت کا سردار بتایا ان سے میری اس بات کی تصدیق کر سکتے ہو۔ میں نے کبھی وعدہ خلافی نہیں کی، مین نے کبھی نماز قضا نہیں کی اور میں نے کسی مومن کا قتل نہ کیا، نہ آزار پہنچایا۔ اگر عیسیٰ علیہ السلام کا گدھا بھی باقی ہوتا تو تمام عیسائی قیامت تک اس گدھے کی پرورش اور نگہداشت میں مصروف رہتے۔ تم کیسے مسلمان اور کیسے امتی ہو کہ اپنے رسول کے نواسے کا قتل کرنا چاہتے ہو، نہ تم کو اللہ کا خوف ہے نہ رسول کی شرم ہے۔ میں نے جبکہ ساری عمر کسی شخص کو بھی قتل نہیں کیا تو ظاہر ہے کہ مجھ پر کسی کا قصاص بھی نہیں،

Marfat.com

پھر بتاؤ کہ تم نے میرے خون کو کس طرح حلال سمجھ لیا ہے؟ میں دنیا کے جھگڑوں سے آزاد ہو کر مدینہ میں آنحضرت ﷺ کے قدموں میں پڑا تھا۔ تم نے وہاں بھی مجھ کو نہ رہنے دیا، پھر مکہ مکرمہ کے اندر بیت اللہ میں مصروف عبادت تھا تو کوفیوں نے مجھ کو وہاں بھی چین نہ لینے دیا اور میرے پاس مسلسل خطوط بھیجے کہ ہم تم کو امامت کا حقدار سمجھتے اور تمہارے ہاتھ پر بیعت خلافت کرنا چاہتے ہیں۔ جب تمہارے بلانے کے موافق میں یہاں آیا تو اب تم مجھ سے برگشتہ ہو گئے۔ اب بھی اگر تم میری مدد کرو تو میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ مجھ کو قتل نہ کرو اور آزاد چھوڑ دو تا کہ میں مکہ یا مدینہ میں جا کر مصروف عبادت ہو جاؤں اور اللہ تعالیٰ خود اس جہان میں فیصلہ کر دے گا کہ کون حق پر تھا اور کون ظالم تھا"

اس تقریر کو سن کر سب خاموش رہے اور کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ تھوڑی دیر انتظار کرنے کے بعد حضرت حسینؓ نے فرمایا کہ:۔

"اللہ کا شکر ہے کہ میں نے تم پر حجت پوری کر دی اور تم کوئی عذر پیش نہیں کر سکتے"

پھر آپ نے ایک کا نام لے کر آواز دی "اے شبث بن ربعی، اے حجاج بن الحسن، اے قیس بن الاشعث، اے حر بن یزید تمیمی، اے فلاں فلاں کیا تم نے مجھ کو خطوط نہیں لکھے تھے اور مجھ کو باصرار یہاں نہیں بلوایا تھا؟ اور جبکہ میں آیا ہوں تو تم مجھکو قتل کرنے پر آمادہ ہو"

یہ سن کر ان سب لوگوں نے کہا کہ ہم نے آپکو کوئی خط نہیں لکھا اور نہ آپ کو بلایا۔ حضرت حسینؓ نے وہ خطوط نکالے اور الگ الگ پڑھ کر سنائے کہ یہ تمہارے خطوط ہیں۔ انہوں نے کہا کہ خواہ ہم نے یہ خطوط بھیجے مگر اب ہم علی الاعلان آپ سے اپنی بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ سن کر حسینؓ اونٹ سے اترے اور گھوڑے پر سوار ہو کر لڑائی کے لئے مستعد ہو گئے۔ کوفی لشکر سے اول ایک شخص میدان میں مقابلہ کی غرض سے نکلا مگر اسکا گھوڑا ایسا بدکا کہ وہ گھوڑے سے گرا اور گر کر مر گیا۔ اس کیفیت کو دیکھ کر حر بن یزید تمیمی اس انداز سے جیسے کوئی حملہ آور ہوتا ہے اپنی ڈھال اپنے سامنے کری اور گھوڑا دوڑا کر حسینؓ کے پاس آیا اور ڈھال پھینک دی۔ حضرت حسینؓ نے پوچھا تو کس لئے آیا ہے؟ اس نے کہا کہ میں وہ شخص ہوں جس نے آپ کو ہر طرف سے گھیر کر اور روک کر واپس نہ جانے دیا اور اس میدان میں قیام کرنے پر مجبور کیا۔ میں اپنی اس خطا کی تلافی میں اب آپ کی طرف سے کوفیوں کا مقابلہ کروں گا۔ آپ میرے لئے مغفرت کی دعا کریں۔ حسینؓ نے اسکو دعا دی اور بہت خوش ہوئے۔

شمر ذی الجوشن نے عمرو بن سعد سے کہا کہ اب دیر کیوں کر رہے ہو؟ عمرو بن سعد نے فوراً ایک تیر کمان جوڑ کر حسینؓ کے لشکر کی طرف پھینکا اور کہا کہ تم گواہ رہنا کہ سب سے پہلا تیر میں نے چلایا ہے۔ اس کے بعد کوفیوں کے لشکر سے دو آدمی نکلے۔ حسینؓ کی طرف سے ایک بہادر نے مقابلہ پر جا کر دونوں کو قتل کر دیا، پھر اسی طرح لڑائی کا سلسلہ جاری ہوا۔ دیر تک مبازرہ کی لڑائی ہوتی رہی اور اس میں کوفیوں کے آدمی زیادہ مارے گئے، پھر اس کے بعد حسینؓ کی طرف سے ایک ایک آدمی نے کوفیوں کی صفوں پر حملہ کرنا شروع کیا۔ اس طرح بہت سے کوفیوں کا نقصان ہوا۔ حضرت حسینؓ کے ہمرائیوں نے آل ابی طالب کو اس وقت تک میدان میں نہ نکلنے دیا، جب تک کہ وہ ایک ایک کر کے سب کے سب نہ مارے گئے۔ آخر میں مسلم بن عقیل کے بیٹوں نے آل علی پر سبقت کی۔ ان کے بعد حضرت حسینؓ کے بیٹے علی اکبر نے دشمنوں پر رستمانہ حملے کئے اور بہت سے دشمنوں کو ہلاک

Marfat.com

کرنے کے بعد خود بھی شہید ہو گئے۔ ان کے قتل ہونے کے بعد حسینؓ سے ضبط نہ ہو سکا اور آپ رونے لگے، پھر آپ کے بھائی عبداللہ و محمد و جعفر و عثمان نے دشمنوں پر حملہ کیا اور بہت سے دشمنوں کو مار کر خود بھی ایک ہی جگہ ڈھیر ہو گئے۔ آخر میں حسینؓ کے ایک نوعمر بیٹے محمد قاسم نے حملہ کیا اور وہ بھی مارے گئے۔ غرض کہ حسینؓ کے لئے کربلا میں اپنی شہادت اور دوسری تمام مصیبتوں سے بڑھ کر مصیبت یہ تھی کہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے اپنے بھائیوں اور بیٹوں کو شہید ہوتے ہوئے اور اپنی بیٹیوں اور بہنوں کو ان روح فرسا نظاروں کا تماشا دیکھتے ہوئے دیکھا۔ حسینؓ کے ہمرائیوں اور خاندان والوں نے ایک طرف اپنی بہادری کے نمونے دکھائے تو دوسری طرف وفاداری و جان نثاری کی بھی انتہائی مثالیں پیش کر دیں۔ نہ کسی شخص نے کمزوری و بزدلی دکھائی نہ بے وفائی و تن آسانی کا الزام اپنے اوپر لیا۔ حضرت حسینؓ سب سے آخر میں تنہا رہ گئے۔ خیمہ میں عورتوں کے سوا صرف علی بوسط معروف بہ زین العابدینؒ جو بیمار اور چھوٹے بچے تھے، باقی رہ گئے۔ عبیداللہ بن زیاد ظالم نے یہ حکم بھی بھیج دیا تھا کہ حسینؓ کا سر مبارک کاٹ کر ان کی لاش گھوڑوں سے پامال کرائی جائے کہ ہر ایک عضو ٹوٹ جائے۔

اے حسینؓ تم جلدی ہم سے آ کر ملو گے

تھوڑی دیر کے بعد روتے ہوئے اُٹھے اور فرمایا: بہن! میں نے نانا جان کو خواب میں دیکھا ہے۔ آپ ﷺ رو رو کر فرما رہے ہیں کہ اے حسین تم جلد ہی ہم سے آ کر ملو گے اور ایک سوار کہہ رہا ہے کہ لوگ چل رہے ہیں اور ان کی قضائیں ان کی طرف چل رہی ہیں۔

حضرت علی اکبر نے فرمایا: ابا جان کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟

حضرت حسینؓ نے فرمایا: بے شک ہم حق پر ہیں اور حق ہمارے ساتھ ہے۔

پس حضرت علی اکبر نے عرض کی تو پھر موت کا کیا خوف؟ ایک نہ ایک دن تو مرنا ہی ہے۔ ابا جان! ہم گلزار شہادت کو پھلتا پھولتا دیکھ رہے ہیں۔ بہتر گھر اور عمدہ نعمتیں ہمارے سامنے ہیں۔

حضرت حسینؓ کی شہادت

حضرت حسینؓ نے تنہا رہ جانے کے بعد جس بہادری و جواں مردی کے ساتھ دشمنوں پر حملے کئے، ان حملوں کی شان دیکھنے والا اور ان کے ہمرائیوں میں سے کوئی نہ تھا مگر عمر بن سعد اور شمر ذی الجوشن آپس میں ایک دوسرے کہہ رہے تھے کہ ہم نے آج تک ایسا بہادر و جری انسان نہیں دیکھا۔ اس غم کی داستان اور روح کو مضمحل کر دینے والی کہانی کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت حسینؓ کے جسم پر پینتالیس زخم تیر کے تھے مگر آپ برابر دشمنوں کا مقابلہ کئے جا رہے تھے۔ ایک دوسری روایت کے موافق ۳۳ زخم نیزے کے اور ۲۳ زخم تلوار کے تھے اور تیروں کے زخم ان کے علاوہ تھے۔ شروع میں آپ گھوڑے پر سوار ہو کر حملہ آور ہوتے رہے تھے لیکن جب گھوڑا مارا گیا تو پھر پیدل لڑنے لگے۔ دشمنوں میں کوئی شخص بھی یہ نہیں چاہتا تھا کہ حسینؓ میرے ہاتھ سے شہید ہوں بلکہ ہر شخص آپ کے مقابلے سے بچتا اور طرح دیتا تھا۔ آخر شمر ذی الجوشن نے چھ شخصوں کو ہمراہ لے کر آپ پر حملہ کیا اور ان میں

Marfat.com

سے ایک نے شمشیر کا ایسا وار کیا کہ حسینؓ کا بایاں ہاتھ کٹ کر الگ گر پڑا حضرت حسینؓ نے اس پر جوابی وار کرنا چاہا لیکن آپکا داہنہ ہاتھ بھی اس قدر مجروح ہو چکا تھا کہ تلوار نہ اُٹھا سکے۔ پیچھے سے سنان بن انس نخعی نے آپ کے نیزہ مارا جو شکم سے پار ہو گیا۔ آپ نیزہ کا یہ زخم کھا کر گرے، اس نے نیزہ کھینچا اور اسکے ساتھ ہی آپ کی روح بھی کھنچ گئی۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

اس کے بعد شمر نے یا شمر کے حکم سے کسی دوسرے شخص نے حضرت حسینؓ کا سر جسم سے جدا کیا اور عبید اللہ بن زیاد کے حکم کی تعمیل کے لئے بارہ سوار متعین کئے گئے۔ انہوں نے اپنے گھوڑے کی ٹاپوں سے آپ کے جسم مبارک کو خوب کچلوایا، پھر خیمہ کو لوٹا۔ آپ کے اہل بیت کو گرفتار کیا، زین العابدین جو لڑکے تھے، شمر ذی الجوشن کی نظر پڑی تو ان کو اس نے قتل کرنا چاہا مگر عمر بن سعد نے اس کو اس حرکت سے باز رکھا۔ حضرت حسینؓ کا سر مبارک اور آپ کے اہل بیت کوفہ میں ابن زیاد کے پاس بھیجے گئے۔ کوفہ میں ان کو تشہیر کیا گیا۔ ابن زیاد نے دربار کیا اور ایک طشت میں رکھ کر حسینؓ کا سر اس کے سامنے پیش ہوا۔ اس نے سر دیکھ کر گستاخانہ کلمات کہے، پھر تیسرے روز شمر ذی الجوشن کو ایک دستہ فوج دے کر اس کی نگرانی میں یہ قیدی اور سر مبارک یزید کے پاس دمشق کی جانب روانہ کیا۔ علی بن حسینؓ یعنی امام زین العابدین اور تمام عورتیں جب یزید کے پاس پہنچے اور حسینؓ کا سر اس نے دیکھا تو سر دربار رو پڑا اور عبید اللہ بن زیاد کو گالیاں دے کر کہنے لگا کہ اس پسر سمیہ کو میں نے یہ حکم کب دیا تھا کہ حسینؓ بن علیؓ کو قتل کر دینا، پھر شمر ذی الجوشن اور عراقیوں کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ میں تو تمہاری اطاعت و فرماں برداری سے ویسے ہی خوش تھا، تم نے حسینؓ بن علیؓ کو کیوں قتل کر دیا، شمر ذی الجوشن اور اس کے ہمراہی اس توقع میں تھے کہ یزید ہم کو انعام دے گا اور ہماری عزت بڑھائے گا مگر یزید نے کسی کو کوئی انعام و صلہ نہیں دیا اور اپنی ناخوشی و ناراضگی کا اظہار کر کے سب کو واپس لوٹا دیا، پھر درباریوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ حسینؓ کی ماں میری ماں سے اچھی تھیں۔ ان کے نانا آنحضرت ﷺ تمام رسولوں سے بہتر اور اولاد آدم کے سردار ہیں لیکن ان کے باپ علیؓ اور میرے باپ معاویہ میں جھگڑا ہوا۔ اسی طرح میرے اور حسینؓ بن علیؓ کے درمیان نزاع ہوا۔ علی اور حسینؓ دونوں کہتے تھے کہ جس کے باپ دادا اچھے ہوں۔

وہ خلیفہ ہو اور قرآن مجید کی اس آیت پر انہوں نے غور فرمایا کہ:

قل اللھم مالک الملک توتی الملک منم تشائو تنزع الملک ممن تشاء.

آخر سب کو معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے حق میں فیصلہ کیا یا ان کے حق میں۔ اس کے بعد ان قیدیوں کو آزادی دے کر بطور معزز مہمان اپنے محل میں رکھا۔ عورتیں اندر عورتوں میں گئیں تو انہوں نے دیکھا کہ یزید کے محل سرا میں بھی اسی طرح ماتم برپا ہے اور سب عورتیں رو رہی ہیں۔ جس طرح حسینؓ کی بہن اپنے بھائی اور عزیزوں کے لئے رو رہی تھیں۔ چند روز شاہی مہمان رہ کر یہ برباد شدہ قافلہ مدینہ کی طرف روانہ ہوا۔ یزید نے ان کو ہر قسم کی مالی امداد اور علی بن حسینؓ سے ہر قسم کی امداد کا وعدہ کیا کہ جب تم لکھو گے تمہارے فرمائش کی ضرور تعمیل کی جائے گی۔

Marfat.com

حضرت حسینؓ کا تلواروں کے سائے میں بھی نماز نہ چھوڑنا

اس وقت دوپہر ڈھل چکی تھی اور نماز ظہر کا وقت تھا۔ حضرت حسینؓ نے اس وقت بھی اس صورت میں نماز کو ادا کیا کہ گرتے ہوئے منہ قبلے کی طرف کیا، گھوڑے پر قیام تھا اور جب غش سے جھکے تو رکوع تھا اور جب زمین پر گئے تو سر کے بل کہ وہ سجدہ کا مقام تھا۔ اتنے میں شمر آیا اور آپ کے سینہ مبارک پر بیٹھ گیا۔ حضرت حسین نے آنکھیں کھول کر پوچھا تو کون ہے؟

اس نے بتایا کہ میں شمر ہوں۔

فرمایا: ذرا سینہ کھول کر دکھا، اس نے سینہ کھولا تو سفید داغ نظر آیا۔ آپؓ نے فرمایا: صَدَقَ جَدِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ

سچ فرمایا نانا جان (ﷺ) نے رات کو خواب میں فرمایا کہ تیرے قتل کا نشان یہ ہے۔ وہی نشان تجھ میں موجود ہے۔

پھر فرمایا: اے شمر تو جانتا ہے آج کونسا دن ہے؟

اس نے کہا: جمعہ کا

فرمایا: وقت کون سا ہے؟

کہا خطبہ پڑھنے اور نماز جمعہ ادا کرنے کا۔

فرمایا: اس وقت خطیب منبروں پر خطبہ پڑھ رہے ہوں گے اور میرے نانا (ﷺ) کی تعریف کر رہے ہونگے۔ ان پر درود پڑھ رہے ہونگے اور تو ان کے نواسے کے ساتھ یہ سلوک کر رہا ہے۔ جہاں رسول اللہ ﷺ بوسہ دیا کرتے تھے وہاں تو خنجر پھیرنا چاہتا ہے۔ اے شمر! ذرا میرے سینے سے ہٹ کہ وقت نماز ہے میں قبلہ رُخ ہو کر نماز پڑھوں تو نماز پڑھتے میں جو چاہے کرنا کہ نماز میں زخمی ہونا میرے باپ کی میراث ہے۔ بس شمر آپؓ کے سینے سے اترا اور حضرت حسینؓ قبلہ رو ہو کر نماز میں اللہ سے راز و نیاز میں مشغول ہوئے اور شمر نے حضرت حسینؓ کا سجدہ میں ہی 10 محرم 61 ہجری یوم جمعہ کو 56 سال پانچ ماہ پانچ دن کی عمر میں سرتن سے جدا کر دیا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

بوقت شہادت حضرت حسینؓ کے جسم اطہر کی حالت

بوقت شہادت حضرت حسینؓ کا جسد اطہر تیروں، نیزوں اور تلواروں کے زخموں سے گلاب رنگ تھا۔

علامہ ابن اثیرؒ لکھتے ہیں: ووجد بالحسین ثلاث وثلاثون طونة واربع وثلاثون ضربة غير الرمية

وقت شہادت حضرت حسینؓ کا جسد اطہر پر نیزوں کے ۳۳ اور تلواروں کے ۳۴ گھاؤ تھے، جبکہ تیروں زخم اسکے علاوہ تھے۔

اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہ کا خواب

ایک بی بی فرماتی ہیں کہ میں ام المؤمنین حضرت اُم سلمہؓ کے ہاں گئی تو دیکھا کہ حضرت اُم سلمہؓ رو رہی ہیں۔ میں نے

Marfat.com

پوچھا آپ کیوں رو رہی ہیں۔

تو فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا ہے کہ آپ ﷺ کے سرانور اور ریش مبارک پر گرد و غبار ہے۔

میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ یہ کیا بات ہے؟

تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں ابھی کربلا سے آیا ہوں، آج میرے حسینؓ کو قتل کر دیا گیا۔

حضرت حسینؓ کے سر کی بے حرمتی

حضرت زید بن ارقم جو ایک صحابی ہیں فرماتے ہیں کہ کب کوفی حضرت حسینؓ کے سر مبارک کو نیزے کی نوک پر گلی کوچہ میں پھرا رہے تھے تو میں اپنے گھر کی کھڑکی میں بیٹھا تھا۔ جب سرانور میرے قریب آیا تو میں نے سرانور کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْ مِنْ آيَاتِنَا عَجَباً (سورہ الکهف ۹)

پس میرے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اور میں نے عرض کیا: اے ابن رسول ﷺ بخدا آپ کا قصہ اس سے زیادہ تعجب خیز ہے۔ پھر جب ابن زیاد کے پاس لا کر نیزوں سے سر اُتارا گیا تو یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے:

فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلاً عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُوْنَ

گرجے کے پادری کا حضرت امام حسینؓ کے سر مبارک کی تعظیم کرنا

یزیدی لشکر اسیران کربلا اور سرہائے شہدائے کربلا کو دمشق لے جاتے ہوئے رات کے وقت ایک منزل پر پہنچا تو وہاں ایک بڑا مضبوط گرجا نظر آیا۔ یزیدیوں نے سوچا کہ رات کا وقت ہے، اس گرجے میں رہنا اچھا رہے گا گرجا میں ایک بوڑھا پادری رہتا تھا۔ شمر نے اس پادری سے کہا کہ ہم لوگ رات تمہارے گرجا میں رہنا چاہتے ہیں۔ پادری نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ اور کہاں جاؤ گے؟ شمر نے بتایا کہ ہم ابن زیاد کے سپاہی ہیں۔ ایک باغی اور اس کے ساتھیوں اور اس کے اہل و عیال کو دمشق لے جا رہے ہیں۔ پادری نے پوچھا وہ سر جسے تم باغی کر سر بتا رہے ہو وہ، کہاں ہے؟ شمر نے دکھایا تو دیکھ پر پادری پر ایک ہیبت طاری ہو گئی اور کہنے لگا کہ تمہارے ساتھ بہت سے آدمی ہیں اور گرجے میں اتنی جگہ نہیں۔ اس لئے تم ان سروں اور قیدیوں کو تو گرجے میں رکھ اور خود باہر رہو۔ شمر نے اسے غنیمت سمجھا کہ سر اور قیدی محفوظ رہیں گے۔ چنانچہ سر حضرت حسینؓ کو ایک صندوق میں بند کر کے گرجے کی ایک کوٹھڑی میں اور اہل بیت کو گرجے کے ایک مکان میں رکھا گیا۔

مظلوم کربلا کے سر مبارک کا اعزاز و اکرام

آدھی رات کے وقت پادری کوٹھڑی کا قفل توڑ کر اندر آیا، صندوق کا تالا توڑا اور سرانور کو نکال کر مشک و گلاب سے دھو کر مصلے پر رکھا اور سامنے دست بستہ کھڑے ہو کر عرض کی اے سردار! مجھے معلوم ہو گیا کہ آپ ان کی اولاد میں سے ہیں جن کا وصف تورات و انجیل میں میں نے پڑھا ہے۔ لیجئے گواہ رہیے کہ مسلمان ہوتا ہوں۔ چنانچہ وہیں کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔

(تذکرہ حضرت حسینؓ ص 105)

Marfat.com

دمشق کے شہر حلب میں ایک خانقاہ جو کہ مشہد نقطہ کے نام سے مشہور ہے یہ وہ خانقاہ ہے جس کے راہب کی درخواست پر حضرت حسینؓ کا کٹا ہوا سر مبارک ایک رات اس خانقاہ میں رکھا گیا تھا۔ خانقاہ میں وہ جگہ جہاں حضرت حسینؓ کا سر رکھا گیا تھا اس مقام پر سنگ مرمر کا ایک کتبہ نصب ہے۔ جس پر اس خانقاہ کی تاریخ اور واقعہ انگریزی زبان میں لکھا ہوا ہے۔ جس کا ترجمہ مندرجہ ذیل ہے۔

''جب یزید کی فوج اسیران اہل بیت کو کوفہ سے دمشق لا رہی تھی تو حلب میں قیام کیا۔ اس مقام پر اسلام سے پہلے ایک خانقاہ تھی۔ اس خانقاہ کے راہب کو معلوم ہوا کہ پیغمبر ﷺ کا خاندان ہے۔ ان کے زیادہ تر مرد شہید ہو چکے ہیں اور زندہ رہنے والوں کو قیدی بنا لیا گیا ہے۔ اس راہب نے سرِ حضرت حسینؓ کے پہرہ دار سے درخواست کی کہ وہ ایک رات اس مقدس سر کو اس کے پاس رہنے دے اور اس کے بدلے پہرے دار کو ایک رقم بھی ادا کی''

حضرت حسینؓ کے سر مبارک کی برکت سے راہب مسلمان ہو گیا

اس راہب نے وہ سر مبارک ایک پتھر پر رکھ دیا اور ساری رات حضرت حسینؓ پر کیے گئے ظلم کو سوچتا رہا۔ رات میں سر مبارک کے خون کے چند قطرے اس پتھر پر معجزے سے گرے۔ صبح کو قافلہ سر مبارک لے کر آگے بڑھ گیا۔ بالآخر وہ پادری مسلمان ہو گیا۔ ایک راہب کے بعد دوسرا آ تا رہ اور یہ مقدس پتھر جس پر خون سیدالشہداؑ کی سرخی تھی صفر 33 ہجری تک اسی خانقاہ میں رکھا رہا۔ 333 ہجری میں ایک بادشاہ شاہ ہمدانی نے حلب کو فتح کیا اور اس شہر کو اپنا دارالخلافہ بنایا۔ وہ برابر اس مقدس پتھر کی زیارت کو جاتا رہا اور یہاں ایک شاندار عمارت تعمیر کروائی، اس وقت یہ جگہ مشہد نقطہ کہلانے لگی۔ یہاں تک کہ 1333 ہجری میں عثمانی بادشاہوں نے اس جگہ کو فتح کر لیا۔ وہ لوگوں کو اس مقام کی زیارت سے منع کرتے تھے اور اس عمارت کو انہوں نے اپنے ہتھیاروں کا گودام بنا لیا۔ 20 محرم 1337 ہجری کو جب کہ یہ جگہ ہتھیاروں سے بھری ہوئی تھی اچانک دھماکے سے عمارت تباہ ہو گئی لیکن یہ مقدس پتھر محفوظ رہا۔ لوگ اس مقدس پتھر کو مسجد زکریا میں لے گئے جو حلب میں ہی واقع ہے۔ مگر پھر کچھ عرصے کے بعد مشورہ سے اس پتھر کو اسی عبادت گاہ میں پہنچا دیا گیا جہاں یہ پتھر شروع میں رکھا ہوا تھا اور اس طرح مقدس پتھر اپنی جگہ رکھ دیا گیا۔

1380 ہجری میں جعفری اسلامی تعمیر نو کی سوسائٹی نے اس عمارت کو اس کے پرانے انداز میں دوبارہ تعمیر کرا دیا۔ (حوالہ شام)

نیزہ پر رکھا سرِ حسینؓ

امام جلال الدین سیوطیؒ لکھتے ہیں کہ منہال بن عمرو کہتے ہیں جب دمشق کے بازار سے حضرت حسینؓ کا لشکر یزیدی سپاہی نیزے پر رکھ کر گھما رہے تھے تو اس وقت سر مبارک کے سامنے سے ایک آدمی سورہ کہف پڑھ رہا تھا جب وہ اس آیت پر پہنچا:

اَنَّ اَصۡحٰبَ الۡكَهۡفِ وَ الرَّقِيۡمِ كَانُوۡا مِنۡ اٰيٰتِنَا عَجَبًا

ترجمہ: کہ غار والے اور جنگل کے کنارے والے ہماری ایک عجیب نشانی تھے

Marfat.com

اسی وقت حضرت حسینؓ کے سر مبارک سے آواز آئی: اعجب من اصحاب الکھف قتلی و حملی

ترجمہ: (اے لوگوں) اصحاب کہف کے قتل سے زیادہ عجب میرا قتل اور پھر کٹے ہوئے سر کو پھرانا عجیب ہے (شرح الصدور 2/2)

خون سے لکھی تحریر

علامہ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ حضرت حسینؓ کے قتل کے بعد ایک پتھر ملا جس پر لکھا ہوا تھا

اَتَرْجُوْ اُمَّۃٌ" قَتَلَتْ حُسَیْنًا شَفَاعَۃَ جَدِّہٖ یَوْمَ الْحِسَابِ

یعنی کیا حضرت حسینؓ کو قتل کرنے والے امید رکھتے ہیں کہ روز قیامت ان کے نانا حضور اکرم ﷺ کی شفاعت پا سکیں گے؟

زید بن ارقمؓ کی نگاہ میں تمام عرب سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد غلام بن چکے

ان کے نکلنے کے بعد لوگ کہنے لگے: اللہ کی قسم ابن ارقم نے ایسی بات کہی کہ اگر ابن زیاد سن لیتا تو اسے قتل کر دیتا۔ روای کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ انہوں کیا کہا ہے؟ تو لوگ کہنے لگے ہمارے پاس گزرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

ملک عبدا عبیدا فاتخذ ھم تلیدا

ترجمہ: "ایک انسان انسانوں کا خدا بن بیٹھا اور انہیں پر غمال بنالیا"

جماعتِ عرب کان کھول کر سن لو، آج کے بعد تم لوگ غلام ہو، تم نے ابن فاطمہؓ کو شہید کر کے ابن مرجانہ کو حاکم بنایا ہے، وہ تمہارے اشراف کو قتل کرے گا، بدترین لوگوں کو پروان چڑھائے گا۔ ذلت کی زندگی پر خوش ہونے والے پر ہلاکت ہو۔

(البدایہ والنہایہ)

تم لوگ میرے انتہائی برے جانشین ہو! سیدنا حسینؓ اپنے رب سے جا ملے مگر اپنے بعد ایسے بیباک بہادر چھوڑ گئے، جنہوں نے ابن زیاد کو خاموش کر دیا اور مستقبل میں ان کی شجاعت کا ڈنکا بجا

ابو مخنف فرماتے ہیں کہ سلیمان بن راشد فرماتے ہیں کہ مجھے حمید بن مسلم نے خبر دی وہ فرماتے ہیں کہ جس وقت علی بن حسینؓ کو ابن زیاد پر پیش کیا گیا میں وہاں موجود تھا، ابن زیاد نے پوچھا؛ تیرا نام کیا ہے؟ وہ بولے؛ میں علی بن حسین ہوں! اس نے کہا؛ کیا اللہ نے علی بن حسین کو قتل نہیں کر دیا؟ اس پر یہ خاموش رہے، ابن زیاد نے کہا؛ بولتے نہیں؟ یہ کہنے لگے: میرے ایک بھائی کا نام بھی علی ہے جسے لوگوں نے شہید کر دیا۔ وہ بولے اسے اللہ نے قتل کیا ہے۔ یہ خاموش ہو گئے، وہ کہنے لگا بولتے نہیں؟ انہوں نے کہا اللہ یتوفی الانفس حین موتھا، یعنی اللہ ہی جانوں کو ان کے وقت پر قبض کرتا ہے۔ وما کان لنفس ان تموت الا باذن اللہ، کوئی نفس اللہ کے حکم کے بغیر نہیں مر سکتا، وہ کہنے لگا؛ اللہ کی قسم تو بھی انہی (مرنے والوں) میں سے ہے۔ تیرا ناس ہو! دیکھو اسے یہ بالغ ہو چکا یا نہیں؟ مری بن معاذ احمری نے کپڑا ہٹا کر دیکھا اور کہا: جی ہاں بالغ ہو چکا۔ ابن زیاد بولا: اسے بھی قتل کر دو! علی بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے؛ ان خواتین کو کس کے حوالے کرو گے؟ ان کی پھوپھی زینب

Marfat.com

ان سے لپٹ گئیں اور بولیں: ابن زیاد ہمارے گھرانے کے اتنے افراد کا خون کر کے بھی تو سیراب نہیں ہوا؟ تو نے کسی کو زندہ بھی چھوڑا ہے؟ بولیں اگر تو مسلمان ہے تو پھر تجھے اللہ کا واسطہ دے کر کہتی ہوں کہ پہلے مجھے قتل کرنا پھر اسے علی بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا!

ابن زیاد اگر تجھے قرابت داری کا کچھ پاس ہے تو کسی متقی انسان کو ان کے ساتھ بھیجنا جو دوران سفر احکام اسلام کو پیش نظر رکھے، ابن زیاد کچھ دیر ان کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر لوگوں کی طرف دیکھ کر بولا رشتہ داری بھی عجیب چیز ہے۔

اللہ! اس خاتون کی چاہت یہ ہے کہ اگر میں اسے (علی بن حسین) کو قتل کروں تو پہلے اسے قتل کروں، اسے چھوڑ دو، جاؤ اپنی خواتین کے ساتھ۔ اس کے بعد ابن زیاد نے ان کو یزید کے پاس شام بھیج دیا، علی بن حسینؓ کی گردن میں زنجیر ڈال دی، اور محفر بن ثعلبہ عائذی قریشی اور شمر بن ذی الجوشن (اللہ اسے رسوا کرے) کو ساتھ روانہ کیا۔ (البدایہ والنہایہ)

غم حسین میں کائنات رو پڑی

حضرت ابو قبیل حی بن فرماتے ہیں: **لَمَّا قُتِلَ الْحُسَيْنُ ابْنُ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا** جس دن سیدنا امام حسینؓ میدان کربلا میں شہید ہوئے **كُسِفَتِ الشَّمْسُ كَسْفَةً بِدَتِ الْكَوَاكِبِ نِصْفَ النَّهَارِ** ۔ تو اس دن سورج بے نور ہو گیا اور دوپہر کے وقت ستارے چمکنے لگے۔ (بیہقی شریف جلد ۳ صفحہ ۳۳۷)

خلف بن خلیفہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں **لَمَّا قُتِلَ الْحُسَيْنُ اِسْوَدَّتِ السَّمَآءُ** جس دن امام حسینؓ شہید ہوئے اس آسمان بالکل سیاہ ہو گیا۔ **وَظَهَرَتِ الْكَوَاكِبُ** اور دن میں ستارے چمکنے لگے۔

(تہذیب التہذیب جلد ۲ صفحہ ۳۵۴، کرامات صحابہ صفحہ ۴۸)

ابن عینیہ اپنی دادی سے روایت کرتے ہیں **وَاَنَّ السَّمَآءَ اِحْمَرَّتْ لِقَتْلِهٖ** کہ جس امام حسینؓ شہید ہوئے اس دن آسمان سرخ ہو گیا۔ **وَانْكَفَتِ الشَّمْسُ** اور سورج بے نور ہو گیا۔ **حَتّٰى بِدَاتِ الْكَوَاكِبُ نِصْفُ النَّهَارِ** یہاں تک کہ دوپہر کو ستارے نظر آنے لگے **اِنَّ الْقِيَامَتَ قَدْ قَامَتْ** اور لوگوں نے سمجھا شاید قیامت آ گئی **وَلَمْ يُرْفَعُ حَجَرٌ" فى الشام الا رؤى تحته دم عبيط.** اس دن ملک شام میں جو بھی پتھر اٹھایا جاتا اس کے نیچے سے تازہ خون نظر آتا تھا۔

(صواعق محرقہ صفحہ ۱۹۴)

امام ابن سیرین فرماتے ہیں: **اَنَّ الدُّنْيَا اَظْلَمَتْ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ** جن دن سیدنا امام حسینؓ شہید ہوئے تمام دنیا میں تین دن تک تاریکی رہی **ثُمَّ ظَهَرَتِ الْحُمْرَةُ فِى السَّمَآءِ** تین دن کے بعد پھر آسمان پر سرخی ظاہر ہوئی۔

(صواعق محرقہ صفحہ ۱۹۴)

Marfat.com

علامہ جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں جس دن امام حسینؓ شہید ہوئے تو دنیا میں سات دن تک اندھیرا رہا۔ ستارے ایک دوسرے پر گرنے لگے اور ٹوٹ کر زمین پر گرنے لگے آپ کی شہادت کے بعد مسلسل چھ ماہ تک آسمان کے کنارے سرخ رہے پھر وہ سرخی آہستہ آہستہ جاتی رہی لیکن افق کی سرخی اب بھی موجود ہے وَلَمْ تَكُنْ تَرٰى فِيْهَا قَبْلَه' یہ سرخی امام حسینؓ کی شہادت سے پہلے موجود نہ تھی امام حسینؓ کی شہادت کے دن بیت المقدس کا جو بھی پتھر اٹھایا جاتا اس کے نیچے سے تازہ خون دکھائی دیتا تھا۔ (تاریخ الخلفا صفحہ ۲۰۷)

علامہ ابن جوزی فتح مکیہ میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا آسمان کو سرخ کرنا اور خون کی بارش برسانا اس کے سخت ناراض ہونے کی علامت ہے کیونکہ جب کوئی غصہ میں اور جلال میں آتا ہے تو اس کا خون جوش مارتا ہے اور چہرہ سرخ ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ چونکہ انسانی اعضاء سے پاک ہے لہذا اس نے اپنی ناراضگی کا اظہار اس طرح فرمایا کہ آسمان کو سرخ کر دیا اور آسمان سے خون کی بارش برسائی اور اس علامت کو قیامت تک باقی رکھا۔ (صواعق محرقہ صفحہ ۹۲)

حضرت بصرہ ازدیہ فرماتی ہیں: كَمَا الْحُسَيْنُ ابْنُ عَلِيٍّ اَمْطَرَتِ السَّمَآءُ دَمًا جب امام حسینؓ میدان کربلا میں شہید ہوئے تو آسمانوں سے خون کی بارش ہوئی وجبابنا وجرارنا مملوءۃ دما۔ جب ہم صبح کو اٹھے تو ہمارے کنویں ہمارے مٹکے خون سے بھرے ہوئے تھے۔

(صواعق محرقہ صفحہ ۱۹۲، سر الشہادۃ صفحہ ۳۲، خصائص الکبریٰ جلد ۲ صفحہ ۲۸۴، شام کربلا صفحہ ۱۷۰۔۱۷۳)

حضرت عبید المکتب فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت ابراہیمؒ نے بتایا جب سے دنیا بنی ہے جب سے اللہ تعالیٰ نے دنیا کی تخلیق فرمائی ہے اس دن سے لے کر آج تک سوائے دو معزز ہستیوں کے آسمان کبھی نہیں رویا۔ لوگوں نے حضرت عبید سے عرض کی حضور حدیث پاک میں آتا ہے کہ زمین و آسمان ہر مومن کی موت پر روتا ہے آپ کیسے کہتے ہیں نہیں روتا۔ حضرت عبید نے فرمایا حدیث پاک بالکل صحیح ہے مگر زمین کا وہ ٹکڑا مومن کی موت پر روتا ہے جہاں وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا رہا ہے اور آسمان کا وہ حصہ روتا ہے جہاں سے مومن کے نیک اعمال اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہوتے رہتے ہیں۔ میں بات کر رہا ہوں پورے آسمانوں کی دنیا میں دو ہستیاں ایسی آئی ہیں جن کی شہادت پر سارے آسمان روئے ہیں لوگوں نے عرض کی حضور وہ معزز ہستیاں کون سی ہیں جن کے چلے جانے کے بعد سارے آسمان روئے ہیں آپ نے فرمایا اِنَّ يَحْيٰى بْنَ زَكَرِيَّا لَمَّا قُتِلَ اِحْمَرَّتِ السَّمَآءُ پہلے حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام جس دن آپ شہید ہوئے اس آسمان سرخ ہو گیا اور آسمان نے خون کے قطرے برسائے وَاِنَّ حُسَيْنَ بْنِ عَلِيٍّ يَوْمَ قُتِلَ اِحْمَرَّتِ السَّمَآءُ اور دوسرے امام حسینؓ آپ جس دن شہید ہوئے تو اس دن آسمان سرخ ہو گیا اور آسمان نے خون کے آنسو بہائے۔ (تفسیر در منثور جلد ۴ صفحہ ۳۱، آل رسول جلد ۲ صفحہ ۷۳، ۸۵)

ابن زیاد سیدنا حسینؓ کی تائید میں اٹھنے والی ہر آواز کو ختم کرنا چاہتا ہے، شہداء کے سروں کو ملک شام بھیجنا

ابن زیاد نے تمام لوگوں کو جمع کیا اور منبر پر چڑھ کر خطبہ دیا جس میں اپنی فتح و نصرت اور حضرت حسینؓ کے قتل و ہزیمت

Marfat.com

کا تذکرہ کیا اور کہا کہ وہ ہمارا ملک چھیننے اور ہمارے درمیان تفریق پیدا کرنے آیا تھا۔ اتنے میں عبداللہ عفیف ازدی کھڑے ہو کر کہنے لگا: ابن زیاد تیرا ناس ہو! نبیوں کی اولاد کو قتل کر کے صدیقین جیسی باتیں بناتے ہو؟ ابن زیاد نے اسے قتل کروا کر سولی پر چڑھوایا دیا۔ اس کے بعد حکم دیا کہ حسینؓ کے سر کو نیزے پر رکھ کر کوفہ کی گلی کوچوں میں چکر لگایا جائے، پھر ان کا سر اور دوسرے تمام سروں کو زحر بن قیس کے ساتھ یزید بن معاویہ بن عوف ازدی، طارق بن ابوظبیان ازدی وغیرہ تھے، انہوں نے تمام سروں کو بحفاظت یزید کے پاس پہنچا دیا۔ (البدایہ والنہایہ)

کوفہ روانگی

سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اپنے بھائی اور دیگر شہداء پر گریہ وزاری کرنا

خواتین اہل بیت کے لئے، عمر بن سعد نے نگران مقرر کیے، انہوں نے خواتین کو اونٹوں پر ہودج میں سوار کیا اور کوفہ کی طرف لے چلے، جب مقتولین وشہداء پران کا گزر ہوا، در شہداء کو اس طرح پڑا دیکھا تو سیدنہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا برداشت نہ کر سکیں، صبر کے بندھن ٹوٹ گئے، روتے ہوئے کہنے لگیں:

یا محمد اہ، یا محمد اہ، صلی علیک اللّٰہ، وملکُ السماہ، ھٰذا حسین بالعراہ، مزمل بالدماہ، مقطع الاعضاء یا محمداہ، وبناتک سبایا، ذریتک مقتلۃ، تسفی علیھا الصبا.

ترجمہ: ”ہائے نانا جان، محمد ﷺ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے آپ پر درود بھیجیں! یہاں یہ حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بے گور وکفن خون میں لت پت پڑے ہیں، اعضاء کٹے پڑے ہیں، ہائے نانا جان محمد ﷺ! آپ کی بیٹیاں قید میں ہیں اولا د ساری شہید ہو چکی، ہوا کے جھونکے ان پر گرد وغبار اڑا رہے ہیں“

یہ سن کر دوست دشمن سب رونے لگے۔ (البدایہ والنہایہ)

اے پاکیزہ نفس کے قاتل کہاں جاتے ہو؟ خبیث تو کبھی جنت نہ دیکھ سکے گا!

محمد بن سعد فرماتے ہیں کہ ہمیں فضل بن دکین اور مالک بن اسماعیل نے بتایا انہیں عبدالمالک بن کردوس نے خبر دی وہ عبیداللہ بن زیاد کے ایک پہرے دار سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ جس وقت سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کیا گیا میں ابن زیاد کے ساتھ قصر امارت میں تھا، اچانک اس کے چہرے پر آگ بھڑکی (یا اس جیسا کوئی اور جملہ کہا) تو اس نے جلدی سے آستین کے ذریعے اپنے چہرے کو چھپالیا اور مجھے کہا کہ یہ بات کسی کو نہ بتانا۔

اور شریک مغیرہ سے نقل کرتے ہیں کہ، اس کی والدہ مرجانہ نے اپنے بیٹے ابن زیاد کو کہا: خبیث تو نے جگر گوشہ بنت رسول ﷺ کو شہید کر دیا، یاد رکھنا! تجھے کبھی جنت دیکھنا نصیب نہ ہوگا۔ (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۳۱۰)

یزید کے دربار میں سیدہ زینبؓ کا تاریخ ساز خطاب

اہل بیت خواتین اور شہداء کے سر یزید کے پاس پہنچے تو اس نے ملک شام کے روساء کو بلا کر اپنے پاس بٹھایا، کوفہ پہنچے تو

Marfat.com

سیدہ زینبؓ کے کپڑے میلے ہو چکے تھے، باندیاں ساتھ تھیں، ابن زیاد کے دربار میں پہنچیں تو اس نے پوچھا: یہ کون ہے؟ سیدہ زینبؓ خاموش رہیں، ایک باندی نے بتایا کہ یہ زینب بنت فاطمہؓ ہیں۔ پھر علی بن حسینؓ، عورتوں اور بچوں سب کو بلایا اور علی بن حسینؓ سے کہا، تیرے والد نے میرے ساتھ قطع رحمی کی، میرے حق میں تغافل برتا اور میری حکومت چھیننا چاہی، چنانچہ اللہ نے اس کا جو حشر کیا وہ تو نے دیکھ ہی لیا علی نے کہا

مآ اصاب من مصیبۃٍ فی الارض ولا فیٓ انفسکم الّا فی کتاب (الحدید ۲۲)

ترجمہ: یعنی: ''کوئی مصیبت نہ دنیا میں آتی اور نہ خاص تمہاری جانوں میں مگر وہ کتاب میں لکھی ہوئی ہے''۔

یزید نے اپنے بیٹے خالد سے کہا انہیں جواب دو! مگر اسے کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ کیا جواب دے، یزید بولا یوں کہو:

مآ اصابکم من مصیبۃٍ فبما کسبت اید یکم ویعفوا عن کثیر (الشوریٰ ۳۲)

ترجمہ: یعنی، ''تم کو جو کچھ مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہارے ہی ہاتھوں کے کئے ہوئے کاموں سے ہے اور بہت سے تو درگزر ہی کر دیتے ہیں''۔ وہ کچھ دیر خاموش رہا، پھر خواتین اور بچوں کو بلایا، وہ انتہائی خستہ حال تھیں۔ (البدایہ والنہایہ)

ابن زیاد نے کہا: تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے تمہیں قتل و رسوا کیا اور تمہاری آرزوؤں کو خاک میں ملا دیا۔

سیدہ زینبؓ کی شجاعت، فصاحت و بلاغت اور قوت دلیل کے ساتھ سیدہ زینب نے فرمایا: بلکہ تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے ہمیں محمد ﷺ کے ذریعے عزت بخشی اور ہمیں خوب پاک صاف بنایا۔ ایسا نہیں جیسا کہ تو بکواس کر رہا ہے! رسوا تو فاسق و فاجر ہوا کرتا ہے اور وہی جھوٹا ہوتا ہے!

وہ کہنے لگا؛ دیکھا اللہ نے تمہارے خاندان کا کیا حشر کیا؟

سیدہ زینبؓ فرمانے لگیں: یزید تیرے ظلم کی انتہا ہو چکی ہے کہ تیری ماں، بہنیں اور بیٹیاں تو پردے میں ہوں نواسی حضرت محمد ﷺ کی نواسی حضرت علیؓ کی بیٹیاں اور حضرت فاطمہؓ کی لختِ جگر تیری لونڈیوں اور تیرے غلاموں کی سامنے رسیوں میں جکڑی ہوئی بے پردہ کھڑی ہو۔ تو نے دنیا کی عارضی حکومت کے لئے اہل بیت کو ظلم و ستم کا نشانہ بنایا وہ حکومت مٹ جائے گی میرے بھائی حضرت حسینؓ کا خون رنگ لائے گا اور تیرا خیال میرے بھائی حضرت حسینؓ کا نام مٹ جائے گا اللہ نے انہیں شہادت جیسی عظیم نعمت مرحمت فرما کر اعلیٰ مقامات تک پہنچا دیا، میرے بھائی کا نام قیامت تک زندہ رہے گا۔ اس نے قوموں کو زندہ کیا ہے۔ مسلمانوں کو زندہ کیا ہے، دینِ حق کو زندہ کیا ہے اور مری ہوئی روح جمہوریت کو زندہ کیا ہے۔ کل قیامت میں تو ان کے روبرو آئے تو وہ تیرے خلاف اللہ کے حضور دعویٰ کریں گے۔ یہ سن کر ابن زیاد آگ بگولہ ہو گیا، تو عمرو بن حریث نے کہا: اللہ امیر کے حال کی اصلاح فرمائے، یہ تو عورت ذات ہے، کیا کسی عورت کا بھی اس کی کسی بات پر مواخذہ کیا جاتا ہے؟ اس کے قول و فعل سے تو درگزر کیا جاتا ہے۔ (البدایہ والنہایہ)

(وجعلنا ذرّیّتہ' ھم الباقین) الصّٰفّٰت ۷۷: ''اور ہم نے باقی انہی کی اولاد کو رہنے دیا'

واللہ، میرے والد، میرے بھائی اور میرے نانا کے دین کی بدولت تجھے، تیرے باپ اور اور تیرے دادا کو ہدایت ملی ہے۔

Marfat.com

فاطمہ بنت علیؓ فرماتی ہیں کہ میں بہت خوبصورت بچی تھی، ایک سفید فام شامی یزید سے کہنے لگا: امیر المومنین یہ بچی میرے حوالے کردو۔ کہتی ہیں کہ؛ میں خوف سے کانپنے لگی اور میں نے اپنی بہن زینب کے کپڑے پکڑ لئے، میں سمجھی کہ ان کے دین میں ایسا کرنا جائز ہے، میری ہمشیرہ مجھ سے بڑی بھی سمجھدار بھی وہ جانتی تھیں کہ اسلام میں یہ جائز نہیں، اس شخص کو کہنے لگیں؛ اللہ کی قسم تو نے جھوٹ بولا اور قابل مذمت کہی، نہ تو لے سکتا ہے نہ یہ۔ یزید غصے ہو کر کہنے لگا: اللہ کی قسم تو جھوٹ بولتی ہے، مجھے اس کا اختیار ہے، میں ایسا کرنا چاہوں تو کر سکتا ہوں۔ وہ فرمانے لگیں؛ اللہ کی قسم ہرگز نہیں کر سکتا! دین اسلام کو خیر باد کہہ دے تو اور بات ہے۔ سیدہ زینبؓ بولیں؛ واللہ میرے باپ، بھائی اور نانا کے دین کی بدولت تو، تیرا باپ اور تیرا دادا مسلمان ہوئے۔ کہنے لگا: اللہ کی دشمن غلط کہتی ہے، یہ فرمانے لگیں؛ تو مسلمانوں کا امیر ہے؟ ظالموں کو حکمران بناتا ہے جو تیری حمایت حاصل کر کے لوگوں پر ظلم ڈھاتے ہیں۔ فرماتی ہیں کہ: اللہ کی قسم اس پر وہ شرمندہ ہو کر خاموش ہو گیا۔ (البدایہ والنہایہ)

شہادت امام حسینؓ کے اثرات ونتائج

اُموی حکومت کے خلاف نفرت میں شدت

اس واقعہ سے پہلے بھی لوگ یزید کو ناپسند کرتے تھے۔ حضرت امام حسینؓ (نواسہ رسول ﷺ) کی شہادت نے اُموی حکومت کے خلاف لوگوں کے دلوں میں نفرت پیدا کردی۔ عوام کی نظروں میں بنو اُمیہ کی قدر و منزلت کم ہو گئی۔

اہل بیت کی سیاست سے کنارہ کشی

اس سانحہ میں حضرت امام حسینؓ اور ان کا پورا خاندان شہید ہو گیا صرف حضرت امام زین العابدین زندہ بچے تھے۔ انہوں نے سیاست سے دلبرداشتہ ہو کر کنارہ کشی اختیار کرلی۔ وہ اسلام کی خدمت میں لگ گئے اور ہدایت کا مینار بن کر اُبھرے۔

اہل بیت کی محبت میں شدت

لوگوں کو پہلے بھی اہل بیت سے محبت تھی۔ سانحہ کربلا سے لوگوں کے دل میں محبت اور زیادہ بڑھ گئی۔ حتیٰ کہ اس محبت نے بنو اُمیہ کے خلاف تحریک کی شکل اختیار کرلی۔

واقعہ حرہ

شہادت حسینؓ کی خبر حجاز میں پہنچی تو لوگوں میں غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی۔ انہوں نے اُموی حکام کو وہاں سے نکال دیا۔ یزید نے مسلم بن عقبہ کی قیادت میں مکہ پر حملہ کرنے کے لئے لشکر بھیجا۔ اہل مدینہ نے اس کا بہادری سے مقابلہ کیا آخر کار شامی فوج غالب آئی۔ شامی فوج نے تین روز تک شہر میں قتل وغارت کی۔

ابن زبیرؓ کا اعلان خلافت

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے مکہ میں خلافت کا اعلان کر دیا۔ اہل مکہ نے عبداللہ بن زبیر کے ہاتھ پر بیعت کرلی،

Marfat.com

ابن زبیرؓ کے اعلان خلافت نے یزید کے لئے بہت سی مشکلات پیدا کر دیں۔

توابین کا ظہور

کوفیوں کو حضرت امام حسینؓ کے ساتھ بدعہدی کا بہت افسوس ہوا۔انہوں نے قصاص حسینؓ کا مطالبہ شروع کر دیا۔ اپنے گناہ کو مٹانے کے لئے انہوں نے اپنے آپ کو زدوکوب کیا۔اس گروہ کے ساتھ مختار بن عبید بھی مل گیا جس نے اُموی حکومت کے خلاف تحریک چلائی۔یہ شخص موقع پرست تھا اور اقتدار کے حصول کا خواہاں تھا۔

گروہی تعصبات کا ظہور

شہادت امام حسینؓ سے اُمت مسلمہ کو مذہبی اعتبار سے بہت نقصان پہنچا۔کئی گروہ معرض وجود میں آ گئے۔اس طرح مسلمان اختلاف و انتشار کا شکار ہو گئے کیونکہ ان گروہوں نے بعد میں مذہبی رنگ اختیار کر لیا۔ان کے عقائد ایک دوسرے سے مختلف ہو گئے۔

عباسی تحریک کی ابتداء

عباسی خاندان نے اُمویوں کے خلاف ردعمل سے خوب فائدہ اُٹھایا۔انہوں نے شہادت امام حسینؓ کو جذباتی انداز میں پیش کر کے عوام کی ہمدردیاں حاصل کر لیں۔عباسی تحریک کے داعی ملک کے اطراف میں پھیل گئے اور اُمویوں کے ظلم کی داستانیں لوگوں کو سنا کر ان کے جذبات مشتعل کرنے لگے۔

بنواُمیہ کا زوال

سانحہ کربلا کو مورخین نے بنوامیہ کے زوال کا اہم ترین سبب قرار دیا ہے۔شہادت امام حسینؓ کے بعد اُموی حکومت کے خلاف مختلف تحریکیں اُٹھیں جنہوں نے حکومت کی بنیادوں کو متزلزل کر دیا۔

حق پرستوں کیلئے سبق

حضرت امام حسینؓ نے اپنی جان قربان کر کے مسلمانوں کو سبق دیا کہ جو نظام اسلامی اُصولوں کے خلاف ہو وہ مومنوں کیلئے قابل قبول نہیں۔مسلمانوں کو باطل کے آگے سر نہیں جھکانا چاہئے بلکہ حریت و آزادی اور عزم و استقلال کا پیکر بننا چاہئے۔

سیدنا حسینؓ کی کرامات آپؓ کے قاتلین اور اُن کے معاونین کا حشر

روز قیامت سے قبل ہی ان کی رسوائی، ذلت اور شرمندگی جس میں ارباب بصیرت کے لئے عبرت ہی عبرت ہے۔

آپؓ کی کرامات، اللہ پر قسم کھائے تو پوری فرمائے

سیدنا حسینؓ کی پیاس نے شدت اختیار کی تو آپ نے پانی کے لئے فرات پر جانا چاہا مگر لوگوں نے روک دیا، ایک گھونٹ پانی ملنے پر اسے پینے لگے تو حصین بن تمیم نے تیر مارا جو حلق میں پیوست ہو گیا، آپؓ نے اسے نکالا تو ساتھ ہی خون کا

Marfat.com

فوارہ اُبلنے لگا۔ آپؓ نے ہاتھوں میں خون لے کر آسمان کی طرف اُچھالا اور فرمایا: اے اللہ ایک ایک کو پکڑ، اور چن چن کر قتل کر، کسی کو زمین پر زندہ مت چھوڑ، انتہائی فصیح الفاظ میں بددعا فرمائی۔

راوی کہتے ہیں کہ ابھی تھوڑا ہی وقت گذرا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تیر چلانے والے پر پیاس مسلط فرمادی، اسے ٹھنڈا پانی پلایا جاتا، کبھی دودھ پانی ملا کر پلایا جاتا مگر اس کی پیاس نہ بجھتی، وہ کہتا: مجھے پانی دو! واللہ پیاس نے مجھے قتل کر دیا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کا پیٹ اونٹ کے پیٹ کی طرح پھول گیا (البدایہ والنہایہ)

پانی سے روکنے والے کی سزا

عمر بن سعد کے لشکری اصحاب حسینؓ کو پانی سے روکنے لگے، عمرو بن حجاج ان کا امیر تھا تو آپؓ نے اس کیلئے پیاس کی بددعا فرمائی چنانچہ وہ شدت پیاس سے ہلاک ہوگیا۔ (البدایہ والنہایہ)

سیدنا حسینؓ اور ابن حوزہ

عبداللہ بن حوزہ نامی ایک شخص آپؓ کے مقابلے میں آ کھڑا ہوا اور کہنے لگا ''حسین! جہنم کی بشارت سن لے'' سیدنا حسینؓ نے فرمایا: ہرگز نہیں! میں تو مہربان رب اور شفیع مطاع نبی کے روبرو حاضری دوں گا، جہنم کا تو زیادہ حقدار ہے'' کہتے ہیں کہ وہاں سے واپس ہوا تو واپسی پر گھوڑے نے ٹھوکر کھائی وہ نیچے گرا اور گرتے وقت رکاب میں اس کا پاؤں پھنس گیا، سیدنا حسینؓ نے اس کا نام پوچھا تو اس نے اپنا نام ابن حوزہ بتایا تھا، سیدنا حسینؓ نے ہاتھ اُٹھا کر اس کے لئے بددعا فرمائی: اے اللہ اسے جہنم میں دھکیل دے۔ ابن حوزہ غصے سے لال پیلا ہو کر رہ گیا اور آپؓ پر گھوڑے سمیت چڑھ دوڑنا چاہا مگر دونوں کے درمیان دریا حائل تھا، گھوڑے نے ٹھوکر کھائی یہ زین اور باگ سے اُلجھ کر معلق ہوگیا گھوڑا اسی حال میں اس کو لئے پھرتا رہا حتی کہ اس کا ایک پاؤں، پنڈلی اور ران سے کٹ کر گر گیا اور دوسرا حصہ رکاب میں معلق رہا، مسلم بن عوسج نے تلوار مار کر اس کا دایاں پاؤں بھی کاٹ ڈالا، گھوڑا جس پتھر کے قریب سے گذرتا وہ پتھر اس کے سر میں زور سے لگتا، اسی حال میں مر گیا۔ (البدایہ والنہایہ)

آخرت کی آگ سے پہلے دنیا کی آگ

محمد بن سعد فرماتے ہیں کہ ہمیں فضل بن دکین اور مالک بن اسماعیل نے خبر دی وہ دونوں فرماتے ہیں کہ مجھے عبدالمالک بن کردوس نے ابن زیاد کے پہرے دار سے نقل کر کے بتایا وہ کہتے ہیں کہ جس وقت سیدنا حسینؓ شہید ہوئے اس وقت میں ابن زیاد کے ساتھ قصر امارت میں داخل ہوا تو اچانک اس کے چہرے پر آگ کے شعلے بھڑکنے لگے، یا ایسا ہی جملہ کہا۔ تو اس نے فوراً آستین سے اپنے چہرے کو چھپانے کی کوشش کی، اور مجھے کہا کہ یہ بات کسی سے مت کرنا: شریک بن مغیرہ کہتے ہیں کہ ابن زیاد کی والدہ مرجانہ نے اسے کہا: خبیث! تو نے جگر گوشہ بنت رسول ﷺ کو شہید کیا ہے، تو کبھی جنت نہ دیکھ سکے گا۔

تو اس کے ساتھ کھا پی نہ سکے

مالک بن بشیر نامی بنو بداء کا ایک شخص آیا، اس نے آپ کے سر مبارک پر تلوار کی ضرب لگا کر لہولہان کر دیا، آپؓ ٹوپی

Marfat.com

پہنے ہوئے تھے، تلوار ٹوپی کاٹ کر سر کے اندر جا گھسی، ٹوپی بھی خون میں رنگین ہو گئی، تو آپؓ نے اسے بددعا دیتے ہوئے فرمایا: تو اس ہاتھ کے ساتھ نہ کھا سکے نہ پی سکے اور اللہ تعالیٰ ظالموں کے ساتھ تیرا حشر کرے، کہتے ہیں کہ وہ شخص اسکے بعد ہاتھ پاؤں سے محتاج ہو گیا اور اسی حالت میں مر گیا۔ (البدایہ والنہایہ)

(و کذالک نولّی بعض الظالمین بعضاً بما کانو یکسبون) (انعام: ۱۲۹)

''اور اسی طرح بعض کفار کو بعض کے قریب رکھیں گے، ان کے اعمال کے سبب''

''اے اللہ! انہیں ایک ایک کو پکڑ، اور چن چن کر قتل کر، اور کسی کو زندہ مت چھوڑ'' میدانِ جہاد میں سیدنا حسینؓ کی دُعا کی قبولیت کا اظہار، گویا ان کی زبان مبارک سے نکلا ہوا ہر لفظ قبول ہوا، تاریخ انسانی جس پر شاہد عدل ہے''

وما من یدٍ الّا ید اللہ فوقھا ولا ظالم اِلّا سیبلی بظالم

''اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہر ہاتھ سے اونچا ہے، اور ہر ظالم پر میری طرف سے کوئی نہ کوئی ظالم مسلط ہے''

شمر! تیری موت کا وقت آ چکا، اللہ تجھے رسوا کرے

اشراف اور رؤساءِ کوفہ مصعب بن زبیر کے پاس بصرہ چلے گئے، شمر بن ذی الجوشن نے بھی وہیں کا ارادہ کیا، مختار نے اس کی تلاش میں زرنب نامی جوان کو بھیجا، یہ جس وقت شمر کے نزدیک ہوا تو شمر نے اپنے ساتھیوں سے کہا: تم مجھے تنہا چھوڑ کر اس طرح آگے بڑھ جاؤ کہ وہ یہ سمجھیں کہ ان کے ساتھیوں نے اس سے بیزار ہو کر اسے چھوڑ دیا، تا کہ یہ میرے قریب آئے، چنانچہ اسی طرح ہوا شمر پیچھے رہ گیا، اور جب وہ جوان اس کے قریب لگا تو اس نے پلٹ کر اس پر حملہ کیا اور قتل کر دیا، اور اسی حال میں چھوڑ کر چلا گیا، اور بصرہ مصعب کے پاس ایک خط لکھا جس میں اپنے بصرہ آنے کی اطلاع دی، اس واقعے کے بعد جو بھی راہ فرار اختیار کرتا اس کا رخ بصرہ کی طرف ہوتا۔ شمر ایک بستی میں ٹھہرا ہوا تھا، وہاں سے ایک قاصد بھیجا اس بستی کا نام کلبانیہ تھا یہ دریا کے کنارے ذرا ٹیلوں کی طرف ہٹ کر تھی، یہ قاصد وہاں سے چلا تو اسے راستے میں ایک اور قاصد ملا اس نے اس سے پوچھا: کہاں کا ارادہ ہے؟ اس نے کہا: مصعب کے پاس جا رہا ہوں، اس نے پوچھا کس نے بھیجا ہے؟ اس نے کہا شمر نے، یہ کہنے لگے میرے آقا کے پاس چلو! اس کا آقا ابو عمرہ تھا مختار نے جس کی سرکردگی میں شمر کے تعاقب کے لئے ایک دستہ روانہ کیا تھا، اس قاصد نے جا کر ابو عمرہ کو سب کچھ بتا دیا، شمر کے ساتھوں نے اسے جگہ تبدیل کرنے کا بھی مشورہ دیا مگر وہ کہنے لگا: کوئی ہماری طلب میں نہیں آ سکتا، صرف خوفزدہ و مرعوب کرنے کیلئے یہ افواہیں پھیلائی گئی ہیں۔

میں ان بستی والوں کے دلوں میں رعب بٹھا کر تین روز بعد یہاں سے جاؤں گا۔ ابو عمرہ نے اچانک ان پر حملہ کر دیا، انہیں گھوڑوں پر سوار ہونے اور اسلحہ اٹھانے کا بھی موقع نہ مل سکا، شمر نے نیزہ بازی شروع کی، اس کے بعد خیمے سے تلوار لایا اور شعر کہتا ہوا آگے بڑھا: ترجمہ: ''تم نے کچھار کے غضبناک و بہادر شیر کو چھیڑا ہے جس کا کام ہی بہادروں کو تہہ تیغ کرنا ہے، اسے کبھی دشمن کے مقابلے میں بزدلی کرتے ہوئے نہیں دیکھا گیا، حملہ آور ہو کر بڑھتا ہے یا قتل کر دیتا ہے، انہیں مار مار بھگا دیتا ہے اور

Marfat.com

نیزوں کو خون سے سیراب کرتا ہے"

اسی طرح لڑتے لڑتے قتل ہوگیا، اس کے ساتھیوں نے تکبیر کی آواز سنی تو سمجھ گئے کہ وہ مارا گیا اور سب کے سب بھاگ کھڑے ہوئے۔ کہتے ہیں کہ اس کے بعد مختار نے اپنے ساتھیوں کو ایک خطبہ دیا جس میں لوگوں کو قاتلین سیدنا حسینؓ کیخلاف خوب بھڑکایا کہنے لگا: ہمارا کتنا عظیم جرم ہوگا کہ ہم قاتلین حسینؓ کو زمین پر زندہ چلتا پھرتا چھوڑیں، پھر تو ہم آل محمد ﷺ کے بدترین مددگار ٹھہریں گے اور میں جھوٹا کہلاؤں گا جیسا کہ تم لوگ مجھے کہتے بھی ہو، میں ان کے خلاف اللہ ہی سے مدد چاہتا ہوں، تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھے ان کے حق میں شمشیر براں اور نیزہ باز، ان کا انتقام لینے والا اور پورا حق ادا کرنے والا بنایا۔ اللہ تعالیٰ آپؓ کے قاتلین کو قتل کر کے چھوڑ دیں گے اور جو اہل بیت کے حقوق سے روگردانی کرے گا اسے رسوا کر کے رہیں گے۔ تم لوگ ان میں سے ایک ایک کا نام بتاؤ اور پھر ان کا پیچھا کرو حتی کہ انہیں قتل کر کے دم لو! مجھے اس وقت تک کھانا پینا اچھا نہیں لگے گا جب تک کہ میں انکے وجود سے زمین کو پاک نہ کر دوں۔ یا ملک سے نکال باہر نہ کروں! اس کے بعد کوفہ میں تلاشی شروع ہوگئی لوگ قاتلین حسینؓ کو پکڑ پکڑ کر لاتے اور مختار ان کے عمل کے اعتبار سے مختلف انواع سے قتل کرنے کا حکم دیتا، کسی کو آگ میں جلا دیتا، کسی کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر چھوڑ دیا اور وہ اسی حال میں مر گیا، کسی کو تیر اندازی کر کے موت کے گھاٹ اتارا۔ مالک بن بشر کو پکڑ کر لائے تو مختار نے اسے کہا: تو ہے جس نے سیدنا حسینؓ کی ٹوپی اتاری تھی؟ وہ کہنے لگا ہمیں جبراً نکالا گیا تھا، مختار نے حکم دیا کہ اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ دو! چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور وہ تڑپ تڑپ کر مر گیا، عبداللہ بن اسید جہنی کو بھی برے طریقہ سے مارا گیا۔ (البدایہ والنہایہ)

.ذق انک انت العزیز الکریم (دخان) "لے چکھ تو بڑا معزز مکرم ہے"

مختار نے اپنے جرنیل ابوعمرہ کو خولی بن یزید کے پاس بھیجا، اس نے اس کے مکان کا احاطہ کر لیا اس کی بیوی باہر آئی تو انہوں نے خولی کے متعلق دریافت کیا۔ وہ کہنے لگی: مجھے تو معلوم نہیں وہ کہاں ہے؟ اور ساتھ ہی اشارہ کر کے بتایا کہ وہ اندر چھپا ہوا ہے، کیونکہ ان کی اہلیہ کو ان سے اسی دن سے عداوت ہوگئی تھی جس روز وہ حضرت حسینؓ کا سر مبارک لے کر آیا تھا، اس پر وہ اسے لعن طعن بھی کرتی رہتی تھی، اس کا نام عبوق بنت مالک بن نہار بن عقرب حضرمی تھا۔ سپاہی اندر داخل ہوئے تو دیکھا کہ ٹوکرے کے نیچے چھپا ہوا ہے۔ انہوں نے اسے گرفتار کر کے مختار کے دربار میں حاضر کر دیا، مختار نے حکم دیا کہ اسے اپنے گھر کے قریب لے جا کر قتل کر کے جلا دیا جائے، اسی طرح حکیم بن فضیل سنبسی کے پاس سپاہی بھیجے، اس نے شہادت حسینؓ کے روز عباس بن علی کو لوٹا تھا، وہ بھی پکڑا گیا۔ اس کے گھر والے عدی بن حاتم کے پاس دوڑے، مختار نے سفارش قبول کر لی، واپس لوٹا تو سپاہی اسے قتل کر چکے تھے، وہ بہت غصے ہوا کہ مختار کی سفارش کا احسان بھی اٹھایا پھر بھی مقصود حاصل نہ ہو سکا۔ یزید بن ورقاء کے پاس بھی سپاہی بھیجے جس نے عبداللہ بن مسلم بن عقیل کو شہید کیا تھا۔ انہوں نے اس کے مکان کا گھیراؤ کر لیا وہ باہر نکل کر لڑنے لگا، انہوں نے اسے تیر اور پتھر مار مار کر گرا دیا اور پھر زندہ جلا دیا، مختار نے سنان بن انس جسکا دعویٰ تھا کہ میں نے حسینؓ کو قتل کیا ہے، کو بھی بلایا، پتہ چلا کہ وہ بصرہ یا کسی جزیرے کی طرف فرار ہوگیا ہے تو اس کا گھر منہدم کر دیا گیا، محمد بن اشعث بن قیس بھی مصعب

Marfat.com

کے پاس بصرہ بھاگ نکلا، مختار نے حکم دیا کہ اس کا مکان منہدم کر کے اس کی جگہ حجر بن عدی کا مکان تعمیر کیا جائے جس کا مکان ابن زیاد نے منہدم کروادیا تھا۔

حتّٰی اذا فرحوا بما اُوتوآ اخذناهم بغتةً فاذا هم مبلسونه (انعام)

''یہاں تک کہ سب چیزوں پر جو کہ ان کو ملی تھیں وہ خوب اترا گئے تو ہم نے ان کو دفعتاً پکڑ لیا پھر تو وہ بالکل حیرت زدہ رہ گئے'' علامہ واقدی فرماتے ہیں کہ ایک روز سعد بن ابی وقاص بیٹھے ہوئے تھے کہ ان کا ایک غلام ان کے پاس آیا جس کی ایڑی سے خون بہہ رہا تھا، سعد نے پوچھا: تمہیں کس نے مارا ہے؟ اس نے کہا: آپکے بیٹے عمر نے! سعد مستجاب الدعوات تھے، کہنے لگے: اے اللہ اسے قتل کر دے اس کا بھی خون بہادے، جب مختار کوفہ کا گورنر بنا تو عمر بن سعد نے عبداللہ بن جعدہ بن ہبیرہ کی پناہ لی یہ مختار کے سیدنا علیؓ کی قرابت داری کی وجہ سے گہرے دوست تھے، انہوں نے مختار سے عمر کیلئے امان حاصل کر لی جس کا مضمون یوں تھا۔ اسے اپنی جان، مال اور اہل وعیال کی امان دی جاتی ہے، بشرطیکہ بغاوت نہ کرے اور اپنے گھر اور شہر کو نہ چھوڑے، جب تک کوئی ہنگامہ نہ کرے (اس آخری جملے'' مالم یحدث حدثا'' کے دو مطلب ہیں ایک تو وہ جو ترجمے میں اختیار کیا گیا۔ یعنی جب تک کوئی ہنگامہ، فتنہ وفساد نہ کرے، دوسرا یہ کہ جب تک پاخانہ پیشاب نہ کرے۔ لوگ اس کا پہلا مطلب سمجھتے رہے مگر مختار نے دوسرا مطلب مراد لیا، توضیح از مترجم)

مختار کا مطلب یہ تھا کہ جب تک پاخانہ پیشاب نہ کرے، چنانچہ جب عمر بن سعد کو اطلاع ہوئی کہ مختار اسے قتل کرنا چاہتا ہے تو اس نے رات ہی رات مصعب یا ابن زیاد کے پاس چلے جانے کا منصوبہ بنایا۔ اس کے کسی غلام نے مختار کو اس منصوبے سے آگاہ کر دیا، تو کہنے لگا اس سے بڑا فتنہ اور کیا ہوگا، ایک قول یہ ہے کہ اس کے ایک غلام ہی نے مختار کو کہا تھا نیز یہ بھی کہا: تو اپنے مکان سے جاتا ہے؟ واپس ہوجاؤ! چنانچہ وہ ٹھہر گیا اور بھاگنے کا ارادہ ترک کر دیا، صبح ہوتے ہی مختار کے پاس پیغام بھیج کر معلوم کیا کہ: کیا آپ اپنی دی ہوئی امان پر قائم ہیں؟ ایک روایت یہ بھی ہے کہ وہ خود ہی مختار کے پاس یہ معلوم کرنے آیا تو مختار نے کہا: بیٹھ جاؤ! ایک قول کے مطابق عمر نے عبداللہ بن جعدہ کو یہ بات معلوم کرنے بھیجا تو مختار نے اسے وہیں بٹھا لیا اور اپنے جلاد کو حکم دیا کہ عمر بن سعد کا سر قلم کر لاؤ چنانچہ وہ گئے اور اسکا سر اتار لائے۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ مختار نے ایک رات یہ بات کہی کہ میں کل ایک بڑے پاؤں گہری آنکھوں چوڑے ابروؤں والے شخص کو قتل کروں گا جس کے قتل سے اہل ایمان اور مقرب فرشتے خوش ہوں گے، ہیثم بن اسود وہاں موجود تھا فوراً سمجھ گیا کہ عمر بن سعد مراد ہے۔ انہوں نے غرثان نامی اپنے بیٹے کو بھیج کر عمر کو اطلاع دی تو وہ کہنے لگا: اتنے بڑے عہد ومیثاق کے بعد ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟ جب مختار کوفہ کا گورنر بن کر آیا تو شروع شروع میں اہل کوفہ کے ساتھ بڑے عمدہ طریقے سے پیش آیا، اسی وقت عمر بن سعد کو ایک امان نامہ بھی لکھ کر دیا تھا جس میں الا ان یحدث حدثا کا جملہ بھی تھا۔ (تفصیل گذر چکی، از مترجم) ابومخنف فرماتے ہیں کہ ابوجعفر باقر فرمایا کرتے تھے کہ مختار کی مراد اس جملے سے یہ تھی کہ جب تک وہ بیت الخلاء میں جا کر پاخانہ پیشاب نہ کرے اس وقت تک اسے امان ہے، یہ سن کر عمر پریشان ہوگیا اور ایک محلے سے دوسرے، دوسرے سے تیسرے میں

Marfat.com

چھپتے چھپاتے پھر اپنے گھر آ گیا۔ مختار کو اس کی اطلاع ملی تو کہنے لگا۔ اللہ کی قسم وہ ہرگز نہیں چھپ سکتا اس کی گردن میں تو خون حسینؓ کی زنجیر ہے جو اسے منہ کے بل گھسیٹ کر لے آئے گی اس کے بعد ابو عمرہ کو اس کے قتل کے لئے روانہ کیا: عمر نے بھاگنا چاہا مگر پاؤں پھسل کر اپنے گڑھے میں گرا اور اوپر سے ابو عمرہ نے تلوار کا وار کر کے قتل کر دیا: اور اس کا سر چادر میں چھپائے مختار کے سامنے لا کر رکھ دیا، مختار نے عمر کے بیٹے حفص سے کہا وہ اس مجلس میں موجود تھے، کہ تم اس سر کو پہچانتے ہو؟ اس نے سر دیکھ کر انا للہ پڑھا اور کہا: ان کے بعد زندگی بیکار ہے، مختار نے کہا: تو سچ کہتا ہے! چنانچہ حکم دیا کہ اس کا بھی سر قلم کر دیا جائے، اس کا سر کاٹ کر اس کے باپ کے سر کے ساتھ رکھا گیا۔ مختار نے کہا: یہ سر حسینؓ کے بدلے اور یہ علی اکبر بن حسینؓ کے بدلے مگر برابری پھر بھی نہیں ہو سکتی، اللہ کی قسم! اگر تین چوتھائی قریشی قتل کر دیئے جائیں تب بھی سیدنا حسینؓ کی انگلی کے پورے کا بدلہ بھی نہیں ہو سکتا۔

این ما تکونوا یدرککم الموت ولو کنتم فی بروج مشیدة (نساء) ''تم چاہے کہیں بھی ہو، وہاں ہی تم کو موت آ جائیگی اگرچہ تم چونہ کے قلعوں ہی میں ہو''

حضرت امام حسینؓ کی شان میں حضرت معین الدین چشتی اجمیریؒ

شاہ است حسین، بادشاہ است حسین — دین است حسین دین پناہ است حسین
سرداد نہ داد دست در دستِ یزید — حقا کہ بنائے لاالہٰ است حسین

حضرت خواجہ غریب نوازؒ فرماتے ہیں لوگو حسین کو عام انسان نہ سمجھنا، حسین کوئی عام بندہ نہیں بلکہ آقا حسین پوری کائنات کے سردار ہیں۔ صرف سردار ہی نہیں پوری کائنات کے سلطان بھی ہیں۔ پوری کائنات کے بادشاہ ہیں، حضرت امام حسین اصل میں اللہ تعالیٰ کا دین ہیں۔ صرف دین ہی نہیں بلکہ دین کو پناہ دینے والے ہیں۔ دین اسلام کی رکھوالی کرنے والے ہیں۔ لوگو! میرے آقا حسین نے دین کی خاطر سر انور دے دیا، مگر یزید کے ہاتھوں میں بیعت نہیں کی۔ خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ بات آخری کروں بات مکدی مکاؤ، لاالہ کی بنیاد بھی امام حسینؓ ہی ہیں۔

یہ خواجہ غریب نوازؒ کا فرمان ہے جس کو اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ نے معین الدین فرمایا (دین کا مددگار) جس کے برصغیر میں نگاہ ولایت سے 95 لاکھ ہندوؤں کو کلمہ پڑھا کر مسلمان بنایا۔ سبحان اللہ (ماہ اجمیر)

شاعر مشرق ڈاکٹر علامہ اقبال فرماتے ہیں

غریب وسادہ رنگین ہے داستان حرم — نہایت اس کی حسین ابتداء ہے اسماعیل

حضرت ابراہیم نے جو خواب دیکھا اُس کو تعبیر کیا حضرت امام حسینؓ نے۔

حضرت اسماعیل کے گلے پر چھری چلی نہیں لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا وفدینہ بذبح عظیم اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کا فدیہ دے کر اسے بچالیا۔ خالق کائنات نے فرمایا اے ابراہیم! ہم تیری اس قربانی کو قیامت تک نمونہ بنا کر پیش کریں گے۔

Marfat.com

لیکن جس حسین نے اللہ کی رضا کی خاطر اور اُمت کی بخشش کی خاطر قربانی پیش کی اس کا اجر کیا ہوگا۔ اور جو اللہ کی راہ میں قربان ہوئے ہیں اُن کو مردہ مت سمجھو وہ زندہ ہیں اور ہم ان کو رزق عطا فرماتے ہیں، بس تم نہیں جانتے۔ (سلطان کربلا صفحہ 116)

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

شہادت حسینؓ درحقیقت شہادت حضور سرور کائنات ﷺ

جبکہ حضور سرور کائنات ﷺ کی ذات اقدس میں جملہ اوصاف اور کمالات جمع کر دیئے گئے تھے تو یہ کیونکہ ممکن تھا کہ شہادت جو ایک عظیم رتبہ ہے، حاصل نہ ہو۔ آپ کو شہادت کی بڑی تمنا تھی اکثر ذوق و شوق سے فرمایا کرتے تھے کہ: "تحقیق میں شہید ہونے کو اس قدر دوست رکھتا ہوں کہ خدا کی راہ میں شہید ہوا ہوں اور پھر زندہ ہوں اور پھر شہید ہوں باوجود اس آرزو کے پھر بھی آپ کو شہادت نصیب نہ ہوئی اس کا سبب یہ تھا کہ اگر آنحضرت ﷺ بہ نفس نفیس شہید ہو جاتے تو شوکت اسلام میں تفرقہ پڑ جاتا اور دین کی بنیاد متزلزل ہو جاتی۔ دور کیوں جایئے غزوہ احد پر ہی نظر ڈال لیجئے جب شیطان نے ابن سراقہ کے بیٹے کی شکل بن کر اعلان کر دیا کہ حضرت ﷺ تو شہید ہو گئے! اس آواز کو سنتے ہی لشکر اسلام پریشان ہو گیا اور منتشر ہونے لگا۔ آگر آپ فی الواقع شہید ہو جاتے تو خدا جانے کیا رخنہ اسلام میں پڑ جاتا پس حضرت رسول اللہ ﷺ بہ نفس نفیس خود تو اس لئے شہید نہ ہوئے کہ حق سبحانہ تعالیٰ کو قیامت تک اس دین کو رکھنا مد نظر تھا۔

شہادت کی دو صورتیں ہیں ایک خفی یعنی سری، دوسرے جلی یعنی جہری۔ خفی یعنی شہادت سری تو ہے کہ دفعتاً میدان جنگ میں کفار کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ اس کا اشتہار ہی نہیں ہوا نہ کسی نے جانا سوائے خاص لوگوں کے عام لوگوں کو خبر بھی نہ ہوئی۔ ایسی شہادت آنحضرت ﷺ جیسے جلیل القدر رہادیٔ عالم کی ذات پاک کے لئے، مفید مطلب نہ تھی اور جلی شہادت جہری کے یہ معنی ہیں کہ آدمی مسافرانہ وطن سے دور ہو۔ اس کے گھوڑے کی کوچیں کاٹ ڈالی جائیں! اسکا لاشہ ایک مدت تک بے آسرا سر پڑا رہے اور اس کے دوست آشنا کثیر تعداد میں اسکی لاش کے گرد قتل ہوں، اسکا مال واسباب لوٹا جائے، اسکی عورتیں اور یتیم اولاد قید کر لی جائے اور ساری مصیبتیں اس پر خالصاً مخلصاً خدا کی راہ میں گزری ہوں اور ان تمام امور میں ذرا سی بھی غرض دنیاوی اور ہوائے نفسانی نہ ہو، مگر ایسی شہادت شان نبوت کے خلاف تھی۔ اس لئے حکمت الٰہی اس بات کی متقضی ہوئی کہ یہ کمال بھی بواسطۂ اہل بیت اور عزیز و اقارب اور قریب تر افراد خاندان اور سی کی اولاد کے ذریعہ جو حکم فرزندی کے تحت آتی ہے، آنحضرت ﷺ تک پہنچ جائے۔ پس ارادہ الٰہی نے حضرات حسنینؓ کو ان کے جد امجد کا نائب اور قائمقام اور آئینہ جمال بنا کر دونوں نعمتیں بھی انہیں پر تمام فرمائیں۔ پس سبط اکبر حضرت امام حسنؓ کے حصہ میں شہادت خفی (سری) آئی، یعنی اس کا ذکر نہ وحی میں آیا نہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اور جناب علی مرتضیٰ بھی کبھی اس کے ذکر کو زبان پر نہ لائے۔ اور حضرت امام حسنؓ کا قاتل مشتبہ رہا اور اس مذموم فعل کا ظہور بھی بیوی کے ہاتھ سے ہوا جس کی طرف گمان بھی نہ ہو سکتا تھا۔

اور دوسری قسم کی شہادت جو کہ جہری یعنی جلی ہے وہ سبطِ اصغر حضرت امام حسینؓ کو عطا ہوئی، اس شہادت کا دار و مدار

Marfat.com

تشہیر و اعلان یہ ہے۔ اسی وجہ سے اولاً اس کی خبر وحی میں حضرت جبریل علیہ السلام کی زبانی معلوم ہوئی اور دیگر فرشتوں نے بھی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی۔ اور آنحضرت ﷺ اور حضرت علی کرم اللہ وجہ نے بھی قبل وقوع واقعہ اس شہادت کی خبریں بڑی شد و مد سے دیں۔ یہاں تک کہ کوئی دقیقہ اس کے اشتہار اور شہرت کا باقی نہ چھوڑا۔ آثار شہادت ارضی و سماوی اس کے اظہار عام کے لئے واقع ہوئے۔ مثلاً: خاک مبدل ہوگی، اور پتھروں سے خون جاری ہوا۔ یہاں تک کہ بیت المقدس کا کوئی پتھر ایسا نہ تھا جس کے نیچے تازہ خون بہتا ہوا نہ پایا گیا ہو۔ آسمان سے خون کا برسنا غیب سے رونے کی آوازیں آتی تھیں۔ اور جنات نوحہ کرتے تھے۔ شہیدوں کی لاشوں کی حفاظت صحرائی درندوں اور نے کی۔ اس سے چاروں طرف اور بھی شہرت ہوگئی۔ قاتلوں کی ناک میں سانپ گھسے اور حضرت امام عالی مقام کی شہادت کے بعد ہی سے قاتلان امام انواع واقسام کی عقوبتوں میں گرفتار ہوگئے اور اس واقعہ کے بعد دس پانچ سال بھی زندہ نہ رہے۔ اونٹوں کا گوشت کڑوا ہوگیا اور عرب کے دستور کے موافق جب عورتیں زعفران اپنے منہ سے ملتی تھیں تو وہ سیاہ ہو جاتا تھا۔ روزِ روشن اندھیری رات میں تبدیل ہوگیا تھا۔ ان تمام واقعات کے وقوع پذیر ہونے کا مطلب یہ تھا کہ تمام حاضر و غائب اس واقعہ ہوشربا سے مطلع اور آگاہ ہو جائیں اور تا قیامت یہ غم دنیا میں یادگار رہے۔ حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ چونکہ آنحضرت ﷺ کے نواسے تھے اور نواسے بیٹے حکم میں داخل ہیں۔ مثلاً حضرت عیسیٰؑ فرزندان حضرت یعقوبؑ میں شمار کیے جاتے ہیں کیونکہ حضرت مریمؑ یعقوب علیہم السلام کی اولاد میں سے ہیں اور متعدد احادیث سے ثابت ہے کہ حضور سرور عالم ﷺ نے حسنینؓ کو متنبہ کیا تھا اور بار بار فرمایا کہ یہ دونوں میرے بیٹے ہیں۔ چنانچہ امام احمد حنبلؒ نے اپنی مسند میں حضرت علی مرتضیٰ سے روایت ہے کہ امام حسینؓ کے پیدا ہوتے ہی حضور سرور عالم ﷺ تشریف لائے اور فرمایا کہ دکھاؤ میرے بیٹے کو اور اس کا نام تم نے کیا رکھا ہے؟ حضرت علی کرم اللہ وجہ نے عرض کیا کہ میں نے اسکا نام ''حرب'' رکھا ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا نہیں اس کا نام حسینؓ ہے، اسکے بعد حضرت محسنؓ پیدا ہوئے تو بھی یہی صورت واقع ہوئی کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ان کا نام محسنؓ ہے۔ حضور سرور کائنات ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ان تینوں بچوں کے نام فرزندان حضرت ہارون علیہ السلام کے نام پر رکھتے ہیں۔ جو عبرانی زبان میں شبر و شبیر کہلاتے ہیں۔ روایت ہے کہ فرمایا حضور سرور عالم ﷺ نے نہ حسنؓ اور حسینؓ دونوں بہشت کے سردار ہیں اس ارشاد سے سعادت مطلقہ دونوں صاحبزادوں کی، اور جمال باکمال آنحضرت ﷺ کے دو آئینہ کا ہونا متعدد طریقوں سے پایہ ثبوت کو پہنچ گیا۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص حسنین سے دوستی رکھتا ہے وہ میرا دوست ہے اور جو ان دونوں سے بغض رکھے گا وہ میرا دشمن ہے۔ اس ارشاد سے ثابت ہوا کہ حضرت حسنین کی دوستی حضور ﷺ سے دوستی کا حکم رکھتی ہے اور ان دونوں حضرات سے دشمنی رکھنا خود حضور ﷺ سے دشمنی رکھنے کے برابر ہے۔ پس حسین کی شہادت (خفی و جلی) آنحضرت ﷺ کی شہادت ہے۔ ایک وجہ تو یہ ہوئی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ سیرت اور صورت میں بھی دونوں شہزادے آنحضرت ﷺ سے مشابہ تھے۔ سند اس کی یہ ہے کہ بخاری نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ تحقیق کوئی بھی مشابہ آنحضرت ﷺ سے سوائے حسنین کے نہ تھا''۔

Marfat.com

ایک دوسری روایت اس بارے میں ہے کہ حضرت علی مرتضٰی نے فرمایا کہ حضرت امام حسن کا جسم اعلیٰ (یعنی سر سے سینہ) تک بالکل ویسا ہی تھا جیسا کہ آنحضرت ﷺ کا تھا اور جسم اسفل۔ (سینہ سے پاؤں تک) حضرت امام حسینؓ کا۔ بالکل آنحضرت ﷺ کی جمع کر دی گئی تھی۔ اس لئے دونوں شہادتیں خفی اور جلی حضرت رسول اللہ ﷺ کو حاصل ہوگئیں۔

ترمذی سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص دوست رکھے مجھ کو اور میرے پیارے بچوں کو اور انکے ماں باپ حضرت فاطمہؓ اور حضرت علیؓ کو وہ قیامت میں میرے ساتھ میرے درجہ میں ہوگا۔

صحیح مسلم کی روایت ہے کہ ایک دن صبح کو رسول اللہ ﷺ آپ سیاہ بوٹے کا کمبل آپ اوڑھے ہوئے تھے، جس میں کجاوہ شتر کی شکل بنی ہوئی تھی، اتنے میں حضرت حسنؓ آئے۔ حضور ﷺ نے انکو بھی اپنے کمبل میں چھپا لیا۔ پھر امام حسینؓ آئے۔ آپ نے ان کو بھی اس کمبل میں چھپا لیا۔ اس کے بعد جناب حضرت علیؓ برآمد ہوئے۔ حضور ﷺ نے انہیں بھی اس کمبل میں چھپا لیا پھر جناب فاطمہؓ تشریف لائیں آپ نے ان کو بھی اس میں چھپا لیا اور آیت تطہیر پڑھی۔

''ترمذی نے روایت کی ہے کہ فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے کہ تحقیق حسن اور حسین دونوں میرے باغ دنیا کے پھول ہیں اور دونوں میرے بیٹے اور بیٹی کے بیٹے ہیں۔ اے اللہ انکو دوست رکھتا ہوں اور پیار کرتا ہوں تو بھی ان دونوں کو دوست رکھ۔ جو ان سے محبت کرے ان کا نام بھی اپنے دوستوں میں لکھ۔ پس ثابت ہوگیا کہ حسنین کی محبت اللہ اور رسول ﷺ کی محبت ہے کیونکہ حضرت رسالت مآب ﷺ کی دعا مقبول ہے'' مدارج النبوت میں لکھا ہے کہ فرمایا حضور ﷺ نے کہ جب تم سوال کرو اللہ سے تو میرا وسیلہ دے کر سوال کرو۔ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ آپ کے ساتھ اور کسی وسیلہ بھی دیا کریں۔ فرمایا ''میرے اہل بیت کا اور صحابہ کرام کا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام مخلوق سے افضل ترین ہیں''

نبی شہید ولی زندہ ہیں

خالق کائنات قرآن مجید کے (پ ۲۵ سورۃ زخرف آیت نمبر ۴۵) میں ارشاد فرماتا ہے ''وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَا اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ. اے میرے حبیب ﷺ آپ پوچھیں ان رسولوں سے جو ہم نے آپ سے پہلے بھیجے ہیں کیا ہم نے رحمٰن کے سوا کچھ اور بھی خدا ٹھہرائے ہیں جو پوجے جاتے ہیں۔ حضرات قرآن مجید کی اس آیۃ کریمہ پر غور فرمائیں اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو فرما رہے ہے آپ ان رسولوں سے سوال کرو ان رسولوں سے پوچھو جو آپ سے پہلے دنیا میں تشریف لائے تھے۔ پتہ چلا سارے نبی سارے پیغمبر سارے رسول اپنی اپنی قبروں میں زندہ اور حیات ہیں۔ آدم صفی اللہ بھی قبر میں زندہ، نوح نجی اللہ بھی قبر میں زندہ، ابراہیم خلیل اللہ بھی قبر میں زندہ، اسماعیل ذبیح اللہ بھی قبر میں زندہ، موسیٰ کلیم اللہ بھی قبر میں زندہ۔ اللہ تعالیٰ کے سارے نبی زندہ، حضرات ایمان سے بتانا جب قبر میں کلیم اللہ زندہ ہے کیا حبیب اللہ زندہ نہیں ہوگا۔ جب اللہ تعالیٰ کا کلیم زندہ ہے تو اللہ تعالیٰ کا حبیب بھی زندہ ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ لوگو جمعہ والے دن میری ذات پر زیادہ سے زیادہ درود و سلام

Marfat.com

پڑھا کرو کیونکہ جمعہ والے دن فرشتے زمین پر شدت سے آتے ہیں فرشتوں کے نزول کا دن ہے جو انسان مجھ پر درود و سلام پڑھتا ہے اس کا درود میری بارگاہ میں پیش کیا جاتا ہے۔ قُلْتُ بَعْدَ الْمَوْتِ حضرت ابودرداؓ فرماتے ہیں میں نے عرض کی آقا بعد وفات کے بھی آپ کی بارگاہ میں کوئی درود پڑھے گا تو اس کا درود بھی آپ کی بارگاہ میں پیش ہوتا رہے گا؟ میرے آقا نے فرمایا بالکل کیونکہ اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی اللہ تعالیٰ نے زمین پر نبیوں کا جسم کھانا حرام فرما دیا ہے اور یقین رکھو اللہ تعالیٰ کا ہر نبی اپنی قبر میں زندہ ہے اور اسے جنتی رزق عطا کیا جاتا ہے۔ (ابن ماجہ شریف صفحہ ۱۱۹، مشکوٰۃ شریف صفحہ ۱۳۲، ابوداؤد شریف جلد ا صفحہ ۱۵۰، نسائی جلد ا صفحہ ۱۵۴)

اس حدیث کے متعلق حافظ الحدیث منذری فرماتے ہیں۔ رواہ ابن ماجۃ باسناد جید۔ ابن ماجہ نے اس حدیث کو جید سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (الترغیب والترہیب جلد ۲ صفحہ ۵۰۳)

حافظ الحدیث علامہ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں: قُلْتُ رِجَالُهٗ ثِقَاةٌ کہ میں یہ بات تحقیق سے کہتا ہوں اس حدیث کے سارے راوی ثقہ ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۳ صفحہ ۳۲۴)

حضرات قرآن مجید کی آیہ مبارکہ سے اور صحیح حدیث مبارک سے ثابت ہوا اللہ تعالیٰ کے سارے نبی اپنے اپنے مزارات میں حیات اور زندہ ہیں۔ خالق کائنات قرآن مجید کے (پ ۲ سورۃ البقرۃ آیت ۱۵۴) میں ارشاد فرماتا ہے: ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللّٰہِ اموات ط بل احیآء ولٰکن لا تشعرون۔ اور جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں مارے جائیں انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تمہیں خبر نہیں۔ حضرات اس آیہ کریمہ سے پتہ چلا جو بندہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں قتل ہو جائے اللہ تعالیٰ کے دین کی خاطر شہید ہو جائے وہ قبر میں جا کر بھی حیات ہے اور زندہ ہے۔ وورد النص فی کتاب اللّٰہ فی حق الشھداء۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن میں شہداء کے حق میں نص وارد ہوئی ہے آیہ کریمہ نازل ہوئی ہے۔ انھم احیاء یرزقون کہ شہید مر کر بھی زندہ ہیں۔ وان الحیاۃ فیھم متعلقۃ بالجسد اور اور شہداء کو رزق بھی دیا جاتا ہے اور ان کی زندگی جسمانی ہوتی ہے فکیف بالانبیاءِ والمرسلین۔ جب عام شہید اپنے جسم کے ساتھ زندہ ہیں تو خیال کرو نبیوں اور رسولوں کی حیات کا کیا عالم ہوگا۔ سبحان اللہ (نیل الاوطار لد ۳ صفحہ ۲۸۲)

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں: حضور اکرم ﷺ ایک دن شہدائے احد کے مزارات پر ان کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے جب حضرت معصب بن عمیرؓ اور ان کے ساتھیوں کے مزارات پر پہنچے تو آپ نے ان کی قبروں پر کھڑے ہو کر فرمایا: اَشْهَدُ كُمْ اَنَّكُمْ اَحْيَاءَ عِنْدَ اللّٰهِ اے اُحد کے شہیدو! بیشک میں گواہی دیتا ہوں تم اللہ تعالیٰ کے نزدیک زندہ اور حیات ہو تمہیں اللہ تعالیٰ نے بڑا بلند مرتبہ اور مقام عطا فرمایا ہے۔ پھر سرکار ﷺ نے اپنے صحابہؓ کو فرمایا نَزُوْرُوْهُمْ وَسَلِّمُوْا عَلَيْهِمْ۔ اے میرے غلامو! اُحد کے شہیدوں کی زیارت کیا کرو اور ان کی قبروں پر آ کر سلام عرض کیا کرو۔

فوالذی نفسی بیدہٖ لا یسلم علیھم احد الا ردوا علیہ الیٰ یوم القیٰمۃ. مجھے قسم ہے اس خالق کائنات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے جو بندہ ان کو سلام دے گا یہ قبر میں لیٹے لیٹے اس کا جواب دیتے رہیں گے۔

(طبرانی شریف شرح الصدور صفحہ ۱۸۶)

Marfat.com

حضرت ہاشم فرماتے ہیں ایک دن میں اپنے والد جناب محمد عمری کے ساتھ احد کے شہداء کی زیارت کرنے کے لئے گیا جمعہ کا دن تھا صبح صادق کا وقت تھا حضرت ہاشم فرماتے ہیں کہ جب ہم شہداء احد کے مزارات پر پہنچے تو میرے والد نے بلند آواز سے فرمایا: سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ۔سلام ہو تم پر اے احد کے شہیدو۔اس مصیبت پر جس پر تم نے صبر کیا کتنا بہترین ہے یہ آخرت کا گھر۔حضرت ہاشم فرماتے ہیں قبر سے جواب آیا وَعَلَيْكُمُ السَّلَامُ اَبَا عَبْدَ اللّٰهِ اے اباعبداللہ تم پر بھی ہمارا سلام ہو۔سلام کا جواب سن کر میرے والد نے میری طرف مڑ کر دیکھا اور فرمایا بیٹا یہ سلام کا جواب تم نے دیا ہے؟ حضرت ہاشم فرماتے ہیں میں نے عرض کیا ابو جی میں نے تو کوئی جواب نہیں دیا۔حضرت ہاشم فرماتے ہیں میرے والد نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے دائیں طرف کر کے پھر سلام کیا۔شہدا احد کے مزارات سے پھر سلام کا جواب آیا۔میرے والد نے پھر تیسری مرتبہ سلام کیا تو شہداء احد کے مزارات سے پھر سلام کا جواب آیا۔حضرت ہاشم فرماتے ہیں جب میرے والد نے تیسری مرتبہ سلام کا جواب سنا تو اللہ تعالیٰ کے حضور سجدے میں گر پڑے اور زبان حال سے عرض کیا: صَدَقْتَ يَارَبَّ الْعَالَمِيْنَ صَدَقْتَ يَا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ اے خالق کائنات تیرا فرمان بھی سچا ہے اور رحمت کائنات آپ کا فرمان بھی سچا ہے کہ شہداء زندہ ہیں۔(بیہقی شریف،شرح الصدور صفحہ ۱۹۳)

حضرات قرآن مجید کی آیۃ کریمہ سے اور حضور ﷺ کے فرمان سے پتہ چلا کہ سارے شہید بھی اپنی قبروں میں زندہ اور حیات ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ کا فضل ہو جائے تو شہداء کرام اپنی قبروں میں لیٹے لیٹے آنے والوں کو سلام کا جواب بھی عطا کرتے ہیں۔عارف کامل مفسر قرآن قاضی ثناء اللہ پانی پتی" فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ شہید زندہ ہیں یہ حکم صرف شہداء کے لئے ہی خاص نہیں بلکہ یہ حکم نبیوں،صدیقوں کے لئے بھی ہے کیونکہ نبیوں صدیقوں کا درجہ مرتبہ شہداء کرام سے اعلیٰ اور افضل ہوتا ہے۔پھر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ولی بھی اس آیت میں شامل ہیں کیونکہ شہید تلوار پکڑ کر کافروں سے جہاد کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کے ولی روحانی تلوار پکڑ کر اپنے نفس سے جہاد کرتے ہیں۔ (تذکرۃ الموتی القبور صفحہ ۷۵)

خالق کائنات قرآن مجید کے (پ۱۴،سورۃ نحل آیت ۹۷) میں ارشاد فرماتا ہے: مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً جس نے نیک عمل کئے چاہے وہ مرد ہو یا عورت شرط یہ ہے کہ ہو مسلمان تو ہم اس کو پاکیزہ زندگی کے ساتھ زندہ رکھیں گے۔حضرات خالق کائنات نے اس آیۃ کریمہ میں مومنوں کی پاک زندگی کا ذکر فرمایا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جو ہمارا ہو جاتا ہے ہم اسے مرنے نہیں دیتے وہ دنیا میں بھی شان سے زندہ رہے گا اور بعد وفات کے قبر میں بھی زندہ رہے گا۔علامہ ابو غسان فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت شریک نے بتایا کہ ایمان والے قبر میں بھی زندہ رہتے ہیں۔

(زاد المسیر جلد ۴ صفحہ ۴۸۹،تبیان القرآن جلد ۶ صفحہ ۵۶۹)

حضرت ابو ہریرہؓ سرکار کے بڑے عظیم صحابی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا جب بندہ دنیا چھوڑ کر قبر میں چلا جاتا ہے تو فرشتے اس سے سوال کرتے ہیں اگر مرنے والا سوالات کا صحیح جواب دیتا تو پھر خالق کائنات فرشتوں کو حکم فرماتا ہے کہ ثُمَّ يُفْسَحُ لَهٗ فِيْ قَبْرِهٖ سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فِيْ سَبْعِيْنَ. اے فرشتو اس کی قبر کو ستر گز ستر گز میں کشادہ کر دو یعنی ستر گز لمبی، ستر گز چوڑی اگر ستر کو ستر سے ضرب دیں تو چار ہزار نو سو گز بنتی ہے۔(ترمذی شریف،مشکوۃ شریف صفحہ ۲۵،مراۃ شرح مشکوۃ جلد ۱ صفحہ ۱۳۴)

Marfat.com

باب: پانچواں

اہلِ تکوین اولیاء اللہ کی تعریف

Marfat.com

اہل تکوین اولیاء اللہ کی تعریف

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِفَتٰہُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰیٓ اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَیْنِ اَوْ اَمْضِیَ حُقُباً ہ فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَیْنِہِمَا نَسِیَا حُوْتَہُمَا فَاتَّخَذَ سَبِیْلَہٗ فِی الْبَحْرِ سَرَباً ہ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰہُ اٰتِنَا غَدَآءَ نَا لَقَدْ لَقِیْنَا مِنْ سَفَرِنَا ھٰذَا نَصَباً ہ قَالَ اَرَءَیْتَ اِذْ اَوَیْنَآ اِلَی الصَّخْرَۃِ فَاِنِّیْ نَسِیْتُ الْحُوْتَ ز وَمَآ اَنْسٰنِیْہُ اِلَّا الشَّیْطٰنُ اَنْ اَذْکُرَہٗ ج وَاتَّخَذَ سَبِیْلَہٗ فِی الْبَحْرِ عَجَباً ہ قَالَ ذٰلِکَ مَا کُنَّا نَبْغِ صلے فَارْتَدَّا عَلٰٓی اٰثَارِہِمَا قَصَصاً ہ فَوَجَدَا عَبْداً مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَیْنٰہُ رَحْمَۃً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰہُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْماً ہ قَالَ لَہٗ مُوْسٰی ھَلْ اَتَّبِعُکَ عَلٰٓی اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْداً ہ قَالَ اِنَّکَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْراً ہ وَکَیْفَ تَصْبِرُ عَلٰی مَالَمْ تُحِطْ بِہٖ خُبْراً ہ قَالَ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ صَابِراً وَّلَآ اَعْصِیْ لَکَ اَمْراً ہ قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِیْ فَلَا تَسْئَلْنِیْ عَنْ شَیْءٍ حَتّٰٓی اُحْدِثَ لَکَ مِنْہُ ذِکْراً ہ فَانْطَلَقَا وقفۃ حَتّٰٓی اِذَا رَکِبَا فِی السَّفِیْنَۃِ خَرَقَہَا ط قَالَ اَخَرَقْتَہَا لِتُغْرِقَ اَھْلَہَا ج لَقَدْ جِئْتَ شَیْئاً اِمْراً ہ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّکَ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْراً ہ قَالَ لَاتُؤَاخِذْنِیْ بِمَا نَسِیْتُ وَلَا تُرْھِقْنِیْ مِنْ اَمْرِیْ عُسْراً ہ فَانْطَلَقَا وقفۃ حَتّٰٓی اِذَا لَقِیَا غُلٰماً فَقَتَلَہٗ لا قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْساً زَکِیَّۃً م بِغَیْرِ نَفْسٍ ط لَقَدْ جِئْتَ شَیْئاً نُّکْراً ہ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّکَ اِنَّکَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْراً ہ قَالَ اِنْ سَاَلْتُکَ عَنْ شَیْءٍ م بَعْدَھَا فَلَا تُصٰحِبْنِیْ ج قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّیْ عُذْراً ہ فَانْطَلَقَا وقفۃ حَتّٰٓی اِذَآ اَتَیَآ اَھْلَ قَرْیَۃِ نِ اسْتَطْعَمَآ اَھْلَہَا فَاَبَوْا اَنْ یُّضَیِّفُوْھُمَا فَوَجَدَا فِیْہَا جِدَاراً یُّرِیْدُ اَنْ یَّنْقَضَّ فَاَقَامَہٗ ط قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَیْہِ اَجْراً ہ قَالَ ھٰذَا فِرَاقُ بَیْنِیْ وَبَیْنِکَ ج سَاُنَبِّئُکَ بِتَاْوِیْلِ مَالَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَیْہِ صَبْراً ہ اَمَّا السَّفِیْنَۃُ فَکَانَتْ لِمَسٰکِیْنَ یَعْمَلُوْنَ فِی الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِیْبَہَا وَکَانَ وَرَآءَ ھُمْ مَّلِکٌ یَّاْخُذُ کُلَّ سَفِیْنَۃٍ غَصْباً ہ وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَکَانَ اَبَوٰہُ مُؤْمِنَیْنِ فَخَشِیْنَآ اَنْ یُّرْھِقَہُمَا طُغْیَاناً وَّکُفْراً ہ فَاَرَدْنَآ اَنْ یُّبْدِلَہُمَا رَبُّہُمَا خَیْراً مِّنْہُ زَکٰوۃً وَّاَقْرَبَ رُحْماً ہ وَاَمَّا الْجِدَارُ فَکَانَ لِغُلٰمَیْنِ یَتِیْمَیْنِ فِی الْمَدِیْنَۃِ وَکَانَ تَحْتَہٗ کَنْزٌ لَّہُمَا وَکَانَ اَبُوْھُمَا صَالِحاً ج فَاَرَادَ رَبُّکَ اَنْ یَّبْلُغَآ اَشُدَّھُمَا وَیَسْتَخْرِجَا کَنْزَھُمَا صلے رَحْمَۃً مِّنْ رَّبِّکَ ج وَمَا فَعَلْتُہٗ عَنْ اَمْرِیْ ط ذٰلِکَ تَاْوِیْلُ مَالَمْ تَسْطِعْ عَّلَیْہِ صَبْراً ط (سورۃ الکہف ۶۲ تا ۸۲)

ترجمہ: اور جب کہا موسیٰ نے اپنے جوان کو میں نہ ہٹونگا جب تک نہ پہنچ جاؤں جہاں ملتی ہیں دو دریا یا چلا جاؤں قرنوں پھر جب پہنچ دونوں دریا کے ملاپ تک بھول گئے اپنی مچھلی پھر اُس نے اپنے راہ کرلی۔ دریا میں سرنگ بنا کر پھر جب آگے چلے کہا موسیٰ نے اپنے جوان کو لا ہمارے پاس ہمارا کھانا ہم نے پائی اپنے اس سفر میں تکلیف۔ بولا وہ دیکھا تو نے جب ہم نے جگہ پکڑی اُس پتھر کے پاس سو میں بھول گیا مچھلی اور یہ مجھ کو بھلا دیا شیطان ہی نے کہ اُس کا ذکر کروں۔ اور اُس نے کرلیا اپنا راستہ دریا میں عجیب طرح۔ کہا یہی ہے جو ہم چاہتے تھے پھر اُلٹے پھرے اپنے پیر پہنچانتے۔ پھر پایا ایک بندہ ہمارے بندوں میں کا جس کو دی تھی ہم نے رحمت اپنے پاس سے اور سکھلایا تھا اپنے پاس سے ایک علم۔ کہا اُس کو موسیٰ نے کہے تو تیرے ساتھ رہوں اس بات پر کہ مجھ کو

Marfat.com

سکھلا دے کچھ جو تجھ کو سکھلائی ہے بھلی راہ بولا تو ٹھہر سکے گا میرے ساتھ اور کیونکہ ٹھہرے گا دیکھ کر ایسی چیز کو کہ تیری قابو میں نہیں اسکا سمجھنا کہا تو پائے گا اگر اللہ نے چاہا مجھ کو ٹھہرنے والا اور نہ ٹالونگا تیرا کوئی حکم۔ بولا پھر اگر میرے ساتھ رہتا ہے تو مت پوچھیو مجھ سے کوئی چیز جب تک میں شروع نہ کروں تیرے آگے اُسکا ذکر۔ پھر دونوں چلے یہاں تک کہ جب چڑھے کشتی میں اُس کو پھاڑ ڈالا موسیٰ بولا کیا تو نے اُس کو پھاڑ ڈالا کہ ڈبا دے اُسکے لوگوں کو البتہ تو نے کی ایک چیز بھاری۔ بولا میں نے کہا تھا تو نہ ٹھہر سکے گا میرے ساتھ کہا مجھ کو نہ پکڑ میری بھول پر اور مت ڈال مجھ پر میرا کام مشکل۔ پھر دونوں چلے یہاں تک کہ جب ملے ایک لڑکے سے تو اُسکو مار ڈالا موسیٰ بولا کیا تو نے مار ڈالا ایک نان ستھرے۔ بغیر عوض کسی جان کی بیشک تو نے کی ایک چیز نامعقول بولا میں نے تجھ کو نہ کہا تھا کہ تو نہ ٹھہر سکے گا میرے ساتھ۔ کہا اگر تجھ سے پوچھوں کوئی چیز اسکے بعد تو مجھ کو ساتھ نہ رکھیو تو اُتار چکا میری طرف سے الزام۔ پھر دونوں چلے یہاں تک کہ جب پہنچے ایک گاؤں کے لوگوں تک کھانا چاہا وہاں کے لوگوں سے انہوں نے نہ مانا اُنکو مہمان رکھیں پھر پائی وہاں۔ ایک دیوار جو گرا چاہتی تھی اسکو سیدھا کر دیا۔ بولا موسیٰ اگر تو چاہتا تو لے لیتا اس پر مزدوری کہا اب جدائی ہے میرے اور تیرے بیچ اب جتلائے دیتا ہوں تجھ کو پھیر ان باتوں کا جس پر تو صبر نہ کر سکا۔ وہ جو کشتی تھی سو چند محتاجوں کی جو محنت کرتے دریا میں۔ سو میں نے چاہا کہ اس میں عیب ڈالدوں اور اُن کے پرے تھا ایک بادشاہ جو لے لیتا تھا ہر کشتی کو چھین۔ اور وہ جو لڑکا تھا سو اُس کے ماں باپ تھے ایمان والے پھر ہم کو اندیشہ ہوا کہ اُن کو عاجز کر دے زبردستی اور کفر کر۔ پھر ہم نے چاہا کہ بدلہ دے اُن کو اُن کا رب بہتر اس سے پاکیزگی میں اور نزدیک تر شفقت میں۔ اور وہ جو دیوار تھی سو دو یتیم لڑکوں کی تھی اس شہر میں اور اُسکے نیچے مال گڑا تھا اُن کا اور اُن کا باپ تھا نیک پھر چاہا تیرے رب نے کہ وہ پہنچ جائیں اپنی جوانی کو اور نکالیں اپنا مال گڑا ہوا۔ مہربانی سے تیرے رب کی اور میں نے نہیں کیا اپنے حکم سے۔ یہ ہے پھیر اُن چیزوں کا جن پر تو صبر نہ کر سکا۔

۸۱۔ حضرت موسیٰ اور حضرت خضر کے واقعے کی اصل وجہ

اوپر ذکر ہوا تھا کہ مغرور کافر مفلس مسلمانوں کو حقیر سمجھ کر آنحضرت ﷺ سے کہتے تھے کہ اُن کو پاس نہ بٹھائیں تو ہم بیٹھیں۔ اُسی پر دو شخصوں کی کہاوت سنائی۔ پھر دنیا کی مثال اور ابلیس کا کبر و غرور سے خراب ہونا بیان کیا۔ اب موسیٰ اور خضر کا قصہ ذکر کرتے ہیں کہ اللہ والے اگر سب سے افضل اور بہتر بھی ہوں تو آپ کو بہتر نہیں کہتے۔ اور کبھی بھول چوک سے کہہ گذریں تو حق تعالیٰ کی طرف سے تادیب و تنبیہ کی جاتی ہے۔ حدیث میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو نہایت موثر اور بیش بہا نصیحتیں فرما رہے تھے۔ ایک شخص نے پوچھا، اے موسیٰ کیا روئے زمین پر آپ اپنے سے بڑا عالم کسی کو پاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ یہ جواب واقع میں صحیح تھا۔ کیونکہ موسیٰ علیہ السلام اولوالعزم پیغمبروں میں سے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اُن کے زمانہ میں اسرار شرعیہ کا علم اُن سے زیادہ کس کو ہو سکتا تھا۔ لیکن حق تعالیٰ کو ان کے الفاظ پسند نہ آئے، گو مراد صحیح تھی، تاہم عنوان جواب کے عموم سے ظاہر ہوتا تھا کہ روئے زمین پر منتم کل الوجوہ اپنے کو اعلم الناس خیال کرتے ہیں۔ خدا کی مرضی یہ تھی کہ جواب کو اُس کے

Marfat.com

علم محیط پر محول کرتے۔ مثلاً یہ کہتے کہا اللہ کے مقرب و مقبول بندے بہت سے ہیں، سب کی خبر اُسی کو ہے۔ تب وحی آئی کہ جس جگہ دو دریا ملے ہیں اسکے پاس ہمارا ایک بندہ ہے جو تم سے زیادہ علم رکھتا ہے۔

مجمع البحرین کی تحقیق

دو دریا سے کون سے دریا مراد ہیں؟ بعض نے کہا کہ بحر فارس اور بحر روم لیکن یہ دونوں ملتے نہیں۔ شاید ملاپ سے مراد قرب ہوگا یعنی جہاں دونوں کا فاصلہ کم سے کم رہ جائے، بعض افریقہ کے دو دریا مراد لیتے ہیں بعض علماء کے نزدیک "مجمع البحرین" وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر دجلہ اور فرات خلیج فارس میں گرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ بہر حال موسیٰ علیہ السلام نے درخواست کی کہ مجھے اُس کا پورا پتہ نشان بتایا جائے تا کہ میں وہاں جا کر کچھ علمی استفادہ کروں۔ حکم ہوا کہ اُس کی تلاش میں نکلو تو ایک مچھلی تل کر ساتھ رکھ لو، جہاں مچھلی گم ہو، وہیں سمجھنا کہ وہ بندہ موجود ہے۔ گویا "مجمع البحرین" سے جو ایک وسیع قطعہ مراد ہوسکتا تھا، اس کی پوری تعیین کے لئے یہ علامت مقرر فرما دی۔

حضرت یوشع سے حضرت موسیٰ کا خطاب

موسیٰ علیہ السلام نے اسی ہدایت کے موافق اپنے خادم خاص حضرت یوشع کو ہمراہ لیکر سفر شروع کر دیا اور یوشع کو کہہ دیا کہ مچھلی کا خیال رکھنا میں برابر سفر کرتا رہوں گا یہاں تک کہ منزل مقصود پر پہنچ جاؤں، اگر فرض کرو برس اور قرن بھی گزر جائیں گے بدون مقصد حاصل کئے سفر سے نہ ہٹونگا۔ (تنبیہ) جوان سے مراد حضرت یوشع ہیں جو ابتداء موسیٰ علیہ السلام کی خادم خاص تھے۔ پھر اُن کے روبرو پیغمبر اور اُن کے بعد خلیفہ ہوئے۔

۸۲۔ مچھلی کا گم ہونا

وہاں پہنچ کر ایک بڑے پتھر کے قریب جس کے نیچے آب حیات کا چشمہ جاری تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام سو رہے۔ یوشع علیہ السلام نے دیکھا کہ بھنی ہوئی مچھلی باذن اللہ زندہ ہو کر زنبیل سے نکل پڑی اور عجیب طریقہ سے دریا میں سرنگ سی بناتی چلی گئی۔ وہاں پانی میں خدا کی قدرت سے ایک طاق سا کھلا رہ گیا۔ یوشع کو دیکھ کر تعجب آیا۔ چاہا کہ موسیٰ بیدار ہوں تو اُن سے کہوں۔ وہ بیدار ہوئے تو دونوں آگے چل کھڑے ہوئے۔ یوشع نے معلوم کن خیالات میں پڑ کر کہنا بھول گئے۔ روایات میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے جب اُن کو مچھلی کی خبر گیری کے لئے کہا تھا تو اُن کی زبان سے نکلا کہ یہ کوئی بڑا کام نہیں۔ لہٰذا متنبہ کیا گیا کہ چھوٹے سے چھوٹے کام میں بھی آدمی کو محض اپنے نفس پر بھروسہ نہیں چاہیئے۔

۸۳۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پہلے نہیں تھکے۔ جب مطلب چھوٹ رہا تھا اُس وقت چلنے سے تھکان محسوس کیا۔

۸۴۔ یعنی مطلب کی بات بھول جانا اور عین موقع یادداشت پر ذہول ہونا۔ شیطان کی وسوسہ اندازی سے ہوا۔

۸۵۔ غالباً وہاں راستہ بنا ہوا نہ ہوگا۔ اس لئے اپنے نقش قدم دیکھتے ہوئے اُلٹے پاؤں پھرے۔

Marfat.com

۸۶۔ حضرت خضرؑ سے ملاقات

وہ بندہ حضرت خضر علیہ السلام تھے۔ جن کو حق تعالیٰ نے رحمت خصوصی سے نوازا اور اسرار کونیہ کے علم سے حصہ وافر عطا فرمایا تھا، اس میں اختلاف ہے کہ حضرت خضر کو رسول مانا جائے، یا نبی یا محض ولی کے درجہ میں رکھا جائے۔ ایسے مباحث کا فیصلہ یہاں نہیں ہوسکتا۔ تاہم احقر کا رجحان اسی طرف ہے کہ اُن کو نبی تسلیم کیا جائے اور جیسا کہ بعض محققین کا خیال ہے جو انبیاء اور جدید شریعت لے کر نہیں آتے اُن کو بھی اتنا تصرف واختیار عطا ہوتا ہے کہ مصالح خصوصیہ کی بناء پر شریعت مستقلہ کے کسی عام کی تخصیص یا مطلق کی تقلید یا خضرؑ سے ملے علیک سلیک کے بعد خضرؑ نے سبب پوچھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے آنے کا سبب بتلایا۔ خضرؑ نے کہا اے موسیٰ! بلاشبہ اللہ نے تمہاری تربیت فرمائی پر بات یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے ایک علم (جزئیات کونیہ کا) مجھ کو ملا ہے جو (اتنی مقدار میں) میں تم کو نہیں ملا۔ اور ایک علم (اسرار تشریع کا) تم کو دیا گیا ہے جو (اتنی بہتات سے) مجھ کو نہیں دیا گیا۔ اس کے بعد ایک چڑیا دکھا کر جو دریا میں پانی پی رہی تھی، کہا کہ میرا، تمہارا بلکہ کل مخلوقات کا سارا علم اللہ کے علم میں سے اتنا ہے۔ جتنا دریا کے پانی میں سے وہ قطرہ جو چڑیا کے منہ میں لگ گیا ہے (یہ بھی محض تفہیم کے لئے تھا ورنہ متناہی کو غیر متناہی سے قطرہ اور دریا کی نسبت بھی نہیں)۔

۸۷۔ حضرت موسیٰ کی درخواست

یعنی اجازت ہو تو چند روز آپ کے ہمراہ رہ کر اُس مخصوص علم کا کچھ حصہ حاصل کروں۔

۸۸۔ حضرت خضرؑ کی پیشگوئی

حضرت خضرؑ نے موسیٰ علیہ السلام کے مزاج وغیرہ کا اندازہ کر کے سمجھ لیا کہ میرے ساتھ اُن کا نباہ نہ ہوسکے گا کیونکہ وہ مامور تھے کہ واقعات کونیہ کا جزئی علم پا کر اُسے کے موافق عمل کریں اور موسیٰ علیہ السلام جن علوم کے حامل تھے اُن کا تعلق تشریعی قوانین وکلیات سے تھا۔ بنابریں جن جزئیات میں عوارض وخصوصیات خاصہ کی وجہ سے بظاہر عام ضابطہ پر عمل نہ ہوگا۔ حضرت موسیٰ اپنی معلومات کی بنا پر ضرور روک ٹوک کریں گے۔ اور خاموشی کا مسلک دیر تک قائم نہ رکھ سکیں گے۔ آخری نتیجہ یہ ہوگا کہ جدا ہونا پڑیگا۔

۸۹۔ حضرت موسیٰ کا وعدہ

یہ وعدہ کرتے وقت غالباً موسیٰ علیہ السلام کو اس کا تصور بھی نہ ہوسکتا تھا کہ ایسے مقرب ومقبول بندہ سے کوئی ایسی حرکت دیکھنے میں آئیگی جو علانیہ اُن کی شریعۃ بلکہ عام شرائع واخلاق کے خلاف ہو۔ غنیمت ہوا کہ انہوں نے ''انشاء اللہ'' کہہ دیا تھا ورنہ ایک قطعی وعدہ کی خلاف ورزی کرنا اولوالعزم پیغمبر کی شان کے لائق نہ ہوتا۔

۹۰۔ حضرت خضرؑ کی شرائط

یعنی کوئی بات اگر بظاہر ناحق نظر آئے تو مجھ سے فوراً بازپرس نہ کرنا، جب تک میں خود اپنی طرف سے کہنا شروع نہ کروں۔

Marfat.com

۹۱۔ کشتی کا واقعہ

جب اُس کشتی پر چڑھنے لگے ناؤ والوں نے خضر کو پہچان کر مفت سوار کرلیا۔اس احسان کا بدلہ یہ نقصان دیکھ کر موسیٰ کو اور زیادہ تعجب ہوا، لیکن کشتی پوری طرح کنارہ کے قریب پہنچ کر توڑی۔لوگ ڈوبنے سے بچ گئے اور توڑنا یہ تھا کہ ایک تختہ نکال ڈالا۔گویا عیب دار کردی۔

۹۲۔ حضرت موسیٰؑ کا اعتراض

یعنی گر بھول چوک پر بھی گرفت کرو گے تو میرا تمہارے ساتھ رہنا مشکل ہو جائیگا۔یہ پہلا پوچھنا حضرت موسیٰ سے بھول کر ہوا اور دوسرا اقرار کرنے کو اور تیسرا رخصت ہونے کو۔

۹۳۔ لڑکے کا قتل

ایک گاؤں کے قریب چند لڑکے کھیل رہے تھے۔اُن میں سے ایک جو زیادہ خوبصورت اور سیانا تھا پکڑ کر مار ڈالا اور چل کھڑے ہوئے بعض روایات میں اُس کا نام جیسور آیا ہے۔وہ لڑکا بالغ تھا یا نہیں؟ بعض کا قول ہے کہ بالغ تھا اور لفظ غلام عدم بلوغ پر دلالت نہیں کرتا لیکن جمہور مفسرین اُس کا نابالغ ہی بیان کرتے ہیں۔واللہ اعلم۔

۹۴۔ حضرت موسیٰؑ کا دوسرا اعتراض

یعنی بے گناہ۔جب تک لڑکا بالغ نہ ہو اس پر کچھ گناہ نہیں۔یہ لفظ بظاہر اس کے نابالغ ہونے تائید کرتا ہے، اگرچہ دوسروں کے لئے تاویل کی گنجائش ہے۔

۹۵۔ یعنی اول تو نابالغ قصاص میں بھی قتل نہیں کیا جاسکتا۔اس پر مزید یہ کہ یہاں قصاص کا بھی کوئی قصہ نہ تھا۔پھر اس سے بڑھ کر نامعقول بات کونسی ہوگی۔

۹۶۔ کیونکہ ایسے حالات و واقعات دیکھنے میں آئیں گے جن پر تم خاموشی کے ساتھ صبر نہیں کرسکو گے۔آخر وہی ہوا۔

۹۷۔ حضرت موسیٰؑ کی آخری درخواست

حضرت موسیٰ کو اندازہ ہوگیا کہ خضر کے تحیر خیز حالات و واقعات کا چپ چاپ مشاہدہ کرتے رہنا بہت ٹیڑھی کھیر ہے۔اس لئے آخری بات کہہ دی کہ اس مرتبہ اگر سوال کروں تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیں ایسا کرنے میں آپ معذور ہوں گے اور میری طرف سے کوئی الزام آپ پر عائد نہیں ہوسکتا کیونکہ تین مرتبہ موقع دے کر آپ حجت تمام کرچکے۔

۹۸۔ دیوار سیدھا کرنے کا واقعہ

یعنی ایک بستی میں پہنچ کر وہاں کے لوگوں سے ملے اور چاہا کہ بستی والے مہمان سمجھ کر کھانا کھلائیں۔مگر یہ سعادت اُن کی قسمت میں نہ تھی، انہوں نے موسیٰ وخضر جیسے مقربین کی مہمانی سے انکار کردیا۔یہ معاملہ دیکھ کر چاہئیے تھا کہ ایسے تنگ دل اور

Marfat.com

بے مروت لوگوں پر غصہ آتا، مگر حضرت خضر علیہ السلام نے غصہ کی بجائے اُن پر احسان کیا۔ بستی میں ایک بڑی بھاری دیوار جھکی ہوئی تھی قریب تھا کہ زمین پر آ رہے۔ لوگ اس کے نیچے گزرتے ہوئے خوف کھاتے تھے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے ہاتھ لگا کر سیدھی کر دی اور منہدم ہونے سے بچالیا (تنبیہ) حَتّٰٓی اِذَآ اَتَيَآ اَهْلَ قَرْيَةٍ میں ''اہل'' کا لفظ شاید اس لئے لائے کہ بستی میں اُن کا آنا محض مرور عبور کے طور پر نہ تھا۔ نہ یہ صورت تھی کہ باشندگان شہر سے علیحدہ کسی سرائے وغیرہ میں جا اُترے ہوں۔ بلکہ قصد کر کے شہر والوں سے ملے اور ''اِسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا'' میں دوبارہ لفظ ''اہل'' کی تصریح اُن کی مزید تقبیح کے لئے ہے۔ یعنی جن سے مہمانی چاہی تھی وہ اہل قریہ تھے کوئی پردیسی مسافر نہ تھے جو یہ گذر کر سکیں کہ ہمارا گھر یہاں نہیں، مہمانداری کیسے کریں۔

۹۹۔ حضرت موسیٰ کا تیسرا اعتراض

یعنی بستی والوں نے مسافر کا حق نہ سمجھا کہ مہمانی کریں، اُن کی دیوار مفت بنا دینے کی کیا ضرورت تھی؟ اگر کچھ معاوضہ لے کر دیوار سیدھی کرتے تو ہمارا کھانے پینے کا کام چلتا اور تنگ دل بخیلوں کو ایک طرح کی تنبیہ ہو جاتی، شاید اپنی بداخلاقی اور بے مروتی پر شرماتے۔

۱۰۰۔ یعنی حسب وعدہ اب مجھ سے علیحدہ ہو جائیے۔ آپ کا نباہ میرے ساتھ نہیں ہو سکتا۔ لیکن جدا ہونے سے پہلے چاہتا ہوں کہ ان واقعات کو پوشیدہ اسرار کھول دوں۔ جن کے چکر میں پڑ کر آپ صبر وضبط کی شان قائم نہ رکھ سکے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ ''اس مرتبہ موسیٰ نے جان کر پوچھا رخصت ہونے کو سمجھ لیا کہ یہ علم میرے ڈھب کا نہیں۔ حضرت موسیٰ کا علم وہ تھا جس کی خلقت پیروی کرے تو اُن کا بھلا ہو۔ حضرت خضر کا علم وہ تھا کہ دوسروں سے اُس کی پیروی بن نہ آوے۔

۱۰۱۔ یعنی دریا میں محنت مزدوری کر کے پیٹ پالتے تھے۔

۱۰۲۔ یعنی جدھر کشتی جانے والی تھی اُس طرف ایک ظالم بادشاہ جو اچھی کشتی دیکھتا چھین لیتا، یا بیگار میں پکڑ لیتا تھا، میں نے چاہا کہ عیب دار کر دوں، تا اُس ظالم کی دستبرد سے محفوظ رہے اور ٹوٹی ہوئی خراب کشتی سمجھ کر کوئی تعرض نہ کرے۔ بعض آثار میں ہے کہ خطرہ کی مقام سے آگے نکل کر پھر حضرت خضر نے کشتی اپنے ہاتھ سے درست کر دی۔

۱۰۳۔ لڑکے کے قتل کی حکمت

گو اصل فطرت سے ہر بچہ مسلمان پیدا ہوتا ہے مگر آگے چل کر خارجی اثرات سے بچپن ہی میں بعض کی بنیاد بُری پڑ جاتی ہے جس کا پورا یقینی علم تو خدا تعالیٰ کو ہوتا ہے تاہم کچھ آثار اہل بصیرت کو بھی نظر آنے لگتے ہیں۔ اس لڑکے کی نسبت اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر کو آگاہ فرما دیا کہ اس کی بنیاد بری پڑی تھی۔ بڑا ہوتا تو موذی اور بدراہ ہوتا اور ماں باپ کو بھی اپنے ساتھ لے ڈوبتا۔ وہ اس کی محبت میں کافر بن جاتے۔ اس طرح لڑکے کا مارا جانا والدین کے حق میں رحمت اور ان کی حفاظت کا ذریعہ بن گیا۔ خدا کو منظور تھا کہ اس کے ماں باپ ایمان پر قائم رہیں، حکمت الٰہیہ متقضی ہوئی کہ آنے والی رکاوٹ اُن کی راہ سے دور کر دیا جائے، خضر کو حکم دیا کہ لڑکے کو قتل کر دو۔ اُنہوں نے خدا کی وحی پا کر امتثال امر کیا اب یہ سوال کرنا کہ لڑکے کو پیدا ہی نہ

Marfat.com

کرتے یا کرتے تو اس کو اس قدر شریر نہ ہونے دیتے، یا جہاں لاکھوں کافر دنیا میں موجود ہیں اس کے والدین کو بھی کافر بن جانے دیتے۔ یا جن بچوں کی بنیاد ایسی پڑے کم از کم پیغمبروں کو ان سب کی فہرست دے کر قتل کر دیا کرتے۔ ان باتوں کا اجمالی جواب تو یہ ہے کہ "لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ" (انبیاء رکوع ۲) اور تفصیلی جواب کے لئے مسئلہ "خلق خیر و شر" پر مبسوط کلام کرنے کی ضرورت ہے جو ان مختصر فوائد میں سمانہیں سکتا ہاں اتنا یاد رہے کہ دنیا میں ہر شخص سے جو اللہ کو "خالق الکل" اور "علیم" و "حکیم" مانتا ہو، تکوینیات کے متعلق اسی قسم کے ہزاروں سوالات کئے جاسکتے ہیں جن کا جواب کسی کے پاس بجز اعتراف عجز و قصور کے کچھ نہیں۔ یہاں خضر کے ذریعہ سے اسی کا ایک نمونہ دکھلانا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی حکمتوں اور مصالح تکوینیہ کا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا کبھی صورت واقعہ بظاہر دیکھنے میں خراب اور قبیح یا بے موقع معلوم ہوتی ہے لیکن جسے واقعہ کی اندرونی گہرائیوں کا علم ہو وہ سمجھتا ہے کہ اس میں بہت سی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ خضر نے مسکینوں کی کشتی کا تختہ توڑ دیا، حالانکہ انہوں نے احسان کیا تھا کہ بلا اُجرت دونوں کو سوار کر لیا۔ ایک کھیلتے ہوئے بچہ کو مار ڈالا جو بظاہر نہایت قبیح حرکت نظر آتی تھی۔ دیوار سیدھی کر کے اس بستی والوں پر احسان کیا جو نہایت بے مروتی سے پیش آئے تھے۔ اگر خود خضر علیہ السلام آخر میں اپنے ان افعال کی توجیہات بیان نہ کرتے تو ساری دنیا آج تک ورطہ حیرت میں پڑی رہتی، یا خضر کو ہدف طعن و تشنیع بنائے رکھتی۔ العیاذ باللہ۔ انہی مثالوں سے حق تعالیٰ کے افعال اور انکی حکمتوں کا اندازہ کر لو۔

۱۰۴۔ یعنی لڑکے کے مارے جانے سے اُس کے والدین کا ایمان محفوظ ہو گیا اور جو صدمہ اُنکو پہنچا حق تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس کی تلافی ایسی اولاد سے کر دے جو اخلاقی پاکیزگی میں مقتول لڑکے سے بہتر ہو۔ ماں باپ اس پر شفقت کریں وہ ماں باپ کے ساتھ محبت و تعظیم اور حسن سلوک سے پیش آئے کہتے ہیں اُس کے بعد خدا تعالیٰ نے نیک لڑکی دی جو ایک نبی سے منسوب ہوئی اور ایک نبی اس سے پیدا ہوئے جس سے ایک اُمت چلی۔

۱۰۵۔ دیوار سیدھا کرنے کی حکمت

یعنی اگر دیوار گر پڑتی تو یتیم بچوں کا جو مال وہاں گڑا ہوا تھا ظاہر ہو جاتا اور بدنیت لوگ اُٹھا لیتے۔ بچوں کا باپ مرد صالح تھا، اس کی نیکی کی رعایت سے حق تعالیٰ کا ارادہ ہوا کہ بچوں کے مال کی حفاظت کی جائے میں نے اُس کے حکم سے دیوار سیدھی کر دی کہ بچے جوان ہو کر باپ کا خزانہ پاسکیں کہتے ہیں اُس خزانہ میں دوسرے اموال کے علاوہ ایک سونے کی تختی تھی جس پر "محمد رسول اللہ ﷺ" لکھا ہوا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

اہل اللہ اور اہل تکوین کا تعارف

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا يَحْزَنُوْنَ ٥ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ٥

ترجمہ: یاد رکھو جو لوگ اللہ کے دوست ہیں نہ ڈر ہے اُن پر اور نہ وہ غمگین ہونگے۔ جو لوگ ایمان لائے اور ڈرتے رہے۔

آیات مذکورہ میں اولیاء اللہ کے مخصوص فضائل اور ان کی تعریف اور پہچان پھر دنیا و آخرت میں انکے لئے بشارت کا ذکر ہے،

Marfat.com

ارشاد فرمایا کہ اولیاء اللہ کو نہ کسی ناگوار چیز کے پیش آنے کا خطرہ ہوگا اور نہ کسی مقصد کے فوت ہو جانے کا غم، اور اولیاء اللہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور جنہوں نے تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کی، ان کے لئے دنیا میں بھی خوشخبری ہے اور آخرت میں بھی۔

اس میں چند باتیں قابل غور ہیں، اول یہ کہ اولیاء اللہ پر خوف وغم نہ ہونے کے کیا معنی ہیں؟

دوسرے یہ کہ اولیاء اللہ کی تعریف کیا ہے اور ان کی علامات کیا ہیں؟ تیسرے یہ کہ دنیا و آخرت میں ان کی بشارت سے کیا مراد ہے؟

پہلی بات کہ اولیاء اللہ پر خوف وغم نہیں ہوتا، اس سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ آخرت میں حساب کتاب کے بعد جب ان کو ان کے مقام جنت میں داخل کر دیا جائے گا تو خوف وغم سے ان کو ہمیشہ کے لئے نجات ہو جائے گی۔ نہ کسی تکلیف و پریشانی کا خطرہ رہے گا نہ کسی محبوب و مطلوب چیز کے ہاتھ سے نکل جانے کا غم ہوگا، بلکہ جنت کی نعمتیں دائمی اور لازوال ہوں گی، اس معنی کے اعتبار سے تو مضمون آیت پر کوئی اشکال نہیں لیکن یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ اس میں اولیاء اللہ کی کوئی خصوصیت نہ رہی بلکہ تمام اہل جنت جن کو جہنم سے نجات مل گئی وہ اسی حال میں ہوں گے، ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ جو لوگ انجام کار جنت میں پہنچ گئے وہ سب اولیاء اللہ ہی کہلائیں گے، دنیا میں ان کے اعمال کتنے ہی مختلف رہے ہوں مگر داخلِ جنت کے بعد سب کے سب اولیاء اللہ کی ہی فہرست میں شمار ہونگے، لیکن بہت سے مفسرین نے فرمایا کہ اولیاء اللہ پر خوف وغم نہ ہونا دنیا و آخرت دونوں کے لئے عام ہے اور اولیاء اللہ کی خصوصیت یہی ہے کہ دنیا میں بھی خوف وغم سے محفوظ ہیں اور آخرت میں ان پر خوف وغم نہ ہونا تو سب ہی جانتے ہیں، اور اس میں سب اہل جنت داخل ہیں۔ مگر اس پر حالات و واقعات کے اعتبار سے یہ اشکال ہے کہ دنیا میں تو یہ بات مشاہدہ کے خلاف ہے کیونکہ اولیاء اللہ تو کیا انبیاء علیہم السلام بھی اس دنیا میں خوف وغم سے محفوظ نہیں بلکہ ان کا خوف وخشیت اوروں سے زیادہ ہوتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓءُ یعنی اللہ تعالیٰ سے پوری طرح علماء ہی ڈرتے ہیں اور دوسری جگہ میں اولیاء اللہ ہی کا یہ حال بیان فرمایا ہے وَالَّذِیْنَ ھُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّھِمْ مُّشْفِقُوْنَ اِنَّ عَذَابَ رَبِّھِمْ غَیْرُ مَاْمُوْنٍ یعنی یہ لوگ اللہ کے عذاب سے ہمیشہ ڈرتے رہتے ہیں کیونکہ ان کے رب کا عذاب ایسی چیز نہیں جس سے کوئی بے فکر ہو کر بیٹھ سکے۔ اور واقعات بھی یہی ہیں جیسا کہ شمائل ترمذی کی حدیث میں ہے کہ رسول کریم ﷺ اکثر حالات میں متفکر و غمگین نظر آتے تھے، اور آپ نے خود فرمایا کہ میں تم سے سے زیادہ خدا تعالیٰ سے ڈرتا ہوں۔ صحابہ کرامؓ میں سب سے افضل حضرت صدیق و فاروقؓ اور تمام صحابہؓ اور تابعین اور اولیاء اللہ کی گریہ وزاری اور خوفِ آخرت کے واقعات بیشمار ہیں۔ اس لئے روح المعانی میں علامہ آلوسی نے یہ فرمایا کہ حضرت اولیاء اللہ کا دنیا میں خوف وغم سے محفوظ ہونا اس اعتبار سے ہے کہ جن چیزوں کے خوف وغم میں عام طور سے اہل دنیا مبتلا رہتے ہیں کہ دنیوی مقاصد آرام و راحت عزت و دولت میں ذرا سی کمی ہو جانے پر مرنے لگتے ہیں اور ذرا سی تکلیف و پریشانی کے خوف سے ان سے بچنے کی تدبیروں میں رات دن کھوئے رہتے ہیں، اولیاء اللہ کا مقام ان سب سے بالا و بلند ہوتا ہے، ان کی نظر میں نہ دنیا کی فانی عزت و دولت، راحت و آرام کوئی چیز ہے جس کے حاصل کرنے میں سرگرداں ہوں، نہ یہاں کی محنت و کلفت اور رنج کچھ قابلِ التفات ہے جس کی مدافعت میں

Marfat.com

پریشان ہوں بلکہ ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ

بہ پیش ہمت ما ہر چہ آمد بود مہمانے — نہ شادی داد سامانے نہ غم آورد نقصانے

اللہ جل شانہ کی عظمت ومحبت اور خوف وخشیت ان حضرات پر ایسی چھائی ہوتی ہے کہ اُس کے مقابلہ میں دنیا کی رنج و راحت، سود وزیاں پر کاہ کی بھی حیثیت نہیں رکھتے بقول بعض

یہ ننگ عاشقی ہیں سود وحاصل دیکھنے والے — یہاں گمراہ کہلاتے ہیں منزل دیکھنے والے

اولیاءاللہ کی تعریف

دوسری بات اولیاءاللہ کی تعریف اور انکی علامات سے متعلق ہے، اولیاء ولی کی جمع ہے، لفظ ولی عربی زبان میں قریب کے معنی میں بھی آتا ہے اور دوست ومحب کے معنی میں بھی، اللہ تعالیٰ کے قرب ومحبت کا ایک عام درجہ تو ایسا ہے کہ اس سے دنیا کا کوئی انسان وحیوان بلکہ کوئی چیز بھی مستثنیٰ نہیں، اگر یہ قرب نہ ہوتو سارے عالم میں کوئی چیز وجود ہی میں نہیں آسکتی، تمام عالم کے وجود کی اصلی علت وہی خاص رابطہ ہے جو اس کو حق تعالیٰ شانہ سے حاصل ہے گو اس رابطہ کی حقیقت کو نہ کسی نے سمجھا اور نہ سمجھ سکتا ہے مگر ایک بے کیف رابطہ کا ہونا یقینی ہے مگر لفظ اولیاءاللہ میں یہ درجہ ولایت کا مراد نہیں بلکہ ولایت ومحبت اور قرب کا ایک دوسرا درجہ بھی ہے جو اللہ تعالیٰ کے مخصوص بندوں کے ساتھ خاص ہے یہ قرب محبت کہلاتا ہے جن لوگوں کو یہ قرب خاص حاصل ہو وہ اولیاءاللہ کہلاتے ہیں۔ جیسا کہ ایک حدیث قدسی میں ہے، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میرا بندہ نفلی عبادات کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ میں بھی اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو پھر میں ہی اسکے کان بن جاتا ہوں وہ جو کچھ سنتا ہے میرے ذریعہ سنتا ہے۔ میں ہی اس کی آنکھ بن جاتا ہوں، وہ جو کچھ دیکھتا ہے مجھ سے دیکھتا ہے، میں ہی اسکے ہاتھ پاؤں بن جاتا ہوں، وہ جو کچھ کرتا ہے مجھ سے کرتا ہے، مطلب اس کا یہ ہے کہ اس کی کوئی حرکت وسکون اور کوئی کام میری رضاء کے خلاف نہیں ہوتا۔

اور اس ولایت خاصہ کے درجات بیشمار اور غیر متناہی ہیں، اس کا اعلیٰ درجہ انبیاء علیہم السلام کا حصہ ہے، کیونکہ ہر نبی کا ولی اللہ ہونا لازمی ہے، اور اس میں سب سے اونچا مقام سید الانبیاء نبی اکرم ﷺ کا ہے، اور ادنیٰ درجہ اس ولایت کا وہ ہے جس کو صوفیائے کرام کی اصطلاح میں درجہ فناء کہا جاتا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ آدمی کا قلب اللہ تعالیٰ کی یاد میں ایسا مستغرق ہو کہ دنیا میں کسی کی محبت اس پر غالب نہ آئے، وہ جس سے محبت کرتا ہے تو اللہ کے لئے کرتا ہے، جس سے نفرت کرتا ہے تو اللہ کے لئے کرتا ہے، اُس کے حب وبغض اور محبت وعداوت میں اپنی ذات کا کوئی حصہ نہیں ہوتا، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اُس کا ظاہر وباطن اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں مشغول رہتا ہے اور وہ ہر ایسی چیز سے پرہیز کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسند ہو، اسی حالت کی علامت ہے کثرت ذکر اور دوام اطاعت، یعنی اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرنا اور ہمیشہ ہر حال میں اس کے احکام کی اطاعت کرنا، یہ دو وصف جس شخص میں موجود ہوں وہ ولی اللہ کہلاتا ہے جس میں ان دونوں میں سے کوئی ایک نہ ہو وہ اس فہرست

Marfat.com

میں داخل نہیں، پھر جس میں یہ دونوں موجود ہوں اسکے درجات ادنیٰ و اعلیٰ کی کوئی حد نہیں، انہیں درجات کے اعتبار سے اولیاء اللہ کے درجات متفاضل اور کم و بیش ہوتے ہیں۔

ایک حدیث میں روایت حضرت ابو ہریرہؓ مذکور ہے کہ رسول کریم ﷺ سے سوال کیا گیا کہ اس آیت میں اولیاء اللہ سے کون لوگ مراد ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ وہ لوگ جو خالص اللہ کے لئے آپس میں محبت کرتے ہیں، کوئی دنیاوی غرض درمیان میں نہیں ہوتی، (مظہری از ابن مردویہ) اور ظاہر ہے کہ یہ حالت انہیں لوگوں کی ہو سکتی ہے جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔

حصولِ ولایت کا طریقہ

یہاں ایک سوال اور بھی پیدا ہوتا ہے کہ اس درجہ ولایت کے حاصل کرنے کا طریقہ کیا ہے؟

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمتہ اللہ علیہ نے تفسیر مظہری میں فرمایا کہ اُمت کے افراد کو یہ درجہ ولایت رسول کریم ﷺ ہی کے فیض صحبت سے حاصل ہو سکتا ہے، اسی سے تعلق مع اللہ کا وہ رنگ جو آنحضرت ﷺ کو حاصل تھا اپنے حوصلہ کے مطابق اس کا کوئی حصہ اُمت کے اولیاء کو ملتا ہے، پھر یہ فیضِ صحبت صحابہ کرامؓ کو بلا واسطہ حاصل تھا، اسی وجہ سے ان کا درجۂ ولایت تمام امت کے اولیاء واقطاب سے بالاتر تھا بعد کے لوگوں کو یہی فیض ایک واسطہ یا چند واسطوں سے حاصل ہوتا ہے جتنے واسطے بڑھتے جاتے ہیں اتنا ہی اس میں فرق پڑتا جاتا ہے۔ یہ واسطہ صرف وہی لوگ بن سکتے ہیں جو رسول کریم ﷺ کے رنگ میں رنگے ہوئے آپ کی سنت کی پیروی کرتے ہوں۔ ایسے لوگوں کی کثرت سے مجالست اور صحبت جبکہ اس کے ساتھ ان کے ارشادات کی پیروی اور اطاعت اور ذکر اللہ کی کثرت بھی ہو، یہی نسخہ ہے درجۂ ولایت حاصل کرنے کا، جو تین جز سے مرکب ہے، کسی ولی اللہ کی صحبت، اس کی اطاعت اور ذکر اللہ کی کثرت، بشرطیکہ یہ کثرت ذکر مسنون طریقہ پر ہو، کیونکہ کثرتِ ذکر سے آئینہ قلب کو جلا ہوتی ہے تو وہ نور ولایت کے انعکاس کے قابل بن جاتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ ہر چیز کیلئے صیقل اور صفائی کا کوئی طریقہ ہوتا ہے، قلب کی صیقل ذکر اللہ سے ہوتی ہے، اس کو بیہقی نے بروایت ابن عمرؓ نقل فرمایا (مظہری)

اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ ایک شخص نے رسول کریم ﷺ سے سوال کیا کہ آپ اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو کسی بزرگ سے محبت کرتا ہے مگر عمل کے اعتبار سے ان کے درجہ تک نہیں پہنچتا؟ آپ نے فرمایا اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ یعنی ہر شخص اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اسکو محبت ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اولیاء اللہ کی محبت وصحبت انسان کیلئے حصول ولایت کا ذریعہ ہے، اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت رزینؓ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے حضرت رزینؓ سے فرمایا کہ میں تمہیں دین کا ایسا اُصول بتلاتا ہوں جس سے تم دنیا و آخرت کی فلاح و کامیابی حاصل کر سکتے ہو، وہ یہ ہے کہ اہل ذکر کی مجلس وصحبت کو لازم پکڑو اور جب تنہائی میں جاؤ تو جتنا زیادہ ہو سکے اللہ کے ذکر سے اپنی زبان کو حرکت دو، جس سے محبت کرو اللہ کے لئے کرو جس سے نفرت کرو اللہ کے لئے کرو۔ (مظہری)

Marfat.com

حقیقی اولیاء اللہ

مگر یہ صحبت ومجالست انہیں لوگوں کی مفید ہے خود ولی اللہ متبع سنت ہوں اور جو رسول کریم ﷺ کی سنت کے تابع نہیں۔ وہ خود درجۂ ولایت سے محروم ہیں۔ چاہے کشف وکرامات ان سے کتنے ہی صادر ہوں۔ اور جو شخص مذکورہ صفات کے اعتبار سے ولی ہو اگر چہ اس سے کبھی کوئی کشف وکرامت ظاہر نہ ہوئی ہو وہ اللہ کا ولی ہے۔ (مظہری)

اولیاء اللہ کی علامت اور پہچان تفسیر مظہری میں ایک حدیث قدسی کے حوالے سے یہ نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے اولیاء میرے بندوں میں سے وہ لوگ ہیں جو میری یاد کے ساتھ یاد آویں اور جن کی یاد کے ساتھ میں یاد آؤں، اور ابن ماجہ میں روایت حضرت اسماءؓ بنت یزید مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اولیاء اللہ کی پہچان بتلائی اَلَّذِیْنَ اِذَا رُءُوْا ذُکِرَ اللّٰہُ، یعنی جن کو دیکھ کر خدا یاد آئے، خلاصہ یہ ہے کہ جن لوگوں کی صحبت میں بیٹھ کر انسان کو اللہ کے ذکر کی توفیق اور دنیاوی فکروں کی کمی محسوس ہو، یہ علامت اس کے ولی اللہ ہونے کی ہے۔

تفسیر مظہری میں فرمایا کہ عوام نے جو اولیاء اللہ کی علامت کشف وکرامت یا غیب کی چیزیں معلوم ہونے کو سمجھ رکھا ہے یہ غلط اور دھوکہ ہے، ہزاروں اولیاء اللہ ہیں جن سے اس طرح کی کوئی چیز ثابت نہیں اور اس کے خلاف ایسے لوگوں سے کشف اور غیب کی خبریں منقول ہیں جن کا ایمان بھی درست نہیں۔ آخر آیت میں جو یہ فرمایا گیا کہ اولیاء کے لئے دنیا میں بھی خوش خبری ہے اور آخرت میں بھی، آخرت کی خوش خبری تو یہ ہے کہ موت کے وقت جب اس کی روح کو اللہ کے پاس لے جایا جائے گا اس وقت اس کو خوش خبری جنت کی ملے گی پھر قیامت کے روز قبر سے اُٹھنے کے وقت جنت کی خوش خبری دی جائے گی جیسا کہ طبرانی نے روایت ابن عمرؓ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اہل لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ کو نہ موت کے وقت کوئی وحشت ہوگی، نہ قبر میں اور نہ قبر سے اُٹھنے کے وقت، گویا میری آنکھیں اس وقت کا حال دیکھ رہی ہیں جب یہ لوگ اپنی قبروں سے مٹی جھاڑتے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے اُٹھیں گے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْٓ اَذْھَبَ عَنَّا الْحَزَنَ یعنی شکر ہے اللہ کا جس نے ہمارا غم دور کر دیا، اور دنیا کی بشارت کے متعلق آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ وہ سچی خوابیں، جو انسان خود دیکھے یا اس کے لئے کوئی دوسرا دیکھے جن میں انکے لئے خوش خبری ہو (رواہ البخاری عن ابی ہریرہؓ) اور دنیا کی دوسری بشارت یہ ہے کہ عام مسلمان بغیر کسی غرض کے اس سے محبت کریں اور اچھا سمجھیں، اس کے متعلق رسول اکرم ﷺ نے فرمایا تِلْکَ عَاجِلُ بُشْرَی الْمُؤْمِنِ یعنی عام مسلمانوں کا اچھا سمجھنا اور تعریف کرنا مؤمن کے لئے نقد خوش خبری ہے۔ (مسلم وبغوی)

تصوف کی تاریخ

آدم وحوا جب زمین پر آئے تو ان میں شعور بہت کم تھا وہ نہیں جانتے تھے کہ وسائل کو کس طرح استعمال کیا جائے۔ قانون قدرت کے تحت آدم کی نسل دو سے چار، چار سے آٹھ اور اسی طرح جب ہزاروں سے تجاوز کر گئی تو شعور بھی لاکھوں گناہ ہو گیا۔ آدم وحوا کے بچوں نے جڑیں، ناپختہ پھل اور کچا گوشت کھانے میں کراہیت محسوس کی ان کے شعور نے رہنمائی کی کہ کچا

Marfat.com

گوشت نہ کھایا جائے۔ گیہوں کے دانے چبانے کے بجائے گندم پیس کر آٹے کی روٹی پکانی چاہیئے۔

زمین پر انسان کا پہلا دن

قانون یہ ہے کہ شعور ایک ہو یا ہزار ہوں جب کسی نقطے پر مرکوز ہو جاتے ہیں تو اس کا مظاہرہ ہو جاتا ہے۔ لاکھوں آدمیوں میں سے کسی ایک آدمی نے غیر اختیاری طور پر دو پتھر اٹھائے ان کو آپس میں ٹکرایا، ٹکرانے سے حرارت پیدا ہوئی تو پتھروں میں سے چنگاری نکلی۔ چنگاری کی چمک نے ابن آدم کو اس طرف متوجہ کیا کہ چنگاری سوکھی گھاس کو جلا ڈالے گی اور دیکھتے دیکھتے آگ بھڑک اٹھی۔

زمین پر انسان کا یہ پہلا دن تھا جب انسان حیوانات سے ممتاز ہوا اور اس نے اس ایجاد سے اپنے لئے کھانا پکانا شروع کیا۔ حیوانات سے ممتاز ہونے کے بعد انسان کے ذہن میں نئے نئے خیالات آتے رہے اور پھر ایجاد کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ آدم و حوا کے آنے سے پہلے زمین موجود تھی اور زمین پر جنات آباد تھے۔ زمین کے وارث جنات اور آدم ہیں۔ جنات نے زمین پر خون خرابہ کیا اور زمین کی کوکھ اجاڑنے کی ہر تدبیر پر عمل کیا تو قدرت نے زمین کو فساد زدہ قرار دے دیا اور جنات سے زمین کی سرداری چھین کر آدم کو دے دی۔ لیکن ستم ظریفی ہی ہوئی کہ ابن آدم نے بھی وہی کیا جو جنات کرتے چلے آرہے تھے۔ بھائی نے بھائی کو قتل کر دیا اور یہ سلسلہ دراز ہوتا چلا گیا۔

معاشرتی قوانین

حضرت آدمؑ نے انسانی معاشرہ کے لئے جو قوانین وضع کئے ان کی اولاد نے ان پر پوری طرح عمل نہیں کیا۔ طویل عرصے کے بعد حضرت نوحؑ پیدا ہوئے۔ حضرت نوح علیہ السلام ۹۵۰ برس تک توحید کی تبلیغ کرتے رہے۔ حضرت نوح علیہ السلام پانی کے ہر گھونٹ اور ہر لقمے پر الحمد للہ کہتے تھے۔ نو سو پچاس برسوں تک تبلیغ کرنے پر اسی (۸۰) مرد اور عورتیں ایمان لائے باقی قوم نے ان کی نصیحت پر عمل نہیں کیا۔ اس پاداش میں قوم پر عذاب نازل ہوا۔ زمین کو فساد سے پاک کرنے کے لئے آسمان سے اتنا پانی برسا کہ زمین سمندر بن گئی۔ گاؤں، گوٹھ، قصبے، شہر ڈوب گئے۔ پوری قوم غرقِ آب ہو گئی حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا بھی ہلاک ہو گیا۔ اسی (۸۰) مرد اور عورتیں جو ایمان لائے تھے عذاب الٰہی سے بچ گئے۔ زمین چھ مہینے تک پانی میں ڈوبی رہی طوفان ختم ہونے پر کشتی ''جودی'' پہاڑ پر ٹھہری۔

ایمان لانے والے سلامتی کے ساتھ کشتی سے اترے لیکن ان کی نسل نہ چل سکی۔ نوح علیہ السلام کے تین بیٹے ''حام، سام، یافث'' جو کشتی میں سوار تھے ان سے آدم کی نسل کا دوبارہ آغاز ہوا۔ حام چھوٹے بیٹے تھے۔ سام منجھلے اور یافث بڑے بیٹے تھے آج کی دنیا میں جہاں بھی جس رنگ کی بھی نسل آباد ہے وہ ان ہی تین بھائیوں کی اولاد ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی ہدایت کے لئے زمین کے چپے چپے پر ہادی اور پیغمبر بھیجے جن کی تعداد کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار بتائی جاتی ہے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کی حیات طیبہ پر غور کیا جائے تو تمام پیغمبروں نے، آدم زاد کو اپنی روح

Marfat.com

سے واقف ہونے کی ہدایت ہے۔ یعنی مادی وجود کو سہارا دینے اور مادی وجود کو قائم رکھنے والی روح کو پہچانو۔ پیغمبروں نے بتایا ہے کہ روح اللہ کا امر ہے انسان کو اللہ کے امر کا علم دیا گیا ہے مگر تھوڑا علم دیا گیا ہے۔ لیکن یہ تھوڑا علم لامحدود علم کا قلیل علم ہے۔ سمندر کے پانی کا ایک قطرہ یعنی سمندر کے قلیل کا تجزیہ کیا جائے تو اس قطرہ میں پورے سمندر کی صفات نظر آتی ہیں۔ پیپل کے درخت کا بیج خشخاش کے دانے سے چھوٹا ہے۔ اگر پیپل کے اتنے چھوٹے بیج کو مائیکروسکوپ فلم میں دیکھا جائے تو اس ننھے سے بیج میں پیپل کا پورا درخت نظر آتا ہے۔

جسمانی رُخ روحانی رُخ

رسول اللہ ﷺ اور انبیائے کرامؑ کی تعلیمات ہمیں اس طرف متوجہ کرتی ہیں کہ ہر انسان دو رخوں سے مرکب ہے۔

انسان کا ایک رخ جسمانی رخ ہے اور دوسرا رخ روحانی جسم ہے۔ مادی جسم کی تعریف یہ ہے کہ اس میں ہر لحہ ٹوٹ پھوٹ ہوتی رہتی ہے مٹی کا جسم فنا ہو کر مٹی میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ روحانی جسم اللہ کا امر ہے۔ ہر مادی وجود کی حرکت روحانی وجود کے تابع ہے۔ مادی وجود روحانی وجود کے تابع ہو کر حرکت کرتا ہے۔ روح اگر جسمانی وجود سے رشتہ منقطع کر لے تو مادی وجود میں کسی بھی طرح کی حرکت نہیں ہوتی۔ کھانا پینا، چلنا پھرنا، غم اور خوشی سے متاثر ہونا، شادی بیاہ اس ہی وقت ممکن ہے جب روح جسم کو سہارا دے۔ دنیا ہزاروں سال سے موجود ہے ہزاروں سال کی تاریخ میں ایک بھی مثال نہیں ہے کہ کسی مردہ جسم نے کوئی ایجاد کی ہو۔ یا مردہ اجسام سے کوئی اور انسانی عمل سرزد ہوا ہو۔

ایک اور دنیا

آسمانی کتابوں اور قرآن حکیم میں اس بات کو وضاحت سے بیان کیا گیا ہے کہ یہ دنیا عارضی دنیا ہے۔ اس دنیا کے بعد ایک اور دنیا ہے جس میں جا کر ہمیں اپنے اعمال کی سزا یا جزا کے مطابق زندگی گزارنی ہے۔ جس طرح اس دنیا کے بعد دوسری دنیا عالم آخرت ہے۔ اسی طرح اس دنیا میں آنے سے پہلے بھی ایک دنیا ہے۔ جہاں سے ہم آئے ہیں۔ اس دنیا کا نام عالم ارواح ہے۔

اللہ کے فرستادہ ہر نبی مکرم علیہ السلام نے اس امر کی تبلیغ کی ہے کہ انسان کا صحیح ورثہ وہ علم ہے جو اللہ تعالیٰ نے ابوالبشر حضرت آدمؑ کو خود پڑھایا اور سکھایا ہے۔ ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلت کا سبب بھی یہی علم ہے۔ جو جنات کو اور فرشتوں کو عطا نہیں کیا گیا۔

نوعِ انسانی کا پہلا صوفی

ایک علم ظاہری ہے۔ دوسرا علم باطنی علم ہے۔ ظاہری علم معیشت و معاشرت کا علم ہے۔ اور باطنی علم تصوف ہے۔ تصوف کا آغاز اس وقت ہوا جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے کہا "میں زمین پر اپنا نائب بنانے والا ہوں۔ آدم علیہ السلام کو علم الاسماء سکھانا۔ باطنی علوم کے زمرہ میں آتا ہے۔ باطنی اور آسمانی علوم، بنی نوع آدم کے حضرت آدم علیہ السلام کا ورثہ ہے۔ اس کا

Marfat.com

طلب ہی ہوا کہ تصوف کی ابتداء حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی اور اس طرح نوع انسانی میں حضرت آدم علیہ السلام پہلے صوفی ہیں۔ پیغمبروں کی تعلیمات رہنمائی کرتی ہیں کہ ہر پیغمبر نے نوع انسانی کو اچھائی اور برائی کے تصور سے آگاہ کیا ہے اور خود اس پر عمل کر کے بامقصد زندگی گزارنے کا درس دیا ہے۔ پیغمبروں کی تعلیمات کے مطابق واحد ذات اللہ کی پرستش نہ ہو تو وہ ہرگز تصوف نہیں ہے۔ انبیاء علیہم السلام بتاتے ہیں کہ ایک اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کرو۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں بھائی چارہ چاہتے ہیں۔ اپنی مخلوق کو خوش دیکھنا چاہتے ہیں۔ مخلوق کا بے سکون رہنا اللہ کو پسند نہیں ہے۔ اللہ مخلوق کو خوش دیکھنے کے لئے مخلوق کی ضروریات کی کفالت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کے راستے پر چلنے کو اپنا راستہ قرار دیتے ہیں۔ پیغمبروں کی زندگی پر تفکر کیا جائے تو ان میں صراط مستقیم پر قائم رہنے اور صراط مستقیم پر دعوت دینے کا بھرپور عزم ہوتا ہے۔ پیغمبر عفوودرگزر سے کام لیتے ہیں حق تلفی نہ کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ ہر پیغمبر کی تعلیمات کا مقصد توحید پرستی ہے یہی سب باتیں پیغمبران کرام علیہم الصلوٰۃ السلام کی تعلیمات پر عمل کرنے والا صوفی بتاتا ہے اور اس پر عمل بھی کرتا ہے۔

قرآن فرماتا ہے: ''اور ہم نے آسمان کو بروج سے زینت بخشی دیکھنے والوں کیلئے اور چھپالیا ہم نے اس خوبصورت آرائش اور زینت کو شیطان مردود سے'' (سورۃ الحجر 16-17)

تصوف کا شیدائی صوفی اس کی تفسیر اس طرح بیان کرتا ہے جو لوگ آسمان پر بروج کی زینت کو نہیں دیکھتے یا دیکھنے کی کوشش نہیں کرتے، وہ انسان کہلانے کے مستحق نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو روحانی صلاحیتوں سے بہرہ ور کیا ہے ہر انسان اس صلاحیت کو بیدار کر کے آسمان پر بروج کو دیکھ سکتا ہے۔

نماز میں حضوری

قرآن پاک میں ہے: ''پس خرابی ہے ان نمازیوں کے لئے جو اپنی نمازوں سے بے خبر ہیں'' (سورۃ ماعون آیت نمبر 6) یعنی نماز تو وہ پڑھتے ہیں لیکن انہیں نماز میں مرتبۂ احسان حاصل نہیں ہوتا۔ صوفی کہتا ہے جس کو نماز میں مرتبۂ احسان یعنی حضور قلب نہ ہو اس کی نماز، نماز نہیں ہے بلکہ اس کے لئے خرابی ہے۔ صوفی کا عقیدہ ہے کہ اگر انسان خشوع اور خضوع کے ساتھ اللہ کو صدق دل کے ساتھ حاضر وناظر جان کو صلوٰۃ قائم کرے تو اسے حضوریٔ قلب نصیب ہو جاتی ہے۔

دعوتِ حق

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کیا ان لوگوں نے آسمان اور زمین کے نظام پر کبھی غور نہیں کیا اور کسی چیز کو بھی جو خدا نے پیدا کی ہے آنکھیں کھول کر نہیں دیکھا۔ (آنکھیں کھول کر دیکھنے سے مراد باطنی نظر سے دیکھنا ہے جو روح کی آنکھ ہے) اور کیا یہ بھی انہوں نے نہیں سوچا کہ شاید زندہ رہنے کی جو مہلت دی گئی ہے اسکے پورے ہونے کا وقت قریب آگیا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ ہمیں ہدایت دیتا ہے کہ اللہ قادر مطلق ہے وہ جسے چاہے عزت اور شرف سے نواز دے اور جسے چاہے ذلیل وخوار کردے۔ اللہ عجز وانکساری کو پسند فرماتا ہے۔

Marfat.com

تکبر اور غرور اللہ کے لئے ناپسندیدہ اعمال ہیں۔ ناپسندیدہ اعمال جب حد سے تجاوز کر جاتے ہیں تو قدرت نافرمانوں کو نیست و نابود کر دیتی ہے۔ ہر انسان اپنے عمل اک خود جوابدہ ہے اسلئے باپ کی بزرگی بیٹے کی نافرمانی کا مداوا نہیں بن سکتی ہے اور نہ بیٹے کی سعادت باپ کی سرکشی کا بدل ہوسکتی ہے۔

حضرت عاد علیہ السلام کے قصے میں بیان ہوا ہے:

''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے رب نے اونچی عمارتوں والے عادِارم سے کیا سلوک کیا؟ (سورۃ حجر آیت نمبر 6-7)

اور عاد کی طرف بھیجا ان کا بھائی ہودؑ بولا: ''اے قوم بندگی کرو اللہ کی، کوئی نہیں تمہارا سہارا اس کے سوا، کیا تم کو ڈر نہیں؟''

(سورۃ اعراف آیت نمبر 65)

گمراہ قوم نے تعجب سے پوچھا تو ہمارے پاس صرف اس لئے آئے ہو کہ ہم صرف ایک ہی اللہ کی عبادت کریں اور انہیں چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے باپ، دادا کرتے تھے۔ حضرت ہود علیہ السلام نے کہا! کیوں جھگڑتے ہو مجھ سے ناموں پر رکھ لئے ہیں تم نے اور تمہارے باپ دادا نے نہیں اتاری اللہ نے ان کی کوئی سند۔ قوم ہودؑ نے عادؑ کی تعلیمات سے بیزاری کا ظہار کیا بولے: ''ہم کو برابر ہے تو نصیحت کرے یا نہ کرے'' (سورۃ الشعراء آیت نمبر 136)

حضرت ہودؑ نے ان سے کہا: ''یاد کرو اس ذات کو جس نے تمہیں وہ کچھ دیا ہے جو تم چاہتے ہو۔ تمہیں جانور دیئے اولا دیں دیں، باغ و شجر دیئے اور تمہارا یہ حال ہے کہ تم اللہ کے ساتھ انہیں شریک کرتے ہو جو تمہیں نفع و نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ عظمت و خوشحالی کا مظاہرہ کرنے کے لئے تم نے کئی کئی منزلہ عالیشان عمارتیں بنائی ہیں، دولت اور ثروت ہونے کے باوجود تمہیں اطمینان قلب نہیں ہے۔ اسلئے کہ تم نے مادی دنیا ہی کو سب کچھ سمجھ لیا ہے'' (سورۃ الشعراء آیت نمبر 132-135)

یومِ ازل کا وعدہ

حضرت صالحؑ نے اپنی قوم کو مخاطب کر کے فرمایا: ''تم لوگ اپنے وعدے سے پھر گئے ہو (جو وعدہ تمہاری روحوں نے یوم ازل میں اللہ سے کیا تھا اور تم نے قالو بلیٰ کہہ کر اللہ کی ربوبیت کا اقرار کیا تھا) غصہ اور انتقام کے جذبے نے تمہیں اندھا کر دیا ہے تم لوگوں نے اللہ کے حکم کی صریح خلاف ورزی کی ہے'' (سورۃ اعراف آیت نمبر 76-77)

حضرت ابراہیمؑ جب اپنے باپ بت تراش اور بت پرست قوم سے بیزار ہوئے انہیں خدا کو جاننے پہچاننے اور عرفان حاصل کرنے کی آرزو ہوئی۔ ایک روز حضرت ابراہیمؑ نے اپنی اماں سے پوچھا ''اے ماں! تیرا خدا کون ہے؟ بیٹا میرا خدا تیرا باپ ہے جو میری ضروریات کا کفیل ہے۔

حضرت ابراہیمؑ نے پوچھا اماں جی! میرے باپ کا خدا کون ہے؟ ماں نے بتایا کہ آسمان پر چمکنے والے ستارے تیرے باپ کے خدا ہیں'' حضرت ابراہیمؑ اس جواب سے مطمئن نہیں ہوئے۔ ان کے اندر کے نور نے خدا کی تلاش کے لئے انہیں بیقرار کر دیا۔ رات اندھیری ہوئی تو انہوں نے ایک ستارہ دیکھا اور کہا یہ میرا رب ہے۔ سو جب وہ غروب ہو گیا تو آپؑ نے کہا

Marfat.com

ہیں غروب ہو جانے والوں سے محبت نہیں رکھتا۔ پھر جب چاند کو چمکتا ہوا دیکھا تو فرمایا! یہ میرا رب ہے، تو جب وہ غروب ہو گیا تو فرمایا! اگر مجھ کو میرا رب ہدایت نہ کرتا رہے تو میں گمراہ لوگوں میں شامل ہو جاتا پھر آفتاب کو چمکتا ہوا دیکھا تو فرمایا یہ میرا رب ہے! یہ سب سے بڑا ہے تو جب وہ غروب ہو گیا تو آپ نے فرمایا! اے قوم بے شک میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں۔ اپنا رُخ اس کی طرف کرتا ہوں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مظاہر فطرت میں حضرت ابراہیمؑ کے اس عمل کو اپنی جانب منسوب کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''پھر ہم نے ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی سلطنت میں عجائبات دکھائے تا کہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو جائے'' (سورۃ انعام آیت نمبر 75)

قرآن پاک میں مذکور ہے: ''اور یاد کرو کتاب میں اسماعیلؑ کا ذکر تھا۔ وہ وعدہ کا سچا، اور تھا رسول اور نبی اور حکم کرتا تھا اپنے اہل کو صلوٰۃ کا اور تھا وہ اپنے پروردگار کے نزدیک پسندیدہ'' (سورۃ مریم آیت نمبر 84-85)

اللہ کے نمائندے

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات میں سے ایک اہم واقعہ اس ملاقات کا ہے جوان کے اور ایک صاحب باطن مرد خدا (صوفی) کے درمیان ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ علیہ السلام! جہاں دو سمندر ملتے ہیں وہاں ہمارا ایک بندہ ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا! پروردگار اس بندے تک پہنچنے کا کیا طریقہ ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مچھلی اپنے توشہ دان میں رکھ لو۔ جس مقام پر مچھلی گم ہو جائے اسی جگہ وہ شخص ملے گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اس مقام پر پہنچ گئے جہاں وہ شخص تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سلام کیا اور بتایا کہ میرا نام موسیٰ ہے۔ اس شخص نے پوچھا موسیٰ بنی اسرائیل؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا ہاں۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا میں آپ سے وہ علم حاصل کرنے آیا ہوں جو اللہ نے آپ کو سکھایا ہے۔ اس شخص نے کہا اے موسیٰ تم میرے ساتھ رہ کر ان معاملات پر صبر نہیں کر سکو گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا! انشاء اللہ مجھ کو آپ صابر پائیں گے۔ اس شخص نے کہا تو پھر شرط ہے کہ جب تک آپ میرے ساتھ ہیں کسی معاملے میں مجھ سے سوال نہ کریں۔ دونوں کشتی میں بیٹھ گئے۔ اس شخص نے (جسے اہل باطن صوفیاء خضر کہتے ہیں) کشتی میں سوراخ کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا یہ آپ نے کیسی عجیب بات کی ہے کہ کشتی والوں نے ہم سے کرایہ بھی نہیں لیا اور آپ نے کشتی میں سوراخ کر دیا۔ حضرت خضرؑ نے کہا میں نے آپ سے کہا تھا کہ آپ صبر نہیں کر سکیں گے۔ کشتی کنارے لگی تو دونوں اتر کر ایک میدان میں پہنچے۔ میدان میں بچے کھیل رہے تھے۔ حضرت خضرؑ نے ایک بچے کو قتل کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ یہ تو بہت برا ہوا کہ آپ نے ناحق ایک معصوم کو قتل کر دیا۔ حضرت خضر نے کہا میں نے آپ سے شروع میں کہہ دیا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر و ضبط سے کام نہیں لیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اس مرتبہ اور نظرانداز کر دیجئے اس کے بعد کوئی عذر نہیں رہے گا۔ اور آپ مجھ سے علیحدہ ہو جائیں گے۔

Marfat.com

چلتے چلتے ایک بستی میں پہنچ گئے ایک مکان کی دیوار گرنے لگی تھی۔ حضرت خضرؑ نے اسے درست کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا بستی والوں نے نہ ہماری مہمان داری کی نہ ہمیں ٹھہرنے کی جگہ دی۔ آپ نے بغیر اجرت کے دیوار بنا دی۔

سورۂ کہف میں یہ واقعہ اس طرح بیان ہوا ہے۔ ''پس اب مجھ میں اور تم میں جدائی کا وقت آ گیا ہے ہاں جن باتوں میں تم سے صبر نہ ہو سکا ان کی حقیقت تم کو بتلا دوں'' (آیت نمبر 78)

اللہ کی بادشاہی کا رکن

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضرؑ کے واقعہ میں یہ انکشاف ہے کہ اللہ کے نظام میں ایسے لوگ بھی کام کرتے ہیں جو نبی نہیں ہیں لیکن یہ سب لوگ توحید پرست ہوتے ہیں اللہ وحدہ لاشریک کی پرستش کرتے ہیں اور ان کی روحوں کو اللہ کا عرفان حاصل ہوتا ہے۔ یہی صاحب عرفان لوگ اللہ کی بادشاہی میں اللہ کے نمائندے یا خلیفہ ہوتے ہیں۔ حضرت مریم علیہ السلام انہی جلیل القدر بندوں میں سے ہیں۔ جب فرشتوں نے کہا کہ ''اے مریم علیہ السلام! بلاشبہ اللہ نے تجھ کو بزرگی دی اور پاک کیا اور دنیا کی عورتوں پر تجھ کو برگزیدہ کیا۔ اے مریم علیہ السلام اپنے پروردگار کے سامنے جھک جا اور سجدہ ریز ہو جا اور نماز قائم کرنے والوں کے ساتھ نماز ادا کر''

بشارت

قرآن حکیم میں ہے جب فرشتوں نے مریم علیہ السلام سے کہا: ''اے مریمؑ! اللہ تعالیٰ تجھ کو اپنے حکم کی بشارت دیتا ہے اور اس کا نام مسیح ابن مریم علیہ السلام ہو گا۔ وہ دنیا و آخرت میں صاحب وجاہت اور ہمارے مقربین میں ہو گا''

(سورۃ آل عمران آیت نمبر 45)

''وہ ماں کی گود میں لوگوں سے کلام کرے گا اور وہ نیکوکاروں میں سے ہو گا'' (سورۃ آل عمران آیت نمبر 46)

مریم علیہ السلام نے کہا کہ: ''میرے لڑکا کیسے ہو سکتا ہے، جب کہ کسی مرد نے مجھے ہاتھ تک نہیں لگایا''

فرشتے نے کہا: ''اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے اسی طرح پیدا کر دیتا ہے وہ جب کسی شے کے لئے حکم کرتا ہے تو بس کہہ دیتا ہے ہو جا اور وہ ہو جاتا ہے'' (سورۃ آل عمران 47)

حضرت مریم علیہ السلام بچے کو گود میں لے کر جب شہر میں پہنچیں تو لوگوں نے انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا اور کہنے لگے: ''مریم علیہ السلام یہ تو نے کیسی تہمت کا کام کر لیا ہے۔ اے ہارون کی بہن نہ تو تیرا باپ برا آدمی تھا اور نہ ہی تیری ماں بد چلن تھی پھر یہ کیا کر بیٹھی ہے؟'' (سورۃ آل عمران 27-28)

مریم علیہ السلام نے اللہ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے لڑکے کی طرف اشارہ کیا جو کچھ پوچھنا ہے اس سے پوچھ لو میں تو آج روزے سے ہوں۔ حضرت مریم علیہ السلام کے اس واقعے سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ خواتین کو بھی اللہ تعالیٰ نے مردوں کی طرح روحانی صلاحیتیں عطا کی ہیں۔

Marfat.com

قرآن اور تصوف

سورۂ رحمٰن میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ''اے گروہ جنات اور گروہ انسان! تم آسمان اور زمین کے کناروں سے نکل کر دکھاؤ، تم نہیں نکل سکتے مگر سلطان سے'' (سورۃ الرحمٰن آیت نمبر 33)

تصوف میں سلطان کا مطلب چھ شعوروں پر غلبہ حاصل کرنا ہے۔ کوئی انسان زمینی شعور میں رہتے ہوئے چھ شعوروں پر غلبہ حاصل کرلے تو وہ زمینی شعور سے باہر نکل سکتا ہے۔ ہر آسمان ایک شعور ہے آسمانی دنیا کو پہنچاننے کے لئے ان شعوروں پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے آسمانی دنیا سے واقفیت ہونا ضروری ہے۔ جب انسان سات شعوروں کا ادراک حاصل کرلیتا ہے تو اس میں عرش معلیٰ کو دیکھنے کی صلاحیت پیدا ہوجاتی ہے۔

گھڑی کی سوئیاں

بورڈ کے اوپر گھڑی بنی ہوئی ہے گھڑی میں سوئی کے ساتھ ایک سے بارہ تک ہندسے لکھے ہوئے ہیں، ہندسے جس جگہ لکھے ہوئے ہیں وہ اسپیس ہے اور سوئی کا گھومنا ٹائم ہے، اگر سوئی کو اتنی رفتار سے گھمایا جائے کہ وہ پلک جھپکنے سے پہلے 12 سے 6 کے ہندسے پر پہنچ جائے تو شعور شعور پردے میں چلا جائے گا اور جو شعور ایک، دو، تین کے وقفوں میں سے گزر کر چھ تک پہنچتا ہے وہ حذف ہوجائے گا۔ یعنی ذہن کی رفتار اتنی تیز ہوجائے گی کہ اسپیس کے وقفے نظرانداز ہوجائیں گے اور جب سوئی کو اس طرح گھمادیا جائے کہ وہ پلک جھپکنے سے پہلے بارہ پر پہنچ جائے تو ذہن کی رفتار زیادہ ہوجائیگی کہ ایک سے بارہ تک وقفوں کو نظر پھلانگ جائیگی۔ انسان کے اندر بیک وقت دو نظریں کام کررہی ہیں ایک نظر وقفہ وقفہ سے کام کرتی ہے اور دوسری نظر وقفوں کی نفی کرکے آگے اور بہت آگے دیکھتی ہے۔

پیدائشی شعور

ریورس میں بارہ سے گیارہ، گیارہ سے دس اور اسی طرح گزر کا ایک پر آجائے تو اسے وہ شعور حاصل ہوجائیگا جو پیدائش کے وقت تھا۔ اگر سوئی بارہ کے ہندسے سے ریورس ہوکر بیک وقت دس پر آجائے تو انسان کو وہ شعور حاصل ہوجاتا ہے جو اسے خواب دکھاتا ہے۔ اگر سوئی بارہ سے اچھل کو نو پر آجائے تو اسے مراقبہ کا شعور حاصل ہوجاتا ہے۔ اگر سوئی آٹھ پر آجائے تو اسے وہ شعور حاصل ہوجاتا ہے جس کو وحی کہتے ہیں۔ اور یہ وہی وحی ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے شہد کی مکھی پر وحی کی۔ اگر بارہ کے ہندسے پر قائم سوئی تیزی کے ساتھ حرکت کرکے ایک دم سات پر آجائے تو انسان کے اوپر کشف کی کیفیت طاری ہوجاتی ہے اور اگر سوئی چھ پر آجائے تو انسان کے اندر وہ صلاحیت پیدا ہوجاتی ہے جس کو قرآن نے سلطان کہا ہے۔ یعنی اب انسان زمین کے کناروں سے باہر نکل سکتا ہے۔

پہلے آسمان کا شعور

زمین کے کناروں سے باہر دیکھنے کی صلاحیت کے حامل سالک کے اندر پہلے آسمان کا شعور پیدا ہوجاتا ہے۔

Marfat.com

علی ہذاالقیاس اس طرح سات آسمانوں کو وہ دیکھ لیتا ہے اور سات آسمانوں میں وہ داخل بھی ہو جاتا ہے۔

اللہ کریم نے فرمایا: ''ہم نے آسمان اور زمین کو تہہ در تہہ بنایا ہے''

''اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان بنائے اور زمین کی قسم بھی انہی کی مانند ہے''

''اور تمہارے اوپر ہم نے سات راستے بنائے تخلیق کے کام سے ہم اچھی طرح واقف ہیں'' (سورۃ المومنون آیت نمبر 17)

تہہ در تہہ سے مراد دراصل وہ شعوری صلاحیتیں ہیں جو اللہ نے انسان کو ودیعت کی ہیں۔ سات تہوں والے آسمانوں یا زمین سے مراد یہ ہے کہ ہر تہہ ایک مکمل نظام ہے اور ہر نظام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے ایسا ضابطہ حیات جس کا ایک دوسرے سے تصادم نہیں ہوتا ان سب کا رشتہ خالق کائنات کے ساتھ قائم ہے۔ تمام چیزیں اور مخلوقات اس بات کا علم رکھتی ہیں کہ ہمارا خالق اللہ ہے اور اس علم پر یقین رکھتے ہوئے اللہ کی حمد وثناء بیان کرتی ہیں اور شکر ادا کرتی ہیں۔ اربوں کھربوں سے زیادہ ان چیزوں یا مخلوقات میں سے کوئی ایک مخلوق بھی اللہ کی خالقیت سے انحراف کرے تو نظام زندگی میں خلل واقع ہو جاتا ہے۔ یہی بات اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے کہ تمام چیزیں جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں اللہ کی حمد بیان کرتی ہیں یعنی اللہ کی خالقیت سے انحراف نہیں کرتیں۔

تصوف کی اہمیت وحقیقت

''حضرت عمر ابن خطاب سے روایت ہے کہ: ایک روز اچانک جبرائیل علیہ السلام بہ صورت انسان رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دو زانو مؤدب بیٹھ کر چند سوال کئے۔

۱۔ اے محمد ﷺ بتایئے کہ اسلام کیا ہے؟

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسلام یہ ہے کہ تم اس بات کی گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ کا رسول ہے اور قائم کرو صلوٰۃ اور ادا کرو زکوٰۃ اور رمضان کے روزے رکھو اور بیت اللہ کا حج کرو۔ اگر سفر خرچ کی استطاعت ہو۔

جبرائیلؑ نے فرمایا: صحیح فرمایا آپ ﷺ نے

۲۔ حضرت جبرائیلؑ نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! ایمان کیا ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ایمان لاؤ اللہ پر اور اسکے فرشتوں پر اور اسکی کتابوں پر اور اسکے رسولوں پر اور قیامت کے دن پر اور ایمان لاؤ اسکی تقدیر پر بھلی ہو یا بری۔

جبرائیلؑ نے فرمایا: سچ فرمایا آپ ﷺ نے

۳۔ حضرت جبرائیلؑ نے پوچھا: احسان کیا ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا: احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت اس طرح کر کہ گویا تو اللہ کو دیکھ رہا ہے اور اگر ایسا نہ کر سکے تو اس طرح عبادت کر کہ گویا اللہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

Marfat.com

جبرائیلؑ نے کہا: سچ فرمایا آپ ﷺ نے

حضرت جبرائیلؑ کے اس استفسار میں تین باتیں بطور خاص فکر طلب ہیں۔

☆ اسلام کیا ہے؟

☆ ایمان کسے کہتے ہیں؟

☆ اور احسان کیا ہے؟

اسلام

اللہ وحدہ لاشریک کو ایک مان لینا اور اسی کو برحق معبود سمجھنا اسلام ہے۔ شریعت مطہرہ پر بلا چون و چرا عمل کرنا، یہی امان اور سلامتی کا راستہ ہے۔

ایمان

ایمان یہ ہے کہ اعمال واشغال کے نتیجے میں ایسا یقین حاصل ہو جائے جس میں شک کا شائبہ نہ رہے۔ ایمان یقین ہے اور یقین مشاہدہ سے مشروط ہے۔ کوئی عدالت عینی شہادت کے بغیر گواہی قبول نہیں کرتی

احسان

احسان کا مطلب ہے کہ بندہ اللہ کو دیکھ کر عبادت کرے یا بندہ اس کیفیت میں ہو کہ اسے اللہ دیکھ رہا ہے۔ یقین کے اس درجے کو تصوف میں مرتبہ واحسان کہتے ہیں۔ اگر آدمی اسلام قبول نہیں کرے گا تو مسلمان نہیں ہوگا اور اگر مسلمان یقین کی دولت سے مالا مال نہیں ہوگا تو مومن نہیں ہوگا اور مومن کی شان یہ ہے کہ وہ اللہ کو دیکھتا ہے یا وہ اس بات کا مشاہدہ کرتا ہے کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔

علماء اس حدیث شریف کی تشریح اس طرح کرتے ہیں: اسلام یہ ہے کہ شریعت کے آداب واحکامات کا علم ہو اور اس پر عمل کیا جائے۔ ایمان یہ ہے کہ اللہ پر اعتقاد رکھا جائے کہ اس کی ذات وصفات اور اس کے فرشتے اللہ کے فرمان کے مطابق برحق ہیں۔ فرشتے اللہ کے فرمانبردار ہیں اور ہم اس کی کتابوں پر ایمان لاتے ہیں کہ یہ اس کا کلام قدیم ہے جو اس نے اپنے رسولوں پر نازل فرمایا، اور رسولوں کو اللہ نے مخلوق کی ہدایت کے لئے بھیجا ہے۔

وہ معصوم و گناہوں سے پاک ہے اور ہم ایمان لاتے ہیں قیامت، بہشت و دوزخ کے عذاب وثواب پر۔ اہل تصوف اس حدیث شریف کی تشریح یہ کرتے ہیں۔ اسلام قبول کرکے، احکام شریعت پر پوری طرح عمل کرکے، غیب کی دنیا میں فرشتوں کو دیکھنا اور اللہ رب العزت کے سامنے حضور قلب سے حاضر ہونا ہے۔ جاننا چاہیئے کہ یہ مقام شہود و مشاہدہ ہے اور یہ کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ یہ مقام مراقبہ ہے اس مراقبہ میں بندہ علم الٰہی سے آگاہی حاصل کرتا ہے۔

Marfat.com

تصوف اور مکارمِ اخلاق

صوفی رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ کا نمونہ ہوتا ہے اس کے اندر سیرت مطہرہ کی جھلک نظر آتی ہے وہ غصہ نہیں کرتا عفو و درگزر سے کام لیتا ہے۔ اسکے دل میں ہر چھوٹے بڑے کا احترام ہوتا ہے۔ دوسروں کے کام آتا ہے، ایفائے عہد میں، پر عزم اور پختہ ہوتا ہے۔ ہر اخلاقی برائی سے خود کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرتا ہے اور ہر اچھی بات پر دلجمعی سے عمل کرتا ہے اور دوسروں کو عمل کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ کسی پر طعن و تشنیع نہیں کرتا اور نہ کسی کو بددعا دیتا ہے۔ ہر کس و ناکس کے ساتھ خوش ہو کر ملتا ہے۔ اخلاق، مروت اس کی شناخت بن جاتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے ''خوش اخلاقی اللہ تعالیٰ کا خُلق عظیم ہے''

اخلاق حسنہ

اخلاق وہی اچھا ہے جس میں صفات ربانی کا عکس ہو کچھ صفات ایسی ہیں جن میں انسان برابری نہیں کرسکتا مثلاً اللہ واحد ہے اور مخلوق کثرت ہے۔ اللہ خالق ہے مخلوق، مخلوق ہے، کبریائی اور بڑائی صرف اللہ کے لئے مخصوص ہے بندے کا کمال یہ ہے کہ اس میں کبریائی کے مقابلے میں خاکساری اور تواضع ہو قادر مطلق اللہ کی صفات میں بندہ فروتنی محسوس کرے۔ خوش اخلاق ہو کیونکہ اسلام نے انسان کی روحانی تکمیل کا ذریعہ اخلاق کو قرار دیا ہے۔ صفات الٰہیہ کے انوار سے بندہ بشر جس حد تک قریب ہوتا ہے اس کی روحانی ترقی ہوتی رہتی ہے۔

دنیا میں اخلاق کے بڑے بڑے معلم پیدا ہوئے ہیں اور سب نے اخلاقیات پر عمل کرنے کی دعوت دی ہے۔ تمام مذاہب کی بنیاد پر اخلاق حسنہ پر رکھی گئی ہے۔ دنیا میں ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر تشریف لائے سب نے اس بات کا اعادہ کیا کہ سچ بولنا اچھا عمل ہے اور جھوٹ بولنا برائی ہے۔ انصاف بھلائی ہے اور ظلم بدی ہے، خیرات نیکی ہے اور چوری جرم ہے۔ دوسرے کے کام آنا ایسی عادت ہے جو اللہ کے لئے پسندیدہ ہے اور حق تلفی کرنا اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ عمل ہے۔

فضائلِ اخلاق

نبوت کا سلسلہ حضرت آدمؑ سے شروع ہوا اور رسالت اور نبوت کا اختتام حضور ﷺ پر ہو گیا۔

آسمانی کتابوں اور صحائف میں اس بات کو مسلسل دہرایا جاتا رہا ہے کہ ایک خیر البشر آئے گا اور آسمانی علوم کے مطابق تکمیل دین کا اعلان کرے گا۔ حضرت عیسیٰ کے بعد رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ محمد ﷺ، اللہ کے فرستادہ آخری نبی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے اوپر دین کی تکمیل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے خوش ہو کر اپنی نعمتیں پوری فرمادیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں حسن اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں''

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ: ''میں اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ اخلاق حسنہ کی تکمیل ہو جائے''

رسول اللہ ﷺ نے بعثت نبوی سے پہلے ہی اس فرض کو انجام دینا شروع کر دیا تھا۔ ابو ذرؓ نے اپنے بھائی کو رسول اللہ ﷺ

Marfat.com

کے حالات اور تعلیمات کی تحقیق کیلئے مکہ بھیجا تھا۔ انہوں نے واپس آ کر اپنے بھائی کو بتایا: ''میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ لوگوں کو اخلاق حسنہ کی تعلیم دیتے ہیں''

نجاشی نے جب مسلمانوں کو بلا کر اسلام کے بارے میں تحقیق کی تو حضرت جعفر طیارؓ نے کہا: ''اے بادشاہ! ہم لوگ ایک جاہل قوم تھے بتوں کو پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے، بدکاریاں کرتے تھے، پڑوسیوں کو تنگ و پریشان کرتے تھے اور بھائی بھائی پر ظلم کرتا تھا زبردستی غلام بنالیتے تھے ان حالات میں ایک شخص ہم میں پیدا ہوا۔ اس نے ہمیں سکھایا کہ ہم پتھروں کی پرستش چھوڑ دیں سچ بولیں، خونریزیوں سے باز آ جائیں۔ یتیموں کا مال نہ کھائیں۔ ہمسائیوں سے اچھا سلوک کریں، ضعیف عورتوں پر بدنامی کا داغ نہ لگائیں۔

اسی طرح قیصر روم کے دربار میں ابوسفیان نے جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی اصلاحی دعوت کا جو مختصر خاکہ بیان کیا اس میں یہ تسلیم کیا کہ رسول اللہ ﷺ خدا کی توحید اور عبادت کے ساتھ لوگوں کو یہ سکھاتے ہیں کہ پاک دامنی اختیار کریں۔ سچ بولیں اور قربات داروں کا حق ادا کریں۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی تعریف میں کہا: ''یہ پیغمبر جاہل اور ان پڑھ لوگوں کو پاک و صاف کرتا ہے اور ان کو حکمت سکھاتا ہے''

اس آیت میں دو لفظ بہت زیادہ تفکر طلب ہیں۔ ۱۔ تزکیہ ۲۔ حکمت

تزکیہ کے لفظی معنی ہیں۔۔۔ پاک صاف کرنا نکھارنا۔۔۔!

قرآن پاک کے یہ الفاظ بتاتے ہیں کہ نفس انسانی کو ہر قسم کی نجاستوں اور آلودگیوں سے پاک کر کے صاف ستھرا کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''بلاشبہ جس نے اپنے نفس کو صاف ستھرا بنا دیا وہ کامیاب ہوا جس نے اسے مٹی میں ملا دیا وہ ناکام رہا'' (سورۃ شمس آیت نمبر 9-10)

''وہ جیتا جس نے اپنے آپ کو پاک صاف کیا اور نماز پڑھی''

''پیغمبر (رسول اللہ ﷺ) نے تیوری چڑھائی اور منہ موڑا، کہ اس کے پاس اندھا آئے۔۔۔ اور تجھے کیا خبر ہے شاید وہ سنور جاتا تو تیرا سمجھانا اس کے کام آتا'' (سورۃ عبس آیت 1 تا 4)

ان آیات میں تزکیہ کا مفہوم واضح ہے جسے پیغمبر اسلام رسول اللہ ﷺ کی خصوصیات قرار دیا ہے۔ یہ مفہوم بھی نکلتا ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت و رسالت کا سب سے بڑا منصب یہ تھا کہ وہ انسانی نفوس کو برائیوں، نجاستوں اور آلودگیوں سے پاک کرے اور ان کے اخلاق و اعمال کو درست اور صاف ستھرا بنائے۔

حکمت کا لفظ نور کی صورت میں نبی ﷺ کو ودیعت کیا گیا ہے۔ جس کے آثار و مظاہر رسول اللہ ﷺ کی زبان سے سنن و احکام کی صورت میں ظاہر ہوئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''اور ہم نے لقمان کو حکمت کی باتیں بتائیں کہ خدا کا شکر ادا کریں'' (سورۃ لقمان آیت نمبر 12)

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ کی شریعت میں اخلاق کے مرتبے کو حکمت کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اسلام میں عبادات اور دوسرے احکام کو جو حیثیت حاصل ہے، اخلاق کو بھی اتنی اہمیت حاصل ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''اے ایمان والو! رکوع کرو، سجدہ کرو اپنے رب کو پوجو اور نیکی کرو تا کہ تم فلاح پاؤ'' (سورۃ الحج آیت 10)

عبادات کا کردار

حقوق العباد انسانوں میں باہمی معاملات اور تعلقات کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ رحمٰن و رحیم ہے اس کی رحمت کا دروازہ کسی نیک و بد بندے پر بند نہیں ہوتا۔ شرک و کفر کے سوا ہر گناہ قابل معافی ہے۔ مگر حقوق العباد، اخلاقی فرائض کی کوتاہی اور تقصیر کی معافی اللہ تعالیٰ نے اُن بندوں کے ہاتھ میں رکھی ہے جن کے ساتھ ظلم ہوا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس بھائی نے کسی دوسرے بھائی پر ظلم کیا تو ظالم بھائی کو چاہیئے کہ وہ اس دنیا میں ظلم کو معاف کرالے ورنہ یوم حساب میں تاوان ادا کرنے کے لئے کسی کے پاس کوئی درہم و دینار نہیں ہوگا، صرف اعمال ہونگے، ظالم کی نیکیاں مظلوم کو مل جائیں گی اور مظلوم کے اعمال میں لکھ دی جائیں گی''

چار ستون

بے سمجھ واعظوں اور ابن الوقت مذہبی دانشوروں کی غلط بیانی سے یہ غلط فہمی پیدا ہوگئی ہے کہ اسلام کی بنیاد صرف توحید، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ پر قائم ہے۔ اس بات سے یہ تاثر ملتا ہے کہ پانچ ستونوں پر کھڑی ہوئی اسلام کی اس عمارت میں اخلاق حسنہ کی کوئی جگہ نہیں ہے۔ حالانکہ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کے فرائض اور عبادات سے اخلاق حسنہ کی ہی تکمیل ہوتی ہے۔

قرآن حکیم بتاتا ہے کہ نماز کا فائدہ یہ ہے کہ وہ بری باتوں سے روکتی ہے۔ روزہ تقویٰ کی تعلیم دیتا ہے۔ زکوٰۃ سرتاپا انسانی ہمدردی اور غم خواری کا درس ہے۔ اور حج مختلف طریقوں سے ہماری اخلاقی اصلاح اور ترقی کا ذریعہ ہے۔ اسلام کے ان چاروں ارکان کے نام الگ الگ ہیں مگر ان کا بنیادی مقصد اخلاقی تعلیم ہے۔ اگر ان عبادات سے روحانی اور اخلاقی ثمر حاصل نہ ہو تو سمجھ لینا چاہیئے کہ احکام الٰہی کی حقیقی تعمیل نہیں ہوئی۔

یہ عبادات ایسا درخت ہیں جس میں پھل نہیں آتا، ایسے پھول ہیں جس میں خوشبو نہیں ہے، یہ اعمال ایسے قالب ہیں جس میں روح نہیں ہے۔

انبیاء العلوم میں امام غزالیؒ لکھتے ہیں: ''اور اللہ فرماتا ہے میرے لئے نماز قائم کرو۔ بھولنے والوں میں نہ ہو جاؤ۔ نشہ کی حالت میں اس وقت تک نماز نہ پڑھو جب تک تم یہ نہ سمجھو کہ تم کیا کہہ رہے ہو''

سوال یہ ہے کہ کتنے ہی نمازی ایسے ہیں کہ جو شراب نہیں پیتے مگر جب وہ نماز پڑھتے ہیں تو نہیں جانتے کہ وہ کیا پڑھ رہے ہیں۔ ان کے سامنے معانی اور مفہوم نہیں ہوتے۔ ان کا دل نماز میں نہیں ہوتا۔ وسوسوں کا ایک طوفان انہیں گھیرے رہتا ہے۔

Marfat.com

آسمانی کتابوں میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''کہ میں ہر آدمی کی نماز قبول نہیں کرتا، میں اس کی نماز قبول کرتا ہوں جو میری بڑائی کرتا ہے اور بندوں پر اپنی بڑائی نہیں جتاتا اور جو بھوکے محتاج کو میرے لئے کھانا کھلاتا ہے''

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ''جس کی نماز اس کو برائی اور بدی سے نہ روکے ایسی نماز اس کو اللہ سے دور کر دیتی ہے''

آپ ﷺ نے فرمایا: ''روزہ رکھ کر جو شخص جھوٹ اور فریب کو نہ چھوڑے اللہ کو اسکی ضرورت نہیں ہے''

ان تعلیمات سے منکشف ہوتا ہے کہ عبادت کا ایک اہم مقصد اخلاق کا تزکیہ بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''بلاشبہ وہ ایمان والے کامیاب ہوتے ہیں جو اپنی نماز میں خشوع وخضوع کرتے ہیں اور جو لایعنی بات پر دھیان نہیں کرتے۔ اور جو زکوٰۃ دیا کرتے ہیں۔ (سورۃ مومنون آیت 1 تا 4)

''اور جو اپنی امانتوں میں خیانت نہیں کرتے'' (سورۃ مومنون آیت 8)

جب صوفی ان الفاظ کی اہمیت پر غور کرتا ہے تو اس پر یہ بات منکشف ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تقرب الٰہی اور دعا کی قبولیت کے بہترین موقع پر بھی اللہ تعالیٰ سے حسن اخلاق کے لئے درخواست کی ہے۔ صوفی یہ بات جانتا ہے کہ ایمان میں اخلاق کی بڑی اہمیت ہے۔

حدیث شریف میں ہے: ''مسلمانوں میں کامل ایمان اُسکا ہے جسکا اخلاق سب سے اچھا ہے''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ''حسن اخلاق سے انسان وہ درجہ پالیتا ہے جو دن بھر روزہ رکھنے اور رات کو شب بیدار رہنے سے حاصل ہوتا ہے''

سیرت طیبہ اور صوفیاء کرام

خانقاہی نظام میں سالک کو پہلا سبق یہ دیا جاتا ہے: ''باادب بانصیب بے ادب بے نصیب''

سالکین کو سیرت طیبہ کا ہر پہلو پڑھایا جاتا ہے اور ان پر عمل کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے ان کے ذہن نشین کرایا جاتا ہے کہ:

ا۔ اگر تمہیں کسی سے تکلیف پہنچے تو تم اسے معاف کر دو حالانکہ تم الٰہی قانون کے تحت بدلہ لے سکتے ہو لیکن معاف کرنے سے اللہ خوش ہوتا ہے۔

۲۔ اگر تم سے کسی کو تکلیف پہنچ جائے وہ اعلیٰ ذات ہو یا چھوٹی ذات میں شمار کیا جاتا ہو، کمزور ہو یا طاقتور ہو تم اس سے معافی مانگ لو۔

۳۔ دین اور دنیا کے معاملات میں تندہی کے ساتھ پوری کوشش کرو لیکن نتیجہ اللہ پر چھوڑ دو۔

۴۔ قیام الصلوٰۃ کا مطلب ہے اللہ کے ساتھ رابطہ میں رہنا یعنی اللہ کو دیکھ کر یا اللہ کو محسوس کر کے اسکی عبادت کرنا۔

۵۔ جہاں بھی رہو علم دین کے ساتھ علم دنیا بھی سیکھو۔ تاکہ شعوری استعداد میں اضافہ ہو اور اس علمی استعداد سے اللہ کی مخلوق کو فائدہ پہنچاؤ۔

Marfat.com

۶۔ اللہ کی پسندیدہ عادت مخلوق کی خدمت کرنا ہے۔ سالک کو چاہیے کے بغیر غرض کے اللہ کی مخلوق کی خدمت کرے۔ جب کوئی بندہ مخلوق کی مخلصانہ خدمت کرتا ہے تو اسے اللہ کی دوستی کا شرف حاصل ہو جاتا ہے اور اللہ کے دوستوں کو خوف اور غم نہیں ہوتا۔

۷۔ قرآن ان لوگوں کی رہنمائی کرتا ہے، جو متقی ہیں اور متقی وہ لوگ ہیں جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان مشاہدہ سے مشروط ہے۔

۸۔ رسول اللہ ﷺ اللہ کے محبوب ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب سے محبت کرتے ہیں۔ جو لوگ رسول اللہ ﷺ سے محبت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے درجے بلند کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے فرستادہ بندے اور رسول ہیں۔ اس ذات مبارک ﷺ سے محبت کرنا ہر انسان پر فرض ہے۔

۹۔ اولیاء اللہ رسول اللہ ﷺ کی نسبت سے اللہ کے دوست ہیں۔ جب کوئی بندہ اللہ کے دوست سے دوستی نبھاتا ہے اور ان کی قدر و منزلت کرتا ہے تو ایسے بندوں پر رحمت کی بارش برستی ہے۔

مابعدالطبعی اساس

انسان جس جسمانی وجود سے اس دنیا میں چلتا، پھرتا، کھاتا، پیتا ہے اور دوسرے مشاغل میں مصروف رہتا ہے، وہ فانی ہے۔ ہر انسان کی اصل اس کی روح ہے۔ روح کا ادراک ہونے سے انسان اپنی اصل سے واقف ہو جاتا ہے اور اپنی اصل سے واقفیت ہی عرفان الٰہی کا وسیلہ ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''نیکی یہ نہیں ہے کہ تم نماز میں اپنا منہ مشرق (بیت المقدس) مغرب (خانہ کعبہ) کی طرف کرو بلکہ اصل نیکی یہ ہے کہ اللہ پر قیامت پر، فرشتوں پر، کتابوں اور پیغمبروں پر ایمان لائے اور خواہش کے باوجود اللہ کی محبت میں اپنا مال رشتے داروں، یتیموں، غریبوں، مسافروں، مانگنے والوں اور غلاموں کو آزاد کرانے میں خرچ کرے، نماز ادا کرتا رہے، زکوٰۃ دیتا رہے اور جو وعدہ کرے اپنے وعدے کو پورا کرتا رہے اور مصیبت، تکلیف اور پریشانی میں ثابت قدم رہتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جو راست باز ہیں اور یہی تقویٰ ہے'' (سورۃ البقرۃ آیت 177)

آیت کی تفہیم یہ ہے کہ راست بازی اور تقویٰ کا پہلا نتیجہ جس طرح ایمان ہے اسی طرح دوسرا لازمی نتیجہ بہترین اوصاف، فیاضی، ایفائے عہد اور صبر و ثبات وغیرہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''اور رحم والے اللہ کے بندے وہ ہیں جو زمین پر دبے پاؤں چلتے ہیں اور جب ناسمجھ لوگ ان سے بات کریں تو وہ سلام کہیں اور جو اپنے پروردگار کی عبادت کی خاطر قیام اور سجدے میں رات گزارتے ہیں اور جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم سے جہنم کا عذاب دور کر، کہ اس کا عذاب بڑا تاوان ہے اور جہنم برا ٹھکانہ اور مقام ہے اور جو خرچ کرتے ہیں وہ فضول خرچ نہ کریں اور نہ تنگی کریں، بلکہ ان دونوں کے درمیان اور جو اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہیں پکارتے اور جو کسی جان کا بے گناہ خون نہیں کرتے، جس کو اللہ نے منع کیا ہے، اور نہ بدکاری کرتے ہیں اور جو ایسا کرے گا وہ گناہ سے پیوست ہوگا''
(سورۃ فرقان آیت 62 تا 63)

Marfat.com

''اور جو جھوٹے کام میں شامل نہیں ہوتے اور جب کسی لغویات سے گزر رہے ہوں تو سنجیدگی اور وقار سے گزر جاتے ہیں اور جب اللہ کی نشانیاں ان کو سنائی جاتی ہیں تو وہ اندھے اور بہرے ہو کر ان کو نہیں سنتے اور یہ دعا مانگتے ہیں اے ہمارے پروردگار ہم کو ہمارے بیوی بچوں سے آنکھ کی ٹھنڈک بخش اور ہم کو پرہیزگاروں کو پیشوا بنا دے'' (سورۃ فرقان آیت 71 تا 74)

مومن کے اخلاقی اوصاف

اللہ تعالیٰ، رسول اللہ ﷺ کی زبانی اہل ایمان (یعنی صاحب مشاہدہ خواتین وحضرات) کے اخلاقی اوصاف اس طرح بیان کرتے ہیں: ''اور وہ اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں، اور بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے پرہیز کرتے ہیں اور جو غصے کی حالت میں معاف کرتے ہیں اور اپنے پروردگار کی پکار کا جواب دیتے ہیں (یعنی اللہ ان سے ہمکلام ہوتا ہے) نماز قائم کرتے ہیں (یعنی ان کا اللہ سے رابطہ ہوتا ہے) اور ان کے کام باہم مشورے سے ہوتے ہیں اور ہم نے انکو جو دیا ہے اس میں سے کچھ خدا کی راہ میں دیتے ہیں اور جو ان پر چڑھائی ہو تو وہ بدلہ لیتے ہیں اور برائی کا بدلہ ویسے ہی برائی ہے، تو جو کوئی معاف کر دے اور نیکی کرے تو اسکا درجہ اللہ کے ذمہ ہے، وہ ظلم کرنے والوں کو پیار نہیں کرتا اگر مظلوم ہو کر بدلہ لے تو اس پر کوئی ملامت نہیں، ملامت تو ان پر ہے جو لوگوں پر از خود ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق فساد برپا کرتے ہیں ان کے لئے بڑا اور دردناک عذاب ہے، بلاشبہ جو مظلوم ہونے پر بھی ظالم کو معاف کر دے اور سختی سہہ لے تو یہ ہمت کے کام ہیں''

(سورۃ الشوریٰ آیت 36 تا 43)

''جنت ان پرہیزگاروں کیلئے تیار کی گئی ہے جو خوشی اور تکلیف دونوں حالتوں میں اللہ کے لئے خرچ کرتے ہیں اور جو غصے کو دباتے ہیں اور لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں اللہ اچھا کام کرنے والوں کو پیار کرتا ہے''

''یہ وہ ہیں جن کو دوہرا اجر ملے گا، اس لئے کہ انہوں نے صبر کیا اور وہ برائی کو بھلائی سے دور کرتے ہیں اور جو ہم نے دیا ہے اس میں سے خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور جب کوئی بیہودہ بات سنتے ہیں، اس سے کنارہ کشی اختیار کر لیتے ہیں، کہہ دیتے ہیں کہ ہمارے لئے ہمارا عمل اور تمہارے لئے تمہارا عمل ہے، تم سلامت رہو ہم ناسمجھوں کو نہیں چاہتے''

(سورۃ القصص آیت 54 تا 56)

''اور کھانے کی خود ضرورت ہوتے ہوئے مسکین، یتیم اور قیدی کو کھلا دیتے ہیں'' (سورۃ دہر آیت 8)

رسول اللہ ﷺ نماز میں جو دعا مانگتے تھے اس میں یہ جملہ بھی ہوتا تھا: ''اے میرے اللہ! تو مجھ کو بہتر سے بہتر اخلاق کی رہنمائی کر، تیرے سوا کوئی بہتر سے بہتر اخلاق کی راہ نہیں دکھا سکتا اور برے اخلاق کو مجھ سے پھرا دے اور انکو نہیں پھیر سکتا لیکن تو''۔

تصوف، صحابہ کرامؓ اور صحابیاتؓ

''اسلام میں روحانی زندگی کا آغاز حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں ہوا حضور ﷺ اور انکے صحابہ ہر بات اور ہر عمل کو اللہ کی طرف منسوب کرتے تھے اور اللہ ہی کی جانب متوجہ رہتے تھے ان کا جینا مرنا سب اللہ کے لئے تھا'' بلاشبہ حضرت محمد ﷺ

Marfat.com

کے ان تربیت یافتہ حضرات کے سینے روحانیت اور علم حضوری سے لبریز تھے۔ ایک گروہ تبصرہ کرتا ہے کہ روحانیت اور تصوف کے حوالے سے اولیاء اللہ کی کرامات اور کشف کا تذکرہ بڑی شد و مد سے کیا جاتا ہے لیکن صحابہ کرامؓ کی کرامات، کشف اور خرق عادات کا کتابوں میں تذکرہ نہیں ہے۔ عوام الناس کے ذہنوں سے یہ غلط فہمی دور کرنے کے لئے اسلام کی مستند کتابوں میں سے صحابہ کرامؓ اور صحابیاتؓ کی کرامات درج کی جا رہی ہیں۔

سیدنا ابوبکر صدیقؓ

حضرت صدیق اکبرؓ نے جناب عائشہؓ کو بیس وسق تقریباً پانچ من کھجوریں حبہ کی تھیں اور اپنی وفات سے پہلے فرمایا: اے میری بیٹی عائشہؓ مال و دولت کے باب میں مجھے تم سے زیادہ کوئی پیارا نہیں۔ لاریب بیس وسق کھجوریں میں نے تمہیں حبہ کیں تھیں۔ اگر تم نے انہیں توڑ کر اکھٹا کر لیا ہوتا تو وہ تمہاری مملوکہ ہو جاتیں لیکن اب وہ تمام وارثوں کا مال ہے۔ جس میں تمہارے دو بھائی اور دو بہنیں شریک ہیں۔ اس کو قرآن کریم کے احکام کے موافق تقسیم کرنا۔ حضرت عائشہؓ نے کہا ابا جان اگر بہت زیادہ بھی ہوتیں تب بھی اس حبہ سے دستبردار ہو جاتی لیکن یہ تو فرمایئے کہ بہن تو صرف اسماءؓ ہے، یہ دوسری بہن کون ہے؟ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جواب دیا کہ بنت خارجہؓ کے پیٹ میں مجھے لڑکی دکھائی دے رہی ہے" بالآخر ام کلثومؓ پیدا ہوئیں۔

سیدنا فاروق اعظم عمر بن خطابؓ

حضرت عمرؓ ایک دن خطبہ پڑھ رہے تھے کہ اچانک فرمایا! اے ساریہؓ پہاڑ کی طرف ہٹ جا۔ آپؓ نے تین دفعہ اسی طرح فرمایا کہ کیونکہ پہاڑ کی طرف ہٹ جانے سے مسلمانوں کے غالب ہو جانے کی اُمید تھی۔ تھوڑے دنوں کے بعد شعب نہاوند سے فوج کا قاصد آیا اس سے لڑائی کا حال پوچھا۔ قاصد نے عرض کیا! اے امیر المومنین ایک دن شکست ہونے کو تھی کہ ہمیں ایک آواز سنائی دی جیسے کوئی پکار کر کہہ رہا ہو کہ اے ساریہؓ پہاڑ کی طرف ہٹ جا۔ اس آواز کو ہم نے تین مرتبہ سنا اور ہم نے پہاڑ کی طرف سے ہٹ کر سہارا لیا اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں مشرکین پر فتح دی۔

سیدنا عثمان ذوالنورینؓ

حضرت عثمان ذوالنورین کے آزاد کردہ غلام محجن کہتے ہیں کہ ایک دن میں آپؓ کے ساتھ آپؓ کی ایک زمین پر گیا جہاں ایک عورت نے جو کسی تکلیف میں مبتلا تھی، آپؓ کے پاس آ کر عرض کیا۔ اے امیر المومنین! مجھ سے زنا کا ارتکاب ہو گیا ہے۔ اس پر آپؓ نے مجھے حکم دیا کہ اس عورت کو باہر نکال دو۔ چنانچہ میں نے اس کو بھگا دیا۔ تھوڑی دیر بعد اس عورت نے آ کر پھر اسی غلطی کا اعتراف کیا۔ انہوں نے فرمایا سے باہر نکال دو۔ تیسری مرتبہ اس عورت نے پھر آ کر کہا اے خلیفہ وقت میں نے بلا شک و شبہ گناہ کبیرہ کیا ہے میرے اوپر حد زنا جاری فرما دیں۔

حضرت عثمانؓ نے ارشاد فرمایا۔ اے محجن! اس عورت پر مصیبت آپڑی ہے اور مصیبت اور تکلیف ہمیشہ فساد کا سبب ہوتی ہے۔ اس کو پیٹ بھر کر روٹی اور تن بھر کپڑا دے۔ اس دیوانی کو میں اپنے ساتھ لے گیا۔ میں نے اسے آرام سے رکھا

Marfat.com

تھوڑے دنوں بعد اس کے ہوش وحواس درست ہوئے تو وہ مطمئن ہو گئی۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ اچھا اب اسے کھجور، آٹا اور کشمش دے دیں۔ میں نے سامان گدھے پر لاد کر اسے دے دیا۔ میں نے اس سے پوچھا اب بھی تو وہی کہتی ہے جو امیر المومنین کے سامنے کہہ رہی تھی اس نے کہا نہیں میں نے جو کچھ کہا تھا تکلیفوں اور مصیبتوں کے پہاڑ پھٹ پڑنے کی وجہ سے کہا تھا تاکہ حد لگا دی جائے اور مجھے مصیبتوں سے نجات مل جائے۔

سیدنا علی ابن ابی طالبؓ

حضرت ابو رافعؓ کہتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے جب حضرت علیؓ کو جھنڈا دے کر خیبر کی طرف روانہ کیا اور وہ خیبر کے قلعے کے پاس پہنچے تو خیبر والے آپؓ پر ٹوٹ پڑے۔ بڑے خونریزی ہوئی۔ ایک یہودی نے وار کر کے آپؓ کے ہاتھ سے ڈھال گرا دی۔ حضرت علیؓ آگے بڑھے اور قلعے کا ایک دروازہ اٹھا کر اپنی ڈھال بنا لیا۔ بالآخر دشمنوں پر فتح حاصل ہو جانے کے بعد اس دروازے کو پھینک دیا۔ اس سفر میں میرے ساتھ سات آدمی اور بھی تھے اور ہم آٹھ آدمی مل کر اس دروازے کو الٹ دینے کی کوشش کرتے رہے لیکن وہ دروازہ جس کو تن تنہا حضرت علیؓ نے اپنے ایک ہاتھ میں اٹھا لیا تھا ہم آٹھ آدمی اس کو نہیں پلٹ سکے۔

اُم المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰؓ

ایک بار سیدنا حضور ﷺ نے فرمایا کہ جبریلؑ نے مجھ سے آ کر کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ! آپ کے پاس بی بی خدیجہؓ آ رہی ہیں اور ان کے ہاتھ میں جو برتن ہے اس میں کھانا اور پانی ہے۔ جب وہ آپ ﷺ کے پاس آ جائیں تو ان سے میرا سلام کہہ دیجئے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو سلام کہا ہے اور کہہ دیجئے کہ آپؓ خوش ہو جایئے آپ کے لئے جنت میں ایسا مکان ہے جو موتیوں کا بنا ہوا ہے جہاں شور وغل اور تکلیف نہیں ہے۔

اُم المومنین حضرت عائشہؓ

ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں سخت قحط پڑا، ان قحط زدہ لوگوں نے حضرت عائشہؓ سے جا کر کہا کہ اس قحط سے ہم لوگ بہت پریشان ہو گئے ہیں۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا! رسول اللہ ﷺ کے مزار مبارک کی طرف اور گنبدِ خضراء میں آسمان کی طرف کو ایک آر پار سوراخ کر دو۔ ان لوگوں نے ایسا ہی کیا تو خوب بارش ہوئی۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن فرمایا اے عائشہؓ جبریلؑ تم کو سلام کہہ رہے ہیں۔ میں نے جواباً کہا ان پر اللہ کی سلامتی رحمتیں اور برکتیں ہوں۔

حضرت بی بی فاطمۃ الزہرہؓ

حضرت اُم سلمہؓ نے بیان کیا کہ حضرت فاطمہؓ بیمار تھیں اور میں تیمار دار تھی۔ ایک دن صبح سویرے انہیں افاقہ محسوس ہوا۔ حضرت علیؓ کسی کام سے باہر گئے ہوئے تھے۔ حضرت فاطمہؓ نے کہا اے اماں میں نہانا چاہتی ہوں۔ میں نے پانی تیار کر دیا اور جس طرح وہ تندرستی میں نہاتی تھیں ویسے ہی خوب نہائیں۔ پھر انہوں نے نئے کپڑے مانگے۔ میں نے کپڑے بھی

Marfat.com

دیدیجئے۔انہوں نے خود پہن کر کہا امی اب ذرا آپ میرے لئے گھر کے بیچوں بیچ بچھونا بچھا دیجئے۔ میں نے یہ بھی کر دیا۔ بس وہ بستر پر جا لیٹیں اور قبلے کی طرف منہ کر کے اپنا ایک ہاتھ اپنے گال کے نیچے رکھ کر کہا۔ اماں! اب میں اللہ تعالیٰ سے ملنے جا رہی ہوں اور بالکل پاک ہوں۔ اب کوئی بلا ضرورت مجھے کھولے نہیں۔ اس کے بعد ان کی روح پرواز کر گئی۔

حضرت انسؓ

حضرت انس بن مالک کے بھتیجے حضرت انس نضیرؓ فرماتے ہیں کہ ان کی پھوپھی نے کسی لڑکی کا اگلا دانت توڑ دیا تھا۔ ہمارے خاندان کے لوگوں نے لڑکی کے رشتہ داروں سے معافی مانگی۔ انہوں نے انکار کر دیا۔ پھر ان سے کہا گیا کہ تم لوگ دیت یعنی دانت کے بدلے دانت لینے کے بجائے کچھ رقم لے لو اس پر بھی ان لوگوں نے انکار کیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی دینے اور دیت قبول کرنے پر انکار کرتے ہوئے قصاص طلب کیا۔ چنانچہ سرور دو عالم ﷺ نے قصاص حکم کا صادر فرما دیا۔ اس پر حضرت انس بن نضیرؓ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ کیا میری پھوپھی کا دانت توڑ دیا جائے گا؟ سرور دو عالم ﷺ نے فرمایا اے انسؓ اللہ کی کتاب قصاص کا حکم دیتی ہے۔ یہ سن کر لوگ خوش ہو گئے اور دانت کا بدلہ معاف کر دیا۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ

امام بخاریؒ ایک طویل قصے میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے فرمایا اللہ کی قسم میں اس شخص کیلئے بددعا کرتا ہوں جس نے میری تین جھوٹی شکایتیں کی تھیں۔ اے اللہ تیرا جھوٹا بندہ جو مکاری سے شکایتیں سنانے کے لئے کھڑا ہوا ہے اس کی عمر دراز کر دے۔ حضرت سعدؓ کی اس دعا کے بعد لوگ جب اسکی خیریت دریافت کرتے تھے تو وہ کہتا تھا میں بالکل بڈھا ہو گیا ہوں میری عقل ماری گئی ہے اور سعدؓ کی بددعا لگ گئی ہے۔ عبدالمالک کہتے ہیں کہ میں نے اس بڈھے کو اس حال میں دیکھا کہ بڑھاپے کی وجہ سے اس کی آنکھوں کو اس کی دونوں بھوؤں نے بالکل چھپا لیا تھا اور وہ راستہ چلتی لونڈیوں کو روکتا تھا اور بے حیائی کی باتیں کرتا تھا۔ افلاس و غربت کی وجہ سے انتہائی تنگ دست تھا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا ہم کئی صحابی کھانا کھا رہے تھے ہم نے سنا کہ وہ غذا اللہ کی تسبیح بیان کر رہی ہے وہ کھانا سبحان اللہ، سبحان اللہ پڑھ رہا تھا۔

حضرت اسید بن حضیر عبادؓ

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں اسید عباد نے چند معروضات پیش کیں۔ رات بہت تاریک تھی چنانچہ وہ اسی اندھیرے میں اپنے گھروں کو لوٹے ان کے ہاتھوں میں لاٹھیاں تھیں۔ ان میں سے ایک لاٹھی روشن ہو گئی اور شمع کا کام دینے لگی جب ایک کا راستہ ختم ہو گیا اور دوسرے کو آگے جانا تھا تو دوسرے شخص کی لاٹھی روشن ہو گئی۔ اور دوسرا بھی اپنے گھر پہنچ گیا۔

Marfat.com

حضرت جابرؓ

حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ جنگ احد کے وقت ایک رات مجھے میرے والد نے طلب کر کے فرمایا کل اصحاب رسول ﷺ کی شہادت میں سب سے پہلے میں شہید ہوں گا۔ رسول اللہ ﷺ کے علاوہ تم مجھے سب سے زیادہ عزیز ہو۔ مجھ پر ایک آدمی کا قرضہ ہے وہ ادا کر دینا اور میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ اپنی بہنوں کے ساتھ بھلائی کرنا۔ میں نے دیکھا کہ میدان احد میں سب سے پہلے میرے والد نے جام شہادت نوش فرمایا۔

حضرت سفینہؓ

ابن منکدر سے روایت ہے کہ حضرت سفینہؓ جو رسول اللہ ﷺ کے غلام تھے ایک مرتبہ سرزمین روم میں راستہ بھول گئے۔ وہ راستہ تلاش کر رہے تھے کہ دشمنان اسلام نے انہیں گرفتار کر لیا۔ وہ قید سے فرار ہو گئے۔ راستہ میں ایک شیر نظر آیا۔ انہوں نے اس شیر کو کنیت سے پکار کر کہا اے ابوالحارثؓ! میں رسول اللہ ﷺ کا غلام ہوں اور میں راستہ بھول گیا ہوں۔ شیر نے یہ سن کر ان کے سامنے دم ہلائی۔ اور انکے برابر چلنے لگا۔ اسے جب کوئی آواز سنائی دیتی تو فوراً ادھر کا رخ کر لیتا اور کان کھڑے کر کے ادھر اُدھر دیکھتا جب خطرے کا احساس ختم ہو جاتا تو پھر آپؓ کے ساتھ چلنے لگتا۔ جب حضرت سفینہؓ اسلامی لشکر میں پہنچ گئے تو شیر واپس لوٹ گیا۔

حضرت ابوہریرہؓ

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے پوچھا تمہارے قیدی کا کیا حال ہے؟

میں نے عرض کیا حضور اس کا ارادہ ہے کہ مجھے ایسی باتیں سکھائے جن سے مجھے فائدہ ہو۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یاد رکھو جو کچھ اس نے کہا وہ ٹھیک ہے لیکن تین راتوں سے تم جس سے باتیں کر رہے ہو جانتے ہو وہ کون ہے؟ میں نے عرض کیا حضور ﷺ میں نہیں جانتا۔ حضور ﷺ نے فرمایا وہ شیطان ہے۔

حضرت ربیع بن حراشؓ

حضرت ربیع بن حراشؓ کہتے ہیں کہ ہم چار بھائی تھے۔ ہمارے بڑے بھائی ربیعؓ پکے نمازی اور روزے دار تھے۔ سردیوں گرمیوں میں بھی وہ نفلیں پڑھتے اور روزے رکھتے تھے۔ جب ان کا انتقال ہوا تو ہم سب ان کے پاس جمع تھے اور ہم ایک آدمی کو ان کے لئے کفن کا کپڑا لینے بھیج چکے تھے کہ یکایک انہوں نے اپنے منہ سے کپڑا ہٹا کر کہا اے برادران السلامُ علیکم! لوگوں نے جواب دیا وعلیکم السلام۔ اور پوچھا کہ تم موت کے بعد بھی بات کرتے ہو؟

حضرت ربیعؓ نے جواب دیا! ہاں تم سے جدا ہو کر جب پروردگارِ عالم سے ملا تو میں نے اسے غضب ناک نہیں دیکھا۔ اس نے مجھ پر رحمتوں کے بادل برسا کر جنت کی خوشبوئیں، جنت کی روزی، جنت کے لباس مرحمت فرمائے۔

سنو! حضرت ابوالقاسم ﷺ میری نماز پڑھنے کے منتظر ہیں بس اب دیر مت لگاؤ اور جلدی کرو۔ یہ قصہ جب

Marfat.com

حضرت عائشہ صدیقہؓ کوسنایا گیا تو آپؓ نے فرمایا مجھے یاد ہے ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ میری اُمت میں ایسے آدمی ہیں جو مرنے کے بعد بھی گفتگو کرتے ہیں۔

حضرت علاء بن حضرمیؓ

سہم بن مجانب بیان کرتے ہیں کہ ہم علاء بن حضرمیؓ کے ساتھ جہاد کیلئے روانہ ہوکر مقام دراین پہنچے۔ ہندوستانی مشک اور کستوری کی بحرین میں بہت بڑی منڈی ہے اور سمندر کے ساحل پر واقع ہے۔ چنانچہ حضرت علاء بن حضرمیؓ نے سمندر کے کنارے کھڑے ہوکر کہا اے اللہ تو جاننے والا ہے، تو قوت والا ہے، تو بہت بڑا ہے۔ ہم تیرے معمولی بندے ہیں، یہاں کھڑے ہیں اور اسلام کا دشمن سمندر کے اس سر پر ہے۔ اللہ ان کو شکست دینے کیلئے انکو راہ راست پر لانے کے لئے اور ان کو اسلام کا کلمہ پڑھانے کے لئے ہم کو ان تک پہنچادے۔

اس دعا کے بعد انہوں نے ہم سب کو سمندر میں اتار دیا۔ سمندر کا پانی ہمارے گھوڑوں کے سینوں تک بھی نہیں پہنچا تھا کہ ہم سمندر پار ہوگئے۔

حضرت اُسامہ بن زیدؓ

حضرت اُسامہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حضرت جبریلؑ کو دیکھا۔

حضرت سلمانؓ

حضرت سلمانؓ اور حضرابودرداء بیٹھے ہوئے تھے اور دونوں کے سامنے ایک پیالہ رکھا ہوا تھا جو سبحان اللہ پڑھ رہا تھا۔

مندرجہ واقعات و کرامات بہت ہی اختصار کے ساتھ لکھے گئے ہیں ورنہ ہر صحابیؓ کی زندگی میں بے شمار خرق عادات موجود ہیں۔ سیدنا حضور ﷺ کے صحابیؓ اور صحابیاتؓ کی کرامات اور خرق عادات اسلامی تاریخ میں ریکارڈ ہیں۔

یہ اعتراض بھی کہ صحابہ کرامؓ اور صحابیاتؓ نے مراقبے نہیں کئے محض غلط فہمی پر مبنی ہے۔ مراقبہ کا مطلب ہے سوچ، بچار، تفکر، تلاش، ذہنی یکسوئی کے ساتھ کسی بات پر غور کرنا concentration جب ہم کسی بھی بات کی فضیلت اور کنہ کو تلاش کرتے ہیں تو اسکا مطلب بھی مراقبہ ہے۔ صحابہ کرامؓ اور صحابیاتؓ کی پوری زندگی رسول اللہ ﷺ کے اقوال اور قرآنی آیات پر غور و فکر کرنے میں گزری ہے۔ غور و فکر میں جتنا وقت گزرتا وہ سب مراقبہ کی تعریف میں آتا ہے۔ مراقبہ دراصل ذہنی یکسوئی کے ساتھ اپنی روحانی صلاحیتوں اور غیب بین نظر کو بیدار اور متحرک کرنے کے لئے ایک طریقہ ہے۔ مراقبہ سے مراد مرتبہ احسان ہے۔

نور نبوت کے ذریعے صحابہ کرامؓ اور صحابیاتؓ کو مرتبہ احسان حاصل تھا اور مرتبہ احسان کا حاصل ہونا بلاشبہ روحانیت یا تصوف ہے۔ صحابہ کرامؓ اور صحابیاتؓ کے روحانی اجسام نور نبوت سے روشن اور منور تھے۔ جب وہ رسول اکرم ﷺ کے اقوال اور سیرت طیبہ پر غور کرتے تھے تو ان کے اندر انوار کا ذخیرہ ان کی رہنمائی کرتا تھا۔ قرآنی آیات پر تفکر کرکے وہ خود کو اللہ سے قریب محسوس کرتے تھے۔

Marfat.com

سلاسل کی دینی جدوجہد اور نظامِ تربیت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: ''میری سنت میں تبدیلی ہوتی ہے اور نہ تعطل واقع ہوتا ہے''

اپنی مشیت کے تحت اللہ تعالیٰ نے اچھائی، برائی کا تصور قائم کرنے اور نیکی اور بدی میں امتیاز کرنے کے لئے پیغمبروں کے ذریعے احکامات صادر فرمائے۔ سب پیغمبروں نے اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پیروی کر کے نوع انسانی کو بتایا ہے کہ اللہ کے حکم کی تعمیل ہی نجات کا راستہ ہے۔ چونکہ رسول اللہ ﷺ آخری نبی ہیں۔ اور دین کی تکمیل ہو چکی ہے۔ اس لئے اللہ کی سنت جاری رکھنے کیلئے رسول اللہ ﷺ کے ورثاء اولیاء اللہ کی جماعت نے اس بات کا اہتمام کیا ہے کہ اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی تعلیمات اور احکامات کا تسلسل قائم رہے۔ ہر زمانے میں اولیاء اللہ خواتین و حضرات نے اس فرض کو پورا کیا اور قیامت تک یہ سلسلہ قائم رہیگا۔

ہندو پاکستان، برما، ملائیشیا، انڈونیشن، افریقہ، ایران، عراق، عرب، چین اور ہر ملک میں اولیاء اللہ نے تبلیغ کی، اللہ کی مخلوق کی خدمت کی، زمانے کے تقاضوں کے توحید کی دعوت دی۔ تاریخ کے اوراق گواہ ہیں، اگر شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ، خواجہ حسن بصریؒ، حضرت داتا گنج بخشؒ، معین الدین چشتی اجمیریؒ، حضرت بہاؤالدین زکریاؒ، بہاؤالحق نقشبندؒ، لعل شہباز قلندرؒ، شاہ عبداللطیف بھٹائی، بابا فریدؒ، حضرت ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خانؒ، قلندر بابا اولیاءؒ اور دوسرے مقتدر اہل باطن صوفیاء، اسلام کی آبیاری نہ کرتے تو آج دنیا میں مسلمان اتنی بڑی تعداد میں نہ ہوتے۔ صوفیاء کرام نے رسول اللہ ﷺ کی نیابت وراثت کا حق پورا کرنے کے لئے اپنا تن، من، دھن، سب قربان کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی خدمات کو شرفِ قبولیت عطا فرمایا اور انہیں کامران و کامیاب کیا۔ صوفیاء کرام یقینی طور پر یہ بات جانتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ بندہ اگر کچھ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے اختیارات و احکامات کے تحت کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: ''میرا بندہ قرب نوافل کے ذریعے مجھ سے قریب ہو جاتا ہے، وہ مجھے دیکھتا ہے، مجھ سے سنتا ہے اور مجھ سے بولتا ہے'' یعنی ایسے بندے کے افعال و اعمال اللہ کے تابع ہو جاتے ہیں۔

روحانیت اور تصوف

روحانیت اور تصوف کے بارے میں لوگوں نے بہت کچھ لکھا ہے، ایک گروہ کا خیال ہے کہ اکثر صوفیاء چونکہ صوف کا لباس پہنتے تھے اسلئے لوگ انہیں صوفی کہتے تھے۔ اون کو عربی میں صوف کہتے ہیں۔ وہ لوگ یہ لباس اس لئے پہنتے تھے کہ صوف کا لباس پہننا اکثر نبیوں، ولیوں اور برگزیدہ ہستیوں کا معمول رہا ہے۔ بعض حضرات کے خیال میں اصحاب صفہ کے ساتھ نسبت رکھنے کی وجہ سے یہ لوگ صوفی کہلاتے ہیں۔ جبکہ ایک طبقہ کا خیال ہے کہ صوفی صفاء سے مشتق ہے لیکن ان ساری تشریحات سے دل مطمئن نہیں ہوتا۔

تصوف کے اصطلاحی معانی دراصل ''نفس کا تزکیہ'' ہے۔ تصوف اس جذبہ اخلاص کا نام ہے جو ضمیر سے متعلق ہے اور____

Marfat.com

ضمیر نور باطن ہے۔صوفی اللہ کی معرفت سوچتا ہے۔اس کی گفتگو کا محور اللہ ہوتا ہے۔وہ اللہ کے ساتھ جیتا ہے اور اللہ کے نام کے ساتھ مرتا ہے اسی کا کلمہ پڑھتا ہے اسی کے گن گاتا ہے اور اسی کے عشق میں ڈوبا رہتا ہے اللہ کو دیکھنے اور اللہ سے ملاقات کے شوق میں اپنا سب کچھ قربان کر دیتا ہے۔

مظاہر فطرت، سمندر کی طغیانی اور سکون میں، اپنے آگے پیچھے اور نیچے۔۔۔صوفی کو ہر طرف اللہ نظر آتا ہے۔ہر دور میں فلسفی موشگافیاں کرتے رہے، جو فلسفی اللہ کی ہستی کے قائل ہی، وہ اللہ کو صرف کائنات کا صنعتکار قرار دیتے ہیں لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ مخلوق کا اللہ سے رابطہ قائم نہیں ہوتا۔اللہ کسی انسان سے ہمکلام نہیں ہوتا۔

تفکر کیا جائے تو سائنسدان اور فلاسفہ کے بیان میں کوئی نمایاں فرق نہیں ہے۔سائنسدان کہتا ہے کہ اللہ اس لئے نظر نہیں آتا کہ اس کی موجودگی دلیل کی محتاج ہے اور انسان کے پاس ایسی کوئی دلیل نہیں ہے جس سے اللہ کو دیکھنا، تسلیم کرلیا جائے۔ سائنس کا عقیدہ ہے کہ کائنات حادثاتی مظاہرہ ہے۔حالانکہ سائنس دان الیکٹرون کو تخلیق کی اکائی مانتا ہے۔جو نظر نہیں آتی اور کبھی نظر نہیں آئی۔سائنس اور فلسفہ کی بنیاد عقل پر ہے جبکہ لاکھوں سال میں عقل کی کوئی حتمی تعریف نہیں ہوسکی۔سائنس اور فلسفہ کے برعکس مذہب کہتا ہے کہ صحیح عقیدہ کی بنیاد وحی اور الہام ہے اور عقل کا وحی اور الہام میں کوئی دخل نہیں ہے۔

تصوف کے معنی ہیں صوفی ہونا اور صوفی کا مطلب ہے: ظاہر سے زیادہ باطن کا خیال رکھنے والا صوفی وہ ہے جو خود کو تنہا کر کے اللہ سے متعلق رہے۔اس میں اعلیٰ درجہ کا خلوص اور حقائق کے ادراک کی استعداد ہو۔صوفی کا یقین ہے کہ اللہ خود اپنا کلام کسی بندے پر نازل کرتا ہے اور انسان اس سے رابطہ میں ہے۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

۱۔ کسی بشر کی قدرت نہیں کہ وہ اللہ سے ہمکلام ہو۔مگر وحی کے ذریعہ یا پردہ کے پیچھے سے۔یا کسی قاصد کے ذریعہ۔یا اللہ جس طرح چاہے۔

۲۔ اگر تم پکارو گے تو میں جواب دوں گا۔

۳۔ تم مجھ سے مانگو میں تمہیں دوں گا۔

۴۔ میں تمہاری رگِ جان سے زیادہ قریب ہوں۔

۵۔ میں تمہارے اندر ہوں، تم دیکھتے کیوں نہیں؟

۶۔ اگر تم میری اطاعت کرو گے تو میں اس کی جزا دوں گا اور اگر میری نافرمانی کرو گے تو سزا کے مستحق ہو گے۔

۷۔ اگر تم مجھ سے محبت کرو گے تو میں تم سے محبت کروں گا اور اس محبت سے تمہاری شخصیت میں میری صفات کا عکس نمایاں ہوجائے گا۔اور میرے قرب سے تم میرا دیدار کرسکو گے۔

Marfat.com

تصوف کیا ہے؟

امام ابوبکر بن اسحٰقؒ چوتھی صدی ہجری کے بزرگ تھے، جنہوں نے صوفیہ کے عقائد اور احوال کی تعریف پر کتاب لکھی تھی اور وہ اس موضوع پر قدیم کتاب سمجھی جاتی ہے، انہوں نے باب ۳۴، میں لکھا ہے: جنید بغدادی (م، ۲۹۸ھ) فرماتے ہیں: تصوف اوقات کی محافظت کرنے کا نام ہے اور حفظ اوقات یہ ہے کہ بندہ اپنی حدود کے سوا کسی اور چیز کی طرف نگاہ نہ رکھے اور اپنے رب کے سوا کسی اور کے ساتھ موافقت نہ کرے اور اپنے وقت کے سوا کسی اور کا ساتھ نہ دے۔

ابن عطاؒ (م، ۳۰۹ھ) فرماتے ہیں: حق تعالیٰ کا مطیع اور فرماں بردار رہنے کا نام تصوف ہے۔ ابو یعقوب نہرجوری (م، ۳۰۳ھ) کے استاد ابو یعقوب سوسی علیہ الرحمہ کا فرمانا ہے، صوفی وہ ہے جو کسی چیز کے چھن جانے سے بے قرار نہ ہو اور نہ کسی چیز کی تلاش میں اپنے آپ کو تھکا دے۔

ایک بار کسی نے جنید بغدادیؒ (م، ۲۹۸ھ) سے پوچھا، تصوف کیا ہے؟ فرمایا: باطن کا حق تعالیٰ کے ساتھ پیوست ہو جانا اور کیفیت صرف اس وقت حاصل ہوتی ہے جب نفس، روح کی قوت اور حق کے ساتھ قائم رہنے کی وجہ سے اسباب سے بے تعلق ہو چکا ہو۔

کسی نے شبلیؒ (م، ۳۳۴ھ) سے دریافت کیا: صوفیوں کو صوفی کیوں کہا گیا؟ فرمایا: اس لئے کہ انہوں نے موجودہ طریقوں کو اپنایا اور اپنا خلوص وصف ثابت کیا اگر وہ پہلے طریقوں کو مٹانے کی رسم ڈالتے تو صوفی کو رسم ڈالنے والا کہا جاتا، ان کو ان کے وصف کے ثابت کرنے والے ان رسموں سے اتارا ہے، شبلیؒ نے اس بات سے انکار کیا ہے متحقق صوفی کی کوئی رسم ہوتی ہے یا کوئی وصف ہو سکتا ہے۔

ابو یزید طیفورؒ (م، ۲۶۱ھ) فرماتے ہیں: صوفی خدا کی گود میں بچے کی طرح ہوتے ہیں۔ امام قشیریؒ نے بھی ایک عارف کے اوصاف میں کچھ فضائل پر بحث کی ہے۔ مثلاً اوصاف توبہ، مجاہدہ، خلوت وعزلت، تقویٰ، ورع، زہد، خوف، رجا، جوع، ترک شہوۃ، خشوع تواضع، مخالفۃ النفس، قناعت، توکل، شکر، یقین، صبر، مراقبہ، رضا، عبودیت، ارادت، استقامت، اخلاق، صدق، حیا، ذکر، فتوحات، فراست، جود وسخا، خلق، فقر، ادب، صحبت، توحید، محبت، شوق وغیرہ۔

حضرت داتا گنج بخش (م، ۴۷۹ھ) نے ''کشف المحجوب'' لکھی، اس میں انہوں نے صوفی، سالک اور تصوف کی تعلیم سے عمدہ بحث کی ہے، وہ کہتے ہیں؛ (طالب) وہ ہے جو مجاہدہ و دریافت کے ذریعے اس درجے (صوفی) کا متلاشی ہو اور اپنے تمام معاملات میں ان صوفیاء کے طرز عمل کو پیش نظر رکھے، اور تصوف وہ ہے جو مال منال مرتبہ اور اپنی دنیا کے تحفظ کے لیے اپنے آپ کو صوفیاء کی طرح بنائے رکھنے میں مصروف ہو۔'' کشف المحجوب میں بھی ایک سالک کے لئے وہی خوبیاں بیان کی ہیں، جو ہم ابو یزید طیفورؒ (م، ۲۶۱ھ) کے یہاں دیکھ آئے ہیں۔

جن لوگوں پر عقل کا غلبہ تھا، انہوں نے اطاعت کو کافی سمجھا اور جنت کو اپنا مقصد بنا لیا۔ لیکن جن لوگوں پر عشق کا غلبہ تھا

Marfat.com

انہوں نے اطاعت کے علاوہ اللہ کے ساتھ تعلق اور محبت کو ضروری سمجھا اور اللہ کے دیدار کو اپنی زندگی کا مقصد بنالیا۔روحانیت یا ''تصوف'' روح انسانی سے واصل ہونے کا جذبہ ہے۔تصوف اپنی انا کا کھوج لگانے کا علم ہے۔

تصوف من کی دنیا میں ڈوب کر سراغ زندگی پاجانے کا نام ہے۔علم روحانیت یہ حقیقت آشکار کرتا ہے کہ ازل میں روح اللہ کو دیکھ چکی ہے۔روحیں اللہ کی آواز سننے کے بعد '' قالو بلیٰ '' کہہ کر اس کی ربوبیت کا اقرار کرچکی ہیں۔صوفی کہتا ہے کہ اگر میری روح اللہ کو نہ جان سکتی تو اللہ مجھے اپنی ذات سے محبت کا حکم نہ دیتا۔صوفی پر اسرار ورموز کا انکشاف ہوتا ہے۔صوفی کے اوپر یہ واضح ہوجاتا ہے کہ روح ایک ایسی ہستی سے محبت کرنا چاہتی ہے جو اس کا خالق ہے اور وہ کائنات میں حسین ترین ہستی ہے۔صوفی کے یقین میں یہ بات راسخ ہوتی ہے کہ اللہ مجھ سے محبت کرتا ہے۔میری روح بھی اس سے محبت کرتی ہے۔روحانی بندہ اللہ کی تلاش میں، ارتکاز توجہ (CONCENTRATION) سے استغراق حاصل کرکے حقیقت الحقیقت سے واقف ہوجاتا ہے۔

دانشور پوچھتے ہیں کہ غیر صوفی کو وہ مشاہدات کیوں نہیں ہوتے جن کا صوفی اعلان کرتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان روح سے واصل نہیں ہونا چاہتا۔اور جب اپنی انا یعنی روح سے واقف نہیں ہونا چاہتا تو روح کی حقیقت اس کے لئے پردہ بن جاتی ہے۔

انسان مادی اور دنیاوی علوم کے لئے اپنی ساری توانائی اور مال و دولت خرچ کرتا ہے۔آدمی میٹرک پاس ہونے کے لئے 35600 گھنٹے اور کثیر سرمایہ خرچ کرتا ہے لیکن روح کا عرفان حاصل کرنے کے لئے دن، رات میں 20 منٹ بھی یکسو نہیں ہوتا۔اللہ کے پاس جانے کے خیال سے ہی دنیادار کے اوپر مردنی چھاجاتی ہے جبکہ اللہ کی ہر نعمت اسے اچھی لگتی ہے۔ہر فرد و بشر جانتا ہے کہ موت کا ایک وقت مقرر ہے۔عام لوگوں کے برعکس اللہ کے دیدار کے لئے صوفی اس وقت کا شوق سے انتظار کرتا ہے۔

باطنی مشاہدات

صوفی ریاضت ومجاہدہ کے بعد محبوب کا دیدار کرنا چاہتا ہے۔دھیان اور مراقبوں کے ذریعہ اس کے اندر یہ یقین راسخ ہوجاتا ہے کہ زندگی کا مقصد صرف اور صرف اللہ کا عرفان ہے۔

تصوف ایک ایسا علم ہے جو روح میں بالیدگی پیدا کرتا ہے اور مخلوق کو خالق کائنات سے قریب کرتا ہے۔روحانیت تصوف کے راستے کا مسافر باطنی کیفیات اور مشاہدات سے اللہ کو دیکھ لیتا ہے اور اسے اللہ سے ہمکلامی کا شرف نصیب ہوجاتا ہے۔اسلام میں شریعت اور طریقت کا تصور بھی یہی ہے کہ انسان عبادت میں جسمانی پاکیزگی اور اعمال کے ساتھ ذہنی تفکر کے ذریعے اپنی ذات سے واقفیت حاصل کرے تاکہ اس کے مشاہدے میں یہ بات آجائے کہ انسانی ذات (روح) دراصل انسان کے اندر ماورائی دنیاؤں میں داخل ہونے کا نام ہے، چونکہ روح اللہ کا ایک حصہ ہے۔یعنی کل کا جز ہے۔جب جز

Marfat.com

مشاہدہ ہوتا ہے تو (حقیقت مطلقہ) سامنے آجاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''پس جو شخص اپنے رب سے ملاقات کا آرزومند ہو، اسے لازم ہے کہ اعمال صالحہ کرے اور اپنے رب کی اطاعت وفرماں برداری میں کسی کو شریک نہ کرے''

محبت، توحید، تقویٰ اور عرفان تصوف کی بنیاد ہے۔ قرآن پاک کی تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ وحدہ لاشریک ہے اور اللہ اپنی مخلوق سے محبت کرتا ہے۔ قرآن پاک کا نزول اس وقت ہوا، جب دنیا شرک، کفر اور بت پرستی کے اندھیروں میں گم ہو چکی تھی۔ انسان خود پرستی، کبر ونخوت اور زر پرستی میں مبتلا ہو گیا تھا۔ فطری اقدار کے منافی خواہشات کو پورا کرنے کے لئے ۳۶۰ بتوں کو معبود بنالیا گیا تھا۔

اس پر آشوب۔۔۔ بے یقین۔۔۔ فاس سے بھرپور اور وسوسوں کے دور میں قرآن نے اعلان کیا: ''بس وہی ہر شے کا اول ہے۔ اور وہی ہر شے کا آخر ہے۔ اور وہی ہر شے کا ظاہر ہے اور وہی ہر شے کی کنہ کو جاننے والا ہے۔''

تصوف، تقویٰ پر عمل کرنے کی تاکید کرتا ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ یہ کتاب متقی لوگوں کے لئے ہدایت ہے۔

''بے شک اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو متقی ہیں اور محسن ہیں'' (سورۃ نحل آیت نمبر ۱۲۸)

تصوف، عشق ومحبت کا سمندر ہے اور محبت حصول مقصود کا ذریعہ ہے۔ مومن کو ایقان حاصل ہوتا ہے۔ یقین مشاہدہ سے مشروط ہے۔ یہ کتاب اس میں کوئی شک نہیں ہے اور یہ کتاب ہدایت دیتی ہے ان لوگوں کو جو متقی ہیں اور متقی وہ لوگ ہیں جو غیب پر یقین رکھتے ہیں اور صلوٰۃ قائم کرتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں ان کے یقین میں یہ بات ہوتی ہے کہ یہ سب اللہ کا دیا ہوا ہے۔ ''اور وہ لوگ جو ایمان لائے اس پر جو کچھ نازل ہوا تیری طرف اور اس پر جو کچھ نازل ہوا تجھ سے پہلے۔ اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں وہی لوگ ہیں ہدایت پر اپنے رب کی طرف سے اور وہی ہیں مراد کو پہنچنے والے''

روحانی تشریح

اس کتاب میں کسی قسم کا شک اور شبہ نہیں۔ اور یہ کتاب ہدایت دیتی ہے۔ متقی لوگوں کو۔ اور متقی لوگ وہ خواتین و حضرات ہیں جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں۔ ایمان، یقین سے مشروط ہے۔ یقین کا مطلب ہے کہ کسی چیز کو اس طرح دیکھ لیا جائے کہ اس میں ابہام باقی نہ رہے۔ اور قائم کرتے ہیں صلوٰۃ یعنی متقی لوگوں کا اللہ کے ساتھ رابطہ رہتا ہے۔ سیدنا حضور اکرم ﷺ کے ارشاد کے مطابق مومن دیکھتا ہے کہ وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے یا وہ دیکھتا ہے کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔ مومن یقینی طور پر اس بات کا ادراک رکھتا ہے کہ بندہ جو کچھ خرچ کرتا ہے، وہ اللہ کا دیا ہوا ہے۔ اللہ پیدا کرتا ہے تو وہ اس دنیا میں آتا ہے اللہ وسائل فراہم کرتا ہے تو وہ سائل استعمال کرتا ہے۔ مومن اپنی مرضی سے نہ جیتا ہے اور نہ اپنی مرضی سے مرتا ہے۔ مشاہدہ کرنے والے لوگ ہی اللہ سے والہانہ محبت کرتے ہیں۔

''اور جو لوگ مومن ہیں وہ سب سے زیادہ محبت اللہ ہی سے کرتے ہیں''

Marfat.com

"(اے رسول ﷺ) مسلمانوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تمہیں اپنے باپ دادا اور بیٹے اور بھائی اور بیویاں اور رشتے دار اور اموال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس کے نقصان سے تم بہت ڈرتے ہو اور وہ مکانات جن کو تم بہت عزیز رکھتے ہو۔ اگر ان میں سے کوئی چیز بھی تمہیں اللہ سے اور اسکے رسول ﷺ سے اور اسکی راہ میں جہاد سے زیادہ پیاری یا زیادہ محبوب ہے تو پھر انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ صادر ہو جائے اور یاد رکھو کہ اللہ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔"

صوفی قرب الٰہی کا شیدائی ہوتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی زیارت سے مشرف ہونے کے لئے بے قرار رہتا ہے۔ روحانی آدمی اللہ کی طرف راغب رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "اے رسول! سجدہ کرتے رہو اور قرب حق حاصل کرتے رہو"

علم شریعت

شریعت ہمیں بتاتی ہے کہ دنیا کی ہر تخلیق اللہ کے حکم سے وجود میں آئی ہے۔ اللہ قادرِ مطلق ہے اللہ جو چاہے جب چاہے جس طرح چاہے اس کے امر سے ہو جاتا ہے۔ شریعت پر عمل کرنے سے انسان کے شعور میں غیب کو سمجھنے کی صلاحیت بیدار ہوتی ہے۔ اس کے دماغ میں غیب بینی کے خلیے (Cells) چارج ہوتے ہیں۔ صاحب شریعت بندے میں اللہ کی نشانیوں پر تفکر کرنے اور تزکیۂ نفس کا رجحان بڑھ جاتا ہے۔ تصوف یا روحانی علوم سیکھنے کے بعد انسانی شعور غیب کی دنیا کو دیکھ لیتا ہے انسان کو ایمان یعنی یقین حاصل ہو جاتا ہے کہ دنیا کی ابتداء انتہاء اول و آخر، ظاہر و باطن سب اللہ کے احاطے میں ہے۔ شریعت پر کاربند بندہ نماز پڑھتا ہے اور صاحب شریعت صوفی نماز میں اللہ کا دیدار کرتا ہے۔

ایک آدمی بادشاہ کے احکامات پر اور اسکے بنائے ہوئے قوانین پر عمل کرتا ہے۔ دوسرا آدمی بھی اچھا شہری ہے قوانین کا احترام کرتا ہے لیکن اسے بادشاہ کی قربت بھی حاصل ہے۔ دونوں اچھے شہری ہیں لیکن جسے قربت حاصل ہے، اسکا درجہ بڑا ہے۔ صاحب شریعت بندہ اللہ کی بادشاہی میں اللہ کے فرمانبردار بندے کی طرح احکامات کی تعمیل کرتا ہے، برائیوں سے بچتا ہے غلطیوں اور کوتاہیوں کی معافی مانگتا ہے نیک عمل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہی سب کام صوفی بھی کرتا ہے لیکن وہ اللہ کے قرب کا متمنی ہوتا ہے۔ اللہ کو جانتا ہے۔ اللہ کو دیکھتا ہے ہر شے پر اللہ کے محیط ہونے کا مشاہدہ کرتا ہے اور اللہ رگِ جان سے زیادہ قریب ہے اس آیت کے مصداق خود کو اللہ سے قریب محسوس کرتا ہے۔

سورۂ بقرۃ کی آیت ۱ سے ۴ تک میں تقرب الی اللہ اور حق الیقین کا پورا نصاب بیان ہوا ہے، شریعت مطہرہ ہمیں رہنمائی عطا کرتی ہے کہ ایمان بالغیب (حق الیقین) حاصل کرنے کے لئے اس طرح عمل کیا جائے کہ ہم جو کچھ کرتے ہیں اس میں ہمارا ذہن کامل یکسوائی کے ساتھ اللہ سے وابستہ ہو جائے۔ علم شریعت اور علم حضور سیکھنے کے بعد انسان کے شعور میں غیب پر یقین کرنے اور غیب کی دنیا کے مکینوں کو دیکھنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔

نفس کا عرفان

تصوف کے علوم یا علم حضوری حاصل ہونے کے بعد انسان عالم دنیا سے نکل کر عالم ارواح میں عالم ملکوت و جبروت

Marfat.com

میں پہنچ جاتا ہے۔صدق دل، حلال کمانے والا بندہ اور سیرت طیبہ ﷺ پر عمل کرنے والا امتی اپنے نفس اور اپنی روح سے واقفیت حاصل کر لیتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے اخلاق حسنہ اور ارشادات پر دل و جاں سے عمل کر کے اللہ کو پہچان لیتا ہے۔''

پس اے رسول جب آپ فرائضِ منصبی سے فارغ ہوں تو عبادت میں محنت کریں اور اپنے رب کی طرف راغب رہیں''

(سورۃ الم نشرح، آیت 7,8)

''اور وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں بھی تم ہو'' (سورۃ الحدید آیت نمبر 4)

''بے شک اللہ ساتھ ہے ان لوگوں کے جو متقی ہیں اور محسن ہیں'' (سورۃ نحل آیت نمبر 128)

تزکیہ نفس

روحانیت یا تصوف کے دستور العمل ''تزکیۂ نفس'' کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اللہ ہی وہ ذات پاک ہے جس نے اُمیوں میں ایک عظیم المرتبت رسول مبعوث فرمایا جو انہیں اس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے، اور ان کے نفوس کا تزکیۂ کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے'' (سورۃ جمعہ آیت نمبر 2)

سورۂ مزمل کی ابتدائی آیات ''تزکیۂ نفس'' کے رہنما اُصول بتاتی ہیں جس سے واضح ہوتا ہے کہ صوفیاء رسول اللہ ﷺ کے ہر پسندیدہ عمل کی اطباع کرتے ہیں اور تمام غیر پسندیدہ اعمال سے اجتناب کرتے ہیں۔

اہل اللہ خواتین و حضرات نے تصوف یا روحانیت کے اصول انہی آیات کی روشنی میں مرتب کئے ہیں۔

''اے کپڑوں میں لپٹنے والے، رات کو کھڑے رہا کرو، مگر تھوڑی سی رات یعنی نصف رات یا نصف سے کسی قدر کم کر دو۔ یا نصف سے کچھ بڑھا دو۔ اور قرآن کو خوب صاف صاف پڑھو۔ ہم تم پر ایک بھاری کلام ڈالنے کو ہیں۔ بے شک رات کو اُٹھنے میں دل اور زبان کو خوب میل ہوتا ہے۔ اور بات خوب ٹھیک نکلتی ہے۔ بے شک تم کو دن میں بہت کام رہتا ہے اور اپنے رب کا نام یاد کرتے رہو۔ اور سب سے قطع تعلق کر کے اسی کی طرف متوجہ رہو۔ وہ مشرق و مغرب کا مالک ہے۔ اس کے سوا کوئی قابل عبادت نہیں۔ تو اپنے سارے کام اس ہی کے سپرد کر دو۔

اور یہ لوگ جو باتیں کہتے ہیں ان پر صبر کرو اور خوبصورتی کے ساتھ ان سے الگ ہو جاؤ۔ اور ان جھٹلانے والوں نازونعمت میں رہنے والوں کو چھوڑ دو۔ اور ان لوگوں کو تھوڑے دنوں کی اور مہلت دے دو۔ (سورۃ مزمل آیت 1 تا 11)

تصوف میں جتنے اعمال و اشغال، سالک کو تلقین کئے جاتے ہیں وہ سب اللہ اور اسکے رسول اللہ ﷺ کے احکامات کے مطابق ہوتے ہیں۔

اعمال واشغال

۱۔ ذکر اذکار حمد و تسبیح کرنا۔

۲۔ CONCENTRATION، تلاش، جدوجہد، تفکر

۳۔ صلوٰۃ میں اللہ سے تعلق قائم کرنا۔

۴۔ اللہ سے قریب ہونے کے لئے روزے رکھنا۔

Marfat.com

۵۔ تزکیۂ نفس کے بعد تقویٰ اختیار کرنا۔ ۶۔ مسلمان ہونے کے بعد۔ غیب کی دنیا کا مشاہدہ کرنا۔

۷۔ ہر طرف سے ذہن ہٹا کر یکسوائی کے ساتھ اپنے اندر کا کھوج لگانا یعنی مراقبہ کرنا۔

۸۔ غصہ پر کنٹرول حاصل کر کے اپنے اندر عفو و درگزر کی صفات پیدا کرنا۔

۹۔ اللہ تعالیٰ بغیر غرض کے اپنی مخلوق کی خدمت کرتے ہیں، صوفی بھی اس صفت کے حصول کیلئے خالصتاً اللہ کی مخلوق کی خدمت کرتا ہے۔ ۱۰۔ صوفی سمٰوات پر بروج کی زینت کو آنکھوں سے دیکھ لیتا ہے۔

۱۱۔ صوفی کے اندر خوف اور غم نہیں ہوتا۔ جو اللہ کے دوستوں کی پہچان ہے۔

۱۲۔ صوفی نفس کی ظلمت کو دور کر کے اپنے رب کو پہچانتا ہے۔

۱۳۔ صوفی آسمانوں، زمین اور تسخیر کائنات کے فارمولوں سے واقف ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے اس ناسوتی دنیا میں ہی جنت دکھا دیتے ہیں اور دوزخ کے عذاب سے وہ خود کو بچانے کی ہر لمحہ کوشش کرتا ہے۔

۱۴۔ صوفی اللہ کی ہر نعمت پر شکر ادا کرتا ہے اور جو حاصل نہیں اس کا شکوہ نہیں کرتا۔

۱۵۔ صوفی معاملہ فہم ہوتا ہے، وہ کسی کی حق تلفی نہیں کرتا۔

۱۶۔ صوفی بلا خوف مذہب و ملت، ہر شخص کا احترام کرتا ہے، اور ان کے کام آنا اپنا فرض سمجھتا ہے۔

۱۷۔ صوفی جھوٹ کو پسند نہیں کرتا اور خود جھوٹ نہیں بولتا۔

۱۸۔ صوفی سلام میں پہل کرتا ہے۔ ۱۹۔ صوفی سخی ہوتا ہے۔ مہمان نوازی صوفیاء کی روایت ہے۔

۲۰۔ صوفی کو علم الیقین، عین الیقین، اور حق الیقین حاصل ہوتا ہے۔

۲۱۔ مرشد کے فیض، رسول اللہ ﷺ کی نسبت اور اللہ کے فضل و کرم سے صوفی رَاسِخُوْنَ فِی الْعِلْم کے گروہ میں شامل ہو جاتا ہے۔

دو سو سلاسل

دنیا میں تقریباً دو سو سلاسل ہیں، جو شریعت و طریقت کے دائرہ کار میں رہتے ہوئے عرفان ذات، تسخیر کائنات کے فارمولوں اور پیغمبرانہ طرز فکر کی تعلیم دیتے ہیں۔ ان سلسلوں کی قائم کردہ روحانی درسگاہوں میں سالک کی تربیت اس طرح کی جاتی ہے کہ وہ اپنے اوپر اللہ کو محیط دیکھ لے سالک اللہ سے محبت کرتا ہے، اللہ کے پسندیدہ کام ڈر کر اور خوفزدہ ہو کر نہیں کرتا بلکہ اللہ کی محبت میں اس لئے کرتا ہے کہ اللہ مجھ سے خوش ہو جائے۔ اللہ کے ناپسندیدہ اعمال سے اس لئے اجتناب کرتا ہے کہ اللہ میرا کفیل ہے، میرا محافظ ہے اور میرا خالق ہے۔

قیام صلوٰۃ، عبادات اور مراقبوں کے ذریعہ اللہ کو اپنے اندر ڈھونڈتا ہے۔ سالک کی زندگی کا مقصد اللہ کا دیدار اور اللہ سے ہمکلامی ہے۔ سلسلہ کے اسباق پر مداومت کر کے اور مرشد کریم کی نسبت و محبت سے یہ عمل اس کا یقین بن جاتا ہے کہ

Marfat.com

اللہ کے پاس آیا ہوں، اور مجھے اللہ کے پاس جانا ہے۔ خدمت خلق اور عفوو درگزر اس کی زندگی کا نصب العین بن جاتے ہیں۔
راہ تصوف کے چار سلسلے معروف ہیں، سلسلہ نقشبندیہ، سلسلہ قادریہ، سلسلہ چشتیہ اور سلسلہ سہروردیہ، یہ چاروں سلسلے حضور اکرم ﷺ سے جا کر ملتے ہیں۔

☆ سلسلہ قادریہ ☆ سلسلہ چشتیہ ☆ سلسلہ سہروردیہ ☆ سلسلہ نقشبندیہ

سلسلہ قادریہ

امام سلسلہ قادریہ پیران پیر سید عبدالقادر جیلانی کو حضرت علی مرتضی اور سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے براہ راست فیض ملا۔ ۴۷۰ ہجری کو قصبہ گیلان میں پیدا ہوئے۔ اسم گرامی عبدالقادر اور محی الدین لقب ہے۔ سلسلہ قادریہ آپ کے نام عبدالقادر سے منسوب ہے۔ آپکا شجرہ نسب سیدنا امام حسینؓ بن امیر المومنین علی ابن ابی طالبؓ سے ملتا ہے۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا روحانی شجرہ شیخ حماد الیاسؒ اور ابو سعید المبارکؒ سے حضرت حسن بصریؒ، حضرت علیؓ اور رحمت اللعالمین سیدنا حضور ﷺ تک پہنچتا ہے۔

ریاضت و عبادت اور مشکل و کٹھن مراحل سے گزرنے کے ساتھ یہ بھی ہوا کہ شیخ ابو سعید مبارک صبح کے وقت ایک کوٹھے میں بند کر دیتے تھے اور اگلے روز عصر کے وقت کمرہ سے باہر نکالتے تھے کچھ عرصہ تک حضرت عبدالقادری جیلانیؒ کمرہ سے آنے کے بعد احتجاج کرتے غصہ کرتے اور کہتے مجھے کیوں قید کیا ہوا ہے، لیکن جب مرشد فرماتے عبدالقادر کمرہ مین چلو باہر رہنے کا وقت پورا ہو گیا ہے تو، خاموشی کے ساتھ کوٹھے میں چلے جاتے تھے۔ مزاحمت نہیں کرتے تھے۔ یہ ریاضت مسلسل تین سال تک جاری رہی۔ (کتاب احسان و تصوف)

سلسلہ چشتیہ

سلسلہ چشتیہ میں کلمہ شہادت پڑھتے وقت ''الا اللہ'' پر زور دیا جاتا ہے بلکہ سلسلہ کے اراکین الا اللہ کے الفاظ کے ادا کرتے وقت سر اور جسم کے بالائی حصے کو ہلاتے ہیں ان حضرات پر سماع کے وقت ایک وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی ہے سلسلہ چشتیہ کے امام حضرت ممشاد دینوریؒ ہیں۔ اور ہندوستان میں یہ سلسلہ حضرت معین الدین چشتی اجمیریؒ خواجہ غریب نواز کے ذریعے خوب پھیلا اور مقبول ہوا۔

حضرت معین الدین چشتی اجمیریؒ

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خانؒ سلطان الہند خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ قدس سرہ کے لیے تحریر فرماتے ہیں۔

خواجہ غریب نواز کے والد بزرگوار کا اسم گرامی سید غیاث الدین اور والدہ کا نام ماہ نور تھا۔ حضرت معین الدین چشتی اجمیری، غریب نواز کی ولادت سجزی صوبہ سیستان ایران میں ہوئی تاریخ ولادت ۱۱۴۱ء ہے۔ حضرت خواجہ غریب نواز کی عمر تیرہ برس کی تھی تو حسن بن صباح کے فدائیوں نے سنجر پر حملہ کر کے، اسے تاراج کر دیا۔ نامور علماء اور مشائخ کو چن چن کر قتل کر دیا گیا

Marfat.com

خواجہ غریب نواز کے والد خاندان کے افراد کے ساتھ خراسان میں نیشا پور منتقل ہو گئے سفر کی سختی اور مصائب و آلام نے سید غیاث الدین کی صحت پر برا اثر ڈالا۔ حالات اور صحت کی خرابی کی وجہ سے دو سال میں ان کا انتقال ہو گیا اور ایک سال کے بعد والدہ ماجدہ ماہ نور بھی اللہ کو پیاری ہو گئیں۔ خواجہ غریب نوازؒ ان کا لگا تار حوادث اور صدموں کی وجہ سے زیادہ وقت خاموش رہنے لگے۔

بزرگوں نے لکھا ہے کہ اس ملک کے مسلمانوں پر جتنا احسان انکا سلطان الہند خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ قدس سرہ ہے شاید کسی اور بزرگ کا نہیں کیونکہ انہوں نے یہاں اسلام کی بنیاد ڈالی۔ گوشے گوشے میں برصغیر کے شاید ہی کوئی ایسا خطہ ہوگا جہاں حضرت خواجہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا بالواسطہ یا بلاواسطہ کوئی فیض نہ پہنچا ہو کتنی عظیم الشان ہستی ہے۔ آج سے گویا ساڑھے سات سو سال پہلے آپ کی تشریف آوری ہوئی۔ پانچ سو اٹھاسی ہجری (۵۸۸ء) میں آپ یہاں تشریف لائے۔

ان کے مختصر حالات جو تحقیق کے ساتھ ملتے ہیں وہ یہ ہیں کہ آپ کا تعلق سیستان سے ہے۔ عربی میں سیستان کو سجستان کہتے ہیں۔ اسی لئے آپ کو سجزی کہتے ہیں۔ سجزی یعنی سیستان کے رہنے والے۔ اور آپ کا تعلق چونکہ چشت (نیشا پور کے قریب) کے بزرگوں سے ہے۔ اسی لئے آپ کو چشتی کہتے ہیں۔ حضرت مودود چشتی رحمتہ اللہ علیہ خصوصیت سے بہت مشہور تھے۔

آپ قریب پندرہ سال کے تھے جب آپ کے والد حضرت سید غیاث الدین رحمتہ اللہ علیہ کا وصال ہو گیا۔ پندرہ سال کی عمر میں آپ تن تنہا رہ گئے۔ والد صاحب نے وراثت میں ایک باغ اور ایک پن چکی چھوڑی تھی۔ اسی سے آپ گزارا کرتے تھے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ ایک مجذوب حضرت ابراہیم قندوزیؒ تشریف لے آئے۔ آپ نے جو دیکھا کہ یہ کوئی بوڑھے شخص ہیں فوراً ان کی خدمت میں پہنچے اور اپنے باغ سے خوشہ انگور لا کر انہیں پیش کیا۔ انہوں نے اسے قبول کیا اور اپنے تھیلے میں سے کھلی کا ایک ٹکڑا (یہ بزرگوں کی غذا ہے) نکال کر اپنے منہ سے چکھ کر ان کے منہ میں ڈال دیا۔ بس اسی وقت سے ان کی کیفیت بالکل بدل گئی۔ ان کا مزاج دنیا سے بالکل بے نیاز ہو گیا۔ بزرگوں کی ایسی غذائیں ہوتی ہیں۔ ایسے انوار ہوتے ہیں۔

پہلے کے بزرگ سب سے پہلے دین کی طرف آتے تھے میں نے یہ تاریخ دیکھی ہے۔ بہرام شاہ غزنوی، انگریزی میں لکھتے ہیں کہ اس زمانے میں ساٹھ (۶۰) سال سے پہلے کوئی شادی نہیں کرتا تھا۔ کم سے کم ساٹھ سال عمر۔ خود ہمارے خواجہ صاحب نے قریب ستر سال کی عمر میں شادی کی۔ بہرام شاہ غزونی کی جب میں تاریخ لکھنے لگا اور اس زمانے کی مختلف قدیم سے قدیم تاریخیں پھر معاصرین اور شاعروں کے کلام کی اور اس کے Internal Evidence (داخلی شہادت) سے جب مواد (Material) جمع کیا تو معلوم ہوا کہ شادی کی عمر ساٹھ سال عام بات تھی۔ کم از کم ساٹھ سال میں شادی ہوتی تھی اور یہ ساٹھ سال جو تھے وہ صرف دین اور دین میں اخلاص یعنی تزکیہ کے لئے صرف کئے جاتے تھے۔ تزکیہ کے معنی: لقد من اللہ علی المومنین اذبعث فیھم رسولا من انفسھم یتلو علیھم ایتہ ویزکیھم یعلمھم الکتاب والحکمتہ وان کانو من قبل لفی ضلل مبین (سورہ آل عمران آیت ۱۶۴)

اللہ پاک فرماتے ہیں کہ بہت بڑا احسان کیا اللہ نے تم پر کہ تم میں سے ایک ایسے نبی کو مبعوث کیا ہے جس کی چار خصوصیات ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ قرآن پاک کی آیات آپ تک پہنچاتے ہیں۔ یتلوا علیھم ایتہ ویزکیھم یعنی علم سے کر

Marfat.com

اس میں اخلاص بھی پیدا کرتے ہیں۔تزکیہ کے کیا معنی۔آپ کے قلب کو آپ کے جذبات کو بالکل مزکی ومطہر کر دینا اور آپ کی تمام جو باطنی بیماریاں دور کر دینا۔ان سب کو دور کر دینے کا نام تصوف ہے۔تزکیہ اور کوئی چیز نہیں ۔ یہ ہے تصوف اور یہی ہے تزکیہ،ڈھول ڈھپاڑے نہیں۔

جب وہ مجذوب خواجہ صاحب کو کھلی کا ٹکڑا کھلا چکے تو آپ کی کیفیت ہی بدل گئی۔اس وقت آپ کی عمر قریب پندہ سال کی تھی۔آپ کے پاس جو باغ تھا اور جو پن چکی تھی وہ آپ نے بیچ کر اللہ واسطے سب تقسیم کر دی۔وہاں تو ہر چیز اللہ کے لئے تھی یعنی ہم بھی اللہ کے لئے ہماری ہر چیز بھی اللہ کے لئے۔

پندہ سال کی عمر میں یہ جذبہ پیدا ہوا کہ سب کچھ اللہ کی راہ میں دے دیا جائے ہر چیز اسکے حوالے ہم خود اسکے حوالے۔ اس جذبے کے ساتھ آپ روانہ ہو گئے اور نیشاپور، مرو، سمرقند(جو اس زمانے میں علمی مرکز تھے) وہاں تشریف لے گئے آپ نے ،قرآن پاک حفظ کیا،اور پندرہ سال کی عمر سے چونتیس سال کی عمر تک آپ نے گویا دینی علوم سیکھے۔لیکن انہوں نے قریب انیس بیس سال تک دینی علوم سیکھے۔پھر آپ ہرون تشریف لے گئے۔ہرون میں حضرت عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ تھے۔ہرون ایک جگہ ہے مرو کے قریب۔وہاں آپ تشریف لے گئے اور حضرت عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پھر کتنے سال رہے؟ وہاں بھی بیس سال تک رہے۔چون (۵۴) سال کی عمر تک آپ حضرت عثمان ہرونی رحمہ اللہ علیہ کی خدمت میں رہے۔قریب قریب بیس سال آپ کی خدمت میں رہے۔پھر حضرت صاحب نے فرمایا کہ اچھا یہاں آؤ سورہ بقرہ پڑھو، قریب ڈھائی پارے حافظ تو تھے ہی تیسرا کلمہ بیس مرتبہ پڑھو۔ایک ہزار مرتبہ قل ھو اللہ شریف پڑھو۔پھر فرمایا اچھا اب اوپر آنکھ اٹھا کر دیکھو آنکھ اٹھا کر دیکھا تو کہنے لگے مجھے تو عرش عظیم نظر آتا ہے۔پھر فرمایا کہ اچھا نیچے دیکھو تو کہنے لگے کہ تحت الثریٰ تک مجھے ہر چیز نظر آرہی ہے۔فرمایا کہ بس اب تمہارا کام مکمل ہو گیا۔یہ ہے حضرت عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ کا فیض۔فرمایا کہ یہ ہمارے سلسلے کی خصوصیت ہے اور یہ ہمارے اذکار ہیں۔پھر حضرت صاحب نے فارغ کر دیا۔۶۱۶ ہجری میں حضرت عثمان ہرونی رحمتہ اللہ علیہ کا وصال ہوا۔خواجہ صاحب کی چون سال کی عمر ہو چکی تھی پھر آپ تشریف لے گئے بغداد شریف حضرت شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں۔اس وقت کوہ جودی میں حضرت عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تشریف فرماتھے پھر وہاں سے آپ دیگر اسلامی ممالک تشریف لے گئے۔پھر حج کے لئے تشریف لے گئے۔حج کے بعد جب آپ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم ہندوستان چلے جاؤ۔تو حضور ﷺ کے حکم پر وہاں سے روانہ ہوئے اور آپ تشریف لائے لاہور۔

ایک تاریخ ہے جس کا نام ہفت اقلیم ہے اس کے مصنف ہیں امین احمد رازی ۱۰۰۲ ہجری میں یہ تاریخ انہوں نے لکھی تھی۔اس میں وہ لکھتے ہیں کہ میں نے خود اپنی آنکھوں سے حضرت خواجہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے دست مبارک کا لکھا ہوا ایک کاغذ دیکھا ہے۔جس میں انہوں نے لکھا تھا کہ میں جب اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے اسی طرح سے تلقین کی تھی کہ سورہ بقرہ پڑھو۔تیسرا کلمہ بیس مرتبہ پڑھو۔قل ھو اللہ شریف ایک ہزار مرتبہ پڑھو۔

Marfat.com

پھر جب حضور ﷺ کے ارشاد پر آپ ہندوستان تشریف لائے۔ لاہور اور دہلی ہوتے ہوئے آگے بڑھے اور آپ نے ایسی جگہ تلاش کی جہاں کوئی مسلمان ہی نہ ہو۔ یعنی سیدھے اجمیر شریف تشریف لے گئے جہاں مسلمانوں کا مطلق نام ونشان نہیں تھا۔ دہلی اور لاہور میں تو کچھ تھوڑا تھوڑا اسلام کا چرچا تھا لیکن اجمیر ایسی جگہ تھی جہاں اسلام کا نام ونشان تک نہیں تھا۔ وہاں آپ تشریف لے گئے۔ پرتھوی راج کا زمانہ تھا۔ پرتھوی راج بڑا متعصب تھا اور آپ کے حالات سن کر آپ سے نفرت کرنے لگا تھا۔ کسی شخص کو کوئی نقصان پہنچا تھا تو حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو کہلا بھیجا کہ اسکا نقصان مت کرو تو اس نے جواب میں کہا کہ یہ ایسے لوگ معلوم نہیں کہاں سے آجاتے ہیں۔ اور خواہ مخواہ ہمارے معاملات میں دخل دیتے ہیں یعنی درشتی کے ساتھ اس نے آپ کو یہ کہلایا۔ تو آپ نے فرمایا کہ انشاء اللہ یہ اب رہے گا نہیں بس زبان مبارک سے نکل گیا۔ چنانچہ پھر شہاب الدین غوری رحمتہ اللہ علیہ تشریف لائے۔ قریب دو سو راجہ تھے اس زمانے میں چھوٹی چھوٹی جگہوں پر۔ شہاب الدین غوری رحمتہ اللہ علیہ نے ان سب کو شکست دی۔ یہ سب کے سب پھر متحد ہو کر اس کے ساتھ جنگ کے لئے آمادہ ہوئے تو حضرت صاحب کی ایسی دعا ہوئی کہ سب کے سب ذلیل ہو کر مارے گئے اور مارا گیا پرتھوی راج بھی۔ یہ سب سے زیادہ مشہور اور قوی ہیکل راجہ کہلاتا تھا۔ بہرحال حضرت خواجہ صاحب رحمہ اللہ علیہ جب تشریف لے آئے اجمیر شریف اور پھر دہلی جانا ہوا تو اس موقع پر آپ کی شادی ہوئی یعنی چون سال کی عمر میں تو فارغ ہوئے تھے۔ اپنے شیخ سے پھر برسوں آپ نے سیر کی پیدل گئے۔ اس زمانے میں پیدل چلنے کا راستہ تھا کوئی ہوائی جہاز اور موٹریں تو تھیں نہیں یا ریل تو تھی نہیں۔ ایک بات اور کہتا چلوں کہ حضرت صاحب کے شیخ یعنی حضرت عثمان ہرونیؒ کے ملفوظات جن کا نام انیس الارواح ہے۔ ملفوظات یعنی جو لفظ آپ کی زبان مبارک سے نکلا اس کو کسی نے بھی لکھ لیا، نوٹ کر لیا اس کے مجموعے کو ملفوظات کہتے ہیں۔ اس میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضرت صاحب یعنی حضرت عثمان ہرونی رحمہ اللہ علیہ کے ساتھ جا رہا تھا تو ایک گاؤں سے گزر ہوا وہاں اللہ کا ذکر ہو رہا تھا مزامیر کے ساتھ یعنی باجوں کے ساتھ (یعنی ڈھول ڈھپاڑوں کے ساتھ) تو آپ (خواجہ عثمان ہرونی) نے فرمایا۔ یہاں سے جلد نکل چلو کہیں اللہ کا قہر نہ نازل ہو جائے۔ حضرت خواجہ صاحب رحمہ اللہ علیہ کے پیر کہتے ہیں کہ اس گاؤں سے جلد نکل چلو کہیں اللہ کا قہر نازل نہ ہو جائے کیونکہ یہ اللہ کے ذکر کے ساتھ مزامیر باجے استعمال کر رہے ہیں۔

ایک کتاب ہے مرآت احمدی، (اس میں) گجرات کے چشتیہ بزرگوں کا ذکر ہے۔ میرے پاس ہے۔ اس کتاب میں لکھا ہے کہ وہاں کے چشتیہ بزرگوں کے متعلق سنا کہ وہاں تو باجے بجائے جا رہے ہیں۔ تو ایک بزرگ نے فرمایا کہ یہ ہمارا طریقہ نہیں ہے۔ حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کے بہت پیارے مرید اور خلیفہ حضرت امیر خسرو رحمہ اللہ علیہ تھے، انہوں نے حضرت صاحب (حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ) کے حالات میں ایک ڈائری لکھی ہے یعنی روز بروز کے حالات لکھے ہیں۔ وہ حضرت امیر خسرو رحمہ اللہ علیہ کے آخری زمانہ کی کتاب ہے۔ جبکہ وہ ساز اور سارنگی اور ستار سب سے بے تعلق ہو گئے تھے۔ لوگ خواہ مخواہ حضرت امیر خسرو رحمتہ اللہ علیہ پر الزام لگاتے ہیں کہ صاحب وہ تو گانا گاتے تھے بجاتے تھے۔ وہ سب پہلے کی چیزیں تھی اور حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ہر چیز سے تائب ہوئے اور ہر روز کے حالات یعنی جتنے دن وہ

Marfat.com

حاضر ہوتے تھے ان حالات کو وہ لکھتے جاتے تھے تو دو جگہ (یا تین جگہ) دو جگہ کا تو مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ، امیر خسرو رحمہ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ کچھ لوگ حضرت کی خدمت میں آئے اور انہوں نے نعت پڑھی اور اسکے ساتھ بانسریاں بجانے لگے تو حضرت صاحب کو بہت غصہ آیا۔ فرمایا کہ ہمارے یہاں سے چلے جاؤ یہ باجے وغیرہ ہمارے یہاں نہیں ہوتے یعنی بنیادی طور پر جو سب سے بڑے بزرگ ہیں چشتیہ سلسلہ کے وہ صاف صاف اس سے انکار کر رہے ہیں۔

دراصل محمد شاہ رنگیلے کے زمانے سے یہ ڈھول باجے سارنگی اور طبلہ وغیرہ شروع ہوئے ورنہ ہمارے بزرگوں نے ان کی نفی کی ہے۔ مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ علیہ وہ بھی چشتیہ سلسلہ میں تھے ان کے یہاں ڈھول باجے نہیں تھے۔ (مولانا احمد رضا خان رحمہ اللہ علیہ نے بھی مزامیر سے منع فرمایا ہے) میرے والد میری والدہ میرے بڑے بھائی صاحب سب چشتیہ سلسلہ میں تھے ان کے یہاں تو کوئی ڈھول باجے نہیں تھے اسکے متعلق جانتے ہی نہیں تھے یہ کیا بلا ہے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ صحیح سلسلہ وہ ہے جو حضور ﷺ کی غلامی سکھاتا ہے۔ اس غلامی سے جو ہٹا وہ بالکل غلط ہے۔

خلاف پیمبر کسے رہ گزید   کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

حضور ﷺ کے طریقہ کے خلاف جو شخص چلے گا وہ کبھی بھی منزل مقصود پر قائم نہیں رہ سکتا۔ تو کہنے کا مقصد میرا صرف یہ ہے کہ ہمارے جتنے بزرگ ہیں چاہے وہ ہمارے خاص نقشبندی سلسلہ کے ہوں یا قادری سلسلے کے یا سہروردی سلسلے یا چشتیہ سلسلے کے ہوں سب ہمارے سرتاج ہیں اسلئے سرتاج ہیں کہ انہوں نے حضور ﷺ کے طریقوں کو اختیار کیا ہے۔ اسلئے وہ ہمارے سرتاج ہیں۔ ورنہ ہرگز ہرگز کسی سلسلہ کی ضرورت ہی نہیں۔ ڈھول باجے ہی صحیح ہیں تو پھر کیا صحیح اور کیا غلط۔

ہمارے جتنے اکابر ہیں انہوں نے صرف شریعت سکھائی ہمارے حضرت مجدد (حضرت مجدد الف ثانی) رحمہ اللہ علیہ بار بار فرماتے تھے کہ شریعت مخدوم ہے طریقت خادم۔ یہ جو آپ کو طریقہ ذکر کا سکھایا جاتا ہے یہ اگر آپ کو شریعت کی غلامی میں پختہ کرے تو سمجھئے کہ سلسلہ صحیح ہے اگر وہاں سے (شریعت) ہٹا دے تو سمجھے شیطانی کام ہے۔ تو حضرت خواجہ غریب نواز رحمہ اللہ علیہ کی تشریف آوری سے بکثرت فوائد ہم کو حاصل ہیں۔

آپ کے چند اقوال میں عرض کرتا ہوں:

۱۔ فرماتے ہیں کہ محبت میں صادق وہ ہے کہ جب دوست کی بھیجی ہوئی بلا اس پر نازل ہو تو وہ خوشی سے قبول کرے۔ محبت کے معنی یہ ہیں اللہ سے آپ کو محبت ہے اگر انہوں نے کوئی چیز جس سے آپ سمجھ رہے ہیں کہ وہ آپ کے تکلیف دہ ہے تو تکلیف دہ نہیں ہے اسی میں آپ کی بھلائی ہے کہ **"عسی ان تکرھوا شیئا وھو اخیر لکم وعسی ان تحبو شیا وھو شر لکم"** (سورہ بقرہ آیت نمبر ۲۱۶)۔

ایسا بھی ہوتا ہے کہ جس چیز کو ناپسند کرتے ہیں وہ حقیقت میں آپ کے لئے خیر ہے اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ جس چیز کو آپ پسند کرتے ہیں حقیقت میں وہ آپ کے لئے شر ہو۔   "ہر چہ از دوست می رسد نیکو ست"

۲۔ جو کچھ دوست کے پاس سے آئے وہ سب کا سب اچھا ہے آپ کے اللہ سے بڑھ کر کوئی دوست نہیں ہو سکتا تو جب اس کی

Marfat.com

طرف سے کوئی چیز آ رہی ہے تو آپ کو تو خوش ہو کر اس کو قبول کرنا چاہیئے یہ ہے محبت کا تقاضا۔

۳۔ محبت کی علامت یہ ہے کہ تم مطیع رہو اور ڈرو کہیں تمہارا دوست تم کو دور نہ کر دے۔ تو عرض ہے کہ حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ نے پوری زندگی اللہ کی رضا اور حضور اکرم ﷺ کی غلامی میں صرف کی۔ یہ ہے اصل تصوف، دین بھی یہی ہے اس کے علاوہ دین کچھ نہیں صرف یہ ہے۔

۴۔ اہل معرفت (عارف) کی عبادت پاس انفاس ہے۔ پاس انفاس کسے کہتے ہیں، اہل معرفت کی عبادت کیا ہے؟ پاس انفاس یعنی آپ ہی اپنے ایک ایک سانس کا خیال رکھیں۔ کہ یہ سانس اس کی رضا میں صرف ہوئی ہے کہ نہیں۔ میں نے یہ آیت کریمہ پہلے پڑھی ہے۔

انک لعلی خلق عظیم حضور ﷺ کی شان اللہ پاک نے فرمائی ہے کہ آپ تو بہت ہی عظیم اخلاق پر فائز ہیں تو اخلاق کے کیا معنی ہیں؟ اخلاق یعنی کسی کے ساتھ ایسا برتاؤ آپ کریں جو اللہ کی رضا کے لئے ہو، چاہے آپ گفتگو کریں اس سے چاہے آپ اس کی کوئی خدمت کریں، چاہے کوئی اشارہ بھی کریں، لیکن اللہ کی رضا کے لئے ہو۔ اس کی خوشنودی کے لئے ہو وہ سب اخلاق کے ذیل میں آ جاتا ہے تو ایک ایک نفس، ایک ایک نفس آپ کی اللہ کی رضا کے لئے صرف ہو۔ تو سمجھئے کہ آپ نے اللہ کو پہچانا ہے ورنہ نہیں پہچانا۔

۵۔ کم بختی یہ ہے کہ گناہ کرے اور امید رکھے کہ مقبول ہو جاؤں گا۔

۶۔ متوکل وہ ہے کہ جو خلق سے رنج اور تکلیف اٹھائے مگر کسی سے شکایت نہ کرے۔

۷۔ اگر آپ کو دنیا والوں سے تکلیف پہنچی ہے تو تکلیف تو اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے آتی ہے۔ وہی دور فرمائیں گے۔

۸۔ ہمارے دادا پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ دیکھو جب تم کچھ اللہ اللہ کرو گے تب ضرور وسوسے آئیں گے، کیونکہ ڈاکا تو وہیں پڑتا ہے جہاں مال ہو، جہاں مال نہیں وہاں کیا ڈاکا پڑے گا۔ ہم دن بھر گناہ ہی گناہ کریں گے تو وسوسے کا سوال ہی نہیں۔ وسوسے تو صرف اس کو آتے ہیں، جو کچھ کمائی کرنے لگتا ہے۔ جو تھوڑا تھوڑا اللہ اللہ کرنے لگتا ہے اور دین سے رشتہ رکھتا ہے تو پھر وسوسے آتے ہیں۔ (وسوسے) آئیں تو آئیں، شیطان اپنا کام کرے آپ اپنا کریں۔

۹۔ حق تعالیٰ اسے دوست رکھتا ہے جس میں سمندر کی طرح سخاوت ہو۔ اچھا آدمی ہو یا برا آدمی ہو سب کے لئے سمندر کا پانی حاصل ہو سکتا ہے پھر اس کے موتی اور جواہرات جو چاہے چن کے لے آئے۔

۱۰۔ اور سورج کی طرح شفقت ہو۔ سورج کی روشنی ہر شخص پر پڑتی ہے۔ چاہے وہ شرابی ہو، چاہے کبابی ہو، چاہے نمازی ہو، چاہے حاجی ہو، چاہے اچھا ہو، چاہے برا ہو، سب پر اسکی شفقت ہے۔

۱۱۔ اور زمین کی طرح تواضع ہو۔ اس میں انکساری ایسی ہو جیسے زمین پر آپ پیشاب بھی کریں، تھوک بھی دیں، ناپاکی اور غلاظت بھی ڈال دیں لیکن وہ برداشت کرتی ہے۔

۱۲۔ پھر خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ جب تمہیں اللہ کی بارگاہ میں حضوری نصیب ہو جائے۔ تو پھر فریاد اور گفتگو کا موقع نہیں ر

Marfat.com

جاتا۔ جب اللہ تعالیٰ سے تمہارا رشتہ بالکل قریب ہوجائے۔ تو پھر تم کبھی اپنی تکلیف کا اظہار بھی نہیں کروگے۔ یہ عین محبت کی آخری منزل ہے کیسی ہی تکلیف ہو آپ کا جب اللہ تعالیٰ سے پکا رشتہ ہو جائے گا تو آپ کی زبان سے بھی اسکا اظہار نہیں ہوگا اور آپ کے چہرہ سے بھی اس کا اظہار نہیں ہوگا۔ کہ مجھ پہ کوئی مصیبت آئی ہے۔ گویا یہ کمال محبت ہے اللہ تعالیٰ سے بہرحال حضرت خواجہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا بہت بڑا احسان ہے۔

حضرت خواجہ ممشاد دینوریؒ

حضرت خواجہ ممشاد دینوریؒ نے اپنے شاگرد حضرت ابو اسحاق کو وسط ایشیائی ریاستوں میں تبلیغ کے لئے بھیجا۔ ان ریاستوں میں آتش پرست بہت بڑی تعداد میں رہتے تھے۔

امام سلسلہ حضرت ممشاد دینوریؒ نے رخصت کے وقت سلسلہ کی اجازت وخلافت عطا کی اور اس نئے سلسلے کا نام چشتیہ رکھا لفظ چشتی نے آتش پرستوں کی توجہ کو اپنی طرف مبذول کر لیا اور تبلیغ اسلام کیلئے حضرت ممشاد دینوریؒ کی حکمت سے بہت فائدہ ہوا چشتیہ بزرگوں کی جدوجہد سے بے شمار آتش پرست مسلمان ہو گئے چونکہ چشتی کے لفظ سے آتش پرست بخوبی واقف تھے اس لئے انہوں نے ان بزرگوں کو اپنے لئے اجنبی محسوس نہیں کیا۔ چشتیہ سلسلہ کے بزرگوں نے خدمت، اخلاق اور سخاوت کے ذریعہ لوگوں کو اپنے قریب کر لیا اور ان تک اسلام کی روشنی پھیلائی۔

سلسلہ چشتیہ کی خدمات

کتاب احسان وتصوف میں یہ واقعہ اس طرح بھی تحریر ہوا ہے۔

حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے اپنے مرشد کریم سے رخصت ہونے کے بعد مختلف شہروں اور ملکوں سے ہوتے ہوئے حرم شریف کا سفر اختیار کیا راستہ میں اصفہان شہر میں خواجہ بختیار کاکیؒ سے ملاقات ہوئی انہوں نے بیعت کی درخواست کی۔ جو خواجہ غریب نواز نے قبول فرمائی۔ دونوں حضرات مکہ معظمہ پہنچے اور حج کیا پھر مدینہ منورہ تشریف لے گئے، مسجد نبوی میں آپ مسلسل مراقبہ اور مشاہدہ میں مشغول رہے۔ ایک روز آپ کو حضور نبی کریم ﷺ کی زیارت ہوئی۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اے معین الدینؒ تو میرے دین کا معین ہے میں نے ولایت ہندوستان تجھے عطا کی وہاں کفر وظلمت پھیلی ہوئی ہے تو اجمیر چلا جا تیرے وجود سے ظلمت کفر دور ہوگی اور اسلام رونق افروز ہوگا''

دربار رسالت کی اس بشارت سے خواجہ غریب نوازؒ پر وجدانی کیفیت طاری ہوگئی۔ اجمیر کے بارے میں آپؒ کچھ نہیں جانتے تھے کہ اجمیر کس ملک میں ہے؟ میں وہاں کیسے پہنچوں؟ سفر کے لئے کون سا راستہ اختیار کروں اور اسی سوچ میں آنکھ لگ گئی حضرت محمد ﷺ نے اجمیر کے بارے میں باخبر کیا۔ اجمیر کے اردگرد قلع وکوہستان بھی دکھائے اسی خواب میں رسول اللہ ﷺ نے خواجہ معین الدینؒ کو جنت کا ایک انار عطا فرمایا اور آپ کو سفر کے لئے رخصت کر دیا۔ فوراً آپؒ نے سفر کی تیاری شروع کر دی۔

۱۱۸۹ء میں آپ مدینہ منورہ سے بغداد پہنچے کچھ عرصہ قیام کر کے افغانستان کے راستے لاہور پہنچے اور لاہور میں حضرت سید علی ہجویریؒ کے مزار پر چالیس روز مراقبے میں مشغول رہے۔

Marfat.com

ایک سادھو خواجہ غریب نوازؒ کی خدمت میں حاضر ہوا سادھو گیان دھیان سے اس مقام پر پہنچ گیا تھا جہاں نظر آئینہ ہوجاتی ہے۔ مقابل آدمی ایسا نظر آتا ہے جیسے ٹیلی ویژن کی اسکرین پر تصویر آتی ہے۔ سادھو نے مراقبہ کیا۔ اس نے دیکھا کہ خواجہ صاحب کا سارا جسم بقعہ نور ہے لیکن دل میں ایک سیاہ دھبہ ہے سادھو نے جب خواجہ صاحب سے مراقبہ کی کیفیت بیان کی تو خواجہ غریب نوازؒ نے فرمایا تو سچ کہتا ہے۔ سادھو یہ سن کر حیرت کے دریا میں ڈوب گیا اور کہا چاند کی طرح روشن آتما پر یہ دھبہ اچھا نہیں لگتا کیا میری شکتی سے یہ دھبہ دور ہوسکتا ہے؟

خواجہ غریب نواز نے فرمایا ''ہاں'' تو چاہے تو یہ سیاہی دھل سکتی ہے۔

سادھو نے بھیگی آنکھوں اور کپکپاتے ہونٹوں سے عرض کیا۔

''میری زندگی آپ کی نذر ہے''

خواجہ صاحب نے فرمایا: اگر تو اللہ کے رسول ﷺ پر ایمان لے آئے تو یہ دھبہ ختم ہوجائیگا سادھو کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی لیکن چونکہ وہ اپنے اندر سے مٹی کی کثافت دھو چکا تھا اس لئے وہ اللہ کے دوست محمد ﷺ کی رسالت پر ایمان لے آیا۔ خواجہ صاحب نے فرمایا'' آتما کی آنکھ سے اندر دیکھ'' سادھو نے دیکھا تو روشن دل سیاہ دھبے سے پاک تھا۔ سادھو نے خواجہ غریب نوازؒ کے آگے ہاتھ جوڑ کر بنتی کی۔ مہاراج ''اس انہونی بات پر سے پردہ اٹھایئے'' خواجہ اجمیریؒ نے فرمایا: ''وہ روشن آدمی جس کے دل پر تو نے سیاہ دھبہ دیکھا تو تو خود تھا لیکن اتنی شکتی کے بعد بھی تجھے روحانی علم حاصل نہیں ہوا'' وہ علم یہ ہے کہ آدمی کا دل آئینہ ہے اور ہر دوسرے آدمی کے آئینے میں اسے اپنا عکس نظر آتا ہے تو نے جب اپنی روشن آتما میری اندر دیکھی تو تجھے اپنا عکس نظر آیا تیرا ایمان حضرت محمد ﷺ کی رسالت پر نہیں تھا۔ اسلئے تیرے دل پر سیاہ دھبہ تھا اور جب تو نے کلمہ پڑھ لیا تو تجھے میرے آئینے میں اپنا عکس روشن نظر آیا۔

تاریخ کا مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مشائخ چشت کی خانقاہیں اسلامی جدوجہد کا مرکز بنی رہیں۔ یہ خانقاہیں تقویٰ، دین، خدمت خلق، توکل اور روحانی علوم حاصل کرنے کی یونیورسٹیاں تھیں۔ ان خانقاہوں میں طالبعلم کو ایسی فضاء اور ایسا ماحول میسر آجاتا تھا کہ وہاں تزکیۂ باطن اور تہذیب نفس کیلئے خود بخود انسانی ذہن متوجہ ہوجاتا تھا۔

حضرت بابا فرید گنج شکرؒ

ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خان صاحب'' بابا فریدؒ کے لئے تحریر فرماتے ہیں

حضرت بابا فریدالدین مسعود'' گنج شکر'' کا سلسلہ حضرت عمر فاروقؓ تک پہنچتا ہے۔ اور آپ کابل فرخ شاہ کی اولاد ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ بھی اسی خاندان سے تھے۔

بابا صاحب کا اسم گرامی فریدالدین مسعود اور لقب ''گنج شکر'' اس لیے ہوا کہ آپ کی والدہ ماجدہ آپ کو نماز کا پابند بنانے کے لئے آپ کے مصلے کے نیچے شکر کی ایک پڑیا رکھ دیتی تھی اور فرماتی تھی کہ جو بچے نماز پڑھتے ہیں ان کے مصلے کے نیچے شکر کی پڑیا ملتی ہے۔ اسی طرح بچپن ہی سے عبادت اور ریاضت سے شغف رکھنے لگے اور یہ شغف اس قدر بڑھا کہ نوعمری میں

Marfat.com

ہی آپ کو ''زہد الانبیاء'' بھی کہا جانے لگا۔ اسی زمانے میں آپ اپنے خالہ زاد بھائی زکریاؒ کے ساتھ ان کے پیر حضرت شہاب الدین سہروردیؒ سے نیاز حاصل کرنے کے لئے بغداد تشریف لے گئے۔ وہاں حضرت شہاب الدینؒ کی خدمت میں تھے کہ حضرت وضو کا وقت ہوا تو بابا صاحب وضو کرانے آگے بڑھے، دیکھا تو حضرت کی ڈاڑھ میں سخت درد تھا۔ بابا صاحب نے وہ درد اپنی ریاضت شاقہ کی برکت سے سلب کر لیا۔ حضرت کو فوراً سکون ملا۔ حضرت نے بہت دعائیں دیں لیکن فرمایا، افسوس کہ تمہارا حصہ میرے پاس نہیں ہے۔ البتہ میں اپنی کتاب ''عوارف المعارف'' تم کو ہدیہ کرتا ہوں۔ اس طرح یہ کتاب بابا صاحب ہی کی وجہ سے ہمارے برصغیر پاک وہند کو نصیب ہوئی۔

بابا صاحب نے حفظ قرآن اور تعلیم ظاہری کی تکمیل کے بعد حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ سے بیعت کی سعادت حاصل کی اور ملک کے طول وعرض میں دین کی تبلیغ کے لئے سیاحت فرمائی۔ اسی لئے آج تک مختلف شہروں میں آپ کی قیام گاہیں ''تکیوں'' کے نام سے مشہور ہیں۔ بابا صاحب آخر میں اجودھن یعنی موجودہ پاک پٹن میں قیام پذیر ہوئے۔

بابا صاحب ایک رباعی پڑھ رہے تھے اور جھوم رہے تھے، آپ کے مرید حضرت بدر الدین اسحٰقؒ دروازے پر بیٹھے ہوئے نگرانی کر رہے تھے۔ انہیں کسی ضرورت سے باہر جانا پڑا تو حضرت نظام الدین اولیاؒ سے انہوں نے عرض کیا کہ بھائی صاحب آپ یہاں دروازے پر بیٹھ جائیے۔ حضرت نظام الدین اولیاؒ بیٹھے ہی تھے کہ بابا صاحب کی نظر ان پر پڑی تو ہاتھ اٹھ گئے اور بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ ''الٰہی نظام الدین را محبوب گرداں'' اس وقت سے حضرت نظام الدین اولیاؒ ''محبوب الٰہی'' مشہور ہوئے۔ جب آپ دہلی میں تھے تو حضرت سلطان الہند خواجہ معین الدین چشتیؒ نے آپ کے لئے دعا کی تھی کہ ''خدایا ہمارے فرید کو قبول فرما''۔

بابا صاحب کے وصال کی تاریخ ۵ محرم ۶۶۴ھ کہی جاتی ہے۔ حضرت قطب جمال ہانسویؒ حضرت نظام الدین اولیاؒ اور حضرت مخدوم علاؤ الدین صابر کلیریؒ آپ کے خاص خلفاء ہیں جن کے فیوض و برکات آج بھی جاری وساری ہیں۔ آپ کے بعض اقوال سے تبلیغ اسلام اور حسن اخلاق کے جو اسباق حاصل ہوتے ہیں، ان کا ذکر کرنا بے محل نہ ہوگا۔ آپ فرماتے ہیں:

۱۔ جیسی تمہاری حقیقت ہے ویسا ہی اظہار کرو۔ یعنی تصنع اور بناوٹ کے قریب بھی نہ جاؤ۔

۲۔ اگر کچھ ہے تو غم نہیں اور اگر نہیں ہے تب بھی غم نہیں۔

۳۔ لذت نفس کے لئے قرض لینے سے بہتر ہے کہ فاقہ سے مر جائے۔

۴۔ جس چیز کے لئے کوشش کرو اسے انتہا تک پہنچاؤ۔

حصول علم کا مرکز حضرت بابا فرید گنج شکرؒ تھے۔ لیکن اس تعلیم کو حسن وخوبی اور منظم جدوجہد کے تحت حضرت بابا نظام الدین اولیاءؒ نے معراج کمال تک پہنچا دیا۔ پچاس سال تک یہ خانقاہیں ارشاد وتلقین کا مرکز بنی رہیں۔ مُلک مُلک سے لوگ پروانہ وار آتے تھے۔ اور ان کی خدمت میں حاضر باش رہ کر عشق الٰہی اور دین اسلام کو لوگوں تک پہنچانے کا جذبہ لیکر رخصت ہوتے تھے۔ ان خانقاہوں کا دروازہ امیر وغریب، شہری ودیہاتی، بوڑھے جوان اور بچوں کے لئے ہر وقت کھلا رہتا

Marfat.com

تھا۔حضرت نظام الدین اولیاء نے بیعت کو عام کر دیا تھا۔جب متلاشیان حق ان کے ہاتھ پر توبہ کرتے تھے تو ان کو خرقہ پہناتے اور انکی تعظیم کرتے تھے۔حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے اپنے جلیل القدر خلیفہ برہان الدین کو چار سو ساتھیوں کے ساتھ تعلیم کے لئے دکن روانہ کیا۔خلیفہ برہان الدین نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر دکن کو اسلامی، دینی اور روحانی علوم سے فیضیاب کیا۔

سلسلہ سہروردیہ

سلسلہ سہروردیہ شیخ عبدالقادر سہروردیؒ سے منسوب ہے۔اس سلسلے کے خانوادے حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ اور حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ ہیں۔سلسلہ میں تین سال کے مجاہدات کے بعد مرشد دیکھتا ہے کہ قلب کے اندر کتنی سکت پیدا ہوئی اور تزکیہ نفس میں کیا مقام حاصل ہوا ہے۔تزکیہ نفس اور قلب مصفٰی اور مجلیٰ ہونے کے بعد منتقل کیا جاتا ہے۔سلسلہ سہروردیہ میں سانس بند کر کے اللہ ھو کا ورد کرایا جاتا ہے اور ذکر جلی اور خفی دونوں کرائے جاتے ہیں۔

بہاؤالدین زکریہ ملتانیؒ

حضرت شیخ بہاؤالدینؒ زکریا قریشی تھے۔ان کے جدامجد کمال الدین علی شاہ تھے۔کمال الدین علی شاہ مکہ معظمہ سے خوارزم آئے۔اور مکہ معظمہ سے رخصت ہو کر ملتان میں سکونت اختیار کی۔کمال الدین علی شاہ کے بیٹے کا نام وجیہہ الدین محمد تھا۔وجیہہ الدین محمد کی شادی مولانا احسام ترمذی کی بیٹی سے ہوئی۔شیخ بہاؤالدین زکریاؒ مولانا وجیہہ الدین کے بیٹے ہیں۔

بہاؤالدین زکریاؒ ۱۸ سال کی عمر میں حج کے لئے تشریف لے گئے۔مکہ سے مدینہ منورہ چلے گئے۔شیخ بہاؤالدین زکریاؒ ۱۲ سال کے ہوئے تو والد صاحب کا انتقال ہو گیا اسکے بعد آپ نے قرآن حفظ کیا اور خراسان چلے گئے۔سات سال تک علمائے ظاہر اور علمائے باطن سے اکتساب فیض کیا۔شب و روز جوار رسول ﷺ میں ریاضت و مجاہدہ اور مراقبہ میں مشغول رہے۔مدینہ منورہ کی نورانی فضاؤں سے معمور ہو کر بیت المقدس پہنچے اور وہاں سے بغداد شریف آ گئے بغداد میں شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی کی خدمت میں ایک عرصہ حاضر باش رہے اذکار و اسباق میں استقامت اور دلجمعی کے ساتھ مشغول رہے۔مرشد کریم نے خرقہ خلافت عطا فرمایا۔شجرہ طریقت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے شروع ہو کر خواجہ حبیب عجمی۔حضرت امام حسنؒ حضرت امام علیؑ اور سرور کائنات حضور ﷺ تک پہنچتا ہے۔

مرشد کریم کے حکم سے حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ ملتان کے لئے عازم سفر ہوئے ان کے ساتھ پیر بھائی شیخ جلال الدین تبریزی بھی تھے۔دونوں بزرگ بغداد پہنچے تو شیخ جلال الدین تبریزی حضرت شیخ فرید الدین عطارؒ کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے۔فرید الدین عطارؒ نے پوچھا کہ بغداد میں کون سا درویش مشغول بحق ہے۔جلال الدین خاموش رہے۔جب یہ بات بہاؤالدین کو معلوم ہوئی تو انہوں نے شیخ جلال الدین سے کہا تم نے اپنے مرشد کا نام کیوں نہیں لیا۔انہوں نے جواب دیا کہ شیخ فرید الدین کی عظمت کا مرے دل پر اتنا اثر ہوا کہ میں شیخ شہاب الدین سہروردی کو بھول گیا۔یہ سنکر شیخ بہاؤالدین زکریا کو بہت ملال ہوا۔

Marfat.com

شیخ الاسلام

سفر میں دونوں حضرات الگ الگ شیخ بہاؤالدین زکریا ملتان آ گئے اور جلال الدین تبریزی خراسان چلے گئے اور کچھ عرصے بعد جلال الدین تبریزی دہلی چلے گئے۔ اس وقت سلطان شمس الدین التمش ہندوستان کا حکمران تھا۔ اللہ والوں سے محبت وعقیدت رکھتا تھا۔ حضرت جلال الدین تبریزیؒ کی آمد کی خبر سلطان کو ملی تو وہ آپ کے استقبال کے لئے شہر پناہ کے دروازہ پر حاضر ہوا گھوڑے سے اتر کر آپ کو تعظیم دی۔ نجم الدین صغریٰ اس وقت شیخ الاسلام کے منصب پر فائز تھا۔ اس نے سلطان کی عقیدت اور حضرت جلال الدین تبریزیؒ کی بے انتہا پذیرائی دیکھی تو اسکے اندر حس کی آگ بھڑک گئی۔

بغض وعناد کے تحت اس نے ایک گھناؤنی سازش تیار کی اور حضرت جلال الدین تبریزی پر تہمت لگا دی۔ گوہر نامی ایک طوائف کو اس گھناؤنی سازش میں شریک کیا اور سلطان التمش کے دربار میں مقدمہ پیش کیا۔ جب مقدمہ پیش ہوا تو گوہر نے سچ سچ بتایا کہ یہ ساری سازش شیخ الاسلام نجم الدین صغریٰ کی بنائی ہوئی ہے۔

شیخ بہاؤالدین زکریاؒ فرماتے ہیں کہ لوگوں نے صوفیاء کے بارے میں یہ مشہور کر دیا کہ ان کے پاس نذر و نیاز اور فاتحہ کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ جب روحانی بزرگوں پر تارک الدنیا ہونے کا لیبل لگا دیا جائے گا تو ان کے پاس روحانی افکار کے حصول اور معاشرتی مسائل کے حل کے لئے کوئی نہیں آئیگا۔ ظاہر پرستوں کو معلوم نہیں ہے کہ کم کھانا۔ کم سونا۔ کم بولنا۔ غیر ضروری دلچسپیوں میں وقت ضائع نہ کرنا۔ تزکیہ نفس کے لئے ضروری ہے۔ ہم روزہ رکھتے ہیں کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اسلام فقر و فاقہ کا مذہب ہے۔ روزہ کے فوائد اس بات کے شاہد ہیں کہ کم کھانا کم بولنا کم سونا روح کی بالیدگی کے وظائف ہیں۔

تبلیغی سرگرمیاں

سہروردیہ سلسلہ کے معروف بزرگ حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ کی تبلیغی کوششوں کا اپنا ایک الگ نہج تھا۔ اس منظم روحانی تحریک کے ذریعے سندھ، ملتان اور بلوچستان کے علاقوں میں ہزاروں افراد اللہ تعالیٰ کے ساتھ روحانی تعلق قائم کرنے میں کامیاب ہوئے اور بے شمار خواتین وحضرات حلق اسلام میں داخل ہوئے۔ حضرت زکریا ملتانیؒ نے ایک اعلیٰ درسگاہ قائم کی تھی۔ اس درسگاہ میں بہت اچھے مشاہرہ پر اساتذہ کا تقرر کیا گیا تھا۔ طلباء کے ساتھ ساتھ اساتذہ کے لئے بہترین ہوسٹل تھے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت اور اللہ تعالیٰ کے قرب کا احساس پیدا کرنا اس درسگاہ کی پالیسی تھی۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد جو شخص جس علاقے میں فرائض انجام دینے کی درخواست کرتا۔ اس علاقے کی زبان وثقافت کی تعلیم کا بندوبست کر دیا جاتا تھا۔ اس غرض کے لئے اسے دو برس مزید ٹریننگ دی جاتی تھی۔ دو برس بعد معلمین کو مناسب سرمایہ فراہم کر دیا جاتا تھا تاکہ معلم اس سرمایہ سے کاروبار کرے اور کاروبار کے ساتھ تبلیغ کا فریضہ انجام دے۔

حضرت زکریا ملتانیؒ اساتذہ کو یہ ہدایت فرماتے تھے ''سامان کم منافع پر فروخت کرنا لین دین میں سرور کائنات حضرت محمد ﷺ کی سیرت طیبہ پر عمل کرنا۔ ناقص اشیاء فروخت نہ کرنا، خریداروں سے خندہ پیشانی سے پیش آنا۔ جب تک

Marfat.com

لوگوں کا اعتماد حاصل نہ ہوا اسلام کی تعلیمات پیش نہ کرنا، اسکے بعد آپؒ اپنی دعاؤں کے ساتھ رخصت فرماتے تھے۔

دین پھیلانے والے تاجر

تاجروں کے روپ میں اللہ تعالیٰ کے دین کو پھیلانے والے یہ پاکیزہ بندے چین، فلپائن، جاوا، سماٹرا اور دیگر علاقوں تک پھیل گئے۔ یہ حضرات بڑے بڑے شہروں میں ایگزی بیشن منعقد کرتے، صنعتی نمائش کا اہتمام کرتے تھے۔ پیشہ ورانہ دیانت، صفائی، ستھرائی حسن سلوک کی وجہ سے، ہر شخص ان کا گرویدہ ہو جاتا تھا ان کے اعلیٰ کردار سے متاثر ہو کر لوگ ان سے محبت کرنے لگتے تھے اور یہ خدارسیدہ لوگ نہایت دلنشین انداز میں قلبی سکون کا راز اُن لوگوں کے گوش گزار کرتے تھے اور اسلام قبول کر کے لوگ اللہ تعالیٰ کے قرب سے آشنا ہو جاتے تھے۔ مشرق بعید کے بے شمار جزائر میں کروڑوں مسلمان ان ہی روحانی بزرگوں کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے ہیں۔ شیخ شہاب الدین سہروردی کے تربیت یافتہ شاگردوں اور بزرگوں نے ساتویں صدی ہجری میں دین کی ظاہری اور روحانی تبلیغ کے لئے ساری دنیا میں مراکز قائم کئے۔ شیخ بہاؤالدین زکریا کے مختلف علاقوں میں جماعتیں روانہ کیں آپؒ کے تربیت یافتہ شاگردوں نے کشمیر سے راس کماری اور گوادر سے بنگال تک کو اسلام کی روشنی سے منور کر دیا۔

حضرت زکریا ملتانی کی فلاحی خدمات

حضرت زکریا ملتانیؒ مختلف پیشوں سے تعلق رکھنے والے افراد کی تربیت کا الگ الگ اہتمام فرماتے تھے۔ یہ روحانی تحریک Scientific اور جدید خطوط پر استوار تھی قدرت نے حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی کو فلاحی ذہن عطا کیا تھا۔ آپؒ نے جنگلوں کو آباد کروایا، کنویں کھدوائے، نہریں تعمیر کروائیں اور زراعت پر بھرپور توجہ دی۔ انہیں ہر وقت عوام کی خوشحالی کی فکر دامن گیر رہتی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی خدمت ان کیلئے سرمایۂ آخرت تھی۔ آپ عوام الناس کے خادم تھے اور عوام آپ سے محبت کرتے تھے۔ یہی حسن اخلاق اور محبت تھی کہ لوگ جوق در جوق مراقبوں میں شریک ہوتے تھے۔ لوگوں نے اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ کے عرفان کیلئے ایمانداری اور خلوص نیت کا معیار بنالیا تھا۔ روح کی تقویت کیلئے درود شریف اور اذکار کی محفلیں سجتی تھیں لوگ خود غرضی اور خود پرستی کے ہولناک عذاب سے بچنے کی ہر ممکن تدبیر کرتے تھے۔

شیخ زکریا ملتانیؒ ڈولی میں جا رہے تھے کہ انہوں نے ایک آواز سنی۔

اے اہل ملتان! میرا سوال پورا کر و ورنہ میں ملتان شہر الٹ دوں گا۔ حضرت نے ڈولی رکوا کر کچھ دیر توقف کیا اور کہاروں سے کہا چلو۔ دوسری آواز پر کہاروں سے کہا ڈولی زمین پر رکھ دو۔ تھوڑی دیر بعد فرمایا۔ چلو کچھ نہیں۔۔ تیسری آواز پر کہاروں سے فرمایا ڈولی کندھوں سے اتارو۔۔ اور ڈولی سے باہر آ کر۔۔ کہا۔۔ اس فقیر کا سوال جس قدر جلد ممکن ہو پورا کرو۔۔۔ لوگوں نے پوچھا۔۔ یا حضرت آپ نے دو مرتبہ ڈولی رکوائی اور کچھ نہیں فرمایا۔ تیسری مرتبہ فرمایا کہ جتنی جلد ممکن ہو فقیر کا سوال پورا کر دو۔۔ اس کے پس منظر میں کیا حکمت ہے؟

Marfat.com

فرمایا۔۔ پہلی دفعہ فقیر نے سوال کیا تو میں نے اس کی استعداد دیکھی مجھے کچھ نظر نہیں آیا۔۔۔ دوسری مرتبہ میں نے اس کے مرشد کریم کی استعداد پر نظر ڈالی۔۔وہاں بھی کوئی خاص بات نظر نہیں آئی۔۔۔تیسری دفعہ آواز کا میرے دل پر اثر ہوا۔ میں نے توجہ کی تو۔۔ دیکھا کہ۔۔۔اس فقیر کے سلسلہ کے دادا پیر سیدنا حضور ﷺ کے دربار اقدس میں باادب کھڑے ہیں۔

حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ ایک روز اپنے حجرہ میں عبادت میں مشغول تھے کہ ایک نورانی چہرہ بزرگ آئے اور ایک سربمہر خط حضرت صدرالدین کو دیکر چلے گئے انہوں نے خط والد بزرگوار کی خدمت میں پیش کر دیا۔

والد بزرگوار نے فرمایا: بزرگ سے میرا اسلام کہو۔ اور عرض کرو کہ آدھے گھنٹہ کے بعد آئیں۔ حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ نے امانتیں واپس کیں بیٹوں سے کہا کہ درود شریف پڑھیں۔ آواز سنائی دی ''دوست بدست دوست رسید'' یہ آواز سن کر حضرت شیخ صدرالدین دوڑے ہوئے حجرے میں گئے، دیکھا کہ والد صاحب کا انتقال ہو چکا تھا۔ تدفین کے بعد صاحبزادہ کو خیال آیا کہ وہ کون بزرگ تھے جن سے ابا نے کہا تھا آدھے گھنٹہ بعد آنا۔ صاحبزادے کو خط کی تلاش ہوئی، تکیئے کے نیچے رکھے ہوئے خط میں تحریر تھا۔

''اللہ تعالیٰ نے آپ کو حضوری میں طلب فرمایا ہے میرے لئے کیا حکم ہے۔ فرشتہ عزرائیل''

سلسلہ نقشبندیہ

اس سلسلے میں مراد، مرید کو سامنے بٹھا کر توجہ کرتا ہے اور مرید کا قلب جاری ہو جاتا ہے یہ حضرات ذکر خفی زیادہ کرتے ہیں اور مراقبہ میں سر جھکا کر آنکھیں بند کر کے بیٹھتے ہیں۔

ان کے ہاں مرشد اپنے مریدوں سے الگ نہیں بیٹھتا بلکہ حلقے میں ان کا شریک ہو جاتا ہے یہ سلسلہ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے شروع ہوا اور حضرت بہاؤالدین نقشبند کے نام سے منسوب ہے۔ حضرت بہاؤالدینؒ محرم ۷۱۸ھ کو بلخ میں پیدا ہوئے اور ۲۰ ربیع الاول دوشنبہ بوقت شب وفات پائی۔ خواجہ بہاؤالدین نقشبند کی ولادت سے پہلے جب خواجہ محمد سماسی بابا ان کے گھر کے باہر سے گزرتے تھے تو کہتے تھے کہ مجھے یہاں سے کسی مرد حق کی خوشبو آتی ہے۔ ایک دن اینٹ اور گارے سے بنے ہوئے اس گھر سے علم و عرفان کی روشنیاں طلوع ہونگی۔ حضرت بہاؤالدین نقشبند کے دادا نے آپ کو خواجہ محمد سماسی کو گود میں ڈالدیا۔ آپ نے نوزائیدہ بچہ کو گود میں لیکر فرمایا یہ میرا فرزند ہے۔ یہ بچہ بڑا ہو کر زمانہ کا پیشوا ہوگا۔ حضرت بہاؤالدین نقشبند فرماتے ہیں کہ مجھے شعور کا ادراک ہوا تو دادا نے مجھے سماسی بابا کی خدمت میں بھیج دیا بابا سماسی نے میرے اوپر شفقت فرمائی۔ میں نے شکرانے کے طور پر دو رکعت ادا کی۔ نماز میں میرے اوپر سرشاری طاری ہوگئی اور بے اختیار یہ دعا نکلی ''الٰہی مجھ کو اپنی امانت اٹھانے کی قوت عطا فرما''

صبح کو بابا سماسی کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا اے فرزند دعا اس طرح مانگنی چاہیئے ''یا الٰہی جو کچھ

Marfat.com

تیری رضا ہے اس ضعیف بندے کو اس پر اپنے فضل و کرم سے قائم رکھ" پھر فرمایا کہ جب اللہ کسی بندے کو اپنا دوست بنالیتا ہے تو اسکو بوجھ اُٹھانے کی سکت بھی عطا فرماتا ہے۔

دل کی نگرانی کرنی چاہیے

ایک روز کھانا تناول کرنے کے بعد آپ نے مجھے کچھ روٹیاں عنایت کیں، میرے دل میں یہ خیال آیا کہ میں نے تو خوب سیر ہو کر کھانا کھایا ہے میں اتنی روٹیوں کا کیا کروں؟ کچھ دیر بعد آپ نے مجھے ایک دوست کے گھر چلنے کیلئے کہا، راستے میں میرے دل میں پھر وہی خیال آیا کہ روٹیوں کا کیا کرنا ہے۔ حضرت میری جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ دل کی نگرانی کرنی چاہیے تا کہ اس میں کوئی وسوسہ داخل نہ ہو۔ جب ہم اس دوست کے گھر پہنچے وہ حضرت کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور حضرت کے سامنے دودھ پیش کیا حضرت سامی بابا نے ان سے کھانے کے متعلق پوچھا تو انہوں نے سچ کہہ دیا کہ آج روٹی نہیں کھائی۔ حضرت نے فرمایا۔ روٹیاں پیش کر دو۔ اس واقعہ کے بعد حضرت کی عزت و توقیر اور عقیدت میرے اندر بہت زیادہ ہوگئی۔

ایک دن فرمایا۔ جب استاد شاگرد کی تربیت کرتا ہے تو یہ بھی چاہتا ہے کہ شاگرد بھی استاد کی تعلیمات کو قبول کرے۔

خواجہ محمد سماسی نے خواجہ بہاؤالدین نقشبندؒ کو اپنی فرزندی میں قبول کیا۔ اگرچہ ظاہری اسباب میں طریقت کے آداب سید امیر اکلال سے سیکھے، مگر حقیقتاً آپ اویسی ہیں اور آپ نے خواجہ عبدالخالق نجدوانی کی روح سے فیض پایا۔

آپ فرماتے ہیں کہ ایک رات میں نجا کے مزارات میں سے تین متبرک مزاروں پر حاضر ہوا میں نے ہر قبر پر ایک چراغ جلتا ہوا دیکھا چراغ میں پورا تیل اور بتی ہونے کے باوجود، چراغ کی لو کو اونچا کرنے کے لئے بتی کو حرکت دی جارہی تھی۔ لیکن بابا سماسی کے مزار کے چراغ کی لو کو مسلسل روشن دیکھ کر میں نے چراغ کی لو پر نظر جمادی۔

اویسی فیض

میں نے دیکھا کہ قبلہ کی طرف کی دیوار پھٹ گئی اور ایک بہت بڑا تخت نمودار ہوا دیکھا کہ سبز پردہ لٹکا ہوا ہے اس کے قریب ایک جماعت موجود ہے میں نے ان لوگوں میں بابا سماسی کو پہچان لیا۔ میں جان گیا کہ یہ ان لوگوں میں سے ہیں جو اس جہان سے گزر چکے ہیں۔ ان میں سے ایک نے مجھے بتایا کہ تخت پر خواجہ عبدالخالق نجدوانی جلوہ افروز ہیں اور یہ ان کے خلفاء کی جماعت ہے اور ہر خلیفہ کی طرف اشارہ کر کے ان کے نام بتائے۔ یہ خواجہ احمد صدیق ہیں، یہ خواجہ اولیاء کلال ہیں۔ یہ خواجہ دیوگری ہیں، یہ صاحب خواجہ محمود الخیر فغنوی ہیں، اور یہ خواجہ علی راستی ہیں، جب وہ شخص خواجہ محمد بابا سماسی پر پہنچا تو کہا یہ تیرے ہیں اور انہوں نے تیرے سر پر کلاہ رکھا ہے اور تجھے کرامت بخشی ہے اس وقت اس نے کہا کان لگا اور اچھی طرح سنکر حضرت خواجہ بزرگ ایسی باتیں فرمائیں گے کہ حق تعالیٰ کے راستے میں تیرے لئے مشعل راہ بنیں گیں۔

میں نے درخواست کی کہ میں حضرت خواجہ کو سلام اور ان کے جمال مبارک کی زیارت کرنا چاہتا ہوں۔ یکا میرے سامنے سے پردہ اٹھ گیا۔ میں نے نورعلی نور بزرگ کو دیکھا۔ انہیں سلام کیا۔ انہوں نے جواب دیا اور باتیں جو ابتدائی

Marfat.com

پر سلوک اور اسکے درمیان اور اسکی انتہاء سے تعلق رکھتی ہیں مجھے سکھائیں۔ انہوں نے فرمایا جو چراغ تجھے دکھائے گئے ہیں ان میں تیرے لئے ہدایت اور اشارہ ہے کہ تیرے اندر روحانی علوم سیکھنے کی استعداد موجود ہے اور تیرے لئے بشارت ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے اسرار ورموز سکھائیں گے لیکن استعداد کی بتی کو حرکت دینا ضروری ہے تا کہ چراغ کی روشنی تیز ہو جائے۔

دوسری مرتبہ بتایا کہ ہر حال میں امر و نہی کا راستہ اختیار کرنا۔ احکام شریعت کی پابندی کرنا۔ ممنوعات شرعیہ سے اجتناب کرنا۔ سنت والے طریقوں پر پوری طرح عمل کرنا۔ بدعات سے دور رہنا۔ حضرت محمد ﷺ کی احادیث کو ہمیشہ اپنا راہنما بنائے رکھنا اور رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرامؓ کے اخبار و آثار یعنی انکے اقوال وافعال کی تلاش اور جستجو میں رہنا۔ تیرے اس حال یعنی مشاہدے کی سچائی کا ثبوت یہ ہے کہ کل علی الصبح تو فلاں جگہ جائے گا اور فلاں کام کرے گا۔

ان لوگوں نے فرمایا اب تو جانے کا قصد کر اور جناب سید امیر کلالؒ کی خدمت میں حاضر ہو۔ ان حضرات کے فرمانے کے بموجب میں حضرت امیر کلالؒ کی خدمت میں پہنچا۔ تو حضرت امیرؒ نے خاص مہربانیاں فرمائیں۔ مجھے ذکر کی تلقین کی اور خفیہ طریقہ پر نفی اثبات کے ذکر میں مشغول فرمادیا۔ شیخ قطب الدین نامی ایک بزرگ نے بتایا کہ میں چھوٹی عمر میں تھا کہ حضرت خواجہ نے فرمایا فلاں کبوتر خانے سے کبوتر خرید کر لے آؤ۔ ان کبوتروں میں سے ایک کبوتر بہت خوبصورت تھا۔ میں نے یہ کبوتر باورچی خانے میں نہیں دیا۔ کھانا تیار ہونے کے بعد حضرت خواجہ نقشبندؒ نے مہمانوں میں کھانا تقسیم کیا تو مجھے کھانا نہیں د[illegible] اور فرمایا انہوں نے اپنا حصہ زندہ کبوتر لے لیا ہے۔

صوفیاء کرام کی دینی خدمات

دہلی بھارت میں حضرت خواجہ باقی باللہ کا مزار ہے۔ امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت خواجہ باقی باللہ کے خلیفہ ہیں۔

احمد سرہندیؒ مجدد الف ثانیؒ کی پیدائش سے قبل آپ کے والد بزرگوار نے خواب میں دیکھا کہ تمام جہاں اندھیرے میں گھرا ہوا ہے۔ بندر، ریچھ اور سور آدمیوں کو ہلاک کر رہے ہیں۔ آپ کے سینۂ مبارک سے نور کا جھماکہ ہوا اور اس میں سے ایک تخت ظاہر ہوا اس تخت پر ایک بزرگ تشریف فرما ہیں ان کے سامنے ظالم، بے دین اور ملحد لوگوں کو ہلاک کیا جا رہا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی کے والد نے یہ خواب حضرت شاہ کمال کیتھلؒ سے بیان کیا شاہ کمال صاحب نے یہ تعبیر دی کہ آپ کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوگا جس سے اللہ کے دین میں شامل کی ہوئی بدعتیں اور خرافات ختم ہو جائیں گی۔ مجدد صاحب کا نام احمد، لقب بدر الدین ہے۔ آپ کا نسب نامہ حضرت امیر المومنین سیدنا عمر فاروقؓ کی ستائیسویں پشت سے ملتا ہے۔ ہندوستان میں آپ نے کفر وشرک کا مردانہ وار مقابلہ کیا آپ نے ہزاروں مسلمانوں کی رہنمائی فرمائی اور اپنے دور کے طاقتور بادشاہ اکبر کی ملحدانہ سرگرمیوں کا نہایت کامیابی کے ساتھ مقابلہ کیا۔

اکبر نے کفر والحاد کو یہاں تک پھیلا دیا تھا کہ کلمۂ طیبہ میں محمد رسول اللہ ﷺ کے بجائے اکبر خلیفۃ اللہ کا حکم جاری کر دیا تھا۔ حضرت مجددؒ نے نا صرف ان حالات کا مردانہ وار مقابلہ کیا بلکہ ان کی تاریخ کنی کے لئے قید و بند کی صعوبتیں بھی

Marfat.com

برداشت کیں۔ اکبر و جہانگیر کے قائم کردہ دین الٰہی کا خاتمہ ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے مجدد الف ثانیؒ کو کامیاب و کامران کیا۔

چنگیز خانی طوفان نے جب دنیائے اسلام کو تہ و بالا کر دیا۔ شہر ویران ہو گئے، لوگوں کو قتل کر کے ان کے سروں کے مینار بنا دیئے گئے، بغداد کی آٹھ لاکھ کی آبادی میں سے چار لاکھ قتل و غارتگری کی بھینٹ چڑھ گئی، علم و حکمت کی کتابوں کا ذخیرہ آگ کی بھٹیوں میں جھونک دیا گیا، علماء اور فضلاء اسلام کے مستقبل سے مایوس ہو گئے۔ اس وقت بھی اس سرکش طوفان کا صوفیاء نے مقابلہ کیا۔ ان لوگوں نے اسلام دشمن لوگوں کی اس طرح تربیت کی کہ اسلام کے دشمن شمع اسلام بن گئے۔

سلسلہ قادریہ کے ایک بزرگ، ہلاکو خان کے بیٹے تگودار خان کو اسلام کی دعوت دینے کے لئے تشریف لے گئے، تگودار خان شکار سے واپس آ رہا تھا کہ اپنے محل کے دروازے پر ایک درویش کو دیکھ کر ازراہِ تمسخر پوچھا: اے درویش تمہاری داڑھی کے بال اچھے ہیں یا میرے کتے کی دم؟ اس بیہودہ اور ذلت آمیز سوال پر بزرگ برہم نہیں ہوئے، شگفتہ لہجہ کے ساتھ تحمل سے فرمایا: میں اپنی جاں نثاری اور وفاداری سے اپنے مالک کی خوشنودی حاصل کرلوں تو میری داڑھی کے بال اچھے ہیں ورنہ آپ کے کتے کی دم اچھی ہے جو آپ کی فرمانبرداری کرتا ہے اور آپ کے لئے شکار کی خدمت انجام دیتا ہے۔

تگودار خان اس غیر متوقع اور انا کی گرفت سے آزاد جواب سے اتنا متاثر ہوا کہ اس نے بزرگ کو اپنا مہمان بنا لیا اور درویش کے حلم و بردباری اور اخلاق سے متاثر ہو کر اس نے در پردہ اسلام قبول کر لیا لیکن اپنی قوم کی مخالفت کے خوف سے تگودار خان نے درویش کو رخصت کر دیا۔ وفات سے پہلے درویش نے اپنے بیٹے کو وصیت کی کہ تگودار خان کے پاس جائے اور اس کو اپنا وعدہ یاد دلائے۔ صاحب زادے تگودار خان کے پاس پہنچے اور اپنے آنے کی غایت بیان کی۔ تگودار خان نے کہا تمام سردار اسلام قبول کرنے پر آمادہ ہیں لیکن فلاں سردار تیار نہیں ہے اگر وہ بھی مسلمان ہو جائے تو مشکل آسان ہو جائے گی۔ صاحب زادے نے جب اس سردار سے گفتگو کی تو اس نے کہا۔ میری ساری عمر میدان جنگ میں گزری ہے۔ میں علمی دلائل کو نہیں سمجھتا میرا مطالبہ ہے کہ آپ میرے پہلوان سے مقابلہ کریں۔ اگر آپ نے اسے پچھاڑ دیا تو میں مسلمان ہو جاؤں گا۔ درویش زادے لاغر، ملبے اور جسمانی لحاظ سے کمزور تھے۔ تگودار خان نے اس مطالبہ کو مسترد کرنا چاہا لیکن درویش کے بیٹے نے سردار کا چیلنج منظور کر لیا۔ مقابلے کے لئے جگہ اور تاریخ کا اعلان کر دیا گیا۔ مقررہ دن مخلوق کا اژدہام یہ عجیب و غریب دنگل دیکھنے کے لئے میدان میں جمع ہو گیا۔ ایک طرف نحیف و کمزور ہڈیوں کا ڈھانچہ لاغر جسم تھا اور دوسری طرف گرانڈیل اور فیل تن پہلوان تھا۔

تگودار خان نے کوشش کی کہ یہ مقابلہ نہ لیکن درویش مقابلہ کرنے کے لئے مصر رہا اور جب دونوں پہلوان اکھاڑے میں آئے تو درویش زادے نے اپنے حریف کو زور سے طمانچہ مارا اور وہ پہلوان اس تھپڑ کو برداشت نہ کر سکا اس کی ناک سے خون کا فوارہ ابلا اور پہلوان غش کھا کر زمین پر گر گیا۔ سردار حسب وعدہ میدان میں نکل آیا اس نے درویش زادے کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔ تگودار خان نے بھی اپنے ایمان کا اعلان کر کے اپنا نام احمد رکھا۔ ہلاکو خان کا چچا زاد بھائی بھی شیخ شمس الدین باخوریؒ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوا۔

قسطنطنیہ کی تاریخ اسلامی کا ایک لافانی باب ہے۔ حضرت شمس الدین، سلطان محمدؒ کے مرشد کریم تھے۔ انہی کی ترغیب

Marfat.com

اور بشارت سے سلطان محمد نے قسطنطنیہ کو فتح کیا۔ ہم تاریخ کے صفحات جتنے زیادہ پلٹتے ہیں اہل تصوف اور روحانی لوگوں کا ایک قافلہ ہمارے سامنے آتا ہے جو دین اسلام کو پھیلانے میں ہمہ تن مصروف نظر آتا ہے۔

روحانیت کے خلاف سازش

دنیا کے دوسرے معاملات کی طرح منافق اور سازشی لوگوں نے روحانی سلسلوں میں بھی اپنا عمل دخل جاری رکھا اور لوگوں کی توجہ کشف وکرامات کی طرف مبذول کردی۔ اس طرز فکر کو کچھ اس طرح آگے بڑھایا گیا کہ لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ روحانیت کا مطلب کشف و کرامات کے علاوہ کچھ نہیں ہے، دوسری بات جو حقیقت کے برخلاف بیان کی گئی وہ یہ تھی کہ تسخیر کائنات یا روحانی علوم حاصل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ انسان دنیا بیزار ہو کر جنگل میں جا بیٹھے۔ اس کا بڑا نقصان یہ ہوا مسلمان قوم ریسرچ سے محروم ہوگئی اور غیر مسلم اقوام نے علم کائنات میں ترقی کرلی۔ آج کے دور میں ہر آدمی یہ بات جانتا ہے کہ سو سال پہلے جو باتیں کرامات کے زمرے میں بیان کی جاتی تھیں وہ سائنسی نظام کے تحت عام ہوگئی ہیں۔ اب یہ کہنا کہ فلاں بزرگ کو پانچ جگہ یا سات جگہ دیکھا گیا تھا ایک بہت کم وزن بات معلوم ہوتی ہے۔

قرآن کی تعلیمات کو اگر مادی شعور کے دائرے میں رہ کر سمجھا جائے تو قرآن کے معنی اور مفہوم میں شدید غلطیاں واقع ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے علماء کرام قرآن جیسی عظیم الشان اور لاریب کتاب کے بارے میں اپنے قائم کردہ مفہوم پر متفق نہیں ہیں۔ ہر تفسیر نئے اسلوب اور نئی شرح کی دستاویز ہے قرآن کے الفاظ اس لئے محفوظ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت کا وعدہ کیا ہے۔

ابدی زندگی کا راز

صوفیاء کرام کی تعلیمات ہمیں بتاتی ہیں کہ انسان ہر لمحہ مرتا ہے اور لمحہ کی موت انسان کے اگلے لمحے کی زندگی کی پیش خیمہ بن جاتی ہے۔ تھوڑے سے تفکر سے پتہ چلتا ہے کہ زندگی کی جتنی بھی کاوشیں ہیں چاہے وہ اعمال ہوں، علم ہو، فہم ہو، اخلاقیات ہوں یہ سب قبر تک کے معمولات ہیں اگر زندگی اور حیات کی ہم آہنگی کا ادراک انسان کرلے تو حیات ابدی کا راز اسی زندگی کے لیل ونہار میں کھل جاتا ہے۔

ہم واضح طور پر یہ دیکھتے ہیں کہ آج کا انسان مادی ماحول میں اس قدر کھو چکا ہے کہ اس نے مذہب کو مادی لذتوں کو وسیلہ بنالیا ہے۔ مذہب کا نام استعمال کرنے والے تو بہت ہیں مگر ایمان یقین اور مشاہدے کی طلب اس دور میں ناپید ہو چکی ہے۔ جب صاحب ایمان ہی ناپید ہو جائیں تو ایمان کی طلب کون کرے گا؟

آج کا انسان

آج کا انسان موجودہ سائنسی ترقی کو نوع انسان کا انتہائی شعور سمجھتا ہے۔ یہ ایک گمراہ کن سوچ ہے اس لئے کہ قرآن بتاتا ہے کہ انسان کی ترقی حضرت سلیمانؑ کے دور میں اتنی تھی کہ ایک شخص نے جو پیغمبر نہیں تھا پلک جھپکنے کے وقفے میں ڈیڑھ ہزار

Marfat.com

میل کے طویل فاصلے سے مادی FORM میں دربارِ سلیمانؑ میں تخت منتقل کر دیا تھا۔ دانشوروں کا کردار گذشتہ صدیوں سے آج تک انتہائی مایوس کن رہا ہے انہوں نے کبھی انسانی تفکر کو اس طرح مائل نہیں کیا اور انہوں نے کبھی نہیں بتایا کہ آقائے نامدار ﷺ بغیر کسی وسیلے کے جسمانی طور پر کون سی سائنس کے ذریعے معراج کے شرف سے مشرف ہوئے۔

شریعت، طریقت، حقیقت، معرفت

عام لوگوں میں یہ مشہور ہو گیا ہے کہ صرف ظاہری اعمال سے تعلق رکھنے والے احکام کو شریعت کہتے ہیں۔ یہ لوگ باطنی اعمال کی نفی کر کے سراسر غلطی ور جہالت میں جا پڑتے ہیں اور اسی طرح دوسرا گروہ محض باطنی اعمال کو ضروری جان کر ظاہری احکام سے غفلت کرتا اور کہتا ہے کہ شریعت الگ ہے اور چھلکے کی مانند محض بیکار ہے اور طریقت اور ہے یعنی مغز کی طرح حاصل کرنے کے قابل ہے اور اسی گمراہی میں ظاہری احکام (نماز، روزہ وغیرہ) پر عمل نہیں کرتے، اس لئے یہاں ان اصطلاحات کی تشریح اہل علم کے طریقے پر نہایت تحقیق کے ساتھ درج کی جاتی ہے۔ جاننا چاہیئے کہ تمام احکام کا مجموعہ جن کا انسان مکلف ہے خواہ وہ ظاہری اعمال سے تعلق رکھتے ہوں یا باطنی اعمال سے شریعت کہلاتا ہے اور متقدمین (صدر اسلام کے بزرگوں) کی اصطلاح میں فقہ کا لفظ انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے جیسا کہ امام اعظم ابوحنیفہ سے فقہ کی یہ تعریف منقول ہے کہ: مَعْرِفَةُ النَّفْسِ مَالَهَا وَمَا عَلَيْهَا نفس کا اپنے حقوق و فرائض کو جاننا پھر متاخرین کی اصطلاح میں شریعت کے دو حصے ہو گئے، پس ظاہری اعمال سے تعلق رکھنے والے احکام کا نام فقہ ہو گیا اور باطنی اعمال سے تعلق رکھنے والے احکام کا نام تصوف ہوا اور ان باطنی اعمال کے طریقوں کو طریقت کہتے ہیں۔ باطنی اعمال کے ٹھیک طور پر ادا ہونے سے دل سے جو صفائی اور روشنی پیدا ہوتی ہے اس سے دل کے اوپر موجودات کی بعض حقیقتیں خواہ آنکھ سے نظر آنے والی ہوں یا نظر نہ آنے والی، خاص طور پر اچھے برے عملوں کی حقیقتیں اور اللہ پاک کی ذات و صفات و افعال وگیرہ کی حقیقتیں ظاہر ہونے لگتی ہیں۔ خاص طور پر اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان کے معاملات کا اظہار ہوتا ہے، ان اظہارات کو حقیقت کہتے ہیں اور ظاہر ہونے کو معرفت کہتے ہیں اور جس بزرگ پر یہ باتیں ظاہر ہوں اس کو محقق اور عارف کہتے ہیں۔ پس یہ سب باتیں یعنی طریقت و حقیقت و معرفت، شریعت سے ہی تعلق رکھتی ہیں نہ کہ کوئی الگ چیز ہیں۔ اب اس بات کو محققین اور عارفین کے انداز میں ذرا وضاحت سے بیان کیا جاتا ہے۔ جاننا چاہیئے کہ کلمہ طیبہ لآاله الا الله محمد رسول الله جس پر ایمان کا دارومدار ہے اور جس کی برکت سے بڑے سے بڑا کافر بخشا جاتا اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کر کے جنت کا وارث ہو جاتا ہے۔ طریقت، حقیقت اور شریعت کا جامع ہے۔ اس کلمۂ طیبہ کے دو جز ہیں۔ پہلے جز و یعنی لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ میں تمام آفاقی اور انفسی خداؤں کی نفی کر کے اللہ واحد کے موجود و مقصود اور معبود ہونے کو ثابت کرنا ہے۔ پس جب تک سالک نفی کے مقام میں ہے طریقت میں ہے، جب نفی سے پورے طور پر فارغ ہو جاتا ہے اور تمام ماسوا اس کی نظر سے مٹ جاتا ہے تو طریقت کا معاملہ ختم ہو جاتا ہے اور مقام فنا میں پہنچ جاتا ہے۔ جب نفی کے بعد مقام اثبات میں آتا ہے اور سلوک سے جذبے کی طرف ترقی کرتا ہے تو مرتبہ حقیقت کے ساتھ متحقق اور بقا کے ساتھ موصوف ہو جاتا

Marfat.com

ہے۔ اس نفی اثبات اور اس طریقت وحقیقت اور اس فنا وبقا اور اس سلوک وجذبے کے حاصل ہونے پر وہ شخص ولی اللہ کہلاتا ہے اور سکا نفس، امارہ پن چھوڑ کر مطمئنہ ہو جاتا ہے اور پاک وصاف بن جاتا ہے۔ پس ولایت کے کمالات اس کلمہ طیبہ کے جز واوّل کے ساتھ جو نفی واثبات، ہے وابستہ ہیں۔ باقی رہا اس کلمۂ طیبہ کا دوسرا جزو جو حضرت خاتم الرسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت کو ثابت کرتا ہے، یہ دوسرا جزو شریعت کو کامل کرنے والا ہے جو کچھ ابتدا اور وسط میں شریعت سے حاصل ہوا تھا وہ شریعت کی صورت تھی اور اس کا اسم ورسم تھا۔ شریعت کی حقیقت اس مقام میں حاصل ہوتی ہے جو مرتبہ ولایت کے حاصل ہونے کے بعد حاصل ہوتا ہے اور نبوت کے کمالات جو کامل تابعداروں کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی وراثت اور پیروی کے طور پر حاصل ہوتے ہیں وہ بھی اس مقام میں حاصل ہو جاتے ہیں۔ طریقت اور حقیقت جن سے ولایت حاصل ہوتی ہے شریعت کی حقیقت اور کمالات نبوت کے حاصل ہونے کے لئے گویا شرائط ہیں۔ ولایت کو طہارت یعنی وضو کی طرح سمجھنا چاہیئے اور شریعت کو نماز کی طرح۔ طریقت میں حقیقی نجاستیں دور ہوتی ہیں اور حقیقت میں حکمی نجاستیں اور جس طرح انسان ظاہری اعضا کی طہارت کے بعد نماز کے ظاہری احکام ادا کرنے کے لائق ہوتا ہے اسی طرح طریقت اور حقیقت کے ساتھ کامل طہارت حاصل ہونے کے بعد شرع شریف کے احکام بجالانے کے لائق ہو جاتا ہے اور اس نماز کے ادا کرنے کی قابلیت ہو جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی نزدیکی کے مرتبوں کی انتہا اور دین کا ستون اور مومن کی معراج ہے۔ ان تینوں معاملوں یعنی طریقت، حقیقت اور شریعت کے آگے ایک اور معاملہ ہے جس کے آگے ان معاملوں کا کچھ اعتبار وشمار نہیں جو کچھ مرتبہ حقیقت حاصل ہوا تھا اور اثبات وبقا سے تعلق رکھتا تھا وہ اس معاملے کی صورت تھی اور یہ معاملہ اس صورت کی حقیقت ہے جیسا کہ شریعت کی صورت، جو شرح میں عام لوگوں کے مرتبہ میں حاصل ہوتی ہے اور طریقت اور حقیقت کے حاصل ہونے کے بعد اس صورت کی حقیقت حاصل ہوتی ہے۔ خیال کرنا چاہیئے کہ وہ معاملہ کہ جس کی صورت شریعت کی حقیقت ہو اور جس کی تمہید ولایت ہو وہ کس طرح بیان کیا جائے اور اگر بالفرض بیان کیا جائے تو کوئی اس کی حقیقت کو کیا سمجھے اور کیا معلوم کرے گا۔ یہ معاملہ اولوالعزم پیغمبروں کی وراثت ہے جو بہت ہی کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے اور جب اس معاملہ میں اصول (اولوالعزم پیغمبر) ہی کم ہوں تو فروغ (اس وراثت کو پانے والے پیرو) ضرور ہی بہت کم وقلیل ہوں گے۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ اس معاملے کا صاحب، شریعت سے آزاد اور بے فکر ہو جاتا ہے کیونکہ یہ معاملہ اس جہان میں باطن سے تعلق رکھتا ہے اور ظاہر ہمیشہ شریعت کے ساتھ مکلّف ہے۔ یہ دنیا دار عمل ہے، باطن کو ظاہری اعمال سے بڑی مدد ملتی ہے اور باطن کی ترقیاں ظاہری احکام کے بجالانے پر موقوف ہیں پس اس جہان میں ہر وقت ظاہر وباطن کے لئے شریعت کا ہونا ضروری ہے۔ ظاہر کا کام شریعت پر عمل کرنا ہے اور اسکے نتیجے اور پھل باطن کے نصیب ہیں۔ بلکہ سالک جس قدر شرعی پابندیوں کو برداشت کرے گا اسی قدر اللہ تعالیٰ کے قرب میں ترقی کرتا جائے گا۔

قرب الٰہی

اللہ پاک نے انسان کی تخلیق کی تو اس کے مقام کو اس قدر بلند بنایا کہ فرشتے بھی اس سے رشک کرنے لگے۔

Marfat.com

سورۃ البقرۃ (۳۰۔۳۲) میں اس واقع کا ذکر اس طرح آتا ہے کہ ''جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا، میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں۔ وہ بولے کیا ایسے کو (نائب) کریگا جو اس میں فساد پھیلائے گا اور خوں ریزی کرے گا اور ہم تو تجھے سراہتے ہوئے تیری تسبیح کرتے اور تیری پاکی بیان کرتے ہیں۔ فرمایا، مجھے معلوم ہے جو تم نہیں جانتے اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام (اشیاء کے) نام سکھائے، پھر سب (اشیاء) کو ملائکہ پر پیش کر کے فرمایا، تم سچے ہو تو ان کے نام بتاؤ، بولے پاکی ہے تجھے، ہمیں کچھ علم نہیں مگر جتنا تو نے ہمیں سکھایا ہے بے شک تو ہی علم و حکمت والا ہے''

پھر سورۃ الاحزاب (۷۲) میں انسان کے قابل رشک مقام کا اس طرح ذکر ہے کہ ''بے شک ہم نے امانت پیش فرمائی آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اسے اٹھا لیا۔ بے شک وہ اپنی جان کو مشقت میں ڈالنے والا بڑا نادان ہے'' حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ''(یہ امانت جس کا یہاں ذکر ہے) اس سے مراد طاعت اور فرائض ہیں۔'' یعنی بندہ صرف اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور احکام پر قائم رہنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور یہی وہ رشتہ ہے جس سے قرب الٰہی اور نیابت الٰہی وغیرہ کے مقامات اسے حاصل ہو سکتے ہیں، اور وہ اللہ سے اس قدر قریب ہو سکتا ہے کہ گویا اللہ اس کی شہ رگ سے زیادہ قریب ہو۔

سورۃ ق (۱۶) میں ارشاد ہے کہ اور بے شک ہم نے انسان کو پیدا کیا اور ہم جانتے ہیں کہ جو وسوسہ اس کا نفس ڈالتا ہے اور ہم شہ رگ سے بھی اس سے زیادہ قریب ہیں''۔

جب انسان کی کوئی بات اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں اور وہ اللہ سے اس قدر قریب ہے تو اس کا فرض ہے کہ اس کی فرمانبرداری کرے اور اپنے منصب کو اپنے ہاتھ سے جانے نہ دے۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ اللہ پاک نے بندے کو پیدا کر کے اسے فضول زندگی نہیں دی بلکہ ہر زمانے میں اس کی رہبری اور ہدایت کے لئے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا تا کہ وہ غیر اللہ کو اپنا معبود نہ بنائے اور اپنے سے کم درجے کی مخلوق کے آگے سر نہ جھکائے۔ یہ ہدایت، اللہ تعالیٰ کی خاص محبت اور خاص لطف و کرم کی نشانی ہے کہ وہ پیدا بھی کرتا ہے، اس کے لئے رزق بھی مہیا کرتا ہے اور اس کو ہدایت بھی بہم پہنچاتا ہے تا کہ وہ اپنے منصب سے ہٹنے نہ پائے اور اپنے مقام کو چھوڑ نہ بیٹھے۔ انسان کے اس بلند منصب کی بقا کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے نہایت جامع اصول سمجھا دیا۔ سورۃ آل عمران (۳۱) میں ارشاد ہے کہ: (اے میرے محبوب) آپ فرما دیں کہ لوگو تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میرے محبوب (یعنی رسول اللہ ﷺ) کے فرماں بردار ہو جاؤ (پھر) اللہ تم سے محبت رکھے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

یعنی اللہ سے محبت اور اللہ کا قرب اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب اللہ کے رسول ﷺ کی پیروی کی جائے۔ اس پیروی سے مغفرت بھی حاصل ہوگی اور اللہ کی رضا بھی حاصل ہوگی جو دنیا اور آخرت کی فلاح کی ضامن ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں جگہ جگہ اس قرب پر زور دیا ہے، کیونکہ یہی قرب دراصل تقویٰ اور اللہ کے خوف کا ذریعہ ہوتا ہے۔ بلکہ سورۃ الحج (۳۷) میں حج کی قربانی کے سلسلے میں یوں بھی فرمایا کہ ''اللہ کو ان کے گوشت ہرگز نہیں پہنچتے اور نہ ان کے

خون لیکن تمہاری پرہیز گاری اس تک باریاب ہوتی ہے''۔ یعنی پرہیز گاری اور تقوی ہی اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ ہے۔ اور اس پرہیز گاری کی کامیابی صرف حضور انور ﷺ کی غلامی سے میسر آتی ہے۔ جب یہ غلامی نصیب ہو جاتی ہے تو بندہ صرف اپنے رب کے لئے جینا چاہتا ہے اور اسی کے لئے مرنا چاہتا ہے سورۃ الانعام (۱۶۲) میں ارشاد ہوتا ہے کہ: ''(اے محبوب ﷺ) آپ فرما دیں کہ بے شک میری نماز اور میری قربانیاں، اور میرا جینا مرنا سب اللہ کے لئے ہے جو سارے جہانوں کا رب ہے''۔ یعنی بندہ اسی وقت صحیح معنوں میں قرب الٰہی حاصل کر سکتا ہے جب کہ اس کا مرنا اور اس کا جینا سب کچھ اللہ کے لئے ہو اور ایسی زندگی صرف حضور ﷺ کا کامل پیروی اور غلامی سے حاصل ہو سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ قف عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ

ترجمہ: کہہ دیجئے! یہ ہے میرا راستہ، میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں، میں اور میرے تابعدار بصیرت پر ہیں۔

ہر شخص کا عروج ایک خاص مقام تک ہوتا ہے جو اس کا مبدتعین ہے اس کے بعد اس کا رجوع اسی لحاظ سے ہوتا ہے۔ جس قدر کسی کا عروج کامل ہوگا رجوع بھی اسی قدر کامل ہوگا اور جس قدر کوئی شخص شریعت وسنت کی پیروی کرے گا اور تقویٰ میں کمال پیدا کر کے خالص اللہ کی عبادت کرے گا اتنا ہی عروج ورجوع کامل ہوگا۔

لَا يَسَعُنِيْ اَرْضِيْ وَلَا سَمَآئِيْ وَلٰكِنْ يَسَعُنِيْ قَلْبُ عَبْدِ مُؤْمِنٍ

ترجمہ: زمین وآسمان مجھے نہیں سما سکتے لیکن بندہ ومومن کا قلب مجھے سما لیتا ہے۔

كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِيْ يَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرَهُ الَّذِيْ يُبْصِرُ بِهٖ وَيَدَهُ الَّتِيْ يَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهُ الَّتِيْ يَمْشِيْ بِهَا

ترجمہ: (اللہ پاک فرماتا ہے) پس میں اس کی شنوائی ہوتا ہوں کہ وہ اس کے ساتھ سنتا ہے اور اس کی بینائی ہوتا ہوں کہ اس کے ساتھ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ ہوتا ہوں کہ اس کے ساتھ پکڑتا ہے اور اس کے پاؤں ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ چلتا ہے۔

علم الیقین ۔ عین الیقین ۔ حق الیقین (ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ)

کسی چیز کے متعلق واقع کے مطابق آپ کے اعتقاد کو یقین کہتے ہیں۔ صوفیائے کرام نے حق تعالیٰ کی ذات کا مشاہدہ کرنے میں یقین کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

ا۔ علم الیقین

اور یہ حق سبحانہ وتعالیٰ کی ذات میں ان آیتوں اور نشانیوں کے مشاہدہ کرنے سے مراد ہے جو حق تعالیٰ کی قدرت پر دلالت کرتی ہیں اور ان نشانیوں کو شہود کو سیر آفاقی کہتے ہیں اور یہ سب کچھ سالک اپنے باہر میں مشاہدہ کرتا ہے۔ قطب المحققین سید العارفین ناصر الدین خواجہ عبید اللہ الاحرار قدس سرہ الاسرار نے فرمایا کہ سیر (الی اللہ) دو قسم پر ہے۔

ا۔ سیر مستطیل اور وہ یہ ہے کہ اپنا مقصود اپنے دائرے کے باہر تلاش کریں (سیر آفاقی) اور یہ دور در دور ہے۔

۲۔ سیر مستدیر یعنی اپنے دل کے گرد پھریں اور اپنا مقصد اپنے ہی اندر تلاش کریں اور یہ قریب در قریب ہے۔ (سیر انفسی)

Marfat.com

پس وہ تجلیات جو حسی یا مثالی صورتوں میں انوار کے پردوں میں ہوں، خواہ کوئی صورت ہو اور خواہ کوئی نور ظاہر ہو، وہ نور خواہ رنگین ہو یا بے رنگ ہو، یا غیر محدود اور کائنات کو محیط ہو یا نہ ہو، سب علم الیقین میں داخل ہیں۔ اس شعر میں اسی مشاہدہ آفاق کی طرف اشارہ ہے جو علم الیقین کے لئے مفید ہے۔

اے دوست ترا بہر مقامے جستم ہر دم خبرت زاین و آں مے جستم

اے دوست میں تجھ کو ہر مقام میں ڈھونڈتا تھا اور ہر وقت اس اور اس (کائنات) سے تیری خبر تلاش کرتا تھا۔

یہ مشاہدہ چونکہ مقصود کی خبر نہیں دیتا اور سوائے نشانی اور دلیل کے اس کا کچھ حضور نہیں بخشا اس لئے دھوئیں اور گرمی کے مشاہدہ کی طرح ہے جو آگ کے وجود پر رہنمائی کرتا ہے۔ پس یہ مشاہدہ علم کے دائرہ سے نہیں نکل سکتا اور نہ علم الیقین کے سوا کچھ فائدہ دے سکتا ہے اور نہ ہی سالک کا وجود اس کے فنا ہو سکتا ہے۔

۲۔ عین الیقین

علم الیقین سے حق تعالیٰ کی قدرت کا مشاہدہ کرنے کے بعد جو مشاہدہ حق تعالیٰ کی ذات اور حضوری میں حاصل ہوتا ہے اور جس میں صرف اس قدر غلبہ ہو کہ مشاہدہ کرنے والا مشہود کے غیر سے بالکل بے خبر نہ ہو جائے عین الیقین کہلاتا ہے اور وہ بعض کے نزدیک سالک کے اپنے نفس میں ہوتا ہے اسی لئے کہا گیا ہے: مِنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ (۱)

ترجمہ: جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہنچا لیا۔

اور اس ذاتی شہود اور حضور کو سیر انفسی کہتے ہیں جو سیر الی اللہ کا دوسرا جز ہے۔ لیکن حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سیر انفسی بھی علم الیقین میں داخل ہے اور مقصودِ حقیقی کا پتہ دینے والی اور اس کے ظلال میں سے چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ (۲)

ترجمہ: ہم ان کو دنیا اور ان کے اپنے نفسوں میں اپنی نشانیاں دکھائیں گے تاکہ ان پر ظاہر ہو جائے کہ وہ حق ہے۔

بلکہ بندے سے حق تعالیٰ تک قرب کی جانب میں ایک اور سیر واقع ہوتی ہے جس کے قطع کرنے پر وصول الی اللہ منحصر ہے۔ یہ تیسری سیر بھی حقیقت میں علم الیقین ہی کو ثابت کرتی ہے اور اگرچہ دائرہ ظلیت سے باہر اسماء و صفاتِ حقیقت میں حضرت ذات تعالیٰ کے ظلال ہیں اور اس لئے وہ آثار و آیات میں داخل اور علم الیقین میں شمار کئے گئے ہیں۔ پس عین الیقین کا مشاہدہ سالک کے فنا کو لازم کرتا ہے اور اس مشاہدہ کے غلبہ میں اس کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا اور اپنے محبوب کے مشاہدے میں ڈوب جاتا ہے۔ اس کو ادراک بسیط اور معرفت بھی کہتے ہیں کیونکہ اس مقام میں سالک: مِنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ

ترجمہ: جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہنچا لیا۔

سے مشرف ہو جاتا ہے اور مشاہدہ میں سراسر حیرت اور نادانی ہے علم کی اس میں گنجائش نہیں ہے اور سالک:

Marfat.com

مَنْ عَرَفَ رَبَّهٗ كَلَّ لِسَانُهٗ، ترجمہ: جس نے اپنے رب کو پہچانا اس کی زبان گونگی ہوگئی۔

کا مصداق ہو جاتا ہے۔ اسی لئے بعض بزرگوں نے کہا ہے کہ علم الیقین عین الیقین کے لئے پردہ ہے اور عین الیقین علم الیقین کے لئے پردہ ہے۔

تو دل تو میں آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا　　　بس جان گیا میں تری پہچان یہی ہے

۳۔ حق الیقین

جب سالک فنا کے بعد، سیر فی اللہ کے مقام میں بقاباللہ سے مشرف ہوتا ہے اور اس کا یہ مشاہدہ حق، حق تعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے کہ نہ عارف کے اپنے ساتھ اور بی یسمع (مجھ ہی سے سنتا ہے) اور بی یبصر (مجھ ہی سے دیکھتا ہے) کا مرتبہ حاصل کرتا ہے تو فنائے مطلق (حقیقی فنا) حاصل کرنے کے بعد (جو ذات وصفات کی فنا ہے) حق تعالیٰ محض اپنی عنایت سے اپنے نزدیک سے ایک ایسا وجود (یعنی کیفیت) عطا کرتا ہے کہ سکر، حال اور بے خودی دور ہو کر صحو اور ہوشیاری میں آجاتا ہے اور اس مقام میں علم اور عین ایک دوسرے کا پردہ نہیں رہتے بلکہ عارف عین مشاہدہ کی حالت میں عالم اور عین علم کی حالت میں مشاہدہ کرنے والا ہوتا ہے، یہ حق الیقین ہے۔

یقین کے ان تینوں مرتبوں کو آپ اس مثال سے سمجھ لیجئے، مثلاً کوئی شخص بزرگوں کے اقوال سے (تواتر کے طور پر) یہ معلوم کرلے یا دوسرے مضبوط قرینوں اور دلیلوں سے یہ جان لے کہ آگ کی تاثیر جلانا اور زہر کی تاثیر مارنا ہے تو یہ علم الیقین ہے۔ اگر کسی شخص کو آگ میں جلتا یا زہر کھا کر مرتا دیکھے تو یہ عین الیقین ہے اور اگر خود آگ میں جلے یا زہر کھا کر حالت موت میں مبتلا ہو جائے تو یہ حق الیقین ہے۔ القصہ سیر الی اللہ کا پھل علم الیقین ہے سیر فی اللہ میں مقام فنافی اللہ کا نتیجہ عین الیقین اور بقاباللہ کا ثمرہ حق الیقین ہے۔ **فقط واللہ اعلم بحقیقۃ الحال والیہ یرجع الاحوال فی المآل**

صبر وثبات

حضور اکرم ﷺ صبر وثبات، تسلیم ورضا اور استقلال واستقامت کی ایسی شان رکھتے تھے کہ سخت سے سخت اضطراب واضطرار کے عالم میں بھی پائے ثبات کو ذرا سی جنبش بھی نہیں ہوتی تھی۔ ایک صحابی نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ "یارسول اللہ ﷺ! سب سے زیادہ مصیبت کس پر آئی ہے؟ آپ ﷺ نے جواب دیا کہ پیغمبروں پر، پھر اسی طرح درجہ بدرجہ لوگوں پر"۔ اسی لئے آپ ﷺ سے سورۃ احقاف (۳۵) میں کہا گیا ہے کہ: "اے میرے حبیب ﷺ جس طرح اولوالعزم پیغمبروں نے صبر کیا، تم بھی صبر کرو، یعنی مصائب میں صبر کرنا انبیاء علیہ السلام کی امتیازی شان ہے اور چوں کہ ہمارے آقا ﷺ افضل الانبیاء تھے اس لئے اس وصف میں بھی آپ ﷺ کی خصوصیت سب سے زیادہ امتیازی تھی۔ صبر کے لغوی معنی روکنے اور باندھنے کے ہیں اور قرآن وسنت کی اصطلاح میں نفس کو طبیعت کے خلاف چیزوں پر قائم رکھنا صبر کہلاتا ہے۔ اس کی تین قسمیں ہیں۔

Marfat.com

۱۔طاعات پر صبر کرنا،یعنی احکام الٰہی کی پابندی کرنا،خواہ وہ پابندی طبیعت پر کتنی شاق کیوں نہ ہو۔
۲۔نافرمانیوں سے صبر کرنا۔یعنی جن چیزوں سے منع کیا گیا ہے،وہ خواہ نفس کو بہت مرغوب ہی کیوں نہ ہو،ان سے نفس کو روکنا۔
۳۔مصائب پر صبر کرنا۔ یعنی ہر تکلیف اور ہر پریشانی کو اللہ تعالیٰ کی فرستادہ سمجھ کر اس سے خوش ہونا۔
انبیاء علیہ السلام اور خاص طور پر ہمارے آقا ﷺ اس آخری قسم کے مطابق ہر مصیبت کو رضائے الٰہی سمجھ کر اس سے راضی ہوتے تھے اور ذرہ برابر بھی پریشان نہ ہوتے تھے۔اللہ تعالیٰ نے تمام مصائب کا علاج صبر وتقویٰ ہی بتایا ہے۔
سورۃ آل عمران (۱۲۰) میں ارشاد ہے:''اگر تم صبر اور تقویٰ اختیار کرو تو (مخالفین کی) چالیں ذرا بھی نقصان نہ پہنچا سکیں گی''۔
سورۃ یوسف (۹۰) میں بھی ارشاد ہے کہ''بے شک جو شخص تقویٰ اور صبر اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ (ایسے) نیکی والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا''۔
گویا تقویٰ اور صبر ہر نیکی کرنے والوں کا شیوہ ہوا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی ان کو اجر دینے والا ہے۔حضور انور ﷺ کی ذات گرامی شروع ہی سے صبر وتقویٰ سے عبارت تھی۔کون سا واقعہ اور کون سی ساعت ایسی تھی جس میں حضور ﷺ نے صبر وثبات کا ثبوت نہ دیا ہو۔
حضور ﷺ نے صبر وثبات کی فضیلت میں فرمایا ہے کہ:''مومن مرد اور عورت،زندگی کے اندر مصائب میں مبتلا ہوتے رہتے ہیں کبھی ان کی جان کو تکلیف پہنچتی ہے اور کبھی مال میں نقصان آجاتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس طرح حاضر ہوتے ہیں کہ ان مصائب پر صبر کرنے سے ان کے تمام گناہ مٹ چکے ہوتے ہیں''۔
ایک حدیث ہے کہ:''مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے کہ اس کا ہر کام خیر ہی خیر ہے اور یہ سعادت مومن کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔وہ یہ کہ اگر اسے کوئی تکلیف یا صدمہ پہنچتا ہے تو وہ صبر کرتا ہے تو یہ اس کے لئے بہتر ہوتا ہے اور اگر اسے کوئی خوشی یا فراخی حاصل ہوتی ہے تو وہ شکر ادا کرتا ہے تو یہ بھی اس کے لئے بہتر ہوتا ہے،یعنی وہ ہر حال میں خیر ہی خیر حاصل کرتا ہے''۔
ایک اور حدیث میں حضرت ابوالدرداؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ:''مجھ سے میرے محبوب ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہرانا،خواہ تیری بوٹیاں کاٹ دی جائیں اور تجھ کو آگ میں جلا دیا جائے''۔
ایسی مثالیں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہ اجمعین کی زندگیوں میں ملتی ہیں،اور صبر کی یہی اعلیٰ قسم حضور انور ﷺ کی حیات طیبہ میں شروع سے آخر تک نظر آتی ہے۔

سلسلہ نقشبندیہ میں طریقہ بیعت

بیعت کا طریقہ صوفیائے کرام کے مختلف سلسلوں میں مختلف ہے۔ہمارے حضرت نقشبندیہ کا معمول یہ ہے کہ مرید کے سامنے باادب دوزانوں بیٹھ جائے اور اپنے دونوں ہاتھ شیخ کو مصافحے کے طریقے پر دے دے،شیخ اول خطبہ مسنونہ پڑھے اور وہ یہ ہے۔

Marfat.com

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَنَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَق

(کبھی بزرگ یہ خطبہ نہیں بھی پڑھتے) پھر مرید کو کہے کہ سچے دل کے ساتھ تمام گناہوں سے توبہ کرے اور جو کچھ میں پڑھتا جاؤں ،وہ بھی ساتھ ساتھ پڑھتا جائے۔پھر شیخ صفت ایمان مجمل اور مفصل پڑھے اور وہ یہ ہیں۔

ایمان مفصل

آمَنْتُ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْقَدْرِ خَیْرِہٖ وَشَرِّہٖ مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ

ترجمہ: میں اللہ تعالیٰ پر اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اسکے رسولوں اور قیامت کے دن پر اور اس پر کہ اچھی اور بری تقدیریں خداتعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے اور موت کے بعد اٹھائے جانے پر ایمان لانا۔

ایمان مجمل

اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ کَمَا ھُوَ بِاَسْمَائِہٖ وَصِفَاتِہٖ وَقَبِلْتُ جَمِیْعَ اَحْکَامِہٖ

(بعض وقت صرف ایمان مفصل پر کفایت کرتے ہیں) اس کے بعد پڑھے۔

اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ پھر کہے،

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ تَعَالٰی رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ

اس کے بعد ہاتھ اٹھا کر اپنے لئے اور بیعت ہونے والے اور حاضرین اور تمام مومن مرد عورتوں کے لئے دعائے خیر فرمائے اور بیعت ہونے والا اور تمام حاضرین بھی ہاتھ اٹھا کر شامل دعا ہو جائیں، پھر مرید سے کہے کہ میں نے تجھ کو سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں بیعت کیا ہے۔ بیعت لینے سے پہلے یہ تلقین کی جائے کہ امور شرع کی پابندی اور غیر شرح کاموں سے بچنا اور تقویٰ حاصل کرنا ہوگا۔ اگر بیعت ہونے والے آدمی زیادہ ہوں تو پیر اپنی چادر یا عمامہ یا رومال وغیرہ دور تک پھیلا دے اور ان سے کہے کہ سب پکڑ لو اور سب کو ایک ہی ساتھ تلقین توبہ واستغفار کرائے۔ اگر دو چار آدمی ہوں تو ایک ہی مصافحے میں شامل کرلے۔ یہ تو مردوں کی بیعت کا طریقہ تھا، جب عورت کو مرید کرے تو اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں نہ لے بلکہ عورتوں کو دور پردے کے ساتھ بٹھا کر اپنے عمامہ یا چادر یا رومال وغیرہ کا پلہ اس کو ہاتھوں میں تھامنے کے لئے کہے یا ویسے ہی (بغیر کپڑا وغیرہ پکڑے) مردوں کی طرح تلقین وتوبہ واستغفار وغیرہ کرائے اور عورتوں کی تلقین میں عورتوں سے متعلق ضروری اور موقوف کے مناسب مسائل مثلاً جھوٹ، غیبت، چوری، زنا، قتل اولاد اور نافرمانی شوہر سے بچنے اور زکوٰۃ وغیرہ ادا کرنے کی تاکید کرے۔ مردوں اور عورتوں کو ایک جگہ جمع کر کے بیعت نہ کرے بلکہ مردوں کی جماعت کو علیحدہ بیعت کرے اور عورتوں کی جماعت کو علیحدہ ،تاکہ پردہ قائم رہے اور مناسب یہ ہے اور یہی بزرگوں کا معمول ہے کہ پیر اپنے اور بیعت ہونے والی عورتوں کے درمیان

Marfat.com

چار پائی کھڑی کرالے یا چادر وغیرہ کسی اور طریقے سے پردہ کر کے پھر بیعت کرے اور اس بات کا بڑی سختی سے پابند رہے کہ تنہائی میں عورتوں کو بیعت نہ کرے بلکہ جب کوئی عورت بیعت ہونے لگے تو اس وقت اس کے کسی محرم کو پاس کھڑا کر لے تا کہ فتنے سے محفوظ رہے۔اس کے بعد ذکر کا طریقہ مرید کو اس طرح تعلیم کرے۔

اقسام اولیاء اللہؒ

بزرگ کی مختلف عبادتیں ہیں، انوار العارفین میں اس باب میں جو تقریر ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اولیاء اللہؒ کے بارہ گروہ ہیں۔اقطاب، غوث، امامین واوتاد، ابدال، اخیار، ابرار، نقباء، نجبا، عمد، مکتومان، مفردان۔

جناب مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوبات شریف (جدل رمکتوبات ۲۵۶) میں فرمایا ہے کہ غوث قطب مدار سے الگ ہے بلکہ غوث اس کے در وزگار کا ممد ومعاون ہے۔قطب مدار بعض امور میں اس سے مدد لیتا ہے یا ابدال کے منصب مقرر کرنے میں بھی اس کا دخل ہے اور قطب کو اس کے اوان وانصر کے اعتبار سے قطب الاقطاب بھی کہتے ہیں کیونکہ قطب الاقطاب کے اعوان وانصار حکمی قطب ہیں۔فتوحات مکیہ کے چودھویں باب میں شیخ محی الدین علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ قطب یکتا جس سے نوع انسان کی تخلیق کے وقت سے لے کر قیام قیامت تک تمام انبیاء و رسلؑ اور اقطاب مسلسل فیض حاصل کر رہے ہیں وہ آقائے دوجہاں باعثِ تخلیق کون ومکاں حضور سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کی روح طیبہ ہے۔قطب العالم ایک ہوتا ہے اس کو قطب اکبر، قطب الارشاد، قطب الاقطاب وقطب المدار بھی کہتے ہیں کہ اور عالم غیب میں اس کا نام عبداللہ ہوتا ہے، اسکے دو وزیر ہوتے ہیں جو امامین کہلاتے ہیں، وزیر یمین (داہنے) کا نام عبدالملک ہے، یہ قطب کے داہنے ہاتھ پر رہتا ہے اور اس کی نظر ملکوت میں رہتی ہے اور اس کا رتبہ اپنے دوسرے ساتھی سے بلند ہے یہی ہے جو قطب کی خلافت سنبھالتا ہے (اس کے وصال پر اس کا قائم مقام قطب ہوتا ہے) اور وزیر یسار (بائیں) کا نام عبدالرب ہوتا ہے جو قطب کے بائیں ہاتھ پر رہتا ہے اور اس کی نظر ملک میں رہتی ہے۔ان کی ظاہری خصوصیات زہد، پرہیز گاری، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہیں اور باطنی خصوصیات صدق، اخلاص، حیا اور مراقبہ ہیں اور ان (امامین) سے اللہ تعالیٰ عالم غیب اور عالم شہادت (عالم محسوسات کا تحفظ فرماتے ہیں اور بارہ قطب اور ہوتے ہیں سات تو سات اقلیم میں رہتے ہیں ان کو قطب اقلیم کہتے ہیں اور پانچ یمن میں انکو قطب ولایت کہتے ہیں۔یہ عدد تو اقطاب معینہ کا ہے اور غیر معین ہر قریئے اور ہر شہر میں ایک ایک قطب ہوتا ہے اسی طرح جماعتوں اور قوموں کے بھی اقطاب ہوتے ہیں۔غوث ایک ہوتا ہے۔غوث کا اطلاق ایسے عظیم المرتبت انسان پر ہوتا ہے جس کے پاس لوگ اپنی حاجات لے کر جائیں، پریشانی کے عالم میں وہ لوگوں پر اہم ترین علوم کے پوشیدہ اسرار ظاہر کیا کرتا ہے۔اس سے دعا طلب کی جاتی ہے اس لئے کہ وہ مستجاب الدعوات ہوتا ہے، وہ اگر باری تعالیٰ کو قسم دے کر کچھ طلب کرے تو حق تعالیٰ اس کی قسم پوری فرما دیتے ہیں جیسا کہ سیدنا اویس قرنیؓ صحیح یہی ہے کہ وہ قطب مدار سے مختلف ہوتا ہے جیسا کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ سے فرمایا ہے۔بعض نے کہا کہ وہ مکہ مکرمہ میں ہوتا ہے لیکن اس قول میں بھی اختلاف ہے۔اوتاد چار ہوتے

Marfat.com

اوراس عالم کی چاروں سمتوں کے چار رکن میں رہتے ہیں، ان میں چار خصوصیات ظاہری ہیں، کثرت صیام، قیام لیل، کثرت ایثار اور شب کے تیسرے پہر میں یعنی نصف شب کے بعد استغفار اور باطنی خصوصیات یہ ہیں توکل، تفویض (سپردگی بخدا) ثقہ (بھروسہ) اور تسلیم۔ ان میں سے بھی ایک ان کا قطب ہوتا ہے جس کی یہ اقتدا کرتے ہیں۔ ابدال چالیس ہوتے ہیں بائیس یا بارہ شام میں اور اٹھارہ یا اٹھائیس عراق میں رہتے ہیں۔ یہ حضرات استقامت اور اعتدال سے بہرہ ور یعنی افراط وتفریط سے محفوظ ہوتے ہیں اور وساوس وخطرات سے پاک ہو چکے ہوتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ یہ تعداد میں سات ہوتے ہیں اور ان کے سپرد ہفت اقلیم کا تحفظ ہے اور یہ ساتوں ابدال انبیاء علیہم السلام سے مدد حاصل کرتے ہیں جن کی ارواح طیبہ آسمانوں پر متمکن ہیں اور پھر ان ابدال کے ذریعے یہ مدد ساتوں دنوں پر وارد ہوتی ہے ہر بدل کا تعلق ہفتہ کے ایک مخصوص دن کے ساتھ ہے۔

علاوہ بریں اُنہیں سیارگان سے متعلقہ امور واسرار نیز ان کی حرکات مختلف منازل میں داخلہ کا علم رہتا ہے۔ ان کو ابدال اس بنا پر کہا جاتا ہے کہ جب ان میں سے کوئی شخص ایک قوم سے دوسری قوم اور ایک جگہ سے دوسری جگہ کا سفر اختیار کرتا ہے تو وہ اپنی جگہ اپنا ایک ہمشکل قائم مقام بنا جاتا ہے کہ دیکھنے والوں کے لئے امتیاز ممکن نہیں رہتا، انہیں قطعاً شبہ نہیں ہوتا کہ وہ نہیں دوسرا ہے یہ بدل کی امتیازی علامت ہے، بدل ابراہیم علیہ السلام کے قلب پر ہوتا ہے، یہ آٹھ صفات سے متصف ملتے ہیں، ظاہر ہے کہ اعتبار سے خاموشی، بیداری، بھوک اور خلوت اور باطن کے اعتبار سے تجرید، تفرید، جمع، توحید، ان میں سے ایک امام ہوتا ہے اور وہ انکا قطب کہلاتا ہے۔ اختیار پانچ سو یا سات سو ہوتے ہیں اور ان کو ایک جگہ قرار نہیں بلکہ وہ سیاح ہوتے ہیں ان کا نام حسین ہوتا ہے۔ ابرار ہی کو اکثر نے ابدال کہا ہے۔ نقباء تین سو ہوتے ہیں جو ملک مغرب رہتے ہیں۔ سب کا نام علی ہوتا ہے، یہ حقائق اشیاء اور اسرار نفوس کو آشکارا کرتے ہیں ان سے دس کام وابستہ ہیں۔ چار ظاہر سے متعلق ہیں یعنی کثرت عبادت، تحقق، زہد، تجرعن الارادہ (ترک ارادہ) مع وقت مجاہدہ اور باطن سے چھ کام متعلق ہیں یعنی توبہ، انابت، محاسبہ، تنکفر، اعتصام اور ریاضت، ان تین سو کا انہی میں سے ایک امام ہے۔ یہ سب کچھ اسی کے ذریعے سے لیتے اور اسی کی اقتدا کرتے ہیں، وہی ان کا قطب ہے۔ نجبا باختلاف اقوال ستر یا چالیس ہوتے ہیں اور مصر میں رہتے ان سب کا نام حسن ہوتا ہے، یہ مخلوق کا بوجھ اٹھاتے ہیں اور دنیا والوں کا غم کھاتے ہیں ان کی زندگی، دوسروں کی مصلحت شناسی کیلئے وقف رہتی ہے اور اپنے لئے کچھ نہیں کرتے شب وروز دوسروں کی بہبود اور خدمت میں صرف کرتے ہیں ان میں آٹھ خصوصیات ہوتی ہیں، چار ظاہری یعنی جواں ہمت متواضع، مؤدب اور کثیر العبادت ہوتے ہیں، چار باطنی یعنی صبر، رضا، شکر اور حیا۔ اخلاقی حیثیت سے ان کا رتبہ بہت بلند ہوتا ہے۔ عمد چار ہوتے ہیں اور وہ زمین کے چاروں گوشوں میں رہتے ہیں ان سب کا نام محمد ہوتا ہے اور غوث ترقی کر کے فرد ہو جاتا ہے اور فرد ترقی کر کے قطب وحدت ہو جاتا ہے اور مکتوم تو مکتوم (پوشیدہ) ہی ہیں۔

قطب اس وقت تک قطب نہیں ہوتا جب تک اس میں ان تمام اولیائے کرامؒ کی خصوصیات یکجا جمع نہ ہو جائیں جن کا ذکر مختلف طبقات کے تحت اوپر ہو چکا اور یہ منصب وہبی ہے اور وراثت ظاہری کی طرح اس میں وراثت نہیں چلتی بلکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتے ہیں عطا فرماتے ہیں۔

Marfat.com

مختصر حالات حضرات عالیہ نقشبندیہ مجددیہ رحمہم اللہ تعالیٰ

ا۔ شفیع المذنبین رحمتہ اللعالمین محبوب رب العالمین احمدِ مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کنیت ابوالقاسم، نام نامی محمد اور احمد ﷺ والد ماجد عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف، اور والدہ ماجدہ آمنہ بنت وہب، ولادت باسعادت مشہور قول کے مطابق مکہ معظمہ میں دوشنبہ ۱۲ ربیع الاول کو ہوئی۔ اسی سال واقعہ فیل پیش آیا اور اس وقت فارس کے بادشاہ نوشیرواں کی سلطنت کا چالیسواں سال تھا۔ چالیس برس کی عمر میں نبوت ملی، اس کے تیرہ سال بعد مدینہ منورہ کو ہجرت فرمائی اور دس سال بعد دوشنبہ ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ کو بہ عمر تریسٹھ سال، رفیق اعلیٰ سے واصل ہوئے۔ تمام انبیاء علیہم السلام کے خاتم، تمام جہانوں کے لئے رحمت، تمام انسانوں اور انسانیت کے لئے کافی دوافی صرف آپ ﷺ ہیں، صرف آپ ہی صاحب لولاک ہیں اور صرف آپ کی متابعت پر اللہ ارشاد تعالیٰ کی محبت کا دارومدار ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے حمد ونعت میں ایک بے مثل فقرہ ارشاد فرمایا ہے کہ "حق سبحانہ وتعالیٰ را بواسطہ آں دوست می دارم کہ رب محمد ﷺ است" (مبدا ومعاد) شاید ہی ایسی جامع حمد ونعت کسی زبان میں موجود ہو۔

۲۔ امیر المؤمنین امام المسلمین حضرت ابوبکر صدیقؓ

کنیت ابوبکر، نام نامی عبداللہ، لقب صدیق اور عتیق، والد کا نام عثمان اور کنیت ابوقحافہ، والدہ کا نام سلمیٰ ساتویں پشت میں ان کا نسب حضور انور ﷺ سے مل جاتا ہے۔ واقعہ فیل سے دو سال چار ماہ بعد پیدا ہوئے۔ سب سے پہلے ایمان لائے، خود بھی صحابی، والدین بھی صحابی اور اولاد بھی صحابی۔ انبیاء علیہم السلام کے بعد سب سے افضل ہیں۔ مولانا رومؒ نے ایک مصرع میں کیا خوب کہا ہے: ثانیٔ اسلام وغار وبدر وقبر

جیش العسرہ کے لئے آپؓ نے سب مال دے دیا اور فرمایا کہ اہل وعیال کے لئے اللہ اور رسول ﷺ کافی ہیں۔ آیا قرآنیہ اور احادیث کثیرہ میں آپ کے فضائل موجود ہیں۔ مرض وفات میں حضور اکرم ﷺ نے آپ کو اپنی جگہ امام نماز بنایا۔ دو برس تین مہینے نو دن کی خلافت کے بعد تریسٹھ سال کی عمر میں ۲۲ جمادی الاخریٰ ۱۳ھ کو وصال ہوا۔ آپ گنبد خضرا میں حضور انور ﷺ کے پہلو میں دفن ہونے کی سعادت سے مشرف ہوئے۔

۳۔ حضرت سلمان فارسیؓ

کنیت ابوعبداللہ، وطن فارس، پہلے آتش پرست تھے، پھر عیسائی ہوئے اور اس مذہب کے عالم ہوئے، یکے بعد دیگرے کئی عیسائی عالموں کی خدمت میں رہے۔ آخر ایک عالم نے ان کو حضور اکرم ﷺ کے قرب بعثت اور مقام ہجرت کی خبر دی۔ چنانچہ یہ عرب کے ایک قافلے کے ساتھ روانہ ہوئے تو اس قافلے نے انہیں غلام بنا کر مدینہ کے ایک یہودی کو بیچ دیا۔ حضور اکرم ﷺ جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو یہ وہاں موجود تھے اور وہیں مسلمان ہوئے، حضور اکرم ﷺ

Marfat.com

نے فرمایا کہ:

سَلْمَانَ مِنَّا اَهْلَ الْبَيْتِ سلمانؓ ہمارے اہل بیت میں سے ہے۔

آپ اصحاب صفہ میں سے ہیں۔ ۱۰ رجب ۳۳ھ کو شہر مدائن میں وفات پائی، وہیں مزار مبارک ہے۔ عمر ڈھائی سو سال سے کم نہیں تھی۔

۴۔ حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکرؒ

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پوتے اور حضرت امام زین العابدینؒ کے خالہ زاد بھائی تھے، زہد وتقویٰ میں ضرب المثل اور مدینہ طیبہ کے سات مشہور فقہائے تابعین میں سے تھے۔ ابن سعد نے آپ کے متعلق فرمایا ہے ''معتبر شخص ہیں عالی مرتبہ ہیں، عالم ہیں متقی ہیں''۔ بڑے بڑے فقہاء اور صلحاء مثلاً امام جعفر صادقؒ (جو آپ کے نواسے بھی تھے) آپ سے مستفیض ہوئے۔ ستر سال کی عمر میں مدینہ منورہ میں ۲۴ جمادی الاولیٰ ۱۰۷، ۱۰۶، ۱۰۱ھ کو وفات پائی۔

۵۔ حضرت امام جعفر صادقؒ

حضرت امام محمد باقر بن زین العابدینؒ کے صاحبزادے تبع تابعین میں سے ہیں۔ امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ جیسے اکابر نے آپ سے حدیث روایت کی ہے۔ آپ کی والدہ ام فروہؓ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی پوتی بھی تھیں اور نواسی بھی، اسی لئے آپ فرماتے تھے کہ ''مجھے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی دوہری اولاد ہونے کا شرف حاصل ہے''

۶۔ حضرت سلطان العارفین بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ

کنیت ابو یزید، نام طیغور (ابن عیسیٰ ابن آدم) اور لقب سلطان العارفین تھا۔ آپ کے دادا آتش پرست تھے پھر مسلمان ہوئے۔ حضرت امام جعفر صادقؒ کی روحانیت سے فیض پایا۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ''راہ توحید کے سالکوں کی انتہا بایزیدؒ کی ابتدا کے برابر ہے' حضرت ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ''اٹھارہ ہزار عالم بایزیدؒ سے بھرے ہوئے دیکھتا ہوں۔ مگر بایزیدؒ ہم میں نہیں ہیں۔ (یعنی وہ حق میں محو ہیں) بعمر ۷۳ سال بسطام میں ۱۵ شعبان ۲۶۱ھ کو وفات پائی۔ حضرت بایزید بسطامی کی لقائے صوری بعض کتب میں اس طرح ہے کہ عن الامام علی الرضا عن الامام موسی الکاظم عن الامام جعفر الصادق اس طرح وہ حضرت معروف کرخی علیہ الرحمہ کے پیر بھائی ہیں۔

۷۔ حضرت شیخ ابوالحسن خرقانیؒ

آپ کا اصلی نام علی بن جعفر ہے آپ کو بطریق اویسیت حضرت بازید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے فیض ہوا۔ لیکن بعض کہتے ہیں کہ اس طرح واسطہ تھا کہ آپ نے ابو مظفر مولیٰ ترک طوسیؒ سے انہوں نے خواجہ اعرابی یزید عقبشیؒ سے، انہوں نے خواجہ محمد مغربیؒ سے اور انہوں نے حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے کسب فیض کیا۔ منقول ہے کہ حضرت بایزید خرقان کی طرف رُخ کرتے تو فرماتے کہ یہاں سے دوست کی خوشبو آتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی وراثت کے یہ معنی ہیں کہ

Marfat.com

ہر ایک فعل میں حضور انور ﷺ کی پیروی کی جائے نہ کہ کاغذ سیاہ کئے جائیں۔ سلطان محمود غزنوی کو آپ سے کمال عقیدت تھی۔ ابو علی ابن سینا باوجود الحاد کے اپنی کتاب شفا میں آپ کی کرامت اور بزرگی کا قائل ہے۔ خرقان میں ۱۵ ر مضان ۴۲۵ھ کو رحلت فرمائی۔ (آپ کے بعد حضرت شیخ ابو القاسم گرگانی رحمۃ اللہ علیہ کا نام آتا ہے اور بعض شجروں میں آپ کا نام مبارک نہیں بھی ہے کیونکہ حضرت شیخ ابو علی فارمدی رحمۃ اللہ علیہ آپ سے بیعت ضرور ہیں لیکن بطور اویسیت ان کو حضرت شیخ ابو الحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ سے فیض حاصل ہوا ہے۔ حضرت ابو القاسم علیہ الرحمہ کی وفات ۲۳ صفر ۴۵۰ کو ہوئی اور طوس میں دفن ہوئے)۔

۸۔ حضرت شیخ ابو علی فارمدی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت ۴۳۴ھ میں اور وفات ۴ ربیع الاول ۴۷۷ھ ۵۱۱ھ کو طوس میں ہوئی، وہیں مدفون ہیں۔ آپ حضرت شیخ ابو القاسم گرگانی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے لیکن بطور اویسیت کے حضرت ابو الحسن رحمۃ اللہ علیہ سے مستفیض تھے۔ حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ آپ ہی سے بیعت اور تربیت یافتہ تھے۔

۹۔ حضرت خواجہ یوسف ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ

کنیت ابو یعقوب، نام مبارک یوسف، علوم شرعیہ میں خصوصاً علم حدیث میں کامل دستگارہ تھی، واعظ اور مفتی تھے۔ حضرت غوث الثقلین شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہ اکثر آپ کی صحبت میں حاضر ہوتے تھے اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہ میں بھی آپ کے یہاں چھ ماہ رہے۔ آپ اپنے وقت کے غوث اور پانچویں صدی کے مجدد تھے۔ بغداد، اصفہان، سمرقند، بخارا وغیرہ کے لوگ بہت مستفید ہوئے۔ ولادت ۴۴۰ھ میں اور وفات رجب ۵۳۵ھ میں ہوئی۔ مزار مبارک مرو میں ہے۔

۱۰۔ حضرت خواجہ عبد الخالق غجدوانی رحمۃ اللہ

لقب خواجۂ جہان ہے، حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں ہیں۔ حضرت خضر علیہ السلام آپ کے پیر تعلیم ہیں اور حضرت خواجہ یوسف ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ پیر صحبت و خرقہ ہیں۔ کمال درجہ متبع سنت تھے اور بدعت سے سخت تنفر، کم کھانے، کم سونے، کم بولنے اور کم ملنے کی خصوصیت سے وصیت فرمائی ہے۔ وہ آٹھ کلمات جن پر طریقہ نقشبندیہ کی بنیاد ہے آپ ہی کے مقرر کردہ ہیں یعنی ہوش دردم، نظر برقدم، سفر دروطن، خلوت، درانجمن، یادکرد، بازگشت، نگاہ داشت اور یادداشت ۱۲ ر ربیع الاول ۵۷۵ کو غجدوان (بکسر غین) میں وفات ہوئی، جو بخارا کے قریب ہے۔ حضرت اقدس ہیں آپ کا سال وفات ۶۱۶ھ یا ۶۱۷ درج ہے۔

۱۱۔ حضرت خواجہ محمد عارف ریوگری رحمۃ اللہ علیہ

مولد اور مدفن قصبہ ریوگر ہے جو بخارا سے اٹھارہ میل ہے۔ متابعت سنت علم، وحلم اور زہد وتقویٰ میں یگانہ روزگار تھے۔ تصوف میں عارف نامہ آپ کا ایک رسالہ موسیٰ زئی شریف (ڈیرہ اسماعیل خاں) میں موجود ہے۔ یکم شوال ۶۱۶ھ کو وفات ہوئی۔

Marfat.com

۱۲۔ حضرت خواجہ محمود انجیر فغنوی رحمتہ اللہ علیہ

انجیر فغنہ (جو شہر بخارا سے نو میل پر ہے) وطن ہے، پیشہ گلکاری تھا، آپ کا فیض عام تھا۔ کسی وقتی مصلحت سے آپ نے ذکر جہر کی تعلیم دی تھی چنانچہ اس سلسلے میں ذکر جہر کا رواج ہو گیا لیکن جب حضرت امام الطریقہ خواجہ بہاؤ الدین نقشبند رحمتہ اللہ علیہ حضرت سید امیر کلال رحمتہ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے تو علمائے بخارا کو آپ نے حضرت سید امیر کلال علیہ الرحمۃ سے رجوع کرایا اور جب علماء نے ذکر جہر کو بدعت قرار دیا تو حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ علمائے بخارا کو جمع کر کے حضرت امیر کلال قدس سرہ کی خدمت میں لائے تا کہ وہ ان کو ذکر جہر سے منع کر دیں چنانچہ علمائے کرام نے حضرت امیر قدس سرہ سے عرض کیا کہ ذکر جہر بدعت ہے آپ ایسا نہ کیا کریں۔ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ ہم آئندہ نہیں کریں گے (مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ مکتوب ۲۶۶ دفتر اول) اس کے بعد سے بدستور قدیم ذکر خفی کی تعلیم ہونے لگی۔ ۱۷ ربیع الاول ۷۱۵ کو وفات ہوئی۔ ایک روایت کے مطابق سال وفات ۷۱۷ھ ہے۔

ذکر جہر کے مسئلے میں علما کا اختلاف ہے۔ صحیح یہ ہے کہ ذکر جہر جائز ہے جبکہ شرائط کا لحاظ رکھے اور جہر مفرط کو قربت مقصودہ نہ سمجھے بلکہ جو مصلحتیں مشائخ نے بتائی ہیں ان کی بناء پر بغرض علاج کرے اور بدعت سے ان حضرات کی مراد غالباً بدعت طریقت ہوگی (مولف)

۱۳۔ حضرت خواجہ عزیزان علی رامیتنی رحمتہ اللہ علیہ

بخارا سے دو میل پر قصبہ رامیتین میں پیدا ہوئے لیکن آخر عمر میں بخارا آگئے تھے۔ آپ اپنے نفس مبارک کو عزیزان کہا کرتے تھے اس لئے آپ کا یہی لقب مشہور ہوا۔ آپ کی یہ رباعی مشہور ہے۔

با ہر کہ نشستی و نہ شد جمع دلت　　　وز تو نہ رمید زحمت آب و گلت

زنہار ز صحبتش گریزاں می باش　　　ورنہ نکند روح عزیزاں بحلت

تصوف پر آپ کا ایک رسالہ بھی ملتا ہے۔ سالک آپ کی صحبت سے ایک روز میں حقیقت کو پہنچ جاتا اور حضور قلب لے کر واپس جاتا۔ آپ فرماتے ہیں کہ عمل کر کے اس کو نہ کیا ہوا خیال کرنا چاہیئے اور خود کو قصور وار خیال کر کے از سر نو اپنا عمل شروع کرنا چاہیئے۔ فرمایا کہ مردہ ہے جس کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل نہ کر سکے، آدھا مردہ ہے جس کے شغل میں ذکر قلبی کی بھی لذت آتی ہو مگر وہ صرف اسی پر قناعت کرے یعنی جب تک ذکر کرے لذت حاصل ہوا اور جب چھوڑ دے تو دل بھی ذکر سے باز رہ جائے اور نامردہ ہے جو منافق ہو یعنی ذکر کرے مگر خدا کے لئے نہ کرے۔ ایک سو تیس سال کی عمر ۲۸ ذیقعدہ ۷۱۵ھ/۷۲۱ھ کو وفات پائی۔ مرقد خوارزم میں ہے۔

۱۴۔ حضرت خواجہ محمد بابا سماسی رحمتہ اللہ علیہ

علاقی رامیتن میں قریۂ سماس آپ کا مولد و مدفن ہے جو بخارا سے نو میل پر ہے۔ جذبات اور وارداتِ الٰہی کے غلبے

Marfat.com

سے اکثر ووارفتگی طاری ہوجاتی تھی جب آپ کا گزر صر ہندواں پر ہوتا تو حضرت شاہ نقشبند قدس سرہ کا مولد تھا تو فرماتے کہ ''زود باشد کہ ایں قصر ہندواں، قصر عارفاں گردد'' حضرت شاہ نقشبند قدس سرہ کو آپ نے اپنی فرزندگی میں قبول فرمایا تھا اور انکے متعلق یہ بھی فرمایا تھا کہ یہ لڑکا عنقریب اپنے وقت کا مقتدا ہوگا۔ ۱۰ جمادی الاخری ۷۵۵ھ کو وصال ہوا۔

۱۵۔ حضرت سید شمس الدین امیر کلال رحمۃ اللہ علیہ

عالی نسب سید تھے، آپ کا پیشہ زراعت تھا۔ مولد و مدفن آپ کا قریہ سوخار ہے جو بخارا سے چھ میل کے قریب ہے۔ جب آپ اپنی والدہ ماجدہ کے بطن میں تھے اگر اتفاقاً کوئی مشتبہ لقمہ ان کے حلق سے اتر جاتا تو ان کو درد شکم ہوجاتا تھا۔ نوجوانی میں کشتی کا شوق تھا، ایک مرتبہ حضرت بابا سماسی رحمۃ اللہ علیہ کا گزر انکے اکھاڑے سے ہوا آپ وہاں کھڑے ہوگئے اور فرمایا کہ معرکہ میں ایک مرد ہے جس سے بندگان خدا کو فیض پہنچے گا، میں اسی کے شکار کیلئے کھڑا ہوں۔ حضرت سید صاحب بہت متاثر ہوئے اور حضرت بابا کی خدمت میں تیس سال رہے۔ پنج شنبہ ۱۱ جمادی الاخری ۷۷۲ھ کو انتقال فرمایا۔

۱۶۔ حضرت امام الشریعہ والطریقہ خواجہ خواجگان

سید بہاؤالدین نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ

آپ اس طریقے کے امام ہیں، آپ ہی کی وجہ سے اس طریقے کو نقشبندیہ کہتے ہیں۔ کمخاب بانی کے پیشے کی وجہ سے، یا اللہ کا نقش دلوں پر بٹھانے کی وجہ سے آپ نقشبند مشہور ہوئے۔ بظاہر حضرت امیر کلال رحمۃ اللہ علیہ سے فیض پایا لیکن بطریق اویسیت حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی رحمۃ اللہ علیہ سے مستفیض ہوئے۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان کے طریقے کے مطابق نقشبندیہ طریقہ جو سہل بھی ہے آپ پر فائض ہوا۔ مولانا جامی نے کیا خوب کہا ہے:

سکہ کے در یثرب و بطحا زوند — نوبتِ آخر بہ بخارا زوند
از خطِ آں سکہ نہ شد بہرہ مند — جز دل بے نقش شہ نقشبند

آپ کے کلمات میں سے ہے کہ ''ما مرادانیم، ما فضلیانیم، ما نہایت را در بدایت مندرج ساختیم، در طریق ما محرومی نیست'' تصوف کے مقصود اصلی کے متعلق فرمایا کہ ''اجمالی تفصیلی گردد و استدلالی کشفی شو'' بخارا سے تین میل کے قریب قصبہ قصر ہندوان میں آپ کی ولادت محرم ۷۱۸ھ میں ہوئی اور وہیں شب دوشنبہ ۳ ربیع الاول ۷۹۱ھ میں وفات پائی۔ حضرت بابا سماسی علیہ الرحمہ نے آپ کی ولادت کے متعلق پیشن گوئی فرمائی تھی کہ ''یہ قصبہ قصر ہندواں عنقریب قصر عارفاں بن جائے گا'' قصر عرفاں کے اعداد سے سال وصال برآمد ہوتا ہے۔

۱۷۔ حضرت خواجہ علاؤالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ نقشبند'' کے اجل خلفا میں سے ہیں اور آپ کے خلیفہ اول اور داماد ہیں لڑکپن سے حضرت خواجہ کی نظر عنایت ان پر تھی اپنے سامنے ہی طالبات حق کی تعلیم آپ سے متعلق کر دی تھی، علم شریعت میں بھی کامل تھے اور اتباع سنت ا

Marfat.com

عمل عزیمت میں تو ایک خاص شان رکھتے تھے۔ علامہ سید شریف جرجانی جو جامع علوم عقلیہ ونقلیہ کے تھے جن کی تصانیف ہر علم وفن میں موجود ہیں، اور لوگ ان سے مستفیض ہو رہے ہیں وہ فرماتے ہیں:

وَاللهِ مَاعَرَفْتُ الْحَقَّ سُبْحَانَه' وَتَعَالٰی کَمَا یَنْبَغِیْ مَالَمْ اَصِلْ اِلٰی خِدْمَتِهِ الْعَطَّارِ الْبُخَارِیِّ.

ترجمہ: اللہ کی قسم میں نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو جیسا چاہیے نہیں پہچانا تھا جب تک کہ میں حضرت علاؤ الدین عطار بخاریؒ کی خدمت میں نہیں پہنچا۔ ۲۰ رجب ۸۰۲ھ کو یوم چہار شنبہ بوقت شب وفات ہوئی۔ مزار مبارک موضع جغانیاں از ماوراء النہر میں ہے۔

جبذا قومے کہ دید حق بود دیدار شاں　　محو باشند در شہود سرحق اسرار شاں

۱۸۔ حضرت خواجہ یعقوب چرخی رحمۃ اللہ علیہ

طریقہ نقشبندیہ کے ایک بڑے رکن تھے اور آپ سے طریقے کی اشاعت بہت ہوئی۔ آپ کو بیعت واجازت حضرت شاہ نقشبندؒ سے ہے مگر تکمیل آپ کی حضرت عطارؒ سے ہوئی۔ آپ سے فیوض باطنی کے علاوہ فیوض علمی بھی لوگوں کو حاصل ہوئے۔ علم تفسیر اور دوسرے علوم دینیہ میں بھی آپ کی تصانیف ہیں۔ ۵ صفر ۸۵۱ھ کو آپ کی وفات ہوئی۔ چرخ کے رہنے والے ہیں جو ولایت غزنی میں ایک گاؤں ہے۔ مزار مبارک بلغون مضاف حصار از ماوراء النہر میں ہے۔

۱۹۔ حضرت مولانا عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا یعقوب چرخیؒ کے اجل خلفاء میں ہیں، دوسرے مشائخ سے بھی فیض صحبت حاصل کیا۔ آپ اس صدی کے مجدد تھے۔ بادشاہ وقت آپ کا مرید تھا۔ حضرت مولانا جامی جو آپ کے خلفاء میں ہیں اسی مضمون کی طرف اس شعر میں اشارہ کرتے ہیں۔

چو فقر اندر قبائے شاہی آمد　　بہ تدبیر عبید اللہی آمد

مگر باوجود اس کے آپ نے ہمیشہ کاشتکاری کے پیشہ پر اپنی گزر بسر رکھی۔ آپ کے حالات واوصاف حد سے زیادہ اور کرامات وخرق عادات بیشمار ہیں۔ آپ طریقہ نقشبندیہ کے اماموں میں سے ہیں، آپ کے بعد طریقہ نقشبندیہ کے منتسبین اپنے کو حراری کہتے تھے، فرمایا کرتے تھے "مرا برائے ترویج شریعت وتوہین بدعت مامور ساختہ اند" واقعی شریعت اور طریقت کو آپ کو زمانے میں بہت زیادہ ترقی ہوئی۔ آپ نے فرمایا کہ بعض اکابر کی صحبت میں مجھ کو یہ بات حاصل ہوئی کہ جو کچھ میں لکھوں وہ جدید ہوگا قدیم نہ ہوگا اور جو کچھ کہوں گا قبول ہوگا مردود نہ ہوگا۔ آپ کے پاس دنیاوی مال واسباب بہت تھا چنانچہ گھوڑوں کے باندھنے کی میخیں سونے یا چاندی کی تھیں لیکن ان سے تعلق بال برابر بھی نہ تھا۔ آپ فرماتے تھے کہ میخیں مٹی میں گاڑی جاتی ہیں نہ کہ عارف کے دل میں۔ آپ کی ولادت ماہ رمضان المبارک ۸۰۶ھ باغستان علاقہ تاشقند میں ہوئی اور وفات شب شنبہ ۲۹ ربیع الاول ۸۹۵ھ کو ہوئی۔ مزار مبارک سمرقند میں ہے آپ کے کئی فارسی رسالے مشہور ہیں۔

Marfat.com

۲۰۔ حضرت مولانا محمد زاہد رحمتہ اللہ علیہ

حضرت خواجہ احرارؒ کے اجل خلفاء میں سے ہیں۔آپ کا سلوک دفعتاً ایک ہی مجلس میں تمام ہوگیا۔ بہت بندگان خدا کو آپ سے فیض پہنچا۔آپ کیوفات غرہ ربیع الاول ۹۳۶ھ میں ہوئی۔مزار مبارک موضع وخش از ملکِ حصار میں ہے۔

۲۱۔ حضرت مولانا درویش محمد رحمتہ اللہ علیہ

حضرت مولانا محمد زاہد کے بھانجے یعنی ہمشیرزادے ہیں اور انکے اعظم خلفاء میں سے ہیں۔اپنے زمانے میں یکتائے روزگار تھے۔آپ کے زمانے میں ایک بزرگ حضرت خوارزمی تھے جو اس زمانے کے مشائخ میں تھے ان کی عادت تھی کہ جب کوئی درویش ان کے شہر میں آتا اس کی نسبت سلب کر لیتے۔ایک مرتبہ وہ (حضرت خوارزمی) آپ کے شہر میں آئے آپ نے ان کی نسبت سلب فرمالی، وہ نہایت عاجزی کرنے لگے تو آپ نے واپس کردی۔آپ کی وفات ۱۹ محرم ۹۷۰ھ میں ہوئی۔ مزار مبارک موضع اسفرہ متصل شہر سبز علاقہ ماوراء النہر میں ہے۔

۲۲۔ حضرت خواجہ محمد امکنگی رحمتہ اللہ علیہ

حضرت مولانا درویش محمد کے صاحبزادے اور انکے خلیفہ ہیں اصل طریقہ نقشبندیہ کی بہت سختی سے پابندی فرماتے تھے اور کچھ نئی باتیں جو اس وقت بعض نقشبندیوں میں پیدا ہوگئی تھیں مثل ذکر بالجہر اور جماعتِ نماز تہجد، ان چیزوں سے پرہیز کرتے تھے۔حضرت شاہ نقشبندؒ کے بالکل قدم بقدم تھے۔ولادت ۹۱۸ھ اور وفات ۱۰۰۸ میں ہوئی۔مزار مبارک بموضع امکنہ بخارا سے تین میل پر واقع ہے۔

فائدہ: ہندوستان کے سرزمین کو سب سے زیادہ آپ کا احسان مند ہونا چاہئیے کہ آپ نے اپنے خلیفۂ اعظم خواجہ باقی باللہ کو ہندوستان بھیجا۔اللہ تعالیٰ ان کو سرزمین ہند اور یہاں کے مسلمانوں کی طرف سے جزائے نیک عطا فرمائے۔والحمد للہ

۲۳۔ حضرت خواجۂ بیرنگ محمد باقی باللہ رحمتہ اللہ علیہ

آپکا اصل وطن سمرقند تھا اور ولادت آپ کی کابل میں ہوئی۔ہندوستان کی سرزمین طریقۂ نقشبندیہ سے ناآشنا اور اس طریقہ مبارکہ کی برکات سے محروم تھی۔آپ اس طریقے کے پہلے بزرگ ہیں جو ہندوستان تشریف لائے۔کچھ دنوں لاہور میں رہے اس کے بعد دہلی تشریف لے آئے اور وہیں قیام کیا، چالیس سال کی عمر میں وہیں وفات پائی۔مزار مبارک دہلی میں زیارت گاہ عالم ہے۔دو تین سال کے عرصے ہی میں آپ کا طریقہ بلاواسطہ یا بالواسطہ سارے ہندوستان میں پھیل گیا۔صاحب تصانیف ہیں۔حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ جو سلسلہ قادریہ میں ہیں اور علم شریعت وطریقت دونوں میں بہت بلند مرتبہ رکھتے ہیں، آپ سے مستفید ہوئے اور بالآخر انہوں نے اپنے رسالے موصل المرید الی المراد میں تصریح فرمائی کہ نسبت فنا وبقا حاصل کرنے کے لئے طریقہ نقشبندیہ سے بہتر کوئی طریقہ نہیں اور یہ کہ طریقہ نقشبندیہ اوفق بالسنۃ ہے۔آپ کے کمالات کی زبردست شہادت اور آپ کی عظیم الشان منقبت کے لئے یہی کافی ہے کہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی آپ کے خلیفۂ اعظم ہیں۔

Marfat.com

اخیر عمر میں جب کسی کے مرنے کی خبر سنتے تو فرماتے کہ قید خانے سے خوب رہائی پائی۔ اس جملے سے موت کا اشتیاق کما حقہ ظاہر ہوتا ہے۔ ۲۵ جمادی الاخریٰ ۱۰۱۲ھ کو وفات پائی۔

۲۴۔ امام ربانی محرام اسرار سبع المثانی محبوب صمدانی

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد الفاروقی سرہندی رحمتہ اللہ علیہ

آپ کا نسب شریف اٹھائیسویں اور بعض کے نزدیک بتیسویں پشت میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتا ہے۔ ولادت شریف ۹۷۱ھ میں ہوئی اور ۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ کو تریسٹھ سال کی عمر میں (موافق عمر شریف نبی ﷺ) دار البقا کا سفر اختیار کیا۔ مزار مبارک سرہند شریف میں زیارت گاہ عالم ہے۔ آپ نے تھوڑے ہی عرصے میں قرآن پاک حفظ کر لیا اور علوم ظاہری کی تحصیل اپنے والد ماجد اور دیگر علمائے سرہند شریف سے کی، پھر سیالکوٹ جا کر علم معقول کی چند کتابیں مولانا کمال کشمیری سے اور حدیث کی کتابیں شیخ یعقوب کشمیری سے پڑھیں۔ سلسلۂ کبرویہ کی اجازت بھی آپ سے حاصل کی۔ کتب تصوف مثلاً عوارف وفصوص الحکم وغیرہ اپنے والد بزرگوار سے پڑھیں اور اکثر سلاسلِ صوفیہ مثلاً چشتیہ قادریہ سہروردیہ وکبرویہ وغیرہ کی اجازت اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ نیز قادریہ سلسلے کی نسبت اور حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر قدس سرہ کا خرقہ بواسطہ شاہ کمال کیتھلی حضرت شاہ سکندر کیتھلی سے حاصل کیا۔ والد ماجد کے وصال کے بعد آپ حج کے ارادہ سے روانہ ہو کر دہلی تشریف لائے اور حضرت خواجہ محمد باقی باللہ قدس سرہ کی خدمت میں پہنچ کر بیعت سے مشرف ہوئے اور نقشبندیہ نسبت جس سے مراد دوام آگاہی وحضور وتوجہ ہے بطریق اکمل حاصل کی اور اس درجہ پر فائز ہوئے کہ حضرت خواجہ موصوف قدس سرہ آپ کے متعلق فرماتے تھے ''شیخ احمد آفتاب است کہ مثل ما ہزاراں ستارہ ہا در سایہ اوگم اند'' (گویا شیخ احمد ایک آفتاب ہیں جس کے سائے میں ہمارے جیسے ہزاروں ستارے گم ہیں) اور فرمایا ''مثل این دریں وقت زیر فلک نیست'' (اس زمانے میں ان کی مانند آسمان کے نیچے کوئی دوسرا شخص نہیں ہے)۔

آپ کے خوارق وکرامات بے شمار ہیں۔ اتباع سنت، بدعت سے پرہیز اور عزیمت پر عمل آپ کے طریقے کی بنیاد ہے، آپ کی ذات گرامی علم شریعت اور علم احسان دونوں کی جامع تھی اور آپ کی مجددیت بھی دونوں شعبوں پر حاوی ہے۔ احادیث میں ہے کہ حضور انور ﷺ نے فرمایا کہ ''ہر صدی کے آغاز میں میری امت میں ایسے لوگ پیدا ہوتے رہیں گے جو دین کی تجدید کریں گے''، یعنی جو بدعتیں رائج ہوں گی ان کو مٹائیں گے اور جو سنتیں متروک ہو جائیں گی ان کو پھر رائج کریں گے۔ چنانچہ اس ارشاد کے مطابق ہر صدی میں مجدد ہوتے رہے۔ اسی سلسلے میں گیارہویں صدی کے آغاز میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ ظاہر ہوئے۔ علمائے وقت مثلاً مولوی عبدالحکیم سیالکوٹی وغیرہ نے تسلیم کیا اور ہر زمانے کے علماء مثلاً شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ ور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ سے لیکر آج تک سب ہی آپ کو مجدد الف ثانی مانتے رہے ہیں۔ خود آپ کے کارنامے اس کی بہترین شہادت ہیں۔ ابتدا ہی سے آپ کا غیر معمولی دینی شغف اور فراست مشہور تھی۔ فیضی نے اپنے

Marfat.com

بے نقط تفسیر سواطع الالہام میں آپ سے مدد لی تھی، ابوالفضل بھی آپ کا قائل تھا لیکن اکبری عہد میں کفر والحاد اور رفض وغیرہ کا زور ہوا تو آپ نے اس کا مقابلہ کیا۔ جہانگیر بھی اپنے باپ کے نقش قدم پر چل رہا تھا وہ حضرت مجدد رحمتہ اللہ علیہ سے بھی سجدۂ تعظیمی کرانا چاہتا تھا لیکن آپ نے انکار کر دیا۔ چنانچہ آپ کو گوالیار کے قلعے میں قید کر لیا گیا۔ اگر چہ اس وقت تک اکثر امرا مثلاً خان خاناں، سید صدر جہاں، خان اعظم، خان جہاں، مہابت خاں، تربیت خاں، اسلام خاں، سکندر خاں، دریا خاں، مرتضیٰ خاں، وغیرہ آپ سے بیعت ہو چکے تھے۔ وہ لوگ آپ کے قید ہونے پر جہانگیر سے بغاوت کرنا چاہتے تھے لیکن آپ نے روک دیا۔ پھر جہانگیر کو خواب میں تنبیہہ ہوئی تو اس نے آپ کو قید سے رہا کیا اور مرید بھی ہو گیا۔ اس کے بعد سجدہ تعظیمی موقوف ہوا، گاؤ کشی میں آزادی دی گئی، جو مسجدیں تباہ کر دی گئی تھیں دوبارہ بنوائی گئیں اور جس قدر خلاف شرع قانون تھے وہ سب منسوخ کئے گئے۔ جہانگیر نے قریب تین سال تک سفر اور حضر میں آپ کو ہر وقت اپنے ساتھ رکھا۔ آپ کے خلفاء بکثرت ہوئے ہیں جو آپ کی حیات ہی میں مختلف بلادِ اسلامیہ میں پہنچ گئے تھے۔ آپ کے سب صاحبزادے اعلیٰ مقامات پر فائز ہوئے ہیں۔

۲۵۔ حضرت مجدد الدین ابوالمکارم خواجہ محمد معصوم رحمتہ اللہ علیہ

حضرت مجدد الف ثانی کے فرزند ثالث ہی، آپ کے حالات عجیب وغیرب ہیں، ایک ماہ میں حفظ قرآن مجید فرمایا اور سولہ سال کی عمر میں تمام علوم کی تحصیل سے فراغت پائی۔ گیارہ سال کی عمر میں ذکر و مراقبہ کا طریقہ اپنے والد بزرگوار سے سیکھ کر اس پر مواظبت شروع کی اور طریقت میں وہ کمال حاصل کیا جو کم کسی کو ہوا ہوگا۔ حضرت امام ربانی فرمایا کرتے تھے کہ محمد معصوم کا حال تحصیل طریقت میں صاحب شرح وقایہ کے مثل ہے کہ جو کچھ ان کے دادا روزانہ تصنیف کرتے وہ ہر روز اسکو حفظ کر لیتے تھے۔ حضرت مجدد الف ثانی ان سے فرماتے تھے۔

تو یک نقطہ زیں لوح نگذاشتی | ہر آنچہ نہادم تو برداشتی

اتباع سنت، عمل، بعزیمت، تقویٰ وغیرہ میں حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے قدم بقدم تھے، ولایت محمدی ﷺ کی نسبت کے حامل تھے۔ اورنگ زیب عالمگیر غازی رحمتہ اللہ علیہ آپ کے مرید اور خلیفہ ہوئے اور دہلی کی سلطنت آپ ہی کے تصرف سے انہیں حاصل ہوئی۔ طریقہ کی ترویج آپ سے جس قدر ہوئی کسی سے نہیں ہوئی۔ نو لاکھ کی تعداد آپ کے مریدوں کی بتائی جاتی ہے جن میں سے تقریباً سات ہزار مرتبہ خلافت پر پہنچے۔ آپ کی ولادت ۱۰۰۷ھ میں اور وفات ۹ ربیع الاول ۱۰۷۹ھ میں ہوئی۔ مزار مبارک سرہند میں زیارت گاہ عالم ہے۔

(۲۶) حضرت خواجہ سیف الدین رحمتہ اللہ علیہ

حضرت خواجہ محمد معصوم رحمتہ اللہ علیہ کے فرزند اور ان کے خلیفہ ہیں۔ تحصیل طریقہ اپنے والد ماجد سے کیا۔ نہایت قوی التوجہ اور صاحب تَصرف تھے۔ اورنگ زیب بادشاہ دہلی کے شاہزادے آپ کے مرید تھے آپ کا قیام دہلی میں رہتا تھا۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں آپ کی خاص شان تھی۔ کوئی امر خلاف شریعت بادشاہ کے یہاں دیکھتے تو ذرا رعایت نہ کرتے

Marfat.com

اور بہت سختی سے اسے روکتے، اس بات سے حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ بہت خوشی محسوس کرتے تھے۔ آپ کی خانقاہ سے دونوں وقت ہزار ڈیڑھ ہزار آدمیوں کو کھانا ملتا تھا۔ آپ کی ولادت ۱۰۴۹ھ میں اور وفات ۱۹ جمادی الاولیٰ ۱۰۹۶ھ میں ہوئی۔ مزار مبارک سرہند شریف میں ہے۔

۲۷۔ حضرت مولانا سید نور محمد بدایونی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ سیف الدین رحمۃ اللہ علیہ کے اجل خلفاء میں سے ہیں۔ کچھ دنوں حضرت حافظ محمد محسن رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھی رہے تھے۔ آپ کا استغراق بہت بڑھا ہوا تھا۔ پندرہ برس تک یہ حال رہا کہ سوائے نماز کے اوقات کے آپ کے ہوش نہیں آتا تھا۔ کل حلال میں بڑا اہتمام فرماتے تھے اور دنیاداروں سے بہت پرہیز رکھتے تھے۔ آپ کی وفات ۱۱ ذیقعدہ ۱۱۳۵ھ میں ہوئی۔ مزار مبارک دہلی میں حضرت نظام الدین اولیا قدس سرہ سے کچھ فاصلے پر ہے۔

۲۸۔ حضرت قیوم زمانی قطب جہانی شمس الدین حبیب اللہ مرزا مظہر جان جاناں شہید رحمۃ اللہ علیہ

سادات علوی سے ہیں اور حضرت سید نور محمد بدایونی کے اجل خلفاء میں سے ہیں۔ ان کے بعد حضرت شیخ محمد عابدؒ اور دوسرے مشائخ سے بھی کسب فیض کیا۔ اپنے زمانے میں یکتائے روزگار تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ آپ کے بے نظیر کمالات کے معترف تھے اور آپ کو نفس زکیہ، قیم طریقۂ احمدیہ لکھا کرتے تھے۔ بیہقی وقت حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی کو انہی نے آپ کی خدمت میں بھیجا تھا۔ بڑے صاحب فیض و صاحب تصرف تھے۔ آپ کے حالات میں آپ کے خلفاء کی لکھی ہوئی مستقل تصانیف ہیں۔ آپ کی ولادت بعہد اورنگزیبؒ ۱۱۱۱ھ میں ہوئی اور شب عاشورہ میں جام شہادت نوش فرمایا۔ ایک رافضی نے آپ کو شہید کیا۔ عَاشَ حَمِیْداً وَّمَاتَ شَہِیْداً مادہ تاریخ ہے۔ یعنی ۱۰ محرم ۱۱۹۵ھ

۲۹۔ مجدد مائۃ ثالث عشر حضرت مولانا عبداللہ المعروف بہ شاہ غلام علی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی جائے ولادت بٹالہ ضلع گورداس پور پنجاب ہے۔ اٹھارہ برس کی عمر میں دہلی آئے اور حضرت مرزا صاحب شہیدؒ کی خدمت میں پندرہ سال رہ کر کمالات نادرہ حاصل کئے۔ آپ سے اس قدر فیض ہوا کہ اس کی مثال متقدمین میں بھی کم ملتی ہے۔ مولانا خالد رومیؒ جو اس وقت کے اعلم العلماء تھے کردستان سے آپ کے پاس آئے اور نو مہینے آپ کی خدمت میں رہ کر امام طریقت بن کر واپس گئے اور بلاد اسلامیہ میں علماء فضلا کا آپ کی طرف اس قدر رجوع ہوا کہ آپ کے نام سے طریقۂ خالدیہ مشہور ہوگیا۔ مولانا خالدؒ نے عربی و فارسی میں متعدد قصائد آپ کی شان میں لکھے۔ ایک مدحیہ قصیدہ میں لکھتے ہیں کہ میں نے پیر کی تلاش میں ساری دنیا چھان ڈالی مگر آپ کا مثل نہ پایا فرماتے ہیں۔

ے زاقصائے خطا تا غایتِ مغرب زمیں امروز | نباشد ہیچ کس مانند او از نوعِ انسانی
نہ شد با طولِ صحبت زاولیائے یثرب و بطحا | میسر آنچہ از وے شد مرا نادیدہ ارزانی

Marfat.com

مولانا خالد کے حالات میں علامہ شامی شارح سدر مختار نے ایک مستقل رسالہ تالیف کیا جس کا نام ''سل الحسام الہندی لنصرۃ مولانا خالد النقشبندی'' ہے۔ سرسید نے بھی آپ کی بے حد تعریف لکھی ہے۔ ولادت شریف ۱۱۵۸ھ میں اور وفات ۲۲ صفر ۱۲۴۰ھ کو ہوئی اور خانقاہ مظہریہ میں اپنے مرشد حضرت شہید کے پہلو میں دفن کئے گئے۔

۳۰۔ شیخ الطریقت والحقیقت مولانا الشیخ ابوسعید زکی القدر رحمۃ اللہ علیہ

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کی اولاد میں اور حضرت خواجہ محمد معصومؒ کی نسل سے ہیں۔ آپ کی ولادت شہر رامپور میں کیم ذیعقدہ ۱۱۹۶ھ کو ہوئی۔ حفظ قرآن مجید و مشق تجوید و تحصیل علوم سے فارغ ہو کر آپ نے حضرت شاہ درگاہی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی جو مشائخ مجددیہ زبیریہ میں سے تھے۔ تکمیل نسبت کے بعد اجازت و خلافت سے ممتاز ہوئے اور مرجع خلائق بنے۔ اس مرتبے پر پہنچنے کے بعد حضرت شاہ غلام علیؒ کی طرح رجوع کیا اور حضرت ممدوح نے باصرار تمام آپ کو اپنا جانشین بنایا۔ آپ نے سلوک پر ایک نفیس رسالہ ''ہدایت الطالبین'' نامی لکھا ہے جس کا ترجمہ متعدد زبانوں میں ہو چکا ہے۔ اپنے مرشد کی وفات کی دس سال بعد سفر حج سے واپسی پر عین عید الفطر کے دن ۱۲۵۰ھ ٹونک میں رحلت فرمائی۔ نعش مبارک دہلی لائی گئی اور اپنے پیر و مرشد کے پہلو میں دفن کئے گئے۔ مادہ تاریخ:

ستونِ محکم دینِ نبی ﷺ فتادہ زپا

۳۱۔ حضرت شاہ احمد سعید رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضرت شاہ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند اور خلیفہ ہیں، غدر کے وقت آپ کی مقبولیت کی وجہ سے حکومت کو شبہات پیدا ہوئے تو آپ اپنی خانقاہ و تسبیح خانہ وغیرہ کو حضرت حاجی دوست محمد قندھاری رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے کر کے عازم حرمین شریفین چلے گئے۔ ماہ صفر ۱۲۷۰ھ میں مکہ معظمہ پہنچے چار ماہ وہاں قیام کر کے مدینہ منورہ روانہ ہوئے وہاں سے تحریر فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کی مرضی سے میں نے مدینہ منورہ کی اقامت اختیار کر لی ہے۔ آپ کے فیض سے حرمین شریفین کے لوگ داخل سلسلہ ہوئے اور روزانہ تین مرتبہ حلقہ مراقبہ اور ختم شریف کا سلسلہ جاری کیا۔ ۲ ربیع الاول ۱۲۷۷ھ کو مدینہ منورہ میں آپ نے وفات پائی اور حضرت عثمان غنیؓ کے پہلو میں دفن ہوئے۔

۳۲۔ حضرت حاجی دوست محمد قندھاری رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی ولادت ۱۲۱۶ھ میں ہوئی۔ بچپن ہی سے آپ پر فقرا کی محبت غالب تھی۔ ویسے تحصیل علوم ظاہری میں مشغول تھے۔ ایک بار شہر کابل میں آپ اچانک بے ہوش ہو گئے اور تیرہ دن تک بے ہوش رہے۔ پھر پشاور روانہ ہوئے اور وہاں سے بغداد، کردستان، بصرہ وغیرہ شہر بہ شہر تلاش مرشد میں روانہ ہوئے اور قلات (بلوچستان) ہوتے ہوئے بمبئی پہنچے اور وہاں شیخ الشیوخ حضرت ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر آپ نے بیعت کی۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ میں حج کے لئے جا رہا ہوں آپ یا تو یہیں ٹھہریں یا دہلی جا کر میرے فرزند احمد سعیدؒ سے توجہات حاصل کریں۔ چنانچہ آپ دہلی روانہ ہو گئے

Marfat.com

حضرت شاہ احمد سعیدؒ کی خدمت اقدس میں تقریباً سوا سال رہے اور اجازت طریقہ نقشبندیہ، قادریہ و چشتیہ حاصل کی، اس کے بعد اپنے شیخ کے ایما سے خراسان روانہ ہو گئے۔ حضرت شاہ احمد سعید رحمۃ اللہ علیہ آپ پر خاص عنایت فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ متعدد خطوط انہوں نے آپ کی طرف ارسال کئے جو "تحفہ زواریہ" کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ آپ کی وفات شب شنبہ ۲۲ شوال ۱۲۸۴ھ کو ہوئی۔ مزار پر انوار موسیٰ زئی شریف (ڈیرہ اسماعیل خاں) میں ہے۔

۳۳۔ حضرت امام الاولیا خواجہ محمد عثمان دامانی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت ۱۲۴۴ھ بمقام لونی (تحصیل کلاچی، ضلع ڈیرہ اسماعیل خاں) ہوئی۔ قبیلہ اچکزئی کے ابراہیم خیل سے تعلق ہے۔ صرف ونحو، فقہ اور اصول تفسیر وغیرہ سے فارغ ہوئے تو ایک دن اپنے ماموں مولانا نظام الدین کا سلام و پیام پہنچانے کے لئے حضرت حاجی دوست محمد قندھاری قدس سرہ کی خدمت میں پہنچے، وہاں پہنچتے ہی عجب کیفیت طاری ہو گئی آخر جمعہ ۸ جمادی الاخریٰ ۱۲۶۶ھ کو بیعت ہوئے اور اپنے شیخ ہی سے صحاح ستہ اور علوم سیر و تصوف وغیرہ کی تحصیل کی، ان کی خدمت میں ہر وقت ساتھ رہتے اور رشد و ہدایت کے لئے ان کے حکم کے بموجب موسیٰ زئی سے ڈیرہ اسماعیل خاں (قریب چالیس میل) ہر روز کئی ماہ تک آتے جاتے رہے۔ ۲ رمضان المبارک ۱۲۸۴ھ کو خلافت اور جانشینی حاصل ہوئی۔ ۱۲۸۷ھ میں حج کیا اور مدینہ منورہ میں معدہ کو خالی رکھنے کے لئے خورد و نوش ترک کیا۔ مسترشدین کی تربیت بنفس نفیس فرماتے اور تہجد کے لئے بیدار فرما دیتے۔ آخر عمر میں ضیق النفس، فالج، رعشہ وغیرہ امراض میں مبتلا رہے۔ سہ شنبہ ۲۲ شعبان ۱۳۱۴ھ کو وصال ہوا۔ مولانا محمود شیرازی نے تاریخ وصال کہی:

مہر سپہر عالم دیں در محاق شد ۱ ۳ ۱ ۴ ھ

۳۴۔ حضرت سراج الاولیا زبدۃ الاصفیا خواجہ سراج الدین رحمۃ اللہ علیہ

دوشنبہ ۱۵ محرم ۱۲۹۷ھ کو موسیٰ زئی شریف میں پیدا ہوئے۔ نثر و نظم، صرف و نحو، عقائد، علم تجوید و قرات، مطول، شرح وقایہ، جلالین، مشکوٰۃ و ابن ماجہ وغیرہ مولوی محمود شیرازی سے پڑھیں اور بقیہ کتابیں حسامی سے آخر تک مولوی حسین علی سے پڑھیں۔ پھر کتب تصوف اپنے والد ماجد حضرت عثمان دامانیؒ سے پڑھیں۔ ۷ ربیع الاول ۱۳۱۴ھ کو حلقہ شریف کے لئے مامور ہوئے اور نقشبندیہ، چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ، قلندریہ، شطاریہ، مداریہ اور اکبرویہ سلاسل میں مجاز ہوئے۔ والد ماجد کی ضعیفی کی وجہ سے خود ان کی حیات میں حلقہ کراتے تھے۔ خراسان، ہرات، بخارا، عرب و ہند کے بکثرت لوگ مستفیض ہوئے جمعہ ۲۶ ربیع الاول ۱۳۳۳ھ کو وصال ہوا۔

۳۵۔ حضرت تاج الاولیاء غریب نواز خواجہ محمد فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ

اصلی وطن ضلع میانوالی ہے۔ آباؤ اجداد عباسی یلغار کے ساتھ عرب سے سندھ میں آئے اور وہاں سے ضلع میانوالی میں آکر آباد ہو گئے اور داؤد پوترے ہونے کی وجہ سے ان کی بستی کا نام داؤد خیل پڑ گیا۔ وہیں ۱۲۷۰ھ میں آپ کی ولادت ہوئی۔

Marfat.com

۱۸۹۶ء کے قریب حضرتؒ نے مع اہل وعیال حجاز مقدس کا ارادہ کیا چونکہ اس وقت ریل گاڑی نہ تھی اس لئے کشتی تیار کی اور دریائے سندھ کے راستے روانہ ہوئے جب موضوع جتوئی (ضلع مظفر گڑھ) پہنچے تو حسب معمول رات گزارنے کے لئے دریا کے کنارے قیام کیا اسی شب کو وہ کشتی چوری ہوگئی چنانچہ دریا کے قریب جھلار مولوی غوث بخش میں قیام فرمایا۔ حسبۃ اللہ بچوں کو پڑھانے اور کاشتکاری کرنے لگے۔ پھر جتوئی کے قریب ایک جگہ فقیر پور کے نام سے آباد کی لیکن وہاں تک پہنچنے میں لوگوں کو سخت دشواری ہوتی تھی اس لئے شہر سلطان سے تقریباً چار میل کے فاصلے پر زمین خرید کر مسکین پور آباد کیا اور یہیں کاشتکاری بھی فرمانے لگے داؤد خیل کے قیام کے زمانے میں حضرت خواجہ عثمان دامانی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں بیعت کے لئے حاضر ہوئے لیکن اس وقت حضرت بہت ضعیف تھے اس لئے آپ کے خلیفہ حضرت لعل شاہ دندوی علیہ الرحمہ سے بیعت کی اور بہت سے مدارج سلوک طے کئے اور جب حضرت شاہ صاحبؒ کا وصال ہوگیا تو حضرت خواجہ سراج الدین رحمتہ اللہ علیہ سے تکمیل سلوک کی۔ عربی وفارسی اور دینیات کی تعلیم تکمیل حاصل تھی۔ دورۂ حدیث حضرت مولانا احمد علی سہارنپوریؒ سے پڑھا تھا۔'' آپ کا خط بہت پاکیزہ تھا کھیت میں ہل چلاتے ہوئے اسم ذات کا ذکر بھی فرماتے جاتے تھے، زہد وتقویٰ میں کمال حاصل تھا اور مشکوک غذا سے سخت پرہیز تھا۔ مروجہ نذرانے سے سخت نفرت تھی، آپ کے حرم اول سے تین لڑکے آٹھ لڑکیاں اور حرم دوم سے پانچ لڑکے اور تین لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ دہلی کے تبلیغی سفر میں آپ کو فالج ہوگیا۔ اسی حال میں مسکین پور واپس ہوئے اور بروز پنج شنبہ رمضان المبارک کی چاندرات کو ۸۴ سال کی عمر میں ۱۳۵۴ھ مطابق ۲۸ نومبر ۱۹۳۵ کو وصال ہوا۔

۳۶۔ حضرت قطب زماں خواجہ خواجگاں الحاج خواجہ محمد سعید قریشی رحمتہ اللہ علیہ

۱۸۹۹ / ۱۳۱۷ھ میں بمقام احمد پور شرقیہ (ریاست بہاولپور) پیدا ہوئے۔ سلسلۂ نسب حضرت خواجہ بہاؤالدین زکریا ملتانی قدس سرہ سے ملتا ہے۔ ابتدائی تعلیم اور فارسی کی متداول کتابیں وطن میں پڑھیں، والدین ماجدین کا سایہ نوعمری میں اُٹھ جانے کی وجہ سے سلسلہ تعلیم ختم کرنا پڑا اور گھر کے کاروبار اور بھائی بہنوں کی تربیت میں مشغول ہوگئے۔ مزارعین کی طرح سخت جفاکشی سے زراعت کرتے تھے۔ شروع ہی سے اتباع سنت کا شغف تھا اور عجیب وغریب کیفیات طاری رہتی تھیں۔ چنانچہ آپ حضرت غریب نواز محمد فضل علی قریشی رحمتہ اللہ علیہ سے یکم فروری ۱۹۲۴ء (جمعہ ۲۵ / جمادی الاخریٰ ۱۳۴۲ھ) کو بیعت ہوئے اور ۲۳ شوال ۱۳۴۷ھ کو بمقام فقیر پور (ضلع مظفر گڑھ) خلافت سے سرفراز ہوئے۔ نقشبندیہ مجددیہ طریقے کے علاوہ قادریہ، چشتیہ اور بنوریہ طریقے بھی حاصل کئے۔ خلفت کے بعد آپ کو دہلی تبلیغ کرنے کا حکم ملا۔ چنانچہ آپ نے دہلی، رہتک، کرنال، پانی پت، کیتھل، تھانیسر وغیرہ کا سفر کیا، بکثرت لوگ بیعت ہوئے بلکہ بعض اجنہ بھی داخل سلسلہ ہوئے۔ آپ علم لدنی سے بہرہ مند تھے۔ زہد وتقویٰ ایثار وسخاوت، مہمان نوازی، توکل، اخلاص، تسلیم، ورضا وغیرہ اوصاف میں یگانہ تھے۔ کشف، تصرفات اور کرامات میں بھی بے مثل تھے۔ بے شمار متوسلین اور بکثرت خلفاء آپ کی اولاد معنوی ہیں۔ آپ کے دو صاحبزادے اور ایک صاحبزادی یادگار ہیں۔ ریاحی تکالیف اور درد گردہ کی شکایت تھی۔ سفر میں تکلیف زیادہ ہوئی اور پانی پت میں بروز جمعہ

Marfat.com

۱۹ ربیع الثانی ۱۳۶۳ھ (۱۴ اپریل ۱۹۴۴ء) کو وصال ہوا اور حضرت قاری عبدالرحمٰن پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کے قریب مدفن ہوئے۔ وصال کی تاریخ اس شعر سے برآمد ہوتی ہے۔ (کتاب عمدۃ السلوک)

قطب دوراں، روح عرفاں، سعد دیں خواجہ سعید ‏ ‏ دل ہوا نور اس قریشی پارسا کے واسطے

۴ ۴ ۹ ۱ ء

۳ ۶ ۳ ۱ ھ

۳۷۔ حضرت مولانا شاہ زوار حسین رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضرت فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۵۴ھ) کے خلیفہ حضرت محمد سعید قریشی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۶۳ھ) کے خاص خلیفہ ہیں۔ آپ قصبہ گوہلہ (ضلع کرنال) میں ۲۹ ۱۳ھ ۱۹۱۱ء میں پیدا ہوئے۔ اور ابتدائی تعلیم اپنے قصبے اور دوسرے مقامات میں حاصل کی، پھر منشی فاضل اور مولوی فاضل کے امتحانات پاس کئے۔ پھر میٹرک پاس کیا اور علوم عقلیہ ونقلیہ کی تحصیل کی۔ ایک بزرگ مولانا اسلام الدین کے توسط سے آپ حضرت محمد سعید قریشی رحمۃ اللہ علیہ سے پانی پت میں بیعت ہوئے اور جلد ہی سلوک کی تکمیل کر لی۔ ۱۳۶۸ھ ۱۹۴۸ء میں آپ پاکستان آئے اور قریب ۴۵ سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کیا، آپ کی تصانیف حسب ذیل ہیں: (تاریخی ترتیب سے):

(۱) عمدۃ السلوک (۲) گلدستہ مناجات (۳) حیات سعیدیہ (۴) عمدۃ الفقہ جلد اول

(۵) عمدۃ الفقہ جلد دوم (۶) ترجمہ مبدأ و معاد (۷) ترجمہ معارف لدنیہ (۸) عمدۃ الفقہ جلد سوم

(۹) حضرت مجدد الف ثانیؒ (۱۰) زبدۃ الفقہ حصہ اول (۱۱) مقامات فضیلہ (۱۲) زبدۃ الفقہ حصہ دوم

(۱۳) زبدۃ الفقہ حصہ سوم (۱۴) ترجمہ مکتوبات معصومیہ دفتر اول (۱۵) عمدۃ الفقہ جلد چہارم

(۱۶) ترجمہ مکتوبات معصومیہ دفتر دوم (۱۷) ترجمہ مکتوبات معصومیہؒ دفتر سوم (۱۸) انوار معصومیہ

(۱۹) ریڈیائی تقاریر (۲۰) عمدۃ الفقہ بزبان عربی (طہارت، زکوٰۃ، صوم، حج)

(۲۱) مکتوبات امام ربانی کا اردو ترجمہ (نامکمل)۔

یوں تو آپ کی ہر کتاب ایک امتیازی شان رکھتی ہے اور پوری تحقیق کے ساتھ لکھی گئی ہے لیکن عمدۃ الفقہ میں مسائل کی اس قدر جزئیات ہیں کہ شاید اردو کی کسی کتاب میں یکجا نہیں ہیں۔ مثلاً عمدۃ الفقہ (جلد سوم) میں کتاب الزکوٰۃ کے ذیل میں عشری زمین کا اس طرح ذکر آتا ہے۔

اگر کسی شخص نے عشری زمین، اجارہ (کرایہ) پر دی تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک عشر زمین کے مالک پر واجب ہوگا اور صاحبینؒ کے نزدیک مستاجر پر واجب ہوگا۔ اور فتح القدیر میں ہے کہ صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ عشر کا تعلق پیداوار سے ہے جو کہ مستاجر کی ہے اور امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ زمین کا نماء (بڑھوتر) جیسا کہ زراعت سے ہوتا ہے ویسا اجارہ سے

Marfat.com

بھی ہوتا ہے، تو یہاں پھل کی طرح اُجرت مقصود ہے۔ پس بڑھنا حقیقت میں اُجرت پر دینے کے لئے بھی وہی اولیٰ ہے۔ اور حاوی قدسی میں ہے کہ ہم صاحبینؒ کے قول کو لیتے ہیں۔ لیکن متاخرین کی ایک جماعت نے امام صاحب کے قول پر فتویٰ دیا ہے۔ پس اگر مالک زمین کے لئے پوری اُجرت کا لینا ممکن ہے تو امام صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے قول پر فتویٰ دیا جائے۔ ورنہ صاحبینؒ کے قول پر فتویٰ دیا جائے۔ جب کہ مالک زمین کو واضح طور پر اتنا نقصان لازم آتا ہو کہ جس کو کوئی بھی جائز نہ کر سکے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اور اگر مالک پیداوار اور کٹنے سے پہلے ہلاک ہو جائے تو مالک سے عشر ساقط ہو جائے گا، یعنی اُس پر واجب نہیں ہوگا اور اگر کٹنے کے بعد ہلاک ہو تو مالک سے ساقط نہ ہوگا یعنی اُس پر واجب ہوگا۔ یہ حکم امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک خواہ کٹنے سے پہلے ہوا یا بعد میں، اسکے ساتھ میں عُشر بھی ساقط ہو جائے گا۔ (حواشی میں ہر جگہ کتابوں کے حوالے بھی دیئے گئے ہیں)۔

آپ نے حمد، نعت اور منقبت میں بھی اشعار لکھے ہیں۔ ایک نعت اس طرح لکھی ہے:

کس زباں سے میں کروں نعتِ مصطفیٰ ﷺ — ہے مری گویائی ناقص اور تخیل نارسا
آپ ﷺ کی مدحت سرا توریت وانجیل وزبور — آپ کی تعریف میں رطب اللساں فرقان ونور
ذرہ ذرہ آپ ﷺ کی ختم رسالت پر شہید — قطرہ قطرہ آپ کے وسعت سخاوت کی چکید
باعث تخلیق آدم رحمتہ اللعالمین — سرورِ دیں، فخر موجودات، ختم المرسلین
کُحل مازاغ البصر سے چشم باطن کی کشود — اسوۂ حسنہ سراجِ سالک رب ودود
ہے سراپا نور ہی نور آپ ﷺ کی ذات کریم — ہے مجسم جود ہی جود آپ ﷺ کا خلقِ عظیم
آپ ﷺ کی ذات گرامی محرم رب العلیٰ — آپ ﷺ کے ذکر مشرف کا ہے خود رافع خدا
میں ہوں شیدائے محمد ﷺ مجھ کو غم زوار کیا — ہیں محمد مصطفیٰ ﷺ جب شافعِ روزِ جزا

آپ کی وفات کراچی میں ۲۲ رمضان المبارک ۱۴۰۰ھ (۵ اگست ۱۹۸۰ء) کو ہوئی۔

Marfat.com

باب: چھٹا

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاںؒ

Marfat.com

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاںؒ

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کا سوانحی خاکہ

تاریخ وسال پیدائش

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں جبل پور (سی۔پی) بھارت میں پیدا ہوئے۔ان کی تاریخ پیدائش میں اختلاف ہے۔ان کی اصل تاریخ پیدائش ۱۰ شوال المکرم ۱۳۳۰ھ/۲۳ ستمبر ۱۹۱۲ء ہے۔مسرور احمد زئی کے مطابق:

''میٹرک کی سند پر یکم جولائی ۱۹۱۲ء ہے، جو اصل سے تقریباً ڈھائی ماہ کم ہے''

ان کے والد محترم گلاب خاں اور والدہ محترمہ محفوظ النساء بیگم تھیں۔ابتداء میں ڈاکٹر صاحب کا نام ''محمد مصطفیٰ خاں'' رکھا گیا لیکن بعد میں ان کی والدہ محترمہ (محفوظ النساء بیگم) نے یہ نام بدل کر ''غلام مصطفیٰ خاں'' رکھ دیا۔تین برس کی عمر میں نماز پڑھا کرتے تھے۔جس کی وجہ سے ان کے چچا تراب خاں نے پیار سے انہیں ''ملاجی'' کہنا شروع کر دیا۔پھر محلے کے بچے بھی اسی نام سے پکارنے لگے۔

خاندانی پس منظر

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کا تعلق یوسف زئی پٹھان خاندان سے تھا۔ان کے ننھیال کے آباؤ اجداد کا تعلق شمال مغربی ہندوستان سے ہے۔ڈاکٹر صاحب کے جد امجد سلطان خاں یوسف زئی ہندوستان کے مختلف علاقوں سے گزرتے ہوئے رام پور پہنچے اور وہاں سے ہندوستان کے قصبہ چھپارا ضلع سیونی میں سکونت پذیر ہو گئے۔ان کے چار بیٹے تھے جن میں سے تین بیٹوں مولیٰ خاں، کمال خاں اور خاں کے نام معلوم ہیں۔جب کہ ایک بیٹے کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔

یہ چاروں فن سپاہ گری میں ماہر تھے۔ڈاکٹر صاحب کے پردادا مولیٰ خاں تھے۔وہ بھی اپنے تینوں بھائیوں کی طرح فن سپاہ گری میں خاص مہارت رکھتے تھے۔اسکے علاوہ صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے۔

بقول ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں:

''ناگ پور کے ہندو راجا اور اسکے شمالی اضلاع والے دشمنوں کے درمیان میرے یہ سب بزرگ اور ان کے دوسرے اعزا ایک آہنی دیوار کی حیثیت رکھتے تھے اور ہر فریق ان کو عزت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔سیونی میں نئی نئی انگریز عدالت قائم ہوئی ۶ ستمبر ۱۸۲۳ء سے ۶ ستمبر ۱۸۲۶ء تک Captain T, worldow وہاں کا ڈپٹی کمشنر Principal Assitant to the Agent to the Governor General in India مقرر ہوا۔اسکے بعد J. Stephen ۶ دسمبر ۱۸۲۶ سے مقرر رہوئے۔اس زمانے میں میرے پردادا مولیٰ خاں نے کسی ہندو کو مار ڈالا''

مولیٰ خاں (پردادا) نے ایک ہندو کا قتل اسلئے کر دیا کہ اس نے مسلمانوں کی تذلیل کی تھی۔مولیٰ خاں (پردادا) کو

Marfat.com

جے سٹیفن (J-Stephen) کی عدالت میں بلوایا گیا۔ وہ اپنے بھائیوں کی ہمراہی میں عدالت پہنچے۔ جے سٹیفن (J. Stephen) نے عدالت میں توہین آمیز رویہ اختیار کیا، جس پر مشتعل ہو کر ان کے بھائیوں نے عدالت ہی میں نے اسٹیفن (J. Stephen) کو قتل کر دیا۔ یہ واقعہ ۱۷ اگست ۱۸۲۷ء کا ہے۔

اس کے ساتھ ہی انگریزوں اور انکے حامیوں نے چاروں بھائیوں پر دھاوا بول دیا۔ جب فساد بڑھ گیا تو چاروں بھائی بھاگ کر قریبی جنگلات میں چھپ گئے۔ کیوں کہ تب تک وہاں فوج پہنچ چکی تھی۔ اس واقعہ میں مولیٰ خاں (پردادا) کے والد اور چھوٹے بھائی شہید ہو گئے۔ ضلع سیونی میں ان شہیدوں کے مزار موجود ہیں اور اب بھی ان کی یاد میں سالانہ عرس منایا جاتا ہے۔

مولیٰ خاں (پردادا) بھائیوں میں سب سے بڑے تھے۔ ان کا آموں کا بڑا باغ تھا اور پناگر میں کھیتی باڑی بھی کیا کرتے تھے۔ انہوں نے پناگر میں ایک محلّہ پٹھانی کے نام سے آباد کیا۔ ابتداء میں صرف یوسف زئی پٹھان خاندان ہی وہاں مقیم تھا لیکن بعد میں باندہ پٹھان اور شیخ خاندان بھی وہاں آ کر آباد ہو گیا۔ مولیٰ خاں (پردادا) کی اولاد میں دو بیٹے وزیر خاں، حافظ موسیٰ خان اور ایک بیٹی جنت بھی شامل ہیں۔

وزیر خاں (ڈاکٹر صاحب کے دادا) کے تین بیٹے گلاب خاں، اکبر خاں اور تراب خاں تھے۔ ڈاکٹر صاحب کے والد (گلاب خاں) بہت خوب صورت تھے، لمبی ناک، کشادہ پیشانی اور بڑی بڑی آنکھیں جب سوتے تو پپوٹوں سے آنکھیں کھلی ہوئی نظر آتی تھیں۔ ان کا چہرہ گلاب کی طرح تر و تازہ تھا۔ اس لئے ان کے والد نے انکا نام گلاب خاں رکھا تھا۔ وہ بہت ذہین اور سلیقہ مند تھے۔

پناگر کے چھوٹے سے قصبہ میں ہندی کا ایک ہی اسکول تھا۔ گلاب خاں (والد) نے وہاں سے پرائمری کا امتحان اعلیٰ نمبروں سے پاس کیا اور جبل پور کے ٹیچرز نارمل اسکول میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔ اس کے بعد بعض حضرات کے مشورے سے ریلوے پولیس میں حوالدار ہو گئے۔ جلد ہی گلاب خان (والد) نے اس ملازمت سے استعفیٰ دے دیا کیوں کہ ان کی وہاں مخالفت کی جا رہی تھی۔ یہ ملازمت چھوڑنے کے بعد وہ اسکول میں مدرس ہو گئے۔

گلاب خاں (والد) اردو ہندی کے خوش نویس تھے۔ وہ نہایت خوب صورتی اور باریک بینی سے خاکے اور نقشے تیار کرتے۔ ڈاکٹر صاحب کے والد (گلاب خاں) کی شادی ۲۰ سال کی عمر میں ۱۸۹۵ء میں ہوئی۔

گلاب خاں کی اولاد میں تین بیٹے اور دو بیٹیاں شامل ہیں۔ سب سے بڑی کبیر النساء (بیٹی) پھر حاجی نذیر احمد خاں (بیٹا)، منجھلے عبدالرحمٰن خاں، احدی بیگم (بیٹی اور سب سے چھوٹے ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں ہیں۔ گلاب خاں کا انتقال ۲۳ جولائی ۱۹۲۴ء کو ہوا اور وہ رانی تالاب کے قبرستان میں جبل پور میں سپرد خاک ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کی والدہ محترمہ محفوظ النساء بیگم کا انتقال ۲۳ ستمبر ۱۹۵۶ء کو حیدر آباد (سندھ) میں ہوا اور وہ کراچی مین آسودۂ خاک ہیں۔

Marfat.com

ننھیال

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کے پرنانا مولانا عبدالوہاب خاں غرغشتی کے رہنے والے تھے۔ انکے پرنانا کاکڑ پٹھان تھے۔

ڈاکٹر مصطفیٰ خاں کے مطابق:

''راول پنڈی سے پشاور کے راستے میں کیمبل پور کے قریب ۵۴ میل غرغشتی مقام ہے، وہاں صرف ایک خاندان کاکڑ پٹھان کا ہے۔ ان کے جدامجد اخوند محمد بشارت تھے، ان کے ایک صاحب زادے محمد موسیٰ خاں (۱۸۶۱ کے قریب) تھے، جو مولانا عبدالوہاب کے نام سے مشہور تھے''

یہ خاندان جب ہندوستان منتقل ہوا تو انہوں نے اپنے علاقے کے نام سے ضلع کیمبل پور میں ایک قصبہ بنایا۔

راجستھان کے شہر جے پور سے قریبا ۶۵ کلومیٹر کے فاصلے پر ۶ جنوری ۱۸۱۸ کو نواب امیر خاں جنہیں باقاعدہ والی ٹونک تسلیم کیا جاتا تھا، انکے یہاں آئے۔ یہ مولانا عبدالوہاب (پرنانا) کے معتقد تھے۔ مولانا عبدالوہاب (پرنانا) بزرگ تھے اور ان کے پاس ہر وقت لوگوں کا آنا جانا لگا رہتا۔ وہ لوگوں سے بچنے کے لئے ٹونک سے جادرہ چلے گئے۔

انہوں نے دو شادیاں کیں۔ ان کی پہلی اولاد میں دو بیٹے تھے۔ ان کی دوسری شادی جادرہ کے سید خاندان میں بیگم جان سے ہوئی۔ انکے بطن سے دو بیٹے حکیم عبدالکریم خاں، مولانا عبدالقادر خاں اور بیٹی زینب پیدا ہوئیں۔ مولانا عبدالقادر خاں (نانا) ۱۸۵۷ کے قریب جادرہ (گلشن آباد) میں پیدا ہوئے۔ ان کی شادی چاند بی بی سے ہوئی۔ وہ حکمت بھی کیا کرتے تھے۔ اس لئے لوگ علاج کے لئے ان کے پاس آیا کرتے۔ اسکے علاوہ اردو اور فارسی کے شاعر بھی تھے۔ مولانا عبدالقادر خاں کی اولاد میں سب سے بڑی بیٹی حفیظ النساء ڈاکٹر صاحب کی والدہ تھیں۔

ازدواجی زندگی اور اولاد

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کی دو شادیاں ہوئیں۔ پہلی شادی ان کی ماموں زاد (کنیز آمنہ) سے ۱۴ اکتوبر ۱۹۳۶ء کو ہوئی۔ وہ حافظہ تھیں۔ ان سے چار بیٹے اور دو بیٹیاں پیدا ہوئیں۔

۷ فروری ۱۹۳۸ء کو ان کے یہاں بیٹا پیدا ہوا جس کا انتقال ۸ فروری ۱۹۳۸ء کو ہو گیا۔ ۱۹ اکتوبر ۱۹۳۹ء کو بیٹی کنیز فاطمہ (ہاجرہ) کی پیدائش ہوئی۔ ان کی شادی مقامی کالج کے پرنسپل پروفیسر ایاز الدین سے ہوئی۔ ۱۵ اپریل ۱۹۴۱ء کو سراج احمد خاں (بیٹا) کی ولادت ہوئی۔ انہوں نے سندھ یونیورسٹی کے شعبہ اسلامیات سے مکتوبات امام ربانی کی دینی اور معاشرتی اہمیت کے موضوع پر ۱۹۴۷ء میں پی ایچ ڈی کی۔ ۱۲ جنوری ۱۹۴۳ء کو ان کے یہاں تیسرے بیٹے ظفر احمد خاں کی پیدائش ہوئی وہ مجذوب الحال تھے۔ ۷ جون ۱۹۴۶ء کو ان کی بیٹی صابرہ پیدا ہوئیں جن کا انتقال ۱۱ فروری ۱۹۴۷ء کو ہو گیا۔ ۱۲ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو ان کا چوتھا بیٹا عزیز احمد پیدا ہوا ان کی ولادت ناگ پور میں ہوئی۔ ڈاکٹر صاحب ۷ نومبر کو پہلی مرتبہ پاکستان (کراچی) آئے ان کی وفات کے صرف چار دن بعد ہی ۲۸ نومبر ۱۹۴۷ء کو ان کی اہلیہ (کنیز آمنہ) بھی اس دار فانی سے کوچ کر گئیں اور وہ کراچی ہی میں مدفون

Marfat.com

ہیں۔ڈاکٹر صاحب کی دوسری شادی وکیل عبدالحمید خاں کی بڑی صاحبزادی قمر بیگم سے ۳۰ اگست ۱۹۴۹ء کو ہوئی۔ان سے تین بیٹیاں پیدا ہوئیں۔۱۷ جنوری ۱۹۵۱ء کو ان کے یہاں پہلی بیٹی پیدا ہوئی جس کا انتقال ولادت کے چند لمحوں بعد ہی ہو گیا۔۳۰ اپریل ۱۹۶۴ء کو ان کی بیٹی سعدیہ کی ولادت ہوئی۔انہوں نے بی ایس سی کی اور عربی امتحان میں پورے پاکستان میں سیکنڈ پوزیشن حاصل کی۔ان کے شوہر سہیل رفعت خاں سپارکو میں آفیسر ہیں۔ان کی چھوٹی بیٹی صفیہ ہیں۔انہوں نے بی اے اور ایم اے سندھ یونیورسٹی سے کیا اور اول پوزیشن حاصل کی۔صفیہ (بیٹی) نے ہمدرد یونیورسٹی کراچی سے ۱۹۹۸ء میں ''اردو شاعری میں قرآنی تلمیحات'' کے موضوع پر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ان کے شوہر ڈاکٹر آفتاب احمد خاں ہیں۔ڈاکٹر آفتاب احمد خاں نے سندھ یونیورسٹی سے ۱۹۸۸ء میں ''خاندان نقشبندیہ کی علمی خدمات'' کے موضوع پر مقالہ لکھ کر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔۷ فروری ۱۹۹۱ء کو ان کی دوسری اہلیہ محترمہ قمر بیگم کا انتقال ہوا۔وہ لطیف آباد نمبر ۹ حیدر آباد میں سپرد خاک ہیں۔

تعلیم

ڈاکٹر صاحب کی دینی تعلیم گھر پر ہوئی۔ان کی تربیت میں گھر کے مذہبی ماحول کا بہت عمل دخل ہے۔انہوں نے قرآن پاک گھر پر ہی پڑھا۔ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں لکھتے ہیں:

''بڑے بھائی نے پہلے پارے کے چند رکوع بہت سمجھا کر پڑھا دیئے اس کے بعد میں خود پڑھنے لگا اور پورا قرآن خود ختم کر لیا۔جب قرآن پاک ختم کر لیا تو والد صاحب نے کہا بیٹا میرا قرآن سن لو کہیں غلطی ہو تو صحیح کر دو''

اس کے بعد انہوں نے اپنے والد اور والدہ کا قرآن پاک سنا۔۱۹۱۷ء میں انہیں چھیپا محلّہ کٹنی کے اسکول میں داخل کر دیا گیا۔بعد ازاں انہیں دلہائی محلّہ جبل پور میں داخلہ دلوا دیا گیا۔ڈاکٹر صاحب نے ۱۹۲۳ء میں کھٹک محلّہ کے ایک اسکول سے پرائمری کیا۔جب وہ پرائمری میں تھے تو پورے شہر میں اول پوزیشن حاصل کی،انہیں چار سال تک ماہانہ وظیفہ ملتا رہا۔ڈاکٹر صاحب کے والد (گلاب خاں) یہ روپے جمع کرتے رہے اور ان روپوں سے اپنے مکان سے ملحقہ مکان ۶۰ روپے میں خرید لیا۔ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں اپنی ابتدائی تعلیم کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

''جبل پور کے اسکول میں سخت محنت کرائی جاتی تھی،کوئی مضمون ایسا نہیں تھا،جس میں کمزوری ہو۔آٹھویں جماعت تک وہاں کے طلبہ انگریزی گرامر میں بہت پختگی حاصل کر لیتے تھے۔یعنی Analysis بہت آسانی سے کر لیتے تھے اور شہر کے دوسرے اسکولوں کے مقابلے میں بہت ممتاز تھے''

۱۹۲۸ء میں انہوں نے انجمن ہائی اسکول (جبل پور) سے نویں جماعت کا امتحان پاس کیا۔اس کے بعد علی گڑھ چلے گئے۔انہوں نے وہاں آٹھ سالہ قیام کے دوران ۱۹۲۹ء میں علی گڑھ کالج سے دسویں کا امتحان پاس کیا۔۱۹۳۱ء میں علی گڑھ سے انٹرمیڈیٹ کیا۔لازمی مضامین کے علاوہ ڈاکٹر صاحب کے انٹرمیڈیٹ کے اختیاری مضامین فارسی،تاریخ،اور جغرافیہ تھے۔انہیں یہاں بہترین اساتذہ سے استفادہ کرنے کا موقع ملا۔ان اساتذہ میں ضیا احمد بدایونی،ابرار احمد قادری،احسن مارہروی اور

Marfat.com

اشفاق صاحب (نواب وقار الملک کے صاحبزادے) شامل ہیں۔ بقول ڈاکٹر مسرور احمد زئی:

''اس زمانے میں ڈاکٹر صاحب کو مذہبی موضوعات پر بحث و مباحثہ کرنے میں زیادہ دلچسپی تھی۔ اس سے متعلق مسائل آپ احسن مرحوم سے معلوم کیا کرتے تھے''

۱۹۳۲ء میں تجوید، قرأت اور عربی کا امتحان پاس کیا۔ قرأت میں ڈاکٹر صاحب کے اساتذہ ضیاء الدین احمد الہ آبادی ، مولانا عبدالرحمٰن مکی ثم الہ آبادی، عبداللہ صاحب مکی اور ابراہیم سعد مصری ہیں۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں ایک ذہین اور محنتی طالب علم تھے۔ اس لئے انہوں نے ۱۹۳۳ء میں بی اے کے ساتھ شام کی کلاسز میں علی گڑھ میں ایل ایل بی میں داخلہ لے لیا۔

۱۹۳۵ء میں ڈاکٹر صاحب نے ایم اے فارسی کا امتحان پاس کیا اور ساتھ ہی ۱۹۳۶ء میں ان کی ایل ایل بی بھی مکمل ہوگئی۔ ۱۹۳۶ء میں انہوں نے ایم اے اردو بھی کرلیا۔ آپ نے علی گڑھ سے تعلیم مکمل کی پھر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاںؒ نے ۴ اپریل ۱۹۴۷ء میں مشہور شاعر سید حسن غزنوی پر مقالہ تحریر کر کے ناگ پور یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ بعد میں ناگ پور یونیورسٹی سے ڈی لٹ کی ڈگری حاصل کی۔

ڈاکٹر صاحب دوران تعلیم بہت سے صاحب کمال اساتذہ سے فیض یاب ہوئے۔ جس کا ذکر اکثر و بیشتر اپنی نجی محافل میں کیا کرتے تھے۔ انہوں نے اپنی یادوں کے حوالے سے دو طویل مضامین ''میرا علی گڑھ'' اور ''میرا جبل پور'' کے عنوان سے لکھے اور ان میں نہایت احترام کیساتھ اپنے جن اساتذہ کا تذکرہ کیا ہے ان میں ضیاء الدین الہ آبادی، ضیاء احمد بدایونی، مولانا سلیمان اشرف، مولانا احسن مارہروی، ڈاکٹر عبدالستار صدیقی، مولانا ابو بکر، محمد شیث جونپوری، ڈاکٹر ہادی حسن، نواب صدر یار جنگ اور مولانا حبیب الرحمٰن شیروانی شامل ہیں۔

ڈاکٹر صاحب خاص طور پر قاری ضیاء الدین احمد کا ذکر محبت سے کیا کرتے ہیں کیوں کہ انہوں نے ڈاکٹر صاحب کے لئے ستر سال کی عمر میں ایک ہزار میل کا سفر طے کیا اور امراؤتی آئے۔ انہوں نے یہاں آکر ڈاکٹر صاحب کو تجوید اور قرأت سکھائی۔ اسکے علاوہ مولانا ابوبکر شیث جونپوری اور مولانا سید سلیمان اشرف کا اکثر و بیشتر ذکر کیا کرتے۔ ان اساتذہ سے انہوں نے عربی اور تفسیر پڑھی۔

ہجرت اور ملازمت

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان کے قیام میں آنے کے ساتھ ہی ڈاکٹر صاحب کے بڑے بھائی نذیر احمد خاں نے پاکستان ہجرت کی۔ وہ اپنے ساتھ اپنی اہلیہ اور والدہ کے علاوہ ڈاکٹر صاحب کے بچوں کو بھی لے آئے۔ ڈاکٹر صاحب ۵ نومبر ۱۹۴۷ء کو اپنی اہلیہ (کنیز آمنہ) اور بیٹے (عزیز احمد) کیساتھ ممبئی سے روانہ ہوئے۔ وہ ۳۶ گھنٹے بحری جہاز کا سفر کرنے کے بعد ۷ نومبر ۱۹۴۷ء کو پاکستان (جاکی واڑا) پہنچے۔ یہیں ان کے بیٹے اور اہلیہ کا انتقال ہوا، جس کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ اس کے بعد دسمبر

Marfat.com

۱۹۴۷ء میں واپس ناگ پور (ہندوستان) چلے گئے لیکن ابھی واپس گئے ہی تھے کہ ان کے بڑے بیٹے (سراج احمد خاں) شدید بیمار ہوگئے۔ انکی بیماری کی خبر سن کر انہوں نے مستقل پاکستان آنے کا فیصلہ کرلیا۔ ڈاکٹر راشد حمید کے روزنامہ نوائے وقت اسلام آباد کے ادبی ایڈیشن میں ڈاکٹر صاحب کی رحلت کے موقع پر شائع ہونے والے مضامین میں درج ہے کہ آپ مستقلاً ۲۲ جنوری ۱۹۴۸ء کو پاکستان تشریف لے آئے۔

کراچی میں انہوں نے مکان نمبر ۳۲۸، پیر الٰہی بخش کالونی میں سکونت اختیار کی۔ ڈاکٹر صاحب نے ۵ جولائی ۱۹۳۷ء کو قیام پاکستان سے پہلے پبلک سروس کمیشن کا امتحان پاس کیا اور ۱۵ جولائی ۱۹۳۷ء کو کنگ ایڈورڈ کالج امراؤتی میں اردو کے استاد مقرر ہوئے۔ انہوں نے دوران ملازمت ۱۲ اکتوبر ۱۹۳۷ء کو ہندی کا امتحان دیا اور صوبہ بھر میں اول پوزیشن حاصل کی۔

ان کے قیام پاکستان سے پہلے ملازمت کا دورانیہ گیارہ سال پر محیط ہے۔ ان کی پہلی تقرری امراؤتی میں کنگ ایڈورڈ کالج میں ہوئی بعدازاں ناگ پور یونیورسٹی میں صدر شعبہ مقرر ہوئے۔ اسکے علاوہ یونیورسٹی کورٹ اور علی گڑھ یونیورسٹی کے ممبر رہے۔

جب ہجرت کر کے پاکستان آئے تو اسلامیہ کالج میں اردو کے استاد مقرر ہوگئے۔ یہاں ان کی ملازمت کا دورانیہ دو سال ہے۔ اسلامیہ کالج میں ملازمت کے دوران انہیں پنجاب یونیورسٹی کے وائس چانسلر کی جانب سے سنگاپور جانے کی پیش کش ہوئی لیکن انہوں نے رد کردی۔ کالج کے ایک تنازعے میں ان کی نوکری چلی گئی۔ بقول مسرور احمد زئی:

''کالج میں ڈاکٹر امری حسن صدیقی اور کالج کے سیکریٹری کے درمیان اختلافات ہوئے، اسی دوران ڈاکٹر امیر حسن صدیقی نے اسٹرائیک (strike) کرائی۔ مختلف خطوط اور درخواستوں پر دستخط کرائے۔ ان میں ایک پرچہ استعفیٰ کا بھی تھا، جس کا علم ڈاکٹر صاحب کو بعد میں ہوا۔ اس طرح یہ نوکری جاتی رہی''

نوکری ختم ہوجانے کے بعد تھوڑا ہی عرصہ گزرا کہ مولوی عبدالحق نے ۱۹۵۰ء میں اردو کالج کی بنیاد رکھی۔

ڈاکٹر صاحب کی تقرری بحیثیت صدر شعبہ یہاں ہوگئی۔ وہ قریباً چھ برس تک اردو کالج سے وابستہ رہے۔ یہاں اپنی منشا سے اردو کے علاوہ انگریزی، فارسی اور تاریخ کے مضامین پڑھاتے رہے۔ کراچی یونیورسٹی میں تدریس کا آغاز ہوا تو انہوں نے وہاں ایم اے کی کلاسیں لینا شروع کردیں لیکن جب صدر شعبہ اردو کی تقرری کا وقت آیا تو انہیں پیچھے دھکیل دیا گیا۔

انہوں نے ۱۴ جولائی ۱۹۵۶ء علامہ آئی آئی قاضی کی ایما پر سندھ یونیورسٹی میں صدر شعبہ کے فرائض سنبھالے۔ علامہ آئی آئی قاضی کے مطابق:

''جب جامعہ سندھ میں شعبہ اردو کے لئے صدر شعبہ کی تلاش ہوئی تو ہماری نگاہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں پر ٹھہری۔ آپ کو ہندوستان سے ہجرت کئے ہوئے چند سال ہوئے تھے۔ انہی دنوں میں نے ڈاکٹر صاحب سے کہا آپ سندھ یونیورسٹی آجائیں، یونیورسٹی نئی نئی بنی ہے، جو بنیادیں اس وقت رکھدی جائیں گی، وہ مستقبل کے لئے کارآمد اور سودمند ہوں گی''

ڈاکٹر صاحب نے یہاں ۲۰ برس تک درس و تدریس کے فرائض انجام دیئے اور بہت سے طالب علم ان سے فیض یاب ہوئے۔ انہوں نے طلبہ کے لے رسالہ ''صریر'' کا آغاز کیا، جس کے کچھ نمبر خاص طور پر بہت مشہور ہوئے، ان میں

Marfat.com

نعت نمبر، قصیدہ نمبر اور غالب نمبر خاص شہرت کے حامل ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کی نگرانی میں کئی طالب علموں نے ایم اے، ایم فل اور پی ایچ ڈی کے مقالے تحریر کئے۔۱۹۷۲ء میں ان کی عمر ساٹھ برس ہوئی تو ان کی ملازمت کی مدت ختم ہوگئی۔ لیکن ان کی ملازمت کی مدت میں مزید چار سال کی توسیع دے دی گئی۔۱۹۷۶ء میں وہ سندھ یونیورسٹی کی ملازمت سے مکمل طور پر سبک دوش ہو گئے لیکن ۱۹۸۸ء میں سندھ یونیورسٹی نے ان کی بے پناہ علمی وادبی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے انہیں ''پروفیسر ایمریطس'' کا درجہ دیا۔ ڈاکٹر صاحب تحقیق میں دلچسپی رکھنے والوں کے لئے مشعل راہ کی حیثیت رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے شاگردوں میں ڈاکٹر جمیل جالبی، جسٹس نعیم الدین، نظیر کامرانی اور ڈاکٹر اسلم فرخی جیسے اہل علم اور دانش ور شامل ہیں۔ کیوں کہ ڈاکٹر صاحب کی صحبت میں ان کے شاگردوں نے زندگی گزارنے کا بہترین لائحہ عمل سیکھا بھی اور اس پر عمل بھی کیا۔

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کی قرآن شناسی

ڈاکٹر صاحب نے قرآن پاک سے ہر مرحلے پہ کسب فیض کیا۔ ان کی تعلیم وتربیت ہی ایسے دینی گھرانے میں ہوئی، جس نے ان کی فکر کو اسلامی حوالے سے مہمیز کیا۔ بچپن میں انہوں نے قرآن پاک پڑھا، ور والدین کا سنا بھی۔ بقول ڈاکٹر صاحب: ''میں والد صاحب کا استاد بن گیا، اس طرح پورے قرآن میں انہوں نے میری غلطیوں کی اصلاح فرمادی، پھر والدہ صاحبہ نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا اور میرا ناظرہ صحیح کروایا''

ان کی والدہ محترمہ بھی انہیں قرآن خوانی کا درس دیتی رہیں۔ لہٰذا ان کی زندگی کے معمولات میں قرآن شامل ہوگیا۔ ڈاکٹر صاحب نے تنقید وتحقیق جیسے موضوعات میں قرآن سے بھرپور استفادہ کیا خاص طور پر ''پیام اقبال'' اور ''اقبال اور سیاست'' میں قرآنی حوالے فراہم کئے۔ ان کی تحریروں اور تقریروں پر قرآنی تلمیحات کے اثرات واضح نظر آتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کے قرآن پاک سے متعلق مکمل مضامین بھی ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔	قرآن اور حدیث کے بدائع وصنائع	ہمارا علم وادب	۱۹۸۵ء
۲۔	قرآن پاک اور صوتیات	ندائے سحر	۱۹۹۵ء
۳۔	اصحاب رسول ﷺ کا ذکر قرآن پاک میں	ایضاً	
۴۔	رسول کریم ﷺ قرآن حکیم کی نظر میں	ایضاً	
۵۔	قرآنی تراجم وتفاسیر	ایضاً	
۶۔	ہمہ قرآن در شان محمد ﷺ	نقوش جلد اول	۱۹۸۲ء
۷۔	علم تفسیر	اوراق گم گشتہ	۱۹۹۷ء

ڈاکٹر صاحب نے وحی منظوم پر دیباچہ لکھا، جو قرآن پاک کے تراجم وتفاسیر کی تاریخ کا درجہ رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ قرآن

Marfat.com

حوالے سے کتب میں ضیاء القرآت ۱۹۵۶ء قرآنی عربی ۱۹۶۶ء اردو میں قرآن وحدیث کے محاورات، مطالب القرآن ۱۹۸۲ء، ہم قرآن درشان محمد ﷺ ۱۹۸۳ء، ندائے سحر 1995۔ انہوں نے اپنی چند کتابوں کے نام قرآن پاک سے اخذ کئے ہیں جیسے ابواب مستفرقہ ،لنا اعمالنا، انعمت علیھم ،طوبیٰ لھم ،باقیات ،سراج منیر فضل کبیر وغیرہ

ماحول، شخصیت اور دیگر مصروفیات

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں خوبصورت اور دلکش شخصیت کے مالک تھے۔ صحت مند اور ورزشی جسم تھا۔ ان کی معجز یاتی شخصیت ملنے والے کے دل میں گھر کر لیتی اور اسکا اثر ساری زندگی دوسرے شخص پر برقرار رہتا۔ ان کی ذات میں بے شمار خوبیاں موجود تھیں، جو کسی بھی انسان میں بیک وقت جمع ہونا حیران کن بات ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی ذات مختلف رنگوں کی عکاس تو تھی ہی لیکن ان سب سے بڑھ کر ان کی ذہانت بھی ہے۔ وہ بہت نرم مزاج، سادہ لباس اور سادہ خوراک تھے۔ چال میں ہمیشہ متانت برقرار رہتی۔ آہستگی سے چلتے اور دھیمے لہجے میں پرسکون انداز سے گفتگو کرتے۔ ان کی شخصیت سے کوئی بھی شخص متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ عام طور پر گرمی اور سردی کے موسم میں ایک ہی طرح کا لباس شیروانی، پاجاما اور پھندے دار ترکی ٹوپی زیب تن کرتے۔ ان کی غزالی آنکھیں چہرے کو مزید جلا بخشتی ہوئی نظر آتیں، پرنور گھنی داڑھی نے وجاہت میں اضافہ کیا ہوا تھا۔ بہت باحیاء، ہمیشہ نظریں جھکا کر چلنے کے عادی تھے، گفتگو اتنے سلیقے سے اور محبت سے کرتے کہ جو سنتا وہ اسی کے سحر میں کھو جاتا۔ مسرور احمد زئی کے خیال میں:

"ملن ساری، انکساری، مہمان نوازی، ادب، پیار، لحاظ، شفقت، احترام تبسم، اعتدال، اعتبار، مٹھاس، امداد، توجہ، دعا دوا، اخلاص، بے لوثی، اطمینان، احتیاط، ٹھہراؤ، دھیما لہجہ، نرم مزاجی، انتخاب الفاظ، خوش خطی، مطالعہ، مشاہدہ، مسئلہ فہمی، دیانت ،ریاضت ،صداقت، عبادت، امانت، یہ وہ اوصاف اور رنگ ہیں، جن سے آپ کی شخصیت کی تصویر روشن اور مکمل ہوتی ہے"

انہوں نے ساری زندگی نہایت سادگی سے بسر کی۔ وہ سادہ طبع تھے۔ پیر الٰہی بخش کالونی سے سائیکل پر اردو کالج جاتے۔ ایک مرتبہ کالج کے چپراسی نے سائیکل مانگ لی۔ ڈاکٹر صاحب نے فوراً سائیکل چپراسی کے حوالے کر دی۔ یہ سوچ کر کہ وہ دور سے آتا ہے اور سائیکل کی اسے زیادہ ضرورت ہے۔ ہمیشہ یہی کہتے کہ آج کے دور میں ضروریات زندگی میں اضافہ کی وجہ سے مسائل کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ کیوں کہ سادہ زندگی ترک کر دی گئی ہے۔

ڈاکٹر صاحب کی اہلیہ محترمہ اکثر خائف رہتی اور ضرورت سے زائد اشیاء ان کی نظروں سے چھپا لیتی تھیں کیونکہ ڈاکٹر صاحب ضرورت سے زیادہ کپڑا، لباس، یا چادر کچھ بھی ہوتا تو دوسرے کو دے دیتے۔ ڈاکٹر صاحب سے جہاں تک ہوسکتا دوسروں کی مالی مدد کرتے اور انہیں ترقی کرتے ہوئے دیکھ کر خوش ہوتے۔ ان کی اپنے حلقے میں موجود افراد سے محبت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ دعا کرتے تو یہی دعا مانگتے کہ یا اللہ! جس طرح دنیا میں ساتھ رکھا، اسی طرح آخرت میں بھی ساتھ نصیب فرما۔ کسی بھی شخصیت کی تکمیل میں اسکا ماحول اور خاندانی پس منظر بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔

Marfat.com

ڈاکٹر صاحب کی ذات میں ایک وضع داری ہمیشہ قائم رہی۔ کیوں کہ ان کی پرورش ایک ایسے ماحول میں ہوئی جہاں انہیں جینے کا سلیقہ سکھایا گیا۔ وہ انتہائی کم سنی میں باپ کے سایہ عاطفت سے محروم ہوگئے۔ والد کے انتقال کے بعد ان کی پرورش کی ذمہ داری ان کے تایا (نذیر احمد خاں) کے کندھوں پر آن پڑی۔ انہوں نے یہ خوبی اور بہ خوشی اس ذمہ داری کو پورا کیا۔ وہ ڈاکٹر صاحب کی تعلیم وتربیت سے کبھی بھی غافل نہیں ہوئے۔ نذیر احمد خاں (تایا) پوسٹ آفس میں ملازمت کرتے تھے اور اپنی تنخواہ کا بڑا حصہ ان کی تعلیم پر خرچ کردیتے۔

اس لئے جیسے ہی ڈاکٹر صاحب نے انجمن ہائی اسکول جبل پور سے آٹھویں جماعت پاس کی تو ان کے تایا (نذیر احمد خاں) نے انہیں مزید تعلیم کے لئے علی گڑھ بھیج دیا۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں ایک خوددار شخص تھے۔ انہیں یہ خودداری ورثے میں ملی۔ عفت بانو نے گلاب خاں (والد) اور ڈاکٹر صاحب کے ایک واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"ایک بار آپ کے والد (گلاب خاں) انہیں بازار لے گئے، وہاں پہلی جنگ عظیم کے سپاہیوں کے پرانے کوٹ فروخت ہورہے تھے۔ والد صاحب کے ایک دوست نے کہا کہ آپ کا بچہ سردی سے ٹھٹھر رہا ہے۔ اس لئے ایک کوٹ خرید لیجئے۔ والد صاحب نے فرمایا کہ مجھے ان کا ٹھٹھرنا پسند ہے لیکن غیر کا اتارا ہوا کپڑا نہیں۔ ہاں اگر کسی بزرگ کا اتارا ہوا کپڑا ہو تو یہ پہن سکتا ہے"

اگر ان کی تمام زندگی کا جائزہ لیا جائے تو یہ بہ خوبی اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے بہ وقت ضرورت بھی کبھی کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلایا۔ ضروریات زندگی اتنی مختصر تھیں کہ انہیں کسی قسم کی تکلیف محسوس نہ ہوتی چاہے حالات کیسے بھی ہوتے۔ سیر وسیاحت کے بہت شوقین تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی میں بہت سے سفر کیے۔ ڈاکٹر صاحب کی سیر وسیاحت میں دلچسپی تحقیقی کام میں بہت سودمند اور کارآمد ثابت ہوئی۔ کیوں کہ اکثر وبیشتر انہوں نے مطالبہ کی غرض سے کیے جہاں جاتے کتب خانے ان کی توجہ کا مرکز بن جاتے۔ غرض جس شہر میں جاتے وہاں کے سرکاری اور ذاتی کتب خانوں سے استفادہ کیا کرتے تھے۔ انہوں نے سفر کا آغاز مختلف اغراض ومقاصد کے لئے زمانہ طالب علمی ہی سے کردیا۔ ڈاکٹر سراج احمد خاں لکھتے ہیں کہ:

"ابا جان کا شروع سے سیر وسیاحت کا بہت شوق تھا لیکن اس سفر وسیاحت کا مقصد لائبریریوں کی کتابوں کا مطالعہ یا کسی درویش بزرگ سے ملاقات یا پھر اولیا کرامؒ، صوفیا کرامؒ کے مزارات پر حاضری دینا، وہاں مراقب ہونا ہوتا"

۲۲ مئی ۱۹۴۶ء کو وہ باقاعدہ سیاحت کے لئے اپنے منجھلے بھائی عبدالرحمٰن کے ساتھ روانہ ہوئے۔ اس دوران انہوں نے اٹارسی، کھنڈوا، اندوز، اجین، جاورہ، اجمیر شریف، جے پور، دہلی، آگرہ، فتح پور سیکر، افغانستان، بغداد اور نجف تک کا سفر کیا۔ اس کے علاوہ انہوں نے سیونی، منڈلہ، سلیمن آباد، پنہ گر، ایلچ پور، ایوت محل، علی گڑھ، جالندھر، رام پور، بریلی، سعودی عرب، حیدرآباد دکن، الہ آباد، بمبئی، لکھنؤ کارکوری، بھوپال، برہان پور، پونا، لاہور، اجمیر شریف، کلیر شریف، مظفرنگر، کوئٹہ، مظفر گڑھ، دریا خان، پشاور، مظفر آباد، بالاکوٹ، اوچ شریف، بغداد شریف، کابل، گلگت، ہنزا اور سیالکوٹ کا سفر کیا۔ انہوں نے حج کی غرض سے بھی سفر کیے۔

Marfat.com

بقول ڈاکٹر سراج احمد خاں:

''ابا حضور اب تک ۱۵ حج کر چکے تھے۔ ان کے مقدس سفر سے بھی بہت معلومات حاصل ہوئی''

وہ بہت با مروت انسان تھے۔ ان کی مروت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب ہجرت کر کے پاکستان (کراچی) پہنچے تو بغدادی محلہ پیر الٰہی بخش کالونی میں قیام کیا۔ یہ محلہ چاکی واڑاہ کے قریب ہے۔ جس گھر میں قیام کیا اس کے دروازے اور کھڑکیاں موجود نہ تھیں لیکن پھر بھی ہندوستان سے جتنے بھی رشتہ دار اور دوست احباب پاکستان آتے وہ ان کے گھر ہی پر ٹھہرتے تا وقت ان کو رہنے کے لئے کوئی ٹھکانہ مل جاتا۔ اگر چہ وہ مکان بہ مشکل چند افراد کے رہنے کے قابل تھا۔ یہ دو منزلہ مکان تھا اور اسکی چھت لکڑی سے بنی ہوئی تھی۔ جب کوئی اس پر چلتا تو محسوس ہوتا جیسے چھت ہچکولے لے رہی ہو۔ اس مکان نے پھر بھی بہت سے لوگوں کے لئے جائے عافیت کا کام کیا۔ وہ اس گھر میں دس سال تک قیام پذیر رہے۔ اس وقت یہ گھر چھوڑا جب انہیں سندھ یونیورسٹی کی ملازمت ملی۔ کیوں کہ علامہ آئی آئی قاضی نے ان کے حیدر آباد (۱۹۵۶ء) میں منتقل ہونے پر چھوٹے سے دو کمروں پر مشتمل ایک مکان بھی دے دیا۔ ڈاکٹر صاحب کا یہ رویہ صرف اپنے رشتے داروں یا دوستوں کے ساتھ نہ تھا بلکہ ہر ملنے والے کے ساتھ یکساں سلوک کرتے۔ اتنی اپنائیت کا اظہار کرتے کہ ہر کوئی یہی محسوس کرتا جیسے ڈاکٹر صاحب اس سے ہی اتنی محبت کرتے ہیں۔ وہ ہر کام سنت نبوی ﷺ کے مطابق کرتے تھے، اور اکثر یہی کہا کرتے کہ گر سنت نبوی ﷺ پر عمل کرتے ہوئے کام کی عادت ڈالی جائے تو اس سے جسمانی طاقت میں اضافہ ہوتا ہے اور تمام دینی اور دنیاوی کاموں میں اللہ تعالیٰ کی مدد شامل ہو جاتی ہے۔

ڈاکٹر صاحب ہر کام وقت پر کرنے کے عادی تھے۔ پابندیٔ وقت کا خاص خیال رکھتے، یونیورسٹی جانے کے لئے دس منٹ پہلے ہی تیار ہو جاتے۔ اپنا کام خود اپنے ہاتھوں سے کرنا پسند کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اپنی ٹوپی، شیروانی اور پاجامہ خود دھو کر استری کرتے اور جوتے صاف کرتے تھے۔

انہوں نے کبھی بھی اپنے حوالے سے کسی کو تکلیف نہیں دی۔ ڈاکٹر صاحب بہت مہمان نواز تھے۔ ان کی مہمان نوازی کا یہ عالم تھا کہ ہر کھانے پر ان کے کچھ نہ کچھ دوست ضرور موجود ہوتے۔ لوگ ان کے گھر آنا پسند کرتے تھے۔ یونیورسٹی کی ملازمت کے دوران جب حیدر آباد میں رہائش پذیر ہوئے تو دوپہر کا کھانا گھر پر ہی کھاتے۔ یونیورسٹی سے واپسی پر عموماً دو دوست انکے ہمراہی ہوتے۔ ناشتہ اور دوپہر کا کھانا ان کے ساتھ کھاتے۔ یہ سلسلہ ایک عرصہ تک جاری رہا۔ لیکن کبھی بھی انہوں نے ناگواری کا اظہار نہ کیا۔ بعض اوقات لوگ بلا وجہ اور بے وقت انہیں تکلیف پہنچاتے لیکن ڈاکٹر صاحب کا مزاج ایسا تھا کہ دوسرا محسوس ہی نہیں کرتا تھا کہ انہیں کوفت ہوئی ہے۔ اس لئے بلا جھجک ان کے دروازے پر موجود ہوتے۔ دوستوں کے لئے ملاقات کا وقت متعین نہ تھا نہ ہی دن اور رات کی تخصیص تھی۔ ڈاکٹر سراج احمد خاں نے ایک صاحب کے واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ وہ ۱۱ بجے پسنجر ایکسپریس پر کراچی سے حیدر آباد کے لئے سوار ہوتے۔ دو بجے حیدر آباد پہنچتے دروازے پر دستک دیتے، کھانا کھاتے اور سو جاتے۔ ان کی وجہ سے تمام گھر والے بیدار ہو جاتے۔ ایک عرصہ تک ان کا یہ معمول رہا۔ اگر چہ گھر والوں نے ان

Marfat.com

سے معذرت کر لی کہ یہ طریقہ ٹھیک نہیں ہے۔ البتہ ڈاکٹر صاحب خندہ پیشانی سے ہی ملتے رہے۔ کیوں کہ انکی ذات میں انکساری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

ڈاکٹر صاحب عالی ظرف تھے۔ اس لئے لوگ وقت بے وقت تنگ کرتے رہتے لیکن وہ ہمیشہ خوشی کا اظہار کرتے نظر آتے۔ اس حوالے سے کئی واقعات ان سے منسوب ہیں۔ ایک صاحب نے حرم شریف میں دعا مانگی کہ اگر وہ اپنے گھر (حیدر آباد) بخیر و عافیت پہنچ جائے گا تو پہلے ڈاکٹر صاحب سے ملیں گے۔ تین بجے وہ ملنے ان کے دروازے پر پہنچ گیا۔ خوب زور زور سے دروازے پر دستک دی۔ ڈاکٹر صاحب بیمار تھے اور آرام کر رہے تھے۔ بیماری کی حالت میں بھی ان سے محبت سے ملے اور خوشی کا اظہار کیا۔ اسی طرح ایک مرتبہ ایک خاتون کراچی میں فوت ہوئیں، اس نے وصیت کی کہ ان کی نماز جنازہ ڈاکٹر صاحب پڑھائیں۔ خاتون کو حیدر آباد دفن کیا جانا تھا۔ خاتون کے ورثاء ڈیڑھ بجے اس کی میت لے کر ان کے دروازے پر پہنچے۔ ڈاکٹر صاحب نے فوراً وضو کیا اور نماز جنازہ پڑھا دی۔ اس طرح کے کئی واقعات ان کی زندگی میں ملتے ہیں، جس میں دوسروں کی خاطر کبھی انہوں نے اپنی ذات کو فوقیت نہ دی۔ ڈاکٹر صاحب انتہائی بڑھاپے میں بھی عبادت و ریاضت میں مشغول رہے اور لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کرتے رہے۔

لوگوں کی ایک کثیر تعداد ان کی معتقد تھی۔ بڑھاپے میں کمزوری بڑھ گئی لیکن ملنے والوں کی تعداد میں کمی نہ ہوئی۔ لوگ اسی تواتر سے ان سے ملنے آتے کبھی دعا کی غرض سے اور کبھی سفارش کرانے۔ طلبہ و طالبات کے ساتھ ان کا خاص انداز کا مشفقانہ رویہ تھا۔ طلبہ و طالبات سے کتابوں کا باہم تبادلہ بھی ہوتا رہتا، کبھی بھی وہ ناراضگی کا اظہار نہیں کرتے تھے۔ لوگ ان کی ناراضگی سے خوف زدہ نہیں تھے کہ وہ ناراض بھی ہو سکتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب وفات سے قبل بہت بیمار ہو گئے لیکن ملنے والے لوگوں کی تعداد میں کمی نہ ہوئی۔ ان کے گھر والے معذرت کا اظہار کرتے۔ اس کا حل ملنے والوں نے یہ نکالا کہ وہ اپنی بیگمات کے ساتھ ان کے گھر آتے تا کہ بیگم تھوڑی دیر گزرنے کے بعد اپنے شوہر نامدار کو بھی بلا لے۔ لوگوں کا یہ طرز عمل صرف اور صرف ان سے عقیدت اور محبت کی وجہ سے تھا۔ ملنے جلنے والوں کا تانتا ان کے گھر پر بندھا رہتا۔ یہ سلسلہ ان کی وفات تک جاری رہا۔ اکثر لوگ ڈاکٹر صاحب کے گھر والوں سے یہ تقاضہ کرتے کہ اگر وہ سو بھی رہے ہیں تو انہیں جگا دیں کیوں کہ ان کا نام سنتے ہی وہ اٹھ جائیں گے اور خوش ہوں گے۔

ڈاکٹر صاحب کسی بھی معاملے میں کسی دوسرے کو مورد الزام نہ ٹھہراتے تھے۔ اپنی کتابوں کی خود حفاظت کرتے۔ وہ کی نسبت عمل کرنے کے قائل تھے۔ کھانا ہمیشہ ٹھنڈا کر کے کھاتے اور کھانے کے بعد عموماً میٹھی چیز کھانا پسند کرتے۔ خود کم کھاتے لیکن دوسروں کی خاطر مدارت میں کوئی کسر نہ چھوڑتے۔ محبت کا یہ عالم تھا کہ اگر کوئی دوسرا کوئی چیز نہ کھاتا تو انگلی سے اشارہ کر کے اور کہتے کہ اگر اسے نہ کھائیں گے تو یہ کیا کہے گی۔ شگفتہ مزاج ایسے کہ مٹھائی اس محبت بھرے انداز سے پیش کرتے کہ اگر میٹھی ہو تو نہ کھایئے گا۔ مسرور احمد زئی ڈاکٹر صاحب کی شگفتہ مزاجی کے متعلق لکھتے ہیں کہ: ''آپ کی تحریریں بھی ہیں جن میں شگفتہ بیانی، بذلہ سنجی اور شائستگی کے ساتھ پر لطف واقعات اور جملے بھی خوب ملتے ہیں۔ یہ رنگ صرف تحریروں ہی تک محدود نہیں بلکہ

Marfat.com

کی گفتگو میں بھی پر لطف جملے اور طنز و مزاح کا لطیف انداز دیکھنے میں آتا ہے۔ جس سے ڈاکٹر صاحب کی پر بہار اور پر اثر شخصیت کا ایک اور پہلو ہمارے سامنے آتا ہے"

ڈاکٹر صاحب دوسروں کو تحفے و تحائف دینا پسند کرتے۔ ہمیشہ تحائف دینے میں پہل کرتے۔ جب بھی کسی کے گھر جاتے تو پھل، کپڑے یا کھانے پینے کی اشیاء ساتھ ضرور لے کر جاتے۔ ڈاکٹر صاحب سراپا محبت تھے۔ جس شخص کا ملنے جلنے والوں سے محبت کا یہ عالم ہو اسکا اپنے بچوں کے ساتھ رویہ کتنا ہمدردانہ ہوگا۔ وہ اپنی بہوؤں اور پوتے پوتیوں سے بہت شفقت سے پیش آتے۔ اگر ان کی اولاد میں سے کسی کو گھر آنے میں تاخیر ہو جاتی اس پر بے چین ہو کر بہوؤں سے شکوہ کرتے اور ان کی غیر حاضری پر رنجیدہ ہوتے۔

ڈاکٹر صاحب ہر چھوٹے بڑے کے ساتھ انتہائی شفیق رویہ اپناتے۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی ان کے ہزاروں قدردان موجود ہیں۔ اولاد کی طرح اپنے شاگردوں کا خیال رکھتے۔ لوگ اپنی زندگی کے بڑے سے بڑے مسئلے اور چھوٹے سے چھوٹے کام میں ان سے رہنمائی لیتے۔ بچے کی ولادت پر اس کا نام تجویز کراتے، نوکری کے لئے دعا کراتے، نوکری مل جاتی تو مزید بہتری کے لئے دعا کراتے، گھریلو حالات بہتر ہو جانے کی دعا اور کاروبار کے لئے دعا۔ غرض ڈاکٹر صاحب کے یہاں دعا کا ایک سلسلہ قائم رہتا۔ بعض باتیں ایسی ہیں، جن کی نصیحت بار بار کیا کرتے۔ مثال کے طور پر اکثر کہا کرتے کہ نماز فجر کے بعد گھر کے ہر فرد کو قرآن کریم کی تلاوت کرنی چاہیے۔ انہیں کم کھانا، کم سونا اور کم گفتگو کرنا پسند تھا۔ اس پر وہ خود بھی عمل کرتے اور دوسروں کو بھی تلقین کیا کرتے، کھانے کے حوالے سے ہمیشہ کہتے کہ معدے پر بوجھ نہ ڈالیں تا کہ بیماریوں سے بچے رہیں۔ اسکے لئے معدے کو تین برابر حصوں میں تقسیم کریں۔ ایک حصہ کھانے کا دوسرا ہوا اور تیسرا حصہ پانی کا۔ کبھی ماہر نفسیات نظر آتے ہیں۔ بچوں کے معاملے میں کہتے کہ ان سے محبت کرو بلاوجہ تعریف کرو۔ تا کہ نفسیاتی طور پر بہتر ہو سکیں کیونکہ وہ سوچیں گے کہ ان کے اندر تو ایسی کوئی خصوصیات موجود ہی نہیں ہے، جو ان کے متعلق بیان کی جارہی ہیں۔ اسکے بعد یقیناً وہ ویسا ہی کرنے کی کوشش کریں گے۔

ڈاکٹر صاحب ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے۔ انہیں خود کو نمایاں کرنے کے لئے تگ و دو کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ پابندی وقت کے اس قدر قائل تھے کہ ہاتھ پر گھڑی باندھنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی تھی۔ رات کے تیسرے پہر تین یا ساڑھے تین بجے نیند سے بیدار ہونا ان کے معمولات میں شامل تھا۔ اس پر تمام عمر وہ سختی سے کاربند رہے۔

رات کو جگانے کا آغاز ان کے بڑے بھائی نذیر احمد خاں نے کیا۔ اگر چہ اس وقت انہیں اٹھنا اچھا نہیں لگتا تھا لیکن آہستہ آہستہ جلدی اٹھنے کی عادت پختہ ہوتی چلی گئی۔ ڈاکٹر صاحب کو ہمیشہ اپنے بڑے بھائی (نذیر احمد خاں) کی نصیحت یاد رہتی کہ اگر رات کے آخری پہر میں اٹھ کر کچھ پڑھا جائے تو وہ بھولتا نہیں۔

نماز فجر سے تین گھنٹے پہلے اٹھتے، ورزش کرتے، ورزش میں مگدر چلاتے، بڑھاپے میں زیادہ کمزور ہونے کی وجہ سے مگدر چلانا چھوڑ دیا لیکن ڈنڈ بیٹھک ضرور لگاتے رہے۔ ورزش کے بعد وضو کرتے اور نماز تہجد ادا کرتے۔ تہجد میں لمبا رکوع و سجود

Marfat.com

کرنے کے عادی تھے۔اس سے انسان نسیان اور دل کی بیماریوں سے محفوظ رہتا ہے۔نماز تہجد کے بعد لمبی دعا کرتے تھے،جس میں ان کی کوشش ہوتی کہ ایک ایک شخص کا نام لیں۔نماز تہجد کے بعد قرآن پاک کی تلاوت میں مشغول ہو جاتے۔قرآن پاک ہمیشہ ترتیب وار پڑھتے یعنی اسلامی تاریخ کے پہلے دن سے شروع کرتے اور پھر اسی تسلسل سے پڑھتے اور اختتام کرتے۔ ڈاکٹر صاحب ہمیشہ کہا کرتے کہ یہ قرآن پاک کی تلاوت کی برکت ہے کہ انہیں بڑھاپے اور کمزوری میں بھی چشمے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔

قرآن پاک کے ایک پارہ کی تلاوت کے بعد ایک مرتبہ سورہ مزمل، ایک تسبیح کلمہ، استغفر اللہ اور درود پاک پڑھتے تھے۔اس کے بعد کچھ دیر مراقبہ کے بعد فجر کی سنتیں، گھر پر ادا کرتے لیکن فرض ہمیشہ مسجد میں ادا کیا کرتے۔فجر کے بعد سونے پر سخت ناراضی کا اظہار کرتے کہ اس سے رزق کی تنگی ہوتی ہے

قرآن پاک کی درج ذیل آیات کا حوالہ دیتے: **فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ قَبْلَ طلوع الشمس وَقَبْلَ الْغُرُوْبْ**

ترجمہ: ''اپنے رب کی حمد و تسبیح کرو سورج نکلنے سے پہلے اور سورج غروب ہونے سے پہلے''

نماز فجر چوں کہ مسجد میں ادا کرتے تھے اور گھر کے قریب مسجد بھی نہیں تھی اس لئے دوآبہ پولیس لائن میں نماز ادا کرتے۔نماز فجر کے بعد اشراق تک مراقبہ کرتے۔مراقبہ شروع کرنے سے پہلے درود پاک تین مرتبہ، سورہ فاتحہ ایک مرتبہ، سورۃ اخلاص گیارہ مرتبہ پڑھ کر ایصال ثواب کیا کرتے تھے۔

مراقبہ کے بعد دو نفل اشراق نماز کے ادا کرتے۔نماز اشراق ادا کرنے کے بعد مسجد سے گھر آنے کیلئے صبح کی سیر کی غرض سے سڑک کی طرف چل نکلتے۔چہل قدمی کے دوران عموماً چار پانچ دوست ان کے ساتھ ہوتے۔وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لوگوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔ان میں زیادہ تر وہ اصحاب ہوتے جو دعا کی غرض سے آتے۔ڈاکٹر صاحب وہیں کھڑے کھڑے ہاتھ اٹھا کر ان کے لئے دعا کرتے۔دعا کرانے والے لوگوں کی تعداد میں تیزی سے اضافہ ہونے لگا۔یہاں تک کہ لوگ اتنے بڑھ گئے کہ انہیں چہل قدمی ترک کرنا پڑی۔پھر مسجد سے سیدھے گھر آنے لگے۔گھر آ کر دو مرتبہ سورہ مزمل کی تلاوت کرتے اس کے بعد تھوڑی دیر توقف کرتے اور پھر سات بجے ناشتہ کرتے۔ناشتے کے بعد تھوڑی دیر توقف کرتے اور پھر سات بجے ناشتہ کرتے۔ناشتے کے بعد لکھنے پڑھنے کے کام میں مشغول ہو جاتے لیکن ساتھ ساتھ اگر کوئی دعا کرانے یا تعویذ لینے آ جاتا تو یہ کام بھی کرتے جاتے۔ڈاکٹر فرمان فتح پوری کے خیال میں: ''ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب کے نزدیک کسی مذہب کا، کسی نظریے کا، کسی عقیدے اور مسلک کا، کسی علاقے کا، کسی عمر کا کوئی شخص ہو، اگر جائز کام ہو اور اسکی بھلائی کے لئے ہو، ڈاکٹر صاحب کیئے بغیر نہیں چھوڑتے، یہ ان کا خاص مسلک ہے اور اسی کو انسانی مسلک کہا جاتا ہے''

دوپہر ایک بجے تک اسی تسلسل سے کاموں میں مشغول رہتے۔ایک بجے کھانا کھاتے جو آدھی روٹی پر مشتمل ہوتا۔کھانے میں جھینگا، گردے، پھیپھڑے اور اوجھڑی ناپسند کرتے تھے۔کھانا ہمیشہ سنت کے مطابق سر ڈھانپ کر کھاتے۔کھانے کے بعد پلیٹ اتنی صاف ہوتی کہ معلوم ہی نہ ہوتا کہ اس میں کھانا بھی کھایا ہوگا۔نماز ظہر کھانا کھانے کے بعد مسجد میں ادا کرتے

Marfat.com

لیکن وفات سے قبل کمزوری کی وجہ سے گھر ہی پر ادا کرنے لگے۔ سنت نبوی ﷺ کے مطابق دو پہر کو آدھ پون گھنٹہ آرام ضرور کرتے۔ اس سلسلے میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کا حوالہ دیتے ہوئے کہتے: حضور ﷺ کی پیروی میں تھوڑی دیر قیلولہ کرنا ہزار نفل نماز سے بہتر ہے۔

خطوط کا جواب باقاعدگی سے دیتے۔ انہوں نے وقت کی تقسیم اس طرح کر رکھی تھی کہ کوئی بھی کام ان کے لئے باعث تکلیف نہ ہوتا۔ عصر سے پہلے عموماً خطوط کے جواب دیتے۔ روزانہ ۲۰ سے ۲۵ خطوط آتے جن کے جوابات دیتے۔ اور اتنی ہی تعداد میں مسجد سے پرچیاں آتیں انکے جوابات بھی دیتے۔ گرمیوں میں نماز عصر سے پہلے اپنے کپڑے (لباس کے علاوہ رومال اور ٹوپی) دھوتے اور غسل کرتے۔ سردیوں میں پیر اور جمعہ کے دن غسل کرتے تھے۔ اسکے بعد چائے پیتے اور نماز عصر مسجد میں ادا کرتے۔ مسجد میں لوگوں کے لئے اجتماعی دعا ہوتی اور مسجد سے باہر آ کر عورتوں کے لئے اجتماعی دعا کیا کرتے۔

بیالیس سال تک ڈاکٹر صاحب کے معمولات میں کوئی فرق نہیں آیا۔ ان کا یہ معمول رہا کہ عصر کے بعد گھر سے ملحقہ کمرے (بیٹھک) میں تشریف فرما رہتے۔ جہاں لوگوں کے مسائل سنتے اور دعا کرتے۔ وفات سے قبل مغرب کی نماز گھر پر ادا کرنے لگے۔ مغرب کے فرض اور سنت کے بعد چھ رکعت نفل اوبین ادا کرتے۔ چار رکعت ایک سلام سے پڑھتے اور دو رکعت ایک سلام سے ادا کرتے۔

عشا کی نماز سے پہلے کھانا کھاتے اور پھر گھر پر ہی نماز ادا کرتے۔ پہلے ساری نمازیں مسجد میں ادا کیا کرتے تھے۔ ہمیشہ اس حدیث مبارکہ کا حوالہ دیتے کہ جس شخص نے عشاء کی نماز مسجد میں ادا کی گویا اس نے آدھی رات عبادت کی اور جس نے فجر کی نماز باجماعت ادا کی گویا اس نے پوری رات عبادت کی۔ عشا کی نماز کے بعد اکثر جلد ہی سو جاتے اور دوسروں کو بھی جلد سونے کی تاکید کرتے اس لئے کہ عشا کے فوراً بعد سونا بہتر ہے کیوں کہ آنحضرت ﷺ عشاء کے بعد کسی سے گفتگو نہ فرماتے تھے۔

ڈاکٹر صاحب سونے سے پہلے ایک مرتبہ الحمد شریف اور تین مرتبہ سورہ اخلاص پڑھ کر آپ ﷺ کی روح کو ایصال ثواب پہنچاتے۔ اس سے برے خواب نہیں آتے اور یہ تسبیحات سونے سے قبل پڑھنا بہت بابرکت ہیں۔ موسیٰ بھٹو لکھتے ہیں کہ:

"آپ کی ذات گرامی کا اہم اور روشن پہلو یہ ہے کہ آپ قرآن کریم فرقان حمید کی عملی تفسیر یعنی نبی کریم ﷺ کی حیات مبارکہ کے مطابق زندگی بسر فرمانا سب سے افضل اور ممتاز نہ صرف سمجھتے تھے بلکہ اس پر الحمد اللہ عمل پیرا بھی ہیں اور دوسروں کو اس راہ حق پر چلنے کی تبلیغ و تحریک بھی دیتے ہیں"

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں ہمارے عہد کے غیر معمولی بزرگ تھے، جن کی تمام زندگی اس بات کی شاہد ہے کہ آج بھی اللہ کی بزرگ ہستیاں دنیا میں موجود ہیں جو احکام الٰہی کے مطابق اپنی زندگیاں گزار رہی ہیں۔ ان کی ذات میں یہ بزرگانہ صفات انہیں والدین سے ورثہ میں ملیں (کیوں کہ ان کے والد، گلاب خاں) پرہیزگار بزرگ تھے۔ اسی لئے محمد اشرف علی تھانوی نے اپنی کتاب میں ان کا ذکر نہایت احترام سے کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب اپنے والد (گلاب خاں) سے بہت متاثر تھے۔ یہاں تک کہ

Marfat.com

جب وہ تعلیم مکمل کر کے علی گڑھ سے واپس آئے تو انہوں نے انگریزی میں اپنے والد (گلاب خاں) کے لئے ایک نظم لکھی۔ نظم ملاحظہ ہو:

"O father dear, why lefeth me?
with having cries i look for thee
with wailings warm my tears i cast
with despaired signs, will breadth my last"

اس سے بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کی زندگی پر ان کے والد کے کتنے گہرے اثرات تھے۔ یہاں تک کہ جب گلاب خاں (والد) بہت بیمار ہوئے تو انہوں نے ڈاکٹر صاحب کو پاس بٹھایا اور نماز پڑھنے کا طریقہ سکھایا۔ اسکے علاوہ دعائیں یاد کرائیں۔

ڈاکٹر صاحب کی والدہ محترمہ (محفوظ النساء بیگم) بھی ایک درویش صفت خاتون تھیں۔

بقول ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں: ''میں ابھی چھوٹا تھا کہ ہمارے شہر میں طاعون کی بیماری پھیلنا شروع ہوگئی، جس میں روزانہ بیسیوں افراد موت کا شکار ہونے لگے۔ میری والدہ کا کہنا تھا کہ تم صبح سے شام تک جتنے بھی مرنے والے مسلمانوں کی نماز جنازہ میں شرکت کر سکتے ہو کرو۔ چنانچہ والدہ کی ہدایت پر میں کئی ہفتوں صبح سے شام تک یہ کام کرتا رہا''

ڈاکٹر صاحب کی والدہ محترمہ (محفوظ النساء بیگم) انہیں تلقین کرتی رہتیں کہ جب بھی کسی مسلمان کی وفات کی خبر سنو تو سورۃ فاتحہ اور سورۃ اخلاص پڑھ کر اس کی روح کو ایصال ثواب ضرور کیا کرو۔ ڈاکٹر صاحب نے تمام عمر اس پر سختی سے عمل کیا۔ بڑھاپے میں جب وہ جنازے میں شرکت کرنے کے قابل نہ رہے تو لوگ اکثر میت اٹھا کر گھر لے آتے۔ تب وہ گھر پر اس کی نماز جنازہ ادا کر دیتے۔ ان کی والدہ محترمہ (محفوظ النساء بیگم) اور والد محترم (گلاب خاں) کے بعد جس ہستی نے ان کی تربیت میں بھرپور کردار ادا کیا وہ ان کے بڑے بھائی (نذیر احمد خاں) ہیں۔ کیوں کہ گلاب خاں (والد) کا انتقال بہت جلد ہو گیا۔ جب ابھی ان کی عمر 12 سال تھی۔ گلاب خاں کی وفات کے بعد ان کی پرورش کی ذمہ داری نذیر احمد خاں کے کندھوں پر آن پڑی۔ نذیر احمد خاں (بڑے بھائی) نے انہیں رات کے آخری پہر جاگنے کی تلقین کی اور انہیں بتایا کہ رات کا یہ پہر بہت بابرکت ہوتا ہے۔ نوافل اور قرآن پاک کی تلاوت کے بعد جو کام شروع کیا جائے اس میں اللہ تعالیٰ کی مدد شامل ہوتی ہے۔ بحیثیت مجموعی اگر ڈاکٹر صاحب کی زندگی کو دیکھا جائے تو ان کی تمام زندگی خیر و برکت کا نمونہ نظر آتی ہے، جس کی بنیادی وجہ ان کی بچپن کی تربیت ہے۔ اسی لئے انہوں نے روح کو مادہ پر ترجیح دینا شروع کر دیا اور روحانیت ان کی ذات کا جزو بن گئی۔

ڈاکٹر صاحب چوں کہ پہلے ہی ایک تربیت شدہ صوفیانہ مزاج کے مالک تھے۔ اس لئے بہت جلد سلوک کی منزلیں طے کرنے لگے۔ جس کے بعد ان کی زندگی لوگوں کیلئے ہدایت اور راہ نمائی کا ذریعہ بن گئی ہے۔ بے پناہ علمی و ادبی سرگرمیوں کے باوجود انہوں نے اپنی زندگی کے تقریباً چالیس سال اس طرح گزارے کے لوگ بدستور ان سے فیض حاصل کرتے رہے۔

Marfat.com

سید زوار حسین شاہ صاحب کے حکم سے حیدر آباد منتقل ہوئے اور سلسلہ نقشبندیہ کی تبلیغ شروع کر دی۔

ڈاکٹر صاحب کے عقیدت مندوں میں حاجت مند، امراء، سفارش کرانے والے اور طالب علم سبھی شامل تھے۔ غرض لوگوں کا ایک ہجوم ان کے ارد گرد جمع رہتا۔ ان کے عقیدت مند ایسے بہت سے افراد تھے جن سے وہ ذاتی اور مادی فوائد حاصل کر سکتے تھے لیکن انہوں نے مادہ پرستی کو اپنے قریب نہ آنے دیا۔ ڈاکٹر صاحب نے ہمیشہ دائمی اور اخروی زندگی کو پیش نظر رکھا۔ وہ ایثار و تعاون کے قائل تو تھے ہی ان میں قوت برداشت اور حوصلہ بھی بلا کا تھا۔

پروفیسر احمد اقبال نے ان کی قوت برداشت کا ذکر اس طرح سے کیا کہ سندھ یونیورسٹی کے ایک استاد کسی معاملے میں ان سے ناراض ہو گئے چنانچہ ان کے خلاف مہم چلانا اور ان کے خلاف ذہن بنانا اور ان کا معمول بن گیا۔ ڈاکٹر صاحب تک یہ باتیں پہنچتی رہیں، یہاں تک کہ انہیں یہ بھی معلوم ہوتا تھا کہ کون سا استاد ان کے خلاف محاذ آرائی کر رہا ہے۔ اس کے باوجود جب بھی ان سے سامنا ہوتا محبت کا اظہار کرتے۔ جس کی وجہ سے اس استاد نے ناراضگی ختم کر دی۔ یہ اور اسطرح کے کئی واقعات ڈاکٹر صاحب کی زندگی میں ملتے ہیں، جس سے ان کی قوت برداشت اور بلند حوصلگی کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ انہوں نے درحقیقت زندگی کا راز پا لیا تھا۔ جس کی طرف موسیٰ بھٹو نے بھی اپنے ایک مضمون میں اشارہ کیا ہے اور جب کوئی ان کی صحبت میں وقت گزارتا تو وہ بھی اس راز کو پالیتا کہ زندگی کی تین سطحیں ہیں، جسکی طرف قرآن پاک میں بھی اشارہ ملتا ہے۔ پہلی سطح وہ ہے جس کے متعلق قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

ترجمہ: ''اور کافر کھاتے پیتے ہیں اور لذت حاصل کرتے ہیں، جس طرح جانور کھاتے پیتے ہیں، ان کے رہنے کی جگہ دوزخ کی آگ ہے''

دوسری سطح ایسی ہے جس میں کچھ احکام پر عمل کرنے اور کچھ کو چھوڑ دینے کا معاملہ ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

ترجمہ: ''بدوی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے، کہو کہ تم اب تک ایمان نہیں لائے، بلکہ یہ کہو کہ ہم نے اسلام قبول کیا ہے۔ ایمان ابھی تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا ہے''

تیسری سطح ایمان و عقیدہ کی ہے یعنی مکمل ایمان داری اور خلوص نیت سے اسلامی شریعت کے مطابق زندگی گزارنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ترجمہ: ''جو لوگ ایمان لائے، برائیوں سے بچتے رہے اور نیکیاں کرتے رہے۔ ان کے لئے دنیا کی زندگی میں بھی خوشی کا سامان ہے تو آخرت میں بھی''

ڈاکٹر صاحب کی زندگی اسی عبادت و ریاضت کے زیر اثر نظر آتی ہے۔ انہوں نے قرآن مجید اور سنت رسول ﷺ کی پیروی کرتے ہوئے زندگی گزاری۔ آٹھ سال کی عمر سے تلاوت قرآن کا آغاز کیا اور پھر کبھی اس میں تاخیر نہیں کی۔ تین چیزوں کو کثرت سے پڑھنے کی تلقین کرتے، درود پاک، نماز اور قرآن پاک۔ وہ حتی الامکان کوشش کرتے کہ کسی کا احسان نہ اٹھائیں، موسیٰ بھٹو کے مطابق:

Marfat.com

''کچھ عرصہ پہلے ڈاکٹر صاحب کے احباب نے ان کی کتابوں کی اشاعت کے لئے ایک ادارہ قائم کیا اور اس کے اخراجات کے لئے ان کے حلقے سے وابستہ افراد سے ایک ایک سو اور ایک ایک ہزار روپے لیے گئے، لیکن یہ ادارہ اشاعتی کام شروع نہ کر سکا، جس کی وجہ سے اس ادارے کو بند کر دیا گیا۔ ڈاکٹر صاحب نے ان تمام احباب کی رقوم منافع سمیت واپس کر دیں۔ حالاں کہ انہوں نے ادھار نہیں دیا تھا بلکہ تعاون کیا تھا۔ وہ علم و ادب اور فہم و فراست کا مجموعہ تھے۔ کسی بھی شخصیت میں اتنے اوصاف کا جمع ہونا معجزے سے کم نہیں۔ ہر معاملے میں وہ تین باتوں کا خیال رکھتے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے لئے عمل کرنا، بچوں سے پیار اور بڑوں کا احترام کرنا۔ مدینہ منورہ کے حوالے سے کسی کتاب کی اشاعت کا ذکر سنتے تو ایسے خوشی کا اظہار کرتے جیسے انہیں مل گئی ہو چاہے نہ ملے۔

تین چیزوں کو سختی سے ناپسند کرتے تھے۔ سگریٹ نوشی، عبادت میں غفلت اور کسی کو تکلیف پہنچانا۔ تین خبریں ایسی تھیں جب بھی سنتے تو فوراً دعا کے لئے ہاتھ اُٹھاتے، درود پاک، نماز اور کتاب تین چیزوں کیلئے ہمیشہ دعا گو رہتے۔ اپنے ملک (پاکستان) کے لئے مسلمانوں کے لئے اور اپنے مرحوم رشتہ داروں اور دوستوں کے لئے۔ وہ نہ صرف اپنے لئے بلکہ دوسروں کے لئے بھی مصروف دعا رہتے۔ اپنی والدہ محترمہ کے متعلق بتاتے کہ وہ ان الفاظ میں ان کے لئے دعا کیا کرتیں، اللہ رب العزت انہیں راہ چلتے عزت دے۔ یہ دعا ایسی قبول ہوئی کہ جہاں سے ڈاکٹر صاحب کا گزر ہوتا ایک ہجوم جمع ہو جاتا۔ ان کے گھر کے دو دروازے تھے جن پر مسلسل دستک ہوتی رہتی۔ ان میں بڑے بڑے افسروں سمیت عام لوگ بھی شامل ہوتے۔ سب کے ساتھ یکساں سلوک کرتے۔ سابق صدر مملکت اسلامی جمہوریہ پاکستان ضیاء الحق سمیت کئی اعلیٰ عہدیداران کے معتقد تھے۔ سادگی اور پاکیزگی ان کی ذات کے نمایاں وصف تھے۔ گفتگو کرتے ہوئے بھی اس بات کا خیال رکھتے کہ زبان آسان اور قابل فہم ہو لفظوں کا انتخاب ایسا ہوتا، جو سننے والے کو بآسانی سمجھ میں آ جاتا۔ یوں محسوس ہوتا جیسے ان کے پاس مشکل الفاظ موجود ہی نہ ہوں لیکن ایسا بالکل بھی نہیں تھا وہ صرف سننے والے کو مشکل میں نہیں ڈالتے تھے اور اس کی آسانی کو ملحوظ خاطر رکھتے۔ ان کے الفاظ کے چناؤ سلجھا ہوا اور مختصر ہوتا۔

ہر مہینے اپنی داڑھی کے بال کٹواتے اور سر کے بال استرے سے صاف کراتے۔ ڈاکٹر صاحب اکثر کہا کرتے کہ حلق کے اوپر کے یعنی داڑھی کے نیچے کے بال اگر استرے سے صاف کروائے جائیں تو حلق کی بیماریاں پیدا ہو جانے کا خدشہ ہوتا ہے۔ ان کا سفری سامان عموماً چند ایک اشیاء پر مشتمل ہوتا، جس میں ایک دو جوڑے کپڑوں کے علاوہ کنگھی، سوئی، دھاگہ، مسواک اور لوٹا شامل ہوتا۔

گفتگو میں بہت رکھ رکھاؤ، تہذیب اور شائستگی جھلکتی ہوئی نظر آتی۔ آہستگی اور نرمی ساتھ بات کرتے۔ اسی لئے ان کی باتیں دلوں کو تسخیر کر لیتی تھیں۔ اگر چہ لوگ بے تحاشہ سوالات کرتے۔ ڈاکٹر صاحب سوالات کے جوابات انتہائی محبت اور خندہ پیشانی سے دیتے۔ اس میں ایسا رویہ اختیار کر لیتے جیسے مباحثہ ہو رہا ہو اور خود بھی سوال کرنے والوں سے کچھ سمجھ رہے ہوں۔ بڑے بڑے عالمانہ موضوعات پر سیدھے سادھے اور عام فہم انداز سے گفتگو کرتے۔ انہوں نے ہمیشہ سیاسی اور مذہبی گروہ بندی

Marfat.com

سے خود کو دور رکھا۔ یہی وجہ تھی کہ ان کے آستانے پر ہر سیاسی اور مذہبی گروہ سے تعلق رکھنے والا موجود ہوتا۔

انہیں شاعری سے بھی لگاؤ تھا لیکن انہوں نے شاعری کو باقاعدہ اپنایا نہیں البتہ تاریخی تعلقات رکھتے رہے۔ تراجم میں بھی اس بات کا خیال رکھتے کہ نثر اور اشعار کے ترجمہ میں فرق برقرار رہے۔ اسی لئے نثر کا ترجمہ نثر میں اور اشعار کا ترجمہ اشعار میں کیا کرتے تھے۔ انہوں نے شاعری میں دلچسپی کی وجہ سے مکتوبات امام ربانی قدس سرہ کے فارسی اشعار کا منظوم ترجمہ کیا۔ ڈاکٹر صاحب زبردست قوت حافظہ کے مالک تھے۔ انہیں زندگی کے بیشتر واقعات پوری تفصیل کے ساتھ بڑھاپے اور کمزوری میں بھی یاد تھے جب کہ عام شخص کا حافظہ اس عمر میں ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت و کرم نوازی تھی۔ اسی لئے ان کے اندر بہت سی ایسی خصوصیات موجود تھیں، جو عام لوگوں میں بیک وقت جمع ہونا مشکل ہے۔

ڈاکٹر صاحب اپنے نانا (عبدالقادر خاں جن کا انتقال ان کی پیدائش سے بیس برس پہلے ہو چکا تھا) سے منسوب ایک واقعہ بیان کیا کرتے تھے کہ وہ ان کے خواب میں آئے اور انہیں نصیحت کی کہ صبح نہار منہ تھوڑی سی شکر میں زعفران کی چند ایک بالیاں رکھ کر کھالیا کرو۔ اس سے قوت حافظہ میں اضافہ ہوگا۔ اس کے بعد یہ انکا معمول بن گیا۔ ان کی یادداشت اتنی بڑھ گئی کہ کوئی ان کے مقابلے پر ٹھہر نہ سکتا تھا۔

ڈاکٹر صاحب سے منسوب چند ایک واقعات حج اور مدینہ منورہ سے متعلق یہاں درج کئے جا رہے ہیں جو ان پر اللہ کی خاص نظر کرم کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

۱۹۵۳ء میں ڈاکٹر صاحب اور ان کی والدہ محترمہ (محفوظ النساء بیگم) عصر کی نماز کے بعد بس میں سوار ہو کر مدینہ منورہ جا رہے تھے۔ بس میں متعین تعداد سے زائد دو افراد سوار تھے۔ اس لئے بس کو قریبی چیک پوسٹ پر روک لیا گیا اور ساتھ ہی حکم دیا گیا کہ بس کو واپسی اسی مقام پر بھیج دیا جائے جہاں سے روانہ ہوئی تھی۔ لہٰذا ڈاکٹر صاحب اور ان کی والدہ کو بس سے اتار دیا گیا۔ وہ بہت پریشان ہوئے اور فوراً حضور اکرم ﷺ سے اپنا حال بیان کیا۔ ابھی چند لمحے ہی گزرے تھے کہ ایک افسر آیا اور کہنے لگا کہ ان دو افراد کو بھی بس سے نہ اتارا جائے۔

اسی طرح ایک مرتبہ مدینہ منورہ جاتے ہوئے ان کی بس خراب ہوگئی۔ شدید گرمی اور گھبراہٹ کا عالم تھا۔ انہیں پریشان حال کھڑے ہوئے ابھی تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ ایک شخص آ کر پکارنے لگا کہ آپ میں سے، جو کوئی بھی ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں ہے وہ اپنے ساتھیوں سمیت ہمارے ٹرک میں آ کر سوار ہو جائے۔ کیوں کہ بس کو ٹھیک ہونے میں ابھی کچھ وقت درکار تھا۔ لہٰذا بس ٹھیک ہو کر وہیں پہنچ جائے گی۔ ڈاکٹر صاحب حیرت زدہ رہ گئے۔ انہوں نے جب اس شخص سے پوچھا کہ تم کون ہو اور تمہیں میرا نام کیسے معلوم ہوا اور مجھے کیسے جانتے ہو۔ اس نے جواب دیا کہ ان کی مدد کرنے کا اشارہ اسے حضور ﷺ کی طرف سے ملا ہے۔ اسی طرح ایک مرتبہ ڈاکٹر صاحب مدینہ منورہ ہی میں موجود تھے کہ ان کے پیسے ختم ہوگئے۔ یہاں تک کہ جدہ جانے تک کے لئے بھی رقم موجود نہ تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے انتہائی پریشانی کے عالم میں حضرت محمد ﷺ سے دعا میں

Marfat.com

درخواست کی۔ ابھی وہ اپنی قیام گاہ پر پہنچ بھی نہ پائے ہوں گے کہ ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ میرے یہ پیسے رکھ لیں پاکستان جا کر میرے بھائی کو دیدیں۔ ڈاکٹر صاحب نے اس رقم سے اپنی ضرورت پوری کرلی اور پاکستان جا کر اس کے بھائی کو رقم ادا کر دی۔

مدینہ منورہ میں ایک بہت ہی ضعیف اور کمزور بوڑھا شخص ان کے پاس آیا وہ پاکستان واپس آنا چاہتا تھا لیکن اس کی واپسی ڈاکٹر صاحب کے گروپ کے بعد تھی۔ وہ ہر حال میں انہیں کے ساتھ ہی پاکستان آنا چاہتا تھا۔ اس بات پر بہت رنجیدہ تھا کہ اس کا کوئی ساتھی بھی نہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے حضرت محمد ﷺ سے دعا میں گزارش کی، اسکے بعد جیسے ہی اپنی قیام گاہ پر پہنچے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اور آ کر اس نے بوڑھے کا ٹکٹ مانگا۔ ٹکٹ لے جانے کے تھوڑی دیر بعد واپس لے آیا۔ دیکھا تو ٹکٹ پر وہی تاریخ درج تھی، جس تاریخ پر ڈاکٹر صاحب نے اپنے گروپ کے ساتھ واپس آنا تھا۔ یہ اس طرح کے کئی واقعات انہیں حقیقت میں آپ ﷺ کا غلام ثابت کرتے ہیں۔ جہاں کہیں انہیں کوئی مشکل پیش آتی فوراً غیبی امداد پہنچتی اور یہ سلسلہ تمام عمر جاری رہا۔

وہ ہر ایک کے ساتھ یکساں اور نرم رویہ اختیار کرتے تھے۔ ان کی نرم مزاجی کا لوگوں نے ناجائز فائدہ بھی اٹھایا لیکن جیت ہمیشہ ڈاکٹر صاحب ہی کی ہوتی۔ ان کی محبت اور نرمی کے سامنے کوئی ٹھہر نہ پاتا۔ ان کی زندگی پاکیزگی اور سادگی کا اعلیٰ نمونہ تھی۔ وہ ایک آئیڈیل استاد بھی تھے۔

سندھ یونیورسٹی میں ملازمت کے دوران شعبہ اردو میں بہت گہما گہمی تھی۔ انکے قول و فعل میں تضاد نہیں تھا۔ وہ ایک بہترین استاد تھے۔ ۱۹۶۳ء میں سندھ یونیورسٹی (اولڈ کیمپس) سیشن کورٹ کے سامنے تھی۔ سندھ یونیورسٹی کے شعبہ اردو میں طلبہ کی ایک کثیر تعداد زیر تعلیم تھی۔ یہ تعداد یونیورسٹی کی اردو کی مخصوص نشستوں سے کہیں زیادہ ہوتی۔ اس کی وجہ ڈاکٹر صاحب تھے کیونکہ شعبہ اردو (سندھ یونیورسٹی) کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں تھی اور شہرت یہی تھی کہ سندھ یونیورسٹی (شعبہ اردو) کے دروازے سب کے لئے کھلے تھے جسے کسی وجہ سے کہیں داخلہ نہ ملے وہ اس شعبے میں داخلہ لے لیتا۔ وہ ایک شفیق استاد بھی تھے وہ طلبہ کی رہنمائی کرتے اور تربیت بھی۔ ان کا پڑھانے کا طریقہ اتنا دلچسپ ہوتا کہ ہر طالب علم کی خواہش ہوتی کہ ان کا پیر چھوٹ نہ جائے۔ حالاں کہ ان کی طرف سے طالب علموں پر کلاس لینے کی کوئی سختی نہ تھی۔ پورے شعبے کے طالب علم ایک خاندا[ن] کے افراد کی طرح رہتے اور علم حاصل کرتے۔ طالب علم سے اگر کوئی غلطی بھی ہو جاتی تو اسے سرزنش کرنے کے بجائے، کلا[س] لینے کے دوران نہایت محبت سے باتوں ہی باتوں میں اصلاح کر دیتے۔ ڈاکٹر صاحب اپنے لیکچر کو دلچسپ واقعات، قرآنی آیات اور احادیث کے علاوہ بزرگان دین کے حال احوال سے مزین کر کے اس انداز سے بیان کرتے کہ طالب علم مت[اثر] ہوئے بغیر نہ رہ پاتے۔ انہیں سگریٹ نوشی سے بہت چڑ تھی، لیکن پھر بھی کچھ طالب علم سگریٹ نوشی کرتے۔ اگر ایسے طلباء ڈاکٹر صاحب کے پاس کسی کام سے آتے تو وہ منہ تھوڑا سا دوسری طرف پھیر کر ان کی بات سن لیتے۔ اس سے انہیں گمان ہوتا کہ انہوں نے برا مانا ہوگا۔ اکثر ایسے بھی ہوتا ہے کہ اپنے منہ میں الائچی رکھ کر چبانا شروع کر دیتے۔

ڈاکٹر پروفیسر حسن محمد خاں نے اپنے ایک مضمون ''ایک آئیڈیل استاد، ایک بہترین انسان'' میں ایک شاگرد کے نام

Marfat.com

کی طرف اشارہ کیا ہے۔ وہ سگریٹ نوشی کرتا اور اکثر کلاس سے غائب رہتا لیکن اس کی کلاس میں آمد کا پتا سگریٹ کی بو سے چلتا۔ ایک دن ڈاکٹر صاحب نے باقی کلاس کے ساتھ ساتھ اس سے بھی ایک شعر پڑھوایا تا کہ معنی اور تشریح پر تفصیل سے گفتگو ہو سکے۔ اس نے شعر پڑھا تو ڈاکٹر صاحب نے پھر کہا کہ اس شعر کو دہراؤ۔ شاگرد نے بے خیالی میں پھر شعر پڑھا۔ شعر کا پہلا مصرعہ ہے ''کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں'' ڈاکٹر صاحب بے اختیار ہنسنے لگے کیوں کہ اس نے ''پنپنے'' کو پن پنے'' پڑھ دیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے انہیں یہ کہتے ہوئے ٹوکا کہ کیا ''من منا'' رہے ہو۔ یہ لفظ پنپنا بروزن ''تڑپنا'' ''جھپٹنا'' وغیرہ ہے۔ اس کے بعد وہ شاگرد کبھی کلاس میں نہ آیا لیکن جب نتیجہ کا اعلان ہوا تو وہی طالب علم اول پوزیشن پر آیا، جس کے بعد تمام طالب علم دل سے ڈاکٹر صاحب کی فراخ دلی، عفو و درگزر، منصفی اور وسیع القلبی کے قائل ہو گئے۔ ڈاکٹر صاحب کے پاس نہ صرف ان کے شعبے کے طلباء موجود رہتے بلکہ دوسرے شعبوں کے طالب علم بھی اپنے اپنے مسائل لے کر آتے رہتے۔

وہ نہایت توجہ سے ان کے مسائل سنتے اور حتی الامکان ان کی مدد بھی کرتے۔ وہ ایک تنگ نظر مذہبی شخص نہیں تھے۔ اس لئے انہوں نے طلباء کو غیر نصابی سرگرمیوں سے منع نہیں کیا۔ طالب علموں کی ایک کثیر تعداد اس لئے بھی شعبہ اردو (سندھ یونیورسٹی) میں آتی کہ وہاں طالبات زیادہ تھیں اور آئے دن سیر اور پکنک کا پروگرام بنتا رہتا۔ جب پکنک ہوتی تو طالب علم ٹرانسسٹر بھی ساتھ لے جاتے، ایک منچلا طالب علم ڈانس کرنا شروع کر دیتا۔ باقی طلباء اس کو گھیرے میں لے لیتے تا کہ ڈاکٹر صاحب کو معلوم نہ ہو سکے۔ طالب علم بھی اسی خوش فہمی میں رہا کہ انہیں نہیں معلوم۔ ایک دن وہ کلاس سے غیر حاضر تھا۔ جیسے ہی ڈاکٹر صاحب کلاس میں آئے۔ انہوں نے فوراً اس کی غیر حاضری کو محسوس کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے شعبہ کا ناچنے والا کہاں ہیں۔ پکنک میں عام طور پر وہ شعبہ اسلامیات کے بزرگ اساتذہ کے ساتھ علمی و ادبی گفتگو میں مصروف ہو جاتے اور طلباء اپنی اپنی سرگرمیوں میں مصروف ہو جاتے لیکن جیسے ہی نماز کا وقت ہوتا۔ اذان دی جاتی اور تمام لوگ باقاعدگی سے باجماعت نماز ادا کرتے۔ وہ درحقیقت اپنی ذات میں انجمن تھے اور کشف و کرامات کے مالک تھے۔ وہ دور حاضر کے ایسے ولی تھے، جنہوں نے اپنے عمل سے یہ ثابت کر دیا کہ آج بھی فرمان الٰہی اور سنت رسول ﷺ کی پیروی کرنا دشوار مشکل کام نہیں۔

ڈاکٹر غلام مصطفٰے خاںؒ کے شاگرد

کنگ ایڈورڈ کالج امراؤتی (برار) کے ممتاز طلبہ (انڈیا)

یہاں ڈاکٹر صاحب نے کم و بیش دس سال گزارے ہیں۔ صرف چند ہی نام محفوظ رہ سکے ہیں۔ عزیز احمد صدیقی، مظہر حسین قیصر، قاضی احسان الدین، ڈاکٹر سید نعیم الدین، شیخ عبدالعزیز، میجر مظفر علی، پروفیسر فخر الدین، محمد متین صدیقی، غضنفر حسین، عبدالمتین، محسن علی، غلام عباس، اقبال احمد، فیروز بھائی، محمد مبین صدیقی، حسن علی، شیخ غلام حسین، شیخ عبدالرحمٰن، فہیم الدین، اقبال حسین افسر، وغیرہ وغیرہ

Marfat.com

ناگپور یونیورسٹی کے ممتاز طلبہ (انڈیا)

مارکس کالج اور کنگ ایڈورڈ کالج کا الحاق بھی ناگپور یونیورسٹی سے تھا۔ڈاکٹر صاحب یہاں بھی صدر شعبہ اردو رہے تھے۔یقیناً بہت سے شاگرد ہوں گے مگر ممتاز ترین ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق ہیں۔انہوں نے ۱۹۵۵ء میں اردو میں نعتیہ شاعری پر ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خان کی نگرانی میں پی۔ایچ۔ڈی کیا۔یہ پاکستان سے ۱۹۷۶ء پہلی بار کتابی صورت میں شائع ہوا۔یہ پوری اردو دنیا میں نعت پر پہلا پی۔ایچ۔ڈی ہے۔ڈاکٹر صاحب ۱۹۴۷ء میں پاکستان آگئے تھے اسی سال آپ نے بھی پی۔ایچ۔ڈی کیا تھا۔چنانچہ ڈاکٹر صاحب کی نگرانی میں مکمل ہونے والا یہ پہلا پی۔ایچ۔ڈی ہے اس کے علاوہ شاگردوں میں عبدالرؤف خان، میجر مبین الرحمٰن کے نام اہم ہیں۔

اسلامیہ کالج کراچی کے ممتاز طلباء

تقریباً دو سال اس کالج سے وابستہ رہے اس دوران بہت اہم شخصیت آپ کے تلامذہ میں داخل ہوئیں۔ان میں ۱۹۴۹ء کے طلباء زیادہ ہیں۔ڈاکٹر جمیل جالبی، ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری، ڈاکٹر سلیمان حامد، جسٹس نعیم الدین (سابق چیف الیکشن کمشنر)، عبداللہ حلال، ریاض شفیع، نجم الثاقب، محمد اسحٰق بیگ، صوفی محمد احمد، پروفیسر ظفر محمد زبیری، محمد زبیر زبیری، آفاق احمد، شاکر احمد، ارشاد فاطمہ زبیری، نسیمہ تیموری۔

اردو کالج کے چند معروف طلباء

اردو کالج اور کراچی یونیورسٹی تقریباً چھ سال خدمت انجام دیں۔چند ممتاز تلامذہ کے نام جمع ہو سکے ہیں۔ابن انشاء مرحوم ڈاکٹر اسلم فرخی، ڈاکٹر سید یحییٰ احمد ہاشمی مرحوم، ڈاکٹر عبدالخیر کشفی، خواجہ تہور حسین، ثروت یاسمین (لندن)، ڈاکٹر سید کریم الدین۔

کراچی یونیورسٹی کے ممتاز طلباء

کراچی یونیورسٹی میں ایم اے کی کلاسیں عارضی طور پر ڈاکٹر صاحب لیا کرتے تھے۔یہاں بہت سے شاگرد ہوئے ہوں گے جس میں چند نام۔ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ڈاکٹر محمد ایوب قادری، اور اشتیاق اظہر وغیرہ وغیرہ۔

سندھ یونیورسٹی کے ممتاز طلباء

۱۹۵٦ء میں آپ سندھ یونیورسٹی میں صدر شعبہ اردو کی حیثیت سے آئے۔اور یہاں درس و تدریس اور علمی و ادبی تحقیق کے ایک مہتمم بالشان دور کا آغاز ہوا۔بلا شبہ ہزاروں شاگردوں نے ایم اے اردو، ایم فل اور پی ایچ ڈی میں ڈاکٹر صاحب سے فیض پایا۔بیس سالہ دور میں ایم اے کے چند ممتاز طلباء۔رفعت علی خاں، نجم الدین، عزیز احمد فاروقی، محمود الحسن چوہدری، محمد مصباح الدین، معین الدین انصاری، شرف الدین، سید مظہر الحق، سردار احمد خان، ظہیر الحسن رضوی، طاہرہ عثمانی، محمد رفیق۔

حضرت موصوف کے شاگردوں میں ڈاکٹر جمیل جالبی، پروفیسر انوار احمد زئی، ڈاکٹر عبدالخیر کشفی، ڈاکٹر اسلم فرخی،

Marfat.com

حمایت علی شاعر، ڈاکٹر نجم الاسلام، ابن انشاء، ڈاکٹر محمد مسعود احمد، ڈاکٹر الیاس عشقی اور ڈاکٹر سید نظیر حسین زیدی جیسے مشاہر علم و ادب کے نام شامل ہیں ان میں سے ہر ایک دنیائے علم وادب میں اپنی الگ شناخت رکھتا ہے۔ چند نام شامل کیے گئے ہیں۔

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاںؒ، بہ حیثیت روحانی بزرگ

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں، ایک دین دار گھرانے کے متقی، پرہیزگار، باشریعت اور صاحب مراتب بزرگ ہیں۔ ان کی پوری زندگی اسلامی تقاضوں کے عین مطابق نظر آتی ہے۔ قرآن پاک کی تلاوت، نماز کی پابندی، احترام بزرگی اور سنت کا اتباع ان میں بچپن ہی سے نظر آتا ہے، یہ بات ہمیں ان مضامین میں بھی ملتی ہے جو ان کے بچپن کے دوستوں نے لکھے ہیں اور ابتدائی زمانے کے واقعات ان مضامین میں بیان کیے ہیں۔ ان میں خلیل احمد صاحب مرحوم، صابر احمد خاں اور پرفیسر عبدالحمید جالندھری کی تحریریں قابل ذکر ہیں۔

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب سلسلہ نقشبندیہ کے صاحب مجاز بزرگ ہیں، ہزاروں نہیں بلکہ بلا مبالغہ لاکھوں افراد آپ کے مرید ہیں۔ انہوں نے بہ حیثیت محقق سلسلہ نقشبندیہ کی قابل قدر علمی خدمات بھی انجام دیں اور لوگوں کو تزکیہ نفس اور تصوف کی تعلیم سے بھی آراستہ کیا ہے۔ غلام مصطفیٰ خاں کا تعلق سلسلہ نقشبندیہ سے ہے۔

ا۔ سلسلہ نقشبندیہ کا مختصر تعارف

سلسلہ نقشبندیہ حضرت صدیق اکبرؓ کے طریقے پر مبنی ہے اور ان سے حضور انور ﷺ تک پہنچتا ہے، محمد اشرف صاحب نقشبندی نے ''حضرت القدس'' (دفتر اوّل، ۱۴۰۱ھ) کے صفحہ: ۲۹۰ پر ترجمہ کرتے ہوئے اس سلسلے سے متعلق حضرت بدرالدین سرہندیؒ کی بات اس طرح بیان کی ہے؛

''یہ طریقہ درحقیقت حضرت صدیق اکبرؓ کا طریقہ ہے، کیونکہ آپ کا کمال نسبت حُبّی حضرت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ثابت ہو چکا ہے اور آپ اسی راستے سے فیض حاصل کرتے تھے، چنانچہ اہل تحقیق کے نزدیک مسلّم ہے اور صاحب ثروت نے ہمارے خواجہ ناصر الدین عبدی اللہ احرار قدس سرہٗ سے اس مضمون کو تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے اور آپ فرماتے تھے کہ طریقہ خواجگاں قدس اللہ اسرار جو حضرت صدیق اکبرؓ سے منسوب ہے وہ اسی نسبت حُبّی کے لحاظ سے ہے، کیونکہ ان کا طریقہ اس نسبت حُبّی کی نگہداشت ہے''۔

حضرت عبدالرحیم محدث دہلوی (م، ۱۱۳۱ھ) اس سلسلے سے متعلق اسباق کا ذکر تفصیلاً ''رحمت رحیمیہ'' میں کرتے ہیں۔ ''فصل اوّل میں ہے۔ حضرت قطب الاقطاب خواجہ بہاء الحق الشرع والدین نقشبند اور ان کے خلفا قدس اللہ تعالیٰ ارواحہم کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے تو اہل سنت و جماعت کا عقیدہ درست کرے اور نیک اعمال میں عزیمت اختیار کرے اور جو باتیں منع اور مکروہ ہیں ان سے بچے ان باتوں کے بعد دوام عبودیت ہے۔ یعنی دوام حضور حق سبحانہ سے اسی طرح کا شعور غیر اس میں مزاحمت نہ کرے بلکہ شعور کا شعور بھی مزاحمت نہ کرے۔ ہر وقت بے پریشانی اور بے پراگندگی کے حق سبحانہ کے ساتھ دوام

Marfat.com

حضور ہے اور یہ سعادت عظمیٰ اور یہ نعمت الٰہی بے جذبہ الٰہی کے میسر نہیں ہو، جو کہا ہے (اللہ کے جذبوں میں ہے ایک جذبہ دونوں جہاں کی عبادت سے بہتر ہے) وہ یہی جذبہ ہے اور اس جذبے کے حصول کو سب سے مؤثر ایسے بزرگ کی صحبت ہے جس کا سلوک بہ طریق جذبہ کے ہو اور تجلی ذاتی سے مشرف ہوا ہو۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ (م، ۱۰۳۴ھ) نے اس سلسلہ کی وضاحت اور تعلیمات سے متعلق اپنے خطوط میں بہت کچھ تحریر فرمایا ہے، جن میں زور اگر ہے تو یہ کہ شریعت کی غلامی اور پیروی اہم ہے۔ راہ نجات کا ہاتھ آنا، اتباع شریعت ہی میں ممکن ہے۔ ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:

''استاد اور پیر کو اس لئے پکڑتے ہیں کہ وہ شریعت کی طرف راہ نمائی کریں اور ان کی برکت سے شریعت کے اعتقاد و عمل میں آسانی اور سہولت حاصل ہوں، نہ یہ کہ مرید جو چاہیں کریں اور جو چاہیں کھائیں پیران کے لئے ڈھال بن جائیں گے اور عذاب سے بچالیں گے کیونکہ ایسا خیال ایک نکمی اور بے کار آرزو ہے، وہاں (حشر) میں کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر شفاعت نہ کر سکے گا اور عمل پسندیدہ اس وقت ہوں گے جب کہ شریعت کے مطابق عمل کیا جائے گا۔ شریعت کی متابعت کے ہوتے ہوئے اگر کوئی لغزش اور قصور اس سے سرزد ہوگا تو اس کا تدارک شفاعت سے ہو سکے گا''۔ (دفتر سوم، مکتوب نمبر ۴۱)

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے قرآن پاک کی تعلیم اور سنت کے اتباع کو سلسلہ نقش بندیہ کی بنیاد قرار دیا ہے آپ، دفتر اوّل مکتوب ۷۹، میں ارشاد فرماتے ہیں:

''حضرت محمد ﷺ اعتدال کے طور پر تمام اسمائی اور صفاتی کمالات کے جامع اور ان کمالات کا مظہر ہیں، وہ کتاب جو آپ پر نازل ہوئی ان تمام آسمانی کتابوں کا خلاصہ (عمدہ حصہ) ہے جو تمام انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوئی ہیں اور وہ شریعت جو آں حضرت محمد ﷺ کو عطا ہوئی ہے تمام گذشتہ شریعتوں کا خلاصہ (عمدہ حصہ) ہے اور وہ اعمال جو اس شریعت حقہ کے موافق ہیں، سب سابقہ شریعتوں کے اعمال بلکہ فرشتوں کے اعمال سے بھی منتخب ہیں''۔

ایک اور جگہ آپ نے شریعت کے تین جز بتائے ہیں۔ ۱۔ علم، ۲۔ عمل، ۳۔ اخلاص

یعنی جب تک یہ جز راسخ نہیں شریعت محقق نہیں ہو سکتی، اس کے بعد ہی رضائے الٰہی کا حصول ممکن ہو سکے گا۔ تصوف کے اسباق طے کرنے کے لئے مراقبہ اس سلسلے کی کلید ہے۔ جس میں ذکر (خفی) کیا جاتا ہے، اس کے لئے حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اپنے رسالے اور مکتوبات میں طریقہ بیان کیا ہے۔ پھر مشاہیر نقشبندیہ نے بھی اس کی تبلیغ کی ہے۔ حضرت عبدالرحیم محدث دہلویؒ نے بھی ''رحمت رحیمیہ'' میں اس کی تفصیل دی ہے۔

''ذکر کے سبب ایک ایسا ارتباط حاصل ہو گیا کہ وہ علم لدنی جو سیکھنے اور سکھانے سے نہیں آتا اور ذکر اسم ذات کا اور ذکر نفی و اثبات کا بہ منزل ہجوں کے ہے۔ جیسے پہلے بچے تک ہجے نہ کریں پڑھنا نہیں آتا اور مشائخ طریقت قدس اللہ ارواحہم نے سب ذکروں میں لا الٰہ الا اللہ اور سالکوں کا حجاب نسیاں کا نتیجہ ہے اور حجاب کے یہ معنی ہیں کہ موجودہ رب کی صورتیں دل پر نقش ہوں اور جب دل میں موجودات کی صورتیں ہوں تو باقی سب کی نفی اور غیر کا اثبات ہوا''۔

Marfat.com

۲۔ سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت

ڈاکٹر غلام مصطفٰے خاں شروع ہی سے صوم وصلوٰۃ کے پابند ہیں۔ان کے بڑے بھائی اور والدہ صاحبہ سلسلہ چشتیہ میں بیعت تھیں، پر نانا خود صاحب کشف بزرگ تھے، ان تمام باتوں کے باوجود آپ اپنی ابتدائی عمر میں پیری مریدی کے قائل نہیں تھے، بقول ڈاکٹر صاحب ''اللہ پاک کا بے حد احسان ہے کہ مجھ جیسے شخص پر ایسا کرم ہوا جو پیروں سے سخت بیزار تھا''

(طوبیٰ لہم، ۱۹۹۵ء ص:۱۲)

حضرت قاری ضیاء الدین احمد صاحبؒ جن سے ہمارے مصنف نے دینی اور قرآنی تعلیم حاصل کی، انہوں نے بھی مشورہ دیا تھا کہ یہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے بیعت ہو جائیں، اس بارے میں ہمارے مصنف لکھتے ہیں۔

''لیکن میں نے کچھ ایسے مشائخ دیکھے تھے جن میں خودنمائی زیادہ تھی اور عجیب عجیب باتیں تھیں اس لئے میں خاموش ہو گیا اور ان کے مشورے پر عمل نہ کر سکا''۔ (ایضاً)

ڈاکٹر سراج احمد خاں کے مطابق: ''آپ پہلے تو پیری مریدی کے قائل نہ تھے۔ہندوستان میں قیام کے دوران وہ بہت سے نام نہاد پیروں کو دیکھ چکے تھے اور کسی حد تک دل برداشتہ بھی ہوئے۔اس لئے کبھی کسی کے پاس نہ گئے۔لیکن جب سے صوفی محمد احمد (مرحوم) اور حضرت شاہ زوار حسین صاحب مرحوم سے ملے ہیں اس وقت سے آپ نے نقش بندیہ سلسلہ میں بیعت فرمائی ہے اور اتنی زیادہ محنت کی کہ ان کے پیر صاحب نے انہیں خلافت دے دی۔آج اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ ہزاروں مرید، لاکھوں شاگرد اور شاگرد بھی ایسے جنھوں نے اردو دنیا میں نام پیدا کیا''

چنانچہ قیام پاکستان تک آپ کسی سلسلے میں بیعت نہیں ہوئے تھے لیکن اس سے قبل روحانی طور پر ایسے اشارے یا کشش ضرور معلوم ہوتی تھی جو نقشبندی سلسلے کی طرف مائل کر رہی تھی۔مثلاً: ''امراوتی کے قیام کے زمانے میں ایک مرتبہ (۱۹۳۸) ء میں تعطیل میں جبل پور گیا، وہاں سے الہ آباد، علی گڑھ، دہلی ہوتا ہوا اپنے عزیز دوست محترم چودھری عبدالحمید صاحب سے ملنے کے لئے جالندھر گیا، راستے میں سرہند شریف کا اسٹیشن تھا۔ مجھے اس وقت حضرت مجدد الف ثانی ؒ سرہٗ کے متعلق (بڑے بھائی صاحب کی زبانی) صرف اتنا معلوم تھا کہ یہ ایسے بزرگ ہوئے ہیں جن کا ہر قول اور فعل حضور اکرم ﷺ کی عین پیروی میں رہا ہے۔ جب میں سرہند شریف کے اسٹیشن سے گزرنے لگا تو اس قدر کشش محسوس ہوئی کہ ڈبے سے چھلانگ لگانے کو جی چاہتا تھا۔عجیب اضطراب تھا۔ (ایضاً)

قیام پاکستان کے فوراً بعد جب ڈاکٹر غلام مصطفٰے خاں مستقل طور پر کراچی آگئے تو دسمبر ۱۹۴۸ء میں ایک ایسا واقعہ رونما ہوا جس نے ان کی زندگی میں انقلاب برپا کر دیا۔ آپ ''طوبیٰ لہم'' (صفحہ:۱۳) میں لکھتے ہیں:

''دسمبر ۱۹۴۸ء میں سخت بیمار ہوا اور کئی دن مسلسل بخار میں مبتلا رہا۔ ایک دن ایم اے کے طالب علم اسحٰق بیگ صاحب میری عیادت کو آئے اور مجھ سے کہا کہ اگر آپ کی اجازت ہو تو میں آپ کے لئے بخار کا تعویذ لے آؤں۔ میں نے کہا،

Marfat.com

ضرور لا دیجئے اللہ تعالیٰ کے کلام میں ضرور شفا ہے۔۔۔۔ دوسرے دن مرزا اسحٰق بیگ صاحب میرے لئے تعویذ لائے کہ اسے پانی میں گھول کر پی لیں۔۔۔ میں نے اس کا پانی پیا تو پیتے ہی میرا بخار ختم ہو گیا اور دل میں فرحت پیدا ہوئی۔ میں نے کہا مرزا صاحب! وہ کوئی اللہ والے ہوں گے جن سے آپ تعویذ لائے ہیں، وہ کہنے لگے کہ وہ میرے ہم جماعت اور پرانے دوست ہیں۔ میں نے کہا میں ان سے ملنا چاہتا ہوں، انہوں نے کہا کہ وہ خود ہی آپ سے ملنے آجائیں گے۔ چند روز کے بعد جب کالج جانے لگا تو ایک دن مرزا صاحب کے ساتھ ان کے دوست صوفی محمد احمد صاحب کالج میں تشریف لائے۔۔۔ اس وقت سے مخلصانہ تعلقات شروع ہوئے۔۔۔ اسی دوران میں صوفی محمد احمد صاحب نے ایک دن مجھ سے فرمایا کہ ہمارے حضرت صاحب (شاہ زوّار حسین صاحب) آج تشریف لا رہے ہیں۔ آپ بھی ان کے ساتھ میرے یہاں کھانا کھائیں۔ میں حاضر ہوا تو حضرت شاہ صاحب کی سادگی اور تقویٰ اور تواضع سے بہت متاثر ہوا۔ پھر وہ خیر پور نامی والی، تشریف لے گئے۔۔۔ ایک دن میں اپنی اہلیہ مرحومہ کی قبر پر فاتحہ پڑھنے کے لئے جا رہا تھا، صوفی محمد احمد صاحب بھی ساتھ ہو گئے۔ وہاں فاتحہ پڑھنے کے بعد صوفی صاحب نے فرمایا کہ آپ کی اجازت ہو تو میں قبر کے قریب بیٹھ جاؤں، میں کچھ نہ سمجھا میں نے عرض کیا ضرور بیٹھ جایئے۔ وہ مراقب ہوئے ماشاء اللہ بڑے صاحب کشف تھے۔ مراقبے میں ان سے میری اہلیہ کی باتیں ہوئیں لیکن میرے نانا مولانا عبدالقادر خاں صاحب کے توسط سے وہ میری اہلیہ کے دادا تھے، مرحومہ کے والد صاحب بہ قید حیات ہے، غالباً اسی وجہ سے مولانا عبدالقادر صاحب گفتگو کا واسطہ بنے، صوفی صاحب نے وہ باتیں مجھے بتائیں تو میرے دل پر اس قدر اثر ہوا کہ عرصے تک یکا یک چیخ نکل جاتی تھی''۔

اس واقعہ سے ڈاکٹر صاحب بہت متاثر ہوئے جس کے بعد انہوں نے صوفی صاحب سے سلسلۂ نقشبندیہ کے ذکر کا طریقہ معلوم کیا، لیکن انہوں نے اپنے پیر (حضرت شاہ صاحب) سے اجازت طلب کرنے تک کا وقت چاہا۔ صوفی صاحب کو جب بذریعہ خط اجازت مل گئی تو انہوں نے ڈاکٹر صاحب کو ذکر اور مراقبے کا طریقہ سمجھایا اور اسی روز آپ نے عشاء کی نماز کے بعد پہلی مرتبہ مراقبہ کیا۔ ۱۹۴۸ء کے آخری مہینے میں ان کی ملاقات صوفی صاحب سے ہوئی تھی، یقیناً جنوری یا فروری ۱۹۴۹ء میں حضرت شاہ صاحب سے ان کی پہلی ملاقات ہوئی ہوگی (جو صوفی صاحب کے گھر کھانے پر ہوئی تھی) یعنی وسط ۱۹۴۹ء میں ڈاکٹر صاحب نے یہ پہلا مراقبہ کیا ہوگا۔ کیونکہ ستمبر ۱۹۴۹ء تک ان کیفیات میں اضافہ ہو گیا تھا (تاریخ اسلاف، ص:۳۲) اس لئے کہ اسی سال کے ۱۹ اکتوبر میں آپ حضرت زوّار حسین شاہ صاحب کے ہاتھ پر بیعت ہو گئے تھے، طوبیٰ لہم (صفحہ:۱۴) پر تو آپ اس پہلے مراقبے سے متعلق صرف اتنا لکھتے ہیں ''میں گھر گیا اور عشاء کے بعد مراقبے میں بیٹھا اسی وقت سے مجھ پر ایسی کیفیات شروع ہو گئیں کہ جن کا میں خود کو اب بھی اہل نہیں سمجھتا''۔ لیکن ڈاکٹر صاحب نے اپنی روحانی واقعات پر مشتمل ایک کتاب میں اس مراقبے کا ذکر تفصیلاً کیا ہے: (یاد رہے کہ اس وقت ہمارے سالک کی عمر صرف ۳۷ برس ہے)

''صوفی صاحب نے مجھے مراقبے کا طریقہ بتایا۔ پیر الٰہی بخش کالونی کے مکان نمبر ۳۲۸ میں قیام تھا، وہاں عشاء کے بعد مراقبے میں بیٹھا تو ایک بزرگ سیاہ ریش اور سر پر ہلکا گلابی رنگ کا عمامہ پہنے ہوئے میرے پاس آکر بیٹھ گئے۔ میں بیٹھا رہا،

Marfat.com

دوسرے دن پھر ایسا ہی ہوا۔ تیسرے دن تشریف لائے تو فرمایا کہ اوپر آسمان کی طرف دیکھو، میں نے دیکھا تو ایک نہایت حسین اور پرانور بزرگ نظر آئے۔ جو بزرگ تین دن سے نظر آرہے تھے (وہ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمتہ اللہ علیہ تھے) انہوں نے فرمایا کہ ان بزرگ کو سلام کرو۔ میں نے سلام کیا تو انہوں نے جواب دیا اور جواب دینے کے بعد فوراً انہوں نے حضور انور ﷺ کی طرف رخ کر لیا میں بے تاب ہو گیا اور عجیب حالت ہو گئی''۔

اس صفحے کے حاشیے میں لکھا ہے: (آسمان پر نظر آنے والے بزرگ) ''وہ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق ؓ تھے''۔ بہر حال یہ واقعہ بیعت سے پہلے کا ظاہر ہوتا ہے اور اسی سے ہمارے سالک کے منزل یاب ہونے کی شہادت اور بزرگی کی عطا ہونے کی گواہی ملتی ہے۔

اکتوبر ۱۹۴۹ء مطابق ۱۳۶۷ھ (۱) میں مظفر گڑھ میں ڈاکٹر صاحب کے دادا پیر محمد سعید قریشیؒ کے فاتحہ کے سلسلے میں سالانہ اجتماع ہوا، اس اجتماع کے مہتمم مولانا محمد سعید گوبانویؒ تھے، جو تین دن تک جاری رہا، ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں نے بھی اس میں شرکت کی جہاں انہوں نے صوفی محمد احمد صاحب کے توسط سے حضرت زوّار حسین شاہ صاحب علیہ الرحمہ سے بیعت کی درخواست کی، اس ضمن میں ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں: ''اس وقت تک بلکہ اس کے بعد بھی عرصے تک حضرت شاہ صاحب بہت کم کسی کو بیعت فرماتے تھے۔ بہر حال میری درخواست پر تیسرے دن عشاء کے بعد مظفر گڑھ کی جامع مسجد کے ایک گوشے میں مجھے بیعت فرمایا (غالباً استخارہ بھی فرمایا تھا) اس کے بعد ان کی توجہات اور دعاؤں سے بڑا کرم ہوا۔ دوسرے دن ان کے ساتھ ملتان کے بزرگوں کے یہاں حاضری دی۔ پھر خیر پور ٹامیوالی بھی ہم لوگ حاضر ہوئے غالباً بیعت ہونے کے دو دن بعد حضرت شاہ صاحب نے مجھے دوسرا سبق دیا اور پھر ایسی عنایات شروع ہوئیں کہ بقیہ اسباق جلد جلد طے کرائیے''۔ (طوبیٰ لہم، ص:۱۴)
یہاں تو آپ نے غالباً کہہ کر دوسرا دن سبق کا بتایا۔ لیکن تاریخ اسلاف (صفحہ:۳۴) میں واضح لکھا ہے: ''حضرت صاحب نے دوسرا سبق بھی مجھے دے دیا، یعنی بیعت کے دو دن کے بعد ہی یہ سبق عنایت فرمایا۔ پھر بزرگان علیہم الرحمہ کی زیارتیں نصیب ہوتی رہیں''۔

شاہ صاحب کے ساتھ انہوں نے سفر بھی کئے، ۱۶ جون ۱۹۵۳ء کو ان کے ساتھ حج کی سعادت بھی حاصل کی وہاں جو روحانی انوار وانعام حاصل ہوا، وہ اجمالاً ہمارے مصنف نے ''تاریخ اسلاف'' میں پہلی بار پیش کئے اور تفصیلاً ''فضلِ کبیر'' میں درج ہیں۔ (جس سے ہم آگے استفادہ کریں گے) شاہ صاحب خیر پور ٹامی والی رہا کرتے تھے، لہذا علمی موضوعات، روحانی کیفیات اور دینی معاملات ومعمولات پر پیر ومرید کے درمیان خطوط کے ذریعے رابطہ تھا، جو بعد میں ڈاکٹر صاحب نے خود مرتب کئے اور ''مکتوبات زواریہ'' کے نام سے کتابی صورت میں شائع کئے۔ یہ تمام مکتوبات ڈاکٹر صاحب کے نام ہیں اور قابل مطالعہ ہیں۔ اس لئے کہ شاہ صاحب خود عربی، فارسی، قرآنی وروحانی علم کے فاضل وعالم تھے، لہذا ان علوم کے اثرات خطوط میں بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔

Marfat.com

۳۔ریاضت،خلافت واجازت

ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خان ''طوبیٰ لہم'' (ص:۲۰) جس میں ڈاکٹر صاحب اپنی خلافت واجازت سے متعلق کہتے ہیں

''حضرت مولانا عبدالغفور صاحب رحمتہ اللہ علیہ مدینہ منورہ سے کراچی تشریف لائے اور جمعرات ۲۳ مارچ ۱۹۵۸ء (۲رجب ۷۷ ۱۳ھ) کو جماعت کے ساتھ غریب خانے (حیدرآباد) قدم رنجہ فرمایا۔۔۔دوسرے دن (۲۴ جنوری) حضرت شاہ صاحب (زوّار حسین شاہ صاحب) بھی تشریف لے آئے تو جماعت کے سامنے اعلان کرتے ہوئے مولانا صاحب نے حضرت شاہ صاحب سے فرمایا کہ شاہ صاحب جو (چیز) آپ نے غلام مصطفےٰ خان کو دی ہے میں بھی اسے دیتا ہوں۔یعنی آپ کو شاہ صاحب کے علاوہ عبدالغفور مہاجر مدنی'' کی طرف سے بھی خلافت واجازت عطا ہوتی ہے۔اس وقت ہمارے سالک کی عمر ۴۶ برس کے قریب تھی۔

خلافت عطا ہونے سے قبل ڈاکٹر صاحب نے کس قدر سخت مجاہدہ کیا ہوگا تب ہی بیعت ہونے سے خلافت ملنے میں صرف ۸ سال ۴ مہینے لگے۔اس مجاہدے کے چند نکات ''مکتوبات زوّاریہ'' میں ملتے ہیں یہ شاہ صاحب کے مکتوبات کا مجموعہ ہے جو ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں کو وقتاً فوقتاً لکھے گئے۔

۱۲ جنوری ۱۹۵۱ء ''ذکر نفی اثبات کی تعداد میں اگر ہوسکے اور صحت و وقت گنجائش دے اور اضافہ کردیں۔۔کچھ نہ کچھ تسبیح کھٹکھٹانے کا بھی نکال لیا کریں تو اچھا ہے،خواہ تھوڑا ہی ہو،جوش و کیفیات کو روکا نہ کریں،البتہ زیادتی ہو تو حلقے میں شامل نہ ہوا کریں بلکہ الگ میں کرلیا کریں جب طبیعت برداشت کرنے لگے اور حالت بدل جائے تو پھر شامل ہونے لگیں۔یہ حالت ہمیشہ نہیں رہتی بدل جاتی ہے''۔(ص:۷)

۱۲ جون ۱۹۵۱ء ''آپ کو اگلے سبق تہلیل لسانی کی اجازت ہے'' (ص:۹)

۱۵ اگست ۱۹۵۱ء ''ذکر و شغل میں بیش از بیش کوشش و ہمت فرمادیں۔اور حالات وواردات سے بدستور گاہے گاہے مطلع فرماتے رہیں''۔(ص:۱۰)

۹ مارچ ۱۹۵۲ء ''اگر نفی اثبات بہ حبس دم سے تکلیف ہوتی ہو تو فی الحال ترک فرمادیں۔اس کے بجائے تہلیل لسانی بہ لحاظ معانی کریں'' (ص:۱۴)

۲۸ مارچ ۱۹۵۴ء ''دلائل الخیرات جس روز ناغہ ہوجایا کرے دوسرے روز اس منزل کو بھی پڑھ لیا کریں۔اس کے علاوہ درود شریف کی کثرت کریں خواہ چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے ہی ہو غرض سے ہونا بہتر و افضل ہے اور بے وضو بھی جائز ہے۔۔۔ناپاک جگہ پر البتہ پرہیز کریں''۔(ص:۵۱)

۱۱ ستمبر ۱۹۵۴ء ''اب آپ کو اگلے سبق کی اجازت ہے عمدۃ السلوک میں ترکیب دیکھ کر شروع کردیں''۔ (ص:۵۳)

۳ ستمبر ۱۹۵۶ء ''مراقبہ اسلم الباطن کا حال معلوم ہوکر مزید مسرت ہوئی''۔ (ص:۱۳۰)

Marfat.com

۳۰ ستمبر ۱۹۵۷ء ''مراقبہ کمالات نبوت وکمالات رسالت کے حصول فیض کی کیفیات معلوم ہوکر اطمینان ہوا''۔(ص:۱۵۰)

یہاں ڈاکٹر صاحب کا مجاہدہ اور مراقبہ بتانا ہے نیز ان کے شیخ کی توجہات وتصرفات کو ظاہر کرنا مقصود تھا۔اس سے سالک کے مقام تصوف کا علم بھی ہوتا ہے۔ہمیں اس مجموعے میں چند خطوط ایسے بھی ملے ہیں جس میں ڈاکٹر صاحب کو خلافت ملنے سے قبل ہی اپنے شیخ کی طرف سے اجازت حاصل رہی ہے۔مثلاً ۱۹۵۵ء کا ایک مکتوب (ص:۹۲) پر ہے ''ذکر کے طریقے کی تفصیلات سے آگاہ فرمایں،آپ کو اجازت ہے اور دیگر نئے حضرات کو بھی ذکر بتلادیں اور داخل سلسلہ کر لیں''۔ اسی طرح ایک اور مکتوب میں کہا گیا ہے کہ ''آپ مراقبے میں شامل لوگوں پر روحانی توجہ ڈالیں''۔یہ بہت بڑی بات ہے۔اس سے ڈاکٹر غلام مصطفٰے کی بلندو بالا مقام روحانی کا ادراک ہوسکتا ہے۔

۴۔شجرہ سلسلہ نقشبندیہ

اس سلسلے میں ڈاکٹر غلام مصطفٰے کا شجرہ اس طرح مرتب ہوتا ہے۔

۱۔حضور پرنور ﷺ جو تمام سلسلوں کے امام،مرکز اور منبع ہیں۔

۲۔حضرت ابوبکر صدیقؓ جو خلیفہ رسول کی سعادت رکھتے ہیں (۱۳ھ)

حضرت ابوبکر صدیقؓ یار غار مصطفٰے

۳۔حضرت سلمان فارسیؒ	(۳۶ھ)	حضرت سلمان فارسیؒ شمس برج معرفت
۴۔حضرت قاسم بن محمد ابی بکر زکریاؒ	(م،۱۰۱ھ)	حضرت قاسمؒ تھے پوتے حضرت صدیقؓ کے
۵۔حضرت امام جعفر صادقؒ	(م،۱۴۸ھ)	حضرت جعفر امامؒ اتقیا واصفیا
۶۔حضرت بایزید بسطامیؒ	(م،۲۶۱ھ)	قطب عالم غوث اعظم شیخ اکبر بایزیدؒ
۷۔حضرت شیخ ابوالحسن خرقانیؒ	(م،۴۲۵ھ)	خواجہ حضرت بوالحسن جو ساکن خرقان تھے
۸۔حضرت شیخ ابوعلی فارمدیؒ	(م،۵۱۱ھ)	فارمدی شیخ عالم خواجہ حضرت بوعلیؒ
۹۔حضرت خواجہ یوسف ہمدانی	(م،۵۳۵ھ)	حضرت خواجہ یوسف جو تھے ہمدان کے
۱۰۔حضرت عبدالخالق غجدوانیؒ	(م،۵۷۵ھ)	غجدوانی خواجہ عبدالحقؒ شیخ کمال
۱۱۔حضرت خواجہ عارف ریوگریؒ	(م،۶۱۷ھ)	حضرت خواجہ محمد عارف ریوگری
۱۲۔حضرت خواجہ محمود انجیر فغنوی	(م،۷۱۷ھ)	ساکن انجیر فغنہ یعنی محمود ولی
۱۳۔حضرت خواجہ علی رامتینیؒ	(م،۷۱۵ھ)	حضرت خواجہ عزیزان علیؒ رامتینی
۱۴۔حضرت خواجہ محمد بابا سماسیؒ	(م،۷۵۵ھ)	خواجہ بابا سماسی عاشق ذات خدا
۱۵۔حضرت سید شمس الدین امیر کلالؒ	(م،۷۷۲ھ)	میر میراں حضرت شاہ کلال متقی

Marfat.com

۱۶۔ حضرت خواجہ خواجگان سید بہاء الدین نقشبندی بخاریؒ	(م،۷۹۱ھ)	حضرت خواجہ بہاء الدین جو تھے نقشبندی
۱۷۔ حضرت مولانا یعقوب چرخیؒ	(م،۸۵۱ھ)	حضرت یعقوب چرخی بیکسوں کے دستگیر
۱۸۔ حضرت مولانا عبید اللہ احرارؒ	(م،۸۹۵ھ)	حضرت خواجہ عبید اللہ جو احرار تھے
۱۹۔ حضرت مولانا زاہد وخشیؒ	(م،۹۳۶ھ)	حضرت خواجہ محمد زاہد زہد کمال
۲۰۔ حضرت مولانا محمد درویشؒ	(م،۹۰۷ھ)	خواجہ درویش محمد میر درویشاں ہوئے
۲۱۔ حضرت خواجہ محمد امکنگیؒ	(م،۱۰۰۸ھ)	خواجگی خواجہ محمد (امکنگی) واقف اسرار حق
۲۲۔ حضرت خواجہ محمد باقی باللہ	(م،۱۰۱۲ھ)	حضرت خواجہ باقی باللہ راز داں
۲۳۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندیؒ	(م،۱۰۳۴ھ)	حضرت خواجہ محمد الف ثانی بحرِ علم
۲۴۔ حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ	(م،۱۰۷۹ھ)	عروۃ الوثقیٰ محمد خواجہ معصوم اہل دل
۲۵۔ حضرت خواجہ سیف الدین سرہندیؒ	(م،۱۰۹۲ھ)	خواجہ سیف الدین صاحب سیف تھے جو دین کے
۲۶۔ حضرت مولانا سید نور محمد بدایونی	(م،۱۱۳۵ھ)	سید نور محمد تھے بدایونی ولی
۲۷۔ حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہیدؒ	(م،۱۱۹۵ھ)	مرزا مظہر جان جاناں تھے حبیب اللہ شہید
۲۸۔ حضرت شاہ غلام علی (عبد اللہ)	(م،۱۲۴۰ھ)	خواجہ عبد اللہ شہ جو تھے مجدد دہلوی
۲۹۔ حضرت مولانا ابو سعید زکی القدرؒ	(م،۱۲۵۰ھ)	بوسعید احمد کہ جو غوث زماں تھے بیگماں
۳۰۔ حضرت شاہ احمد سعیدؒ	(م،۱۲۷۷ھ)	خواجہ احمدؒ سعید دہلوی مدنی ہوئے
۳۱۔ حضرت حاجی دوست محمد قندھاریؒ	(م،۱۲۸۴ھ)	حاجی دوست محمدؒ ساکن قندھار تھے
۳۲۔ حضرت عثمان دامانیؒ	(م،۱۳۱۴ھ)	خواجہ عثمان دامانی جو قطب وقت تھے
۳۳۔ حضرت خواجہ سراج الدینؒ	(م،۱۳۳۳ھ)	شہ سراج الدین شان حق سراج معرفت
۳۴۔ حضرت خواجہ محمد فضل علی قریشیؒ	(م،۱۳۵۴ھ)	شاہ تاج الاولیاء فضل دہلوی بے عدیل
۳۵۔ حضرت خواجہ محمد سعید قریشی	(م،۱۳۶۴ھ)	قطب دوراں روح عرفاں سعد دیں خواجہ سعید
۳۶۔ حضرت مولانا شاہ زوّار حسینؒ	(م،۱۴۰۰ھ)	قطب دین عین ولایت شاہ زوّار حسین
۳۷۔ حضرت ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاںؒ		عارف کلام شہ دوراں غلام مصطفیٰ

ڈاکٹر صاحب نے با قاعدہ دنیاوی زندگی گزاری لیکن پھر وہ اس کی جملہ آلائشوں سے پاک رہے اور نہ ہی خود کو اس کی رونقوں میں گم ہونے دیا۔ بلکہ ہر طرح کے حالات میں خدا اور اسکے رسول ﷺ سے لو لگائے رکھی۔ اسی لئے ان کا فیض

Marfat.com

امیر وغریب پر یکساں رہا۔

حضرت کا آخری خطاب

ڈاکٹر صاحب نے اپنے مریدوں اور معتقدوں سے آخری اجتماعی خطاب ۳ اپریل ۲۰۰۵ء اتوار کی دوپہر ڈیڑھ بجے المصطفیٰ ٹرسٹ کی ساعت گاہ میں سالانہ جلسے سے فرمایا۔ ڈاکٹر صاحب کی یہ تقریر ان کی موجودگی میں ان کے اہل خانہ نے پڑھی:

''میں آپ حضرات کا بے حد ممنون ہوں کہ میری دعوت پر آپ حضرات تشریف لائے اور زحمت فرمائی۔ آپ کو اندازہ ہوگا کہ اس جلسے کا مقصد اپنے بزرگان دین کی یاد تازہ کرنا ہے اور اپنی اصلاح کرنا ہے۔ زندگی کے مقاصد جدا جدا ہوتے ہیں لیکن محض اللہ کے فضل سے ہم کو یہ توفیق بخشی گئی ہے کہ ہم اللہ کی یاد کے لئے چند لمحے مخصوص کریں۔ اس کی یاد کو اپنی زندگی کا شیوہ بنائیں ہر روز کی پانچ نمازیں اسی مقصد سے ہیں۔ کہ ہم ایک نہج پر اپنی زندگی استوار کریں اور شریعت کو اپنا مقصد حیات بنائیں۔ اس مقصد میں خلوص پیدا کرنے کے لئے ہمارے بزرگان دین نے حضور پاک ﷺ کے مختلف طریقوں کو اپنایا ہے۔ ہمارے نقشبندی سلسلے میں خاموش ذکر اسی لئے رائج کیا گیا ہے کہ ہم بغیر کسی اظہار کے اس پر قائم ہو کر اپنی زندگی کو شریعت کے مطابق حضور پاک ﷺ کے ذکر خفی کو اپنا معمول بنائیں۔ ہمارے جلسوں کا مقصد اسی ذکر خفی کی تبلیغ ہے۔ اس سے کئی فائدے ہوتے ہیں پہلا فائدہ یہ ہے کہ اس ذکر سے کسی پر ذکر کا احساس نہیں ہوتا، یہ ابتدائی منزل ہے پھر اس کے بہت سے مقامات ہیں جن کو اہل کمال ہی سمجھ سکتے ہیں۔ حضور پاک ﷺ کے طریقے کو اپنا معمول بنا سکتے ہیں۔ زندگی کا مقصد صرف کھانا پینا نہیں ہے بلکہ ہر قدم پر حضور انور ﷺ کی پیروی مقصود ہے۔ یہ پیروی کرنا یا شریعت پر چلنا مختلف کتابوں میں درج ہے اور عین شریعت ہے لیکن صاحب کمال کی صحبت سے منزل آسانی سے طے ہو جاتی ہے۔

منزل عشق بے دور و دراز است ولے   طے شود جادۂ صد سالہ بہ آہے گاہے

سانحہ ارتحال

۲۵ ستمبر ۲۰۰۵ء اتوار، مطابق ۲۰ شعبان المعظم ۱۴۲۶ھ کا المیہ کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ اس روز ایک عہد ختم ہو گیا، ایک عظیم باب علم وادب اور ایک محترم باب مدرسہ شریعت ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خانؒ کی آنکھوں کے ساتھ بند ہو گیا۔ اہل خاندان نے دوپہر ۱۲ بج کر ۴۰ منٹ پر آہستہ آہستہ ڈوبتے سورج کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس وقت آپ کی عمر ۹۳ برس ۲ دن کی تھی اور ہجری لحاظ سے ۹۶ برس ۲ ماہ ۱۵ دن کی عمر پائی۔

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خانؒ کے وصال کی خبر ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے ذریعے جنگل کی آگ کی طرح ملک بھر میں پھیل گئی۔ شہر حیدر آباد کی بے شمار مساجد سے اس خبر کا اعلان ہوا، اور شہر جزوی طور پر بند ہو گیا۔ ڈیڑھ بجے کے قریب اعلان ہوا کہ آپ کی نماز جنازہ بعد نماز عصر، المصطفیٰ ٹرسٹ محمدیہ میں ادا کی جائے گی۔ لوگوں کا ناقابل بیان ہجوم آپ کی قیام گاہ (اولڈ کیمپس مکان نمبر ۲) پر جمع ہو گیا۔ تین بجے کے قریب آپ کا جسد خاکی کھلی گاڑی میں عارضی قیام گاہ سے آخری قیام گاہ کی طرف روانہ ہوا۔

Marfat.com

بلا مبالغہ آٹھ سے نو ہزار افراد جنازے کے ساتھ تھے، لوگوں پر رقت طاری تھی، اس موقع پر اہل خانہ نے لوگوں سے زاروقطار روتے ہوئے صبر و برداشت اور نظم وضبط کی تلقین کی۔ المصطفیٰ ٹرسٹ پر پہلے ہی سے ہزاروں خواتین وحضرات جمع تھے۔ روزنامہ جنگ کراچی نے ۲۶ ستمبر ۲۰۰۵ء کی اشاعت میں لکھا؛ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان کی تدفین پر سپر ہائی وے ٹریفک کی آمدورفت معطل ہوگئی، جس کے باعث حیدرآباد کے ۱۵ سے زائد تھانوں کے ایس ایچ او اور پولیس اور موٹروے پولیس نے ٹریفک کنٹرول کیا۔ اسی روز ''قومی اخبار'' نے بہ طور خاص ''تاریخی جنازہ'' کے عنوان سے اسے حیدرآباد کی تاریخ کا سب سے بڑا جنازہ لکھا ہے۔ ''روزنامہ عوام'' کراچی نے ۲۶ ستمبر کی اشاعت میں لکھا؛ تدفین کے موقع پر عقیدت مندوں کی بہت بڑی تعداد فرط جذبات پر قابو نہ رکھ سکی اس موقع پر رقت آمیز مناظر دیکھنے میں آئے۔ اسی دن روزنامہ ''جنگ'' (کراچی) نے یہ بھی لکھا؛ عالم اسلام ایک معتبر شخصیت سے محروم ہوگیا۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان کے علم وفضل سے لاکھوں افراد فیض یاب ہوئے۔ ڈاکٹر اسلم فرخی نے ۲۹ نومبر ۲۰۰۵ (منگل) کی شام کراچی (صادقین ہال) میں ڈاکٹر صاحب کے تعزیتی جلسے سے خطاب کرتے ہوئے کہا؛ میں سے سب سے بڑا جنازہ قائداعظم محمد علی جناح کا دیکھا تھا۔ دوسرا بڑا جنازہ لیاقت علی خان کا دیکھا اور تیسرا بڑا جنازہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان کا دیکھا جس میں کم وبیش دو لاکھ افراد کی شرکت تھی۔ فیروزالدین احمد فریدی نے اپنے مضمون جنازے کا منظر پیش کرتے ہوئے حسب حال شعر کا انتخاب کیا۔

ہے رشک ایک خلق کو جوہر کی موت پر ۔۔۔ یہ اس کی دین ہے جسے پروردگار دے

بعد نماز مغرب فرض نماز کے بعد ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان کے پیرومرشد حضرت زوار حسین شاہ صاحب مولانا فضل الرحمٰن صاحب نے نماز جنازہ کی امامت فرمائی اور پھر آپکا جسد خاکی غفوریہ مسجد کی بالائی منزل سے آہستہ آہستہ اس مقام پر لایا گیا جہاں پہلے سے ایک مزار ہے ڈاکٹر صاحب ہی کی اطلاع کے مطابق اس میں حضرت قاسم قادریؒ آرام فرما ہیں۔ اور یہ قبر مبارک دوسو سال پرانی ہے۔ ان کے پہلو میں ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان کو سپرد خاک کیا گیا ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کا انتقال ۲۵ ستمبر ۲۰۰۵ کو سندھ یونیورسٹی (حیدرآباد) کے اولڈ کیمپس میں واقع رہائش گاہ پر ہوا۔ اسی دن کی نماز جنازہ ادا کی گئی۔ انہیں حیدرآباد بائی پاس کے قریب تعلیماتی مرکز المصطفیٰ ٹرسٹ کی جامع مسجد غفوریہ کے احاطے میں دفن کیا گیا۔

ڈاکٹر صاحب کی چند ایک باتیں یہاں درج کی جارہی ہیں، جو خاص طور پر استاد اور شاگرد کے حوالے سے اقوال کا درجہ رکھتی ہیں۔

۱۔ اپنے مسلک کو نہ چھوڑو اور دوسروں کے مسلک کو نہ چھیڑو۔

۲۔ اگر استاد بہترین ہو تو وہ نصاب میں بھی بہترین بنا دے گا۔

۳۔ وہ استاد ہی نہیں، جو اپنے شاگردوں کو بیٹا نہ سمجھے اور وہ استاد ہی نہیں جو شاگردوں سے اپنا ادب نہ کرا سکے۔

۴۔ دراصل شاگرد خود اپنے استاد کا ادب نہیں کرتا بلکہ استاد خود اپنا ادب کرواتا ہے۔

۵۔ مدرسوں میں اساتذہ اپنے شاگردوں کی خوب پٹائی کرتے۔ اسی لئے بدلہ تو کہیں نہ کہیں اتارنا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنی زندگی میں جن وظائف کی اجازت دی ان کو یہاں درج کیا جارہا ہے۔ اس کے علاوہ ان کے چند ایک ط

Marfat.com

نسخے ملاحظہ کیجئے۔

۱۔ کاروبار میں ترقی یا بے روزگار شخص فجر کی نماز کے بعد ایک سو مرتبہ سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم پڑھ کر دعا کرے۔

۲۔ حافظہ بہتر بنانے کے لئے زعفران کی چار پانچ بالیاں تھوڑی سی شکر میں رکھ کر کھلا دیں۔ (یہ نسخہ ڈاکٹر صاحب کے نانا نے انہیں خواب میں بتایا)

۳۔ مرگی والے مریض پر سورہ مزمل پڑھ کر دم کریں آرام آجائے گا۔

۴۔ مقدمہ میں لا حول ولا قوۃ الا باللہ، ۵۰۰ مرتبہ پڑھیں۔

۵۔ جو بچہ بستر پر پیشاب کر دیتا ہو اسے رات سوتے وقت سات دانے پستے کے کھلا دیں۔

۶۔ شادی نہ ہونے کی صورت میں ''یا لطیف'' ۵۰۰ مرتبہ پڑھیں۔

۷۔ ہچکی روکنے کے لئے گڑ کھلائیں اور پیچش میں شکر قندی (یہ نسخہ بھی ڈاکٹر صاحب کے دادا نے خواب میں بتایا)

۸۔ میاں بیوی کے درمیان محبت والفت پیدا کرنے کے لئے صبح وشام ایک سو مرتبہ والقیت علیک محبتہ منی پارہ نمبر ۱۶ آیت ۱۲ پڑھ کر دم کریں۔

۹۔ بے اولاد سورۃ مریم کی آیت ۱۲ ایک سو مرتبہ پڑھیں۔

۱۰۔ نافرمان بچے کی وجہ سے اگر والدین پریشان ہوں تو لاحولہ ولا قوۃ الا باللہ پڑھ کر شکر پر دم کر کے کھلا دیں یا سوتے وقت اس کے دونوں کانوں میں اذان دے دیں۔

۱۱۔ اگر بچہ اغوا یا کسی وجہ سے گم ہو جائے تو یا حیی یا قیوم برحمتک استغیث پڑھتے رہیں۔

۱۲۔ سانپ کا زہر دور کرنے کے لئے پانی میں ہلدی گھول کر فوراً پی لیں یہ عمل تین مرتبہ کریں یا تھوڑا کاٹ کر آکڑے کا دودھ ٹپکائیں تھوڑی دیر میں سارا زہر باہر آجائے گا۔

۱۳۔ بچھو کے کاٹنے کی صورت میں گاڑھے نمک کا لیپ اس جگہ پر کر دیں۔

۱۴۔ کتا کاٹ لے تو فوراً لہسن پیس کر پٹی باندھ دیں۔ تکلیف بہت ہوگی اور پک بھی جائے گا لیکن زہر تمام ختم ہو جائے گا۔ دوسری صورت میں اگر پاگل کتا کاٹ لے تو چند ایک آکڑے کے پتے پیس کر کھلا دیں۔ تھوڑی دیر میں قے اور دست ہو کر سارا زہر نکل جائے گا۔

۱۵۔ السر میں مبتلا مریض کو دو چمچ شہد اور دو چمچ زیتون کا تیل ایک کپ گرم دودھ میں ڈال کر رات کو پلائیں، پندرہ بیس دن میں افاقہ ہو جائے گا۔

۱۶۔ گردے میں پتھری ہونے کی صورت میں آدھا کلو زیتون کا تیل لے کر پانچ لیموں نچوڑ لیں اور اسے ایک دن میں ختم کریں۔ پتھری نکل جائے گی۔

Marfat.com

۱۷۔ بچہ کہنا نہ مانے تو درود پاک سو مرتبہ پڑھ کر اس کے کان میں پھونک دیں۔

۱۸۔ خربوزے کے چھلکے کھانے سے پتھری نکل جاتی ہے۔

۱۹۔ یرقان کے مریض کو ایک مولی کا عرق شہد میں ملا کر روزانہ دو مرتبہ پلائیں ایک ہفتے میں افاقہ ہو جائے گا۔

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات، فرمودات

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب کی تصوفانہ تعلیم

سورۃ آل عمران میں ارشاد ہوتا ہے ''اللہ پاک نے بے شک احسان کیا ایمان والوں پر کہ بھیجا ان میں سے رسول ﷺ انہیں میں سے جو پڑھتا ہے ان پر آیتیں اس کی اور تزکیہ فرماتا ہے ان کا، اور سکھاتا ہے ان کو کتاب اور حکمت اور وہ لوگ تو پہلے صریح گمراہی میں تھے''۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب نے متعدد جگہ اس آیت کو اپنی تحریروں میں بیان کیا اور واضح کیا ہے:

''اس آیت مبارکہ سے واضح ہے کہ حضور ﷺ کی ان خصوصیات میں سے ایک خصوصیت تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب ہے جس کے بغیر عملی زندگی بے معنی ہو جاتی ہے۔ حضور انور ﷺ کے بعد تزکیہ نفس کا کام ان کے نائبین نے انجام دیا۔ پھر صوفیا کے مختلف سلسلے اسی مقصد کے لئے قائم ہوئے''

ڈاکٹر صاحب تزکیہ کے متعلق یہ بھی کہتے ہیں ''تزکیہ کے کیا معنی ہیں؟ آپ کے قلب کو آپ کے جذبات کو بالکل مزکی ومطہر کر دینا اور آپ کی تمام باطنی بیماریاں دور کر دینا ان سب کو دور کر دینے کا نام تصوف ہے۔ تزکیہ اور کوئی چیز نہیں یہ ہے تصوف اور یہی ہے تزکیہ''۔

ڈاکٹر صاحب نے تصوف کی بنیاد تزکیہ نفس کو قرار دیا ہے۔ یعنی اس سے تصوف کی تعلیم مکمل ہوتی ہے ''دراصل صحیح تصوف تزکیہ نفس ہے جو اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی کامل اطاعت میں خلوص پیدا کرتا ہے۔ اگر یہ نا ہو تو وہ تصوف ہی نہیں''۔

ڈاکٹر صاحب ایک جگہ اور فرماتے ہیں ''پس اشیاء حق تعالیٰ سے ہے، نا کہ وہ خود حق تعالیٰ سے ہیں، چنانچہ ان کے کلام میں ہمہ اوست کے معنی ہمہ از وست ہوں گے جو کہ علماء کرام کے نزدیک مختار ہیں اور علماء صوفیا کے درمیان حقیقت میں کوئی نزاع نہیں ہے دونوں کے اقوال کا مقصد ایک ہے صرف اس قدر فرق ہے کہ صوفیا اشیاء کو حق تعالیٰ کے ظہورات کہتے ہیں اور علماء اس لفظ سے بھی اجتناب کرتے ہیں۔ تا کہ حلول اور اتحاد کا وہم بھی پیدا نہ ہو سکے۔

ایک جگہ اور آپ نے فرمایا ''حق تعالیٰ اتحاد اور حلول سے پاک ہے''۔

ڈاکٹر صاحب نے صوفیہ اور علماء میں فرق کو کس سہل انداز میں سمجھا دیا، آپ ان محتاط علماء میں سے ہیں جو اس ضمن میں بڑی احتیاط سے کام لیتے ہیں اور عبد کے لئے عجز اور انکسار کو لازم سمجھتے ہیں جس کے بغیر تجلیات اور ظہورات کا ظاہر ہونا بہت

Marfat.com

مشکل ہے۔ اسی لئے آپ نے متعدد مرتبہ اس بات کو دہرایا ہے کہ یہ نہ دیکھئے کوئی آپ کے ساتھ کیا کر رہا ہے یہ دیکھئے آپ اس کی بھلائی کے لئے کیا کر سکتے ہیں اور یہ خود بھی اپنے قول پر صادق نظر آتے ہیں۔ شاہ عبدالکریم کا قول بھی یہی ہے ''معشوق کا شیوہ کرشمہ وناز ہے اور عاشق کا طریقہ ہمیشہ عجز و نیاز ہے''۔ نقشبندی سلسلے میں شریعت کی پابندی لازم ہے۔ جس قدر شریعت نے سالک راسخ ہوگا استحکام رکھے گا اسی قدر رہوائے نفس سے دور ہوگا۔

آداب گفتگو

معاشرت کا تقاضا ہے کہ لوگ ایک دوسرے سے ملیں۔ حال دل کہیں۔ حال دل سنائیں۔ امداد کریں۔ باہمی تعاون سے فرد اور جماعت کے مسائل حل کئے جائیں اور ایک ہو کر رہیں۔ اسلام نے ملنے جلنے اٹھنے بیٹھنے اور بات چیت کرنے کے بھی آداب اور طریقے بتائے ہیں۔ سورۃ النور (۲۷۔۲۸) میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

''اے ایمان والو اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہو جاؤ، جب تک اجازت نہ لے لو اور ان میں رہنے والوں کو سلام نہ کر لو۔ تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ اسے یاد رکھو پھر اگر تم اس (گھر) میں کسی کو نہ پاؤ تو تم داخل نہ ہو جاؤ حتیٰ کہ تم کو اجازت دے دی جائے اور اگر تم سے کہا جائے کہ لوٹ جاؤ۔ تو تم لوٹ جاؤ وہ تمہارے لئے بہت اچھا ہے اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو''۔

اگر کسی آنے والے سے کہا جائے کہ آپ ابھی واپس تشریف لے جائیں تو یہ بات بظاہر اچھی نہیں معلوم ہوتی لیکن حقیقت میں اس موقع پر یہی بات صحیح ہے گھر والے کس کام میں ہیں۔ کون سی ضرورت ان کے پیش نظر ہے۔ ممکن ہے کوئی مسئلہ وہ تنہا یا صرف گھر والوں میں بیٹھ کر حل کرنا چاہتے ہیں، یہ باتیں باہر سے آنے والا تو نہیں جانتا اس لئے اس کو برا نہیں ماننا چاہئے۔ اللہ پاک نے فرمایا کہ ایسے موقع پر واپس چلا جانا ہی ''تمہارے لئے بہت اچھا ہے''۔ لیکن جب آپس میں ملنا ہو تو پہلا کام یہ ہے کہ ایک دوسرے کو سلامتی کی دعا دی جائے۔

سورۃ النساء (۸۶) میں ارشاد ہے کہ ''جب تم کو سلامتی کی دعا دی جائے (یعنی السلام علیکم) کہا جائے تو تم بھی اس سے بہتر سلامتی کی دعا دو مثلاً (وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ) یا اسی دعا کو لوٹا دو، بیشک اللہ ہر چیز کا حساب رکھنے والا ہے۔

یعنی ہماری مجالست جب بھی شروع ہو تو ایک دوسرے کو دعا دی جائے اور وہ دعا (جان وایمان) کی سلامتی کے لئے ہے جو کسی دوسری قوم کو نصیب نہیں۔

پھر جب ہماری گفتگو شروع ہو تو نہایت نرم لہجے میں ہو جیسے کہ موسیٰ اور ہارونؑ کو فرمایا گیا تھا کہ ''پس تم ان سے نرم بات کہنا''۔ (طٰہٰ۔۴۴)

سورۃ لقمان (۱۹) میں فرمایا: ''اور اپنی آواز دھیمی کر۔ بہت ہی ناگوار آواز گدھوں کی آواز آتی ہے''۔

Marfat.com

ہم سمجھتے ہیں کہ گرج کر کسی کے بات کرنے سے رعب پڑتا ہے اور اس میں اپنی شان ظاہر ہوتی ہے تو ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اس طرح بات کرنا انسان کو زیب نہیں دیتا یہ تو گدھوں کی آواز ہے۔ پھر جب ہم بات کریں تو اس کے لئے ارشاد یہی ہے کہ وہ اچھی بات ہو۔ یعنی اچھے انداز سے بھی کہے جائے اور اچھے مقصد کے لئے بھی ہونی چاہئے۔ مفید، یعنی بلا وجہ کی گپ نہ لگائی جائے۔

سورۃ البقرہ (۸۳) میں ارشاد ہے:

''لوگوں سے عمدہ طریقے سے بات کرو''

اور سورۃ بنی اسرائیل (۵۳) میں فرمایا ہے کہ:

''میرے بندوں سے کہہ دیجئے کہ وہ بات کہیں جو بہترین ہو''

ظاہر ہے کہ ''بہترین'' اور ''احسن'' بات وہی ہوگی جو ظاہری و باطنی محاسن والی ہوگی۔ جس میں خیر، فلاح اور فائدہ ہوگا، جو شر و فساد سے دور ہوگی اور جو محبت اور اتفاق کا سرچشمہ ہوگی۔ چنانچہ اس مقصد کیخلاف کوئی بات ہوگی تو وہ احسن نہیں ہوسکتی۔ ویسی بات محبت اور اتفاق یا خیر و فلاح کے بجائے بغض و عداوت اور طعن و تشنیع وغیرہ کے لئے ہوگی۔ جیسا کہ حضور انور ﷺ کی خدمت میں منافقین کا طرز عمل تھا۔ یعنی ایسے لوگ جب آتے تو اُنظرنا (ہمارا خیال کیجئے) کے بجائے ''راعنا'' کہتے جس میں تحقیر کا پہلو نکلتا ہے۔ اللہ پاک نے مسلمانوں سے فرمایا کہ:

'اے ایمان والو تم راعنا مت کہنا بلکہ اُنظرنا کہنا۔ (البقرہ۔۱۰۴)

پھر مسلمانوں کے لئے ارشاد ہے کہ وہ ہمیشہ سیدھی اور راستی کی بات کریں تاکہ دشمنی اور عداوت پیدا نہ ہو اور ان میں تقویٰ اور عمل صالح کا شوق پیدا ہو۔

(سورۃ الاحزاب۔۷۰۔۷۷) میں ارشاد ہے:

''اے ایمان والو۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو بات سیدھی کرو (تاکہ) اللہ تمہارے کاموں کو سنوارے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا اور جو شخص اللہ کی اور اس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کرتا ہے وہ بہت بڑا نفع اٹھاتا ہے''۔

یعنی اللہ سے ڈرنے والے لوگ ہی سیدھی اور اچھی بات کرتے ہیں اور اس کا اجر ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سیدھی اور اچھی بات نہ ہوگی تو اللہ کے یہاں پکڑ ہوگی۔ اللہ پاک کو ایسی بات ہرگز پسند نہیں۔ صاف صاف ارشاد ہے کہ:

یعنی مسلمانوں کا قول اور فعل یکساں ہو۔ ظاہر و باطن میں فرق نہ ہو۔ گویا کسی لحاظ سے مفافقت نہ ہو کہ مسلمان کو کسی طرح کی منافقت زیب نہیں دیتی کیوں کہ منافقانہ عمل سے سوئے دشمنی اور نفرت کے کوئی اور چیز حاصل نہیں ہوتی۔ مسلمان کے قول میں نرمی، محبت، سچائی اور درگزر کا جذبہ ہونا چاہئے تاکہ اس کا قول اس کے فعل سے مطابقت رکھے۔

سورۃ البقرۃ (۲۶۳) میں ارشاد ہوتا ہے:

''نیک بات کہنی اور درگزر سے کام کرنا اس خیرات سے بہتر ہے جس کے پیچھے دل آزاری ہو اور اللہ تو بے نیاز

Marfat.com

بہت بردبار ہے"۔

اس آیت مبارکہ میں خیرات اور صدقات کرنے سے بھی بہتر نرم اور نیک بات کو قرار دیا گیا ہے کیوں کہ خیرات اور صدقات سے تو کچھ لوگوں کا فائدہ ہوتا ہے لیکن نرم اور نیک بات سے قوموں کو فائدہ پہنچتا ہے۔ البتہ نرم بات عورتوں کو اس وقت تک نہیں کرنا چاہیئے جب کہ کسی نامحرم سے گفتگو کرنے کا موقع آجائے۔

سورۃ الاحزاب (۳۲) میں حضور انور ﷺ کی ازواج مطہرات تک کو نامحرم سے نرم بات کرنے کی ممانعت آئی ہے حالانکہ وہ امت اور مسلمانوں کی مائیں ہیں ارشاد ہوتا ہے کہ:

"(اے میرے نبی ﷺ کی بیویوں) تم (نامحرموں) سے نرم (اور دبی) زبان میں گفتگو نہ کرو ایسا کرو گی تو جس کے دل میں کسی طرح کی کھوٹ ہو تو وہ خدا جانے تم سے کس طرح کی توقعات پیدا کرے گا (پس) بات کرو معقول (اور بے لاگ)

پھر گفتگو کے آداب میں یہ بھی ہے کہ طول طویل اور لامعنی بات نہ کی جائے۔ فضول باتیں نہ ہوں فخر و مباہات کی باتیں نہ ہوں اور اپنی تعریف و توصیف نہ ہو۔ "قول معروف" اسی بات کو کہتے ہیں جو فضول نہ ہو اور ہر لحاظ سے اچھی ہو۔ بعض حضرات لمبی لمبی تقریریں کر کے لوگوں کو اپنا گرویدہ بنانے کی کوشش کرتے ہیں وہ اللہ کے نزدیک پسندیدہ نہیں ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اسلوب کلام میں اس لئے ادل بدل کرتا ہے کہ اس طرح وہ لوگوں کو اپنا گرویدہ بنائے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کا فدیہ اور توبہ قبول نہ کرے گا۔

حضرت عمرو بن العاصؓ فرماتے ہیں میں نے رسول ﷺ سے سنا ہے کہ آپ ﷺ نے اس طرح فرمایا:

"مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں گفتگو میں اختصار کروں کیوں کہ اختصار بہتر ہے"۔

طول طویل اور تکلیف آمیز بات حضور ﷺ نے منع فرمائی ہے ارشاد ہے کہ:

"اللہ تعالیٰ ایسے بلیغ شخص کو مبغوض رکھتا ہے جو اپنی زبان کو اس طرح توڑتا مروڑتا ہے جس طرح بیل اپنی زبان کو توڑ مروڑ کر گھاس کھاتا ہے"۔ خلاصہ یہ ہے کہ اسلام میں ہمارے لئے صرف قول لین، قول احسن، قول صادق، قول سدید، قول معروف، قول اعجاز کے لئے ارشاد ہے کہ اس کیخلاف کوئی قول جائز نہیں۔

مجالس خیر

حضور اکرم ﷺ کی ولادت اقدس کا بیان جائز ہے اس ضمن میں میلاد شریف کی محفل میں حضور ﷺ کے فضائل اور حالات وغیرہ بیان ہوتے ہیں۔ ان چیزوں کا ذکر احادیث میں بھی ہے اور قرآن مجید میں بھی۔ ایسے انعقاد نا جائز نہیں ہیں۔ اس محفل مبارک کے لئے دعوت نامے بھیجنا، شیرینی تقسیم کرنا سب جائز ہے۔ اگر شیرینی تقسیم نہ کی جائے تو کوئی ضروری چیز تو ہے نہیں۔ اور بوقت ذکر ولادت کھڑے ہو کر صلوٰۃ و سلام پڑھنا بھی جائز ہے۔ یہ نہیں سمجھا جاتا ہے کہ اس موقع پر حضور ﷺ ضرور تشریف لے آتے ہیں اس لئے کھڑے ہو کر صلوٰۃ و سلام پڑھا جاتا ہے۔ ویسے اگر وہ تشریف لے آئیں تو کوئی بعید بھی نہیں۔

Marfat.com

غلط روایات اور من گھڑت باتیں بیان نہ کی جائیں۔ بزرگان دین کی وفات کی تاریخ میں محفل منعقد کرنا اوران کے حالات بیان کرنا بھی جائز ہے۔

رجب کی ۲۶ کو روزہ رکھنا اور ۲۷ کو روزہ رکھنا جائز ہے لیکن ان کو ہزاروی یا لکھی روزہ سمجھنا صحیح نہیں ہے۔ شہدائے کربلا کے صحیح حالات بیان کرنے کے لئے مجلس منعقد کرنا بھی جائز ہے لیکن بے سروپا باتیں جو مرثیوں میں ہیں وہ بیان نہ کی جائیں۔

زیارت قبور

حدیث ۱۔ صحیح مسلم میں بریدہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تم کو (پہلے) زیارت قبور سے منع کیا تھا، اب تم قبروں کی زیارت کرو اور میں تم کو قربانی کا گوشت تین دین سے زیادہ کھانے کی ممانعت کی تھی، اب جب تک تمہاری سمجھ میں آئے رکھ سکتے ہو۔

حدیث ۲۔ ابن ماجہؒ عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں تم کو زیارت قبور سے منع کیا تھا، اب تم قبروں کی زیارت کرو کہ وہ دنیا میں بے رغبتی کا سبب ہے اور آخرت یاد دلاتی ہے۔

حدیث ۳۔ صحیح مسلم میں برزیدہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں کو تعلیم دیتے تھے کہ جب قبروں کے پاس جائیں یہ کہیں۔

السلام علیکم اهل الدیار من المؤمن والمسلمین وانآ انشاء الله بکم لا حقون نسائل الله لنا ولکم العافیة

حدیث ۴۔ ترمذیؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کی کہ نبی کریم ﷺ مدینہ میں قبور کے پاس سے گزرے تو ادھر منہ کیا اور فرمایا۔

السلام علیکم یااهل القبور یغفر الله لنا ولکم انتم سلفنا ونحن بالاثر .

حدیث ۵۔ بیہقی نے شعب الایمان محمد بن نعمانؒ سے مرسلاً روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو اپنے والدین کی دونوں یا ایک کی ہر جمعہ میں زیارت کرے گا اس کی مغفرت ہو جائے گی اور نیکو کار لکھا جائے گا۔

حدیث ۶۔ خطیبؒ نے ابو ہریرہؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص ایسے کی قبر پر گزرے جسے دنیا میں پہچانتا تھا اور اس پر سلام کرے تو وہ مرا اسے پہچانتا ہے اور اس کے سلام کے جواب دیتا ہے۔

حدیث ۷۔ امام احمدؒ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی فرماتی ہیں میں اپنے گھر میں جس میں رسول اللہ ﷺ تشریف فرما ہیں (یعنی روضہ اطہر میں) داخل ہوتی ہے اپنے (زائد) کپڑے (جو غیروں کے سامنے ہونے میں پہنے جاتے ہیں) اتار دیتی کہ یہاں تو صرف میرے شوہر اور میرے والد ہیں۔ پھر جب حضرت عمرؓ وہاں مدفون ہوئے تو حضرت عمرؓ کی حیا کی وجہ سے خدا کی قسم میں وہاں نہیں گئی، مگر اچھی طرح اپنے اوپر کپڑوں کو لپیٹ کر۔

مسئلہ۔ جس کی قبر کی زیارت کو گیا ہے اس کی زندگی میں، اگر اس کے پاس ملاقات کو آتا تو جتنا نزدیک یا دور ہوتا، اب بھی قبر کی

Marfat.com

زیارت میں اسی کالحاظ رکھے۔(عالمگیری)۔

مسئلہ۲۔ چاردن زیارت کے لئے بہتر ہیں۔پیر، جمعرات، جمعہ اور ہفتہ۔جمعہ کے دن نماز جمعہ کے بعد جانا افضل ہے اور ہفتہ کے دن طلوع آفتاب تک۔اور جمعرات کو دن کے اول وقت اور بعض علماء نے فرمایا کہ پچھلے وقت میں افضل ہے۔متبرک راتوں میں زیارت قبور افضل ہے۔مثلاً شب براءت۔شب قدر۔عیدین کے دن اور عشرہ الحجہ بہتر ہے۔(عالمگیری)

(یہ تمام احادیث ومسائل، بہار شریعت حصہ ۱۲ میں اور دوسری کتابوں میں تفصیل سے موجود ہیں)

شب براءت(۱۴شعبان)

قرآن پاک میں لیلۃ القدر اور لیلۃ المبارکہ(جو سورۃ الدخان میں مذکور ہے) اور دونوں راتوں کو صرف شب قدر ہی قرار دیا جاتا ہے اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ سال بھر میں کچھ ہونے والا ہے یعنی رزق موت وحیات اور بارش وغیرہ وہ سب شب قدر میں لوح محفوظ سے نقل کرلیا جاتا ہے۔لیکن بعض مفسرین کا خیال ہے کہ''شب قدر اور شب براءت دونوں میں تمام واقعات اور معاملات فیصلے ہوتے ہوں تو یہ کچھ بعید نہیں بلکہ ممکن ہو کہ واقعات تو لکھ لئے جاتے ہیں۔شب براءت میں اور (ملائکہ کے) سپرد کئے جاتے ہوں شب قدر میں۔بہرحال شب براءت ایسی رات ہے جس میں بندوں کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں اور یہ ماہ شعبان میں واقع ہوتی ہے جس کے متعلق حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

''شعبان میرا مہینہ ہے''۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ جس طرح حضور اکرم ﷺ تمام انبیاءؑ سے افضل ہیں اسی طرح آپ ﷺ کا مہینہ سب مہینوں سے افضل ہے۔اسی ماہ میں شب براءت یعنی پندرھویں شب واقع ہوتی ہے جس کے متعلق حضور پرنور ﷺ نے فرمایا:

''حق تعالیٰ پندرھویں شب میں آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے اور (مغفرت چاہنے والے) تمام گناہ گاروں کی مغفرت فرمادیتا ہے سوائے اس کے کہ:

۱۔جو مشرک ہو ۲۔ جس کے دل میں کینہ ہو۔ ۳۔ جادوگر ہو۔ ۴۔ قاطع رحم ہو۔

۵۔ غیب کی خبر بتانے والا ہو جیسے فال والے یا حضرات والے۔ ۶۔ ہاتھ کے خطوط یا دوسرے آثار دیکھ کر بتانے والا ہو۔

ایک روایت میں ان لوگوں کا استثنا بھی آیا ہے جو ٹخنے سے نیچے پاجامہ یا ازار پہنتے ہیں۔جو ماں باپ کو تکلیف پہنچاتے ہیں۔اس لئے اس رات کو شب براءت کہتے ہیں یعنی تمام گناہوں سے نجات اور خلاصی ہوجاتی ہے۔بعض کا خیال ہے کہ یہ لفظ شب براءت ہے، براءت کے معنی حصے کے ہیں۔سال بھر کا حصہ رزق یا موت وغیرہ کا اسی رات کو مقرر ہوتا ہے اس لئے اس رات میں میں زیادہ سے زیادہ استغفار اور عبادت ہی مفید ہوسکتی ہے۔ابن ماجہ اور بیہقی کی حدیث ہے کہ:

''کوئی طالب رزق ہے کہ میں اسے رزق دوں؟ کوئی مبتلائے مصیبت ہے کہ میں اسے عافیت دوں یہاں تک کہ فجر طلوع ہوجاتی ہے۔

Marfat.com

اس حدیث سے بھی واضح ہو جاتا ہے کہ یہ رات شب براءت بھی ہے کہ سال بھر کا رزق اور حصہ نصیب ہوتا ہے۔ اسی سلسلے میں عطار بن یسار نے کہا کہ:

''اس رات کو ملک الموت کو ایک فہرست مل جاتی ہے کہ جن لوگوں کا نام اس میں درج ہے اس کی جان اس (سال میں) قبض کرنا۔ تو کوئی شخص درخت لگاتا ہوتا ہے، کوئی نکاح کر رہا ہوتا ہے، کوئی مکان تعمیر کر رہا ہوتا ہے لیکن اس کا نام مردوں میں لکھا جا چکا ہوتا ہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اس رات میں حضور انور ﷺ کو نہ پایا تو میں تلاش میں نکلی۔ آپ ﷺ بقیع (یعنی مدینہ منورہ کے قبرستان) میں تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''اس رات میں اللہ تعالیٰ'' آسمان زمین پر نزول فرماتا ہے اور قبیلہ بنی کلک کی بکریوں کے بالوں کے برابر سے زیادہ بخشش فرما دیتا ہے اور اس کی رحمت کے دروازے سب کے لئے کھلے ہوتے ہیں بشرطیکہ کوئی مانگنے والا بھی ہو۔ بعض نے لکھا کہ: ''اس مہینے میں پندرھویں شب کی بہت فضیلت ہے اترتے ہیں رحمت کے فرشتے اور نازل ہوتی ہے رحمت الٰہی اس شخص پر جو کہ عبادت کرتا ہے اور بخشتا ہے اللہ تعالیٰ نیکوں کو اور بدوں کو'' اور ان تمام مباحث کو ہمارے علماء نے اس طرح اجمالاً بیان کیا ہے کہ:

۱۔ پندرھویں شب میں قبرستان جا کر مردوں کے لئے دعا اور استغفار کرنا مستحب ہے۔

۲۔ کچھ صدقہ، خیرات یا کھانا وغیرہ پکا کر بخشش دینا بھی مناسب ہے۔

۳۔ اس شب میں بیدار ہو کر عبادت کرنا (خواہ خلوت میں ہو یا جلوت میں) افضل ہے لیکن اجتماع کا اہتمام نہ کیا جائے۔

۴۔ پندرھویں تاریخ کو روزہ رکھنا مستحب ہے اور اس کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ حضور انور ﷺ اس ماہ میں کثرت سے روزہ رکھتے تھے۔ البتہ ۱۵ شعبان کے بعد روزہ رکھنے کی ممانعت حدیثوں میں آئی ہے وہ اس شخص کے لئے ہے جس کو احتمال ہو کہ ضعف ہو جائے گا اور پھر رمضان کا روزہ بھی بے رغبتی سے رکھے گا۔

۵۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ کثرت نوافل اور نماز روزہ سے اس مہینے کو آباد رکھیں۔

البتہ اس رات خصوصیت کے ساتھ حلوا پکانا اور اور اس کو شرعی سمجھنا غلط ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضور انور ﷺ کا دندان مبارک شہید ہوا تو آپ ﷺ نے حلوا نوش فرمایا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت حمزہؓ کی شہادت اسی دن ہوئی تھی اور یہ ان کی فاتحہ ہے تو یہ باتیں بے اصل ہیں اور یہ دونوں واقعے شعبان کے نہیں تھے بلکہ شوال کے تھے۔ بعض لوگ پٹاخے چھوڑنا ضروری سمجھتے ہیں۔ یہ بالکل لغویات بات ہے اور فضول خرچی بھی ہے اور لہو و لعب بھی۔ قرآن پاک میں مال کے فضول اڑانے والوں کو شیطان کا بھائی کہا گیا ہے۔ پھر آتش بازی سے ہاتھ پاؤں یا مکان جلنے کا امکان ہے اور یہ رسم غالباً ہندوؤں کی دیوالی یا برامکہ کی آتش پرستی کی یادگار ہے اس لئے اس سے احتراز لازمی ہے۔

مختصر یہ ہے کہ یہ رات فضیلت والی ہے اس لئے اس میں عبادت کرنا چاہئے۔ مغفرت طلب کرنا چاہئے۔ اپنے صغیرہ

Marfat.com

اور کبیرہ گناہوں کی معافی مانگنی چاہئے۔ حضور انور ﷺ نے اس رات کو جاگنے اور دن کو روزہ کی رغبت دلائی ہے اور آپ ﷺ نے مدینہ منورہ کے قبرستان میں تشریف لے جا کر مردوں کی بخشش کے لئے دعا فرمائی ہے۔ چنانچہ عمل صحیح ہے۔ اور یہ بھی صحیح ہے کہ مردوں کے لئے ایصال ثواب کیا جائے۔ قرآن شریف پڑھ کر، چاہے غریبوں کو کھانا کھلا کر، چاہے ان کو نقد دے کر، بخشش کی دعا کرے۔ غرض یہ ہے کہ یہ طریقے سب سنت کے مطابق ہیں باقی جو لہو ولعب اور خرافات کے مظاہرے ہوتے ہیں ان سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔ اللہ پاک ایسی فضولیات سے بچائے۔ (آمین)

خوف ورجاء

حضور انور ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

(انما بعثت لا تمم حسن الاخلاق) ''میں حسن اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں''۔

اخلاق دراصل ان تعلقات کو کہتے ہیں جو بنی نوع انسان کے باہمی اشتراک کے لئے ضروری ہیں کیوں کہ انسان کو اس دنیا والوں میں رہنا ہے۔ ملنا جلنا، اٹھنا بیٹھنا، کام کاج کرنا اور مختلف اقسام کے روابط کو استوار کرنا انسان کی ضروریات میں سے ہے۔ اگر لوگوں کے حقوق ادا نہ کئے جائیں، ان کے معاملات میں تعاون نہ ہو، ان کی مشکلات کو رفع کرنے کا جذبہ نہ ہو، ان کے ساتھ ہمدردی نہ کی جائے۔ اور ایثار وقربانی کا کوئی مظاہرہ نہ ہو تو یہ زندگی بالکل درہم برہم ہو کر رہ جائیگی۔ یہی وجہ ہے کہ حضور انور ﷺ کی تعلیمات انسانی معاشرے کے ہر پہلو کے لئے مشعل ہدایت ہیں۔ پھر آخرت کا خوف بھی ایک مسلمان کا ضروری عقیدہ ہے۔ کیونکہ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

(الایمان بین الخوف والرجاء) ''ایمان خوف اور امید کے درمیان ہے''۔

خدا کا خوف نہ ہو، حساب کتاب کی پرواہ نہ ہو، سزا جزا کا خیال نہ ہو تو انسان جو چاہے کرسکتا ہے حق تلفی، ظلم تعدی، دھوکے بازی، دغا بازی، غداری، بے ایمانی وغیرہ جتنے رذائل ہیں، وہ رذائل ہی اس لئے ہیں کہ اللہ پاک نے انہیں برا کہا ہے اور وہ جب برے قرار دیئے گئے ہیں تو ظاہر ہے کہ خدا کے نزدیک ان کے مرتکبین، جہنم میں جھونکے جائیں گے تو جہنم کا خوف ایک مسلمان یعنی (راسخ العقیدہ مسلمان) کو ان تمام برائیوں سے بچاتا ہے اور اسے اس ''امید'' پر قائم کر دیتا ہے جس کی منزل جنت ہے اور جو اللہ پاک کی پسندیدہ اور فرماں بردار کا ٹھکانہ ہوگا۔ اگر خوف کی طرح رجاء (امید) کا عقیدہ نہ ہو تو ایک مسلمان، نیکی کی طرف کیوں مائل ہوگا اور کیوں فضائل کو اختیار کرے گا وہ تو اللہ کی خوشنودی چاہتا ہے اس لئے اس کے احکام پر عمل کرتا ہے۔ ایسے عمل سے خود بندے کی دنیا بھی درست ہو جاتی ہے۔ یعنی دنیا کا فائدہ بھی حاصل ہوتا ہے اور انعام میں جنت بھی مل جائے گی۔ قرآن پاک میں جگہ جگہ خوف ورجاء کی تعلیم ملتی ہے۔ انبیاء علیہ السلام کو نذیر اسی لئے کہا گیا ہے کہ وہ اللہ کا خوف دلائیں اور لوگوں کو رذائل سے بچائیں۔ حضور ﷺ کی چند صفات جو سورۃ الاحزاب (۴۵۔۴۷) میں ہیں ان میں بھی خوف ورجاء کی تعلیم کا ذکر ہے۔

Marfat.com

اے نبی (ﷺ) بے شک ہم نے آپ کو بھیجا شاہد، خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا اور اللہ کی طرف سے اس کی جانب بلانے والا اور روشن کرنے والا چراغ بنا کر بھیجا۔ اور ایمان والوں کو خوشخبری دو کہ ان کے لئے اللہ کا بڑا فضل ہے۔

ان آیات میں شاہد بھی صفت ہے یعنی آپ ﷺ نے تمام غیبی باتوں کو اللہ کے فضل سے خود دیکھا ہے۔ آپ ﷺ خوش خبری دینے والے ہیں کہ ایمان والوں کی دنیا خوف وحزن سے پاک ہوگی اور آخرت بھی اس سے پاک ہوگی۔ آپ ﷺ نذیر ہیں کہ آپ ﷺ نے بد عملی اور اللہ کی نافرمانی کے نتائج سے سب کو ڈرایا اور آگاہ کر دیا ہے اور آپ ﷺ اللہ کی طرف بلانے والے اور آپ ﷺ روشنی دکھانے والے چراغ ہیں۔

ان آیات کے علاوہ بہت سی آیتیں امید اور رجاء سے متعلق اور بھی ہیں۔ سورۃ الحجر (۵۵) میں ابراھیمؑ سے ارشاد ہے کہ:

''آپ ناامید لوگوں سے نہ بنیں''۔

سورۃ یوسف (۸۷) میں یعقوبؑ اپنے بیٹوں سے ارشاد فرماتے ہوئے اس طرح یاد کئے جاتے ہیں کہ:

(ولا تیئسو امن رّوح ولا یائسو امن روح اللہ الّا الکافرون)

''اور بے شک اللہ کی رحمت سے ناامید نہیں ہوتے مگر کافر لوگ''

اسی طرح کئی جگہ ارشاد ہے جس سے ظاہر ہے کہ اللہ پاک کی رحمتوں سے مایوس نہ ہونا چاہئے۔ لیکن اس سے ڈرنا ضروری ہے تاکہ اس کے خوف سے دنیوی زندگی برائیوں سے بچ سکے اور معاشرے کو کسی طرح کا ضرر نہ پہنچے کیونکہ اسلام سراپا امن وآشتی کا مبلغ ہے اور صرف اسلام کے ذریعے انسانی زندگی کو سکون مل سکتا ہے۔

فرمودات

۱۔ اللہ تعالیٰ کے حکم ماننے کو ایمان کہتے ہیں اور جو شخص اس کا حکم مانتا ہے وہ مومن کہلاتا ہے۔

۲۔ یقین اور اعتبار کرنے کے معنی میں بھی ایمان کا لفظ قرآن پاک میں آتا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کے معنی یہ ہیں کہ انسان خود کو اپنی نفسانی خواہشات سے روکے۔

۴۔ اللہ پر یقین رکھنے والی قوم کسی اور قوم یا کسی اور طاقت کے آگے نہیں جھک سکتی۔

۵۔ اللہ پاک متقیوں اور اس سے ڈرنے والوں ہی کا عمل قبول فرماتا ہے۔ اسکی بارگاہ میں عاجزی اور انکساری سے اپنی درخواست پیش نہ کریں گے تو کس طرح ہمارے کام بن سکتے ہیں۔

٦۔ اللہ پاک کا وعدہ ہے کہ وہ سنے گا، تو سنانے والا اور پیش کرنے والا بھی تو کوئی ہو۔

۷۔ اللہ پاک کے آگے سر تسلیم خم کرنا اور اپنے کاموں کو صرف اسی کی رضا کے لئے وقف کر دینا ایک مسلمان کا شیوہ ہونا چاہئیے

۸۔ اللہ پاک پر ایمان لانا ہی سب سے بڑی ہدایت ہے۔

۹۔ اللہ کی راہ میں صرف اللہ کی رضا کے لئے ہر سخت کوشی اختیار کرنا جہاد ہے۔

Marfat.com

۱۰۔ اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑنے کے لئے بھی دشواریوں کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے اور سخت کوشی سے یہ دشواریاں رفع ہو جاتی ہیں۔

۱۱۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے چوں وچرا کے کوئی سوالات نہیں آسکتے اور اسکی راہ میں عقل کا نہیں عشق کا سہارا چاہیئے۔

۱۲۔ آپ کے لئے اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی دوست نہیں ہوسکتا۔

۱۳۔ اللہ تعالیٰ کے بعد ہی جس کا درجہ سب سے بلند ہے وہ انسان ہے اور سب سے افضل انسان حضرت محمد ﷺ کی ذات گرامی ہے، اللہ تعالیٰ نے انسان کو اتنا بڑا مرتبہ عطا فرمایا کہ اُسے اپنا نائب بنالیا۔

۱۴۔ ایک ایک نفس، ایک ایک سانس اللہ کی رضا کے لئے صرف ہو تو سمجھئے کہ آپ نے اللہ کو پہچانا ہے ورنہ نہیں پہچانا۔

۱۵۔ اللہ اللہ دل سے کرنے والے کو کسی اور وظیفے کی ضرورت نہیں۔ اللہ سب سے بڑا ہے اسکا وظیفہ بھی سب سے افضل ہے۔

۱۶۔ اللہ تعالیٰ کو مالک سمجھتے ہوئے اپنے نفع ونقصان سے بے نیاز ہونا بے شک اعلیٰ قسم کا توکل ہے۔

۱۷۔ اگر اللہ پاک کو منظور ہو تو کچھ مشکل نہیں سب کام ہو جاتا ہے۔

۱۸۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے آگے کوئی کیا کرسکتا ہے اور اُس کی مرضی سب سے زیادہ مفید ہے۔

۱۹۔ اللہ پاک نے سب کو روزی دینے کا فیصلہ کیا ہے، پھر کسی اور سے کیوں مانگیں؟

۲۰۔ انسان اللہ تعالیٰ کی یاد کو اس قدر خود پر غالب کرے کہ اس کا نفس اسے برائی کی طرف نہ لے جاسکے۔

۲۱۔ اللہ تعالیٰ کی یاد بھی اس کی نعمت کا ایک شکرانہ ہے۔

۲۲۔ بندہ جب شکر ادا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اور دیتا ہے۔

۲۳۔ ''رب'' کے لفظ میں بڑی کشش ہے اور اس کے معنی وہ ذات باری ہے جو ہر چیز کو جسے اس نے پیدا کیا ہے، کمال کی حد تک پہنچا دیتی ہے (غور کرنے کی بات ہے)

۲۴۔ اگر ہم اللہ تعالیٰ کا خوف اپنے دل میں پیدا کریں تو ہم سے کسی گناہ کا ارتکاب نہیں ہوسکتا۔

۲۵۔ اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنا اور غیر اللہ کے احکام سے دور رہنا بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے مترادف ہے۔

۲۶۔ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ کونسی چیز ہمارے لئے مفید ہے یا مضر ہے یا کون سے اسباب صحیح ہیں اور کون سے صحیح نہیں۔

۲۷۔ اللہ تعالیٰ مختلف مکسچر ہم کو دیا کرتے ہیں کہ ہماری اصلاح ہو اور ہماری برائیاں ختم ہوں۔

۲۸۔ بس اللہ تعالیٰ کی رحمت کو ہمیشہ مانگتے رہیں، صرف اسی کی رحمت سے آس لگائیں۔

۲۹۔ اللہ پاک اس قدر قدرت اور طاقت رکھنے کے باوجود معاف فرما دیتا ہے۔ ہم کو بھی چاہیئے کہ قدرت رکھتے ہوئے بھی دوسروں کو معاف کردیں۔

۳۰۔ اگر ہماری فکر صحیح راہ پر ہو تو خشیت پیدا ہونا مشکل نہیں۔

۳۱۔ اللہ پاک کی رضاجوئی اور اسکے حکم کی تعمیل میں حضور انور ﷺ کی غلامی کو قائم کرنا تقویٰ ہے۔

Marfat.com

۳۲۔اسباب پر اعتماد نہ ہونا چاہیئے بلکہ ہمیشہ مسبب الاسباب پر اعتماد ہونا چاہیئے، (اسباب ضرور تلاش کرنا چاہیئے لیکن ان اسباب پر اعتماد نہیں کرنا چاہیئے)

۳۳۔دنیا کا ہر سمجھدار انسان خود کو اشرف المخلوقات سمجھتا ہے اور ذرا سی دیر کے لئے یہ کہنے کو تیار نہیں کہ وہ نباتات، جمادات اور حیوانات میں سے کسی سے کم تر ہے۔ تو جب یہ حقیقت ہے تو پھر وہ کیوں غیر اللہ کے آگے جھکتا ہے اور خود کی توہین کراتا ہے؟

۳۴۔واقعی کس قدر محرومی اور بدنصیبی کی بات ہے کہ ہم اپنی زبان سے اللہ تعالیٰ کے وجود کا اقرار کرتے ہیں لیکن اپنے عمل سے اس کے وجود کو تسلیم نہیں کرتے۔

۳۵۔قرآن پر ایمان کے معنی یہ ہیں کہ زندگی کے تمام کاموں میں اسے مشعلِ ہدایت بنائیں۔ اسی طرح آخرت پر ایمان یہ ہے کہ ہر کام کا ایک لازمی نتیجہ مرنے کے بعد ملنے کا یقین ہو۔

۳۶۔قرآن حکیم کا ہماری زندگی سے ایسا گہرا تعلق ہے کہ اسکے بغیر کامیابی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

۳۷۔قرآن پاک کے ذریعے قریب تین سو نئے علوم دنیا کو عطا فرمائے گئے۔

۳۸۔قرآنی صوت میں بڑی دلکشی پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر عربی لحن ولہجہ نہ بھی ہو تب بھی قرآنی قرأت سے مسلم اور غیر مسلم سب ہی حظ اٹھاتے ہیں۔

۳۹۔قرآن حکیم کو اللہ پاک نے ہمارے لئے ایک ایسی مشعلِ ہدایت بنا کر بھیجا ہے جس کی روشنی سے تمام برائیوں اور خرابیوں کی تاریکی دور ہو سکتی ہے۔

۴۰۔قرآنی ادب نے ہماری زبان کی سلاست اور روانی کو اس معیار تک پہنچا دیا ہے کہ اس کا جواب نہیں۔

۴۱۔قرآن پاک کا حفظ کرنا بہت بڑی نعمت ہے۔ تہجد کے وقت تھوڑی دیر حفظ کریں تو انشاء اللہ ضرور کامیابی ہوگی۔

۴۲۔جس کے سینے میں قرآن ہو اس پر کسی کے سحر کرنے سے کچھ نہیں ہو سکتا۔

۴۳۔قرآن کا بہت احترام کرنا چاہئے ہر طرح سے۔

۴۴۔تلاوت قرآن مجید کرتے رہیں۔ وہ کافی ہے انشاء اللہ تعالیٰ انقباض نہیں رہے گا۔

۴۵۔حقیقت یہ ہے کہ قرآن حکیم نے صراط مستقیم کی طرف جس طرح رہبری فرمائی ہے اس پر نہ چلنا قانون فطرت سے جنگ ہے۔

۴۶۔لوگوں کی عادت ہے کہ قرآن شریف پڑھ رہے ہیں، کہیں کھجا رہے ہیں، کہیں پیر کی انگلیوں میں خلال کر رہے ہیں، کبھی منہ میں کچھ ہوتا ہے اور پڑھتے رہتے ہیں ذرا سوچئے کیا آپ احترام کے تقاضے پورے کر رہے ہیں۔ انگلیوں پر تھوک لگا کر ورق پلٹ لیتے ہیں۔ اس سے بچنا چاہیئے۔

۴۷۔تلاوتِ قرآن کے دوران سلام کا جواب نہیں دینا چاہیئے اور نہ سلام کرنا چاہیئے۔

۴۸۔اللہ پاک کا بے انتہا کرم ہے کہ اس نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے قرآن جیسی بابرکت کتاب اپنے حبیب محمد ﷺ

Marfat.com

پر نازل فرمائی وہ ہدایت کا ذریعہ ہے، روشنی ہے۔ حق و باطل کا فیصلہ کرنے والی ہے، شفا ہے، ذکر ہے، نصیحت ہے، علم ہے اور بکثرت علوم کا سرچشمہ ہے۔ بندوں کو خدا سے ملانے کا ذریع ہے۔ یہ کتاب جینے کے آداب سکھاتی ہے۔ مرنے کا طریقہ بتاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کا راستہ دکھاتی ہے۔ دنیاوی واخروی سعادت اور فوز و فلاح کی ضامن ہے۔

۴۹۔ ہم ذرا اپنے معاملات کا محاسبہ کریں اور دیکھیں کہ کن کن معاملات میں ہر روز ہم لوگ حضور انور ﷺ کے فیصلے کے خلاف عمل کرتے ہیں۔

۵۰۔ نماز میں حضور اکرم ﷺ کا طویل قیام، طویل رکوع اور طویل سجدہ بہت سی ورزشوں کا نعم البدل ہے۔ دل کے امراض کے جدید ترین ماہرین بھی یہی مشورہ دیتے ہیں۔

۵۱۔ ہمارے آقا ﷺ نے حق کی تبلیغ میں جو تکلیفیں اٹھائیں اور بنی نوع انسان نے جس طرح ان کے ساتھ برتاؤ کیا وہ قرآن پاک وحدیث میں مفصل و مکمل موجود ہے۔

۵۲۔ دوسرے کے فائدے اور آرام کو خود پر ترجیح دینا حضور اکرم ﷺ کا طریقہ ہے۔

۵۳۔ انسان کا فرض ہے کہ وہ سب سے بڑے محسنِ انسانیت یعنی حضور انور ﷺ کو پہنچانے اور ان کا احسان مانے۔

۵۴۔ گنہگار پر بھی لعنت نہ بھیجنا چاہئے کہ ممکن ہے کہ اسکے دل میں خدا اور اس کے رسول اکرم ﷺ کی محبت ہو۔

۵۵۔ اگر ہم آپ حضور ﷺ کے امتی ہیں تو دیکھیں کہ ہم کس کس حکم پر عمل کرتے ہیں اور کس پر نہیں کرتے۔

۵۶۔ تصور شیخ دراصل توسط شیخ ہے کہ مراقبہ میں یہ تصور کیا جائے کہ حضور انور ﷺ کی طرف سے فیض، میرے شیخ کے توسط سے آ رہا ہے۔

۵۷۔ حضور انور ﷺ کی شریعت پر زیادہ سے زیادہ چلنے کی کوشش کریں۔

۵۸۔ حضور انور ﷺ کی پیروی ہماری معاشرتی زندگی کے لئے (عین سائنس اور اصولِ صحت کے مطابق) مفید اور ضروری ہے

۵۹۔ فرائض اور واجبات، سنن، مستحبات سب میں خلوص ہو اور ہر ہر قدم پر حضور انور ﷺ کی متابعت کی کوشش فرمائیں۔ یہی منزل مقصود ہے ورنہ راہب اور جوگی بھی کسی نہ کسی طرح عبادت اور ریاضت کر لیتے ہیں۔

۶۰۔ فنافی الشیخ کے معنی شیخ کے توسط سے حضور انور ﷺ کی غلامی کو پوری طرح (حتی الامکان) ہر وقت اختیار کرنا۔

۶۱۔ غارِ حرا میں حضور انور ﷺ تحنث فرماتے تھے وہ یہی مراقبہ ہے۔

۶۲۔ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کے غلاموں کو کتنا نوازا ہے، اُن کی قدر کریں۔

۶۳۔ بچوں کے نام اچھے رکھیں۔ غلط یا بے معنی نام نہ رکھیں، کیا حضور انور ﷺ کے عزیزوں کے نام آپ کو پسند نہیں؟

۶۴۔ ہمیشہ شریعت کو مقصد بنائیں اور شہرت اور دنیا کی عزت کو مقصد نہ بنائیں۔ جو کچھ کام آئے گا وہ صرف حضور ﷺ کی پیروی اور انکی غلامی ہے۔

۶۵۔ اتباع کا سبق تو ایک عورت سے سیکھو کہ وہ ایک ہی بول، بولتی ہے اور عمر بھر کے لئے شوہر کی فرمانبردار بن جاتی ہے۔ لیکن تم

Marfat.com

اللہ اور اسکے رسول ﷺ کے لئے کلمہ طیبہ پڑھتے ہو۔ اتنا بڑا کلمہ۔ پھر بھی تم نہ اللہ تعالیٰ کے فرمان پر چلتے ہو اور نہ رسول ﷺ کی اتباع کرتے ہو۔ واقعی افسوس اور شرم کی بات ہے۔

۶۶۔ حضور انور ﷺ کے ہر فرمان کی اطاعت فرض ہے اور مسلمان کا اختیار ہی یہ ہے کہ ہر معاملے میں شریعت کو اختیار کرے۔ اور کیوں نہ کرے جب کہ اس شریعت میں وہ سب احکا ہیں جو دنیا میں کبھی نہیں تھے۔

۶۷۔ نماز ایسا فریضہ ہے جو امیر غریب، بوڑھے جوان، عورت مرد اور بیمار تندرست سب ہی پر یکساں لازم آتا ہے۔

۶۸۔ جب انسان پوری طرح اپنے جسم کو پاک صاف رکھتا ہے تو اس کے خیالات میں بھی پاکیزگی پیدا ہوتی ہے۔

۶۹۔ نماز ایک قسم کی ورزش بھی ہے۔

۷۰۔ مسلمانوں کے لئے وقت پر سونا، وقت پر اٹھنا اور وقت پر اپنے کام کرنا فرض بن جاتا ہے۔ وقت کی ناقدری کرنا اس کے لئے گناہ ہے۔

۷۱۔ نماز میں سستی ہرگز نہ ہونے پائے۔ شیطان بہت خوش ہوتا ہے جب بندہ نماز میں (اور خصوصاً فجر میں) سستی کرتا ہے۔

۷۲۔ اسلام اس نعمت کا نام ہے جس کی برکت سے انسانی زندگی سراپا رحمت بن سکتی ہے۔

۷۳۔ انسان نہ صرف زبان سے بلکہ اپنے عمل سے صرف اللہ کو سب سے برتر سمجھے اور سوائے اس کے کسی کے آگے سر نہ جھکائے۔ ۷۴۔ ایمان کی پہچان عمل سے ہوتی ہے۔

۷۵۔ اگر کسی قوم کو حکومت ملنے کے بعد امن کرنے اور امن دینے کی صلاحیت نہیں ہے تو وہ قائم نہیں رہتی۔

۷۶۔ اسلامی زندگی میں حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کو خیر و خوبی کے ساتھ ادا کرنا ہی اصل برکات ہیں۔

۷۷۔ اللہ کا محبوب بننا صرف حضور اکرم ﷺ کی غلامی اور پیروی کا دوسرا نام ہے۔

۷۸۔ دین کی طرف بلانا اور دین کو ہر شخص تک پہنچانا ہر مسلمان پر واجب ہے۔ لیکن محبت سے دعوت دی جائے۔

۷۹۔ دعوت الی الخیر اور ابلاغ دین ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے۔

۸۰۔ تبلیغ اس طرح کرنا چاہیئے کہ دھیرے دھیرے ہر بات دلوں میں اتر جائے اور ہر برائی سے نفرت ہونے لگے۔

۸۱۔ دعوت اور تبلیغ کے سلسلے میں سب سے اہم چیز قول احسن ہے۔

۸۲۔ خود صبر کرنے سے بھی مخالف پر اچھا اثر پڑتا ہے اور دیکھنے والوں پر بھی، یعنی صبر بھی ایک حکمت ہے اور صبر کرنے والے کے لئے اجر عظیم بھی ہے۔

۸۳۔ تبلیغ کے لئے یہ چیز بھی بہت ضروری ہے کہ جس امر کی تبلیغ کی جائے پہلے اس پر خود بھی عامل ہو، ورنہ کوئی اثر نہ ہوگا۔

۸۴۔ لوگ خود کو دین کا علمبردار سمجھتے ہوئے مخاطب کی تحقیر کرنے لگتے ہیں، ایسا نہیں کرنا چاہیئے۔

۸۵۔ دعوت اور تبلیغ کرنے والے کے لئے اس دور میں یہ بات از بس ضروری ہے کہ وہ خود بھی کسی اہل اللہ کی صحبت حاصل کرے۔

Marfat.com

۸۶۔صراطِ مستقیم اس راستے کو کہتے ہیں، جس پر انبیاء علیہم السلام ،صدیقین ،شہدا اور صلحاء گامزن ہیں۔

۸۷۔صراطِ مستقیم ،کمال اطاعت کا دوسرا نام ہے۔

۸۸۔صالح صرف اسکو کہتے ہیں جو حضور ﷺ کی پیروی کرتا ہے۔

۸۹۔صراطِ مستقیم کی حقانیت کے لئے حضرت عمرؓ کا اسلام لانا بھی ایک بہت قوی دلیل ہے۔

۹۰۔صراطِ مستقیم کا ایک تقاضا اعتدال اور میانہ روی ہے۔

۹۱۔صراطِ مستقیم کا یہ تقاضا بھی ہے کہ ہر شخص وعدہ کا سچا اور بات کا دھنی ہو۔

۹۲۔صراطِ مستقیم کی علامت تواضع اور انکسار بھی ہے۔

۹۳۔صراطِ مستقیم یہ بھی سکھاتی ہے کہ دین کی بات نرمی سے بتاؤ۔

۹۴۔ہماری ساری پریشانیوں کا سبب یہی ہے کہ ہم نے اللہ کو چھوڑ دیا اس لئے اللہ پاک نے ہمیں چھوڑ دیا ہے۔

۹۵۔فرائض افراد کی اصلاح احوال میں مدد دیتے ہیں تو اجتماعی حالات بھی درست کرتے ہیں۔

۹۶۔اخلاق کے برتنے میں اخلاص ہی کی دعوت دی گئی ہے۔

۹۷۔ذرا ہم اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ ہم اپنی خودسری کی وجہ سے کتنے پڑوسیوں کی عزت کرتے ہیں اور کہاں تک ہم مسلمان کہلائے جانے کے مستحق ہیں۔

۹۸۔بعض پڑوسی اپنی محتاجی اور معذوری کی وجہ سے اور بھی زیادہ مدد کے مستحق ہوتے ہیں۔جیسے یتیم ، بیوہ ،ضعیف یا اپاہج لوگ ان کی خدمت مال سے بھی کرنی چاہئیے ہاتھ پاؤں سے بھی اور زبان کی تسلی اور تشفی سے بھی۔

۹۹۔انسانی زندگی عمل سے عبارت ہے۔بغیر عمل کے زندگی، زندگی نہیں کہلائی جاسکتی ہے۔ہمارا دین تاریک الدنیا ہونا نہیں سکھلاتا۔رہبانیت اور گوشہ نشینی ہمارے دین کے خلاف ہے۔

۱۰۰۔جب تک مشکلات کا مقابلہ نہ کیا جائے کامیابی حاصل نہیں ہوتی۔

۱۰۱۔اسلام کی صحیح صورت یہ ہے کہ زبان کے اعتراف کے ساتھ دل سے بھی اعتقاد ہو اور اس اعتقاد کو عمل سے پورا کیا جائے۔

۱۰۲۔اسلام میں روٹی کپڑا اور مکان کی اہمیت صرف جینے کے لئے ہے۔

۱۰۳۔اگر ہماری تھوڑی سی قربانی سے دوسروں کا بھلا ہو جائے تو اس میں اپنا بگڑتا ہی کیا ہے۔

۱۰۴۔اسراف یہ ہے کہ حقوق سے تجاوز کیا جائے۔

۱۰۵۔والدین، قریبی رشتہ دار، یتیم، مسکین، مسافر، سائل، ہمسائے یقیناً ہماری توجہ کے مستحق ہیں۔

۱۰۶۔کسی کی غیبت نہ کرے اس عیب سے بے شمار عیوب کی پرورش ہوتی ہے۔

۱۰۷۔عورت جو بیٹی بھی ہوتی ہے، بہن بھی، ماں، نانی اور دادی بھی ہو جاتی ہے اسے اپنی زندگی کو سنوارنے کے لئے متعدد منازل پر متعدد حقوق کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔

Marfat.com

۱۰۸۔ عورتیں دلجوئی، ہمدردی، ایثار اور محبت کی بڑی صلاحیتیں رکھتی ہیں۔ مرد میں اس کی حفاظت کرنے اور اسکے مصارف کا بوجھ اٹھانے کی خاص صلاحیتیں ہیں۔

۱۰۹۔ عورت کے فرائض میں سے ہے کہ وہ اپنے مرد کی فرمانبردار رہے۔ اور اسکے مال اور ملکیت کی پوری نگرانی رکھے اور اس کی عزت و آبرو کو جو خود اسکی عزت و آبرو ہے شوہر کی غیر حاضری میں حفاظت کرے۔

۱۱۰۔ فرض شناسی یہ ہے کہ جو چیز لازمی اور ضروری ہو اس کو پہچاننا اور اسکو اختیار کرنا چاہیئے۔

۱۱۱۔ ایک شخص میں اگر ہزار عیب ہیں تو کچھ خوبیاں بھی ضرور ہوں گی۔

۱۱۲۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اپنی بیٹیوں کی بڑی قدر و منزلت کرتے ہیں لیکن دوسرے کی بیٹی کو بیاہ کر لاتے ہیں تو اسے لونڈی سمجھتے ہیں، اسے پورے گھر کی خادمہ سمجھتے ہیں۔ یہ بڑے افسوس کی بات ہے۔

۱۱۳۔ شوہر کے والدین سختی کرتے ہوں تو بیوی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ الگ رہنے کا مطالبہ کرے تو شوہر پر واجب ہے کہ وہ اس مطالبے کو پورا کرے۔

۱۱۴۔ دنیا کے لئے اسلام رحمت کا پیام لے کر آیا، اس نے مظلوموں کی دستگیری کی، کمزوروں کو طاقت بخشی، غلاموں کو آزاد کرایا۔

۱۱۵۔ حسد بھی ایک بہت بڑا عیب ہے۔

۱۱۶۔ غور کیا جائے کہ وعدہ خلافی سے خود اپنی ساکھ بگڑ جائے گی اور جب کسی کے دل میں عزت باقی نہ رہے گی تو خود اپنا ضمیر کس قدر ذلیل ہوگا۔

۱۱۷۔ خیانت اور بددیانتی، غداری اور دغابازی وغیرہ بکثرت رذائل ہیں جن سے لوگوں میں اختلافات بڑھ جاتے ہیں۔

۱۱۸۔ انسان اور انسانیت بذات خود لائق احترام ہے۔

۱۱۹۔ ایسے لوگ جو خدا کو چھوڑ کر صرف دنیاوی راحت اور سکون کی زندگی حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ کبھی خوش نہیں رہ سکتے۔

۱۲۰۔ انسان جو حقیر مٹی سے پیدا کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کا نائب اور خلیفہ بنایا جاتا ہے، یعنی اس سے اگر کوئی بلند وارفع ہے تو صرف اللہ کی ذات ہے۔

۱۲۱۔ احترام انسانیت دراصل اللہ تعالیٰ کے نائب کا احترام ہے۔

۱۲۲۔ تحمل اور بردباری کی تعریف یہ ہے کہ کسی ناگوار بات کو انتقام کی قدرت رکھتے ہوئے بھی برداشت کیا جائے اور کسی طرح کا بغض اپنے دل میں نہ رکھا جائے۔

۱۲۳۔ جس پر ہم کو غصہ آتا ہے تو اس وقت اس شخص کے عیب کے سوا اس کے سارے ہنر ہماری آنکھوں سے چھپ جاتے ہیں۔

۱۲۴۔ اسلام نے بہتان طرازی کو بہت بڑا گناہ ٹھہرایا ہے۔

۱۲۵۔ جھوٹ بولنا اور جھوٹا عمل پیش کرنا ایک مہذب قوم کا شیوہ نہیں ہوسکتا۔

۱۲۶۔ فرض شناسی یہ ہے کہ جو چیز لازمی اور ضروری ہو اس کو پہچاننا اور اسکو اختیار کرنا۔

Marfat.com

۱۲۷۔ خدا کرے کہ ہم فرض شناس بن کر اس منصب کے اہل بن سکیں۔

۱۲۸۔ اساتذہ کا انتخاب اتنا اچھا کیجئے کہ وہ تعلیم سے زیادہ تربیت کا خیال کریں تربیت اچھی ہو تو کتابیں خود شاگرد تلاش کر لیتی ہیں۔

۱۲۹۔ تحصیلِ علم، انسان کی تخلیق کا جزوِ اعظم ہے اور اسی سے انسان کو فرشتوں پر بھی فضیلت حاصل ہوئی ہے۔

۱۳۰۔ خیالات کی پاکیزگی سے معاملات اور معمولات میں پاکیزگی پیدا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ پر پورا یقین ہی ایک ایسا ذریعہ ہے جو خیالات میں پاکیزگی اور معاملات میں صفائی پیدا کرتا ہے۔

۱۳۱۔ مساوات اور برابری انسان کی فطرت کا تقاضا ہے۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ اپنی خلقت میں ایک ہے۔

۱۳۲۔ وعدہ ان تمام معاملات کو شامل ہے جن کی ذمہ داری اپنے اوپر لی جائے، خواہ اس ذمہ داری کیلئے کوئی قسم کھائی جائے یا نہیں۔

۱۳۳۔ بدگمانی خود ہی ظاہر کرتی ہے کہ وہ بری چیز ہے۔

۱۳۴۔ عملی دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے دلوں میں نہ تو اللہ تعالیٰ کی عظمت کا احساس ہے نہ اسکا کوئی خوف ہے۔

۱۳۵۔ حقوق العباد کو ادا کرنے کی کوشش کریں ماں، باپ، اولاد اعزّ اور اقربا، پڑوسی، مسلمان، غیر مسلم سب کے قوق اسی لئے متعین کیئے گئے ہیں۔

۱۳۶۔ بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو اس کے سامنے سب سے پہلے دو (۲) بزرگ یعنی ماں باپ ہوتے ہیں۔

۱۳۷۔ لیٹے لیٹے مراقبہ کرلیا کریں۔ خواہ نیند آجائے۔ مراقبے سے بہت ترقی ہوتی ہے۔

۱۳۸۔ مراقبہ جتنا زیادہ کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ دلجمعی اور سکون حاصل ہوگا۔ سب سے بڑی چیز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے یکسوئی حاصل ہوتی ہے۔ اور روح کو لذت ملتی ہے۔

۱۳۹۔ مراقبہ کرلیا کریں۔ لیکن بدعات نہ آنے پائیں۔ خوابوں کا اعتبار نہ کریں، بعض اوقات شیطان ہم کو بہکانے کے لئے بھی ایسا کرتا ہے۔

۱۴۰۔ تھوڑی دیر مراقبہ بھی کرا دیا کریں (خواتین پردے ہی میں سہی) اس سے بڑا فائدہ ہوتا ہے۔

۱۴۱۔ جو شخص ذکر اور مراقبہ نہیں کرتا وہ آپ کا پیر بھائی کہاں سے ہوگا۔

۱۴۲۔ بڑا خاندان ہوگا تو تعلقات کے نباہ کرنے میں ذمہ داری زیادہ ہو جاتی ہے۔ اور وہ بڑا ثواب ہے۔

۱۴۳۔ دوسرے کی بیٹی کی جتنی زیادہ قدر کی جائے گی اپنی بیٹیوں کی اللہ تعالیٰ قدر کرائے گا۔

۱۴۴۔ چھوٹوں کے لئے اصل کمائی کے دن بچپن ہی ہے۔ جس قدر ان بزرگوں کی خدمت کریں گے اپنی دنیا اور آخرت بنائیں۔

۱۴۵۔ دیر تک باہر رہنا اچھا نہیں۔ بچوں کو بتائیں کہ اپنے بزرگوں کا طریقہ یہ ہے کہ مغرب تک گھر آجاتے ہیں۔ دیر میں آنے سے شیطان برائیوں کی طرف لے جاتا ہے۔

Marfat.com

۱۴۶۔ بس عزت نفس کا خیال رکھیں اور سوائے اللہ کے کسی کو نفع اور نقصان کا مالک نہ سمجھیں۔

۱۴۷۔ شریعت کے پابند بزرگ سے تعلیم لینا انشاء اللہ مفید ہوگا۔

۱۴۸۔ عبادت اس طرح کی جائے کہ گویا ہر وقت اللہ پاک مجھے دیکھ رہا ہے اور میں اس کی رضا ہی کا طالب ہوں تو وہ عبادت مشاہدہ بن جاتی ہے۔

۱۴۹۔ بری صحبت والے لوگ اچھوں سے تعلق رکھیں تو درست ہو سکتے ہیں۔

۱۵۰۔ خاندان اور تعلق والوں کے آنے جانے سے واقفیت ہو جاتی ہے اور رشتوں میں آسانی ہوتی ہے۔

۱۵۱۔ ہر ماہ میں ایک دن کوشش کر کے دوسرے بھائیوں کے حلقوں میں بھی شرکت فرمایا کریں۔ تاکہ آپس میں محبت اور اتفاق قائم رہے۔

۱۵۲۔ شریعت میں اخلاص ہے۔ کشف یا واقعہ یا زبان کا اثر وغیرہ کوئی چیز نہیں۔ یہ سب بچوں جیسی چیزیں ہیں۔

۱۵۳۔ اگر اسلامی حکومت ہوتی تو داڑھی کی مخالفت کرنے اور مذاق اڑانے والوں کو سخت سزا دی جاتی۔ جو نہیں رکھتا وہ سخت گناہگار ہے اور جو اسکا مذاق اڑاتا ہے۔ وہ اسلام کا مذاق اڑاتا ہے۔

۱۵۴۔ صحابہ کرامؓ سے بغض وعناد رکھنے والے اللہ کے نزدیک کافر ہیں۔

۱۵۵۔ میرے ایک بہت بزرگ استاد (قاری ضیاء الدین احمد صاحب) نے مجھے نصیحت فرمائی تھی کہ اللہ پاک سے ہمیشہ اچھی امید رکھنا اور مایوسی کو قریب نہ آنے دینا۔

۱۵۶۔ یہ کوئی بزرگی نہیں ہے کہ بہت سے سبق ہو گئے۔ ایک ہی سبق ہو لیکن اتنا ہو کہ ہم اس کی رضا پر کاربند ہو جائیں تو بس وہی کافی ہے۔

۱۵۷۔ شب قدر کی عجیب عجیب کیفیات بزرگوں کو نظر آتی ہیں بس سب سے بڑی کیفیت یہ ہے کہ اللہ پاک کی رضا حاصل ہو جائے۔

۱۵۸۔ شریعت سے جو زیادہ قریب ہوگا وہ سید ہے۔

۱۵۹۔ ہم کیا اور ہماری دعا کیا۔ لیکن وہ اپنے ناچیز بندوں کی بھی سنتا ہے۔

۱۶۰۔ والد صاحب کا سایہ اٹھ جانا بہت بڑی محرومی ہے۔

۱۶۱۔ میری والدہ صاحبہ کا انتقال ہوا تو ایک بزرگ آئے فرمانے لگے کہ میاں خوب عیش کیا ہے۔ لیکن اب والدہ نہیں ہیں تو بہت محتاط زندگی گزارنا۔ (واقعی ماں عجیب نعمت ہے)

۱۶۲۔ نفع اتنا کم رکھیں کہ برائے نام ہو پھر انشاء اللہ تعالیٰ خوب ترقی ہوگی۔

۱۶۳۔ ہماری سیاہ کاری اتنی زیادہ بڑھ گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے مانگنے میں بھی شرم آتی ہے۔

۱۶۴۔ کیا قائد اعظم یا مولانا شبیر احمد عثمانی کبھی خیال بھی کر سکتے تھے کہ طوائفوں کا ناچ گانا بھی کبھی پاکستانی کلچر کہلایا جائے گا۔

Marfat.com

۱۶۵۔حق تلفی کسی کی ہرگز نہ ہو۔بغیر حق تلفی کے،کام بن سکے تو صحیح ہے۔

۱۶۶۔جان اچھی تو کام اچھے،اللہ تعالیٰ روزی دینے والا ہے۔

۱۶۷۔اجتماعی طور پر تھوڑی دیر بھی دین کا کام اخلاص کے ساتھ ہوتا ہے تو اس سے بڑا فائدہ ہوتا ہے۔

۱۶۸۔میرا حقیر سا تجربہ ہے کہ بچے سے براہ راست کچھ نہ کہا جائے اسے سنا سنا کر اس کے فضائل کی تعریف کی جائے۔(یہ حقیر سی بات ہے) کرنے والے تو وہ ہی ہیں جن کے قبضہ قدرت میں سب کچھ ہے۔

۱۶۹۔دل سے اللہ اللہ کرنے کی مشق کریں،انشاء اللہ ہر طرح کے فائدے حاصل ہوں گے۔

۱۷۰۔اللہ پاک بچوں کو بزرگوں کے نقش قدم پر چلائے اور خاندان کے لئے باعث فخر بنائے۔

۱۷۱۔ذکر قلبی شروع کریں تو پہلے کچھ دینی مسائل،تھوڑی سی تقریر اور پھر تھوڑی دیر مراقبہ ہو تو لوگوں کو بہت کچھ حاصل ہو سکتا ہے۔

۱۷۲۔اللہ تعالیٰ آخرت میں شرم رکھ لے اور رسوا نہ کرے۔آمین۔ثم آمین۔

۱۷۳۔سید،کسی مشکل سے نہیں گھبراتا،وہ مسلمان ہی کیا جو مشکلات کا مقابلہ نہ کرے۔

۱۷۴۔ماں جیسی نعمت سے محروم ہو جانا بہت بڑی محرومی ہے۔

۱۷۵۔دنیا میں آئے ہیں تو ایک دن جانا ہی پڑے گا۔خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اپنا ایمان سلامتی کے ساتھ لے گئے۔

۱۷۶۔وہ علماء جو کہتے ہیں کہ قرآن پاک کے ایک حرف کے انکار سے کفر لازم آتا ہے وہ قصاص کے انکار کرنے والوں کو اپنا امام سمجھتے ہیں (خاص اشارہ ہے)

۱۷۷۔سوائے دعاء کے ہم عاجز بندے کیا کر سکتے ہیں۔اللہ پاک سب کچھ کر سکتا ہے۔اس کے حکم سے کیا نہیں ہو سکتا۔

۱۷۸۔حلقہ کراتے وقت لطیفہ قلب ہی پر توجہ دیں۔

۱۷۹۔پڑوسی کو بالکل اپنا عزیز سمجھیں اور ہر شخص کی خدمت کو اپنا فرض سمجھیں۔

۱۸۰۔عبادت کا کمال یہ ہے کہ دنیا میں رہ کر دنیا سے الگ رہا جائے۔سب عزیزوں کے حقوق ادا کئے جائیں۔اور حقوق والدین وغیرہ تمام کا پورا پورا لحاظ کیا جائے۔

۱۸۱۔معاش کے لئے کوشش کرنا ضرور ہے،صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین)،مزدوری بھی کر لیتے تھے،اس کے لئے کوشش کرتے رہنا چاہئے۔

۱۸۲۔وہ مسلمان ہی کیا جو مشکلات کا مقابلہ نہ کرے۔

۱۸۳۔روحانیت کے سفر میں منزل کی دوری نہیں ہوتی۔ طے شدہ چار وصد سالہ بہ آہے گاہے۔

۱۸۴۔دین کا مذاق اڑانے والے شروع سے ہیں۔آپ تو محبت اور شفقت سے ان کو اپنے قریب لائیں۔

۱۸۵۔پاکستان خالص دینی روایات کے لئے قائم کیا گیا ہے۔مذہبی امور میں قوم کو صحیح مشورہ خود یہاں کے مسلمہ حیثیت کے علماء ہی دے سکتے ہیں۔

Marfat.com

۱۸۶۔ جولوگ طعن کرتے ہیں وہ اپنی جہالت کا ثبوت دیتے ہیں۔

۱۸۷۔ دنیا کے ہر دور میں ناانصافی، نفسانفسی، بے اعتدالی ہوتی رہی ہے۔ ان سب مشکلات کا مردانہ وار مقابلہ کرنا چاہئیے۔

۱۸۸۔ ہرگز مایوسی کو قریب نہ آنے دیں۔

۱۸۹۔ بڑھاپا بہت سی بیماریوں کا دوسرا نام ہے۔

۱۹۰۔ صحت کا خیال مقدم ہے۔

۱۹۱۔ آپ صبر کریں، جو جیسا کرے گا اسکے سامنے آئے گا، اپنا (مسلمانوں کا) شیوہ تو یہی ہے کہ در گزر کریں۔

۱۹۲۔ بروں کے ساتھ اتنی بھلائی کریں کہ وہ برائی کرنا بھول جائیں۔

۱۹۳۔ اللہ تعالیٰ کی شان کبریائی کے اعتراف میں انسان تو کیا پتھر بھی لرز جاتا ہے۔

۱۹۴۔ دوسری دنیا عجیب وغریب ہے، وہاں کی لذتیں کسی کو پوری طرح معلوم ہو جائیں تو اس دنیا کو لات مار دے۔

۱۹۵۔ سونے سے پہلے وضو کر لیا کریں تو انشاء اللہ تعالیٰ جلدی اٹھنے کی عادت بنے گی۔

۱۹۶۔ سود کی رقم کا معاملہ بھی نازک ہے۔ غریبوں کو (بغیر ثواب کی نیت کے) دیدینا چاہئیے۔ کتابیں اگر خریدیں تو غریبوں کو تقسیم کرنا بھی مشکل معلوم ہوتا ہے غریبوں کو پہچاننا اور تلاش کرنا بھی آج کل مشکل ہو گیا ہے۔ بہر حال اپنی نیت اچھی ہو تو اللہ تعالیٰ مدد فرماتا ہے۔

۱۹۷۔ کشف پر اعتبار نہ کریں جس کو کشف ہو جائے تو اس کے لئے وہ صحیح ہو سکتا ہے، دوسروں کے لئے نہیں۔

۱۹۸۔ مسجد کے لئے ایک اینٹ دینا بلکہ اس سے کم بھی ہو تو بہت بڑی سعادت ہے۔

۱۹۹۔ کشف قبور صرف اللہ تعالیٰ کی دین ہے۔ قرآن پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان دوسری دنیا میں اپنے عزیزوں کے ساتھ رہے گا۔

۲۰۰۔ فرض ادا کرنے سے نماز ہو جاتی ہے۔ لیکن وتر اور سنت موکدہ ادا نہ کریں تو گناہ ہوگا۔ اس طرح عرفات کی حاضری سے حج تو ہو جائے گا لیکن مزدلفہ، منیٰ، رمی، نحر، حلق، طواف نہ کریں یا بلا ترتیب کریں تو گناہ، کفارہ وغیرہ ہے۔

۲۰۱۔ دوانہ کی کھٹ کھٹ اور حرکتِ قلب کو ہم آہنگ کر کے قلب کو اسم ذات کا محور اور مرکز بنایا جاتا ہے۔ زبان خاموش ہوتی ہے اور قلب، تسبیح کے دانوں کی گردش کے ساتھ یادِ اللہ میں مشغول ہوتا ہے۔

۲۰۲۔ اللہ والوں کی برادری سے محبت کو ہم لوگ قبر پرستی کہتے ہیں۔ قبر کی پوجا تو نہیں کرتے۔

۲۰۳۔ ماں کی شفقت اپنی اولاد پر بہت ہوا کرتی ہے۔ اس کا صحیح اندازہ کوئی کیا کر سکے گا؟

۲۰۴۔ زیادہ وقت (تلاوت کے بعد) مراقبہ میں لگائیں اس سے بڑا سکون حاصل ہوتا ہے اور قرب الٰہی حاصل ہوتا ہے۔

۲۰۵۔ زکوٰۃ پہلے بھی نکالی جا سکتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا ایسا فضل ہے کہ زکوٰۃ نکالنے والا دونوں جہانوں کی دولت لوٹتا ہے۔

۲۰۶۔ آپ اللہ اللہ کریں گے تو شیطان زیادہ وسوسے ڈالے گا۔ وہ اپنا کام کرے آپ اپنا کام کریں۔

Marfat.com

۲۰۷۔ ہر سلسلے کا مقصد شریعت کی غلامی ہے۔ شریعت مخدوم اور طریقت کا خادم ہے۔

۲۰۸۔ ہر مسلمان کے جنازے کے ساتھ قبرستان جایا کریں اور قرآن پاک پڑھ کر سب کو بخش دیا کریں۔

۲۰۹۔ کیفیت کوئی چیز نہیں اصل کیفیت شریعت کی پیروی ہے۔

۲۱۰۔ امریکہ کا معاشرہ جس قدر بگڑا ہوا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ اپنی نسلیں خراب کرنا ہے تو بچوں کو وہاں رکھیں۔

۲۱۱۔ ذکرِ خفی کی عجیب برکات ہیں۔

۲۱۲۔ جب تک ہماری قوم اپنی حالت کو بدلنے کے لئے تیار نہیں ہوگی اس وقت اللہ کی مدد بھی شامل حال نہیں ہوسکتی۔

۲۱۳۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ جس چیز کو آپ سمجھتے ہیں کہ ہمارے لئے شر ہے، حقیقت میں وہ آپ کے لئے خیر ہے اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ آپ کو کوئی چیز بہت پسند ہے لیکن وہ آپ کے لئے شر ثابت ہو۔

۲۱۴۔ اسلام میں غسل خانے میں پیشاب کرنا منع ہے۔

۲۱۵۔ ہمارے معاشرے میں اگر کوئی شخص سب کے سامنے پاجامے کا کمر بند ٹھیک کرے تو اسے بے حیا کہا جائے گا۔ لیکن پتلون ٹھیک کرے تو اسے ایسا نہیں سمجھا جاتا۔

۲۱۶۔ ہمارے یہاں ادب واحترام کے لئے سر جھکایا جاتا ہے اور سر کو ٹوپی یا عمامہ سے ڈھانپا جاتا ہے۔ یورپ میں ادب کے لئے ٹوپ کو اُتارتے ہیں۔

۲۱۷۔ بڑوں کا ادب، بڑوں کی خدمت اور ان کی زندگی کے آخری ایام تک ان کی ہر خدمت ہمارے معاشرے میں بہت بڑی سعادت ہے۔

۲۱۸۔ ہمارے دین نے اچھائی اور برائی کے درمیان حد فاصل قائم کردی ہے۔

۲۱۹۔ دین نصیحت و خیر خواہی کا دوسرا نام ہے۔

۲۲۰۔ سب سے بڑی چیز عاجزی ہے، اپنی عاجزی کو قائم رکھیں۔

۲۲۱۔ دین کے لئے زبان کے اعتراف کے ساتھ دل سے بھی اعتقاد ہو اور اس اعتقاد کو عمل سے پورا کیا جائے۔

۲۲۲۔ اپنے پیارے بچوں کو ماریں، نہ ان کو ڈانٹیں، نہ مرغا بنائیں، یہ ہم نے نہیں سیکھا، ہمارے دین نے نہیں سکھایا۔ اُن کی ہمت افزائی کریں۔

۲۲۳۔ بزرگوں کی شان کے خلاف کبھی کوئی بات نہ کریں، ان کا ادب کریں۔

۲۲۴۔ غیبت کرنا بہت ہی بری بات ہے۔ یہ ذلیل لوگوں کا کام ہے۔

۲۲۵۔ مشکلات کا مقابلہ کرنا ہی زندگی ہے اور زندہ ہونے کی نشانی ہے۔

۲۲۶۔ صرف دین کے لئے غصہ آنا چاہیئے۔ باقی آپ کو غصہ کرنے کا کوئی حق نہیں، کوئی حق نہیں۔

۲۲۷۔ شرک۔ ایسی برائی اور ایسا ظلم ہے جو اللہ تعالیٰ کی شان میں بھی گستاخی ہے اور خود انسان کی شان میں بھی گستاخی ہے۔

Marfat.com

۲۲۸۔اگر دنیوی واخروی فلاح وکامیابی مقصود ہے تو اپنی زندگی کے ہر شعبہ کو دین کے مطابق ڈھالنا ہوگا اور اسی سے روشنی حاصل کرنی ہوگی۔ورنہ تاریکی ہی تاریکی اور رسوائی ہی رسوائی ہے۔

۲۲۹۔ہر عمل صرف اللہ کی خوشنودی کے لئے ہونا چاہیئے اور جس شخص میں یہ صفت ہوگی اُس سے کوئی برائی دانستہ نہیں ہوگی اور وہ شخص ایسا بے غرض ہوگا کہ دنیا کی کوئی طاقت اسے خرید نہ سکے گی۔

۲۳۰۔اپنے بھلائی کے کاموں کو احسان جتا کر یا بتا کر ضائع نہ کرو۔

۲۳۱۔انسانی نفس احسان کر کے اپنی بڑائی چاہتا ہے اور دوسروں پر اپنی فوقیت کا خواہاں ہوتا ہے۔

۲۳۲۔انسان تارک الدنیا اور گوشہ نشین نہ بنے تاکہ اپنے عزیزوں یتیموں مسکینوں اور دوسرے حاجتمندوں اور مستحق لوگوں کے لئے مفید بن سکے۔

۲۳۳۔عمل ہی سے زندگی بنتی ہے اور عمل ہی زندگی کی دلیل ہے۔

۲۳۴۔اللہ کے دین کو حکمت اور موعظت سے دوسروں تک پہنچانا اور اس سلسلے میں ہر طرح کی تکلیف اٹھانا اور ہر نقصان کو برداشت کرنا بھی جہاد ہے۔

۲۳۵۔سختی برداشت کرنے کے بعد ہی آسانی حاصل ہوتی ہے۔یعنی مشقت اور سختی ہر کامیابی کے لئے ضروری شرط ہے۔

۲۳۶۔اللہ کی خوشنودی کیلئے مال خرچ کرنے سے ایمان میں ثابت قدمی بڑھتی ہے اور اپنے آپ کو مضبوط کرنے میں مدد ملتی ہے۔

۲۳۷۔بکثرت چیزیں ایسی رائج ہیں جنہیں عین ثواب سمجھ کر کیا جاتا ہے اور ان کے بغیر ہمارا معاشرہ خالی خولی جاتا ہے۔دین کی کسوٹی پر پرکھنا چاہیئے۔

۲۳۸۔ایک مسلمان کو بلاوجہ برا کہنا بھی گناہ عظیم ہے اور اس سے بلاوجہ لڑنا کفر ہے۔

۲۳۹۔انسانی تربیت کے لئے نماز میں پابندی وقت کی مشق بھی ہے تاکہ وہ محسوس کرے کہ وقت کی اہمیت کس قدر ہے۔

۲۴۰۔یہ احترام انسانیت ہی کے لئے حکم ہے کہ رشوت نہ کھاؤ۔

۲۴۱۔ایک جھوٹے الزام سے کس قدر دوسری برائیاں پیدا ہوتی ہیں یعنی حسد،بغض،دشمنی اور انتقام وغیرہ کے جذبات اُبھرتے ہیں اور انسان،انسان نہیں رہتا۔

۲۴۲۔اسلام میں قول وفعل دونوں کی سچائی کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔ورنہ وہ دین جو اس صداقت سے عاری ہو حزب اللہ کا نہیں ہوسکتا اور ایسے دین سے معاشرہ کو کوئی فائدہ نہیں ہوسکتا۔

۲۴۳۔اس زمانے میں غیر مسلم کے عقائد کو نہ تو مجروح کیا جائے اور نہ اُس سے سختی سے معاملہ کیا جائے۔نرمی سے اپنی طرف بلاؤ۔اور دین کی تبلیغ کرو۔

Marfat.com

۲۴۴۔ وہ خیالات کی پاکیزگی ہی ہے جو والدین، اولاد، عزیزوں، مسلمانوں بلکہ درختوں اور جانوروں کے حقوق ادا کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔

۲۴۵۔ اخلاق ہی سے باہمی تعلقات مستحکم ہو سکتے ہیں۔ ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہونا، باہمی امداد، ایثار و قربانی اور زندگی کے معاملات میں ایک دوسرے کا ہاتھ بٹانا صرف اخلاق کی قوت سے ممکن ہے۔

۲۴۶۔ اخلاقی رذائل میں عیب جوئی بہت بڑی لعنت ہے۔ اس سے پورا معاشرہ متاثر ہوتا ہے۔

۲۴۷۔ ایمان کی بدولت انسان اتنا قوی ہو جاتا ہے کہ وہ دس کافروں پر بھی غالب ہو جاتا ہے۔

۲۴۸۔ ہم اللہ پاک کی کیا کیا نافرمانیاں کرتے ہیں لیکن وہ ہم کو معاف کرتا رہتا ہے۔ اگر وہ ہماری ہر روز گرفت فرمائے تو ہمارا جینا مشکل ہو جائے۔

۲۴۹۔ مسلمان، خیر ہی کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور ایمان کی بدولت اُسے بے شمار دینی اور دنیوی نعمتیں حاصل ہوتی ہیں ان نعمتوں پر غور کیا جائے تو مسلمان کا رُواں رُواں بھی زبان بن کر شکر ادا نہیں کر سکتا۔

۲۵۰۔ شکر تین طرح کا ہوتا ہے (۱) شکر قلبی یعنی دل سے شکر ادا کرنا (۲) شکر لسانی یعنی زبان سے شکر کا اظہار کرنا اور (۳) شکر جمیع اعضاء۔ یعنی بدن کے تمام اعضاء کا اپنے محسن کے احسان کو یاد کرنا۔

۲۵۱۔ انسان غور کرے تو اُسے آسانی سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اُس پر اللہ تعالیٰ کی کس قدر نعمتیں نازل ہوتی ہیں۔

۲۵۲۔ معاشرتی زندگی میں اس اونچ نیچ سے ناہموری پیدا نہ ہو بلکہ توازان اور اعتدال قائم رہے اور انسان یہ سمجھے کہ یہ دنیا بے حقیقت ہے اور یہاں سے اُسے ایک دن کوچ کرنا ہے۔

۲۵۳۔ اسلام میں اُستاد اور ساس سسر کے حقوق بھی ماں باپ کے حقوق کی طرح لازم فرمائے گئے ہیں۔ اور اُن کی اطاعت، خدمت اور عزت اسی طرح ضروری ہے جس طرح کہ ماں باپ کے لئے ضروری ہے۔

۲۵۴۔ ہمیں مسجد کا بڑا احترام کرنا چاہئیے۔ یہ سوچنا چاہئیے کہ آپ وضو کے بعد کس کے پاس جا رہے ہیں۔ بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہونے کی تیاری کر رہے ہیں۔ لہٰذا ہمیں سمجھ لینا چاہئیے کہ ہم لوگ ایسی گستاخی نہ کریں۔ مگر کیا کریں، ہم نے اپنا معاشرہ اس قدر بگاڑ دیا ہے کہ اصلاح کی طرف ہمارا خیال ہی نہیں جاتا۔

۲۵۵۔ بہو ہماری بیٹی ہے، انہوں نے ہماری بیٹی سمجھ کر ہم کو دیا ہے اب ہم اس کے ساتھ محبت سے (پیش آئیں)۔ جو کام محبت سے بن سکتا ہے وہ ڈنڈے سے نہیں بنتا ہے۔ ایسا نہیں کرنا چاہئیے۔

۲۵۶۔ اگر کوئی شخص ٹخنوں سے نیچے پاجامہ، شلوار، پتلون یا تہمد رکھتا ہے اُسکی بھی بخشش نہیں ہوگی۔ ہم لوگ شان سمجھتے ہیں اور ٹخنے سے نیچے پاجامہ رکھتے ہیں۔ عورتوں کی طرح ٹخنے چھپانا مردوں کا کام نہیں۔

۲۵۷۔ بے پردہ ہونا فیشن ہو گیا ہے۔ عورتیں اسی میں اپنی شان سمجھتی ہیں اور بہت سی برائیوں کو دعوت دیتی ہیں۔ اس قدر بے حیائی کی باتیں ہوتی ہیں کہ بیان نہیں کر سکتا۔ یہ سب بے پردگی کی وجہ سے ہے۔

Marfat.com

۲۵۸۔ آج کل ہم میں جھوٹی شان بہت آ گئی ہے مثلاً کھانا بہت سا نکال لینا اور پھر پھینک دینا۔

۲۵۹۔ عمل پر کھانے پینے کا اثر پڑتا ہے۔ اگر پاک صاف غذا نہ ہو تو انسان پر بہت برا اثر پڑتا ہے۔

۲۶۰۔ ہماری خواتین نے چکی پیسنا چھوڑ دیا ہے جو حضرت بی بی فاطمہؓ کی سنت ہے۔ ہماری ماں بہنیں پہلے سب پیسا کرتی تھیں۔ بڑی تندرست اور قومی رہتی تھیں۔ پہلے بھینس کا دودھ لگا لیتی تھی اب تو بکری کا بھی نہیں لگا سکتیں۔ اتنی آرام طلب ہماری قوم ہو گئی ہے یہ سب بیماریاں اس آرام طلبی اور محنت نہ کرنے کی وجہ سے ہیں۔

۲۶۱۔ کسی مسلمان کا نام پرویز نہیں ہونا چاہیئے۔ ہرگز نہیں ہونا چاہیئے۔ نہ پرویز ہونا چاہیئے نہ نائلہ ہونا چاہیئے نہ راحیل ہونا چاہیئے

۲۶۲۔ ماں باپ کو سوچنا چاہیئے کہ بچوں کے نام اچھے ہونا چاہئیں۔ غلط نام نہیں ہونا چاہیئے کسی اچھے پڑھے لکھے آدمی سے ہمیشہ مشورہ کر کے نام رکھنا چاہیئے۔

۲۶۳۔ تصویر بنانا بالکل غلط ہے۔ تصویر جاندار کی بنانا ناجائز ہے۔ مکہ معظمہ کی آپ بناتے ہیں مدینہ منورہ کی بناتے ہیں۔ بغداد شریف کی بناتے ہیں، بھبون شریف کی، اجمیر شریف کی بناتے ہیں اس میں شریعت سے کوئی قباحت نہیں۔ ہاں کسی جاندار کی بنائیں تو بے شک منع ہے۔

۲۶۴۔ عشاء کے فوراً بعد اگر ہم سو جایا کریں تو بہت سی آفتوں سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔

۲۶۵۔ پڑوسی کو بالکل اپنا عزیز سمجھیں اور ہر شخص کی خدمت کو اپنا فرض سمجھیں۔

۲۶۶۔ بچوں کے اخلاق ٹی وی اور وی سی آر وغیرہ سے خراب کرائے جا رہے ہیں۔ عیب جوئی اور خودنمائی کی بیماریاں عام کرائی جا رہی ہیں۔ ہم سب کا فرض ہے کہ بچوں کو ان عیوب سے بچائیں۔

۲۶۷۔ بچوں کو نہ ڈانٹیں اور نہ ماریں شفقت اور پیار سے ان کی اصلاح کریں اور خوب ہمت افزائی کریں تا کہ ان کی خفیہ صلاحیتیں بیدار ہو سکیں۔

۲۶۸۔ پاک خوشبو (یعنی عطر) کے استعمال سے بھی بچوں کا ذہن تیز ہوتا ہے۔ ناپاک خوشبو (یعنی سینٹ) ہرگز استعمال نہ کرائیں۔

۲۶۹۔ ہم لوگ سنت کے مطابق نہ اپنی داڑھی رکھتے ہیں، نہ شریعت کے مطابق اپنی مونچھیں رکھتے ہیں، نہ شریعت کے مطابق اپنا لباس رکھتے ہیں۔ نہ ہمارے سر کے بال شریعت کے مطابق ہوتے ہیں۔

۲۷۰۔ آج کا کام ہرگز کل پر نہ چھوڑیں۔ یہ ناکامی کی پہچان ہے۔

۲۷۱۔ عاجزی اور انکساری کو اپنا معمول بنائیں۔ نہ کسی کی غیبت کریں اور نہ سنیں، صبح و شام اپنے عزیزوں اور تمام مرحوم مسلمانوں کے لئے ایصال ثواب ضرور کریں۔ اپنے پڑوسیوں کے لئے اور تمام لوگوں کے لئے ہر وقت بھلائی کرتے ہیں۔

۲۷۲۔ جو داڑھی منڈھواتا ہے اسکی Eye Sight بہت خراب ہو جاتی ہے۔ جو داڑھی رکھتا ہے اسکی Eye Sight صحیح رہتی ہے۔

Marfat.com

۲۷۳۔مسجد میں کھانا پینا، دنیا کی بات چیت کرنا جائز نہیں ہے۔لیکن اعتکاف کی نیت کر لیں تو ٹھیک ہے۔لہٰذا آپ جب بھی مسجد میں آئیں اعتکاف کی نیت بھی کر لیا کریں۔

۲۷۴۔بعض لوگ پیچھے کی صفوں میں باتیں کرنے لگتے ہیں، یہ جائز نہیں ہے، یہ آداب کے خلاف بھی ہے،اور مقصد کے خلاف بھی ہے۔

۲۷۵۔رحمٰن بے شک اللہ ہے کہ جب اس سے مانگا جائے تو وہ عطا فرمائے۔

۲۷۶۔رحیم وہ ہے کہ اس سے نہ مانگا جائے تو وہ ناراض ہو کہ میرا ہو کر مجھ سے کیوں نہیں مانگتا۔

۲۷۷۔زیادہ فیوض و برکات کی سرشاری کی وجہ سے اپنے سلسلے کے بعض بزرگ جب کسی سالک میں اس سرشاری کے جذبے کو زیادہ دیکھتے ہیں تو فرماتے ہیں کہ ذرا ہوٹل کا کھانا کھالو تاکہ کیفیات میں کمی واقع ہو جائے اور ضبط و تحمل کا مادہ بڑھ جائے۔

۲۷۸۔شہد کو قرآن پاک میں شفا کہا گیا ہے۔ہر مرض میں (حتیٰ کہ ذیابیطس) میں شہد بہت مفید ثابت ہوتا ہے۔

۲۷۹۔فرصت کے وقت پیسے لے کر کسی کا کام کر دینے میں کوئی حرج نہیں۔البتہ ڈیوٹی میں کسی طرح کا حرج یا تاخیر نہ ہو۔اگر ہو تو پھر پیسے لے کر کام کرنا غلط ہے۔

۲۸۰۔رشید کے معنی ہیں ہدایت والا۔اور اللہ بھی رشید ہے کہ ہے کہ وہ ہدایت دیتا ہے۔

۲۸۱۔زیادہ دیر ختم شریف نہ پڑھیں۔ورنہ لوگ تھک جاتے ہیں۔مختصر پڑھیں اور پھر سب مل کر مراقبہ کرایا کریں۔

۲۸۲۔ہم میں سے بہت سے لوگ وضو اور نماز بھی صحیح طریقے سے نہیں جانتے۔سیکھنا چاہیئے۔

۲۸۳۔اللہ تعالیٰ دین میں زیادہ سے زیادہ علم، عمل اور اخلاص عطا فرمائے۔

۲۸۴۔حق تلفی کسی کی ہرگز نہ ہو۔اگر بغیر حق تلفی کے، کام بن سکے تو صحیح ہے۔

۲۸۵۔تبلیغی جماعت میں شرکت سے منع نہیں کیا تھا۔زیادہ دن تک رہنے کو منع کیا تھا کہ نہ معلوم حقوق العباد کے ادا کرنے میں کتنی کوتاہیاں ہو سکتی ہیں۔

۲۸۶۔سنت کی پیروی میں صرف اُبلا ہوا کھانا کھائیں۔گھی، تیل بالکل استعمال نہ کریں۔کسی حکیم ڈاکٹر کی ضرورت نہیں رہے گی۔

۲۸۷۔بزرگوں کا سایہ سر سے اٹھ جانا بڑی محرومی ہے۔لیکن ایسا ہونا ہی ہے اور ہم سب کے لئے یہی راستہ ہے۔آج وہ کل ہماری باری ہے۔

۲۸۸۔سراپا علم و عمل بزرگ سے لوگ مستفیض نہ ہوں تو واقعی بڑی محرومی ہے۔

۲۸۹۔بچوں کو تبلیغی جماعت میں شامل کرا دینے سے بڑا فائدہ ہوتا ہے۔اللہ پاک بزرگوں کے نقش قدم پر چلائے اور خاندان کے لئے باعث فخر بنائے۔

۲۹۰۔زخم پر شہد لگا کر پٹی باندھ لیا کریں (رات کو) اور صبح کھول دیں۔ذرا تکلیف تو ہو گی لیکن چند روز میں بالکل اچھے ہو جائیں گے۔انشاء اللہ تعالیٰ۔شہد سے گینگرین بھی اچھا ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

۲۹۱۔کھانا زیادہ کھانے میں حرج نہیں لیکن ورزش بھی کرنا چاہئیے تا کہ اچھی طرح ہضم ہو جائے اور جزو بدن بن سکے۔
۲۹۲۔آپ کو تو معلوم ہے کہ اپنے سلسلے میں عاجزی اور تواضع ہے۔خود کو سب سے کم تر سمجھنا ہی بڑی بزرگی ہے۔
۲۹۳۔فال وغیرہ سب غلط ہے۔
۲۹۴۔وہ علم بے کار ہے جس سے اصلاح نہ ہو۔
۲۹۵۔ادلے بدلے کی شادیوں میں جھگڑے ہوتے ہیں۔ایسی شادی میں صبر وضبط سے کام لینا پڑتا ہے ورنہ بات بگڑتی ہے۔
۲۹۶۔جو لوگ خلوص اور محبت کے ساتھ مسجد اور مدرسہ کی خدمت کرتے ہیں اس کا اجر اللہ تعالیٰ ہی دے سکتا ہے۔
۲۹۷۔مسلمان کی تکلیف سے خوش نہ ہوں، کیا بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمادے اور اس کی تکلیف پر خوش ہونے والے کو اسی تکلیف میں مبتلا کردے۔
۲۹۸۔مومن محبت کا مجسمہ اور الفت کا سرچشمہ ہے۔
۲۹۹۔وہ دعائیں جو بارگاہِ الٰہی میں خلوص دل اور خشوع وخضوع سے پیش کی جاتی ہیں وہ حقیقت میں دعائیں ہوتی ہیں اور ضرور انہیں شرفِ قبولیت حاصل ہوتا ہے۔
۳۰۰۔تبلیغ جیسے اہم کام کے لئے تحقیق نہایت ضروری ہے۔
۳۰۱۔ایک مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ اسلامی جوش اور اسکی حمایت میں دوسروں کے خداؤں کو برا بھلا کہنے لگے۔نرمی سے بُرے لوگوں کو اپنی طرف بلائیں۔
۳۰۲۔فراخ دلی، نرمی، عفوو درگزر، مروت وغیرہ ہی ایسے محاسن ہیں کہ جس کی وجہ سے دشمنوں کے دلوں پر بھی قبضہ کیا جا سکتا ہے۔
۳۰۳۔دنیا میں ہر چیز اسباب سے ہے بعض اسباب ظاہری ہیں، بعض چھپے ہوئے ہیں۔
۳۰۴۔ایمان امن چاہتا ہے اور اسلام سلامتی چاہتا ہے، جب ہمارا دین امن وسلامتی چاہتا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ ہر معاملے میں سلامتی کو قائم رکھے گا۔
۳۰۵۔اللہ پاک دنیا میں ایمان کے ساتھ رکھے اور ایمان کے ساتھ اٹھائے، یہی دعا ہمیشہ کرنا چاہئیے۔
۳۰۶۔آپ کو تعجب ہوگا کہ میں نے عمر بھر کبھی گھڑی نہیں پہنی، لیکن بزرگوں کی دعاؤں سے وقت کا ہمیشہ سخت پابند رہا۔
۳۰۷۔گمان کچھ کام نہیں دیتا حقیقت کے لئے، یعنی حقیقت کی تلاش کے لئے جدوجہد کی ضرورت ہے، گمان کی ضرورت نہیں۔
۳۰۸۔اللہ پاک نے اپنی عبادت کے بعد ہی والدین کے حقوق کا اس طرح ذکر فرمایا ہے کہ دنیا کے تمام مذاہب مل کر بھی اس طرح کا احترام پیش نہیں کر سکتے۔
۳۰۹۔قیامت میں یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ فلاں شخص کیا ہے وہاں تو یہ پوچھا جائے گا کہ تم کیسے ہو۔
۳۱۰۔ہر شخص اپنے عمل کا جواب دے گا تو ہم کسی سے نفرت کر کے اپنی عاقبت کیوں خراب کریں۔

Marfat.com

۳۱۱۔باہمی صلاحیتوں کو اگر بروئے کار لایا جائے تو ایک گھر کیونکر جنت کا نمونہ نہ بنے گا؟

۳۱۲۔انسان کو خاک سے پیدا کیا ہے اپنے اندر اتنی صلاحیت رکھتا ہے کہ وہ تمام چیزوں کے متعلق علم حاصل کرسکتا ہے اور آسمانوں میں نیز زمین میں جو کچھ بھی ہے اس پر تسلط قائم کرسکتا ہے۔

۳۱۳۔سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی اور طاقت کے آگے سر نہ جھکائے ،انسانیت اور آدمیت کا یہ تقاضا ہے۔

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں پر اللہ تعالیٰ کا کرم وعنایت

معجزات وکرامات

ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خان صاحبؒ فضل کبیر میں تحریر فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ جل جلالہ کا بے حد احسان ہے کہ اُس نے حضور ﷺ کے صدقے میں مجھ حقیر پر بے پایاں احسانات فرمائے ،زبان میں طاقت نہیں کہ شکرادا کرسکوں ۔۱۳۸۲ھ میں ''تاریخ اسلاف'' (تاریخی نام کے ساتھ) شائع کی تھی۔اس میں اپنے اسلاف کرام اور خاندان کے کچھ حالات عرض کئے تھے اور ساتھ ہی بعض روحانی کیفیات بھی (محض ادائے شکر کی غرض سے) درج کردی تھیں، جن کا میں ہرگز اہل نہیں تھا، اور نہ اب ہوں۔وہ کتاب خاندان ہی کے لئے تھی۔لیکن وہ کسی طرح باہر چلی گئی جس کے لئے میں بارگاہ الٰہی میں شرمسار ہوں۔لوگوں نے اس حقیر کو معلوم نہیں کیا کیا سمجھ لیا اور بار بار تنہائی میں فرمائش کی کہ دوسری کیفیات بھی لکھ دوں تا کہ لوگوں کو معلوم ہوسکے کہ اس دور میں بھی اللہ تعالیٰ کے فضل اور حضور انور ﷺ کے صدقے میں ایسے واقعات رونما ہوسکتے ہیں اور اس طرح لوگوں کے دلوں میں ایمان کی پختگی پیدا ہوسکتی ہے۔ایسے اصرار سے مجبور ہوکر کچھ انعامات اور احسانات کا ذکر کر رہا ہوں لیکن بارگاہ الٰہی میں بے حد شرمسار ہوں اور عرض پرداز ہوں کہ اگر غلطی ہوئی ہے تو وہ مجھے معاف فرمادے اور آخرت میں رسوا نہ فرمائے۔آمین:

؎ گر بہ ہیں تو حق اپنا ہے کچھ تجھ پہ زیادہ　　　اخبار میں الطالح لی ہم نے سنا ہے۔

حضور انور ﷺ کی چند عنایتیں

بحمد اللہ حضور اکرم ﷺ کی شفقت اس ناچیز اور گندے شخص پر بہت مدت سے ہے، میں شاید، ۱۱۔۱۲ سال کا تھا جب حضور اکرم ﷺ (روحی فداہ) نے خواب میں نوازا۔پھر اس وقت سے اب تک متعدد ایسے موقعے نصیب ہوئے۔الحمدللہ! خوابوں یا مراقبوں میں حضرت آدم علیہ السلام، شیث علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وغیرہ کی زیارت نصیب ہوئی اور فرشتوں کی بھی۔اور آل واصحاب (وازواج مطہرات) علیہم السلام میں سے کئی بزرگوں سے شرف حاصل ہوا۔حضرت محی الدین ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ، حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی رحمتہ اللہ علیہ، حضرت رکن العالم رحمتہ اللہ علیہ، حضرت فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی رحمتہ اللہ علیہ اور متعدد اولیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس ذرہ بے مقدار کو نوازا۔اللہ پاک نے اس گندے اور ناپاک شخص پر اپنی رحمت کاملہ سے بہت زیادہ فضل فرمایا ہے۔میں جتنا اس کا شکر کروں کم ہے۔الحمدللہ!

Marfat.com

میں چھوٹا تھا اُس وقت جبل پور میں یہ خواب دیکھا کہ ایک مکان میں میرے ماموں مولانا عبدالمجید خاں صاحب کے ساتھ ایک بہت نوری شکل کے بزرگ تشریف فرما ہیں۔ میں باہر سے دوڑتا ہوا آیا تو ماموں صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ ان کو سلام کرو، یہ حضور انور ﷺ ہیں۔ میں نے سلام عرض کیا تو انہوں نے مجھے جواب دے کر اپنی گود میں بٹھالیا۔ الحمد للہ۔ لاکھ لاکھ شکر ہے۔ کس زبان سے شکر ادا کروں!

شب سہ شنبہ ۲۸ جمادی الاخریٰ ۱۳۵۵ھ (۱۵ ستمبر ۱۹۳۶ء) کو حضور انور ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔ کچھ فرمایا، لیکن یاد نہیں رہا۔

شب شنبہ ۲۴ ربیع الآخر ۱۳۵۶ھ (۳ جولائی ۱۹۳۷ء) کو شہر منڈلہ (ہمشیرہ صاحبہ کے مکان میں) حضور انور ﷺ کی زیارت ہوئی۔ کچھ کبیدہ خاطر تھے کہ کسی دشمن اسلام سے تکلیف پہنچی تھی۔

غالباً ۱۹۳۸ء کا واقعہ ہے جب میں کنگ ایڈورڈ کالج امراؤتی میں پڑھاتا تھا۔ وہاں امراؤتی میں خواجہ لطیف احمد صاحب پانی پتی ''انسپکٹر آف اسکولز'' تھے۔ انکے پاس مولانا یحییٰ کی ایک کتاب ''بنیاد اللسان'' آئی۔ خواجہ صاحب نے فرمایا کہ اس کتاب پر تبصرہ لکھ دو۔ گھر آیا تو رات کو حضور انور ﷺ کی زیارت خواب میں نصیب ہوئی۔ (الحمد للہ) فرمایا کہ ''اس کتاب کے خلاف کچھ مت لکھنا''۔ چنانچہ میں نے اس کے خلاف کچھ نہیں لکھا، صرف سرسری جائزہ کے طور پر چند کلمات لکھ دیئے۔ یہ کتاب محنت سے لکھی گئی تھی۔ بعض مقامات تصحیح طلب تھے (لیکن ایک نیک صالح بزرگ کی تصنیف تھی)۔

پھر بارہا حضور انور ﷺ کی شفقتیں نصیب ہوئیں۔ شب یک شبہ ۶ ۱۳۷ھ (۱۷ اروری ۱۹۵۷ء) کو حضور انور ﷺ کی پھر زیارت نصیب ہوئی۔ میری والدہ صاحبہ بھی انکے ساتھ تھیں۔

ایک دن پیر الٰہی بخش کالونی، کراچی کے مکان نمبر ۲۳۸ میں فجر کے بعد مراقبہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ دفعتاً حضور انور ﷺ تشریف لے آئے۔ تمام کمرہ خوشبو سے مہک گیا۔ میں بے قابو ہو گیا۔ سر بہ سجود ہو گیا اور دیر تک پڑا رہا۔ پھر اہلیہ آ گئیں۔ وہ بھی اس خوشبو سے اور حیرت سے سکتے میں آ گئیں۔ لاکھوں لاکھوں درود و سلام ﷺ کو ہر دم پہنچیں۔ مجھ عاجز میں کیا طاقت ہے کہ اتنے درود و سلام پیش کر سکوں۔

حج کے بعد ۱۹۶۴ء میں جب مدینہ طیبہ میں حاضری ہوئی تو ۲۷ ذی الحجہ (۹ مئی) کو حضور انور ﷺ نے اپنا دست کرم میرے سر پر رکھا اور فرمایا: ''تم میری اولاد میں ہو'' (کچھ اسی طرح کے الفاظ تھے) اس شفقت والی ہستی ﷺ پر ہر دم قربان ہوتا رہوں! (آمین)

۱۹۵۶ء سے غریب خانے پر (واقع سندھ یونیورسٹی، حیدرآباد) ہر دوشنبہ اور جمعہ کو (پہلے مغرب کے بعد اور اب عصر کے بعد) اجتماعی طور پر مراقبہ ہوا کرتا ہے۔ عربی کا درس احادیث کا ترجمہ یا مسائل فقہ وغیرہ یا قرآن خوانی ہوتی ہے۔ پھر مراقبہ ہوتا ہے۔ دوشنبہ ۱۲ رجب ۱۳۹۰ھ (۱۴ ستمبر ۱۹۷۰ء) کو مغرب کے بعد جب مراقبہ ہوا تو دیکھا کہ یکا یک ملک الموت یعنی حضرت عزرائیل علیہ السلام تشریف لائے اور اُن کے ساتھ کوئی اور صاحب بھی تھے جنہوں نے ان سے میری شناخت کرائی اور

Marfat.com

چھپ گئے۔ معلوم ہوتا تھا کہ گویا انہوں نے عزرائیل علیہ السلام کو بتایا کہ غلام مصطفیٰ ﷺ یہی ہے۔ عزرائیل علیہ السلام میرے سامنے بائیں طرف کو کھڑے ہوئے نظر آئے۔ ان کی ریش مبارک گویا مہندی سے رنگی ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ سے عاجزانہ دعا ہے کہ حضور انور ﷺ کے صدقے میں اور بزرگان دین (علیہم الرحمہ) طفیل میں میرا خاتمہ بالخیر فرمادے اور آخرت میں شرم رکھ لے، نیز میرے سب عزیزوں اور مسلمانوں کو بخش دے (آمین ثم آمین)

میرے منجھلے بھائی عبدالرحمٰن خاں صاحب کو بھی حضرت عزرائیل علیہ السلام نظر آئے تھے کہ وہ تشریف لائے ہیں۔

۱۲ رجب ۱۳۹۰ھ (۱۴ ستمبر ۱۹۷۰ء) کے واقعے کے بعد (جو غالباً میری تربیت کے لئے واقعہ تھا) شب پنج شنبہ ۲۰ شعبان ۱۳۹۰ھ (۲۱/۲۲ اکتوبر ۱۹۷۰ء کی درمیانی شب) میں حضور انور ﷺ نے خاص الخاص شفقت سے مجھے کئی گھنٹے ساتھ رکھا اور مجھ سیاہ کار کی تربیت فرمائی۔ الحمد ا قربان جاؤں۔

میں مرجاؤں یا مصطفیٰ ﷺ کہتے کہتے ۔ یہ دَم نکلے صلِ علیٰ کہتے کہتے

دوشنبہ ۲۸ رجب ۱۳۹۱ھ (۲۰ ستمبر ۱۹۷۱ء) کو عصر کے بعد کچھ لوگ مراقبہ کے لئے جمع ہوئے۔ مغرب کے بعد مراقبہ ہوا تو دیکھا کہ حضور انور ﷺ تشریف فرما ہیں۔ کتھی رنگ کا کرتہ پہنے ہوئے ہیں اور اوپر والا بائیں طرف کا نکیلا دانت جسے عربی میں ناب کہتے ہیں، نہیں ہے۔ داڑھی سیاہ ہے۔

معلوم ہوتا تھا کہ جنگ اُحد میں جو دانت شہید ہوا تھا وہ یہی تھا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے (بڑا کرم فرمایا۔ الحمد اللہ۔ الحمد اللہ)

شب شنبہ ۱۳ رمضان المبارک ۱۳۹۱ھ کو میرے پیارے پوتے حافظ منیر احمد خاں سلمہ نے پُر کیف لہجے میں تراویح پڑھائی۔ پندرھواں اور سولھواں پارہ تھا۔ تھوڑی دیر بعد میری والدہ صاحبہ تشریف لے آئیں اور منبر کے باہر بیٹھ گئیں۔ پھر مدینہ منورہ کے رخ سے حضور انور ﷺ کی تشریف آوری ہوئی۔ سبز عبا میں سفید پھول تھے اور عمامہ پہنے ہوئے تھے۔ تھوڑی دیر کھڑے ہوئے منیر احمد سلمہ کا قرآن سنتے رہے۔ اس موقع پر میرے والد صاحب بھی تشریف لے آئے اور دیر تک قرآن پاک سنتے رہے۔ پوری فضا پر سناٹا تھا اور ہر سننے والے کی عجیب کیفیت تھی۔ الحمد اللہ!

اس سے پہلے بھی کئی سال سے کچھ اسی قسم کی کیفیات اور مناظر رہے ہیں۔ کبھی حضور انور ﷺ کے ساتھ حضرت بلالؓ اور کئی صحابہ کرامؓ نے بھی عزت بخشی، کبھی والدہ صاحبہ اور منیر احمد کے والد کی نانی صاحبہ، کبھی منیر احمد کے والد کے نانا صاحب اور کبھی دوسرے اعزاء بھی تشریف لاتے رہے۔ کس زبان سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کروں۔ میر رُواں رُواں بھی شکر ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔

ایک مرتبہ حج کے دوران گروپ کے افراد نے سب پیسے ایک جگہ رکھ دیئے کہ جن حضرات کو خرچ کرنا ہوں، اس میں سے لیں، مدینہ منورہ میں تھے۔ کہ اتفاق سے سب پیسے خرچ ہو گئے اور جدہ جانے تک کے پیسے نہیں تھے، میں نے روضہ مبارک پر جا کر عرض کیا کہ حضور ﷺ پیسے ختم ہو گئے ہیں، جدہ جانے تک کے لئے پیسے نہیں ہیں۔ میں اپنی قیام گاہ پر پہنچا ہوں کہ ایک صاحب آئے اور کہنے لگے کہ یہ پیسے رکھ لیں، پاکستان میرے بھائی کو دے دیجئے گا۔ چناں چہ ہم نے وہ پیسے خرچ کئے اور

Marfat.com

پاکستان پہنچ کرادا کردیئے۔

ایک بار حج کے لئے حاضری ہوئی، مدینہ منورہ میں ہمارے ایک ساتھی بابا میدعلی سرائی صاحب تھے جو بہت ضعیف تھے اور اُن کی واپسی کی تاریخ ہمارے بعد تھی، اکیلے بھی تھے، اور سی وجہ سے پریشان بھی تھے۔ میں نے حضور انور ﷺ سے عرض کیا، ''حضور ﷺ! اُن صاحب کی تاریخ ہمارے ساتھ فرمادیں'' میں اپنی قیام گاہ پر پہنچا ہی تھا کہ ایک صاحب دوڑتے ہوئے آئے اور کہنے لگے کہ اُن صاحب کا پاسپورٹ دیں جن کی تاریخ بعد کی ہے، میں نے بھی بلاسوچے سمجھے انہیں پاسپورٹ دے دیا۔ تھوڑی دیر میں وہ صاحب وہی تاریخ ڈلوا کر لے آئے۔ میں سمجھ گیا کہ وہیں سے ہوا ہے۔ یہ سب حضور اکرم ﷺ کے کرم کے صدقے میں ہے۔

شب پنج شنبہ ۱۵ ربیع الاول ۱۳۹۳ھ (۱۸۔۱۹ اپریل ۱۹۷۳ء کی درمیانی شب) میں سعدیہ سلمھا کو حضور انور ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔ (سراج احمد سلمہ بھی اور میں بھی اس وقت حاضر تھا۔ سعدیہ نے بتایا)۔

سعدیہ سلمھا نے بتایا کہ حضور انور ﷺ گھٹنوں سے نیچا کرتہ، سفید گول ٹوپی، چوخانے کا سبز تہبند پہنے ہوئے تھے۔ سیاہ داڑھی تھی جس میں سامنے کے کچھ بال سفید تھے۔ اور مجھ حقیر کے سامنے تشریف فرما تھے۔ سعدیہ سلمھا نے سراج احمد سلمہ سے دریافت کیا کہ یہ کون بزرگ ہیں؟ سراج احمد نے جواب دیا کہ یہی تو حضور انور ﷺ ہیں۔ سعدیہ کی بائیں طرف سراج احمد کھڑے ہوئے تھے۔

کراچی سے سراج احمد خاں نے ۱۶ جولائی ۱۹۷۶ء کا خواب مجھے اپنے خط میں اس طرح لکھا تھا:

''میں نے زندگی میں پہلی مرتبہ بہت اچھا خواب دیکھا کہ میں مکہ معظمہ میں ہوں اور نہایت ہی اچھی آواز سے سے لاؤڈ اسپیکر سے اذان دے رہا ہوں۔ وہاں ہزاروں لوگ موجود تھے۔ میری اذان کو انہوں نے بہت پسند کیا اور بہت سراہا۔ اس کے بعد خوش الحانی سے اور رو رو کر **اللھم لبیک** پڑھ رہا ہوں۔ اور جو لوگ میرے ساتھ ہیں وہ بھی میرے ساتھ زور زور سے پڑھ رہے ہیں۔ خدا کرے کہ اس خواب کی تعبیر میرے حق میں ہو۔ میرے لئے دعا کریں کہ یہ سعادت نصیب ہو جائے۔ آمین!

اللہ تعالیٰ کا بے حد احسان ہے کہ سراج احمد سلمہ، اور صالحہ سلمھا نے پہلا حج ۱۳۹۹ھ اور ۱۹۷۹ء میں ادا کیا۔ سراج احمد کے اب تک آٹھ حج ہو گئے ہیں اور صالحہ کے تین حج ہوئے۔ الحمد اللہ!

از لطفِ تو ہیچ بندہ نومید نہ شد
مقبول تو جز مقبل جاوید نہ شد

لطفت بکدام ذرہ پیوست دمے
کاں ذرہ بہ از ہزار خورشید نہ شد

(ابوسعید ابوالخیر)

چلو پیا ﷺ کے دیس، سکھی جی، چلو پیا ﷺ کے دیس

بفضلہ تعالیٰ ۱۹۵۵ء میں پہلا حج نصیب ہوا تھا۔ پھر بار بار یہ کرم ہوا جس کا شکر ادا کرنا کیوں کر ممکن ہے! میرا اُڑ داں

Marfat.com

رُواں شکر کرے اور ہر دم شکر کرے تب بھی کم ہے۔

سہ شنبہ ۴ شوال المکرم ۱۳۷۲ھ (۱۶ جون ۱۹۵۳ء) کو پونے گیارہ بجے شب (شب چہار شنبہ) کو ہم لوگ کراچی سے مغل لائن کے جہاز مظفری سے روانہ ہوئے، بڑے بھائی حاجی نذیر احمد خاں صاحب، بڑی بھاوج صاحبہ اور حمیدن بائی (بھانجی) کے ساتھ یہ عاجز اور اہلیہ بھی تھیں۔ حضرت شاہ زوار حسین شاہ مدظلہ، اُن کی اہلیہ صاحبہ، صوفی محمد احمد صاحب، ان کی اہلیہ صاحبہ، انکے والد صاحب اور انکا چھوٹا بھائی ذوالفقار احمد، صدیقن صاحبہ اور ثروت النساء صاحبہ وغیرہ ساتھ تھیں۔ بدھ ۱۲ شوال المکرم (۲۴ جون ۱۹۵۳ء) کو علی الصباح جدہ پہنچے۔ وہاں سے بسوں میں بیٹھ کر ہم لوگ مدینۃ الحجاج (حاجی کیمپ) پہنچے اور وہاں کمرہ نمبر ۲۷ میں قیام کیا۔ جمعرات کو ۸ آنے فی کس موٹر کار، میں دے کر حضرت حوا علیہا السلام کے مزار مقدس کی زیارت کی جدہ میں پاکستان کا نوٹ اپنی قیمت میں ریال کے برابر تھا لیکن خیال ہوا کہ حاجیوں کے آجانے اس کی قیمت گر جائے گی۔ اس لئے بہتر ہے کہ پاکستانی روپے کو سعودی اشرفیوں میں تبدیل کرالیا جائے۔ چناں چہ ۴۰ روپے کی ایک گنی کے حساب سے میں ۲۸ گنیاں خرید لیں۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ اچھا کیا۔ جمعہ کی نماز جدہ میں مسجد معمار میں پڑھی جو بازار میں ہے اور بہت قدیم معلوم ہوتی ہے۔ وہاں نماز میں بڑا کیف و سرور پیدا ہوا اور میں چیخ مار کر رو پڑا۔ جدہ میں پرشومی نام کا ایک عجیب طرح کا پھل کھایا (بعد میں معلوم ہوا کہ یہ ناگ پھنی کا پھل ہے) مکہ معظمہ میں بہت ہوتا ہے اور ۵۔۷ عدد کھا لینے سے دن بھر پیاس نہیں لگتی۔ کم کھانا قبض کرتا ہے) یہ آلو سے بڑا تھا۔ اوپر سے سبز تھا۔ اس کا موٹا اور نرم چھلکا تھا، اس کو دور کرنے سے اندر سے گلابی رنگ کا مغز نکلا جو میٹھا تھا۔ (اس سے پہلی رات کو معلم جمیل مکی کے وکیل حسن نثار نے آکر کہا تھا کہ فوراً تیار ہو جاؤ، موٹر تیار ہے۔ مدینہ طیبہ کو جاؤ۔ ہم دونوں نے سامان موٹر میں رکھوایا۔ رات کو بہت دیر تک موٹر کھڑی رہی۔ پھر کچھ آگے بڑھی اور پولیس یا customs (چنگی خانہ) گئی۔ وہاں بڑی دیر کھڑی رہی اور پھر واپس اُسی مقام پر آگئی جہاں سے روانہ ہوئی تھی۔ وہاں تھوڑی دیر کے بعد موٹر کے اندر سامان بھرا گیا لیکن مسافر کم تھے اس لئے ڈرائیور نے کہا کہ سب لوگ اتر جاؤ کل جانا۔ مجبوراً ہم لوگ اتر گئے دوسرے دن یعنی جمعہ ۱۴ شوال (۲۶ جون) کو علی الصبح بھائی صاحب، بھاوج صاحبہ اور حمیدن بائی مکہ معظمہ کو روانہ ہوئے اور ہم لوگ عصر کے بعد مدینہ طیبہ کے لئے موٹر میں سوار ہوئے۔ مقررہ تعداد سے دو آدمی زیادہ تھے۔ اس لئے پولیس نے اجازت نہیں دی کہ موٹر روانہ ہو۔ موٹر پولیس کے دفتر سے واپس آکر پھر اسی مقام پر کھڑی ہوگئی جہاں سے روانہ ہوئی تھی۔ موٹر والوں نے ہم دونوں سے کہا کہ اتر جاؤ۔ کچھ پریشانی محسوس ہوئی تو میں نے مراقبے میں حضور اکرم ﷺ سے اپنی پریشانی عرض کی۔ بحمد اللہ فوراً خاص اجازت مل گئی کہ ان دو شخصیتوں کو بس سے نہ اتارا جائے۔ چناں چہ ہم لوگ جمعہ کو مغرب سے کچھ پہلے جدہ سے روانہ ہوئے۔ رابق تک راستہ پختہ ہے اور Tar Road ہے۔ اس کے بعد کچا، پتھریلا یا ریگستانی راستہ ہے۔ شنبہ کو دوپہر کے وقت موٹر کا ایک ٹائر پھٹ گیا۔ اتفاق سے مجھے جاننے والے ایک صاحب ٹرک سے گزرے اور ہم سب کو آگے ایک منزل پر ٹھہرا دیا۔ کچھ دیر کے بعد ٹائر درست ہوا اور موٹر ہماری منزل پر پہنچ گئی۔ ہم لوگ منزل بہ منزل ٹھہرتے ہوئے شنبہ کی رات (شب یک شنبہ) ذوالحلیفہ (بئر علی) عشاء کے وقت پہنچے اور رات کو وہیں قیام کیا۔ پھر یک شنبہ ۱۶ شوال (۲۸ جون) کو فجر کی نماز کے

Marfat.com

بعد صرف تین میل کی مسافت طے کر کے دیارِ حبیب ﷺ پہنچے۔ دور سے گنبد خضرا نظر آیا، تو میں بے قابو ہو کر موٹر کے اندر ہی کھڑا ہو گیا۔ آنکھوں نے بھی ارمان نکالنا شروع کیا۔ مدینہ طیبہ کے معلم ہر شہر اور صوبے کے لئے الگ الگ ہیں۔ جبل پور والوں کے لئے حمزہ تھے۔ لیکن ان کا انتقال ہو چکا تھا۔ اس لئے ان کے بھائی علی ابوالجود انصاری، جبل پور والوں کے معلم ہیں۔

لیکن ہم لوگ حضرت شاہ صاحب کے ساتھ مولانا عبدالغفور صاحب کے دولت کدے پر ٹھہر گئے اور ظہر کے وقت روضہ اقدس پر سلام کے لئے حاضر ہوئے۔ دوشنبہ ۱۸ شوال (۲۹ جون) کو مغرب سے پہلے حضور اکرم ﷺ (روحی فداہ) اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی بحمد اللہ مراقبے میں زیارت نصیب ہوئی۔ اللہ پاک کا لاکھ لاکھ شکر اور احسان ہے۔ بڑی رقت رہی۔ الحمد اللہ!

دوشنبہ کو بعد ظہر علی ابوالجود انصاری کے یہاں ہم دونوں دعوت میں گئے۔ حمزہ مرحوم کے صاحبزادے احمد کو دس ریال بہ طور ہدیہ پیش کئے۔ شام سے قبل مدینہ منورہ کے بازار کی سیر کی۔ ظفر احمد اور سراج احمد کے لئے ڈیڑھ ڈیڑھ ریال کی ٹوپیاں خریدیں۔ ایک سفید ٹوپی دو ریال میں اس عاجز نے اپنے لئے خریدی۔

چہار شنبہ ۲۰ شوال (یکم جولائی) کو مغرب سے پہلے مراقبے میں حضور اکرم ﷺ مع صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زیارت نصیب ہوئی۔ تھوڑی دیر میں حضرت دائی حلیمہ تشریف لائیں تو سب بزرگوں نے ان کی تعظیم کی اور وہ درمیان میں بیٹھ گئیں۔ بڑی رقت ہوئی اور بہت لطف آیا۔ حضور اکرم ﷺ نے خاص شفقت فرمائی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ نے بھی ایک اُچٹتی ہوئی نظر ڈالی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو استغنائے کمال حاصل ہے اور انہیں سوائے حضور اکرم ﷺ کے عشق کے کچھ اور پرواہ نہیں۔ عجیب شان ہے۔

پنج شنبہ ۲۱ شوال (۲ جولائی) کو فجر کے وقت جنت البقیع کی زیارت نصیب ہوئی۔ تمام مزارات ڈھا دیئے گئے ہیں۔ بڑا قلق ہوا۔

جمعہ ۲۲ شوال (۳ جولائی) کو مراقبے میں حضرت فاطمہؓ کو علیحدہ ایک گوشے میں اور حضرت بلالؓ، حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کو حضور اکرم ﷺ کے قریب دیکھا۔ الحمد اللہ!

شنبہ ۲۳ شوال (۴ جولائی) کو نماز فجر کے بعد مسجد قبا، مزار اقدس حضرت امیر حمزہؓ و شہدائے، احد، مسجد قبلتین، مسجد فتح وغیرہ مقامات کی زیارت کی۔ الحمد اللہ رات کو حضور اکرم ﷺ کی خاص شفقت رہی۔ الحمد اللہ!

یک شنبہ ۲۴ شوال (۵ جولائی) کو نماز فجر کے بعد جنت البقیع کی پھر زیارت کی اور خصوصاً سیدنا عثمان غنیؓ کی زیارت نصیب ہوئی۔ الحمد اللہ۔ وہیں حضرت شاہ احمد سعید دہلویؒ کا مزار ہے۔

سہ شنبہ ۲۶ شوال (۷ جولائی) کو صبح مولانا بدر عالم صاحب سے ملاقات کے لئے گئے۔ مولانا عبدالغفورؒ صاحب کے دولت کدے کے سامنے شمس العلماء پروفیسر عبدالغنی صاحب رہتے ہیں۔ تین سال سے وہ یہیں ہیں۔ انہوں نے ہماری دعوت کی۔ شام کو مغرب سے پہلے حضور اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بالکل صاف زیارت نصیب ہوئی۔ الحمد اللہ! مغرب کے بعد کھجوریں خریدیں۔

Marfat.com

چہار شنبہ ۲۷ شوال (۸ جولائی) کو فجر کے بعد جنت البقیع کی پھر زیارت کی اور حضرت عثمان غنیؓ اور متعدد آل واصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زیارت اچھی طرح نصیب ہوئی۔ الحمد للہ! واپسی میں حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے مکان میں دو نفلیں پڑھیں اور حضرت عثمانؓ کے مشہد کو پھر دیکھا۔ شام کو (مغرب سے پہلے) سرورِ کائنات ﷺ اور حضرت ابو ہریرہؓ کی زیارت نصیب ہوئی۔ پھر جنگ احد میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی صف آرائی دکھائی گئی۔ بڑی رقت رہی اور پھر زیادہ فرحت بھی نصیب ہوئی۔ اللہ پاک کا لاکھ لاکھ شکر اور احسان ہے۔

پنج شنبہ ۲۸ شوال (۹ جولائی) تہجد اور فجر کے درمیان ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی بہ عہدِ طفلی زیارت نصیب ہوئی۔ الحمد للہ! سبز لمبا کرتہ زیب تن تھا۔ حضرت فاطمۃ الزہراءؓ کو دو مرتبہ سنہرے حلے میں دیکھا الحمد للہ! شام کو آنحضرت ﷺ نے پھر اس ذرہ بے مقدار کو نوازا۔ الحمد للہ!

جمعہ ۲۹ شوال (۱۰ جولائی) آج فجر کے بعد اہلیہ کے ساتھ جنت البقیع کی زیارت کی اور دوسرے قریب کے مقدس مقامات پھر دیکھے۔ قبل نماز جمعہ، قبل مغرب اور قبل عشاء حضور اکرم ﷺ (روحی فداہ) نے پھر شرف بخشا) الحمد للہ! آج زکام اور کھانسی کی دوا ڈاکٹر عبدالرحمٰن خاں صاحب سے لایا۔ جزاہ اللہ فی الدارین خیراً۔ شمس العلماء پروفیسر عبدالغنی صاحب کے یہاں بعد نماز عصر حاضری دی۔

شنبہ ۳۰ شوال (۱۱ جولائی) کو پھر مسجد قباء، مسجد قبلتین، مسجد الفتح اور روضہ حضرت امیر حمزہؓ وغیرہ (کوہ اُحد) کی زیارت حاصل کی۔ شام کو پھر سرور کائنات ﷺ (روحی فداہ) نے شرف بخشا۔

یک شنبہ۔ آج بعد ظہر حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے دولت کدے پر چوتھی بار حضور اکرم ﷺ کی کمان کی زیارت کی، جو سرور عالم ﷺ نے جنگ اُحد کے موقع پر حضرت سعد ابن وقاصؓ کو مرحمت فرما کر اس طرح فرمایا تھا: **اِرمِ یَا سعد فِدَاکَ اَبِی وَاُمِّی** (صحیح بخاری)۔ یہ کمان ایک بڑے صندوق میں رکھی ہوئی ہے جو سلطان عبدالمجید خاں مرحوم نے تیار کرایا تھا اور اسی کے اندر یہ حدیث درج ہے۔ اسی صندوق میں حضرت فاطمہؓ کا تالا (لکڑی کا) رکھا ہوا ہے، اور حضرت عثمان غنیؓ کے قرآن پاک کی نقل بھی ہے۔

دوشنبہ ۲ ذی قعدہ (۱۳ جولائی) کی فجر کی نماز کے بعد حضور سرور کائنات ﷺ کے والد حضرت عبداللہؓ کے مزار کی زیارت کی، اُن سے پہلے اسی گلی میں حضرت عکاشہؓ کا مزار ہے۔ قریب ہی دوسری گلی کے سرے پر حضرت مالک ابن سنانؓ کے مزار کی زیارت نصیب ہوئی۔ پھر حضرت فاطمۃ الزہراءؓ، حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت علیؓ، حضرت بلالؓ، حضرت عمر فاروقؓ کی مسجدیں اور مسجد الغمامہ (جس میں حضور اکرم ﷺ نماز عید ادا فرماتے تھے) دیکھیں اور نفلیں پڑھیں۔ الحمد للہ!

سہ شنبہ ۳ ذی قعدہ (۱۴ جولائی) آج فجر کے بعد حضور سرورِ کائنات ﷺ کے والد صاحب حضرت عبداللہ اور صحابی حضرت مالک ابن سنانؓ کے مزارات کی دوبارہ زیارت کی۔ اور حضرت بی بی فاطمہؓ کی مسجد میں نماز نفل ادا کی۔ ظہر کے وقت حضور اکرم ﷺ نے خاص طور پر نوازا۔ اور جناب مولانا منظور حسین صاحب سے، جو سیدنا حضرت عثمان غنیؓ کے مکان میں

Marfat.com

رہتے ہیں، دومرتبہ دیر تک ملاقات ہوئی۔ افریقہ کے سیٹھ عبدالرحمٰن سے بھی ملاقات کی۔

چہار شنبہ ۴ ذی قعدہ (۱۵ جولائی) آج فجر کے بعد مسجد سجدہ (ابوذر غفاریؓ کی مسجد) مسجد الاجابہ، مسجد مائدہ وغیرہ میں نفلیں پڑھیں اور واپسی میں جنت البقیع کے پیچھے حضرت فاطمہ (حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی والدہ) اور حضرت ابوسعید خدریؓ (راوی احادیث) کے مزارات پر حاضری دی۔ الحمدللہ!

پنج شنبہ ۵ ذی قعدہ (۱۶ جولائی) آج کوہِ احد کی طرف فجر کے بعد پیدل روانہ ہوئے اور راستے کی کئی مقدس مسجدوں میں نفلیں پڑھیں۔ پھر اُحد کے اس مقام تک گئے جہاں حضور اکرم ﷺ کا دندانِ مبارک شہید ہوا تھا۔

وہاں پولیس والے جانے نہیں دیتے تھے۔ آج مغرب سے پہلے حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین (خصوصاً حضرت عمر فاروقؓ) کی زیارت نصیب ہوئی۔ الحمدللہ!

شنبہ ۷ ذی قعدہ (۱۸ جولائی) مغرب کی نماز کے بعد مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے اور رات پھر موٹر میں سفر کرتے رہے۔ صبح رابق پہنچے اور دن بھر قانون کے مطابق سفر سے احتراز کیا۔ پھر عصر کے قریب روانہ ہو کر مغرب کے بعد اور عشاء سے پہلے جدہ پہنچے، اور بغیر قیام کئے وہاں سے روانہ ہو کر رات کو مکہ معظمہ پہنچے۔ الحمدللہ! پیر کی صبح طواف اور عمرہ ادا کیا۔ صفا اور مروہ بھی ہو آئے اور دن میں حرم شریف کئی مرتبہ جانے کا موقع نصیب ہوا۔ الحمدللہ!

مدینہ طیبہ سے واپسی پر مکہ معظمہ میں طواف اور نماز کے ادا کرنے کا موقع خوب نصیب ہوتا ہے۔ اللہ پاک کا بڑا کرم اور احسان ہے۔ الحمدللہ! لیکن مدینہ طیبہ کی برکات دوسری نوعیت کی ہیں جن کے لئے آنکھیں اشک بار ہیں اور دل بے قرار ہے۔ ہائے مدینہ۔ مکہ معظمہ میں طواف کے بعد ملتزم پر دومرتبہ دعا کی کہ اللہ پاک! میری سب سے بڑی اور خاص دعا یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ پر ہر دم لاکھوں اور کروڑوں درود وسلام بھیج۔ اس دعا پر زمین سے آسمان تک جنت کے مناظر نظر آنے لگے اللہ اکبر! الحمدللہ! پھر یہ سعادت بارہا نصیب ہوئی۔

ہندوستان اور پاکستان کے بعض بڑے بڑے اولیائے کرام (رحمہم اللہ تعالیٰ) کے مزارات پر حاضر ہونے سے انوارات وتجلیات کی وجہ سے دل بے قابو ہو جاتا تھا اور کبھی کبھی عجیب حالت ہو جاتی تھی۔ اسلئے خیال تھا کہ مدینہ طیبہ میں مزار اقدس کے سامنے میرا انتقال ہو جائے گا لیکن وہاں عجیب قسم کی تسکین اور طمانیت حاصل ہوتی ہے۔ دل میں اگر جوش زیادہ بھی ہو جاتا ہے تو فوراً تسکین کی فراوانی سے جوش ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ عجب شان ہے۔ الحمدللہ!

سہ شنبہ ۸ ذی الحجہ (۱۸ اگست) کو صبح منیٰ روانہ ہوئے اور چہار شنبہ ۹ ذی الحجہ کو عرفات میں حج ادا کیا۔ الحمدللہ! مغرب کے وقت وہاں سے مزدلفہ روانہ ہوئے۔ رات بھر وہاں رہے اور جمعرات کو طلوع آفتاب کے بعد مزدلفہ سے پھر منیٰ کو روانہ ہوئے۔ زوال سے پہلے وہاں پہنچ گئے تھے۔ چنانچہ فوراً کنکریاں مارنے چلے گئے اور واپسی پر عصر کے بعد قربانی کی۔ پھر جمعہ وہیں گزار کر شنبہ ۱۲ ذی الحجہ (۲۲ اگست) کو کنکریاں مارنے کے بعد (ظہر کے بعد) منیٰ سے مکہ معظمہ واپس آگئے۔ الحمدللہ۔ اللہ پاک کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ بڑی آسانی کے ساتھ اور بغیر کسی تکلیف کے ہر کام پورا ہو گیا۔ الحمدللہ!

Marfat.com

۱۹۶۱ء میں عمرہ بھی نصیب ہوا۔عزیزم حمید اللہ خاں نے بحری جہاز کے چار مفت ٹکٹ دوسرے درجے کے حاصل کئے۔اُن کے ساتھ شعور احمد فاروقی صاحب، بشیر اللہ صاحب اور راقم الحروف تھا۔راستے میں عدن پر کئی گھنٹے جہاز ٹھہرا، تو ہم لوگ وہاں شہر دیکھنے بھی گئے تھے۔جدہ میں امین الدین صاحب جبل پوری تشریف لے آئے تھے۔ان کی وجہ سے ہم لوگوں کو بہت سہولت رہی۔اُن کے ساتھ ہم لوگ سیدھے مدینہ منورہ روانہ ہوئے۔راستے میں بدر شریف آتا ہے۔وہاں کے موٹر اسٹینڈ سے وہ جگہ جہاں حضور انور ﷺ تشریف فرما تھے اور غازیوں کی رہبری فرما رہے تھے، مشکل سے دو سو گز دور ہوگی۔ہماری موٹر نئی تھی اور اسکا چلانے والا شہدائے بدر (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے مزارات تک لے جانے سے انکار کر رہا تھا۔اس لئے ہم نے ۵ ریال میں ایک بس لے لی۔وہاں بہت بسیں رہتی ہیں۔بس میں بیٹھ کر مزارات تک گئے۔فاتحہ پڑھ کر تھوڑی دیر مراقبہ کیا۔پھر واپس آکر موٹر میں بیٹھ گئے اور تہجد کی اذان سے پہلے مدینہ منورہ پہنچ گئے۔سامان باہر ہی ایک چائے والے کے یہاں رکھ دیا اور سیدھا حضور انور ﷺ کے مواجہہ شریف میں حاضر ہوا۔بڑی شفقت فرمائی۔فجر کی نماز کے بعد حضرت مولانا عبدالغفور صاحب مدظلہ کی خدمت میں ہم لوگ پہنچے۔وہ بھی بڑی ہی محبت سے پیش آئے۔پورے دس دن وہاں کا قیام نصیب ہوا اور تمام مقامات میں حاضری ہوئی۔پھر مکہ معظمہ کو روانگی ہوئی۔وہاں بھی تہجد کے وقت پہنچے۔پانچ دن قیام کیا اور ہر روز عمرہ کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔پھر عبدالقادر صاحب جبل پوری کی معیت میں ایک دن غار حرا کی حاضری بھی نصیب ہوئی۔میرے رفقاء نے میری بڑی مدد فرمائی۔(**جزاهم الله فی الدارین أحسن الجزاء**) بہت سا پانی، برف اور انناس وغیرہ ساتھ رکھ لیا تھا کیوں کہ ذرا اوپر چڑھنے سے پیاس لگتی ہے۔وہاں بغیر پانی کے جانا اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔تعجب ہے کہ حضور انور ﷺ کس طرح پہنچ جاتے تھے اور ام المومنین حضرت خدیجہؓ بھی کھانا وغیرہ کس طرح پہنچاتی تھیں۔غار حرا تک پہنچنے میں چڑھائی بہت آتی ہے۔پھر جب پہاڑ پر پہنچ جاتے ہیں تو ایک چھوٹا سا گڑھا ملتا ہے جس میں کبھی بارش کا پانی جمع ہو جاتا ہوگا۔وہاں سے آگے بڑھنے پر وہ مقام آتا ہے جہاں ایک بار حضور اکرم ﷺ کا شقِ صدر ہوا تھا۔وہاں سے آگے جانے پر ایک تنگ راستے سے کچھ قدم نیچے اترنا پڑتا ہے۔پھر ترچھے ہو کر آگے بڑھتے ہیں تو ایک اور غار ہے۔پھر ذرا آگے غارِ حرا ہے جو مثلث کی طرح ہے۔یعنی ٹھیک سر کے اوپر ایک زاویہ ہے اور اُس زاویے سے خانہ کعبہ بالکل سامنے پڑتا ہے۔

ایک دن ہم لوگ جنت المعلےٰ، جبل عرفات، مزدلفہ، منیٰ وغیرہ تمام مقامات تک پہنچے۔پھر پانچ دن کے قیام کے بعد بحری جہاز سے واپس ہوئے۔الحمد اللہ مدینہ طیبہ کے اس قیام کے زمانے میں بارہا حضور انور ﷺ نے ذرہ نوازی فرمائی۔اور خیال ہے کہ ایک قطب سے بھی ملاقات ہوئی۔الحمد اللہ! مکہ معظمہ کے قریب کے مقامات کی بھی حاضری نصیب ہوئی۔

اس مرتبہ مدینہ طیبہ میں ایک عجیب واقعہ ظہور میں آیا۔وہ یہ کہ حضور انور ﷺ کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا کہ یکا یک عرش کا ایک ٹکڑا آسمان سے اترتا ہوا نظر آیا۔اس کے انوار و تجلیات کا ذکر زبان وقلم کی قوت سے باہر ہے۔اس کا فرش اس قدر مرصع ومطلا تھا کہ اس کے لئے کوئی تشبیہ واستعارہ پیش نہیں کیا جا سکتا۔پھر دیکھا کہ سیاہ لباس پہنے ہوئے بکثرت ملائکہ رکوع میں مستقل کھڑے ہوئے ہیں۔اس عاجز پر بڑا رعب وجلال طاری ہوا۔اور ساتھ ہی یہ اندازہ بھی ہوا کہ رب العالمین کس طرح

Marfat.com

رحمتہ اللعالمین ﷺ کا شیدائی ہے۔ سبحان اللہ!

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَلْفُ اَلْفُ مَرَّۃً ۔

۱۹۶۴ء میں محترم بشیر اللہ صاحب، حمید اللہ صاحب اور شعور احمد صاحب ساتھ تھے۔ ۶ اپریل کو روانہ ہوئے تھے۔ سہ شنبہ ۲۱ اپریل کو حج تھا۔ عرفات میں بڑی رقت طاری رہی۔ شب جمعہ ۲۴ اپریل کو مسجد خیف (منیٰ) میں حاضری نصیب ہوئی۔ وہاں کی مسجد میں صحن کے آخر میں ایک قبہ ہے۔ وہاں حضور انور ﷺ قیام فرمایا کرتے تھے۔ ہم لوگوں کو بھی وہاں قیام کی سعادت نصیب ہوئی۔ مسجد کے مسقف حصے کے ساتھ صحن جہاں سے شروع ہوتا ہے وہاں داہنی طرف حضرت آدم علیہ السلام کا مزار شریف ہے۔

وہ وہاں تشریف فرما تھے اور بہت سے بلکہ سبھی انبیاء علیہم السلام وہاں موجود تھے۔ مثلاً ابراہیم علیہ السلام، اسماعیل علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام، داؤد علیہ السلام، زکریا علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام، یحییٰ علیہ السلام، عزیر علیہ السلام اور اصحاب کہف علیہم السلام وغیرہ۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام زرق برق لباس میں نظر آئے۔ اُن کے داہنے کندھے سے بائیں پہلو تک ایک سنہرا حلقہ (Belt) تھا۔ اور وہ ایک منتظم کی حیثیت سے چل پھر رہے تھے۔ درمیان میں حضور انور ﷺ ایک نہایت حسین تخت پر جلوہ فرما تھے۔ کچھ سیاہ فام انبیاء علیہم السلام بھی نظر آئے جو ایک نورانی دریا میں غرق نظر آرہے تھے اور صرف اُن کا سر نظر آرہا تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا لباس زرد رنگ کا تھا اور اُس میں جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام بڑے حسین اور جیم شحیم تھے۔ وہ کسی انتظام میں تھے اور چکر لگا کر حضرت آدم علیہ السلام کے قریب کھڑے ہوجاتے تھے۔

۱۴ ذی الحجہ (۲۶ اپریل) کو مکہ معظمہ میں بھی عصر کے بعد اسی طرح کا منظر نظر آیا۔ (پھر کئی سال تک کم و بیش اسی طرح کا منظر مسجد خیف میں نظر آتا رہا)۔

۱۹۶۶ء میں ہم لوگ دوشنبہ ۲۲ مارچ کو کراچی سے روانہ ہوئے عصر کے بعد جدہ پہنچے۔ شہر سے کچھ رقم لینی تھی اس لئے جدہ میں کچھ دیر کے لئے ٹھہرنا پڑا۔ عشاء کے بعد مکہ معظمہ پہنچے۔ نماز کے بعد دو (۲) طواف اور دو (۲) سعی کی۔ پھر تہجد کا وقت ہوگیا۔ اشراق کے بعد (۸ ذی الحجہ) کو منیٰ کے لئے روانہ ہوئے۔ وہاں (منگل کو) قیام کیا اور دوسرے دن حج کے لئے (بدھ کو) عرفات میں حاضر ہوئے۔ وہاں سے مغرب کے بعد مزدلفہ کے لئے روانہ ہوئے۔ وہاں رات قیام رہا۔ سخت ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ دوسرے دن یعنی جمعرات کو منیٰ واپس پہنچے۔ ۱۲ ذی الحجہ کی رات میں مسجد خیف میں حاضری ہوئی۔ صحن کے آخر میں (وسط میں) جو قبہ ہے۔ وہاں قیام کیا۔ مسجد کے مسقف حصے کے بعد داہنی طرف جہاں سے صحن شروع ہوتا ہے، وہاں حضرت آدم علیہ السلام کا مزار مبارک ہے۔ بعض دوسرے انبیاء علیہم السلام کے مزارات بھی ہیں لیکن ظاہر نہیں ہیں۔ مراقبہ میں بیٹھا تو حضرت آدم علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت یحییٰ علیہ السلام اور اصحاب کہف علیہم السلام نظر آئے (بلکہ اُن کا غار بھی نظر آیا) یہ سب انبیاء علیہم السلام تشریف رکھتے تھے لیکن حضور انور ﷺ کا تخت سب سے اونچا تھا۔ اس مرتبہ سب انبیاء علیہم السلام نظر نہیں آئے، جس طرح پہلے نظر آئے تھے۔ میں نے حضرت آدم علیہ السلام

Marfat.com

سے عرض کیا کہ اس مرتبہ کم نظر آرہے ہیں، ایسا کیوں ہے؟ فرمایا کہ بیٹے تم بہت دیر سے آئے ہو۔ اس لئے سب انبیاء علیہم السلام نہیں ہیں، (کچھ اسی طرح کے الفاظ تھے)

پھر ہم لوگ اُسی دن (سنیچر کو) مغرب سے کچھ پہلے مکہ معظمہ پہنچے۔ وہاں سے پیر کے دن عصر کے وقت جدہ کو روانہ ہوئے اور وہاں سے تہجد کے وقت مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ حیدر آباد میں اس عاجز نے دعا کی تھی کہ سفر میں میری مدد کے لئے صابر حسین (مرحوم) کو میرے ساتھ کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ دعا قبول فرمالی۔ چنانچہ میں جب مدینہ منورہ میں حضور انور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو عین شفقت سے حضور انور ﷺ نے فرمایا کہ ''تمہارے صابر حسین آگئے''؟ (کچھ اس طرح کے الفاظ تھے) پھر حضور انور ﷺ نے مجھ حقیر کے سر پر اپنا دست مبارک رکھا۔ ایک دن اپنی چادر مبارک بھی میرے سر پر رکھی۔ کس زبان سے شکر ادا ہو سکتا ہے۔ حضرت دائی حلیمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بھی بڑا کرم فرمایا۔

الحمد للہ۔ الحمد للہ۔ الحمد للہ

۱۸ جنوری ۱۹۷۱ء کو عراقی ایئر لائن سے بغداد شریف (اور وہاں سے جدہ) گئے۔ ہم لوگ اُس وقت گیارہ افرد تھے۔ بعد میں دوسرے حضرات بھی شامل ہو گئے تھے۔ بغداد شریف رات کو پہنچے تھے۔ وہاں بیس گھنٹے ٹھہرنا پڑا۔ اس وقت کو غنیمت جانتے ہوئے سولہ گھنٹے سفر کیا۔ عمدہ ٹیکسی مل گئی تھی۔ اٹھارہ پونڈ ٹیکسی والے کو دیئے۔ بہت خوش ہوا۔ ہم لوگ پہلے حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ رات کو بھی وہاں ذکر جہر ہو رہا تھا۔ پھر امام ابوحنیفہ قدس سرہ کے مزار پر حاضری دی۔ وہیں بہت خوبصورت مسجد تھی۔ مزار بھی بہت خوبصورت تھا۔ رات کو بھی وہاں طلبہ پڑھ رہے تھے۔ پھر امام موسیٰ الکاظمؓ اور انہی کے ساتھ امام تقیؓ کے یہاں حاضر ہوئے۔ انہی کے احاطے میں امام یوسف رحمتہ اللہ علیہ اور دوسرے صوفیہ بھی آرام فرما ہیں۔ میں نے ایک شیعہ سے کہا کہ یہ سب حضرات یا شیعہ ہوں گے یا سب سنی ہوں گے کہ سب ایک ساتھ آرام فرما ہیں۔ وہ شخص جواب نہ دے سکا۔ پھر قریب ۲۵ میل کے فاصلے پر مدائنک شہر گئے۔ وہاں حضرت سلمان فارسیؓ کا مزار شریف ہے۔ وہیں بعد میں حضرت حذیفہ الیمانیؓ اور حضرت جابر بن عبداللہ بھی ۱۳۵۱ھ (۱۹۳۳ء) میں دفن کر دیئے گئے۔ کیوں کہ انہوں نے عراق کے شاہ فیصل کو خواب میں بتایا تھا کہ دریا کا پانی ان کے قریب آرہا ہے۔ وہاں سے ہم لوگ قریب ۴ بجے صبح کو کربلائے معلیٰ روانہ ہوائے۔ غالباً سوا سو میل کا فاصلہ تھا۔ حضرت عباسؓ کے مزار کے احاطے میں ہم لوگوں نے فجر کی نماز باجماعت ادا کی۔ پھر حضرت امام حسینؓ کے مزار پر حاضری دی۔ پھر نجف اشرف گئے۔ وہاں حضرت علیؓ کے مزار پر پہنچے۔ وہاں کعبہ کی طرح ہر طرف سے لوگ نماز اور سجدہ ادا کرتے تھے۔ حضرت علیؓ نے مجھ حقیر پر نظر کرم فرمائی۔ اس طرح سمجھ میں آیا کہ ''میں تمہاری وجہ سے یہاں آگیا ہوں، یہاں نہیں ہوں'' وہاں سے فارغ ہو کر ہوائی اڈے پر (بغداد شریف) پہنچے۔ دن میں ایک بجے کے قریب وہاں سے جدہ کے لئے روانہ ہوئے اور سیدھے مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے۔ اس مرتبہ بھی حضور انور ﷺ کی بڑی شفقت رہی۔ کئی مرتبہ زیارت نصیب ہوئی، کبھی صحابہ کرامؓ کے ساتھ، کبھی ازواج مطہراتؓ اور کبھی صاحبزادیوںؓ کے ساتھ۔ پھر ایک مرتبہ دیکھا کہ عرش کا ایک حصہ وہاں پہنچا ہوا ہے اور فرشتے مؤدب کھڑے ہیں۔ اوپر سے گھٹنوں تک سفید لباس

Marfat.com

اور گھٹنوں کے نیچے سیاہ لباس تھا۔ بہت خوبصورت تھے اور بخاری حضرات کے ہم شکل معلوم ہوتے تھے۔

۷ ذی الحجہ (۳ فروری ۱۹۷۱ء) کو ہم لوگ مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ روانہ ہوئے اور حج سے فارغ ہو کر (حج جمعہ ۵ فروری کو تھا) جدہ سے بغداد شریف اور وہاں سے کراچی پہنچے۔ بغداد کے ہوائی اڈے پر سخت بارش ہو رہی تھی اور اس لئے ہم لوگ وہاں سے کہیں نہیں گئے تھے۔

ایک مرتبہ مراقبہ میں حضرت سلمان فارسیؓ کو طواف کرتے ہوئے دیکھا۔ چہرے پر جھریاں پڑی ہوئی تھیں۔ قد درمیانی تھا اور ہمارے محترم مولانا ابوالفتح صغیر الدین صاحب مرحوم (صدر اسلامیات، سندھ یونیورسٹی) سے مشابہت تھی۔ بہت بھولے بھالے اور بڑی پیاری شکل تھی۔ اُن سے مجھے بہت عقیدت ہے۔ میں ''اقبال اور قرآن'' کتاب لکھ رہا تھا۔ ایک جگہ ان کا ذکر آیا جی چاہا کہ کاش ان کا ذکر قرآن پاک میں مل جائے۔ یکا یک یُؤتکم کفلین (دو لفظ) دل میں القا ہوئے (الحدید۔۲۸) تفسیر میں دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ انہی کی شان میں ہیں۔

۲۷ دسمبر ۱۹۷۲ء کو پھر حج کے لئے روانگی ہوئی۔ محترم ڈاکٹر عبدالواحد ہالے پوتہ صاحب، اُن کی بیگم محترمہ آپا امینہ صاحبہ، محترمہ امیر بانو صاحبہ، محترمہ آمنہ بھٹا صاحبہ، ڈاکٹر عبدالقدوس صاحب، ان کی بیگم حجاب تسنیم صاحبہ، عبدالہادی خاں صاحب، انیس الرحمٰن صاحب، ضمیر صاحب، محمد صدیق صدیقی، عبدالقدیر صاحب، ڈاکٹر محمد ابراہیم صاحب اور عبدالرحیم عقیلی صاحب ساتھ تھے۔ میرے داہنے گھٹنے میں قریب ڈھائی ماہ سے تکلیف تھی۔ کرسی میز پر نماز پڑھا کرتا تھا۔ ۲۸ دسمبر کو جب مدینہ منورہ کے لئے ہم لوگ روانہ ہوئے تو راستے میں ظہر کی نماز ایک مسجد میں پڑھی۔ بحمد اللہ مطلق کوئی تکلیف نہ تھی۔ بڑا کرم ہوا۔ قریب ۱۲ گھنٹے کے سفر کے بعد مدینہ منورہ پہنچے۔ وہاں حضرت مولانا عبدالغفور صاحب کے مکان پر حسب معمول پہنچے تو وہاں جگہ نہیں تھی، اس لئے قریب ہی ایک اور مکان میں قیام کیا۔ جمعہ ۲۹ دسمبر کو تہجد اور فجر تک حضور انور ﷺ کی خدمت میں حاضری دی۔ دیدار سے مشرف فرمایا۔ سب جماعت کے لئے دعا کی درخواست کی تو حضور انور ﷺ کے قریب یہ طغری نظر آیا: **''طوبیٰ لَهُمْ وحُسن مآب''** بڑا کرم اور احسان تھا۔ ۷ ذی الحجہ ۱۱ جنوری ۱۹۷۳ء کو مدینہ منورہ سے روانگی ہوئی۔ ۱۱ ذی الحجہ کی شام کو رمی کے بعد عبدالرحیم عقیلی صاحب پر دل کا دورہ پڑا اور وہ فوت ہوگئے۔ انّا للہ وانّا الیہ راجعون ۲۱ جنوری کو مکہ معظمہ سے جدہ اور ۲۲ جنوری کو کراچی پہنچے۔

خواجہ معین الدین چشتی اجمیری قدس سرہ، اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی عنایتیں

مجھ سیاہ کار کی روحانی تربیت حضرت شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فرمائی ہے۔ ایک مرتبہ روحانی پرواز سے میں گرنے لگا تو فوراً حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری قدس سرہ نے مجھے تھام لیا۔

یک شنبہ ۷ رجب ۱۳۵۶ھ کو دیکھا کہ اجمیر شریف حاضر ہوا ہوں حضرت خواجہ صاحب علیہ الرحمہ کو دیکھا کہ سیاہ ریش تھی۔ قد ذرا لمبا تھا کرتہ سفید اور لمبا تھا اور شلوار پہنے ہوئے تھے۔

Marfat.com

اسی زمانے میں ایک شب یہ خواب دیکھا کہ حضرت شیث علیہ السلام کے مزار پر حاضر ہوا ہوں۔ بہت ویران مقام تھا اور راستے میں خاردار جھاڑیاں تھیں۔

میرے والدین ماجدین اور بڑے بھائی حاجی نذیر احمد خاں صاحب چشتیہ سلسلے میں داخل تھے لیکن خالص شرعی طور پر تھے۔ ڈھول باجوں سے نفرت تھی۔ بڑے بھائی صاحب بہت مرتبہ اجمیر شریف حاضر ہوئے تھے۔ ایک مرتبہ وہاں کچھ لوگ بیٹھے ہوئے یہ کہہ رہے تھے کہ اگر کوئی شخص یہاں سات مرتبہ حاضر ہوتا ہے تو حضرت خواجہ صاحب کی زیارت عالم بیداری میں ہو جاتی ہے۔ بھائی صاحب نے یہ بات سنی تو بہت رنجیدہ ہوئے کہ میں اتنی بار حاضر ہوا ہوں لیکن مجھے تو زیارت نصیب نہیں ہوئی۔ اسی رنج میں ایک گوشے میں بیٹھے ہوئے تھے کہ یکا یک ایک بزرگ سلام کر کے قریب بیٹھ گئے اور دریافت کیا کہ آپ کیوں رنجیدہ ہوں؟ بھائی صاحب نے عرض کیا میں تو اتنی بار حاضر ہوا ہوں لیکن مجھے زیارت نصیب نہیں ہوئی۔ انہوں نے فرمایا : ''ہو تو رہی ہے'' بھائی صاحب نے عرض کیا کہ ہاں درگاہ شریف کو تو دیکھ لیتا ہوں۔ انہوں نے فرمایا ''نہیں'' زیارت ہو رہی ہے'' تین مرتبہ اسی طرح فرما کر سلام کر کے ذرا آگے بڑھے کہ غائب ہو گئے، تب بھائی صاحب کو ہوش آیا کہ واقعی وہ خواجہ صاحب ہی ہوں گے اور اس طرح زیارت نصیب ہوئی۔ الحمد اللہ

ایک مرتبہ خواب میں اس حقیر کو حضرت خواجہ صاحب نظر آئے، فرمایا کہ تمہاری بڑی بھاوج مجھ سے ناراض ہیں۔ (بھاوج صاحبہ نے غالباً اولاد کے لئے دعا کرنے کی درخواست کی تھی اور وہ قبول نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کی یہی مرضی تھی)۔

شنبہ ۸ مئی ۱۹۴۲ء کو قبلہ والدہ صاحبہ کے ساتھ جبل پور سے ۸ بجے رات کو جاورہ کے لئے روانہ ہوئے۔ دوسرے دن قریب ۵ بجے سہ پہر کو جاورہ پہنچا۔ وہاں پٹھان ٹولی (محلّہ) میں ماموں عبدالعزیز خاں صاحب کے یہاں قیام کیا۔ والدہ صاحبہ اجمیر شریف پہلے جا چکی تھیں۔ میں نہیں گیا تھا تو چھوٹے ماموں عبدالقدوس خاں صاحب کے ساتھ جاورہ سے رات کی گاڑی میں بیٹھ کر صبح ۱۷ مئی کو اجمیر شریف پہنچا۔ وہاں مجھ سیاہ کار پر حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کا اس قدر کرم ہوا کہ وہ اپنے مزار شریف سے باہر آ کر میرے سامنے بیٹھ گئے۔ میری عجیب حالت ہوئی، ان کی دعائیں حاصل ہوئیں۔ الحمد اللہ۔ پھر دوسرے مقامات کی سیر کر کے رات کی گاڑی سے جاورہ کو واپسی ہوئی اور ۲۱ مئی کو وہاں سے جبل پور کو روانگی ہوئی۔ آخر مئی ۱۹۴۶ء میں بھی منجھلے بھائی صاحب کے ساتھ وہاں حاضر ہوا تھا۔

۱۸ جون ۱۹۴۵ء کو کلیر شریف بھی حاضر ہوا تھا۔ حضرت احمد صابر چشتی رحمتہ اللہ علیہ نے بڑی شفقت فرمائی، میرے بچپن کے دوست محمد یوسف میرے ساتھ تھے۔ حضرت رحمتہ اللہ علیہ کا لگایا ہوا گولر کا درخت موجود تھا۔ خوب گولر کھائے۔

۱۵ مئی ۱۹۴۸ء کو جبل پور سے علی گڑھ گیا۔ پھر ۲۱ مئی کو بھائی عبدالحمید صاحب سے ملنے کیلئے (جالندھر، محلّہ سید کبیر) گیا۔ راستے میں سرہند شریف کے اسٹیشن پر میری عجیب کیفیت ہو گئی۔ جی چاہتا تھا کہ گاڑی میں سے چھلانگ لگا کر حضرت مجدد الف ثانیؒ قدس سرہ کے مزار مبارک پر پہنچ جاؤں۔ خود کو بہت سنبھالا۔ جالندھر سے واپسی رات کو ہوئی تو سرہند شریف کے اسٹیشن پہنچنے پر سو گیا تھا۔

Marfat.com

ناگ پور سے ملازمت ترک کر کے جب کراچی آنے کے لئے بمبئی پہنچا وہاں (۱۸ یا ۱۹ جنوری ۱۹۴۸ء کو) ایک مسجد میں ظہر کی نماز پڑھ کر بیٹھا ہوا تھا تو اس کی دیوار پر حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے اقوال ایک بڑے کاغذ پر لکھے ہوئے نظر آئے۔ ان کا ایک قول یہ تھا: ''حق سبحانہ تعالیٰ را ازاں دوست می دارم کہ رب محمد است ﷺ'' یہ قول دیکھتے ہی میرے دل پر زبردست جھٹکا لگا اور عجیب بے قراری پیدا ہوگئی۔ میں نے دونوں ہاتھوں سے اپنے دل کو مضبوطی سے تھاما۔ ایسا لگتا تھا کہ کہیں دل کی حرکت بند نہ ہوجائے۔ بڑی دیر کے بعد دل قابو میں آیا۔ سبحان اللہ۔ ایک جملے میں ایسی نعت کسی زبان میں نظر سے نہیں گزری۔

۱۹۵۳ء میں حج سے واپسی کے بعد غالباً اکتوبر میں ہندوستان گیا اور سیونی ہوتا ہوا دہلی پہنچا۔ وہاں اُس زمانے میں بھی ۱۹۴۷ء کے ہندو مسلم فسادات کے اثرات باقی تھے۔ مسلمان اس وقت بھی سہمے ہوئے تھے۔ دہلی میں محلہ لال کنواں میں ہمدرد دواخانے کے سامنے نیو صدر ہوٹل میں ٹھہرا اور سامان ہوٹل کے کمرے میں رکھ دیا۔ پھر اس خیال سے کہ وہاں کے ہندوؤں کو مسلمانوں اور مسلمانوں کی ترکی ٹوپی سے نفرت ہے تو میں نے اپنی ترکی ٹوپی وہیں ہوٹل کے کمرے میں رکھ دی اور سفید پتلی ٹوپی لگا کر حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچا۔ وہاں مراقب ہوا ہی تھا کہ انہوں نے فرمایا ''چرا آن کلاہِ ستاری نہ پوشیدی''؟ اس سوال کا جواب سوائے ندامت اور شرم کے کیا ہوسکتا تھا؟ میں خاموش ہوگیا اور شرمندگی سے سر جھکالیا۔ پھر مراقبے سے فارغ ہوکر ہوٹل پہنچا اور پہلا کام یہ کیا کہ اپنی ترکی ٹوپی پہنی اور اسی ٹوپی کو لگائے ہوئے دہلی کے تمام مشاہیر اولیائے کرام رحمہم اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت امیر خسرو علیہ الرحمہ کو دیکھا کہ وہ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی طرف رُخ کئے ہوئے ایک شعر پڑھ رہے تھے:

''تو شمع بزم انسانی، تو نور العینی اے جانی''

ایک مرتبہ پھر اُن کی خدمت میں حاضر ہوا تو عرض کیا کہ فنا فی الشیخ کے اعلیٰ مقام پر مولانا رومؒ کے بعد آپ ہی کو دیکھا ہے تو جوشِ محبت سے آپ کا حسین ترک چہرہ تمتمانے لگا۔ حضرت نور محمد بدایونی رحمۃ اللہ علیہ جو وہیں پیچھے نالے کے پرے آرام فرما ہیں، بڑی شفقت سے پیش آئے۔ حضرت شاہ نصیر الدین چراغ دہلوی علیہ الرحمہ نے بھی بہت کرم فرمایا۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہ کی خدمت میں پہنچ کر بہت رویا اور کافروں کے مظالم جو مسلمانوں پر ہوئے تھے ان کا ذکر کیا تو حضرت علیہ الرحمہ نے غالباً یہ فرمایا کہ مسلمان اگر مسلمان بن جائے تو کہیں بھی رہے، کوئی خوف نہیں (صحیح الفاظ اب یاد نہیں رہے) یہ سب گفتگو فارسی میں ہوئی بلکہ یہ مشہور شعر بھی انہوں نے میری آمد پر فرمایا تھا:

آہستہ خرام بلکہ مخرام۔ زیر قدمت ہزار جان است

حضرت میرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ شاہ ابوسعید علیہ الرحمہ کا ایک فارسی رسالہ ''ہدایت الطالبین'' ہے وہ اُردو ترجمہ کے ساتھ شائع کردو۔ (چنانچہ بعد میں حکم کی تعمیل کی گئی) یہ بھی فرمایا کہ وہ ثلث و رقاع خطوط میں بھی بہت ماہر تھے۔ (اُن کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک بڑا قرآن شریف، مدینہ منورہ کی رباطِ مظہریہ کے کتب خانے میں موجود ہے)

Marfat.com

حضرت شاہ کلیم اللہؒ جہاں آبادی، حضرت سرمد شہیدؒ اور دوسرے بزرگوں کے یہاں بھی حاضری دی۔ پھر رات کی گاڑی سے سرہند شریف کے لئے روانہ ہوا۔ وہاں فجر کے وقت پہنچا۔ اسٹیشن ہی سے حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کی توجہات شروع ہوگئیں۔ درگاہ شریف فاصلے پر ہے۔ وہاں پہنچتے پہنچتے ہی سخت بخار شروع ہوگیا اور میں دروازے کے قریب ہی ایک کمرے میں لیٹ گیا۔ میرے رفقاء بشیر اللہ صاحب، عبدالغفار صاحب اور محمد اخلاق صدیقی صاحب کراچی سے آگئے تھے۔ وہ لوگ میرے شدید بخار کی وجہ سے بڑے پریشان تھے۔ وہ لوگ کمرے سے گئے تو حضرت مجدد الف ثانیؒ اور اُن کے پوتے حضرت خواجہ سیف الدین رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے۔ مجھے دیکھ کر مسکرائے اور پھر تشریف لے گئے۔ میرا بخار کسی طرح کم نہ ہوتا تھا۔ رفقاء قریب کی بسی (بستی) میں ڈاکٹر کی تلاش میں گئے۔ عرس کا زمانہ تھا، بڑا ہجوم تھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ہزاروں لوگوں کے ہجوم میں درگاہ شریف کی مسجد کے ایک ضعیف اور خوبصورت موذن صاحب میری تلاش میں آئے اور مسکرا کر فرمانے لگے کہ آپ یہاں روک لئے گئے ہیں اور یہ بخار وغیرہ نہیں ہے بلکہ خاص توجہات ہیں۔ دوسرے دن بھی تیز بخار رہا۔ تیسرے دن اور بھی تیز ہوگیا اور میں اس وقت تک ایک مرتبہ بھی آستانہ عالیہ میں حاضر نہ ہوسکا تھا۔ تیسرے دن مغرب کے وقت اس قدر شدت سے بخار آیا کہ مغرب کے فرض لیٹے لیٹے پڑھے اور سنتیں پڑھنے کی ہمت نہ ہوئی۔ اتنے میں حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ پھر تشریف لائے اور فرمایا۔ ''آج تو تیسرا ہی دن ہے اور کل جمعہ ہے، پرسوں چلے جانا'' میں نے اپنے رفقاء سے عرض کیا کہ آج عشاء کے وقت مجھے سرہند شریف کے لئے روانگی کے تین دن پورے ہوجائیں گے اور انشاء اللہ عشاء کے وقت میرا بخار دور ہوجائے گا۔ آپ لوگ فکر نہ کریں۔ چنانچہ ٹھیک عشاء کی اذان شروع ہوتے ہی میرا بخار غائب ہوگیا۔ میرے کپڑے پسینے سے تر ہوچکے تھے۔ اسلئے میں نے رات کے بجائے صبح کو فجر کے بعد آستانہ عالیہ پر حاضر دینے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ صبح کو حاضر ہوا تو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ مسکرا کر فرمانے لگے ''تم آگئے''؟ میں نے عرض کیا۔ جی ہاں، حضور! پھر خوب مستفیض ہوا اور بخار میں رہ چکنے کے باوجود میرے جسم میں اتنی قوت پیدا ہوگئی کہ میں پیدل ہی حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کے والد ماجد حضرت خواجہ عبدالاحد رحمۃ اللہ علیہ کے مزار اقدس پر پہنچ گیا۔ (قریب دو میل کے فاصلے پر ہے) اُن کی خدمت میں بیٹھا تو فارسی میں گفتگو فرمائی۔ اور حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا۔ ''اُو فخرِ خاندانِ من است''! میں نے عرض کیا ''اُو فخرِ اُمتِ محمد یہ است ﷺ'' میرے اس عرض کرنے پر جوش مسرت سے اُن کا چہرہ مبارک تمتمانے لگا اور مجھے بہت دعائیں دیں۔ پھر فرمایا کہ تم اب کراچی جاؤ اور فلاں دن بمبئی سے جہاز جائے گا۔ کراچی میں تمہاری والدہ تم کو یاد فرماتی ہیں۔ میں نے عرض کیا ''بہتر ہے'' پھر آستانہ عالیہ کے قریب خاندانِ مقدسہ کے دیگر بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی شفقت فرمائی پھر حضرت خواجہ محمد زبیر رحمۃ اللہ علیہ کا کرم ہوا۔ مغرب کے بعد حضرت خواجہ سیف الدین رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچا تو دیکھا کہ بہت سے سکھ لوگ جمع ہیں اور لنگوٹ باندھے ہوئے ہیں۔ اور حضرت صاحب علیہ الرحمہ اُن میں سے ایک ایک کو پکڑ کر دیوار کی ایک دراڑ سے بری طرح ٹکرا رہے ہیں۔ اور وہ لوگ بے تحاشہ بھاگ رہے ہیں۔ حضرت علیہ الرحمہ کے جلال کو دیکھ کر مودب بیٹھا رہا اور سلام عرض کر کے واپس آگیا۔ پھر عشاء کے بعد حضرت مجدد الف ثانیؒ کی خدمت میں بیٹھا تو دیکھا کہ کئی

بزرگ خدمت میں جمع ہیں اور ایک بزرگ کسی بلا کو گرفتار کر کے لائے ہیں۔ اُس بلا کی شکل عورت جیسی تھی اور بڑے بڑے آبلے یا پھوڑے تمام بدن پر تھے۔ حضرت قدس سرہ نے اس عاجز سے فرمایا "تم جاؤ، یہ وقت تمہارے لئے نہیں ہے" چنانچہ میں فوراً ہی وہاں سے مؤدب واپس جا کر اپنے کمرے میں سو گیا۔ صبح کو سنیچر تھا یعنی وہ دن جب کہ حضرت قدس سرہ کی طرف سے جانے کی اجازت تھی۔ دن کو حاضری دی۔ اور اجازت لے کر رخصت ہوا۔ اور بغیر ویزا کے پانی پت پہنچا۔ وہاں حضرت قاری عبدالرحمٰن پانی پتی علیہ الرحمہ اور اُن کے صاحبزادے قاری عبدالسلام علیہ الرحمہ کے مزارات کے قریب ہی میرے دادا پیر حضرت محمد سعید قریشی علیہ الرحمہ کا مزار ہے۔ وہاں دیر تک مراقب رہا۔ اور بہت مستفیض ہوا۔ الحمدللہ! پھر واپس سیونی آیا۔ وہاں بار بار حضرت سید محمد علیہ الرحمہ اور دوسرے بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا اور بمبئی ہوتا ہوا کراچی واپس آ گیا۔

جولائی ۱۹۵۶ء میں ہندوستان کا سفر کیا اس مرتبہ مرشدی مولانا زوار حسین صاحب ساتھ تھے، (میری اہلیہ کچھ دن پہلے بعض عزیزوں کے ساتھ ہندوستان جا چکی تھیں) کراچی سے ہم لوگ حیدرآباد پہنچے۔ وہاں سے رات کی گاڑی سے روانہ ہو کر علی الصباح کھوکھرا پار پہنچے، وہاں فجر کی نماز کی تھوڑی دیر کے بعد وہاں سے بارمیل وغیرہ ہوتے ہوئے مغرب کے وقت لونی اسٹیشن پہنچے۔ وہاں کے رس گلے مشہور ہیں۔ دن بھر کے بھوکے تھے۔ میں نے چاہا کہ رس گلے خرید لوں۔ حضرت شاہ صاحب نے منع فرمایا کہ ہندو کی بنائی چیز مت کھاؤ۔ رات بھر سفر کے بعد دوسرے دن علی الصباح اجمیر شریف پہنچے۔ حضرت شاہ صاحب نے قریب ڈھائی گھنٹے تک حضرت خواجہ صاحب قدس سرہ کی خدمت میں مراقبہ کیا۔ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ حضرت خواجہ صاحب قدس سرہ نے حضرت شاہ صاحب کو چشتیہ سلسلے کا اجازت نامہ عطا فرمایا، وہاں سے فارغ ہو کر ایک مسلمان کے ہوٹل میں کھانا کھایا۔ کچھ کھانا سفر کے لئے بھی ساتھ رکھ لیا۔ عصر کے وقت وہاں سے روانہ ہوئے، جاورہ، رتلام، کھنڈوا ہوتے ہوئے اٹارسی پہنچے۔ وہاں سے جبل پور کے لئے روانہ ہوئے۔ راستے میں ہندوؤں کے ہاتھ کا کھانا نہیں کھایا۔ کچھ آم کھا لئے۔ رات کو جبل پور پہنچے۔ اسٹیشن پر سو گئے۔ صبح کو محلہ بھان تلیا میں صابر خان صاحب کے یہاں قیام کیا۔ وہاں محلے کے جاننے والے آ گئے۔ عصر کے وقت رانی تالاب کے قبرستان میں والد صاحب کے مزار پر حاضری دی۔ مجھے ایسا ظاہر ہوا کہ والد صاحب نے حضرت شاہ صاحب سے عرض کیا "میں تو اب دنیا میں نہیں ہوں، آپ ہی میری جگہ ہیں، غلام مصطفیٰ کا خاص خیال رکھئے گا" پھر جبل پور سے ہم لوگ سیونی کیلئے روانہ ہوئے۔ راستے میں میرے سسرال میں ایک دن قیام کیا۔ پھر چھپارہ ہے۔ وہ ہمارے بزرگوں کا گاؤں تھا۔ وہاں فیلقوس محمد خان صاحب انجینا سے آ گئے اور ہم لوگوں کو اپنے ساتھ لے گئے۔ وہاں ایک دن قیام کیا۔ واپس چھپارہ آ کر سیونی کیلئے روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچ کر میں نے اپنی ممانی صاحبہ کے یہاں قیام کیا اور حضرت شاہ صاحب کو حاجی کشف الدجیٰ خان صاحب اپنے گھر لے گئے۔ سیونی میں غالباً تین دن قیام کیا۔ وہاں ناگ پور کے کمشنر مقبول احمد خاں آئے ہوئے تھے۔ وہ اپنی گاڑی میں ہم لوگوں کو ناگ پور لے گئے۔ اپنے بنگلے میں ٹھہرایا۔ پھر ہم لوگ پروفیسر سید رفیع الدین صاحب کے بنگلے پر قیام کے لئے مجبور کئے گئے۔ ان کی بڑی محبت ہے۔ انہوں نے حسب معمول پر تکلف فرمایا۔ ۲-۳ دن قیام رہا اور حضرت بابا تاج الدین رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پر بھی حاضری دی۔ ناگ پور سے اٹارسی اور بھوپال ہوتے ہوئے ہم لوگ آ گئے

Marfat.com

پہنچے۔اس سفر میں بھی حضرت شاہ صاحب نے ہندو کے ہاتھ کا کھانا نہ خود کھایا اور نہ مجھے کھانے دیا۔تاج محل دیکھنے کے بعد ایک مسلمان کے ہوٹل میں چائے پی اور بسکٹ کھائے۔میں بہت بھوکا تھا تو میں نے فوراً بسکٹ کھانا شروع کر دیا۔خوف یہ تھا کہ اس کے کھانے سے بھی کہیں حضرت شاہ صاحب منع نہ فرمادیں۔پھر آگرہ سے ہم لوگ دہلی کے لئے روانہ ہوئے۔راستے میں ایک اسٹیشن پر آم فروخت ہو رہے تھے۔وہ کچھ کھالئے، پھر شام کو ایک مسلمان کے ہوٹل میں کھانا کھایا۔میری اہلیہ جو پہلے سے لکھنادوں میں تھیں وہ اپنے بھائی اظہار الحق کے ساتھ دہلی آگئی تھیں۔اُس وقت تک ہم لوگ دہلی کے اولیائے کرام (رحمہ اللہ علیہم) کے یہاں حاضری دے چکے تھے بلکہ پانی پت میں بھی حضرت خواجہ محمد سعید قریشی علیہ الرحمہ کی خدمت میں بھی حاضری دے کر دہلی آچکے تھے۔دہلی سے ہم لوگ سرہند شریف حاضر ہوئے۔عجیب انعامات حاصل ہوئے۔بظاہر ایک انعام تو یہ تھا کہ ہم میں سے کئی کے پاس سرہند شریف کا ویزا نہیں تھا۔ہم سب ساتھ ہی بیٹھے ہوئے تھے کہ پولیس والا آیا اور ہم میں سے صرف اُن لوگوں کا پاسپورٹ طلب کیا جن کے پاس ویزا تھا۔اور جن کے پاس ویزا نہیں تھا وہ لوگ اُسے نظر ہی نہیں آئے۔ہم سب اکٹھے بیٹھے رہے۔تھوڑی دیر میں پھر وہی پولیس والا آیا اور اُس نے ان لوگوں کو پاسپورٹ واپس دے دیئے جن کے پاس وہاں جانے کا ویزا (اجازت نامہ) موجود تھا۔بڑی حیرت ہوئی۔لیکن اللہ پاک کے احسانات کا کوئی کیا شکر ادا کر سکتا ہے۔اس مرتبہ میرے شیخ حضرت شاہ زوار حسین صاحب مدظلہ اور میری اہلیہ بھی ساتھ تھیں۔اہلیہ بھی مراقب ہوئیں اور انہیں حضرت مجدد الف ثانیؒ نظر آئے تو اپنے متعلق اُن سے تین مرتبہ کچھ سوال کیا۔آپ نے ہر بار میری طرف اشارہ کر کے فرمایا ''اپنے شوہر کے ذریعے سے کہو'' عجیب اسرار ہیں اور شریعت کی پابندی ہے۔الحمد اللہ! حضرت خواجہ سیف الدین رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں بیٹھا تو اس مرتبہ یہ دیکھا کہ ایک بنگالی مسلمان کوئی فریاد لے کر حاضر ہوا ہے اور ایک ہندو بحری افسر کھڑا کانپ رہا ہے۔پھر واپسی پر حیدر آباد کے اسٹیشن پر اخبار میں دیکھا کہ اُسی دن اور اُسی وقت رنگون کے قریب ایک ہندو بحری افسر کو کسی نامعلوم طاقت نے جہاز سے باہر پانی میں پھینک دیا۔

پھر ۱۶ جولائی ۱۹۶۳ء کو کراچی سے، ہوائی جہاز سے دہلی گیا۔اور ۹ جولائی تک وہاں قیام کر کے تمام بزرگوں کی خدمت میں حاضری دی۔مسجد فتح پوری کے پیش امام مفتی محمد مظہر اللہ صاحب مدظلہ (جو میرے عزیز شاگرد پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب کے والد ہیں) اور ان کے صاحب زادگان سے بھی شرف نیاز حاصل کیا۔اور ۲۰/۲۱ جولائی کو سرہند شریف کی حاضری بحمد اللہ پھر نصیب ہوئی۔وہاں تمام بزرگوں کی خدمت میں حاضری دی۔تمام بزرگوں نے بڑا کرم فرمایا۔حضرت خواجہ محمد نقشبند ثانی رحمتہ اللہ علیہ نے (جن کے مکتوبات دو جلدوں میں شائع کرنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے) بڑی شفقت سے نوازا، وہاں دوسرے بزرگ بھی تشریف فرما تھے۔ان بزرگوں نے اس عاجز کے متعلق حضرت علیہ الرحمہ سے دریافت کیا کہ یہ کون شخص ہے؟ تو حضرت علیہ الرحمہ نے جواب دیا: ''یہ ہمارے مجدد صاحب قدس سرہ کا چہیتا ہے''۔الحمد اللہ! کہاں یہ کلمات اور کہاں مجھ جیسا سیاہ کار! قربان جاؤں اس شفقت کے!

Marfat.com

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے بعض اقوال

۱۔ حضور انور ﷺ نے عورتوں کو صرف قول سے بیعت کیا ہے اور اپنا ہاتھ ہرگز بیعت کرنے والی عورتوں کے ہاتھ میں نہیں دیا۔ (۴۱/۳)

۲۔ حیوانات کو مشائخ کی نذر کے لئے اُن کی قبروں پر ذبح کرتے ہیں۔ روایات فقہیہ میں اس عمل کو شرک کہا گیا ہے۔ (۴۱/۳)

۳۔ بعض لوگ مزار یا پیر کی تعظیم میں مبالغہ کرتے ہیں اور سجدہ کرنے لگتے ہیں (ممنوع ہے)۔ (۲۹/۱)

۴۔ حضرت مجدد فرماتے ہیں" جاننا چاہیئے کہ سماع ورقص درحقیقت لہو ولعب میں داخل ہے جو شخص حرام فعل کو مستحسن اور اچھا جانتا ہے وہ اسلام کے دائرے سے نکل جاتا ہے اور مرتد ہو جاتا ہے، تو پھر خیال کرنا چاہیئے کہ سماع ورقص کی مجلس کی تعظیم کرنا، بلکہ اُس کو طاعت وعبادت سمجھنا کس قدر برا ہے۔ (۲۶۶/۱)

۵۔ آج کل بدعات پر اس قدر زور ہے کہ ایک گروہ یہاں تک سمجھتا ہے کہ جو کچھ ہم نے شروع کیا ہے وہی دوسرا بھی کرے تو ٹھیک ہے ورنہ وہ دوسرا کافر ہے۔ حضرت مجدد فرماتے ہیں کہ بعض علماء کا قول ہے کہ بدعت دو قسم پر ہے۔ حسنہ اور سیہ۔ حسنہ اس نیک عمل کو کہتے ہیں جو آنحضرت ﷺ اور خلفائے راشدینؓ کے زمانے کے بعد پیدا ہوا ہے اور وہ سنت کو رفع نہ کرے اور بدعت سیہ وہ ہے جو سنت کی رافع ہو۔ یہ فقیر ان بدعتوں میں سے کسی بدعت میں حسن اور نورانیت، مشاہدہ نہیں کرتا اور ظلمت وکدورت کے سوا کچھ محسوس نہیں کرتا۔ (۱۸۶/۱)۔

تاہم، حضرت مجدد نے مبتدعین کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ اہل قبلہ ہیں۔ اُن کی تکفیر کی جرأت نہ کرنا چاہیئے جب تک کہ وہ دینی ضروریات کا انکار اور احکام شریعت کے متواترات کو رد نہ کریں۔ (۳۸/۳)

غالباً جون ۱۹۵۷ء میں پروفیسر علی نواز جتوئی، پروفیسر حضور احمد سلیم اور سراج احمد سلمہ کے ساتھ حیدر آباد سے لاہور، راول پنڈی، گولڑہ شریف، مری، موڑا شریف، مظفر آباد پھر بالاکوٹ گیا۔ بالاکوٹ میں موٹر اسٹینڈ کے قریب ہی حضرت سید احمد بریلوی علیہ الرحمہ کا مزار ہے۔ وہاں عجیب کیفیت ہوئی۔ مزار کے قریب پھسل کر گر پڑا اور بے تاب ہو گیا۔ پھر سکون ہوا تو حضرت علیہ الرحمہ نے فرمایا: میں اسی جگہ شہید ہوا تھا اور میرا گھوڑا بھی یہیں کھڑا ہوا تھا جب کہ ایک سکھ نے مجھے شہید کیا۔ اور شاہ اسماعیل رحمتہ اللہ علیہ لڑتے ہوئے آگے بڑھ گئے اور آگے جا کر شہید ہوئے" یہ بھی فرمایا کہ تمہارے بعض اعزا بھی میرے ساتھ تھے۔ پھر میں شاہ اسماعیل دہلوی علیہ الرحمہ کے مزار پر حاضر ہوا۔ بڑا جلال نظر آیا۔ فرمانے لگے: "ہماری نظر میں جیسے مسلمان ہونے چاہئیں ویسے اب نظر نہیں آتے" اور یہ بھی فرمایا: "آج کل کے مسلمان شہید ہونے کے لئے دعا نہیں مانگتے کہ کہیں وہ دعا قبول نہ ہو جائے" پھر ایبٹ آباد پشاور گیا۔ پشاور میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کے خلیفہ حضرت خواجہ محمد صدیق رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بڑی شفقت فرمائی، پھر حضرت مجدد الف ثانیؒ پر اپنی جان چھڑکنے والے سپہ سالار اور گویا

Marfat.com

مہابت خاں علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو فرطِ محبت سے اُن کی قبر اور قریب کی زمین لرزنے لگی اور مجھ پر عجیب کیفیت طاری ہوگئی۔ بڑی محبت اور شفقت سے گفتگو فرمائی۔ یہ اور اس قسم کے بہ کثرت واقعات اس عاجز سیاہ کار پر وارد ہوئے۔ اور وہ صرف اللہ پاک کے احسانات وانعامات کے اظہار کے لئے بیان کئے گئے ہیں کیوں کہ ارشاد ہے: **وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ**۔ ورنہ یہ سیاہ کاران کیفیات اور ایسے انعامات کے ہرگز لائق نہیں اور قارئین سے یہ التماس ہے کہ ان باتوں پر دھیان نہ دیں کیونکہ یہ کشفی چیزیں ہیں جو معتبر نہیں بھی ہوسکتی ہیں اور بزرگان دین علیہم الرضوان والرحمہ کی ارواح مقدسہ سے بھی بہت عاجزانہ معذرت ہے۔ اگر کوئی بات غلط منسوب ہوگئی ہو تو معاف فرمائیں۔

۱۹۶۹ء میں جب کابل گیا تھا، وہاں ایک دن یکا یک بابر بادشاہ کے مزار کی طرف کشش ہوئی۔ احمد علی میمن صاحب کو میں نے ساتھ لیا اور آگے بڑھتا گیا۔ جس کسی سے ان کے مزار کے متعلق پوچھتا تھا وہ لاعلمی کا اظہار کرتا تھا۔ ہم دونوں آگے بڑھتے گئے۔ پھر ایک ٹیکسی والے سے (فارسی میں) دریافت کیا تو وہ ہم دونوں کو بابر بادشاہ کے مزار پر لے گیا۔ عجیب کشش، پھر عجیب سکون حاصل ہوا۔ وہ بھی نقشبندی تھے۔

اسی طرح ۱۹۷۱ء میں غُرغُشتی (کیمبل پور کے قریب) حاضر ہوا تو وہاں قبرستان کی طرف سے بڑی کشش ہوئی۔ میں بغیر کسی سے دریافت کئے ہوئے، قبرستان کے اندر داخل ہو کر سیدھا اپنے پرنانا کے والد اخوند محمد بشارت علیہ الرحمہ کے مزار پر جا کر کھڑا ہوگیا۔ بڑی شفقت فرمائی (الحمدللہ)

علامہ سید سلیمان ندوی علیہ الرحمہ کی شفقتیں

میں جب امراوَتی کالج میں تھا تو اپنے حقیر مضامین رسالہ، معارف (اعظم گڑھ) کے لئے بھیجا کرتا تھا۔ علامہ صاحب نے جب ''رحمت عالم'' لکھی تو مجھے فرمایا کہ اس کی عبارت پر نظر ڈال لو۔ پھر جب ''نقوشِ سلیمانی'' شائع کی تو پھر اسی طرح مجھے تحریر فرمایا۔ تعمیلِ حکم میں چند مقامات کے لئے عرض کردیا۔ میرے لئے بہت بڑا اعزاز ہے کہ انہوں نے اس کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں چار جگہ میرا ذکر کیا ہے۔ جب وہ کراچی تشریف لائے تو خدمت میں حاضر ہوا۔ فرمایا کہ ''تم نے مری اجازت کے بغیر ہندوستان کیوں چھوڑا؟'' بڑی شفقت کا جملہ تھا۔

ایک دن اُن کے درِ دولت پر حاضر ہوا۔ وہ اندر تھے لیکن میز پر اُن کا تحریر کردہ ایک خط سامنے ہی پڑا ہوا تھا۔ اتفاق سے میری نظر اس پر پڑ گئی۔ اس نے میرے متعلق بہت تعریفی کلمات حکومت کو لکھے تھے۔ اُن کی شفقت لیکن میں اب بھی ان سے معذرت خواہ ہوں کہ میں نے اُن کی اجازت کے بغیر خط کیوں دیکھا!

علامہ صاحب کے انتقال کے بعد اُن کے مزار پر حاضر ہوا تو فرمایا کہ میں نے ''حیات شبلی'' لکھی تھی۔ اس میں ایک جگہ میں نے اسے حصہ اول کہا ہے۔ تم حصہ دوم لکھ دو۔ میں نے وعدہ کیا۔ لیکن پھر اپنے عزیز شاگرد ڈاکٹر سید سخی احمد ہاشمی مرحوم سے ایک مقالہ ''شبلی کا ذہنی ارتقاء'' (پی ایچ ڈی کے لئے) لکھوایا۔ ماشاءاللہ انہوں نے سخت محنت سے اس مقالے کی تکمیل کی۔

Marfat.com

الحمد اللہ اس طرح اُن کے حکم کی تعمیل ہوئی۔

کراچی یونیورسٹی کے شعبہ اردو کے ایک طالبعلم فضل احمد نے پی ایچ ڈی کے لئے مقالہ لکھا۔ وہ کم زور تھا بلکہ ایک ممتحن نے اسے رد کر دیا تھا۔ میرے پاس یہ مقالہ آیا تو چہار شنبہ ۲۵ محرم ۱۴۰۵ھ (یکم اکتوبر ۱۹۸۶ء) کو تہجد کے وقت، میں نے علامہ صاحب کو خواب میں دیکھا۔ ان کے داہنے گھٹنے میں درد تھا۔ خواب ہی میں اُن کی خدمت میں دوڑا اور ان کا گھٹنا دبانے لگا۔ فرمایا کہ اس طالب علم (فضل احمد) کا کام کر دینا۔ میں نے تعمیل حکم کر دی۔ داہنے گھٹنے کے درد سے اشارہ غالباً یہ تھا کہ اس طالب علم کو حضرتؒ سے بڑی عقیدت تھی۔

شب شنبہ ۲۷ ذی الحجہ ۱۴۱۵ء (۲۷ مئی ۱۹۹۵ء) کو حضرت ''غریب خانے پر تشریف فرما ہوئے۔ مکان کی اوپر والی منزل میں میری چارپائی کی داہنی طرف بیٹھ گئے اور فرمایا کہ تمہاری ضخیم کتاب جو لاہور سے شائع ہوئی ہے اُس پر امتحان کا پرچہ تیار کرو تو سوالات نئے انداز سے تیار کرنا۔ پھر تشریف لے جانے لگے تو میں نے اپنے پوتے حافظ منیر احمد سلمہ سے کہا کہ دیکھو فلاں بچی کو وہ گر نہ پڑے۔ منیر احمد نے کہا کہ وہ کیا کرے گی! پھر حضرت تشریف لے گئے۔ اتفاق ہے کہ منیر احمد کی شادی بعد میں ہوئی اور بچی پیدا ہوئی۔ (آمنہ سہ شنبہ ۱۳ ربیع الاول ۱۴۱۹ء کو پیدا ہوئی)

منیر احمد سلمہ سے چھوٹے شاہد نذیر خاں کا بچہ محمد احمد خان ۵ شعبان ۱۴۱۹ھ (۲۴/۲۵ نومبر ۱۹۹۸ء کی درمیانی شب میں) حیدر آباد میں پیدا ہوا۔ اسی وقت علامہ سید سلیمان ندوی علیہ الرحمہ خواب میں تشریف لائے۔ کچھ فرمایا۔ لیکن میں بھول گیا۔ (بچہ ۲۸ رمضان المبارک ۱۴۱۹ء کو فوت ہو گیا)

فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ سرہند شریف کے قریب بسی کے مقام پر سیرت پاک ﷺ کے جلسے میں جانا ہوا۔ مولانا آزاد سبحانی اور نواب حلیم کان پوری وغیرہ ساتھ تھے۔ رات کو جلسہ ہوا۔ صبح کو سرہند شریف حاضر ہوئے۔ علامہ صاحب اس وقت تک بزرگوں کے مزارات پر حاضر ہونے کے قائل نہیں تھے، اس لئے وہاں مسجد کی فصیل پر بیٹھ گئے۔ دوسرے حضرات اندر مزار شریف کے قریب مراقبہ میں بیٹھ گئے۔ فرماتے تھے کہ یکا یک ایک بزرگ (یعنی حضرت مجددؒ) سامنے سے تشریف لائے۔ بہت خوب صورت تھے اور بہت جلال تھا۔ فرمایا ''مکتوبات فہمیدہ ای''؟ عرض کیا کہ اندک اندک فہمیدہ ام۔ پھر حضرت علامہ بے ہوش ہو کر فصیل سے گر پڑے۔ دوسرے حضرات آئے تو حضرت علامہ کو بے ہوش دیکھ کر اُن پر پانی چھڑکا۔ ہوش میں آئے تو پوچھا، کیا معاملہ ہوا؟ علامہ صاحب نے فرمایا کہ آج شکار ہو گیا۔ پھر علامہ صاحب کے مقام کے مطابق مولانا اشرف علی تھانویؒ ہی ایک بزرگ تھے جن سے علامہ صاحب بیعت ہوئے۔

وہ ریا جس پر تھے زاہد طعنہ زن
پہلے عادت، پھر عبادت بن گئی

(مجذوبؒ)

Marfat.com

حضرت مولانا عبدالغفور عباسی مدنی علیہ الرحمہ کی شفقتیں

۱۹۵۳ء میں حضرت شاہ زوار حسین صاحب اور جماعت کے ساتھ پہلی بار مدینہ منورہ میں حضرت مولانا علیہ الرحمہ کے یہاں قیام کی سعادت نصیب ہوئی۔ بڑی شفقت اور محبت سے کرم فرماتے تھے۔ کبھی کبھی صبح کو بکری کا دودھ لا کر مجھے پلاتے تھے۔ فرماتے تھے کہ "پی لے" پی لے۔ حضور اکرم ﷺ کو بکری کا دودھ پسند تھا۔ پھر حضرت مولانا صاحب سے خط، کتابت بھی ہوتی رہی۔ افسوس کہ اُن کے وہ خطوط اب محفوظ نہیں۔

۱۹۵۷ء میں حضرت صاحب (پوری جماعت کے ساتھ) حیدر آباد میں غریب خانے پر جلوہ افروز ہوئے۔ (اس وقت سراج احمد سلمہ بہت چھوٹے تھے، لیکن بیعت ہوئے) پھر دو (۲) مرتبہ اور حیدر آباد تشریف لائے اور آخوند عبداللطیف صاحب کے یہاں قیام کیا۔ لیکن پھر بھی غریب خانے کی دعوت قبول فرمائی (حضرت صاحب کے حالات میں نے اپنی حقیر کتاب طوبیٰ لھم میں عرض کئے ہیں)۔

یک شنبہ ۲۳ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۷ھ (۲۲ فروری ۱۹۸۷ء) کو خواب میں دیکھا کہ میں اس دنیا سے رخصت ہو کر دوسری دنیا میں پہنچ گیا ہوں۔ وہاں حضرت مولانا عبدالغفور صاحب تشریف فرما ہیں۔ مجھ کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ پھر فرمایا کہ "جو کام تمہارے سپرد ہوا ہے اُس میں لگ جاؤ"

ایک رات خواب میں دیکھا کہ حضرت مولانا عبدالغفور صاحب علیہ الرحمہ کسی شاہی باغ میں ہیں۔ مجھ سے فرمایا کہ "دیکھو! بحمد اللہ میں کیسی اچھی جگہ ہوں" میں وہاں گیا تو بہت سرسبز وشاداب باغ (اور محل) نظر آیا۔ کچھ درخت "دار چینی" جیسے معلوم ہوئے۔ بڑی خوشی ہوئی۔ (دار چینی کے پودے سیلون میں ہوتے ہیں۔ میں نے ایک کرم فرما کو وہاں لکھا کہ جب وہاں سے آئیں تو دار چینی کا ایک پودا لیتے آئیں، وہ صاحب پودا لائے لیکن وہ خشک ہو گیا تھا)۔

مولانا عبدالغفور صاحب علیہ الرحمہ نے ایک واقعہ سنایا۔ فرماتے تھے کہ میں طائف میں حضرت عبداللہ ابن عباس (رضی اللہ عنہما) کے مزار پر حاضر ہوا تو انہوں نے "میرے بیٹے" کہہ کر مجھے خطاب کیا۔ اُس وقت سے مجھے یقین ہوا کہ میں واقعی "عباسی" ہوں۔

حضرت زوار حسین شاہ علیہ الرحمہ کی محبتیں

۱۹۴۸ء میں اسلامیہ کالج کراچی میں پڑھتا تھا۔ دسمبر میں سخت بیمار ہوا۔ ۱۷۔ ۱۸ دن بخار رہا۔ پھر ایک دن ایم اے کے طالب علم محمد اسحاق بیگ میری عیادت کو آئے اور مجھ سے کہا کہ اگر اجازت ہو تو آپ کے لئے بخار کا تعویذ لے آؤں۔ میں نے کہا اچھی بات ہے۔ دوسرے دن وہ اپنے دوست صوفی محمد احمد صاحب سے ایک تعویذ گلے میں ڈالنے کے لئے اور شاید تین تعویذ پانی میں گھول کر پینے کے لئے لائے۔ میں نے کہا کہ آپ ہی ایک تعویذ پانی میں گھول کر مجھے دے دیجئے۔ چنانچہ انہوں نے مجھے ایک تعویذ گھول کر دیا۔ میں نے پیا اللہ کی شان کہ اسی وقت میرا بخار اتر گیا۔ اس طرح صوفی محمد احمد صاحب سے غائبانہ

Marfat.com

تعارف ہوا۔ وہ اس وقت خلیفہ مجاز بھی نہیں ہوئے تھے۔ پھر اُن سے ملاقات ہوئی۔ آنا جانا ہونے لگا۔ میں نے اُن سے عرض کیا کہ آپ اسکول ماسٹر ہیں۔ ایم اے کر لیجئے تاکہ ترقی ہو۔ چنانچہ میرے مشورے سے وہ ایم اے کلاس میں آنے لگے اور ایم اے پاس کر لیا۔ اسی زمانے میں ان کے شیخ (پھر ہمارے شیخ) حضرت مولانا زوار حسین صاحب علیہ الرحمہ تشریف لائے۔ ان کی سادگی اور تقویٰ دیکھ کر دل بہت متاثر ہوا۔ پھر وہ تشریف لے گئے۔ ایک مرتبہ صوفی محمد احمد صاحب میرے ساتھ میری اہلیہ مرحومہ کی قبر پر فاتحہ پڑھنے کے لئے گئے۔ مجھ سے کہا کہ آپ کی اجازت ہو تو میں یہاں بیٹھ جاؤں۔ میں نے کہا ''ضرور اس کے لئے اجازت کی کیا ضرورت ہے'' صوفی صاحب قبر کے قریب مراقب ہوئے۔ ان سے میری اہلیہ مرحومہ کی باتیں ہوئیں لیکن مرحومہ کے دادا (اور میرے نانا) مولانا عبدالقادر خاں صاحب کے توسط سے (اہلیہ کے والد صاحب اس وقت زندہ تھے) صوفی صاحب نے مراقبے کے بعد ایسے حالات بتائے کہ میں بہت متاثر ہوا اور بعد میں یاد کرتا تو بے ساختہ چیخ نکل جاتی تھی۔ پھر میں نے ان سے عرض کیا، آپ مجھے ذکر کا طریقہ بتا دیں۔ انہوں نے کہا کہ مجھے اجازت نہیں ہے۔ لیکن میں اپنے حضرت صاحب کو لکھتا ہوں۔ وہ اجازت دیں گے تو میں بتا دوں گا۔ پھر جب ان کی اجازت آئی تو انہوں نے مجھے مراقبہ کا طریقہ بتایا۔ پیر الٰہی بخش کالونی کے مکان نمبر ۳۲۸ میں قیام تھا۔ وہاں عشاء کے بعد مراقبے میں بیٹھا تو ایک بزرگ سیاہ ریش اور سر پر ہلکا گلابی رنگ کا عمامہ پہنے ہوئے میرے پاس آ کر بیٹھ گئے۔ میں بیٹھا رہا۔ دوسرے دن پھر ایسا ہی ہوا، تیسرے دن تشریف لائے تو فرمایا کہ اوپر آسمان کی طرف دیکھو۔ میں نے دیکھا تو ایک نہایت حسین اور پر انوار بزرگ نظر آئے۔ جو بزرگ تین دن سے نظر آ رہے تھے (وہ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ تھے) انہوں نے فرمایا کہ اُن بزرگ کو (ا) سلام کرو۔ میں نے سلام کیا تو انہوں نے جواب دیا اور جواب دینے کے بعد فوراً انہوں نے حضور انور ﷺ کی طرف رُخ کر لیا۔ میں بے تاب ہو گیا اور عجیب حالت ہو گئی۔ دیر تک بے تابی رہی، میرے دل کا تصفیہ فرمایا گیا۔ پھر بکثرت بزرگان دین (علیہم الرحمہ) کی زیارت ہونے لگی۔ شاید ہی مشاہیر میں کوئی ایسے ہوں گے جن کی مجھے زیارت نصیب نہیں ہوئی ہو۔ اُن کو دیکھ کر میرا دل خود کہتا تھا کہ یہ فلاں بزرگ ہیں، کبھی اُن کے قریب ہی اُن کا نام لکھا ہوا نظر آتا تھا۔ یہ واقعہ غالباً ستمبر ۱۹۴۹ء کا ہے۔

اکتوبر ۱۹۴۹ء میں دادا پیر محمد سعید قریشی علیہ الرحمہ کے لئے ایصال ثواب کے سلسلے میں مظفر گڑھ میں اجتماع ہونے والا تھا تو صوفی محمد احمد صاحب کے ساتھ میں بھی وہاں گیا۔ تین دن اجتماع رہا۔ صوفی محمد احمد صاحب نے حضرت شاہ زور حسین صاحب سے مجھے بیعت کرنے کی سفارش کی۔ انہوں نے پہلے اور دوسرے دن نہیں بلکہ تیسرے دن عشاء کے بعد مسجد کے ایک گوشے میں مجھے بیعت فرمایا۔ مراقبے میں کئی بزرگوں کی اور بالخصوص حضرت مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت ہوئی۔ ہم لوگ حضرت شاہ صاحب کے ساتھ ملتان گئے۔ وہاں حضرت شمس سبزواریؒ سے منسوب ایک مزار پر حاضری دی۔ وہ بزرگ بہت ضعیف نظر آئے۔ ان کی کمر جھکی ہوئی تھی اور ان کے ساتھ اُن کے صاحبزادے بھی تھے جو حافظ تھے۔ ان سے گفتگو (میرا خیال ہے کہ یہ باپ بیٹے اور بزرگ ہیں)

پھر حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی قدس سرہ کی خدمت میں حاضری دی۔ میں نے دیکھا کہ ان کے بائیں پہلو کی

Marfat.com

طرف اُن کے صاحبزادے حضرت صدر الدین رحمتہ اللہ علیہ (سیاہ ریش) تشریف رکھتے ہیں۔ (اُن کا نام اُسی وقت معلوم ہوا) لیکن وہ کہیں تشریف لے جانے والے تھے۔ حضرت بہاؤ الدین زکریا کا عمامہ بہت اچھا تھا (شاید علمی فضیلت کی وجہ سے) وہ لیٹے رہے۔ بہت قومی الجثہ بزرگ نظر آئے۔ شفقت کی ایسی نظر تھی کہ جیسے کوئی بزرگ اپنے پوتوں اور نواسوں کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔ وہ اس عاجز کو اسی طرح نظر بھر کر نہیں دیکھ رہے تھے۔ بلکہ نظر غلط انداز ڈالتے رہے۔ موٹا گاڑھے کا کرتہ اور تہمد زیب تن تھا۔ مجھے بڑی شفقت سے بیضاوی شکل کے سکے عنایت فرمائے۔ جن پر اُبھرے ہوئے الفاظ نقش تھے، لیکن میں نہ پڑھ سکا۔ فرمایا کہ تم کو دین و دنیا کی نعمتیں دی گئی ہیں۔ الحمد اللہ! مجھے غالباً میرے دل کی تصویر دکھلائی گئی کہ پانی بھرا ہوا ہے لیکن کہیں کہیں کائی جمی ہوئی ہے۔ پھر نفس کی شکل دکھلائی گئی کہ کوئی چھوٹا سا سانپ ہے جو میرے قریب سے گزرنے لگا اور مجھے اس سے خوف محسوس ہوا۔

پھر ہم لوگ حضرت شاہ صاحب کے ساتھ خیر پور ٹامی والے گئے، وہاں چند گھنٹے قیام کیا۔ حضرت شاہ صاحب نے مجھے دوسرا سبق دیا۔ یعنی بیعت کے دو دن کے بعد ہی سبق بڑھا دیا۔ پھر بحمد اللہ بہ کثرت بزرگوں کی زیارت نصیب ہوئی۔ حضرت فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی رحمتہ اللہ علیہ نے نوازا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے کرم فرمایا۔ حضرت شاہ غلام علی دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے خصوصی طور پر بہت نوازا۔ پھر ایک دن دیکھا کہ بزرگوں کی دو صفیں آمنے سامنے لگی ہوئی ہیں اور کسی بزرگ کی آمد کا انتظار ہے۔ پھر حضرت شاہ غلام علی رحمتہ اللہ علیہ نے مجھ سے فرمایا کہ کھڑے ہو جاؤ۔ میں مراقبہ ہی میں کھڑا ہو گیا۔ دیکھا کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ تشریف لائے۔ نہایت حسین اور نازک اندام۔ سبز مخمل کا جبہ زیب تن تھا۔ زردوزی کے بڑے بڑے گلاب کے پھول لگے ہوئے تھے۔ میں نے چند باتیں دریافت کیں تو مجھے جواب عنایت فرمائے۔ بڑا کرم فرمایا۔

۱۹۴۹ء میں حضرت شاہ زوار حسین شاہ صاحب سے بیعت ہوا تھا۔ اُن کی توجہات سے عجیب و غریب واقعات رونما ہوئے۔ کراچی میں پیر الٰہی بخش کالونی کے مکان نمبر ۳۲۸ میں قیام تھا۔ اندر کے برآمدے میں بیٹھا مراقبہ کر رہا تھا تو دیکھا کہ اسی جگہ سے ایک نالا بہتا ہوا لیاری ندی میں جاتا تھا۔ جہاں میں بیٹھا تھا وہاں حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت الیاس علیہ السلام کی زیارت نصیب ہوئی۔ ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مجھ سیاہ کار پر شفقت ہوئی۔ فرمایا کہ ''مجھے مسلمان قوم سے شرم آتی ہے کہ میری قوم نے اُن کو بہت دھوکے دیئے ہیں''

کراچی میں اورنگی کے علاقے میں پہلے کوئی آبادی نہیں تھی۔ داہنی طرف ایک مزار کسی بزرگ کا ہے۔ اُس کے آگے ایک نالا تھا جو عموماً خشک رہتا تھا۔ اُس کے ساتھ ذرا آگے ایک ٹیکری ہے۔ لیکن ٹیکری سے پہلے وہاں ایک پیغمبر علیہ السلام تشریف رکھتے ہیں۔ (وہاں ایک کرم فرما پروفیسر محمد حسین سلیمانی کے ساتھ حاضر ہوا تھا) مجھے اب تک ان کا چہرہ مبارک یاد ہے۔ بہت خوبصورت ہیں۔ سیاہ داڑھی، سر کے سیاہ بال، (کانوں تک) اور صحت مند ہیں۔ بڑی شفقت سے پیش آئے۔ کئی ہزار سال پہلے اُس مقام تک سمندر تھا۔ اس کے ساحل کے لوگوں کی اصلاح کے لئے وہ مبعوث ہوئے تھے۔ اتفاق سے حضرت شاہ زوار حسین صاحب (خیر پور ٹامی والی سے) کراچی تشریف لائے ہوئے تھے۔ میں اُن کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس مقام کا ذکر ان سے

Marfat.com

عرض کیا تو انہوں نے فرمایا کہ آج صبح کو میں بھی وہاں حاضر ہوا ہوں۔

یہ عاجز اس مقام پر کبھی رات کو بھی چلا جاتا تھا۔ ایک مرتبہ شب قدر میں تراویح کے بعد بھی تنہا چلا گیا تھا۔ ایک مرتبہ کسی سانپ یا بڑے کیڑے نے میرے پیر کی انگلی منہ میں لے لی تھی لیکن پھر چھوڑ دی۔

وہ مقام اب کسی نے گھیر لیا ہے اور اب وہاں کھیتی ہوتی ہے۔ اس کے مشرق کی طرف بہت لمبا پہاڑی سلسلہ ہے اور اب وہاں بھی آبادی ہوگئی ہے۔ اس پہاڑی میں پہلے اژدھے بھی تھے۔

اکتوبر ۱۹۵۵ء میں اپنے شیخ حضرت مولانا زوار حسین شاہ صاحب علیہ الرحمہ کی خدمت میں خیر پور ٹامی والی حاضر ہوا تو ایک دن انہوں نے اشراق کے بعد مجھ سے فرمایا کہ سندھ یونیورسٹی چلے جایئے! میں نے عرض کیا کہ بہتر ہے۔ وہاں سے جب میں کراچی واپس آیا تو سندھ یونیورسٹی کے رجسٹرار صاحب کا خط ملا کہ آپ حیدر آباد آ جائیں۔ کچھ دن کراچی میں کام کرنے کے بعد مئی ۱۹۵۶ء میں میرا تقرر صدر شعبہ اردو (پروفیسر کے گریڈ میں ایک اضافے کے ساتھ) ہوگیا۔ لیکن مجھے ہندوستان جانا تھا، اس لئے میں نے وہاں سے آکر ۱۴ جولائی کو سندھ یونیورسٹی میں چارج لیا۔

ایک مرتبہ شاہ زوار حسین شاہ صاحب کی خدمت میں خیر پور ٹامی والی حاضر ہوا میرے ساتھ علی گڑھ کے ہم جماعت دوست عبدالغنی اور کراچی کے سیٹھ عبدالغفار (م ۱۹۹۹ء) بھی تھے۔ وہاں سے ہم لوگ پاک پٹن شریف حاضر ہوئے۔ اتفاق سے حضرت بابا فرید شکر گنج قدس سرہ کا مزار شریف مقفل تھا۔ معلوم ہوا کہ چند روز ہوئے کہ عرس ہوا تھا اس موقع پر وہاں مزار شریف پر صندل لگایا گیا تھا۔ وہ ابھی پوری طرح خشک نہیں ہوا تھا اس لئے مقفل کر دیا گیا ہے۔ اُس زمانے میں مزار شریف میں مغرب کی طرف ایک کھڑکی تھی۔ وہاں میں کھڑا ہو کر فاتحہ پڑھنے لگا تو بابا صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے ایک نظر مجھ پر ڈالی تو میں تڑپ گیا اور میں لوٹ پوٹ ہوگیا۔ میں اللہ اللہ کہہ کر شور کرتا رہا۔ اپنے قابو میں نہ تھا۔ بہت سے لوگ جمع ہو گئے لیکن میرا شور کم نہ ہوا۔ پھر جمعہ کی اذان ہونے لگی تو طبیعت قابو میں آئی۔ ہم لوگ وضو کر کے اگلی صف میں بیٹھ گئے۔ عبدالغنی صاحب میرے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے وہ میرے پیر بھائی ہیں۔ وہ روحانیت کے اُس وقت تک قائل نہیں ہوئے تھے لیکن اب جوں ہی انہوں نے مجھے پکڑا ان پر بھی کیفیات طاری ہوگئیں اور وہ بے قابو ہوگئے ایسی کیفیات سے ان پر بڑا اثر ہوا اور کہنے لگے کہ بھائی آج مجھے روحانیت کا قائل ہونا پڑا۔

سہ شنبہ ۶ رمضان المبارک ۱۴۱۵ھ (۷ فروری ۱۹۹۷ء) کو فجر کے بعد مراقبہ میں تھا تو یکا یک دیکھا کہ آسمان سے (مغرب کی طرف سے) ہزاروں بلکہ لاکھوں بزرگان دین (رحمہم اللہ تعالیٰ) اترتے ہوئے آرہے ہیں۔ بہت سی قطاروں کے بعد سبز پتیوں کے ہار (مختلف اقسام کی پتیوں کے ہار) ریلے کی طرف اترتے ہوئے نظر آئے۔ پہلے کی قطاروں میں میرے مرشد مولانا زوار حسین شاہ صاحب علیہ الرحمہ بھی تھے۔ وہیں حضرت مولانا عبدالغفور عباسی مدنی رحمتہ اللہ علیہ کچھ اعلان فرما رہے تھے (اُن کو دیکھا نہیں لیکن اُن کی آواز کو پہچانتا ہوں) یہ بھی دیکھا کہ کچھ بزرگ زمین میں سے باہر نکل رہے تھے۔ یہ منظر مراقبے کے بعد بھی دیر تک آنکھوں کے سامنے رہا۔ کچھ جنات بھی تھے اور سب بزرگوں اور جنات کے سر پر عمامہ تھا۔ سب کی بڑی بڑی

Marfat.com

داڑھیاں تھیں۔ایک بزرگ کی بائیں آنکھ کے ڈھیلے میں کچھ خرابی تھی۔سب بزرگ خاموش تھے اور ترچھی نگاہ سے داہنی طرف دیکھ رہے تھے۔پہلی قطار میں حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہ،اُن کے صاحب زادگان،حضرت مظہر جانِ جاناں اور حضرت شاہ غلام علی (رحمہم اللہ تعالیٰ) بھی نظر آئے (معلوم نہیں کیا واقعہ ہوگا)۔

اے مُرغِ سحر، عشق ز پروانہ بیاموز
کاں سوختہ را جاں شد و آواز نیامد

(سعدیؔ)

بعض متفرق واقعات

میں نے انجمن اسلامیہ ہائی اسکول جبل پور سے ۱۹۲۸ء میں نویں جماعت پاس کی۔بڑے بھائی صاحب نے اپنی محدود تنخواہ کے باوجود مجھے علی گڑھ بھیج دیا۔وہاں میرا ٹیسٹ ہوا اور مجھے دسویں جماعت میں داخلہ مل گیا۔جوبلی ہوسٹل کے کمرہ نمبر ۳۵ میں رہتا تھا۔میرے ساتھ بمبئی کے منیر الدین بن دادی اور پونا کے محمد اسماعیل صاحب رہتے تھے۔اسی ہوسٹل میں محی الدین جمالی (پڈرونا۔کھرگ پور والے) تھے اُن سے بڑی دوستی رہی۔ایک دن انہوں نے کہا کہ چلو دہلی چلیں۔بہت سستا زمانہ تھا۔ایک روپے ۵ آنے میں علی گڑھ سے دہلی تک کا واپسی کا ٹکٹ تھا (جمعہ کو جاکر منگل تک واپس آسکتے تھے) محی الدین جمالی کے ساتھ قریب ۲ گھنٹے میں دہلی پہنچا۔جامع مسجد،قلعہ اور دوسرے مقامات ہوتا ہوا حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچا۔فاتحہ پڑھنے کے بعد مجھے ایسی محویت ہوئی کہ مجھے ہوش نہیں رہا اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت نصیب ہوگئی۔وہ بہت خوبصورت اور بڑی شاندار مسند پر جلوہ افروز تھے۔مجھے دعا دی۔میرے دوست کہیں چلے گئے تھے۔واپس آکر مجھے بیدار کیا۔میں نے کہا کہ میں کچھ دیر اور بیٹھوں گا۔میں وہاں پھر محو ہوگیا اور بڑی توجہات حاصل ہوئیں۔زندگی میں غالباً ایسی سعادت پہلی بار نصیب ہوئی۔الحمد للہ!

ذی الحجہ ۱۳۵۱ء (فروری ۱۹۳۲ء) میں خواب دیکھا کہ میں حافظ قرآن ہوگیا ہوں۔

غالباً ۱۹۳۲ء ہی کا واقعہ ہے،میں منڈلہ (سی پی) گیا،وہاں میری ہمشیرہ صاحبہ رہتی تھیں۔مولانا اولاد حسین صاحب تھوڑے فاصلے پر ایک مسجد کے امام تھے۔وہاں میں نے عشاء کی نماز پڑھی تو مولانا نے کہا کہ قرأت سناؤ۔میں نے سورۃ الرحمٰن کا پہلا رکوع بڑے جوش کے ساتھ سنایا تو پوری مسجد (جنات سے) بھرگئی۔قرأت ختم کرتے ہی وہ مسجد بالکل خالی ہوگئی۔صرف چند لوگ جو پہلے تھے وہ ہی رہ گئے۔

جون ۱۹۳۳ء کے پہلے ہفتے میں دیکھا کہ میں اُستاذی حضرت قاری ضیاء الدین احمد صاحب کے ساتھ حج کیا ہے۔

شب دوشنبہ یکم رجب ۱۳۵۴ھ کو پھر دیکھا میں حافظ قرآن ہوگیا ہوں۔

۲۹ شعبان ۱۳۵۴ھ (۲۷ نومبر ۱۹۳۵ء) کی شب میں کسی بڑے بزرگ کی زیارت ہوئی لیکن نام کا خیال نہیں رہا۔

Marfat.com

شب یک شنبہ ۱۳۵۴ھ (۲۹ دسمبر ۱۹۳۵ء کو دیکھا میں نے ایک دن میں تیسواں پارہ (ومالی) حفظ کرلیا ہے۔

شب شنبہ یکم ربیع الاول ۱۳۵۵ھ (۲۳ مئی ۱۹۳۶ء کو دیکھا کہ میں پہلا پارہ حفظ کررہا ہوں۔

شب پنج شنبہ ۲۸ ذی قعدہ ۱۳۵۵ھ کو دیکھا کہ میں حج کو جارہا ہوں۔

شب جمعہ ۱۰ جولائی ۱۹۳۶ء کو پردادی سکینہ کو خواب میں دیکھا۔

شب یک شنبہ ۲۸ محرم ۱۳۵۶ھ (۱۱ اپریل ۱۹۳۷ء) کو حضرت بایزید بُسطامی رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت بابا تاج الدین ناگ پوری علیہ الرحمہ کی زیارت ہوئی۔

شب دوشنبہ ۷ رجب ۱۳۵۶ھ (۱۳ ستمبر ۱۹۳۷ء) کو والد صاحب کو عرصے کے بعد خواب میں دیکھا۔ والد صاحب کا انتقال ۱۳۴۲ھ (1924 میں جبل پور میں ہوا تھا میں جمعہ کو ہر موسم میں انکے مزار پر فاتحہ پڑھنے جایا کرتا تھا۔ پھر جب نانی صاحبہ کا انتقال ہوا اور وہ مدار ٹیکری کے قبرستان میں دفن ہوئیں تو وہاں بھی اکثر حاضر ہوتا تھا۔ مدار ٹیکری میں مدار چلہ کے مشرقی نشیب میں نانی صاحبہ کا مزار ہے اور اُن کے کچھ نشیب میں چٹانوں کے درمیان ایک بزرگ کا کچا مزار ہے۔ وہاں میں اکثر تنہائی میں بیٹھا رہتا تھا اور بڑا سکون حاصل ہوتا تھا۔

شب پنجب شنبہ ۱۸ جمادی الاخریٰ ۱۳۵۹ھ (۲۵ جولائی ۱۹۴۰ء) کو دیکھا میں بغداد شریف میں حاضر ہو کر حضرت عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کے مزار پر حاضر ہوا ہوں۔

شب سہ شنبہ ۳ ربیع الاول ۱۳۶۵ھ (۵ فروری ۱۹۴۶ء) کو دیکھا کہ حضرت احمد صابر (کلیر شریف) علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔

غالباً ۱۹۴۹ء کا واقعہ ہے کہ سقوطِ حیدرآباد (دکن) ہو رہا تھا اور ہندوستان کا وزیر پٹیل جو مسلمانوں کا دشمن تھا، بہت شرارت کررہا تھا۔ میں قائداعظم کے مزار پر گیا اور افسوس ظاہر کیا تو وہ جوش میں سرخ ہوگئے اور فرمایا "عزم چاہیے! عزم!"

ایک مرتبہ (غالباً ۱۹۵۰ء) میں ہندوستان گیا۔ ناگ پور محترم بھائی پروفیسر سید رفیع الدین صاحب کے یہاں 4-Starky Town میں قیام کیا۔ پھر حضرت بابا تاج الدین علیہ الرحمہ کے مزار شریف پر حاضر ہوا۔ ایصال ثواب کرنے کے بعد عرض کیا کہ حضور میرے اسباق تازہ فرمادیں۔ انہوں نے فرمایا "کہاں کے اسباق؟ چل میرے ساتھ (کچھ اسی طرح فرمایا)" پھر مجھے کچھ ہوش نہیں رہا۔ وہ مجھے آسمانوں کی سیر کراتے رہے اور لاکر مجھے اپنی جگہ پر چھوڑ دیا۔ بڑا کرم فرمایا۔

۱۹۵۰ء میں مولانا محمد سعید گوہانوی صاحب، صوفی محمد احمد صاحب اور بھائی بشیر اللہ صاحب کے ساتھ دریا خاں اور ڈیرا اسماعیل خان ہوتا ہوا درابن سے موسیٰ زئی، شریف حاضر ہوا۔ حضرت حاجی دوست محمد قندھاری رحمتہ اللہ علیہ، حضرت عثمان دامانی اور حضرت خواجہ سراج الدین رحمتہ اللہ علیہ نے بڑی شفقتیں فرمائیں۔ حضرت حاجی دوست محمد رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت عثمان دامانی رحمتہ اللہ علیہ نے اس حقیر کے متعلق بشارتیں حضرت مولانا محمد سعید گوہانوی صاحب سے فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آخرت میں اس حقیر کی شرم رکھ لے اور رسوا نہ کرے۔ آمین۔

Marfat.com

۱۹۵۶ء میں سندھ یونیورسٹی میں میرا تقرر ہوا۔ کچھ دنوں کے بعد مخدوم نوح (ہالائی) رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت ہوئی۔ مجھے اپنا قرآن دکھلایا۔ فرمایا کہ میں نے قرآن پاک کا ترجمہ فارسی میں کیا تھا۔ ابھی تک شائع نہیں ہوا۔ تم اس کیلئے کوشش کرو۔ میں نے مخدوم طالب المولیٰ صاحب کو خط لکھا۔ اُنہوں نے فوراً! مجھے وہ ترجمہ عنایت فرمایا۔ میں نے صرف ایک پارہ (ترجمہ کا شائع کیا (اوران محترم کے مالی تعاون سے) بعد میں مولانا مصطفیٰ قاسمی صاحب نے اُسے مکمل شائع کیا۔

۱۹۶۵ء کی جنگ (پاک وہند) کے زمانے میں والد صاحب کو خواب میں دیکھا کہ فوجی لباس میں ہیں۔ میں نے کہا کہ آپ کو فوجی لباس سے کیا تعلق؟ فرمایا کہ ''کچھ کام تھا'' بڑی خوشی ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو اپنی فوج میں شامل فرمایا۔

جمعہ ۱۹ جمادی الاخریٰ ۱۳۹۳ھ (۲۰ جولائی ۱۹۷۳ء) کے مراقبہ میں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی زیارت نصیب ہوئی۔ سر پر سنہرا تاج تھا اور مجھ حقیر کو بہ غور دیکھ رہے تھے۔

جمعہ یکم محرم ۱۳۹۴ھ (۲۵ جنوری ۱۹۷۴ء) کو خواب میں بیت المعمور کی زیارت نصیب ہوئی۔ بے حد حسین سفید سنگ مرمر جیسی کسی چیز سے تعمیر ہوئی ہوگی۔

الحمدللہ۔ حضور انور ﷺ کا صدقہ ہے۔

جمعہ ۹ ربیع الآخر ۱۴۱۷ھ (۲۳ اگست ۱۹۹۶ء) کو میری طبیعت زیادہ خراب تھی تو دیکھا کہ ایک نوجوان سرخ زریں عبا پہنے ہوئے سامنے کھڑے ہیں۔ اُن کے ساتھ کچھ دوسرے لوگ بھی ہیں اور وہ سب مجھے دیکھ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمادے۔ آمین۔ ثم آمین۔

شب سہ شنبہ ۲۴ محرم ۱۴۲۰ھ (۱۱ مئی ۱۹۹۹ء) کو منجھلے بھائی عبدالرحمٰن خاں صاحب خواب میں تشریف لائے۔ سفید ڈھیلا کرتہ اور چوڑے پائچوں کا پاجامہ پہنے ہوئے تھے۔ ماشاءاللہ خوب تن درست تھے۔ وہ سامنے کھڑے ہوئے تھے اوران کی بائیں طرف ایک شخص چھپا ہوا اور جھکا ہوا کھڑا تھا۔ بھائی صاحب نے فرمایا کہ انعام ملنے والا ہے۔ وہ شخص عارف محمود (بجنوری) تھا۔ جو قریب ۱۲ سال سے مراقبہ میں شریک ہوا کرتا ہے لیکن پیچھے چھپ کر بیٹھتا ہے۔

۱۹۹۸ء میں ہندوستان نے پاکستان کو خائف کرنے کے لئے پانچ ایٹمی دھماکے کئے تھے۔ اس کے جواب میں پاکستان نے بلوچستان کے ایک پہاڑی علاقے میں ۲۸ مئی کو چھ ایٹمی دھماکے کئے جن کی وجہ سے ہندوستان کا حوصلہ پست ہوگیا۔ وزیر اعظم محمد نواز شریف نے اعلان کیا کہ اس دن کی یاد کے لئے لوگ کوئی نام تجویز کریں۔ عارف محمود نے ''یوم تکبیر'' تجویز کیا۔ دوسرے لوگوں نے بھی یہ نام تجویز کیا لیکن قرعے میں عارف محمود کا نام نکل آیا۔ اُن کو وزیر اعظم نے ایک لاکھ روپیہ انعام دیا۔ (میں نے اپنے طور پر اس دھماکے کا نام ''ضربِ ہیبت'' بنایا تھا۔ جس کے اعداد ۱۴۱۹ھ بنتے ہیں)۔

چہار شنبہ ۱۶ شوال ۱۴۱۹ھ (۳ فروری ۱۹۹۹ء) کو مکہ معظمہ کے ایک امام صدیق محمد صاحب غریب خانے پر تشریف لائے (وہ وہاں کے آٹھ اماموں میں سے ہیں) مکہ معظمہ میں ان کا نام سعود عبدالعزیز ہے۔ انہوں نے یہاں (حیدر آباد کی) مسجد میں ظہر کی نماز (قصر) پڑھائی۔ پھر اتفاق سے ایک جنازہ آگیا۔ اُس کی نماز بھی پڑھائی۔ وہ کئی احباب کے ساتھ تھے۔

Marfat.com

کچھ اور انعامات

اللہ تعالیٰ کی خاص رحمتوں اور انعامات کے بکثرت واقعات ہیں۔ایک مرتبہ ناگ پور سے بس میں امراؤتی جا رہا تھا۔ ۳۰ میل کے فاصلے پر تلے گانو پر بس ٹھہری۔ میں نے اسکے ڈرائیور سے کہا کہ (عصر) کی نماز پڑھ لوں۔ابھی آتا ہوں۔وہ ڈرائیور ہندو تھا اُس نے بس چلادی۔قریب آدھا فرلانگ گیا ہوگا کہ بس خراب ہوگئی اور کھڑی ہوگئی۔میں نماز پڑھ کر وہاں پہنچا ڈرائیور شرمندہ ہوگیا پھر فوراً بس چلنے لگی۔

ایک مرتبہ جبل پور سے گوندیا کے راستے میں ریل کے ایک اسٹیشن پر مغرب کی نماز کا وقت ہوا۔ایک پیر صاحب نے جماعت سے نماز پڑھائی، سلام پھیرا ہی تھا کہ ریل کی سیٹی ہوئی، پیر صاحب اور دوسرے لوگ فوراً سوار ہو گئے میں دو (۲) سنت پڑھنے لگا۔اللہ کی شان گاڑی نہ چل سکی۔انجن بند ہوگیا۔میں جب نماز سے فارغ ہو کر ڈبے میں بیٹھا پھر فوراً گاڑی چلنے لگی (ایک مرتبہ اور بھی ایسا واقعہ ہوا ہے)۔

ایک مرتبہ رمضان المبارک میں سفر کرنے کا اتفاق ہوا۔دن کا وقت تھا۔میرا روزہ تھا۔ایک ہندو اپنی سگریٹ یا بیڑی جلانے کے لئے ماچس جلانا چاہتا تھا۔میں یا نور کوئی بردا پڑھتا تھا۔اور وہ ماچس فوراً بجھ جاتی تھی۔بہ کثرت بار اس نے ماچس جلانے کی کوشش کی، میں ہر بار وہی پڑھتا تھا۔آخر وہ عاجز ہو کر بیٹھ گیا اور خاموش ہوگیا۔

جب امراؤتی کالج میں تھا، ایک دن بازار گیا اور ایک دکان میں بیٹھا ہوا تھا کہ وہیں کچھ دوسرے حضرات آگئے اور اپنے اپنے علم کے مطابق ''اسم اعظم'' کی نشاندہی کرنے لگے۔یکا یک ایک مجذوب بازار سے گزرتا ہوا میرا پاس آیا (اور ہم لوگوں کی باتوں کی پروانہ کرتے ہوئے) مجھ سے اس نے فرمایا ''اسم'' کے کیا معنی ہیں؟ میں نے کہا ''نام'' پھر اُس نے پوچھا ''اعظم'' کے کیا معنی ہیں؟ میں نے کہا ''سب سے بڑا'' پھر اُس نے کہا ''سب سے بڑا نام کس کا ہوسکتا ہے''؟ میں نے کہا ''اللہ کا'' بس وہ مجذوب فوراً رخصت ہوگیا۔اللہ تعالیٰ نے کیسا کرم فرمایا اُس کا شکرادا نہیں ہوسکتا۔

میرے بچپن کے دوست ڈاکٹر سید محمد جبل پوری (م ۱۹۶۹ء) کے والد سید محمد عبدالکبیر صاحب کا کراچی میں انتقال ہوا تو کچھ عرصے کے بعد میں نے اُن کو خواب میں دیکھا۔میں نے اُن سے دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ فرمایا، تم کو یاد ہوگا کہ شہر میں کسی بھی شخص کے انتقال کی خبر مجھے ملتی تھی تو میں اُس کے غسل میت کے لئے چلا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند آئی اور میری مغفرت فرمادی۔سبحان اللہ۔

مولانا سلیمان اشرف کا جس دن انتقال ہوا میں اپنے ایک دوست کے ساتھ حیدر آباد (دکن) میں تھا۔ریڈیو سے مولانا کے انتقال کی خبر سنی تو سخت قلق ہوا۔اُن کے لئے دعا کی اور ایصال ثواب کیا۔اسی رات مولانا خواب میں تشریف لائے، دوسری رات پھر تشریف لائے اور تیسری رات پھر تشریف لائے تو مجھے خواب ہی میں خیال آیا کہ مجھے ایک مرتبہ انہوں نے ڈانٹا تھا، شاید اسی وجہ سے مسلسل تین راتوں سے تشریف لا رہے ہیں۔میں نے عرض کیا کہ آپ تو میرے استاد ہیں اور والدین کی

Marfat.com

طرح شفقت فرماتے ہیں۔ آپ کوئی خیال نہ فرمائیں۔ پھر اس کے بعد کبھی خواب میں تشریف نہیں لائے۔ اللہ تعالیٰ ان پر بے حساب رحمتیں اور نعمتیں ہر وقت نازل فرماتا رہے۔ آمین ثم آمین۔

جب میں کنگ ایڈورڈ کالج، امراؤتی (برار) میں پڑھاتا تھا تو قریب تین ماہ تک مجھے مسلسل پیچس کی شکایت رہی اور میں بہت کمزور ہو گیا تھا، تو نانا صاحب خواب میں تشریف لائے اور فرمایا کہ آج تم شکر قند کھالو۔ میں بازار گیا اور شکر قند لایا تو ایک ہی مرتبہ کھانے سے وہ تکلیف فوراً ختم ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ میرے نانا صاحب پر لاکھوں رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین۔ ثم آمین

پاکستان بن جانے کے بعد بڑے بھائی صاحب اپنے ساتھ ہاجرہ اور سراج احمد کو کراچی لے آئے تھے۔ میں اور اہلیہ مرحومہ مع ظفر احمد اور بچہ عزیز احمد خاں ۵ نومبر ۱۹۴۷ء کو بمبئی سے بحری جہاز میں کراچی ۷ نومبر کو پہنچے۔ بھائی صاحب وغیرہ ہم سب لوگ کراچی کے محلّہ چاکیواڑہ میں ایک مکان مین مقیم تھے۔ ۲۴ نمبر کو شیر خوار عزیز احمد خاں کا انتقال ہوا اور ۲۸ نومبر کو اہلیہ بھی چل بسیں۔ مارس کالج ناگپور سے رخصت پر آیا تھا وہاں سے محترم پروفیسر سید رفیع الدین کا خط آیا کہ مارچ تک کام کر کے اپریل سے تعطیل ہونے پر آپ واپس جاسکتے ہیں۔ اس لئے دسمبر میں ہوائی جہاز سے بمبئی گیا اور وہاں سے ریل میں ناگ پور پہنچا۔ چندروز کام کیا، پھر دسمبر کی تعطیل میں حیدرآباد دکن گیا۔ وہاں قبلہ ماموں عبدالمجید خاں صاحب اور ہمشیرہ صاحبہ وغیرہ بہت سے اعزاء (فسادات کی وجہ سے) مقیم ہو گئے تھے۔ ان سے مل کر پھر ناگ پور واپس آیا۔ اور جنوری میں ۱۵/۱۶ دن کام کیا۔ لیکن پھر بڑے بھائی کا تار کراچی سے آیا کہ سراج احمد خاں کو موتی جھرا نکل آیا ہے۔ چنانچہ ملازمت ترک کر کے ۲۲ جنوری ۱۹۴۸ء کو کراچی پہنچ گیا۔ کچھ عرصے کے بعد اسلامیہ کالج قائم ہوا اور مجھے وہاں لے لیا گیا۔ قریب دو سال وہاں کام کیا، پھر مولوی عبدالحق صاحب نے مجھے اردو کالج میں صدر شعبہ اردو کی حیثیت سے لے لیا۔ وہاں قریب ۶ سال تک کام کیا۔ آخری ایک سال میں کراچی یونیورسٹی میں شعبہ اردو میں بھی کام کیا۔ وہاں یونیورسٹی میں مجھے کسی وجہ سے مستقل جگہ پر نہیں لیا گیا تو یکا یک یہ آیت میرے دل ودماغ کی تسکین کیلئے یاد آئی کہ

اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ ط (کیا اللہ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں؟)

افسوس کہ بھائی حاجی نذیر احمد خاں صاحب کو آخر میں استسقاء کی بیماری ہو گئی تھی، ہاجرہ اور سراج احمد ہر وقت اُن کی خدمت میں رہے اور اس عاجز نے بھی حتی الامکان علاج کرایا لیکن مشیت الٰہی سے وہ دوشنبہ ۹ ذی الحجہ (یوم الحج) ۱۳۷۶ء (۸ جولائی ۱۹۵۷ء) کو کراچی میں فوت ہو گئے اور تین ہٹی کے قبرستان میں والدہ صاحبہ کے پہلو میں دفن ہوئے۔

انتقال سے چندروز پہلے (فجر کے قریب) میں نے خواب میں والدہ صاحبہ کو دیکھا (۱۷ صفر ۱۳۷۶ھ کو فوت ہوئی تھیں) وہ زور زور سے فرمارہی تھی ''نذیر نہیں آتا۔ نذیر نہیں آتا'' آواز اس زور کی تھی کہ میری آنکھ کھل گئی اور میں سمجھ گیا کہ وہ بھائی صاحب کو اپنے پاس بُلا رہی ہیں۔

ہم لوگ کراچی میں (۳۳۸، پیر الٰہی بخش کالونی) میں رہتے تھے۔ اُس وقت سراج احمد سلمہ، قریب ۶/۷ سال کا تھا، تو یکا یک غائب ہو گیا۔ معلوم ہوا کہ یہاں سے خانہ بدوش لوگ گزرے تھے وہ شاید لے گئے ہیں۔ میں سخت بے قراری کے عالم

Marfat.com

میں تھا اور میرے پاس کوئی چارہ کار نہیں تھا سوائے اس کے کہ بارگاہ الٰہی میں سر رکھ دوں۔ میں دیر تک گڑگڑا کر عرض کرتا رہا۔ اللہ تعالیٰ کی شان کریمی کو جوش آیا اور سراج احمد اُن لوگوں کے چنگل سے نکل بھاگا اور گھر پہنچ گیا۔ اللہ تعالیٰ کا کس زبان سے شکر ادا ہوسکتا ہے!

بالکل اسی طرح کا واقعہ یہاں سندھ یونیورسٹی میں ہوا۔ ہمارے یہاں مکان کے بالکل عقب میں لڑکیوں کا ہاسٹل تھا۔ اُس میں ایک ملازم تھا۔ وہ صفیہ سلمہا کو (جو اس وقت دو سال کی تھی) اٹھا کر لے گیا۔ اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں ڈالا کہ صفیہ کے متعلق معلوم کروں، اُس کی والدہ سے پوچھا کہ صفیہ کہاں ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہیں کھیل رہی ہوگی۔ میں نے کہا کہ نہیں، فوراً دیکھو۔ انہوں نے دیکھا تو کہیں نہیں تھی۔ میں گھر سے باہر نکلا تو وہ (ہاسٹل کا ملازم) اُسے لے کر اُس راستے جو پوسٹ آفس کی طرف جاتا ہے، لئے جا رہا تھا۔ میں نے اُسے للکارا۔ وہ شرمندہ ہوگیا۔ لیکن میں نے اُس کے ساتھ کوئی سختی نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ اُسے معاف فرمائے۔ آمین۔

میں جب کراچی میں تھا تو میرے ایک فرما عبدالحسیب صاحب جبل پوری کے والد صاحب کو کسی نے غائب کر دیا۔ عبدالحسیب صاحب نے مجھ سے دعا کے لئے فرمایا۔ میں سجدے میں گر کر دعا کر رہا تھا کہ یکایک ایسا نظر آیا کہ ان کے والد صاحب کسی پل کے قریب پڑے ہوئے ہیں اور اُن کا سر کاٹ دیا گیا ہے۔ میں نے یہ واقعہ عبدالحسیب صاحب کو شاید نہیں بتایا۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے۔ آمین۔

سندھ کے قیام کے زمانے میں ٹھٹھہ، پیر پٹھو، لواری شریف، بدین، بھٹ شاہ، ہالا، قاضی احمد، گرہوڑی شریف، ٹنڈو محمد خان، ٹنڈو سائیں داد، قبہ شریف، میر پور خاص، سامارو، نواب شاہ، روہڑی، جیکب آباد، لاڑکانہ، دادو، جھم پیر وغیرہ اور مشرقی پاکستان میں ڈھاکہ وغیرہ بہ کثرت مقامات کے بزرگوں کی خدمت میں حاضری نصیب ہوئی۔ کیفیات اور حالات کہاں تک بیان کئے جائیں۔ قلم لکھنے قاصر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں ہوسکتا (الحمداللہ)

ٹھٹھہ (مکلی) کے قبرستان میں بارہا حاضر ہوا ہوں۔ وہاں حضرت فضیل رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں جب بھی حاضر ہوا عجیب جوش اور وارفتگی پیدا ہوئی ہے۔ ایک مرتبہ انہوں نے فرمایا کہ "تم بہت مصروف رہتے ہو اس لئے قادری سلسلے کا ایک ہی سبق کر لیا کرو۔ یعنی ہر روز ایک سو بار کلمہ طیبہ پڑھ لیا کرو"

پروفیسر علی نواز جتوئی مرحوم (صدر شعبہ سندھی، سندھ یونیورسٹی) کے ساتھ سندھ کے بہ کثرت اولیائے کرامؒ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہتا تھا۔

ایک مرتبہ حضرت شہباز قلندر رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری کے لئے پروفیسر صاحب کے لئے ریل سے سہون پہنچا۔ وہاں سے تانگے میں بیٹھ کر ہم لوگ مزار شریف کی طرف جانے لگے تو حضرت شہباز قلندر رحمتہ اللہ علیہ خود ہی تشریف لے آئے۔ فرمایا کہ تم کہاں جا رہے ہو؟ میں تو بدعات کی وجہ سے وہاں نہیں رہتا۔ میں نے عرض کیا کہ کم از کم آپ کے آستانے ہی کی زیارت ہو جائے گی۔

Marfat.com

وہاں اسٹیشن سے مغرب کی طرف مجھے کئی مرتبہ کشش ہوئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہاں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے خلفاء حضرت حافظ محمد موسیٰ، اور محمد اسحاق کے مزارات ہیں۔ غلطی سے ان کو سیجونی کے بجائے شوجین، شوین (کتابوں میں) لکھا گیا ہے۔

یہ واضح رہے کہ مسلمان جب شمالی مغربی علاقوں سے ہندوستان میں داخل ہوئے تو انہوں نے اپنے دریاؤں کے نام یہاں کے دریاؤں کے لئے مقرر کر دیئے۔ یعنی گنگا کو جیجون اور سندھ کو سیجون کہنے لگے۔

حضرت شہباز قلندر رحمتہ اللہ علیہ کے مزار شریف میں داخل ہونے سے پہلے داہنی طرف اُن کے خلیفہ سید علی رحمہ اللہ علیہ کا مزار ہے۔ کتابوں میں ہے کہ وہ بغداد کے گورنر رہ چکے تھے۔ اُن کے خاندان سے میرے کرم فرما حافظ سید ضمیر الحسن مرحوم حیدر آباد میں تھے۔ اُن کے ساتھ کئی مرتبہ وہاں حاضری ہوئی۔ ایک مرتبہ اُن کی اہلیہ بھی ساتھ تھیں۔ اُن کے ساتھ علی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا، عرض کیا کہ حضرت آپ کے عزیز حافظ ضمیر الحسن صاحب کی کئی بیٹیاں ہیں۔ بیٹے نہیں ہیں۔ یکا یک مزار شریف کی چھت سے گلاب کا ایک پھول گرا۔ میں نے وہ پھول حافظ صاحب کی اہلیہ کو پیش کیا کہ اُسے کھالیں۔ اللہ تعالیٰ کی شان کریمی کہ پھر اُن کے یہاں تین بیٹے پیدا ہوئے۔ الحمد للہ!

کہا جاتا ہے کہ سید علی رحمتہ اللہ علیہ کے ایک بھائی سندھ کے گورنر رہ چکے ہیں۔ ان کا خاندان یوپی میں چلا گیا۔ وہاں سیجون سے سہسوان ایک شہر کا نام ہوا۔ (بدایوں کے قریب) اس کے متعلق بعض دوسری روایت بھی ہے۔ وہاں اب بھی سندھی محلہ ہے اور اسکے رہنے والوں کی زبان پر سندھی کے بہت سے الفاظ چڑھے ہوئے ہیں۔

اسی طرح بُرہان پور (سی۔ پی) میں سندھی محلہ اور وہاں سندھ کے بہت سے اولیاء دفن ہیں اور وہاں کے اولیاء ٹھٹھہ میں ہیں۔ بفضلہٖ تعالیٰ جمعہ اور دوشنبہ کو اپنے یہاں مراقبہ ہوا کرتا ہے۔ (پہلے عصر کے بعد قرآن خوانی اور مسائل شریعت کا بیان ہوتا تھا اور مغرب کے بعد مراقبہ ہوتا تھا) دوشنبہ ۲۴ محرم الحرام ۱۴۰۴ھ (۳۱ اکتوبر ۱۹۸۳ء) کو قرآن خوانی کے بعد اور پھر مغرب کی نماز سے فراغت پر جب حلقۂ ذکر و مراقبہ شروع ہوا اور یہ عاجز جب حقیقت کعبہ والے سبق پر پہنچا تو سامنے خانہ کعبہ کا دروازہ نظر آیا اور ملتزم پر حضرت عائشہؓ اور حضرت فاطمہؓ اور اُن کے ساتھ کچھ دوسری خواتین بھی نظر آئیں اور وہ سب مجھ عاجز کو دیکھتی رہیں۔ حضرت عائشہؓ چوں کہ اُم المومنین ہیں اسلئے ان کا چہرہ مبارک کھلا ہوا تھا۔ لیکن حضرت فاطمہؓ نقاب میں تھیں۔ تاہم اُن کے چہرہ مبارک کی روشنی جھلک رہی تھی۔ حضرت عائشہؓ کا چہرہ مبارک گول تھا، سر کے بال بھی گول گول بندھے ہوئے تھے۔ بہت خوبصورت اور تندرست نظر آئیں۔ البتہ حضرت فاطمہؓ کا چہرہ مبارک کچھ لمبا نظر آ رہا تھا اور کچھ دبلی نظر آئیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب بزرگوں کے صدقے میں عاقبت بہ خیر فرمائے۔ سب عزیزوں اور کل مسلمانوں کو فلاح دارین نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ بجاہ (خانہ کعبہ کے دروازے کا رخ مشرقی ممالک (پاکستان ہندوستان وغیرہ) کی طرف ہے۔ ممکن ہے کہ اس سعادت و برکت سے مشرقی ممالک میں دین کا رشتہ کچھ زیادہ مضبوط معلوم ہوتا ہے)۔

ایک مرتبہ خیال آیا کہ میں اپنے ایک عزیز کو دیکھ لوں کہ میں نے انہیں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ چنانچہ ایک دن عشاء کے

Marfat.com

بعد مراقبے میں بیٹھا تھا تو ان کا خیال کرتے ہی مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میں اُن کی قبر میں داخل ہو گیا ہوں۔ اُن کو اچھی طرح دیکھا اور اُن کے حلیے کے متعلق جو باتیں سنی تھیں وہ سب نظر آئیں، انہوں نے فرمایا کہ میرے انتقال پر میرے بڑے بھائی صاحب نے تجہیز و تکفین میں پچاس روپے صرف کئے تھے وہ تم ان کو ادا کر دو۔ میں نے وعدہ کیا۔ مراقبہ کے بعد مرحوم کی ایک عزیزہ سے اس رقم کے متعلق بتایا تو وہ ہکا بکا رہ گئیں اور کہنے لگیں کہ اس رقم کے بارے میں ہمارے علاوہ کسی کو علم نہیں۔ اور ہم نے یہ رقم ان کے بھائی صاحب کو اس لئے ادا نہیں کی تھی کہ وہ حقیقی بھائی ہیں۔

بہر حال میں نے وہ رقم فوراً اپنے بھائی کو بھیج دی۔ اس رقم کے ملنے کے چند روز کے بعد اُن کا بھی انتقال ہو گیا۔

کلفٹن (کراچی) میں حضرت عبداللہ شاہ غازی علیہ الرحمہ کا مزار مشہور ہے۔ کئی مرتبہ حاضر ہوا ہوں۔ ایک مرتبہ حضرت محمد سعید قریشی علیہ الرحمہ کے بھائی صاحب اور کئی حضرات کے ساتھ حاضر ہوا۔ ہم سب لوگ مُراقب ہوئے۔ اُن کا مزار مغرب سے مشرق کی طرف ہے۔ (شمال سے جنوب کی طرف نہیں ہے)۔ مراقبے کے بعد میرے ساتھ جو کئی بزرگ تھے انہوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ تم کو کیا نظر آیا؟ میں نے عرض کیا کہ اس مزار میں وہ بزرگ نہیں ہیں۔ کوئی بڑا پرندہ دفن کر دیا گیا ہے۔ اور حضرت عبداللہ شاہ غازی رحمتہ اللہ علیہ نے مجھ سے فرمایا کہ میں اسی علاقے میں دوسری جگہ ہوں، یہاں نہیں ہوں (خدا کرے کہ مجھے صحیح کشف ہوا ہو) میرے ساتھ جو کئی بزرگ تھے انہوں نے فرمایا کہ تم صحیح کہتے ہو۔

کوئٹہ گیا تو وہاں سے ''زیارت'' مقام پر بھی حاضر ہوا۔ وہاں بابا طاہر خرواری علیہ الرحمہ کا مزار ہے۔ بڑی کیفیت طاری ہوئی۔ ایسا یاد ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ تم میرے خاندان سے ہو۔

پشاور میں مہابت خان علیہ الرحمہ کے مزار پر بھی (کئی مرتبہ) حاضری دی۔ عجیب کیفیت طاری ہوئی۔ وہ اور اُن کے بھائی جو ساتھ ہی دفن ہیں بے حد شفقت سے پیش آئے۔ اُن دونوں کے مزار جوش محبت میں لرز رہے تھے۔ ایسا محسوس ہوا کہ مہابت خان مجھ سے فرما رہے ہیں کہ تم میرے خاندان سے تعلق رکھتے ہو۔

سیالکوٹ میں ملا عبدالحکیم رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پر (کئی بار) حاضری نصیب ہوئی۔ بڑا اکرم فرمایا اور وہاں ہر وقت ایک جن کو خدمت میں حاضر دیکھا۔ خواب میں دیکھا کہ قیامت آ رہی ہے۔ گرد و غبار پھیلا ہوا ہے۔ میری اہلیہ قمر بیگم قرآن پاک پڑھ رہی ہیں۔ دوسرے لوگ بھی پڑھ رہے ہیں۔

علامہ آئی آئی قاضی صاحب نے جب سفر آخرت اختیار فرمایا تو سندھ کے ایک بزرگ نے مجھ سے فرمایا کہ اُن کی نماز جنازہ نہیں پڑھنا چاہیئے۔ میں نے عرض کیا کہ حضور انور ﷺ کو تو تحقیق کے ساتھ معلوم ہو جاتا تھا۔ (خواہ فرشتوں کے ذریعے) لیکن ہم لوگوں کو تحقیق کے ساتھ معلوم نہیں کہ یہ سانحہ کس سبب سے ہوا ہے۔ بہر حال میں نے نماز جنازہ پڑھائی۔ یہ واقعہ ۱۳ اپریل کا ہے۔ میں گھر آ کر سو گیا تو ایک ایسا واقعہ رونما ہوا کہ جسے عقل تسلیم نہیں کرے گی وہ یہ کہ رات کو قریب ۳ بجے علامہ صاحب تشریف لائے، میں گرمی کی وجہ سے صحن میں سو رہا تھا، مجھے جگایا اور فرمایا کہ تم نے ابھی تک تہجد کی نماز نہیں پڑھی۔ میں نے وضو کیا اور نماز شروع کی تو علامہ صاحب میرے مصلے کے قریب بیٹھے رہے۔ پھر فرمایا ''مجھ سے غلطی ہوئی لیکن اللہ تعالیٰ بڑا رحیم و

Marfat.com

کریم ہے" میرا دل بہت متاثر ہوا میں اُن کے لئے دعا کرتا ہوں۔

بس دعا ہے کہ اللہ پاک اپنے حبیب ﷺ، کل انبیاء علیہم السلام کل بزرگان دین علیہم الرضوان والرحمہ کے صدقے اور طفیل میں آخرت میں بھی لاج رکھ لے اور میرے عیوب کی پردہ پوشی فرماتے ہوئے جس طرح اس دنیا میں نوازا ہے، آخرت میں بھی نوازے۔ نیز یہ عاجزانہ دعا ہے کہ میرے تمام اعزا، مستعلقین و مسلمین کو سلفاً و خلفاً بیش از بیش فلاح دارین عطا فرمائے اور ہم سب کی نسلوں کو قیامت تک ایمان پر رکھے، اور ایمان پر اٹھائے۔ آمین ثم آمین۔

گلے خوشبوئے در حمام روزے۔ رسید از دستِ محبوبے بہ دستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری۔ کہ از بوے دلآ ویز تو مستم
بگفتا من گلے نا چیز بودم۔ ولیکن مدتے باگل نشستم
جمال ہم نشیں در من اثر کرد۔ وگر نہ من ہماں خام کہ ہستم

(سعدیؒ)

کچھ ذکر پیروں کا

میری کتاب "بھولی ہوئی کہانیاں" میں جبل پور کے ایک پیر صاحب کا ذکر ہے، جو طوائفوں کا گانا سنتے تھے۔ سوانح محمد یوسف خان گلشن آبادی کی خودنوشت سوانح عمری میں (جو راقم الحروف نے شائع کی ہے) اُن کے پیر صاحب کا ذکر ہے جو "ڈومینوں کا ناچ" دیکھتے تھے۔ میں جب کنگ ایڈورڈ کالج امراوتی میں تھا اور امراوتی کیمپ میں رہتا تھا تو وہاں ایک پیر صاحب حیدر آباد (دکن) سے آیا کرتے تھے۔ ایک صاحب نے اُن کے جلسے میں مجھے بھی یاد فرمایا۔ سماع شروع ہوا تو پیر صاحب کھڑے ہو گئے۔ اُن کے ساتھ ہم سب لوگ کھڑے ہو گئے۔ پیر صاحب نے یکایک مجھے پکڑ کر ناچنا چاہا، میں اُن کے قابو میں نہ آسکا۔ اُنہوں نے پھر موقع پا کر مجھے پکڑ لیا اور ۲۔۳ چکر لگائے۔ جونہی اُنکی گرفت ڈھیلی ہوئی میں اُس محفل سے باہر آگیا۔ پیر صاحب شرمندہ ہو گئے اور لوگوں نے اُن پر لعنت بھیجی۔ پاکستان آکر جب حضرت شاہ زوار حسین صاحب علیہ الرحمہ سے بیعت ہوا تو پھر کئی پیروں نے اپنے اپنے سلسلے میں مجھے بیعت کرنے کی کوشش کی۔ ایک صاحب فرمانے لگے کہ صحابہ کرام (رضی اللہ عنھم) سے میری ملاقات ہوتی ہے۔ ایک دن فرمایا کہ حضور انور ﷺ تشریف لائے تھے لیکن کسی وجہ سے آپ کے مکان پر تشریف نہیں لائے اور مسجد تشریف لے گئے۔ ایک دن ایک من گھڑت حدیث سنائی کہ حضور انور ﷺ نے فرمایا کہ اگر بایزید بسطامی پڑھانے والے ہوں اور رابعہ بصری پڑھنے والی ہوں تب بھی تنہائی میں عورت کو پڑھانا جائز نہیں۔ ان پیر صاحب نے طرح طرح سے رقم حاصل کی۔ پھر حیدر آباد تشریف لائے اور فرمانے لگے کہ آپ قادریہ سلسلے میں مجھ سے بیعت ہو جائیں۔ پھر مجھے وہ حیدر آباد کے بزرگ عبدالوہاب قادری رحمہ اللہ علیہ کے مزار شریف پر لے گئے اور میرے ساتھ وہ بھی مراقب ہوئے۔ حضرت علیہ الرحمہ کی طرف سے مجھے اشارہ ہوا کہ اس شخص سے گریز کرو۔

Marfat.com

حیدر آباد میں پھر کئی اور پیر آتے رہے اور مجھے شکار کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ایک پیر صاحب نے دو (۲) کتابیں بھیجیں کہ وہ اُن کی تصنیف کردہ ہیں۔انہیں دیکھ لیں۔وہ کتابیں سلوک کے متعلق تھیں لیکن بعد میں اندازہ ہوا کہ وہ کسی دوسرے بزرگ کی لکھی ہوئی تھیں اور موجودہ پیر صاحب نے اپنے نام سے شائع کی تھیں۔وہ جب تشریف لائے تو بالکل ''گدھے'' معلوم ہوتے تھے۔نیلا ریشمی تہمد، پھول دار کرتا، ریشمی ٹوپی، چار اُنگلیوں میں انگوٹھیاں، سرخ موزے، زری کے جوتے، اُن کا لباس تھا۔میں نے اُن کی کتابوں میں جو آیتیں درج تھیں اُن کی شرح چاہی تو بیچارے ہر بار ''ہوں، ہوں، ہوں، ہوں'' کہتے رہے۔ پھر ذکر جہر صرف ھُوھُو (بلند آواز سے) کرنے کو فرمانے لگے۔بیچارے کیا جانیں کہ بلند آواز سے ھوھو کرنا کس قدر دشوار ہے کہ چند بار کرنے ہی سے انسان تھک جائے گا۔کراچی میں پروفیسر محمد حسین سلیمانی صاحب میرے ساتھ اردو کالج میں تھے۔اُن کا بیٹا گم ہوگیا تھا۔مجھ سے فرمانے لگے کہ ابی سینیا لائن کے علاقے میں ایک بزرگ رہتے ہیں۔اُن سے دعا کرانے کے لئے میرے ساتھ چلو۔میں وہاں حاضر ہوا اندازہ ہوا کہ اُن کی آمدنی کم ہوگئی ہے۔فرمانے لگے کہ میں ہاتھوں میں مشک وعنبر لگا کر (خوشبودار) دعاء کرتا ہوں۔آپ لے آئیں تو میں دعا کردوں گا۔بیچارے سلیمانی صاحب پریشان تھے اس لیے کہنے لگے کہ پیر صاحب آپ ہی مشک وعنبر منگوالیں۔پیر صاحب بہت خوش ہوئے، کیوں کہ وہ یہی چاہتے تھے۔غالباً یہ واقعہ ۱۹۴۰ء کا ہے۔ پیر صاحب نے ستر روپے طلب فرمائے۔وہ اُن کو پیش کردیئے گئے۔قریب ہی مسجد تھی۔ظہر کی اذان ہونے لگی۔پیر صاحب نے مکہ معظمہ میں نماز پڑھنے کیلئے ارادہ ظاہر کیا۔ہم لوگ چھوٹے آدمی تھے تو ہم نے وہیں مسجد میں نماز پڑھ لی۔

ایک اور زبردست پیر صاحب نے پہلے اپنے خاص مریدوں کو شکار کرنے کے لئے میرے پاس بھیجا۔پھر وہ خود تشریف لائے۔دعویٰ فرمایا کہ میں پاکستان میں اسلام قائم کرکے رہوں گا۔لیکن میں نے اُن میں شریعت کے خلاف کئی باتیں دیکھیں۔اوراُن سے طبیعت نے ابا کیا۔اُن کے متعلق کئی باتیں بیان کرنے سے گریز کرنا ہی بہتر معلوم ہوتا ہے۔

حیدر آباد میں حضرت عبدالوہاب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے گرد بہت سے کھانے کمانے والے بھی پڑے رہتے ہیں۔ایک صاحب شاید اس نیت سے میرے پاس آئے کہ اس (راقم الحروف) کے پاس بہت سے لوگ آتے ہیں تو اپنا اثر قائم کیا جائے۔وہ بیچارے لمبا کرتہ اور عمامہ زیب تن کرکے آئے اور بیٹھتے ہی انہوں نے جو کچھ سیکھا تھا مجھ پر عمل کرنا شروع کردیا۔مجھے سر میں کچھ درد محسوس ہوا، میں فوراً ذکر کی حالت میں بیٹھ گیا۔شاید ایک منٹ بھی نہ لگا ہوگا کہ وہ پیر صاحب ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہوگئے اور معافی مانگنے لگے۔پھر قریب ڈھائی ماہ بیمار رہے۔اس دوران ایک آدمی کو بھیجا کہ مجھے معاف کردیں۔پھر ڈھائی ماہ کے بعد خود تشریف لائے اور ذکر کا طریقہ سیکھا۔الحمد اللہ۔

ایک صاحب نے کچھ جادو سیکھ کر جوان لڑکیوں کو متاثر کیا تھا۔لڑکیوں کے عزیزوں نے مجھ سے فرمایا کہ کچھ کردوں۔لڑکیاں اچھی ہوگئیں لیکن اُن صاحب نے انتقام کے طور پر کچھ جادو مجھ پر کرنا چاہا۔رات کو مکان کی گلی میں کچھ ظاہر ہوا۔میں نے اللہ تعالیٰ کے فضل سے سورہ مزمل پڑھی تو وہ اثر (بحمد اللہ) فوراً ختم ہوگیا۔

''حضرت کی کتاب فضل کبیر کو شامل کیا گیا ہے فضل کبیر میں حضرت کی ہاتھ سے لکھی اور یجنل ڈائری کا عکس بھی موجود۔

Marfat.com

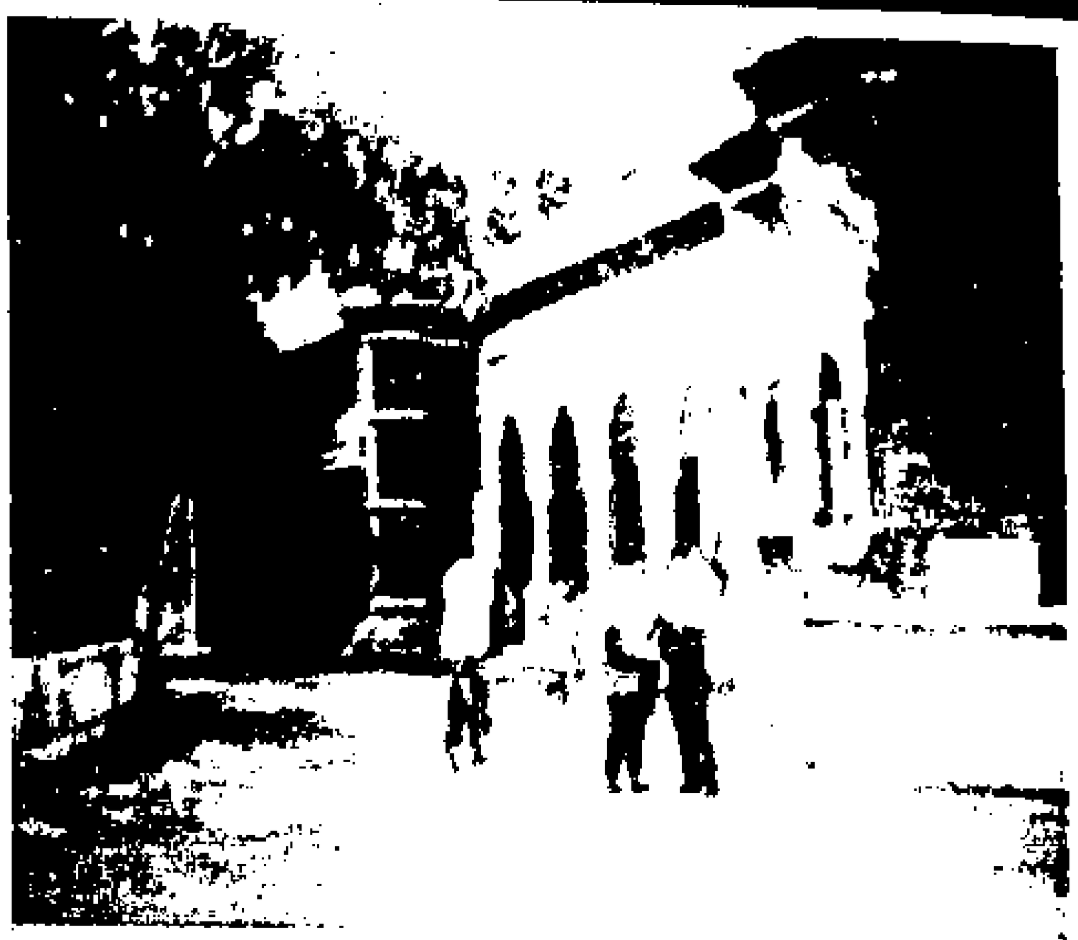

[illegible] سے ڈاکٹر صاحب نے ۱۹۱۸ء [illegible]

[illegible] (جہلم) کا منظر

ڈاکٹر صاحب [illegible]

[illegible] کے لیے [illegible]

[illegible] جہاں آپ ۱۹۱۸ء سے ۱۹۲۰ء تک زیر تعلیم رہے

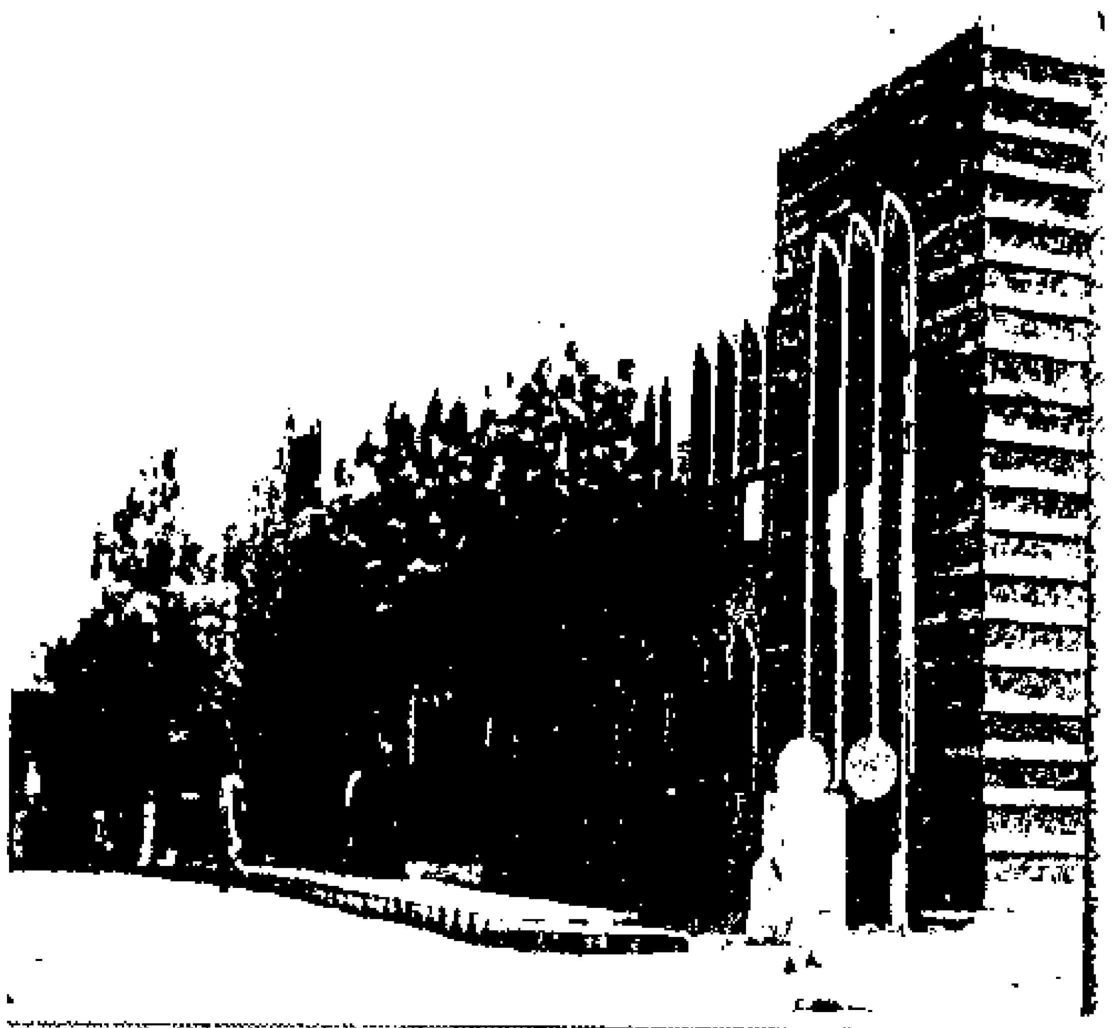

۱۹۷۶ء میں [illegible] کی عمارت [illegible] آپ [illegible]

۱۹۸۵ء [illegible]

۱۹۲۸ء ڈاکٹر صاحب [illegible]

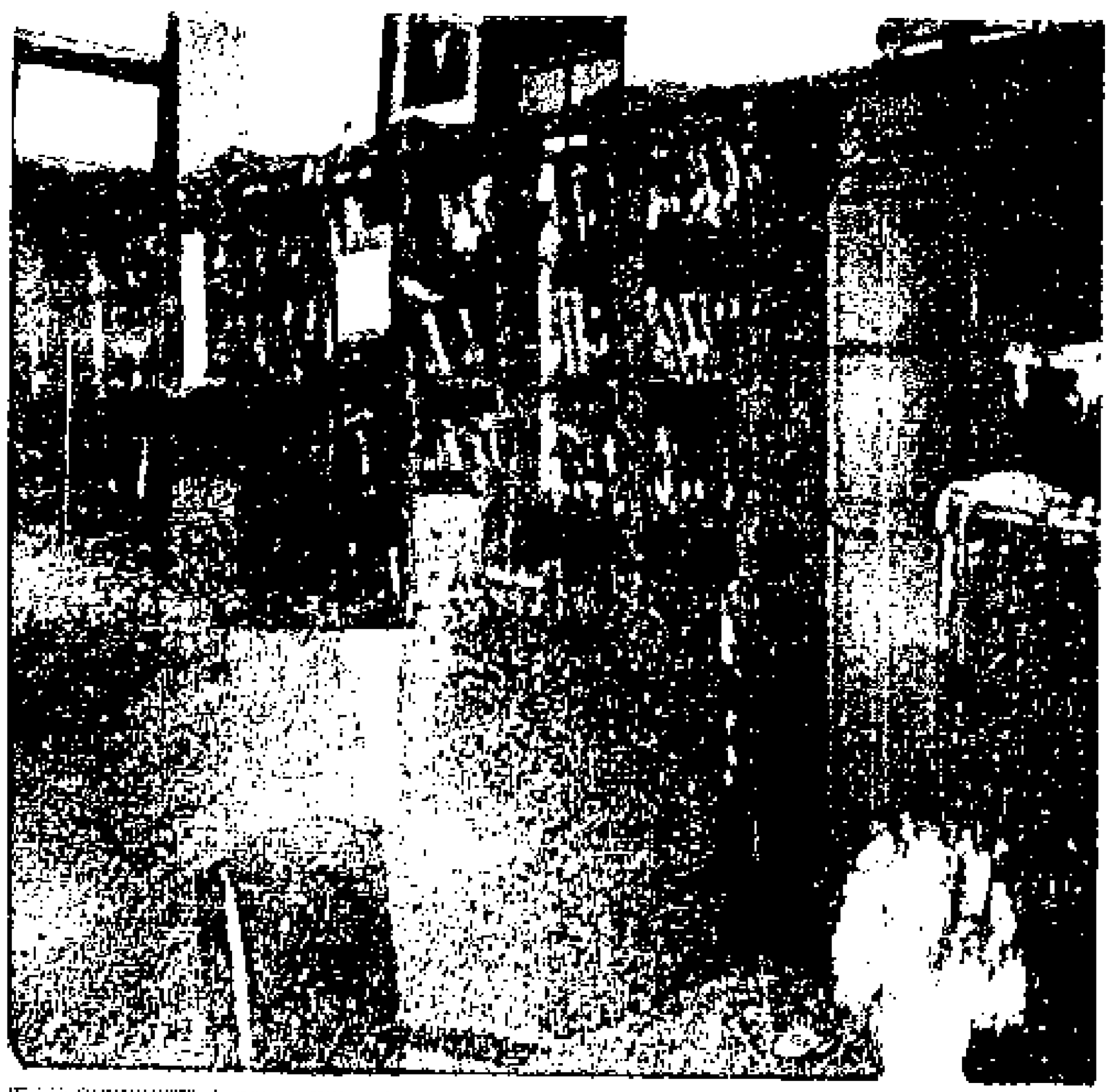

۱۹۱۵ء [illegible]

[illegible]

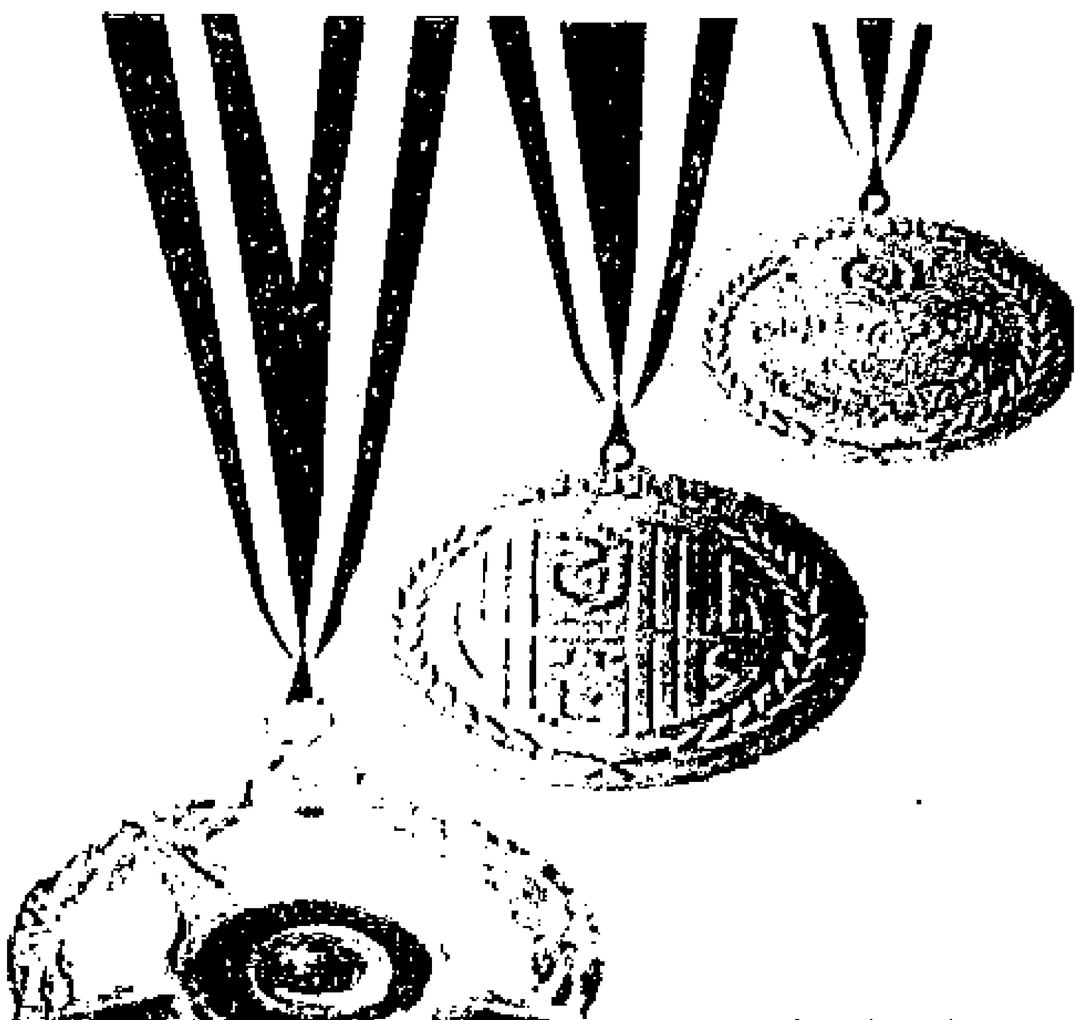

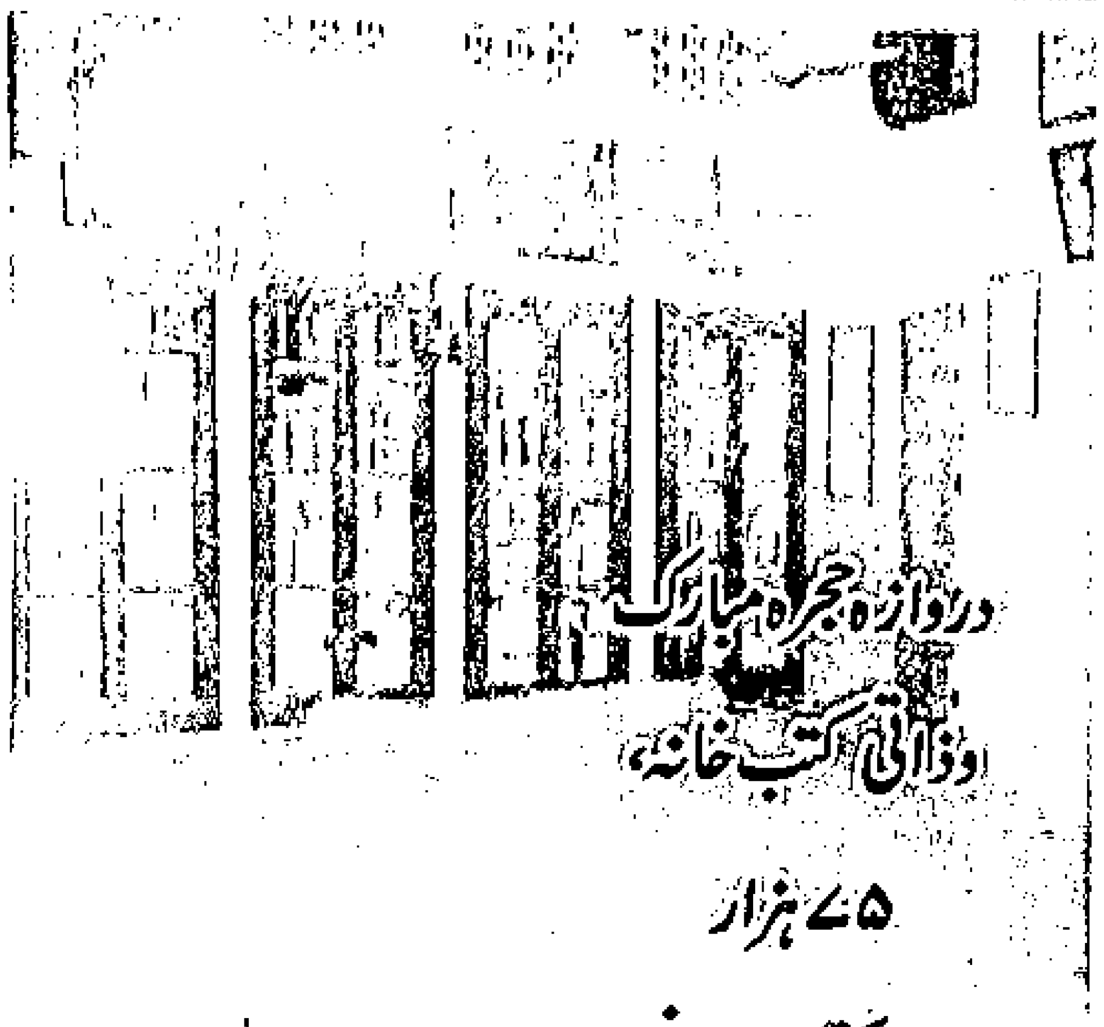

Marfat.com

المصطفیٰ ٹرسٹ (حیدرآباد)

گنبد المصطفیٰ مسجد

زمین خرید کر مسجد المصطفیٰ کی تعمیر کی گئی۔

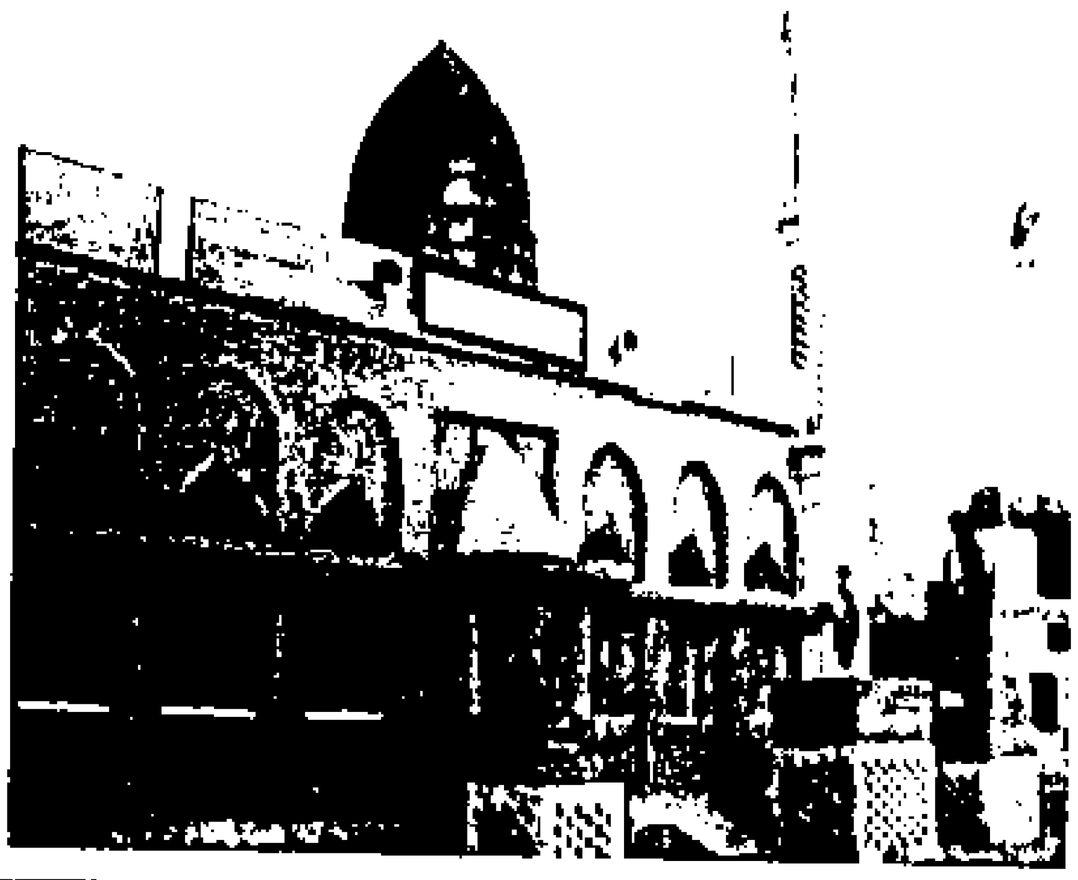

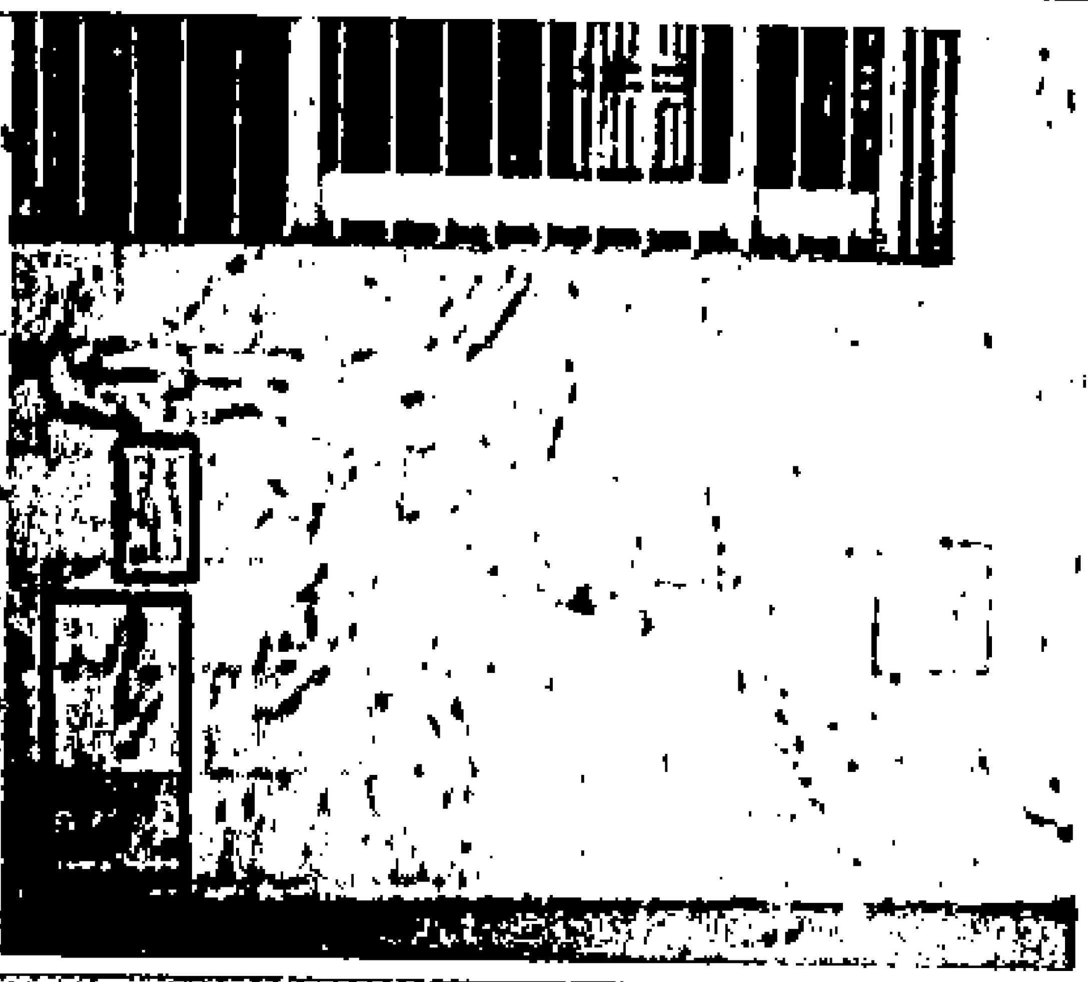

مسجد کے اندر سنگ مرمر میں قدرتی طور سے اللہ محمد عربی علی لکھا ہوا ہے

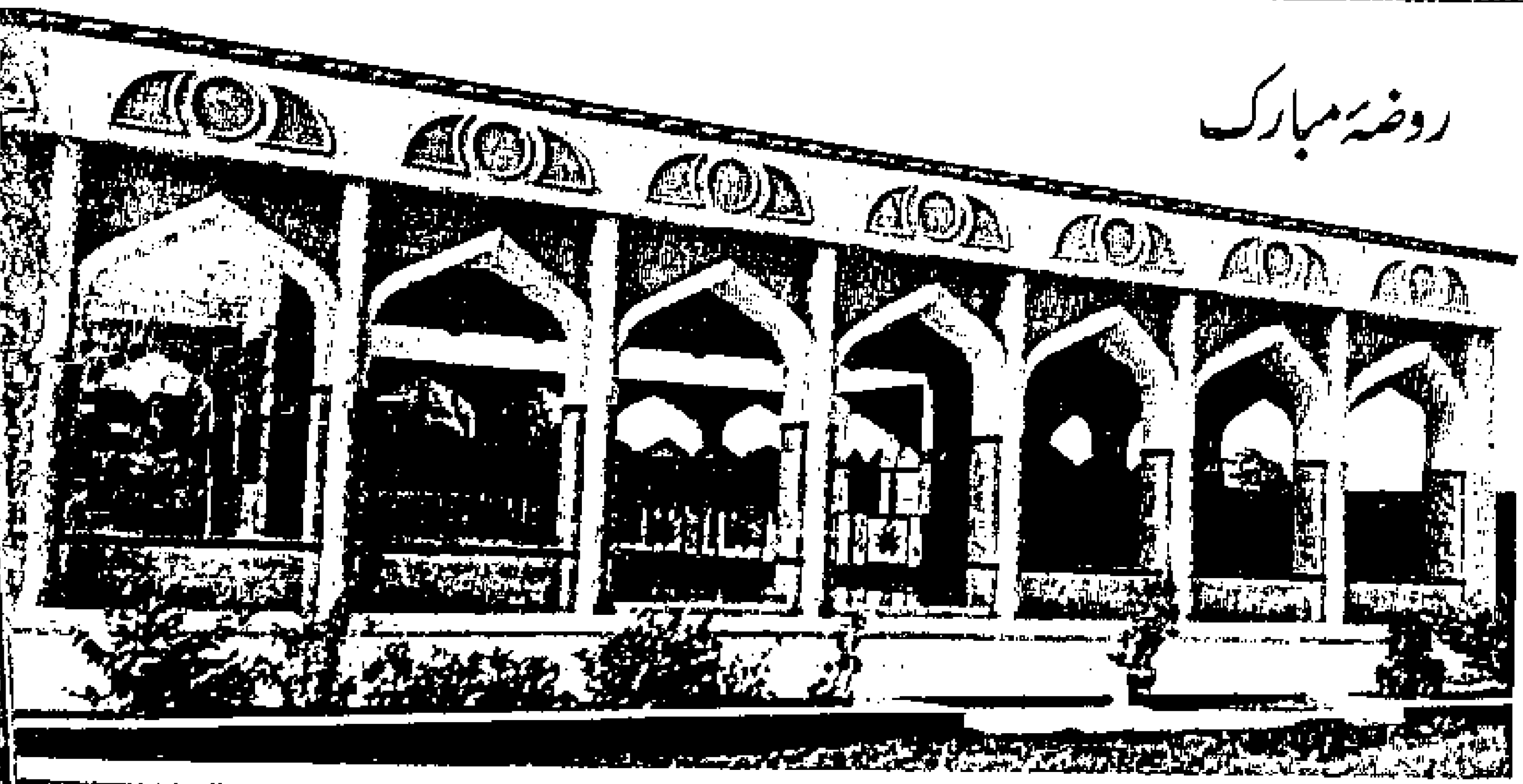

روضہ مبارک

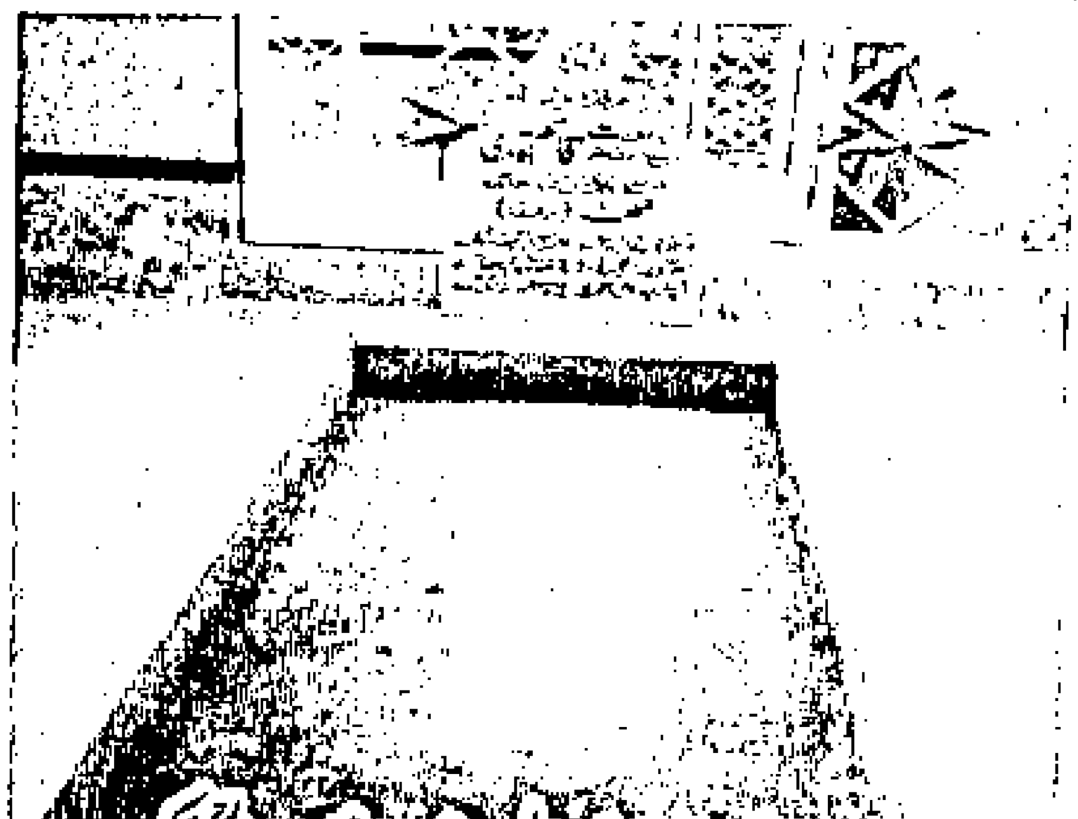

حضرت قاسم قادری المعروف عثمان بابا کی قبر مبارک (دو سو سال پرانی قبر)

حضرت ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحبؒ کی قبر مبارک

سراج احمد خان صاحبؒ، ظفر احمد خان صاحبؒ کی قبر مبارک (بیٹے)

Marfat.com

مسجد

مسجد المصطفیٰ ڈاکٹر صاحبؒ نے زمین خرید کر تعمیر کروائی ہے۔ ڈاکٹر صاحب اس مسجد میں نماز ادا فرماتے تھے۔ مسجد بھی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے، اس کے مینار و گنبد مسجد نبوی جیسے ہیں اور رنگ وہی ہے جو پہلے مسجد نبوی کا تھا یعنی سرخ۔

مسجد میں ایک خوبی ایسی ہے جو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے وہ یہ ہے کہ مسجد میں جو ماربل لگا ہے، جب اسکی گھسائی ہوئی تو قدرتی طور پر پتھروں پر کلمہ شریف، اللہ، محمد (ﷺ)، عمرؓ، علیؓ، حسنؓ، مصطفی ﷺ لکھے ہوئے نظر آئے، جس سے مسجد کی شان دوبالا ہوگئی۔ دور دور سے لوگ مسجد دیکھنے اور نماز پڑھنے آتے ہیں۔

شامیانے کا ہوا میں بلند ہونا

ڈاکٹر صاحب نے مریدوں سے آخری ملاقات ۱۳ اپریل ۲۰۰۵ اتوار کے سالانہ جلسے کے موقع پر کی۔ یہ جلسہ مجدد الف ثانیؒ کی تعلیمات کے لئے منعقد کیا جاتا ہے۔ جس وقت آپ جلسے گاہ سے رخصت ہونے لگے ہوا نے اس قدر شدت اختیار کی شامیانے ہوا میں بلند ہو گئے اور تقریباً دس سے پندرہ منٹ ہوا میں معلق رہے۔ جلد ہی لوگوں اس واقعے کو سروں سے سایہ اٹھ جانے کی نشانی ظاہر کیا ڈاکٹر صاحب سے لوگوں کا عشق دیدنی تھا جسے ضبط تحریر میں لانا مشکل ہے شاید ہی کوئی ایسی آنکھ ہو جو اپنے تئیں اظہار محبت نہ کر رہی ہو۔ بیک وقت ہزاروں افراد سے ڈاکٹر صاحب کی یہ آخری ملاقات تھی۔

راقم اس جلسے میں خواتین میں موجود تھی جس نے شامیانوں کے بلند ہونے اور ہوا میں معلق ہونے کو اپنی آنکھ سے دیکھا اور شامیانہ ہوا ختم ہونے کے بعد واپس اپنی جگہ پر آ کر کھڑا ہوا ہزاروں کا مجمع تھا کسی کو کوئی چوٹ نہیں آئی۔ (سبحان اللہ)

فہرست تصنیفات، تالیفات اور تراجم

۱۔ ''سید حسن غزنوی'' (مقالہ پی۔ ایچ ڈی)

۲۔ تاریخ بہرام شاہ غزنوی (انگریزی) ۱۹۵۵ء میں لاہور سے شائع ہوئی۔

۳۔ چند فارسی شعراء دو مرتبہ شائع ہو چکی ہے۔ پہلا ایڈیشن سید حسن غزنوی اور انکے معاصرین کے متعلق تھا۔ اضافوں کے ساتھ ۱۹۸۹ء میں نیا ایڈیشن آیا۔

۴۔ ''فارسی پر اردو کا اثر'' ۱۹۵۲ء (پہلا ایڈیشن) اور ۱۹۶۱ء میں دوسری بار اشاعت پذیر ہوئی۔ اس میں فارسی کی کتابوں سے اردو کے الفاظ کے استعمال کا ذکر ملتا ہے۔

۵۔ ''مکتوبات شاہ احمد سعید دہلوی'' (فارسی مکتوبات) ۱۹۵۵ء میں شائع ہوئی۔

۶۔ ''ارشاد رحیمہ'' (شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے والد کی تصنیف مع اردو ترجمہ) ۱۹۵۲ء میں طبع ہوئی۔

۷۔ ''ہدایت الطالبین'' (شاہ ابوسعید دہلوی کی تصنیف مع اردو ترجمہ) ۱۹۵۶ء (پہلا ایڈیشن) اور ۱۹۶۶ء (دوسرا ایڈیشن) میں شائع ہوئی۔

Marfat.com

کے نصاب میں شامل ہے۔

۸۔ ''حالی کا ذہنی ارتقاء'' ۱۹۵۶اور ۱۹۶۶ء میں شائع ہوئی، سندھ یونیورسٹی (ایم اے اردو) کے نصاب میں شامل ہے۔

۹۔ علمی نقوش (تحقیقی مقالات) ۱۹۸۷ء میں شائع ہوئی۔ ''فارسی پر اردو کا اثر'' اور حالی کا ذہنی ارتقاان تینوں کتابوں پر انہیں ناگ پور یونیورسٹی نے ڈی لٹ کی ڈگری دی۔

۱۰۔ ''رسائل مشاہیر نقشبندیہ'' (نایاب رسائل) ۱۹۵۸ء میں شائع ہوئے۔

۱۱۔ ''ملفوظات اکابر نقشبندیہ'' ۱۹۵۹ء میں طبع ہوئے۔

۱۲۔ ''ادبی جائزے'' (ادبی مضامین کا مجموعہ) ۱۹۵۹ء میں طبع ہوئے۔

۱۳۔ ''دیوان روشن سرہندی'' (فارسی) ۱۹۶۱ء میں شائع ہوا۔

۱۴۔ ''تفسیر مولانا عبید اللہ سندھی'' (صرف آخری پارہ) ۱۹۵۹ء میں شائع ہوئی۔

۱۵۔ ''سندھی اردو لغت'' (ڈاکٹر نبی بخش بلوچ کی معاونت سے) ۱۹۶۰ء میں مرتب ہوئی۔

۱۶۔ ''اردو سندھی لغت'' (معاون ڈاکٹر نبی بخش بلوچ) ۱۹۶۰ء میں مرتب ہوئی۔

۱۷۔ ''انتخابات مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی (اردو ترجمہ) ۱۹۶۳ء میں اشاعت پذیر ہوئے۔

۱۸۔ ''سوانح امیر کلاں بخاری'' (نایاب کتاب) ۱۹۶۱ء میں شائع ہوئی۔

۱۹۔ ''تحریر وتقریر'' (تنقیدی مضامین کا مجموعہ) ۱۹۶۲ء میں شائع ہوا۔

۲۰۔ ''دیوان عظیم تتوی'' (فارسی) سندھی ادبی بورڈ ۱۹۶۲ء میں شائع ہوا۔

۲۱۔ ''ترجمہ قرآن مجید'' (مخدوم نوح ہالائی کے فارسی ترجمے کا پہلا پارہ) ۱۹۶۲ء میں شائع ہوا۔

۲۲۔ ''اثبات النبوۃ'' (حضرت مجدد الف ثانی کے عربی رسالے کا مختلف قلمی نسخوں کے تقابل سے) ۱۹۶۳ء میں طبع ہوا۔

۲۳۔ ''مکتوبات شاہ محمد نقشبندی سرہندی'' ۱۹۶۳ء میں شائع ہوئی۔

۲۴۔ ''رسالہ تہلیلیہ'' (حضرت مجدد الف ثانی عربی رسالہ) ۱۹۵۶ء میں شائع ہوا۔

۲۵۔ ''رد روافض'' (حضرت مجدد الف ثانی فارسی رسالہ) ۱۹۶۵ء میں شائع ہوا۔

۲۶۔ ''مکاشفات غیبیہ'' (حضرت مجدد الف ثانی کا فارسی رسالہ ملفوظات ومکاشفات) ۱۹۶۵ء میں شائع ہوا۔

۲۷۔ ''مجدد الف ثانی (تحقیقی جائزہ۔ ایک معترض کے جواب میں) ۱۹۶۵ء میں شائع ہوا۔

۲۸۔ ''ضیا القرآت (قاری ضیاء الدین احمد الہ آبادی کی نایاب کتاب) ۱۹۶۵ء میں شائع ہوئی۔

۲۹۔ ''سعید البیان'' (حضور ﷺ کے متعلق شاہ احمد سعید دہلی کی کتاب) ۱۹۶۵ء میں طبع ہوئی۔

۳۰۔ ''مجمع البحرین'' (ملا پایندہ محمد کا نایاب ونادر رسالہ) ۱۹۶۵ء میں شائع ہوا۔

۳۱۔ ''تاریخ اسلاف'' (خاندانی حالات، پس منظر اور ذاتی مشاہدات) ۱۹۵۶ء میں شائع ہوا۔

۳۲۔ ''مکتوبات خواجہ عبد الاحد سرہندی'' (نایاب ونادر مجموعہ) ۱۹۶۶ء میں شائع ہوا۔

Marfat.com

۳۳۔ ''مسائل اربعین'' (شاہ احمد سعید دہلوی کی مختلف مسائل پر مشتمل بحث) ۱۹۶۶ء

۳۴۔ ''قرآن عربی'' (عربی صرف ونحو پر آسان کتاب) پہلی مرتبہ ۱۹۶۶ء دوسری مرتبہ ۱۹۷۲ء اور تیسری مرتبہ ۱۹۸۵ء میں شائع ہوئی۔

۳۵۔ ''مکتوبات خواجہ سیف الدین سرہندی'' (حضرت مجدد کے آخری ایام خواجہ بدرالدین سرہندی کا اہم فارسی رسالہ) ۱۹۴۸ء۔

۳۶۔ ''مکتوبات خواجہ سیف الدین سرہندی'' (نایاب ونادر مجموعہ) ۱۹۶۶ء میں شائع ہوئے۔

۳۷۔ ''تحقیقی جائزے'' (تحقیقی مضامین کا مجموعہ) ۱۹۶۸ء میں شائع ہوا۔

۳۸۔ ''رسالہ ملوک'' (میر محمد نعمان کا نایاب رسالہ) ۱۹۶۹ء میں شائع ہوا۔

۳۹۔ ''جامع القواعد'' (حصہ نو معاون ڈاکٹر نجم الاسلام) ۱۹۷۲ء میں طبع ہوا۔

۴۰۔ ''برصغیر میں فارسی ادب'' (انگریزی) ۱۹۷۲ء

۴۱۔ ''مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی'' (نایاب مکتوبات) ۱۹۷۲ء میں شائع ہوئے۔

۴۲۔ ''مکتوبات خواجہ محمد عبید اللہ سرہندی'' ۱۹۷۴ء

۴۳۔ ''مکتوبات ریاست دیر'' (حضرت مظہر جاں جاناں اور انکے سلسلے والوں کے نایاب ونادر مکتوبات) معاون ڈاکٹر نجم الاسلام ۱۹۷۵ء میں منصۂ شہود پر آیا۔

۴۴۔ ''ندائے سحر'' (ریڈیائی تقریریں) ۱۹۷۶ء میں منظر عام پر آئی۔

۴۵۔ ''مکتوبات خواجہ محمد معصوم سرہندی'' ۱۹۷۶ء میں شائع ہوئے۔

۴۶۔ ''سبیل الرشاد'' (خواجہ عبدالاحد سرہندی کا نایاب رسالہ) ۱۹۷۶ء میں شائع ہوا۔

۴۷۔ ''اقبال اور قرآن'' اقبال اکیڈمی لاہور نے ۱۹۷۸ء میں شائع کی۔

۴۸۔ ''معارف اقبال (مضامین) پہلی بار ۱۹۷۸ء میں شائع کی۔

۴۹۔ ''تفسیر شیخ الہند'' (مولانا محمود حسن کے پہلے دو پاروں کا انگریزی ترجمہ) ۱۹۷۹ء میں شائع ہوئی۔

۵۰۔ ''اردو میں قرآن وحدیث کے محاورات'' (ایک جائزہ) ادارہ تحقیقات اسلامی نے ۱۹۸۰ء میں شائع کی۔

۵۱۔ ''مولانا عبید اللہ سندھی کی سرگزشت کابل''

۵۲۔ ''حضرات القدس'' (خواجہ بدرالدین سرہندی کی اہم تصنیف) ۱۹۸۲ء

۵۳۔ ''مطالب القرآن (قرآن کا خلاصہ) ۱۹۸۲ء میں شائع ہوئی۔

۵۴۔ ''ہمہ قرآن درشان محمد'' ۱۹۸۳ء

۵۵۔ ''زبدۃ المقامات'' (خواجہ محمد ہاشم کشمی کی اہم تصنیف) ۱۹۸۷ء

Marfat.com

۵۶۔ ''ہمارا وادب علم (کتاب تحقیقی) ترجمہ وحواشی ۱۹۸۵ء

۵۷۔ ''ثقافتی اردو'' (طویل مضمون) ۱۹۶۱ء۔۱۹۸۹ء

۵۸۔ ''وقائع تاریخی'' (قطعات تاریخی کا مجموعہ) ۱۹۸۸ء

۵۹۔ ''باقیات باقی'' (حضرت خواجہ باقی باللہ سے متعلق تحقیقی کتاب)

۶۰۔ Studies in Literature (انگریزی میں ۱۳ تحقیقی مضامین) ۱۹۹۵ء

۶۱۔ ''ہفت محفل'' مضامین ۱۹۹۲ء

۶۲۔ ''عارف نامہ'' ۱۹۹۳

۶۳۔ ''طوبیٰ لہم'' (خاندانی واقعات) ۱۹۹۳ء

۶۴۔ ''میرا علی گڑھ'' (یادداشتیں اور مضامین) ۱۹۹۵ء

۶۵۔ ''انعمت علیہم (مضامین سات شخصیات پر) ۱۹۹۷ء

۶۶۔ ''سفرنامے'' ڈاکٹر سراج احمد خاں اور ڈاکٹر منیر احمد خان کے سفرنامے بھی اس میں شامل ہیں) ۱۹۹۷ء

۶۷۔ (الف) ''علامہ جلال الدین سیوطی اور علم نعمت (رسالہ اردو نامہ) ۱۹۹۲ء

(ب) ''مسائل اللحیہ''

(ج) ''حکم اللحوم المتقوردہ''

(د) ''تنبیہات علی ان جدہ لست میقاتا''

(ہ) امر بالمعروف ونہی عن المنکر (علامہ ابن تیمیہ)

۶۸۔ سراج البیان ۱۹۹۶ء

طویل مقالات

۱۔ ''بابائے اردو کی اردو (رسالہ اردو کراچی)

۲۔ ''عبدالعزیز خالد کی شاعری'' (رسالہ سیارہ: لاہور) ۱۹۶۵ء

چھوٹے رسالے

۱۔ ''مذہبی رواداری'' (تعلیم بالغاں کے لئے) جامعہ ملی، ملیر، کراچی

۲۔ ''سراج منیر'' صدیقی ٹرسٹ کراچی ۱۹۸۱ء

۳۔ ''قرآن وحدیث کے بدایع ومنابع'' کراچی ۱۹۸۱ء

۴۔ ''ابواب متفرقہ'' (تحقیقی مضامین، اخباری خبریں اور یادداشتیں) ۱۹۹۸ء

Marfat.com

۵۔ ’’مکتوباتِ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں‘‘ (خطوط) ۱۹۹۷ء

۶۔ ’’اوراقِ گم گشتہ‘‘ (۳۷ تحقیقی وادبی مضامین) ۱۹۹۷ء

۷۔ ’’یادگار خطوط بنام ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں‘‘ (مشاہیر کے خطوط کا مجموعہ) ۱۹۹۸ء

۸۔ ’’لنا اعمالنا‘‘ (سوانحی حصہ) ۱۹۹۸ء

ڈاکٹر صاحب کے مقالات پنجاب یونیورسٹی اور تہران کے انسائیکلوپیڈیا میں شامل ہیں جو متعدد رسائل میں شائع ہو چکے ہیں۔

زیرِ ترتیب کتابیں

۱۔ مکتوباتِ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں (حصہ دوم)

۲۔ یادگار خطوط بنام ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں (حصہ دوم)

۳۔ مطبوعہ تحقیقی مضامین (دوسرا مجموعہ)

۴۔ تقریروں کا مجموعہ

۵۔ غیر مدون تبصرے

اعزازات

۱۔ ۱۹۸۰ء میں اردو میں قرآن وحدیث کے محاورات کے موضوع پر فکر ونظر (اسلام آباد) سے بیس ہزار روپے دیئے گئے۔

۲۔ ۱۹۸۲ء میں ’’حضرات القدس کا اردو ترجمہ‘‘ (دس ہزار روپے)

۳۔ ۱۹۸۳ء میں ’’ہمہ قرآن در شانِ محمدؐ‘‘ پر نقوش ایوارڈ (دس ہزار روپے) دیا گیا۔

۴۔ ۱۹۸۳ء میں اقبال ایوارڈ (پچیس ہزار روپے) دیا گیا۔

۵۔ ۱۹۸۵ء میں ’’اقبال اور قرآن‘‘ ۱۹۴۷ء سے ۱۹۸۱ء تک، اقبال پر بہترین کتاب ہونے پر صدارتی ایوارڈ دیا گیا۔

۶۔ ۱۹۸۸ء میں انجمن ترقی اردو کی طرف سے نشانِ سپاس دیا گیا۔

۷۔ ۱۹۹۲ء میں حکومت پاکستان کی طرف ستارۂ امتیاز پیش کیا گیا۔

۸۔ ۱۹۹۰ میں ۵۰ سالہ علمی وادبی خدمات پر انہوں نے سندھ یونیورسٹی کی طرف سے طلائی تمغہ حاصل کیا۔

حوالہ جات

۱۔ مسرور احمد زئی، مشمولہ سہ ماہی نئی عبارت۔۔۔۔شمارہ ۱۲۔۱۳ جلد ۴، جولائی تا دسمبر ۱۹۹۸ء

۲۔ غلام مصطفیٰ خاں، ڈاکٹر انعمت علیھم، ص ۵۰

۳۔ مسرور احمد زئی، مواطنِ کثیرہ، انوارِ ادب، حیدر آباد، ۲۰۰۰، ص ۲۹۔

۴۔ غلام مصطفیٰ خاں، ڈاکٹر ص ۱۲۳، ۱۲۴

Marfat.com

۵۔غلام مصطفیٰ خاں، ڈاکٹر، میرا علی گڑھ، ۱۹۹۳ء ص ۱۰
۶۔مسرور احمد زئی، ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کی علمی و ادبی خدمات، ص ۵۲
۷۔مسرور احمد زئی، نئی عبارت، ص ۴۲، ۴۳
۸۔علامہ آئی آئی قاضی، مشمولہ نئی عبارت۔۔ص ۱۸۷
۹۔مسرور احمد زئی، مشمولہ نئی عبارت۔۔۔ص ۵۱
۱۰۔عفت بانو، تحقیق رسالہ، شمارہ ۶ ص ۱۵۔
۱۱۔سراج احمد خاں، ڈاکٹر، مشمولہ نئی عبارت، ص
۱۲۔سراج احمد خاں، ڈاکٹر، مشمولہ نئی عبارت، ص ۱۰۷۔
۱۳۔مسرور احمد زئی، ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں، حالات و علمی و ادبی خدمات ص ۱۶۷
۱۴۔فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، مشمولہ نئی عبارت، ص ۸۲
۱۵۔موسیٰ بھٹو، نئی عبارت، ص ۱۰۸۔
۱۶۔غلام مصطفیٰ خاں، ڈاکٹر، لنا اعمالنا، اے آر پرنٹنگ پریس، حیدرآباد، ص ۱۲
۱۷۔غلام مصطفیٰ خاں، ڈاکٹر، نئی عبارت، ص ۱۰۸
۱۸۔سراج احمد خاں، ڈاکٹر، نئی عبارت، ص ۱۰۶
۱۹۔موسیٰ بھٹو، نئی عبارت، ص ۱۱۰۔
۲۰۔سلسلہ مطبوعات، مشاہیر اردو، زینت افشاں
۲۱۔اوراق گم گشتہ
۲۲۔ فضلِ کبیر
۲۳۔اقوالِ مصطفائی
۲۴۔ مسرور احمد زئی، ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کی علمی و ادبی خدمات
۲۵۔ ہمارا علم و ادب

حضرت ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحبؒ سے روحانی وابستگی کی وجہ سے میں نے حضرت کے مقام کو سمجھا ہے اور ان کی تعلیمات، خدمات اور کرامات کا کچھ حصہ منظر عام پر لانے کی کوشش کی ہے۔اس کی وجہ آج کے فساد کے دور میں بھی ہم اللہ تعالیٰ کے احکام اور سنت پر عمل کر سکتے ہیں، ہم بھی ایمان کی بلندیوں تک پہنچ سکتے ہیں (اگر اللہ چاہے تو) جیسے اللہ تعالیٰ نے میرے حضرتؒ پر خصوصی کرم فرمایا ہے۔اس دور میں اپنے دین کی ایک جھلک دیکھائی ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرتؒ کے مقام کو خوب ترقی عطا فرمائے اور ہم گناہ گاروں کو اللہ تعالیٰ شریعت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

Marfat.com

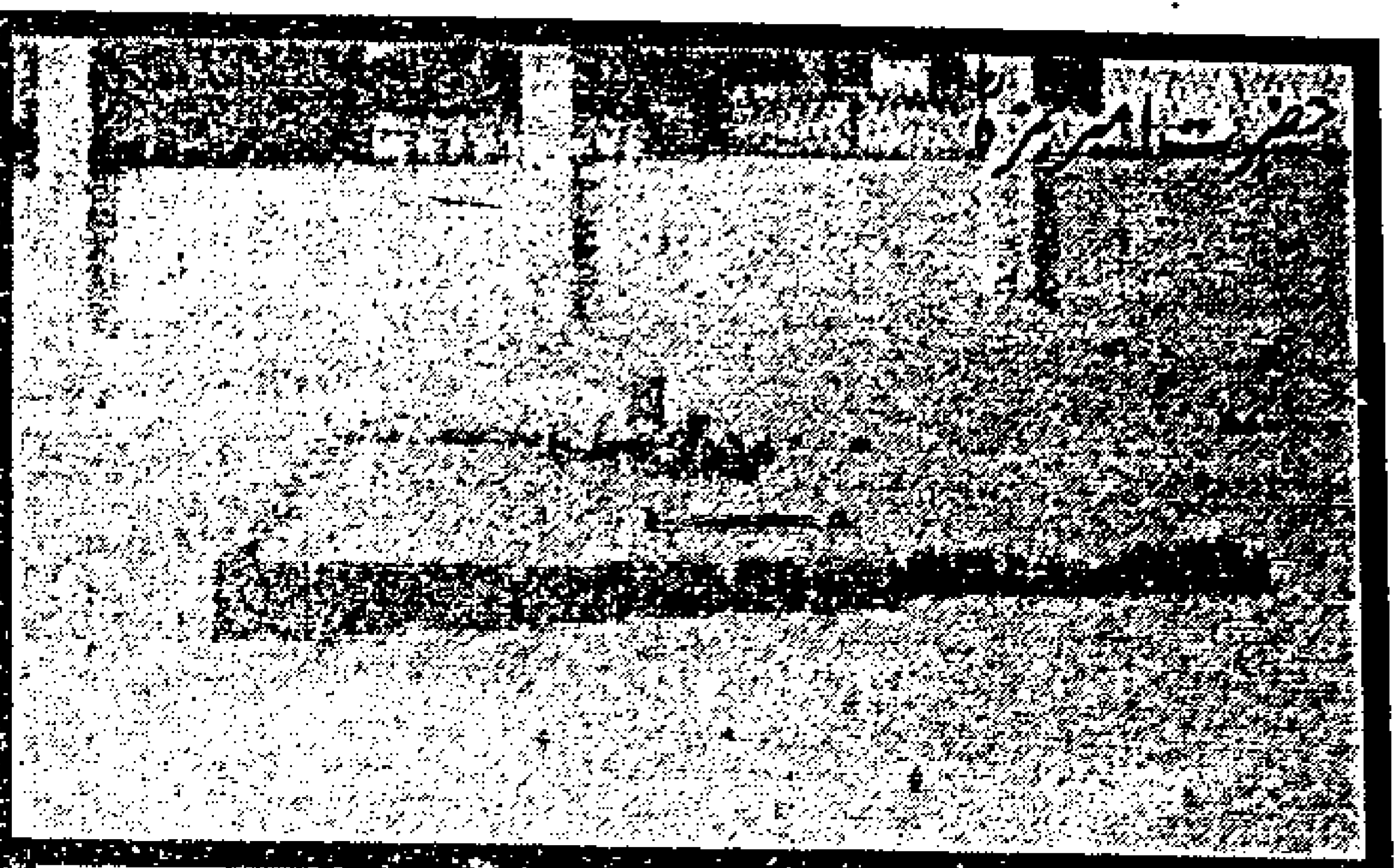
حضرت امیر حمزہ

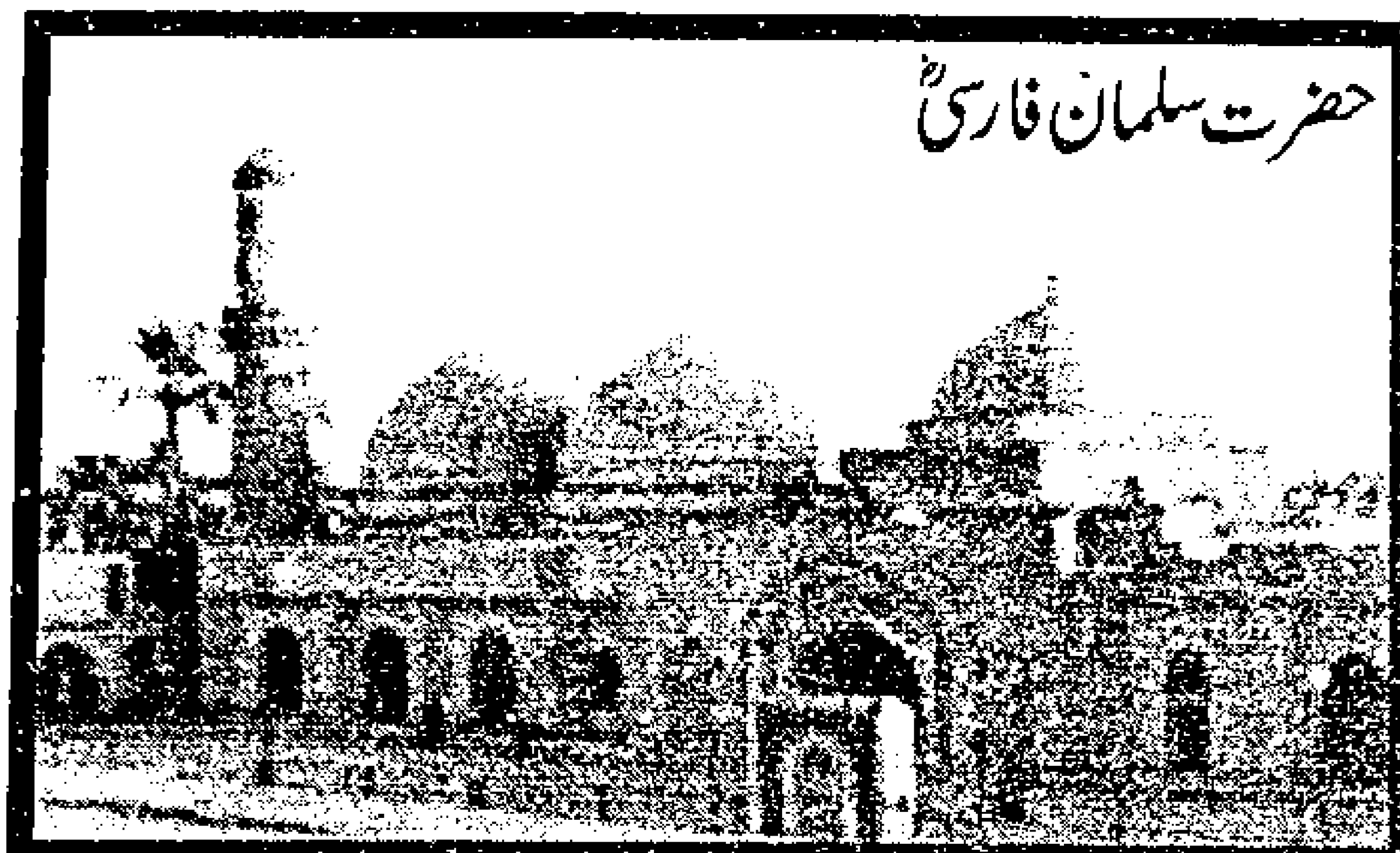
حضرت سلمان فارسیؓ

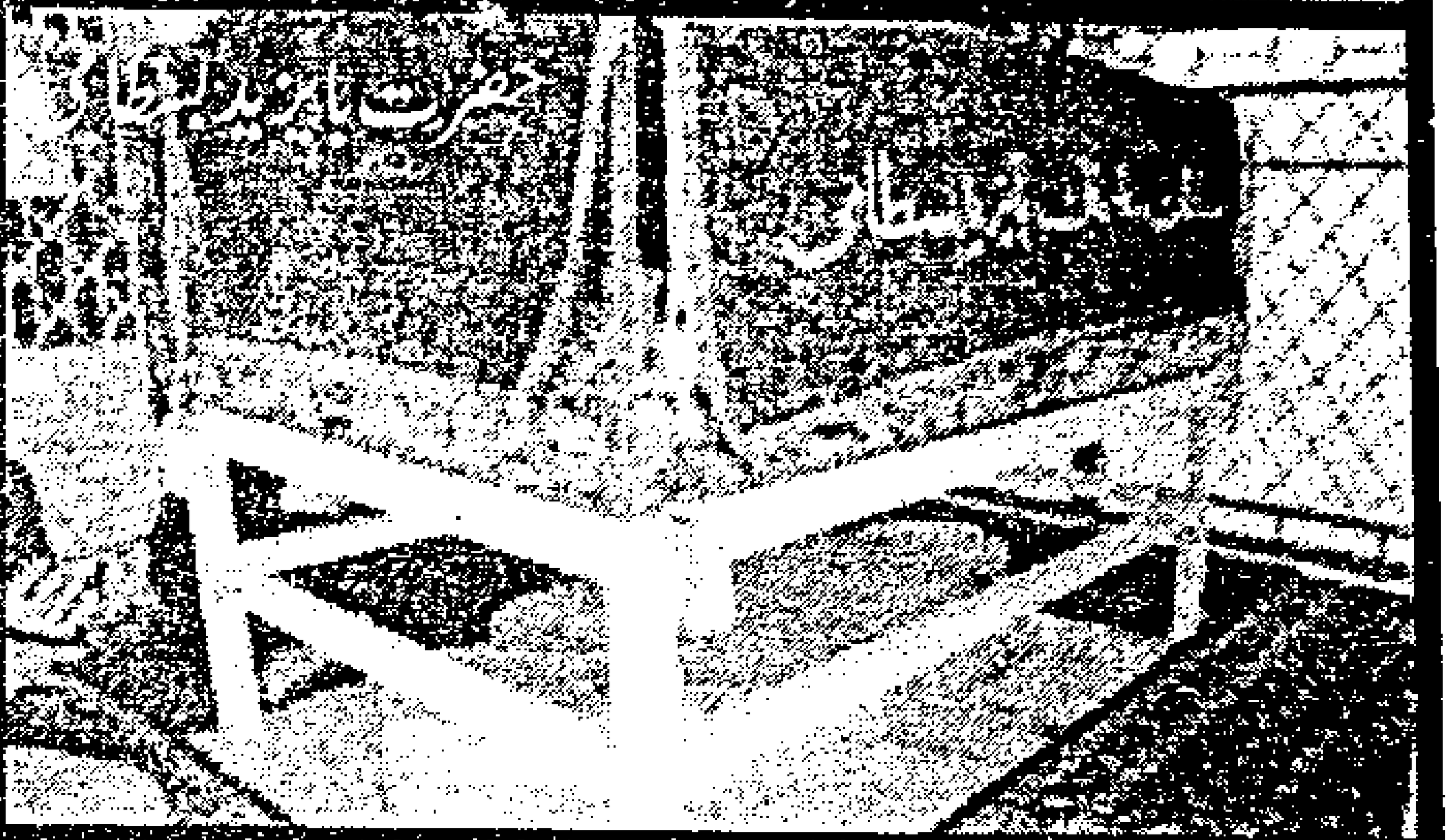
حضرت بایزید

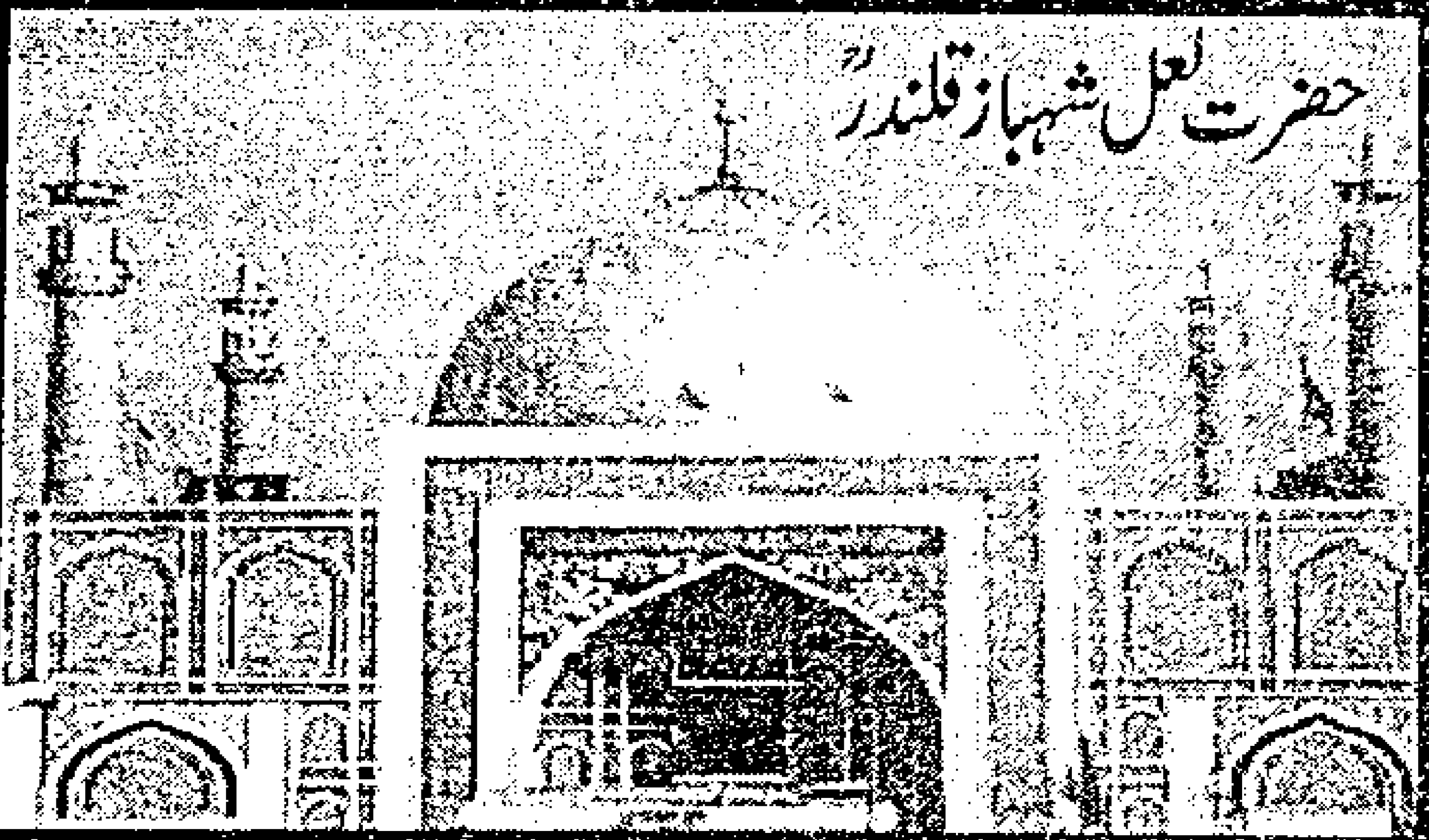
حضرت لعل شہباز قلندرؒ

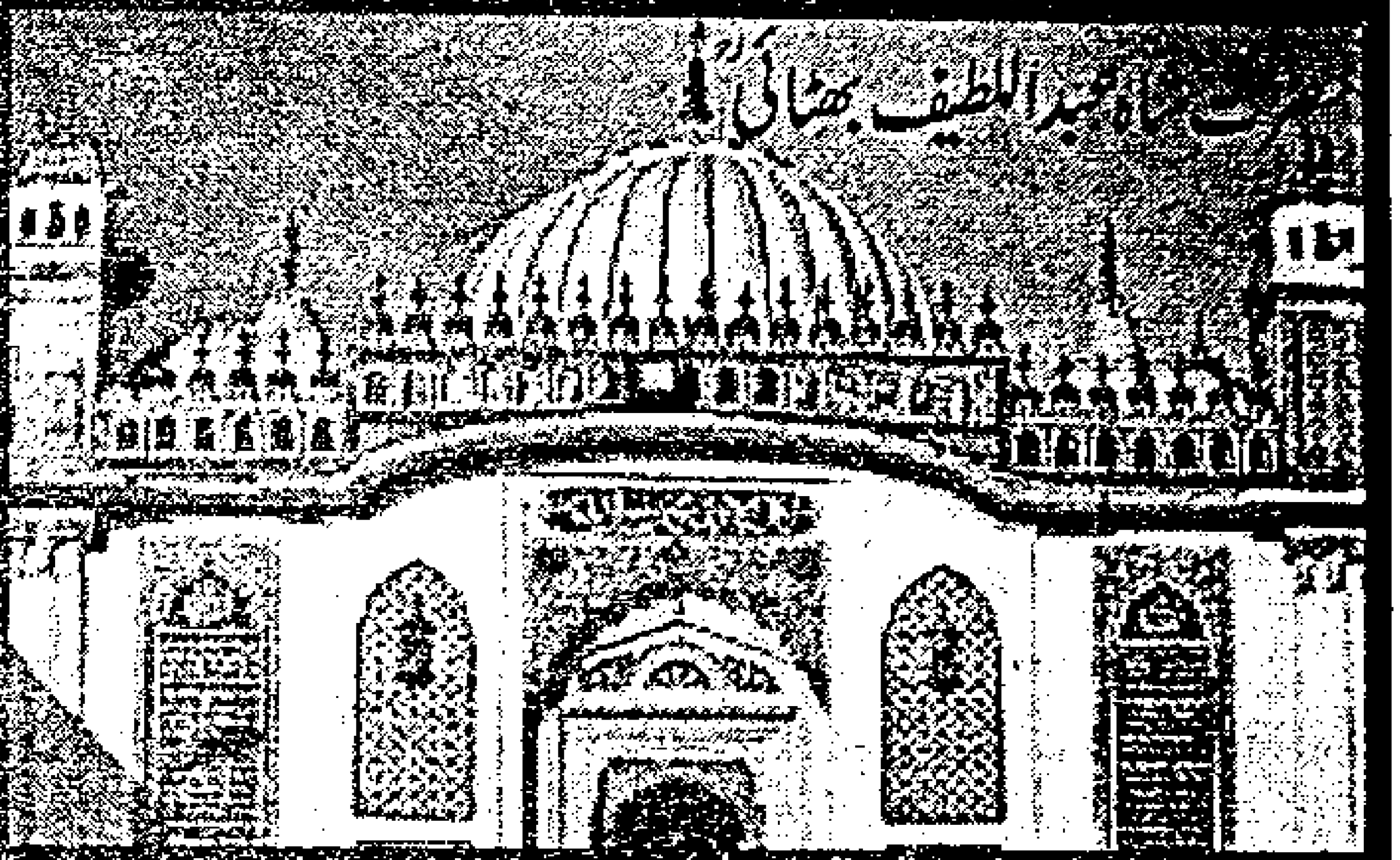
حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ

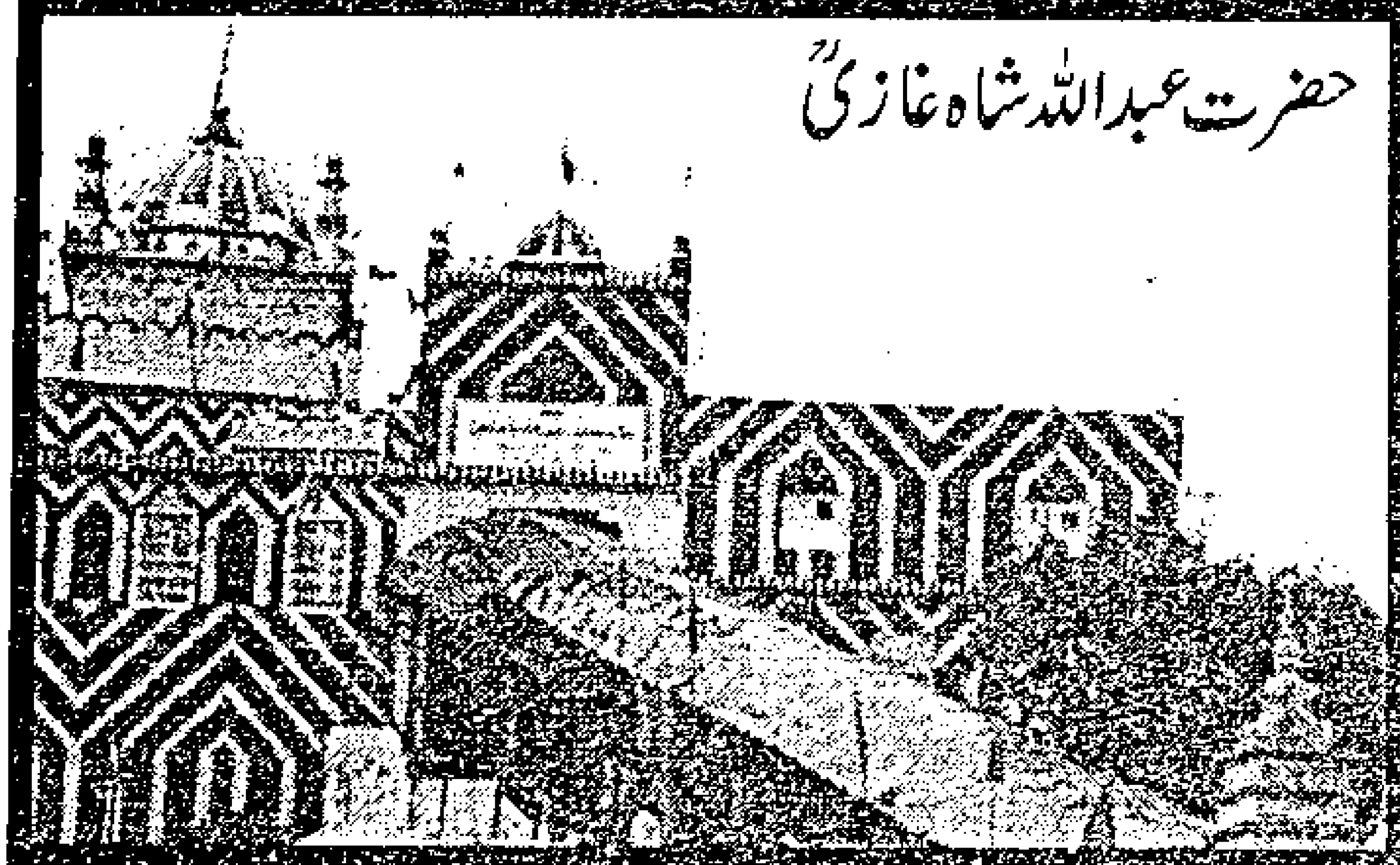
حضرت عبداللہ شاہ غازیؒ

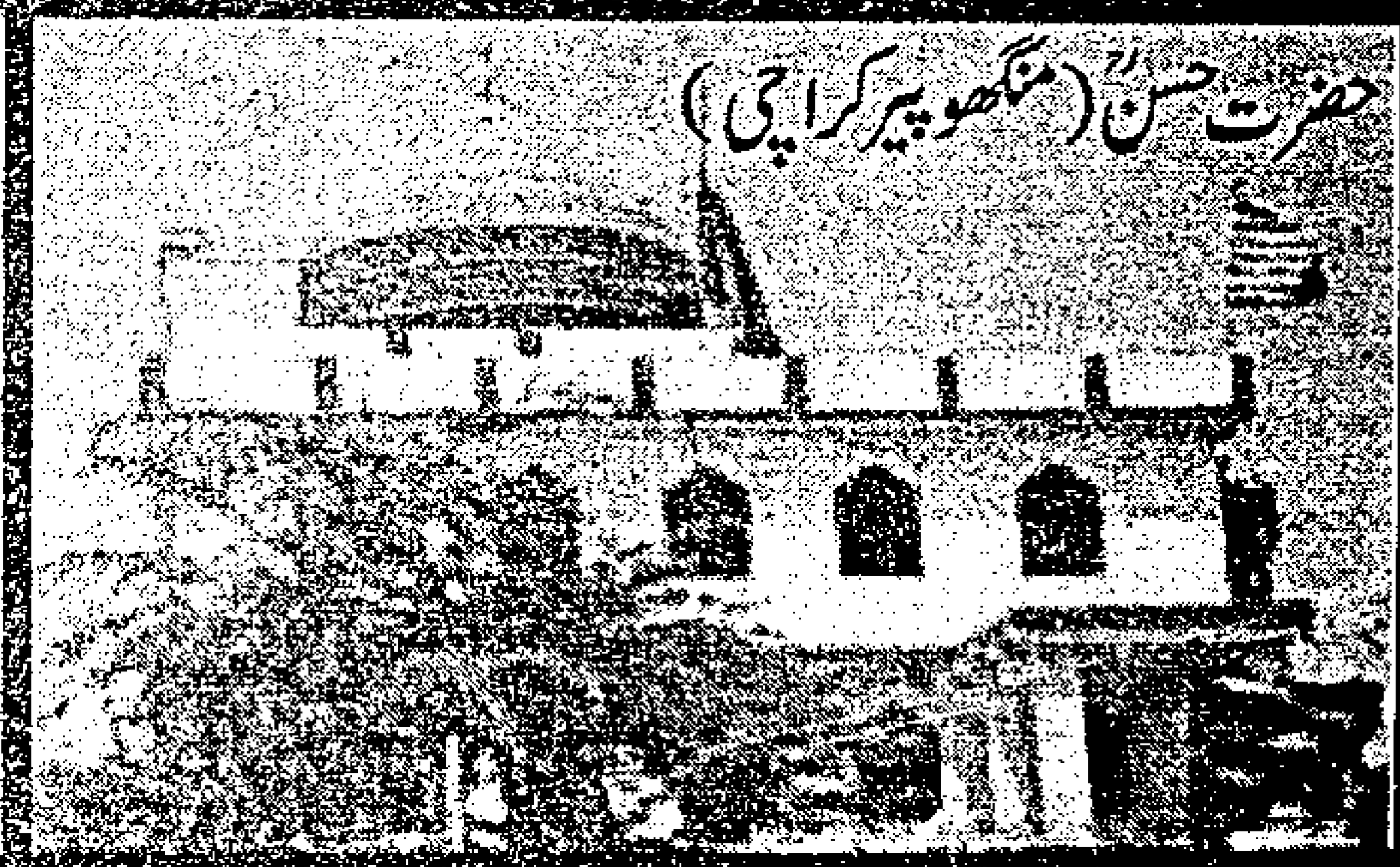
حضرت حسنؒ (منگھو پیر کراچی)

حضرت فضل علی قریشیؒ

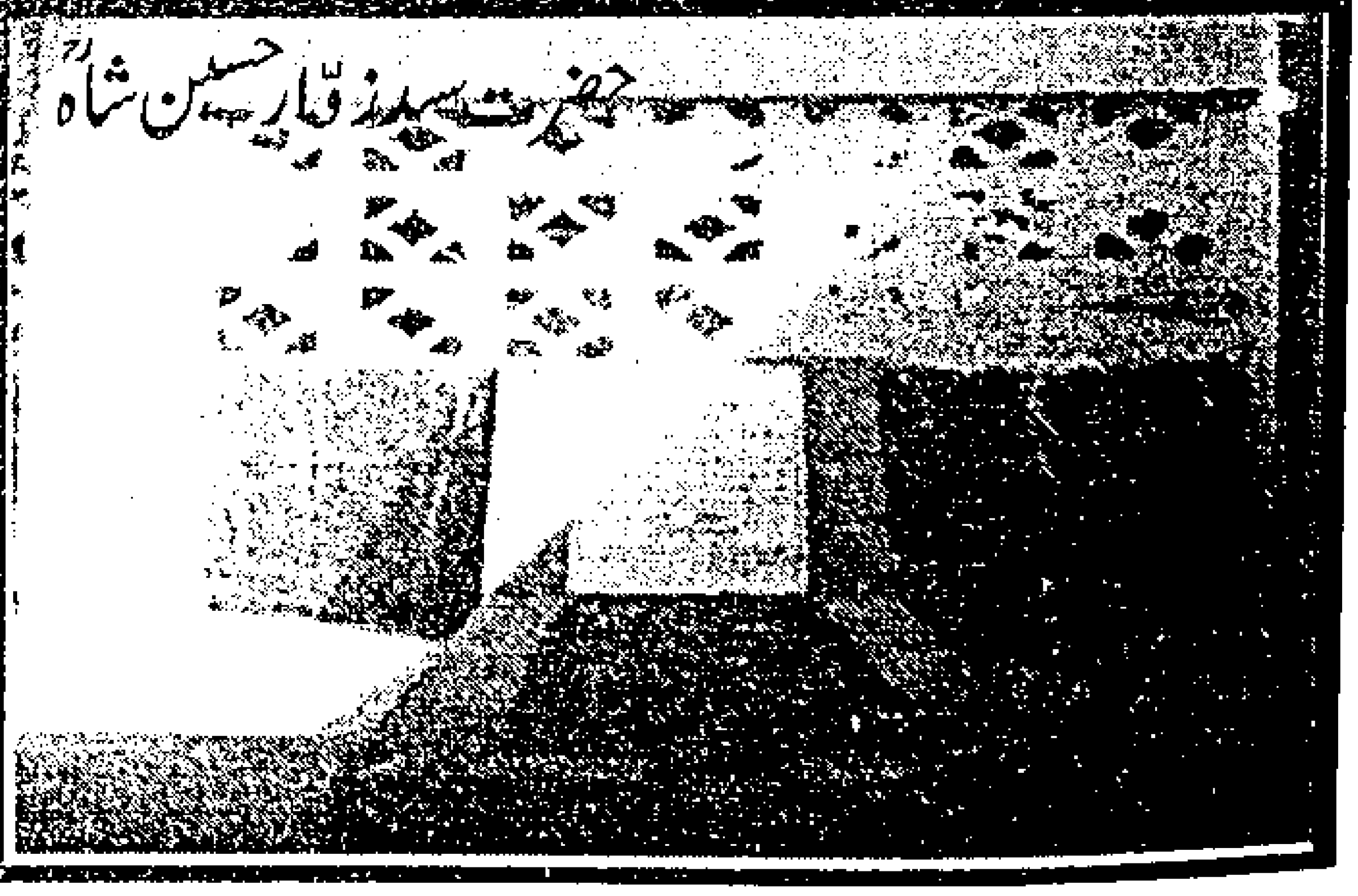
حضرت سید زوار حسین شاہؒ

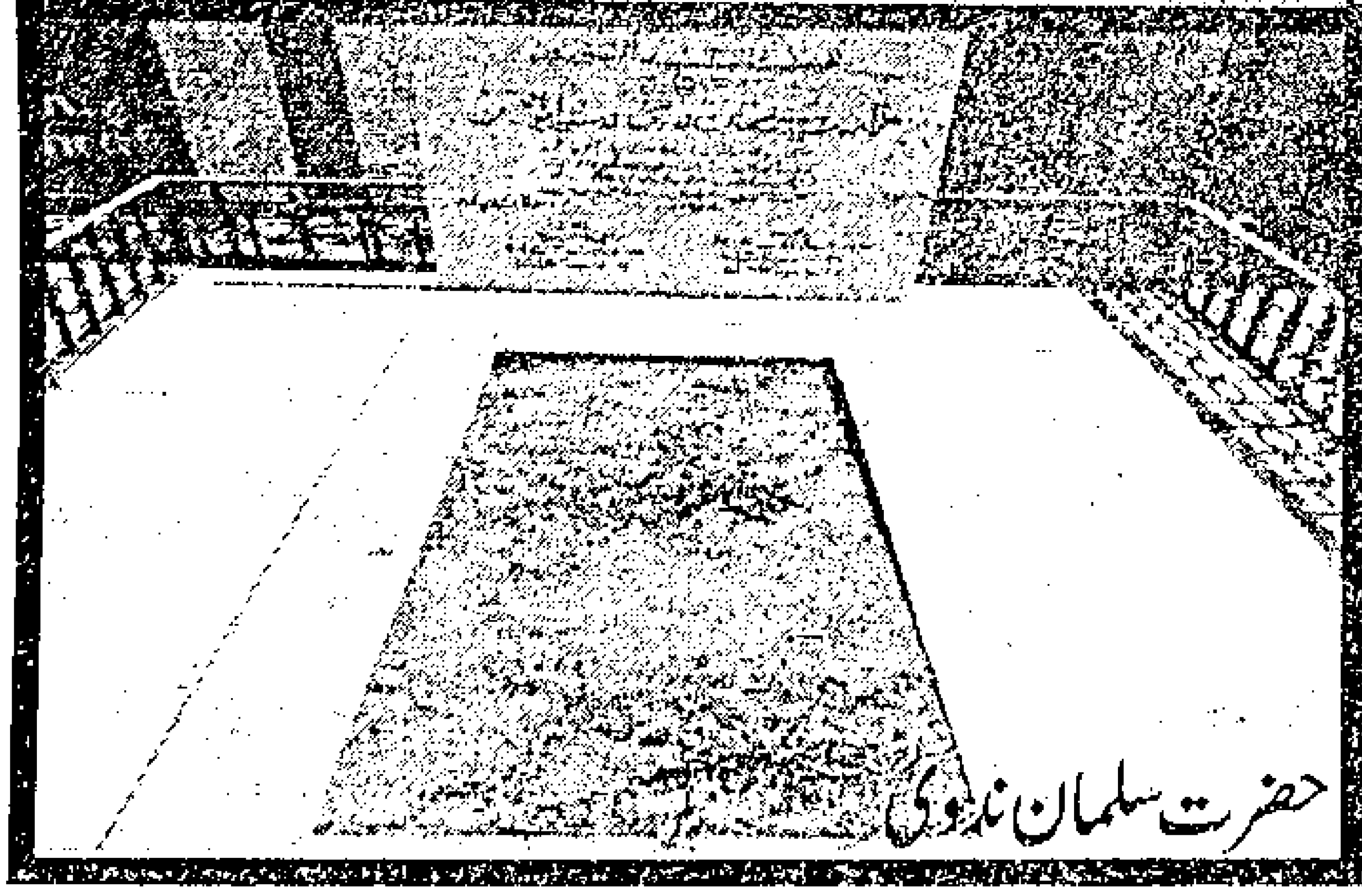
حضرت سلمان ندویؒ

Marfat.com

باب: ساتواں

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحبؒ میں اور پاکستان

Marfat.com

حضرتؒ میں اور پاکستان

حضرت ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خانؒ آخری صف کے ان آخری لوگوں میں شامل ہیں جو دین و دنیا کے جامع اور جن کا وجود ایک دبستان اور علم و تحقیق کا گلستان ہے۔آپ ۲۳ستمبر 1912ء کو جبل پور (بھارت) میں پیدا ہوئے۔ایم اے فارسی، ایم اے (اردو، ایل ایل بی، پی ایچ ڈی اور ڈی لٹ کی ڈگریاں) حاصل کرنے کے بعد تدریس کے پیشے سے منسلک ہو گئے۔ ۱۹۳۶ء تا ۱۹۴۸ء ناگ پور یونیورسٹی میں شعبۂ اردو کے صدر رہے۔اردو کالج کراچی ۱۹۴۹ء، کراچی یونیورسٹی ۱۹۵۵ء کے شعبۂ اردو سے وابستہ ہوئے۔ 1956ء میں سندھ یونیورسٹی، جام شورو میں صدر شعبۂ اردو ہوئے اور ۱۹۷۶ء میں اپنی ریٹائرمنٹ تک اس عہدے پر فائز رہے۔حکومت پاکستان نے پروفیسر ایمریطس (تاحیات پروفیسر) سندھ یونیورسٹی جام شورو نامزد کر دیا تھا۔

اپنی علمی زندگی کا سفر انہوں نے علی گڑھ سے شروع کیا۔نالۂ نیم شبی، سحر خیزی اور عبادت گزاری کے ساتھ ساتھ انہوں نے ادب، شاعری، تاریخ، تحقیق میں اہم نوعیت کا کام کیا ہے ان کی تصانیف کی تعداد سو سے زیادہ ہے اور ہزاروں صفحات پر مشتمل علمی مقالات اس کے سوا ہیں۔ان کے اہم علمی کارنامے "پرشین لٹریچر ان دی انڈو پاک" مکتوبات خواجہ عبداللہ سرہندی، "مکتوبات ریاست دیر"، "اردو میں قرآن وحدیث کے محاورات"، "مطالب الفرقان"، "ثقافتی اردو"، "اسٹڈیز ان لٹریچر"، "حالی کا ذہنی ارتقاء"، "سید حسن غزنوی"، "فارسی پر اردو کا اثر"، "اے ہسٹری آف بہرام شاہ"، "چند فارسی شعراء"، "علمی نقوش"، سندھی اردو اور اردو سندھی لغت"، قرآن اور اقبال" اور تحقیقی جائزے" ہیں۔وہ اردو کے ساتھ عربی، فارسی انگریزی اور ہندی زبانوں پر عبور رکھتے ہیں۔وہ قدیم وجدید علوم کا سنگم ہیں اور دین و دنیا کی مکمل آگہی انہیں حاصل ہے وہ علم و عمل کی دنیا کے مرد کامل ہیں۔وہ گوشہ نشین اور خلوت گزین ہستی نہیں، وہ سلف کے کردار کی یادگار ہیں جو زندگی کے ہر پہلو اور ہر گوشے کا بھرحق توازن کے ساتھ دین کا تقاضہ سمجھ کر ادا کرتے ہیں۔وہ دن کو علم کے ذریعے مصروف عبادت رہتے ہیں اور راتوں کو ذکر الٰہی سے اپنے قلب کو منور رکھتے ہیں ان کی کئی کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ان کا طرز تحریر سادگی، سلاست، روانی کا مرقع ہے۔ان تحریروں کا علمی معیار نہایت بلند مگر زبان تصنع سے پاک اور رواں دواں ہوتی ہے۔ان کی شخصیت اور تحریریں مادہ اور روح کا نہایت حسین امتزاج ہیں وہ قرنِ اوّل کے ان مسلمانوں کی یاد دلاتے ہیں جن کی راتیں عبادت گزاری میں اور دن جہاد اور تحصیل علم میں بسر ہوتے تھے اور اور جن کی زندگی کا ایک ایک لمحہ خالق و عبادت وخدمت کے لئے وقف رہتا تھا یہ وہی لوگ ہیں جنہیں زمین کا نمک اور پہاڑی کا چراغ کہا گیا ہے۔الغرض ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صرف بہت بڑے عالم، مفکر، مدبر شاعر، محقق، مورخ ہی نہیں سلسلہ نقشبندیہ کے درویش بھی ہیں۔ان کے رشد و ہدایت سے لاکھوں لوگ استفادہ کر رہے ہیں۔

Marfat.com

حضرت صاحبؒ سے میرا تعلق بذریعہ خط ہوا۔ میرے والد صاحب کا وصال جب ہوا میں ۵ سال کی تھی والد صاحب سے شدید محبت تھی۔ میں ضد کر کے بھائی کے ساتھ والد صاحب کی قبر پر جانے لگی۔ اور پھر اسطرح ہوا کے میں بیمار رہنے لگی بظاہر ڈاکٹرز کو میری بیماری سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ والدہ کافی پریشان تھی ڈاکٹرز جواب دے چکے تھے۔ روحانی علاج بھی کسی کے بس میں نہ تھا۔ ہمارے مسجد کے امام صاحب نے حضرت کا پتہ فراہم کیا۔ میری والدہ نے حاضر ہو کر میرا ہاتھ سے لکھا ہوا خط حضرت صاحب کو حیدر آباد میں دیا۔ یہ واقعہ ۷ ستمبر بروز جمعرات ۱۹۹۵ کا ہے۔ ۸ ستمبر کو حضرت نے جواب لکھا۔ ان دنوں ہفتہ اتوار چھٹی ہوتی تھی۔

۱۲ ستمبر بروز منگل صبح ۱۰ سے ۳۰ : ۱۰ کے درمیان خط کا جواب لیٹر بکس میں تھا۔ پوسٹ مین بھی نہیں آیا۔ کچھ حیران تھی۔ اللہ تعالی کا ایسا کرم ہوا اس خط کے جواب کے بعد سے آج تک مجھے وہ تکلیف دوبارہ نہیں ہوئی۔ صاحب نظر لوگوں نے کہاں آپ کو نئی زندگی دی گئی ہے۔ اور یہ تمام معاملات ڈاکٹر صاحب سے ملانے کے لیے تھے۔ اس خط کا طریقہ کار ویسا ہی ہوا جیسا قدرت اللہ شہاب صاحب کو پہلا خط ملا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کی کرامت میں ایک کرامت یہ بھی تھی کہ حضرت صاحب بغیر ڈاک سے خط و کتابت کیا کرتے تھے۔ ایک تھیلے میں خط رکھ دیتے تھے اور وہ خط اپنی منزل تک پہنچ جاتا تھا۔ اس کے بعد حضرت سے خط و کتابت جاری ہوگئی۔ حضرت صاحب کو میری بہت فکر تھی۔ والدہ سے عرض کیا کہ اسکا خیال رکھا کریں۔

میری والدہ نیک خاتون تھی۔ گھر میں دین کا فہم تھا مجھے بچپن سے دین سے لگاؤ تھا مگر بیماری کی وجہ سے نماز کی پابند نہ تھی۔ روحانی کتابیں، اولیاء کرام کو بچپن سے پڑھا کرتی تھی۔ بہت سکون ملتا تھا۔ تجسس اولیاء کرام کو دیکھنے کا تھا۔ پھر حضرت کا ساتھ روحانی طور پر ایسا ملا کہ میں تحریر کرنے سے قاصر ہوں۔ بظاہر خطوں کے ذریعے رابطہ قائم تھا۔ میں دنیا بھول گئی۔ میری گزارش پر ۲۲ فروری ۱۹۹۸ کو مجھے حیدر آباد بلوالیا۔ جب میری پہلی ملاقات حضرت سے ہوئی تو مجھ پہ بہت شفقت فرمائی۔

اولیاء کرام کو دیکھنے کا شوق اور تجسس دونوں تھا۔ بیعت کے بعد حضرتؒ کے ہجرے میں جانے کا اتفاق بھی ہوا بان کی چار پائی اور ایک ٹیبل رکھی ہوئی تھی۔ میں شوق میں سب دیکھ رہی تھی کہ حضرت تشریف لے آئے۔ میں حضرت کی چیزوں کو دیکھنے میں گم تھی مجھے پتہ ہی نہیں چلا کب حضرت دروازے پر تشریف لا چکے ہیں۔ حضرت نے مجھے احساس بھی نہیں ہونے دیا کہ میں ڈر جاوں گی۔ حضرت کھڑے ہو کر بڑی شفقت سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ پھر اچانک احساس ہوا کے کوئی دیکھ رہا ہے مڑ کے دیکھا تو حضرتؒ تھے۔ میں صحن میں آئی تو حضرت صاحبؒ کے بیٹے ظفر بھائیؒ جو مجذوب تھے صحن میں تشریف فرما تھے۔ ان کے پاس کچھ دیر کھڑی رہی۔ پھر ہم کراچی واپس آ گئے۔ حضرت کی شفقتوں کا ذکر کیا کروں۔ میں آج جو کچھ بھی ہوا اپنی والدہ اور حضرت کی دعاؤں سے ہوں۔ ہر قدم پر رہنمائی ملتی رہی۔ بیماری کی وجہ سے تعلیم رکی وہ دوبارہ بحال ہوئی۔ ٹائیفائیڈ ہوا

Marfat.com

باسمہٖ حامداً و مصلیاً

حیدرآباد

۸ ستمبر عزیزہ دعا و سلام مسنون

آپ کا خط ملا۔

(۱) آپ بغیر گھی تیل کا کھانا کھایا کریں۔ ضروری ہے۔

(۲) کالی مرچ موٹی موٹی پیس کر رکھ لیں۔ رات کو سوتے وقت آدھی چمچی کھا کر تھوڑا سا گرم دودھ پی لیا کریں۔

(۳) ہو سکے تو روزے بھی کبھی کبھی رکھ لیا کریں۔

ان شاء اللہ جلد اچھی ہو جائیں گی۔ بالکل نہ گھبرائیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت بڑی وسیع ہے۔

فقط والسلام

دعا گو [illegible]

آپ کا کوئی خط پہلے مجھے نہیں ملا۔

کالی مرچ
فی الحال
آدھ پاؤ
منگوا لیں

باسمہٖ حامداً و مصلیاً

حیدرآباد

عزیزہ بیٹی دعا و سلام مسنون

اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو اپنے حفظ و امان میں رکھے اور ہر طرح بہتری فرمائے۔ آمین ثم آمین

آپ کے لیے دلی دعا ہے۔ اللہ تعالیٰ عنقریب فرمائے گا

فقط والسلام

[illegible]

باسمہٖ حامداً و مصلیاً

حیدرآباد

مکرمہ و محترمہ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

گرامی نامہ ملا۔ آپ فی الحال دو باتوں پر عمل کریں۔

(۱) اُبلا ہوا کھانا کھایا کریں۔ گھی تیل نہ ہو

(۲) شہد ایک چمچی (پانی میں گھول کر) دن میں ۳ مرتبہ پیا کریں۔

آرام باغ میں حکیم سعید صاحب مرحوم کی جگہ حکیم عبدالحنان صاحب بیٹھتے ہیں۔ بہت قابل حکیم ہیں۔ غالباً اتوار کو بیٹھتے ہیں۔ ان سے اپنا علاج کرائیں

ان شاء اللہ ضرور فائدہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں جلد از جلد مکمل صحت عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

فقط والسلام

[illegible]

حیدرآباد باسمہٖ حامداً و مصلیاً

۱۵ اپریل

عزیزہ بیٹی دعا و سلام مسنون

خط ملا۔ بیمار ہوں۔ خط لکھنا مشکل ہو گیا ہے

آپ کسی اچھے حکیم کا علاج کرائیں۔ ڈاکٹری نہ کرائیں

حکیم عبدالحنان صاحب

نوید صحت دواخانہ، بالمقابل مسلم کمرشیل بینک

جمیلہ اسٹریٹ، نزد جوبلی سینما، کراچی

اللہ تعالیٰ جلد صحت عطا فرمائے۔ آمین

فقط والسلام

[illegible]

راقم سے ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحبؒ کی خط و کتابت

Marfat.com

باسمہٖ سبحانہٗ و مصلیاً

حیدر آباد

عزیزہ دعا و سلام مسنونہ

گرامی نامہ ملا۔ آپ کے خواب بہت مبارک ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات خوب خوب بلند فرمائے

اور اپنے مقبولین میں شمار فرمائے۔ آمین ثم آمین

آپ بالکل اُبلا ہوا کھانا کھائیے

اللہ تعالیٰ آپ سب کو اچھا رکھے اور سب کے نیک مقاصد میں اعلیٰ کامیابی

عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ فقط والسلام

دعاگو

باسمہٖ سبحانہٗ و مصلیاً

حیدر آباد

عزیزہ دعا و سلام مسنون

ماشاء اللہ آپ کے خواب بہت مبارک ہیں۔

اللہ تعالیٰ آپ کے لیے ضرور بہتری فرمائے گا۔

صبر اور ہمت سے کام لیں۔ قل ھو اللہ شریف

پڑھ کر سونا اور دن کو تلاوت کرنا، نماز

پڑھنا وغیرہ بہت بڑی سعادت ہے۔ ان شاء اللہ

ہر طرح بہتری ہوگی۔ بالکل نہ گھبرائیں۔

فقط والسلام

دعاگو

راقم سے ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحبؒ کی خط و کتابت

Marfat.com

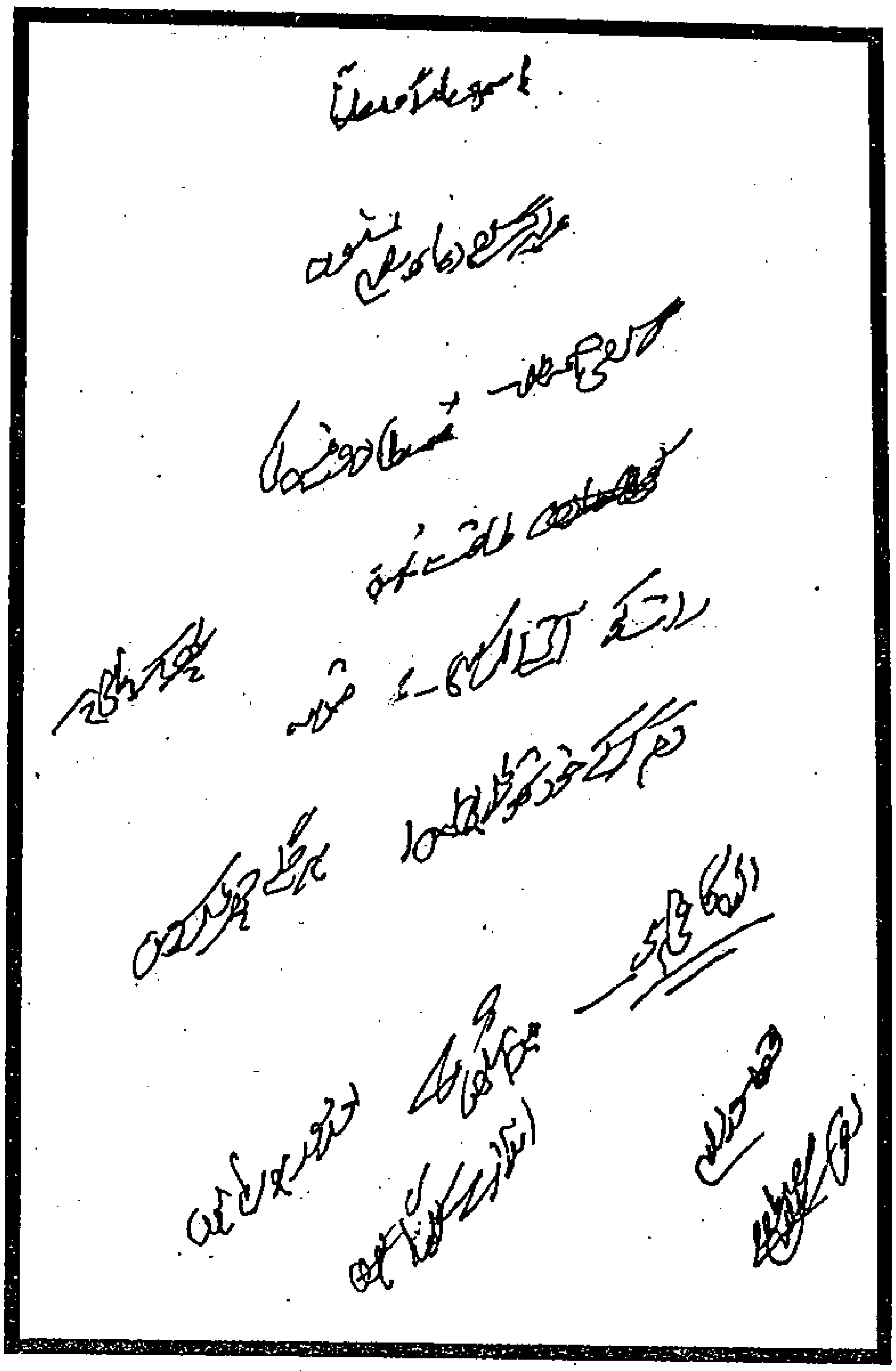

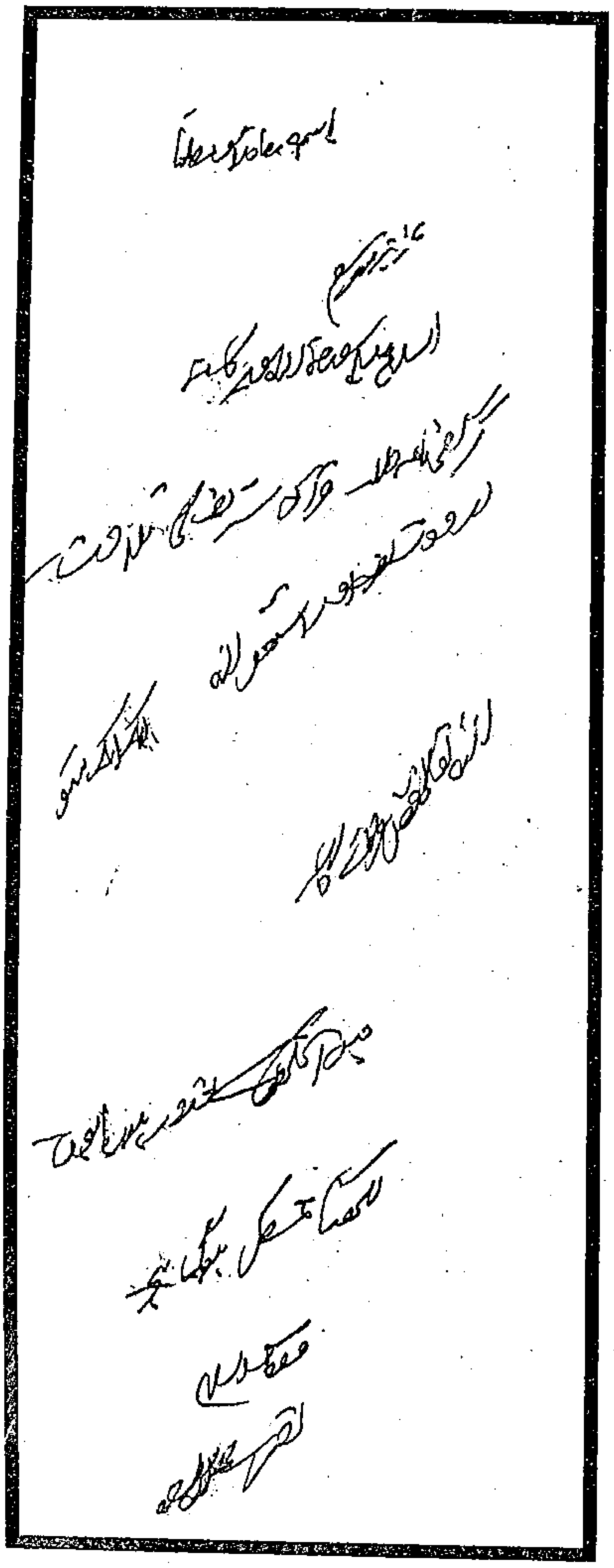

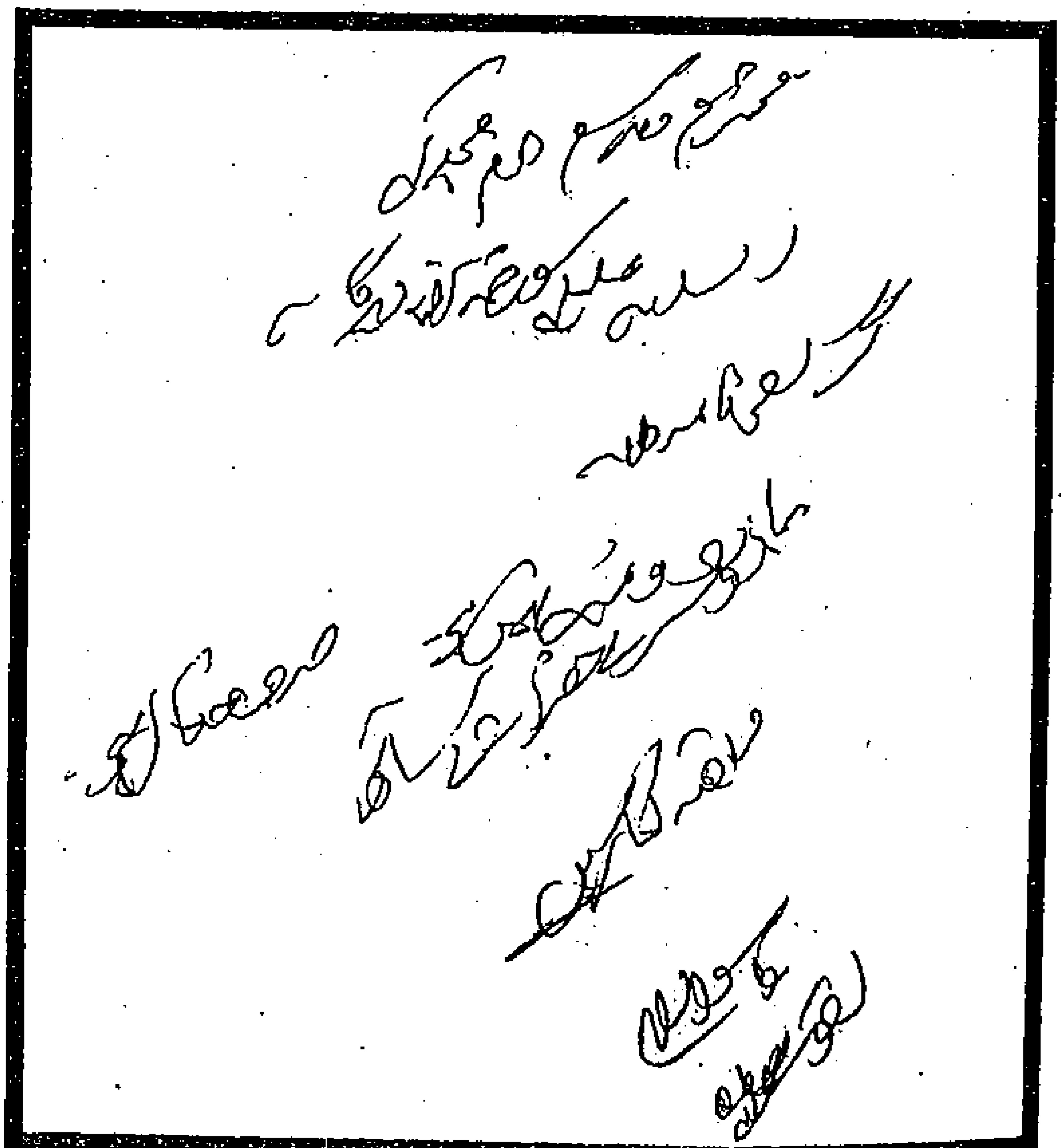

راقم کو ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں صاحبؒ نے اپنی زندگی کے آخری دنوں کے تحریر کردہ خطوط

Marfat.com

حکیم حنان صاحب کا پتہ بھیج دیا۔ میری والدہ سے فرمایا اس کا خیال رکھا کریں۔ والدہ کی طبیعت خراب تھی ملاقات کے لیے حیدرآباد حاضر ہوئی تو نصیحت فرمائی بہت عقلمندی دیہان سے چلو گھبرانا نہیں ہمت نہ ہارنا۔ پھر میری والدہ کا وصال ہوا تو مجھے پھر صبر کی تلقین کے ساتھ یہ خوشخبری بھی دی کہ والدہ کو جنتِ الفردوس میں مقام ملا ہے۔ امی کا وصال ۲۴ رمضان ۲۰۰۴ کو ہوا تھا اس دن حیدرآباد میں ختم قرآن کی محفل بھی تھی حضرت کی زندگی میں ختم قرآن اس دن ہوتا تھا جس دن لیلۃ القدر کی رات ہوتی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے مجھے حضرت کا رتبہ خواب میں دکھا دیا تھا۔ حضرت غوث کے عہدے پر فائز تھے میں نے خط لکھا تو حضرت نے جواب کے ساتھ وہ خط بھی واپس کر دیا۔

وہ آرمی کے مونوگرام تھا۔ جس میں کچھ رکھنا منع ہوتا ہے۔ اس کے اندر وہ خط رکھ کے واپس آ گیا۔ حیران ہوئی پھر سمجھ آ گیا حضرت اپنا رتبہ چھپانا چاہتے ہیں۔

اہل تکوین میں پاکستان کی ذمہ داری حضرت کے پاس تھی۔ اکثر حضرت کو میٹنگوں میں دیکھا پر بولنے کی اجازت نہیں تھی۔ مجھ گناہ گار پر اتنی شفقت تھی کہ حضرت تربیت میں اپنے ساتھ بیٹھاتے تھے۔

آخری دنوں میں مجھے خط بھی تحریر فرمائے۔ پھر جدائی کا وقت آ گیا۔ حضرت کے وصال کی خبر خواب میں اللہ تعالیٰ نے مجھے پہلے ہی دے دی تھی۔ ۵ ستمبر ۲۰۰۵ کو میں حضرت سے آخری مرتبہ ملنے حیدرآباد حاضر ہوئی۔ حضرت بہت کمزور ہو گئے تھے اس دن ۳ مرتبہ کمرے میں حاضر ہوئی حضرتؒ کے جانے اور پردہ فرمانے کا ذکر میں زبان پہ نہیں لا سکی۔ ۲۰ دن بعد حضرت مجھ سے جدا ہو گئے۔ حضرت ۲۵ ستمبر ۲۰۰۵ کو اس جہانِ فانی سے کوچ فرما گئے۔ فضا ایسی تھی کہ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں زمین سے اٹھ گئی ہو۔ میں دوبارہ یتیم ہو گئی۔ عجیب غم سے دوچار تھی اِدھر امی اُدھر حضرت صاحبؒ پردہ فرما گئے مگر میرے اللہ تعالیٰ کا مجھ پر ایسا کرم ہوا کہ دونوں ہستیوں نے میرا ساتھ آج بھی نہیں چھوڑا اور آج تک حضرتؒ کے رازوں کی امین ہوتی چلی گئی۔

حضرت سے عقیدت میں کبھی دنیا حاصل کرنے کی طلب نہیں تھی۔ بس قدموں میں بیٹھنا چاہتی تھی۔ ویسے بھی مرشد کا مقام روحانی باپ اور استاد کا ہے۔

با ادب با نصیب، بے ادب بے نصیب

اللہ تعالیٰ کا شکر میں کس طرح ادا کروں حضرت صاحبؒ فرماتے تھے کہ بندے کے لیے اللہ کافی نہیں ہے۔

ہاتھ میں ہاتھ دینا میرا کام تھا — اب یہ نسبت نبھانا تیرا کام ہے
بحر الفت میں کشتی بہا میں نے دی — اب کنارے لگانا تیرا کام ہے
تیرے قدموں میں آنا میرا کام تھا — میری قسمت جگانا تیرا کام ہے
میری آنکھوں کو ہے دید کی آرزو — مکھ سے پردہ اٹھانا تیرا کام ہے
تیرے ہوتے کروں کس کی میں آرزو — جب تصور میں رہتا ہے تو روبرو!

Marfat.com

بیعت کرنے سے میرا تو سودا ہوا
میں تھا اچھا برا تیرے ہاتھوں بکا
یہ اندھیروں بھرا دل تجھے دے دیا
اس میں شمع جلانا تیرا کام ہے
تیری چوکھٹ کہاں اور کہاں یہ جبیں
تیرے فیض وکرم کی تو حد ہی نہیں
جن کو دنیا میں نہ کوئی اپنا کہے
ان کو اپنا بنانا تیرا کام ہے
تیرے ہوتے مجھے حشر کا خوف کیا
مجھ کو مطلوب حضرت تیری رضا
میری جنت تو ہے بس تیرا آستاں
حشر میں بخشوانا تیرا کام ہے!
میرے دل کا سکوں میرے دل کی صدا
ہے ثنائے حضرت غلامِ مصطفیٰ
یہ صدائے عقیدت اے بادِ صبا
جا کے ان کو سنانا تیرا کام ہے
ہاتھ میں ہاتھ دینا میرا کام تھا
اب یہ نسبت نبھانا تیرا کام ہے
بحرالفت میں کشتی بہا میں نے دی
اب کنارے لگانا تیرا کام ہے

اس کتاب کو مرتب کرنے کا حکم میرے حضرت ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحبؒ نے بذریعہ خواب مجھے دیا۔ حضرت صاحبؒ نے یہ فرمایا کہ غزوۂ ہند کی تیاری، پاکستان کی اہمیت اور نشاۃ ثانیہ ہونے کی خبر امتِ مسلمہ تک پہنچانی ہے۔ ''اسکا باضابطہ حکم حضرت محمد ﷺ نے خود فرمایا ہے۔'' **اسکی ذمہ داری تمھیں سونپی جارہی ہے اس کام کو جلد مکمل کرو۔**

اس کتاب کے ذریعے مسلمانوں میں شعور، آگاہی کو بیدار کروں۔ میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکرگزار ہوں کہ مجھ جیسی گناہ گار بندی کو یہ فریضہ انجام دینے کی ہمت اور طاقت عطا فرمائی اور میں یہ کتاب مکمل کر کے امت مسلمہ کے سامنے پیش کرنے کی جسارت کرسکی۔ اللہ تعالیٰ میری اس کوشش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور یہ مجھ گناہ گار کی بخشش کا ذریعہ بن جائیں۔ آمین

تاریخ پڑھنے کا شوق تو تھا مگر اتنی اہم تاریخ پر کام کرنا بہت بڑی ذمہ داری تھا۔ لوگوں کو حقائق تک پہنچانا ان کے شواہد اکھٹے کرنا ان جگہوں پر خود جانا آخر کار اللہ تعالیٰ کی مدد کے ساتھ میں دو سال کی محنت اور جدوجہد کے بعد میں اس کو مکمل کرنے میں کامیاب ہوسکی۔

میرے لئے یہ خواب باعث مسرت بھی تھا اور ایک نوید کی کرن بھی جہاں امت محمدی ﷺ اتنی تکلیف میں ہے ہر طرف سے ظلم وستم کا بازار گرم ہے۔ مسلمان ہونا وقت کے فرعونوں نے مشکل کر دیا ہے وہاں اس کی خوشخبری ملنا ہم مسلمانوں کے لئے بہت خوشی اور رحمت کا باعث ہے۔

پاکستان

بچپن سے اللہ تعالیٰ، حضرت محمد ﷺ سے محبت صحابہ کرامؓ کی زندگی اور مسلمانوں کے عروج کے واقعات سنتی آرہی تھی۔ محمد بن قاسم، صلاح الدین ایوبیؒ، طارق بن زیاد ہر طرف مسلمانوں کی یلغار تھی چاروں طرف مسلمانوں کی حکومت تھی

Marfat.com

سلطنت عثمانیہ اندلس، بغداد برصغیر صرف مسلمان حاکم تھے۔ دین اور جدید تعلیم میں مسلمان سب سے آگے تھے۔ سائنس کی ایجاد مسلمانوں کا کارنامہ ہے۔ یہ سوچ وقت کے ساتھ بڑھتی چلی گئی میں نے جس اسکول سے تعلیم حاصل کی۔ وہاں پاکستان کی محبت قائداعظمؒ اور علامہ اقبالؒ کی تعلیمات سے طالبات کو بہت آگاہی دی جاتی تھی۔ جب میں کلاس پنجم میں تھی تو ایک خیال آیا کہ پاکستان کی تاریخ میں قائداعظمؒ علامہ اقبالؒ نے سارے کارنامے کر لئے۔ میں پاکستان کے لئے کیا کروں گی؟ اس دس سالہ بچی کی ایک معصوم سی خواہش تھی کہ میں اپنی قوم کے لئے کچھ الگ کر سکوں۔ اسی سال اقبال ڈے پر اس دعا کو پڑھا۔

لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری
زندگی شمع کی صورت ہو خدا یا میری

دور دنیا کا میرے دم سے اندھیرا ہو جائے
ہر جگہ میرے چمکنے سے اجالا ہو جائے

ہو میرے دم سے یونہی میرے وطن کی زینت
جس طرح پھول سے ہوتی ہے چمن کی زینت

زندگی ہو میری پروانے کی صورت یا رب
علم کی شمع سے ہو مجھ کو محبت یارب!

ہو میرا کام غریبوں کی حمایت کرنا
دردمندوں، سے ضعیفوں سے محبت کرنا

میرے اللہ! برائی سے بچانا مجھ کو
نیک جو راہ، اس رہ پہ چلانا مجھ کو

(امین)

کتاب کی ابتدا رب العزت کے نام سے کی۔ جب تک اللہ تعالیٰ کی شان کو نہ سمجھا جائے اور اس کائنات کے بنانے کا سبب سمجھ میں نہ آئے اس وقت تک اصل حقائق کی روح تک نہیں پہنچا جا سکتا تھا۔

ربُ العالمین نے چاہا: میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں پس میں نے کائنات مخلوق کو پیدا کیا۔ لیکن اپنی ربوبیت کو ظاہر کرنے کے لئے سب سے پہلے حضرت محمد ﷺ کے نور کی تخلیق اے محمد (ﷺ) اگر میں آپ کو پیدا نہ کرتا تو آسمانوں (مراد عالم) کو پیدا نہ کرتا اور میں ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا۔

حضرت محمد ﷺ کی ذات اقدس اس کائنات کے بننے کا سبب ہے۔ اور کائنات کی ہر شے کا وجود حضور اقدس ﷺ اگر آپ ﷺ نہ ہوتے کچھ بھی نہ ہوتا نہ آسمان ہوتا نہ زمین نہ حیوانات نہ نباتات نہ معدنیات اور جمادات۔

جب تک اللہ تعالیٰ، حضور اقدس ﷺ کی محبت ہر مسلمان کی اولین نہ ہوگی اس وقت تک ایمان پورا نہیں ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کے نور کی تخلیق کے بعد کائنات، فرشتے، اور حضرت آدمؑ پیدا فرمایا۔ دنیا کا نظام قائم کیا۔ پھر حضرت آدمؑ حضرت حواؑ کو دنیا میں اتارا گیا۔ انبیاء آتے رہے صحیفے کتابیں نازل ہوتی رہی۔ تمام انبیاء کی تعلیمات کا مقصدِ حیات ایک اللہ کی عبادت کرنا اور اس میں کسی کو شریک نہ کرنا یہی درس تمام انبیاء دیتے رہے۔ پھر جو سب سے عزیز تھا اس ہستی کے دنیا میں آنے کا وقت آ گیا جو سب سے پہلے تخلیق ہوا وہ آخری نبی ﷺ کہلایا۔

اللہ تعالیٰ رب العالمین اور نبی ﷺ رحمت للعلمیں جہاں ربوبیت ہے وہاں رحمت بھی ہے ربوبیت ہر جا ہے ہر عالم میں ہے رحمت ہر جا ہے ہر عالم میں ہے۔ جسطرح کوئی بھی عالم رب کی ربوبیت کے بغیر نہیں۔ رب کے حبیب ﷺ کی

Marfat.com

نقشہ برائے کعبۃ اللہ

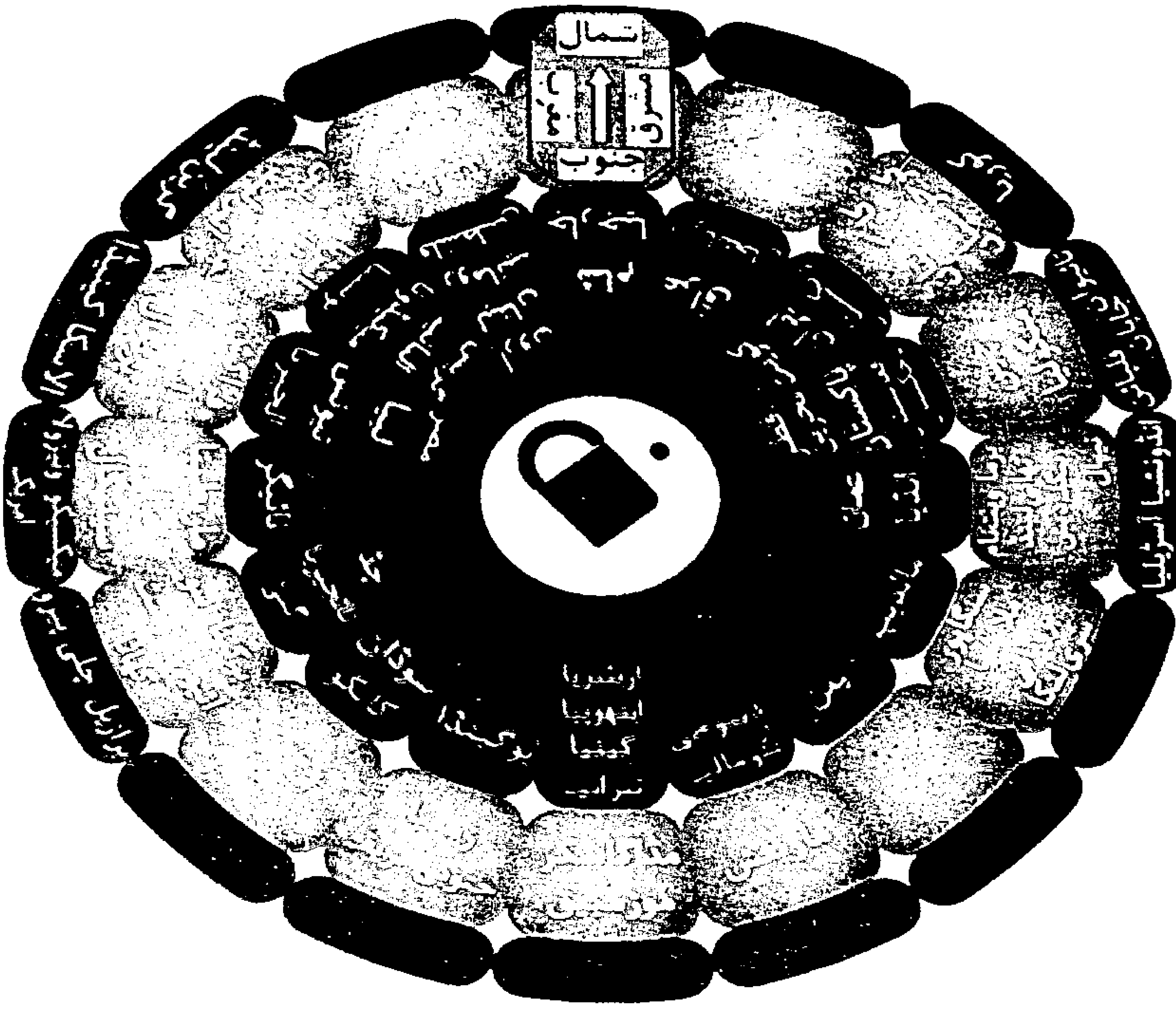

رَبُّ العزت کا یہ احسان ہی کیا کم تھا کہ ہمیں یہ آزاد مُملکتِ پاکستان رمضان المبارک کی ۲۷ ویں شب کو عنایت فرمائی۔ یہ الگ بات ہے کہ ہم نے اسلامی مُملکت کے تقاضوں کو پورا کرنے میں از حد کوتاہی کی۔ اللہ ہمیں معاف فرمائے۔ بے شک ہم انتہائی ناشکرے ہیں۔ سورۃ رحمٰن کی اس تکرار نے بھی ہم پر کوئی اثر نہ ہونے دیا کہ "پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے"۔ اوپر دیا گیا نقشہ آپ کی خدمت میں اس لئے پیش کیا جا رہا ہے کہ ہم اپنے رب کی عنایتوں پر سجدہ ریز ہو جائیں کہ اُس نے ہم پاکستانیوں کے لئے کعبۃ اللہ کا کونسا حصہ تجویز کیا۔ گو کعبۃ اللہ کا ایک ایک چپہ ہمارے لئے عقیدت کی جا ہے مگر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے کچھ گوشوں کی شان اپنے پیارے نبی ﷺ کے حوالے سے ہم تک پہنچائی ہے۔ بابِ رحمت و ملتزم کی حقیقت و حیثیت صرف اس بات سے ہی عیاں ہے کہ نبی ﷺ اُس سے چمٹ کر رو رو کر اللہ کے حضور گریہ وزاری فرماتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بغیر مانگے، کعبۃ اللہ سے اتنی دور بیٹھے، عین اُس جگہ پر مرکوز کر دیا، جس کے انوار ہی شاید اس مُملکتِ خداداد کی حفاظت فرما رہے ہیں۔ اے اللہ، ہم تیری اس عنایت کے شکر گزار ہیں۔ نمازوں میں خشوع پیدا کرنے کے لئے ایک انمول تحفہ جو رب نے عنایت کیا۔

Marfat.com

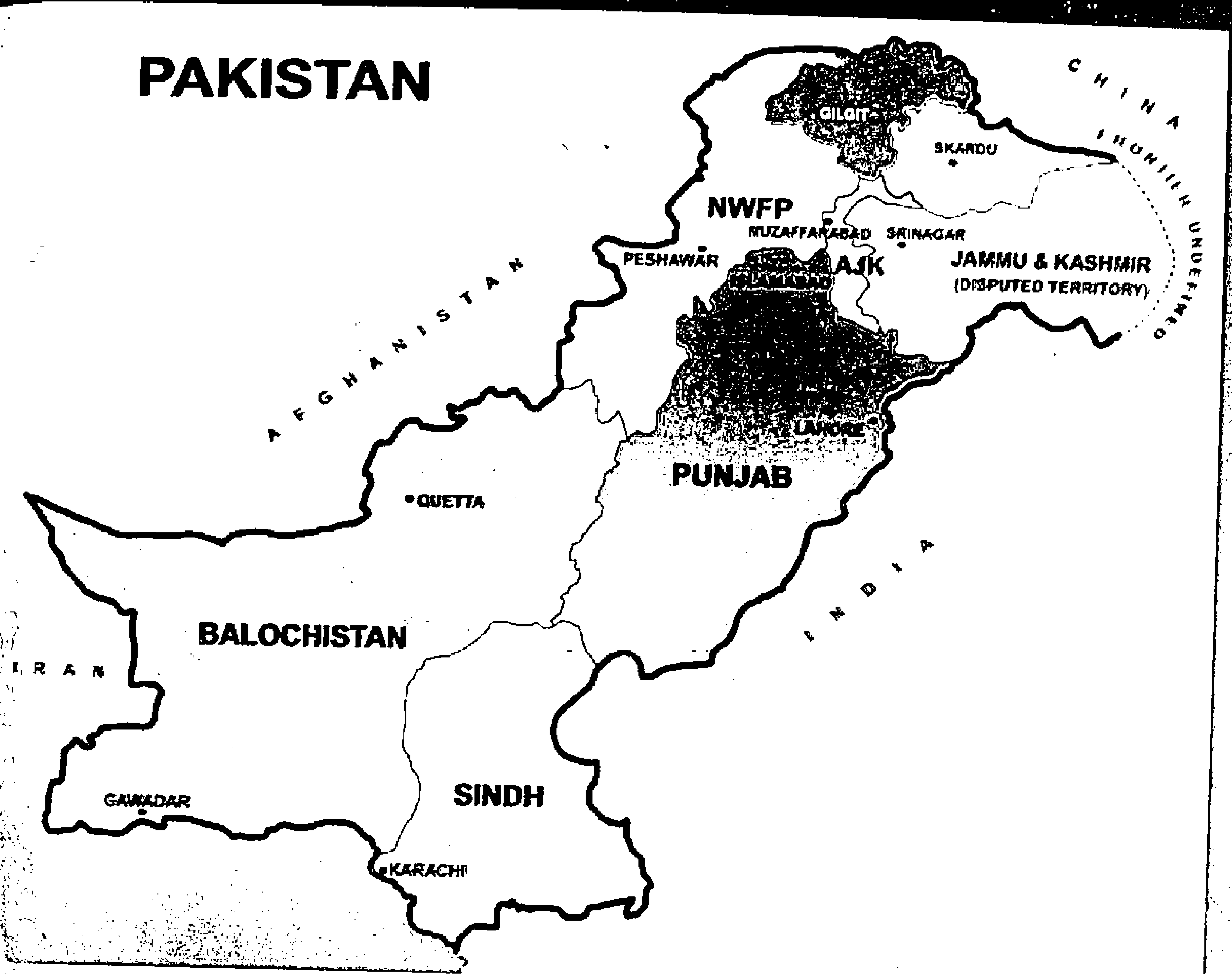
PAKISTAN
CHINA
FRONTIER UNDEFINED
GILGIT
SKARDU
NWFP
MUZAFFARABAD
SRINAGAR
PESHAWAR
AJK
JAMMU & KASHMIR
(DISPUTED TERRITORY)
AFGHANISTAN
LAHORE
PUNJAB
QUETTA
INDIA
BALOCHISTAN
IRAN
SINDH
GAWADAR
KARACHI

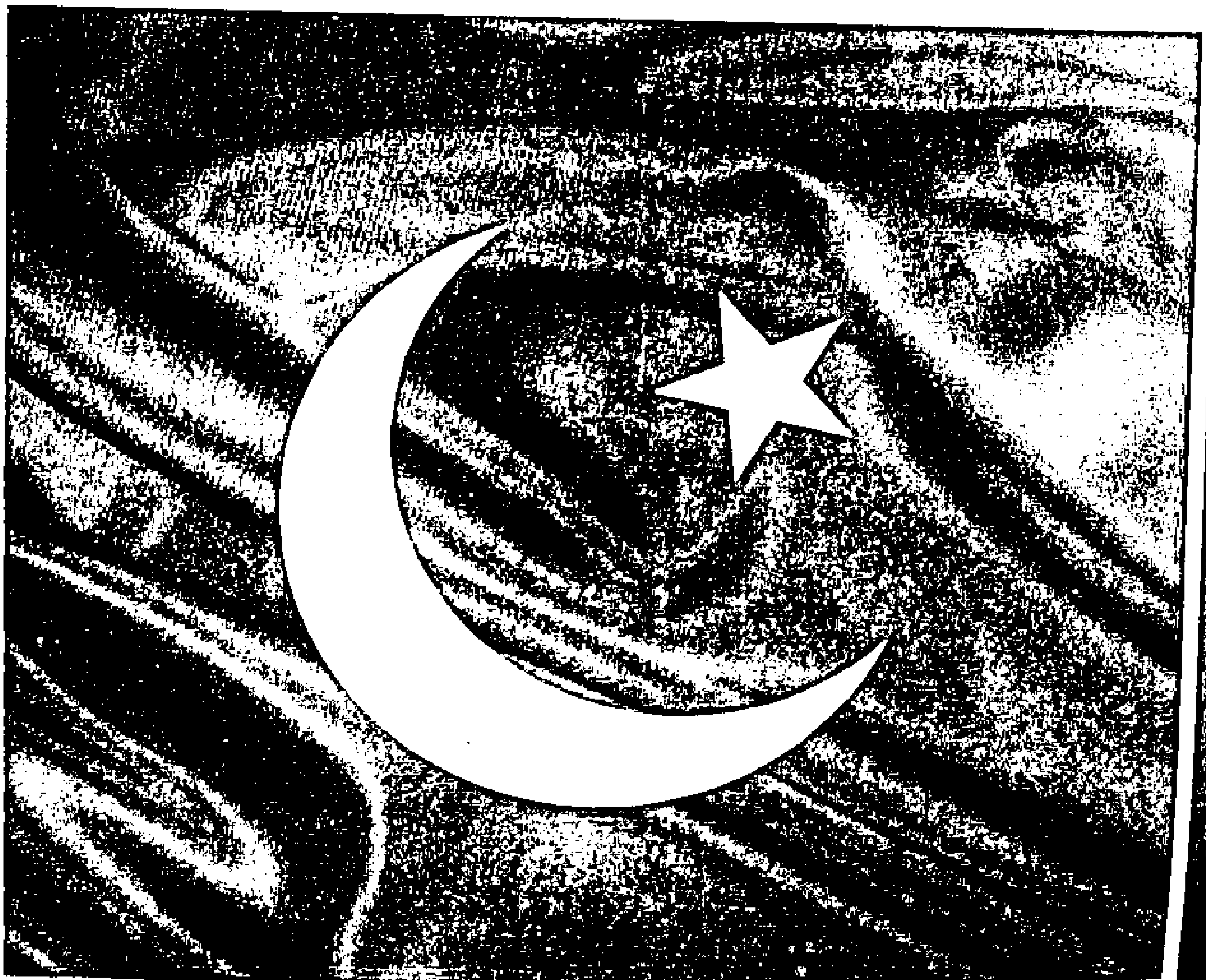

Marfat.com

رحمت کے بغیر بھی نہیں۔ جسطرح ہر ہر عالم میں کے کسی اسم صفت کے نور کا ہونا اس عالم کی بقا کے لیے ضروری ہے اسطرح رحمت کا ظہور بھی ضروری ہے۔ رحمت کا تصور ہمہ گیر اور عالم گیر ہے رحمت کے بغیر آسمانوں اور زمینوں میں کوئی بھی چیز ایک لمحہ بھر زندہ نہیں رہ سکتی۔ کائنات کی تخلیق اور نظامِ کائنات تمام کا تمام رحمت سے بھرپور ہے۔

نبی پاک ﷺ کی آمد اور دنیا سے جہالت کا خاتمہ دینِ اسلام کا ظہور، وحی کا اترنا، قرآن کا نازل ہونا۔ دینِ اسلام کے نافذ کرنے میں جتنی مشکلات اور مصائب کا سامنا کرنا پڑا ان میں آپ کا ساتھ صحابہ کرامؓ نے دیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ صرف اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی محبت میں خود کو فنا کئے ہوئے تھے۔ حضور پاک ﷺ نے فرمایا کہ صدیقؓ کے احسانات جتنے مجھ پر ہے اس کا صلہ روزِ محشر اللہ تعالیٰ عطا فرمائیں گے۔ حضرت عمرؓ رسول اللہ ﷺ کی دعا تھے۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا اگر میرے بعد کوئی نبی آتا تو وہ عمرؓ ہوتے۔ حضرت عثمانؓ کو ذوالنورین کا خطاب ملا۔ ان کی سخاوت مسلمانوں کے لئے بہت فائدے مند رہی۔ حضرت علیؓ جن کے لئے حضور پاک نے فرمایا اگر میں علم کا شہر ہوں تو علیؓ اس کا دروازہ ہیں۔ جن کی شجاعت اور بہادری سے کفار لرزتی تھی۔ حضرت امام حسنؓ رسول اللہ ﷺ کے باغ کے پھول تھے۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ میں حسنؓ سے ہوں اور حسنؓ مجھ سے ہیں۔ حضرت امام حسینؓ کے لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں حسن وحسین سے محبت کرتا ہوں اے اللہ تو بھی ان سے محبت فرما۔ جہاں ان ہستیوں کا مقام اتنا اونچا ہے جہاں دین اسلام کی خاطر ہر کوئی کسی بھی طریقے کی قربانی سے دریغ نہیں کرتا تھا۔ آپ ﷺ پر دین مکمل ہوا اور نبوت کا خاتمہ ہوا۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا يَحْزَنُوْنَ ہ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْ وَكَانُوْ يَتَّقُوْنَ ہ

ترجمہ: یاد رکھو جو لوگ اللہ کے دوست ہیں نہ ڈر ہے اُن پر اور نہ وہ غمگین ہونگے۔ جو لوگ ایمان لائے اور ڈرتے رہے۔

نبوت ختم ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اولیاء اللہ سے دین کی اشاعت کا کام جاری رکھا ہر دور میں اللہ کے ولی آتے رہے۔ اور دین اسلام لوگوں تک پھیلتا گیا برصغیر میں اللہ پاک کا خصوصی کرم ہے۔ اس جگہ اللہ پاک کے برگزیدہ بندے انبیاء، اولیاء موجود ہیں۔ حضرت ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحبؒ فرماتے ہیں کہ خانہ کعبہ کے دروازے کا رخ پاکستان کی طرف ہے اور اللہ کے حبیب اقدس ﷺ کا مدینہ مبارک اور روضہ اقدس کا رخ بھی پاکستان کی طرف ہے۔

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید اینجا

اسی وجہ سے پاکستان کے بننے کی کوئی خاص وجہ ہے جو تدبر کرنے سے سمجھ میں آتی ہے۔

نظام کائنات پر غور کیجیے تو آپ پر یہ منکشف ہوگا کہ یہ ہر لحہ تغیر پذیر اور توسیع پذیر ہے۔ اس نظام قدرت اور اس میں کارفرما قانون قدرت میں ہمیں ایک طرف تو نئی نئی کہکشائیں جنم لیتی دکھائی دیتی ہیں تو دوسری جانب کائنات کے چہرے سے کئی ستارے حرف غلط کی طرح مٹتے اور بلیک ہولز کے جہنم کی نذر ہو کر لقمہ اجل بنتے بھی نظر آتے ہیں۔ نظام فطرت میں تخریب و تعمیر کا یہ کام ہمیں پیہم جاری وساری نظر آتا ہے۔ بعینہ یہی معاملہ تاریخ حضرت انساں کا بھی ہے۔ تاریخ انسانی شاہد ہے کہ تاریخ کے مختلف ادوار میں ہمیں نئی نئی تہذیبیں جنم لیتی اور نمو پاتی دکھائی دیتی ہیں۔ اور ساتھ ہی ساتھ پرانی فرسودہ اور نظام فطرت سے

Marfat.com

متصادم اصولوں پر پروان چڑھنے والی تہذیبیں حرف غلط کی مانند صفحہ ہستی سے مٹ گئیں۔ اور آنیوالوں کیلئے ایک سبق اور نشان عبرت بنیں۔

تاریخ انسانی کا مطالعہ ہمیں باور کراتا ہے کہ قوموں کا عروج وزوال بھی ہمیشہ قائم نہیں رہتا۔ کبھی ایک قوم کا پلڑا بھاری ہوتا ہے تو کبھی دوسری قوم کا۔ درحقیقت اصل جنگ نظریہ (Ideology) کی ہوتی ہے۔ ایک قوم کے غلبہ کے ساتھ اسکا نظریہ حیات بھی غالب آجاتا ہے۔

اسی طرح کا مدوجذر ہمیں اُمت مسلمہ کی تاریخ میں بھی دکھائی دیتا ہے۔ یہ امت بھی کبھی دنیا کی رہبر ورہنمائی رہی۔ علم وہنر کے سوتے کبھی اسی سے پھوٹتے تھے۔ زیادہ دور کی بات نہیں، پندرھویں صدی عیسوی کا زمانہ ہے جب یورپ جہالت کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ ان کے اپنے مورخین اسے Dark Ages قرار دیتے ہیں۔ مسلمانان ہسپانیہ بدترین انارکی اور نفاق کا شکار ہوکر (اور نظام فطرت سے متصادم عمل کے باعث) عالمی نقشہ سے حرف غلط کی طرح مٹ گئے۔ ان کی تاریخ اور جاہ وجلال داستان پارینہ رفتہ بن گیا۔ اور وہ نشان عبرت بن کر رہ گئے۔ مسلمانانِ ہسپانیہ جنہوں نے جدید علوم میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔ بڑی درس گائیں اور لائبریریاں قائم کیں۔ انہوں نے یورپ میں جدید علوم وسائنس کے احیاء کی بنیاد رکھی۔ مسیحی یورپ کے نوجوان پیاس علم بجھانے کیلئے ہسپانیہ کے دانش کدوں کا رخ کرتے۔ مسلمانوں کا اہم علمی، فکری اور تعلیمی مرکز پر مسیحی یورپ کے قبضہ کے بعد یہ علمی احیاء یورپ میں پھیل گیا۔ لیکن یہ احیاء یک چشمی One Eyed تھا۔ کیونکہ مسلمانوں کے برعکس مسیحی یورپ نے آسمانی راہنمائی کو اس میں سے خیرباد کہہ دیا۔ اہل یورپ تمام تر رسائی مادی (Materialist Approach) تک رہی۔ جس کے باعث یہ احیاء العلم، روحانی قدروں اور تصور آخرت سے خالی تھا۔ چنانچہ یہ انسانیت کی فلاح کی بجائے تباہی کا باعث بنا۔ آج اسی فکر کی کوکھ سے جنم لینے والا مغرب ساری دنیا کو درس تہذیب دیتا ہے، اقبال نے فرمایا تھا:

جس کو ہم نے آشنا لطف تکلم سے کیا　　　اس حریف بے زباں کی گرم گفتاری بھی دیکھ

اقبال نے مغرب کی تہذیب حاضر کو (جس نے اب عالمی صورت اختیار کرلی ہے۔ عہد کہن سے تعبیر کیا ہے۔ اور اس نظام فطرت سے متصادم اور ظلم پر مبنی تہذیب کی جگہ نظام فطرت کے ازسرنو احیاء اور ایک جنتی معاشرہ کے قیام کی نوید اپنی بصیرت ووجدان کی بناپر دی ہے۔

سقوط غرناطہ کے بعد امت مسلمہ کا زوال من حیث المجموعی جاری رہا۔ اور مسلمان یورپ کی جبری غلامی میں چلے گئے۔ برعظیم اور ہسپانیہ میں ایک ہی برس اسلام کے داخلے کا آغاز ہوا۔ محمد بن قاسم کی برعظیم میں آمد اور اسکے واپس بلالئے جانے کے بعد۔ گیارہویں صدی عیسوی میں محمود غزنوی حملہ آور ہوئے۔ پھر شہاب الدین غوری نے باقاعدہ مسلم سلطنت کی بنیاد رکھی۔ قریباً ہزار برس تک مسلمان ہندوستان کے مختلف حصوں پر پورے جاہ وجلال کے ساتھ حکمرانی کرتے رہے۔ یہ غلبہ مغلیہ سلطنت کے زوال تک جاری رہا۔ مسلمان نہایت اقلیت کے باوجود ہنود کی اکثریت پر غالب رہے۔ تاریخ برعظیم میں مسلمان کے کئی

Marfat.com

کمزور لمحات میں ہندوؤں نے سر اٹھانے کی کوشش کی مگر وہ ہمیشہ شکست و ریخت سے دوچار ہوئے۔ بھارت کے معروف مسلمان بیوروکریٹ اور سیاستدان شہاب الدین نے جب اہم بھارتی ہفت روزہ "سنڈے" میں یہ رقم کیا کہ "ہندو گھاس کی طرح ہیں جسے شہ سواروں کے گھوڑے روند ڈالتے ہیں اور مسلمان ایک تناور درخت کی مانند باد تند و تیز سے دائیں بائیں جھوم تو سکتا ہے لیکن کسی کے گھوڑے اسے روند نہیں سکتے" تو سارا ہندوستان چلا اٹھا اور ہندو دانشوروں نے لکھا:

"Another Jinnah Speeking"

تاریخ برعظیم اور تاریخ اسلام میں ہمیں جا بجا ایسے نازک موڑ دکھائی دیتے ہیں جہاں بظاہر مسلمانوں کے بچاؤ کی کوئی صورت ممکن نہ رہی، تاریخ کے نازک مواقع پر غیر معمولی مسلم شخصیات ابھریں۔ جنہوں نے غیر معمولی جدوجہد اور آہنی عزم سے ناممکن کو ممکن کر دکھایا۔ معجزانہ طور پر مسلمانوں کو حالات کے بھنور سے نکال کر کامرانی سے سرفراز کیا۔ ذہن نشین رہے کہ ہندوستان میں مسلمان ہمیشہ اقلیت میں رہے۔ مسلم دور اقتدار میں یہاں مسلمانوں کو نابود کرنے کی کئی تحریکیں چلیں۔ تاریخ برعظیم کے ان نازک ادوار میں مسلم زعماء اور مجاہدین نے اپنی لازوال قربانیوں سے وفا کی داستانیں رقم کیں۔ یہ وفا کی تاریخ حجازیوں سے تاتاریوں تک صدیوں پر محیط ہے۔

صدیوں سے پرورش پانے والا مسلمانانِ برعظیم کا اسلام سے یہ غیر معمولی لگاؤ ہی تھا جس نے تمام نسلی لسانی اور علاقائی عصبیتوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ایک کلمہ پر متحد و متفق کر دیا۔ اور انکے بطن سے تحریک پاکستان کے عنوان سے ایک عظیم تحریک نے جنم لیا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے اس تحریک نے سارے ہندوستان کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ملت ہند نے اپنے اندر کے خوابیدہ خوابوں کی تعبیر کیلئے ایک ایسا خطہ زمین حاصل کر لیا۔ ایک ایسا خطہ ارضی جو ممالک کے مابین مسجد قرار پائے۔ لاکھوں شہدا اور اہل حق نے اپنی وفاؤں اور ناقابل فراموش قربانیوں سے اس کعبہ کی تعمیر کی، پاکستان مجدد الف ثانی سے علامہ اقبال تک کی فکری مساعی کا نچوڑ ہے۔ اسے اہل جنوں نے خون جگر سے سینچا اور پروان چڑھایا۔ جنکی جڑیں تاریخ کی گہرائیوں میں ہی پیوست نہیں بلکہ عرش معلیٰ تک پھیلی ہوئی ہیں۔ قدرت نے ہمیں فطرت کی تمام ظاہری و باطنی نعمتوں سے مالا مال ایک حسین خطہ اراضی عطا کیا ہے۔ تاکہ ہم اپنے پروردگار کے شکر گزار بنیں۔

قدرت نے ہمیں آزاد خطہ اراضی عطا کیا، ہماری بدنصیبی کہ سامراجی دور میں نمو پانے والا غلام ذہنیت کا قوم فروش مقتدر طبقہ سامراج ہی کی وراثت میں ہمیں ملا۔

؎ نیرنگیِ سیاستِ دوراں تو دیکھیے　　منزل انہیں ملی جو شریک سفر نہ تھے

بنی اسرائیل کی مانند ہمیں بھی موسیٰ کی عدم موجودگی میں سامری جیسے راہنما میسر آئے۔ ہم نصف صدی تک ریت کے گھروندے بناتے اور مٹاتے رہے۔ ملت سونے کے بچھڑے کی پجاری بن گئی۔ ملک کو بڑی طاقتوں اور عالمی مالیاتی اداروں کا غلام بنا دیا گیا۔ تعمیر ریاست کا کام بھی کھٹائی میں ڈال دیا گیا۔ دور غلامی کا فرسودہ نظام، ریاست پر جوں کا توں مسلط رکھا گیا۔

Marfat.com

قائد کی جیب کے کھوٹے سکے ملک کی تقدیر پر مسلط ہو گئے۔ نوچ نوچ کر فارن کرنسی کی شکل میں سرمایہ بیرونی ممالک میں منتقل کیا جانے لگا۔ ریاست کو معاشی (Collapse) کے دہانے پر پہنچا دیا گیا۔

تحریک پاکستان کے دوران بھی ان کھوٹے سکوں نے مسلمانان ہند کی آزادی کو داؤ پر لگائے رکھا۔ قائد نے نہ صرف انگریز سامراج اور ہنود سے جنگ لڑی بلکہ انہیں اس قوم فروش طبقہ سے بھی لڑنا پڑا۔ اگر قائد نہ ہوتے تو پاکستان نہ بنتا۔ قائد کی زندگی کے اس اہم گوشے سے پردہ اٹھ چکا ہے۔ جس میں انہوں نے اپنی جان لیوا بیماری کو انتہائی پامردی اور رازداری سے چھپائے رکھا۔ قائد اس طبقہ سے بخوبی آگاہ تھے اسلئے انہوں نے اپنی مہلک بیماری کو انتہائی پوشیدہ رکھا۔ ان کی بیماری کا علم فقط انکے ڈاکٹرز کو تھا۔ قائد کی وفات کے بعد لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے کہا اگر اسے جناح کی بیماری کا علم ہو جاتا تو وہ کبھی ہندوستان کو تقسیم نہ کرتا۔ قائد اس بات سے آگاہ تھے، اسلئے انہوں نے فرمایا تھا کہ انہیں رومال کے برابر بھی پاکستان ملتا تو وہ لے لیتے۔

ہمیں قائد اور اقبال کے اصل پاکستان کے قیام کیلئے انگریزوں، ہندوؤں اور یہودیوں کے غلاموں سے آزادی کی جنگ لڑنا ہے۔ ابھی اصل پاکستان بنا ہی نہیں جس کا خواب قائد اور اقبال نے دیکھا تھا۔ انقلابات کا اصل محرک عوام کے شعور بیداری میں پوشیدہ ہوتا ہے۔ تحریک تکمیل پاکستان ہماری عظمت رفتہ پھر سے ہمیں لوٹا سکتی ہے۔ ہمارا دور عروج ہمارے دروازہ پر دستک دے رہا ہے۔ بالخصوص ملت پاکستانیہ اور بالعموم امہ میں اس کی حالت بدلنے کا احساس پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

پھر نظام گلستاں ہو گا جنوں والوں کے پاس ۔۔۔ باندھ کر نکلے گی پوری قوم جب سر سے کفن

اس نظام میں رہتے ہوئے تبدیلی نہیں آسکتی۔ اس سے تحفظ پانے والے اسکا خاتمہ نہیں کر سکتے۔ جس ڈالی پر وہ خود بیٹھے ہیں اسے کیسے کاٹ سکتے ہیں؟ قدرت نے ہمیں ایک خطہ زمین عطا کیا ہے۔ جس پر پہلے سے موجود ایک غلام قوم کیلئے تخلیق کردہ نظام کی عمارت گرا کر بانیان پاکستان کے تصورت (Vision) کے مطابق آزاد و خودمختار جدید اسلامی فلاحی ریاست تعمیر کرنا ہوگی۔ جو کہ ایک آزاد و خودمختار مسلمان قوم کے شایان شان ہو۔ نیز قرآنی اصولوں کی روشنی میں جدید اور خودمختار (از سرنو) ریاستی ادارے تعمیر کرنا ہونگے۔ ان اداروں کی نومولود پودے کی طرح دیکھ بھال کرنا ہوگی۔ ہمیں ان بنیادوں کی طرف پلٹنا ہوگا جو لاکھوں شہداء نے اس ریاست کی تخلیق کیلئے اپنے لہو سے رکھیں۔ یہ خوش آئند امر یہ ہے کہ ملت پاکستانیہ کے باطن میں زبردست صلاحتیں اور حرارت پوشیدہ ہے۔ جس کا ادراک حکیم الامت اور مجدد وقت حضرت علامہ اقبال نے کیا فرماتے ہیں۔

جس خاک کے خمیر میں ہو آتشِ چنار ۔۔۔ ممکن نہیں کہ سرد ہو وہ خاکِ ارجمند

حالات اپنا رخ خود متعین کر رہے ہیں۔ تقدیر کا لکھا ہر صاحب نظر پڑھ رہا ہے۔ وہ وقت اب زیادہ دور نہیں جب یہ ریاست تمام آلائشوں اور فرسودہ روایات سے پاک ہو کر حقیقی طور پر پاک اور مقدس سرزمین بن جائے گی۔ جہاں قرآن کی عملی نمود ہوگی۔

یہ چمن معمور ہوگا نغمہ توحید سے ۔۔۔

وطن عزیز میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو پاکستان کے مستقبل کے بارے میں وقتاً فوقتاً شکوک و شبہات میں مبتلا ہوتے

Marfat.com

رہتے ہیں۔اُن میں بہت کم لوگ عوام اور بہت زیادہ خواص کی تعداد ہوتی ہے۔خواص ایسے لوگوں کی کمی نہیں جن کی ایک جیب میں پاکستانی پاسپورٹ اور دوسری جیب میں امریکن گرین کارڈ یا دیگر ممالک کے اقامت نامے ہر وقت موجود رہتے ہیں۔اُن کے مال و متاع کا بیشتر حصہ بھی بیرونی بینکوں کی تجوریاں گرماتا ہے اور پاکستان میں وہ صرف ایسے کرنٹ اکاؤنٹ کھولنے پر قناعت کرتے ہیں جن پر زکوٰۃ کٹنے کا خطرہ لاحق نہ ہو۔اس کے علاوہ انکم ٹیکس، ویلتھ ٹیکس اور زکوٰۃ سے بچ بچ کر اور غالباً منشیات کے کاروبار سے ہاتھ رنگ کر بھی کالے دھن کے انبار ایسی مہارت سے جمع کرتے ہیں کہ انجام کار حکومت ہی اُن کے سامنے گھٹنے ٹیک کر دھوبی گھاٹ کھول دیتی ہے۔جہاں پر سرکاری افسر عجیب وغریب قوانین کا مل مل کر کالی پونجی کو سفید کرنے میں ہمہ تن مصروف ہو جاتے ہیں۔یہ دیانت اور امانت کے ساتھ ایک بھونڈا مذاق ہے۔

بیٹیاں لٹتی رہیں ہم دعا کرتے رہے — بیچ کر تلواریں خرید لیے مصلے ہم نے

بہت سے لوگوں کے نزدیک پاکستان کی سلامتی اور استحکام کا راز فقط اس بات میں مضمر ہے کہ حالات کے اُتار چڑھاؤ میں اُن کے ذاتی اور سراسر انفرادی مفاد کا پیمانہ کس شرح سے گھٹتا یا بڑھتا ہے۔ایسے لوگ قابل رحم ہیں۔وہ بنیادی طور پر نہ تو وطن دشمن ہوتے ہیں اور نہ ان پر غداری کا الزام لگانا چاہیئے۔مریضانہ ذہنیت کے یہ لوگ حرص و ہوس کی آگ میں سلگ سلگ کر اندر ہی اندر بزدلی کی راکھ کا ڈھیر بن جاتے ہیں۔حوادث دنیا کا ہلکا سا جھونکا راکھ کو اڑا کر تتر بتر کر دیتا ہے۔اُن کا اپنا کوئی وطن نہیں ہوتا۔اُن کا اصلی وطن محض اُن کا اپنا نفس ہوتا ہے۔اسکے علاوہ جو سرزمین بھی اُن کی خودغرضی، خود پسندی، خود فروشی اور منافقت کو راس آئے۔پاکستان میں اس طرح کے افراد کا ایک طبقہ موجود تو ضرور ہے لیکن خوش قسمتی سے اُن کی تعداد محدود ہے۔

اس کے برعکس پاکستانیوں کو سوادِ اعظم حب الوطنی کے جذبہ سے سرشار ہے۔یہ الگ بات ہے کہ اُن کی حب الوطنی پر بار بار انتہائی کڑی آزمائش کے دور آتے رہے ہیں، لیکن اب تک اُن کے پائے ثبات میں کسی نمایاں لغزش کے آثار نمودار نہیں ہوئے۔یہ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہے البتہ ہمیں یہ ہرگز فراموش نہ کرنا چاہیئے کہ بار بار کفرانِ نعمت کا مرتکب ہونے سے اللہ کے عذاب کی گرفت بھی بڑی شدید ہوتی ہے۔میرا اندازہ ہے کہ قوم کی قوت برداشت کا ضرورت سے زیادہ امتحان لیا جا چکا ہے۔اسکے پیمانہ صبر کو لبریز ہونے سے بچانا ہم سب کا اجتماعی اور انفرادی فرض ہے۔

پاکستان کی مسلح افواج کا شمار دنیا بھر کی اعلیٰ افواج میں ہوتا ہے۔یہ حقیقت روس کو پسند ہے اور نہ امریکہ کو۔روس کی نظر افغانستان کے علاوہ بحیرہ عرب کی جانب بھی ہے۔اسکے علاوہ روس کو بھارت کی خوشنودی حاصل رکھنا بھی مرغوب خاطر ہے۔ان تینوں مقاصد کے راستے میں جو چیز حائل ہے، وہ پاکستان کی فوج ہے۔امریکہ کا مقصد مختلف ہے۔امریکہ کی اصلی اور بنیادی وفاداری اسرائیل کے ساتھ ہے۔یہ بھی سب جانتے ہیں کہ اگر کسی وقت اسلامی سطح پر جہاد کا فتویٰ جاری ہو گیا تو پاکستان ہی وہ ملک ہے جہاں کی مسلح افواج اور نہتی آبادی کسی مزید حکم کا انتظار کیئے بغیر جذبہ جہاد سے سرشار ہو کر ایک دم بسوئے اسرائیل اٹھ کھڑی ہوگی۔عالم اسلام میں اپنی تمام کامیاب ریشہ دوانیوں کے باوجود امریکہ یہ خطرہ مول نہیں لینا چاہتا۔اسکے علاوہ روس کی مانند امریکہ بھی بھارت کی خیر سگالی اور خوشنودی حاصل کرنے اور بڑھانے کا آرزومند ہے۔پاکستان کی مسلح افواج روس،

Marfat.com

امریکہ اور بھارت کی آنکھ میں برابر کھٹکتی ہیں، اسلئے ہماری فوج کو نکما اور کمزور کرنا تینوں کا مشترکہ نصب العین ہے۔ سول حکومت کی مشینری کے بارے اندازہ یہ ہے کہ اس کی بہت سی اہم چولیں بتدریج ڈھیلی پڑتی جا رہی ہیں۔ اوپر سے نیچے تک خود حفاظتی کی آڑ میں احساس ذمہ داری سے جان بچا کر ٹال مٹول کرنا عام ہو گیا ہے۔ ہر سطح پر قوت فیصلہ کمزور پڑ گئی ہے۔ رشوت کا ریٹ بڑھ گیا ہے اور سکا دائرہ عمل بھی اُفقاً اور عموداً دونوں جانب بہت زیادہ وسیع ہو گیا ہے۔ ان رذائل کا گندہ مواد طرح طرح کے ناسور بن کر معاشرے کے بیشتر شعبوں میں پھوٹ رہا ہے۔

علامہ اقبال نے خبردار کیا تھا۔

نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستاں والو — تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

ایٹمی توانائی کا حصول ہر آزاد ملک کا حق ہے۔ اس پر چند مختلف ممالک کی اجارہ داری ایک نئی شہنشاہیت اور سامراجیت کی بالادستی کے نظام کو جنم دیتی ہے۔ بجلی، ٹیلیفون، ریڈیو، ٹیلیویژن، ہوائی جہاز وغیرہ کی ایجادات فروغ علم کا نتیجہ ہیں۔ علم نہ دبائے دبتا ہے، نہ چھپائے چھپتا ہے۔ ایٹمی توانائی کا علم بھی دوسرے علوم کی طرح رفتہ رفتہ عام ہو رہا ہے۔ نیوکلیئر ٹیکنالوجی کے حصول اور استعمال کا انحصار وسائل کی دستیابی پر ہے۔ وسائل کی کمیابی سے تاخیر تو ممکن ہے لیکن تدبیر کی کامیابی سے ہمیشہ کے لئے فرار ناممکن ہے۔ پاکستان میں ایٹمی سائنس کو زیادہ سے زیادہ فروغ دینا ہماری ہر حکومت کا فرض ہے۔ اس میں معذرت خواہی سے کام لینا ایمان کی کمزوری کی دلیل ہے۔ روس، امریکہ، اسرائیل اور بھارت ہمارے ایٹمی مراکز کو تباہ کرنے میں یکساں دلچسپی رکھتے ہیں، لیکن ہمارا اصلی دفاع یہی ہے کہ ہم نیوکلیئر اسلحہ جات سے پوری طرح لیس ہوں۔ "اسلامی بم" کے طعنوں اور دھمکیوں میں آکر گھٹنے ٹیک دینا ایک مجرمانہ لغزش ہوگی۔ جو ممالک "اسلامی بم" پر قدغن لگانے میں پیش پیش ہیں، اُن سے بعید نہیں کہ وہ کسی وقت اسلامی اعمال کو بھی ممنوع قرار دینے کا نادر شاہی حکم صادر فرما دیں۔ ایسے عناصر کو پائے حقارت سے ٹھکرانے میں ہی ہماری خود اعتمادی اور عزت نفس کی بقاء ہے۔

دنیا بھر میں جنگ کی بنیاد انفرادی یا محدود قبائلی سطح پر زر، زن اور زمین کی حرص میں شروع ہوئی تھی۔ پھر اس نے سامراجیت (Colonialism) کا رنگ چڑھا کر زبردست کی حکمرانی اور زیردست کی غلامی کا وطیرہ اختیار کر لیا۔ اس کا بنیادی مقصد ملک گیری کی ہوس تھا۔ اگلی منزل میں سیاسی نظام، معاشی نظریات اور سماجی اقدار میں اختلافات اور تصادم نے بڑے پیمانے پر عالمگیر جنگوں کا سلسلہ شروع کیا۔ اب رفتہ رفتہ ہوا کا رخ مزید بدل رہا ہے۔ حالیہ آثار گواہی دیتے ہیں کہ جلد یا بدیر سب سے بڑی اور ممکن ہے کہ آخری جنگ دین کی اساس پر دو تہذیبوں اور تمدنوں کے درمیان لڑی جائے۔ دنیائے اسلام ایک طرف اور باقی تمام غیر مسلم عناصر باہم مل جل کر دوسری جانب۔ اس امکان کو فراموش کرنے یا اس سے نبرد آزما ہونے کی تیاری میں غفلت سے کام لینے میں عالم اسلام کو عموماً اور پاکستان کو خصوصاً سب سے بڑا اور مہلک خطرہ ہے۔

اسرائیل کے خلاف ہماری پالیسی عربوں کی خیرسگالی حاصل کرنے کے لئے نہیں بلکہ اسلام اور فقط اسلام کے نام سے ہے۔ یہود اور نصاریٰ کو خوش کرنے کے لئے اس پالیسی میں کسی قسم کی لچک یا کمزوری کو جگہ دینا لاریب اسلام کے ساتھ

Marfat.com

غداری کے مترادف ہے۔ایسی حرکت بے برکتی کی آندھیوں کو دعوت دے کر وطن عزیز کے وجود کو طرح طرح کے خطرات میں مبتلا کر سکتی ہے۔یہ محض سیاسی حماقت ہی نہیں، بلکہ دینی جرم بھی ہے۔

اس طرح بھارت کے ساتھ تعلقات معمول پر لانے (Normalization of Relations) کی آڑ میں ریڈ کلف لائن کو مدھم ہونے سے بچانا ہر صورت میں لازمی ہے۔''بغل میں چھری اور منہ میں رام رام'' والا محاورہ ایک ابدی اور اٹل حقیقت ہے۔بھارت کے عزائم اور اعلانات میں اُن کے ظاہر اور باطن کی تمیز کو چشم بصیرت، محسن تدبر اور دیورہ دیوانگی سے پرکھنا ہمارا اولین فرض ہے۔اگر یہ تمیز مصلحتوں یا غفلتوں کی نذر ہوگئی تو بربادی، تباہی اور فنا کا اندھا کنواں منہ پھاڑے سامنے کھدا پڑا ہے۔جسکا ثبوت اس سال کا بجٹ ہے۔انڈیا نے ۲۰۱۵ میں ۴۱ کھرب کا دفاعی بجٹ رکھا ہے۔

موت سے ڈر جاؤ تو زندگی نہیں ملتی　　　جنگ جیتنا چاہو تو کشتیاں جلا دینا

افغانستان پر امریکہ کا تسلط اسلام پر کھلا حملہ ہے۔مشرق اور مغرب کے نام نہاد سیکولر اور آزادی پرست اقوام کے دل میں اسلام کے خلاف ہمدردی نہیں بلکہ بغض اور کینہ ہے۔زبانی کلامی اعلانات اور ایک سپر پاور کے خلاف محدود مالی یا اسلحہ جاتی امداد محض ایک نمائشی ڈھونگ ہے۔اس بھرم کو قائم رکھنے کے لئے بہت سے ملک ہمارے ساتھ ہیں، لیکن یہ قضیہ ہمیں کو چکانا ہے۔رفتہ رفتہ امریکہ کی افواج کسی نہ کسی حد تک واپس چلی جائیں تو چلی جائیں، لیکن امریکی اثرات کے جراثیم آسانی سے جانے والے نہیں ہیں۔وقت کے ساتھ یہ جراثیم جڑ پکڑتے رہیں گے۔اگر سنٹرل ایشیا کے پسے ہوئے خوابیدہ مسلمان بیدار نہ ہوئے تو ممکن ہے کہ افغانستان بھی انہی کا رنگ ہو جائے۔

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے　　　کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں

پاکستان میں اسلام کے فروغ کا نصب العین فقط ہمارے مفاد ہی میں نہیں بلکہ افغانستان اور سنٹرل ایشیاء کے لئے بھی کام آسکتا ہے۔لیکن Islamization کے پردے میں Cosmetic Islam کا ڈھونگ رچانا منافقت کی ڈھول اڑانے کے علاوہ کوئی اور مقصد پورا نہیں کر سکتا۔ہمیں اسلام کے بنیادی اور حقیقی اصل اصول (Fundamentalism) کو اپنانے کی ضرورت ہے۔اس کے بغیر امور ریاست میں اسلام کے نام پر سب کچھ کار بے بنیاد ہے۔

اے وقت کے نباض ذرا سمجھ مجھے　　　ملت کی تباہی نے پکارا ہے مجھے
میں وقت کی تنقید سے مرعوب نہیں　　　تنقید نے اے دوست سنوارا ہے مجھے

ہمیں حب الوطنی کا جذبہ نہیں بلکہ جنون درکار ہے۔جذبہ تو محض ایک حنوط شدہ لاش کی مانند دل کے تابوت میں منجمد رہ سکتا ہے۔جنون، جوش جہاد اور شوق شہادت سے خون گرماتا ہے۔اسی میں پاکستان کی سلامتی اور مستقبل کا راز پوشیدہ ہے۔

اُترے زمیں پہ ہم تو زمیں بھی ٹھہر گئی　　　ہم بھی شریک حکمت پروردگار تھے

Marfat.com

آج پوری ملت اسلامیہ کے لیے یہ وقت لمحہ فکریا ہے۔ ہمارے سامنے حضور پاک ﷺ کی زندگی ہے۔ صحابہ کرامؓ کی قربانیاں ہے۔ امت کی بخشش کے لیے حضرت امام حسن، حسینؓ کی شہادتیں ہیں۔ پاکستان کی سرحدوں میں لاکھوں شہیدوں کا خون ملا ہے۔

ہم کیسے قرض اتارے گے۔ ہم کیسے حضور پاک ﷺ پر برسنے والے پتھروں کو بھولے گے۔ ہجرت کی تکلیفیں لوگوں کے طعنے، دشمنوں کے ظلم، راتوں کو اٹھ اٹھ کرامت کی بخشش کی دعا کرنے والے ہاتھوں کو ہم کیسے بھول سکتے ہیں۔ بیٹا، نواسے قربان کیے۔ جب رب سے دعا مانگی میری امت، میری امت کو بخشش دینا۔

اب سوچنا ہے کہ ہم روزِ محشر اللہ تعالی، حضور پاک ﷺ کے سامنے کس منہ سے جائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ جب پوچھیں گے کہ میں قرآن اور اپنی سنت اپنا خاندان تم لوگوں کے لئے چھوڑ کر نہیں آیا تھا میرے گھر میں فقر اور فاقہ نہ تھا۔ تین تین چاند گھر میں چولہا نہیں جلا طائف میں لہولہان ہوا پھر بھی کسی کو بددعا نہیں دی۔ تم لوگ فرقہ واریت میں سب کچھ بھول گئے ایک اللہ ایک رسول اور ایک قرآن سب کچھ چھوڑ کر کس دنیا میں گم ہو گئے۔ مال فتنہ تھا مال کی طلب میں لگ گئے اور عارضی دنیا کی طلب میں اللہ اور رسول کو بھول گئے۔ دیوبند، اہلحدیث، بریلوی، شیعہ، سنی، ترکی، ایرانی، افغانی، سندھی، بلوچی، پٹھان، مہاجر تو بن گئے کیا مسلمان بھی ہو؟ یتیموں کا حق مارتے ہو، بیواؤں کو تنگ کرتے ہو، عورتوں کے حقوق غصب کرتے ہو، حرص، لالچ، خود غرضی، انا، گھمنڈ، دھوکہ دہی ان سب سے آگے ہو۔ اللہ رسول کے دین کو نافذ کرنا تھا یا اس دنیا میں خود بادشاہ بن کر بیٹھ جانا تھا اس عارضی دنیا کے اتنے طلب گار ہو۔ ناحق لوگوں کو قتل کرتے ہو۔ کیا میں نے ﷺ کبھی کسی کو ناحق قتل کیا میں نے تلوار سے دین پھیلایا؟ زمانے کا ہر ظلم سہا راہ چلتے لوگوں کی تکلیفوں کو دور کیا حقوق العباد کو پورا کیا۔ تلوار صرف اللہ کے نام کے لئے بلند کی۔ جب کفار نے ہم پر حملہ کیا تو کفار کو ہمیشہ جواب دیا۔ کہا تھا یہود و نصاریٰ تمہارے دوست نہیں ان سب سے دوستی کر لی۔ دشمن تمہارے گھروں تک پہنچ گیا تمہیں فکر بھی نہ ہوئی۔ میری سنت کا مذاق اڑایا گیا، میرا مذاق اڑایا جا رہا ہے کیسے مسلمان ہو تم؟ تمہارے بچوں کو مارا جا رہا ہے، خوارج دین کو بدنام کر رہے ہیں۔ سب جانتے ہو انڈیا، اسرائیل، امریکہ یعنی ہندو، یہود و نصاریٰ تمہارے خلاف چاروں طرف سے کھڑے ہیں۔ کب اللہ کے دین کے لئے اُٹھو گے۔ کیا ان سوالوں کا جواب امت کے پاس ہے؟ کس منہ سے روزِ محشر حاضری دیں گے؟ اس امت نے کبھی آنکھیں بند کر کے یہ تصور کیا ہے کہ اللہ اور رسول ﷺ دربار میں بھی حاضری دینی ہے اپنا احتساب اور اپنے اعمالوں کا جواب بھی دینا ہے؟

فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ۙ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۙ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ۭ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۙ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ۭ يَسْــَٔـلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ۭ فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰىهَا ۭ اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰىهَا ۭ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰىهَا ۭ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰىهَا ۧ

Marfat.com

ترجمہ: تو اس روز یہ حالت ہوگی کہ جس شخص نے حق سے سرکشی کی ہوگی اور آخرت کا منکر ہو کر دنیاوی زندگی کو ترجیح دی ہوگی سو دوزخ (اس کا) ٹھکانا ہوگا۔ اور جو شخص (دنیا میں) اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا ہوگا۔ اور نفس کو حرام خواہش سے روکا ہوگا۔ سو جنت اس کا ٹھکانا ہوگا۔ یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہوگا۔ (سو) اس کے بیان کرنے سے آپ کا کیا تعلق۔ اس کے علم کی تعین کا مدار صرف آپ کے رب کی طرف ہے اور آپ تو صرف (اخبار اجمالی سے) ایسے شخص کو ڈرانے والے ہیں جو اس سے ڈرتا ہو۔ جس روز یہ اس کو دیکھیں گے تو ان کو ایسا معلوم ہوگا کہ گویا دنیا میں صرف ایک دن کے آخری حصہ میں یا اس کے اول حصہ میں رہے ہیں۔ (سورۃ النزعت: آیت نمبر ۴۰ تا ۴۶)

حضرت علیؓ فرماتے ہیں یہ سمجھ لو اس مہین کھال میں آتش جہنم سہنے کی طاقت نہیں تو اپنی جانوں پر رحم کرو کیونکہ تم نے اسے دنیا کی مصیبتوں میں آزمالیا ہے۔ کیا تم نے کسی کانٹے کی لگنے کی تکلیف اور اس پر چیخنا چلانا دیکھا ہے؟ یا کسی ایسی ٹھوکر خون آلود ہو گیا ہو؟ یا گرم ریت سے کسی کو جلتے دیکھا ہے؟ پھر اس وقت کیا ہوگا جب آگ کا اوڑھنا بچھونا ہوگا پتھروں کے ساتھ لیٹنا اور شیطان کے ساتھ رہنا ہوگا۔

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے — کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

جواب دینا ہے سب نے جواب دینا ہے۔ ہر جاندار نے موت کا مزہ چکھنا ہے ابھی وقت ہے اگر قضا آ گئی تو کچھ باقی نہ بچے گا۔ اگر توبہ کا وقت نکل گیا تو دنیا میں بھی رسوائی اور آخرت میں بھی رسوائی۔

یارب! دلِ مسلم کو وہ زندہ تمنا دے — جو قلب کو گرما دے، جو روح کو تڑپا دے
پھر وادیٔ فاراں کے ہر ذرے کو چمکا دے — پھر شوقِ تماشا دے، پھر ذوقِ تقاضا دے
محروم تماشا کو پھر دیدۂ بینا دے — دیکھا ہے جو کچھ میں نے اوروں کو بھی دکھلا دے
بھٹکے ہوئے آہوں کو پھر سوئے حرم لے چل — اس شہر کے خوگر کو وسعتِ صحرا دے
پیدا دل ویراں میں پھر شورش محشر کر — اس محمل خالی کو پھر شاہدِ لیلا دے
اس دور کی ظلمت میں ہر قلب پریشاں کو — وہ داغ محبت دے جو چاند کو شرما دے
رفعت میں مقاصد کو ہمدوش ثریا کر — خوداری ساحل دے، آزادی دریا دے
بے لوث محبت ہو، بے باک صداقت ہو — سینوں میں اجالا کر، دل صورت مینا دے
احساس عنایت کر آثار مصیبت کا — امروز کی شورش میں اندیشہ فردا دے
میں بلبل نالاں ہوں اک اجڑے گلستاں کا — تاثیر کا سائل ہوں، محتاج کو داتا دے!
یارب! دلِ مسلم کو وہ زندہ تمنا دے — جو قلب کو گرما دے، جو روح کو تڑپا دے

(اقبال)

Marfat.com

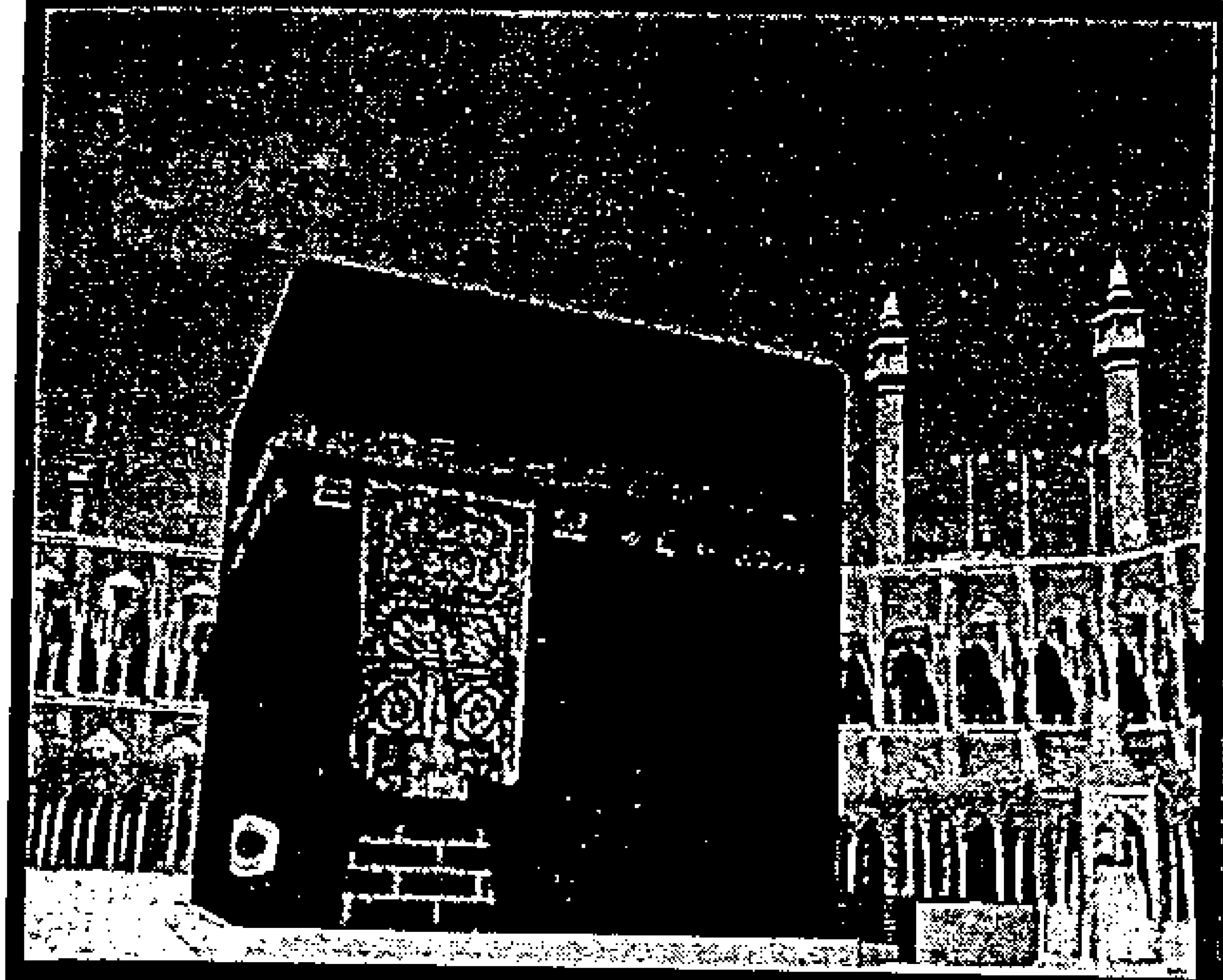

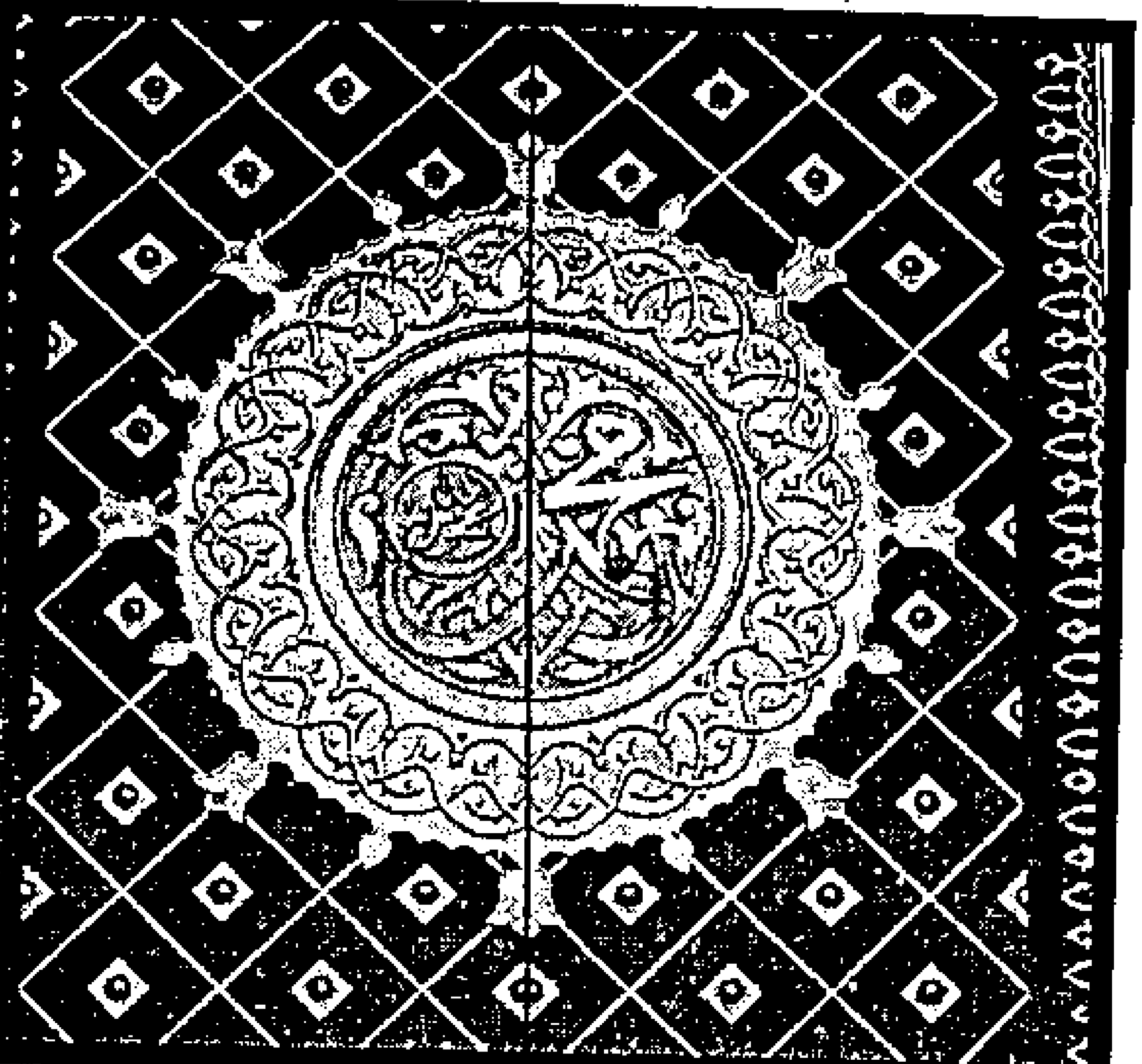

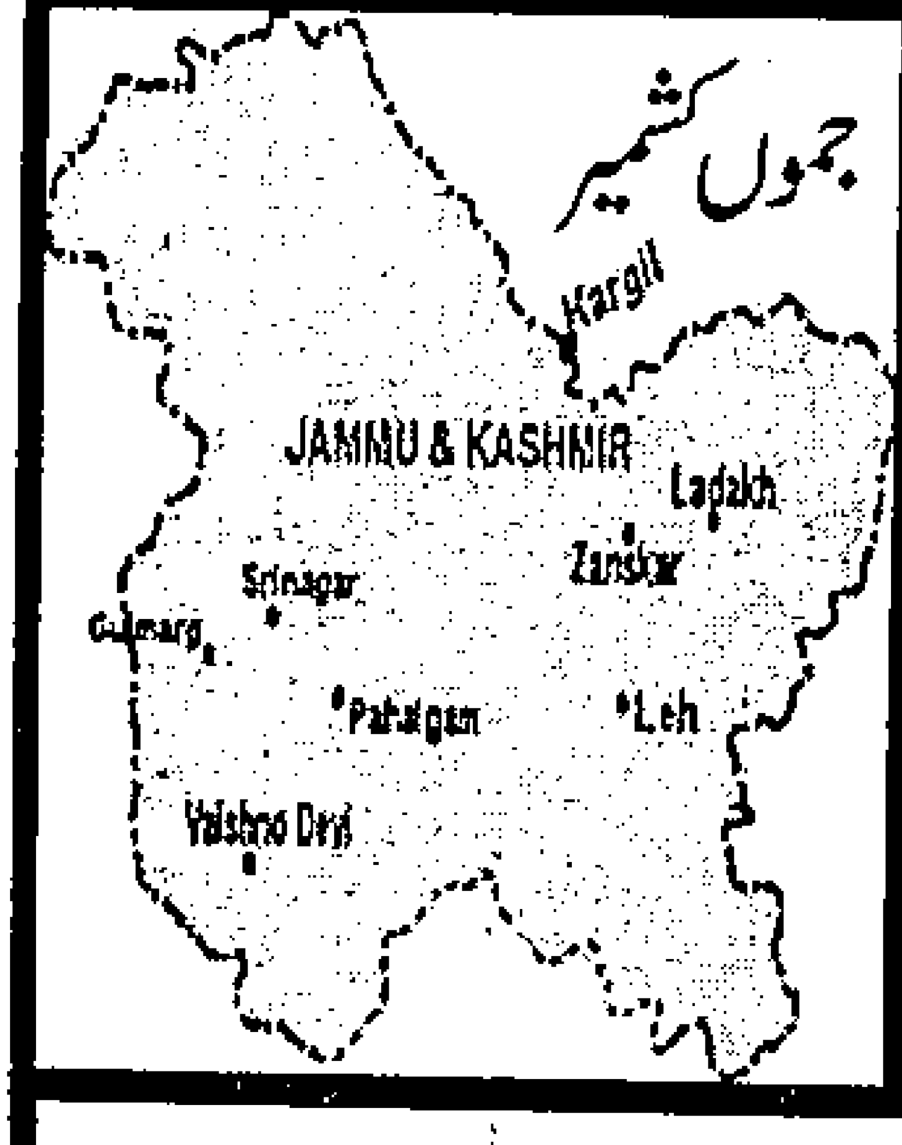

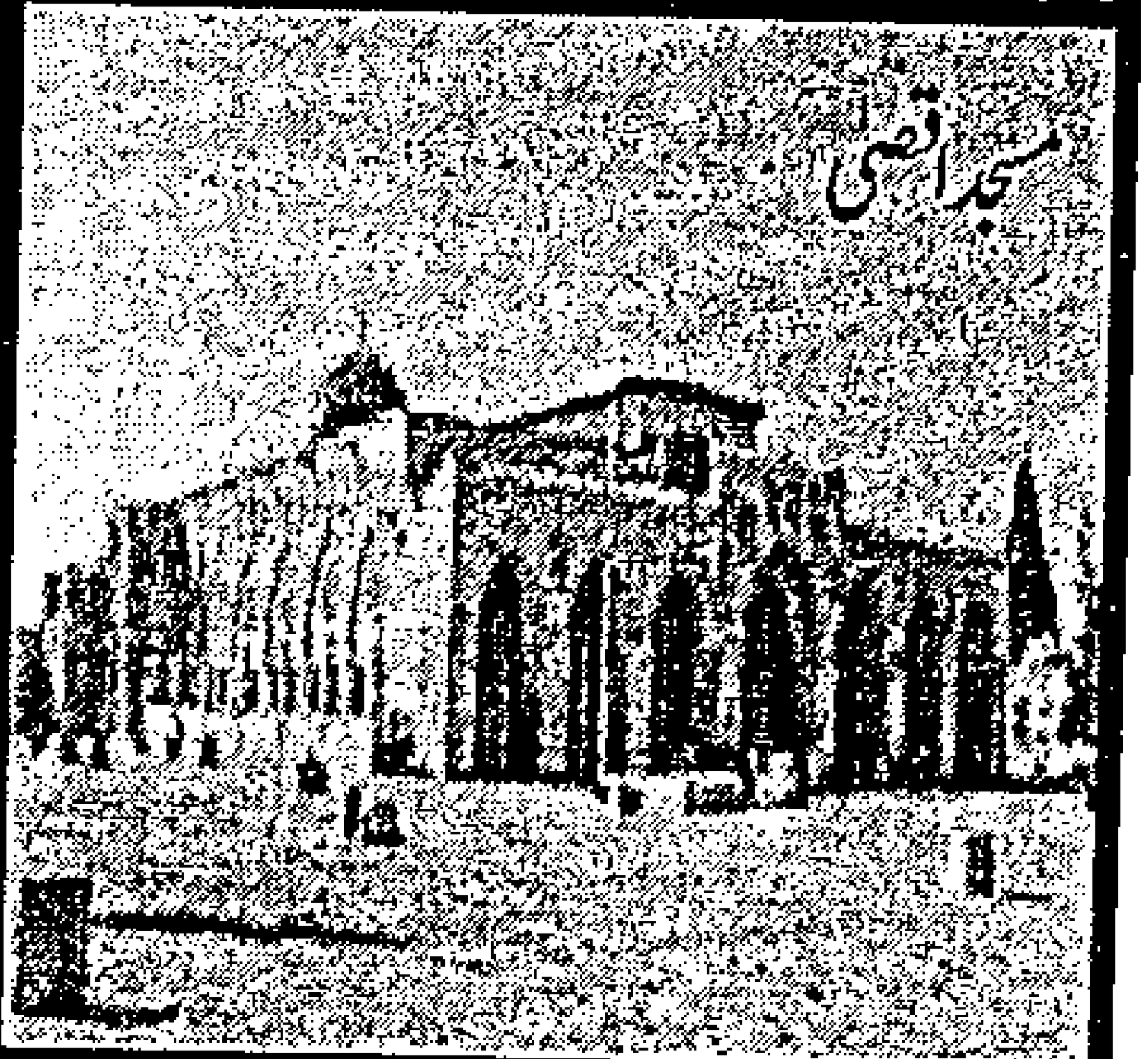

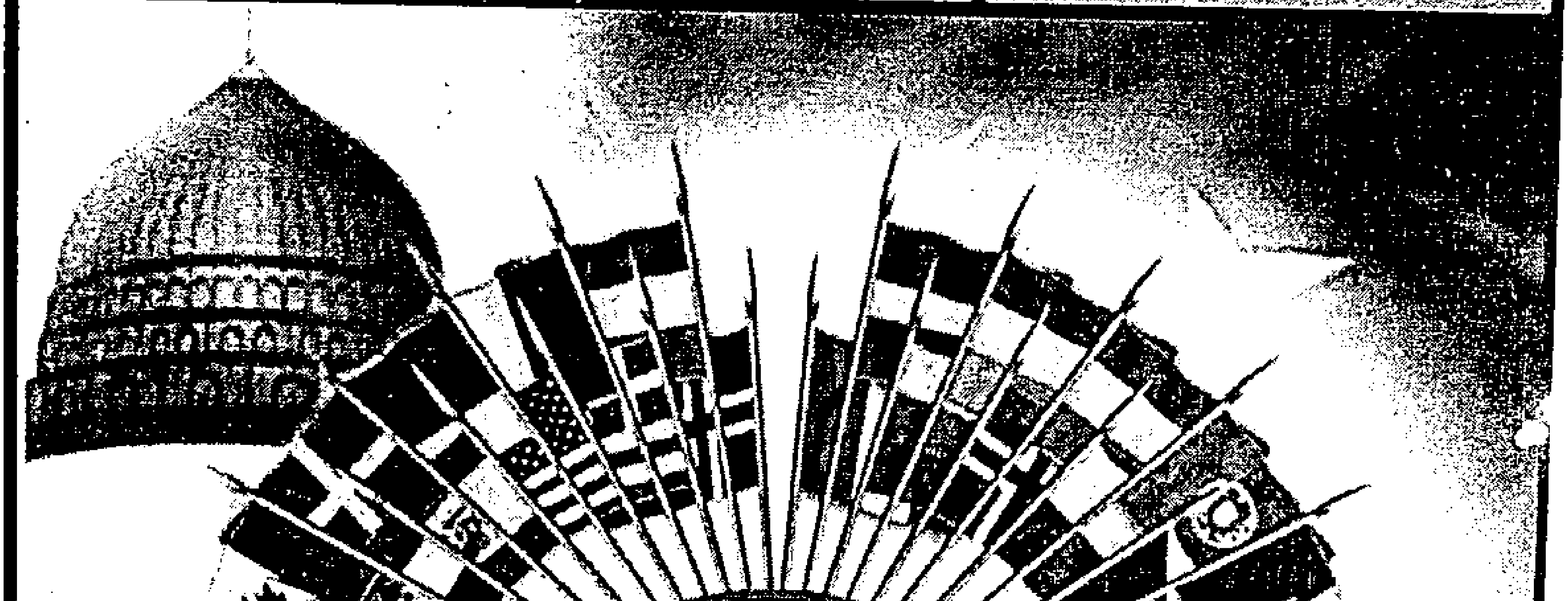

United States of Islam

چین و عرب ہمارا ہندوستاں ہمارا مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

Marfat.com

حصہ دوئم

باب: آٹھواں

غزوۂ ہند ایک مبارک الہامی پیش گوئی

Marfat.com

غزوۂ ہند ایک مبارک الہامی پیش گوئی

ہجرت مدینہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال فضل سے مسلمانوں پر جہاد و قتال کو فرض کیا۔ اسلام کے لشکر مرتب ہونے لگے، ہر طرف یلغاروں کا سلسلہ شروع ہوا، رسول اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ میں غزوات کے نتیجہ میں عرب کا بہت بڑا خطہ مملکت اسلامیہ میں داخل ہو چکا تھا۔ خلافت راشدہ اور خلافت بنوامیہ میں جہادی لشکر عرب سے نکل کر عجم کا رخ کر رہے تھے تاریخ اس بات کو واضح کرتی ہے کہ سیدنا فاروق اعظمؓ کے دور میں بت کدہ ہند پر سب سے پہلی یلغار ہو چکی تھی۔ اسکے بعد مسلم فاتحین نے ہندوستان پر اس قدر پے در پے حملے کئے کہ یہی ہندوستان اسلامی تہذیب و ثقافت کا مرکز بن گیا۔ اور یہاں پر مسلمان حکمرانوں نے تقریباً آٹھ سو سال تک حکومت کی۔ لیکن جب مسلمان شمشیر و سناں سے غافل ہو کر طاؤس رباب کے رسیا ہوئے تو آہستہ آہستہ ہندوستان ان کے ہاتھوں سے نکلتا گیا۔ اور پھر ترک جہاد اور توحید و سنت سے بے وفائی، یہود و ہنود کی نقالی اور ان کی رسم ورواج کا اتباع مسلمانوں کو دوبارہ تباہی کی طرف لے گیا۔ اور آج کی ذلت و پستی سب کے سامنے ہے۔

جنت تلواروں کے سائے تلے ہے

حضرت ابوبکر بن ابوموسیٰ اشعریؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ کو فرماتے ہوئے سنا اس حال میں کہ وہ دشمن کا مقابلہ کر رہے تھے۔ فرما رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک جنت کے دروازے تلواروں کے سائے تلے ہیں۔ یہ سن کر ایک پراگندہ شکل والا آدمی کھڑا ہوا اور کہا کہ اے ابوموسیٰ! کیا یہ بات تو نے اللہ کے رسول اللہ ﷺ سے خود سنی ہے؟ جواب دیا، ہاں تو وہ اپنے ساتھیوں کی طرف پلٹا اور انہیں الوداعی سلام کہا پھر اپنی تلوار کی نیام کو توڑ کر پھینک دیا اور تلوار لے کر دشمن میں گھس گیا اور شہید ہو گیا۔ (صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب الجنۃ الشہید)

غزوۂ ہند اسلامی تاریخ کا ایک درخشاں باب ہے۔ اس کا آغاز خلفاء راشدین کے عہد سے ہوا جو مختلف مراحل سے گزرتا ہوا آج 2015ء میں بھی جاری ہے اور مستقبل میں اللہ بہتر جانتا ہے کہ کب تک جاری رہے گا۔ دینی بنیادوں پر غور کریں تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ ایک لحاظ سے (یہ سلسلہ) غزوۂ ہند، نبوی غزوات و سرایا میں شامل ہے۔

ہماری نظر میں نبوی غزوات کی بلحاظ زمانۂ وقوع دو بڑی قسمیں ہیں۔

غزوات ثابتہ یا واقعہ

یعنی وہ جنگیں جو رسول اکرم ﷺ کی زندگی میں وقوع پذیر ہو چکیں۔ سیرت نگاروں اور محدثین کی اصطلاح میں ان غزوات کی دو قسمیں ہیں۔

ا۔ غزوہ

وہ معرکہ جس میں آپ ﷺ نے بذات خود شرکت فرمائی اور جنگ میں مجاہدین صحابہ کی کمان اور قیادت کی۔

Marfat.com

تعداد کے اعتبار سے یہ تقریباً ۲۷ جنگیں ہیں جن میں نبی ﷺ نے بذات خود شرکت فرمائی۔

۲۔ سریہ

محدثین اور سیرت نگاروں کی اصطلاح میں وہ جہادی مہمات جن میں آپ ﷺ نے بذات خود شرکت نہیں فرمائی بلکہ کسی صحابی کو قیادت کے لئے متعین فرمایا ''سریہ'' کہلاتی ہیں اور کتب حدیث و سیرت میں ان غزوات و سرایا نبویہ کے تفصیلی حالات کا تذکرہ موجود ہے۔ زمانے کے لحاظ سے یہ دونوں قسمیں ''غزواتِ واقعہ'' کے ذیل میں آتی ہیں۔

غزواتِ موعودہ

اس کی (ایک) مثال نبی اکرم ﷺ کی وہ پیشن گوئی ہے جسے ترکوں سے جنگ کے سلسلہ میں حضرت ابو ہریرہؓ نے روایت کیا ہے:

قَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ لَاتَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تُقَاتِلُوْ التُّرْكَ، صِغَارَ الْاَعْيُنِ حُمْرَ الْوُجُوْهِ ذُلْفَ الْاُنُوْفِ كَاَنَّ وُجُوْهَهُمُ الْمَجَانُّ الْمُطْرَقَةُ وَلَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تُقَاتِلُوْ قَوْماً نِعَالُهُمُ الشَّعْرُ

''حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''قیامت سے قبل تم چھوٹی آنکھوں، سرخ چہروں اور ہموار ناک والے ترکوں سے جنگ کرو گے، ان کے چہرے گویا چپٹی ڈھالیں ہیں اور اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک تم ایسی قوم سے جنگ نہیں کرلو گے جن کی جوتیاں بالوں کی ہونگی''

ا۔ غزوات نبوی کی تعداد مختلف کتب حدیث و تفسیر میں بیان ہوئی ہے، ہم نے یہ تعداد مشہور مالکی فقیہ امام ابن الجزی الغرناطی سے لی ہے۔ ان کی کتاب القوانین الفقیہ: ۲:۲، ۲۷۳،۲۷

غزواتِ موعودہ کی ایک اور مثال قسطنطنیہ کی نبوی پیشن گوئی ہے جس کو حضرت ابو ہریرہؓ نے نقل کیا ہے

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَنْزِلَ الرُّوْمُ بِالْاَعْمَاقِ اَوْ بِدَابِقَ فَيَخْرُجَ اِلَيْهِمْ جَيْش'' مِّنَ الْمَدِيْنَةِ مِنْ خِيَارِ اَهْلِ الْاَرْضِ يَوْمَئِذٍ .فَاِذَا تَصَافُّوْ قَالَتِ الرُّوْمُ خَلُّوْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الَّذِيْنَ سَبُوْمِنَّا نُقَاتِلْهُمْ فَيَقُوْلُ الْمُسْلِمُوْنَ لَا،وَاللهِ لَا نُخَلِّيْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ اِخْوَانِنَا فَيُقَاتِلُوْنَهُمْ فَيَنْهَزِمُ ثُلُث'' لَا يَتُوْبُ اللهُ عَلَيْهِمْ اَبَداً وَيُقْتَلُ ثُلُثُهُمْ، اَفْضَلُ الشُّهَدَآءِ عِنْدَ اللهِ وَيَفْتَحُ الثُّلُثُ لَا يُفْتَنُوْنَ اَبَداً فَيَفْتَتِحُوْنَ قُسْطُنْطِيْنِيَّةَ ہ

ا۔ صحیح بخاری، کتاب الجهاد ولسير، باب قتال الترک : ۲۸۱۱. صحیح مسلم، کتاب الفتن، باب لا تقوم الساعة حتي يمر الرجل بقبر الرجل فيتمنى: ۵۱۸۷

''سیدنا ابو ہریرہؓ نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''قیامت سے قبل یہ واقعہ ضرور پیش آئے گا کہ اہل روم اعماق یا دابق کے قریب اتریں گے تو ان سے جہاد کے لئے روئے زمین پر اس وقت کے بہترین لوگوں پر مشتمل ایک

Marfat.com

لشکر مدینہ منورہ سے نکلے گا۔ جنگ کے لئے صف بندی کے بعد رومی کہیں گے "ہمارے مقابلے کے لئے ان لوگوں کو ذرا آگے جانے دیجئے جو ہماری صفوں سے آپ کے ہاتھوں قیدی بنے (اور مسلمان ہو کر آپ سے جا ملے ہیں) ہم ان سے خوب نمٹ لیں گے"، مسلمان جواباً ان سے کہیں گے "بخدا! ہم اپنے بھائیوں کو آپ کے ساتھ لڑائی میں اکیلے نہیں چھوڑ سکتے" اس کے بعد جنگ ہوگی جس میں ایک تہائی مسلمان شکست خوردہ ہو کر پیچھے ہٹ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی توبہ ہرگز قبول نہیں فرمائے گا۔ ایک تہائی لڑ کر شہادت کا درجہ حاصل کریں گے، یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں افضل ترین شہداء کا مقام پائیں گے۔ باقی ایک تہائی مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ فتح سے ہمکنار فرمائے گا، ان کو آئندہ کسی آزمائش سے دوچار نہیں کیا جائے گا، یہ لوگ قسطنطنیہ کو فتح کریں گے"

۱۔ صحیح مسلم، کتاب الفتن، باب فتح قسطنطنیہ: ۵۶۵۷

۲۔ یہ حدیث محدثین کے ہاں (حدیث الاعماق) کے نام سے معروف ہے، کیونکہ اس میں اعماق اور دابق، موجودہ ملک شام کے شہر حلب کے قریب واقع دو ایسی جگہوں کا تذکرہ آیا ہے جہاں (ملحمۃ الأعماق) قرب قیامت سے پہلے وقوع پذیر ہوگا جس میں صلیبی عیسائیوں اور مجاہدین اسلام کے درمیان خونریز معرکہ ہوگا، حضرت حذیفہؓ کی ایک حدیث کے مطابق اس معرکہ میں کام آنے والے افضل ترین شہدا امت محمدیہ میں سے ہوں گے۔ ملاحظہ ہو: السنن الواردۃ فی الفتن وغوائلھا والساعۃ وأشراطھا ۹۶/۸ الأبی عمرو عثمان بن سعید المقرئ الدانی (۳۷۱-۴۴۴) تحقیق: رضاء اللہ مبارکپوریؒ معجم البلدان للحموی ۲/۲۲۲ وسیر اعلام النبلاء ۶/۳۵۷۔

کفار کے خلاف نبوی غزوات میں سرکار دوعالم ﷺ کی قیادت میں شرکت کے لئے صحابہ کرام بے پناہ شوق اور جذبہ رکھتے تھے۔ ایسا شوق سچے ایمان کا تقاضہ اور حقیقی حب رسول ﷺ کی علامت تھی لیکن نبی کریم ﷺ کے مبارک عہد کے بعد، جب آپ کی قیادت میں جہاد کی سعادت حاصل کرنے کا موقع باقی نہ رہا تو سلف صالحین ایسے مواقع کی تلاش میں رہتے تھے کہ کم از کم آپ ﷺ کی پیشن گوئی والے معرکہ میں شرکت کی سعادت ضرور حاصل کرسکیں۔

اس ضمن میں ایک دلچسپ واقعہ حضرت عمر بن عبدالعزیز ﷺ کے عم زاد، برادر نسبتی اور مشہور تابعی کمانڈر حضرت مسلمہ بن عبدالملک بن مروانؒ کے بارے میں کتب حدیث و تاریخ میں نقل ہوا ہے:

حَدَّثَنِي عَبْدُاللهِ بْنُ بِشْرٍ الْخَشْعَمِيُّ عَنْ اَبِيهِ، اَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ يَقُوْلُ لَتُفْتَحَنَّ الْقُسْطُنْطِينِيَّةُ فَلَنِعْمَ الْاَمِيْرُ اَمِيْرُهَا وَلَنِعْمَ الْجَيْشُ ذَالِكَ الْجَيْشُ قَالَ فَدَعَانِيْ مَسْلَمَةُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ فَسَاَلَنِيْ؟ فَحَدَّثْتُهُ، فَغَزَا الْقُسْطُنْطِينِيَّةَ

"حضرت عبداللہ بن بشر بن سحیم شعمی غنویؒ اپنے والد حضرت بشرؓ سے ایک حدیث بیان کرتے تھے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا "قسطنطیہ کا شہر ضرور فتح ہوگا، اس فاتحانہ مہم کا امیر لشکر بہترین امین اور لشکر مجاہدین میں بہترین لشکر ہوگا"

یہ حدیث حضرت مسلمہ بن عبدالملک کے علم میں آئی تو انہوں نے اس کے راوی حضرت عبداللہ بن بشرؓ کو بلوا بھیجا۔

Marfat.com

حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ جب میں ان سے ملا تو انہوں نے مجھ سے یہ حدیث سننے کے بعد قسطنطنیہ پر چڑھائی کا فیصلہ کیا"
احادیث غزوۂ ہند میں امام بیہقی نے حضرت ابو ہریرہؓ کی جو روایت نقل کی ہے، اسمیں حضرت امام ابواسحٰق فزاریؒ کا قول ذکر کیا ہے کہ جب انہوں نے یہ حدیث سنی تو ابن داؤد سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا۔

وَدِدْتُ اَنِّیْ شَهِدْتُ مَارِبَدَ بِکُلِّ غَزْوَةٍ غَزَوْتُهَا فِیْ بِلَادِ الرُّوْمِ

"کاش کہ مجھے رومیوں کے ساتھ جنگ وجہاد میں گزری ساری عمر کے بدلہ میں ہندوستان کے خلاف نبوی پیشن گوئی کے مطابق، جہاد مہم میں حصہ لینے کا موقع مل جاتا"

ا۔ مسند احمد: ۳۳۵/۴ بحوالہ السلسلة الضعیفة: ۸۷۸   ۲۔ السنن الکبریٰ: ۱۷۶/۹۔

امام ابواسحٰق فزاریؒ کی اس تمنا کے پیش نظر ان کی عظمت کا اندازہ ان کے مناقب میں حضرت فضیل بن عیاضؒ کے اس خواب سے لگایا جا سکتا ہے، جو امام ذہبیؒ نے سیر أعلام النبلاء میں نقل کیا ہے۔ انہوں نے خواب میں دیکھا: "نبی ﷺ کی مجلس لگی ہوئی ہے اور آپ ﷺ کے پہلو میں ایک نشست خالی ہے تو میں نے ایسے موقع کو نادر اور غنیمت سمجھتے ہوئے اس پر بیٹھنے کی کوشش کی تو نبی ﷺ نے یہ کہتے ہوئے منع فرمایا کہ "یہ نشست خالی نہیں بلکہ ابواسحٰق کے لئے مخصوص ہے"

ا۔ مسند احمد مسند بشر بن سحیم خثعمی: ۱۸۱۸۹، المستدرک علی الصحیحین ۴/۴۶۸ حدیث: ۱۴۸۲۔ حاکم نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ فضیل بن عیاض کا خواب ذھبی نے سیر أعلام النبلاء: ۵۴۲/۸۔ ۵۴۳ میں نقل کیا ہے۔

غزوہ ہند نبی ﷺ کی پیشن گوئیوں میں ان غزوات موعودہ کی ذیل میں آتا ہے جنکی فضیلت کے متعلق نبی کریم ﷺ سے متعدد احادیث مروی ہیں۔ ان احادیث نبوی کی تعداد 5 ہے جن کے راوی جلیل القدر صحابہ کرام حضرت ابو ہریرہ (جن سے دو حدیثیں مروی ہیں) حضرت ثوبان اور حضرت ابی بن کعبؓ اور تبع تابعین میں سے حضرت صفوان بن عمروؓ ذیل میں ہم ان احادیث کو ذکر کریں گے پھر ان کی علمی تخریج ان کتب حدیث اور محدثین کے حوالے سے کریں گے جنہوں نے ان کا تذکرہ کیا ہے اس کے بعد ان سے مستند شدہ شرعی احکام، فوائد اور دروس کو بیان کریں گے۔

ا۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی پہلی حدیث

سب سے پہلی حدیث حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

حَدَّثَنِیْ خَلِیْلِیْ الصَّادِقُ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَنَّهٗ قَالَ : "یَکُوْنُ فِیْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ بَعْثٌ اِلَی السِّنْدِ وَالْهِنْدِ" فَاِنْ اَنَا اَدْرَکْتُهٗ فَاسْتُشْهِدْتُ فَذٰلِکَ وَاِنْ اَنَا رَجَعْتُ وَاَنَا اَبُوْهُرَیْرَةَ الْمُحَرَّرُ قَدْ اَعْتَقَنِیْ مِنَ النَّارِ

"میرے جگری دوست رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے بیان کیا کہ "اس امت میں سندھ و ہند کی طرف لشکروں کی روانگی ہوگی" اگر مجھے کسی ایسی مہم میں شرکت کا موقع ملا اور میں (اس میں شریک ہو کر) شہید ہو گیا تو ٹھیک، اگر (غازی بن کر) واپس آیا تو میں ایک آزاد ابو ہریرہ ہوں گا، جسے اللہ تعالیٰ نے جہنم سے آزاد کر دیا ہوگا"

ان الفاظ کے ساتھ اس حدیث کو صرف امام احمد بن حنبلؒ نے مسند میں روایت کیا ہے اور ابن کثیر نے انہی کے حوالہ

Marfat.com

سے ''البدایہ والنہایہ'' میں نقل کیا ہے۔
قاضی احمد شاکر نے مسند احمد کی شرح وتحقیق میں اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔
ا۔ مسند احمد: ۳۶۹/۲، مسند ابوہریرہؓ: ۸۴۶۷۔ البدایۃ والنھایۃ الابن کثیر لأ خبار عن غزوۃ الھند: ۲۲۳/۶۔ بقول ابن کثیر یہ الفاظ صرف امام احمد نے نقل کیے ہیں۔
امام نسائی نے اسی حدیث کو اپنی کتاب السنن المجتبیٰ اور السنن الکبریٰ دونوں میں مندرجہ ذیل الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے:
وَعَدَنَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ غَزْوَةَ الْهِنْدِ فَاِنْ أَدْرَكْتُهَا اُنْفِقْ فِيْهَا نَفْسِيْ وَمَالِيْ فَاِنْ اُقْتَلْ كُنْتُ مِنْ أَفْضَلِ الشُّهَدَآءِ وَاِنْ أَرْجِعْ فَأَنَا اَبُوْ هُرَيْرَةَ الْمُحَرَّرُ
''نبی کریم ﷺ نے ہم سے غزوہ ہند کا وعدہ فرمایا۔ (آگے ابوہریرہؓ فرماتے ہیں) ''اگر مجھے اس میں شرکت کا موقع مل گیا تو میں اپنی جان ومال اس میں خرچ کر دوں گا۔ اگر قتل ہو گیا تو میں افضل ترین شہداء میں شمار ہوں گا اور اگر واپس لوٹ آیا تو ایک آزاد ابوہریرہؓ ہوں گا''
ا۔ مسند احمد: ۳۶۹/۲ مسند ابوھریرہؓ: ۸۴۶۷۔ البدایۃ والنھایۃ لابن کثیر، لأ خبار عن غزوۃ الھند: ۲۲۳/۶ بقول ابن کثیر یہ الفاظ صرف امام احمد نے نقل کیے ہیں۔
۲۔ مسند احمد، تحقیق وشرح لاحمد شاکر ۱۷/۱۷، حدیث: ۸۸۰۹۔
۳۔ السنن المجتبیٰ: ۴۲/۶۔ کتاب الجھاد باب غزوۃ الھند۔ ۳۱۷۳، ۳۱۷۴۔ السنن الکبریٰ للنسائی: ۲۸/۳، باب غزوۃ الھند: ۴۳۸۲۔۴۳۸۳۔
امام بیہقیؒ نے بھی ''السنن الکبریٰ میں یہی الفاظ نقل کیے ہیں۔ انہی کی ایک دوسری روایت میں یہ اضافہ بھی ہے۔ مسدد نے ابن داؤد کے حوالہ سے ابواسحٰق فزاری (ابراہیم محمد محدث شام اور مجاہد عالم، وفات ۱۸۸ (ھجری) کے متعلق فرمایا کہ وہ کہا کرتے تھے:
وَدِدْتُ أَنِّيْ شَهِدْتُ مَارِبَدَ بِكُلِّ غَزْوَةٍ غَزَوْتُهَا فِيْ بِلَادِ الرُّوْمِ
''میری خواہش ہے کہ کاش ہر اس غزوہ کے بدلے میں جو میں نے بلاد روم کیا ہے، ماربد (عرب سے ہندوستان کی سمت مشرق میں کوئی علاقہ) میں ہونے والے غزوات میں شریک ہوتا''
امام بیہقیؒ نے یہی روایت ''دلائل النبوۃ'' میں بھی ذکر کی ہے۔ اور انہی کے حوالے سے اس روایت کو امام سیوطیؒ نے الخصائص الکبریٰ میں نقل کیا ہے۔
مزید برآں اس حدیث میں مندرجہ ذیل محدثین نے تھوڑے سے لفظی فرق کے ساتھ روایت کیا ہے۔ امام احمدؒ نے مسند میں بایں الفاظ:
فَاِنِ اسْتُشْهِدْتُ كُنْتُ مِنْ خَيْرِ الشُّهَدَآءِ
شیخ احمد شاکرؒ نے اس حدیث کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ امام احمد کی سند سے ابن کثیرؒ نے اسے ''البدایۃ النھایۃ'' میں نقل کیا ہے۔

Marfat.com

۱۔السنن الکبریٰ للبیہقی:۱۷۶/۹،کتاب السیر ،باب ماجاء فی قتال الھند:۱۸۵۹۹۔

۲۔دلائل النبوۃ ومعرفۃ أحوال صاحب الشریعۃ،باب قول اللہ: وَعَدَاللهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْ مِنْكُمْ وَعَمِلُوْ الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ (الانعام:۳۳۶/۶)

۳۔الخصائص الکبریٰ للسیوطی:۱۹۰/۲۔

۴۔مسند احمد تحقیق وشرح احمد شاکر:۹۷/۱۲،حدیث:۷۱۲۸

ابونعیم اصفہانیؒ نے حلیۃ الاولیاء میں امام حاکمؒ نے المستدرک علی الصحیحین میں روایت کر کے درجۂ حدیث کے متعلق سکوت اختیار کیا جب کہ امام ذہبیؒ نے اس کو اپنی تلخیص مستدرک سے حذف کر دیا۔

سعید بن منصورؒ نے اپنی کتاب ''السنن'' میں خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں بایں الفاظ: اَتْبَعْتُ فِيْهَا نَفْسِيْ

ترجمہ: ''میں اس میں اپنے آپ کو تھکا دوں گا''

امام بخاریؒ کے استاذ نعیم بن حماد نے ''الفتن'' میں۔ابن ابی عاصمؒ نے اپنی کتاب الجہاد میں بایں الفاظ:

وَعَدَنَا اللهُ وَرَسُوْلُهُ ... وَكُنْتُ كَأَفْضَلِ الشُّهَدَآءِ

اور اس کی سند حسن ہے۔

۱۔مسند احمد:۲۲۹/۲،مسند ابوھریرہؓ حدیث:۶۸۳۱۔البدایۃ والنھایۃ،الأخبار عن غزوۃ الھند ۲۲۳/۶۔

۲۔حلیۃ الاولیاء:۳۱۶/۸۔۳۱۷

۳۔المستدرک علی الصحیحین،کتاب معرفۃ الصحابۃ،ذکر ابی ھریرہ الدوسی:۵۱۴/۳،حدیث:۶۱۷۷۔

۴۔السنن لسعید بن منصور:۱۷۸/۲،حدیث:۲۳۷۴۔

۵۔تاریخ بغداد:۱۴۵/۱۰ تذکرہ ابوبکر بن رزقویہ:۵۲۹۱۔

۶۔الفتن،غزوۃ الھند:۴۰۹/۱،حدیث:۱۲۳۷

۷۔الجہاد،فضل غزوۃ البحر:۵۵۸/۲،حدیث:۲۹۱

ابن ابی حاتمؒ نے اپنی کتاب العلل میں بایں الفاظ:

فَإِنْ أُقْتَلْ أَكُوْنُ حَيًّا مَرْزُوْقًا وَإِنْ أَرْجِعْ فَأَنَا الْمُحَرَّرُ

''اگر میں قتل ہو گیا تو رزق پانے والا (شہید کی حیثیت سے) زندہ ہوں گا اور واپس لوٹ آیا تو آزاد''

ان کے علاوہ ائمہ جرح وتعدیل سے امام بخاریؒ نے التاریخ الکبیر میں،امام مزی نے تہذیب الکمال میں۔اور ابن حجر عسقلانیؒ نے تہذیب التہذیب میں اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

درجہ کے لحاظ سے یہ حدیث مقبول یعنی صحیح یا حسن ہے جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں۔

Marfat.com

۲۔ حضور ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت ثوبانؓ کی حدیث

عَنْ ثَوْبَانَ مَوْلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ عِصَابَتَانِ مِنْ أُمَّتِیْ اَحْرَزَھُمُ اللّٰہُ مِنَ النَّارِ عِصَابَۃٌ" تَغْزُوْ الْھِنْدَ وَعِصَابَۃٌ" تَکُوْنُ مَعَ عِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ عَلَیْہِ السَّلَامُ "

''حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری امت میں دو گروہ ایسے ہوں گے جنہیں اللہ تعالیٰ نے آگ سے محفوظ کر دیا ہے، ایک گروہ ہندوستان پر چڑھائی کرے گا اور دوسرا گروہ جو عیسیٰ ابن مریم کے ساتھ ہوگا''

۱۔ العلل: ۱/۳۳۴ ترجمہ: ۹۹۳

۲۔ التاریخ الکبیر: ۲/۲۴۳ تزکرہ جبر بن عبیدۃ ۲۳۳۳۔

۳۔ تھذیب الکمال: ۴/۴۹۴ تزکرہ جبر بن عبیدۃ ۸۹۳۔

۴۔ تھذیب التھذیب: ۲/۵۲، تذکرہ جبر بن عبیدۃ الشاعر: ۹، ابن حجر کہتے ہیں میں نے امام ذھبی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تحریر دیکھی، لکھا تھا، ''پتہ نہیں یہ کون ہے؟ اس کی روایت کردہ خبر منکر ہے'' ابن حبان نے ان کا ذکر ثقات میں کیا ہے۔

۵۔ مسند احمد: ۵/۲۷۸ حدیث ثوبانؓ: ۲۱۳۶۲۔

انہی الفاظ کے ساتھ یہ حدیث درج ذیل محدثین نے روایت کی ہے:

امام احمدؒ نے مسند میں۔ امام نسائیؒ نے السنن المجتبیٰ میں، شیخ ناصر الدین البانیؒ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ اسی طرح السنن الکبریٰ میں بھی۔ ابن ابی عاصمؒ نے کتاب الجہاد میں سند حسن کے ساتھ۔ ابن عدی نے الکامل فی ضعفاء الرجال میں۔ طبرانیؒ نے المعجم الاوسط میں۔ بیہقیؒ نے السنن الکبریٰ میں۔ ابن کثیرؒ نے البدایۃ والنھایۃ میں۔ امام دیلمیؒ نے مسند الفردوس میں۔ امام سیوطیؒ نے الجامع الکبیر میں اور امام مناویؒ نے الجامع الکبیر کی شرح فیض القدیر میں۔ امام بخاریؒ نے التاریخ الکبیر میں۔ امام مزیؒ نے تہذیب الکمال میں۔ اور ابن عساکرؒ نے تاریخ دمشق میں۔

۱۔ مسند احمد: ۵/۲۷۸ حدیث ثوبانؓ: ۲۱۳۶۲

۲۔ السنن المجتبیٰ، للنسائی: ۶/۴۳، کتاب الجھاد، باب غزوۃ الھند: ۳۱۷۵ نیز ملاحظہ ہو، صحیح سنن النسائی: ۲/۶۶۸، حدیث: ۲۳۷۵

۳۔ السنن الکبریٰ للنسائی: ۳/۲۸، باب غزوۃ الھند: ۴۳۸۴

۴۔ الجھاد: ۲/۶۶۵ فضل غزوۃ البحر حدیث: ۲۲۸، محقق کتاب نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

۵۔ الکامل فی الضعفاء الرجال: ۲/۱۶۱ تذکرہ جراح بن ملیح البھرانی: ۲۵۱۔

۶۔ المعجم الاوسط: ۷/۲۳۔۲۴۔ حدیث: ۶۷۴۱ امام طبرانی کہتے ہیں: اس حدیث کو حضرت ثوبانؓ سے اسی سند کے ساتھ روایت کیا گیا ہے، اس کے ایک راوی الزبیدی اس روایت میں اکیلے ہیں۔

۷۔ السنن الکبریٰ للبیھقی: ۹/۸۶، کتاب السیر، باب ماجاء فی قتال الھند: ۱۸۶۰۰۔

Marfat.com

۳۔حضرت ابو ہریرہؓ کی دوسری حدیث

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ہندوستان کا تذکرہ کیا اور ارشاد فرمایا:

''ضرور تمہارا ایک لشکر ہندوستان سے جنگ کرے گا، اللہ ان مجاہدین کو فتح عطا فرمائے گا حتی کہ وہ (مجاہدین) ان (ہندوؤں) کے بادشاہوں (حاکموں) کو بیڑیوں میں جکڑ کر لائیں گے اور اللہ (اس جہادِ عظیم کی برکت سے) ان (مجاہدین) کی مغفرت فرمادے گا۔ پھر جب وہ واپس پلٹیں گے تو عیسیٰ ابن مریم کو شام میں پائیں گے'' حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا: ''اگر میں نے وہ غزوہ پایا تو اپنا نیا اور پرانا سب مال بیچ دوں گا اور اس میں شرکت کروں گا۔ جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتح عطا کردی اور ہم واپس پلٹ آئے تو ایک آزاد ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) ہوں گا جو ملک شام میں (اس شان سے) آئے گا کہ وہاں عیسیٰ ابن مریم کو پائے گا۔ یا رسول اللہ ﷺ اس وقت میری شدید خواہش ہوگی کہ میں ان کے پاس پہنچ کر انہیں بتاؤں کہ میں آپ ﷺ کا صحابی ہوں'' (راوی کا بیان ہے) کہ حضور ﷺ مسکرا پڑے اور ہنس کر فرمایا: ''بہت مشکل، بہت مشکل''

۱۔البدایۃ والنھایۃ، الاخبار عن غزوۃ الھند:۶/۲۲۳ ۲۔الفردوس بما ثور الخطاب:۳/۴۸ حدیث:۴۱۲۴۔

۳۔الجامع الکبیر مع شرح فیض القدیر:۴/۳۱۷۔امام مناوی نے ذھبی کی الضعفاء کے حوالے سے امام دارقطنی کا یہ قول نقل کیا ہے ''الجراح راوی کی حدیث کچھ بھی نہیں ہے۔

۴۔التاریخ الکبیر:۶/۷۲۔تذکرہ عبدالاعلیٰ بن عدی البھرانی الحمصی:۱۷۴۷۔

۵۔تھذیب الکمال:۳۳/۱۵۱۔تذکرہ ابوبکر بن الولید بن عامر الزبیدی الشامی:۷۲۶۱۔

۶۔تاریخ دمشق:۵۲/۲۴۸۔

اس حدیث کو نعیم حمادؒ نے اپنی کتاب الفتن میں روایت کیا ہے۔ اسحٰق بن راہویہؒ نے بھی اس حدیث کو اپنی مسند میں ذکر کیا ہے، اس میں کچھ اہم اضافے ہیں، اس لئے ہم اس روایت کو بھی ذیل میں پیش کر رہے ہیں:

''حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ہندوستان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ''یقیناً تمہارا ایک لشکر ہندوستان سے جنگ کرے گا اور اللہ تعالیٰ ان مجاہدین کو فتح دے گا حتی کہ وہ سندھ کے حکمرانوں کو بیڑیوں میں جکڑ کر لائیں گے، اللہ ان کی مغفرت فرمادے گا۔ پھر جب وہ واپس پلٹیں گے تو عیسیٰ ابن مریم کو شام میں پائیں گے۔ ابو ہریرہؓ بولے ''اگر میں نے وہ غزوہ پالیا تو اپنا نیا اور پرانا سب مال بیچ کر اس میں شرکت کروں گا، جب ہمیں اللہ تعالیٰ فتح دے گا تو ہم واپس آئیں گے اور میں ایک آزاد ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) ہوں گا جو شام میں آئے گا تو وہاں عیسیٰ ابن مریمؑ سے ملاقات کرے گا۔ یا رسول اللہ ﷺ اس وقت میری شدید خواہش ہوگی کہ میں ان کے قریب پہنچ کر انہیں بتاؤں کہ مجھے آپ ﷺ کی صحبت کا شرف حاصل ہے۔ (راوی کہتا ہے کہ) رسول اللہ ﷺ یہ سن کر مسکرائے''

۱۔ الفتن، غزوہ الھند : ۱/۴۰۹ . ۴۱۰ حدیث: ۱۲۳۶ . ۱۲۳۸

Marfat.com

۴۔ حضرت کعبؓ کی حدیث

یہ حضرت کعبؓ کی حدیث ہے، وہ فرماتے ہیں کہ: ''بیت المقدس کا ایک بادشاہ ہندوستان کی جانب ایک لشکر روانہ کرے گا۔ مجاہدین سرزمین ہند کو پامال کر ڈالیں گے، اس کے خزانوں پر قبضہ کرلیں گے، پھر بادشاہ ان خزانوں کو بیت المقدس کی تزئین و آرائش کے لئے استعمال کرے گا۔ وہ لشکر ہندوستان کے بادشاہوں (حاکموں) کو بیڑیوں میں جکڑ کر اس بادشاہ کے روبرو پیش کرے گا۔ اس کے مجاہدین، بادشاہ کے حکم سے مشرق و مغرب کے درمیان کا سارا علاقہ فتح کرلیں گے اور دجال کے خروج تک ہندوستان میں قیام کریں گے''

۱۔ مسند اسحق بن راھویہ، قسم اول۔ سوم: ۱/۴۶۲ حدیث: ۵۳۷۔

اس روایت کو نعیم بن حمادؒ استاد امام بخاریؒ نے اپنی کتاب الفتن میں نقل کیا ہے۔ اس میں حضرت کعبؓ سے روایت کرنے والے راوی کا نام نہیں ہے بلکہ اَلْمُحْکَمُ بْنُ نَافِعٍ عَمَّنْ حَدَّثَهُ عَ نْ الفاظ آئے ہیں، اس لئے یہ حدیث منقطع شمار ہوگی۔

۵۔ حضرت صفوان بن عمروؓ کی حدیث

پانچویں حدیث حضرت صفوان بن عمروؓ سے مروی ہے اور حکم کے لحاظ سے مرفوع کے درجہ میں ہے۔ کہتے ہیں کہ انہیں کچھ لوگوں نے بتایا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''میری امت کے کچھ لوگ ہندوستان سے جنگ کریں گے، اللہ تعالیٰ انکو فتح عطا فرمائے گا۔ حتی کہ وہ ہندوستان کے بادشاہوں (حاکموں) کو بیڑیوں میں جکڑے ہوئے پائیں گے، اللہ ان مجاہدین کی مغفرت فرمائے گا جب وہ شام کی طرف پلٹیں گے تو عیسیٰ ابن مریم کو وہاں موجود پائیں گے''

اس حدیث کو نعیم بن حمادؒ نے ''الفتن'' میں روایت کیا ہے۔

الحمد اللہ! ہم نے اللہ کریم کی توفیق و عنایت سے غزوۂ ہند سے متعلق جملہ احادیث کو آپ کے سامنے پیش کر دیا ہے، اب ہم ان احادیث مبارکہ کے معنی و مفہوم، اشارات و دروس پر نظر ڈالیں گے۔

۱۔ الفتن، غزوۃ الھند: ۱/۴۰۹، حدیث: ۱۲۳۵۔ ۲۔ الفتن: ۱/۳۹۹، ۴۱۰، حدیث: ۱۲۰۱، ۱۲۳۹۔

احادیث غزوۂ ہند سے مستنبط ہدایات و اشارات

الفاظ حَدَّثَنِیْ خَلِیْلِیْ سے مترشح ہوتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی محبت ایمان کا اولین تقاضا، اس کی دلیل، اس کی علامت اور اس کا ثمرہ ہے۔ محض محبت بھی کافی نہیں بلکہ ایسی والہانہ محبت چاہیئے کہ ایک مومن کی نظر میں نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی کائنات کی ہر چیز سے بلکہ اس کی اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہو جائے۔

یہی مضمون حضرت انسؓ کی حدیث میں بھی وارد ہوا ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا:

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ

Marfat.com

''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا، جب تک کہ میں اسے، اس کے ماں باپ، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب اور پیارا نہ ہو جاؤں''

زہرہ بن معبدؒ کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنے دادا عبداللہ بن ہشامؓ سے سنا ہے کہ:

كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ آخِذٌ" بِيَدِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ يَارَسُوْلَ اللهِ ﷺ! لَأَنْتَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ إِلَّا مِنْ نَفْسِيْ . فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَهُ لَا وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ حَتَّى أَكُوْنَ أَحَبَّ إِلَيْكَ مِنْ نَفْسِكَ . فَقَالَ لَهُ عُمَرُ فَإِنَّهُ الْآنَ وَاللهِ لَأَنْتَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ نَفْسِيْ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ الْآنَ يَاعُمَرُ

''ہم ایک موقع پر حضور ﷺ کے ساتھ تھے، آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا کہ حضرت عمرؓ بولے: یارسول اللہ ﷺ! آپ مجھے ہر چیز سے زیادہ عزیز ہیں سوائے اپنی جان کے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''نہیں عمر! قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جب تک میں تمہیں تمہاری اپنی جان سے بھی بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں (تمہارا ایمان مکمل نہ ہوگا)'' اس پر حضرت عمرؓ نے کہا: ''اب آپ ﷺ اللہ کی قسم! مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں'' یہ سن کر حضور ﷺ نے فرمایا: اب بات بنی ہے عمرؓ۔۔۔!! ا۔البخاری، کتاب الایمان، باب علامۃ الایمان حب الانصار حدیث: ۱۷۔

نبی اکرم ﷺ کے ساتھ صحابہ کرامؓ کی والہانہ عقیدت

ان احادیث میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ صحابہ کرامؓ کی الفت و محبت کا حال بھی بیان ہوا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کو آپ ﷺ کے ساتھ والہانہ عقیدت اور بے پناہ محبت تھی اور وہ اس محبت اور تعلق پر فخر کیا کرتے تھے اور اپنی گفتگو میں اور خصوصاً احادیث روایت کرتے وقت اس قلبی تعلق کا مختلف انداز سے اظہار کر کے خوشی محسوس کرتے تھے اور یہ محض ایک زبانی دعویٰ ہی نہیں تھا بلکہ ان کی ساری زندگی میں عملاً اس محبت اور چاہت کے واضح اور نمایاں اثرات نظر آتے تھے۔ حتیٰ کہ عروہ بن مسعود ثقفی نے صلح حدیبیہ کے موقع پر جب اس والہانہ محبت کا مظاہرہ دیکھا تو وہ بھی اس حقیقت کا اعتراف کئے بغیر نہ رہ سکا کہ: ''محمد ﷺ کے ساتھی ان سے جس طرح محبت کرتے ہیں، وہ دنیا کے کسی شاہی دربار میں نظر نہیں آتی''

ا۔البخاری کتاب الأیمان والنذور باب کیف کانت یمین النبی ﷺ حدیث: ۶۶۳۲۔

صحابہ کرام کو نبی ﷺ کی سچائی پر پختہ یقین تھا

ان احادیث مبارکہ میں یہ چیز بھی نظر آتی ہے کہ صحابہ کرامؓ کو آنحضرت ﷺ کی ہر بات اور ہر خبر کے سچا ہونے کا اٹل یقین تھا، خواہ وہ ماضی کے متعلق ہو یا مستقبل کے حوالے سے خواہ اس کا ذریعہ وحی الٰہی ہو یا کچھ اور یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام نے اس قسم کی خبریں اور پیشن گوئیاں صرف نقل کرنے اور اکتفا نہیں کیا بلکہ انہیں ایک ہونی شدنی حقیقت جان کر اپنے دلوں میں ایسی آرزوئیں پالتے رہے، اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرتے رہے کہ وہ انہیں غزوۂ ہند میں شریک ہونے کی سعادت عطا فرمائے۔

ا۔الرحیق المختوم

Marfat.com

ہندوستان کی کچھ خصوصیات

یہ شرف تمام عالم میں صرف ہندوستان ہی کو حاصل ہے کہ خدا تعالیٰ کے سب سے پہلے پیغمبر حضرت آدم علیہ السلام اول ہندوستان میں اُترے۔ وحی نبوت سب سے پہلے ہندوستان میں آئی۔ یا یوں کہیے کہ اسلام سب سے پہلے ہندوستان میں آیا، علامہ آزاد بلگرامی نے اسی وجہ سے مآثر ہندوستان کی سب سے بڑی فضیلت یہی لکھی ہے۔ (سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان)

ہم اس وقت ہندوستان کے اس اسلامی جس کی ابتداء خاتم الانبیاء المرسلین حبیب رب العلمین ہمارے رسول محمد مصطفیٰ ﷺ سے ہوتی ہے۔

ہندوستان کا وجود

اسی طرح اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا کہ عہد رسالت میں روئے زمین پر ایک ایسا ملک بھی موجود تھا جسے "ہند" کہا جاتا تھا۔

سندھ کا وجود

حدیث ابو ہریرہؓ اس بات کی دلیل ہے کہ حضور ﷺ کے زمانے میں ایک ایسا خطہ ارضی دنیا میں موجود تھا جسے سندھ (تقریباً موجودہ پاکستان) کے نام سے جانا جاتا تھا۔

سندھ عرب کے پڑوس میں اور اس پر چڑھائی غزوۂ ہند سے پہلے

یہ حدیث جس میں غزوۂ سندھ و ہند کا ذکر آیا ہے، اس میں یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ سندھ کا علاقہ عرب کے پڑوس میں واقع ہے نیز یہ کہ غزوۂ سندھ، غزوۂ ہند سے پہلے ہوگا۔

سندھ اور ہند پر کفار کا قبضہ

مزید یہ کہ عہد رسالت مآب ﷺ میں سندھ اور ہند دو ایسے خطوں کے طور پر معروف تھے جن پر کفار کا قبضہ اور تسلط تھا اور زمانۂ نبوت کے بعد بھی ایک عرصہ تک باقی رہا، جبکہ ہندوستان پر مزید، غیر معلوم مدت تک ان کا قبضہ برقرار رہنے کا امکان ہے۔

نبی کریم ﷺ ان حقائق سے آگاہ تھے

ان احادیث سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ حضور ﷺ ان تمام حقائق سے آگاہ اور واقف تھے خواہ اس کا ذریعہ وحی الٰہی ہو یا تجارتی تعلقات یا دونوں ہوں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اپنے جاسوسوں اور خفیہ انٹیلی جنس کے ذریعے آپ نے یہ معلومات حاصل کی ہوں۔ مسلم اور مجاہد فی سبیل اللہ کی قدر مشترک کی وجہ سے مجاہدین ہند اور سیدنا عیسیٰ اور ان کے اصحاب کو ایک ثابت کر دیا گیا۔

Marfat.com

نبوی اور صحابہ کرامؓ کی مجالس میں ہندوستان کا تذکرہ

ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ اپنی مجلسوں میں ہندوستان کا تزکرہ فرمایا کرتے تھے اور یہ تذکرہ اکثر ہوا کرتا تھا اور ظاہر ہے کہ یہ تذکرہ صرف قتال اور غزوہ کے ضمن میں ہی ہوتا ہوگا، نہ کہ سفر تجارت یا سیر و سیاحت کی غرض سے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا ہم سے رسول اللہ نے ہندوستان سے جہاد کا وعدہ فرمایا:

(حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ) اگر اس جہاد کو میں نے پالیا تو میں اپنی جان و مال اس (جہاد) میں قربان کردوں گا۔ چنانچہ اگر میں شہید ہوگیا تو میں افضل شہدا میں سے ہوں گا اور اگر واپس آ گیا تو جہنم سے آزاد ابو ہریرہ ہوں گا۔

غزوۂ ہند کے بارے میں حضور ﷺ کی نیت و آرزو

نبی کریم ﷺ اور ان کے صحابہ کرامؓ چونکہ اکثر اوقات غزوۂ ہند کا تذکرہ کیا کرتے تھے لہٰذا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ اس غزوہ میں شرکت کے آرزومند تھے اور یہ بھی ممکن ہے کہ انہوں نے اس سلسلے میں غور و فکر کرکے اس کے لئے کوئی ابتدائی منصوبہ بندی بھی کی ہو اور اپنے صحابہ کو اس کی رغبت بھی دلائی ہو۔

غزوۂ ہندوستان، نبی ﷺ کا وعدہ ہے

حدیث میں دو الفاظ آئے ہیں ۱) وَعَدَنِیْ ''مجھ سے وعدہ کیا'' ۲) وَعَدَنَا ''ہم سے وعدہ کیا'' اور وعدہ سے مراد کسی عمل خیر کا وعدہ ہے اور وعدے میں نیت اور اگر چہ راہ جہاد میں مال خرچ کرنا اعلیٰ درجے کا انفاق ہے لیکن غزوۂ ہند میں خرچ کرنے کی فضیلت عمومی انفاق فی سبیل اللہ سے کہیں زیادہ ہے۔ اسی فضیلت کی بناء پر سیدنا ابو ہریرہؓ بار بار یہ خواہش کیا کرتے تھے کہ ''اگر میں نے وہ غزوہ پایا تو اپنی جان اور اپنا نیا اور پرانا سب مال اسی میں خرچ کردوں گا''

غزوۂ ہند کے شہداء کی فضیلت

مذکورہ احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس غزوہ میں شریک ہونے والے شہداء کی بھی بڑی فضیلت ہے کیونکہ اس کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے اَفْضَلُ الشُّهَدَآءِ اور خَيْرُ الشُّهَدَآءِ کے الفاظ بیان فرمائے ہیں۔

مجاہدین کے لئے جہنم سے نجات کی بشارت

ان احادیث میں ان مجاہدین کی جہنم سے آزادی کی بشارت آئی ہے جو اس غزوہ میں شریک ہوں گے اور غازی بن کر لوٹیں گے۔ آپ نے ان دو جماعتوں کا ذکر فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ نے انہیں آگ سے محفوظ کردیا ہے'' اور پہلی جماعت کے متعلق یہ صراحت فرمائی کہ ''وہ ہندوستان سے جنگ کرے گی''۔ اور حضرت ابو ہریرہؓ کے الفاظ بھی اس پر دلالت کرتے ہیں کہ ''اگر میں اس غزوہ میں غازی بن کر لوٹا تو میں ایک آزاد ابو ہریرہؓ ہوں گا جسے اللہ نے جہنم سے آزاد کردیا ہوگا''

Marfat.com

آخری جنگ میں فتح کی بشارت

ان میں یہ بشارت بھی موجود ہے کہ آخر زمانے میں حضرت مہدیؒ اور سیدنا عیسیٰ ابن مریمؑ بھی دنیا میں موجود ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ مجاہدین ہند کو عظیم الشان فتح عطا فرمائے گا اور وہ کفار کے سرداروں اور بادشاہوں کو گرفتار کر کے قیدی بنائیں گے۔

مال غنیمت کی خوشخبری

اللہ تعالیٰ ان مجاہدین کو بیش بہا مال غنیمت سے بھی نوازے گا۔

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کی بشارت

ایک بشارت ان احادیث میں یہ ملتی ہے کہ جو مجاہدین اس مبارک غزوہ کے آخری مرحلے میں برسرپیکار ہوں گے وہ سیدنا عیسیٰ ابن مریمؑ کی زیارت باسعادت اور ملاقات بابرکت سے مشرف ہوں گے۔

ہندوستان کے ٹکڑے ہوں گے

آخری اور سب سے بڑی بشارت ان احادیث میں یہ ہے کہ اس غزوہ کے نتیجے میں ہندوستان کے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر متعدد چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں منقسم ہو جائے گا۔ جن پر ایک متفقہ بادشاہ کی بجائے کئی بادشاہ بیک وقت حکمرانی کر رہے ہوں گے۔

اس کے علاوہ اہل علم نے اور بھی کئی بشارتیں ان احادیث سے نکالی ہیں، البتہ ہم نے ان احادیث کی تخریج اور ان کے دروس و اشارات اور نبوی ہدایات اجمالاً اہل علم کی خدمت میں پیش کر دی ہیں۔ واللہ اعلم!

نبی اکرم ﷺ سے بے انتہا محبت کرنے والے پیدا ہوں گے

قیامت کی وہ علامات جو ظہور ہو چکا ہے ان میں سے ایک علامت حضور ﷺ سے بے انتہا محبت کرنے والوں کا پیدا ہونا ہے۔ آج الحمد اللہ موجودہ دور میں حضور ﷺ کے ایسے عاشق موجود ہیں جو آپ ﷺ کی محبت میں اپنی جان کو ناموس رسالت ﷺ کے لئے قربان کرنے کو اپنے لئے فخر سمجھتے ہیں۔ چنانچہ ماضی قریب اور حال کے غازی علم الدین شہید، عامر چشمہ شہید اور غازی ممتاز احمد قادری اس کی زندہ مثالیں ہیں۔ اس سچی اور بے انتہا محبت کرنے والوں کو گواہی خود بزبان نبوی ﷺ بروایت حضرت ابو ہریرہؓ کے واضح ارشاد موجود ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری اُمت میں سب سے بڑھ کر مجھ سے محبت رکھنے والے وہ بھی ہوں گے جو یہ تمنا کریں گے کہ کاش ہم اپنا مال اور کنبہ قربان کر کے اپنی رسول کو دیکھ لیتے (مشکوٰۃ)

یعنی میں تو موجود نہ ہوں گا مگر انہیں مجھ سے اس قدر محبت ہوگی کہ صرف میرے دیکھنے کے لئے اپنا سارا مال اور گھر بار کنبہ قبیلہ قربان کرنے کے لئے تیار ہوں گے۔

Marfat.com

ہندوستان کا جنتی دریا

حضرت ابوھریرہ سے مروی ہے کہ:

فجرت اربعة انهار من الجنة: الفرات والنيل و سيحان و جيحان. (حم، كنز العمال. صفحه ٣٣٣)

اس سے مماثل چند دیگر روایات صحیح ستہ میں بھی دیکھی جاسکتی ہیں۔کشف الخفاء صفحہ ۵۶۵ میں ہے۔

سيحان و جيحان والفرات والنيل من انهار الجنة رواه مسلم

عربی کی معروف تصنیف فیض القدری میں ہے کہ سی اور اسکی ساتھ فرمایا گیاو الفرات والنیل منھا من انھا ر الجنۃ ایسا ہی بیان کشف الخفاء میں بھی آیا ہے۔ایسے ہی بیانات تفسیر قرطبی میں بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔

اسی طرح الجامع الصغیر الاصدار ۲۱،۳ میں علامہ جلال الدین سیوطی ''وسیحون'' کی ذیل میں عرض کرتے ہیں کہ ''وسیحون'' نھر بالھند او سند جیسا کہ بیان ہوا کہ پرانے وقتوں میں تقریبا موجودہ تمام خطہ پاکستان سندھ کہلاتا تھا۔ اس سارے علاقے کو وادی سندھ کی تہذیب (Indus Civilization) کہا جاتا ہے۔جلال الدین سیوطی نے سیحون کی نشاندہی کرتے ہوئے اسے موجودہ پاک وہند کا دریا قرار دیا۔

احادیث کی کتب میں ایسی متعدد روایات موجود ہیں۔علامہ سید سلیمان ندوی نے بھی ان روایات پر بحث کی ہے اور ایک روایت کو اپنی عمدہ تصنیف 'عرب وہند تعلقات میں' میں بھی بیان کی ہے فرماتے ہیں۔

''ایک روایت یہ ہے کہ جنت میں سے چار دریا نکلتے ہیں۔نیل،فرات،جیحان اور سیحان۔
نیل مصر کا دریا ہے،فرات عراق میں ہے۔جیحان ترکستان میں ہے''

(وسط ایشیا کی نئی آزاد شدہ مسلم ریاستوں میں متذکرہ دریائے جیحون واقع ہے۔یہ وہی دریائے جیحون ہے، جسے ۷۱۲ء میں قتیبہ بن مسلم نے عبور کر کے ترکوں کے علاقے میں فتح کے پرچم گاڑھے)۔علامہ سید سلیمان ندوی اپنی تحقیق کے حوالے سے رقم کرتے ہیں کہ سیحون کے بارے میں یہ ہے کہ (متحدہ) ہندوستان کا دریا کا نام ہے۔بعض افراد نے اسے ہند (India) کا دریائے سندھ (Indus) قرار دیا ہے۔

دریائے سندھ اور وادی سندھ، اپنی قدیم ترین اور عظیم تہذیبی ورثہ اور تمدن کی وارث ہے۔یہ وسیع وعریض دریا ایک ہزار کلومیٹر کا فاصلہ طے کر کے اپنی حواری دریاؤں کو اپنے اندر سموتے ہوئے بحیرہ عرب میں گرتا ہے)۔یا متذکرہ جنت کا یہ چوتھا دریا کیا گنگا ہے۔(جو کہ عموما ہندو کا مقدس دریا سمجھا جاتا ہے)؟

ہنود کے نظریہ کی رو سے ''اصل آریہ ورت نو وادی سندھ ہے۔پانچ دریاؤں کی دھرتی اور ہندوستان پوتر دریا گنگا نہیں بلکہ دریائے سندھ ہے۔جس کے کنارے چاروں مقدس وید اترے'' اس کی وضاحت پہلے گزر چکی ہے۔دریائے سندھ کے تقدس کا اندازہ اس بات سے بھی لگایئے کہ مہاتما گاندھی کا قاتل انتہا پسند مذہبی تنظیم (RSS) کے رکن نتھو رام گوڈسے، کے

Marfat.com

اس فعل سے لگایئے کہ اس نے جو وصیت کی اس میں اس نے اپنی چتا کو دریائے سندھ میں بہانے کا کہا ہے۔ جسے اس انتہا پسند جماعت نے آج تک سنبھال کر رکھا ہوا ہے اور ہر سال وہ تھورام سے کیئے گئے عہد کی تجدید کرتے ہیں۔

رسول عربی ﷺ کی نسبتِ ہند

پیغمبر اسلام کسی خاص ملک، علاقہ یا نسل کے لئے مبعوث نہیں ہوئے بلکہ آپ تمام انسانیت اور تمام عالم کی جانب بھیجے گئے۔ آپ ایک آفاقی نظریہ اور نظام لے کر آئے۔ جو تمام انسانیت کے لئے تھا۔ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے بارے میں آپ ﷺ کی مختلف مقامات پر راہنمائی ملتی ہے۔ آپ ﷺ نے اس ضمن میں ہند کی سرزمین کے بارے میں کچھ خصوصی اشارے دیئے ہیں۔

ہند کے ٹھنڈے ہوا کے جھونکے اور اقبال

نبی ﷺ کا ایک اور ارشاد پاک ہے کہ: ''مجھے ہندوستان کی جانب سے ربانی خوشبو آتی ہے''۔

(بحوالہ کتاب 'اگر اب بھی نا جاگے تو' سبحۃ المرجان فی تاریخ ہندوستان باب اول)

یہ جانب ہند سے آنے والے ٹھنڈی ہوا کے جھونکے اور ربانی خوشبو ظاہر کرتی ہے کہ یہ سرزمین اللہ کی منتخب سرزمین ہے اور یہیں اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور دین کی مدد فراہم ہونی ہے۔ انہی مقاصد کی تکمیل کے لئے نظریہ اسلام کی بنیاد پر پاکستان کا قیام عمل میں لایا گیا۔ الدر المنثور فی تفسیر بالماثور۔ الاصدار ۴۴، پر امام جلال الدین سیوطی نے حضرت علیؓ سے یہ قول نقل کیا ہے:

عن علی بن ابی طالبی قال : خیر واد فی الناس وادی مکة و وادی الهند الذی هبط به آدم علیه السلام ومنه یوتی بهذا الطیب الذی تطیون به.

حضرت علی سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ:

''لوگوں میں سب سے اچھی وادی مکہ اور ہندوستان کی ایک وادی ہے۔ جہاں حضرت آدمؑ اترے تھے۔ جو خوشبو تم استعمال کرتے ہو، وہ وہیں سے لائی جاتی ہے''

التمهید لابن عبدالبر میں صفحہ ۴۴ پر حضرت علی سے یہ فرمانی مروی ہے کہ: مہران بن عباس نے کہا کہ علی ابن طالب نے فرمایا کہ میں زمین پر اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ چیزیں اور زمین میں سب سے اچھی آب و ہوا والی جگہ جانتا ہوں۔ زمین میں حرم میں اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ چیز زمزم اور آب و ہوا کے لحاظ سے سب سے اچھی ہند کی سرزمین ہے۔ وہاں جنت سے سلامتی اتری تو اس کے درخت جنت کی ہوا سے بارآور ہوئے۔ سبحۃ المرجان فی تاریخ ہندوستان'' میں حضرت علی سے ایک فرمان بیان ہوا ہے کہ:''

سب سے پاکیزہ اور خوشبودار مقام ہندوستان ہے'' (سبحۃ المرجان کی تاریخ ہندوستان)

یہ خطہ صوفیاء، اولیاء، مجاہدین اسلام، دانشوروں، تخلیق کاروں اور زندہ دلان کی سرزمین ہے یہ اسلام کا روحانی اور فکری مرکز ہے۔

یہی بات اس کی پاکیزگی اور معطر ہونے کا باعث ہے۔ ہادی برحق ﷺ نے فرمایا:

''مجھے ہند کی جانب سے ٹھنڈی ہوا کے جھونکے آتے ہیں'' (کتاب تاریخ منہاج القرآن)

Marfat.com

حوالاجات

(کتاب تاریخ منہاج القرآن)

(کتاب "تحریک منہاج القرآن کی عالمی دینی خدمات صفحہ ۲۸ طبع نومبر ۱۹۹۵ء "مبشرات پاکستان")

(کتاب "قیامت آرہی ہے" از محمد عبدالمجید صدیقی ایڈوکیٹ)

(کتاب "سبحۃ المرجان" صفحہ ۲۱، "البدایہ والنہایہ" جلد ۹ صفحہ ۹۵)

(کتاب "فقہ حضرت علیؓ" تفسیر طبری حوالہ دوم سبحۃ المرجان)

سبق پھر پڑھ صداقت کا' عدالت کا' شجاعت کا لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

اس روایت کو متعدد ملکی اور غیر ملکی اور بعض عرب کے مسلم سکالرز کوڈ کرتے ہیں۔ (عرب سے تعلق رکھنے والی مذہبی تنظیم حزب التحریر اور سکی قیادت اس روایت کو بکثرت کوڈ کرتی ہے) حضرت علامہ محمد اقبال نے اس فرمان نبوی کو خوبصورت شاعرانہ پیرہن میں ملبوس کیا ہے۔ حضرت علامہ نے فرمان نبوی ﷺ کی روشنی میں ان روایات کو خوبصورت شاعرانہ لباس پہناتے ہوئے فرمایا:

میرِ عرب کو آئی، ٹھنڈی ہوا جہاں سے میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے

مسلمانانِ برعظیم کا اسلام اور پیغمبر اسلام سے غیر معمولی عقیدت اور لگاؤ ان کے باطن کا غماض ہے۔ ایسا جذبہ ہمیں آجکل کے خطہ عرب میں بھی دکھائی نہیں دیتا۔ جہاں سے اسلام کا آغاز ہوا تھا۔ توہین رسالت ﷺ پر یہاں لوگ جذبات سے بے قابو ہو کر کٹ مرنے کو تیار ہوتے ہیں۔ عالم اسلام پر کوئی افتاد گرے اس خطہ کے مسلمانوں کا جذبہ دیدنی ہوتا ہے۔ حالیہ جنگ خلیج اسکا منہ بولتا ثبوت ہے۔ مسلمانانِ پاکستان اہل عالم کے مسلمانوں کے مسائل کو اپنے سے جدا نہیں دیکھتے۔ انکے دل تمام مظلوم مسلمانوں کے ساتھ دھڑکتے ہیں۔

رسالت مآب ﷺ کی یہاں کے مسلمانوں کے لئے یہ بہت بڑی سند اور Complements ہیں۔ اس سے یہاں کے مسلمانوں کے دین سے لگاؤ اور محبت باقی عالم سے ممتاز کرتی ہے۔ تجدید احیائے دین یا نشاۃ ثانیہ کا عظیم کام اسی مملکت سے ہونا ہے۔ یہ اسلام سے اسی محبت اور عقیدت کا مظہر ہے کہ خالص دین کے نام پر ہم نے مملکت احیائے خلافت کے لئے حاصل کی اور اور انشاء اللہ یہیں سے دنیا بھر کے مظلومین کو تقویت فراہم ہوگی۔

عربی کی تفاسیر اور کتب احادیث میں ہند کی تقدیس اور اہمیت سے متعلق متعدد روایات کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔

غلامی میں نہ کام آتی ہیں نہ شمشیریں نہ تدبیریں جو ہو ذوق یقین پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں
کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زور بازو کا نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

Marfat.com

ہندوستان میں نبوت

عربوں کی روایات کے مطابق نیز عربی تفاسیر اور کتب احادیث کے مطابق دنیا میں حضرت آدمؑ کی بعثت وجنا کے مقام پر ہوئی۔ جو ہندوستان میں ہے۔ اسی طرح انہی روایات کے ہمراہ متعدد روایات میں بتایا گیا ہے کہ حجر اسود سرزمین میں بعثتِ آدم کے ساتھ ہی اترا۔ اور یہاں سے مکہ لیجایا گیا۔ جیسا کہ تفسیر الدر المنثور فی التفسیر بالماثور۔ اصدار ۳۴، میں البیھقی فی الدلائل کے حوالے سے درج ہے کہ "**خرج آدم من الجنة و معه حجر فی یده الکف الآخر، فبث الورق فی الهند فمنه ماترون من الطیب، وما الحجر فکان یا قوتة بیضاء یستضاء بها....**

یہ پتھر جب ہندوستان میں اترا تو یہ سفید یاقوت کی مانند اور چمکدار تھا۔ حضرت جبرائیل اسے ہندوستان سے لیکر آئے اور یہ حضرت ابراہیم نے تعمیر کعبہ کے وقت حضرت اسماعیل کے ہمراہ نصب فرمایا۔ حضرت آدمؑ کی بابت کنز العمال صفحہ ۲۲۰ میں درج ہے۔

کہ **عن قتادہ قال اهبط الله عزوجل آدم الارض، وکان مهبیطه باض الهند.**

اسی طرح کنزل العمال میں یہ بیانات بھی مروی ہیں۔

عن ابن عباس، قال: ان اول مااهبط الله تعالیٰ ادم اهبطه بدهنا ارض الهند

لقد حدثنا عبدالله بن عباس ان ادم نزل هسین نزل بالهند یعنی نزول آدم سرزمین ہند پر ہوا۔

اسی طرح ہندوستان میں (ہندوؤں کے) مقدس ویدوں سے یہ حقائق سامنے آئے ہیں کہ ہنود حضرت نوح کی قوم ہیں۔ حضرت نوح اور انکے سیلاب عظیم کی تفاصیل ہندوؤں کے مقدس ویدوں میں موجود ہیں۔ سرزمین ہند پر اللہ کے پیغمبروں کی بعثت ہوئی۔ حضرت مجدد الف ثانی جو اعتقادات میں سخت گیر تھے وہ بھی ہند میں بعثت انبیاء پر اعتقاد رکھتے تھے۔ نیز انہیں یہاں کے بعض شہروں میں نورِ نبوت دکھائی دیا تھا (اگر اب بھی نا جاگے تو، از شمس نوید عثمانی)

عہدِ نبوی ﷺ میں ہندوستان سے تعلقات

عہدِ رسالت ﷺ میں اور اس سے قبل دورِ جاہلیت میں بھی ہندوستان اور عرب کے مابین قریبی تعلقات استوار تھے۔ عہد نبوی ﷺ میں بھی ہند کے ساتھ تجارت عام تھی۔ سند (مراد پوری وادی سندھ آج کا تقریباً سارا پاکستان) اور ہند سے حضور ﷺ بخوبی متعارف تھے۔

قدیم ہندی (عرب مید) جو عرب میں آباد تھے وہ عربوں میں رچ بس چکے تھے۔ بہت سے ہندوستانی قبائل عرب میں آباد تھے۔ جن سے اہل عرب کو عام واقفیت تھی۔ حدیث معراج میں نبی رحمت ﷺ نے حضرت موسیٰ کو (ہندوستان) کے جاٹوں سے تشبیہ دی ہے۔

ہندوستانی اشیاء میں حضور ﷺ کی دلچسپی

بہت سی ہندی اشیاء حضور ﷺ اور صحابہ کے استعمال میں آئیں۔ ان میں خوشبوئیں، مصالحہ جات، ادویات ودیگر

Marfat.com

سامان شامل ہے۔ ملبوسات میں سب طرح کے ہندوستانی اور سندھی ملبوسات اور چادریں، اسلحہ جنگ کی تجارت میں ہندوستانی شمشیریں اونیزے وغیرہ شامل تھے۔ (تفصیل دیکھئے "عرب ہند تعلقات از سید سلیمان ندوی) رسالت مآب ﷺ کے پاس مشہور ہندی مارکہ Brand کی شمشیر تھی۔ جو آپ ﷺ کو شمشیر غزوہ بنی قینقاع میں حاصل ہوئی۔

ہندوستانی راجہ کا تحفہ

ہندوستانی کے راجہ نے رسول برحق ﷺ کی خدمت اقدس میں زنجبیل ارسال فرمایا جسے آپ ﷺ نے نہ صرف خود تناول فرمایا بلکہ صحابہ کرامؓ کو بھی کھلایا۔ (ہندو عرب تعلقات، از سید سلیمان ندوی)

قرآن پاک میں ہندوستانی اشیاء کا تذکرہ

قرآن پاک میں تین اشیاء کا نام اسطرح سے فرمائے گئے ہیں۔ اولاً مسک، دوسرا کافور اور تیسرا زنجبیل۔ ہندوستان و عرب میں جیسا کہ اوپر واضح کیا گیا ہے کہ یہ مشترک و متوارد الفاظ علاقائی لب ولہجہ کے فرق کے ساتھ ادا کئے جاتے ہیں۔

متذکرہ بالا اشیاء کو قرآن پاک میں جنت عظیم کی نعمتوں کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ یہ اشیاء خالص ہندوستانی ہیں اور ہند سے عرب کو برآمد ہوتی تھیں۔ اس اعتبار سے ان اشیاء کا قرآن پاک میں جنت کی نعمتوں میں تذکرہ آنا اہل ہند کیلئے ایک اعزاز ہے۔

اسی طرح ہند سے جانے والی خوشبو "مشک" کو رسول مکرم ﷺ نے تمام خوشبوؤں میں بہترین قرار دیا۔

لباس ہند اور رسالت مآب ﷺ

ام سلمہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو تمام کپڑوں میں کرتا پسند تھا۔ (ابوداؤد، ترمذی)

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آخری عمر میں نبی کریم ﷺ نے شلوار خریدی اور پہنی صحابہ نے آپ ﷺ سے کہا کہ یہاں اسے عام نہیں پہنا جاتا (کیونکہ یہ اہل عرب کا لباس نہیں تھا) تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ ایک اچھا لباس ہے جو ستر کو اچھی طرح ڈھانپتا ہے۔ وہ اسے رات کو سوتے وقت بھی استعمال کرتے تھے۔ (اس حدیث مبارکہ کو ممتاز قانون دان اور اسکالر جناب خالد اسحاق صاحب (ایڈووکیٹ) نے PTV Lecture 'اکیسویں صدی کا چیلنج اور عالم اسلام کا مستقبل' میں بیان فرمایا ہے)

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسالت مآب ﷺ کو اس خطہ سے خصوصی نسبت تھی۔

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان رحہ کی تحقیق

ڈاکٹر صاحبؒ فرماتے ہیں کہ سندھ جو ہے باب اسلام ہے۔ یہ وہ خوش نصیب خطہ ہے جہاں حضور اکرم ﷺ کے صحابہ کرامؓ تشریف لائے۔ بھنبھور یعنی دیبل کی جامع مسجد میں دو کتبے ہیں ایک ۱۰۹ کا ہے اور ایک ۲۹۴ھ کا ہے۔ یعنی دونوں

Marfat.com

سنوں کے درمیان (۱۰۹ھ سے ۲۹۴ھ تک) مسلسل مسلمانوں کی آبادی رہی ہے۔ یعنی صحابہ کرام تابعین اور تبع تابعین کی۔ یہ وہ مقدس طبقہ ہے اور میں کیا بتاؤں کہ کیا کیا وہاں نعمتیں ہیں۔ اس کے بعد مسلمانوں کی حکومت رہی۔ پھر دوسرے لوگ بھی آگئے پھر زلزلہ آیا اور اس میں آپ دیکھیں گے بعض لاشیں۔ ان کے سر کہیں کو ہیں۔ کسی رخ کو ہیں۔ پیر کسی رخ کو ہیں۔ یعنی مسلمان نہیں تھے یا جو ہوں۔ بہر حال زلزلہ میں تباہ ہوئے۔

محمد اسحاق بھٹی صاحب نے فقہائے ہند کی جلد اول میں لکھا ہے کہ سو سے زائد صحابہ کرام یہاں تشریف لائے مولانا اطہر مبارک پوری نے ریاض السندھ والہند میں لکھا ہے کہ سو سے زائد سندھی علماء یہاں تشریف لائے اس زمانے میں۔ میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ مقدس سرزمین جس کا تعلق ملتان تک تھا۔ (سندھ پہلے ملتان تک کہلایا جاتا تھا) اس طویل خطے میں جتنے صحابہ کرامؓ تابعین اور تبع تابعین تشریف لائے، کسی اور علاقے میں تشریف نہیں لائے اور آپ کو خوشی ہوگی یہ معلوم کر کے کہ آپ کی مادری زبان عربی ہے۔ امہات المومنین، حضور انور ﷺ کی ازواج مطہرات آپ کی مائیں ہیں۔ ان کی زبان جو ہے وہ ہے عربی، تو مسلمانوں کی قومی زبان عربی ہے۔ یہ دوسری مقامی زبانیں ہم نے (اردو، سندھی، پنجابی) بنالی ہیں۔ یہ الگ بات ہے۔ لیکن آپ کی اصلی مادری زبان ہے عربی۔ یہی قبر میں بھی کام آئے گی اور یہی جنت میں بھی کام آئے گی۔ اس لئے عربی کی طرف آپ کی توجہ بہت ہونی چاہیے۔

دوسرے ایک بات اور آپ سے عرض کروں۔ آپ کو خوشی بھی ہوگی اور نئی بات معلوم ہوگی۔ سندھ کو انگریزی میں (INDUS) کہتے ہیں۔

تو انڈس سے آپ نے اور لفظ بھی سنے ہوں گے۔ انڈسٹری بھی سنا ہوگا۔ انڈسٹریس بھی سنا ہوگا۔ یعنی یہ علاقہ ایسا تھا جس میں پہلے زمانے میں بہت کارخانے تھے اور لوگ بڑے جفاکش Industrious تھے، بڑے محنت کرنے والے تھے۔ یہ انگریزی زبان میں ہے۔ اب میں آپ کو اصل مقصد کی طرف لانا چاہتا ہوں کہ یہ خطہ شروع سے بزرگان دین کا ہے۔ پہلے صحابہ کرام، تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے قدم یہاں آئے۔ اس کے بعد ہمارے دوسرے سلسلے کے بزرگوں کے۔ مثلاً سہروردی سلسلہ کے ہمارے مخدوم حضرت بہاء الدین زکریہ ملتانیؒ کتنی بڑی ہستی ہیں۔ ان کا اصل میں یہاں تسلط تھا۔ بہت سے لوگ کے اب تک حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ سے وابستہ ہیں۔ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کے خالہ زاد بھائی بابا فرید شکر گنجؒ، پھر مخدوم نوحؒ کے پیر بھائی تھے۔ ہالا والے مخدوم نوحؒ قرآن پاک کے پہلے مترجم (فارسی) کے ہیں۔

یہاں مقصد یہ ہے کہ یہاں سہروردی سلسلہ اور قادری سلسلہ زیادہ رائج تھا۔ پھر حضرت مجدد الف ثانیؒ کے تشریف لانے کے بعد نقش بندی سلسلہ یہاں ترقی پانے لگا۔ آپ کو معلوم ہے کہ شاہ جہاں بادشاہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مرید تھے۔

Marfat.com

آپ کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ اورنگ زیبؒ، حضرت خواجہ محمد معصومؒ کے مرید تھے۔ حضرت خواجہ محمد معصومؒ دوسرے خلیفہ یعنی اورنگ زیبؒ کے علاوہ دوسرے مشہور خلیفہ شیخ آدم تتویؒ ہیں۔ ذرا سوچئے کتنی بڑی ہستی ہیں۔ (شیخ آدمؒ جن کو شیخ آدوؒ بھی کہتے ہیں) پھر ان کے خلیفہ شیخ ابوالقاسمؒ تھے۔ لیکن انہوں نے کہا کہ تم جاؤ اور حضرت خواجہ سیف الدینؒ سے بیعت ہو جاؤ۔ تو یہ حضرت ابوالقاسم سرہند تشریف لے گئے اور ان کے ساتھ شیخ انسؒ، سید فتح محمدؒ، ابوالحسنؒ اور حضرت تاز گیؒ جن کا مزار ٹھٹھہ جائیں تو سڑک کے دائیں ہاتھ پر ہے۔ ان کا مدرسہ بھی آپ دیکھیں تو آپ کو بڑی خوشی ہوگی۔ یعنی سردی میں پڑھنے کے لئے اوپر ہے اور گرمی میں پڑھنے کے لئے کنوئیں کے چاروں طرف ان کا مدرسہ ہے۔ بڑے عجیب طریقے سے انہوں نے بنایا ہے۔ یہ سب حضرت خواجہ سیف الدینؒ کا فیض ہے۔ اور آپ نے کبھی ٹھٹھہ میں حاضری دی ہوگی تو سات حافظوں کی قبریں ایک ساتھ ہیں۔ آپ وہاں سے داخل ہو کر جب حضرت عبداللہ شاہ صاحبؒ کی طرف جائیں گے تو داہنی طرف کو سات قبریں ہیں۔ ایک حافظ عبدالرؤف صاحبؒ کی ہے وہ حضرت خواجہ سیف الدینؒ کے خلیفہ ہیں۔ میرے بزرگو! کیا تعریفیں عرض کروں نہ آپ کو تو یہ بھی معلوم ہوگا کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے اولین خلیفہ حضرت اسحاقؒ اور حضرت موسیٰؒ ہیں۔ ان کو کسی نے شیون اور سیحون لکھ دیا ہے۔ مطلب سیحونی ہے۔ جب مسلمان یہاں تشریف لائے (ہندوستان میں) تو انہوں نے گنگا کا نام جیحون اور سندھ کا سیحون رکھ دیا۔ ان کے ملک میں دو دریا تھے۔ جیحون اور سیحون اس موضوع پر میں نے پہلے بھی لکھا ہے۔ اسی سے پھر سیحون کہلانے لگا کیونکہ لوگوں سے سیحون بنتا نہیں تھا آسانی سے سیحون سے سہون کہنے لگے۔ صحیح لفظ سیحون ہے۔ تو حضرت مجددؒ کے اولین خلفاء میں سے حضرت موسیٰ سیحونیؒ اور حضرت اسحاق سیحونیؒ ہیں۔ وہیں ان کے مزارات ہیں۔ کبھی آپ جائیں حضرت صاحب قلندرؒ کے یہاں تو ریلوے لائن کے اس پار یعنی مغرب کی طرف ان کے مزارات ہیں۔ پھر سندھ میں حضرت خواجہ محمد معصومؒ کے خلیفہ حضرت شیخ آدمؒ، پھر شاہ ابوالقاسمؒ، پھر تاز گیؒ، پھر دوسرے بزرگ ہیں۔ ان کے بعد (میں سلسلہ کے متعلق عرض کر رہا ہوں)، پھر حضرت شیخ محمدؒ اور پھر لواری شریف والے مخدوم محمد زمانؒ اور جتنے بھی یہ بزرگ ہیں یہ لواری شریف والے پھر شیخ صدرؒ اور پھر پیر پگارا صاحب کے اسلاف اور مختلف بزرگ۔ ماشاء اللہ یہ سب نقشبندی سلسلہ کے یہاں تشریف لائے۔ آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ سید احمد بریلویؒ کی کتنی مدد کی تھی پیر پگاروں صاحب کے اسلاف نے اور وہ تشریف لے گئے بالاکوٹ اور پھر وہ شہید ہو گئے۔ پیر جھنڈو والے یہ سب حضرت مجدد الف ثانیؒ کے سلسلے کے فیض یافتہ ہیں۔ پھر حضرت شیخ شاہؒ شجاع صاحب، فقیر اللہ علویؒ شکار پور والے۔ اتنے بڑے عالم تھے کہ مشکل سے صدیوں میں کوئی اتنا بڑا عالم پیدا ہوگا۔ اتنے بڑے عالم کہ ان کتابوں کو آج بھی سمجھنا مشکل ہے۔ اتنی ادق کتابیں انہوں نے لکھی ہیں۔ ہم لوگ ان کی طرف سے غافل ہیں۔ حالانکہ انکا بہت بڑا احسان ہے ہم پر یہ خاص الخاص ہیں۔ پھر ابوالحسن داہریؒ آئے جو ہمارے پیر سرہندی صاحب، مولانا محمد اسحٰق جان صاحب،

Marfat.com

مولانا محمد ابراہیم جانؒ کے بزرگ قبہ شریف والے (جو راستے میں پڑتا ہے)۔ ٹنڈو محمد خان جانے میں۔ بزرگ تشریف لائے۔ پھر حضرت خواجہ عبدالرحمٰن صاحبؒ کے صاحبزادے آقا محمد حسین جانؒ، یہ بہت بڑے بزرگ بھی تھے اور شاعر بھی تھے۔ اور ان کے بیٹے حضرت شاہ محمد اسمٰعیل جانؒ جو حضرت محمد اسحاق جان صاحبؒ کے والد تھے۔ یہ بھی بہت بڑے شاعر تھے۔ میں ان کا دیوان عرصہ ہوا شائع کیا تھا۔ دو ایک شعر آپ سن لیجئے۔

بیا سوائے مدینه تابیابی صد قرار اینجا — گل اینجا، سبزه اینجا، گلشن ایجنا، لاله زار اینجا

چه خوش باشد که سازم فرش راه سید الکونین — دل اینجا، دیده اینجا، سینا اینجا، جسم زار اینجا

کیا شاعر تھے۔ ان بزرگوں کا بڑا احسان ہے اس ملک پر۔ اور میں نے یہ بتایا تاکہ ہماری اصلی مادری زبان عربی ہے۔ ان بزرگوں نے عربی میں زیادہ کام کیا۔ امہات المومنینؓ مسلمانوں کی ماؤں کی زبان، سب کی زبان عربی ہے۔ اور دوسری بات یہ کہ انڈس، انڈسٹریس آپ نے سنا ہوگا، بڑا محنت، جفاکش آدمی کو انڈسٹریس کہتے ہیں۔ انڈسٹریاں (کارخانے) پہلے زمانے میں یہاں بہت قائم تھے۔ یہ سب چیزیں ایسی ہیں جن کی قدر کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ سب ہمارے بزرگوں کا فیض ہے۔

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خانؒ کی غزوہ ہند کی بشارت

ڈاکٹر صاحبؒ نے اپنی زندگی میں بتایا تھا کہ پاکستان انڈیا کی ایک جنگ ہوگی جس میں پاکستان فتح حاصل کرے گا۔ اور انڈیا کا کافی حصہ پاکستان میں شامل ہو جائے گا۔ جس میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کا روضۂ مبارک بھی شامل ہے۔

اقبال نے اس سرزمین سے عقیدت کا اظہار یوں فرمایا ہے:

چشتی نے جس زمین میں پیغام حق سنایا — نانک نے جس چمن میں وحدت کا گیت گایا
تاتاریوں نے جس کو اپنا وطن بنایا — جس نے حجازیوں سے دشت عرب چھڑایا
یونانیوں کو جس نے حیران کر دیا تھا — سارے جہاں کو جس نے علم و ہنر دیا تھا
مٹی کو جس کی حق نے زر کا اثر دیا تھا — ترکوں کا جس نے دامن ہیروں سے بھر دیا تھا
میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے — ٹوٹے تھے جو ستارے فارس کے آسماں سے
پھر تاب دے کے جس نے چمکائے کہکشاں سے — وحدت کی لے سنی تھی دنیا نے جس مکاں سے
میر عرب کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے — میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے
بندے کلیم جس کے پربت جہاں کے سینا — نوح نبی کا آکر ٹھہرا جہاں سفینا
رفعت ہے جس زمیں کی بام فلک کا زینا — جنت کی زندگی ہے جس کی فضا میں جینا

میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے

Marfat.com

باب: نواں

تاریخ ہند

Marfat.com

تاریخ ہند

تاریخ ہند قبل از اسلام

مسٹر ولیم ایل لینگر اپنی معروف کتاب انسائیکلو پیڈیا تاریخ عالم میں ہندوستان کی ابتدائی تاریخ پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں، کہ ابتدائی دور میں ہندوستان کی سرزمین پر جن شہروں میں تہذیب وتمدن کے آثار ملتے ہیں وہ وادیٔ سندھ کی تہذیب تھی۔ اور اس قدیم دور کی تہذیب کے آثار وعلامات ''موہن جودڑو'' اور ''ہڑپہ'' میں ملتے ہیں۔ مگر ۱۹۲۰ء میں اس تہذیب کی تحقیق ودریافت کام شروع ہوا۔ کھدائی کی گئی مگر یہ طے نہ ہو سکا اس تہذیب کا عراق کی قدیم تہذیب کے ساتھ کیا تعلق ہے۔ جو کہ حضرت سیدنا عیسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام کے زمانے سے تقریباً تین ہزار سال قبل پیدا ہو چکی تھی اور وہ تہذیب بعد میں ہندوستان میں پھلی پھولی۔ اور قدیم ایرانی ''آریا نسل'' کے لوگوں کی ابتدائی حالت بھی زیادہ واضح نہیں۔ لیکن اتنی بات مسلم ہے کہ ہندوستان پر آریاؤں کے حملے شروع ہو چکے تھے، رفتہ رفتہ انہوں نے شمالی ہند کے زرخیز علاقوں پر قبضہ جمالیا۔ اور وہاں کی قدیم آبادی سیاہ فام، داروڑی نسل کے لوگوں کو جنوب کی طرف دھکیل دیا۔ اور ان فتوحات کا سلسلہ دو ہزار سال (۲۰۰۰ق۔م) سے بارہ سو ۱۲۰۰ (ق۔م) تک جاری رہا۔ سن ۱۲۰۰ (ق۔م) سے سن ۸۰۰ (ق۔م) تک ہندوستانی آریا بھی رومیوں اور یونانیوں کی طرح قدرتی مناظر ومظاہر کی پوجا کرتے تھے اور انکا سب سے بڑا دیوتا ''اندر'' تھا جسکو ہوا اور طوفان کا دیوتا کہتے تھے اور ''اگنی دیوی'' کی بھی وہ پوجا پاٹ کرتے تھے۔ اور اس پر قربانیاں پیش کرتے تھے اور جو منتر قربانی کے موقع پر پڑھے جاتے تھے انکا اولین مجموعہ دریائے گنگا کے مغربی حصے میں سن ۱۲۰۰ق۔م۔ سے ۱۰۰۰ق۔م کے دور میں مرتب ہوا اسی مجموعہ کا نام ''رگ وید'' ہے اور باقی کچھ اور وید بھی مرتب ہو چکے تھے۔ اور ''رگ وید'' سے معلوم ہوتا ہے کہ آریہ قوم کا معاشرتی نظام قبائل پر مشتمل ہوتا تھا۔

خصوصیات

۱۔ ہر قبیلے کا باقاعدہ سردار ہوتا تھا جو کہ مختار مانا جاتا تھا۔

۲۔ وہ لوگ مویشی پالتے تھے۔

۳۔ کھیتی باڑی بھی کرتے تھے۔

۴۔ جوان لوگوں کی شادی بھی کرتے تھے۔

۵۔ بیوہ عورتیں دوبارہ شادی کرسکتی تھیں۔

۶۔ وہ قبائل بعض اوقات آپس میں لڑتے تھے، بعض دوسرے قبائل کے ساتھ بھی جنگ وجدل کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔

۸۰۰ق۔م۔ سے ۵۵۰ق۔م اس زمانے میں آریہ ہندوستان میں رفتہ رفتہ آگے بڑھتے چلے گئے۔ تقریباً صوبہ بہار تک پہنچ گئے اور اس زمانے میں ویدوں کی شروعات بھی لکھی گئیں۔ اور اپنشدوں کا آغاز بھی ہو گیا اور ویدوں کی ہدایات کے مطابق ذات پات کا نظام قائم ہوا۔ جو کہ مندرجہ ذیل چار قسم کی کیٹاگریز پر ترتیب دیا گیا۔

۱۔ ''برہمن'' یعنی مذہبی پیشوا اور رہنما۔ جنکا نام مذہبی قسم کی خدمات انجام دینا تھا۔

۲۔ ''چھتری'' یعنی سپاہی اور لشکری لوگ جو دفاعی خدمات انجام دیتے تھے۔

Marfat.com

۳۔ ''ویش'' کسان اور مزدور جو مختلف اقسام کی محنت و مشقت اور معاشرتی تعمیر و ترقی کے کام انجام دیتے تھے۔

۴۔ ''شودر'' شودروں کی ذمہ داری جن سے درجہ چہارم کے کام کی خدمات لی جاتی تھیں اور غلامی کا کام لیا جاتا تھا اور نچلے درجہ کی تمام خدمات انکی ذمہ داری تھی اور وہ مقامی لوگ تھے۔ مگر سیاہ فام تھے اور انکو عام انسانی آبادیوں سے دور رکھا جاتا تھا۔ ذات پات کے نظام پر بہت زیادہ زور دیا جاتا تھا، اور اسکی بنیادی وجہ یہ تھی کہ پہلے دونوں گروہ (۱) برہمن (۲) چھتری اپنے اقتدار کو ہمیشہ مسلط رکھنا ضروری سمجھتے تھے۔ اور کسی کو شریک اقتدار کرنے کیلئے تیار نہ تھے اور شادی بیاہ میں ذات پات کو بہت اہمیت دی جاتی تھی برادری اور خاندان کے باہر شادی بیاہ کو بہت بڑا پاپ سمجھا جاتا تھا اور اسی دور میں برہمنوں (مذہبی پیشواؤں) کی مدد کے بغیر کوئی رسم ادا کرنا ممکن نہ رہا۔ اور اسی دور میں ہندوؤں کا معروف عقیدہ ''تناسخ'' گھڑا گیا (یعنی انسان اپنے اعمال کی بناء پر اگلے جنم میں اچھے یا برے کالب میں جنم لیتا ہے)

جین مت کا ظہور

جن علاقوں میں آریہ قابض ہوئے تھے وہ رفتہ رفتہ کئی چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تبدیل ہو گئے اور ان ریاستوں کی تعداد سولہ تک پہنچتی ہے۔ برہمنوں کے ظلم و تشدد اور ناہموار معاشرتی طور طریقوں کی وجہ سے انکے خلاف بغاوت نے جنم لیا۔ بالآخر ان بغاوتوں نے باقاعدہ ایک تحریک کی شکل اختیار کر لی اور ان تحاریک میں سے ایک سرگرم اور زیادہ تر پراثر تحریک کا نام ''جین'' ہے اسی تحریک نے آگے چل کر بالآخر ایک باضابطہ دھرم (مذہب) کی شکل اختیار کر لی۔ اور ۶۰۰ ق۔م میں وسط ہند کا یہ علاقہ (بہار) اس دھرم (جین) کا مرکز بن گیا۔

اس نئے دھرم (جین) کی چند خصوصیات

اس نئے دھرم کی بنیادی طور پر چار خصوصیات تھیں

۱۔ کسی کی جان کو نقصان نہ پہنچانا۔ ۲۔ چوری نہ کرنا۔ ۳۔ ہمیشہ سچ بولنا ۴۔ اور کسی چیز کو اپنی ملکیت نہ بنانا۔

اور اسکے بعض دوسرے رہنماؤں میں اسی بات پر بھی زور دیا کہ شادی نہ کی جائے۔ روحانیت اور درویشی کی زندگی کو اختیار کیا جائے، تاکہ روح دنیاوی پابندیوں اور جکڑ بندیوں سے آزاد رہ کر ترقی کر سکے اور تجارت حاصل کر کے غیر قانونی بن جائے۔

مہاتما بدھ کی افزائش

۲۰۰ ق۔م میں ایک خاص قبیلے (ساکیا) کے راجہ کا بیٹا گوتم راج پاٹ سے منحرف ہو کر درویش بنا اور تجارت کی تلاش میں اسکو خاص روشنی ملی۔ اور اس نے آگے چل کر ایک نئے دھرم (مذہب) کا رنگ اختیار کر لیا اور ''مہاتما بدھ'' کے نام سے معروف ہوا۔ اس دھرم کا بانی برہمنوں پر سخت تنقید کرتا تھا کہ برہمنوں کا نظام سنیاس درویشی دونوں بالکل بے اثر ہیں۔

۱۔ سوچ یہ تھی کہ نجات ہر انسان کی اپنی کوشش پر موقوف ہے اسلئے ہر شخص کو چاہیئے کہ وہ دنیا سے الگ تھلگ رہ کر غور و فکر میں لگ جائے اور مذہبی معرفت کا نور حاصل کرے۔

Marfat.com

۲۔اور یہ کہ ہر انسان کو اپنے اخلاق کو نمایاں ترقی دینی چاہیئے۔اور مہاتما بدھ (بانی دھرم) نے جس دھرم کی بنیاد رکھی تھی وہ اسکی ترویج واشاعت کیلئے خوب سرگرداں رہتا تھا۔جگہ جگہ، بستی بستی پھر کر اس کی تبلیغ کرتا تھا۔زندگی بھر اس نے یہ کوشش جاری رکھی۔جب اسکی وفات ہوئی تو اسکے ۵۰۰ سو چیلے جمع ہوئے اور پورا مذہبی نظام باضابطہ طور پر مرتب کرلیا اور اسکی اشاعت وتبلیغ میں مصروف ہوگئے۔

ایرانیوں کا اقتدار وتسلط وادیٔ سندھ پر

۶۰۰ ق۔م کے آخری دور میں ''دارا گشتاسپ'' نے آریہ نسل کے لوگوں کی باہمی خانہ جنگی اور جنگ وجدل سے فائدہ اُٹھایا اور گندھار پر قبضہ کرلیا اور بحری فوج کے ایڈمرل چیف آف نیول اسٹاف جو کہ ایک یونانی النسل شخص تھا کو حکم دیا کہ دریائے سندھ کے متعلق تمام حالات وکیفیات کو معلوم کر کے مطلع کرے۔ہندوستان کے معاملات میں براہ راست مداخلت کا یہ پہلا ایرانی دور تھا لیکن یہ صرف دریائے سندھ اور اسکی آس پاس کی وادیوں تک ہی محدود رہا آگے نہ بڑھ سکا علاوہ ازیں اسکو کوئی قابل ذکر کامیابی نہیں ملی۔

۳۲۶ ق۔م سکندر کا ہندوستان پر حملہ

۳۲۶ ق۔م میں سکندر نے دریائے سندھ کو عبور کیا۔۳۲۷ ق۔م میں پنجاب میں کافی آگے بڑھ کر ٹیکسلا پہنچا اور پھر کچھ ہی مدت کے بعد دریائے جہلم کے کنارے اس نے ''پورس'' سے شدید جنگ لڑی اور کامیاب رہا اور اسکی کوشش تھی کہ مشرقی سمت آگے بڑھ کر پورے مشرقی ہند پر قابض ہوجائے مگر فوج نے انکار کردیا جس کی وجہ سے انکو واپس جانا پڑا۔

ہندوستان میں موریہ سلطنت کی ابتداء

۳۲۱ ق۔م میں علاقہ ٔ ہند میں موریہ سلطنت کی ابتداء ہوئی اور وسط ہند میں صوبہ بہار کا مرکزی شہر ''پٹنہ'' اسکا دارالحکومت ٹھہرا۔اس سلطنت کے بانی بادشاہ ''چندر گپت موریہ'' نے پہلی مرتبہ شمالی ہند کو بھی متحد کیا اور اسکی سلطنت کی حدود وسیع ہوتے ہوتے افغانستان کے علاقہ ھرات تک جا پہنچی۔ بالآخر ۳۰۵ ق۔م میں ''سلطان سیلوکس'' نے اس پر حملہ کردیا جسکو بادشاہ چندر گپت موریہ نے بڑی شجاعت وبسالت کے ساتھ پسپا کردیا۔اور پھر کچھ عرصہ کے بعد ''سلطان سیلوکس'' کا سفیر ''چندر گپت موریہ'' کے دربار میں آیا۔اور اس نے ہندوستان کے حالات کا جائزہ لیکر انکو قلمبند کیا۔جسکی روشنی میں اس دور کے ہندوستان کی تاریخ مرتب ہوگئی مگر افسوس کہ آگے چل کر وہ بیش قیمت تاریخی مسوّدات محفوظ نہ رہ سکے دست بردِ زمانہ کا شکار ہو کر ضائع ہوگئے۔بس صرف وہی حصے محفوظ رہ سکے جنکو بعد کے مورخین نے اپنی کتابوں میں محفوظ کرلیا۔

مہاراجہ اشوک موریہ خاندان کا لائق فخر بادشاہ

موریہ خاندان کا سب سے بڑا فرمانروا ''مہاراجہ اشوک'' ہوا۔جس نے ۲۷۴ ق۔م میں اقتدار کی باگ ڈور سنبھالی اور تزک واحتشام سے ۲۳۶ ق۔م تک تقریباً ۳۸ سال تخت وتاج کی زینت بنا رہا۔اس نے ۳۶ ق۔م اپنی وفات سے پہلے

Marfat.com

''اڑیسہ'' کو فتح کر لیا جو اس دور میں ''کلنگا'' کہلاتا تھا۔ مہاراجہ اشکوک موریہ کو اس لڑائی میں کافی حد تک قابل ذکر کامیابی ملی تھی۔ مگر اس جنگ میں قتل عام بہت ہوا۔ بہت سارے لوگ اس لڑائی میں لقمہ اجل بنے۔ اس افسوسناک خونریزی کا راجہ کی طبیعت و مزاج پر بہت ہی منفی اثر پڑا اور راجہ بہت غمگین ہوا تو اس سے متاثر ہو کر خونریزی ترک کر دی اور بدھ مت دھرم اختیار کر لیا اور باقی عمر دو کاموں میں بسر کر دی:

۱۔ بدھ مت کی تبلیغ و پرچار ۲۔ رعایا کی فلاح و بہبود

بدھ مت کی تبلیغ و اشاعت کیلئے دور دراز ملکوں تک مبلغین بھیج کر بدھ مت کی خوب ترویج و اشاعت کی۔ راجہ کی ان کوششوں کی بدولت مصر و شام، مقدونیہ، روما سیلان (سری لنکا) تک بدھ مت کا پیغام پہنچ گیا۔ اور راجہ کی بیٹی نے بھی بدھ مت کی اشاعت و تبلیغ میں خوب بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ حتی کہ پورا نیپال، اسکی کوششوں اور جدوجہد کی وجہ سے بدھ مت دھرم کا حلقہ بگوش ہو گیا اور چونکہ راجہ اشکوک اس دور کا صاحب اقتدار و تسلط بادشاہ تھا، اس نے مملکت کو خوب منظم کیا اور رعایا کی بہبود اور بدھ مت کی اشاعت میں ہر ممکن کوشش کی یہاں تک کہ جگہ جگہ راستوں پر چوکوں چراہوں پر مضبوط آہنی کتبے گاڑ دیئے اور ان پر بدھ مت دھرم کی تعلیمات اور اصول و عقائد کو رقم کروا دیا تا کہ ہر خاص و عام اس سے متاثر ہو اور بدھ مت دھرم کے حلق بگوش ہو جائے۔

ہندو دھرم کی دو معروف کتابیں

۱۔ رامائن ۲۔ مہابھارت

ان دونوں مذکورہ بالا کتابوں کے معرض وجود آنے کا تعلق آریاؤں کے دور اقتدار سے ہے کہ اس دور میں ان دونوں کتابوں نے سماج میں کافی اہمیت و حیثیت اختیار کر لی تھی۔

رامائن

رام چندر جی کے واقع زندگی پر مشتمل تھی اس میں اس بات کی وضاحت تھی:

☆ اچھا اور مثالی حکمران کیسا ہونا چاہیئے۔ ☆ اچھا بیٹا کیسا ہونا چاہیئے۔

☆ اچھے بھائی کیلئے کیا صفات ہونی ضروری ہیں۔ ☆ اچھی بیوی کو کن خصوصیات و خصائل کا حامل ہونا ضروری ہے۔

مہابھارت

رام چندر کا ایک وعظ ہے اور اسکا مثالی اور اہم حصہ بھگوت گیتا ہے۔

دو خاندانوں کی باہمی آویزش

۱۔ کورو ۲۔ پانڈو

ایک ہی خاندان کے دو حصے تھے، انکی باہمی چپقلش و رنج نے بالآخر جنگ و جدل کی صورت اختیار کر لی اور ''تھانیسر'' کے مقام پر آپس میں بڑی خونریز جنگ ہوئی۔ اس جنگ میں سری کرشن جی۔ پانڈو کے حامی تھے مگر پانڈو کے عسکری

Marfat.com

قائد ''ارجن'' نے میدان میں پہنچ کر لڑنے سے انکار کر دیا۔ یہ لڑائی تو اپنے لوگوں کے ساتھ ہے مگر ''سری کرشن جی'' نے اس کو حق وباطل کا فرق بتایا اور یہ تلقین کی کہ حق کی خاطر ہر قوت سے بھڑ جانا ہی کمال ہوشمندی ہے اور حق کیلئے کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہ کرنا چاہیئے۔ بالآخر دونوں فریقوں میں جنگ ہوئی۔ اور سری کرشن جی کی حمایت و مدد بھی پانڈو کے ساتھ رہی اور جنگ میں کامیابی بھی پانڈو کو ملی۔

بیرونی حملے اور اندرونی حالتِ زار

۱۸۴ ق۔م موریہ کی سلطنت ختم ہوگئی تھی اور اس وقت کے یونانی بادشاہ پنجاب پر قابض ہو گئے تھے۔ اور وادی گنگا میں ''پشیا متر'' نے ایک نئی سلطنت کی بنیاد رکھی تھی وہ بھی ۷۲ ق۔م میں گویا مرکزی نظام حکومت کمزور ہوا تو پورے ملک میں طوائف الملوکی پھیل گئی۔ اسی زمانہ میں ''یواہ جی'' قبیلے نے ستھیوں کو شکست دی اور یونانیوں کو انکے علاقے سے نکال باہر کیا۔ پھر وہ لوگ پنجاب بلوچستان اور سندھ پر قابض ہو گئے۔

ہندوستان کے ۵۰۰ء تک کے حالات وواقعات وانقلابات

کوشانی قبائل

پہلی صدی قبل مسیح تک کوشانی قبائل کی حکومت وسلطنت کا پتہ چلتا ہے۔ تاہم تاریخ کے آئینہ میں حالات وواقعات زیادہ واضح نہیں۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ ''سردار کدفیسز'' مقام باختر میں ''یواہ جی'' کے پانچ قبائل کی طاقت کے بل پر کوشانیوں کو جمع کرنے میں کامیاب ہو گیا اور رفتہ رفتہ طاقت بڑھاتا رہا آگے بڑھتا رہا تا آنکہ ''وادئ کابل'' اور ساتھ کے ساتھ آس پاس کے علاقوں پر بھی قابض ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ اور اسکے بیٹے نے فتوحات کا سلسلہ جاری رکھا اور بڑھتے بڑھتے شمالی مغربی ہندوستان کو بھی فتح کر کے اپنے خاندان کی حکومت وسلطنت کے جھنڈے گاڑھ دیئے۔ یہ کوشانیوں کو ہندوستان میں اولین حکومت کا دور ہے۔

دوسرے کوشانی حکمران خاندان کا بانی ''کنشک''

دوسرے کوشانی خاندان کی حکومت کے بانی کنشک نے اپنی حکومت کو بہت زیادہ وسعت دی۔ کابل کی وادیوں سے آگے بڑھ کر بلکہ بہت زیادہ بڑھ کر بنارس تک قابض ہو گیا۔ اور پھر جنوبی سمت میں ''وندھیا چل'' تک وسعت دینے میں کامیاب رہا۔ اور یہ زمانہ ۷۸ء کے آس پاس تخت سلطنت پر براجمان ہوا۔ تاہم حالات زیادہ واضح نہیں اور بعض تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ''کاشغر'' کی حکومت کو چین کے خلاف مدد بھی دی تھی۔ پھر ہیرے جواہرات اور مشیروں کے تحائف بھیج کر وہاں کی شہزادی سے شادی کا پیغام بھیج دیا مگر وہاں سے منفی جواب موصول ہوا۔ جس پر سلطان ''کنشک'' کو سخت غصہ آیا اس نے ستر ہزار فوج کو افغانستان کی مشرقی وادی ''پامیر'' سے گزار کر ''کاشغر'' پر حملہ کر دیا۔ مگر وہاں کی مقامی آبادی نے سلطان کی فوج کو کھانے پینے کی کوئی بھی چیز مہیا نہ ہونے دی۔ جسکی وجہ سے وہ ساری کی ساری فوج بھوک و پیاس کا شکار ہو کر

Marfat.com

ہلاک وتباہ ہوگئی۔ نیز ہندوستان کی قدیم تاریخی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ سلطان کنشک مذہبی معاملات میں خوب رواداری اور وسعت قلبی کا مظاہرہ کرتا تھا اور پشاور اور اسکا دارالحکومت تھا تو مذہبی رواداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے دارالحکومت پشاور میں ایک بڑا میوزیم تعمیر کروایا جس میں اس نے ''مہاتمابدھ کے تبرکات رکھتے تھے اور بدھ دھرم کی چوتھی نسل کو'' جالندھر'' سے بلوا کر وہاں آباد کیا۔ اور سلطان کنشک کے بعد اس خاندان کے پانچ اور بادشاہوں کا تذکرہ بھی قدیم تاریخی روایات میں ملتا ہے۔ اور یہ خاندان ۱۷۶ء تک تقریباً ایک سو سال حکومت کرتا رہا اور اسکے بعد تاریخی صفحات کے انبار میں کہیں کھو گیا۔ غالب یہی ہے ۱۷۶ء میں اس خاندان کی حکومت وسلطنت دولت وثروت مٹ گئی۔

اس دور میں ہندوستان۔ کے کچھ متفرق حالات

کنشک کے کوشانی قبائل کے بعد ہندوستان میں انکی کسی بڑی سلطنت وحکومت کا سراغ نہیں ملتا۔ البتہ ملک کے مختلف اطراف واکناف میں چھوٹے چھوٹے راجاؤں کی حکمرانی کے آثار ملتے ہیں۔ مگر کوئی بڑی وحدت یا مرکزی مضبوط حکومت قائم نہ تھی۔

بدھ مت کے پیروکاروں کی دو دھڑوں میں تقسیم

اسی دور میں بدھ مت کے پیروکار ۲ دھڑوں میں تقسیم ہوگئے۔ ا۔ ھنیان ۲۔ مھایان۔

اول الذکر ھنیان کے لقب ونام سے مشہور ہوا اور ثانی الذکر نے مہایان کا نام اختیار کیا۔ ھنیان نے دھرم کی قدیم سادگی سادہ لوحی اور انسان دوستی، امن آتشی کی خصوصیات کو اختیار کیا۔ جبکہ دوسرے گروہ مہایان نے اپنے دھرم کے بانی مہاتمابدھ کی شخصیت کو اپنی عقیدت ونیازمندی کا مدار محور بنالیا۔ اور مہاتمابدھ کے بڑے بڑے مجسمے بنا کر انکی پوجا پاٹ شروع کر دی اور بدھ دھرم کے پیروکاروں کا ایک بڑا گروہ مہایان ہی کا ہم رنگ ومشرب بن گیا۔ ہندوستان کی قدیم تاریخی روایات وتحریرات سے معلوم ہوتا ہے کہ معاشرے کو منظم رکھنے اور چلانے کیلئے ایک حد تک قانون بھی مرتب کر لیا تھا جسکی دستاویز تین حصوں پر مشتمل تھیں:

ا۔ دھرم ساشتر، مذہبی اور اخلاقی قوانین ۲۔ ارتھ ۔سیاسی وعملی زندگی کے اصول وقوانین

۳۔ کام ساشتر جس میں عشق ومحبت کے اصول وقوانین کو منضبط کیا گیا تھا۔

ثانی الذکر ارتھ ساشتر یعنی سیاسی وملکی قوانین کو عام طور پر مطلق العنان ملوک نے اپنے اپنے مفادات کے تحفظ کیلئے مرتب کروایا تھا تو اس وجہ سے اس میں ظلم کا عنصر بھی غالب رہا۔

ا۔ اس میں بتلایا گیا تھا کہ اپنے مقاصد کے حصول کیلئے ہر قسم کے ذرائع اور ہتھکنڈے استعمال کئے جاسکتے تھے۔

۲۔ اور انٹیلی جنس ذرائع کو اختیار کر کے مخصوص لوگوں کی جاسوسی کی جاسکتی تھی۔

۳۔ دھوکہ، فراڈ، عیاری ومکاری جیسے مذموم ذرائع استعمال کر کے مقاصد کو حاصل کیا جاسکتا ہے۔

۴۔ اور ضرورتاً قتل وغارت سفاکی وبربریت کا راستہ اختیار کر کے مدمقابل کو نیست ونابود کیا جاسکتا ہے۔

Marfat.com

۵۔ اسکے ساتھ ساتھ یہ تھا کہ بادشاہ کو بہت نیک دل ہونا چاہیئے جو رعایا سے محبت کرنے والا ہو اسکے بغیر وہ رعایا بالخصوص مفتوح قبائل کی حمایت ومحبت حاصل نہیں کرسکتا۔

ہندوستان میں کنشک خاندان کے بعد گپت خاندان کی حکمرانی

کنشک خاندان کے زوال واختتام کے بعد جو حدود ہند میں عظیم الشان سلطنت قائم ہوئی وہ گپت خاندان کی حکومت تھی جو کہ ۳۲۰ء سے ۵۳۵ء تک دوسو سال قائم رہی اور خوب تزک واحتشام کے ساتھ رعب وہیبت کے ساتھ۔ اس پر شکوہ سلطنت کا بانی چندر گپت تھا جس۔ نے خوب جدوجہد کے ساتھ ۳۲۰ء میں قائم کی تھی اور اسکے بعد اسکا بیٹا سمدر گپت ۳۳۰ء میں سر بر آرائے سلطنت ہوا۔ اور ۳۷۵ء تک پورے ۴۵ سال حکومت کرتا رہا۔ نہ صرف حکومت کرتا رہا بلکہ اسکو وسعت وترقی بھی دیتا رہا۔ ہر جگہ وہر میدان میں کامیابی اسکے قدم چومتی نظر آئی جس وجہ سے بہت بڑا فاتح بن کر سامنے آیا۔ اور اسکے والد چندر گپت کے دور سے ہی دارالسلطنت موجود شہر پٹنہ کو قرار دیا جاچکا تھا تو سمدر گپت نے اپنی سلطنت کو مزید وسعت دی اور عظیم الشان مملکت بنادیا۔ اس نے پہلے پہل پورے شمالی ہند کو مسخر کیا اور پھر دکن کی طرف پیش قدم کی وہاں کے راجاؤں کو بھی خراج ادا کرنے پر مجبور کردیا۔ جنوبی ومشرقی بنگال آسام، نیپال، کابل اور گندھارا کے حکمرانوں کو بھی تابع کرلیا۔

سیلان (سری لنکا) بھی اس کے رعب وہیبت کا سکہ مانتا تھا۔ اور ''اجین'' کے حکمران بھی اسکے سامنے سرنگوں تھے۔ ویدوں کے اصول کے مطابق ایک گھوڑے کو آراستہ وپیراستہ کرکے چھوڑ دیا جاتا اور فوج مسلح ہوکر اسکے گھوڑے کے پیچھے پیچھے چلتی۔ جس علاقہ کا حکمران اس گھوڑے کا اعزاز واکرام کرتا اور خراج دینے پر آمادہ ہوجاتا وہ چھوڑ دیا جاتا جو مزاحمت کرتا وہ صفحہ ہستی سے مٹادیا جاتا۔

بکرماجیت

۳۷۵ء تا ۴۱۴ء کے دور میں سمدر گپت کا بیٹا چندر گپت ثانی کے نام ولقب سے معروف ہوا اور تخت آرائے سلطنت ہوا۔ تاریخی روایات میں بکرماجیت کے نام سے کافی مشہور ہوا اور اپنے دور کا بہت بڑا راجہ مانا جاتا تھا۔ اس نے حدود سلطنت کو کافی وسعت دی اس نے مالوہ، گجرات، سارشٹر کو فتح کرکے 'اجین' کا راج بھی خاک میں ملادیا اور اسکے زمانہ میں سلطنت کے دو بڑے مرکز تھے۔

ا۔ شمالی ہند میں اجودھیا (فیض آباد) ۲۔ مغربی ہند میں اجین۔

بکرماجیت (چندر گپت ثانی) کے دور حکومت میں سلطنت کو خوب استحکام حاصل تھا مگر ہر عروج کو زوال آتا ہے جو بعد میں قائم نہ رہ سکا۔ سلطنت زوال پذیر ہوتی گئی۔ شروع شروع میں جیسے یہ لوگ خوب بہادری وشجاعت کے ساتھ بہار سے اُٹھ کر فتح کرتے کرتے سارے ہندوستان پر چھاگئے تھے مگر بعد از زوال سلطنت صرف بہار میں ہی انکی حکومت رہ گئی تھی چراغ سحری کی طرح جلتا اور آٹھویں صدی عیسوی تک رہا۔

Marfat.com

ایک تاریخی مغالطہ اور اسکی صحیح صورتحال

مسلمانوں کی آمد سے پہلے جتنے بھی خاندان بساط ہند پر برسر اقتدار رہے ہیں۔ان میں سے صرف ایک گپت خاندان ہے جسکو صحیح معنوں میں ''ہندو'' کہا جاسکتا ہے۔

دلیل

اسلیئے کہ اس خاندان کے حکمران ہی حقیقی معنوں میں برہمن کے معتقد اور پیروکار تھے اور برہمن مت کے خوب حامی تھے۔باقی خاندانوں میں سے کوئی بھی ہندو نہ تھا اسلیئے تاریخ کی اس ٹھوس دلیل اور مضبوط شہادت کے بعد ڈنکے کی چوٹ پر یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ مسلمانوں کی برصغیر میں آمد سے پہلے کا دور کو ہندوستان کا ہندو دور نہیں بلکہ اسکو مسلمانوں کی آمد سے پیشتر کا ہندوستانی دور کہا جاسکتا ہے۔

تاریخ چیخ چیخ کر اسکی دلیل فراہم کرتی ہے لہٰذا اس بڑے مغالطہ سے کم از کم پڑھے لکھے مسلمانوں کو نکلنے کی ضرورت ہے۔

اور خاص کر وہ طبقہ جو مملکت خداداد پاکستان اور مذہب اسلام کا سچا وفادار ہے وہ خصوصی توجہ سے اس کو سمجھے اور مغالطہ سے باہر نکلے۔

ہندوستان کی سرزمین پر اُبھرنے والے دو تاریخی دھرم

۱۔برہمن مت، جسکی تفصیل گذشتہ صفحات میں گذر چکی ہے۔مختصر یہ کہ گپت خاندان کے دور حکومت میں برہمن کو خوب ترقی و عروج حاصل ہوا۔اور یہی اصل ہندوستانی ہندوؤں کے دھرم کی ترقی وکمال عروج کا دور ہے۔

۲۔منوشاستر: جوکہ منو نے دھرم شاستر کے نام سے ایک جدید دھرم تیار کیا جو رفتہ رفتہ اہل ہند میں مقبول ہوتا چلا گیا اور آگے چل کر انکے پورے معاشرتی وسماجی اقدار پر خوب خوب اثرانداز ہوا۔

اور اسکی چند ایک اصول وضوابط حسب ذیل ہیں:

۱۔بیوہ عورتوں کا مرحوم شوہر کی ''چتا'' کے ساتھ جل کر مرنا۔

۲۔مختلف قسم کی سزاؤں کو رواج دیا گیا۔

۱۔کھال اتارنا۔ ۲۔ پھانسی دینا۔۳۔آگ میں جلانا۔۴۔ہاتھ پاؤں کاٹنا۔۵۔مالی جرمانہ کرنا۔۶۔ذات برادری سے باہر کردینا۔

۳۔مدعی صاحب حق کا مدعی علیہ کے گھر پر دھرنا دینا کہ وہ اسکا حق ادا کردے (مرن برت) اسکو اس پر مجبور کردینا۔

چین کے معروف سیاح ''فاهیان'' کی ہندوستان آمد اور کچھ چشم دید حالات وواقعات کا جائزہ

چین کا معروف سیاح بدھ یاتری ''فاهیان'' گپت خاندان کے دور حکومت میں ہی ہندوستان آیا تھا اور اس نے کچھ حالات دیکھے سنے اور اپنے سفرنامہ میں اس کا تذکرہ کیا۔جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عام طور پر جرمانے کی سزائیں دی

Marfat.com

جاتی تھیں۔ ہاتھ پاؤں کاٹنے کی سنگین وسخت سزائیں صرف ڈاکوؤں اور باغیوں کو دی جاتی تھیں۔ نیز وہ (فاھیان) شمالی ہند سیلون (سری لنکا) میں خوشحالی اور تعمیر وترقی کی خوب داد دیتا نظر آتا ہے۔ اور یہ کہ خطے میں امن وامان بھی خوب قابل رشک تھا جسکی وہ (فاھیان) اپنے الفاظ میں خوب تعریف کرتا ہے۔

ہندو فلسفہ کا عروج وکمال

حضرت سیدنا عیسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام کے زمانے سے ایک سو سال قبل اور ایک سو سال بعد یعنی ان دو سو سالہ دور میں ہندو فلسفہ نے کئی ایک ارتقائی منازل طے کرلی تھیں۔

جسکے چھ رجسٹر باقاعدہ تیار کرلئے گئے تھے جن میں مختلف قسم کی اخلاقی تمدنی معاشرتی اصول وقوانین کا تزکرہ کافی تفصیل سے موجود تھا۔ اور ان فلاسفی اصولوں کا بنیادی ماخذ وسرچشمہ ویدہی تھے جن میں مذہب کو عقل کا جامہ پہنا کر پیش کیا جاتا تھا۔ ہندو دھرم کے نزدیک نجات اس پر موقوف تھی کہ انسان جسم کے چکر سے آزاد ہو جائے۔ چنانچہ یہ طے کردیا گیا تھا کہ روح کو بذریعہ علم نجات حاصل ہوسکتی ہے۔ اس سلسلے میں جو اصول وضوابط تیار ہوتے تھے انکو چھ بنیادی کتابوں میں محفوظ کرلیا گیا تھا۔

۱۔ پورومیمانسا: جس میں قربانی کے اصول وضوابط بیان کئے گئے تھے۔

۲۔ ویسیشک شاسترا: جس میں یہ بتایا گیا تھا کہ مادے پر وقت اور جہت کے لحاظ سے کیا اثرات وتبدیلیاں مرتب ہوتی ہیں۔ روح کا تعلق یا اسکی نجات مادے کے تجزیہ وتحلیل پر موقوف ہے۔

۳۔ نیا شاستر: جس میں علم منطق کی موشگافیاں بیان کی گئی ہیں اور اسکا منظم ومرتب نظام پیش کیا گیا ہے۔ اور اس منطق کا تذکرہ ہے جس میں روح کی نجات کا علم حاصل کرنے کیلئے ضروری قرار دیا گیا ہے۔

۴۔ یوگ شاستر: اس میں بھی روح جسم کا تعلق اور اسکے مختلف زاویہ ہائے نگاہ کے حوالہ سے بحث کی گئی ہے۔

۵۔ رھم شاستر نمبر ۶ اتر میانسا: ان دونوں میں ویدوں کی مزید شروعات کی گئی ہیں۔

ادبیات وفنون لطیفہ

ہندوستان میں گپت خاندان کے عہد حکومت میں ہی علمی ادبی ماحول کو کافی فروغ ملا اور خوب ترقی ہوئی۔

کالی داس: اس دور کا معروف ومشہور شاعر گذرا ہے۔ اسکے ساتھ ساتھ فنون لطیفہ سے وابستہ لوگوں نے کئی ایک ارتقائی منازل طے کرلیں۔ اس دور کے مشہور ڈرامے ۱۔ شکنتل ۲۔ وکرم ۳۔ اروسی ۴۔ میگھ عام طور پر مشہور ہیں۔

انکے ترجمے مختلف زبانوں میں ہوچکے ہیں اور علاوہ ازیں مختلف لوگوں نے شعروادب نظم ونثر کی بڑی بڑی خدمات انجام دیں۔

علم وفن۔ تعمیر وترقی

مختلف قسم کے عمرانی علوم وفنون کو ترقی وفروغ نصیب ہوا۔ ۱۔ تعمیرات ۲۔ مصوری ۳۔ نقاشی پینٹنگ ۴۔ طب وجراحت۔ علوم میں ۱۔ علم ہیئت ۲۔ ریاضی ۳۔ الجبرا ۴۔ ہندسی کے اصول بھی واضح کرلئے گئے تھے۔

Marfat.com

ہندوستان میں اسلام

عرب بالخصوص قریش ایک تاجر قوم تھی۔ اس زمانہ کی سادگی اور آلات حمل ونقل اور رسل ورسائل کی بے حد کمی کے باوجود دنیا کی مشرق ومغرب ان کے زیر قدم تھی۔ دور دراز کے ملکوں سے اموال تجارت کی درآمد وبرآمد ان کا پیشہ تھا۔ اس تجارتی سلسلہ میں ان کے تعلقات ہندوستان کے ساتھ بھی بعث نبی کریم ﷺ سے پہلے ہی قائم تھے۔ بالخصوص مالا بار (لنکا) ان کا تجارتی مرکز تھا بہت سے عرب یہیں آباد ہو گئے تھے۔ تاریخِ فرشتہ میں ہے۔

"پیش از ظہور اسلام وبعد از ظہور اسلام طائفہ یہود ونصاریٰ برسم تجارت از راہ دریا بداں دیار (مالابار) آمد وشدمی کروند ودر آخر الامر میان مالیباریاں وایشاں بواسطہ منافع دنیوی الفتے بہم رسیدہ بعضے از بازرگانان یہود ونصارے در شہر ہائے ملیبار ساکن شدہ ومنازل وبساتین ساختند"

مشہور فرانسیسی مورخ لیبان اپنی کتاب "تمدن عرب" میں لکھتا ہے کہ۔۔۔

"عرب نے تجارتی تعلقات کو بہت بڑی وسعت اور ترقی دی وہ بہت جلد ساحل کارومنڈل، ملابار، ساٹرا، جزائر، بحر ہند کو طے کرتے ہوئے جنوبی چین تک پہنچ گئے۔"

العرب والہند قدیم تعلقات

عرب اور ہندوپاکستان کے تعلقات بہت پرانے ہیں۔ ان دونوں علاقوں بالخصوص سندھ اور جنوبی عرب کے ساحل اس قدر قریب ہیں کہ ان کے درمیان تجارتی تعلقات اور دوسرے روابط قائم ہو جانا ناگزیر تھا۔ جہاں تک طلوع تاریخ سے قبل کے واقعات کا تعلق ہے، قصص الانبیاء کی کتابوں میں لکھا ہے کہ جب ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام جنت سے نکالے گئے تو وہ پہلے لنکا یعنی ہندوستان کے جنوبی جزیرہ میں آئے اور حضرت حوا عرب میں پہنچیں۔ ان دونوں کی ملاقات جدہ میں ہوئی، عرب اور ہندوستان سے تعلق رکھنے والی ہستیوں کی یہ پہلی ملاقات تھی، جو اس کرۂ خاکی پر وقوع پذیر ہوئی۔ سبحۃ المرجان مولانا آزاد بلگرامی نے اس طرح کی کئی روائتیں جمع کی ہیں اور ان سے اپنے وطنِ مالوف کی فضیلت اور اہمیت ثابت کی ہے۔ مولانا آزاد نے اس بات کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ جب حضرت آدمؑ جنت سے نکلے تو حجرِ اسود ان کے ساتھ تھا اور آج یہی پتھر لنکا اور جنوبی ہندوستان سے ہوتا ہوا مسلمانوں کی مقدس ترین عمارت (خانہ کعبہ) میں نصب ہے۔ اس کے علاوہ عرب مصنف لکھتے ہیں کہ جنوبی ہندوستان سے جو طرح طرح کی خوشبوئیں اور پھل اور مصالحے عرب جاتے تھے اور وہاں سے ساری دنیا میں پھیلتے تھے، وہ حقیقتاً ان تحفوں کی یادگار ہیں، جو حضرت آدمؑ اپنے ساتھ جنت سے لائے تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ طوبیٰ جو عربی اور فارسی میں بہشت کا ایک درخت ہے، ہندوستان کی کئی زبانوں میں بہشت کا نام ہے۔ اسی طرح رسول اکرم ﷺ کی ایک حدیث بیان کی جاتی ہے کہ "مجھے ہندوستان کی طرف سے ربانی خوشبو آتی ہے" یہ حدیث ضعیف کے درجے سے بالاتر نہیں۔ لیکن اس سے بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے سامعین یا اس حدیث کے راوی ہندوستان سے بے خبر نہ ہوں گے۔ اقبال

Marfat.com

نے اپنی نظم میں اسی حدیث کی طرف اشارہ کیا تھا۔

ٹوٹے تھے جو ستارے فارس کے آسماں سے پھر تاب دے کے جس نے چمکائے کہکشاں سے
وحدت کی لے سنی تھی دنیا نے جس مکاں سے میر عرب کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے
میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے

لیکن عرب اور ہندو پاکستان کے درمیان قدیم الایام سے ایسے تجارتی روابط قائم ہو گئے تھے جنہوں نے دونوں علاقوں بلکہ تمام دنیا کی تاریخ پر اثر ڈالا اور جن کی تصدیق سے مورخین کا انکار نہیں۔ ہندوستان کی پیداوار اور دوسرے مال و اسباب کی اہل یورپ اور اہل مصر کو ہمیشہ سے ضرورت رہی ہے۔ عرب تاجر یہ مال جہازوں کے ذریعے ہندوستانی بندرگاہوں سے یمن اور وہاں سے خشکی کے راستے ملک شام پہنچاتے۔ جہاں یہ چیزیں پھر جہازوں میں لدتیں اور یورپ تک پہنچتیں۔

سب سے پہلے اسلام مالابار میں

عام طور پر مشہور یہ ہے کہ ہندوستان میں سب سے پہلے اسلام علاقہ سندھ میں آیا لیکن تاریخی حقیقت یہ ہے کہ اسلام ہندوستان میں سب سے پہلے مالابار، سراندیپ وغیرہ جزائر شرق الہند میں پھیلا۔ مگر یہ اشاعت جنگ و جہاد کے ساتھ نہیں ہوئی بلکہ عرب تجار کی آمدورفت کے سبب ہوئی۔ جہاد کی صورت میں اسلام کا فاتحانہ داخلہ بیشک سندھ سے شروع ہوا اور شاید اسی سبب سے اس کو ابتدائی داخلہ اسلام کہا گیا ہے۔ عربوں کی آمدورفت پہلے ہی سے مالابار میں تھی۔ لہٰذا آنحضرت ﷺ کی بعثت کا حال مالابار میں آنحضرت ﷺ ہی کے زمانہ میں لوگوں کو معلوم ہو چکا تھا۔ اس زمانہ میں مالابار کا راجہ زمورن یا سامری کے نام سے مشہور تھا جو خاندان پلویا سے تعلق رکھتا تھا۔ اس راجہ نے معجزہ شق القمر کو دیکھ کر اس عجیب واقعہ کے متعلق تحقیق و تفتیش شروع کی اور اس واقعہ کو بطور یادداشت سرکاری روزنامچہ میں درج کرایا۔ بالآخر اس کو معلوم ہوا کہ عرب کے ملک میں ایک پیغمبر پیدا ہوئے اور انہوں نے یہ معجزہ دکھایا ہے یہ سن کر راجہ نے اسلام قبول کر لیا اور تخت و سلطنت اپنے ولی عہد کو سپرد کر کے خود کشتی میں سوار ہو کر ملک عرب کی جانب روانہ ہوا لیکن راستہ ہی میں فوت ہو کر ساحل ملک یمن میں مدفون ہوا۔ راجہ کا یہ سفر چونکہ عام اطلاع کے بغیر پوشیدہ طور پر عمل میں آیا تھا لہٰذا لوگوں نے راجہ کے اس طرح غائب ہو جانے کی حقیقت کو نہ سمجھا۔ انہی ایام میں کچھ مسلمان تاجر سراندیپ میں آئے اور اسلام کا پیغام ساتھ لائے۔ جن عربوں نے اس جزیرہ میں تجارتی ضرورتوں کے سبب بودوباش اختیار کر لی تھی اول وہ مسلمان ہوئے اور پھر بہت جلد جزیرہ میں اسلام پھیلنے لگا حتیٰ کہ سراندیپ کا راجہ بھی مسلمان تھا۔ فرشتہ کے الفاظ یہ ہیں:۔

''ہر آئینہ حاکم سراندیپ از ایاں دیگر مواضع ہندوستان بر حقیقت اسلام مطلع شدہ در عہد صحابہ کرام مقلد قلادہ شریعت مصطفوی گردیدہ بود''

سراندیپ کے بعد ہی لکادیپ مالدیپ اور مالابار میں اسلام پھیل چکا تھا۔ مالابار میں اسلام نے اس لئے اور بھی جلد

Marfat.com

جلد ترقی کی اسلام کی مساوات ورواداری، ذات پات کی قیود کو دور کر کے مظلوم ومغلوب لوگوں کیلئے ایک اب رحمت اور سامان ترقی تھی۔ مالا بار کا راجہ بھی دوسری صدی ہجری کے اوائل میں چند مسلمان سیاحوں کے ہاتھ پر مشرف با اسلام ہو گیا۔ عجائب الانظار کی روایت کے موافق اس وقت کا راجہ چیرامن پیرو مل تھا اس نے بھی مشرف با اسلام ہونے کے بعد امور سلطنت اپنے نائبین کے سپرد کر کے حجاز مقدس کے سفر کا قصد کیا مگر عجائب اتفاق سے یہ بھی وہاں نہ پہنچ سکا راستہ ہی میں انتقال ہو گیا۔ آخر وقت میں اپنے رفقاء کو وصیت کی کہ مالا بار واپس آئے۔ نائب السلطنت نے ملک کے تمام سرداروں کو راجہ کے خط کا مضمون لکھ بھیجا جس کے سبب راجہ کی قوم کے آدمی بکثرت اسلام میں داخل ہو گئے۔ مالک بن دینار وغیرہ نے کدنگلور (کالیکٹ) میں مسجد تعمیر کی اور اس کے بعد کل مالا بار کا دورہ کیا جا بجا لوگ اسلام میں داخل ہوئے اور مسجدیں تعمیر ہوئیں۔ پھر یہ حضرات دورہ کرتے ہوئے ساحل کارومنڈل تک پہنچے۔ وہاں بھی بکثرت لوگوں نے اسلام قبول کیا اور مسجدیں تعمیر ہوئیں۔ اس کے بعد جنوبی ہند کی طرح بحر الکاہل کے جزائر جاوا، سماٹرا، سنگاپور، ملایا وغیرہ میں بھی اسی طرح اسلام پھیلنا شروع ہوا اور بہت جلد ان بلاد میں عام ہو گیا (یہ تمام مضمون تاریخ فرشتہ سے ماخوذ ہے) الغرض محمد بن قاسم ثقفی کے حملہ اور فتح سندھ سے پہلے جنوبی ہند سراندیپ اور مالا بار وغیرہ میں اسلام پھیل چکا تھا۔ اور تفصیل مذکور سے ظاہر ہے کہ ان بلاد میں اسلام کا داخلہ محض تبلیغی صورت سے ہوا۔ قہر وغلبہ اور جنگ وجہاد کا اس میں دخل نہ تھا۔

باب الاسلام

برصغیر پاک وہند میں سندھ کو باب الاسلام کہا جاتا ہے۔ یہاں اور برصغیر کے دوسرے مقامات میں ۲۵ صحابہ کرامؓ کی تشریف آوری تاریخ سے ثابت ہے اور پہلی صدی ہجری میں ۳۶۔ دوسرے حضرات بھی تشریف لائے جنہوں نے اس خطہ ارض کو دین کے انوار سے منور کیا۔ سب سے پہلے بمبئی کے قریب تھانہ بندرگاہ میں عربوں نے حملہ کیا اور ٹھٹھہ قریب دیبل پر بھی اسی زمانے میں وہ حملہ آور ہوئے تھے۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں سیستان فتح ہو گیا تھا لیکن یہاں کی بغاوتوں کو فرو کرنے کے لئے حضرت عثمانؓ کے زمانے میں حضرت عبدالرحمٰن سمرہؓ (صحابی) نبرد آزما ہوئے اور اُن تمام علاقوں پر قابض ہو گئے جو آج کل مکران اور سیستان میں شامل ہیں۔ گویا خلفائے راشدینؓ کے عہد زرین ہی میں برصغیر کے مختلف علاقوں میں اسلام کا پرچم لہرانے لگا اور پھر مختلف ادوار میں یہاں کے لئے مسلمان سردار مقرر کئے جانے لگے۔ (تاریخ فرشتہ)

اراضی سندھ کی کیفیت بتلانے سے پہلے یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ آج کل صوبہ سندھ جس مختصر سے خطہ زمین کا نام ہے آج سے بارہ سو سال پہلے سندھ صرف اس محدود خطہ کا نام نہیں تھا بلکہ وہ ایک طویل وعریض اور وسیع ملک تھا۔ اس زمانہ کے مورخین جس ملک کو سندھ کے نام سے موسوم کرتے ہیں وہ مغرب میں مکران تک جنوب میں بحر عرب اور گجرات تک مشرق میں موجودہ ملک مالوہ کے وسط اور راجپوتانہ تک شمال میں ملتان سے اوپر گزر کر جنوبی پنجاب کے اندر تک پھیلا ہوا تھا۔ اس میں پنجاب کے جنوبی اضلاع بلوچستان کا اکثر حصہ صوبہ سرحد کا جنوبی حصہ، راجپوتانہ کا اکثر حصہ، گجرات کا شمالی حصہ مع موجودہ ملک

Marfat.com

سندھ کے تھا۔مورخین نے راجہ چچ اور اسکے پیش رو راجہ کے جو حدود حکومت بیان کئے ہیں وہ اس مذکورہ سندھ سے بھی زیادہ وسیع ہیں لیکن عرب حملہ آوروں اور ان کے مورخین نے جس ملک کو سندھ کے نام سے تعبیر کیا ہے۔(آئینہ حقیقت نما ص 69)

فتوح السندھ اراضی سندھ وملتان وغیرہ

فتوح البلدان میں علامہ بلاذری نے فتوح السندھ کی جو تفصیل دی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فتوح سندھ و ہند کا ابتدائی سلسلہ تو حضرت فاروق اعظمؓ کے عہد خلافت ہی میں شروع ہو چکا تھا۔عہد فاروقی ۱۵ ہجری میں سب سے پہلے عثمان بن ابی فاروق اعظمؓ نے پسند نہ فرمایا اور یہ ویسے ہی واپس ہو گئے۔پھر حضرت عثمان غنیؓ نے اپنے عہد خلافت میں چند لوگ ہندوستان کے حالات دریافت کرنے کے لئے بھیجے مگر حملہ وجہاد کی نوبت نہیں آئی۔پھر حضرت علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ کے عہد خلافت میں حارث بن مرہ عبدی بطور خود سرحد سندھ پر حملہ آور ہوئے اور ایک حد تک کامیاب ہوئے پھر حضرت معاویہؓ کے عہد خلافت ۴۴ھ میں مہلب ابن ابی صفرہ (جن کو اکثر حضرات نے صحابی قرار دیا ہے اور ان سے ایک حدیث بھی روایت کی ہے، بعض نے ان کی صحابیت سے انکار کیا ہے۔(اصابہ للحافظ ابن حجر) کابل قندھار کی بغاوت فرو کرنے کے لئے اس طرف آئے۔بنہ،اہواز، قیقان، میں مقابلے ہوئے۔یہاں کے باغی موجودہ سندھ میں آکر پناہ گزین ہو گئے۔حضرت مہلب نے ان کا تعاقب کیا۔دریائے سندھ کو عبور کر کے ملتان تک فتح کیا۔اسی لئے بہت سی مستند تاریخوں میں ہندوستان کا فاتح اول مہلب ابن صفرہ کو قرار دیا ہے۔مگر مہلب ابن صفرہ کو پھر دوسری مہمات پر جانا پڑا اور پھر راجہ چچ ان پر غالب آگیا۔

(فتوح البلدان للبلاذری۔فتوح البلدان لزینی وحلان، تاریخ فرشتہ، آئینہ حقیقت نما)

الغرض سرحد ایران کی بغاوت فرو کرنے یا باغیوں کا تعاقب کرنے کے سلسلہ میں چھوٹے چھوٹے حملے اور وقتی وہنگامی فتوحات کا سلسلہ تو کچھ پہلے سے شروع تھا مگر مستقل طور پر سندھ فتح کرنے کیلئے خلافت اسلامیہ کی طرف سے باقاعدہ حملہ کی ابتداء ۸۹ھ میں خلیفۂ وقت ولید بن عبدالملک کے حکم سے ہوئی اور اس کا انتظام والی عراق حجاج بن یوسف ثقفی کے سپرد ہوا۔اور سبب محرک اس حملہ کا یہ ہوا کہ حاکم سراندیپ جو پہلے مسلمان ہو چکا تھا اس نے کچھ تحائف وہدایا خلیفہ وقت ولید بن عبدالملک کے لئے اور کچھ مسلمان مسافر تجارت وحجاج کے آٹھ جہاز سراندیپ روانہ کئے تھے۔جب یہ جہاز باب عجم (ساحل سندھ) کے قریب پہنچے تو سندھ کے راجہ داہر کی طرف سے چھوڑے ہوئے ڈاکوؤں نے ان جہازوں کو گرفتار کر لیا ور دیبل بندرگاہ سندھ پر لاکر مال واسباب لوٹ لیا اور مسلمان مسافروں کو قید کر لیا۔کچھ لوگ بچ نکلے اور عراق پہنچ کر حجاج بن یوسف سے واقعہ بیان کیا اور استغاثہ کیا۔حجاج نے راجہ داہر کے نام خط لکھا کہ ہمارے مسلمان تجارت اور حجاج کو فوراً رہا کردو اور ان کے اموال واپس دو۔ راجہ داہر نے اس کا مغرورانہ اور لغو جواب دیا۔اس وقت حجاج بن یوسف نے امیر المومنین ولید بن عبدالملک سے سندھ پر جہاد کی اجازت طلب کی اور باذن امیر المومنین اول چند مختصر فوجی دستے سرحد سندھ پر بھیجے مگر راجہ داہر نے کافی قوت فراہم کی ہوئی تھی وہ کافی نہ ہوئے تو پھر ۸۹ھ میں چھ ہزار شامی وعراقی عربوں کا لشکر محمد بن قاسم ثقفی کی قیادت میں سندھ پر بھیجا گیا۔

(تاریخ کامل ابن اثیر ص ۲۰۵ ج۴ و فتوح البلدان للبلاذری)

Marfat.com

تاریخ فرشتہ نے اس واقعہ کو با الفاظ ذیل لکھا ہے۔

حاکم سراندیپ چوں بسلطاین اسلام اعتقاد فراوان داشت از دریا کشتی مملواز تحف وہدایا وغلامان وکنیزان جہت ولید روانہ دارالخلافت ساخت وچوں بحوالی باب عجم رسیدند مردم لومک کہ بہ حکم حاکم دیبل برروئے دریا متردد بودند سرراہ برائے کشتی گفتہ بالفت کشتی دیگر تبصرف درآورند و اموال و اشیائے کہ درانہابوداز کود گرفتہ چند زنان مسلمان کہ از سراندیپ رواجہ حج بودند آنہارا اسیر ساختند وجمعیکہ ازدست آں کفار اشرار توفیق گریختن یافتہ بودند نزد حجاج رفتہ داد کواہ شدند۔ حجاج مکتوبے بحاکم سندھ داہر بن صصہ نوشتہ نزد محمد ہارون فرستادتابدست معتمدان خود نزد داہر فرستند۔ داہر بعد ورود نامہ و اطلاع بر مضمون آں درجواب نوشت کہ ایں عمل ازقومے بوقوع آمدہ کہ درکمال شوکت وقوت اندہ بدستیاری سعی دفع آں گروہ پرشکوہ متصور نیست چوں یاں خبر بحجاج رسیداز ولید بن عبدالملک رخصت غزا حاصل کردہ وبدیل شخصے راباسی ۳۰۰ صد سوار نز محمد بن ہارون فرستاد‘‘

محمد بن قاسم

حالات زندگی

محمد بن قاسم ۷۵ ہجری میں طائف میں پیدا ہوا تھا۔ اس کا پورا نام عمادالدین محمد بن قاسم تھا۔ اس کا تعلق قبیلہ ثقیف سے تھا۔ محمد بن قاسم ابھی بچے ہی تھے کہ ان کے والد وفات پا گئے۔ اس کی والدہ بہت قابل خاتون تھیں۔ انہوں نے بچے کی بہترین تربیت کی۔ اسے مسجد میں لکھنا پڑھنا سکھایا۔ محمد بن قاسم نے قرآن مجید پڑھنے کے بعد دیگر کئی علوم پر بھی دسترس حاصل کرلی۔ محمد بن قاسم کو گھڑ سواری اور فن حرب کی تربیت کا بہت شوق تھا۔ جب حجاج کو عراق کا گورنر مقرر کیا گیا تو محمد بن قاسم کی والدہ نے اپنے بیٹے کو اس کی خالہ کے پاس بھیج دیا۔ جو حجاج بن یوسف کی بیوی تھی۔ محمد بن قاسم نے بصرہ میں رہ کر بہترین تعلیم و تربیت پائی۔ حجاج بن یوسف کا پورا خانوادہ محمد بن قاسم کو بہت پسند کرتا تھا۔ حجاج بن یوسف نے اس لڑکے کی صلاحیتوں کو دیکھ کر اسے فوج میں اعلیٰ عہدے پر فائز کر دیا۔

سیرت و کردار

محمد بن قاسم جرات و دلیری اور مستقل مزاجی میں اپنی مثال آپ تھا۔ وہ آرام طلب اور عیش پسند نہ تھا۔ سپاہیانہ زندگی کے لئے جن عادتوں اور خصلتوں کی ضرورت ہوتی ہے وہ محمد بن قاسم میں موجود تھیں۔ دلیری کے جوہر اس میں کچھ تو قدرتی تھے اور کچھ حجاج کے زیر تربیت رہنے سے پیدا ہوئے۔ وہ بہترین شہسوار، شمشیر زن، شہ زور پہلوان اور ماہر فن سپاہی تھا۔ وہ نہایت بردبار، شیریں گفتار، دور اندیش اور مستقل مزاج تھا۔ ان خوبیوں کے علاوہ اس کی جنگی قابلیت نے اسے فوجیوں میں بہت مقبول بنادیا تھا۔ وہ اپنے سپاہیوں کے خون کے ایک ایک قطرے کو عزیز جانتا تھا۔ اسی وجہ سے وہ فوج کا ہر دلعزیز کمانڈر تھا۔ ہر سپاہی اس کے اشارے پر جان قربان کر دینا اپنا فرض سمجھتا تھا۔

Marfat.com

محمد بن قاسم نے اپنے عدل وانصاف اور رواداری کی وجہ سے بھی شہرت حاصل کی۔ مورخین نے لکھا ہے کہ جب اسے گرفتار کر کے واپس بھیجا گیا تو ہندوستان کے لوگوں کو بہت صدمہ ہوا اور انہوں نے رونا شروع کر دیا۔ کچھ لوگوں نے تو اس کی مورتیاں بھی بنالیں۔

کارنامے

کرد قبائل کی سرکوبی

90 یا 91 ہجری میں پندرہ سال کی عمر میں پہلی بار حجاج بن یوسف نے فارس (ایران) کے کرد قبائل کی سرکوبی کے لئے محمد بن قاسم کی قیادت میں ایک لشکر بھیجا۔ محمد بن قاسم نے اپنے لشکر کی مدد سے کردوں پر حملہ کیا۔ کردوں نے مزاحمت کی کوشش کی مگر محمد بن قاسم سے شکست کھا گئے۔

سندھ کی فتوحات

حجاج بن یوسف نے محمد بن قاسم کو فارس کی فتح کے بعد سندھ کی طرف روانہ کیا۔ سندھ پر حملے کی درج ذیل وجوہات تھیں:

ا۔ اسلامی حکومت کے کئی باغیوں نے سندھ کے راجا داہر کے ہاں پناہ لی ہوئی تھی۔ حجاج بن یوسف نے مطالبہ کیا تو راجا داہر نے انہیں واپس کرنے سے انکار کر دیا۔

۲۔ سندھ کی آبادی زیادہ تر بدھ مت کے پیروکاروں پر مشتمل تھی۔ راجا داہر ان پر سخت ظلم وتشدد کرتا تھا۔ سندھ کے باشندوں نے حجاج کے پاس کئی وفد بھیجے کہ وہ انہیں راجا داہر کے ظلم سے نجات دلائے۔

۳۔ اس حملے کا سب سے بڑا سبب ایک واقعہ تھا۔ لنکا میں کچھ عرب تاجر آباد تھے۔ ان میں سے کئی عرب لاوارث بچوں اور عورتوں کو جہاز پر سوار کر کے عرب بھیج دیا اور خلیفہ کے لئے قیمتی تحائف بھی بھیجے۔ جب یہ جہاز دیبل کی بندرگاہ کے قریب پہنچا تو سندھ کے بحری ڈاکوؤں نے اس جہاز کو لوٹا۔ عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر لیا۔ کہتے ہیں کہ گرفتاری کے وقت ایک مسلمان عورت نے دہائی دی حجاج! میری مدد کرو۔ حجاج کو خبر ہوئی تو اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا اور اس نے راجا داہر کو لکھا کہ قیدیوں کو فوراً رہا کر دے اور مالی نقصان کی تلافی کی جائے۔ راجا داہر نے جواب دیا کہ سمندری ڈاکو میری زد سے باہر ہیں اس لئے آپ کے حکم کی تعمیل سے قاصر ہوں۔ حجاج نے عبید اللہ کی قیادت میں ایک لشکر تیار کر کے سندھ پر حملے کیلئے بھیجا۔ راجا داہر کی فوجوں نے اس لشکر کو شکست دیدی۔ اس کے بعد ایک دوسری مہم سندھ روانہ کی گئی مگر وہ بھی شکست کھا گئی۔ حجاج بن یوسف نے اپنے داماد محمد بن قاسم کو یہ مہم سر کرنے کے لئے منتخب کیا۔ محمد بن قاسم اس وقت فارس کا حکمران تھا اور اس کی عمر قریباً سترہ برس تھی۔ محمد بن قاسم خشکی کے راستے دیبل کی طرف بڑھا۔ منجنیق اور دیگر بھاری سامان بھی ساتھ لے لیا گیا۔

دیبل کی تاریخ

دیبل قدیم زمانہ میں ایک شہر تھا جس کا محل وقوع موجودہ شہر کراچی کے آس پاس تھا۔ کراچی شہر تو ایک جدید بستی ہے

Marfat.com

جس کی عمر دو سو سال سے زائد نہیں۔ مورخ نجیب آبادی نے آئینہ حقیقت نما ص ۷۰ میں بتلایا ہے کہ دیبل اُس زمانہ میں سندھ کی سب سے بڑی بندرگاہ تھی۔ اس کے وسط میں بودھو کا ایک مندر تھا جس کو دیول کہتے تھے۔ اسی کے نام سے اس شہر کا نام دیول یا دیبل مشہور ہو گیا۔

ہندو سندھ کی تاریخ لکھنے والوں نے مختلف قیاسات اس کے محل وقوع کے متعلق قائم کئے ہیں۔ بعض نے کہا کہ کراچی کی بندرگاہ کیماڑی سے کچھ فاصلے پر جو جزیرہ منوڑہ کے نام سے مشہور ہے اور اس کے پہاڑ پر ایک قلعہ قدیم زمانہ کا ہے یہی مقام قدیم زمانہ میں دیبل کے نام سے مشہور تھا۔ اس کی بڑی وجہ یہ بتلائی جاتی ہے کہ اسی مقام پر قدیم زمانہ سے ایسا مینار بنایا ہوا ہے جو ہر طرف سے آنے جانے والے جہازوں کو روشنی اور رہنمائی دیتا ہے اور اسی مینارہ کی وجہ سے اس کا نام منوڑہ معمولی تغیر کے ساتھ مشہور ہو گیا۔ اور قدیم تاریخیں اس پر متفق ہیں کہ محمد بن قسم جب دیبل پر اترے تو وہاں ایک بڑی مستحکم منارہ تھا جس کو منہدم کیا گیا۔ ان علامات و قیاسات کی وجہ سے بعض حضرات نے منورہ ہی کو دیبل قرار دیا ہے بعض حضرات نے شہر ٹھٹھہ کو دیبل بتلایا ہے جو قدیم زمانہ میں سندھ کا عظیم ترین شہر تھا۔ علامہ حموی نے معجم البلدان میں اس کا نام اور محل وقوع اس طرح متعین کیا ہے کہ دیبل بفتح اول و سکون ثانیہ و باء موحدہ مضمومہ و لام۔ بحر الہند کے ساحل پر ایک مشہور شہر ہے جو اقلیم دوم میں واقع ہے اس کا طول بلد جانب مغرب سے ۹۲ درجہ ۲۰ دقیقہ اور عرض البلد جانب جنوب سے ۲۴ درجہ ۳۰ دقیقہ ہے اور یہ بتلایا ہے کہ لاہور ملتان وغیرہ کے دریا اسی کے قریب سمندر میں گرتے ہیں اور فرمایا کہ محدثین کی فہرست میں بہت سے راوی حدیث اس شہر کی طرف سے منسوب ہیں۔ انہی میں سے ابو جعفر محمد بن ابراہیم دیبلی ہیں جنہوں نے مکہ مکرمہ میں اقامت کر لی تھی۔ سعید بن عبدالرحمٰن مخزومی اور حسین بن حسن مروزی سے حدیث کی روایت کرتے تھے ان کے فرزند ابراہیم بن محمد دیبلی بھی روای حدیث ہیں۔ موسیٰ ابن ہارون سے حدیث روایت کرتے ہیں۔ (معجم البلدان حموی ص ۴۹۵ ج ۸)

علامہ حموی نے جو دیبل کے محل وقوع کا پتہ دیا ہے کہ لاہور و ملتان وغیرہ کے دریا اسی کے قریب سمندر میں گرتے ہیں یہ پتہ اس مقام کا نشان دیتا ہے جو شہر کراچی سے شمال مشرق میں تقریباً ۵۰ میل پر آج بھی ڈابے جی کے نام سے معروف ہے۔ اسی نام سے یہاں کا ریلوے اسٹیشن ہے جو کراچی پشاور کی بڑی لائن پر واقع ہے۔ حموی کے بتلائے ہوئے محل وقوع کی تائید حال میں اس واقعہ سے ہو گئی کہ ڈابے جی اسٹیشن سے چند فرلانگ کے فاصلے پر ساحل سمندر پر ایک قدیم قلعہ کے کچھ نشانات پائے گئے تو پاکستان کے محکمہ آثار قدیمہ نے اس کی کھدائی شروع کی۔ پورا قلعہ مٹی کی تہہ میں دبا ہوا برآمد ہوا جس میں کھدائی کے دوران کچھ قبریں بھی پائی گئیں جن میں مردوں کے ڈھانچے سالم موجود ہیں ان ڈھانچوں کو محکمہ نے آئینہ کے خول کے ذریعے محفوظ کر دیا ہے۔ ان مردوں کے ڈھانچے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ باقاعدہ دفن کئے گئے ہیں۔ سب کا رخ قبلہ کی طرف ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسلمان شہداء ہیں جو فتح دیبل کے وقت شہید ہوئے ہیں۔ بعض لاشوں کے اندر تیر پیوست ہیں تیر کا حصہ بھی اسی طرح موجود ہے۔ اسی قلعہ کے نیچے سندھ کی قدیم صنعت رنگسازی کے ایک بڑے کارخانے کے نشانات بھی کھدائی میں برآمد ہوئے ہیں۔ اسی کے ساتھ ایک بڑی جامع مسجد کی محراب اور بنیاد نکلی ہیں، تاریخ ابن اثیر میں ذکر کیا ہے کہ جب محمد بن قاسم

Marfat.com

اپنے چار ہزار لشکر کے ساتھ دیبل میں اترے تو راجہ داہر کا بیٹا کیشب (جس کا نام اردو تاریخوں میں جیسیہ بتلایا گیا ہے) مقابلہ پر آیا۔ تاریخ کامل کی روایت پر تین دن اور بعض اردو مورخین کی روایت پر آٹھ دن مقابلہ رہا۔ بلآخر جیسیہ کا لشکر کچھ تو ہلاک ہو گیا۔ باقی ماندہ لشکر کو لیکر وہ رات میں فرار ہو گیا۔ محمد بن قاسم نے چار ہزار مسلمان دیبل میں اتار دیئے اور جامع مسجد تعمیر کی۔

(کامل ابن اثیر ص ۲۰۵ ج ۴)

کامل ابن اثیر میں اس مقام پر محمد بن قاسم کا جامع مسجد بنانا بھی مذکور ہے۔ موجودہ برآمد شدہ قلعہ کے پہلو میں اس جامع مسجد کا ہونا بھی اسی مقام کو دیبل قرار دینے کا پتہ دیتا ہے۔ اس مقام کا نام ڈابے جی بھی ممکن ہے دیبل جی سے بدل کر بنا ہو۔ دیبل چونکہ بدھ مذہب کا مذہبی شعار تھا اس لئے اس کے ساتھ لفظ جی کا تعظیمی لگا دینا بعد نہیں اور اس کا اصل نام دیبل جی ہونے کے بعد عوام کے زبان زدہ ہو کر ڈابے جی بن جانا بھی کچھ مستبعد نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

دیبل کی فتح

محمد بن قاسم نے سب سے پہلا حملہ دیبل کی بندرگاہ پر کیا۔ شہر کے لوگ قلعے میں محصور ہو گئے اور اسلامی لشکر کا مقابلہ کرنا شروع کر دیا۔ شہر کے لوگ چونکہ قلعے کے اندر محصور تھے اس لئے محمد بن قاسم نے منجنیق سے پتھر برسانے کا حکم دیا مگر دیبل کے باشندوں نے ہتھیار نہ ڈالے۔ مسلسل ایک ماہ تک سلسلہ جاری رہا اور شہر والے برابر مدافعت کرتے رہے۔ مسلمانوں کو پتا چلا کہ شہر کے وسط میں ایک مندر ہے جس کے اوپر ہر وقت ایک سرخ جھنڈا لہراتا ہے جب تک یہ جھنڈا اپنی جگہ قائم رہے گا ہندو ہتھیار نہیں ڈالیں گے۔ محمد بن قاسم نے حکمت عملی سے کام لیتے ہوئے حکم دیا کہ "عروس" نامی منجنیق کے ساتھ اس جھنڈے کو نشانہ بنایا جائے۔ یہ بہت بڑی منجنیق تھی جس پر پانچ سو آدمی کام کرتے تھے۔ مسلمانوں نے سنگباری سے جھنڈے کو گرا دیا۔ جھنڈا گرتے ہی ہندوؤں میں خوف وہراس پھیل گیا کیونکہ وہ توہم پرست تھے۔ جھنڈا گرتے ہی مسلمانوں نے ہلہ بول کر شہر پر قبضہ کر لیا۔ فتح دیبل کے بعد جو شخص ہتھیار بند اور برسر مقابلہ تھے گرفتار کر کے محمد بن قاسم کے سامنے لائے گئے۔ عام باشندگان کے لئے معافی اور امن وامان کا اعلان ہوا۔ دیبل کے جیل خانہ کا محافظ بھی گرفتار ہو کر سامنے آیا جو ایک پنڈت تھا اس نے بیان دیا کہ میں قدیم زمانہ سے مسلمانوں کے ساتھ اعتقاد رکھتا ہوں اور سرحد سندھ پر سب سے پہلے حملہ میں جو مسلمان قید کر لئے گئے تھے میں نے ان کو بہت آسائش کے ساتھ رکھا ہے اور آپ کے یہاں داخل ہوتے ہی ان کو آزاد کر دیا ہے۔ محمد بن قاسم نے اس کے بیان کی تحقیق وتصدیق کے بعد اس پنڈت کی قدر شناسی کی اور شہر دیبل کا حاکم اعلیٰ اسی کو مقرر کر کے حمید بن ذراع کو اس کی ماتحتی میں دیبل کا شحنہ (پولیس افسر) مقرر کیا۔ غیر مضافی لوگ اور ان کی جائیداد و اموال سب بالکل محفوظ رہے۔ سامان جنگ، شاہی اموال وخزائن جو دیبل میں موجود تھے وہ فاتحین کے قبضہ میں آئے۔ ان اموال کا پانچواں حصہ حجاج کے پاس روانہ کیا گیا باقی فوج میں تقسیم ہوئے۔ (آئینہ حقیقت نما ص ۸۶)

اور علامہ بلاذری کے فتوح البلدان میں دیبل کی فتح قہر وغلبہ کے ساتھ بیان کرنے کے بعد لکھا ہے۔

Marfat.com

واعطی محمد للمسلمین بھا و بنی مسجد او انزلھا اربعۃ آلاف (ص ۴۲۵)

''محمد بن قاسم نے دیبل میں مسلمانوں کو جائیدادیں دیں اور مسجد بنائی اور چار ہزار مسلمان یہاں اتار دیئے''

حیدر آباد کی فتح

دیبل فتح کرنے کے بعد محمد بن قاسم حیدر آباد کی طرف بڑھا۔ یہاں کا حاکم بدھ مت کا پیروکار اور صلح جو انسان تھا۔ دیبل کا انجام اسے معلوم تھا، اسلئے اس نے مصلحت اسی میں سمجھی کہ لڑائی نہ کی جائے۔ اس نے محمد بن قاسم سے مقابلہ کرنے کی بجائے ہتھیار ڈال دیئے۔ اس طرح حیدر آباد بغیر لڑائی کے مسلمانوں نے فتح کرلیا۔ محمد بن قاسم ہر مفتوحہ علاقے کے باشندوں سے نہایت اچھا سلوک کرتا تھا اور ان کی عبادت گاہوں کو بدستور قائم رہنے دیتا تھا۔ انہیں مذہب کے معاملے میں پوری آزادی دیتا تھا۔

راجا داہر کو شکست

اسی زمانے میں محمد بن قاسم کو معلوم ہوا کہ راجا داہر ایک بڑے لشکر کے ساتھ دریائے سندھ کے کنارے پہنچ گیا ہے۔ محمد بن قاسم فوراً روانہ ہوا اور دریا کی دوسری طرف پہنچ کر ڈیرے ڈال دیئے۔ رات کی تاریکی میں مسلمان دریا کے پار چلے گئے اور صبح ہوتے ہی راجا داہر کی فوجوں پر دھاوا بول دیا۔ سخت خونریز معرکہ ہوا۔ راجا داہر بھی بہادری سے لڑا مگر ایک عرب نے بڑھ کر اس کا کام تمام کردیا۔ راجا داہر کے قتل ہونے سے اس کی فوج کی ہمت پست ہوگئی اور وہ برہمن آباد کی طرف بھاگ گئی۔ محمد بن قاسم نے فوج کا پیچھا کیا اور ایک خونریز معرکے کے بعد برہمن آباد پر بھی قابض ہوگیا۔ اس معرکے میں راجا داہر کی رانی بھی گرفتار ہوئی۔ محمد بن قاسم نے خلیفہ سے اجازت لے کر اس سے نکاح کرلیا۔

راور کی فتح

برہمن آباد میں نظم ونسق قائم کرنے کے بعد محمد بن قاسم راور روانہ ہوا۔ راجا داہر کا بیٹا گوپی مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لئے تیاریاں کررہا تھا۔ تمام ہمسایہ راجاؤں نے اس کی مدد کی۔ انہوں نے اسے یقین دلایا کہ راجا داہر قتل نہیں ہوا بلکہ کمک حاصل کرنے کے لئے ہندوستان گیا ہوا ہے۔ اس طرح راجا داہر کے بیٹے نے راور میں مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک بہت بڑا لشکر تیار کرلیا۔ محمد بن قاسم کو پتہ چلا تو وہ فوراً راور پہنچا اور شہر کا محاصرہ کرلیا۔ اہل شہر نے ثابت قدمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے محمد بن قاسم کے لشکر کا بھرپور مقابلہ کیا۔ انہیں پوری اُمید تھی کہ راجا داہر ہماری مدد کے لئے ضرور لشکر لے آئے گا۔ محمد بن قاسم کو لوگوں کی اس غلط فہمی کی خبر ملی تو اس نے رانی لاڈلی کے ذریعے شہر والوں کو یہ اطلاع بھیجی کہ راجا داہر قتل ہوچکا ہے۔ لہٰذا تم اطاعت کرلو۔ اہل شہر نے یہ خبر سن کر ہتھیار ڈال دیئے اور شہر کے دروازے کھول دیئے۔ راجا داہر کے بیٹے نے یہ حالات دیکھے تو کیرج کی طرف بھاگ گیا۔

Marfat.com

ملتان کی فتح

راور پر قبضہ کرنے کے بعد محمد بن قاسم دریائے چناب سے ہوتا ہوا ملتان پہنچا۔ وہاں کے راجا نے مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی مگر بری طرح پسپا ہوا اور قلعہ بند ہوگیا۔ مسلمانوں نے شہر کا محاصرہ کرلیا۔ قریباً دو ماہ تک محاصرہ جاری رہا۔ محاصرے کے دوران ملتان کے ایک باشندے نے مسلمانوں کو ایسے تالاب کی خبر دی جہاں سے سارے شہر کو پانی جاتا تھا۔ مسلمانوں نے اس تالاب پر قبضہ کر کے شہر کا پانی بند کردیا۔ بالآخر شہر والوں نے مجبور ہو کر اطاعت کرلی۔ اس کے بعد محمد بن قاسم پنجاب کے دوسرے شہروں کی طرف بڑھا اور دریائے بیاس تک پہنچ گیا۔ اسی دوران خلیفہ ولید کی وفات ہوگئی۔ محمد بن قاسم کو خلیفہ کی وفات کی خبر سن کر واپس جانا پڑا۔

محمد بن قاسم کی خدمات

محمد بن قاسم نے ہندوستان میں اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی۔ اس نے ہندوستان میں اسلام کا ایسا بیج بویا جو رفتہ رفتہ پرورش پا کر ایک تناور درخت بن گیا۔ محمد بن قاسم نے ہندوستان سے تمام ظالمانہ قوانین ختم کردیئے اور راستوں کو پُرامن بنادیا۔

دینی خدمات

عبادت گاہوں کا تحفظ

ہندوستان کی اکثریتی آبادی ہندو مذہب کی پیرو تھی۔ ہندوؤں نے جگہ جگہ مندر تعمیر کئے ہوئے تھے۔ محمد بن قاسم نے ہندوؤں کی کسی عبادت گاہ کو نقصان نہیں پہنچایا۔

مساجد کی تعمیر

محمد بن قاسم جس علاقے کو بھی فتح کرتا وہاں مسجد ضرور تعمیر کرواتا تھا۔ اس نے مساجد کی تعمیر کا آغاز دیبل سے کیا۔ یہ بہت بڑی مسجد تھی۔ اس میں بیک وقت کئی ہزار لوگ نماز ادا کرسکتے تھے۔ اس کے علاوہ ملتان اور برہمن آباد میں بھی مساجد تعمیر کی گئیں۔

اسلام کی تبلیغ واشاعت

محمد بن قاسم نے برصغیر میں اسلام کی تبلیغ کے لئے مختلف تبلیغی وفود تشکیل دیئے۔ ان تبلیغی وفود کو مختلف علاقوں میں اسلام کی تبلیغ کے لئے بھیجا جاتا تھا۔ ان مبلغین نے لوگوں کے سامنے اپنے عمل سے بھی اسلام کا نمونہ پیش کیا۔

مدارس کی تعمیر اور اہل علم کی تقرری

محمد بن قاسم نے علم کو فروغ دینے کیلئے مدارس تعمیر کئے۔ ان مدارس میں اہل علم کی تقرریاں کی گئیں جو نومسلموں کو اسلام کی حقیقت سے روشناس کراتے۔ اس سے پہلے ہندو مذہب میں تعلیم شودروں کیلئے بالکل ممنوع تھی۔

Marfat.com

لائبریریوں کا قیام

محمد بن قاسم نے علم کو فروغ دینے کے لئے مختلف لائبریریاں بھی قائم کیں، ان لائبریریوں میں اسلامی موضوعات پر کتابیں رکھی گئیں تاکہ ہندوستان کے لوگ ان کتابوں کو پڑھ کر اسلام کی حقانیت سے واقف ہوں۔

معاشی خدمات

جزیہ کا نفاذ

محمد بن قاسم نے ہندوستان کے لوگوں پر جزیہ ان کی معاشی حالت کے مطابق عائد کیا۔ محمد بن قاسم نے جزیہ وصول کرنے کے لئے بعض عہدوں پر برہمنوں کا بھی تقرر کیا۔ تاکہ ان کی دلجوئی ہوتی رہے۔

زکوٰۃ اور عشر کا نظام

محمد بن قاسم نے برصغیر میں زکوٰۃ اور عشر کا نظام نافذ کیا زکوٰۃ اور عشر سے اکٹھی ہونے والے رقم سے غریبوں کی کفالت کی جاتی تھی۔ اس طرح جلد ہی برصغیر میں خوشحالی کا دور دورہ ہو گیا۔

ٹیکسوں کے بوجھ کو کم کرنا

محمد بن قاسم سے پہلے حکمرانوں نے عوام پر ٹیکسوں کا بوجھ ڈالا ہوا تھا۔ عوام ٹیکسوں کے بوجھ تلے دبے ہوئے تھے محمد بن قاسم نے ٹیکسوں کی جگہ زکوٰۃ اور عشر کا نظام نافذ کیا جو کہ صرف امراء سے وصول کئے جاتے۔

خراج میں تخفیف

محمد بن قاسم نے سندھ کے لوگوں سے معمولی خراج وصول کیا۔ نہری زمین کی گندم اور جو کی پیداوار پر 5% حصہ اور دیگر صورتوں میں پیداوار کا ایک چوتھائی حصہ وصول کیا۔ باغات کے پھلوں پر ایک تہائی اور معدنیات پر پانچواں حصہ خراج مقرر تھا۔

ملازمین کی بحالی

محمد بن قاسم نے ہندوؤں سے اقتدار چھینا تو اس وقت اکثر عہدوں پر ہندو برہمن تعینات تھے۔ محمد بن قاسم نے پہلے سے متعین لوگوں کو ان کے عہدوں پر برقرار رکھا۔

شیخ ابوتراب تبع تابعی

موجودہ سندھ (بلکہ ہندوپاکستان) میں عہد اسلامی کی سب سے قدیمی زیارت گاہ شیخ ابوتراب کا مزار ہے۔ تحفۃ الکرام کے مصنف کا بیان ہے کہ شیخ ایک بزرگ تبع تابعی تھے اور عباسی خلفاء کے عہد حکومت میں ضلع ساکورہ اور اس علاقے کے مضبوط قلعہ تھرہ (؟) شہر بکار (بھکر) اور مغربی سندھ کے بعض مواضعات پر قابض تھے۔ آپ کا مزار زیارت گاہ خاص و عام کے لئے کھلا ہے اور اسکے گنبد پر تاریخ بنا ۱۷۱ھ درج ہے۔ (تحفۃ الکرام جلد ۳ ص ۲۶) مولوی ابوظفر ندوی کا خیال ہے کہ

Marfat.com

شیخ ابوتراب غالباً وادیٔ سندھ کی طرف سے قلعہ دار ہوں گے (بطور کمشنر)'' سندھ گزیڈ میں لکھا ہے کہ شیخ ابوتراب نے بھکر کا قلعہ فتح کیا اور بہادری کے دوسرے کارہائے نمایاں دکھائے۔ آپ کا مزار ٹھٹھہ سے کوئی دس میل کے فاصلے پر تحصیل میر پور ساکرو میں موضع گوجو کے قریب ہے۔ اس پر ۱۷۱ ہجری (یعنی ۷۸۸ عیسوی) کی تاریخ درج ہے (ص ۹۱) آپ کے مزار پر ہر مہینے چھوٹا سا میلہ لگتا ہے اور عوام الناس نے آپ کو ایک باکرامت پیر بنادیا ہے۔ مقامی روایت ہے کہ اس علاقے میں تھارنہ نام کا ایک ہندو راجا تھا۔ شیخ نے اپنی کرامت سے اسے اور اسکی فوج کو ایک پہاڑی کی صورت میں منتقل کردیا۔ یہ پہاڑی بھی زائرین کو دکھائی جاتی ہے۔

مشرق الہند میں اشاعت اسلام

اسی زمانے میں اسلام نے جاوا سماٹرا اور ملایا میں فروغ حاصل کیا۔ ہالینڈ کے مستشرقین کا خیال ہے کہ ان ممالک میں عربوں نے نہیں بلکہ ان مسلمانوں نے جو شاید عرب نسل سے تھے، لیکن ہندوستان میں بس چکے تھے، کہ جب وجے نگر نے معبر کی اسلامی حکومت کا خاتمہ کیا اور مسلمانوں پر ظلم وستم کا آغاز کیا تو بعض مسلمان ترک سکونت کر کے جزائر مشرق الہند میں جا بسے ہوں اور وہاں اسلام کی ترقی اور رونق کا باعث بن گئے ہوں۔ ملایا، جاوا اور دوسرے علاقوں میں جو شواہد ملتے ہیں، ان سے گجرات، مالابار اور معبر ہی نہیں بلکہ بنگالہ کے ان علاقوں سے تعلقات پر روشنی پڑتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جنوبی ایشیا کے تمام ساحلی علاقے کشتیوں اور بادبانی جہازوں کی آمدورفت سے منسلک تھے۔ جن کے کشتی بان ہی نہیں بلکہ تجارت پیشہ مسافر بھی مسلمان تھے۔ اس کی وجہ سے نہ صرف ان علاقوں میں تجارتی بلکہ ثقافتی اور دینی تعلقات قائم ہوئے اور جزائر شرق الہند میں اسلام کی اشاعت کا سامان ہوا۔ غالباً گجرات، مالابار اور معبر کی طرح چٹاگانگ کے پاس (موجودہ مشرقی پاکستان میں) مسلمانوں کی بستیاں تھیں۔ چٹاگانگ کے گردونواح اور قریبی جزائر (مثلاً سندیپ) میں بنگالی کی جو صورت رائج ہے، اس میں عربی اثرات خاص طور پر نمایاں ہیں۔ اس علاقے میں عربی رسم الخط کو بنگال کے باقی حصوں سے زیادہ اہمیت رہی ہے۔ یہاں قدیم بنگالی کتابوں (مثلاً علاول کی تصانیف) کے جو مخطوطے دستیاب ہوئے ہیں، ان میں کئی عربی رسم الخط میں ہیں۔ (یہ محض اتفاق نہ تھا کہ بنگالی کو حروف قرآن میں لکھنے کی جو تحریک ایک زمانے میں شروع ہوئی تھی، اس کا مرکز چٹاگانگ تھا) یہ عربی اثرات یقیناً عرب تاجروں اور ملاحوں کی آمدورفت کا نتیجہ تھے اور اس ساحل پر عربوں کی مقامی نوآبادیاں قرین قیاس معلوم ہوتی ہیں، لیکن افسوس کہ تاریخ ان کے متعلق خاموش ہے۔ اس علاقے میں عربوں کی آمد کا سب سے پہلا سراغ برما کے علاقے اراکان کی مقامی تواریخ میں ملتا ہے۔ جن سے پتہ چلتا ہے کہ وہاں کے ایک راجا کے عہد حکومت میں (جو ۷۸۱ء میں تخت نشین ہوا) عربوں کے کوئی جہاز سمندر میں طغیانی کی وجہ سے رمری مسافروں کو اراکان کے اندرونی علاقے میں بسایا گیا۔ بعد میں اراکان کے ساحل پر اسلامی اثرات بہت بڑھ گئے۔ چنانچہ کیمبرج ہسٹری میں لکھا ہے کہ تیرھویں صدی میں آسام سے ملایا تک کے ساحل پر جابجا مسجد نما عمارتیں تھیں، جنہیں بدر مکان (یا بدر مقام) کہا جاتا تھا۔ ہاروے نے وضاحت کی ہے کہ ان عمارتوں کو نہ صرف مسلمان بلکہ چینی اور

Marfat.com

بدھ مت کے پیرو بھی احترام سے دیکھتے۔ان کا انتساب بدر اولیا یا بدر الدین اولیا سے تھا، جن کا چٹا گانگ میں چلہ خانہ بتایا جاتا ہے لیکن جو بہار میں دفن ہیں اور جن کے ملاح اور کشتی بان خاص طور پر معتقد تھے۔

برصغیر کی تہذیب پر اسلام کے اثرات

مذہبی اثرات

اشاعت اسلام

برصغیر میں آریہ نسل کم وبیش دو ہزار قبل مسیح ہندوستان میں وارد ہوئی۔انہوں نے یہاں کی تمام قوموں کو اپنا غلام بنالیا۔ جو قومیں بھی اس ملک میں پہنچیں، ہندو، تہذیب میں جذب ہوتی چلی گئیں۔ یہ تمام تہذیبیں اسلام کا مقابلہ نہ کرسکیں۔ مسلمان اس خطے میں پہنچے تو وہ اپنے ساتھ اسلام لے کر آئے۔ برصغیر میں اسلام کے وارد ہونے سے یہاں دو تہذیبوں میں تصادم شروع ہوگیا۔اسلامی تہذیب چونکہ فطرت انسانی سے مطابقت رکھتی تھی اس لئے دیگر تہذیبوں پر غالب آتی چلی گئی۔ برصغیر کی سب سے بڑی تہذیب، ہندو تہذیب تھی۔ ہندو تہذیب بھی اسلام کا مقابلہ نہ کرسکی۔اسلامی تہذیب برہمنوں کے خود ساختہ مذہب پر غالب آتی چلی گئی۔اس طرح برصغیر میں اسلام پھیلنا شروع ہوگیا۔ بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کرلیا۔اسلامی تہذیب کی اشاعت میں صوفیائے کرام کا کردار بہت اہم ہے۔انہوں نے اپنے قول وفعل سے برصغیر میں اسلامی تہذیب کی اشاعت کی۔

تصور توحید کی مقبولیت

ہندوؤں کے ہاں بے شمار خداؤں کا تصور پایا جاتا تھا۔مختلف اُمور سرانجام دینے کے لئے لوگوں نے مختلف خدا بنائے ہوئے تھے۔کسی سمجھدار، سلیم الفطرت انسان کو بھی اس بات پر قائل نہیں کیا جاسکتا تھا کہ پتھر کی مورتیاں کسی کے نفع ونقصان کی مالک نہیں۔اسلام اس قسم کی خرافات سے بالکل پاک ہے۔اسلام میں کوئی بھی روح کسی بت یا شخصیت میں حلول نہیں کرسکتی۔ اسلام کا تصور توحید بالکل سادہ ہے جو ہر انسان کی سمجھ میں آتا ہے۔ برصغیر میں جب مسلمانوں نے لوگوں کے سامنے اسلام کا تصور توحید پیش کیا تو اسے بہت جلد مقبولیت حاصل ہوئی۔ پھر برصغیر میں ایسے مصلح ''بھگت'' پیدا ہوئے جو ایک خدا کو مانتے تھے۔بابا گرونانک کے ہاں توحید کا تصور کسی حد تک پایا جاتا تھا وہ بت پرستی کی مخالفت کرتے تھے۔ذات پات کے قائل نہ تھے۔ اسلام کے زیر اثر دنیا کے بے ثباتی کی بات کرتے تھے۔خیرات کی تلقین کرتے تھے۔اس طرح برصغیر کے لوگوں میں اسلام کے تصور توحید کو کافی حد تک مقبولیت حاصل ہوئی۔

قبیح رسوم کا خاتمہ

اسلام سے پہلے برصغیر میں ایسی قبیح رسوم پائی جاتی تھیں جن پر ہر باغیرت آدمی کا دل کڑھتا تھا۔ یہ تمام رسومات ہندو برہمنوں نے اپنے ذاتی مفادات کے لئے بنائی ہوئی تھیں۔ان کے نزدیک ضروری تھا کہ کنواری لڑکی کی شادی سے پہلے برہمنوں کے ہاتھوں عصمت دری ہو۔ یہ ایسا فعل تھا جس پر ہر باغیرت باپ، بھائی اور ماں کا دل کڑھتا تھا مگر یہ رسم ان کے

Marfat.com

مذہب کا حصہ تھی۔ اسلام ایک سادہ دین ہے جو اس قسم کی آلائشوں سے پاک ہے۔ اس میں یقیناً لوگوں کیلئے ایک کشش پائی جاتی ہے۔ اسلام کی آمد سے برصغیر کے باغیرت لوگوں کو موقع ملا کہ وہ ہندو مذہب کو چھوڑ کر نیا مذہب اختیار کریں جس میں کسی قسم کی کوئی آلائش نہیں پائی جاتی۔ چنانچہ بہت سے ہندوؤں نے اس قسم کی قبیح رسوم سے نجات پانے کے لئے اسلام قبول کر لیا۔ اس طرح اسلام نے انہیں بہت سی بُری رسموں سے نجات دلائی۔

معاشرتی اثرات

ذات پات کا خاتمہ

ہندوؤں کے ہاں ذات پات کا نظام پایا جاتا ہے۔ چنانچہ ان کے ہاں چار ذاتیں پائی جاتی ہیں جن میں شودر کو سب سے گھٹیا سمجھا جاتا ہے۔ برہمنوں کو معاشرے میں سب سے زیادہ مقام حاصل ہے۔ برہمن سمجھتے ہیں کہ شودر ہماری خدمت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ ہندوؤں کے ہاں برہمنوں کا کام علم حاصل کرنا، کھشتریوں کا کام لڑنا، ویش کا کام کمائی کرنا اور ٹیکس ادا کرنا، شودر کا کام خدمت کرنا ہے۔ ویش اور شودر کو معاشرے کے ذلیل طبقات سمجھا جاتا ہے۔ جب اسلام برصغیر میں پہنچا تو مسلمانوں نے مساوات نسل انسانی کا نہ صرف تصور پیش کیا بلکہ لوگوں کے سامنے عملی مظاہرہ بھی کیا۔ اسلام میں ذات پات کے نظام کا کوئی تصور نہیں ہے۔ تمام لوگ بحیثیت انسان برابر ہیں۔ کسی کو کسی دوسرے پر کوئی برتری حاصل نہیں ہے۔ مسلمان لوگوں کے سامنے صف بندی کر کے باجماعت نماز ادا کرتے تھے اور کسی قسم کا امتیاز روا نہیں رکھا جاتا تھا۔ معاشرے کے پسے ہوئے طبقات نے جب یہ دیکھا تو بہت تیزی سے مسلمان ہونا شروع کر دیا۔ جب ہندوؤں نے یہ حالت دیکھی تو انہیں بھی اپنے طرز عمل پر نظر ثانی کرنی پڑی۔ اس طرح اسلام نے ہندو معاشرے سے ذات پات کے نظام کو ختم کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

عورت کے مقام میں تبدیلی

ہندو معاشرے میں عورت کو کوئی مقام حاصل نہ تھا۔ عورت کو برائی کی جڑ تصور کیا جاتا تھا۔ جب کسی عورت کا خاوند فوت ہو جاتا تو اس کا بیٹا اس سے شادی کر لیتا۔ ہندوؤں کے ہاں یہ تصور پایا جاتا تھا کہ عورت مرد کی خدمت کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ اسے بچپن میں باپ کی، جوانی میں خاوند کی اور بڑھاپے میں اولاد کی غلامی کرنا پڑتی تھی۔ اگر کسی عورت کا خاوند مر جاتا تو اسے اس کے ساتھ زندہ جلا دیا جاتا جسے ستی کی رسم کہتے ہیں۔ بیوہ کو دوسری شادی کی اجازت نہ تھی۔ غرضیکہ ہندو معاشرے میں عورت کو کوئی حقوق حاصل نہ تھے۔ اسلام ان تمام تصورات کو عرب میں ختم کر کے آیا تھا۔ اسلام میں عورت کو بحیثیت ماں، بیوی، بہن اور بیٹی ایک بلند مقام حاصل ہے۔ جب یہ پیغام برصغیر میں پہنچا تو عورتوں نے بڑی تیزی سے اسلام قبول کرنا شروع کر دیا کیونکہ اسلام میں اسے ہر لحاظ سے بہترین حقوق حاصل ہیں۔ چنانچہ مسلمانوں کے زیر اثر ہندوؤں میں ستی کی رسم تقریباً ختم ہوگئی اور عورتوں سے بہتر سلوک کیا جانے لگا۔

Marfat.com

معاشی اثرات

معاشی خوشحالی

برصغیر میں اسلام عرب تاجروں کے ذریعے پہنچا۔ عرب شروع سے ہی تجارت میں مہارت رکھتے تھے۔ تجارت کی وجہ سے عرب کے لوگوں کی معاشی حالت بہتر تھی۔ جب برصغیر کے لوگوں نے عربوں کے ساتھ میل جول بڑھایا تو انہیں بھی تجارت کا شوق پیدا ہوا۔ عرب میں زراعت نہ ہونے کے برابر تھی۔ عرب کے تاجر زرعی اشیاء کی تجارت کے لئے برصغیر کا رخ کرتے تھے۔ برصغیر کے لوگوں نے یہ حالت دیکھ کر زراعت اور تجارت میں دلچسپی لینا شروع کی جس سے ان کی معاشی حالت بہتر ہونے لگی۔

زرات، صنعت اور تجارت کی ترقی

مغل شہنشاہوں نے برصغیر کے زراعت پیشہ لوگوں کو زیادہ سے زیادہ پیداوار حاصل کرنے پر آمادہ کیا۔ بہت سے مسلمان حکمرانوں نے باغات لگا کر عوام کے سامنے مثالیں قائم کیں۔ صنعت کی طرف مسلمان حکمرانوں نے خصوصی توجہ دی۔ صنعت کو سرکاری سرپرستی حاصل تھی۔ مغل بادشاہ روزانہ صنعتی پیداوار کا جائزہ لیتے تھے۔ مسلمانوں کے خارجی تعلقات نے دوسرے ملکوں سے تجارت کی کئی راہیں کھول دیں۔ تاجروں کے لئے مال کو بخیریت ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے میں آسانی پیدا ہوئی۔

سیاسی اثرات

عمدہ نظام حکومت

اسلام سے پہلے برصغیر میں راجپوت راجاؤں کی حکومت تھی۔ تمام اختیارات ہندو راجا کے پاس ہوتے تھے۔ راجا اپنے اختیارات کو فوجی قوت کے ذریعے استعمال کرتا تھا۔ راجا کے دل میں جو آتا، وہ کرتا تھا۔ اس کے برعکس مسلمان اپنے ممالک میں اعلیٰ انتظامی ادارے قائم کر چکے تھے۔ لہٰذا انہوں نے اپنے سابقہ تجربے کی بنیاد پر برصغیر میں بھی اعلیٰ انتظامی ڈھانچہ تشکیل دیا۔ انہوں نے اُمور سلطنت کو مختلف شعبوں میں تقسیم کیا۔ مختلف شعبوں کے انتظام کے لئے سول افسران کی ایک معقول تعداد موجود ہوتی تھی۔ ایک دوسرے کے کام کی پڑتال اور اختیارات میں توازن کے لئے سائنٹفک طریقے بھی استعمال کئے جاتے تھے۔ اس طرح برصغیر میں بلند پایہ نظام حکومت رکھنے والی حکومتیں قائم ہوئیں۔ علاؤ الدین خلجی کا مارکیٹ کنٹرول اتنا کامیاب اور مفید تھا کہ آج تک اس جیسا کامیاب تجربہ نہیں ہو سکا۔ شیر شاہ سوری اور اکبر نے جو انتظامی ڈھانچہ بنایا، اس کے بیشتر حصے کو انگریز بھی قبول کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اسلامی حکومت میں عوام کی فلاح و بہبود اور امن و امان کا قیام بنیادی اہمیت کا حامل تھا۔

Marfat.com

مضبوط مرکزی حکومت کی تشکیل

جب مسلمان برصغیر میں آئے تو اس وقت یہاں کی حکومتیں انتشار کا شکار تھیں۔ مرکزی حکومت مضبوط نہ تھی۔ طوائف الملوکی عام تھی۔ مختلف علاقوں کے گورنر بغاوت کر کے اپنی الگ حکومت قائم کر لیتے تھے۔ مسلمانوں نے برصغیر میں پہنچ کر ایک مضبوط مرکزی حکومت قائم کی۔ اس مضبوط حکومت نے سب سے پہلے پورے ملک سے لاقانونیت کا خاتمہ کیا۔ لاقانونیت کے خاتمے سے ملک میں امن وامان قائم ہوا۔ اس کے علاوہ جہاں جہاں بغاوتیں ہوتی تھیں انہیں قوت سے کچل کر رکھ دیا۔ شجاعت و بہادری کے نام پر جو خانہ جنگی ہوتی تھی اس کا خاتمہ کیا۔

مستقل فوج کا قیام

برصغیر میں مسلمانوں کی آمد سے پہلے مستقل فوج نہیں تھی بلکہ کچھ لوگوں کو حکومت نے اقطاع اراضی دے رکھے تھے۔ یہ لوگ حکومت کے لئے فوج کا فریضہ سرانجام دیتے تھے۔ انہیں تنخواہیں نہیں دی جاتی تھیں۔ جب بھی ضرورت پڑتی حکومت انہیں طلب کر لیتی تھی۔ اس کے برعکس مسلمانوں نے برصغیر میں مستقل فوج قائم کی۔ فوج کے افسروں اور جوانوں کو اقطاع اراضی کے بجائے نقد تنخواہ دی جاتی تھی۔ نیز ان میں جذبہ جہاد پیدا کر کے ان کے حوصلے بلند کئے جاتے تھے۔

بحری فوج کی تشکیل

برصغیر میں مسلمانوں کی آمد سے پہلے ہندو بحری سفر نہ کرتے تھے اس لئے وہاں بحری فوج کا وجود نہ تھا۔ مسلمان صدیوں سے بحری سفر کر رہے تھے۔ ہندوستان کی تمام تجارت بحری سفر کے ذریعے ہوتی تھی۔ انہیں جہازرانی کا پرانا تجربہ تھا۔ انہوں نے برصغیر میں بحری فوج تشکیل دی۔ مشرقی ممالک میں مسلمانوں کی بحری فوج بہترین تھی۔ اس فوج کو مضبوط کرنے کے لئے انہوں نے بحری توپ خانے کا یونٹ بھی قائم کیا جس کا سربراہ الگ ہوتا تھا۔

سفارتی تعلقات کا آغاز

ہندو تو ہم پرست قوم تھی۔ ان کے مذہب کی رو سے بحری سفر ان کے لئے جائز نہیں تھا۔ وہ بری راستوں سے بھی کم ہی واقف تھے۔ یہی وجہ ہے کہ دیگر ممالک سے سفارتی تعلقات کی نوبت کم ہی آتی تھی۔ اس کے برعکس مسلمان جب یہاں پہنچے تو وہ دنیا کی سب سے بڑی طاقت تھے۔ ان کی کئی حکومتیں قائم تھیں جن کا نہ صرف آپس میں رابطہ تھا بلکہ یورپ و ایشیاء کی تمام دوسری حکومتوں کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم ہوئے تھے۔

تمدنی اثرات

اسلامی فن تعمیر کی مقبولیت

مسلمان قوم تعمیر کے فن سے بخوبی آشنا تھی۔ مسلمانوں نے اپنے اس فن سے یہاں کی تہذیب کو بہت متاثر کیا۔

Marfat.com

مسلمانوں نے برصغیر کے فن تعمیر کو ایک نیا رخ دیا۔ مسلمانوں کے دور میں تعمیر ہونے والی عمارات کے محراب و مینار اور گنبد نما چھتیں بہت مقبول ہوئیں۔ برصغیر کے باشندوں نے مسلمانوں کی دیکھا دیکھی روشن، ہوادار اور متناسب مکانات بنانے شروع کیے۔ مکانات کے ساتھ باغیچوں اور محلات کے ساتھ باغات کا رواج مسلمانوں کا مرہون منت ہے۔

انڈو اسلامک آرٹ کا وجود

اکبر اعظم نے اپنے دور میں نہ صرف اسلامک آرٹ کی سرپرستی کی بلکہ ہندو آرٹ کی بھی سرپرستی کی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ برصغیر میں موسیقی، مصوری اور دیگر بہت سے فنون لطیفہ میں مسلمانوں اور ہندوؤں میں کسی حد تک مطابقت پیدا ہوئی۔ دونوں آرٹ ایک دوسرے پر اثر انداز ہوئے۔ دونوں تہذیبوں کے اتصال سے انڈو اسلامک آرٹ وجود میں آیا جس کو بعد میں آنے والے بادشاہوں نے ترقی دی۔

اردو زبان کا جنم لینا

برصغیر کی زبان مسلمانوں کی آمد سے متاثر ہوئی۔ عربی، فارسی اور ترکی زبان کے اختلاط سے ایک نئی زبان اُردو نے جنم لیا جس میں تمام مقامی زبانوں کے الفاظ بھی شامل تھے۔ اُردو ہندوستان میں پہلے سے بولی جانے والی تمام زبانوں سے بہتر تھی۔ یہ زبان فصاحت و بلاغت اور مافی الضمیر کے اظہار کا بہترین ذریعہ قرار پائی۔

لباس میں تبدیلی

برصغیر کے ہندو دھوتی، ساڑھی اور شانہ پوش چادر پہنتے تھے۔ مسلمان شلوار، قمیض، کرتہ اور پگڑی وغیرہ پہنتے تھے۔ مسلم دور حکومت میں لباس کی تراش خراش وہی مقبول ہوئی جو مسلمان ایران وسط ایشیا سے لیکر آئے تھے۔ اسلامی تہذیب سے متاثر ہو کر یہاں کے ہندوؤں نے بھی پاجامہ، شلوار، کرتہ اور پگڑی وغیرہ پہننا شروع کر دی۔ مغلوں کے دور میں نور جہاں اور دیگر مغل بیگمات نے نت نئے فیشن ایجاد کیے جس سے ہندو معاشرے کی قدیم روایات کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔

سفر کی وسعت

برصغیر میں مسلمانوں کی آمد سے پہلے یہاں کے لوگ غیر ملکی سفر نہیں کرتے تھے۔ ہندوؤں نے مسلمانوں کی دیکھا دیکھی دوسرے ممالک کا سفر شروع کر دیا۔ اس سے ان میں وسعت نظر پیدا ہونے لگی۔

علم کی اشاعت

ہندوستان میں تعلیم صرف برہمنوں کے لئے تھی۔ جب یہاں مسلمانوں کی آمد ہوئی تو انہوں نے بلا تفریق تمام لوگوں کو علم سے بہرہ ور کیا۔ اس طرح ہندو معاشرے میں ویشوں اور شودروں کو بھی لکھنے پڑھنے کی اجازت دینا پڑی جس سے علم پر برہمنوں کی اجارہ داری ختم ہوگئی۔ حکومتی سطح پر درسگاہیں قائم ہوئیں۔ مساجد اور مندروں کے ساتھ درسگاہوں کا اہتمام کیا گیا۔ اس کے علاوہ عورتوں کی تعلیم کا بھی اہتمام کیا گیا۔

Marfat.com

سندھ میں علم وفضل

سندھ وہ خطہ ہے جہاں مسلمانوں کے قدم سب سے پہلے پہنچے اور انہوں نے جابجا درسگاہیں قائم کرلیں۔اس کے بعد صدیوں تک باہر سے اہل علم وفضل کی آمد جاری رہی۔وہ سب سے پہلے سندھ ہی پہنچتے تھے اور ان میں سے اکثر وہیں بیٹھ جاتے تھے۔کتب خانوں کا جیسا اچھا ذوق سندھ میں تھا کسی دوسرے حصے میں اس کی مثالیں غالباً بہت کم ملیں گی۔مدت ہوئی کہ زمانے کے اطوار بدل گئے۔جن علوم کی تحصیل کو ہمارے ہاں معیارِ علم وفضل مانا جاتا تھا،ان کی قدر وقیمت باقی نہ رہی۔کتب خانے برباد ہوگئے لیکن آج بھی کوئی شخص سندھ میں سفر کرے تو اکثر چھوٹے چھوٹے مقامات میں اُسے نہایت نادر کتابوں کے ذخیرے مل جائیں گے۔ایسے لوگ بھی یقیناً ہوئے ہیں جنہوں نے اسلاف کی کتابوں کو بے دردی سے لٹا دیا اور جواہرات کو کوڑیوں کے مول فروخت کردیا لیکن اکثر لوگ ایسے ہیں کہ اپنے کتاب خانے دکھانے پر بھی بہ مشکل راضی ہوں گے کہ مبادا کوئی چیز ضائع ہوجائے۔آپ اس بُخل کو کتنا ہی ناپسند کریں لیکن اس سے یہ حقیقت تو روزِ روشن کی طرح آشکارا ہوجاتی ہے کہ اسلاف کی متاعِ علم سے بہرہ مند نہ ہونے کے باوجود ان لوگوں میں تحفظ کتب کا کیسا جذبہ کارفرما ہے یہ اس امر کی دلیل ہے کہ کتابوں کو سندھ میں ہمیشہ سے ایک نہایت قیمتی متاع سمجھا جاتا ہے۔

میاں نورمحمد خاں کا کتب خانہ

کلہوڑوں کی حکومت کا باقاعدہ آغاز میاں یار محمد خاں سے ہوا جو بحیثیت مجموعی اٹھارہ انیس سال سلطنتِ مغلیہ کے ایک ناظم کی حیثیت میں کام کرتے رہے اور اس مدت میں سے کم وبیش آدھی مدت مختلف کشمکشوں میں گزری۔ظاہر ہے کہ اس حالت میں فراہمی کتب کی طرف دل جمعی سے توجہ نہیں ہوسکتی تھی۔میاں نورمحمد خاں جانشین بنے تو ان کے سامنے نہایت اہم ملکی تنظیمات تھیں اور مسلسل چھوٹی بڑی لڑائیاں جاری رہیں جو میاں صاحب کے نصب العین کی تکمیل میں ناگزیر تھیں یعنی وہ چاہتے تھے کہ سندھ متحد ہوجائے۔بایں،ہمہ نادرشاہ کی آمد سے پیشتر میاں صاحب کے پاس ایک اچھا کتب خانہ جمع ہوگیا تھا۔نادرشاہ نے جہاں زروسیم اور جواہرات سمیٹے،وہاں اس علمی دولت کو بھی اُٹھا کرلے گیا۔

ہملٹن کی شہادت

کپتان ہملٹن سنہ ۱۶۹۹ء میں ٹھٹھہ آیا تھا وہ لکھتا ہے:

''شہر ٹھٹھہ دینیات،لسانیات اور سیاسیات کی تدریس وتعلیم کے سلسلے میں خاصی شہرت کا مالک ہے۔وہاں چارسو کالج ہیں جن میں نونہالوں کو ان علوم کی تعلیم دی جاتی ہے'' کالج سے مراد یقیناً ویسے کالج نہیں جیسے ہمارے زمانے میں موجود ہیں۔ان سے مراد درسگاہیں ہیں۔پرانے زمانے میں ایسی ہی درسگاہیں ہر جگہ قائم تھیں۔یہی ہمارے یہاں نشر واشاعت علوم کا ذریعہ تھیں۔اکثر درسگاہوں کو حکومت کی طرف سے امداد ملتی تھی،بعض ایسی بھی تھیں جو مختلف علماء کرام کی سعی وہمت کی بدولت چل رہی تھیں۔ہمارے ملک میں جن اصحاب نے علمی لحاظ سے درجۂ شہرت وامتیاز حاصل کیا وہ انہی درسگاہوں سے اُٹھے تھے۔

Marfat.com

یہ درسگاہیں مسجدوں کے ساتھ ملحق ہوتیں۔ زور عمارتوں پر نہ دیا جاتا بلکہ علم پر۔ انہی درسگاہوں سے ابوالفضل، فیضی اور سعد اللہ خان علامی جیسے لوگ پیدا ہوئے۔ انہی درسگاہوں اور علماء کی کتابوں سے آج بھی ہمیں روشنی ملتی ہے۔ ٹھٹھے کی آبادی اس زمانے میں کم وبیش ڈھائی لاکھ تھی، اس آبادی میں چھوٹی بڑی چار سو درسگاہوں کا وجود بہر حال علمی ذوق کے عام ہونے کی دستاویز ہے۔ مکتبوں میں وہ تمام کتابیں پڑھائی جاتی تھیں جو مختلف علوم میں بنیاد واساس کی حیثیت رکھتی تھیں۔

فرید بکھری کی شہادت

شیخ بکھری اپنی بے مثال کتاب ''ذخیرۃ الخوانین'' (ہملٹن سے تقریباً ربع صدی پیشتر مرتب کی تھی) میں لکھتا ہے:

''ٹھٹھے کے اولیاء علماء اور شعراء کی گنتی محال ہے۔ یہاں صرف ونحو، دینیات اور شاعری عام ہے۔ مختصر یہ کہ ٹھٹھہ کو عراقِ ثانی سمجھنا چاہیے'' شیخ فرید اور ہملٹن کی شہادتیں مغلوں کے زمانے سے متعلق ہیں، کلہوڑوں کی حکومت کا آغاز شیخ فرید سے کم وبیش ستائیس برس بعد اور ہملٹن سے تقریباً دو برس بعد ہوا لیکن ان شہادتوں سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ کسی علمی پس منظر میں کلہوڑے برسر کار آئے۔ ہمارے سامنے ایسی شہادتیں موجود ہیں کہ کلہوڑوں نے حتی الامکان تمام اصناف علوم کی سرپرستی فرمائی اور ان میں سے اکثر خود اصحابِ علم وفضل تھے۔ بعض نے مختلف علوم میں مقام امتیاز حاصل کیا۔ سندھ کے خطے کو اللہ نے بہت سی امتیازی خصوصیات عطا کی ہیں جو عام طور پر لوگوں کی نظروں سے چھپی رہی ہیں۔ ان خصوصیات میں علم وفضل کی دولت بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ اس کی وجہ دوسرے علمی مراکز سے سندھ کی دوری ہے، خلافت بغداد کے دور میں جن علماء نے زندگیاں بسر کیں ان میں سے ہر ایک کے نہیں تو کم از کم اکابر کے نام ہر شخص کی زبان پر ہیں۔ لیکن یہ بات اُندلس کے علماء کے بارے میں نہیں کہی جاسکتی۔ یہی کیفیت سندھ کی ہے۔

غزنی و لاہور

امیر ناصر الدین سبکتگین

محمد بن قاسم نے دو سال کی مدت میں سندھ اور ملتان کا علاقہ فتح کرلیا اور عجب نہ تھا کہ اگر اُسے مہلت ملتی تو یہ قسمت سے محروم ابن قاسم ہندوستان کے دور دراز حصوں میں فتح کے جھنڈے لہراتا لیکن عربوں کی قبائلی اور شخصی نزاعیں سدِ راہ ہوئیں اور چار سال کے اندر یہ جوان سال سپہ سالار واپس بلالیا گیا۔ محمد بن قاسم نے صحرائے سندھ میں جو سرچشمہ فیض بہایا تھا وہ تو خشک نہ ہوا۔ لیکن اس کے عرب جانشین اسے وسعت اور گہرائی نہ دے سکے۔ اور جو نہریں اُس چشمۂ فیض سے نکلی تھیں، وہ ملتان تک آتے آتے خشک ہوئیں۔ پنجاب اور شمالی ہند کے باقی علاقوں میں آبیاری ان لوگوں نے کی جو عرب سے نہیں بلکہ افغانستان سے آئے تھے اور انہیں بھی یہاں پہنچتے ایک زمانہ لگا۔

سندھ اور ملتان ۷۱۲ء میں فتح ہوئے تھے اس کے بعد کوئی ڈھائی تین سو سال تک راجپوت شمالی ہندوستان میں بے کھٹکے حکومت کرتے رہے اور باہر سے کوئی مسلمان تلوار کا دھنی ہندوستان میں نہیں آیا۔ ۹۸۰ء کے قریب امیر سبکتگین نے

Marfat.com

ہندوستان کی شمال مغربی سرحد کی طرف نظر کی اور بعض اہم فوجی مقامات فتح کر کے آنے والوں کا راستہ صاف کیا۔لیکن یہ عجیب اتفاق ہے کہ محمد بن قاسم کی مہم کی طرح اس نے بھی کسی سوچی ہوئی اسکیم کے مطابق نہیں بلکہ واقعات سے مجبور ہو کر یہ قدم اُٹھایا۔

جب امیر سبکتگین ۹۷۶ء میں غزنی میں تخت نشین ہوا، اُس وقت کابل اور پشاور کا علاقہ پنجاب کے راجا جے پال کے زیر نگین تھا۔افغانستان میں دونوں کی سرحدیں ملتی تھیں۔جے پال کو سبکتگین کی کشور کشائی ناگوار ہوئی تو وہ ایک لشکر لے کر غزنی کی طرف بڑھا۔لمغان اور غزنی کے درمیان ۹۷۹ء میں جنگ ہوئی۔جس میں جے پال نے شکست کھائی اور اسے صلح کے لئے ملتجی ہونا پڑا۔سبکتگین کا بیٹا محمود جو اپنے باپ کے ہمرکاب تھا،صلح کے خلاف تھا لیکن جب جے پال نے یہ پیغام بھیجا کہ ہم شکست کی صورت میں اپنے مال و دولت، نقد و جنس کو جلا کر خاک کر دیتے ہیں اور اپنے بال بچوں کو اپنے ہاتھ سے فنا کر کے بے جگری سے لڑتے ہیں تو محمود بھی خاموش ہو گیا۔صلح ان شرائط پر ہوئی کہ جے پال اپنے ملک میں واپس جا کر گھوڑے، ہاتھی، مال و جواہر جن کی تعداد عہد نامہ میں معین ہوئی تھی۔امیر سبکتگین کے کارندوں کے ہاتھ غزنی بھیجے گا۔

لاہور پہنچ کر جے پال اپنا وعدہ بھول گیا بلکہ امیر کے آدمیوں کو قید کر لیا۔سبکتگین کو یہ پتا چلا تو اُسے بڑا طیش آیا۔اُس نے جگہ جگہ سے فوجیں جمع کیں اور جے پال کے علاقے پر ہلہ بول دیا۔امیر کو بہت سامان و اسباب اور بے شمار لونڈی غلام ہاتھ آئے۔لیکن جے پال بھی غافل نہ بیٹھا تھا۔اس نے چٹھیاں بھیج کر ہندوستان کے تمام راجوں مہاراجوں سے مدد مانگی۔اور جب پشاور کے مقام پر دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں تو دہلی اجمیر، کالنجر اور قنوج کی منتخب فوجیں راجا جے پال کے ہمرکاب تھیں۔یہ پہلا موقعہ تھا جب شمالی ہندوستان کے تمام حکمرانوں نے متحد ہو کر مسلمان حملہ آوروں کو روکنا چاہا اور ہندوستانی فوج کی اس قدر کثرت تھی کہ سبکتگین کے سردار بھی گھبرا گئے۔ایک مورخ لکھتا ہے کہ جب مخالف فوج کا اندازہ لگانے کے لئے سبکتگین ایک پہاڑی پر چڑھا تو اُس نے دیکھا کہ مقابل میں ایک دریا ہے بے پایاں۔اور ایک لشکر ہے، مثل مور و ملخ کے فراواں۔لیکن سبکتگین نے ہندوستانی فوجوں کے ہاتھ دیکھے ہوئے تھے۔وہ ان کی کثرت سے مرعوب نہ ہوا اور اس نے اپنے تئیں مانند ایک قصاب کے سمجھا جو گوسفندوں کی کثرت سے نہیں گھبراتا۔اور مثل ایک شاہین کے تصور کیا جو کلنگوں کی صف سے ہراساں نہیں ہوتا لیکن اس کے باوجود وہ بھانپ گیا کہ خاص داؤ پیچ اور نئے طریقے سے لشکر آرائی کی ضرورت ہے۔چنانچہ ایک تو اُس نے اپنے سرداروں کو بلا کر جہاد و غزا کی ترغیب دی اور بہادروں کے کارنامے سنا کر ان کے دل بڑھائے اور دوسرے اپنے لشکر کو پانچ پانچ سو کے دستوں میں تقسیم کیا تا کہ جب ایک دستہ دشمن سے لڑتا لڑتا تھک جائے تو پانسو تازہ دم سپاہیوں کا دوسرا دستہ مقابلے میں ڈٹ جائے اور دشمن پر اپنی کمزوری عیاں نہ ہو۔جب کچھ دیر اس طرح لڑائی جاری رہی اور دشمن کی صفیں ڈھیلی پڑ گئیں تو تمام دستوں نے یکبارگی پورے زور کا حملہ کیا اور اس انبوہِ عظیم کو راہ فرار اختیار کرنی پڑی۔جے پال نے غزنی پر حملہ کر کے بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈالا تھا اب یہ حالت ہو گئی کہ ''میں تو کمبل کو چھوڑتا ہوں لیکن کمبل ہی مجھے نہیں چھوڑتا''۔سبکتگین پر ہندو راجاؤں کی کمزوری پوری طرح ظاہر ہو گئی تھی۔اُس نے جے پال کو دو ایک اور شکستیں دے کر کابل اور پشاور کا سارا علاقہ اس سے چھین لیا۔اور پشاور میں اپنا ایک نائب معین کر کے اسے مقبوضات غزنی میں داخل کر لیا۔

Marfat.com

سبکتگین نے جے پال کے خلاف جو اقدامات کئے ان کا عملی سبب جے پال کی اپنی ناعاقبت اندیشانہ پالیسی تھی لیکن اس زمانے میں غزنی اور اس کے گردونواح میں ایک مذہبی اور احیائی تحریک زوروں پر تھی۔ اس کا اثر بھی سبکتگین اور اسکے جانشین محمود غزنوی پر ہوا ہوگا۔ یہ تحریک کرامیہ فرقے کی تحریک تھی، جس کے معاصرانہ راہنما ابوبکر اسحاق کا سبکتگین بڑا مداح تھا بلکہ ایک بیان کے مطابق پیرو تھا۔ ابوبکر اسماعیلی فرقے کا بڑا سخت مخالف تھا اور غیر مسلموں میں بھی اس کی تبلیغی کوششیں زوروں پر تھیں۔ چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ "اس نے پانچ ہزار یہودیوں، آتش پرستوں وغیرہ کو مسلمان کیا۔ اس کی وفات ۹۹۳ء میں ہوئی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا سلطان محمود غزنوی کو اسماعیلیوں کے خلاف مصروف کار رہنے کی تلقین کیا کرتا تھا۔ بعد میں اس فرقہ کی انتہا پسندی کی وجہ سے سلطان محمود نے اس کی سرپرستی ترک کردی۔ لیکن ایک زمانے میں وہ بھی اس کے راہنماؤں سے متاثر رہا تھا۔ عجب نہیں کہ سلطان محمود غزنوی نے ملتان اور منصورہ کے اسماعیلیوں کے خلاف جو قدم اُٹھایا اس نے اور اس کے والد سبکتگین نے ہند کے غیر مسلم راجاؤں کے متعلق اپنے پیروؤں سے زیادہ سرگرمی دکھائی۔ بعد میں سلطان محمد غوری اور اس کا بھائی بھی (غور کے عام باشندوں کی طرح) ایک زمانے تک اس فرقے سے متعلق رہے لیکن بالآخر اس فرقے کو زوال آیا اور منگولوں کے حملے کے بعد اس کا نام سننے میں نہیں آتا۔

عام طور پر اوراقِ تاریخ میں سبکتگین کا نام اُس جلی قلم سے نہیں لکھا جاتا جس سے اس کے فاتح اور بلند اقبال بیٹے سلطان محمود غزنوی کا نام روشن ہوتا ہے۔ لیکن اہل نظر جانتے ہیں کہ باپ کا مرتبہ بیٹے سے بتہ کم نہیں اور ٹھوس نتائج میں تو شاید سبکتگین کو محمود پر فوقیت حاصل ہے۔ امیر سبکتگین کا سب سے بڑا کام تو یہ تھا کہ اس نے ہندوستان کی سرحد پر غزنی میں ایک ایسا اہم عسکری اور حکومتی مرکز قائم کیا جس نے برصغیر کی فتح کے لئے ایک Base (فوجی صدر کیمپ) کا کام دیا۔ اس کے علاوہ اس کے کابل سے لیکر پشاور تک کا علاقہ فتح کیا اور اپنے تدبر اور حُسن انتظام سے وہاں کامیاب حکومت قائم کر کے اور راستوں اور قلعوں کی درستی سے آئندہ فتوحات کی بنیاد ڈالی۔ اس کے علاوہ شمالی ہندوستان کے تمام راجاؤں کو شکست دیکر اس نے اُس عسکری نظام پر کاری ضرب لگائی جو شمالی حملہ آوروں کو روک سکتا ہے۔

خارہا از اثرِ گرمی رفتارم سوخت　　　　منتے بر قدمِ راہروان است مرا

سبکتگین کی فتوحات میں وہ ڈرامائی عُنصر نہیں جو سلطان محمود غزنوی کے حملہ سومنات یا اس طرح کے دوسرے کارناموں میں نظر کو خیرہ کرتا ہے۔ لیکن نتائج کے لحاظ سے وہ بھی کم وقت نہیں۔

سُلطان محمود غزنوی (وفات ۱۰۳۰ء)

سبکتگین نے ۹۹۷ء میں وفات پائی اور اس کی جگہ محمود تخت نشین ہوا۔ جس کی فتوحات کا سلسلہ سکندر اعظم کی یاد دلاتا ہے۔ اس نے جے پال کے ساتھ لڑائی جاری رکھی اور ۱۰۰۱ء میں اٹک کے قریب اسے شکست دی۔ جے پال کے بعد اس کا بیٹا انند پال تخت نشین ہوا۔ اُس نے بے سمجھی سے ۱۰۰۵ء میں جب محمود ملتان کے اسماعیلی حاکم ابوالفتح داؤد کے خلاف انتقامی کاروائی

Marfat.com

کر رہا تھا، محمود پر حملہ کر دیا، لیکن شکست کھائی اور کشمیر بھاگ گیا۔ اگلے سال محمود نے انند پال کو ''مخالفت کی مزید سزا'' دینے کا ارادہ کیا اور پشاور کے قریب اس کے عظیم لشکر کو شکست دیکر ہندوستان میں داخل ہوا اور کانگڑہ تک چڑھ آیا۔ اسکے بعد اس نے ہندوستان پر کئی حملے کئے اور متھرا، قنوج اور سومنات وغیرہ سے بہت سال مال غنیمت لے کر واپس ہوا۔ محمود نے ان مقامات پر کوئی حکومت قائم نہ کی لیکن اخیر میں لاہور کی حکومت اپنے غلام ایاز کو دے گیا۔ محمود نے ۱۰۳۰ء میں وفات پائی۔

محمود کی نسبت ڈاکٹر تارا چند لکھتے ہیں:۔

محمود کی زندگی کی زبردست خواہش فتح اور حکومت کی توسیع تھی اور اسی میں اس نے ساری زندگی صرف کر دی۔ وہ اس میں بہت حد تک کامیاب رہا۔ اس نے وسط ایشیا اور فارس کا بہت سا علاقہ فتح کر لیا اور عباسی خلیفہ بغداد کا علاقہ فتح کرنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ ۱۰۳۰ء میں مر گیا۔ اس نے سپاہیانہ کامیابی اور لوٹ مار کے لئے ہندوستان پر کئی حملے کیے۔ کئی مندروں کو لوٹا اور جلایا لیکن اسلئے کہ ان میں زر و مال جمع تھا۔ اس نے کسی کو اسلام قبول کرنے کیلئے مجبور نہیں کیا صرف یہی نہیں بلکہ اس نے متعدد ہندو افسروں اور سپاہیوں کو اپنی فوج میں ملازم رکھا جو اس کے لئے وسط ایشیا اور ایران میں لڑتے رہے۔ محمود کی فوج میں جن ہندو سپہ سالاروں نے عروج حاصل کیا، ان میں سوبندرائے، تلک اور ناتھ خاص طور پر مشہور ہیں۔ سوبندر رائے پر حکومت کو اس قدر اعتماد تھا کہ جب محمود کی وفات کے فوراً بعد مغربی ولایت کے شہر بست میں بغاوت ہوئی تو محمود کے جانشین نے سوبندر رائے کو اس نازک موقع پر بغاوت فرو کرنے کیلئے بھیجا اور وہ بڑی بہادری سے لڑتا ہوا میدان جنگ میں کام آیا۔ ناتھ کی وفا شعاری بھی اسی قسم کی تھی۔ جب وہ کئی فتوحات کے بعد لڑائی میں مارا گیا تو مسعود کو اتنا رنج ہوا کہ اس نے تین روز تک کھانا نہ کھایا اور اسکی جگہ اس کا ہم مذہب (تلک) نامزد کیا۔

سلطان محمود نے نہ صرف فتح ممالک اور جمع اموال میں کمال حاصل کیا بلکہ علم و ادب کی بھی سرپرستی اور اپنے دربار میں زمانہ بھر کے منتخب شعراء اور علماء و فضلاء جمع کر دیئے۔ واقعہ ہی ہے کہ برگزیدہ شعراء کا جو جمگھٹا محمود کے دربار میں تھا، ایران و توران کے کسی دوسرے فرمانروا کو میسر نہیں ہوا۔ ان شعرا کی بذلہ سنجیوں اور نکتہ آفرینیوں نے محمود کی فتوحات کو چار چاند لگا دیئے اور نہ صرف سیاسی تاریخ میں بلکہ فارسی ادب کے اوراق میں بھی محمود اور اسکے دربار کو بلند جگہ مل گئی۔ جن شعراء نے محمود کے دربار میں شہرت پائی ان میں فردوسیؔ، عنصریؔ، عسجدیؔ اور فرخیؔ خاص طور پر مشہور ہیں۔ فردوسیؔ کے سوا باقی تین شعراء نے ایسے اشعار لکھے ہیں، جن میں سلطان کی ہندوستانی فتوحات کی طرف اشارہ ہے۔ وسجدی شاید سلطان کی مہم سومنات میں شریک بھی تھا اور اسنے اس کے متعلق ایک زبردست قصیدہ لکھا تھا جس کے چند شعر محفوظ ہیں۔ مطلع تھا۔

تا شاہِ خسرواں سفرِ سومنات کرد — کردار خویش را علم معجزات کرد

اس سے بھی پرزور قصیدہ فرخیؔ کا ہے، جو اس نے فتح کی یادگار میں لکھا

فسانہ گشت و کہن شدہ حدیث اسکندر — سخن نو آر کہ نو را حلاوتیست دگر

سلطان محمود ایک عجیب دل گردے کا مالک اور ایک عظیم الشان قوت ارادی کا انسان تھا۔ ۱۰۲۷ء میں اسے بخار

Marfat.com

رہنے لگا، جس نے تپ دق کی صورت اختیار کر لی، لیکن اسکے باوجود اس نے اپنے معمولات میں فرق آنے نہ دیا۔ دربار اور باریابی کا سلسلہ اسی طرح برقرار رکھا۔ خراسان سے سلجوقوں نکالا۔ رے کی بغاوت فرو کیا۔ ۱۰۲۹ء کا موسم گرما خراسان میں اور اگلا موسم سرما بلخ میں گزارا، لیکن اب صحت نے بالکل جواب دے دیا اور ۲۲ اپریل ۱۰۳۰ء کو اسے غزنی واپس آنا پڑا۔ سات آٹھ روز بعد قضا کا پیغام آپہنچا۔

بستر مرگ پر بھی سلطان نے اسی بلند ہمتی اور قوت ارادی کا ثبوت دیا جس کا مظاہرہ ہندوستان کے معرکوں میں ہوتا تھا۔ اپنی طویل بیماری میں اُس نے بستر علالت پر دراز ہونا قبول نہ کیا، وہ دن اور رات تکیوں کا ٹیک لگا کر بیٹھا رہتا اور اسی حالت میں داعی، اجل کو لبیک کہا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

محمود کے جانشین

محمود کی وفات ۱۰۳۰ء میں ہوئی۔ اس کے بعد مسلمان شاہی خاندانوں کی قدیم روش کے مطابق بیٹوں میں جنگ ہوئی۔ بالآخر مسعود غالب آیا۔ اسے خوش قسمتی سے خواجہ احمد میمندی جیسا قابل وزیر ملا تھا، لیکن اسے بہت دن حکمرانی نصیب نہیں ہوئی۔ لاہور میں اس کا نائب نیالتگین تھا اور اسکی مدد کے لئے (غالباً شرعی امور کی نگرانی کے لئے) قاضی شیرازی مقرر تھے۔ ان دونوں کی بن نہ آئی۔ بالآخر قاضی شیرازی سے کہا گیا کہ وہ ملکی معاملات میں دخل نہ دیں، لیکن قاضی نے غزنی میں اپنے کارندے بھیج کر نائب کے خلاف شکایت کی کہ وہ اپنے تئیں سلطان محمود غزنوی کا بیٹا بتاتا ہے اور بغاوت کا ارادہ رکھتا ہے۔ اس سے متاثر ہو کر مسعود نے تلک کے زیر قیادت نیالتگین کے خلاف فوج بھیجی اور نیالتگین شکست کھا کر مارا گیا۔ اس کے بعد مسعود نے خود ہندوستان آ کر ہانسی کا قلعہ فتح کیا لیکن اسکی عدم موجودگی میں سلجوقیوں نے غزنی کا علاقہ تباہ و برباد کر دیا اور اسکے ترکی و ہندو غلاموں نے اس کے خلاف بغاوت کر کے اس کے بھائی محمد کو تخت نشین کیا۔ اسکے بعد غزنی میں کئی کمزور اور بے اثر حکمران ہوئے، جن کے نام صفحات تاریخ میں اسلئے آجاتے ہیں کہ سلطان محمود غزنوی کی طرح وہ بھی کسی مشہور شاعر کے مربی تھے۔ ان میں سے ایک بہرام شاہ تھا۔ اسکے عہد حکومت کی نسبت گزشتہ صدی کی ایک کتاب حدیقۃ الاولیاء میں تحفۃ الواصلین کے حوالے سے ایک اندراج نقل ہوا ہے جس میں ممکن ہے بعض جزئیات غلط ہوں، لیکن جو ایک حقیقی واقعہ کا بیان معلوم ہوتا ہے اس کتاب کا مؤلف مزار شہید گنج (واقعہ محلّہ سادھواں لاہور) کا ذکر کرتا ہوا لکھتا ہے۔

''شاہ بہرام کے وقت آپس میں سلاطین غزنویہ اور سلاطین غوریہ کے فساد ہوا تو پنجاب کی حکومت بہت ضعیف ہوئی، اس وقت راجا اننگ پال راجا جے پال کا بیٹا راجگان ہند کا لشکر لیکر لاہور پر چڑھ آیا۔ چھ ماہ تک شہر والے لوگ لڑتے رہے۔ ہر چند غزنی سے مدد طلب کی۔ کوئی لشکر نہ آیا۔ آخر شہر فتح ہوا۔ ہندوؤں نے موقع پا کر بہت سے مسلمان قتل کر ڈالے۔ اس محلے میں بھی قتل عام ہوا اور بقدر دو ہزار نعش کے مسلمان اس جگہ دفنائے گئے۔ اس وقت ہندوؤں نے دخل پا کر مسجدیں گرا دیں اور بُت خانے دوبارہ قائم کر دیئے۔ پھر جب غزنی سے لشکر قاہرہ لاہور آیا تو راجا اننگ پال مارے خوف کے بھاگ گیا۔

Marfat.com

دہلی کی فتح

راجہ تھانیسر ۳۸۳ھ میں دہلی کو آباد کیا تھا جب سلطان محمود غزنوی نے تھانیسر فتح کرلیا تو یہ راجہ وہاں سے بھاگ کر دہلی میں مقیم ہوگیا۔ ۴۳۷ھ میں اسکے بیٹے انگ پال اول نے دہلی میں قلعہ اور سنگین عمارتیں قائم کیں۔ سلطان ابراہیم بن مسعود بن محمود غزنوی نے ۴۶۵ھ میں اس پر حملہ کر کے باجگزار بنالیا۔ پھر سلطنت غزنی کے ضعف کے زمانہ میں دہلی کے راجہ نے خود مختاری کا اعلان کردیا۔ سلطان شہاب الدین غوری نے ۵۸۸ھ میں پرتھوی راج راجہ دہلی سے زبردست مقابلہ کیا اور دہلی کو فتح کیا۔ پرتھی راج مارا گیا۔ اس کے بیٹے ابن جی کو سلطان نے دہلی کا راجہ بنادیا اور اطاعت وخراج گزاری کا وعدہ لے کر اس کی حکومت برقرار رکھی۔ اس کے بعد سرستی، ہانسی، سامانہ، کہرام وغیرہ کو فتح کیا۔ پھر پرتھوی راج کے دارالسلطنت اجمیر کی طرف گیا۔ شہر اجمیر کو سلطان نے کوئی نقصان نہیں پہنچایا بلکہ پرتھوی راج کے بیٹے کولہ جی کو راجہ بنا کر اور اقرار واطاعت لے کر واپس چلا گیا۔ جب اجمیر سے واپس ہو کر دہلی کے قریب پہنچا پرتھوی راج کے دوسرے بیٹے اپن جی نے سلطان کے پاس عاجزانہ درخواست بھیج کر جان ومال کی امان بھیجی۔ سلطان اس کو دہلی کا راجہ بنا کر شہر دہلی میں داخل ہوئے بغیر وہی واپس چلا آیا اور قلعہ کہرام میں اپنے غلام قطب الدین ایبک کو اس کا نومفتوحہ علاقے کا جو پہلے بھی سلطنت اسلامیہ میں شامل تھا عامل بنا کر غزنی کو واپس چلا گیا۔ اور اس دوران میں جن ہندو راجاؤں نے خراج بھیجنا بند کردیا تھا ان سے خراج وصول کیا گیا اور سلطان محمود کے زمانہ کی عظمت و شوکت پھر ہندوستان میں قائم ہوگئی۔ (آئینہ ص ۲۱۹ الیٰ ص ۲۵۲)

بہرام کا بیٹا خسرو شاہ علاؤ الدین غوری سے شکست کھا کر غزنی چھوڑ کر ہندوستان آگیا۔ اور جب اس کے بیٹے خسرو ملک نے سلطان محمد غوری نے ۱۱۸۶ء میں شکست دے کر لاہور پر قبضہ کرلیا تو غزنویوں کا سارا علاقہ غوریوں کے زیر نگیں آگیا اور غزنویہ خاندان کا خاتمہ ہوا۔

(تنبیہ) خاندان غزنوی خاتمہ یعنی ۵۹۰ھ تک مسلمانوں نے اپنی باقاعدہ سلطنت کو صرف سندھ، ملتان، پنجاب تک محدود رکھا۔ باقی صوبوں کو فتح کیا مگر ان کی ریاستیں بنا کر ہندو راجاؤں کو ان کی حکومت پر برقرار رکھا۔

علم وادب

غالباً غزنویہ دور کا سب سے زیادہ قابل تعظیم عالم البیرونی تھا۔ اس نے کتاب الہند محمود کی وفات کے تھوڑا عرصہ بعد مرتب کی اور اپنی دوسری کتاب قانون مسعودی محمود کے جانشین مسعود کے نام کی۔ محمود کی طرح مسعود بھی اہل علم کا قدردان تھا۔ اور اسکے دربار سے کئی اہل کمال وابستہ تھے۔ لیکن اس زمانے کی ایک قابل ذکر تبدیلی لاہور اور اہل لاہور کا علم وفن میں عروج تھا۔ سلطان محمود غزنوی کی مختلف فتوحات سے ایک فائدہ یہ ہوا کہ لاہور میں اسلامی حکومت قائم ہوگئی۔ اور چونکہ یہاں غزنی سے کئی اہل علم بسلسلۂ ملازمت آکر آباد ہوئے، اس لئے ان کے فیض سے یہ شہر بھی اسلامی علوم اور مذہب اسلام کی اشاعت کا مرکز ہوگیا۔ شروع شروع میں تو یہاں اہل علم کا قحط تھا۔ چنانچہ جب داتا گنج بخشؒ یہاں تشریف لائے تو انہیں غزنی کی صحبتیں یاد

Marfat.com

آتی تھیں اور انہوں نے اپنی ایک کتاب میں شکایت کی ہے کہ میں یہاں آ کر ناجنسوں میں گرفتار ہو گیا ہوں۔ لیکن ابراہیم غزنوی کے زمانۂ حکومت ۱۰۵۹ء۔ ۱۰۹۸ء میں لاہور علمی سرگرمیوں کا گہوارہ ہو گیا۔ اور بقول عوفی علم وفضل کا بڑا مرکز تھا۔ ابراہیم کا ایک وزیر ابونصر فارسی جو ادبی دلچسپیوں کی وجہ سے ادیب مشہور ہے، علم وفضل کا مربی تھا۔ اس نے لاہور میں ایک خانقاہ قائم کی جو اہل علم اور دوسرے بزرگوں کی جائے پناہ تھی۔ اور آہستہ آہستہ لاہور بلخ و بخارا اور دوسرے ممالک سے اہل علم کھچ کر آنے لگے۔ تاریخ سلاطین آل غزمیں کا مصنف لکھتا ہے:۔

''وجوق جوق تشنگانِ علوم از سائر بلاد ہندو ولا یتہائے کاشغر و ماوراالنہر وعراق و بکارا و سمرقند و خراسان وغزنی وغیرہ ذالک ازاں خیرات منبع منقنع مے شدند چندانکہ ایک آبادانی نو در حدود لاہور پدید آمد''

ابراہیم غزنوی کے بعد اس کا بیٹا سلطان علاؤالدین مسعود تخت نشین ہوا۔ اس کے دربار کی ایک قابل ذکر ہستی مسعود سعد سلمان ہے، جو پاکستان کا پہلا فارسی شاعر تھا۔ ایرانی تذکرہ نویسوں نے تو اسے ہمدرانی اور جرجانی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے لیکن وہ خود اپنی جائے پیدائش لاہور بتاتا ہے اور وہاں سے دور ہونے پر افسوس کرتا ہے۔

؎ **مولدم لاہور داز لاہور دور** — **دیمک اے لاہور بے تو کے سرور**

اسکے والد خواجہ سعد سلمان بعہدِ سلطان مسعود شہید بسلسلہ ملازمت لاہور آ کر آباد ہوئے تھے۔ جب ۱۰۳۶ء میں سلطان مذکور نے شہزادہ مجدود کو والی ہند مقرر کیا تو سعد سلمان کو شہزادے کا مستوفی نامزد کیا۔ والی ہند کا دارالحکومت لاہور تھا اور یہیں مسعود سعد سلمان پیدا ہوا۔ مسعود نے اپنی زندگی میں بڑے نشیب وفراز دیکھے۔ اس نے پہلے سلطان ابراہیم اور پھر اس کے بیٹے مسعود کی تعریف میں قصیدے لکھے۔ ایک زمانے میں تو اسے بڑا فروغ ہوا لیکن بالآخر بادشاہ وقت نے اس کی وفاداری پر شبہ کر کے اسے قید کر لیا۔ مسعود سعد سلمان نے اس قید کے دوران میں جو حبسیہ قصائد لکھے ہیں وہ اپنے طرز میں بالکل نئے ہیں اور درد واثر سے بھرے ہوئے ہیں۔ مشہور شاعر سنائی جس کی مثنوی حدیقۃ الحقیقت یا حدیقہ ارباب تصوف کی آنکھ کی عینک ہے۔ مسعود سعد سلمان کا بڑا مداح تھا اور اسی نے مسعود کا فارسی دیوان مرتب کیا۔ لیکن مسعود کے تین دیوان تھے۔ ایک عربی ایک فارسی اور ایک ہندوستانی میں۔ عوفی لکھتا ہے: 'وادراسہ دیوان است یکے بتازی ویکے بپارسی ویکے بہ ہندوئی' سلطان ابراہیم غزنوی کے دربار کا ایک شاعر ابوالفرج رونی تھا، جو بعض تذکرہ نویسوں کے بیان کے مطابق مضافات لاہور کا رہنے والا تھا۔ وہ قصیدہ نویسی میں یکتا زمانہ تھا۔

؎ **بادمعلومش کہ من بندہ بشعر بوالفرج** — **تابدیدستم ولوعے داشتم بس تمام**

اور عرفی نے تو ایک شعر میں انوری اور ابوالفرج کو قریب قریب ہم پایہ قرار دیا ہے۔

؎ **انصاف بدہ بوالفرج وانوری امروز** — **بہر چہ غنیمت نشمارند عدم را**

سلطان مسعود ابن ابراہیم کے بعد اس کے بیٹے بہرام نے شعراء کی سرپرستی کی۔ خسرو ملک جو غزنوی خاندان کا آخری حکمران تھا، بہرام کا پوتا تھا۔ مشہور شعرا اور مورخین کے علاوہ غزنویہ دور کی قابل ذکر ہستی داتا گنج بخش ہیں جن کا ذکر ہم آئندہ

Marfat.com

صفحات میں کریں گے۔اس زمانے کے فن تعمیر کے نمونے پاکستان میں کوئی نہیں اور غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ قطب الدین ایبک کی تخت نشینی سے پہلے ہندوستان میں بیشتر نائب السلطنت رہتے تھے۔اور حکومت کا دارالخلافہ غزنی تھا۔

علامہ ابوریحان البیرونیؒ

سلطان محمود غزنوی کے زمانے میں البیرونی خطہ ہندو پاکستان میں آیا اور ہندوستانی علوم کا عمیق مطالعہ کرنے کے بعد اس علاقے اور ہندوؤں کے متعلق ایک نہایت اہم اور سیر حاصل کتاب لکھی۔البیرونی کے اپنے حالات پر اخفا کا پردہ چھایا ہوا ہے۔فقط اس کی تصانیف میں کہیں کہیں اس کے قلم سے اپنی نسبت جو کوئی لفظ ٹپک پڑا ہے، اسے پھیلا کر اس کی داستان حیات ترتیب دینی پڑتی ہے۔وہ خوارزم (خیوا) کے قریب ایک گاؤں بیرون میں ۹۷۳ء میں پیدا ہوا۔تیئس برس اپنے وطن میں گزارے پھر کئی سال شمس المعالی والی جرجان وطبرستان کے دربار سے وابستہ رہا اور یہیں ۱۰۰۰ء میں آثار الباقیہ لکھی۔اس کے بعد وہ خوارزم چلا آیا اور جب سلطان محمود غزنوی نے خوارزم کی حکومت کا خاتمہ کر دیا تو دوسرے اعیان ومشاہیر کے ساتھ ۱۰۱۷ء میں غزنی گیا۔محمود اس سے کسی بات پر ناراض رہا، لیکن اس کے بیٹے مسعود نے البیرونی کی سرپرستی کی۔موخر الذکر کے نام اس نے قانون مسعودی حنون کی۔اور بالآخر ۷۸ سال کی عمر میں ۱۱۴ سے زیادہ علمی کتابیں لکھنے کے بعد ۱۰۴۸ء میں وفات پائی۔بیہقی کی تاریخ الحکماء میں البیرونی کی نسبت لکھا ہے کہ اس نے چالیس سے زیادہ سال تحصیل علوم میں صرف کئے اور ایک اونٹ کے بوجھ سے زیادہ کتابیں لکھیں۔اس کا بوعلی سینا سے اکثر مناظرہ ہوتا تھا۔بیہقی نے البیرونی کا ایک قول نقل کیا ہے۔

''عاقل کے تواند بود کہ بہ تدبیر امروز از تدبیر فردا مستغنی شود''

البیرونی نے علوم تاریخ، سنین، ریاضی، ہیئت، جغرافیہ، طبیعات، کیمیا اور علم معدنیات میں کتابیں تصنیف کیں۔وہ عربی، فارسی، ترکی، خوارزمی کے علاوہ عبرانی اور یونانی سے واقف تھا اور سنسکرت میں تو اس نے عربی سے کئی کتابیں ترجمہ کیں۔البیرونی کی زندگی بیشتر خطۂ ہندو پاکستان سے باہر بسر ہوئی لیکن چونکہ اس کی مشہور ترین کتاب اسی سرزمین کے متعلق ہے، اس لئے یہاں کی علمی تاریخ میں اس کا ذکر آ جانا ناگزیر ہے۔علاوہ ازیں البیرونی کی تصانیف میں بے تعصبی، انصاف پرستی، اخلاقی جرأت اور عالمانہ تدبر کی بہترین مثالیں ملتی ہیں، جسے مسلمان اہل تحقیق نے اپنے عہد عروج میں اپنا مطمح نظر بنایا۔چنانچہ اُس زمانے کے مزاج علمی کا صحیح اندازہ لگانے کے لئے البیرونی کے طریق کار کا مطالعہ بے فائدہ نہ ہوگا۔

علماء ومشائخ

شیخ صفی الدین گازرونیؒ

عہد غزنویہ میں پاکستان کے جس شہر نے سب سے زیادہ فروغ حاصل کیا، لاہور تھا لیکن اس سرزمین میں اسلام کے قدیمی گہوارے سندھ اور ملتان کے علاقے ہیں اور ان میں اب صرف عرب سے ہی نہیں، بلاد عجم سے بھی علماء ومشائخ آنے شروع ہو گئے تھے۔اگر سندھ میں شیخ ابوتراب کے مزار کو، جو فی الواقع ایک ملکی حاکم تھے، شمار نہ کیا جائے تو سرزمین ہندو پاکستان

Marfat.com

میں سب سے قدیم اسلامی زیارت گاہ اچہ (ریاست بہاولپور) میں شیخ صفی الدین حقانی گازرونی کا مزار ہے۔ شیخ صفی الدین مشہور صوفی بزرگ خواجہ ابواسحاق گازرونی کے مرید اور خواہر زادے تھے، جو اپنی تبلیغی اور روحانی کوششوں کے لئے شہرۂ آفاق ہیں۔ شیخ صفی الدین ۹۶۲ء میں پیدا ہوئے۔ سترہ برس کی عمر میں اچہ تشریف لائے اور ۱۰۰۷ء میں وفات پا گئے۔

فوائد الفواد میں سلطان المشائخ (حضرت نظام الدین اولیاءؒ) کی زبانی ایک حکایت نقل ہوئی ہے کہ ایک مرتبہ اچہ میں ایک جوگی شیخ صفی الدین گازرونی کی خدمت میں آیا۔ بحث شروع کی اور شیخ سے کہا کہ اگر تم سچے ہو تو کوئی کرامت دکھاؤ۔ اس پر وہ جوگی زمین پر سے ہوا میں سیدھا اوپر کو اُڑا۔ اور پھر اپنی جگہ پر آ بیٹھا اور کہا کہ تم بھی کچھ دکھاؤ۔ شیخ نے آسمان کی طرف منہ کر کے درگاہِ باری تعالیٰ میں التجا کی کہ اے پروردگار! تو نے بیگانوں کو یہ طاقت عطا کی ہے۔ مجھے بھی کچھ عنایت کر! بعد ازاں شیخ اپنی جگہ سے قبلہ رُخ اُڑے۔ پھر مشرق کی سمت۔ پھر شمال کی، پھر جنوب کی طرف اور پھر اپنی جگہ پر آ گئے۔ جوگی یہ دیکھ کر قائل ہو گیا اور کہا کہ میں تو صرف سیدھا اوپر اُڑ سکتا ہوں اور آپ ہر سمت اُڑ سکتے ہیں۔ واقعی آپ سچے ہیں اور ہم باطل۔

اخبار الاخیار میں شیخ عبدالحق محدث لکھتے ہیں کہ قصبۂ اچہ کی بنیاد شیخ صفی الدین گازرونی نے رکھی۔ ان کے ماموں شیخ ابواسحاق گازرونیؒ نے انہیں نعمت خلافت سے فیض یاب کر کے حکم دیا کہ تم اونٹ پر سوار ہو جاؤ اور جدھر اُونٹ جائے، اُسی طرف چلے جاؤ، جب اونٹ اچہ کی سرزمین میں پہنچا تو ایسا بیٹھا کہ اُٹھنے سے انکار کر دیا۔ شیخ نے یہیں رہائش اختیار کیا، عمارتیں بنوائیں اور اس جگہ کو آباد کیا۔ فی الواقع قصبہ اچہ بہت پرانا ہے بلکہ ان شہروں میں سے ہے جن کی آبادی کو سکندر اعظم سے منسوب کیا جاتا ہے لیکن بہت دفعہ اُجڑ کر بگڑا اور آس پاس کئی آبادیاں ہوائیں۔ ممکن ہے شیخ نے پرانی آبادی سے دور ایک بستی بسائی ہو۔

شاہ یوسف گردیزی ملتانیؒ

سندھ و ملتان کی دوسری زیارت گاہ ملتان میں اہ محمد یوسف گردیزیؒ کا مزار ہے۔ ان کا خاندان اصل میں بغداد کا تھا لیکن ان کے بزرگ بغداد سے گردیز چلے گئے اس لئے اب انہیں گردیزی کہتے ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث نے تو شاہ صاحب کو شیخ بہاؤ الدین زکریا کا ہمعصر بیان کیا ہے لیکن مقامی روایات کے مطابق آپ کی تاریخ والدت ۴۶۲ ہجری ۱۰۶۹ء اور تاریخ وفات ۵۴۷ھ (۱۱۵۲ء) ہے۔ آپ گردیز میں پیدا ہوئے اور بہرام شاہ غزنوی کے عہد حکومت میں ملتان تشریف لائے۔ آپ ک امزار ملتان کی مشہور زیارت گاہوں میں سے ہے شاہان اسلام نے اس کے ساتھ بہت سی جاگیریں معافی میں دے رکھی تھیں۔ لیکن مہاراجا رنجیت سنگھ نے انہیں ضبط کر لیا۔

خطۂ لاہور کے علماء و مشائخ

سندھ اور ملتان کے بعد شمالی ہندوستان میں ہدایت کا سرچشمہ سب سے پہلے لاہور میں پھوٹا بلکہ سندھ اور ملتان پر قرامطہ قابض ہو گئے تھے اور ان کا کئی صدیوں تک کسی نہ کسی صورت میں وہاں اثر برقرار رہا۔ اس لئے لاہور کو جلد ہی ان علاقوں پر فوقیت حاصل ہو گئی اور جب ہندوستان میں اسلامی حکومت کے قیام کے بعد قرمطیوں کا ملتان اور سندھ سے قلع قمع ہوا تب ہی

Marfat.com

شیخ بہاؤالدین زکریا اور دوسرے بزرگوں کی بدولت ملتان کو اپنی کھوئی ہوئی عظمت واپس ملی۔

شیخ اسماعیل لاہوری

تاریخی کتابوں میں سب سے پہلے جس مبلغ اسلام کا نام آتا ہے وہ شیخ اسماعیل لاہوری تھے جو یہاں اُس زمانے میں آئے جب ابھی لاہور میں ایک ہندو راجا حکمران تھا۔ وہ شاید سلطان محمود غزنوی کو خراج دیتا تھا لیکن سلطان نے ابھی لاہور میں اپنا نائب مقرر نہیں کیا تھا۔ شیخ اسماعیل بخاری سید تھے اور علوم ظاہری اور باطنی دونوں میں دسترس رکھتے تھے۔ ان کی نسبت لکھا ہے کہ واعظین اسلام میں وہ سب سے پہلے بزرگ تھے، جنہوں نے لاہور کے شہر میں جہاں وہ ۱۰۰۵ء میں آئے تھے، وعظ کیا۔ ان کی مجلس وعظ میں سامعین کا ہجوم ہوتا تھا اور ہر روز صدہا لوگ خلعتِ اسلام سے مشرف ہوتے تھے۔ تذکرۂ علماء سے ہند میں لکھا ہے "از عظما سے محدثین ومفسرین بود۔ اول کسے است کہ علم تفسیر وحدیث ہ لاہور آوردہ۔ ہزار ہا مردم۔ در مجلس وعظ وے مشرف باسلام شدند۔ در سال چہار صد و چہل و ہشت ہجری در لاہور۔ در گذشت" خزینۃ الاصفیاء کا بیان ہے "چوں شیخ اسماعیل در لاہور تشریف آورد۔ بروز جمعہ ثالث یک ہزار کس در زمرۂ اہل توحید داخل گشتند"

شیخ اسماعیل کے علاوہ لاہور میں دوسرے متعدد علماء ومشائخ تھے۔ علامہ سمعانی نے کتاب الانساب میں اس شہر کو بابرکت اور کثیر الخیر شہروں میں شمار کیا ہے کیونکہ یہاں بہت سے علماء وصلحا پیدا ہوئے لیکن انہوں نے نام فقط تین گنائے ہیں۔ ان میں زیادہ مشہور ابوالحسن علی بن عمر بن حکم لاہوری تھے۔ جو ادیب وشاعر ہونے کے ساتھ ساتھ محدث بھی تھے۔ اور ان کے فیوض اس قدر عام تھے کہ نہ صرف ہندوستان بلکہ بغداد بھی ان سے مستفید ہوا۔ علامہ سمعانی فرماتے ہیں کہ اگرچہ مجھے ان سے بذات کو فیض پانے کا موقع نہیں ملا۔ لیکن حافظ ابوالفضل محمد بغدادی کے واسطہ سے میں ان کا شاگرد ہوں۔ ان کے ایک دوسرے شاگرد ابوالفتح عبدالصمد لاہوری تھے۔ جو سمرقند میں درس دیتے تھے۔ اور وہیں علامہ سمعانی نے ان سے شیخ ابوالحسن کی روایتیں سنیں، شیخ ابوالحسن کا وصال ۵۲۹ھ میں ہوا۔

لاہور کے شعراء وادباء کے حالات ہم ارمغانِ پاک کے دیباچہ (اشاعت ثانی) میں درج کر چکے ہیں۔

حضرت داتا گنج بخش لاہوریؒ

شیخ اسماعیل سے بھی زیادہ جس بزرگ نے نام پیدا کیا، وہ غزنی کے شیخ علی بن عثمان ہجویریؒ تھے جو داتا گنج بخش کے نام سے زیادہ مشہور ہیں۔ وہ ۱۰۰۹ء کے قریب پیدا ہوئے اور مختلف اسلامی ممالک کے سفر کے بعد سلطان مسعود ابن محمود غزنوی کے اخیر عہد حکومت میں دو ساتھیوں کے ہمراہ لاہور تشریف لائے۔ یہاں آپ نے ایک مسجد کی تعمیر میں حصہ لیا۔ کچھ دیر تک درس دیتے رہے۔ پھر تصنیف وتالیف میں مشغول ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ کئی لوگ آپ کے ہاتھ پر اسلام لائے، جن میں سے رائے راجو جو سلطان مودود ابن مسعود غزنوی کی طرف سے لاہور کا نائب تھا، خاص طور پر ذکر کے قابل ہے۔ مسلمان کرنے کے بعد آپ نے اس کا عرف شیخ ہندی رکھا اور اس کی نسل کے لوگ دو چار سال پہلے تک آپ کے مزار کے خدام ومجاور تھے۔ آپ کی

Marfat.com

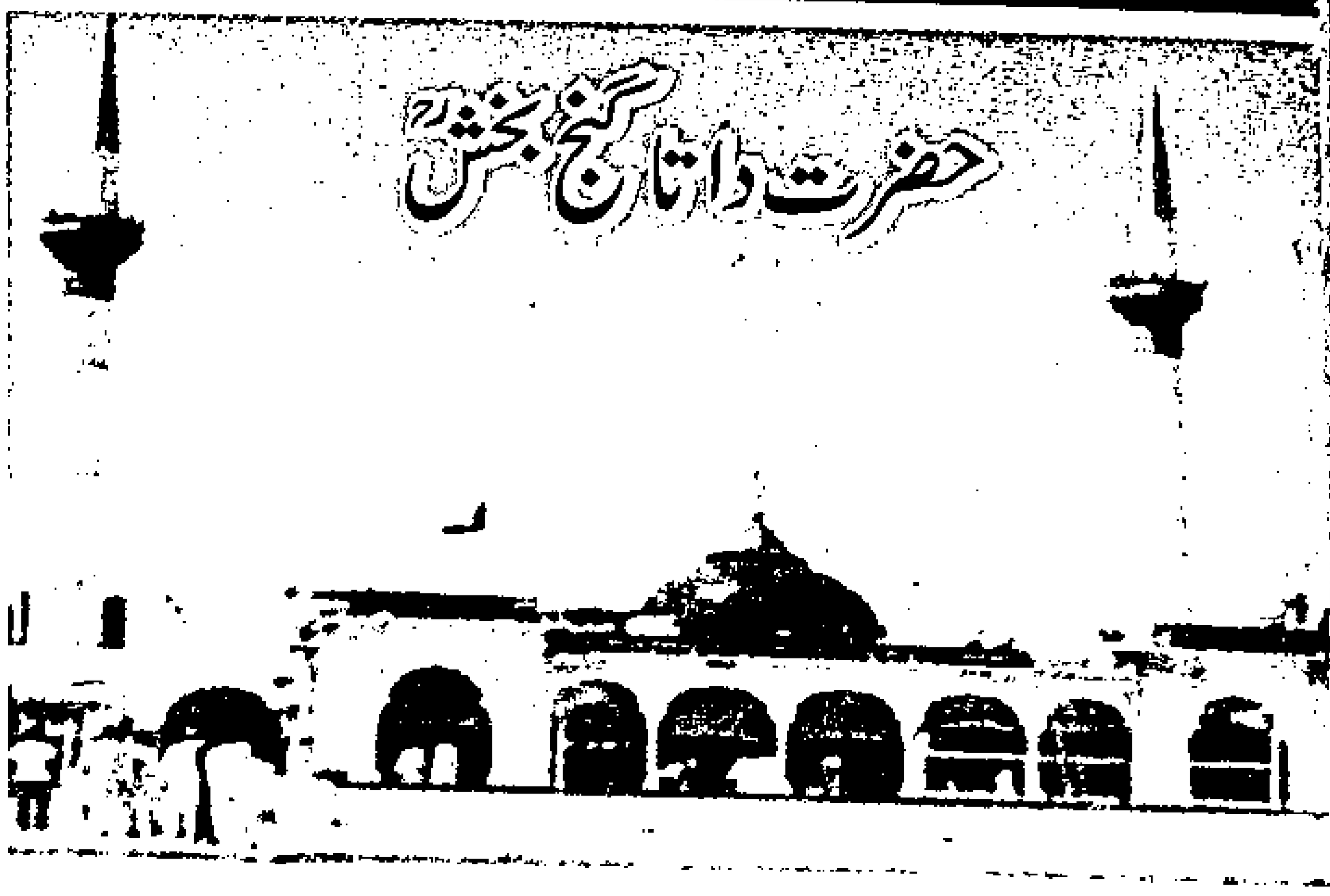
حضرت داتا گنج بخشؒ

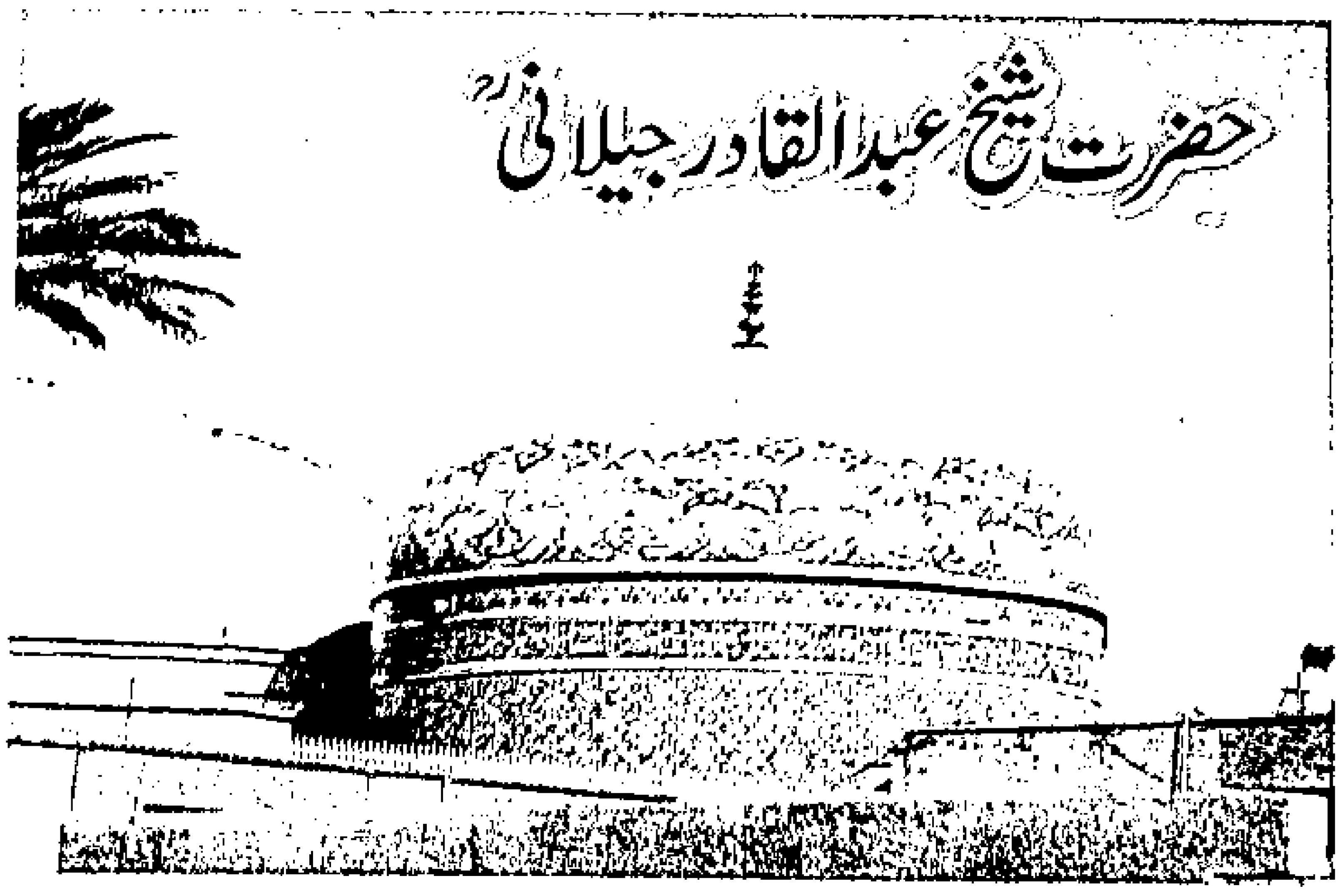
حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ

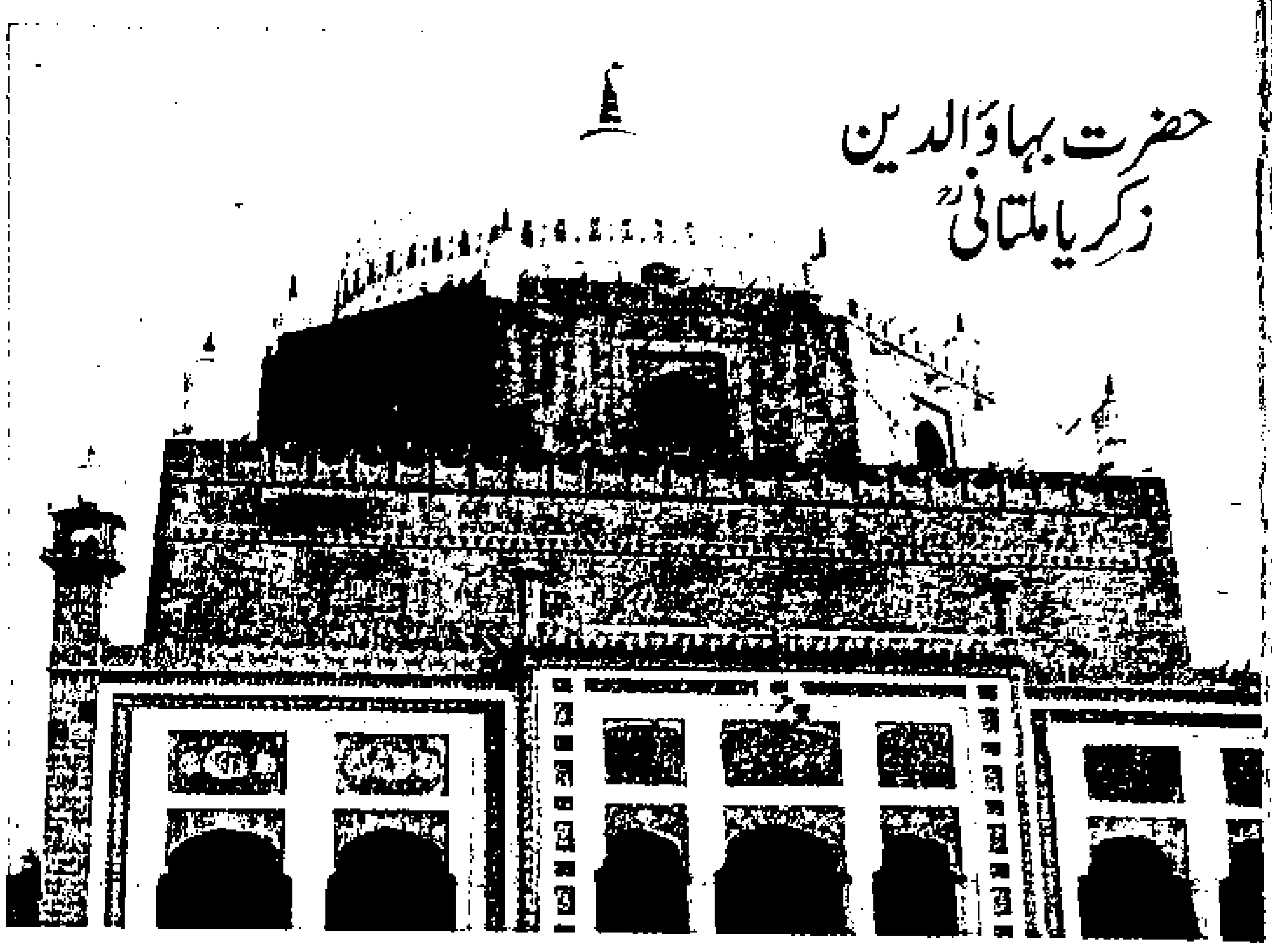
حضرت بہاؤالدین
زکریا ملتانیؒ

حضرت خواجہ غریب نوازؒ

حضرت مجدد الف ثانی

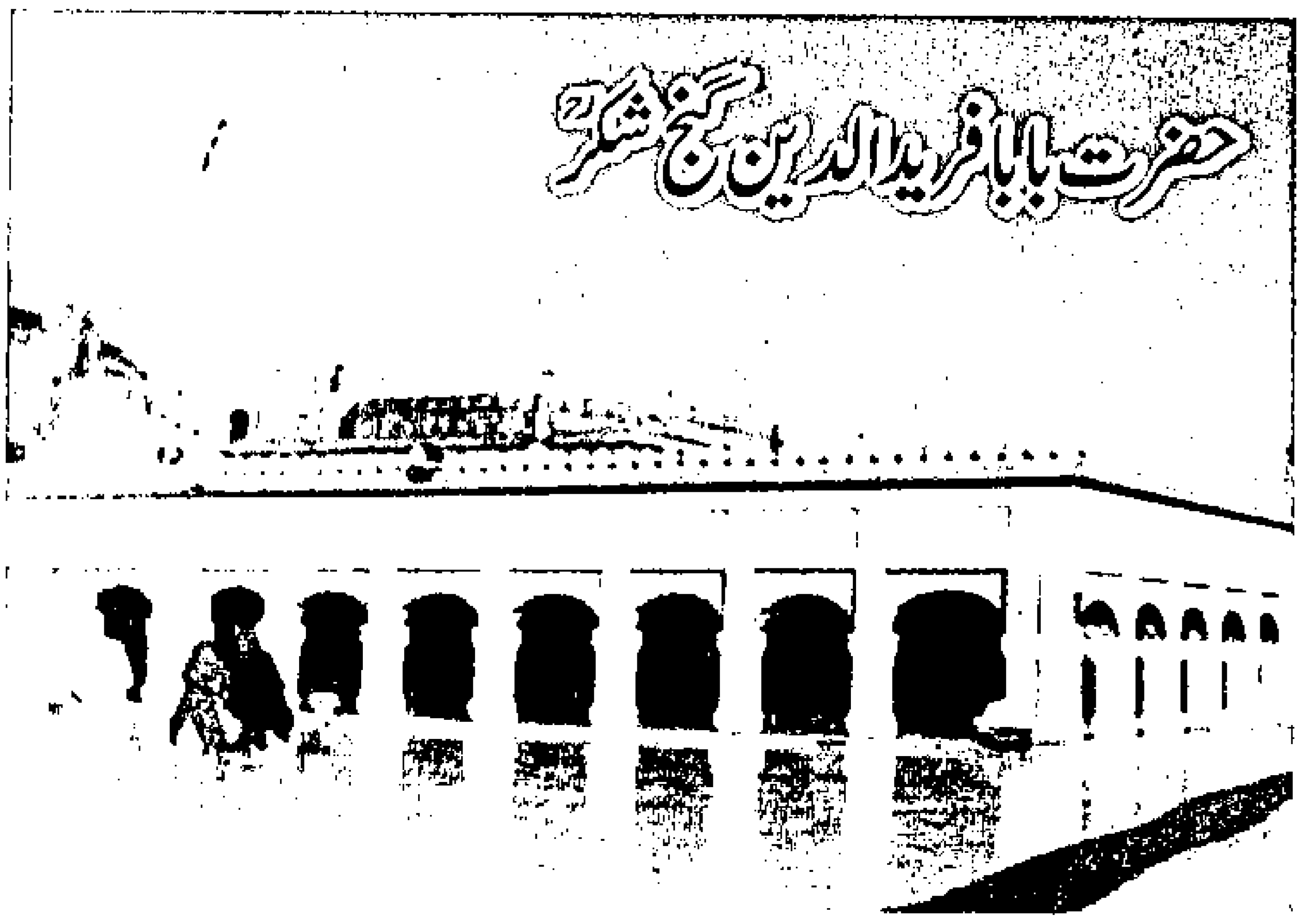
حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ

حضرت شاہ ولی اللہؒ

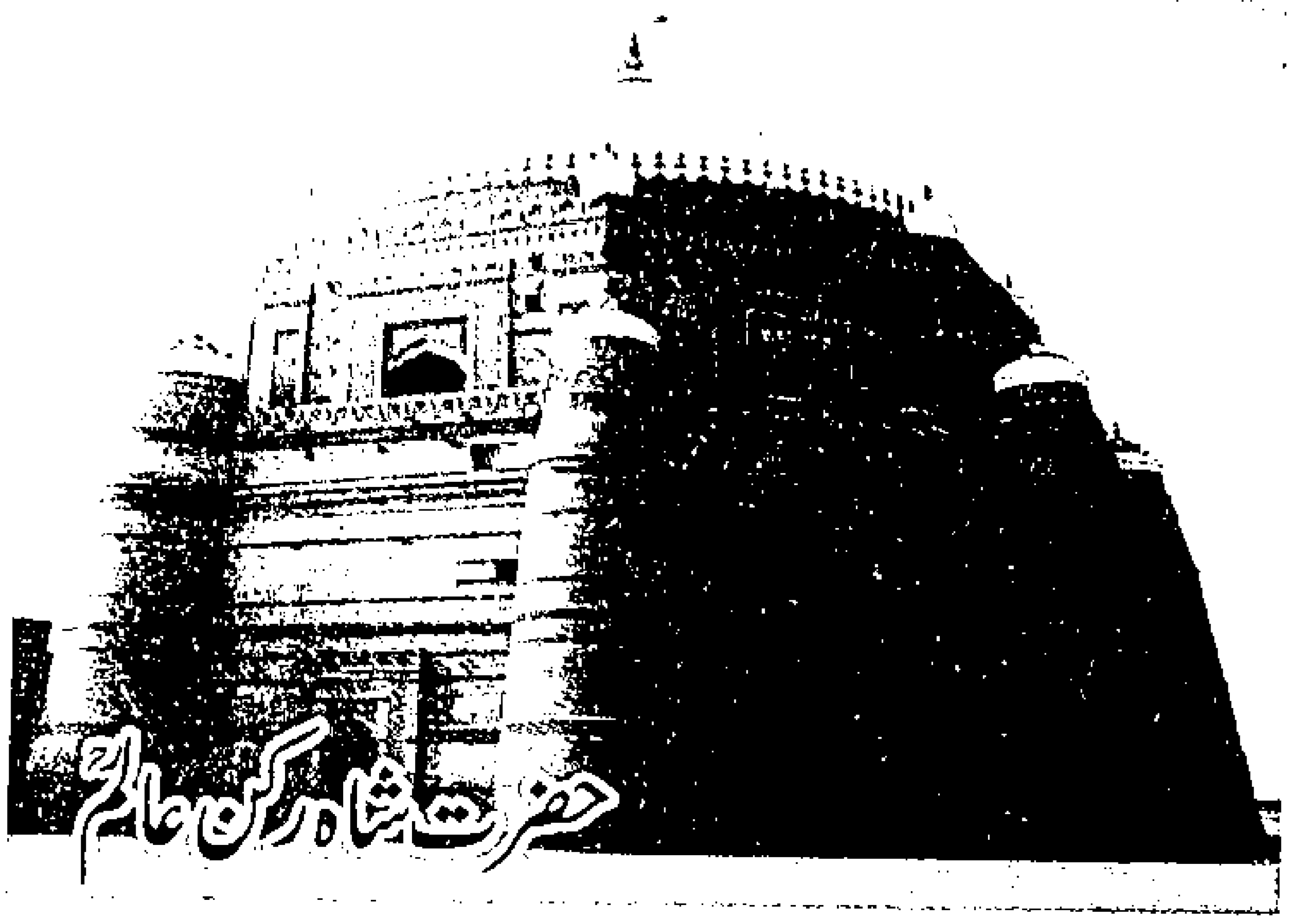
حضرت شاہ رکن عالمؒ

Marfat.com

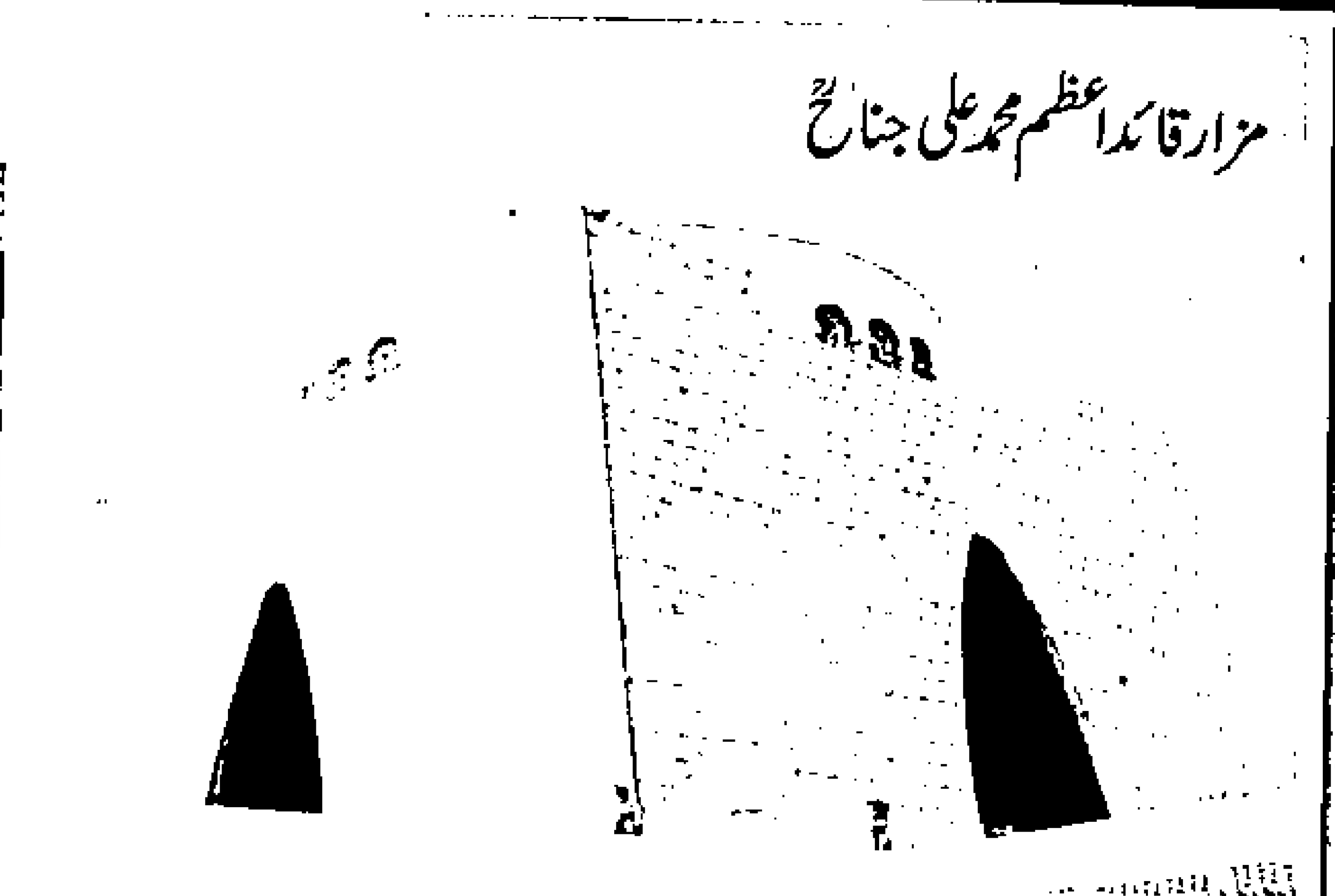
مزار قائداعظم محمد علی جناحؒ

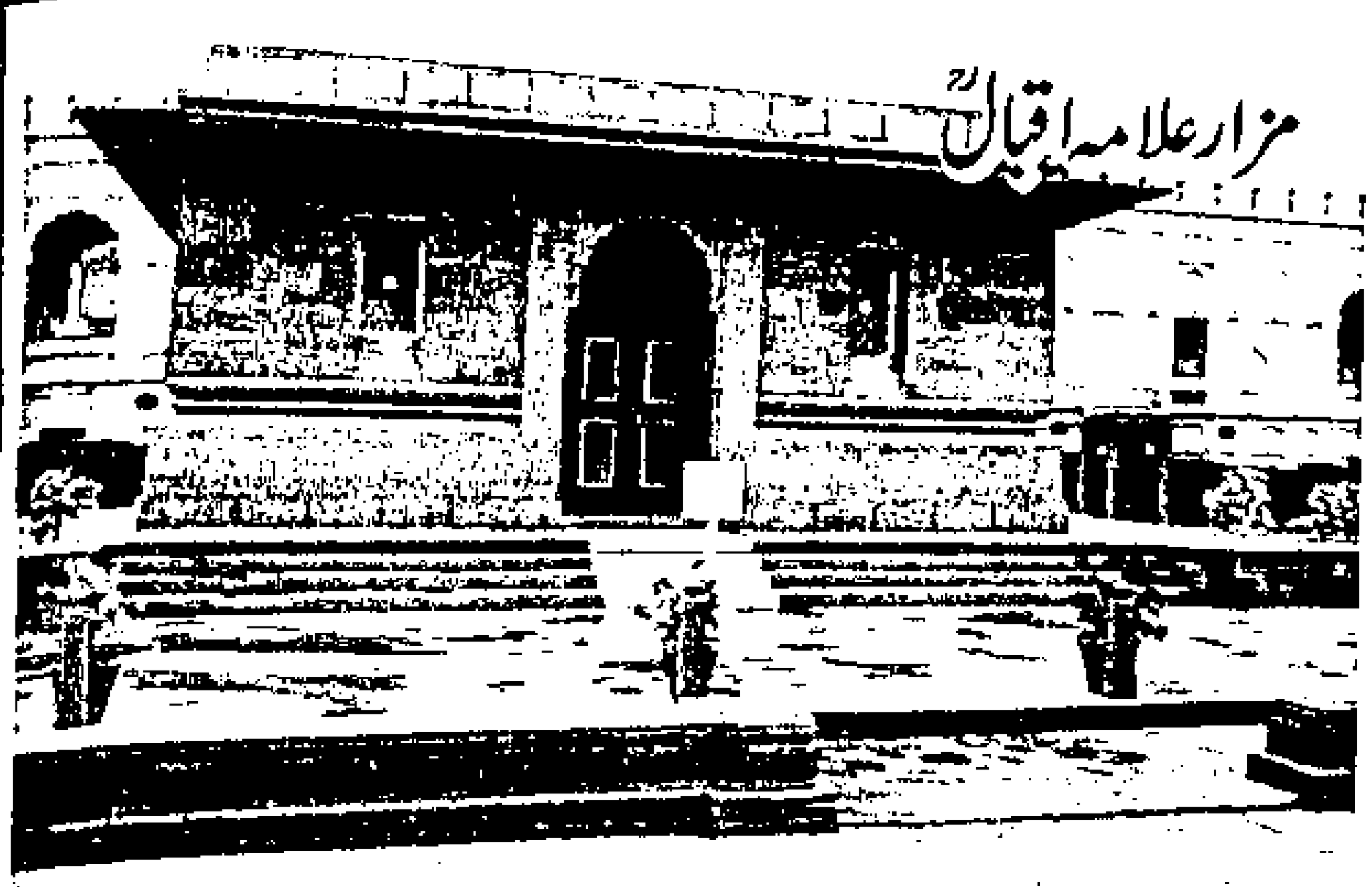
مزار علامہ اقبالؒ

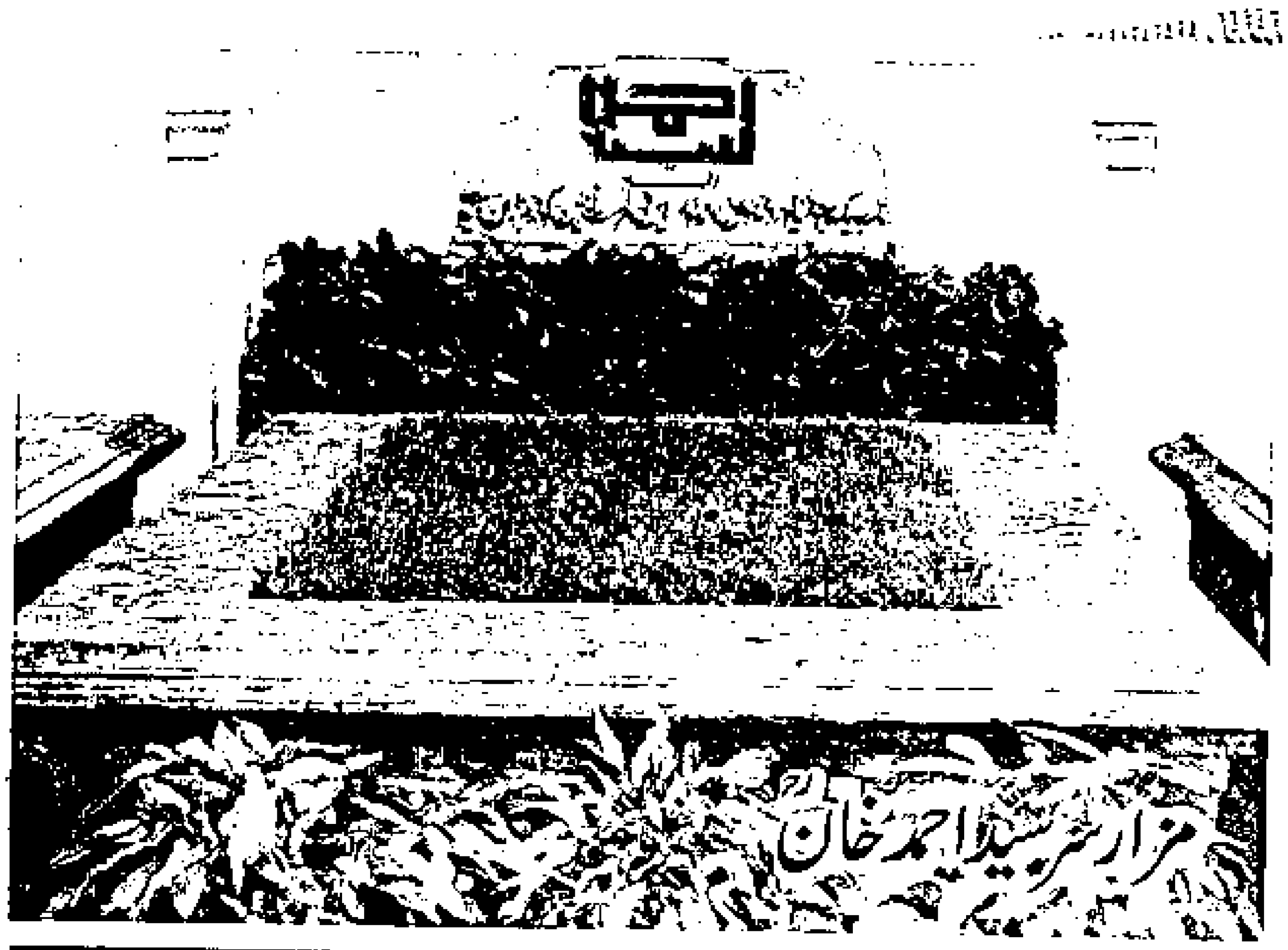
مزار سر سید احمد خانؒ

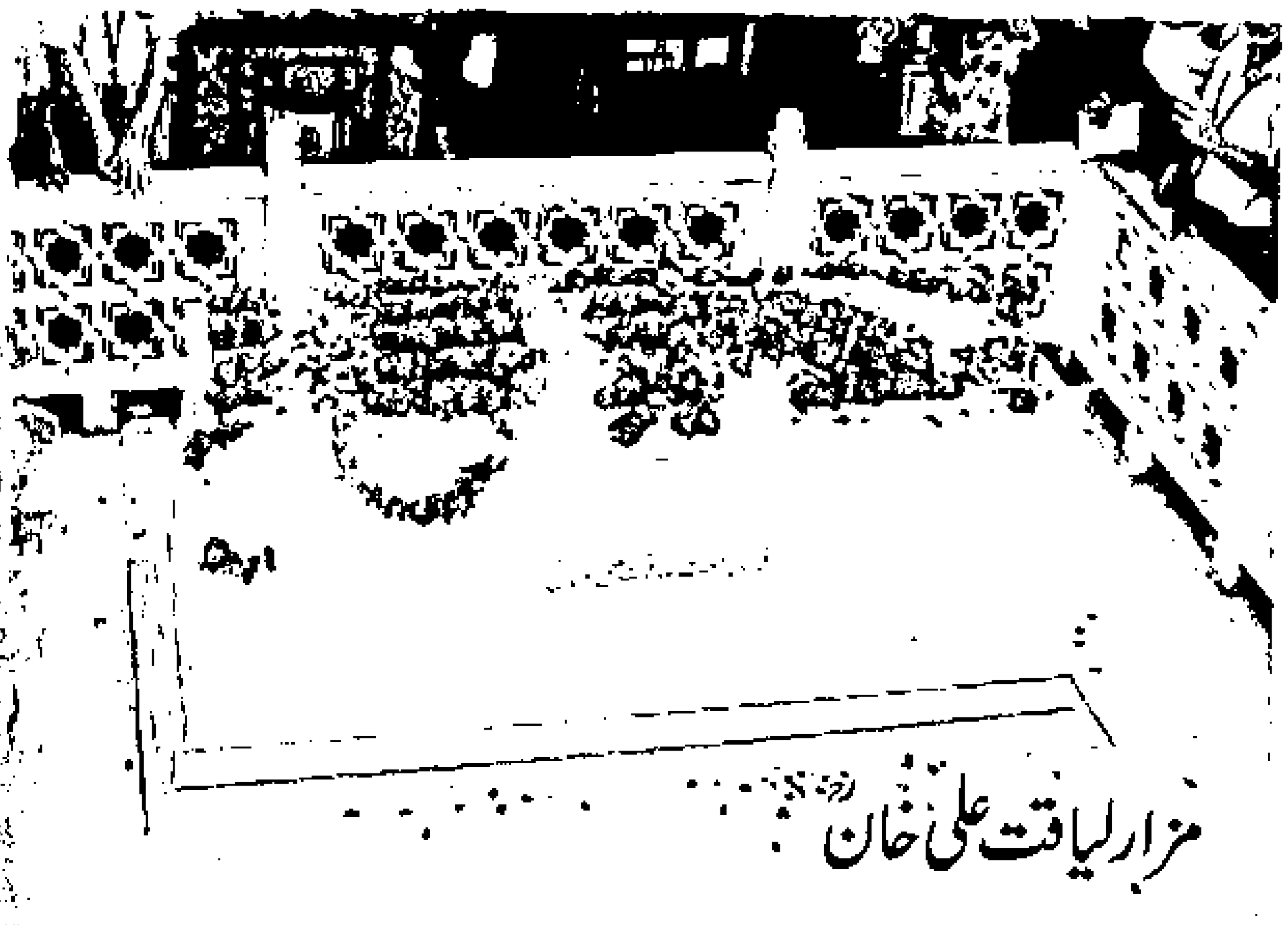
مزار لیاقت علی خان

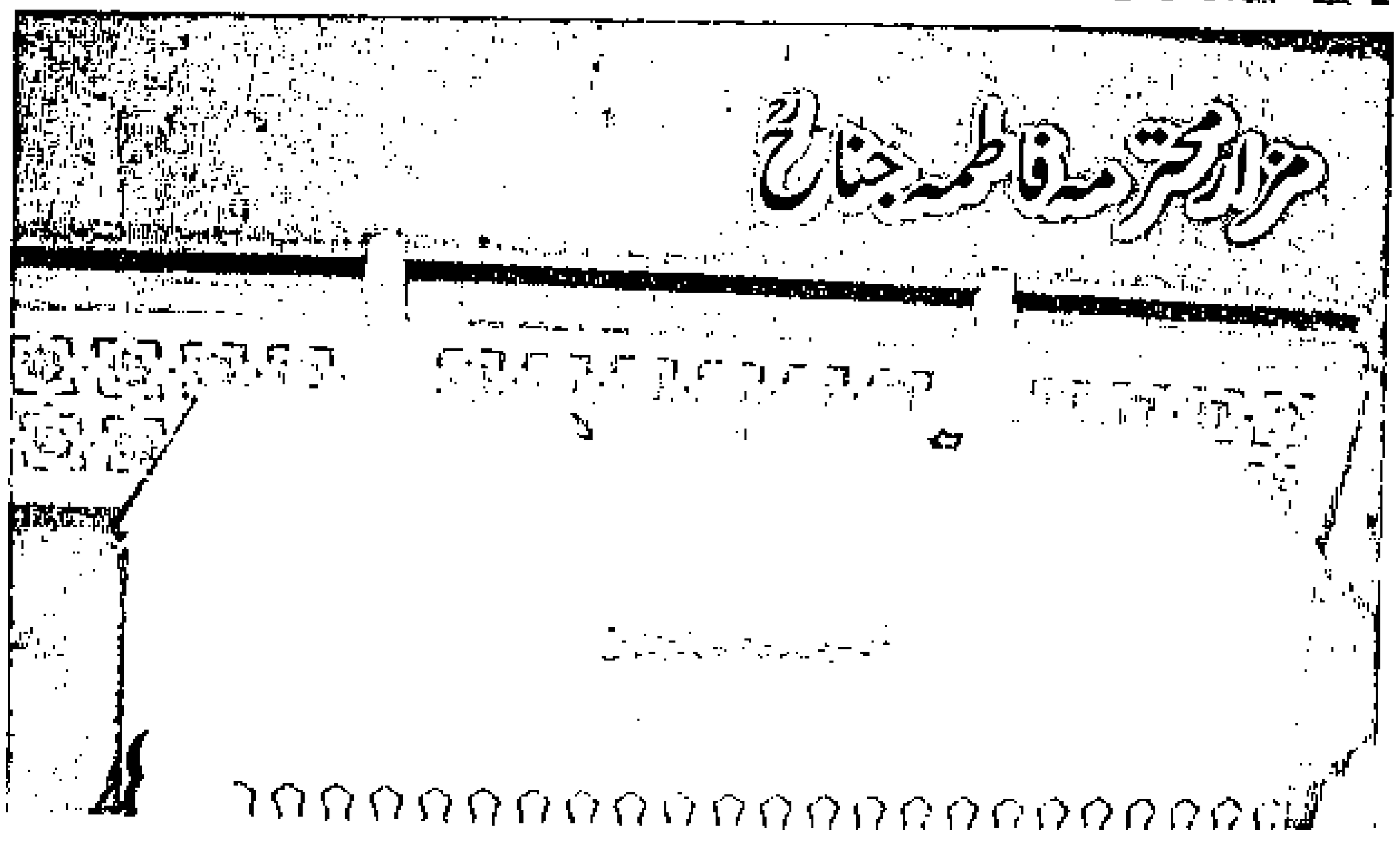
مزار محترمہ فاطمہ جناحؒ

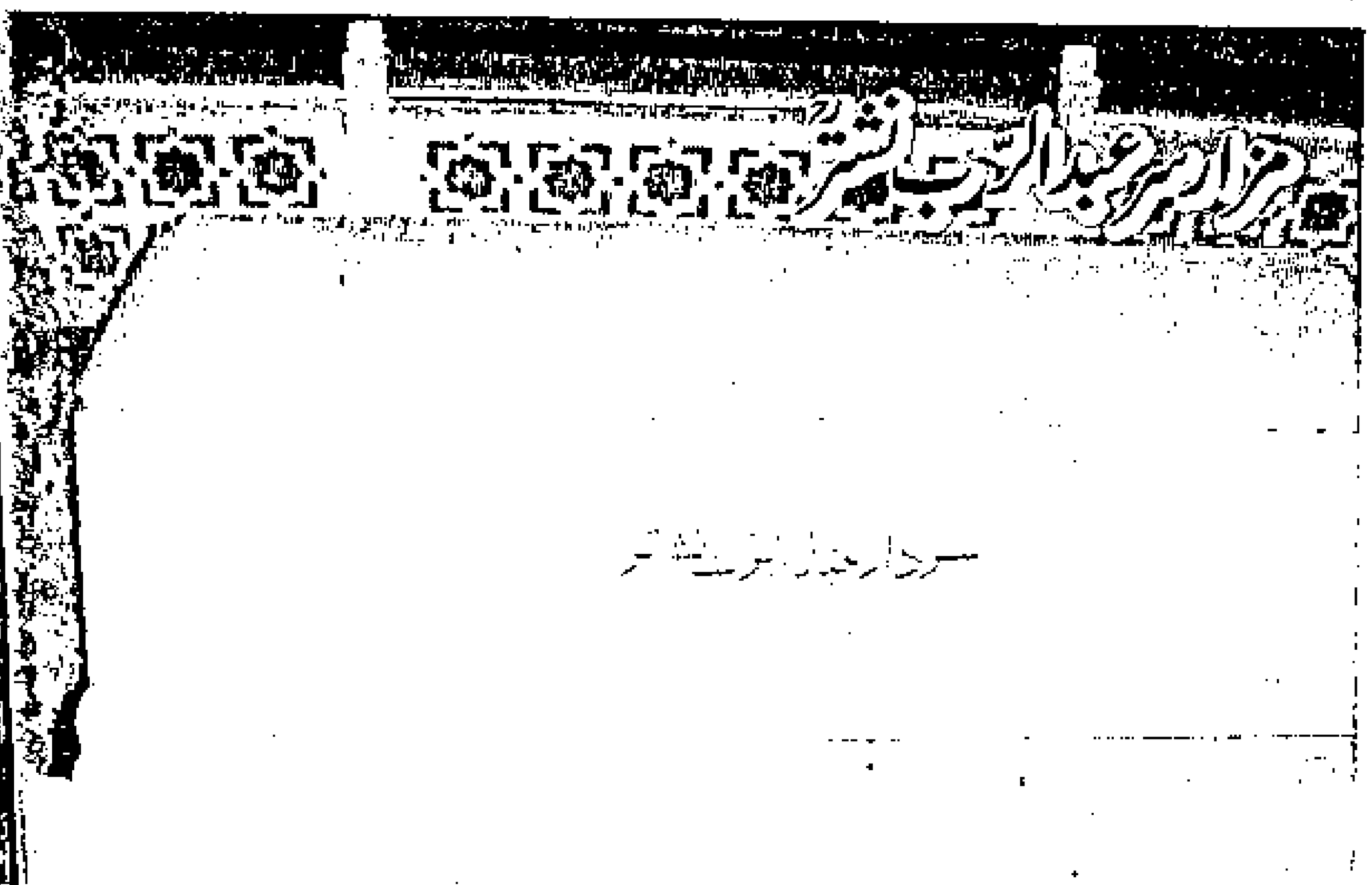
مزار سردار عبدالرب نشترؒ

مزار پیر جماعت علی شاہؒ

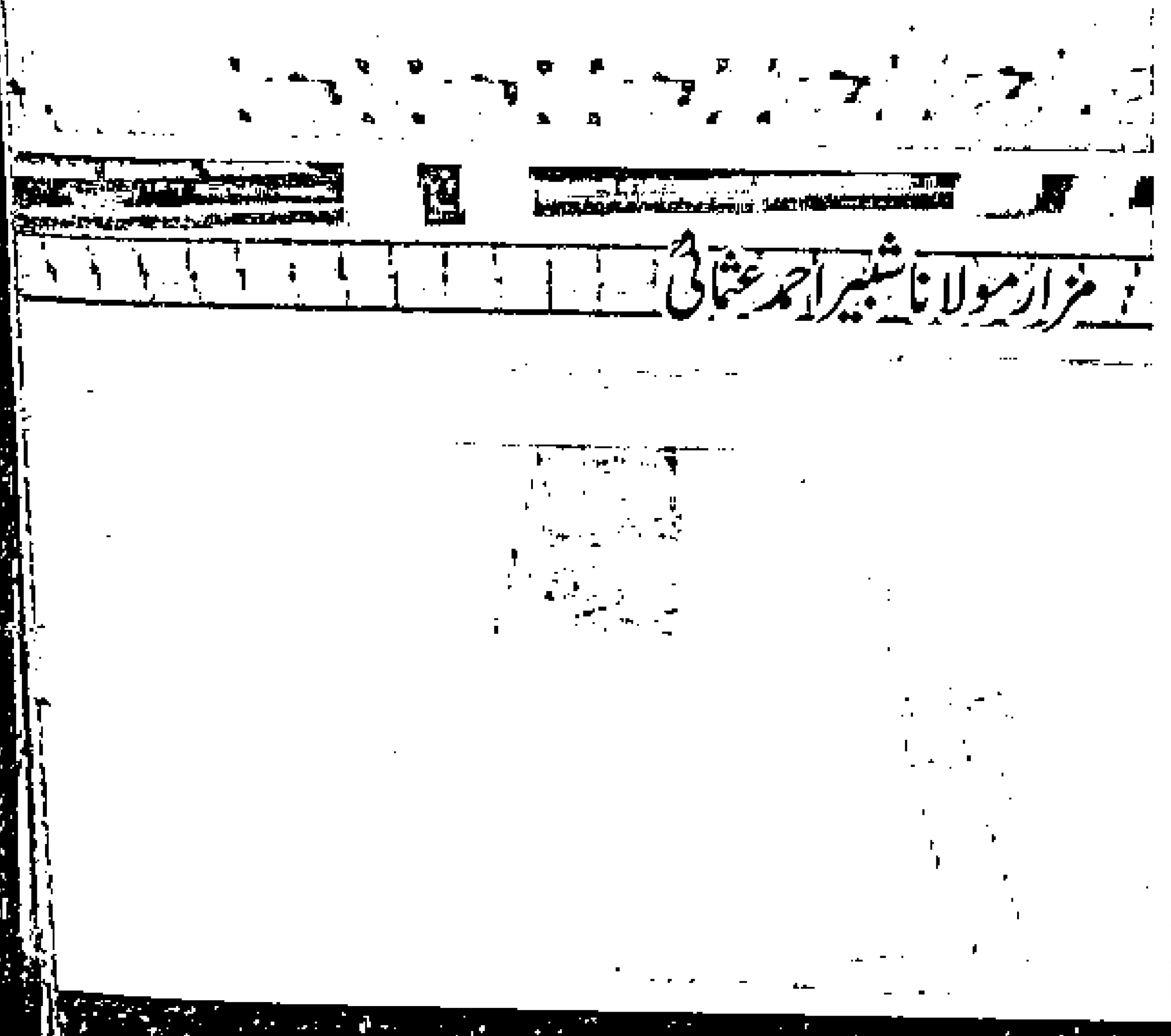
مزار مولانا شبیر احمد عثمانیؒ

Marfat.com

وفات ۱۰۶۵ھ میں یعنی ۱۰۷۲ء کے قریب ہوئی۔

جب داتا گنج بخش پاکستان آئے اس وقت تصوف اپنی تاریخ کے دوسرے دور میں تھا۔ لیکن ابھی زہد و اتقا کو تصوف میں نمایاں جگہ حاصل تھی اور داتا صاحب تو شرع اور اصول دینی پر پوری طرح عامل تھے۔ انہوں نے اپنے زمانے کے صوفی فرقوں کا حال لکھا ہے۔

''میں نہیں جانتا فارسی کون ہے اور ابوسلمان کون اور انہوں نے کیا کیا اور کیا کہا۔ لیکن جو شخص تحقیق اور توحید کے خلاف چلتا ہے، اس کو دین میں کچھ نصیب نہیں ہوتا اور جب دین جو اصل ہے مضبوط نہ ہو تو تصوف جو اس کی شاخ ہے کس طرح مفید ہو سکتا ہے''

داتا گنج بخش کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ مثلاً کشف المحجوب، کشف الاسرار، منہاج الدین، البیان لاہل العیان، یہ کتابیں اس وقت لکھی گئیں جب تصوف کی مشہور کتابیں مثلاً شیخ شہاب الدین سہروردی کی عوارف المعارف اور ابن عربی کی فصوص الحکم ابھی نہیں لکھی گئی تھیں اور تصوف کی موجودہ تدوین، جس نے بعض باتوں میں اسے شرعی اسلامی سے ایک مختلف نظام بنا دیا ہے، نہ ہوئی تھی۔

حضرت داتا گنج بخش کی تصانیف میں متاخرین صوفیہ کا غلو یا نیم پختہ عقائد اور خیالات کا طومار نہیں۔ بیشتر دنیا اور دنیاداری سے دور رہ کر مرشد کی پیروی کر کے اللہ اللہ کرنے اور دل کو کبر و حرص سے پاک رکھنے کی باتیں ہیں۔ آپ شاعر بھی تھے۔ دیوان تو اب نہیں ملتا البتہ نثر کی بعض کتابوں میں اشعار موجود ہیں۔

اشتیاقت روز و شب وارم دلا — عشق تو دارم نہان و بر ملا

جاں بخواہم داد اندر کوئے تو — گر مرا آزار آیدیا بلا

سوز تو دارم میان جان و دل — میدہم از عشق تو ہر سو صدا

دلبر از تو بہے خو اہم لقا — گُن تو ''آرے'' وگُن ہرگز رتو ''لا''

اے علی تو فرخی در شہر کو — دہ زعشق خویشتن ہر سو صلا

امام حسن صنعانی لاہوریؒ

جو مرتبہ قدیم مشائخ میں داتا گنج بخش کا تھا، قریب قریب وہی مرتبہ اس دور کے علماء و محدثین میں محدث امام رضی الدین ابوالفضائل حسن صنعانی لاہوری کا تھا۔ ان کے والد ماوراء النہر سے آکر ہندوستان میں سکونت پذیر ہوئے۔ امام صنعانی لاہور میں ۱۱۷۵ء میں پیدا ہوئے، یہیں نشو و نما پائی۔ مولنا عبدالحی ندوی نزہتہ الخواطر میں لکھتے ہیں کہ سلطان اطب الدین ایبک نے ان کو لاہور کی قضاۃ پیش کی، لیکن انہوں نے قبول نہ کی اور مزید علوم کی تحصیل کے لئے وطن سے باہر نکل کھڑے ہوئے۔ پہلے غزنی آئے۔ پھر عراق پہنچے۔ جہاں علوم و فنون کی تکمیل کی۔ اور لغت و حدیث کے امام قرار پائے۔ بغداد میں آپ

Marfat.com

نے خلیفہ مستنصر باللہ عباسی کے لئے اپنی مشہور ومعروف کتاب مشارق الانوار لکھی۔ جس کے صلہ میں ان کو خلعت عطا ہوا۔ پھر مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔ جب بغداد واپس آئے تو خلیفہ نے انہیں وہ اہم فرمان دے کر سلطان شمس الدین التمش کے پاس بھیجا، جس میں موخر الذکر کی مستقل حکومت اور خود مختاری تسلیم کی تھی۔ آپ ایک عرصہ ہندوستان رہے پھر حج کے لئے مکہ معظمہ گئے۔ وہاں سے بغداد میں آکر پھر درس وتدریس شروع کیا۔ خلیفہ بغداد کی طرف سے سفیر بن کر وہ سلطانہ رضیہ کے عہد میں پھر ہندوستان آئے اور یہاں کچھ عرصہ قیام کر کے پھر بغداد گئے اور ۶۵۰ء میں وہیں وفات پائی۔ آپ کا جسد خاکی حسب وصیت مکہ معظمہ منتقل کیا گیا۔ آپ نے لغت، حدیث اور فقہ میں متعدد کتابیں لکھیں۔ بعض کتابیں نہایت طویل اور مفصل تھیں۔ مثلاً فنِ لغت میں ایک کتاب بیس ۲۰ جلدوں میں تھی اور دوسری بارہ جلدوں میں۔ لیکن شاید سب سے زیادہ مقبولیت مشارق الانوار کو حاصل ہوئی۔ جس میں احادیث کی ترتیب ابتدائی الفاظ کی بناء پر تھی۔ اس کتاب کو ہندوستان اور ہندوستان سے باہر بڑی شہرت حاصل ہوئی۔ ایک عرصے تک ہندوستان میں علم حدیث میں فقط یہی کتاب رائج تھی۔ اور ''عالم اسلام کے ممتاز علما نے ڈھائی ہزار سے زیادہ شروح وحواشی لکھے'' (بزم مملوکیہ) کتابوں کے علاوہ آپ کا فیض آپ کے شاگردوں نے عام کیا۔ جن میں مولانا برہان الدین محمود بلخی کا ذکر بھی اہم ہے۔

سلطان سخی سرور

حضرت داتا گنج بخش کے بعد جس بزرگ نے پنجاب میں نام پیدا کیا وہ سلطان سخی سرور تھے۔ آپ کا نام سید احمد تھا اور سلطان سخی سرور یا لکھ داتا کے لقب سے مشہور ہیں۔ مضافات ملتان میں ایک موضع کرسی کوٹ میں پیدا ہوئے اور لاہور میں مولوہ محمد اسحٰق لاہوری سے علوم ظاہری کی تکمیل کی۔ مشہور ہے کہ تصوف میں آپ نے اپنے والد کے علاوہ حضرت غوث اعظم اور شیخ شہاب الدین سہروردی سے بھی فیض حاصل کیا۔ اسکے بعد لاہور سے کوئی ساٹھ ستر میل شمال مغرب کی طرف وزیر آباد کے پاس موضع سودھرہ میں اقامت اختیار کی۔ اور یاد الٰہی اور ہدایت خلق میں مشغول ہوئے۔ آپ کو خدا نے بڑی قبولیت دی۔ حلقت کے حصول اُمرا کے لئے آپ کے پاس آتے اور کوئی نامراد نہ جاتا۔ اس لئے آپ سلطان سخی سرور کے لقب سے مشہور ہیں۔ بعد میں آپ مقام دھونکل میں کئی سال رہے۔ اس کے بعد وطن کی محبت دامن گیر ہوئی اور ضلع ڈیرہ غازی خاں کے ایک گاؤں میں جسے اب شاہ کوٹ کہتے ہیں، واپس تشریف لے گئے، وہاں بھی آپ کو بڑا فروغ ہوا۔ حاکم ملتان نے اپنی بیٹی آپ سے بیاہ دی لیکن اس سے حاسدوں کی آتش حسد بھی تیز ہوئی۔ چنانچہ انہوں نے یکجا ہو کر آپ کو اور آپ کے بھائی اور بیٹے اور اہلیہ محترمہ کو شہید کر دیا۔ یہ واقعہ ۱۱۸۱ء کا ہے۔ مزار شاہ کوٹ کے قریب ہے۔

سلطان سخی سرور کے ساتھ صوفی تذکرہ نگاہوں نے بڑی بے اعتنائی برتی ہے لیکن پنجاب میں آج بھی ان کا اثر دیکھ کر کہا جاسکتا ہے کہ وہ بڑے صاحب سطوت بزرگ تھے۔ بالخصوص پنجاب میں شاید ہی کوئی مسلمان اہل اللہ ہوگا جس کے اس کثرت سے ہندو معتقد ہوں۔ آپ کے ہندو معتقدوں کو سلطانی کہتے ہیں اور مشرقی پنجاب بالخصوص جالندھر ڈویژن کے تمام

Marfat.com

زراعت پیشہ جاٹ ہندو جو سکھ نہیں ہو گئے، سلطانی ہیں۔ ضلع جالندھر کے سرکاری گزیٹر میں لکھا ہے ''اجمالی طور پر ہندو آبادی دو حصوں میں تقسیم ہوسکتی ہے۔ گرو کے سکھ یعنی ''سکھ'' اور ''سلطان نے ایک مسلمان پیر کے جسے سلطان سخی سرور یا لکھ داتا بھی کہتے ہیں پیرو ہیں'' (ص ۱۲۱) آگے چلکر لکھا ہے ''زراعت پیشہ ہندوؤں میں سلطانیوں کی اکثریت ہے اور ان میں کئی چمار بھی ہیں۔ ان کا بیان ہو چکا ہے۔ اگر وہ گوشت کھائیں تو صرف حلال کیا ہوا گوشت کھاتے ہیں۔ وہ سکھوں کے خلاف حقہ کثرت سے پیتے ہیں۔ اور سر کے بال جس طرح چاہیں رکھتے ہیں۔ ان کے دیہات میں گاؤں سے باہر سلطان کی زیارتیں ہوتی ہیں۔ آٹھ یا دس فٹ کے قریب اونچی چوڑی اور لمبی، جن کے اوپر ایک گنبد ہوتا ہے اور چار کونوں پر چھوٹے چھوٹے مینار ہوتے ہیں۔ ہر جمعرات کو یہ زیارت صاف کی جاتی ہے اور رات کو چراغ جلائے جاتے ہیں۔ جمعرات کو اس زیارت کا نگہبان جو مسلمان اور بھرائی قوم کا فرد ہوتا ہے گاؤں میں ڈھول لے کر جاتا ہے اور نیاز اکھٹی کرتا ہے (ص ۱۲۴) ضلع لدھیانہ کے گزیٹر میں بھی اسی طرح کا اندراج ہے ''ابھی تک یہ تحقیق نہیں ہوسکا کہ سلطان سخی سرور سے عقیدت مندی اُس ضلع میں کب شروع ہوئی لیکن کہا جاتا ہے کہ جاٹ گذشتہ تین چار سو سال میں یہ عقائد اپنے ساتھ لائے۔ یہ امر غالب ہے کہ سلطانی عقائد پندرھویں سولھویں صدی کے درمیان مغربی پنجاب سے مشرق کی جانب پھیلتے گئے اور گورو گوبند سنگھ کے زمانے میں قریباً سبھی جاٹ سلطانی تھے۔ کیونکہ جو ہندو سکھ ہوئے تھے وہ بھی سلطانیوں میں سے تھے۔ سلطانی ظاہراً عام ہندوؤں کی طرح شو یا دیوی کے پجاری ہیں لیکن جمہور کے ہندو مذہب کی یہ امتیازی خصوصیت ہے کہ پیر اور اس کے پیر خانہ نے محسوس ہونے کی بنا پر دیوتاؤں کو بالکل نکال دیا ہے''

سلطانیوں کی سب سے بڑی رسم سلطان سخی سرور کے مزار کی زیارت ہے جو وسطِ فروری کے قریب شروع ہوتی ہے اور بھرائی اپنے اپنے دیہات سے قافلے لے کر ڈیرہ غازی خاں کا رُخ کرتے ہیں۔ سکھوں کے عہد حکومت میں دیوان ساون مل نے جو ملتان کا گورنر تھا یہ جاترا بند کرنے کی کوشش کی اور تمام ہندوؤں کو جو سلطان سخی سرور کی زیارت کو جاتے تھے فی کس سو روپیہ جرمانہ کیا۔ لیکن اس سے بھی معتقد نہ رکے اور انیسویں صدی کے اخیر تک، جب لدھیانہ اور جالندھر کے گزیٹر مرتب ہوئے۔ سلطانی ہندو اپنے عقائد میں مستحکم تھے۔ لیکن سننے میں آیا ہے کہ اب کچھ عرصے سے ان میں باقاعدہ سکھ ہو جانے کا رجحان زوروں پر ہے اور شاید جالندھر لدھیانہ اور دوسرے مشرقی اضلاع میں ان کی تعداد کم ہوگئی ہے۔

سندھ کے نقشبندی اولیاءؒ

ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خان صاحبؒ لکھتے ہیں:

اسلام کی آمد سے سندھ کا موجودہ صوبہ، اسلامی تعلیمات کا گہوارہ بن گیا ہے اس کے علماء اور اولیاء سب سے پہلے مبلغین ہیں جو برصغیر پاک و ہند کے لئے دینی برکات لے آئے۔ مسلمانوں کی آمد کا قدیم ترین ثبوت ۔ ۱۰۹ء سے ملتا ہے۔ بھنبور میں کھدائی کرنے سے ایک جامع مسجد دریافت ہوئی۔ اس کے ایک کتبے میں یہی سن درج ہے۔ تقریباً اسی زمانے میں حضرت ابو ترابؒ یہاں تشریف لائے۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے بھکر کا قلعہ فتح کیا تھا۔ ٹھٹھہ سے قریب ۱۰ میل مغرب کی طرف تعلقہ میر پور ساکرو میں کجو کے مقام پر آپ کا مزار ہے جس کی لوح پر ۱۷۱ھ، ۷۸۸ء درج ہے۔ پھر تو بکثرت فضلاء اس صوبے

Marfat.com

کے مختلف مقامات پر اقامت گزیں ہوئے اور انہوں نے دینی علوم کے مختلف شعبوں میں بیش بہا خدمات انجام دیں۔ اس طرح انہوں نے کفر و جہالت کو دور کرنے کے لئے دنیا والوں کی سرپرستی کے بغیر نہایت مخلصانہ کارنامے انجام دیئے ایسے چند فضلات کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

۱۔ ابو معشر نجیح بن عبدالرحمٰن سندھیؒ (۱۷۰ھ) جامع ترمذی میں ان کی ایک روایت ملتی ہے۔

۲۔ شیخ مسعود بن شیبہ سندھیؒ۔ طبقات الحنفیہ اور کتاب التعلیم کے مصنف ہیں۔

۳۔ شیخ رحمتہ اللہ سندھیؒ۔ (۹۹۳ھ) ملا علی قاریؒ نے آپ کی المنسک المتوسط کی شرح لکھی ہے۔

۴۔ شیخ ابوالحسن محمد بن بن عبدالھاویؒ (۱۱۳۶ھ) آپ مدینہ منورہ سے ٹھٹھہ تشریف لائے۔ مسند امام احمدؒ کی شرح لکھی۔ شرح بحثۃ الفکر کی تعلیمات بھی لکھیں۔

۵۔ شیخ محمد حیات بن ابراہیمؒ (۱۱۶۳ھ) آپ بھی مدینہ منورہ سے تشریف لائے۔ لوذی کی اربعین کی شرح لکھی اور ملا علی قاری کی بھی۔

۶۔ مخدوم جعفر بوبکانیؒ جو المتانہ اور حل المعقود فی ظلاق السود کے مصنف ہیں۔

۷۔ ابوالحسن محمد صادقؒ (۱۱۸۷ھ) آپ مدینہ منورہ سے تشریف لائے۔ آپ نے ابن حجر کی نخبۃ الفکر کی شرح لکھی۔

۸۔ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوریؒ (۱۱۷۴ھ) آپ کا شمار عظیم ترین علماء میں ہوتا ہے۔ آپ نے مختلف دینی موضوعات پر تین سو کتابیں لکھیں اور بکثرت تلامذہ تیار کئے۔

۹۔ شیخ ابوالحسنؒ آپ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے سندھی رسم الخط کو دیوگری سے عربی میں منتقل کیا۔ آپ نے مقدر الصلوٰۃ سندھی میں لکھی اور اس میں متعدد مقامات پر مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوری کا حوالہ دیا ہے۔

ان علماء کے علاوہ حسب ذیل نامور صوفیہ ضرور قابل ذکر اور قابل احترام ہیں۔

سید علی مکیؒ (چوتھی صدی ہجری)، مخدوم نوح بھکریؒ (ساتویں صدی ہجری) لعل شہباز قلندرؒ (م ۶۷۳ھ)، شیخ پتھو کو (م ۶۶۲ھ)، شیخ مرادؒ (م ۵۹۳ھ)، شیخ عیسیٰ لنگوٹیاؒ (۹۳۱ھ)، شیخ خضر سیوتانیؒ (م ۹۹۴ھ)، اسمٰعیل سومروؒ (م ۹۹۸ھ)، مخدوم نوح ہالائیؒ (م ۹۹۸ھ)، عبداللہ حسینیؒ (۱۰۹۳ھ)، عبدالکریم بلڑی والےؒ (م ۱۱۳۰ھ)، شاہ عنایت اللہؒ جھوک والے (م ۱۱۳۰ھ)، عبدالرحمٰن کھوڑاؒ (م ۱۱۴۵ھ)، عبداللطیف بھٹ شاہ والےؒ (م ۱۱۶۵ھ)، وغیرہ یہاں کے مشہور و معروف صوفیہ تھے۔ جبکہ حضرت مجدد الف ثانیؒ شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہ (م ۱۰۳۴ھ) اپنے غیر معمولی فیوضات و برکات لے کر برصغیر پاک و ہند میں جلوہ فرما ہوئے۔ سندھ میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے قدیم ترین مرید شیخ موسیٰؒ تھے اور پھر ان کے صاحبزادے شیخ اسحٰقؒ تھے جن کا تعلق سہون سے تھا۔ شیخ موسیٰ پہلے شیخ عیسیٰ لنگوٹیا برہان پوریؒ سے بیعت ہوئے تھے جبکہ وہ برہان پور (سی۔ پی) سے عبدالکریم سے عثمان پورہ (حسن ابدال) سے ملنے کے لئے گئے تو متاثر ہو کر ان کے سلسلے میں داخل ہو گئے۔ ان کے صاحبزادے شیخ اسحٰق بھی اسی سلسلے میں داخل ہو گئے اور حضرت مجدد الف قدس سرہ کے سلسلہ عالیہ میں داخل

Marfat.com

ہو گئے وہ لکھتے ہیں کہ مکاشفے میں حضرت مجدد قدس سرہ نے فرمایا: شیخ اسحٰق نے یہ واقعہ لکھ کر رحم علی کے ذریعے حضرت مجدد قدس سرہ کو عریضہ لکھا اوران کے لئے بھی سفارش کی جو تو حید وجودی کے سکر میں تھے۔

حضرت مجدد قدس سرہ کے ایک اور مرید شیخ عبدالرحیم بھکری تھے۔لیکن ان کے حالات معلوم نہیں۔حضرت مجدد قدس سرہ (م۱۰۳۴ھ) کی اولاد (کثیر تعداد میں) افغانستان نیز ہندوستان کے مختلف علاقوں میں جن میں سندھ بھی شامل ہے آباد ہوگئی۔آپ کے صاحبزادہ حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہ (م۱۰۷۹ھ) کے چھ صاحبزادے تھے۔

(۱) محمد صبغتؒ (م۱۱۲۲ھ) (۲) محمد نقشبندؒ (م۱۱۱۵ھ) (۳) محمد عبیداللہؒ (م۱۰۸۳ھ)،

(۴) محمد اشرفؒ (م۱۱۱۸ھ) (۵) خواجہ سیف اللہؒ (م۱۰۹۶ھ) (۶) محمد صدیقؒ (م۱۱۳۱ھ)

پہلے صاحبزادے محمد صبغت اللہؒ کے صاحبزادے محمد اسمٰعیلؒ (م۱۱۳۶ھ) تھے جن کے صاحبزادے غلام محمد معصومؒ (م۱۱۶۱ھ) تھے اوران کے (مؤخر الذکر کے) نو صاحبزادے تھے۔

۱۔ غلام محمدؒ ۲۔ احمدؒ ۳۔ نورالدینؒ ۴۔ عبدالقدوسؒ

۵۔ شاہ عزت اللہؒ ۶۔ محمد صادقؒ ۷۔ عبدالاحدؒ، ۸۔ بشیر اللہؒ اور ۹۔ صفی اللہؒ

چھٹے صاحبزادے محمد صادقؒ کا وصال پشاور میں ہوا۔لیکن ان کے صاحبزادے حاجی غلام محی الدینؒ، حیدر آباد (سندھ) تشریف لائے اوران کے صاحبزادے نظام الدینؒ نے شکار پور (سندھ) میں اقامت فرمائی اور وہیں (م۱۲۷۳ھ) میں ان کا وصال ہوا وہ فارسی اور اردو کے شاعر تھے۔مزاج میں حددرجہ انکسار تھے۔آپ کے نو صاحبزادے تھے۔ان میں سے ایک فضل القیومؒ تھے۔جن کے صاحبزادے ضیائے معصوم تھے ان کے چار صاحبزادے تھے غلام مجددؒ، فضل احمدؒ، فدا احمدؒ، علی احمد۔

حضرت غلام محی الدینؒ کے دوسرے صاحبزادے فدا محی الدینؒ تھے۔ان کے صاحبزادے حاجی محمد شریف تھے۔پھر ان کے صاحبزادے بحر الدین تھے جن کی ایک صاحبزادی خدیجہ تھیں۔ان کا انتقال (م۱۳۹۱ھ) میں ہوا یہ سب حضرات حیدر آباد (سندھ) کے سول اور ملٹری اسپتال کے عقب میں آرام فرما ہیں۔

غلام محمد معصوم رحمتہ اللہ علیہ کے نویں صاحبزادے صفی اللہؒ (م۱۲۱۲ھ) بہت عظیم فارسی شاعر اور جید عالم تھے۔عمدۃ المقامات کے مصنف خواجہ محمد فضل اللہؒ نے انکے بکثرت اشعار اپنی کتاب کے آخر میں درج کئے ہیں۔ان کے صاحبزادے عبدالباقیؒ (م۱۲۸۷ھ) بھی بڑے شاعر تھے۔تکملۂ مقالات الشعراء کے مؤلف نے اپنی کتاب کے صفحات ۷۷تا۸۹ میں ان کے اشعار نقل کئے ہیں۔یہ مؤلف اوران کے والد (صفحہ۷۴۔۷۵) ان سے بیعت تھے۔عبدالباقیؒ کے صاحبزادے محمد صدیقؒ اور پوتے فضل قیومؒ پھر پرپوتے نورالمشائخ ''ملاشور بازار'' یعنی فضل عمر (م۱۳۷۷ھ) افغانستان کے مشہور ومعروف علماء تھے۔

ملا شوبازارؒ (کابل میں اس نام کا بازار ہے وہیں آپ رہتے تھے) کے بڑے صاحبزادے صدر المشائخ فضل عثمانؒ کا انتقال لاہور میں (م۱۳۹۳ھ) میں ہوا لیکن وہ کابل میں اپنے والد ماجد کے قریب دفن ہیں۔ان سے چھوٹے بھائی ضیاء المشائخ محمد ابراہیم صاحب مدظلہ ہیں۔ان کا بہت وقار تھا لیکن افسوس دشمن (روس) کی قید میں ہیں۔

Marfat.com

غلام محمد معصومؒ کے بڑے صاحبزادے شاہ غلام محمدؒ (م ۱۱۷۷ھ پشاور) کے چھ صاحبزادے تھے لیکن ان میں سے دو یعنی غلام حسین (قندھار) اور غلام حسنؒ (م ۱۳۰۴) پشاور بہت مشہور ہیں۔ موخر الذکر کے صاحبزادے غلام نبیؒ (م ۱۲۲۶ھ) قندھار کے جانشین ان کے صاحبزادے فضل اللہؒ (م ۱۲۳۸ھ) قندھار ہیں جو عمدۃ المقامات کے معروف مصنف ہیں۔

یہاں ہم ان کے عمدۃ المقامات ۱۱۵۷ھ کی عبارت سے اقتباس پیش کرتے ہیں جس سے مصنف کے وقت تک نقشبندی بزرگوں کے حالات کی تفصیلات ملتی ہیں۔ یعنی حضرت صفی اللہؒ (م ۱۲۱۲ھ) تک جو مصنف کے روحانی رہنما تھے۔

"مخفی نماند کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ اور اولیائی ایں امت شان عظیم است و مراتب والا کی خال را بآں ممتاز کردہ باشد۔۔۔تا ضرور فتگان ورطۂ کفر را بسا حلِ ایمان و اسلام ارشاد وہدایت می فرمودند"۔

کتاب کے ابتدائی ابواب میں مصنف نے حضور انور ﷺ نیز خلفائے راشدینؓ اور ائمہ وکرامؒ کے مختصر حالات لکھے ہیں۔ ان کے بعد حضرت بہاالدین نقشبندی بخاریؒ (م ۷۹۱ھ) اور ان کی روحانی اولاد کا ذکر ہے۔

ان مستف کے صاحبزادے شاہ عبدالقیومؒ (م ۱۲۷۱ھ) قندھار کی اولاد قندھار میں تھی لیکن ان کے صاحبزادے عبدالرحمٰنؒ سندھ منتقل ہو گئے اور ٹنڈو سائیں داد (نزد ٹنڈو محمد خان) میں آباد ہوئے۔ خواجہ عبدالرحمٰنؒ (م ۱۳۱۵ھ) کے دو صاحبزادے جید عالم تھے۔ ۱۔ آقا محمد حسن جانؒ (م ۱۳۲۵ھ) اور ۲۔ آقا محمد حسین جانؒ (م ۱۳۶۷ھ) آقا محمد حسن جان جید عالم ہیں۔

ان کی تصنیفات مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ شفاء الامراض ۱۳۱۴ھ، ۲۔ انیس المریدین ۱۳۱۶ھ، ۳۔ پنج گنج ۱۳۲۰ھ، ۴۔ سفرنامہ عربستان ۱۳۳۳ھ، ۵۔ تذکرۃ الصلحاءفی بیان الاتقیاءوغیرہ وغیرہ

حادث از قدیم چہ داند وفانی از باقی چہ تو ان گفت۔۔۔ذرات ہوائیہ کہ از خدا شعاعی آفتاب۔ جلوہ گرمی شونداز حقیقت آفتاب چہ داند۔ مخلوق عاجز کہ پس از ہفتاد حجاب واقع شدہ است از کیفیت خالق خود چہ ادراک تو انند کردی آن زبان کراست کہ بحق ستائش اوگویا شود؟ آن قلم کراست کہ بجز دمعرفت او پیا گردو۔

انہوں نے چار صاحبزادے چھوٹے عبداللہ خانؒ، شاہ آغا (م ۱۳۰۵ھ۔ م ۱۳۹۹ھ) عبد الستار جانؒ (۱۳۱۱ھ۔ ۱۳۸۷ھ) عبداللہ جانؒ، شاہ آغاؒ نے مندرجہ ذیل کتابیں شائع کیں۔ مونس المخلصین، داعت القلوب، مخزن العلوم

ان کے بھائی مولانا حافظ محمد حسین جانؒ نے بھی دو سندھی کتابیں شائع کیں۔ فرائض الاسلام۔ بناء السلام۔

Marfat.com

خواجہ بعد الرحمٰن کے دوسرے صاحبزادے آقا محمد حسین جانؒ (۱۳۶۷ھ) ممتاز رفاہی محسن اور بلند پایہ شاعر تھے۔ان کے تخلص سرہندی کے ساتھ ان کا دیوان ان کے چھوٹے پوتے مولانا ابراہیم جانؒ (مولانا محمد اسمٰعیل جانؒ کے صاحبزادے) نے قصبہ سامارو ضلع تھرپارکر (سندھ) سے شائع کیا ہے۔آقا محمد حسین جانؒ کے صاحبزادے محمد اسمٰعیل جانؒ بھی سندھ کے ممتاز سیاستدان تھے۔حجاز مقدس کے سلطان ابن مسعودؒ نے ان کو سلیمان ندویؒ اور علی برادرانؒ کے ساتھ اسلامی کانفرنس منعقدہ (۱۳۴۵ھ) میں شرکت کے لئے مدعو کیا تھا۔ان کا تخلص روشن تھا۔ان کی دیگر تصنیفات ان کے بڑے صاحبزادے مولانا اسحٰق جانؒ میر پور خاص (سندھ) والوں نے (۱۳۸۱) میں شائع کردی ہیں۔

خواجہ عبد الرحمٰن کے دادا افضل اللہؒ کے ایک بھائی ضیاء الحقؒ تھے۔ان کے چھ صاحبزادے تھے۔پہلے صاحبزادے عبد الکریمؒ (۱۲۵۹) کے دو صاحبزادے تھے ۱۔ عبد العزیزؒ (۱۳۱۱ھ) اور ۲۔ ابو القاسمؒ جن کی اولاد سندھ کے کئی علاقوں میں آباد ہے۔ضیاء الحقؒ کے دوسرے صاحبزادے عبد الکریمؒ (آقا صاحب) ٹمیاری (حیدر آباد) تشریف لائے اور وہاں نوے سال کی عمر (۱۳۱۳ھ) میں وفات پائی۔ان کے آٹھ صاحبزادے تھے۔پہلے صاحبزادے عبد الحلیمؒ (۱۳۳۱ھ) کے چھ صاحبزادے تھے۔ان میں سب سے بڑے غلام مجددؒ (۱۹۶۲ء) تھے جن کے اکلوتے صاحبزادے غلام رسول ٹمیاری میں رہتے ہیں اور جید عالم ہیں۔

مخدوم آدمؒ (المعروف "آدو" یعنی رونق) ٹھٹھہ والے

ان کے ہم عصر ایک اور آدم بن محمد اسحٰق صدیقیؒ (۱۰۶۶ھ) تھے۔اس لئے آدو (یعنی رونق یا ضیاء) کہلانا پسند کیا۔وہ اور ان کے دوست میں کبیر محمد دونوں پہلے خواجہ محمد معصوم سرہندی (م ۱۰۷۹ھ) کے مرید ہوئے۔ان کے انتقال کے بعد انہوں نے روحانی اسباق سرہند میں حاصل کئے۔(غالباً خواجہ سیف الدینؒ) (م ۱۰۹۶ھ) سے میں کبیر محمدؒ کے جانشین ان کے صاحبزادے (۱) میاں محمدؒ اور (۲) میاں محمد زمانؒ اور مؤخر الذکر قبیلہ درس کے عبد الرحیمؒ کی رہنمائی کی۔

مکتوبات خواجہ محمد معصومؒ (جلد ۲) میں عربی میں تین خطوط (نمبر ۵۹۔۶۳۔۷۷) اور ایک فارسی خط (نمبر ۲۳) مخدوم آدمؒ کے نام ہیں۔

اس خط سے ظاہر ہے کہ مخدو آدمؒ کے کئی احباب (مرید) خواجہ سیف الدینؒ سے ملنے ان کے والد خواجہ محمد معصومؒ کی وفات کے بعد یعنی ۱۰۷۹ھ کے بعد سرہند گئے تھے اور یہ کہ خواجہ سیف الدینؒ نے ۱۔شیخ انسؒ، ۲۔سید فتح محمدؒ، ۳۔ابو الحسنؒ، ۴۔تازکیؒ، ۵۔شیخ عنایت اللہ کو خصوصیت کیساتھ سراہا۔یہ حقیقت مزید تصدیق کرتی ہے کہ مخدوم آدمؒ کی وفات لازمی طور پر خواجہ محمد معصومؒ کے بعد ہوئی ہوگی یعنی اغلب یہ ہے کہ (۱۰۸۰ھ) کے بعد۔حضرت عبد الرؤف کو اسی طرح روحانی رہنمائی کی اجازت ملی۔یہ عبد الرؤف مکہ معظمہ تشریف لئے گئے اور وہیں انتقال ہوا۔یہ مولانا محمد مرادؒ کے روحانی شیوخ میں سے ایک تھے جنہوں نے حضرت مجددؒ کے مکتوبات کا مکہ معظمہ میں عربی میں ترجمہ کیا اور (م ۱۳۱۶ھ) میں شائع کیا۔

Marfat.com

مخدوم آدمؒ کے پسماندگان میں دو صاحبزادے تھے۔ ۱۔فیض اللہ اور ۲۔محمد اشرفؒ جو اپنے والد کے بعد تقریباً ۵ سال میں انتقال فرما گئے۔مخدو ابوالقاسمؒ، شیخ ابراھیمؒ روہڑی والے اور سید فتح محمدؒ، شیخ صابرؒ ان کے اجل خلفاء تھے۔جنہوں نے عوام الناس کی بھلائی کے لئے اور روحانی تزکیئے کے لئے نقشبندی طریقے سے کام کیا۔

مخدوم ابوالقاسم

حضرت مخدوم ابوالقاسمؒ کے والد ابراھیمؒ کا درس قبیلے سے تعلق تھا اور سہروردی سلسلے تھے۔وہ ٹھٹھے آئے اور وہیں انتقال فرمایا۔حضرت ابوالقاسمؒ نے پہلے دینی تعلیم مکمل کی پھر مخدوم آدمؒ سے روحانی رہنمائی کے لئے رجوع کیا۔جنہوں نے انہیں سرہند جانے کا مشورہ دیا۔ابوالقاسم سرہند تشریف لے گئے اور خواجہ سیف الدینؒ (م ۱۰۹۶ھ) کے مرید بن گئے۔خواجہؒ انہیں ''نورحق'' کہتے تھے۔

ان کے جانشین ان کے صاحبزادے ابراھیمؒ اور پوتے احمدؒ ہوئے۔چونکہ ان کے مریدوں کی تعداد بہت زیادہ تھی اس لئے سلسلہ نقشبندیہ پورے سندھ میں بہت ہر دلعزیز ہوگیا۔ان کے خلفاء میں مخدوم محمد معینؒ اپنے وقت کی سب سے ہر دلعزیز ہستی بن گئے۔وہ جید عالم، فقہ کی خداداد قابلیت کے مالک، بلند پایہ شاعر تھے۔لیکن توحید وجودی کے قائل تھے۔وہ جذبی کیفیت میں (م ۱۱۶۱ھ) میں وصال پا گئے اور مخدوم ابوالقاسم کے قریب دفن کئے گئے۔

شاہ صدرالدین

آپ حضرت موسیٰ الکاظمؒ کی اولاد میں سے ہیں۔آپ کے دادا سید علی مکیؒ پہلے سید ہیں جو دادو کے قریب آباد ہوئے۔ اور وہاں کے راجہ ارور کی نومسلم بیٹی سے شادی کی۔ان کی اولاد شاہ صدرالدین ثانیؒ ''گیارہویں صدی ہجری میں تھے۔ان کا مقبرہ (م ۱۱۵۵ھ) میں تعمیر ہوا جیسا کہ قطعۂ تاریخ میں ہے سال تاریخش از خرد۔ ہاتفم گفتا، بہشت اہل بیت''۔آپ کے نواسوں میں سید محمد شجاعؒ نقشبندی تھے۔ان کے نرینہ اولاد میں سید محمد بقاؒ (بن محمد امام بن فتح محمدؒ) رسول پور (ضلع خیر پور) میں ۱۱۳۵ھ میں پیدا ہوئے۔ ۱۱۹۸ھ میں ظالموں نے ان کو شہید کر دیا دیہر طیب (خیر پور) میں تدفین ہوئی۔انہوں نے چشتیہ اور قادریہ سلسلوں میں بھی فیض حاصل کیا۔پھر مخدوم محمد اسمٰعیل پریاں لوئیؒ ''(روہڑی) سے نقشبندی سلسلے میں فیضیاب ہوئے۔ (۱۱۷۴ھ) میں وفات پائی۔

سید محمد بقا کے صاحبزادے سید محمد راشدؒ ۱۱۷۰ھ میں پیدا ہوئے۔انہوں نے حضرت شاہ فقیر اللہ علوی شکار پوریؒ (م ۱۱۹۵ھ) نیز مخدوم احمدیؒ (۱۲۰۳ھ) اور مؤخر الذکر کے صاحبزادے محمد عاقلؒ (۱۲۹۳ھ) سے تعلیم حاصل کی۔سید محمد راشدؒ نے ۱۲۳۳ھ میں وفات پائی ان کے بعد ان کے صاحبزادے صبغت اللہؒ (م ۱۲۴۶ھ) سجادہ نشین ہوئے انہوں نے حُر جماعت قائم کی جو سید احمد بریلویؒ (۱۲۴۶ھ) کی جماعت کی طرح تھی۔سید صاحب خود بھی ان کے پاس تشریف لائے تھے۔

حضرت صبغت اللہ کے جانشین کے صاحبزادے سید علی گوہرؒ (۱۲۶۳ھ) ہوئے پھر ان کے صاحبزادے حزب اللہ

Marfat.com

(م ۱۳۰۸ھ) ہوئے پھران کے صاحبزادے، صبغت اللہ ثانیؒ (۱۳۶۲ھ) کے خلاف انگریزوں نے بڑی سازشیں کیں اور الزامات لگا کر دار ورسن تک پہنچا دیا۔

حضرت سید محمد راشدؒ (۱۲۳۳ھ) کے کئی خلفاء تھے ۱۔ محمد حسین مہیسرؒ ۲۔ خلیفہ سوئی (جن کے سلسلے میں پھر چونڈی اور پھر امروٹ والے بزرگ ہوئے) ۳۔ خلیفہ محمودؒ (قریہ گنور خان) ۴۔ میر پور ماتھیلو کے خلیفہ ۵۔ نبی بخش لغاریؒ مٹھی والے (جن کے سلسلے میں پچھ اور کاٹھیاوار والے بزرگ ہوئے) ۶۔ گل محمد ہالائی (مصنف دیوان گل)۔

سید محمد راشدؒ نے اپنے مکتوبات کا ایک مجموعہ یادگار چھوڑا ہے یہ مکتوبات ان کے اٹھارہ شاگردوں اور دوستوں کے نام ہیں۔ ان کے ملفوظات خلیفہ محمودؒ اور خلیفہ محمد حسین نے جمع کئے تھے۔ اور ان کے تعلیمات خلیفہ محمودؒ نے المحبوبیہ المحمودیہ کے نام سے جمع کی تھیں اس کی آخر میں خلیفہ صاحب نے انکے حالات بھی شامل کر دیئے ہیں۔

شاہ فقیر اللہ علوی

آپ علاؤالدین جلال آبادی (افغانستان) کے صاحبزادے تھے اور وہ شیخ محمد مسعود دائم پشاوریؒ کے مرید تھے جو شیخ محمد سعید لاہوریؒ (مرید) اسدالہ وزیر آبادی، خلیفہ، حضرت آدم بنوریؒ کے دامن سے وابستہ تھے۔

شاہ فقیر اللہ قندھار میں تھے۔ پھر ۱۱۵۰ھ میں آپ شکار پور (سندھ) تشریف لے آئے اور نقشبندی سلوک کی تبلیغ فرمانے لگے آپ کے ۳۹۰ مکتوبات کا مجموعہ ظاہر کرتا ہے کہ آپ امراء اور صاحب اقتدار لوگوں کو بھی نصیحت و ہدایت فرماتے تھے۔ مثلاً احمد شاہ ابدالی، اس کا وزیر شاہ ولی خان، نصیر خان والی قلات، محمد سرفراز خان کلہوڑا، محمد خان (مکران) وغیرہ۔ ان کے علاوہ اپنے وقت کے اکابر علماء کو بھی آپ نے مکتوبات لکھے ہیں۔ مثلاً مخدوم محمد ہاشم تتویؒ، ملا محمد معین تتوی، عبدالرؤف (ہالاکندی) اور سید محمد راشدؒ بن سید محمد بقا وغیرہ۔

ابوالحسن داہری نقشبندیؒ (م ۱۱۸۱ھ)

آپ میاں بادل بن عبدالرشید کے صاحبزادے تھے۔ آپ نے ابو بکر بالائیؒ، نورالدینؒ احمد آبادی (۱۱۵۵ھ) اور محمد خلیل بدخشانیؒ سے تعلیم حاصل کی اور مولانا عبدالرسول احمد آبادیؒ (۱۱۴۸ھ) سے نقشبندی سلسلے میں مستفیض ہوئے۔ آپ نے کئی کتابیں لکھیں لیکن سب سے زیادہ اہم کتاب ینابیع الحیوۃ الابدیہ، تصوف سے متعلق ہے۔ غالباً اس قدر ضخیم کتاب "تصوف" پر اور کوئی نہیں اس میں ۱۹ ابواب ہیں جن کے ذیل میں ۱۰۸ ذیلی ابواب ہیں، اس طرح شروع ہوتی ہے۔

اولیائے لواری شریف

لواری شریف کے سب سے پہلے بزرگ مخدوم محمد زمان اول تھے جو حاجی عبداللطیف سہروردی کے صاحبزادے تھے۔ موخرالذکر محمد آدم تہوری کے صاحبزادے فیض اللہ سے مستفیض ہو گئے تھے۔ مخدوم محمد زمانؒ لواری شریف میں ۱۱۲۵ھ میں پیدا ہوئے اور وہیں ۱۱۷۷ھ میں وفات پائی آپ نے ٹھٹھہ میں مخدوم محمد معینؒ (م ۱۱۶۱) کے شاگرد مولانا صادق سے تعلیم پائی تھی اور

Marfat.com

وہیں ابوالمساکین حاجی محمد تتوی سے بیعت ہوئے جو مخدوم محمد آدمؒ کے صاحبزادے سے محمد اشرف کے بیٹے تھے۔ بعد میں مخدوم محمد زمان کے صاحبزادے گل محمد (م ۱۲۱۸ھ) پوتے محمد زمان ثانیؒ (۱۲۴۷ھ) اور پڑپوتے محمد حسن (م ۱۲۹۸ھ) کی بڑی شہرت ہوئی۔ پھر محمد حسنؒ کے صاحبزادے محمد سعیدؒ (۱۳۲۴) نے نقشبندی سلسلے کی بہت خدمت کی۔ ان کی حسب ذیل کتابیں یادگار ہیں۔ مخدوم محمد سعید کا ایک فارسی دیوان بھی ہے جو ان کے پوتے پیر سعید حسن محمد اشرف نے ۱۹۲۵ء میں کراچی میں شائع کیا ہے۔

مخدوم محمد زمانؒ (اوّل) کے کئی خلفاء تھے لیکن ان میں سے دو نے بڑی مقبولیت حاصل کی یعنی ۱۔ قاضی احمدؒ (۱۲۲۳ھ) اور عبدالرحیم گرہوڑی شہیدؒ (م ۱۱۹۲ھ) قاضی احمدؒ نے ایک مجموعہ ''تصوف'' سے متعلق یادگار چھوڑا ہے۔ جو ان کی خانقاہ میں موجود ہے۔ مولانا عبدالرحیم گرہوڑی بہت بڑے عالم تھے انکی کتابیں یہ ہیں۔

۱۔ فتح الفضل۔ یہ ان کی شیخ نصائح ہیں جو انہوں نے سندھی سے عربی میں منتقل کی ہیں شرح بھی ہے۔

۲۔ ان کے شیخ کے سندھی اشعار کی عربی شرح ہے۔

۳۔ ایک مثنوی گل نامہ (فارسی) ہے جس میں شیخ زادہ گل کی تعریف ہے۔

۴۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ قدس سرہ کی مکتوبات کا ایک انتخاب ہے۔

۵۔ خود ان کے سندھی اشعار کا ایک انتخاب ہے۔

ان سندھ کے دوسرے نقشبندی بزرگوں کے متعلق مختصر عرض کیا جاتا ہے۔

۱۔ مخدوم عبدالواحد سہونی (م ۱۲۲۴ھ) آپ قاضی بھی تھے۔ کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ آپ حضرت غلام محمد معصوم (م ۱۱۶۱ھ) کے صاحبزادے حضرت صفی اللہؒ (م ۱۲۱۲ھ) کے خلیفہ تھے۔

۲۔ شیخ محمد عابد سہونیؒ (م ۱۲۲۴ھ) آپ قاضی بھی تھے۔ کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ آپ مخدوم محمد زمان ثانیؒ (م ۱۲۴۷ھ) کے خلیفہ اور مخدوم محمد ہاشم تتوی کے گرد تھے آپ مدینہ منورہ منتقل ہو گئے تھے۔

۳۔ مخدوم محمد ابراہیم تتوی (۱۲۲۵ھ) آپ مخدوم محمد ہاشم تتوی کے صاحبزادے عبداللطیف کے صاحبزادے تھے۔ کئی کتابوں کے مصنف تھے اور حضرت صفی اللہ (م ۱۲۱۲ھ) کے خلیفہ تھے۔ آپ کے لاکھوں مرید تھے منڈل (کچھ) میں آپ کی وفات ہوئی۔ آپ کے چار خلفاء بہت مشہور ہوئے۔ ۱۔ احمد نظاماتیؒ ۲۔ محمد امین چھترانی ۳۔ محمد اسمٰعیل (پیرلاشاری۔ بدین کے قریب وسین میں تھے) اور خود آپ کے صاحبزادے عبداللطیفؒ۔ پھر محمد یوسف کھایوتی (نواب شاہ) اور ان کے خلیفہ فضل اللہ (پاٹ والے) بہت مشہور ہوئے۔

۴۔ مخدوم محمد عاقل (ابن مخدوم احمدی) جو مخدوم محمد اسمعیل (پریان لو) داماد تھے اور پھر مخدوم محمد عاقل کے صاحبزادے عبدالخالق بھی نقشبندی سلسلے کے مشہور بزرگ ہوئے ہیں۔

۵۔ محمد صالح (لکھی۔ شکارپور) غلام محی الدین کے خلیفہ تھے جو غلام محمد معصوم کے پوتے تھے۔

Marfat.com

۶۔ قاضی احمد (م ۱۲۲۳ھ) جو مخدوم محمد زمان اول کے خلیفہ تھے بہت مشہور ہوئے ان کے تین خلفاء کا فیض عام ہوا یعنی عبدالولیؒ ڈیرا۔ نوشیرو فیروز ہیں نورشاہ (کھاہی۔ کھنڈھا۔ نوشیرو فیروز) اور میاں عبدالکریم (پنگرو۔ سکرند) قاضی احمد ہی کے ایک خلیفہ شاہ حسین تھے جو رتہ چھتو (لسرت سر) میں تھے اور ان کے سلسلے کو بہت فروغ ہوا۔

۷۔ قاضی محمد شکاری پوریؒ (۱۲۳۰ھ) حضرت صفی اللہ (۱۲۱۲ھ) کے خلیفہ تھے۔

۸۔ مخدوم امید علی سہائے (ہالا) آپ خواجہ عبدالقیومؒ (۱۲۷۱ھ) کے خلیفہ تھے اور تالپوروں کے دربار میں تھے انگریزوں نے آپ کو کلکتہ میں قید کر دیا تھا۔ آپ نے سفرنامہ کلکتہ لکھا تھا۔ وہیں ۱۲۹۸ھ میں آپ نے وفات پائی۔

۹۔ محمد بلالؒ (تلسی۔ دادو) آپ مخدوم دانیالؒ کے شاگرد اور مخدوم شہاب الدین کے خلیفہ تھے۔ پیر محمد بخاریؒ (تکتی نہر) سے بھی فیضیاب ہوئے تھے جو حضرت بہاؤالدین نقشبندی بخاری قدس سرہ کی اولاد میں تھے۔

آپ کے خلیفہ مخدوم سہار بھی بہت مشہور ہوئے۔ ان کے علاوہ مولانا عبدالغفارؒ (لاڑکانہ) حاجی عبدالغفار مجددیؒ (ٹنڈو محمد خان) محمد عمر جانؒ، غلام مجددی (ماتلی) محمد یوسف میمن، غلام مصطفیٰ (دادو) پیر صبغت اللہ ایرانیؒ وغیرہ مشہور بزرگ تھے اس سلسلے میں جو حضرات مزید معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں ان کی سہولت کے لئے اس موضوع پر قلمی نسخوں کے متعلق بیان کیا جاتا ہے جو سندھ کے مختلف کتب خانوں میں موجود ہیں۔

۱۔ سندھ یونیورسٹی (کتب خانہ۔ جز الشرقیہ) مجمع الفیوضات از خلیفہ محمودؒ (فارسی)

۲۔ سندھی ادبی بورڈ

۱۔ حالات وملفوظات پیر محمد راشدؒ (سندھی) ۲۔ ملفوظات پیر محمد راشدؒ (سندھی ترجمہ از عبدالقادر)

۳۔ مکتوبات منظوم بنام سید صبغت اللہؒ (فارسی) ۴۔ مکتوبات پیر محمد راشدؒ (فارسی)

۵۔ ملفوظات سید صبغت اللہ (فارسی)

۳۔ شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد، اسناد الطریقۃ النقشبندیہ از محمد ابراہیم تتویؒ (عربی)

۴۔ پیر وہاب اللہ شاہ۔ گوٹھ پیر جھنڈو۔

۱۔ کشف الکامن فی علم الباطن از مخدوم عبدالواحدؒ سیوستانی (عربی)

۲۔ بسط المقال فی الاشغال از مخدوم عبدالواحد سیوستانی (فارسی)

۳۔ انوار الفیوضات الباطانیہ از مخدوم عبدالواحدؒ سوستانی (عربی)

۴۔ وردالحمدیہ (شرح فتح الفضل) از مخدوم عبدالواحدؒ سوستانی (فارسی)

۵۔ پیر محبّ اللہ شاہ۔ گوٹھ۔ پیر جھنڈو۔ (درگاہ شریف)، مجاہدہ مع مدعی مشاہدہ ومکاشفہ از پیر رشد اللہ (فارسی)

۶۔ حاجی شیر محمد نظامانی۔ ٹنڈو قیصر۔ (اسی کا سندھی ترجمہ)

۷۔ خیرپور پبلک لائبریری۔

Marfat.com

۱۔ الرسالتین (رسالہ عدلیہ از خواجہ محمد پارہ سا مع شرح رباعیات ابوسعید ابوالخیرؒ)
۲۔ رسالہ تصوف طریقہ نقشبندیہ از شاہ غلام علیؒ ۳۔ رسالہ طریق نقشبندیہ از ابوعبدالرحمٰن

۸۔ مولانا حافظ ہاشم جان صاحب ٹنڈو سائیں داد۔

۱۔ شرح قصیدہ بردہ (غالباً) از مولانا جامیؒ ۲۔ مجموعہ منظومات جامیؒ (سلسلۃ الذہب، مخزن الاسرار سبحۃ الابرار)
۳۔ مونس المخلصین (اسوۂ حسنہ) از خواجہ عبداللہ جان مجددیؒ ۴۔ مکتوبات از خواجہ محمد حسن مجددیؒ

ان کے علاوہ سندھ کے مختلف مقامات پر دوسرے ذاتی کتب خانوں میں مزید قلمی نسخے پڑھنے والوں کو مل سکتے ہیں۔

بزرگان دیگر!

ان کے علاوہ لاہور کے کئی علماء و مشائخ کے نام ملتے ہیں۔ مثلاً سید احمد توختہ ترمذی ثم لاہوری۔ آپ کا وطن ترمذ تھا لیکن وہاں سے تشریف لا کر محلہ چہل سبیلیاں لاہوری اختیار کی۔ ''ہزار ہا طالبان حق را بحق رسانید و خلق کثیر ازاں پیر روشن ضمیر بہرمند دنیا و آخرت شد'' آپ ۶۰۲ھ میں انتقال کر گئے۔ ان کے علاوہ سید یعقوب صدر دیوان زنجانی کا نام بھی ملتا ہے۔ آپ ۵۳۵ء میں ترکستان سے لاہور تشریف لائے۔ اس زمانے میں بہرام شاہ غزنوی ہندوستان کا بادشاہ تھا اور لاہور کا حاکم طغرل تھا۔ وہ آپ کا بڑا معتقد ہو گیا اور بہت سے لوگ آپ کے مرید ہو گئے۔ مشہور ہے کہ جب خواجہ بزرگ تشریف لائے اور لاہور میں حضرت داتا گنج بخش کے مزار پر معتکف ہوئے تو ان کے اور سید یعقوب کے درمیان بڑی دوستی پیدا ہو گئی۔ آپ کی وفات ۶۰۴ھ میں ہوئی۔

ایک اور بزرگ شیخ عزیز الدین مکی لاہوری تھے۔ آپ کا وطن بغداد تھا۔ لیکن بارہ سال مکہ معظمہ میں مقیم رہے۔ اس لئے پیر مکی کے نام سے مشہور ہوئے ۵۷۴ھ میں لاہور تشریف لائے۔ اس وقت لاہور میں غزنویوں کی حکومت تھی لیکن سلطان محمد غوری پنجاب میں آ گیا تھا اور لاہور کا محاصرہ کر رہا تھا۔ لاہور کے غزنوی حاکم خسرو ملک نے آپ سے دعا کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا کہ ابھی چند سال تمہیں امان ہے۔ اسکے بعد لاہور میں غوریوں کی حکومت ہو جائے گی۔ چنانچہ ایسی ہی ہوا۔ سلطان شہاب الدین لاہور کا محاصرہ ترک کر کے سیالکوٹ کی طرف متوجہ ہوا۔ اور چھ سال کے بعد پھر لاہور آ کر اس مقام کو فتح کیا۔ شیخ عزیز الدین چھبیس سال تک مصروف ہدایت رہے اور بڑی خلقت آپ سے فیضیاب ہوئی۔ آپ نے ۶۱۲ھ میں رحلت کی۔

اسی زمانے میں حضرت سید مٹھا لاہوری کے والد خوارزم سے لاہور تشریف لائے اور مقبول عام ہوئے۔ ان کی وفات کے بعد حضرت سید مٹھا ان کے جانشین ہوئے۔ ان کا اصلی نام سید ابن عقار تھا لیکن آپ کی زبان میں اس قدر شیرینی اور حلاوت تھی کہ لوگ آپ کو سید مٹھا یعنی شیریں کلام سید کہتے تھے۔ چنانچہ جس محلے میں آپ رہتے تھے، وہ محلہ بھیسید مٹھا کے نام سے مشہور ہو گیا ہے۔ آپ نے ۷۱۷ء میں وفات پائی۔

Marfat.com

خاندان غزنوی کا زوال اور خاندان غوری کی حکومت

سلطنت غزنی کے پڑوس میں ایک مختصر سی خودمختار ریاست غور کی قائم تھی جس کے حکمران مسلمان تھے اسی لئے سلطنت غزنی نے کبھی اس طرف رُخ نہیں کیا۔ لیکن چھٹی صدی ہجری کے آخر میں ریاست غور کے حکمراں قرامطہ ملاحدہ کے ہم عقیدہ ہو گئے۔ اور دوسری طرف سلطنت غزنی اپنے آخری فرمانرواؤں کی کمزوریوں اور ہندوؤں پر اعتماد کی بنا پر انتہائی کمزور ہو چکی تھی۔ علاؤ الدین جہانسوز فرمانروائے غور جو قرامطہ کا ہم عقیدہ تھا اس نے موقع پا کر غزنی پر حملہ کیا۔ سلطنت غزنی کے آخری بادشاہ خسرو شاہ کو مقابلہ میں شکست ہوئی۔ علاؤ الدین نے تمام ملک غزنی میں وہ تباہی و بربادی پھیلائی کہ اس کا نام جہانسوز مشہور ہو گیا اور انجام کار غور اور غزنی کی دونوں سلطنتیں اس کے قبضہ میں آ گئیں۔ ۵۵۱ھ میں جہانسوز دنیا سے رخصت ہوا اور اسکا بیٹا سیف الدین محمد اس کی جگہ تخت نشین ہوا۔ مگر بیٹا اپنے عقائد میں اپنے باپ سے مختلف رہ کر صراط مستقیم پر قائم تھا۔ اس نے غور اور غزنی سے قرامطہ کا استیصال کیا۔ اب غور اور غزنی کی فرمانروائی اسی غوری خاندان میں منتقل ہو چکی تھی۔ ۵۶۷ھ میں سلطان غیاث الدین غوری اس تخت کا وارث ہوا اور اس نے شہاب الدین غوری اپنے بھائی کو غزنی کو خودمختار حاکم بنا دیا۔

سلطان شہاب الدین غوری نے سلطنت غزنی کے ماتحت صوبجات سندھ، ملتان، پنجاب کی خبرگیری شروع کی اور سلطنت غزنی کے کمزور ہو جانے سے جو خودمختیاری یہاں کے امراء میں آ گئی تھی اس کو ختم کر کے باقاعدہ سلطنت غزنی میں شامل کیا۔ ملتان پر پھر قرامطہ کا غلبہ ہو چکا تھا اس پر حملہ کر کے پھر اس کو ان سے آزاد کیا اور علی کرماخ کو ملتان کا عامل مقرر کیا۔ سلطان شہاب الدین غوری کے حملے جتنے ہندوستان پر ہوئے، وہ عموماً انہی صوبجات اور بلاد پر تھے جو سلطنت غزنی کے زمانہ میں فتح ہو چکے تھے مگر پھر اس سلطنت کے ضعف سے فائدہ اُٹھا کر یہاں کے راجاؤں نے خودمختاری کا اعلان کر دیا تھا۔ جدید فتوحات کی سلطان شہاب الدین کو بہت کم نوبت آئی۔

سلطان غلاماں، قطب الدین ایبک وغیرہ

سلطان شہاب الدین غوری نے اپنے غلام قطب الدین ایبک کو قلعہ کہرام کا عامل مقرر کر کے اس کو سلطنت غزنی کے ساتھ ملحق کر دیا تھا۔ ۵۸۸ھ میں راجہ میرٹھ جو پرتھی راج کا رشتہ دار تھا اس نے دہلی کے راجہ اپن جی کو دوبارہ بغاوت پر آمادہ کر کے قطب الدین ایبک پر جو کہ سلطنت غزنی کا عامل تھا حملہ کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ قطب الدین ایبک نے اس کی خبر پا کر پیش قدمی کی اور ۵۸۹ھ میں خود حملہ کر کے میرٹھ، دہلی، علی گڑھ کو فتح کر لیا اور بجائے کہرام کے دہلی کو اپنا دارالحکومت بنا لیا۔

ہندوستان میں مستقل اسلامی دارالحکومت دہلی ۵۸۹ھ میں

غزنی اور غوری سلطنت کے دونوں عہدوں میں شاندار فتوحات کے باوجود سلاطین اسلام نے ہندوستان کے راجاؤں کو ان کی حکومت سے علیحدہ نہیں کیا بلکہ صرف اقرار اطاعت و باجگزاری لے کر چھوڑ دیا۔ اور انکو ان کی ریاستوں پر برقرار رکھا۔

Marfat.com

اور پھر بار بار ان سے بغاوتوں کا صدور ہونے اور سلطانی حملوں سے مقہور و مغلوب ہونے کے باوجود ان کو ہر مرتبہ ان کی اپنی اپنی حکومت پر برقرار رکھا گیا۔ لیکن قطب الدین ایبک جو سلطان شہاب الدین غوری کے غلام اور ان کی طرف سے ہندوستان کے بعض علاقوں کے عامل تھے۔ ان کے عہد میں جب پھر بغاوتوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ پچھلے تجارب اور واقعات ان کے سامنے تھے اب ان کو یہ طے کرنا پڑا کہ جو راجہ بغاوت پر کمربستہ ہو اس کا علاقہ فتح کر کے بلاواسطہ سلطنت اسلامی میں شامل کر لیا جائے۔ چنانچہ اپن جی پسر پرتھی راجہ راجہ دہلی نے بغاوت کی تو اس کو حکومت سے ہٹا کر دہلی کو بلاواسطہ سلطنت غزنی سے ملحق کر دیا اور دارالامارت بنا دیا۔ اسی طرح میرٹھ، علی گڑھ، کے راجاؤں نے بغاوت کی تو ان کو سزا دے کر ان علاقوں پر بھی بلاواسطہ خود حکومت شروع کر دی۔ اسی طرح قنوج، کالپی، کالنجر، بنارس، گوالیار، بدایوں، صوبہ گجرات کے راجاؤں نے سرکشی کی تو ان کو ہٹا کر یہ مقامات بھی شامل سلطنت دہلی کر لئے گئے۔

کولہ جی پسر پرتھی راجہ راجہ اجمیر اپنے عہد پر قائم رہا اس لئے قطب الدین ایبک نے اس کو بدستور قائم رکھا۔ مگر اس کے ساتھ ہی پرتھی راج کے بھائی جے چند نے اپنے بھائی کا انتقام لینے کا ارادہ کیا، راجہ گوالیار اور راجہ بدایوں کے علاقہ اودھ و بہار کے چند راجاؤں کو اپنی امداد کے لئے جمع کر لیا اور یکبارگی قطب الدین پر حملہ کرنے کی تیاری کی قطب الدین نے اس کی اطلاع سلطان کے پاس بھیجی۔ سلطان یہ اطلاع پاتے ہی ہند کی طرف روانہ ہو گیا۔ دہلی پہنچ کر قنوج کے راجہ جے چند کی سرکوبی کے لئے روانہ ہو گیا قطب الدین ایبک کو ایک دستہ فوج کے ساتھ بطور ہراول آگے چلنے کا حکم دیا۔ جے چند نے مقام چندواڑہ میں جو اٹاوہ سے جانب شمال ہے، اپنی فوجیں آراستہ کر کے مقابلہ کیا، قطب الدین کے ہراول دستے نے بڑے لشکر کا انتظار کئے بغیر ہی ان پر حملہ کر دیا اور سلطان کے میدان جنگ تک پہنچنے سے پہلے ہی جے چند کے لشکر کو شکست دے کر بھگا دیا اور جے چند قطب الدین کے تیر سے مارا گیا۔ سلطان قنوج پر قبضہ کر کے بنارس پر بھی جو کہ جے چند کا مقبوضہ تھا حملہ آور ہوا۔ بنارس کے بعد گوالیار اور بدایوں وغیرہ کئی قلعوں کو فتح کیا اور سب جگہ اپنا عامل مقرر کر کے اسلامی حکومت قائم کی۔ اس طرح شمالی ہند کا ایک بڑا حصہ اسلامی سلطنت میں شامل ہو گیا۔ پنجاب، ملتان، سندھ تو پہلے ہی اسلامی حکومت کے صوبے تھے اب وہ ملک بھی جس کو آج کل صوبہ متحدہ کہتے ہیں سلطنت اسلامی میں شامل ہو گیا۔ قطب الدین ایبک کی قابلیت سرداری چونکہ اب اچھی طرح ثابت ہو چکی تھی لہٰذا سلطان نے قطب الدین ایبک کو تمام مقبوضات ہندوستان کا حاکم اور وائسرائے بنا دیا اور ۵۹۱ھ میں غزنی کی طرف روانہ ہو گیا۔ (آئینہ ص ۲۵۳)

فتح بہار و بنگال و آسام و تبت وغیرہ محمد بختیار خلجی کے ہاتھ پر

غور کے نواح میں جو قبائل آباد تھے ان میں ایک قبیلہ خلجیوں کا بھی تھا۔ اس قبیلہ کے اکثر افراد سلطان شہاب الدین غوری اور ملک قطب الدین ایبک کی فوج میں نوکر تھے۔ اسی قبیلہ کا ایک شخص محمد محمود خلجی ہندوستان آیا اور فتح قنوج کے بعد قنوج کے علاقہ میں ایک جاگیر حاصل کر سکا جب محمد محمود کا انتقال ہو گیا تو یہ جاگیر اس کے بھتیجے محمد بختیار خلجی کو مل گئی۔ محمد بختیار نے یہاں

Marfat.com

اپنے لئے ترقی کی راہیں مسدود دیکھ کر جاگیر کو چھوڑ دیا۔ اور اودھ کے حاکم ملک حسام الدین اغلبک کے پاس پہنچا۔ اس نے محمد بختیار کو اس کی خواہش کے موافق ایک جاگیر اودھ کے مشرقی حصہ میں عطا کر دی۔ وہاں محمد بختیار نے ملک حسام الدین کو کئی معرکوں میں اپنی بہادریاں دکھا کر اپنے اوپر اس قدر مہربان کر لیا کہ اس نے اس چھوٹی سی جاگیر کے عوض اودھ کے ایک پورے ضلع کی حکومت اس کو سپرد کر دی۔

بہار کی فتح

اب محمد بختیار نے موقع پا کر ملک بہار کے علاقہ پر تخت و تاراج کا سلسلہ شروع کیا اور اس ملک کے ہندو راجہ سے کئی قلعے چھین لئے جس سے محمد بختیار کی شہرت دور دور تک پھیل گئی۔ اور اس قوم کے آدمی جو مختلف شہروں میں پھیلے ہوئے تھے، ہر طرف سے آ آ کر محمد بختیار کے پاس جمع ہو گئے۔ اور بختیار کی اولوالعزمی اور بہادری کی خبر جب ملک قطب الدین ایبک وائسرائے ہند کو پہنچی تو اس نے بہادر سپاہی کی قدر دانی اور عزت افزائی کو ضروری سمجھ کر دہلی سے اس کے لئے خلعت و انعام بھیجا، اور ملک حسام الدین اغلبک عامل اودھ کو لکھا کہ اس بہادر کی قدر دانی و عزت افزائی کا ضرور خیال رکھو۔ اس طرح صاحب عزت اور صاحب علم و طبل ہو کر محمد بختیار نے بہار کے علاقہ پر باقاعدہ حملہ شروع کر دیا اور صرف ایک سال کے اندر بہار کا ملک فتح کر کے قلعہ بہار پر بھی قبضہ کر لیا۔ قلعہ بہار کی تسخیر کے وقت محمد بختیار خلجی کے ساتھ کل دو سو آدمی کی فوج تھی اور یہ قلعہ ملک بہار میں سب سے زیادہ مضبوط اور ناقابل تسخیر مقام سمجھا جاتا تھا۔ اس وقت بہار کی سلطنت بدھ مذہب کے لوگوں کے ہاتھ میں تھی۔ فتح بہار کے بعد قطب الدین ایبک نے محمد بختیار خلجی کو اپنے پاس دہلی بلوایا اور خلعت و خطاب دے کر بہار کو گورنر مقرر کر دیا۔

بنگال کی فتح

محمد بختیار نے واپس آ کر ملک بہار میں اپنی طرف سے عامل مقرر کئے اور انتظام ملکی سے مطمئن ہو کر بنگال کی طرف بڑھا۔ بنگال کے دارالسلطنت اس زمانہ میں شہر نودیہ تھا۔ نودیہ کا راجہ لکشمن سین جو لکھمنیہ کے نام سے مشہور تھا۔ محمد بختیار خلجی کا مقابلہ نہ کر سکا۔ محمد بختیار جب ندیہ کے قریب پہنچا تو اپنی فوج پیچھے چھوڑ دی اور صرف اٹھارہ آدمی ساتھ لے کر شہر ندیہ کے اندر داخل ہوا۔ شہر ندیہ کے دروازے پر محافظوں نے یہ سمجھ کر کہ کوئی سوداگر یا مسافر ہیں جو اس طرح بے تکلف شہر میں داخل ہو رہے ہیں ان کو نہ روکا۔ ان اٹھارہ بہادروں نے راجہ کے محل سرائے کے دروازہ پر جا کر محل سرائے کے دربانوں کو قتل کرنا شروع کیا۔ اس وقت لکھمنیہ رسوئی میں کھانا کھا رہا تھا۔ شور و غل کی آواز سن کر معلوم ہوا کہ مسلمان آ پہنچے ہیں۔ اس قدر حواس باختہ ہوا کہ فوراً اُٹھ کر سرنگ کے راستہ سے اپنے محل سے بھاگا اور ندیہ سے فرار ہو کر اڑیسہ کے شہر کٹک کے ایک مندر میں پناہ لی۔ اور پوجاریوں میں شامل ہو کر بقیہ عمر گزاری۔ محمد بختیار نے محل میں داخل ہو کر دیکھا کہ سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا چنا ہوا رکھا ہے جس کو چھوڑ کر راجہ بھاگ گیا ہے۔ اس طرح بلاکشت و خون بڑی آسانی سے مسلمانوں کا بنگال پر بھی قبضہ ہو گیا۔ محمد بختیار نے

Marfat.com

ندیہ کو چھوڑ کر مقام لکھنوتی کو بنگالہ کا دارالحکومت قرار دیا۔ غالباً یہی مقام لکھنوتی ہے جس کو آج کل ڈھاکہ کہتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

آسام کی فتح صلحاً

لکھنوتی میں محمد بختیار اپنا نائب مقرر کر کے خود دس ہزار کا لشکر لے کر آسام کی فتح کے لئے روانہ ہوا۔ آسام (کامروپ) کے راجہ نے اطاعت قبول کر لی۔ طبقات ناصری کی روایت کے مطابق ملک (کامروپ) میں کوچ، میچ، تھارو تین قومیں آباد تھیں۔ ان میں سے کوچ، اور میچ کا سردار جو میچ قوم سے تعلق رکھتا تھا، محمد بختیار خلجی کے ہاتھ پر برضا و رغبت مسلمان ہو گیا تھا۔ چنانچہ منہاج السراج کے الفاظ یہ ہیں:

"دراطراف آں کوہہا کہ درمیان تبت و بلاد لکھنوتی ست سہ جنس خلق اند یکے را کوچ دوم را میچ سوم را تھارو۔ ہمہ ترک چہرہ اند و ایشاں راز بانے دیگر است میاں لغت ہند و تبت یکے از روئے سائے کوچ و میچ کہ اور اعلی میچ گفتندے بر دست محمد بختیار اسلام آوردہ بود"

تبت کی فتح

اس کے بعد بختیار نے دریائے برہمتر کو عبور کر کے ملک تبت پر حملہ کیا دریا کو عبور کرنے کے بعد پندرہ روز تک برابر پہاڑوں کے دروں اور گھاٹیوں میں لشکر اسلام کو سفر کرنا پڑا سولہویں روز تبت کے علاقہ میں پہنچے۔ سامنے ایک مضبوط قلعہ آیا وہاں کے لوگوں نے مقابلہ کیا۔ سخت لڑائی کے بعد اس قلعہ کو فتح کیا۔ وہاں سے پندرہ کوس کے فاصلے پر کرم پٹن نامی ایک شہر تھا جس میں دشمنوں کی زبردست فوج موجود تھی مگر اس طویل و شدید سفر اور جنگ میں محمد بختیار کی بہت سی فوج ضائع ہو چکی تھی۔ اس لئے اس طرف پیش قدمی کرنا اس وقت مناسب نہ سمجھا اور یہیں سے واپس ہو گئے۔ اس وقت محمد بختیار کی ان کوششوں سے پورا شمالی ہندوا ور اسکے سب صوبے ہندوستان کی سلطنت اسلامیہ میں داخل ہو گئے اور آج کل جس براعظم کو ہندوستان یا انڈیا کہا جاتا ہے دکن اور مدراس کے سوا پورا سلطنت دہلی کے زیر نگیں آ گیا۔ واپسی میں دیوکوٹ پہنچ کر محمد بختیار سخت بیمار ہو گئے۔ اس بیماری میں بار بار ان کی زبان سے یہ الفاظ نکلے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سلطان شہاب الدین غوری کو کوئی مصیبت پہنچی ہے اسی لئے مجھ پر بھی یہ مصیبت آئی ہے۔ چنانچہ محمد بختیار اس بیماری سے جانبر نہ ہو سکے اور ۶۰۲ھ میں فوت ہو گئے اور محمد بختیار کا یہ احساس بھی صحیح تھا کہ سلطان شہاب الدین کو کوئی مصیبت پہنچی ہے، کیونکہ سلطان موصوف بھی انہی دنوں میں شہید ہوئے۔ (آئینہ ص ۲۵۸)

سلطان شہاب الدین غوری کی شہادت

ملاحدالموت سے مقابلہ اور گھکڑوں کا اسلام

شہاب الدین غوری کے عہد میں ملاحدہ کا فتنہ اٹھا جو شاہ الموت کے زیر ہدایت جا بجا مسلمانوں کے لباس میں پھیلے ہوئے موقع کے منتظر تھے انہوں نے ۶۰۰ھ کے اواخر اور ۶۰۱ھ کے شروع میں ملتان، پنجاب کے اندر ایک اودھم مچا دی اور

Marfat.com

امن وامان برباد کردیا۔

سلطان شہاب الدین کی ساری عمرزیادہ تر انہی کے فتنہ کے استیصال میں گزری تھی۔اب پھر سندھ وملتان اور مغربی پنجاب میں ان کا زور دیکھ کر اس طرف آنا پڑا۔ادھر دہلی کے قطب الدین ایبک پہنچ گئے۔ان لوگوں کو اور جوان کی حمایت کرتے تھے ان کو سزائیں دیں اوران بلاد کا امن وامان بحال ہوگیا۔ان کی حمایت کرنے والوں میں ایک قوم گھگڑیا کھوکھر کے نام سے موسوم غیر مسلم زناردار تھی ان کا پیشہ رہزنی تھا اور مسلمانوں کے قتل کو ثواب جانتے تھے۔اسی لئے ان ملاحدہ کو ان کے اندر خوب رسوخ حاصل تھا۔ایک مسلمان اتفاقاً ان کے ہاتھ میں گرفتار ہوا جس کو انہوں نے بجائے قتل کرنے کے قید کردیا۔اس مسلمان قیدی کے اوجاع اوطوار اور حرکات وسکنات اس شخص کو بہت پسند آئے جس کے ہاتھ میں یہ مسلمان قید تھا قیدی نے موقع پا کر اسلام کی تبلیغ وتلقین شروع کی۔نتیجہ یہ ہوا کہ گھکھڑ نے اسلام قبول کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔قیدی نے سلطان کے پاس یہ خبر بھجوائی۔سلطان شہاب الدین غوریؒ نے اس نومسلم گھگڑ کو اس علاقہ کا حاکم بنادیا تا کہ وہ خود اپنی قوم کا بندوبست کرسکے۔اور قتل و غارت سے یہ قوم باز آئے۔اس نومسلم گھگڑ کی کوشش سے کئی لاکھ گھگڑ دائرہ اسلام میں داخل ہوکر بہت شائستہ زندگی بسر کرنے لگے۔ورنہ اس سے پہلے ان میں ایک عورت کو متعدد شوہر کرنے اور دختر کشی وغیرہ کا عام رواج تھا۔اس واقعہ سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ ہندوقوموں میں اسلام کسطرح پھیلا ہے اور مسلمان بادشاہوں نے کہاں تک لوگوں کو زبردستی مسلمان بنایا ہے۔

سلطان شہاب الدین کے لشکر میں حضرت امام رازیؒ کا درس اور سلطان کی شہادت ملاحدہ کے ہاتھ سے

امام فخر الدین رازیؒ جو علماء اسلام میں ایک خاص امتیاز رکھتے ہیں اور فلاسفہ اسلام میں مشہور ومعروف ہیں۔آپ سلطان شہاب الدین کے مخصوص لشکر میں ساتھ رہتے تھے۔سپاہیوں کو روزانہ درس دیتے اور نمازوں کی امامت کرتے تھے۔ان کے درس میں مسلمان بڑے شوق سے جوق در جوق شریک ہوتے تھے۔ملاحدہ کے چند لوگوں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور انکے درس میں شریک ہوگئے۔یہ ملاحدہ چونکہ اسلامی لباس میں تھے اور اسلامی طریقوں سے بود وباش کرتے تھے اور جب مسلمانوں میں شامل ہوتے تو اپنے آپ کو اعلیٰ درجہ کا عابد وزاہد ثابت کرتے تھے اس لئے عام مسلمان ان کے شر سے واقف نہ ہوتے۔اور بعض اوقات سلطنت کے اعلیٰ عہدوں پر بھی فائز ہوجاتے تھے۔اور یہ کسی کو خبر نہ ہوتی تھی کہ یہ مسلمانوں کے جانی دشمن ہیں۔سلطان شہاب الدین ان کے فتنہ اور شرارت سے واقف اور ان کی بیخ کنی پر ہمیشہ آمادہ رہتا تھا۔یہ اپنی منافقانہ چالوں سے اس کے لشکر میں موجود رہتے تھے۔

سلطان لاہور سے روانہ ہوکر جس وقت مقام دمیک میں جو پنجاب کے ضلع جہلم میں بتلایا جاتا ہے پہنچا اور دریائے جہلم کے کنارے سلطانی لشکر خیمہ زن ہوا۔تو رات کے وقت ان ملاحدہ نے جو سلطانی لشکر میں موجود تھے اور ان میں سے بعض دربانی کی خدمت پر بھی مامور تھے۔موقع پا کر سلطان کو قتل کی قرارداد پر عمل کیا اور خنجر سے سلطانی خیمہ کو چاک کرکے دس بیس ملاحدہ اندر داخل ہوئے اور سوتے ہوئے سلطان کو چھریوں سے شہید کرڈالا۔پھر خیمہ کے اسی شگاف سے نکل کر بھاگ گئے۔

Marfat.com

ان میں سے بعض بھاگتے ہوئے پکڑے گئے اور پہچانے گئے تو وہی اشخاص تھے جو حضرت امام فخر الدین رازی کے درس میں بڑی عقیدت مندی اور شوق و گرویدگی سے شامل ہوا کرتے تھے۔اور اسی لئے امام صاحب کے مقرب اور خدام خاص سمجھے جاتے تھے۔اسی بنا پر لوگوں کو امام رازی پر یہ بدگمانی ہوئی کہ ملاحدہ سے ان کا تعلق ہے اور یہ بھی اس قتل کی سازش میں شریک ہیں۔اسی شبہ میں حضرت امام بھی گرفتار کیے گئے۔مگر پھر تحقیق کے بعد حقیقت حال ظاہر ہوئی کہ حضرت امام ان کی منافقانہ چالوں سے تمام اعمال حکومت کی طرح بے خبر اور بے تعلق تھے، آپکو آزاد کر دیا گیا۔

سلطان شہاب الدین کی وفات کے وقت ہندوستان کی اسلامی سلطنت کا رقبہ

۳ شعبان ۶۰۲ھ کو سلطان شہاب الدین غورہ رحمۃ اللہ علیہ شہید ہوئے۔اس وقت ہندوستان کے مستقل دارالحکومت دہلی کے ماتحت تمام سندھ، ملتان، پنجاب، ممالک متحدہ آگرہ اودھ، گجرات، بہار، بنگال، آسام، تبت تک آچکا تھا اور آج کل جس براعظم کو ہندوستان کہا جاتا ہے اس میں صرف دکن اور مدراس باقی تھے۔اس کے سوا پورے ہندوستان پر اسلامی حکومت آب و تاب کے ساتھ قائم ہوگئی تھی۔اور ملک قطب الدین ایبک سلطان شہاب الدین کی طرف سے اس سلطنت کے وائسرائے مقرر تھے۔

ہندوستان کی مستقل خودمختار اسلامی سلطنت ۶۰۲ھ

سلطان شہاب الدین غوری کی وفات کے بعد ان کا کوئی بیٹا نہ تھا۔انہوں نے اپنے غلاموں کی تربیت بیٹوں کی طرح کی تھی۔چنانچہ ان کے بعد ان کے غلام قطب الدین ایبک، تاج الدین بلدوز، ناصر الدین قباچہ ہی ہندوستان کی اسلامی سلطنت کے والی ہوئے۔انہی کے زمانہ سے ہندوستان کی سلطنت، سلطنت غزنی سے علیحدہ ہوکر مستقل اور خودمختار قرار دی گئی۔سلطان شہاب الدین غوری کی وفات کے بعد ان کے بھتیجے سلطان محمود نے دارالسلطنت فیروزہ کوہ غزنی سے ملک قطب الدین ایبک جواب تک ہندوستان کے وائسرائے کی حیثیت رکھتے تھے ان کے پاس ایک شقہ اور چتر شاہی بھیجا۔شقہ میں لکھا ہے، آپ شوق سے اپنے آپ کو سلطان کے لقب سے ملقب کریں اور ہندوستان میں عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کریں۔اس سند حکومت اور چتر شاہی کے آنے پر سلطان قطب الدین نے دہلی سے لاہور جا کر ماہ ذیعقد ۶۰۲ھ میں مراسم تخت نشینی ادا کئے۔

(آئینہ حقیقت نما ص ۲۶۳) اور ہند کی مستقل خودمختار اسلامی سلطنت کا پہلا دور یہاں سے شروع ہوا۔

سلطنت غلاماں

قطب الدین ایبک سے ہندوستان میں جس خاندان سلطنت کی بنیاد پڑی وہ غلاموں کا خاندان کہلاتا ہے۔اس خاندان میں قطب الدین ایبک، آرام شاہ، شمس الدین التمش، رکن الدین، رضیہ سلطانہ، بہرام شاہ، علاؤ الدین مسعود، ناصر الدین محمود، غیاث الدین بلبن، کیقباد، کل دس بادشاہ تخت نشین ہوئے۔اور ۶۰۳ھ سے ۶۸۹ھ تک چھیاسی سال حکومت کی۔اس زمانہ میں مصر کے اندر بھی اسی قسم کے غلاموں کی حکومت تھی۔ہندوستان اور مصر کے غلاموں کی شہنشاہی پر غور کرنے سے

Marfat.com

بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے کہ مسلمان اپنے غلاموں کے ساتھ کس قسم کا سلوک کرتے تھے اور غلاموں کے لئے اسلام نے کہاں تک ترقی کی راہیں کشادہ رکھی ہیں۔

ہندوستان میں غلاموں کے اس خاندان میں شمس الدین التمش، ناصر الدین محمود اور غیاث الدین بلبن تینوں بادشاہوں نے بیس سال یا اس سے زایدہ مدت تک حکومت کی تینوں بادشاہوں کی حکومت کا زمانہ مل کر ستر سال ہوتا ہے۔ باقی سولہ سال میں سات بادشاہوں کی حکومت پوری ہوئی۔ قطب الدین ایبک کا زمانہ حکومت بھی 20 ہی سال ہے لیکن اسکے ابتدائی سولہ برس سلطنت غزنی کے ماتحت وائسرائے کی حیثیت میں تھے خودمختار سلطان ہند ہوکر صرف 4 سال زندہ رہے۔ 607ء میں گھوڑے سے گر کر وفات ہوئی لاہور میں دفن ہوئے۔ (12 آئینہ ص 264)

سلطنت غلاماں کی چند خصوصیات

ا۔ ان غلام سلاطین نے اپنے پورے عہد حکومت میں مفتوحہ علاقہ پر حکومت قائم کرکے امن وامان اور رعایا کے فلاح و بہبود میں پوری ہمت کی نئے ملکوں کو فتح کرنے کا خیال نہیں کیا۔

۲۔ اس خاندان کی یہ خصوصیت بھی قابل ذکر ہے کہ ان کے عہد میں مسلمانوں کے اندر صحیح اسلامی جذبات بہت نمایاں تھے اور یہی وجہ تھی کہ جو بادشاہ ان میں سلطنت کی قابلیت واہلیت رکھتا تھا اس کو حکومت کرنے کی آزاد مہلت ملی اور جو بادشاہ تخت نشین ہونے کے بعد نااہل ثابت ہوا تو فوراً مسلمان سرداروں نے اس کو معزول کرکے دوسرے کو تخت پر بٹھادیا۔

۳۔ اس عہد کی خوبیوں میں یہ بھی ایک قابل تذکرہ ہے کہ سلطنت کو کسی خاندان کے ساتھ مخصوص نہیں سمجھا گیا۔ شہاب الدین غوری کے بعد ان کے غلام قطب الدین ایبک خودمختار بادشاہ بنے۔ قطب الدین کے بعد اجب انکی اولاد کو نالائق دیکھا تو ان کے غلام شمس الدین التمش کو سب نے بخوشی بادشاہ تسلیم کرلیا۔ پھر سلطان التمش کی اولاد بھی نااہل ثابت ہوئی تو ان کے غلام غیاث الدین بلبن کو بادشاہ بنالیا گیا۔ اسی طرح پھر بلبن کی اولاد میں قابلیت سلطنت نہ دیکھی تو یہ تختِ سلطنت خلجی خاندان کے ایک تجربہ کار آدمی کے سپرد کردیا گیا۔

۴۔ اس غلام خاندان کے چند افراد تو سلطنت کے اہل ثابت ہوئے کہ ان کی مثالیں سلاطین میں بہت کم ہیں۔ سلطان شمس الدین التمش کو بغداد کے خلیفہ عباسی المستنصر باللہ نے ۶۲۶ھ میں خلعت اور سند حکومت بھیجی۔ جس کی خوشی میں سلطان نے شہر کو آئینہ بند کرکے جشن ترتیب دیا۔ یہ سلطان بڑا خداترس، رحمدل، عابد، زاہد، سخی اور بہادر تھا۔ پنج وقتہ نماز مسجد میں باجماعت ادا کرتا تھا۔ اور درویش خدا آگاہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں اکثر حاضر رہتا تھا۔ سلطان قطب الدین نے دہلی کی فتح کے بعد مسجد قوۃ الاسلام اور قطب مینار کی تعمیر شروع کی تھی۔ قطب مینار کے صرف دو نیچے کے درجے تعمیر ہونے پائے تھے کہ ان کی وفات ہوگئی۔ ان کے بعد سلطان التمش نے باقی اوپر کے درجے تعمیر کرا کر اس مینار کو مکمل کرایا اور مسجد قوۃ الاسلام میں بھی تین دروازے اضافہ کئے، حوض شمسی بھی ان کی یادگار ہے۔ ان کے عہد میں منڈ اور ضلع بجنور جو قدیم

Marfat.com

عہد سے بودھ مذہب والوں کا مرکزی مقام تھا اس میں ملاحدہ نے مقامی راجپوتوں سے سازش کر کے سلطنت دہلی کے خلاف ایک نہایت خطرناک طاقت جمع کر دی تھی ۶۲۴ھ میں سلطان نے فوج کشی کر کے قلعہ منڈاور کو فتح کیا اور دو مہینے منڈاور میں قیام کر کے کوہ ہمالیہ میں تمام سرکشوں کو سزائیں دیں۔ منڈاور میں جامع مسجد تعمیر کرائی جو آج تک ان کی یادگار ہے۔ ۲۰ شعبان ۶۳۳ھ میں سلطان التمش کا دہلی میں انتقال ہوا۔ ان کا مقبرہ پرانی دہلی میں مسجد قوۃ الاسلام کے متصل غیر مسقف آج تک موجود ہے۔ (آئینہ ص ۲۶۰)

۶۔ شمس الدین التمش کے بعد ان کے بیٹے رکن الدین کو تخت نشین کیا گیا مگر اس نے فضول خرچی اور بدنظمی شروع کی تو امراء سلطنت نے اس کو معزول کر کے سلطان شمس الدین کی بڑی لڑکی رضیہ سلطانہ کو تخت سلطنت پر بٹھا دیا۔ اس نے نہایت خوبی سے سلطنت کا انتظام کیا۔ یہ تعلیم یافتہ تجربہ کار عورت تھی۔ گھوڑے پر سوار ہوتی اور صف قتال میں شمشیر زنی کرتی تھی۔ اس نے اپنی بہادری اور ہوش مندی سے بہت سی بغاوتوں کو فرو کیا۔ مگر بعد میں اس کو ہندو فوج اور افسران فوج پر اعتماد اور دوسرے اسباب کی بناء پر شکست ہوئی اور صرف چار سال حکومت کے بعد ۶۳۸ھ میں شہید ہو گئی اور اس کے بعد دو سال معز الدین بہرام شاہ نے پھر چار سال التمش کے پوتے علاؤ الدین مسعود نے حکومت کی یہ بھی معزول کئے گئے۔

۷۔ اس کے بعد التمش کے بیٹے سلطان ناصر الدین محمود تخت پر بٹھائے گئے اس نے امور سلطنت میں بڑی قابلیت کا ثبوت دیا۔ تاتاری مغلوں کے پیہم حملے جو ہندوستان پر ہو رہے تھے۔ ان کو شکست دی اور اندرونی باغیوں کو سزائیں دے کر مطیع بنایا، ان کی عمر کا بڑا حصہ مغلوں کی مدافعت اور بغاوتوں کے فرو کرنے ہی میں گزرا۔ یہاں تک کہ ۶۵۸ھ میں مغلوں کے بادشاہ چنگیز خاں کے پوتے ہلاکو خاں کا سفیر سلطان ناصر الدین محمود کی خدمت میں دہلی آیا۔ سلطان نے اس کی آمد پر ایک نہایت شاندار جشن مرتب کیا۔ اور پچاس ہزار سوار اور دو لاکھ پیادوں کی زرق برق لباس اور جنگی ہتھیاروں سے آراستہ فوج اور دو ہزار جنگی ہاتھیوں کے سلسلہ میں گزارتے ہوئے اسکو دربار شاہی میں لایا گیا جہاں سونے چاندی کے جواہرات کے آرائشی سامان کے ساتھ ایک پہلو میں سادات و مشائخ و قضاۃ و علماء کی صف تھی دوسری جانب ان پچیس شہزادوں اور بادشاہوں کی قطار تھی جو خراسان، ایران و عراق، آذر بائیجان وغیرہ ممالک سے اپنی سلطنتوں کو انہی تاتاری مغلوں کے ہاتھ برباد کرا کر ہندوستان میں پناہ گزین ہوئے تھے۔ ایک قطار ہندو راناؤں راجاؤں کی تھی جو تخت شاہی کے گرد تھی۔ اس جشن کے مرعوب کن نظارہ کا یہ اثر ہوا کہ تاتاری مغلوں نے آئندہ کے لئے ہندوستان پر حملہ کا خیال دل سے نکال دیا اور اپنے سرحدی امیروں کے پاس احکام بھیج دیئے کہ آئندہ ہندوستان پر کوئی حملہ آور نہ ہو۔ اس کے بعد سلطان ناصر الدین محمود کے صرف آخری چھ سال ۶۵۸ھ سے ۶۶۴ھ تک امن و امان سے گزرے۔ یہ سلطان جیسا کہ امور سلطنت و سیاست میں ماہر اور شجاع و بہادر تھا ویسا ہی عابد شب زندہ دار اور زاہد خوش اطوار بھی تھا۔

۸۔ سال بھر میں دو قرآن مجید اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے فروخت کر کے اسی سے سال بھر اپنی گزر کرتا تھا۔

Marfat.com

۹۔اس کی ایک بیوی تھی وہی اپنے ہاتھ سے روٹی پکاتی تھی۔ایک مرتبہ اس بیگم نے عرض کیا کہ روٹی پکانے کے لئے کوئی خادمہ رکھ دیجئے۔سلطان نے کہا کہ میری آمدنی میں اتنی گنجائش کہاں کہ نوکر رکھ سکوں۔رہا شاہی خزانہ، وہ سب رعایا کا مال ہے۔میں اس میں ایک کوڑی بھی اپنی ذات کیلئے نہیں لے سکتا۔۱۱ جمادی الاولیٰ میں ۶۶۴ھ کو بیس سال حکومت کے بعد ان کی وفات ہوئی۔ان کی اولاد میں کوئی تخت و تاج سنبھالنے کے قابل نہ تھا اس لئے امراء سلطنت نے باتفاق رائے وزیر سلطنت الغ خاں کو سلطان غیاث الدین بلبن کا لقب دے کر تختِ سلطنت پر بٹھایا۔

رضیہ سلطانہ

سلطان شمس الدین التمش کا بڑا لڑکا ناصر الدین محمود جو کہ نہایت قابل تھا اور سلطنت کے فرائض سنبھالنے کی صلاحیت رکھتا بنگال میں وفات پا چکا تھا۔اس کی وفات کے بعد التمش کو اپنے دیگر بیٹوں میں وہ اوصاف نظر نہ آتے تھے جو ایک حکمران میں ہونے چاہیں۔ناصر الدین محمود کے بعد اب اس کی سب سے بڑی اولاد رضیہ تھی۔اپنے بھائیوں کے مقابلے میں غیر معمولی ذہانت ہوشیاری، تدبر اور لیاقت کی مالک تھی۔چنانچہ ۱۲۳۱ء جب التمش گولیار کی مہم پر روانہ ہوا تھا تو اپنی عدم موجودگی میں انتظام مملکت رضیہ کے سپرد کر گیا تھا۔رضیہ نے التمش کی غیر موجودگی میں امور مملکت نہایت حسن وخوبی سے انجام دیئے اور نہایت ہوشیاری سے سلطنت کے فرائض سنبھالے رکھے۔چنانچہ التمش جب گوالیاری کی مہم سے واپس آیا تو رضیہ کی ولی عہدی کا اعلان کر دیا۔اس خوشی میں التمش نے سونے چاندی کے لئے سکے جاری کئے جن پر اس نے اپنے نام کے ساتھ رضیہ کا نام بھی کندہ کرایا۔کیونکہ التمش کو اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کے باقی ماندہ لڑکوں میں سے رکن الدین یا قطب الدین کوئی بھی سلطنت سنبھالنے کے قابل نہ تھا۔اس لئے مجبوراً التمش نے رضیہ کو ولی عہد نامزد کیا۔

ولی عہد کی نامزدگی کے بعد بھی اس کے دوسرے بڑے لڑکے رکن الدین کی والدہ شاہ ترکان (رضیہ کی سوتیلی ماں) اور دیگر امرائے سلطنت کی کوشش تھی کہ التمش ایک بار پھر ولی عہد کے فیصلے پر نظر ثانی کرے۔

التمش نے رکن الدین کو پہلے بدایوں اور پھر لاہور کا گورنر مقرر کیا تھا۔اس کے بعد جب ۱۲۳۵ء میں التمش رکن الدین کو اپنے ساتھ دہلی لایا تو رکن الدین کی ماں اور دیگر امراء بہت خوش ہوئے کیونکہ اب انہیں جانشینی کے فیصلے میں تبدیلی ہوتی نظر آرہی تھی۔ممکن ہے کہ التمش جانشینی کے فیصلے میں تبدیلی کرنا چاہتا ہو لیکن اسے مہلت نہ مل سکی اور ۱۲۳۶ء میں التمش کا انتقال ہو گیا۔

بعض اہالیان دہلی اور امرائے سلطنت رضیہ کی جانشینی کے حق میں تھے۔لیکن رکن الدین کی ماں شات ترکان نے سازش کر کے اپنے ہمنوا امراء اور فوجی افسروں کو ملا کر رکن الدین کو تخت سلطنت پر بٹھا دیا۔رکن الدین نے تخت پر قبضہ کر کے فیروز شاہ کا لقب اختیار کیا۔لیکن رکن الدین فیروز اگرچہ تخت سلطنت پر فائز ہو گیا تھا لیکن اس میں سلطانی صلاحیتوں کا فقدان تھا اور وہ انتہائی کاہل اور عیش پرستی کا وہی عالم تھا۔اور تمام امور سلطنت اس کی والدہ شاہ ترکان نے اپنے ہاتھ میں لے رکھے تھے۔

Marfat.com

شاہ ترکان نے سازش کر کے التمش کے دوسرے بیٹے قطب الدین کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ شاہ ترکان نے رضیہ کے قتل کی بھی کوشش کی لیکن ناکامی ہوئی۔

ادھر رکن الدین فیروز اور اس کی والدہ شاہ ترکان کے ہمنوا امراء اور فوجی افسر جو رکن الدین کو تخت نشین کرانے میں پیش پیش تھے وہ تمام رکن الدین کی عیش پرستی اور شاہ ترکان کے لئے بے اقتدار کے خلاف ہو گئے ادھر اودھ، بدایوں اور ملتان وغیرہ کے گورنروں نے رکن الدین فیروز شاہ کے خلاف بغاوت کر دی اور دہلی کی جانب بڑھے۔ رکن الدین ان سے مقابلے اور ان کی سرکوبی کے لئے فوج لے کر دہلی سے باہر آیا لیکن خود اس کے فوجی افسروں اور امراء نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ چنانچہ وہ بد دل ہو کر دہلی واپس آیا۔ لیکن دہلی میں نقشہ بدل چکا تھا۔ رضیہ کے ہمنوا امراء نے شاہ ترکان کو قید کر لیا تھا اور رکن الدین کے پہنچنے پر اسے بھی گرفتار کر لیا۔

شاہ ترکان اور رکن الدین کی گرفتاری کے بعد نومبر ۱۲۳۱ء میں تخت سلطنت پر رضیہ کو بٹھایا گیا۔ وزیر سلطنت محمد جنیدی اور دیگر گورنر رضیہ کی تخت نشینی پر معترض ہو گئے۔ مگر اس کے بعض ہمنوا امراء اور ملک اودھ کی امداد اور خود اپنی بہادری کی وجہ سے سلطانہ رضیہ تخت نشین ہو گئی۔ تخت نشینی کی رسم کے موقع پر تخت اور اہل دربار کے درمیان ایک پردہ حائل تھا۔

سلطانہ رضیہ کی تخت نشینی کے خلاف بعض امراء اور صوبائی فوجی افسروں نے بغاوت کر دی۔ کیونکہ ان کے نظریہ کے مطابق ایک عورت سلطنت کی مالک نہیں ہو سکتی تھی، اور بعض ترک افسر ایک عورت کے ماتحت رہنا بے غیرتی تصور کرتے تھے۔ اس وقت سلطانہ رضیہ کے پاس فوج کی تعداد کم تھی اس کے ہمنوا امراء کی تعداد بھی کم تھی۔ لیکن رضیہ نے چالاکی سے دو چار مخالف امراء کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔ اور اپنی پوزیشن مستحکم کر کے دہلی کے باہر باغی امراء کے اجتماع کو منتشر کر دیا۔

سلطانہ رضیہ اگرچہ ایک عورت تھی لیکن اس کے باوجود غیر معمولی ذہانت، ہوشیاری، چالاکی، تدبر اور شاہانہ صلاحیتوں سے آراستہ تھی۔ اور غیر معمولی حوصلے اور بہادری کی مالک تھی۔ چنانچہ اس کی شخصیت اور صلاحیتوں کے زیر اثر دور دراز کے علاقوں میں بھی اس کی اطاعت قبول کر لی گئی۔

رضیہ سلطانہ نے اپنی تخت نشینی کے کچھ عرصہ بعد زنانہ لباس ترک کر کے مردانہ لباس اختیار کیا۔ اور بغیر پردہ کے دربار میں آ کر سلطنت کے فرائض انجام دیتی۔ کیونکہ اس نے محسوس کر لیا تھا کہ پردہ کی پابندیاں امور سلطنت انجام دینے میں حائل ہوتی ہیں کیونکہ پردہ کی وجہ سے اسے بعض سلطانی فرائض کی ذمہ داری دوسروں کو سونپنی پڑتی تھی۔ اور اس صورت میں اس کی حیثیت محض ایک کٹھ پتلی فرمانروا کی سی تھی۔ اس لئے اس نے دور اندیشی سے کام لیتے ہوئے پردہ کی پابندیوں کو ختم کر دیا۔ اس کے علاوہ اس کی افتاد طبع بھی ایسی ہی تھی وہ مردوں کی طرح ہاتھی اور گھوڑے کی سواری کرتی اور ایک اچھی شہسوار تھی۔

سلطانہ رضیہ کی تخت نشینی کے تھوڑے ہی عرصے بعد چوہان راجپوتوں نے بغاوت کر دی۔ اور اپنی قوت جمع کر کے رنتھمبور کے قلعہ پر دھاوا بول دیا جس کی وجہ سے مسلم فوج کو قلعہ چھوڑ کر آنا پڑا۔ اس کے بعد چوہانوں نے شمالی مشرقی راجپوتانہ کا علاقہ بھی مسلمانوں سے خالی کرا لیا۔ اور اپنے ساتھ میواتیوں کو ملا کر دہلی کی حدود میں چھاپے مارنے شروع کر دیئے۔ ان ہی

Marfat.com

بغاوتوں کے دوران گوالیار جیسا مضبوط قلعہ بھی سلطنت دہلی کے ہاتھوں سے نکل گیا۔ ہر طرف سلطنت دہلی کے خلاف بغاوتیں شروع ہوتے دیکھ کر لاہور کے گورنر ملک کبیر نے بھی موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی اور بغاوت کر دی۔ اس کا خیال تھا کہ رضیہ اس وقت چوہانوں کی طرف سے پریشان ہے لہذا وہ اس سے بدلہ نہ لے گی۔ لیکن رضیہ ملک کبیر کی بغاوت کو کچلنے لاہور پہنچی اور ملک کبیر کو صوبہ سرحد کی طرف بھاگنا پڑا۔ لیکن وہاں بھی اسے منگولوں کی وجہ سے چین نصیب نہ ہوا۔ بالآخر وہ لاہور واپس آیا اور رضیہ سے معافی کی درخواست کی۔ سلطانہ رضیہ نے نہ صرف اس کو معاف کر دیا بلکہ لاہور کی گورنری پر برقرار رکھا۔

سلطانہ رضیہ نے منگولوں سے بھی تعلقات خوش گوار رکھنے کی کوشش کی۔ چنانچہ جب سابق خوارزمی افسر حسن قرنغ منگولوں کی وجہ سے غزنی سے بھاگا اور رضیہ سے امداد کا طالب ہوا تو رضیہ نے اس کی مدد کرنے سے انکار کر دیا۔ جس کی وجہ سے منگول رضیہ سے اس قدر خوش ہوئے کہ انہوں نے رضیہ کے چار سالہ عہد میں احسان کے طور پر پنجاب پر کوئی حملہ نہ کیا۔ سلطنت دہلی اور منگولوں کے درمیان سرحد کے طور پر دریائے چناب واقع تھا۔ چنانچہ رضیہ کے بعد منگولوں نے چناپ کے پار کئی مرتبہ حملے کئے اور کئی بار لاہور کو تخت و تاراج کیا۔

جائزہ

اگر چہ سلطانہ رضیہ کا انجام بہت برا ہوا۔ اور وہ پاک و ہند کی تاریخ میں قرون وسطیٰ کی سب سے پہلی اور آخری ملکہ تھی۔ لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وہ بڑی دور اندیش تھی اور بہادری اور شجاعت کے زیور سے آراستہ تھی۔ وہ رعایا کی فلاح و بہبود کی طرف نہایت گہری توجہ دیتی تھی اور علم و ادب سے بھی اسے گہرا لگاؤ تھا۔ لیکن امراء سلطنت نے جو کے اپنے اقتدار کے بھوکے تھے نیز عوام نے اس کی قدر نہ کی کیونکہ اس زمانے میں ایک عورت کا تخت سلطنت پر آنا بڑی بات تھی۔ آخر میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ ایسے زمانے میں برسر اقتدار آئی جبکہ ایک عورت کا حکمران ہونا قابل اعتراض سمجھا جاتا تھا۔

سلطان غیاث الدین بلبن

سلطان التمش کے غلام اور ہم قوم تھے۔ ان کا دور حکومت بھی ایک خاص امتیاز رکھتا ہے۔ عدل و انصاف میں کسی بڑے سے بڑے سردار کی پرواہ نہ تھی۔ فسق و فجور اور بے حیائی کے کاموں کا اس نے بالکل قلع قمع کر دیا تھا۔ نہایت عابد و زاہد متقی بادشاہ تھا۔ علماء کی مجلس میں عام لوگوں کی طرح شریک ہوتا تھا اور وعظ و نصیحت سن کر اکثر زار و زار رونے لگتا تھا۔ اس کے ساتھ رعب سلطانی کا یہ عالم تھا کہ حسب تحریر ضیاء برنی بڑے بڑے ارباب حکومت جب اس کے دربار میں آتے تو رعب سے مدہوش ہو جاتے تھے۔ (آئینہ ص ۲۸۳)

۱۰۔ سلطان غیاث الدین بلبن کا عہد ہمایوں یہ پہلا عہد تھا جس میں بیرونی حملوں سے اطمینان ہندوستان کو نصیب ہوا اور اندرونی رفاہ عام اور رعایا کی صلاح و فلاح کے کاموں کی طرف پوری توجہ کی گئی۔ اس عہد کے وزیر اعظم خواجہ زکی تھے جو خواجہ حسن بصریؒ کے ہمشیر زادے تھے۔ اس عہد ہمایوں میں دہلی میں بڑے بڑے علماء و مشائخ اور ہر علم و فن کے باکمال استاد موجود

Marfat.com

تھے۔ حضرت شیخ فرید الدین شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ صدر الدین ابن شیخ الاسلام بہاؤ الدین زکریا ملتانی، شیخ بدر الدین غزنوی خلیفہ حضرت شیخ قطب الدین بختیار کاکیؒ وغیرہ مشائخ اس سلطان کے ہم عصر تھے۔ مسلمانوں کے اعلیٰ اخلاق اور مہذب طرز زندگی کو دیکھ کر ممکن نہ تھا کہ یہاں کے ہندو اسلام سے واقف ہونے کی کوشش نہ کرتے۔ چنانچہ اسی زمانہ میں ٹوانہ قوم کا مورث اعلیٰ ہندو راجپوت حضرت خواجہ فرید الدین شکر گنج رحمۃ اللہ کے ہاتھ پر برضا و رغبت مسلمان ہوا جس کی اولاد آج تک پنجاب کے ضلع شاہ پور وغیرہ میں آباد ہے۔ اسی زمانہ میں سیال، گھگر، کھوکھر، بھٹی، جاٹ وغیرہ قومیں انہی مشائخ عظام کی خدمت میں حاضر ہو کر پنجاب میں مسلمان ہونے لگیں۔

جواہر فریدیہ میں لکھا ہے کہ ہندوؤں کی سولہ قومیں حضرت بابا صاحب کے ہاتھ پر مسلمان ہوئیں۔ سلطان بلبن کے عہد میں ہندوؤں کے اندر اسلام کو قدرتی طور پر رسوخ حاصل کرنا چاہیئے تھا۔ کیونکہ سلطان ناصر الدین محمود کا آخری عہد اور سلطان بلبن کا پورا دور حکومت ہی ایسا زمانہ تھا جس میں سلطنت اسلامیہ نے ایک سکون کا وقت پایا۔ اور تمام تر ہمت رعایا کے امن و اطمینان اور رفاہیت و آرام کے لئے صرف کی۔ (آئینہ ص ۲۸۶)

غلاموں کی سلطنت کے چھیاسی سال اور اس کے بعد خاندان خلجی کے ابتدائی دور یعنی ۶۹۴ھ کا زمانہ جو تقریباً سو سال کا ہو جاتا ہے۔ ہندوستان کی اسلامی سلطنت کے حدود و رقبہ کے اعتبار سے ایک جمود کا زمانہ ہے کہ سلطان شہاب الدین غوری کی وفات کے وقت جس قدر رقبہ زیر نگیں آ چکا تھا اس پوری ایک صدی کے مسلمان سلاطین اسی کو تھامنے اور برقرار رکھنے میں مشکل سے کامیاب ہو سکے۔ دکن اور جنوبی ہند کے ممالک کی طرف رخ کرنے کا کسی کو موقع نہیں ملا کیونکہ یہ پوری صدی بیرونی اور اندرونی فتنوں اور طوفانوں سے اس طرح گھری رہی کہ ان میں سے کسی بادشاہ کو ان کے سلجھانے اور قابو میں لانے سے فرصت نہیں ملی۔ کیونکہ سلطان شہاب الدین غوری جس فتنہ کے استیصال میں عمر بھر مشغول رہے اور آخر کار اسی کے ہاتھوں شہید ہوئے یعنی ''ملاحدہ الموت کا فتنہ'' اس کا بڑا حصہ اگرچہ سلطان کی کوششوں سے ختم ہو چکا تھا مگر اس کے ریشے ابھی تک ہندوستان کے اطراف خصوصاً نواحِ دہلی میں پھیلے ہوئے تھے اور ملتان پنجاب تو ان کا گھر تھا۔ ان کی شہادت کے بعد غلام خاندان کے بادشاہوں کو ان سے مڈھ بھیڑ کرنی پڑی۔ تا آنکہ تاتاری مغلوں کے سیلاب نے ۶۵۵ھ میں ملاحدہ کے مرکز الموت کو غارت کر کے ان کے آخری بادشاہ غور شاہ کو گرفتار کر لیا۔ اور ملاحدہ کے فتنہ سے عالم اسلامی نے نجات پائی لیکن اب مغلوں کا فتنہ اس کے قائم مقام ہو گیا جو انجام کار سارے فتنوں سے زیادہ اشد ثابت ہوا۔ اس فتنہ نے ٹھیک اسی سال جنم لیا تھا جس سال ہندوستان کی سلطنت تختِ غزنی کی ماتحتی سے آزاد ہو کر مستقل ہوئی اور ملک قطب الدین ایبک اس کے خود مختار سلطان تسلیم کئے گئے۔ یہ فتنہ مغولان چنگیزی کا تھا جو فتنہ تاتار کے نام سے مشہور ہے کیونکہ ملک قطب الدین ایبک کا جشن تاجپوشی ذیعقدہ ۶۰۲ھ میں ہوا۔ اور رجب ۶۰۲ھ میں تموچین نامی مشہور چنگیز خاں نے مغولستان میں اپنی خود مختار سلطنت کا اعلان کر دیا۔ ان تاتاری مغلوں کا اصل مذہب بودھوں کے مذہب سے ملتا ہے۔ یہ مورتیوں کو پوجتے تھے اور کچھ ان میں آتش پرستی شامل ہو گئی تھی۔ دوسری طرف ان لوگوں نے محض مکر و فریب سے یہ تلبیس بھی کر لی کہ بعض جگہ اپنے آپ کو مسلمانوں کے لباس اور وضع میں پیش

Marfat.com

کیا جس سے لوگ ان کو مسلمان سمجھنے لگے راجہ شیو پرشاد ستارہ ہند اپنی تاریخ میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

''چنگیز خان اور اس کے ساتھ والے مسلمان لوگ نہ تھے بلکہ ایک قسم کے بودھ کا دین رکھتے اور مورتیوں کو پوجتے تھے۔

(آئینہ حقیقت نما ص ۲۹۱)

سر ڈی منکیزی واد یورپی مصنف اپنی ''تاریخ داس'' میں لکھتا ہے کہ: ''ملک روس پر فرقہ پلانسٹی صاحب اقتدار تھا اس فرقہ نے ۶۶۱ھ میں مستسلاف حاکم کلیشیا کے پاس سفیر بھیجا کہ ہمارے ملک پر ایک ستم پیشہ اور قومی دشمن یعنی تارتار نے تاخت کی ہے۔ جنوبی سے بھی شمال سے بھی۔ یہ لوگ دیکھنے میں عجیب نظر آتے ہیں، گندم رنگ، کوچک چشم، موٹے موٹے ہونٹ، چوڑے چوڑے شانے، کالے کالے بال۔ ان سفیران نے یہ بھی کہا کہ آج ہمارے ملک پر ہے کل تمہارے ملک پر ہوگا۔ مستسلاف جانتا ہے پلافستی ہمارے ملک پر حملہ کیا کرتے ہیں لیکن اس جدید دشمن سے چونکہ ہم کو اور ان کو مساوی اندیشہ ہے لہٰذا مدد پر آمادہ ہوگیا اور گرد و نواح کے امیروں کو بھی ہمراہ کر لیا۔ مقابلہ ہونے پر سب نے تاتاریوں سے شکست کھائی۔ تاتاریوں نے پولینڈ، ہنگری، سرویا تک کے ممالک کو برباد و غارت کر کے دریائے والگا کے جنوبی ملکوں میں آ کر اس کے امراء کو پیغام بھیجا کہ ہمارے خاندان میں خدمت میں آ کر حاضری دو۔ روسیوں کو اول معلوم نہ تھا کہ یہ قومی دشمن کون ہے، کہاں سے یہ لوگ آئے ہیں اور کیا مذہب رکھتے ہیں۔ نہ صرف کشور روس میں انہوں نے استیلاء پایا بلکہ ان کی وجہ سے مغربی یورپ و انگلستان میں خوف سے لرزہ پیدا ہوگیا، یہ گروہ جو تمام براعظم ایشیا میں پھیلا ہوا تھا اور جو وسط یورپ تک پہنچ گیا تھا۔ دراصل چین کے شمال پہاڑوں میں دریائے آمور کے منبع کے قریب رہتا تھا۔ بارھویں صدی عیسوی (چھٹی صدی ہجری) کے اختتام پر ان میں ایک آدمی پیدا ہوا جس کا قد مثل دیو کے تھا اور بہادری میں مشہور تھا۔ یہ دیو ہیکل آدمی چنگیز خاں تھا۔ گرد و نواح کی قوموں کو شکست دے کر اپنے لشکر میں شامل کر کے شمالی چین کے بڑے ملک پر قابض ہوگیا اور اپنا ایک سردار روس کی فتح کے لئے نامزد کر کے خود جانب مغرب روانہ ہوا۔ چنگیز خاں نہ صرف ظالم و سفاک تھا بلکہ ایک عظیم الشان ناظم و مقنن بھی تھا۔ چنگیز خاں کے پوتوں میں سے ایک نے سرحد روس پر ایک سلطنت کی بنیاد ڈالی کہ عام طور پر اس کا نام جماعت طلائی مشہور تھا۔ والگا کی جانب جنوب میں ایک دارالسلطنت آباد کیا جس کا نام سرائی تھا۔ اب وہ آباد نہیں بلکہ ویران ہے۔ (از آئینہ حقیقت نما ص ۲۹۲)

یہی فتنہ تاتار یورپ و ایشیا کے ممالک پر عام ہوتا ہوا خلافت عباسیہ بغداد کی تباہی کا سبب بنا۔ بغداد میں ایک ماہ تک مسلمانوں کا قتل کیا۔ لاکھوں نہیں کروڑوں مسلمان ان کی تلوار سے شہید ہوئے۔ سبکی نے طبقات الشافعیہ میں لکھا ہے کہ صرف شہر بغداد کے محاذ پر ایک کروڑ آٹھ لاکھ مسلمان شہید کئے گئے۔ (طبقات الشافعیہ ص ۱۱۵ ج ۵)

سلطنت عباسیہ کے آخری خلیفہ کو نہایت بے دردی کے ساتھ قتل کیا گیا۔ اس طرح یہ تاتاری طوفان گویا دنیا کے سب گوشوں پر چھا گیا۔ اس کی زد سے اگر بچا تو صرف ہندوستان، اور مصر اور یہ بھی عجائب عالم سے ہے کہ یہ دو ملک جو اس طوفان کی رو سے بچے دونوں پر غلاموں کی سلطنت تھی۔ صرف انہی کی دو سلطنتیں ان کے مقابلہ میں فتح مند اور کامیاب ہوئیں۔ جس کا کھلا ہوا سبب مؤرخین کی نظر میں اس کے سوا کچھ نہیں کہ ان غلام بادشاہوں میں دینداری، مذہب پرستی، خداترسی غالب تھی۔ اور انکے

Marfat.com

سوا مسلمان بادشاہوں میں عام طور پر عیش پرستی اور حب دنیا غالب تھی وہ مذہب اور خدا ترسی کے اُصول سے دور جا پڑے تھے۔

اس جگہ فتنہ تا تار کی تاریخ لکھنا نہیں کہ یہ خونیں داستان ہے جو ایک مستقل تصنیف چاہتی ہے۔ اور علماء نے اس پر مستقل تصانیف لکھی بھی ہیں۔ اس جگہ تو صرف بتلانا منظور تھا کہ ہندوستان کی مستقل اسلامی سلطنت کو اپنی عمر کی پہلی ہی منزل میں کس قدر سخت طوفانِ حوادث سے دوچار ہونا پڑا اور یہ کہ مسلمانوں کے غلاموں نے ان حوادث کا کسطرح مقابلہ کیا۔

غلام سلاطین کے اس احسان عظیم میں ہر ایک ہندی انسان کا ذرہ ذرہ دبا ہوا ہے کہ انہوں نے تا تاری مغلوں کو پنجاب اور ملتان کی جانب بھی اور بنگال و آسام کی جانب بھی ہندوستان کے اندر قدم رکھنے سے بار بار روکا۔ اور اس ملک میں آزادی سے قتل و غارت کرنے کا موقع نہیں دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان وحشی مغلوں نے ایران، عراق و شام، آذر بائیجان، وغیرہ اسلامی ممالک کو برباد کر کے خلافت عباسیہ کا چراغ بھی بغداد میں گل کر دیا۔ اور کروڑوں مسلمانوں کو خاک و خون میں ملا کر روس اور وسطِ یورپ کی دنیا کو تہ و بالا کر ڈالا۔

اگر سلطان شمس الدین التمش چنگیز خاں کو ہندوستان میں داخل ہونے کا موقع دے دیتا اور مغل اپنی ہوس خونریزی ہندوستان میں پوری کر سکتے تو ان کو ہرگز ممالک اسلامیہ کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت نہ رہتی۔ اور آج دنیا میں رام و کرشن کے نام کی سمرتی جپنے والا ایک متنفس بھی موجود نہ ملتا۔ مغولانِ چنگیزی کی نسلوں سے ہندوستان کی بستیاں پر ہوتیں۔ اور چنگیز خاں کی مورتیاں ایک سب سے بڑے اوتار کی مورتیوں کی مانند ہندوستان کے مندروں میں براجمان نظر آتیں۔ راجہ شیو پرشاد صاحب ستارۂ ہند اپنی تاریخ جلال الدین خوارزمی کے دریائے اٹک سے پار آنے اور اس کے تعاقب میں مغلوں کی ایک فوج کے اس طرف پہنچنے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وہ (جلال الدین خوارزمی) سندھ سے ایران کی طرف روانہ ہوا۔ تب ان مغلوں کی فوج بھی الٹی گھر گئی۔

”لیکن نمونہ اپنے ظلم کا اتنے ہی عرصہ میں دکھا گئی کہ دس ہزار ہندو غلام بنانے کے لئے قید کر لئے گئے اور جب لشکر میں رسد کی قلت ہوئی تو بے تکلف ان سب غلاموں کے سر کاٹ ڈالے“۔ (آئینہ حقیقت نما ص ۲۹۱)

مغولانِ تا تار کا یہ سیلاب مسلمانوں کے لئے ایک تازیانہ عبرت تھا کہ وہ خواب غفلت سے بیدار ہوں اور تعلیمات اسلامی سے دور و مہجور ہونے کی سزا پا کر اعمالِ اسلامی کی پابندی میں اپنی نجات و فلاح تلاش کریں۔ کیونکہ انہی مغولانِ چنگیزی کو جن سے ساری دنیا لرزاں و ترساں تھی۔ مسلمانوں کے غلاموں سے جو احکام اسلام کے پابند تھے جب مصر و ہندوستان میں واسطہ پڑا تو دونوں جگہ بار بار نہایت ذلت کے ساتھ شکستیں کھائیں اور جس زمانہ میں مغلوں کی خون آشامی کے سبب تمام دنیا میں قتل و غارت کے ہنگامے برپا اور خون کے فواروں کے ساتھ آگ کے شعلے بلند ہو رہے تھے۔ اس زمانہ میں ہندوستان کے اندر غلام سلاطین کی ہندو رعایا امن و امان کے ساتھ انند کے ستار بجا رہی تھی۔ اور سلطان غیاث الدین بلبن کا چچا زاد بھائی شیر خاں اور سلطان کا بیٹا خان شہید ہندوستان کی مغربی سرحد پر مغلوں کے حملوں کو روکنے اور بار بار شکست دے کر بھگا دینے میں مصروف تھے تا آنکہ اسی میں اپنی جان دے دی اس کے ساتھ تاریخ کا یہ سانحہ بھی حیرت و عبرت کا مرقع ہے کہ پنجاب کے بعض

Marfat.com

ہندو راجا ان حالتوں میں بھی تا تاریوں سے ساز باز کر کے ان کے حملوں کو کامیاب بنانے کا موجب ہو جاتے تھے۔ ۶۴۳ھ میں جو حملہ مغلوں نے پنجاب پر کیا وہ ضلع جہلم کے ایک ہندو رانا کی سازش سے کیا تھا۔

چالیس سے زائد فرمانرواؤں نے ہندوستان میں پناہ لی

اس طوفانی زمانہ میں غلاموں نے جس طرح ہندوستان میں امن وامان قائم کر رکھا دنیا میں اس کی کوئی نظیر نہیں تلاش کی جا سکتی۔ یہی وجہ تھی کہ چالیس کے قریب تباہ شدہ فرمانرواؤں نے براعظم ایشیا کے مختلف ممالک سے فرار ہو کر ہندوستان میں پناہ لی۔ اس جگہ یہ بھی بتلا دینا ضروری ہے کہ جس طرح مسلمانوں نے سلاجقہ اور ترکان غز کو بالآخر مسلمان بنا کر مہذب وشائستہ بنا لیا تھا اسی طرح وہ مغلان چنگیزی کو بھی مہذب اور شفیق علیٰ خلق اللہ بنا لینے میں کامیاب ہوئے اور وہی مغول تا تاری جو انسانوں کا خون بہانے میں لذت محسوس کرتے تھے، مسلمان بن کر نہ صرف مسلمانوں بلکہ انسانوں کے خادم اور شفیق بن گئے۔

ہے عیاں یورشِ تاتار کے افسانہ سے　　　پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانہ سے

خاندان خلجی کی حکومت اور فتح دکن وجنوبی ہند

سلطان غیاث الدین بلبن کی اولاد میں کوئی لائق شخص موجود نہ تھا لہٰذا امراء سلطنت کے مشورہ سے خلجی خاندان کے ایک امیر جلال الدین کو جو سامانہ کا نائب ناظم اور ستر برس کا تجربہ کار شخص تھا یہ سلطنت اس کے سپرد ہوئی۔ خاندان خلجی افغانی النسل غزنی کے آس پاس میں رہتا تھا بعض مؤرخین نے ان کا پٹھانوں کی قوم غلزئی قرار دیا ہے اسی کو خلجی کہنے لگے۔

سلطان شہاب الدین غوری کے آخر عہد حکومت میں ایک شخص بختیار خلجی کا ذکر آ چکا ہے جس نے ملک بہار و بنگال و آسام فتح کیا تھا۔ اسی وقت سے خلجی خاندان کے بہت سے لوگ قطب الدین ایبک کے زمانہ سے ہندوستان میں بڑے بڑے عہدوں پر فائز تھے۔ اب ہندوستان کی سلطنت مستقل طور پر اس خاندان میں منتقل ہوگئی۔ اس خاندان میں صرف تینتیس سال سلطنت رہی۔ یعنی ۶۸۸ھ سے ۷۲۱ھ تک۔ یہ خاندان ہندوستان کی خود مختار اسلامی سلطنت کا دوسرا خاندان تھا۔ اسی کے عہد حکومت میں ملک دکن وجنوبی ہند کے سلطنت اسلامیہ میں شامل ہو جانے سے سلطنت اسلامیہ کی حدود کوہ ہمالیہ سے راس کماری تک اور سندھ و گجرات سے بنگال واڑیسہ تک وسیع ہو گئیں اور اس وقت وہ براعظم جس کو جغرافیہ میں ہندوستان یا انڈیا کہا جاتا ہے وہ سب اسلامی سلطنت دہلی کے زیر نگیں آ گیا۔

دکن کی فتح سلطان جلال الدین خلجی کے داماد اور بعد میں ہونے والے سلطان ہند علاؤ الدین خلجی کے ہاتھ پر مکمل فتح ہوئی۔ سلطان جلال الدین خلجی ایک نیک متقی اور باخدا آدمی تھا۔ پنج وقتہ نمازیں مسجد میں آ کر عام لوگوں کے ساتھ باجماعت پڑھتا تھا۔ اس کی سخاوت وداد و دہش نے لوگوں کو اس کا گرویدہ بنا دیا تھا۔ تا تاری مغلوں کا ایک حملہ ہندوستان پر ۶۹۱ھ میں ہوا جس کا مقابلہ جلال الدین نے بڑی دلیری اور قوت کے ساتھ کر کے پسپا کیا اور بہت سے مغل سردار گرفتار کر کے دہلی لائے گئے۔ پھر ان سب کو بعد مصالحت کے آزاد کر دیا گیا۔ مگر ان میں سے چند اپنی خوشی سے یہیں مقیم ہو گئے اور وہ سب کے سب بخوشی

Marfat.com

مسلمان ہو گئے۔ سلطان نے ان میں سے ایک نومسلم الغوخاں کے ساتھ اپنی بیٹی کی شادی کر دی اس کے بعد یہ لوگ یہیں مستقل وطن بنا کر رہنے لگے۔

فتح دکن

علاء الدین خلجی جو سلطان وقت جلال الدین خلجی کا داماد تھا اور اس کی طرف سے ملک اودھ وغیرہ کا حاکم و عامل تھا۔ اپنی خوددامن ملکہ جہاں اور اپنی بیوی سے خانگی امور کی بناء پر سخت ناراض اور عاجز تھا۔ یہاں ہندو سرداروں نے اسکی مصاحبت میں اثر ورسوخ پایا تو اس کو سلطان کے خلاف جنگ کرنے پر آمادہ کر دیا مگر اب سوال مصارف جنگ اور روپیہ کا تھا اس کے لئے اس کے ہندو مشیروں نے رائے دی کہ دکن کو اول باجازت سلطان فتح کرے۔ وہاں سے مال و دولت حاصل کر کے خود قوت حاصل کرے۔ پھر سلطان کا مقابلہ کرے۔ چنانچہ علاؤ الدین خلجی نے سلطان سے عرض کیا کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں ایک دو سال کڑہ اور اودھ کا خراج سلطان کی خدمت میں نہ بھیجوں اور اس روپیہ کو جنگی طاقت بڑھانے میں صرف کر کے چندیری کے سرکشوں کو سزا دوں اور دکن کو فتح کروں، سلطان نے بخوشی اجازت دے دی، تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے:

''سلطان جلال الدین التمش اور امبذول داشت وخالی الذہن ازانکہ غرض ملک علاؤ الدین ازیں مقدمات ہمہ آنست کو خود را ازتحکمات ملکہ جہاں کہ کمال تسلط بر بادشاہ داشت واز استیلائے او چیزے بعرض نمی توانست رسانید ساختہ ہمیشہ در سفر دور دراز باشند''

۶۹۲ھ میں علاؤ الدین نے ہندو اور مسلمانوں کی مشترک فوج اور ہندو مشیروں کو ساتھ لے کر اول بھیلسہ پر حملہ کیا اور اس کو فتح کر کے بھیلسہ کے بڑے بت کو گاڑی پر لدوا کر مصلحۃً دہلی بھیج دیا تا کہ سلطان کسی شبہ میں نہ پڑے۔ اس حملہ اور فتح میں چونکہ ہندو سردار خود شریک تھے اور اسکو سلطنت اسلامیہ کی تباہی کا پیش خیمہ سمجھ رہے تھے اس لئے ان سب باتوں پر کوئی اظہار ناراضگی کسی طرف سے نہیں ہوا۔ بلکہ بھیلسہ والوں نے جن کے ساتھ یہ فاتحانہ سلوک کیا گیا تھا خود علاؤ الدین کو دیوگر کے بڑے مال و دولت کی خبر دی اور آگے بڑھ کر اس پر حملہ کرنے کا مشورہ دیا۔ تاریخ فیروز شاہی میں لکھا ہے:

''در آنچہ علاؤ الدین در بھیلسہ رفت خبر بسیارے مال و پیل دیوگیر بسمع او افتادہ، رفتن دیوگیر از آنجائیاں پرسید و در خاطر کرد کراز کڑہ استعداد کند وسوار پیادہ بسیار چاکر گیرد و سلطان جلال الدین را علم ندہد و جانب دیوگیر لشکر کشد''

دیوگیر (دولت آباد) کی فتح صلحاً

غرض ۶۹۴ھ میں علاؤ الدین نے چھ ہزار سواروں کا لشکر ساتھ لے کر کڑہ سے کوچ کیا۔ اور شہرت یہ دی کہ چندیری پر حملہ کے لئے جانا ہے۔ اس سفر میں کڑہ کے ہندوؤں کی بھی ایک جماعت ساتھ لی۔ نو سو میل کا سفر دو مہینے میں طے کر کے ملک مرہٹ میں داخل ہوا اور شہر ایلچپور پر قبضہ کیا۔ ایلچپور میں دو روز قیام کر کے دیوگیر (دولت آباد) کی طرف بڑھا۔ دیوگیر کا راجہ رام دیو شہر سے نکل کر دیوگیر سے دو میل کے فاصلے پر صف آرا ہوا۔ علاؤ الدین نے پہلے ہی حملے میں رام دیو اور اس کی فوج کو میدان

Marfat.com

سے بھگا دیا۔ شہر کے متصل قلعہ تھا۔ راجہ میدان سے فرار ہوکر شہر میں نہیں لڑ سکا۔ بلکہ قلعہ میں پناہ گزیں ہوا۔ اور علاؤالدین نے آگے بڑھ کر شہر پر قبضہ کیا اور قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ رام دیو کا بیٹا کسی مندر کی زیارت کے لئے باہر گیا ہوا تھا اس نے جب باپ کے محصور ہونے کی خبر سنی تو اردگرد کے راجاؤں کو مع افواج کے ہمراہ لے کر آیا اور دیوگڑھ سے تین کوس کے فاصلے پر ٹھہر کر علاؤالدین کے پاس پیغام بھیجا کہ قلعہ سے محاصرہ اُٹھا کر چلے جاؤ ورنہ ہم حملہ آور ہوتے ہیں۔ علاؤالدین نے ایک ہزار فوج قلعہ کے محاصرہ پر مامور رکھی اور باقی پانچ ہزار سپاہی لے کر رام دیو کے بیٹے پر حملہ آور ہوا اور اس کو مع ہمراہی راجاؤں کے شکست دے کر بھگایا۔ اور قلعہ کے محاصرہ میں پہلے سے زیادہ شدت کو کام میں لایا۔ اور رام دیو نے تقریباً ایک مہینہ محصور رہنے کے بعد مجبوراً اور بیرونی امداد سے مایوس ہوکر اپنے ایلچی علاؤالدین کے پاس بھیجے اور چھ سو من سونا، ایک ہزار من چاندی، سات سو من موتی اور دو من جواہرات اور چار ہزار ریشمی کپڑے کے تھان دے کر صلح چاہی۔ علاؤالدین نے اس مال و دولت کے علاوہ ایلچپور اور اسکے متعلقہ علاقہ کا بھی مطالبہ کیا۔ اور رام دیو نے اپنی ریاست کا یہ حصہ علاؤالدین کو دینا منظور کر لیا۔

تاریخ فرشتہ کے الفاظ یہ ہیں:

"ایلچیاں بعد الحاح و مبالغہ تمام قرارداد ند کہ رام دیو شش من طلاء ہفت من مروارید و دو من جواہر از لعل و یاقوت و الماس و زمرد و یک ہزار من نقرہ و چہار ہزار جامہ ابریشمی و دیگر اجناس کہ تفصیلش موجب تطویل می گردد و عقل نیز از تصدیق آں ابا وارد داخل سرکار علاؤالدین ساختہ ایلچ پور با توابع و مضافات آں تصرف متعلقات او بگزارد و یا درضبط خود داشتہ محصول آں ولایت بکڑھ می فرستادہ باشد"

علاؤالدین چونکہ سلطنت دہلی سے دور و بے تعلق زندگی بسر کرنے کے لئے کوئی زاویہ تلاش کرنا چاہتا تھا اس لئے ایلچ پور (ایلچپور) اور اسکے متعلقہ علاقہ کو اپنے قیام کے لئے رام دیو کی ریاست سے جدا کر لینا ضروری سمجھا لیکن علاؤالدین کو جب دیوگیر سے بے قیاس دولت حاصل ہوگئی تو وہ اب ایلچپور میں زیادہ نہیں ٹھہر سکا تھا وہ یہاں سے اپنے دارالحکومت کڑہ پہنچا اور ہندو مشیران کے مشورہ کے موافق سلطان جلال الدین کے قتل کا مصمم ارادہ کر لیا۔ یہ دولت جو علاؤالدین کو دیوگیر سے حاصل ہوئی اس تمام مال و دولت کے مجموعہ سے بدرجہا زائد تھی جو محمد بن قاسم کے زمانہ سے لے کر شہاب الدین غوری کے عہد تک مسلمانوں نے ہندوستان سے حاصل کی تھی۔ اب علاؤالدین کے لئے سلطان جلال الدین کا مقابلہ دشوار نہ تھا وہ سلطان کے قتل کی تدابیر میں مصروف ہوگیا۔ اور ۱۷ رمضان ۶۹۵ھ کو سلطان جلال الدین اپنے بھتیجے اور داماد علاؤالدین خلجی کے ہاتھ سے کڑہ اور مانکپور کے درمیان دریائے گنگ کے کنارے مارا گیا۔ اس وقت سلطان جلال الدین کا بڑا بیٹا ارکلے خان ملتان کا صوبہ دار تھا اور وہاں مغلوں کے حملے روکنے میں مصروف تھا۔ ملکہ جہاں نے فوری نظم قائم رکھنے کے لئے بجائے اسکو بلانے کے اپنے چھوٹے بیٹے کو تخت پر بٹھا دیا۔ یہ سلطنت کی اہلیت نہ رکھتا تھا۔ علاؤالدین اس عمل سے خوش ہوا۔ اور فوج کے ساتھ دہلی کا رُخ کیا۔ ملکہ جہاں فوج کشی کی خبر سنکر اپنے چھوٹے بیٹے کو ساتھ لیکر ملتان پہنچ گئی۔ اور ۶۹۶ھ میں علاؤالدین نے تخت دہلی پر جلوس کیا اور ملتان کی جانب فوج بھیج کر سلطان جلال الدین کے بیٹوں کو گرفتار کر کے اندھا کرا دیا۔ جس کی سزا کا قدرت نے ساتھ ہی ساتھ یہ سامان

Marfat.com

کر دیا کہ علاؤالدین کا اعتماد ہندوؤں پر بڑھتا گیا۔ گجرات کا راجہ کرن باغی ہو گیا تھا اس کے مقابلے پر فوج بھیجی۔ یہ بدحواس ہو کر بھاگ گیا۔ اس کی بیوی کنولا دیوی گرفتار ہو کر دہلی لائی گئی۔ اس نے اس شرط پر اسلام قبول کر لیا کہ اس کو بانوئے سلطنت ملکہ جہاں بنالیا جائے۔ جس سے ہندوؤں کا مزید رسوخ اس کے دربار میں پیدا ہوا۔ دوسری طرف اسی حملہ گجرات میں علاقہ کھبائیت سے ایک ہندو بچہ جو خوجہ بنا کر کسی ساہوکار کے قبضہ میں تھا دہلی لایا گیا۔ اس نے سلطان علاؤالدین کی خدمت میں بڑا اثر ورسوخ حاصل کر لیا۔ اور ملک کافور کے خطاب سے مخاطب اور رفتہ رفتہ ترقی کر کے ہزار دیناری اور بالآخر وزیر اعظم بن گیا۔ اور پھر یہی ہندو بچہ سلطان علاؤالدین کو زہر دے کر مارنے اور اسکے تین بیٹوں کو قلعہ گوالیار میں قید کرانے کے بعد ان کی آنکھیں نکلوانے اور اندھا کرنے کا سبب بنا۔ اور چھوٹے بیٹے کو برائے نام تخت پر بٹھا کر خود تمام براعظم ہندوستان پر سلطنت کرنے لگا۔ مگر قدرت نے اسکو بھی زیادہ مہلت نہ دی اور سلطان علاؤالدین کی موت سے صرف ۳۵ دن کے بعد یہ بھی قتل کر دیا گیا۔

یہ دنیا گرچہ دارالجزا نہیں مگر ظلم کی سزا اکثر دنیا میں بھی مل جاتی ہے ایک ظالم دوسرے ظالم پر مسلط کر دیا جاتا ہے۔

كَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا

علاؤالدین خلجی نے اپنے چچا وسسر اور چچازاد بھائیوں کے ساتھ جو کچھ کیا قدرت نے اپنے غیر محسوس انتظام وانتقام سے اسی کا چربہ اس کے بیٹوں کے حق میں اتار دیا خود اپنے دست پرورده کے ہاتھ سے ہلاک ہوا اور بیٹے اندھے کئے گئے۔ **فَتَعَالَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ لَا اِلٰهَ غَيْرُهٗ** .

بد نہ بولے زیر گردوں گر کوئی میری سنے　　　ہے یہ گنبد کی صدا ایسی کہے ویسی سنے

علاؤالدین خلجی کا نے جو برائی کی وہ اپنے حق میں کی۔ **وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ** . لیکن ہندوستان کی سلطنت کے لئے بلاشبہ بہت سی نمایاں خدمات انجام دیں۔ جن میں سے دکن اور تمام جنوبی ہند کی فتح اور تاتاری مغلوں کے پیہم اور سخت مقابلے اور پھر ہندوستان کے قلمرو میں مکمل امن وامان اور ظلم وجور، رشوت ستانی، شراب خوری، اور جھوٹ دغابازی کا مکمل قلع قمع کر دینا خاص طور پر قابل ذکر ہیں جن کا اجمالی بیان آگے آتا ہے۔

قلعہ رنتھمبور کی فتح

۶۹۹ھ میں علاؤالدین نے قلعہ رنتھمبور پر حملہ کیا یہاں کا راجہ ہمیر دیو پرتھی راج کی نسل سے تھا اور عرصہ دراز سے خود مختار ہو گیا تھا۔ تازہ خطا اس کی یہ تھی کہ اس نے نومسلم مغلوں کو جن کا سردار محمد شاہ نامی ایک شخص تھا اور جو الغ خاں اور نصرت خاں کی فوج سے باغی ہو کر چلے آئے تھے، اپنے یہاں پناہ دی تھی۔

سلطان نے رنتھمبور پہنچ کر محاصرہ شروع کیا۔ رنتھمبور کا محاصرہ ایک سال تک جاری رہا۔ نصرت خاں اسی دوران میں ایک پتھر لگنے سے مارا گیا۔ آخر سلطان نے قہر وشوکت کے ساتھ اس قلعہ کو فتح کیا۔ ہمیر دیو اور اس کے متعلقین قتل ہوئے۔

Marfat.com

محمد شاہ باغی کی دلیری

فتح ہونے کے بعد سلطان نے محمد شاہ باغی کو مقتولین کے اندر زخمی پڑا ہوا دیکھا اور کہا کہ اگر ہم تیری مرہم پٹی کریں اور تو اچھا ہو جاوے تو کیا احسان مانے۔ اس نے سلطان علاؤ الدین کو جواب دیا کہ اگر میں تندرست ہو جاؤں تو تجھے قتل کروں اور تیری جگہ ہمیر دیو کے بیٹے کو ہندوستان کا بادشاہ بناؤں۔ علاؤ الدین نے یہ سن کر اس کو ہاتھی کے پاؤں سے کچلوا دیا۔ مگر تھوڑی دیر کے بعد اس کی بہادری اور سابق وفاداری کا خیال آیا تو بڑی عزت واحترام کے ساتھ اسکے جنازہ کو دفن کروایا۔

بیوفائی کی سزا

اور ہمیر دیو کے وزیر نمل کو جو محاصرہ کے شروع ہی میں سلطان کی خدمت میں حاضر ہو گیا تھا اپنے سامنے بلوایا اور کہا کہ تم نے اپنے قدیم آقا کے ساتھ کون سی وفاداری کی ہے جو تم سے وفا کی توقع رکھیں یہ کہہ کر اس کو بھی قتل کرا دیا۔ یہ قلعہ اپنے بھائی الغ خاں کو دے کر خود دہلی روانہ ہو گیا۔ (آئینہ ص ۳۰۹)

قلعہ چتوڑ پر حملہ

شعبان ۷۰۲ھ میں چتوڑ پر لشکر کشی کی اور ششماہہ محاصرہ کے بعد محرم ۷۰۳ھ میں اس کو فتح کر کے اپنے بڑے بیٹے خضر خاں کو چتوڑ کا حاکم مقرر کیا اور چتوڑ کے راجہ رتن سین کو گرفتار کر کے اپنے ساتھ دہلی لایا۔ رتن سین کا خواہر زادہ خود باشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور مصاحبین میں داخل ہو گیا۔ (آئینہ ص ۳۱۲)

دکن اور جنوبی ہند کی مکمل فتح

۷۰۶ھ میں سلطان علاؤ الدین نے اس ہندو غلام کو جو علاقہ کھمبایت سے سلطان کی خدمت میں لایا گیا تھا اور خوشامد وچاپلوسی سے اس نے سلطان کے دل میں اپنی جگہ حاصل کر کے ہزار دیناری کا عہدہ اور ملک کافور خطابت حاصل کر لیا تھا۔ اب اس کو ملک نائب کا خطاب دے کر خلعت فاخرہ اور سرخ شامیانہ جو بادشاہ کے سوا دوسرا استعمال نہ کر سکتا تھا عطا کیا اور تمام امراء سے اس کا مرتبہ کر کے سپہ سالاری اور وزارت عظمٰی کا عہدہ جلیلہ دے کر ایک لاکھ سواروں کے ساتھ ملک دکن کی جانب روانہ کیا اور ایک نہایت تجربہ کار ہوشیار امیر خواجہ حاجی نامی کو اس کے ہمراہ کیا۔ اور عین الملک ملتانی حاکم مالوہ اور الغ خاں حاکم گجرات کے نام فرامین جاری کئے کہ اپنی اپنی فوجیں لے کر بطور کمک کافور کے ساتھ شامل ہو جائیں۔

ملک کافور ایک ناتجربہ کار ہندو زادہ نوجوان تھا۔ وہ ہرگز قابلیت سپہ سالاری نہیں رکھتا تھا لیکن بادشاہ کو اس کی عزت افزائی مقصود اور اپنے اقبال سلطانی کا امتحان منظور تھا۔ اسی لئے اس کو سب سے بڑا عہدہ دے کر تجربہ کار امراء کو اس کے ساتھ کیا کہ یہ مہم کافور کے نام سے کامیاب ہو۔ دکن کی جانب اس فوج کشی کا سبب یہ تھا کہ دیوگیر کا راجہ رام دیو جو علاقہ ایلچپور کی آمدنی اور مقررہ خراج برابر سلطان کی خدمت میں بھیجتا رہتا اس نے ۷۰۳ھ یعنی تین سال سے خراج بھیجنا بند کر دیا تھا۔ ادھر گجرات کا راجہ کرن باغی ہوا اور اس پر حملہ کیا گیا تو وہ اپنی بیوی کنولا دیوی اور خزانہ کو حملہ آوروں کے پنجہ میں چھوڑ کر دیوگیر کی جانب

Marfat.com

بھاگ گیا تھا۔اور وہاں رام دیو کی مہربانی سے گجرات و دیوگیر کی سرحد پر مقام بگلانہ میں اس کو جگہ مل گئی تھی۔ بگلانہ اور اس کے مضافات پر وہ ایک چھوٹے سے رئیس کی صورت سے حکومت کرتا تھا۔ گجرات اسلامی حکومت میں شامل تھا اور الغ خاں ثانی اس پر حاکم تھا۔ بگلانہ اگرچہ ملک گجرات ہی کا ایک حصہ تھا مگر مسلمانوں نے راجہ کرن کو وہاں سے بے دخل کرنے کی اب تک مطلق کوشش نہیں کی تھی۔

ملک کافور اور خواجہ حاجی جب دہلی سے روانہ ہونے لگے تو راجہ کرن کی بیوی کنولا دیوی جو گرفتار ہو کر دہلی آئی تھی۔اس نے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں جب گجرات میں آپ کی خدمت میں آئی تو اس وقت میری ایک بیٹی راجہ کرن کے نطفہ سے چار سال کی تھی وہ اتفاقاً وہیں رہ گئی۔اور مجھ کو معلوم ہوا کہ وہ بگلانہ میں راجہ کرن کے پاس موجود ہے۔آپ ایسی کوشش کریں کہ میری بیٹی جس کا نام دیول دیوی ہے میرے پاس آجائے اور میں اسکو دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی کروں۔بادشاہ نے فوراً ملک کافور اور خواجہ حاجی کو تاکید کردی اور الغ خاں حاکم گجرات کو بھی لکھا کہ جس طرح ممکن ہو دیول دیوی کو راجہ کرن سے حاصل کر کے دہلی بھجوادو۔ملک کافور اور خواجہ حاجی عین الملک الغ خاں سب نے سرحد دکن پر جمع ہو کر مقام سلطان پور میں قیام کیا۔رائے کرن اور رام دیو کو خطوط لکھ کر سلطانی احکام سے مطلع کیا۔اور راہ راست پر لانے کی کوشش کی۔مگر ان خطوط کا جواب ان راجاؤں کی طرف سے حسب منشاء نہ ملا تو الغ خاں نے کوہستانہ بگلانہ کی جانب اور ملک کافور و خواجہ حاجی نے دیوگیر کی جانب پیش قدمی کی۔الغ خاں دو مہینہ تک راجہ کرن سے لڑتا رہا اور اس کا پہاڑوں میں تعاقب کرتا رہا۔آخر منارات ایلورا کے متصل پہنچ کر اس نے دو روز قیام کیا۔اس کی فوج کے کچھ سپاہی منارات ایلورا کی سیر کرنے گئے وہاں ان کو اتفاقاً دشمنوں کا ایک دستہ فوج ملا جو دیول دیوی کا ڈولہ لئے ہوئے دیوگیر کی جانب جارہا تھا۔مقابلہ ہوا مسلمانوں نے ہندوؤں کو مقتول و مفرور بنا کر ڈولہ پر قبضہ کرلیا اور الغ خاں کے پاس آئے وہ بہت خوش ہوا اور دیو دیوی کو دہلی کی جانب بحفاظت روانہ کیا۔کنولا دیوی بیٹی کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی اور اس کی شادی خضر خاں ولی عہد سلطنت سے ہوئی۔

دوسری طرف ملک کافور اور خواجہ حاجی نے دیوگیر کو فتح کر کے رام دیو کو اسیر کیا اور بادشاہ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے۔جب رام دیو گرفتار ہو کر دہلی پہنچا تو سلطان علاؤالدین نے اس کے ساتھ نہایت عزت و مرحمت کا برتاؤ کیا۔اس سے اقرار اطاعت لے کر اور رائے رایان کا خطاب دے کر چتر سفید عطا کیا اور دیوگیر کی ریاست پھر اسی کو واپس دے کر گجرات کے ملک میں سے بھی ایک قطعہ بطور انعام اپنی طرف سے عطا کیا۔اس کے تمام عزیز و اقارب اور بیٹوں کو بھی رہا کر کے نہایت تزک و احتشام کے ساتھ دیوگیر کی جانب رخصت کیا۔اس کے بعد جب تک رام دیو زندہ رہا سلطان کا وفادار و خدمت گار رہا۔

جس زمانہ میں ملک کافور کو دیوگیر کی جانب روانہ کیا اس کے بعد ہی بادشاہ نے قلعہ سیوانا کے راجہ سیتل دیو کی شکایت سنی اور خود اس طرف روانہ ہوا۔سیتل دیو نے اپنی تمثال سونے کی بنوا کر اس کے گلے میں زنجیر ڈال کر بادشاہ کی خدمت میں روانہ کی مگر بادشاہ نے اس کی خطا اس وقت تک معاف نہ کی جب تک وہ خود گلے میں زنجیر ڈال کر حاضر ہوا۔

Marfat.com

ورنگل کی فتح صلحا

۷۰۷ھ میں ایک حملہ ورنگل کے راجہ لار یو پر اس نواح کے شاہی سرداروں نے کیا تھا جس کا کوئی نتیجہ کامیابی کی شکل میں ظاہر نہ ہوا۔ سلطان نے ۷۰۹ھ میں دوبارہ ملک کافور اور خواجہ حاجی کو روانہ کیا اور ملک کافور کو نصیحت کی کہ خواجہ حاجی کے مشورہ کے بغیر کوئی کام نہ کرے۔ ساتھ ہی حکم دیا کہ اول دیوگیر پہنچو پھر وہاں سے ورنگل پر حملہ کرو۔ یہ بھی حکم دیا کہ تم دیوگیر پہنچ کر اول لاردیو کے پاس پیغام بھیجو کہ سلطانی اطاعت قبول کر کے اپنے اوپر خراج سالانہ تسلیم کرے۔ اگر وہ اطاعت پر آمادہ ہو اور خراج گزاری کا وعدہ کرے تو اس سے تعرض نہ کرو اور واپس چلے آؤ۔ اگر سرکشی پر آمادہ ہو تو اس کو سزا دو۔ یہ فوج جب دیوگیر کے قریب پہنچی تو رام دیو نے استقبال کیا۔ ملک کافور کی خدمت میں حاضر ہو کر آداب و مجرا بجالایا۔ شاہی لشکر کو اپنا مہمان کیا اور علامات خدمت گزاری میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ ہونے دیا۔

جب راجہ لار یو کی رعونت وسرکشی دیکھ کر لشکر اسلام دیوگیر سے ملک تلنگانہ کی جانب روانہ ہوا تو رام دیو کئی منزل تک بطور مشایعت لشکر کے ہمراہ آیا اور ملک کافور سے اجازت لے کر واپس ہوا۔ تلنگانہ کی حدود میں داخل ہوتے ہی لشکر اسلام نے قلعوں اور شہروں کو فتح کرنا شروع کر دیا۔ اردگرد کے کئی راجہ اور چھوٹے چھوٹے رئیس لاردیو کے پاس ورنگل میں جمع ہو گئے۔ ورنگل کے قریب سب نے شکست کھائی اور لار یو مع اپنے رفیقوں کے قلعہ ورنگل میں محصور ہو گیا۔ کئی راجہ اور رئیس گرفتار ہوئے اور بہت سے آدمی لڑائی میں مارے گئے۔ آخر محاصرہ کی شدت اور اپنی کمزوری کے احساس پر لاردیو نے ملک کافور کی خدمت میں عاجزانہ درخواست بھیجی اور اطاعت وفرمانبرداری کا اقرار کر کے تین سو ہاتھی، سات ہزار گھوڑے، بہت سا سونا چاندی، قیمتی تحفے بطور نذرانہ پیش کیے۔ اور ایک معقول زر خراج اپنے اوپر تسلیم کر کے بلا عذر و حیلہ سال بہ سال بھیجتے رہنے کا وعدہ کیا۔ ملک کافور یہ تمام سامان لے کر دہلی کی طرف واپس ہوا اور تمام سامان غنیمت بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا۔ اس طرح ملک دکن کا ایک بڑا حصہ سلطنت اسلامیہ میں شامل ہو گیا۔

میسور و مالابار وغیرہ کی فتح

اس وقت میسور، مالابار، وغیرہ یعنی دکن کا انتہائی جنوبی حصہ باقی رہ گیا تھا لہذا سلطان علاؤالدین نے مناسب سمجھا کہ اس حصہ کو بھی فتح کر کے آئندہ خطرات کو بالکل خاتمہ کر دیا جائے اور ہندوؤں کی طرف سے مطمئن ہو کر مغلوں کے مقبوضہ علاقہ پر شمال کی جانب فوجیں بھیجنے کی سہولت بہم پہنچائی جائے۔ چنانچہ ۷۱۰ھ میں تیسری مرتبہ پھر ملک کافور اور خواجہ حاجی کو دکن کی جانب فوج دے کر روانہ کیا اس مرتبہ بھی لشکر شاہی دیوگیر ہوتا ہوا دکن کی جانب گیا۔ اب دیوگیر کے راجہ رام دیو کا انتقال ہو چکا تھا۔ اس کی جگہ اس کے بیٹے کو سندھ حکومت دیدی گئی تھی اس لشکر نے اول کنارہ کا علاقہ فتح کیا۔ پھر کرناٹک اور ملیبار وغیرہ کو وہاں کے راجہ بلال دیو سے فتح کر کے راس کماری تک پہنچا۔ انتہائی جنوبی راس پر جس کو سیت بندر رامیشور کہتے ہیں ایک چھوٹی سی مسجد پختہ گچ و سنگ سے بنوائی جو تاریخ فرشتہ کی تصنیف کے زمانہ تک موجود تھی۔

Marfat.com

فرشتہ لکھتا ہے:

مسجدے مختصر از گچ و سنگ مرتب ساختہ بانگ اذان محمدی ﷺ درآنجا گفتہ خطبہ بادشاہ علاؤ الدین خواندند وتاایں زماں کہ خار عنبریں شمامہ درتحریر ایں وقائع ست۔ آن مسجد درنواحی سیت بندر را میشور موجود و مسجد علائی مشہوراست"

ساحل کارومنڈل کی فتح

راس کماری سے لشکر اسلام ساحل کارومنڈل کی طرف متوجہ ہوا اور اس طرف کے بھی تمام راجاؤں سے خراج وصول کرتا اور اقرار اطاعت لیتا ہوا ۷۱۱ھ میں دہلی پہنچا۔ اس طرح کوہ ہمالیہ سے راس کماری تک اور خلیج کنبات سے خلیج بنگال تک تمام براعظم ہند اسلامی شہنشاہی میں شامل ہوگیا۔ ۷۱۰ھ میں جب شاہی لشکر دیوگیر ہوتا ہوا ملک کنارہ میں داخل ہوا تھا تو رام دیو کے بیٹے سے جو چند ہی روز پیشتر اپنے باپ کا قائم مقام ہوا تھا کچھ خودسری کے آثار محسوس ہوئے تھے۔ ۷۱۲ھ کے ابتداء میں اس کی نسبت شکایات پہنچیں۔ اور ساتھ ہی تلنگانہ کے راجہ لار دیو کی عرضی پہنچی کہ میں نے نائب ملک (کافور) کے ذریعہ خراج گزاری اور فرمانبرداری کا اقرارنامہ لکھ کر بادشاہ کی خدمت میں بھجوادیا ہے۔ میرے پاس تین سال کا خراج جمع ہوگیا ہے یا تو سلطان مجھ کو اجازت دیں کہ میں وہ خراج دیوگیر بھجوادوں تاکہ وہاں سے خراج سالانہ کے ہمراہ خزانہ شاہی میں پہنچ جائے یا سلطان کسی سردار کو یہاں بھیج کر براہ راست زرخراج منگوالیں۔ اس عرضی اور دیوگیر کے راجہ کے بے راہ روی کی خبر پہنچنے پر سلطان علاؤ الدین نے سوچا کہ دکن کے علاقوں کی نگرانی اور وہاں امن و امان قائم رکھنے کے لئے ایک وائسرائے یا نائب السلطنت کا دکن میں موجود رہنا ازبس ضروری ہے۔

گلبرگہ، مدکل، رائچور کا براہ راست سلطنت دہلی سے الحاق

اس لئے اس نے چوتھی مرتبہ پھر ۷۱۲ھ میں ملک کافور کو حکم دے کر بھیجا کہ تم مقام ایلچ پور میں جو براہ راست شاہی مقبوضہ اور اب تک ریاست دیوگیر کے زیر اہتمام رہا ہے پہنچ کر قیام کرو۔ لار دیو اور دکن کے راجاؤں سے خراج وصول کر کے بھیجنا اور وہاں کے انتظام کو درست رکھنا تمہارا کام ہوگا۔ اور اگر رام دیو کا بیٹا راہ راست سے منحرف ہو تو اس کو قتل یا گرفتار کر کے تم دیوگیر کو اپنی قیام گاہ بناؤ اور اس علاقہ میں اپنی طرف سے امراء اور صوبہ دار مقرر کرو۔ ملک کافور نے رام دیو کے بیٹے کو جو واقعہ منحرف ہو چکا تھا جاتے ہی قتل کیا اور تمام علاقہ مرہٹ میں گلبرگہ، مدکل، رائچور تک اپنے اہلکار مقرر کر دیئے۔ راجاؤں سے خراج وصول کر کے دہلی بھیجا اور ملک دکن میں ہر جگہ شاہی تھانے قائم کر دیئے اور اس کے بعد کسی راجہ کی یہ ہمت نہ رہی کہ سرکشی و خودمختاری کا خیال بھی دل میں لاسکے۔ دکن کا ملک اگرچہ بخشی فوج خواجہ حاجی کی اعلیٰ قابلیت سے فتح ہوا مگر سلطان علاؤ الدین نے اپنی منشاء کو پورا کیا اور مرہٹ و گونڈوانہ سے راس کماری تک کا پورا ملک کافور کی سرداری میں فتح کرایا اور آخر میں اسی کو دکن کا وائسرائے بھی بنا دیا (ص ۳۲۰)۔

Marfat.com

سلطان علاؤالدین خلجی کا تنہا یہ کارنامہ کچھ کم نہیں کہ اس نے ۶۹۴ھ سے ۷۱۰ھ تک سولہ برس کی مسلسل کوششوں سے پورے ممالک دکن اور جنوبی ہند جس کو آج کل صوبہ مدراس کہا جاتا ہے فتح کر کے سلطنت اسلامی میں شامل کر دیئے۔ اس کے ساتھ جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ اسی درمیان میں اس کو تاتاری مغلوں کے پیہم اور نہایت سخت حملوں کی بھی کامیاب مدافعت کرنا پڑی جس سے بالآخر تاتاری مغل مرعوب و مغلوب اور ہندوستان سے مایوس ہو گئے تو اس تاجدار کی عظمت و شوکت اور بھی بڑھ جاتی ہے ۶۹۸ھ میں جب کہ سلطان کی توجہ فتح دکن کی طرف مصروف تھی، مغلوں نے خراسان میں ایک زبردست فوج فراہم کی اور ہندوستان پر نہایت سخت حملہ کیا۔ قتلق یا قتلغ خواجہ نامی مغلوں کا ایک شہزادہ مغلوں کا دو لاکھ لشکر جرار لے کر ہندوستان میں داخل ہوا اور راستہ میں لوٹ مار کئے بغیر سیدھا دہلی تک چلا آیا۔ دو لاکھ مغلوں کا یکا یک دہلی کی فصیل کے نیچے تک پہنچ جانا کوئی معمولی حادثہ نہ تھا۔ خوف کے مارے آس پاس کے دیہات و قصبات کے لوگ بھی آ کر دہلی میں جمع ہو گئے اور تمام کوچہ و بازار آدمیوں سے پر نظر آنے لگے۔ سامان خورد و نوش بھی کافی نہ تھا۔ اس محاصرہ کو تادیر برداشت نہیں کیا جا سکتا تھا۔ سلطان علاؤالدین نے لڑنے کے قابل آدمیوں کو منتخب کیا تو تین لاکھ آدمی شہر کے اندر موجود ملے۔ اس تین لاکھ کے لشکر کو لے کر وہ شہر سے باہر نکلا اور دشمن سے نبرد آزما ہوا۔ ہندوستان میں اس وقت تک اتنی بڑی دو فوجوں کا ایک میدان میں کبھی مقابلہ نہ ہوا تھا۔ سخت معرکہ آرائی کے بعد مغلوں کو شکست ہوئی۔ علاؤالدین کا بہادر سپہ سالار ظفر خاں اس لڑائی میں اپنی شجاعت کے انتہائی جوہر دکھلا کر شہید ہو گیا۔ مغل جس تیزی و سرعت سے آئے تھے اسی سرعت کے ساتھ شکست خوردہ ہو کر واپس چلے گئے۔ اس فتح عظیم کے بعد علاؤالدین نے اپنے لئے سکندر ثانی کا خطاب تجویز کیا اور یہی خطاب سکوں اور خطبوں میں جاری ہوا

(آئینہ ۳۰۹)

۷۰۳ھ میں پھر طرغی بیگ مغل نے ایک لاکھ بیس ہزار فوج کے ساتھ سلطنت دہلی پر حملہ کیا مگر سلطان کی مدافعت سے ناکام واپس ہوا۔ (ص ۳۰۲)

پھر ۷۰۴ھ میں علی بیگ اور ترپال خواجہ مغل نے کوہ ہمالیہ کے اندر سے ہو کر اس راستہ سے جس سے سلطان محمود غزنوی اپنی فوج لے کر قنوج پر حملہ آور ہوا تھا، ہندوستان پر حملہ کیا اور یکا یک صوبہ روہیلکھنڈ میں پہاڑوں سے نکل کر دامن کوہ سے امروہہ تک کے علاقہ کو تخت و تاراج کر ڈالا۔ ان مغل سرداروں کے ساتھ چالیس ہزار فوج آئی تھی۔ سلطان نے غازی ملک تغلق کو ان مغلوں کے مقابلہ پر بھیجا۔ غازی ملک تغلق نے پہنچ کر امروہہ میں ان کا مقابلہ کیا۔ اس لڑائی میں بھی مغلوں کو شکست ہوئی۔ علی بیگ اور ترپال خواجہ دونوں سردار گرفتار ہوئے اور بہت سے مغل میدان میں مارے گئے۔ صرف چند اشخاص بچ کر ترکستان و خراسان میں بہزار خرابی پہنچے۔ (ص ۳۱۳)

پھر ۷۰۵ھ میں گنگ نامی مغل سردار نے ساٹھ ہزار سواروں کے ساتھ علی بیگ اور خواجہ ترپال کا انتقال لینے کے لئے حملہ کیا۔ غازی ملک تغلق نے انکا مقابلہ دریائے سندھ کے کنارے کیا۔ ساٹھ ہزار مغلوں میں سے صرف چار ہزار بچ کر فرار ہو سکے باقی سب مارے گئے، ان کا سردار گنگ گرفتار کر کے دہلی زندہ بھیجا گیا۔ یہاں اسکو ہاتھی کے پاؤں سے کچلوایا گیا۔ (ص ۳۱۵)

Marfat.com

اس کے بعد اقبال مند ثانی مغل سردار نے حملہ کیا۔اس کو بھی غازی ملک تغلق نے جو دیپالپور میں مغلوں کے حملے روکنے ہی کے لئے مقرر تھے شکست دے کر قتل کیا اور بہت سے مغلوں کو گرفتار کر کے دہلی بھیجا۔ان پیہم شکستوں سے مغل بہت مرعوب ہو گئے۔اور غازی ملک تغلق کی دھاک ان کے دلوں میں بیٹھ گئی اور عرصہ دراز تک انکو ہندوستان پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

خاندان خلجی کا افسوسناک خاتمہ ایک ہندو غلام زادہ کے ہاتھ پر

۷۱۲ھ میں سلطان علاؤ الدین خلجی بیمار ہوا۔اس کی بیوی اور بچے تیمارداری کا کچھ خیال نہ کرتے تھے اس لئے ان سے ناراض تھا۔علاؤ الدین کے خاندان کے لوگ ملک کافور کے اس اثر و اقتدار کو پسند نہ کرتے تھے اور دوسرے سردار بھی اس کو ایک نامرد غلام سمجھ کر بنظر حقارت دیکھتے تھے۔مگر سلطان کو اس کی عزت بڑھانے کی ضد تھی۔الغ خاں ثانی حاکم گجرات اور ولی عہد سلطنت خضر خاں اور بادشاہ کے دوسرے بیٹے سب ملک کافور سے متنفر تھے۔مگر بادشاہ خوشامد پسند طبیعت رکھتا تھا۔اس چالاک غلام نے خوب خوشامد کر کے بادشاہ کا دل ہاتھ میں لے لیا اور سب سرداروں اور بیٹوں کی طرف سے بدگمان کر دیا۔آخر ۷۱۵ھ جب سلطان کی بیماری بڑھی تو ملک کافور کو سب سے زیادہ وفادار ہمدرد سمجھ کر دکن سے بلایا۔اس نے رات دن بادشاہ کی خدمت میں رہ کر اور بھی زیادہ بادشاہ کے قلب و دماغ پر قبضہ کر لیا اور بیٹوں اور خاندانی سرداروں سے اتنا بدگمان و متنفر کر دیا کہ بادشاہ نے الغ خاں حاکم گجرات کے قتل کرنے اور خضر خاں و شادی خاں دونوں شہزادوں کو قلعہ گوالیار میں قید کر دینے کا حکم دے دیا۔ملک کافور نے دونوں شہزادوں کو گوالیار بھیج کر قید کرا دیا اور الغ خاں کو قتل کرا دیا۔اور اسکے بعد اس کے بھائی کو بھی قتل کرا دیا۔۶ شوال ۷۱۶ھ کو رات کے وقت سلطان علاؤ الدین نے وفات پائی۔بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ملک کافور نے بادشاہ کو زہر دے کر مار ڈالا۔ادھر ملک کافور نے پہلے ہی یہ انتظام کر لیا تھا کہ ایک دستاویز لکھ کر سلطان کی مہر اس پر لگوائی تھی جس میں لکھا تھا کہ میں نے خضر خاں کو ولی عہد سے معزول کر دیا۔میرے بعد میرا سب سے چھوٹا بیٹا شہاب الدین تخت نشین کیا جائے۔شہاب الدین کی عمر اس وقت صرف پانچ سال تھی۔اور ملک کافور نے پہلے ہی وزارت عظمیٰ کا عہدہ حاصل کر لیا تھا۔اس نے ۷ شوال کو امراء سلطنت کے ایک اجتماع میں سلطان کا وصیت نامہ سنایا اور چھوٹے بیٹے کو تخت نشین کر کے روزانہ شہاب الدین تھوڑی دیر کے لئے تخت پر بٹھاتا اور پھر اس کی ماں کے پاس محل میں بھجوا دیتا اور خود احکام و فرامین جاری کرتا۔اس حیلہ سے ملک کافور پورے بر اعظم ہندوستان کا بادشاہ بن گیا۔

اس وقت موقع پا کر اس نے قلعہ گوالیار میں اپنے معتمدوں کو بھیج کر خضر خاں و شادی خاں دونوں شہزادوں کی آنکھیں نکلوائیں۔خواجہ سراؤں اور ہندوؤں کا اپنا صاحب و مشیر بنایا۔انہی لوگوں کو بڑے بڑے عہدے دے کر خاندان شاہی کے تمام افراد کو یکے بعد دیگر قتل کرانا شروع کیا۔خاندان خلجی میں صرف ایک شہزادہ مبارک خاں باقی رہ گیا تھا۔اس کو بھی ملک کافور نے قید کر دیا اور قتل کا ارادہ رکھتا تھا مگر اس کے ہاتھوں اس کی موت نہ تھی۔وہ شخص جن کو اس کے قتل پر مامور کیا تھا ان کو شہزادہ پر رحم

Marfat.com

آ گیا اور اسکو مطلع کر دیا اور تینوں نے مل کر جب ملک کافور چوسر کھیلنے میں مشغول تھا اس پر حملہ کر کے قتل کر دیا۔ علاؤ الدین کی وفات سے صرف ۳۵ دن بعد ملک کافور بھی ختم ہوئے۔ شہزادہ مبارک خاں دو مہینہ تک حسب سابق اپنے چھوٹے بھائی پنج سالہ شہاب الدین کی وزارت و نیابت میں کام کرتا رہا۔ آخر امراء سلطنت کے مشورہ سے یہ طے ہوا کہ مبارک خاں تخت سلطنت پر بیٹھے۔ مبارک شاہ خلجی تخت نشین ہوا تو اس نے بھی وہی حرکت کی کہ اپنے پنج سالہ بھائی شہاب الدین بے گناہ کو بھی اندھا کر کے اپنے دونوں بھائیوں خضر خاں اور شادی خاں کے پاس قلعہ گوالیار میں بھیج دیا۔

اور جس طرح علاؤ الدین خلجی نے اپنے خسرو چچا جلال الدین کو ظلماً قتل کیا اور اس کے بیٹوں کو اندھا کرایا تھا۔ پھر قدرت کے مخفی نظام نے اسی کے ہاتھوں ایک ایسے شخص (ملک کافور) کی پرورش کرائی جس نے جلال الدین کا بدلہ ہو بہو اس سے اور اس کے بیٹوں سے لے لیا۔ اسی طرح اب مبارک شاہ نے معصوم بچہ شہاب الدین پر ظلم کیا تو اس کی سزا کا بھی قدرت نے یہیں سے انتظام شروع کر دیا کہ گجرات کا ایک ہندو بچہ جس کو سلطان علاؤ الدین کے ایک سردار ملک شادی خاں نے پرورش کر کے اس کا نام حسن رکھا تھا۔ اس نے سلطان مبارک شاہ خلجی کی مصاحبت میں جگہ پالی اور سلطان نے اس کو خسرو خاں کا خطاب دیا۔ خسرو خاں کا ایک اور بھائی بھی تھا۔ حسام الدین نامی، بادشاہ نے ان دونوں بھائیوں پر خصوصی عنایات مبذول فرمائیں۔ اس کے بعد عہد علائی کے اکثر آئین منسوخ کر دیئے اور لہو ولعب میں وقت گزارنے لگا۔ یہ دیکھ کر دکن کا راجہ ہر پال دیو باغی ہو گیا۔ سلطان خود فوج لے کر دیوگیر کی جانب روانہ ہوا دہلی میں مشاہین نامی ایک غلام کو وفاء الملک کا خطاب دے کر اپنا قائم مقام بنا دیا۔ دیوگیر پہنچ کر باغی راجہ کو گرفتار کر کے اور بہت سے لوگوں کو قتل کر کے ریاست پر قبضہ کیا۔ اور خسرو خاں مذکورہ کو وزارت کا عہدہ دے کر دکن کا انتظام اسکے سپرد کیا اور ملک کافور کی تمام املاک کا اس کو مالک قرار دے دیا اور ملک دکن کے تمام ماتحت راجاؤں کی نگرانی اور ان سے خراج وصول کرنیکا کام اسکے سپرد کر دیا۔ اور ظفر خاں حاکم گجرات کو بلا جرم محض خسرو خاں اور اسکے ہم قوموں کی شکایت پر قتل کرا کر گجرات کی حکومت خسرو خاں کے بھائی حسام الدین کے سپرد کر دی۔ اس طرح گجرات و دکن پر دونوں ہندو زادوں کو متصرف و فرمانروا بنا کر دہلی پہنچا۔

اس سفلہ پرستی سے امراء میں بڑی بددلی پیدا ہو گئی اور مبارک شاہ کے قتل کی سازشیں ہونے لگیں۔ ادھر اس نے ظلم پر ظلم یہ کیا کہ اس کے تین بھائی جو قلعہ گوالیار میں اندھے کر کے قید کئے ہوئے تھے اپنے آدمی بھیج کر تینوں کو قتل کرا دیا۔ ادھر گجرات میں حسام الدین نے اپنی قوم کے ہندوؤں کو اپنے گرد فراہم کر کے بڑے بڑے عہدے عطا کئے اور اس خیال میں مبتلا ہوا کہ خوب مضبوط ہو کر خود مختاری اور بغاوت کا اعلان کرے۔ ادھر خسرو خاں نے دکن میں گونڈوانہ کے راجہ سے بلا کسی وجہ اور قصور کے ایک سو ہاتھی چھین لئے۔ پھر میسور کے راجہ سے بیس ہاتھی اور بہت سا خزانہ حاصل کیا۔ ہندوؤں کو فوج میں بھرتی کر کے بغاوت و خود مختاری کے منصوبے گانٹھنے لگا۔ ضیاء برنی لکھتا ہے:

''شبہا مجلس خلوت ساخت و بہ ابنائے ہندوئے خود و باچند بلغاکی از یاراں ملک نائب کہ محرم خود گردانیدہ بود اندیشہ بلغائی (بغاوت) میکرد''

Marfat.com

ادھر گجرات و دکن میں حسام الدین و خسرو خاں ہندوؤں کی سلطنت دوبارہ قائم کرنے کی تجویز کر رہے تھے ادھر دہلی میں سلطان مبارک شاہ نے نماز روزہ ترک کر کے رات دن لہو و لعب کا مشغلہ بنا لیا تھا۔ حسام الدین نے گجرات سے ایک مسخرہ کو سلطان کی خدمت میں بھیج دیا تھا کہ وہ اس نوجوان بادشاہ کو لعو و لہب میں لگائے رکھے۔ ضیاء برنی اسی حسام الدین کی نسبت لکھتا ہے: آں ولد الزنا مرتد گشت و در گجرات خویشاوند و اقربائے خود را جمع کردہ جملہ برادران نام گرفتہ گجرات را بر خود گرد آورد و بغی و رزید و فتنہ انگیخت''

چونکہ گجرات میں طاقتور امراء سلطانی موجود تھے۔ انہوں نے جب دیکھا کہ حسام الدین نے بغاوت کی پوری تیاری کر لی تو وہ آپس میں متفق ہو کر حسام الدین کو ہاتھ پاؤں ہلانے کا موقع دیئے بغیر گرفتار کر کے بادشاہ کے پاس دہلی بھیجنے میں کامیاب ہو گئے۔ ان امراء کو توقع تھی کہ بادشاہ ہمارے اس حسن عمل سے خوش ہوگا لیکن سلطان بجائے خود ہونے کے ناراض ہوا اور ان کا مرتبہ گھٹا دیا اور حسام الدین کو عزت کے ساتھ اپنے مصاحبین میں داخل کر کے گجرات کی حکومت پر وحید الزماں قریشی کو روانہ کیا۔ اس سے یہ فائدہ ہوا کہ گجرات میں ہندوؤں کی بغاوت کا خطرہ جاتا رہا۔ مگر مسلمان امراء میں بددلی ترقی کرتی رہی۔ دوسری طرف خسرو خاں نے دکن میں اپنی خود مختاری کا منصوبہ مکمل کر کے بندرگاہوں کے مسلمان سوداگروں کا مال چھیننے اور قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا۔ اور شاہی سردار جو اس کے ہمراہ تھے انکو قتل کرنے کی سازش شروع کر دی۔ ان حالات کا علم چندیری کے عاقل ملک تیمور اور ملک گل افغان اور ملک تلیغہ حاکم گوا کو معلوم ہوا جو بطور کمکی مامور تھے۔ انہوں نے خسرو خاں کو لکھا کہ ہم تمہاری نیت درست معلوم نہیں ہوتی اور ہمارے پاس ایسی شہادتیں موجود ہیں جن کی تردید نہیں کی جا سکتی۔ لہٰذا مناسب یہ ہے کہ تم معبر و ملیبار کی جانب سے فوراً دیوگیر پہنچو اور تمام ہاتھی اور خزانہ جو تمہارے پاس جمع ہے اس کو دہلی روانہ کر دو۔ خسرو خاں نے اس میں لیت و لعل کیا مگر ان ہر سہ امراء نے بڑی مستعدی اور ہوشیاری سے خسرو خاں کو اس پر مجبور کر دیا کہ وہ ہاتھ پاؤں نکالنے سے پہلے دیوگیر آ جائے۔ ادھر بادشاہ کو اطلاع دی کہ ہم نے خسرو خاں کے فاسد ارادوں سے مطلع ہو کر اس کو مجبور کر کے دیوگیر میں بٹھا دیا ہے۔

شاہی فرمان پہنچا کہ خسرو خاں کو جس قدر جلد ممکن ہو بحفاظت ہمارے پاس پہنچا دو۔ خسرو خاں نے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر شریف اور نمک حلال سرداروں کی شکایتیں کیں اور کہا کہ انہوں نے محض حسد اور رشک کی وجہ سے مجھے بغاوت کے جرم میں مہتم کیا ہے۔ اس کے ساتھ ہر سہ امراء بھی دہلی پہنچے اور بادشاہ کو پورے حالات سے واقف کیا۔ ان کو اُمید تھی کہ ہماری اس عظیم الشان خدمت کا ہمیں صلہ ملے گا اور مرتبہ بڑھایا جائے گا۔ مگر بادشاہ خسرو خاں کے فریب کا شکار ہو گیا اور تینوں امراء کو مجرم قرار دیا اور ان کو معزول کر کے قید کر دیا۔

اس طرز عمل کا یہ اثر لازمی تھا کہ اب کسی کو خسرو خاں اور اس کے بھائی کے خلاف کوئی لفظ زبان تک لانے کی جرأت نہ رہی۔ خسرو خاں کی جگہ دکن میں دوسرے سردار مقرر کر دیئے گئے اور خسرو خاں بادشاہ کی خدمت میں وزیر اعظم اور مدار المہام کی حیثیت سے کاروبار سلطنت انجام دینے لگا۔ اب خسرو خاں کو محسوس ہوا کہ سلطنت اسلامیہ کو برباد کرنے کا موقع مجھے دہلی میں رہ

Marfat.com

کر بہ نسبت دکن یا گجرات کے زیادہ آسانی سے حاصل ہے۔ چنانچہ اس نے سلطان کو اپنے ہاتھ میں لینے کی بیش از بیش کوششیں کیں۔ ملک کافور کا مکان اور جائیداد اور سامان سب اس کو پہلے ہی مل چکا تھا۔ اور کافور کے ہندو مشیر ہوا خواہ سب اسکے متوسلین میں پہلے ہی داخل ہو چکے تھے۔ ملک کافور اسی کی قوم اور اسی کے وطن کا آدمی تھا۔ روزانہ ملک کافور کے مکان میں جواب خسرو خاں کی مکان تھا رات کے وقت ہندو جمع ہوتے اور مشورے کرتے۔ خسرو خاں نے بڑی چالاکی سے سلطنت کے حقیقی خیر خواہ سرداروں کو ایک ایک کر کے دہلی سے جدا کر دیا۔ کسی کو قید کسی کو قتل کرایا۔ کسی کو دور دراز کے صوبوں میں بھیج دیا۔ پرانے زمانے کے وہ امیر جن کو کسی نہ کسی وجہ سے سلطان مبارک شاہ سے عناد تھا ان کو دہلی میں بلا کر عہدے سپرد کر دیئے۔ اور ان لوگوں پر احسانات وانعامات کر کے ان کو اپنا ہمدرد وہمراز بنالیا۔

اس خفیہ انتظام کے بعد خسرو خاں نے ایک روز بادشاہ سے عرض کیا کہ مجھ پر حضور کی بے انتہا مہربانیاں مبذول ہیں اور اسی وجہ سے میں ایک ادنیٰ درجہ کا آدمی ترقی کر کے وزارت عظمیٰ پر فائز ہوا۔ تاہم قدیمی امراء مجھ کو خاطر میں نہیں لاتے جس طرح ان امراء کے عزیز واقارب اور رشتہ داروں ہم قوموں کی جمعیتیں شہر میں موجود ہیں۔ میرے رشتہ داروں ہم قوموں کی کوئی جمعیت نہیں ہے۔ اگر بادشاہ اجازت مرحمت فرمائیں تو میں بھی اپنے رشتہ داروں کو شاہی انعام واکرام اور منصب وجاگیر کی توقع دلا کر اپنے وطن سے بلواؤں اور اس طرح میرا اثر واقتدار بھی میرے عہدہ کے وافق شہر میں قائم ہو جائے۔ بادشاہ نے خسرو خاں کی اس درخواست کو بے تامل خوشی کے ساتھ منظور کر لیا اور اس نے اپنے چچا رندھول اور جاہر دیو وغیرہ کو گجرات بھیج کر بیس ہزار گجراتیوں کو وہیں بلوا کر اپنی خاص فوج میں بھرتی کیا اور اسی قدر نواح دہلی کے ہندوؤں کو اپنی جمعیت میں چالیس ہزار کا لشکر نہایت خاموشی کے ساتھ مرتب کیا۔

اس واقعہ کو ضیاء برنی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے اور فرشتہ لکھتا ہے کہ:

''سلطان التماس اور امبذول داشتہ رخصت طلب ارزانی داشت خسرو خاں بایں بہانہ اکثر ہندو ہائے گجرات کہ اوقات گزران نداشتند بہر گونہ تسلی نمودہ قریب بست ہزار گجراتی نزد خود جمع ساختہ ہر چہ داشت صرف ایشاں کردہ بااسپ و براق ایشاں را آراستہ ساخت وقوت ومکنت تمام پیدا کردہ از گجراتیاں وغیرہ چہل ہزار سوار اعوان وانصار نزد او مجتمع گشت''

دہلی میں خود مختار اسلامی سلطنت قائم ہونے کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ بر اعظم ہند کے بادشاہ کی اجازت سے چالیس ہزار ہندو سواروں کی فوج جمع تھی۔ اب دہلی کے بااثر امراء میں صرف ایک قاضی ضیاء الدین ایسا شخص تھا جو سلطان سے آزادانہ گفتگو کر سکتا اور سلطان کا سچا ہمدرد تھا۔ قاضی ضیاء الدین بادشاہ کا استاد اور قاجی خاں کے نام سے مشہور تھا۔ کوشک سلطانی یعنی قصر ہزار ستون کے دروازوں کی حفاظت بھی اس کے سپرد تھی۔ دہلی کے مسلمان ہندوؤں کے اس اقتدار اور قوت وشوکت اور فاسد اداروں سے مطلع تھے مگر کسی کو یہ جرأت نہ تھی کہ سلطان کی خدمت میں خسرو خاں کے خلاف ایک لفظ بھی زبان تک لائے۔

انہی ایام میں سلطان بغرض شکار دہلی سے سرساشہ کی طرف گیا۔ وہاں خسرو خاں اور دوسرے ہندوؤں نے اس کے قتل کا ارادہ کیا مگر خسرو خاں کے بعض ہمدردوں نے مخالفت کی اور کہا کہ یہ کام ہم کو قصر سلطانی میں انجام دینا چاہیئے تاکہ دہلی پر قبضہ

Marfat.com

رہے ورنہ ممکن ہے کہ ہمارے دہلی تک پہنچنے سے پہلے مسلمان سردار مخالفت پر اُٹھ کھڑے ہوں۔ سلطان سرساوہ سے دہلی آیا اور قاضی خاں نے شہر کی عام افواہوں سے متاثر ہو کر سلطان کی خدمت میں عرض کیا کہ ہندو فوج کی کثرت خطرہ سے خالی نہیں ہے۔ میں نے سنا ہے کہ روزانہ خسرو خاں کے مکان میں ہندو جمع ہو کر مشورے کرتے ہیں اور خسرو خاں کا ارادہ ہے کہ سلطان کو قتل کر کے خود بادشاہ بن جائے۔ آپ کم از کم اتنا تو کریں کہ خسرو خاں کی فوج کے بعض گجراتی ہندوؤں کو اپنے پاس تنہائی میں بلا کر ان سے اس معاملہ کی بابت استفسار کریں، ممکن ہے کہ وہ رعب سلطانی میں آ کر صحیح واقعات بیان کر دیں۔ اور ان افواہوں کی کوئی اصلیت نکلے تو آپ حفاظت کر سکیں۔ اور نہ نکلے تو خسرو خاں کا مزید اعزاز بڑھانے کا آپ کو ہر وقت اختیار ہے۔ ابھی قاضی خاں اپنی بات ختم کرنے نہ پایا تھا کہ خسرو خاں بھی حاضر ہو گیا۔ سلطان نے قاضی خاں کے سامنے ہی خسرو خاں کو مخاطب کر کے کہا کہ تیری نسبت قاضی خاں ایسا ایسا کہہ رہا ہے یہ سن کر خسرو خاں مکار نے فوراً رونا شروع کر دیا اور رو رو کر کہنے لگا کہ یہ تمام مسلمان سردار اس لئے میرے دشمن ہو گئے ہیں کہ حضور نے مجھ کو سب سے زیادہ بلند مرتبہ عطا کر دیا ہے۔ یہ ضرور مجھ کو حضور کے ہاتھ سے قتل کرا کر رہیں گے اور پھر زار و زار رونا شروع کر دیا۔ یہ دیکھ کر بادشاہ کا دل بھر آیا۔ اور اسکو اپنے سینے سے لگا کر کہنے لگا کہ تیری قوم کی نسبت میں کسی کی شکایت کو ہرگز صحیح نہیں سمجھ سکتا۔ یہ رنگ دیکھ کر قاضی صاحب بادشاہ کی حمایت پر افسوس کرتے ہوئے باہر آ گئے اور اب ان کو بھی خسرو خاں یا دوسرے ہندوؤں کی نسبت بادشاہ سے کچھ کہنے کی جرأت نہ رہی۔ فرشتہ لکھتا ہے:

''بادشاہ را از گریہ او دل بدرد آمدہ او را در کنار گرفت و بوسہ بر رخسارہ اش داد و گفت کہ خاطر جمع دار''

اس واقعہ کے اگلے روز خسرو خاں نے زیادہ تامل کرنا مناسب نہ سمجھ کر سلطان کے قتل کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا اور رات کے وقت قصر ہزار ستون کے بالا خانہ پر سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا نیچے دروازوں کی نگرانی اور پہرہ دلوانے کے لئے قاضی خاں موجود تھے۔ قرارداد کے موافق خسرو خاں کا چچا رندھیلو مع جاہر دیو، قاضی خاں کے پاس آیا اور پان کا بیڑا قاضی خاں کی خدمت میں پیش کیا۔ قاضی خان رندھول سے بیڑا لینے لگے اور جاہر دیو نے جو رندھول کے ساتھ نہایت چستی سے قاضی خاں کے پہلو میں خنجر گھونپ دیا۔ قاضی خاں فوراً شہید ہو گئے، مسلح ہندوؤں کی ایک جمعیت نے فوراً داخل ہو کر پہرہ والوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔

جب شور و غوغا صحن میں بلند ہوا تو سلطان نے خسرو خاں سے پوچھا، یہ کیسا شور ہے۔ خسرو خاں فوراً اُٹھ کر لب بام آیا اور تھوڑی دیر تامل کر کے سلطان کے پاس واپس آ گیا اور کہا کہ سلطانی اصطبل کے چند گھوڑے کھل گئے، وہ بھاگ پھر رہے ہیں اور لوگ ان کو پکڑنے کی کوشش کر رہے ہیں اس سے شور مچ رہا ہے۔ سلطان یہ سن کر مطمئن ہو گیا اور خسرو خاں سے باتیں کرنے میں مصروف ہو گیا۔ زینہ کے دروازے پر ابراہیم اور اسحٰق نامی پہرے دار موجود تھے، وہ مانع ہوئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ دونوں شہید ہو گئے۔ اور قاتلوں کی یہ جماعت اوپر چڑھ آئی۔ ابراہیم اور اسحٰق کی مزاحمت کرنے اور قتل ہونے کا شور چونکہ قریب ہی تھا اس لئے سلطان کو کچھ شک ہوا۔ قاتلوں کی اس جماعت کو بے محابا شمشیر بدست آتے ہوئے دیکھ کر سلطان فوراً اٹھا اور محل سرائے کی طرف بھاگنے لگا۔ خسرو خاں نے سمجھا کہ سلطان محل سرائے میں داخل ہو گیا تو اس کو پکڑنے اور قتل کرنے میں دقت ہو گی تو وہ

Marfat.com

سلطان کے پیچھے بھاگا اور محل سرائے کے دروازے میں داخل ہونے سے پہلے ہی سلطان کو جالپٹا۔ سلطان اپنے سر پر لمبے لمبے بال رکھتا تھا۔ خسرو خاں نے بال پکڑ لئے۔ مگر سلطان طاقتور تھا فوراً خسرو خان کو زمین پر پٹک دیا مگر خسرو خاں نے سلطان کے بال نہ چھوڑے۔ خسرو خاں نیچے پڑا تھا سلطان اسکے اوپر تھا۔ اسی حال میں جاہر دیو پہنچ گیا اور دونوں گتھم گتھا دیکھ کر رات کی تاریکی کے سبب متامل ہوا کہ کہیں میرے ہاتھ سے خسرو خاں زخمی نہ ہو جاوے۔ خسرو خاں نے پکارا کہ میں نیچے پڑا ہوں میرے اوپر سلطان ہے جلدی اپنا کام کرو۔ ورنہ میرا کام تمام ہو جائے گا۔ جاہر دیو نے سلطان کے پہلو میں خنجر گھونپ دیا اور پھر خسرو خاں کے اوپر سے سلطان کو گھسیٹ کر اس کا سر کاٹ لیا۔ اس سر کو فوراً نیچے قصرِ ہزار ستون کے صحن میں اوپر سے پھینک دیا۔

اس کے بعد خسرو خاں، رندھول، جاہر دیو اور دوسرے ہندو محل سرائے سلطانی میں داخل ہوئے وہاں سلطان علاؤالدین خلجی کی بیوی اور دوسری بے گناہ عورتوں کو قتل کر کے، فرید خاں، منگو خاں، عمر خاں، پسر خاں پسران سلطان علاؤالدین کو قتل کیا اور خاندانی علائی کے کسی متنفس کو زندہ نہ چھوڑا۔ اسی وقت جب کہ آدھی رات ہو چکی تھی تمام امراء کو قصر ہزار ستون میں بلاتوقف حاضر ہونے کا حکم بھجوایا جب تمام امراء جمع ہو گئے تو ان سب کو گرفتار اور نظر بند کر دیا۔ صبح ہوئی تو خسرو خاں نے تاج پوشی سر پر رکھ کر تختِ سلطانی پر جلوس کیا۔ امراء نے اطاعت قبول کی جن کی نسبت کچھ شبہ تھا ان کو قتل کر دیا۔

سلطان قطب الدین مبارک شاہ خلجی شب پنجم ربیع الاول ۷۲۱ھ کو ہندوؤں کے ہاتھ سے شہید ہوا۔ چار سال چند ماہ سلطنت کی۔

خسرو خاں پہلے ہی تمام اہتمام کر چکا تھا جو صوبہ دار دور دراز کے صوبوں میں مامور تھے ان کے اکثر عزیز و اقارب دہلی میں موجود تھے ان سب کی نگرانی اور دیکھ بھال کا بندوبست کیا تا کہ وہ دہلی سے فرار نہ ہو سکیں اور سرکشی پر آمادہ نہ ہو سکیں۔ جن لوگوں کے اہل و عیال دہلی میں نہ تھے ان کے بیٹوں یا بھائیوں کو خسرو نے پہلے ہی سلطان قطب الدین مبارک شاہ کے حکم سے بطور یرغمال دہلی بلوا لیا تھا۔ لہٰذا اس کو کسی زبردست بغاوت کا اندیشہ نہ تھا۔ تمام صوبہ داروں میں سے سب سے زیادہ جس شخص کا خیال تھا وہ غازی ملک تغلق صوبہ دار دیپالپور تھا جو سلطان علاؤالدین کے زمانہ میں مغل افغنی کے سبب بڑی شہرت اور اثر رکھتا تھا۔

اس کا بیٹا فخر الدین جونا خاں جو بعد میں سلطان محمد تغلق کے نام سے مشہور ہوا دہلی میں موجود تھا۔ خسرو خاں نے تخت نشین ہوتے ہی ملک جونا خاں امیر آخور کا عہدہ عطا کیا اور اس کی سب سے زیادہ دلدہی اور خاطر مدارت کرنے لگا تا کہ اس کا باپ غازی ملک مخالفت پر آمادہ نہ ہو سکے۔

جاہر دیو کو قاضی خاں اور سلطان قطب الدین خلجی کا قاتل تھا زر و جواہر سے تلوایا گیا۔ رندھول کو رائے رایان کا خطاب ملا۔ قصر ہزار ستون اور محل سرائے سلطانی میں ہندو ہی ہندو نظر آنے لگے۔ دہلی میں پہلے ہی سے چالیس ہزار ہندو سواروں کی مسلح فوج تھی۔ مسلمانوں کی کوئی طاقت دہلی میں باقی نہ رکھی گئی تھی۔ جو مسلمان موجود تھے ان کو خسرو نے اپنا ہمنوا بنا لیا تھا۔ اب بادشاہ ہو کر اس نے ہندوؤں کی بھرتی شروع کر دی۔ ہندوؤں میں جا بجا خوشیاں منائی گئیں کہ اب دہلی پھر ہندوؤں کے قبضہ میں آ گئی۔ دیول دیوی جو خضر خاں کے قتل کے بعد سلطان قطب الدین مبارک شاہ کی بیوی بن گئی تھی اب سلطان کے قتل ہونے پر اس کو خسرو خاں نے اپنی بیوی بنا لیا۔

Marfat.com

خسرو خاں کو اسلام سے پہلے ہی کوئی تعلق نہ تھا۔ اب بادشاہ بننے کے بعد اس نے اپنا نام تبدیل کرنا اس لئے مصلحت نہ سمجھا کہ ملک میں بہت سے ایسے مسلمان سردار موجود تھے جن کو وہ فریب دے کر اپنی مخالفت سے باز رکھنے کا خواہاں اور بتدریج اسلامی سلطنت کو خالص ہندو سلطنت بنانا چاہتا تھا۔ باوجود ان تمام باتوں کے فطرت اپنا اثر دکھائے بغیر نہیں رہ سکتی تھی۔ چنانچہ دہلی کی مسجدوں کو ہندوؤں نے مسلمانوں سے چھین لیا۔ مسجدوں کی محرابوں میں بت رکھے گئے اور مسجدوں کو مندر بنا کر ان میں گھنٹے بجنے اور بت پوجنے لگے۔ اذان کی آوازیں بلند ہونی موقوف ہوئیں۔ پھر اس سے بڑھ کر حرکت یہ ہوئی کہ مسلمانوں سے قرآن مجید زبردستی چھین کر جمع کئے گئے اور ان کو ایک دوسرے پر رکھ کر خسرو خان کے دربار میں چھوٹے چھوٹے چبوترے بنائے گئے اور ان پر ہندو درباری بیٹھے۔ غرض ایسی ایسی کمینی حرکت سرزد ہوئیں جن کے لکھنے کی تاب زبان قلم نہیں لا سکتی۔ خزانوں کے منہ کھول دیئے گئے اور لاتعداد ہندو روزانہ آ کر فوج میں بھرتی ہونے لگے۔

ملک جونا خاں ابن غازی ملک ڈھائی مہینہ تک تو مجبوراً اس ہندو گردی کو دیکھتا اور برداشت کرتا رہا۔ ایک روز موقع پا کر اور گھوڑوں کی ڈاک بٹھا کر وہ دہلی سے دیپالپور کی طرف بھاگا۔ چند گھنٹے کے بعد اس کے فرار کا حال خسر خاں کو معلوم ہوا تو تعاقب میں سوار بھیجے مگر وہ ملک جونا خاں کی گرد کو بھی نہ جا سکے۔ ملک جونا خاں جب اپنے باپ غازی ملک کے پاس پہنچ گیا تو اس نے اللہ کا شکر ادا کیا اور اپنے ولی نعمت سلطان قطب الدین خلجی کے خون کا انتقام لینے کے لئے تیار ہوا۔ ملتان کے امیر کو لکھا کہ فوج لے کر میرے شریک ہو جاؤ تا کہ ہم دونوں مل کر خسرو خاں سے سلطان قطب الدین کا انتقام لیں۔ امیر ملتان نے لکھا کہ جو شخص دہلی کا بادشاہ ہو چکا ہے اس کا مقابلہ ہم جیسے چھوٹے چھوٹے امیروں سے کب ہو سکتا ہے۔ غازی ملک نے ملتان کے ایک رئیس بہرام ایبہ نامی کو خط لکھا کہ امیر ملتان امارت کے قابل نہیں رہا تم اسکو قتل کر کے ملتان کی حکومت اپنے قبضے میں لاؤ۔ اور وہاں کی فوج لے کر میرے پاس چلے آؤ۔ بہرام ایبہ نے بآسانی حاکم ملتان کا قتل کیا اور فوج لے کر غازی ملک کے پاس دیپالپور چلا آیا۔ غازی ملک نے فوج لے کر دہلی کی طرف کوچ کیا۔

خسرو خاں نے یہ خبر سن کر ایک زبردست فوج اپنے بھائی کی سرداری میں روانہ کی۔ سرستی کے قریب لڑائی ہوئی۔ خسرو خاں کی فوج شکست کھا کر بھاگی۔ غازی ملک سرستی روانہ ہو کر اندرپرست کے خرابہ میں پہنچ کر خیمہ زن ہوا۔ خسرو خاں ہندوؤں کا لاتعداد لشکر لے کر شہر سے باہر نکلا۔ غازی ملک کے مٹھی بھر مسلمانوں کے مقابلے میں یہ بے شمار ہندو فوج زد و خورد کا ہنگامہ گرم ہونے پر کچھ بھی نہ کر سکی اور حواس باختہ ہو کر بھاگی۔ خسرو خاں جب دہلی سے غازی ملک کے مقابلہ کو نکلا تھا تو اس نے تمام شاہی خزانے کو جو سلطان قطب الدین ایبک کے زمانہ سے اب تک جمع ہوتا چلا آیا تھا نکلوا کر ہندوؤں میں تقسیم کر دیا تھا۔ اور خزانہ میں جھاڑو دلوادی تھی۔ اس کو غازی ملک کا خوف تھا اس لئے اس نے یہ کہہ کر خزانہ ہندوؤں کو تقسیم کر دیا تھا کہ اگر ہماری فتح ہوئی تو تم اس روپیہ کو اپنی سہ سالہ پیشگی تنخواہ سمجھو اور اگر ہم مارے گئے تو کم از کم روپیہ تو مسلمانوں کے ہاتھ نہ آ سکے گا۔

خسرو خاں شکست خوردہ میدان سے فرار ہو کر ایک مقبرہ میں پناہ گزین ہوا اور وہاں سے گرفتار ہو کر قتل کیا گیا۔

دیدی کہ قتل ناحق پروانہ شمع را — چندیں اماں نداد کہ شب را سحر کند

Marfat.com

سجان رائے ہندو مؤرخ خسرو خاں کے واقعہ کولکھ کر خسرو خاں کونسبت لکھتا ہے

کسے راکہ نبود شرف در نہاد		نباشد عجب گر بود بد نہاد
سرنا کساں رابر افراشتن		واز ایشاں امید بہی داشتن
سررشتہ خویش گم کردن است		بجیب اندروں مار پروردن است
دگر زند گانی توقع مدار		کہ در جیب ودامن وہی جائے مار

غازی ملک نے دہلی میں آکر تلاش کیا کہ شاہی خاندان کا کوئی فرد چھوٹی یا بڑی عمر کا ملے تو اس کو تخت پر بٹھائے، مگر خسرو خاں پہلے ہی شاہی خاندان کا تخم سوخت کر چکا تھا لہٰذا غازی ملک نے تمام مسلمان سرداروں کو جمع کر کے کہا بھائیو میں تو صرف سلطان قطب الدین خلجی کا انتقام لینے آیا تھا، اپنا کام پورا کر چکا۔ اب تم جس کو مناسب سمجھو اپنا بادشاہ بنالو میں اس کی فرمانبرداری کے لئے کمربستہ ہوں۔ سب نے بالاتفاق غازی ملک ہی کو اپنا سلطان منتخب کیا اور وہ سلطان غیاث الدین تغلق کے نام سے دہلی کے تخت پر بیٹھ کر ہندوستان کا بادشاہ بنا (آئینہ باختصار بعض الفاظ ص ۳۴۵) اور دہلی کی خودمختار سلطنت کا دوسرا خاندان (خلجی) ہندوستان کے پورے براعظم کو اسلامی سلطنت میں داخل کرنے کے بعد صرف تینتیس سال حکومت کر کے ختم ہوا اور یہ تیسرا خاندان (تغلق) شروع ہوا۔

خاندان خلجی کا خاتمہ ربیع الاول ۷۲۱ھ کو ہوا تھا اسکے بعد کچھ عرصہ خسرو خاں نمک حرام کا تغلق رہا پھر غازی ملک سلطان غیاث الدین تغلق نے اس کا خاتمہ کر کے از سرِ نو حکومت کا نظام سنبھالا۔ تغلق خاندان میں محمد تغلق کا دور ملک کی اقتصادی ترقی میں خاص حیثیت رکھتا ہے۔

تغلق خاندان ۱۳۲۰ء تا ۱۴۱۲ء

سلطان غیاث الدین تغلق ۱۳۲۰ء تا ۱۴۱۲ء

تخت نشینی

خسرو خاں کے خاتمے کے بعد غازی ملک غیاث الدین تغلق کے لقب سے سلطنت دہلی پر تخت نشین ہوا۔ سلطان غیاث الدین ترکوں کے ایک قبیلے قرونہ سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ ایک معمولی سپاہی کی حیثیت سے علاؤ الدین خلجی کے بھائی الغ خان کی فوج میں بھرتی ہوا۔ اور اپنی قابلیت اور بہادری کے زیر اثر ترقی کرتے ہوئے اعلیٰ منصب پر پہنچا۔ اس کی قابلیت اور بہادری کی وجہ سے علاؤ الدین خلجی نے اسے دیپالپور جیسے اہم سرحدی صوبے پر گورنر مقرر کیا۔ غیاث الدین تغلق نے منگولوں کے خلاف تقریباً انتیس جنگیں لڑیں۔ اوران جنگوں میں کامیابی حاصل کر کے نام پیدا کیا۔ چنانچہ سلطان علاؤ الدین اس کی بہادری سے خوش ہو کر اسے غازی ملک کے خطاب سے نوازا۔ خسرو شکست اور قتل کے بعد دوسرے روز غیاث الدین نے تمام امراء کو شک ہزار ستون (دربار دہلی) میں جمع کیا۔ اور کہا کہ اب علاؤ الدین خلجی کے خاندان کے کسی فرد کو تخت سلطنت پر اتفاق

Marfat.com

رائے کر کے جانشین کر دیا جائے۔لیکن علاؤالدین خلجی کے خاندان کو پہلے ملک کافور نے ختم کر دیا۔اور اس کے بعد علاؤالدین خلجی کے خاندان کے باقی ماندہ افراد کو خسرو نے اپنے عہد میں یکسر ختم کرا دیا تھا۔لہٰذا علاؤالدین خلجی کے خاندان کا کوئی فرد بقید حیات نہ تھا۔ چنانچہ امراء نے اتفاق رائے سے غازی ملک (غیاث الدین تغلق) کو تاج وتخت کی پیش کش کی۔غازی ملک نے اپنی کبرسنی کی وجہ سے اس اہم ذمہ داری کو قبول کرنے میں پس وپیش کی۔لیکن امراء کے اصرار پر بلاآخر تاج وتخت قبول کرنے پر رضا مند ہو گیا۔اور ۱۳۲۰ء غیاث الدین تغلق کے لقب سے تخت نشین ہوا۔سلطان غیاث الدین کی تخت نشینی کے وقت ملکی حالت نہایت ابتر تھی۔علاؤالدین کی نافذ کردہ اصلاحات اور قوانین ضوابط کو کچھ تو مبارک شاہ خلجی منسوخ کر دیا تھا۔اور سلطنت اور دربار میں ہر طرف عیش وعشرت کا بازار گرم کر کے شاہی خزانے کو پانی کی طرح بہا دیا تھا۔اس کے بعد رہی سہی کسر خسرو نے پوری کر دی تھی۔ غرض جن حالات میں غیاث الدین تغلق نے عنان حکومت سنبھالا وہ نہایت ناگفتہ تھے۔غیاث الدین تغلق ایک تجربہ کار عمر رسیدہ شخص تھا۔اس نے عنانِ حکومت سنبھالتے ہی نہایت تدبر اور دور اندیشی سے کام کیا۔اور نہایت منصفانہ طریقے سے اس نے حکومت شروع کی اور جہاں سختی کی ضرورت تھی وہاں سختی کی اور نرمی کی جگہ نرمی کی۔

فتوحات

سلطان غیاث الدین نے ملک کا اندر؛ونی نظر ونسق درست کرنے کے بعد بیرونی باج گذار علاقوں کی طرف توجہ کی جو کہ خود مختاری کی طرف مائل تھے۔تلنگانہ کے کیکتیا خاندان کے راجا رودرا دیو نے علاؤالدین خلجی کے بعد دہلی میں پیدا ہونے والے انتشار اور بغاوتوں سے فائدہ اٹھا کر خراج کی ادائیگی بند کر دی تھی۔چنانچہ سلطان غیاث الدین نے ولی عہد جونا خان کی سر گردی ۱۳۲۱ء میں تلنگانہ کے دارالخلافہ ورنگل پر فوجی مہم روانہ کی۔جونا خان کیکتیا خاندان کے راج ختم کر کے تلنگانہ کو براہ راست سلطنت دہلی میں شامل کرنا چاہتا تھا۔چنانچہ اس نے ورنگل پہنچ کر یہاں کا نہایت سختی سے محاصرہ کر لیا۔لیکن عین محاصرے کے دوران چند فتنہ پردازوں نے مل کر سلطان غیاث الدین کی موت کی افواہ اڑا دی۔جس سے فوج میں بے چینی اور افراتفری پھیل گئی۔اور جونا خاں اس خبر سے نہایت پریشان ہو کر دہلی واپس ہوا۔اور سلطان کو زندہ سلامت پا کر نہایت شرمندہ ہوا۔چنانچہ جن لوگوں نے یہ افواہ اڑائی تھی ان کو سخت سزا دی گئی۔اس کے بعد دوبارہ ۱۳۲۲ء میں ورنگل کی فتح کیلئے جوناں خان کی ماتحتی میں فوج روانہ کی گئی۔راجا دوردیو نے پہلے تو مقاومت کی لیکن آخر محاصرے کی سختی سے تنگ آ کر اطاعت قبول کر لی اور مع اپنے خاندان اور کثیر مال غنیمت کے ساتھ گرفتار ہوا۔چنانچہ تلنگانہ کا علاقہ براہ راست سلطنت دہلی میں شامل کر لیا۔اور ورنگل کو سلطان پور کا نام دے کر سلطنت دہلی کا ایک صوبہ قرار دیا گیا۔اور اس صوبے میں مسلمان افراد گورنر مقرر ہوئے۔اس کے بعد جونا خان جان نگر (اڑیسہ) کے راستے سے دہلی واپس پہنچا۔

بنگال

بنگال میں بلبن کے لڑکے بغرا خاں کے زمانے سے یہاں کی گورنری موروثی ہو گئی تھی۔یہاں کے گورنر سلطنت دہلی کی سیادت

Marfat.com

تسلیم کرتے تھے۔ ۱۳۱۸ء میں بغرا خان کے لڑکے شمس الدین کی وفات کے بعد اس کے لڑکوں میں بہادر شاہ اور ناصر الدین میں آپس میں تخت بنگال کیلئے کشمکش شروع ہو گئی۔ ناصر الدین تخت بنگال کا زیادہ مستحق تھا۔ اس نے سلطان غیاث الدین سے مدد کی درخواست کی۔ چنانچہ سلطان اپنی جگہ جونا خان کو دہلی میں مقرر کر کے فوج لے کر بنگال کی طرف بڑھا۔ اور لکھنو میں پہنچ کر سلطان نے اپنے سپہ سالار بہرام خاں کو فوج دے کر بہادر شاہ کی سرکوبی پر مامور کیا۔ ڈھاکہ کے سنار گاؤں کے قریب بہادر شاہ نے شاہی فوج کا مقابلہ کیا مگر شکست کھائی اور فرار ہونے کی کوشش میں دلدل میں پھنس کر گرفتار ہوا۔ اور بنگال میں امن و امان قائم کر کے ناصر الدین کو بحال کیا اور دہلی میں واپس ہوا۔ راستے میں سلطان نے ترہٹ کا مضبوط قلعہ فتح کیا۔

دورِ حکومت کی خصوصیات

سلطان غیاث الدین تغلق نے جب عنانِ حکومت سنبھالی تو اس وقت وہ کافی عمر رسیدہ تھا۔ اور اپنی اس عمر میں اسے بہت سے تجربات حاصل ہوئے تھے۔ اور ایک معمولی سپاہی کی حیثیت سے بتدریج ترقی کی منازل طے کرتا ہوا تخت سلطنت تک پہنچا تھا۔ اور وہ اپنی اس عمر تک بہت سے تجربات حاصل کر چکا تھا۔ چنانچہ اپنے تجربات کی مدد سے اس نے نہایت حسن و خوبی سے سلطنت کا نظم و نسق سنبھالا۔ اور اپنی عمدہ انتظامی صلاحیت اور قابلیت کی بناء پر ملک کافور، مبارک خلجی اور خسرو خاں کے پیدا کر دہ انتشار اور بدامنی پر قابو پا کر ملک میں جلد ہی امن و امان قائم کر دیا۔ اس نے علاؤ الدین خلجی کے نافذ کردہ سخت گیر مالگذاری کے قوانین منسوخ کر کے کاشتکاروں کے ساتھ نہایت نرم اور مشفقانہ سلوک کیا اور اعتدال کی راہ اختیار کی اس کے علاوہ سلطان بذات خود ایک اچھا سپاہی اور جرنیل تھا جس کی وجہ سے اس کو فوج سے انتہائی دلچسپی تھی چنانچہ اس نے مناسب فوجی اصلاحات بھی کیں۔ اس کی جنگیں قابلیت کا اندازہ دکنی اور بنگال کی مہمات سے ہوتا ہے۔ سلطان اپنی مشفقانہ اور اعتدال کی پالیسی کے سبب ہر طبقے میں بہت مقبول ہوا۔ اس کے علاوہ سلطان کی نرمی اور فراخ دلی کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ اس نے بلبن اور علاؤ الدین کے خاندان کے افراد سے نہایت نرمی کا برتاؤ کیا۔ علاؤ الدین کے پس ماندگان کے لئے وظائف مقرر کئے اور ان کو زمینیں اور جاگیریں عطا کیں۔ اور بلبن کے لڑکے بغرا خاں کے لئے بنگال کی گورنری جو کہ موروثی ہو چکی تھی اسے نہ صرف برقرار رکھا بلکہ جب بنگال کی گورنری کے لئے کشمکش شروع ہوئی تو سلطان نے بذات خود وہاں پہنچ کر حق دار کو اس کا حق دلایا۔ اس کی رحم دلی اور خدا ترسی اور نیک طبعیت کا اندازہ اس امر سے ہوتا ہے کہ تخت سلطنت سنبھالنے کے بعد اس نے کبھی اپنے غریب رشتہ داروں اور اپنے سابقہ ملازمین کو نظر انداز کیا۔ سلطان غیاث الدین نہایت نیک مزاج اور روشن دماغ فرمانروا؛ تھا۔ اس نے اپنے عہد ہمیشہ یہ کوشش کی کہ اس کی رعایا میں سے کوئی بھی بے روزگار اور مفلوک الحال نہ رہے۔ اس نے چوریوں اور ڈکیتیوں کا انسداد کیا۔ سلطان کی اس پالیسی کی وجہ سے اکثر ڈاکوؤں اور لٹیروں نے اپنے ہتھیار فروخت کر کے لوٹ مار کے پیشے کو ترک کر دیا۔ اور کاشتکاری کا پیشہ اختیار کیا۔ سلطان غیاث الدین نے اپنے پانچ سالہ مختصر دور میں ایسا عمدہ انتظام کیا تھا کہ ملک میں ہر طرف امن و امان تھا اور شاہراہیں محفوظ تھیں۔ تجارت ملک کے ہر گوشے میں بلا خوف و خطر سامان تجارت لے کر سفر کرتے تھے۔

Marfat.com

وسعت سلطنت کے لحاظ سے غیاث الدین تغلق کو علاؤ الدین خلجی پر فوقیت حاصل ہے کیونکہ علاؤ الدین خلجی کے زمانے میں بنگال اور ترہت کے علاقے سلطنت دہلی میں شامل نہ تھے اور نہ دکن براہ راست سلطنت دہلی میں شامل تھا۔ اس لحاظ سے سلطان غیاث الدین نے علاؤ الدین خلجی سے زیادہ وسیع سلطنت اپنے مختصر عہد میں بنالی تھی۔ لہذا سلطان غیاث الدین ہر لحاظ سے ایک قابل تحسین فرمانروا تھا۔ اور اس کے عہد حکومت کو ایک سنہری دور کا درجہ حاصل تھا۔

سلطان محمد بن تغلق ۱۳۲۵ء تا ۱۳۵۲ء

سلطان غیاث الدین تغلق کی موت کے بعد اس کا بڑا لڑکا جونا خاں جسے سلطان غیاث الدین نے اپنی زندگی میں ہی اپنا ولی عہد نامزد کر دیا تھا۔ ۱۳۲۵ء میں محمد بن تغلق کے لقب سے تخت نشین ہوا۔ سلطان غیاث الدین کی دوراندیشی اور کوششوں سے اس کی تخت نشینی کے وقت اس قدر خوش آئندہ اور امید افزا حالات تھے کہ شاید ہی کسی اور بادشاہ ایسے خوشگوار حالات میں تخت نشینی نصیب ہوئی ہو۔ سلطان غیاث الدین نے اپنے جانشین کے لئے وسیع سلطنت اور مال و دولت سے پر خزانہ نہ چھوڑا۔ محمد بن تغلق غیر معمولی شخصیت کا مالک تھا۔ اور تعلیمی لحاظ سے اسے دیگر سابقہ سلاطین دہلی پر فوقیت حاصل تھا۔ وہ ایک اچھا ادیب شاعر اور خطیب تھا۔ اکثر فارسی میں نہایت عمدہ شعر کہتا تھا۔ سلطان محمد بن تغلق حافظ قرآن، عالم باعمل اور صوم صلوۃ کا نہایت سختی سے پابند تھا۔ اس کے علاوہ اس کو فلسفہ اور علم کلام سے گہری دلچسپی تھی۔ منطق میں اس قدر عبور رکھتا تھا کہ کوئی اس سے بحث و مباحثہ میں کامیاب نہ ہوسکتا تھا۔ اس کے علاوہ علم نجوم، ریاضی، علم طب اور قانون سے گہری واقفیت رکھتا تھا۔ سلطان محمد بن تغلق کو انتظامی معاملات کا بھی وسیع تجربہ رکھتا تھا۔ وہ سلطان علاؤ الدین کے عہد میں مختلف عہدوں پر فائز رہا۔ اس کے بعد اپنے باپ غیاث الدین تغلق کے عہد میں سلطان بنگال کی مہم کے دوران سلطنت دہلی میں سلطان غیاث الدین کے قائم مقام کی حیثیت سے اور سلطنت انجام دیئے۔ اس لئے تخت نشینی کے وقت وہ انتظامی امور میں کافی تجربہ حاصل کر چکا تھا۔ اس کے علاوہ فنون جنگ کا بھی اسے کافی تجربہ تھا۔ اور سلطان غیاث الدین کے عہد میں دکن کی مہم پر بھی کافی جا چکا تھا۔ اپنی ان ہی غیر معمولی خوبیوں اور صلاحیتوں کی بناء پر وہ بہت خود رائے تھا۔ اور جو منصوبہ اس کے ذہن میں آتا اسے ہر حالت میں پورا کرنے کی کوشش کرتا۔ محمد بن تغلق کی تاجپوشی کے وقت ملک کے ہر طبقے نے خوشی سے اظہار کیا۔ اور اپنی وفاداری کا یقین دلایا۔ سلطان محمد تغلق اپنی تمام خوبیوں کے ساتھ ساتھ نہایت سخی تھا۔ اس نے انعام و کرام کے لئے خزانے کا منہ کھول دیا۔

طرز حکومت کردار اور کارنامے

سلطان محمد بن تغلق برصغیر کے سابقہ سلاطین پر تعلیمی لحاظ سے فوقیت رکھتا تھا۔ وہ نہایت غیر معمولی شخصیت کا مالک تھا۔ وہ شاعری کا عمدہ ذوق رکھتا اور کبھی کبھی فارسی میں اعلیٰ درجہ کے شعر کہتا تھا۔ اس کے علاوہ سلطان بہترین ادیب خطیب اور بہت بڑا عالم تھا اور علم کی قدر کرتا تھا۔ وہ حافظ قرآن اور حدیث وفقہ کا ماہر تھا، اور عالم باعمل اور صوم صلوٰۃ کی پابند تھا اور اس کی دلی خواہش تھی کہ اس کی رعایا بھی صوم صلوٰۃ کی پابند ہو۔ چنانچہ اس نے اس سلسلے میں نہایت سختی سے احکامات نافذ کئے۔ اور نماز نہ

Marfat.com

پڑھنے والوں کو سخت سزائیں دیں۔ سلطان نہایت نیک نفس اور پاکیزہ طبیعت کا مالک تھا۔ اس کی نجی زندگی تمام آلائشوں سے پاک اور بے داغ تھی۔ سلطان علم طب، ریاضی علم نجوم، قانون اور منطق میں بھی کافی دسترس رکھتا تھا۔ اور خاص طور سے منطق میں اس قدر ماہر تھا کہ اپنے استدلال سے کسی کو بحث و مباحثہ میں اپنے سے جیتنے نہ دیتا تھا۔ سلطان تصوف میں بھی ماہر تھا جس کی وجہ سے اپنے وقت کے صوفیائے کرام کو خاطر میں نہ لاتا تھا اور علم اور معلومات کی وجہ سے انہیں اسلام کا صحیح نمائندہ نہ سمجھتا تھا۔ علم طب میں سلطان کو اس قدر دسترس حاصل تھی کہ ملک بھر کے ماہر طبیب اس کی طبی لیاقت کو مانتے تھے۔ سلطان فنون لطیفہ کا بھی شائق تھا اور اعلیٰ پائے کا خوش نویس تھا ان تمام خوبیوں کے علاوہ وہ نہایت شیریں گفتار تھا اور بہت تیز حافظے کا مالک تھا۔ سلطان محمد بن تغلق اپنی تخت نشینی کے وقت وسیع انتظامی تجربہ حاصل کر چکا تھا۔ علاؤ الدین خلجی کے عہد سے لے کر غیاث الدین تغلق کے عہد حکومت تک وہ مختلف عہدوں پر فائز رہ چکا تھا۔ یہاں تک کہ سلطان غیاث الدین جب بنگال کی مہم پر روانہ ہوا تو محمد بن تغلق نے نائب السلطنت کی حیثیت سے سلطان غیاث الدین کی عدم موجودگی میں سلطنت دہلی کے امور، فرائض اور انتظامات سنبھالے۔ اور نہایت حسن وخوبی سے انجام دیئے۔ اس کے علاوہ سلطان محمد بن تغلق اعلیٰ فوجی قابلیت رکھتا تھا اور فنون جنگ میں ماہر تھا۔ غیاث الدین کے عہد میں وہ دکن کی مہم سر کر چکا تھا۔ سلطان نہایت سخی تھا اور دور و دراز کے ملکوں میں اس کی سخاوت مشہور تھی۔ وہ نہایت انصاف پرور حکمراں تھا اور ہمیشہ عدل وانصاف کو اپنے پیش نظر رکھتا تھا۔ چنانچہ حق وانصاف کے قیام کے لئے وہ ہفتہ میں دو بار بذات خود دربار لوگوں کی شکایات سنتا ان کی شکایتیں دور کرتا اور حق وانصاف کے مطابق فیصلے دیتا۔

ابن بطوطہ کے بیان کے مطابق ایک مرتبہ سلطان کے بہنوئی امیر سیف الدین نے ایک دربان کو زخمی کر دیا دربان نے سلطان کی خدمت میں امیر سیف الدین کے خلاف شکایت کی اور انصاف کا طالب ہوا۔ سلطان نے معاملہ قاضی عدالت میں پیش کیا۔ چنانچہ حق وانصاف پر مبنی فیصلہ صادر ہوا جو امیر سیف الدین کے خلاف تھا لیکن عدل وانصاف کے قیام کی وجہ سے اس فیصلے کو روبہ عمل لایا گیا۔ ایک مرتبہ ایک تاجر نے قاضی کی عدالت میں خود سلطان کے خلاف شکایت کی۔ چنانچہ سلطان ایک ملزم کی حیثیت سے قاضی کی عدالت میں حاضر ہوا۔ قاضی نے حق وانصاف کے مطابق سلطان کے خلاف فیصلہ دیا۔ سلطان نے اصرار کیا کہ عدالت ہی میں خود اس کے (سلطان) کے کوڑے لگوائے جائیں۔ ابن بطوطہ افریقہ کا ایک سیاح تھا جو سلطان محمد بن تغلق کے عہد میں ہندوستان آیا تھا۔ ابن بطوطہ چند سال تک دہلی کے قاضی کی حیثیت سے کام کرتا رہا۔ مگر جب ابن بطوطہ سے کسی فیصلے کے سلسلے میں لغزش ہوگئی تو سلطان نے خود ابن بطوطہ کو قید میں ڈلوا دیا۔ چنانچہ ابن بطوطہ کو چند روز تک قید بامشقت کر پڑی جس کے بعد وہ اپنے عہدہ سے مستعفی ہوگیا۔ ان واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ سلطان عدل وانصاف کے معاملے میں نہایت سخت تھا اور انصاف کے معاملے میں کسی کا بھی ذرا خیال نہ کرتا تھا۔ سلطان اپنی ہندو رعایا سے نہایت مہربانی اور رواداری برتتا تھا۔ اور ہندوؤں کو ہر قسم کی مراعات دی ہوئی تھیں۔ یہاں تک کہ ہندوؤں کو اعلیٰ عہدے بھی دے رکھے تھے۔ چنانچہ اس نے سہوان (سندھ) میں رتن نامی ایک ہندو کو گورنر مقرر کیا تھا۔ دیوگری (دولت آباد) میں بھی دھارا نامی ایک ہندو کو نائب وزیر کے

Marfat.com

عہدے پر فائز کیا تھا۔ مذہبی معاملات میں سلطان بڑا روادار تھا۔اور ہندو علماء، جوگیوں اور ہندوؤں کے مذہبی پیشواؤں سے نہایت احترام سے پیش آتا اور ان سے بڑے شوق سے ملتا تھا۔ ہندوؤں کو ان کے مذہبی فرائض کے ادا کرنے پر پوری آزادی تھی۔غیر معمولی شخصیت اور متذکرہ تمام خوبیوں کے ساتھ ساتھ سلطان میں بعض خامیاں بھی تھیں۔جلد بازی، خودسری، ضد اور حد سے زیادہ خوداعتمادی اور خودرائی سلطان کی طبیعت کا جزو تھیں۔ سلطان میں حقیقت شناس،اعتدال پسندی اور توازن کا فقدان تھا۔اس کے ذہن میں جو منصوبہ آجاتا وہ اسے ہر ممکن طریقہ سے پورا کرنے کی کوشش کرتا۔خواہ اسے پورا کے لئے کتنی ہی مشکلات کیوں نہ پیش آئیں۔اور خواہ سلطان کا منصوبہ حالات کے مطابق نہ ہو۔ وہ ہر کام میں انتہا پسندی سے کام لیتا۔ سلطان کے مزاج میں ضد اور انتہا پسندی کو بہت دخل تھا۔وہ ہر کام شروع کرنے سے پہلے حالات کا جائزہ لے کر نتائج کی کبھی پرواہ نہ کرتا تھا۔اس میں دوراندیشی اور پیش بینی کی کمی تھی۔چنانچہ دوراندیشی کی کمی کی بناء پر پایہ تخت کی تبدیلی۔قراجل کی مہم اور خراسان کی مہم میں سلطان کو بے اندازہ مالی و جانی نقصان کا سامنا کرنا پڑا۔

اس نے حالات وعوام کی نفسیات کا جائزہ لئے بغیر تانبے کے علامتی سکے جاری کئے۔اور اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے کسی کی رائے پر غور نہ کیا۔چنانچہ بالآخر علامتی سکے رائج کرنے سے جو حالات پیدا ہوئے اور سلطان کو ان پر قابو حاصل کرنے کے لئے جو کچھ کرنا پڑا۔اسی وجہ سے سلطان کے اس منصوبے نے تمام شاہی خزانہ تقریباً خالی کر دیا۔اس کے علاوہ سلطان نے کبھی موقع شناسی سے کام نہ لیا چنانچہ اس نے سیاسی نقطہ نظر سے صوفیائے کرام سے بگاڑ پیدا کر کے سخت غلطی کی۔اس کے علاوہ امراء سے بھی بگاڑ پیدا کر لیا۔ جس کی وجہ سے ہر دو طبقے سلطان کے خلاف ہو گئے اور ملک میں ہر طرف بغاوتوں کا کچھ ایسا سلسلہ جاری ہوا جس سے اخیر وقت تک سلطان کو چین سے بیٹھنے نہ دیا۔ایک طرف تو سلطان نے پایہ تخت کی تبدیلی کے منصوبے پر عملدرآمد کیا،اس کے بعد تانبے کے سکے کا اجراء کیا۔ان ہر دو منصوبوں کی ناکامی کے نتیجہ ہیں۔شاہی خزانہ خالی ہو گیا۔چنانچہ سلطان انے اپنی خدشات پسند طبیعت سے کام لیتے ہوئے دوآبہ کے لگان میں اضافہ کر دیا۔اگرچہ یہ دانشمندانہ اقدام تھا۔لیکن قدرت حالات ناموافق رہے اور دوآبہ قحط پڑ گیا۔سلطان کے مقررہ کردہ افسروں نے لگان وصول کرنے کی کوشش کی اور سلطان نے جلد ہی اس طرف کوئی توجہ نہ دی۔بلکہ لگان کی وصولی کے مقررہ کردہ افسران نے دیگر ناجائز طریقے سے بھی دوآبہ کے کاشتکاروں سے مال و دولت ہتھیانے کی کوشش کی۔جس کی وجہ سے بغاوتیں اٹھ کھڑی ہوئیں۔جس کے نتیجہ میں نہ تو وہ مالگذاری میں اصلاحات کر سکا نہ پوری طرح قحط کا انسداد کر سکا۔بغاوتوں کے فرو کرنے کے سلسلے میں بھی اس کے منصوبوں کا عبرتناک انجام ہوا۔

سلطان محمد بن تغلق کی تخت نشینی کے وقت سلطنت دہلی وسیع، منظم اور مضبوط تھی شاہی خزانہ مال و دولت پر تھا۔رعایا خوش حال تھی اور ہر طرف امن و امان کا دور دورہ تھا۔لیکن اس کے کچھ عرصے بعد ہی سلطان کی منصوبہ بندیوں اور ان کی ناکامیوں کی وجہ سے ہر طرف شورشیں اور بغاوتیں رونما ہو گئیں ایک طرف سندھ میں بغاوتیں ہوئیں۔دوسری طرف بنگال اور دکن میں بغاوتوں کا سلسلہ شروع ہوا اور بالآخر یہ علاقے سلطنت دہلی کے ہاتھ سے جاتے رہے۔ان حالات کے پیدا ہونے کی

Marfat.com

ذمہ داری بڑی حد تک سلطان کی جدت پسندی پر عائد ہوتی ہے۔ تاہم اگر غیر جانبدار ہو کر غور کیا جائے تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ سلطان کے منصوبوں کے لئے قدرتی حالات بھی ناساز گار رہے۔ اور محمد بن تغلق کے آخر عہد تلک تمام ملک میں انتشار اور بے چینی حد سے زیادہ بڑھ چکی تھی۔ مسلمان فرمانرواؤں کا شروع یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ بغداد کے عباسی خلیفہ کو دنیائے اسلام کا مذہبی رہنما تصور کرتے ہوئے اپنی خودمختاری سلطنت کے لئے خلیفہ کی منظوری اور اپنی حکومت کے لئے خلیفہ بغداد سے سند حاصل کرنا فرض سمجھتے تھے۔ اس کے بغیر ان کی سلطنت غیر مسلمہ اور غیر آئینی تصور کی جاتی۔ اگر چہ برصغیر میں مسلم سلاطین کے عہد تک خلیفہ بغدادی کی سلطنت خود اس قدر کمزور ہو چکی تھی کہ خلیفہ برائے نام رہ گیا تھا۔ اور اس کی سلطنت کے تمام علاقے خودمختار ہو گئے تھے۔ اور خلافت کے تمام اختیارات امراء کے ہاتھ میں تھے خلیفہ کی اہمیت اس قدر کم ہو گئی تھی کہ امراء جب چاہتے خلیفہ کو برخواست کر کے اس کی جگہ نیا خلیفہ منتخب کر دیتے۔ بہر حال مسلم سلاطین اپنی سلطنت کے لئے خلیفہ بغداد کی منظوری ضروری سمجھتے تھے۔ چنانچہ سلطان محمود غزنوی نے بھی خلیفہ سے سندھ حکومت حاصل کی تھی۔ اس کے بعد التمش نے تخت حکومت پر آ کر خلیفہ بغداد کی منظوری کو اپنی عزت وافزائی سمجھتے ہوئے خلیفہ بغداد سے سندھ حکومت حاصل کیا۔ چنانچہ محمد بن تغلق نے بھی اسی جذبہ کے تحت خلیفہ کی خدمت میں اپنی حکومت کی منظوری حاصل کرنے کے لئے درخواست کی۔ چنانچہ ۱۳۴۳ء میں خلیفہ نے ایک قاصد کے ذریعے سند حکومت اور خلعت روانہ کیا۔ سلطان نے اس موقع پر بھی انتہا پسندی کا ثبوت دیا۔ وہ خلیفہ کے قاصد کا استقبال کرنے کے لئے جو کہ خلیفہ کا دور کا رشتے دار تھا اور معمولی درجہ کا آدمی تھا۔ دور تک ننگے پاؤں گیا اس کے پاؤں کو بوسہ دیا۔ اس کی مہمان داری اور عزت احترام کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ ایک مورخ کا خیال ہے کہ سلطان پہلے ہی علماء وصوفیا کو مرعوب کرنے اور ان کی مخالفت کو کمزور بنانے کے لئے خلیفہ کا سہارا تلاش کر لیا تھا۔

سلطان محمد بن تغلق کے عہد کی مستند ہمصر تواریخ اہم ماخذ ہے۔ اور ان دونوں تواریخ سے ہی محمد بن تغلق کا عہد پوری طرح سامنے آ جاتا ہے۔ ان متذکرہ تواریخ میں ایک ضیاء الدین برنی کی ''تاریخ فیروز شاہی'' ہے دوسری ابن بطوطہ کا سفر نامہ ہے ابن بطوطہ نے سلطان کے اوصاف اور کردار کا نہایت مکمل اور واضح نقشہ کھینچا ہے اس نے سلطان کو بہت سی خوبیوں اور خامیوں کا حامل قرار دیا ہے۔ ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ ''سلطان صوم صلوٰۃ اور شریعت کا پابند ہے۔ نماز کیلئے رعایا کو بھی سخت ہدایت دیتا ہے۔ میں نے کوئی شخص سلطان محمد بن تغلق سے زیادہ متواضع اور مصنف نہیں دیکھا، خونریزی اور سخاوت میں مشہور ہے کوئی دن ایسا نہیں جاتا کہ اس کے دربار میں کوئی فقیر امیر نہ بن جاتا ہو۔ اور کوئی آدمی قتل نہ ہوتا ہو۔ سلطان کی سخاوت، سختی اور خونریزی کے قصے ہر عام وخاص کی زبان پر ہیں''۔ ضیاء الدین سلطان محمد بن تغلق کو عجوبہ افرنیش وعجوبہ روزگار تحریر کرتا ہے۔ لین پول کی سلطان کے بارے میں رائے ہے ''بہترین ارادوں شاندار خیالات سے بہرہ ور لیکن اعتدال یا صبر وتحمل احساس تناسب سے محروم محمد بن تغلق ایک انتہائی ناکامیاب شخص تھا''

سلطان محمد بن تغلق اعلیٰ کردار اور اوصاف کا مالک تھا اس کی علمیت مستحکم تھی۔ خیالات ونظریات نہایت اعلیٰ اور بلند درجہ کے تھے۔ وہ اپنی قابلیت اور غیر معمولی علمیت کی وجہ سے غیر معمولی شخص تھا اس کے منصوبے نہایت اعلیٰ درجہ کے تھے لیکن

Marfat.com

ایک طرف تو اس زمانے کے حالات دوسری طرف قدرتی حالات اس کے منصوبوں کے لئے ناسازگار رہے۔ جس کی وجہ سے وہ کامیاب نہ ہوسکا۔ ویسے ہر لحاظ سے محمد بن تغلق ایک نہایت قابل فرمانروا تھا۔

فیروز شاہ تغلق ۱۳۵۱ء تا ۱۳۸۸ء

ملک فیروز سلطان غیاث الدین تغلق کے بھائی ملک رجب لڑکا تھا۔ رجب علاؤالدین خلجی کے عہد میں ایک سپہ سالار تھا۔ ملک فیروز ایک راجپوت شہزادی نیلا کے بطن سے تھا جو دیپالپور کے راجہ رانامل کی لڑکی تھی۔ ملک فیروز ابھی آٹھ سال ہی کا تھا کہ اس کے باپ ملک رجب کا انتقال ہوگیا۔ ملک رجب کے انتقال کے بعد سلطان غیاث الدین نے ملک فیروز کی پرورش اور تربیت کی۔ محمد بن تغلق کی تخت نشینی کے وقت ملک فیروز کی عمر اٹھارہ سال تھی۔ محمد بن تغلق نے ملک فیروز کی تربیت کی طرف خاص توجہ کی اور اسے امیر حاجب کے عہدے پر فائز کیا۔ ملک فیروز نے اپنے فرائض بحسن وخوبی انجام دیئے۔ سلطان نے اس کے ماتحت بارہ ہزار سوار کر دیئے۔

محمد بن تغلق جب گجرات کی بغاوت کچلنے کے لئے روانہ ہوا تو اس نے دہلی میں تین آدمیوں کو اپنا نائب مقرر کیا۔ ان میں سے ایک ملک فیروز بھی تھا۔ سلطان محمد بن تغلق جس وقت طغی خان کا پیچھا کر رہا تھا تو اس نے ملک فیروز کو اپنے پاس بلا لیا۔ تغلق کے علاج اور تیمارداری میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ سلطان محمد بن تغلق کے کوئی اولاد نہ تھی چنانچہ اس نے مرنے سے پہلے ملک فیروز کو اپنا جانشین مقرر کیا۔

تخت نشینی

سلطان محمد بن تغلق کی وفات سے فوج نے نظم وضبط ختم کر کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بٹ کر دہلی کی طرف روانہ ہونا شروع ہوگئی۔ یہ دیکھ کر سندھ کے باغیوں نے فوج پر حملے کر کے لوٹ مار شروع کر دی۔ خود شاہی فوج کے نومسلم منگولوں نے جو کثیر تعداد میں شامل تھے۔ انہوں نے بھی فوج میں لوٹ مار شروع کر دی۔ تیسرا گروہ سندھ کے دہقان اور لٹیروں کا تھا انہوں نے بھی لوٹ مار میں ہاتھ رنگنے شروع کر دیئے۔ آخر کئی دن کے بعد یہ فوج لٹ لٹا کر دریائے سندھ کے کنارے پہنچی۔ چنانچہ انہوں نے ملک فیروز کو تخت نشینی کرنے کے لئے سمجھانا بجھانا شروع کر دیا۔ چونکہ ملک فیروز ملکی انتشار کی وجہ سے تخت نشین ہونا نا چاہتا تھا اور فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے جانا چاہتا تھا۔ بہرحال کسی نہ کسی طرح ملک فیروز کو سمجھا بجھا کر تخت نشین کر دیا فیروز تغلق نے عنان اقتدار سنبھالتے ہی باقی ماندہ فوج کو از سر نو منظم کیا۔ سندھی باغیوں اور لٹیروں نے مقابلے کے لئے فوج مقر کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سندھی ایک منظم فوج کے مقابلے سے کترانے لگے اور فوج کا پیچھا چھوڑ دیا۔ اور سرکش منگول بھی خوف زدہ ہو کر خراسان بھاگ گئے۔ اس کے بعد فیروز شاہ تغلق نہایت اطمینان سے دہلی کی طرف روانہ ہوا راستے میں جتنے بھی مقامات آئے سلطان یہاں قیام کرتا اور یہاں کے لوگوں کو انعام وکرام سے خوش کرتا۔ چنانچہ راستے میں سیتان، بھکر، دیپالپور وغیرہ میں قیام کیا۔

Marfat.com

طرزِ حکومت، کردار اور خصوصیات

سلطان فیروز شاہ نہایت نیک دل، خدا ترس، رحمدل اور رعایا پرور حکمراں تھا۔ وہ مذہب کے معاملہ میں بہت سخت اور مذہب کا بہت پابند تھا۔ اس نے ہمیشہ اپنے رعایا کی فلاح و بہبود کی کوشش کی اور بہت سے رفاحی کام کئے۔ اس کے پیش نظر ہمیشہ رعایا کے آرام وسکون اور خوشحالی کا خیال رہتا۔ لیکن سلطان نے رعایا کو جو مراعات دی، اس کے نتائج خراب نکلے۔ سلطان نے بوڑھے ملازمین کو اجازت دی ہوئی تھی کہ وہ اپنے گھر پر آرام کر سکتے ہیں، اور اپنی جگہ اپنے بیٹے، داماد یا غلام کو ملازمت پر مقرر کر سکتے ہیں۔ ایسی صورت میں فوج اور دفتروں میں نا اہل لوگ بھی کثیر تعداد میں شامل ہو گئے۔ اور غیر موزوں لوگ وراثت کے اس غلط طریقے سے شاہی ملازمت میں داخل ہو گئے۔ جو سستی، لاپرواہی اور کاہلی کا شکار تھے۔ اسی وجہ سے سلطان کو فوجی محاذ میں نقصان اور ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اس کے علاوہ فیروز شاہ نے جاگیرداری نظام رائج کر کے امراء کے اقتدار کو پھر سے عروج پر پہنچایا۔ جنہوں نے فیروز شاہ کے آخری عمر میں اپنے اقتدار سے خوب کھل کر ناجائز فائدہ اٹھایا۔ اسی طرح سلطان کے آخر وقت میں غلاموں کے اقتدار نے بھی سلطنت کو ضعف پہنچایا۔ نیز رعایا نے بھی ملکی معاملات میں بے جا طور پر فیروز شاہ کے آخری وقت سے مداخلت کرنا شروع کر دی۔

فیروز ذاتی کردار کے لحاظ سے نیک، پاکیزہ اور صاف اور عمدہ اخلاق کا ماہر تھا۔ رفاہ عامہ کی طرف جس قدر فیروز شاہ نے توجہ کی کسی اور سلطان نے اس سے پہلے نہ کی تھی۔ فیروز شاہ نے صرف دہلی میں چالیس مدرسے قائم کئے۔ ان میں سب سے بڑا مدرسہ فیروز شاہی تھا۔ جس کے آثار دہلی حوض علائی کے کنارے تا حال موجود ہیں۔ مدرسہ فیروز شاہی میں اس زمانے کے تمام مروجہ علوم کی تعلیم دی جاتی تھی۔ مدرسے کے ساتھ ہی طالب علموں کے قیام کا بھی انتظام تھا۔ جون پور کے مشہور علمی مرکز کی بنیاد بھی فیروز شاہ نے ہی رکھی تھی۔ عمارتیں، باغات، غربا کی امداد اور شفا خانے، آبپاشی کے لئے نہریں اور کنوؤں کا خاطر خواہ انتظام کیا۔

فیروز شاہ کے طویل عہد کا بیشتر حصہ امن وامان اور خوشحالی سے گزرا۔ اس کے عہد میں رعایا خوشحال تھی، دولت کی فراوانی تھی اور اشیاء نہایت ارزاں تھیں۔ جس کی وجہ سے غریب سے غریب آدمی بھی آسانی سے ضروریات زندگی حاصل کر لیتا تھا۔ سلطان فیروز کے عہد کو مدت تک عوام خوش حال اور امن وامان کی وجہ سے یاد کرتے رہے۔ اور اس کے زمانے کی سستائی یادگار سمجھی جاتی تھی۔

تغلق ثانی ۱۳۸۶ء سے ۱۴۱۲ء

۱۳۸۸ء میں سلطان فیروز کی وفات کے بعد اس کا پوتا تغلق بن فتح خاں، غیاث الدین تغلق ثانی کے لقب سے تخت نشین ہوا۔ تغلق ثانی سلطنت کے لئے قطعی نا اہل نوجوان تھا۔ چنانچہ تخت نشین ہوتے ہی عیش وعشرت میں پڑ گیا۔ اور اپنے چچازاد بھائی ابوبکر بن ظفر خاں کو قید کرا دیا۔ اس پر چند امراء نے اس کے خلاف بغاوت کر کے تخت سے اتار دیا اور قتل کر دیا۔

Marfat.com

ابوبکر تغلق

تغلق ثانی کے بعد ۱۳۸۹ء میں اس کا چچازاد بھائی ابوبکر بن ظفر خاں کو تخت نشین کیا گیا۔ اسی دوران اس کا چچا محمد بن فیروز جو کہ فیروز شاہ تغلق کا لڑکا تھا اور فیروز شاہ کے آخری ایام میں امراء سے جان بچا کر سرمور کی پہاڑیوں میں روپوش ہو گیا تھا۔ سرمور کی پہاڑیوں سے نکل کر تاج و تخت حاصل کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ اور سرمانہ پہنچ کر چند امراء کی مدد سے فوج جمع کر کے دہلی پہنچ کر حملہ شروع کر دیا۔ مگر ابوبکر نے میوات کے مشہور امیر بہادر ناہر کی مدد سے شہزادہ محمد کو شکست دی۔ اگر چہ ابوبکر نے شہزادہ محمد نے شکست دے دی تھی۔ لیکن اسکی حیثیت دہلی میں مخدوش تھی۔ کیونکہ بہت سے امراء اور جاگیردار شہزادہ محمد سے ہمنوا تھے چنانچہ ابوبکر اپنے حامی میوات کے سردار بہادر ناہر کے پاس میوات چلا گیا، شہزادہ محمد، ابوبکر کی غیر موجودگی سے فائدہ اٹھا کر دہلی میں اپنے ہمنوا امراء کی مدد سے دہلی پہنچا اور سلطان ناصر الدین محمد شاہ کے لقب سے تخت نشین ہو گیا۔

ناصرالدین محمد شاہ

ناصر الدین محمد شاہ نے تخت نشین ہوتے ہی ابوبکر کے خلاف فوج کشی کر کے ابوبکر کو گرفتار کیا اور قید میں ڈال دیا۔ اور ابوبکر کے حامی میوات کے سردار بہادر ناہر کو معاف کر دیا۔ فیروز شاہ تغلق کے غلاموں نے جو کہ سلطنت میں بہت فتنہ پردازی، سازشیں اور بغاوتیں پھیلائی ہوئی تھیں لہذا اس نے بہت سے غلاموں کو موت کے گھاٹ اتروا دیا۔ اسی اثناء دوآب کے ذمہ داروں نے علم بغاوت بلند کیا۔ ناصر الدین محمد شاہ نے ان کے خلاف فوج کشی کر کے ان کی سرکوبی کی۔ اس کے علاوہ میوات کے سردار بہادر ناصر نے بھی دہلی پر حملے کرنا شروع کر دیئے۔ محمد شاہ نے اس کی بھی گوشمالی کی عین ممکن تھا کہ محمد شاہ حالات پر قابو پالیتا لیکن ۱۳۹۴ء میں اس کا انتقال ہوا۔ محمد شاہ کے انتقال کے بھی اس کا لڑکا ہمایوں تخت نشین ہوا لیکن چند ماہ بعد ہی اس نے بھی وفات پائی۔ اس کے بعد امراء نے محمد شاہ کے دوسرے لڑکے محمود کو ناصر الدین محمود تغلق کے لقب سے تخت نشین کیا اس کے عہد حکومت دوآبہ کے حالات پہلے ہی سے بگڑے ہوئے تھے۔ چنانچہ اس نے ملک سردار خواجہ جہاں کو ملک الشرق کا خطاب دے کر دوآبہ حالات درست کرنے کے لئے دوآب اور مشرقی ضلعوں کا گورنر مقرر کیا۔ مگر خواجہ جہاں نے جون پور کو اپنا صدر مقام بنا کر ارد گرد کے علاقے پر اپنا قبضہ کر لیا اور علیحدہ اپنی مشرقی سلطنت کی بنیاد ڈال لی۔ اس دوران مالوہ، خاندیش اور گجرات بھی سلطنت دہلی کے ہاتھ سے نکل گئے۔ ادھر امراء نے اپنی اقتدار اور جاپرستی کی خاطر فیروز شاہ کے ایک اور پوتے نصرت خاں کو فیروز آباد میں تخت نشین کر دیا۔ اسی طرح سلطنت دہلی کے دو بادشاہ ہو گئے۔ دہلی میں محمود تغلق اور فیروز آباد کوٹلہ میں نصرت خاں ان دونوں فوجوں میں اکثر جھڑپیں ہوتی رہتی تھیں مگر یہ دونوں بادشاہ برائے نام تھے۔ اور اصل اختیار پر امراء قابض تھے۔ جن میں بہادر ناہر، ملو اقبال، مقرب خاں ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ ملو اقبال اور نصرت خاں نے جس کی حمایت کی لیکن پھر اس کی مخالفت پر آمادہ ہو گئے۔ لیکن اسی دوران ملو اقبال اور مقرب میں لڑائی ہو گئی جس میں مقرب خاں مارا گیا۔ جس کے بعد سلطان محمود کو ملو اقبال نے اپنے قبضے میں کر لیا۔ اسی اثناء جب کے امراء اور دونوں بادشاہ کے درمیان اقتدار کے لئے رسہ کشی ہو رہی

Marfat.com

تھی۔ ۱۳۹۸ء تیمور حملہ آور ہوا۔ تیمور کے حملے کی خبر پا کر ناصر الدین محمود میدان جنگ سے بھاگ گیا۔ تیمور کی واپسی کے بعد ۱۴۰۱ء میں نصرت خاں نے دہلی پر اپنا اقتدار قائم کرنا چاہا لیکن ملو اقبال نے اسے مار بھگایا۔ اس کے بعد سلطان ناصر الدین محمود بھی دہلی واپس آیا۔ لیکن ملو اقبال ناصر الدین محمود کا وظیفہ مقرر کر کے تمام اختیارات اور اقتدار پر قابض رہا۔ جس کی وجہ سے سلطان سے اس سے ناراض ہو کر جونپور پہنچا۔ اور ابراہیم شاہ شرقی (ملک خواجہ جہاں) سے امداد کا طالب ہوا۔ لیکن ناکامی ہوئی ۱۴۰۵ء ملو اقبال نے ملتان پر فوج کشی کی۔ لیکن تیمور کے مقرر کردہ گورنر خضر خاں کے ہاتھوں شکست کھا کر مارا گیا۔ ۱۴۱۲ء اٹھا رہ سال افراتفری کی برائے نام حکومت کرنے کے بعد سلطان محمود کا انتقال ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی خاندان تغلق کا خاتمہ ہو گیا۔

خاندان تغلق کا کردار خصوصیات

تغلق خاندان نے ۱۳۲۰ء سے ۱۴۱۲ء تک سلطنت دہلی پر حکومت کی اس خاندان کے کل آٹھ بادشاہ ہوئے۔ خاندان تغلق کے زوال کے اسباب مندرجہ ذیل ہیں۔

تغلق خاندان کی حکومت کی بنیاد غیاث الدین تغلق جیسے مدبر دور اندیش اور بہادر جرنیل نے ۱۳۲۰ء میں ڈالی تھی۔ اس نے سلطنت کے نظم و نسق سنبھالنے اور سلطنت و مستحکم کرنے کے لئے تدبر اور اعتدال پسندی سے کام لیا تھا جس کی وجہ سے وہ مختصر سے عرصہ میں سلطنت کو وسیع، مستحکم اور دولت مند بنانے میں کامیاب ہو گیا۔ لیکن اس کی عمر نے وفا نہ کی اور ۱۳۲۵ء میں مختصر عرصے حکومت کرنے کے بعد ایک حادثے کی نذر ہو کر جان بحق ہو گیا۔ غیاث الدین تغلق کے بعد اس کا جدت پسند عالم فاضل بیٹا محمد بن تغلق تخت نشین ہوا۔ اس نے اپنی فطرت اور جدت پسندی کی وجہ سے ایسے دشوار گزار راستوں اور منصوبوں کو اختیار کیا کہ وہ اپنے منصوبوں کی ناکامی کی وجہ پریشانیوں، مصیبتوں اور بغاوتوں میں ایسا پھنسا کہ جیتے جی نہ نکل سکا۔ اس نے امراء اور صوفیائے کرام وعلماء جیسے با اقتدار طبقہ کو بھی اپنا دشمن بنا لیا۔ جس کی وجہ سے بغاوتوں پر بغاوتیں شروع ہوئیں۔ جس کی وجہ سے اس کی سلطنت سمٹ کر آدھی رہ گئی اور اسے مرتے دم تک بغاوتوں سے چھٹکارا نہ مل سکا۔ مجموعی حیثیت سے اس کا دور ناکامیاب رہا۔ محمد بن تغلق کے بعد سلطان فیروز شاہ تخت سلطنت پر آیا۔ اس نے ملکی پالیسی کو ایک دم بدل دیا۔ اور اپنی فطری رحمدلی کی وجہ سے امراء اور رعایا سے نہایت نرمی کا برتاؤ کیا۔ اور اپنی نرم اور دوستانہ پالیسی سے صوفیاء اور امراء کو بنائے رکھا۔ اور ملکی حالات پر قابو پایا، اور محمد بن تغلق کے خالی کیئے ہوئے خزانہ کو دوبارہ پر کیا۔ فیروز تغلق نے علاؤ الدین خلجی اور محمد بن تغلق کے ختم کئے ہوئے نظام جاگیرداری کو از سرنو جاری کیا۔ اس نے امراء کو زمینیں جاگیریں دیں، فوجی حکام اور فوجیوں کو بھی آراضیاں اور قطعات دیئے، نیز معمولی درجہ کے خود غرض ملا اور پیروں کو بھی آراضیات اور جاگیریں فیروز تغلق کی پالیسی سے ان لوگوں نے ناجائز فائدہ اٹھایا اور دولت واقتدار حاصل کرنے کے بعد ذاتی اغراض کی بناء پر ملکی معاملات میں مداخلت کرنے لگے۔ فیروز شاہ کے انتقال کے بعد امراء نے اپنے اقتدار سے بہت ناجائز فائدہ اٹھایا اور ملکی اختیارات پر خود حاوی ہو گئے۔ سلطان ابو بکر، سلطان ناصر الدین اگرچہ بادشاہ تھے لیکن ان کے تمام اختیارات پر امراء قابض تھے اور وہ برائے نام بادشاہ تھے اور امراء کے زیر

Marfat.com

اقتدار تھے۔اس طرح فیروز شاہ کی نرمی پالیسی اور نظام جاگیرداری خاندان تغلق کے خاتمہ میں مددگار ثابت ہوئی۔اس کے علاوہ سلطان فیروز شاہ نے غلاموں کا طریقہ رائج کیا اور غلاموں اس قدر تعداد کو اپنے پاس جمع کر لیا کہ ان پر قابو پانا مشکل ہو گیا۔ چنانچہ غلاموں میں اقتدار حاصل کر کے ملکی معاملات میں مداخلات شروع کر دی، خود فیروز شاہ کے عہد میں یہ غلام امراء کا آلۂ کار بننے لگے اور ملکی معاملات میں مداخلت کرنے لگے۔اور سلطان کے بعد ہی ان غلاموں لئے افراتفری پھیلانا شروع کر دی اور مختلف سازشوں اور بغاوتوں میں حصہ لیا۔جس سے تغلق کو بہت نقصان پہنچا۔امراء اور غلاموں کے اقتدار کی بناء پر فیروز شاہ کے آخری ایام میں ہی سلطنت میں زوال کے آثار پیدا ہو گئے تھے۔سلطان فیروز تغلق کے بعد خاندان تغلق میں کوئی ایسا فرمانروا نہ گزرا جو سلطنت دہلی سنبھالتا اور ملکی نظم و نسق قائم کر کے خوش اسلوبی سے حکومت کرتا۔اس کے علاوہ امراء نے فیروز شاہ کے بعد بادشاہوں کو سلطنت سنبھالنے کا موقع ہی نہ دیا بلکہ ان کے اختیارات پر خود قابض رہے اور ان کو اپنے قبضہ اختیار میں رکھا۔اس کے علاوہ اس زمانے میں مرکز اور صوبے کا واجبی سا تعلق ہوتا تھا صوبوں کے گورنروں کا علیحدہ فوج اور خزانہ ہوتا تھا جس کی وجہ سے یہ گورنر بڑی حد تک آزاد ہوا کرتے تھے اور یہ گورنر طاقت حاصل کر کے مرکز سے بغاوت کرتے رہتے، لیکن طاقتور بادشاہ بڑی حد تک انہیں سنبھالتے رہتے اور ان کی سرکوبی کرتے رہتے تھے۔لیکن کمزور بادشاہ خود بااختیار نہ ہوتے تھے چنانچہ وہ ان کو کس طرح سنبھالتے۔یہی حال خاندان تغلق کے آخری فرمانرواؤں کا ہوا۔ان کے اختیارات پر امراء قابض رہے۔اور سلطنت دہلی صرف دہلی کے قرب و جوار میں محدود ہو کر رہ گئی۔برصغیر کی آبادی کا بیشتر حصہ ہندوؤں پر مشتمل تھا۔اگر چہ تمام مسلمان فرمانرواؤں نے ہندوؤں سے رواداری کا سلوک کیا۔ لیکن اس کے باوجود ہندو موقع پاتے ہی مخالفت پر آمادہ ہو جاتے کیونکہ مسلمان نے ہندوستان میں ہندو حکومت ختم کر کے ان کی سلطنت پر قبضہ کیا تھا۔چنانچہ اکثر طاقتور فرمانرواؤں کے عہد میں بھی ہندو طاقت حاصل کر کے بغاوت سے باز نہ رہے۔اس زمانے میں بادشاہ مطلق العنان ہوتا ہے اور خاص طور سے مطلق العنانیت کے لئے طاقتور فوج کی ضرورت زیادہ ہوتی ہے۔جس سے صوبوں کے گورنر، امراء نیز دوسرے ممالک حملہ کر کے تاج و تخت حاصل کرنے میں پس و پیش کرتے ہیں۔لیکن فیروز شاہ نے فوج مین زمین اور جاگیریں تقسیم کر کے ان کی عسکری قوت ختم کر کے انہیں کاہل اور لاپرواہ اور آرام طلب بنا دیا جس سے اس کی فوجی اسپرٹ ختم ہو گئی اور اس طرح فوج اور بادشاہ کا کوئی رعب و اثر نہ رہا۔اس کے علاوہ اس زمانے میں سلطنت کا کوئی مستقل سیاسی دستور نہ ہوتا تھا۔ تمام اختیارات کا مختار بادشاہ ہوتا تھا۔ اگر بادشاہ قابل اور مدبر ہوتا تو نظم و نسق پر قابو رکھتا اور نظام حکومت اچھی طرح چلتا رہتا۔لیکن کمزور نااہل حکمراں حالات پر قابو نہ پا سکتے تھے۔اس کے علاوہ جب مسلمان برصغیر میں داخل ہوئے تو جفاکش اور محنتی تھے لیکن رفتہ رفتہ وہ عیش و آرام کی طرف مائل ہوتے گئے، فیروز شاہ پالیسی نے ان کو اور بھی آرام طلب اور کاہل بنا دیا۔لہذا یہ امر مسلمہ ہے کہ کاہل اور آرام طلب حکمراں اور قوم آسانی سے حکومت برقرار نہیں رکھ سکتی۔ منگول ایک عرصہ سے برصغیر پر حملے کر رہے تھے۔یہ چنگیز خان منگول کی تنظیم کی ہوئی قوم تھی۔ چنانچہ چنگیز خاں کی اولاد متواتر منگولوں کو لے کر حملہ آور ہوتی رہی۔ طاقتور بادشاہوں نے چنگیزی خاندان کے حملوں کا بندوبست کئے رکھا۔لیکن جب حکومت کمزور ہوئی تو تیمور جو کہ چنگیز خان کی اولاد میں سے تھا۔اس نے

Marfat.com

۱۳۹۸ء میں بے دھڑک سلطنت دہلی پر حملہ کر کے خاندان تغلق کی رہی سہی قوت ضرب لگائی۔ جس کے بعد اس خاندان کو ابھرنا نصیب نہ ہوا۔

امیر تیمور

امیر تیمور جو عام طور سے تیمور لنگ کے نام سے مشہور ہے۔ چنگیز خاں کی نسل سے تھا اس کا باپ امیر ترغی ماورالنہر کے علاقے کا ایک قبائلی سردار تھا۔ تیمور ۱۳۳۶ء میں سمرقند سے ۵۰ میل جنوب میں کیش کے مقام پر پیدا ہوا۔ ۳۴ سال کی عمر میں وہ چغتائی قبیلے کا سردار بنا۔ اس کے بعد ہی اس نے جنگوں اور فتوحات کا سلسلہ شروع کیا۔ سب سے پہلے اس نے ایران کا رخ کیا۔ ایران اس زمانے خانہ جنگیوں میں مبتلا تھا۔ تیمور نے ان حالات سے فائدہ اٹھا کر شاہ مظفر کو ختم کر کے ایران پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد اس نے عثمانی ترکوں پر فوج کشی کر کے انہیں شکست دی۔ پھر اس کے بعد خوزستان میسو پوٹامیہ ایشیاء کوچک اور روسی ترکستان کے علاقوں کو فتح کرتا اور لوٹ مار کرتا ہوا افغانستان پہنچا یہاں پہنچ کر اس نے برصغیر کی فتح کا ارادہ کیا۔

تیمور حملے کے اسباب

برصغیر اپنی دولت اور خوشحالی کی وجہ سے ابتدائے تاریخ سے بہت شہرت رکھتا ہے۔ چنانچہ ہندوستان کی بے اندازہ مال و دولت کے قصوں نے تیمور کو ہندوستان پر حملہ کرنے کے لئے اکسایا ان دنوں ہندوستان میں بیرونی حملہ آوروں کے لئے حالات نہایت سازگار تھے۔ سلطنت دہلی پر خاندان تغلق کی حکومت دم توڑ رہی تھی ملک میں طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا۔ اور ایک ساتھ دو بادشاہ ناصر الدین محمود اور نصرت خاں کے نیز امراء کے درمیان رسہ کشی جاری تھی۔ یہ حالات تیمور کے لئے نہایت سازگار تھے ان حالات نے تیمور کو ہندوستان پر حملے کی ترغیب دی۔ تیمور کے برصغیر کے حملے کی تہہ میں مذہبی احساسات کو بھی دخل تھا اور وہ برصغیر میں اسلام کی اشاعت کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے امراء علماء اور ساتھیوں کے سامنے تقریر کی اور کہا "میرا ہندوستان پر حملہ کرنے کا اصل مقصد یہ ہے کہ وہاں کے غیر مسلموں کو مشرف با اسلام کیا جائے۔ اور ملک ہندوستان کو کفر و شرک سے پاک کیا جائے۔ میری آرزو ہے کہ سب خدا کی راہ میں یہ نیک کام کر کے غازی اور مجاہد بنیں" چنانچہ تیمور کی اس تقریر کے بعد اس کے ساتھیوں نیز امراء اور علماء نے اس کی تائید کی۔

تیموری حملہ

امیر تیمور نے ۱۳۹۸ء میں اپنے پوتے پیر محمد کی سرکردگی میں جو کہ کابل کا گورنر تھا۔ ہراول فوج روانہ کی تا کہ وہ باقی ماندہ فوج کی آمد کیلئے راستہ بھی صاف کرتا جائے۔ پیر محمد دریائے سندھ عبور کر کے روانگی سے چھ ماہ بعد اُچھ اور ملتان پر قبضہ کر لیا۔ تیمور نے بھی ستمبر ۱۳۹۸ء میں ۹۲ ہزار فوج کے ساتھ اٹک کے پاس دریائے سندھ کو عبور کر کے پنجاب کے گورنر مبارک خاں کو شکست دی۔ اور دریائے چناب کے اس پر پیر محمد کی فوج سے جاملا۔ اس کے بعد تیموری فوج نے چناب کو عبور کر کے تالمبا کے شہر پر حملہ کر کے اس شہر کو فتح کیا۔ اس کے بعد تیمور نے بھٹیر کے مضبوط قلعے پر حملہ کیا جہاں راجپوت راجہ نے دولچند نے تیمور سے

Marfat.com

مقابلہ کرنے کے بعد ہتھیار ڈال دیئے۔ اس کے بعد تیمور سرسوتی اور کیتھل فتح کرتا ہوا دسمبر ۱۳۹۸ء میں دہلی سے چند میل دور جہاں نما کے محل میں قیام پذیر ہوا۔ اس عرصے میں تیمور ایک لاکھ ہندوؤں کو گرفتار کر چکا تھا۔ چنانچہ اس نے دہلی پر حملہ کرنے سے پہلے ان سب ہندوؤں کو قتل کروا دیا تا کہ وہ حملے کے وقت بغاوت نہ کریں۔ یا سلطنت دہلی کی مدد نہ کریں۔ اس کے بعد تیمور نے اپنی فوج کو مقابلے کے لئے تیار کیا۔ ادھر سلطان ناصر الدین اور ملو اقبال پچاس ہزار کی تعداد میں فوج لے کر مقابلے کو نکلے سلطنت دہلی کی اس فوج میں دس ہزار سوار چالیس ہزار پیادے اور ۱۲۵ جنگی ہاتھی تھے۔ چنانچہ تیمور کی اور سلطنت دہلی کی فوج میں مقابلہ شروع ہو گیا۔ بدقسمتی یہ تھی کہ سلطنت دہلی کی فوج میں کوئی تجربہ کار اور بڑا جرنیل نہ تھا۔ تاہم سلطنت دہلی کی فوج نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ لیکن جلد ہی سلطان اور ملو اقبال کے پاؤں اکھڑ گئے اور دونوں نے میدان جنگ سے فرار اختیار کی۔ اس فتح کے بعد تیمور فاتحانہ شان سے دہلی میں داخل ہوا اور شہریوں نے اس کی خدمت میں تحائف پیش کئے جنہیں تیمور نے قبول کر لیا۔ دوسرے دن تیمور نے دربار منعقد کیا۔ دہلی کے بے شمار علماء اور امراء تیمور کے دربار میں حاضر ہو کر تحائف پیش کئے۔ تیمور نے واضح طور سے فوج کو لوٹ مار کرنے سے منع کر دیا۔ لیکن جب سپاہی رسد کی فراہمی کیلئے شہر میں گئے تو انہوں نے بعض شہریوں پر سختی کی جس کیوجہ سے شہریوں نے مدافعت کی چنانچہ سپاہیوں نے برہم ہو کر دہلی میں لوٹ مار شروع کر دی۔ اس قدر وسیع پیمانے پر لوٹ مار کا بازار گرم کیا کہ متواتر پانچ دن تک قتل و غارت کا سلسلہ جاری رہا۔ بے شمار لوگ تہ تیغ ہو گئے بے شمار عمارتیں اور مکانات جلا کر خاکستر کر دیئے گئے اور بے شمار افراد کو باندی اور غلام بنا لیا گیا۔ امیر تیمور دہلی میں دس روز قیام کرنے کے بعد وطن واپس لوٹا۔ واپس ہوتے ہوئے تیمور دہلی سے میرٹھ پہنچا، یہاں الیاس افغان اور مولانا احمد نے ڈٹ کر تیمور کا مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی۔ تیمور نے یہاں بھی تباہی قتل و غارت پھیلائی۔ اور بے شمار دولت جمع کر کے ہندوؤں کے مقدس مقام ہری دوار پہنچا اور معمولی سے مقابلے کے بعد فتح حاصل کی۔ یہاں پر بھی تیمور نے قتل و غارت اور لوٹ مار میں کوئی کسر نہ چھوڑی اور بے شمار دولت ساتھ لے کر سرمور کی دشوار گزار پہاڑیوں سے ہوتا ہوا جموں پہنچا وہاں کے راجہ کو شکست دے کر مشرف با اسلام کیا۔ اس کے بعد ۱۳۹۹ء میں لاہور، دیپالپور اور ملتان کے علاقے پر سید خضر خاں کو گورنر مقرر کر کے تیمور سمرقند واپس لوٹ گیا۔

تیموری کے حملے کے اثرات

تیمور جس قدر تیزی سے برصغیر پر حملہ آور ہوا تھا اسی قدر تیزی سے واپس لوٹ گیا۔ اس کا حملہ بڑا خوفناک اور آندھی طوفان کی طرح تھا۔ اس کے ایک سال کی مختصر مدت میں اس قدر طویل سفر طے کیا جو کئی سال تک طے نہ ہو سکتا تھا۔ تیمور پختہ عزم و ارادے کا مالک اور بڑا جری اور بہادری واقع ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ تیمور نہایت سفاک اور ظالم تھا۔ لوگ اس کے حملے سے اس قدر دہشت زدہ تھے کہ وہ جس طرف رخ کرتا تھا شہر خالی ہو جاتے اور لوگ اپنے مکانوں سے بھاگ کر جنگلوں میں جا چھپتے۔ تیمور سے دہشت کا یہ عالم تھا کہ عرصہ دراز تک لوگ اس کا نام سن کر تھرتھرا جاتے۔ تیمور کی سفا کی کا یہ عالم تھا کہ وہ جس

Marfat.com

شہر میں داخل ہوتا وہ شہر تیمور کے خوف سے ہی ویران ہو چکا ہوتا۔ اس کی فوجیں شہروں میں اس بے دردی وسفا کی سے لوٹ مار مچاتیں کہ وہاں زندگی کے آثار باقی نہ رہتے اس کی فوجیں فصلیں برباد کر دیتیں جس سے قحط و بربادی پھیل جاتی۔ برصغیر پر تیمور کے حملے کا اس کے علاوہ اور کچھ مقصد نہ تھا کہ وہ یہاں کی مال و دولت سمیٹ کر لے جائے اس نے دہلی اور متعدد دیگر شہروں سے بے شمار دولت اور ہیرے جواہرات جمع کئے اور اپنے وطن لے گیا۔ اس نے دہلی جیسے شہر کی تمام رونق کو ختم کر دی، عالیشان محل اور عمارتوں کو کھنڈروں میں تبدیل کر دیا۔

تیمور کے حملے کی وجہ سے خاندان تغلق کا رہا سہا بھی وقار جاتا رہا اور تغلق خاندان کے خاتمہ میں تیمور کے حملے سے بہت مدد ملی۔ لاکھوں افراد بے گھر ہو گئے بے شمار افراد کو غلام بنا کر تیمور اپنے ساتھ لے گیا۔ جن علاقوں سے تیمور کا گزر ہوا ان علاقوں میں ایسی تباہی اور بربادی پھیلائی کہ کئی سال تک یہ علاقے بے آباد ہو گیا رہے۔ آتش زدگی کہ وجہ سے زمینیں کئی سال تک زراعت کے قابل نہ ہو سکیں۔ وسط ایشیاء سے اس برصغیر کے تجارتی اور ثقافتی تعلقات دوبارہ بحال ہو گئے۔ جو کہ ایک عرصے سے منقطع ہو چکے تھے۔ امیر تیمور نے واپس جاتے وقت، لاہور، دیپالپور اور ملتان کے علاقے پر سید خضر خاں کو گورنر مقرر کیا تھا۔ چنانچہ اس کے حملے کی وجہ سے پنجاب پر سید خضر کا اقتدار قائم ہوا اور یہ اقتدار بڑھتے بڑھتے دہلی تک پھیل گیا۔ اور سلطنت دہلی پر سید خاندان کے نام سے ایک نئے خاندان کی حکومت قائم ہوئی۔

سید خاندان

سلطان ناصر الدین محمود تغلق کی وفات کے بعد ۱۴۱۲ء میں دہلی کے امراء نے حکومت کی باگ دوڑ دولت خاں کے سپرد کر دی۔ دولت خاں امرائے دہلی میں امتیازی حیثیت کا مالک تھا۔ چنانچہ دولت خاں ایک فوجی رہنما کی حیثیت سے برسر اقتدار آیا۔ دولت خاں نے اقتدار سنبھالنے کے بعد کھیڑ کے راجپوت سرداروں پر حملہ کر کے انہیں اپنا اطاعت گزار بنایا۔ دولت خاں نے عنان حکومت سنبھالنے کے بعد شاہانہ امتیازات اختیار نہ کیا۔ ایک فوجی رہنما کی حیثیت سے حکومت کرتا رہا۔ ان دنوں پنجاب اور ملتان پر خضر خاں امیر تیمور کے نائب کی حیثیت سے حکومت کرتا تھا۔ ان دنوں سلطنت دہلی میں پایۂ تخت دہلی کے علاوہ صرف رہتک، سنبھل اور دوآبہ کا کچھ علاقہ شامل تھا۔ باقی صوبے سلطنت دہلی سے آزاد اور خود مختار ہو چکے تھے۔ ابھی دولت خاں دو سال بھی حکومت کرنے نہ پایا تھا کہ امیر تیمور کے پنجاب اور ملتان کے گورنر سید خضر خاں نے دہلی پر فوج کشی کی اور چار ماہ کے طویل محاصرے کے بعد ۱۴۱۴ء دہلی کو فتح کر کے سید خاندان کی حکومت کی بنیاد ڈالی۔

سید خضر خاں ۱۴۱۴ء تا ۱۴۲۱ء

سید خضر خاں فیروز شاہ کے آخری عہد میں ملتان کا گورنر مقرر ہوا تھا۔ فیروز شاہ کے بعد ۱۳۹۸ء میں ملو اقبال کے بھائی سارنگ خاں نے سید خضر خاں پر فوج کشی کر کے اسے شکست دی اور قید کر لیا۔ لیکن خضر خاں کسی نہ کسی طرح قید سے فرار ہو گیا اور تیمور کے پاس پہنچ کر اس کے ساتھ مہمات میں شریک رہا۔ اور اپنی وفاداری اور کارگزاریوں کے سبب تیمور کو بہت جلد

Marfat.com

اپنے اعتماد میں لے لیا۔ خضر خاں کی اسی وفاداری اور اعتماد کے سبب تیمور نے برصغیر سے واپس ہوتے وقت سید خضر خاں کو پنجاب کا گورنر مقرر کر دیا۔ خضر خاں نے بھی اپنی وفاداری برقرار رکھی اور ۱۴۱۴ء میں تخت دہلی پر قبضہ کرنے کے بعد بھی وہ اپنے آپ کو برصغیر میں تیمور کا نائب ہی سمجھتا رہا اور سلطانی حیثیت اختیار نہ کی۔ بلکہ تیمور کے نام خطبہ اور سکہ جاری کیا۔ اور تیمور کو تحائف اور خراج روانہ کرتا رہا۔ تیمور کی وفات کے بعد بھی اس نے اپنی وفاداری قائم رکھی اور تیمور کے جانشین شاہ رخ کے نام خطبہ اور سکہ جاری رکھا۔

خضر خاں نے جن حالات میں سلطنت دہلی پر قبضہ کیا۔ اس وقت سلطنت دہلی نہایت مشکلات سے گزر رہی تھی۔ ہر صوبہ اپنی خود مختاری کے لئے کوشاں تھا۔ جونپور، مالوہ، خاندیش، گجرات، سندھ، بنگال اور بہار وغیرہ تو پہلے ہی خود مختاری کا اعلان کر چکے تھے۔ اور آس پاس کی ہندو ریاستوں سے برسرپیکار رہتے تھے۔ ہریانہ کے میواتیوں اور پنجاب کے کھوکھر قبائل نے بھی اس انتشار سے فائدہ اٹھا کر لوٹ مار شروع کی ہوئی تھی۔ غرض جس وقت خضر خاں نے پایہ تخت دہلی پر قبضہ کیا۔ ملک میں ہر طرف شورشیں اور بغاوتیں سر اٹھائے ہوئے تھیں۔ اس کے علاوہ نئی بغاوتیں بھی اٹھ کھڑی ہوئیں۔ اگرچہ خضر خاں نے وقتی طور سے ان بغاوتوں کو دبا دیا لیکن ملک میں مکمل طور سے امن وامان قائم نہ ہو سکا۔ خضر خاں نے عنان حکومت سنبھالنے کے بعد دہلی کے اطراف واکناف اور دوآبہ کے علاقہ میں امن وامان قائم کیا۔ امراء کو خوش کرنے کے لئے بڑی بڑی جاگیریں دیں۔ ملک الشرق کو تاج الملک خطاب دے کر اپنا وزیر مقرر کیا۔ اور اسے دوآب اور راجپوتانہ کی بغاوتوں کو کچلنے کے لئے روانہ کیا۔ وزیر تاج الملک نے خضر خاں کی حسب منشا کیھڑ پر فوج کشی کر کے وہاں کے راجہ ہرنا سنگھ کو اطاعت گزار بنایا۔ اس کے بعد گھور (فرخ آباد) کمپیلہ، گوالیار اور چندوار کو خضر خاں کو مطلع کیا۔ جب میواتیوں نے جو پہلے ہی سرکش ہو رہے علم بغاوت بلند کیا۔ تو خضر خاں نے بذات خود ان پر فوج کشی کر کے ان کے علاقہ کو تخت وتاراج کیا۔ اس کے بعد اٹاوہ کے راجاؤں کی بھی گوشمالی کی۔ بہرحال خضر خاں کا عہد حکومت بغاوتوں کی آماجگاہ بنا رہا۔ مگر وہ اپنے تقریباً سات سالہ عہد میں ان بغاوتوں کو مکمل طور پر نہ کچل سکا۔ ۱۴۲۱ء میں خضر خاں کے وزیر تاج الملک کا انتقال ہو گیا اور کچھ عرصہ بعد اسی سال خضر خاں نے بھی وفات پائی۔ اس نے وفات پانے سے کچھ دن بیشتر اپنے بیٹے مبارک کو جانشین مقرر کر دیا۔

خصوصیات

خضر خاں ایک اعلیٰ فرمانروا تھا وہ نیک دل، رحمدل اور باہمت اور مضبوط ارادہ کا مالک تھا۔ اس کی حکومت قائم ہونے سے سب سے بڑا کام یہ ہوا کہ تیمور کے حملے کی وجہ سے جو لوگ بے سروساماں اور بے گھر ہو گئے تھے اس کے عہد میں آباد ہو گئے تھے اور اپنی حالات درست کئے۔ خضر خاں نے ایسے وقت عنان حکومت سنبھالی جب کہ ہر طرف انتشار، بے چینی اور بغاوتوں کا دور دورہ تھا اور ان حالات نے اسقدر خراب اور وسیع صورتحال اختیار کر لی تھی کہ خضر خاں کا ان پر قابو کرنا بے حد مشکل ہو گیا تھا۔ ممکن تھا کہ اگر وہ بہتر حالات میں برسر اقتدار آتا تو ایک کامیاب فرمانروا ہوتا لیکن ایک تو وہ نہایت ابتر حالات میں فرمانروا ہوا نیز

Marfat.com

زندگی نے کاروبار حکومت سنبھالنے کی اسے زیادہ مہلت نہ دی۔

سید مبارک شاہ

سلطان خضر خاں کی وفات کے بعد ۱۴۲۱ء میں اس کا بیٹا سید مبارک شاہ تخت نشین ہوا۔ سلطان مبارک شاہ تخت نشین ہوتے ہیں امراء کو جاگیریں عطا کیں۔ سلطان مبارک کا عہد بھی بغاوتوں اور شورشوں میں گزرا اور سلطان کی ساری عمر خضر خاں کی طرح بغاوتوں کی سرکوبی ہی میں گزری۔ شیخ حسرت کھوکھر نے خضر خاں کے انتقال کی خبر پا کر علم بغاوت بلند کر دیا اور اس نے لدھیانا سے دریائے ستلج تک کے تمام علاقے کو تاخت و تاراج کرنے سرہند کا محاصرہ کر لیا۔ چنانچہ مبارک شاہ اس کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوا۔ حسرت کھوکھر سلطان کی آمد کی اطلاع پا کر چناب پار کر کے پہاڑی علاقوں میں روپوش ہو گیا۔ مبارک شاہ نے لاہور پہنچ کر یہاں کے انتظامات درست کئے اور دہلی واپس ہو گیا۔ سلطان کی روانگی کے بعد حسرت کھوکھر موقعہ پا کر پہاڑیوں سے نکل آیا اور لاہور کے گورنر نے ڈٹ کر حسرت کھوکھر کا مقابلہ کیا۔ اسی دوران آس پاس کے صوبوں سے لاہور کے گورنر کی مدد کو مزید فوجیں پہنچ گئیں۔ چنانچہ حسرت نے راہ فرار اختیار کی اور کلانور پہنچا۔

۱۴۲۳ء میں سلطان مبارک شاہ نے کھیٹر پر حملہ کر کے وہاں کے زمینداروں اور رئیسوں کو خراج کی ادائیگی اور اطاعت پر مجبور کیا۔ اس کے بعد ۱۴۲۴ء میں سلطان دوبارہ کھیٹر پہنچا۔ اس مرتبہ رائے ہری سنگھ سلطان کی خدمت میں خود حاضر ہو کر اطاعت قبول کی اس کے بعد سلطان نے اٹاوہ اور کمپیلا کی طرف توجہ کی اور وہاں کے سرکش راٹھوروں کی سرکوبی کر کے ان سے خراج وصول کیا۔ بیانہ میں بھی بغاوت سر اٹھائے تھی چنانچہ بیانہ کی بغاوت تھی جلد ہی فرو کر دی گئی۔ اسی دوران جونپور کے حاکم ابراہیم شرقی نے بھیل حکومت کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر علم بغاوت بلند کر دیا۔ چنانچہ اٹاوہ کے علاقے میں سلطان اور ابراہیم کی فوجوں میں مقابلہ ہوا، اور بیس روز تک معمولی لڑائی جاری رہی۔ آخر ابراہیم نے ناامید ہو کر میدان جنگ سے فرار اختیار کی۔ اس لڑائی میں میواتیوں نے ابراہیم کا ساتھ دیا تھا۔ چنانچہ سلطان نے ایک سردار ملک سرور کو میواتیوں کی گوشمالی کے لئے روانہ کیا پہلے تو میواتیوں نے سلطانی فوج کا نہایت بہادری سے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ لیکن بالآخر تاوان ادا کرنے پر راضی ہو گئے ۱۴۲۹ء میں فولاد بغاوت کر کے بھٹنڈہ اور اپری پر قابض ہو گیا۔ سلطان نے فولاد کی سرکوبی کے لئے عماد الملک کو روانہ کیا۔ فولاد نے عماد الملک سے مقابلہ کرنے کے لئے کھوکھر وار کابل کے حاکم امیر شیخ زادہ علی مغل کو اپنے ساتھ ملا کر اپنی طاقت مستحکم کر لی۔ کابل کے حاکم نے عماد الملک کو شکست دے کر لاہور سے ملتان تک کے علاقے میں لوٹ مار کر کے بہت سامال و دولت اپنے قبضے میں کر لیا۔ آخر دہلی سے کمک آنے پر عماد الملک نے حاکم کابل امیر شیخ زادہ علی سے مقابلہ کر کے اسے شکست دی۔ اس کے بعد عماد الملک نے پنجاب میں کافی اقتدار قائم کر لیا۔ سلطان مبارک شاہ کو عماد الملک کے اقتدار کی وجہ سے خطرہ لاحق ہوا تو اس نے پنجاب کا انتظام عماد الملک کے بجائے خیر الدین خاں کے سپرد کر دیا۔ اس افراتفری میں حسرت کھوکھر کو موقع مل گیا اس نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر ایک مرتبہ پر لاہور کا محاصرہ کر لیا۔ ادھر امیر علی مغل نے بھی موقع پا کر ملتان پر فوج کشی کر دی۔

Marfat.com

سلطان مبارک شاہ نے ان دونوں بغاوتوں کے کچلنے کو اپنے وزیر سے سردار الملک کو روانہ کیا۔ سردار الملک نے دونوں حملہ آوروں کو مار بھگایا اس تمام عرصے میں فولاد سرہند میں قلعہ بند رہا۔ نومبر ۱۴۳۳ء میں وہ بھی سردار الملک کے ہاتھوں شکست کھا کر مارا گیا۔ سلطان مبارک شاہ کو سردار الملک کی کامیابی سے بھی خطرہ محسوس ہوا۔ چنانچہ اس نے سردار الملک کو دہلی واپس بلا لیا۔ اور اس کے بعض اختیارات چھین کر کمال الدین کو سونپ دیئے۔ جس کی وجہ سے وزیر سردار الملک سلطان مبارک شاہ سے بدزن ہو گیا۔ چنانچہ اس نے چند امراء کو اپنے ساتھ ملا کر سلطان کے خلاف سازش کی اور فروری ۱۴۳۴ء میں سلطان مبارک کو قتل کر وا دیا۔

سید محمد شاہ ۱۴۳۴ء تا ۱۴۴۵ء

سلطان مبارک شاہ کے قتل کے بعد خضر خاں کا پوتا محمد شاہ ۱۴۳۴ء تخت نشین ہوا۔ محمد شاہ کو سلطان مبارک شاہ نے اپنی زندگی میں ہی اپنا ولی عہد نامزد کر دیا تھا۔ کہنے کو محمد شاہ تخت نشین ہو گیا تھا لیکن تمام اقتدار سردار الملک کے ہاتھ میں تھے۔ سردار الملک نے خود ہی خاں جہاں کا لقب اختیار کیا۔ اور اپنے تمام دوستوں کو بڑے بڑے عہدے دیئے۔ نیز زمینیں اور جاگیریں بھی تقسیم کیں۔ ان میں بعض نیچ ذات کے لوگ شامل تھے اور اکثر تعداد ایسے لوگوں کی تھی جنھوں نے مبارک شاہ کے قتل میں عملی طور پر حصہ لیا تھا۔ بعض قدیم امراء سردار الملک کے اس بے جا اقتدار اور قاتلوں کی اس ٹولی کے سخت خلاف تھے۔ کمال الدین (کمال الملک) ان امراء میں پیش پیش تھا اور وہ سردار الملک اور اس کے ساتھیوں سے سلطان مبارک شاہ کے قتل کا بدلہ لینا چاہتا تھا۔ سید محمد شاہ بھی در پردہ ان لوگوں سے مل گیا جس کی وجہ سے سردار الملک نے سلطان محمد شاہ کے قتل کا منصوبہ بنایا۔ چنانچہ سردار الملک اور اس کے ساتھی سلطان محمد شاہ کو قتل کرنے کے خیال سے محل میں داخل ہوئے لیکن محمد شاہ نے سب کو گرفتار کرا کے موت کے گھاٹ اتر وا دیا۔

ادھر میواتی امراء نے مالوہ کے حکمراں محمود خلجی کو سلطنت دہلی پر حملہ کرنے کی دعوت دی۔ چنانچہ محمود خلجی یلغار کرتا ہوا دہلی تک آ پہنچا۔ ادھر گجرات سے احمد شاہ نے محمود خلجی کی غیر موجودگی میں مالوہ پر فوج کشی کر دی۔ ادھر سے لاہور اور سرہند کا گورنر بہلول لودھی فوج لے کر سلطان کی مدد کو آ پہنچا اور محمود خلجی کو مار بھگایا اور تھوڑی دور تک اس کا تعاقب بھی کیا۔ محمد شاہ نے بہلول لودھی کی اس وفاداری اور جرأت عوض اسے خان خان کا خطاب دیا۔ اور لاہور سے دیپالپور تک کے علاقے کا انتظام اس کے سپرد کر دیا۔ کچھ عرصے بعد حسرت کھوکھر کے بہکانے پر بہلول لودھی نے تخت دہلی پر قبضہ کرنے کی غرض دہلی پر فوج کشی کی لیکن اسے ناکام ہو کر واپس جانا پڑا۔ ان حالات میں محمد شاہ حکومت کو کمزور کر دیا اور اس کی حکومت دن بہ دن بگڑتی گئی یہاں تک کہ دہلی کے قرب و جوار کے جاگیردار بھی اطاعت سے منحرف ہو کر پائے تخت سے آزاد ہو گئے۔ ان ہی شورشوں اور بغاوتوں کے دوران ۱۴۴۵ء میں محمد شاہ وفات پا گیا۔

Marfat.com

سید علاؤالدین شاہ

محمد شاہ کے بعد امراء نے اس کے لڑکے کو علاؤالدین شاہ کے لقب سے تخت نشین کیا۔ مگر وہ اپنے باپ محمد شاہ سے بھی زیادہ نااہل ثابت ہوا۔ علاؤالدین کو نہ تو ملکی معاملات سے دلچسپی تھی اور نہ وہ ملکی معاملات کی سوجھ بوجھ رکھتا تھا۔ علاؤالدین شاہ ۱۴۴۶ء میں بدایوں گیا اس کے بعد دہلی واپس آیا، تو بدایوں واپس جا کر مستقل سکونت اختیار کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ جس پر بعض امراء نے اس کے بدایوں جانے کی مخالفت کی۔ اور اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ لیکن علاؤالدین شاہ نے اپنا ارادہ نہ بدلہ۔ اور سلطنت دہلی کا انتظام و نگرانی اپنے نسبتی بھائیوں (سالوں) کے سپرد کر کے بدایوں چلا گیا۔ وہاں چند امراء کے ورغلانے پر علاؤالدین نے وزیر حمید خاں کو گرفتار کر کے اس کے قتل کا حکم دے دیا۔ مگر وہ کسی طرح بچ کر دہلی پہنچ گیا۔ اور شاہی خزانے پر قبضہ کر کے بہلول لودھی کو دہلی آ کر تخت سلطنت پر قبضہ کرنے کی دعوت دی۔ بہلول لودھی ایک عرصے سے تخت سلطنت حاصل کرنے کے خواہشمند تھا۔ چنانچہ اس نے آ کر دہلی پر قبضہ کر لیا۔ اور کچھ دن دہلی میں قیام کرنے کے بعد اپنے چند امراء کو دہلی چھوڑ کر خود دیبال پور چلا گیا۔ اور علاؤالدین شاہ کو لکھا وہ اب بھی خود کو سلطان کا فرمانبردار سمجھتا ہے لیکن علاؤالدین نے جواب لکھا۔ ''میں بدایوں کے پرگنہ پر قانع ہوں اور تخت سلطنت سے تمہارے حق میں دست بردار ہوتا ہوں'' چنانچہ علاؤالدین کے جواب پر بہلول لودھی نے اپریل ۱۴۵۱ء میں دہلی آ کر اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ اور علاؤالدین شاہ نے بدایوں میں گمنامی کی زندگی گزار کر ۱۴۷۸ء میں انتقال کیا۔ سید خاندان کا دور حکومت ۱۴۱۴ء سے لے کر ۱۴۵۱ء تک کا زمانہ بغاوتوں اور شورشوں میں گزرا، محمد شاہ کے آخر عہد تک سلطنت دہلی نہایت کمزور ہو چلی تھی اور صرف دہلی کے قرب و جوار تک محدود ہو کر رہ گئی تھی اور کسی طاقت اور حکمران کی از حد ضرورت تھی۔

لودھی خاندان ۱۴۵۱ء تا ۱۵۲۶ء

سلطان بہلول لودھی ۱۴۵۱ء میں تخت دہلی پر تخت نشین ہوا۔ اور لودھی خاندان کی بادشاہت کی بنیاد ڈالی۔ بہلول لودھی کو اسکے چچا اسلام خاں نے پرورش کیا تھا۔ جو کہ سرہند کا حاکم تھا۔ چنانچہ ابتداء میں اپنے چچا کے سرہند کی حکومت اس کے ہاتھ آئی اس کے بعد بہلول لودھی اپنی شجاعت اور قابلیت کے سہارے پنجاب کا صوبیدار بنا۔ اس کے بعد وہ اپنی قوت میں برابر اضافہ کرتا رہا۔ لودھیوں نے اس کے زیر اثر اس قدر اقتدار حاصل کر لیا کہ لاہور، دیپالپور اور سنام پر لودھی قابض ہو گئے۔ سید علاؤالدین شاہ کے عہد میں لودھیوں کے اقتدار میں اور بھی اضافہ ہوا اور وہ پانی پت، کیتھل اور بیانہ وغیرہ پر بھی قابض ہو گئے۔ اور بالآخر علاؤالدین شاہ کی نااہلی کی بناء پر دہلی پر بھی بہت جلد بہلول لودھی نے قبضہ کرا دیا۔

بہلول لودھی نہایت ہوشیار اور چالاک شخص تھا بہلول لودھی کے تخت دہلی پر قبضہ کرنے کے بعد بھی وزیر حمید خاں کو سلطنت میں بڑا اثر و اقتدار حاصل تھا۔ بہلول لودھی اس بات سے اچھی طرح واقف تھا کہ جب تک حمید خان کو اپنے رستے سے الگ نہ ہٹائے گا وہ کامل اقتدار حاصل نہ کر سکے گا۔ چنانچہ اس نے موقع پا کر حمید خاں کو قید کرا دیا۔

Marfat.com

سلطان بہلول لودھی کا زمانہ بھی شورشوں اور بغاوتوں کا زمانہ تھا۔ سلطنت دہلی کی بنیادیں تغلق خاندان کے آخری دور سے ہی کچھ اس طرح متزلزل ہو چکی تھیں کہ تغلق خاندان کے بعد سید خاندان کی حکومت بھی سلطنت دہلی کو منظم اور طاقتور نہ بنا سکی۔ اور ملک میں ہر طرف آزاد و مختار صوبے قائم ہو گئے تھے۔ سید علاؤ الدین شاہ کے بعد بعض امراء لودھی خاندان کی حکومت سے خوش نہ تھے۔ اور وہ ان کو غاصب سلطنت تصور کرتے تھے۔ جونپور کے حاکم سلطان محمود شرقی کی ملکہ سید علاؤ الدین شاہ کی لڑکی تھی۔ اس نے محمود شرقی کو دہلی پر اپنا قبضہ جمانے کے لئے اکسایا۔ امراء تو پہلے ہی اس کے لئے تیار تھے۔ چنانچہ ۱۴۵۲ء میں محمود شرقی نے کثیر فوج لے کر دہلی کا محاصرہ کر لیا۔ سنبھل کا حاکم دریا خان لودھی بھی اس مہم میں محمود شرقی کے ساتھ شریک تھا۔ لیکن عین محاصرے کے دوران قطب خان لودھی نے دریا خان لودھی کو اس بات پر لعنت ملامت کی کہ وہ لودھی ہو کر لودھیوں کے خلاف جنگ میں شریک ہوتا ہے۔ چنانچہ دریا خان اپنی فوج لے کر محمود شرقی سے علیحدہ ہو گیا۔ جس کی وجہ سے محمود شرقی کی ہمت ٹوٹ گئی اور وہ محاصرہ اٹھا کر واپس جونپور چلا گیا۔ اس طرح بہلول لودھی نے اس آفت سے نجات پائی۔ اور بہلول لودھی کے حوصلے بلند ہو گئے۔ اور اس کو جونپور اور دیگر علاقوں میں امن و امان قائم کرنے اور اپنے قدم جمانے کا موقع مل گیا۔ سید علاؤ الدی شاہ کے عہد سے بیشتر صوبہ آزاد ہو گئے تھے۔ چنانچہ بہلول لودھی نے فوج کشی کر کے میوات، بلند شہر، سنبھل، ریواڑی، اٹاوہ وغیرہ کے علاقوں کو اطاعت گزاری پر مجبور کیا۔ سلطان بہلول لودھی کی جونپور سے طویل عرصے تک جنگ جاری رہی۔ اس جنگ کے دوران امراء اور ہندو زمیندار کبھی محمود شرقی کے حامی بن جاتے اور کبھی بہلول لودھی کا ساتھ دیتے۔ دیگر صوبوں کے اطاعت قبول کرنے کے دوران محمود شرقی دوبارہ فوج لے کر اٹاوہ تک بڑھ آیا۔ لیکن قطب خان نے اس بات پر دونوں کی مصالحت کرانے کی کوشش کی کہ بہلول لودھی اور محمود شرقی اپنے اپنے پیشرووں کے زمانے کے علاقے پر قابض رہیں۔ اس لحاظ سے شمس آباد کا علاقہ بہلول کے قبضہ میں آتا تھا، لیکن یہ بات محمود شرقی کو قطعی گوارا نہ تھی۔ شمس آباد کا علاقہ بہلول کے حوالے کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ جس پر ان کی لڑائی پھر شروع ہو گئی۔ اسی دوران محمود شرقی انتقال کر گیا۔ امراء نے محمود کی وفات کے بعد شہزادہ بھیکن خاں کو محمد شاہ کے لقب سے تخت نشین کر دیا۔ تخت نشینی کے بعد محمد شاہ نے شمس آباد پر قبضہ کر لیا۔ جس پر بہلول نے اس کے بھائی شہزادہ جلال خاں کو قید کر لیا۔ محمد شاہ کا دوسرا بھائی حسین خاں اس سے علیحدہ ہو گیا۔ محمد شاہ نے تخت نشینی کے بعد بہت ظلم و زیادتی روا رکھی جس امراء نے تنگ آ کر حسین خاں کو تخت نشین کر دیا۔ اس کے بعد حسین شاہ اور بہلول لودھی کے درمیان متعدد بار جنگ ہوئی۔ لیکن ہر مرتبہ چار سال کے عرصہ کے لئے صلح ہو جاتی تھی۔ بالآخر حسین شاہ نے بہلول کے مقابلے میں کالپی کے نزدیک شکست کھائی۔ جس کے بعد سلطان بہلول لودھی نے کثیر فوج کے ساتھ جونپور پر فوج کشی کر کے حسین شاہ کو شکست دی۔ اور اپنے بیٹے باربک شاہ کو جونپور کا حاکم مقرر کر کے گوالیار کی طرف پیش قدمی کی۔ وہاں کے راجہ نے بہلول کی خدمت اسی لاکھ تنکہ پیش کر کے اطاعت قبول کر لی۔ گوالیار سے واپس لوٹتے وقت جلالی کے نزدیک ۱۴۸۸ء میں بہلول لودھی وفات پا گیا۔

Marfat.com

کردار و خصوصیات

سلطان بہلول لودھی نہایت بہادر اور باصلاحیت شخص تھا اکثر مورخین نے سلطان بہلول لودھی کے دماغ میں کچھ فتور بتایا ہے لیکن ان کا بیان بالکل غلط ہے۔ سلطان بہلول لودھی نہایت نیک مزاج، رحم دل اور فراخ دل واقع ہوا تھا۔ وہ دشمن سے بھی نہایت احترام اور نرمی سے برتاؤ کرتا تھا۔ چنانچہ اس نے تخت دہلی پر قبضہ کرنے کے بعد دیپالپور پہنچ کر علاؤالدین شاہ کو لکھا کہ وہ اب بھی اس کا فرماں بردار ہے۔ لیکن سلطان علاؤالدین شاہ نے اس کو بذات خود سلطنت دہلی پر اپنی بادشاہت قائم کرنے کی اجازت دے دی جس پر بہلول لودھی نے اپنی بادشاہت کا اعلان کیا۔ اسی طرح ایک مرتبہ جنگ کے دوارن جب سلطان محمود شرقی کی ملکہ بہلول کے ہاتھوں گرفتار ہوئی تو اس نے نہاتی عزت واحترام سے ملکہ کو جونپور واپس بھجوادیا۔ بہلول افغان امراء سے برابری کا سلوک کرتا تھا اور ان کو مراعات اور زمینیں دیتا۔ سلطان نہاتی سادہ مزاج، سادگی پسند حکمران تھا۔ وہ ہمیشہ سادہ لباس زیب تن کرنا پسند کرتا تھا۔ اس میں غرور وتکبر قطعی نہ تھا۔ وہ علماء کا قدر دان تھا۔ عدل وانصاف کا ہمیشہ خیال رکھتا تھا۔ وہ انصاف قائم رکھنے کے پیش نظر رعایا کی شکایتیں بذات خود سنتا، اور ان کی شکایتیں دور کرتا۔ بہلول لودھی تمام عمر جنگوں اور بغاوتوں کے دبانے میں مصروف رہا۔ وہ عمدہ انتظامی صلاحیتوں کا ماہر تھا لیکن اسے اپنی انتظامی صلاحیت کے اظہار کا موقعہ نہ مل سکا۔ اگر چہ وہ ایسے وقت میں برسر اقتدار آیا جب سلطنت زوال پذیر تھی اور ہر طرف بغاوتیں اور شورشیں بپا تھیں۔ لیکن ایسے بدترین حالات میں بھی اس نے سلطنت دہلی کو سہارا دیا اور شمالی ہند میں ایک حد تک مسلمانوں کا سیاسی اقتدار پھر سے قائم کیا۔

سلطان سکندر لودھی ۱۴۸۸ء تا ۱۵۱۷ء

سلطان بہلول لودھی کے انتقال کے بعد امراء نے بہلول کے تیسرے بیٹے نظام خاں کو تخت نشینی کے لئے منتخب کیا۔ لیکن بعض امراء نے محض اس وجہ سے نظام خان کی تخت نشینی کی مخالفت کی کہ وہ ایک عام عورت کے بطن سے تھا۔ اور اس کے بجائے بہلول لودھی کے بڑے لڑکے باربک خاں کو جو کہ جونپور کا حاکم تھا اسے تخت نشینی کیلئے منتخب کرنا چاہا لیکن خان فرمولی اور اکثر امراء کی حمایت کی وجہ سے نظام خاں ۱۴۸۸ء میں سکندر لودھی کے لقب سے تخت نشین ہوا۔

تخت نیشن ہونے کے بعد سلطان سکندر لودھی سب سے پہلے اپنے بھائیوں کی طرف متوجہ ہوا۔ اس نے پہلے اپنے بھائی عالم خاں پر فوج کشی کی جو کہ راپری کا حاکم تھا۔ عالم خان راپری سے بھاگ کر لودھی حاکم مٹیپالی کے پاس پناہ گزیں ہوا۔ تھوڑے دن بعد سکندر نے عالم خان کو اپنے ساتھ ملا کر اٹاوہ کا حاکم مقرر کر دیا۔

اسی دوران سکندر لودھی کے دوسرے بڑے بھائی باربک شاہ نے جو کہ جونپور کا حاکم تھا اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ چنانچہ سکندر لودھی نے اسمٰعیل خاں لوہانی کو باربک کو سمجھا کر صلح پر راضی کرنے کے لئے روانہ کیا۔ لیکن باربک صلح کے لئے رضا مند نہ ہوا۔ چنانچہ سکندر جونپور کی طرف بڑھا۔ باربک کا سپہ سالار سکندر کے ہاتھوں گرفتار ہوا۔ جس کے بعد سکندر نے باربک

Marfat.com

کے سپہ سالار کو خود بار بک کے خلاف لڑنے پر آمادہ کرلیا۔ جس کی وجہ سے بار بک فوج منتشر ہوگئی اور بار بک گرفتار ہوا۔ لیکن سکندر نے اس کے ساتھ نرمی سے سلوک کرتے ہوئے نہ صرف اسے معاف کردیا بلکہ جونپور کی گورنری پر بحال کردیا۔ اور اس کی نگرانی اور رہنمائی کیلئے چند امراء مقرر کئے۔ اس کے بعد سکندر لودھی کالپی، گوالیار بیانہ اور آگرہ کی طرف متوجہ ہوا یہاں کے حالات درست کر کے امن و امان قائم کیا اور دہلی واپس لوٹ گیا۔ سلطان کے واپس جانے کے بعد جونپور کے امراء اور زمینداروں نے سرکشی اختیار کی سکندر نے اس بغاوت کو ختم کیا لیکن بار بار بغاوت رونما ہوتی رہی آخر تنگ آ کر سلطان نے بار بک شاہ کو قید کرا کے دہلی طلب کرلیا۔ اس کے بعد شاہی فوج نے پیش قدمی کر کے بہار پر قبضہ کرلیا۔ جس کے بعد سلطان نے دریا خاں لوہانی کو بہار کا گورنر مقرر کیا اور ترہٹ کے علاقے پر اپنے بھائی؛ اعظم ہمایوں کو گورنر مقرر کردیا۔

کردار خصوصیات

سکندر لودھی، لودھی فرمانرواؤں میں سب سے زیادہ ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔ جس کی تمام مسلم و غیر مسلم مورخین نے تعریف کی ہے۔ سلطان نہایت خوش شکل اور اچھے ڈیل ڈول اور صحت کا مالک تھا۔ رعایا و حکام اور امراء سے اپنے احکامات کی سختی سے پابندی کراتا تھا۔ ذاتی طور پر سلطان نہایت نیک دل، پاکیزطبع اور خداترس واقع ہوا تھا۔ اس کے دربار میں کسی کو کسی نازیبا یا غیر شرعی حرکت کی اجازت نہ تھی۔ سلطان بہت جفاکش اور نہایت محنتی فرمانروا تھا۔ اس کی جفاکشی اور محنت کا یہ عالم تھا کہ کبھی کبھی صبح سے رات گئے تک کام میں مصروف رہتا اور آدھی رات کو کھانا کھاتا۔ اور اسی وقت علماء سے مذہبی امور پر گفتگو کرتا تھا۔ سلطان کو سیر و شکار سے بھی گہری دلچسپی تھی اکثر علما ئل مشائخ اس کی صحبت میں موجود رہتے۔ سلطان نہایت تیز حافظے کا مالک تھا۔ رعایا کی فلاح و بہبود کو ہمیشہ پیش نظر رکھتا۔ اور اکثر غربا کی امداد کرتا رہتا تھا۔ اس نے افغان امراء کی سرکشی اور بے جا قوت پر ضرب کاری لگائی اور انہیں اس طرح کچل دیا کہ انہیں دوبارہ سرکشی کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ سلطان مذہبی معاملات میں بڑا تنگ نظر تھا۔ وہ بت پرستی کو ختم کر کے اسلام کی اشاعت کرنا چاہتا تھا۔ اس نے بڑی حد تک بلبن اور علاؤالدین خلجی کی سخت گیر پالیسی پر عمل کیا۔ اس زمانے میں ایسی پالیسی کی وجہ سے بڑی حد تک اس سلطنت کو انتشار و بے چینی سے نجات مل گئی جس کی وجہ سے سلطنت کو استحکام نصیب ہوا۔ سلطان سکندر لودھی کی سلطنت میں مغرب میں پنجاب جنوب میں مالوہ اور مشرق میں بہار اور ترہٹ کا علاقہ شامل تھا۔ سلطان سکندر لودھی اس لحاظ سے نہایت کامیاب حکمران تھا کہ جس نے ایک ناگفتہ بہ زمانے میں سلطنت کو سنبھالا اور استحکام بخشا۔

سلطان ابراھیم لودھی ۱۵۱۷ء تا ۱۵۲۶ء

سکندر لودھی، کی وفات کے بعد افغان امراء نے ۱۵۱۷ء میں اس کے بڑے لڑکے ابراھیم لودھی کو تخت نشینی کے لئے منتخب کیا۔ لیکن بعض مفاد پرست امراء نے گروہ نے اپنے ذاتی مقاصد کی خاطر یہ منصوبہ بنایا کہ تخت دہلی پر ابراھیم لودھی کو تخت نشین کیا جائے اور جونپور میں ابراھیم لودھی کے بھائی شہزادہ جلال کو تخت نشین کردیا جائے۔ چنانچہ اس منصوبے کے تحت

Marfat.com

ابراھیم لودھی تخت دہلی پر تخت نشین ہو گیا۔ اور شہزادہ جلال کو جونپور میں تخت نشین کر دیا گیا۔ لیکن خاں جہاں لوہانی نے جو کہ سکندر لودھی کے زمانے کے بڑے مقتدر امراء میں سے تھا، امراء کو ان کی اس حرکت پر لعنت ملامت کی۔ چنانچہ شہزادہ جلال کو دہلی واپس آنے کیلئے لکھا گیا۔ لیکن اس نے آنے سے انکار کر دیا۔ جس پر دہلی کے چند امراء شہزادہ جلال کو سمجھا بجھا کر دہلی لانے کے لئے جون پور بھی گئے لیکن جلال کسی طرح دہلی آنے پر رضامند نہ ہوا۔ جس کے بعد سلطان ابراھیم لودھی نے جونپور اور مشرقی صوبوں کے تمام امراء کو خاص طور سے خلعت روانہ کئے اور شہزادہ جلال کی اطاعت نہ کرنے احکام روانہ کئے چنانچہ ان تمام امراء نے شہزادہ جلال کی اطاعت قبول نہ کی جس پر وہ اپنی جاگیر کالپی جا کر سلطان جلال الدین کا لقب اختیار کر کے اپنے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کروایا ایک افغان امیر اعظم ہمایوں شروانی ابراھیم لودھی سے بددل تھا جسے جلال الدین نے اپنے ساتھ ملا لیا۔ اور اس کیساتھ مل کر جونپور پر قبضہ کرنے کے منصوبے بنانے لگا۔ چنانچہ ان دونوں نے مل کر پہلے اودھ پر یلغار کی وہاں کا گورنر سعید خاں مقابلہ کی تاب نہ لا کر لکھنوتی چلا گیا اور سلطان کو حالات سے باخبر کیا۔ سلطان ابراھیم لودھی نے احتیاطاً اپنے دیگر بھائیوں کو قید کر لیا اور قنوج کی سمت روانہ ہوا۔ امیر اعظم ہمایوں شروانی نے جلال کا ساتھ چھوڑ دیا اور سلطان کی اطاعت قبول کر لی۔ سلطان ابراھیم نے اعظم ہمایوں شروانی اور دیگر امراء کی سرکردگی میں ایک کثیر فوج کالپی روانہ کی۔ جلال اس فوج کی آمد کی خبر پا کر کالپی میں اپنے چند امراء کو چھوڑ کر آگرہ کی طرف بڑھا، اور شاہی فوج نے کالپی پر قبضہ کر لیا۔ ادھر آگرہ پر ابراھیم لودھی پہنچ گیا جس کی وجہ سے جلال کو گوالیار کے راجہ کے پاس پناہ لینی پڑی۔ سلطان نے آگرہ میں قیام کر کے یہیں سے دہلی اور دیگر صوبوں کے انتظامات کئے اور شہزادہ محمد حاکم مالوہ کی نگرانی اور رہنمائی کے لئے اپنا ایک امیر مقرر کیا۔ اور اعظم ہمایوں کے تحت کثیر فوج جلال کی سرکوبی کے لئے روانہ کی۔ لشکر قلعہ کے قریب پہنچا ہی تھا کہ جلال وہاں سے بھاگ نکلا مالوہ کے حاکم محمود خلجی کے پاس پہنچا اور اس سے مدد طلب کی لیکن ناکامی ہوئی۔ جس کے بعد جلال وسطی ہند چلا گیا۔ لیکن وہاں کے گونڈ زمینداروں نے جلال کو گرفتار کر کے ابراھیم کے پاس بھیج دیا جس کے بعد ابراھیم نے جلال کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

کردار و خصوصیات

سلطان ابراھیم لودھی ذہانت اور شجاعت کا مالک تھا۔ لیکن اس میں عسکری ذہانت کا فقدان تھا جن کی بناء پر اسے بابر کے مقابلے میں شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن یہ اس کی بہادری کا ثبوت ہے کہ وہ میدان جنگ میں بہادری سے لڑتا ہوا مارا گیا۔ اگرچہ سلطان ابراھیم اخلاق حمیدہ کا مالک تھا لیکن جلد باز اور سخت گیر تھا امراء پر سختی کرنے میں اس نے مصلحت سے کام نہ لیا اور امراء کو اپنا دشمن بنا لیا۔ سلطان ہمیشہ اپنی رعایا کی فلاح و بہبود کا خیال رکھتا تھا۔ اس کا حکم تھا کہ مالگذاری غلہ کی صورت میں وصول کی جائے جس کی وجہ سے غلہ کی بڑی افراط تھی اور غلہ نہایت ارزاں فروخت ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ کپڑا، گھی اور دیگر ضروریات زندگی بھی ارزاں تھیں۔ اس کے عہد میں امراء اور جاگیرداروں کی نظر میں سلطان کی حیثیت ایک بڑے قبائلی سردار کی سی تھی اور امراء اور جاگیردار سلطان کو اپنوں میں سے ہی ایک تصور کرتے تھے۔ لیکن سلطان ابراھیم لودھی ان امراء اور جاگیرداروں کا

Marfat.com

اقتدار ختم کرنا چاہتا تھا اور اس سلسلے میں اس نے سخت گیری اور جلد بازی سے کام لیا اور مصلحت کو پس پشت ڈال دیا۔ جس کی وجہ سے امراء اس سے بددل ہوگئے اور اس کا سارا عہد بغاوتوں اور شورشوں میں گذرا۔ اور آخر کار امراء کی بغاوتوں اور سازشوں کی وجہ سے بابر نے حملہ کیا اس طرح لودھی خاندان کی حکومت ختم ہوگئی۔

بابر کے حملے کے وقت ہندوستان کی سیاسی حالت

سولہویں صدی کے آغاز میں جب بابر ہندوستان پر حملہ آور ہوا ہندوستان کی سیاسی حالت نہایت ابتر تھی۔ سلطنت دہلی ابراہیم لودھی کے زمانے میں بہت چھوٹی سی رہ گئی تھی یہاں تک کہ کہنے کو تو پنجاب سلطنت دہلی کا ایک صوبہ تھا مگر عملاً وہاں حاکم دولت خاں لودھی تھا جو سرکشی کی طرف مائل تھا۔ سلطنت دہلی کے ہاتھ سے تمام صوبے نکل چکے تھے۔ سارا ملک چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہو چکا تھا۔ جو باہم برسرپیکار رہا کرتی تھیں۔ سلطنت دہلی کی مرکزی حکومت کا اقتدار ختم ہو چکا تھا۔ اور کوئی ایسا طاقتور فرمانروا نہ رہا تھا۔ جو ہندوستان میں سیاسی وحدت قائم کر کے ملک کا نظم ونسق سنبھالتا اور ملک کو مستحکم بنا کر بیرونی حملہ آوروں کا مقابلہ کرتا۔ ملک میں ہر طرف بدامنی پھیلی ہوئی تھی جس سے عوام تباہ حال تھے اور ان کی جان و مال کی حفاظت کا کوئی بندوبست نہ تھا۔ سلطنت دہلی اپنی سابقہ اقتدار و استحکام سے محروم ہو چکی تھی۔ اور اس کی حیثیت ایک چھوٹی سی ریاست سے زیادہ نہ رہی تھی۔ سلطنت دہلی کا اقتدار صرف دہلی کے گردونواح اور آگرہ، دوآب، بیانہ اور چندہری پر قائم تھا۔ یہاں تک کہ چھوٹے چھوٹے پرگنوں اور شہروں کے سردار تک خودمختار ہو چکے تھے۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کی خودمختار ریاستیں بھی ایک دوسرے کی حریف تھیں اور ایک دوسرے کو زک پہنچانے کے درپے رہتی تھیں۔ ہندوستان کے یہ حالات بیرونی حملہ آوروں کو حملے کی دعوت دے رہے تھے۔

لودھی خاندان کے ابتدائی فرمانرواؤں نے سلطنت دہلی کو ایک بار پھر مستحکم اور مضبوط کرنے کی کوشش کی لیکن اس وقت حالات اس قدر بگڑ چکے تھے کہ ان کو بہت کم کامیابی حاصل ہوئی۔ یہ ممکن تھا کہ اگر سابقہ دو فرمانرواؤں کی طرح لودھی خاندان کا تیسرا فرمانروا ابراہیم لودھی ان کی طرح دور اندیش اور مدبر ہوتا تو شاید حالات پر قابو پا لیتا۔ لیکن ابراہیم لودھی نہایت غیر مدبر تھا۔ اس میں مصلحت اندیشی کا فقدان تھا۔ لودھی سلطنت میں افغان امراء نے بہت اقتدار حاصل کر رکھا تھا۔ یہاں تک کہ اس سلطنت کو ختم کرنے کی کوشش کی اور وہ اپنی کوشش میں کسی حد تک کامیاب بھی ہوا۔ لیکن اس کے بعد جب ابراہیم لودھی تخت نشین ہوا اس دوران افغان امراء نے پھر سرکشی اختیار کی۔ لیکن ابراہیم لودھی نے دوراندیشی سے ان افغانوں کے اقتدار کو ختم کرنے کی کوشش نہ کی بلکہ نہایت جلد بازی سے کام لیا۔ اور انتہا پسندی کو روا رکھتے ہوئے افغان امراء سے نہایت ذلت آمیز سلوک کیا۔ جس کی وجہ سے افغان امراء ابراہیم لودھی سے بدظن ہوگئے۔ اور اس کو تباہ کرنے کی سازشیں کرنے لگے۔ رعایا ابراہیم لودھی کو پسند نہ کرتی تھی اور اس سے بیزار تھی یہاں تک کہ خود اس کے خاندان کے افراد اس کے خلاف ہوگئے تھے۔ ابراہیم لودھی کا چچا عالم خاں اس کے سلوک سے تنگ آکر باغی ہوگیا اور بابر کو حملہ کرنے کی دعوت دی۔ یہاں تک کہ

Marfat.com

دولت خاں لودھی سے مل کر وہ بذات خود دہلی پر حملہ آور ہوا۔ پنجاب ہندوستان کی دیگر ریاستیں اوران کی سیاسی حالت ذیل میں درج ذیل ہیں۔

پنجاب

پنجاب سلطنت دہلی کا ایک صوبہ تھا۔ یہاں کے صوبے دار دولت خاں لودھی سرکشی کی طرف مائل تھا کیونکہ ابراھیم لودھی کی دھمکیوں سے تنگ آچکا تھا۔ چنانچہ دولت خاں نے علم بغاوت بلند کرنے کی کوشش کی اور بابر کو ہندوستان پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔

ملتان

ملتان کا صوبہ دہلی سے خودمختاری کا اعلان کر چکا تھا۔ یہاں پر افغان صوبے دار نے اپنی آزاد حکومت قائم کر لی تھی۔ اوراپنے پڑوس کی ریاست سندھ سے عموماً یہاں کے افغاں حکمراں لڑتے جھگڑتے رہتے تھے۔

سندھ

یہ صوبہ محمد بن تغلق کے زمانے سے ہی خودمختاری حاصل کر چکا تھا۔ اس صوبے میں کئی امیروں کی حکومت تھی۔ لیکن ان میں آپس میں اتحاد نہ تھا اور باہم برسرپیکار رہتے، نیز ملتان کے افغان صوبیداروں سے بھی ان کی نہ بنتی تھی۔

جونپور

دہلی کے جنوب مشرق کی اس ریاست میں نصیر خاں لوہانی نے اپنی حکومت قائم کی ہوئی تھی۔

بہار

بہار کے صوبے میں افغان سردار دریا خاں لوہانی نے خودمختاری کا اعلان کر کے اپنی حکومت قائم کر لی تھی۔

بنگال

بنگال میں حسینی خاندان نے اپنی آزاد حکومت قائم کر رکھی تھی اور قرب وجوار کی دیگر ریاستوں پر بھی قبضہ کر کے اپنی حکومت میں شامل کر لیا تھا۔

گجرات

وسط ہند میں تین مشہور ریاستیں گجرات مالوہ اور خاندیش تھیں گجرات، مالوہ اور خاندیش اسلامی ریاستیں تھیں۔ لیکن باہم برسرپیکار تھیں۔ گجرات کا صوبیدار ظفر چودھویں صدی کے آخر میں ہی خودمختاری حاصل کر چکا تھا۔ اور یہاں آزاد حکومت قائم تھیں سولہویں صدی کے آغاز میں گجرات کے فرمانروا نے مالوہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور راجپوتانہ کے علاقے پر بھی قبضہ

Marfat.com

کرنا چاہا لیکن راجپوت سردار رانا سانگا نے اسے کامیاب نہ ہونے دیا۔ گجرات، مالوہ سے بھی برسرپیکار تھا۔

مالوہ

یہاں خلجی خاندان کی حکومت تھی اور یہاں کا فرمانروا سلطان محمود خان تھا جو کہ ایک طرف مغرب میں گجرات سے برسرپیکار تھا اور دوسری طرف مشرق میں راجپوتوں سے نبرد آزما تھا، راجپوت سلطان محمود خاں کے کچھ علاقے پر قبضہ کر لیا تھا۔

خاندیش

۱۳۷۰ء میں یہاں کے گورنر ملک راجہ فاروقی نے اپنی خودمختاری کا اعلان کر دیا تھا اور بابر کے حملے کے وقت یہاں اسی فاروقی خاندان کی حکومت تھی۔ اس ریاست کا مشہور قلعہ اسیر گڑھ تھا جس کو دکن کی کنجی کہا جاتا تھا۔

راجپوتانہ

سلاطین دہلی میں سے بعض نے راجپوتانہ کو سلطنت دہلی میں شامل کرنے کی کوشش کی چنانچہ التمش نے راجپوتانہ کے علاقوں میں سے رنتھمبور ٹانڈہ، جالور، ناگور اور گوالیار تک کے علاقے کو فتح کر کے سلطنت دہلی میں شامل کر لیا۔ مگر دیگر راجپوت ریاستوں کو اپنی سلطنت میں شامل نہ کر سکا۔ التمش کے بعد سلاطین دہلی میں سے علاؤالدین خلجی نے پورے راجپوتانہ کو سلطنت دہلی کے زیر نگیں کرنے کی طرف توجہ دی۔ اور اس مقصد میں خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوئی لیکن اس کی یہ کامیابی پائیدار ثابت نہ ہوئی۔ راجپوتانہ میں راجپوتوں کی کئی چھوٹی ریاستیں قائم تھیں۔ لیکن سلطنت دہلی کا شیرازہ بکھرتے دیکھ کر راجپوتوں نے پورے ہندوستان میں ہندو حکومت قائم کرنے کی کوشش کی اور اس مقصد کے لئے ان سب نے میواڑے کے راجا سنگرام سنگھ جو کہ تاریخ میں رانا سانگا کے نام سے مشہور ہے اپنا رہنما تسلیم کر لیا۔ اور تمام راجپوت ریاستیں میواڑے کے رانا سانگا کے جھنڈے تلے جمع ہو گئیں۔ نیز ہندوستان کے تمام ہندو بھی پورے ہندوستان پر ہندو راج قائم کرنے کے خواب دیکھنے لگے اور یہ بھی رانا سانگا کو اپنے اس مقصد حصول کے لئے اپنا رہنما تسلیم کرتے تھے۔ رانا سانگا خود ہندوستان پر ہندو راج قائم کرنا چاہتا تھا۔ بابر کے حملے کے وقت رانا سانگا ہندوستان کا سب سے زیادہ طاقتور حکمران تسلیم کیا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ جب بابر ابراہیم لودھی پر حملے کا ارادہ کر رہا تھا تو اس نے بھی رانا سانگا سے چند شرائط طے کرنا ضروری سمجھی تھیں۔ اور رانا سانگا نے اس خیال سے بابر سے شرائط طے کر لیں۔ کہ بابر ابراہیم لودھی کو شکست دینے کے بعد مال غنیمت لے کر واپس چلا جائے گا۔ جس کے بعد رانا سانگا ہندوستان میں ہندو راج آسانی سے قائم کر سکے گا۔ کیونکہ اس کے بعد ایک تو دہلی کی حکومت کمزور یا ختم ہو جائے گی نیز دیگر ریاستوں پر بھی اس کا اثر پڑے گا۔

کشمیر

بابر کے حملے کے وقت یہاں مسلمانوں کی حکومت تھی۔ لیکن یہاں امراء اس قدر کمزور ہو چکے تھے کہ تمام اقتدار

Marfat.com

سرداروں نے سنبھالا ہوا تھا اور محض نام کے حکمراں تھے۔

اڑیسہ

اس علاقے میں ہندو راجہ حکومت کرتے تھے۔ جو شمال میں بنگال کی حکومت سے برسر پیکار رہتے تھے دوسری طرف جنوب میں جہانگیر کی سلطنت سے جنگ میں مصروف رہتے تھے۔

دکن

دکن میں اس وقت دو بڑی حکومتیں تھیں ا۔ بہمنی حکومت یہ مسلمانوں کی حکومت تھی۔ اور دوسری بڑی حکومت جہانگیر کی تھی جو کہ ہندوؤں کی سلطنت تھی۔ بہمنی سلطنت اور جہانگیر بابر کے حملے کے وقت آپس میں مصروف جنگ تھیں۔

غرض یہ کہ سولہویں صدی کے آغاز میں ہندوستان کی سیاسی حالت نہایت ابتر تھی۔ نہ تو کوئی مستحکم مرکزی حکومت تھی اور نہ کوئی ایسا دوراندیش اور طاقتور فرمانروا تھا جو ہندوستان کی سیاسی وحدت کو قائم کرتا پورے ملک میں چھوٹی چھوٹی ریاستیں تھیں جو ہندو اور مسلمان دو گروہوں میں بٹی ہوئی تھیں اور مذہبی اختلاف کی بناء پر ایک دوسرے کی حریف تھیں۔ اس پر طرہ یہ کہ ہندو ریاستوں میں آپس میں اتفاق تھا اور نہ مسلمان ریاستیں آپس کی مسلمان ریاستوں کو اپنا دوست سمجھتی تھیں۔ بلکہ اگر مسلمان ریاست ایک طرف ہندو ریاست سے مصروف جنگ ہوتی تو دوسری طرف دوسری مسلمان ریاست پر بھی قبضہ کرنے کے لئے جنگ جاری رکھتی۔ یہی حال ہندو ریاستوں کا بھی تھا یہ ہندو ریاستیں آپس میں بھی برسر پیکار رہتیں اور دیگر مسلمان ریاستوں سے بھی مصروف جنگ رہتیں۔ یہ حالات بیرونی حملہ آوروں کے لئے نہایت سازگار تھے اور برصغیر میں کوئی بڑی طاقت ان کے حملے کو روکنے کے لئے اور ان کے مقابلہ کرنے کو موجود نہ تھی۔

ظہیرالدین محمد بابر ۱۵۲۶ء تا ۱۵۳۰ء

بابر ۱۴ فروری ۱۴۸۳ء میں پیدا ہوا۔ وہ باپ کی طرف سے تیمور کی پانچویں پشت سے تھا، اور ماں کی طرف سے اس کا سلسلہ نسب مشہور منگول فاتح چنگیز خان سے ملتا تھا۔ اس طرح اس کی رگوں میں ایشیاء کے دو عظیم فاتحین کا خون دوڑ رہا تھا۔ بابر کا باپ عمر شیخ مرزا ایک چھوٹی سی ریاست کا فرغانہ کا فرمانروا تھا۔ آج کل یہ علاقہ روسی ترکستان میں شامل ہے۔ عمر شیخ مرزا کا باپ سلطان علی سید مرزا ایک وسیع سلطنت کا مالک تھا۔ لیکن سلطان علی سید کی وفات کے بعد اس کی سلطنت اس کے چار بیٹوں میں تقسیم ہوگئی۔ عمر شیخ مرزا اور اسکے بھائیوں میں سلطنت اس طرح تقسیم ہوئی کہ سلطان احمد مرزا کے حصے میں سمرقند اور بخارا کے علاقے آئے۔ سلطان محمد مرزا کو بدخشان اور ملتان کا علاقہ ملا۔ کابل اور غزنی، انغ بیگ مرزا کے حصے میں آئے فرغانہ اور خوقند کا علاقہ عمر شیخ مرزا کو ملا۔ عمر شیخ مرزا کے تعلقات اپنے بھائیوں سے خوش گوار نہ تھے اور اکثر آپس میں جنگ ہوتی رہتی تھی۔ خاص طور سے سلطان احمد مرزا سے سخت دشمنی تھی۔ ۱۴۹۴ء میں سلطان احمد مرزا فرغانہ پر فوج کشی کی اور اسی دوران عمر شیخ مرزا ایک حادثے کا شکار ہو کر ہلاک ہوگیا۔

Marfat.com

عمر شیخ مرزا کی وفات کے بعد بابر فرغانہ کی ریاست پر تخت نشین ہوا۔ اس وقت اس کی عمر گیارہ سال تھی۔ اور اس کی کم عمری میں وہ چاروں طرف سے دشمنوں میں گھرا ہوا تھا۔ اس کے چچا سلطان احمد مرزا اور سلطان محمد مرزا فرغانہ پر قبضہ کرنا چاہتے تھے۔ اور ہر دو کہ یہ خواہش تھی کہ وہ اپنے بھائی سے پہلے فرغانہ پر قبضہ کرے۔ جس کی وجہ سے باہمی کشیدگی پیدا ہوگئی اور فرغانہ پر فوج کشی نہ کر سکے۔ تاہم بابر ہر طرف سے دیگر پڑوسی دشمن قبیلوں میں گھرا ہوا تھا۔ اس نے اپنے چند دشمنوں کو شکست دی۔ اس کے بعد اس کے دل میں اپنے بزرگوں کے پایہ تخت سمرقند پر قبضہ کرنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ سمرقند پر ایک اُزبک سردار شیبانی خاں قابض تھا جسے بابر اپنا سب سے بڑا دشمن تصور کرتا تھا۔ شیبانی خاں بہت سے تیموری شہزادوں کے علاقے چھین چکا تھا۔ چنانچہ بابر نے اس سے سمرقند واپس حاصل کرنے کے لئے دو مرتبہ سمرقند پر حملہ کیا۔ لیکن ہر دو مرتبہ سمرقند فتح ہونے کے باوجود اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ یہاں تک کہ وہ شیبانی کے ہاتھوں بری طرح شکست کھا کر فرغانہ سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا۔ اور ایک مدت تک اپنے چند جان نثار ساتھیوں کے ساتھ ملک سے باہر جلاوطن کی حیثیت سے مارا مارا پھرتا رہا۔ آخر خوش قسمتی سے ۱۵۰۴ء میں اس نے کابل فتح کر کے چھوٹی سی ریاستی حکومت قائم کر لی۔

کابل میں استحکام حاصل کر کے بابر نے ۱۵۱۰ء میں پھر سمرقند پر قبضہ کرنے کا ارادہ کیا اور بخارا فتح کرتا ہوا سمرقند پہنچا اور آخر کار اس کی سمرقند پر قبضہ کرنے کی دیرینہ آرزو بھی پوری ہوگئی۔ لیکن اس کی یہ فتح نہایت ناپائیدار رہی۔ شیبانی خاں کا لڑکا ایک کثیر فوج جمع کر کے بخارا پر حملہ آور ہوا بابر نے سمرقند سے نکل کر ازبک سپاہ کا مقابلہ کیا لیکن شکست کھا کر اسے کابل واپس آنا پڑا۔ ان پیہم ناپائیدار فتوحات سے بابر کو اندازہ ہو گیا کہ مغرب میں اسے فتح حاصل نہیں ہو سکتی۔ جس کی وجہ سے اب اس نے مشرق کے علاقوں کو فتح کرنے کا ارادہ کیا۔ بابر کا یہ فیصلہ انتہائی موزوں تھا سلطنت دہلی زوال پذیر ہو چکی تھی تخت دہلی پر اس وقت ابراہیم لودھی کی کمزور حکومت تھی جس کی سخت گیری سے اس کے تمام امراء بدظن تھے۔ سلطنت دہلی اس قدر کمزور ہو چکی تھی کہ ابراہیم لودھی کی حکومت صرف دہلی کے گردو نواح تک ہی محدود تھی۔ اکثر صوبے اپنی خود مختاری کا اعلان کر چکے تھے اور جو چند ایک صوبے سلطنت سے وابستہ رہ گئے تھے وہ بھی بغاوت کی طرف مائل تھے۔ غرض سلطنت دہلی بدنظمی اور انتشار کا شکار تھی۔ یہ حالات بابر کے حملے کے لئے انتہائی سازگار تھے۔

کردار و خصوصیات

بابر انتہائی بہادر اور وجیہ و شکیل تھا۔ اور عزم و استقلال میں بے مثال تھا۔ اس کی قوت کا یہ عالم تھا کہ وہ دو آدمیوں کو اپنی بغلوں میں دبا کر آگرہ کے قلعہ کی فصیل پر دوڑ سکتا تھا۔ بابر ابتدائی عمر سے ہی مشکلات اور پریشانیوں کا شکار رہا۔ جس کی وجہ سے بہت محنتی جفاکش اور مستقل مزاج بن گیا تھا۔ اس کی مستقل مزاجی اور اولوالعزمی ہی تھی کہ وہ کابل فتح کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اور اس کے بعد ابراہیم لودھی کی کثیر فوج کو اپنی مستقل مزاجی بہادری اور جنگی ذہانت سے شکست دی اور اس کے بعد راجپوت طاقت کو نیچا دکھایا۔ اس کی ان کی خصوصیات کی بناء پر اس کے ترک سردار اسے بابر یعنی شیر کہتے تھے۔ بابر ایک نہایت

Marfat.com

عمدہ تیراک تھا۔ دریائے گنگا کے سواہندوستان کے جتنے بھی دریا اس کے راستے میں پڑے اس نے ان سب کو تیر کر پار کرلیا۔ وہ زبردست شہسوار تھا اور گھوڑے سوار ہو کر طویل مسافت طے کرتا تھا یہاں تک کہ وہ ایک ایک دن میں اسّی میل تک گھوڑے پر سوار ہو کر سفر کرتا تھا۔ بابر نہایت خوش طبع، رحمدل اور فیاض انسان تھا۔ اگر چہ دولت خاں نے اس سے بار بار وعدہ خلافی کی لیکن وہ اسے معاف کرتا رہا۔ وہ عسکری ذہانت سے مالا مال اور فن سپہ گری تیراندازی اور شمشیر زنی میں بے مثل تھا۔ اور ایک بہادر اور نڈر سپاہی تھا۔ لیکن اس کے باوجود وہ نہایت رحمدل تھا۔ چنانچہ اسی رحمدلی کے جذبے کی بناء پر اس نے کبھی اپنی فوج کو لوٹ مار اور قتل کی اجازت نہ دی۔ اور اس کی نیک نفسی کی بناء پر شکست خوردہ امیروں کی حرم خواتین عزت و آبرو محفوظ رہی۔ وہ بلا وجہ ظلم وتشدد اور خوں ریزی پسند نہ کرتا تھا۔ وہ نہایت مخلص اور وعدے کا پکا انسان تھا۔ اپنے دوستوں رشتے داروں سے مہربانی کا سلوک کرتا تھا۔ وہ سادہ مزاج، راست گو تھا اور قول کا اس قدر پکا تھا کہ دشمنوں سے بھی اس نے کبھی وعدہ خلافی نہ کی۔ احسان فراموشی اور وعدہ خلافی کو بہت بڑا گناہ تصور کرتا تھا۔ اگر چہ بابر مذہب کا سچا پیرو اور مذہباً سُنی مسلمان تھا لیکن وہ مذہبی تعصب سے بالا تھا۔ اس نے ہندوؤں کے ساتھ رواداری برتی اور کبھی ہندوؤں سے ناجائز دباؤ ڈال کر انہیں مذہب تبدیل کرنے پر مجبور نہیں کیا اور نہ ان کے مندر گرائے۔ اس کی فراخ دلی اور غیر متعصب طبیعت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ اس نے اپنے بیٹے ہمایوں کو خفیہ وصیت کی۔ ''تمام مذاہب کے پیروؤں سے مساوات برتنا، اور مذہبی معاملات اور عبادت کی کھلی آزادی دینا۔ اور ان کی عبادت گاہوں سے تعرض نہ کرنا بلکہ ان کی حفاظت کرنا اور ہندوؤں کے جذبات کا احترام کرتے ہوئے گئوکشی کو بند کر دینا۔ اور ہندوؤں سے شفقت سے پیش آنا۔ نیز مسلمانوں میں سے شیعہ اہل سُنی تفرقہ ختم کرنے کی کوشش کرنا لیکن ظلم وتشدد اختیار نہ کرنا''۔

بابر شکار اور عیش ونشاط اور شراب سے بھی رغبت رکھتا تھا۔ لیکن جنگ گنواہہ کے موقع پر اس نے شراب نوشی ہمیشہ کے لئے ترک کردی۔ اس کے علاوہ بابر کو قدرتی حسن پھولوں، دریا، آبشار وغیرہ سے بہت دلچسپی تھی یہ وجہ تھی کہ اس نے وصیت کی کہ اسے کابل میں دفن کیا جائے۔ بابر کو موسیقی سے بہت دلچسپی تھی اور اکثر محفلوں میں شریک رہتا تھا۔ اپنی ان تمام دلچسپیوں کے باوجود بابر عیش وعشرت میں پڑ کر سلطنت کے کاموں سے کبھی غفلت نہ برتتا تھا۔ بلکہ کثرت کام کرنے اس کی صحت پر بہت برا اثر ڈالا تھا۔

ان خوبیوں کے علاوہ بابر اعلیٰ علمی ذوق رکھتا تھا۔ بابر بذات خود ایک اعلیٰ شاعر تھا اور اعلیٰ پائے کی نظمیں کہتا تھا۔ اس کے علاوہ ایک اچھا نثر نگار تھا۔ اس نے اپنی سوانح حیات ''تزک بابری''، تصنیف کی جو دنیا کی اعلیٰ سوانح عمریوں میں شمار کی جاتی ہے۔ اس میں بابر نے نہایت سادہ خوبصورت طریقے سے اپنے خیالات کو نہایت صداقت وسچائی سے الفاظ کا جامہ پہنایا ہے۔ جس سے اس کے اعلیٰ خیالات کا پتہ چلتا ہے۔ اور اس کی بہادری اور عزم واستقلال کا اندازہ ہوتا ہے۔

متذکرہ تمام خوبیوں کے باوجود بابر اقتصادیات سے ناواقف تھا۔ اگر چہ دہلی اور آگرے کی فتح سے بے شمار مال غنیمت اور خزانہ اس کے ہاتھ آیا لیکن اس نے اس دولت کا صحیح استعمال نہ کیا بلکہ اپنی فیاضی کی وجہ سے تمام مال ودولت ختم کر دیا۔ جس کے بعد اس کے جانشین ہمایوں کو بہت مشکلات پیش آئیں۔ اگر چہ بابر اعلیٰ انتظامی صلاحیتوں کا مالک تھا۔ لیکن جنگوں

Marfat.com

کی مصروفیات کی بناء پر وہ انتظام سلطنت کی طرف توجہ کر کے سلطنت کے انتظامات میں اصلاح نہ کر سکا۔ بلکہ وہی قوانین رائج رہے جو افغان حکومت کے دور سے چلے آرہے تھے۔ فتوحات حاصل کرنے کے بعد وہ ایک سال کی مختصر مدت تک زندہ رہا۔ اس نے مختلف صوبوں پر اپنے سردار متعین کئے جو سالانہ اخراج ادا کرتے تھے۔ اور وقت ضرورت فوجی امداد دیا کرتے تھے۔ ان حاکموں کو اپنے صوبے کے اکثر شعبوں میں خودمختاری حاصل تھی اور بابر ان کے معاملات میں دخل نہ دیتا تھا۔ بہر حال بابر ایک زبردست فاتح اور اعلیٰ اوصاف کا حامل تھا۔

نصیر الدین محمد ہمایوں ۱۵۳۰ء تا ۱۵۴۰ء

بابر کے چار لڑکے ہمایوں، کامران، ہندال اور عسکری تھے۔ ہمایوں اپنے بھائیوں میں سب سے بڑا تھا اور اپنے سب بھائیوں میں سب سے لائق تھا ۱۵۵۵ء تا ۱۵۵۶ء میں یہ بابر کے زمانے میں بدخشاں کا صوبے دار رہ چکا تھا۔ بابر ہمایوں کے بے حد چاہتا تھا۔ اور اسے اپنا جانشین نامزد کر دیا تھا۔ ہمایوں ویسے بھی دیگر بھائیوں کے مقابلے میں اپنی قابلیت اور سب سے بڑا ہونے کی وجہ سے تخت سلطنت کا زیادہ حقدار تھا۔ چنانچہ بابر کی وفات کے بعد ۱۵۳۰ء میں ہمایوں آگرے میں تخت نشین ہوا۔ بابر نے ہمایوں کو وصیت کی تھی کہ وہ اپنے بھائیوں کے ساتھ فیاضانہ اور اچھا سلوک کرے۔

ہمایوں کی ابتدائی مشکلات

تخت نشین ہوتے ہی بابر کو بے انتہا مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اگرچہ بابر نے ہمایوں کو ایک وسیع و عریض سلطنت کا جانشین مقرر کیا تھا۔ لیکن بابر اپنے زمانے میں کوئی پائیدار نظام حکومت قائم نہ کر سکا تھا جس کی وجہ سے ہمایوں کو تخت نشینی کے فوراً بعد متعدد مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔

ا۔ بابر نے اگرچہ چار سال کے مختصر عرصے میں ہندوستان میں پٹھانوں اور راجپوتوں کو شکست دے کر ایک وسیع و عریض سلطنت قائم کر لی تھی۔ لیکن جنگی مہمات میں کچھ اس قدر مصروف رہا کہ سلطنت کے نظم و نسق کو بہتر بنانے کے لئے اور اپنے جانشینوں کی پائیدار حکومت کے لئے کوئی مفید قدم نہ اٹھا سکا۔ بابر نے اپنی سلطنت میں جاگیری نظام قائم رکھا اور اپنے سرداروں کو مختلف علاقوں کا حاکم مقرر کیا۔ یہ حاکم اور جاگیردار مرکزی حکومت کو سالانہ اخراج ادا کرتے تھے اور اپنی علیحدہ فوج رکھتے تھے اور وقت ضرورت مرکزی حکومت کو فوجی امداد دیا کرتے تھے۔ اور اپنے علاقے میں ان کو مکمل اختیارات حاصل تھے۔ یہ طریقہ ابتداء سے پرخطر رہا ہے کیونکہ انسان فطری جاہ طلبی کی بناء پر جاگیردار بغاوتیں کرتے رہتے تھے اور موقعہ ملنے پر خودمختاری اختیار کر لیتے تھے۔ بابر کے اسی نظام کے جاری رکھنے کی بناء پر ہمایوں کی مرکزی طاقت کمزور ہوگئی اور ان جاگیرداروں نے اپنی طاقت و اختیارات کی بناء پر بغاوتیں شروع کر دیں۔ ہندوستان ایک نہایت دولت مند ملک تھا۔ دہلی اور آگرے کی فتح سے ایک بہت بڑا خزانہ بابر کے ہاتھ آیا لیکن بابر اقتصادیات سے ناواقف تھا۔ اس نے اپنی فیاضی کی بناء پر جلد ہی یہ خزانہ اپنے سرداروں اور دوستوں میں بانٹ کر ختم کر دیا۔ جب ہمایوں تخت نشین ہوا تو سلطنت کی مالی حالت بہت خراب تھی جس کی وجہ سے ہمایوں ہمیشہ پریشان رہا

Marfat.com

کیونکہ بادشاہ کے پاس فوج جمع کر کے طاقت مستحکم کے لئے ایک بڑے خزانے کی ضرورت بنیاد ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ ہندوستانی باشندے اس نئی حکومت سے مانوس نہ ہوئے تھے اس اس حکومت کو غاصب تصور کرتے تھے۔ اور اس حکومت کو ختم کرنے کے درپے تھے۔

۲۔ بابر نے مرنے سے پیشتر ہمایوں کو وصیت کی تھی کہ وہ اپنے بھائیوں سے رواداری اور فیاضی کا سلوک کرے۔ ہمایوں نے نہایت فرمانبرداری سے اس نصیحت پر عمل کیا اور دوراندیشی سے کام نہ لیتے ہوئے انتہا پسندی کا مظاہرہ کیا۔ اور ملک کے زرخیز اور دولت مند علاقے اپنے بھائیوں کو سونپ دیئے۔ قندھار اور کابل کامران کے سپرد کیا۔ عسکری کے سپرد سنبھل کیا، الور اور میوات ہندال کو سونپ دیئے اور اپنے چچازاد بھائی سلیمان مرزا کو بدخشاں کے علاقے دے دیئے۔ اس طرح سے ایک طرف تو حکومت کی آمدنی پر بہت برا اثر پڑا دوسرے یہ کہ ان ہی علاقوں سے فوج بھرتی کی جاتی تھی۔ چنانچہ اب ان علاقوں سے فوج حاصل کرنے کے مواقع جاتے رہے۔ نیز ہمایوں کے بھائی نہایت بداخلاق اور احسان فراموش ثابت ہوئے۔ اور ہمایوں کی مشکلات میں اضافہ کرتے رہے۔ خصوصاً کامران جو کہ ہمایوں سے چھوٹا تھا نہایت مکار اور احسان فراموش ثابت ہوا۔ کامران نہایت چالاک اور جذباتی تھا اور مکاری کے اصولوں پر عمل پیرا تھا۔ اس کے برخلاف ہمایوں نہایت شریف الطبع تھا۔ کامران ہمایوں کے نہایت فیاضانہ اور شفقت اور مہربانی کے سلوک کے باوجود ہمایوں سے دشمنی رکھتا تھا۔ اور ہمایوں کی مخالفت پر کمربستہ تھا۔ عسکری اور ہندال کمزور طبیعت اور غیر مستقل مزاج تھے۔ انہوں نے اقتدار پسند اور جاہ طلب لوگوں کا آلہ کار بن کر ہمایوں کی مشکلات میں مزید اضافہ کیا۔

۳۔ مغل فوج میں ترک، ایرانی، ازبک یعنی مختلف قوموں کے سپاہی تھے۔ بابر ایک بہادر جرنیل تھا اور مقناطیسی شخصیت کا مالک تھا۔ جس کی وجہ سے اس نے مغل فوج کو سنبھالے رکھا۔ لیکن ہمایوں میں بابر جیسے اوصاف نہ تھے۔ لہذا اس کی فوج اور فوجی سردار اس کے خلاف سازشیں کرنے لگے۔ غرض یہ کہ تخت نشینی کے وقت ہمایوں کو ہر طرف سے بغاوتوں، شورشوں اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کے دشمنوں میں تین نہایت خطرناک تھے۔

۴۔ اگرچہ بابر نے محمود لودھی کی اچھی طرح سرکوبی کردی تھی لیکن اب وہ ہمایوں کی کمزور حکومت سے فائدہ اٹھا کر شورش کی طرف مائل تھا اور جونپور کے افغان اس کے جھنڈے تلے منتظم ہو رہے تھے۔

۵۔ بنگال و بہار کے افغان حکمرانوں کو اگرچہ بابر نے تھوڑے عرصے کے لئے بری طرح کچل دیا تھا۔ لیکن اب انہوں نے بھی وقت سے فائدہ اٹھایا ان کا حکمران خوشحال خان تھا۔ ان افغانوں نے تنظیم پیدا کر کے رفتہ رفتہ اپنی قوت بڑھاتے ہوئے کافی قوت حاصل کرلی تھی۔

۶۔ ہمایوں کا تیسرا دشمن گجرات کا سلطان بہادر شاہ تھا۔ جو کہ نہایت طاقتور اور باہمت حکمران تھا۔ اور سلطنت دہلی پر قبضہ کر کے اپنے ملک میں شامل کرنا چاہتا تھا۔

ان تین دشمنوں کے علاوہ ہمایوں کے بھائی کامران نے بھی ہمایوں کی مخالفت میں کوئی کسر نہ چھوڑی اور کابل اور

Marfat.com

قندھار پر قناعت نہ کرتے ہوئے پنجاب پر قبضہ کر کے اپنے شفیق بھائی سے احسان فراموشی کا ثبوت دیا۔ لیکن اس پر بھی ہمایوں نے اپنے بھائی کے خلاف کوئی سخت قدم نہ اٹھایا بلکہ خاموشی اختیار کی۔

محمود لودھی اور شیر خاں سے جنگ

ہمایوں نے عنان حکومت سنبھالنے کے بعد سب سے پہلے مشرق کے افغانوں پر فوج کشی کرنے کے ارادے سے ایک بھاری فوج لے کر روانہ ہوا اور لکھنؤ کے نزدیک ڈوہر کے مقام پر ۱۵۳۱ء میں افغان محمود لودھی کو بری طرح شکست دی جس میں محمود لودھی مارا گیا۔ اس کے بعد ہمایوں بہار کی طرف بڑھا جہاں محمود لودھی کی جگہ افغانوں کا رہنما اب شیر خاں بن گیا تھا۔ شیر خاں مغلوں کو ہندوستان سے نکال دینے کے درپے تھا۔ شیر خاں نے افغانوں کا سردار بن کر چنار کے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ چنانچہ ہمایوں نے چنار کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ شیر خاں نے ہمایوں سے مقابلے کی طاقت نہ پاتے ہوئے صلح کی درخواست کی۔ اگرچہ بابر نے اپنی زندگی میں ہمایوں کو شیر خان کی طرف سے ہوشیار رہنے اور اس کو کچل دینے کی ہدایت کی تھی۔ لیکن ہمایوں نے اس موقع پر دوراندیشی سے کام نہ لیتے ہوئے بابر کی نصیحت کو نظر انداز کر دیا اور شیر خاں کی صلح کی درخواست قبول کر لی اور دہلی واپس چلا گیا۔

بہادر شاہ سے جنگ ۱۵۳۲ء - ۱۵۳۵ء

گجرات کا سلطان بہادر شاہ گجرات میں ہمایوں کے خلاف اپنی طاقت میں اضافہ کر رہا تھا اور چاہتا تھا کہ مغلوں کو ہندوستان سے نکال کر دہلی کی سلطنت پر اپنا قبضہ کر لے۔ ہمایوں کے ہاتھ سے بچ کر بہت سے افغان سرداروں نے بہادر شاہ کے پاس پناہ حاصل کر لی تھی۔ بہادر شاہ مالوہ فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کر چکا تھا۔ اور خاندیش، احمد نگر اور برار کے حکمراں بہادر شاہ کی فرمانبرداری قبول کیے ہوئے تھے اور اس نے اہل پرتگال سے بھی دوستانہ مراسم قائم کر لئے تھے۔ ہمایوں کا شیر خان کی صلح کی درخواست قبول کرنے کا مقصد دراصل یہی تھا کہ وہ بہادر شاہ کی سرکوبی کرے اگرچہ یہ ہمایوں کی کوتاہ اندیشی تھی کہ اس نے شیر خاں سے جیسے قوی دشمن کو کچلنے سے پہلے بہادر شاہ کی طرف توجہ کی چنانچہ ہمایوں نے دہلی واپس آ کر بہادر شاہ سے اپنے باغی افغان سردار زمان خاں کو اپنے علاقے سے باہر نکال دینے کا مطالبہ کیا۔ جو کہ ہمایوں کے ہاتھوں سے بچ کر بہادر شاہ سے مل گیا تھا۔ لیکن بہادر شاہ نے ہمایوں کے مطالبے کو نظر انداز کر دیا۔ جس کی وجہ سے ہمایوں نے گجرات پر فوج کشی کر دی۔

ہمایوں کے حملے کے وقت بہادر شاہ چتوڑ پر فوج کشی میں مصروف تھا۔ اس نے چالاکی سے کام لیتے ہوئے ہمایوں کو پیغام بھیجا کہ میں اس وقت راجپوتوں کے خلاف جہاد میں مصروف ہوں۔ لہٰذا مسلمان ہونے کی حیثیت سے آپ میری مخالفت نہ کریں۔ ہمایوں نے کوتاہ اندیشی کا ثبوت دیتے ہوئے تھوڑے عرصے کے لئے خاموشی اختیار کر لی اسی دوران چتوڑ کی رانی کرن وتی ہمایوں سے امداد کی طالب ہوئی اس موقع پر بھی ہمایوں نے دوراندیشی سے کام نہ لیا اور چتوڑ کی رانی کو امداد دینے سے انکار کر دیا۔

Marfat.com

آخر جب بہادر شاہ چتوڑ فتح کرنے میں کامیاب ہوگیا تو ہمایوں بہادر شاہ پر حملہ آور ہوا۔ بہادر شاہ بھی مقابلے کے لئے بڑھا مگر شکست کھا کر مانڈو کی طرف راہ فرار اختیار کی اور پھر وہاں سے چمپا نیر کی طرف بھاگ گیا۔ ادھر ہمایوں اس فتح کے بعد عیش وعشرت میں پڑ گیا۔ بہادر شاہ نے موقع پا کر اپنے سپاہ سالار عماد الملک کو روانہ کیا جس نے احمد آباد پر قبضہ کر کے ایک بڑی فوج اکٹھا کر لی۔ یہ خبر پا کر ہمایوں نے عماد الملک پر حملہ کر کے گجرات اور مالوہ پر دوبارہ فتح حاصل کی۔ اس دوران ہمایوں کو شیر خاں کی سرکشی اور قوت بڑھانے کی خبر ملی۔ چنانچہ اس نے گجرات اپنے بھائی عسکری کے سپرد کیا۔ اور خود شیر خاں کی سرکوبی کے لئے مشرق کی طرف روانہ ہوا۔ لیکن عسکری نہایت نااہل ثابت ہوا۔ جس کی وجہ سے ہمایوں کے جانے کے بعد بہادر شاہ نے آہستہ آہستہ گجرات پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔

شیر خاں سے جنگ ۱۵۳۷ء تا ۱۵۴۰ء

جس وقت ہمایوں بہادر شاہ سے جنگ میں مصروف تھا تو شیر خان نے موقع پا کر اپنی طاقت میں اضافہ کر لیا۔ اور پورے بنگال اور بہار پر قابض ہوگیا۔ یہ اطلاع پا کر ہمایوں نے شیر خاں سے مقابلے کے لئے مشرق کی جانب پیش قدمی کی۔ شیر خاں بے مثل عسکری ذہانت کا مالک تھا اس کو اندازہ تھا کہ وہ بے شمار فوج مغل فوج سے مقابلے تاب نہیں رکھتا ہے۔ لہذا جب ہمایوں چنار کے قلعہ کی طرف بڑھا تو شیر خاں چنار کے قلعہ کو چھوڑ کر رہتاس گڑھ چلا گیا۔ اس طرح ہمایوں کی پیش قدمی کے لئے راستہ صاف کر کے اسے آگے بڑھنے کا موقعہ دیا۔ ہمایوں کے لئے بنگال کی راج دہانی گوڑ تک راستہ صاف ہوگیا اور ہمایوں یلغار کرتا ہوا گوڑ تک پہنچا اور گوڑ فتح کر لیا۔ لیکن اس فتح کے بعد ہمایوں حسب سابق عیش وعشرت اور آرام طلبی میں پڑ گیا۔ اور کافی وقت عیش وآرام میں گنوا دیا اسی دوران برسات شروع ہوگئی اور ہمایوں چار ماہ تک گوڑ میں مقیم رہا اس تمام عرصے شیر خاں اپنی طاقت بڑھانے میں مصروف رہا۔ اور ہمایوں کے دہلی کے رسل ورسائل اور واپسی کا راستہ روک دیا۔ ہمایوں بنگال سے بہار کی طرف پلٹا تو ۱۵۳۹ء نے شیر خاں نے دریائے گنگا کے کنارے چوسہ کے مقام پر ہمایوں کو زبردست شکست دی۔ اور ہمایوں جان بچانے کے خاطر دریائے گنگا میں کود پڑا۔ اور ایک سقے نے جس کا نام نظام تھا بڑی مشکل سے ہمایوں کی جان بچائی۔

ہمایوں کا فرار اور عہد جلاوطنی

قنوج میں شکست کھا کر ہمایوں بھاگ کر دہلی پہنچا مگر شیر خاں نے نہایت تیزی سے اس کا تعاقب جاری رکھا۔ ہمایوں کی فوجی طاقت بالکل ختم ہو چکی تھی۔ لہذا وہ اپنے چند سرداروں اور خاندان کے ہمراہ کامران سے امداد حاصل کرنے کی خاطر پنجاب پہنچا۔ لیکن احسان فراموش اور ناشکرے بھائی نے اس کی مدد کرنے سے صاف طور سے انکار کر دیا۔ ادھر دہلی اور آگرے پر شیر خاں نے قبضہ کر لیا۔ مجبوراً اپنی جان بچانے کی خاطر ہمایوں نے سندھ کی راہ لی اور میواڑ اور سندھ کے ریگستانوں میں نہایت مشکلات ومصائب میں خانہ بدوش پھرنے لگا اور جودھپور کے راجہ مالدیول سے امداد کا طالب ہوا۔ لیکن اس نے بھی ہمایوں کی کوئی مدد نہ کی۔ وہ سخت مصائب جھیلتا ہوا امرکوٹ پہنچا، جہاں رانا امرکوٹ اس نے سے نہایت عزت سے پیش آیا

Marfat.com

اور ہمایوں سے بڑا اچھا سلوک کیا۔ اور اپنے پاس سے دو ہزار سوار فوج جمع کر کے ہمایوں کی دی۔ ہمایوں نے اپنی بیوی حمیدہ بانو بیگم کو جو کہ امید سے تھی امر کوٹ چھوڑ کر ٹھٹہ اور بھکر کے اضلاع کی جانب روانہ ہوا۔ ۱۵ اکتوبر ۱۵۴۲ء کو حمیدہ بیگم کے ہاں ایک بچے کی ولادت ہوئی جو کہ خاندان مغلیہ میں سب سے بڑا شہنشاہ (جلال الدین محمد اکبر) ہوا۔ جب ہمایوں کو بچے کی پیدائش کی اطلاع ملی تو امر کوٹ سے تقریباً بیس میل کے فاصلے پر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ وہ یہ خوش خبری سن کر سوچ میں پڑ گیا کہ اس غریب الوطنی اور مفلسی میں کس طرح اپنے بچے کی پیدائش پر خوشی منائے۔ آخر اس نے مشک نافہ کی ایک ڈالی توڑ کر اپنے سرداروں میں تقسیم کی اور کہا کہ "اپنے بچے کی پیدائش پر پیش کرنے کے لئے میرے پاس یہی ایک تحفہ ہے مجھے یقین ہے کہ جس طرح مشک نافہ کی خوشبو سے یہ کمرہ مہک اٹھا ہے اسی طرح میرے اس بچے کی شہرت تمام دنیا میں پھیلے گی"۔

آخر ہمایوں نے سندھ میں مہم جوئی میں کچھ فائدہ نہ سمجھتے ہوئے قندھار جانے کا فیصلہ کیا۔ اس وقت اس کے ساتھ اس کی بیوی حمید بیگم اور ننھے اکبر کے علاوہ صرف چند سردار تھے۔ چنانچہ وہ قندھار کی طرف روانہ ہوا۔ اور جب وہ کوئٹہ کے جنوب سے گزر رہا تھا تو اس کے بھائی عسکری نے اس پر حملہ کر دیا۔ ہمایوں کے لئے فرار ہونے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ چنانچہ اس نے اس مشکل سفر میں اکبر کو جس کی عمر مشکل سے ایک سال تھی یہیں چھوڑا اور حمیدہ بیگم کو اپنے ساتھ لے لیا۔ اور اکبر عسکری کے ہاتھ لگا۔

ہمایوں کو قندھار سے بھی ناکامی کا سامنا کرنا پڑا اور اسے وہاں پناہ حاصل نہ ہو سکی۔ آخر مجبوراً وہ ایران روانہ ہوا۔ ایران کے شاہ طہماسپ نے ہمایوں کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور ہمایوں کو امداد دینے کا وعدہ کیا۔ ہمایوں ۱۵۴۵ء تک شاہ طہماسپ کے پاس ایران مقیم رہا۔

سلطنت پر ہمایوں کی بحالی

ہمایوں کو قنوج کے مقام پر شکست دینے کے بعد شیر شاہ نے دہلی پر آگرہ پر قبضہ کر لیا۔ شیر شاہ نہ صرف اعلیٰ عسکری ذہانت کا مالک تھا بلکہ ایک اعلیٰ حکمران ثابت ہوا۔ اور ہندوستان میں اپنی حکومت قائم کر کے متعدد اصلاحات کیں اور مضبوط حکومت کی بنیاد ڈالی۔ شیر شاہ کی زندگی میں ہمایوں کو دوبارہ تخت سلطنت حاصل کرنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ ۱۵۴۵ء میں شیر شاہ جب کالنجر کے قلعہ پر قبضہ کرنے کے لئے مصروف جنگ تھا۔ تو اچانک بارود کے ڈھیر میں آگ لگ جانے کے باعث اپنے بہت سے سپاہیوں کے ساتھ بری طرح جل گیا اور ۲۳ مئی ۱۵۴۵ء وفات پائی۔

شیر شاہ کی وفات کے بعد اس کا بیٹا جلال خاں اسلام شاہ کے لقب سے تخت نشین ہوا۔ اور آٹھ سال حکومت کرنے کے بعد ۱۵۵۳ء میں اس کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد اس کا بارہ سال کا لڑکا فیروز تخت نشین ہوا۔ جسے اس کے ماموں مبارک خاں نے قتل کر کے ۱۵۵۴ء میں تخت حکومت پر قبضہ کر لیا۔ اور محمد عادل شاہ کا لقب اختیار کیا۔ عال شاہ نہایت عیش پسند حکمراں تھا۔ اور تمام انتظام سلطنت اپنے وزیر ہیموں کے سپرد کیا ہوا تھا۔ ہیموں اگرچہ ایک باصلاحیت شخص تھا اور انتظامی صلاحیتوں کا ماہر تھا لیکن حکومت کی حالت کچھ اس قدر بگڑ چکی تھی کہ اس کو سنبھالنا دشوار تھا۔ چاروں طرف بغاوتیں اٹھ کھڑی ہوئیں۔ ابراہیم سور

Marfat.com

نے آگرے پر قبضہ کرلیا اور سکندر سور پنجاب پر قابض ہو گیا۔ ہمایوں ایران میں بیٹھا ہندوستان کے ان حالات کا بخوبی جائزہ لے رہا تھا۔ چنانچہ وہ موقعہ سے فائدہ اٹھا کر چودہ ہزار ایرانی فوج لے کر بڑھا اور قندھار پر قبضہ کر لیا۔ اور ۱۵۴۷ء میں کابل پر فوج کشی کی کامران نے ہمایوں کا مقابلہ کیا مگر شکست کھا کر گرفتار ہوا۔ ہمایوں نے اس مرتبہ کامران کے ساتھ سخت سلوک کیا اور اس کو اندھا کر کے مکہ بھیج دیا۔ اس کے بعد ہمایوں نے عسکری کو شکست دے کر اسے بھی مکہ جانے کی اجازت دے دی۔ ۱۵۵۵ء میں ہمایوں نے لاہور پر حملہ کیا اور لاہور فتح کر کے دہلی کی جانب روانہ ہوا سرہند کے مقام پر سکندر سور نے ایک بھاری فوج سے ہمایوں کا مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی۔ اس جنگ کے چند روز بعد پندرہ سال کا طویل عرصہ گزار کے ہمایوں دوبارہ دہلی میں داخل ہوا۔ اور کھوئے ہوئے تخت پر دوبارہ بیٹھا۔

وفات

اپنے کھوئے ہوئے تخت سلطنت کو دوبارہ حاصل کرنے کے بعد ہمایوں کو بہت ہی مختصر عرصے حکومت کرنا نصیب ہوئی اور وہ ایک روز کتب خانے کی سیڑھیوں سے گر کر ایسا زخمی ہوا کہ جانبر نہ ہو سکا اور جنوری ۱۵۵۶ء کو وفات پا گیا۔

خصوصیات

ہمایوں نہایت نرم دل اور نیک مزاج انسان تھا۔ وہ نہایت فیاض تھا اور اپنے باپ بابر کا اس قدر فرمانبردار تھا کہ اس نے بابر کی وصیت کے مطابق اپنے چھوٹے بھائیوں سے نہایت فیاضی کا سلوک کیا اور دولت منداور زرخیز علاقے ان کے سپرد کر دیئے۔ وہ اپنے رشتے داروں اور عزیزوں کے ساتھ نہایت عمدہ سلوک کرتا تھا اور فیاضی اور مہربانی سے پیش آتا۔ وہ فطرتاً اس قدرنیک تھا کہ اپنے بھائیوں اور رشتہ داروں کی زیادتیوں اور مخالفتوں کا بدلہ لینے کی کبھی کوشش نہ کرتا تھا۔

ہمایوں میں نرمی اور مروت کا جذبہ کچھ اس قدر تھا کہ وہ اپنے دشمنوں تک سے نہایت نرمی سے پیش آتا اور بعض اوقات اپنی فطری نیکی کی وجہ سے دوراندیشی سے کام نہ لیتا۔ جس کی مثال اس سے ملتی ہے کہ بہادر شاہ والی گجرات جو کہ ہمایوں کا بہت بڑا دشمن تھا اور ہمایوں کے باغیوں سے میل جول رکھتا تھا۔ ہمایوں نے جب اس کی زیادتیوں کے خلاف اس پر فوج کشی کی تو اس وقت وہ چتوڑ پر فوج کشی میں مصروف تھا۔ چنانچہ اس نے ہمایوں کے حملہ کی خبر پا کر ہمایوں کو لکھا کہ میں اس وقت راجپوتوں کے خلاف جہاد میں مصروف ہوں لہذا آپ میری مخالفت نہ کریں اگر چہ ہمایوں کے لئے یہ ایک بہترین موقعہ تھا لیکن اس نے بہادر شاہ کی درخواست قبول کر لی۔ اسی دوران چتوڑ گڑھ کی رانی نے جب ہمایوں سے بہادر شاہ کے خلاف مدد کی درخواست کی تو ہمایوں نے صاف انکار کر دیا۔ ہمایوں کی نرم دلی اس کی تباہی کا باعث ہوئی۔ وہ دوراندیشی سے کام نہ لیتا تھا۔ سب سے پہلے اس نے اپنے بھائیوں کے ساتھ انتہائی فیاضی کا سلوک کرتے ہوئے ان کو ایسے دولت منداور زرخیز علاقے دے دیئے جہاں نہ صرف حکومت کو ایک بڑی آمدنی حاصل ہوتی تھی بلکہ ان علاقوں سے فوج بھی بھرتی کی جاتی تھی۔ یہ ہمایوں کی ایک زبردست غلطی تھی کیونکہ اس نے ناشکرے بھائیوں نے وقت پڑنے پر نہ صرف اس کی مدد کرنے سے انکار کر دیا بلکہ اس کی مخالفت میں کوئی

Marfat.com

کسر نہ چھوڑی اور اس سے لڑائی پر بھی کمر باندھی۔

ہمایوں میں اپنے باپ بابر کے جیسی دور اندیشی اور عسکری ذہانت نہ تھی۔ چنانچہ جب ۱۵۳۱ء میں شیر خاں کے خلاف چنار کے قلعے پر فوج کشی کی تو شیر خاں کی صلح کی درخواست پر اس سے صلح کر لی۔ اگر چہ شیر خاں کے خطرے سے بابر نے ہمایوں کو پہلے ہی آگاہ کر دیا تھا اور اسے کچلنے کی تنبیہ کی تھی۔ لیکن ہمایوں شیر خاں جیسے ایک روز اپنے کتب خانے کی سیڑھیوں سے گر کر ایسا زخمی ہوا کہ جانبر نہ ہو سکا اور جنوری ۱۵۵۶ء کو وفات پا گیا۔

خاندان سور ۱۵۴۰ء تا ۱۵۵۵ء

شیر شاہ سوری ۱۵۴۰ء تا ۱۵۴۵ء

شیر شاہ کا اصل نام فرید تھا۔ اس کی صحیح تاریخ پیدائش معلوم نہیں تاہم وہ پندرہویں صدی کے آخری پندرہ برسوں کے دوران میں حصار فیروزہ میں سور نامی افغان خاندان میں پیدا ہوا۔ اس کا دادا ابراہیم، سلطان بہلول لودھی کے عہد میں ہندوستان آیا تھا۔ شیر شاہ کا باپ حسن شاہ آباد کے ضلع میں سہسرام کے علاقے کا جاگیر دار تھا۔ حسن پر اپنی سب سے چھوٹی کنیز کا بہت زیادہ اثر تھا جو کہ فرید سے بدسلوکی کرتی تھی حسن بھی اپنی بیوی سے محبت اور اس کے زیر اثر ہونے کی وجہ سے فرید سے سرد مہری سے پیش آتا تھا۔ آخر فرید سوتیلی ماں کی بدسلوکی کے باعث گھر سے بھاگ کر جون پور پہنچا اور تعلیم حاصل کرنے کی طرف توجہ دی اور بہت جلد عربی اور فارسی پر عبور حاصل کر لیا۔ اور فلسفہ اور تاریخ کا بھی گہرا مطالعہ کیا۔ اور فاتحین اور بڑے بڑے فرمانرواؤں کی سوانح عمریاں پڑھ کر اس کے دل میں جہانبانی کی تمنا انگڑائیاں لینے لگی۔ حسن خاں کو جب فرید کی قابلیت اور صلاحیتوں کا علم ہوا تو وہ فرید کو اپنے ساتھ لے آیا، اور اپنی جاگیر کا انتظام فرید کے سپرد کر دیا۔ فرید نے جاگیر کا نظم و نسق بڑی خوش اسلوبی سے سنبھالا اور نیا نظام مالگذاری رائج کر کے زمینداروں کو دبایا اور کسانوں کی زمین کی پیمائش کرا کے مالیہ مقرر کیا۔ اور ایسا نظام رائج کیا جس سے کسانوں کی ترقی اور خوشحالی میں اضافہ ہوا۔ لیکن سوتیلی ماں کی دشمنی نے اسے دوبارہ یہاں سے نکل جانے پر مجبور کر دیا۔ اور وہ اپنی جاگیر چھوڑ کر ابراہیم لودھی کے پاس ملازم ہو گیا اور ابراہیم لودھی کی حکومت کا خاتمہ ہونے کے بعد بہار کے حاکم بہار خاں کے پاس ملازم ہو گیا۔ اور اپنی صلاحیتوں کی بناء پر جلد ہی بہار خاں کی نظروں میں چڑھ گیا۔ اور اپنی انتظامی قابلیتوں کی وجہ سے پورے بہار میں شہرت حاصل کر لی۔ ایک مرتبہ بہار خاں کے ساتھ شکار کا موقعہ پر اس نے ایک شیر کو تلوار کے ایک ہی وار سے ہلاک کر دیا فرید کی اس دلیری پر بہار خاں نے اس کو شیر خاں کا خطاب دیا۔ اس کے بعد شیر خاں بابر کے پاس آگرہ جا کر اس کی مصاحبت میں داخل ہو گیا اور مغلوں کے جنگی طریقوں سے واقفیت حاصل کر لی۔ اس کے دل میں فرمانروائی کی خواہش نہایت شدید ہوتی گئی اور ایک روز اس کی زبان سے یہ الفاظ ادا ہوئے کہ اگر قسمت نے ساتھ دیا تو ایک روز مغلوں کو ہندوستان سے نکال کر باہر کر دوں گا۔ بابر اس کی صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے اس کی طرف سے مشکوک ہو گیا۔ اور شیر خاں پر کڑی نگرانی رکھی جانے لگی یہاں تک کہ اس کو قید میں ڈالنے کی تدبیریں کی گئیں، لیکن شیر خاں باہر کے ارادوں کا اندازہ کر کے بہار بھاگ

Marfat.com

گیا۔ بہار پہنچ کر اس نے سلطان محمود کی ملازمت اختیار کی سلطان محمود کے انتقال کے بعد وہ ۱۵۳۲ء میں سلطان محمود کے نابالغ لڑکے جلال کے اتالیق بن گیا۔ اور اس کا اثر واقتدار کو بہت زیادہ عروج حاصل ہوا۔ جلال نے بالغ ہو کر شیر خاں کا اثر واقتدار ختم کرنے کے لئے بنگال کے صوبیدار سے تعلقات پیدا کئے۔ لیکن شیر خاں دونوں کو شکست دے کر بہار اور بنگال کے دارالحکومت گوڑ پر قابض ہو گیا۔ اسی دوران لاڈ ملکہ نے شیر خاں سے متاثر ہو کر اس سے شادی کر لی، جس کی وجہ سے چنار کا قلعہ اور اس کا نواحی پرگنہ بھی شیر خاں کے قبضہ میں آ گیا۔

ادھر ہمایوں شیر خاں سے خطرہ محسوس کر رہا تھا۔ اس نے شیر خاں سے چنار کے قلعہ کا مطالبہ کیا اور شیر خاں کے انکار پر چنار کا محاصرہ کر لیا۔ شیر خاں میں ہمایوں سے مقابلے کی طاقت نہ تھی چنانچہ اس نے ہمایوں سے صلح کی درخواست کی۔ ہمایوں گجرات کے سلطان بہادر شاہ کی طرف متوجہ ہونا چاہتا تھا۔ لہذا اس نے شیر خاں کی درخواست قبول کر لی۔ شیر خاں جیسے قوی دشمن کو آزاد چھوڑ کر ہمایوں نے ایک زبردست غلطی کی۔ ہمایوں کے واپس ہوتے ہی اپنی طاقت میں اضافہ کرنا شروع کیا ادھر بنگال کے فرمانروا محمود شاہ نے بہار پر فوج کشی کی لیکن شیر خاں کے مقابلے میں شکست کھائی۔ اور بہت سا خزانہ اور ہاتھی گھوڑے شیر خاں کے ہاتھ لگے۔ لوہانیوں کو اس مال غنیمت میں سے کوئی حصہ نہ ملا جس کی وجہ سے انہوں نے بہار کے برائے نام حکمران جلال کو اپنے ساتھ ملا کر شیر خاں کی مخالفت شروع کر دی۔ اور جلال نے بنگال کے ساتھ اتحاد شیر خاں کی مخالفت شروع کر دی۔ اور جلال بنگال کے ساتھ اتحاد قائم کر کے شیر خاں کو بہار سے نکالنے کی کوشش شروع کر دی۔ ادھر شیر خاں نے افغانوں کے دل میں یہ بٹھا دی کہ وہ افغانوں کی حکومت قائم کرنے کے لئے ایک قومی خدمت انجام دے رہا ہے۔ اس طرح کثیر تعداد میں افغانوں کو اپنے ساتھ ملا کر اپنی طاقت میں بہت زیادہ اضافہ کر لیا۔ اس کے بعد شیر خاں اور بنگال کی فوجوں کا سورج گڑھ کے مقام پر آمنا سامنا ہوا۔ بنگالی فوج اگرچہ شیر خاں کی فوج کے مقابلے میں کثیر تعداد میں تھی اور ساز وسامان کے لحاظ سے بھی بدتر تھی۔ لیکن شیر شاہ نے اپنی جنگی چالوں اور عسکری ذہانت سے فائدہ اٹھایا اور اپنی فوجوں کو پسپا کر کے میدان جنگ سے فرار کی صورت ظاہر کی۔ جب بنگالی فوجیں تعاقب میں آگے بڑھیں اور ان کی صفیں افراتفری پیدا ہوئی شیر خاں نے پلٹ کر حملہ کر دیا۔ اور اپنی عسکری ذہانت کی بدولت فتح حاصل کی۔ اس فتح سے کثیر مال ودولت اور سامان جنگ شیر خاں کے ہاتھ آیا اور وہ بہار اور اس کے ملحقہ علاقوں کا مالک ومختار بن گیا۔ اس کے بعد اس نے بنگال میں پیش قدمی جاری رکھی اور بے انتہا مال ودولت اور وسیع علاقے پر قبضہ کر لیا۔

شیر خاں کی ان سرگرمیوں کی اطلاع پا کر ہمایوں نے جو کہ اس وقت گجرات کی مہم میں مصروف تھا۔ گجرات کی مہم ادھوری چھوڑ کر شیر خاں کی طرف توجہ کی، اور بہار کی طرف بڑھا۔ شیر خاں میں مغلوں کی کثیر فوج سے مقابلہ کی طاقت نہ تھی لہذا اس نے اپنی ذہانت سے کام لیتے ہوئے چنار کا قلعہ خالی کر دیا اور رہتاس گڑھ چلا گیا۔ اور گوڑھ تک بڑھنے کے لئے ہمایوں کا راستہ صاف کر دیا۔ ہمایوں نے چنار پر فتح حاصل کر کے گوڑ کی طرف پیش قدمی کی اور گوڑ بھی فتح کر لیا۔ اس دوران برسات کا موسم شروع ہو گیا اور ہمایوں عیش عشرت میں پڑ گیا۔ اس دوران شیر خاں ہمایوں کی طرف سے غافل رہا اور اپنی طاقت میں اضافہ

Marfat.com

کرتا رہا۔ نیز ہمایوں کے واپس ہونے کے ذرائع اور دہلی سے ہمایوں کے رسل ورسائل منقطع کر دیئے۔ اور ۱۵۳۹ء میں چوسہ کے مقام پر ہمایوں کو شکست دی۔ اور اس کے بعد ۱۵۴۰ء میں قنوج کے مقام پر ہمایوں کو بری طرح شکست دے کر دہلی اور آگرے پر قبضہ کر لیا اور شیر شاہ کے لقب سے عنان حکومت سنبھالی۔

شیر شاہ نے ہمایوں کا تعاقب جاری رکھا۔ اور ہمایوں کے تعاقب میں ایک زبردست فوج لاہور روانہ کی۔ اس کے بعد شیر شاہ خود لاہور آیا اور خوشاب تک بڑھتا چلا گیا۔ ہمایوں کے بھائی کامران کو بھی پنجاب سے کابل بھاگنا پڑا۔ اس دوران ہمایوں ملتان اور بھکر کی جانب چلا گیا تھا۔ شیر شاہ نے خوشاب میں قیام کیا اور اپنے قیام کے دوران بلوچ اور گھکھڑ قبیلوں کو مطیع کیا۔ اور ہمایوں کا تعاقب کرنے اور اسے ہندوستان سے باہر نکالنے کے لئے فوج روانہ کی۔

کردار و خصوصیات

شیر شاہ کو ہندوستان کے روشن دماغ اور بہت بڑے بادشاہوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ یہ شیر شاہ کی اولوالعزمی، صلاحیت اور قابلیت کا نتیجہ تھا کہ وہ ایک معمولی درجے سے ترقی کرتا ہوا شہنشاہ ہندوستان بن گیا۔ شیر شاہ ایک نہایت قابل جرنیل تھا جس نے مغل فرمانروا ہمایوں کو چین سے نہ بیٹھنے دیا اور اسے ہندوستان سے فرار ہونے پر مجبور کر دیا۔ وہ جنگ کے موقع پر ہر قسم کے چالوں اور ضرورت پڑنے پر مکاری اور فریب سے دشمن کو شکست دیتا تھا۔ شیر شاہ ایک اعلیٰ عسکری ذہانت کا مالک ہونے کے ساتھ ساتھ انتظام سلطنت کا بھی بڑا ماہر تھا۔ سب سے پہلے اس نے اپنے باپ حسن خان کی جاگیر کا انتظام نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیا لیکن اپنی سوتیلی ماں کے سلوک سے تنگ آ کر وہاں سے بہار چلا گیا۔ اور اس کے بعد اپنی صلاحیت اور قابلیت کے بل پر شہنشاہ ہندوستان بن گیا۔ اور ملک میں اپنے صلاحیتوں کی بناء پر ایک اعلیٰ انتظام کیا۔ ملک میں امن وامان قائم کیا۔ رعایا کے لئے عدل وانصاف کے دروازے کھول دیئے۔ کاشتکاروں کی ہمت افزائی کی انہیں ہر ممکن سہولت دیں، مالگذاری میں مناسب اصلاحات کیں۔ وہ کہتا تھا کہ بادشاہ کا فرض عیش وعشرت نہیں بلکہ سلطنت کے ہر شعبے میں گہری نظر رکھنا اور رعایا کی فلاح وبہبود اور خوشحالی کا قیام بادشاہ کا اولین فرض ہے۔ شیر شاہ کٹر سنی مسلمان تھا۔ اور باقاعدگی سے مذہبی فرائض ادا کرتا تھا۔

سلطنت کے امور کی انجام دہی کے لئے اس نے باقاعدہ اوقات مقرر کر رکھے تھے۔ وہ سورج نکلنے سے قبل بیدار ہو غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر فجر کی نماز ادا کرتا اس کے بعد سارا دن سرکاری امور کی انجام دہی میں مصروف رہتا۔ درمیان میں صرف مختصر وقت کے لئے آرام کرتا۔ اس کی دلی خواہش تھی کہ ملک میں ہر چھوٹے بڑے کے لئے انصاف عام کیا جائے۔ وہ بلا لحاظ مذہب کے ہر ایک سے یکساں سلوک کرتا۔ اور افسروں کو ہدایت تھی کہ وہ رعایا کے کسی فرد پر بلاوجہ زیادتی نہ کریں۔ غریبوں اور محتاجوں کے لئے بلا امتیاز مذہب باورچی خانوں سے کھانا مفت تقسیم ہوتا اور مستحق طلباء کو مذہبی امتیاز سے بالاتر ہو کر وظائف دیئے جاتے اور غریبوں سے مہربانی کا سلوک کرتا۔ شیر شاہ کو کسانوں کی خوشحالی کا خاص طور سے خیال تھا کہ وہ ہر ممکن طریق سے ان کی جان ومال کی حفاظت کی اور ان کی خوشحالی میں اضافہ کرنے کے لئے ذرائع پیدا کرتا۔

Marfat.com

شیر شاہ کے جانشین

۱۵۴۵ء میں شیر شاہ کی وفات کے بعد اس کا دوسرا لڑکا جلال خاں اسلام شاہ کے لقب سے تخت نشین ہوا۔ یہ نہایت سخت مزاج اور پختہ ارادے کا مالک تھا۔ لیکن اس میں اپنے باپ جیسی صلاحیت موجود نہ تھی۔ اس نے شیر شاہ کے نافذ کردہ بیشتر قوانین میں ترمیم و تنسیخ کی۔ اس نے اپنے بڑے بھائی عادل خاں کو اپنے جال میں پھنسا کر موت کے گھاٹ اتارنے کی غرض سے عادل خاں کو اپنے پاس طلب کر لیا۔ عادل خاں اس کے ارادے کو بھانپ کر پٹنہ کی طرف فرار ہو گیا۔ عادل خاں کے فرار کے بعد اسلام شاہ نے اپنے بھائیوں بھتیجوں اور دیگر رشتے داروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ۱۵۵۳ء میں اسلام شاہ کا انتقال ہو گیا۔ جس کے بعد اس کا بارہ سالہ کمسن لڑکا فیروز تخت نشین ہوا۔ لیکن تین ہی دن بعد اس کے ماموں مبازر خاں نے اس کو قتل کر دیا اور عادل شاہ کے لقب سے تخت نشین پر قابض ہو گیا۔ اس کی اس سفاکی سے تمام افغان امراء اور شاہی خاندان کے افراد اس کے مخالف ہو گئے۔ عادل شاہ نہایت عیش پرست شخص تھا۔ اس نے ایک ہندو بقال ہیموں کو اپنا وزیر مقرر کیا اور تمام انتظام سلطنت اس کے سپرد کر کے عیش و عشرت میں پڑ گیا۔

عادل شاہ کی اس حرکت پر جو کہ اس نے تخت حاصل کرنے کے لئے کی تھی تمام امراء اور شاہی خاندان کے افراد اس سے ناراض تھے۔ اسی دوران تاج خاں کرمانی نے عادل شاہ کے خلاف بغاوت کر دی۔ عادل شاہ نے چنار کی جانب اس کا تعاقب کیا۔ عادل شاہ کی دہلی سے غیر حاضری سے موقع اٹھا کر اس کے چچا زاد بھائی ابراھیم خاں نے دہلی اور آگرہ پر قبضہ کر کے اپنی حکومت قائم کر لی۔

ابراھیم کے عہد میں ایک شہزادے سکندر شاہ سوری نے پنجاب میں بغاوت کر کے آگرے پر حملہ کیا اور ابراھیم کو شکست دے کر اپنی حکومت قائم کر لی۔ اس دوران ہمایوں بھی ان حالات سے باخبر ہو کر دوبارہ ہندوستان کی سلطنت حاصل کرنے کی کوشش میں مصروف تھا۔ اور کابل پر قبضہ کر چکا تھا۔ اس نے ہندوستان کی اس افراتفری سے فائدہ اٹھا کر ۱۵۵۵ء میں سرہند کے مقام پر سکندر کو شکست دی اور دہلی اور آگرے پر قبضہ کر کے کھوئی ہوئی سلطنت کو دوبارہ حاصل کر لیا۔ اس طرح سور خاندان کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ اور ہندوستان میں دوبارہ مغل حکومت قائم ہو گئی۔

جلال الدین محمد اکبر ۱۵۵۶ء تا ۱۶۰۵ء

اکبر ۱۵ اکتوبر ۱۵۴۲ء کو ہمایوں کے عہد جلاوطنی میں امر کوٹ کے مقام پر پیدا ہوا۔ اس کی حمیدہ بانو بیگم ہندال کے معلم شیخ علی اکبر جانی کی لڑکی تھی۔ ہمایوں نے ۱۵۴۱ء میں اپنی جلاوطنی کے زمانے میں ہی اس سے شادی کی تھی۔ ہمایوں کی پہلی بیوی ماہ بیگم تھی۔ جس سے ایک لڑکا محمد حکیم اکبر سے چھوٹا تھا۔ جب کہ ہمایوں ہندوستان میں ہر طرف سے مایوس ہو کر قندھار جا رہا تھا کہ راہ میں عسکری نے اس پر حملہ کر دیا۔

ہمایوں نے ایسے مشکل وقت میں اکبر کو جس کی عمر مشکل سے ایک سال تھی اپنے ساتھ لے جانا گوارہ نہ کیا۔ اور اس کو

Marfat.com

وہیں چھوڑ کر اپنی بیوی اور چند سرداروں کے ساتھ بھاگ کھڑا ہوا۔ یہاں سے اکبر عسکری کے ہاتھ لگا۔ عسکری نے اکبر کے ساتھ اچھا سلوک کیا اور اس کی بیوی سلطانہ بیگم نے اس کی مناسب نگہداشت کی۔ ۱۵۴۵ء اختتام پر ہمایوں کامران کو شکست دینے میں کامیاب ہوگیا۔ اکبر نے دو سال سے بھی زیادہ عرصہ بعد اپنے والدین کی شکل دیکھی۔

۱۵۴۷ء میں جبکہ اکبر کی عمر تقریباً پانچ سال تھی۔ اسے تعلیم دینے کے لئے معلم کے سپرد کیا۔ لیکن اکبر معلم کی بہترین کوششوں کے باوجود حروف تہجی تک نہ سیکھ سکا۔ چنانچہ اپنی زندگی کے آخری ایام تک اسے پڑھنا لکھنا یا دستخط کرنا تک نہیں آیا۔ تاہم رفتہ رفتہ اکبر کو کتابیں پڑھوا کر سننے کا شوق پیدا ہوا۔ اور وہ مختلف موضوعات پر مثلاً فلسفہ، سیاسیات اور عمرانیات پر کتابیں پڑھوا کر غور سے سنتا اس طرح اکبر کی معلومات میں اضافہ ہوتا اور وہ ہر موضوع سے واقفیت حاصل کرتا۔

"لڑکپن میں اکبر کو جانوروں سے بہت دلچسپی تھی اور وہ اپنا بہت سا وقت اونٹوں، گھوڑوں، کبوتروں اور کتوں کے ساتھ گذارتا تھا۔ رفتہ رفتہ اس نے فنون سپہ گری مثلاً شہسواری، تیراندازی اور شمشیر زنی میں زبردست مہارت حاصل کرلی"۔

اس تمام عرصے ہمایوں کو کسی ایک جگہ چین سے بیٹھنے کا موقعہ نہ ملا، اس وجہ سے اکبر کی تعلیم و تربیت کی جانب پوری طرح توجہ نہ کی جا سکی۔ ۱۵۵۱ء کے آخری میں غزنی کا حکمراں ہندال ہلاک ہوگیا۔ لہذا ہمایوں نے غزنی اور اس کے دیگر ملحقہ علاقوں کی حکومت اکبر کو سونپ دی اکبر تقریباً چھ ماہ تک غزنی میں مقیم رہا۔ اور قابل سرداروں کی زیر نگرانی ایک صوبے دار کی حیثیت سے امور جہانبانی کی تربیت حاصل کی۔

ہمایوں نے دہلی کا تخت و تاج دوبارہ حاصل کرنے کے بعد اکبر کو اپنا ولی عہد نامزد کیا اور بیرم خاں کا اتالیق مقرر کیا۔ اور اکبر کو پنجاب کا صوبے دار مقرر کیا۔ اکبر کو حکومت کے کاموں سے زیادہ دلچسپی نہ تھی اور وہ اپنا زیادہ وقت سیر و شکار میں صرف کرتا تھا۔

تخت نشینی

اکبر کے پنجاب کے دوران قیام جنوری ۱۵۵۶ء میں ہمایوں دہلی میں اپنے کتب خانے کی سیڑھیوں سے گر کر وفات پا گیا۔ جب اکبر کو ہمایوں کی موت کی اطلاع ملی تو اس وقت اکبر ضلع گورداسپور میں کلانور کے مقام پر اپنے اتالیق بیرم خاں کے ساتھ پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ بیرم خاں نے اسی مقام پر اینٹوں کا ایک چبوترہ بنا کر اکبر کی تخت نشینی کی رسم ادا کر کے اسکی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ تخت نشینی کے وقت اکبر کی عمر صرف تیرہ سال تھی۔ چنانچہ عملی طور پر بیرم خاں نے انتظام حکومت اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

بیرم خاں

بیرم خاں ایک شیعہ سردار تھا۔ وہ انتہائی باصلاحیت ذہین تجربہ کار اور بہترین جنگی قابلیت کا ماہر تھا۔ وہ بابر کے زمانے سے نہایت وفاداری سے خدمات انجام دیتا چلا آ رہا تھا۔ ہمایوں کے عہد میں اس نے نہایت وفاداری سے ہمایوں کا ساتھ دیا

Marfat.com

۱۵۴۰ء میں قنوج کی لڑائی کے موقعہ پر وہ ہمایوں کے ساتھ تھا۔ قنوج کی لڑائی میں ہمایوں کی شکست کے بعد بیرم خاں شیر شاہ کے ہاتھوں قید ہوا لیکن کسی طریقہ سے وہ شیر شاہ کی قید سے نکل بھاگا اور ہمایوں کی جلاوطنی کے تیسرے سال ہمایوں سے جا ملا۔ ہمایوں کے عہد جلاوطنی میں وہ نہایت وفاداری سے ہمایوں کے ساتھ رہا۔ اور ہمایوں کے ساتھ ایران پہنچا۔ یہ بیرم خاں ہی کی کوشش کا نتیجہ تھا کہ ایران کا شاہ طہماسپ ہمایوں کی مدد پر راضی ہوا۔ جب ہمایوں نے ایران سے مدد لے کر کابل اور قندھار پر قبضہ کیا تو اس وقت بیرم خاں کی خدمت اور وفاداری مسلم رہی۔ اس کے بعد جب ۱۵۵۵ء میں ہمایوں نے ہندوستان پر حملے کا منصوبہ بنایا تو اس کو کامیاب بنانے والا بیرم خاں ہی تھا۔ ہمایوں پیار سے بیرم خاں کو ''خان بابا'' کہا کرتا تھا۔ اکبر کی تخت نشینی کے وقت اکبر کی عمر تیرہ سال تھی اور بیرم خاں اکبر کا اتالیق تھا۔ ہمایوں کی موت کے وقت اکبر بیرم خاں کے ساتھ سکندر سوری کے خلاف مہمات سر کرنے کے لئے پنجاب میں مقیم تھا۔ ہمایوں کی وفات اکبر کی کمسنی اور ملک کے سیاسی انتشار کی وجہ سے اکبر کے لئے ایک نازک موقعہ تھا۔

لیکن بیرم خاں نے عالی حوصلگی کا ثبوت دیا اور کلانور کے مقام پر اکبر کی رسم تاجپوشی ادا کی۔ اور سکندر سوری کی سرکوبی کی۔ اسی دوران ہیموں نے آگرہ پر قبضہ کر لیا اور اس کے بعد مغل صوبیدار تروی بیگ کو دہلی سے بھاگ جانے پر مجبور کر کے دہلی پر قبضہ کر لیا۔ مغل حکمراں اکبر کے لئے یہ موقعہ انتہائی نازک تھا۔ ہیموں کے دہلی پر قبضہ ہو جانے سے مغل فوج کے حوصلے پست ہو گئے۔ اور بعض لوگوں نے اکبر کو کابل چلانے کا مشورہ دیا۔ لیکن بیرم خاں نے دوراندیشی اور جرأت سے کام لے کر بابر کو ہیموں سے مقابلہ کرنے پر مجبور کیا۔ اور تروی بیگ کو جو کہ اس کا سیاسی رقیب تھا اس موقعہ پر اس نے دہلی سے فرار ہونے پر بزدلی کا الزام لگا کر موت کے گھاٹ اتار دیا۔ تروی بیگ کا قتل اگرچہ اخلاقی نقطۂ نظر سے ایک مذموم حرکت تھی۔ لیکن سیاسی نقطۂ نظر سے اس کے مفید نتائج برآمد ہوئے۔ ایک طرف تو ایسے مغل سرداروں کو عبرت حاصل ہوئی جو غداری اور بزدلی کی طرف آمادہ تھے دوسرے مغل فوج کے حوصلے بڑھ گئے۔ اس کے بعد ۱۵۵۶ء میں پانی پت کے میدان میں ہیموں کی شکست بیرم خاں کی دوراندیشی اور حوصلہ مندی کا نتیجہ تھی۔ وگرنہ ایسا نظر آتا تھا کہ اب مغل سلطنت ہندوستان میں دم توڑ رہی ہے۔ اس فتح کے بعد اکبر نے دہلی اور آگرہ پر قبضہ کر لیا اور اکبر کی حیثیت مسلم ہو گئی۔ اس طرح ہمایوں اور اکبر سلطنت کو دوبارہ حاصل کرنے میں بیرم خاں کے مرہون منت تھے۔

بیرم خاں کا زوال

بیرم خاں کا اقتدار ختم کرنے کے لئے بیرم خاں کے خلاف سازش کی گئی۔ اکبر کی والدہ حمیدہ بانو بیگم، اکبر کی انا ماہم انگا، انا کا لڑکا ادھم خاں اور دہلی کے صوبے دار شہاب الدین نے مل کر بیرم خاں کے خلاف سازش کی۔ اور منصوبے کے تحت اکبر کی والدہ حمیدہ بیگم کی سخت علالت کی خبر مشہور ہو گئی۔ چنانچہ اکبر اس خبر کو سن کر آگرہ سے اپنی والدہ سے ملنے دہلی گیا۔ جہاں اس سازش میں شامل تمام افراد نے مل کر اکبر کو بیرم خاں نے برخاست کرنے پر مجبور کیا۔ اکبر پہلے ہی بیرم خاں کی طرف سے مشکوک تھا۔

Marfat.com

لہذا اس نے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لینے کا اعلان کیا۔ اور یہ بھی اعلان کیا کہ وہ آئندہ تمام احکامات خود جاری کیا کرے گا۔
بیرم خاں متعدد بار اکبر سے خواہش کرنا چاہتا ہے۔ لہذا اکبر نے بیرم خاں کو پیغام بھیجا۔ ''مجھے آپ کی وفاداری اور دیانتداری پر پورا اعتماد تھا۔ جس کی وجہ سے تمام امور حکومت آپ کو سونپ کر خود عیش وعشرت میں مشغول رہتا تھا۔ اب میں عنان حکومت خود سنبھالنے کا فیصلہ کیا ہے۔ لہذا بہتر ہے کہ اب آپ اپنی دیرینہ خواہش کے مطابق حج کے لئے روانہ ہو جائیں۔ آپ کے اخراجات کے لئے ایک جاگیر وقف کردی جائے گی۔ جس کی آمدنی آپ کو مکہ معظمہ میں ملتی رہے گی''۔

بیرم خاں نے نہایت خندہ پیشانی سے اکبر کے اس حکم کی تعمیل کی۔ اور اپنا علم ونقارہ اور دیگر اعزازات اکبر کو بھجوا کر حج کے لئے روانہ ہوا۔ لیکن جب وہ مغرب کی جانب آگے بڑھا تو ہندو راجاؤں نے بیرم خاں کا راستہ روک لیا۔ چنانچہ اکبر نے بیرم خاں کے ایک پرانے ملازم پیر محمد کو ایک دستہ دے کر روانہ کیا اور پیر محمد کو ہدایت کی کہ بیرم خاں سیدھا مکہ چلا جائے اور راستے میں کہیں نہ رکے۔

پیر محمد خاں بیرم خاں کا مخالف تھا۔ دونوں کی مخالفت کا واقعہ یہ ہے کہ پیر محمد شروع میں بیرم خاں کا منظور نظر تھا۔ اور بیرم خاں نے اسے ترقی دے کر اپنا منتظم اعلیٰ بنالیا تھا۔ لیکن پیر محمد نہایت احسان فراموش ثابت ہوا اور اپنے اقتدار کی وجہ سے خود کو اپنے محسن بیرم خاں کا ہم پایہ سمجھنے لگا۔ ایک مرتبہ بیرم خاں خدا پیر محمد کی بیماری کی خبر پا کر اس کی عیادت کے لئے گیا تو پیر محمد کے ایک غلام نے اسے باہر ٹھہرالیا تاکہ وہ پیر محمد کو اس کی آمد کی اطلاع دے۔ بیرم خاں اس کو اس رویہ پر بہت برہم ہوا۔ جب بیرم خاں پیر محمد کے پاس پہنچا تو اس نے بیرم خاں سے معذرت کی کہ غلام کو معلوم نہ تھا کہ آپ کون ہیں۔ تاہم پیر محمد نے بیرم خاں کے ملازمین کو اپنے مکان میں داخل ہونے کی اجازت نہ دی۔ اس وقت تو بیرم خاں نے پیر محمد سے کچھ نہ کہا لیکن واپس آنے کے بعد اسے لکھا۔ ''جب تم قندھار سے آئے تھے تو تم ایک غریب طالب علم تھے اور میں نے تمہاری ذہانت اور قابلیت کا اندازہ کر کے تمہیں سلطان اور خاں کے خطابات اور یہ اعزاز دیا۔ لیکن تمہاری فطرت اس لائق نہیں۔ لہذا تمہارے کردار کی خامیوں کے پیش نظر مناسب یہی ہے کہ تمہیں اس اعزاز سے محروم کردوں''۔

اس کے کچھ عرصے بعد بیرم خاں نے پیر محمد کو گرفتار کر کے اسے زبردستی مکہ روانہ کردیا۔ لیکن پیر محمد ابھی گجرات میں ہی تھا کہ اسے بیرم خاں کے زوال کی اطلاع ملی۔ چنانچہ وہ مکہ جانے کے بجائے شاہی دربار میں پہنچا۔ اور اکبر نے اسے بیرم خاں کے مکہ روانہ کرنے پر مامور کیا۔ بیرم خاں کو جب اکبر کے اس اقدام کا علم ہوا کہ پیر محمد کو اس نگرانی اور ہندوستان سے نکالنے پر مامور کیا گیا ہے تو بیرم خاں نے اسے اپنی بے عزتی سمجھتے ہوئے بغاوت کردی۔ اور پنجاب پہنچ کر جالندھر پر قبضہ کرلیا۔ اور آگے بڑھ کر شاہی فوج کو جو کہ بیرم خاں سے مقابلے کے لئے اتکہ خان کی سرگردی میں روانہ کی گئی تھی۔ چاگنا چور کے مقام پر شکست دی لیکن اسی اثناء میں اکبر ایک زبردست فوج لے کر لدھیانہ پہنچ چکا تھا۔ بیرم خاں اکبر کا مقابلہ کرنا نہ چاہتا تھا۔ لہذا اس نے دریائے بیاس کے کنارے تلواڑا کی طرف پسپائی اختیار کی۔ جہاں کے راجہ نے بیرم خاں سے ہر طرح کی مدد دینے کا وعدہ کیا اور بیرم خاں کو فوجی امداد دی۔ لیکن بیرم خاں نے دریائے بیاس کے کنارے شاہی فوج کے مقابلے میں شکست کھائی۔ جس

Marfat.com

بیرم خاں اکبر کے سامنے گرفتار کر کے لایا گیا۔ تو اکبر نے اس کی سابقہ خدمات اور وفاداریوں کے سبب سے معاف کر کے اسے مکہ معظمہ جانے کی اجازت دے دی۔ لیکن بیرم خاں روانہ ہو کر ابھی گجرات ہی پہنچا تھا کہ پٹن کے مقام پر ایک افغان مبارک خاں لوہانی نے جس کا باپ ۱۵۵۵ء میں ماچھی واڑ کی لڑائی میں بیرم خاں کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ بیرم خاں کو قتل کر دیا۔ بیرم خاں کی موت کے بعد اکبر نے بیرم خاں کی خدمات کو فراموش نہ کیا اور اس کے کمسن بچے عبدالرحیم کی اپنے دربار میں بلا کر اپنی زیرنگرانی پرورش کرائی جو بعد میں دربار اکبری کا بہت بڑا منصب دار بنا۔

اکبر کا ۱۵۶۰ء سے ۱۵۶۴ء تک کا زمانہ

اکبر بیرم خاں کی سرپرستی سے نجات حاصل کرنے کے بعد حرم کی خواتین کے زیر اثر آ گیا۔ ابھی اس میں پوری طرح ملکی معاملات سے دلچسپی پیدا نہ ہوئی تھی۔ وہ اپنا زیادہ تر وقت سیر و شکار اور عورتوں کی صحبت میں گذارتا تھا۔ لیکن اس وقت بھی اس کی عالی ظرفی کا پتہ چلتا ہے۔ جیسا کہ اس نے بیرم خاں کو اپنی عالی ظرفی کی بناء پر معاف کر دیا۔ اس کے بعد اس نے یاترا ٹیکس بھی اسی دوران ختم کیا۔

اس زمانے میں اکبر پر اس کی ماہم انگا بہت اثر تھا۔ اور وہ اکبر کے مزاج میں بڑی حد تک دخیل تھا۔ بیرم خاں کے اقتدار کے خاتمے کے بعد وہ مشیر اعلیٰ بنی۔ ماہم انگا کا خاص مقصد یہ تھا کہ وہ اپنے بیٹے ادھم خاں کو ترقی دلا کر آگے بڑھائے اور اپنی جماعت کے آدمیوں کو مراعات دلوائے۔ اسے اپنے اس مقصد میں وقتی طور سے کامیابی بھی حاصل ہوئی۔

مالوہ کا علاقہ نہایت زرخیز تھا اور یہاں خودمختار سور افغان فرمانروا باز بہادر حکومت کرتا تھا۔ اکبر نے ماہم انگا کے لڑکے ادھم خاں اور پیر محمد کو مالوہ کی فتح کے لئے روانہ کیا۔ ان دونوں جرنیلوں نے مالوہ فتح کر لیا۔ لیکن ان دونوں کا اخلاق نہایت گرا ہوا تھا انہوں نے مالوہ کی فتح کے بعد نہایت گرے ہوئے اخلاق اور ظلم و ستم کا مظاہرہ کیا۔ ادھم خاں کے مال غنیمت اور باز بہادر کے حرم کی تین خواتین پر اپنا قبضہ کر لیا اور اکبر کو صرف چند ہاتھی روانہ کئے۔ جس پر اکبر بہت برہم ہوا اور ادھم خاں کو سزا دینے کی غرض سے مالوہ پر چڑھائی کی لیکن ماہم انگا کے کہنے سننے پر ادھم خاں کو معاف کر دیا۔ تاہم اس نے ادھم خاں کو معاف کر دیا۔ تاہم اس نے ادھم خاں کو ۱۵۶۱ء میں مالوہ سے واپس بلا لیا۔ اور پیر محمد کو مالوہ کا صوبیدار مقرر کیا۔ پیر محمد ایک کمزور صوبیدار ثابت ہوا۔ باز بہادر نے اپنی کھوئی ہوئی سلطنت حاصل کرنے کے لئے ۱۵۶۲ء میں مالوہ پر حملہ کیا تو پیر محمد نے باز بہادر سے شکست کھائی اور مانڈو کی طرف بھاگا لیکن دریائے نربدا پار کرتے ہوئے ڈوب کر ہلاک ہو گیا۔

ان ہی دنوں جونپور کے صوبیدار خاں زمان (علی قلی خاں) نے بغاوت کی۔ لیکن جب اکبر نے اس پر چڑھائی کی تو اس نے اکبر سے معافی مانگ لی۔ اس کے بعد چنار کا قلعہ بھی ۱۵۶۱ء میں فتح ہوا۔ اکبر نے راجہ اوردے سنگھ کی لڑکی جودابائی سے شادی کی۔ جس کے بطن سے شہزادہ خرم پیدا ہوا جو بعد شاہ جہاں کے نام سے بادشاہ بنا۔

اس دوران اکبر اپنی انا ماہم انگا کے زیر اثر تھا۔ اگرچہ وہ اکبر کی نہایت وفادار تھی تاہم وہ اپنے حسد و رقابت کی وجہ سے

Marfat.com

امور سلطنت کی انجام دہی میں بالکل ناکام رہی۔ اور اس نے انتہائی نااہل لوگوں کو مراعات دیں اور ان کو بے انتہا نوازا۔ بہر حال وہ بیرم خاں کے خاتمے کے بعد اکبر کی مشیر اعلیٰ بنی ہوئی تھی اور اکبر پر اس کا بہت اثر تھا۔ جن دنوں اکبر نے ادھم خاں کو مالوہ سے واپس طلب کیا تھا۔ انہیں دنوں ۱۵۶۱ء میں اکبر نے شمس الدین انگاہ خاں کو اپنا وزیر مقرر کر لیا تھا۔ اکبر کے ان دونوں اقدامات سے ماہم انگا اور اس کا لڑکا ادھم خاں دل ہی دل میں بہت برہم ہوئے۔ کیونکہ اس طرح ان کے ہاتھ اقتدار نکلا جا رہا تھا۔ چنانچہ جب ایک دن شمس الدین خاں محل میں بیٹھا تھا ادھم خاں وہاں آیا اور اپنے دو ملازموں کے ذریعے شمس الدین خاں کو قتل کرا دیا۔ اکبر بھی ملحقہ کمرے میں آرام کر رہا تھا۔ اس ہنگامے سے اس کی آنکھ کھل گئی اس وقت ادھم خاں اکبر کو بھی ختم کرنے کے لئے آگے بڑھا۔ اکبر ایک دوسرے دروازے سے نکلا تو ادھم خان نے سامنا ہو گیا اکبر نے غصے میں ادھم خاں کے اس زور سے گھونسہ رسید کیا کہ چکرا کر فرش پر گر پڑا۔ اس کے بعد اکبر نے حکم دے کر ادھم خاں کو رسیوں میں جکڑوا کر اسے سر کے بل چبوترے سے پھکوا دیا۔ اور اس طرح ادھم خاں ہلاک ہو گیا اور اپنے کیئے کی سزا پائی ماہم انگا نے اپنے بیٹے کی ہلاکت کے باعث صدمے کی تاب نہ لا کر چالیس دن بعد فوت ہو گئی۔ اس طرح اکبر کو ماہم انگا اور اس کے نمک حرام بیٹے ادھم خاں سے نجات ملی۔ لیکن اکبر نے ۱۵۶۴ء میں حرم کی خواتین کے اثر سے مکمل طور پر نجات حاصل کی۔ اکبر نے راجہ دے سنگھ کی لڑکی جودابائی سے شادی کی۔

دین الٰہی

اکبر کو آپس کے مذہبی تفرقے نے سخت بیزار کر دیا۔ وہ دیکھتا تھا کہ ایک ہی مذہب کے علماء کسی ایک مرکز پر متفق نہیں ہوتے۔ اگر کوئی بات کسی عالم کی نظر میں جائز ہوتی تو دوسرے کی نظر میں غیر ناجائز۔ یہ علماء باوجود یہ کہ ایک ہی مذہب کے پیرو کار ہوتے ہوئے ایک دوسرے کو کافر و ملحد وغیرہ کہا کرتے۔ آپ کے اس مذہبی تفرقے نے اکبر کو مذہب سے سخت بیزار کر دیا۔ اور وہ فلسفہ و تاریخ اور مذاہب کی کتابیں سن کر نیز آزاد منشوں کی صحبت کی وجہ سے جن میں شیخ مبارک، فیضی اور ابوالفضل شامل تھے۔

مذہب کی طرف سے نہایت آزاد خیال ہو گیا تھا۔ لہٰذا اس نے اپنے ملک کے تمام لوگوں کو ایک مرکز پر جمع کرنے کے لئے اور آپس کے مذہبی اختلافات مٹانے کی غرض سے اپنے آزاد منش صاحبوں کی مدد سے ایک نیا مذہب "دین الٰہی" جاری کی۔ اس مذہب کے جاری کرنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ ایک ایسا مذہب قائم کیا جائے جس کے اصول ہندو اور مسلمان دونوں کے لئے قابل قبول ہوں۔ دین الٰہی کے جاری کرنے کے بعد بقول ابوالفضل قوم کا مذہبی پیشوا بن گیا۔ وہ بنی نوع انساں کے آپس کے اختلافات مٹا کر ان کے پسندیدہ اصولوں پر مذہب جاری کر کے ہندو مسلمانوں کو ایک مذہب کے ذریعہ متحد کرنا چاہتا تھا۔ اور وہ اس فریضے کی ادائیگی کو خدا کو خوش کرنے کا ایک ذریعہ سمجھتا تھا۔ اس دین کے بڑے بڑے اصول یہ تھے۔

۱۔ خدا ایک ہے اور سب کا خدا ہے۔

۲۔ دنیا میں اکبر خدا کا نائب ہے۔

Marfat.com

۳۔ دین الٰہی کے پیروکار اس دین کے پیشوا یعنی اکبر کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دینے کے لئے تیار ہیں۔

۴۔ دین کے ارکان لوگوں کی فلاح و بہبود کے لئے کام کریں۔ ان کا اخلاق بلند ہو۔ اخلاق کا معیار ایسا ہو جیسے تمام مذاہب قبول کرتے ہوں۔

دین الٰہی کے بڑے بڑے قاعدے اکبر نامے میں ابوالفضل نے دین الٰہی کے جو قاعدے بیان کئے ہیں ان میں بڑے بڑے یہ ہیں۔

۱۔ دین الٰہی کے ارکان ایک دوسرے سے ملتے وقت اللہ اکبر جل جلالہ کہہ کر آپس میں ایک دوسرے کا استقبال کرتے تھے۔

۲۔ دین الٰہی کے ارکان میں سے ہر ایک اپنی سالگرہ پر دوسرے ارکان کی دعوت کا اہتمام کرتا تھا۔

۳۔ اس مذہب کے ہر ایک رکن کو ایک خاص رقم بطور زکوۃ ادا کرنا ہوتی تھی۔

۴۔ اس کے ارکان گوشت خوری سے قطعاً پرہیز کرتے تھے اور قصابوں، مچھیروں اور شکاریوں کے ساتھ کھانا نہ کھاتے تھے۔

۵۔ ارکان کی وفاداری کے چار درجے تھے۔ یعنی اپنے پیشوا اکبر کے لئے جائیداد، زندگی، عزت اور مذہب کو قربان کرنا اور ارکان اپنے پیشوا اکبر کی زندگی کے لئے دست بدعا کرتے وقت خیرات بھی کیا کرتے تھے۔

۶۔ جب ارکان اپنے پیشوا اکبر کے سامنے پیش ہوں گے تو زمین بوس ہو کر سجدہ کرتے تھے۔

۷۔ ارکان زیادہ عمر کی عورتوں اور چھوٹی عمر کی لڑکیوں سے شادی نہ کر سکتے تھے۔

۸۔ دین الٰہی کے ارکان سورج کی پرستش کرتے تھے۔

۹۔ جب دین الٰہی کا کوئی رکن مر جاتا تو اس کی گردن کے گرد کچھا کچا اناج اور اینٹ باندھ کر اس کی لاش کو دریا میں بہا دیا جاتا۔

۱۰۔ دین الٰہی کے ارکان مشرق کی طرف سر اور مغرب کی طرف پاؤں کر کے سوتے تھے۔

۱۱۔ عبادت کے لئے اتوار کا دن مقرر تھا۔ جس کی رسم افتتاح اتوار کے دن عین دوپہر کے وقت شہنشاہ انجام دیا کرتا تھا۔ مبتدی اپنی پگڑی کو ہاتھوں میں لے کر اپنا سر شہنشاہ کے قدموں میں رکھ دیتا تھا۔ شہنشاہ اس رحم کے طالب کو اٹھا اس کے سر پر پگڑی رکھ دیتا تھا۔ اور اسے ایک نشان عطا کر جس پر اللہ اکبر لکھا ہوتا تھا۔

غیر اسلامی مضامین

اکبر نے دین الٰہی کے جاری کرنے کے بعد بدایونی کے بیان کے مطابق بہت سے غیر اسلامی مضامین جاری کئے جن میں سے چند ایک مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ سجدہ صرف شہنشاہ کے لئے جائز ہے۔

۲۔ بارہ سال کی عمر تک لڑکے کی ختنہ نہیں کی جا سکتی۔ بارہ سال کے بعد ختنہ کرانا لڑکے کی مرضی پر منحصر ہوتا تھا۔

۳۔ گوشت خوری پر پابندی عائد کر دی گئی، اور پیاز اور لہسن کے استعمال کی بھی سختی سے ممانعت کر دی گئی۔

Marfat.com

۴۔ داڑھی رکھنے والوں سے ملنے سے پرہیز کیا جانے لگا۔

۵۔ اسلامی شریعت کے خلاف مردوں کے لئے بھی سونے کے زیورات کا استعمال اور ریشمی کپڑے پہننا ضروری قرار دیا گیا۔

۶۔ جنگلی سور اور شیر کا گوشت کھانے کی اجازت دے دی گئی۔ نیز حرم میں کتے وغیرہ پالے جانے لگے۔

۷۔ اذان دینے، نماز ادا کرنے، فریضہ حج کی ادائیگی کو حکماً بند کرا دیا۔

۸۔ ایسے نام رکھنے کی ممانعت کر دی جس میں آنحضرت ﷺ کا نام شامل ہو۔

۹۔ عربی تعلیم کی حوصلہ شکنی کی گئی اور مولویوں اور علماء کو ملک بدر کر دیا گیا۔

دین الٰہی کی ناکامی اور اس کے اسباب

اکبر کے دین الٰہی کو دین کا درجہ دینا سراسر مضحکہ خیز تھا۔ یہ محض انسانی ذہن کی کارگذاری کا نتیجہ تھا اور یہ کوئی نہ تھا۔ لہذا اس کا دین اور مذہب سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اس نے اپنے مصاحبوں، شیخ مبارک، فیضی، ابوالفضل وغیرہ کے خیال سے متاثر ہو کر جاری کیا۔ اور یہ اکبر کا خود ساختہ مذہب کا ابوالفضل نے نمایاں طور سے حصہ لیا۔ البتہ یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ اس مذہب کے جاری کرنے میں اکبر کے ذہن میں جو نیک مقصد پوشیدہ تھا۔ کہ ہندو اور مسلمان رعایا، نیز دیگر غیر مسلم اس مذہب کی وجہ سے آپس میں ایک ہو جائیں اور میل و محبت کا رشتہ قائم کریں۔ اکبر کا یہ نظریہ قابل تحسین ضرور ہے لیکن اس نے جو طریقہ اختیار کیا وہ سراسر مضحکہ خیز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس مذہب کے سلسلہ میں اکبر کو کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ چنانچہ اکبر کے ایک سو آٹھ درباریوں نے اسے قبول کیا، ان کے علاوہ دیگر ارکان کو ملا کر اس مذہب کے اختیار کرنے والوں کی تعداد کل ایک ہزار کے قریب ہوتی ہے بہ رحال یہ کوئی الہامی مذہب نہ تھا۔ بلکہ ایک قسم کی تحریک کو مضحکہ خیز مذہب میں ڈھالنے کی کوشش کی گئی تھی۔ اور اس تحریک کا مقصد نیک تھا۔ بہر حال یہ مذہب اپنی مضحکہ خیزی کی بناء کامیاب نہ ہو سکا۔ اور کل ایک ہزار سے زیادہ لوگ اسے قبول کرنے پر تیار نہ ہوئے۔ اور اس کو جو کچھ ترقی حاصل ہوئی وہ صرف اکبر کی زندگی میں حاصل ہوئی۔ اس کی ناکامی کے اسباب مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ کیونکہ یہ ایک مذہبی معاملہ تھا۔ اور یہ اچھی طرح واضح تھا کہ یہ ایک خود ساختہ مذہب ہے۔ اس کا الوہیت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ لہذا اکبر کے درباریوں کے علاوہ باقی رعایا نے اسے قبول نہ کیا۔ اور اکبر کی زندگی میں ہی اسے تھوڑی بہت ترقی ہوئی۔ اور اکبر کی موت کے بعد اس کا قائم کردہ دین بھی ختم ہو گیا۔ کیونکہ نہ تو یہ حقیقت میں کوئی مذہب تھا۔ دوسرے اس کی اشاعت کے لئے کوئی انتظامی ادارہ قائم نہیں کیا گیا تھا۔

۲۔ مسلمان علماء اس خود ساختہ دین کے سخت مخالف تھے۔ چونکہ مذہب کا تعلق علماء سے ہی ہوتا ہے اور وہی اس کو اور اس کی وضاحت کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ اور علماء اس خود سازی کو قبول کرنے کے لئے قطعاً تیار نہ تھے۔ اور وہ ایسا کیوں نہ کرتے جب کہ مذہب کا براہ راست تعلق اللہ تعالیٰ سے اور پیغمبروں سے ہے۔ لہذا علماء کی مخالفت اس دین کی ناکامی کا بڑا سبب تھی۔

Marfat.com

۳۔ یہ ایک پیچیدہ اور منطقی مذہب تھا۔ اور مبہم اور کچھ اصولوں پر مبنی تھا۔ عام لوگ اس کے پیچیدہ اصولوں کو سمجھنے سے قاصر تھے۔ صرف خوش آمدی درباریوں اور ابن الوقت لوگوں نے قبول کیا۔

۴۔ اس کے علاوہ اکبر میں مذہبی مصلح کی صلاحیتیں نہ تھیں۔

۵۔ جہانگیر نے ۱۶۰۳ء میں ابوالفضل کو قتل کرادیا۔ اس کی موت نے اس مذہب کی رہی سہی ساکھ ختم کردی۔ کیونکہ اس ہی کی صحبت اور اس کے ایماء پر ہی اکبر نے یہ مذہب جاری کیا تھا۔ ابوالفضل کے بڑے بھائی فیضی اور اس کے باپ شیخ مبارک فیضی اور اکبر کے خیالات پر مجتہدانہ اثرات ڈالے تھے۔

۶۔ اکبر کی موت کے بعد اس کے جانشینوں نے اس پر کسی قسم کی دلچسپی کا اظہار نہ کیا۔ اگرچہ جہانگیر ایک آزاد خیال تھا لیکن اسلامی عقائد کا قائل تھا۔ اور اس کے بعد کے شہنشاہ شاہ جہاں اور اورنگ زیب پکے مسلمان تھے۔ لہذا وہ ایسی بدعات برداشت نہیں کرسکتے تھے۔

۷۔ اکبر کے درباریوں کے علاوہ جو کہ محض خوشامد پسند اور ابن الوقت تھے۔ مسلمانوں کی باقی اکثریت اسلام جیسے آفاقی مذہب کو چھوڑنے پر رضامند نہ تھی۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی ان بزرگوں میں ایک خاص حیثیت رکھتے ہیں جنہوں نے اس برعظیم میں اسلام کے احیاء اور اس کی سیاسی سربلندی کے لئے عظیم الشان خدمات انجام دی ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ جہانگیر کے زمانے سے لے کر اب تک جو بھی اسلام مفکر برعظیم میں پیدا ہوئے اور جتنی بھی اسلام تحریکیں یہاں اٹھیں ان کا رشتہ کسی نہ کسی صورت میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کے کام سے مسلم ہے۔ شاہ جہاں کی اسلام دوستی، عالمگیر کی حکمتِ عملی، حضرت شاہ ولی اللہ کا فلسفہ اور خود تحریک پاکستان کی کڑیاں حضرت مجدد کی تعلیمات سے جاملتی ہیں۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز کو حق سبحانہ وتعالیٰ نے بیشمار ظاہری و باطنی نعمتوں سے نوازا تھا **واسبغ علیکم نعمه ظاهرة و باطنة** اور آپ بذات خود ایک جہاں تھے؛

لیس علی اللہ بمستنکر — ان یجمع العالم فی واحد

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی قدرت سے یہ بعید نہیں کہ وہ سارے عالم کی خوبیاں ایک ذات میں جمع کردے۔

قربِ الٰہی وولایت، علم وعرفاں، زہد وتقویٰ، جہاد ومجاہدات، تبلیغ دیں واصلاح مسلمین ان سارے فضائل وکمالات میں اگر اولیاء اللہ ومقربین وواصلین، علماء عرفاء، زہاد ومتقین، مجاہدین ومبلغین ومصلحین کو بنظرِ تحقیق دیکھیں گے تو حضرت مجددؒ قدس سرہ العزیز ہر طبقے میں افضل واعلیٰ وارفع نظر آئیں گے اور نہ صرف یہ بلکہ ہر صنف کمال میں اکمل ہونے کے ساتھ ایک بیک وقت ساری خوبیوں کے جامع بھی ہیں۔ اسی بناء پر آپ کے سر اقدس پر تجدید الف ثانی کا تاج رکھا گیا اور اسی وجہ سے آپ

Marfat.com

خلعت قومیت سے نوازے گئے جو کہ ولایت میں سب سے اونچا مقام ہے۔ انہیں صفات و کمالات مافوق العادۃ کو دیکھ کر حضرت خواجہ وحدت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ؛

نگیں گشت در حلقۂ اولیاء　　چوں در انبیاء خاتم الانبیاء

حضور اقدس رحمت عالم ﷺ کے ارشاد کے موجب ہر صدی کے آغاز میں مجدد پیدا ہوئے اور انہوں نے تجدید دین کی خدمات دیں۔ **جزا ھم اللہ سبحانہ و تعالیٰ خیرا**

اور یہ حقیقت قابل توجہ ہے کہ قبائے تجدید آپ کے قامت اقدس پر کچھ ایسا موزوں ہوئی ہے کہ جب مجدد کہا جاتا ہے تو فوراً ذہن آپ کی طرف منعطف ہوتا ہے کوئی دوسری شخصیت ذہن میں نہیں آتی بلکہ امت مسلمہ آپ کو مجدد ہی کے لقب سے جانتی ہے۔ بہت کم لوگ آپ کے اسمِ گرامی سے واقف ہیں۔ یہ بات کسی دوسرے مجدد کے لئے نہیں کہی جاسکتی گویا حضرت مجدد قدس سرہ کے مجدد ہونے پر اجماع امت ہے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ س دور کے قطب ارشاد ہیں۔ آپ کے ہاتھوں پر بہت سے گمراہ اور بدعتی تائب ہوئے ہیں۔ حضرت شیخ مجدد کی تعظیم عین مدوّر و مکوّن کائنات یعنی حق سبحانہ تعالیٰ کی تعظیم ہے اور حضرت شیخ مجدد کے انعامات و برکات کا شکریہ ایزد متعال کے انعامات کا شکریہ ہیں۔ ایک اور مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

''آج جو مساجد میں اذانیں دی جارہی ہیں اور مدارس سے قال اللہ تعالیٰ وقال رسول اللہ ﷺ کی دل نواز صدائیں بلند ہورہی ہیں اور خانقاہوں میں جو ذکر و فکر ہو رہا ہے اور قلب و روح کی گہرائیوں سے جو اللہ کی یاد کی جاتی ہے یا لا الہ الا اللہ کی ضربیں لگائی جاتی ہیں ان سب کی گردنوں پر حضرت مجدد کا بار منت ہے اگر حضرت مجدد اس الحاد و ارتداد کے اکبری دور میں اس کے خلاف جہاد نہ فرماتے اور وہ عظیم تجدیدی کارنامہ انجام نہ دیتے تو نہ مساجد میں اذانیں ہوتیں، نہ مدارس میں دینیہ میں قرآن، حدیث فقہ اور باقی علوم دینیہ کا درس ہوتا اور نہ خانقاہوں میں سالکین و ذاکرین اللہ، اللہ کے روح افزاذ کر سے زمزمہ سنج ہوتے الا ماشاء اللہ۔۔۔ انتہیٰ

مولانا غلام علی آزاد بلگرامی اپنی کتاب سبحۃ المرجان میں لکھتے ہیں۔

الشیخ احمد السھر ندی قدس سرہ وھو من اعیان سھر ندی ومن مفاخہ اھل الھند المجدد لالف الثانی والبرھان اساطع علیٰ اشرفیہ النوع الانسانی، سحاب باطل ردی العرب والعجم امطارہ، نیر اعظم بلغ المشارق و المغارب انوارہ، جامعہ العلوم الظاھرۃ والباطنۃ، خازن کنوز البارزۃ والکامنۃ۔ (سبحۃ المرجان آثار ہندوستان)

اور مولوی رشید احمد گنگوہی لکھتے ہیں:

''وہ جس کی مثال دنیائے اسلام میں کمیاب ہے جس نے عین اس وقت اسلام کی کشتی کو غرقاب ہونے سے بچایا جب چاروں طرف سے طوفانی ہوائیں اس کے خلاف چل رہی تھیں جس کی آواز سرہند سے اٹھی اور پورے ملک ہند میں پھیلی اور پھیلتی ہوئی

Marfat.com

تمام ممالک اسلامیہ پہنچ گئی، جس کی کوششوں کا نتیجہ ہیں کہ میں اور آپ آج مسلمان تو کہلاتے ہیں"۔

الختصر حضرت مجدد قدس سرہ العزیز کیا آئے اسلام کے خزاں رسیدہ چمن میں بہار آ گئی اور اصول دین کے وہ پھول جو مرجھا گئے تھے پھر شگفتہ و شاداب ہو گئے جن کی مہک سے فضائے عالم میں پھر عطر بیز ہو گئی۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کا تعارف

حضرت مجدد الف ثانی ۱۵ جون ۱۵۶۴ء کو سرہند کے قصبہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا نام احمد لقب بدر الدین اور کنیت ابو البرکات تھی۔ آپ کے والد ایک ممتاز عالم دین اور صوفی بزرگ تھے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم سے حاصل کی۔ ۱۵۹۹ء میں آپ نے خواجہ باقی باللہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ کچھ دن مرشد کی صحبت میں رہے، اس کے بعد سرہند لوٹ آئے اور دعوت دین میں مصروف ہو گئے۔ آپ اپنی وفات (۱۶۲۵) تک دعوت دین میں مصروف رہے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے جس دور میں آنکھ کھولی وہ مسلمانوں کے لئے ابتلاء و آزمائش کا دور تھا۔ برصغیر میں مغل اعظم جلال الدین اکبر کی فرمانروائی تھی۔ اس نے دین اکبری ایجاد کیا جسے چاروں طرف پھیلانے کے لئے کوششیں جاری تھیں۔ دوسری طرف مسلمان بے شمار بدعات و خرافات میں مبتلا تھے۔ گمراہ کن فرقے فروغ پا رہے تھے اور صحیح العقیدہ افراد کی جان خطرے میں تھی۔ چونکہ زبان و قلم پر حکومت کی طرف سے پہرے تھے اس لئے حق گو افراد کے لئے اپنا وجود برقرار رکھنا محال ہو گیا تھا۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے ان حالات میں حق کی آواز بلند کی۔ کہا جاتا ہے کہ ہر ہزار سال کے بعد تجدید دین کے لئے اللہ تعالیٰ کسی شخص کو مبعوث فرماتا ہے۔ چنانچہ اس بارے میں علماء کا اتفاق ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے بعد دوسرے ہزار کے مجدد آپؒ ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کی خدمات

ہندو جارحیت کا مقابلہ

حضرت مجدد الف ثانی کے دور میں ہندومت کے احیا کی تحریک زوروں پر تھی۔ اس تحریک کو مسلمان حکمرانوں کے ہندو امراء کی حمایت حاصل تھی۔ ہندوؤں کی رسوم سر عام ادا کی جاتی تھیں۔ گائے کے ذبح کرنے پر پابندی تھی۔ شعائر اسلام کی حفاظت بمشکل ہو گئی تھی۔ رمضان المبارک میں کھلے عام کھایا پیا جاتا تھا حالانکہ ہندوؤں کے تہوار "ایکادشی" کے موقع پر کھانے پینے کی پابندی تھی۔ ہندوؤں کو حکومت میں برتری حاصل تھی۔ جزیہ موقوف ہو گیا تھا اور دربار اکبری میں ہندو غالب تھے اور مسلمان مغلوب۔ حضرت مجدد الف ثانی نے اس صورتحال کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنے مکتوبات کے ذریعے علماء، امراء اور عوام میں احساس پیدا کیا۔ آپ نے اس دور میں اپنے خطوط سے وہی کام لیا جو آج کے دور میں پمفلٹ سے لیا جاتا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اپنے شاگردوں کو بہت سے خطوط لکھے جس میں اسلام کی عظمت، اسلام کے احکامات، ہندومت کی خرابیاں اور دونوں مذاہب کو ملانے کے نقصانات سے آگاہ کیا گیا۔ یہ مکتوبات آج کے دور میں بھی ہمارے لئے مشعل راہ ہیں۔ آپ نے

Marfat.com

اپنے ایک مکتوب میں مسلمانوں کو ہدایت کی کہ مسلمان امراء کو چاہیئے کہ ہندوؤں کو اپنی مجالس میں نہ بیٹھنے دیں۔ان سے صرف بقدر ضرورتمیل جول رکھیں۔ ہندو امراء کی تعظیم آپ کو بالکل پسند نہ تھی۔حضرت مجدد الف ثانیؒ کا یہ طرز عمل صرف ان ہندوؤں کیلئے تھا جو انتہا پسند تھے۔عام ہندوؤں کے ساتھ انکا طرز عمل مبلغانہ تھا۔یہی وجہ ہے کہ ہندو آپ کے طرز عمل سے متاثر ہو کر مسلمان بھی ہوتے تھے۔

دین اکبری کے خلاف جہاد

مغل بادشاہ جلال الدین اکبر ان پڑھ آدمی تھا۔سلطنت کے کاموں میں اس کے مشیر جنہیں نورتن کہا جاتا تھا، مدد کرتے تھے۔اپنے مشیروں کے مشورے سے اکبر نے یہ پالیسی اختیار کی کہ مختلف مذاہب کو ملا کر ایک نیا دین بنایا جائے تا کہ تمام مذاہب کے لوگ ایک دوسرے کے قریب ہوسکیں۔یہ پالیسی دین حق (اسلام) کے لئے بہت خطرناک تھی۔اکبر کی اس پالیسی نے اسلام کو جتنا نقصان پہنچایا،اس کی تلافی آج تک نہیں ہوسکی۔ابوالفضل اور فیضی کو بادشاہ کے دربار میں ایک بلند مقام حاصل تھا۔بادشاہ تمام فیصلے ان کے مشورے سے کرتا تھا۔یہ دونوں شخص معتزلہ عقیدے کے مالک تھے۔اکبر ان کی صحبت سے بہت متاثر تھا۔حضرت مجدد الف ثانی نے قیام اکبر آباد کے دوران ابوالفضل اور فیضی کی مجالس میں شرکت کی۔ان کو بحث وتمحیص سے قائل کرنے کی کوشش کی کہ اسلام اور کفر کا چربہ تیار کرنے سے کچھ حاصل نہ ہوگا کیونکہ اسلام اور کفر دو متضاد چیزیں ہیں۔یہ لوگ ہمیشہ بادشاہ کی چاپلوسی کرتے تھے اس لئے قائل نہ ہوئے۔حضرت مجدد الف ثانی نے اپنے ہم فکر امراء کے ذریعے شاہی دربار کو متاثر کیا۔آپ نے اکبر باطل دین کے خلاف رائے عامہ کو بھی بیدار کیا۔

غیر اسلامی عقائد کے خلاف جہاد

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے دور میں مذہب باطلہ کے غلط عقائد مسلمانوں پر سرایت کرتے جارہے تھے۔یہ چیز مسلمانوں کے لئے بہت نقصان دہ تھی۔اس وقت ایسے علماء وصوفیا بھی موجود تھے جو رام اور رحمٰن کو ایک ہی ہستی کے دو مظاہر قرار دیتے تھے۔ان کا خیال تھا کہ مسلمانوں کو باہمی شیر وشکر ہو کر رہنا چاہیئے۔حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اس عقیدے پر ضرب کاری لگائی اور توحید کا خالص تصور پیش کیا۔اس دور میں ایک عقیدہ یہ بھی فروغ پا رہا تھا کہ خدا مختلف نیک شخصیتوں میں حلول کرسکتا ہے۔حضرت مجدد الف ثانی نے اس عقیدے کی شدید مخالفت کی۔آپ نے ان اکابرین ہندومت کی گمراہی کی وضاحت کی جو لوگوں کو اپنی عبادت پر آمادہ کرتے اور خدا تعالیٰ کا دیوتا اور اوتار ہونے کا دعویٰ کرتے تھے۔آپ نے ایک جگہ فرمایا۔

''رام، کرشن اور اس قسم کی دوسری شخصیتیں جن کی ہندو پرستش کرتے ہیں اس ہستی مطلق کی ادنیٰ مخلوقات سے ہیں۔انہیں ماں باپ نے جنم دیا۔رام، لچھمن کے بھائی اور سیتا کے شوہر تھے۔جب رام اپنی بیوی ہی کی حفاظت نہیں کرسکا تو کسی دوسرے کی کیا امداد کرے گا۔رام وکرشن کی پیدائش سے پہلے پروردگار عالم کو رام وکرشن تو نہیں کہا جاتا تھا۔پھر یہ کیا بات ہے کہ ان کے وجود میں آنے کے بعد اسی ہستی اقدس کو ان کے ناموں سے پکارا جائے اور ان کی یاد کو یاد الٰہی سے تعبیر کیا جائے''

Marfat.com

امراء کی اصلاح

حضرت مجدد الف ثانیؒ دربار کے امراء کی اہمیت سے آگاہ تھے۔ آپ نے اپنی تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے امراء میں اپنی دعوت کو مقبول بنایا۔ چنانچہ آپ سے منسلک امراء نے اکبر کے مذہبی تشدد کو کم کیا۔ جن امراء کو اکبر نے مرکزی دربار سے دور رکھنے کی پالیسی پر عمل کیا انہوں نے اس کی زندگی میں بھی دور دراز صوبوں میں اسلامی قوانین کو بحال کر دی تھا۔ حضرت مجدد الف ثانی اپنے اس تجربہ میں اس حد تک کامیاب رہے کہ اکبر اپنی پوری کوشش کے باوجود اپنے نظریات کو دور دراز صوبوں میں پھیلا نہ سکا۔ اعلیٰ سرکاری ملازمین کے ذریعے اصلاح کی یہ کوشش انتہائی سائنٹفک انداز میں کی گئی۔

تصوف کی اصلاح

حضرت مجدد الف ثانی کے دور میں تصوف میں ہندووانہ تصورت کی آمیزش شامل ہوگئی تھی۔ آپ نے توحید خالص کا نکھرا ہوا تصور پیش کیا۔ رسالت کی ضرورت وا؛ بت پر ایک رسالہ تصنیف کیا اور جہانگیر کے لشکر کے ساتھ قیام کے دوران اس موضوع پر تفصیلی روشنی ڈالی۔ آپ نے آخرت کی زندگی کا مقصد قرار دیا۔ صوفیا شریعت وطریقت کے چکر میں پڑ کر شریعت کی پیروی کو لازمی خیال نہیں کرتے تھے۔ آپ نے صوفیاء کو شعائر اسلام کا احترام اور احکام شریعت پر عمل کی تلقین کی۔

اس دور میں صوفیا نے وحدت الوجود نام کا ایک تصور دینا شروع کر دیا تھا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ کائنات کی تمام جاندار اور بے جان اشیاء خدا کا حصہ ہیں۔ بندہ اور خدا ایک دوسرے سے جدا نہیں بلکہ ایک ہیں۔ اللہ دریا ہے تو انسان قطرہ ہے۔ یہ قطرہ دریا میں مل کر دریا بن جاتا ہے۔ یہ تصور بھی پایا جاتا ہے کہ کائنات کی ہر شے میں خدا موجود ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی نے صوفیا کے اس غلط عقیدے کی اصلاح کی اور وحدت الشہود کا نظریہ پیش کیا۔ وحدت الشہود کا مطلب ہے کہ کائنات کی تمام اشیاء اللہ تعالیٰ کے وجود پر دلالت کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے وجود کے اعتبار سے ہر جگہ موجود نہیں ہے بلکہ اپنے علم کے اعتبار سے موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کائنات کی مختلف اشیاء میں حلول کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ خالق ہے اور باقی سب چیزیں مخلوق ہیں۔ خالق اور مخلوق کبھی بھی ایک نہیں ہو سکتے۔

اتباع شریعت کی تحسین

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے علماء، صوفیا اور عوام کو شریعت کی پابندی کی تلقین کی۔ انہوں نے ایسے مذہب اور تصوف کی مخالفت کی جو شریعت کے تابع نہ ہو۔ قرآن وسنت اور ارکان اسلام پر عمل ہی آپ کے نزدیک کامیابی کا واحد ذریعہ ہے۔

بدعات کا رد

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے دور میں مسلمانوں میں بے شمار بدعات نے فروغ پالیا تھا۔ کافی عرصہ تک ہندوؤں کے ساتھ رہنے کی وجہ سے ہندووانہ رسم ورواج مسلمانوں میں سرایت کر گئے تھے۔ آپ نے ان تمام بدعات کا رد کیا اور لوگوں کے سامنے قرآن وسنت کی خالص دعوت پیش کی۔ آپ کو بدعات سے سخت نفرت تھی۔ مشہور ہے کہ جب آپ اپنے شاگردوں کے

Marfat.com

ہمراہ دریائے جمنا کے پاس سے گزرے اور انہیں بتایا کہ ہندو اس دریا کے پانی سے اپنے پاپ (گناہ) دھوتے ہیں تو آپ نے اس دریا کا پانی پینے سے منع کر دیا اور صرف استنجا کرنے کی اجازت دی۔ مسلمان شادی بیاہ اور موت پر بے شمار ہندووانہ رسوم ادا کرنے لگے تھے۔ آپ نے ان تمام بدعات کا رد کرتے ہوئے لوگوں کے سامنے دین کی خالص دعوت پیش کی۔

تبلیغی وفود

آپ نے لوگوں کے عقائد و اعمال کی اصلاح اور اسلام کی اشاعت کے لئے ملک کے مختلف حصوں میں تبلیغی وفود بھیجے جو لوگوں کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کرتے تھے۔ آپ نے اپنے تبلیغی دائرہ کار کو وسعت دینے کے لئے ہندوستان سے باہر بھی تبلیغی وفود بھیجے۔ آپ نے برصغیر کے علاوہ ترکستان، افغانستان، ایران اور دیگر اسلامی ممالک میں تبلیغی وفود بھیجے۔ یہ تبلیغی وفود نہ صرف مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی دعوت دیتے تھے بلکہ غیر مسلموں کو بھی اسلام کی طرف بلاتے تھے۔

علمائے سوء کی اصلاح

حضرت مجدد الف ثانیؒ معاشرے میں بگاڑ کی سب سے زیادہ ذمہ داری علماء سو پر ڈالتے تھے۔ علماء سوء سے مراد وہ علماء ہیں جو دنیا پرستی اور آخرت سے غفلت کی وجہ سے غلط عقائد پھیلاتے تھے۔ قرآن و سنت سے متصادم اُصولوں کو دین کا حصہ قرار دیتے تھے اور باطل نظریات کے فروغ کے لئے بادشاہ وقت کو ورغلاتے تھے۔ یہ علماء لوگوں کی اصلاح کی بجائے آپس میں ایک دوسرے کے خلاف برسر پیکار تھے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے ان علماء سے اپیل کی کہ وہ آپس میں متحد ہو کر باطل قوتوں کا مقابلہ کریں۔ آپس میں ایک دوسرے پر تنقید کا سلسلہ بند کر دیں۔ اس سے عوام میں دین سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔

اسلامی قوانین کی بحالی

حضرت مجدد الف ثانیؒ چاہتے تھے کہ ملک میں اسلامی قوانین نافذ ہوں۔ اس مقصد کے لئے آپ نے بادشاہ کے مشیروں اور امراء سے خصوصی ملاقاتیں کیں انہیں اپنا ہم خیال بنایا۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ اس بات پر یقین رکھتے تھے۔ **اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ** (لوگ اپنے بادشاہوں کے دین پر ہوتے ہیں) جیسے حکمران ہوں گے ویسی ہی رعایہ ہوگی۔ آپ بادشاہ کی اہمیت سے اچھی طرح آگاہ تھے۔ آپ نے اپنے ایک خط میں لکھا۔

''دنیا میں بادشاہ کی حیثیت وہی ہے جو جسم میں دل کی ہے یعنی اگر دل صالح ہے تو جسم بھی صالح ہوگا۔ اگر دل میں کوئی خرابی یا فساد ہے تو اس کا اثر جسم پر بھی پڑے گا۔ اسی طرح اگر بادشاہ نیک ہے تو اس کی نیکی رعایا پر بھی اثر انداز ہوگی۔ اگر اس میں کوئی خرابی یا برائی ہے تو رعایا میں وہی خرابی یا برائی جڑ پکڑے گی''

حضرت مجدد الف ثانیؒ چاہتے تھے کہ اکبر کا جانشین نیک ہوتا کہ ملک میں اسلامی انقلاب آسکے۔ اکبر اپنے پوتے خسرو کو تخت نشین کرنا چاہتا تھا کیونکہ وہ اس کے مذہبی نظریات کا حامی تھا۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ سے جو امراء متاثر تھے انہوں نے کوشش کی کہ خسرو اکبر کا جانشین قرار نہ پائے۔ چنانچہ جب اکبر کا وقت قریب آیا تو آپ کے حامی امراء نے خسرو کی بجائے

Marfat.com

جہانگیر کو تخت نشین بنوایا اور اس سے اسلامی قوانین کے احیاء کا وعدہ لیا۔ چنانچہ جب جہانگیر تخت نشین ہوا تو اس نے ابتدائی بارہ احکام میں اسلامی قانون کی بحالی کا اعلان کر دیا۔ ان میں شراب کی بندش، مساجد کی تعمیر اور اشاعت اسلام سے متعلق احکام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

سجدہ تعظیمی سے انکار

مغل بادشاہ اکبر خود کو ظل الہی (اللہ تعالیٰ کا سایہ) سمجھتا تھا۔ اس نے حکم جاری کر رکھا تھا کہ جو بھی میرے دربار میں آئے مجھے سجدہ تعظیمی کرے۔ جہانگیر کے عہد میں بھی یہ رسم جاری تھی۔ بعض دنیا پرست اور دین فروش علماء نے اس کے جواز کا فتویٰ دے دیا تھا۔ حضرت مجدد الف ثانی کی حمیت نے اس بات کو گوارا نہ کیا کہ وہ غیر اللہ کے سامنے جبین نیاز جھکائے۔ بادشاہ وقت نے آپ پر بہت زور ڈالا مگر آپ نے اس کے جائز ہونے کا فتویٰ نہ دیا۔ جب جہانگیر سے کچھ اور نہ ہو سکا تو اس نے حضرت مجدد الف ثانیؒ کو قلعہ گوالیار میں قید کرنے کا حکم دے دیا۔ آپ نے ایک سال کا عرصہ قید میں گزارا۔ وہاں بھی آپ نے اسلام کی تبلیغ جاری رکھی۔ آپ کی تبلیغ سے ہزاروں غیر مسلم قیدی مسلمان ہو گئے۔ کچھ عرصہ کے بعد بادشاہ وقت کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو اس نے آپ کو رہا کر کے بڑے اعزاز واحترام کا مستحق گردانا۔

حضرت مجدد الف ثانی نے بادشاہ کے سامنے سجدہ نہ کر کے ایک مثال روایت قائم کی۔ اس سے ان لوگوں کے حوصلے بڑھے جو برصغیر میں شریعت اسلامی کے نفاذ کے خواہاں تھے مگر حکومت کی طرف سے تشدد کے خوف سے خاموش تھے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کی تحریک کے اثرات

شریعت کی بالادستی

حضرت مجدد الف ثانیؒ کی اصلاحی کوششوں نے معاشرے میں ایک نئی روح پھونکی۔ لوگوں پر اسلام کی حقانیت واضح ہوگئی۔ آپ کی کوششوں سے شریعت غیر اسلامی رسم ورواج پر غالب آ گئی۔ لوگوں کی زندگیوں میں ایک انقلاب پیدا ہو گیا۔ جو شخص آپ ﷺ کے حلقے میں داخل ہوتا گیا اس پر اسلام کا رنگ چڑھتا گیا۔ آپ نے اتباع شریعت کی ایسی تحریک چلائی کہ ہزارہا کارکنوں نے نہ صرف ہندوستان بلکہ وسط ایشیا تک پہنچ کر عوام کے اخلاق وعقائد کی اصلاح کی۔

تصوف کی اصلاح

حضرت مجدد الف ثانیؒ کی تبلیغی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ تصوف میں شامل تمام غلط عقائد دور ہو گئے۔ انہوں نے لوگوں کو قرآن وحدیث کے مطالعہ کی طرف راغب کیا۔ آپؒ نے شیخ ابن عربی کے فلسفہ وحدت الوجود کا سختی سے رد کیا کیونکہ یہ تصوف میں بے راہ روی کا موجب بنا تھا۔ آپؒ کے وحدت الشہود کے نظریہ نے بہت جلد مقبولیت حاصل کر لی جس میں شریعت و طریقت میں مکمل ہم آہنگی پائی جاتی تھی۔ لوگ جاہل صوفیاء کے چنگل سے آزاد ہو گئے۔

Marfat.com

جداگانہ قومیت کا تصور

حضرت مجدد الف ثانیؒ کا سب سے اہم کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے کفر اور اسلام کی حدوں کی وضاحت کر دی۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ پہلے مصلح ہیں جنہوں نے اسلام اور ہندومت کو دو الگ الگ طریقے قرار دے کر ان کے اتحاد کو ناممکن بنا دیا۔ آپ نے اس امر پر بہت زور دیا کہ اسلام اور ہندومت کے درمیان ایک وسیع خلیج حائل ہے جو کبھی بھی ایک جگہ متحد نہیں ہو سکتے۔ آپ نے اسلام کو ہندومت میں مدغم ہونے سے بچالیا اور جداگانہ قومیت کا وہ شعور بیدار کیا جو آخر کار پاکستان کی بنیاد بنا۔

احیائے اسلام

حضرت مجدد الف ثانیؒ ایک تاریخ ساز شخصیت تھے۔ آپ نے اسلام کی اشاعت اور غلبے کے لئے اپنی پوری توانائی صرف کر دی۔ آپ نے ہندوستان کی حکومت کو کفر کی گود میں جانے سے روکا۔ آپ کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ اکبر جیسے مذہب سے بیزار شخص کا بیٹا جہانگیر برصغیر میں اسلامی قوانین کے نفاذ کا سبب بنا۔ شاہ جہاں کی طرف سے اسلام کی سرپرستی اور اورنگ زیب کا نیک و عادل بادشاہ ہونا آپ ہی کی تحریک کے کرشمے ہیں۔ آپ نے اسلام پر اُٹھنے والے تمام اعتراضات کا ترکی بہ ترکی جواب دے کر اور احیائے اسلام کی تحریک چلا کر برصغیر میں اسلام کو نئی زندگی عطا کی۔

حضرت مجدد قدس سرہ العزیز چاروں سلسلوں سے فیض یاب ہوئے ہیں اس لئے وہ خود اور ان کے متوسلین سب سلاسل طریقت کا احترام کرتے ہیں اور ان کے شیوخ کو اپنا مربی و مرشد سمجھتے ہیں۔ سلسلۂ عالیہ مجددیہ کی مثال اس دریا کی سی ہے جس میں چاروں طرف نہریں آ کر ملتی ہیں۔ اس دریا سے اگر کوئی چلو بھر پانی پی لیتا ہے تو اس نے حقیقتاً سب نہروں کا پانی پی لیا اس لئے سلسلۂ عالیہ مجددیہ کے متوسلین یہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں چاروں سلاسل کا فیض پہنچ رہا ہے اور جس طرح سے امۃ محمدیہ ﷺ سارے انبیاء متقدمین کو حق پر سمجھتی ہے اور ان کا احترام کرتی ہے، متوسلین سلسلۂ عالیہ مجددیہ کی بھی بالکل یہی روش ہے۔

مشائخ طریقت

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے متعدد شیوخ سے مختلف سلاسل طریقت میں اجازت و خلافت حاصل فرمائی مثلاً؛

۱۔ سلسلۂ سہروردیہ میں اپنے استاد محترم حضرت شیخ یعقوب کشمیری علیہ الرحمہ سے اجازت و خلافت حاصل فرمائی۔ حضرت شیخ ممدوح شیخ حسین خوارزمی کے اجلۂ خلفاء میں تھے۔

۲۔ سلسلۂ چشتیہ میں اپنے والد ماجد حضرت شیخ عبدالاحد (۱۰۰۷ھ / ۱۵۰۸ء) سے اجازت و خلافت حاصل فرمائی۔ موصوف حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی علیہ الرحمہ کے فرزند حضرت شیخ رکن الدین علیہ الرحمہ کے اجل خلفاء میں تھے اور آپ ہی سے سلسلۂ چشتیہ اور قادریہ میں اجازت و خلافت حاصل کی تھی۔

۳۔ سلسلہ قادریہ میں کیتھلی (مضافات سرہند) کے بزرگ حضرت شاہ سکندر علیہ الرحمہ (۱۰۲۳ھ / ۱۲۱۴ء) سے اجازت و خلافت حاصل تھی۔ موصوف کامل حضرت شاہ کمال کیتھلی علیہ الرحمہ کے خلیفہ و جانشین تھے۔

Marfat.com

۴۔ سلسلہ نقشبندیہ میں حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ (۱۰۱۲ھ / ۱۶۰۳ء) سے اجازت وخلافت حاصل فرمائی۔ حضرت ممدوح شیخ المشائخ حضرت خواجہ امکنگی علیہ الرحمہ کے اجل خلفاء میں تھے۔

حضرت مجدد غالباً سب سے پہلے اپنے استاد محترم حضرت شیخ یعقوب کشمیری سے مستفیض ہوئے۔ اس کے بعد اپنے والد ماجدہ حضرت عبدالاحد، پھر حضرت خواجہ باقی باللہ سے اور آخر میں حضرت شاہ سکندر سے۔

۱۔ بدرالدین سرہندی: حضرت القدس، مطبوعہ لاہور، ص۔۱۰۔ ۲۔ محمد ہاشم کشمی: زبدۃ المقامات۔ ص۔۲۴

۳۔ حضرت القدس: ص۔۴۴ تا ۴۸ ۴۔ حضرت مجدد: مکاشفات غیبیہ۔ ص۔ ۱۰۔۱۱

حضرت مجدد نے ان سلاسل ثلاثہ میں اپنی اکتساب فیض کا اس طرح ذکر فرمایا ہے:

مجھے آنحضرت ﷺ سے کئی واسطوں سے ارادت ہے۔ طریقہ نقشبندیہ میں اکیس واسطوں سے، طریقہ قادریہ میں پچیس اور طریقہ چشتیہ میں ستائیس واسطوں سے۔ ایک اور جگہ اپنے اکتساب میں باطنی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس فقیر کو نسبت فردیت اپنے والد بزرگوار سے ملی ہے، اس کے علاوہ اس فقیر کو عبادت نافلہ خصوصاً نماز نافلہ کی توفیق بھی اپنے والد بزرگوار سے ملی ہے۔

حضرت خواجہ محمد ہاشم کشمی سے حضرت مجدد کے مختلف شجرہ ہائے طریقت زبدۃ المقامات اور مکاشفات غیبیہ میں نقل کئے ہیں۔ زبدۃ المقامات میں سلسلہ چشتیہ میں حضرت شیخ عبدالاحد کی سند اجازت نقل کی جو موصوف کو حضرت شیخ رکن الدین علیہ الرحمہ نے عنایت فرمائی تھی۔ اس میں سلسلہ چشتیہ کے شیوخ طریقت کی ترتیب یہ ہے:

شیخ عبدالقدوس گنگوہی، شیخ محمد عارف، شیخ احمد عبدالحق، شیخ جلال پانی پتی، شیخ شمس الدین ترکستانی، شیخ علاؤالدین علی احمد صابری، شیخ فریدالدین مسعود اجودھنی، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، خواجہ معین الدین سنجری، شیخ عثمان ہرونی، حاجی شریف زندنی، شیخ مودود چشتی، شیخ ابو یوسف چشتی، شیخ ابی محمد چشتی، شیخ ابی اسحٰق الشامی، شیخ خذیفۃ المرتشی، شیخ ابراھیم الادھم، شیخ فضیل بن عیاض، شیخ عبدالواحد بن زید، شیخ حسن البصری، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت محمد ﷺ

۱۔ حضرت مجدد: مکتوبات شریف، جلد سوم، مطبوعہ امرتسر (۱۳۳۳ھ / ۱۹۱۴ء) مکتوب نمبر ۸۷

۲۔ (الف) حضرت مجدد: مبدأ و معاد، مطبوعہ لاہور: ص۔۵ (ب) زبدۃ المقامات، ص۔ ۱۳۳۔۱۳۴

۳۔ مکاشفات غیبیہ (مکاشفات غیبیہ مجددیہ (۱۰۵۳ء / ۱۲۴۳ھ) مطبوعہ کراچی (۱۸۸۴ء / ۱۹۶۵ء) میں خواجہ محمد ہاشم کشمی نے شیخ محمد عارف کے بعد شیخ شمس الدین تحریر فرمایا ہے (ص۔۷۱)

۴۔ خواجہ محمد ہاشم کشمی نے شیخ جلال پانی پتی کا ذکر نہیں کیا

طریقہ نقشبندیہ میں حضرت مجدد کے شیوخ طریقت کا خواجہ محمد ہاشم کشمی نے حضرت مجدد کی یادداشت سے اس طرح ذکر کیا ہے: شیخ محمد الباقی، خواجہ امکنگی، مولانا درویش محمد، مولانا محمد زاہد، خواجہ عبیداللہ احرار، شیخ یعقوب چرخی، خواجہ بہاؤالدین نقشبند، شیخ امیر کلال، بابا محمد سماسی، عزیزاں علی رامتینی، شیخ محمود انجیر فغنوی، شیخ عارف ریوگری، شیخ عبدالخالق غجدوانی،

Marfat.com

شیخ یوسف ہمدانی، شیخ بوعلی فارمدی طوسی، شیخ ابوالحسن خرقانی، حضرت ابویزید بسطامی، حضرت امام جعفر صادق، حضرت امام قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق، حضرت سلمان فارسی، حضرت ابی بکر الصدیق، حضرت سیدنا محمد ﷺ۔

طریقہ قادریہ کا شجرہ بھی خواجہ ہاشم کشمی نے حضرت مجدد کی قلمی یادداشت سے اس طرح نقل کیا ہے:

شیخ عبدالاحد، شیخ سکندر، شیخ کمال، شاہ فضیل، سید گدا رحمٰن، شیخ شمس الدین صحرائی، سید عقیل، سید بہاؤالدین، سید عبدالوہاب، سید شرف الدین قتال، سید عبدالرزاق، محی الدین ابی محمد عبدالقادر جیلانی، شاہ ابی صالح، سید موسیٰ جنگی دوست، سید عبداللہ، سید یحییٰ زاہد، سید محمد مورث، سید داؤد، شاہ موسیٰ، سید عبداللہ مورث، شاہ محمد جون، سید عبداللہ محض، سید حسن مثنیٰ، حضرت امام حسن، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت فاطمہ الزہرہ، حضرت محمد ﷺ۔

۱۔ خواجہ ممدوح نے شیخ خذیفۃ المرعشی سے پہلے شیخ ہبیرۃ البصری اور شیخ ابی اسحٰق دینوری کا ذکر کیا ہے۔

۲۔ زبدۃ المقامات: ص، ۹۴ ۳۔ حضرت مجدد: مکاشفات غیبیہ، ص۔ ۱۰، ۱۱

سلسلۂ قادریہ میں حضرت شاہ کمال کیتھلی نے حضرت مجدد کو بچپن ہی میں اپنی توجہ سے نوازا اور بعد میں خرقہ خلافت عطا فرمایا تھا جو آپ کے جانشین حضرت شاہ سکندر علیہ الرحمہ نے حضرت مجدد کو عنایت فرمایا۔ اس واقعہ کی تفصیل خواجہ محمد ہاشم کشمی نے اس طرح لکھی ہے۔

جب پہلی مرتبہ (۱۰۰۸ء/ ۱۵۹۹ء) خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ کی صحبت سے مستفیض ہو کر دہلی سے واپس سرہند تشریف لائے تو ایک روز مریدین کے حلقے میں مراقبہ فرما رہے تھے، اثنائے مراقبہ شاہ سکندر نبیرہ شاہ کمال کیتھلی تشریف لائے اور شاہ کمال کا خرقہ شریف آپ کے شانوں پر ڈال دیا۔ حضرت مجدد جب مراقبے سے فارغ ہوئے تو خرقہ شریف زیب تن فرمایا اور دولت کدے میں تشریف لے گئے، کچھ دیر بعد باہر تشریف لائے اور فرمایا:

حضرت شاہ کمال کا خرقہ پہننے کے بعد عجب حالت رونما ہوئی۔

جیسا کہ عرض کیا گیا حضرت مجدد کو مختلف سلاسل میں اجازت و خلافت حاصل تھی لیکن سلسلہ عالیہ نقشبندیہ سے آپ کو خاص لگاؤ تھا، آپ ہی کے دم سے اس سلسلے کو پاک و ہند اور دیگر ممالک میں مقبولیت حاصل ہوئی۔

۱۔ **نوٹ:** شیخ رکن الدین علیہ الرحمہ نے حضرت شیخ عبدالاحد کو سلسلۂ قادریہ میں اجازت نامہ (۹۹۷ء / ۱۵۸۸ء) مرحمت فرمایا تھا اس میں شیوخ طریقت کی ترتیب یہ ہے:

شیخ ابراہیم بن معین الحسنی، شیخ احمد الحلبی، شیخ موسیٰ القادری، شیخ عبدالقادر، سید حسن، شیخ ابی صالح، شیخ عبدالرزاق، شیخ محمد عبدالقادر جیلانی، شیخ ابی سعید مخزومی، ابی الحسن علی القرشی، شیخ ابوالفرح یوسف طرطوی، شیخ عبدالواحد بن عبدالعزیز تمیمی، شیخ ابی بکر الشبلی، حضرت جنید بغدادی، شیخ سری سقطی، شیخ معروف کرخی، شیخ سلیمان، داؤد طائی، شیخ علی بن موسیٰ، حضرت جعفر صادق حضرت علی محمد الباقر، حضرت امام حسین، حضرت علی، حضرت محمد ﷺ۔ (زبدۃ المقامات، ص۔ ۹۴ تا ۹۹)

۲۔ (زبدۃ المقامات، ص۔ ۱۳۵ ملخصاً)

Marfat.com

نورالدین جہانگیر ۱۶۰۵ء تا ۱۶۲۷ء

جہانگیر اکبر کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔ اکبر نے اولاد کے حصول کی خاطر درگاہوں اور مزاروں پر منتیں اور دعائیں مانگیں اور بہت سے بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آخر بہت منتوں اور دعاؤں کے بعد اکبر کی ایک رانی کے بطن سے جو کہ امبر کے راجہ کی لڑکی تھی۔ ۱۵۵۹ء میں ایک لڑکا تولد ہوا جس کا نام محمد سلیم رکھا گیا۔ اکبر کو بہت منتوں اور دعاؤں کے بعد اولاد کی صورت دیکھنا نصیب ہوئی تھی جس کی وجہ سے اکبر سلیم سے پناہ محبت کرتا تھا اور اسے لاڈ سے شیخو بابا کہا کرتا تھا۔ سلیم کی پیدائش کے بعد اکبر کی مختلف کنیزوں سے دو اور لڑکے پیدا ہوئے۔ ان میں سے ایک کا نام مراد تھا اور دوسرے کا نام دانیال تھا۔ لیکن عین عالم شباب میں ہی اعلیٰ الترتیب مراد ۱۵۹۵ء دانیال ۱۶۰۴ء میں فوت ہو گئے۔

اکبر نے سلیم کو ہر طرح زیور تعلیم سے آراستہ کرنے کی کوشش کی اور اسے بہترین علماء کے زیر تربیت رکھا۔ ان علماء میں بیرم خاں کا لڑکا عبدالرحیم خاں خانان خاص سے قابل ذکر ہے۔ عبدالرحیم خان خانان سے اس نے عربی، فارسی اور ہندی پر عبور حاصل کیا۔ جہانگیر نے اس کی تربیت میں فارسی پر اتنا عبور حاصل کر لیا، کہ وہ فارسی میں اعلیٰ پائے کے شعر کہتا تھا۔ اس کے علاوہ اس نے ترکی زبان پر بھی عبور حاصل کیا۔ جہانگیر نے تاریخ، سوانح حیات، جغرافیہ اور طبعی علوم کا گہرہ مطالعہ کیا۔ اس کے علاوہ اس نے فن سپہ گری کی بھی تربیت دی گئی۔ اور ابھی کم عمر ہی تھا کہ اسے فوجی جرنیلوں کی زیر نگرانی فوجی مہمات پر روانہ کیا جانے لگا۔ ۱۳ فروری ۱۵۸۵ء کو جہانگیر کی پہلی شادی راجہ بھگوان داس کی لڑکی مان بائی سے ہوئی۔ مان بائی کے بطن سے کئی بچے پیدا ہوئے جن میں سے صرف خسرو قابل ذکر ہے۔

"مغلوں میں تعداد ازدواج ایک عام بات تھی۔ جہانگیر کی بھی زیوری کے بیان کے مطابق بیس بیویاں اور تقریباً تین سو کنیزیں تھیں۔ بادشاہ بننے کے بعد مارچ ۱۵۱۱ء میں نور جہاں سے کی۔ نور جہاں اپنے اقتدار اور جہانگیر کے رومان کی وجہ سے تاریخ میں بہت مشہور ہے۔

تخت نشینی

جہانگیر اپنے باپ جلال الدین اکبر کی وفات کے بعد ۲۴ اکتوبر ۱۶۰۵ء میں تخت نشین ہوا۔ تخت نشینی کے وقت جہانگیر کی عمر چھتیس سال تھی اور وہ نہایت خوب رو جوان تھا۔ دانیال اور مراد جو کہ جہانگیر کے سوتیلے بھائی تھے پہلے ہی مر چکے تھے۔ لہٰذا تخت سلطنت پر بیٹھنے کے لئے جہانگیر کو کسی قسم کی مخالفت سے دوچار ہونا پڑا۔ اور اس نے نورالدین محمد جہانگیر بادشاہ غازی کا لقب اختیار کیا۔ اگرچہ اس نے تخت نشین ہوتے ہی اعلان کیا کہ اب سلطنت میں کوئی کام اسلامی قانون کے خلاف نہ ہوگا۔ تاہم اس نے عملی طور سے اکبر کی مذہبی رواداری پر عمل کیا۔ اس نے تخت نشینی کے بعد غریبوں اور محتاجوں کو بڑی بڑی رقوم عطا کیں۔ قیدیوں کو رہا کیا اور بہت سے واجب ٹیکس منسوخ کر دیئے۔ تخت نشینی کے بعد بارہ مشہور احکام جاری کئے۔ اس کی انصاف پسندی کا اظہار اس امر سے ہوتا ہے کہ اس نے اپنی تخت نشینی کے بعد آگرہ کے شاہی قلعہ میں ایک گھنٹہ لٹکا دیا۔ جس کا سرا ایک

Marfat.com

سونے کی زنجیر سے ملتا تھا۔ ہر خاص و عام کے لئے اجازت تھی کہ فریادی اس زنجیر کے ذریعہ گھنٹہ بجا کر بادشاہ کو اپنی آمد سے مطلع کر کے بادشاہ سے اپنی فریاد کر سکتا تھا۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لوگ عام طور سے بادشاہ یا امراء کے خوف کے باعث اس زنجیر سے فائدہ نہ اٹھا سکے ہوں گے۔

جہانگیر کی تخت نشینی کے وقت حالات

جہانگیر نہایت سازگار حالات میں تخت نشین ہوا۔ کیونکہ اکبر نے نصف صدی تک نہایت شاندار طریقے پر حکومت کر کے اور ملکی انتظامات کو بہتر بنا دیا تھا۔ اور جہانگیر کی تخت نشینی کے وقت پورا شمالی ہندوستان بشمول کابل قندھار پر مغلوں کا تسلط قائم ہو چکا تھا۔ بلکہ اکبر کی دوراندیشی اور دانش مندانہ حکمت عملی کے باعث سلطنت کی بنیادیں بھی انتہائی مستحکم ہو گئی تھیں۔ اس کے علاوہ اکبر نے ایک منظم انتظامی مشینری بھی چھوڑی تھی۔

ایسے حالات میں تخت نشینی کی وجہ سے جہانگیر کو کسی قسم کی مشکلات در پیش نہ تھیں۔ اسے صرف اکبر کے نقش قدم پر امور مملکت انجام دینا تھے۔ اگر چہ جہانگیر نے نہایت عمدگی سے اپنے باپ اکبر کی پیروی کی۔ لیکن اس میں اکبر جیسی مستعدی اور جدت طبع نہ تھی۔ اس نے امور مملکت کو مستعدی سے انجام نہ دیا بلکہ وہ اپنے فرائض سے کوتاہی برتنے لگا۔ اور سلطنت میں عدم توجہی اور نور جہاں سے وابستگی کے باعث دربار میں مختلف سازشیں ہوئی۔

خسرو کی بغاوت

۱۶۰۶ء خسرو، جہانگیر کا سب سے بڑا بیٹا تھا جو اس پہلی راجپوتی بیوی مان بائی کے بطن سے ۱۲ اگست ۱۵۸۷ء میں پیدا ہوا۔ اس کی تعلیم و تربیت نہایت عمدہ طریقے پر کی گئی تھی۔ خسرو نہایت خوبرو اور پرکشش شخصیت کا مالک تھا۔ اس کے عادات و خصائل نہایت پسندیدہ تھے۔ اور وہ انتہائی بااثر شخصیتوں کا قریبی رشتہ دار تھا۔ راجہ مان سنگھ خسرو کا ماموں اور عزیز کوکہ خسرو کا خسر تھا۔ راجہ مان سنگھ اور عزیز کوکہ کو دربار مغلیہ میں بہت اثر ورسوخ حاصل تھا۔ خسرو اپنی دلکشی اور خوبیوں اور بااثر لوگوں کی قرابت داری کی وجہ سے درباریوں میں بہت پسندیدہ نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔ چنانچہ بعض درباریوں نے اکبر کے بعد خسرو کو تخت نشین کرنے کی سازش شروع کی۔ اس سازش کے سربراہ راجہ مان سنگھ اور عزیز کوکہ تھے۔ اکبر کی بیماری کے دوران جب اس بات کا اندازہ ہو گیا کہ اب اکبر کا آخر وقت آن پہنچا ہے تو راجہ مان سنگھ اور عزیز کوکہ نے سلیم (جہانگیر) کو گرفتار کرنے کی سازش کی۔ لیکن سلیم کو اس بات کا پتہ چل گیا۔ تخت نشینی کے مسئلہ پر جب امراء کا اجلاس ہوا تو راجہ من سنگھ نے تجویز پیش کی کہ سلیم کے بجائے خسرو کو تخت نشین کر دیا جائے لیکن فرید خاں اور دیگر امراء نے اس تجویز کی مخالفت کی۔ چنانچہ امراء کی اکثریت کی سلیم کی اقتداری کی وجہ سے سلیم کو تخت نشین کرنا طے پایا۔ اور عزیز کوکہ کو بھی مجبوراً سلیم سے وفاداری کا حلف اٹھانا پڑا۔ چنانچہ سلیم کو تخت نشین کر دیا گیا۔

۱۶۰۷ء میں جہانگیر کو اپنے خلاف ایک سازش کا علم ہوا۔ جس کا مقصد جہانگیر کو موت کے گھاٹ اتار کر خسرو کو تخت

Marfat.com

نشین کرنا تھا۔اس نے اس سازش کی خبر پا کر سازش کے سرغنوں کو تختۂ دار پر لٹکوادیا۔ اور خسرو کو اندھا کرنے کا حکم دیا۔اور اس کی نظر بندی سخت کر دی۔اگر چہ خسرو کی بینائی مکمل طور پر ختم نہ ہوئی۔

خسرو کو بینائی سے محروم کرنے کے بعد جہانگیر نے شفقت بدری اور فطری سے مجبور ہو کر اپنے بیٹے شہزادہ خسرو پر پابندیاں نرم کر دیں اور اس کی بینائی بحال کرنے کے لئے ملک کے ملک کے بہترین طبیبوں کو طلب کیا۔ ۱۶۱۶ء میں جہانگیر نے اسے آصف خاں کے سپرد کر دیا۔ اور آصف خاں نے تھوڑے عرصے بعد شہزادہ خسرو کے ساتھ اور بقیہ زندگی نظر بندی میں گذاری۔اور وہ بیماریوں میں مبتلا رہ کر انتقال کر گیا۔ بعض مورخین نے الزام لگایا ہے کہ خسرو کی موت میں شہزادہ خرم (شاہ جہاں) کا ہاتھ ہے۔لیکن اس الزام کی صداقت کے لئے کوئی واضح شہادت نہیں۔ اور یہ الزام بے بنیاد نظر آتا ہے۔

نور جہاں

جہانگیر کے عہد حکومت کے بیشتر حصے میں اقتدار حکومت نور جہاں کے ہاتھ رہا۔اور جہانگیر کی نور جہاں سے شادی کے بعد مغل تاریخ میں ایک ایسا واقعہ رونما نہ ہوا جس میں نور جہاں کو عمل دخل حاصل نہ ہو۔

نور جہاں کا اصل نام مہر النساء تھا۔وہ ایرانی خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔نور جہاں کے باپ کا نام مرزا غیاث بیگ تھا۔جو انتہائی افلاس کی حالت میں اپنی حاملہ بیوی، دو لڑکیوں اور ایک لڑکی کے ساتھ قسمت آزمائی کے لئے ایران سے ہندوستان روانہ ہوا۔راستے میں ۱۵۷۷ء میں قندھار کے قریب نور جہاں پیدا ہوئی۔مرزا غیاث جس قافلہ کے ساتھ ہندوستان جا رہا تھا۔اس کا سربراہ ایک مالدار تاجر ملک مسعود تھا۔جو کہ شہنشاہ اکبر کے دربار میں بہت اثر و رسوخ رکھتا تھا۔اس نے مرزا غیاث بیگ کو مالی امداد دی اور ہندوستان پہنچ کر مرزا غیاث بیگ کو اکبر کے پاس مناسب ملازمت دلوائی۔جس کے بعد مرزا غیاث بیگ نے اپنی قابلیت اور وفاداری کے سہارے آگے ترقی کی اور اپنی قابلیت کی بناء پر اکبر کا منظور نظر بن گیا۔ ۱۵۹۵ء میں اکبر نے غیاث بیگ کو تین سو سواروں کا منصب دار مقرر کیا۔اور شاہی کارخانوں کے محکمہ کے دیوان کے فرائض بھی اس کے سپرد کئے جو اسے بااحسن طریق انجام دیئے۔نور جہاں نے اسی طرح اپنی زندگی کے سترہ سال پورے کئے۔ وہ نہایت حسین و جمیل دوشیزہ تھی۔اور بے انتہا پرکشش شخصیت کی مالک تھی۔سترہ سال کی عمر میں ۱۵۹۴ء میں اس کی شادی علی قلی خاں استجلو سے ہوئی جو شیر افگن کے نام سے مشہور تھا۔علی قلی پہلے شاہ ایران اسماعیل دوم کے باورچی خانے میں ملازم تھا۔اس کے بعد ہندوستان چلا آیا۔اور خان خاناں کی سفارش پر اکبر کے دربار میں ملازم ہوا۔۱۵۹۵ء میں علی خاں شہزادہ (جہانگیر) کے عملے کارکن بنا۔ جوان دنوں میواڑ پر فوج کشی کی تیاریاں کر رہا تھا۔اس مہم کے دوران ایک شیر مارنے شہزادے سلیم نے اسے شیر افگن کا خطاب دیا۔لیکن جب سلیم نے اپنے باپ شہنشاہ اکبر کے خلاف بغاوت کی تو شیر افگن نے سلیم کا ساتھ چھوڑ دیا۔تاہم تخت نشینی کے بعد جہانگیر نے شیر افگن کو معاف کر دیا۔اور ۱۶۰۵ء میں اسے بنگال روانہ کیا۔اور یہاں بردوان میں ایک جاگیر اور عہدہ عطا کیا۔

Marfat.com

بنگال میں ان دنوں مرکز کے خلاف شورشیں سر اٹھائے ہوئے تھیں۔ شیر افگن بھی ان شورشوں میں شریک ہو گیا۔ لہذا جہانگیر نے بنگال کے گورنر قطب الدین کو شیر افگن کے خلاف تحقیقات کرنے کا حکم بھیجا۔ اور شیر افگن کے خلاف جرم ثابت ہونے پر اسے گرفتار کر کے شاہی دربار میں پیش کرنے کا حکم دیا۔ قطب الدین نے شیر افگن کی گرفتاری کے لئے نہایت درشت رویہ اختیار کیا۔ اور شیر افگن کو اپنے پاس بلایا۔ شیر افگن جب گورنر قطب الدین سے ملنے گیا تو قطب الدین کے آدمیوں نے اسے گھیر لیا۔ اس بے عزتی پر شیر افگن نہایت برہم ہوا اور اس نے غصے میں آ کر قطب الدین کو ہلاک کر دیا۔ جس کے بعد قطب الدین کے سپاہیوں نے شیر افگن کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اس کے بعد شیر افگن کی بیوہ مہر النساء اور اس کی لڑکی لاڈلی بیگم کو ۱۶۰۷ء میں بیوہ ملکہ سلطانہ سلیمہ بیگم کے پاس شاہی محل میں آگرہ بھیج دیا۔ جہانگیر اور نور جہاں کی شادی اس وقت شاہی خواتین نیسا بازار کے نام سے ایک میلہ ترتیب دیا کرتی تھیں۔ مارچ ۱۶۱۱ء میں جہانگیر نے مہر النساء کو اسی میلے میں دیکھا۔ اور اس کے بے پناہ حسن و خوبصورتی اور اخلاق و عادات سے اس قدر متاثر ہو کہ مئی ۱۶۱۱ء میں اس سے شادی کر لی اور نور محل کا خطاب دیا۔ بعد ازاں ۱۶۱۶ء میں نور جہاں کا خطاب دیا اور وہ تاریخ میں ملکہ نور جہاں کے نام سے مشہور ہے۔

بعض مورخین نے نور جہاں اور جہانگیر کی محبت کو افسانوی رنگ دے کر یہ ظاہر کیا کہ جہانگیر ابتدائے شباب سے ہی نور جہاں پر فریفتہ تھا۔ لیکن اکبر نے اس کو نور جہاں سے شادی کی اجازت نہ دی۔ اور جہانگیر نے بادشاہ بنتے ہی شیر افگن کو مروا دیا۔ لیکن یہ جہانگیر پر اسرار بہتان ہے۔ اس افسانہ کو زیادہ تر غیر ملکی مورخین اور ڈاکٹر ایشوری پرشاد نے بیان کیا ہے۔ لیکن اگر اس امر کا گہرا مطالعہ کیا جائے تو یہ افسانہ غلط ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر جہانگیر کا نور جہاں سے واقعی پہلے سے ہی رومان وابستہ ہوتا تو وہ اپنے رقیب شیر افگن کو جاگیر اور عہدہ نہ دیتا۔ اور وہ شیر افگن کے قتل کے بعد متواتر چار سال تک شادی کو ملتوی نہ رکھتا۔ بہر حال یہ ضرور ہے کہ شادی کے بعد وہ نور جہاں سے بے انتہا محبت کرتا تھا۔ نور جہاں اور جہانگیر کے رومان کا کوئی ہمعصر مورخ تذکرہ نہیں کرتا۔ اور نہ ہی جہانگیر نے اپنی تصنیف وتزک جہانگیری میں اس قصہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ موجودہ تحقیق نور جہاں اور جہانگیر کے رومان کو ایک فرضی قصہ قرار دیتی ہے۔ جس کا مقصد محض جہانگیر کو بدنام کرنا ہے۔ بہر حال اگرچہ اس وقت نور جہاں کی عمر چونتیس سال تھی اور وہ نوجوان دوشیزہ نہ تھی۔ لیکن اس عمر میں بھی بے پناہ خوبصورت تھی۔ اس کی پرکشش شخصیت اور بے پناہ حسن کا نتیجہ تھا کہ جہانگیر اس پر فریفتہ ہو گیا۔

شاہ جہاں کی بغاوت ۱۶۲۶ء تا ۱۶۲۴ء

میواڑ، دکن اور کانگڑہ کی مہمات میں شہزادہ خرم کی شاندار کامیابیوں کی وجہ سے جہانگیر کے بعد خرم کی تخت نشینی یقینی امر بن چکی تھی۔ نیز جہانگیر کا بڑا لڑکا خسرو اس کے راستے سے ہٹ چکا تھا۔ جس کی وجہ سے خرم کی تخت نشینی کی راہ میں کوئی چیز حائل نہ تھی۔ لیکن اس دوران نور جہاں اپنی جاہ پسندی کے زیر اثر خرم کے اقتدار کی مخالف ہو چکی تھی۔ اور اپنے اقتدار کو بحال رکھنا چاہتی تھی۔ لیکن خرم اس کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بننے کو تیار نہ تھا اس کے دل میں بھی جاہ پسندی کا جذبہ کارفرما تھا۔ چنانچہ نور جہاں

Marfat.com

نے خرم کے اقتدار کو ختم کرنے کی کوشش کی۔ وہ اقتدار کو اپنے ہاتھ میں رکھنے کے لئے چاہتی تھی کہ جہانگیر کے چوتھے لڑکے شہریار کو آگے بڑھائے، شہریار نور جہاں کا داماد بھی تھا (نور جہاں کی لڑکی لاڈلی بیگم جو کہ شیر افگن سے تھی شہریار سے بیاہ دی گئی تھی) جس کی وجہ سے فطری امر تھا کہ وہ اپنے داماد کو جہانگیر کے بعد تخت نشین کرانا چاہتی تھی۔ ادھر خرم بھی نور جہاں کے خیالات اور مخالفت سے پوری طرح واقف تھا۔ لہٰذا نور جہاں کی سازشوں سے مجبور ہو کر بغاوت پر آمادہ ہو گیا۔

۱۶۲۳ء میں قندھار پر ایرانیوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ چنانچہ اس قبضے کے فوراً بعد ہی نور جہاں نے شاہ جہاں کو قندھار پر دوبارہ قبضہ کرنے کے لئے روانہ ہونے کا حکم دیا۔ یہ نور جہاں کی ایک زبردست چال تھی۔ وہ شاہ جہاں کو اس دور دراز مہم پر بھیج کر اس کی غیر موجودگی سے فائدہ اٹھا کر اس کا اثر و رسوخ ختم کرنا چاہتی تھی۔ اور اپنے داماد شہریار کو آگے لانا چاہتی تھی۔ کیونکہ جہانگیر کی صحت دن بدن بگڑتی جا رہی تھی اس طرح شاہ جہاں کی غیر حاضری میں جہانگیر کے وفات پا جانے کی صورت میں شہریار کو آسانی سے تخت نشین کرا سکتی تھی۔ لیکن شاہ جہاں اس کی اس چال کو سمجھ گیا۔ چنانچہ اس نے اس شرط پر قندھار کی مہم پر جانے کے لئے آمادگی ظاہر کی قندھار کے خلاف بھیجی جانے والی مہم کی پوری کمان اسے سونپی جائے۔ نیز پنجاب کی صوبے داری اور رنتھمبور کا قلعہ اس کے حوالے کیا جائے۔ تاکہ اس کے خاندان کے افراد بلا خوف و خطر وہاں رہ سکیں۔ نور جہاں ہر طرح خرم کا اقتدار ختم کرنے پر تلی بیٹھی تھی۔ چنانچہ اس نے خرم (شاہ جہاں) کی پیش کردہ شرائط کے متعلق بڑھا چڑھا کر شاہ جہاں کے خلاف جہانگیر کے کان بھر دیئے۔ اور جہانگیر کو یقین دلایا کہ شاہ جہاں خود سر ہو گیا ہے۔ لہٰذا اسے راہ راست پر لانے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے اختیارات میں کمی کر دی جائے۔ اس کے علاوہ ایک معمولی واقعہ کی بناء پر صورت حال اور زیادہ بگڑ گئی۔ واقعہ یہ تھا کہ شاہ جہاں نے جہانگیر کی خدمت میں دھولپور کے پرگنے کے لئے درخواست کی تھی۔ اور اسے جہانگیر کی طرف دھولپور کا پرگنہ مل جانے کی پوری توقع تھی۔ چنانچہ اس پوری توقع پر شاہ جہاں نے اس پرگنہ کا انتظام سنبھالنے کے لئے اپنے آدمی روانہ کر دیئے تھے۔ اسی اثناء نور جہاں نے دھولپور کا پرگنہ اپنے داماد شہریار کے نام منتقل کر کے شیر الملک کو اس پرگنہ پر قبضہ کرنے کے لئے روانہ کر دیا۔ ادھر دھولپور کے پرگنہ کا انتظام سنبھالنے کے لئے جو آدمی شاہ جہاں کی طرف روانہ کئے گئے تھے ان کو ان حالات کا علم نہ تھا۔ لہٰذا ایک طرف تو شاہ جہاں کے آدمیوں نے اپنا قبضہ جتایا۔ دوسری طرف نور جہاں کے آدمیوں نے اس پرگنہ پر اپنے قبضے کا دعویٰ کیا۔ جس کی وجہ سے دونوں طرف کے آدمیوں کے درمیان جھگڑا ہو گیا۔

نور جہاں نے متذکرہ واقعہ کو بڑھا چڑھا کر جہانگیر کو شاہ جہاں کے خلاف بھڑکایا اور یقین دلایا کہ شاہ جہاں ان شاہی عنایات کا قطعی مستحق نہیں اس پر شہنشاہ کی طرف سے کی گئی ہیں۔ چنانچہ شاہ جہاں کے نام شاہی احکام جاری ہوا کہ وہ اپنی ماتحت تمام شاہی فوج کو آگرہ بھیج دے۔ اس کے علاوہ شاہ جہاں کی جاگیر شہریار کو منتقل کر دی گئی۔ شاہ جہاں نے باپ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے پوری کوشش کی اور اس کو محبت آمیز خطوط لکھے۔ اور اپنے اندیشوں اور صحیح صورت حال سے جہانگیر کو باخبر کرنے کے لئے اپنے ایک افسر افضل خاں کو جہانگیر کے پاس روانہ کیا۔ لیکن جہانگیر پر نور جہاں کا رنگ بہت گہرا چڑھ چکا تھا۔ جہانگیر کے دل سے شاہ جہاں کی طرف سے بدگمانی کسی طرح دور نہ ہو سکی۔ شمال میں تمام اراضی بشمول حصار فیروزہ کی جاگیر

Marfat.com

جو ہمیشہ ولی عہد سلطنت کے سپرد ہوتی تھی، شاہ جہاں سے چھین کر شہر یار کو منتقل کر دی گئی اسی صورت حال سے شاہ جہاں کو پوری طرح اندازہ ہو گیا کہ اب اس کے لئے بغاوت کے سوا کوئی چارہ نہیں اور بغیر بغاوت کے وہ نور جہاں کے پنجے سے چھٹکارا حاصل نہیں کر سکتا۔ چنانچہ اس نے علم بغاوت بلند کر دیا۔ دکن، گجرات اور مالوہ کے بیشتر امراء شاہ جہاں کے ہمنوا تھے۔ اس کے علاوہ نور جہاں کا بھائی آصف خاں بھی شاہ جہان کا خاموش حمایتی تھی۔ ادھر نور جہاں کو تمام مالی اور فوجی وسائل حاصل تھے۔ چنانچہ شاہ جہاں کے خلاف شاہی فوج روانہ کی گئی۔ شاہ جہاں اور شاہی فوج کے درمیان پہلی جنگ ۱۶۲۳ء میں دہلی کے جنوب میں بلوچ پور کے مقام پر ہوئی۔ جس میں شاہ جہاں زبردست شکست کھا کر مالوہ کی طرف فرار ہوا۔ اور وہاں سے دکن پہنچا۔ اور ملک عنبر سے امداد مانگی لیکن ناکامی ہوئی۔ اس کے بعد وہ تلنگانہ ہوتا ہوا بنگال بھاگ گیا۔ اور بہار آ کر اپنے زیر نگیں کر کے رہتاس کے قلعے پر قابض ہو گیا۔ اور پیش قدمی جاری رکھی الہ آباد کے مقام پر شاہی فوج نے شاہ جہاں کی پیش قدمی کا سلسلہ روک دیا۔ اور شاہ جہاں کو دوبارہ دکن بھاگنا پڑا۔ اس مرتبہ ملک عنبر شاہ جہاں کو مدد دینے پر راضی ہو گیا۔ لیکن ۱۶۲۵ء میں شاہ جہاں کو بیماری نے آ گھیرا۔ جس کی وجہ سے اس نے جہانگیر سے صلح اور معافی کی درخواست کی۔ چنانچہ اس کے لئے شاہی احکام جاری ہوئے کہ وہ رہتاس اور اور اسیر گڈھ کے قلعے سے دستبرداری اختیار کرے اور اپنے دو بیٹوں دارا اور اورنگ زیب کو یرغمال کے طور پر شاہی دربار میں بھیجے۔ شاہ جہاں نے ان شاہی احکامات کی تعمیل کی۔ اس طرح تین سال کی خوں ریزی کے بعد شاہ جہاں کی بغاوت ختم ہو گئی اور اسے ناساز گار حالات سے مجبور ہو کر اطاعت قبول کرنا پڑی۔ اس بغاوت سے مغل سلطنت کو ناقابل تلافی نقصان کا سامنا کرنا پڑا۔ اگرچہ شاہ جہاں نے اطاعت قبول کر لی تھی۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہ تھا کہ نور جہاں نے مکمل طور سے شاہ جہاں کی جدوجہد کو ختم کر دیا تھا بلکہ جہانگیر کی وفات کی صورت میں دونوں کے درمیان اقتدار کی کشمکش لازمی تھی۔

مہابت خاں کی بغاوت

مہابت خاں کا اصلی نام زمان بیگ تھا اور وہ سلطنت مغلیہ کے مقتدر ترین امراء میں سے تھا۔ جہانگیر اس پر مہربان تھا اور جہانگیر نے اسے مہابت خاں کا خطاب اور منصب عطا کیا تھا۔ مہابت خاں اپنی عسکری کامیابیوں کا بناء پر دربار میں بہت مقبول تھا۔ اور نور جہاں کا عروج اسے سخت ناپسند تھا۔ دیگر پرانے مغل امراء بھی نور جہاں کے اقتدار اور اس کے اپنے رشتے داروں کے نوازنے کی پالیسی سے سخت بیزار تھے۔ چنانچہ مہابت خاں نور جہاں کے مخالفوں کے سربراہ کی سی حیثیت رکھتا تھا۔ اس نے ایک مرتبہ مغل امراء کی ترجمانی کرتے ہوئے جہانگیر سے کہا تھا کہ ''ساری دنیا اس امر پر متعجب ہے کہ آپ جیسے دور اندیش اور ہوش مند فرماروا پر ایک عورت کس طرح حاوی ہو گئی ہے''۔

جب شاہ جہاں نے بغاوت کی تو نور جہاں نے مہابت خاں اور شہزادہ پرویز کو شاہ جہاں کے گوشمالی پر مقرر کیا تھا۔ اور شاہ جہاں کی شکست زیادہ تر مہابت خاں ہی کی کوششوں کا نتیجہ تھی۔ لیکن ان کامیابیوں سے مہابت خاں کے اقتدار میں اضافہ ہونے سے نور جہاں اس سے حسد کرنے لگی۔ کیونکہ اسے مہابت خاں کی مقبولیت سے اپنا اقتدار مجروح ہوتا نظر آ رہا تھا۔

Marfat.com

شہزادہ پرویز سے مہابت خاں کا میلاپ بھی نور جہاں کو سخت ناپسند تھا۔ چنانچہ شاہ جہاں کی اطاعت کر لینے کے بعد اس نے مہابت خاں کے اقتدار کے خاتمے کے لئے کارروائی شروع کر دی۔ کیونکہ اُسے مہابت خاں کی طرف سے خطرہ تھا کہ وہ شہریار کی تخت نشینی کے بارے میں اس کے ارادوں میں رکاوٹ ڈالے گا۔ چنانچہ اس نے مہابت خاں کا اقتدار اور شہزادے پرویز سے اس کا گٹھ جوڑ ختم کرنے کے لئے مہابت خاں کو شاہی فوج کی سپہ سالاری سے الگ کر کے بنگال کی صوبیداری پر مقرر کیا۔ لیکن شہزادہ پرویز نے مہابت خاں کو بنگال جانے کی اجازت دینے سے معزوری ظاہر کی۔ چنانچہ نور جہاں نے ایک سخت فرمان کے ذریعے شہزادہ پرویز کو برہان پور ٹھہرنے کا حکم دیا۔ اور مہابت خاں کو بنگال روانہ ہونے یا دربار شاہی میں حاضر ہونے کا حکم دیا۔ شہزادہ پرویز کے پیش نظر اپنے بھائی کا انجام تھا۔ لہٰذا اس نے نور جہاں سے خوف زدہ ہو کر اس کے حکم کی تعمیل کی۔ نور جہاں نے نہ صرف مہابت خاں کو دربار میں حاضر ہونے کا حکم دیا تھا۔ بلکہ اس کے خلاف متعدد سازشوں اور غبن کے الزامات تیار رکھے۔ نیز اس پر ایک الزام یہ بھی تھا کہ اس نے شہنشاہ کی اجازت کے بغیر اپنی لڑکی کی منگنی خواجہ عمر نقشبندی کے لڑکے سے کر دی تھی۔ جہانگیر نے لڑکے کو دربار میں بلا کر سخت بے عزتی کی اور نہایت توہین آمیز سلوک کے ساتھ اسے قید کر دیا۔ نور جہاں اور جہانگیر کا اس قسم کا رویہ مہابت خاں جیسے غیور شخص کے لئے نہایت اشتعال انگیز تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ اس کی عزت اور جان دونوں کو سخت خطرہ لاحق ہے تو اس نے مشتعل ہو کر سخت کارروائی کرنے کا تہیہ کر لیا۔ اور چار ہزار راجپوت سپاہی اپنے ساتھ لے کر دربار کی طرف روانہ ہوا۔

جہانگیر ان دنوں کشمیر سے واپسی پر دریائے جہلم کے کنارے پڑاؤ ڈالے تھا۔ اور اس کا ارادہ کابل جانے کا تھا۔ آصف خاں جہانگیر کی حفاظت سے غفلت برت کر دریا کے دوسری طرف چلا گیا۔ لہٰذا جہانگیر کی حفاظت کا کوئی مناسب انتظام نہ تھا۔ چنانچہ مہابت خاں نے شاہی پڑاؤ پر حملہ کر کے شہنشاہ جہانگیر کو قید کر لیا۔ اسی دوران نور جہاں دریا پار کر چکی تھی۔ اس نے دیگر امراء اور آصف خاں کو ڈانٹ ڈپٹ کی۔ اور امراء کے ساتھ فوج لے کر مہابت خاں پر حملہ آور ہوئی۔ نور جہاں اور مہابت خاں کی فوجوں کے درمیان خون ریزی جنگ ہوئی۔ اگرچہ نور جہاں نے بہت دلیری کا مظاہرہ کیا۔ لیکن شکست کھائی۔ اور خود بھی مہابت خاں کے پاس قید ہو گئی۔ اگرچہ نور جہاں شکست کھا کر فرار ہو سکتی تھی۔ لیکن یہ اس کی چال تھی۔ اس جنگ میں آصف خاں کو بھی قید کر لیا گیا۔

اگرچہ مہابت خاں نے شہنشاہ اور نور جہاں، نیز دیگر امراء کو اپنا قیدی بنا لیا تھا۔ لیکن اس کی یہ کارروائی محض وقتی اشتعال کی بناء پر کی تھی۔ وہ شہنشاہ جہانگیر کا بہت وفادار رہا تھا۔ لیکن نور جہاں کی سازشوں نے اسے بغاوت کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ شہنشاہ کو قید کرنے کے بعد بھی وہ اس سے نہایت عزت واحترام سے پیش آیا۔ اگرچہ شہنشاہ کو قید کر کے امراء کی حیثیت سے اختیار کر چکا تھا۔ اور اگر وہ چاہتا تو حکومت پر قبضہ کرنے یا کسی اور شہزادے کو اپنے ساتھ ملانے کا اسے اچھا موقع تھا۔ لیکن اس نے اس کی طرف توجہ نہ کی۔ اگر وہ چاہتا تو شیر شاہ کی طرح جہانگیر کو ہندوستان سے نکال کر سلطنت کے حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کر سکتا تھا۔ لیکن اس نے ایسا نہ کیا کیونکہ وہ جہانگیر کا احترام کرتا تھا۔ اور اس کی بغاوت محض وقتی اشتعال انگیزی کا نتیجہ

Marfat.com

تھی۔ نور جہاں نے مہابت خاں کی اس نرمی سے فائدہ اٹھایا اور اپنی ذہانت اور حکمت سے تحفے تحائف کے ذریعے مہابت خاں کی فوج کے بیشتر حصے کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ چنانچہ جب مہابت خاں کو ایک صبح اس بات کا علم ہوا تو اس کی پیش رفت فوج نور جہاں سے مل گئی ہے اور اس کی فوج خطرناک طور سے گھٹ گئی ہے تو اس نے دکن کی طرف راہ فرار اختیار کی۔

جس وقت متذکرہ حالات رونما ہو رہے تھے۔ شاہ جہاں ان حالات سے فائدہ اٹھا کر ایک مرتبہ پھر اپنی حیثیت مضبوط کرنے میں مصروف تھا۔ ادھے سے مہابت فرار ہو کر شاہ جہاں سے جا ملا۔

جہانگیر کی وفات

اگرچہ نور جہاں مہابت خاں کے مقابلے میں کامیابی حاصل کر چکی تھی۔ لیکن اب اس کو شاہ جہاں اور مہابت خاں کے میل میلاپ سے سخت خطرہ لاحق تھا۔ اور اسے اپنی اس کامیابی سے کوئی نفع نہ ہو سکا۔ کیونکہ جہانگیر کچھ عرصے سے شدید بیمار تھا اور اس کی صحت بہت بگڑ گئی تھی، اسے دمہ کا موذی مرض لاحق تھا۔ کشمیر کی آب و ہوا نے بھی جہانگیر کی صحت پر کوئی خاطر خواہ اثر نہ ڈالا۔ کشمیر سے واپسی پر مہابت خاں کی بغاوت کا سامنا کرنا پڑا۔ جب نور جہاں نے کامیابی حاصل کر لی تو وہ لاہور کی طرف روانہ ہوا۔ اور بھمبر کے مقام پر ۱۲۸ اکتوبر ۱۶۲۷ء کو اچانک فوت ہو گیا۔ اس نے بائیس سال تک ہندوستان پر حکومت کی۔

کردار و خصوصیات

تخت نشینی کے وقت جہانگیر کی عمر چھتیس برس تھی۔ وہ نہایت حسین و جمیل تھا۔ قد لمبا تھا۔ رنگ اجلا، آنکھیں نہایت روشن اور نگاہیں دلوں پر اثر کرتی تھیں۔ وہ بڑی بڑی مونچھیں رکھتا تھا۔ اس کی شخصیت، خوش اخلاقی اور خوش گفتاری لوگوں کو متاثر کر دیتی تھی اور وہ نہایت فیاض اور سخی تھا۔ جہانگیر نہایت سمجھدار اور ذہین حکمراں تھا۔ اس نے اپنے باپ اکبر کے نظام حکومت کو برقرار رکھ کر دور اندیشی اور فراست کا ثبوت دیا۔ وہ شراب نوشی کثرت سے کرتا تھا لیکن صرف رات کو۔ دن کے وقت وہ شراب کو ہاتھ نہ لگاتا تھا۔ اور وقار و سنجیدگی اور رعب میں دبدبہ قائم رکھتا۔ اگرچہ رات کے وقت وہ امراء کی محفل میں عیش و نشاط کا بازار گرم رکھتا تھا۔ لیکن دربار میں کسی امیر کے منہ سے شراب کی بو آتی تو اسے سخت سزا دیتا۔ جوانی میں نہایت طاقتور اور سیر و شکار کی طرف مائل اور مہم جو تھا۔ لیکن شراب نوشی کی کثرت نے اس کے قویٰ مضمحل کر دیئے اور نور جہاں سے شادی کرنے کے بعد شاہی اختیارات نور جہاں کے سپرد کر کے امور سلطنت سے غفلت برتنے لگا۔ اور اپنی عمر کے آخری پانچ سالوں میں تو وہ امور سلطنت سے تقریباً قطعی طور سے دست کش ہو گیا اور تمام اختیارات نور جہاں کو حاصل ہو گئے۔ تاہم جہانگیر ایک انصاف پسند بادشاہ تھا۔ ظالموں کو نہایت سخت سزائیں دیتا تھا۔ اگرچہ فطری طور سے رحم دل تھا۔ لیکن جذباتی تھا اور مزاج کا بہت تیز تھا۔ کوئی نہ کہہ سکتا تھا کہ وہ کب طیش میں آ کر وحشیانہ کارروائی کر بیٹھے۔ اسی وجہ سے بعض مورخین نے سے مختلف صفتوں، رحمدلی، سنگدلی، انصاف پسندی، ہوش مندی وحماقت اور فیاضی کا مجموعہ قرار دیا ہے۔

مجموعی طور سے جہانگیر میں متذکرہ تمام اچھی اور بری صفات موجود تھیں۔ وہ غریبوں پر مہربان تھا۔ انصاف پسند،

Marfat.com

فیاض اور سخی تھا۔ مذہب کی طرف سے قطعی غیر متعصب تھا اور اپنے باپ اکبر کی طرح ہندوؤں سے رواداری برتتا تھا اور انہیں ہر قسم کی مذہبی آزادی حاصل تھی۔ اور وہ ان سے نہایت عمدہ سلوک کرتا تھا۔ علماء وفضلاء کی صحبت پسند کرتا تھا اور ہندو جوگیوں اور پیشواؤں کی عزت کرتا تھا۔ جہانگیر کو علم وادب سے گہرا لگاؤ تھا۔ اور فارسی زبان وادب پر کامل عبور رکھتا تھا۔ اور نہایت اعلیٰ درجہ کی دل کش نظمیں، غزلیں اور شعر کہتا تھا۔ اس کے علاوہ نثر میں بھی عبور رکھتا تھا۔ اس نے نثر میں اپنی خود نوشتہ سوانح عمری ''تزک جہانگیری'' چھوڑی ہے۔ قدرتی مناظر سے اسے بہت رغبت تھی چنانچہ اپنی تصنیف تزک جہانگیری میں اس نے بڑی خوبصورتی سے پھولوں، پھلوں اور جانوروں کا ذکر کیا ہے۔ وہ فطرت کی رنگینیوں سے دلچسپی کی بناء پر مصوری سے گہری دلچسپی رکھتا تھا۔ اور تصویریں دیکھ کر ایک ماہر فن مصور کی طرح ان کی خوبیاں بتا سکتا تھا۔ اسے نور جہاں سے بہت محبت تھی اور اس پر بہت اعتماد کرتا تھا۔ جہانگیر میں سب سے بڑا عیب یہ تھا کہ وہ اپنی عیش پرستی کی بناء پر سلطنت کے کاموں سے غافل ہو کر امور سلطنت دوسروں کے سپرد کر دیتا تھا۔ یہاں تک کہ اس نے امور سلطنت کے ساتھ خود کو بھی نور جہاں کے سپرد کر دیا تھا۔ اور نور جہاں اس کو جس طرف راغب کرتی تو اس پر فوراً عمل کرتا۔ جس کے نتیجے میں اس کے عہد میں نور جہاں کی سازشوں اور اس کی امور سلطنت سے غفلت برتنے کی بناء پر کئی مرتبہ سلطنت کے امن وامان خلل پڑا۔ اور وہ امور سلطنت سے عدم توجہی کی بناء پر کوئی نئی اور مفید اصلاح نہ کر سکا۔

شہاب الدین شاہ جہاں ۱۶۲۷ء تا ۱۶۵۸ء

شاہ جہاں اکبر کا بیٹا تھا جو اکبر، راجپوت شہزادی جودابائی کے بطن سے ۵ جنوری ۱۵۹۲ء میں لاہور کے مقام پر پیدا ہوا۔ اور اس کا نام خرم رکھا گیا۔ یہ اکبر کے تمام بیٹوں میں لائق ترین شہزادہ تھا۔ شاہ جہاں کو بچپن ہی سے فن سپہ گری، شہسواری اور نشانہ بازی سے لگاؤ تھا۔ اکبر کو بھی اس سے بے محبت تھی۔ شاہ جہاں کو انتظامی امور سے بہت دلچسپی تھی۔ مہابت خاں جیسے بہادر اور آصف خاں جیسے دانشور کی رفاقت نے اس کے فطری جواہر کو اور جلا بخشی۔ جہانگیر کو بھی خرم سے بہت محبت تھی۔ شہزادہ خسرو جو کہ جہانگیر کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔ وہ بغاوت کرنے کی وجہ سے اپنے باپ جہانگیر کی نظروں میں معتوب ہو چکا تھا۔ اس کے بعد قید کی حالت میں اس نے وفات پائی۔ شہزادہ پرویز کو امور مملکت سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اور وہ عیش وعشرت میں مست تھا۔ جس کی وجہ سے اس کے تخت نشین ہونے کی کوئی امید نہ تھی۔ اس کے علاوہ اس نے جہانگیر کی وفات سے تھوڑے عرصہ پہلے شراب نوشی اور بے اعتدالیوں کی بناء پر وفات پائی۔ لہذا ابتداء سے ہی خسرو کی بغاوت کے بعد اور پرویز کی عیش وعشرت اور لاپرواہی کی بناء پر شہزادہ خرم یعنی شاہ جہاں کی جانشینی کے قوی امکانات تھے۔

۱۶۰۶ء میں شاہ جہاں کو پہلی اہم ذمہ داری سونپی گئی۔ جب جہانگیر خسرو کے تعاقب میں روانہ ہوا تو دارالحکومت سے اپنی عدم موجودگی میں دوران شاہ جہاں کو وہاں کا منتظم اعلیٰ مقرر کیا گیا۔ اس کے بعد رفتہ رفتہ متعدد مرتبہ اس کے منصب میں اضافہ ہوتا رہا۔ ۱۶۱۲ء میں شاہ جہاں کی شادی نور جہاں کے بھائی کی لڑکی ارجمند بانو سے ہوئی جو ممتاز محل کے نام سے مشہور ہے۔

Marfat.com

اس طرح شہزادہ خرم یعنی شاہ جہاں، نور جہاں اور آصف خاں کے درمیان رشتۂ اتحاد پیدا گیا۔ لیکن بعد ازاں نور جہاں نے شاہ جہاں کے بڑھتے ہوئے اقتدار کو دیکھ کر اپنی جاہ پسندی کے جذبہ کے تحت شاہ جہاں کو اپنا رقیب تصور کرنا شروع کر دیا۔ جس کے نتیجے میں شاہ جہاں کو بغاوت کرنا پڑی۔ نور جہاں اپنے اقتدار کے آخری وقت تک شاہ جہاں کی مخالفت میں لگی رہی۔ لیکن نور جہاں کے بھائی آصف خاں نے اسے کامیاب نہ ہونے دیا۔ اور اپنے داماد شاہ جہاں کو تخت نشین کرنے میں سب سے زیادہ اہم کردار ادا کیا۔

جہانگیر کے عہد میں شاہ جہاں نے نہایت شاندار کارنامے انجام دیئے۔ میواڑ کا رانا پرتاب جس نے مرتے دم تک اکبر کی اطاعت نہ کی تھی، رانا پرتاب کی وفات کے بعد اس کا بیٹا رانا امر سنگھ گدی نشین ہوا۔ اس نے بھی اپنے باپ کے نقش قدم پر چل کر سلطنت مغلیہ کی اطاعت نہ کی۔ لیکن بعد ازاں، خرم شاہ جہاں کی کوشش بہادری اور عقلمندی سے میواڑ کا رانا سلطنت مغلیہ کا مطیع ہو گیا۔ اس کے بعد شاہ جہاں نے کانگڑہ کے ناقابل تسخیر قلعہ کو اپنی ذہانت اور بہادری سے ۱۶۲۰ء میں تسخیر کیا۔ دکن میں ملک عنبر نے جو کہ ریاست احمد نگر کا وزیر اعظم اور سالار تھا۔ بہت عروج پر تھا اور اس نے اپنی ذہانت اور قوت کے بل پر مغل سلطنت کی شاہی فوجوں کے دانت کھٹے کر دیئے تھے اور متعدد معرکوں میں مغل فوج کو شکست دیتی تھی۔ جب اس مہم پر ۱۶۱۶ء میں شہزادہ خرم کو روانہ کیا گیا۔ تو جہانگیر نے خرم کے ان کارناموں سے خوش ہو کر اسے شاہ جہاں کا خطاب دیا۔ اس کے بعد جب ۱۶۲۱ء میں دکن میں شورشیں پیدا ہوئیں تو خرم نے دکن پر فوج کشی کر کے برار، احمد نگر اور نواحی اضلاع میں امن وامان قائم کر کے ان اضلاع کو سلطنت مغلیہ کو جزو بنا دیا۔ شاہ جہاں کو اپنے شاندار کارناموں کی بناء پر دربار و رعایا میں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ اور اس کا اثر و اقتدار اس قدر بڑھ گیا کہ اس سے پہلے کسی شہزادہ کو حاصل نہ ہوا تھا۔ لیکن نور جہاں اپنے جاہ پسندی کے جذبہ کے تحت شاہ جہاں کی مقبولیت واقتدار کی دشمن بن گئی۔ کیونکہ اس سے خود نور جہاں کا اقتدار خطرے میں پڑ گیا تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ شاہ جہاں اس کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بن کر رہے۔ اور امور مملکت اور سلطنت پر اس کا اقتدار و مقبولیت رہے۔ لیکن شاہ جہاں اس بات پر راضی نہ تھا۔ چنانچہ نور جہاں نے اپنے داماد شہریار کو آگے لانے کی کوشش کی اور چاہتی تھی کہ وہ جہانگیر کے بعد شہریار تخت سلطنت پر آئے۔ اسی دوران جب نور جہاں اور شاہ جہاں میں رقابت شدید طور سے بڑھی ہوئی تھی۔ ۱۶۲۲ء میں ایرانیوں نے قندھار پر قبضہ کر لیا۔ جس کی وجہ سے شاہی احکام کے ذریعہ شاہ جہاں کو قندھار پر فوج کشی کر کے قندھار پر دوبارہ قبضہ کرنے پر مجبور کیا گیا۔ یہ دراصل نور جہاں کی چال تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ شاہ جہاں کو اس دور دراز علاقے میں بھیج کر اس کا اثر و رسوخ ختم کرنا چاہتی تھی۔ دوسرے یہ کہ جہانگیر کی صحت خراب تھی۔ چنانچہ شاہ جہاں کی عدم موجودگی میں جہانگیر کی وفات کی صورت میں وہ شہریار کو آسانی سے تخت نشین کر سکتی تھی۔ لیکن شاہ جہاں نے اس کی اس چال کا اندازہ لگا لیا۔ اور اس نے اس مہم پر جانے کے لئے نور جہاں کے سامنے چند شرائط پیش کیں۔ اور چند ایسے علاقوں کا مطالبہ کیا کہ شاہ جہاں کی طاقت بحال رہتی۔ لیکن نور جہاں بہر صورت شاہ جہان کا اقتدار ختم کرنا چاہتی تھی۔ چنانچہ اس نے شاہ جہاں کے خلاف جہانگیر کے کان بھر دیئے۔ اور جہانگیر نے نہ صرف شاہ جہاں کو اس کی زیر کمان تمام شاہی فوج کو اپنے پاس واپس بھیجنے کا حکم دیا۔ بلکہ شمال میں شاہ جہاں کی تمام اراضی

Marfat.com

بشمول حصار فیروزہ کی جاگیر کے جو ہمیشہ ولی عہد سلطنت کو دی جاتی تھی۔ شاہ جہاں سے چھین کر شہزادہ شہریار کو منتقل کر دی۔ شاہ جہاں نے نامہ و پیام اور قاصد کے ذریعے جہانگیر سے اپنی صفائی پیش کرنا چاہی لیکن نور جہاں نے اس کی ایک نہ چلنے دی۔ اس صورت حال سے دل برداشتہ ہو کر شاہ جہاں نے علم بغاوت بلند کر دیا۔ بالآخر تین سال تک شاہی فوجوں سے جنگ کرنے اور شکست کھانے کے بعد شاہ جہاں نے دکن کے ملک عنبر کی مدد سے اپنی طاقت بڑھائی۔ لیکن ان دنوں وہ بیمار ہو گیا۔ اور اسے مجبوراً صلح اور معافی کی درخواست کرنی پڑی۔ جہانگیر نے اس کے دولڑکے دارا اور اورنگ زیب کو بطور یرغمال دربار شاہی میں بلا لیا۔

اس کے بعد نور جہاں نے ایک سالار مہابت خاں کے اقتدار کے خلاف سازش کرنی شروع کر دی۔ جس نے کہ شاہ جہاں کی سرکوبی کرنے کے سلسلے میں بہت مقبولیت حاصل کر لی تھی۔ آخر مہابت خاں کو بھی نور جہاں کی سازشوں اور توہین آمیز سلوک کی وجہ سے سلطنت سے بغاوت کرنی پڑی۔ اور اس نے جہانگیر کے پڑاؤ پر جو کہ کشمیر سے واپسی کے دوران دریائے جہلم کے کنارے خیمہ زن تھا۔ حملہ کر کے جہانگیر کو قید کر لیا۔ جس کے بعد نور جہاں نے حملہ کر کے جہانگیر کو رہا کرانا چاہا لیکن مہابت خاں سے شکست کھائی۔ اس کے بعد نور جہاں نے چالبازی سے کام لے کر خود بھی مہابت خاں کی قیدی بن گئی۔ اور قید کے دوران مہابت خاں کے سپاہیوں کی کثیر تعداد کو اپنے ساتھ ملا کر مہابت خاں کو بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ جس نے فرار ہو کر دکن میں پناہ لی اور شاہ جہاں سے گٹھ جوڑ پیدا کر لیا۔ شاہ جہاں نے بھی مہابت خاں کی بغاوت کے دوران اپنی طاقت مستحکم کر لی تھی۔ شاہ جہاں اور مہابت خان کی دوستی سے نور جہاں کو ایک بار پھر شاہ جہاں کی طرف سے خطرہ لاحق ہو گیا۔ اور اس نے ایک بار پھر شاہ جہاں کے خلاف کارروائی کرنے کا فیصلہ کیا۔ لیکن اچانک اسی دوران لاہور سے آگرہ واپس آتے ہوئے ۲۸ اکتوبر ۱۶۲۷ء کو جہانگیر وفات پا گیا۔ جس کے فوراً بعد نور جہاں نے اپنے داماد شہریار کو لاہور میں تخت نشین کر دیا۔ شہزادہ پرویز جو کہ جہانگیر کا شاہ جہاں سے بڑا لڑکا تھا۔ اپنی عیاشیوں اور بے اعتدالیوں کے سبب ۱۶۲۶ء میں وفات پا چکا تھا۔ لہٰذا اب شہریار اور نور جہاں کا سب سے قوی حریف شاہ جہاں تھا۔ شاہ جہاں کا خسر آصف خاں جو کہ نور جہاں کا بھائی تھا دلی طور سے شاہ جہاں کا حمایتی تھا۔ چنانچہ اس نے جہانگیر کی وفات کی اطلاع پاتے ہی فوراً ایک آدمی کے ذریعے شاہ جہاں کو دکن سے جلد از جلد آگرہ پہنچنے کا پیغام بھیجا۔ نور جہاں نے ان حالات کی خبر پا کر آصف خاں سے ملاقات کر کے اسے اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی۔ لیکن آصف خاں نے نہ صرف نور جہاں سے ملنے سے انکار کر دیا۔ بلکہ آگرہ سے فوج لے کر شہریار کے مقابلے کے لئے لاہور پہنچا۔ شہریار سخت نااہل ثابت ہوا اور اس نے بغیر کسی مزاحمت کے قلعہ آصف خاں کے حوالے کر دیا۔ جس کے بعد شہریار کو اندھا کر دیا گیا۔ اور پھر قید کی حالت میں اسے قتل کر دیا گیا۔ شاہ جہاں آگرہ پہنچا۔ جہاں جنوری ۱۶۲۸ء میں اس کی رسم تاجپوشی کا ادا کی گئی۔ شاہ جہاں نے اپنے تمام مخالفوں کو قتل کرا دیا اور نور جہاں نے اپنی ناکامی کے بعد سلطنت کے کاموں سے قطعی علیحدگی اختیار کر لی۔ شاہ جہاں عنان حکومت سنبھالنے کے بعد نور جہاں سے بہت عزت و احترام سے پیش آیا۔ اور دو لاکھ روپیہ سالانہ اس کا وظیفہ مقرر کیا۔ نور جہاں نے اپنی بقیہ عمر اپنی بیٹی لاڈلی بیگم کے ساتھ جو کہ اس کی واحد اولاد تھی، اور شہریار کی بیوہ تھی،

Marfat.com

گوشہ نشینی کی حالت میں گذاری اور ۱۶۴۵ء میں لاہور میں انتقال کیا۔

تخت نشینی کے بعد ابتدائی احکامات

شاہ جہاں نے تخت نشینی کے فوراً بعد بہت سی بدعات دور کر کے اسلامی عقائد کے استحکام کے لئے چند احکامات جاری کئے۔

۱۔ مسلمان علماء تاریخوں کے لئے شمسی سن عیسوی کے بجائے قمری گنتی سن ہجری کو اولین درجہ دینا چاہتے تھے۔ چنانچہ شاہ جہاں نے شمسی گنتی کی جگہ تمام سرکاری امور کو رجسٹروں میں قمری گنتی کے مطابق درج کرنے کے احکام جاری کئے۔

۲۔ اکبر نے دربار میں سجدہ کرنے کی رسم جاری رکھی تھی جو سراسر غیر اسلامی تھی۔ شاہ جہاں نے اس رسم کی ممانعت کر کے چہار تسلیم کا طریقہ جاری کیا۔ لیکن علماء اس طریقے سے مستثنٰی تھے۔ اور وہ اسلامی طریقے کے مطابق اسلام کہتے تھے۔

۳۔ شاہ جہاں نے اپنی سلطنت میں اسلامی فضا پیدا کرنے کے لئے اسلامی تہواروں کو سرکاری طور پر جوش و خروش سے منانے کے احکامات جاری کئے۔ اور اسلامی تہواروں اور تقریبوں پر سرکاری طور وسیع رقمیں تقسیم کی جاتی تھیں۔

۴۔ شاہ جہاں نے دوسرے مذاہب اور ملحدانہ افکار کے تصرفات سے اسلامی شریعت کو محفوظ رکھنے کی کوشش کی اور ارتداد (اسلام چھوڑ کر مسلمان کا کسی دوسرے مذہب میں داخل ہونا) کو جرم قرار دیا گیا۔ کشمیر اور پنجاب کے ہندوؤں کے لئے کسی مسلمان عورت سے شادی کرنے کی ممانعت کر دی۔

۵۔ شاہ جہاں نو مسلمانوں کی حالت بہتر بنانے کا خواہش مند تھا۔ لہٰذا اس نے نومسلموں کی دیکھ بھال کے لیے افسران مقرر کئے۔

۶۔ شاہ جہاں کو ملحدانہ افکار و خیالات سے سخت نفرت تھی۔ روشنیہ افغان قبائل کا ایک گروہ ملحدانہ خیالات کا حامل تھا۔ اور ملحدانہ سرگرمیاں شروع کر رکھی تھیں۔ اس نے اس گروہ کا اتحاد دبا دیا۔ اور اس گروہ کے رہنما کو اپنے افکار و خیالات ترک کرنے کے لئے تنبیہ کی۔

۷۔ شاہ جہاں نے مسلمانوں میں صحیح اسلامی احساس پیدا کرنے کے لئے اپنے ضوابط و اعمال سے سنّی عقائد کے مقاصد کو تقویت دے کر بہت بڑا کارنامہ انجام دیا۔

۸۔ شاہ جہاں نے متعدد صوبوں میں کئی ایک مناسب انتظامی تبدیلیاں کیں۔ دوستوں اور دشمنوں سے اچھا سلوک کیا اور انعام و اکرام سے نوازا۔ غیر مسلموں سے بھی اس نے اچھا برتاؤ کیا۔ اپنے خسر آصف خاں کو آٹھ ہزار ذات اور آٹھ ہزار سوار کا منصب عطا کیا اور اسے ''عم'' کا خطاب دیا۔ نیز خان خاں اور مہابت خاں کو اعلٰی اعزازات سے نوازا گیا۔

اس طرح شاہ جہاں کے شاندار عہد کا آغاز ہوا۔

شاہ جہاں کے عہد حکومت کا جائزہ

شاہ جہاں کے عہد میں حکومت کا ڈھانچہ اسی بنیاد پر قائم تھا جو کہ اکبر نے اختیار کیا تھا۔

Marfat.com

شاہ جہاں نہایت انصاف پسند حکمراں تھا۔اور چاہتا تھا کہ مقدمات کے فیصلے میں کسی سے کسی قسم کی رعایت نہ برتی جائے۔اور سب کے ساتھ یکساں سلوک کیا جائے۔ وہ اکثر خود شکایتیں سنتا اور بغیر کسی امتیاز برتنے کے ہر ایک کے حق میں انصاف کے مطابق فیصلہ دیتا۔ یہاں تک کہ اجنبیوں تک سے پورا پورا انصاف کیا جاتا تھا۔شاہ جہاں کی انصاف پسندی کی وجہ سے عام طور سے ملک میں امن وامان تھا۔اور رعایا مطمئن اور خوشحال تھی۔ زرعی اور مالی انتظام نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیا جاتا تھا۔اور اعلیٰ نظم ونسق کی وجہ سے سلطنت کی آمدنی اور زراعت میں ترقی ہوئی۔شاہ جہاں کے عہد حکومت کے ابتدائی دور میں دکن میں ایک ہولناک قحط رونما ہوا۔جس میں زراعت مالی وجانی نقصان ہوا۔ یہ قحط اتنا ہولناک تھا کہ لوگ اپنے بچوں تک کا گوشت کھانے پر مجبور ہو گئے۔شاہ جہاں نے اس موقع پر اپنی رعایا کے ساتھ نہایت ہمدردی کا سلوک کیا۔اور اس ہولناک قحط سے لوگوں کی جان بچانے کی ہر ممکن کوشش کی لوگوں میں خوراک اور لاکھوں روپیہ تقسیم کیا۔اس کے علاوہ کروڑوں روپوں کا مالیہ معاف کر دیا۔اسی طرح اس کے عہد میں پنجاب میں بھی ۱۶۴۱ء سے ۱۶۴۶ء میں قحط رونما ہوا۔اور شہنشاہ نے لوگوں کی امداد کی بھر پور کوشش کی اور کاشتکاروں کا مالیہ معاف کر دیا۔شاہ جہاں نے کاشتکاروں کو خوشحالی اور امداد کے لئے جا بجا نہریں کھدوائیں۔ ایک نہر دریائے راوی سے نکلوائی جس پر ایک لاکھ روپیہ خرچ ہوا۔اس کے علاوہ اس نے فیروز شاہ کے عہد کی نہر فیروز شاہی کی مرمت کرائی اور اس کی لمبائی میں تیس کوس کا اضافہ کیا۔شاہ جہاں کا عہد خوبصورت عمارتوں کی تعمیر کا عہد تھا۔ اس نے اپنے تمام ملک میں عظیم الشان اور پرشکوہ عمارتیں تعمیر کرائیں۔ آگرہ، دہلی، لاہور، کشمیر، کابل، قندھار، اجمیر، ٹھٹھہ، احمد آباد وغیرہ میں خوبصورت عمارتیں، قلعے اور مسجدیں تعمیر کرائیں جو خوبصورتی اور فن تعمیر کا شاہکار ہیں۔جن سے شاہ جہاں کے تعمیری شوق اور اس کے اعلیٰ ذوق سلیم کا پتہ چلتا ہے۔ان میں سے چند مشہور عمارتوں کا ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے۔

ا۔ تاج محل

یہ شاہ جہاں کے عہد کی سب سے مشہور عمارت ہے۔اور آج بھی دنیا کے عجائبات میں اس کا شمار ہوتا ہے۔تاج محل اپنی دلکشی اور خوبصورتی کے لحاظ سے فن تعمیر کا ایک لاثانی نمونہ ہے۔ جسے دنیا بھر کے سیاحوں اور دانشوروں نے فن تعمیر کا ایک بے مثل نمونہ اور یکتائے روزگار قرار دیا ہے۔شاہ جہاں نے تاج محل اپنی محبوب بیوی ممتاز محل کی یاد میں آگرہ میں تعمیر کرایا تھا۔ تاج محل دریائے جمنا کے کنارے تعمیر کیا گیا ہے۔ یہ سفید سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے۔کہا جاتا ہے کہ تاج محل بائیس سال کی مدت میں تعمیر ہوا اور اس پر تین کروڑ روپے لاگت آئی۔

۲۔ موتی مسجد

آگرہ کے قلعے میں شفاف سنگ مرمر سے یہ مسجد تعمیر کرائی اس کی تعمیر میں تیس لاکھ روپے صرف ہوئے۔اور سات برس میں تعمیر ہوئی۔ اگر چہ یہ مسجد چھوٹی سی ہے لیکن اپنی دلکشی اور خوبصورت کی وجہ سے انفرادی حیثیت رکھتی ہے۔

Marfat.com

۳۔ آگرہ کا قلعہ

شاہ جہاں نے آگرہ کا وسیع قلعہ لال پتھر سے تعمیر کرایا۔اوراس میں نہایت خوبصورت دیوان عام اور دیوان خاص تعمیر کرائے۔زندگی کے آخری دنوں میں شاہ جہاں آگرے کے قلعے میں ہی نظر بند رہا۔

۴۔ دہلی کی عمارتیں

شاہ جہاں نے آگرہ کے علاوہ دہلی میں بھی عمارات تعمیر کرائیں۔وہ آگرہ میں رہنا نہ چاہتا تھا۔چنانچہ اس نے دہلی میں اپنی نئی راجدھانی شاہ جہاں آباد کے نام سے تعمیر کرائی جس میں لال قلعہ اور جامع مسجد جیسی عظیم الشان عمارتیں تعمیر کرائی گئیں۔دہلی کی جامع مسجد سنگ سرخ اور سنگ مرمر سے تعمیر کی گئی ہے۔اور یہ شاہ جہاں عہد کی پرشکوہ عمارتوں اور بہترین فن تعمیر کے نمونوں میں شمار ہوتی ہے۔

دہلی کے لال قلعہ کی تعمیر میں سنگ سرخ استعمال کیا گیا ہےاوراس سے شاہ جہاں کے فن تعمیر کے ذوق سلیم کا پتہ چلتا ہے۔اس کی تعمیر دس برس میں مکمل ہوئی۔شاہ جہاں نے اس قلعے میں دیوان خاص اور دیوان عام تعمیر کرائے۔دیوان خاص کی شان وشوکت کا اندازہ آج بھی لگایا جاسکتا ہے۔اس میں جابجا ہیرے اور موتی لگائے گئے ہیں اور چھت پر سونے سے گلکاری کی گئی ہے۔اس کی عظمت کا اندازہ اس شعر سے ہوتا ہے کہ جو دیوان خاص کی دیواروں پر کندہ ہے

اگر فردوس بر روئے زمین است ہمیں است وہمیں است

اس کے علاوہ خوبصورت برجیاں، فصیلیں اور دیگر دلکش عمارتیں۔باغ اور باغوں کی نہریں ایک نہایت دلفریب منظر پیش کرتی ہیں۔

جہانگیر کا مقبرہ

لاہور میں جہانگیر کا مقبرہ بھی شاہ جہاں عہد کا تعمیری نمونہ ہے۔

شالامار باغ اور نشاط باغ

بابر اور جہانگیر کی طرح شاہ جہاں کو بھی باغ لگوانے کا بہت شوق تھا۔اس نے لاہور میں شالامار باغ بنوایا۔اگرچہ حوادث زمانہ نے شالامار باغ کی شاہ جہاں کے دور کی حسن وخوبصورتی پر اثر ڈالا ہے۔لیکن آج بھی یہ ایک مشہور اور دلکش باغ سمجھا جاتا ہے۔اس کے علاوہ سری نگر میں شاہ جہاں نے نشاط باغ بھی بنوایا جو آج بھی یادگار کی حیثیت رکھتا ہے۔

شاہ جہاں کی شخصیت اور کردار

شاہ جہاں درمیانہ قد کا ایک خوبرو شہنشاہ تھا۔اس کی پیشانی کشادہ، رنگ بہت گورا، بڑی بڑی سیاہ آنکھیں تھیں۔ مجموعی طور سے وہ پرکشش شخصیت کا مالک تھا۔

شاہ جہاں پکا سنی مسلمان تھا اور مذہبی فرائض پابندی سے ادا کرتا تھا۔صوم صلوٰۃ کا پابند اور تہجد گزار تھا۔اس نے تخت

Marfat.com

سلطان سنبھالتے ہی پورے ملک میں اسلامی فضا پیدا کرنے کی کوشش کی۔ بہت سی غیر اسلامی رسوم جو اکبر کے زمانے میں رائج ہوگئی تھیں اس نے ختم کرادیں۔لیکن اس کے باوجود وہ ہندوؤں سے رواداری برتتا تھا۔اور صلاحیت کے مطابق ہندوؤں کو ترقی کرنے کے مواقع حاصل تھے۔اس کے عہد میں بھی سابق مغل شہنشاہوں کی طرح سے ہندوؤں کو ہر طرح مذہبی آزادی حاصل تھی۔اور مسلمان شہریوں کے برابر حقوق حاصل تھے۔اگرچہ وہ مسلمانوں کو اسلام کی صحیح روح سے آشنا کرنا چاہتا تھا اور ان میں وحدت اور اتحاد پیدا کرنے کا خواں تھا۔لیکن ہندوؤں سے کبھی بھی کسی قسم کا تعصب روا نہ رکھا۔شاہجہاں اعلیٰ جنگی قابلیت کا مالک تھا اور اپنی تخت نشینی سے پہلے میواڑ، کانگڑہ اور دکن وغیرہ میں اپنی عسکری قابلیت کا لوہا منوا چکا تھا۔وہ فنون جنگ نشانہ بازی شمشیر زنی اور شہسواری میں عمدہ مہارت رکھتا تھا۔جہانگیر کے عہد کی بیشتر فتوحات شاہ جہاں کے ہاتھوں ہوئیں۔شاہ جہاں کو سیر و شکار اور ہاتھیوں کی لڑائی سے بہت دلچسپی تھی۔

شاہ جہاں اپنی گھریلو زندگی میں ایک محبت کرنے والا شوہر اور شفیق باپ تھا۔اسے اپنی ملکہ ممتاز محل سے بے انتہا محبت تھی۔جس کی وفات کے بعد وہ بجھا بجھا سا رہنے لگا تھا۔اور وہ اپنی اس محبوب بیوی کی یاد میں تاج محل تعمیر کرایا جو اس کی محبت کی لازوال داستان آج بھی دہرا رہا ہے۔وہ اپنے بیٹے دارالشکوہ سے بہت محبت کرتا تھا۔تاہم اپنے دیگر بیٹوں سے بھی اس کا رویہ انتہائی مشفقانہ تھا۔اور شاید یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے بیٹوں سے محبت اور نرم دل کی وجہ سے ان کو قابو میں نہ رکھ سکا۔شاہ جہاں ایک ماہر سپہ سالار ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اعلیٰ منتظم فرمانروا تھا۔وہ نہایت محنتی اور ایک اعلیٰ منتظم فرمانروا تھا۔وہ نہایت محنت اور دلچسپی سے امور مملکت انجام دیتا تھا۔اور اپنی رعایا سے نہایت ہمدردی رکھتا تھا۔اس کے اعلیٰ انتظام کی وجہ سے پورے ملک میں امن و امان اور خوشحالی کا دور دورہ تھا۔راستے اور شاہراہیں چوروں اور ڈاکوؤں سے محفوظ تھیں۔اپنی انصاف پروری اور رعایا سے محبت کی وجہ سے وہ رعایا میں بہت مقبول تھا۔وہ ہمیشہ اپنی رعایا کی بھلائی اور خوشحالی کو سب سے زیادہ مقدم سمجھتا تھا۔اس کی ان خوبیوں کی وجہ سے رعایا اس سے محبت کرتی تھی اور بقول لین پول

"شاہ جہاں کی طرح کوئی بھی مغل حکمراں رعایا اس قدر مقبول نہ تھا"۔

لیکن اگرچہ شاہ جہاں کے عہد کا آغاز بلکہ یہ کہا جائے کہ اس کی عملی زندگی کا آغاز نہایت شان و شوکت سے ہوا۔ اس نے اپنے شہزادگی کے ایام میں بھی اتنی مقبولیت اور اثر و اقتدار حاصل کیا جو سلطنت دہلی کے کسی شہزادے کے حصے میں نہ آیا تھا۔ اس کے بعد وہ ایک عظیم مغل فرمانروا ہوا۔ جس کی عظمت و دولت اور شان و شوکت کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔لیکن اس کی زندگی کے آخری ایام اس کے اس روشن پہلو سے قطعی برعکس تھے۔

شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ

حضرت بھٹائی ۱۶۹۰ء کے لگ بھگ مغل بادشاہ اورنگزیب علم گیر کے عہد حکومت میں پیدا ہوئے۔جوانی میں عشق مجازی سے سابقہ پڑا ناکامی کا داغ لے کر ملکوں ملکوں گھومتے پھرے۔عمر کا بیشتر حصہ روحانی ریاضتوں میں بسر ہوا۔تجربات

Marfat.com

اور مشاہدات کا یہی تنوع اب ان کی لطیف و دل پزیر شاعری میں ہے۔ جو ہر قسم کے جواہر شعری سے مالا مال، گداز و تاثیر میں بے مثال ہے۔ ان کا بیشتر کلام ادبیات پر مشتمل ہے، جن کے درمیان جستہ جستہ کافی وارد ہوتی ہیں۔ اور خاص لطف دیتی ہیں۔ یہ طرز خالص ان ہی کی ایجاد ہے۔ ۱۷۵۲ء میں ہنگامِ سماع وجد کی حالت میں وفات پائی۔ حیدر آباد کے علاقے بھٹ شاہ میں آپ کا مزار آج بھی مرجع خلائق ہے۔

محی الدین اورنگ زیب عالمگیر ۱۶۵۸ء تا ۱۷۰۷ء

تخت نشینی

اورنگ زیب دھرمت کے معرکے میں دارالشکوہ کی فوجوں کو شکست دینے کے بعد اور ساموگڑھ کے معرکے میں دارالشکوہ کو زبردست شکست دینے کے بعد آگرہ پر قابض ہو گیا۔ اور ۱۳ جولائی ۱۶۵۸ء میں عالمگیر کے لقب سے تخت نشین ہوا۔ یہ لقب اسے اپنے باپ شاہ جہاں کی طرف ملا تھا۔ لیکن باقاعدہ طور سے اس کی رسم تاجپوشی ۵ جولائی ۱۶۵۹ء کو ہوئی جبکہ وہ دارالشکوہ کو مکمل شکست دے کر اس پر فتح حاصل کر چکا تھا۔ جس کے بعد دارا قتل ہوا۔ اور اس کے دیگر بیٹے بھی گرفتار اور قتل ہوئے۔ مراد بھی قید کر لیا گیا تھا جو کہ اس کی تخت نشینی کے بعد ۱۶۶۱ء میں قتل ہوا۔ شجاع، اورنگ زیب کی فوجوں سے کھجواہہ کے مقام پر شکست کھا کر ارکان بھاگا۔ جہاں ارکان کے حاکم کے ہاتھوں قتل ہوا۔ غرض اورنگ زیب کی تخت نشینی کے وقت اورنگ زیب اپنے تمام حریفوں پر قابو پا چکا تھا۔ جن میں سے کچھ تو قتل ہو چکے تھے اور کچھ قید کی حالت میں تھے جو بعد میں ہلاک کر دیئے گئے۔

اورنگ زیب کی حکمت عملی

اکبر کی حکمت عملی کہ وجہ سے راجپوت سلطنت مغلیہ کے وفادار ہو چکے تھے۔ لیکن مذہبی اختلافات کی بناء پر ان کی وفاداری محض وقتی حیثیت رکھتی تھی۔ کیونکہ راجپوت ایک جنگجو قوم تھے۔ دوسرے مسلمانوں کا مذہب ان سے قطعی جدا تھا۔ اکبر نے دین الٰہی رائج کر کے ہندو اور مسلمان قوموں کو ایک قوم بنانا چاہا تھا۔ لیکن سوائے چند مفاد پرست اور خوش آمدی درباریوں کے کوئی اکبر کے اس رائج کردہ مذہب کو قبول کرنے کے لئے آمادہ نہ ہوا۔ اکبر کے جانشین حکمراں جہانگیر اور شاہ جہاں نے اس مذہب کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ کیونکہ وہ اس طرف سے خوش فہمی میں مبتلا نہ تھے کہ ہندو اور مسلمان رعایا یہ مذہب قبول کرنے پر آمادہ ہوگی۔ ہر دو قوم اس بات سے واقف تھیں کہ یہ مذہب محض اکبر کی دماغی اختراع کا نتیجہ ہے۔ اور جب کہ مسلمانوں کا مذہب ٹھوس بنیادوں پر قائم تھا۔ جس میں آئندہ کسی نئے مذہب کی آمد کا نظریہ قطعی بے بنیاد تھا۔ مسلمانوں کے علاوہ ہندوؤں نے بھی اس مذہب کو قبول نہ کیا۔ اگرچہ اکبر کے بعد جہانگیر اور شاہ جہاں نے ہندوؤں کے متعلق اکبر کی حکمت عملی پر عمل کیا۔ لیکن انہوں نے اس انتہا پسندی سے کام نہ لیا جو کہ اکبر کی حکمت عملی کا طریقہ امتیاز تھا۔ بلکہ شاہ جہاں نے تو بہت سی اکبر کے زمانہ کے رائج کردہ رسومات سے انحراف کیا۔ اور مسلمانوں میں اسلام کی صحیح روح پھونکنے کی کوشش کی۔

Marfat.com

اس کے بعد جب اورنگ زیب تخت نشین ہوا تو ہندوستان کی قومیں اس بات سے واقف تھیں کہ وہ ایک صحیح العقیدہ مسلمان ہے۔اوراس کی حکمت عملی کے بارے میں انہیں کسی خوش فہمی میں مبتلا نہ رہنا چاہئے۔جس کی وجہ سے ان کا مذہبی جوش جو اندر ہی اندر پرورش پا رہا تھا زور پکڑتا گیا۔اگرچہ وہ ایک عرصہ تک راجپوت، مغل سلطنت کے وفادار رہے تھے۔لیکن وہ مذہبی اختلافات سے قطع تعلق نہ کر سکے تھے اور اورنگ زیب کے زمانے تک وہ سرکشی کی طرف مائل تھے۔

لہذا اورنگ زیب کے لئے ضروری تھا کہ وہ ہندوستان کے مسلمانوں کی طاقت کو ایک مرکز پر جمع کر کے ان خطرات کے مقابلے کے لئے تیار ہے۔اس کے علاوہ ایک مسلمان فرمانروا کی حیثیت سے اس کا یہ بھی فرض تھا کہ ہندوستان کے مسلمانوں میں داخل ہونے والی بدعات کو ختم کرے اور اسلام کی حفاظت کرے۔چنانچہ اورنگ زیب نے اپنے عہدے میں ہر ممکن طور سے مسلمانوں کو اسلام کی صحیح روح سے آشنا کرنے کی کوشش کی۔لیکن اگر یہ کہا جائے کہ اس سلسلے میں اس نے ہندوؤں یا ہندوستان کی دیگر قوموں سے تعصب برتا تو یہ غلط ہے۔کیونکہ اس نے ہندوؤں کے ساتھ اپنی رواداری میں فرق نہ آنے دیا۔ کیونکہ وہ ایک راسخ العقیدہ مسلمان تھا۔اور اسلام میں یہ کہیں جائز نہیں کہ غیر مذہبوں کے ساتھ ظلم وستم اور تعصب کا سلوک کیا جائے۔

اورنگ زیب کی مذہبی احتیاط پسندی

اورنگ زیب ایک راسخ العقیدہ مسلمان فرمانروا تھا۔اور اسلام کو بدعات سے پاک کرنا چاہتا تھا۔شاہ جہاں نے اپنے عہد میں شمسی تاریخوں کی بجائے قمری تاریخوں کو اولیت دی تھی۔اورنگ زیب نے بھی اس پر عمل کیا۔اور برسوں اور تاریخوں کے شمار کے لئے قمری مہینوں اور تاریخوں کو رائج کیا۔اس نے اپنے عہد کے گیارہویں سال میں درباری گویوں کو دربار میں حاضر ہونے کی اجازت دے دی لیکن رقص وسرور کی ممانعت کر دی۔کچھ عرصہ بعد ان کا دربار میں داخلہ بھی ممنوع قرار دے دیا۔ اکبر کے عہد سے مغل فرمانروا جھروکہ میں بیٹھ کر رعایا کو درشن دیا کرتے تھے۔اورنگ زیب نے اس رسم کو ختم کر دیا۔کیونکہ یہ رسم انسانی پوجا کے مترادف تھی۔مغل فرمانرواؤں میں اپنے آپ کو سونے چاندی میں تلوانے کی رسم اکبر کے عہد سے جاری ہوگئی تھی۔ اورنگ زیب نے اپنی تخت نشینی کے بارھویں سال اس رسم کو بند کر دیا۔ابتداء میں اورنگ زیب ہندوؤں کے تہوار دسہرہ میں شرکت کرتا تھا۔لیکن چونکہ یہ ایک غیر اسلامی رسم تھی اور شہنشاہ کی ہمت افزائی کی بناء پر اس قسم کی رسومات اور ان سے دلچسپی لینے اور ان رسومات کو قبول کرنے میں مسلمانوں کی ہمت افزائی ہوتی تھی۔جس کی وجہ سے مذہب کو ضعف پہنچنے کا خطرہ تھا۔ چنانچہ اس نے دسہرہ میں شرکت کرنا بند کر دیا۔ابتداء میں اورنگ زیب اپنے دربار میں موجود ہر ہندو راجہ کے ماتھے پر تلک لگایا کرتا تھا۔ لیکن چونکہ یہ ایک غیر اسلامی فعل تھا۔ لہذا اورنگ زیب نے اپنے ہاتھ سے ہندوؤں کے تلک لگانا بند کر دیا۔

نجومیوں اور منجموں کی دربار میں موجودگی کی وجہ سے انتظام حکومت میں توہم پرستی کا غلبہ تھا۔ چنانچہ اس نے توہم پرستی کو ختم کرنے کے لئے نجومیوں کو دربار سے برخاست کر دیا۔

Marfat.com

اس کے علاوہ اورنگ زیب نے دربار میں سونے چاندی کے آتشدانوں اور سونے چاندی کے قلمدانوں تک کا استعمال بند کر دیا۔ نیز سکوں پر کلمہ کندہ کرانے کی ممانعت کر دی۔ کیونکہ نجس ہاتھوں سے سکوں کو چھونے سے کلمے کی بے حرمتی ہوتی تھی۔ اورنگ زیب نے بے حیائی اور بے راہ روی کو روکنے کے لئے طوائفوں اور رقاصوں کو حکم دیا کہ وہ مغل سلطنت سے نکل جائیں یا شادی بیاہ کر کے باعزت زندگی بسر کریں۔ اورنگ زیب کا یہ فعل قطعی اسلامی قانون کے مطابق تھا۔ اس نے دوسرے خلاف شرع کاموں مثلاً بھنگ کی کاشت اور استعمال پر پابندی عائد کر دی۔ نیز جوئے اور قمار بازی کی ممانعت کر دی۔ اس کے علاوہ اس نے جشن نوروز منانے کی ممانعت کر دی کیونکہ یہ مجوسیوں کا تہوار تھا اور مسلمانوں کے لئے کسی طرح بھی اس رسم کو اپنانا ایک غیر شرعی فعل تھا۔

اورنگ زیب ایک مسلمان فرمانروا ہونے کی وجہ سے اسلام کا محافظ تھا۔ اور اس کی مسلمان رعایا کی بے راہ روی کی ذمہ داری اس پر عائد ہوتی تھی۔ لہٰذا اس نے ذمہ داری کو صحیح طور سے نبھانے کی ہر ممکن کوشش کی اور مسلمانوں میں رائج شدہ تمام بدعات اور غیر مذہبی رسوم کو ختم کرنے کی کوشش کی۔ اورنگ زیب نے نہ صرف رقص و سرور اور گانے بجانے کی ممانعت کر دی اور ان محفلوں کے منعقد کرنے کی ممانعت کر دی بلکہ محفل سماع کو بھی ناپسند کیا۔ جسے مسلمان اپنے مذہب میں داخل سمجھتے تھے۔

اورنگ زیب نے ہر ممکن طور سے اسلامی شریعت کے احیا کی کوشش کی۔ اور شرعی احکام کے مطابق حکومت کی طرف سے داڑھی کی لمبائی مقرر کی گئی۔ اور حکم جاری کیا کہ داڑھی کی مقررہ لمبائی سے زائد داڑھی حکومت کی طرف سے کاٹ دی جائے گی۔ اور داڑھی کے متعلق شرعی احکام پر عمل کرانے کے لئے اس نے بہت سے آدمی رکھے جن کا فرض یہ تھا کہ اگر کسی شخص کی داڑھی شرعی لمبائی سے زائد ہو تو اس کا زائد حصہ تراش دیا جائے۔ اس کے علاوہ اورنگ زیب نے زرروزی والے لباسوں اور بھڑکیلے لباسوں کا پہننا بھی مسلمانوں کے لئے ممنوع قرار دیا۔ اور حکومت کی طرف سے پاجاموں کی لمبائی مقرر کی گئی۔ اور مسلمانوں کی نگرانی کے لئے محتسب مقرر کیے گئے۔ جن کا فرض یہ تھا کہ وہ اس امر کا خیال رکھیں کہ مسلمان رعایا قرآن کے احکام کی پابندی کریں۔ اور شراب اور دیگر منشیات کا استعمال نہ کریں۔ غرض اورنگ زیب نے عوام کے اخلاق کی نگرانی کے لئے پورے انتظامات کیے۔ مسجدوں اور خانقاہوں کی باقاعدہ تنخواہیں مقرر کی گئیں۔

ہندو اور مسلمان دونوں قوموں کے تہواروں کے موقعہ پر جانوروں، آدمیوں، عورتوں، پرندوں کی تصویروں کے استعمال کی ممانعت کر دی۔ اور ایسے شخص کو مجرم قرار دیا گیا جو مذہب اسلام کے بارے میں نازیبا کلمات کہے۔ چنانچہ حسین ملک نے اسلام کے بارے میں نازیبا الفاظ استعمال کئے تھے۔ چنانچہ اسے تختۂ دار پر لٹکا دیا گیا۔ اورنگ زیب ملحدوں کو سلطنت کے سخت خطرہ تصور کرتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ ایک سچا مسلمان ہونے کی حیثیت سے ملحدوں سے سخت نفرت کرتا تھا۔ اگر اورنگ زیب کی زندگی کا گہرا مطالعہ کیا جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ وہ اسلام کا سچا شیدائی تھا۔ لیکن اس نے غیر مسلموں سے ناجائز سلوک نہ کیا۔ بلکہ ان سے ہر طرح رواداری کا سلوک کیا۔

Marfat.com

اورنگ زیب اور عالم اسلام

۱۶۶۱ء اور ۱۶۶۷ء کے درمیان مکہ، ایران، بلخ، بخارا، حبشہ، کاشغر، خوارزم اور شہر بانو کے فرمانرواؤں اور بصرہ یمن، موچہ اور حضر موت کے ترکی صوبیداروں نے مغل دربار میں دوستی اور خیر سگالی کے وفود بھیجے۔ اور ۱۶۹۰ء میں قسطنطنیہ کا وفد مغل دربار میں دوستی اور خیر سگالی کا پیغام لے کر حاضر ہوا۔ اس طرح تمام اسلامی حکومتوں نے اورنگ زیب سے دوستانہ رشتہ قائم کر کے اس کی عظمت کا اعتراف کیا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اورنگ زیب نہ صرف عالم اسلام بلکہ پوری دنیا کے فرمانرواؤں میں اخلاقی اور مادی اعتبار سے عظیم ترین حکمران تھا۔

اورنگ زیب اور اہل یورپ

سر طامس رو نے جہانگیر کے عہد میں ۱۶۱۵ء میں انگریز تاجروں کے لئے تجارتی مراعات اور اجازت نامہ حاصل کر لیا تھا۔ اس کے بعد انگریز تاجروں نے مغل شہنشاہوں اور مغل شہزادوں سے دوستانہ حکمت عملی کو اپنائے رکھا۔ جہانگیر کے عہد میں ۱۶۱۶ء میں انگریزوں نے مسولی پٹم میں مغل سلطنت سے ایک تجارتی کوٹھی تعمیر کرنے کی اجازت حاصل کر لی تھی۔

۱۶۳۹ء میں فرانسس ڈے نے چندر گیری کے حاکم سے پٹے پر اراضی لے لی۔ جہاں بعد ازاں انگریزوں نے سینٹ جارج کا مشہور قلعہ تعمیر کیا۔ اگرچہ شاہ جہاں نے پرتگالیوں کے خلاف کارروائی کی۔ لیکن انگریزوں کا رویہ اس قسم کا تھا کہ شاہ جہاں نے ان کے خلاف کسی قسم کی کارروائی نہیں کی۔ اور انگریزوں کے دوستانہ رویہ کی بناء پر انہیں ۵۱-۱۶۵۰ء میں ہگلی اور قاسم بازار میں تجارتی کوٹھیاں قائم کرنے کی اجازت مل گئی اور اس کے بعد انگریزوں کی اس تجارتی کمپنی کا نام ''ایسٹ انڈیا کمپنی تھا'' ۱۶۸۸ء میں بمبئی کا جزیرہ ساٹھ لاکھ پونڈ سالانہ پر کرائے پر حاصل کر لیا۔

اورنگ زیب کے عہد میں صرف پرتگالی اور انگریزی دو ایسی یورپی قومیں تھیں جو مغل سلطنت کے مختلف حصوں سے بڑے پیمانے پر تجارتی مفاد قائم کئے ہوئے تھیں۔ پرتگالی مغربی ساحل پر ایک وسیع علاقے میں اپنی تجارتی سرگرمیاں جاری کئے ہوئے تھے۔ اور انگریزوں کی تجارتی کوٹھیاں مسولی پٹم، ہری پور، بلاسور، مدراس اور ہگلی میں قائم تھیں۔ انگریزوں اور پرتگالیوں کے علاوہ ولندیزی اور فرانسیسی بھی ہندوستان میں تجارت کرتے تھے لیکن ان کی زیادہ اہمیت نہ تھی۔

اگرچہ اورنگ زیب کے ابتدائی عہد تک انگریزوں نے اپنے کل پرزے نہ نکالے تھے۔ لیکن جن دنوں اورنگ زیب دکنی ریاستوں اور مرہٹوں کے خلاف نبرد آزما ہوا۔ انگریزوں نے بھی کل پرزے نکالے اور دکن اور مغلوں دونوں سے سودے بازی کی۔ اور دکن میں افراتفری کے باعث اپنے مقبوضات کی قلعہ بندی کر لی تاہم ابھی ان کے دل میں کوئی سیاسی ہوس پیدا نہ ہوئی تھی۔ بہر حال یہ اندازہ ضرور ہوتا ہے کہ اب ان کی سرگرمیاں پرامن تجارت نہ محدود نہ رہی تھیں۔

اسی دوران ۱۶۸۵ء میں انگریزوں اور مغلوں کے درمیان کشیدگی کے آثار رونما ہوئے۔ جس کا سبب یہ تھا کہ بنگال کے صوبیدار شائستہ خاں (اورنگ زیب کا ماموں) نے انگریزی مال پر محصول عائد کر دیا۔ لیکن انگریزوں کی تجارتی کمپنی نے اس

Marfat.com

کے احکامات کو ماننے سے انکار کر دیا۔ اور طاقت کے ذریعہ حکم عدولی کی باغیانہ کوشش کی جس کے نتیجے میں انگریزوں اور مغلوں کے درمیان ایک نیم سرکاری سی جنگ چھڑ گئی جس نے آخری سرکاری نوعیت اختیار کر لی۔ چنانچہ انگلستان کے فرمانروا جیمز دوم نے چٹا گانگ پر قبضہ کرنے کے لئے چند جنگی جہاز روانہ کئے۔ لیکن انگریزوں کی یہ جنگی مہم بری طرح ناکام ہوئی۔ جس کے بعد اورنگ زیب نے انگلستان کے اس اقدام سے برہم ہو کر حکم دیا کہ سورت مسولی پٹم اور ہگلی میں واقع انگریزوں کی تجارتی کوٹھیوں پر قبضہ کر لیا جائے۔ چنانچہ ۱۶۸۸ء میں ان جگہوں سے انگریزوں کو دستبردار کر دیا گیا۔ جس سے انگریزوں کو مغل سلطنت کی عظمت کا اچھی طرح اندازہ ہو گیا۔ بعد ازاں فریقین میں صلح ہو گئی اور ۱۶۹۰ء میں انگریزوں کی تجارت کے سربراہ چارجنگ کو ہگلی واپس آنے کی اجازت مل گئی۔ اور شاہی فرمان کے ذریعے اسے ایک چھوٹی سی تجارتی کوٹھی قائم کرنے کی اجازت بھی دے دی گئی۔ ''جس نے بڑھتے بڑھتے کلکتہ کی موجودہ شہر کی صورت اختیار کر لی''۔ اور بالآخر اس ایسٹ انڈیا کمپنی نے مغلوں کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر ۱۸۵۷ء تک پورے ہندوستان پر قبضہ کر لیا۔ اور ۱۸۵۷ء میں تجارتی کمپنی ختم ہو گئی اور گورنمنٹ برطانیہ براہ راست ہندوستان پر قابض ہو گیا۔

اورنگ زیب کی سیرت

اورنگ زیب نے جس وقت تخت سلطنت حاصل کیا۔ وہ انتالیس سالہ پختہ عمر شخص تھا۔ اس کی نجی زندگی بے داغ اور آلائشوں سے پاک تھی۔ ایسے وقت میں جب کہ مغل شہنشاہوں اور شہزادوں کی حرم کی خواتین اور بیویوں کی تعداد مقرر نہ تھی۔ اس کی بیویوں کی تعداد چار سے بھی کم تھی۔ تاریخ شاہد ہے کہ اورنگ زیب نے آخر وقت تک ایک پکے مسلمان کی زندگی گزاری۔ اور کبھی بھی شرعی حدود سے تجاوز نہ کیا۔ وہ مذہبی فرائض پوری تندہی سے انجام دیتا تھا۔ اس کے علاوہ اپنے شاہی فرائض کا اس قدر خیال رکھتا تھا کہ ان کو بجالانے کی انتہائی کوشش میں ہر وقت مصروف رہتا۔ اور اپنی صحت اور جان سے بے پرواہ ہو کر تمام زندگی انتہائی محبت سے اپنے فرائض ادا کرتا رہا۔ سرجادوناتھ سرکار نے اس کے روزمرہ کے فرائض کا جو نقشہ پیش کیا ہے وہ یہ ہے۔

۵ بجے صبح۔	بیداری، نماز فجر، کلام مجید کی تلاوت۔
۳۰۔۷ بجے صبح۔	نجی ایوان میں فریادیوں کی عرضداشتوں کی سماعت۔
۳۰۔۸ بجے صبح۔	فوجوں کا معائنہ کرنا اور ہاتھیوں کی لڑائی۔
۱۵۔۹ بجے صبح۔	دربار عام
۱۱۔ بجے صبح۔	دربار خاص
۵۰۔۱۱ بجے صبح۔	حرم میں قیلولہ
۲۔ بجے دوپہر۔	نماز ظہر
۳۰۔۲۔ بجے دوپہر۔	نجی ایوان، مطالعہ، کاروبار، نماز عصر، سرکاری امور

Marfat.com

۵.۳۰ بجے شام۔	نجی ایوان سماعت میں سلامی۔ نماز مغرب
۶.۴۰ بجے شام۔	دیوان خاص میں اجلاس
۷.۴۰ بجے شام۔	دربار برخاست، نماز عشاء
۸۔ بجے رات۔	حرم میں تہجد، نیند

جمعہ کے روز دربار نہیں لگتا تھا۔ جمعرات کو نصف تعطیل ہوتی تھی۔ اور بدھ کا دن عدالتی کارروائی کے لئے مخصوص تھا۔

اورنگ زیب اپنے پچاس سالہ طویل عہد میں اپنے فرائض نہایت محنت اور تندہی سے انجام دیتا رہا۔ یہاں تک کہ اس نے اپنی بیماری کے دوران بھی اپنے فرائض سے غفلت نہ برتی اور ہر ممکن طور سے معمولات کے مطابق اپنے فرائض انجام دیتا رہا۔ اگرچہ آخر عہد میں جبکہ اس کی عمر ۸۰ سال سے بھی تجاوز کر چکی تھی ۔ وہ اسی تندہی سے اپنے فرائض انجام دیتا رہا۔ اورنگ زیب اپنی ابتدائی عمر سے ہی نہایت پاکباز اور باصلاحیت نوجوان رہا تھا۔ اور ابتدائی عمر سے ہی جنگی مہمات کے سر کرنے اور انتظامی امور کے سنبھالنے کے باعث نام پیدا کر چکا تھا۔ شاہ جہاں کے عہد بادشاہت میں ہی اس نے کئی مشہور جنگی مہمات سر کی تھیں ۔ وہ نہایت بہادر سپاہی اور اولوالعزم سپہ سالار تھا۔ اور فوجی نظام اور ترتیب نہایت حسن وخوبی سے سنبھالنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ وہ میدان جنگ میں اس قدر حاضر دماغی اور ضبط وتحمل کا ثبوت دیتا تھا کہ دشمن اس کی صلاحیتوں پر حیران رہ جاتے تھے۔ وہ مشکل سے مشکل وقت میں بھی نہایت عزم واستقلال کا ثبوت دیتا اور باقاعدہ مذہبی فرائض ادا کرتا تھا۔ میدان جنگ میں اس کے مذہبی فرائض کی پابندی سے ادائیگی دیکھ کر نذر محمد والی بخارا پکار اٹھا تھا کہ "یہ شخص انسان نہیں فرشتہ ہے"۔

اورنگ زیب نہ صرف ایک بہادر سپاہی اور باصلاحیت عمدہ جرنیل تھا بلکہ انتظامی امور سلطنت کے نظم ونسق کے معاملے میں بھی اعلیٰ صلاحیت رکھتا تھا۔ اس نے شاہ جہاں کے دور بادشاہت میں دکن کا نظم ونسق حسن وخوبی سے انجام دے کر اپنے انتظامی جوہر کو نہایت شان سے آشکار کیا تھا۔ اور اپنے عہد حکومت میں بھی اس نے ملکی امور کے سنبھالنے اور اپنی قوت ارادی کی بناء پر بڑے بڑے تجربہ کار وزیروں کو اپنی لیاقت کا قائل کر دیا تھا۔ اورنگ زیب حدیث وفقہ کا ماہر تھا۔ اور نہایت عالم شخص تھا۔ اور نہایت اعلیٰ علمی ذوق رکھتا۔ اسے علم وادب سے گہری دلچسپی تھی جو آخر وقت تک قائم رہی۔ اورنگ زیب فارسی نظم وادب میں کامل دسترس رکھتا تھا۔ عمدہ نظم ونثر کے اکثر حصے اسے حفظ تھے۔ جن کے اقتباسات اس کی تحریروں میں جا بجا نظر آتے ہیں۔ عربی زبان وادب پر بھی اسے کامل عبور تھا۔ اور وہ حافظ قرآن بھی تھا۔ اس کے علاوہ اعلیٰ پائے کا خوشنویس تھا۔ اور شکستہ اور نستعلیق تحریر اس ہنرمندی سے لکھتا تھا جیسے موتی پروئے دیئے گئے ہوں۔ اس کے خطوط جو رقعات عالمگیری کے نام سے مشہور ہیں اس کی علمی وادبی قابلیت کا زندہ ثبوت ہیں۔ اورنگ زیب نے دینی علوم کا نہایت گہرا مطالعہ کیا تھا۔ ہندوستان کی تاریخ میں اس سے زیادہ صاحب فضل وکمال اور کوئی حکمران نہیں گزرا۔ دنیائے اسلام میں خلفائے راشدین کے بعد وہ تاریخ کا سب سے زیادہ صابر اور سب سے زیادہ محنتی حکمران گذرا ہے۔

اورنگ زیب لا اس قدر عمدہ حافظے کا مالک تھا کہ وہ جس شخص کو ایک مرتبہ دیکھ لیتا تو اسے زندگی بھر نہیں بھولتا تھا۔

Marfat.com

اورنگ زیب نہایت سادہ اور پرہیز گار حکمراں تھا۔ وہ آرام بہت کم کرتا تھا۔ قیمتی لباس کبھی استعمال نہ کرتا تھا۔ ہر معاملے میں شریعت پر عمل کرتا تھا۔ یہاں تک کہ شاہی خزانے سے ایک پائی بھی اپنی ذات پر خرچ نہ کرتا تھا۔ بلکہ ٹوپیاں بنا کر اور قرآن مجید نقل کر کے اپنی روزی محنت سے پیدا کرتا تھا۔ اس کے نزدیک سلطنت کا خزانہ رعایا کی ملکیت اور امانت تھا۔ اورنگ زیب نہایت انصاف پرور حکمراں تھا۔ وہ انصاف کے معاملے میں نہایت سخت اور بہت بے لوث تھا۔ انصاف کے معاملے میں ہر امیر و غریب مسلم و غیر مسلم اس کی نظر میں برابر تھے۔

مندرجہ بالا تمام خوبیوں کے باوجود اورنگ زیب ایک شکی مزاج حکمراں تھا۔ اور وہ سلطنت کے معاملات میں کسی پر بھروسہ نہ کرتا تھا۔ اور تمام انتظام و اختیارات اپنے ہاتھ میں رکھتا تھا۔ چونکہ سلطنت مغلیہ ایک وسیع مملکت تھی۔ جس کی وجہ سے ایک آدمی کے لئے اتنی بڑی سلطنت براہ راست سنبھالنا ناممکن تھا۔ لیکن اورنگ زیب کی حالت یہ تھی کہ وہ کسی پر اعتماد نہ کرتا تھا اور ہر ایک کی طرف سے مشکوک رہتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ اپنے بیٹوں پر بھی بھروسہ نہ کرتا تھا۔ اگر چہ وہ اس معاملے میں حق بجانب تھا۔ کیونکہ اس کے پیش نظر مغل شہزادوں کی بغاوتیں تھیں اور شاہ جہاں کے آخر عہد میں شہزادوں کے درمیان جو خانہ جنگی رونما ہوئی تھی اور بغاوتیں ہوئی تھیں وہ بھی اس کے پیش نظر تھیں نیز ان کے بیٹوں نے بھی اکثر اوقات اسے دھوکہ دیا تھا جیسا کہ شہزادہ اکبر نے راجپوتوں سے گٹھ جوڑ کر کے خود اس کے خلاف کارروائی کرنے کی کوشش کی تھی۔ بہر حال اس کی امراء اور بیٹوں کی طرف سے بے اعتمادی کی وجہ سے نہایت خراب نتائج برآمد ہوئے۔ ایک طرف تو تمام اختیارات خود اورنگ زیب کے اپنے ہاتھ میں رکھنے کی وجہ سے اس کے افسروں کی ذاتی صلاحیتیں مفلوج ہو گئیں۔ اور وزیروں اور مشیروں کی رائے و تدبیر اور کام کرنے کی لیاقت بیکار ہو گئی۔ اس کے دربار میں جتنے نئے امیر تھے وہ قابل اور منتظم نہ تھے۔ اس وجہ سے ملک اور فوج کا انتظام گڑ بڑ ہو گیا۔ بادشاہ کو اپنے دیگر افسروں اور باصلاحیت امراء پر کوئی اعتماد بھی نہ تھا۔ اور اس کے مشکوک رہنے کی وجہ سے وہ امراء و افسر جو باصلاحیت تھے اور اس کے وفادار تھے وہ بھی اس سے بدگمان ہو گئے۔

مغلوں کے زوال کے اسباب :

ا۔ اکبر نے ہندوؤں اور راجپوتوں کو اپنا وفادار بنائے رکھنے لئے سب سے پہلے آزاد مذہبی حکمت عملی کو اپنایا۔ اور ہندو راجپوت راجوں کی لڑکیوں سے شادی بیاہ کے ذریعے ہندو راجپوت ریاستوں سے اپنے تعلقات بہتر بنائے۔ اور مذہب کی طرف سے اس قدر رواداری برتی کہ مذہب کی کوئی اہمیت نہ رہی۔ بلکہ اکبر نے خود بھی ہندوانہ رسم و رواج کو قبول کیا۔ اور ہندو مسلمانوں کے آپس کے تفرقے کو مٹانے کے لئے ایک نئے مذہب کی بنیاد ڈالی۔ جس میں اسے بہت کم کامیابی ہوئی۔ بلکہ یہ کہا جائے کہ ایک نئے مذہب کے رائج کرنے میں وہ بری طرح ناکام رہا تو بے جانہ ہوگا۔ تاہم مذہب کی طرف سے اکبر کے آزاد مسلک کی بناء پر ہندو اس سے خوش رہے۔ یہاں تک کہ اکبر خود ہندوانہ لباس پہنتا تھا اور ماتھے پر تلک لگاتا تھا نیز ہندوؤں کے تہواروں میں نہایت جوش و خروش سے شریک ہوتا تھا۔ بہر کیف اکبر کسی خاص مذہب کی بجائے روحانیت کی طرف مائل تھا۔ اس نے ہندو

Marfat.com

مسلمان امتیاز مٹا کر ہندوؤں کے ساتھ ہر قسم کی رواداری اور ہمدردی کا سلوک کیا۔اور انہیں ان کی قابلیت کے مطابق اعلیٰ ترین عہدے دیئے جس سے وقتی طور سے ہندو راجپوت سلطنت مغلیہ کے وفادار بن گئے۔لیکن اس قدر مراعات اور عہدوں کی وجہ سے راجپوتوں میں خودسری کا مادہ پیدا ہو گیا اور ان کے دل میں یہ خیال جاگزیں ہو گیا کہ سلطنت مغلیہ کا استحکام ان ہی کی کوششوں کا مرہون منت ہے۔اور یہ کسی حد تک صحیح بھی تھا۔کیونکہ اکبر کے عہد میں بہت سی مہمات راجپوتوں نے سر کی تھیں اور وہ خود ہندوؤں کے خلاف سلطنت مغلیہ کی بقاء کی خاطر نبرد آزما ہوئے تھے۔لیکن جب شاہ جہاں اور اورنگ زیب کے عہد میں جب کہ سلطنت مغلیہ کی مذہبی حکمت عملی بدل گئی۔اور انہوں نے اسلام کے بقاء اور احتیاط پسندی کی خاطر نئے قوانین نافذ کئے تو۔ اس بات سے ہندوؤں کو زبردست ٹھیس پہنچی۔اگرچہ ان قوانین سے ہندوؤں کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچتا تھا لیکن مذہبی اختلاف کے احساسات جو اکبر کی پالیسی کی وجہ سے ایک عرصہ تک دبے رہے تھے وہ تازہ ہو گئے اور انہیں احساس ہو گیا کہ مغل سلطنت خالص اسلامی سلطنت ہے اور ہندو مسلمانوں کے محکوم ہیں اس کے ساتھ ساتھ شاہ جہاں اور اورنگ زیب کے عہد حکومت میں انہیں غیر معمولی مراعات حاصل ہونے کی توقع نہ رہی۔خاص طور سے اورنگ زیب کے عہد میں تو ان کی سلطنت مغلیہ سے تمام توقعات ختم ہو گئیں۔اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ اورنگ زیب نے ان کے ساتھ کوئی ناروا سلوک کیا ہو۔یا ان کی مذہبی آزادی سلب کی ہو۔بلکہ ایک طرف تو اورنگ زیب کے مذہبی پختہ عقائد نے ایک خالص اسلامی سلطنت کا تصور پیش کیا۔جس سے ہندوؤں کے مذہبی احساسات مسلمانوں کے خلاف ابھر آئے۔دوسرے یہ کہ اورنگ زیب شکی مزاج ہونے کی حد تک احتیاط پسند تھا۔ جبکہ وہ اپنے بیٹوں اور دیگر مغل امراء پر اعتماد نہ کرتا تھا۔تو وہ راجپوتوں اور ہندوؤں پر کس طرح اعتماد کر نہ سکتا تھا۔دراصل یہ اورنگ زیب کی ایک کمزوری تھی۔کہ وہ کسی پر اعتماد نہ کرتا تھا۔اور راجپوت جو ایک عرصہ مغل سلطنت کے اور صاحب اختیار بنے رہے تھے اورنگ زیب کی اس حکمت عملی کو ہندو دشمنی کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔اور اورنگ زیب کے پکے مذہبی ہونے کی وجہ سے ان کے شکوک میں اور اضافہ ہو گیا۔ورنہ حقیقت یہ تھی کہ اورنگ زیب نے ہندوؤں کو اس قدر ہی مناصب اور مراعات دی ہوئی تھیں جس قدر اکبر کے عہد میں حاصل تھیں۔چنانچہ راجہ جے سنگھ اور راجہ جسونت سنگھ بدستور اس کے عہدے کے عظیم سالار تھے۔تاہم وہ کسی ہندو یا مسلمان امراء یا شہزادوں کے ہاتھ میں اختیارات نہ دیتا تھا بلکہ سب معمولی سے معمولی کاموں کے سلسلے میں اس کے حکم اور مرضی کے محتاج تھے۔لیکن ہندو راجپوت یہ سمجھتے تھے کہ اورنگ زیب ہندو دشمنی کی بناء پر راجپوت اور ہندوؤں کو انتظامی اختیارات سے محروم کرنا چاہتا ہے۔چنانچہ وہ سلطنت مغلیہ کے دشمن ہو گئے۔راجپوتوں کے علاوہ مرہٹوں، سکھ اور جاٹ بھی ایک عرصہ سے مغل سلطنت کے خلاف تھے۔ چنانچہ راجپوتوں، مرہٹوں، سکھوں اور جاٹوں نے اورنگ زیب کے عہد میں مغل سلطنت کے خلاف کارروائیاں شروع کر دیں۔لیکن اورنگ زیب اپنی اعلیٰ صلاحیتوں اور مستحکم فوجی قوت کے ذریعے ان کو کچلتا رہا۔اور سلطنت پر اپنی گرفت مضبوط رکھی۔لیکن اورنگ زیب کے بعد جب اس کے جانشین تخت سلطنت پر آئے تو وہ جہانبانی کی صلاحیتوں سے قطعی محروم تھے۔اور وہ انتہائی عیاش، نااہل اور کمزور حکمراں ثابت ہوئے۔اور ان کمزور بادشاہوں کے عہد میں انہوں نے اپنی خودمختاری حکومتیں قائم کر لیں۔جس کی وجہ سے سلطنت مغلیہ کی سلطنت کی وحدت کا شیرازہ بکھر گیا۔

Marfat.com

اور اس کی سلطنت کی وسعت اور طاقت کم ہوتی گئی۔

۲۔ مغل سلطنت کے زوال کا ایک سبب اس کی خارجہ حکمت عملی بھی تھی۔ ایران و تہران کے حکمراں سلطنت مغلیہ کے مخالفوں میں پیش پیش رہے۔ مغل سلطنت کی بلخ و بدخشاں، اور قندھار پر فوج کشی کے باعث ان ممالک سے مغلوں کے تعلقات کشیدہ رہے۔ اگر چہ یہ حقیقت ہے کہ سلطنت ایران نے قندھار پر قبضہ کر کے مغل سلطنت کو جنگ کے لئے چیلنج کیا تھا۔ تاہم بعد میں بلخ و بدخشاں کی مہمات سے دیگر ممالک سے بھی مغلوں کے تعلقات کشیدہ ہو گئے۔ اور مغل حکمرانوں نے بلا وجہ ان سے عداوت مول لی۔ جس کی وجہ سے ان ممالک کے حکمراں اور باشندے مغل سلطنت کے زبردست دشمن بن گئے۔ نادر شاہ اور احمد شاہ کے حملے دراصل مغل خارجہ پالیسی کا ردعمل تھے۔ نادر شاہ اور احمد شاہ کے حملے مغل سلطنت پر ایک کاری ضرب ثابت ہوئے۔ اور مغلوں کی رہی سہی ساکھ بھی ختم ہو گئی۔ تمام ملک میں نہ صرف بدامنی کا دور دورہ ہوا۔ اور لاکھوں انسان تباہ و برباد ہو گئے بلکہ نادر شاہ اور احمد شاہ کے حملوں سے ملک میں اقتصادی بدحالی میں مزید اضافہ ہوا۔ اور سلطنت مغلیہ کا زوال تیزی سے شروع ہو گیا۔

۳۔ متواتر جنگوں کے باعث ملک کی پوری انتظامی مشینری میں خرابی پیدا ہو گئی۔ جس کے نتیجے میں ملک ہر طرف افراتفری اور بدنظمی کا دور دورہ ہو گیا۔ اس بدنظمی اور مرکز کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر صوبیدار نے سرکشی اختیار کی اور مرکزی حکومت کو مالیہ بھیجنا بند کر دیا۔ صوبیداروں کی یہ کارروائی ایسے وقت میں سلطنت کے لئے سخت مہلک ثابت ہوئی۔ جبکہ حکومت کو جنگوں کے لئے زیادہ رقم کی ضرورت تھی۔ لیکن صوبوں سے کم رقم حاصل ہوئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب بہادر شاہ تخت نشین ہوا تو شاہی خزانہ خالی ہو چکا تھا۔ صوبیداروں میں مرکزی حکومت سے علیحدگی کے رجحانات پیدا ہو گئے تھے۔ اورنگ زیب کی وفات کے بعد یہ رجحانات زور پکڑتے گئے۔ جس کے نتیجہ میں بیشتر صوبے مرکزی حکومت سے آزاد ہو گئے۔ سعادت خاں نے اودھ میں آزادی اختیار کر لی۔ بنگال، بہار اور اڑیسہ میں علی وردی خاں کے تحت آزاد ہو گئے۔ آصف خاں نظام الملک نے دکن میں خود مختاری اختیار کر لی۔ روہیل کھنڈ میں روہیلوں نے اپنی آزاد حکومت قائم کر لی۔ راجپوتوں نے بھی اپنی آزادی کا اعلان کر دیا۔ اس طرح مغل سلطنت کی وحدت اور شیرازہ منتشر ہو گیا۔ اس پر طرہ یہ کہ مرہٹوں، سکھوں اور جاٹوں نے بھی اورنگ زیب کے جانشینوں کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر لوٹ مار اور قتل و غارت شروع کر دی۔ ادھر مغل فرمانرواؤں کی عیاشیوں نے مغل سلطنت کے باقی ماندہ خزانے کو لٹا کر سلطنت کو دیوالیہ بنا دیا۔ جس کے باعث مغل سلطنت میں باغیوں سے نمٹنے کی طاقت اور ذرائع مسدود ہو گئے۔

۴۔ اورنگ زیب کے کمزور جانشین سلطنت مغلیہ کے زوال کے سب سے بڑے ذمہ دار تھے۔ اگر ان میں سلطنت کو سنبھالنے صلاحیت اور لیاقت ہوتی تو وہ اس زوال کو روک سکتے تھے۔ جو اورنگ زیب کی وفات کے بعد شروع ہو گیا تھا لیکن وہ سب سخت نااہل ثابت ہوئے۔ ان میں امور سلطنت کے سنبھالنے کی صلاحیت مفقود تھی۔ اور سلطنت کے کاموں سے انہیں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ وہ عیش و نشاط اور محلاتی سازشوں میں پھنسے رہتے تھے۔ اور ان کا مقصد حیات محض عیاش ہو کر رہ گیا تھا۔ انہوں نے مغل سلطنت کو زوال سے بچانے اور سلطنت کو مضبوط بنانے کے لئے خرابیوں کی اصلاح کی کوشش نہ کی جو مغل سلطنت میں پیدا

Marfat.com

ہوگئی تھی۔ جس کے نتیجے میں عظیم سلطنت زوال پذیر ہوگئی تھی۔

- مغلوں کے زوال کی سب سے بڑی وجہ اورنگ زیب کے جانشینوں کا اخلاقی انحطاط تھا۔ اوران کا کردار واخلاق بتدریج بگڑتا چلا گیا۔ اس کے برعکس ان کے پیشرو مغل حکمراں اخلاقی لحاظ سے بلند تھے۔ اور بہادر اور الوالعزم تھے۔ بابر نے جس وقت ہندوستان پر حملہ کیا تو راستے میں پڑنے والے تمام دریاؤں کو تیر کر عبور کیا تھا۔ اوراس کی طاقت کا یہ حال تھا کہ وہ اپنی بغلوں میں آدمیوں کو دبا کر قلعہ کی فصیل پر دوڑ سکتا تھا۔ اوراس کی بہادری اور عسکری ذہانت کی وجہ سے تمام امراء اور سپاہی اس کی عزت واحترام کرتے تھے اور اپنی جنگی قابلیت کی بناء پر وہ اپنی جنگی وحدت کو قائم رکھتا تھا۔ ہمایوں کے عہد میں اگرچہ ہندوستان سے مغلوں کا تسلط ختم ہو گیا لیکن وہ اپنے عزم واستقلال اور بہادری کی بناء پر ہندوستان پر دوبار مغل اقتدار قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے بعد جب ہمایوں کی وفات ہوئی تو ہمایوں سلطنت میں نظم وضبط قائم نہ کرسکا تھا اور اکبر کے لئے حالات نہایت حوصلہ شکن تھے۔ لیکن مغل امراء میں بیرم خاں جیسے مدبر شامل تھے جنہوں نے اکبر کے ابتدائی دور میں مغلوں کی سلطنت اور وحدت کو قائم رکھا۔ اس کے بعد جب اکبر نے مکمل طور سے امور سلطنت اپنے ہاتھ میں لئے تو اس نے اپنے تدبر وحکمت عملی اور اپنی ذاتی بہادری اور شجاعت سے مغل سلطنت کو نہ مستحکم کیا۔ بلکہ مغل سلطنت کو ٹھوس انتظامی بنیادوں پر تعمیر کیا۔ اور ہندوستان کی سلطنت کو اس قدر مضبوط کر دیا کہ اس سے پہلے کسی فرمانروا کے عہد میں ہندوستان کی مرکزی حکومت اس قدر مضبوط نہ ہوئی تھی۔ اس کے بعد جہانگیر تخت نشین ہوا تو وہ بھی اعلیٰ انتظامی صلاحیتوں کا مالک تھا۔ اور جہانگیر کے بعد شاہ جہاں بھی جہانبانی کی صلاحیتوں کے زیور سے آراستہ تھا۔ اور شجاعت وبہادری اور تدبر وحکمت عملی میں بے مثل تھا۔ اورنگ زیب اس قدر باصلاحیت اور الوالعزم تھا کہ اس نے نہایت حوصلہ شکن حالات میں بھی مرکزی حکومت کی گرفت مضبوط رکھی۔ اوراس کی قوت ارادی اور قوت عمل کا یہ حال تھا کہ ۹۰ سال کی ضعیف العمری میں بھی فوج کی قیادت کرسکتا تھا۔ لیکن اورنگ زیب کے بعد مغل شہنشاہ آرام طلب اور بزدل بن گئے۔ ان کا زیادہ وقت عیش وعشرت اور داشتاؤں کی صحبت میں گزرنے لگا۔ اور امور سلطنت سے انہوں نے قطعی کنارہ کرلیا۔ ان کی نزاکت کا یہ حال تھا کہ وہ پالکیوں میں بیٹھ کر آتے جاتے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ فرمانروا اپنی عیاشیوں، کوتاہیوں، نااہلی اور بزدلی کی وجہ سے ایک ایسے ملک پر حکومت کرنے کے اہل نہ تھے جس کے عوام کی اکثریت ان کے ہم مذہب نہ تھی۔ جو کمزور سلطنت کے لئے سب سے بڑا خطرہ ثابت ہوئے۔ چنانچہ سکھ، مرہٹوں، جاٹوں نے سلطنت کی کمزوری سے فائدہ اٹھایا اور لوٹ مار قتل وغارت بازار گرم کیا۔ ہندوؤں نے اپنی ریاستوں کی خودمختاری کا اعلان کر دیا۔ مغل صوبیدار بھی اس سلسلے میں پیچھے نہ رہے انہوں نے بھی وسیع علاقوں میں اپنی آزاد حکومت قائم کرلی۔ ظاہر ہے کہ اگر مغل فرمانرواؤں میں عیاشیوں اور غفلت برتنے کا رجحان نہ ہوتو تو مغل سلطنت کا شیرازہ اس طرح منتشر نہ ہوتا۔

۵۔ مغل فرمانرواؤں کی عیاشیوں کے ساتھ ساتھ مغل امراء کی عیاشیوں اوران کا اخلاقی انحطاط بھی مغل سلطنت کے زوال کا باعث ہوا۔ مغل امراء کا طبقہ جو کسی زمانے میں بہت بہادر اور طاقتور تھا۔ اپنا اثر کھو چکا تھا۔ آصف خاں، مہابت خاں، سعد اللہ خاں اور میر جملہ جیسے بڑے آدمیوں کے لڑکے اور پوتے بہت ناز ونعمت میں پلے تھے۔ اس لئے وہ نازک موقعوں پر کوئی بڑا کام

Marfat.com

نہ کر سکتے تھے۔ چنانچہ مغل امراء بھی بزدلی اور عیاشی کا شکار تھے۔ اس کے علاوہ اپنے آپ کو نہایت برتر سمجھتے ہوئے عوامی طبقے کے باصلاحیت لوگوں کی خدمات کی بناء پر سرفرازی حاصل کرنے کو یہ مغل امراء اپنی توہین سمجھتے تھے۔ چنانچہ امراء سلطنت میں کسی باصلاحیت طبقے کا اقتدار حاصل کرنا ناممکن تھا۔

۶۔ مغل رمانرواؤں کی نااہلی نے مغل سلطنت کی فوجی طاقت بھی کمزور کر دی۔ اور فوج میں نظم وضبط قائم نہ رہ سکا۔ فوجی افسر بھی عیاشی اور اخلاقی انحطاط کا شکار ہو گئے۔ اور مغل فرمانرواؤں کی طرح انہوں نے شراب نوشی اور عیاشی کو اپنا شعار بنایا۔ مغل فوج کی نااہلی اس وقت آشکارا ہوگئی تھی جب ۱۷۳۹ء میں نادر شاہ نے دہلی کو نہ صرف لوٹا بلکہ لوگوں کا قتل عام بھی کیا۔ جس سے مغل سلطنت کی بے بسی اور مغل فوج کی انتہائی کمزوری کا اندازہ ہوتا ہے۔ لہذا رعایا کے دلوں سے ایسے حکومت کا احترام قطعی ختم ہو گیا۔ جو کہ رعایا اور ملک کی حفاظت نہ کر سکی۔

۷۔ اورنگ زیب کی وفات کے بعد مسلسل بدامنی اور عیاشیوں سے خزانہ خالی ہو گیا۔ چنانچہ مغل فرمانرواؤں نے زراعت پر ٹیکس کے طریقے کو اپنایا۔ اس سے حکومت کو تو کوئی خاص آمدنی نہ ہوئی لیکن لوگ تباہ ہو گئے۔ اکثر کاشتکاروں نے کھیتی باڑی چھوڑ دی مالی زبوں حالی عالمگیر ثانی کے عہد میں اپنی انتہا کو پہنچ گئی۔ جسے اس کے وزیر عماد الملک نے عملی طور پر فاقوں کا شکار بنائے رکھا۔

کہا جاتا ہے کہ عالمگیر ثانی کے پاس عیدگاہ جانے کے لئے کوئی سواری نہ تھی اور اسے مجبوراً پیدل جانا پڑا۔ سر جادو ناتھ سرکار کا کہنا ہے کہ:

''ایک مرتبہ شاہی حرم کے باورچی خانے میں تین دن تک آگ نہ جلی اور ایک روز شہزادیاں بھوک سے بیتاب ہوگئیں۔ اور وہ پردے کو بالائے طاق رکھ کر محل سے نکل کر سڑک کی طرف دوڑیں۔ لیکن چونکہ قلعے کے دروازے بند تھے، وہ ایک رات اور ایک دن تک دیوان خانے میں رہیں جس کے بعد انہیں اپنے کمروں میں جانے پر رضامند کیا گیا'' یہ واقعہ ۱۷۵۵ء کا ہے۔ ظاہر ہے کہ اب سلطنت مغلیہ کا زوال اپنی انتہا کو پہنچ چکا تھا۔

۷۔ اورنگ زیب کی وفات کے بعد سلطنت کے تمام شعبوں میں بدعنوانیاں کارفرما ہوگئیں۔ افسران نذرانوں اور عطیات کی شکل میں عوام سے رشوتیں لیتے تھے۔ یہاں تک کہ ادنیٰ ملازمین سے لے کر شہنشاہ تک اس مذموم حرکت کا ارتکاب کرتے تھے۔

۸۔ مغلوں کے زوال کی ایک بڑی وجہ یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ مغلوں نے بحری طاقت کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلطنت مغلیہ غیر ملکی دشمنوں کا مقابلہ نہ کر سکی۔ جنہیں سمندر میں برتری حاصل تھی۔

۹۔ مغلوں میں جانشینی کا کوئی ایسا قانون نہ تھا۔ جس کی بدولت پرامن تخت نشینی عمل میں آ سکتی۔ ہر شہنشاہ کی وفات کے بعد اس کے لڑکے تخت حاصل کرنے کے لئے آپس میں خانہ جنگی میں مصروف ہو جاتے جس کے نتیجے میں امراء اور فوج سلطنت کے دعویداروں میں بٹ کر آپس میں برسرپیکار ہو جاتے۔ اور امراء وفوج میں گروہ بندیاں پیدا ہو جاتیں۔ ظاہر ہے ایسی صورت میں سلطنت کی وحدت قائم نہ رہ سکتی تھی۔ اور گروہ بندیاں سلطنت کو کمزور کرنے میں زبردست معاون ثابت ہوئیں۔ امرائے

Marfat.com

سلطنت اپنے ذاتی مفاد کی وجہ سے سلطنت کو اپنا آلۂ کار بنائے رہتے تھے۔ چنانچہ داخلی انتشار نے سلطنت مغلیہ کی بنیادوں کو کھوکھلا کر دیا۔ اس کھوکھلی بنیادوں قائم سلطنت پر نادر شاہ اور احمد شاہ کے حملوں نے کاری ضرب لگا کر مغلیہ سلطنت کی رہی سہی ساکھ بھی ختم کر دی۔ اس طرح مغل سلطنت کا امن وامان اور شیرازہ منتشر ہوتا گیا۔ مرہٹے، سکھ، جاٹ، راجپوت پہلے ہی مغل سلطنت سے آزادی حاصل کر کے سلطنت کے امن وامان کو غارت کئے ہوئے تھے۔ اور لوٹ کھسوٹ سے خوب ہاتھ رنگ رہے تھے۔ اس کے ساتھ ہی مختلف یورپی اقوام مثلاً پرتگیز، انگریز اور فرانسیسی بھی قسمت آزمائی کے لئے میدان میں آگئیں۔ یہ اقوام آپس میں ایک دوسرے کی حریف تھیں کیونکہ ہر ایک کے مفاد صرف اپنے ملک سے وابستہ تھے۔ تاہم انگریزوں نے اپنے یورپی حریفوں پر غلبہ حاصل کرنے کے بعد مغل سلطنت کو ختم کرنے کے لئے بھرپور کوششیں شروع کر دیں۔ اور مغل شہنشاہوں کی حکومت رفتہ رفتہ اس قدر محدود ہو گئی کہ صرف دہلی کے قلعہ میں ان کی حکومت تھی۔ لیکن پوری طرح ان کو یہاں بھی اختیارات حاصل نہ تھے۔ قلعے اور محلوں تک میں انگریزوں کے جاسوس سرگرم عمل تھے۔ بالآخر ۱۸۵۷ء میں اس نام نہاد بادشاہت کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کی خدمات

حالات زندگی

آپ کی ولادت ۴ شوال ۱۱۱۴ ہجری بمطابق فروری ۱۷۰۳ء موضع پھلت ضلع دہلی میں (اورنگزیب کی وفات سے چار سال قبل) ہوئی۔ آپ کی تعلیم زیادہ تر گھر میں ہی ہوئی۔ پانچ سال کی عمر میں مکتب جانا شروع کر دیا۔ دو سال میں قرآن مجید حفظ کر لیا اور دس سال کی عمر میں دیگر علوم پڑھنا شروع کر دیئے۔ پندرہ سال کی عمر میں شاہ عبدالرحیم کے ہاتھ پر بیعت کی۔ دو سال بعد والد کا انتقال ہو گیا تو سترہ سال کی عمر میں مسند تدریس سنبھال لی۔ بارہ برس تک والد محترم کے مدرسہ میں دینی علوم کی تعلیم دیتے رہے۔ اپنے والد کے جانشین ہوئے اور مدرسے کے شیخ نامزد ہو گئے۔ علم کے ساتھ ساتھ زیارت حرمین شریفین کا شوق دل میں پیدا ہوا دو مرتبہ فریضہ حج ادا کیا۔ حج کے ساتھ ساتھ شیخ ابو طاہر (حجاز کے محدث) سے حدیث کی سند لی۔ شیخ ابو طاہر آپ کے فہم کے اس قدر مداح تھے کہ کہا کرتے تھے "ولی اللہ مجھ سے الفاظ کی سند لیتا ہے میں اس سے معانی کی" مکہ میں قیام کے دوران خواب میں نبی کریم ﷺ نے بشارت دی کہ تمہارے متعلق ارادہ ہو چکا ہے کہ اُمت مرحومہ کے جتھوں میں سے کسی جتھے کی تنظیم تمہارے ذریعے کی جائے۔

مارچ 1707ء اورنگ زیب کے انتقال کے بعد برصغیر طوائف الملکی اور افراتفری کا شکار ہو گیا۔ اس کی نمایاں وجہ مسلمانوں کی اخلاقی اور مذہبی پستی اور گراوٹ تھی۔ شاہ ولی اللہ نے بہت باریک بینی سے ان عوامل کا تجزیہ کیا جو مسلمانوں کے زوال کا باعث بنے تھے۔ اس نتیجے پر پہنچے تو غیر مسلموں کے اثرات کی بدولت اسلامی اقدار اور جذبہ اور اقتدار تباہ ہو رہی ہے۔ مسلمانوں کی فوجی قوت تباہ ہو چکی تھی۔ دہلی سے آگرہ تک کے علاقے میں مسلمان سکھ اور مرہٹوں کے قبائلی طاقتوں کے رحم وکرم

Marfat.com

پر تھے۔شاہ ولی اللہ نے اندازہ لگالیا کے مسلمان اسلامی طرز زندگی کی روایات کو چھوڑ دیا تو وہ آہستہ آہستہ اپنے مقام سے گرتے چلے جائیں گے۔ان حالات میں انہوں نے برصغیر میں اسلامی تعلیمات اور اقدار کے احیاء کے منصوبہ بندی کی۔اس وقت کے مغل شہنشاہ حیدر آباد دکن کے نظام روہیلہ سردار حفیظ الملک اور نجیب الدولہ کو خطوط لکھنے اور انہیں برصغیر میں مسلم معاشرے کے زبوں حالی کے بارے میں آگاہ کیا۔انہوں نے افغانستان کے حکمراں احمد شاہ ابدالی کو بھی خط لکھا اور درخواست کی کہ وہ مرہٹوں کے ظلم وستم سے ہندوستان کے مسلمانوں کو نجات دلائیں۔اس کے جواب میں احمد شاہ ابدالی نے 1761ء پانی پت کی تیسری جنگ میں مرہٹوں کو عبرت ناک شکست دی۔اس شکست کے بعد مرہٹے پھر کبھی نہیں سنبھل سکے۔

دسمبر ۱۷۳۲ء میں حرمین سے وطن واپس لوٹے اور والد مرحوم کی درسگاہ واقعہ کوٹلہ فیروز شاہ میں مصروف تدریس ہوگئے۔جب طالبان علم کے ہجوم کی وجہ سے درسگاہ رحیمیہ ناکافی ثابت ہوئی تو محمد شاہ بادشاہ ہند نے کوچہ چیلان میں ایک عالی شان اور وسیع حویلی شاہ صاحب کے حوالے کردی۔آپ تقریباً ۶۵ برس کی عمر پاکر ۲۰ اگست ۱۷۶۸ء کو ظہر کے وقت فوت ہوئے۔

تصانیف

آپ نے تمام علوم (تفسیر، حدیث، تصوف، فقہ، تاریخ، علم الکلام وغیرہ) پر کتابیں لکھیں۔آپ کی مشہور کتابیں یہ ہیں

۱۔فتح الرحمٰن (قرآن کا ترجمہ) ۲۔ فتح الخبیر (لغت) ۳۔ الفوز الکبیر فی اُصول التفسیر ۴۔ چہل احادیث

۵۔شرح مؤطا امام مالک ۶۔حجۃ اللہ البالغہ ۷۔عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید ۸۔ازالۃ الخفاء

۹۔ انصاف (رسالہ) ۱۰۔القاموس العارفین ۱۱۔ مصفّی (فارسی) ۱۲۔موسوئی (عربی) ۱۳۔مکتوبات مدنی

خدمات

شاہ ولی اللہؒ کی خدمات کو ہم درج ذیل حصوں میں تقسیم کرسکتے ہیں۔

۱۔ فکری خدمات ۲۔ علمی خدمات ۳۔ دینی خدمات ۴۔ سیاسی خدمات ۵۔ اصلاحی خدمات

فکری خدمات

اسلام بطور ضابطۂ حیات

شاہ ولی اللہ نے سب سے پہلے اسلام کو ایک ضابطۂ حیات کی حیثیت سے پیش کیا۔شاہ صاحب نے لوگوں کے دلوں میں یہ بات بٹھائی کہ اسلام صرف عقائد وعبادات کے مجموعے کا نام ہی نہیں ہے بلکہ نظام حیات ہے جو زندگی کے تمام شعبوں کے بارے میں رہنمائی فراہم کرتا ہے۔مسلمانوں کو اپنی پوری زندگی اسلام کے تابع ہوکر گزارنی چاہیئے۔

اسلامی فلسفہ کی بنیاد

شاہ صاحب نے اسلامی فلسفہ کی بنیاد رکھی۔آپ کے اس نظریے سے پہلے فلسفہ پر جو کچھ لکھا جاچکا تھا لوگ

Marfat.com

اسے فلسفۂ اسلام سمجھتے تھے۔ لیکن حقیقت میں وہ لوگوں کی آراء تھیں فلسفہ اسلام نہیں تھا۔ شاہ صاحب سے پہلے کے فلسفہ کا تعلق روم، ایران، یونان سے ملتا جلتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ برصغیر میں سب سے پہلے شاہ صاحب نے ہی فلسفہ اسلام کو متعارف کروایا۔ نظام اخلاق پر انہوں نے اجتماعی فلسفے کی عمارت اُٹھائی۔

تاریخ اسلام پر تنقیدی نگاہ

شاہ صاحبؒ پہلے شخص ہیں جن کی نظر تاریخ اسلام اور تاریخ مسلمین کے اُصولی فرق اور باریک فرق تک پہنچی اور انہوں نے تاریخ اسلام پر تنقیدی نگاہ ڈالی۔ شاہ صاحب نے تاریخ اسلام پر جرح وتنقید کر کے یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ بہت سی صدیوں میں اسلام قبول کرنے والی قوام کے درمیان فی الواقع اسلام کا کیا حال رہا۔ شاہ صاحب نے **ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفاء** لکھ کر تاریخ اسلام کا نظریہ ایک نئے انداز میں پیش کیا جس کو کوئی رد نہیں کر سکا۔

علمی خدمات

تفسیری خدمات

تفسیر کے سلسلے میں آپ کا سب سے اہم کارنامہ قرآن مجید کا فارسی میں ترجمہ ہے۔ ان دنوں دفتری اور تعلیمی زبان فارسی تھی۔ عربی زبان بہت ہی کم لوگ جانتے تھے۔ لوگوں کی قرآن مجید سے دوری کو دیکھتے ہوئے آپ نے ۱۷۳۸ء میں قرآن مجید کا ترجمہ بنام ''فتح الرحمان فی ترجمہ القرآن'' کیا۔ اگر چہ ترکی کے علماء نے آپ پر فتوے لگائے لیکن آپ ترجمہ کی اہمیت باور کرانے میں کامیاب ہو گئے۔ آپ نے ''فتح الخبیر'' کے نام سے قرآن مجید کی ایک لغت لکھی جس کے پڑھنے سے قرآن مجید کے مطالب سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے اُصول تفسیر پر ایک کتاب ''الفوز الکبیر فی اُصول التفسیر'' بھی لکھی جس مین علوم پنجگانہ بیان کر کے علماء کو تفسیر لکھنے میں مدد دی۔

علم حدیث میں خدمات

شاہ صاحب نے علم تفسیر کی طرح علم حدیث کی اشاعت میں بھی بڑی مستعدی اور سرگرمی کے ساتھ کوشش کی۔ آپ نے مؤطا کی شرح عربی میں (المسوی) اور فارسی میں (المصفی) کے نام سے لکھی۔ شاہ صاحب نے عوام کے لئے بھی احادیث کی کتابیں مرتب کیں جن میں ''چہل احادیث'' قابل ذکر ہے۔ ''شرح تراجم ابواب بخاری'' میں صحیح بخاری کے ابواب کی تشریح کی گئی ہے۔

علم فقہ میں خدمات

علم الفقہ کو صحیح علمی اور ٹھوس بنیادوں پر قائم کرنے کے لئے شاہ صاحب نے ایسی کتابیں لکھیں جو اہل بصیرت ودانش کی ہدایہ اور فتاویٰ عالمگیری سے اوپر فقہ اور شریعت کے اصلی سرچشمہ تک پہنچا دیتی ہیں۔ انہوں نے فقہ پر قریباً ۴۵ کتب تصنیف کیں ان میں سب سے مشہور کتاب حجۃ اللہ البالغہ ہے۔ اس کے علاوہ تقلید واجتہاد پر ''عقد الجید فی احکام الاجتہاد

Marfat.com

والتقلید'' اور مختصر رسالہ ''الانصاف فی بیان سبب الاختلاف'' لکھا۔

علم تاریخ میں خدمات

تاریخ پر ایک مبسوط کتاب ''ازالۃ الخفاء عن علافة الخلفاء'' لکھی جس میں خلفاء اربعہ کی خلافت کے متعلق محققانہ بحث کی گئی ہے۔ اس کتاب کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ فاضل مصنف کو قرآن مجید، حدیث اور فقہ کے علاوہ تاریخ پر بھی کس قدر عبور حاصل ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے ایک رسالہ ''قرۃ العینین فی تفصیل الشیخین'' لکھا۔ چند ابواب پر مشتمل ''انفاس العارفین'' نامی کتاب بھی لکھی۔

ادبی خدمات

شاہ صاحب کو دیگر علوم کی طرح ادب میں بھی ایک بلند مقام حاصل ہے۔ تقریر وتحریر میں شاہ صاحب کا کوئی ہم پلہ نہ تھا۔

تحریر

شاہ ولی اللہ کی تحریروں کو پڑھ کر بڑے بڑے فاضلوں کو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ شاہ صاحب بڑے بڑے مضمونوں کو نہایت مختصر اور جامع الفاظ میں اس خوبصورتی سے بیان کرتے ہیں کہ مضمون کا زور اور اثر بھی برقرار رہتا ہے۔

خطابت

شاہ صاحب کو خطابت میں بھی ایک بلند مقام حاصل تھا۔ شاہ صاحب کی تقریر میں اس بلا کا جادو ہوتا تھا کہ کسی کو دم مارنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ دوران تقریر الفاظ کی تکرار ہوتی نہ معانی کو بار بار بیان کیا جاتا۔ جب ایک گفتگو کا سلسلہ ختم کر کے دوسرا شروع کرتے تو پچھلی تقریر پہلی سے زیادہ دلکش اور موثر ہوتی۔ مخالف پر قابو پانا آپ کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔

شاعری

شاہ صاحب ادیب ہونے کے ساتھ ساتھ ایک شاعر بھی تھے۔ آپ نے اپنے شعروں میں تصوف اور معرفت کے مضامین ادا کیے ہیں لیکن اشعار میں رسمی عاشقانہ خیالات بھی ہیں۔ ''قصیدہ الطیب النغم فی مدح سید العرب والعجم''۔ ان کا ایک بہت بڑا عربی قصیدہ ہے۔

دینی خدمات

شاہ صاحب کا تعامل

شاہ صاحب کو فقہی مذاہب (حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی) کا مسئلہ درپیش تھا۔ شاہ صاحب نے ہر مکتب فکر کے علماء سے استفادہ کیا لیکن ترجیح ہمیشہ اسی بات کو دی جس کو حق جانا۔ آپ کا رسالہ ''انصاف'' اسی سلسلے کی کڑی ہے۔ ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں۔ ''میں مذاہب مشہورہ میں حتی الامکان جمع کرتا ہوں''

Marfat.com

شاہ صاحب کی دلی خواہش تھی کہ تمام مسالک کے مسائل کو حدیث نبوی ﷺ کے مجموعوں سے مقابلہ کر کے دیکھا جائے، جو کچھ ان کے مطابق ہو اسے رکھا جائے اور جس کی کچھ اصل نہ ہو اسے ساقط کر دیا جائے۔اس طرح تمام مسالک جو جمع کر کے ایک مسلک بنا دیا جائے۔

شیعہ سنی اختلافات

شاہ صاحب نے شیعہ اور سنیوں کے اختلافی مسائل پر کئی سیر حاصل کتابیں لکھیں۔"ازلۃ الخفاء" میں انہوں نے بالتفصیل مختلف خلفاء کے خصائل اور انکے حق خلفات پر تبصرہ کیا اور رائے یہ ظاہر کی کہ رسول اکرم ﷺ کے اشاروں کے مطابق خلفاء کی ترتیب ہونی چاہیے لیکن حضرت علیؓ کے فضائل گننے میں بھی آپ کسی سے کم نہیں۔

اہل حدیث واہل الرائے کا اختلاف

شاہ صاحب نے اہل حدیث اور اہل الرائے میں اتحاد پیدا کرنے کی کوشش کی۔اہل رائے وہ تھے جو اسلامی مسائل کا اطلاق روزمرہ مسائل پر کرتے وقت اپنی رائے شامل کرتے تھے۔جبکہ اہل حدیث صرف احادیث کے ظاہری مفہوم کو مدنظر رکھتے تھے۔شاہ صاحب کا مسلک تھا کہ: ''حقیقت یہ ہے کہ استنباط کے دونوں طریقوں یعنی تخریج اور طریق تتبع حدیث میں سے علماء ہر زمانے میں بیک وقت ان دونوں طریقوں کو اختیار کرتے رہے ہیں''

شاہ صاحب نے کہا کہ اہل حدیث اور اہل الرائے جمع ہو جائیں۔اہل حدیث کو چاہیے کہ اہل الرائے کی رائے کا اپنے علم سے موازنہ کر کے دیکھیں پھر فیصلہ کریں۔اہل الرائے سے کہا کہ وہ اپنی رائے کو احادیث سے پرکھیں اور حدیث سے آزاد ہو کر چلنے کی کوشش نہ کریں۔

شریعت اور طریقت کا اختلاف

دیگر اختلافات کی طرح شریعت اور طریقت کا مسئلہ بھی اختلافی تھا۔ضرورت اس بات کی تھی کہ اس کی اصلاح کی جائے۔اس وقت بعض صوفیاء اسلامی احکام کی پابندی نہیں کرتے تھے۔اس وقت یہ بھی ضروری تھا کہ ان اجزاء کو جو شرع کے خلاف ہیں علیحدہ کیا جائے تاکہ عوام وخواص کی روحانی اصلاح کے سلسلے میں منقطع نہ ہوں اور شریعت کی مخالفت بھی جاتی رہے۔شاہ صاحب نے اپنی کتاب ''مکتوبات مدنی'' میں صوفیاء وفقہاء کے باہمی مباحث کو ختم کرنے کی کوشش کی ہے۔اس میں انہوں نے ابن عربی کے وحدت الوجود اور امام ربانی کے وحدت الشہود کو ایک دوسرے کے مطابق ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ان کا خیال تھا کہ اسطرح صوفیاء کے اختلافات کم ہو سکتے ہیں۔

سیاسی خدمات

شاہ صاحب کا دور سیاسی ابتری کا دور تھا۔مسلمانوں کے زوال کا باعث ان کی سیاسی بدحالی تھی۔شاہ صاحب نے اسکا حل یہ پیش کیا۔ **فَکُّ کُلِّ نِظَام** ترجمہ: ''نظام کو مکمل طور پر تبدیل کر دو''

Marfat.com

معاشرے کی اصلاح کے سلسلے میں کی جانے والی کوششوں کے بارے میں تفہیمات میں لکھتے ہیں۔

''اگر موقع محل کا اقتضاء ہوتا تو میں جنگ کر کے عملاً اصلاح کرنے کی قابلیت بھی رکھتا تھا''

حالات کا یہ تقاضہ نہ تھا لہٰذا شاہ صاحب نے اس زمانہ کی ہی مختلف سیاسی طاقتوں سے کام لیا اور انکے ذریعہ ہندوستان کی بگڑی ہوئی فضاء کو درست کرنے کی کوشش کی۔ خلیق احمد نظامی ''سیاسی مکتوبات'' میں لکھتے ہیں۔

''بادشاہ سازشوں میں اس طرح جکڑے ہوئے تھے کہ حرکت بھی نہ کر سکتے تھے۔ چنانچہ شاہ صاحب نے سیاسی حالات کا بغور مطالعہ کیا اور دو ایسی طاقتوں کو دعوت دی جن کے ذریعے سے مفسدانہ عناصر کی سرکوبی ممکن تھی''

نجیب الدولہ اور احمد شاہ ابدالی کو دعوت

شاہ صاحب نے ان دونوں شخصیتوں کا انتخاب کر کے اپنی سیاسی بصیرت کا ثبوت دیا۔ احمد شاہ ابدالی نے پانی پت کی تیسری لڑائی میں مرہٹوں کو شکست دے دی جس سے مسلمان سیاسی طور پر کچھ نہ کچھ مستحکم ہوئے۔ شاہ صاحب کی یہ تحریک ایک ہمہ گیر تحریک تھی جس کا اصل مقصد معاشرے کو ایسی صالح بنیادوں پر استوار کرنا تھا جس میں معاشی، معاشرتی اور سیاسی عدم مساوات نہ ہو۔

اصلاحی خدمات

شاہ صاحب نے معاشرتی برائیوں کا بھی بنظر غائر مطالعہ کیا۔ اپنی تصنیفات اور تقاریر کے ذریعے معاشرتی برائیوں کو بے نقاب کیا اور اصلاح کی طرف توجہ دلائی۔ اس سلسلے میں آپ نے مختلف طبقات سے خطاب کیا۔ آپ نے بادشاہوں کو جہاد کرنے کا حکم دیا اور امراء کو عیش وعشرت سے باز رہنے کی تلقین کی۔ علماء کو مسلکی اختلافات چھوڑ کر کتاب وسنت سے دلیل پکڑنے کی دعوت دی۔ صوفیاء، مشائخ اور پیرزادوں کو کتاب وسنت کی پیروی کرنے کا حکم دیا۔ آپ نے لوگون کے شرکیہ عقائد پر کڑی تنقید کی اور انہیں اپنے اخلاق سنوارنے کی تلقین کی۔

اصلاح معاشرت

شاہ صاحب کے دور میں کچھ ایسی رسومات نے معاشرے میں فروغ پالیا تھا جن کا اسلام سے سرے سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ شاہ صاحب نے ان کا رد بڑی دلیری کیس اتھ کیا۔

بیوہ کو نکاح ثانی کا حق

اصلاح رسوم اور تردید بدعات کے سلسلے مُں اپنے رسالے وصیت نامہ (فارسی میں) میں فرماتے ہیں۔

''ہندوؤں کے ہاں نکاح ثانی کا رواج نہیں ہے۔ عربوں میں بھی یہ عادت نہ تھی اسلام نے بیوہ کو نکاح ثانی کا حق دیا ہے۔ اللہ اس شخص پر اپنی رحمت نازل فرمائے جو اس بُری رسم کو مٹائے''

Marfat.com

مہر کی زیادتی

شاہ صاحب لکھتے ہیں۔

''ہماری دوسری بری عادت یہ ہے کہ بھاری بھر کم مہر باندھتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے تو اپنی بیویوں کے مہر ساڑھے اوقیہ مقرر فرمائے تھے جس کے پانچ سو درہم بنتے ہیں۔

خوشی و غمی کے مواقع پر رسوامات کی بیخ کنی

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ

''ہم لوگ سوگ کے موقع پر بھی اصراف کرتے ہیں اور رسوم، چہلم، ششماہی اور برسی وغیرہ مناتے ہیں حالانکہ ان کا رواج نبی کریم ﷺ کے زمانے میں نہ تھا۔ یہی حالت شادی بیاہ کی رسموں کی ہے حالانکہ نبی کریم ﷺ سے ولیمہ اور عقیقہ ہی ثابت ہے''

بہادر شاہ ظفر

خاندان مغلیہ بادشاہ اور اردو کا اچھا شاعر، اکبر شاہ ثانی کا دوسرا بیٹا جو لال بائی کے بطن سے تھا ۱۷۷۵ء کو دہلی میں پیدا ہوا۔ ۱۸۳۷ء کو قلعہ دہلی میں اس کی تخت نشینی کی رسم ادا کی گئی۔ اس بادشاہ کا اقتدار لال قلعہ کی چار دیواری تک محدود تھا اور اس کی حیثیت ایسٹ انڈیا کمپنی کے ایک وظیفہ خوار کی تھی کہ جسے کمپنی سے ایک لاکھ روپیہ ماہانہ وظیفہ ملتا تھا (اس وقت انگریزوں نے ہند میں اپنا دارالحکومت کلکتہ کو بنا رکھا تھا جو بیسویں صدی کے اوائل تک باقی رہا بعد ازاں دہلی میں منتقل ہوا) سیاسی میدان میں سراج الدولہ نظام الملک، حیدر علی اور ٹیپو سلطان کی کوششوں کے باوجود میں ہند میں ایک ایک مسلمان علاقے انگریزوں کے قبضے میں جاتے رہے یہاں تک کہ مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کی حکمرانی دہلی اور اس کے گرد و نواح تک محدود ہو کر رہ گئی ان حالات میں برصغیر کے مسلمانوں نے ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کو میرٹھ کی ہندوستانی فوج سے نجات حاصل کرنے کے لئے علم آزادی بلند کیا اور انگریز سالاروں کو تہ تیغ کر کے دہلی چلے آئے یہاں آ کر ان حریت پسندوں نے بہادر شاہ ظفر کو اپنا سربراہ بنا لیا اور انگریزوں کے خلاف معرکہ کی تیاری کرنے لگے مگر وطن و قوم کے غداروں کی وجہ سے یہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ رہے۔

ستمبر کو انگریزی فوج حریت پسندوں کو شکست دینے کے بعد دہلی پر قابض ہو گئی مسلمان سپہ سالار بخت خان بھاگ کھڑا ہوا اور بہادر شاہ ظفر نے مرزا الٰہی بخش کے بہکانے پر بخت خان کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ مرزا الٰہی بخش شاہی خاندان کا ہی کا فرد تھا مگر در پردہ وہ انگریزوں سے ملا ہوا تھا۔ مرزا الٰہی بخش کے ساتھ مل کر انگریزوں نے یہ منصوبہ بنایا تھا کہ کسی طرح جلد سے جلد بہادر شاہ ظفر کو گرفتار کر لیا جائے تا کہ جنگ آزادی کا خاتمہ ہو سکے ورنہ بخت خان کے ساتھ بادشاہ دیر تک آزادی کی جنگ جاری رکھ سکتا ہے۔ بہادر شاہ ظفر نے مقبرہ ہمایوں میں پناہ لی اور انگریزوں نے اس کی اطلاع پاتے ہی مقبرہ کا محاصرہ کر لیا۔

Marfat.com

۲۲ ستمبر ۱۸۵۷ء کو بہادر شاہ ظفر نے جان بخشی کے وعدے پر اپنے آپ کو انگریزوں کے حوالے کر دیا۔ انگریز میجر ہڈسن نے سوائے جوان بخت شہزادے اور زینت محل شہزادی کے باقی سب کو قتل کرا دیا اور جان لارنس نے بادشاہ کو ایک سال تک قید میں رکھا۔ ۱۸۵۸ء کو بادشاہ پر بغاوت کا مقدمہ چلایا گیا اور اکتوبر ۱۸۵۸ء کو بہادر شاہ ظفر کو قید کر کے رنگون بھجوا دیا گیا۔ اور وہیں نومبر ۱۸۶۲ء کو انتقال ہوا۔ بادشاہ کا مدفن رنگون ہی میں ہے۔

ویسے تو مسلمان حکمرانوں کے دور میں بھی یہاں اسلام پسند اقدامات کا فقدان ہی تھا مگر مسلمانوں نے معاشرے کو اپنے رنگ میں ڈھالنے کی کارروائی شروع کر دی تھیں پس ان میں مذہبی اقدار کی مخالفت پیش پیش تھی جس سے مسلم معاشرے کو ہمیشہ کے لئے کمزور کر دینا مقصود تھا لہذا ان حالات میں مسلم معاشرے کے مستقبل کی ترقی اور نشوونما کے لئے ایک آزاد اسلامی ریاست کے قیام کی ضرورت کو شدت سے محسوس کیا گیا۔

برصغیر میں حق و باطل کے معرکے ایک اجمالی جائزہ

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحبؒ اپنی کتاب ہمارا علم و ادب میں برصغیر میں حق و باطل کے معرکے ایک اجمالی جائزہ پیش کرتے ہیں۔

حزب اللہ اور حزب الشیطان کی جنگ ازل سے ہے۔ شیطان کو خوامخواہ پیدا نہیں کیا گیا۔ ابو جہل اور ابو لہب بلاوجہ اسلام سے برسرپیکار نہیں تھے۔ نور و ظلمت، سفید و سیاہ، نیک و بد جیسی متناقض اور متضاد چیزیں اسی لئے ہیں کہ وہ انسان جس کے لئے پوری کائنات پیدا کی گئی ہے خیر و شر میں تمیز کر سکے، اپنی راہ سے گندگیوں کو ہٹا سکے اور خود کو صراط مستقیم پر چلا سکے۔ حضور انور ﷺ کو اشرف و اکمل بنایا گیا ہے اس لئے آپ ﷺ کے سامنے عالمی معاشرے کی اصلاح کا مشن تھا اور یہی مشن آپ ﷺ کے متبعین کے پیش نظر تھا جنہوں نے اس بسیط و عریض دنیا کے گوشے گوشے میں دین کی شمع کو روشن کیا اور انسانیت کو اس کا صحیح مقام سمجھایا۔

باب الاسلام

برصغیر پاک و ہند میں سندھ کو باب الاسلام کہا جاتا ہے۔ یہاں اور برصغیر کے دوسرے مقامات میں ۲۵ صحابہ کرامؓ کی تشریف آوری تاریخ سے ثابت ہے اور پہلی صدی ہجری میں ۳۶ دوسرے حضرات بھی تشریف لائے جنہوں نے اس خطہ ارض کو دین کے انوار سے منور کیا۔ سب سے پہلے بمبئی کے قریب تھانہ بندرگاہ پر ۱۵ھ میں عربوں نے حملہ کیا اور ٹھٹھہ قریب دیبل پر بھی اسی زمانے میں وہ حملہ آور ہوئے تھے۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں سیستان فتح ہو گیا تھا لیکن یہاں کی بغاوتوں کو فرو کرنے کے لئے حضرت عثمانؓ کے زمانے میں حضرت عبدالرحمٰن سمرہؓ (صحابی) نبرد آزما ہوئے اور ان تمام علاقوں پر قابض ہو گئے جو آج کل مکران اور سیستان میں شامل ہیں۔ گویا خلفائے راشدینؓ کے عہد زرین ہی میں برصغیر کے مختلف علاقوں میں اسلام کا پرچم لہرانے لگا اور پھر مختلف ادوار میں یہاں کے لئے مسلمان سردار مقرر کئے جانے لگے۔ ۸۶ھ میں دمشق کے تخت شاہی پر

Marfat.com

ولید اموی متمکن ہوا اور اس کی طرف سے مذکورہ بالا علاقوں کے لئے حجاج کو نگراں مقرر کیا گیا۔ اسی زمانے میں لنکا میں کچھ عرب تاجر فوت ہوئے تو وہاں کے راجہ نے ان کی عورتوں اور بچوں کو ایک جہاز میں سوار کر کے عراق روانہ کیا۔ راستے میں دیبل کے قریب کچھ ڈاکوؤں نے ان پر حملہ کیا۔ حجاج کو معلوم ہوا تو اس نے راجہ داہر کو لکھا کہ ان سب کو میرے پاس بحفاظت بھیج دو۔ راجہ نے معذرت کی ان ڈاکوؤں پر میرا بس نہیں ہے۔ لیکن اس نے اسی زمانے میں مکران کے کچھ باغی عربوں کو پناہ دی تھی اس لئے ان کو سرکوبی کیلئے حجاج نے اپنے نوعمر بھتیجے محمد بن قاسم کو روانہ کیا۔ انہوں نے ۹۳ھ میں سندھ پر حملہ کیا اور تین برس کے عرصے میں چھوٹے کشمیر (یعنی پنجاب) کی سرحد (ملتان) سے لیکر کچھ تک اور مالوہ کی سرحد پر قبضہ کر لیا۔ لیکن ۹۶ھ میں جب ولید کی جگہ سلیمان تخت نشین ہوا تو اس نے محض ذاتی عناد پر محمد بن قاسم کو واپس بلا لیا اور آخر قتل کروادیا۔ بہرحال فتح سندھ دراصل فتح اسلام ہے کیونکہ اسی زمانے سے اسلام باقاعدہ برصغیر میں داخل ہوا۔ لنکا جزائر مالدیو، کھنبائت، حکیمور (ضلع قلابہ) مالا بار، کورومنڈل معبر وغیرہ بہت سے علاقوں میں مسلمانوں کی آمد اور قیام کا زمانہ اسی عہد سے مذکور ہے۔ لیکن پھر قریب تین صدیوں تک تاریخ کی شمع بے نور نظر آتی ہے۔

غزنوی دور

تیسری صدی ہجری کے آخر میں جب خلافت عباسیہ میں زوال آیا تو (ایشیائی) ترکستان میں سامانی خاندان کی ترک سلطنت قائم ہوئی جس کے ایک ترک غلام الپ تگین نے چوتھی صدی ہجری میں غزنین میں اپنی حکومت قائم کی۔ پھر جب سبکتگین نے ۳۶۶ھ ۹۷۶ء میں حکومت کی باگ دوڑ سنبھالی تو اس وقت کابل اور پشاور کا علاقہ پنجاب کے راجہ جے پال کے قبضے میں تھا۔ اس نے طغان اور غزنین کے درمیان ۳۶۹ھ، ۹۷۹ء میں سبکتگین پر حملہ کیا لیکن ہار گیا پھر اس نے شمالی ہندوستان کے تمام ہندو راجاؤں کو متحد کیا اور اس مرتبہ سبکتگین سے پشاور میں مقابلہ ہوا۔ لیکن یہ متحد فوجیں بری طرح تباہ ہوئیں اور پہلی بار ایک مسلمان امیر ۳۷۰ھ ۹۸۰ء میں پشاور میں متعین ہوا۔ اس کے بعد محمود کا زمانہ آتا ہے جس نے غزنین سے ہزاروں میل کا فاصلہ طے کر کے برصغیر پر متعدد حملے کئے لیکن جبر و تشدد سے ہمیشہ گریز کیا الفنسٹن لکھتا ہے کہ: ''اس میں شک نہیں کہ محمود نہایت دین دار اور سچا مسلمان تھا اور شاید کوئی بھی بڑی لڑائی ایسی نہ تھی جس میں سربسجود ہو کر اس نے خدا سے فتح و نصرت کی دعا نہ مانگی ہو لیکن ہم ایک مثال بھی نہیں سنتے کہ اس نے کسی ہندو کو جبراً مسلمان کیا ہو اور ایک شہادت بھی ایسی نہیں ملتی کہ جنگ یا قلعہ گیری کے موقع کے سوا کسی ہندو کو قتل کرایا''

یہی حال سومنات کی بت شکنی کے موقع پر ہوا اور محمود نے ہمیشہ ایک صحیح مسلمان کا کردار پیش کیا، حالانکہ اس سے پہلے معبر کے مسلمانوں پر اور سبکتگین کے سفیروں پر ہندوؤں کے ظلم و تشدد کے واقعات تاریخ میں محفوظ ہیں۔ راجاؤں کے فتنے کے علاوہ قرامطہ کا فتنہ بھی محمود کے ہاتھوں فرو ہوا۔ قرامطہ کا پہلا داعی ۲۷۰ھ میں سندھ آیا تھا جہاں اس نے اپنے مذہبی اور سیاسی خیالات کی ترویج کر کے اپنے فرقے کے قیام کی راہ ہموار کی۔ پھر قاہرہ کی فاطمی حکومت نے ۳۶۶ھ ۹۷۶ء میں یکایک اپنی

Marfat.com

فوج بھیج کر ملتان پر قبضہ کر لیا۔ اس طرح فاطمہ (قرمطی) حکومت یہاں بھی قائم ہوگئی اور اسی کے ایک حاکم ابوالفتح داؤد نے محمود غزنوی کے خلاف راجہ جے پال کی مدد کی۔ لیکن محمود نے ملتان پر قبضہ کر لیا تو قرامطہ وہاں سے بھاگ کر منصورہ آ گئے لیکن محمود نے یہاں سے بھی انہیں مار بھگایا اور ان کے فتنے کا انسداد کر دیا۔ محمود کے حملے سیاسی ہی سمجھے جائیں تب بھی باطل کا استیصال نتیجتاً ہوا ہے پھر اسی زمانے سے اولیائے کرام کا ورود مسعود شروع ہوا۔ شیخ اسماعیل ۳۹۵ھ، ۱۰۰۵ء میں لاہور تشریف لائے شیخ صفی الدین گازرونی (م۔ ۳۹۸ھ، ۱۰۰۷ء) اُچہ (بہاولپور) میں قیام پذیر ہوئے۔ شیخ فخر الدین زنجانی جو شیخ سعد الدین حموی کے پیر تھے لاہور میں تشریف فرما ہوئے۔ یہیں حضرت داتا گنج بخشؒ (م۔ ۴۶۹ھ، ۱۰۷۶ء) تھے اور کچھ عرصے کے بعد سخی سرورؒ (م۔ ۵۷۷ھ ۱۱۸۱ء) نے شاہ کوٹ (ڈیرہ غازی خان) میں اشاعت اسلام کا کام سرانجام دیا۔ پھر دوسرے صوفیاء بھی تشریف لائے۔

غوری دور

محمود غزنوی نے ہندوستان میں مستحکم قیام کا کوئی بندوبست نہیں کیا تھا۔ اس لئے اس کے جانے کے بعد یہاں کے راجاؤں نے پھر منظم ہونا شروع کر دیا اور جب معزز الدین محمد غوری نے ۵۸۸ھ، ۱۱۹۲ء میں پرتھوی راج سے دوسری مرتبہ ترائن (تراوڑی) میں جنگ کی تو مؤخر الذکر کے ساتھ ایک سو پچاس راجاؤں نے شرکت کی لیکن وہ سب بری طرح ہار گئے۔ اس طرح دہلی سے اجمیر تک مسلمانوں کی حکومت قائم ہوگئی۔ پھر محمد غوری تو واپس غزنیں چلا گیا۔ لیکن اس نے قطب الدین ایبک کو ہندوستان میں اپنا نائب مقرر کر دیا جس نے گجرات، گوالیار اور بیانیہ وغیرہ کو بھی فتح کر کے حکومت میں توسیع کی۔ اسی زمانے میں کھوکھر قوم کا فتنہ بھی سر اُٹھائے ہوئے تھا۔ یہ لوگ نیلاب (سندھ) اور سوالک کی پہاڑیوں کے درمیان رہتے تھے۔ مسلمانوں کو قتل کرنا ان کا شیوہ تھا۔ دختر کشی ان کے یہاں عام تھی۔ اور بہت سی بیہودہ رسمیں بھی تھیں۔ ۶۰۲ھ میں کھوکھروں نے بغاوت کی تو محمد غوری نے ہندوستان آ کر ان کا قلع قمع کیا۔ لیکن جب وہ وطن واپس جا رہا تھا تو ایک اسماعیلی فدائی نے دریائے جہلم کے قریب شہید کر دیا کیونکہ اس نے ان لوگوں کا ملتان اور ایران سے استیصال کیا تھا۔ پرتھوی راج ہی کے زمانے میں سلطان الہند خواجہ غریب نوازؒ کا ورودِ مسعود اجمیر میں ہوا۔ آپ وہاں کی جھیل کے کنارے قیام پذیر تھے۔ آپ کے کسی عقیدت مند کو راجہ نے ایذا پہنچائی تو آپ نے راجہ کے پاس سفارش بھیجی۔ اس نے بے اعتنائی برتی اور کہا کہ "یہ شخص یہاں آیا ہے اور بیٹھا غیب کی باتیں کرتا ہے" آپ نے سنا تو فرمایا "پتھورا زندہ گرفتیم و داریم" یہی وہ موقع تھا جب کہ پتھورا (پرتھوی راج) مارا گیا تھا۔

سلطان الہندؒ

حضرت سلطان الہندؒ (م۔ ۶۳۳ھ) کی بدولت سیکڑوں لوگ مسلمان ہوئے اور وہ ایک ایسی روشن شمع ہیں جس سے ایک عالم مستفیض ہے۔ آپ ہی کے سلسلے میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ، بابا فرید شکر گنجؒ، احمد صابر کلیریؒ، نظام الدین اولیاءؒ،

Marfat.com

نصیر الدین چراغ دہلویؒ، امیر خسروؒ، گیسو درازؒ وغیرہ کتنے اکابر ہیں جنہوں نے بلا مبالغہ ہزاروں بلکہ لاکھوں کو مستفید فرمایا ہے۔

صاحب معارج الولایت نے خوب لکھا ہے کہ ''ہر مسلمان پر جو ہندوستان (برصغیر) میں پیدا ہوا جو حضرت خواجہ صاحب کو حق اسلام پہنچتا ہے اس لئے کہ خواجہ صاحب کے ہندوستان تشریف لانے سے اسلام کو اور مسلمانوں کو تمکن نصیب ہوا ہے''

التمش

پھر قطب الدین ایبک (م۔ ۶۰۷ھ، ۱۲۱۰ء) کے بعد التمش ایک بیدار مغز اور خدا ترس بادشاہ ہوا اور اسی نے منگولوں (مغول) کے فتنے سے ہندوستان کو بچایا۔ ۶۳۳ھ ۱۲۳۶ء میں اسکے انتقال پر اُس کی بیٹی رضیہ تخت نشین ہوئی۔ اس کے زمانے میں قرامطہ نے دہلی پر یورش کی لیکن انہیں بری طرح شکست ہوئی۔

جلال الدین خوارزم کی سرزمین

سقوط بغداد سے قبل تا تاری یلغار نے وسطی ایشیا کی عظیم مسلم سلطنت، خوارزم کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ اس وقت علاؤ الدین خارزم جیسا نااہل اور نا عاقبت اندیش شخص اس خطہ کا حکمران تھا۔ اس موقع پر تاریخ اسلام کے عظیم مجاہد جلال الدین خوارزم نے محدود وسائل اور نا مساعد حالات کے باوجود تا تاریوں کو لوہے کے چنے چبوائے اور مردانہ وار مقابلہ کیا۔

تا تاری افواج اس شیر کے تعاقب میں ہندوستان کے سرزمین تک آئیں۔ اس وقت یہاں التمش کی حکومت تھی۔ تا تاری جلال الدین کو پکڑنے دریائے سندھ تک پہنچے۔ جہاں گوڑھ شب کے مقام پر دریائے سندھ میں جلال الدین نے اپنے گھوڑے سے ایک عظیم چھلانگ لگائی۔ جس پر تعاقب میں آنے والے بھی ششدر رہ گئے۔ یہ مقام، آج بھی اس واقعہ کی نسبت سے گھوڑ شب کے نام سے موسوم ہے۔ جلال الدین دریائے سندھ پار کر کے اس سرزمین پاکستان پر آبسا اور اس نے دریائے سندھ کے قریب وسطی ایشیا کے عظیم مسلم تہذیب کے گہوارہ ثمر قند میں ایک چھوٹا سا شہر ''ثمر قند'' ہی کے نام سے بسایا۔ جس کے کھنڈرات آج بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔

بلبن

دس (۱۰) سال حکومت کرنے کے بعد رضیہ کی جگہ ایک درویش صفت بادشاہ یعنی ناصر الدین محمود تخت نشین ہوا جس کا وزیر غیاث الدین بلبن ہی حکومت چلاتا تھا اور وہی ناصر الدین محمود کا انتقال (۶۶۴ھ، ۱۲۶۶ء) پر بغیر کسی مزاحمت کے بادشاہ ہوا اور اس نے سب سے پہلے میواتیوں کے فتنے کو ختم کیا کیونکہ ان لوگوں کی وجہ سے بری طرح بدامنی پھیلی ہوئی تھی۔ پھر اس نے فتنۂ مغول کو روکنے کے لئے بڑے سلیقے سے کام لیا۔ وہ لوگ چاہتے تھے کہ چناب کے پار، حکومت دہلی کا کوئی بڑا جنگی مرکز قائم نہ ہونے پائے اسی لئے وہ بار بار حملے بھی کرتے تھے اور کھوکھروں کو اسی مقصد کے لئے اپنا دوست بنالیا تھا۔ بلبن نے ان غارت گروں کی اس طرح سرکوبی کی کہ وہ لوگ پھر ہندوستان کی طرف رُخ نہ کر سکے۔ اور رفاہِ عام کے کاموں میں بہت کچھ پیش قدمی کی۔

Marfat.com

سکندر لودھی

پھر سکندر لودھی ۸۹۴ھ۔ ۹۲۳ھ کے ہوش سے کم کام لیا گیا۔ اگر الفنسٹن کی روایت صحیح ہے تو اس نے ''مندر گرائے، لوگوں کو تیرتھ سے باز رکھنے کی کوشش کی، بعض دریاؤں میں اشنان کرنے سے منع کیا (وغیرہ)'' الیٹ (جلد۴) نے تاریخ داؤدی کے حوالے سے یہ بھی لکھا ہے کہ ''اس نے نومسلموں کو مختلف مقامات پر زمینیں دیں۔ (لیکن) سالار مسعود کے نیزہ کا سالانہ جلوس بند کر دیا۔ اور عورتوں کو قبروں پر جانے سے روک دیا''

تیمور

ان سے بہت پہلے تیمور (م۔ ۸۰۷ھ۔ ۱۴۰۵ء) کی تبلیغ کا انداز بھی جوش والا تھا۔ الیٹ (جلد۳) نے ملفوظات تیموری میں سے تیمور کے ''جہاد'' کا مقصد اس طرح نقل کیا ہے: ''ہندوستان آنے اور تمام مشقتوں کے برداشت کرنے سے میرے دو مقصد خاص ہیں۔ سب سے پہلے اسلام کے دشمنوں (بت پرستوں) سے جنگ کرنا۔ دوسرا مقصد دینوی ہے کہ بت پرستوں کے مال و دولت کو لوٹنا تاکہ اسلام کی سپاہ کچھ حاصل کر سکے''

نواب حبیب الرحمٰن شیروانی مرحوم لکھتے ہیں کہ: ''امیر تیمور نے دریائے والگا سے گنگا کے کنارے تک فتح کر کے کوئی صاحب داعیہ سا کم ان ملکوں میں نہیں چھوڑا تھا اور قریباً اس تمام ملک پر وہ خود فرمان فرماتا تھا جس سلطنت کی بناء قہر اور تسلط پر ہو اس کی پائیداری معلوم۔ امیر تیمور کے مرتے ہی اس عظیم الشان سلطنت کے تمام اجزا پریشان ہو گئے اور اسکے وارث چھوٹے چھوٹے ملکوں پر قابض ہو بیٹھے۔ اس زمانے کی اسلامی سوسائٹی پر قابض ہو بیٹھے۔ اس زمانے کی اسلامی سوسائٹی کا اثر اس واقعے سے خوب معلوم ہو سکتا ہے کہ امیر تیمور جیسے جابر اور تند خو بادشاہ کی اولاد میں شاہ رُخ مرزا اور اُلغ بیگ مرزا جیسے نیک دل، کریم النفس اور عالم بادشاہ ہوئے''

بابر

امیر تیمور کی اولاد میں بابر ۶ محرم ۸۸۸ھ (۱۴ فروری ۱۴۹۳ء) کو پیدا ہوا تھا اور ۵ جمادی الاول ۹۳۷ھ (۲۵ دسمبر ۱۵۳۰ء) کو فوت ہوا۔ سلطنت مغلیہ کا بانی ہوا۔ تاریخ میں ہے کہ اُس نے رانا سانگا اور ہندوستان کے دوسرے سربراہوں کی مجموعی فوج سے ۹۳۳ھ میں مقابلہ کیا تو اس وقت اس نے شراب ترک کر دی۔ بچپن میں خواجہ عبید اللہ احرارؒ (م۔ ۸۹۵ھ) کے مرید قاضی عبداللہ (المعروف خواجہ مولانا) کے زیر تربیت رہ چکا تھا۔ اس لئے اس کا تعلق بہر حال دین سے تھا اور اس کا بیٹا ہمایوں (م۔ ۹۶۳ھ، ۱۵۵۶ء) عجمی اثرات کے باوجود، عبادت گزار تھا۔

اکبر

پھر اکبر تخت نشین ہوا وہ بالکل ان پڑھ تھا۔ علمائے سوء نے اسے غلط راستے پر ڈال دیا۔ پھر ہندو رانیوں کے رشتے نے اُسے ہندو دین اور ہندو تہذیب سے قریب تر کر دیا۔ اسی لئے اس نے شیخ سلیم چشتیؒ کا مقبرہ اور فتح پور سیکری کی مسجد میں

Marfat.com

''ہندوانہ'' طرز کی بنوائی۔ ملا مبارک ناگوری (پدر فیضی وابوالفضل) نے ۹۸۷ھ ایک محضر نامہ تیار کیا جس کا مضمون یہ تھا کہ ''بادشاہ ظل اللہ ہے امام عادل ہے۔ مجتہد العصر ہے اور کسی کا پابند نہیں'' ملا عبدالقادر بدایونی نے اس زمانے کے حالات تفصیل سے لکھے ہیں لیکن اب بعض لوگ اکبر کے خاص مشیروں یعنی فیضی اور ابوالفضل کی حمایت میں بدایونی کی ہر بات کی تردید کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن حضرت مجدد الف ثانیؒ (م ۱۰۳۴ھ) نے اس دور کے کئی فتنوں کے خلاف نبرد آزمائی کی۔ خلفائے ثلاثہؓ اور حضرت عائشہؓ سے اللہ کی رضامندی اور ان کے مقامات عالیہ کا ذکر قرآن پاک میں کئی جگہ آتا ہے لیکن لوگوں نے اللہ کے فرمان کو پس پشت ڈال کو ان بزرگوں کی شان میں نہ صرف گستاخی کی بلکہ سب وشتم کو اپنا دین بنا لیا۔ حضرت مجددؒ نے اس کے خلاف بھی لکھا اور ابوالفضل نے جو نبوت کے منافی اثرات اکبر پر ڈالے تھے اس کے خلاف عربی میں رسالہ اثبات النبوہ لکھا۔ اس کے شروع ہی میں آپ فرماتے ہیں۔

(ترجمہ) جب میں نے اس زمانے میں لوگوں کے اعتقاد میں اصل نبوت کے متعلق فتور دیکھا۔ پھر ایک شخص معین (یعنی اکبر) کے یہاں نبوت کے ثبوت اور تحقیق ہیں (زور) اور نبوت کے شروع کردہ امور میں (فتور دیکھا) اور لوگوں میں اس کا شائع ہونا متحقق ہو گیا، یہاں تک کہ شرائع کی پیروی اور رسولوں پر یقین کی پختگی کی وجہ سے ہمارے زمانے کے بعض جابروں نے بہت سے علماء کو مختلف سختیاں اور ایذائیں پہنچائیں جن کا ذکر مناسب نہیں۔ بہت سے علمائے اسلام قتل کر دیئے گئے۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ اُس مجلس میں خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام کی تصریح ترک کر دی گئی اور جس کا یہ اسم شریف تھا اسے بدل کر دوسرا نام رکھا گیا۔ گائے کا ذبح کرنا ممنوع قرار دیا گیا، حالانکہ ہندوستان میں بڑے شعائر اسلام میں سے ہے۔ مساجد اور مسلمانوں کے مقابر ویران کر دیئے گئے۔ کفار کی عبادت گاہوں اور ان کے رسول وعبادات کے دنوں کی تعظیم کی گئی۔ مختصر یہ کہ اسلام کے شعائر اور اس کی علامتیں باطل قرار دی گئیں اور کفار کے رسوم اور ان کے ادیان باطلہ رائج کئے گئے حتیٰ کہ کفارِ ہند کے احکام ظاہر کئے گئے اور انہیں ان کی زبان سے فارسی میں منتقل کیا گیا تا کہ اسلام کے سارے آثار مٹا دیں۔

میں یہ بھی دیکھ رہا ہوں کہ شک اور انکار کا دائرہ پھیلتا جا رہا ہے۔ خود اطباء (یعنی علماء) بیمار ہو چلے ہیں اور اللہ کی مخلوق ہلاکت تک پہنچ گئی ہے۔ میں نے ایک ایک کے عقائد کو ٹٹولا اور اُن سے اُن کے شبہات دریافت کئے اُن کے دلی خیالات اور اعتقادات کی جانچ پڑتال کی تو میں اس نتیجے پر پہنچا کہ اس ساری خرابی کی وجہ یہ ہے کہ یہ زمانہ حضور ﷺ کے عہد مبارک سے دور جا پڑا ہے اور حکمائے ہند اور فلسفہ کی کتابوں سے شغف بڑھ گیا ہے۔ میں نے ایسے افراد سے مناظرہ بھی کیا جنہوں نے فلسفہ اور کافروں کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے اور جنکو فضل اور فضیلت کا دعویٰ بھی ہے (ابوالفضل کی طرف اشارہ ہے) ان لوگوں نے خلق خدا کو گمراہ کیا ہے اور تحقیق اصل نبوت اور شخص معین (اکبر) کے لئے اسکے ثبوت کے سلسلے میں خود بھی بھٹکے ہیں اور دوسروں کو بھی بھٹکایا ہے ان کا کہنا ہے کہ حکمت ومصلحت اور مخلوق کی ظاہری حالت کو سنوارنا اور انکو لڑائی جھگڑے اور خواہشاتِ نفسانیہ کے انہماک سے روکنا ہی حاصل نبوت ہے'' لیکن اثبات النبوہ کے مذکورہ اقتباسات سے اکبری عہد کے تمام فتنوں کا اجمال معلوم ہو جاتا ہے اور بدایونی کے بیانات میں موشگافی کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

Marfat.com

جہانگیر

بدرالدین سرہندی کی کتاب مجمع الاولیاء (قلمی) میں) (جو بعد میں علی اکبر حسینی سے منسوب ہوگئی) اس عقیدت کی تفصیل ہے جو حضرت مجدد سے جہانگیر کو پیدا ہوگئی تھی۔ یہ بھی لکھا ہے کہ فتح کانگڑہ (نگرکوٹ) کی خوشی منانے کے لئے جہانگیر اپنے ساتھ حضرت مجدد کو لے گیا تھا اور وہاں گائے ذبح کی تھی۔ بت کو توڑا تھا اور مسجد کی تعمیر کی تھی اور اسلام کی ترویج پر زور دیا تھا۔

حضرت مجدد نے اپنے مکتوبات میں ارکان اسلام کی تبلیغ بھی کی اور معاشرتی اور سماجی اصلاحات کے لئے بھی کوشش کی۔ بدعات کی بیخ کنی اور غلط (بالخصوص ہندوانہ) رسم ورواج کا استیصال آپ کے مکتوبات کا خاص مقصد تھا۔ پھر آپ کے صاحبزادے خواجہ محمد معصومؒ (م۔ ۱۰۷۹ھ) اور پوتے خواجہ سیف الدینؒ (م۔ ۱۰۹۶ھ) دوسرے پوتے خواجہ عبدالاحد وحدت (م۔ ۱۱۲۶ھ) اور تیسرے پوتے محمد نقشبند ثانی (م۔ ۱۱۱۵ھ)

اورنگ زیب

اورنگ زیب کے متعدد مکتوبات اورنگ زیب اور اسکے ارکان سلطنت کے نام ہیں۔ جن سے نہ صرف یہ کہ بادشاہ کی عقیدت کا ثبوت ملتا ہے بلکہ اس کے سیاسی معاملات میں ان بزرگوں کی رہبری ظاہر ہوتی ہے اسی لئے نعمت خانِ عالی نے جل کر کہا تھا:

افتر اوزورد بہتاں فال وخواب کواجگاں   شید وخد صد دعوت شیخان سرہندی وطن

فتاویٰ عالمگیری بھی اسی زمانے کی یادگار ہے جس کے مؤلفین میں حضرت مجدد کے تعلق والے زیادہ ہیں۔ اور انہی کے شاگردانِ سلسلہ میں شاہ ولی اللہؒ (م۔ ۱۱۷۶ھ) حضرت مظہر جانِ جاناںؒ (م۔ ۱۱۹۵ء) شاہ غلام علیؒ (م۔ ۱۲۴۰ھ) قاضی ثناء اللہ پانی پتی (م۔ ۱۲۲۵ھ) مولانا خال رومیؒ، صاحب فتاویٰ شامی، شاہ عبدالغنی مجددی (م۔ ۱۲۹۶ھ) (جن کے شاگرد مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا محمد قاسم نانوتوی محمد مظہر سہارنپوری) اور بانیان مدرسہ ہائے دیوبند و بریلی وغیرہ پیدا ہوئے۔ پھر ان کے اسباط واخلاف نے وہ خدمات انجام دیں کہ کسی حکمران کو نصیب نہ ہوسکیں۔

شاہ ولی اللہؒ مفسر قرآن بھی تھے، شارح حدیث بھی تھے، فقیہ بھی تھے، متکلم بھی تھے، امام سلوک وتصوف تھے، معلم اخلاق، ماہر اقتصادیات، واضع مسائل سیاست، شارح فلسفۂ تشریع اور وہ سب کچھ تھے جس کی ضرورت اس زمانے کے مسلمانوں کی تھی۔ مرہٹوں کا زور توڑنے کے لئے انہوں نے جو مکتوبات احمد شاہ ابدالی اور نجیب الدولہ کو لکھے ہیں اُن سے اُن کی سیاسی بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے۔ دراصل نادر شاہ کے حملے (۱۱۵۲ھ، ۱۷۳۹ء) نے مغلیہ سلطنت کو بالکل ہلا کر رکھ دیا تھا۔ سعادت علی خان نے اودھ میں، علی وردی خان نے بنگال میں اور نظام الملک نے دکن میں آزاد حکومتیں قائم کردی تھیں۔

Marfat.com

پنجاب میں سکھوں کا اقتدار بڑھنے لگا تھا۔ اور مغربی اور جنوبی علاقوں میں مرہٹوں کا تسلط تھا۔ دہلی میں ایرانی اور تورانی نزاع عروج پر تھا اور اُمراء ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لئے مرہٹوں سے مدد لیتے تھے۔ شاہ صاحب کے لکھنے پر احمد شاہ ابدالی نے ۱۱۷۳ھ ۱۷۵۹ء میں پنجاب میں حملہ کیا اور ۱۴ جنوری ۱۷۶۱ء کو پانی پت کے میدان میں مرہٹوں کو شکست فاش ہوئی۔ شاہ عالم (ثانی) بہار میں تھا۔ احمد شاہ ابدالی نے بہت چاہا کہ وہ دہلی آجائے اور وہاں پھر متمکن ہو۔ لیکن وہ نہ آیا اور پھر دہلی کی مغلیہ سلطنت زندہ نہ ہو سکی۔

مستان شاہ

یہاں مستان شاہ میواتی کا ذکر بھی ضروری ہے۔ یہ مدار یہ سلسلے کا فقیر تھا جس کا نہ کوئی گھر تھا نہ در لیکن اس کی جماعت کے تکیے اور ٹھکانے سارے ملک میں تھے۔ بنگال میں اس کی جماعت کی ٹکر ۱۷۶۱ء میں (پلاسی کی جنگ کے چار سال بعد) انگریزوں سے ہوئی۔ اطراف دہلی سے ان کے مجاہدین بنگال جاتے اور گوریلا جنگ کرتے تھے۔ ۱۷۸۴ء تک ان کے معرکے رہے لیکن اسی دوران میں مستان شاہ کا انتقال گوالیار میں ہو گیا۔ پھر بھی اس کے خلفاء میں چراغ شاہ، محراب شاہ، قل شاہ وغیرہ نے انگریزوں سے جہاد جاری رکھا۔ بالآخر انگریز کی منظم قوت اور سازش سے یہ تحریک ختم ہو گئی۔ اب اس دور کے سب سے بڑا مجاہد اور انگریز کے حریف کا ذکر کرنا ہے جس کے بغیر اس برصغیر کے مسلمانوں کی ''داستان رنگین'' مکمل نہیں کہلائی جا سکتی۔

ٹیپو

بطلِ حریت ٹیپو، (بمعنی شیر) اپنے باپ حیدر علی کی وفات (۱۱۹۵ھ، ۱۷۸۲ء) پر اس کا جانشین ہوا۔ افواج انگلیسیہ سے اپنے باپ کی طرح برسرِ پیکار رہا۔ بیڈنور میں انگریزی جرنیل کو شکست دی اور منگلور میں جنرل کیمبل کو محصور کیا۔ وہ چاہتا تھا کہ انگریزوں کا قلع قمع کرے۔ اس لئے نظام دکن کو اس نے اپنا حلیفہ بنانا چاہا۔ لیکن اس مقصد میں ناکامی ہوئی۔ اُس نے ۱۱۹۹ھ، ۱۷۸۶ء میں سلطان روم کے پاس اپنا سفیر بھیجا۔ زمان شاہ (والی افغانستان) کے پاس بھی قاصد بھیجا، ہندوستان کے رؤسا نیپال کے راجہ اور شاہ ایران سے بھی مراسلت کی لیکن کہیں سے کامیابی نہ ہو سکی۔ فرانسیسی تعاون کے لئے بھی اس نے اپنا سفیر ماریشس بھیجا لیکن انگریزوں نے نظام اور مرہٹوں کی مدد سے ٹیپو کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا۔ سری رنگ پٹن میں ٹیپو محصور ہوا اور گولیاں کھاتے ہوئے بھی آخر دم تک لڑتا رہا۔ اس کی بہادری کے کارنامے اور غداروں کی سازشوں کے واقعات غیر معمولی شہرت رکھتے ہیں ۲۸ ذی قعدہ ۱۲۱۳ھ (۴ مئی ۱۷۹۹ء) کو اس سرفروش مرد مومن نے ابدی حیات حاصل کی اور طاغوتی طاقتوں پر اس کے رعب کا اندازہ اسی بات سے ہو سکتا ہے کہ اس کی لاش کے قریب آنے کی بھی ان کو ہمت نہ ہوئی تھی۔ مولانا ظفر علی خان نے لکھا ہے:

Marfat.com

قوت بازوئے اسلام تھی اسکی صولت
اُسکی دولت کے دعا گوؤں میں شامل تھے ہنود

کہیں سوتے میں نہ کروٹ یہ مجاہد بدلے
اب بھی اس خوف سے ہیں لرزہ براندم حسود

اس کے اٹھتے ہی مسلمان کا گھر بیٹھ گیا
تھا قیامت کا قیام اور قیامت کا قعود

آخری قول یہ اس کا نہ ہمیں بھولے گا
جس سے قائم ہوئیں آئینِ حمیت کی حدود

شیر اچھا ہے جسے مہلتِ یک روزہ ملی
یا وہ گیدڑ جسے بخشا گیا صد سالہ خلود"

سلطان ٹیپو کی تنبیہ

سلطان ٹیپو نے قوم کو تنبیہ فرمائی تھی کہ وہ اگر ملتِ واحدہ بن کر انگریزوں کے خلاف متحد نہ ہوئے تو غلامی کی صورت میں کسی کی بھی آزادی قائم نہ رہے گی۔

سلطان ٹیپو حقیقت میں مسلمانوں کا آخری حصار تھا یہی وجہ تھی کہ سقوط سرنگا پٹم پر جنرل ہیرڈ نے کہا تھا: "اب دنیا کی کوئی طاقت ہندوستان کو ہماری غلامی سے نہیں بچاسکتی"

انگریز مورخین کی تحریروں کے مطابق سقوط سرنگا پٹم کے بعد انگریز سپاہی سلطان ٹیپو کے خزانوں سے جواہرات اور قیمتی اشیاء لوٹتے رہے۔ انگریزوں نے ہندوستانی دولت اور افواج کے ذریعہ ہند میں ایک سو گیارہ (111) جنگیں لڑیں اور اس پر قبضہ کیا۔

ہم ایک بھوکی ننگی مغربی قوم "انگریزوں" کے غلام بن گئے ہیں جو کہ حصول رزق کیلئے دنیا بھر کے خاک چھانتی پھرتے تھے۔ ہم نے اپنا درخشاں ماضی افراموش کر دیا اور اسلاف اور روایات سے رشتہ منقطع کرنے کے سبب اپنی قومی خودداری، حمیت اور وقار ہم گنوا بیٹھے۔

بنگال کے وسیع و عریض زرخیز خطہ جانے کے بعد مسلمانوں کی آزادی کا ٹمٹماتا آخری مینار ٹیپو سلطان کی صورت میں موجود تھا گھناؤنی سازشوں، عیاریوں اور میر صادق جیسے قوم فروشوں کی غداری کے سبب اسلام کے عظیم سپوت اور جرنیل ٹیپو کو شہید کر دیا گیا۔ سیرنگا پٹم کی اس فتح پر انگریزوں نے اعلان کیا Now the India is over

سید احمد اور شاہ اسماعیل

شاہ ولی اللہ کے بعد ان کے پوتے شاہ محمد اسماعیل کی تحریک کو بھی ایک امتیازی حیثیت حاصل ہے انہوں نے اور ان کے پیر سید احمد بریلوی نے مل کر مسلمانوں اور غلط رسم و رواج کی بیخ کنی کی طرف متوجہ ہوئے، غلط قسم کی پیر پرستی، قبر پرستی، سوئم، چہلم، برسی اور ہندوانہ رسم و رواج کے خلاف قولاً اور فعلاً بڑی جدوجہد کی۔ بہت سے علماء کو اپنا ہم خیال بنایا نکاح بیوگان کی ممانعت کے خلاف تبلیغ کی، تقریریں کیں اور جگہ جگہ عملاً ان برائیوں کو رکوایا۔ اسی زمانے میں پنجاب کے مسلمانوں پر سکھوں کے مظالم بڑھ رہے تھے۔ پنجاب سے لیکر کشمیر تک وہ لوگ پھیلے ہوئے تھے۔ سید صاحب حج سے واپس ہوئے تو دیکھا کہ پشاور کے

Marfat.com

کابلی سرداروں نے رنجیت سنگھ سے ہار مان کر اس کی سیادت قبول کر لی تھی سید صاحب نے سکھوں کے خلاف جہاد کا اعلان کر دیا۔ پہلا معرکہ نوشہرہ کے قریب ۱۲۴۲ھ، ۱۸۲۶ء میں واقع ہوا جس میں بہت سے سکھ کام آئے اور اس کے بعد سید صاحب کا نام خطبہ میں پڑھا جانے لگا اور وہ امام برحق اور خلیفۂ وقت قرار دیئے گئے لیکن مسلسل جہاد کی وجہ سے انتظام اور رسد میں فرق پیدا ہو گیا آخر کار بالاکوٹ کی جنگ میں سید صاحب اور شاہ اسماعیل بکثرت مجاہدین کے ساتھ ۱۲۴۶ھ ۱۸۳۱ء میں شہید ہو گئے اور یہ اصلاحی تحریک ختم ہو گئی۔ پھر بھی اس تحریک کے کچھ آثار باقی رہے۔ شاہ اسحاق دہلوی کے نواسے سید نصیر الدین دہلوی ۱۸۳۵ء میں جہاد کے لئے کھڑے ہو گئے۔ جے پور، جیسلمیر، اور خیر پور کے بے آب و گیاہ ریگستانوں سے گزر کر وہ ڈیرہ غازی خان پہنچے۔ وہاں مزاری بلوچوں کی حمایت میں دیوان مولرام (حاکم ملتان) سے برسرپیکار ہوئے لیکن جب مزاریوں نے سکھوں سے تعلق پیدا کر لیا تو سید نصیر الدین تنہا رہ گئے۔ اس لئے وہ کشمور، شکار پور اور سبی ہوتے ہوئے قندھار پہنچے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب شاہ شجاع الملک کو لے کر کابل کے تخت پر قبضہ کرنے کے لئے انگریز جا رہا تھا GRAND INDUS ARMY ان کے ساتھ تھی۔ قندھار میں سید نصیر الدین نے انگریزوں سے سخت مقابلہ کیا اور وہیں شہید ہوئے۔

سید احمد بریلوی کے ایک خلفیہ مولانا ولایت علی عظیم آبادی تھے وہ جہاد میں سید صاحب کے ساتھ تھے لیکن سید صاحب ہی نے انکو سفیر بنا کر کابل بھیجا تھا۔ وہیں ایک وعظ میں انہوں نے ایک فارسی قطعہ ''ردشرک'' نظم کیا تھا جو اہل حدیث حضرات اپنے بچوں کو حفظ کراتے تھے۔ اُس کے چند اشعار یہ ہیں:

فرمود رسول ﷺ آشکارا — من نیز برادرم شمارا
من مشکل خود نمی کشایم — بر غیر مرا کجاست یارا
طاقت نبود سوائے ایزدا — درویش و فقیر و اولیارا
جز حق کہ بود دست گیرد — مسکین و غریب و بے نوارا۔۔۔
اسے مومن پاک اے مسلماں — می خوہی اگر رہ رضارا
قرآن و حدیث را بسر نہ — بگذار کلام ما سوارا

ولایت علی

سید صاحب نے بعد میں آپ کو دکن بھیج دیا تھا لیکن بالاکوٹ کی ہزیمت کے بعد وہ وہاں سے بھائی عنایت علی کو بنگال بھیجا۔ ولایت علی پھر حجاز چلے گئے اور واپس آنے کے بعد سرحد پہنچے اور تحریک جہاد کو دوبارہ زندہ کیا۔ چند سال بعد پنجاب کمپنی بہادر کے قبضے میں آ گیا اور کشمیر راجہ گلاب سنگھ کے ہاتھ فروخت ہوا۔ اسی کے ساتھ ہزارہ بھی فروخت ہو گیا۔ لیکن وہاں کے لوگوں نے گلاب سنگھ کا مقابلہ کیا اور ولایت علی سے مدد چاہی۔ انگریزوں نے گلاب سنگھ کی مدد کی اور مولوی ولایت علی گھیر لئے گئے۔ پھر دو سال کے بعد ۱۲۶۴ھ، ۱۸۴۹ء) میں نظر بند کر دیئے گئے۔ مولوی صاحب کے انتقال (۱۲۶۹ھ ۱۸۵۳ء) پر اُن

Marfat.com

کے بھائی عنایت علی پوری جماعت کے امیر بنا لئے گئے لیکن پھر ۱۸۶۱ء میں اس جماعت کے بہت سے مجاہدین کو کالے پانی پہنچادیا اور اس طرح بالآخر تحریک ختم ہوگئی۔

فرائضی تحریک

اسی طرح ایک اور تحریک ختم ہوئی۔ وہ حاجی شریف اللہ فرائضی کی تھی۔ ہوا یہ کہ کارنوالس نے بنگال میں زمین کا استمراری بندوبست نافذ کر دیا تھا۔ اس طرح ہندوؤں نے کوڑی کے مول وہاں کی زمینیں لے لی تھیں جن سے مسلمانوں کو زک اٹھانا پڑی۔ وہ مُزارع تھے اور ان سے داڑھی ٹیکس اور چولہا ٹیکس بھی وصول کیا جاتا تھا۔ اس طرح ان کی زندگی اجیرن ہوگئی تھی۔ حاجی شریعت اللہ ان مظالم سے نجات دلانے کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے لیکن انہوں نے دین کے احکام کو صرف فرائض تک محدود کر دیا۔ اس لئے وہ فرائض کہلانے لگے۔ وہ زکوٰۃ اور عشر وصول کرتے تھے۔ لیکن انہوں نے بنگال کو دارالحرب قرار دیکر جمعہ اور عیدین کی نمازیں ساقط کر دیں۔ ہندوؤں کے مظالم کے خلاف انہوں نے طاقت استعمال کی۔ انگریزی دستے ہندوؤں کی مدد کرتے تھے اور مسلمانوں کی بستیوں کو اُجاڑ دیتے تھے۔ غالباً ۱۸۰۱ء سے ۱۸۱۸ء میں شریعت اللہ کے انتقال تک یہ تحریک قوت کے ساتھ قائم رہی۔ پھر ان کے بیٹے محمد محسن اور خلیفہ نثار علی نے بڑے حوصلے سے جنگیں کیں۔ آخر کار انگریز نے ان سب کو مقدمات میں پھانس دیا اور ان کا زور توڑ دیا۔ یہ تحریک کسی نہ کسی طرح ۱۸۴۰ء تک چل کر ختم ہوئی اور اسکے غلط مذہبی اثرات کی اصلاح مولوی کرامت علی جونپوری (م۔ ۱۸۷۳ء) نے قریب ۳۰ سال کی تبلیغ سے مکمل کی۔

۱۸۵۷ء کے ناروا حالات اور ان کے اسباب

انگریز

شاہ ولی اللہؒ اور مختلف بزرگوں کی تحریکات آزادی کے حالات کا جائزہ لے لیا ہے لیکن اب انگریزوں کی چند عنایتوں کا ذکر کرنا ہے کہ انہوں نے ۱۸۵۷ء کے ناروا حالات اور ان کے اسباب کس طرح پیدا کئے۔ ملک میں مسلمانوں کی طاقت مغلوب ہو چکی تھی۔ انگریز نے مسلمانوں اور ہندوستانیوں کے ساتھ نفرت اور حقارت کا سلوک کیا۔ اودھ کے والی واجد علی شاہ کو ۱۸۵۶ء میں معزول کیا۔ بہادر شاہ ظفر اگرچہ نام کا بادشاہ رہ گیا تھا لیکن پھر بھی بابر کی اولاد میں سے تھا۔ اُس کو قلعہ سے نکل جانے کا جب حکم دیا گیا اور اس کی بادشاہی کا خطاب چھین لیا تھا تو انگریزوں کے خلاف غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی پھر ہندو راجاؤں کی تذلیل کی گئی۔ مرہٹوں کے پیشوا کے متبنّی کو وظیفے سے محروم کر دیا گیا۔ ان کی ریاستوں (ناگ پور و ستارہ) پر غاصبانہ قبضہ کر لیا گیا۔ جھانسی کی رانی لکشمی بائی کو متبنّی بنانے کے جائز حق سے محروم کر کے قوم سے نفرت مول لی گئی۔ سندھ کے امیروں کو بھی تخت و تاج سے محروم کیا گیا۔ جنوبی ہند میں نواب کرناٹک اور راجہ تنجور کو خطابات سے محروم کر دیا گیا۔ نظام سے برابر چھین لیا گیا۔ ہندوستانیوں کو کھلم کھلا عیسائی بنایا جانے لگا۔ ویلور کے سپاہیوں نے جب ذلت آمیز سلوک کے خلاف احتجاج کیا تو انہیں گولیوں سے اڑا دیا گیا۔ بنگال کے سپاہیوں نے ملک سے باہر جانے کا مزید الاؤنس طلب کیا تو ان کے اس مطالبے کو بغاوت قرار دیتے

Marfat.com

ہوئے انہیں گولیوں سے اڑا دیا گیا۔ ہندوستانی سپاہیوں کو سور کی چربی لگے ہوئے کارتوسوں کو دانت سے توڑنے پر مجبور کیا گیا۔ اس طرح کے بہت سے اسباب تھے جن کی بناء پر سپاہیوں نے اندر ہی اندر صلاح ومشورہ کر کے جا بجا انگریزوں کے خلاف بغاوتیں شروع کر دیں۔ سب سے پہلے ۱۰ مئی ۱۸۵۷ء کو میرٹھ کے سپاہیوں نے کھلم کھلا بغاوت کر کے انگریز افسروں اور انکے متعلقین کو قتل کر دیا اور جیل میں جو ۸۵ محبان وطن قید تھے ان کو رہا کرایا اور ہر سرکاری عمارت کو آگ لگادی۔ ''دہلی چلو، دہلی چلو'' کے نعرے بلند ہوئے تو عوام بھی ان کے ساتھ ہو گئے۔ پھر دوسرے شہروں میں ہنگامے شروع ہو گئے اور یہ انقلابی لوگ مسلسل ساڑھے چار ماہ تک انگریزوں کی منظم فوجوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے رہے لیکن نظام، سکھ اور راجہ نیپال کی مدد سے انگریز غالب آ گیا۔ اور اس نے ہندوستانیوں پر ایسے مظالم ڈھائے کہ انسانیت لرز جاتی ہے۔ ۱۸۵۸ء میں دہلی پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔ اور بہادر شاہ ظفر کو گرفتار کر کے ان کی آنکھوں کے سامنے ان کے جوان بیٹوں کو گولی کا نشانہ بنایا گیا۔ بلکہ ہڈسن نے جو (فوج کا جنرل تھا) ان کو خون بھی پیا۔ اس جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد ہندوستانی لوگ مغلوب ہو گئے۔ کمپنی کی حکومت کی جگہ اب ''وزیر ہند'' کا عہدہ قائم کر دیا اور ملکہ وکٹوریہ نے ہندوستانیوں کو مطمئن کرنے کی کوشش کی۔ لیکن ہندوستانیوں میں سب سے زیادہ مسلمان معتوب ہوئے کیونکہ انہی سے حکومت چھینی گئی تھی۔ بلکہ اب تو انگریز کا دماغ اس طرح سوچنے لگا کہ ہر وہ چیز جو انگریز کے مفاد کے خلاف نظر آئے اس کی تہ میں مسلمان ہی کا ہاتھ ہوگا۔ چنانچہ ان کی جاگیریں بھی ضبط کی گئیں۔ اُن کی تجارت بھی مسدود کی گئی اور ملازمتوں سے بھی محروم کیا گیا۔ ایسے حالات میں سرسید نے مسلمانوں کو جدید علوم وفنون کی دعوت دی اور انہیں سمجھایا کہ اب انگریزوں سے زبانی نفرت بالکل بے معنی ہے کیونکہ اب ان سے مقابلہ کرنے کی اہلیت اور طاقت باقی نہیں۔ ۱۸۷۵ء میں سرسید نے علی گڑھ کالج قائم کیا اور اس وقت سے مسلمانوں کی جتنی سیاسی تحریکیں برصغیر میں وجود میں آئی ہیں ان میں بلاواسطہ یا بالواسطہ علی گڑھ والوں ہی کا ہاتھ رہا ہے۔

بھارت کے حکمران

مغل خاندان کی سلطنت

۱۵۲۶ء تا ۱۵۳۰ء ــــ ظہیر الدین بابر ۱۵۳۰ء تا ۱۵۴۰ء ــــ نصیر الدین ہمایوں

۱۵۴۰ء تا ۱۵۵۵ء ــــ دہلی کے سوری خاندان کی سلطنت ــــ جن میں شیر شاہ سوری

۱۵۵۵ء تا ۱۵۵۶ء ــــ نصیر الدین ہمایوں (دوسری مرتبہ) ۱۵۵۶ء تا ۱۶۰۵ء ــــ جلال الدین اکبر

۱۶۰۷ء تا ۱۶۲۷ء ــــ نور الدین جہانگیر ۱۶۲۷ء تا ۱۶۲۸ء ــــ داوَر بخش

۱۶۲۸ء تا ۱۶۵۷ء ــــ شاہ جہاں ۱۶۵۷ء ــــ مراد بخش

۱۶۵۷ء تا ۱۶۶۰ء ــــ شاہ شجاع (بنگال میں)

Marfat.com

بنگال کے سلطان

۱۵۱۹ء تا ۱۵۳۲ء ---- نصیرالدین نصرت شاہ

۱۵۳۹ء تا ۱۵۵۵ء ---- محمد خان

۱۵۶۱ء تا ۱۵۶۴ء ---- غیاث الدین جلال شاہ

۱۵۴۰ء تا ۱۵۴۵ء ---- خضر خان

۱۵۵۵ء تا ۱۵۶۱ء ---- خضر خان بہادر شاہ

۱۵۶۴ء تا ۱۵۷۲ء ---- سلیمان کرانی

۱۵۷۲ء تا ۱۵۷۶ء ---- داؤد شاہ کرانی

۱۷۰۷ء ---- قام بخش

۱۷۱۲ء تا ۱۷۱۳ء ---- معزالدین

۱۷۱۹ء ---- شمس الدین رفیع الدین

۱۷۱۹ء ---- نکوسیار

۱۷۴۸ء تا ۱۷۵۴ء ---- احمد شاہ بہادر

۱۷۶۰ء ---- شاہ جہاں دوم

۱۷۸۸ء ---- بیدار بخت

۱۸۰۶ء تا ۱۸۳۷ء ---- معین الدین اکبر

۱۵۳۲ء تا ۱۵۳۳ء ---- علاؤالدین فیروز شاہ

۱۵۵۵ء تا ۱۵۶۱ء ---- خضر خان بہادر شاہ

۱۵۳۹ء تا ۱۵۴۰ء ---- شیر شاہ سوری

۱۵۴۵ء تا ۱۵۵۵ء ---- محمد خان سوری

۱۵۶۱ء تا ۱۵۶۴ء ---- غیاث الدین جلال شاہ

۱۵۷۲ء ---- بایزید کرانی

۱۷۰۷ء ---- اعظم شاہ

۱۷۰۷ء تا ۱۷۱۲ء ---- شاہ عالم اوّل

۱۷۱۳ء تا ۱۷۱۹ء ---- فرخ سیار

۱۷۱۹ء ---- رفیع الدولہ شاہ جہاں دام

۱۷۱۹ء تا ۱۷۴۸ء ---- نصیرالدین محمد

۱۷۵۴ء تا ۱۷۶۰ء ---- عزیزالدین عالمگیر دوم

۱۷۶۰ء تا ۱۷۸۸ء --- جلال الدین علی جوہر شاہ عالم دوئم

۱۷۸۸ء تا ۱۸۰۶ء ---- شاہ عالم دوم

۱۸۳۷ء تا ۱۸۵۸ء --- سراج الدین بہادر شاہ دوم

بنگال کے نواب

۱۷۰۳ء تا ۱۷۲۹ء ---- مرشد قلی جعفر خان

۱۷۳۹ء تا ۱۷۴۰ء ---- سرفراز خان

۱۷۵۶ء تا ۱۷۶۰ء ---- سراج الدولہ

۱۷۶۳ء تا ۱۷۶۵ء ---- میر جعفر

۱۷۶۶ء تا ۱۷۷۰ء ---- سیف الدولہ

۱۷۲۹ء تا ۱۷۳۹ء ---- شجاع الدین

۱۷۴۰ء تا ۱۷۵۶ء ---- علی وردی خان

۱۷۶۰ء تا ۱۷۶۳ء ---- میر قاسم

۱۷۶۵ء تا ۱۷۶۶ء ---- نجم الدولہ

اودھ کے نواب

۱۷۲۴ء تا ۱۷۳۹ء ---- سعادت خان

۱۷۵۴ء تا ۱۷۷۹ء ---- شجاع الدولہ

۱۷۳۹ء تا ۱۷۵۴ء ---- صفدر جنگ

۱۷۷۹ء تا ۱۷۹۷ء ---- آصف الدولہ

Marfat.com

۱۷۹۷ء تا ۱۷۹۸ء ۔۔۔۔وزیر علی

۱۷۹۸ء تا ۱۸۱۴ء ۔۔۔۔سعادت علی

۱۸۱۴ء تا ۱۸۲۷ء ۔۔۔۔غازی الدین حیدر

۱۸۲۷ء تا ۱۸۳۷ء ۔۔۔۔نصیر الدین حیدر

۱۸۳۷ء تا ۱۸۴۲ء ۔۔۔۔علی شاہ

۱۸۴۲ء تا ۱۸۴۷ء ۔۔۔۔امجد علی شاہ

۱۸۴۷ء تا ۱۸۵۶ء ۔۔۔۔واجد علی شاہ

آرکوٹ کے نواب

۱۷۰۳ء تا ۱۷۱۰ء ۔۔۔۔داؤد شاہ

۱۷۱۰ء تا ۱۷۳۲ء ۔۔۔۔محمد سید سعادت اللہ خان

۱۷۳۲ء تا ۱۷۴۰ء ۔۔۔۔دوست علی خان

۱۷۴۰ء تا ۱۷۴۲ء ۔۔۔۔صفدر علی خان

۱۷۴۴ء تا ۱۷۴۹ء ۔۔۔۔انور الدین محمد

۱۷۴۹ء تا ۱۸۹۵ء ۔۔۔۔والہ جاہ محمد علی

۱۷۹۵ء تا ۱۸۰۱ء ۔۔۔۔ام دت عمارہ

۱۸۱۰ء تا ۱۸۱۹ء ۔۔۔۔عظیم الدولہ

۱۸۱۹ء تا ۱۸۶۷ء ۔۔۔۔اعظم جاہ

حیدر آباد کے نظام

۱۷۲۴ء تا ۱۷۴۸ء ۔۔۔۔میر قمر الدین آصف جاہ

۱۷۴۸ء تا ۱۷۵۰ء ۔۔۔۔میر محمد نصیر جنگ

۱۷۵۰ء تا ۱۷۶۲ء ۔۔۔۔میر آصف الدولہ سلابت جنگ

۱۷۶۲ء تا ۱۸۰۲ء ۔۔۔۔نظام علی

۱۸۰۲ء تا ۱۸۱۹ء ۔۔۔۔میر اکبر علی خان سکندر جان

۱۸۱۹ء تا ۱۸۵۷ء ۔۔۔۔ناصر الدولہ

۱۸۵۷ء تا ۱۸۶۹ء ۔۔۔۔افضل الدولہ

میسور کا حیدر علی خاندان

۱۷۶۱ء تا ۱۷۸۲ء ۔۔۔۔حیدر علی

۱۷۸۲ء تا ۱۷۹۹ء ۔۔۔۔ٹیپو سلطان

پنجاب کے حکمران

۱۷۹۲ء تا ۱۸۳۹ء ۔۔۔۔رنجیت سنگھ

۱۸۳۹ء تا ۱۸۴۰ء ۔۔۔۔کھاڑک سنگھ

۱۸۴۰ء تا ۱۸۴۱ء ۔۔۔۔ناؤنہل سنگھ

۱۸۴۱ء تا ۱۸۴۳ء ۔۔۔۔شیر سنگھ

۱۸۴۳ء تا ۱۸۴۹ء ۔۔۔۔دلیپ سنگھ

Marfat.com

باب: دسواں

حضرت نعمت اللہ شاہ ولیؒ کی آٹھ سو پچاس سالہ پیشین گوئی

Marfat.com

حضرت نعمت اللہ شاہ ولی رحمتہ اللہ علیہ کی آٹھ سو پچاس سالہ پیشین گوئی

اللہ تعالیٰ بزرگ و برتر کے برگزیدہ بندے جو اپنی تمام تر زندگی اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اس کی عبادت اور زہد و تقویٰ کے لئے وقف کر دیتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں جب چاہے اپنی خصوصیات سے ولی، ابدال، قطب اور غوث جیسے اعلیٰ وارفع روحانی مراتب پر فائز کر دیتے ہیں جہاں ان سے خارق عادت اور کشف و کرامت کا ظہور ہوتا ہے اور وہ ہاتف غیبی، القاء اور الہام کا ادراک رکھتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ''میری امت کے بعض علماء بنی اسرائیل کے پیغمبروں کی مثل ہوں گے'' صوفیاء کرام کے نزدیک علماء سے یہی گروہ اولیاء مراد ہے۔

انہی اولیاء کرام میں سے آج سے قریباً آٹھ سو پچاس 850 سال قبل ایک مشہور و معروف صوفی با کمال حضرت نعمت اللہ شاہ ولی رحمتہ اللہ علیہ گذرے ہیں جن کے ہزاروں فارسی اشعار پر مشتمل دیوان کے علاوہ ایک قصیدہ بہت مشہور ہے جس میں برگزیدہ ولی اللہ نے آنے حوادث کی پیشن گوئی فارسی اشعار کی صورت میں کی ہے، جو آج تک حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوتی چلی آرہی ہے۔ قصیدے کے اشعار مختلف حوالوں سے دو ہزار کے قریب بتائے جاتے ہیں۔

انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے جب ہم حضرت نعمت اللہ شاہ ولی کے قصیدے لکھنے کی تاریخ سے ۱۰۰ تا ۷۰۰ سال بعد آنیوالے برعظیم پاک و ہند کے بادشاہوں کے نام ترتیب وار ان کے قصیدے کے اشعار میں پڑھتے ہیں جب کہ وہ حکمران ابھی پیدا نہیں ہوئے تھے۔ وہ سب سے پہلے مغل بادشاہ امیر تیمور کا نام اس کی پیدائش سے قریباً ۲۰۰ سال قبل اپنے پیشن گوئی کے ایک ابتدائی شعر میں لکھتا ہے۔ اس کے بعد لودھی خاندان کے حکمران سکندر لودھی اور ابراہیم لودھی کے ناموں کا ذکر کرتا ہے۔ پھر ان کے بعد آنے والے ہندوستان میں مغلیہ خاندان کے حکمران بابر، ہمایوں (درمیان میں شیر شاہ افغان)، اکبر، جہانگیر، شاہ جہاں کے نام سے اشعار میں آتے ہیں اور یوں خاندان مغلیہ کے ۳۰۰ سالہ دور حکومت کی ترتیب وار پیشن گوئی کرتے ہوئے وہ انگریزوں کی ہند میں آمد تک خاندان مغلیہ کے قریباً تمام حکمران اور ان کی مدت حکمرانی بیان کر دیتے ہیں۔ صرف ہندوستان ہی نہیں بلکہ حضرت نعمت اللہ شاہ ولی تمام حجابات سے پردہ اٹھاتے ہوئے وہ اس کرۂ ارض پر تا قیامت نمودار ہونے والے کم و بیش تمام بڑے واقعات اور حوادث کو اپنے قصیدے میں بیان کرتے ہیں جو ماضی کی تاریخ کی روشنی میں بالکل صحیح، واضح اور عام فہم ہیں۔ جبکہ مستقبل میں ظہور پذیر ہونے والے واقعات کے لئے انتظار کرنا ایک فطری امر ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں بالخصوص گذرے ہوئے اور مستقبل قریب یا بعید میں رونما ہونیوالے بڑے بڑے واقعات و حادثات اور انقلابات کے پردوں میں جھانک کر ملسم امہ مادی، سیاسی اور روحانی طور پر عدم توجہی سے گریز کرتے ہوئے عالم غیب کے اس نایاب خزانے کی راہنمائی میں پر آشوب مستقبل سے نمٹنے کے لئے ابھی سے تیاری کریں گے کہ یہی پیش بینی دور اندیشی اور دانشمندی پیشنگوئی قصیدے کی غرض و غایت اور مقصد و مدعا نظر آتا ہے۔ بقول اقبال:

کھول کر آنکھیں میرے آئینہ گفتار میں   آنے والے دور کی دھندلی سی اک تصویر دیکھ!

Marfat.com

حصہ اول

حضرت نعمت اللہ شاہ ولی عالم غیب کی پردہ کشائی سے قبل کچھ یوں فرماتے ہیں:

قدرت کردگار مے بینم　　　حالت روزگار مے بینم

ترجمہ: میں اللہ تعالیٰ کی قدرت دیکھ رہا ہوں میں زمانہ کی حالت دیکھ رہا ہوں۔

از نجوم ایں سخن نمے گویم　　　بلکہ از کردگار مے بینم

ترجمہ: میں یہ بات علم نجوم کے ذریعہ سے نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ ذات باری تعالیٰ کی طرف سے دیکھ رہا ہوں۔

اب حضرت نعمت اللہ شاہ ولی ''پیدا شود'' (پیدا ہوگا) کی ردیف میں ہندوستان میں مغلیہ خاندان کے حکمرانوں کی پیشن گوئی کی ابتداء میں اس شعر سے کرتے ہیں۔

راست گویم بادشاہے در جہاں پیدا شود　　　نام او تیمور شاہ صاحقراں پیدا شود

ترجمہ: میں سچ کہتا ہوں کہ ایک بادشاہ دنیا میں پیدا ہوگا اس کا نام تیمور شاہ ہوگا اور وہ صاحقراں ہوگا۔

تشریح: تیمور شاہ نے ۱۳۹۸ء میں ہندوستان کے بادشاہ محمد تغلق کو شکست دیکر ہندوستان پر قبضہ کرلیا تھا۔اس کے چند غیر اہم جانشینوں کے بارے میں اشعار کو اختصار کی خاطر نظر انداز کیا گیا۔

از سکندر چوں رسد نوبت بہ ابراہیم شاہ　　　ایں یقیں وار فتنہ در ملک آں پیدا شود

ترجمہ: جب سکندر لودھی سے ابراہیم تک نوبت پہنچ جائے　تو اس بات کو یقین سے سمجھ کہ اس کی بادشاہی میں فتنہ پیدا ہوگا۔

تشریح: ہندوستان میں خاندان مغلیہ کے بانی حکمراں ظہیر الدین بابر جو امیر تیمور یا تیمور شاہ کی پانچویں پشت میں سے تھے نے ۱۵۲۶ء میں پانی پت کی پہلی لڑائی میں لودھی خاندان کے آخری حکمراں ابراہیم لودھی کو شکست دے کر دہلی پر قبضہ کرلیا تھا۔

بابر کے متعلق حضرت نعمت اللہ شاہ بابر کے اقتدار میں آنے سے ۳۵۰ سال قبل اپنے ایک شعر میں مندرج تاریخ ۵۷۰ ہجری بمطابق ۱۱۷۴ء عیسویں میں پیشن گوئی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

شاہ بابر بعد ازاں در ملک کابل بادشاہ　　　پس بہ دہلی والئ ہندستاں پیدا شود

ترجمہ: اس کے بعد ملک کابل کا بادشاہ بابر دہلی میں ہندوستان کا والی ظاہر ہوگا۔

بابر کے بیٹے ہمایوں اور اس دوران ایک افغان کے ظاہر ہونے کے بارے میں لکھتے ہیں:

باز نوبت از ہمایوں مے رسد از ذوالجلال　　　ہم دراں افغاں یکے از آسماں پیدا شود

ترجمہ: پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بادشاہی ہمایوں تک پہنچے گی۔ جبکہ اسی دوران قدرت کی طرف سے ایک افغان (شیر خاں) ظاہر ہوگا۔

حادثہ زد آوردسوئے ہمایوں بادشاہ　　　آنکہ نامش شیر شاہ اندر جہاں پیدا شود

Marfat.com

ترجمہ: ہمایوں بادشاہ کو حادثہ پیش آئے گا کیونکہ شیر شاہ (سوری) نام کا ایک شخص دنیا میں ظاہر ہوگا۔

تشریح: تاریخ ہندوستانی ہے کہ شیر خاں سے شکست کھانے کے بعد ہمایوں نے نظام سقہ کے ذریعے دریائے گنگا پار کر کے جان بچائی اور ایران کے بادشاہ کے پاس پناہ لی۔ جس نے اس کی بڑی قدر و منزلت کی اور چند سال بعد شیر شاہ سوری چل بسا تو ہمایوں نے شاہ ایران کی مدد سے ۱۵ ۵۵ء میں دوبارہ ہندوستان پر قبضہ کرلیا اور ۱۵۳۰ء سے ۱۵۵۶ء تک حکومت کی

پس ہمایوں بادشاہ بر ہند قابض مے شود ۔ بعد ازاں اکبر شاہ کشورستاں پیدا شود

ترجمہ: اس طرح ہمایوں بادشاہ ہندوستان پر قبضہ کرلے گا اس کے بعد ا (کبیٹا) ملک کا بادشاہ بن جائے گا۔ چنانچہ جلال الدین اکبر نے قریباً ۵۰ سال تک ہندوستان پر بادشاہت کی۔

بعد ازاں شاہ جہانگیر است گیتی راہ پناہ ۔ اینکہ آید در جہاں بدر جہاں پیدا شود

ترجمہ: اس کے بعد جہانگیر عالم پناہ ہوگا۔ یہ مہتاب کامل کی طرح تخت پر جلوہ گر ہوگا۔

تشریح: نورالدین جہانگیر نے ۱۶۰۵ء سے ۱۶۲۷ء تک ہندستان پر حکمرانی کی۔ جہانگیر اپنے عدل و انصاف کی وجہ سے مشہور ہے۔ اسکا مقبرہ شاہدرہ لاہور میں ہے جس سے دو تین سو گز کے فاصلے پر اس کی بیوی ملکہ نور جہاں کا مزار ہے۔

چوں کند عزم سفر آں ہم سوئے دار البقاء ۔ ثانی صاحب قراں شاہ جہاں پیدا شود

ترجمہ: جب وہ دار البقاء کی طرف سفر کرے گا تو اس کے بعد شاہ جہاں (بیٹا) تخت نشین ہوگا۔

بیشتر از قرن کمتر از چہل شاہی کند ۔ تا کہ پسر شی خود بہ پیشش آں زماں پیدا شود

ترجمہ: وہ قرن سے زیادہ اور چالیس سے کم بادشاہی کرے گا جبکہ اس کا بیٹا (اورنگزیب) اس کے سامنے ہی اس وقت تخت نشین پر جلوہ افروز ہو جائے گا۔

تشریح: یہاں پر یہ بات کسی قدر قابل توجہ ہے کہ قصیدہ ہذا میں جہاں ''پیدا شود'' کی ردیف کے دستیاب اشعار میں امیر تیمور اور ظہیر الدین بابر سے لے کر خاندان مغلیہ کے آخیر تک تمام حکمرانوں کے ناموں کا ترتیب وار ذکر موجود ہے وہاں صرف محی الدین اورنگزیب کا نام کسی بھی شعر میں نہیں ہے اگرچہ اس کے مخصوص نام ''اورنگزیب'' کے بغیر اس کا ذکر اپنے باپ شاہ جہاں کے بعد اشعار میں موجود ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس کے نام متعلقہ شعر قصیدے کے باقی سینکڑوں اشعار کی طرح دستیاب نہ ہوسکا ہو۔ یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ اورنگزیب جس نے قریباً ۵۰ سال تک ہندوستان پر بادشاہی کی، واحد مغل حکمراں ہے جس نے تخت نشینی کے صدیوں پرانے روایات سے انحراف کرتے ہوئے نہ صرف اپنے باپ شاہ جہاں کو گوالیار کے قلعہ میں قید کیا بلکہ تخت کے اصل وارث اپنے بڑے بھائی دارا شکوہ کو شکست دینے کے بعد ہاتھی کے پیچھے باندھ کر اسے گھسیٹتے گھسیٹتے ہزاروں مرد عورتوں کی آہوں اور سسکیوں کے درمیان ان کے سامنے قتل کروایا۔ دارا شکوہ اولیا کرام اور صوفیاء عظام کا نہایت قدر دان تھا۔ دنیائے اسلام کے سینکڑوں نامور اولیاء اور بزرگان دین کے حالات پر مشتمل دارا شکوہ کی کتاب سفینۃ الاولیاء (اردو ترجمہ) تصوف کی معروف و مستند کتاب کے طور پر مشہور ہے۔

Marfat.com

اورنگزیب کے بعد خاندان مغلیہ کا زوال شروع ہو چکا تھا۔ لہذا اورنگزیب عالمگیر کے بعد آنیوالے بہت سارے غیر معروف جانشینوں کے نام اگرچہ اشعار میں موجود ہیں لیکن ہم انہیں نظر انداز کرتے ہوئے ۱۷۳۹ء میں دہلی کے قتال عام کے تذکرہ کی طرف آتے ہیں۔ جس کی پیشن گوئی حضرت نعمت اللہ شاہ ولی نے قریبا ۶۰۰ سال قبل ہجری ۵۴۸ بمطابق ۱۱۵۳ء عیسویں میں کی تھی۔ وہ فرماتے ہیں:

۔ نادر آید ایراں میں ستاند تخت ہند　　قتل دہلی پس بہ زور تیغ آں پیدا شود

ترجمہ: نادر شاہ ایران سے آکر ہندوستان کا تخت چھین لے گا۔ لہذا اس کی تلوار کے زور سے دہلی کا قتل عام ہوگا۔

تشریح: نادر شاہ نے ۱۷۳۹ء میں ہندوستان پر حملہ کر کے قریباً دو ماہ تک دہلی میں لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم کیا۔ جب ایک دن نادر شاہ کے قتل کی افواہ اڑائی تو دہلی کے سپاہیوں نے نادر شاہ کے بہت سے سپاہی قتل کر ڈالے۔ اس پر نادر شاہ نے آگ بگولہ ہو کر دہلی کے قتل عام کا حکم دیا اور یوں مورخین کے مطابق بارہ گھنٹے کے اندر اندر ڈیڑھ لاکھ کے قریب باشندگان دہلی قتل ہوئے۔

حضرت نعمت اللہ شاہ ولی ایک بار پھر بابر کے دور حکومت کی طرف پلٹتے ہوئے سکھوں کے بانی پیشوا گرونانک کا بھی ذکر کرتے ہیں:

۔ شاہ بابر بادشاہ باشد پس از وے چند روز　　درمیانش یک فقیر از ساکاں پیدا شود

ترجمہ: بابر بادشاہ جو ہوگا اس کے چند روز بعد بعض سا لکو کے درمیان ایک فقیر پیدا ہوگا۔

۔ نام او نانک بود آرد جہاں باوے رجوع　　گرم بازار فقیر بیکراں پیدا شود

ترجمہ: اس کا نام نانک ہوگا۔ بہت سے لوگ اس کی طرف رجوع کریں گے۔ اس بے اندازہ فقیر کا بازار گرم ہوگا اور چرچہ ہوگا۔

۔ دلمیان ملک پنجابش شود شہرت تمام　　قوم سکھانش مرید و پیر آں پیدا شود

ترجمہ: ملک پنجاب کے درمیانی حصہ میں اس کی بڑی شہرت ہوگی۔ سکھ قوم اس کی مرید ہوگی اور وہ ان کے پیر کے طور پر نمایاں ہوگا۔

تشریح: گرونانک ۱۴۶۹ء میں پیدا ہوئے اور ۱۵۳۸ء میں ان کا انتقال ہوا۔

۔ قوم سکھانش چیرہ دستی ہا کند در مسلمین　　تا چہل ایں جور و بدعت انداں پیدا شود

ترجمہ: سکھ قوم مسلمانوں پر بہت ظلم وستم کرے گی۔ یہ ظلم وبدعت چالیس سال تک اس میں ظاہر ہوتا رہے گا۔

۔ بعد ازاں گیرد نصاریٰ ملک ہندویاں تمام　　تا صدی حکمش میاں ہندوستاں پیدا شود

ترجمہ: اس کے بعد عیسائی تمام ملک ہندوستان پر قبضہ کرلیں گے۔ ایک سو سال تک ان کا حکم ہندوستان پر چلتا رہے گا۔

۔ ظلم وعداوت چوں فزوں گردد بر ہندوستانیاں　　از نصاریٰ دین ومذہب رازیاں پیدا شود

Marfat.com

ترجمہ: جب اہل ہند پر ظلم اور عداوت کی زیادتی ہو جائے گی تو عیسائیوں کی طرف سے دین اور مذہب کو بہت نقصان پہنچ جائے گا۔

تشریح: ہندوستان کے انگریز وائسرائے لارڈ کرزن نے یہ پیشن گوئی اس وجہ سے قانوناً ممنوع قرار دی تھی کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہم انگریزوں کی حکومت ہندوستان پر صرف ایک سو سال تک رہے گی۔ معلوم ہونا چاہئے کہ دین اسلام میں فتنہ پیدا کرنے کی غرض سے انگریزوں نے مسلمانوں کے اندر مرزائیوں اور قادیانیوں کا بیج بو دیا جس سے دین اسلام کو بہت نقصان پہنچا اور بہت سے مسلمان گمراہ اور مرتد ہو گئے۔

ے احتوآہ ساز دنصاری رافلک در جنگ جیم　　　　نکبت واد باد ایشاں رانشاں پیدا شود

ترجمہ: جنگ جیم یعنی جرمن کی جنگ میں آسمان عیسائیوں کو مبتلا کر دے گا اور ان کے لئے تباہی و بربادی کا نشان ظاہر ہوگا۔

تشریح: یہ جنگ عظیم اول ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۸ء تک رہی۔ پھر اکیس سال بعد دوبارہ ۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۵ء تک عظیم دوئم سے عیسائیوں کی طرف لڑی گئی۔

ے فاتح گردو نصاری لیکن از تاراج جنگ　　　　ضعف بیحد در نظام حکم شاہ پیدا شود

ترجمہ: اگرچہ اہل برطانیہ جرمنوں پر فتح پالیں گے لیکن جنگ کی تباہ کاریوں سے ان کے نظام حکم میں بہت زیادہ کمزوری پیدا ہو جائے گی۔

تشریح: یہاں یہ حقیقت بیان کرنا ضروری ہے کہ جنگ عظیم اور، جنگ عظیم دوئم، انگریزوں کا ہندوستان دو حصوں میں تقسیم کرنا اور خود ہندوستان کو چھوڑ کر چلے جانے اور اس کے پیچھے اور اس کے آگے رونما ہونے والے واقعات، حالات اور حادثات کو حضرت نعمت اللہ شاہ ولی نے اپنی پیشن گوئی میں دوسرے قافیہ مثلاً زمانہ تاجرانہ اور حاکمانہ وغیرہ میں دوبارہ زیادہ تفصیل اور وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ حضرت نعمت اللہ شاہ ولی اپنے ''پیدا شود'' ردیف کے اشعار کو آگے بڑھاتے ہوئے انگریزوں کے بارے میں اپنی پیشن گوئی میں فرماتے ہیں۔

ے واگزارند ہندرا ازخود مگر از مکرشاں　　　　خلفشار جانگسل در مردماں پیدا شود

ترجمہ: اگرچہ انگریز ہندوستان کو خود ہی چھوڑ جائیں گے لیکن وہ اپنے مکروفن سے لوگوں میں جان لیوا جھگڑا چھوڑ کر جائیں گے۔

تشریح: قیاس و اقرئن کی رو سے یہ جھگڑا مسئلہ کشمیر ہی ہوسکتا ہے۔ کیونکہ پیشن گوئی میں بعض مقامات پر اشارہ دکنا کو یہ سمجھنا ضروری ہوتا ہے۔

ے دو حصص چوں ہند گردد، خون آدم شد رواں　　　　شورش و فتنہ فزوں ازگماں پیدا شود

ترجمہ: جب ہندوستان دو حصوں میں تقسیم ہو جائے گا، انسانوں کا خون بے دریغ جاری ہوگا۔ شورش و فتنہ انسانی سوچ سے بعید ہوگا۔ پاکستان بننے کا اشارہ 800 سال پہلے دیا جا چکا ہے۔

Marfat.com

ے لامکاں باشند زقہر ہنداں مومن بسے — غیر و ناموس مسلم رازیاں پیدا شود

ترجمہ: اکثر مسلمان ہندوؤں کے غیظ وغضب سے بے گھر ہو جائیں گے یعنی مہاجرین کی شکل اختیار کر لیں گے۔ مسلمانوں کی غیرت و ناموس کو نقصان پہنچے گا۔ گویا مسلمانوں سے ان بہن، بیٹیاں اور عورتیں چھین لی جائیں گی۔

ے مومناں یابند اماں درخطہ اسلاف خویش — بعد از رنج و عقوبت بخت شاہ پیدا شود

ترجمہ: مسلمان اپنے اسلاف کے علاقے (پنجاب، سندھ، سرحد، بلوچستان) میں پناہ حاصل کر لیں گے۔ اس رنج اور مصیبت کے بعد ان کی بخت آوری ظاہر ہو گی۔

تشریح: موجودہ اور آنیوالی نسلوں کو یہ نہیں بھولنا چاہے کہ پاکستان دس لاکھ شہیدوں کے خون سے بنا ہے۔ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان کا معرض وجود میں آنے کے ساتھ پاکستان آنے والے مہاجرین نے اپنے جان و مال کی قربانیاں دیں جبکہ مسلمان عورتوں اور لڑکیوں کے بے حرمتی کی گئی۔ مسلمان مہاجرین کی پاکستان میں آمد کے دوران ''بہار قتل عام'' ایک دردناک داستان اور خونیں منظر پیش کرتا ہے۔ لیکن سرفروشان اسلام نے لاشوں کے ڈھیر اور خون کے دریاؤں کا نذرانہ پیش کر کے علامہ اقبال اور قائداعظم کے خوابوں کی تعبیر دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت، پاکستان کو حاصل کیا۔ بلکہ حکم خداوندی کو پورا کیا۔

ے نعرۂ اسلام بلند شد بست و سہ ادوار چرغ — بعد ازاں بار دگر یک قہر ل شاں پیدا شود

تشریح: اسلام کا نعرہ تیس سال (1947 تا 1970) تک بلند رہے گا۔ اس کے بعد دوسری مرتبہ ان پر ایک قہر ظاہر ہو گا۔

ے تنگ باشد بر مسلمانان زمیں ملک خویش — گشت واد بار در تقدیر شاں پیدا شود

ترجمہ: مسلمانوں پر اپنے ملک کی زمین تنگ ہو جائے گی اور تباہی و بربادی ان کی تقدیر میں ظاہر ہو گی۔

تشریح: یاد رہے کہ یہ قہر الٰہی پیشن گوئی کے عین مطابق 1971 میں مسلمانوں کی تباہی و بربادی اور قتل و غارت کے بعد سقوط مشرقی پاکستان کی صورت میں ظاہر ہوا۔ یہ جنگ درحقیقت شیخ مجیب الرحمٰن اور بھاشانی کی علیحدگی پسندی کے ناپاک عزائم کی وجہ سے ہندوستان اور پاکستان کے درمیان لڑی گئی جس میں پندرہ لاکھ غیر بنگالی اور وہ بنگالی جو متحدہ پاکستان کے حامی تھے، نہایت بیدردانہ اور ظالمانہ طور سے مار ڈالے گئے۔ عورتوں کی عصمت دری کی گئی جبکہ ایک لاکھ پاکستانی فوج جنگی قیدی بنی اور یوں قائد اعظم کا پاکستان آدھا ہو کر رہ گیا۔ اس عظیم سانحہ سے عبرت حاصل کرنا تو کجا، ہمارے بعض قوم پرست اور علیحدگی پسند سیاستدان باقی رہے سہے پاکستان کو بھی تقسیم کرنا چاہتے ہیں تا کہ اسلامی دنیا کی یہ واحد ایٹمی طاقت اور دنیا کے ۱۹۲ ممالک میں ساتویں بڑی فوجی اور ایٹمی طاقت مملکت خداداد پاکستان ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ہمسایہ دشمن اسے آسانی سے ہڑپ کر سکے۔ اسی لئے تو دانائے راز فقیر، ترجمان حقیقت، شاعر مشرق حضرت علامہ اقبال نے پہلے ہی سے مسلم امہ کو اتحاد کا درس دیتے ہو کہا:

ے بتان رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا — نہ ایرانی رہے باقی، نہ افغانی، نہ تورانی

دوبارہ فرمایا:

ے یہ ہندی، وہ خراساں، یہ افغانی، وہ تورانی — تو اے شرمندۂ ساحل اچھل کر بیکراں ہو جا

Marfat.com

پھر فرمایا:

ے غبار آلودۂ رنگ ونسب ہیں بال و پر تیرے
تو اے مرغ حرم! اڑنے سے پہلے پرفشاں ہو جا!

آگے چل کر فرمایا:

ے رہے گا راوی و نیل وفرات میں کب تک
تیرا سفینہ کہ ہے بحر بیکراں کے لئے

حالت وجد میں پھر پکار اٹھے:

ے درویش خدا مست نہ شرقی ہے نہ غربی
گھر اس کا نہ دلی، نہ صفاہاں، نہ سمرقند

بالآخر یہ کہنے پر اتر آئے

ے یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو، بتاؤ تم مسلمان بھی ہو؟

جبکہ ایران کی طرف سے خصوصی طور پر بھیجے گئے علامہ اقبال مزار پر نصب قیمتی سنگ مرمر کے کتبے پر اسلامی دنیا دینے والے ان کے یہ دوشعر کندہ ہے

ے نے آفغانیم و نے ترک و تتاریم
چمن زادیم واز یک شاخساریم

تمیز رنگ و بو بر ما حرام است
کہ ما پروردۂ یک نو بہار یم

ترجمہ: ہم نہ آفغاں ہیں اور نہ ترک اور نہ تا تار ہیں۔ ہم باہم ایک گلستان کی مانند ہیں اور ایک ہی شاخسار میں سے ہیں۔ رنگ ونسب کی بناء پر امتیاز روا رکھنا میرے اوپر حرام ہے کیونکہ ہم ایک ہی نو بہار (دین اسلام) کے پروردہ ہیں۔

ے بعد از تذلیل شاں از رحمت پروردگار
نصرت وامداد از ہمسائیگاں پیدا شود

ترجمہ: ان کی ذلت کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت سے نصرت اور امداد پڑوسی ممالک سے ظاہر ہوگی۔

ے لشکر منگوں آید از شمال بہرعون
فارس وعثمان، ہمچارہ گراں پیدا شود

ترجمہ: منگول لشکر شمال کی جانب سے مدد کے لئے آئیگا۔ ایران (فارس) والے اور ترکی (عثمان) والے بھی مددگار ثابت ہوں گے۔

ے ایں ہمہ اسباب عظمت بعد حج گردو پدید
نصرتے از غیب چوں بر موماں پیدا شود

ترجمہ: کامیابی کے یہ تمام اسباب حج کے بعد ظاہر ہوں گے جب مسلمانوں کو غیب سے مدد اور نصرت آن پہنچے گی۔

ے قدرت حق میکند غالب چناں مغلوب را
از عمق بینم کہ مسلم کامراں پیدا شود

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اس طرح اپنی قدرت سے مغلوب کو غالب کردے گا۔ میں گہری نظر سے دیکھ رہا ہوں کہ مسلمان فاتح اور کامران ہوں گے۔

تشریح: اہل علم اور تاریخ دان دنیا کی قربانیاں تمام قوموں کو چار بڑی قوموں آریہ، منگولیہ، حبشیہ کا اور یورپیہ کی مختلف ذیلی شاخیں سمجھتے ہیں اہل یورپ گورے اور سرخ وسفید ہوا کرتے ہیں۔ اہل حبشہ سیاہ رنگ کے لوگ ہوتے ہیں جو زیادہ تر افریقہ

Marfat.com

میں آباد ہیں۔اہل آریہ سے مراد ہندوستان، پاکستان اور دیگر اسلامی ممالک کے لوگ ہیں۔ جبکہ اہل منگولیہ چین اور انڈونیشیا کے باشندگان ہیں۔لہذا گزرے ہوئے شعر میں پاکستان کی مدد کیلئے شمال کی طرف سے آنیوالا ''لشکر منگول'' چائنا ہی کی فوج کی طرف سے اشارہ معلوم ہوتا ہے۔لیکن یہ امر غور طلب ہے کہ چونکہ چائنا کی افواج اب تک پاکستان آئی ہی نہیں ہیں۔اس لئے پچھلے چار اشعار کی پیشن گوئی کا ماضی کی بجائے مستقبل سے زیادہ تعلق ہوتا ہے۔

حصہ دوئم

اولیاء کرام اور صوفیاء عظام جو اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے ہوتے ہیں ان پر کب اور کس وقت جلال اور جمال کی کیفیت طاری ہوتی ہے، کب اور کیسے وہ حالت وجد میں آتے ہیں اور کب مکاشفہ اور مشاہدہ اور الہام یا القاء کے ذریعے ان پر غیب کے پردے کھلتے ہیں۔اور کس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو لوح محفوظ میں جھانکنے کا اعلیٰ وارفع روحانی مرتبہ عطا کرتے ہیں۔ایسے بے شمار سوالات اور بہت زیادہ کرید سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے انسان کو منع فرمایا ہے۔

حضرت نعمت اللہ شاہ ولی نے اپنے پیشن گوئی کے قصیدے میں ''پیدا شود'' (پیدا ہوگا) کے ردیف میں خصوصی طور پر برصغیر پاک وہند میں رونما ہونے والے غیر معمولی حالات اور حوادث سے پردہ اٹھایا ہے۔لیکن اب ویرانہ، زاہدانہ اور فاتحانہ وغیرہ قافیہ کے ذریعے حضرت نعمت اللہ شاہ ولی کشمیری نے زیادہ وسعت اور وضاحت کے ساتھ برصغیر پاک وہند اور ملحقہ علاقہ جات میں پیش آنے والے واقعات اور حادثات کو ایسے بیباکانہ طور پر بیان کیا ہے کہ انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے، رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور دل دہلنے لگتا ہے۔موقعہ کی مناسبت سے علامہ اقبال اور عشق (حقیقی) کے بارے میں فرماتے ہیں:

خرد سے راہ روشن ہے، بصر ہے — خرد کیا ہے؟ چراغ رہگذر ہے

درونِ خانہ ہنگامے ہیں کیا کیا — چراغ رہگذر کو کیا ہے خبر ہے

علامہ اقبال عشق حقیقی اور معرفت الٰہی کے بغیر عقل کو محدود قرار دیتے ہوئے دوبارہ فرماتے ہیں:

گذر جا عقل سے آگے کہ یہ نور — چراغ راہ ہے منزل نہیں ہے

اس طرح علامہ اقبال علم کو بھی محدود تصور کرتے ہوئے فرماتے ہیں

علم کی حد سے پرے بندۂ مومن کے لئے — لذت شوق بھی ہے نعمتِ دیدار بھی ہے

لہذا نعمت اللہ شاہ ولی علم اور عقل کی سرحدوں سے آگے نکل کر درون خانہ ہنگاموں کی پردہ کشائی کرتے ہوئے کچھ یوں گویا ہوتے ہیں

پارینہ قصہ شوئم از تازہ ہند گوئم — افتاد قرن دوئم کہ افتد از زمانہ

ترجمہ: میں قدیم قصہ کو نظر انداز کرتا ہوں۔ ہندوستان کے متعلق میں تازہ بیان کرتا ہوں کہ دوسرا قرن جو زمانہ میں آئے گا۔

صاحب قرن ثانی اولاد گورگانی — شاہی کند اما شاہی چو رستمانی

Marfat.com

ترجمہ: خاندان مغلیہ میں سے صاحب قرن ثانی ہند پر بادشاہی کرے گا لیکن بادشاہی دلیرانہ طور پر ہوگی۔

ے عیش ونشاط اکثر گردد مکان بہ خاطر — گم مے کنند یکسر آں طرز ترکیانہ

ترجمہ: ان کے دلوں میں عیش وعشرت گھر کرلے گا۔ اور اپنے ترکیانہ طرز وانداز کو سراسر ترک کردیں گے۔

ے تامدت سہ صد سال درملک ہند بنگال — کشمیر، شہر بھوپال گیرند تا کرانہ

ترجمہ: ان کی حکومت ہندوستان کے ملک میں بنگال، کشمیر اور بھوپال کے آخر تین سو سال تک رہے گی۔

ے گیرند ملک ایراں، بلخ وبخارا، تہراں — آخر شوند پنہاں، باطن دریں جہانہ

ترجمہ: یہ ملک ایران، بلخ، بخارا اور تہران پر بھی قابض ہوجائیں گے۔ لیکن آخر کار چھپ جائیں گے اور اس جہان کے اندر باطن ہوجائیں گے۔

ے تاہفت پشت ایشاں درملک ہندوایراں — آخر شوند پنہاں در گوشہ نہانہ

ترجمہ: ان (مغل) کی سات پشتیں ہندوستان اور ایران کے ملک میں حکومت کریں گے۔ لیکن آخر کار ایک گمنام گوشہ میں چھپ جائیں گے۔

ے بعد از سہ صد نہ بینی تو حکم گور گانی — چوں اصحاب کہف گردد در کہف غائبانہ

ترجمہ: تو تین سو سال بعد خاندان مغلیہ کی حکومت نہیں دیکھے گا۔ یہ اصحاب کہف کی طرح غار میں غائب ہوجائیں گے۔

ے آں آخری زمانہ آید دریں جہانہ — شہباز سدرہ بینی از دست رائیگانہ

ترجمہ: اس میں دنیا میں آخری زمانہ آئیگا جب شہباز سدرہ (اولیاء جن کی پرواز سدرۃ المنتہیٰ تک ہو) تو دیکھے گا کہ وہ ہاتھ سے نکل جائیں گے۔

ے آں راجگان جنگی مئے خور مست بھنگی — درملک شاں فرنگی آئند تاجرانہ

ترجمہ: وہ جنگجو راجے مہاراجے جو شراب اور بھنگ کے نشہ میں مست ہوں گے، ان کے ملک میں انگریز تاجرانہ انداز میں داخل ہوں گے۔

تشریح: انگریز شروع میں ہندوستان کے مشہور مرچ مصالحوں کی تجارت کے بہانے مغل حکمرانوں سے بحیرہ ہند کے ساحل کے قریب واقع کو، سورت اور پانڈیچری میں تجارتی کوٹھیاں بنانے کی اجازت ملنے پر داخل ہوگئے۔ ہندوستان پر انگریزوں کا ایسٹ انڈیا کمپنی کی آڑ میں قبضہ کرنے اور اہل ہند پر ایک سو سال سے زائد عرصہ تک حکومت کرنے کا پہلا بیج اس طرح بویا گیا۔ اس لئے اس شعر میں لفظ ''تاجرانہ'' استعمال ہوا ہے۔

ے رفتہ حکومت از شاں آید بہ غیر مہماں — اغیار سکہ رانند از ضرب حاکمانہ

ترجمہ: مغل حکمرانوں کی حکومت چلی جائیگی۔ غیر کے ہاتھوں میں آجائیگی۔ جو مہمان بن کر آئے ہوں گے وہ آخر کار اپنا حاکمانہ سکہ چلائیں گے۔

Marfat.com

بنی تو عیسوی را بر تخت بادشاہی — گیرند مومناں را از حیلۂ بہانہ

ترجمہ: تو عیسائیوں کو بادشاہی کے تخت پر دیکھے گا۔ یہ مکر و فریب سے مسلمانوں کو پکڑ دھکڑ کریں گے۔

صد سال حکم ایشاں در ملک ہند میداں — من دیدم اے عزیزاں! ایں نکتہ غائبانہ

ترجمہ: سو سال تک ہندوستان پر ان کی حکومت ہوگی۔ اے عزیزو! میں نے یہ غیبی نکتہ دیکھا ہے۔

اسلام، اہل اسلام گردد غریب و حیراں — بلخ و بخارا، طہراں در ہند سند بیانہ

ترجمہ: اسلام اور اسلام والے لاچار اور حیران رہ جائیں گے بلخ، بخارا، طہران، سند اور ہند میں

در مکتب و مدارس علم فرنگ خوانند — در علم فقہ و تفسیر غافل شوند بیگانہ

ترجمہ: اسکولوں اور درسگاہوں میں انگریزی علم پڑھیں گے جبکہ فقہ اور تفسیر کے علم سے غافل اور بیگانہ ہو جائیں گے۔

حضرت نعمت اللہ شاہ ولی کی پیشن گوئی جو ۸۵۰ سال پہلے بیان کی گئی، وقت گزرنے کے ساتھ ان کے اشعار کی ترتیب سے قطع نظر آج سے قریباً ۱۰۰ سال قبل اور پیشن گوئی کی تحریر کے ۷۵۰ سال بعد یعنی بیسویں صدی کی ابتداء میں رونما ہونے والے، واقعات اور ایجادات سے متعلق درج ذیل دو اشعار پیشن گوئی کی سچائی اور سند پر مہر ثبت کرتے ہیں۔

آلات برق پیما اسلاح حشر برپا — سازند اہل حرفہ مشہور آں زمانہ

ترجمہ: برق پیما آلات اور میدان جنگ میں حشر برپا کرنے والے اسلحہ زمانہ کے مشہور و معروف سائنس دان بنائیں گے۔

باشی اگر بہ مشرق، بشنوی کلام مغرب — آید سرود غیبی برطرز عرشیانہ

ترجمہ: اگر تم مشرق میں بیٹھے ہو گے تو تم مغرب کی باتیں سنو گے۔ آسمان کی طرح غیب سے نغمے آیا کریں گے۔

تا چار سال جنگے افتد بہ بر غربی — فاتح الف گردد بر جیم فاسقانہ

ترجمہ: مغربی ممالک (یورپی وغیرہ) پر چار سال کے لئے ایک جنگ واقع ہوگی۔ الف انگلستان جیم جرمن پر فاسقانہ طور سے فتح پالے گا۔

تشریح: یہ شعر جنگ عظیم اول جو ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۸ء تک لڑی گئی، کو ظاہر کرتا ہے۔

جنگ عظیم باشد، قتل عظیم سازد — یک صد وسی و یک لک باشد شمار جانہ

ترجمہ: یہ عالمگیر جنگ اول ہوگی جس میں بہت بڑا قتل واقع ہوگا۔ ایک کروڑ اکتیس لاکھ جانیں ضائع ہو جائیں گی۔

اظہار صلح باشد چوں صلح پیش بندی — بل مستقل نباشد ایں صلح درمیانہ

ترجمہ: پیش بندی کے طور پر صلح کا اظہار ہوگا۔ لیکن یہ صلح ان کے درمیان مستقل ہوگا۔

ظاہر خموش لیکن پنہاں کنند ساماں — جیم الف مکرر رو در، مبارزانہ

ترجمہ: بظاہر دونوں خاموش ہوں گے لیکن در پردہ جرمنی اور انگلستان بدستور جنگی تیاریوں میں مصروف ہوں گے۔

وقت کہ جنگ جاپاں با چین افتاباں شد — نصرانیاں بہ پیکار آیند باہمانہ

Marfat.com

ترجمہ: جس وقت جاپان کی جنگ چین کے ساتھ واقع ہوگی عیسائی آپس میں لڑائی کریں گے۔

۔ قوم فرنسوی را بر ہم نمود اول — با انگلیس واطالین گیرند خاصمانہ

ترجمہ: وہ سب سے پہلے فرانس پر حملہ آور ہو کر قبضہ کرے گا۔ برطانیہ اور اٹلی والے خاصمانہ جنگ اختیار کر لیں گے۔

۔ پس سال بست و یکم آغاز جنگ دوئم — مہلک ترین اول باشدہ جارحانہ

ترجمہ: جنگ عظیم اول کے اکیس سال بعد یعنی جنگ عظیم اول کے اختتامی سال ۱۹۱۸ء کے بعد ۱۹۳۹ء میں دوسری جنگ عظیم کا آغاز ہوگا۔ جنگ عظیم اول سے بہت زیادہ مہلک اور جارحانہ ہوگی۔

تشریح: یہ جنگ عظیم دوئم انگلینڈ کی طرف سے چرچل اور جرمنی کی طرف سے ہٹلر کی سربراہی میں 1939 سے 1945 تک عالمی سطح پر لڑی گئی۔ امریکہ کی طرف سے جاپان کے دو بڑے شہروں ہیروشیما اور ناگاساکی پر دنیا کی تاریخ میں پہلی مرتبہ ایٹم بم گرانے سے اس جنگ کا خاتمہ ہوا۔

۔ نصرانیاں کہ باشند ہندوستاں سپارند — تخم بدی بکارند از فسق جاودانہ

ترجمہ: اس کے بعد عیسائی (انگریز) ہندستان چھوڑ جائیں گے لیکن جاتے ہوئے اپنے فسق سے ہمیشہ کے لئے بدی کا بیج بو جائیں گے۔

تشریح: انگریزوں نے یہ بدی کا بیج متعدد مسلم اکثریتی صوبوں، اضلاع اور ریاست جموں کشمیر کو بھارت کے حوالے کرنے کی صورت میں بویا، جس پر آج تک ہندوستان اور پاکستان کے درمیان چار جنگیں لڑی جا چکی ہیں۔ قائد اعظم کے الفاظ میں "کشمیر پاکستان کی شہ رگ ہے" اور اللہ تعالیٰ کی شان دیکھئے کہ حضرت نعمت اللہ شاہ ولی رحمتہ اللہ علیہ کا وصال بھی کشمیر میں ہوا۔

۔ آں مردمان اطراف چوں مژدہ ایں شنوند — یکبار جمع آیند برباب عالیانہ

ترجمہ: جب اردگرد کے لوگ یہ خوش خبری سنیں گے تو باب حالی پر فوراً ہی اکھٹے ہو جائیں گے۔

۔ تقسیم ہند گردد در دو حصص ہویدا — آشوب ورنج پیدا از مکرو از بہانہ

ترجمہ: ہندوستان دو حصوں میں واضح طور پر تقسیم ہو جائے گا۔ لیکن مکروفریب سے آشوب ورنج پیدا ہوگا۔

تقسیم ہند کے بعد بے تاج بادشاہوں کے دور میں معاشرے کی زبوں حالی، علماء کی ریاکاری، جنسی سیاہ کاری اور رشوت کی فراوانی کے بارے میں حضرت نعمت اللہ شاہ ولی اپنی آفاقی پیشن گوئی میں آگے چل کر فرماتے ہیں

۔ بے تاج بادشاہاں شاہی کنند ناداں — اجراء کنند فرماں فی الجملہ مہملانہ

ترجمہ: ہندو پاک پر بے تاج لوگ بادشاہی کریں گے۔ جبکہ نادان حکام احمقانہ احکام جاری کریں گے۔

۔ از رشوت تساہل دانستہ از تغافل — تاویل یاب باشند احکام خسروانہ

ترجمہ: یہ رشوت لے کر سستی کریں گے۔ جان بوجھ کر غفلت کریں گے۔ اپنے شاہی احکامات کے لئے بے سروپا جواز پیش کریں

Marfat.com

عالم از علم نالاں، دانا زفہم گریاں — ناداں بہ رقص عریاں مصروف والہانہ

ترجمہ: (حقیقی) عالم اپنے علم پر گریہ وزاری کریں گے۔ دانا لوگ اپنی فہم وفراست کا رونا روئیں گے۔ جبکہ نادان لوگ عریاں ناچ گانوں میں دیوانہ وار مصروف ہوں گے۔

شفقت بہ سردمہری، تعظیم در دلیری — تبدیل گشتہ باشد از فتنہ زمانہ

ترجمہ: شفقت سرمہری میں اور تعظیم دلیری میں تبدیل ہو جائے گی۔ یہ زمانہ میں فتنہ کے سبب سے ہوگا۔

ہمشیر با برادر پسران ہم بہ مادر — نیز ہم پدر بہ دختر مجرم بہ عاشقانہ

ترجمہ: بہن بھائی کے ساتھ، بیٹے ماؤں کے ساتھ اور باپ بیٹی کے ساتھ عاشقانہ فعل کے مجرم ہوں گے۔

تشریح: حضرت نعمت اللہ شاہ ولی نے اس شعر میں "مجرم بہ عاشقانہ" کے الفاظ استعمال کر کے جنسی سیاہ کاری کی قبیح ترین حالت کو قدرے مہذب زبان میں بیان کرنے کی سعی فرمائی ہے، جو اخلاقیات کے ارفع و اعلیٰ مراتب پر فائز صوفیا اور اولیا کا وطیرہ ہے۔

از امت محمد ﷺ سرزد شوند بیحد — افعال مجرمانہ ، اعمال عاصیانہ

ترجمہ: سرکار دو عالم ﷺ کی امت سے بکثرت مجرمانہ افعال اور عاصیانہ اعمال سرزد ہوں گے۔

فسق وفجور ہرسو رائج شود بہ ہر کو — مادر بہ دختر خود سازد بسے بہانہ

ترجمہ: ہر طرف اور ہر گلی کوچہ میں فسق وفجور عام ہو جائے گا۔ ماں اپنی بیٹی کے ساتھ بہت بہانہ سازی کرے گی۔

حلت رود، سراسر حرمت رود سراسر — عصمت رود برابر از جبر مغویانہ

ترجمہ: حلال جاتا رہے گا۔ حرام کی تمیز جاتی رہے گی۔ عورتوں کی عصمت جابرانہ اغوائیگی سے جاتی رہے گی۔

بے مہرگی سرآید پردہ دری آید — عصمت فروش باطن معصوم ظاہرانہ

ترجمہ: نفرت پیدا ہوگی۔ بے پردگی آجائیگی، عورتیں بے پردہ ہونگی۔ بظاہر معصوم لیکن اندر سے عصمت فروش ہوں گی۔

دختر فروش باشند عصمت فروش باشند — مردان سفلہ طینت با وضع زاہدانہ

ترجمہ: اکثر لوگ دختر فروشی اور عصمت فروشی کریں گے۔ بدکردار لوگ اپنی ظاہری وضع قطع زاہدوں جیسی رکھیں گے۔

بے شرم بے حیائی در مرداں فزاید — مادر بہ دختر خود خود را کند میزانہ

ترجمہ: لوگوں میں بے شرمی اور بے حیائی زیادہ ہو جائے گی۔ ماں اپنی بیٹی کے ساتھ اپنے آپ کا موازنہ کرے گی۔ گویا ماں حسن و جمال اور طرز و انداز میں خود کو اپنی بیٹی سے کم نہیں سمجھے گی۔

کذب و ریاء وغیبت، فسق وفجور بیحد — قتل وزنی واغلام ہر جا شوند عیانہ

ترجمہ: جھوٹ اور ریاکاری غیبت اور فسق وفجور کی زیادتی ہوگی۔ قتل، زنا اور اغلام بازی ہر جگہ عام ہو جائے گی۔

اب حضرت نعمت اللہ شاہ ولی اپنی پیشن گوئی کا رخ زمانے کے جاہل اور ریاء کار علماء اور گمراہ مفتیان کی طرف

Marfat.com

موڑتے ہوئے ان کے تن بدن سے ظاہری زیب و زینت کا طرہ اور جبہ قبہ ہٹا کر انہیں اپنے اصلی رنگ و روپ میں پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں؛

؎ آں مفتیان گمرہ فتوے دہند بیجا — درحق بیان شرع سازند بے بہانہ

ترجمہ: وہ گمراہ مفتی غلط فتوے دیا کریں گے۔ شریعت کے حق بیان میں بہت بہانہ سازی کریں گے۔

؎ فاسق کند بزرگی برقوم از سترگی — پس خانہ اش بزرگی خواہد شود ویرانہ

ترجمہ: فاسق لوگ بڑے صفائی اپنی قوم پر بزرگی کریں گے۔ پھران بزرگوں کے گھروں میں ویرانی آجائے گی۔

؎ احکام دین اسلام چوں شمع گشتہ خاموش — عالم بتول گروہ جاہل بہ عالمانہ

ترجمہ: دین سلام کے احکام شمع کی مانند خاموش ہوجائیں گے۔ عالم جاہل ہوجائے گا۔ جاہل گویا عالم بن جائے گا

؎ آں عالمان عالم گردند ہچوں ظالم — ناشستہ روئے خود را برسر نہند عمامہ

ترجمہ: وہ دنیا کے عالم ظالموں کی طرح ہوجائیں گے۔ اپنے نہ دھوئے ہوئے چہرے کو سر پر دستار فضیلت رکھ کر سجائیں گے۔

؎ زینت دہند خود را باطرہ باجبہ — گوسالہ سامری را باشد درون جامہ

ترجمہ: اپنے آپ کو طرہ اور جبہ قبہ کے ذریعے زینت دیں گے۔ گویا سامری جادوگر کے بچھڑے کو لباس کے اندر چھپالیں گے۔

؎ زاہد مطیع شیطاں، عالم عدو رحمٰن — عابد بعید ایشاں، درویش باریانہ

ترجمہ: زاہد شیطان کی اطاعت کرنے والے اور عالم رحمٰن سے دشمنی کرنے والے ہوں گے۔ جبکہ عابد عبادت سے دور اور درویش ریاکاری کرنے والے ہوں گے۔

؎ رسم و رواج ترسا، رائج شود بہ ہرجا — بدعت رواج گروہ نیز سنت غائبانہ

ترجمہ: عیسائیوں جیسا رسم و رواج ہر جگہ رائج ہوگا۔ بدعت رواج پاجائے گی۔ سنت پیغمبری غائب ہوگی۔

؎ ناگاہ موماناں را شور پدید آید — باکافراں نمایند جنگے چوں رستمانہ

ترجمہ: اچانک مسلمانوں کو ایک ظاہر شور سنائی دے گا۔ کافروں کے ساتھ ایک دلیرانہ جنگ لڑی جائے گی۔

تشریح: یہ شعر اور اس کے بعد اگلے چار شعر واضح طور پر ۶ ستمبر ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ کو ظاہر کرتی ہے۔

؎ شمشیر ظفر گیرند باخصم جنگ آرند — تا آنکہ فتح یابند از لطف آں یگانہ

ترجمہ: یہ پاک فوج تلوار پکڑ کر دشمن کے ساتھ جنگ کریں گے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرام سے فتح حاصل کرلیں گے۔

؎ از قلب پنج آبی خارج شوند ناری — قبضہ کنند مسلم بر شہر غاصبانہ

ترجمہ: پنجاب کے قلب سے ناری (جہنمی) لوگ بھاگ جائیں گے۔ مسلمان شہر پر غاصبانہ قبضہ کرلیں گے۔

Marfat.com

تشریح: ایک لحاظ سے لاہور کو پنجاب کا دل کہا جاتا ہے۔ ۶۵ کی جنگ میں دشمن کی فوجیں اچانک حملہ کر کے لاہور کے شالامار باغ سے چند میل دور باٹا پور کے قرب جوار تک پہنچ گئی تھیں۔ لیکن پاک فوج کی سخت مزاحمت سے وہ بی۔ آر۔ بی نہر کو کراس نہیں کر سکیں۔ بی۔ آر۔ بی پل کے ساتھ سڑک کے کنارے ان عظیم شہداء کی یادگار کھڑی ہے جنہوں نے اپنے خون کا نذرانہ پیش کر کے لاہور کا دفاع کیا۔ دوسرے معنوں میں یہ شعر واہگہ سرحد کے قریب ہندوستان کے اندر کھیم کرن شہر پر پاک فوج کے قبضہ کو بھی ظاہر کرتا ہے۔

از لطف و فضل یزداں بعد از ایام ہفدہ　　　خوں ریختۂ و قرباں دادند غازیانہ

ترجمہ: سترہ روز کی جنگ کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اسلام کے غازی خونریزی کر کے اور قربانی دے کر کامیاب ہوں گے۔

تشریح: اس شعر میں ''ایام ہفدہ'' (۱۷ دن) کے الفاظ کہہ کر حضرت نعمت اللہ شاہ ولی نے ۸۰۰ سال قبل ۶ ستمبر ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت کی سترہ روزہ جنگ نہ ایک دن کم نہ ایک دن زیادہ کی بات کر کے اپنی پیشن گوئی کا لوہا منوایا ہے۔

درحین بیقراری ہنگام اضطراری　　　رحمے کند چو باری برحال مومنانہ

ترجمہ: اس بے قراری اور اضطراب کے وقت ذات باری تعالیٰ مسلمانوں کے حال پر رحم فرمائیں گے۔

مومناں میر خودرا از سفینہ تنزیل سازند　　　برمسلماں بباید تذلیل خاسرانہ

ترجمہ: مسلمان اپنے امیر صدر کو اپنی حماقت سے (عہدہ صدارت سے) اتار دیں گے۔ اس کے بعد مسلمانوں پر خسارہ والی ذلت آئے گی۔

تشریح: ۱۹۶۵ء کی جنگ کے تذکرے کے بعد اس شعر میں درحقیقت صدر ایوب خان کو اپنے مسند سے اتارنے کے عمل کو مسلمانوں کے لئے ایک ذلت آمیز اور نقصان دہ امر قرار دیا گیا ہے۔

خون جگر بنوشم از رنج با تو گویم　　　للہ ترک گرداں آں طرز راہبانہ

ترجمہ: میں اپنے جگر کا خون پر کر بڑے رنج و غم کے ساتھ تجھے کہتا ہوں کہ خدا کے لئے وہ راہبوں والا طریقہ ترک کر دیں۔

تشریح: اس شعر میں حضرت نعمت اللہ شاہ ولی نے ''خون جگر'' پینے کے سنگین الفاظ استعمال کر کے مسلمانوں پر آگے آنیوالی قتل و خونریزی اور تباہی و بربادی کے المناک واقعات کے بارے میں بروقت خبردار کیا۔ لیکن بدقسمتی سے پاکستان کے حکمرانوں اور عوام نے اس مقدس پیشن گوئی کے ان پرشگون اشعار کو اہمیت دے کر آنیوالی بلا اور طوفان کو ٹالنے کی کوشش نہیں کی۔

قہر عظیم آید بہر سزا کہ شاید　　　آخر خدا بہ سازد یک حکم قاتلانہ

ترجمہ: ایک بہت بڑا قہر آئیگا جو سزا کے طور پر ہوگا۔ آخرکار اللہ تعالیٰ ایک قاتلانہ حکم جاری کر دیں گے۔

کشتہ شوند مسلماں افتاں شوند خیزاں　　　از دست نیزہ بنداں یک قوم ہندوآنہ

ترجمہ: ایک اسلحہ بند ہندو قوم کے ہاتھوں مسلمان گرتے پڑتے اور اٹھتے ہوئے جان سے مارے جائیں گے۔

Marfat.com

ے مشرق شود خراب از مکر حیلہ کاراں　　　مغرب دہند گریہ بر فعل سنگدلانہ

ترجمہ: مشرقی پاکستان حیلہ کاروں کے فریب سے تباہ ہوگا۔ جبکہ مغربی پاکستان والے اپنے سنگدلانہ فعل پر گریہ وزاری کریں گے۔

تشریح: اہل فہم وفراست پاکستان کے حکمرانوں اور مغربی پاکستان کے با اختیار بیروکریسی کی متعصبانہ، جانبدارانہ۔اور غیر منصفانہ پالیسیوں کو مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی بنیادی وجہ قرار دیتے ہیں۔

ے ارزاں شود برابر جائیداد و جان مسلم　　　خوں می شود روانہ چوں بحر بیکرانہ

ترجمہ: مسلمانوں کی جان اور جائیداد یکساں طور سے سستی ہوگی۔ ایک بحر بیکراں کی طرح مسلمانوں کا خون رواں ہوگا۔

ے شہر عظیم باشد، اعظم ترین مقتل　　　صد کربلا چوں کربل باشد بخانہ خانہ

ترجمہ: ایک بہت بڑا شہر (ڈھاکہ) ایک بہت بڑا مقتل بنے گا۔کربلا کی طرح سینکڑوں کربلائیں گھر گھر رونما ہوں گی۔

تشریح: اس وقت ڈھاکہ یونیورسٹی اور دیگر متعدد مقامات کو مغربی پاکستان کے لوگوں کے بلاتفریق قتال کے لئے زور وشور سے استعمال کیا جاتا تھا۔ غیر بنگالیوں کے گھر اور گلی کوچوں سے خون کی ندیاں جاری تھیں۔ ہندوستانی افواج کی مدد اور مظالم سے بے گناہ نوجوانوں، بوڑھوں اور بچوں کی لاشوں سے زمین پر قدم رکھنے کی جگہ نہ تھی۔ عورتوں کی عصمت دری عام تھی۔ اسی لئے حضرت نعمت اللہ شاہ ولی نے مشرقی پاکستان کے ہر غیر بنگالی کے گھر کی اندرونی حالت کو ''صد کربلا'' سے تشبیح دی ہے۔

ے رہبرز مسلماناں در پردہ یار آناں　　　امداد ادہ باشد از عہد فاجرانہ

ترجمہ: مسلمانوں کے رہبر (شیخ مجیب الرحمٰن وغیرہ) در پردہ بھارتی فوج کے دوست ہوں گے اور اپنے فاجرانہ اقرار سے انہیں امداد دیں گے۔

ے از گاف شش حروفی بقال کینہ پرور　　　فتح شود یقینی از مکرما کرانہ

ترجمہ: وہ کینہ پرور بنیا (اندرا گاندھی) جس کا نام گ کے حروف سے شروع ہوگا، اس کے نام کے کل چھ حروف (گ۔ا۔ن۔د۔ر۔ا) ہوں گے وہ اپنے مکر اور مکاری سے یقینی طور پر فاتح ہوگی۔

ے ایں قصہ بین العیدین از شین و نون شرطین　　　سازد ہندود بدرا مغلوب فی زمانہ

ترجمہ: یہ واقعہ دو عیدوں کے درمیان رونما ہوگا جبکہ سورج پچاس درجہ پر ہوگا اور چاند شرطین کی منزل میں ہوگا۔ اس وقت ہندو ہر بڑے آدمی کو مغلوب کر دے گا۔ دراصل شین سے شمس مراد ہے اور نون سے پچاس درجہ شرطین سے چاند کی دو تاریخ مراد ہے۔

(یہ واقعہ ۲۲ نومبر ۱۹۷۱ء کو صدر یحییٰ خان کے دور میں رونما ہوا)

یہ بات قابل توجہ ہے کہ اب تک پچھلے صفحات میں حضرت نعمت اللہ شاہ ولی کی پیشن گوئی کے جو چیدہ چیدہ اشعار گزرے ہیں، ان میں بعض مقامات پر واقعات کے لحاظ سے ترتیب اور تسلسل قائم نظر نہیں آتا۔ بہ الفاظ دیگر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ درمیان سے کچھ اشعار غائب ہوئے ہیں یا پھر صدیوں سے اصل قلمی نسخہ سے نقل در نقل کر کے کچھ اشعار آگے پیچھے ہو گئے ہیں۔

Marfat.com

لیکن ان سب میں ایک بات مشترک ہے کہ یہ تمام اشعار ماضی قریب یا بعید کے واقعات اور حوادث بیان کرتے ہیں۔ جبکہ آج سے قریباً ۷۰ برس پیچھے کے واقعات کی تصدیق کے لئے ہمارے درمیان اب بھی ایسے ہزاروں بزرگ عینی شاہدین موجود ہیں جنہوں نے نہ صرف قیام پاکستان بلکہ اس سے قبل جنگ عظیم دوئم وغیرہ کے واقعات بھی اپنی آنکھوں سے دیکھے، جو اس مقدس پیشن گوئی کی سچائی اور صداقت پر مہر ثبت کرتے ہیں۔ اسی طرح پانچ چھ سو سال قبل کی تاریخ کے مطابق نعمت اللہ شاہ ولی اپنے گزرے ہوئے پیشنگوئی کے اشعار میں خاندان مغلیہ کے قریباً تمام بادشاہوں کے ناموں اور ان کی مدت حکمرانی کا ذکر کیا ہے۔

حصہ سوئم

اب ماضی کی پیشنگوئی کو خیر باد کہتے ہوئے ہم پہلے "حال" کے ایسے تین اشعار بیان کرتے ہیں جو غالباً موجودہ دور سے متعلق معلوم ہوتے ہیں اور جن میں لفظ "قاضی" (جج)، "جنگ قاضی" شکاری، سگ (کتا)، رشوت اور مسند جہالت کے پر معنی الفاظ بے دریغ استعمال ہوتے ہیں۔ "جنگ قاضی" یعنی قاضی کیا "جج کی لڑائی" کے الفاظ بلاشبہ موجودہ عدلیہ کے بحران ہی کو ظاہر کررہے ہیں۔ چنانچہ حضرت نعمت اللہ شاہ ولی فرماتے ہیں:

درمومناں نزارے، درجنگ قاضی آرے　　چوں سگ پے شکاری، گردہ بسے بہانہ

ترجمہ: قاضی کی لڑائی میں کمزور مسلمان شکاری کے پیچھے کتے کی طرح بہانہ سازی کریں گے۔

بینی تو قاضیاں رابر مسند جہالت　　گیرند رشوت از خلق علامہ با بہانہ

ترجمہ: قاضیان یعنی ججوں کو تو جہالت کی مسند پر دیکھے گا۔ بڑے بڑے علم والے لوگ بہانہ سے لوگوں سے رشوت لیں گے۔

گردانگ از بہ رشوت در چنگ قاضی آری　　چوں سگ پے شکاری قاضی کند بہانہ

ترجمہ: اگر تو قاضی (جج) کی مٹھی میں چاندی کے چند سکہ دے دے گا تو قاضی شکاری کتے کی طرح بہانہ سازی کرے گا۔

تشریح: چونکہ درج بالا تینوں اشعار میں لفظ "بہانہ" کا مفہوم قانون کی غلط اور من مانی توضیح وتشریح بھی مراد لی جاسکتی ہے۔ جیسے کہ کہا جاتا ہے کہ قانون موم کی ناک ہے، اسے جدھر سے موڑنا چاہو مڑسکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج (2015) پاکستان کی عدلیہ عوام کی حمایت سے محروم ہے۔

از اہل حق نہ بینی در آں زماں کسے را　　دزداں ور ہزنے رابر، سرنہند عمامہ

ترجمہ: یہ شعر بھی حال یعنی موجودہ دور سے متعلق معلوم ہوتا ہے بعض اوقات بات اشارہ وکنایہ میں کہی جاتی ہے۔

یہ شعر بھی زمانہ حال یعنی موجودہ دور کے بارے میں ہوسکتا ہے۔

برمومناں غربی شد فضل حق ہویدا　　آید بدست ایشاں مردان کاروانہ

ترجمہ: مغرب کے مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کا فضل ظاہر ہوگا۔ ان کے ہاتھ کام چلانے والے آدمی آجائیں گے۔

تشریح: موجودہ دور میں پاکستان میں کوئی ایسی غیر معمولی شخصیت یا دیانتدار سیاستدان تو پیدا ہوا نہیں جس خراج تحسین پیش

Marfat.com

جا سکے۔ مذکورہ شعر کے مطابق قوم کے ہاتھ حقیقتاً اگر کوئی کام چلانے والا آدمی آیا تو وہ صرف ڈاکٹر عبدالقدیر خاں ہی ہے جسے تمام قوم اپنا ہیرو ماننے پر متفق ہیں۔ کسی نے بجا کہا ہے کہ اگر قائداعظم نے پاکستان بنایا تو ڈاکٹر عبدالقدیر نے پاکستان بچایا۔ آج اگر دشمن مذاکرات کے میز پر بیٹھنے کے لئے تیار ہوا ہے تو اس کی واحد وجہ صرف ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کا ایٹم بم ہے جس سے پاکستان دنیا کے ۱۹۲ ممالک میں ساتویں ایٹمی طاقت کے طور سے ابھر آیا۔

۔ نیکی تو پند معروف پنہاں شود درعالم　　سازند حیلہ افسوں نامش نہند نظامہ

ترجمہ: نیک کام کرنے کی نصیحت دنیا میں چھپ جائے گی۔ دھوکہ بازی اور فسوں سازی کے حربوں اور ہتھکنڈوں کا نظام حکومت رکھ لیں گے۔

تشریح: آزمائے ہوئے پیشہ ور سیاستدانوں اور حکمرانوں نے آج کل "نظام حکوت" بدلنے کے نت نئے پرکشش فقروں سے عوام کو ایک بار پھر دھوکہ دینے اور لوٹنے کے حکمت عملی پر کام شروع کر رکھا ہے؛ آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا یا یوں سمجھ لیجئے کہ "نیا جال لائے پرانے شکاری"

۔ گردو ریاء مروج درشرق وغرب ہرسو　　فسق و فجور باشد منظور خاص وعامہ

ترجمہ: مشرق اور مغرب میں ہر طرف ریاء کاری رواج پا جائے گی۔ عام وخاص لوگوں کے لئے فسق وفجور منظور خاطر ہوگا۔

غزوہ ہند، نشاۃ ثانیہ کا دور

اب تک ۸۵۰ سال پر محیط ماضی اور حال کے واقعات کے بارے میں حضرت نعمت اللہ شاہ ولی کی پیشن گوئی کے چیدہ چیدہ اشعار بیان کئے گئے۔ جو ہونا تھا ہو چکا۔ لیکن اب پیشن گوئی کا اہم ترین حصہ شروع ہوتا ہے جس میں حضرت نعمت اللہ شاہ ولی علم وعرفاں کے بحر بیکراں کے شناور کی حیثیت سے آنیوالے مستقبل کے نیک وبد اور ہیبت ناک اور عبرت ناک واقعات سے پردہ ہٹاتے ہوئے مسلمانوں کو غیب کے رازوں میں جھانکنے کا موقع فراہم کرتے ہیں تا کہ مسلم امہ دین اسلام پر کار بند رہتے ہوئے اپنے اخلاق سنواریں اور باطل قوتوں کے خلاف جہاد کے لئے ہمہ وقت تیار رہیں۔ حضرت نعمت اللہ شاہ ولی آج کے بعد مستقبل کے واقعات اور حادثات کی پیشنگوئی کرتے کرتے انسان کو قرب قیامت تک پہنچا دیتے ہیں۔

۔ اندر نماز باشند غافل ہمہ مسلماں　　عالم اسیر شہوت ایں طور در جہانہ

ترجمہ: سب مسلمان نماز سے غافل رہیں گے۔ لوگ شہوت کے قیدی ہوں گے۔ دنیا میں ایسا ہی ہوگا۔

۔ روزہ، نماز، طاعت، یکم شوند غائب　　درحلقۂ مناجات تسبیح از ریانہ

ترجمہ: روزہ، نماز، اور احکام کی بجا آوری یک لخت غائب ہو جائے گی۔ مناجات کی مجالس میں ریا کارانہ طور سے ذکر واذکار ہوگا۔

تشریح: ذکر واذکار ریا کارانہ انداز ابھی سے جابجا دیکھنے میں آرہا ہے نہ جانے مستقبل میں یہ ریا کاری کس نہج پر پہنچ جائے گی۔

Marfat.com

شوق نماز و روزہ، حج و زکوٰۃ و فطرہ　　کم گردد بر آید یکبار خاطرانہ

ترجمہ: نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور فطرانہ ادا کرنے کا شوق کم ہو جائے گا۔ دلوں پر ایک بوجھ معلوم ہوگا۔

ہم سود ستانند از مردمان مسکین　　بر سر غرور و لعنت، بر سر نہند خزانہ

ترجمہ: ایک جماعت مجبور لوگوں سے سود لیا کرے گی۔ ان پر لعنت ہو۔ یہ سر پر خزانہ رکھے ہوئے ہوں گے۔

ماہ محرم آید چوں تیغ با مسلماں　　سازند مسلم آندم اقدام جارحانہ

ترجمہ: محرم کے مہینہ میں مسلمانوں کے پاس ہتھیار آ جائیں گے۔ مسلمان اس وقت جارحانہ قدم اٹھائیں گے۔

تشریح: آج سے ۳۷ سال قبل مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے صدمہ کے چند ماہ بعد ۱۹۷۲ء میں کسی نے چلتے چلتے راقم الحروف کو ایک بڑے سائز کا ورق دیا جس پر حضرت نعمت اللہ شاہ ولی کی پیشن گوئی کے تیس چالیس اشعار چھپے ہوئے تھے۔ ماضی کی پیشن گوئی کے متعدد اشعار کو درست تسلیم کرتے ہوئے جب مشرقی پاکستان کے المیہ سے متعلق چند اشعار پڑھے تو پاکستان کے مستقبل کے متعلق کوئی اچھی خبر سننے کے لئے دل بے چین ہو گیا۔ مجھے اب تک یاد ہے کہ اس وقت مستقبل کے بارے میں یہی شعر تھا کہ ''ماہ محرم آید۔ اقدام جارحانہ'' جس میں امید کی کرن نظر آئی اور جس کو وقوع پذیر ہونے کے لئے ''کونسا محرم'' کا مہینہ کونسا سال ہوگا۔ بہر حال پیشن گوئی کے تقدس کا تقاضہ ہے کہ بعض مقامات پر حقائق کو کسی قدر پوشیدہ اور طویل انتظار کو روا رکھا جائے۔

بعد آں شود چوں شورش در ملک ہند پیدا　　فتنہ فساد برپا بر ارض مشرکانہ

ترجمہ: اس کے بعد ہندوستان کے ملک میں ایک شورش ظاہر ہوگی۔ مشرقانہ سرزمین پر فتنہ و فساد برپا ہوگا۔

در حین خلفشارے قومے کہ بت پرستاں　　بر کلمہ گویاں جابر از قہر ہندوانہ

ترجمہ: اس خلفشار کے وقت بت پرست قوم کلمہ گو مسلمانوں پر اپنے ہندوانہ قہر و غضب کے ذریعے جابر ہوں گے۔

بہر صیانت خود از سمت کج شمالی　　آید برائے فتح امداد وغائبانہ

ترجمہ: اپنی مدد کے لئے شمال مشرق کی طرف سے فتح حاصل کرنے کے لئے غائبانہ امداد آئے گی۔

آلات حرب کو لشکر در کار جنگ ماہر　　باشند سہیم مومن بے حد و بیکرانہ

ترجمہ: جنگی ہتھیار اور جنگی کارروائی کا ماہر لشکر آئے گا۔ جس سے مسلمانوں کو زبردست اور بے حساب تقویت پہنچے گی۔

عثمان و عرب و فارش ہم مومناں اوسط　　از جذبۂ اعانت آیند والہانہ

ترجمہ: ترکی، عرب، ایران اور مشرق وسطی والے امداد کے جذبہ سے دیوانہ وار آئیں گے۔

اعراب نیز آیند از کوہ و دشت وہاموں　　سیلاب آتشیں شد از ہر طرف روانہ

ترجمہ: نیز پہاڑوں، بیانوں اور صحراؤں سے اعراب بھی آئیں گے۔ آگ و سیلاب ہر طرف رواں دواں ہوگا۔

چترال، ناگا پربت، باسین، ملک گلگت　　پس ملک ہائے تبت گیر نار جنگ آنہ

Marfat.com

ترجمہ: چترال، نانگا پربت، چین کے ساتھ گلگت کا علاقہ مل کر تبت کا علاقہ میدان جنگ بنے گا۔

؎ یکجا شوند عثمان ہم چینیاں وایران　　　فتح کنند ایناں کل ہند غازیانہ

ترجمہ: ترکی، چین اور ایران والے باہم یکجا ہو جائیں گے۔ یہ سب تمام ہندوستان کو غازیانہ طور سے فتح کر لیں گے۔

؎ غلبہ کنند ہچوں مور و ملخ شباشب　　　حقا کہ قوم مسلم گردند فاتحانہ

ترجمہ: یہ چیونٹیوں اور مکڑیوں کی طرح راتوں رات غلبہ حاصل کر لیں گے۔ میں قسم کھاتا ہوں اللہ تعالیٰ کی کہ مسلمان قوم فاتح ہوگی۔

؎ کابل خروج سازد در قتل اہل کفار　　　کفار چپ و راست سازند بسے بہانہ

ترجمہ: اہل کابل بھی کافروں کے قتل کرنے کے لئے نکل آئیں گے۔ کافر لوگ دائیں بائیں بہانہ سازی کریں گے۔

؎ از غازیان سرحد لرزد زمیں چو مرقد　　　بہر حصول مقصد آیند والہانہ

ترجمہ: سرحد کے غازیوں سے زمین مرقد کی طرح لرزے گی وہ مقصد کے حصول کیلئے دیوانہ وار آئیں گے۔

تشریح: اوپر کے دو اشعار مستقبل میں سرحد کے غازیوں اور افغانستان کے مجاہدوں کا کفار کے خلاف زوردار جہاد اور دیوانہ وا یلغار ظاہر کرتے ہیں۔ (اللہ اکبر)

؎ از خاص و عام آیند جمع تمام گردند　　　در کار آں فزایند صد گونہ غم افزانہ

ترجمہ: عام و خاص سب کے سب لوگ جمع ہو جائیں گے۔ اس کام میں سینکڑوں قسم کے غم کی زیادتی ہوگی۔

تشریح: غازیانہ، دلیرانہ اور فاتحانہ انداز سے کفار کے خلاف جہاد میں کامیابی کی نشانیوں کے باوجود ایک نامعلوم ''غم'' کیلئے تمام مسلمانوں کا باہم جمع ہونا تشویشناک نظر آتا ہے۔

؎ بعد از فریضۂ حج پیش از نماز فطرہ　　　از دست رفتہ گیرند از ضبط غاصبانہ

ترجمہ: فریضۂ حج کے بعد اور عید الفطر کی نماز سے پہلے ہاتھ سے نکلے ہوئے علاقہ کو حاصل کر لیں گے جو انہوں نے غاصبانہ ضبط کیا ہوا تھا۔

؎ رود اٹک نہ سہ بار از خون اہل کفار　　　پر مے شود بہ یکبار جریان جارحانہ

ترجمہ: دریائے اٹک (دریائے سندھ) کافروں کے خون سے تین مرتبہ بھر کر جاری ہوگا۔

تشریح: حضرت نعمت اللہ شاہ ولی کی پیشن گوئی کا ہر شعر جہاں ایک الگ باب کی حیثیت رکھتا ہے، وہاں مستقبل کے بارے میں ان کا یہ شعر جس میں صاف طور سے دریائے اٹک (سندھ) کا نام لے کر اسے تین مرتبہ کفار کے خون سے بھر کر جاری ہونے کی پیشن گوئی کی گئی ہے، مسلمانوں اور کفار کے درمیان ایک انتہائی خونریز جنگ کو ظاہر کرتا ہے جس میں اگلے شعر کے تناظر میں مسلمانوں کو فتح حاصل ہوگی۔ لیکن اس شعر کی یہ تشریح اس وقت تک تشنہ لب ہے جب تک جغرافیائی اور واقعاتی لحاظ سے اس اہم نکتہ پر غور نہ کیا جائے کہ بھلا کفار کے خلاف مذکورہ جنگ آخر پشاور سے صرف ۴۵ میل دریائے اٹک کے کنارے تک کیسے

Marfat.com

آپہنچے گی جبکہ دریائے سندھ کے مغرب میں صرف صوبہ سرحد، قبائلی علاقہ، افغانستان اور چند آزاد جمہوری ریاستیں واقع ہیں جو مسلمانوں پر مشتمل ہیں۔ تو کیا اٹک کے کنارے کفار کی مزاحمت صرف یہی مغرب کی طرف سے آنے والے مسلمان کریں گے؟ دوسرا انتہائی تشویشناک اور حیرت انگیز پہلو یہ ہے کہ اگر مغرب کی طرف سے کفار کا آنا بعید از قیاس ہے تو پھر دریائے اٹک تک کفار پاکستان کے مشرق یا شمال کی جانب سے کن راستوں یا علاقوں سے گزر کر پہنچیں گے؟ کیونکہ مقام کارزار آخر دریائے اٹک ہی بتایا گیا ہے۔ تمام ہندوستان کے اندر فتوحات۔

پنجاب، شہر لاہور، کشمیر ملک منصور — **دوآب، شہر بجنور گیرند ، غالبانہ**

ترجمہ: پنجاب، شہر لاہور، ملک کشمیر نصرت شدہ، دریائے گنگا اور دریائے جمنا کا علاقہ اور بجنور شہر پر مسلمان غالبانہ قبضہ کرلیں گے۔

تشریح: اس شعر میں مذکور صوبے، علاقے اور شہروں کے نام بالواسطہ طور پر نہ صرف دریائے اٹک کے خونیں معرکہ میں مسلمانوں کی فتح کو ظاہر کرتے ہیں بلکہ دشمن کو پیچھے دھکیلتے ہوئے پنجاب، لاہور، کشمیر اور ہندوستان کے اندر دریائے گنگا اور دریائے جمنا کے درمیان دوآبہ کا وسیع علاقہ اور مشہور شہر بجنور پر مسلمانوں کا غالبانہ قبضہ ظاہر کرتا ہے۔ انشاءاللہ!

از دختران خوشرو از دلبران مہ رو — **گیرند ملک آں سو خلقے مجاہدانہ**

ترجمہ: خوبرو لڑکیاں اور حسین دلربائیں، مجاہدین مال غنیمت کے زمرے میں اپنی ملکیت میں لے لیں گے۔

تشریح: اس شعر میں پچھلے گزرے ہوئے دو اشعار کی مکمل تشریح اور توضیح اور حتمی نتیجہ مسلمانوں کی فتوحات کی شکل میں سامنا آجاتا ہے۔

بعد از عقب ایں کار مغلوب اہل کفار — **مسرور فوج جرار باشند فاتحانہ**

ترجمہ: اس کام کے بعد کافر مغلوب ہو جائیں گے اور مسلمانوں کے جری افواج فتح حاصل کر کے خوش ہو جائیں گے۔

ایں غزوہ تا بہ شش ماہ پیوستہ ہم بشرہا — **مسلم بالفضل اللہ گردند فاتحانہ**

ترجمہ: یہ لڑائی چھ ماہ تک انسانوں کے بیچ چلتی رہے گی۔ مسلمان بالفضل اللہ تعالیٰ کے فضل سے فاتح ہوں گے۔

خوش می شود مسلماں از لطف و فضل یزداں — **خالق نماید اکرم از لطف خالقانہ**

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مسلمان خوش ہو جائیں گے۔ اللہ پاک خالقانہ لطف و کرم فرمائیں گے۔

کشتہ شوند جملہ بدخواہ دین وایماں — **کل ہند پاک باشد از رسم ہندوانہ**

ترجمہ: دین اور ایمان کے جملہ بدخواہ لوگ قتل کر دیئے جائیں گے۔ تمام ہندوستان ہندوؤں کی علمداری سے پاک ہو جائے گی۔

یک زلزلہ کہ آید چوں زلزلہ قیامت — **آں زلزلہ بہ قہر در ہند سند بیانہ**

ترجمہ: قیامت کے زلزلوں کی مثل ایک زلزلہ آئے گا وہ زلزلہ ہندوستان اور سندھ میں قہر بن کر نمودار ہوگا۔

Marfat.com

ب چوں ہند ہم بہ مغرب قسمت خراب گردد — تجدید یاب گردو جنگ سہ نو بتانہ

ترجمہ: ہندوستان کی طرح مغرب یعنی یورپ کی تقدیر بھی خراب ہوجائے گی۔ تیسری جنگ عظیم شروع ہوجائے گی۔

ب آں دوالف کہ گفتم الفے تباہ گردد — راحملہ ساز یابد بر الف مغربانہ

ترجمہ: دوالف انگلستان اور امریکہ جو میں پہلے بیان کر چکا ہوں، ان میں سے ایک الف (انگلستان) تباہ ہوجائے گا۔ روس برطانیہ پر حملہ کردے گا۔

ب جیم شکست خوردہ باراہ برابر آید — آلات نار آرند مہلک جہنمانہ

ترجمہ: جنگ عظیم دوئم میں شکست خوردہ جرمنی یا جاپان روس کے ساتھ برابری کرے گا یا ساتھ مل جائے گا۔ اس جنگ میں جہنمی قسم کے انتہائی مہلک آتشی ہتھیار استعمال کیے جائیں گے۔

تشریح: یہ متوقع تیسری جنگ عظیم ہوگی جس میں ایسے ایٹمی ممالک برسر پیکار ہوں گے جن کے پاس ایٹمی ہتھیاروں کی تعداد اس وقت اتنی ہے جو دنیا کو درجنوں مرتبہ تباہ و برباد کر کے راکھ کے ڈھیر بنا سکتے ہیں۔ اسلامی دانشوروں کے نزدیک تیسری جنگ عظیم کے بعد قیامت کے بہت قریب کی بڑی بڑی نشانیاں تیزی کے ساتھ رونما ہونا شروع ہوجائیں گی۔

ب راہم خراب باشد از قہر "سین" ساز — از ادمان یابد از حیلہ و بہانہ

ترجمہ: روس بھی چین کے قہر وغضب سے تباہ ہوجائے گا۔ چین سے روس مکروفریب اور حیلہ بہانہ سے امان حاصل کر کے جان بچائے گا۔

ب کاہد الف جہاں کہ یک نقطہ رونماند — الا کہ اسم و یادش باشد مؤرخانہ

ترجمہ: انگلستان اتنا تباہ ہوگا کہ اس کا ایک نقطہ بھی باقی نہ رہے گا۔ سوائے یہ کہ اس کا نام اور تذکرہ تاریخ کی کتابوں میں باقی رہ جائے گا۔

ب تعزیر غیبی آید مجرم خطاب گیرد — دیگر نہ سرفراز و برطرز راہبانہ

ترجمہ: یہ انہیں غیبی سزا ملی اور مجرم کا خطاب حاصل کیا لہذا کوئی دوسرا شخص راہبوں کی طرح سربلندی نہیں کرے گا۔

ب دنیا خراب کردہ باشند بے ایماناں — گیرند منزل خود فی النار دوزخانہ

ترجمہ: ان بے ایمان لوگوں نے اپنی دنیا خراب کر ڈالی۔ آخر کار انہوں نے اپنی منزل دوزخ میں بنالی۔

ب رازے کہ گفتہ ام من، درے کہ سفتہ ام من — باشد برائے نصرت اسناد غائبانہ

ترجمہ: وہ راز جو میں بیان کر چکا ہوں ادارہ موتی جو میں پرو چکا ہوں، یہ ایک غیبی سند ہے۔ یہ میں نے اسلئے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسلام کی یقیناً مدد کریں گے۔

ب عجلت اگر بخواہی، نصرت اگر بخواہی — کن پیروی خدا را درقول قدسیانہ

ترجمہ: اگر تو عجلت چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی مدد چاہتا ہے تو خدا کے لئے نیک بندوں کے اقوال کی پیروی کر۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کی غیبی مدد اور خصوصی عنایت سے حضرت نعمت اللہ شاہ ولی اپنی مقدس پیشن گوئی کے ان آخری چند اشعار میں غیب سے پردہ ہٹاتے ہوئے دجال، امام مہدی اور حضرت عیسیٰؑ کے ظہور کا بیان کر کے قیامت کے قریب آ کر قدرت کے رازوں کو مزید آشکارا کرنے سے خود کو روکتا ہے، تو انسان کا دل خوف الٰہی سے ہلنے لگتا ہے۔

تا سال بہتری از کان زھوقا آید — مہدی عروج سازد از مہد مہدیانہ

ترجمہ: یہاں تک کہ زھوقا والا بہترین سال آجائے تو امام مہدی علیہ السلام مہدیانہ ہدایت والے اپنے عروج پر آ جائیں گے۔

ناگاہ بہ موسم حج مہدی عیان باشد — ایں شہرت عیانش مشہور در جہانہ

ترجمہ: اچانک حج کے دنوں میں امام مہدی علیہ السلام ظاہر ہوں گے۔ آن کی ظاہری ہونے والی یہ شہرت تمام دنیا میں مشہور ہو جائے گی۔

زیں بعد از اصفہان دجال ہم در آید — عیسیٰ برائے قتلش آید ز آسمانہ

ترجمہ: اس کے بعد اصفہان شہر سے دجال ظاہر ہوگا۔ اس کے قتل کرنے کے لئے عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتر آئیں گے۔

خاموش باش نعمت اسرار حق مکن فاش — در سال کنت کنزا باشد چنیں بیانہ

ترجمہ: اے نعمت اللہ شاہ! خاموش ہو جا، رب کے رازوں کو ظاہر نہ کر۔

میں یہ واقعات (کنت کنزا) پانچ سو اڑتالیس صدی ہجری (بمطابق ۱۱۵۳ء عیسوی میں) بیان کر رہا ہوں

ک۔ن۔ت۔ک۔ن 20+50+400+20+50+7+1=548 ہجری بمطابق ۱۱۵۳ء عیسوی۔

لیکن حضرت نعمت اللہ شاہ ولی نے اپنی پیشن گوئی کے گزرے ہوئے ردیف ''پیدا شود'' کے اشعار لکھنے کا سال اسی ردیف کے ایک شعر میں ہجری ۵۷۰ء بمطابق ۱۱۷۴ء عیسوی بیان کیا ہے۔ گویا قافیہ ''زمانہ، بہانہ وغیرہ کے پیشن گوئی اشعار اور ردیف ''پیدا شود'' کے اشعار لکھنے کی تاریخوں کے درمیان ۲۱ سال کا فرق ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ پیشنگوئی کے بارے میں نعمت اللہ شاہ ولی کا غیبی مکاشفہ و مشاہدہ دو عشروں سے زائد عرصہ پر محیط ہے۔

حصہ چہارم

حضرت نعمت اللہ شاہ ولی رحمتہ اللہ علیہ کی ''پیدا شود'' کی ردیف میں بیان کی گئیں مستقبل کے بارے میں پیشن گوئی کے آخری تین اشعار کی مزید وضاحت میں ہم ان کے ''مے بینم'' کی ردیف کے چند اشعار بیان کرتے ہیں۔

نائب مہدی آشکار شود — بلکہ من آشکار مے بینم

ترجمہ: نائب مہدی کا ظہور ہوگا، بلکہ میں تو اسے ظاہر دیکھ رہا ہوں۔

قائم شرع و آل پیغمبر — در جہاں آشکار مے بینم

ترجمہ: میں پیغمبری کی شرع کا قائم کرنے والا جہاں میں صاف ظاہر دیکھ رہا ہوں۔

Marfat.com

ے صورت نیمہ ہمہ خورشید   بنظر آشکار مے بینم

ترجمہ: میں اس کی صورت دوپہر کے چمکنے والے سورج کی مانند دیکھ رہا ہوں۔

ے سمت مشرق زیں طلوع کند   ظہور دجال زار مے بینم

ترجمہ: میں اس کی مشرق کی جانب سے دجال لعین کا ظہور دیکھ رہا ہوں۔

ے رنگ یک چشم! بہ چشم کبود   خرے بر خر سوار مے بینم

ترجمہ: اس کی ایک آنکھ میں پھولا ہوگا جبکہ میں اس کو ایک گدھے پر سوار دیکھ رہا ہوں۔

ے لشکر او بود اصفہاں!   ہم یہود و نصاریٰ مے بینم

ترجمہ: اس لشکر اصفہاں میں ہوگا۔ میں اس کو یہود اور نصاریٰ کے لشکر کے ساتھ دیکھ رہا ہوں۔

ے ہم مسیح از سماہ فرود آید   پس کوفہ غبارے مے بینم

ترجمہ: حضرت عیسیٰ بھی آسمان سے اتر جائیں گے۔ میں کوفہ میں غبار دیکھ رہا ہوں۔

ے از دم تیغ عیسیٰ مریم   قتل دجال زار مے بینم

ترجمہ: حضرت عیسیٰ بن مریم کی تلوار سے میں دجال لعین کا قتل دیکھ رہا ہوں۔

ے زینت شرع دین از اسلام   محکم و استوار مے بینم

ترجمہ: اسلام کی شریعت سے دین کی زینت ہوگی۔ میں دین کو محکوم اور استوار دیکھ رہا ہوں۔

ے نہ وروے بخود ہے گو ئم   بلکہ از سر یار مے بینم

ترجمہ: یہ وارداتیں میں اپنی طرف سے نہیں کہتا بلکہ ذات باری تعالیٰ کے رازوں کو میں دیکھتا ہوں۔

ے نعمت اللہ نشستہ در کنجے   ہمہ را در کنارے مے بینم

ترجمہ: نعمت اللہ ایک کونے میں بیٹھا ہوا سب کچھ ایک کنارے سے دیکھ رہا ہوں۔

حضرت نعمت اللہ شاہ ولی کی پیشن گوئی کے قصیدے کے اشعار کی تعداد بعض حوالوں سے دو ہزار کے قریب بتائی جاتی ہے لیکن ہمیں ان کے قریباً یہی اشعار دستیاب ہو سکے ہیں۔ جن میں سے ہم نے ایسے چیدہ چیدہ اشعار کو منتخب کیا ہے کہ جو ۸۵۰ سال قبل سے لے کر آج تک اور پھر مستقبل میں قرب قیامت تک انتہائی اہمیت کے تاریخی واقعات کو صاف، واضح اور غیر مبہم الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔ یہ بات کسی قدر حیران کن ہے کہ سید المرسلین، خاتم النبیین، شافعی روز محشر حضرت محمد ﷺ کے بعد خلفائے راشدین، صحابہ کرام، تابعین، آئمہ کرام، بلند روحانی مراتب پر فائز بزرگان دین، غوث، قطب، ابدال اور بے شمار اولیا کرام و صوفیا عظام گذرے ہیں لیکن اللہ تبارک تعالیٰ نے قریباً ایک ہزار سال پر محیط اتنی طویل اور مستند پیشن گوئی کرنے کا یہ غیر معمولی مرتبہ کسی اور روحانی شخصیت کو عطا کیا ہو انظروں سے نہیں گذرا۔

حضرت نعمت اللہ شاہ ولی کی ۸۵۰ سالہ پیشنگوئی کے بڑے بڑے واقعات اور حوادث کا احاطہ کرتے ہوئے ہم دیکھتے

Marfat.com

ہیں کہ انہوں نے امیر تیمور کے بعد لودھی خاندان کے بادشاہ سکندر لودھی اور ابراہیم لودھی کے دورِ حکومت کا ذکر کیا ہے۔ اور پھر بابر سے لے کر خاندان مغلیہ کے ۳۰۰ سالہ دورِ حکومت کے تمام حکمرانوں کے نام اور ان کی مدت حکمرانی اپنے پیشن گوئی قصیدے کے اشعار میں ترتیب وار بیان کی ہے اس کے علاوہ انہوں نے بابر ہی کے دور میں سکھوں کے پیشوا گرونانک کا ذکر بھی کیا ہے جو ۱۴۴۱ء میں پیدا ہوئے اور ۱۵۳۸ء میں وفات پا گئے۔ بابر کے بعد شیر شاہ سوری کے ہاتھوں ہمایوں کی شکست اور سوری خاندان کا ذکر بھی پوری سند کے ساتھ موجود ہے۔

وہ جنگ عظیم اول کی مدت اور اس میں ایک کروڑ ۳۱ لاکھ لوگوں کی ہلاکت کی پیشن گوئی کے علاوہ ۲۱ سال بعد جنگ عظیم دوئم کا ذکر بھی اپنی پیشن گوئی میں ۸۰۰ سال قبل کر چکے ہیں۔ تمام ہندوستان پر ۱۰۰ سال کی حکومت کے بعد انگریزوں کے چلے جانے کا واقعہ الگ بیان کر چکے ہیں۔ انگریزوں ہی کے دورِ حکومت میں مہلک جنگی ہتھیاروں اور مشرق میں بیٹھ کر مغرب سے آنیوالے آوازوں اور نغموں کو سننے کے سائنسی آلات اور ایجادات کا نصف ہزار سال قبل پیشن گوئی کرنا ایک الگ حیران کن کرامت ہے۔ متحدہ ہندوستان کا دو حصوں میں تقسیم ہونے کا ذکر بھی وہ قیام پاکستان سے ۸۰۰ سال پہلے کر چکے ہیں۔ وہ ستمبر ۶۵ء کی پاک بھارت ۱۷ روزہ جنگ کا دورانیہ بھی ''ایام ہفدہ'' (سترہ دن) کے فارسی الفاظ میں بیان کر کے انسان کو انگشت بہ دندان کر دیتے ہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ حضرت نعمت اللہ شاہ ولی قیام پاکستان کے ''بست و سہ ادوار'' یعنی ۲۳ سال بعد دوبارہ بھارت کے ساتھ ۱۹۷۱ء کی جنگ میں مسلمانوں کے خونریزی اور تباہی و بربادی کی داستان المناک نہایت سوز و گداز کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ کیونکہ اسی ظلم و بربریت کے سائے تلے پاکستان دولخت ہوا۔ توفیق الٰہی سے غیب کے پردوں میں جھانکنے والا یہ ولی اللہ ماضی قریب، حال اور مستقبل میں سماجی اور معاشی برائیوں، سود، رشوت، بدعت، شراب خوری، عصمت فروشی، فسق و فجور، اغلام بازی اور مادر پدر آزاد جنسی سیہ کاری، علماء اور مفتیان کی جہالت اور ریاء کاریوں کا تذکرہ آزادانہ اور بیباکانہ طور سے کرتے ہیں۔ زمانہ حال میں مسلمانوں کے ہاتھ کام چلانے والے آدمیوں (جو ڈاکٹر عبدالقدیر خان ہو سکتے ہیں) کا آنا تو ایک نیک بشارت ہے لیکن دوسری جانب قاضی یعنی جج کی لڑائی اور عدلیہ کی رشورت خوری اور پھر ''چوز'' اور ڈاکوؤں کے سر پر دستار فضیلت رکھنا اور نیا نظام لانے کے پرفریب نعروں سے عوام کو بیوقوف بنانا، پیشنگوئی قصیدے کے ایسے پر معنی اور بھیانک حقائق ہیں جو آجکل 2015 سب کے سامنے ہیں۔

حضرت نعمت اللہ شاہ ولی کی ۸۵۰ سالہ مشہور زمانہ پیشنگوئی میں اب تک ماضی اور زمانہ حال کے واقعات کے بارے میں جو کچھ گزرا، سو گزرا۔ لیکن اب مستقبل کے بارے میں ان کی پیشنگوئی انتہائی اہمیت کی حامل ہے۔ وہ مستقبل میں ایک خلفشار کے وقت بت پرست ہندوؤں کا کلمہ گو مسلمانوں پر ظلم و جبر کا ذکر کرتے ہیں جس پر مسلمان صبر سے کام لینگے۔ اگلے مرحلے پر اعراب پہاڑوں، بیابانوں اور صحراؤں سے مدد کے لئے نکل آئیں گے۔ جبکہ چترال، نانگا پربت، چین کے ساتھ گلگت اور تبت کا علاقہ میدان جنگ بن جائے گا۔ اب حضرت نعمت اللہ شاہ ولی اپنی اسرار پیشنگوئی میں نہایت سخت اور سنگین اور خونیں منظر پیش کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ اس دوران دریائے اٹک (سندھ) کفار کے خون سے تین مرتبہ بھر کر جاری ہوگا۔ کیا اس کا

Marfat.com

مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ ہندوستانی فوج پاکستانی سرحد کراس کر کے آزاد کشمیر کی طرف پیش قدمی کرے گی یا قراقرم کی شاہراہ کاٹ کر کہ چین کی طرف سے پاکستان کو مدد نہ پہنچ سکے، آگے پیش قدمی کرتے ہوئے دریائے اٹک (دریائے سندھ) کے پل یا تربیلا ڈیم تک پہنچنے میں کامیاب ہوگی یا تیسری حالت یہ کہ وہ لاہور یا ماضی کیطرح سیالکوٹ کے راستے نیشنل ہائی وے پر کنٹرول حاصل کر کے دریائے اٹک تک پہنچ جائے گی؟ یہ سوال اس لئے ذہن میں ابھرتا ہے کہ کفار (غالباً بھارتی فوج) دریائے اٹک تک پہنچے جبھی تو ''کفار کے خون'' سے دریائے اٹک تین مرتبہ بھر کے جاری ہوگا کہ شاید یہاں دشمن کی فوجی کو سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑے۔ایسے میں غالب قیاس یہ ہے کہ بھارت کی فوجی اسٹریٹجی یہ ہوگی کہ وہ واہگہ اور چند دیگر محاذوں پر جنگ جاری رکھنے کے علاوہ وہ دریائے اٹک (سندھ) عبور کر کے پشاور کے راستے پیش قدمی کرتے ہوئے افغانستان میں داخل ہوکر شمال مغرب کی جانب کسی ایک نو آزاد جمہوری ریاست کے ذریعے روس تک رسائی حاصل کرنا چاہے گا۔تا کہ پاکستان اور چین کی باہمی گٹھ جوڑ کی طرح وہ بھی روس کے ساتھ جغرافیائی طور پر براہ راست منسلک ہوسکے۔حدیث نبوی ﷺ ہے کہ ''مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے'' پچھلے تسلسل کو برقرار رکھتے ہوئے پیشگوئی کے اشعار کے مطابق کم وبیش ایام میں کابل (افغانستان) کے لوگ ''کفار کے قتل'' کے لئے نکل آئیں گے۔جبکہ پیشن گوئی کا اگلا شعر مجاہدانہ جذبے کا نکتہ عروج ظاہر کرتا ہے؛

ے از غازیان سرحد لرزد زمیں چو مرقد ۔۔۔ بہر حصول مقصد آیند والہانہ

ترجمہ: سرحد کے غازیوں سے زمیں مرقد کی طرح لرزے گی۔ وہ مقصد حاصل کرنے کے لئے دیوانہ وار آئیں گے۔

(اللہ اکبر) دوسری جانب ترکی، چین، ایران، عرب اور مشرق وسطیٰ کے مسلمان والہانہ جذبے کے ساتھ یکجا ہوکر پنجاب، شہر لاہور (جو غالباً ہاتھ سے نکل چکا ہوگا) کشمیر، دریائے گنگا اور دریائے جمنا کے درمیان دوآب کا علاقہ اور شہر بجنور پر غالبانہ قبضہ کر لیں گے۔نہ صرف یہ بلکہ دین اور ایمان کے بدخواہ لوگ جان سے ماریں جائیں گے اور تمام ہندوستان حکومت ہندوانہ رسم و رواج سے پاک ہو جائے گا۔کافر مغلوب ہو جائیں گے اور مسلمانوں کا جری لشکر اور مجاہدین خوبرو لڑکیوں اور حسین دلرباؤں کو مال غنیمت کے طور پر اپنی ملکیت میں لے لیں گے۔اسی دوران ہندوستان کی طرح یعنی یورپ کی تقدیر بھی خراب ہو جائے گی اور تیسری جنگ عظیم شروع ہو جائے گی۔اس میں دو الف امریکہ اور انگلستان میں سے ایک الف (انگلستان) روس کے حملے سے ایسا تباہ ہو جائے کہ اس کا ایک نقطہ بھی باقی نہ رہے گا۔ بلکہ اس کا نام اور تذکرہ صرف تاریخوں کی کتابوں میں باقی رہ جائے گا۔

کھوکھراپار کا بارڈر بھی بہت اہم ہے۔جہاں انڈیا کا احمد آباد، راجھستان کی سرحدیں میر پور خاص سے ملتی ہیں۔زیرو پوائنٹ بھی یہیں ہیں۔سندھ میں داخلے کا ایک اہم ترین نقطہ ہے۔جہاں سے پاکستان اور انڈیا دونوں ایک دوسرے کے لئے مشکل ثابت کرسکتے ہیں۔

اس پیشنگوئی میں اسلامی کے تین اہم شخصیات، شیر علی شاہ، عبدالحمید اور حبیب اللہ کے نام بھی آتے ہیں جو شاید مستقبل میں ظاہر ہوں۔اس کے علاوہ نعمت اللہ شاہ ولی نے ''مے بینم'' کی ردیف میں ایران کے بارے میں پیشنگوئی کے الگ

Marfat.com

۱۰۵ اشعار لکھے ہیں جن میں مستقبل میں ظاہر ہونے والے بہت سے واقعات، بادشاہوں اور حکمرانوں کے نام اوران کی مدت حکمرانی کا ذکر موجود ہے۔ ہندوستان پر اسلام کا غلبہ 40 سال تک قائم رہے گا۔لیکن اس کے بعد جیسے کہ ہر مسلمان قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، قرب قیامت کی انتہائی قریبی نشانیوں کا ظہور شروع ہو جائیگا۔ حضرت نعمت اللہ شاہ ولی کی آفاقی پیشنگوئی کے مطابق ایران کے شہر اصفہان سے دجال ظاہر ہوگا۔ اچانک حج کے دنوں میں امام مہدی علیہ السلام کا ظہور ہوگا۔ ان کے ظاہر ہونے سے شہرت دنیا بھر میں پھیل جائے گی۔ ادھر دجال کا فر کو قتل کرنے کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں گے۔ اپنی شہر آفاق پیشنگوئی کے اس نازک ترین اختتامی مرحلہ پر آ کر حضرت نعمت اللہ شاہ ولی اپنے آخری شعر میں رب کے رازوں کو مزید افشا کرنے سے اپنے آپ کو روکتے ہوئے کہتا ہے کہ:

خاموش باش نعمت اسرار حق مکن فاش

ترجمہ: اے نعمت اللہ شاہ! خاموش ہو جا۔ رب کے رازوں کو ظاہر نہ کر۔

انہوں نے زمانہ، فاتحانہ، غائبانہ وغیرہ قافیہ والے پیشن گوئی کے اشعار کی تحریر کا سال ''کنت کنزا'' یعنی ہجری ۵۴۸ھ بمطابق عیسوی ۱۱۵۳ء لکھا ہے کہ جبکہ ''پیدا شود'' ردیف کے اشعار لکھنے کا سال ہجری ۵۷۰ھ بمطابق عیسوی ۱۱۷۴ء لکھا ہے۔ چنانچہ جیسے کہ پہلے بیان ہو چکا ہے دونوں تاریخوں میں ۲۱ سال کا فرق ہے۔ جس کا مطلب بظاہر یہ ہوسکتا ہے کہ حضرت نعمت اللہ ولی پر پیشنگوئی کے واقعات کا مکاشفہ ومشاہدہ ۲۱ سال سے زائد عرصہ پر محیط ہے۔

اہل فہم وفراست اور روحانی بصیرت وبصارت رکھنے والے دانشور جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ایسے برگزیدہ بندے کی زبان سے ایسی منفرد ومفصل پیشنگوئی صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کی خصوصی عنایت اور توفیق سے ہی ممکن ہوسکتی ہے۔ لہذا یہ کوئی بے مقصد شاعری یا غزل گوئی نہیں ہے کہ بلکہ یہ تو پیشنگوئی اللہ بزرگ وبرتر کی طرف سے اہل ایمان کے لئے غیبی علم کا ایک بیش بہا خزانہ ہے تاکہ مسلمان اس کی رہنمائی سے استفادہ کرتے ہوئے آنے والے گھمبیر حالات وواقعات، نامعلوم حادثات، ناگہانی آفات اور پرفتن خطرات سے نمٹنے کے لئے بروقت تیاری کریں۔ اور یوں باطل قوتوں پر غلبہ حاصل کر کے دینی ودنیوی کامیابی کے اعلیٰ وارفع مقام تک پہنچیں۔

Marfat.com

حصہ سوئم

باب: گیارھواں

آزادیٔ ہند سے قیامِ پاکستان تک

Marfat.com

آزادیِ ہند سے قیام پاکستان تک

دوقومی نظریہ

پاکستان کا قیام چند دنوں یا برسوں کی تحریک کا رہین منت نہیں ہے بلکہ جہد آزادی کا یہ پر خار سفر صدیوں پر محیط ہے۔ پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے اس مملکت کا وجود دوقومی نظریہ کی محکم بنیادوں پر استوار ہے۔ تحریک پاکستان کے دوران مخالفین نے مسئلہ قومیت کو خوب وجہ نزاع بنائے رکھا۔ یہ کہنا بجا ہوتا کہ حصول پاکستان کی جنگ میں سب سے بڑا محاذ مسئلہ قومیت تھا۔ باالفاظ دیگر برصغیر میں پاکستان کا ظہور دوقومی نظریہ کی فتح ونصرت ہے۔

دوقومی نظریہ کی بنیاد اسی روز رکھی دی گئی تھی جب دربار خداوندی میں شیطان نے اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی کرتے ہوئے نہ صرف حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا بلکہ اللہ کے بندوں کو گمراہ کرنے کی قسم بھی کھائی اس واقعہ کے ضمن میں اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا ہے: ''اور ہم نے حکم دیا کہ تم سب اس (جنت) سے نیچے اتر جاؤ پھر اگر تمہیں میری طرف سے کوئی ہدایت پہنچے تو تم میں سے جو میری ہدایت کی پیروی کریں گے ان کے لئے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ غم۔ اور جو لوگ کفر کریں گے اور ہماری آیتوں کو جھٹلائیں گے سو وہی جہنمی ہیں اور وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے''۔ (سورۃ البقرۃ آیات ۳۹۔۴۰)

اس طرح قرآن پاک نے بھی بنی نوع انسان کو دو جماعتوں میں تقسیم کیا ہے، ایک جماعت وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو تسلیم کرتی ہے اور کاروبار حیات چلانے میں اس کی رشد و ہدایت کی تابع ہے جب کہ دوسری جماعت وہ ہے جو مخلوق کی فرمانروا ہے اور خالق کی نافرمان ہے، اول الذکر جماعت کو امت مسلمہ، امت وسطیٰ جیسے ناموں سے پکارا گیا ہے اور ثانی الذکر جماعت کو اصحاب الشطین، ملت کفر جیسے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ یہی اسلام کا تصور ملت ہے اور یہی دوقومی نظریہ بھی۔

مسلم قومیت کی بنیاد کلمہ توحید ہے اسلام کا یہ بنیادی اصول ہے کہ اشتراک دین کے سوا کوئی بھی معیار قومیت اسلام کے خلاف ہے اس لئے کرہ ارض پر آباد ہر وہ فرد جو اس عقیدہ یعنی اسلام پر ایمان لے آیا بلا امتیاز رنگ نسل، زبان، وطن اور سیاسی و اقتصادی اغراض مسلم قومیت کا حصہ بن گیا۔ لفظ ''قوم'' کے مخصوص معنی تو بعد میں مقرر ہوئے ہیں۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ موجودہ دوقومی نظریہ ازل سے قائم ہے۔

قرآن پاک میں صرف دو جماعتیں بتائی گئی ہیں۔ سورۃ التغابن (آیت۔۲) میں ارشاد ہے:

هو الّذى خلقكم فمنكم كافر و منكم مؤمن ط والله بما تعملون بصير .

ترجمہ: ''وہ اللہ ہے جس نے تم سب کو پیدا کیا۔ پھر تم میں سے کوئی کافر ہے اور کوئی مومن ہے اور اللہ خوب دیکھتا ہے جو کچھ تم عمل کرتے ہو''۔

یعنی عمل سے کافر اور مومن کی تفریق ہوتی ہے۔ پھر سورۃ المجادلہ (آیت۔۲۲) میں ارشاد ہے:

لا تجد قوماً يؤمنون با للهِ واليوم الأخر يوآدون من حآدالله و رسوله، ولو كانوا آبآءَ هم او ابنآوهم

Marfat.com

اواخوانهم اوعشیرتهم ط اولئک کتب فی قلوبهم الایمان وایدھم بروح منه ط ویدخلهم جنّٰت تجری من تحتها الانهار. خالدین فیها ط رضی الله عنهم رضوا عنه ط اولٰئک حزب الله الآ انّ حزب الله هم المفلحون.

ترجمہ: ''جوقوم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہے تم اس کو ایسا نہیں پاؤ گے کہ وہ محبت کرے ان سے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کی اگر چہ وہ ان کے باپ ہوں یا بیٹے ہوں یا ان کے بھائی ہوں یا ان کے رشتہ دار ہوں، یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش کر دیا۔ اور اپنی روح سے ان کی تائید فرمائی ہے۔ وہ ان کو باغوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، اللہ ان سے اور وہ اس سے راضی۔ یہ حزب اللہ (اللہ کی جماعت) ہے۔ یادرکھو! اللہ کی جماعت ہی فلاح پانے والی ہے''۔

اس حزب اللہ کے خلاف الشیطان ہی ایک جماعت ہے جس کا ذکر سورۃ المجادلہ (آیت۔۱۹) میں اس طرح آتا ہے:

استحوذ علیهم الشیطان فانسٰهم ذکر الله ط اولٰئک حزب الشیطان ط الآ انّ حزب الشیطان هم الخاسرون.

ترجمہ: ''شیطان نے ان پر قابو پالیا ہے۔ پس اس نے ان کو اللہ کی یاد سے غافل کر دیا ہے۔ یہ حزب الشیطان (شیطان کی جماعت) ہے۔ یادرکھو شیطان کی جماعت ہی گھاٹے میں آنے والی ہے''۔

گویا قرآن میں حق و باطل کی جماعتوں کا نام حزب آیا ہے ورنہ قوم کا لفظ حضرت یوسفؑ کے گیارہ بھائیوں کے لئے بھی استعمال ہوا ہے۔ سورۃ یوسف (آیت۔۹) میں ہے:

ہ اقتلوا یوسف او اطرحوہ ارضاً یخل لکم وجه ابیکم وتکونوا من بعدہٖ قوماً صالحین.

ترجمہ: ''یوسف علیہ السلام کو قتل کر دو، یا کہیں زمین میں پھینک آؤ (آبادیوں سے دور) تا کہ تمہارے باپ کی توجہ تمہاری طرف ہی رہے اور اس کے بعد تم صالح قوم ہو جاؤ''۔

یعنی گیارہ آدمی کی چھوٹی جماعت بھی قوم کہلائی گئی اور بہت بڑی جماعت کو بھی قوم کہا گیا ہے کہ اس قوم میں سے امت بھی تھی۔ جیسا کہ سورۃ الاعراف (آیت۔۱۵۹) میں فرمایا گیا ہے: **ومن قوم موسیٰ امة یهدون بالحق وبه یعدلون.**

ترجمہ: ''اور موسیٰ کی قوم میں سے ایک امت (گروہ) ہے جو حق کی راہ بتاتی ہے اور اس سے انصاف کرتی ہے''۔

پھر مسلمانوں میں سے بھی ایک جماعت کو قوم کہا گیا ہے۔ جیسا کہ سورۃ النساء (آیت۔۹۲) میں ہے:

فان کان من قوم عدو لکم وھو مؤمن.........

ترجمہ: ''پھر وہ اگر اس قوم میں سے ہو جو تمہاری دشمن ہے اور مسلمان ہے''۔

یعنی قوم وہ جماعت بھی ہو سکتی ہے جو مسلمان تو ہو لیکن تمہاری دشمن ہو۔ اس تمہید کا خلاصہ یہ ہوا کہ قرآن پاک میں چھوٹی بڑی جماعت کو بھی قوم کہا گیا ہے خواہ اس کا تعلق دین سے ہو یا نہ ہو۔ پھر یہ لفظ امتداد زمانہ سے ہم خیال لوگوں کی جماعت

Marfat.com

کے لئے بھی استعمال ہونے لگا اور علاقائی یا جغرافیائی تعلق والوں کیلئے بھی رائج ہوگیا لیکن برصغیر میں حق و باطل کے جو معرکے ہوئے ہیں ان کی وجہ سے حزب اللہ اور حزب الشیطان دو جماعتوں کو دو قوموں کا نام دیا گیا اور اس طرح دو قومی نظریہ وجود میں آیا۔

بانیان پاکستان افکار اور کردار

تاریخ اسلام عروج و زوال کی داستانوں سے بھری پڑی ہے۔ جہاں ملت اسلامیہ نے عہد رسالت، خلافت راشدہ، دور بنو امیہ، خلافت عباسیہ، خلافت عثمانیہ، سلطنت دہلی، سلطنت مغلیہ وغیرہ کی صورت میں عروج و کمال اور شوکت و جلال دیکھا ہے، وہاں بغداد کی تباہی، اندلس سے مسلمانوں کے اخراج، سلطنت مغلیہ کی بربادی، خلافت عثمانیہ کے خاتمہ کی صورت میں زوال سے بھی دوچار ہونا پڑا۔ اٹھارویں صدی عیسوی میں ملت اسلامیہ کے زوال کا آغاز ہوا وہ ۱۹۱۸ء میں جنگ عظیم اول کے خاتمہ پر نقطہ انتہا تک پہنچ گیا۔ مسلمانوں کے سلطنتوں اور وطنوں پر یورپ کے نصرانی سامراجی بالواسطہ و بلاواسطہ قابض ہوگئے۔ عرب میں صرف نجد کا ریگستان ان کی دستبرداری سے باہر رہ گیا تھا۔ گذشتہ دو صدیوں میں بے شمار مسلمان قائدین ملت اسلامیہ کو اس زوال سے بچانے اور اس زوال کی حالت سے نکالنے کے لئے جدوجہد کرتے رہے ہیں۔ ملت اسلامیہ ان سب قائدین کی خدمت کو قدر کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ لیکن قائدین میں سے سرسید، سید امیر علی، محسن الملک، وقار الملک، مولانا محمد علی جوہر، مولانا ظفر علی خاں، علامہ اقبال اور قائداعظم محمد علی جناح کی خدمت مسلمانوں کو بیدار کرنے اور انہیں آزادی دلانے کے سلسلے میں بہت نمایاں ہیں۔

سرسید احمد خان

سرسید احمد خان کا شمار ان چند گنے چنے سیاسی مسلم مفکرین اور مجاہدین آزادی میں ہوتا ہے جنہوں نے تشکیل پاکستان کے لئے نہ صرف ایک خاص جادہ عمل معین کیا، بلکہ خود ابتدائی طور پر مسلم مجاہدین کے ساتھ مل کر منزل کی نشان دہی کی۔ اپنے مخصوص انداز میں انہوں نے انگریزوں کی تہذیب کا مطالعہ کیا اور اس کی کمزوریوں سے واقف ہوکر ہر لحہ مسلمانوں کو ان سے آگاہ رہنے کی تلقین کوشاں رہے۔ سرسید احمد ۱۷ اکتوبر ۱۸۱۷ کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد سید محمد متقی ایک عظیم شخصیت کے مالک تھے۔ وہ ذی علم، درویش مزاج اور گوشہ نشین قسم کے آدمی تھے۔ جہاں تک طریقت کا تعلق ہے ان کے والد حضرت غلام علی صاحب نقشبندی مجددی کے خاص مریدوں میں سے تھے۔ ان کے نانا دبیر الملک خواجہ فرید اپنے دور کے جید علماء میں شمار ہوتے تھے۔ سرسید خاں نے ابتدائی تعلیم اپنے نانا سے حاصل کی تاہم ان کے والد نے اپنے بیٹے کی اعلیٰ تعلیم کے لئے اچھے اساتذہ کا انتخاب کیا۔ عربی اور فارسی کی درسی کتب کی تدریس کے بعد انہیں علم ریاضی کی طرف زیادہ راغب کیا۔ کچھ دن طب کی تعلیم بھی حاصل کی اور پھر مرزا غالب، آزاد اور صہبائی جیسے باکمال ادباء کی صحبت سے فیض حاصل کیا۔ ۱۸۳۸ء میں جب کہ سرسید کی عمر ۲۱ سال تھی۔ ان کے والد کا انتقال ہوگیا۔ چنانچہ والد کی وفات کے دوسرے ہی سال انہوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی میں ملازمت

Marfat.com

اختیار کر لی۔ تین سال کی سروس کے بعد انہوں نے سب جج ہونے کا امتحان پاس کیا۔ چنانچہ انہیں منی پور میں بطور منصف سب جج مقرر کر دیا گیا۔ ۱۸۴۲ء میں وہ منی پور سے تبدیل ہو کر فتح پور سیکری آگئے۔ جہاں وہ چار سال تک مقیم رہے۔ ۱۸۴۶ء میں ان کا تبادلہ دہلی میں ہو گیا اور یہاں وہ ۱۸۵۵ء تک رہے۔ ان دنوں ان کی طبیعت تحقیق کی طرف مائل ہوئی۔

چنانچہ اس تحقیق پر مبنی انہوں نے ایک مستند کتاب مرتب کی۔ جس کا نام "آثار الصنادید" رکھا گیا۔ یہ کتاب مورخین اور ماہرین آثار قدیمہ کے لئے ایک بہترین رہنما کی حیثیت رکھتی ہے۔ ۱۸۵۵ء میں ان کا تبادلہ بجنور ہو گیا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں آپ بجنور ہی میں مقیم تھے۔ ہنگاموں کے دوران سر سید احمد خاں لاتعداد انگریز مردوں اور عورتوں کو پناہ دے دے ان کی جانیں بچائیں۔ بجنور کے ہندوؤں کی درخواست پر ہنگامے کے وقت انگریزوں نے انہیں ضلع کا حاکم مقرر کر دیا۔

غدر کی آگ کے شعلے جب ان کے دامن عافیت کو چھوڑنے لگے تو ان کی جان کو خطرہ لاحق ہو گیا اور وہ بمشکل جان بچا کر میرٹھ پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ ان کے باقی خاندان والے سب دہلی میں تھے۔ بدقسمتی سے غدر کی آگ سب سے زیادہ دہلی کے در و دیوار کو جلا رہی تھی اسی آگ میں سر سید کے بیشتر اہل خانہ جل گئے۔ کچھ اعزا دہلی سے نکل گئے، ان کی والدہ اور خالہ نے ایک پرانے ملازم کے گھر میں پناہ حاصل کی۔ تاہم سر سید اپنی والدہ کو دہلی سے میرٹھ لے آئے۔ لیکن بدقسمتی سے کچھ ہی روز بعد ان کی والدہ کا انتقال ہو گیا۔ والدہ کی خستہ حالی کی موت، اہل خانوادہ کے حشر، دہلی کی بربادی اور مسلمانوں کے بے سروسامانی نیز قتل و غارت سے سر سید اس قدر دل برداشتہ ہوئے کہ ان کی زندگی کے رجحانات یکسر بدل گئے۔ اس غضب ناک جنگ سے جو عوام اور فرنگی حکمرانوں کے درمیان ہوئی، سر سید کے دل میں نئے نئے جذبات پیدا ہوئے۔ پہلے تو انہوں نے ملک کو خیر باد کہنے کی سوچی، لیکن بعد میں کہا کہ ملک میں رہ کر عوام کو ایک تحریک کے ذریعے مستحکم و مضبوط کیا جائے۔ ملک کی خستہ حالی اور معاشی پسماندگی کو سر سید نے نہایت غور سے دیکھا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ فرنگی کے خلاف نفرت جب عملی طور سے سامنے آئی تو سر سید نے ان کا بغاوت وانہماک جائزہ لیا اور ایک کتاب "اسباب بغاوت ہند" تحریر کی۔ اس میں ان تمام اسباب کا ذکر کیا گیا ہے جو اس جنگ آزادی کے وقوع پذیر ہونے کے موجب بنے۔ سر سید احمد خاں نے نہایت بے باکی سے انگریز حاکموں کی غلط پالیسیوں کا تجزیہ پیش کیا اور انگریزوں کی اپنی رعایا کے ساتھ بے راہ روی کا تفصیلاً جائزہ لیا اور نہایت مدلل انداز میں صاف صاف بتا دیا کہ یہ غدر محکوموں کی بغاوت نہیں تھی۔ بلکہ انگریزوں کی طرف سے کی جانے والی ناانصافیوں اور غلط فیصلوں کا ردعمل تھا۔ اس کتاب کے شائع ہوتے ہی ہندوستان بھر میں سر سید کی حمایت میں ایک لہر دوڑ گئی۔ لیکن اس کے برعکس انگریز اپنی کوتاہیوں کے متعلق پڑھ کر بہت تلملائے۔ یہ کتاب جب برطانیہ گئی تو وہاں سر سید کے خلاف ایک طوفان امڈ آیا اور برطانوی پارلیمنٹ میں ایک تجویز پیش کی گئی کہ سر سید کو باغی قرار دے کر سزائے موت دی جائے۔ لیکن حق شناس انگریزوں نے اپنی کرتوتوں پر شرمندگی کا اظہار کیا۔ جنگ آزادی کے ناکام ہو جانے کے بعد سر سید کو پتہ چل گیا کہ مسلمان کھلی بغاوت میں اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتے جب تک وہ فرنگیوں کی معاشی، اقتصادی اور دینی کمزوریوں سے واقف نہ ہو جائیں۔ چنانچہ اس مقصد کے حصول کے لئے سر سید نے مفاہمت کی کوششوں کا آغاز کیا۔ انگریزی کی مذہبی کتاب بائبل کا ترجمہ اور تفسیر کرنے کا

Marfat.com

اعلان کیا اور ترجمہ وتفسیر کو قرآن کے ترجمے اور تفسیر کے مشابہ کرنے کی کوشش کی۔ ۱۸۶۲ء میں وہ مرادآباد سے غازی پور پہنچے تو ایک سائنٹیفک سوسائٹی کی اساس رکھی اور یہاں سے انگریزی اردو اخبار جاری کیے۔ جن میں سیاست، علوم جدیدہ، معاشرت اور اقتصادیات پر مضامین پیش کئے جاتے۔ مرادآباد میں دوسال ٹھہرے کے بعد ۱۸۶۴ء میں علی گڑھ تبدیل ہوگئے۔ معاشی ہم آہنگی کی رونق کو دوبالا کرنے کے لئے یہاں پر بھی انہوں نے ایک ایسوسی ایشن قائم کی جس کا نام ''برٹش انڈین ایسوسی ایشن'' رکھا۔ اس ایسوسی ایشن کی تشکیل کا اصل مقصد یہ تھا کہ عوام کی تعلیمی ضروریات کے پیش نظر ضروری سفارشات مرتب کی جائیں جن کو حکومت کے سامنے پیش کیا جاسکے۔ اس ایسوسی ایشن نے سب سے پہلے سفارش حکومت کو پیش کی وہ یہ تھی کہ ہندوستان میں ایک ایک ایسی یونیورسٹی قائم کی جائے جہاں وزیر تعلیم اردو ہو۔

اس تجویز کو کچھ عرصے کے بعد ایک اسکول کی تشکیل کی صورت میں عملی جامہ پہنایا گیا جو کچھ عرصہ کے بعد سرسید کی ذاتی کوششوں سے ایک عظیم یونیورسٹی کی شکل میں اجاگر ہوئی۔ سرسید انگریزی تہذیب وتمدن کا بچشم خود جائزہ لینے کے حق میں تھے چنانچہ اس غرض کے لئے وہ ۱۸۶۹ء میں انگلستان گئے۔ جہاں انہوں نے ڈیڑھ سال قیام کیا۔ یہاں رہ کر انہوں نے ایک انگریز ولیم میور کی کتاب ''لائف آف محمد'' کے جواب میں ایک کتاب ''ایلیسز آن دی لائف آف محمد'' تحریر کر کے شائع کر دی۔ اول الذکر کتاب میں اس انگریز ملحد نے حضور اکرم ﷺ کی شان میں گستاخانہ رویہ اختیار کر رکھا تھا اور جابجا اعتراضات کئے تھے ان اعتراضات کا مدلل جواب سرسید نے اپنی مذکورہ کتاب میں دیا۔ سرسید نے علی گڑھ میں مسلم یونیورسٹی قائم کرنے کے لئے جس تگ ودو سے کام کیا۔ اس کی مثال بہت کم ملتی ہے۔ انہوں نے اپنے اثر ورسوخ، اپنی ذاتی سعی دوستوں کی اعانت اور حکومت کی معانت سے آخر کار ایک یونیورسٹی قائم کر ہی لی۔ اس یونیورسٹی کے قیام سے ہندوستان بھر میں مسلمانوں کے لئے نہ صرف جدید علوم کے حصول کے لئے ایک مخزن وجود میں آگیا بلکہ ہندوؤں کے سینے میں خنجر پیوست ہوگیا۔ معاشی اور جدید عملی زندگی میں مسلمانوں کا ہندوؤں کے مقابلے میں یہ پہلا مثبت قدم تھا۔ سرسید احمد خاں کی اس بیش بہا کامیابی کے بعد حاسدوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ سرسید وطن دشمن ہے۔ انگریزوں کا جاسوس ہے۔ مسلمانوں کا خود ہی نشانہ بنائے جارہا ہے۔ کافر ہوگیا ہے لیکن جسے خدا عزت دے اسے کون پریشان کرسکتا ہے۔ سرسید پہلے رہنما میں جنہوں نے اعلان کیا کہ سرزمین ہندوستان میں دو جداگانہ قومیں آباد ہیں۔ جن کے رسم ورواج، دین ومذہب اور تہذیب ومعاشرت میں اختلاف کے باعث ان دونوں قوموں کے لئے ملک میں علیحدہ قانونی مراعات کا ہونا لازم ہے۔ اس طرح مسلمانوں کی منفرد حثییت کو تسلیم کروانے کی کوشش کی۔ اس کے علاوہ انہوں نے پہلی مرتبہ حکومت برطانیہ سے مطالبہ کیا کہ اہل ہند کو حکومت برطانیہ کے تمام اعلیٰ اداروں کے شعبوں میں شمولیت کا حق ملنا ضروری ہے۔ دوسرے لفظوں میں سرسید نے پہلی دفعہ دوقومی نظریہ پیش کیا۔ اس طرح سرسید ہی نظریہ پاکستان کے اولین موجد اور سرگرم حامی تھے۔ انگریزوں اور ہندوؤں میں رہ کر وہ اس نتیجے پر پہنچ گئے تھے کہ یہ قومیں آپس میں مل کر کسی صورت میں نہیں رہ سکتی چونکہ یہ نظریہ ہندوؤں کے لئے بالخصوص اور انگریزوں کے لئے بالعموم تکلیف دہ تھا۔ اس لئے ان کی زندگی میں ہی ان کی مخالفت بھی شروع ہوگئی تھی، لیکن مخالفین اپنی آگ میں جل بھن کر رہ گئے اور سرسید منزل کو پا گئے۔

Marfat.com

ان کی زندگی میں ایک نئی یونیورسٹی کا قیام جو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے نام سے مشہور ہوئی ایک عظیم ترین کارنامہ تھا۔ اس یونیورسٹی میں سرسید نے مسلمانوں کی زیادہ سے زیادہ حوصلہ افزائی کرتے ہوئے انہیں علم سے روشناس کرایا۔ یہ چیز ہندوؤں کی بالادستی ختم کرنے کے سلسلے میں بہت زیادہ مدد معاون ثابت ہوئی۔ دسمبر ۱۸۸۶ء میں سرسید احمد خاں نے مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی بنیاد ڈالی۔ اس کانفرنس کا مقصد درس علی گڑھ تحریک کو زیادہ سے زیادہ کامیاب بنایا تھا۔ اس کانفرنس کے مقاصد میں جو اہم باتیں قابل ذکر ہیں ان میں ایک مسلم پلیٹ فارم بنانا جس پر مسلمان رہنما آکر وقتاً فوقتاً اپنے خیالات سے دوسرے مسلمانوں کو آگاہ کرسکیں اور وقت کی ضروریات کے پیش نظر اپنے مطالبات پیش کرسکیں۔ اگر ذرا عمیق نگاہ سے دیکھا جائے تو ہم یہ محسوس کریں گے کہ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس دراصل مسلم لیگ ہی کی ابتدائی شکل تھی۔ اگرچہ سرسید خود کانگریس سے وابستہ رہے لیکن اس وابستگی کا مقصد اس جماعت کے ساتھ ہم آہنگی نہیں تھا بلکہ دشمنوں کو قریب تر ہو کر محتسبانہ انداز میں دیکھنا تھا۔ سرسید احمد خاں ۲۷ مارچ ۱۸۹۸ء میں تقریباً اکیاسی سال کی عمر میں علی گڑھ میں فوت ہو گئے اور انہیں وہیں دفن کیا گیا۔ ان کی زندگی کا جائزہ لینے کے لئے مندرجہ ذیل نکات مددگار ثابت ہو سکتے ہیں۔

۱۔ سماجی خدمات	۲۔ مذہبی کارنامے
۳۔ تعلیمی خدمات	۴۔ سیاسی خدمات
۵۔ امپیریل لے جسلیٹو کونسل کی رکنیت	۶۔ انڈین نیشنل کانگریس سے وابستگی
۷۔ تحریک علی	۸۔ ہندو سیاست پر تنقید
۹۔ اردو کی ہندی پر برتری کا اظہار	۱۰۔ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس

سرسید احمد خان کی تعلیمی اور سیاسی خدمات

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی جسے غدر بھی کہا جاتا ہے مسلمانوں کی تباہی کی تاریخ ہے۔ مسلمان ہی زیادہ برباد ہوئے اور انگریزوں نے ان کو ختم کرنے کا ہر ذریعہ استعمال کیا، وجہ صرف یہ تھی کہ اس سے پہلے برصغیر پاک و ہند میں مسلمان ہی حکمراں رہے تھے۔ دیوبند میں دینی تعلیم پر زور دیا گیا۔ لیکن سرسید نے دین اور دنیا دونوں کو ساتھ رکھنے کی کوشش کی۔ ۱۸۶۹ء (حیات جاوید میں ۱۸۷۰ء لکھا ہے) میں وہ خود انگلستان گئے۔ اور وہاں کی تعلیم، تربیت اور شائستگی پر غور کر کے واپس آئے اور ایک کمیٹی "خواستگار تعلیم مسلمان" بنائی۔ غور و خوض کے بعد کمیٹی نے طے کیا کہ ایک کالج ایسا قائم کیا جائے جہاں تہذیب، شائستگی، دین سے محبت اور انگریزی تعلیم ساتھ ساتھ ہوتا کہ غیر مسلموں کے مقابلے میں مسلمان بھی سرکاری ملازمتیں حاصل کرسکیں۔ چنانچہ علی گڑھ میں پہلے ایک گھاس پھوس کے بنگلے میں یہ کالج ۱۸۷۵ء میں قائم ہوا۔ بڑے اور چھوٹے سبھی طبقوں کے طلبہ اس کالج میں داخل ہوئے۔ ۱۸۷۸ء میں اس کالج کا الحاق کلکتہ یونی ورسٹی سے ہوا۔ پھر الہ آباد یونیورسٹی سے ہوا۔ ۱۸۸۱ء میں پہلی بار یہاں طلبہ بی اے کے امتحان میں شریک ہوئے۔ بعد میں ایم۔ اے، اور قانون کے لئے درجے بھی شروع ہوئے۔ دینیات کی تعلیم

Marfat.com

شروع سے بی اے تک کے لئے لازمی قرار دی گئی۔ ۱۸۹۸ء میں سرسید کا انتقال ہوا۔ لیکن ان کی کوششیں بار آور ہیں اور ۱۹۲۰ء میں یونیورسٹی قائم ہوگئی۔

سرسید کو سیاسی اور علمی خدمات کا جذبہ ۱۸۸۶ء میں پیدا ہوا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ ۱۸۸۵ء میں کانگریس قائم ہوئی اور ملکی حقوق میں جو مراعات ہندوستانیوں کو حاصل ہوئی تھیں وہ ہندوؤں نے صرف اپنے لئے مخصوص کرنے کی کوششیں کی تھی۔ سرسید نے ۲۷ دسمبر ۱۸۸۶ء کو اینگلو محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس (علی گڑھ) میں اس بات پر زور دیا کہ سب سے پہلے مسلمانوں میں ادب کے ذریعے سیاسی بیداری پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کے لئے انہوں نے گذشتہ ادوار کے مسلمانوں کے علمی کارناموں اور ان کے سوانح پر کتابیں لکھنے کا مشورہ دیا۔ خود بھی مضامین لکھے اور اپنے ارتقاء سے کتابیں لکھوائیں۔ ان کا رسالہ تہذیب الاخلاق بھی اسی مقصد کے لئے تھا اور قریب ۴۰ سال تک (یعنی ۱۸۵۰ء سے) ان کا مقصد مسلمانوں میں علمی بیداری پیدا کرنا تھا۔ اسی علمی بیداری نے قوم میں ایسے لوگ پیدا کئے جنہوں نے پاکستان بنایا۔ وہ علی گڑھ ہی کے طلبہ تھے جنہوں نے ملک کے گوشے گوشے میں جا کر (قائداعظم کے حکم پر) مسلمانوں کو مسلم لیگ کا ہم خیال بنا کر ان کو پاکستان بنانے کے لئے تیار کیا تھا۔

کانگریس

1857ء کی جنگ آزادی مسلمانوں کی تباہی کی تاریخ ہے۔ مسلمان حکمرانوں کا خاتمہ ہوا تو انگریزوں نے اس پورے جنگ کا ذمہ دار مسلمانوں کو ٹھہرایا۔ ہندوؤں نے منظم طور پر انگریزوں کا ساتھ دیا۔ 1885ء میں کانگریس قائم ہوئی تو اس نے خود کو مسلمانوں کا نمائندہ بھی ظاہر کرنا چاہا۔ لیکن عملی طور پر وہ صرف ہندوؤں کی نمائندہ جماعت تھی۔ سرسید نے 1886ء میں کانگریس کے اس نظریئے کی مخالفت کی۔ کانگریس 1885ء میں قائم ہوئی اور اس واقعے کے آٹھ سال بعد یعنی 1893ء ہندوؤں نے ملک میں مسلم کشی بھیانک ڈرامہ کر دیا۔ بمبئی اور اعظم گڑھ میں ہندو مسلم فسادات نے نہایت خون ریز صورت اختیار کر لی۔ ستمبر 1893ء میں کانگریس کے مشہور رہنما مسٹر بال گنگا دھر تلک نے پونا میں گنپتی کا دس دن کا ایک میلہ جاری کیا جس کے جلوسوں میں انگریزوں اور مسلمانوں کے خلاف اشتعال انگیز گیت گائے جاتے تھے۔ اس میلے میں ہندوؤں نے ایک مسجد میں مسلمانوں پر حملہ بھی کیا۔ اس کے علاوہ انہی کانگریس رہنما مسٹر تلک نے ''انجمن انسداد ذبحہ گاؤ'' قائم کی اور گاؤ کشی کے خلاف سارے ملک میں وہ تحریک چلائی جس کے نتیجے میں ہزاروں مسلمان شہید کر دیئے گئے۔ انگریزوں نے ہندوستانی باشندوں کو جو سیاسی حقوق عطا کئے تھے۔ اور امور حکومت میں تمام عہدے اور ذمہ داریاں ہندو قوم کو دے دی۔

ہندو مہا سبھا

اس کے چند سال بعد 1900ء مہاراجہ دربھنگہ نے آل انڈیا ہندو مہاسبھا کے نام سے خالص ہندو مذہبی تنظیم قائم کی۔

مسلمانانِ ہند کی سیاسی انجمن

مسلمانوں کو سیاسی معاملات میں حصہ لینے یا اپنی الگ۔ سیاسی تنظیم قائم کرنے سے سب سے پہلے سرسید نے روکا تھا۔

Marfat.com

ان کا خیال تھا کہ مسلمانوں کو اپنی ساری توجہ معاشرتی اصلاح اور علوم جدید پر صرف کرنی چاہیے۔ جب قوم کا خاصہ بڑا حصہ تعلیم یافتہ نئے اور خیالات سے روشناس ہو جائے تو مسلمانوں کو سیاسی میدان میں اترنا چاہیے۔ مگر حالات اس تیزی سے تبدیل ہو رہے تھے کہ سرسید کو بھی اپنی رائے تبدیل کرنی پڑی اور انہوں نے مسلمانوں کو سیاسی تنظیم کی طرف توجہ دینی شروع کردی۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے 30 دسمبر 1893ء سرسید کے دورے پر ایک جلسہ منعقد ہوا۔ جس میں اس عہد کے بہت سے قابل ذکر مسلم اکابرین نے شرکت کی۔

سیاسی انجمن کا قیام

آخر حالات کا رخ دیکھ کر اور نیشنل کانگریس کی سرگرمیوں کا گہری نظر سے جائزہ لینے کے بعد 21، 22 اکتوبر 1901 میں مسلم اکابرین کا ایک اجلاس حامد علی خان بیرسٹر کے دولت کدے پر منعقد ہوا۔ اور وہاں مسلمانوں کی ایک قرارداد منظور ہوئی۔

سید امیر علی (۱۸۴۹ء تا ۱۹۲۸ء)

سید امیر علی ۱۶ اپریل ۱۸۴۹ء میں چن سرا (بنگال) جو دریائے ہگلی کے کنارے پر واقع ہے۔ پیدا ہوئے۔ آپ کے والد محترم کا نام سید جعفر علی خاں تھا جو ڈپٹی کلکٹر کے عہدے پر فائز تھے اور "کٹک" میں مامور تھے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہی والدین سے حاصل کی۔ بعدازاں ہگلی کالج میں داخل ہو گئے۔ یہاں پر ان کو دو ممتاز شخصیتوں سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ ان دونوں شخصیتوں سے انہوں نے وافر فیض حاصل کیا۔ ان میں ایک عالم دین سید کرامات علی تھے اور دوسرے معروف عالم پروفیسر عبید اللہ عبیدی تھے۔ اپنے اوّل الذکر استاد کی تعلیمات سے اس قدر متاثر تھے کہ ابتدائی زندگی ہی میں ان کی مشہور کتاب "مرکز علوم" کو انگریزی میں ترجمہ کر کے شائع کیا۔ یہی کتاب ان کی اولین ادبی کوشش تھی۔ سید امیر علی ہندوستان بھر کے سب سے پہلے ایسے گریجویٹ تھے جنہوں نے انگریز کے قائم کیے کسی کالج سے بی۔ اے کی ڈگری حاصل کی۔ بعدازاں ۱۸۶۸ء میں انہوں نے ایم۔ اے ہسٹری کا امتحان پاس کیا اور پھر اگلے سال قانون کا امتحان امتیازی حیثیت سے پاس کیا۔ ان کی غیر معمولی قابلیت کے پیش نظر حکومت نے انہیں سرکاری خرچ پر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے انگلستان بھیج دیا۔ ۱۸۷۲ء میں انگلستان سے بارایٹ لا کر کے واپس بنگال آئے اور کلکتہ میں قانون کی پریکٹس شروع کردی۔ تھوڑے ہی عرصے کے بعد آپ کی شہرت کا چرچا عام ہوا۔ اور اس شہرت کی بناء پر انہیں کلکتہ یونیورسٹی کا فیلو مقرر کیا گیا، پریذیڈنس کالج کلکتہ میں ایک خاص عرصے تک محمڈن لاء کے پروفیسر بھی رہے۔ قانون میں انہیں غیر معمولی دسترس حاصل ہو گئی تھی۔ اور اس غیر معمولی قابلیت کا اعتراف انگریز حکومت نے اس انداز سے کیا کہ ۱۸۹۰ء میں انہیں کلکتہ ہائی کورٹ کا جج مقرر کردیا گیا۔ اس عہدے سے فائز ہونے والا یہ دوسرا مسلمان شخص تھا۔ قبل ازیں سرسید احمد خاں کے بیٹے سید محمود۔ ہائی کورٹ کے جج بنائے گئے تھے۔ سید امیر علی چودہ سال تک ہائی کورٹ کے جج رہے۔ اس دوران میں انہوں نے بعض تاریخی نوعیت کے مقدمات کا فیصلہ کیا۔ انگریزی قوانین کی تحصیل و تدریس کے دوران سید امیر علی اس قابل ہو گئے تھے کہ وہ انگریزی معاشرے، تہذیب و تمدن۔ اور اطوار کا مقابلہ مسلمانوں کے تہذیب و تمدن

Marfat.com

اور اطوار سے کرسکیں۔اس کے ساتھ ساتھ ہی ہندو تہذیب وتمدن اور مسلم تہذیب وتمدن کا فرق محسوس کرسکیں۔

سید امیر علی ۱۹۰۴ء تک ہائی کورٹ کے جج رہے۔اسی سال ریٹائر ہونے کے بعد عازم انگلستان ہو گئے۔ ۱۹۰۹ء میں انہیں برطانوی حکومت نے انڈین پریوی کونسل کا رکن منتخب کرلیا۔یہ اعزاز کسی ہندوستانی کے لئے اولین نہ تھا۔کیونکہ قبل ازیں اس کونسل میں کوئی رکن ہندوستان کا باشندہ نہ تھا۔ریٹائرمنٹ کے بعد چوبیس سال زندہ رہے اور یہ عرصہ انہوں نے انگلستان ہی میں گزارا۔آپ کی وفات ۱۹۳۸ء میں ہوئی۔انگلستان میں قیام کے دوران سید امیر علی نے ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے بیش بہا خدمات انجام دیں۔مسلم لیگ کی انگلستان برانچ کی تشکیل اور اس کے ذریعے مسلم مقاصد کی تقویت کے سلسلے میں انہوں نے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔انہیں معلوم ہو گیا کہ ۱۸۵۷ء میں مسلمان ابھی اتنے مضبوط نہ تھے کہ وہ غلامی کی سلاس کو توڑ سکیں اور بدقسمتی سے ۱۸۵۷ء کے غدر سے انگریز کو اپنے پاؤں زیادہ مضبوط کرنے کا موقع مل گیا۔انہوں نے مسلمانوں کو اور زیادہ منظم ہونے کی تلقین کی اور اس بات کا احساس دلایا کہ منظم ہونے کے لئے باقاعدہ ایک تنظیم کی تشکیل کی ضرورت ہے۔ ہندوستان میں قیام کے دوران اس احساس کے تحت انہوں نے ۱۸۷۷ء میں نیشنل محمڈن ایسوسی ایشن قائم کی لیکن اس کے مقابلے میں سرسید مسلم ایجوکیشنل کانفرنس تشکیل کر چکے تھے اور وہ اس سلسلے میں خود شہر بہ شہر جا کر کوشاں رہے تھے۔لاس لئے اس کانفرنس کے مقابلے میں نیشنل محمڈن ایسوسی چنداں کامیاب نہ ہوسکی۔تاہم ۱۸۸۲ء میں اس ایسوسی ایشن نے ہندوستان کے مسلمانوں کے حقوق و مفادات کے تحفظ کے لئے ضروری اقدامات کرنے کے لئے وائسرائے لارڈ رپن نے ایک یادداشت پیش کی جس سے انگریز میں مسلمانوں کی طرف التفات کرنے کے لئے تحریک پیدا ہوئی۔سید امیر علی کی طرف سے اس ایسوسی ایشن کے قیام کا مقصد سرسید احمد خاں کی تحریک کو کام کرنا نہیں تھا بلکہ انہوں نے سیاسی وسماجی سطح پر سرسید احمد خان سے پورا پورا تعاون کیا۔چنانچہ اپنی ایسوسی ایشن ہونے کے باوجود سرسید کی بنائی ہوئی مسلم لیگ ایجوکیشنل کانفرنس کے ایک اجلاس کی صدارت بھی کی۔

سید امیر علی اور مسلم لیگ

انڈین نیشنل کانگریس کے مقابلے میں ہندوستان میں ایک نئی سیاسی جماعت مسلم لیگ کا قیام دسمبر ۱۹۰۶ء میں ہوا جس کی قرارداد ڈھاکہ میں محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے سالانہ اجلاس میں پاس کی گئی تھی اور یہ اجلاس بھی ۱۹۰۴ء میں ڈھاکہ کے مقام پر زیر صدارت وقار الملک انعقاد پذیر ہوا۔سید امیر علی نے محسوس کیا کہ مسلمانوں میں اس نئی جماعت کا معرض وجود میں آنا نہایت خوش آئند اقدام ہے لیکن اس کی کارکردگی کا دائرہ عمل وسیع ترین ہونا چاہئے۔چنانچہ ۱۹۰۸ء میں سید امیر علی کی زیر صدارت لندن میں آل انڈیا مسلم لیگ کی شاخ کھول دی گئی۔اس نئی جماعت کو لندن میں حال بنانے میں سید امیر علی کا بہت زیادہ عمل دخل رہا اور انہوں نے اپنی کارکردگی سے ثابت کر کہ ہندوستان کی یہ سیاسی جماعت ایک دن منزل مراد کو ضرور پالے گی۔وہ جنوری ۱۹۰۹ء کو مسلم لیگ لندن برانچ کی طرف سے سیکریٹری آف اسٹیٹ کے پاس ایک وفد کو لے کر گئے

Marfat.com

اور ہندوستان کے مسلمانوں مطالبات پیش کئے۔ بالخصوص وزیر موصوف کی توجہ لوکل باڈیز اور لے جسلو اسمبلیوں میں علیحدہ نمائندگی کی بنیاد پر جداگانہ انتخابات کا مطالبہ کیا۔ انہیں نہ صرف مسلمانان ہند سے ہمدردی تھی بلکہ ان کو مسلمانان عالم سے پورا پورا خلوص تھا۔ چنانچہ بلقان کی جنگوں اور ترکی اور اٹلی کی جنگوں کے دوران انہوں نے لندن سے برٹش ریڈ کولپنٹ سوسائٹی قائم کر کے ان لوگوں کی خاطر خواہ امداد کی۔ انہوں نے لندن میں ایک مسجد بھی تعمیر کرائی جس کے لئے انہوں نے لندن میں مختلف مسلم مخیر حضرات سے چندے جمع کئے۔ سید امیر علی کو اسلامی قوانین پر پوری مہارت حاصل تھی اور دعویٰ کی دلیل میں ہم ان کی وہ کتب پیش کر سکتے ہیں جو اپنی مثال آپ ہیں اور ان کے مقابلے میں شاید ہی کوئی قانون دان ایسی کتاب لکھ سکا ہو۔ وہ کتب حسب ذیل ہیں۔

ا۔	دی سپرٹ آف اسلام	۲۔	اسلام
۳۔	ویمن ان اسلام	۴۔	دی پرسنل لاء آف محمڈنز
۵۔	دی لیگل پوزیشن آف ویمن ان اسلام	۶۔	محمڈن لاء
۷۔	دی رائٹس آف پرشیا	۸۔	اے کنٹری آن دی بنگال ایکٹ وغیرہ

سید امیر علی کے دل میں مسلمانوں کے بارے میں کس قدر نیک جذبات پائے جاتے تھے۔ اور وہ چاہتے تھے کہ ہندو کے مقابلے می اس برصغیر میں مسلمان بھی ہر لحاظ سے خود کفیل ہو جائے۔ ان کتب کی بناء پر انہوں نے مسلمانوں کو ایک خاص مرکز کی طرف آنے کی ترغیب دی اور مسلمانان ہند کو احساس دلایا کہ ان کے حقوق اور فرائض کیا ہیں۔ اسلام کا یہ مجاہد اور آزادی کا یہ پروانہ ۳ اگست ۱۹۲۸ء کو انگلستان میں بمقام سیکوس میں ابدی نیند سو گیا۔

نواب محسن الملک (۱۸۳۷ء تا ۱۹۰۷ء)

سرسید احمد خان کی وفات سے جہاں ملت اسلامیہ کو بہت بڑے نقصان کا صدمہ ہوا وہاں علی گڑھ کالج کے حالات پر بھی ان کی وفات کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ خیال یہ تھا کہ ان بگڑتے ہوئے حالات کو جسٹس محمود سنبھال لیں گے۔ لیکن یہ ان کے بس کا کام نہیں تھا۔ اس لئے کالج کی مجلس منتظمہ نے کالج کے سیکریٹری کے عہدے کے لئے نواب محسن الملک کا انتخاب کیا۔ سرسید کے بعد مسلم نشاۃ ثانیہ کے سلسلے میں جن رہنمایان قوم اور قائدین نے کارہائے نمایاں انجام دیئے ان میں گراں مایہ شخصیت نواب محسن الملک، سید مہدی علی خاں، میر نواز جنگ کی ہے۔ جو عام طور پر تاریخ میں نواب محسن الملک کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ ۱۸۳۷ء میں صوبجات متحدہ کے قصبہ اٹاوہ کے غریب مگر شریف سید گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ کے نانا جید عالم تھے۔ ان سے فیضان علم و تربیت حاصل کرنے کا موقع ملا۔ اسلام کا ان پر گہرا اثر ہوا۔ مذہب ہی ان کا اوڑھنا بچھونا بن گیا۔ ابتدائی عمر میں ہی حدیث، تفسیر اور عربی ادب میں دسترس پیدا کر لی اور اسی مذہب کی بناء پر ہی سرسید سے ان کی ملاقات ہوئی اور سرسید کے اخلاص کو دیکھ کر ان کے جاں نثار اور شیدائی بن گئے اور مرتے دم تک ان کے معین و مددگار رہے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد اٹاوہ تحصیل

Marfat.com

دس روپے ماہوار پر محرر مقرر ہو گئے اور رفتہ رفتہ ترقی کرتے ہوئے تحصیلدار پر ڈپٹی کلکٹر تعین ہوئے۔ مسٹر اے او ہیوم جو اس وقت کلکٹر تھے بعد میں انڈین نیشنل کانگریس کے بانی بنے وہ آپ کے بارے میں رقمطراز ہیں: "باوجود اس اعلیٰ درجے کی لیاقت اور کارگزاری کے ایسا شخص جو ایک ریاست اور صوبہ کا انتظام نہایت عمدہ طور پر کر سکتا ہے ابھی تک تحصیلدار اور ڈپٹی کلکٹری کے عہدوں پر رہا"۔ ۱۸۷۴ء میں وہ مرزاپور میں ڈپٹی کلکٹر تھے کہ سرسید کے مشورے سے ملازمت سے استعفے دے دیا اور ریاست حیدرآباد سر سالار جنگ کی خواہش پر وہاں چلے گئے اور وہاں محکمہ مال کے سیکریٹری مقرر ہوئے۔ انہوں نے مال گذاری کے فرسودہ نظام میں انقلابی تبدیلیاں کیں جن سے نہ صرف ریاست کا خزانہ معمور ہو گیا بلکہ زراعت پیشہ طبقے کو بھی پورا پورا فائدہ ہوا۔ ۱۸۸۳ء میں سالار جنگ کی وفات ہوئی تو ان کا بیٹا میر لائق علی خاں ریاست کا وزیر اعظم مقرر ہوا تو اس نے آپ کو وزارت سیاست و خزانہ کا سیکریٹری مقرر کر دیا۔ اس عہدے۔ پر ہونے سے بیرون ریاست ان کے اثر واقتدار میں اضافہ ہوا جس کی بدولت منیر نواز جنگ کا خطاب عطا ہوا۔ اس کے تین سال بعد یعنی ۱۸۸۷ء میں "نواب محسن الملک" کے خطاب سے نوازے گئے۔ ان کا یہ خطاب اس قدر مشہور ہوا کہ اصلی نام کو دنیا بھول ہی گئی اور ۱۸۹۳ء میں وہاں سے مستعفی ہو کر واپس لوٹے اور اس واقعہ کی روداد جناب مولوی عبدالحق صاحب ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں: "حیدرآباد میں بڑے بڑے آئے اور گئے لیکن اب تک کسی کو وہ عام مقبولیت اور ہر دلعزیزی حاصل نہیں ہوئی جو نواب محسن الملک کو ہوئی۔ ہمارے ملک میں خوشامدیوں کی کوئی کمی نہیں وہ ہر بڑے اور صاحب اقتدار آدمی پر اس طرح ٹوٹ پڑتے ہیں جیسے شہد پر مکھیاں۔ لیکن سچ اور جھوٹ کا امتحان اس وقت ہوتا ہے جب وہ بڑا آدمی اپنے اقتدار یا منصب سے محروم ہو جاتا ہے۔ نواب محسن الملک کی رخصت کے وقت حیدرآباد میں کہرام مچ گیا تھا۔ اور ہزار ہا آدمی کا ٹھٹھ سٹیشن کے باہر اور اندر لگا ہوا تھا۔ سینکڑوں آدمی جن میں امیر، غریب، بیوائیں اور یتیم سب ہی شامل تھے، زار و قطار رو رہے تھے۔ وہ کیا چیز تھی جس نے چھوٹے بڑے سب کا دل موہ لیا تھا"۔

حیدرآباد سے سبکدوش ہو کر علی گڑھ پہنچ گئے اور مرتے دم تک وہیں رہے۔ ۱۸۹۸ء میں جب سرسید احمد خاں نے وفات پائی تو کالج کی حالت بڑی نازک تھی۔ لاکھ سوا لاکھ کے غبن نے نہ صرف سرسید بلکہ کالج کی کمر توڑ کر رکھ دی تھی۔ اب کالج تقریباً ساٹھ ہزار کا مقروض تھا۔ کئی عمارتیں نامکمل تھیں۔ طلباء بدظن ہو چکے تھے اور تعداد بتدریج کم ہوتی چلی جا رہی تھی۔ اس نازک موڑ پر نواب محسن الملک نے کالج کی باگ و دوڑ سنبھالی۔ انہوں نے سب سے پہلے سرسید میموریل فنڈ کا قیام کیا اور مختصر عرصے میں ہی کالج کے خزانہ میں تقریباً آٹھ لاکھ روپیہ جمع کیا اور ساتھ ہی طلباء کی تعداد ساڑھے آٹھ سو تک پہنچ گئی۔ مولانا شبلی آپ کے اس وقت کے حالات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "لوگوں کو ڈر تھا کہ سرسید مرحوم کے بعد ان کے منصوبوں کو کون انجام دے گا۔ لیکن خدا نے ان ہی کے ہم نشینوں میں سے ایسا شخص (نواب محسن الملک) پیدا کر دیا جو اور امور میں گو سرسید کا ہمسر نہ تھا لیکن کالج کی وسعت، ترقی اور مقبول عام بنانے میں سرسید سے کس طرح کم نہ تھا۔ اس نے تھوڑی سی مدت میں سات لاکھ روپیہ جمع کر دیا۔ کالج کی ہر شاخ اس قدر ترقی کی گئی کہ کوئی شخص جس نے سرسید کی زندگی میں کالج کو دیکھا تھا آج آ کر دیکھا تو پہچاننا مشکل ہوگا۔ کانفرنس (آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علیگڑھ) جو روز مردہ ہو جاتی تھی آپ نے اس کو دوبارہ زندہ کیا

Marfat.com

اور لاہور سے لے کر ڈھاکہ تک اس کے ڈانڈے ملا دیئے"۔

اس زمانہ میں صوبجات متحدہ کا لیفٹیننٹ گورنر سر انٹونی میکڈانل تھا۔ یہ بڑا تعصب اور تنگ نظر انسان تھا۔ مسلم دشمنی تو اس کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ اس نے چند ہندوؤں کو ساتھ ملا کر اردو ہندی نزاع کے بیج بوئے۔ آپ نے اس کے خلاف اردو کے دفاع کے لئے اردو ڈیفنس ایسوسی ایشن کی بنیاد رکھی اور سارے ملک میں سیاسی زندگی کی لہر دوڑا دی۔ اردو کی حمایت کے لئے ۱۸ اگست ۱۹۰۰ء میں لکھنؤ کے قیصر باغ میں ایک جلسہ ہوا۔ آپ نے اس کی صدارت کی ایک اور پر اثر پر ور تقریر کی جس کا اختتامیہ شعر یہ تھا:

چل ساتھ کہ حسرت دل محروم سے نکلے عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

اس عرصہ میں معلوم ہوا کہ انگریز ہندوؤں میں کچھ سیاسی حالات کرنا چاہتے ہیں۔ تو آپ نے ۱۹۰۶ء میں ایک مسلمانوں کا وفد ترتیب دیا اور اسے لے کر سر آغا خاں کی قیادت میں گورنر جنرل لارڈ منٹو سے ملاقات کی۔ یہ اسی وفد کی کوششوں کا ثمر ہے کہ ۱۹۰۹ء کے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ میں مسلمانوں کے مطالبات کا خاطر خواہ خیال رکھا گیا۔ آپ ہی کے زیر صدارت ۱۹۰۶ء میں ڈھاکہ میں آل انڈیا مسلم لیگ کا قیام عمل میں آیا۔ یہی وہ جماعت ہے جس کی ساعی سے پاکستان وجود میں آیا۔

"ابھی آپ شملہ ہی میں تھے کہ بیماری نے آگھیرا۔ لارڈ منٹو نے علاج کے لئے اپنی ذاتی معالج کو مامور کیا لیکن مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی" ۱۴ اگست ۱۹۰۷ء کو حالت سخت خراب ہوگئی تو آپ نے دوست واحباب کو بلا لیا اور ان کو مخاطب کر کے فرمایا: "مجھ اپنی زندگی کا اعتبار نہیں آپ سب گواہ رہیں کہ میں صدق دل سے کلمہ **لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه محمد رسول الله** پڑھتا ہوں۔ میں نے جو کچھ ملک وقوم کی خدمات کی ہیں وہ نیک نیتی کے ساتھ کی ہیں اور اگر ان میں کوئی غلطی ہو تو میں بے قصور ہوں کیوں کہ میری نیت ہر حال میں نیک تھی اور خدا میری نیک نیتی کا شاہد ہے"۔

۱۶ اکتوبر ۱۹۰۷ء کو پیغام اجل آگیا اور یہ مرد مومن اس دنیا سے رخصت ہوگیا۔ ان کی میت شملہ سے علی گڑھ پہنچائی گئی۔ تدفین وہیں عمل میں آئی۔ اور سر سید اور سید محمود کے قریب جگہ ملی۔ آپ زبردست خطیب اور بڑے فصیح البیان مقرر تھے بلکہ سر سید رضا علی خاں کے الفاظ میں ان کا شمار دنیا میں سب سے بڑی مقرروں میں ہوتا تھا۔ تقریر کے دوران حاضرین پر ہی اختیار اور قابو ہوتا تھا جیسے برتن بناتے وقت کمہار کو مٹی پر ہوتا ہے۔ جب چاہتے رلاتے اور جب چاہتے ہنساتے۔ گفتگو کا انداز بہت دلکش تھا۔ بذلہ اور خوش مزاجی میں یکتا تھا۔ بقول شمس العلماء آزاد' جب بات کرتے تو یہ معلوم ہوتا کہ چنبیلی کے پھولوں کا ڈھیر پڑا ہنس رہا ہے"۔ آپ کو مطالعہ کا بہت شوق تھا۔ عربی، فارسی، اردو اور انگریزی کا ایک کتب خانہ ہر وقت ان کے ساتھ رہتا تھا۔ آپ بڑے منکسر المزاج تھے۔ چھوٹے بڑے سب کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آتے تھے۔ اختلاف رائے کو برداشت کرتے اور درگزر کرتے۔ مخیر اور فیاض قسم کے انسان تھے۔ سید رضا علیل کے مطابق "وہ بلا کے ذکی الطبع تھے۔ معاملے کہ تہہ کو پہنچنے میں دیر نہ لگاتے تھے۔ سچ تو یہ ہے کہ انہوں نے تحریک علی گڑھ کو جو سر سید کے زمانے میں صوبجات متحدہ۔ اور پنجاب تک محدود تھی

Marfat.com

نہ صرف سارے ملک میں پھیلا بلکہ برما، افغانستان اور ایران جیسے دور دراز کو اس کے دائرہ اثر میں شامل کرلیا''۔

آپ اعلیٰ درجہ کے سیاس اور مدبر تھے۔آپ کا دائرہ اثر بہت وسیع تھا۔ہز ہائی نس سر آغا خان، سید علی امام، جسٹس شاہ دین، سر محمد شفیع، مہاراجہ محمود آباد اور سر عبد الرحیم جیسے عظیم بزرگ آپ کے جلیس اور دوست تھے۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ان کے ستارے کی روشنی محسن الملک تھے کہ انہی کے ذریعے وہ ملک میں روشناس ہوئے۔

کارہائے نمایاں

نواب محسن الملک کے تمام کارنامے گنانے کی یہاں گنجائش نہیں، لیکن ان کی ایک آدھ خصوصیت کا ذکر کرنا ضروری ہے، جس نے ان کا کام بہت آسان کر دیا تھا۔علی گڑھ کالج اور ایجوکیشنل کانفرنس کے مہتمم ہونے کے علاوہ نواب محسن الملک سرسید کے سیاسی جانشین تھے اور اس سلسلے میں انہیں دو تین بڑے معرکوں میں حصہ لینا پڑا۔ان میں سے ایک کی نسبت مولوی عبدالحق سیکریٹری انجمن ترقی اردو لکھتے ہیں: ''سرسید کی وفات کے قریب زمانے ہی میں اردو کی مخالفت کا آغاز ہو گیا تھا۔اگرچہ سرسید کی حالت اس وقت نازک تھی تو بھی اس جوان ہمت بڈھے نے اسکے متعلق لکھائی پڑھائی شروع کر دی تھی۔محسن الملک کے زمانے میں اس مخالفت نے اور زور پکڑا۔اردو کی حفاظت اور حمایت کے لئے ایک انجمن قائم کی گئی۔جس کا ایک عظیم الشان جلسہ لکھنؤ میں ہوا۔اس میں نواب محسن الملک نے بڑی زبردست اور پر جوش تقریر کی۔جس کا لوگوں پر بڑا اثر ہوا۔اور جوش کی ایک لہر پھیل گئی۔سرانٹونی میکڈانل اس وقت لیفٹیننٹ گورنر تھے۔ وہ ہندی کے بڑے حامیوں میں سے تھے۔انہوں نے کچھ ایسی دھمکی دی کہ نواب صاحب کو اس سے دست بردار ہونا پڑا اور انجمن ٹوٹ پھوٹ کے رہ گئی۔ان کی یہ کمزوری نہایت قابل افسوس ہے۔لیکن اندیشہ یہ تھا کہ اگر انہوں نے اصرار کیا تو انہیں کالج کی سیکریٹری شپ سے سبکدوش ہونا پڑے گا۔کالج کی حالت اس وقت بہت نازک تھی۔اس لئے مصلحت اسی میں سمجھی کہ اردو کی حمایت سے دست بردار ہو جائیں۔تاہم ان کی یہ کارروائی بے اثر نہ رہی۔

مولوی عبدالحق اردو کے محسن اعظم اور نواب محسن الملک کے دلی عقیدت مند تھے۔اس کے علاوہ ان کی رائے عام طور پر اسی طرح جچی تلی اور جذبات سے مبرّا ہوتی کہ ان سے اختلاف آسان نہیں، لیکن مندرجہ بالا اندراج میں اصابت رائے قطع نظر، بیان واقعات کی اتنی غلطیاں ہیں کہ نواب محسن الملک کی سیرت پر اس اہم اعتراضات کی صحت یا غلطی کے لئے تمام واقعات پر سرسری نظر ڈالنی پڑے گی۔یو۔پی میں اردو کی مخالفت، جیسا کہ ہم سرسید کے ذکر میں بتا چکے ہیں ۱۸۶۷ء کے قریب شروع ہوگئی تھی اور رفتہ رفتہ زور پکڑ رہی تھی۔جب ۱۸۹۵ء میں سرانٹونی میکڈانل صوبہ بہار میں کلکٹر تھے اور بقول سرسید ان کے تعاون کی وجہ سے بہار میں اردو زبان کے بجائے بہاری زبان اور فارسی حروف کی بجائے کیتھی حروف رائج ہوئے۔ مارچ ۱۸۹۸ء میں صوبے کے بڑے بڑے معزز اور سر برآوردہ ہندوؤں نے پھر ایک میموریل اس غرض سے پیش کیا کہ تمام سرکاری عدالتوں اور کچہریوں میں بجائے اردو زبان اور فارسی رسم الخط کے ہندی بھاشا اور ناگری خط جاری کیا جائے۔اور بالآخر

Marfat.com

۱۸ اپریل ۱۹۰۰ء کو سر انٹونی کی حکومت نے وہ مشہور ریزولیشن صادر کیا جس کی رو سے اردو کے ساتھ ساتھ ہندی کا استعمال جائز قرار دیا گیا۔ علی گڑھ میں اس ریزولیشن پر سب کو افسوس ہوا۔ نواب محسن الملک نے اپنی کوٹھی پر ایک مختصر جلسہ منعقد کیا، جس میں آئندہ پروگرام معین کیا گیا۔ اور اس کے مطابق ۱۳ مئی ۱۹۰۰ء کو علی گڑھ ٹاؤن ہال میں نواب لطف علی خاں صاحب رئیس چھتاری ضلع بلند شہر کی زیر صدارت ایک جلسہ منعقد ہوا۔ جس میں نواب محسن الملک کو عرض داشت مرتب کرنے اور عام جلسہ کرنے کا کام سپرد ہوا۔ سر انٹونی میکڈانل کو یہ کاروائی بری لگی اور انہوں نے اپنی تقریروں اور بعض خطوں میں اس پر سخت نکتہ چینی کی۔ چنانچہ نواب محسن الملک کے بہت سے سرکائے کاران سے علیحدہ ہو گئے بلکہ جلسہ علی گڑھ کے پریزیڈنٹ نواب لطف علی خاں نے صدارت سے استعفیٰ دے کر کمیٹی سے علیحدگی اختیار کی۔ اس کے باوجود نواب صاحب نے لکھنؤ میں ۱۸ اگست کو وہ عظیم الشان جلسہ منعقد کرایا جس کا ذکر مولوی عبدالحق نے اپنے مضمون میں کیا ہے: ''اس پر سر انٹونی میکڈانل اور بگڑنے''۔ وہ بحیثیت پیٹرن علی گڑھ آئے اور ٹرسٹیوں کو جمع کر کے اس ایجی ٹیشن پر جو اردو ڈیفنس ایسوسی ایشن کے ذریعے کی جاتی تھی، اپنی سخت ناراضی کیا اظہار کیا اور یہ الزام لگایا کہ ایم۔ اے۔ او کالج کے طلباء تحریک کے مناد بنائے گئے۔ نیز اساتذہ اور بعض ٹرسٹیوں اور اور آنریری سکریٹری نے اس میں نمایاں حصہ لیا۔ اگر یہ طریقہ جاری رہا تو گورنمنٹ سے جو امداد کالج کو ملتی وہ بند کر دی جائے گی''۔

''بعض ٹرسٹیوں نے سر انٹونی کو خوشامدانہ تائید کی۔ اور تمام تر الزام نواب محسن الملک پر لگایا۔ اب ان کے لئے بجز اس کے کوئی چارہ کا ذکر نہ تھا کہ وہ یا تو سکریٹری شپ سے مستعفیٰ ہو جائیں یا اس تحریک سے''۔

اس زمانے میں کالج کی جو نازک حالت تھی، اس کی طرف مولوی عبدالحق نے اشارہ کیا ہے، لیکن اس سے اصل پیچیدگی کا پورا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ کالج کی مالی پریشانیوں اور دوسری الجھنوں کا ہم ذکر کر چکے ہیں، لیکن سب سے بڑی الجھن یہ تھی کہ اس وقت سر انٹونی میکڈانل صوبے کے گورنر تھے اور کالج پر ان کی گرم نظریں پڑ رہی تھیں۔ اور اب ان کی توجہ علی گڑھ کی طرف تھی۔ انہوں نے اپنی عام تقریروں میں علی گڑھ کالج کی نسبت کھلم کھلا کہنا شروع کر دیا۔

اس موقع پر اس بات کا پوشیدہ رکھنا محض بے سود ہو گا کہ ٹرسٹیوں میں اتفاق نہیں ہے اور میں اس بات کے کہنے پر مجبور ہوں کہ بعض لوگوں میں اعتدال بھی نہیں۔ جس کی وجہ سے ان بنیادوں پر جو اس کے بانی نے قائم کی تھیں کالج کا وجود ہی مخدوش ہو گیا ہے اور اسی حالت کی وجہ سے وہ پبلک کے دلوں میں قدرتی طور پر انسٹی ٹیوشن کی طرف سے بے اعتمادی پیدا ہو گئی ہے۔

ہز آنر نے اپنی رائے کی تائید کے لئے مواد بھی اکٹھا کرنا شروع کر دیا۔ فرماتے ہیں: ''میں نے اپنا دورہ روہیلکھنڈ اور میرٹھ ڈویژن میں جہاں بہت سے قدیم مسلمان خاندانوں کے وطن ہیں۔ خاص کر اس غرض سے کیا کہ اس بارے میں مسلمانوں کے خیالات معلوم کروں۔ اور میں اپنی تحقیقات کے نتیجے سے مطمئن ہوں کہ لوگوں کو یقین ہے کہ موجودہ انتظام اور بندوبست کا طریقہ کافی اور قابل اطمینان نہیں۔ میں یقین کرتا ہوں کہ تعلیم یافتہ مسلمانوں کی بالا اتفاق یہ رائے ہے کہ قبل اس کے کہ کالج کی طرف سے لوگوں کو پورا پورا اعتماد اور اطمینان ہو۔ یہ امر نہایت ضروری ہے کہ اس کے انتظام میں بعض ضروری تغیرات عمل میں آئیں''۔

Marfat.com

یہ صورت حال تھی جب نواب محسن الملک کو اپنی زندگی کا ایک تلخ فیصلہ کرنا پڑا۔ مولوی عبدالحق لکھتے ہیں کہ نواب صاحب نے اپنی رائے پر اس لئے اصرار نہ کیا کہ وہ سیکریٹری شپ سے سبکدوش نہ ہونا چاہتے تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر نواب صاحب اپنی خواہش نہیں بلکہ خالص قومی مصلحتوں کی بناء پر اس نازک مرحلے کے وقت کالج کی نافدائی پسند کرتے اور اردو کی حمایت سے علیحدہ ہو جاتے تب بھی وہ حق بجانب تھے۔ اس وقت اردو یا ہندی کی عام حمایت کا سوال نہ تھا بلکہ گورنمنٹ کے ایک ایسے فیصلے کی تنسیخ مدنظر تھی جو برسوں کے غور و فکر کے بعد صادر ہوا تھا۔ اور جس کو صوبے کے "بڑے بڑے معزز اور سربرآوردہ ہندوؤں" کی حمایت حاصل تھی۔ اس مقصد میں کامیابی پہلے دن سے مشتبہ تھی۔ اس کی خاطر کالج کے وجود کو خطرے میں ڈالنا اور سر انٹونی میکڈانل جیسے "مسلمانوں کے بہی خواہ" کو ضروری تغیرات عمل میں لانے کا موقع دینا قومی مصلحتوں کے خلاف تھا اور اگر محسن الملک اس مشکوک الحصول مقصد کی تکمیل پر کالج کی فلاح کو ترجیح دیتے تو ان پر "کمزوری" کا الزام وہی عائد کر سکتا تھا، جو جذبات کی تسکین کو قومی بہی خواہی پر مقدم رکھے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس موقع پر کم از کم عمر میں ایک دفعہ، نواب محسن الملک نے مصلحت بینی پر جذبات کو مقدم رکھا اور اردو کی حمایت سے دست بردار ہونے کے بجائے سیکریٹری شپ سے سبکدوش ہو جانا چاہا۔

تذکرہ محسن میں لکھا ہے: "چنانچہ انہوں نے ان حالات کی نزاکت پر غور کر کے ۲۶ اگست ۱۹۰۰ء کو ٹرسٹیوں کے جلسے میں سیکریٹری شپ سے استعفیٰ پیش کر دیا"۔ ہز آنر کی تسلی کے لئے اس استعفیٰ کی نقل ان کے پاس بھیجی گئی۔ ان کے پرائیویٹ سیکریٹری نے ایک طویل خط مورخہ ۱۰ اکتوبر میں دوبارہ اس روش پر ناراضگی کا اظہار کیا جو ہندی کی مخالفت میں اختیار کی گئی تھی اور خواہش ظاہر کی کہ یہ چھٹی ٹرسٹیوں کی اس کمیٹی کے سامنے پیش کی جائے، جو استعفیٰ کے متعلق فیصلہ کرے۔ لیکن جب ملک میں اس استعفیٰ کی خبر عام ہوئی تو ایک ہنگامہ مچ گیا۔ لوگوں کو احساس تھا کہ اس نازک مرحلے پر نواب محسن الملک کے کالج سے علیحدہ ہونے کا کیا نتیجہ ہوگا۔ چنانچہ اسلامی انجمنوں نے اس مقصد سے جلسے منعقد کئے اور استعفیٰ واپس لینے کی درخواستیں کیں۔ سرسید کے جو رفقا زندہ تھے، انہوں نے خانگی اور ضابطہ کے خطوط میں سخت اصرار کیا اور ہر قسم کا ذاتی اثر ڈالا۔ نواب وقار الملک نے اس کی واپسی پر سخت اصرار کیا۔ حالی نے نواب حبیب الرحمٰن شروانی کو لکھا۔ نواب محسن الملک کو مجبور کرنا چاہئے کہ اپنا استعفیٰ واپس لے لیں ورنہ پبلک میں مدرسے کی جانب سے بہت بے چینی پیدا ہو جائے گی۔ سر مزمل اللہ خاں نے تو نواب محسن الملک کے نام ایک خط صورت حال کو صاف صاف واضح کر دیا: "سیکریٹری شپ کالج سے اس وقت حضور علیحدہ ہونا کالج کی موت اور قومی مصیبت ہے اور اس کا مواخذہ حضور کے اوپر خدائے ذوالجلال کے حضور میں ہوگا۔ نیز میں یہ ظاہر کر دینا چاہتا ہوں کہ اگر اس وقت از خود حضور نے کالج کی سیکریٹری شپ کو چھوڑ دیا اور ہمارے اصرار و الحاح پر توجہ نہ فرمائی تو میں بھی جوائنٹ سیکریٹری کے عہدے سے استعفیٰ دے دوں گا"

اس کے بعد نواب محسن الملک مجبور ہو گئے اور انہوں نے بقیہ میعاد تک کے لئے استعفیٰ واپس لے لیا۔ اب ناظرین خود ہی انصاف کر لیں کہ انہوں نے کس مرحلے پر ایسی "کمزوری" دکھائی جو مولوی عبدالحق صاحب کے خیال میں "نہایت قابل

Marfat.com

افسوس“ ہے اور کون سا ایسا کام کیا جو ایک خوددار، فرض شناس قوم خادم کی شان سے فروتر تھا؟

مولوی صاحب یہ بھی نہیں بتاتے کہ اگر محسن الملک نے اس موقع پر کمزوری دکھائی تو قوم کے دوسرے دلیر راہنماؤں نے کیا کیا؟ نواب وقار الملک اس موقع پر زندہ اور ہر طرح فارغ البال تھے۔ گورنمنٹ کے ریزولیشن سے وہ بھی متاثر ہوئے اور ایک لحاظ سے اس کی بناء پر انہوں نے گذشتہ عافیت سے نکلنے کا ارادہ کیا۔ وہ نواب محسن الملک کی تحریک میں شامل تھے اور لکھنؤ کے جلسے میں انہوں نے ایک پرزور تقریر کی، لیکن کام جاری رکھنے کے لئے انہوں نے کیا کیا؟ محسن الملک تو سیکریٹری شپ سے استعفیٰ واپس لینے کے بعد مجبور ہو گئے تھے کہ یا تو وہ کالج کو گورنمنٹ سے جو امداد ملتی تھی اس سے ہاتھ دھوئیں یا اردو تحریک سے کنارہ کش ہوں، لیکن نواب وقار الملک تو ان پابندیوں سے آزاد تھے۔

نواب لطف علی خاں نے اس معاملے میں جو کچھ کیا، اس کا ہم ذکر کر چکے ہیں۔ ان کے علاوہ دوسرے کئی ٹرسٹی ایسے تھے جنہوں نے ہر آنر کی آنکھیں بدلتی دیکھ کر سب الزام محسن الملک پر ڈالا اور خود کنارہ کش ہو گئے، لیکن سب سے عبرت ناک فعل سید محمود کا تھا۔ انہوں نے ایام میں ہز آنر سر انٹونی میکڈانل کو ایک خط لکھا، جس میں دوسری باتوں کے علاوہ ذیل کا اندراج تھا: ”کالج کے اصلی بہی خواہوں کے لئے یہ امر ضرور رنج و افسوس کا باعث ہوگا کہ میرے والد سر سید مرحوم کی وفات کے بعد بہت جلد کالج کے معاملات کی نوبت، جس کو پولیٹیکل ایجی ٹیشنوں سے محفوظ رکھنے کے واسطے انہوں نے تمام عمر کوشش کی تھی، کیونکہ وہ خالص خیراتی اور تعلیمی انسٹی ٹیوشن تھا، ادنیٰ پارٹی پالیٹکس تک پہنچ گئی“۔

یہ صحیح ہے کہ اس کے بعد جب محسن الملک نے استعفیٰ دیا تو اس کی واپسی پر سب سے زیادہ زور سید محمود نے دیا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس عام تاریک منظر میں اگر کسی شخص کا چہرہ درخشندہ نظر آتا ہے تو وہ محسن الملک کا ہے۔ ان کی طبیعت میں کمزوریاں تھیں۔ وہ مروت اور دلجوئی اور مصلحت بینی کو بعض اوقات اس حد تک بڑھا لیتے کہ یہ چیزیں بزدلی کی سرحد میں داخل ہو جائیں۔ لیکن کم از کم اس موقع پر انہوں نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جو قابل افسوس ہو اور جس سے نواب محسن الملک کو شرم سار ہونا پڑے۔ سرانٹونی میکڈانل کی نگہ گرم نے اردو تحریک کو دنوں میں بھسم کر دیا۔ اس کشمکش کا ہندوستان کی تاریخ پر گہرا اثر ہوا۔ نواب محسن الملک تو اپنے ”ہمرہان سست عناصر“ کی کمزوری سے ایسے بددل ہوئے کہ اب وہ قومی معاملات میں ضرورت سے زیادہ محتاط ہو گئے۔ وہ کوئی تحریک شروع کرتے وقت بہت پھونک پھونک کر قدم رکھتے تھے۔ قوم پر اس تحریک کا اور جس طریقے سے یہ کچل گئی، یہ اثر ہوا کہ حکومت کی طرف سے ان کے دل کھٹے ہو گئے۔ اس واقعہ سے حکومت کی وفاداری کی وہ عمارت جو سر سید نے برسوں کے بعد قوم کے دلوں میں تعمیر کی تھی، گری تو نہیں لیکن اس میں شگاف بہت سے پڑ گئے۔ نواب محسن الملک کا دوسرا معرکہ زیادہ اہم اور زیادہ کامیاب تھا۔ جب ۱۹۰۶ء کے وسط میں مسٹر مارلے کی وہ تقریر شائع ہوئی جس میں ہندوستان کو اصلاحات دینے کا اعلان تھا تو نواب محسن الملک فوراً مستعد ہوئے اور اس وفد کا اہتمام کیا جو لارڈ منٹو کے پاس فرقہ وارانہ انتخابات کا مسلک منوانے کے لئے حاضر ہوا۔ اس کام کے لئے انہوں نے قوم کے سربرآوردہ ستر اراکین کو چنا اور نواب عماد الملک بلگرامی سے اپنے مطالبات عرض داشت کی صورت میں لکھوائے وہ چاہتے تو وفد کی قیادت خود کرتے، لیکن ان کی نگاہ انتخاب ہز ہائینس آغا خاں پر پڑی۔

Marfat.com

یہ وفد اکتوبر ۱۹۰۶ء کو وائسرائے کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اپنے مقصد میں کامیاب رہا۔ اس کے بعد محسن الملک ایک پولیٹیکل ایسوسی ایشن کے قیام میں کوشاں ہوئے۔ چنانچہ ۳۰ دسمبر ۱۹۰۶ء کو بمقام ڈھاکہ مسلمانوں کا ایک نمائندہ جلسہ ہوا، جس میں ''آل انڈیا مسلم لیگ'' قائم کرنے کا فیصلہ ہوا اور نواب محسن الملک اور نواب وقار الملک اس کے سیکریٹری منتخب ہوئے۔

محسن الملک کا زمانہ قیادت ٹھوس قومی کاموں کے لئے ممتاز ہے، لیکن ان کے حالات زندگی دیکھنے سے یہ خیال ہوتا ہے کہ انتہائی ایثار، حزم واحتیاط، راست بینی اور ٹھوس قومی خدمت کے باد جود انہیں قومی زندگی میں سکون نصیب نہیں ہوا اور کالج کی معتمدی ان کے لئے کانٹوں کی سیج بنی رہی۔ اس کی متعدد وجوہ تھیں۔ ایک سید محمود، نواب وقار الملک اور دیگر بااثر ٹرسٹیوں کی مخالفانہ کوششیں۔ دوسرے حالات کی تبدیلی۔ اس زمانے میں علی گڑھ کالج اور قوم کو جن مسائل سے واسطہ پڑا تھا۔ ان کے حل کرنے کے لئے انتہائی مدبر اور فہم وفراست کی ضرورت تھی۔ لیکن کالج کے اندر ہی ایسے نوجوان پیدا ہو گئے تھے، جو ان خوبیوں کی اہمیت نہ سمجھتے تھیل اور شخصی اور جزوی شکائتوں کی بناء پر جوش میں آجاتے تھے۔ نواب محسن الملک عملی آدمی تھے اور جانتے تھے کہ خیر کثیر کی خاطر اکثر شر قلیل گوارا کرنا پڑتا ہے، لیکن نوجوانوں کے نزدیک یہ طرز عمل کمزوری پر دال تھا۔ نواب محسن الملک کمزوری کے طعنوں سے نہ ڈرے اور انہوں نے ہمیشہ وہی کیا، جسے قوم کے صحیح مفاد کے لئے ضروری سمجھتے تھے، لیکن ایک بے غرض اور حساس دل پر ان طعنوں کا جو اثر ہوتا ہو گا وہ ظاہر ہے۔ نواب محسن الملک کے آخر ایام علی گڑھ کالج کی سٹرائک نے بہت مکدر کر دیئے اور یہی واقعہ ان کی موت کا باعث ہوا۔ ان کی وفات ۱۴ اکتوبر ۱۹۰۷ء بمقام شملہ ہوئی۔ اور علی گڑھ میں دفن ہوئے۔ جس سال نواب صاحب فوت ہوئے۔ اس سال کانفرنس کا اجلاس کراچی میں تھا۔ محسن الملک کے آخری ایام کی بے لطفی کا رنج سب کو تھا، لیکن ان کے عملی کارنامے دیکھ کر طبیعت کو سہارا ہوتا تھا۔ حالی نے نظم پڑھی:

وہ ملک کا محسن وہ مسلمانوں کا غمخوار ۔۔۔ سر کر کے مہم، قوم کے کام آگیا آخر

مسلمانوں کی تعلیمی تحریکیں

1857ء کی جنگ آزادی کے بعد برصغیر پاک وہند کے مسلمانوں کی تاریخ کا وہ اندھناک باب شروع ہوتا ہے۔ جس میں نا صرف ان کی معاشی ثروت، اخلاقی فوقیت اور ثقافتی شان وشوکت کا خاتمہ ہوتا ہے۔ بلکہ انہیں زندگی کے ہر شعبے سے دور رکھنے کی کوشش کی گئی ان پر ترقی کے تمام دروازے بند کر دیئے گئے۔ علماء کرام کا ایک ایسا طبقہ بھی موجود تھا جو نظریات کو تقلید کا سد باب کرنے اور اسلام کے صحیح نظریات اور اعمال سے قوم کو روشناس کرانے کے لئے دینی مدارس کے قیام کو مسلمانوں کے مسائل کے حل تصور کرتا تھا۔ چنانچہ ان کی کوششوں سے دارالعلوم دیوبند، ندوۃ العلماء لکھنو، انجمن حمایت اسلام لاہور اور جامع ملیہ اسلامیہ دہلی ایسے ملی ادارے عالم وجود میں آئے جنہوں نے رفتہ رفتہ ایک تعلیمی تحریک کی شکل اختیار کر لی۔

مسلم لیگ کا قیام

مسلم لیگ کی بنیاد دسمبر ۱۹۰۶ء میں ڈھاکہ میں رکھی گئی۔ اس سال مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے سالانہ جلسے کا انعقاد

Marfat.com

اسی شہر میں قرار پایا تھا۔ مندوبین کو پہلے سے اطلاع دی جا چکی تھی کہ کانفرنس کے اختتام پر ایک دن کے لئے سیاسی معاملات پر صلاح مشورہ ہوگا۔ اس دن تمام صوبوں کے سرکردہ اور نمائندہ مسلمانوں کا ایک اجلاس کانفرنس کے پنڈال میں ہوا۔ رسمی کارروائی کے لئے کم وقت رکھا گیا تھا۔ کیونکہ بہت سے ڈیلی گیٹ اسی دن دوپہر کو اسپیشل گاڑی کے ذریعے کلکتہ کو واپس جا رہے تھے لیکن ایجوکیشنل کانفرنس کی نشستوں کے دوران ایک سیاسی جماعت کی تشکیل کے موضوع پر مندوبین کے درمیان بات چیت ہوتی رہتی تھی۔ مقررہ وقت سے کچھ عرصہ بعد پٹنہ کے مسٹر مظہر الحق نے وقار الملک کا نام صدارت کے لئے تجویز کیا اور ایک مختصر تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے نوجوان سیاست کے میدان میں کودنے کے لئے بے تاب ہیں۔ ان کے گرم خون کی رہنمائی کا فریضہ وقار الملک کا تدبر اور توازن ہی انجام دے سکتا ہے۔

مسلمانوں کے خدشات

رسمی شکریہ ادا کرنے کے بعد وقار الملک نے حالات حاضرہ پر تبصرہ کیا اور مسلمانوں کے مستقبل کے متعلق اپنے خدشات کا اظہار ان الفاظ میں کیا: ''مسلمانوں کی آبادی اس ملک کی کل آبادی کا پانچواں حصہ ہے۔ جب برطانوی حکومت یہاں سے رخصت ہوگی تو اقتدار اعلیٰ اس قوم کے ہاتھوں میں چلا جائے گا جو تعداد میں ہم سے دو چار گنا ہے۔ اس وقت صورتحال کیا ہوگی ہماری زندگیاں ہماری املاک، ہمارا ناموس اور ہمارا مذہب سب خطرے میں پڑ جائیں گے۔ اس وقت جب کہ برطانوی حکومت جیسی قومی حکومت ہمارے درمیان موجود ہے تو ہم اپنے اقتدار کے بھوکے ہمسایوں کے ہاتھوں ہر صوبے، ہر ضلع اور ہر شہر میں پریشان ہیں۔ جب یہ دور ختم ہو جائے گا تو ہم ان لوگوں کے رحم و کرم پر ہوں گے جو مسلمانوں سے اورنگ زیب اور اس سے پہلے کے مسلمان بادشاہوں کے حقیقی یا فرضی مظالم کا انتقام لینا چاہتے ہیں۔ اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے ہمیں اپنی قوت کو ایک مرکز پر لانا ہوگا۔ ہمیں کانگریس سے کوئی عداوت نہیں۔ ہم اپنے ہمسایوں کے ساتھ اخلاق، ہمدردی اور انصاف سے پیش آئیں گے۔ کانگریس نے چند ایسے کام کئے ہیں۔ جن کا فائدہ ہمیں بھی پہنچا ہے۔ اعتدال پسندی ہماری طبیعت کا خاصہ ہے اور یہی ہماری جماعت کا امتیازی نشان ہوگا۔''

نواب سلیم اللہ خان کے خیالات

جب وقار الملک اپنی تقریر ختم کر چکے تو نواب سلیم اللہ خاں نے نئی سیاسی جماعت کی تاسیس کا ریزولیشن پیش کرتے ہوئے کہا: ''اگر ہم اپنی روایتی پالیسی پر کاربند رہتے اور تعلیم کی اشاعت سے ہمارے سب قومی مقاصد پورے ہو جاتے تو آج ہم کو کوئی سیاسی جماعت بنانے کی ضرورت پیش نہ آتی یہ قدم صرف مجبوری کی حالت میں اٹھایا جا رہا ہے صورتحال یہ ہے کہ برطانیہ کا صاحب اقتدار طبقہ ہندوستان کے حقیقی حالات سے بے خبر ہے۔ ان کی نظروں میں خاموشی سے کام کرنے والے بے لوث کارکنوں کی کوئی قدر نہیں۔ اقلیت کے مفاد کو ایک طاقت ور اکثریت مسلسل نظر انداز کرتی چلی آ رہی ہے حالات نے ثابت کر دیا کہ ہماری شکایتیں بالکل جائز ہیں۔ ہمارے بزرگ لیڈر سر سید احمد خاں نے ۱۸۸۷ء میں قوم کو کانگریس میں شریک

Marfat.com

ہونے سے روکا تھا۔ یہ مشورہ قطعی طور پر صائب تھا۔ انہوں نے خود ۱۸۹۳ء میں ڈیفنس ایسوسی ایشن کے نام سے ایک جماعت بنائی تھی۔ ۱۹۰۱ء میں بھی لکھنؤ میں اس غرض سے مسلمان عمائد کا ایک اجتماع ہوا تھا۔ آج کل مشرقی بنگال جس بحران سے گزر رہا ہے اس کا تقاضہ یہ ہے کہ ہم ایک فیصلہ کن قدم اٹھا کر اپنے آپ کو منظم کریں۔ اس وقت ہمارے سامنے چار راستے ہیں:

اول: ہم پہلے کی طرح سیاست سے بے تعلق رہیں،

دوم: سیاست کے میدان میں داخل ہو کر براہ راست ہندوؤں کی مخالفت شروع کر دی،

سوئم: خود ہی کانگریس کے حاشیہ بردار بن جائیں،

چہارم: اپنی علیحدہ سیاسی جماعت بنائی۔

کانگریس میں شامل ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ۱۸۸۷ء سے لے کر اب تک ہم اسی موقف پر قائم ہیں۔ صرف ہندوؤں کی مخالفت کرنے کے لئے علیحدہ جماعت بنانا بھی خارج از بحث ہے۔ ہمارے بدترین دشمن بھی ہم پر کسی قوم کی مخالفت کا الزام نہیں دھر سکتے۔ سیاست سے پرے پرے رہ کر بھی دیکھ لیا۔ ہماری خاموشی نے ہمیں کمزور بنا کر ہمیں بہت سے صبر آزما مشکلوں میں ڈالا دیا ہے۔ ہم اپنا تحفظ چاہتے ہیں۔ شرپسندی اور شورش سے دور رہیں گے۔ سیاست کے میدان میں داخل ہو کر سلامت روی کو ہاتھ سے نہ جانے دیں گے۔ ہم متحد ہوں گے۔ ہماری جماعت ایک نمائندہ جماعت ہوگی جو مسلمانوں کے احساسات کو حکومت تک پہنچائے گی۔ لیگ کی سپرٹ یہ ہوگی۔

آزاد رہوں اور مرا مسلک ہے صلح کل　　　ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہیں مجھے

مسلم لیگ کا وجود میں آنا

حکیم اجمل خان نے قرارداد کی تائید کی۔ دوسری تقریریں ظفر علی خاں، صاحبزادہ آفتاب احمد، شیخ عبداللہ اور مسٹر محمد علی کی طرف سے ہو جائیں۔ جماعت کا نام مسلم لیگ رکھا گیا۔ محسن الملک اور وقار الملک اس کے جائنٹ سیکریٹری مقرر ہوئے۔ بعد میں آغا خاں اس کے صدر مقرر ہوئے، لیگ کا آئین بنانے کے ایک مختصر کمیٹی نامزدگی کی گئی۔ چوتھی اور آخری قرارداد میں تقسیم بنگال کی حمایت کی گئی، اس کو مسلمانوں کے حق میں مفید بتایا گیا اور اس کے خلاف برپا ہونے والی طوفانی شورش کی حوصلہ شکنی کا مطالبہ کیا گیا۔

سیاسی حالات اور لیگ کے بانیوں کے خیالات

اگر ۳۰ دسمبر والے اجلاس کی کارروائی کا بغور مطالعہ کیا جائے تو مسلم لیگ کے بانیوں کے خیالات اور ان دونوں کی سیاسی حالات پر بھرپور روشنی پڑتی ہے:

ا۔ لیگ کے بانی زیادہ تر وہی لوگ تھے جو ماضی میں سرسید کی تعلیمی تحریک سے وابستہ رہ چکے تھے، ان کے نزدیک سیاست ایک بدمزہ چیز یا بے مزہ تھی۔ وہ اپنی خوشی سے سیاست کے میدان میں نہیں آئے بلکہ حالات کے ریلے نے ان کو اس طرف دھکیل دیا تھا۔

Marfat.com

۲۔ مسلمانوں کی طرف انگریز حکمرانوں اور ہندو ہمسایوں کا رویہ یکساں طور پر معاندانہ تھا۔ انگریزوں کے دل سے ۱۸۵۷ء کے ہنگامے خونی نقوش ابھی تک مسلمانوں کو حکمرانوں کے قریب لانے کے لئے جو کوششیں کیں تھیں۔ ان کی کامیابی جزوی تھی۔ شروع ہی سے ہندوؤں کے تجارتی مفاد انگریزوں سے وابستہ تھے۔ انہوں نے ہر موقع پر انگریزوں اور مسلمانوں کی باہمی بیزاری میں اضافہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ جب حکومت کسی اہم یا غیر اہم عہدے پر کسی مسلمان کا تقرر کا فیصلہ کرتی تو ہندو اخبار چھٹ پٹ منتخب ہونے والے مسلمان کی اہلیت کا مقابلہ اس کے ہندو حریفوں سے کرتے اور یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کرتے کہ انتخاب جلدی میں کیا گیا ہے اور تمام امیدواروں کو صلاحیتوں کا مناسب جائزہ نہیں لیا گیا۔ اس طرح کی نکتہ چینی کے خوف سے حکومت مسلمانوں کو ان کے جائز حقوق دینے میں بھی پس و پیش کرتی تھی۔ دوسری طرف کانگریس کے پلیٹ فارم پر جو ہندو لیڈر حکومت کے خلاف دھواں دار تقریریں کرتے، ان کو حکومت کے ایوانوں میں بازیابی حاصل ہوتی تھی۔ یہ بات مسلمانوں کے فہم سے بالا تھی کہ ہماری قوم تو حکومت کے لئے مشکلات پیدا کرنے سے ہمیشہ پرہیز کرتی ہے لیکن حکومت اپنے مخالفوں کی دلجوئی اور عزت افزائی کرتی ہے۔ اس لئے جدید تعلیم پائے ہوئے مسلمانوں کا ایک طبقہ کانگریس کی رہنمائی اور کار گزاری سے متاثر تھا اور اس بات کے لئے مضطرب تھا کہ کانگریس کے پلیٹ فارم سے اپنی شکایتوں کا اظہار کرے۔ مسلم رہنما کو نوجوانوں کے رویے سے خاصی تشویش بھی اور وہ چاہتے تھے کہ مسلمانوں کے لئے بھی کانگریس جیسا ایک پلیٹ فارم ہونا چاہئے جو نوجوانوں کے قوم جوش کو قومی مفاد کی خاطر استعمال کر سکے۔

۳۔ ہندوؤں میں متعین انگریزی حکومت کے کارکن مسلمانوں کے حقوق پر ڈاکہ ڈالنے میں کوئی جھجک محسوس نہ کرتے تھے لیکن انگلستان کے عمائد تو لیاں کے حقیقی حالات سے بالکل بے خبر تھے۔ ان کو نہ تو ہندو مسلم اختلافات کا علم تھا اور نہ ہی وہ اپنے ہم وطنوں کی مسلم دشمنی سے آگاہ تھے۔ ہندوستان کے معاملات پر برطانوی پارلیمنٹ کی نگرانی برائے نام تھی۔ پارلیمنٹ کے ارکان کے حالات اور ان کی ضروریات سے ناواقف تھے۔ البتہ دارالعلوم میں ایک درجن کے قریب ایسے ممبر تھے جو کانگریس کے لیڈروں کے ساتھ قریب رابطہ رکھے ہوئے تھے ان کی معرفت ہندوؤں کا نقطہ نظر علی التواتر پارلیمنٹ کے سامنے پیش ہوتا رہتا تھا۔ یہ صورت کئی سال سے چلی آ رہی تھی۔ بعض انگریز کانگریس سے باقاعدہ مالی امداد حاصل کر کے انگلستان کے با اثر حلقوں میں ہندوؤں کے حق میں پروپیگنڈا کیا کرتے تھے۔ مسلمان ان وسائل سے بالکل محروم تھے۔ پارلیمنٹ کے روبرو ان کا کیس پیش کرنے والا کوئی نہ تھا۔ اس مشکل کا شدت سے احساس تو تھا لیکن اس سلسلے میں قوم نے کوئی ٹھوس قدم نہیں اٹھایا تھا۔ توقع یہی تھی کہ ایک سیاسی جماعت کے قیام سے یہ دقت کسی حد تک رفع ہو جائے گا۔

۴۔ تقسیم بنگال سے پہلے بھی ہندوؤں کا قومی شعور بہت حد تک پیدا ہو چکا تھا۔ تقسیم کی تنسیخ کے لئے جو شورش ہوئی اس میں بارود بھرنے کے لئے ہندو لیڈروں نے مذہب کا سہارا لیا۔ سردیشی اور دہشت زدگی کی تحریکوں کی مقبولیت میں اضافہ کرنے کے لئے ان میں بہت سی خالص ہندوانہ رسمیں شامل کر لی گئیں۔ کلکتے کا ذی اثر پریس ان تحریکوں کی پرجوش حمایت کرتا تھا۔ یہ اخبار اپنے پڑھنے والوں کو دن رات اس بات کا یقین دلاتے رہتے تھے کہ یہ تقسیم صرف بنگال ہندوؤں کو ان سیاسی بیداری کی سزا دینے اور

Marfat.com

مسلمانوں کے مفاد کی حفاظت کرنے کے لئے عمل میں لائی گئی ہے اس لئے وہ ایک سانس میں مسلمانوں اور انگریزوں دونوں پر برستے تھے۔ اور دونوں کو گالیوں کی بوچھاڑ کا نشانہ بنتے تھے۔ ایک ہندو دیوی نے ان مسلمان سپاہیوں کے خلاف جنہوں نے ایک فرقہ وارانہ فساد میں زیادتی کرنے والے فریق سے نپٹنا چاہا تھا، ایک اخبار کو یہ خط لکھا کہ جب تک ان خطا کاروں کو زندہ آگ میں نہیں جلا دیا جاتا ہم چین سے نہیں بیٹھیں گے۔ ایسی باتوں سے مسلمانوں اور ہندوؤں میں بگاڑ پڑا۔ یہاں تک کہ اس مسموم فضائیں بعض اسکولوں میں ہندو طلباء نے اپنے ہم جماعت مسلمان طلباء کے ساتھ ایک کمرے میں بیٹھنے سے انکار کر دیا۔ اس لئے اسکولوں کی انتظامیہ کو ہندو اور مسلمان طالب علموں کی تعلیم کا بندوبست علیحدہ علیحدہ کمروں میں کرنا پڑا۔ مسلمانوں کے خلاف مخالفت کا لاوا ہر دم پھوٹتا اور اس کی تندی میں اضافہ ہوتا رہتا تھا۔

وقار الملک (۱۸۴۱ء تا ۱۹۱۷ء)

نواب مشتاق حسین وقار الملک ۲۴ مارچ ۱۸۴۱ء کو یو۔ پی کے ایک مشہور شہر امروہہ میں پیدا ہوئے۔ ابھی چھ ماہ کے تھے کہ شفقت پدری کے سایہ عاطف سے محروم ہو گئے۔ چنانچہ اپنی والدہ ماجدہ کے ہی زیر نگرانی ایک مقامی مکتب میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ بعد ازاں امروہہ ہی میں کچھ تعلیم حاصل کرنے کے بعد ڈسٹرکٹ اسکول مراد آباد میں بطور استاد ملازمت اختیار کی۔ آپ کا رابطہ سرسید احمد خان سے ابتدائی دور میں ہی قائم ہو گیا تھا۔ جب سرسید علی گڑھ میں سب جج تھے تو نواب مشتاق حسین ان کے ریڈر تھے۔ اسی مقام سے دوستی کا آغاز ہوا۔ اور یہ دوستی تادم آخر قائم رہی۔ ترقی کرتے ہوئے وہ ۱۸۷۲ء میں تحصیلدار مقرر ہو گئے۔ کچھ عرصے میں وہ جوڈیشنل ڈیپارٹمنٹ میں سیکریٹری مقرر ہوئے۔ کچھ عرصہ اس منصب پر فائز رہنے کے بعد انہوں نے حیدر آباد جانا پسند کیا جنہوں نے جوڈیشنل منسٹر کے سیکریٹری کا عہدہ مل گیا۔ آپ ذہانت، محنت، خلوص اور قابلیت کے اعتراف میں ریاست حیدر آباد کی طرف سے ''وقار الملک'' کا خطاب ملا۔ اس ملازمت سے وہ ۱۸۹۲ء میں ریٹائر ہوئے۔ اگرچہ وہ حیدر آباد میں تھے لیکن سرسید احمد خاں سے خط و کتابت کے ذریعے رابطہ قائم رکھا۔ اسی طرح سرسید کے رسالہ تہذیب الاخلاق میں شائع کرنے کے لئے مضامین میں ارسال کرتے۔ سرسید کی تحریک کو پورے حیدر آباد میں پھیلا دیا۔

انہوں نے اپنی زندگی مسلم قوم کے لئے وقت کر دی وہ جانتے تھے کہ مسلمانوں کی سب سے اہم خدمت یہ ہے کہ انہیں تعلیم سے آراستہ کیا جائے۔ عوام کو ان کے حقوق سے آگاہ کیا جائے۔ اور ان کے حقوق کے حصول کے لئے ایک سیاسی پلیٹ فارم بنائے جائے۔ چنانچہ انہوں نے مسلم لیگ کے قیام کے لئے تگ و دو کی۔ دسمبر ۱۹۰۴ء میں اس سیاسی جماعت کی تشکیل کو خوش آئند قرار دیا اور گیارہ سال تک مسلسل اس کی خدمت کرنے میں مصروف رہے۔

نواب محسن الملک کے بعد علی گڑھ مسلم کالج کے سیکریٹری مقرر ہوئے۔ مسلمانوں سے اتنی محبت تھی کہ وہ ہر صورت میں ان کی مدد کرنا اپنا فرض اولین سمجھتے تھے اور غیروں بالخصوص انگریزوں سے اس قدر نفرت تھی کہ انہیں اپنے قریب پسند نہ کرتے تھے۔ اسی نفرت کی بناء پر انہوں نے جرأت مندی سے اپنے کالج سے تمام یورپین عملے کو استعفیٰ دینے پر مجبور کر دیا۔ اس طرح

Marfat.com

ایک مسلم درس گاہ کو انگریز کی پلیدگی سے پاک کر دیا۔ اگرچہ وقار الملک یہ اقدام اس وقت کے تقاضوں کے منافی تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس اقدام سے مسلمانوں پر یہ امر واضح ہو گیا کہ ان کے رہنماوؤں میں اب اتنی جرأت موجود ہے وہ جابر حاکم کے سامنے حق کی آواز بلند کرنے کے قابل ہو گئے ہیں۔ شاید وہ یورپین اسٹاف کو نہ نکالتے لیکن انہوں نے محسوس کیا کہ یہ لوگ طلباء کو کسی خاص نصاب کے تحت تعلیم نہیں دے رہے اور اپنی مرضی کے مطابق مضامین کی تدریس کر رہے ہیں۔ انہیں اس بات میں بے قاعدگی نظر آئی۔ اس بے قاعدگی کو دور کرنے کے لئے انہوں نے اسٹاف سے ایک مخصوص نصاب کے مطابق تعلیم دینے کا مطالبہ کیا لیکن اس سٹاف نے اپنی حکومت کے نشے میں ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ بحیثیت سیکریٹری انہوں نے ان سے کہہ دیا کہ وہ استعفیٰ دے دیں۔ ایک اور جرأت مندی کا کام وقار الملک نے یہ کیا کہ پرنسپل کے اختیارات میں کمی کر دی جس کی بناء پر کالج میں اکثریت کے عنصر کو شروع سے ہی دبا دیا گیا۔ وقار الملک کا زیادہ تر وقت وسطی ہند اور جنوبی ہند میں گزرا تھا لیکن ان کی توجہ پورے ہندوستان پر لگی رہتی تھی۔ چنانچہ تقسیم بنگال کی تنسیخ پر انہوں نے علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ کے شمارہ ۳۰ دسمبر ۱۹۱۱ء میں مسلمانوں کے مستقبل کی سیاسی پالیسی کے خدوخال وضع کئے۔ اس صورت حال کے پیش نظر انہوں نے کسی خوف وخطر کے بغیر اعلان کیا کہ اب بات بالکل واضح ہو گئی ہے کہ حکومت پر کسی قسم کا بھروسہ نہیں کر سکتے۔ کیونکہ حکومت کیسی ہوئی جو ایک وقت کچھ فیصلہ کرے اور دوسرے وقت میں اس فیصلے کو الٹ کر دے۔ اس لئے مسلمانان ہند کو آزادی کے حصول کے لئے اپنی راہیں خود متعین کرنا پڑیں گی۔

اسی طرح ۱۹۱۳ء میں ایک مسجد کی تعمیر کرنے والے مسلمانوں پر انگریز ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ ٹیلر نے پولیس کی وساطت سے گولی چلوادی جس سے پورے علاقے میں زبردست ہنگامہ ہو گیا۔ اس واقعہ پر وقار الملک نے نہ صرف اس ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ ٹیلر سے احتجاج کیا بلکہ اس کو خط لکھ بھیجا: ''اگر تم غرور تکبر میں آج مسلمانوں پر گولی چلوا سکتے ہو تو کل پولیس کا ایک معمولی تھانیدار بھی ٹاکر بن کر ایسے مکروہ اقدام کر سکتا ہے''۔ وقار الملک سرسید احمد خاں کی طرح گرم مزاج اور کھرے آدمی تھے اور انہوں نے راست گوئی میں حائل ہونے والی ہر دیوار کو منہدم کر دیا۔ اور انگریزوں کو اس مقام کی اطلاع دی جو مسلمانوں کے دلوں میں ان کے لئے تھا۔ وہ سرسید اور محسن الملک کے ذاتی دوست ہونے کی وجہ سے ایک ایسے ماحول کے روشن چراغ تھے جس میں ہر وقت نور ہی نور برستا تھا۔ وہ اس محفل کے رکن تھے جہاں ہر وقت ذکر آزادی کا ہوتا تھا وہ ایسے ملک کے باشندے تھے جہاں مسلمانوں کو ان کی ماہیت کا احساس ہو گیا تھا۔ وہ ایسی سیاسی جماعت کے رکن تھے جو ان کی وفات کے تیس سال بعد ہی ایک عظیم مملکت تشکیل دینے میں کامیاب ہو گئی اور اس مملکت کا نام پاکستان رکھا گیا۔ تحریک آزادی کا یہ مجاہد اور شمع آزادی کا یہ پروانہ بالآخر ۲۷ جنوری ۱۹۱۷ء کو راہی ملک عدم ہو گیا۔ نواب وقار الملک کو ان کے آبائی شہر ''امروہہ'' ہی میں دفن کیا گیا۔

محسن الملک اور وقار الملک کی طبیعتوں میں جو فرق تھا، اس کا اندازہ ان کی تصویریں دیکھنے سے ہو سکتا ہے۔ ایک تصویر سے ذہانت، ملائمت اور دور بینی ٹپکتی ہے۔ دوسرے کے چہرے پر ہیبت، رعب اور وقار برستا ہے۔ ایک شان میں جمالی جلوہ گر ہے دوسرے شان میں جلالی ایک قوم کا محسن ہے۔ دوسرا سرتاپا وقار۔ ان دونوں بزرگوں کا اختلاف طبائع اور اختلاف

Marfat.com

مسلک اس حد تک بڑھا ہوتا کہ یہ امر ہی حیرت انگیز ہے کہ وہ دونوں مل کر کام کر سکے۔ ان کے درمیان قیام حیدر آباد کے دوران میں جو چپقلش ہوئی اور جو خطوط دونوں طرف سے لکھے گئے، وہ دونوں کے لئے افسوس ناک تھے۔ لیکن ان دونوں پر آفرین کہنا چاہئے کہ اپنی پرانی مخالفت بھلا کر قوموں میں دل وجان سے شریک ہوئے اور اگرچہ ان میں بعض اختلافات رہے لیکن اس سے قومی کاموں کی کوئی ضعف نہ پہنچا۔

نواب وقار الملک فقط ساڑھے چار سال کالج کے سیکریٹری رہے، لیکن ان کا زمانہ قیادت دو باتوں کے لئے یادگار ہے۔ ایک تو انہوں نے پرنسپل کے بڑھے ہوئے اختیارات کو محدود کیا اور دوسرے انہوں نے ۳۰ دسمبر ۱۹۱۱ء کو علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ میں تقسیم بنگال کی تنسیخ کے بعد ''ہندوستان میں مسلمانوں کی آئندہ حالت'' پر وہ پرجوش مضمون لکھا، جو مسلمانوں کی آئندہ پالیسی کا سنگ بنیاد بنا۔ اس مضمون میں انہوں نے زور کے ساتھ کانگریس کے متعلق سرسید کی پالیسی کی تائید کی، لیکن ایک اور نئی بات بھی اسی طرح زور سے کہی: یہ آفتاب نصف النہار کی طرح اب روشن ہے کہ ان واقعات کو دیکھنے کے بعد جو اس وقت مشاہدہ میں آئے، یہ مشورہ دینا کہ مسلمانوں کو گورنمنٹ پر بھروسہ کرنا چاہئے، لاحاصل مشورہ ہے۔ اب زمانہ اس قسم کے بھروسوں کا نہیں رہا۔ خدا کے فضل وکرم کے بعد جس پر بھروسہ کرنا چاہئے وہ ہماری قوت بازو ہے اس کی نظیر جو ہمارے قابل احترام ہمارے وطن نے پیش کی ہے، ہمارے سامنے موجود ہے''۔

اس مضمون پر دو طرفوں سے نکتہ چینی ہوئی۔ اینگلو انڈین اخبارات نے تو اسے مسلمانوں کی قدیم وفاداری کی پالیسی سے انحراف سمجھ کر اس پر سختی سے نکتہ چینی کی اور مولانا شبلی نے چند مہینے بعد، ایک اہم سلسلہ مضامین کی اس ''غلط منطق'' پر اعتراض کیا کہ ''نیشنل کانگریس'' میں شریک ہو جائیں گے تو ہماری ہستی اس طرح برباد ہو جائے گی۔ جس طرح معمولی دریا سمندر میں مل جاتے ہیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے بھی علامہ شبلی کا ساتھ دیا۔ لیکن وقتی رجحانات اور چند بزرگوں کے اختلاف کے باوجود شاید یہ کہنا صحیح ہے کہ قوم نے عام طور پر وہی راستہ اختیار کیا، جو نواب وقار الملک نے علی گڑھ گزٹ میں دکھایا تھا۔ اور نواب صاحب کی رائے غلط ہو یا صحیح لیکن یہ ماننا پڑتا ہے کہ ان کے اس مضمون کو مسلمانوں کی ملکی تاریخ میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔

نواب محسن الملک کی گدی پر وقار الملک بیٹھے تھے لیکن محسن الملک کے معتدلانہ مسلک کو جاری رکھنے والے دو شخص تھے۔ کالج کے اندر صاحبزادہ آفتاب احمد خاں اور کالج کے باہر ہز ہائینس آغا خاں آج اس اہمیت کا اندازہ لگانا دشوار ہے جو ۱۹۰۷ء سے ۱۹۱۳ء تک ہز ہائینس کو حاصل تھی۔ نہ صرف مسلم یونیورسٹی کی بنا میں سب سے زیادہ ٹھوس کام انہیں کا تھا بلکہ بہت سی دوسری قومی تحریکیں مثلاً ندوہ، لیگ ان سے فیضیاب تھیں۔ مولان شبلی ہز ہائینس سے اختلافات کے باوجود ۱۹۱۲ء کے ایک مضمون میں لکھتے ہیں: ''سر آغا خاں نے یونیورسٹی کے معاملہ میں وہ کام کیا، جو آج تک سات کروڑ مسلمانوں سے نہ ہو سکا۔ اور غالباً کبھی نہ ہو سکتا۔ انہوں نے قومی انسٹی ٹیوشن پر فیاضی کا مینہ برسا دیا۔ اس بناء پر وہ ہمارے محسن ہیں۔ اور ہم کو ان کا احساس ماننا چاہئے۔ قی مجالس میں ان کی فیاضیوں اور کوششوں کا ترانہ گانا چاہئے۔ قومی تاریخ میں ان کا نام سب سے اوپر لکھنا چاہئے لیکن ہز ہائینس مدت دراز تک خرابی صحت کی بناء پر جنوبی فرانس میں مقیم رہے۔ قومی معاملات میں ان کا عمل دخل کم ہو گیا۔ لیکن اس

Marfat.com

کے بعد بھی کئی اہم مرحلوں (مثلاً آل پارٹیز مسلم کانفرنس کی بنا اور گول میز کانفرنس کے انعقاد) پر قومی قیادت کا باران کے کندے پر ڈالا گیا۔ صاحبزادہ آفتاب احمد خاں اگست ۱۹۱۷ء میں وزیر ہند کی کونسل کے رکن ہو کر لندن چلے گئے۔ ان کے بعد قابل ذکر نام ڈاکٹر ضیاء الدین کا ہے جو ۱۹۱۹ء کے آغاز میں مشروط طور پر پرنسپل مقرر ہوئے۔ ان میں کئی ایک کمزوریاں تھیں۔ لیکن انہو ں نے ایک نازک مرحلے پر بڑا کام کیا۔ ۱۹۲۰ء میں جب مولانا محمد علی جوہر اور ان کے رفقا نے تحریک عدم تعاون کے دنوں میں علی گڑھ پر ہلہ بولا تو ڈاکٹر صاحب اور ان کے رفقاء کار نے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور بہت سے لوگ جو اس زمانے میں انہیں غدار ملت کہتے تھے، بعد میں خوش تھے کہ کامیابی مولانا محمد علی جوہر کو نہیں ہوئی بلکہ ان کے مخالفین کو۔ ڈاکٹر ضیاء الدین کو دور تسلط میں علی گڑ کالج کے طلباء نے تحریک پاکستان میں قابل ذکر حصہ لیا۔ ان کی وفات دسمبر ۱۹۴۷ء میں ہوئی۔

نواب وقار الملک کی جگہ نواب محمد اسحٰق سیکریٹری منتخب ہوئے لیکن ان کے اصل جانشین مولانا محمد علی تھے۔ جب محسن الملک نے وفات پائی تو مولانا نے جن الفاظ میں وقار الملک کی جانشینی کی تائید کی۔ ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس میں کی تھی۔ ان سے "رئیس الاسرار" کی عقیدت وارادت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ "ہم سے جس وقت کہا جائے کہ فلاں کام کرو۔ ہم اس وقت جواب دیں۔ نواب وقار الملک سے پوچھو، ہم سے کہا جائے کہ نیشنل کانگریس میں شریک ہو جاؤ۔ ہم جواب دیں ان سے پوچھو۔ ہم سے کہا جائے کہ قومی حقوق اور فوائد کے لئے تدبیر مناسب ہے۔ ہم کہیں کہ ان سے دریافت کرو۔ صاحبو ہمارے کان یہ ہیں۔ ہمارا دل یہ ہیں۔ ہماری آوازیں یہ ہیں۔ غرض جو کچھ کرو، ان سے پوچھ کر کرو"۔ جب نواب وقار الملک نے وفات پائی تو مولانا نظر بند تھے۔ انہوں نے اور ان کے بڑے بھائی مولانا شوکت علی نے چھبند واڑہ سے تار دیا: "ہندوستان اپنے فرزند بزرگ سے اور ہم اپنے باپ سے محروم ہو گئے۔ خدا ہماری مدد کرے"۔ مولانا محمو علی نے نواب وقار الملک کا طریقہ جاری رکھا۔ وہ نواب صاحب کی طرح بیرون ہند کے معاملات میں شبلی اور ابوالکلام کے رفیق کار تھے اور اندرون ہند کے مسائل میں سرسید کے پیرو، لیکن ان کے زمانے میں حالات کچھ ایسے تھے کہ اسلامی ہندوستان کی نظریں باہر کی طرف لگی ہوئی تھیں اور مولانا کو سرسید کی پیروی کا بہت کم موقع ملا۔

مسلم لیگ کے ابتدائی سال

پہلے پانچ سالوں میں تو لیگ اپنے بیان کردہ مقاصد کے مطابق اپنے پروگرام پر کاربند رہی۔ لیکن اپنی تمام اعتدال اور رواداری کے باوجود مسلم لیگ کے لئے بنگال کی شورش کے بارے میں منہ بند رکھنا مشکل تھا۔ ۱۹۰۸ء میں امرتسر میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کے صدر منتخب سید امیر علی کی غیر حاضری میں سید علی امام کے جو خطبہ صدارت میں پڑھا اس میں کانگریس کی سیاست اور اس کے عزائم پر کڑی تنقید کرتے ہوئے کہا کہ برطانوی سلطنت کے اندر رہتے ہوئے ہمیں حکومت خود اختیاری صرف اس صورت میں حاصل ہو سکتی ہے کہ ہندوستان کی دو بڑی بڑی قوموں کے باہمی اختلافات اس حد تک رفع ہو جائیں کہ ان کے دلوں میں متحدہ قومیت کا جذبہ بیدار ہو جائے لیکن موجودہ حالات میں یہ امر محال نظر آتا ہے جب میں دیکھتا ہوں کہ ملک

Marfat.com

سے ترقی یافتہ صوبے یعنی بنگال کے اندر ایک دلآزار اور تعصب سے بھرے ہوئے بندے ماترم کے نعرے کو قومی نعرہ بنایا جاتا ہے اور راکھی بندھن کی فرقہ وارانیت کو قومی رسم کا درجہ دے دیا جاتا ہے تو میرا دل مایوسی کے جذبات سے بھر جاتا ہے اور میرا یہ شعبہ کہ خالص ہندووانہ تصورات کو متحدہ ہندوستانی قومیت کے لبادے میں پیش کیا جا رہا ہے۔ یقین میں بدل جاتا ہے۔ میں کلکتہ اور پونا میں بسنے والے قوم پرستوں سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ آپ مسلمانوں سے یہ توقع کیوں کر لگائے بیٹھے ہیں کہ ہم آپ کے ساتھ مل کر بندے ماترم کا گیت گائیں یا سیواجی کے اعزاز میں منعقد ہونے والی تقریروں میں شرکت کریں۔ جس جمہوریت کا راگ آلاپا جا رہا ہے وہ مسلمانوں کو تو یہ طعنہ دیا جاتا ہے کہ ہم زندگی کے ہر پہلو میں اپنے اعمال اور افعال کے لئے مذہب احکام کا جواز تلاش کرتے ہیں۔ لیکن اس بات کو کیوں نظر انداز کیا جاتا ہے کہ ہندوؤں کا سارے کا سارا نیشنلزم مذہبی بنیادوں پر استوار کیا گیا ہے۔ اسی جلسے میں ہی ایک طویل تقریر کے دوران محمد علی نے جو ابھی مولانا نہیں کہلاتے تھے، برطانوی حکومت کی ان خفیہ بلکہ سازشی کارروائیوں کو بے نقاب کیا جن سے وائسرائے منٹو کے وعدے کے باوجود وہ نہایت چابک دستی سے مسلمانوں کو جداگانہ انتخاب کے حق سے محروم کرنا چاہتی تھی۔

۱۹۱۱ء کے بعد مسلم لیگ کے رویّے میں تبدیلی

۱۹۱۱ء کے بعد حالات نے پلٹا کھایا، دسمبر میں تقسیم بنگال منسوخ ہوئی، اس کی منسوخی، ایجی ٹیشن اور دہشت زدگی کی فتح تھی۔ ہندوؤں کو برطانوی حکومت کے اس اقدام سے بے پایاں مسرت ہوئی۔ انہوں نے شہروں بلکہ دیہات میں بھی چراغاں کیا۔ کھلے میدانوں میں ہزاروں من ایندھن جلایا اور روشنی کر کے فتح کا جشن منایا۔ مسلمانوں کو بھی اپنی بے حیثیتی کا اندازہ ہو گیا۔ وقار الملک جو سرسید کے مکتبہ فکر کے اہم رکن تھے، نے لکھا کہ تنسیخ کا اعلان ایک توپ خانے کی مانند تھا جو ہماری زندہ لاشوں کے اوپر سے گزر گیا۔ مولانا محمد علی جوہر نے اس اعلان کو حکومت کی بدترین بدعہدی اور غداری سے تعبیر کیا۔ ملک کے مختلف حصوں کے مسلمانوں کا ردعمل اس سے مختلف نہ تھا۔ اس کے بعد مسلمانوں کے مسلسل اور واضح احتجاج کے باوجود مچھلی بازار کانپور کی مسجد کا ایک حصہ گرائے جانے اور نہتے مسلمان مظاہرین پر فائرنگ ہونے سے مسلمانوں کی طرف انگریز حکام کی فرعونیت عیاں ہو گئی۔ مسلم یونیورسٹی کے مطالبے پر حکومت کے معاندانہ رویے نے قوم کو اور بھی مشتعل کیا۔ طرابلس اور بلقان کی جنگوں اور ان کے بارے میں برطانوی حکومت کے مسلم کش رویے نے جلتی پر تیل چھڑکا۔ ان تمام واقعات سے قوم کا انداز فکر یک سر بدل گیا۔ اس سے مسلم لیگ کے مسلک میں بھی تبدیلی آئی۔ انگریزوں کی مخالفت کا جذبہ عارضی طور پر مسلم لیگ کو کانگریس کے قریب لے گیا۔ ۱۹۱۱ء میں لیگ کے صدر نبی اللہ نے اپنی صدارتی تقریر میں ہندوستان کے انگریز حکام پر یہ الزام لگایا کہ وہ دو بڑی بڑی قوموں کو ایک دوسرے کے خلاف بھڑکاتے ہیں۔ اس قسم کی گستاخی لیگ کے پلیٹ فارم پر پہلے کبھی نہیں کی گئی تھی۔ ۱۹۱۲ء کے سالانہ اجلاس میں لیگ کے پلیٹ فارم پر ہندو لیڈر بھی موجود تھے۔ ان کا مقصد بظاہر یہ تھا کہ مسلمانوں میں گورنمنٹ کے خلاف بڑھتی ہوئی بے چینی کے جذبے کو کانگریس کا اثر ورسوخ بڑھانے کے لئے استعمال کیا جائے۔

Marfat.com

مسلم لیگ کے مقاصد میں تبدیلیاں

انہیں دنوں مسلم لیگ نے اپنے اغراض و مقاصد میں بعض تبدیلیاں کر دیں۔ پہلی تبدیلی تو یہ تھی کہ آئندہ سے قوم کی وفاداری کا مرکز حکومت نہیں بلکہ برطانیہ کے شہنشاہ کی ذات ہوگی اس سے ''وفاداری'' کی پرانی پالیسی کا خاتمہ ہوا۔ دوسرے لیگ نے بھی کانگریس کی طرح سلف گورنمنٹ لیکن اس سلسلے میں جو محاورہ استعمال کیا گیا وہ سوٹ ایبل سلف گورنمنٹ تھا۔ اس سے لیگ دو دھڑوں میں بٹ گئی۔ برق رفتار سیاست کے حامی اپنے آپ کو احرار کہتے اور سوٹ ایبل کے لفظ کا مذاق اڑاتے تھے۔ ان میں شبلی پیش پیش تھے۔ لیکن ''سوٹ ایبل'' کا لفظ بہت سے لیگی رہنماؤں کی نظر میں بہت اہم تھا۔ مولانا محمد علی اس کا یہ مطلب لیتے تھے کہ مسلمانوں کو بھی اس سلف گورنمنٹ یعنی حکومت خود اختیاری میں اپنا مناسب حصہ ملے۔

مولانا محمد علی جوہر

مولانا محمد علی جوہر ہندوستان کے سیاستدانوں میں کے ایک مقتدر مقام رکھتے تھے۔ ان جیسا عظیم محب وطن شاید ہی کسی ماں نے جنا ہو۔ ۱۹۳۱ء میں لندن میں گول میز کانفرنس کے موقع پر مولانا محمد علی جوہر نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''میں ایک آزاد انسان کی حیثیت سے اپنے وطن لوٹنا چاہتا ہوں۔ اگر تم اسے قبول نہیں کرتے تو تمہیں مجھے یہیں پر قبر کے لئے جگہ دینی ہوگی''۔

ان کے یہ الفاظ سچے ثابت ہوئے اور چند ہی ہفتے بعد ان کا لندن میں انتقال ہوگیا۔ ہندوستان کے مسلمانوں میں سیاسی بیداری پیدا کرنے اور ان میں انگریزوں سے ٹکر لینے کا حوصلہ پیدا کرنے میں مولانا محمد علی جوہر نے بہت اہم کردار ادا کیا۔ سر سید احمد خاں اور ان کے رفقاء کی فرنگی حکومت کے ساتھ تعاون کی پالیسی کے ردعمل پر مولانا محمد علی اور مولانا ابوالکلام آزاد جیسے نابغۂ روزگار لوگ میدان سیاست میں اسلام کی آفاقیت اور ہمہ گیر کا نعرہ لے کر میدان میں آئے اور مسلمانوں میں خلافت کے احیاء کے لئے جہد و جہد کا جذبہ بیدار کیا۔

آپ ۱۸۷۸ء میں رام پور کے ایک گھرانے میں پیدا ہوئے آپ کی عمر ابھی دو سال تھی جب آپ کے والد عبدالعلی خان فوت ہو گئے۔ ان کی والدہ عابدہ بانو جو ایک پڑھی لکھی خاتون تھیں انہیں تعلیم حاصل کرنے کیلئے پہلے بریلی اور پھر علی گڑھ بھیجا۔ وہاں پر مولانا محمد علی ادبی حلقوں میں جلد ہی بہت مقبول ہو گئے وہاں قیام کے دوران انہوں نے اہم نصابی سرگرمیوں میں بھی بھرپور حصہ لیا۔ اور جلد ہی ایک اچھے طالبعلم، شاعر، مقرر اور ادیب کی حیثیت سے ان کی شہرت دور دور تک پھیل گئی۔

۱۸۹۶ء میں جب ان کی عمر ۱۸ سال کی ہوئی انہوں نے الہ آباد یونیورسٹی سے بی۔ اے کا امتحان اول درجے میں پاس کیا۔ سجاد حیدر یلدرم کے کہنے کے مطابق مولانا محمد علی کے یونیورسٹی سے جانے کے بعد انگریزوں نے سکھ کا سانس لیا۔ کالج کے مباحثوں اور مذاکروں میں ملکی اور بین الاقوامی معاملات پر ان کی بیباکانہ رائے انگریز پروفیسروں کو خوفزدہ کر دیتی تھی۔ انگلستان میں وہ ۴ سال تک لنکن کالج میں رہے اور تاریخ جدید میں بی۔ ایک آنرز کی ڈگری حاصل کی۔ انہیں کیمبرج یونیورسٹی میں

Marfat.com

ہندوستانی مجلس کے پہلے صدر ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔ برطانیہ سے واپسی کے بعد مولانا محمد علی ریاست رام پور میں چیف ایجوکشن آفیسر کے عہدے پر فائز ہوئے۔ لیکن جلد ہی خاطر خواہ تعلیمی اصلاحات کے نفاذ پر ان کا افسران اعلیٰ سے اختلاف ہوگیا۔ اورانہوں نے اپنے عہدے سے استعفیٰ دے کر ریاست بڑودہ کے سول سروس میں شمولیت اختیار کرلی۔ وہاں وہ سات سال تک رہے۔ وہاں رہ کر انہوں نے ''ٹائمز آف انڈیا'' میں بہت سے مضامین لکھے۔ اوران کا ایک مضمون ''موجودہ بے چینی کے اسباب'' بہت مقبول ہوا۔ ان کی متانت اور سیماب صفت شخصیت سول سروس کے قیود کی متحمل نہیں ہوسکتی تھی۔ قدرت نے انہیں کسی اعلیٰ مقصد کی تکمیل کے لئے پیدا کیا تھا۔ ہندوستانیوں کی غربت اور مسائل نے ان کے دل و دماغ میں آگ لگادی۔ انہوں نے اپنی ملازمت چھوڑ دی اور جنوری ۱۹۱۱ء میں کلکتہ میں آکر اپنا رسالہ ہفت روزہ ''کامریڈ'' نکالنا شروع کردیا۔ انہیں ہندوستان کی ایک ریاست کے وزیر اعلیٰ کا عہدہ پیش کی گیا لیکن انہوں نے اس حکم نامے کو اس وقت تک نہ پڑھا جب تک کہ ان کے رسالے ''کامریڈ'' کا پہلا شمارہ منظر عام پر نہ آگیا۔

بطور صحافی

مولانا محمد علی جوہر ایک مثالی صحافی تھے۔ انہوں نے غیر ملکی حکومت کے خلاف ہندوستانیوں کو منظم کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے ظالمانہ صحافتی قوانین کے خلاف آواز بلند کی۔ ان کے رسالے کامریڈ نے آزادی صحافت کی ایک عمدہ مثال پیش کی۔ اپنے بیباک رویے اور عمدہ زبان کی وجہ سے کامریڈ رسالہ چھوٹے بڑے تمام حلقوں میں جلد ہی مقبول ہو گیا۔ یو۔ پی کا ایک سابق گورنر اس کی جلدیں اپنے ساتھ انگلینڈ بھی لے گیا۔ جوں جوں وقت گذرتا گیا وہ اپنے نقطۂ نظر کے اعتبار سے حکومت کے زیادہ سے زیادہ خلاف ہوتے چلے گئے۔ ۱۹۱۴ء میں جب ترکیہ کو پہلی جنگ عظیم میں ملوث کرلیا گیا تو مولانا نے ۳۶ گھنٹے کی مسلسل نشست کے بعد مشہور زمانہ اداریہ '' THE CHOICE OF THE TURK '' (ترکوں کا فیصلہ) لکھا جو کہ اسی عنوان کے تحت لندن ٹائمز میں لکھے گئے اداریے کے جواب میں تھا۔ حکومت نے اسے خطرناک قرار دے کر اس کی ضمانت ضبط کرلی۔ ۱۹۱۱ء میں جب دارالخلافہ کلکتہ سے دہلی منتقل ہوا تو مولانا نے بھی ۱۹۱۲ء میں کامریڈ کو دہلی میں منتقل کردیا اس نے مولانا آزاد''الہلال'' اور مولانا ظفر علی خاں کے ''زمیندار'' کے ساتھ ملکر مسلمانوں کی بیداری میں اہم کردار ادا کیا۔ مولانا محمد علی نے ۱۹۱۳ء میں دہلی سے ایک اردو روزنامہ ''ہمدرد'' بھی جاری کیا۔ اس میں انہوں نے اپنی زندگی کے حالات لکھے۔ یہ وہ واحد تحریر ہے جو انہوں نے اپنے بارے میں چھوڑی ہے۔ اس میں انہوں نے اس بات کی وضاحت کی کہ کون سے عوامل تھے جن کی بناء پر انہیں سیاست کی جانب مائل ہونا پڑا۔ بالعموم ہندوستانیوں اور بالخصوص مسلمانوں کو آزادی کے لئے تیار کرنے میں مولانا نے بہت بڑا کردار ادا کیا۔ ان کی بے مثال قیادت میں مسلمان ایک عظیم قوم بن گئے۔ مسلمانوں کے دلوں میں ان کے لئے بہت محبت تھی۔ ۱۹۰۶ء میں جب ڈھاکہ میں مسلم لیگ کا قیام عمل میں آیا تو محسن الملک اور وقار الملک کے ساتھ وہ بھی موجود تھے۔

Marfat.com

سیاست میں مولانا محمد علی جوہر کا کردار

۱۹۱۳ء جنگ بلقان کا اعلان ہوا۔ اور یورپی طاقتیں ترکیہ کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئیں۔ تو انہوں نے ترکیہ کی امداد کے لئے چندے کی اپلیں کیں اور طبی وفد ترکیہ بھیجا۔ یہ خیر سگالی کا پہلا وفد تھا جو ملک سے باہر بھیجا گیا اس سے ترکیوں پر اچھا اثر ہوا۔ ترکوں کے لئے چلائی جانے والی تحریک نے ہندوستان میں تحریک اتحاد عالم اسلام کے لئے راہ ہموار کی۔

۱۹۱۳ء میں جب مچھلی بازار کانپور میں فائرنگ ہوئی تو اس سے پورے ہندوستان میں غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی۔ محمد علی جیسا حساس انسان اس سانحے کو برداشت نہ کر سکا۔ اور آپ نے مسلم لیگ کے سیکریٹری وزیر علی کی سرکردگی میں ایک وفد انگلستان بھیجا آپ نے اپنی تحریروں اور تقریروں کے ذریعے کان پور کے مسئلے کے عزت مندانہ حل کے لئے بھرپور کوششیں کیں۔ لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا اس کے واپس آنے کے چند ہی مہینوں کے بعد پہلی جنگ عظیم شروع ہوگئی ترکیہ جرمنوں کا حلیف تھا۔ اور محمد علی ترکیہ کے متعلق انگریزوں کو ہندوستانی مسلمانوں کے جذبات سے آگاہ کرنا چاہتے تھے۔

جنگ کے دوران برطانوی حکمران محمد علیل جیسے بہادر اور بااثر نقاد کو گوارا نہیں کر سکتے تھے۔ لہذا انہیں پانچ سال کے لئے ۱۹۱۵ء تا ۱۹۱۹ء جیل بھیج دیا گیا جب ۱۹۱۹ء میں وہ رہا ہوئے تو بین الاقوامی افق پر بہت سی تبدیلیاں آچکی تھیں۔ جنگ عظیم ختم ہو چکی تھی اور ترک معاہدہ ورسائی کے تلے دبے جا رہے تھے۔ اور ان کو وجود خطرے میں پڑ گیا تھا وزیر اعظم برطانیہ لائڈ جارج تو اسے دنیا کے نقشے سے مٹا دینے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اس سے ہندوستان کی سیاسی فضا مکدر ہوگئی۔ پنجاب میں مارشل لاء لگا دیا گیا جس کے دوران جلیاں والا باغ کا خوفناک واقعہ پیش آیا آپ نے ترکوں کے لئے امداد کی جو اپیل کی اس کا انقلابی ردعمل ہوا ہندوستان کے ہر مرد اور عورت نے اس میں اپنی استطاعت کے مطابق حصہ لیا۔ اس نے کانگریس کو اس بات پر آمادہ کیا تھا کہ وہ ترکیہ کے معاملے میں مسلمانوں کا ساتھ دے اور مولانا کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ جلیاں والے باغ کے حادثے اور خلافت عدم کی بحالی کے بعد ۱۹۲۱ء میں کانگریس نے ناگ پور میں عدم تعاون تحریک کی قرارداد پاس کی ۱۹۲۰ء سے لے کر ۱۹۲۱ء تک انہوں نے ہندوستان کے طوفانی دورے کیے اور اپنے دن رات ریلوے کے ڈبوں میں گذارے ۱۹۲۱ء میں کراچی میں خلافت کانفرنس ہوئی جس میں یہ قرارداد پاس ہوئی کہ برطانوی حکومت میں نوکری کرنا مسلمانوں کے لئے حرام اور ناجائز ہے۔ اس پر ستمبر ۱۹۲۱ء میں مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی اور حسین احمد مدنی پر مقدمہ چلایا گیا اور انہیں دو دو سال کے لئے قید سخت کی سزا ہوئی اس سزا کے خلاف پورے ہندوستان میں مظاہرے ہوئے۔ وہ ابھی جیل ہی میں تھے کہ مصطفیٰ کمال نے ترکیہ میں خلافت ختم کر دی جس سے ہندوستان میں بھی تحریک خلافت دب کر رہ گئی۔ ۱۹۲۳ء میں مولانا محمد علی جوہر جیل سے رہا ہوئے اور انڈین نیشنل کانگرس کے صدر نامزد ہوئے۔ ۲۴۔۱۹۲۳ء میں پنڈت مدن موہن مالدیہ وائسرائے کے ساتھ ساز باز کر کے جیل سے رہا ہو گئے اور انہوں نے سوامی شردھانند کے ساتھ مل کر شدھی اور سنگھٹن کی تحریکیں شروع کر دیں جس سے پورے ہندوستان میں فرقہ وارانہ فسادات پھوٹ پڑے اس سے علی برادری کی شبانہ روز کوششوں کے باوجود ہندو مسلم اتحاد کا محل مسمار ہو گیا۔ محمد علی جوہر نے

Marfat.com

ان فسادات کو روکنے کی از حد کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوئے۔ وہ ایک سچے مسلمان تھے ۱۹۲۶ء میں انہوں نے موتمر عالم اسلامی شرکت کی۔ یہ کانفرنس سلطان ابن مسعود نے مکہ میں بلائی تھی۔ وہاں جب سبھی پر جلال بادشاہ کے سامنے سہمے بیٹھے تھے مولانا محمد علی جوہر نے بے باکانہ کا اظہار کیا۔ تجاویز دہلی کی تیاری میں انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کی مدد کی جس میں دوسرے مطالبات کے علاوہ سندھ کی بمبئی سے علیحدگی اور شمالی مغربی سرحدی صوبے میں اصلاحات کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ ۱۹۲۸ء میں نہرو رپورٹ کی اشاعت کے بعد ہندو مسلم اتحاد کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا۔ ۱۹۲۸ء میں کلکتہ میں جو آل پارٹیز کانفرنس ہوئی اس میں مولانا نے مصالحت کی از حد کوشش کی مگر انہیں کامیابی نہ ہوئی۔ آخر ۱۶ سال کی طویل جدوجہد کے بعد انہوں نے ہندوستان کی آزادی کے لئے اپنی راہ عمل کو تبدیل کر لیا۔ اب ان کی صحت جواب دے چکی تھی ان کا دل ٹوٹ چکا تھا اور وہ مایوسیوں کا شکار ہو گئے تھے۔ وہ ۱۹۳۱ء میں لندن میں گول میز کانفرنس میں شرکت کرنے کے لئے اپنی زندگی کے آخری سفر پر روانہ ہوئے اور وہیں ۴ جنوری ۱۹۳۱ء کو وفات پائی اور بیت المقدس میں مسجد اقصیٰ کے زیر سایہ دفن ہوئے۔

علامہ اقبال

حالاتِ زندگی

علامہ اقبال 9 نومبر ۱۸۷۷ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا گھرانہ مذہبی رنگ میں رنگا ہوا تھا۔ اس مذہبی ماحول نے اقبال کو ابتداء ہی سے اسلام کا شیدائی بنا دیا تھا۔ اقبال ایک ذہین اور محنتی طالب علم تھے۔ ہر مرحلہ پر آپ نے شاندار کامیابی حاصل کی۔ میٹرک کا امتحان امتیازی حیثیت سے پاس کرنے کے بعد آپ سیالکوٹ کے مرے کالج میں داخلہ لیا۔ یہاں آپ کے استاد میر حسن نے آپ کی زندگی پر گہرا اثر ڈالا۔ ایف۔ اے کا امتحان سیالکوٹ سے پاس کرنے کے بعد اقبال گورنمنٹ کالج لاہور چلے آئے۔ یہاں بی۔ اے کا امتحان اعزاز کے ساتھ پاس کیا۔ انہیں دنوں پروفیسر سر تھامس علی گڑھ کالج چھوڑ کر لاہور آ گئے تھے اور وہ گورنمنٹ کالج میں پڑھا رہے تھے۔ ان کی رہنمائی میں اقبال نے مغربی فلسفہ کا گہری نظر سے مطالعہ کیا۔ آپ نے ۱۸۹۹ء میں فلسفہ میں ایم۔ اے کا امتحان امتیازی حیثیت سے پاس کیا۔ اس کے بعد علامہ اقبال گورنمنٹ کالج ہی میں فلسفہ اور انگریزی ادب کے استاد مقرر ہو گئے ۱۹۰۵ء میں علامہ اقبال نے اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے یورپ چلے گئے۔ میونخ یونیورسٹی جرمنی میں آپ نے ایرانی تصوف پر تحقیق کر کے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ اس کے بعد آپ نے لندن سے بیرسٹری کا امتحان بھی پاس کیا۔ یورپ سے واپسی پر آپ نے دوبارہ گورنمنٹ کالج لاہور میں درس و تدریس کے فرائض سنبھال لئے۔ آپ نے جلد ہی سرکاری ملازمت ترک کر کے وکالت کا پیشہ اختیار کر لیا تا کہ آزادانہ ماحول میں حریت فکر کے تقاضے پورے ہو سکیں۔

اقبال اور شاعری

آپ کی شاعری نے آپ کے ہم وطنوں کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کے لئے جو کام کیا وہ ہزار نثر نگار مل کر بھی

Marfat.com

نہیں کرسکتے۔آپ کی شاعری صرف باشندگان پاک و ہند کے لئے ہی نہیں تھیں بلکہ دنیا بھر کے مسلمانوں کے لئے جوش و جذبے اور حیات نو کی پیام پر ہے۔سر عبدالستار کا رسالہ ''المخزن'' اور ''انجمن حیات اسلام'' یہ دو پلیٹ فارم ایسے تھے جنہوں نے اقبال کی روح پرور شاعری کو لوگوں میں روشناس کرایا۔مخزن کے ہر شمارے میں آپ کی نئی نظم یا غزل شائع ہوتی تھی اور انجمن حیات اسلام کے سالانہ جلسوں میں بھی آپ کو اپنا کلام سنانے کے لئے بلایا جاتا تھا۔آپ کی ابتدائی دور کی نظمیں انہی جذبات کی آئینہ دار ہیں۔جب ۱۹۰۵ء میں آپ یورپ گئے تو وہاں کی مادی زندگی،عریاں تہذیب اور اس کے اثرات کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقعہ ملا۔آپ نے ہندوستان واپس پہنچ کر اپنے اشعار میں مغربی تہذیب پر خوب تنقید کی۔

کارنامے

ا۔فکری انقلاب کے لئے سعی بلیغ

یورپ سے واپس آنے کے بعد علامہ اقبال نے اپنی شاعری کے ذریعے مسلمان قوم میں فکری انقلاب پیدا کیا۔آپ نے نظم اور نثر دونوں ذرائع سے وطنی قومیت اور نام نہاد قوم پرستی پر ضرب کاری لگائی۔علامہ اقبال نے مسلمانوں میں یہ فکر پیدا کی کہ قومیت وطن اور زبان سے نہیں بنتی بلکہ دین اور عقیدے سے بنتی ہے۔اقبال کا نظریہ قومیت دراصل اسلام کا نظریہ قومیت ہے جس کے مطابق ایک دین اور ایک عقیدے رکھنے والے تمام افراد بھائی بھائی ہیں۔ان کا تعلق چاہے کسی بھی قوم، قبیلے یا خاندان سے ہو۔بقول اقبال:

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے　　　نیل کے ساحل سے لیکر تا بخاک کاشغر

۲۔ملت واحد کا تصور

علامہ اقبال نے مسلمانوں میں یہ تصور پیدا کیا کہ وہ ایک ملت ہیں۔ملت اسلامیہ ایک وحدت ہے اور ہر مسلمان اس وحدت کا فرد ہے۔لہذا ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ ملت اسلامیہ کا فرد بنے۔علامہ اقبال نے ملت اسلامیہ کی بنیاد اسلام کو قرار دیا۔علامہ اقبال نے ان لوگوں کی تردید کی جن کے خیال میں برصغیر کے تمام لوگ ایک قوم ہیں۔انہوں نے مسلم امت کی بنیاد اسلام کو قرار دیا ہے۔آپ نے قومیت کے مغربی تصور کا رد یوں کیا۔

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر　　　خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی

علامہ اقبال وطن، رنگ یا نسل کی بنیاد پر قائم ہونے والی ریاست کو انسانیت کے لئے زہر قاتل سمجھتے تھے۔انہوں نے مسلمان قوم کو ملت واحدہ کا تصور یوں دیا۔

بتان رنگ وخوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا　　　نہ تورانی رہے باقی نہ ایرانی نہ افغانی

۳۔دین و سیاست میں ہم آہنگی

دین و سیاست کے بارے میں مغربی تصور یہ تھا کہ یہ دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔دین کا مقصد آخرت سنوارنا اور

Marfat.com

سیاست کا مقصد دنیا کی بھلائی ہے۔ جو شخص آخرت کا طالب ہو اسے سیاست سے کنارہ کشی اختیار کرنی چاہئے۔ علامہ اقبال نے بتایا کہ اسلام میں دین اور سیاست کی علیحدگی کا کوئی تصور نہیں ہے۔ دین کو سیاست سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ اسلام میں تمام تر سیاست دین کے گرد گھومتی ہے۔ انہوں نے واضح کیا:

جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

۴۔ مغربی تہذیب پر ضرب کاری

علامہ اقبال کا اہم کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے مغربی مادہ پرستی پر ضرب کاری لگائی۔ علامہ اقبال نے یورپ میں تعلیم حاصل کرنے کے دوران وہاں کی تہذیب وتمدن کا بغور جائزہ لیا۔ وہ مغرب کے فلسفوں اور نظریات سے اچھی طرح واقف تھے۔ اقبال نے مسلمانوں کو مغرب کی ذہنی غلامی سے نجات دلانے کے لئے پوری کوشش کی۔ آپ کا نظریہ خودی اسی حقیقت کا آئینہ دار ہے۔ نظریہ خودی کا مطلب ہی یہ ہے کہ مسلمان اپنے آپ کو پہچانیں۔ علامہ اقبال نے مسلمانوں میں یہ احساس پیدا کیا کہ پوری دنیا میں صرف مسلمان ہی قابل فخر تہذیب کے مالک ہیں اور مسلمانوں کے پاس دنیا کا سب سے بہترین ضابطہ حیات ہے۔ مسلمان ہی سب سے زیادہ اعلیٰ اخلاق کے مالک ہیں۔ علامہ اقبال نے ۱۹۳۰ء میں لاہور میں آل انڈیا مسلم لیگ کانفرنس کی صدارت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا: ''تم اس دنیا میں سب سے زیادہ قابل ستائش اور قابل فخر تہذیب کے آقا ہو اور تمہارے پاس دنیا کا بہترین نظام حیات اسلام کی شکل میں موجود ہے۔ تم اوروں کی پیروی کے لئے نہیں بلکہ رہنمائی کے لئے پیدا کئے گئے ہو''۔

۵۔ ازموں کی بیخ کنی

علامہ اقبال نے پورے وثوق سے یہ بات لوگوں کو ذہن نشین کروانے کی کوشش کی کہ موجودہ زمانے کے ازم انسانیت کے دکھوں کا مداوہ نہیں ہیں۔ علامہ اقبال کے خیال میں موجودہ دور کا تمام تر فساد اور انسانیت کے لئے مصائب مختلف ازموں کی پیداوار ہیں۔ اقبال نے جہاں کہیں سرمایہ داری کی مذمت کی ہے وہاں اشتراکیت یا کمیونزم کی بھی شدید مخالفت کی ہے۔ اس کے ساتھ ہی علامہ اقبال نے مثبت طریقے سے مسلمانوں کے ذہن میں یہ بات بٹھائی کہ تمہاری مصیبتوں اور مسائل کا حل صرف یہ ہے کہ تمام اسلام کی تعلیمات کے مطابق اپنی زندگیاں گزارو۔ آپ نے ۱۹۳۷ء میں قائداعظم کے نام جو خط لکھا اس میں واضح کیا کہ مسلمانوں کے معاشی مسائل کا حل صرف اور صرف اسلامی آئین کے نفاذ میں ہے۔ علامہ اقبال قرآنی تعلیمات کو ابدی اور آفاقی قرار دیتے ہیں۔ ایک جگہ فرماتے ہیں۔

قرآن میں ہو کہ غوطہ زن اے مرد مسلماں ۔۔۔ اللہ کرے عطا تجھ کو جدت کردار

۶۔ اتحاد عالم اسلام

علامہ اقبال عالم اسلام کے اتحاد کے قائل تھے۔ علامہ اقبال نے اس اتحاد کی بنیاد اسلام کو قرار دیا نہ کہ قوم پرستی کو۔

Marfat.com

اقبال کے خیال میں وطنیت کی بنیاد پر قائم ہونے والی قومیت ناپائیدار ہے اور اسے اسلام نے ہمیشہ رد کیا ہے۔اس دور میں مختلف مسلم ممالک میں جو قوم پرست تحریکیں جنم لے رہی تھیں، علامہ اقبال نے انہیں مسلمانوں کے حق میں مضر سمجھا۔ انہوں نے خلافت عثمانیہ کے ٹکڑے ہوتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے۔مشرق وسطیٰ میں بننے والی مختلف ریاستوں کو انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ان حالات میں علامہ اقبال چاہتے تھے کہ پوری دنیا کے مسلمان ایک قوم بن جائیں۔ اپنے ذاتی اختلافات کو بھلا کر انہیں اسلام کی بنیاد پر متحد ہو جانا چاہئے ورنہ کفران کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔

۷۔دوقومی نظریہ

علامہ اقبال اس نتیجے پر پہنچ سکے تھے کہ برصغیر میں ہندو اور مسلم دو بڑی قومیں آباد ہیں جن کے افکار و اعمال میں بہت زیادہ فرق ہے۔چنانچہ آپ نے دوقومی نظریہ پیش کیا۔

علامہ اقبال نے ۱۹۳۰ء میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ الٰہ آباد میں مسلم قوم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

”ہندو اور مسلمان دو الگ قومیں ہیں۔ان دونوں میں کوئی ایک چیز بھی مشترک نہیں ہے۔گزشتہ ایک ہزار سال سے مسلم قوم ہندوستان میں اپنی جداگانہ حیثیت برقرار رکھے ہوئے ہے۔ہندوؤں اور مسلمانوں کے نظریہ آزادی میں جو فرق ہے وہ روز روشن کی طرح عیاں ہے۔میں یہ بات واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ ہندوستان کی سیاسی کشمکش کا حل اس کے سوا اور کوئی نہیں کہ ہر جماعت کو اپنی اپنی مخصوص قومی اور تہذیبی بنیادوں پر آزادانہ انتخابات کا حق ملنا چاہیے۔میری دلی خواہش ہے کہ پنجاب، سرحد، سندھ اور بلوچستان کو آپس میں ملا کر ایک الگ ریاست بنا دی جائے۔برصغیر کے مسلمانوں کی بہتری کے لئے اس سے بہتر کوئی دوسرا حل مجھے دکھائی نہیں دیتا۔ برصغیر کے مسلمانوں کی منزل ہے“۔

علامہ اقبال کے افکار کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ برصغیر کے مسلمانوں کے لئے ایک الگ وطن چاہتے تھے۔

۸۔عزم وعمل سے آشنائی

1930ء میں علامہ اقبال نے آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں برصغیر کے مسلمانوں کے سامنے ایک ایسا نصب العین رکھا جو بعد میں تحریک پاکستان کا سبب بنا۔علامہ اقبال نے اپنی تقاریر اور تحریروں کے ذریعے برصغیر کے مسلمانوں میں بیداری کی روح پھونکی۔علامہ اقبال کی تحریروں نے بیسویں صدی کے نوجوانوں کو عزم وعمل سے آشنا کیا۔آپ بلند پایہ مصنف ہونے کے ساتھ ساتھ بہت بڑے مفکر اور مصلح بھی تھے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ

حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ (م ۱۰۳۴ھ/ ۱۶۲۴ء) عالم اسلام کی وہ عظیم شخصیت ہیں جن کا روحانی فیض گزشتہ چار سو برس سے مشرق ومغرب اور جنوب وشمال میں جاری وساری ہے لیکن پچاس ساٹھ برس پہلے مؤرخین کی غفلت سے حضرت مجدد الف ثانیؒ کا ذکر تاریخ کی کتابوں میں جس شان سے آنا چاہئے تھا نہ آیا، آیا تو ذکر کیا ہی نہ گیا یا ذکر کیا تو نہایت

Marfat.com

سرسری۔ برصغیر کی تاریخ میں جدید علمی دنیا میں سب سے پہلے جس نے حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا وہ ڈاکٹر محمد اقبال تھے جن کو حضرات اہل اللہ کی روحانی قوت کا صحیح ادراک تھا اسی لئے تو انہوں نے کہا تھا:

نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

ڈاکٹر اقبال نے محسوس کیا کہ برصغیر کے مسلمانوں کی اگر قسمت بدل سکتی ہے تو حضرت مجدد الف ثانیؒ کے افکار و تعلیمات پر عمل کر کے ہی بدل سکتی ہے اسی لئے انہوں نے یہ التجا کی:

تیرے پیمانے میں ہے ماہ تمام اے ساقی   تو میری رات کو مہتاب سے محروم نہ رکھ

ڈاکٹر محمد اقبال نے حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کے تصور ''وحدت الشہود'' کو اپنا کر ہی اپنا عالمگیر ''تصور خودی'' پیش کیا۔ برصغیر کی تاریخ میں حضرت مجدد الف ثانی جیسا کوئی مرد مجاہد نظر نہیں آتا، یہ مبالغہ نہیں بلکہ حقیقت ہے کیونکہ برصغیر کی اسلامی تاریخ میں کبھی ایسا نہ ہوا کہ کسی مسلم حکمران نے اسلام کا نام لینے والوں، اسلام کی تبلیغ کرنے والوں اور اسلام کے احکام پر عمل کرنے والوں کے سر قلم کئے ہوں یا ان کو جلاوطن کیا ہو طرح طرح کی اذیتیں دی ہوں۔ یہ ناگفتہ حالات صرف وصرف مجدد الف ثانی کے دور میں نظر آتے ہیں۔ ان حالات میں آپ نے تجدیدی اور تبلیغی مساعی کا آغاز کیا۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے دور میں تصور ''وحدۃ الوجود'' کی غلط تشریحات نے مسلمانوں کو اسلام سے بے گانہ کر دیا تھا کیونکہ ہر دل میں یہ سوال اٹھتا تھا کہ جب وجود ایک ہے اور باقی موجودات وہمی وخیالی ہیں تو اسلام اور اسلام کے احکام کس کے لئے ہیں؟ اس کا کوئی جواب نہ تھا۔ اسی سے گمراہی پھیلتی چلی گئی۔ حضرت حضرت مجدد الف ثانی نے ''تصور وحدت الشہود'' پیش کر کے گمراہی کا سد باب کیا۔ اور یہ بتایا کہ ''الہٰ، الہٰ ہے، عبد، عبد ہے نہ الہٰ عبد ہو سکتا ہے اور نہ عبد، الہٰ'' گویا آپ نے اللہ کے علاوہ ساری موجودات کی نفی کے ماحول میں بتایا کہ ''واجب الوجود'' کے علاوہ ایک ''ممکن الوجود'' بھی ہے جس کا قرآن کریم میں بار بار ذکر کیا گیا، اسلام کے سارے احکام اسی ممکن الوجود کے لئے ہیں۔ اس طرح فکر و خیال کا ایک عظیم فساد رفع ہو گیا اور بات سمجھ میں آنے لگی۔

اکبری دور میں تصور ''وحدۃ الوجود'' کی غلط تشریحات نے ایک عظیم فساد برپا کیا، اسلام کا نام ونشاں مٹانے کی پوری کوشش کی گئی جس کی تفصیل دربار اکبری کے سابق امام ملا عبد القادر بدایونی نے اپنی کتاب منتخب التواریخ میں دی ہے اور حضرت مجدد الف ثانی نے بھی اشارۃً تصانیف میں ذکر کیا ہے۔ اس میں شک نہیں اگر حضرت مجدد الف ثانی حکیمانہ ومدبرانہ انداز سے اس فساد کو نہ روکتے تو برصغیر کا حال بھی ہسپانیہ جیسا ہو چکا ہوتا۔ پھر بعد کے آنے والے مصلحین کس زمین میں اسلام کا پودا لگاتے؟ بے شک حضرت مجدد الف ثانی کے بعد آنے والے مصلحین پر حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کا احسان عظیم ہے۔ جن کو تاریخی حقائق کا علم ہے وہ اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ نے تکفیری مہم نہ چلائی بلکہ اصلاحی مہم چلائی۔ بیمار کو ثابت کرنا بھی حکمت ہے مگر بیمار کا علاج کرنا اور اس کو صحت مند بنانا اصل حکمت ہے۔ آپ نے بیمار ملت کو صحت مند بنایا اسی لئے ڈاکٹر اقبال نے کہا:

Marfat.com

ا۔ یہ مقالہ کتابی صورت میں مکتبہ نعمانیہ، سیالکوٹ نے شائع کیا پھر کراچی سے اس کا انگریزی ترجمہ ادارۂ مسعودیہ نے (۱۹۹۶ء) میں شائع کیا اور اصل اردو بھی ۲۰۰۲ء میں شائع کیا۔

اقبال اور تصوف

ڈاکٹر غلام مصطفٰے خاں صاحب" اقبال اور تصوف میں تحریر کرتے ہیں کہ:

سورۃ آلِ عمران (آیت ۱۶۴) میں آتا ہے: **لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ج وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ط**

ترجمہ: اللہ پاک نے احسان کیا ایمان والوں پر جو بھیجا رسول اُنہیں میں کا، جو پڑھتا ہے ان پر آیتیں اس کی اور تزکیہ کرتا ہے ان کا اور سکھاتا ہے ان کو کتاب اور حکمت، اور وہ لوگ پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

اس آیت میں حضور انور ﷺ کی ایک خصوصیت یہ بھی بتائی گئی ہے کہ وہ تزکیہ نفس اور تصفیۂ قلب بھی فرماتے ہیں تاکہ لوگوں میں کوئی باطنی بیماری نہ رہنے پائے۔ حضور انور ﷺ کے بعد ان کے صحابہ، تابعین اور تبع تابعین بھی آپ کے نائبین کی حیثیت سے اصلاح نفس کرتے رہے۔ اور ان کے بعد علماء اور صالح نے یہ خدمت انجام دی۔ اسلام میں سب سے پہلے شخص جو صوفی کہلائے گے وہ ابو ہاشم کوفی تھے جو سفیان ثوری کے معاصر تھے۔ بعض کے نزدیک پہلے صوفی جابر بن حیان تھے جو ابو ہاشم کوفی کی طرح دوسری صدی ہجری سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان بزرگوں کی صوفیانہ اور زاہدانہ زندگی "ویزکیھم" کی عملی تفسیر تھی۔ پھر جن بزرگوں نے تصوف پر شروع شروع میں لکھا ہے ان میں جنید بغدادی (التوفی ۲۹۷ھ)، ابونصر سراج طوسی (التوفی ۳۷۸ھ)، ابوبکر بخاری کلاباذی (اواخر چہارم صدی)، ابوالقاسم قشیری (التوفی ۴۶۵ھ)، داتا گنج بخش لاہوری (التوفی ۴۶۵ھ) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ حضرت بایزید بسطامی (التوفی ۲۶۱ھ) اور جنید بغدادی نے اپنے ذوق ووجدان کی بناپر مسئلۂ وحدۃ الوجود کا سب سے پہلے ذکر کیا تھا، لیکن ان کے بعد محی الدین ابن عربی (التوفی ۶۳۸ھ) نے اس مسئلے کو ذہنی اور استدلالی جامہ پہنا کر ایک فلسفہ بنا دیا۔ مگر امام غزالی (التوفی ۵۰۵ھ) نے پہلے ہی اسلامی عقائد کو صحیح اور اصلی صورت میں پیش کر کے تصوف کو فلسفے کی غلامی سے بچانے کی راہ ہموار کر لی تھی۔ تاہم فارسی اور اُردو کے بیشتر شعرا نے وحدۃ الوجود ہی کے راگ الاپے اور "ہمہ اوست" کے مضامین سے اپنے کلام کو زینت بخشی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ "مسائل۔ تصوف" صرف بیان ہی بیان میں تھے اور اکثر شعرا عملاً تصوف اور متصوفانہ زندگی سے خالی تھے۔

محی الدین ابن عربی نے جو مسئلہ وحدۃ الوجود پر بحث کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ وجود صرف ایک ہے اور تمام اشیاء اسی ایک وجود کی تجلیات اور مظاہر ہیں۔ وجود حقیقی کائنات میں ذات وصفات کی نسبت ہے اور چونکہ صفاعین ذات ہیں اس لئے کائنات بھی حق تعالیٰ سے الگ کوئی وجود نہیں رکھتی۔ بلکہ سب کچھ وہی وہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ **سُبْحَانَ مَنْ خَلَقَ الْاَشْيَاءَ وَهُوَ عَيْنُهَا** (پاک ہے وہ ذات جس نے اشیاء کو پیدا کا اور وہ خود عین اشیاء ہے) اور یہ بھی کہا کہ **اَلرَّبُّ حَقٌّ وَالْعَبْدُ حَقٌّ فَمَا اَدْرِیْ مَنِ الْمُكَلَّفُ** (خدا بھی حق ہے اور بندہ بھی حق ہے۔ پھر مجھے معلوم نہیں کہ مکلف کون ہے)۔

Marfat.com

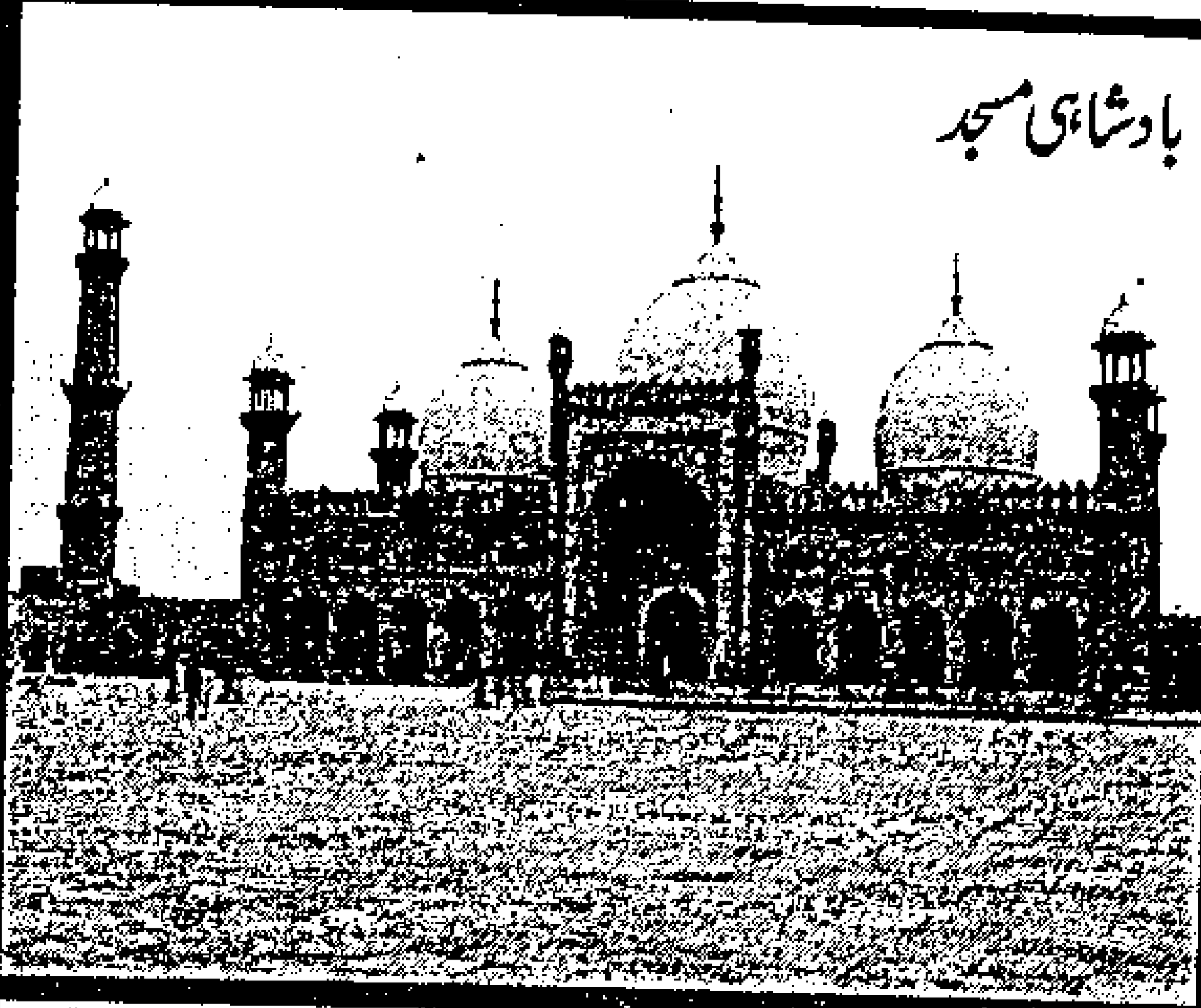
بادشاہی مسجد

شاہی قلعہ

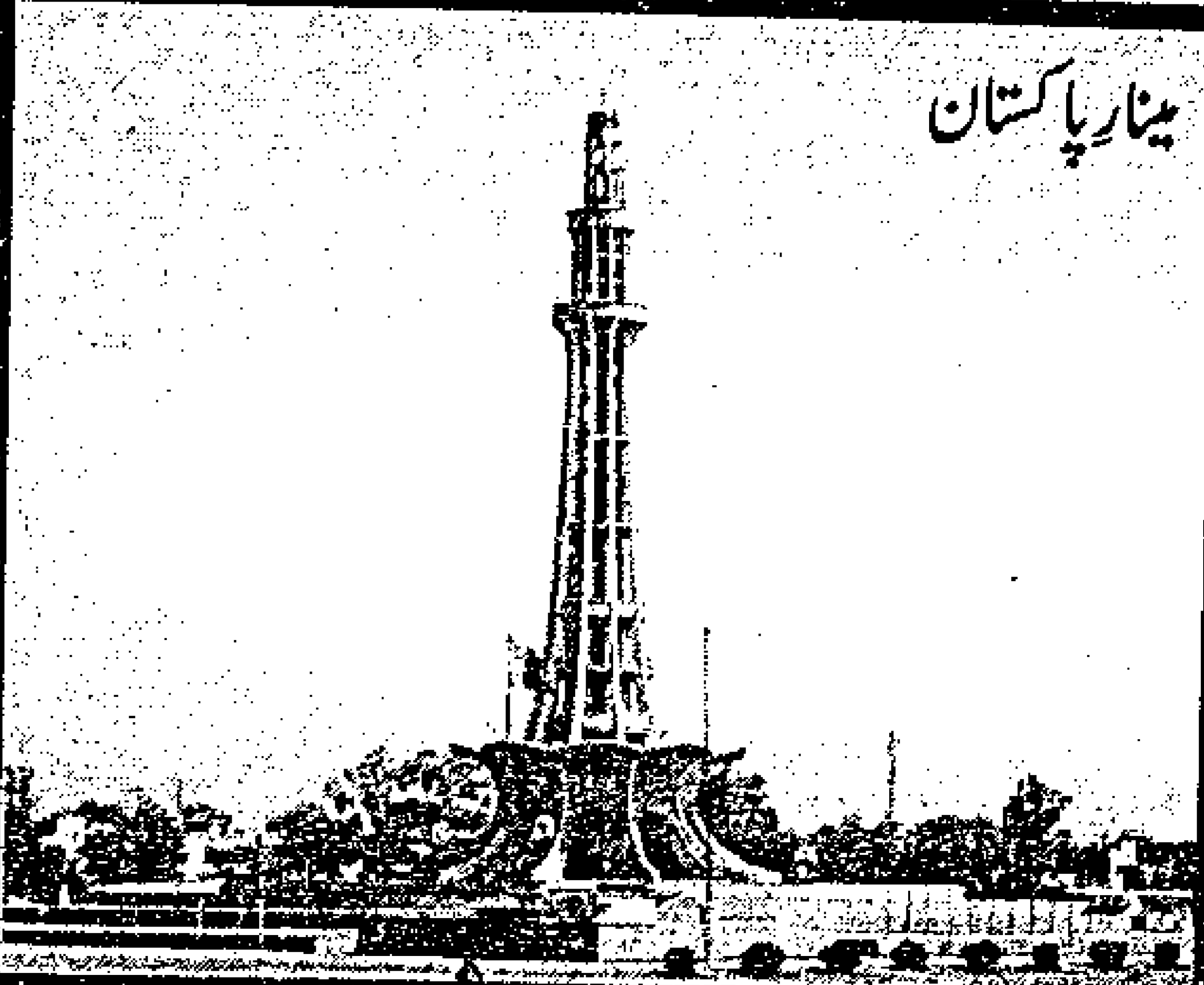
مینار پاکستان

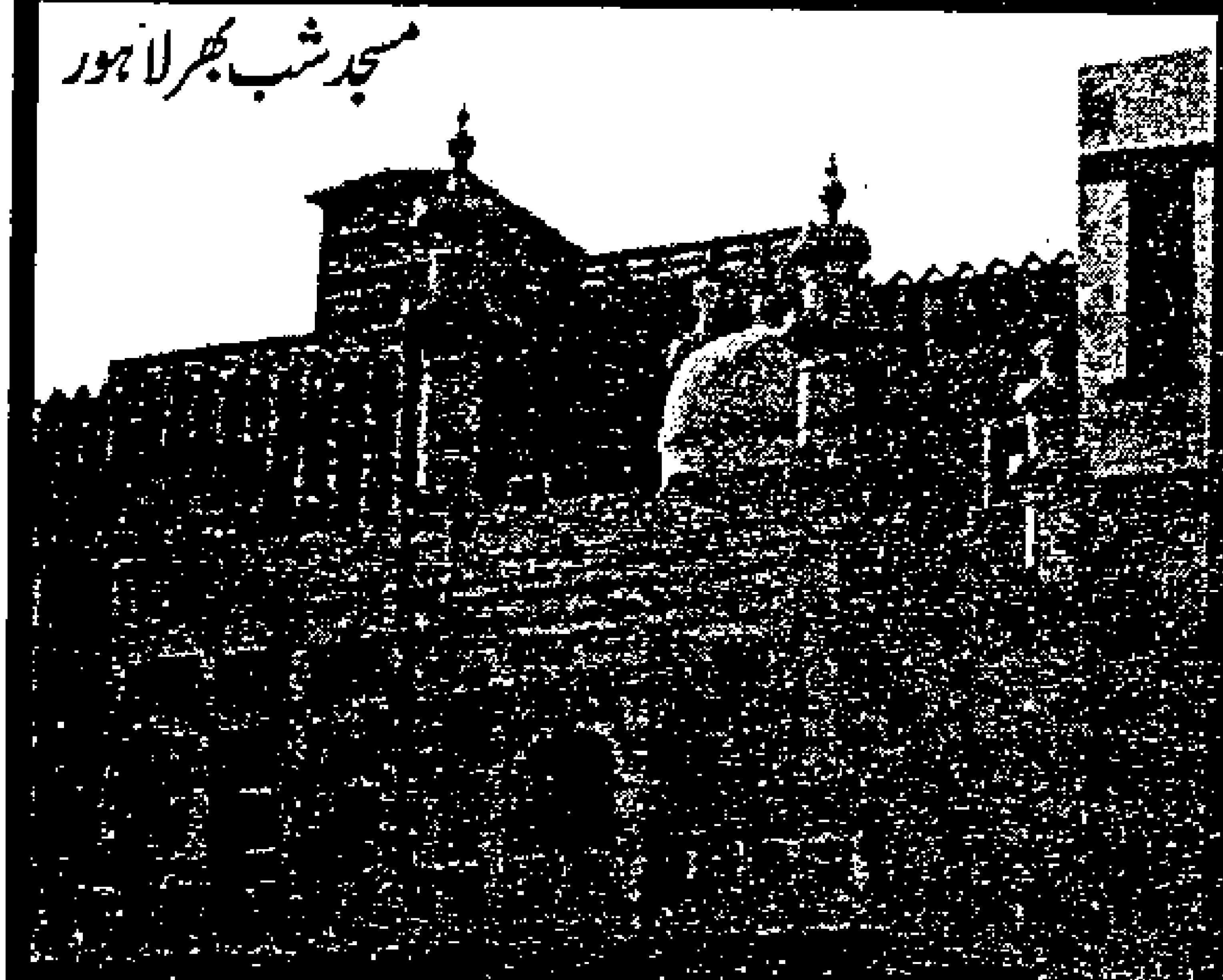
مسجد شب بھر لاہور

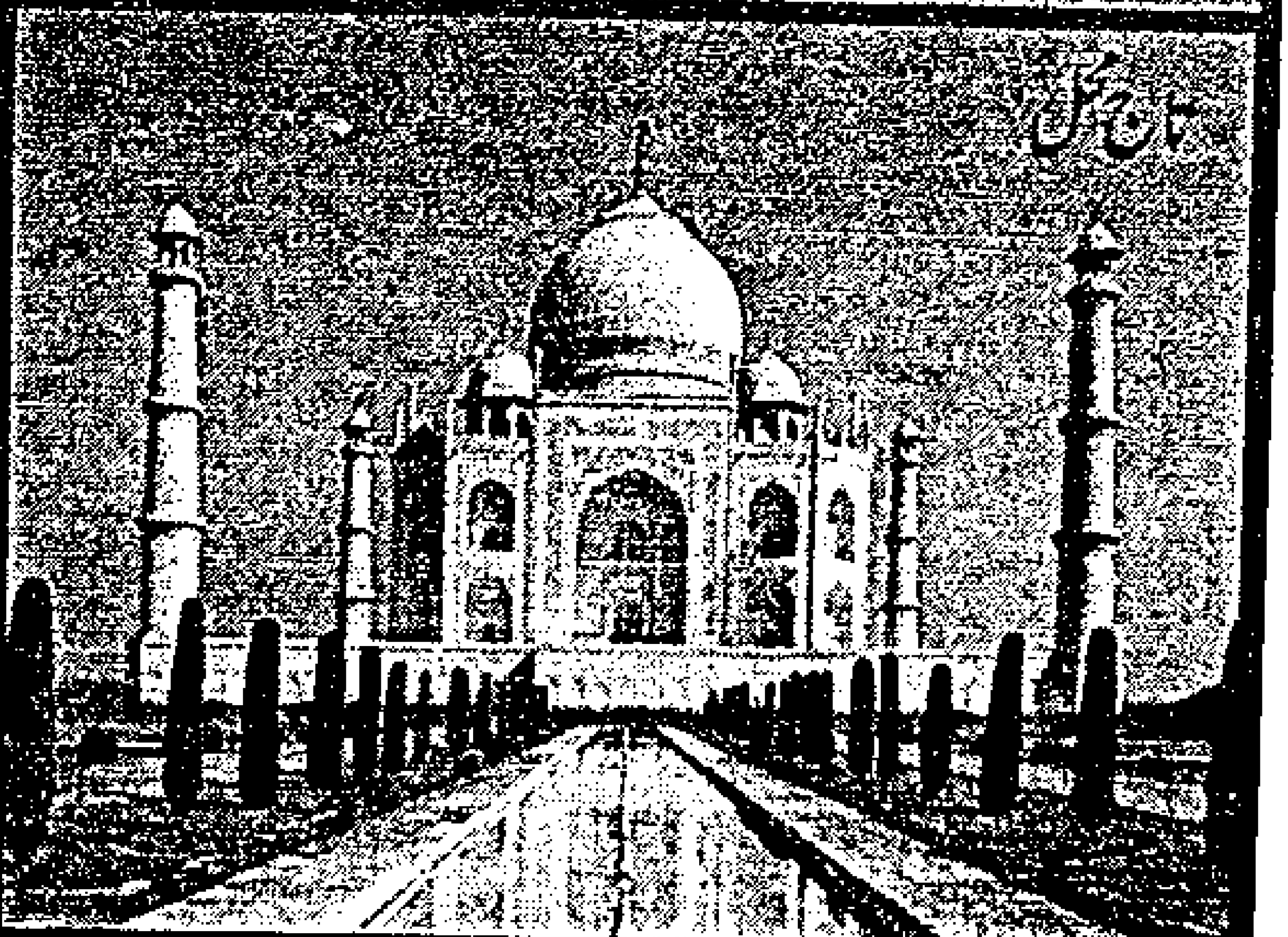
تاج محل

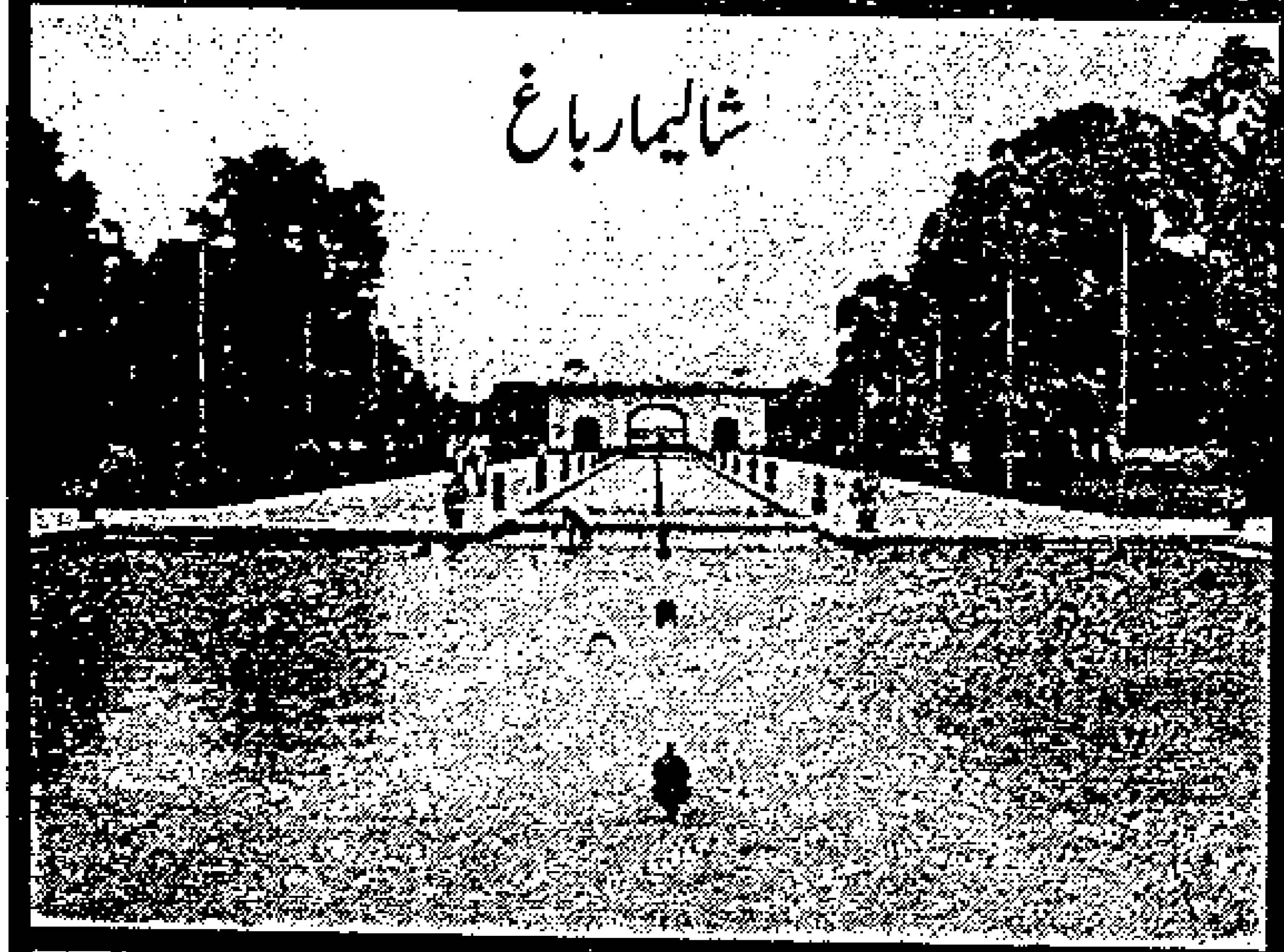
شالیمار باغ

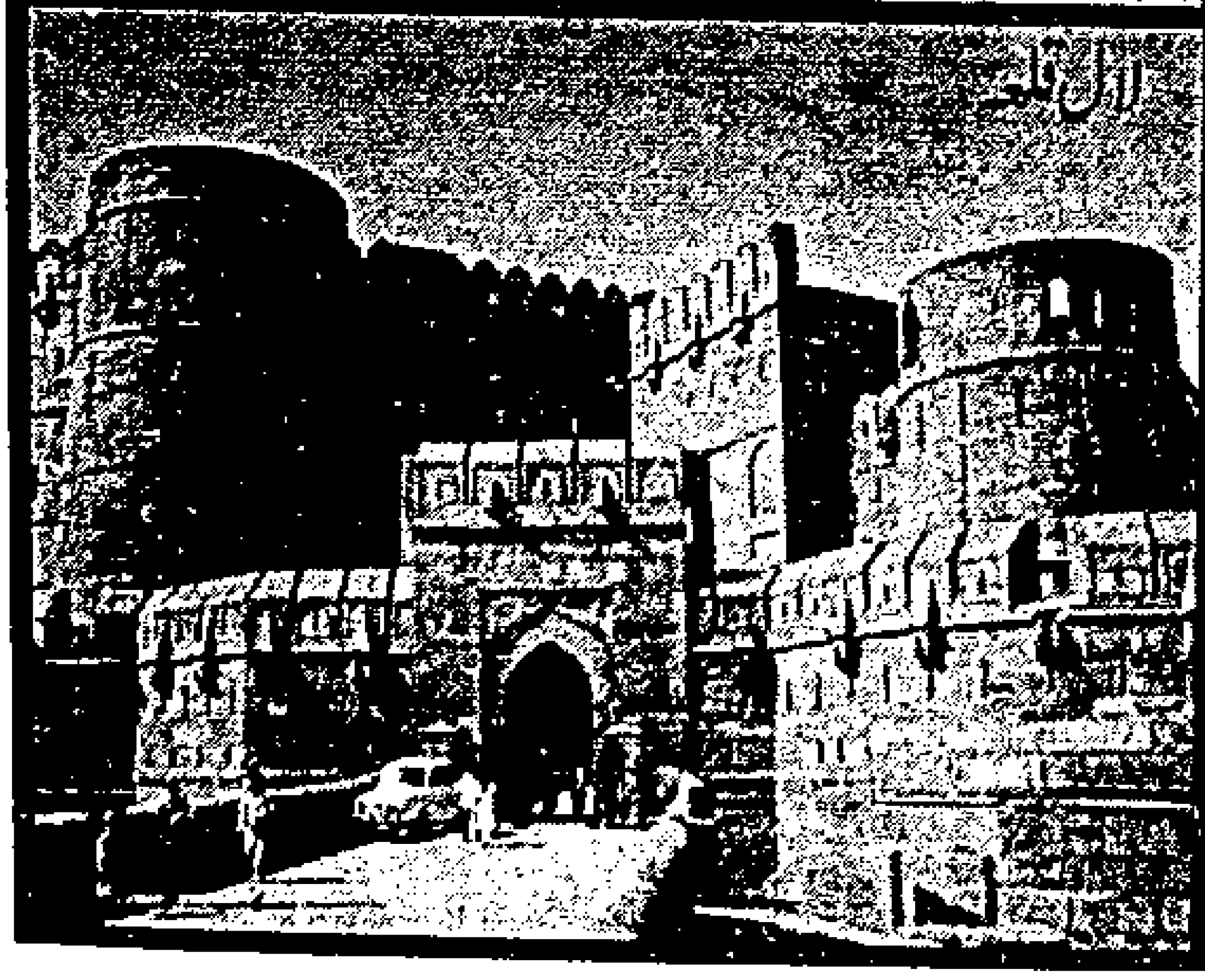
لال قلعہ

Marfat.com

پھر حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۰۳۴ھ) نے اس ''ہمہ اوست'' کے نظریئے کو ''ہمہ از وست'' بنا دیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ: "اشیا نزد صوفیہ ظہورات حق انداز نہ عین حق. پس اشیا از حق با شند نہ حق. پس معنی. این کلام. ایشان کہ ہمہ اوست، ہمہ ازوست باشد کہ مختار علمائے کرام است و نزاع درمیان علمائے کرام و صوفیہ، عظام فی الحقیقۃ ثابت نہ باشد. مالِ قولین یکے بود. این قدر فرق است کہ صوفیہ اشیا را ظہوراتِ حق می گویند و علما ازین لفظ نیز تحاشی می نمایند از جہت. تحرّز نمودن از تو ہم حلول و اتحاد.

(صوفیہ کے نزدیک اشیا حق تعالیٰ کے ظہورات ہیں، نہ کہ حق تعالیٰ۔)

ا۔ تفصیل کے لئے دیکھیں پروفیسر ضیاء احمد بدایوانی، ''مباحث و مسائل'' (دہلی ۱۹۶۸)، ص ۲۰ بعد۔

۲۔ ''مکتوبات''، دفتر دوم، مکتوب ۴۴۔

کا عین۔ پس اشیا حق تعالیٰ سے ہیں، نہ کہ وہ خود حق تعالیٰ ہیں۔ چنانچہ ان کے کلام ہمہ اوست کے معنی ہمہ از وست ہوں گے جو کہ علمائے کرام کے نزدیک مختار ہیں اور علما و صوفیہ کے درمیان حقیقت میں کوئی نزاع نہیں ہے۔ دونوں کے اقوال کا مقصد ایک ہے۔ صرف اس قدر فرق ہے کہ صوفیہ اشیا کو حق تعالیٰ کے ظہورات کہتے ہیں اور علما اس لفظ سے بھی اجتناب کرتے ہیں تا کہ حلول اور اتحاد کا وہم بھی پیدا نہ ہو سکے)

تصوّف اور متصوفین کے اس اجمالی جائزے کے بعد علامہ اقبال کے نظریہ تصوّف کا مطالعہ کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ وہ یکسر تصوّف میں مخالف نہیں تھے بلکہ وہ ایسے تصوّف کے خلاف تھے جو بے عملی اور راہبانہ زندگی کی دعوت دے۔

۱۸۵۷ کی جنگ آزادی میں مسلمانوں کی ناکامی مسلّم ہے لیکن انگریزوں کو اتنا اندازہ ضرور ہو گیا تھا کہ یہ قوم متحد ہونے کی صلاحیت ضرور رکھتی ہے۔ چنانچہ ان کی قوت کو ختم کرنے کے لئے مختلف حربے استعمال کئے گئے۔ پادری فنڈر کو بلایا گیا۔ بریلوی اور دیوبندی جھگڑے کھڑے کئے گئے۔ ایک پیغمبر کو بھی پیدا کیا گیا۔ شدی سنگھٹن تحریک شروع کرائی گئی اور زیادہ سے زیادہ پھوٹ ڈالنے کی کوشش کی گئی۔ سید احمد خاں کے رسالہ ''تہذیب الاخلاق'' کے مضامین کے عنوانات ہی سے معلوم ہو سکتا ہے کہ قوم میں کیا کیا برائیاں پیدا ہو چکی تھیں یا پیدا کرائی گئی تھیں۔ تاہم راعی اور رعایا کے درمیان مصالحت و مفاہمت اور درمع الدھر کیف دار سید احمد خاں اور ان کے رفقا کا مشن تھا۔ لیکن علامہ اقبال کے کام کی نوعیت مختلف تھی۔ وہ ''با زمانہ بساز'' کے نہیں بلکہ ''با زمانہ ستیز'' کے قائل تھے، اور ابھی یورپ ہی میں تھے کہ انہوں نے اسلامی حقائق کی اشاعت کو اپنا نصب العین بنا لیا تھا۔ وہ لکھتے ہیں: ''جو خیالات میں نے ان مثنویوں ''اسرارِ خودی'' اور ''رموزِ بے خودی''] میں ظاہر کئے ہیں ان کو برابر ۱۹۰۷ سے ظاہر کر رہا ہوں۔ مقصود اسلامی حقائق کی اشاعت ہے۔ اقبال کا یہ مقصود اس لئے تھا کہ انگریز نے اسلامی حقائق سے رو گردانی کے لئے اپنی تہذیب کو زیادہ جاذبِ نظر بنا دیا تھا۔ اقبال کہتے ہیں۔

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیبِ حاضر کی　　یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے

Marfat.com

۳۔ شیخ عطاء اللہ، مرتب، ''اقبال نامہ''، حصہ اول، صفحہ ۱۱۰

ے فسادِ قلب و نظر ہے فرنگ کی تہذیب ——— کہ روح اس مدنیت کی رہ سکی نہ عفیف

اس تہذیب کی وجہ سے مسلمانوں میں جو احساسِ کمتری پیدا ہوا ہے اس کے متعلق کہتے ہیں۔

ے افرنگ ز خود بے خبرت کرد وگرنہ ——— اے بندۂ مومن تو نذیری، تو بشیری

اسلام اور مسلمانوں کو ختم کرنے کے لئے دوسرا زہر قاتل مغرب کا جذبۂ وطنیت ہے۔ یہی جذبۂ وطنیت اب نئے سرے سے پاکستان میں پیدا کرایا جا رہا ہے۔ اقبال نے کہا تھا:

ے اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر ——— خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمیؐ

مغرب نے تیسرا زہر تعلیم کے نظام کا پیش کیا تھا۔ اقبال نے صاف طور پر کہا ہے کہ:

ے اور یہ اہلِ کلیسا کا نظامِ تعلیم ——— ایک سازش ہے فقط دین و مروّت کے خلاف

مکتب و مدرسہ جز درسِ نبودن نہ دہند ——— بودن آموز کہ ہم باشی و ہم خواہی بود

اور یہ کہا کہ:

ے عصرِ حاضر ملک الموت ہے تیرا جس نے ——— قبض کی روح تری، دے کے تجھے فکرِ معاش

مدرسے نے تری آنکھوں سے چھپایا جن کو ——— خلوتِ کوہ و بیاباں میں وہ اسرار ہیں فاش

چوتھی مہلک چیز جو ان تمام مہلکات میں جاری و ساری ہیں وہ ''تخمین و ظن'' ہے جو یقین کی ضد ہے اور اسی سے پستی، بے بضاعتی، احساسِ کمتری اور بے عملی سے پیدا ہوتی ہے، کیونکہ بڑی بڑی قوت یقین کے فقدان سے ختم ہو جاتی ہے اور معمولی چیز بھی اس پر غالب آ جاتی ہے۔ چنانچہ ہر وہ علم، عقل، فکر یا فلسفہ جو صرف سوچنا سکھائے اور عمل کے لئے آمادہ نہ کر سکے وہ ''تخمین و ظن'' ہے اور اقبال کے نزدیک مردود ہے۔ اور وہ تصوّف بھی (اقبال کے نزدیک) صحیح نہیں جو بے عمل سکھائے۔

ے بہانہ بے عملی کا بنی شراب سکھائے

ایسے نام نہاد تصوّف اور صوفیوں کے متعلق ''اسرارِ خودی'' میں کہتے ہیں۔

ے دل ز نقشِ لاالٰہ بے گانۂ ——— از صنم ہائے ہوس بت خانۂ

می شود ہر مو دراز خرقہ پوش ——— آہ زین سوداگرانِ دین فروش

حضرت مجدد الف ثانی کی طرح اقبال بھی کہتے ہیں کہ ایسے صوفیوں کو قرآن سے وجد و حال پیدا نہیں ہوتا بلکہ اشعار کے سننے سے پیدا ہوتا ہے۔

ے صوفیِ پشمینہ پوشِ حال مست ——— از شرابِ نغمۂ قوّال مست

آتش از شعرِ عراقی در دلش ——— در نمی سازد بہ قرآن محفلش

ایسے صوفیہ وحدۃ الوجود کے فلسفے میں غرق ہو کر اپنے صحیح منصب کو بھلا چکے ہیں۔ ''ساقی نامہ'' میں کہتے ہیں۔

Marfat.com

وہ صوفی کہ تھا خدمتِ حق میں فرد	محبت میں یکتا، حمیت میں فرد
عجم کے خیالات میں کھو گیا	یہ سالک مقامات میں کھو گیا

۱۹۱۷ میں وہ لکھتے ہیں:

''شعرائے عجم میں بیشتر وہ شعرا ہیں جو اپنے فطری میلان کے باعث وجودی فلسفے کی طرف مائل تھے۔ اسلام سے پہلے بھی ایرانی قوم میں یہ میلان طبیعت موجود تھا اور اگرچہ اسلام نے کچھ عرصے تک اس کا نشوونما نہ ہونے دیا۔ تاہم وقت پا کر ایران کا آبائی اور طبعی مذاق اچھی طرح سے ظاہر ہوا، یا بالفاظ دیگر مسلمانوں میں ایک ایسے لٹریچر کی بنیاد پڑی جس کی بنا وحدۃ الوجود تھی۔ ان شعرا نے نہایت عجیب وغریب اور بظاہر دلفریب طریقوں سے شعائرِ اسلام کی تردید وتنسیخ کی ہے اور اسلام کی ہر محمود شے کو ایک طرح سے مذموم بیان کیا ہے۔''

اسی طرح وجودی صوفیہ کے متعلق بھی وہ اسی سال لکھتے ہیں: ''میرا تو عقیدہ ہے کہ غلوفی الزہد اور مسئلۂ وجود مسلمانوں میں زیادہ تر ۴۔ ''مکتوبات''، دفتر اول، مکتوب ۲۶۱ میں ہے ''اگر شمۂ از حقیقت وجد وتواجد نہ کردندے۔'' بدمذہب کے اثرات کا نتیجہ ہیں۔ خواجہ نقشبند [التوفی ۷۹۱ھ] اور مجدد سرہند رح (التوفی ۱۰۲۴ھ) کی میرے دل میں بہت عزت ہے۔ مگر افسوس کہ آج یہ سلسلہ بھی عجمیت کے رنگ میں رنگ گیا ہے۔ یہی حال سلسلۂ قادریہ کا ہے جس میں میں خود بیعت ہوں، حالانکہ حضرت محی الدین (جیلانی۔ التوفی ۵۶۱ھ) کا مقصد اسلامی تصوّف کو عجمیت سے پاک کرنا تھا''۔

غلوفی الزہد اور وحدۃ الوجود کے علاوہ اقبال نے مسئلہ بروز کو بھی عجمی ایجاد کہا ہے۔ ایک خط میں وہ لکھتے ہیں: ''جہاں تک مجھے معلوم ہے یہ مسئلہ (بروز) عجمی مسلمانوں کی ایجاد ہے اور اصل اس کی آرین ہے''۔ یعنی یہ تمام تعلیمات بے عملی سکھاتی ہیں۔ لیکن حضرت مجدد الف ثانی اور ان کے متبعین سے اقبال کو صرف محبت ہے کہ وہ جوش اور ولولہ سکھاتے ہیں اور عمل وعزم کی دعوت دیتے ہیں۔ حضرت مجدد کے متعلق ''بال جبریل'' میں انہوں نے کہا ہے کہ:

حاضر ہوا میں شیخ مجدد کی لحد پر	وہ خاک ہے کہ زیر فلک مطلع انوار
اس خاک کے ذروں سے ہیں شرمندہ ستارے	اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحب اسرار
گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے	جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمیِ احرار
وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان	اللہ نے ہر وقت کیا جس کو خبردار
کی عرض یہ میں نے کہ عطا فقر ہو مجھ کو	آنکھیں مری بینا ہیں و لیکن نہیں دیدار!
آئی یہ صدا سلسلۂ فقر ہوا بند	ہیں اہل نظر کشور پنجاب سے بیزار!
عارف کا ٹھکانہ نہیں وہ خطہ کہ جس میں	پیدا کلۂ فقر سے ہو طرۂ دستار!
باقی کلۂ فقر سے تھا ولولۂ حق	طروں نے چڑھا یا نشۂ خدمتِ سرکار!

حضرت مجدد کے متبعین میں بیدل بھی تھے۔ ان کے متعلق اقبال لکھتے ہیں: ''بیدل کے کلام میں خصوصیت کے ساتھ حرکت پر زور

Marfat.com

ہے۔ یہاں تک کہ اس کا معشوق بھی صاحب خرام ہے۔ اس کے برعکس غالب کو زیادہ تر اطمینان وسکون سے الفت ہے۔ نقشبندی سلسلے سے اور حضرت مجدد الف ثانی سے بیدل کی عقیدت کی بنیاد یہی ہے۔ نقشبندی مسلک، حرکت اور روحانیت پر مبنی ہے''۔

اسی حرکت اور عشق سے متعلق ''بانگ درا'' میں اقبال نے ''مذہب'' کے عنوان کے تحت بیدل کا یہ شعر تضمین کیا ہے۔

با ہر کمال اندکے آشفتگی خوش ست | ہر چند عقل کل شدۂ بے جنوں مباش

بہر حال اقبال کو صرف ایسے لوگ پسند ہیں۔ جن میں عمل کا جذبہ ہے اور جو راہبانہ زندگی سے بیزار ہیں۔ انہوں نے افلاطون کو بھی اسی لئے پسند نہیں کیا ہے کہ وہ وحدت اور کثرت کی بحث چھیڑ کر انسانی زندگی کو فنا کی تعلیم دیتا ہے۔ مثنوی ''اسرار خودی'' میں وہ فرماتے ہیں۔

راہب دیرینہ افلاطوں حکیم | از گروہ گوسفندانِ قدیم
رخشِ او در ظلمتِ معقول گم | در کہستانِ وجود افگندہ سم
گفت سرِ زندگی در مردن ست | شمع را صد جلوہ از افسردن ست
گوسفندے در لباسِ آدم ست | حکمِ او بر جانِ صوفی محکم ست
منکرِ ہنگامۂ موجود گشت | خالقِ اعیانِ نامشہود گشت

۸۔ محمود نظامی، مرتب، ''ملفوظات''، ص ۱۲۲

۹۔ حکما کے درمیان بحث تھی کہ اشیائے کائنات کا علم انسان کو حاصل ہوسکتا ہے یا نہیں۔ افلاطون اپنے استاد سقراط کی طرح کہتا تھا کہ یہ علم صرف کلیات (general Ideas)، تصورات (Concepts) اور عالمگیر صداقتوں (Universal truths) سے حاصل ہوسکتا ہے، لیکن اشیا چونکہ ہر وقت متغیر ہوتی رہتی ہیں، اس لئے ان کا علم حقیقی اور اصلی نہیں۔ (صرف اعیان Ideas کا علم حقیقی ہوسکتا ہے)۔ اس لئے دنیا میں جو کچھ نظر آتا ہے وہ لائق اعتبار نہیں۔ یعنی افلاطون نے عالم موجودات کا انکار کیا اور عالم غیر محسوس کا اثبات کیا۔ اس کے اس فلسفے سے مسلمانوں کی قوتِ عمل افسردہ ہوگئی۔

اسی چیز کو اقبال نے اپنے فلسفۂ خودی کے اجمالی خاکے میں جو انہوں نے ڈاکٹر نکلسن کے لئے تیار کیا تھا اس طرح بیان کیا ہے کہ: ''میری رائے میں انسان کا مذہبی اور اخلاقی منتہائے مقصود یہ نہیں ہے کہ وہ اپنی ہستی کو مٹادے یا اپنی خودی کو فنا کر دے بلکہ یہ ہے کہ وہ اپنی انفرادی ہستی کو قائم رکھے، اور اس کے حصول کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنے اندر بیش از بیش انفرادیت پیدا کرے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تخلقوا باخلاق اللہ، یعنی اپنے اندر صفات الٰہیہ پیدا کرو۔ پس انسان جس قدر خدا سے مشابہ ہوگا اس قدر اس کے اندر شانِ یکتائیل اور رنگ انفرادیت پیدا ہوجائے گی''۔

اقبال صفاتِ الٰہیہ کا حصول اسی لئے ضروری قرار دیتے ہیں کہ اس سے شانِ یکتائی پیدا ہوسکے اور انسان صحیح معنی میں خدا کی نیابت حاصل کر سکے جو اس کا منصب ہے اور اس خودی اور خودشناسی کو اپنائے جو دستور۔ الٰہی کی اطاعت، ضبطِ نفس اور

Marfat.com

نیابت الٰہی سے عبارت ہے۔نفی خودی اور فنا کا مسئلہ مغلوب اور محکوم قوموں کے لئے مخصوص ہے۔''اسرارِ خودی'' کے شروع میں وہ رومی کے ان اشعار کو مشعلِ ہدایت سمجھتے ہیں:

ے دی شیخ با چراغ ہمی گشت گردِ شہر — کز دام وہ دد ملولم وانسانم آرزوست
زین ہمرہانِ ست عناصر دلم گرفت — شیر خدا و رستم، دستانم آرزوست
گفتم کہ یافت می نشود جستیم ایم ما — گفت آنکہ یافت می نشود آنم آرزوست

دنیا اور دین دونوں کی ہر منزل پر ایک رہبر کی ضرورت ہوتی ہے۔اقبال بھی ایک مرشد اور رہبر کو تلاش کرتے ہیں اور یہ بھی ہستی انہیں رومی (المتوفی ۶۷۲ھ) کی ذات میں نظر آتی ہے جو زندہ رہنا سکھاتے ہیں۔وہ جگہ جگہ رومی کا ذکر کرتے ہیں:

ے مرشدِ رومی حکیم پاک زاد — سرِ مرگ و زندگی برما کشاد
ے بیا کہ من زخم پیرِ روم آور — دم مئے سخن کہ جوان تر زبادۂ عنبی ست
ے بوعلی اندر غبارِ ناقہ گم — دستِ رومی پردۂ محمل گرفت
این فروتر رفت وتا گوہر رسید — آن بہ گرد ابے چو خس منزل گرفت

''جاوید نامہ'' میں جو روحانی سفر اقبال کو درپیش آتا ہے اس میں رومی ہی کی روح سے ہی رہبری حاصل ہوتی ہے۔ اور ''بالِ جبریل'' کے آخر میں پیرِ رومی سے جو ہدایات حاصل کی گئی ہیں وہ ان کی تعلیمات کا خلاصہ ہے۔جس میں تعلق ''دانشِ برہانی'' سے نہیں بلکہ ''دانشِ نورانی'' سے ہے۔''جاوید نامہ'' میں اقبال کہتے ہیں:

ے کارِ حکمت دیدن و فرسودن ست — کارِ عرفاں دیدن و افزودن ست
آں بسنجد در ترازوے ہنر — آں بسنجد در ترازوے نظر
آں بدست آورد آب وخاک را — ایں بدست آورد جانِ پاک را

کارِ عرفاں یا ''دانش۔نورانی'' کا تعلق عشق و وجدان سے ہے جہاں عقل گم ہو جاتی ہے اور ع بوعلی اندر غبارِ ناقہ گم۔ پیرِ رومی نے دوسرے صوفیہ کی طرح نفی خودی بے شک کی ہے لیکن اس ''نیست'' کی مثال اس طرح دی ہے:

ے چون زبانۂ شمع پیشِ آفتاب — نیست باشد ہست باشد در حساب
ہست باشد ذاتِ او تا تو اگر — بر نہی پنبہ بسوزد زاں شرر
نیست باشد روشنی نہ دہد ترا — کردہ باشد آفتاب او را فنا

یعنی شمع کا شعلہ آفتاب کے آگے ہست بھی ہے اور نیست بھی۔ ہست اس طرح ہے کہ شمع کے شعلے کو روئی دکھائی جائے گی تو وہ روئی جل جائے گی اور نیست اس طرح ہے کہ آفتاب کی موجودگی میں شمع کی لو روشنی کیا دے سکے گی؟ اس مثال سے واضح ہے کہ رومی مطلق نفی کے قائل نہیں اور وہ تو عشق کو مقصودِ حیات سمجھتے ہیں کیونکہ اس کی بدولت خفتہ صلاحیتیں پیدا ہوتی ہیں۔وہ کہتے ہیں۔

Marfat.com

ے علتِ عاشق ز علتہا جداست   عشق اصطرلاب اسرار خداست

''میلاد آدم'' میں اقبال نے بھی اسی عشق کی سرشت اس طرح بیان کی ہے کہ۔

۱۰۔ پروفیسر ضیاء احمد بدایونی نے کتاب مذکور (ص ۲۴۰ بعد) میں اس موضوع پر تفصیل سے بحث کی ہے۔

ے نعرہ زد عشق کہ خونین جگرے پیدا شد   حسن لرزید کہ صاحب نظرے پیدا شد

فطرت آشفت کہ از خاک جہانِ مجبور   خود گرے، خود شکنے، خودنگرے پیدا شد

''بالِ جبریل'' میں اس طرح کہتے ہیں:

ے اپنی جولاں گاہ زیرِ آسماں سمجھا تھا میں   آب و گل کے کھیل کو اپنا جہاں سمجھا تھا

عشق کی اک جست نے طے کر دیا قصہ تمام   اس زمین و آسماں کو بیکراں سمجھا تھا میں

سب سے بڑی چیز جو اقبال کو رومی کے یہاں پسند ہے وہ ان کی سخت کوشی کی تعلیم ہے۔ رومی کا یہ مصرع کس قدر بلیغ اور معنی خیز ہے۔ ے کوششِ بیہودہ بہ از خفتگی

اقبال بھی مسلسل کوشش اور پیہم جستجو کو زندگی اور بیداری کے لئے ضروری سمجھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں:

ے ہے شباب اپنے لہو کی آگ میں جلنے کا نام   سخت کوشی سے ہے تلخ، زندگی، انگبیں

چیتے کا جگر چاہیے، شاہیں کا تجسس   جی سکتے ہیں بے روشنی، دانش و فرہنگ

نقش ہیں سب ناتمام خونِ جگر کے بغیر   نغمہ ہے سودائے خام خونِ جگر کے بغیر

ے زندگی در جستجو پوشیدہ است   اصل او در آرزو پوشیدہ است

دل ز سوز آرزو گیرد حیات   غیر حق میرد چو او گیرد حیات

تصوف میں فقر و استغنا بھی بہت ضروری ہے۔ سوائے خدا کے کسی کا محتاج نہ ہونا ہی اصل فقر ہے جس پر حضور انور ﷺ نے عمل کیا ہے۔ ''الفقر فخری'' اور ''لی خرقتان الفقر والجھاد'' اسی فقر کی تشریح ہے۔ صوفیہ کا بھی یہی معمول ہے کہ وہ سوائے اللہ کے کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاتے۔ اقبال بھی کہتے ہیں۔

ے آنکہ خاشاک بتاں از کعبہ رفت   مرد کاسب را حبیب اللہ گفت

وائے بر منت پذیر خوانِ غیر   گردنش خم گشتۂ احسانِ غیر

ے دارا و سکندر سے وہ فقیر اولیٰ   ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللہ

گدائے میکدہ کی شانِ بے نیازی دیکھ   پہنچ کے چشمۂ حیواں پہ توڑتا ہے سبو

فقر مقامِ نظر، علم مقامِ خبر   فقر میں مستی ثواب، علم میں مستی گناہ

مختصر یہ کہ اقبال نے نام نہاد تصوف سے انکار کیا ہے لیکن ایسے تصوف اور ایسے صوفی کے لئے سفارش کی ہے جو مشتِ خاک کو کیمیا بنا سکے:

ے کیمیا پیدا کن از مشتِ گلے   بوسہ زن بر آستانِ کاملے

Marfat.com

اسلام اور علومِ جدیدہ میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ اسلام مغربی تہذیب کے تمام عمدہ اصولوں کا سرچشمہ ہے۔ پندرھویں صدی عیسوی میں جب سے کہ یورپ کی ترقی کی آغاز ہوا، یورپ میں علم کا چرچا مسلمانوں کی یونیورسٹیوں سے ہوا تھا۔ ان یونیورسٹیوں میں مختلف ممالک یورپ کے طلبہ آ کر تعلیم حاصل کرتے اور پھر اپنے اپنے حلقوں میں علوم وفنون کی اشاعت کرتے تھے۔ کسی یورپین کا یہ کہنا کہ اسلام اور علوم یک جا نہیں ہو سکتے سراسر ناواقفیت پر مبنی ہے اور مجھے تعجب ہے کہ علوم اسلام اور تاریخ اسلام کے موجود ہونے کے باوجود کوئی شخص کیونکر کہہ سکتا ہے کہ علوم اور اسلام ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ بیکن (Bacon)، ڈی کارٹ (Descarte) اور مل (Mill) یورپ کے سب سے بڑے فلاسفر مانے جاتے ہیں جن کے فلسفہ کی بنیاد تجربہ اور مشاہدہ پر ہے، لیکن حالت یہ ہے کہ ڈی کارٹ کا میتھڈ (اصول) امام غزالی کی احیاء العلوم میں موجود ہے، اور ان دونوں میں اس قدر تطابق ہے کہ ایک انگریزی مورخ نے لکھا ہے کہ اگر ڈی کارٹ عربی جانتا ہوتا تو ہم ضرور اعتراف کرتے کہ ڈی کارٹ سرقہ کا مرتکب ہوا ہے۔ راجر بیکن خود ایک اسلامی یونیورسٹی کا تعلیم یافتہ تھا۔ جان اسٹوارٹ مل نے منطق شکل اول پر جو اعتراض کیا ہے، بعینہٖ وہی اعتراض امام فخر الدین رازی نے بھی کیا تھا۔ اور مل فلسفہ کے تمام بنیادی اصول شیخ بو علی سینا کی مشہور کتاب شفا میں موجود ہیں۔ غرض یہ ہے کہ تمام وہ اصول جن پر علوم جدیدہ کی بنیاد ہے۔ مسلمانوں کے فیض کا نتیجہ ہیں۔ بلکہ میرا دعویٰ ہے کہ نہ صرف علوم جدیدہ کے لحاظ سے بلکہ انسان کی زندگی کا کوئی اور اچھا پہلو ایسا نہیں جن پر اسلام نے بے انتہا روح پرور اثر نہ ڈالا ہو۔ علامہ کی تقریر ''اسلام اور علومِ جدیدہ'' سے اقتباس، جو انہوں نے محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ ۱۹۱۱ء میں بحیثیت صدر جلسہ کی (سید عبدالواحد معینی)، مرتب، ''مقالاتِ اقبال'' (لاہور: شیخ محمد اشرف ۱۹۶۳ء)۔

کیمیا پیدا کن از مشتِ گلے ۔۔۔ بوسہ زن بر آستانِ کاملے

علامہ اقبال بارگاہ رسالت ﷺ میں

زندہ رود میں علامہ اقبال کے بیٹے جناب ڈاکٹر جاوید اقبال لکھتے ہیں کہ ''جس میں اقبال کا وہ روحانی تعلق ظاہر ہوتا ہے کہ جو ان کا رسول اللہ ﷺ کے دربار سے تھا، اقبال تو حضور پاک ﷺ سے عشق اور پیار کرتے ہی ہیں سوال تو یہ ہے کہ حضور انور ﷺ کا اقبال سے کیا تعلق ہے؟ اقبال کا رسول اللہ ﷺ کی نگاہ مبارک میں کیا مقام ہے؟ اقبال خود اپنے والد کو خط لکھتے ہیں جس میں انہوں نے یہ پورا واقعہ بیان کیا کیونکہ ان کے والد ان کے مرشد بھی تھے اور ان کا اپنے والد سے خاص قلبی تعلق بھی تھا وہ اپنے والد سے تمام روحانی وقلبی کیفیات بیان کیا کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ پرسوں کا ذکر ہے کہ کشمیر کا ایک پیرزادہ مجھ سے ملنے کے لئے آیا اس کی عمر تقریباً تیس پینتیس برس ہوگی۔ شکل سے شرافت کے آثار نمایاں تھے۔ گفتگو سے ہوشیار، سمجھدار اور پڑھا لکھا آدمی معلوم ہوتا تھا۔ مگر اس سے پیشتر کہ مجھ سے گفتگو کرے، مجھے دیکھ کر رونے لگا۔ میں نے سمجھا کہ شاید

Marfat.com

کوئی مصیبت زدہ ہے مجھ سے کوئی مدد مانگنے آیا ہے میں نے استفسار حال کیا تو مجھے مدد کی نہیں مجھ پر خدا کا بڑا فضل ہے میرے بزرگوں نے خدا کی ملازمت کی اور میں ان کا پینشن کھا رہا ہوں۔ رونے کی وجہ خوشی ہے نہ کہ غم۔ مفصل کیفیت پوچھنے پر اس نے کہا کہ "نوگام" جو کہ میرا گاؤں ہے سری نگر کے قریب میں نے عالم کشف میں حضور اکرم ﷺ کا دربار دیکھا صفیں نماز کے لئے کھڑی ہوئی تھیں اور حضور اکرم ﷺ امامت کے لئے تیار تھے۔ حضور اکرم ﷺ نے پوچھا کیا محمد اقبال آ گیا ہے معلوم ہوا کہ وہ محفل میں نہیں ہیں۔ اس پر ایک بزرگ کو اقبال کو بلانے کے واسطے بھیجا گیا تھوڑی دیر بعد میں نے دیکھا کہ ایک جوان آدمی جس کی داڑھی منڈھی ہوئی ہے اور رنگ گورا ہے ان بزرگ کے ساتھ صف نماز میں داخل ہوا اور حضور اکرم ﷺ کے دائیں جانب کھڑا ہو گیا۔ اسکے بعد حضور اکرم ﷺ جماعت کا آغاز کرتے ہیں۔ پیرزادہ صاحب کہتے ہیں کہ میں اس سے پہلے اس شکل سے واقف نہ تھا نہ نام معلوم تھا کشمیر میں ایک بزرگ نجم الدین صاحب ہیں ان کے پاس جا کر میں نے سارا قصہ بیان کیا۔ انہوں نے بہت تعریف کی وہ آپ کو آپ کی تحریروں کی وجہ سے جانتے تھے گو کہ انہوں نے بھی آپ کو نہیں دیکھا تھا اس دن سے میں نے ارادہ کیا کہ میں لاہور جا کر آپ سے ملوں گا تو آپ سے ملاقات کی خاطر میں نے کشمیر سے سفر کیا۔ اب آپ کو دیکھ کر بے اختیار روتا ہوں اس لئے کے میری کشف کی تصدیق ہو گئی اقبال یہ واقعہ سن کر بے چین ہو کر رونے لگتے ہیں ان کی حالات غیر ہو جاتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ کے دربار سے ان کے لئے اتنی بڑی بشارت کہ حضور اکرم ﷺ کے دربار میں اقبال کا یہ مقام کہ جماعت روک لی گئی جب تک اقبال اس میں شامل نہ ہوئے۔ (واقعہ زندہ رود)

دوسرا واقعہ

اقبال نے ایک خط خان محمد نیاز الدین خان مرحوم کو ۱۹۲۲ء میں تحریر کیا حضور انور ﷺ کی زیارت ہوئی اس زمانے میں یہ بہت بڑی سعادت کی بات ہے۔ میرا عقیدہ ہے کہ نبی پاک ﷺ زندہ ہیں۔ اور اس زمانے کے لوگ بھی آپ ﷺ کی صحبت سے اسی طرح مستفیض ہو سکتے ہیں جس طرح صحابہ کرام اجمعین ہوا کرتے تھے۔ لیکن اس زمانے میں اس قسم کا اعتقاد بھی اکثر دماغوں کو ناگوار گزرتا ہے۔ اس لئے خاموش رہتا ہوں۔

حضرت شیر محمد شرقپوریؒ

لاہور کے پاس ایک جگہ ہے شرقپور شریف جہاں پر حضرت شیر محمد شرقپوری ایک بہت بڑے بزرگ گزرے ہیں ایک مرتبہ اقبال حضرت شیر محمد شرقپور سے ملاقات کے لئے ان کی مسجد میں گئے۔ حضرت شیر محمد شرقپور صاحب شرع کے انتہائی پابند تھے۔ وہ کسی ایسے شخص سے نہیں ملتے تھے جس کی داڑھی منڈھی ہو۔ علامہ اقبال جب اس محفل میں گئے تو ان سے کہا میرے لئے دعا کیجئے۔ حضرت شیر محمد شرقپور نے ان کو پہچانے بغیر ہی کہہ دیا کہ میں ایسے لوگوں کے لئے کوئی دعا نہیں کرتا جو شریعت ترک

Marfat.com

کرتے ہوں۔ اقبال اٹھ کر چلے گئے اور ابھی تانگہ اسٹینڈ تک ہی نہیں پہنچے تھے تو کسی نے حضرت شیر محمد شرقپور سے کہہ دیا کہ یہ اقبال تھے۔ یہ سن کر حضرت شیر محمد شرقپوری کی حالت عجیب ہوگئی وہ فوراً مسجد سے نکلے اور ننگے پاؤں ہی عجلت میں اقبال کے پیچھے تانگے تک جا پہنچے۔ بے حد معذرت کی اور فرمایا کہ میں عام لوگوں کو داڑھی تاکید کرتا ہوں لیکن میرے نزدیک آپ جیسے شخص کے لئے جس نے لاکھوں کروڑوں کے دلوں میں ایمان کی شمع روشن کردی ہو یہ پابندی شرط نہیں ہے۔ پھر علامہ اقبال کو اپنے ساتھ لے گئے اور ان کے لئے بہت دعا کی۔ اس کے بعد علامہ اقبال اور حضرت شیر محمد شرقپور کا گہرا قلبی تعلق قائم ہوگیا۔ جب تک دونوں حیات رہے ان کا یہ تعلق قائم رہا۔ اور آج بزرگوں نے یہ واقعات سنے اور دیکھے ہیں وہ دونوں بزرگوں کی روحانی تعلق کی تصدیق کرتے ہیں۔

مسلم لیگ میں جناح کی شمولیت

۱۹۱۳ء کے موسم گرما میں مولانا محمد علی جوہر اور وزیر حسن کانپور کی مسجد اور دوسرے قومی معاملات کے متعلق برطانوی حکومت تک مسلمانوں کے جذبات پہنچانے کے لئے انگلستان گئے۔ محمد علی جناح بھی کانگریس کے ایک مشن کے سلسلے میں وہیں قیام پذیر تھے۔ محمد علی اور وزیر حسن دونوں جناح کے پاس پہنچے اور انہیں لیگ میں شریک ہونے پر آمادہ کرلیا۔ مسلمانان ہند کے آئندہ قائداعظم، اس قومی تحریک میں شامل ہوگئے۔ مولانا محمد علی جوہر جس مقصد کے لئے انگلستان گئے تھے۔ وہ تو پورا نہ ہوسکا لیکن ان کے اپنے الفاظ میں میرے سفر کا ٹھوس نتیجہ، یہ نکلا ہے کہ میں جناح کو لیگ میں لے آیا ہوں۔ اس واقع کی جو لفظی تصویر کشی مسز نائیڈو نے کی، ہے وہ شاعرانہ مبالغہ کی ایک عمدہ مثال ہے۔ وہ لکھتی ہیں کہ وزیر حسن اور محمد علی دونوں کو جناح نے مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ میں لیگ کی رکنیت تو قبول کرتا ہوں لیکن اس شرط پر کہ اگر کہیں کسی مرحلے پر لیگ اور کانگریس ہوگی۔ لیگ نہیں۔ یہ قصہ ایسی دلآویز عبارت میں بیان کیا گیا ہے کہ پڑھنے والا جھٹ پٹ ایمان لے آتا ہے۔ مسز نائیڈو کے الفاظ کو اتنی بار دھرایا گیا ہے کہ بہت سے لوگوں نے اس کو مسلمہ حقیقت کے طور پر قبول کرلیا ہے۔ لیکن جن لوگوں کو قائداعظم کے ارادے کی محکمی اور سیرت کی پختگی کا اندازہ تھا وہ اس روایت کو روایت کی کسوٹی پر پرکھنا چاہیں گے۔ کانگریس اور لیگ کے درمیان مفاہمت کی جو کوششیں ۱۹۱۲ء میں شروع ہوئی تھیں۔ ان کا نتیجہ ۱۹۱۶ء میں لکھنؤ پیکٹ کی صورت میں برآمد ہوا۔ اس معاہدے سے مسلمانوں کو کچھ خسارہ تو ضرور ہوا لیکن اس کا مثبت پہلو یہ تھا کہ کانگریس نے مسلمانوں کی علیحدہ قومی حیثیت اور جداگانہ طریق انتخاب کو قبول کریں۔ بدلی ہوئی فضا میں کانگریس اور لیگ کے سالانہ اجلاس ۱۹۱۵ء سے لے کر ۱۹۲۱ء تک ساتھ ساتھ ایک ہی مقام پر ہوتے رہے۔

قائداعظم کی خانگی زندگی

قائداعظم بہ حیثیت مسلمان کیا تھے؟ ان کی زندگی میں اسلام کو کس حد تک دخل تھا؟ اس کا اندازہ ان کی عملی زندگی کے

Marfat.com

مختلف پہلوؤں کے مطالعہ سے ہوتا ہے عملی اور فطری طور پر وہ اسلام پر کس حد تک عمل پیرا تھے؟ اس باب میں صرف ان کی زندگی کے مختلف ادوار مثلاً ولادت، تعلیم، نکاح اور بیٹی سے تعلق وغیرہ میں اسلامی طرز حیات کی جھلک دکھائی گئی ہے۔

ولادت

قائداعظم 25 دسمبر 1876ء کو اتوار کے روز پیدا ہوئے تھے۔ آپ کا خاندان کاٹھیاواڑ میں رہائش پذیر تھے، جہاں ہندو تہذیب کے زیر اثر عام مسلمانوں کے نام بھی ہندی و گجراتی رکھے جاتے تھے۔ جب کہ آپ کا نام ''محمد علی'' رکھا گیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ آپ کے خاندان پر اسلامی طرز حیات کے گہرے نقوش ثبت تھے۔ باپ کے نام کی نسبت سے ''جناح بھائی'' کے الفاظ بھی آپ کے نام کے آخر میں لگا دیئے گئے۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ ''لنکنز ان'' میں داخلے کے وقت آپ نے اپنے نام سے ''بھائی'' کا لفظ حذف کر دیا۔

ابتدائی تعلیم

ذرا بڑے ہونے پر آپ کو ''سندھ مدرسۃ الاسلام'' میں داخل کروا دیا گیا۔ سندھ مدرسۃ الاسلام میں آپ نے ابتدأ اسلامی تعلیم اور قرآن مجید کے ساتھ ساتھ ابتدائی گجراتی تعلیم بھی حاصل کی۔ کچھ عرصہ کے لئے آپ بمبئی گئے اور وہاں ''انجمن اسلام'' میں زیر تعلیم رہے۔ وہاں سے واپسی پر آپ پھر ''سندھ مدرسۃ الاسلام'' میں داخل ہوئے جس کے صدر دروازے پر مندر ذیل کتبہ کندہ تھا

"ENTER TO LEARN GO FORTH TO SERVE"

یعنی ''علم حاصل کرنے کے لئے آؤ اور خدمت کرنے کیلئے جاؤ''۔ ''علم'' کے حصول اور ''خدمت'' کا جذبہ بچپن ہی میں آپ کی گھٹی میں پڑ گیا۔ جو زندگی بھر قائم رہا۔ آپ کے ایک ہم جماعت مرزا سراج الدین تیموری کا بیان ہے: ''وہ بہت ہنس مکھ تھے۔ اپنی باتوں سے ساتھیوں کو خوب ہنساتے اور ہمیشہ سچ بولتے تھے۔ اپنے دوستوں سے کہا کرتے تھے کہ گیا وقت ہاتھ نہیں آتا۔ وقت کی قدر کرو۔ اس کا ایک ایک پل دنیا کے تمام خزانوں سے قیمتی ہے۔ علم دولت کی کنجی ہے انسان کو کسی کام سے گھبرانا نہیں چاہئے۔ وہ ہمت کرے تو سب کچھ ہوسکتا ہے۔ بڑی بڑی مصیبت کا مردانہ وار مقابلہ کرو۔ ہر حال میں اللہ پر بھروسہ رکھو۔ ناامیدی بزدلی ہے ہمیشہ سچ بولو۔ جس بات کو ٹھیک سمجھتے ہو اس کو ڈنکے کی چوٹ پر کہو اور کسی کی ناراضگی پر پرواہ نہ کرو۔ وہ خود بھی بزرگوں کا احترام کرتے تھے۔ اور دوسروں کو بھی احترام کرنے کی تلقین کرتے تھے۔ انہیں تاریخ سے بہت دلچسپی تھی کہا کرتے تھے تاریخ ہی میری عقل کو پختہ کرتی ہے''۔ آپ کے ایک اور ساتھی اور ہم عمر نانجی رقم طراز ہیں۔ ''محلے کے بچے گلی میں اکثر گولیاں کھیلا کرتے تھے لیکن محمد علی کبھی ان بچوں کے ساتھ نہیں کھیلتے تھے۔ کہا کرتے تھے یہ تو کوئی اچھا کھیل نہیں، اس سے آدمی گندا ہو جاتا ہے''۔ آپ بچپن ہی سے اسلامی روایات کی دل سے قدر کرتے تھے اور حتی الامکان ان پر کاربند رہنے کی کوشش کرتے تھے۔ ہر ملنے والا ان کے حسن خلوص، حسن اخلاق، ذہانت، فطانت اور محنت کی تعریف کئے بغیر نہ رہتا تھا۔ آگے چل کر یہی بات آپ کی زندگی کا جزو بن گئی۔

Marfat.com

پہلا نکاح

ابھی آپ بمشکل سولہ برس کے ہوں گے کہ آپ کے والدین نے اسمٰعیلی خوجہ خاندان میں آپ کی شادی کر دی۔ اس زمانے میں آج کل کی طرح شادی کے معاملے میں لڑکے یا لڑکی کو کوئی اختیار نہ تھا۔ والدین کا کہا حرف آخر سمجھا جاتا تھا۔ آپ نے بھی ایک سعادت مند بیٹے کی طرح والدین کے فیصلے کے سامنے سر تسلیم خم کیا۔ چنانچہ 1892ء میں محترمہ ''ایمی بائی'' سے آپ کا عقد ہو گیا۔ نکاح کی رسم ادا ہوئی۔ قرآن پاک کی آیات پڑھی گئیں اور محمد علی اور ایمی بائی اسلامی روایات کے مطابق رشتہ ازواجیت میں منسلک ہو گئے۔ اسی سال آپ بیرسٹری کی تعلیم کے لئے لندن سدھارے اور 1896ء میں واپس وطن لوٹے۔

رواداری

آپ کے والد ماجد، بھائی اور بہنیں ''خوجہ محلہ'' میں قیام پذیر تھے۔ اور تمام ہنگاموں سے الگ تھلگ پر سکون زندگی بسر کر رہے تھے۔ محمد علی جناح ہی بڑے بیٹے کی حیثیت سے خاندان کی دیکھ بھال کرتے تھے۔ انہی دنوں آپ کے والد اپنی بڑی بیٹی رحمت بائی کی شادی کے سلسلے میں پریشان تھے۔ انہیں کلکتہ کے ایک سنی نوجوان کا رشتہ لیکن انہوں نے اس خوف سے رشتہ نہ کیا کہ اگر رحمت بائی کی شادی سنّی خوجہ برادری میں کر دی تو اسمٰعیلی خوجے ناراض ہو کر انہیں برادری سے نکال دیں گے۔ جب اس واقعہ کا علم محمد علی جناح کو ہوا تو آپ اسمٰعیلیوں کے رہنما آغا خاں سے ملے اور یہ معاملہ ان کے سامنے پیش کر دیا۔ آغا خاں نے آپ کے خیالات سے اتفاق کرتے ہوئے یقین دلایا کہ اگر رحمت بائی کی شادی برادری سے باہر ہوئی تو ان کے ماننے (اسمٰعیلی) جناح کے خاندان کو برادری سے الگ نہیں کریں گے۔ چنانچہ کچھ روز کے بعد رحمت بائی کی شادی جمال خاندان سے ایک نوجوان سے ہو گئی۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد علی جناح شروع ہی سے معاملہ فہم، دور اندیش اور سنی شیعہ تفریق کے سلسلے میں روادار، رغیر متعصب تھے۔

رتن بائی سے شادی

قائداعظم کی زندگی کا دوسرا اہم واقعہ جوان کی اسلام سے بے پناہ محبت کا جیتا جاگتا ثبوت ہے، مشہور پارسی بیرونیٹ سر ڈنشا پٹیٹ کی صاحبزادی مس رتن پٹیٹ سے شادی ہے۔ مس رتن پٹیٹ سے ملاقات کا حال بیان کرتے ہوئے رئیس احمد جعفری رقم طراز ہیں: ''1916ء میں کانگرس اور مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس لکھنؤ میں منعقد ہوئے۔ مسلم لیگ کی صدارت مسٹر جناح کر رہے تھے اور کانگرس کی قیادت کا سہرا بھی ان کے سر پر بندھا ہوا تھا کانگرس کے اس اجلاس میں بمبئی کے مشہور بیرونیٹ سر ڈنشا پٹیٹ کی صاحبزادی مس رتن پٹیٹ بھی موجود تھیں۔ سولہ سال کی عمر لیکن نظر تیز، دماغ حاضر، خیالات سلجھے ہوئے، سیاسیات سے دلچسپی، انگریزی میں مہارت، خطابت سے لگاؤ، قابلیت کی قدر، مس پٹیٹ نے جناح کی تقریر سنی، رواں اور رشتہ دلائل پر کھے۔ پر مغز اور ٹھوس انداز کلام جانچا، شیریں اور دل نشیں چہرہ کی طرف نظر اٹھائی، رتن کے والدین نے پہلے تو سخت مخالفت کی لیکن بالآخر جھک گئے''۔

Marfat.com

سحر طراز شخصیت کا جائزہ لیا، بے باک اور نڈر خیالات تولے وسیع اور دلفریب انداز واداپر توجہ کی۔ دل میں کھب جانے والے اور اپنی طرف کھینچنے والے، ایک شریف اور پاک نہاد عورت کو اس سے اچھا رفیق حیات اور کون مل سکتا ہے کون سی خوبی ہے جو اس خطیب میں نہیں۔ وہ پہلی نظر محبت کی نظر بن گئی۔ کانگرس کے سٹیج پر اپنے ہنر اور کمال کا مظاہرہ کرنے والا یہ ایکٹر دفعتہً کسی کے دل کا مالک بن گیا۔ عورت بالعموم محبت میں پہل خود کرتی ہے اور یہ پہل بالعموم اتفاقاً اور نادانستہ اور غیر ارادی ہوتی ہے اور پھر وہ چٹان کی طرح جم جاتی ہے۔ اس کی پہلی محبت زندگی کی آخری سانس تک قائم رہتی ہے۔ اس نے دل ہی دل میں جناح کو اپنا سرتاج بنا لیا اور اسی کی ہو رہی۔ شہرت، عزت، دولت کوئی چیز بھی تو اس کا دامن نہ پکڑ سکی''۔

لیکن اعجاز احمد مؤلف ''ہمارے قائداعظم'' اس ضمن میں بیان کرتے ہیں: ''اسی اثناء میں ان کا ایک مالدار پارسی مسٹر ڈنشا پٹیٹ کے گھر آنا جانا ہوا۔ سر ڈنشا کی ایک بیٹی رتن بائی تھی جس کی عمر سترہ برس کی تھی۔ رتن بائی قائداعظم سے بہت متاثر تھیں۔ دونوں کو گھڑ سواری کا شوق تھا اور اکثر دونوں صبح سویرے جو پاٹی کے ساحل پر گھوڑوں پر سوار میلوں نکل جاتے۔ رتن بائی اپنی عمر سے زیادہ ذہین تھی اور ذہانت و ظرافت کی وجہ سے ''بمبئی کا گلاب'' کے نام سے مشہور تھی۔ ان کی یہ دوستی رفتہ رفتہ محبت میں تبدیل گئی اور جب قائداعظم کو بھی یقین ہو گیا کہ رتن کے بغیر آپ کی زندگی ادھوری ہے تو آپ نے رتن کو ''اسلام'' پیش کیا اور صاف کہہ دیا کہ شادی اسی طرح ہو سکتی ہے'' رئیس احمد جعفری قائداعظم کے مذہبی جذبہ کے بارے میں لکھتے ہیں: ''جناح کی آزاد خیالی اور وسیع المشربی سے ہر شخص واقف ہے وہ اگر ''سول میرج'' کر لیتے تو کسی کو ذرا بھی حیرت نہ ہوتی لیکن وہ اس پر تیار نہ ہوئے۔ انہوں نے اپنی ہونے والی رفیقہ حیات کے سامنے ''اسلام'' پیش کیا اور صاف کہہ دیا کہ شادی اسی طرح ہو سکتی ہے کہ ہم دونوں کا جہاں دل ایک ہے، مذہب بھی ایک ہو اللہ کی اس نیک بندی نے بے تامل اسلام قبول کر لیا اور چند مخصوص دوستوں کی موجودگی میں تقریب نکاح انجام تک پہنچی۔

مسٹر شریف دیوجی کانجی نے رسم نکاح ادا کی جو شیعہ فرقہ کے ایک بڑے قاضی تھے روزنامہ پیسہ اخبار نے مس رتن بائی کے قبول اسلام کی خبر صفحہ اول پر شہ سرخی لگا کر شائع کی اور اسے تاریخ کا ایک قابل ذکر واقعہ قرار دیا۔ روزنامہ مذکور نے ''ایک پارسی بیرونٹ کی لڑکی کا قبول اسلام'' کے عنوان سے لکھا: ''یہ خبر ناظرین کی نگاہ سے گزر چکی ہوگی کہ نامور پارسی بیرونٹ ڈنشا پٹیپٹ کی اکلوتی لڑکی رتن بائی نے اسلام قبول کر کے مشہور نیشلسٹ مسلمان آنریبل محمد علی جناح سے شادی کر لی۔ صداقت و محاسن اسلام خواہ آنریبل مسٹر جناح سے موانست کی کشش کو اس کا باعث سمجھا جائے تاہم یہ ایک ایسا واقعہ ہے جو پارسی کمیونٹی میں سنسنی پیدا کئے بغیر نہ رہے گا۔ اگر تعلق خاطر کو تبدیل مذہب کا موجب خیال کیا جائے تو محبت و موانست اس سے بھی زیادہ حیرت ناک نتائج ظہور میں لا چکی ہے۔

''این چنیں بسیار۔۔۔۔ است و کند'' یوں بھی آزاد خیال لوگوں کے نزدیک جن پر مادیت کا قدرے گہرا رنگ چڑھ چکا ہے، مذہب و آئین کوئی چیز نہیں۔ بہر کیف سر ڈنشا اور پارسی کمیونٹی سے امید ہے کہ وہ واقعہ ہذا کو اپنی نظروں سے دیکھیں گے۔

Marfat.com

آنریبل مسٹر محمد علی جناح ۔۔۔۔۔ بمبئی ریذیڈنسی کے چوٹی کے قانون دان، نیشنلسٹوں کے لیڈر اور بمبئی بار کی زینت ہیں اور مسلمانان پریذیڈنسی مذکور کی طرف سے حضور وائسرائے کی قانونی کونسل کے ممبر ہیں۔ غرضیکہ ان کے نامور کامیاب بیرسٹر ہونے میں کلام نہیں بلحاظ تعزز وشہرت ودنیاوی وجاہت کے وہ اس رشتہ کے نااہل نہیں ہو سکتے۔ ایسے ایک مشہور پارسی بیرونٹ کی لڑکی کا مشرف بااسلام ہو کر ایک نامور مسلمان کے حبالہ عقد میں آنا پریذیڈنسی کی موجودہ تاریخ کا اگر پہلا واقعہ نہیں تو اس کے نہایت دلچسپ ہونے میں شبہ نہیں''

روزنامہ مذکور نے ''ہندوستان کی تازہ خبریں'' کے عنوان سے اس شادی کی خبر یوں شائع کی: ''مسٹر جناح کی شادی۔ 18 اپریل کو بمبئی کے مشہور پارسی بیرونٹ مسٹر ڈنشا پٹیٹ کی دختر رتن بائی نے اسلام قبول کر لیا۔ 19 اپریل کو اس کی آنریبل مسٹر جناح سے شادی ہو گئی''۔

بعنوان ''قبول اسلام'' شائع ہوئی۔ اخبار نے رتن بائی کے اسلام قبول کرنے اور شادی کے بارے میں لکھا: بمبئی کے مقتدر اور نامی بیرن سر ڈنشا پٹیٹ کی اکلوتی بیٹی ۔۔۔ مس رتن بائی ۔۔۔۔۔ نے کل اسلام قبول کر لیا اور آج اسلامی شریعت کے مطابق ان کی شادی مسٹر جناح سے ہو رہی ہے''

یہ شادی تو ہو گئی لیکن پارسیوں میں غم وغصہ کی ایک لہر دوڑ گئی سول میرج پر انہیں زیادہ اعتراض نہ ہوتا لیکن تبدیل مذہب ان کے لئے سب سے زیادہ اشتعال انگیز اور ناقابل برداشت اور ناقابل معافی جرم تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پولیس کورٹ میں اغوا کا مقدمہ دائر ہوا اور ہائی کورٹ تک پہنچا لیکن جناح تو خود اغوا ہوئے تھے انہوں نے کسی کو اغوا نہیں کیا تھا آں را کہ حساب پاک است از محاسبہ چہ باک؟ ان مقدمات سے وہ ذرا بھی ہراساں نہیں ہوئے اور ہر جگہ سے کامیاب ہوئے۔ بمبئی کے ایک عینی شاہد کا بیان ہے کہ جس جج کی عدالت میں یہ مقدمہ درپیش تھا وہ جناح سے کچھ کدورت رکھتا تھا، اس نے دوران کارروائی میں پوچھا: ''آخر تم اس چھوکری کے پیچھے کیوں پڑے ہو؟ کیا اس لئے کہ لاکھوں روپیہ کی وارث ہے'' جناح نے بھر کا جواب دیا: ''اس کا جواب رتن بائی سے لیجئے''۔ وفا شعار اور ثابت قدم بیوی اس ریمارک پر پہلے تلملا اٹھی، وہ سامنے آئی اور اس کا بیان کیا کہ: ''میں نے محبت کی میں نے خوشی سے اسلام قبول کیا۔ رہا مال ودولت کا معاملہ سو وہ نہ مجھے چاہئے نہ میرے شوہر کو''۔

لڑکی عاقل وبالغ تھی، خود اقرار کر رہی تھی۔ اب نہ عدالت کچھ کر سکتی تھی اور نہ وکیل۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مقدمہ واپس لے لیا گیا اور مسٹر جناح باعزت طور پر عدالت سے بری کر دیئے گئے۔ ایک طرف بمبئی کا بہت بڑا سرمایہ دار اور کروڑ پتی تھا۔ دوسری طرف دو محبت کرنے والے مخلص بے لوث اور بے ریا دل تھے جو ساز وسامان دنیاوی سے اپنے حریف کے مقابلہ میں محروم تھے لیکن محبت جیتی اور مداخلت ناکام ہوئی۔ اس سلسلہ میں یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے جب انتخابات کی ہماہمی شروع ہوئی تو مجلس احرار کے روح رواں مسٹر مظہر علی اظہر اور تحریک خاکسارات کے بانی اور علمبردار مسٹر عنایت اللہ مشرقی نے علی الاعلان اور

Marfat.com

برسرعام مسٹر جناح پر الزام لگایا کہ انہوں نے ایک ''غیر مسلمہ'' سے ''سول میرج'' کی تھی اور یہ کہ خود مسٹر جناح کا اسلام مشکوک و مشتبہ ہے۔ اس لئے جو قرآنی احکام کو ٹھکرا کر ایک ''غیر مسلم'' سے شادی کرے وہ کافر نہیں تو کیا ہے؟ مسٹر مظہر علی اظہر نے بھرے جلسہ میں ایک فی البدیہہ شعر بھی ارشاد فرمایا:

اک ''کافرہ'' کے واسطے اسلام کو چھوڑا — یہ ''کافر اعظم'' ہے کہ ''قائداعظم''

حالانکہ دنیا جانتی ہے کہ مسٹر جناح نے مسٹر آصف علی، مسٹر ہمایوں کبیر اور ڈاکٹر خان صاحب وغیرہ کی سنت پر عمل کر کے ''سول میرج'' نہیں کی بلکہ ایک مسلمہ سے شادی کی۔ اس مسلمہ کا جب انتقال ہوا تو وہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن ہوئی۔ تجہیز و تکفین میں بمبئی کے بہت سے معزز مسلمان شریک ہوئے۔ پھر مزید ثبوت کے طور پر سول اینڈ ملٹری گزٹ 21 اپریل 1918ء کی خبر بہت سے اردو اخبارات نے صفحہ، کالم، تاریخ اور نام کے تعین کے ساتھ شائع کی۔ پھر بھی الزام آج تک قائم ہے نہ صرف مسٹر جناح کا ''اسلام'' قابل قبول نہیں بلکہ یہ مفتیان عظام اور رہنمایان اسلام ایک مرحومہ مسلمہ کو بھی ''کافرہ'' کے خطاب سے رہے ہیں۔ یہ ہے قائداعظم کے مخالفوں کی دیانت اور شرافت جھوٹ بولتے ہیں اور اپنے دروغ پر اصرار کرتے ہیں۔

بیٹی سے قطع تعلق

مسٹر جناح اور مسز جناح کے درمیان الفت کا رشتہ آخر وقت تک قائم رہا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو پایا اور یہ سمجھ لیا کہ ہمیں نعمت جاوداں مل گئی۔ قائداعظم جب لارڈ ولنگڈن گورنر بمبئی سے معرکہ آراء ہوئے اور ٹاؤن ہال کے جلسہ میں ان کی الوداعی تقریب کی مخالفت کرنے، اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر پہنچے تو ٹاؤن ہال کی سیڑھیوں پر نڈر شوہر کی نڈر بیوی رضا کاروں کی کمان ہاتھ میں لئے انتظامات میں مصروف تھی اور اس وقت تک وہاں موجود رہی جب تک مسٹر جناح باہر نہ آ گئے۔

لیکن عیش و سرور کا یہ دور زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہا۔ 1929ء میں مسز جناح بیمار ہوئیں۔ بیماری نے طول کھینچا اور بالآخر اس دنیا سے رخصت ہو گئیں۔ ان کے انتقال نے قائداعظم کا گھر ویران کر دیا۔ گھریلو مسرت اور خوشی کا خاتمہ ہو گیا۔ اگر مس فاطمہ جناح اس مرحلہ پر آگے نہ بڑھتیں اور سوگوار بھائی کے خانگی معاملات کو سرانجام دینے کی ذمہ داری نہ لیتیں تو قائداعظم کی زندگی۔۔۔۔ خانگی زندگی۔۔۔۔ یکسر ایک المیہ بن کر رہ جاتی۔ خدا نے بہن کے دل میں بھائی کی ایسی چاہ پیدا کی، اس نے اپنی زندگی کا مقصد ہی شکستہ دل بھائی کی خدمت قرار دے لیا۔ یہ صحیح ہے کہ فاطمہ جناح نے بگڑتے ہوئے حالات بڑی حد تک سدھار لئے لیکن جناح کی زندگی میں خلا پیدا ہو گیا تھا، تنہائی اور افسردگی نے اضمحلال پیدا کر دیا تھا، وہ پھر بھی دور نہ ہوا۔ وہ جوں کا توں قائم رہا۔

اہلیہ کی وفات کے بعد مسٹر جناح نے اپنی اکلوتی بیٹی کی تعلیم و تربیت کی نگرانی میں دشواری محسوس کی۔ ملی اور ملکی

Marfat.com

مصروفیتوں کے سبب بمبئی میں ان کا مستقل قیام بھی نہیں رہتا تھا۔ ماں کے بعد نانی ہی سب سے زیادہ محبت کرنے والی ہوتی ہے۔ اس اعتماد پر قائداعظم نے اپنی لڑکی دینا جناح ۔کو نانی کی گود میں دے دیا۔ باپ بیٹی کی ملاقات ہوتی رہتی تھی۔ بیٹی کبھی کبھی آ کر کچھ عرصہ تک باپ کے پاس بھی رہتی تھی۔ مرحومہ بیوی کی یہی ایک نشانی تھی۔ اب ساری محبت اور شفقت باپ اس پر نچھاور کر رہا تھا۔ لیکن پارسی خاندان میں جا کر لڑکی کی تعلیم و تربیت بالکل ''غیر اسلامی'' ماحول میں ہوئی اور اسے اسلام یا ملت اسلامیہ سے کچھ مس نہ رہا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لڑکی رفتہ رفتہ اسلام سے، اسلامیت سے مسلم قوم سے اور اپنے باپ سے دور ہوتی چلی گئی۔ بے خبر باپ کو اس کا پتہ اس وقت چلا جب پانی سر سے اونچا ہو چکا تھا اور لڑکی کی شادی چپکے چپکے سے طے پا چکی تھی۔

باپ نے روکا، سمجھایا، منع کیا۔ افہام و تفہیم سے کام لیا۔ مولانا شوکت مرحوم کے ذمہ یہ کام کیا کہ وہ دینا کو اسلام سے، اسلام کی تعلیمات سے، اسلام کی حقیقت سے روشناس کرائیں اور اسے اس ارادہ سے باز رکھیں۔ اس واقعہ کا علم مولانا رئیس احمد جعفری کو ذاتی طور پر ہے وہ ایک عرصہ تک مولانا مغفور کے رفیق رہ چکے ہیں۔ خود مولانا نے رئیس احمد جعفری سے یہ واقعہ بیان کیا تھا کہ کوشش ناکام ہوئی نہ مولانا شوکت علی اسے راہ راست پر لا سکے۔ نہ باپ کی افہام و تفہیم کا کچھ نتیجہ نکلا اور بالآخر لڑکی کی شادی ایک پارسی ہم خاندان سے ہو گئی۔

اس کے بعد مسٹر جناح جو کچھ کر سکتے تھے وہ یہ لڑکی سے ترک تعلق کر لیں۔ انہوں نے یہ کیا اور اس سے یکسر تعلقات منقطع کر لئے۔ اس کے برعکس خان عبدالغفار کے برادر محترم ڈاکٹر خاں صاحب کی صاحبزادی نے خالص اسلامی ماحول میں تربیت پانے کے باوجود جب ایک سکھ عیسائی سے شادی کر لی تو خاں صاحب نے لڑکی سے قطع تعلق کرنے کے بجائے اسے دعائے خیر و برکت دی۔ پھر بھی خان صاحب ''مجاہد'' ہیں اور جناح ''فاسق و فاجر''

خرد کا نام جنوں پڑ گیا، جنوں کا خرد — جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

صاحبزادی کا پارسی۔۔۔ غیر مسلم۔۔۔ آدمی سے شادی کر لینا قائداعظم کو بالکل گوارا نہ تھا۔ ان کے لئے یہ حادثہ، بیوی کی موت سے بھی زیادہ تکلیف دہ تھا۔ انہوں نے لڑکی سے یکسر تعلقات منقطع کر لئے اور کہلا بھیجا کہ: ''کبھی میرے سامنے آنے کی جرأت نہ کرنا۔ تیرا میرا رشتہ اسلام کے ناطے سے تھا، وہ ختم ہو گیا تو اب کوئی رشتہ مجھ سے نہیں رہا''۔

عشق رسول ﷺ اور قائداعظمؒ

1892ء میں نوعمر محمد علی جناح قانون کی تعلیم حاصل کرنے انگلستان پہنچے اس سے پیشتر کہ وہ کسی ادارے میں داخل ہوئے انہوں نے بیرسٹری (وکالت) کے چار مشہور و معروف تعلیمی اداروں کا مطالعہ اور معائنہ کرنے کا فیصلہ کیا وہ اپنے رہنما کے ساتھ تعلیمی اداروں ''انرٹمپل ان'' (INNER TEMPLEINN) ''مڈٹمپل'' (MIDDDLE TEMPLE) اور ''گریز ان'' (GRAY S INN) کو دیکھ چکے تھے کے بعد۔۔۔ ''لنکنز ان'' (LINCOLN'S INN) میں داخل ہوئے تو انہوں نے اس تعلیمی ادارے کی دیوار پر خوبصورت تحریر دیکھی۔ اس پر انہوں نے اپنے گائیڈ سے پوچھا۔ ''یہ کیا ہے؟

Marfat.com

گائیڈ نے جواب دیا" دنیا میں جتنے بھی مقنن (قانون دینے والے) گزرے ہیں۔ ان کے نام اس پر کندہ ہیں"۔

اس نوعمر طالب علم نے فوراً دریافت کیا "سب سے اوپر یعنی سرفہرست کس کا نام درج ہے"؟

گائیڈ نے کہا "مقنن اعظم (قانون دینے والوں میں سب سے بڑے) محمد ﷺ کا نام ہے"۔

یہ سنتے ہی محمد علی جناح وہیں رک گئے۔ مزید معلومات حاصل کرنے کے لئے آگے نہیں بڑھے بلکہ وہیں یہ فیصلہ کیا کہ وہ اس ادارے میں قانون کی تعلیم حاصل کریں گے۔

ان کا یہ فیصلہ۔۔۔"اسلام" اور پیغمبر ﷺ اسلام سے بے پناہ محبت اور گہری عقیدت کا زندہ جاوید ثبوت ہے۔

1947ء میں قائداعظمؒ نے کراچی میں وکیلوں کے اجتماع میں تقریر کرتے ہوئے "لنکنز ان" میں اپنے داخلہ لینے کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہا تھا: "ایک مسلمان حیثیت سے میرے دل میں رسول کریم ﷺ کی جن کا شمار دنیا کے عظیم ترین مدبروں میں ہوتا ہے، بہت عزت تھی۔ ایک دن اتفاقاً میں "لنکنز ان" گیا اور میں نے دروازے پر "پیغمبر اسلام ﷺ" کا نام مبارک کھدا دیکھا۔ میں نے "لنکنز ان" میں داخلہ لے لیا کیونکہ اس کے دروازے پر آنحضرت ﷺ کا نام مبارک دنیا کے عظیم قانون سازوں میں سرفہرست لکھا تھا"

کراچی بار ایسوسی ایشن سے خطاب کرتے ہوئے 25 جنوری 1948ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے رسول اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں یوں نذرانہ عقیدت پیش کیا: "آج ہم یہاں دنیا کی عظیم ترین ہستی رسول اکرم ﷺ کو نذرانہ عقیدت پیش کرنے کیلئے جمع ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ کی عزت و تکریم کروڑوں عام انسان ہی نہیں کرتے بلکہ دنیا کی تمام شخصیتیں آپ ﷺ کے سامنے سر جھکاتی ہیں۔ میں ایک عاجز ترین، انتہائی خاکسار بندہ ناچیز اتنی عظیم، عظیموں کی بھی عظیم ہستی کو بھلا کیا اور کیسے نذرانہ عقیدت پیش کر سکتا ہوں۔ رسول اکرم ﷺ عظیم مصلح تھے۔ عظیم رہنما تھے، عظیم واضع قانون تھے۔ عظیم سیاست دان تھے۔ عظیم حکمراں تھے"۔

بہ مصطفیٰ ﷺ برساں خویش را کہ دین ہمہ اوست　　اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است

قائداعظم ملت اسلامیہ کے تمام دکھوں کا مداوا اور تمام مشکلات کا حل آنحضرت نبی کریم ﷺ کی ذات بابرکات کے اسوۂ حسنہ میں سمجھتے تھے۔ ان کا ایمان تھا کہ حضور اکرم ﷺ کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرنے سے ہمارے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔

14 فروری 1948ء کو شاہی دربار سبی (بلوچستان) میں تقریر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا: "میرا ایمان ہے کہ ہماری نجات اس اسوہ حسنہ پر چلنے میں ہے جو ہمیں قانون عطا کرنے والے پیغمبر اسلام ﷺ نے ہمارے لئے بنایا ہمیں چاہئے کہ ہم اپنی جمہوریت کی بنیاد صحیح معنوں میں اسلامی تصورات اور اصولوں پر رکھیں"

ایک عید میلاد النبی ﷺ کے موقع پر قائداعظم نے فرمایا تھا: "آج ہم کروڑوں انسانوں کے قائد اور عظیم ترین انسانوں کے ممدوح کو خراج تحسین پیش کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں جو ایک بزرگ ترین معلم، مدبر اور قانون ساز تھے اور اس کے ساتھ ساتھ ایک عظیم حکمراں بھی۔ اسلام صرف چند رسوم، روایات اور مذہبی اصولوں کا نام نہیں بلکہ مسلمانوں کے سیاسی

Marfat.com

اقتصادی ودیگر مسائل کی رہبری کے لئے ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ اسلام کی بنیاد صرف ایک خدا پر ہے۔ انسان انسان میں کوئی فرق نہیں۔ مساوات آزادی اور بھائی چارہ اسلام کے مخصوص اصول ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کی زندگی اس زمانے کے لحاظ سے نہایت سادہ تھی کاروبار سے لے کر حکمرانی تک ہر معاملہ میں انہیں کامیابی حاصل ہوئی اور سچی بات تو یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ جیسا انسان دنیا نے کبھی پیدا نہیں کیا۔ انہوں نے تیرہ سو سال جمہوریت کی بنیاد رکھی دی تھی''۔

قائداعظم کی حضور نبی کریم ﷺ سے عقیدت کا اظہار اس خط سے بھی ہوتا ہے جو انہوں نے محمد اعظم صاحب لیکچرر شعبہ اردو جامع عثمانیہ حیدرآباد دکن کے نام تحریر فرمایا۔ اس خط سے پتہ چلتا ہے کہ زمانہ طالب علمی میں آپ نے اسوۂ رسول ﷺ کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔

قائداعظم بحکم حضور پاک ﷺ برصغیر کی آزادی کے لئے ہندوستان تشریف لائے تھے

حضرت قائداعظم محمد علی جناح کے ایک قریبی ساتھی کے حوالے سے جہلم کے جناب محمد اشرف بیگ کا یہ اقتباس بھی بہت اہم اور قابل توجہ ہے۔

''قائداعظم لندن سے واپس تشریف لائے تو ان سے ملاقات کے لئے سب سے پہلے میں پہنچا۔ آپ خاموش بیٹھے تھے میں نے فکر میں ڈوبی اس گہری خاموشی کا سبب پوچھا تو فرمانے لگے ایک عجیب اور میری زندگی کا متبرک ترین واقعہ لندن سے میری واپسی کا سبب بنا ہے۔ ایک رات لندن میں اپنے فلیٹ میں سویا ہوا تھا ایک تہائی رات گزر گئی تھی کہ کسی نے میرے بستر کو ہلکے ہلایا، میں اٹھ بیٹھا مگر وہاں کوئی نظر نہ آیا میں پھر سو گیا ایسا دوبارہ ہوا مگر تیسری بار میرے بستر کو زور سے جھنجھوڑا گیا اور میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا، پورا فلیٹ ایک عجیب اور محسور کن خوشبو سے مہکا ہوا تھا اور مجھے فلیٹ میں ایک غیر معمولی شخصیت کی موجودگی کا احساس ہوا۔

An extra ordinary personality was there in my room, Who are you? I am your Prophet Muhammad ﷺ. Folding both of my hands, I sat down where I was and neying down my head, I said; "Peace be upon you my Lord". I once again heard that attractive pleasant and voice.

"Mr. Jinnah you are urgently required by the Muslims of the subcontinent and I order you to lead the freedom movements. I am with you Don't worry at all. You will succeed in your mission In shaa Allah" I was fully attantive and obeying the orders I said; OK My honourable Lord".

میں نے ادب سے عرض کیا کہ آپ کون ہیں؟ ''میں تمہارا پیغمبر محمد ﷺ ہوں'' میں جہاں تھا وہیں پر بیٹھ گیا اور سر جھکا لیا اور کہا

Marfat.com

''سلام ہو میرے آقا ﷺ آپ پر'' ایک بار پھر وہ خوبصورت آواز گونجی مسٹر جناح برصغیر کے مسلمانوں کو تمہاری ضرورت ہے

اور میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ مسلمانوں کی قیادت کرو۔

تم ہمہ وقت میرے حفاظت میں رہو گے تمہیں قطعی فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔تم اپنے مشن میں کامیابی سے ہمکنار ہو گے

انشاءاللہ، میں ہمہ تن گوش تھا سر تسلیم خم کرتے ہوئے میں نے کہا آپ ﷺ کا حکم سر آنکھوں پر۔

(بحوالہ بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں قائد اعظم، غزوہ ہند اور سلطان جہاں صفحہ نمبر 62-61)

مولانا ظفر علی خان

جذبہ توحید سے سرشار، سردار دو جہاں کے جانثار، مسلمانان عالم کے غمگسار۔ دنیائے سیاست کے شہسوار، روزنامہ ''زمیندار'' کے قلم کار، مولانا ظفر علی خان ان مشاہیر اسلام میں سے تھے۔ جنہوں نے تن من دھن دین کی سربلندی اور اسلام کی سرفرازی کے لئے وقف کر رکھا تھا۔ مولانا ظفر علی خان، علامہ اقبال سے پانچ سال قبل ۱۸۷۰ء میں ان کے مولد سیالکوٹ کے ایک گاؤں کوٹ مہرتھ میں پیدا ہوئے۔ علی گڑھ سے بی۔اے تک تعلیم حاصل کی۔ ڈاکٹر سید محمود، مولانا ڈپٹی نذیر احمد، مولانا الطاف حسین حالی، مولان شبلی نعمانی، مولانا عبدالحکیم شرر، ڈاکٹر سید سید حسن بلگرامی، نواب عماد الملک، نواب وقار الملک، نواب مرزا خاں، داغ دہلوی، مولوی محفوظ علی اور ڈاکٹر مولوی عبدالحق کی صحبت پائی۔ ابتدا آپ نواب محسن الملک کے سیکریٹری مقرر ہوئے۔ وہاں سے حیدر آباد دکن کے دارالترجمہ پہنچے اور ترقی کرتے کرتے اس کے اسسٹنٹ رجسٹرار ہوئے۔ وہاں سے میر عثمان علی خان کے اتالیق بنے۔ پھر ہوم سیکریٹری کے منصب جلیلہ پر فائز ہوئے۔ لیکن اس آزاد مرد کو یہ ملازمتیں اور یہ نوکریاں راس نہ آئیں اور آپ نے واپس وطن کی راہ لی۔ گھر پہنچے تو انہیں معلوم ہوا کہ ان کے والد ماجد منشی سراج دین احمد نے وزیر آباد سے ہفت روزہ ''زمیندار'' نکال رکھا ہے۔ آپ نے اس کی ادارت کے فرائض سنبھالے اور اسے وزیر آباد سے لاہور لے آئے۔ جہاں جنگ طرابلس و بلقان کی خبروں نے اسے ہفت روزہ سے روزنامہ بنا دیا اور بہت جلد یہ اخبار میدان صحافت پر چھا گیا۔ مولان ظفر علی خاں کی منظومات۔ مقالات اور مکامات نے ''زمیندار'' کو اچھالا۔ اور ''زمیندار'' نے مولانا ظفر علی خاں کو بام شہرت پر پہنچایا۔

میدان سیاست وصحافت میں

مولانا ظفر علی خاں جس دور میں پیدا ہوئے وہ اس برصغیر میں ایک مہیب ذلت و ادبار کا دور تھا۔ فرنگی اپنی پوری قہر مانیوں کے ساتھ پورے عروج پر تھا۔ مشرق وسطیٰ میں اس کے پنجے آگے بڑھ رہے تھے۔ اور اپنی گرفت مضبوط کر رہے تھے۔ برعظیم کا ہر تعلیم یافتہ فرد الا ماشاءاللہ غیر ملکی اقتدار سے لازوال وابستگی کو سرخروئی کا سامان سمجھتا تھا۔ مغربی تہذیب موج در موج اس خطۂ اراضی کی طرف بڑھ رہی تھی۔ سیاسی محکومیت کے ساتھ ساتھ ذہنی مرغوبیت بھی آ گئی تھی۔ مولانا ظفر علی خان ان ناموافق

Marfat.com

حالات اور ناموزوں فضا میں دندناتے ہوئے میدان عمل میں نکلے۔ انہوں نے ایک ایسے وقت میں جب کہ بقول اکرام قمر:

''ذہنوں پر غیر ملکی مرغوبیت بڑی سرعت سے طاری ہو رہی تھی اور اس کی پشت پر غیر ملکی اقتدار کی سب قوتیں اور انعامات کار فرما تھے۔ اس دور میں غیر ملکی تہذیب کو روکنا اور للکارنا بڑے دل گردے کا کام تھا۔ ظفر علی خاں نے اسی تہذیب مغربی کے منہ پر تھپڑ بھیر سید کیا اور اسے حرام زادی بھی کہا۔ اگر ظفر علی خاں اور ان کے ہم عصر ہم نوا، عوام میں تہذیب مغربی سے نفرت پیدا نہ کرتے تو پاکستان کی تحریک کے لئے زمین ہی ہموار نہ ہو پاتی۔ ان راہنماؤں نے ایسا ذہن تیار کیا جس نے پاکستان کا تصور نہایت آسانی سے قبول کر لیا''۔

تحریک خلافت کے آغاز سے لے کر مقام پاکستان تک کانگرس۔ احرار نیشنلسٹ۔ نیلی پوش۔ خاکسار۔ اتحاد ملت اور مسلم لیگ وغیرہ جتنی بھی جماعتیں میدان عمل میں آئیں۔ مولانا ان سب میں پیش پیش رہے۔ انہوں نے اپنے سینہ اور سفینہ دونوں سے ہر ایک کی مدد کی۔ ان کے ہنگامی دور کی تحریروں اور تقریروں کا جائزہ لینے سے بآسانی پتہ چلتا ہے کہ وہ ہر تحریک کے روح رواں رہے۔ مگر کہیں استقلال کے ساتھ ٹھہر نہ سکے۔ اس مرحلے پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر وہ کون سی بات تھی جس کی وجہ سے مولانا ظفر علی خاں ایسا مخلص رہنما اور نڈر سیاست دان ان معرکوں سے کنارہ کش ہو جاتا تھا۔ اس سوال کا صرف ایک ہی جواب ہے کہ ان، سیاسی لکھاروں میں بعض ایسی باتیں بھی ہوی رہی ہیں جو توحید پرستی اور رسول دوستی کے منافی ہوتی ہیں۔ اور ان کی وجہ سے بعض حساس مسلمان ان سے کنارہ کشی کر لیتے ہیں۔

مولانا ظفر علی خاں جسے حق پر پاتے۔ اس پر تحسین و آفرین کے پھول برساتے اور اس کی مدح و ستائش میں زمین و آسمان کے قلابے ملا کر اس کی حوصلہ افزائی کرتے۔ لیکن اگر کسی سے کوئی ناحق بات سرزد ہو جاتی تو

؎ چل مرے خامہ بسم اللہ

کہہ کر اس کے پیچھے رہوار قلم دوڑاتے۔ اسے دستار فضیلت سے پکڑ کر چاروں شانے چت گراتے اور یہ قطعاً نہ دیکھتے کہ وہ مسٹر گاندھی ہیں جواہر لال نہرو۔ ابوالکلام آزاد ہیں یا مولانا محمد علی جوہر، علامہ اقبال ہیں یا قائداعظم! ان کی شان میں مولانا کے کلام ہیں جہاں مدحیہ اشعار کی کمی نہیں۔ وہاں ہجو یہ اشعار بھی موجود ہیں۔ ان کے حق کوش قلم نے اس معاملہ میں نہ عمر بھر کے دوستوں کو معاف کیا۔ نہ رفیقوں کو۔ نہ تخت نشینوں کو چھوڑا نہ گوشہ نشینوں کو نہ کسی فرد کی رعایت کی۔ نہ کسی جماعت کی۔ نہ اپنوں کا سہ لیسی کو برداشت کیا نہ غیروں کی ڈپلومیسی کو۔ نہ مہاشوں کے بنیا پن کو بخشا۔ نہ قادیانیوں کی نبوت سازی کو۔ یہاں تک کہ اگر لالے (ہند) زیر قلم آئے تو ان کو بھی نہ چھوڑا۔

؎ پوچھا جو میں نے لالہ لالٹین کہاں تھی ۔۔۔ نیچی نظر سے کہنے لگے وہ بھی چو گئی!

قومی شاعر

جنگ آزادی کے ساتھ ساتھ قومی شاعری کا بھی آغاز ہوا۔ قومی شاعری کے سو سال، میں ان کو چھ ادوار پر تقسیم کیا گیا

Marfat.com

ہے۔ ۱۸۵۷ء سے ۱۹۱۴ء تک، ۱۹۱۵ء سے ۱۹۲۰ء تک، ۱۹۲۱ء سے ۱۹۳۴ء تک، ۱۹۳۵ء سے ۱۹۴۵ء تک، ۱۹۴۲ء سے ۱۹۴۶ء تک، ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۷ء تک۔ یہ گویا جنگ آزادی کے چھ منزلیں ہیں جن سے ہم گزر کر اس مقام تک پہنچے ہیں ان ادوار کے قومی شاعروں کی طویل فہرست پر نظر دوڑانے سے معلوم ہوتا ہے کہ اقبال اگرچہ مولانا ظفر علی خاں سے بعد میں آئے لیکن قومی شاعری میں انہوں نے ان سے پہلے قدم رکھا۔ ترانہ ہندی، ہندوستانی بچوں کا گیت اور نیا شوالہ علامہ اقبال کی پہلے دور کی تخلیق ہیں۔ مولانا ظفر علی خاں دوسرے دور میں یعنی ۱۹۱۵ء سے ۱۹۲۰ء میں قومی شاعری کے میدان میں نمودار ہوئے۔ اس دور کی آپ کی چار نظمیں ''مارشل لاء'' ''فریادِ جرس'' ''فانوس ہند کا شعلہ'' اور ''ہندوستان'' مشہور ہیں۔

لیکن قومی شاعروں کی طویل فہرست میں مولانا ظفر علی خاں اس لحاظ سے سرفہرست ہیں کہ:

۱۔ انہوں نے حق گوئی کی پاداش میں سب سے زیادہ قید کاٹی جس کا مجموعہ بارہ سال ہوتا ہے۔

۲۔ ڈیڑھ لاکھ روپیہ سے زیادہ جرمانہ ادا کیا۔ ۳۔ ان کا موقر جریدہ ''زمیندار'' قریباً پندرہ دفعہ بحکم سرکار ضبط ہوا۔

۴۔ ان کی دو سو کے قریب نظمیں ضبط ہوئیں۔ جو ان کے مطبوعہ مجموعہ بہارستان، چمنستان، نگارستان، حبسیات اور ارمغان قادیاں میں موجود ہیں۔

۵۔ ان کے کئی پریس ضبط ہوئے۔ مگر دنیا کی کوئی طاقت انہیں حق گوئی سے باز نہ رکھ سکی۔

آپ جب بھی کوئی سیاسی نظم کہتے۔ ایوان حکومت میں زلزلہ آجاتا۔ دہلی کے وائے سرائے اینگل لاج سے لے کر لندن کی ۱۰۔ ڈاؤننگ سٹریٹ تک کے ارباب اختیار تھرا اُٹھتے۔ آپ کا ایک ایک شعر قصرِ افرنگ کے لئے ایٹم بم ثابت ہوتا۔ مولانا کے صرف اس شعر سے

چار چیز است تحفۂ لندن | خمر و خنزیر و ورنامہ وزن

لیفٹیننٹ گورنر سر مائیکل اڈووائر دماغی توازن کھو بیٹھا اور اس نے ''زمیندار'' کا دس ہزار روپیہ ضمانت بمعہ پریس ضبط کر لیا۔ یکے بعد دیگر ضبطیوں، قرقیوں کی کچھ ایسی آندھی چلی کہ مولانا کو نومبر ۱۹۲۷ء میں فی البدیہہ کہنا پڑا۔

دل ضبط، زباں ضبط، فغان ضبط، قلم ضبط | دنیا میں ہوئے ہوں گے، یہ ساماں کہیں ضبط

برطانیہ کا شیوہ رہا گر یہی۔ کچھ روز سن لو گے۔ عزیزو کہ ہوئے دیر و حرم ضبط

ضبطیوں کا یہ طوفان جب ۱۹۳۲ء تک نہ تھما تو آپ نے پھر یہ نظم لکھ دی۔

دل ضبط، جگر ضبط، زباں ضبط، فغاں ضبط | سب سازِ عیاں ضبط، سب سوزِ نہاں ضبط
مظلوم کو فریاد بھی کرتے نہیں دیتے! | ڈر ہے کہ نہ ہو جائے یہ سب امن و امان ضبط
اٹھتی ہے جو سینہ سے۔ تو ہو جاتی ہے ضبط آہ | آئے جو ذہن پر۔ وہیں ہوتا ہے گماں ضبط
روکیں کیوں وہ میرے مضمون کی روانی | تنکے سے بھی ہوتا ہے کہیں سیل رواں ضبط
وہ ضبط کریں میری دوات اور قلم کو | ہو جائیں گے خود ان کے تفنگ اور سناں ضبط
تم ضبط ''زمیندار'' کے نمبر نہیں کرتے | کرتے ہو حقیقت میں محمد ﷺ کا نشاں ضبط

Marfat.com

بس اس کا چھپنا تھا کہ نظم بھی ضبط اور پریس بھی ضبط کہتے ہیں کہ جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔ پنجاب کا خونخوار گورنر سر مائیکل اڈوائر جس نے جلیانوالہ باغ میں گولی چلا کر سینکڑوں انسانوں کو موت کی نیند سلا دیا۔ لیکن جو ضبطیوں، قرقیوں اور نظر بندیوں کے باوجود مولانا کی آوازِ حق کو نہ دبا سکا۔ آپ کے متعلق ایک رپورٹ میں لکھتا ہے: ظفر علی خاں اور مولانا محمد علی جوہر ماں کے پیٹ سے بغاوت کا قلم لے کر نکلے ہیں۔ انگریز دشمنی ان کی فطرت میں شامل ہے۔ کوئی عام منصوبہ شروع کرنے سے پہلے ان کو گرفتار کرنا لازمی ہے۔ سرکاری طور پر اپنے ماتحت حکام کے نام یہ ہدایت جاری کرنے کے علاوہ سر مائیکل اڈوائر نے مولانا کا جو ''ہسٹری شیٹ'' تیار کیا اس میں لکھتے ہیں: ''اسلام ازم پر اعتقاد رکھنے والے طبقے کا ترجمان، ایک آتش بار اخبار زمیندا رہے۔ جس کا ایڈیٹر ایک آتش مزاج رسوائے عالم ظفر علی خاں تھا۔ اس نے ۱۹۱۲ء میں ترکوں کے لئے چندہ اکٹھا کرنا شروع کیا یہ رقم پیش کرنے کے لئے خود ترکی گیا۔ ترکی سے واپسی کے بعد اس کا انداز بیاں اور سخت ہو گیا۔ کئی بار پریس ایکٹ کے تحت اس کی ضمانت ضبط کی گئی۔ متعدد بار تنبیہ سے کام لیا گیا۔ مگر ''زمیندار'' پھر نکلا۔ اندازِ بیاں پہلے سے زیادہ شوخ اور باغیانہ تھا۔ اسی لئے اس بناء پر اس کی ضمانت کے ساتھ پریس بھی ضبط کر لیا۔ اس نے اسلامی اتحاد کے علمبردار طبقہ سے عرب۔ ترکی۔ جرمی اور افغانستان کے ساتھ سازشیں جاری رکھیں اور مسلمانوں میں بغاوت پھیلانے اور فوجوں میں غدر کرنے کی کوشش کی۔ جب تمام زک پہنچانے کی سر توڑ کوشش کی۔ چنانچہ ۱۹۱۹ء میں نے پنجاب اور ۱۹۲۱ میں موپلوں کی بغاوت اس کی کوششوں کے مظاہرے تھے۔ جنگ کے دنوں میں ظفر علی خاں کو اس کے گاؤں کرم آباد میں نظر بند کر دیا گیا۔ مگر نظر بندی سے رہائی پاتے ہی اس نے پھر پرانی روش اختیار کر لی۔ ۱۹۲۰ء میں اسے بغاوت کے الزام میں پانچ سال قید کی سزا دی گئی''۔ ملک میں جن دنوں سیاسی طوفان آیا ہوا تھا اور بڑے بڑے علماء فضلا۔ سخندان و سخنور کانگری سیلاب میں خس و خاشاک کی طرح بہے جا رہے تھے۔ اور اسلام سے دور ہوتے جا رہے تھے۔ یہاں تک کہ ڈاکٹر سیف الدین کچلو اور ڈاکٹر شیخ محمد عالم کانگریس کے عشق میں یہ نعرے لگا رہے تھے: ''ہم پہلے کانگریسی ہیں اور پھر مسلمان''

تو مولانا ظفر علی خاں نے فوراً یہ نعرہ بلند کیا: ''میں سب سے پہلے مسلماں اور پھر کچھ اور!''

یہ تھی قوتِ ایمانی کہ جوش کے عالم میں بھی ہوش کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹا۔ مولانا کی اسلام دوستی اور انگریز دشمنی کا آغاز اس دن سے ہو گیا تھا۔ جس دن آپ نے میدان صحافت و سیاست میں قدم میں رکھا تھا۔ چونکہ آپ انگریز کو اسلام کا ازلی دشمن سمجھتے تھے۔ اس لئے آپ اس کے ناپاک قدوم سے اپنے وطن کی سرزمین کو پاک کرنے کے لئے روز اول سے اس کے خلاف صف آرا تھے۔ ان کے دم قدم نے ان کے لوح وقلم نے پاکستان کی تعمیر کے لئے جتنا کام کیا تھا۔ سرسید احمد خاں نے اپنی فکر و بصیرت سے مسلمانوں کو کانگریس سے علیحدہ ہونے کا جو مشورہ دیا تھا۔ وہ علیگڑھ کے اس فرزند نے بھی قبول کیا۔ قائداعظم اور مولانا محمد علی جوہر کی طرح آپ نے بھی کانگرس سے علیحدگی اختیار کی۔ مگر جتنا عرصہ کانگرسی کے ساتھ رہے۔ اس میں ایک نئ

Marfat.com

روح پھونک دی۔ کیونکہ یہ آپ کی طبیعت کا خاصہ تھا کہ جس تحریک میں شامل ہوتے۔ اس کا پورا پورا ساتھ دیتے۔ مسلم لیگ کے بھی آپ کے بہت کام آئے۔ طبعاً چونکہ انتہا پسند تھے اس لئے کئی بار ان سے قائداعظم اور مولانا حسرت موہانی کا اختلاف پیدا ہوا۔ مگر اس کے باوجود قائداعظم آپ کا احترام کرتے تھے۔ کیونکہ آپ کی وطن دوستی اور انگریس دشمنی شک وشبہ سے بالاتر تھی۔ آپ راہ حق میں گھر بار لٹانے اور سر کٹانے کے لئے سب سے پیش پیش رہتے تھے اور ہر وقت یہ دہائی دیتے رہتے تھے۔

میرے گھر کی لٹ گئی آبرو ہوا جب سے غیر دخیل ہے　　تجھے کیا بتاؤں ہم نشین مرے غم کا قصہ طویل ہے

پیشین گوئیاں

مولانا ظفر علی خان کی نظر بڑی دوررس تھی۔ آپ کو حکومت برطانیہ کا انجام صاف نظر آ رہا تھا۔ کہ جس کی سلطنت میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا۔ اب خود اس کے اقتدار کا سورج ڈوبنے والا ہے اور متحدہ ہندوستان کی سونے کی چڑیا اب اس کے پنجے چھٹکارا حاصل کرنے والی ہے جس کا آپ نے اپنے متعدد اشعار میں برملا اظہار کیا مثلاً:

زوال اس سلطنت کا ٹل نہیں سکتا ہے ٹالنے سے　　خدائی ، ہی رعایا سے پڑا ہے جن کو ٹکرانا
مکافات عمل سے بے خبر یہ غافل ہیں تو بے شک ہوں　　ہمارا کام ہے نیک اور بد کا ان کو سمجھانا

جب گوجرانوالہ ستیہ گرہ کانفرنس میں تقریر کرنے کی پاداش میں آپ کو دو سال کی قید با مشقت دی گئی تو آپ نے برطانوی حکومت کے متعلق یوں پیشین گئی کی:

قسم ہے جذبۂ حب وطن کی بے پناہی کی　　ہمارا ملک غیروں کا غلام اب رہ نہیں سکتا
ہمیں زنداں میں بھجواؤ یا تم پھانسی پہ لٹکاؤ　　مگر قائم تمہارا یہ نظام اب رہ نہیں سکتا
ہم اپنے عزم کے سانچے میں تقدیروں کو ڈھال لیں گے　　مسلط گردنِ مشرق پہ تام اب رہ نہیں سکتا
پشاور کی شہادت گاہ سے پیغام آیا ہے　　کہ بن چکے مسلمانوں کا نام اب رہ نہیں سکتا

چنانچہ اب خدا کے فضل سے مسلمانوں کا ستارہ پھر بام عروج پر پہنچا چاہتا ہے۔ جس کی وجہ سے مغربی دنیا لعزہ برا اندام ہو رہی ہے۔ اور وسیع برطانوی سلطنت سخت کر اب صرف جزیرہ برطانیہ تک محدود رہ گئی ہے۔ اہل نظر نے تو اس انجام کا اسی دن اندازہ لگا لیا تھا جب ۱۹۱۲ء میں جارج پنجم شہنشاہ ہندی کی آمد کے مقع پر دربار منعقد ہوا جس میں بحیثیت ایک صحافی مولانا ظفر علی خاں بھی مدعو تھے تو عین نماز عصر کے قریب جب شہنشاہ معظم کی سواری کے آنے کا وقت تھا۔ آپ نے وہاں اذان دیکر اس کے انتظار کرنے والوں سے فرمایا: ''بادشاہ مجازی کے ماننے والو۔ شہنشاہ حقیقی کے دربا میں سر جھکاؤ''۔ جسے سرکاری درباری لوگوں نے شگون نہ سمجھا۔ اس کے بعد جب شہنشاہ ہفتم کو موت پر سو علماء لاہور کی شاہی مسجد میں اس کی دعائے مغفرت کے لئے جمع ہوئے تو مولانا ظفر علی خاں بھی عین وقت دعا مسجد میں پہنچ گئے اور اعلان کر دیا کہ عیسائی کے لئے اسلام میں دعائے مغفرت جائز نہیں۔ اس کا بھی یار لوگوں نے بُرا شگون لیا جو بالآخر یچ نکلا اور عظیم سلطنت سکڑ کر ایک گوشہ میں محدود ہو گئی۔

Marfat.com

جداگانہ تنظیم

مولانا ظفر علی خاں ہندو اسلام اتحاد کے بڑے حامی تھے۔ بایں ہمہ ہندو پریس جس نے مسلمانوں کے خلاف متحدہ محاذ بنا رکھا تھا اور خواہی نخواہی مسلم زعماء پر تعصب کا بہتان تراشنے سے باز نہ آتا تھا۔ مولانا کو متعصب قرار دیتا رہا۔ اس معاملہ میں ہندو اخبارات پرتاب۔ ملاپ۔ تیج۔ دیر بھارت مولانا کے خلاف زہر اگلنے میں پیش پیش تھے۔ اور انہوں نے ہی پنجاب کی فضاء کو مکدر کیا اور اس کے امن میں آگ لگائی اور جب پورا ملک فرقہ پرستی کی آگ میں جل رہا تھا تو اس وقت مولانا ظفر علی خاں نے امرتسر میں خلافت کانفرنس کی صدارت کرتے ہوئے ہندوؤں کی اس سازش کا پول یوں کھولا۔

''یہ اشتعال انگیزیاں ہندوؤں کی جداگانہ تنظیم کے لئے شروع کی گئی ہیں۔ جداگانہ تنظیم ہی مسلمانوں پر بے اعتمادی کا قطعی ثبوت ہے۔ لوگوں کے جذبات قومی تحریک نے خاصے مشتعل کر رکھے تھے۔ سول نافرمانی کے التواء اور گاندھی جی کی قیادت کے باعث قومی تحریک کا کام رک گیا ہے۔ برانگیختہ جذبات کسی نئے راستے کے لئے مضطرب تھے۔ جون میں ہندوؤں کی جداگانہ تنظیم کا غلغلہ بلند ہوا۔ ہندو نہایت آسانی سے اس کی رو میں بہہ نکلے اور ہندوؤں کے تفرد و تجرد اور انقطاع و علیحدگی کی یہ تحریک خاص تیزی سے ترقی کرنے لگی۔ چونکہ اس کی بنیاد ہی مسلمانوں کے خلاف تعصب و عناد کے جذبات پر موقوف تھی۔ اس لئے اس کی ترقی کے ساتھ ہی ہندو مسلم تصادم کے اسباب بڑھنے لگے۔ آج ہم ایک ملتان کا نہیں بیسیوں ملتانوں کا ماتم کر رہے ہیں''۔

ہندوؤں کی یہی جداگانہ تنظیم تقسیم کا باعث بنی۔ ہندو کی ہر ٹھوکر مسلمان کو خواب غفلت سے جگاتی رہی اور جب اس نے ایک انگڑائی لی۔ تو سردار پٹیل نے پاکستان قائداعظم کی جھولی میں ڈال کر اطمینان کا سانس لیا۔

اسلامی بازار

اس جداگانہ تنظیم کا دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ مولانا ظفر علی خاں نے اس بنیاد ذہنیت سے تنگ آ کر اسلامی بازار کی تحریک شروع کر دی۔ مسلمانوں کی اقتصادی حالت مضبوط کرنے کے لئے انہیں تجارت کی طرف راغب کرنے لگے۔ اور تحریروں تقریر میں مسلمانوں کو اس امر کی تلقین اور ترغیب دینے لگے کہ مسلمان مسلمان سے سودا خریدیں اور ہندو سے نہ خریدیں۔ اس غرض کے لئے آپ نے لاہور میں دہلی دروازہ کے پاس اسلامی بازار بھی لگوایا۔ جس سے مسلمانوں میں تجارت کا شوق بڑھا۔ اور وہ ہندوؤں کی اقتصادی گرفت سے نجات پانے لگے۔ اس تحریک کی وجہ سے سے ہندو آپ کے جانی دشمن بن گئے۔ مگر آپ کا کچھ بگاڑ نہ سکے۔ البتہ ہندوؤں کی روز افزوں اسلام دشمنی کی بدولت ''زمیندار'' کی اشاعت بیس ہزار سے تجاوز کر گئی۔ اسلامی تحریک کی وجہ سے اب اسے ہر مسلمان دکاندار خریدتا۔ ہر بازار میں زمیندار ہی زمیندار نظر آتا۔ اور اگلی صبح کے ''زمیندار'' کا بڑی بے تابی سے انتظار کیا جاتا۔ علاوہ ازیں سستا ہونے کی وجہ سے اسے ہر وہ شخص خریدتا۔ جو ذرا پڑھ لکھ لیتا۔ اس طرح یہ اخبار مسلم لیگ کا پیغام عوام و خواص تک پہنچانے میں بڑا معاون و مددگار ثابت ہوا۔ مولانا ظفر علی خاں کے دیرینہ رفیق کار اور نامور اہل قلم

Marfat.com

مولانا غلام رسول مہر لکھتے ہیں: ''مولانا ظفر علی خاں اپنے رفیقوں کی قدر شناس اور حوصلہ افزائی میں فرد فرید تھے۔اس بارے میں سوائے مولانا شوکت علی مرحوم کے کوئی ان کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔مولانا اپنے کسی ادنیٰ رفیق کی سبکی گوارانہ کرتے تھے۔سب سے محبت وشفقت کا برتاؤ کرتے رہے۔ان کی اپنی زندگی نہایت سادہ اور بے تکلف تھی۔کھانا پینا بھی سادہ،لباس بھی سادہ، بودوباش بھی سادہ۔ابتداء ہی سے تڑکے اٹھنے کے عادی تھے۔جب تک جسم مساعدرہا سیر نہ چھوڑی۔بہت تیز چلتے اور لمبی سیر کرتے۔تنہا ہوتے تو قرآن مجید پڑھتے۔ اپنی ذات پر کبھی خرچ نہ کیا۔روپے پیسے ہوتے تو دوسروں پر خرچ کردیتے''۔

علامہ ڈاکٹر اقبال نے فرمایا: ''ظفر علی خاں غیر معمولی دل ودماغ کے آدمی ہیں۔ان کی ہمت بہت بلند ہے۔ان کا قلم اپنی روانی میں دنیا کے بڑے بڑے مجاہدین کی تلوار سے کم نہیں۔مذہبی ادبی۔سیاسی لحاظ سے انہوں نے بہت خدمت کی ہے۔ نثر میں مولانا نے جس سلاست نگاری کی پیروی کی۔اس کی بنیاد اردو ادب میں سرسید نے رکھی۔سرسید کا اصلی رنگ وروپ مولانا محمد علی جوہر اور مولانا ظفر علی خاں میں ملتا ہے۔پنجاب میں مولانا ظفر علی خاں نے جب قدم رکھا تو یہاں کا نقشہ ہی بدل گیا۔ظفر علی خاں۔آزاد اور جوہر کے انداز میں یہ فرق ہے کہ ظفر علی خاں نے قدیم وجدید ادبی وجاہت اور مذہب وسیاست کی وحدت سے براہ راست عام مسلمانوں کو خطاب کیا۔ (مولانا) آزاد ایک داعی کے لہجہ میں اُٹھے اور محمد علی جوہر ایک انگریزی جریدہ نگاری کی طرح دل میں اتر گئے۔ اسی لئے مولانا ظفر علی خاں ہیرو بنے رہے''۔

قائداعظم محمد علی جناح

قائداعظم لندن سے واپسی پر پہلے کراچی اور بعد میں بمبئی میں وکالت کرتے رہے۔شروع شروع میں مالی لحاظ سے خاصے پریشان رہے۔مگر سخت محنتی تھے بہت جلد قانونی مہارت کی دھاک بٹھادی۔ ۱۹۰۵ء میں مسٹر دادا بھائی نوروبی کے پرائیویٹ سیکریٹری مقرر ہوئے اور اس حیثیت سے کانگرس میں شرکت کی اور سیاست میں حصہ لینا شروع کردیا۔ ۱۹۰۶ء ''وقت علی اولاد'' کے موضوع پر کلکتہ کانگرس کے اجلاس میں اپنی پہلی پبلک تقریر کی۔ ۱۹۰۷ء میں سورت میں کانگرس کے ہنگامہ خیز اجلاس میں شرکت کی۔ ۱۹۰۹ء میں آپ سپریم کونسل کے بلامقابلہ ممبر منتخب ہوگئے۔آپ مدتوں مرکزی اسمبلی کے بلامقابلہ ممبر منتخب ہوتے رہے۔یہ بات آپ کے خلوص،دیانت،عملی فراست اور ہردلعزیز کا عین ثبوت ہے۔قائداعظم زبردست شخصیت وکردار کے حامل تھے۔آپ کی شخصیت کے کئی پہلو ہیں اور سب حسین اور دلنواز۔آپ عظیم سیاست دان اور بے مثل خطیب تھے۔شہرہ آفاق بیرسٹر اور اعلیٰ ترین مدبر تھے۔اپنی قوم کے محبوب قائد تھے۔اولوالعزمی،بے باکی اور فراست میں اپنی مثال آپ تھے۔قوت ارادی اتنی قوت اور محیر العقول تھی کہ بڑے بڑے ''لارڈ'' آپ کے سامنے موم ہوجاتے تھے۔

قائداعظم کا سیاسی کردار کانگرس میں شمولیت سے شروع ہوتا ہے۔جب ۱۹۰۴ء میں پارسی لیڈر دادا بھائی نوروجی کانگرس کے صدر تھے تو اس نے آپ کو اپنا پرائیویٹ سیکریٹری بنالیا۔چنانچہ آپ نے کانگرس کے باقاعدہ ممبر بن گئے اور اپنی مخلصانہ کوششوں کے ذریعے اسے عوامی تحریک میں بدل دیا۔آپ نے ہندو مسلم اتحاد کے لئے سرتوڑ کوششیں کیں۔آپ کو ہندو مسلم اتحاد کا سفیر قرار دیا گیا۔ ۱۹۱۳ء میں امپیریل کونسل میں اوقاف بل پیش کیا۔یہ ایک غیر سرکاری ممبر کا پہل بل تھا۔جس نے باقاعدہ ایک قانون کی شکل اختیار کی۔اپریل ۱۹۱۳ء میں انگلستان میں مولانا محمد علی جوہر اور سید وزیر حسن کی خواہش پر مسلم لیگ میں شامل ہوگئے اور بیک وقت کانگرس مسلم لیگ اور شاہی مجلس قانون ساز کے ممبر رہے۔ ۱۹۱۴ء میں کونسل آف انڈیا کی اصلاح کے سلسلے میں کانگرس کے وفد کے لیڈر کی حیثیت سے انگلستان گئے۔آپ کانگرس کی سست روی کے شاکی تھے۔

Marfat.com

چنانچہ ۳۱ دسمبر ۱۹۱۶ء میں لکھنؤ میں پہلی مرتبہ آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس کی صدارت کی۔ ۱۱ دسمبر ۱۹۱۸ء کو ٹاؤن ہال میں گورنر بمبئی لارڈ ولنگٹن کے اعزاز میں جو رخصتی جلسہ ہونے والا تھا اس کے خلاف سخت احتجاج کیا۔ نتیجتاً جلسہ ہال میں منعقد نہ ہو سکا۔ قائداعظم کو پولیس کے لاٹھی چارج کی وجہ سے چوٹیں بھی آئیں۔ اس احتجاج میں رتی جناح بھی موجود تھیں جو ٹاؤن ہال کی سیڑھیوں پر بڑی پامردی اور استقامت سے ڈٹی رہیں۔ اس واقعہ نے قائداعظم کو عوامی ہیرو بنا دیا۔ آپؒ کے مداحوں نے تیس ہزار روپے جمع کر کے بمبئی میں جناح ہال تعمیر کرایا۔ دسمبر ۱۹۱۹ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے مستقل صدر مقرر ہوئے۔ ۲۸ دسمبر ۱۹۲۸ء کو آل پارٹیز کانفرنس میں نہرو رپورٹ کی سخت مخالفت کیں۔ ۲۱ جون ۱۹۳۷ء کو علامہ اقبال نے آپ کو خط لکھا جس میں کہا گیا تھا کہ: ''اس وقت سارے ہندوستان میں صرف آپ ہی ایک ایسے مسلمان ہیں جس سے قوم یہ توقع رکھ سکتی ہے کہ وہ اسے طوفان میں سے جو شمال مغربی ہندوستان اور شاید سارے ہند پر ٹوٹنے والا ہے، صحیح سلامت گزرنے میں اس کی رہنمائی کرے گا''۔

امپیریل لیجسلیٹو کونسل کی رکنیت

۱۹۰۹ء کی منٹو مارلے نے اصلاحات اس لحاظ سے مسلمانوں کے لئے مفید تھیں کہ ان میں آخرت مسلمانوں کے جداگانہ نیابت کا اصولی تسلیم کیا گیا تھا بلکہ اقلیتی صوبوں میں آبادی کے تناسب سے قدر زیادہ نمائندگی بھی دی گئی تھی۔ گو اس کے بدلے مسلمانوں کو اکثریتی صوبوں میں آبادی کے تناسب سے کچھ کم نمائندگی ملی۔

اس کے ساتھ وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کو امپیریل لیجسلیٹو کونسل بنا دیا گیا جس میں ارکان کی تعداد سولہ سے بڑھا کر ساٹھ کر دی۔ ان میں سے ۳۵ کو وائسرائے نے نامزد کرنا تھا اور باقی ۲۵ کا انتخاب ہونا تھا۔

اس طرح اس کونسل کے انتخاب کیلئے بمبئی کے مسلمانوں نے محمد علی جناح کو اپنا نمائندہ منتخب کیا۔ اس وقت ان کی عمر ۳۴ برس کی تھی۔ کونسل میں زیر بحث آنے والے کے بارے میں جناح منطقی اور معقول موقف اختیار کرتے تھے۔ جو بات ان کے نزدیک عوام کے مفاد اور انصاف کے منافی ہوتی وہ اس پر شدید نکتہ چینی کرتے تھے۔ اور ہر اچھے کام کی تعریف کرتے تھے۔ کونسل میں زیر غور ایک مسودۂ قانون پر تقریر کرتے ہوئے انہوں نے کہا: ''میں حکومت پر آزادانہ اور صاف اور برملا نکتہ چینی کا قائل ہوں لیکن اس کے ساتھ میں اس بات کو ہر تعلیم یافتہ آدمی کا فرض سمجھتا ہوں کہ جب حکومت کوئی درست قدم اٹھائے تو اس کی حمایت اور امداد بھی کرنی چاہئے۔ جو لوگ اب تک اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں اور جو لوگ اوہام کا شکار ہیں انہیں اچھی طرح محسوس کر لینا چاہئے کہ لاقانونیت، اناری اور بہیمانہ جرائم سے وہ کبھی اچھی حکومت کا قیام عمل میں نہیں لا سکتے۔ انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ یہ طور طریقے کسی بھی ملک میں کامیاب نہیں ہوئے اور ہند میں بھی ان کے کامیاب ہونے کا کوئی امکان نہیں''۔

جناح کسی بھی مسئلہ کی حمایت یا مخالفت میں جذباتی رویہ اختیار نہیں کرتے تھے۔ ان کا موقف ہمیشہ دلائل پر مبنی ہوتا تھا۔ جب نازک نوعیت کے مذہبی مسائل درپیش ہوتے تھے تو بھی وہ تعصب سے بے نیاز رہتے تھے، اپنی اس منفرد حکمت عملی کا

Marfat.com

مظاہرہ انہوں نے قانون وقف کی منظوری کے وقت کیا۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ وقف کے ارکان میں سے کسی کی غلطی سے ان لوگوں کو نقصان نہیں پہنچنا چاہئے جن کے مفاد میں وقف قائم کیا گیا ہو۔ امپیریل لیجیسلٹو کونسل میں اس قانون پر تقریر کرتے ہوئے انہوں نے کہا: ''اس قانون کے خلاف بنیادی اعتراض عام پالیسی کی بنیاد پر کیا گیا ہے حالانکہ معاملہ سلسلے میں عام پالیسی کا ذکر مناسب اور غیر متعلق بات ہے''۔

یہ قانون بالآخر کونسل نے منظور کرلیا اور وائسرائے نے بھی اس کی توثیق کردی۔ اس طرح پہلا مسودۂ قانون جو کسی غیر سرکاری رکن نے نجی طور پر پیش کیا ہو اور کونسل نے اسے منظور کرکے باقاعدہ قانون کی شکل دی ہو۔

امپیریل لیجیسلٹو کونسل میں کامیاب کارکردگی نے جناح میں خود اعتمادی بڑھادی۔ اس زمانے میں ان کی یہ رائے تھی کہ برصغیر کی آزادی کے لئے ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ ان کے اس جوش کی بناء پر انہیں ہندو مسلم اتحاد کا سفیر قرار دیا گیا۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کو قریب تر لانے کے لئے ۱۹۱۳ء میں وہ آل انڈیا مسلم لیگ کے بھی رکن بن گئے۔ اس وقت وہ امپیریل لیجیسلٹو کونسل کے علاوہ کانگرس کے بھی رکن تھے، کانگرس کا اجلاس 1915ء میں ہونے والا تھا۔ جناح نے مسلم لیگ کے ممتاز لیڈروں پر زور دیا کہ وہ بھی اسی جگہ اور انہیں ایام میں مسلم لیگ کا اجلاس بلائیں۔ ان کا یہ خیال تھا کہ ایک ہی مقام پر مسلم لیگ اور کانگرس کے ساتھ ساتھ اجلاسوں سے دونوں سیاسی جماعتوں کے لیڈروں میں قریبی ربط و تعلق پیدا کرنے میں مدد ملے گی چنانچہ ان کی یہ کوشش بارآور ہوئی اور اپریل ۱۹۱۶ء میں ان کی انتھک کوششوں کے نتیجے میں کانگرس اور مسلم لیگ نے اس مقصد کے لئے ایک مشترکہ کمیٹی قائم کردی کہ معاشرتی اور سیاسی شعبوں میں اہل ہند کی حالت بہتر بنانے کے لئے حکومت سے کیا مطالبات کئے جائیں۔ جناح کا دونوں جماعتوں کو ایک ہی پلیٹ فارم پر اکٹھا کرنے کی سلسلے میں یہ ایک اہم قدم تھا۔ اس کے بعد جناح کی مساعی سے کانگرس اور مسلم لیگ دسمبر ۱۹۱۶ء میں لکھنؤ میں ایک ساتھ اپنے سالانہ اجلاس منعقد کرنے پر آمادہ ہوگئیں۔ مسلم لیگ کے جلسے کی صدارت جناح نے کی اور اپنے خطبے میں فرمایا: ''ہم کوئی انعام و رعایت نہیں چاہتے اور نہ کسی امتیازی سیاسی سلوک کے آرزومند ہیں''۔

میثاق لکھنؤ دسمبر ۱۹۱۶ء

کانگرس اور مسلم لیگ کے ان ایک ساتھ اجلاسوں کی وجہ سے دونوں جماعتوں میں ایک تاریخی معاہدہ ہوا جس میثاقِ لکھنؤ کے نام سے مشہور ہے۔ اس معاہدے کے معمار اعلیٰ محمد علی جناح جنہوں نے اپنی انتھک اور مخلصانہ مساعی سے کام لینے پر آمادہ کرلیا تھا اس کے علاوہ اشتراک سے کام لینے پر آمادہ کرلیا تھا اس کے علاوہ کانگرس کا رویہ بھی فراخ دلانہ تھا۔ اس میثاق کی وجہ سے جو کہ قائداعظم کا عظیم کارنامہ تھا ہندوؤں نے مسلمانوں کے ایک بنیادی مطالبے جداگانہ انتخاب کے حق کو تسلیم کرلیا۔ آزادی کی جدوجہد میں میثاق لکھنؤ پہلا اور واحد سمجھوتہ تھا جس پر ہندو اور مسلم متفق ہوئے تھے لیکن حکومت برطانیہ نے اس ہندو مسلم اتحاد کو کوئی اہمیت نہ دی۔ اور اس طرح دونوں فرقوں کے لئے قابل قبول آئینی اصلاحات حاصل کرنے کا ایک

Marfat.com

سنہری موقع ضائع ہوگیا۔

مارچ ۱۹۱۹ء میں حکومت برطانیہ نے رولٹ ایکٹ منظور کیا اس کے تحت حکومت کو وارنٹ اور مقدمہ چلائے بغیر گرفتاری کا اختیار دے دیا گیا تھا اس قانون کی ایک دفعہ کے تحت ملزم کو صفائی کا موقع دیئے بغیر خفیہ مقدمہ بھی چلا جا سکتا تھا۔ جب یہ مسودۂ قانون پیش کیا گیا تو محمد علی جناح نے اس کی سخت مخالفت کی لیکن حکومت نے کونسل کے سرکاری ارکان کی اکثریت سے یہ قانون منظور کر لیا۔ چنانچہ جناح نے بطور احتجاج کونسل سے استعفیٰ دے دیا۔ اور کہا کہ کیوں کہ میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ جو حکومت زمانہ امن میں ایسے قانون کو منظور کراتی ہے وہ مہذب حکومت کہلانے کا کوئی حق نہیں رکھتی تاہم مجھے امید ہے کہ وزیر امور ہند مسٹر مانٹیگ تاجدار برطانیہ کو یہ مشورہ دیں گے کہ اس کالے قانون کو مسترد کردیں۔

قائداعظم کے اس بیان سے پتہ چلتا ہے کہ جناح کس قدر آئین پسندانہ مزاج اور حق گوئی کے جذبے کے آئینہ دار تھے۔ اس زمانے میں ہندوستان کا کوئی دوسرا شخص اس کھلے اور برملا انداز میں وائسرائے کو خط لکھنا تو درکنار خط لکھنے کا تصور بھی نہ کر سکتا تھا۔ ۱۹۱۶ء میں ڈاکٹر اینی بسنت نے ''ہوم رول لیگ'' کے نام سے تحریک شروع کی۔ جناح بھی اس کے رکن بن گئے اور بعد میں اس کی بمبئی شاخ کے صدر مقرر ہوئے۔ ۱۹۲۰ء میں اُنہی کے مستعفی ہونے کے بعد گاندھی کو اس کی جگہ صدر منتخب کیا گیا۔ گاندھی نے سب سے پہلے ہوم رول لیگ کی جگہ اس کا ہندی نام ''سوراج سبھا'' رکھ دیا تاکہ ہندوستان کے عام لوگ بھی اس میں کشش محسوس کرنے لگیں۔ اس کے علاوہ گاندھی نے جماعت کے اغراض و مقاصد میں بھی تبدیلی کر دی۔ ڈاکٹر اینی بسنت کے دور میں ہوم رول لیگ کا نعرہ ''سلطنت برطانیہ کے اندر حکومت خود اختیاری'' تھا لیکن اس کی جگہ گاندھی مکمل آزادی کا خواہ تھا۔ جناح کے آئین پسند ذہن نے ان تبدیلیوں کو من مانی کاروائی قرار دیا اور ان تبدیلیوں کے قانونی جواز پر اعتراض کیا۔ گاندھی نے سرمہری سے جواب دیا کہ اگر کسی رکن کو تبدیل شدہ آئین پسند نہیں تو ہوم رول کی رکنیت سے مستعفی ہو سکتا ہے اس پر جناح اور مزید ۱۹۔ ارکان مستعفی ہو گئے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جناح بہت جرأت مند اور آئین نواز تھے۔ ہو کسی بھی دوسری بات کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ جو شخص بھی بنیادی اصولوں کی خلاف ورزی کرتا تھا اس کو جناح کی ضرب بے اماں کا ہدف بننا پڑتا تھا۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد مغربی اتحادی صلح نامہ سیورے کر رہے تھے جس میں ترکوں سے سخت ناروا سلوک کے علاوہ خلافت کے نظام کا خاتمہ بھی تھا۔ اس کے خلاف مسلمانان ہند نے مولانا محمد علی جوہر کی رہنمائی میں ملک کے طول وعرض میں پرجوش مظاہرے کئے۔ ابتداء میں یہ تحریک صرف مسلمانوں تک محدود تھی بعد میں کانگرس بھی اس میں شامل ہو گئی۔ جناح سمجھتے تھے کہ گاندھی کے ہاتھ تحریک آ جانے سے تشدد کا راستہ اپنا لیا جائے گا۔ چنانچہ انہوں نے اس تحریک میں حصہ نہ لیا کیوں کہ وہ چاہتے تھے کہ آئینی ذرائع اختیار کر کے مقاصد حاصل کئے جائیں۔ قائداعظم کے اس معقول رویہ کی برطانوی لیبر پارٹی کے ایک مندوب کرنل وتیج ووڈ نے ان الفاظ میں تعریف کی: ''ہند میں صرف ایک فرد واحد اپنی مضبوطی کردار کیساتھ اپنے اس موقف پر قائم رہا جسے وہ درست سمجھتا تھا۔ نہ وہ بھرپور مخالفت سے مرعوب اور نہ حمایت و تائید کے فقدان سے اس کے حوصلے کا پرچم سرنگوں ہوا''۔

Marfat.com

قائداعظم کو یہ صورت حال اچھی نہیں لگتی تھی لیکن اس کے باوجود انہوں نے ہندو مسلم اتحاد کے لئے اپنی کوششیں جاری رکھیں لیکن ایک موقع پر آ کر یہ کوششیں ہندوؤں کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے ناکام ہو گئیں۔

تحریک خلافت

تحریک خلافت، اسلامی ہند کی تاریخ کا ایک طوفانی دور تھا۔ کہنے کو تو یہ تحریک پہلی جنگ عظیم کے بعد شروع ہوئی لیکن اس کی بنیادیں بہت پہلے سے موجود تھیں۔ یہ حالات اور واقعات کے دو دھاروں سے پیدا ہوئی۔

ا۔ ہندوستان کے مسلمانوں کو دنیائے اسلام سے بے پناہ محبت تھی اسی جذبے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ۱۸۵۷ء کی جنگ کے دوران حکومت نے سلطان ترکی سے ہندی مسلمانوں کے لئے فتویٰ حاصل کیا تھا کہ وہ انگریزوں کے خلاف جنگ بند کر دیں۔ اگرچہ اس وقت تو یہ فتویٰ موثر ثابت نہ ہوا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اور اس کی حکومت کے ساتھ یہاں کے مسلمانوں کا لگاؤ بڑھتا گیا۔

۲۔ ۱۸۹۵ء میں جب ترکوں نے یونانیوں کو شکست دی تو یہاں سے مبارک باد کے سینکڑوں تار سلطان کی خدمت میں بھیجے گئے اور فتح کی خوشی میں دکن تک دور افتادہ دیہات میں چراغاں کیا گیا۔

۱۹۱۱ء میں طرابلس اور اس کے بعد بلقان کی جنگ میں ہندوستانی مسلمانوں کے ساتھ جذبہ اخوت کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ ہر روز ترکوں کی فتح کے لئے مسجدوں میں دعائیں مانگی جاتی تھیں۔ ترکوں کی امداد کے لئے بہت سا روپیہ اکٹھا کیا گیا۔ ایک طبی مشن ترکی بھیجا گیا۔ چند مسلمان راہنماؤں نے خود استنبول جا کر ترکی حکومت کو ہر ممکن امداد کا یقین دلایا سینکڑوں پبلک جلسوں میں ترکی کے دشمنوں کی حوصلہ افزائی کرنے والی برطانوی حکومت کے رویے کی مذمت کی قراردادیں پاس کی جاتی تھیں۔ ان دنوں جنگوں میں شکست کھانے کے بعد ترکی کے اندرونی حالات بہت ابتر ہو چکے تھے ۱۹۱۴ء میں پہلی جنگ عظیم شروع ہوئی۔ برطانیہ اور جرمنی اس جنگ کے دو بڑے فریق تھے۔ یہاں یہ خیال کیا جاتا تھا کہ بہتر ہوگا کہ ترک اپنے آپ کو کسی نئی ابتلا میں نہ ڈالیں۔ بلکہ جنگ سے دور رہتے ہوئے پچھلے نقصانوں کی تلافی کریں۔ ۱۸۷۸ء سے ترکوں اور جرمنوں کا دوستانہ چلا آ رہا تھا۔ خدشہ تھا کہ ترکی، جرمنی کا ساتھ دیتے ہوئے اس جنگ میں کود پڑے گا۔ چنانچہ مولانا محمد علی جوہر نے ترکی کے وزیراعظم کو ایک طویل تار بھیجا جس میں یہ درخواست کی گئی تھی کہ اپنے ملک کو جنگ میں جھونکنے سے پہلے ایک ہزار مرتبہ اس کے امکانی نتائج کا جائزہ لیں۔ یہ پیغام بے اثر رہا۔

ترکوں کا جنگ میں شامل ہونا

نومبر کے مہینے میں ترکوں نے برطانیہ کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ اس اعلان سے یہاں کے مسلمانوں کے لئے ایک بہت بڑی آزمائش پیدا ہوئی۔ ایک طرف تو وہ برطانوی حکومت کی رعایا تھے۔ اس کے قانون کے پابند، دوسری طرف خلیفۃ المسلمین کی اطاعت تھی ان پر واجب تھی۔ اور اس کا تقاضا یہ تھا کہ وہ اس جنگ میں برطانیہ کی کوئی امداد نہ کریں۔ اس ذہنی کشمکش

Marfat.com

کی وجہ سے ۱۹۱۴ء میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس منعقد نہ ہوسکا۔ ۱۹۱۵ء کے اجلاس کے خطبہ صدارت میں اس امر پر تشویش کا اظہار کیا گیا کہ خلیفۃ المسلمین اور ملک معظم کی حکومتیں آپس میں سرپیکار رہیں جزیرہ نمائے عرب ترکوں کی حکمت میں شامل تھا اسلام کے مقامات مقدمہ اسی سرزمین پر واقعہ ہیں۔ نظر آرہا تھا کہ برطانوی حکومت ترکوں سے نپٹنے کے لئے اپنی جنگی سرگرمیوں کا رخ عرب علاقوں کی طرف موڑ دے گی جنگ وہاں پہنچی تو مقامات مقدسہ کی بے حرمتی ہوگی۔ یہ بات مسلمانوں کے لئے ناقابل تصور تھی۔ حکومت کو ان جذبات کا بخوبی علم تھا۔ چنانچہ جنگ کے ابتدائی دنوں میں ہی برطانیہ اور فرانس کی حکومتوں کو اطمینان دلانے کے لئے اس امر کا اعلان کر دیا کہ اتحادی فوجین عرب علاقوں میں مداخلت کا کوئی ارادہ نہیں رکھتیں۔ روس کی حکومت کو بھی اس اعلان سے اتفاق تھا۔ لیکن ایک طرف تو ہندوستان کے مسلمانوں کو یقین دہانی کے لئے اس مضمون کا اشتہار چھاپ کر تقسیم کئے جارہے تھے۔ اور دوسری طرف اتحادی فوجیں جزیرہ نمائے عرب کلیدی مقامات پر اتر رہی تھیں۔ یہ سراسر فریب اور دھوکا تھا۔ اس وعدہ خلافی سے مسلمانوں کے دل پر گہرا زخم لگا۔ ۱۹۱۶ء میں لارنس جیسے برطانوی ایجنٹوں کے اکسانے پر شریف مکہ، حسین، نے عثمانی حکومت کے خلاف اعلان بغاوت کر دیا اور ترکوں پر لادینی کے الزامات عائد کئے۔ یہاں کسی کو اس معاملے میں غلط فہمی نہ تھی۔ شریف کے لگائے ہوئے الزامات بے بنیاد تھے اور وہ صرف انگریزوں کا پڑھایا ہوا سبق دھرا رہا تھا۔ لاہور کے مسلمانوں نے اس کارستانی پر احتجاج کرنا چاہا۔ پنجاب کے گورنر مائیکل اوڈواٹر نے سنگین دھمکیاں دے کر غم وغصے کو روک دیا۔

برصغیر کے مسلمان اور حکومت

جنگ کے اس دور میں حکومت نے چن چن کر مسلمانوں سے بدلے لئے۔ بڑے بڑے اخباروں، زمینداروں، الہلال کامریڈ اور ہمدرد کی ضمانتیں ضبط کرلی گئیں۔ اس سے ان کی اشاعت بند ہوگئی، ترکوں سے پرجوش ہمدردی کرنے والے سب لیڈروں، محمد علی، ظفر علی خان، ابوالکلام آزاد اور ان جیسے بیسیوں کو یا تو گھروں میں نظر بند کر دیا گیا یا جیلوں میں ڈال دیا گیا۔ فوجی کی بھرتی جبری تھی۔ ناواجب ٹیکس وصول کیئے جاتے تھے۔ اور اظہار رائے پر ظالمانہ پابندیاں تھیں، ملک چھوڑ کر بہت سے نوجوان ترکوں کی فوج میں شامل ہونے کے لئے چلے گئے۔ انگریزوں کی حکومت کو ختم کرنے کے لئے کابل میں ایک منصوبہ کیا جارہا تھا۔ جس کی تفصیلات ظاہر ہونے پر اسکو ''ریشمی رومال'' کی سازش کا نام دیا گیا تھا۔ بیرون ملک کہیں کہیں برطانوی فوج کے مسلمان سپاہیوں نے ترکوں کے خلاف لڑنے سے انکار کر دیا۔ جنرل اہلن ہی نے بیت المقدس کو ختم کیا تو برطانوی وزیراعظم نے اس کو آخری صلیبی جنگ قرار دیا

جنگ کا خاتمہ اور ترکی کی حالت

جنگ نومبر 1918ء میں ختم ہوگئی۔ جرمنوں اور ان کے حلیفوں نے شکست تسلیم کرلی۔ جنگ کے دوران انگریزوں اور فرانسیسیوں نے خفیہ معاہدوں کے ذریعے ترکوں کی سلطنت کے حصے بخرے کرلئے تھے۔ خود ترکی میں تھریس، اور

Marfat.com

سمرنا کے صوبوں پر اتحادیوں کے اشارے پر یونانیوں نے فوج کشی کر دی۔ استنبول پر انگریزوں کا قبضہ تھا۔ خلیفۃ المسلمین ان کے ہاتھوں میں ایک بے بس قیدی بن کر رہ گیا تھا۔ اس کے دستخطوں سے جبراً ایسے احکام جاری کرائے جا رہے تھے۔ جو ترکوں کے مفاد کے لئے تباہ کن تھے۔ دوسری طرف انگریز اور ان کے اتحادی، ترکوں کو انتہائی ذلت آمیز، سلوک کی دھمکیاں دے رہے تھے۔ ترکوں کی سلطنت تو پہلے ہی جا چکی تھی۔ فاتحوں کا خیال تھا کہ تھریس اور سمرنا کے علاقے یونانیوں کے سپرد کر کے ترکی کی حدود کو صرف ایشیائے کوچک تک محدود کر دیا جائے۔ صاف نظر آ رہا تھا کہ ایک طرف تو عثمانی خلافت ختم ہو جائے گی۔ دوسری طرف مقامات مقدسہ اتحادیوں کی گرفت میں چلے جائیں گے اور کسی ایسے حکمران کو خلیفہ بنایا جائے گا جو انگریزوں کے لئے قابل قبول ہو۔ ان سب باتوں کا سد باب کرنے کے لئے خلافت کی تحریک پیدا ہوئی۔ اس موقع پر گاندھی نے مسلمانوں کے مطالبات کی حمایت کر دیا۔

مسلم لیگ اور کانگریس کی مفاہمت

تقسیم بنگال کی تنسیخ، کانپور کی مسجد کے المیے اور علی گڑھ کالج کو الحاقی یونیورسٹی کا درجہ دینے سے حکومت کے انکار نے مسلمانوں کے جذبات کو بہت مشتعل کر دیا تھا۔ بہت سے مسلمان اس نتیجے پر پہنچ چکے تھے کہ حکومت کے ساتھ دوستی اور رواداری کا مسلک اب فرسودہ ہو چکا ہے۔ اور آگے چل کر قوم کے لئے نہایت خطرناک نتائج پیدا ہوں گے۔ مسلمانوں کے اس طرز فکر سے ہندوؤں نے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ کانگرس کے راہنماؤں نے مسلم لیگ کے اجلاس کی رونق بڑھانا شروع کر دی۔ ۱۹۱۲ء میں الہ آباد کے مقام پر ایک کانفرنس منعقد کی گئی جس کا مقصد یہ تھا کہ دونوں قوموں میں اتحاد کی فضا قائم کی جائے۔ کانگرس اپنی قراردادوں میں یہ مطالبہ دھرایا کرتی تھی کہ ہندوستان کو برطانوی نو آبادیات یعنی کینیڈا، آسٹریلیا جیسی سیلف گورنمنٹ دے دی جائے۔ سیلف گورنمنٹ کے مطالبے سے انگریز بدلتے تھے۔ ۱۹۱۳ء کی بدلی ہوئی فضا میں لیگ نے بھی کس قدر مختلف انداز میں سیلف گورنمنٹ کی قرارداد پاس کر دی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ سیاسی طور پر لیگ اور کانگرس ہم آہنگ ہیں۔ اس سے محمد علی جناح کے لئے لیگ میں شمولیت کا دروازہ کھل گیا۔ اس زمانے کی کانگرس میں اس کی سراپا ہندوویت کے باوجود، چند اعتدال پسند اور آزاد خیال ہندو شامل تھے۔ جناح کی سیاسی رفاقت انہی عناصر کے ساتھ تھی۔ اور وہ سمجھتے تھے کہ ملک کو برطانوی تسلط سے آزاد کرانے کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے باہمی اختلافات مٹ جائیں۔ اسی بات کو سامنے رکھتے ہوئے انہوں نے لیگ اور کانگرس کے درمیان مفاہمت کی کوشش شروع کر دی۔ اس تگ و دو کا پہلا نتیجہ تو یہ نکلا کہ ۱۹۱۵ء میں دونوں جماعتوں کے سالانہ اجلاس ساتھ ساتھ بمبئی میں منعقد ہوئے اور دونوں کے صدارتی خطبوں کا لب و لہجہ ایک جیسا تھا، بلکہ مسلم لیگ کے خطبے کا انداز کسی حد تک جارحانہ تھا۔ اسی طرح ۱۹۲۱ء تک لیگ اور کانگریس اپنے سالانہ اجلاس باہمی مشورے سے ایک ہی شہر میں اور ایک ہی تاریخوں میں کرتی تھیں اور اہم مسائل پر ایک دوسرے کی ہم نوا تھیں۔

Marfat.com

حکومت کا رویہ

۱۹۱۶ء میں لکھنؤ پیکٹ ہوا جس کی رو سے کانگرس نے مسلمانوں کی علیحدہ قومیت کو تسلیم کرتے ہوئے مسلم لیگ کی نمائندہ جماعت مان لیا۔اس معاہدے کو تکمیل تک پہنچانے والوں میں محمد علی جناح پیش پیش تھے۔

اس پر دستخط ہونے کے بعد کچھ عرصے کے لئے مسلمانوں اور ہندوؤں کی باہمی تلخیاں بہت حد تک کم ہو گئیں۔جنگ کے سالوں میں بدیسی حکومت بہت سے اندرونی اور بیرونی خطروں سے گھری وہئی تھی۔ملک کے مختلف حصوں میں زیر زمین انقلابی تحریکیں پنپ رہی تھیں۔جوں جوں سرگرمیوں کا پتہ چلتا جاتا تھا،حکومت کی سخت گیری بھی تشدد میں تبدیل ہوتی جاتی تھی۔ ۱۹۱۷ء میں ہوم رول لیگ بنی اور ملک کے تمام قابل ذکر لیڈر اس میں شامل ہو گئے۔حالات سے خائف ہو کر اور اپنی گذشتہ پالیسی کے برعکس برطانوی حکومت کو یہ اعلان کرنا پڑا کہ ہندوستان کو بتدریج حکومت خود اختیاری دے دی جائے گی۔اس اعلان کے کوئی خوش گوار تاثر پیدا نہ ہوا۔کیونکہ حاکموں کے قول اور فعل میں بہت تفاوت تھا۔آزادی کا وعدہ اور تشدد کی انتہا دونوں ساتھ ساتھ چلتے تھے عوام جبر آزما وقتوں سے دوچار تھے۔روزمرہ ضرورت کی آشیا کی قلت ہو کر شرما گرانی اور حکومت کے آمدانہ رویے نے بلالحاظ مذہب وملت،سب طبقوں میں اشتعال پید کر دیا تھا۔تبدیلیوں کے منتظر تھے حالات کی بہتری کی توقع پیدا ہوئی۔لوگ حکومت کے رویے میں مناسب تبدیلیوں کے منتظر تھے لیکن جلد ہی حالات نے ثابت کر دیا کہ حکومت لوگوں سے جنگ کے زمانے کے بدلے لینا چاہتی ہے۔

رولٹ بل

قائدہ ہے کہ جنگ کے ختم ہونے کے بعد دشمن کا خطرہ ٹل جاتا ہے تو لڑائی کے زمانے رولٹ بل کے قوانین اور ضابطوں کو نرم کر دیا جاتا ہے اور عوام پر سے بہت سی پابندیاں اٹھالی جاتی ہیں۔لیکن حکومت کا ارادہ اس کے الٹ تھا۔وہ زمانہ جنگ کے انتہائی تشدد آمیز ضابطوں کو روزمرہ کے ملکی قانون میں مستقل طور پر شامل کرنے کا فیصلہ کر چکی تھی۔اس غرض سے مجلس قانون ساز میں دوسری کاری بل پیش کئے گئے جن کو عام طور پر رولٹ بل کہا جاتا ہے۔

ان کا ماحصل یہ تھا کہ شہری آزادیوں کو مکمل طور پر سلب کر لیا جائے۔قانون کے اس مسلمہ اصول کو،کہ ملزم کے جرم کو ثابت کرنے کا فرض استغاثے پر عائد ہوتا ہے ختم کر کے یہ قرار دیا گیا کہ ہر ملزم کو مجرم تصور کیا جائے اور یہ اس کا اپنا فرض ہے کہ اپنی بے گناہی کا ثابت کرنے کا فرض ہے اپنی بے گناہی ثابت کرے۔باغیانہ دستاویزیں رکھنے والوں کے لئے بھی کڑی سزائیں تجویز کی گئیں۔چنانچہ اس قانون کے ماتحت سودا سلف باندھنے والا ردی اخبار کاغذ بھی باغیانہ دستاویز شمار کیا جا سکتا تھا۔ نیز مرے ہوئے افراد کے حوالے سے دی ہوئی گواہی بھی عدالتوں کے لئے قابل قبول قرار پائی۔مجوزہ قانون کی ان وحشیانہ دفعات سے لوگ تلملا اٹھے اور مرنے مارنے کے لئے تیار ہو گئے (یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اسی کالے قانون کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے محمد علی جناح مجلس قانون ساز کی رکنیت سے مستعفی ہو گئے تھے)

Marfat.com

جلیانوالہ باغ کا حادثہ

حکومت بھی اپنے مخالفوں کو مکمل طور پر کچلنے کا تہیہ کر چکی تھی۔ پہلا تصادم دہلی کے ریلوے سٹیشن پر ایک معمولی جھگڑے سے ہوئے۔ پولیس نے بے سوچے سمجھے گولی چلادی۔ سب زیادہ دردناک واقعہ امرتسر میں ہوا جہاں ۱۳ اپریل ۱۹۱۹ء کو جلیانوالہ باغ کے ایک جلسۂ عام پر فوج کے ایک دستے نے جنرل ڈائر کے حکم پر گولی چلادی اور گولیوں کی بارش اس وقت تک جاری رہی جب سپاہیوں کے پاس ایک کارتوس بھی نہ رہا۔ تو ساتھ ہی امرتسر میں مارشل لاء لگا دیا گیا۔ اس کے فوراً بعد لاہور اور پنجاب کے دوسرے بڑے بڑے شہروں کا نظم ونسق بھی فوج کے حوالے کر دیا گیا۔ کیونکہ معاملات سول حکومت کے بس سے باہر تھے۔ انگریزوں کے لگائے ہوئے مارشل لاء میں عوام کو ہر طرح کے ظلم وستم کا نشانہ بنایا گیا۔ کرفیو آرڈر کی خلاف ورزی کرنے والوں کو فی الفور گولی سے اڑا دیا جاتا بعض گلیوں میں لوگوں کو پاؤں پر چلنے کی مخالفت تھی۔ وہاں سے گزرنے والوں کو اپنے پیٹ کے بل رینگ کر راستہ طے کرنا پڑتا تھا۔ لاہور کے شہریوں سے ان کی بائیسکل اور بجلی کے پنکھے تک چھین لئے گئے۔ طالب علموں کو دن میں چار مرتبہ روبرو حاضری دینا پڑتی تھی اور ہر انگریز کو آگے بڑھ کر سلام کرنا پڑتا تھا۔ معمولی معمولی خطاؤں پر لوگوں کو بجلی کے کھمبوں سے باندھ کر وحشیانہ سزائیں دی جاتی تھیں۔ اخبارات پر سنسر تھا۔ پنجاب کی خبریں باہر نہیں نکلتے پاتی تھیں۔ تاہم کچھ عرصے کے بعد جب یہ پابندیاں بے کار ہوگئیں اور حکومت کے مظالم کی تفصیلات کا علم ہوا تو ملک میں ایک سرے سے دوسرے تک غم وغصے کی لہر دوڑ گئی۔ انہی حالات میں گاندھی کی قیادت کا آغاز ہوا۔ گاندھی کا پہلا مطالبہ یہی تھا کہ پنجاب کے لوگوں پر جس قدر ظلم وستم ہوا ہے۔ اس کی تلافی کی جائے۔ مالی اور جانی نقصان اٹھانے والوں یا ان کے وارثوں کو معاوضہ دیا جائے۔ یہ مطالبات روز بروز زور پکڑ رہے تھے۔

جناح شروع سے ہی آئینی وقانونی ذرائع اختیار کرنے والے تھے جب وہ اچھی طرح سوچ سمجھ کر کسی نتیجہ پر پہنچ جاتے ہیں تو پھر عام دوسرے حالات اور تقاضوں سے بے نیاز ہو کر اپنے موقف کو درست ثابت کرنے اور کامیابی حاصل کرنے کے لئے یکسوئی اور تندہی سے سرگرم عمل ہو جاتے تھے اور صحیح بات کے لئے ثابت قدمی عمر بھر ان کا شعار رہا۔

تحریک خلافت کا آغاز

دوسری طرف مسلمان بھی ترکی کی سب ابتلاؤں کا سارا الزام بجا طور پر برطانوی حکومت پر دھرتے تھے۔ ہندو اور مسلمان دونوں بپھرے ہوئے تھے اور دونوں حکومت سے بیزار تھے۔ لیکن دونوں کی وجوہات مختلف تھیں۔ مسلمان ترکوں کے مصائب سے پریشان تھے اور ہندو پنجاب کے مظالم کی تلافی چاہتے تھے۔ لیکن مسلمانوں میں غم وغصے کے جذبات شدید تر تھے۔ ایک انگریز نے لکھا کہ "مسلم انڈیا اس وقت ایک بہت بڑے بارود خانے کی طرح ہے جس میں چنگاری لگنے سے سارا ملک بھک سے اڑ جائے گا" مسلمانوں کے ہر گھر میں صف ماتم بچھی ہوئی تھی۔ مسلمان اپنے گھروں میں بھی صرف ترکی اور خلافت پر گفتگو کرتے تھے کسی دوسرے معاملے سے ان کو کوئی دلچسپی نہ تھی۔

Marfat.com

خلافت کی بقائے حق میں ایک ملک گیر تحریک وجود میں آ گئی اور اس کو منظم کرنے کے لئے (آل انڈیا خلافت کمیٹی) وجود میں آئی۔ اپنے حجروں سے نکل کر علماء بھی سیاست کے میدان میں آ گئے۔ چونکہ خلافت ایک مذہبی مسئلہ تھا اس لئے علماء نے بھی ضروری سمجھا کہ وہ اس نازک مرحلے میں قوم کی قیادت کریں۔

انہی دنوں اقبال نے بھی اپنی ایک تحریر میں اس بات پر زور دیا تھا کہ مسلمانوں کے دنیاوی اور سیاسی معاملات میں بھی علماء کی مداخلت کی ضروری ہے۔ ملک کے بہت سے قابل ذکر علماء اور سیاسی لیڈر تحریک خلافت میں شامل ہو گئے۔ اور اس کی سربراہی محمد علی جناح اور شوکت علی کر رہے تھے۔ یہ دونوں بھائی ۱۹۱۹ء میں قید سے رہا ہو کر اپنے گھر کو جانے کے بجائے سیدھے امرتسر کے قومی جلسوں میں شریک ہونے کے لئے پہنچ گئے۔ یہیں اقبال نے محمد علی کی طرف منہ کر کے وہ مشہور قطعہ پڑھا جو یوں شروع ہوتا ہے: ''ہے اسیری اعتبار افزا جو ہو فطرت بلند''

تحریک خلافت کے تین بڑے بڑے مطالبات تھے۔

ا۔تحریک خلافت کے مقاصد

ا۔خلافت عثمانیہ کو قائم رکھا جائے

۲۔ترکی کی علاقائی سلامتی کا تحفظ کیا جائے

۳۔مقامات مقدسہ ترکوں کے پاس ہی رہیں اور جزیرہ نمائے عرب سے فرنگیوں کا تسلط ختم کیا جائے۔ ادھر روز بروز یورپ میں چھپنے والی خبریں اور اتحادی ترجماں کے بیانات سے یہ تاثر پایا جاتا تھا کہ ترکوں کی قومی ہستی ملیامیٹ کر دی جائے گی اور ان کو اتحادیوں کے خلاف ہتھیار اٹھانے کا پورا پورا مزہ چکھایا جائے گا۔ اس کی قسم کی ہر خبر مسلمانوں کے لئے رنج والم کا ایک نیا پیغام لاتی تھی۔ مسلمان، خلافت اور ترکوں کے لئے ہر ممکن قربانی دینے کو تیار تھے۔ لیکن برطانوی حکومت ان کے جذبات کو قطعی ور پر نظر انداز کرتی چلی جاتی تھی۔ بلکہ اس بات سے برہم تھی کہ ہندوستان کے مسلمان ترکوں کے کیا لگتے ہیں۔ جو اتنا شور مچا رہے ہیں۔ اس وقت حکومت ہند کا سربراہ اوسط درجے کی لیاقت کا مالک لارڈ چیسفورڈ تھا۔ اس نے لندن کو اس مضمون کے بہت سے پیغام بھیجے کہ ترکوں سے نرم شرائط پر صلح کر کے مسلمانوں کے غصے کو ٹھنڈا کیا جائے۔ لیکن وائسرائے کی شخصیت میں وہ دبدبہ نہ تھا کہ وہ اپنی بات منوا سکتا۔ برطانوی حکومت اور اس کے حلیف فتح کے نشے میں چور تھے۔ اور اس مشورے کو درخور اعتنا نہ سمجھتے تھے۔ چیسفورڈ نے مختلف قوموں کے ایک نمائندہ وفد سے اس معاملے پر اظہار ہمدردی کیا۔ لیکن اس کے پاس خالی خولی تسلیوں اور انہی مجبوریوں کے اظہار کے سوا اور کچھ نہ تھا۔

۲۔ ہندو مسلم اتحاد کی نوعیت

جو ہندو مسلم اتحاد، ان غیر معمولی حالات میں وجود میں آیا وہ سبھاش چندر بوس کے الفاظ میں اس طرح پر تھا کہ گاندھی اور کانگریس مسلمانوں کے ترکی اور خلافت کے بارے میں مطالبات کی حمایت کریں گے اور خلافت والے گاندھی کی اس بات کی تائید کریں گے کہ جلیانوالہ باغ میں مرنے والوں کے جانی نقصان کی تلافی کی جائے۔ ان کی رائے میں یہ سمجھوتا ایک طرح کا

Marfat.com

سودا تھا، ایک طبقے میں یہ خیال پایا جاتا ہے کہ مسلمانوں نے گاندھی کی راہنمائی کو غیر مشروط طور پر قبول کر لیا تھا۔ اس زمانے میں مولانا محمد علی اور شوکت علی، گاندھی کے متعلق پبلک جلسوں میں جو غیر معمولی توصیفی کلمات استعمال کرتے تھے اس سے یہی تاثر پیدا ہوتا ہے۔ لیکن جواہر لال نہرو کی روایت ہے کہ اس افراتفری کے اتحاد والے دور میں بھی ہندو اور مسلم نیشنلزم کو علیحدہ علیحدہ شناخت کیا جا سکتا تھا اور بیرون ملک کے واقعات مسلم نیشنلزم کی توجہ کا مرکز تھے۔

۳۔ وفد خلافت

جب تحریک خلافت کے راہنماؤں نے محسوس کیا کہ یہاں بیٹھ کر ان کی ہم نوائی نہیں ہوتی تو انہوں نے مولانا محمد علی جوہر۔ مولانا سلیمان ندوی اور سید حسین پر مشتمل ایک وفد انگلستان کو بھیجا تا کہ برطانوی حکومت پر ہندوستان کے مسلمانوں کا نقطہ نظر واضح کر دیا جائے۔ اس وفد کے ارکان مارچ ۱۹۲۰ء کو بمبئی سے علیحدہ علیحدہ روانہ ہوئے اور آٹھ مہینے بعد ناکام لوٹے۔ اس دوران انہوں نے برطانیہ کی پارلیمنٹ، حکومت کے ارکان اور زندگی کے مختلف شعبوں کے عائد سے علیحدہ علیحدہ گفتگو کی۔ لیکن کسی کے ہند سے ترکوں کے لئے کلمہ خیر نہ نکلا۔ فرانس، اٹلی اور سوئٹزرلینڈ میں بھی جا کر دیکھا۔ یورپ سے بھی ملاقات کی۔ اس سے نتیجہ تگ و دو کے بعد جب وطن واپس پہنچے تو مولانا محمد علی نے اس خیال کا اظہار کیا کہ ہم خود آزاد ہوئے بغیر عملی طور پر کسی اسلامی کی کوئی امداد نہیں کر سکتے۔ اب ان کا اولین مقصد یہ قرار پایا کہ سب سے پہلے آزادی کے لئے جدوجہد کی جائے۔ گاندھی بھی اس مقصد سے متفق تھے انہوں نے آزادی کا نام سورج رکھا۔ ملک میں ہر طرف ''سوراج سوراج'' کے نعرے لگنے لگے۔

عدم تعاون کی تحریک

سوراج حاصل کرنے کے لئے ایک لائحہ عمل مرتب کیا گیا ہے جس کے مصنف خود گاندھی تھے۔ اس کا منشا یہ تھا کہ تقسیم بنگال کے دنوں کی طرح برطانوی حال کا مکمل بائیکاٹ کر دیا جائے۔ باہمی جھگڑوں کا فیصلہ کرنے کے لئے سرکاری عدالتوں سے رجوع نہ کیا جائے۔ بلکہ ان کو پنچائتوں کے ذریعے نپٹایا جائے۔ سرکاری ملازم اپنے استعفیٰ داخل کر دیں۔ طالب علم اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں سے باہر نکل آئیں۔ نشہ آور چیزوں پر مکمل پابندی لگا دی جائے۔ غرض کہ ہر محاذ پر انگریزوں کا بائیکاٹ کر دیا جائے۔ اس سارے پروگرام کو نان آپریشن کا نام دیا گیا ''عدم تعان'' اس کا اردو ترجمہ ہوا جو غالباً ابوالکلام آزاد کی اختراع تھی۔ گاندھی کا اندازہ تھا کہ اگر اس پروگرام پر پورا ایک سال عمل کیا جائے تو ''سوراج'' حاصل ہو جائے گا۔ ''عدم تعاون'' کا پروگرام پہلے خلافت کمیٹی والوں نے قبول کیا۔ پھر کانگرس اور دوسری جماعتوں نے اسے اپنایا۔ نان کوآپریشن اور خلافت کی تحریکیں دوش بدوش چلنے لگیں۔ بلکہ دونوں ایک ہی تحریک کا حصہ بن گئیں۔ حکومت نے تشدد کی انتہا کر دی۔ لوگوں کو ناحق بدنی سزائیں دی گئیں۔ جیلوں میں بند کیا گیا۔ ان کی املاک ضبط کی گئیں اسکے باوجود مسلمانوں میں قربانی کا جذبہ بڑھتا ہی گیا۔

مولانا محمد علی کا یہ شعر شاید اسی موقع کے لئے لکھا گیا ہو۔

تعزیز جرم عشق ہے بے حرفہ محتسب ۔۔۔ بڑھتا ہے اور ذوق گناہ یہاں سزا کے بعد

Marfat.com

تحریک کے دنوں میں گاندھی کے طول طویل دوروں کے اخراجات خلافت فنڈ سے ادا کئے جاتے تھے لیکن وہ اکثر و بیشتر ہندوؤں کے گھر میں رہتے تھے۔ شاید یہی وجہ تھی جب سرکاری تعلیمی اداروں کے بائیکاٹ کا مسئلہ پیش ہوا تو علی گڑھ پر حملہ آور ہونے والوں اور اس کو توڑنے والوں میں گاندھی پیش پیش تھے لیکن بنارس ہندو یونیورسٹی کے معمولات میں انہوں نے دخل دینے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی۔ اس سے کئی مسلمان گاندھی کی طرف سے کھٹک گئے۔

چوراچوری کا حادثہ

گاندھی بار بار کہتے تھے کہ ان کی تحریک کبھی تشدد سے ملوث نہیں ہوگی۔ لیکن اس آگ اور خون کے ماحول میں تشدد روز مرہ کا معمول بن گیا۔ جب ایسے واقعات گاندھی کے نوٹس میں لائے جاتے تو وہ ان کو ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دیتے۔ حکومت نے بہت سے لیڈروں کو جیل میں بھیج دیا۔ اس کے باوجود تحریک اتنی جان دار تھی کہ کامیابی سامنے نظر آتی تھی۔ حکومت نے اپنے اعتباری لیڈروں کی معرفت گفت و شنید کا دروازہ کھولنا چاہا لیکن بات آگے نہ بڑھی تھی کہ گاندھی نے ازخود چوراچوری نام کے ایک گاؤں میں آتش زدگی کے ایک واقعہ کی (جس میں پولیس کے اٹھارہ سپاہیوں کو تھانے کی عمارت کے اندر زندہ جلا دیا تھا) آڑ لیتے ہوئے ۴ فروری ۱۹۲۲ء کو نان کوآپریشن کے خاتمے کا اعلان کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی خلافت کی تحریک بھی ختم ہوگئی۔ یہ بھی ایک معمہ تھا کہ گاندھی نے اپنے کسی مسلمان ساتھی سے مشورہ کئے بغیر ایک اچھے کامیابی کے دروازے سے تک پہنچی ہوئی تحریک کو یکا یک کیوں ختم کر دیا گیا۔ اس معمے کے حل سے تاریخ کے بعض اہم گوشے بے نقاب ہونگے۔ انگلستان میں تاریخ خلافت کی سربراہی سید امیر علی، آغا خان اور اصفہانی کر رہے تھے۔ جہاں تک ہو سکا انہوں نے اخباری مضمونوں کے ذریعے اور اپنے ذاتی اثر و رسوخ کو استعمال کرتے ہوئے ہندوستانی مسلمانوں کا نقطۂ نظر برطانوی حکومت تک پہنچایا۔

تحریک خلافت کے مثبت اور منفی پہلو

تحریک خلافت کے نکتہ چین اس زمانے میں بھی تھے اور آج بھی ہیں۔ اپنی تمام خامیوں کے باوجود تحریک خلافت کے بہت سے مثبت پہلو بھی تھے۔ اس تحریک کی وساطت سے مسلمانوں کی سیاست میں آزادی کا تصور داخل ہوا۔ تحریک خلافت اسلامی یگانگت اور اخوت کے جذبے کا ایک بے پناہ مظاہرہ تھا۔ ترکوں کے لئے ہندی مسلمانوں نے ایسی قربانیاں دیں جن کی تاریخ میں نظر نہیں ملتی۔ تحریک خلافت کا بنیادی مقصد یہ تھا خلافت عثمانیہ کے ذریعے دنیائے اسلام کا ایک مرکز قائم رہے اور آئندہ اتحاد کی بنیادیں سمار ہونے سے بچ جائیں۔ اس تحریک سے مسلمانوں میں پہلی مرتبہ ایسے لیڈر ابھرے جو عوام کے ساتھ گہرا رابطہ رکھتے تھے۔

ہزاروں کارکنوں نے سیاسی تربیت حاصل کی جو بعد میں تحریک پاکستان کے لئے قوت کا باعث بنی۔ اگر خلافت جیسی پرقوت تحریک کا وجود نہ ہوتا تو اتحادی ترکوں کو ملیامیٹ کرنے میں کامیاب ہو جاتے۔ تحریک خلافت کا سب سے اہم منفی پہلو یہ تھا کہ

Marfat.com

اس سے ہجرت کی تحریک نے جنم لیا۔ بعض علماء کا خیال تھا کہ انگریزی عملداری میں ہندوستان دارالحرب ہے اس لئے مسلمانوں کو یہاں سے ہجرت کر کے کسی قریبی اسلامی ملک میں پناہ لینی چاہئے۔ چنانچہ اسے دینی جذبے سے مغلوب ہو کر اٹھارہ ہزار سیڈھے ساڑھے مسلمانوں نے اپنے اثاثوں اور املاک کو کوڑیوں کے مول بیچ دیا اور اپنا گھر چھوڑ کر افغانستان کی طرف روانہ ہو گئے۔ ہمسایہ ملک کے پاس اتنے ذرائع نہیں تھے کہ مہاجرین کی کفالت کا بوجھ اٹھا سکتا۔ چنانچہ جو پہنچ گئے تھے ان کو واپسی کا حکم ملا۔ جو راستے میں تھے ان کو روک دیا گیا راستے میں سردی کی شدت تھی، خوراک بھی نہ ملتی تھی۔ سینکڑوں وہیں چھپ مر کھپ گئے جو واپس آئے ان کے واسطے چھپانے کو بھی کوئی جگہ نہ تھی۔ اس طرح ہزاروں خاندان تباہی کے ضد میں چلے گئے۔

سائمن کمیشن اور نہرو رپورٹ

۱۹۲۷ء میں دسمبر کے مہینے میں حکومت برطانیہ نے آئینی اصلاحات کا جائزہ لینے کے لئے ایک وفد لارڈ سائمن کی قیادت میں ہندوستان بھیجا جس میں کسی ہندوستانی نمائندے کو شامل کر لیا گیا تھا۔ چنانچہ کانگرس اور مسلم لیگ نے بائیکاٹ کرنے کا فیصلہ کیا اسی اثناء میں نہرو کی سربراہی میں ہندوستان کا آئین بنانے کیلئے ایک کمیٹی بنائی گئی اس کمیٹی نے ۱۹۲۸ء میں اپنی رپورٹ جو کہ ''نہرو رپورٹ'' کے نام سے مشہور ہے پیش کی۔ اس رپورٹ میں ہندوؤں نے مسلمانوں کے جداگانہ نیابت کے حق کو نظر انداز کیا۔ حالانکہ ۱۹۱۶ء کے معاہدہ لکھنؤ میں انہوں نے مسلمانوں کے اس مطالبے کو تسلیم کر لیا تھا۔ دسمبر ۱۹۲۸ء میں نہرو رپورٹ کا جائزہ لینے کے لئے کل جماعتی کانفرنس ہوئی جس میں اس رپورٹ پر سخت تنقید کی گئی۔ جناح بھی ان میں شامل تھے انہوں نے کہا کہ: ''میں مسلمان کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک ہندوستانی کی حیثیت سے یہ کہتا ہوں کہ آزادی کی جدوجہد میں سات کروڑ مسلمانوں کو ہمارے شانہ بشانہ چلنا چاہئے''۔

لیکن کانگرس نے قائداعظم کے اخلاص کی کوئی قدر نہ کی ان کے جائز مطالبات کو کوئی اہمیت نہ دی۔ اس طرح کانگرس نے ہندو مسلم اتحاد کا سنہری موقع گنوا دیا۔

قائداعظم کے چودہ نکات

اگرچہ جناح کانگرس کے رویہ سے دل برداشتہ ہو چکے تھے لیکن انہوں نے امید کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا اور مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کے لئے ایک اور کوشش کی چنانچہ ۳۱ دسمبر ۱۹۲۸ء کو مسلم لیگ کے اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے انہوں نے چودہ نکات پر مشتمل ایک فارمولا پیش کیا اور اس بات پر زور دیا کہ ہند کے لئے مجوزہ آئینی اصلاحات میں ان نکات کو پیش نظر رکھا جائے اور صاف طور پر یہ بھی کہہ دیا کہ جس آئین میں ان نکات کو شامل نہیں کیا جائے گا وہ ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے قابل قبول نہ ہوگا۔ قائداعظم ان نکات میں مسلمانوں کے جائز مطالبات پیش کئے گئے تھے۔ لیکن ہندوؤں نے اسے تسلیم نہ کیا جس سے دونوں قوموں میں نفرت کی دیوار اور بڑھ گئی۔

Marfat.com

۱۔ آئندہ آئین وفاقی طرز کا ہو جس میں صوبوں کو زیادہ سے زیادہ خودمختاری دی جائے۔

۲۔ تمام صوبوں کو ایک ہی اصول پر داخلی خودمختاری دی جائے۔

۳۔ تمام مجلس قانون ساز اور دیگر منتخب اداروں میں اقلیتوں کو موثر نمائندگی دی جائے اور یہ خیال رکھا جائے کہ اکثریت اقلیت میں نہ بدلی جائے۔

۴۔ مرکزی مجلسِ قانون ساز میں مسلمانوں کی نمائندگی ایک تہائی سے کم نہ ہو۔

۵۔ جدا انتخاب کا اصول ہر فرقے پر لاگو ہوگا۔ البتہ اگر کوئی فرقہ چاہے تو اپنی مرضی سے مخلوط انتخاب قبول کر سکتا ہے۔

۶۔ اگر کبھی صوبوں کی حدود میں تبدیلی کرنا مقصود ہو تو اس بات کا خیال رکھا جائے کہ اس تبدیلی کا مسلم اکثریت والے صوبوں یعنی پنجاب، بنگال اور مغربی سرحدی صوبے پر اثر نہ پڑے۔

۷۔ تمام فرقوں کو یکساں اور مکمل مذہبی آزادی حاصل ہو۔

۸۔ اگر کوئی مسودہ قانون کے خلاف رائے دیں تو اسے مسترد قرار دیا جائے۔

۹۔ سندھ کو بمبئی سے علیحدہ کر دیا جائے۔

۱۰۔ صوبہ بلوچستان اور شمالی مغربی سرحدی صوبے میں دوسرے صوبوں کی مانند اصلاحات نافذ کی جائیں۔

۱۱۔ آئین میں یہ بات واضح کر دی جائے کہ مسلمانوں کو تمام ملازمتوں میں ان کی اہلیت کے مطابق حصہ دیا جائے گا۔

۱۲۔ مسلمانوں کو ہر قسم کا مذہبی و ثقافتی تحفظ دیا جائے۔

۱۳۔ صوبائی اور مرکزی وزارتوں میں مسلمانوں کو کم از کم ایک تہائی نمائندگی دی جائے۔

۱۴۔ وفاق میں شامل صوبوں کی منظوری کے بغیر مرکزی آئین میں کوئی ردوبدل نہ کیا جائے۔

گول میز کانفرنس

۱۹۲۷ء میں ہندوستان میں آنے والے کمیشن یعنی سائمن کمیشن نے وزیراعظم کو مشورہ دیا کہ ہندوستان کے تمام اہم رہنماؤں کی ایک کانفرنس بلائی جائے جس میں سب کے لئے قابل قبول آئینی ڈھانچہ مرتب کیا جائے۔ چنانچہ اس مشورے پر عمل کرتے ہوئے حکومت برطانیہ نے گول میز کانفرنس بلائی جو ۱۹۳۰ء سے ۱۹۳۲ء تک جاری رہیں۔ کانفرنس میں وائسرائے نے منتخب لیڈروں کو بلوایا جن میں قائداعظم محمد علی جناح بھی تھے یہ کانفرنسیں ناکام ہوئیں کیونکہ کانگرس مسلمانوں کے جداگانہ انتخاب کا مطالبہ ماننے کے لئے تیار نہ تھی۔ چنانچہ دونوں جماعتوں کے درمیان کسی تصفیہ کے نہ ہونے کی وجہ سے حکومت برطانیہ نے اپنی طرف سے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء منظور کر لیا۔ اگرچہ دونوں جماعتوں نے اس ایکٹ کو ناپسند کیا البتہ ۱۹۲۷ء میں ہونے والے انتخابات میں دونوں سیاسی جماعتوں نے حصہ لیا۔ گول میز کانفرنس میں کانگرس کے روّیہ سے دل برداشتہ ہو کر قائداعظم نے لندن میں ہی مستقل رہائش اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیا اور پریوی کونسل میں پریکٹس شروع کر دی اس

Marfat.com

طرح ان کا حلقۂ احباب بھی بہت وسیع ہو گیا۔

۱۹۳۳ء میں لیاقت علی خاں نے دوسرے کئی لیڈروں کے اصرار پر ۱۹۳۴ء میں جناح واپس ہندوستان تشریف لائے۔ اس دوران کانگرس نہ صرف ایک وسیع اور مضبوط تنظیم بن چکی تھی بلکہ اس نے بعض مسلم اکثریتی صوبوں میں بھی اپنے قدم جما لئے تھے۔ ان حالات میں مسلم لیگ کا احیاء اور اسے کل ہند بنیادوں پر مسلمانوں کی نمائندہ جماعت بنانا کوئی آسان کام نہ تھا لیکن جناح نے انتھک محنت سے مسلم لیگ کو ۱۹۲۷ء کے انتخابات میں حصہ لینے کے قابل بنا دیا۔ لیکن وقت بہت کم تھا اس لئے کوئی حوصلہ افزا نتائج برآمد نہ ہوئے۔

کانگرسی وزارتیں

انتخابات میں کامیابی نے کانگرس کو مغرور بنا دیا تھا انہوں نے گیارہ میں سے سات صوبوں میں اپنی وزارتیں بنالیں۔ اس غرور میں نہرو نے کہا کہ: ''ہند میں اس وقت صرف دو طاقتیں ہیں برطانوی سامراج اور ہندی قوم پرست موخر الذکر کی نمائندگی کانگرس کرتی ہے''۔ ''قائداعظم نے اس دعویٰ کو غلط قرار دیتے ہوئے کہا کہ: ''تیسری طاقت مسلم لیگ ہے جو مسلمانان ہندوستان کی واحد ترجمان ہے''

اس پر کانگرس نے مسلم لیگ اور مسلمانوں کے خلاف غیر جمہوری تحریک شروع کی اور انہیں بے انتہا مظالم کا شکار بنایا۔ کانگرسی وزارتوں کے دوران ہندوؤں کا روّیہ دیکھ کر قائداعظم کو یقین ہو گیا کہ ہندو آمریت مسلمانوں سے منصفانہ سلوک کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی۔ اس دوران ۲۱ جون ۱۹۳۷ء کو علامہ اقبال نے قائداعظم کو لکھا کہ: ''آخر شمال مغربی، ہند اور بنگال کے مسلمانوں کو اس طرح کی قومیں کیوں نہیں تصور کیا جاسکتا جس طرح ہندوستان میں اور ہندوستان سے باہر دوسری اقوام ہیں''۔

علامہ اقبال کے یہ الفاظ قائداعظم کے دل میں گھر کر گئے۔ وہ کانگرس کے روّیے سے تو پہلے ہی دل برداشتہ ہو چکے تھے چنانچہ انہیں یقین ہونے لگا کہ ہند کے مسلمان ہندوؤں کے ساتھ نہیں رہ سکتے غالباً اسی احساس کے تحت انہوں نے سندھ مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ ۱۹۳۸ء میں یہ سفارش کی کہ: ''آل انڈیا مسلم لیگ ایسی آئینی سکیم وضع کرے کہ جن صوبوں اور ریاستوں میں مسلمان اکثریت میں ہیں وہ بالآخر خود اپنے وفاق کے تحت مکمل آزادی حاصل کرسکیں''۔

چنانچہ دو سال مسلمانوں پر مظالم ڈھانے کے بعد کانگرسی وزارتوں سے مسلمانوں کو نجات ملی اور قائداعظم کے کہنے پر مسلمانوں نے ۲۲ دسمبر ۱۹۳۹ء کو ملک بھر میں ''یوم نجات'' منایا کانگرس اس پر حیرت زدہ رہ گئی کیونکہ یوم نجات منانے میں مسلمانوں کے علاوہ پارسی، عیسائی، اچھوت اور ہزاروں ہندو بھی شامل ہوئے تھے۔ اس دوران قائداعظم مسلمانوں کے علاوہ علیحدہ مملکت کے قیام کے مسئلہ پر مسلسل سوچ بچار کرتے رہے انہیں مکمل یقین تھا کہ انگریزوں کے رخصت ہونے کے بعد ہندو مسلمان کو برداشت نہیں کریں گے اور کانگرسی وزارتوں میں وہ اس کا تجربہ دیکھ چکے تھے چنانچہ ۹۔ مارچ ۱۹۴۰ء کو برطانیہ کے جریدہ ''ٹائم اینڈ ٹائیڈ'' میں ایک مضمون میں لکھا کہ: ''انگریز چونکہ مسیحی ہیں اس لئے وہ اپنے ملک کی مذہبی جنگوں پر پھولنے لگتے

Marfat.com

ہیں اب وہ مذہب اور کو انسان اور خدا کے مابین ایک انفرادی اور نجی معاملہ سمجھتے ہیں لیکن ہندوازم اور اسلام میں ایسا نہیں ہوسکتا کیوں کہ یہ دونوں مذاہب اپنی اپنی جگہ معاشرتی نظام بھی ہیں۔ اور ان میں ان کے ساتھ کے مابین تعلق کے بجائے انسان کے اپنے ہمسائے کے ساتھ تعلقات پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ یہ مذاہب نہ صرف ان کے قانون اور ثقافت بلکہ ان کی معاشرتی زندگی کے ہر پہلو پر حاوی ہیں''۔

علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ کا خطبہ الہ آباد

علامہ اقبال نے پاکستان کا تصور آل انڈیا مسلم لیگ کے اس اجلاس میں پیش کیا جو ۱۹۳۰ء میں الہ آباد میں منعقد ہوا اور جس کے صدر وہ خود تھے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمانوں کا ایک عظیم مفکر ان کے قومی اجتماع میں ان کے مسائل کا ایسا حل پیش کر رہا تھا جو صرف دس سال بعد پوری قوم کا مطالبہ بننے والا تھا۔ یہ خطبہ ''نوادرات اقبال'' میں شامل ہے اور یہاں اس کا مکمل متن دیا جا رہا ہے۔ حضرات! میں آپ کا بے حد ممنون ہوں کہ آپ نے ایسے وقت میں مجھے آل انڈیا مسلم لیگ کی صدارت کا اعزاز بخشا ہے، جب کہ مسلمانانِ ہندوستان کی سیاسی زندگی نے ایک نہایت ہی نازک صورت حال اختیار کر لی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس عظیم الشان اجتماع میں ان حضرات کی کمی نہیں جن کا تجربہ مجھ سے کہیں زیادہ وسیع ہے۔ اور جن کی معاملہ فہمی کا میں دل سے قائل ہوں، لہٰذا یہ بڑی جسارت ہوگی اگر میں ان مسائل میں جن کے فیصلے کے لئے یہ حضرات آج جمع ہوئے ہیں، ان کی رہنمائی کا دعویٰ کروں۔ میں کسی جماعت کا رہنما نہیں، نہ کسی رہنما کا پیرو ہوں۔ میں نے اپنی زندگی کا زائد حصہ اسلام اور اسلامی فقہ و سیاست تہذیب و تمدن اور ادبیات کے مطالعہ میں صرف کیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس مسلسل اور متواتر تعلق کی بدولت جو مجھے تعلیمات اسلامی کی روح سے جیسا کہ مختلف زبانوں میں اس کا اظہار ہوا ہے، میں نے اس امر کے متعلق ایک خاص بصیرت پیدا کر لی ہے کہ ایک عالمگیر حقیقت کے اعتبار سے اسلام کی حیثیت کیا ہے۔ لہٰذا یہ فرض کرتے ہوئے کہ مسلمانان ہندوستان بہر حال اپنی اسلامی روح کو برقرار رکھنے پر مصر ہیں، میں کوشش کروں گا کہ آپ کے فیصلوں کی رہنمائی کے بجائے اسی بصیرت کی روشنی میں خواہ اس کی قدر و قیمت کچھ بھی ہو، آپ کے دل میں اسی بنیادی اصول کا احساس پیدا کر دوں جس پر میری رائے میں ہمارے تمام فیصلوں کا عام انحصار ہونا چاہیے۔

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ بحیثیت ایک اخلاقی نصب العین اور نظام سیاست کے (اس آخری لفظ سے میرا مطلب ایک ایسی جماعت ہے جس کا نظم و انضباط کسی نظام قانون کے ماتحت عمل میں آتا ہو اور جس کے اندر ایک مخصوص اخلاقی روح سرگرم کار ہو) اسلام ہی وہ سب سے بڑا اجزو ترکیبی تھا جس سے مسلمانانِ ہند کی تاریخ حیات متاثر ہوئی۔ اسلام ہی کی بدولت مسلمانوں کے سینے ان جذبات و عواطف سے معمور ہوئے جن پر جماعتوں کی زندگی کا دارومدار ہوتا ہے اور جن سے متفرق و منتشر افراد بتدریج متحد ہو کر ایک متمیز و معین قوم کی صورت اختیار کر لیتے ہیں اور ان کے اندر ایک مخصوص اخلاقی شعور پیدا ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

حقیقت میں یہ کہنا مبالغہ نہیں کہ دنیا بھر میں شاید ہندوستان ہی ایک ایسا ملک ہے جس میں اسلام کی وحدت خیز قوت کا بہترین اظہار ہوا ہے۔ دوسرے ممالک کی طرح ہندوستان میں بھی جماعت اسلامی کی ترکیب صرف اسلام ہی کی رہین منت ہے کیونکہ اسلامی تمدن کے اندر ایک مخصوص اخلاقی روح کارفرما ہے۔ میرا مطلب ہے کہ مسلمانوں کے اندرونی اتحاد اور ان کی نمایاں یکسانیت ان قوانین وادارت کا شرمندہ احسان ہے جو تہذیب اسلامی سے وابستہ ہیں لیکن اسوقت مغرب کے سیاسی افکار نے نہایت تیزی کے ساتھ نہ صرف ہندوستان بلکہ ہندوستان سے باہر تمام دنیائے اسلام میں انقلاب برپا کر رکھا ہے۔ نوجوان مسلمانوں کی یہ خواہش ہے کہ وہ ان افکار کو اپنی زندگی کا جزو بنالیں۔ انہوں نے اس امر پر مطلق غور نہیں کیا کہ وہ کون سے اسباب تھے جن کے ماتحت ان افکار نے مغرب میں نشوونما پائی۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ سرزمین مغرب میں مسیحیت کا وجود محض ایک رہبانی نظام کی حیثیت رکھتا تھا۔ رفتہ رفتہ اس سے ایک وسیع کلیسائی حکومت قائم ہوئی۔ لوتھر کا احتجاج دراصل اسی کلیسائی حکومت کے خلاف تھا۔ اس کو دنیوی نظام سیاست سے کوئی بحث نہ تھی کیونکہ اس قسم کا نظام سیاست مسیحیت میں موجود نہیں تھا۔ غور سے دیکھا جائے تو لوتھر کی بغاوت ہر طرح سے حق بجانب تھی، اگرچہ میری ذاتی رائے یہ ہے کہ خود لوتھر کو بھی اس امر کا افسوس نہ تھا کہ جن مخصوص حالات کے متعلق اس کی تحریک کا آغاز ہوا ہے اس کا نتیجہ بالآخر یہ ہوگا کہ مسیح علیہ السلام کے نظام اخلاق کی بجائے مغرب میں ہر طرف سے بے شمار ایسے اخلاقی نظام پیدا ہو جائیں گے جو خاص خاص قوموں سے متعلق ہوں گے اور انکا حلقہ اثر بالکل محدود رہ جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ جس ذہنی تحریک کا آغاز لوتھر اور روسو کی ذات سے ہوا، اس نے مسیحی دنیا کی وحدت کو توڑ کر اسے ایک ایسی غیر مربوط اور منتشر کثرت میں تبدیل کر دیا جس سے اہل مغرب کی نگاہیں اس عالمگیر مطمح نظر سے ہٹ کر جو تمام نوع انسانی سے متعلق تھا، اقوام وملل کی تنگ حدود میں الجھ گئیں۔ اس نئے تخیل حیات کے لئے انہیں ایک سے زیادہ واقعی اور مرئی احساس مثلاً تصور وطنیت کی ضرورت محسوس ہوئی، جس کا اظہار بالآخران سیاسی نظم کی شکل میں ہوا جنہوں نے جذبہ قومیت کے ماتحت پرورش پائی۔ یعنی جن کی بنیاد اس عقیدے پر ہے کہ سیاسی اتحاد واتفاق کا وجود عقیدہ وطنیت کے ماتحت ممکن ہے۔

ظاہر ہے کہ اگر مذہب کا تصور یہی ہے کہ اس کا تعلق صرف آخرت سے ہے اور انسان کی دنیوی زندگی سے اسے کوئی سروکار نہیں تو جو انقلاب مسیحی دنیا میں رونما ہو چکا ہے، وہ ایک طبعی امر تھا۔ مسیح علیہ السلام کا عالمگیر نظام اخلاق نیست ونابود ہو چکا ہے اور اس کی جگہ اخلاقیات وسیاسیات کے قومی نظم نے لے لی ہے۔ اس سے اہل مغرب بجا طور پر اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ مذہب کا معاملہ ہر فرد کی اپنی ذات تک محدود ہے۔ اسے دنیاوی زندگی سے کوئی کوئی تعلق نہیں۔ لیکن اسلام کے نزدیک ذات انسانی بجائے خود ایک وحدت ہے، وہ مادے اور روح کی کسی ناقابل اتحاد ثنویت کا قائل نہیں۔ مذہب اسلام کی روح سے خدا اور کائنات، کلیسا اور ریاست اور روح اور مادہ ایک ہی کل کے مختلف اجزاء ہیں۔ انسان کسی ناپاک دنیا کا باشندہ نہیں جس کو اسے ایک روحانی دنیا کی خاطر، جو کسی دوسری جگہ واقع ہے، ترک کر دینا چاہیئے۔ اسلام کے نزدیک مادہ روح کی اس شکل کا نام ہے جس کا اظہار قید مکانی وزمانی میں ہوتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مغرب نے مادے اور روح کی ثنویت کا عقیدہ بلا کسی غور وفکر کے

Marfat.com

اسکے زیر اثر قبول کرلیا ہے۔ اگر چہ اس کے بہترین ارباب فکر اپنی اس ابتدائی غلطی کو محسوس کر رہے ہیں۔ مگر سیاستدان کا طبقہ ایک طرح سے اب بھی مصر ہے کہ دنیا میں اس اصول کو ایک نا قابل انکار حیثیت کے طور پر تسلیم کرلیا جائے۔ دراصل یہ روحانی اور دنیوی زندگی کا غلط امتیاز ہے جس سے مغرب کے سیاسی اور مذہبی افکار بیشتر طور پر متاثر ہوئے ہیں اور جن سے یورپ کی مسیحائی ریاستوں نے مثلاً مذہب سے کلیتاً علیحدگی اختیار کرلی ہے۔ اس سے چند متفرق اور بے ربط سلطنتیں قائم ہوئیں ہیں جن پر کسی انسانی جذبے کے بجائے قومی اغراض کی حکمرانی ہے۔ مگر لطف یہ ہے کہ آج یہی سلطنتیں ہیں جو مسیحیت کے اخلاقی اور مذہبی عقائد کی پامالی کے بعد ایک متحدہ یورپ کا خواب دیکھ رہی ہیں۔ بالفاظ دیگران کو ایسے اتحاد کی ضرورت کا احساس ہو چلا ہے تو کلیسا کے ماتحت انہیں حاصل تو تھا لیکن جس کو اخوت انسانی کے اس عالمگیر تصور کی روشنی میں تعمیر کرنے کے بجائے جو مسیحؑ کے دل میں موجود تھا، انہوں نے لوتھر کے زیر اثر تباہ و برباد کر دیا۔ بہرحال دنیائے اسلام میں کسی لوتھر کا ظہور ممکن نہیں۔ اس لئے کہ اسلام میں کلیسا کا کوئی ایسا نظام موجود نہیں جو از منہ متوسط کے مسیحی نظام سے مشابہ ہو اور جس کے توڑنے کی ضرورت پیش آئے۔ دنیائے اسلام کے پیش نظر ایک ایسا عالمگیر نظام سیاست ہے جس کی اساس وحی و تنزیل پر ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ چونکہ ہمارے فقہاء کو ایک عرصہ دراز سے عملی زندگی سے کوئی تعلق نہیں رہا، وہ عہد جدید کی داعیات سے بالکل بیگانہ ہیں۔ لہٰذا اس امیر کی ضرورت ہے کہ ہم اس میں از سر نو قوت پیدا کرنے کے لئے اس کی ترکیب و تعمیر کی طرف متوجہ ہوں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ تصور قومیت کا انجام ملت اسلامیہ میں کیا ہوگا۔ اسلام اس تصور کو اپنے اندر جذب کر کے اس کو اس طرح بدل دے گا جس طرح اس سے بیشتر اس نے اس سے بالکل مختلف تصورات کی ترکیب و نوعیت کو ہمہ تن بدل دیا تھا۔ یا یہ کہ خود اسلام کے اندر کوئی زبردست تغیر رونما ہو جائے گا۔ کچھ روز ہوئے پروفیسر ونسک نے مجھے لیڈن (ہالینڈ) سے اپنے ایک خط میں لکھا تھا کہ اسلام نے اس وقت اس نازک دور میں قدم رکھا ہے جس میں داخل ہوئے مسیحیت کو ایک صدی سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے۔ اس وقت سب سے بڑی دشواری یہ ہے کہ بہت سے قدیم تصورات کو ترک کر دینے کے باوجود کہتے ہیں کہ ابھی تو وہ اس امر کا فیصلہ نہیں کر سکے کہ اس کا نتیجہ مسیحیت کے حق میں کیا ہوگا۔ اسلام کے متعلق کوئی پیش گوئی کرنا اور بھی ناممکن ہے۔ اس وقت قوم و وطن کے تصور نے مسلمانوں کی نگاہوں کو نسل و خون کے امتیاز میں الجھا رکھا ہے اور اسی طرح اسلام کے انسانیت پرور مقاصد میں عملاً حارج ہو رہا ہے۔ ممکن ہے کہ نسلی احساسات ترقی کرتے کرتے ان اصول و قواعد کے محرک ہوں جو تعلیمات اسلامی کے بالکل مخالف ہی نہیں بلکہ ان سے بالکل متضاد ہوں۔

مجھے امید ہے کہ آپ حضرات اس خالص علمی بحث کے لئے مجھے معاف فرمائیں گے۔ لیکن آپ نے آل انڈیا مسلم لیگ کی صدارت کے لئے ایک ایسے شخص کو منتخب کیا ہے جو اس امر سے مایوس نہیں ہو گیا ہے کہ اسلام اب بھی ایک زندہ قوت ہے جو ذہن انسانی کو نسل و وطن کی قیود سے آزاد کر سکتی ہے۔ جس کا یہ عقیدہ ہے کہ مذہب کو فرد اور ریاست دونوں کی زندگی میں غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ اور جسے یقین ہے کہ اسلام کی تقدیر خود اس کے ہاتھ میں ہے۔ اسے کسی دوسری تقدیر کے حوالے نہیں کیا جا سکتا۔ ایسا شخص مجبور ہے کہ جس معاملہ پر غور کرے اپنے نقطہ نظر کے ماتحت کرے۔ آپ یہ خیال نہ فرمائیے گا کہ جس

Marfat.com

مسئلہ کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے وہ محض نظری حیثیت رکھتا ہے۔ یہ ایک زندہ اور عملی سوال ہے جس سے بطور ایک دستور حیات اور نظام عمل کے اسلام کی ساری کائنات متاثر ہوسکتی ہے۔ صرف یہی ایک مسئلہ ہے جس کے صحیح حل پر اس امر کا دارومدار ہے کہ ہم لوگ آگے چل کر ہندوستان میں ایک ممتاز اور متمیز تہذیب کے حامل بن سکیں۔ اسلام پر ابتلاو آزمائش کا کبھی ایسا وقت نہیں آیا جیسا کہ آج درپیش ہے۔ ہر قوم کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے بنیادی اصولوں کی ترمیم وتاویل کرے یا ان کو ایک قلم منسوخ کردے۔ لیکن اس قسم کا قدم اٹھانے سے پہلے یہ دیکھ لینا ضروری ہے کہ اس کے نتائج وعواقب کیا ہوں گے۔ میں نہیں چاہتا کہ جس انداز سے میں نے اس مسئلہ پر نظر ڈالی ہے اس سے کسی شخص کو یہ غلط فہمی ہو کہ جن حضرات کو میرے خیالات سے اتفاق نہیں ہے، میں ان سے بیکار مناقشت کا دروازہ کھولنا چاہتا ہوں۔ یہ اجتماع مسلمانوں کا ہے جن کے متعلق مجھے یقین ہے کہ وہ اسلام کے مقاصد اور اسکی تعلیمات پر قائم رہنے کے دل سے آرزومند ہیں۔ میرا مقصد صرف اس قدر ہے کہ موجودہ حالت کے متعلق میں نے جو رائے قائم کی ہے اس کا آزادی کے ساتھ اظہار کروں۔ میرے نزدیک اس امر کی یہی ایک صورت ہے کہ میں آپ کی سیاسی راہوں کو اپنے عقائد کی روشنی میں منور کرسکوں۔

سوال یہ ہے کہ آج جو مسئلہ ہمارے پیش نظر ہے اس کی صحیح حیثیت کیا ہے؟ کیا واقعی مذہب ایک نجی معاملہ ہے اور آپ بھی یہی چاہتے ہیں کہ ایک اخلاقی اور سیاسی نصب العین کی حیثیت سے اسلام کا بھی وہی حشر ہو جو مغرب میں مسیحیت کا ہوا ہے؟ کیا یہ ممکن ہے کہ ہم اسلام کو بطور ایک اخلاقی تصور کے تو برقرار رکھیں لیکن اس کے نظام سیاست کی بجائے ان قومی نظم کو اختیار کرلیں جن میں مذہب کی مداخلت کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا۔ ہندوستان میں یہ سوال اور بھی اہمیت رکھتا ہے۔ کیونکہ باعتبار آبادی ہم لوگ اقلیت میں ہیں۔ یہ دعویٰ کہ مذہبی واردات محض انفرادی اور ذاتی واردات ہیں۔ اہل مغرب کی زبان سے تو تعجب خیز معلوم نہیں ہوتا کیوں کہ یورپ کے نزدیک مسیحیت کا تصور یہی تھا کہ وہ ایک مشرب رہبانیت ہے جس نے دنیائے مادیات سے منہ موڑ کر اپنی تمام تر توجہ عالم روحانیت پر جمالی ہے۔ اس قسم کے عقیدے سے لازماً وہی نتیجہ مترتب ہوسکتا تھا جس کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے لیکن آنحضرت ﷺ کے واردات مذہب کی حیثیت، جیسا کہ قرآن پاک میں ان کا اظہار ہوا ہے، اس سے قطعاً مختلف ہیں۔ یہ محض حیاتی نوع کی واردات نہیں ہیں جن کا تعلق صاحب واردات کے اندرون ذات سے ہو لیکن اسکے باہر اس کے گردوپیش کی معاشرت پر ان کا کوئی اثر نہ پڑے۔ برعکس اس کے یہ وہ انفرادی واردات ہیں جن سے بڑے بڑے اجتماعی نظم کی تخلیق ہوتی ہے اور جن کے اولین نتیجے سے ایک ایسے نظام سیاست کی تاسیس ہوئی جس کے اندر قانونی تصورات مضمر تھے اور جن کی اہمیت کو محض اسلئے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ ان کی بنیاد وحی والہام پر ہے۔ لہٰذا اسلام کا مذہبی نصب العین اس کے معاشرتی نظام سے، جو خود اسی کا پیدا کردہ ہے، الگ نہیں، دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہیں۔ اگر آپ نے ایک کو ترک کیا تو بالآخر دوسرے کا ترک بھی لازم آئے گا۔ میں نہیں سمجھتا کہ کوئی مسلمان ایک لمحے کے لئے بھی کسی ایسے نظام سیاست پر غور کیلئے آمادہ ہوگا جو کسی ایسے وطن یا قومی اصول پر مبنی ہے جو اسلام کے اصول اتحاد کے منافی ہو۔ یہ وہ مسئلہ ہے جو آج مسلمانان ہندوستان کے سامنے ہے۔ مشہور فرانسیسی عالم رینان کا قول ہے کہ انسان نہ نسل کی قید گوارا کرسکتا ہے، نہ مذہب

Marfat.com

کی، نہ دریاؤں کا بہاؤ اس کی راہ میں حائل ہوسکتا ہے، نہ پہاڑوں کی سمتیں اسکے دائرے کو محدود کرسکتی ہیں۔ اگر صحیح الدماغ انسانوں کا زبردست اجتماع موجود ہے اور ان کے دلوں میں جذبات کی گرمی ہے تو انہی کے اندر وہ اخلاقی شعور پیدا ہو جائے گا جسے ہم لفظ ''قوم'' سے تعبیر کرتے ہیں۔ مجھے اس قسم کی ترکیب واجتماع سے انکار نہیں اگر چہ یہ ایک نہایت ہی طویل اور صبر آزما عمل ہے۔ اسلئے کہ اسکا مطلب انسان کی زندگی کو عملاً ایک نئے سانچے میں ڈھالنا ہے اور اس کے جذبات واحساسات کی دنیا کو یکسر پلٹ دینا ہے۔ اگر اکبر کے دین الٰہی یا کبیر کی تعلیمات عوام میں مقبول ہو جاتیں تو ممکن تھا کہ ہندوستان میں بھی اس قسم کی ایک نئی قسم پیدا ہو جاتی لیکن تجربہ یہ بتلاتا ہے کہ ہندوستان کے مختلف مذاہب اور متعدد جاتیوں میں اس قسم کا کوئی رجحان نہیں کہ وہ اپنی انفرادی حیثیت کو ترک کر کے ایک وسیع جماعت کی صورت اختیار کرلیں۔ ہر گروہ اور ہر مجموعہ مضطرب ہے کہ اس کی ہیئت اجتماعیہ قائم رہے، لہٰذا اس قسم کا اخلاقی شعور جو رینان کے نزدیک کسی قسم کی تخلیق کے لئے ناگزیر ہے ایک ایسی عظیم قربانی کا طالب ہے جس کے لئے ہندوستان میں کوئی جماعت تیار نہیں۔ قومیت ہند کا اتحاد ان تمام جماعتوں کی نفی میں نہیں بلکہ ان کے تعاون واشتراک اور ہم آہنگی پر مبنی ہے۔ صحیح تدبر کا تقاضہ ہے کہ ہم حقائق کا خواہ وہ کیسے ہی ناخوشگوار کیوں نہ ہوں، اعتراف کریں۔ حصول مقصد کی عملی راہ یہ نہیں ہے کہ ایک ایسی حالت کو فرض کرلیا جائے جو واقعتاً موجود نہ ہو۔ ہمارا طریق کار یہ ہونا چاہئیے کہ ہم واقعات کی تکذیب کے بجائے ان سے جہاں تک ہو سکے فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں۔ میری رائے میں ہندوستان اور ایشیا کی قسمت صرف اس بات پر مبنی ہے کہ ہم قومیت ہند کا اتحاد اس اصول پر قائم کریں، اگر ہم ہندوستان کو چھوٹا سا ایشیا قرار دیں تو غیر مناسب نہ ہوگا۔ اہل ہند کا ایک حصہ اپنی تہذیب وتمدن کے اعتبار سے مشرقی اقوام کے مشابہ ہے لیکن اس کا دوسرا حصہ ان قوموں سے ملتا جلتا ہے جو مغربی اور وسطی ایشیا میں آباد ہیں۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر ہندوستان کے اندر اشتراک وتعاون کی کوئی موثر راہ نکل آئی تو اس سے نہ صرف اس قدیم ملک میں جو اپنے باشندوں کی کسی طبعی خرابی کی وجہ سے نہیں بلکہ محض اپنی جغرافیائی حیثیت کے باعث ایک عرصہ دراز سے مصائب وفتن کا تختۂ مشق بن رہا ہے، صلح وآشتی قائم ہو جائے گی۔ بلکہ اسکے ساتھ ہی تمام ایشیا کا سیاسی عقدہ بھی حل ہو جائے گا۔

بایں ہمہ یہ امر کس قدر افسوسناک ہے کہ اب تک ہم نے باہمی تعاون واشتراک کی جس قدر کوششیں کی ہیں، سب ناکام ہوئی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ہماری ناکامی کا باعث کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ شاید ہمیں ایک دوسرے کی نیتوں پر اعتماد نہیں اور باطناً ہم تغلب واقتدار کے خواہشمند ہیں، یا یہ ممکن ہے کہ ہم اتحاد وتعاون کے مقاصد عالیہ کے لئے اتنا ایثار بھی نہیں کرسکتے کہ اب تک جو اجارات ہمیں کسی نہ کسی طرح حاصل ہوئے ہیں، ان سے دستبردار ہو جائیں۔ ہم اپنی نفسانیت کو قومیت کے نقاب میں چھپاتے ہیں۔ اگر چہ ظاہری طور پر ہمیں ایک نہایت ہی روادارانہ حب الوطنی کا دعویٰ ہے لیکن دلوں میں ذات پات کی تنگی اور فرقہ آرائی کی ہوس بدستور کام کر رہی ہے۔ ہم لوگ اس اصول کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں کہ ہر جماعت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی تہذیب وتمدن کے نشوونما میں آزادی کے ساتھ قدم بڑھائے۔ لیکن ہماری ناکامی کے اسباب کچھ بھی ہوں، میرا دل اب بھی امید سے لبریز ہے۔ واقعات کا رجحان بہرکیف ہمارے داخلی اتحاد اور اندرونی ہم آہنگی ہی کی جانب نظر

Marfat.com

آتا ہے اور جہاں تک مسلمانوں کو تعلق ہے، مجھے یہ اعلان کرنے میں مطلق تامل نہیں کہ اگر فرقہ ورانہ امور کے ایک مستقل اور پائیدار تصفیہ کے اس بنیادی اصول کو تسلیم کرلیا جائے کہ مسلمانان ہندوستان کو اپنی روایات وتمدن کے ماتحت اس ملک میں آزادانہ نشو ونما کا حق حاصل ہے تو وہ اپنے وطن کی آزادی کے لئے بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہ کریں گے۔ یہ اصول کہ ہر فرد اور ہر جماعت اس امر کی مجاز ہے کہ اپنے عقائد کے مطابق آزادنہ ترقی کرے، کسی تنگ نظر فرقہ داری پر مبنی نہیں۔ فرقہ داری کی بھی بہت ہی سی صورتیں ہیں۔ وہ فرقہ واری جو دوسری قوموں سے نفرت اور ان کی بدخواہی کی تعلیم دے، اس کے ذلیل اور ادنیٰ ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ میں دوسری قوموں کے رسوم وقوانین اور ان کے معاشرتی اور مذہبی ادارت کی دل سے عزت کرتا ہوں، بلکہ بحیثیت مسلمان میرا یہ فرض ہے کہ اگر یہ ضرورت پیش آئے تو احکام قرآنی کے حسب اقتضاء، میں انکی عبادت گاہوں کی حفاظت کروں۔ بایں ہمہ مجھے اس جماعت سے دلی محبت ہے، جو میرے اوضاع واطوار اور میری زندگی کا سرچشمہ ہے اور جس نے اپنے دین اور اپنے ادب، اپنی حکمت اور اپنے تمدن سے بہرہ مند کر کے مجھے وہ کچھ عطا کیا ہے جس سے میری موجودہ زندگی کی تشکیل ہوئی۔ یہ اسی کی برکت ہے کہ میرے ماضی نے ازسرنو زندہ ہو کر مجھ میں یہ احساس پیدا کردیا کہ وہ اب بھی میری ذات میں سرگرم کار ہے۔ نہرو رپورٹ کے واعظین تک نے بھی فرقہ واری کے اس پہلو کا اعتراف کیا ہے۔ علیحدگی سندھ کے مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے انہوں نے لکھا ہے: یہ کہنا کہ قومیت کے وسیع نقطہ نگاہ کے ماتحت کسی فرقہ وارانہ صوبہ کا قیام مناسب نہیں، بالکل ایسا ہے جیسے یہ دعویٰ کہ بین الاقوامی نصب العین کا تقاضہ ہے کہ علیحدہ علیحدہ قوموں کا وجود قائم نہ رہے۔ ان دونوں بیانات میں ایک حد تک صداقت موجود ہے۔ لیکن بین الاقوامی نصب العین کے سرگرم سے سرگرم حامیوں کو بھی اس امر کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ قوموں کی پوری پوری آزادی کے بغیر کسی بین الاقوامی ریاست کا وجود قائم کرنا مشکل ہے۔ اسی طرح مکمل تمدنی آزادی کے بغیر (اور یاد رکھئے کہ اپنی ارفع واعلیٰ صورت میں فرقہ واری سوائے تمدن کے اور کچھ نہیں) ایک ہم آہنگ اور متوازن قوم کو پیدا کرنا ناممکن ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ ہندوستان میں ایک متوازن اور ہم آہنگ قوم کے نشو ونما کی طرح مختلف ملتوں کا وجود ناگزیر ہے۔ مغربی ممالک کی طرح ہندوستان کی یہ حالت نہیں کہ اس میں ایک ہی قوم آباد ہو، وہ ایک ہی نسل سے تعلق رکھتی ہو اور اس کی زبان بھی ایک ہو۔ ہندوستان مختلف اقوام کا وطن ہے جن کی نسل، زبان، مذہب سب ایک دوسرے سے الگ ہے۔ ان کے اعمال وافعال میں وہ احساس پیدا ہی نہیں ہوسکتا جو ایک ہی نسل کے مختلف افراد میں موجود رہتا ہے۔ غور سے دیکھا جائے تو ہندو بھی کوئی واحد الجنس قوم نہیں۔ پس یہ امر کسی طرح مناسب نہیں کہ مختلف ملتوں کے وجود کا خیال کئے بغیر ہندوستان میں مغربی طرز کی جمہوریت کا نفاذ کیا جائے۔ لہٰذا مسلمانوں کا مطالبہ کہ ہندوستان میں ایک اسلامی ہندوستان قائم کیا جائے بالکل حق بجانب ہے۔ میری رائے میں آل پارٹیز مسلم کانفرنس کی قراردادوں سے اسی بلند نصب العین کا اظہار ہوتا ہے۔ جس کا تقاضہ ہے کہ مختلف ملتوں کے وجود کو فنا کئے بغیر ان سے ایک متوافق اور ہم آہنگ قوم تیار کی جائے، تاکہ وہ آسانی کے ساتھ اپنے ان ممکنات کو جو ان کے اندر مضمر ہیں، عمل میں لاسکیں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ اجتماع ان تمام مطالبات کی جو اس قرارداد میں موجود ہیں، نہایت شد ومد سے تائید کرے گا۔ ذاتی طور پر تو میں ان مطالبات سے بھی ایک قدم آگے بڑھنا چاہتا ہوں۔

Marfat.com

میری خواہش یہ ہے کہ پنجاب، صوبہ سرحد، سندھ اور بلوچستان کو ایک ہی ریاست میں ملا دیا جائے۔ خواہ یہ ریاست سلطنت برطانیہ کے اندر حکومت خود اختیاری حاصل کرے خواہ اس کے باہر۔ مجھے تو ایسا نظر آتا کہ اور نہیں تو شمال مغربی ہندوستان کے مسلمانوں کو آخر ایک تنظیم اسلامی ریاست قائم کرنا پڑے گی۔ اس تجویز کو نہرو کمیٹی میں بھی پیش کیا گیا تھا۔ لیکن اراکین مجلس نے اسے اس بناء پر روک دیا کہ اس قسم کی کوئی ریاست قائم ہوئی تو اس کا رقبہ اتنا وسیع ہوگا کہ اس کا انتظام کرنا دشوار ہو جائے گا۔ بے شک اگر رقبہ کا لحاظ کیا جائے تو اراکین مجلس کا یہ خیال صحیح ہے۔ لیکن آبادی پر نظر کی جائے تو اس ریاست کے باشندوں کی تعداد اس وقت کے بعض ہندوستانی صوبوں سے بھی کم ہوگی۔ غالباً انبالہ یا اس قسم کے دوسرے اضلاع الگ کر دینے سے، جن میں ہندو آبادی کا غلبہ ہے، اس کی وسعت اور انتظامی مشکلات میں اور بھی کمی ہو جائے گی۔ پھر ان اضلاع کی علیحدگی سے غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق کہیں زیادہ محفوظ ہو جائیں گے۔ اس تجویز کو سن کر نہ انگریزوں کو پریشان ہونا چاہیئے، نہ ہندوؤں کو۔ ہندوستان دنیا میں سب سے بڑا اسلامی ملک ہے اور اگر ہم چاہتے ہیں کہ اس ملک میں اسلام بحیثیت ایک تمدنی قوت کے زندہ رہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایک مخصوص علاقے میں اپنی مرکزیت قائم کر سکے۔ ہندوستانی مسلمانوں کے اس زندہ اور جانب دار طبقے کی بدولت جس نے دولت برطانیہ کی نا انصافیوں کے باوجود فوج اور پولیس میں شریک ہو کر انگریزوں کو اس قابل بنایا ہے کہ وہ اس ملک پر اپنی حکومت قائم رکھیں، ہندوستان کا مسئلہ حل ہو جائے گا بلکہ اس سے خود مسلمانوں کے احساسات ذمہ داری قومی ہو جائیں گے۔ ان کا جذبہ حب الوطنی بڑھ جائے گا۔ اگر شمال مغربی ہندوستان کے مسلمانوں کو اس امر کا موقع دیا گیا کہ وہ ہندوستان کے جسد سیاسی کے اندر رہ کر اپنے نشو و ارتقاء میں آزادانہ قدم بڑھا سکیں تو وہ تمام بیرونی حملوں کے خلاف خواہ وہ حملہ بزور قوت ہو یا بزور خیالات ہندوستان کے بہترین محافظ ثابت ہو سکیں گے۔ پنجاب میں مسلمانوں کی آبادی ۵۶ فیصدی ہے لیکن ہندستان کی پوری فوج میں ۵۴ فیصدی ہیں۔ اور اگر عساکر ہند کی کل تعداد میں سے ان ۱۹ ہزار گورکھوں کو جو نیپال کی آزاد ریاست سے بھرتی کئے جاتے ہیں، نکال دیا جائے تو مسلمانوں کی کل تعداد ۶۱ فیصد ہو جائے گی حالانکہ اس اندازے میں وہ ۶ ہزار جنگجو شامل نہیں جو بلوچستان اور صوبہ سرحد سے بھرتی کئے جاتے ہیں۔ اس سے آپ ان تمام صلاحیتوں کا بہ آسانی اندازہ کر سکیں گے جو شمال مغربی سرحد کی مسلم آبادی میں موجود ہیں، اور جن کی بدولت وہ تمام ہندوستان کو غیر ملکی چیرہ دستیوں سے محفوظ و مامون رکھ سکتی ہیں۔ رائٹ آنریبل مسٹر سری نواس شاستری کا خیال ہے کہ مسلمانوں کا مطالبہ کہ شمال مغربی سرحد کے ساتھ ساتھ خود مختار اسلامی ریاستیں قائم کی جائیں، ان کی اس خواہش کا اظہار کرتا ہے کہ اگر ضرورت پیش آئے تو حکومت ہند پر زور ڈالا جا سکے۔ میں یہ عرض کروں گا کہ مسلمانان ہندوستان کے دل میں اس قسم کا کوئی جذبہ موجود نہیں۔ ان کا مدعا صرف اس قدر ہے کہ وہ اپنی ترقی کی راہ میں آزادی کے ساتھ قدم بڑھائیں۔ لیکن یہ اس مرکزی حکومت کے ماتحت ممکن نہ ہوگا جسے قسم پسند ہندو ارباب سیاست محض اسلئے قائم کرنا چاہتے ہیں کہ ان کو دوسری ملتوں پر ہمیشہ کیلئے غلبہ ہو جائے۔ بہرحال ہندوؤں کے دل میں اس قسم کا خدشہ نہیں ہونا چاہیئے کہ آزاد اسلامی ریاستوں کے قیام سے ایک طرح کی مذہبی حکومت قائم ہو جائے گی۔ میں ابھی عرض کر چکا ہوں کہ اسلام میں مذہب کا مفہوم کیا ہے؟ یاد رکھنا چاہیئے کہ اسلام کوئی کلیسیائی نظام نہیں

Marfat.com

بلکہ ایک ریاست ہے جس کا اظہار وسوسے بھی کہیں پیشتر ایک ایسے وجود میں ہوا جو عقد اجتماعی کا پابند ہے۔ ریاست اسلامی کا انحصار ایک اخلاقی نصب العین پر ہے جس کا عقیدہ ہے کہ انسان شجر و حجر کی طرح کسی خاص زمین سے وابستہ نہیں بلکہ وہ ایک روحانی ہستی ہے جو ایک اجتماعی ترکیب میں حصہ لیتا ہے اور اس کے ایک زندہ جزو کی حیثیت سے چند فرائض اور حقوق کا مالک ہے۔ اسلامی ریاست کی نوعیت کا اندازہ ''ٹائمز آف انڈیا'' کے اس افتتاحیہ سے کیا جاسکتا ہے جس میں لکھا ہے کہ قدیم ہندوستان میں ریاست کا یہ فرض تھا کہ سود کے متعلق قوانین بنائے۔ لیکن باوجود اس کے کہ اسلام میں سود لینا حرام ہے، اسلامی حکومت نے شرح سود پر کوئی پابندیاں عائد نہیں کیں۔ میں صرف ہندوستان اور اسلام کے فلاح و بہبود کے خیال سے ایک منظم اسلامی ریاست کا مطالبہ کر رہا ہوں۔ اس سے ہندوستان کے اندر توازن قوت کی بدولت امن و امان قائم ہو جائے گا اور اسلام کو اس امر کا موقع ملے گا کہ وہ ان اثرات سے آزاد ہو کر جو عربی شہنشاہیت کی وجہ سے اب تک اس پر قائم ہیں، اس جمود کو توڑ ڈالے جو اس کی تہذیب و تمدن، شہرت اور تعلیم پر صدیوں سے طاری ہے۔ اس سے نہ سرف ان کے صحیح معنی کی تجدید ہو سکے گی بلکہ وہ زمانہ حال کی روح سے بھی قریب تر ہو جائیں گے۔

میرے خیال میں اب یہ حقیقت اچھی طرح سے واضح ہوگئی ہے کہ ہندوستان کے لسانی اور عقائد و معاشرت کے بے شمار اختلافات کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک مستقل حکومت قائم کرنے کی یہی صورت ہے کہ یہاں ایسی آزاد ریاستیں قائم کر دی جائیں جو زبان نسل، تاریخ، مذہب اور اقتصادی مفاد کے اشتراک پر مبنی ہوں۔ ''سائمن رپورٹ'' کے اندر فیڈریشن کا جو تصور قائم کیا گیا ہے کہ اس کے ماتحت بھی ضروری ہے کہ مرکزی مجلس وضع قوانین کا انتخاب عوام سے عمل میں نہ آئے، بلکہ وہ فیڈرل ریاستوں کے نمائندوں پر مشتمل ہو۔ سائمن رپورٹ کی رو سے تقریباً انہی اصولوں کی بناء پر جن کا اظہار میں نے کیا ہے، صوبوں کی تقسیم بھی از سر نو ہونی چاہیے۔ میں ان دونوں تجویزوں کی دل سے تائید کرتا ہوں بلکہ اسکے ساتھ ہی بھی عرض کروں گا کہ صوبوں کی جدید تقسیم سے پیشتر دو شرطوں کا پورا ہو جانا ضروری ہے۔ اولاً یہ تقسیم نئے دستور کے اجراء سے پہلے مکمل ہو جانی چاہیے۔ ثانیاً اس کی نوعیت ایسی ہو کہ اس سے فرقہ ورانہ مسائل ہمیشہ کے لئے طے ہو جائیں۔ اگر صوبوں کی تقسیم کسی صحیح اصول کی بناء پر ہوگی تو اس سے مخلوط اور جداگانہ انتخابات کا مسئلہ ہمیشہ کے لئے حل ہو جائے گا' میری رائے میں اس سارے جھگڑے کی بناء صوبوں کی موجودہ تقسیم ہے۔ ہندوؤں کا یہ خیال ہے کہ جداگانہ انتخابات کا اصول قومیت کے منافی ہے۔ انکے نزدیک لفظ ''قومیت'' کا مفہوم صرف اس قدر ہے کہ ہندوستان کے تمام باشندے باہم اس طرح خلط ملط ہو جائیں کہ ان کے اندر کسی مخصوص ملت کا انفرادی وجود باقی نہ رہے۔ لیکن ہندوستان کی حالت یہ نہیں، نہ ہم اس کے آرزومند ہیں۔ ہندوستان میں مختلف اقوام اور مختلف مذاہب موجود ہیں۔ اس کے ساتھ ہی اگر مسلمانوں کی معاشی پستی ان کی بے حد مقروضیت (بالخصوص پنجاب میں) اور بعض صوبوں میں ان کی ناکافی اکثریتوں کا خیال کر لیا جائے تو آپ کو سمجھ میں آجائے گا کہ مسلمان جداگانہ انتخاب کیلئے کیوں مضطرب ہیں۔ ہندوستان ایسے ملک اور خاص طور پر ان حالات میں جو اس کے یہاں ہیں، اس امر کی توقع رکھنا کہ علاقہ وارانہ انتخابات سے ہر ملت کے مفاد کی پوری پوری نمائندگی ہو سکے گی، ناممکن ہے سوائے اس کے کہ تمام اقلیتوں پر ہندوؤں کا

Marfat.com

تغلب قائم ہوجائے۔صوبے کے اندر قریباً ایک ہی طرح کی ملتیں بستی ہوں اور ان کی نسل، ان کی زبان، ان کا مذہب اور ان کی تہذیب وتمدن ایک ہوتو مسلمانوں کو مخلوط انتخابات پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔

لیکن جہاں تک مرکزی فیڈرل ریاست کے اختیارات کا تعلق ہے، ہندو اور انگریز پنڈتوں نے جو دستور حکومت تیار کیا ہے اس سے اس باریک اختلاف کا پتہ چل جاتا ہے جو ان دونوں کے مقاصد میں ہے۔ہندوستان کے پنڈتوں کو یہ منظور نہیں کہ مرکزی حکومت کے موجودہ اختیارات میں سرموئے فرق آئے۔ان کا مطالبہ صرف اس قدر ہے کہ ان اختیارات کو مرکزی مجلس وضع قوانین کی رضامندی پر چھوڑ دیا جائے جس میں اس وقت بھی انہی کی کثرت ہے اور جب اراکین کی نامزدگی کا طریق کار ختم ہوتو یہ کثرت اور بھی زیادہ ہوجائے گی۔اس کے برعکس انگلستان کے پنڈتوں نے یہ محسوس کرتے ہوئے کہ اگر مرکزی حکومت میں اصول جمہوریت کا اطلاق ہوگیا تو اس کا نتیجہ ان کے مفاد کے خلاف ہوگا کیونکہ مزید اختیارات مل جانے پر تمام قوت ان کے ہاتھ سے نکل جائے گی۔ یہ طے کیا گیا ہے کہ وہ اپنے اصول جمہوریت کا تجربہ صوبوں میں کریں۔اس میں کوئی شک نہیں کہ انہوں نے فیڈریشن کے اصول پر عمل کرنے کا خیال ظاہر کیا ہے بلکہ اس کے متعلق کچھ تجاویز بھی شامل کردی ہیں۔ لیکن انہوں نے اس اصول پر جس پہلو سے غور کیا ہے وہ اس سے بالکل مختلف ہے۔جو مسلمانان ہند کے پیش نظر ہے۔مسلمانوں نے فیڈریشن کا مطالبہ محض اس لئے کیا ہے کہ فرقہ وارانہ مسئلے کے تصفیے کی صرف یہی ایک صورت ہے، برخلاف اس کے شاہی کمیشن کے ارکان کے ذہن میں فیڈریشن کا جو تصور ہے وہ اصولی طور سے کسی قدر بھی درست اور محکم کیوں نہ ہو اسے فیڈرل ریاستوں میں کسی خود اختیاری حکومت کا قائم ہونا مشکل ہے۔انکی غرض صرف اس قدر ہے کہ اصول جمہوریت کے نفوذ سے ہندوستان میں جو صورت حالات پیدا ہوگئی ہے اس سے کوئی راہ فرار نکل آئے۔فرقہ وارانہ مسئلے پر انہوں نے کوئی غور نہیں کیا بلکہ اسے ویسے ہی چھوڑ دیا ہے۔

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جہاں تک حقیقی فیڈریشن کا تعلق ہے، سائمن رپورٹ کی تجاویز نے اس کی پوری پوری نفی کردی ہے۔نہرو رپورٹ نے محض اس امر کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ مرکزی مجلس وضع قوانین میں ہندوؤں کی اکثریت ہے، وحدانی نظام کی سفارش کی کیونکہ اس سے تمام ہندوستان پر بآسانی ہندوؤں کا تغلب قائم ہوجاتا ہے۔سائمن رپورٹ میں محض ایک لفظی فیڈریشن کی سکیم پیش کی گئی ہے جس کی تہہ میں برطانیہ کا اقتدار بدستور قائم رہے گا۔اس کی وجہ کچھ تو یہ ہے کہ انگریز طبعاً اس اقتدار سے دستبردار ہونا پسند نہیں کرتے جو اب تک انہیں حاصل ہورہا ہے اور کچھ یہ کہ اگر فرقہ وارانہ مسئلہ کا تصفیہ نہ ہوسکتا تو ان کو ہندوستان پر مستقلاً اپنا قبضہ رکھنے کے لئے ایک اچھا عذر مل جائے گا۔میں تو اس امر کا تصور بھی نہیں کرسکتا کہ ہندوستان میں وحدانی حکومت قائم ہو۔جن اختیارات کو فاضل کہا جاتا ہے وہ صرف آزاد ریاستوں کو ملنے چاہئیں۔مرکزی فیڈرل ریاست کے ذمے صرف ایسے اختیارات رہنے چاہئیں جو تمام فیڈرل ریاستیں بطیب خاطر اس کے سپرد کردیں۔میں مسلمانان ہندوستان کو کبھی یہ رائے نہ دوں گا کہ وہ کسی ایسے نظام حکومت سے خواہ وہ برطانوی ہو یا ہندی، اظہار اتفاق کرے جو حقیقی فیڈریشن کے اصول پر مبنی نہ ہو یا جس میں ان کے جداگانہ سیاسی وجود کو تسلیم نہ کیا جائے۔

Marfat.com

پیشتر اس کے کہ انگریز مرکزی حکومت میں اساسی تبدیلی کے لئے کوئی موثر ذریعہ اختیار کرتے، اس امر کو محسوس کرلیا گیا تھا کہ اس میں تبدیلی کی ضرورت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آخرالامر راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں والیان ریاست کی ضرورت کو بھی ضروری قرار دیا گیا۔ اس سے باشندگان ہندوستان اور بالخصوص اقلیتوں کو بجا طور پر تعجب ہوا کہ والیان ریاست نے کس قدر تیزی کے ساتھ اپنی رائے بدل لی اور ہندوستان کے فیڈریشن میں شامل ہونے کے لئے تیار ہو گئے۔ اس کے ساتھ ہی ہندو مندوبین نے جواب تک وحدانی حکومت کے طرف دار چلے آتے تھے، بغیر کسی تکلیف کے فیڈریشن کے اصول سے اتفاق کرلیا۔ ابھی تھوڑے ہی دن ہوئے جب شاستری صاحب نے سائمن سرجان کی فیڈریشن والی اسکیم پر نہایت سختی سے نکتہ چینی کی تھی، لیکن دفعتاً وہ بھی فیڈریشن پر رضامند ہو گئے اور اپنی رضامندی کا اظہار کانفرنس کے ابتدائی اجلاس ہی میں کردیا۔ اس سے وزیراعظم انگلستان کو موقع ملا کہ وہ اپنی آخری تقریر میں چند نہایت ہی برجستہ اشارات کہہ سکے۔ یہ سب کچھ خالی از علت نہیں۔ انگریزوں نے والیان ریاست کو فیڈریشن میں شریک ہونے کی دعوت دی اور ہندو چپ چاپ اس پر رضامند ہو گئے۔ حقیقت یہ ہے کہ والیان ریاست کی شرکت سے جن میں مسلمانوں کی تعداد نہایت کم ہے، وہ مقصد حاصل ہوتے ہیں، ایک طرف وہ ہندوستان برطانوی اقتدار کے تسلسل میں مدد دیں گے، دوسری طرف ہندوؤں میں فیڈرل اسمبلی میں ان کی بدولت ہندوؤں کو اکثریت حاصل ہو جائے گی۔ میرا خیال ہے کہ مرکزی حکومت کی شکل کی متعلق ہندوؤں اور مسلمانوں میں جو اختلاف موجود ہے، انگریز مدبرین والیان ریاست کے ذریعے نہایت چالاکی کے ساتھ اس سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ خود والیان ریاست بھی یہی محسوس کرتے ہیں کہ اس اسکیم کے ماتحت ان کی مستبدانہ حکومت اور بھی زیادہ مضبوط ہو جائے گی۔ اگر مسلمانوں نے اس اسکیم کو خاموشی کے ساتھ منظور کرلیا تو ان کا سیاسی وجود تھوڑے ہی عرصہ میں کالعدم ہو جائے گا کیونکہ اس قسم کی فیڈریشن میں ہندو والیان ریاست کی اکثریت ہوگی اور وہی حکومت کے سیاہ وسفید کے مالک ہوں گے۔ اگر دولت برطانیہ کے مفاد کا سوال درپیش ہوا تو وہ حکومت انگلستان کا ساتھ دیں گے۔ جہاں تک ملک کے اندرونی نظم ونسق کا تعلق ہے وہ ہندوؤں کا تسلط اور اقتدار قائم رکھیں گے۔ بالفاظ دیگر یہ سکیم برطانوی حکومت اور ہندوستان کے درمیان ایک قسم کی مفاہمت ہے یعنی اگر تم میرا اقتدار ہندوستان میں قائم رکھو تو میں تمہیں ایک ایسی حکومت قائم کرنے میں مدد دوں گا جس میں تمہارا (ہندوؤں کا) غلبہ ہوگا۔ لہٰذا اگر برطانوی ہندوستان کے تمام صوبوں نے حقیقتاً خودمختار ریاستوں کی صورت اختیار نہ کی تو فیڈریشن میں والیان ریاست کی شرکت کا مطلب صرف اس قدر ہو سکتا ہے کہ انگریز مدبرین اپنے اختیارات سے دستبردار ہوئے بغیر نہایت چالاکی کے ساتھ تمام جماعتوں کو خوش کردینا چاہتے ہیں۔ ہندوستان میں ہندو ریاستوں کی تعداد اسلامی ریاستوں سے کہیں زیادہ ہے۔ لہٰذا یہ دیکھنا باقی ہے کہ مسلمانوں کا یہ مطالبہ کہ انہیں مرکزی فیڈرل اسمبلی میں ۳۳ فیصدی نشستیں حاصل ہوں۔ اسی ایک ایوان یا ایوانوں میں کیوں کر پورا کیا جائے گا جو دیسی ریاستوں اور برطانوی ہندوستان دونوں کے نمائندوں پر مشتمل ہوں گے۔ میں سمجھتا ہوں کہ مسلمان مندوبین فیڈرل حکومت کے اس مفہوم کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں اس پر غور وخوض ہو رہا ہے، ابھی آل انڈیا فیڈریشن میں مسلمانوں کی نیابت کا مسئلہ پیش نہیں آیا، البتہ رائٹر سے مختصراً یہ اطلاع موصول ہوئی ہے۔ اس وقت جو

Marfat.com

رپورٹ پیش ہوئی ہے اس میں دو ایوانوں کی سفارش کی گئی ہے جن میں برطانوی ہند اور دیسی ریاستوں کے نمائندے شریک ہوں گے۔ لیکن ان کی تعداد کے مسئلے پر اس وقت بحث ہوگی جب کمیٹی ان عنوانات پر غور کرے گی جن کو ابھی سب کمیٹی کے ذمے نہیں کیا گیا۔ میری رائے میں تناسب کا سوال نہایت اہم ہے اور بہتر ہوتا ہے کہ اسمبلی کی ہیئت ترکیبی کے ساتھ اس پر بھی بحث ہو جاتی۔ میرے نزدیک سب بہتر صورت یہ تھی کہ ابتداء میں فیڈریشن صرف برطانوی علاقے تک محدود ہوتی۔ کسی ایسی فیڈرل اسکیم سے بھی جو استبداد اور جمہوریت کے ناپاک اتحاد پر مبنی ہو، سوائے اس کے اور کوئی نتیجہ مرتب نہیں ہوسکتا کہ برطانوی ہندوستان بدستور وحدانی حکومت کا تختہ مشق بنا رہے۔ یہ وحدانی حکومت انگریزوں کے لئے مفید ہو اور والیان ریاست اور اکثریت کے لئے بھی۔ لیکن اس سے مسلمانوں کے لئے فائدے کی کوئی توقع رکھنا بے سود ہے جب تک کہ انہیں ہندوستان کے گیارہ صوبوں میں سے پانچ میں پورے پورے ''فاضل'' اختیارات کے اکثریت والے حقوق حاصل نہ ہو جائیں اور مرکزی فیڈرل اسمبلی کی کل تعداد میں انہیں ۳۳ فیصد نشستیں نہ ملیں۔ جہاں تک کہ برطانوی ہند کے صوبوں کے لئے حاکمانہ اختیارات کا تعلق ہے، ہز ہائی نیس نواب بھوپال سر اکبر حیدری اور مسٹر جناح کا رویہ سراسر حق بجانب ہے۔

چونکہ اب والیان ریاست بھی فیڈریشن میں شریک ہو رہے ہیں۔ لہٰذا مرکزی مجلس کے متعلق ہمیں اپنے مطالبے کوئی شکل میں پیش کرنا چاہیئے۔ اب یہ مسئلہ محض برطانوی ہند کی اسمبلی میں تناسب کا نہیں رہا بلکہ اب سوال آل انڈیا فیڈریشن میں مسلمانوں کی نمائندگی کا ہے۔ ہمارا مطالبہ یہ ہونا چاہیئے کہ ان اسلامی ریاستوں کے علاوہ جو ریاستیں فیڈریشن میں شامل ہوں، ہمیں تمام فیڈریشن میں ایک تہائی نشستیں حاصل ہوں۔

ہندوستان میں فیڈرل حکومت قائم کرنے میں ایک بڑی دقت دفاع اور حفاظت کی ہے۔ شاہی کمیشن کے ارکان نے اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے تمام نقائص کو پیش نظر رکھ لیا ہے تاکہ جنگی نظم ونسق کی باگ ہمیشہ دولت برطانیہ کے ہاتھ میں رہے۔ انہوں نے لکھا ہے: ہندوستان اور برطانیہ کا تعلق کچھ ایسا ہے کہ ہندوستان کے مسئلہ دفاع کو مستقبل قریب میں محض ہندوستانی مسئلہ تصور کیا جاسکتا ہے۔ دفاعی عساکر کا نظام ونسق ہمیشہ نائبین سلطنت کے ہاتھوں میں رہنا چاہیئے۔

کیا اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا چاہیئے کہ جب تک برطانوی افواج اور برطانوی افسروں کی مدد کے بغیر ہندوستانی اپنی سرحدوں کی حفاظت کے قابل نہ ہو جائیں، برطانوی ہندوستان میں ذمہ دارانہ حکومت قائم نہیں ہوسکتی!

موجودہ حالت میں اس امر سے انکار کرنا مشکل ہے کہ واقعی ہندوستان کی آئینی ترقی کی راہ میں ایک رکاوٹ ہے۔ اگر نہرو رپورٹ کے اس حصہ کو تسلیم کر لیا جائے کہ جب کبھی ہندوستان کو مزید اختیارات حاصل ہوں، ان کا مطلب یہ بھی ہوگا کہ فوجوں کا نظم ونسق، ہندوستان کی منتخب مجلس وضع قوانین کے ماتحت ہو، تو وہ تمام امیدیں جو اس امر سے وابستہ ہیں کہ مرکزی حکومت بتدریج اس منزل کی طرف بڑھے جس کا اعلان ۲۰ اگست ۱۹۱۷ء میں ہوا تھا، معرض خطر میں آجائے گی۔ اپنے بیان کی مزید تائید کے لئے ارکان کمیشن نے آگے چل کر اس پر خاص زور دیا ہے کہ ہندوستان میں مختلف مذاہب اور مختلف نسلوں کے درمیان جن کی صلاحیتیں اور قوتیں ایک دوسرے سے بالکل جداگانہ ہیں، ایک تصادم رونما ہے۔ پھر یہ کہہ کر اس مسئلے کو اور بھی

Marfat.com

زیادہ پیچیدہ بنانے کی کوشش کی ہے کہ: یہ حقیقت کہ ہمارے عام اور مروجہ الفاظ میں ہندوستانی ایک قوم نہیں ہیں اور بھی عیاں ہو جاتی ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہندوستان کی جنگجو قوموں اور دوسری نسلوں میں کس قدر فرق موجود ہے۔

اس مسئلے کے ان پہلوؤں پر زور دینے کا مقصد یہ ہے کہ انگریز صرف بیرونی حملوں ہی سے ہندوستان کی حفاظت نہیں کر رہے ہیں بلکہ وہ اس کے اندرونی امن وسکون کے بھی ''غیر جانبدار محافظ'' ہیں۔ بہر حال فیڈریشن میں جیسا کہ میں اسکا مطلب سمجھتا ہوں، اس مسئلے کا صرف ایک پہلو باقی رہ جائے گا یعنی ہندوستان کا خارجی تحفظ۔ صوبہ جاتی عساکر کے علاوہ جو ہندوستان کے اندرونی امن وسکون کے لئے ناگزیر ہیں، ہندوستان کی فیڈرل کانگریس صوبہ سرحد میں ایک طاقتور سرحدی لشکر متعین کر سکتی ہے جس میں ہر صوبے کے سپاہی شامل ہوں گے اور جن کی قیادت ہر ملت کے آزمودہ کار افسروں کے ہاتھ میں ہوگی۔ مجھے اس امر کا بخوبی احساس ہے کہ ہندوستان میں قابل فوجی افسر موجود نہیں۔ یہی چیز ہے جس سے فائدہ اٹھا کر اراکین کمیشن یہ کہتے ہیں کہ افواج کا نظم ونسق دولت برطانیہ کے ہاتھوں میں ہونا چاہیئے۔ لیکن اسکے متعلق ان ہی کی رپورٹ سے ایک اقتباس پیش کروں گا جس سے خود ان کا اندازہ قابل اعتراض نظر آتا ہے۔

اس وقت کوئی ہندوستانی جسے ملک معظم کی طرف سے کمیشن ملا ہو، اونچے عہدے پر فائز نہیں۔ ہندوستانی کپتانوں کی کل تعداد ۲۵ سے معمولی رجمنٹوں میں کام کرتے ہیں، ان میں سے بعض کی عمر اس قدر زیادہ ہے کہ اگر وہ ضروری امتحانات میں کامیاب ہو جائیں تب بھی انہیں اس سے اونچا عہدہ حاصل نہیں ہو سکے گا۔ ان کا اکثر حصہ سینڈ ہرسٹ کو نہیں گیا بلکہ انہیں جنگ عظیم میں کمیشن ملا تھا۔ اب یہ خواہش کہ صورت حالات میں تغیر پیدا کیا جائے، کس قدر سچی کیوں نہ ہو اور اس کے لئے کیسی مخلصانہ کوشش کیوں نہ کی جائے وہ شرائط جن کو اسکین کمیٹی (جس کے صدر اور فوجی سیکریٹری کے علاوہ تمام اراکین ہندوستانی تھے) نے نہایت موثر طریق پر ان الفاظ میں جمع کر دیا ہے: ''ترقی اس پر منحصر نہیں کہ ہر مرحلے پر کامیابی حاصل ہو اور جنگی قابلیت بدستور قائم رہے، ظاہر ہے کہ اس سے ترقی کی رفتار لازماً سست رہے گی۔ موجودہ ہندوستانی افسر معمولی عہدوں پر کام کرتے ہیں اور ان کا تجربہ محدود ہے۔ لہٰذا یہ ممکن نہیں کہ وہ قلیل عرصہ کے اندر اعلیٰ مراتب حاصل کر لیں۔ جب تک ہندوستانی امیدواروں کی قلیل جماعت میں اضافہ نہ ہو جائے اور ہم اس اضافے کے دل سے خواہش مند ہیں، جب تک ہندوستانیوں کی ایک کافی تعداد اس قدر تجربہ اور مہارت حاصل نہ کر لے کہ جس سے سب نہیں تو کم از کم کچھ رجمنٹوں کے تمام افسر ہندوستانی ہوں، جب تک یہ رجمنٹس عملاً اس آزمائش میں کامیاب نہ ہو جائیں جو ان کی قابلیت کا اندازہ کرنے کا ایک ہی ذریعہ ہے، اس وقت تک یہ ممکن نہ ہوگا کہ فوج کا نظم ونسق ہندوستانیوں کے سپرد کر دیا جائے اور یہ عمل اس حد تک پہنچ جائے کہ ساری فوج کلیتاً ہندوستانی ہو جائے۔ اس حالت میں بھی اس کام کی تکمیل کے لئے طویل عرصہ کی ضرورت ہوگی۔''

اب یہ اعتراض کرنے کی کوشش کروں گا کہ اس صورت حالات کا ذمہ دار کون ہے؟ اس کی وجہ ہماری جنگجو قوموں کی فطری خرابی ہے یا فوجی تعلیم کی سست رفتاری؟ ہماری جنگجو قوموں کی صلاحیت مسلم ہے، البتہ یہ ممکن ہے کہ یہ نسبت تعلیم کے دوسرے شعبوں کی جنگی تعلیم کا عمل سست ہو۔ میں عسکریات کا ماہر نہیں لیکن عام آدمی کی حیثیت سے کہہ سکتا ہوں کہ اس دلیل کو

Marfat.com

جس انداز سے پیش کیا گیا ہے، اس کا یہ مطلب ہے کہ عمل ہمیشہ جاری رہے گا۔ گویا ہندوستان کی غلامی کبھی ختم نہ ہوگی۔ لہٰذا ضروری ہے کہ نہرو رپورٹ کی تجویز کے مطابق سرحدی افواج کا نظم ونسق ایک دفاعی کمیٹی کے ذمے کر دیا جائے اور سکے ارکان کا فیصلہ باہمی تصفیہ سے ہو۔

ایک عجیب بات یہ ہے کہ سائمن رپورٹ میں ہندوستان کی بری سرحدوں کو تو غیر معمولی اہمیت دی گئی ہے لیکن اس کے بحری تحفظ کے متعلق صرف سرسری اشارت کئے گئے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہندوستان پر ہمیشہ خشکی کے راستے سے حملے ہوتے رہے ہیں لیکن یہ امر بھی مسلم ہے کہ ہندوستان کے موجودہ حاکم اس کے غیر محفوظ سواحل کی وجہ سے اس پر قابض ہوئے تھے۔ ایک آزاد اور خود مختار ہندوستان کے لئے از بس ضروری ہے کہ وہ خشکی کی بجائے اپنی بحری سرحدوں کی زیادہ حفاظت کرے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر فیڈرل ریاست مقرر ہوگئی تو مسلم فیڈرل ریاستیں ہندوستان کے تحفظ کے خاطر ایک غیر جانبدار ہندوستانی فوج کے قیام کے لئے جو خشکی اور سمندر دونوں پر متعین ہو ہر قسم کی مدد دینے پر آمادہ ہوں گی۔ مغلوں کے زمانے میں اس قسم کے غیر جانبدار عساکر واقعتاً موجود تھے بلکہ اکبر کے زمانے میں تو ان تمام سرحدی افواج کے افسر ہندو ہی تھے۔ میں وثوق کے کہہ سکتا ہوں کہ اگر فیڈرل نظام حکومت میں ایک غیر جانبدارانہ ہندوستانی لشکر قائم ہوا تو اس سے مسلمانوں کے جذبات حب الوطنی اور زیادہ قوی ہو جائیں گے اور س بدگمانی کا ازالہ بھی ہو جائے گا کہ اگر باہر سے حملہ ہوا تو تو مسلمانان ہندوستان اپنے ہم مذہبوں کے ساتھ مل جائیں گے۔

میں نے مختصراً اس امر کی وضاحت کر دی ہے کہ ہندوستان کے دو آئینی مسئلوں کے متعلق ہم مسلمانوں کو کیا طرز عمل اختیار کرنا چاہیئے۔ ہمارا سب سے بڑا طرز عمل یہ ہے کہ فرقہ ورانہ مسائل کے مستقل تصفیہ کے لئے برطانوی ہندوستانی صوبوں کی تقسیم از سر نو ہو جائے۔ اگر مسلمانوں کا مطالبہ مسترد کر دیا جائے تو میں پھر نہایت شدومد کے ساتھ ان مطالبات کی تائید کروں گا جن کا اعلان آل انڈیا مسلم کانفرنس اور آل انڈیا مسلم لیگ میں بار بار کہا گیا ہے۔ مسلمانانِ ہندوستان کوئی ایسی آئینی تبدیلی قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوں گے جس کے ماتحت وہ بنگال اور پنجاب میں جداگانہ انتخابات کے ذریعے اپنی اکثریت حاصل نہ کر سکیں یا مرکزی مجلس میں انہیں ۳۳ فیصدی نشستیں نہ مل جائیں۔ اب تک مسلمانوں کے سیاسی رہنماؤں دو گڑھوں میں گر چکے ہیں۔ پہلا گڑھا لکھنو کا مسترد شدہ میثاق ہے جسے قومیت ہند کے غلط تصور پر مرتب کیا گیا تھا اور جس کے ماتحت مسلمان ان تمام مواقع سے محروم رہ جاتے ہیں کہ وہ اس ملک میں کوئی سیاسی طاقت پیدا کر سکیں۔ دوسرا گڑھا پنجاب کی نام نہاد دیہاتی آبادی کی خاطر اسلامی اتحاد واتفاق کی وہ عاقبت اندیشانہ قربانی ہے جس کا اظہار ایک ایسی تجویز میں ہوا جس سے پنجاب کے مسلمان اقلیت میں رہ جاتے ہیں۔ ایک کا فرض ہے کہ وہ میثاق اور تجویز دونوں کی مذمت کرے۔

سائمن رپورٹ نے مسلمانوں کے ساتھ ایک بہت بڑی ناانصافی کی ہے اور وہ یہ کہ انہوں نے بنگال اور پنجاب میں ان کے لئے آئینی اکثریت کی سفارش نہیں کی۔ اس کا مطالبہ یہ ہے کہ مسلمان یا تو میثاق لکھنؤ کے پابند رہیں یا مخلوق انتخابات کو تسلیم کر لیں۔ حکومت ہند نے سائمن رپورٹ کے متعلق جو یادداشت بھیجی ہے اس میں اس امر کا اعتراف کیا گیا ہے کہ رپورٹ

Marfat.com

کی اشاعت کے بعد مسلمانوں نے ان دونوں تجویزوں میں سے کسی کو بھی پسند نہیں کیا۔ یادداشت میں لکھا گیا ہے کہ محض یہ امر کہ انہیں دوسرے صوبوں میں ''پاسنگ'' حاصل ہے، اس نقصان کی تلافی نہیں کر سکتا۔ لیکن تعجب خیز بات یہ ہے کہ اس یادداشت میں بھی مسلمانوں کے ساتھ انصاف کرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ جہاں تک پنجاب کا تعلق ہے، حکومت ہند نے بھی اسی ''نہایت احتیاط سے تیار کی ہوئی متوازن اسکیم'' کی حمایت کی ہے جس کو پنجاب کونسل کے سرکاری ممبروں نے مرتب کیا تھا اور جس کے ماتحت مسلمانان پنجاب کو پوری مجلس میں صرف ۴۹ فیصدی نشستیں ملتی ہیں اور ہندو اور سکھ اراکین پر صرف ۲ کی اکثریت حاصل ہوتی ہے۔ ظاہر ہوتا ہے کہ پنجاب کی مثال بجائے خود اس قدر فیصلہ کن ہے کہ اس کے بعد کچھ کہنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ مسلمانان پنجاب کسی ایسی اسکیم کو تسلیم نہیں کر سکیں گے جس کی رو سے انہیں پوری مجلس میں قطعی اکثریت حاصل نہ ہو جائے۔ بہر حال لارڈ ارون اور ان کی حکومت کو اس امر سے اتفاق ہے کہ جب تک حق رائے دہندگی اس قدر وسیع نہ ہو جائے کہ ہر ملت کا تناسب آبادی واضح طور پر اس کے نمائندوں سے ظاہر ہو سکے اور جب تک تمام مسلمان بالاتفاق رائے جداگانہ نمائندگی کے حق سے دستبردار نہ ہو جائیں، ہندوستان کی اقلیتیں مجاز ہوں گی کہ فرقہ وارانہ انتخابات کو قائم رکھیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جب حکومت ہند کے نزدیک مسلمانوں کی شکایت بجا ہے تو اسے اتنی جرات کیوں نہیں ہوئی کہ وہ پنجاب اور بنگال میں مسلمانوں کے لئے آئینی اکثریت کی سفارش کرتی۔

مسلمانانِ ہند کو کسی ایسی تبدیلی سے بھی اتفاق نہیں ہوگا جس کے ماتحت سندھ کو ایک علیحدہ صوبہ نہ کر دیا جائے یا شمال مغربی سرحدی صوبے کا سیاسی درجہ وہی نہ ہو جائے جو ہندوستان کے دوسرے صوبوں کا ہے۔ سندھ اور بلوچستان کو ملا کر ایک نیا صوبہ قائم کر دینا چاہیئے۔ احاطہ بمبئی اور سندھ میں کوئی چیز بھی تو مشترک نہیں۔ ارکان کمیشن کو بھی اعتراف ہے کہ اہل سندھ کی زندگی اور ان کا تمدن عراق اور عرب سے مشابہ ہے، نہ کہ ہندوستان سے۔ مشہور اسلامی جغرافیہ دان مسعودی نے آج سے بہت پہلے عرب اور سندھ کی انہی باہمی مشابہت کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ مسعودی نے لکھا ہے ''سندھ وہ ملک ہے جو مملکت اسلامی سے قریب تر ہے''۔ سب سے پہلے اموی خلیفہ کا قول تھا کہ مصر کی پشت افریقہ کی جانب ہے اور منہ عرب کی جانب۔ مناسب ردوبدل کے ساتھ یہی کچھ سندھ کے متعلق بھی کہا جا سکتا ہے۔ سندھ کی پشت ہندوستان کی جانب ہے اور منہ وسط ایشیا کی جانب۔ علاوہ ازیں اگر سندھ کے ان زراعی مسائل جن سے حکومت بمبئی کو مطلق ہمدردی نہیں اور اسکے بے شمار تجارتی صلاحیتوں کا لحاظ رکھ لیا جائے، اسلئے کہ کراچی بڑھتے بڑھتے ایک روز لازماً ہندوستان کا دوسرا دارالسلطنت بن جائیگا، تو صاف نظر آتا ہے کہ اس کو احاطہ بمبئی سے ملحق رکھنا مصلحت اندیشی سے کس قدر دور ہے۔ بے شک اس وقت بمبئی کا رویہ دوستانہ ہے لیکن ممکن ہے کہ وہ کل ہی اس کا حریف بن جائے۔ کہا جاتا ہے کہ اس راہ میں کچھ مالی مشکلات حائل ہیں۔ ابھی تک اس کے متعلق کوئی مستند بیان میری نظر سے نہیں گزرا۔ لیکن فرض کر لیجیے کہ اس قسم کی مشکلات موجود ہیں، اسکے یہ معنی تو نہیں کہ حکومت ہند امید افزا صوبے کو اپنی آزاد ترقی کی جدوجہد میں عارضی طور پر مدد نہ دے۔ رہا شمال مغربی سرحدی صوبہ، سو یہ امر نہایت افسوسناک ہے کہ ارکان کمیشن نے عملاً اس امر سے انکار کر دیا ہے کہ اس صوبے کے باشندوں کو بھی اصلاحات کا حق حاصل ہے۔ ان کی سفارشات کمیٹی سے

Marfat.com

بھی کم ہیں اور وہ جس کونسل کی تجویز پیش کرتے ہیں وہ چیف کمشنر کی مطلق العنانی کے لئے محض ایک آڑ کا کام دے گی۔ افغانوں کا یہ پیدائشی حق کہ وہ سگریٹ روشن کر سکیں، محض اس لئے سلب کر لیا گیا ہے کہ وہ ایک بارود خانہ میں رہتے ہیں۔ ارکان کمیشن کی یہ دلیل کسی قدر بھی لطیف کیوں نہ ہو، اس سے کسی جماعت کا اطمینان نہیں ہو سکتا۔ سیاسی اصلاحات کی مثال روشنی کی سی ہے، نہ کہ آگ کی۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم تمام انسانوں کو یہ روشنی پہنچائیں، خواہ وہ خانہ بارود میں رہتے ہوں یا کوئلے کی کان میں۔ افغان ایک بہادر اور ذہین قوم ہے۔ وہ اپنے مقاصد کے لئے ہر قسم کی تکلیف برداشت کر سکتے ہیں۔ وہ ہر ایسی کوشش کی شدت سے مزاحمت کریں گے جوان کو آزادانہ ترقی کے حق سے روک دے۔ ان لوگوں کو مطمئن رکھنا ہندوستان اور انگلستان دونوں کے لئے مفید ہے۔ گذشتہ ایام میں اسی بدقسمت صوبے میں جو المناک واقعات پیش آ چکے ہیں، وہ محض اس امتیازی اور غیر ہمدردانہ سلوک کا نتیجہ ہیں جو ہندوستان میں اصول حکومت خود اختیاری کے نفاذ سے لے کر اب تک اس سے روا رکھا گیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ برطانوی مدبرین صحیح حالات کا اندازہ کرنے میں غلطی نہیں کریں گے اور وہ اپنے آپ کو اس فریب میں مبتلا نہیں رکھیں گے کہ اس صوبہ میں جو کچھ پیش آ رہا ہے، خارجی اثرات کا نتیجہ ہے۔

حکومت ہند نے اپنی یادداشت میں صوبہ سرحد کے لئے جن اصلاحات کی سفارش کی ہے، وہ ناکافی ہیں۔ بے شک ان کا دائرہ کمیشن کی سفارشات سے وسیع ہے، کیونکہ اس میں ایک طرح کی منتخب کونسل اور نیم منتخب کابینہ کی تجویز پیش کی گئی ہے، لیکن حکومت ہند نے بھی اس صوبے کو وہ سیاسی درجہ نہیں دیا جو دوسرے صوبوں کو حاصل ہے۔ حالانکہ افغان جبلتاً اس بات کے کہیں زیادہ اہل ہیں کہ ہندوستان کے دوسرے باشندوں کی نسبت جمہوری ادارت میں حصہ لیں۔

میرا خیال ہے کہ اب مجھے راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کے متعلق چند سرسری ارشارات کر دینے چاہئیں۔ ذاتی طور پر مجھے اس کانفرنس سے کوئی امید وابستہ نہیں، البتہ یہ ضرور تصور کیا جاتا ہے کہ فرقہ ورانہ رزم گاہ سے دور ایک بدلی ہوئی فضا میں لوگ کہیں زیادہ ہوش مندی سے کام لیں گے۔ لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کے واقعات سے اس کے بالکل برعکس ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ فرقہ ورانہ مسائل پر جو بحث لندن میں ہوئی ہے، اس سے مسلمانوں اور ہندوؤں کا تمدنی اختلاف اور بھی واضح ہو گیا ہے۔ بایں ہمہ وزیر اعظم انگلستان کو اس امر سے انکار ہے کہ ہندوستان میں مسئلہ بین الاقوامی ہے، قومی نہیں۔ انہوں نے کہا ہے "یہ ایک دشوار بات ہوگی کہ میری حکومت پارلیمنٹ کے سامنے جداگانہ انتخاب کی تجویز پیش کرے۔ اسلئے کہ مخلوط انتخابات انگریزی جذبات جمہوریت پسندی کے زیادہ قریب ہیں" انہوں نے اس امر پر غور نہیں کیا کہ ایک ایسے ملک میں جہاں متعدد قومیں آباد ہیں، برطانوی جمہوریت کی صورت قائم نہیں ہو سکتی۔ ہونا تو یہ چاہئے کہ اس مسئلے کو جغرافیائی اصول پر حل کیا جائے۔ جداگانہ انتخابات کو قائم رکھنا اس کا کوئی عمدہ بدل نہیں ہے۔ مجھے یہ بھی امید نہیں کہ اقلیتوں کی سب کمیٹی کسی صحیح نتیجے پر پہنچے۔ آخر الامر سارا مسئلہ برطانوی پارلیمنٹ میں پیش ہوگا۔ ہمیں امید ہے کہ انگریز قوم کے بالغ نظر نمائندے اس مسئلے کو محض مسطحانہ نظروں سے نہیں دیکھیں گے۔ جیسا کہ اب تک ہندوستان کے اکثر ارباب سیاست نے کیا ہے بلکہ ان کی نگاہیں اس معاملہ کہ تہہ تک پہنچ جائیں گی اور وہ محسوس کر لیں گے کہ ہندوستان کے اندر امن وسکون کے قیام کا طریق کار کیا ہوگا۔ ہر وہ دستور جو اس تصور پر مبنی ہوگا کہ

Marfat.com

ہندوستان میں ایک ہی قوم بستی ہے یا جس کسی کا مقصد یہ ہو کہ یہاں ان اصولوں کا نفاذ کیا جائے جو برطانیہ کے جذبات جمہوریت پسندی کا نتیجہ ہیں،اس کا مطلب صرف اسی قدر ہوسکتا ہے کہ ہندوستان کو خانہ جنگی کے لئے تیار کیا جائے۔جہاں تک میری سمجھ کام کرتی ہے،اس ملک میں اس وقت تک امن وسکون قائم نہیں ہوسکتا جب تک یہ تسلیم نہ کرلیا جائے کہ ہندوستان کی ہر ملت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ماضی سے اپنا رشتہ منقطع کئے بغیر جدید اصولوں پر آزادی کے ساتھ ترقی کرے۔

مجھے یہ دیکھ کر مسرت ہوتی ہے کہ ہمارے مسلمان مندوبین کو اس مسئلے کے صحیح حل کی اہمیت کا پورا پورا احساس ہے جس کو ہم نے ہندوستان کا بین الاقوامی مسئلہ کہا ہے۔ان کا یہ اصرار بالکل بجا ہے کہ مرکزی حکومت میں ذمہ داری کا مسئلہ طے کرنے سے پہلے فرقہ ورانہ تنازاعت کا تصفیہ ہونا ضروری ہے۔کسی مسلمان سیاسی رہنما کو اس طعن آمیز لفظ (فرقہ واری) کا مطلق خیال نہیں کرنا چاہئیے جسے ہندو محض پروپیگنڈے کی خاطر استعمال کررہے ہیں تاکہ بقول وزیراعظم وہ انگلستان کے جذبات جمہوریت پسندی سے فائدہ اٹھاسکیں اور انگریز ہندوستان میں ایک ایسی صورت حالات فرض کرلیں جو واقعتا موجود نہیں۔اس وقت بڑے بڑے مفاد خطرے میں پڑے ہیں۔ہماری تعداد سات کروڑ ہے اور ہم ہندوستان کے دوسرے باشندوں کی نسبت کہیں یک رنگ قوم ہیں۔بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر ہندوستان میں کوئی قوم بستی ہے تو وہ صرف مسلمان ہی ہیں۔اگرچہ ہندو ہر بات میں ہم سے آگے ہیں لیکن اب بھی ان کو وہ یک رنگی حاصل نہیں ہوئی۔جو ایک قوم بننے کے لئے ناگزیر ہے اور جو اسلام نے از خود آپ کو عطا کی ہے۔بے شک ہندو اس امر کے لئے مضطرب ہیں کہ وہ ایک قوم بن جائیں۔مگر قوموں کی ترکیب گویا ایک نئی زندگی میں قدم رکھنا ہے اور جہاں تک ہندوؤں کا تعلق ہے،ضروری ہے کہ وہ اپنے تمام نظام معاشرت کو یک قلم بدل دیں۔

ایسے ہی مسلمان رہنماؤں وارباب سیاست کو اس لطیف مگر مغالطہ انگیز دلیل سے بھی متاثر نہیں ہونا چاہئیے کہ ترکی، ایران اور دوسرے اسلامی ممالک قوم پسندی کے اصولوں پر گامزن ہیں۔مسلمان ہندوستان کی حالت اس سے بالکل مختلف ہے۔ان ممالک کی ساری آبادی تقریبا مسلمانوں کی ہے اور جو اقلیتیں باقی رہ جاتی ہیں ان کا تعلق باصطلاح قرآنی اہل کتاب سے ہے۔مسلمانوں اور اہل کتاب کے درمیان کوئی معاشرتی دیوار حائل نہیں۔اگر کوئی یہودی،عیسائی یا زرتشتی (پارسی) کسی مسلمان کا کھانا چھولے تو وہ نجس نہیں ہوجاتا۔شریعت اسلامی کی ریاست سے ان میں باہم مناکحت جائز ہے۔حقیقت میں یہ وہ اولین قدم تھا جو اسلام نے عملاً اتحاد نوع انسان کی خاطر اٹھایا۔اس سے ان لوگوں کو جن کا سیاسی نصب العین تقریبا ایک سا تھا، باہم مل جانے کی دعوت دی قرآن پاک کا ارشاد ہے"يَاأَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ (آل عمران: ۶۴:۳) (اے اہل کتاب!جو بات ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں یعنی توحید،اس کی طرف آؤ) یہ الگ بات ہے کہ مسلمان اور عیسائی اقوام کے باہمی جنگ وجدل اور پھر مغرب کی چیرہ دستیوں نے اس امر کا موقع نہیں دیا کہ دنیائے اسلام اس آیت کے لاانتہائی معنوں کو عمل میں لاتی۔بہر حال بلاد اسلامیہ میں یہ مقصد اسلامی قومیت کی شکل میں پورا ہورہا ہے۔مجھے یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ مندوبین کا میابی کا اندازہ صرف اس امر سے کرسکتے ہیں کہ وہ کانفرنس کے غیر مسلم مندوبین سے قرارداد دہلی

Marfat.com

کے مطالبات کہاں تک منوا سکتے ہیں۔ اگر ان مطالبات کو تسلیم کر دیا گیا تو ایک نہایت ہی اہم اور عظیم الشان سوال پیدا ہوگا۔ اس وقت ضرورت ہوگی کہ ہندوستان کے مسلمان ایک ہو کر کوئی آزادانہ سیاسی قدم اٹھائیں۔ اگر آپ اپنے مقاصد اور اپنے نصب العین پر واقعی سنجیدگی سے قائم ہیں تو آپ کو اس قسم کے عمل کے لئے تیار رہنا چاہئیے۔ ہمارے سربر آوردہ لوگوں نے کافی غور و خوض سے کام لیا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک حد تک یہ انہی کے غور و فکر کا نتیجہ ہے کہ ہم لوگ ان قوتوں سے آشنا ہوئے ہیں جو ہندوستان کے اندر اور اس کے باہر ہماری آئندہ قسمتوں کی تشکیل میں کار فرما ہیں۔ لیکن میں آپ سے اس قدر پوچھتا ہوں کہ کیا اس غور و فکر نے ہم میں اتنی قابلیت پیدا کر دی ہے کہ اگر مستقبل قریب میں ضرورت پیش آئے تو ہم اپنے آپ کو اس عمل کے لئے تیار پائیں۔ جو حالات کے متقاضی ہوں۔ مجھے آپ سے بلا تکلف کہہ دینا چاہئیے کہ ہندوستان کے مسلمان اس وقت دو عوارض کا شکار ہوئے ہیں۔ پہلا عارضہ یہ ہے کہ اہم شخصیتوں کا وجود نہیں۔ سر میلکم ہیلی اور لارڈ اِروِن کی تشخیص بالکل صحیح تھی جب انہوں نے علی گڑھ یونیورسٹی میں یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ ملت اسلامیہ نے کوئی وسیع تجربات کی بدولت ایک طرف یہ ادراک حاصل ہو کہ اسلامی تعلیمات کی روح اور اس کی تقدیر کیا ہے، دوسری طرف ان میں یہ صلاحیت موجود ہو کہ وہ جدید حوادث کی رفتار کا اندازہ صحت کے ساتھ کر سکیں۔ یہی لوگ ہیں جن پر کسی قوم کی قوت عمل کا انحصار ہوتا ہے۔ دوسرا مرض جو مسلمانوں کے اندر گھر کر چکا ہے، یہ ہے کہ ان میں اطاعت کا مادہ باقی نہیں رہا۔ یہی وجہ ہے کہ آج متعدد افراد اور متعدد جماعتیں الگ الگ راہوں پر گامزن ہیں اور اس قوم کے عام افکار اور اسکے عام سرگرمیوں پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ جو طرز عمل ہم نے مذہب میں اختیار کر رکھا ہے، اب وہی سیاسیات میں ہو گیا ہے۔ لیکن مذہبی فرقہ بندیوں سے اتنا نقصان نہیں پہنچتا۔ کیونکہ ان سے کم از کم اتنا تو ظاہر ہوتا ہے کہ ہمیں اس اصول سے دلچسپی ہے جس پر ہماری ترکیب کا انحصار ہے۔ مزید براں یہ اصول اس قدر وسیع ہے کہ کسی فرقے کو اس قدر جرأت نہیں ہو سکتی کہ وہ اسلام کی حدود ہی سے باہر نکل جائے۔ برعکس اس کے کہ اگر سیاسی زندگی میں اختلافات کو جائز رکھا گیا تو بالخصوص اس وقت جب مفاد ملت کی خاطر اتحاد عمل کی ضرورت ہے تو اس کا نتیجہ سوائے ہلاکت کے اور کچھ نہیں ہوگا۔ لہٰذا سوال یہ ہے کہ ان دونوں امراض کے علاج کی صورت کیا ہے۔ اول الذکر کا تدارک ہمارے ہاتھ میں نہیں ہے۔ جہاں تک دوسری بیماری کا تعلق ہے، میرا خیال ہے کہ ہم اس کا دفیعہ کر سکتے ہیں۔ میں نے اسی موضوع پر ایک خاص رائے قائم کر رکھی ہے بہتر ہوگا کہ میں اس وقت تک اس کا اظہار نہ کروں جب تک کہ ایسی صورت حال پیدا نہ ہو جائے جس کا خطرہ ہے۔ خدانخواستہ ایسا ہوا تو تمام سربر آوردہ مسلمانوں کا، خواہ ان کے خیالات کچھ بھی ہوں، فرض ہوگا کہ وہ ایک جگہ جمع ہوں اور صرف قرار دادیں ہی منظور نہ کریں بلکہ اپنے مقاصد میں کامیابی کے حصول کے لئے مسلمانوں کے لئے کوئی راہ عمل پیش کریں۔ میں نے اس امر کا تذکرہ صرف اس لئے کر دیا ہے کہ آپ نہایت سنجیدگی سے اس پر غور کریں۔

حضرات! مجھے جو کچھ عرض کرنا تھا، کر چکا۔ آخر میں، میں صرف اتنا عرض کروں گا کہ مسلمانانِ ہند اس وقت اپنی زندگی کے جس نازک دور میں سے گزر رہے ہیں اسکے لئے کامل تنظیم اور اتحاد عزائم و مقاصد کی ضرورت ہے۔ ہمارے ملی وجود کی بقا اور ہندوستان کا مفاد صرف اسی امر سے وابستہ ہے۔ ہندوستان کی سیاسی غلامی تمام ایشیا کے لئے لامتناہی مسائل کا سرچشمہ ہے۔

Marfat.com

اس نے مشرق کی روح کو کچل ڈالا ہے اور اسے اظہار ذات کی اس مسرت سے محروم کر دیا ہے جس کی بدولت کبھی اس میں ایک بلند اور شاندار تمدن پیدا ہوا تھا۔ ہم پر ایک فرض ہندوستان کی طرف سے عائد ہوتا ہے جو ہمارا وطن ہے اور جس میں ہمیں جینا ہے اور مرنا ہے، اور ایک فرض ایشیا بلکہ اسلامی ایشیا کی جانب سے۔ چونکہ ایشیا کے دوسرے اسلامی ممالک کی نسبت ایک ہی ملک میں سات کروڑ مسلمانوں کی موجودگی اسلام کے لئے بیش بہا سرمایہ ہے لہٰذا ہمیں چاہیئے کہ ہم ہندوستان کے مسئلے پر محض اسلامی زاویہ نگاہ ہی سے نہیں بلکہ ہندی مسلمانوں کے نقطہ نظر سے بھی غور کریں۔ ایشیا اور ہندوستان کی طرف سے ہم پر جو فرائض عائد ہوتے ہیں۔ ان کی بجا آوری اس وقت تک ممکن نہیں جب تک ہم ارادوں کو ایک مخصوص مقصد پر جمع نہیں کر لیں گے۔ اگر آپ ہندوستان کی دوسری ملتوں کے درمیان اپنا وجود قائم رکھنا چاہتے ہیں تو آپ کے لئے سوائے اس کے اور کوئی چارہ کار نہیں۔ ہماری بے نظم اور منتشر حالت کے باعث بہت سے ایسے سیاسی مصالح جو ہماری زندگی کے لئے ناگزیر ہیں، دن بہ دن پیچیدہ ہو رہے ہیں۔ میں فرقہ وارانہ مسائل کے تصفیے سے مایوس نہیں ہوں لیکن میں آپ سے اپنے اس احساس کو پوشیدہ نہیں رکھ سکتا کہ موجودہ نازک حالات کے تدارک کے لئے ہماری ملت کا مستقبل قریب ہی میں جدوجہد کرنا اسی وقت ممکن ہو سکتا ہے جب پوری قوم اس پر آمادہ ہو اور ان کے تمام عزائم اور ارادے ایک ہی مقصد پر مرتکز ہو جائیں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ہم لوگوں کے اندر بھی وہ اشتراک عزم پیدا ہو جائے جس کا از خود نشو ونما ہوتا ہے، کیوں نہیں۔ فرقہ بندی کی ہوس اور نفسانیت کی قیود سے آزاد ہو جائیں اور پھر اس نصب العین کی روشنی میں جو آپ کی طرف منسوب ہے، اپنے انفرادی اور اجتماعی اعمال کی قدر و قیمت کا اندازہ کیجئے، خواہ وہ مادی اغراض ہی سے متعلق کیوں نہ ہوں۔ مادیات سے گزر کر روحانیت میں قدم رکھئے۔ مادہ کثرت ہے لیکن روح نور ہے۔ حیات ہے اور وحدت ہے۔ ایک سبق جو میں نے تاریخ اسلام سے سیکھا ہے، یہ ہے کہ اڑے وقتوں میں اسلام ہی نے مسلمانوں کی زندگی کو قائم رکھا۔ مسلمانوں نے اسلام کی حفاظت نہیں کی۔ اگر آپ اپنی نگاہیں پھر اسلام پر جما دیں اور اسکے حیات بخش تخیل سے متاثر ہوں تو آپ کی منتشر اور پراگندہ قوتیں از سر نو جمع ہو جائیں گی اور آپ کا وجود ہلاکت و بربادی سے محفوظ ہو جائے گا۔ قرآن مجید کی ایک نہایت معنی خیز آیت کا ترجمہ ہے ''ہمارے نزدیک پوری ملت کی موت وحیات کا سوال ایسا ہی ہے جیسے ایک نفس واحد کا'' پھر کیا یہ ممکن نہیں کہ ہم مسلمان جو بجا طور پر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ ہم ہی تھے جو سب سے پہلے انسانیت کے اس بلند اور ارفع تصور پر عمل پیرا ہوئے، ایک نفس واحد کی طرح زندہ رہیں۔ جب میں یہ کہتا ہوں کہ ہندوستان کی حالت وہ نہیں جیسی نظر آتی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں کسی شخص کو حیرت میں ڈالنا چاہتا ہوں۔ بہر حال اس کے صحیح معنی آپ پر اس وقت آشکار ہوں گے جب آپ ان کے مشاہدے کے لئے ایک صحیح اجتماعی انا پیدا کر لیں گے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ (المائدہ ۵:۱۰۵)

اے ایمان والو اپنی جانوں کی حفاظت کرو، جب تم ہدایت پر ہو تو کوئی تمہارا کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔

Marfat.com

علماء اور مشائخ کا کردار

شہرۂ آفاق سیاسی مفکر، فلاسفر اور تاریخ دان علامہ ابن خلدون (م۔1406) تحریر فرماتے ہیں کہ ہر نئی قائم ہونے والی ریاست کے پیچھے کسی نہ کسی قسم کی عصبیت (Group Feeling) کارفرما ہوتی ہے اور اس کے بغیر ریاست وجود میں نہیں آسکتی۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک خاص نسل سے تعلق رکھنے والے لوگ مل کر ایک ریاست کی بنیاد رکھ دیتے ہیں حالانکہ وہ مختلف زبانیں بولتے ہیں اور وہ مختلف علاقوں کے رہنے والے ہوتے ہیں۔ ان کے رنگ اور رہن سہن میں بھی فرق ہوتا ہے لیکن وہ محض ایک خاص نسل سے تعلق رکھنے کی وجہ سے دوسرے تمام اختلافات نظر انداز کر کے متحد ہو جاتے ہیں اور طاقت فراہم کر کے ایک آزاد ریاست قائم کر لیتے ہیں۔ ہمارے زمانے میں اسرائیل کا قیام نسلی عصبیت کی بناء پر ہوا ہے۔

کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ ایک خاص زبان بولنے والے افراد لسانی عصبیت کی بناء پر متحد ہو جاتے ہیں، حالانکہ وہ مختلف مذاہب کے پیروکار ہوتے ہیں۔ ان کے رنگ بھی ایک دوسرے سے نہیں ملتے۔ انکا تعلق بھی مختلف نسلوں سے ہوتا ہے لیکن ان میں وجہ اشتراک واتحاد زبان ہوتی ہے۔ موجودہ دور میں بلجیم کے ایک خاص علاقے کے لوگ جو Flemish زبان بولتے ہیں، اپنے لئے الگ وطن کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ آئندہ چل کر اگر بھارت میں تمل بولنے والے یا مراٹھی زبان کو اپنی مادری زبان سمجھنے والے تمل ناڈو یا مرہٹہ واڑ کے ناموں سے الگ وطن کا مطالبہ کریں تو اس کی بنیاد لسانی عصبیت پر ہوگی۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک خاص علاقے میں رہنے والے لوگ، جو مختلف مذاہب اور نسلوں سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ مختلف زبانیں بولتے ہیں، علاقائی عصبیت کی بناء پر قوت فراہم کر کے ایک آزاد ریاست قائم کر لیتے ہیں۔ یہاں ان کی عصبیت علاقائیت (Regionalism) پر قائم ہوتی ہے اور اسکے مقابلے میں دوسرے تمام اختلافات ہیچ ہوتے ہیں۔

کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک خاص رنگ کے لوگ، جو بظاہر مختلف نسلوں اور ملکوں سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ مختلف زبانیں بولتے ہیں۔ ان میں مذہبی اختلافات بھی پائے جاتے ہیں، صرف رنگ کی بنیاد پر متحد ہو کر ایک ریاست کی بنیاد رکھ دیتے ہیں، جیسا کہ جنوبی افریقہ میں ہوا۔ سابق جنوبی روڈیشیا، نیوزی لینڈ اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی مثالیں بھی ہمارے سامنے ہیں۔ ان ممالک میں یورپ کے سفید فام باشندوں نے جو یورپ کے مختلف ملکوں سے جا کر وہاں آباد ہوئے تھے اور وہ مختلف زبانیں بولتے تھے اور عیسائیوں کے مختلف فرقوں سے تعلق رکھتے تھے، صرف سفید فام ہونے کی بناء پر سیاہ فام یا مقامی باشندوں کے خلاف متحد ہو گئے اور جنوبی افریقہ میں اقلیت میں ہونے کے باوجود اپنی حکومت قائم کر لی۔ یہاں محض ہم رنگی نے ان میں عصبیت پیدا کر دی اور وہ ایک مضبوط حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

علامہ ابن خلدون تحریر فرماتے ہیں کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک خاص دین کے پیروکار، جو مختلف نسلوں اور ملکوں سے تعلق رکھتے ہیں صرف دینی عصبیت کی بناء پر متحد ہو کر ایک آزاد و خود مختار ریاست کی بنیاد رکھ دیتے ہیں۔ ان میں وجہ اشتراک و اتحاد صرف دین ہوتا ہے۔ قرنِ اوّل میں حضور نبی اکرم ﷺ نے جس ریاست کی بنیاد رکھی اس میں بلالِ حبشیؓ، صہیب رومیؓ

Marfat.com

اور سلمان فارسیؓ عمائدین قریش کے شانہ بشانہ کھڑے نظر آتے ہیں۔ یہی وہ عصبیت تھی جسے کفار مکہ کا سفیر عروہ بن مسعود میدانِ حدیبیہ میں نہ سمجھ سکا۔

علامہ ابن خلدون فرماتے ہیں کہ جو عصبیت دین کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے وہ لسانی، نسلی، علاقائی اور ہم رنگی پر مبنی عصبیت سے بدرجہ اولیٰ، اعلیٰ وارفع ہوتی ہے کیونکہ یہ عناصر ذہن پر اثر انداز ہوتے ہیں اور ایک خاص سوچ وفکر پیدا کرنے کا سبب بنتے ہیں بالفاظِ دیگر ان سے کج فہمی پیدا ہوتی ہے لیکن دین کا تعلق قلب وروح سے ہوتا ہے۔ بالفاظِ دیگر یہاں معاملہ:

از دل خیزد بر دل ریزد

اس لئے جو ریاست دینی عصبیت پر قائم ہوگی وہ زیادہ مضبوط اور دیرپا ہوگی۔

تحریکِ پاکستان کے پیچھے بھی دینی عصبیت کارفرما تھی۔ تحریک کے رہنما ''پاکستان کا مطلب کیا لا الٰہ الا اللہ'' کا فلک شگاف نعرہ بلند کررہے تھے۔ اس نعرے نے رنگ، نسل، علاقائیت، لسانی اور فرقہ وارانہ اختلاف حرفِ باطل کی طرح مٹادیئے تھے۔ لیکن اس نعرے کو عوام تک پہنچانا مسلم لیگ کے چوٹی کے عمائدین کے بس کی بات نہ تھی۔ وہ تو ''صاحب، سر اور نواب'' تھے اور عوام سے الگ تھلگ رہتے تھے۔ ان تک ایک عام آدمی کی پہنچ نہ تھی۔ مسلم لیگ کے عمائدین میں سر آغا خان (م۔1957ء) راجہ محمد امیر احمد خان آف محمود آباد (م۔1973ء) نوابزادہ لیاقت علی خان (م۔1951ء) نواب شاہنواز خان ممدوٹ (م۔1942ء) نواب افتخار حسین خان ممدوٹ (م۔1969ء) نواب سر محمد یامین خان (م۔1966) نواب محمد اسماعیل خان م م۔1958ء) نوابزادہ رشید علی خان (م۔1974ء) سیٹھ عبداللہ ہارون (م1942ء) سر فیروز خان نون (1970ء) ابراہیم اسماعیل چند ریگر (م1960ء) ابو الحسن اصفہانی (م 1981ء) اور خود قائداعظم محمد علی جناح (م1948ء) عوام کے ساتھ گھلنے ملنے والے نہ تھے۔ مجھے خوب یاد ہے کہ ایک بار میرے آبائی وطن پھلور میں مجلس احرار اور جمعیت العلماء ہند نے مشترکہ سیاسی جلسہ کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب 1946ء میں انتخابات ہونے والے تھے۔ اس جلسے سے سیاسی فضا مکدر ہوگئی۔ رائے عامہ کو مسلم لیگ کے حق میں ہموار کرنے کے لئے یہ ضروری تھا کہ پھلور میں مسلم لیگ کا جلسہ منعقد کیا جاتا۔ چنانچہ لاہور سے نوابزادہ رشید علی خان اپنے رفقاء کے ساتھ پھلور آئے تو ان کا جلوس نکالا گیا۔ موصوف سوٹ اور ہیٹ میں ملبوس تھے۔ لوگ انہیں دیکھ کر کہہ رہے تھے کہ مسلم لیگ کا ''صاحب'' آیا ہے۔

یہ علماء اور مشائخ ہی تھے جنہوں نے عوام کو باور کرایا کہ مسلم لیگ ''صاحبوں'' کی جماعت نہیں بلکہ یہ ان کی اپنی جماعت ہے جس کی اساس لا الٰہ الا اللہ پر اٹھائی گئی ہے۔ قرارداد لاہور مولوی ابوالقاسم فضل الحق نے پیش کی تو اس کی تائید کرنے والوں میں مولانا عبدالحامد بدیوانی پیش پیش تھے۔ یہ علماء ومشائخ کی کاوشوں کا ہی نتیجہ تھا کہ 1946ء کے انتخابات میں مرکزی اسمبلی میں مسلم لیگ نے سو فیصد کامیابی حاصل کی اور وہ پنجاب اسمبلی میں سب سے بڑی سیاسی جماعت بن کر ابھری۔ 1937ء میں جب مسلم لیگ ''صاحبوں، سروں اور نوابوں'' کی جماعت سمجھی جاتی تھی اور ابھی علماء ومشائخ اس جماعت میں شامل نہیں ہوئے تھے تو پنجاب اسمبلی میں صرف دو مسلم لیگی رکن منتخب ہوئے تھے اور ان میں سے بھی راجہ غضنفر علی خان منحرف ہوگیا تھا اور

Marfat.com

ملک برکت علی (م 1946ء) پوری اسمبلی میں مسلم لیگ کے واحد رکن تھے۔ 1946ء کے انتخابات سے قبل علماء ومشائخ نے مسلم لیگ کو مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت بنادیا۔ ان دنوں یہ نعرہ ''مسلم ہے تو مسلم لیگ میں آ'' گلی گلی میں سنائی دیتا تھا۔

جب سلہٹ اور سرحد میں ریفرنڈم ہونا طے پایا تو علماء ومشائخ اپنی مساجد، مدارس اور خانقاہوں کو چھوڑ کر میدان میں نکلے۔ ان کا یہ کردار تاریخ آزادی میں سنہری حروف میں لکھے جانے کے لائق ہے۔

سلہٹ جمیعت العلماء ہند کا بڑا مضبوط قلعہ سمجھا جاتا تھا۔ مولانا حسین احمد مدنی ہر سال ماہِ رمضان سلہٹ میں گذار تے تھے اور وہاں انکے لاکھوں مرید آباد تھے۔ موصوف جب بیعت لینے بیٹھتے تو لوگ اپنی پگڑیاں کھول کر ایک دوسرے کے ساتھ باندھتے جاتے اور یوں اس ''حبل اللہ'' کو پکڑ کر بیک وقت ہزاروں افراد ان کے دامن ارادت سے وابستہ ہو جاتے۔ کانگریس اور اس کی ذیلی جماعت جمیعت العلماء ہند اس خوش فہمی میں مبتلا تھی کہ سلہٹ تو گھڑے کی مچھلی ہے اور استصواب میں وہاں کے مسلمان ہندوستان کے ساتھ الحاق کا فیصلہ کریں گے۔

قائداعظم نے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمتہ کے خواہرزادے مولانا ظفر احمد عثمانی کو سلہٹ بھیجا کہ وہ وہاں کے عوام کو پاکستان کے ساتھ الحاق کا مشورہ دیں۔ مولانا شبیر احمد عثمانی بھی مشرقی بنگال سے مسلم لیگ کے ٹکٹ پر کامیاب ہو کر مرکزی اسمبلی میں پہنچے تھے۔ ان کی حمایت اور عبدالحمید خان بھاشانی کی رفاقت میں مولانا ظفر احمد عثمانی نے سلہٹ کے ایک ایک گاؤں کا دورہ کیا اور عوام کو پاکستان کے حق میں ووٹ ڈالنے کا مشورہ دیا۔ جب وہاں ریفرنڈم ہوا تو مولانا حسین احمد مدنی کے مخلص مریدوں نے بھی پاکستان کے ساتھ الحاق کا فیصلہ کیا۔

دوسری جناب صوبہ سرحد کے ریفرنڈم میں مانکی شریف کے پیر امین الحسنات (م 1960ء) اور زکوڑی شریف کے پیر طریقت عبداللطیف (م 1978ء) نے سرحدی گاندھی غفار خان اور اسکے برادرِ بزرگ ڈاکٹر خان صاحب کے طلسم کا پردہ چاک کر دیا اور سرحد کے غیور پٹھانوں نے اپنے روحانی پیشواؤں کے ایماء پر پاکستان کے ساتھ الحاق کا تاریخی فیصلہ کیا۔ یہ ''سروں، نوابوں اور صاحبوں'' کے بس کی بات نہ تھی کہ وہ عوام کے دلوں میں اُتر کر انہیں پاکستان میں ہونے پر آمادہ کرتے۔ حکومت پاکستان نے Pioneers of Freedom Movement کی یاد میں جو ڈاک ٹکٹ جاری کئے ہیں ان میں علماء مشائخ میں سے پیر صاحب مانکی شریف، پیر صاحب زکوڑی شریف، علامہ شبیر احمد عثمانی اور سید سلیمان ندوی (م 1953ء) کو شامل کر کے ان کی خدمات کا اعتراف کیا ہے۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جب 14 اگست 1947 کو پاکستان قائم ہوا تو قائداعظم نے کسی سر نواب یا صاحب کو پرچم کشائی کے لئے منتخب نہیں کیا بلکہ انہوں نے کراچی میں مولانا شبیر احمد عثمانی اور ڈھاکہ میں مولانا ظفر احمد عثمانی کو یہ اعزاز بخشا کہ وہ ایک آزاد اسلامی مملکت کا پرچم لہرائیں۔ یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ اگر علماء ومشائخ تحریک پاکستان میں شامل نہ ہوتے تو مسلم لیگ عوامی جماعت نہ بنتی اور نہ ہی اس جماعت کا پیغام لوگوں کے دلوں میں اُترتا۔ میں ایسے بہت سے علماء ومشائخ کا ذکر کیا ہے جن کا تحریک پاکستان میں کردار مؤرخین کی نظروں سے اوجھل تھا حالانکہ انہوں نے 1946ء کے انتخابات میں اپنے

Marfat.com

اپنے علاقے میں مسلم لیگ کے اُمیدواروں کو کامیاب کرانے کی بھرپور کوشش کی تھی۔ میاں صاحب نے سنی کانفرنس بنارس کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ جس میں بریلوی مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے علماء ومشائخ کی اکثریت نے مسلم لیگ کی حمایت کا دوٹوک فیصلہ کیا تھا۔ جب علماء نے مسلم لیگ کے مخالفین کے جنازے پڑھانے سے انکار کر دیا تھا اور لوگوں نے غیر مسلم لیگیوں سے رشتے منقطع کر لئے تھے۔ کئی مقامات پر مسلم لیگیوں اور غیر مسلم لیگیوں کے درمیان طے پانے والے رشتے اور منگنیاں ٹوٹ گئی تھیں۔ مولانا شبیر احمد عثمانی، حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی کا تعلق دیوبند سے تھا اور وہ تحریک پاکستان میں پیش پیش تھے۔ قیام پاکستان کی مخالفت میں اہل حدیث کے سرخیل مولانا محمد داؤد غزنوی بھی کسی سے پیچھے نہیں رہے۔ موصوف پنجاب کانگریس کے روح رواں اور پنجاب میں مولانا ابوالکلام آزاد کے معتمد تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ جب انہیں قیام پاکستان حقیقت بنتا ہوا نظر آیا تو وہ اپنے پرانے کانگریسی دوست میاں افتخار الدین کے ساتھ مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔ تاریخ اس پر گواہ ہے کہ بریلوی، دیوبندی اور اہل حدیث مکتاب فکر کے علماء اور پہلے دو مکاتب فکر کے مشائخ دونوں کیمپوں میں موجود تھے۔ اس لئے قیام پاکستان کے لئے جدوجہد کا تمغہ ایک خاص گروہ کے علماء ومشائخ کے سینے پر نہیں لگتا۔

نظریہ پاکستان کی خشت اول تو اسی روز رکھ دی گئی تھی جب آفتاب ہند امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ النورانی نے شہنشاہ جلال الدین اکبر کے دین الٰہی کا قلع قمع فرما دیا تھا۔ اس کے بعد جب فرنگی سامراج نے برصغیر میں اپنا تسلط جمایا تو حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کے جانشینوں نے آزادی وطن کے لئے اپنی سرفروشانہ مساعی کا آغاز کیا چنانچہ 1857ء کی جنگ آزادی میں ہمارے علماء ومشائخ نے اپنا خون جگر دے کر، پھانسی کے تختوں پر چڑھ کر اور کالے پانی کی صعوبتیں برداشات کر کے عظیم تر پاکستان کی بنیاد رکھ دی تھی۔ 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد "تحریک خلافت" وہ پہلی منظم تحریک تھی جس میں مسلمانوں نے کھل کر اور ڈٹ کر سفید سامراج کے خلاف اعلان بیزاری کیا اور کفن بردوش ہو کر میدان عمل میں نکلے۔ اس تحریک کی سرپرستی وقیادت سنوسی ہند امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری (1841-1951) اور قیام الدین والملت حضرت مولانا محمد عبدالباری فرنگی محلی (1878-1926) نے فرمائی۔ علی برادران نے اس تحریک میں تنظیم، عمل اور جوش وخروش کا رنگ بھرا۔ اس تحریک نے اکناف واطراف ملک میں ایک ایسی آگ لگا دی جس کے نتائج تحریک پاکستان کی شکل میں نمودار ہوئے اور بالآخر بابائے قوم حضرت قائداعظم (1876 - 1948) نے اسلامیان برصغیر کی واحد نمائندہ تنظیم مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے 14 اگست 1947ء کو اپنا علیحدہ اسلامی ملک "پاکستان" کی شکل میں حاصل کر لیا۔ حصول پاکستان کی جنگ میں ہمارے علماء ومشائخ نے سب سے زیادہ کردار ادا کیا۔ 1925ء میں آل انڈیا سنی کانفرنس مراد آباد منعقد کی گئی جس میں حضرت امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری (ف 1951) کو بلا مقابلہ صدر چنا گیا۔ پھر 1935ء میں (دس سال بعد) یہ کانفرنس بدایوں میں اس وقت منعقد ہوئی جبکہ شہید گنج کے مسئلہ کی وجہ سے مسلمانان ہند کے سینے فگار تھے۔ اس کانفرنس میں حضرت امیر ملت کو دوبارہ صدر چن لیا گیا اور ان کی قیادت میں تن من دھن کی بازی لگانے کا عزم بالجزم کیا گیا۔ 1946ء میں آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس میں تحریک پاکستان کو ساحل کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لئے علماء ومشائخ

Marfat.com

کے عظیم الشان بلکہ عدیم النظیر اجتماع نے حضرت امیر ملت قدس سرہ کی زیر قیادت سر دھڑ کی بازی لگا دینے کا اعلان کیا۔ اس کانفرنس نے پاکستان کو ایک زندہ حقیقت بنا دیا اور حضرت امیر ملت کی زیر قیادت اسلامیان برصغیر نے جو تاریخی کردار ادا کیا، زمانہ اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ حصول پاکستان کی تحریک میں حضرت امیر ملت قدس سرہ کی خدمات سب سے زیادہ اور سرفروشانہ ہیں۔ علاوہ ازیں پیر صاحب مانکی شریف (ف 1960ء) پیر صاحب زکوڑی شریف (ف 1978ء) پیر غلام مجدد سرہندی (ف 1958ء) سید زین العابدین گیلانی ملتانی (ف 1960ء) سید محمد محدث کچھوچھوی (ف 1961ء) خواجہ محمد قمر الدین سیالوی (ف 1981ء) خواجہ غلام سدید الدین تونسوی (ف 1960ء) پیر عبدالرحمٰن بھر چونڈوی (ف 1960ء) پیر فضل شاہ جلالپوری (ف 1966ء) پیر سعید شاہ بنوری کوہاٹی (ف 1970ء) و دیگر بزرگوں نے میدان عمل میں قدم رکھا اور حضرت امیر ملت کی زیر قیادت تحریک پاکستان کو ساحل کامرانی سے ہمکنار کیا۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ ان اللہ والوں کی خدمات جلیلہ کو صفحہ قرطاس پر بکھیرا جائے اور نژاد نو کو بتایا جائے کہ پاکستان اولیاء اللہ کا فیضان ہے لہٰذا اس کی قدر و قیمت کو پہچانا جائے اور اس کی نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کی جائے۔

تحریک پاکستان میں علماء کا کردار

۱۹۳۴ء میں قائداعظم محمد علی جناح نے دوبارہ مسلم لیگ کی قیادت سنبھالی۔ اس وقت تک مسٹر جناح یہ چاہتے تھے کہ ہندو مسلم اتحاد قائم ہو جائے اور برصغیر کے عام لوگ متحد ہو کر حقوق آزادی کے لئے سعی کریں۔ چنانچہ ۱۹۳۵ء میں مسٹر جناح نے ڈاکٹر راجندر پرشاد سے مصالحت کے لئے بات چیت کی۔ اس کی گفتگو میں پوری طرح تو اگرچہ کامیابی حاصل نہ ہو سکی تاہم انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے تحت ہونے والے انتخابات میں کچھ مقامات پر مسلم لیگ اور کانگریس نے آپس میں تعاون کیا۔ اکتوبر ۱۹۳۵ء میں مسٹر جناح انگلستان سے مستقل طور پر واپس آ گئے اور مسلم لیگ کی تنظیم نو کی طرف متوجہ ہو گئے۔ قبل اس کے مسلم لیگ دو گروہوں میں منقسم رہی تھی۔ نیز اس کی تنظیم بھی اہل اور مخلص افراد کے ہاتھوں میں نہ تھی۔ اس لئے وہ ایک کمزور اور غیر موثر جماعت تھی۔ مسلم لیگ اور کانگریس ابھی تک صوبائی خود مختاری اور فیڈرل گورنمنٹ کے قیام کی تجویز کے بارے میں پس و پیش کر رہی تھیں۔ آخر کار دونوں جماعتیں اس مجوزہ ایکٹ کے تحت صوبائی انتخابات لڑنے پر آمادہ ہو گئیں۔ مسلم عوام ابھی تک سیاسی بدنظمی کا شکار تھے۔ مسلم لیگ کا بھی عوام سے خاطر خواہ رابطہ نہ تھا۔ اس لئے وہ ایک موثر سیاسی جماعت نہ تھی۔ حالانکہ اس الیکشن سے قبل عوام کے ساتھ سیاسی رابطہ قائم کرنا ناگزیر تھا۔ ۱۲ اپریل ۱۹۳۶ء میں مسلم لیگ کا اجلاس زیر صدارت سر سید وزیر حسن بمبئی میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں مسلم لیگ نے اپنی تیس سالہ زندگی میں پہلی مرتبہ عوام سے رابطہ قائم کرنے کی قرارداد پاس کی۔ جس کے تحت عوام کو پارلیمانی نظام کا مقصد اور انتخابات کے فوائد و نقصانات اور نتائج سے آگاہ اور باخبر کرنا تھا تاکہ مسلم عوام بھی صوبائی انتخابات میں اپنا مناسب حصہ لے سکیں۔ اس اجلاس میں مولانا احمد سعید ناظم جمعیت ہند کی تحریک پر مسٹر جناح کو ایک مرکزی الیکشن بورڈ قائم کرنے کا اختیار دیا گیا اور اس بات کا بھی محاذ ٹھہرایا گیا کہ مسٹر جناح مرکزی پارلیمانی بورڈ کی تشکیل میں

Marfat.com

دیگر حضرات کے علاوہ علماء بھی شریک تھے۔ یہاں موضوع کی مناسبت سے صرف علماء کرام کے نام ہی بیان کئے جاتے ہیں۔
مسلم لیگ کے مرکزی پارلیمانی بورڈ میں کل ۵۴ ممبران تھے۔ جن میں علماء کی تعداد بلحاظ صوبہ حسب ذیل تھی۔

نام صوبہ	نام رکن	تعداد
یو۔ پی	مولانا سید حسین احمد مدنی، مولانا شوکت علی	۲
سندھ	مولانا محمد صدیق کذافی الاصل صحیح صادق، کھڈہ۔ کراچی	۲
	مولانا حکیم فتح محمد شروانی	
پنجاب	مولانا محمد اسحاق خان مانسہروی	۳
	مولانا عبدالقادر قصوری	
	مولوی سید شاہ زین العابدین	
شمالی مغربی سرحد	مولانا عبدالرحیم غزنوی	۲
	مولانا اللہ بخش یوسفی	
بہار	مولانا سجاد پھلواری کذافی الاصل صحیح بہاری	۳
	مولوی عبدالحفیظ	
دہلی	مولانا احمد سعید	۱
مدراس	مولانا سید مرتضٰی بہادر صدر خلافت کمیٹی	۱
بنگال	مولانا محمد اکرم خان، مولوی مجیب الرحمٰن	۲
سی۔ پی	مولوی سید عبدالرؤف شاہ	۱

مزید برآں مسلم لیگ مرکزی پارلیمانی بورڈ نے ایک قرارداد منظور کی جس کے تحت جمعیت علماء ہند اور مجتہدین کو مسلمانان ہند کے مذہبی اور شرعی امور کا نگران اور محافظ تسلیم کیا گیا۔ مسلم لیگ مرکزی پارلیمانی بورڈ کے اجلاس میں دیگر جماعتوں کے علاوہ جمعیت علمائے ہند اور مجلس احرار اسلام کے نمائندوں نے بھی شرکت۔ اس پارلیمانی بورڈ نے اپنا ایک منشور بھی شائع کیا۔ جس کے خاص خاص نکات درج ذیل ہیں۔

۱۔ ملک میں تمام جابرانہ قوانین منسوخ کرائے جائیں گے۔

۲۔ ملک سے انتظامیہ کے گرانبار اخراجات کو کم کرایا جائے گا۔

۳۔ فوج کو قومیا کر فوجی اخراجات کو کم کرایا جائے گا۔

۴۔ ملک میں ایسی صنعت و حرفت کی ہمت افزائی کی جائے گی اور اسے ترقی دی جائے گی۔

Marfat.com

۵۔ سکہ وشرح تبادلہ کا خیال رکھا جائے گا۔

۶۔ دیہی آبادی کو سماجی، تعلیمی اور اقتصادی ترقی دی جائے گی

۷۔ مسلمانوں کے مذہب، زبان اور حروف کی حفاظت کی جائے گی۔

۸۔ ملک میں صحت مند سیاسی بیداری پیدا کی جائے گی۔

۸ تا ۱۱ جون ۱۹۳۶ء آل انڈیا مسلم لیگ. مرکزی پارلیمانی بورڈ کا اجلاس بمقام لاہور بصارت جناب قائداعظم محمد علی جناح منعقد ہوا۔ اس میں ڈاکٹر اقبال اور علمائے ہند کے نمائندے بھی شریک تھے چار دن کی بحث وتمحیص کے بعد مرکزی پارلیمانی بورڈ کے اصول وضوابط، منشور اور دستور العمل منظور ہوئے جس کے خاص خاص نکات حسب ذیل ہیں۔

۱۔ انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء ناقص اور غلط ہے اور لیگ اس کی ترمیم کا مطالبہ کرتی ہے۔

۲۔ صوبائی خودمختاری کی سکیم بھی ناقص ہے اور اس کی ترمیم ضروری ہے لیکن صوبائی خودمختاری کے نظام کو قبول. کر کے چلانا چاہئے۔

۳۔ کمیونل اور رڈہی کو لیگ قبول کرتی ہے۔ اس وقت تک جب تک کسی معاہدہ بین الاقوامی کے ذریعے اس کا بہتر بدل پیدا کیا جا سکے۔

۴۔ آل انڈیا فیڈریشن اسکیم کو لیگ سختی کے ساتھ ادا کرتی ہے۔ اور بنیادی اور اساسی طور پر اس کے خلاف ہے۔ اور اس کو کبھی نہیں کرے گی۔

۵۔ مسلم لیگ ۱۹۱۶ء کے لیگ کانگریس، لکھنؤ ایکٹ کے مطابق کانگریس سے ایک فریق اور پارٹی کی حیثیت سے معاہدہ کرنا چاہتی ہے۔ لیکن کسی حال میں مسلم قوم کی جداگانہ تنظیم اور جداگانہ انفرادیت کو کم کرنے کی روادار نہیں ہوگی۔

۶۔ جداگانہ انتخاب کی بنیاد پر جداگانہ مسلم پارٹی کا قیام ضروری ہے۔ لیکن مسلم لیگ کسی گروپ یا گروپوں سے جن کے اغراض و مقاصد آل انڈیا مسلم لیگ سے قریب ہیں۔ تعاون کرنے کے لئے آزاد ہے۔

۷۔ مسلم لیگ مسلمانان ہند سے اپیل کرتی ہے کہ وہ اقتصادی یا کسی دوسری بنیاد پر مسلمانوں سے کسی کو ناجائز استفادہ کرنے، ان میں پھوٹ ڈالنے کا موقعہ نہ دیں۔ اور اقتصادی یا کسی طبقاتی سوال پر ملت اسلامیہ کو کسی طرح شکست نہ ہونے دیں۔ مسلم لیگ نے جمعیت علمائے ہند اور دیگر مسلمل جماعتوں کی شرکت و مدد سے صوبائی انتخابات میں حصہ لیا۔ جمعیت علمائے ہند لیگ کے امیدواروں کو کامیاب بنانے کیلئے بڑی انتھک کوششیں کیں۔ بلکہ مولانا سید حسین احمد مدنی نے تو یہاں تک فرمایا تھا کہ جو شخص (مسلمان) مسلم لیگ کے خلاف کام کرے گا یا مسلم لیگ کے امیدوار کو ووٹ نہ دے وہ واصل وجہنم ہوگا۔ جمعیت علماء کی اس جدوجہد کے نتیجے میں عوام سے کم رابطگی کے باوجود مسلم لیگ کے امیدواروں کا انتخابات میں امید سے زیادہ کامیابی ہوئی۔

Marfat.com

کانگریس کی پالیسی اور اختلاف علماء

کانگریس کی اس مسلم آزاد پالیسی کے نتیجے میں مسلم لیگ کے خصوصاً اور علماء نے عموماً اپنا اپنا ایک زاویہ قائم کیا۔ اس صورتحال کے نتیجے میں علماء کے تین مختلف گروہ بن گئے تھے۔ ایک گروہ ان علماء پر مشتمل تھا جو کانگریس کی پالیسیوں کے حامی تھے۔ ان میں مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا حفیظ الرحمٰن سیوہاروی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ دوسرے گروہ میں وہ علماء شامل تھے جو کانگریس کی بعض اصلاحات سے متفق نہیں تھے۔ مگر اس کے باوجود کانگریس کی حمایت میں تھے۔ اس گروہ میں مفتی کفایت اللہ مولانا سجاد بہاری اور مولانا احمد سعید وغیرہ شامل تھے۔ تیسرا گروہ ان علماء کا تھا جو کانگریس کے اس معاندانہ رویے کے بالکل خلاف تھے۔ ان میں مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، مفتی شفیع دیوبندی۔ مولانا ظفر احمد تھانوی۔ مولانا سید سلیمان ندوی۔ مولانا جمیل احمد تھانوی اور مولانا خیر محمد جالندھری شامل تھے۔ ان حضرات نے نہ صرف کانگریس کی مخالفت کی لیکن آگے چل کر مسلم لیگ کے مجوزہ پاکستان کی قرارداد کی حمایت بھی کی۔

مولانا سید سلیمان ندوی نے مفتی محمد شفیع صاحب کے اس فتویٰ کی تائید کی جو مفتی صاحب نے اراکین مجلس دعوۃ الحق کے استفتاء پر دیا تھا جس میں دریافت کیا گیا تھا کہ پاکستان کی حمایت اور مسلم لیگ میں مسلمانوں کی شرکت کے بارے میں شرعی حیثیت کیا ہے۔ اس فتویٰ میں برصغیر کی سیاست حاضرہ پر تبصرہ کرتے ہوئے قرآن وحدیث کی روشنی میں مسلمانان ہند کو مشورہ دیا گیا تھا کہ وہ مطالبہ پاکستان کی حمایت کریں اور مسلم لیگ کو مضبوط کریں۔

علمائے دیوبند اور نظریہ پاکستان

برصغیر میں ایک جداگانہ مسلم ریاست کے قیام کا تصور مختلف ایام میں مختلف شکلوں کے سامنے آتا رہا۔ لیکن اس کی صحیح نشوونما اس دور میں شروع ہوئی جب ۱۹۳۷ء کے عام انتخاب کے بعد کانگریسی حکومتوں نے ہندو راج قائم کرنے کے منصوبوں کو عمل میں لانا شروع کیا۔ مسلم لیگ کی حمایت اور مخالفت میں علماء کے تین گروہ ہو گئے تھے۔ جن میں ایک گروہ کے سرخیل مولانا اشرف علی تھانوی تھے۔ یہ مکمل طور پر مسلم لیگ کی حمایت کرتے تھے۔ مولانا تھانوی نے ایک موقعہ پر خیال ظاہر کیا تھا کہ آج کل حالات ایسے ہیں کہ اگر مولویوں کو حکومت مل بھی جائے تو وہ اسے کامیابی کے ساتھ چلا نہیں سکیں گے لہذا مولانا صاحب۔ نے یہ تجویز پیش کی کہ مسلم لیگ کے ارباب اقتدار کو اسلام کا نظریہ حیات سمجھانے کے لئے تبلیغ کی ضرورت ہے۔ چنانچہ مولانا صاحب نے قائداعظم محمد علی جناح کے پاس مولانا شبیر احمد عثمانی کی قیادت میں کچھ "تبلیغی وفود" بھیجے۔

ذیل میں چندان علماء کرام کا الگ الگ ذکر کرنا عین مناسب ہوگا جنہوں نے تحریک پاکستان کی بھرپور حمایت کی۔

مولانا تھانوی اور مولانا شبیر احمد عثمانی

مولانا اشرف علی تھانوی اور مولانا شبیر احمد عثمانی دونوں حضرات: مدرسہ دیوبند سے فارغ التحصیل تھے۔ آپ دونوں کانگریس کے ساتھ بلاشرط ومعاہدہ اشتراک واتحاد کے حق میں نہ تھے ۱۹۳۷ء کے انتخابات کے بعد جب کانگریس کی مسلم دشمنی

Marfat.com

کھل کر سامنے آ گئی تو دونوں حضرات نے مسلم لیگ کی علی الاعلان حمایت کی۔

مولانا اشرف علی تھانوی ؒ

آپ علمائے دیوبند میں ایک عالم اور صوفی کی حیثیت سے ایک ممتاز مقام کے حامل تھے۔ سیاسی نقطہ نظر کے اعتبار سے وہ ہمیشہ دو قومی نظریئے کی ترویج کرتے رہے۔ آپ کی سرکردگی اور رہنمائی میں کئی ایک ممتاز علماء اور نمایاں شخصیت نظریہ پاکستان کی حمایت میں سرگرم عمل تھیں۔ وہ کانگریس میں مسلمانوں کی شرکت کو ان کی دینی موت کے مترادف سمجھتے تھے۔ وہ اس بات کے بھی قائل تھے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں کبھی اتحاد نہیں ہوسکتا۔ اس لئے انہوں نے تحریک خلافت اور تحریک عدم تعاون میں مسلمانوں کے ساتھ ہندوؤں کی شرکت کی مخالفت کی تھی۔ اس سلسلے میں انہوں نے ایک فتویٰ بھی جاری کیا تھا کہ کانگریس کی تحریک عدم تعاون اور سول نافرمانی اگر ہندوؤں کے اشتراک سے کی جائے تو مسلمانوں کی مذہبی اور اقتصادی زندگی کے لئے نقصان دہ ہے اور ان میں مسلمانوں کی شرکت شرعاً حرام و ناجائز ہے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ مسلمان ہندو قائدین کے پیچھے چلیں۔ تاریخ کے ایک طویل دور میں جب ہندو اور مسلمان متحد نہ رہ سکے اور ان کے درمیان اختلافات ہمیشہ موجود رہے تو اب اس دور میں بھی مسلمانوں کے ہندو قائدین سے کوئی بہتر توقع نہیں رکھنی چاہئے۔ انہوں نے تیزی سے بدلتے ہوئے حالات کے پیش نظر علمائے دیوبند کے ایک طبقے سے علیحدگی اختیار کر لی۔ وہ ایک حساس اور باخبر عالم تھے جنہیں اس وقت مسلمانوں کے زوال اور ان کے مصائب کا مکمل احساس اور شعور تھا۔ وہ اپنی قوم کے جملہ امراض سے واقف تھے اور ان کا اعلان بھی کرنا چاہتے تھے۔ ان کی یہ شدید خواہش تھی کہ ایک خطہ پر خالص اسلامی حکومت ہو تمام قوانین احکام شریعت کے مطابق ہوں۔ شرعی عدالتیں قائم ہوں۔ بیت المال قائم ہو اور نظام زکوٰۃ رائج ہو۔ مسلمانوں کے دستوری معاملات کا شریعت کے مطابق فیصلہ کرانے کے لئے عدالتوں میں قاضیوں کے تقرر کی تحریک سب سے پہلے انہوں نے ہی شروع کی۔ پنجاب میں مسلمانوں کو شرعاً وراثت دلوانے کی مہم کی ابتداء بھی انہیں کی تحریک پر ہوئی۔ ۱۹۳۸ء میں کانگریسی حکومتوں کے زیر اثر جب بعض صوبوں میں دینی مدارس. بند کئے جانے لگے تو ان کی بحالی کی بھرپور اور کامیاب تحریک بھی مولانا اشرف علی تھانوی کی کوششوں کا نتیجہ تھی۔ انہوں نے سیاسی تحریکوں میں خود کبھی عملی حصہ نہ لیا۔ لیکن علماء کی ایک ایسی جماعت کی تربیت کی جس نے آگے چل کر تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا۔ اور وہ خود ہمیشہ ایک علیحدہ مسلم مملکت کے لئے دعا گو رہے۔ مسلم لیگ کو مسلمانوں کی نمائندہ تنظیم اور قائداعظم کو پکا سچا مسلمان سمجھتے تھے۔ وہ قائداعظم کی نہایت اور صلاحیت کے قائل تھے اور ان سے خط و کتابت کا رشتہ استوار کیا ہوا تھا۔ وہ اس وقت کے حالات میں مسلمانوں کی تنظیم اور قوت کو ناگزیر سمجھتے تھے۔ چنانچہ ان کی یہ خواہش تھی کہ مسلمان مسلم لیگ میں شامل ہو کر اپنے قومی تشخص کو اجاگر کریں۔ ایک تنظیم مجالس ''دعوۃ الحق'' بھی تشکیل دی تھی جس کا مقصد لیگ کے لئے دین شعائر کی روشنی میں راہ عمل تجویز کرنا اور اس کی اصلاح کرنا تھا۔ اس مقصد کے لئے متعدد مواقع پر لیگ کے جلسوں میں اور قائدین کے پاس تبلیغی وفود بھیجے جاتے تھے۔ مولانا اشرف علی تھانوی قیام پاکستان کو مسلمانوں کی بقاء کے لئے

Marfat.com

ضروری خیال کرتے تھے انہوں نے ۱۹۳۸ء ہی میں اس وقت جبکہ ابھی قرارداد پاکستان منظور نہ ہوئی تھی قیام پاکستان کی پیش گوئی کردی تھی۔ ان کی بشارت سے اندازہ ہوتا ہے کہ قیام پاکستان ان کے احساسات سے کس قدر قریب تھا۔ قیام پاکستان کے وقت وہ موجود نہیں تھے لیکن ان کے زیر تربیت علماء اس کشت کی آبیاری کے لئے ہمہ تن مصروف تھے۔ اور اس طرح ان کا فیض اور ان کی خواہشات حقیقت کی شکل میں سامنے آرہی تھیں۔

گزشتہ نصف صدی میں جن بزرگوں نے اکابر صوفیاء اور عاملین و کاملین کے منہاج پر دین و شریعت اور تصوف و طریقت کی زبردست اور تاریخی خدمات انجام دی ان میں مولانا اشرف علی تھانویؒ ایک ممتاز شخصیت تھی جو حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے مرید و خلیفہ تھے اور برصغیر کے عظیم المرتبت عالم دین تھے۔ حضرت حاجی امداد اللہ مکیؒ چشتیہ صابریہ کے اہم مشائخ میں سے تھے اور اس عظیم الشان روحانی سلسلہ کی نعمت بیسویں صدی عیسوی میں ان کی ذات صفات سے عام ہوئی۔ مولانا تھانویؒ نے ان سے اخذ طریقت کیا اور مجاہدہ و ریاضت اور کسب و سلوک سے اس مقام پر پہنچے کہ اپنے دور کے اکابر علماء ان کے حلقہ ارادت میں داخل ہو گئے۔ حضرت تھانویؒ اپنے اکابر کی تعلیمات کے امین و وارث تھے۔ زمانہ بدل چکا تھا۔ مغربیت اور مادیت کا تسلط ہو چکا تھا لیکن اپنی خانقاہ تھانہ بھون میں بیٹھ کر انہوں نے اپنے نور باطن سے اجالا پھیلایا اور جدید اور قدیم ہر ذہن و فکر کے لوگ ان کی بزم عرفان میں پہنچ کر کے منزل عرفان سے ہمکنار ہوئے۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ اور مسٹر جناح

مولانا اشرف علی تھانوی کو یقین تھا کہ بالآخر مسلم لیگ اپنے مقاصد حاصل کر کے رہے گی۔ چنانچہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان تمام لوگوں کو اسلام سے کما حقہ واقفیت دلائی جائے گی۔ لہذا مولانا تھانوی نے مسٹر جناح کے پاس تبلیغی وفود بھیجنے کا سلسلہ شروع کیا۔ جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۔ مولانا تھانویؒ نے مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کو حکم دیا کہ وہ مسلم لیگ لیڈروں پر "تبلیغ" کریں۔ اس سلسلے کا پہلا وفد ۲۴ دسمبر ۱۹۳۸ء کو مولانا مرتضیٰ حسن کی قیادت میں مسٹر جناح کے پاس بھیجا۔ اس وفد نے۔ جناح کو نماز کا باقاعدہ پڑھنے کی تلقین کی۔ جواب میں مسٹر جناح نے کہا کہ: "میں گنہگار ہوں۔ خطا کار ہوں، آپ کو حق ہے کہ مجھے کہیں، میرا فرض ہے کہ اس کو سنوں۔ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ نماز پڑھوں گا"۔

۲۔ دوسرا وفد ۱۲ فروری ۱۹۳۹ء کو مولانا شبیر احمد عثمانی کی قیادت میں مسٹر جناح سے دہلی میں ملا۔ اس وقت مولانا عثمانی کے ہمراہ مفتی محمد شفیع اور مولانا ظفر احمد عثمانی بھی شامل تھے۔ سیاست اور مذہب پر گفتگو ہوئی۔ گفتگو کے اختتام پر مسٹر جناح نے کہا کہ وہ: "دنیا کے کسی مذہب میں سیاست مذہب سے الگ ہو یا نہ ہو میری سمجھ میں اب خوب آ گیا ہے کہ اسلام میں سیاست مذہب سے الگ نہیں بلکہ مذہب کے تابع ہے"۔

۳۔ تیسرا وفد مولانا عثمانی کی قیادت میں مسٹر جناح سے پھر ملا۔ دوران ملاقات ڈاکٹر ضیاء الدین مرحوم وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی

Marfat.com

علی گڑھ بھی وہاں موجود تھے۔ مسٹر جناح نے مولانا عثمانی سے کہا کہ ''مجھے آپ کے ذریعہ خاص مذہبی معلومات حاصل ہوئی ہیں جو اور جگہ نصیب نہیں ہوئیں۔ اگر آپ کو کچھ اور کہنا ہے تو بیٹھ جائیے۔ مجھے کوئی جلدی نہیں ہے۔ میں بڑے شوق سے سنوں گا۔ غرض یہ کہ مولانا تھانوی نے مسٹر جناح کی دینی اصلاح کے لئے مولانا شبیر احمد عثمانی کو مامور کیا۔ جنہوں نے احسن طریقے سے اپنا فرض ادا کیا۔ یہ امر ملحوظ رہے کہ مسٹر جناح شیعہ فرقہ سے متعلق ہونے کے باوجود اسلامی عبادت کو سنی مسلمانوں کے ساتھ مل ادا کرتے تھے۔

قائداعظم بارگاہ رسالت میں ﷺ

علامہ اشرف علی تھانویؒ قائداعظم سے متعلق بعض رویاء بھی منسوب ہیں جن میں انہوں نے قائداعظم کو دربار رسالت رسول ﷺ کی تائید اور قربت میں تعریفی سند پاتے دیکھا تھا۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ کی نوید

مجھے بہت سے مجذوبوں نے اور اللہ کے در کے دیوانوں نے بتایا کہ پاکستان کے نام پر اسلامی مملکت 1947 میں قائم ہو جائے گی۔ اور یہی خطہ زمین دین حق کے احیاء اور ملت اسلامیہ کی نشاۃ ثانیہ کا مرکز بننے کا اعزاز حاصل کرے گا۔
(جدوجہد آزادی اور مولانا اشرف علی تھانوی۔ صفحہ نمبر ۱۴۸ پروفیسر احمد سعید)

مولانا شبیر احمد عثمانیؒ

مولانا شبیر احمد عثمانی شیخ الہند مولانا محمود الحسن کے شاگرد اور ایک باعمل عالم تھے۔ انہوں نے اپنی شخصیت کی تعمیر میں ایسے مقتدر علماء سے استفادہ حاصل کیا تھا جو انگریزوں کے خلاف جدوجہد میں برسرپیکار تھے۔ مولانا عثمانی نے اپنی صلاحیتوں کی بنا پر اپنے لئے ایک خاص مقام پیدا کر لیا تھا۔ ابتداء میں اسلام کی حقانیت ثابت کرنے کے لئے ہندوؤں کے ساتھ مناظرے کئے مولانا محمود الحسن کی انقلابی جمعیت موتمر الانصار میں شمولیت اختیار کی۔ جنگ بلقان کے دوران ترکی کے ہلال احمر کے لئے چندہ جمع کیا اور تحریک خلافت کے سرگرم کارکن بنے۔ مولانا محمود الحسن تحریک ریشمی رومال کی پاداش میں انگریزوں کے شہ پر مالٹا میں قید کر دیئے گئے تو مولانا عثمانی نے حکومت کے اس اقدام کے خلاف رائے عامہ کو بیدار کرنے کے لئے سارے ملک کا دورہ کیا اور اپنی پرجوش اور موثر تقریروں سے مسلمانوں نے انگریزوں کے خلاف جذبات مشتعل کیئے۔

تحریک خلافت کی ابتداء میں جب علماء کی ایک جماعت ''جمعیت علمائے ہند'' قائم ہوئی تو مولانا شبیر احمد عثمانی بھی اس کے رکن منتخب ہوئے اور اس کے کاموں میں شرکت کی لیکن صرف اس وقت تک جب تک یہ جمعیت کانگریس کے زیر اثر اور مسلمانوں کی جداگانہ قومیت کی منکر نہ ہوئی تھی۔ وہ ہندو سیاست کے روّیے سے خوب آشنا اور ہندو مسلم اتحاد پر یقین نہ رکھتے تھے وہ کسی ایسی جماعت یا تحریک کو بھی پسند نہ کرتے تھے جس میں مسلمانوں کے ساتھ ہندو بھی شامل ہوں گے۔ کانگریس اور اس کے نظریئے سے وہ شدید اختلاف رکھتے تھے۔ قائداعظم نے جب مسلم لیگ کی تنظیم نو کا کام شروع کیا تو کانگریس کے زیر اثر علماء

Marfat.com

نے بڑی شدت کے ساتھ پاکستان کی مخالفت کی شروع کردی۔ مسلم لیگ کے لئے یہ ایک نازک موقع تھا۔ اگر اس مناسب سد باب نہ کیا جاتا تو اس کی تحریک اور عام مسلمانوں کی دیرینہ خواہش ناتمام رہ جاتی اور عام مسلمانوں کا قومی وجود ہندو قومیت میں ضم ہو جاتا۔ مولانا عثمانی ان علماء میں سے تھے جنہوں نے اس خطرے کو بھانپ لیا تھا۔ چنانچہ اس خطرے کا مقابلہ کرنے لئے وہ عمل سیاست میں کود پڑے اور اس بات کی کوشش کی کہ ایسے علماء کو متحد کرلیں جو دوقومی نظریئے کے قائل ہیں اس مقصد میں کامیاب ہوگئے۔ اور اپنی کوششوں سے ایک جمعیت، جمعیت العلمائے اسلام کی تشکیل کی۔ یہ جمعیت علماء کے لئے ایک بہت بڑے اجلاس منعقدہ کلکتہ میں قائم کی گئی اور مولانا عثمانی اس کے صدر منتخب ہوئے۔

مولانا شبیر احمد عثمانی نے جمعیت علمائے اسلام کے پلیٹ فارم سے تحریک پاکستان کی حمایت شروع کی اور پاکستان کے مخالفوں کے اعتراضات کے مدلل جواب دیئے۔ قائداعظم مولانا عثمانی سے بہت زیادہ متاثر تھے اور ان کے اثرات کا بھی انہیں اندازہ تھا۔ چنانچہ صوبہ سرحد میں جہاں کانگریس نواز مسلمانوں کا بڑا اثر تھا۔ مسلمانوں کو ہم خیال بنانے کے لئے اور رائے شماری میں پاکستان کے حق میں رائے عامہ کو ہموار کرنے کے لئے قائداعظم نے بطور خاص انہیں صوبہ سرحد کا دورہ کرنے کی دعوت دی تھی۔ اس وقت سے لے کر قیام پاکستان کے بعد قرارداد مقاصد کی منظوری تک مولانا عثمانی کی جدوجہد تاریخ کے اوراق کی شاندار زینت ہے۔

مولانا ظفر احمد عثمانی

آپ مولانا شبیر احمد عثمانی اور مولانا اشرف علی تھانوی کے طرز فکر کے حامل تھے۔ مسلمانوں کی جداگانہ قومیت اور دوقومی نظریئے پر یقین رکھتے تھے۔ اپنے نقطۂ نظر کے لحاظ سے نہ صرف مولانا تھانوی کے پیروکار تھے بلکہ سیاسی معاملات میں ان کے دست راست اور تحریری اور تقریری امور میں ان کے معاون خاص رہے۔ مولان اشرف علی تھانوی نے سیاسی سطح پر اصلاح و تبلیغ کی جو مجلس تشکیل دی تھی۔ اس کے اہم رکن تھے۔ قائداعظم اور مسلم لیگ سے ان کا مسلسل رابطہ رہا۔ دستور ساز اسمبلی کے ایک ضمنی انتخاب میں نوابزادہ لیاقت علی خان امیدوار تھے اور ان کے مقابلے میں کانگریس کی طرف سے مولانا ظفر احمد عثمانی کے ایک عزیز امیدوار تھے۔ یہ انتخاب مسلم لیگ کی عزت و وقار کے لئے بڑی اہمیت رکھتا تھا۔ اس کا احساس کرتے ہوئے مولانا عثمانی نے اپنے اصولوں کو اہمیت دی اور عملی جدوجہد سے رائے عامہ کو لیگ کے حق میں ہموار کرتے رہے۔ چنانچہ اس انتخاب میں لیگ کو واضح کامیابی حاصل ہوئی۔

تحریک پاکستان کے نازک لمحات میں جبکہ دوقومی نظریہ اور تحریک پاکستان کے حامی کی ایک تنظیم کی ضرورت کو شدت سے محسوس کیا جارہا تھا۔ جن علماء نے اس تنظیم کے قیام کو عملی صورت دینے اور علماء کو متحد کرنے کی کوشش کی ان میں مولانا ظفر احمد عثمانی پیش پیش تھے۔ کلکتہ میں علماء کے ایک بہت بڑے اجتماع میں ''جمعیت العلماء اسلام'' کی تشکیل کے ساتھ ساتھ مولانا ظفر احمد عثمانی کی صورت میں ایسی کئی قراردادیں منظور ہوئیں جن میں مسلم لیگ کی جدوجہد کی حمایت کی گئی تھی۔ پاکستان کے لئے

Marfat.com

ہونے والے فیصلہ کن انتخابات خود پاکستان اور ان لوگوں کے لئے بڑی اہمیت رکھتے تھے جو ایک طویل عرصے سے اس کے قیام کی جدوجہد کر رہے تھے۔ مسلم لیگ اور قائداعظم کی خواہش پر اس نازک صورتحال میں علماء رائے شماری میں لیگ کے موقف کی کامیابی کے لئے سرگرم و مستعد ہوئے۔ مولانا ظفر احمد عثمانی نے تقریباً چار ماہ تک مختلف علاقوں کا دورہ کیا اور پاکستان کے لئے راہ عامہ کو مزید ہموار کرتے رہے۔ اس مقصد کے لئے ایک موقع پر انہوں نے لیگ کی حمایت اور کانگریس اور اس کے معاونین کے خلاف ایک فتویٰ بھی جاری کیا۔ رائے شماری میں پاکستان کے موقف کی کامیابی کے لئے انہوں نے بالخصوص سلہٹ کے علاقے کو اپنی تبلیغی جدوجہد کے لئے منتخب کیا۔ وہاں کانگریس اور کانگریس کے حامی علماء کا اثر تھا۔ یہ ایک کٹھن مرحلہ تھا لیکن مولانا ظفر احمد عثمانی کی مستقل جانفشانی اور کوششوں سے پاکستان کے موقف کو کامیابی حاصل ہوئی۔ اسی جدوجہد کا اثر تھا کہ سلہٹ کا علاقہ پاکستان میں شامل کر لیا گیا۔ قیام پاکستان کے وقت وہ ڈھاکہ میں ہی تھے۔ قائداعظم کی ہدایت کے مطابق پاکستانی پرچم لہرانے کی رسم انہی کے سپرد کی گئی اور حکام سلطنت میں پہلے چیف جسٹس سے انہوں نے حلف لیا۔

مفتی محمد شفیع

مفتی محمد شفیع تحریک پاکستان کے علماء میں ایک ہمہ گیر شخصیت کے مالک ہیں۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد آپ دارالعلوم دیوبند میں مدرس ہو گئے۔ عالم اسلام اور خاص طور پر برصغیر کے مسلمانوں کو سیاسی بدحالی کو قطعاً برداشت نہیں کر سکتے تھے طالب علمی ہی کے زمانے میں عملی سیاست میں پرخلوص اور رضاکارانہ حصہ لیتے رہے۔ کچھ عرصہ وہ نہایت خاموشی اور متانت سے علمی اور دینی تصنیف و تالیف کے عالمانہ کاموں میں مصروف رہے لیکن مسلمانوں کے زوال اور ان کی سیاسی غلامی کا انہیں شدید احساس تھا۔ چنانچہ قوم کی گرتی ہوئی دیوار کو سنبھالا دینے کے لئے کمربستہ ہو گئے۔ مفتی محمد شفیع خود کو ان حالات سے الگ نہیں رکھ سکتے تھے۔ جو ہندو سیاست اور کانگریس کے غلبہ کے نتیجے میں مسلمانوں کے قومی وجود کو ختم کر دینے کے در پے تھے انہوں نے کانگریس کی ماتحت جمعیت العلمائے ہند سے اختلاف رائے کی بنیاد پر مولانا اشرف علی تھانوی اور مولانا ظفر عثمانی کی پیروی کو اپنے لئے راہ عمل کا انتخاب کیا۔ چنانچہ آپ جمعیت العلمائے اسلام کی مجلس عامہ کے رکن منتخب ہوئے اور اس کی سرگرمیوں میں باقاعدہ حصہ لینے لگے انہوں نے پاکستان کے مطالبے کو برحق ثابت کرنے کے لئے متعدد رسالے تحریر کیے اور ایک موثر فتویٰ مرتب کیا۔ اس موضوع پر ان کی ایک مستقل تصنیف کانگریس اور مسلم لیگ کے متعلق شرعی فیصلہ بہت مدلل اور مفصل ہے۔ انہوں نے اس میں مطالبہ پاکستان کے سیاسی مقاصد کے علاوہ خاص طور پر اس کی شرعی حیثیت کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اس مسئلے پر یہ پہلی علمی کتاب تھی۔ جس میں غیر مسلموں کے ساتھ مسلمانوں کے روابط، مصالحت اور تعاون کی تمام صورتوں کے علیحدہ علیحدہ احکام بڑی وضاحت اور تفصیل کے ساتھ جمع کئے گئے تھے۔ دلائل میں قرآن و حدیث اور فقہی عبادات کے نہایت معتبر شہادتیں پیش کیں۔

تصنیف و تالیف کے علاوہ تحریک پاکستان کی کامیابی اور مقبولیت کے لئے انہوں نے ہندوستان کے طول وعرض کے

Marfat.com

دورے کئے اور جگہ جگہ تقریروں کے ذریعے فضا کو ہموار کیا۔ خاص طور سے قیام پاکستان کے لئے رائے شماری کے موقع پر صوبہ سرحد میں جہاں کانگریس کے زبردست اثر اور عمل دخل تھا۔ پاکستان کی حمایت کے لئے دورے کئے اور کانگریسی اثرات کو زائل کیا۔ تحریک پاکستان کے لئے یہ ان کا ایک انقلابی اقدام تھا۔ جس کے نتائج حصول پاکستان کے لئے بڑے بار آور ثابت ہوئے۔

مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی

آپ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے معتقد تھے۔ اپنی ساری زندگی اسلام کی عزت و ناموس کی خاطر وقف کر رکھی تھی۔ آپ نے مراد آباد میں ''انجمن اہل سنت'' کی بنیاد رکھی۔ آپ نے بریلی میں ہندوؤں کا مقابلہ کرنے کے لئے جماعت رضائے مصطفیٰ بنائی اور مسلمانوں میں سیاسی و دینی شعور پیدا کرنے کے لئے ایک رسالہ ''سوادِ اعظم'' کے نام سے شائع کیا۔ آپ دو قومی نظریہ کے پوری طرح قائل تھے۔ جب برصغیر میں مسلمانوں کے لئے علیحدہ مملکت کا تصور سامنے آیا تو آپ نے دو قومی نظریئے کی وضاحت کرنے کے لئے ملک گیر مہم شروع کر دی۔ علامہ اقبال کے خطبہ الٰہ آباد سے متاثر ہو کر آپ نے ''سوادِ اعظم'' میں اس کی حمایت میں مسلسل لکھا۔ جب ۱۹۴۶ء میں بنارس کانفرنس منعقد ہوئی اور اہلسنت والجماعت کے علماء وہاں جمع ہوئے تو حضرت مولانا نعیم الدین مراد آبادی کو کانفرنس کا سیکریٹری جنرل منتخب کیا گیا۔ اس کانفرنس میں آپ نے مندرجہ ذیل قرارداد منظور کروائی۔ ''آل انڈیا سنی کانفرنس کا یہ اجلاس پاکستان کے مطالبہ کی پرزور حمایت کرتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ علماء و مشائخ اہل سنت اسلامی حکومت کے قیام کی تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے ہر امکانی قربانی کے لئے تیار ہیں۔ اور یہ اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ایسی حکومت قائم کریں جو قرآن کریم اور حدیث نبوی ﷺ کی روشنی میں فقہی اصول کے مطابق ہو''۔

سنی کانفرنس نے پاکستان کی خاطر بھرپور مہم شروع کر دی تھی اس کانفرنس کے رکن علماء شدت کے ساتھ تحریک میں حصہ لے رہے تھے۔ حضرت نے ایک بار یہاں تک فرما دیا تھا کہ: ''پاکستان کی تجویز سے آل انڈیا سنی کانفرنس کو کسی طور دستبردار ہونا قبول نہیں۔ خود جناح اس تحریک کے حامی رہیں یا نہ رہیں۔ کانفرنس پاکستان کا مطالبہ کرتی رہے گی''

تحریک پاکستان کو کامیاب بنانے اور دور دراز بسنے والے مسلمانوں تک دو قومی نظریہ کے تصور کو پہنچانے کے لئے آپ نے بنگال آسام، بمبئی، مدراس اور کئی دوسرے علاقوں کے دورے کئے۔ آپ نے پاکستان اور اسلام کو ہم معنی قرار دیا اور قائداعظم کے ہم رکاب منزل کی تلاش کو اپنی زندگی کا مشن بنایا۔

سید ابو الاعلیٰ مودودی

سید ابو الاعلیٰ مودودی ایک عظیم سکالر، مفکر، مفسر اور اسلام کے داعی اور مبلغ تھے۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے انہیں اسلامی علوم کا بحر ذخار قرار دیا تھا۔ مولانا مناظر احسن گیلانی انہیں متکلم اسلام کہا کرتے تھے۔ الجزائر کے مجاہد علم اور مفتی محمد بشیر الابراہیمی انہیں ''عالم اسلام کی منفرد باکمال شخصیت'' کہتے تھے۔ مولانا شبیر احمد عثمانی نے انہیں ''اسلام کی تلوار کہا تھا۔

Marfat.com

قائداعظم نے انہیں ان کی خدمات کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا اور ان کا اعتراف کیا۔ علامہ اقبال ترجمان القرآن کو باقاعدہ دیکھتے اور مولانا مودودی کی خدمات کے معترف تھے اور کہا کرتے تھے کہ کانگریس اور نیشنلسٹ کانگرس مسلمانوں کے توڑ کے لئے مولانا مودودی ہی کافی ہیں۔ علامہ اقبال نے مولانا مودودی کو حیدرآباد دکن سے دارالسلام پٹھانکوٹ میں منتقل ہونے کا مشورہ بھی دیا تھا تاکہ آئندہ وجود میں آنے والی اسلامی ریاست "پاکستان" جو ان کے تصور میں موجود تھی اس کے لئے اسلامی قانون کی دفعہ وار تدوین پہلے سے کی جا سکے اسی طرح پاکستان کی تحریک کے وقت مولانا مودودی ہندوستان مسلمانوں کی جانی پہچانی شخصیت تھے اور ان کی اسلامی خدمات دینی فکر اور صالح کردار کا ہر کسی کو اعتراف تھا۔ مولانا مودودی کی زندگی کا نیم سیاسی دور دراصل اس وقت سے شروع ہوتا ہے جب انہوں نے اپنے بھائی کے ساتھ ۱۹۱۸ء میں اخبار مدینہ (بجنور) کی ادارت کے سلسلہ میں مل کر کام شروع کیا تھا، یہ وہ زمانہ تھا جب ہندوستان میں سیاسی تحریک بڑی شدومد سے جاری تھی اور اس کی شدت میں دن بدن اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ مولانا مودودی کے بچپن اور ان کی ابتدائی عملی تربیت کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے وہ کچھ فطری آزاد خیال کچھ ذاتی مطالعہ کچھ خاندانی روایات اور کچھ ماحول کے اثرات کا نتیجہ تھا کہ انہیں ابتداء سے ہی فرنگیت اور فرنگی تسلط سے آزاد کرانے کے لئے کی جائے۔ اس بناء پر انہوں نے ۱۹۱۱ء میں خلافت اور ستیہ گری کی تحریکوں میں حصہ لیا۔ تحریک پاکستان کی ساری جدوجہد مندرجہ ذیل تین بنیادی نظریات پر مبنی تھی۔

۱۔ ہندو اور مسلمان ہر اعتبار سے دو قومیں ہیں۔

۲۔ چونکہ ان دونوں قوموں میں مذہبی اور تہذیبی اعتبار سے نمایاں فرق ہے اور ان کے نصب العین بھی جدا جدا ہیں۔ اس لئے ایک بڑی تعداد والی قوم کے ساتھ مسلمانوں کا مستقبل متحدہ ہندوستان میں محفوظ نہیں رہ سکتا اس لئے مسلمان اکثریتی صوبوں میں مسلمانوں کو کل اختیارات حاصل ہونے چاہئیں یا ہندوستان کی تقسیم ہونی چاہئے۔

۳۔ تقسیم کے بعد مسلمانوں میں آنے والے علاقوں میں اسلامی نظام قائم کیا جائے۔

تحریک پاکستان کی ساری جدوجہد مندرجہ بالا تینوں بنیادی نظریات پر استوار تھی، اور دراصل کسی شخصیت، جماعت یا تحریک کو جانچنے کا یہی پیمانہ ہوسکتا ہے کہ آیا وہ ان تینوں بنیادی عوامل پر ایمان رکھتی اور حمایت میں شامل ایک معمولی مسلمان تک تاریخ کا حصہ ہیں جنہوں نے اپنی بساط کے مطابق پاکستان (آزاد) کے لئے تحریک بالعمل یا بالقلم میں حصہ لیا۔

جس زمانے میں مولانا مودودی مسلمانوں کی فکری اور ذہنی تبدیلی کے لئے جدوجہد کر رہے تھے۔ اس زمانے میں ہندومت کی وطن پرستی کی تحریک اپنے فیصلہ کن مرحلے میں تھی ۱۹۳۵ء کے ایکٹ کے تحت ۱۹۳۷ء میں جب انتخابات ہوئے تو یہ بات یقینی نظر آنے لگی کہ یہ تحریک بالآخر پورے ملک میں مسلط ہو جائے گی۔ ہندی وطن پرستی کی تحریک نے بظاہر رابطہ مسلم عوام اور شدھی کی جو تحریک چلائی تھی وہ اس برعظیم میں اسلام کے مستقبل کے لئے سخت خطرات کی حامل تھی۔ ہندوستانی قوم کی تشکیل اور اصل کانگرس کا نصب العین تھا جس کی دو صورتوں نے اپنا اظہار اعلانیہ اور واضح طور پر شدھی اور سنگھٹن کی تحریک کی

Marfat.com

ابتداء قبل ہی کانگرس اور ہندوؤں کے عزائم کو سمجھ لیا تھا۔ ان میں ایک مولانا مودودی بھی تھے۔ مولانا مودودی نے متحدہ قومیت کے تصور کی مخالفت میں نمایاں حصہ لیا وطن پرستی کی بنیاد پر حاصل ہونے والی آزادی کی مذمت کرتے ہوئے مولانا مودودی نے مسلمانوں کو تلقین کی کہ "کسی ایسی حکومت کے قیام میں مددگار بننا آپ کے لئے ہرگز جائز نہیں جس کی بنیاد انہی اصولوں پر ہو جن پر انگریزی حکومت کی بنیاد قائم ہے۔ بجائے اس کے کہ وہ وطنی حکومت ہو یا غیر وطنی آپ کا کام ایک باطل کو مٹا کر دوسرے باطل اور بدتر باطل کو قائم کرنا نہیں ہے"۔ مولانا مودودی نے اپنی تحریروں میں ہندوؤں کی لایعنی جمہوری حکومت کا جسے کانگریس ہندوستان میں قائم کرنا چاہتی تھی اور جسے مسلمانوں کے بہت سے نادان رہنما آزادی وطن کا نام دے کر مسلمانوں کے لئے بھی آزادی کی تحریک سمجھ رہے تھے پورا تجزیہ کر کے بتایا کہ اس کا ہر جزو خود کیا معنی رکھتا ہے۔ ہندوؤں کی قوم پرستی کی تحریکوں کی وجہ سے یہ خطرات پیدا ہو رہے تھے کہ کہیں ہندوستان میں اسلامی قومیت رفتہ رفتہ ختم ہی نہ ہو جائے۔ چنانچہ مسلمان کے جداگانہ قومی تشخص کو برقرار رکھنے اور اس کی نشو و نما کے لئے ضروری تھی کہ آزادی حاصل کی جائے۔ اس وقت آزادی وطن کے دو ہی راستے تھے۔ ایک راستہ وطن پرستی کا تھا۔ بقول سید مودودی کے جس کو ہم صرف ہندوستانی ہونے کی حیثیت سے اختیار کر سکتے تھے۔ اس کے حامی وہ لوگ تھے جس کے پیش نظر وطنی قومیت کا مغربی تصور تھا۔ ظاہر ہے کہ اس راستے پر چل کر وہ آزادی حاصل نہیں ہو سکتی تھی جو مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمیں درکار تھی۔ اس راستے کو اختیار کرنے کا مطلب انگریزوں حکومت کے ماتحت جس انقلاب کا عمل ڈیڑھ سو برس سے ہماری قوم میں ہو رہا تھا وہ ہندوستانی حکومت کے ماتحت زیادہ شدت کے ساتھ پایہ تکمیل تک پہنچتا اور ہم اس کی تکمیل میں مددگار بنتے۔ بقول مولانا مودودی اس کا کھلا ہوا نتیجہ یہ ہے کہ تحریک آزادی ہند کے دوران ہمارا اجتماعی وجود فنا بھی ہو جائے اور ہم جدا جدا قطروں کی شکل اختیار کر کے جدید نیشنلزم کی خاک میں جذب بھی ہو جائیں پھر ہم بحیثیت قوم کے "نشاۃ ثانیہ" کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتے۔

۴۔ آل انڈیا فیڈریشن اسکیم کو لیگ سختی کے ساتھ ادا کرتی ہے۔ اور بنیادی اور اساسی طور پر اس کے خلاف ہے۔ اور اس کو کبھی نہیں کرے گی۔

۵۔ مسلم لیگ ۱۹۱۶ء کے لیگ کانگریس، لکھنؤ ایکٹ کے مطابق کانگریس سے ایک فریق اور پارٹی کی حیثیت سے معاہدہ کرنا چاہتی ہے۔ لیکن کسی حال میں مسلم قوم کی جداگانہ تنظیم اور جداگانہ انفرادیت کو کم کرنے کی روادار نہیں ہو گی۔

۶۔ جداگانہ انتخاب کی بنیاد پر جداگانہ مسلم پارٹی کا قیام ضروری ہے۔ لیکن مسلم لیگ کسی گروپ یا گروپوں سے جن کے اغراض و مقاصد آل انڈیا مسلم لیگ سے قریب ہیں۔ تعاون کرنے کے لئے آزاد ہے۔

۷۔ مسلم لیگ مسلمانان ہند سے اپیل کرتی ہے کہ وہ اقتصادی یا کسی دوسری بنیاد پر مسلمانوں سے کسی کو ناجائز استفادہ کرنے، ان میں پھوٹ ڈالنے کا موقعہ نہ دیں۔ اور اقتصادی یا کسی طبقاتی سوال پر ملت اسلامیہ کو کسی طرح شکست نہ ہونے دیں۔ مسلم لیگ نے جمعیت علمائے ہند اور دیگر مسلمل جماعتوں کی شرکت و مدد سے صوبائی انتخابات میں حصہ لیا۔ جمعیت علمائے ہند لیگ کے امیدواروں کو کامیاب بنانے کیلئے بڑی انتھک کوششیں کیں۔ بلکہ مولانا سید حسین احمد مدنی نے تو یہاں تک فرمایا تھا کہ جو

Marfat.com

شخص (مسلمان) مسلم لیگ کے خلاف کام کرے گا یا مسلم لیگ کے امیدوار کو ووٹ نہ دے وہ واصل وجہنم ہوگا۔ جمعیت علماء کی اس جدوجہد کے نتیجے میں عوام سے کم رابطگی کے باوجود مسلم لیگ کے امیدواروں کا انتخابات میں امید سے زیادہ کامیابی ہوئی۔

تحریک پاکستان میں مشائخ کا کردار

پیر محمد اسماعیل روشن سرہندی

پیر محمد اسماعیل روشن سرہندی بن پیر محمد حسین سرہندی (ف 1948ء) بن حضرت خواجہ پیر عبدالرحمٰن سرہندی (ف 1898ء) کی والدت باسعادت 5 ذی قعدہ 1307ھ 23 جون 1890ء کو ٹکھڑ تحصیل ٹنڈو محمد خاں ضلع حیدر آباد (سندھ) میں ہوئی۔ آپ نسبتاً فاروقی مجددی مسلکاً حنفی اور مشرباً نقشبندی مجددی تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے داداجان قدس سرہ سے حاصل کرنے کے بعد استاذ الوقت حافظ یوسف اور انکے صاحبزادے حافظ ہارون المتخلص بہ دلگیر و دیگر مشاہیر عصر سے استفادہ کیا۔ حصول تعلیم کے بعد مسند علم وفضل وتلقین پر فائز ہوئے۔ بچپن ہی میں حضرت داداجان قدس سرہ کے دست مبارک پر بیعت کرلی تھی، چنانچہ دین کا فریضہ سرانجام دینے لگے۔ پرہیزگاری کا یہ عالم تھا کہ بغیر اجازت والد گرامی کے باغ سے کوئی پھل توڑنا گوارا نہ کرتے تھے۔ سات سال کی عمر سے لیکر تادم واپسیں کوئی نماز قضاء نہ ہوئی جس کا ثبوت یہ ہے کہ وصال کے دن بھی فجر، ظہر، عصر اور مغرب کی نمازیں باقاعدگی سے ادا کیں اور ابھی عشاء کا وقت نہیں ہوا تھا کہ روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔ مذہبی خدمات انجام دینے کے ساتھ ساتھ آپ نے سیاست میں بھی بھرپور حصہ لیا، جہاد مسجد منزل گاہ سکھر میں مردانہ وار حصہ لیا، تحریک خلافت میں شاندار خدمات انجام دیں۔ 1926ء میں علی برادران کے ہمراہ موتمر عالم اسلامی کی کانفرنس میں شرکت کے لئے حجاز مقدس گئے "ترک موالات" کے دور میں ولائتی کپڑے کے استعمال کو نہ صرف یہ کہ ترک کردیا بلکہ اپنے گھر میں ایک دھاگہ تک بھی نہ رہنے دیا۔ کئی سال تک سنی جمعیت علماء ضلع تھرپارکر کے صدر رہے۔

1921ء میں جب برطانوی شہزادہ ویلز ہندوستان کے دورے پر آیا اور 17 نومبر کو بمبئی پہنچا تو تحریک خلافت اور کانگریس کے رہنماؤں نے شہزادے کی آمد سے بیزاری ولاتعلقی کا اظہار کیا جس کی پاداش میں ان رہنماؤں کو گرفتار کرلیا گیا۔

آپ سندھ مسلم لیگ کے بانی رکن تھے۔ 1938ء میں سامارو ضلع تھرپارکر مسلم لیگ کے صدر چنے گئے۔ صدر کی حیثیت سے آپ نے گرانقدر خدمات انجام دیں۔ سندھ مسلم لیگ کے صدر بھی رہے۔ گوناگوں مصروفیات کے باوجود آپ نے بہت سی کتابیں بھی لکھیں۔ جن کتابوں کے نام ہمیں دستیاب ہوسکے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

دیوان روشن (فارسی)

۱۔ اس میں حمد ونعت، سیاسیات اور قطعات تواریخ شامل ہیں۔ ہمارے پیش نظر پہلا ایڈیشن ہے۔

۲۔ انشائے روشن وخطبہائے منظومہ ومنشورہ (فارسی)

۳۔ نسیم چمن (فارسی) یہ کتاب نفحۃ الیمن کے تتبع میں لکھی گئی ہے۔ حکایات کے آخر میں ضرب الامثال یا ایک دو اشعار اپنی طرف

Marfat.com

سے لکھے گئے ہیں، ضخامت دوصد صفحات ہیں۔

۴۔ جواہر نفیسہ (فارسی) صفحات 300 یہ کتاب تصوف اور کرامات اولیاء پر مشتمل ہے۔ اور حضرت علیہ الرحمتہ نے وصال سے ہفتہ عشرہ پہلے مکمل کی تھی۔

۵۔ دیوان روشن (سندھی) فارسی دیوان سے زیادہ ضخیم ہے، غزلیات ومناجات پر مشتمل ہے۔

۶۔ خطبات سندھی (منظوم) جمعہ اور عیدین کے خطاب پر مشتمل ہے۔ علاوہ ازیں فارسی، سندھی، پشتو، اردو، ملتانی (سرائیکی) زبانوں میں حضرت کی بہت سی مکمل ونامکمل کتابیں موجود ہیں۔ آپ کی وفات 1361ھ / 1942 میں کراچی میں ہوئی۔ جسد مبارک کراچی سے تابوت میں لے جا کر ٹنڈوسائیں داد میں جدامجد قدس سرہ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

پیر محمد حسن جان سرہندی

پیر محمد حسن جان کی ولادت 6 شوال 1278ھ/6/ اپریل 1862ء بروز اتوار قندھار (افغانستان) میں ہوئی۔ والد گرامی کا اسم مبارک حضرت خواجہ عبدالرحمٰن (ف 1898ء) بن خواجہ عبدالقیوم (ف 1855ء) بن شاہ فضل اللہ سرہندی (ف 1823ء) بن شاہ غلام نبی (ف 1811ء) تھا۔ سلسلہ نسب حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی بن حضرت مجدد الف ثانی تک پہنچتا ہے۔ 1297ھ / 1880ء میں حضرت خواجہ عبدالرحمٰن افغانستان سے ہجرت فرما کر صوبہ سندھ میں آباد ہو گئے۔

آپ نے علوم عقلیہ ونقلیہ والد ماجد سے حاصل کئے۔ مشاہیر علماء سے بھی استفادہ کیا۔ جب والد ماجد حج کے لئے تشریف لے گئے تو آپ بھی ساتھ گئے اور وہاں حاجی امداد اللہ مہاجر مکی (ف 1899ء) کے مدرسہ صولیتہ میں داخل ہوئے۔ شیخ احمد دحلان اور شیخ الحدیث محمد ابونصر دمشقی سے اسناد حدیث حاصل کیں اور اپنے والد ماجد کے دست اقدس پر بیعت کی، پھر اپنے وطن واپس آ کر مذہب وملت کی خدمت میں مصروف ہو گئے۔ تحریک آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ 1296ھ/1879 میں جب افغانستان کے عوام نے انگریزوں کے خلاف جہاد کیا تو آپ کے والد ماجد نے انگریزوں کا ناطقہ بند کر دیا۔ آپ کی عمر اس وقت صرف سترہ برس کی تھی۔ اس کم سنی کے باوجود آپ نے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ جنگ طرابلس (1911) میں مجاہدین کی بھرپور مالی مدد کی۔ تحریک خلافت میں سرگرمی سے حصہ لیا مگر ہندوؤں سے اتحاد کی سختی سے مخالفت کی۔ تحریک ہجرت کے مسئلہ پر آپ نے عوام کو اس کے نقصانات سے آگاہ کیا۔ تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ صوبہ سندھ میں مسلم لیگ کی ڈٹ کر حمایت کی اور اپنے متوسلین کو بھی مسلم لیگ کی حمایت کا حکم دیا۔ 46-1945ء کے الیکشن میں مسلم لیگی امیدواروں کا بھرپور ساتھ دیا۔ شب وروز دورے کر کے کانگریسی لیڈروں کی ریشہ دوانیوں کو خاک میں ملا دیا۔ مسلم لیگ کی حمایت میں اشتہار چھپوائے۔ ان انتخابات میں جی ایم سید (ف 1995ء) کی سیٹ پر بڑا گھمسان کا رن پڑا۔ مولانا ابوالکلام آزاد (ف 1958ء) جی ایم سید کی پیٹھ ٹھونکنے کے لئے سندھ میں آئے۔ حضرت قائداعظم نے جی ایم سید (ف 1995ء) کے مقابلہ پر قاضی محمد اکبر (ف 1979ء) کو مسلم لیگ کا ٹکٹ دیا اور وہ ہر قیمت پر اپنے اُمیدوار کی کامیابی کے خواہاں تھے۔

Marfat.com

مسلم لیگ نے اس حلقہ میں خصوصی توجہ دی اور کئی بڑے بڑے جلسوں کا پروگرام بنایا۔ سندھ کے بڑے بڑے مشائخ اور علماء نے رات دن ایک کر کے اس حلقے میں بہت سے جلسوں سے خطاب کیا۔ آپ نے بھی اپنے عقیدت مندوں کے ساتھ مسلم لیگ کی کامیابی و کامرانی کے لئے بھرپور جدوجہد کی۔ نتیجتاً جی ایم سید بری طرح ہار گئے۔ اسی طرح ایک اور سیٹ پر مسلم لیگ کے اُمیدوار سید اکبر شاہ تھے۔ جن کے مقابلہ پر محمد قاسم مہیر قوم پرست اور محمد پاریل لغاری آزاد اُمیدوار تھے۔ اس حلقہ میں آپ نے اپنے مخلصین کو خطوط بھیجے کہ وہ مسلم لیگ کے امیدوار کی حمایت کریں۔

آپ کے ایک فارسی خط کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے: ''مخلصین مکرمین وڈیرہ محمد قاسم، وڈیرہ عبداللہ و قاضی جان محمد سلمہم ربہم بعد از دعائے خیر تم مخلصین کو بطور نصیحت لکھا جاتا ہے کہ الیکشن کے سلسلہ میں اسلام کے مددگار بنو اور کافر ہندوؤں کی رفاقت سے الگ ہو جاؤ کیونکہ یہ ہندوؤں کا مسلمانوں سے مقابلہ ہے۔ سید اکبر علی شاہ کو مسلم لیگ کا ٹکٹ دے دیا گیا ہے اس لئے تم پر لازم ہے کہ ان کی مخالفت سے دستبردار ہو جاؤ اور جس قدر ممکن ہو امداد کرو''

والسلام

فقیر محمد حسن جان عفی عنہ 6 / ماہ صفر 1365ھ

الیکشن کا نتیجہ نکلا تو سید اکبر شاہ 11681 ووٹ لے کر کامیاب ہو گئے۔ مخالف اُمیدواروں کو علی الترتیب 2555 اور 271 ووٹ ملے۔ مؤخر الذکر کی تو ضمانت بھی ضبط ہو گئی۔ گوناگوں مصروفیات کے باوجود آپ نے مندرجہ ذیل علمی یادگاریں بھی چھوڑیں۔ شفاء الامراض، انیس المریدین، النساب الانجاب، الاصول الاربعہ فی تردید الوہابیہ، طریق النجاۃ مع رسالہ التنویر فی اثبات التقدیر، العقائد الصحیحہ فی بیان مذہب اہل السنہ والجماعۃ، رسالہ تہلیلہ، تذکرۃ الصلحاء فی بیان الاتقیاء، شرح حکم شیخ عطاء اللہ سکندری، پنج گنج، سفر نامہ بستان، الاشارہ الی البشارہ، رسالہ فی باب صحۃ الجمعہ فی القریٰ، لغات القرآن، رسالہ در قواعد تجوید۔ آپ کی وفات حسرت آیات 2/ رجب المرجب 1365ھ/2 جون 1946ء بروز اتوار ٹنڈو سائیں داد میں ہوئی۔ مزار مقدس مرجع خواص و عام ہے۔

پیر محمد حسین جان سرہندی''

علم و ادب اور فضل و کمال کا یہ آفتاب ارغستان علاقہ قندھار (افغانستان) میں 1288ھ/1871ء کو طلوع ہوا۔ سلسلہ نسب دس واسطوں سے حضرت مجدد الف ثانی (ف 1624ء) اور اڑتیس واسطوں سے سیدنا فاروق اعظم (ف 643ء) سے ملتا ہے۔ اپنے والد گرامی حضرت شاہ عبدالرحمٰن فاروقی سرہندی (ف 1898ء) برادر اکبر پیر محمد حسن جان سرہندی (ف 1946ء) مولانا لعل محمد متعلوی (ف) وغیرہ ہم سے علمی استفادہ کیا۔ نثر نگار اور فارسی شاعر کی حیثیت سے اپنا لوہا منوایا۔ عربی فارسی پشتو اور سندھی میں کئی کتابیں لکھیں۔ ''خیابان سرہندی'' کے نام سے فارسی مجموعہ کلام نے شہرت عامہ حاصل کی۔

آپ نے تحریک خلافت میں نہایت سرگرمی سے حصہ لیا۔ بڑی بڑی رقمیں خلافت فنڈ میں دیں۔ پورے سندھ کے

Marfat.com

دورے کر کے قوم میں بیداری کی لہر دوڑا دی۔ مسجد منزل گاہ سکھر کی تحریک میں بھی خوب زور و شور سے حصہ لیا۔ انگریزوں سے نفرت ورثہ میں پائی تھی۔ کبھی کسی انگریز افسر سے ملنا گوارا نہیں فرماتے تھے۔ مسلم لیگ کا غلغلہ بلند ہوا تو اس میں شامل ہو کر ضلع تھرپارکر میں ڈٹ کر کام کیا۔ کانگریسی علماء کو یا تو مسلم لیگ میں شامل کیا یا پھر ان سے تعلقات ختم کر لئے۔ میرپور خاص میں بار بار مسلم لیگ کے عظیم الشان جلسے کرائے۔ میرپور خاص کے علاوہ حیدرآباد اور کراچی جیسے مرکزی شہروں میں جلسوں میں شمولیت فرما کر تحریک پاکستان کو تیز تر کیا۔

1938ء میں آپ نے میرپور خاص میں ایک عظیم الشان جلسۂ عام مسلم لیگ کی تائید و حمایت اور سرگرمیوں کو تیز تر کرنے کے لئے منعقد کیا اور حضرت قائداعظم کو شرکت کی خصوصی دعوت دی۔ چنانچہ قائداعظم تشریف لائے اور اپنے ایمان افروز خطاب سے حاضرین کے قلوب کو گرما دیا۔ جس سے مسلم لیگ کی دھاک بیٹھ گئی اور کانگریس مولویوں کی زبانیں گنگ ہونے لگیں۔

آپ نے سندھ مسلم لیگ کے ہر اجلاس میں شرکت کی۔ آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس کراچی 1943ء میں شرکت کر کے قائداعظم سے ملاقات کی اور قائداعظم کے ساتھ نماز جمعہ سندھ مدرستہ الاسلام کالج کراچی کی مسجد میں ادا کی۔ 1946ء کے انتخابات میں ضلع تھرپارکر کے مسلم لیگی امیدواروں کی ڈٹ کر حمایت کی۔ چنانچہ ارباب توغاچی، غلام محمد واسن بھاری اکثریت سے ووٹ حاصل کر کے سندھ اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے جبکہ کانگریسی اُمیدوار بری طرح شکست سے دوچار ہوئے۔

قیام پاکستان کے بعد جب بھارت میں مسلمانوں کا قتل عام شروع ہوا اور اس بات کا قوی امکان تھا کہ بھارت پاکستان پر حملہ کر دے گا۔ اس سلسلہ میں مبلغ اسلام شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی (ف 1954ء) کی تحریک پر کراچی میں ''آل پاکستان مشائخ کانفرنس'' منعقد ہوئی جس میں پاکستان بھر کے مشائخ عظام جلوہ افروز ہوئے اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ تمام حضرات اپنے اپنے مریدوں کو میدان جہاد میں لائیں گے اور اسلحہ و بارود و دیگر سامان حرب کے حصول کے لئے عرب ممالک کا دورہ کریں گے۔ اس کانفرنس کو ساحل کامرانی تک پہنچانے کے لئے آپ نے بڑی کوشش فرمائی۔ اس مشائخ کانفرنس نے حضرت قائداعظمؒ (ف 1948ء) سے ملاقات کے لئے اپنے سات نمائندے منتخب کئے جن میں آپ کا اسم گرامی بھی شامل تھا۔ یہ وفد بڑے غم و غصہ کے عالم میں حضرت قائداعظمؒ سے ملا کر کیونکہ عام خیال یہ تھا کہ قائداعظم ضرورت سے زیادہ نرمی سے کام لے رہے ہیں جب کہ ملک تباہ ہونے کو ہے۔ لیکن جب وفد ملاقات کے بعد واپس آیا تو سبھی نے تسلیم کیا کہ ہم سے زیادہ رنج و الم حضرت قائداعظم کو ہے اور وہ پاکستان کی بقاو سالمیت اور بھارتی مسلمانوں کے تحفظ کے لئے ہر ممکن تدابیر پر عمل پیرا ہیں۔

اسی طرح جب مشرقی پنجاب کے مسلمان آفتاب ہند حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ النورانی (ف 1624ء) کے آستانہ عالیہ سرہند شریف کے قلعہ میں پناہ گزین ہوگئے اور مسلسل فاقوں اور عوارضات کی وجہ سے ان چالیس پینتالیس ہزار افراد کی حالت غیر ہونے لگی تو آپ نے اس سلسلہ میں سندھ کے وزیر اعلیٰ غلام حسین ہدایت اللہ (ف 1948ء) سے مل کر ان مظلوم و مجبور مسلمانوں کی مدد کا مطالبہ کیا۔ چنانچہ غلام حسین ہدایت اللہ کے ایماء پر قائداعظمؒ نے ایک اسپیشل ٹرین کا بندوبست کیا۔

Marfat.com

بھارتی حکومت کی اجازت کے بعد یہ مسلمان بلوچ رجمنٹ کی حفاظت میں بخیریت پاکستان پہنچ گئے۔ یہ سب کچھ آپ کی مساعی جمیلہ کا ثمرہ تھا۔آپ کی وفات حسرت آیات صفر المظفر 1368ھ/دسمبر 1948ء میں ہوئی اور جسد مبارک والد گرامی حضرت شاہ خواجہ عبدالرحمٰن فاروقی مجددی سرہندی (ف 1898ء) کے پہلو کوہ گنجہ میں سپرد خاک کیا گیا۔

پیر محمد مقبول الرسول للہیؒ

پیر محمد مقبول الرسول بن حافظ پیر عبدالرسول (ف 1912ء) بن حافظ پیر دوست محمد (ف 1899ء) بن خواجہ حافظ پیر غلام نبی (ف 1888ء) کی ولادت مبارک خانقاہ نقشبندیہ مجددیہ للہ شریف تحصیل پنڈ دادنخان ضلع جہلم میں 17 فروری 1906ء 22 ذوالحجہ 1323ھ بروز ہفتہ ہوئی۔ حفظ قرآن شریف کے بعد مولانا غلام محمد اور فاضل اجل مولانا فضل دین صاحب سے اکتساب علم کیا۔ اپنے پردادا کے خلیفہ خاص حضرت خواجہ پیر غلام حسن ڈھڈیالیؒ کے دست حق پر بیعت کر کے اجازت وخلافت حاصل کی۔ اوائل عمری سے ہی آثار ولایت ظاہر تھے۔ بے شمار مخلوق نے آپ سے روحانی استفادہ کیا۔ تحریک پاکستان میں آپ نے ایک خاموش مجاہد کی حیثیت سے بھرپور حصہ لیا۔ 1940ء کی قرارداد پاکستان کے بعد جب غیر ملکی حکمرانوں سے نجات حاصل کرنے کا مسئلہ پورے ہندوستان پر اپنی گرفت مضبوط کر چکا تھا مسلم لیگ اور کانگریس واضح طور پر پروگرام پیش کر چکی تھیں۔ ''مسلم ہے تو مسلم لیگ میں آ'' کا نعرہ عامتہ المسلمین کو مسحور کر چکا تھا۔ اس وقت دیگر مشائخ عظام کی طرح آپ نے بھی مسلم لیگ کی بھرپور مدد کی۔

1945-46 کے انتخابات میں آپ نے مسلم لیگ کے اُمیدواروں کی کامیابی کے لئے بڑی کوششیں فرمائیں۔ زبانی اور خطوط کے ذریعے لوگوں کو مسلم لیگ کی حمایت کی ترغیب دلاتے رہے۔ اور فرماتے تھے کہ جس کسی نے مسلم لیگی امیدوار کے علاوہ کسی اور کو ووٹ دیا تو ہم اس سے سخت ناراض ہوں گے۔ چنانچہ مریدوں اور عقیدت مندوں نے آپ کی آواز پر لبیک کہا۔ 1946ء کے الیکشن میں پنڈ دادنخان کے حلقہ سے راجہ غضنفر علی خان (ف 1963ء) مسلم لیگ کی طرف سے پنجاب اسمبلی کے امیدوار تھے۔ یونینسٹ پارٹی کی طرف سے محمد یعقوب مقابلہ پر تھے۔ راجہ غضنفر علی خاں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو بکمال احتیاط وادب خانقاہ شریف کے صدر دروازہ کے باہر ہی سگریٹ گل کر دی اور برآمدہ سے گزر کر اچانک گھٹنوں اور کہنیوں کے بل چلنا شروع کر دیا اور آپ کی نشست تک اسی طرح ایک شیر خوار بچے کی طرح چلتے گئے۔ آپ نے راجہ صاحب کے سر پر دست شفقت رکھا، مکمل تائید وحمایت کا اعلان فرمایا اور دعائے خیر کے ساتھ رخصت کیا۔ اسکے بعد یونینسٹ اُمیدوار بھی حاضر خدمت ہوا اور امداد کی درخواست کی۔ آپ بالکل خاموش رہے۔ بوقت رخصت یونینسٹ امیدوار نے مصافحہ کرتے وقت آپ کے اوور کوٹ کی بیرونی جیب میں بڑی خاموشی اور ہوشیاری سے نوٹوں کی دتھیاں ڈال دیں جس کی آپ کو بالکل خبر نہ ہوئی۔ تھوڑی دیر بعد آپ نے جیب میں ہاتھ ڈالا تو ٹھٹھک سے گئے۔ نوٹوں کو جیب سے نکالا اور حیرت واستعجاب سے ان کو دیکھنے لگے ساتھ ہی چہرے کا رنگ بدلتا جا رہا تھا۔ بغیر کچھ کہے آپ نے اس رقم کو باہر پھینک دیا۔ آپ نے راجہ غضنفر علی خاں کی پرزور حمایت

Marfat.com

کی۔ چنانچہ جب نتیجہ نکلا تو راجہ صاحب کو 7106 اور یونینسٹ امیدوار کو 2631 ووٹ ملے۔ راجہ صاحب کی کامیابی آپ کی مخلصانہ تائید وحمایت کی وجہ سے تھی۔ ان انتخابات کے دوران اسلامیہ کالج لاہور کے طلباء کا ایک وفد مسلم لیگی امیدواروں کی حمایت کے سلسلہ میں ضلع جہلم کے دورے پر گیا۔ جب یہ وفد للہ شریف پہنچا تو آپ نے بڑی گرم جوشی سے خوش آمدید کہا اور خوب خاطر مدارت کی۔ وفد سے گفتگو فرمائی اور ہر لحاظ سے تعاون فرمایا کہ مسلم لیگ کی کامیابی کے لئے دعا فرمائی۔ 1946ء کے انتخابات جیتنے کے لئے آپ نے روحانی جدوجہد بھی فرمائی۔ اپنے مرید خاص میاں کامل دین کو طلب فرما کر کہا کہ دیکھو! قائداعظم اپنے عیش وآرام کو چھوڑ کر کتنی تکالیف برداشت کر کے مسلمانوں کو کفار سے آزاد کرانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہمیں بھی چاہئے کہ جو کچھ اللہ پاک نے ہمیں دیا ہے اس کے مطابق ہم بھی کوشش کریں۔ وہ ظاہری سعی کر رہے ہیں اور ہم باطنی کوشش کریں۔ میاں صاحب نے عرض کیا کہ حضور، جیسے ارشاد ہو، بندہ حاضر ہے۔ فرمایا کہ تم روزانہ درود شریف تین ہزار مرتبہ، استغفار تین ہزار مرتبہ لاحول ولاقوۃ تین ہزار مرتبہ، یاحی یاقیوم تین ہزار مرتبہ اور سورہ مزمل شریف چالیس دفعہ پڑھا کرو اور بعد میں آزادی کی دعا کیا کرو تاکہ وہ دعا قبل ہو جاوے اور قبولیت کا اظہار ہو جاوے۔ میاں کامل دین کہتے ہیں کہ میں نے پورا ایک سال یہ معمول رکھا۔ ایک سال کے بعد آپ نے مجھے خط تحریر فرمایا کہ پاکستان کی بنیاد تحت الثریٰ تک چلی گئی ہے۔ چنانچہ اس خط کے ایک ماہ بعد پاکستان کا اعلان ہو گیا۔ پاکستان کے معرض وجود کے آنے پر آپ بے حد خوش تھے۔ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت عظمیٰ کا بڑا شکر ادا کرتے تھے لیکن جب 11 ستمبر 1948ء کو حضرت قائداعظمؒ کی رحلت ہوئی تو آپ بہت افسردہ ہوئے، کوہ رنج والم ٹوٹ پڑا۔ تمام گذشتہ زندگی کے معمولات کے برعکس مسجد میں جمع شدہ سوگواران سے خطاب فرمایا اور حضرت قائداعظم کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔ آپ کی وفات حسرت آیات 13 فروری 1949 بمطابق 14 ربیع الثانی 1368 بروز اتوار ہوئی۔ نماز جنازہ حضرت صاحبزادہ محمد عمر سجادہ نشین بیربل شریف ضلع سرگودھا (ف 1967ء) نے پڑھائی اور للہ شریف میں آخری آرام گاہ بنی۔

مخدوم سید محمد رضا شاہ گیلانیؒ

مخدوم سید محمد شاہ گیلانیؒ 1896ء میں ملتان کے مشہور روحانی پیشوا حضرات مخدوم سید محمد صلاح الدین گیلانی (ف 1946ء) کے ہاں متولد ہوئے۔ اپنے باپ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے تھے۔ ابتدائی تعلیم ملتان میں حاصل کرنے کے بعد چیفس کالج لاہور میں داخل ہوئے اور تھوڑے ہی دنوں میں کالج میں نمایاں حیثیت سے اُبھرے۔ دوران تعلیم اس جرم کی پاداش میں کہ آپ مسجد میں جا کر طلباء کو ترکوں کی حمایت پر اکساتے ہیں، کالج سے خارج کر دیئے گئے۔ لیکن جب گورنر پنجاب سر ایڈوائر مائیکل کو علم ہوا تو اس نے آپ کے دوبارہ داخلہ کا حکم جاری کر دیا مگر اب آپ کا دل کالج سے اکتا چکا تھا، لہٰذا لوئر ڈپلومہ حاصل کرنے کے بعد تعلیم چھوڑ دی اور ریونیو کی ٹریننگ لینا شروع کر دی۔ 1921ء میں آپ صوبائی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے اور آنریری مجسٹریٹ مقرر ہوئے۔ 192ء میں ڈسٹرکٹ بورڈ ملتان کے ممبر منتخب ہوئے۔ 1924ء میں والد ماجد کے

Marfat.com

ساتھ فریضہ حج ادا کیا۔ 1934ء میں ڈسٹرکٹ بورڈ ملتان کے چیئرمین کے عہدہ کے لئے پہلی بار سرکاری اور غیر سرکاری امیدوار کا مقابلہ کیا اور مسٹر ای پی مون ڈپٹی کمشنر ملتان کو شکست فاش دے کر چیئرمین کا اعزاز حاصل کیا۔ اس طرح آپ پورے ہندوستان میں پہلے غیر سرکاری چیئرمین منتخب ہوئے اور پھر تا زیست اس منصب پر فائز رہے۔ جس طنطنہ اور شوکت وجلال سے آپ نے اس عہدہ کو نبھایا اس کی مثال پنجاب بھر میں نہیں مل سکتی۔ آپ دینی تعلیم پر خصوصی زور دیتے تھے، اکثر مساجد میں مکاتب قائم کئے، ضلع بھر کے رفاعی کام کرائے، سڑکیں بنوائیں، اسکول بنائے، عوام کے مفاد کی خاطر اپنے آرام وآسائش کو بھی خیر باد کہہ دیا کرتے تھے۔ آپ اکثر رفاعی اور مذہبی انجمنوں کے صدر تھے۔ قدرت نے آپ میں حسن اخلاق، انکسار، مروت، تواضع اور ہمدردی کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھر دیا تھا، گفتگو شائستہ ہوتی تھی اور مزاج شرافت کے سانچے میں ڈھلا ہوا تھا۔ غریبوں کی امداد کرنا فرض اولین سمجھتے تھے۔ ان کے دل میں یہی تمنا تھا کہ خلق خدا کی خدمت بڑھ چڑھ کر کریں۔

آپ ملتان مسلم لیگ کے بانیوں میں سے تھے۔ آپ نے اپنے اثر ورسوخ کے باعث مسلم لیگ کو عوام کے دلوں کی دھڑکن بنا دیا تھا۔ 1937ء میں آپ نے مسلم لیگ سے جو تعاون کیا وہ مثالی حیثیت رکھتا ہے۔ پنجاب اسمبلی میں صرف ایک رکن ملک برکت علی (ف 1946ء) مسلم لیگی تھے اور بقیہ دو آپ اور آپ کے بھتیجے مخدوم زادہ سید محمد ولایت حسین گیلانی (ف 1954ء) تھے۔ خضر وزارت میں آپ کو وزارت کی پیشکش کی گئی لیکن آپ نے اسے پائے حقارت سے ٹھکرا دیا۔

آپ کے پائے ثبات میں کبھی لغزش نہ آئی۔ آپ آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کے رکن اور صوبائی مسلم لیگ کونسل کے رکن ہونے کے علاوہ پنجاب مسلم لیگ کی مجلس عامہ کے ممبر رہے۔ انگریزوں کے خلاف نفرت کا جذبہ تمام عمر غالب رہا۔ تحریک شہید گنج (ف 1935ء) میں آپ نے فعال کردار ادا کیا اور حکومت وقت کی مخالفت کی بالکل پروانہ کی۔ 1938ء میں ملتان کے بے تاج بادشاہ حضرت سید زین العابدین گیلانی (ف 1960ء) صدر انجمن فدایان اسلام وضلع مسلم لیگ ملتان کو مہاسبھائیوں کے گٹھ جوڑ کے نتیجہ میں گرفتار کر کے ڈسٹرکٹ جیل بھیج دیا گیا تو شہر کے تمام مسلمانوں نے مکمل ہڑتال کی، احتجاجی جلسے منعقد کئے۔ جلوس نکال کر دفعہ 144 کو توڑ دیا اور حالات انتہائی نازک صورت اختیار کر گئے۔ اس وقت آپ نے گورنمنٹ کو متنبہ کیا کہ اگر پیر زین العابدین شاہ کو 24 گھنٹے کے اندر رہا نہ کیا گیا تو وہ تحریک کی قیادت کے لئے میدان میں نکل آئیں گے اور حالات اگر زیادہ بگڑ گئے تو اس کی تمام تر ذمہ داری گورنمنٹ پر عائد ہوگی۔ اس پر انگریز حکام کی اکڑی ہوئی گردنیں جھک گئیں اور دوسرے روز شاہ صاحب کو باعزت طور پر رہا کر دیا گیا۔

سر سکندر حیات خاں وزیر اعظم پنجاب (ف 1942ء) کے دور اقتدار میں آپ کی اس سے ٹھن گئی اور وہ کافی عرصہ تک آپ کے درپئے آزار رہا۔ آپ کے سیاسی مخالفین کو کان بھرنے اور جلتی پر تیل ڈالنے کا موقع مل گیا مگر تعلق چاپلوسی اور ریا کاری سے نفرت کرنے والے اس بطل جلیل اور صرف خدائے قدوس پر بھروسہ کرنے والے عظیم انسان کی جبین پر شکن تک نمودار نہ ہوئی۔ اور اپنے نقطۂ نظر پر ڈٹے رہے۔ حکیم الامت اقبالؒ نے ایسے ہی "مردان حر" کے متعلق کہا ہے

آئین جوانمرداں حق گوئی و بے باکی ۔ اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

Marfat.com

آخر سر سکندر خود حاضر خدمت ہو کر صلح کا طالب ہوا۔

تحریک پاکستان میں آپ کا کردار بے مثال ہے۔ آپ نواب افتخار حسین ممدوٹ (ف 1969ء) کے بے لوث ساتھیوں میں شمار ہوتے تھے۔ آپ نے صوبہ بھر میں اپنے ذاتی اور خاندانی اثر ورسوخ کو استعمال کرتے ہوئے مسلم لیگ کو ایک فعال اور عوامی جماعت بنانے اور تحریک پاکستان کی جدوجہد کو کامیاب بنانے کے لئے عوام کو ہر قسم کی قربانی دینے پر تیار کیا اور مسلم لیگ کے رہنماؤں کے دلوں میں گھر کر لیا۔ 6 جمادی الاولیٰ 1368ھ/7/ مارچ 1949ء کو آپ نے طویل علالت کے بعد سفر آخرت اختیار فرمایا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ ہر سال درگاہ پیران پیر میں آپ اک عرس مبارک بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔ روزنامہ نوائے وقت لاہور نے آپ کی رحلت پر اپنی 10 مارچ 1949ء کی اشاعت میں آپ کی ملی وسیاسی خدمات کو یوں سراہا! ''سید رضا شاہ گیلانی انتقال کر گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون''

''کل مخدوم پیر الحاج سید محمد رضا شاہ گیلانی کی وفات پر یہاں (ملتان) تمام سرکاری دفاتر اور عوامی ادارے بند رہے، قریباً 30 ہزار لوگوں نے نماز جنازہ میں شرکت کی، ان میں سرکاری حکام لیگ کے عہدیدار اور دوسرے معزز اصحاب بھی شامل تھے مرحوم کو اپنے چچا مخدوم راجن بخش شاہ گیلانی کی طرح دربار حضرت پیر پیراں میں دفن کیا گیا، مخدوم محمد رضا شاہ مرحوم پنجاب اسمبلی کے باپ کہلاتے تھے کیونکہ وہ مدت سے متواتر اسمبلی کے ممبر چلے آرہے تھے۔ 1924ء میں آپ ''ملتان ڈسٹرکٹ بورڈ'' کے وائس چیئرمین منتخب ہوئے۔ 1934ء میں آپ پہلے غیر سرکاری چیئرمین چنے گئے۔ آپ نے اپنے لئے کبھی وزارت کا عہدہ قبول نہیں کیا بلکہ آپ ''وزیر ساز'' تھے۔ آپ کی زندگی سادہ تھی سردیوں میں بھی ململ کا ہی کرتہ پہنتے تھے۔ آپ نے اپنے مریدوں میں تبلیغ کے ذریعے مسلم لیگ کو بہت مدد دی۔ آپ کے مرید صرف ملتان ڈویژن ہی میں نہیں بلکہ افغانستان تک پھیلے ہوئے تھے''

خواجہ عبدالصمد المعروف حضور جیؒ

حضرت خواجہ عبدالصمد خاں المعروف حضور جیؒ کی ولادت ضلع اٹک کی ایک بستی ماڑی کنجوڑ میں ایک دیندار اعوان گھرانے میں 1884ء میں ہوئی۔ والد گرامی کا اسم مبارک جعفر خاں تھا۔ ابتدائی عمر میں ناظرہ قرآن شریف پڑھا اور پھر گاؤں کے مکتب سے ابتدائی تعلیم حاصل کر کے فوج میں بھرتی ہو گئے۔ دل میں عشق الٰہی کی چنگاری سلگنے پر فوج کی ملازمت چھوڑ دی۔ اور حصار (مشرقی پنجاب) جا کر حضرت خواجہ مظفر علی خاں نقشبندی مجددی کے ہاتھ پر 1903ء میں بیعت کی اور روحانیت میں کمال حاصل کیا۔

1920ء میں پیرومرشد نے انتقال فرمایا تو سجادہ نشین بنے اور لوگوں کی روحانی تربیت فرمانے لگے۔ تحریک پاکستان کا دور آیا تو دل کھول کر مسلم لیگ کی تائید وحمایت کی۔ شہر حصار میں مسلم لیگ کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے کئی عام جلسوں کی صدارت کی۔ اس سے ضلع کے وسیع وعریض علاقے میں مسلم لیگ کو اپنی آواز پہنچانے میں بڑی مدد ملی۔ اسکے علاوہ آپ کے اس

Marfat.com

مخلصانہ طرزِ عمل کی وجہ سے مرکزی اور صوبائی قیادت کو آپ سے رابطہ قائم کرنے کے مواقع میسر آئے۔ نوابزدہ لیاقت علی خاں کئی دفعہ حصار آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ نے بھی ایک دفعہ حاضری دی اور تحریک پاکستان کی حمایت کی استدعا کی۔ سردار شوکت حیات خاں نے بھی حصار کا دورہ کیا۔ یہ اس دور کی بات ہے جب سردار صاحب کو مسلم لیگ کے ساتھ وابستگی کی بناء پر پنجاب کی خضر وزارت سے علیحدہ ہونا پڑا۔ وزارت سے برطرفی کے بعد وہ مسلم لیگ کی تنظیم کے لئے صوبے بھر کے دورے پر نکل پڑے۔ جب وہ حصار پہنچے تو وہاں کے مسلمانوں نے ان کا پرجوش استقبال کیا۔ اس دن حضرت خواجہ مظفر علی خاںؒ کے عرس مبارک کی تقریبات کا آخری دن تھا۔ رات کو سردار صاحب نے حضور جی سے ملاقات کی اور آپ سے تحریک پاکستان کی کامیابی کے لئے خصوصی دعا کی استدعا کی۔ اس پر حضور جی نے اگلے روز نماز جمعہ کے بعد خصوصی دعا کرائی۔ 1946ء میں صوبہ پنجاب کی صوبائی قانون ساز اسمبلی کے انتخابات کا معرکتہ آلارا مرحلہ پیش آیا۔ اس صوبہ کی سیاست ہمیشہ چند بڑے بڑے جاگیردار اور زمیندار خاندانوں کے گرد گھومتی رہی ہے، اس لئے یونینسٹ پارٹی نے کانگریس اور نیشلسٹ مسلمانوں کے ساتھ ملکر پروگرام بنایا کہ مسلم حلقوں میں ہر نشست پر مسلم لیگ کے نامزد کردہ امیدوار کا مقابلہ کیا جائے اور متحدہ کوشش سے اس جماعت کا وقار مسلم اکثریت کے اس صوبے میں ختم کر دیا جائے۔ یہ تحریک پاکستان کے خلاف اس کے مخالفوں کی طرف سے عوامی اور سیاسی سطح پر بڑی زوردار اور منظم جدوجہد تھی۔ صوبے کے مسلم عوام کو مسلم لیگ کی قیادت سے متنفر اور بیزار کرنے کے لئے مولانا ابوالکلام آزاد اور جمعیت علماء ہند کے نامور لیڈروں نے اس صوبے کا دورہ کیا۔ مقامی سطح پر مجلس احرار اسلام کے شعلہ بیان مقرروں نے بھی صوبے کے کونے کونے میں جا کر لیگ دشمنی کے جذبات کو بھڑکایا۔ سادہ لوح مذہبی طبقے اس مہم سے متاثر بھی ہوئے۔ ضلع حصار میں بھی یہی صورت حال تھی۔ اس ضلع کے لئے صرف ایک مسلم نشست تھی۔ اسکے لئے مسلم لیگ نے چوہدری صاحبداد کو اپنا ٹکٹ دیا۔ ان کا تعلق راجپوت برادری سے تھا۔ پیشہ وکالت اور زمیندارہ تھا، لیکن ان کا دل اسلام کی محبت سے سرشار تھا۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ راجپوت برادری کے کئی افراد اس الیکشن میں حصہ لینے کے لئے تیار تھے۔ اس معاملے کو طے کرنے کے لئے برادری کی سطح پر پنچائیت قائم ہوئی۔ پنچائیت نے فیصلہ کیا کہ حضور جی جو فیصلہ دیں گے قابل قبول ہوگا۔

حضور جی نے فرمایا: ''اس مرتبہ چوہدری صاحبداد خاں صاحب انتخاب لڑیں گے اور باقی سب لوگ ان کی دل سے حمایت کریں گے'' پوری برادری نے آپ کے اس فیصلے کو بطیب خاطر تسلیم کیا۔ اس طرح صرف راجپوت برادری ہی نہیں بلکہ مسلم لیگ کی ضلعی اور صوبائی تنظیم بھی باہمی خلفشار سے محفوظ ہوگئی۔ یونینسٹ پارٹی نے مسلم لیگ کے اُمیدوار کے مقابلے میں تحصیل فتح آباد کے ایک مشہور و معروف زمیندار چوہدری لال خاں کو کھڑا کیا۔ چوہدری صاحب علاقے کے ذیلدار تھے۔ بڑے اثر و رسوخ کے مالک، ضلع کی پوری سرکاری مشینری ان کی پشت پر۔ اس پر کانگریسی ذہن رکھنے والے علماء کی دھواں دھار تقریریں مستزاد۔ اسکے برعکس مسلم لیگ کی کارکردگی اور اس کی تنظیم اس ضلع میں ابتدائی سطح پر تھی۔ مسلم لیگ کی طرف سے نشر و اشاعت کا جو کچھ تھوڑا بہت کام تھا وہ صرف شہروں میں تھا، دیہات کی دور افتادہ آبادیاں اس کے نام اور اسکے کام سے بڑی

Marfat.com

حد تک نا آشنا تھیں۔ ان حالات کی بناء پر مسلم لیگ کے مخلص نوجوان کارکن اپنی انتھک جدوجہد کے باوجود بڑی حد تک پریشان تھے۔ انہیں خدشہ تھا کہ کہیں اس ضلع کی واحد مسلم نشست مسلم لیگ کے ہاتھ سے نہ نکل جائے۔ اس نازک موقع پر جس شخصیت نے مسلم لیگی کارکنوں کا حوصلہ بڑھایا اور ضلع کے مسلم ووٹروں کو لیگی امیدوار کے حق میں ووٹ استعمال کرنے پر آمادہ کیا وہ صرف حضور جی کی شخصیت تھی۔ چنانچہ یہ بات بلاخوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ پاکستان کے لئے لڑی جانیوالی جنگ کے انتخابی محاذ پر ضلع حصار کی حد تک مسلم لیگ کی کامیابی حضور جی کی دعاؤں اور کوششوں کی مرہون منت ہے۔ مسلم لیگی امیدوار نے 7855 ووٹ حاصل کر کے کامیابی حاصل کی جبکہ یونینسٹ پارٹی امیدوار 2382 ووٹ لے کر ہار گیا۔ اور ایک تیسرا آزاد امیدوار چوہدری فیض احمد صرف تین ووٹ لے کر ضمانت ضبط کروا بیٹھا۔ حضور جیؒ کی وفات 15 رذی الحجہ 1369ھ مطابق 27 ستمبر 1950ء بروز بدھ رات گیارہ بجے ہوئی۔ نماز جنازہ حضرت پیر صاحب کرمانوالہ سید محمد اسماعیلؒ نے پڑھائی۔ اور اپنے نام سے منسوب بستی حضور جی رینالہ خورد ضلع اوکاڑہ میں آسودہ خاک ہوئے۔

پیر سید جماعت علی شاہ علی پوریؒ

امیر ملت پیر سید حافظ جماعت علی شاہ محدث علی پوری بن سید کریم شاہ (ف 1902ء) کی ولادت باسعادت 1257ھ/ 1841ء میں علی پور سیداں ضلع سیالکوٹ میں ہوئی۔ حفظ قرآن وابتدائی تعلیم علی پور سیداں سے حاصل کرنے کے بعد برصغیر کے نامور علماء وفضلاء سے علمی استفادہ کیا جن میں مولانا غلام قادر بھیروی ثم لاہوری (ف 1909ء) مفتی محمد عبداللہ ٹونکی (ف 1920ء) مولانا محمد مظہر سہارنپوری (ف 1855ء) مولانا فیض الحسن سہارنپوری (ف 18887ء) مولانا سید محمد علی مونگیری (ف 1927ء) مولانا احمد حسن کانپوری (ف 1904ء) مولانا قاری عبدالرحمٰن پانی پتی (ف 1896ء) مولانا ارشاد حسین رامپوری (ف 1893ء) مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی (ف 1895ء) مولانا شاہ عبدالحق الہ آبادی مہاجر مکی (ف 1915ء) و دیگر حضرات شامل ہیں۔ علاوہ ازیں آپ نے ترکی کے نامور محدث مولانا علامہ محمد ضیاءالدین استانبولی سے بھی اجازت حدیث شریف حاصل کی۔ امیر ملت نے سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے نامور شیخ طریقت حضرت باوا جی فقیر محمد فاروقی چوراہی (ف 1897ء) کے ہاتھ پر بیعت کر کے خلافت حاصل کی اور پھر پند ونصائح کے ذریعے برصغیر کے چپے چپے کو مستفید و مستفیض کیا۔ تقریباً چھ لاکھ مسلمانوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر کے روحانی استفادہ کیا۔ آپ جلوت پسند تھے، آپکی زندگی حرکی (DYNAMICS) تھی، سکونی (STITIC) نہ تھی۔ آپ کی حیات مبارکہ مذہبی، ملی اور سیاسی خدمات سے عبارت ہے، آپ نے پاک وہند میں مشرق سے لیکر مغرب تک اور شمال سے جنوب تک سفر کر کے خوابیدہ قوم کو بیدار کیا۔ فتنہ ارتداد، شدھی تحریک، تحریک خلافت، تحریک ہجرت، تحریک آزادی کشمیر، تحریک علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، انجمن حمایت اسلام لاہور، تحریک مسجد شہید گنج لاہور، غرض برصغیر کی تمام مسلم مفاد تحریکوں میں مجاہدانہ اور قائدانہ کردار ادا کیا۔ تحریک پاکستان میں آپ کا کردار تاریخ کا ایک سنہری باب ہے اور نژاد نو کے لئے مشعل راہ۔ 1906ء میں جب ڈھاکہ میں سرکردہ مسلمان لیڈروں مثلاً

Marfat.com

مولانا محمد علی جوہر (ف 1931ء) نواب محسن الملک (ف 1907ء) نواب وقار الملک (ف 1917ء) حکیم اجمل خاں (ف 1927ء) اور جسٹس شاہ دین ہمایوں (ف 1918ء) وغیرہ، نواب سلیم اللہ خاں والئی ڈھاکہ (ف 1915ء) کے ہاں سر جوڑ کر بیٹھے اور مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کے لئے ''آل انڈیا مسلم لیگ'' کے نام سے ایک سیاسی تنظیم کی داغ بیل ڈالی تو امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ کے میلانات طبع اس طرف ملتفت ہونے لگے اور آپ نے اس کے سیاسی کارکنوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھا اور دامے درمے قلمے سخنے اور قدمے حمایت فرماتے رہے۔ 1936ء میں جب قائداعظم نے مسلم لیگ کی تنظیم نو کا بیڑا اٹھایا اور ہندو مسلم دو جداگانہ قوموں کی آواز بلند کی تو برصغیر میں سب سے پہلے امیر ملت ہی نے قائداعظم کو اپنے مکمل اور بھرپور تعاون کا یقین دلایا۔ آپ اس وقت حیدر آباد دکن (انڈیا) میں مقیم تھے۔ وہاں سے قائداعظم کے نام ایک ہمدردانہ و ہمت افزا پر خلوص خط مع تبرکات بمبئی کے ایڈریس پر ارسال کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ: ''قوم نے مجھے امیر ملت مقرر کیا ہے اور پاکستان کے لئے جو کوشش آپ کر رہے ہیں وہ میرا کام تھا لیکن میں سو سال کے قریب عمر کا ضعیف و ناتواں ہوں، یہ بوجھ آپ پر آن پڑا ہے، میں آپ کی مدد کرنا فرض تصور کرتا ہوں، میں اور میرے متوسلین آپ کے معاون و مددگار رہیں گے، آپ مطمئن رہیں'' اس کے بعد حضرت امیر ملت نے اپنے تبلیغی اور روحانی دوروں کے دوران پشاور سے راس کماری تک مسلم لیگ کا پیغام گھر گھر پہنچایا حتی کہ مسلم لیگ برصغیر کے چپے چپے میں مقبول عام بن گئی۔ اور بوڑھے بچے جوان کی زبان پر ''مسلم لیگ زندہ باد'' کے پر سرور نعرے گونجنے لگے۔

امیر ملت نے اپنے صاحبزادگان، خلفاء اور مریدوں کو حکم دیا کہ وہ دل و جان سے مسلم لیگ کی حمایت کریں، رکنیت اختیار کریں اور قائداعظم کے سپاہی بن کر مسلم لیگ کو ہر دل کی دھڑکن بنا دیں۔ جیسا کہ تحریک پاکستان کے نامور سپاہی پیرزادہ محمد انور عزیز چشتی بیان کرتے ہیں: 1936ء میں میرے پیر و مرشد امیر ملت حضرت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پور سیداں ضلع سیالکوٹ نے میرے والد صاحب کو مشورہ دیا اور ان سے اجازت طلب کی کہ وہ میری زندگی مسلم لیگ کے لئے مسٹر محمد علی جناح کے ایک سپاہی کی حیثیت سے وقف کرنا چاہتے ہیں۔ میرے والد صاحب نے میرے پیر و مرشد کے مشورہ کو قبول کر لیا۔ اپریل 1936ء کی ایک گرم دوپہر کو جب آل انڈیا مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کو اجلاس لاہور کے موچی دروازہ کے برکت علی محمڈن ہال میں منعقد ہو رہا تھا۔ میں نے میٹنگ کے وقفے کے دوران مسٹر محمد علی جناح کو اپنے پیر و مرشد اور اپنے والد صاحب کے دو خطوط پیش کئے جن میں ان دونوں عظیم ہستیوں نے میرے لئے یہ تحریر کیا تھا کہ ہمارا یہ بیٹا بہت اچھا مقرر ہے، ہم نے اس کی زندگی مسلم لیگ کے لئے وقف کر دی ہے۔ اسے اپنے سپاہیوں میں شامل فرمالیں۔ مسٹر محمد علی جناح نے بہت خوشی کا اظہار کیا اور مولانا شوکت علی مرحوم سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ یہ نوجوان ضلع منٹگمری (حال ساہیوال) میں ہمارا ''مجاہد اول'' ہے۔

اوائل اپریل 1938ء میں حضرت امیر ملت نے کوہاٹ، پشاور اور راولپنڈی کا دورہ فرمایا اور کانگریس کی خوب قلعی کھولی اور مسلم لیگ کی تائید و حمایت میں مدلل تقریریں کیں۔ کوہاٹ میں آپ نے ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے مسلمانوں کو تاکید کی: ''سب مسلمان آپس میں متفق ہو کر اسلامی جھنڈے تلے آجاؤ، ہندو مسلمان کا ہرگز خیر خواہ نہیں ہو سکتا۔ آج

Marfat.com

کل اطراف عالم میں جو مظالم ہندوؤں کی طرف سے مسلمانوں پر ڈھائے جا رہے ہیں کسی فرد و بشر سے پوشیدہ نہیں۔ ایسے مظالم کو سامنے دیکھ کر اب بھی اگر کوئی مسلمان ان سے اختلاط کرے خواہ وہ مولوی ہو یا عالم اس کو اسلام سے کیا تعلق اور مسلمانوں کو اس سے کیا ملاپ۔ ایسے نام نہاد مولویوں سے ان کو تقویت پہنچتی ہے کہ وہ مسلمانوں کے خلاف ظلم کر رہے ہیں"

آخر میں آپ نے دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں میں اتفاق و اتحاد پیدا کرے اور ایسے نام نہاد مسلمان (ہندو پرستوں) سے سچے مسلمانوں کو بچائے۔ آمین یا مولا کریم۔

22 اپریل 1938ء کو جامع مسجد کلاں میانہ پورہ سیالکوٹ میں خطبہ جمعۃ المبارک ارشاد فرماتے ہوئے حضرت امیر ملت نے "حقانیت اسلام" کے موضوع پر اڑھائی گھنٹے کے ایمان افروز اور باطل سوز خطاب میں فرمایا: "مسلمانو! آج ایک جھنڈا اسلامی ہے دوسرا کفر کا۔ تم کس جھنڈے کے سائے میں رہو گے؟"

سب حاضرین نے متفقہ آواز سے کہا "اسلام کے جھنڈے کے سائے میں" پھر آپ نے کلمہ شہادت پڑھوا کر حاضرین سے وعدہ لیا اور سب حاضرین نے یک زبان ہو کر ہاتھ بلند کر کے وعدہ کیا کہ ہم کفر کے جھنڈے کے نیچے جا کر ان میں ہرگز شامل نہ ہوں گے بلکہ ان سے شامل ہونے والوں کے ساتھ کسی قسم کا برتاؤ نہ رکھیں گے نہ ان کی نماز جنازہ پڑھیں گے اور نہ ان کو اپنے قبرستان میں مرنے کے بعد دفن کریں گے۔

11 مئی 1938ء کو انجمن خدام الصوفیہ ہند علی پور سیداں کے 35 ویں سالانہ اجلاس سے خطاب فرماتے ہوئے آپ نے ارشاد فرمایا: ہندوستان کے تمام مسلمانوں کے لئے لازم ہے کہ وہ تمام کے تمام مسلم لیگ میں شامل ہوں، کیونکہ اس وقت کفر اور اسلام کی آپس میں جنگ ہے۔ ایک طرف کفر کا جھنڈا ہے اور دوسری طرف اسلامی پرچم ہے جو مسلم لیگ کا ہے۔ تمام مسلمانوں کے لئے لازم ہے بلکہ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اس وقت مسلمانوں کو بچانے کے لئے اور اسلامی شعار کی حفاظت کے لئے تمام کے تمام مسلم لیگ میں شامل ہو جائیں"

اس موقعہ پر امیر ملت نے قائداعظم کی ملت اسلامی کے لئے گرانقدر خدمات اور مساعی جمیلہ کا اعتراف فرماتے ہوئے دعا کی کہ "اللہ تعالیٰ انہیں کامیاب کرے اور انہیں زیادہ سے زیادہ اسلام کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے"۔

20 اکتوبر 1938ء کو آپ نے صوبہ سرحد کے مریدوں کو ایک خصوصی پیغام بھیجا کہ وہ مسلم لیگ میں شامل ہو کر آزادی کی منزل حاصل کرنے کے لئے اپنی تمام تر مساعی صرف کر دیں۔ دسمبر 1938ء میں آپ براہ کراچی عازم حج ہوئے۔ بخشی مصطفیٰ علی خان (خلیفہ امیر ملت ف 1974ء) بھی ہمراہ تھے۔ جہاز کی روانگی کے انتظار میں چار دن کراچی قیام کرنا پڑا۔ دریں اثنا قاضی شہر نے آپ سے دریافت کیا کہ "مسلم لیگ کے متعلق حضور کی رائے کیا ہے؟ یہاں صوبہ سندھ میں خود مسلمانوں کی دو جماعتیں ہوگئی ہیں۔ ایک مجبور کرتی ہے کانگریس میں شامل ہوں، دوسری زور لگاتی ہے کہ مسلم لیگ میں داخل ہوں" آپ نے جواباً ارشاد فرمایا: "قاضی صاحب! آپ کے سامنے دو علم ہیں، ایک حق کا دوسرا باطل کا" فرمایا آپ کون سا علم پسند کریں گے؟ مرنا بھی ہو تو کیا باطل کے علم کے نیچے مرنا پسند کریں گے" قاضی صاحب نے کہا کہ حضور مسئلہ سمجھ میں آ گیا۔ 1939ء میں

Marfat.com

برصغیر میں پاکستان کی آواز تو بلند ہو رہی تھی لیکن کوئی اس کی علمی و عملی صورت اور اسکی فلسفیانہ اور منطقی بنیاد کو واضح اور معین شکل میں اب تک پیش نہ کر سکا تھا۔ امیر ملت نے اپنے مرید خاص پروفیسر ڈاکٹر سید ظفر الحسن صدر شعبہ فلسفہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ (ف 1949ء) کو اس کام پر مامور کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے شاگرد افضال حسین قادری (ف 1974ء) کے تعاون سے ستمبر 1939ء میں ایک ''سکیم مع چارٹ ونقشہ جات اور مقدمہ بعنوان'' ہندوستان کے مسلمانوں کا مسئلہ اور اس کا حل''، مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کے سامنے پیش کی جس نے ''علی گڑھ پاکستان اسکیم'' کے نام سے شہرت عام بقائے دوام حاصل کی۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے تمام اساتذہ اور پروفیسران کا زبردست بیان سکیم کی تائید وحمایت میں شائع ہوا اور جلد ہی یہ سکیم پورے برصغیر میں ہر دل کی دھڑکن بن گئی۔ چنانچہ تحریک پاکستان کی تاریخ میں ''علی گڑھ سکیم'' ایک نشان اعظم کا حکم رکھتی ہے۔ اس اسکیم کی تیاری کے سلسلے میں امیر ملت کے مشورہ پر ڈاکٹر سید ظفر الحسن (ف 1949ء) اور حکیم الامت علامہ اقبال (ف 1938ء) کے مابین کچھ عرصہ خط وکتابت بھی رہی اور بعض باتوں کی وضاحت کے لئے ڈاکٹر سید ظفر الحسن نے اپنے شاگرد خاص ڈاکٹر برہان احمد فاروقی (ف 1995ء) کو بار بار حکیم الامت کی خدمت میں بھیجا۔

ڈاکٹر سید ظفر الحسن کا خیال تھا کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی اپنی علیحدہ قومی شناخت ہے جو بڑی حد تک غیر مسلموں سے مختلف ہے۔ اس اسکیم میں ہندوستان کو تین خود مختار وفاقوں میں تقسیم کرنے کا مشورہ دیا گیا ہے جن میں سے ایک شمال مغرب میں واقع چار مسلم اکثریتی صوبوں اور متعدد چھوٹی ریاستوں پر، دوسرا بنگال (ہاوڑہ، مدنا پورہ، بہار کا ضلع پورنیا اور آسام کا ضلع سہلٹ نکال کر'' پر اور تیسرا باقی ماندہ ہندوستان (چند علاقے مستثنیٰ کرکے'' پر مشتمل ہو جس کے لئے انہوں نے خصوصی حیثیت کی تجویز پیش کی۔ ڈاکٹر صاحب نے یہ بھی تجویز پیش کی کہ ان تینوں وفاقوں کو دفاع اور حملہ کے لئے باہمی اتحاد کی اجازت دی جائے۔ 1939ء میں جب کانگریس کے مقابلے میں مسلم لیگ کو فتح ہوئی اور کانگریس وزارت سے مستعفی ہوگئی تو مسلمانوں میں ہر طرف مسرت کی لہر دوڑ گئی کیونکہ ہندوؤں کی ایذا رسانیوں اور ریشہ دوانیوں سے نجات مل گئی۔ اس پر حضرت قائد اعظم نے 2 دسمبر 1939ء کو مسلمانان ہند سے اپیل کی کہ وہ 22 دسمبر 1939ء بروز جمعہ المبارک ''یوم نجات'' منائیں اور بعد نماز جمعہ دو نفل شکرانہ کے خداوند قدوس کی بارگاہ میں ادا کریں۔ اس فیصلے کو مسلمانوں اور دوسرے پسماندہ فرقوں نے نہایت جوش وخروش سے قبول کیا۔ پورے ہندوستان میں جلسے ہوئے جن میں کانگریسی حکومتوں کے مظالم کا ذکر کیا گیا اور ان سے نجات پانے پر شکر ادا کیا گیا۔

حضرت امیر ملت نے دربار عالیہ علی پور سیداں (سیال کوٹ) میں شایان شان ''یوم نجات'' منانے کا اہتمام فرمایا اور تاریخی ''مسجد نور'' میں کثیر جماعت کے ساتھ نماز جمعہ ادا کرنے کے بعد دو نفل شکرانہ ادا کئے اور پھر اپنے مخصوص دل پذیر انداز میں حاضرین سے خطاب فرمایا اور ''یوم نجات'' کی اہمیت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''دو جھنڈے ہیں ایک اسلام کا، دوسرا کفر کا، مسلمانو! تم کون سے جھنڈے کے نیچے کھڑے ہوگے؟ سب نے بآواز بلند کہا کہ اسلام کے جھنڈے کے نیچے۔ پھر آپ نے دریافت کیا کہ جو کفر کے جھنڈے کے نیچے کھڑے ہوں گے ان میں سے اگر کوئی مرجائے گا تو کیا تم ان کے جنازہ کی نماز

Marfat.com

پڑھو گے؟ سب نے انکار کیا۔ پھر آپ نے دریافت کیا کہ تم اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرو گے؟ سب نے اقرار کیا کہ ہرگز نہیں۔ پھر حضرت نے ارشاد کیا کہ اس وقت سیاسی میدان میں اسلامی جھنڈا، مسلم لیگ کا ہے، اور ہم بھی مسلم لیگ کے ساتھ ہیں اور سب مسلمانوں کو مسلم لیگ میں شامل ہونا چاہیے۔ اسکے بعد جوں جوں قائداعظم کی زیرِ قیادت مسلم لیگ کی خدمات منظر عام پر آتی گئیں، حضرت امیر ملت کی توجہ مبارک زیادہ سے زیادہ اس طرف مبذول ہوتی گئی۔ 23 مارچ 1940ء کو اقبال پارک لاہور میں آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس ''قرارداد لاہور'' منعقد ہوا تو حضرت امیر ملت نے آل انڈیا سنی کانفرنس کی نمائندگی کے لئے پیر صاحب مانکی شریف (ف 1960ء) مولانا عبدالحامد بدایونی (ف 1970ء) پیر عبداللطیف زکوڑی شریف (ف 1978ء) کو بھیجا جبکہ مجاہد ملت مولانا محمد عبدالستار خاں نیازی اس وقت نوجوانوں کی نمائندگی کر رہے تھے۔ یہ سب حضرات مسلم لیگ کے باقاعدہ مبلغ اور جانثار تھے۔ اس موقعہ پر حضرت امیر ملت نے ایک بیان جاری فرمایا:

''مسلم لیگ ہی ایک اسلامی جماعت ہے۔ مسلمانو! سب اس میں شامل ہو جاؤ، اگر اس میں شامل نہ ہو گے تو اور کون سی جماعت ہے جو مسلمانوں کی ہمدرد ہو سکتی ہے۔ کانگریس سے اس بات کی توقع رکھنا کہ وہ مسلمانوں کی حمایت کرے گی، فضول ہے'' انہی دنوں قائداعظم علیحدہ قومیت کی بنیاد پر جداگانہ حکومت کا نظریہ منوانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ حضرت امیر ملت نے 23 مارچ 1940ء کو قرارداد پاکستان کے مبارک موقع پر حسب ذیل تہنیتی تار ارسال فرما کر قائداعظم کو اپنی بھرپور حمایت کا یقین دلایا۔ تار کا مضمون یہ تھا: ''فقیر مع نو کروڑ جمیع اہل اسلام ہند، دل و جان سے آپ کے ساتھ ہے اور آپ کی کامیابی پر آپ کو مبارکباد دیتا ہے اور آپکی ترقی مدارج کے لئے دعا کرتا ہے''

26 جولائی 1943ء کو ظہر کے وقت خاکسار کارکن رفیق صابر آف مزنگ لاہور نے بمبئی میں قائداعظم پر قاتلانہ حملہ کیا اور حملہ کی خبر اسی شام ریڈیو بمبئی نے نشر کی تو حضرت امیر ملت ان دنوں حیدرآباد دکن میں جلوہ افروز تھے۔ رات کو دس بجے قائد ملت نواب بہادر یار جنگ (ف 1944ء) صدر آل انڈیا اسٹیٹس مسلم لیگ و صدر مجلس اتحاد المسلمین حیدرآباد دکن، عجیب پریشانی کے عالم میں آپکی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ روح فرسا خبر سنائی۔ آپ کو اس خبر سے بہت رنج ہوا۔ آپ نے فوراً رو بقبلہ ہو کر حضرت قائداعظم کی صحت و سلامتی اور درازی عمر و کامیابی مقاصد کے لئے دعا مانگی۔ دوسرے دن آپ نے بقلم خاص قائداعظم کے نام ہمدردی و مزاج پرسی کے طور پر ایک مکتوب تحریر فرمایا اور ایک نادر قلمی نسخہ قرآن مجید ایک مخملی جانماز ایک تسبیح ایک شال ایک زمزمی آب زمزم اور دیگر اشیاء اپنے محبوب خلیفہ حضرت بخشی مصطفیٰ علی خاں (ف 1974ء) کے ہاتھ قائداعظم کو روانہ فرمائیں۔

اپنے مکتوبات گرامی میں آپ نے اسلام و دعا کے بعد تحریر فرمایا تھا: ''قوم نے مجھے امیر ملت مقرر کیا اور پاکستان کے لئے جو کوششیں آپ کر رہے ہیں وہ میرا کام ہے لیکن میں اب سو سال سے زیادہ عمر کا ضعیف و ناتواں شخص ہوں، میرا بوجھ جو آپ پر پڑا ہے اس میں امداد کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں، آپ مطمئن رہیں۔ نمرود کی دشمنی حضرت ابراہیمؑ کے دین کی، فرعون کی دشمنی حضرت موسیٰ کلیم اللہ کے دین کی، ابوجہل کی دشمنی ہمارے نبی اکرم ﷺ کے دین کی ترقی کا باعث ہوئی ہے۔

Marfat.com

اب جو یہ حملہ آپ پر ہوا ہے، آپ کی کامیابی کے لئے فال نیک ہے۔ آپ کو میں مبارکباد دیتا ہوں کہ آپ اپنے مقصد میں کامیاب ہونگے۔ آپ کو حصول مقصد میں خواہ کتنی ہی دشواریوں کا سامنا ہو آپ بالکل پرواہ نہ کریں اور پیچھے نہ ہٹیں، جس شخص کو اللہ کامیاب فرمانا چاہتا ہے، اس کے دشمن پیدا کر دیتا ہے۔ میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے دشمنوں کو ذلیل و خوار کرے۔ آپ بھی عہد کریں کہ اپنے مقصد سے ذرہ بھر نہیں ہٹیں گے"

بخشی صاحب جب یہ مکتوب اور تحائف لیکر قائداعظم کی فرودگاہ مالا بارہل بمبئی پہنچے تو معلوم ہوا کہ ڈاکٹروں نے ملاقات پر قدغن لگا رکھی ہے۔ وہ محترمہ فاطمہ جناح سے ملکر خط اور تحائف ان کے سپرد کر آئے اور واپس آکر تفصیل اور خیریت مزاج سے حضرت امیر ملت کو مطلع کیا۔ چند روز بعد (11 اگست 1943ء کا لکھا ہوا) قائداعظم کا خط آیا جس میں انہوں نے سلام و دعا کے بعد لکھا تھا کہ: "جب آپ جیسے بزرگوں کی دعا میرے شامل حال ہے تو میں اپنے مقصد میں ابھی سے کامیاب ہوں اور آپ وعدہ کرتا ہوں کہ میری راہ میں کتنی ہی تکلیفیں کیوں نہ آئیں، میں اپنے مقصد سے کبھی پیچھے نہ ہٹوں گا۔ آپ نے قرآن شریف اسلئے عنایت فرمایا ہے کہ میں مسلمانوں کا لیڈر رہوں جب تک قرآن شریف اور دین کا علم نہ ہو، کیا لیڈری کر سکتا ہوں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ قرآن شریف پڑھوں گا، انگریزی ترجمے میں نے منگوا لئے ہیں، ایسے عالم کی تلاش میں ہوں جو مجھے انگریزی میں قرآن کی تعلیم دے سکے۔ جانماز آپ نے اس لئے عطا کی ہے کہ جب میں اللہ تعالیٰ کا حکم نہیں مانتا تو مخلوق میرا حکم کیونکر مانے گی؟ میں وعدہ کرتا ہوں کہ نماز پڑھوں گا۔ تسبیح آپ نے اس لئے ارسال کی ہے کہ میں اس پر درود شریف پڑھا کروں۔ جو شخص اپنے پیغمبر ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت طلب نہیں کرتا، اس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کیسے نازل ہو سکتی ہے، میں اس ارشاد کی تعمیل بھی کروں گا"

جب قائداعظم کا مکتوب حضرت امیر ملت کو پڑھ کر سنایا گیا تو آپ بہت خوش ہوئے اور فرمایا: "میں حیدرآباد دکن میں بیٹھا ہوں اور جناح صاحب بمبئی میں ہیں۔ اتنے بعد مسافت پر ان کو میرے مافی الضمیر کی کیسے خبر ہوگی۔ درآنحالیکہ میں نے اس کا تذکرہ بھی نہیں کیا ہے۔ بے شک جناح صاحب تو ولی اللہ ہیں کہ انہوں نے میرے دل کی بات جان لی"

1944ء میں حضرت امیر ملت نے ضلع ہوشیار پور کا دورہ کر کے مسلم لیگ کے پیغام کو عام کیا۔ اور لوگوں کو تحریک پاکستان کی حمایت پر کمربستہ کیا۔ ایک ایسے ہی جلسے کی روئیداد مولانا شاہ محمد جعفر پھلواروی (ف 1982ء) کی زبانی سنئے: "1944ء میں قبلہ پیر جماعت علی شاہؒ کی زیر صدارت دوسوہہ (ضلع ہوشیار پور) میں بڑا جلسہ تھا جس میں مجھ کو بہ نظر محبت مدعو کیا گیا تھا۔ میں نے معذرت لکھ بھیجی کہ حالات کے پیش نظر نہیں پہنچ پاؤں گا۔ یکا یک ایک دن پہلے تار ملا کہ دوسوہہ کے جلسے میں پہنچو۔ یہ تار قبلہ جماعت علی شاہؒ کی طرف سے تھا جس کے بعد میرے لئے انکار کی گنجائش نہ رہی۔ لہٰذا میں حاضر ہوا۔ یہ جلسہ بہت ہی کامیاب اور کامران ہوا۔ حضرت قبلہ پیر جماعت علی شاہ نے مسلم لیگ کی اہمیت اور پاکستان کے موضوع پر بااثر اور دل کی گہرائیوں میں اتر جانے والی تقریر فرمائی۔ ہندوؤں کی مکاری اور انگریز کے خلاف جو مسلمانوں کے مقابلے میں آریہ سماجی ہندوؤں اور برہمنوں کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ کے متعلق وضاحت سے تقریریں فرمائیں"

Marfat.com

28 تا 30 اپریل 1944ء کو تالاب شیخ مولا نا بخش سیال کوٹ کے وسیع پنڈال میں پنجاب مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس ہوا تو اس کی کامیابی و کامرانی کے لئے حضرت امیر ملت نے بھرپور سرپرستی فرمائی۔ دامے درمے قلمے سخنے قدمے مکمل تعاون فرمایا۔ قائدین مسلم لیگ کو اجلاس میں شرکت کی دعوت دی۔ چنانچہ قائد ملت نواب بہادر یار جنگ (ف 1944ء) کو بھی حضرت اقدس نے اس تاریخی اور یادگار اجلاس میں دعوت شرکت و خطاب دی۔ نواب صاحب مرحوم و مغفور نے اسکا ذکر خیر اپنے ایک خط بنام نصر اللہ خاں وکیل جنرل سیکریٹری مجلس استقبالیہ پروانشل مسلم لیگ کانفرنس، حسام الدین سٹریٹ سیال کوٹ سٹی محررہ 10 فروری 1944ء میں اسطرح کیا ہے:

''مکرمی! خط اور حضرت مولانا جماعت علی شاہ صاحب کا ارشاد وصول ہوا۔ مجھے اپنا وعدہ یاد ہے لیکن اجلاس کی تواریخ سے واقفیت کا انتظار ہے کیونکہ میں نے اس دفعہ پنجاب کی آمد پر بعض اور جلسوں میں بھی شرکت کا وعدہ کرلیا ہے۔ جیسے ہی تاریخوں کا تعین ہو مطلع فرما کر ممنون کیجئے''

جون 1944ء میں حضرت امیر ملت، سری نگر (کشمیر) میں جلوہ افروز تھے کہ آپ کے مرید خاص قائد ملت چوہدری غلام عباس (ف 1967ء) قائداعظم کو آپ کو ساتھ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے قائداعظم کی پرتکلف دعوت کی اور انواع و اقسام کے 45 کھانے دسترخوان پر چنے گئے۔ دعوت کے اختتام پر حضرت امیر ملت نے قائداعظم کو تحائف مرحمت فرمائے اور کامیابی کی دعا فرمائی اور حاضرین سے فرمایا کہ سب لوگ مسلم لیگ کے لئے وقف ہو جاؤ اور ہر طرح سے مدد کر کے تحریک پاکستان کو ساحل کامیابی سے ہمکنار کریں۔ یاد رہے کہ اس تاریخی اور بے مثل دعوت میں کشمیر اور بیرون کشمیر کے رؤسا و عمائدین بھی شریک تھے۔

اس دعوت کے بعد حضرت امیر ملت نے قدآور اشتہارات کے ذریعے مسلم لیگ کی حمایت کا اعلان فرمایا اور قائداعظم کی کامیابی کی پیش گوئی کی۔ چنانچہ اس پیشگوئی پر کامل یقین کرتے ہوئے قائداعظم نے لاہور کے ایک عظیم الشان اجتماع میں کہا تھا کہ: ''میرا ایمان ہے کہ پاکستان ضرور بنے گا کیونکہ امیر ملت مجھ سے فرما چکے ہیں کہ پاکستان ضرور بنے گا اور مجھے یقین واثق ہے کہ اللہ تعالیٰ آپکی زبان مبارک کو ضرور سچا کریں گے'' آواخر جون 1945ء میں حضرت امیر ملت نے تحریک پاکستان کی حمایت میں ایک زبردست بیان جاری فرمایا جس کا عنوان ''تحریک پاکستان اور صوفیاء کرام'' تھا۔ اس بیان کا مرکزی نقطہ یہ تھا کہ محمد علی جناح ہمارا بہترین وکیل ہے اور مسلم لیگ مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے لہٰذا سب مسلمان قیام پاکستان کی جدوجہد میں شریک ہوں''

آپ کے اس بیان کی تائید صاحبزادہ ظہور الحق (ف 1984ء) سجادہ نشین خانقاہ سراجیہ گورداسپور، خواجہ غلام سدید الدین سجادہ نشین تونسہ شریف (ف 1960ء) پیر سید محمد فضل شاہ امیر حزب اللہ جلالپور شریف ضلع جہلم (ف 1966ء) میاں علی محمد خاں سجادہ نشین بسی شریف (ف 1975ء) اور سید محمد حسین سجادہ نشین سکھو چک ضلع گورداسپور (ف 1978ء) و دیگر بہت سے مشائخ نے کی۔ 1945ء میں جب کانگریسی علماء نے پاکستان کی مخالفت میں سر دھڑ کی بازی لگا دی تو

Marfat.com

حضرت امیر ملت نے قیام پاکستان کی حمایت میں اطراف واکناف ملک کے دورے کئے اور قائداعظم کے حق میں فضا سازگار بنائی۔ آپ کی جامع اور مدلل تقاریر سے متاثر ہو کر لوگ کانگریس سے الگ ہو کر مسلم لیگ میں شامل ہونے لگے تو بمصداق کھسیانی بلی کھمبا نوچے جمعیت علماء ہند اور مجلس احرار نے قائداعظم کی ذات والا صفات پر گھناؤنے حملے شروع کر دیئے تب آپ نے پنجاب مسلم لیگ کے اجلاس عام منعقدہ لاہور کی صدارت فرماتے ہوئے ارشاد کیا: ''دوقومی نظریہ سب سے پہلے سرسید نے پیش کیا تھا اور اقبالؒ نے اپنے کلام کے ذریعے قوم کو متاثر کیا اب قائداعظم نے اسی دوقومی نظریہ کے بار آور ہونے کے لئے مسلمانوں کا علیحدہ وطن قائم کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے۔ قاعدہ اور اصول یہ ہے کہ ہر شخص اپنے مقدمے کی پیروی کے لئے قابل و تجربہ کار وکیل تلاش کرتا ہے، بلاتمیز غیرے کہ وہ وکیل ہندو ہے یا مسلمان یا عیسائی، اب ہمارا مقدمہ انگریز اور ہندو کے ساتھ ہے، مسلمانوں نے قائداعظم کو اس مقدمے کا وکیل بنالیا ہے اور پھر ان کی ذات پر کیچڑ اچھالنا اور رکیک وسوقیانہ حملے کرنا کیا معنی! ماسوائے ذاتی کدورت وحسد کے۔ یہ تو ایک اصول کی بات تھی، اب رہی میری عقیدت، اگر میں چراغ لے کر ڈھونڈوں تو مجھے ہندوستان میں ایک بھی جناح صاحب ایسا ایمان والا مسلمان نظر نہیں آتا جو ایسی اسلام کی خدمت بجالا رہا ہو''

اس کے بعد حضرت امیر ملت نے قائداعظم اور تحریک پاکستان کی تائید وحمایت کے لئے سرگرمی کا ایسا مظاہرہ فرمایا کہ مخالفین کی نیندیں حرام ہو گئیں۔ پیرانہ سالی کے باوجود طوفانی دوروں کا سلسلہ شروع فرمایا۔ اوائل ستمبر 1945ء میں رہتک (حال بھارت) کا دوروزہ دورہ فرمایا اور حسب سابق شہری وضلع مسلم لیگ کے سیکریٹری مالیات صاحبزادہ اختر علی صدیقی کو شرف میزبانی بخشا اور قلعہ میں انکے دیوان خانہ میں قیام فرمایا۔ اور رات کو ایک عظیم الشان جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے لوگوں کو مسلم لیگ کی حمایت کی تلقین کی۔ حاضرین نے بہ آواز بلند مسلم لیگ کا ساتھ دینے کا اعلان کیا۔ پھر آپ نے شہری مسلم لیگ کے عہدیدار مقرر کئے: راؤ خورشید علی، چوہدری حسین علی اور محبوب الٰہی وغیرہ وغیرہ۔ 14 تا 16 ستمبر 1945ء بروز جمعہ، اتوار دارلعلوم مرکزی انجمن حزب الاحناف ہند لاہور کے سالانہ اجلاس کے موقعہ پر ہندوستان بھر کے اکابر علماء اہلسنت وجماعت تشریف لائے۔ اجلاس کی صدارت حضرت امیر ملت نے فرمائی۔ صوبائی سنی کانفرنس (پنجاب) کا قیام عمل میں لایا گیا اور فیصلہ کیا گیا کہ کانگریس، احرار، خاکسار، اور یونینسٹ ہرگز ہرگز مسلمانوں کی نمائندہ جماعتیں نہیں ہیں۔ کانگریس، مشرکین ومرتدین کی جماعت ہے اور اسلام اور مسلمانوں کی بدترین دشمن ہے۔ اس سے یہ ہرگز توقع نہیں کہ یہ مسلمانوں کے حقوق کی نمائندگی کر سکے۔ لہٰذا مسلمانوں کو اپنا قیمتی ووٹ کانگریس کو دینا حرام ہے۔ احرار، خاکسار اور یونینسٹ وغیرہ وغیرہ اکثریت سے کٹ کر گاندھی اور نہرو کے زرخرید غلام بن چکے ہیں، انہیں مسلمانوں کی نمائندگی کا کوئی حق نہیں ہے۔ مسلمانوں کے ووٹ حاصل کرنے کا حق صرف ''سنی العقیدہ'' مسلمانوں کو ہے جو کونسلوں میں جاکر مسلمانوں کے جائز حقوق کی نگہداشت کریں اور احکام شریعت کے مطابق جدوجہد کریں۔

حضرت امیر ملت کی زیر صدارت اس اعلان حق سے مخالفین پاکستان کی صفوں میں کھلبلی مچ گئی۔ مشہور کانگریسی مولوی حفظ الرحمٰن سیوہاری (ف 1962ء) نے اپنی بوکھلاہٹ کا اظہار کرتے ہوئے کہا: ''گذشتہ دنوں لاہور حزب الاحناف کے

Marfat.com

سالانہ جلسے میں ایک بدعتی پیر جماعت علی شاہ علی پوری نے شرکت کانگریس کو حرام اور ان کو ووٹ دینا حرام اور کانگریس مشرکین و مرتدین کی جماعت ہے، قرار دیکر جس قدر مسلم لیگیوں کی ہمت افزائی کی وہ تمام کی تمام شرانگیزی پر مبنی ہے"

21 ستمبر 1945ء کو سہ روزہ "الامان" دہلی میں حضرت امیر ملت کا ایک بیان شائع ہو جس میں مسلمانوں سے اپیل کی گئی تھی کہ "وہ مسلم لیگ کے امیدواروں کو ووٹ دیں" اپیل کے آخر میں آپ نے فرمایا کہ "خدا مسٹر جناح کی عمر دراز کرے جو ہندوستان کے مسلمانوں کے واحد لیڈر اور واقعی قائداعظم ہیں"

28 ستمبر 1945ء کو روزنامہ "خلافت" بمبئی میں جمعیت علماء اسلام کلکتہ کی طرف سے مسلم لیگ کی تائید وحمایت میں علماء ومشائخ کا ایک مشترکہ بیان چھپا جس میں حضرت امیر ملت کا اسم گرامی سرفہرست تھا اور دیگر حضرات میں سید الاحرار مولانا حسرت موہانی (ف 1951ء) خواجہ حسن نظامی دہلوی (ف 1955ء) مولانا ظفر علی خاں (ف 1956ء) اور مولانا محمد بخش مسلم (ف 1987ء) وغیرہ شامل تھے۔

آواخر ستمبر 1945ء میں آپ نے ایک بیان میں ارشاد فرمایا کہ "اس بنا پر فقیر جمیع مسلمانان ہند سے اپیل کرتا ہے کہ جس طرح فقیر نے شملہ کانفرنس کے موقع پر اعلان کیا تھا کہ مسلم لیگ ہی مسلمانان ہند کی واحد سیاسی جماعت ہے۔ اب چونکہ جدید انتخابات ہونے والے ہیں، اس موقعہ پر جیسا کہ قائداعظم محمد علی جناح نے مسلمانان ہند سے یہ اپیل کی ہے کہ ہر ایک مسلمان کو مسلم لیگ کے امیدوار کو ووٹ دینا چاہیے اور اپنی حیثیت سے زیادہ چندہ دینا چاہیے۔ فقیر بحیثیت امیر ملت، قائداعظم کی اس اپیل کی پرزور تائید کرتا ہے کہ اس موقع پر ہر طرح سے مسلم لیگ کی امداد کریں اور میرے متوسلین انشاءاللہ تعالیٰ مسلم لیگ کی امداد کرتے رہیں گے"

اس کے بعد آپ نے اور زیادہ انہماک اور جوش وخروش سے مسلم لیگ اور قائداعظم کی حمایت میں سرگرمی دکھائی۔ آپ نے تمام علمائے دین اور مشائخ عظام کو خاص طور پر توجہ دلائی کہ اب گوشہ نشینی چھوڑ کر میدان عمل میں آئیں اور اپنا فرض ادا کریں۔ چنانچہ اطراف واکناف سے آپ کو خطوط اور تاروں کے ذریعے تعاون عمل کے پیغامات موصول ہوئے۔ پیر صاحب مانکی شریف (ف 1960ء) خود بہ نفس نفیس علی پور شریف حاضر ہوئے اور غیر مشروط طور پر اپنی خدمات پیش کرتے ہوئے عرض کیا: "حاضر ہو گیا ہوں، اب جو حکم ہوگا تعمیل کروں گا" آپ نے فرمایا: "اب دین اور ملت کی خدمت کی ضرورت ہے، یہ کام جو جناح صاحب کر رہے ہیں، ہم سب کا ہے، آپ بھی ان کی اعانت فرمائیں"

حضرت امیر ملت کے اس ارشاد کی تعمیل میں پیر صاحب مانکی شریف نے 14 اکتوبر 1945ء کو مانکی شریف تحصیل نوشہرہ ضلع پشاور میں برصغیر کے نامور علماء مشائخ کی ایک کانفرنس بلائی تاکہ صوبہ سرحد میں مسلم لیگ کے کام کو تیز تر کیا جائے۔ یہ کانفرنس رات کو پیر معصوم بادشاہ فاروقی سجادہ نشین چورہ شریف ضلع اٹک (ف 1957ء) کی زیر صدارت ہوئی۔ اس کانفرنس میں حضرت امیر ملت کو خصوصی طور پر مدعو کیا گیا تھا۔ علاوہ ازیں صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی (ف 1948ء) خواجہ غلام سدید الدین سجادہ نشین تونسہ شریف (ف 1960ء) فخر ملت مولانا عبدالحامد بدایونی (ف 1970ء)

Marfat.com

مجاہد سرحد پیر محمد عبداللطیف سجادہ نشین زکوڑی شریف ڈیرہ اسماعیل خاں (ف 1978ء) اور حاجی فضل حق پیر صاحب کاربوغہ شریف جیسے پانچ صد جید علماء ومشائخ نے قدوم میمنت لزوم فرمایا۔ حضرت امیر ملت نے اپنے روح پرور خطاب میں قائداعظم اور مسلم لیگ کی زبردست حمایت فرمائی۔ تمام حاضرین نے تحریک پاکستان کی تائید وحمایت میں تن من دھن کی بازی لگانے کا عہد کیا۔

26 تا 28 اکتوبر 1945ء انجمن تبلیغ الاحناف امرتسر کے زیر اہتمام جامع مسجد میاں جان محمد مرحوم میں حضرت امیر ملت کی زیر سرپرستی وزیر صدارت حضرت امام اعظمؒ کے عرس مبارک کی سالانہ تقریب بڑے تزک احتشام سے منعقد ہوئی۔ متحدہ ہندوستان کے جلیل القدر علماء ومشائخ نے اس سہ روزہ پروگرام میں شرکت کی۔ 28 اکتوبر کے پروگرام میں حضرت امیر ملت بہ نفس نفیس رونق افروز ہوئے اور پیرانہ سالی کے باوجود مسلسل دو گھنٹے پاکستان اور مسلم لیگ کے متعلق پرجوش الفاظ میں تقریر فرمائی۔ حاضرین کا جوش وخروش دیدنی تھا۔ امرتسر جو احرار کا گڑھ شمار ہوتا تھا اب گلی گلی، کوچے کوچے میں ''مسلم لیگ زندہ باد'' اور ''امیر ملت زندہ باد'' کے نعروں سے گونج رہا تھا۔ اس سہ روزہ تقریب سعید سے صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی (ف 1948ء) ابو یوسف مولانا محمد شریف کوٹلوی (ف 1951ء) حضرت سید محمد محدث کچھوچھوی (ف 1961ء) شیخ القرآن علامہ عبدالغفور ہزاروی (ف 1970ء) خطیب بے مثل سید محمود شاہ گجراتی (ف 987 ء) صاحبزادہ سید انور حسین علی پوری (1972ء) اور ابوالنور مولانا محمد بشیر کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ نے بھی مسلم لیگ اور تحریک پاکستان کی پرزور حمایت میں تقریریں کیں۔

عرس مبارک کی تقریب اختتام کو پہنچی تو حضرت امیر ملت نے ضلع امرتسر کا دورہ فرمایا اور تحریک پاکستان کو کامیاب بنانے کے لئے مدلل اور پرمغز تقریریں کیں۔ آپ کے ساتھ صدر الافاضل مراد آبادی، حضرت محدث کچھوچھوی اور سید بوٹے شاہ رمداسی (ف 1947ء) بھی تھے۔ یہ نورانی قافلہ جدھر سے گزرتا، فضا میں خوشبو بکھرتی جاتی۔ لوگ ''نعرہ تکبیر ورسالت'' کے بعد ''امیر ملت زندہ باد'' ''قائداعظم زندہ باد'' اور ''مسلم لیگ زندہ باد'' کے فلک شگاف نعرے لگاتے۔

وہ جدھر سے گزرے روشنی ہوتی گئی

اگرچہ حضرت امیر ملت ضعیف العمر تھے مگر جب جلسہ سے خطاب فرماتے تو آپ کی آواز مبارک دور دور تک سامعین کے قلب وجگر میں پیوست ہوتی جاتی اور حاضرین پر رقت طاری ہو جاتی۔ اس دورہ کے بعد کانگریس یا دوسری نیم کانگریسی جماعتوں کا کوئی جلسہ کامیاب نہ ہوسکا۔ انہی جگہوں پر جہاں کانگریسی لیڈروں کے گلے میں ہار ڈالے جاتے تھے وہاں پتھر پڑتے دیکھا گیا اور مشرقی پنجاب کی فضا ''مسلم ہے تو مسلم لیگ میں آ'' کے پرکیف اور وجد آور نعروں سے گونجنے لگی۔

30 اکتوبر 1945ء کو روزنامہ ''وحدت'' دہلی کی صفحہ 3 کالم 3 پر مسلم لیگ کی حمایت میں حضرت امیر ملت کا ایک تہلکہ خیز بیان شائع ہوا۔ جس نے فضا میں ارتعاش پیدا کر دیا اور کانگریس علماء کی نیندیں حرام ہوگئیں۔ آپ نے فرمایا: ہندوستان بھر میں صرف مسلم لیگ ہی ایسی جماعت ہے جو بالکل صحیح طور پر مسلمانان ہند کے حقوق کی حفاظت کر رہی ہے۔ اسلئے

Marfat.com

مسلم لیگ کی ہر ممکن امداد کر کے اس کو کامیاب بنانا ہر مسلمان کا فرض اولین ہے اور جو لوگ مسلم لیگ کی مخالفت کر رہے ہیں وہ دشمنان اسلام ہیں۔ اس لئے اہل اسلام کے لئے لازم ہے کہ وہ مخالفین مسلم لیگ کے نہ تو جنازوں میں شامل ہوں اور نہ ان کے مردوں کو اپنے قبرستانوں میں دفن کرنے دیں''

اس بیان کو بعد میں گجراتی اخبار روزنامہ ''وطن'' بمبئی نے بھی اپنی اشاعت 6 نومبر 1945ء صفحہ 5 پر شائع کیا۔ یوں حضرت امیر ملت کے یہ زریں ارشادات ہندوستان کے کونے کونے میں گونج اُٹھے اور ہر مسلمان کے دل کی دھڑکن بن گئے۔

2 نومبر 1945ء کو جامع مسجد میاں جان محمد مرحوم امرتسر شہر میں ایک عظیم الشان سنی کانفرنس زیر صدارت حضرت امیر ملت منعقد ہوئی جس سے صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی (ف 1948ء) نے مسلم لیگ اور پاکستان کی حمایت میں ایک ہنگامہ خیز تقریر کی۔ ان کے علاوہ صاحبزادہ سید انور حسین علی پوری (ف 1972ء) اور صاحبزادہ سید محمود شاہ گجراتی (ف 1987ء) نے بھی تحریک پاکستان کی حمایت میں تقریریں کیں۔ حضرت امیر ملت نے بھی اپنے صدارتی خطبہ میں اس موضوع پر شعلہ بار خطاب کیا۔

24 نومبر 1945ء کو پیر مانکی شریف (ف 1960ء) نے مانکی شریف ضلع پشاور میں قائداعظم کی ایک شاندار دعوت کی اور ایک عظیم الشان جلسہ کا انعقاد بھی فرمایا۔ حضرت امیر ملت کو جلسہ کی صدارت کے لئے دعوت دی مگر آپ ناسازی طبع کے باعث تشریف نہ لے جاسکے اور اپنی جگہ اپنے فرزند اکبر سراج الملت پیر سید محمد حسین (1961ء) کو قائداعظم کے لئے سونے کا ایک تمغہ، تین سو روپے کی تھیلی اور کئی دوسرے تحائف دے کر بھیجا۔

پیر صاحب مانکی شریف نے حضرت سراج الملت کی بڑی عزت افزائی کی اور جلسہ کی صدارت انہیں کے سپرد کی۔ جب قائداعظم جلسے میں آئے تو حضرت سراج الملت نے آگے بڑھ کر سونے کا تمغہ (جس پر کلمہ طیبہ کندہ تھا) قائداعظم کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا کہ ''حضرت امیر ملت نے آپکی کامیابی کی طلائی تمغہ بھیجا ہے'' یہ سن کر قائداعظم بہت خوش ہوئے، کرسی سے اُٹھ کر کھڑے ہو گئے اور سینہ تان کر کہا: ''پھر تو میں کامیاب ہوں، آپ تمغہ میرے سینے پر آویزاں کیجئے'' اس پر مسلم لیگی کارکن ملک شاد محمد نے آگے بڑھ کر حضرت سراج الملت کے ہاتھ سے تمغہ لیا اور قائداعظم کی شیروانی کی بائیں طرف سینے پر ٹانک دیا۔ قائداعظم نے مسکرا کر شکریہ ادا کیا اور بیٹھ گئے۔

نومبر 1945ء کے آخر میں مسلم لیگی امیدواروں کی حمایت میں امیر ملت کا اور بیان شائع ہوا جس میں آپ نے فرمایا کہ: ''دس کروڑ مسلمانان ہند نے فقیر کو امیر ملت تسلیم کر لیا ہے۔ مسلمانوں کو اپنے امیر ملت کی رہنمائی پر عمل کرنا نص قطعی سے واجب ہے۔ امیر ملت کا فرمانبردار، خدا اور رسول ﷺ کا فرمانبردار ہے، امیر ملت کا نافرمان، خدا اور رسول ﷺ کا نافرمان ہے۔ محمد علی جناح کی اس اپیل کی فقیر بھی بحیثیت امیر ملت پر زور تائید کرتا ہے کہ ہر مسلمان مسلم لیگ کے امیدوار کو ووٹ دے اور حیثیت سے زیادہ اسکو چندہ دے'' اوائل دسمبر 1945ء میں پنجاب کے نامور صوفیائے کرام نے مسلم لیگ کی حمایت میں ایک اعلان جاری فرمایا جس میں مریدین کے علاوہ تمام مسلمانوں کو ہدایت اور تاکید کی گئی کہ مسلم لیگ کی حمایت کریں۔

Marfat.com

حضرت امیر ملت نے اس موقعہ پر بھی یہی فرمایا کہ: ''جو مسلم لیگ میں شامل نہ ہو اور مر جائے تو ان کے مرید ایسے شخص کا جنازہ بھی نہ پڑھیں۔'' 46-1945ء کے انتخابات کے سلسلے میں حضرت امیر ملت نے ایک تاریخی بیان جاری فرمایا جس سے کانگریس اور دیگر مسلم دشمن جماعتوں کے گھروں پر صف ماتم بچھ گئی۔

''اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے کہ ہندوستان کے دس کروڑ مسلمانوں نے فقیر کو امیر ملت تسلیم کر لیا۔ اب جملہ مسلمانان ہند کو اپنے امیر ملت کی رہنمائی پر عمل کرنا واجب ہے۔ یہ امر فقیر اپنی ہی طرف سے پیش نہیں کرتا ہے بلکہ نص قطعی سے ثابت کرتا ہے کہ جس نے اپنے امیر کی اطاعت کی اس نے حضرت رسول ﷺ کی اور جس نے حضور انور ﷺ کی فرمانبرداری کی اس نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی۔ جس نے امیر سے نافرمانی کی اس نے حضرت رسول اکرم ﷺ سے نافرمانی کیا اور جس نے اپنے رسول ﷺ کی نافرمانی کی اس نے خدا کی نافرمانی کی۔ پس اس بناء پر فقیر جمیع مسلمانان ہند سے اپیل کرتا ہے کہ جس طرح فقیر نے شملہ کانفرنس کے موقع پر اعلان کیا تھا کہ مسلم لیگ ہی مسلمانان ہند کی واحد سیاسی جماعت ہے اب چونکہ جدید انتخابات ہونے والے ہیں اس موقع پر جیسا کہ قائداعظم محمد علی جناح صاحب نے مسلمانان ہند سے یہ اپیل کی ہے کہ ہر ایک مسلمان کو مسلم لیگ کے امیدوار کو ووٹ دینا چاہیے۔ فقیر بھی بحیثیت امیر ملت قائداعظم کی اس اپیل کی پرزور تائید کرتا ہے اور جمیع مسلمانان ہند سے عموماً اور اپنے یاران طریقت سے خصوصاً جو لاکھوں کی تعداد میں ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں ہیں، مکرر پر زور اپیل کرتا ہے کہ اس موقع پر ہر طرح سے مسلم لیگ کی امداد کریں اور میرے متوسلین انشاء اللہ تعالیٰ مسلم لیگ کی امداد کرتے رہیں گے''

11 دسمبر 1945ء کو روزنامہ ''وحدت'' دہلی میں حضرت امیر ملت قدس سرہ نے اپنے فتوے کا اعادہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''میں فتویٰ دے چکا ہوں کہ جو مسلمان، مسلم لیگ کو ووٹ نہ دے اس کا جنازہ نہ پڑھو اور مسلمانوں کی قبروں میں دفن نہ کرو۔ فقیر اپنے فتوے کا دوبارہ اعلان کرتا ہے کہ جو مسلم لیگ کا مخالف ہے خواہ کوئی ہو اگر وہ مر جائے تو اس کا جنازہ نہ پڑھا جاوے، نہ مسلمانوں کی قبروں میں دفن کی جاوے''

ہفت روزہ ''الفقیہہ'' امرتسر 12 تا 20 دسمبر 1945ء میں آپ کا ایک اور مجاہدانہ بیان شائع ہوا۔

''اس وقت حمیت کا تقاضہ یہ ہے کہ آپ سنی کانفرنسوں کو کامیاب کر کے مسلم لیگ کے ہاتھ مضبوط کریں تا کہ یہ حشرات الارض کانگریسی یونینسٹ قسم کے لوگوں کی نہ صرف حوصلہ شکنی ہو بلکہ ان کے تمام مکروہ عزائم پیوند خاک ہو جائیں''۔

46-1945 کے انتخابات مسلمانوں کی قسمت کا فیصلہ تھے۔ حضرت امیر ملت اور ان کی اولاد امجاد نے طوفانی دورے کر کے مخالفین تحریک پاکستان کے مذموم عزائم کو ناکام بنا دیا۔ انہی دنوں آپ کو سیالکوٹ شہر میں تشریف لا کر خطاب فرمانے کی دعوت دی گئی۔ آپ شدید علالت کے باوجود تشریف لائے۔ نقاہت کے باعث کسی جلسہ میں تقریر نہ کر سکتے تھے۔ آپ نے پکا گڑھا (سیالکوٹ کی ایک آبادی) میں قیام فرمایا۔ آپ کے مریدین اور ہزاروں شہری روزانہ حاضری دیتے تو چارپائی پر ہی حاضرین کو خطاب فرماتے اور تلقین کرتے کہ وقت کے تقاضے کے مطابق مسلم لیگی امیدواروں کی بھرپور اعانت کی

Marfat.com

جائے۔آپ کی ہدایت نے ایک نیا ولولہ پیدا کیا اور سیال کوٹ کے شہری والہانہ انداز میں انتخابی مہم کو کامیاب بنانے کے لئے سرگرم عمل ہو گئے۔

انتخابات میں مسلم لیگ کی مقبولیت سے بوکھلا کر انگریز حکومت نے ایک قانون جاری کیا جس کی رو سے مذہب اور اللہ کے نام پر ووٹ مانگنا جرم قرار دے دیا گیا۔اور اس جرم کی سزا تین سال قید اور جرمانہ بھی مقرر کی گئی۔اس پر لاہور کے ایک جیالے مسلم لیگی چوہدری عبدالکریم آف قلعہ گوجر سنگھ (ف 1981ء) نے جمعیت علماء اسلام پنجاب کی کانفرنس 11-10-9 جنوری 1946ء کو اسلامیہ کالج لاہور کی گراؤنڈ میں بلائی،جس کی صدارت حضرت امیر ملت نے فرمائی۔مولانا ابوالحسنات محمد احمد قادری لاہوری (ف 1961ء) مخدوم سید محمد رضا شاہ گیلانی ملتانی (ف 1949ء) پیر صاحب مانکی شریف (ف 1960ء) مولانا عبدالحامد بدایونی (ف 1970ء) مولانا عبدالغفور ہزاروی (ف 1970ء) خواجہ غلام محی الدین گولڑوی (ف 1974ء) خواجہ محمد قمر الدین سیالوی (ف 1981ء) مجاہد ملت مولانا محمد عبدالستار خان نیازی،مولانا جمال میاں فرنگی محلہ کی علاوہ بہت سے دیگر علماء کرام اور عوام کی بھاری تعداد نے شرکت کی۔کانفرنس میں گورنر کے نافذ کردہ قانون کی خلاف ورزی کا فیصلہ کیا گیا۔چوہدری عبدالکریم (ف 1981ء) مائیک پر آئے اور عوام سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ''اسلام کے نام پر مسلم لیگ کو ووٹ نہ دیا تو حضور اکرم ﷺ بھی ناراض ہوں گے اور اللہ کا غضب بھی نازل ہوگا''

حضرت امیر ملت نے صدارتی خطاب فرماتے ہوئے کہا کہ: ''حکومت اور کانگریس دونوں کان کھول کر سن لیں کہ اب مسلمان بیدار ہو چکے ہیں،انہوں نے اپنی منزل مقصود متعین کر لی ہے۔اب دنیا کی کوئی طاقت ان کے مطالبہ پاکستان کو ٹال نہیں سکتی،بعض دین فروش نام نہاد لیڈر مسٹر جناح کو برملا گالیاں دیتے ہیں لیکن انہوں نے آج تک کسی کو برا نہیں کہا،یہ ان کے سچا رہنما ہونے کا بڑا ثبوت ہے۔خاکساروں نے مجھے قتل کی دھمکیاں دی ہیں،میں انہیں بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں ''سید'' ہوں۔''سید'' موت سے کبھی نہیں ڈرتا۔میں اپنے یاران طریقت اور حلق بگوشوں کو تاکید کرتا ہوں کہ وہ صرف اور صرف مسلم لیگ کے امیدواروں کو ہی ووٹ دیں اور عامۃ المسلمین سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ بھی مسلم لیگ ہی کو کامیاب و کامران بنائیں''

اس کانفرنس کے بعد حضرت امیر ملت نے بحیثیت صدر آل انڈیا سنی کانفرنس مسلم لیگ کی حمایت میں اپنا ایک دستخطی بیان ہفت روزہ ''الفقیہہ'' امرتسر کی اشاعت 21 تا 28 جنوری 1946ء شائع کروایا کہ: ''مسلم لیگ بڑی جماعت اہل اسلام ہے اور اس سے الگ رہنے والے اسلام دشمن ہیں''

21 اپریل 1946ء کو پشاور میں ''پاکستان کانفرنس'' منعقد ہوئی جس کی صدارت حضرت امیر ملت نے فرمائی۔اس کانفرنس میں علماء و مشائخ کی کثیر تعداد نے شرکت کی۔حضرت امیر ملت نے حسب معمول یہاں بھی تحریک پاکستان اور مسلم لیگ کی حمایت میں ولولہ انگیز اور فکر خیز خطاب فرمایا۔اسی دوران آپ سرحدی گاندھی خاں عبدالغفار خاں (ف 1988ء) کے گاؤں شاہی باغ میں تشریف لے گئے اور کلمہ حق بلند فرمایا۔آپ نے کانگریس اور سرخپوشوں کی دھجیاں بکھیر دیں مگر غفار خاں یا اس کے کسی حواری کو سامنے آنے کی جرأت نہ ہوئی۔

Marfat.com

27 اپریل 1946ء کو آل انڈیا سنی کانفرنس کا بنارس (بھارت) میں فقید المثال اور تاریخ ساز اجلاس شروع ہوا تو کانگریسی علماء نے اپنے ایجنٹ بھیج کر اجلاس کو درہم برہم کرنے کی سازش کی۔ ایک قرارداد مرتب کی جس میں قائداعظم کو کافر، معلون، اور مرتد قرار دیا گیا اور مطالبہ کیا گیا کہ حضرت امیر ملت نے قائداعظم کے بارے میں تعریفی کلمات فرمائے ہیں وہ واپس لیں ورنہ صدارت سے مستعفی ہو جائیں۔

جب آپ اپنے معتمد خاص صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی (ف 1948ء) مرکزی ناظم اعلیٰ آل انڈیا سنی کانفرنس کے ساتھ اسٹیج پر تشریف لا رہے تھے تو کسی نے راستہ میں اس سازش کی خبر دے دی۔ آپ جلسہ گاہ میں پہنچے تو آپ کو کرسی پر بٹھا کر اسٹیج پر لایا گیا۔ آپ کی صدارت کے اعلان کے بعد جلسہ کی کاروائی کا آغاز ہوا۔ تلاوت کلام مجید کے بعد آپ یک لخت پورے جوش و جذبہ کے ساتھ جلسہ سے مخاطب ہوئے اور فرمایا: ''جناح کو کوئی کافر کہتا ہے، کوئی مرتد بناتا ہے، کوئی معلون ٹھہراتا ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ وہ ولی اللہ ہے!

''آپ لوگ اپنی رائے سے کہتے ہیں میں قرآن وحدیث کی رو سے کہتا ہوں''

سنو اور غور سے سنو اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں ارشاد فرماتا ہے:

ان الذین امنو وعملو الصلحت سیجعل لھم الرحمن ودا (پارہ: ۱۶ سورہ مریم: ۹۶)

''جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے، اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت پیدا کر دیتا ہے''

اس کے بعد آپ نے لاکھوں کے اجتماع سے سوال کیا کہ: ''تم بتلاؤ، ہے کوئی مائی کا لال مسلمان جس کے ساتھ ہندوستان کے دس کروڑ مسلمان قائداعظم ایسی والہانہ محبت رکھتے ہوں؟ یہ تو قرآن کا فیصلہ ہے، اب رہی میری عقیدت، تم اس کا کافر کہو، میں اسکو ولی اللہ کہتا ہوں۔

اب رہا میری صدارت کا مسئلہ تو بحمد اللہ میں صحیح النسب سید ہوں اور سید ماں کے پیٹ سے صدر ہوتا ہے۔ تمام امت، آل رسول ﷺ پر درود بھیجتی ہے۔ اس لئے مجھے صدرات سے شرف نہیں، صدارت کو مجھ سے شرف حاصل ہے''

آپ کے ان دندان شکن دلائل کے سامنے کسی کو بولنے کی جرأت نہ ہو سکی اور مخالفین اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔

اس ہنگامہ خیز اجلاس میں حضرت امیر ملت نے حسب عادت فی البدیہہ ارشاد فرمایا اور مسلم لیگ اور مسلم لیگ کی ''قرارداد لاہور'' (یعنی مطالبہ پاکستان کی شدومد کے ساتھ حمایت فرمائی اور تمام مسلمانوں کو تلقین کی کہ قائداعظم کی حمایت و اعانت میں کمربستہ ہو جائیں، کانگریس اور اسکے ایجنٹوں کی تمام سازشوں کو بے نقاب کر کے انہیں حاضر و نامراد بنا دیں۔

آپ کے مدلل اور دندان شکن اور مسکت خطاب کے بعد صدر الافاضل مراد آبادی (1948ء) اور فخر اہلسنت مولانا عبدالحامد بدایونی (ف 1970ء) نے آپ کی بھرپور تائید کی اور تحریک پاکستان کی حمایت میں پرزور تقریریں کیں۔ مولانا عبدالحامد بدایونی کی تقریر تو تین گھنٹے تک جاری رہی۔ بڑے ہنگامے کے بعد آخر کار کانگریسی ایجنٹوں کو منہ کی کھانا پڑی اور تمام حاضرین نے مسلم لیگ اور مطالبہ پاکستان کی حمایت کا اعلان کیا۔ پھر تو ''امیر ملت زندہ باد'' ''مسلم لیگ زندہ باد'' اور

Marfat.com

''پاکستان زندہ باد'' کے فلک شگاف نعروں کے آگے فریق مخالف کو خاموشی سے راہ فرار اختیار کرنے کے سوا کوئی اور صورت نظر نہ آئی۔

11 تا 13 اکتوبر 1946ء بروز جمعہ، ہفتہ، اتوار جامع مسجد میاں جان محمد مرحوم امرتسر میں حضرت امام ابوحنیفہ کا 37 واں سالانہ عرس مبارک منعقد ہوا جس کی صدارت حضرت امیر ملت نے فرمائی۔ اس شاندار اور تاریخی کانفرنس میں مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی (ف 1948ء) مولانا قطب الدین جھنگوی (ف 959ء) مولانا عبدالغفور ہزاروی (ف 1970ء) سید محمود شاہ گجراتی (ف 1987ء) اور سید ولائت حسین شاہ (سرحد) نے مسلم لیگ اور پاکستان کی حمایت میں شاندار تقاریر کیں۔

آخری اجلاس میں حضرت امیر ملت نے صدارتی خطاب میں ارشاد کیا: ''اس وقت مسلمانوں کو ایک جھنڈے تلے منظم ہو جانا چاہئے، وہ جھنڈا صرف مسلم لیگ کا ہے جو مسلمانوں کی جماعت ہے، اور اس نازک دور میں مسلمانان ہندوستان کی خاطر خواہ خدمت کر رہی ہے۔ قائداعظم ہمارے سیاسی وکیل ہیں ہم ان کے حکم پر پاکستان جیسی مقدس سرزمین حاصل کرنے کے لئے بڑی سے بڑی قربانی دینے سے بھی دریغ نہیں کریں گے''

آپ کی تقریر کے دوران بعض مخالفین نے سوال کیا کہ: جناح کافر ہے یا مسلمان''؟ آپ نے برجستہ جواب دیا: ''تمہیں کون سی اس کے ساتھ رشتہ داری کرنی ہے، جو اس کا مذہب دریافت کرتے ہو''۔

پھر ارشد فرمایا: ''ہم نے جناح صاحب کو اپنا امام یا قاضی یا نکاح خواں مقرر نہیں کیا بلکہ وہ ہمارے وکیل ہیں، ہم سب کا کام ہے جسے وہ کر رہے ہیں، یہ پوچھنے سے کیا حاصل کہ ان کا مذہب و مسلک کیا ہے''؟

اہل جلسہ اس اسلوب بیان سے مطمئن ہو گئے۔ مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی نے بڑھ کر حضرت کے قدم پکڑ لئے اور اعتراف کیا کہ ''اب مسئلہ صاف ہو گیا ہے'' آپ نے فرمایا: ''مولانا صاحب! وہ پاکستان بنانے کی کوشش کر رہا ہے، اسے کامیابی ہوگی''

پھر فرمایا: ''پاکستان کے مخالفین کان کھول کر سن لیں کہ پاکستان بن کر رہے گا، بارگاہ رب العزت سے اسکی منظوری ہو چکی ہے، پاکستان ہم سب کا ہے۔ اکیلے مسٹر جناح کا نہیں ہے، وہ ہمارا کام کر رہے ہیں، ہمارے وکیل ہیں''

آپ نے بڑھاپے، علالت اور نقاہت کے باوجود ڈیڑھ گھنٹہ مسلسل خطاب فرمایا۔ آپ کے ارشادات کا حاضرین پر گہرا اثر ہوا اور لوگوں نے اس جلسہ سے واپس جا کر اپنے شب و روز تحریک پاکستان کے لئے وقف کر دیئے۔

1945-46ء کے انتخابات میں آپ نے پیرانہ سالی کے باوجود ملک گیر دورے کئے اور قائداعظم کی استدعا پر بڑھ چڑھ کر مسلم لیگی رہنماؤں اور کارکنوں کی اعانت فرمائی۔ آپ کی شبانہ روز کاوشوں کی بدولت مسلم لیگ کو بے مثال کامیابی ہوئی۔
قائداعظم نے بمبئی میں حضرت کے مرید صادق سیٹھ محمد علی کو مبارکباد دی اور کہا کہ: ''یہ سب تمہارے پیر صاحب کی کوشش اور دعا کا نتیجہ ہے''

Marfat.com

حضرت نے قائداعظم کو مبارکباد کا تار دیا، جواباً انہوں نے بھی آپ کو تار دیا اور لکھا کہ: "یہ سب آپ کی ہمت اور دعا کا نتیجہ ہے، اب یقیناً پاکستان بن جائے گا"

17 جولائی 1946ء کو آپ نے انتخابات میں شاندار کامیابی حاصل ہونے پر قائداعظم کو مبارکبادی کا خط لکھا:

علی پور سیداں ضلع سیالکوٹ

17 جولائی 1946ء

قائداعظم صاحب

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ گذشتہ ہفتے میں ایک پیغام عزم حج کی مبارکبادی پر بھیج چکا ہوں۔ اب دوسری مرتبہ آپ کو مسلم لیگ کی کامیابی پر مبارکباد دیتا ہوں، کیونکہ مسلم لیگ کی کامیابی کا سہرا ہندوستان کے دس کروڑ مسلمانوں میں سے خداوند کریم نے آپ ہی کو نصیب فرمایا اور باوجود پانچ گروہوں کی شدید مخالفت کے خدا تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے محض آپ کو کامیابی بخشی حالانکہ مخالفین کو ہر مرتبہ آپکی مخالفت میں لاکھوں نہیں کروڑوں روپیہ صرف کر کے بھی روسیاہی اور ذلت نصیب ہوئی۔ انہوں نے کوشش کی کہ مسلمانوں کو آپ سے برگشتہ کر کے بقول کشمیریاں گاندھی کا۔۔۔ بنایا جائے مگر سوائے تین شخصوں کے اور کسی کو بھی وہ گاندھی کا۔۔۔ نہ بنا سکے۔

آفریں باد بریں ہمت مردانہ تو — ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

الراقم

سید جماعت علی شاہ عفی اللہ عنہ

قائداعظم نے 13 اگست 1946ء کو حضرت امیر ملت کی خدمت میں عریضہ لکھ کر شکریہ ادا کیا اور دعاؤں کے خواستگار ہوئے۔

4 جولائی 1947ء کو صوبہ سرحد میں ریفرنڈم ہونا قرار پایا تو سرحدی گاندھی عبدالغفار خان (ف 1988) کی سازشوں کو ناکام بنانے کے لئے متحدہ ہندوستان سے مسلم لیگی رہنما اور کارکن اس مہم میں شامل ہونے کے لئے سرحد میں پہنچ گئے۔ حضرت امیر ملت اپنی انتہائی پیرانہ سالی اور علالت طبع کی وجہ سے خود تشریف نہ لے جا سکے۔ انہوں نے اپنے صاحبزادوں، مریدوں اور عقیدت مندوں کو اس جہاد میں حصہ لینے کے لئے بھیجا۔ سیالکوٹ سے اپنے مرید خاص علامہ محمد یعقوب خاں کی زیر صدارت ایک وفد آپ کے حکم پر تشکیل دیا گیا۔ وفد کے نائب امیر مولانا غلام فرید قریشی آف چٹی شیخاں (ف 1976ء) تھے۔ اس وفد نے حویلیاں، مانسہرہ اور نواحی علاقہ میں پاکستان کی حمایت حاصل کرنے کے لئے بھرپور تگ و دو کی۔ جب پاکستان کی منزل قریب آ گئی، برصغیر کے مسلمانوں کی قربانیاں رنگ لے آئیں اور آزادی کی صبح طلوع ہونے کا اعلان ہو گیا تو حضرت امیر ملت نے قائداعظم کو مبارکبادی کا خط لکھا، جس کے جواب میں قائداعظم نے 6 اگست 1947ء کو جو خط لکھا تھا وہ درج ذیل ہے:

Marfat.com

10 اورنگ زیب روڈ نیو دہلی

6 اگست 1947ء

ڈیر پیر صاحب

آپ کی نیک تمناؤں اور مبارکبادوں کا بہت بہت شکریہ۔ مجھے یقین ہے کہ مسلمان خوش ہیں کہ آخر کار ہم نے دوسو سال کی غلامی کے بعد، خود اپنی پاکستان کی آزاد اور خود مختار مملکت بنالی۔

آپ نے از راہ لطف مجھے شفتالوؤں کا جو پارسل ارسال کیا ہے میں اسکا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں۔

بہترین تمناؤں کے ساتھ

ایم اے جناح

14 اگست 1947ء کو جب آزادی کی صبح طلوع ہوئی اور پاکستان کی شکل میں ہمیں سورج سے بھی زیادہ روشن منزل مل گئی تو حضرت امیر ملت نے حضرت قائداعظم اور دوسرے زعماء کو مبارکباد کے تار ارسال کئے۔ قائداعظم کو مبارکباد کے تار میں تحریر فرمایا: ''ملک گیری آسان ہے، ملک داری بہت مشکل ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو ملک داری کی توفیق عطا فرمائے''

پاکستان بننے کے بعد آپ نے مہاجرین کی آبادکاری کے لئے بہت کام کیا۔ لٹے پھٹے قافلوں اور مہاجروں کی ہر طرح سے امداد کی۔ 11 ستمبر 1947ء کو قائداعظم کی رحلت ہوئی تو آپ کو بہت صدمہ ہوا۔ آپ نے حضرت قائداعظم کے لئے دعائے مغفرت فرمائی اور یاران طریقت کو بھی دعائے مغفرت کے لئے ارشاد کیا۔ 12 ستمبر 1948ء کو اپنے خلیفہ مجاز الحاج قاری چوہدری محمد شہاب الدین (ف 1963ء) بیگم بازار حیدر آباد دکن (بھارت) کے نام اپنے گرامی نامہ میں جناح صاحب کی رحلت کا ذکر فرماتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں: ''ابھی ابھی جناح صاحب کی وفات حسرت آیات کی خبر سن کر جس قدر صدمہ ہوا وہ احاطہ تحریر سے خارج ہے۔ خیر مرضی مولیٰ از ہمہ اولیٰ۔ اس وقت سارے پاکستان اور ہندوستان میں مرحوم کا جانشین کوئی نظر نہیں آتا''

قائداعظم کی رحلت کے بعد ان کے جانشینوں نے مسلم لیگ کے وعدہ کے مطابق اسلامی نظام کے نفاذ سے روگردانی کی اور ملک کو لادینیت کی طرف دھکیل دیا۔ حضرت امیر ملت میدان میں آگئے، آپ نے پیر صاحب مانکی شریف (ف 1960ء) اور مجاہد ملت مولانا محمد عبدالستار خاں نیازی جیسے شیدایان اسلام کو ساتھ لے کر ''تحریک نفاذ شریف'' چلائی۔ جیسا کہ قاری چوہدری محمد شہاب الدین آف حیدر آباد دکن کو 8 مئی 1948ء کے ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

''پاکستان تو بن گیا مگر ارکان سلطنت اسلامی قانون جاری نہیں کرتے بلکہ اسلام کے مخالف قانون کو ترقی دے رہے ہیں۔ چنانچہ شراب خانہ اور بازاری عورتوں کی گرم بازاری ہے۔ بے پردگی، رشوت، سود خوری پہلے کی نسبت کئی گنا ترقی کر گئی ہے۔ ہم تو پردہ کی حمایت میں ہی کہہ رہے تھے اب میں پیر صاحب مانکی شریف اور مولوی عبدالستار خاں نیازی تینوں شہر بہ شہر جلسے کر کے عام لوگوں کو خبردار کر رہے ہیں اور ان سے قسمیں اور عہدہ لے رہے ہیں کہ اسلامی قانون کا اجراء چاہیں نہ کہ موجودہ

Marfat.com

شیطانی قانون کا۔ چنانچہ سب لوگ باتفاق رائے قرار کرتے ہیں کہ ہم سب اسلامی قانون چاہتے ہیں۔ فقیر نے کہہ دیا ہے کہ جہاں سب سے پہلا موافق ومددگار یہ فقیر تھا وہاں بصورت دیگر پہلا مخالف بھی یہی ہوگا''

حضرت امیر ملت کا یہ جہاد تادم واپسیں جاری رہا اور بالآخر وہ اس درد کی کسک لئے ہوئے 30 اگست 1951ء کو رحلت فرما کر جنت الفردوس میں جا بسے مگر ان کی روح ابھی تک نظام اسلام کے نفاذ کی خبر سننے کے بے قرار ہے۔ 1 اگست 1987ء کو حکومت پنجاب نے حضرت امیر ملت کی تحریک پاکستان میں عدیم النظیر خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے ''تحریک پاکستان ایوارڈ'' کا اعزاز دیا۔

ایوارڈ کی اپنی مسلمہ اہمیت وحیثیت سہی مگر اصل کام وطن عزیز میں نظام مصطفیٰ ﷺ کا نفاذ اور مقام مصطفیٰ ﷺ کا تحفظ ہے، ملک کو امن وآشتی کا گہوارہ بنانا ہے اور ایک پاکیزہ معاشرے کی تشکیل ہے۔ اگر یہ نہیں تو پھر ایوارڈ اور اعزاز سب بے مقصد اور بے سود ہیں۔

حضرت امیر ملت کی رحلت کے بعد آپ کے سیاسی جانشین مجاہد ملت مولانا محمد عبدالستار خاں نیازی نے تن من دھن کی بازی لگا کر نفاذ اسلام کے لئے کوشش کی ہے۔ اس سلسلہ میں انہیں قید وبند تو کجا دار ورسن تک بھی پہنچنا پڑا مگر آفرین ان کی ہمت کے ابھی تک اپنے مشن کی کامیابی کے لئے دیوانہ وار سرگرم عمل ہیں۔

سید سجاد حسین شاہ سیکریؒ

حکیم خواجہ سید سجاد حسین سیکری بن حکیم خواجہ سید اکبر علی شاہ (ف 1938ء) بن حکیم سید کرامت علی شاہ (1892ء) بروز منگل بیکانیر (راجستھان، بھارت) میں پانچ بجے صبح ہوئی۔ ابتدائی تعلیم والد ماجد کی آغوش میں ہوئی۔ والد ماجد مہاراجہ بیکانیر کے طبیب خاص تھے۔ کچھ عرصہ بعد والد ماجد یہ ملازمت چھوڑ کر مستقل طور پر سیکر شریف تشریف لے آئے تو مولانا عبدالغنی سیکری (ف 1337ھ) سے عرصہ سات سال میں ''درس نظامی'' پر عبور حاصل کیا اور پھر والد ماجد سے طب سیکھ کر کمال پیدا کیا۔ والد ماجد کی رحلت پر سجادہ نشین ہوئے۔ اپنے سلسلہ چشتیہ کو بڑی ترقی دی۔ تحریک پاکستان میں دل کھول کر کام کیا۔ صوبہ راجستھان میں جب مسلم لیگ کی بنیاد رکھی گئی تو آپ نے اس کے بانی حاجی احمد علی خاں کی سرپرستی کی اور بڑے مفید مشورے دیئے۔ تبلیغی دوروں پر تشریف لے جاتے تو مریدین کو مسلم لیگ میں شمولیت کی تلقین فرماتے۔ کانگریس نے راجستھان میں مسلم لیگ کو ناکام بنانے کے لئے مسٹر اچاریہ کرپلانی کو سیکر شریف کے دورے پر بھیجا۔ جس کے جواب میں مولانا مظہر الدین شیرکوٹ (ف 1939) ایڈیٹر ''الامان'' دہلی اور علی گڑھ کے طلباء نے سیکر شریف کے دورے کئے۔ ان لوگوں کی پرجوش تقریروں نے اس علاقے کی مسلمان اکثریت کو مسلم لیگ کا حامی بنا دیا۔ یہ سب کچھ سید سجاد حسین شاہ کی خصوصی دلچسپی اور سرپرستی کا نتیجہ تھا۔ 1946ء کے صوبائی الیکشن میں سیکر شریف کے حلقہ سے شاہ علیم الدین ایڈوکیٹ مسلم لیگ کے امیدوار تھے۔ کانگریس نے نظیر احمد نامی ایک مسلمان کو مقابلے پر کھڑا کیا تھا۔ اس معرکہ حق وباطل میں کامیابی نے مسلم لیگ کے قدم چومے۔ سید سجاد حسین نے

Marfat.com

اس موقعہ پر اسلام اور مسلمانوں کی برتری کے لئے دیوانہ وار کام کیا جس سے کانگریس کی سرکاری مشینری، ہندو کا مال و دولت اور اثر و رسوخ خاک میں مل گیا۔

قیام پاکستان کے بعد 1951ء میں آپ ہجرت فرما کر حیدر آباد سندھ میں تشریف لے آئے اور 22 ذی قعد 1371ھ 13 اگست 1952ء بروز بدھ آپ کو وصال ہوا اور پھلیلی کے قبرستان میں آخری آرام گاہ بنی۔ آج کل آپ کے صاحبزادے اور جانشین حضرت پیر سید اکرام حسین شاہ چشتی مدلہ، حیدر آباد سندھ میں رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں۔ موصوف ملک کے نامور طبیب، ادیب، اور شیخ طریقت ہیں۔

سید تار بادشاہ پشاوریؒ

سید عبدالستار المعروف سید سار بادشاہ ابن سید برہان علی شاہ بادشاہ کی ولادت میریاں شریف تحصیل بٹہ گرام ضلع ہزارہ (سرحد) میں 1290ھ / 1873ء میں ہوئی۔ سلسلہ نسب والئی خراسان سید علی ترمذہ المعروف پیر بابا (ف 991ھ / 1583ء) سے ملتا ہے۔ بچپن میں والدین فوت ہو گئے تھے۔ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اجمیر شریف چلے گئے اور کافی عرصہ وہاں گزار کر دہلی چلے گئے جہاں سے علوم دینیہ میں فراغت حاصل کی۔ پھر خواجہ سائیں محمد عظیم چشتی نزاں شریف (کشمیر) کے دست حق پر بیعت کر کے خلافت حاصل کی اور فیوض و برکات کے خزانے لوٹ کر واپس آ کر پشاور میں مقیم ہو گئے۔ پھر ہر سال اجمیر شریف میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے عرس مبارک پر حاضری دیتے رہے۔ بعد ازاں پشاور میں ہی سالانہ عرس شریف کی تقریبات بڑی دھوم دھام سے منانے لگے۔ آپ ایک روحانی پیشوا ہونے کے علاوہ اہل علم و ادب کے قدر دان بھی تھے۔ حضرت رحمٰن باباؒ کے عرس کا سلسلہ آپ نے ہی شروع کیا تھا۔ آپ اپنے لئے ''بے نوا'' کے لقب کو پسند فرماتے تھے۔ بہترین ادیب اور شاعر تھے۔ ذریعہ معاش ٹھیکیداری تھا۔ پشاور میں سلسلہ رشد و ہدایت جاری کیا۔ آپ نے تحریک پاکستان میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ اپنے مریدوں کو مسلم لیگ میں شمولیت کی ہدایت فرمائی۔ مسلم لیگی رضا کاروں کی خوب سرپرستی کی اور انہیں وردیاں سلا کر دیں۔ بہار ریلیف فنڈ اور قائداعظم ریلیف فنڈ میں خود اور اپنے مریدوں سے چندہ دلایا۔ پشاور میں ''مسلم نیشنل گارڈ'' کا ایک دستہ تیار کیا جو ایک ایک ہندو کی سرکوبی کرتا تھا اور دوسری طرف مسلم لیگ کے لئے جانی و مالی قربانی پیش کرنے کے لئے تیار رہتا تھا۔ اعلان پاکستان پر لوگوں کو کہا کہ ''غلامی سے نجات حاصل کرنے پر سجدہ شکر ادا کریں، پاکستان کی سلامتی، ترقی اور خوشحالی کے لئے بار بار دعائیں کیں۔

صوبہ سرحد کے ریفرنڈم میں رات دن کام کیا۔ مہاجرین کی دل کھول کر خدمت کی۔ جہاد کشمیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ لاہور، پشاور اور دوسرے شہروں کے غریب طلباء کی مالی مدد فرمائی۔

19 ذی قعد 1373ھ / 21 جولائی 1954ء بروز بدھ رات ساڑھے گیارہ بجے بلند آواز سے کلمہ طیبہ پڑھا اور مسکراتے ہوئے جان، جان آفرین کے سپرد کر دی۔ ڈیگری دروازہ کے باہر پشاور میں مزار مقدس بنا جو مرجع خلائق ہے۔

Marfat.com

خواجہ حسن نظامی دہلویؒ

خواجہ حسن نظامی 2 محرم الحرام 1296ھ مطابق 27 دسمبر 1978ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔آپ سلطان المشائخ حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاء (ف 1324ء) کے خواہرزادہ (ہمشیرہ کی اولاد میں سے) تھے۔منفرد اسلوب تحریر کی بدولت بڑی ترقی کی اور ہمہ گیر شہرت حاصل کی۔قرآن پاک کا اردو زبان میں ترجمہ کیا۔متعدد اخبارات اور رسالے نکالے جن میں ہفت روزہ ''منادی'' آخر تک جاری رہا۔پچاس سے زائد کتابیں لکھ کر آسمان شہرت پر آفتاب و ماہتاب بن کر چکے۔

آپ حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی خانقاہ کے سجادہ نشین تھے اور ''آل انڈیا چشتی پارٹی'' کے صدر بھی۔تحریک پاکستان میں آپ نے مسلم لیگ کی بھرپور تائید و حمایت کی۔1945ء میں آپ نے بحیثیت صدر آل انڈیا چشتی پارٹی اعلان کیا کہ: ''چشتیہ خاندان کے ماننے والے کروڑوں مسلمان مسلم لیگ کے ساتھ ہیں''

1945ء ہی میں انتخابات کا اعلان ہوا تو سب سے پہلے مرکزی اسمبلی کے انتخابات کی ہماہمی اور گہما گہمی شروع ہوئی۔کانگریس نے اعلان کیا کہ وہ ہر مسلم نشست کے لئے اپنی اتحادی جماعتوں کے توسط سے یا بطور خود مسلم اُمیدوار کھڑے کرے گی۔چنانچہ کانگریس نے خود ساختہ شیعہ لیڈر مسٹر حسین جی لال بھائی کو حضرت قائداعظم کے مقابلے میں کھڑا کر دیا۔17 اکتوبر 1945ء کو لال جی نے لکھنؤ سے ایک بیان دیتے ہوئے اعلان کیا کہ: ''مرکزی اسمبلی کے لئے مسٹر جناح کا مقابلہ کرنے میں کوئی چیز میری سدراہ نہیں بن سکتی، کامیابی کے مجھے مواقع حاصل ہیں''

اس کے بعد لال جی نے لکھنؤ میں شیعہ کانفرنس منعقد کر کے افتراق بین المسلمین کی تیاریاں کیں تو خواجہ حسن نظامیؒ نے لال جی سے اپنے دیرینہ تعلقات کے تحت حسب ذیل خط لکھا: ''میں بیمار نہ ہوتا تو شیعہ کانفرنس میں باوجود سنی کے بن بلائے آجاتا، ہم یہ خط بھیج کر اپنے جذبات ظاہر کرتا ہوں۔میں شیعہ جماعت کے سیاسی حقوق کا پرانا حامی ہوں اور مذہبی اور تاریخی حقوق کے لئے سینہ سپر ہو کر پچاس برس سے شیعہ جماعت کی خدمت کر رہا ہوں، اس لئے میں آپ کی کانفرنس کو لبیک کہتا ہوں۔میں مسلم لیگ کا ممبر نہیں ہوں اور مجھے اس کے لیڈروں سے اختلافات بھی ہیں جن کو بے باکی سے صاف صاف اپنے اخبار ''منادی'' میں لکھتا رہتا ہوں۔مگر موجودہ وقت کی سیاست جدائی سے تباہ ہو جائے گی۔اس لئے میں نے اپنی جماعت کے کروڑوں چشتیوں کی طرف سے شملہ کانفرنس کے وقت مسلم لیگ کا ساتھ دیا تھا اور اب بھی شیعہ جماعت کی سیاسی کامیابی سنی شیعہ کی وحدت میں تصور کرتا ہوں۔یہ وقت ذاتی غرض اور مفاد پر نظر رکھنے کا نہیں ہے اور یہ وقت درحقیقت حضرت علیؑ کا وقت ہے، مسلمان قوم کی وحدت اور اخوت کو سنبھال لیا کرتے تھے۔یہ اتنا بڑا احسان مسلمان پر کیا تھا جس کی مثال دنیا کی کسی تاریخ میں نہیں ہے۔اسلئے میں اپنے دادا، اپنے مرشد اعظم علیؑ کی سنت پر عمل کر کے یہ خط لکھتا ہوں کہ شیعہ جماعت کو بھی اپنے آقا اور مالک کی طرح صبر سے کام لینے چاہئیے ورنہ آنے والے مورخ اور آنے والی مسلمان نسلیں شیعہ جماعت کو مطعون کیا کریں گی۔

مدح صحابہ والے کانگریس کے آدمی ہیں۔ان کی اشتعال انگیزی سے بے توجہ رہنا شیعہ جماعت کی دانش مندی کو

Marfat.com

حیات دائم عطا کرے گا۔ عقل اور علم شیعوں میں زیادہ ہے، وہ مسلم لیگ پر قبضہ کر کے اسکے ذریعے اپنے سب حقوق حاصل کر سکتے ہیں، زندہ باد نام علیؓ مولا'' مگر افسوس کہ خواجہ صاحب کی درد میں ڈوبی ہوئی یہ اپیل رائیگاں گئی اور لال جی اپنی ضد پر قائم رہے۔ 25 نومبر 1945ء کو الیکشن ہوا تو قائد اعظم کے خیمے پر ووٹروں کو ہجوم نجوم تھا جبکہ لال جی کے خیمے پر چند ہندو تھے اور بس۔ 14 دسمبر 1945ء کو نتیجہ نکلا تو قائد اعظم کو 3602 ووٹ ملے اور کامیابی نے ان کے قدم چومے۔ لال جی 127 ووٹ لے کر ضمانت ضطب کروا بیٹھے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مردود ہو گئے۔

انتخابات سے قبل 14 اکتوبر 1945ء کو پیر صاحب مانکی شریف (ف 1960ء) لیمانکی شریف ضلع پشاور میں ایک شاندار علماء ومشائخ کانفرنس طلب کی تا کہ تحریک پاکستان کو جلا بخشی جائے اس کانفرنس میں سینکڑوں جید علمائے کرام اور مشائخ عظام نے شرکت کی۔ سنوسی ہند امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری (ف 1951ء) صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی (ف 1948ء) خواجہ عبدالرشید پانی پتی (ف 1962ء) خواجہ غلام سدید الدین تونسوی (ف 1960ء) مولانا عبدالحامد بدایونی (ف 1970ء) دیوان آل رسول علی خان اجمیری (ف 1974ء) پیر عبداللطیف زکوڑی شریف (ف 1978ء)) جیسے مشاہیر کے علاوہ خواجہ حسن نظامی نے بھی قدوم میمنت لزوم فرمایا۔ اس کانفرنس میں مسلم لیگ کی حمایت کا اعلان کیا گیا۔ اور کہا گیا کہ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ ایک علیحدہ اسلامی مملکت پاکستان کے قیام کی بھرپور حمایت کرے اور اسکے بنانے میں کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہ کرے۔ 13 اکتوبر 1946ء کو مسلم لیگ نے عبوری حکومت میں شرکت قبول کر لی تو خواجہ صاحب نے اپنے اخبار ''منادی'' بابت 16/24 اکتوبر 1946ء صفحہ 8 پر ''مسلم لیگ کی عظیم الشان کامیابی'' کے عنوان سے مندرجہ ذیل نوٹ لکھا: پورے سولہ مہینے کے بعد 13 اکتوبر 1946ء کی دوپہر کو مسلم لیگ نے کانگریس اور برطانیہ پر عظیم الشان فتح حاصل کی۔ جون 1945ء میں لارڈ ویول وائسرائے ہند نے ہندوستان کو آزادی دینے کی جو تحریک شروع کی تھی۔ اس میں سولہ مہینے تک کانگریس اور مسلم لیگ اور برطانیہ کی دماغی کشمکش جاری رہی۔ یہاں تک کہ برطانیہ کو لندن سے وزیر ہند اور ان کے چند مددگاروں کو ہندوستان بھیجنا پڑا اور ان سب نے مل کر مسلم لیگ کے لیڈر محمد علی جناح قائد اعظم کو طرح طرح کے سیاسی مغالطے دیئے مگر مسٹر جناح اور ان کے ساتھی ان مغالطوں سے محفوظ رہے۔ 13 اکتوبر 1946ء کی دوپہر کو مسلم لیگ نے عارضی حکومت کی شرکت قبول کر لی۔ بات بہت معمولی معلوم ہوتی ہے اور حریفوں نے بھی اس معمولی بات کو بہت زیادہ معمولی اور نا قابل توجہ بنانے کی کوشش کی ہے کہ مسلمان قوم جو ہندوستان میں ہے اور مسلمان قوم جو ہندوستان کے اطراف میں ہے۔ اور مسلمان قوم جو ساری دنیا میں پھیلی ہوئی ہے اور جس کی اسی کروڑ نگاہیں مسٹر جناح کے فیصلے کی طرف لگی ہوئی تھیں وہ سب اس عظیم الشان فتح کو مسلم لیگ کی ہار یا ناکامی سمجھنے لگیں۔

یہ نفسیات کا بہت بڑا دھوکہ ہے جو مسلمانوں کو ان کے حریف دینا چاہتے ہیں، ورنہ درحقیقت قائد اعظم محمد علی جناح اور انکے مسلم لیگی ساتھی اس سولہ مہینے کی لڑائی میں فتح یاب ہوئے ہیں۔

سولہ مہینے کے طویل زمانے میں طرح طرح کی چالاکیاں اور طرح طرح کی بے انصافیاں اور سائیکلوجی (نفسیات)

Marfat.com

کی غلط بیانیاں برطانیہ اور امریکہ اور کانگریس (یہاں سے رسالہ پھٹا ہوا ہے) محمد علی جناح (رسالہ پھٹا ہوا ہے) مضبوط اور زیادہ ثابت قدم پائے گئے اور اسی چیز کو میں مسلم لیگ کی عظیم الشان فتح یابی سمجھتا ہوں۔ کانگریسی لیڈر صبح کچھ کہتے ہیں اور شام کو کچھ اور کہنے لگتے تھے۔ گاندھی جی کو غیبی روشنی شام کو کچھ اور نظر آتی تھی اور صبح کو کسی اور صورت میں دکھائی دینے لگتی تھی۔ انگریز، ہندوؤں کی اس سیاسی ناقابلیت کو لندن میں بیٹھے بیٹھے سمجھ رہے تھے۔ اور مسٹر جناح کی سوجھ بوجھ سے بھی انکو اندیشہ ہو رہا تھا۔ اس واسطے انہوں نے جلدی کر کے حکومت ہندوؤں کے حوالے کر دی۔ اور باہر کے ملکوں سے مبارک سلامت کے تار بھی آنے لگے یا بھجوائے جانے لگے اور ہندوستان میں بھی سائیکالوجی کے فریبوں کی ایسی گیس پھیلائی گئی جو دس کروڑ مسلمانوں کو مایوس اور بے دل کر دے۔

میں مانتا ہوں کہ قدم قدم پر مشکلات پیش آئیں گی اور گذشتہ سولہ مہینے سے بہت زیادہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ لیکن آخر کار فتح مسلمانوں کی ہوگی۔ اگرچہ مسلمانوں کے کچھ افراد ہندوؤں کا ڈولہ اپنے کندھوں پر اٹھائے کھڑے ہیں اور وہ اپنے مسلم لیگی عرب گھوڑوں سے اتر کر کانگریسی رتھوں اور بیل گاڑیوں میں سوار ہو گئے ہیں۔ لیکن یہ سب چیزیں عارضی ہیں۔ بے شک مسلمانوں کے پاس دولت نہیں ہے، علم بھی کم ہے، یک جہتی بھی نہیں ہے، عملی طاقت بھی ختم ہو گئی ہے لیکن انکے دل بے لوث ہیں۔ ان میں خلوص ہے، ان میں صداقت ہے۔ اس واسطے خدا کا ہاتھ ان سب کے سروں پر سایہ کئے ہوئے ہے اور ان کو قرآن کی آواز آ رہی ہے اور خدا کی ذات ان سے کہہ رہی ہے: ''اے مسلمانو! مایوس نہ ہو ہراساں نہ ہو۔ آخر کار تم ہی کو برتری حاصل ہوگی''

خواجہ صاحب کی رحلت 11 ذوالحجہ 1374ھ مطابق 31 جولائی 1955ء بروز اتوار دہلی میں ہوئی اور وہیں آسودہ خاک ہوئے۔

ملا شور بازار کابلیؒ

''جب تک تمام اسلامی ممالک اپنے سب ذاتی اختلافات ختم نہیں کرتے اور ایک رشتہ اخوت میں متحد نہیں ہوں گے اسی طرح ذلت کی زندگی گزاریں گے، بڑی طاقتوں اور اسلام دشمن قوتوں کا کھلونا بنے رہیں گے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ اگر ہم اپنی صفوں میں اتحاد و استحکام قائم کر لیں تو وہی طاقتیں اسلام کے دروازے کی سوالی بن جائیں گی''

یہ اقتباس ہے اس تقریر کا جو عالم اسلام کے معروف پیشوائے طریقت نور المشائخ فضل عمر ملا شور بازار کابلیؒ نے 28 دسمبر 1948ء کو ریڈیو پاکستان لاہور سے اپنے دورۂ پاکستان کے موقعہ پر عالم اسلام کے نام نشر فرمائی۔

حضرت نور المشائخ 7 جمادی الاول 1302ھ مطابق 22 فروری 1885ء بروز بدھ شور بازار کابل میں خاندان مجددیہ کے ایک بڑے روحانی بزرگ حضرت غلام قیوم کے ہاں متولد ہوئے۔ علماء وقت سے علوم عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل کے بعد لاہور کے دست حق پرست پر طریقہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں بیعت کی اور کچھ عرصہ بعد سلوک میں کمال حاصل کر کے

Marfat.com

اجازت وخلافت سے سرفراز ہوئے۔ والد گرامی کی رحلت کے بعد مشیخت پر فائز ہوئے۔ آپ کے مریدین افغانستان کے علاوہ ایران، پاکستان ہندوستان، حجاز مقدس اور بنگلہ دیش (مشرقی پاکستان) میں پھیلے ہوئے ہیں۔ آپ نے افغانستان میں بے پناہ خدمات انجام دیں۔ انگریزوں کے خلاف بھرپور جہاد کیا۔ 1945ء میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ (ف 1624ء) کے عرس مبارک میں شرکت کے لئے ہندوستان تشریف لائے تو اس وقت مسلم لیگ اور کانگریس برسرپیکار تھیں۔ قائداعظم نے ایک مسلم لیگی وفد کے ساتھ جس میں نوابزادہ لیاقت علی خان (ف 1951ء) سردار عبدالرب نشتر (ف 1958ء) خواجہ ناظم الدین (1964ء) اور اسماعیل ابراہیم چندریگر (ف 1960ء) شامل تھے۔ بمبئی میں آپ سے ملاقات کی۔ اور مسلم لیگ کے منشور اور حصول پاکستان کے سلسلہ میں ان سے مفصل مذاکرات کئے اور آپ سے تعاون کی درخواست کی۔ آپ نے اس عظیم اسلامی خدمت میں وفد کو اپنے پورے اور مکمل تعاون کا یقین دلایا اور اپنے تمام مخلصین کو مسلم لیگ میں شمولیت کا حکم دیا اور کسی قسم کی قربانی دینے سے دریغ نہ کرنے کی تلقین فرمائی۔ آپ کے مریدین جو قبائلی علاقہ بلوستان، گجرات کاٹھیاواڑ، ڈیرہ اسماعیل خاں تک پھیلے ہوئے تھے، مسلم لیگ کے کارکن بن گئے اور اس طرح آپ کے اثر ورسوخ پورا پورا کام کیا۔ 1948ء میں جب فلسطین کی مقدس سرزمین پر حملہ کیا گیا اور مسلمانوں کو ان کے وطن سے نکالا گیا تو آپ نے اس سلسلہ میں بہت اہم کردار ادا کیا اور نہایت موثر تحریک چلائی۔ آپ نے بذات خود افغانستان کو گوشے گوشے میں جا کر لاکھوں روپیہ عوام سے چندہ جمع کیا اور بذریعہ مفتی اعظم فلسطین سید امین الحسینیؒ (ف 1974ء) مسلمان مجاہدین کو پہنچایا اور ایک رضا کار فوج کا دستہ تیار کیا جو ضرورت پر اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد کیلئے فلسطین بھیجا جاسکے۔

1948ء ہی میں آپ نے وزیراعظم پاکستان نوابزادہ لیاقت علی خاں (ف 1951ء) کی دعوت پر پاکستان کا سرکاری دورہ کیا۔ خیبر سے کراچی تک پاکستانی عوام نے اپنی محبوب مذہبی رہنما کا شاندار استقبال کیا اور ہر جگہ آپ کے استقبال کے لئے بڑے بڑے جلسے منعقد ہوئے۔ آپ نے ان جلسوں سے خطاب کرتے ہوئے اپنی پرجوش تقریروں میں اتحاد عالم اسلام، آزادی فلسطین اور مسلمانان کشمیر کی پرزور حمایت کی۔ بھارتی حکمرانوں کو آپ کا یہ عمل نہایت ناگوار گزرا اور بہانہ بنا کر آپ کو سرہند شریف جانے کی اجازت منسوخ کر دی۔ چنانچہ آپ نے بادشاہی مسجد لاہور میں اپنے جدامجد حضرت الف ثانی قدس سرہ النورانی (ف 1624ء) کا عرس مبارک بڑی دھوم دھام سے منایا۔

1950ء میں آپ نے براہ کراچی، حج سے واپسی پر پاکستان کا تیسری دفعہ مختصر دورہ کیا اور اس کے بعد افغانستان واپس تشریف لے جا کر گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ ہمیشہ فرماتے کہ اب ہمارے وصال کا وقت قریب ہے اور بہت جلد ہم اس دنیا سے کوچ کر جائیں گے۔ اپنے صاحبزادگان سے فرمایا کہ ہم تین دن کے بعد داعی اجل کو لبیک کہہ دیں گیا ور اپنا مدفن متصل مسجد و خانقاہ مجددیہ قلعہ جواد کابل متعین فرمایا۔ چنانچہ بروز ہفتہ 25 محرم الحرام 1376ء مطابق یکم ستمبر 1956ء بعد نماز فجر بلند آواز سے ''اللہ اکبر'' کہتے ہوئے اپنی جان، جان آفریں کے سپرد کر دی۔ روزنامہ ''نوائے وقت'' لاہور نے 10 ستمبر 1976ء کے اداریہ میں آپ کی پاکستان دوستی کو یوں خراج تحسین پیش کیا: ''نورالمشائخ'' قیام پاکستان پر اتنے ہی خوش تھے جتنا کوئی پاکستانی

Marfat.com

ہوسکتا تھا۔انہوں نے افغانستان میں پاکستان کے حق میں دلیری سے تقریریں ہی نہیں کیں بلکہ وہ مسلم لیگ کی اولین وزارت کے دوران لاہور بھی تشریف لائے اور پاکستان کے مختلف مقامات پر انہوں نے پاکستان کی دل کھول کر تعریف کی اور یقین دلایا کہ افغانستان کے عوام پاکستان کو دولت خداداد ہی نہیں بلکہ اپنا سہارا سمجھتے ہیں"

میاں غلام اللہ شرقپوریؒ

حضرت میاں غلام اللہ 1891ء میں شرقپور شریف ضلع شیخوپوراہ میں پیدا ہوئے۔آپ شیر ربانی حضرت میاں شیر محمد شرقپوریؒ (ف 1928) کے برادر اصغر تھے۔ چار پانچ سال کی عمر میں والد گرامی میاں عزیز الدین کا انتقال ہوگیا تو حضرت شیر ربانیؒ نے اپنی تربیت میں لے لیا۔ میٹرک کرنے کے بعد طبیہ کالج لاہور سے حکیم حاذق کا امتحان پاس کیا۔ایک سال تک طبابت کی اور پھر میونسپل کمیٹی شرقپور میں بطور سیکریٹری ملازم ہوگئے مگر میاں شیر محمدؒ کے حکم پر ملازمت ترک کردی۔

آپ نے حضرت میاں شیر محمدؒ کے دست اقدس پر بیعت کر کے خلافت حاصل کی اور پیر و مرشد کی رحلت کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔اشاعت دین کے لئے زندگی بھر کوشاں رہے۔تحریک پاکستان میں ڈٹ کر مسلم لیگ کا ساتھ دیا۔شرقپور شریف کے علاقہ میں یونینسٹوں کا زور تھا، ان کے خوف کی وجہ سے مسلم لیگ کے کارکن ادھر کا رخ نہیں کر پاتے تھے۔ چنانچہ شرقپور شریف میں مسلم لیگ کا سب سے پہلا جلسہ آپ نے ہی کروایا تھا۔آپ نے ایک شخص کو جلسہ کے لئے جگہ دینے کو کہا تو وہ یونینسٹوں کے ڈر سے انکار کرنے لگا۔آپ نے اسے فرمایا کہ ڈرو نہیں، زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ یونینسٹ والے تمہیں شہید کردیں گے، اگر تمہیں شہید کردیا گیا تو اس سے بڑھ کر تمہاری خوش بختی کیا ہوگی؟ چنانچہ وہ جگہ دینے پر رضامند ہوگیا اور مسلم لیگ کا جلسہ نہایت تزک واحتشام سے منعقد ہوا اور یونینسٹوں کا زور ٹوٹ گیا۔اس طرح مسلم لیگ کی مقبولیت عام ہوگی۔اس جلسہ کا تمام خرچ بمعہ خورد و نوش آپ نے ہی برداشت کیا تھا۔اسکے بعد مسلم لیگ کا ہر جلسہ آپ کی زیر صدارت ہی ہوتا رہا اور تاقیام پاکستان ہر طرح سے مسلم لیگ کی حمایت کرتے رہے۔ 1946ء کے عام انتخابات میں پنجاب اسمبلی کے امیدوار چوہدری محمد حسین چٹھہ مسلم لیگ کے ٹکٹ پر الیکشن لڑ رہے تھے جبکہ یونینسٹ پارٹی کیطرف سے خاں محمد خاں امیدوار تھے۔ میاں غلام اللہ نے چٹھہ صاحب کی ڈٹ کر حمایت فرمائی۔ یہ حلقہ پوری تحصیل شیخوپورہ پر مشتمل تھا۔ چنانچہ جب نتیجہ نکلا تو مسلم لیگی امیدوار 11363 ووٹ لیکر کامیاب ہوگیا جبکہ یونینسٹ امیدوار 3394 ووٹ لے کر ناکام ہوگیا۔ چوہدری محمد حسین چٹھہ کی کامیابی میں میاں غلام اللہ کا خاص دخل تھا۔

میاں غلام اللہ کی رحلت 7 ربیع الاول 1377ھ/22 اکتوبر 1957ء بروز بدھ بوقت 3 بجے دوپہر ہوئی۔اپنے پیر و مرشد حضرت میاں شیر محمدؒ کے پہلو میں سپرد خاک ہوئے۔

پیر معصوم بادشاہ چوراہیؒ

حضرت پیر معصوم بادشاہ بن سید بادشاہ بن خواجہ گل نبی بن حضرت خواجہ باوا جی فقیر محمد فاروقی کی ولادت باسعادت

Marfat.com

1907ء میں چورہ شریف ضلع اٹک میں ہوئی۔ دربار عالیہ میں تکمیل علوم ظاہری کر کے والد گرامی کے دست مبارک پر بیعت کر کے قلیل عرصہ میں خلافت و اجازت سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ سے ممتاز ہوئے۔ آپ شعلہ بیاں مقرر تھے۔ آپ کی مجلس میں کسی کو دم مارنے کی مجال نہ تھی۔ جس جلسہ میں آپ بیان ہوتا، سامعین مبہوت ہو جاتے۔ آپ کی تقریر میں بلا کا جادو تھا۔ تحریک پاکستان میں جوش و خروش اور جذبہ کے ساتھ حصہ لیا۔ دامے، درمے، قدمے اور سخنے ہر لحاظ سے بھرپور مدد کی۔

حکیم الامت علامہ اقبال (ف 1938ء) سے عشق کی حد تک محبت تھی۔ ان سے کئی ملاقاتیں ہوئیں اور تحریک آزادی پر تبادلہ خیالات ہوتا رہا۔ اپنی تقریروں کو حکیم الامت کے اشعار سے مزین کیا کرتے تھے۔ قائداعظم سے بھی ملاقاتیں ہوئیں۔ عرصہ تک ضلع مسلم لیگ اٹک کے صدر رہے۔ سردار عبدالرب نشتر (ف 1958ء) نواب افتخار حسین ممدوٹ (ف 1969ء) میاں عبدالباری (ف 1968ء) اور دیگر رفقاء کے ساتھ مل کر تحریک پاکستان کا پیغام قریہ قریہ کوچہ کوچہ پہنچایا۔ 14 اکتوبر 1945ء کو پیر صاحب مانکی شریف نے اپنے ہاں برصغیر کے نامور علماء و مشائخ کی ایک کانفرنس بلائی تا کہ صوبہ سرحد میں مسلم لیگ کے کام کو تیز تر کیا جائے۔ اس کانفرنس کی صدارت کے فرائض آپ نے انجام دیئے۔ اس کانفرنس میں امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ علی پوری (ف 1951ء) صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی (ف 1948ء) فخر ملت مولانا عبدالحامد بدایونی (1970ء) پیر عبداللطیف آف زکوڑی شریف (1978ء) و دیگر مشائخ نے شرکت فرمائی۔

اپریل 1946ء میں امیر ملت حضرت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری (ف 1951ء) کی زیر صدارت بنارس میں آل انڈیا سنی کانفرنس منعقد ہوئی تو آپ نے نہ صرف شرکت کی بلکہ پرزور خطاب بھی فرمایا اور حضرت امیر ملت قدس سرہ کی قیادت و سیادت پر بھرپور اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے انہیں زبردست خراج تحسین پیش کیا۔ پھر مسلم لیگ کے شعبہ نشر و اشاعت کی طرف سے شائع ہونے والے اشتہار جس میں جلیل القدر علماء و مشائخ نے مسلم لیگ کی حمایت کا اعلان کیا تھا، اس میں آپکا اعلان بھی شامل تھا، جس میں آپ نے فرمایا تھا کہ "مسلم لیگ کی حمایت اور پاکستان کا حصول ہمارا سیاسی فرض ہے"

1946ء کے آل انڈیا الیکشن میں حضرت قائداعظمؒ نے انگریز اور ہندوؤں کا چیلنج قبول کیا تھا۔ آپ نے اس الیکشن میں مسلم لیگ کی کامیابی و کامرانی کیلئے ان تھک کوششیں کیں۔ اطراف و اکناف کے طوفانی دورے کر کے کانگریس کو شکست فاش سے دوچار کرنے کے لئے تمام مساعی صرف کر دیں۔ 14 اگست 1947ء کو پاکستان معرض وجود میں آیا تو آپ کی خوشی کا ٹھکانہ نہ تھا۔ اب پاکستان کی بقاء اور استحکام کیلئے کام کرنے لگے۔ 1953ء کی تحریک ختم نبوت میں عظیم خدمات انجام دیں۔

آپ بے حد حسین و جمیل تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بے پناہ حسن ظاہری کے ساتھ حسن معنوی کی دولت سے بھی مالا مال کیا تھا۔ بے حد سخی، بے مثل مہمان نواز اور غریب پرور تھے۔ آخری عمر میں کچھ عرصہ بیمار رہ کر 11 نومبر 1957ء 17 ربیع الآخر 1377ھ بروز پیر اس دار فانی سے عالم جاودانی کی طرف رخصت ہوئے۔

Marfat.com

پیر غلام مجدد سرہندی

پیر غلام مجدد سرہندی الملقب پیر زادہ کی ولادت 6 رجب المرجب 1300ھ / 13 مئی 1883ء بروز سوموار علی الصبح درگاہ شریف مجددیہ سرہندیہ ٹیاری شریف ضلع حیدرآباد سندھ میں ہوئی۔ والد ماجد کا اسم گرامی پیر عبدالحلیم بن پیر خواجہ عبدالرحیم بن خواجہ محمد ضیاء الحق شہید بن خواجہ شاہ غلام نبی بن خواجہ شاہ غلام حسن بن خواجہ شاہ غلام محمد بن خواجہ شاہ غلام معصوم بن شاہ محمد مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی تھا۔ (علیہم الرضوان)

چار سال کی عمر میں قرآن پاک پڑھنے کے لئے بٹھائے گئے تو بسم اللہ شریف جد امجد نے پڑھائی۔ قرآن پاک قاری عبدالرحمٰن متعلویؒ سے پڑھا۔ فارسی تعلیم خان عزیز اللہ خاں سلیمان خیل قندھاریؒ اور عربی تعلیم علامہ الحاج محمد حسن پاٹائی صدیقیؒ سے درگاہ شریف ہی میں حاصل کی۔ دوران تعلیم ہی جد امجد کے دست قدس پر بیعت کی۔ سترہ برس کی عمر میں فارغ التحصیل ہوگئے۔ والد گرامی نے تین سو علماء کی موجودگی میں دستار فضیلت عطا فرمائی اور آپ نے ہزاروں کے اجتماع میں پہلی دفعہ تقریر فرمائی جس سے تمام حاضرین بہت متاثر ہوئے۔

1904ء میں بعمر اکیس سال آپ نے حج بیت اللہ کا فریضہ ادا کیا۔ اسی دوران حضرت الشیخ السید علی وتریؒ اور مولانا عبدالحق الہ آبادی مہاجر مکی (1915ء) سے کتب حدیث پڑھیں اور سند حاصل کیں۔ مدینہ منورہ سے آپ نے اسی ہزار روپے کی کتب خریدیں۔ والد ماجد نے آپ کی واپسی پر اجازت و خلافت سے نوازا۔ آپ کو انگریز حکومت سے سخت نفرت تھی۔ سوائے کسی اہم مجبوری کے کبھی کسی انگریز افسر کو نہ ملے۔ انگریز نے آپ کو رام کرنے کے لئے بڑے بڑے جتن کئے مگر یہ شاہین زیر دام نہ آیا۔ حکومت نے آپ کو "شمس العلماء" کا خطاب دینا چاہا مگر آپ نے انکار کر دیا، اہم عہدہ دینا چاہا تو ٹھکرا دیا۔ لنڈ وار ریلوے اسٹیشن کو آپ کے خاندان کے نام پر سرہند آباد رکھنا چاہا تو آپ نے اس تجویز کو رد کر دیا۔ قندھار کی لڑائیوں میں آپ کے والد ماجدؒ نے چھ سو ساتھیوں کے ساتھ بھرپور حصہ لیا تھا اس لئے انگریز آپ سے خائف تھے اور رام کرنا چاہتے تھے۔ آپ نے تحریک ہجرت، تحریک خلافت، انجمن اہلال احمر، تحریک مسجد منزل گاہ اور تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ تحریک ہجرت میں علماء و مشائخ کے ساتھ بھرپور تعاون کیا۔ انجمن ہلال احمر کے لئے بے شمار چندہ جمع کر کے بھجوایا۔ صرف ٹیاری شریف کے قصبہ سے بارہ ہزار روپے چندہ جمع ہوا۔ ترک موالات کے زمانے میں پورے جوش فاروقی کا مظاہرہ کیا اور سندھ کے اکناف و اطراف میں جلسے کر کے انگریزوں کے خلاف عوام کو خوب ابھارا۔ آپ نے جوشیلی تقاریر کر کے انگریزوں کی عیاروں کا پردہ چاک کیا اور ان کے دام فریب کو تار تار کیا۔

جولائی 1921ء میں خلافت کانفرنس کراچی کے عدیم النظیر اجتماع میں انگریز کی ملازمت کے خلاف فتویٰ صادر کیا گیا۔ رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر (ف 1931ء) نے "حرمت ملازمت پولیس و فوج" کے متعلق قرارداد پیش کی جن کی آپ نے پرزور تائید کی۔ "انگریز کی ملازمت حرام ہے" کے فتویٰ پر آپ کے علاوہ مولانا محمد علی جوہر (1931ء)

Marfat.com

مولانا شوکت علی(1938ء) مولانا نثار احمد کانپوری(1931ء) و دیگر حضرات کے دستخط تھے۔ اسی بناء پر خالق دینا ہال کراچی والا مشہور زمانہ کیس معرض وجود میں آیا۔

اس مقدمہ میں تمام مذکورہ بالا لیڈروں کو گرفتار کرلیا گیا۔ آپ کی گرفتاری 17 ستمبر 1921ء کو حیدر آباد سندھ سے عمل میں آئی اور سپیشل ٹرین کے ذریعے کراچی پہنچایا گیا۔ گرفتاری کے بعد آپ کی والدہ ماجدہ نے بڑا جرأت انگیز اور ایمان افروز پیغام ارسال فرمایا: ''اگر تمہارا عقیدہ سچا ہے تو ہرگز ان سے معافی نہ مانگنا جو تمہارے عقائد کے مخالف ہیں۔ اگر معافی مانگی تو اپنا منہ ہم کو نہ دکھلانا''

اس کیس کی کاروائی میں آپ کی دو باتیں یاد رکھنے کے قابل ہیں اور ہماری نئی نسل کے لئے خضر راہ ہیں۔ آپ نے فرمایا: '' قید میرا تو ورثہ ہے کیونکہ میں غلام مجدد اور اولاد مجدد الف ثانی ہوں جن کو جہانگیر بادشاہ نے قلعہ گوالیار میں نظر بند کردیا تھا'' پھر ارشاد فرمایا: ''کاش آج مجھ پر یہ مقدمہ ہوتا کہ میں نے وقت کے انگریز بادشاہ جارج پنجم کو قتل کیا ہے اور اس کے خون سے میرے ہاتھ رنگے ہوتے''

اس مقدمہ میں آپ کو دوسرے دو ساتھیوں کی طرح دو سال کی سزا ہوئی جو آپ نے کمال تحمل و بردباری سے کاٹی اور اسی دوران قرآن حفظ کرلیا۔ یہ شعر اسی دور کی یادگار ہے:

کہہ رہے ہیں کراچی کے قیدی ہم تو جاتے ہیں دو دو برس کو

سزا کے دوران ایک انگریز جیلر نے آپ کے اس تھیلہ کو ٹھوکر ماری جس میں قرآن مجید تھا، آپ نے طیش میں آکر اس جیلر کو زوردار تھپڑ رسید کیا، قریب تھا کہ فساد ہوجاتا اور جیل میں ہی ہنگامہ ہوجاتا، آخر کار گورنر بمبئی خود آیا اور آپ کی تکالیف سنیں، آپ نے بتایا کہ سردی کی راتوں میں جیل والے میری کوٹھڑی میں پانی چھوڑ دیتے ہیں تاکہ تمام رات کھڑا ہوکر گزاروں اور نماز نہ پڑھ سکوں، روشنی گل کردیتے ہیں تاکہ قرآن کریم نہ پڑھ سکوں'

گورنر نے یہ سن کر جیل کے عملے کو تنبیہ کردی کہ آئندہ ایسی حرکت نہ کی جائے اور پھر آپ کو نماز باجماعت و دیگر مسلمان قیدیوں سے ملاقات کرنے کی اجازت بھی دے دی گئی۔ آپ نے بڑے صبر و استقلال سے دو سال کا عرصہ قید گزارا اور رہائی پر بڑی شان و شوکت سے آپ کو جلوس کی شکل میں لے جایا گیا۔ غرض تحریک خلافت میں آپ نے جو کام کیا تاریخ اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے اگر علی برادران کی ہم پلہ کوئی شخصیت تھی تو آپ ہی کی تھی۔

تحریک خلافت ہی کے دوران آپ بذریعہ ٹرین دورے پر تشریف لے جارہے تھے کہ انگریز کلکٹر گبسن (جو بعد میں چیف کمشنر سندھ بنا) نے آپ کو دیکھ کر شربت منگوایا، آپ نے یہ کہتے ہوئے وہ شربت پینے سے انکار کردیا کہ اگر گلاس میں شربت کی جگہ تمہارا خون ہوتا تو میں پی جاتا، اسلئے کہ تم ہمارے ترک بھائیوں کا خون بہارہے ہو۔ یہ سن کر انگریز کلکٹر بھونچکا سا رہ گیا اور کہنے لگا کہ پیر صاحب کو کیا ہوگیا ہے؟ شاید ان پر مذہبی جنون غالب آگیا ہے۔

فرنگی ٹولے سے نفرت کی بناء پر آپ نے وہ تمام زمینیں واپس کردیں جو لنڈو اضلع نواب شاہ اور سدا وہ نہر پر لنگر خانہ

Marfat.com

کے لئے ملی ہوئی تھیں۔ اس طرح چوبیس بندوقوں کا آل انڈیا لائسنس بھی واپس کر دیا مگر بندوقیں واپس کرنے کی بجائے زیر زمین دفن کر دیں۔ آپ کے اس فعل سے گھبرا کر انگریز حکومت نے دو مرتبہ چھاپہ مار کر آپ کے کتب خانہ کو خراب کر دیا۔ الزام یہ تھا کہ آپ کے پاس کابل وغیرہ سے خط آتے ہیں اور وہاں کی حکومت کے ساتھ آپ کا گٹھ جوڑ ہے حالانکہ آپکے پاس نہ کوئی خط تھا نہ گٹھ جوڑ کا کوئی سلسلہ، البتہ یہ ضرور تھا کہ آپ کے خاندان کے اکثر افراد افغانستان میں رہتے تھے۔

اسی دوران بہریا روڈ (سندھ) میں ہر کی کھدائی کے وقت مسجد شریف نہر کے پیٹ میں آرہی تھی اور بڑی دوڑ دھوپ کے باوجود انگریز حکومت نے نہر کا رخ موڑنے سے انکار کر دیا تو آپ کو اطلاع دی گئی۔ آپ فوراً وہاں پہنچے اور تن تنہا چارپائی ڈال کر قرآن خوانی میں مشغول ہو گئے۔ آپ کو مجبور کیا گیا کہ آپ یہاں سے اُٹھ جائیں ورنہ ابھی مشین آپ کو لپیٹ میں لے لے گی۔ آپ نے فرمایا کہ:

"جب مسجد ختم ہو جائے گی تو پھر ہمارے ختم ہونے کا سوال غلط ہے۔
ہم یہاں سے نہیں اٹھیں گے بلکہ قربانی پیش کریں گے"

چنانچہ آپ ڈٹ کر بیٹھے رہے اور حکومت کو نہر کا رخ موڑنا پڑا۔

آپ کی ان سرگرمیوں سے تنگ آکر حکومت نے آپ کے جلسوں پر پابندی عائد کر دی، رہائش گاہ پر پولیس کا پہرہ بٹھا دیا اور نقل وحرکت پر قدغن لگا دی مگر آپ بڑی جرأت ومردانگی کے ساتھ ان سب رکاوٹوں کو توڑ کر کراچی پہنچے اور کراچی کی قدیمی عبادگاہ میں ایک بڑے جلسہ عام سے بڑی گھن گرج کے ساتھ خطاب فرمایا، بعدازاں سیلاوٹ محلہ حیدر آباد میں بھی ایک جلسہ منعقد کیا۔ انگریز ایس پی مع ہندو کلکٹر مہر چند جلسہ گاہ میں پہنچا اور زبان بندی کا نوٹس دیا اور ایس پی نے ریوالور دکھا کر نوٹس کی تعمیل کے لئے کہا، رگ فاروقی پھڑک اٹھی، آپ نے ایس پی کیطرف نظر اُٹھا کر فرمایا: "او لنگور! تم مجھے تقریر کرنے سے روکتے ہو"

اتنا سنتے ہی ایس پی اور کلکٹر دم سادھے چلے گئے آپ نے پر جوش تقریر کی، عوام میں حکومت کے خلاف نفرت کا جذبہ پیدا ہوا اور پھر روز بروز جلسے ہوتے رہے۔

آپ جمعیت علماء ہند کے سرکردہ رہنما بھی رہے مگر جب نہرو رپورٹ پر 1930ء میں حضرت شاہ محمد سلیمان پھلواروی (ف 1935ء) میر غلام بھیک نیرنگ (ف 1952ء) عبدالماجد بدایونی (1931ء) مولانا محمد علی جوہر (ف 1931ء) مولانا مظہر الدین شہید ایڈیٹر "الامان" دہلی (1938ء) مولانا عبدالحامد بدایونی (ف 1970ء) مولانا حسرت موہانی (ف 1951ء) مولانا قطب میاں فرنگی محلی (1954ء) مولانا عنایت اللہ فرنگی محلی (1941ء) مولانا نثار احمد کانپوری (ف 1931ء) مولانا عبدالکافی الہ آبادی (1930ء) اور مولانا محمد فاخر الہ آبادی (ف 1930ء) اور دیگر علمائے اہلسنت نے استعفے دے دیئے تو آپ نے بھی انکے ساتھ مستعفی ہو کر جمعیت علماء کانپور کی بنیاد رکھی جس کے صدر مولانا محمد علی جوہر منتخب ہوئے۔ جمعیت علماء کانپور نے ہندوؤں سے بائیکاٹ کا اعلان کیا تو آپ نے بھی بڑی جرأت واستقامت سے اس پر عمل کیا۔

Marfat.com

اگرچہ ہندوؤں نے آپ کو طرح طرح کے لالچ دیئے، دھمکیاں دیں مگر آپ مرعوب نہ ہوئے۔ ہندوؤں کے کچھ قرضے آپ کے ذمہ تھے۔ انہوں نے کہا کہ آپ کانگریس میں شامل ہو جائیں، ہم تمام قرضے معاف کر دیں گے ورنہ ڈگری جاری کروائیں گے۔ اس کے جواب میں آپ نے اپنی زمین فروخت کر کے تمام قرضے ادا کر دیئے مگر اپنے ایمان کا سودا نہ کیا۔

علی برادران نے انجمن خدام کی تحریک پاکستان کی تو آپ نے اس کا پورا پورا ساتھ دیا اور تمام سندھ سے چندہ اکٹھا کر کے بمبئی بھجوادیا۔ مسجد کانپور کا تنازعہ کھڑا ہوا تو مولانا محمد علی جوہر (ف 1931ء) نے تار دے کر آپ کو بلایا۔ آپ فوراً کانپور پہنچے اور فیصلہ ہونے تک وہیں رہے اور ڈٹ کر انگریز حکومت کی مخالفت کی۔ 1916ء تک سندھ میں ابھی وہ دور نہیں آیا تھا کہ کوئی بھی سیاسی جماعت اپنا منظم رول ادا کرتی اور سیاسی دور کا آغاز ہوتا۔ بلکہ کوئی بھی سیاسی ہلچل نظر نہ آتی تھی۔ آخر کار 3 نومبر 1917ء کو سندھ مسلم لیگ کی بنیاد رکھ دی گئی جس کے مندرجہ ذیل عہدے دار مقرر ہوئے۔ صدر: یوسف علی، علی بھائی، نائب صدر: غلام محمد بھرگڑی، آنریری سیکریٹری: غلام علی چھاگلہ، جوائنٹ سیکریٹری: حاجی عبداللہ ہارون۔

اس کا پہلا اجلاس 11 نومبر 1917ء کو سید اسد اللہ شاہ ٹکھرانی (ف 1926ء) کی صدارت میں ہوا۔ اور چونکہ یہ ابھی ابتداء تھی لہٰذا اس میں صرف خاص خاص تعلیم یافتہ لوگ شریف ہوئے اور چونکہ یہ رسمی اجلاس تھا اس لئے کوئی خاص بات طے نہ ہوئی۔

دوسرا اجلاس بھی 1919ء سید اسد اللہ شاہ کی صدارت میں ہوا جس میں پہلی مرتبہ چند قرار دادیں منظور ہوئیں۔

ا۔ تحریک خلافت کے خلاف حکومت برطانیہ کی مذمت کی گئی۔

۲۔ مولوی فضل کریم کی کتاب "فتویٰ خلافت" کی مذمت کی گئی جو اس نے حکومت کی حمایت میں لکھی تھی۔

9 فروری 1920ء کو سندھ مسلم لیگ کی تنظیم نو ہوئی۔ یہ اجلاس کراچی میں منعقد ہوا جس میں غلام محمد بھرگڑی کو صدر، حاجی عبداللہ ہارون کو نائب صدر، سیٹھ طیب علی کو جوائنٹ سیکریٹری چنا گیا اور بارہ ارکان پر مشتمل سندھ مسلم لیگ کونسل بنائی گئی۔ مگر ابھی تک مسلم لیگ چند لوگوں کے گرد ہی گھوم رہی تھی۔ مسلم لیگ کے عہدیداروں نے مسلم لیگ کو عوام و خواص کے دلوں کی دھڑکن بنانے کے لئے پیر غلام مجدد سرہندی کی خدمت میں حاضری دی اور مسلم میں شامل ہونے کی استدعا کی۔ چنانچہ 10 فروری 1924 کو حیدر آباد سندھ میں سندھ مسلم لیگ کا اجلاس ہوا جس میں پیر غلام مجدد نے اپنی شمولیت کا اعلان کیا۔ جسے مسلم لیگ کے لئے انتہائی مبارک سمجھا گیا۔ اس موقعہ پر سندھ مسلم لیگ کے صوبائی انتخابات ہوئے۔ پیر صاحب نے فرمایا کہ میں کسی عہدہ کے بغیر ہی مسلم لیگ کی خدمت کروں گا۔ چنانچہ سیٹھ عبداللہ ہارون (ف 1942ء) صدر، محمد کامل شاہ نائب صدر، شیخ نور محمد سیکریٹری اور حکیم فتح محمد سیوہانی خزانچی منتخب کئے گئے۔ 17 ارکان پر مشتمل سندھ مسلم لیگ کونسل بنائی گئی جس میں پیر صاحب کو بھی شامل کیا گیا۔ پیر صاحب کی شمولیت نے سندھ مسلم لیگ میں ایک نئی روح پھونک دی۔

مسلم لیگ میں شامل ہونے کے بعد پیر صاحب نے شب و روز دورے کر کے پورے سندھ میں اس کی شاخیں قائم کیں اور اسے صحیح معنوں میں عوامی جماعت بنادیا۔ چنانچہ 10-9-8 اکتوبر 1938ء کو کراچی میں سندھ مسلم لیگ کانفرنس

Marfat.com

منعقد ہوئی تو اس میں اکناف واطراف سندھ سے حاضرین کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر قابل دید تھا۔ اس کانفرنس میں دوسرے صوبوں کے لیڈر بھی شریک تھے۔ پیر صاحب نے اپنے ایمان افروز اور باطل سوز خطاب میں مسلم لیگ کے لئے ہر قسم کی قربانی دینے کا اعلان کیا اور حضرت قائداعظم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ سندھ مسلم لیگ آپ کو یقین دلاتی ہے کہ قیام پاکستان کے سلسلے میں آپ کو کسی دوسرے صوبے سے پیچھے نہیں پائیں گے۔ اس پر حضرت قائداعظم نے بڑی مسرت کا اظہار فرمایا۔

اس اجلاس میں قائداعظم کے مشورے سندھ مسلم لیگ کی تنظیم نو عمل میں آئی اور ''سندھ مسلم لیگ اسمبلی پارٹی'' کی بنیاد رکھ کر تمام ارکان اسمبلی کو کہا گیا کہ وہ مسلم لیگ میں شامل ہوں۔ اس موقع پر جو عہدیدار چنے گئے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

صدر: حاجی عبداللہ ہارون، نائب صدر: پیر غلام مجدد سرہندی، جنرل سیکریٹری: شیخ عبدالمجید سندھی، جوائنٹ سیکریٹری: پیر علی محمد راشدی، جوائنٹ سیکریٹری: آغا غلام نبی پٹھان، خزانچی: غلام حسین ہدایت اللہ۔

اس کے بعد آپ نے مسلم لیگ کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا۔ آپ کے ساتھ پیر صاحب بھرچونڈی شریف پیر عبدالرحمٰن (ف 1960ء) اور انکے صاحبزادے پیر عبدالرحیم (1971ء) نے بھرپور تعاون کیا بلکہ آپ کے ساتھ پورے سندھ کا دورہ بھی کیا۔ پیر صاھب بھرچونڈی شریف کے ساتھ علماء کی ایک جماعت دورہ کرتی تھی جس میں سید صدرالدین شاہ ایڈیٹر اخبار ''نقیب'' خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ 1939ء میں مسجد منزل گاہ سکھر کا تنازعہ کھڑا ہوا تو آپ یکم اکتوبر 1939ء کو 313 رضا کاروں کی جماعت لے کر جھنڈا اٹھائے وہاں جا پہنچے اور ایک ہفتے تک قیام فرمایا۔ ان رضا کاروں میں 36 سید، 11 علماء اور 3 حافظ قرآن تھے۔ جو اسلام کے نعرے لگا رہے ہیں۔ حکومت نے مسلم لیگ کمیٹی سے گفتگو کی۔ سکھر میں ہندو مسلم فسادات شروع ہوگئے۔ حکومت کے اس وعدے پر کہ یہ مسجد مسلمانوں کے حوالے کی جائیگی، آپ واپس حیدر آباد تشریف لے آئے۔ 9 نومبر 1939ء کو آپ کو گرفتار کر کے سینٹرل جیل حیدر آباد میں روانہ کر دیا گیا۔ چونکہ یہ گرفتاری گورنر سندھ کے خصوصی حکم نامہ کے تحت دو ماہ کے لئے ہوئی تھی لہٰذا 9 جنوری 1950 کو آپ کو رہا کر دیا گیا۔

ایک دفعہ آپ سے کسی نے پوچھا کہ آپ مسٹر جناح کے پیچھے کیوں لگے ہوئے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ ہمارے مقصد کو بروئے کار لانے والا یہی شخص ہوا ہے، اگر کوئی اور ہوتا تو ہم اسکے پیچھے لگ جاتے۔ جناح تو ایک مسلمان وکیل ہے جو بغیر پیسے اور فیس کے مسلمانوں کی وکالت کر رہا ہے، کیا کافر کو وکیل نہیں بنایا جاتا؟ بلکہ فیس بھی دی جاتی ہے۔

دسمبر 1946ء کے سندھ اسمبلی کے انتخابات قیام پاکستان کے سلسلے میں بڑی اہمیت رکھتے تھے۔ اس لئے مسلم لیگ ہائی کمان کی خواہش تھی کہ کسی بھی طرح آئندہ وزارت مسلم لیگ کی ہو۔ اس وقت سندھ میں تین سیاسی گروپ متوازی حیثیت رکھتے تھے، سر غلام حسین ہدایت اللہ (ف 1948ء) خان بہادر محمد ایوب کھوڑو (ف 1980ء) اور جی ایم سید (ف 1995ء) کے گروپ۔ یہ تینوں گروپ مسلم لیگ سے وابستہ تھے۔ اور تینوں کی خواہش تھی کہ ٹکٹ اس کے گروپ کے آدمیوں کے دیئے جائیں۔

جی ایم سید کا موقف تھا کہ سندھ میں مسلم لیگ کو مقبول میں نے بنایا ہے لہٰذا تمام ٹکٹ میرے گروپ کو ملنے چاہئیں۔

Marfat.com

قائداعظم نے اس معاملے کو حل کرنے کیلئے تین سرکردہ مرکزی رہنماؤں نوابزادہ لیاقت علی (ف 1951ء) نواب محمد اسماعیل (ف 1958ء) اور سید حسین امام (1958ء) کو سندھ روانہ کیا تا کہ وہ ہر تحصیل اور ضلع کے مسلم لیگی ورکروں اور عہدیداروں سے مشورہ کر کے ٹکٹوں کی تقسیم کریں۔

اس کے برعکس جی ایم سید اپنے پروگرام کے مطابق ٹکٹوں کے خواہاں تھے مگر مسلم لیگی عہدیداروں اور کارکنوں نے اپنا مشورہ جی ایم سید کے خلاف دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ٹکٹوں کی تقسیم جی ایم سید کی مرضی کے خلاف ہوئی، جس پر اس نے اس بات کو اپنی انا کا مسئلہ بنالیا اور مسلم لیگ کی مخالفت شروع کردی۔ اور اپنے علیحدہ اُمیدوار کھڑے کردیئے۔

مسلم لیگ نے جی ایم سید کے مقابلہ پر قاضی محمد اکبر (ف 1979ء) کو امیدوار نامزد کیا۔ قائداعظم نے انتخابات کے اخراجات دے کر جی آلانا (ف 1985ء) کو الیکشن کا آنرری سیکریٹری مقرر کرتے ہوئے تمام کام کی نگرانی انہیں سونپ دی اور یہ بھی کہا کہ: ''نہ صرف سندھ کی ساری مسلم نشستیں چاہیں بلکہ جی ایم سید کی نشست بھی چاہیئے۔

میں اس اہم نشست پر قاضی محمد اکبر کو کامیاب دیکھنا چاہتا ہوں''

اس پر مسلم لیگی رہنماؤں نے جی ایم سید کے حلقہ میں کئی بڑے جلسوں کا پروگرام بنایا سندھ کے بڑے بڑے پیروں، مذہبی رہنماؤں اور علماء نے پیر غلام مجدد سرہندی کی قیادت میں مسلم لیگ کے لئے دن رات کام کیا۔ چنانچہ 9 دسمبر 1946ء کو صوبہ سندھ کے انتخابات پاکستان کے حق میں سنگ میل ثابت ہوئے۔ ان انتخابات میں مسلمانوں کے سوفیصد ووٹ پاکستان کے قیام کے لئے پڑے، یا یہ کہا جاسکتا ہے کہ سوفیصد نشستیں حاصل کرلیں۔ ایک نشست آزاد امیدوار نے جیتی تھی مگر وہ بھی مسلم لیگ کا حمایت یافتہ تھا۔ جی ایم سید بری طرح شکست سے دوچار ہوا یہ سب کچھ پیر غلام مجدد سرہندی کی کوششوں کا ثمر تھا۔

اسی دوران آپ نے ''صور اسرافیل'' کے نام سے ایک پمفلٹ شائع کیا۔ جس میں اسلامیان برصغیر اور سندھ کو مسلم لیگ کے ساتھ عملی تعاون کی اپیل کی گئی تھی۔ اس پمفلٹ میں زندگی کو خدا کی امانت بتانے کے بعد لکھتے ہیں: ''مبارک ہوان مومنین کو جنہیں ظاہری طور پر فنا ہونے سے پہلے یہ مسلم لیگ کے حکم پر مسلم قوم کے وقار و ناموس کے تحفظ کیلئے اپنی اس مانت کو اپنے مالک حقیقی کی بارگاہ میں پیش کرنے کا شرف حاصل کررہے ہیں۔ آج اسلامیان ہند نے جو پاکستان کا علم اپنے ہاتھوں میں اٹھایا ہے مجھے یقین ہے کہ ہر کلمہ گو مسلمان اس عظمت کو قائم کرنے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا کر قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی یاد تازہ کرے گا''

پیر صاحب کی زندگی بہت سادہ تھی۔ عشق رسول ﷺ تو کوٹ کوٹ کر آپ میں بھرا ہوا تھا۔ وفات سے کچھ عرصہ قبل اپنے جدامجد حضرت خواجہ شاہ ضیاء الحق شہید (ف 1840ء) کے ایک قصیدہ کے یہ اشعار ورد زبان رہتے تھے۔

آپ کی وفات حسرت آیات 16 جمادی الثانی 1377ھ / 8 جنوری 1958ء بروز بدھ صبح نو بجے حیدرآباد میں ہوئی۔ پہلی نماز جنازہ حیدرآباد میں ہوئی اور دوسری ٹمیاری میں۔ ٹمیاری شریف آخری آرام گاہ بنی۔

Marfat.com

خواجہ غلام صمد انبالویؒ

خواجہ غلام صمد 29 ربیع الاول 1297ھ/9 مارچ 1880ء کو انبالہ شہر (مشرقی پنجاب، انڈیا) کے ایک متمول اور نہایت ہی دیندار گھرانے میں پیدا ہوئے۔ والد گرامی کا اسم مبارک حاجی الٰہی بخشؒ تھا۔ جو تحصیلدار کے عہدے سے ریٹائر ہو کر میونسپل کمیٹی انبالہ کے چیئرمین رہے اور ایک فلاحی ادارے انجمن اسلامیہ انبالہ کے سب سے پہلے صدر منتخب ہوئے۔ اس ادارے کے زیر اہتمام مسلمانوں کو تعلیمی میدان میں آگے لانے کے لئے مسلم ہائی اسکول انبالہ شہر قائم تھا جو قیام پاکستان کے بعد اب گورنمنٹ انبالہ مسلم کالج کے نام سے سرگودھا میں قوم کی خدمت کر رہا ہے۔ خواجہ غلام صمد کے بچپن میں یہ ادارہ ابھی قائم نہیں ہوا تھا لہٰذا انہوں نے مشن ہائی اسکول انبالہ سے میٹرک کا امتحان پاس کیا اور بعد میں اسلامیہ کالج لاہور سے فراغت حاصل کر کے سرکاری ملازمت اختیار کر لی۔ دوران ملازمت اپنی دیانتداری، پاکبازی اور پرہیزگاری کی بدولت خلق خدا کی نظروں میں ہمیشہ قابل احترام رہے۔ 1937ء میں ملازمت سے ریٹائر ہوئے تو علاقے کے معززین کے پرزور اصرار پر میدان سیاست میں قدم رکھا اور بطور آزاد امیدوار پنجاب لیجسلیٹو اسمبلی کے انتخابات میں حصہ لیا۔ آپ کا حلقہ انتخاب انبالہ ڈویژن کا شہری حلقہ رہتک، حصار، کرنال اور گڑگانواں کے چار اضلاع پر مشتمل تھا اور آپ کے مدمقابل نوابزادہ لیاقت علی خاں سابق وزیراعظم پاکستان (ف 1951ء) کے بڑے بھائی نوابزادہ سجاد علی خاں اور بھٹو دور کے وزیر خزانہ ڈاکٹر مبشر حسن کے ماموں خواجہ سرور حسین تھے۔ آپ نے بھاری تعداد میں ووٹ حاصل کر کے یہ انتخاب جیتا۔ انتخاب جیتنے کے بعد آپ مسلم لیگ میں شامل ہو گئے اور پھر تادم زیست اسی جماعت کا دامن تھامے رکھا اور 1946ء میں قائداعظم کے حکم پر ''خان صاحب'' کا خطاب بھی حکومت کو واپس کر دیا۔

آپ نے تحریک پاکستان میں بے مثال خدمات انجام دیں، حضرت قائداعظم کے مشن کی تکمیل اور مسلم لیگ کی کامیابی و کامرانی کے لئے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ دامے درمے قدمے قلمے سخنے تعاون فرماتے رہے۔ 1946ء کے الیکشن میں آپکو مسلم لیگ کا ٹکٹ دیا گیا۔ آپ کے مقابلہ میں ایک آزاد امیدوار سید محمود شاہ کھڑا ہوا۔ آپ نے 8627ء ووٹ حاصل کئے جبکہ آزاد امیدوار نے 215 ووٹ حاصل کر کے ضمانت ضبط کروالی۔ حضرت خواجہ صاحب نے اسمبلی کے اندر اور باہر مسلم مفاد کے لئے کمربستہ رہے۔ انگریز اور ہندو دشمنی میں بڑے سخت واقع ہوئے تھے خضر وزارت کے خلاف ''تحریک سول نافرمانی'' میں آپ نے گرانقدر خدمات انجام دیں۔ قیام پاکستان کے بعد سب کچھ لٹا کر لاہور آ گئے اور مہاجرین کی آبادکاری میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ آپ چونکہ ہندوستان میں وسیع و عریض شہری جائیداد اور زرعی اراضی چھوڑ کر آئے تھے لہٰذا حکومت نے اس کے صلے میں ماڈل ٹاؤن لاہور میں ایک شاندار کوٹھی الاٹ کر دی مگر آپ نے یہ کہہ کر اس پیشکش کو واپس کر دیا کہ ماڈل ٹاؤن جیسی دور افتادہ جگہ تک پہنچنے میں میرے حلقے کے لٹے پٹے مہاجرین کو سخت تکالیف کا سامنا ہو گا۔ چنانچہ کرم چند روڈ پرانی انارکلی لاہور پر ایک درمیانے درجے کا مکان لے کر اہل خاندان کے ساتھ بسیرا کر لیا۔ اس کے علاوہ کوئی جائیداد حاصل نہ کی۔

Marfat.com

حضرت خواجہ صاحبؒ نے حضرت قبلہ میاں محمد شاہ ہوشیار پوریؒ (ف 1914ء) کے دست حق پر بیعت کی ہوئی تھی اور ان کے خاص مریدوں میں شمار ہوتے تھے۔ ہر سال عرس مبارک میں شرکت کرتے۔ دربار شریف کی انتظامیہ شریف کی تقریبات میں شرکت کرنے کے لئے گئے اس میں استاذی حکیم ملت حکیم محمد موسیٰ امرتسری چشتی نظامی ثم لاہوری بھی شریک تھے۔ حضرت میاں علی محمد چشتی نظامی سجادہ نشین بسی نوشریف ضلع ہوشیار پور (مدفون پاکپتن شریف 1975ء) آپ کے پیر بھائی تھے اور آپ پر بے حد اعتماد کرتے تھے۔

خواجہ صاحبؒ نہایت عابد و زاہد شخص تھے، روزانہ دلائل الخیرات مکمل پڑھتے تھے۔ خدمت خلق ان کا شعار تھا۔ وہ ''طریقت بجز خدمت خلق نیست'' کی عملی تفسیر تھے۔ تمام دن خلق خدا کی خدمت میں گزارتا اور رات کی تنہایاں رب تعالیٰ کے حضور گڑگڑاہٹ میں گزرتیں۔ سلسلہ نقشبندیہ کے عظیم سپوت حضرت خواجہ محمد عبدالخالق نقشبندی جہان خیلوی ہوشیار پوریؒ (ف 1931ء) سے اجازت وخلافت کا شرف بھی رکھتے تھے۔ آپ خوش سیرت اور فرشتہ صورت تھے۔ مرد کمال، درویش باجمال اور صاحب حال بزرگ تھے۔ غرور وتکبر تو پاس سے بھی نہیں گزرا تھا۔ عاجزی، انکساری اور اطاعت گزاری ان کا شعار تھا۔ دہر میں اسم محمد ﷺ سے اُجالا کرنا ان کی زندگی کا مقصد وحید تھا۔ مقام مصطفیٰ ﷺ کا تحفظ ان کا مطمح نظر تھا۔ ان کی باتوں میں گلوں کی سی خوشبو تھی۔ وہ نرم دم گفتگو اور گرم دم جستجو کے سچے مظہر تھے۔ قیام پاکستان کے بعد کبرسنی اور خرابی صحت کی وجہ سے عملی سیاست سے کنارہ کش ہوکر اپنے آپ کو صرف اور صرف ''یادالٰہی'' کے لئے وقف کر دیا۔ چوک پرانی انار کلی میں اہالیان محلّہ کے اشتراک سے ایک مسجد کی بنیاد ڈالی۔ جو آج مدینہ مسجد کے نام سے بڑی وسیع و عریض اور عالی شان مسجد کا روپ دھار چکی ہے۔ پرہیزگاری، دینداری اور تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ جب پنجاب اسمبلی میں اہم سے اہم موضوع پر دھواں دھار تقریر کر رہے ہوتے تھے، نماز کے وقت ایک دم تقریر چھوڑ کر چلے جاتے۔ زندگی بھر اپنے پریشان حال عزیزوں، رشتہ داروں کے علاوہ غریبوں، یتیموں اور بیواؤں کی مقدور بھر خدمت کرتے رہے۔

مجاہد ملت حضرت مولانا محمد عبدالستار خاں نیازی فرماتے ہیں کہ: ''خواجہ غلام صمد صاحبؒ انبالہ ڈویژن سے مسلمانوں کے نمائندے منتخب ہوکر پنجاب اسمبلی میں آئے تھے۔ نیک بزرگ تھے۔ مسلمانوں کے مخصوص مفادات کے لئے ہر وقت لڑتے رہتے تھے۔ پنجاب لجسلیٹو اسمبلی میں ان کے سوالات سب سے زیادہ ہوتے تھے۔ ان کی تقریر حقائق پر مبنی ہوتی تھی۔ 1936ء میں جب انڈیا ایکٹ 1935ء کے ماتحت اسمبلی قائم ہوئی تو وہ منتخب ہوکر آئے اور تقسیم ملک تک ممبر رہے۔ 1946ء میں جب عمومی انتخابات ہوئے تو اس میں بھی خواجہ صاحب اپنے حلقے سے منتخب ہوکر آئے۔ 1945ء میں جب سکندر جناح پیکٹ ختم ہوا اور پنجاب اسمبلی میں ''مسلم لیگ اسمبلی پارٹی'' قائم ہوئی تو خواجہ صاحب اس پارٹی کے رکن رکین تھے۔

خواجہ صاحب متواضع طبیعت کے مالک تھے۔ متشرع، متقی اور مخلص مرد مومن تھے۔ چونکہ میرا دور EXTREMIS تھا اور اپنوں بیگانوں سب پر تنقید کرتا تھا، اس لئے ٹھنڈے مزاج کے معتدل طبیعت بزرگوں سے روابط قائم نہ رہ سکے۔ بہر حال ان کی امانت، دیانت اور تقویٰ وطہارت کا میں ہمیشہ معترف رہا۔

Marfat.com

"خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں"

خواجہ صاحب کی وفات حسرت آیات 12 جمادی الاول 1379ھ مطابق 13 نومبر 1959ء کو لاہور میں ہوئی۔

پیر محمد امین الحسنات آف مانکی شریفؒ

پیر محمد امین الحسنات بن پیر عبدالرؤف (ف 1934ء) بن پیر عبدالحق (ف 1928ء) بن پیر عبدالوہاب قادری (ف 1904ء) کی ولادت یکم فروری 1922ء/3 جمادی الثانی 1340ھ بروز بدھ خانقاہ قادریہ مانکی شریف ضلع پشاور میں ہوئی۔ بعمر چھ ماہ والدہ ماجدہ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا اور گیارہ بارہ سال بعد شفقت پدری سے بھی محروم ہو گئے۔ حفظ قرآن پاک کے بعد مختلف علمائے کرام سے جملہ علوم متداولہ کی تحصیل کی۔ دوران تعلیم ہی والد ماجد کی رحلت پر سجادگی کی ذمہ داریاں کا بوجھ اُٹھانا پڑا۔

پیر صاحب مانکی شریف انتہائی فعال، بلند اخلاق، مدبر اور دانشمند انسان تھے۔ انہوں نے روحانیت اور سیاست کے میدان میں انمٹ نقوش چھوڑے ہیں۔ ان کی ابتداء ہی سے خواہش تھی کہ ملک وقوم کے مفاد کے لئے بے لوث اور بے غرض رہنماؤں کو میدان عمل میں آنا چاہیے۔ ان کے خیال میں اسلام روز بروز خطرے میں پڑ رہا تھا۔ ہندو اقلیت والے صوبہ سرحد میں اسلام کو ہندو اکثریت والے صوبوں سے زیادہ خطرہ درپیش تھا۔ آخر بہت سوچ بچار کے بعد پیر صاحب نے اس ناممکن کو ممکن بنانے کے لئے خود اس کام کو سرانجام دینے کا بیڑا اُٹھایا۔

پیر صاحب نے 14 اکتوبر 1945ء کو مانکی شریف میں علماء ومشائخ کی کانفرنس طلب کی جس میں سینکڑوں جید علمائے کرام اور مشائخ عظام نے شرکت کی چند قابل ذکر اسمائے گرامی یہ ہیں: امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری (ف 1951ء) صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی (ف 1948ء) پیر عبداللطیف زکوڑی شریف (ف 1978ء) مولانا عبدالحامد بدایونی (ف 1970ء) خواجہ غلام سدید الدین تونسوی (ف 1960ء) مولانا بادشاہ گل اکوڑہ خٹک، مولانا حضرت گل آف دوسہرہ، فقیر عبدالواسع بنوں، پیر صاحب کار بوغہ شریف، مولانا شائستہ گل (ف 1981ء) حضرت دیوان آل رسول علی خاں اجمیری (ف 1974ء) حضرت خواجہ عبدالرشید پانی پتی (ف 1962ء) اور خواجہ حسن نظام دہلوی (ف 1955ء)۔ اس عظیم الشان اجتماع میں جمعیت الاصفیاء کی تشکیل عمل میں لائی گئی۔ پیر صاحب کو مجبور کر کے اس کا صدر بنایا گیا۔ آپ نے اعلان کیا کہ انتخابات میں مسلم لیگ کے امیدواروں کی حمایت کی جائیگی۔ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ ایک علیحدہ اسلامی مملکت پاکستان کے قیام کی بھرپور حمایت کرے اور اسکے بنانے میں کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہ کرے۔ انہوں نے مسلمان ووٹروں سے اپیل کی کہ کہیں وہ اپنے ایک ووٹ کو کم قیمتی سمجھتے ہوئے ضائع نہ کر دیں کیونکہ ان کے ایک ایک ووٹ کے ساتھ ہی دس کروڑ مسلمانان ہند کا مستقبل وابستہ ہے۔ یاد رہے کہ اس کانفرنس کی صدارت حضرت امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری (1951ء) کی تجویز وتائید پر پیر معصوم بادشاہ سجادہ نشین چورہ شریف ضلع اٹک (1957ء) نے کی تھی۔

Marfat.com

1945ء میں حضرت قائداعظمؒ نے صوبہ سرحد کا دوسرا دورہ کیا۔اس سے پہلے جب 1936ء میں پہلا دورہ کیا تھا تو بہت کم لوگ ساتھ تھے۔اس مرتبہ 19 نومبر 1945ء کو قائداعظم جب پشاور پہنچے تو ایک شاندار اور تاریخی جلوس نکالا گیا جس سے کانگریسیوں اور سرخ پوشوں کے اوسان خطا ہو گئے۔بعد میں ایک اہم میٹنگ حضرت قائداعظم کی صدارت میں ہوئی جس میں پیر صاحب مانکی شریف اور دوسرے اہم مسلم لیگی لیڈر شریک ہوئے۔اس موقعہ پر پیر صاحب نے مسلم لیگ میں شمولیت کا اعلان کیا۔

21-22 نومبر 1945ء کو شاہی باغ پشاور میں دوروزہ مسلم لیگ کانفرنس منعقد ہوئی۔حاضری تقریباً ایک لاکھ کے قریب تھی۔میاں افتخار الدین (ف 1962ء) نے اپنی شعلہ بار تقریر سے لوگوں کے دلوں کو گرمایا۔قائداعظم نے بھی خطاب فرمایا۔قائداعظم کا خطاب بڑا موثر اور کامیاب تھا۔اس موقعہ پر پیر صاحب مانکی شریف کی مسلم لیگ میں شمولیت کا اعلان عام کیا گیا تو لوگوں کا جوش وخروش دیدنی تھا۔جلسہ گاہ ہی میں بے شمار لوگوں نے مسلم لیگ میں شمولیت کا اعلان کیا۔اور بعد میں بھی لوگ جوق در جوق مسلم لیگ میں شامل ہونے لگے۔

24 نومبر 1945ء کو پیر صاحب کی دعوت پر حضرت قائداعظم، مانکی شریف تشریف لے گئے پشاور سے ایک عظیم الشان موٹروں کے جلوس کی صوت میں گیارہ بجکر 45 منٹ پر مانکی شریف پہنچے۔نوشہرہ سے لیکر مانکی شریف تک کا تمام راستہ دلہن کی طرف سجایا گیا تھا جگہ جگہ آرائشی دروازے بنے ہوئے تھے۔سڑک کے دونوں طرف پیر صاحب مانکی شریف کے عقیدتمند، مسلم لیگ کے کارکن اور مسلم لیگ نیشنل گارڈ کے سبز پوش رضا کار قطار اندر قطار کھڑے تھے۔مسلم لیگ کی سبز ہلالی جھنڈیوں سے سڑک کو آراستہ کیا گیا تھا۔قائداعظمؒ جب موٹروں کے جلوس میں مانکی شریف کی طرف روانہ ہوئے تو فضا ''قائداعظم زندہ باد، اسلام زندہ باد، مسلم لیگ زندہ باد اور پیر صاحب مانکی شریف زندہ باد'' کے نعروں سے گونج رہی تھی۔قائداعظم کی موٹر پھولوں سے لدی ہوئی تھی۔ان کے پیچھے پیچھے ہزاروں عقیدتمند موٹروں اور لاریوں کے جلوس میں رواں دواں تھے۔پیر صاحب کے ہزاروں مرید دور دراز سے قائداعظم کے استقبال کے لئے مانکی شریف پہنچے ہوئے تھے۔انکے علاوہ ہندوستان بھر کے چیدہ چیدہ علماء کرام اور مشائخ عظام جلوہ فرما تھا۔پیر صاحب کے مرید اور عقیدت مند قائداعظم کے استقبال کے لئے جوش وخروش کے ساتھ نعرے لگا رہے تھے۔نوجوان اپنی خوشی کے اظہار کے لئے ہوائی فائرنگ کر رہے تھے۔ہزاروں کی تعداد میں گولے داغے جا رہے تھے۔مانکی شریف کے پہاڑ اللہ اکبر کے نعروں سے گونج رہے تھے۔جونہی قائداعظم مانکی شریف پہنچے تو اطراف و اکناف سے آئے ہوئے مشائخ عظام کے ہجوم نے ان کا پرجوش استقبال کیا۔پیر صاحب نے قائداعظم کے گلے میں پھولوں کے ہار ڈالے اور پھر دونوں بڑی گرمجوشی کے ساتھ بغل گیر ہوئے۔اس کے بعد پیر صاحب حضرت قائداعظم اور مسلم لیگی لیڈروں کو ایک شاندار ہال میں لے گئے جہاں علمائے کرام اور مشائخ عظام بیٹھے ہوئے تھے۔

تھوڑی دیر بعد قائداعظم ایک دوسرے کمرے میں پیر صاحب کے ساتھ مذاکرات کے لئے تشریف لے گئے۔دس پندرہ منٹ کی گفتگو کے بعد دونوں رہنماء باہر میدان میں تشریف لے آئے جہاں خوبصورت خیمے نصب تھے اور ہزاروں لوگوں

Marfat.com

کے بیٹھنے کا انتظام تھا۔اب باقاعدہ جلسہ عام شروع ہوا اس جلسہ کی صدارت کے لئے حضرات امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوریؒ (ف 1951ء) سے درخواست کی گئی تھی مگر حضرت قدس سرہ، ناسازی طبع کے باعث تشریف نہ لے جا سکے اور اپنی جگہ اپنے فرزند اکبر سراج الملت حضرت پیر سید محمد حسینؒ (1961) کو قائداعظم کے لئے سونے کا ایک تمغہ، تین سو روپے کی ایک تھیلی اور کئی دوسرے تحائف دے کر بھیجا۔

پیر صاحب مانکی شریفؒ نے حضرت سراج الملتؒ کی بڑی عزت افزائی کی اور جلسہ کی صدارت آپ کے سپرد کر دی۔

جب قائداعظمؒ جلسہ گاہ میں آئے تو حضرت سراج الملتؒ نے آگے بڑھ کر سونے کا تمغہ (جس پر کلمہ طیبہ کندہ تھا) قائداعظمؒ کو پیش کیا اور کہا: ''میرے والد ماجد (حضرت امیر ملتؒ) نے یہ تمغہ آپ کی خدمت میں بھیجا ہے''

یہ سن کر قائداعظمؒ بہت خوش ہوئے، کرسی سے اُٹھ کر کھڑے ہو گئے اور سینہ تان کر کہا: ''تو پھر میں کامیاب ہوں، آپ تمغہ میرے سینے پر آویزاں کیجئے''

اس پر مسلم لیگی کارکن ملک شاد محمد نے آگے بڑھ کر حضرت سراج الملت کے ہاتھ سے تمغہ لیا اور قائداعظمؒ کی شیروانی کی بائیں طرف سینے پر ٹانک دیا۔قائداعظمؒ نے مسکرا کر شکریہ ادا کیا اور بیٹھ گئے۔

پیر صاحب مانکی شریف کے ارشاد پر جملہ مشائخ کرام کی طرف سے میاں عبدالکریم نے قائداعظم کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا۔جس میں ان کی خدمات ملی کو سراہا گیا اور انہیں یقین دلایا گیا کہ مشائخ عظام حصول پاکستان کی جدوجہد میں کوئی کسر نہیں رکھیں گے اور کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔سپاسنامہ میں یہ سوال کیا گیا کہ پاکستان کا آئین کیسا ہوگا۔

سپاسنامہ کے بعد حضرت قائداعظم نے کھڑے ہو کر اردو میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا: علمائے کرام، پیران عظام و مشائخ حضرت آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ نے بڑی گرمجوشی سے میرا استقبال کیا اور پاکستان کے حصول کے لئے ہر قسم کی قربانی دینے کا وعدہ کیا۔میں آپ کے جذبات کا انتہائی احترام کرتا ہوں۔آپ نے سپاسنامہ میں مجھ سے پوچھا کہ پاکستان میں کونسا قانون ہوگا؟ مجھے آپ کے اس سوال پر بہت افسوس ہوا ہے کہ آپ مجھ سے دریافت کر رہے ہیں کہ پاکستان میں کونسا قانون ہوگا۔میں اپ کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ مسلمان کا ایک خدا ایک رسول اور ایک قرآن ہے۔یہی قرآن مسلمانوں کا قانون ہے جو آج سے تیرہ سو سال پہلے حضرت محمد ﷺ کی وساطت سے ہمیں ملا ہے۔یہی قرآن ہمارا قانون ہے اور بس (نعرہ تکبیر، اللہ اکبر، پاکستان زندہ باد)

قائداعظم کے اس کامیاب دورہ سرحد سے کانگریسی اور سرخپوش بوکھلا گئے۔چنانچہ انہوں نے ''مسلم لیگی کانفرنس'' کا اثر زائل کرنے کے لئے ''سرحد پولیٹیکل کانفرنس'' منعقد کی جس میں سرخپوشوں کے علاوہ ہندوستان بھر کے کانگریسی مسلمانوں نے بھی شرکت کی۔کانفرنس کی صدارت مشہور نیشلسٹ لیڈر سید محمود کر رہے تھے۔اس کانفرنس سے غدار کشمیر شیخ محمد عبداللہ (ف 1982ء) نے بھی خطاب کیا مگر ناکامی کے سوا کچھ ہاتھ نہ آیا۔

پنڈت جواہر لال نہرو نے 1937ء اور 1938 میں دو مرتبہ صوبہ سرحد کا دورہ کیا۔دونوں دفعہ شاندار استقبال ہوا۔ 1940ء کی قرارداد پاکستان کے اجلاس لاہور کے بعد حالات بدل چکے تھے۔1946ء میں صوبہ سرحد کے پڑھے لکھے اور

Marfat.com

باشعور لوگوں کی اکثریت اپنی قسمت مسلم لیگ اور پاکستان سے وابستہ کر چکی تھی۔ پنڈت نہرو غلط فہمی میں مارے گئے اور سرحد کا تیسرا دورہ رکھ لیا۔ جب 16 اکتوبر 1946ء کو پنڈت نہرو کا ہوائی جہاز پشاور میں اترا تو وہاں مسلمانوں کا جم غفیر تھا۔ تین ہزار مسلم لیگی رضا کار سبز وردیوں میں ملبوس وہاں موجود تھے۔ جونہی نہرو جہاز سے اترے، سیاہ رنگ کے ہزاروں غبارے فضا میں چھوڑے گئے جن پر ''واپس جاؤ'' کے سفید حروف نمایاں تھے۔ ہزاروں لوگ کالی جھنڈیاں لہرا لہرا کر ''نہرو واپس جاؤ'' کے فلک شگاف نعرے لگا رہے تھے۔ اس سے قبل پشاور تاریخ میں اتنا بڑا ہنگامہ نہیں دیکھا گیا تھا۔ اگرچہ حکومت کی طرف سے سخت حفاظتی انتظامات کئے گئے تھے تاہم نہرو کی کار مقررہ گیٹ سے باہر نہ نکل سکی اور وہ کسی دوسرے گیٹ سے نکل کر گورنمنٹ ہاؤس پہنچے۔ ہوائی اڈے پر مسلم لیگ کے اس مظاہرے کی قیادت پیر صاحب مانکی شریف کر رہے تھے جبکہ محمد یوسف خان خٹک، خان عبدالقیوم خان، ارباب عبدالغفور خان، ارباب نور محمد خان، بخت جمال خان، ثمین جان خان، خان محمد علی خان ہوتی، فدا محمد خان، غلام محمد لونڈ خور اور محمد ابراہیم خان جھگڑا معاونت کر رہے تھے اسی موقعہ پر ظفر الملت مولانا ظفر علی خاں (ف 1956ء) نے کہا تھا۔

لایا ہے پیر مانکی ایک ایسا انقلاب ۔۔۔ رنگت معاً بدلنے لگی آسمان کی

اپریل 1946ء میں حضرت امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری (ف 1951ء) کی زیر صدارت آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس کا انعقاد ہوا تو پیر صاحب مانکی شریف نے سرحد کے علماء و مشائخ کی کثیر تعداد کے ساتھ اس میں شرکت کی اور اڑھائی گھنٹے تک خطاب فرمایا۔ دوران تقریر آپ نے فرمایا کہ: ''میں نے قائداعظم سے وعدہ لیا ہے کہ اگر انہوں نے مسلمانوں کو دھوکا دیا یا اسلام کے خلاف کوئی نظام جاری کرنے کی کوشش کی تو آج جس طرح ہم آپ کو دعوت دے رہے ہیں اور آپ کی قیادت کو مان رہے ہیں کل اسی طرح اس کے برعکس ہوگا''

آل انڈیا سنی کانفرنس کے خصوصی اجلاس میں نظریہ پاکستان کی توثیق و تائید میں نہایت سرگرمی سے قرارداد پاس کرائی۔ اسلامی حکومت کے لئے لائحہ عمل مرتب کرنے کے لئے اس موقعہ پر جو کمیٹی بنائی گئی۔ پیر صاحب کو اس کا رکن منتخب کیا گیا اور پھر تمام ملک میں اس کی حمایت میں دورے کئے اور عوام کو آمادہ کیا کہ وہ تحریک پاکستان کو بہر صورت کامیاب بنائیں گے۔ 1946ء کے عام انتخابات بڑے اہم تھے۔ انہی انتخابات کے نتائج کی بناء پر ملک کے سیاسی مستقبل کا فیصلہ ہونا تھا، نتیجہ نکلا تو مرکزی اسمبلی کی تمام مسلم نشستوں پر مسلم لیگی امیدوار کامیاب ہو گئے۔ انتخابات میں سو فیصد کامیابی کی ایسی مثال شاید ہی تاریخ میں ملتی ہو، مجموعی طور پر صوبائی اسمبلیوں کی 507 مسلم نشستوں میں سے 427 مسلم لیگ نے جیتیں، اس پر قائداعظم کی ہدایت پر ''یوم فتح'' منایا گیا۔

صوبہ سرحد میں مسلم لیگ کو واضح اکثریت حاصل نہ ہو سکی۔ سرحد اسمبلی کی 38 مسلم نشستوں میں سے 17 پر کانگریسی امیدوار کامیاب ہوئے اور 16 مسلم لیگی۔ دو امیدواروں کا تعلق جمعیت العلماء سے تھا اور باقی آزاد امیدوار تھے مسلم لیگی امیدواروں کی کامیابی میں سب سے زیادہ ہاتھ پیر صاحب مانکی شریف کا تھا۔

Marfat.com

جنوری 1947ء میں ہزارہ کے علاقہ تگلیات کی ایک سکھ دوشیزہ بسنتی نے اسلام قبول کر کے محمد زمان نامی ایک مسلمان سے نکاح کر لیا۔ ہندوؤں اور سکھوں نے واویلا شروع کر دیا اور مذکورہ مسلمان پر مقدمہ دائر کر دیا۔ دریں اثناء ہندوؤں کے ایک وفد نے صوبہ سرحد کے کانگریسی وزیر اعلیٰ ڈاکٹر خاں صاحب (ف 1958ء) پر زور دیا کہ وہ نومسلمہ انکی تحویل میں دیدی جائے۔ ڈاکٹر خان صاحب نے انکا مطالبہ مانتے ہوئے نومسلمہ کو ہندوؤں کے حوالے کر دیا۔ اس خبر کے عام ہوتے ہی مسلمانوں میں بڑا جوش اور اشتعال پھیل گیا۔ صوبہ سرحد کی مسلم لیگ نے تین ارکان پر مشتمل ایک وفد ڈاکٹر خان صاحب کے پاس بھیجا اور انہیں مسلمانوں کے جذبات سے آگاہ کیا لیکن ڈاکٹر خان صاحب اپنی ضد پر اڑے رہے اور نومسلمہ کو ان کے سپرد نہ کیا۔ 19 فروری 1947ء کو صوبہ سرحد کی مسلم لیگ کونسل کا ایک اجلاس ہوا جس میں فیصلہ کیا گیا کہ 21 فروری کو چوک یادگار میں ایک احتجاجی جلسہ منعقد کیا جائے اور بعد میں ایک جلوس کی صورت میں ڈاکٹر خان صاحب کے پاس پہنچ کر اس نومسلمہ کی واپسی کا مطالبہ کیا جائے۔

21 فروری کو دن کے دو بجے چوک یادگار پشاور میں پیر صاحب مانکی شریف کی زیر سرپرستی مسلم لیگ کے زیر اہتمام ایک بہت بڑا جلسہ منعقد ہوا جس سے خان فدا خان، خان بخت جمال خان اور ارباب عبدالغفور خان نے خطاب کیا۔ پیر صاحب کے ہزاروں مرید اس جلسے میں شریک تھے۔ جلسے کے اختتام پر جلوس ترتیب دیا گیا۔ مظاہرین وزیر اعلیٰ ڈاکٹر خان صاحب (ف 1958ء) کی سرکاری رہائش گاہ پر پہنچنا چاہتے تھے لیکن پولیس کی بھاری جمعیت نے سینٹرل جیل پشاور کے سامنے پھاٹک پر انہیں روکنا چاہا۔ جلوس پر آنسو گیس پھینکی گئی، بہت سے مظاہرین بے ہوش ہو گئے تاہم گرتے پڑتے وہ لوگ ڈاکٹر خان صاحب کے بنگلہ پر پہنچ ہی گئے مگر ڈاکٹر خان صاحب اپنی ضد پر اڑے رہے۔

اب مظاہروں اور سول نافرمانی کا سلسلہ چل پڑا اور خواتین بھی میدان عمل میں نکل آئیں۔ 10 مارچ 1947ء کو سرحد اسمبلی کا اجلاس شروع ہو رہا تھا، اس وقت تک مسلم لیگی ارکان اسمبلی میں سے بیشتر اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کر چکے تھے۔ رضا کاروں نے تہیہ کر لیا تھا کہ دس مارچ کو اسمبلی ہال کے باہر زوردار مظاہرہ کیا جائے تاکہ ایوان حکومت میں کھلبلی مچ جائے اور اسمبلی کا اجلاس نہ ہونا پائے۔ 10 مارچ کو چوک یادگار سے بہت بڑا جلوس نکالا اور اسمبلی ہال کی طرف بڑھنے لگا جونہی یہ جلوس قلعہ بالا حصار کے بالمقابل ریلوے پل کے پاس پہنچا، گورکھا فوجیوں نے اسے روکنا چاہا۔ تاہم مظاہرین بھی سر پر کفن باندھ کر نکلے تھے۔ وہ بے دریغ آگے بڑھتے گئے، فوجیوں نے ایک فیتہ سڑک پر باندھ رکھا تھا ایک فوجی افسر نے اعلان کیا کہ ''جو شخص فیتہ سے آگے قدم بڑھائے گا، گولی سے اڑا دیا جائے گا''۔ مظاہرین اس وارننگ کے باوجود بڑھتے ہی گئے۔ کچھ دور آگے جا کر فوجیوں نے پھر فیتہ باندھ دیا اور دوبارہ وارننگ جاری کی کہ کوئی آگے نہ بڑھے۔ پیر صاحب مانکی شریف کا ایک جانثار مرید اور رضا کار نواب خاں اس وقت پرچم اٹھائے جلوس کے آگے آگے جا رہا تھا، وہ جوش کے عالم میں اور شوق شہادت سے سرشار نعرے لگاتا آگے بڑھتا ہی چلا گیا، فوج نے تاک کر اس پر گولی چلائی جو اس کے سینے میں لگی، خون کا فوارہ ابل پڑا۔ اس کے ساتھی رضا کار اسے اٹھا کر لیڈی ریڈنگ ہسپتال لے گئے جہاں چار گھنٹے تک موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا رہنے کے بعد

Marfat.com

نواب خان اپنے مولائے حقیقی کے پاس جا پہنچا۔

یوں پیر صاحب مانکی شریف کے دیوانے نواب خان نے تحریک پاکستان کا پہلا شہید ہونے کا شرف حاصل کیا۔ نواب خان کا سارا گھرانہ پیر صاحب مانکی شریف کا عقیدت مند اور مسلم لیگی تھا اور اس دن اس کا والد بھی جلوس میں شامل تھا۔ نواب خان ایک جواں سال مجاہد تھا، اسکی شادی کو تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا۔ نواب خان شہید کو بھی ہی کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔ لوگ اب تک اس ''شیر دل مجاہد'' کا ذکر بڑے فخر سے کرتے ہیں۔

تحریک سول نافرمانی میں پیر صاحب مانکی شریف نے پورے صوبے کا طوفانی دورہ کیا، تقریریں کیں اور رائے عامہ کو بیدار کیا۔ 28 مارچ 1947ء کو گرفتار کر لئے گئے۔ اور 3 جون 1947ء کو رہا ہوئے تو اسوقت تین جون پلان کا مسئلہ درپیش تھا۔ نے 9 جون 1947ء کو دہلی کے امپیریل ہوٹل میں آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کا اجلاس بلایا۔ اس موقعہ پر پیر صاحب مانکی شریف نے بڑا ایمان افروز خطاب فرمایا جس کے ہر جملے سے قائداعظم کی شان قیادت جلوہ ریز ہے: ''برادران اسلام اللہ سبحانہ تعالیٰ کا ہند کے درماندہ مسلمانوں پر بے پناہ کرم اور احسان عظیم ہے کہ اس نے ہماری نجات اور فلاح کے لئے حضرت قائداعظم محمد علی جناح جیسا حق پرست، حق گو اور حق شناس رہبر عطا فرمایا جس نے اپنے کردار کی عظمت سے مسلمانان ہند میں اتحاد، تنظیم اور یقین کی روح پھونکی اور اپنی فراست اور آئین پرستی سے انگریز اور ہندو کی سازشوں اور تمام تر عیاریوں کو شکست فاش دے کر حصول پاکستان کی منزل سے ہمکنار کر دیا ہے۔ میں آپ کو سب حضرات سے پرزور درخواست کرتا ہوں کہ ہمیں مزید ایک لمحہ ضائع کئے بغیر اپنے مخلص اور حقیقی بہی خواہ کی دردمندانہ نصیحت پر عمل درآمد کرتے ہوئے پاکستان کی تجویز کو بلاپس وپیش منظور کر لینا چاہیئے۔ اسی سے ہماری قومی اور دینی فلاح وابستہ ہے۔ گویا کلمہ گویان رسول ﷺ کی ایک علیحدہ مملکت کے قائم ہو جانے سے قرآن اور احادیث کی تعلیمات اور اسلامی قدار و روایات کا احیاء ہوگا۔ پاکستان میں نشاۃ ثانیہ کا آفتاب طلوع ہوگا جس سے سارا عالم اسلام روشن اور منور ہو جائے گا۔ آپ لوگ خوش نصیب ہیں''۔

صوبہ سرحد کے ریفرنڈم کے موقعہ پر حضرت قائداعظم نے ایک ''ریفرنڈم کمیٹی'' قائم کی تھی جس کے سربراہ قائداعظم خود تھے اور پیر صاحب مانکی شریف اہم ممبر۔ اور یہ پیر صاحب کی مساعی جمیلہ ہی تھیں کہ جب 20 جولائی 1947ء کو حکومت ہند نے ریفرنڈم کے نتائج کا اعلان کیا تو معلوم ہوا کہ پاکستان کے حق میں 89244 ووٹ پڑے جبکہ ہندوستان کے حق میں صرف 2874 ووٹ۔ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ اگر پیر صاحب مانکی شریف، مسلم لیگ کی سرپرستی نہ فرماتے تو صوبہ سرحد کے ریفرنڈم کا نتیجہ کچھ اور ہوتا۔ 1948ء میں قائداعظم، صوبہ سرحد کے دورے پر تشریف لائے تو مانکی شریف بھی گئے اور پیر صاحب کی کوششوں کا اعتراف کرتے ہوئے زبردست خراج تحسین پیش کیا۔

13 اگست 1947ء کو قائداعظم نے کراچی سے فون پر آپ کو مبارک باد دی اور کہا: ''پاکستان'' قائم ہو گیا اور یہ سب آپ کی برکت ہے۔ جواباً پیر صاحب نے بھی مبارک باد دی۔ قیام پاکستان کے ساتھ ہی اس کے اصل خالقوں کو نظرانداز کر دیا گیا اور مفاد پرست طبقہ حکومت پر قابض ہو گیا جبکہ پیر صاحب مانکی شریف کی تحریک پر جمعیت الاصفیاء نے ایک عہد نامہ مرتب

Marfat.com

کیا تھا کہ ''پاکستان بننے کے بعد یہاں اسلامی حکومت ہوگی'' اور اس عہد نامے پر حضرت پیر صاحب کے ساتھ ساتھ قائداعظم، مانکی شریف کی اہم شخصیت ٹھیکیدار میر اسلم خاں اور مسلم لیگ کے دیگر کئی اراکین نے دستخط کیے تھے۔ لیکن مقام افسوس کہ پانچ عشرے گزرنے کو ہیں، ابھی تک اس پر عمل نہیں ہوسکا جبکہ آج اسلام ہی کے نام پر عوام پر ہر حکومت مسلط رہی ہے۔ قیام پاکستان کے بعد پیر صاحب مانکی شریف کو وزارت کی پیش کش بھی کی گئی۔ لیکن آپ نے کمال بے نیازی سے فرمایا کہ ''درویشوں کو وزارت سے کوئی سروکار نہیں'' اس طرح آپ نے ثابت کردیا کہ آپکی جدوجہد کسی غرض، عہدے یا سیاسی مفاد کے لئے نہیں بلکہ آپ کی کاوشوں کا مقصد اور غرض وغایت اسلامی حکومت کا قیام، عوامی بہبود اور ملکی استحکام تھا۔ جس کا عملی ثبوت آپ نے قیام پاکستان کے بعد ملکی سیاست میں تعمیری حصہ لیتے ہوئے دیا۔

اپریل 1948ء میں قائداعظم بحیثیت گورنر جنرل پاکستان، پشاور تشریف لائے تو 20 اپریل 1948ء کو کنگھم پارک میں ایک جلسہ عام منعقد ہوا جس میں سرحد کے دو لاکھ غیور عوام نے شرکت کی۔ سارے پارک کو نہایت عمدگی سے سبز جھنڈیوں اور جھنڈوں سے سجایا گیا تھا۔ ایک نہایت عمدہ اور اونچا اسٹیج تیار کیا گیا تھا۔ حضرت بادشاہ گل فرزند حضرت حاجی صاحب ترنگ زئی (ف 1937ء) نے پیر صاحب مانکی شریف کی تجویز وتائید پر جلسہ کی صدارت کی۔ صدر جلسہ نے پشتو میں قائداعظم کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا جس میں انکی اسلامی خدمات اور حصول پاکستان کے سلسلے میں جدوجہد کی تعریف کی گئی اور انہیں اہل سرحد کی جانب سے مکمل تعاون کا یقین دلایا گیا۔ جولائی 1948ء میں صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی (ف 1948ء) جب بھارت سے پاکستان تشریف لائے تو دارالعلوم حزب الاحناف لاہور میں چار گھنٹے تک بند کمرے میں گفتگو ہوتی رہی۔ گفتگو میں صدر الافاضل، پیر صاحب مانکی شریف، حضرت سید محمد محدث کچھوچھوی (ف 1961ء) مولانا مفتی محمد عمر نعیمی (ف 1966ء) حضرت مولانا غلام معین الدین نعیمی (ف 1977ء) اور مولانا سید ابوالبرکات لاہوری (ف 1978ء) شریک ہوئے۔ اس موقع پر پیر صاحب نے صدر الافاضل پر زور دیا کہ دستور اسلامی کا ایک خاکہ مرتب کریں جسے ہم قائداعظم کے سامنے رکھیں اور ان سے اسے لاگو کرنے کو کہیں لیکن افسوس کہ تین ماہ بعد صدر الافاضل اکتوبر 1948ء میں فوت ہوگئے، بعد ازاں پیر صاحب اور مجاہد ملت مولانا محمد عبدالستار خاں نیازی نے حضرت امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری (ف 1951ء) کی زیر قیادت ''تحریک نفاذ شریعت'' چلائی مگر افسوس کہ ان کی یہ کوشش بارآور نہ ہوسکی۔

پاکستان بننے کے بعد خان عبدالقیوم خان (ف 1981ء) صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ بنے تو انہوں نے پیر صاحب کی مقبولیت اور ہردلعزیزی سے خائف ہوکر مخالفت کی راہیں کھول دیں۔ پیر صاحب پر عرصہ حیات تنگ کرنا شروع کردیا، نقل و حرکت پر پابندیاں لگادیں اور پیر صاحب کو عضو معطل بنانے کی ہر مذموم کوشش کی۔ اس موقعہ پر شاعر چناب رنگ شیر افضل جعفری آف جھنگ (ف 1989ء) نے تڑپ کر کہا تھا۔

لیگیو! یہ کیا انداز جہاں بانی ہے — خضر آزاد مانکی زندانی ہے

اس پر پیر صاحب نے جناح عوامی مسلم لیگ بنالی جو بعد میں عوامی لیگ بن گئی۔ لیکن 1955ء میں ارباب سیاست

Marfat.com

کی روش کے پیش نظر سیاست کے کوچہ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خیر باد کہہ دیا اور اپنی تمام تر توجہ ملت اسلامیہ کی روحانی پیشوائی پر مرکوز کر دی۔

5 جنوری 1960ء / 1379ھ کو مانکی شریف سے اٹک جاتے ہوئے آپ کی کار فتح جنگ کے قریب حادثے کا شکار ہوگئی۔ ڈرائیور تو موقع پر ہی دم توڑ گیا مگر آپ بری طرح زخمی ہو جانے کی وجہ سے ملٹری ہسپتال راولپنڈی میں داخل کئے گئے لیکن زخموں کی تاب نہ لا کر 28 جنوری 1960ء کو یہ روحانی پیشوا اور مجاہد آزادی اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

روز نامہ ''نوائے وقت'' لاہور نے 31 جنوری 1960ء کے اداریے میں یوں خراج عقیدت پیش کیا:

''پیر صاحب مانکی شریف مرحوم کو کل ان کے گاؤں میں سپرد خاک کر دیا گیا''

پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

محمد امین الحسنات مرحوم جو پیر صاحب مانکی شریف کے نام سے مشہور تھے، تحریک پاکستان کے ان رہنماؤں میں سے تھے جنہوں نے ملک کی آزادی اور قیام پاکستان کے لئے شاندار خدمات انجام دیں، وہ اس زمانہ میں صوبہ سرحد کے افق سیاست پر نمودار ہوئے جب اس صوبہ میں خان برادران کا طوطی بولتا تھا اور کانگریس اور انگریز دونوں سابق صوبہ سرحد کو خان عبدالغفار کا گڑھ سمجھتے تھے۔ جن مسلم لیگی لیڈروں نے سرحدی گاندھی کے اس طلسم کو توڑا، پیر صاحب مانکی شریف ان میں سب سے زیادہ نمایاں تھے۔ وہ اس زمانہ میں بالکل نوجوان تھے مگر اللہ تعالیٰ کو ان سے یہ کام لینا مقصود تھا کہ وہ اس اہم علاقہ کو پاکستان کے لئے جیتیں، قیام پاکستان کے بعد ایک مرتبہ انہیں صوبائی وزارت بھی پیش کی گئی مگر انہوں نے اسے قبول نہ کیا، بعد ازاں خان عبدالقیوم نے ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ تحریک پاکستان اور مسلم لیگ کے یہ مخلص رہنما مسلم لیگ سے علیحدگی پر مجبور ہو گئے۔ پیر صاحب نے عوامی لیگ میں شرکت کی اور پاکستان میں حزب اختلاف کے قیام کیلئے بڑی سرگرمی سے کام کیا اور دونوں حصہ ہائے ملک میں قریہ قریہ گھومے مگر ادھر چند سالوں سے آپ سیاسی زندگی سے بالکل کنارہ کش ہو چکے تھے۔

پیر صاحب ابھی جوان ہی تھے کہ خالق حقیقی نے انہیں اپنے پاس بلا لیا۔

خواجہ غلام سدید الدین تونسویؒ

خواجہ غلام سدید الدین بن خواجہ محمد حامد (ف 1932ء) بن خواجہ محمد موسیٰ (ف 1906ء) خواجہ الٰہ بخش (ف 1901ء) بن خواجہ گل محمد (ف 1844ء) بن حضرت شاہ محمد سلیمان تونسوی (ف 1850ء) کی ولادت باسعادت 8 رمضان المبارک 1327ھ / 24 ستمبر 1909ء بروز جمعۃ المبارک اپنے نانا نواب نظام الدین والئی ریاست ممدوٹ کے دولت کدہ جلال آباد ضلع فیروز پور (حال بھارت) میں ہوئی۔ آپ نے علوم ظاہری مختلف اساتذہ کرام سے حاصل کئے۔ سب سے پہلے حافظ فتح دین سے قرآن مجید ناظرہ پڑھا، پھر قاری عبدالحکیم ملتانی سے حفظ کیا اور علم قرأت سیکھا بعد ازاں جامعہ سلیمانیہ تونسہ شریف کے فاضل استاذ شیخ غلام رسولؒ سے درس نظامی کی تکمیل کی۔ مولوی عبداللہ جھکڑویؒ سے بھی چند علوم حاصل کئے اور آخر

Marfat.com

میں جامعہ ازہر (مصر) کا نصاب منگوا کر تکمیل امتحان کے بعد سند حاصل کی۔ اپنے والد گرامی خواجہ محمد حامدؒ کے دست مبارک پر بیعت کر کے جملہ مراحل تربیت روحانی طے کرنے کے بعد خلافت کی نعمت سے فیض یاب ہوئے۔

1932ء میں والد گرامی کی رحلت کے بعد سجادہ نشین ہوئے اور تبلیغ دین کے لئے ناقابل فراموش خدمات انجام دیں۔ تحریک پاکستان میں فعال کردار ادا کیا۔ 1945ء میں مسلم لیگ کے باقاعدہ رکن بنے، کسی عہدہ کے لالچ کے بغیر شب و روز مسلم لیگ کے لئے کام کرنے میں ہمہ تن مصروف رہے اور اپنے تمام عقیدت مندوں کو مسلم لیگ میں شامل ہونے کی تلقین کی۔ اپنے ماموں زاد بھائی نواب افتخار حسین ممدوٹ (ف 1969ء) دیوان آل رسول علی خاں سجادہ نشین اجمیر شریف (ف 1974ء) خواجہ محمد قمر الدین سیالوی (ف 1981ء) اور پیر صاحب مانکی شریف (ف 1960ء) کے شانہ بشانہ تحریک پاکستان میں ایک مجاہد کی حیثیت سے حصہ لیا۔ صوبہ سرحد کے ریفرنڈم کے دوران دورے کر کے اہم کردار ادا کیا۔ 1946ء میں صوبائی اسمبلی کے ضمنی الیکشن میں ڈیرہ غازی خاں سے سردار عطا محمد خاں بزدار کو مسلم لیگ کے ٹکٹ پر بلا مقابلہ منتخب کروا کر خضر وزارت کے تابوت میں آخری کیل ٹھونکی۔ خضر وزارت میں آپ کو مختلف پریشانیوں اور تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا مگر آپ ملک و ملت کی خاطر سب کچھ خندہ پیشانی سے برداشت کرتے رہے، کئی ہندو والیان ریاست اور مسلمان جاگیردار آپ کے مرید تھے۔ اجمیر شریف میں آپ کی ذاتی جاگیر بھی تھی مگر حصول آزادی کی خاطر آپ نے کسی چیز کی پروا نہ کی اور اپنے مقصد سے ایک حقیقی مسلمان کی طرح وابستہ رہے۔

تحریک پاکستان کے عظیم مجاہد اور ممتاز صحافی میاں محمد شفیع (م۔ش، ف 1993ء) نے تحریک پاکستان میں آپ کی خدمات کو یوں خراج تحسین پیش کیا ہے۔: ''یہ ایک عجیب حقیقت ہے کہ جب اس صدی کی پانچویں دہائی میں برصغیر میں معرکہ حق و باطل برپا ہوا اور مسلمانوں نے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے اسلام کی سربلندی کے لئے حق خود اراریت کا علم بلند کیا تو پنجاب کے جن مشائخ نے تن من دھن سے قائداعظمؒ کا ساتھ دیا ان میں تونسہ شریف (خواجہ غلام سدید الدین) سیال شریف (خواجہ محمد قمر الدین سیالوی) جلال پور شریف (پیر محمد فضل شاہ) اور گولڑہ شریف (سید محمد غلام محی الدین) پیش پیش تھے۔ انہوں نے اپنے لاکھوں مریدوں کو عام انتخابات کے موقعہ پر یونینسٹ پارٹی کے مقابلے میں مسلم لیگ کے امیدواروں کو کامیاب بنانے کی اپیل کی''

آپ نے تحریک آزادی کشمیر میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور ''نجم الہند'' کا خطاب حاصل کیا۔ قائداعظمؒ کی رحلت کے بعد جب مسلم لیگ اپنے نظریات سے منحرف ہوگئی تو آپ 1950ء میں جناح عوامی مسلم لیگ میں مسلم لیگ میں شامل ہو گئے اور عام انتخابات میں ڈیرہ غازی خاں سے پنجاب اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ پھر ''قیام وحدت مغربی پاکستان'' کے بعد دوبارہ رکن اسمبلی بنے۔ اس دوران میں لادینی سیاست کے خلاف جہاد جاری رکھا اور پاکستان میں اسلامی اقدار کے تحفظ اور احیاء کے لئے مسلسل کام کیا اور اپنے علاقہ کی ترقی کیلئے کوشش کرتے رہے۔

آپ 13 شوال المکرّم 1379ھ / 10 اپریل 1960ء بروز اتوار گیارہ بجے دن لاہور سے تونسہ شریف بذریعہ کار

Marfat.com

تشریف لے جاتے ہوئے طبیعت زیادہ خراب ہوجانے کے باعث بھائی پھیرو اور پتوکی کے درمیان رحلت فرما گئے۔ آستانہ عالیہ سلیمانیہ میں روضہ مبارک کے اندر حضرت ثانی خواجہ الٰہ بخشؒ کے پہلو میں مدفون ہوئے۔

فقیر نور محمد سروری قادریؒ

فقیر نور محمد سروری قادری ابن الحاج گل محمد کی ولادت 1303ھ/1886ء بروز منگل کلاچی ضلع ڈیرہ اسماعیل خاں (سرحد) میں ہوئی۔ کلاچی سے مڈل کیا اور صوبہ بھر میں اول آکر وظیفہ حاصل کیا۔ پھر کلاچی سے میٹرک کا امتحان امتیازی حیثیت سے پاس کر کے اسلامیہ کالج لاہور سے ایف اے پاس کیا۔ عربی اور فارسی کی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ حضرت صالح محمد سجادہ نشین حضرت سلطان باہوؒ کے دست حق پر بیعت کی۔ ان کے وصال کے بعد حضرت نور احمد زیب سجادہ ہوئے تو آپ نے تجدید بیعت کی۔ آپ بہت بڑے ادیب اور مصنف تھے۔ عرفان جلد اول و دوم آپ کی شہرہ آفاق تصنیف ہے جس کا انگریزی بھی ترجمہ ہوا اور یورپ میں مقبولیت کے جھنڈے گاڑے۔ دیگر کتب بھی تصوف کے موضوع پر قابل قدر ہیں۔ 46-1945 میں جب تحریک پاکستان زوروں پر چل رہی تھی، اس وقت ہندوؤں کے علاوہ نیشلسٹ مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ اس کی مخالفت پر تلا ہوا تھا اور علماء کا ایک گروہ اس کے خلاف محاذ آرائی پر کمر بستہ تھا۔ یہ تمام لوگ اکھنڈ بھارت کے فلسفے کو دل وجان سے قبول کر چکے تھے اور ایک قومی نظریے پر ایمان رکھتے تھے۔ ان حالات کو دیکھ کر آپ کو بڑا صدمہ اور دکھ ہوا اور سوچا کہ اگر قیام پاکستان عمل میں نہ آیا تو ایک بہت بڑا قومی المیہ ہوگا۔ اور پھر اس کی تلافی قیامت تک نہ ہو سکے گی۔ چنانچہ آپ نے اس کے لئے وہ عظیم اور اہم ترین ''دعوت'' پڑھی جو کفر واسلام کے معرکے اور آویزش اور اسلام کے لئے موت وحیات کی کشمکش کے دوران پڑھی جاتی ہے جس کا طریقہ خاص حضرت سلطان العارفین حضرت سلطان باہوؒ نے اپنی کتاب ''نور الہدیٰ'' تحریر کیا ہے۔ دعوت کے اس خاص طریقے میں صحرا میں جا کر پاک ریت پر حضور سید عالم ﷺ کی قبر انور کا نقشہ بنایا جاتا ہے اور پھر اس کے پاس بیٹھ کر ''دعوت'' پڑھی جاتی ہے اور روح سرور کائنات ﷺ سے رابطہ قائم کر کے استمداد کی جاتی ہے اور دعا مانگی جاتی ہے کہ اگر کوئی عامل ایسی دعوت پڑھے تو شکست فتح میں بدل جاتی ہے۔ چنانچہ آپ نے کلاچی سے باہر جا کر ریت پر قبر مبارک کا نقشہ بنایا اور بڑے جوش وخروش اور جذبے کے ساتھ وہ مخصوص ''دعوت'' پڑھی۔ حضور سرور کائنات ﷺ کی روح پرفتوح سے رابطہ قائم کیا اور خشوع وخضوع کے ساتھ دعا مانگی وہ دعوت موثر ثابت ہوئی۔ دعا قبول ہوئی، قبولیت اور درحق سے استقبال کے لئے نازل ہوئی۔ قائداعظم اور مسلمانان ہند کو تائید ایزدی اور غیبی امداد وحمایت حاصل ہوئی۔ تحریک پاکستان کامیابی سے ہمکنار ہوئی اور پاکستان معرض وجود میں آیا۔ اس پر آپ نے شکرانے کے بہت سے نفل ادا کئے اور اپنے رب کے اس عظیم احسان کا شکریہ ادا کیا۔ آپ کی رحلت 18 اکتوبر 1960 / 26 ربیع الثانی 1380ھ بروز منگل ہوئی اور کلاچی شریف ضلع ڈیرہ اسماعیل خان (صوبہ سرحد) میں مزار پرانوار بنا جو مرجع خلائق ہے۔ آپکے صاحبزادے فقیر عبدالحمید سروری قادری صاحب سجادہ نشین ہیں اور حق سجادگی ادا کر رہے ہیں۔

Marfat.com

پیر عبدالرحمٰن بھرچونڈوی ؒ

مجاہد اسلام پیر عبدالرحمٰن بن پیر حافظ محمد عبداللہ (ف 1928ء) بن بانی خانقاہ پیر محمد صدیق (ف 1891ء) کی ولادت باسعادت 1310ھ/1892ء میں خانقاہ قادریہ بھرچونڈوی شریف ضلع سکھر (سندھ) کی روح پرور فضا میں ہوئی۔ انکے چاروں طرف صدائے لاالہٰ کی گونج تھی جواس درگاہ کا طرہ امتیاز ہے۔ دینی تعلیم سراج الفقہاء مولانا مفتی سراج احمد خانپوری (ف 1973ء) مولانا عبدالکریم آف میانوالی اور دیگر اساتذہ سے حاصل کی۔ 1928ء میں والد گرامی کی رحلت پر قل خوانی کے موقعہ پر سجادہ نشین ہوئے۔ بڑے عابد وزاہد، پابند شریعت اور مجاہد شیخ طریقت تھے۔ تمام زندگی کفر والحاد کے خلاف جہاد میں گزری۔

تحریک پاکستان میں آپ کی گرانقدر خدمات کو کبھی بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ آپ نے مسلم لیگ کی بھرپور اعانت کی اور قائداعظم کا عملی طور پر ساتھ دیا۔ کانگریس سے سخت متنفر تھے۔ ایک واقعہ کا ذکر بے جا نہ ہوگا کہ سکھر میں ایک دفعہ کانگریس کا جلسہ ہوا۔ سندھ میں ابھی تک مسلم لیگ کا تعارف نہیں ہوا تھا۔ آپ کو جلسے میں مدعو کیا گیا۔ آپ تشریف لے گئے۔ دوپہر کو خصوصی میٹنگ میں شرکت فرمائی۔ جس وقت آپ میٹنگ میں پہنچے تو مجلس کا نقشہ یہ تھا کہ مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری (ف 1961ء) وسط مجلس میں بول رہے تھے اور مولوی حبیب الرحمٰن لدھیانوی (ف 1956ء) کعبے کی طرف پاؤں دراز کئے لیٹے ہوئے تھے۔ آپ نے جونہی نظر اٹھائی، ٹھٹکے اور مجلس میں بیٹھتے ہی فرمایا: ''مولانا اس سمت مسلمانوں کا کعبہ ہے، اس طرح پاؤں دراز کرنا نہ صرف منع ہے بلکہ شقاوت اور محرومی کا باعث ہے'' مولوی صاحب کھسیانے ہوکر اٹھے اور کہا آپ جیسے تنگ نظر صوفیوں اور پیروں نے دین کو تنگ کر دیا ہے۔

آپ تھوڑی دیر بعد مجلس سے اٹھ کر چلے آئے اور فرمایا: ''یہ لوگ جب خدا کے گھر کی بے ادبی سے نہیں رکتے تو حضور سید عالم ﷺ کی بے ادبی سے کب چوکتے ہوں گے'' اس کے بعد زندگی کانگریس کے جلسے میں تشریف نہ لے گئے۔ ایک دفعہ آپ کے خلیفہ خاص سید محمد مغفور القادری ؒ (ف 1907ء) نے اکبرالہ آبادی کا یہ شعر سنایا تو خوش ہوئے۔

کانگریس کے مولوی کی کیا پوچھتے ہو کیا ہے   گاندھی کی پالیسی کا عربی میں ترجمہ ہے

مسلمانوں کی بے حسی اور اسلام سے بیگانگی ہمیشہ آپ کو بے چین رکھتی تھی۔ سندھ میں کانگریس کا زور توڑنے اور مسلمانوں کی تنظیم کے لئے آپ نے سندھ کے دردمند اصحاب کی میٹنگ بلاکر ''جماعت احیاء الاسلام'' کی بنیاد رکھی۔ دستور کو مستقل قومی حیثیت دے کر اسلامی ریاست کے حصول پر ساری مساعی کا دارومدار رکھا گیا۔ جماعت کے پروگرام اور تعارف کے لئے دھڑا دھڑ لٹریچر چھاپ دیا گیا۔ اسی سلسلے میں سندھی پریس خریدا گیا۔ اور جماعت کا اخبار الجماعۃ کے نام سے مولوی صدر الدین شاہ کی زیر ادارت شکار پور سندھ سے جاری کیا گیا۔ جس میں نہایت حکیمانہ انداز میں مضامین لکھ کر رائے عامہ کو اندرونی طور پر مسلم لیگ کے حق میں ہموار کرنا شروع کر دیا، پھر باقاعدہ پروگرام کے تحت جماعتی سطح پر کانفرنس کے انعقاد اور وفود کے

Marfat.com

زریعہ نشرو اشاعت کا اہتمام کیا۔ جیکب آباد سندھ میں ایک تاریخی کانفرنس ہوئی جسکی صدائے بازگشت اب بھی جیکب آباد کے گلی کوچوں میں سنی جاتی ہے۔ سکھر، لاڑکانہ اور شکارپور ایسے مرکزی مقامات پر تاریخی جلسے کیئے۔ ہزاروں کی تعداد میں پمفلٹ اور ہینڈبل تقسیم کیئے۔ آپ کی ان کاوشوں اور سیاسی بصیرت نے سندھ کے عوام کو آپ کی جماعت کا گرویدہ بنادیا، ابھی تک جماعت کے ریکارڈ میں ایسے پمفلٹ وغیرہ موجود ہیں جو آپ کی حکمت عملی اور سیاسی سوجھ بوجھ کی منہ بولتی تصویر ہیں۔ اس کے بعد آپ نے سندھ کے پیروں اور سجادہ نشینوں کو اکٹھا کرنے کے لئے حیدرآباد سندھ میں میٹنگ بلائی تاکہ مسلم لیگ کی حمایت کی جاسکے۔ اس اجتماع میں جمعیت المشائخ کے نام سے تنظیم بنائی گئی۔ ان دونوں جماعتوں کی پالیسی تمام تر مسلم لیگ کی پالیسی تھی مگر صرف عوام کی نفسیات کا لحاظ کرتے ہوئے ناموں کی تبدیلی عمل میں لائی گئی تھی۔ دونوں جماعتوں کے پلیٹ فارم سے مسلم لیگ کے لئے فضا ہموار کرتے رہے۔

1938ء تک صوبہ سندھ میں کانگریس کا زور تھا۔ مسلم لیگ پوری طرح صوبہ کے عوام میں متعارف نہیں ہوئی تھی۔ چنانچہ مسلم لیگ کو متعارف اور مستحکم بنانے کے لئے آپ کی دونوں جماعتوں نے خاصا کام کیا۔ 1943ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس کراچی میں منعقد ہوا۔ جس میں قائداعظم، نواب بہادر یار جنگ، نوابزادہ لیاقت علی خاں، مولانا عبدالحامد بدایونی، محمد ایوب کھوڑو، حاجی عبداللہ ہارون اور نواب محمد اسماعیل خاں کے علاوہ بہت سے اکابرین ملت شریف ہوئے۔ جماعت احیاء الاسلام کے صدر کی حیثیت سے آپ کو بھی مدعو کیا گیا۔ اس موقعہ پر آپ نے اعلان فرمایا کہ: ”مسلم لیگ برصغیر میں مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے لہٰذا ہم اپنی تمام قوت و طاقت اور جماعت الاحیاء اسلام کے ٹکٹ پر منتخب ہونے والے پانچ ممبران اسمبلی بھی مسلم لیگ میں شامل ہوتے ہیں“

وہ اعلان آپ نے قائداعظم کی اس یقین دہانی اور گفت و شنید کے بعد کیا تھا کہ ہمارا یہ پاکستان ایک صحیح اسلامی ریاست ہوگا جہاں صرف کتاب و سنت کی حکمرانی ہوگی۔ تحریک پاکستان کے دوران ایک موقعہ ایسا بھی آیا کہ انگریز حکومت نے قائداعظم سے مطالبہ کیا کہ وہ مسلم لیگ اکثریت والے صوبوں میں سے کسی اسمبلی میں اپنی اکثریت کا ثبوت دیں، اس نازک مرحلے پر آپ کے روحانی و ایمانی جذبہ اور جاہ و جلال نے وہ کام کیا جو تاریخ کے صفحات پر ہمیشہ روشن رہیگا۔

آپ نے سندھ اسمبلی کے تمام مسلم ممبران سے ملاقات کی، ان میں سے کئی آپ کے مرید تھے لیکن ان کی اکثریت کانگریس کے ساتھ تھی۔ آپ نے بڑی مجاہدانہ شان سے ایک ایک ممبر سے کہا کہ وہ اسمبلی کے اجلاس میں تحریک پاکستان کی تائید میں ووٹ دے۔ چانچہ انہوں نے بسرو چشم آپ کا فرمان قبول کیا۔ اسمبلی ہال میں تحریک پاکستان کو مطلوبہ تائید مل گئی۔ انگریز اور ہندو کے ہوش اُڑ گئے۔ کیونکہ انہیں ایسی توقع نہ تھی۔

مسلم لیگ میں شمولیت کے بعد آپ عملی طور پر مسلم لیگ کی کامیابی کے لئے میدان میں نکل آئے۔ آپ نے حیدرآباد کو اپنا مسکن بنایا اور سندھ کے مشائخ خصوصاً سرہندی مشائخ کے تعاون سے مسلم لیگ کی جڑوں کو مضبوط کیا۔ کانگریس کے غبارے سے ہوا نکل گئی اور ہر طرف مسلم لیگ کے نعرے گونجنے لگے۔ حضرت قائداعظمؒ آپ کی ان مساعی سے بہت خوش

Marfat.com

ہوئے اور سندھ کی طرف سے بے فکر ہو گئے۔ اپریل 1946ء میں آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس انعقاد پذیر ہوئی جس کا مقصد دو قومی نظریے اور مطالبہ پاکستان کی حمایت تھا۔ ایک سو افراد کا وفد لے کر سندھ کی نمائندگی کے لئے کانفرنس میں شریک ہوئے، خصوصی میٹنگوں اور ضروری مشوروں میں شرکت فرمائی اور مفید تجاویز پیش کیں۔ اس موقعہ پر حسب ذیل قرارداد متفقہ طور پر منظور کی گئی۔

ا۔ آل انڈیا سنی کانفرنس کا یہ اجلاس مطالبہ پاکستان کی پرزور حمایت کرتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ علماء و مشائخ اہلسنت اسلامی حکومت کے قیام کی تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے ہر امکانی قربانی کیلئے تیار ہیں اور اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ایک ایسی حکومت قائم کریں جو قرآن اور حدیث نبویہ کی روشنی میں فقہی اصولوں کے مطابق ہو۔

۲۔ یہ اجلاس تجویز کرتا ہے کہ اسلامی حکومت کے مکمل لائحہ عمل مرتب کرنے کے لئے حسب ذیل حضرات کی ایک کمیٹی بنائی جاتی ہے:

ا۔ صدرالافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی (ف 1948ء)

۲۔ صدرالشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمیؒ (ف 1948ء)

۳۔ مبلغ اسلام مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی (ف 1954ء)

۴۔ مجاہد اسلام پیر عبدالرحمٰن بھرچونڈی شریف (سندھ) (ف 1960ء)

۵۔ پیر محمد امین الحسناتؒ مانکی شریف (سرحد) (ف 1960ء)

۶۔ مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادریؒ لاہور (ف 1961ء)

۷۔ محدث اعظم ہند سید محمد محدث کچھوچھویؒ (ف 1961u)

۸۔ فخر اہلسنت مولانا عبدالحامد بدایونیؒ (ف 1970ء)

۹۔ دیوان سید آل رسول علی خاں اجمیریؒ (ف 1974ء)

۱۰۔ الحاج بخشی مصطفیٰ علی خاں میسوری مدراسیؒ (ف 1974ء)

۱۱۔ سید ابوالبرکات سید احمدؒ ناظم حزب الاحناف لاہور (ف 1978ء)

۱۲۔ مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خاں بریلویؒ (ف 1981)

۱۳۔ شیخ الاسلام خواجہ محمد قمرالدین سیالویؒ (ف 1981)

۴۔ یہ اجلاس کمیٹی کو اختیار دیتا ہے کہ مزید نمائندوں کا حسب ضرورت و مصلحت اضافہ کرے، یہ لازم ہوگا کہ اضافہ میں تمام صوبجات کے نمائندے لئے جائیں۔ اسکے بعد آپ نے طوفانی دورے کر کے سندھ میں سنی کانفرنس کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالی اور مسلم لیگ کی کامیابی کے لئے سرگرمی سے کام کیا تحریک پاکستان کی اس ساری جدوجہد میں آپ کے صاحبزادے پیر عبدالرحیم شہید (ف 1971) اور آپ کے خلیفہ خاص پیر سید مغفور القادریؒ (ف 1970ء) نے بھی آپ کے شانہ بشانہ

Marfat.com

خدمات انجام دیں۔ قیام پاکستان کے بعد اپنی تمام تر توجہ مریدین کی روحانی تربیت پر ہی صرف کردی اور 9 جمادی الاول 1380ھ / 30 اکتوبر 1960ء بروز اتوار ایک بجے دن آپ نے انتقال فرمایا اور بھر چونڈی شریف میں ہی آخری آرام گاہ بنی۔

سید محمد حسین علی پوریؒ

سراج الملت پیر سید محمد حسین شاہ بن امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ (ف 1951ء) بن سید کریم شاہ (ف 1902ء) کی ولادت باسعادت 7 شوال المکرم 1295ھ مطابق 4 اکتوبر 1878ء بروز جمعۃ المبارک عالم اسلام کے مشہور ومعروف روحانی مرکز علی پور سیداں ضلع سیالکوٹ میں صبح صادق کی ساعت سعید میں ہوئی۔ پانچ سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کیا۔ نواحی قصبہ قلعہ سوبھا سنگھ سے مڈل پاس کرنے کے بعد مولانا عبدالرشید صدیقی علی پوریؒ، حضرت مولانا نور احمد امرتسریؒ (ف 1930ء) دارالعلوم انجمن نعمانیہ لاہور اور مدرسہ امینیہ دہلی سے اکتساب علم کیا۔ قیام دہلی کے دوران مسیح الملک حکیم محمد اجمل خانؒ (ف 1927ء) کے طیبہ کالج میں داخلہ لے کر طب کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی۔ حصول تعلیم کے بعد مدرسہ نقشبندیہ علی پور سیداں کے مہتمم مقرر ہوئے۔ حضرت بابا فقیر محمد چوراہیؒ (ف 1897ء) سے بیعت وخلافت کا شرف حاصل کیا۔ انکی رحلت کے بعد والد گرامی سے اجازت وخلافت حاصل کی۔ آپ بیک وقت عالم، فاضل، پیر، ادیب، مفتی، مدرس، مناظر اور حکیم تھے۔ تحریک خلافت، شدھی تحریک، سارد اایکٹ، تحریک کشمیر، تحریک شہید گنج اور تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا۔ اپنے والد گرامی حضرت امیر ملت قدس سرہ کی زیر کمان تحریک پاکستان میں انتہائی فعال کردار ادا کیا۔ اکناف وطراف ملک میں دورے کر کے عامۃ المسلمین اور مریدین کو مسلم لیگ کی حمایت کا درس دیا۔ 24 نومبر 1945ء کو پیر صاحب مانکی شریف (ف 1960ء) نے مانکی شریف (پشاور) میں حضرت قائداعظم کی ایک شاندار دعوت کی۔ اور ایک عظیم الشان جلسہ کا انعقاد بھی فرمایا۔ حضرت امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری (ف 1951ء) کو جلسہ کی صدارت کیلئے دعوت دی لیکن آپ ناسازی طبع کے باعث تشریف نہ لے جاسکے اور اپنی جگہ اپنے فرزند اکبر سراج الملت پیر محمد حسین شاہ صاحب کو قائداعظم کے سونے کا ایک تمغہ، تین سو روپے کی تھیلی اور کئی دوسرے تحائف دے کر بھیجا۔ پیر صاحب مانکی شریف نے حضرت سراج الملت کی بڑی عزت افزائی فرمائی اور جلسہ کی صدارت بھی آپ کے سپرد کی۔ جب قائداعظم جلسہ میں تشریف لائے تو آپ آگے بڑھے اور ''سونے کا تمغہ'' (جس پر کلمہ طیبہ کندہ تھا) قائداعظم کی طرف بڑھاتے ہوئے فرمایا کہ: ''میرے والد گرامی حضرت امیر ملتؒ نے آپ کی کامیابی کے لئے طلائی تمغہ بھیجا ہے''

یہ سن کر قائداعظم بہت خوش ہوئے، کرسی سے اُٹھ کر کھڑے ہو گئے اور سینہ تان کر کہا: ''پھر تو میں کامیاب ہوں''

اس پر مسلم لیگی کارکن ملک شاد محمد نے آگے بڑھ کر حضرت سراج الملت، کے دست مبارک سے تمغہ لیا اور قائداعظم کی شیروانی کی بائیں جانب سینے پر ٹانک دیا۔ قائداعظم نے مسکرا کر شکریہ ادا کیا اور بیٹھ گئے۔

Marfat.com

7 جنوری 1946ء کو کوٹ عثمان خان قصور میں آپ نے مسلم لیگ کے جلسہ عام کی صدارت فرماتے ہوئے فرمایا کہ تمام مسلمان مسلم لیگ کو ووٹ دیکر کامیاب کریں۔ قصور میں صوبائی اسمبلی کے لئے مسلم لیگ کے امیدوار میاں افتخار الدین (ف 1962ء) یونینسٹ پارٹی کے امیدوار خان صاحب چوہدری اللہ دتہ آف کیسر گڑھ (ف 1949ء) اور کانگریس کی طرف سے عبدالغفور تھے۔

فروری 1946ء میں انتخابات ہوئے تو مسلم لیگی امیدوار نے 6969 ووٹ لے کر کامیابی حاصل کی جبکہ یونینسٹ اور کانگریسی امیدوار نے علی الترتیب 2118 اور 283 ووٹ حاصل کئے۔ موخر الذکر کی تو ضمانت ضبط ہو گئی۔

ناکام یونینسٹ امیدوار نے اپنی الیکشن مہم کے دوران حضرت امیر ملت اور حضرت سراج الملت کے خلاف مکروہ پروپیگنڈہ کرنے کی سعی مذموم کی مگر خاسر و نامراد رہا۔ عوام نے اس کے خلاف مسلم لیگ کا بھرپور ساتھ دیکر اسے ہمیشہ کے لئے مسترد کر دیا۔

ہوا تھی گو تند و تیز مگر چراغ اپنا جلا رہا تھا وہ مرد درویش حق نے جس کو دیئے تھے انداز خسروانہ

قصور کے علاوہ ضلع فیروز پور میں نواب افتخار حسین ممدوٹ (ف 1969ء) کے حلقہ میں بھرپور مساعی کیں۔ نتیجہ نواب ممدوٹ 7295 ووٹ لے کر کامیاب ہو گئے جبکہ ان کے مدمقابل خان صاحب محمد سرور بودلہ (یونینسٹ) 3549 اور فرزند علی (آزاد) 2054 ووٹ لے کر ناکام ہو گئے۔ روہتک دیہی حلقہ میں مسلم لیگ کی طرف سے راؤ خورشید علی خان (ف 1985ء) مسلم لیگ کے امیدوار تھے۔ حضرت سراج الملتؒ نے یہاں بھی بھرپور جدوجہد کی۔ نتیجہ سامنے آیا تو راؤ خورشید علی خاں 5150 ووٹ لے کر کامیاب ہو گئے جبکہ دوسرے دونوں امیدوار خان بہادر محمد شافع علی (یونینسٹ) اور چوہدری بشیر لی (آزاد) علی الترتیب 991 اور 3 (ضمانت ضبط) ووٹ لے کر مسترد ہو گئے۔

28 ستمبر 1946ء کو حضرت سراج الملتؒ نے تحصیل شکر گڑھ ضلع سیال کوٹ کو دورہ کیا تا کہ الیکشن میں ناکامی کے بعد مخالفین پاکستان نے مکروہ پروپیگنڈہ شروع کر کے قائد اعظم کی ذات والا صفات پر جو رکیک حملے شروع کئے ہیں، ان کا موثر جواب دیا جا سکے اور سادہ لوح مسلمانوں کو کانگریسی ایجنٹوں کے دام فریب سے ہوشیار کیا جا سکے۔ علاقہ بھر کے مسلمانوں نے قسم اٹھا کر قائد اعظم کے ہر حکم کی تعمیل کا یقین دلایا۔ گوناگوں مصروفیات کے باوجود آپ نے بہت سے کتابیں بھی لکھیں جن میں سے "افضل الرسل" کئی دفعہ طبع ہو کر داد تحسین حاصل کر چکی ہے۔ آپ کی وفات حسرت آیات 6 جمادی الاول 1381ھ مطابق 16 کتوبر 1961ء بروز پیر بوقت ساڑھے پانچ بے شام ہوئی۔ نماز جنازہ حضرت خواجہ پیر محمد شفیع (ف 1966ء) سجادہ نشین چورہ شریف ضلع اٹک نے پڑھائی۔ والد گرامی حضرات امیر ملتؒ کے پہلو مبارک میں آخری آرام گاہ بنی۔

Marfat.com

سید محمد طاہر اشرف جیلانیؒ

پیر سید محمد طاہر اشرف جیلانی بن سید حسین اشرف بن سید محمود اشرف بن سید حامد اشرف بن شاہ محمد اشرف بن سید عبدالوہاب بن سید محمد اشرف جیلانی کچھوچھوی ثم دہلوی کی ولادت 12 ربیع الاول 1307ھ/6 نومبر 1889ء بروز بدھ صبح پانچ بجے دہلی میں ہوئی۔ مدرسہ مظہر الاسلام دہلی سے تکمیل علوم کرنے کے بعد حضرت شاہ علی حسین اشرفی کچھوچھویؒ (ف 1936ء) سے بیعت کر کے خلافت واجازت حاصل کی اور خلق خدا کی روحانی تربیت ورہنمائی فرمانے لگے۔

تحریک پاکستان میں آپ نے بھرپور حصہ لیا۔ دہلی اور اسکے اطراف واکناف میں مسلمان رائے عامہ کو تحریک پاکستان سے روشناس کرایا اور ایک الگ ملک کے قیام کے لئے جدوجہد میں آمادہ کیا۔ مبلغ اسلام شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی میرٹھی (ف 1954ء) فخر ملت مولانا عبدالحامد بدایونی (ف 1970ء) اور مولانا شاہ محمد عارف اللہ میرٹھی (ف 1979ء) جیسے علماء نے آپ کی ان خدمات کو بارہا خراج تحسین پیش کیا۔

1945-46ء کے الیکشن میں آپ نے ایک بیان جاری کیا جس سے مسلم لیگ کو بڑی تقویت ملی اور کانگریس کو ناکامی اٹھانا پڑی۔ آپ نے فرمایا: ''ہم مسلم لیگ کی حمایت کرتے ہیں لہٰذا ہمارے جملہ مریدین، معتقدین اور متعلقین سب مسلم لیگ سے تعاون کریں اور ووٹ دیں''۔

آپ کے رعب ودبدبہ کی وجہ سے کسی کانگریسی کو ہمت نہ ہوتی تھی کہ آپکے علاقہ میں آکر کانگریس کے لئے ووٹ مانگ سکے۔ ایک مرتبہ مشہور کانگرسی مولانا احمد سعید دہلوی (ف 1959ء) اس علاقے میں آکر مسجد میں لوگوں کو جمع کر کے کانگریس کی حمایت کی تلقین کرنے لگے۔ جیسے ہی تقریر شروع کی، آپ مسجد میں تشریف لے آئے اور فرمایا: مولانا یہ کیا کر رہے ہو؟ مولوی احمد سعید نے آپ کو دیکھا تو گھبرا گئے، کہنے لگے کہ ''میں تو لوگوں کو دین کی باتیں بتا رہا ہوں'' آپ نے فرمایا: ''دین کی باتیں بتا رہے ہو یا ان کا دین خراب کر رہے ہو، تمہیں شرم نہیں آتی کہ ایک عالم دین ہو کر مسلمانوں کے دین وایمان کا سودا کرتے ہو، قیامت کے دن خدا کو کیا منہ دکھاؤ گے۔ خبردار! یہاں اس قسم کی تقریر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ علاقہ مسلم لیگ کا ہے۔ یہاں سب مسلم لیگ کے حامی ہیں اور اسی کو ووٹ دیں گے۔ ہم نے پاکستان کے لئے قربانیاں دی ہیں، اور اس کو بنا کر ہی دم لیں گے''

مولانا احمد سعید یہ سن کر بھاگتے نظر آئے اور پھر دوبارہ ادھر کا رخ نہیں کیا۔ اس واقعہ کے بعد کسی اور کی بھی ہمت نہ ہوئی کہ یہاں کانگریس کی حمایت کرے۔ اسی دوران کانگریسوں کی ریشہ دوانیوں اور سازشوں کی وجہ سے آپ کے علاقے میں سامان خورد ونوش کی قلت ہوگئی تو آپ نے گھر میں موجود تمام چیزیں عوام میں تقسیم فرمادیں۔ کسی نے پوچھا کہ حضرات! ہمیں ضرورت ہوتی ہے تو آپ سے مانگ لیتے ہیں، آپ کس سے مانگیں گے کیونکہ آج کل سبھی کے حالات خراب ہیں۔ فرمایا! ہم مخلوق کے بجائے خالق پر بھروسہ کرتے ہیں اور وہی ہماری ضرورتیں پوری فرمادیتا ہے''

Marfat.com

1946ء میں بنارس میں آل انڈیا سنی کانفرنس کا انعقاد پذیر ہوئی تو آپ نے اس کی کامیابی کے لئے بھرپور جدوجہد کی۔ بذات خود شرکت کی اور اس موقعہ پر ایک بیان جاری فرمایا: ''بنارس سنی کانفرنس وقت کا اہم تقاضا تھی جس کو علمائے اہلسنت نے محسوس کیا اور اسکا بروقت انعقاد کیا۔ انشاء اللہ تعالیٰ قیام پاکستان کے سلسلے میں یہ ایک سنگ میل ثابت ہوگی''

آپ کے برادر اصغر سید سلطان اشرف جو دہلی کے نامور وکلاء میں سے تھے، مسلم لیگ کے انتہائی مخلص کارکن تھے۔ غریب مسلمانوں کے مقدمے بغیر فیس کے لڑتے تھے۔ ہندو وکلاء ان سے بہت حسد کرتے تھے۔ تحریک پاکستان میں ان کی خدمات ہندوؤں اور سکھوں کیلئے انتہائی ناقابل برداشت تھیں۔ 9 محرم الحرام 1366ھ/3 دسمبر 1946ء بروز منگل آپ اپنے دفتر قطب روڈ دہلی نماز عصر ادا کر رہے تھے کہ بیس پچیس ہندوؤں اور سکھوں نے دفتر پر حملہ کر دیا، آپ روزے سے تھے۔ تلواروں کے حملے کو ہاتھ سے روکا جس سے انگلیاں کٹ گئیں۔ ایک ہندو نے تیز دھار خنجر پیٹ کے بائیں جانب گھونپا جس سے لڑکھڑا کر نیچے گر گئے، اور جام شہادت نوش کر گئے۔ شہید بھائی کی لاش دیکھ کر آپ کے آنسو جاری ہو گئے۔ انتہائی صبر واستقلال کا مظاہرہ کیا اور زبان سے یہ فرمایا: **ولا تقولو لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات. بل احیاء ولکن لا تشعرون.**

قیام پاکستان کے بعد پہلے لاہور اور پھر کراچی میں مقیم ہو گئے۔ فردوس کالونی، کراچی کے عقب میں اشرف آباد میں خانقاہ اشرفیہ کی بنیاد ڈالی اور خلق خدا کی روحانی تربیت فرمانے لگے۔ 17 جمادی الاول 1381ھ/28 اکتوبر 1961ء بروز ہفتہ صبح 9 بجے آپ کی رحلت ہوئی اور خانقاہ شریف میں آخری آرامگاہ بنی۔ غزالی دوراں حجرات علامہ سید احمد سعید کاظمی شیخ الحدیث مدرسہ انوار العلوم ملتان (ف 1986ء) نے نماز جنازہ پڑھائی۔

پیر سید محمد محدث کچھوچھوی رح

سید محمد محدث کچھوچھوی کی ولادت 15 ذیقعدہ 1311ھ/20 مئی 1894ء بروز بدھ قبل از نماز فجر موضع جائس ضلع رائے بریلی (انڈیا) میں ہوئی۔ والد گرامی کا نام مولانا حکیم سید نذر اشرف تھا۔ تربیت و پرورش نانا جان حضرت شیخ المشائخ سید علی حسین اشرفی کچھوچھی (ف 1936ء) نے کی۔ پانچ سال کی عمر میں قرآن پاک ناظرہ پڑھ لیا۔ فارسی کی کتابیں والد ماجد سے پڑھنے کے بعد مدرسہ نظامیہ فرنگی محل سے علوم عربیہ کی تحصیل کی۔ بعد ازاں مفتی لطف اللہ علی گڑھی (ف 1916ء) سے آٹھ سال تک علمی استفادہ کیا۔ مفتی صاحب نے سند فراغت کے ساتھ علامہ کا لفظ لکھا۔ اس کے بعد پیلی بھیت جا کر مولانا وصی احمد محدث سورتی (ف 1916ء) سے مستفیض ہوئے۔ پھر اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی (ف 1921ء) کی خدمت میں حاضر ہو کر فتاویٰ نویسی کا فن سیکھا۔ مدرسہ قادریہ بدایوں میں مولانا شاہ مطیع الرسول عبد المقتدر بدایوانی (ف 1915ء) سے حدیث شریف پڑھ کر سند حاصل کی۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد دہلی میں مدرسۃ الحدیث قائم کر کے درس حدیث دینا شروع کیا اور اپنے نانا جان کے حکم پر اپنے ماموں حضرت سید احمد اشرف کچھوچھوی (ف 1924ء) کے دست حق پر بیعت کی۔ نانا جان اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی (ف 1921ء) سے اجازت وخلافت حاصل کی۔ آپ بیک وقت عالم، فاضل، ادیب،

Marfat.com

خطیب، صوفی، شاعر، پیر طریقت اور محدث تھے۔ تمام سال تبلیغی دوروں میں صرف ہوتا تھا۔ پانچ ہزار سے زائد غیر مسلموں نے آپ کے دست حق پرست پر اسلام قبول کیا تھا۔ عشق رسول ﷺ تو آپ کی رگ و پے میں سمایا ہوا تھا۔ آپ کا مجموعہ کلام ''فرش پر عرش'' میرے دعوے کی تصدیق کے لئے کافی ہے۔ آپ چار مرتبہ زیارت حرمین و روضہ انور سرکار دو عالم ﷺ سے مشرف ہوئے۔ ترجمہ قرآن پاک، تفسیر قرآن پاک، فرش پر عرش، حیات غوث العالم، اتمام حجت، تقویٰ القلوب، و دیگر کتابیں لکھ کر اپنا لوہا منوایا۔ مذہبی، تبلیغی اور سماجی کاموں کے علاوہ آپ نے سیاسی تحریکوں میں بھی بھرپور کردار ادا کیا۔ تحریک پاکستان میں آپ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ آپ نے دیگر مشائخ اہلسنت کے شانہ بشانہ بگر قائدانہ حیثیت سے کام کیا۔ تحریک پاکستان کی حمایت میں ملک گیر دورے کئے اور عوام کو مسلم لیگ کے منشور سے آگاہ کر کے نظریہ پاکستان کا ہمنوا بنایا۔ آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس اور اجمیر سنی کانفرنس میں آپ کے خطبے تحریک پاکستان کی حمایت کے جیتے جاگتے ثبوت ہیں۔ اپریل 1946ء میں بنارس سنی کانفرنس کے موقعہ پر آپ نے صدر مجلس استقبالیہ کی حیثیت سے جو خطبہ ارشاد فرمایا وہ تحریک پاکستان کی جدوجہد میں آپ کا عظیم مقام متعین کرنے کے لئے کافی ہے۔ آپ نے اس خطبہ میں مسلمانوں کے جہاں دیگر مسائل و مصائب کا تذکرہ کیا ہے وہاں خاص طور پر وہ حصے قابل مطالعہ ہیں جہاں آپ نے پاکستان کا مفہوم اور اسکی شرعی ضرورت، قیام پاکستان پر اعتراضات اور اس کے جوابات، مسلم لیگ اور آل انڈیا سنی کانفرنس کے پروگرام، اور آل انڈیا سنی کانفرنس کی طرف سے مطالبہ پاکستان کی بے دریغ حمایت کے سلسلے میں اظہار خیال فرمایا ہے۔ آپ کا یہ خطبہ نہ صرف فصاحت و بلاغت کا ایک حسین اور دلنشین شاہکار ہے بلکہ اس میں ذہین، دور رس، مدبر اور گہرے سوچ و فکر کے حامل، درد مند دل رکھنے والے کسی عظیم سیاستدان اور مایہ ناز مذہبی و روحانی رہنما کے ذہن کی کارفرمائی واضح طور پر نظر آتی ہے۔ اس خطبے کا ایک ایک لفظ مسلمانوں کے تمام مسائل کا احاطہ کرتا اور ان کا مداوا پیش کرتا ہے۔ آئندہ سطور میں ہم اس خطبے کا ایک اقتباس پیش کرتے ہیں جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تحریک پاکستان کے بارے میں آپ کے جذبات و احساسات اور آپ کی سوچ کیسی تھی؟ ''میرے دینی رہنماؤ! میں نے عرض داشت میں ابھی ابھی پاکستان کا لفظ استعمال کیا ہے اور پہلے بھی کئی جگہ پاکستان کا لفظ آ چکا ہے، ملک میں اس لفظ کا استعمال روزمرہ بن گیا ہے، در و دیوار پر ''پاکستان زندہ باد'' تجاویز کی زبان میں ''پاکستان ہمارا حق ہے'' نعروں کی گونج میں ''پاکستان لے کر رہیں گے'' مسجدوں میں، خانقاہوں میں، بازاروں میں، ویرانوں میں لفظ ''پاکستان'' لہرا رہا ہے۔ اس لفظ کو پنجاب کا یونینسٹ لیڈر بھی استعمال کرتا ہے اور ملک بھر میں ہر مسلم لیگی لیڈر بھی بولتا ہے اور ہم سینوں کا بھی یہی محاورہ ہو گیا اور جو لفظ مختلف ذہنوں کے استعمال میں ہو اس کے معنی مشکوک ہو جاتے ہیں جب تک بولنے والا اس کو واضح طور پر نہ بتا دے۔ یونینسٹ کا پاکستان وہ ہوگا جس کی مشینری سردار جوگندر سنگھ کے ہاتھ میں ہوگی۔ لیگ کے پاکستان کے متعلق دوسری قومیں چیختی ہیں کہ اب تک اس نے پاکستان کے معنی نہیں بتائے اور جو بتائے الٹے پلٹے ایک دوسرے سے لڑتے بتائے۔ اگر یہ صحیح ہے تو لیگ کا ہائی کمانڈ اس کا ذمہ دار ہے لیکن جن سینوں نے لیگ کے اس پیغام کو قبول کیا ہے اور جس یقین پر اس مسئلہ میں لیگ کی تائید کرتے پھرتے ہیں وہ صرف اس قدر ہے کہ ہندوستان کے ایک حصے پر اسلام کی، قرآن کی آزاد حکومت ہو، جس میں غیر مسلم ذمیوں کے جان و مال،

Marfat.com

عزت وآبرو کو حسب حکم شرع امان دی جائے ،انکو،ان کے معاملات کو ان کے دین پر چھوڑ دیا جائے ۔اگر سینوں کی اس سجھی ہوئی تعریف کے سوالیگ نے کوئی دوسرا راستہ اختیار کیا تو سنی قبول نہیں کریگا۔

آل انڈیا سنی کانفرنس کا پاکستان ایک ایسی خودمختار آزاد حکومت ہے جس میں شریعت اسلامیہ کے مطابق فقہی اصول پر کسی قوم کی نہیں بلکہ اسلام کی حکومت ہو، جس کو مختصر طور پر یوں کہیے کہ خلافت راشدہ کا نمونہ ہو، ہماری آرزو ہے کہ اس وقت ساری زمین پاکستان ہو جائے ۔6-5 رجب المرجب 1365ھ/6-5 جون 1946 بروز بدھ جمعرات ''سنی کانفرنس اجمیر شریف میں آپ کے خطبہ صدارت سے بھی اقتباسات ملاحظہ ہوں: ''اے سنی بھائیو! اے مصطفی ﷺ کے لشکریو! اے خواجہ کے مستو! اب تم سوچو کہ سوچنے والے مہربان آگئے، اور تم کیوں رکو کہ چلانے والی طاقت خود آ گئی، اب بحث کی لعنت چھوڑ دو، اب غفلت کے جرم سے باز آؤ، اٹھ پڑو، کھڑے ہو جاؤ، چلے چلو، ایک منٹ بھی نہ رکو، پاکستان بنالو تو جا کر دم لو کہ یہ کام اے سنیو! سن لو کہ صرف تمہارا ہے۔

حضرات! میں نے بار بار پاکستان کا نام لیا ہے اور آخر میں صاف کہہ دیا ہے کہ پاکستان بنانا صرف سنیوں کا کام ہے، اور پاکستان کی تعمیر آل انڈیا سنی کانفرنس ہی کریگی، اس میں سے کوئی بات بھی نہ مبالغہ ہے، نہ شاعری ہے اور نہ سنی کانفرنس سے غلو کی بناء پر ہے پاکستان کا نام بار بار لینا جس قدر ناپاکوں کو چڑ ہے، اسی قدر پاکوں کا وظیفہ ہے، اور اپنا وظیفہ کون سوتے جاگتے، اٹھتے بیٹھتے، کھاتے پیتے پورا نہیں کرتا'' اب رہا پاکستان کار سنیاں است! یہ ملک کی کسی سیاسی جماعت سے تصادم کے لئے نہیں کہا ہے بلکہ ایک حقیقت ہے کہ جس کا اظہار بلا خوف لومتہ لائم کر دیا ہے''

آپ نے طویل علالت کے بعد 16 رجب المرجب 1381ھ/25 دسمبر 1961ء بروز پیر ساڑھے بارہ بجے دن لکھنؤ میں وفات پائی اور کچھوچھہ شریف ضلع فیض آباد (انڈیا) میں آخری آرام گاہ بنی۔ کسی نے یہ مادہ تاریخ وفات نکالا۔ ''آہ الحق موت العالم موت العالم''

خواجہ عبدالرشید پانی پتیؒ

حضرت خواجہ عبدالرشید ؒ ربیع الثانی 1306ھ/8 دسمبر 1888ء بروز اتوار پانی پت (حال بھارت) میں پیدا ہوئے۔ تاریخی نام ''منظور علی'' ہے جس سے 1306ھ کے عدد برآمد ہوتے ہیں۔ والد گرامی کا اسم مبارک پیر عبدالرحیم تھا۔ بچپن میں ہی سایہ پدری سے محروم ہو گئے، دادی صاحبہ اور دادا جان کے بھائی پیر تفضّل حسین (سجادہ نشین درگاہ بوعلی قلندرؒ) نے تعلیم وتربیت کا بار اٹھایا۔ آپ نے قرآن پاک کی تعلیم حافظ رحمت اللہؒ سے حاصل کرنے کے بعد پانی پت کے مشہور عالم دین مولانا حسن رضاؒ سے درس نظامی کی تکمیل کی۔ پیر تفضّل حسین کی نرینہ اولاد نہ ہونے کی وجہ سے آپ ان کی وفات کے بعد سجادہ نشین ہوئے اور علم وفضل کے ساتھ معرفت کے موتی بھی لٹانے لگے۔ آپ صاحب حال بزرگ تھے، تصوف کی الجھنوں کو آن کی آن میں حل کر دیتے تھے۔

Marfat.com

آپ ہندوؤں اور مسلمانوں میں یکساں مقبول تھے۔ مسلمانوں کے عروج وزوال پر بڑی کڑی نظر رکھتے تھے۔ تحریک خلافت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ 1936ء میں جب ابنائے وطن کی چیرہ دستیوں اور مسلمانوں کے آپس میں خلفشار نے آپ کو مجروح کیا تو برہنہ تلوار بن کر میدان میں کود پڑے اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ مسلم لیگ میں شامل ہو کر تادم زیست مذہب وملت کی خدمت کرتے رہے۔ اگر چہ آپکو گوناگوں آزمائشوں سے دوچار ہونا پڑا مگر اس مرد قلندر نے ہر آزمائش میں پورا ترنے کے لئے بڑی مردانگی کا مظاہرہ کیا۔ 14 اکتوبر 1945ء کو پیر صاحب مانکی شریف (ف 1960ء) کی دعوت پر پشاور میں سرحد اور پنجاب کے مشائخ کرام کا ایک عظیم الشان اجتماع ہوا جس میں دیوان سید آل رسول علی خاںؒ (ف 1974ء) سجادہ نشین اجمیر شریف، خواجہ حسن نظامی دہلویؒ (ف 1955ء) امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری (ف 1951ء) پیر فضل شاہ جلال پوری (ف 1966ء) ودیگر مشائخ عظام کے علاوہ آپ نے بھی اپنے مریدوں کو پاکستان کی حمایت کرنے کا حکم دیا۔ تحریک پاکستان سے آپ کی دلچسپی، دلی تعاون اور ہمدردی پر اس دور کے تمام اخبارات شاہد ہیں، اس سلسلے میں آپ کا ایک اہم بیان 20 جنوری 1946ء کو جاری ہوا، جسے مشہور مورخ رئیس احمد جعفری (ف 1968ء) نے اپنی کتاب ''قائداعظم اور انکا عہد'' مطبوعہ لاہور 1966ء کے صفحہ 405 پر یوں نقل کیا ہے: ''اس وقت مسلمانان ہند کی واحد نمائندہ جماعت مسلم لیگ ہے اور پاکستان، مسلمانان ہند کا بہترین نصب العین ہے، اس کے بعد موصوف نے درگاہ کے متوسلین اور معتقدین سے مطالبہ کیا کہ وہ صرف مسلم لیگ کے امیدوار کو ووٹ دیں''

برصغیر کی تقسیم کے بعد جب آپ نے پاکستان کا عزم کیا تو حکومت ہند نے آپکو روکنے کی بڑی کوشش کی نیز درگاہ اور جائیداد بحال کرنے کی پیشکش کی مگر آپ نے مالی فائدے پر قومی مفاد کو ترجیح دیا اور ماڈل ٹاؤن لاہور میں مستقل رہائش اختیار کرلی۔ حج وزیارت کے قصد سے کراچی تشریف لے گئے۔ لیکن بعارضہ قلب 24 اپریل 1962ء/18 ذیقعد 1381ھ بروز منگل جہاز پر سوار ہونے سے قبل ہی آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔

سید علی احمد کیتھلیؒ

سید علی احمد بن سید عبدالعلی عبداللہ شاہ کی ولادت 12 شعبان 1315ھ/8 جنوری 1898ء بروز جمعتہ المبارک خانقاہ قادریہ کیتھل شریف ضلع کرنال (مشرقی پنجاب بھارت) میں ہوئی۔ سلسلہ نسب حضرت شاہ کمال کیتھلیؒ سے ہوتا ہوا 25 واسطوں سے سیدنا غوث الاعظمؒ سے جاملتا ہے۔ سات سال کی عمر میں قرآن پاک ختم کیا۔ درسی کتب مولانا مرتضیٰ احمد سے پڑھیں اور مڈل تک سکول کی تعلیم بھی حاصل کی۔ پھر عربی، فارسی کے علوم متداولہ میں کمال حاصل کیا۔ آپ خانقاہ قادریہ کیتھل شریف کے سجادہ نشین تھے، بڑے بزرگ، ولی اللہ اور صاحب کشف وکرامت بزرگ تھے۔ تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اور مسلم لیگ کی بھرپور حمایت کی۔ آپ اگرچہ عملی سیاست سے دور تھے لیکن ملکی حالات سے بے خبر نہ تھے۔ اس بات کو بخوبی سمجھتے تھے کہ مسلم لیگ ہی مسلمانوں کی واحد سیاسی جماعت ہے جو قائداعظم کی زیر قیادت آزادی کے لئے بھرپور اور مخلصانہ

Marfat.com

جدوجہد کررہی ہے۔

جب قائداعظم نے قومیت کی بنیاد پر جداگانہ حکومت کا نظریہ منوانے میں کامیابی حاصل کی تو آپ نے اورنگ زیب روڈ دہلی کے پتہ پر قائداعظم کو بزریعہ تار مبارکباد بھیجی۔ تار کا مضمون یہ تھا: ''میں معہ وابستگان سلسلہ قادریہ کمالیہ آپ کی شاندار کامیابی پر مبارکباد پیش کرتا ہوں اور آپ کی ترقی درجات اور صحت کے لئے دعا گو ہوں''

اس شاندار فتح پر مسرت کا اظہار فرماتے ہوئے آپ نے عامتہ المسلمین سے اپیل کی کہ وہ وطن کی آزادی کے لئے اپنا سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہو جائیں کیونکہ جب تک مسلمانوں میں رشتہ محبت مستحکم نہیں ہوگا اس وقت تک بقائے دوام کی صورت پیدا نہ ہوگی۔ مجھے یقین ہے کہ قائداعظم کی رہنمائی میں قوم کو بے پناہ توانائی حاصل ہوگی جس کی اشد ضرورت ہے۔ قومی اتحاد کی آرزو کا تقاضہ یہی ہے کہ ہم دشمن کے عزائم کو سمجھیں اور ہندو ذہنیت کی ہر چال پر نظر رکھیں۔ نوابزادہ لیاقت علی خان کا خاندان حضرت شاہ کیتھلی کے زمانہ سے آپکی خانقاہ سے وابستہ تھا۔ لیاقت علی خان کو آپ کے خاندان سے گہری عقیدت تھی۔ آپ نے نوابزادہ لیاقت علی خان کے بیٹے نوابزادہ ولایت علی خان کے ذریعے حضرت قائداعظم کو اپنی مکمل تائید وحمایت کا یقین دلایا۔ جس پر لیاقت علی خان نے آپ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے یہ پیغام بھیجا: ''نوابزادہ ولایت علی خان کی زبانی آپ کی نیک تمنائیں اور دلی ہمدردی کا پیغام ملا۔ علماء ومشائخ کی سرپرستی سے قائداعظم بہت مطمئن ہیں اور فرماتے ہیں کہ آزادی کی منزل اب دور نہیں کیونکہ علماء ومشائخ گوشہ نشینی چھوڑ کر میدان عمل میں آچکے ہیں اور وہ اپنا فرض ادا کر رہے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ ہم جلد اپنی منزل کو پالیں گے کیونکہ آپ جیسے شفیق بزرگوں کی دعائیں ہمارے شامل حال ہیں'' نوابزادہ لیاقت علی خاں نے اپنے دوسرے خط میں لکھا:

مکرمی ومعظمی مرشد گرامی!

السلام علیکم! آپکی خصوصی توجہ کا شکریہ۔ آپ کے تعاون کے لئے ممنون ہوں۔ امید ہے کہ آئندہ بھی مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ اور آزادی کے حصول کی کوششوں میں آپ کی دعائیں اور ہمدردیاں ہمارے شامل حال رہیں گی۔

نیازمند لیاقت علی خاں

نومبر 1945ء میں آپ نے مسلم لیگ کی حمایت میں ایک بیان جاری فرمایا جو ڈاکٹر قمر مسعود جنرل سیکریٹری مسلم لیگ کیتھل شریف نے روزنامہ 'نوائے وقت' لاہور کو ارسال کیا ''نوائے وقت'' نے اپنی 6 نومبر 1945ء کی اشاعت میں یہ بیان نمایاں طور پر شائع کیا جو من وعن نقل کیا جاتا ہے: ''میرے مرید مسلم لیگ کو ووٹ دیں۔ کیتھل کے سجادہ نشین کا اعلان''

حضرت قبلہ میاں سید علی احمد شاہ گیلانی سجادہ نشین درگاہ عالیہ حضرت شاہ سکندر، راس الاولیاء محبوب الٰہی بنیرہ ملک العشاق حضرت شاہ کمال ادری کیتھلی نے سلسلہ عالیہ قادریہ کمالیہ سکندریہ کے معتقدین، محبین اور عقیدت مندوں کی ہدایت کے لئے درج ذیل اعلان برائے اشاعت ارسال فرمایا ہے۔

Marfat.com

برادران ملت! السلام علیکم:

آپ کو معلوم ہے کہ موجودہ نازک دور میں ملت اسلامیہ کی شیرازہ بندی کس قدر اہم ہے اور تمام برادران اسلام کا اخوت اسلامی کی بناء پر اتفاق اور اتحاد کے لئے ایک جھنڈے تلے جمع ہو جانا کس قدر ضروری ہے آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ ملی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کے لئے کتنی مخالف قوتیں کام کر رہی ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ قومی اور ملی حقوق کی حفاظت ایک منظم قومی جماعت کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ مسلمانان ہند کی سب سے بڑی اور منظم قومی جماعت مسلم لیگ ہے جس کا نصب العین ہندوستان میں ایک آزاد اسلامی حکومت قائم کرنا ہے۔ جس کا نام پاکستان ہے جو دینی و دنیاوی حقوق کی محافظ، اسلامی تہذیب و تمدن اور اسلامی معاشرت کی علمبردار ہوگی۔ اسلامی اُصولوں پر چلائی جائیگی اور مسلمانوں کے قلب میں ایک اسلامی روح پھونک کر زندہ اور تابندہ کریگی۔ پس ہوشیار اور بیدار ہو جائیں۔ شب و روز اپنی تحریروں، تقریروں اور دعاؤں سے، محبت و اخلاص سے مسلم لیگ کو مضبوط بنائیں اور اس کی آواز پر لبیک کہیں اس کی امداد کریں اور پاکستانی حکومت قائم کرنے کا اپنے دل میں پختہ ارادہ کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی امداد فرمائے اور کامیابی نصیب کرے۔ آمین''

آپ نے اپنے بااثر مریدوں اور مخلصوں کو بذریعہ خطوط مسلم لیگ کی حمایت کرنے کی ترغیب دی۔ ریاست جنید کے سابق وزیر بخشی شفقت علی کو لکھا: '' قائد اعظم محمد علی جناح ملت اسلامیہ کے کامیاب وکیل ہیں۔ انہوں نے وہ کام کر دکھایا جو بظاہر ناممکن تھا اور جس کی جدوجہد 1857ء سے شروع ہو چکی تھی۔ کتنے افسوس کا مقام ہے کہ جمعیت علماء ہند جو خود اسلامی تہذیب کی داعی ہے، ایک ایسے مشرک کو مسلمانوں کا رہنما بتا رہی ہے اور اسکے کہنے پر دل و جان سے عمل پیرا ہے جو دیوی دیوتاؤں کا پجاری ہے'' اسی طرح ہانسی کے مرزا شجع بیگ کو تحریر فرمایا: قائد اعظم کی روز افزوں کامیابی سے دشمن اور مخالف قوتوں پر یہ بات بالکل واضح ہوگئی ہے کہ مسلمان بیدار ہو چکا ہے۔ مسلمان زندہ قوم ہے اور ان کے جذبات سے کھیلنا کوئی آسان کام نہیں۔ محمد علی جناح جیسے مسلمان رہنما کی قیادت میں اسلامیان ہند کے لئے ایک نئے دور کا آغاز ہوا ہے۔ اور یہ جس اخلاص کے ساتھ دس کروڑ مسلمانوں کا مقدمہ لڑ رہے ہیں وہ ہمارے لئے متاع فخر و ناز ہے۔ ٹیپو سلطان کے بعد ایسا عظیم اور باوقار راہنما قوم کو آج ملا ہے'' چنانچہ آپ کی کوششوں سے بخشی صاحب، مرزا شجع بیگ اور ان جیسے کئی بااثر افراد مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔

آپ نے عامتہ المسلمین اور اپنے ارادتمندوں کو تلقین کی کہ قیام پاکستان کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کرنے کیلئے تیار ہیں۔ آپ کی تلقین عقیدت مندوں کے لئے حکم کا درجہ رکھتی تھی۔ چنانچہ لاتعداد لوگ مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔ اس وقت لوگ یہ جاننے کے لئے بے تاب تھے کہ ان کی جدوجہد آزادی اور قربانیوں کا کیا نتیجہ نکلے گا۔ یہ معلوم کرنے کے لئے لوگ خدمت اقدس میں حاضر ہوتے رہتے تھے۔ ڈاکٹر محمد یلیین، سید عظمت علی واسطی ایڈووکیٹ صدر مسلم لیگ ضلع کرنال، نوابزادہ ولایت علی خان جنرل سیکریٹری مسلم لیگ ضلع کرنال اور انبالہ سے صوبائی اسمبلی کے امیدوار خواجہ عبدالصمد حاضر خدمت ہوئے تو آپ نے فرمایا:

'' آپ لوگوں کو معلوم نہیں کہ کس قدر داڑھیاں آنسوؤں سے بھیگ رہی ہیں اور اللہ کے مقبول بندے دن رات اللہ کے حضور کتنی التجائیں کر رہے ہیں۔ انشاء اللہ پاکستان ضرور بنے گا''

Marfat.com

قائداعظم کو بھی ان دعاؤں کی ضرورت تھی وہ جانتے تھے کہ مشائخ اور صوفیاء لوگوں کے دلوں پر حکومت کرتے ہیں اس لئے مشائخ عظام اور اولیائے کرام سے رابطہ کئے ہوئے تھے۔نوابزادہ لیاقت علی خاں، قائداعظم کے دست راست تھے۔ انہوں نے ایک طرف اپنی شعلہ نوائی سے عوام کو اپنا ہمنوا بنانے میں قائداعظم کا پورا پورا ساتھ دیا اور دوسری طرف علماء مشائخ سے بھی رابطہ کیا۔1946ء کے انتخابات کے موقعہ پر اپنے بڑے بھائی نواب سجاد علی خاں اور اپنے بڑے بیٹے نوابزادہ ولایت علی خاں کو قطب الاقطاب شاہ سکندر کیتھلی کے عرس مبارک پر آپ کی خدمت میں بھیجا تو آپ نے خصوصی دعاؤں سے نوازا۔قیام پاکستان کے بعد ہجرت فرما کر ڈیرہ غازی خاں میں تشریف لے آئے اور 22 رجب المرجب 1382ھ/ 21 دسمبر 1962ء بروز جمعتہ المبارک بعد نماز جمعہ وصال فرمایا۔مزار مقدس دربار قادریہ کے نام سے مرجع خلائق ہے۔آپ کی رحلت پر روزنامہ ''کوہستان'' لاہور نے 22 / دسمبر 1962ء کو مندرجہ ذیل اداریہ لکھا: ''ملک کے ممتاز بزرگ اور سلسلہ قادریہ کے روحانی پیشوا حضرت سید علی احمد شاہ 64 سال کی عمر میں اچانک ڈیرہ غازی خاں میں انتقال کر گئے۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت اپنے دورے کے ایک کامل درویش تھے۔تصوف میں سلسلہ کمالیہ قادریہ سے تعلق تھا۔جدوجہد آزادی اور حصول پاکستان کے لئے کھل کر مسلم لیگ کی حمایت کی۔دامے درمے سخنے ہر طرح سے اس میں حصہ لیا۔انہوں نے ہزاروں افراد تک دین کی روشنی پہنچائی۔وہ تصوف کے پیکر تھے۔اپنے علم وعمل کے ذریعے اندرون ملک اور بیرون ملک اپنے مسلک کو فروغ دیا۔آپ کی زیارت سے لوگوں کے دل منور ہوتے تھے۔اللہ تعالیٰ انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور وابستگان سلسلہ اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے'' آج کل آپ کے صاحبزادے سید مقبول محی الدین مدظلہ، سجادہ نشین ہیں اور رشد وہدایت کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں۔

پیر محی الدین لال بادشاہ مکھڈویؒ

پیر سید محی الدین لال بادشاہ بن پیر غلام عباس شاہ بن پیر غلام جعفر شاہ 1326ھ/ 1908ء میں مکھڈ شریف ضلع اٹک میں پیدا ہوئے۔خانقاہ کے مدرسہ غوثیہ سے تعلیم حاصل کی اور خانقاہ غوثیہ کے سجادہ نشین ہوئے۔

پیر صاحب نہایت شریف النفس، عبادت گزار اور صاحب کشف وکرامت بزرگ تھے۔انہیں سیاست سے بھی دلچسپی تھی۔1936ء سے 1947ء تک پنجاب اسمبلی کے رکن رہے۔1955ء تا 1958ء ڈسٹرکٹ بورڈ اٹک کے ممبر بھی رہے۔ بڑے اچھے مقرر اور زیرک سیاستدان تھے۔فروری 1946ء کے الیکشن میں پیر صاحب نے یونینسٹ پارٹی کے ٹکٹ پر اٹک سے صوبائی سیٹ پر مسلم لیگ کے امیدوار ایم محمد یوسف کا مقابلہ کیا اور 8342 ووٹ لے کر کامیابی حاصل کی جبکہ مسلم لیگی امیدواروں نے 4203 ووٹ حاصل کئے۔اس طرح پیر صاحب یونینسٹ پارٹی کے پلیٹ فارم پر سے پنجاب اسمبلی کے رکن منتخب ہوگئے۔پیر صاحب نے یونینسٹ پارٹی کے ٹکٹ پر الیکشن تو جیت لیا مگر انہیں احساس ہونے لگا کہ مسلم لیگ کی مخالفت کر کے انہوں نے کوئی مستحسن قدم نہیں اٹھایا ہے۔یہ خلش انہیں اندر اندر کھائے جا رہی تھی۔چنانچہ انہوں نے 17 مارچ

Marfat.com

1946ء کو قائداعظم کے نام ایک اخباری بیان (مطبوعہ روزنامہ ''انقلاب'' لاہور بابت 20 مارچ 1946ء) کے ذریعے مسلم لیگ میں شمولیت کا اعلان کیا:

''میں نہایت مسرت وامتہاج کے ساتھ آپ کی وساطت سے اپنی ناچیز خدمات ملت اسلامیہ کے حضور پیش کرتا ہوں۔ میں ان تمام ذاتی یا سیاسی اختلافات کو جنہوں نے ماضی میں مجھے ایسا کرنے سے باز رکھا، برطرف کرتا ہوں۔ مفاد ملت کے لئے میری حقیر پیش کش کو قادر مطلق قبول فرمائے۔ اپنی انفرادی حیثیت میں قوم کے لئے جو کچھ کرسکتا تھا اس میں کوشاں رہا ہوں۔ ایسا کرنے میں غرض مندانہ مفادوں سے مجھے ٹکرانا بھی پڑا اور اس سے مجھے نقصان بھی اٹھانا پڑا۔ موجودہ ساعت جو ملت کے لئے بڑی آزائش کی ساعت ہے انہی غرض مندانہ مفادات نے مجھے پھر سے الگ تھلگ رکھنے کی کوشش کی مگر پورے وثوق کے ساتھ میری رائے یہ ہے کہ اس وقت ہر فرد کا ملت کا یہ مقدس فرض ہے کہ وہ مسلم لیگ میں شامل ہو جائے۔ یہ فرض ہر دوسرے فرض پر مقدم ہے۔ اس لئے میں اپنے ذاتی اختلافات کو قطعاً بھلا کر مسلم لیگ کی تائید وحمایت کا اقرار صالح کرتا ہوں''

پیر صاحب کے اس اقدام کو بہت سراہا گیا اور ان کی خوب پذیرائی ہوئی۔ اب پیر صاحب نے اپنی تمام تر مساعی مسلم لیگ کے لئے وقف کر دیں۔ مسلم لیگ ان کے دل کی دھڑکن بن گئی۔ جنوری 1947ء میں جب خضر حیات ٹوانہ وزیراعظم پنجاب کے خلاف سول نافرمانی کی تحریک چلی تو پیر صاحب نے اس تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے تن من دھن کی بازی لگا دی۔ گرفتار ہو کر جیل گئے مگر انکے پائے استقامت میں ذرہ بھر بھی جنبش نہ ہوئی۔ ان کے مریدوں، عقیدت مندوں اور ساتھیوں نے ان کی عدم موجودگی میں تحریک کو جاری وساری رکھا۔ پاکستان بننے کے بعد پیر صاحب نے سیاست کے بجائے اپنی تمام تر توجہ خانقاہی نظام کی طرف مبذول کر لی۔ خلق خدا کی روحانی تربیت فرمانے لگے لیکن پھر بھی مسلم لیگ سے اپنا ناطہ نہ توڑا۔ ساتھیوں کے پرزور اصرار پر 1955ء میں ڈسٹرکٹ بورڈ اٹک کے انتخابات میں حصہ لیا اور کامیاب ہوئے۔

پیر صاحب کو حضرت قائداعظم، لیاقت علی خاں، سردار عبدالرب نشتر اور دیگر اکابرین مسلم لیگ سے محبت تھی۔ سردار عبدالرب نشتر علالت کے باعث کراچی کے ایک ہسپتال پہنچے۔ سردار صاحب کے ذاتی معالج ڈاکٹر پراچہ صاحب کے ساتھ پیر صاحب کا آمنا سامنا ہو گیا۔ پیر صاحب نے ڈاکٹر صاحب سے سردار صاحب کی علالت کا حال اور خیریت دریافت کی تو ڈاکٹر صاحب نے پیر صاحب کو بتایا کہ سردار صاحب کے لئے دوائیوں وغیرہ کی ضرورت ہے، وہ کافی مہنگی ہیں اور سردار صاحب کے مالی حالات ایسے ہیں کہ وہ ہسپتال کے کمرے کا کرایہ ادا کرنے اور دوائیاں خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتے۔ یہ سن کر پیر صاحب تڑپ اٹھے۔ چنانچہ جب سردار صاحب کی عیادت کے لئے ان کے کمرے میں داخل ہوئے تو انہوں نے سردار صاحب کی مزاج پرسی کے کچھ دیر بعد سردار صاحب کی نظر بچا کر ان کے تکیہ کے قریب تین ہزار روپے رکھ دیئے اور سردار صاحب کو صحت وسلامتی اور درازی عمر کی دعائیں دیتے ہوئے ہسپتال سے رخصت ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد سردار صاحب نے کروٹ بدلی تو انہوں نے جب مذکورہ رقم اپنے سرہانے کے قریب پڑی دیکھی تو ان کے ایک خدمت گار نے انہیں بتا دیا کہ ابھی ابھی جو پیر صاحب آپ کی عیادت کے لئے آئے تھے وہ یہ رقم آپ کی نظر بچا کر آپکے سرہانے رکھ گئے ہیں۔ چنانچہ

Marfat.com

سردار صاحب نے اسی وقت وہ رقم بذریعہ منی آرڈر پیر صاحب کے پتہ پر ارسال کردی اور اسے قبول کرنے سے شکریہ کے ساتھ معذرت کردی کیونکہ سردار صاحب نے زندگی بھر اپنی خودداری پر کبھی آنچ نہیں آنے دی تھی۔ پیر محی الدین لال بادشاہ، مذہب و ملت کی بھرپور خدمات سرانجام دینے کے بعد 9 شعبان 1383ھ / 26 دسمبر 1963ء بروز جمعرات اپنے خالق حقیقی سے جا ملے اور مکھڈ شریف کی خانقاہ میں ہی آسودہ خاک ہوئے۔

حکومت پنجاب نے چند سال سے ''مجاہدین وکارکنان تحریک پاکستان'' کی خدمات کا اعتراف کر کے گولڈ میڈل'' دینے کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ ہر سال 14 اگست کو 'یوم آزادی'' کے موقعہ پر لاہور میں ایک پروقار تقریب میں یہ ''میڈل'' تقسیم کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ 14 اگست 1990ء کو حضرت پیر سید محی الدین لال بادشاہ کی تحریک پاکستان میں خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے حکومت پنجاب نے ''گولڈ میڈل'' کا اعزاز دیا جوان کے پوتے پیر عباس محی الدین نے وصول کیا۔

شاہ محمد مظہر اللہ دہلویؒ

حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ بن مولانا محمد سعید (ف 1889ء) بن شاہ محمد مسعود (ف 1892ء) کی ولادت باسعادت 15 رجب المرجب 1303ھ / 21 اپریل 1886ء بروز بدھ دہلی میں ہوئی۔ سن مبارک ابھی چار سال کا ہوا تھا کہ والد ماجد داغ مفارقت دے گئے۔ جد امجد نے پرورش فرمائی، تین سال بعد وہ بھی داعی اجل کو لبیک کہہ گئے تو جدہ ماجدہ اور محترم مولانا عبدالمجید (ف 1944ء) نے تعلیم و تربیت کا بار اٹھایا۔ آپ نے قاری حافظ حبیب اللہ سے قرآن کریم حفظ کرنے کے بعد وقت کے معروف علماء سے علوم عقلیہ ونقلیہ حاصل کئے اور چودہ برس کی عمر میں مشرقی پنجاب (بھارت) کے معروف روحانی رہنما حضرت سید امام علی شاہ نقشبندی مجددی (ف 1865ء) کے صاحبزادے حضرت سید صادق علی شاہ مکان شریفی (ف 1899ء) سے ''سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ'' میں بیعت کی۔ بیعت کے ایک سال بعد مرشد کامل کا وصال ہوگیا تو آپ کی روحانی تربیت جد امجد کے خلیفہ حضرت شاہ رکن الدین الوری (ف 1936ء) نے فرمائی اور تمام سلاسل میں اجازت وخلافت سے نوازا۔

شریعت وطریقت کی منازل طے کرنے کے بعد آپ نے جامع مسجد فتح پوری دہلی میں امامت وخطابت کا سلسلہ شروع کیا اور تازیست جاری رکھا۔ جامع مسجد فتح پوری عشق ومحبت کا منبع بنی رہی۔ یہاں علم وعرفان کا فیضان جاری ہوا اور لوگ اپنے اپنے دامن حب مصطفیٰ ﷺ کے سرمایہ سے بھرتے رہے۔ غرض آپ نے اس مسجد سے جو روحانی، اخلاقی اور مذہبی تحریک شروع کی تھی اس کے بیان کے لئے کئی دفتر درکار ہیں مگر ہم یہاں صرف ان کے سیاسی کارناموں کا ذکر کریں گے۔

آپ نے تحریک خلافت میں بھرپور حصہ لیا اور چھ ماہ تک دہلی میں تحریک کے سیکریٹری بھی رہے۔ تحریک ترک موالات کی مخالفت کی کیونکہ ہندوؤں کی چالوں کو بخوبی سمجھتے تھے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں (ف 1921ء) اور سنوسی ہند امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ محدث پوری (ف 1951) بھی ترک موالات کے خلاف تھے۔

Marfat.com

آپ نے تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا۔ مسلم لیگ کے موقف کی مکمل حمایت کی۔ آپ شریعت کی پابندی پر بہت زیادہ زور دیتے تھے۔ جب قائداعظم (ف 1948ء) آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے بڑی دل سوزی سے فرمایا: ''آپ قرآن وسنت کے نام سے مسلمانوں کو مسلم لیگ کی طرف بلاتے ہیں مگر افسوس کہ آپ خود قرآن وسنت سے واقف نہیں ہیں'' یہ سن کر قائداعظم نے کہا: ''دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے قرآن وسنت کے علوم سے آگاہ کر دے'' چنانچہ آپ نے دعا فرمائی۔

مسلم لیگ کی حمایت کی وجہ سے بعض مخالفین آپ کے جانی دشمن ہو گئے مگر اللہ کے فضل سے آپ کو کوئی گزند نہ پہنچا سکے۔ ایک مرتبہ جمعۃ المبارک کے روز جب تقریباً بیس ہزار مسلمان نماز جمعہ ادا کرنے کے لئے جامع مسجد فتح پوری میں موجود تھے، ایک ہتھیار بند سکھ بھیس بدل کر محراب مسجد میں مصلّی کے بالکل سامنے بیٹھنے میں کامیاب ہو گیا۔ خطبہ کا وقت قریب تھا۔ پچھلی صف میں بیٹھے ہوئے ایک صاحب کو شبہ گزرا چنانچہ اسی وقت تلاشی لینے پر اس سے کرپان اور خنجر برآمد ہوا۔ تفتیش پر معلوم ہوا کہ اس کا ارادہ یہ تھا کہ جب آپ سجدے میں جائیں تو شہید کر دے۔ اسی طرح فسادات کے زمانے میں آپ کے دولت کدہ میں بم رکھا گیا لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو محفوظ رکھا۔ ایک اور سکھ نے آپ کو شہید کرنے کا ارادہ کیا تو اس سے تلوار نہ اٹھائی جا سکی۔

دہلی میں علماء اہلسنت نے مسلم لیگ کی حمایت میں جو کام کیا، تاریخ اسے کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ ان کو ہر قسم کی پریشانیوں اور مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا مگر انہوں نے دشمن کے ہر وار کو بڑی خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ اس گروہ سرفروشان کے سالار آپ ہی تھے۔

تحریک پاکستان کے دوران قائداعظم (ف 1948ء) اور نوابزادہ لیاقت علی خاں (ف 1951ء) آپ کے بہت قریب رہے اور انتہائی ادب واحترام سے پیش آتے رہے۔ مولانا ظفر احمد انصاری (ف 1974ء) جو قائد ملت لیاقت علی خاں کے پرسنل سیکریٹری رہے ہیں، راوی ہیں کہ ایک دفعہ آپ نے قائد ملت کو نماز کی تلقین کی جس سے قائد ملت بہت متاثر ہوئے اور نماز کی پابندی کا وعدہ کیا۔ آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت علامہ مفتی محمد مظفر احمد (ف 1971ء) نے مسلم لیگ میں عملی طور پر حصہ لیا تھا اور مسلم لیگ کے جلسوں سے خطاب بھی فرماتے رہے۔ اسی طرح آپ کے ایک جانثار عقیدت مند سیٹھ احمد میمن نے بھی مسلم لیگ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ سیٹھ موصوف، پاکستان بننے سے پہلے ہی پاکستانی بن گئے تھے۔ ان کے مکان پر ایک بہت بڑا بورڈ لگا ہوا تھا جس پر ''پاکستان کا میچ'' لکھا ہوا تھا۔ قائداعظم، سیٹھ موصوف کی بہت قدر کرتے تھے اور محبت سے ان کو ''چاچا'' کہہ کر پکارتے تھے۔

تقسیم ملک کے بعد آپ نے دہلی ہی میں رہنا پسند فرمایا۔ جب احباب اور عقیدت مندوں نے پاکستان تشریف لانے کے لئے اصرار کیا تو آپ نے فرمایا: ''آپ حضرات کو اجازت ہے جہاں چاہیں جا سکتے ہیں۔ فقیر کو یہیں رہنے دیں، کل قیامت کے دن اگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے اپنا گھر تیرے سپرد کیا تھا، تو اس کو کس کے رحم وکرم پر چھوڑ کر چلا گیا تو فقیر کیا جواب دے گا'' چنانچہ دہلی میں رہ کر آپ مسلمانوں کی اخلاقی وروحانی تربیت فرماتے رہے۔ دو مرتبہ پاکستان بھی تشریف لائے اور پورے پاکستان کا دورہ کر کے ایمان افروز خطبے دیئے۔ 14 / شعبان المعظم 1386ھ / 28 نومبر 1966ء بروز پیر بوقت

Marfat.com

پانچ بجکر بیس منٹ اس نابغہ روزگار کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ آپ کو جامع مسجد فتح پوری دہلی کے احاطہ میں سپرد خاک کیا گیا۔ جہاں آپ کا مزار شایان شان طریقے سے تعمیر ہوا۔ تاریخ وصال یہ نکالی گئی: ''ہائے شمع تصوف اب ہے خاموش 1966ء'' ہمارے مخدوم و محترم حضرت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب مدظلہ، کراچی آپ ہی کے صاحبزادے ہیں، جو پاکستان میں آپ کی جانشینی کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ موصوف ملک کے نامور شیخ طریقت، ماہر تعلیم، ادیب، مورخ اور منفرد اہل قلم ہیں۔

پیر محمد شاہ بھیرویؒ

پیر محمد شاہ بن پیر امیر شاہ (ف 1927ء) کی ولادت 1890ء میں بھیرہ ضلع سرگودھا میں ہوئی۔ سلسلہ نسب شیخ الاسلام المسلمین حضرت بہاء الحق زکریا ملتانی (ف 1262ء) سے ملتا ہے۔ سن شعور کو پہنچے تو حفظ قرآن کے لئے مکتب میں بٹھا دیئے گئے۔ حفظ قرآن کے بعد مسائل ضروریہ سیکھے اور تراویح میں ہر سال قرآن پاک سنانا شروع کر دیا۔ پروردگار عالم نے آپ کو لحسن داؤدی عطا فرمایا تھا۔ والد گرامی نے بڑی محنت اور توجہ سے آپ کی تربیت کی اور وقت مناسب آنے پر حضرت ضیاء الملت والدین خواجہ محمد ضیاء الدین سیالویؒ (ف 1929ء) سے بیعت کرا دیا۔ حضرت خواجہ نے آپ کو مختلف ریاضتیں کرانے کے بعد خرقہ خلافت عطا فرمایا اور خلق خدا کی رہنمائی کا کام سپرد فرمایا۔ علوم دینیہ کی ترویج و اشاعت کے لئے آپ نے مدرسہ تدریس القرآن جاری کیا۔ اس کے علاوہ آپ نے ایک پرائمری اسکول جاری کیا۔ 1925ء میں علوم دینیہ کی بہت بڑی درسگاہ ''دارالعلوم محمدیہ غوثیہ'' کے نام سے جاری فرمائی اور اپنے دور کے مقتدر علماء کو تدریس کے لئے مقرر کیا۔ 1957ء میں اس دارالعلوم کو آپ کے نامور فرزند اجرمند ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ ایم اے (جامعہ ازہر، مصر) مدیر اعلیٰ ماہنامہ ''ضیائے حرم'' لاہور نے جدید بنیادوں پر استوار کیا۔ اور اسے پاکستان کی ایک منفرد اور مثالی درسگاہ بنا دیا۔ تحریک پاکستان میں آپ نے بیش بہا خدمات انجام دیں۔ تحریک پاکستان سے قبل اپنے پیر و مرشد کے ساتھ تحریک خلافت میں شب و روز کام کیا۔ جب قائد اعظم (ف 1948ء) کے ایماء پر تحریک سول نافرمانی شروع ہوئی تو آپ بھی اس میں شریک ہوئے اور قید و بند کی صعوبتوں سے نبرد آزما ہوئے۔ اپنے پیر خانہ سیال شریف کی ہدایت کے مطابق مسلم لیگ کی تائید و حمایت میں بڑی گرم جوشی دکھائی۔ اپنے حلقہ اثر میں بکثرت طوفانی دورے کئے اور مسلم لیگی امیدواروں کو کامیاب بنانے کے لئے راہ ہموار کی۔ مسلم لیگ کی حمایت میں اس قدر شدت اختیار کی کہ اگر کسی مرید نے مسلم لیگ کو ووٹ دینے میں پس و پیش کی تو اس سے تعلقات منقطع کر لئے۔ 1946ء کے انتخابات میں تحصیل بھلوال ضلع سرگودھا سے شیخ فضل حق پراچہ (ف 1969ء) آف بھیرہ، مسلم لیگ کی طرف سے پنجاب اسمبلی کے امیدوار تھے۔ ان کے مقابلے پر میاں سلطان احمد ننگ (ف 1963ء) یونینسٹ پارٹی کے نمائندے تھے۔ میاں سلطان کے پیچھے خضر کے خاں وزیر اعظم پنجاب (ف 1975ء) ہاتھ تھا اور وہ خود بھی بااثر زمیندار تھے۔ چنانچہ بڑے گھمسان کا رن پڑا پیر محمد شاہ بھیروی نے مسلم لیگ کے امیدوار کا ڈٹ کر ساتھ دیا اور سرکاری جاہ و جلال کی بالکل پرواہ نہ کی۔ جب نتیجہ نکلا

Marfat.com

تو مسلم لیگی امیدوار 12732 ووٹ لے کر کامیاب ہو گیا جبکہ یونینسٹ امیدوار کو صرف 9219 ووٹ ملے اور شکست اس کا مقدر ٹھہری۔ ایک آزاد امیدوار عبدالعلی صرف 6 ووٹ لے کر ضمانت سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا۔ قیام پاکستان کے بعد آپ نے آزادی کشمیر کی جنگ میں اپنے پچاس مریدوں کے ساتھ (جو سابق فوجی تھے) مردانہ وار حصہ لیا۔ بولے وینس ضلع سیال کوٹ کے محاذ پر دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ اسی مقام پر آپ کے حکم سے آپ کے ایک مرید غلام حیدر نے رائفل کا فائر کر کے بھارتی جہاز مار گرایا۔ کچھ دنوں بعد آپ کو باجرہ گڑھی (آزاد کشمیر) کے محاذ پر مقرر کیا گیا، جہاں آپ نے تین ماہ رہ کر قابل قدر خدمات سرانجام دیں۔ 24 شعبان 1376ھ/26 مارچ 1957ء کو رات کے وقت آپ کا وصال ہوا۔ بھیرہ شریف ضلع سرگودھا میں آخری آرام گاہ بنی۔ جہاں ہر سال آپ کا عرس شریف منایا جاتا ہے۔

پیر محمد فضل شاہ جلال پوریؒ

پیر سید محمد فضل شاہ بن سید مظفر علی شاہ (ف 1917ء) بن حضرت خواجہ سید حیدر علی شاہ (1908ء) 4/ جمادی الاولیٰ 1312ھ/3 نومبر 1894ء بروز پیر جلال پور شریف ضلع جہلم میں پیدا ہوئے۔ یہی وہ پیر محمد فضل شاہ ہیں جو بعد میں ''امیر حزب اللہ'' کے نام سے مشہور ہوئے۔ ہوش سنبھالنے پر جد امجد پیر حیدر علی شاہ نے آپ کی تعلیم و تربیت کا نہایت اعلیٰ طریقے سے بندوبست کیا۔ مولوی محمد عبدالرحیم ساکن کڑی، مولوی قادر بخش ملتانی، حافظ جلال الدین کوٹ مومن ضلع سرگودھا، مولوی محمد سعید، مولانا فیض الحسن جہلمی (ف 1928ء) اور جد امجد سے دینی تعلیم حاصل کی۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد جد امجد کی صحبت میں رہنے لگے۔ ایک مرتبہ ان کے ساتھ سیال شریف (سرگودھا) بھی گئے۔ ماہنامہ ''صوفی'' منڈی بہاؤالدین ضلع گجرات میں مضامین کا سلسلہ بھی شروع کیا۔ 1346ھ/1927ء میں آپ نے ''حزب اللہ'' کی بنیاد رکھی جس کا مقصد مسلمانوں کی مذہبی، عاشرتی اور اقتصادی اصلاح کے ساتھ ساتھ سیاسی آزادی بھی تھا۔ چنانچہ آپ نے ملک گیر دورے فرما کر مسلمانوں کے ملی شعور کو بیدار کیا۔ تحریک شہید گنج (ف 1935ء) میں جماعتی حیثیت سے حصہ لیا، مسجد کے انہدام پر جامع مسجد کوہ مری میں ایک احتجاجی جلسہ منعقد کیا جس کی صدارت امیر ملت پیر سید حافظ جماعت علی شاہ علی پوری (ف 1951ء) قائد تحریک شہید گنج نے فرمائی۔ آپ نے نہایت موثر تقریر کی جسے گورنمنٹ کے سنسر کی وجہ سے اخبارات میں جگہ نہ مل سکی۔ تحریک پاکستان میں آپ نے سرگرمی سے حصہ لیا۔ حزب اللہ کے پندرھویں سالانہ اجلاس 1942ء سے خطاب کرتے ہوئے قائداعظم (ف 1948ء) کو یقین دلایا کہ: ''حزب اللہ کی جماعت باوجودیکہ وہ تاحال مسلم لیگ سے منسلک یا اس میں مدغم نہیں ہوئی اور نہ ہم اس کی ضرورت سمجھتے ہیں مگر حصول پاکستان کے سلسلے میں وہ مسلم لیگ کے دائرہ کار سے جدا نہیں رہ سکتی، اور اس کے حصول کی خاطر مسلم لیگ جو اقدامات بھی کرے گی انہیں حزب اللہ کی جماعتی تائید حاصل ہوگی''

21/ذوالحجہ 1364ھ/27 نومبر 1945ء کو آپ نے ایک اعلان جاری فرمایا کہ: ''آپ کا ووٹ ایک قومی امانت ہے جسے آپ کو اس کے سپرد کرنا چاہیئے جو اس کی صحیح اہلیت رکھنے والا ہو اور مسلم لیگ پر ہمیں چونکہ مکمل اعتماد ہے اس لئے ووٹ

Marfat.com

اس امیدوار کو دینے چاہئیں جسے مسلم لیگ کی تائید حاصل ہو۔ ہمارے لئے یہ امر نہایت باعث مسرت ہے کہ اپنی مسلمہ فرض شناسی اور صحیح رہنمائی کے حسب اعتبار ہندوستان کے بالعموم اور پنجاب کے بالخصوص مشائخ عظام اور سجادہ نشین حضرات مسلم لیگ کی حمایت کا اعلان کر چکے ہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ ان کا یہ مبارک اتحاد ان کی کامیابی کا ضامن ہوگا"

دسمبر 1945ء میں مرکزی اسمبلی کے انتخابات کا رن پڑا۔ آپ کے حلقہ سے آپ کے چھوٹے بھائی نواب سید مہر شاہ (ف 1980ء) مسلم لیگ کے ٹکٹ پر بلا مقابلہ منتخب ہو گئے۔ 31 دسمبر 1945ء کو آپ نے جلال پور شریف میں پنجاب کے ایک ہزار سربرآوردہ حضرات کو جمع کیا، ان میں سے 24 انتخابی حلقوں کے مسلم اکابر تھے۔ آپ نے اپنا مندرجہ بالا اعلان پڑھ کر سنایا۔ تمام نے اس پر لبیک کہی اور عہد کیا کہ اپنے اپنے حلقوں میں پنجاب اسمبلی کے لئے مسلم لیگ کے امیدواروں کو کامیاب بنائیں گے۔ خود 10 رجنوری 1946ء کو پنجاب کے دورہ پر روانہ ہوئے۔ چنانچہ اوائل 1946ء میں پنجاب اسمبلی کے الیکشن میں مسلم لیگ کو مہتم بالشان کامیابی نصیب ہوئی اور کانگریس کو شکست فاش ہوئی۔ جلال پور شریف (تحصیل پنڈ دادن خان) کے حلقہ سے آپ کے ماموں راجہ غضنفر علی خاں (ف 1963ء) مسلم لیگ کے ٹکٹ پر 7106 ووٹ لے کر کامیاب ہوئے جبکہ یونینسٹ امیدوار محمد یعقوب 2631 ووٹ لے کر خاسر و نامراد رہا۔ 28 رجولائی 1946ء کو جب بمبئی میں مسلم لیگ کونسل کے اجلاس میں حضرت قائد اعظمؒ نے راست اقدام کا اعلان کر کے کانگریس کے ایوان میں ایک تہلکہ مچا کر انگریز کو حیرت میں ڈال دیا تھا کہ جناح جیسا آئین پسند انسان حکومت کے ساتھ براہ راست ٹکر لینے پر کیسے آمادہ ہو گیا ہے۔ امیر حزب اللہ کے برادر اصغر نواب سید مہر شاہ (ف 1980ء) بھی اس اجلاس میں شامل تھے۔ چنانچہ انہوں نے بھی دیگر خطاب یافتگان کی طرح قائد اعظمؒ کی اپیل پر تمام اعزازات و خطابات حکومت کو واپس کر دیئے۔ جنوری 1947ء میں پنجاب میں خضر وزارت کے خلاف سول نافرمانی تحریک چلی تو آپ نے بھی اس تحریک میں حصہ لیا اور قید و بند کے لئے اپنے آپ کو پیش کر دیا۔ آپ کی اتباع میں پوری جماعت حزب اللہ بھی میدان میں نکل آئی، چنانچہ 2 رمارچ 1947ء کو خضر وزارت کو مجبوراً مستعفی ہونا پڑا۔

پاکستان بننے کے بعد 1948ء میں جماعت حزب اللہ نے عملی طور پر جہاد کشمیر میں حصہ لیا۔ تقریباً ایک ہزار اولوالعزم رضا کار جو ریٹائرڈ فوجی تھے، آپ کے ایما پر کشمیر میں پہنچ گئے اور کئی خونریز معرکوں میں داد شجاعت دی، کڑکڑاتی سردی اور شدید برفباری میں کرناہ، اوڑی اور ٹیٹوال کے محاذ پر پورے چار ماہ تک لڑتے رہے۔ اس کے علاوہ پونچھ، میر پور اور مظفر آباد میں حزب اللہ کے رضا کار آخر دم تک لڑتے رہے۔ آپ کی وفات حسرت آیات 17 شعبان المعظم 1386ھ رکیم دسمبر 1966ء بروز جمعرات ہوئی۔ جلال پور شریف میں آخری آگام گاہ بنی جو مرجع خلائق ہے۔

سید منظور احمد مکان شریفیؒ

سید منظور احمد بن سید غلام رسول کی ولادت 1323ھ ر 1905ء میں مکان شریف (رتڑ چھتڑ) ضلع گورداسپور (مشرقی پنجاب) میں ہوئی۔ آپ برصغیر میں نامور روحانی شخصیت اور ولی کامل حضرت سید امام علی شاہ نقشبندی مجددی

Marfat.com

(ف 1866ء) کے پڑپوتے تھے۔ یہ گھرانہ صدیوں دینی اور روحانی فیض کا منبع رہا ہے اور اس نے نامور ہستیاں پیدا کی ہیں۔ سید منظور احمد نے اپنے والد بزرگوار اور دیگر افاضل وقت سے اکتساب علم کیا۔ والد گرامی کے دست حق پر بیعت کر کے اپنی عمر عزیز قرآن وحدیث اور اشاعت تعلیمات مجددیہ کے لئے وقف کر دی۔ جلد ہی ان کی قابلیت اور روحانی عظمت کا شہرہ دور دور تک پھیل گیا۔ آپ نے قیام پاکستان کی تحریک کی نہ صرف پرجوش حمایت کی بلکہ اس میں بھرپور حصہ لیا اور ایسے وقت میں جبکہ بعض علماء کانگریس کی حمایت کے نشے میں قیام پاکستان کی مخالفت کر رہے تھے، باقاعدہ مسلم لیگ میں شامل ہو کر اک ولولہ تازہ بخشا اور نہ صرف اپنے مریدوں اور معتقدین کو مسلم لیگ میں شامل کیا بلکہ برصغیر کی تمام درگاہوں سے سجادہ نشینوں کو مراسلے بھیج کر انہیں تحریک پاکستان میں پرزور حصہ لینے کی اپیل کی۔ اس بارے میں سرہند شریف کے سجادہ نشین حضرت سید مقبول احمد کے ساتھ آپ کی مراسلت بڑی دلچسپ ہے۔ سید مقبول احمد کے نام اپنے مراسلے میں آپ نے استفسار کیا کہ ''مسلم لیگ میں شرکت کے لئے آپ کی رائے کیا ہے؟ آپ کا جواب آنے پر اس بارے میں اعلان کیا جائے گا۔ اس کے جواب میں حضرت سید مقبول احمد نے 15 نومبر 1945ء کو ایک طویل مراسلہ بھیجا جس میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ النورانی کے مجاہدانہ طریق عمل اور ہندو نواز پالیسیوں کے خلاف سرفروشانہ خدمات کا مفصل جائزہ پیش کیا۔ اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کے پیش کردہ دوقومی نظریہ کے حوالہ سے مسلمانوں کے لئے علیحدہ وطن پر زور دیا گیا۔ سجادہ نشین سرہند شریف کے اس تاریخی مکتوب کے سید منظور احمد شاہ نے ہزاروں کی تعداد میں شائع کر کے تقسیم کیا۔ 46-1945ء کے الیکشن کے دوران ''سرحد مسلم لیگ'' کی طرف سے ایک اشتہار شائع ہوا جس میں تیس جلیل القدر سنی مشائخ عظام اور علمائے کرام نے مسلم لیگی امیدواروں کی حمایت کا اعلان کیا تھا۔ اس اشتہار کا عنوان تھا ''صرف مسلم لیگ کی حمایت کرو''۔ یہ اشتہار سول ملٹری پریس ڈیرہ اسماعیل خان سے شائع ہوا اور بجلی کی سی سرعت کے ساتھ اکناف واطراف ملک میں پھیل گیا۔ سترھویں نمبر پر سید منظور احمد شاہ کا اسم گرامی اور اعلان حق درج ہے: ''مسلمانان ہند کی زندگی اور وقار کا انحصار حفظ پاکستان کے نصب العین پر ہے اور مسلم لیگ ہی مسلمانان ہند کی واحد نمائندہ جماعت ہے''

فروری 1946ء میں صوبائی انتخابات میں آپ نے اپنے گورداسپور مشرقی کے مسلم لیگی امیدوار چوہدری غلام فرید کی زبردست حمایت کی۔ چوہدری صاحب 8609 ووٹ لے کر کامیاب ہو گئے جبکہ یونینسٹ امیدوار چوہدری محمد بشیر 573 اور آزاد امیدوار غلام فرید صفر ووٹ لے کر ضمانت ضبط کروا بیٹھے۔ قیام پاکستان کے بعد آپ ساہیوال منتقل ہو گئے اور فروغ دین محمدی کے لئے اپنی زندگی وقف کر دی۔ اور 8 محرم الحرام 1389ھ/27 مارچ 1969ء بروز جمعرات انتقال کر گئے۔

پیر سید سعید شاہ بنوری کوہاٹی

پیر سید سعید شاہ کی ولادت باسعادت 1893ء میں خانوادہ سادات بنوری سکنہ گڑھی بنوریاں کوہاٹ میں ہوئی۔ والد گرامی کا اسم مبارک سید اعظم شاہ بنوری تھا۔ گورنمنٹ ہائی اسکول کوہاٹ سے ابھی مڈل تک تعلیم حاصل کی تھی کہ والد گرامی کی

Marfat.com

رحلت ہوگئی اور تعلیم کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ والد گرامی کی چھوڑی ہوئی جائیداد کی دیکھ بھال کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم بھی حاصل کرتے رہے۔ عالم شباب میں ہی امیر ملت حضرت پیر سید حافظ جماعت علی شاہ محدث علی پوری (ف 1951ء) دست حق پر بیعت کر لی تھی۔ اور پچیس برس کی عمر میں اپنے مرشد گرامی کی معیت میں حج بیت اللہ و زیارت روضہ رسول اللہ ﷺ سے مشرف ہوئے۔ جب آپ روحانیت کی منازل طے کر چکے تو 12 مئی 1939ء بروز جمعۃ المبارک حضرت امیر ملت قدس سرہ، نے برموقعہ سالانہ عرس شریف علی پور سیداں ضلع سیالکوٹ، آپ کو دستار خلافت سے نوازا اور خلق خدا کی روحانی تربیت کا حکم فرمایا۔ آپ نے تحریک ہجرت، تحریک خلافت اور تحریک شہید گنج میں نمایاں کردار ادا کیا۔ فروری 1938ء کوہاٹ میں مسلم لیگ کی بنیاد رکھی۔ مولانا شوکت علی (ف 1938ء) مسلم لیگ کی تنظیم کے سلسلے میں صوبہ سرحد کے دورے پر آئے تو آپ نے پشاور جا کر انہیں اپنے مکمل تعاون کا یقین دلایا اور کوہاٹ آنے کی دعوت دی۔ مولانا شوکت علی، کوہاٹ تشریف لائے اور آپ کے ہاں مقیم ہوئے۔ آپ نے مسجد حاجی بہادر میں ایک عظیم الشان جلسے کا اہتمام کیا جس سے مولانا شوکت علی نے خطاب فرمایا۔ آپ کو کوہاٹ مسلم لیگ کا صدر بنایا گیا یہ وہ دور تھا کہ لوگ مسلم لیگ میں شامل ہونے سے ہچکچاتے تھے، آپ نے مسلم لیگ کے پیغام کو گھر گھر پہنچانے کے لئے انتھک جدوجہد کی اور کسی بھی قسم کی مالی و جانی قربانی سے دریغ نہ کیا۔ تمام صوبہ سرحد کا طوفانی دورہ کیا اور اپنی شعلہ نوائی سے صوبہ سرحد کو مسلم لیگ کا ناقابل تسخیر قلعہ بنا دیا۔ آپ بڑے بے باک اور جادو بیان مقرر تھے۔ بلا خوف اور بلا دھڑک حق کی بات کہہ دیتے تھے۔ ایک دفعہ کوہاٹ میں مولانا ظفر علی خاں (1956ء) اور سید عطاء اللہ بخاری (ف 1961ء) جیسے مقرروں کو بھرے جلسے میں دوران تقریر ڈانٹ دیا اور وہ تقریر جاری نہ رکھ سکے۔ صوبہ سرحد میں احراریوں اور سرخ پوشوں کے زور کو توڑنے کے لئے اپنی تمام تر مساعی صرف کر دیں۔ بنوں، ڈیرہ اسماعیل خان، مردان، ہزارہ، اور پشاور کے علاقوں میں خصوصی دورے کر کے "مسلم ہے تو مسلم لیگ میں آ" کا نعرہ مستانہ بلند کیا جس کے نتیجے میں مسلم لیگ عوام و خواص کے دلوں کی دھڑکن بن گئی۔ مسلم لیگ نے جب صوبہ سرحد میں سول نافرمانی کی تحریک کا آغاز کیا تو آپ نے کوہاٹ میں جلوسوں کی قیادت کی۔ کانگریسوں نے آپ کے جلوسوں پر سنگبازی کی مگر آپ نے ان سب مشکلات و مصائب کا بڑی جرات و شجاعت سے مقابلہ کیا اور حضرت قائداعظمؒ اور مسلم لیگ کے پیغام کو کوچہ کوچہ اور قریہ قریہ پہنچانے کا فریضہ بحسن و خوبی انجام دیتے رہے۔ اس سلسلے میں حضرت قائداعظم نے آپ کو تعریف و ستائش کے جو خطوط لکھے وہ آپ کی ان تھک جدوجہد کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ تحریک سول نافرمانی کے دوران آپ نے اپنے رضا کاروں کو ساتھ لے کر کوہاٹ کی سرکاری عمارتوں سے یونین جیک اتار کر مسلم لیگ کا سبز ہلالی پرچم لہرایا۔ تحریک پاکستان کے دوران آپ کو دو دفعہ گرفتار کیا گیا۔ ایک دفعہ ایک تقریر کے سلسلے میں چھ ماہ کے لئے قید کیا گیا جبکہ دوسری دفعہ مئی 1947ء میں جب آپ نے اپنے ساتھیوں فضل کریم آصف ایڈووکیٹ، سید قاموس شاہ ایڈووکیٹ، رسول شاہ بخاری ایڈووکیٹ اور آغا حسین شاہ وغیرہ ہم کے ساتھ کوہاٹ کچہریوں کی پکٹنگ کی، گرفتار کر کے چھ ماہ کے لئے نظر بند کر دیا گیا۔ آخر کار دوسرے سب مسلم لیگیوں کی طرح آپ کی قید و بند کی صعوبتیں رنگ لا کر رہیں اور انگریز کو برصغیر سے اپنا بوریا بستر گول کرنا پڑا۔ اور 14 اگست 1947ء کا وہ تاریخی لمحہ آ پہنچا جب وطن عزیز پاکستان دنیا کے نقشے پر نمودار

Marfat.com

ہوا۔ مسلم لیگ کے اس مخلص اور جری رہنما کی زندگی کے سب سے قیمتی اور یادگار لمحے وہ تھے جب 14 اگست 1947ء کو رہائی کے بعد قلعہ کوہاٹ پر سبز ہلالی پرچم لہرایا۔ چونکہ آپ 1940ء سے تا قیام پاکستان، مسلم لیگ کے ضلعی صدر تھے۔ اس لئے یونین جیک اتروا کر اس کی جگہ پاکستان کا سبز ہلالی پرچم قلعہ کوہاٹ پر لہرانے کی سعادت، آپ کے مبارک ہاتھوں کو نصیب ہوئی۔ اس روز انسانوں کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھا جو اس پر مسرت تقریب کا نظارہ کرنے کے لئے وہاں جمع کیا تھا۔ پاک فوج کے دستے نے آپ کو سلامی دی اور آپ نے نعرہ تکبیر، اللہ اکبر اور پاکستان زندہ باد کے فلک شگاف نعروں کی گونج میں پرچم پاکستان کو اپنے وطن کی آزاد فضاؤں میں پہلی بار لہرایا۔

قیام پاکستان کے بعد آپ اسلامی نظام کے قیام کے لئے جدوجہد میں مصروف رہے۔ لیکن حضرت قائداعظم کے اصرار کے باوجود نہ تو کوئی سرکاری عہدہ قبول کیا اور نہ ہی اپنے نام جائیداد وغیرہ الاٹ کرائی۔ آپ کی تمام جدوجہد بے غرض اور بے ریا تھی۔ آپ نے سب کچھ اپنے پیر و مرشد امیر ملت پیر سید حافظ جماعت علی شاہ پوریؒ (ف 1951ء) کے فرمان کے مطابق کیا۔ آپ کی تمام زندگی نہ ستائش کی تمنا نہ صلے کی پرواہ، کی آئینہ دار ہے۔ قیام پاکستان کے بعد دوسرے مخلص مسلم لیگیوں کی طرح آپ کو بھی گوشہ گمنامی میں دھکیل دیا گیا۔ زندگی کے آخری سالوں میں آپ بینائی سے محروم ہو جانے کی وجہ سے قومی سیاست سے کنارہ کش ہو گئے اور یاد الٰہی اور مسلمانوں کی روحانی ترقی میں مصروف ہو گئے۔ آخر سادات بنوری کا یہ روشن چراغ مذہب و ملت کی گرانقدر خدمات سرانجام دینے کے بعد 28 شعبان المعظم 1390ھ/29 اکتوبر 1970ء بروز جمعرات بجھ گیا لیکن اپنے پیچھے اجالے چھوڑ گیا۔

سید مظہر گیلانی پشاوریؒ

آغا سید رہبر حسین شاہ مظہر گیلانی ابن آغا سید محمد اصغر علی شاہ گیلانی (ف 1924ء) کی ولادت 16 فروری 1918ء/4 جمادی الاول 1336ھ بروز ہفتہ پشاور میں ہوئی۔ اسلامیہ ہائی اسکول پشاور سے میٹرک کیا۔ منشی فاضل اور ادیب فاضل کی تیاری کے لئے مولانا ابوالکلام عبدالسلام سلیم کے حلقۂ تدریس میں زانوئے تلمذ تہ کیا۔ بینٹ کالج شملہ سے ایف اے کیا۔ والدہ ماجدہ کی رحلت کے سبب مزید تعلیم کا سلسلہ جاری نہ رہ سکا۔ سید مظہر گیلانی خاندانی اعتبار سے سجادہ نشین اور روحانی پیشوا تھے۔ انہوں نے نہایت عقیدت و احترام سے قصیدہ غوثیہ کا منظوم ترجمہ کیا۔

سید مظہر گیلانی نے ملک کی سیاسی تحریکوں میں بھی زبردست حصہ لیا۔ آپ آزادی اور حریت کے دیوانے تھے۔ 1930ء میں حادثہ قصہ خوانی، مجاہدین آزادی کے لئے ایک کربلا سے کم نہیں تھا۔ خاک و خون کی ہولی کھیلی گئی۔ مجاہدین صف شکن آگے بڑھتے اور آہن و آتش کے شعلے برساتے پہاڑوں سے ٹکرا جاتے۔ 1940ء میں بطور کارکن مسلم لیگ میں شامل ہوئے اور سٹی مسلم لیگ پشاور کے جنرل سیکریٹری منتخب ہوئے۔ اپنی پرجوش نظموں کے ذریعے مسلم لیگ میں ولولہ پیدا کیا۔ قائداعظم کے دل و جان سے شیدائی تھے۔ اپنی جائیداد کا بیشتر حصہ فروخت کر کے سرحد میں کانگریس کا مقابلہ کیا۔ اپنے خرچ پر بہار،

Marfat.com

یوپی، سی پی، پنجاب اور ہندوستان کے دوسرے شہروں کے دورے کر کے تحریک پاکستان کو جلا بخشی۔ آپ کے ہزاروں مریدوں نے دل و جان سے مسلم لیگ کا ساتھ دیا اور حصول پاکستان کے لئے قربانیاں دیں۔ نومبر 1945ء میں قائداعظم کے دورہ پشاور کے انتظامات میں سید مظہر گیلانی نے بڑی مہارت کا مظاہرہ کیا۔ آپ کے حسن انتظام سے مخالفین پاکستان کے گھروں میں صف ماتم بچھ گئی اور آپ کے درپے آزار ہو گئے۔

ڈاکٹر خان صاحب (ف 1958ء) کی وزارت نے صوبہ سرحد میں مسلم لیگیوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا اور طرح طرح کے مظالم ڈھانے شروع کر دیئے تو پیر صاحب مانکی شریف (ف 1960ء) سید مظہر گیلانی اور دیگر مسلم لیگی لیڈروں نے جس پامردی سے ان مصائب و آلام کا مقابلہ کیا، وہ سرحد کی تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔ 1947ء کی تحریک سول نافرمانی میں آپ نے ایک جلسہ عام میں ایک طویل نظم بعنوان ''پاکستان'' پڑھی جس کے نتیجہ میں انہیں چھ ماہ تک قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں۔ انہوں نے رزمیہ انداز میں للکارتے ہوئے کہا:

ے اٹھ کہ اب پیش نظر تعمیر پاکستان ہے — اٹھ کہ تیری منتظر تقدیر پاکستان ہے
جھوم کر اک بار اٹھ پھر آستیں الٹے ہوئے — آسماں کو گھورتے صحن زمیں الٹے ہوئے
ٹوٹ پڑ پھر کفر و باطل پر علم کھولے ہوئے — برچھیاں تانے ہوئے تیغ دو دم تولے ہوئے
مسلم جرار یہ موقع ہے بسم اللہ اٹھ — اسکو کہتے ہیں جہاد فی سبیل اللہ اٹھ
خاک و خوں میں کفر کو پھر روندتے اک بار اٹھ — برق کی صورت عدو پر کوندتے اک بار اٹھ
اک زمانہ ہو گیا پیاسی تری شمشیر ہے — کفر کے خوں میں نہانا پھر تری تقدیر ہے

پاکستان معرض وجود میں آیا تو سید مظہر گیلانی نے بھارتی علاقوں سے آنے والے مہاجرین کی آبادکاری کے لئے جس محنت، دیانتداری اور جاں نثاری سے کام لیا وہ کچھ انہیں کا حصہ تھا۔ حضرت قائداعظم کی رحلت کے بعد مسلم لیگیوں نے جس طرح اقتدار کے لئے پاپڑ بیلے اور مسلم لیگ کے منشور کی خلاف ورزی کی اس سے آپ بہت پریشان تھے۔ چنانچہ آپ نے 25 دسمبر 1955ء کو قائداعظم کو پکارتے ہوئے کہا:

ے دیا تو نے کیا روشن خدا کے نام سے — ابتداء جس کی ہوئی قرآن سے اسلام سے
عالم اسلام تھا مسرور جس اقدام سے — آج خوف آتا ہے اس کے مضمحل انجام سے

اور وہ مضمحل انجام قوم نے 1971ء ہی میں دیکھ لیا۔ آپ کی وفات حسرت آیات 30 جنوری 1973ء / 25 / ذوالحجہ 1392ھ بروز منگل پشاور میں ہوئی اور وہیں آخری آرام گاہ بنی۔

پیر محمد ہاشم جان سرہندیؒ

پیر محمد ہاشم جان بن خواجہ محمد حسن جان سرہندی (ف 1946ء) کی ولادت 1322ھ / 1904ء میں ٹنڈو سائیں

Marfat.com

ادو تحصیل ٹنڈو محمد خان ضلع حیدرآباد (سندھ) میں ہوئی۔ سلسلہ نسب حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ النورانی سے ملتا ہے۔ گیارہ برس کی عمر میں قرآن پاک حفظ کیا۔ پھر دارالعلوم معینیہ عثمانیہ اجمیر شریف میں داخلہ لے کر حضرت مولانا معین الدین اجمیری (ف 1940ء) سے استفادہ کر کے سند تکمیل حاصل کی۔ اجمیر شریف ہی میں حکیم نظام الدین (برادر مولانا معین الدین اجمیری) سے فن طب حاصل کیا اور واپس سندھ آ کر تدریس وارشاد اور طبابت میں مصروف ہوگئے والد گرامی کے دست مبارک پر بیعت کی اور اجازت وخلافت حاصل کی۔ خطابت پر مہارت تامہ حاصل تھی۔ اپنے استاذ گرامی مولانا معین الدین اجمیری (ف 1940ء) کی زیر قیادت تحریک خلافت میں بھرپور حصہ لیا۔ برصغیر کے طول وعرض میں بے شمار جلسوں سے خطاب کیا۔ صوبہ سندھ میں تحریک خلافت کو پروان چڑھایا۔ تحریک پاکستان کا دور آیا تو مسلم لیگ میں شامل ہوگئے۔ اور اپنی تمام تر توتوں کو مسلم لیگ کے لئے وقف کردیا۔ سندھ کے دیوبندی علماء بہت بڑے اثر ورسوخ کے مالک تھے اور ان کی تمام تر ہمدردیاں کانگریس سے وابستہ تھیں۔ آپ نے دیگر علماء ومشائخ اہلسنت کے ساتھ مل کر ان کے اثر ورسوخ کو زائل کیا۔ والد گرامی اور دیگر خاندانی بزرگوں کی طرح مسلم لیگ کی دامے درمے قدمے قلمے اور سخنے مدد کی۔ یہ علماء ومشائخ اہلسنت کی مساعی جمیلہ ہی تھیں جن کی وجہ سے ایک طرف سندھ کے مسلم عوام بیدار ہوئے اور دوسری طرف سندھ اسمبلی کے ممبران نے اسمبلی میں ''پاکستان ریزولیشن'' کو بالاتفاق منظور کرنے میں پورے ہندوستان میں پہل کردی۔ 1946ء کے الیکشن میں سندھ کے سرہندی خاندان نے جو تاریخ ساز کردار ادا کیا وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ سالانہ قافلہ سرہندی خاندان پیر غلام مجدد سرہندی (ف 1958ء) پیر محمد حسن جان سرہندی (ف 1946ء) اور انکے صاحبزادوں خصوصاً پیر محمد ہاشم جان سرہندی نے مسلم لیگی امیدواروں کی کامیابی کے لئے سردھڑ کی بازی لگادی۔ ان حضرات نے کانگریس اور جی ایم سند (ف 1955ء) کے طلسم فریب کو توڑ کر مسلم لیگ کے پیغام کو ہر دل کی دھڑکن بنادیا۔ جس کے نتیجے میں سندھ میں مسلم لیگ کو نمایاں کامیابی حاصل ہوئی۔ ضلع حیدرآباد (سندھ) کے مسلم لیگی امیدواروں حسین بخش تالپور، میر بندے علی تالپور، سید میراں محمد شاہ اور میر غلام علی خاں تالپور کی کامیابی انہی بزرگوں کی رہین منت ہے۔ پاکستان بننے کے بعد پیر محمد ہاشم جان اسلامی دستور کی جدوجہد میں مصروف رہے۔ نظام مصطفیٰ ﷺ کے نفاذ اور مقام مصطفےٰ ﷺ کے تحفظ کے لئے مساعی رہے۔ سندھودیش کی مذموم تحریک کے خلاف سینہ سپر رہے۔ آخری چند سالوں میں ٹنڈو سائیں داد سے نارتھ ناظم آباد، کراچی منتقل ہوگئے تھے۔ 21 رمضان المبارک 1395ھ مطابق 28 ستمبر 1975ء بروز اتوار بمقام شاہو کلی نزد کوئٹہ (بلوچستان) رحلت ہوئی اور جسد اطہر کو ٹنڈو سائیں داد لا کر سپرد خاک کیا گیا۔

پیر محمد اسحاق جان سرہندیؒ

پیر محمد اسحاق سرہندی کی ولادت 1330ھ/1912ء میں حیدرآباد سندھ میں ہوئی۔ والد گرامی پیر محمد اسماعیل روشن سرہندی (ف 1942ء) نے یہ تاریخ ولادت کہی:

Marfat.com

سن تولد او چوں چراغ دین نبی ﷺ است ۔ چراغ دین نبی ﷺ نام روشنش بنہاد"

ابتدائی تعلیم جدامجد حضرت پیر محمد حسین سرہندی (ف 1948ء) اور والد گرامی سے حاصل کرنے کے بعد ممتاز علماء عصر سے استفادہ کیا۔ بعدازاں اپنے ماموں پیر محمد ہاشم جان سرہندی (ف 1975ء) اور کئی دوسرے سرہندی حضرات کی طرح اجمیر شریف میں مولانا معین الدین اجمیری (ف 1940ء) کی خدمت میں حاضر ہوکر اکتساب علم کیا۔ آپ نے صغرسنی کے باوجود اپنے والد گرامی کے ساتھ تحریک خلافت میں بھرپور حصہ لیا۔ مسجد منزل گاہ سکھر کی تحریک میں بھی اہم کردار ادا کیا۔ مسلم لیگ کا غلغلہ بلند ہوا تو آپ نے جدامجد اور والد گرامی کے ساتھ ڈٹ کر کام کیا۔ یہ وہ دور تھا جب کانگریسی مولوی بڑی شدومد سے مسلم لیگ کو کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔ یہ لوگ روپیہ پیسہ کے زور پر پورے پریس پر چھا چکے تھے۔ ان پرآشوب حالات میں آپ کے نانا اور مرشد حضرت خواجہ پیر محمد حسن جان سرہندی (ف 1946ء) نے ایک اخبار "الحنیف" شکارپور (سندھ) سے جاری کیا جو ایک طرف تو مسلم لیگ اور مسلم عوام کی ترجمانی کرتا تھا اور دوسری طرف کانگریسی علماء کی بھی خبر لیتا تھا۔ اس اخبار میں آپ کی چند سیاسی نظمیں "ساقی" کے نام سے شائع ہوکر مقبول ہوئیں۔ 28 جنوری 1940ء کو صوبائی مسلم لیگ سندھ کی جنرل باڈی کا اجلاس حاجی عبداللہ ہارون (ف 1946ء) زیر صدارت کراچی میں منعقد رہا۔ جس میں نئے انتخابات کے تحت مندرجہ ذیل عہدے داران چنے گئے۔ صدر: حاجی عبداللہ ہارون، نائب صدر: جی ایم سید، نائب صدر: محمد ایوب کھوڑو، جنرل سیکریٹری: شیخ عبدالمجید سندھی، جوائنٹ سیکریٹری: پیر علی محمد راشدی، جوائنٹ سیکریٹری: آغا غلام نبی پٹھان، خزانچی: حاجی عبداللہ ہارون، تیس ارکان پر مشتمل ورکنگ کمیٹی تشکیل دی گئی جس میں پیر محمد اسحاق جان سرہندی بھی شامل تھے۔ آپکے علاوہ سرہندی خاندان کے دو اور بزرگ پیر عبدالستار جان سرہندی اور پیر غلام مرتضیٰ سرہندی بھی ورکنگ کمیٹی کے ممبر تھے۔ تحریک پاکستان کے دوران 1943ء جب حضرت قائداعظم میرپور خاص تشریف لائے تو آپ نے استقبال کے لئے نوجوانوں کے گروپ تیار کیے، ان گروپوں کے قائد بھی آپ ہی تھے۔ قائداعظم نے ازراہ محبت آپ کو بازوؤں سے پکڑ کر اظہار خوشنودی کیا اور آپ کے جوش وولولہ کو خراج تحسین پیش کیا۔ علماء ومشائخ کی کوششوں کی بدولت آزادی کی منزل قریب پہنچ چکی تھی اور وہ سحر طلوع ہونے والی تھی جس کے بعد مسلمان اپنا آزاد وطن حاصل کرکے اپنے مذہب اور رسم ورواج کے مطابق زندگی بسر کرسکیں مگر کانگریسی بچہ جموروں کو یہ بات کسی طرح بھی گوارا نہ تھی، انہوں نے اس جذبہ کو ختم کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا، مسلمانوں میں افتراق واختلاف پھیلانے کی ہرممکن سعی نامشکور کی اور خوف وہراس پھیلانے میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کی مگر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے علماء ومشائخ نے ان کے تمام ناپاک عزائم کو خاک میں ملا دیا۔

پیر محمد اسحاق جان سرہندی نے ان حالات میں جو کارہائے نمایاں انجام دیئے وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ مسلم لیگ ضلع تھرپارکر کے صدر کی حیثیت سے آپ نے سندھ میں ہر محاذ پر مخالفین پاکستان سے ٹکر لی اور انہیں شکست سے دوچار کیا۔ یہاں تک کہ پاکستان منصہ شہود پر جلوہ گر ہوگیا۔ پاکستان بننے کے بعد ہندو مسلم فسادات شروع ہوئے تو آپ نے رضاکار دستے تیار کرکے لوگوں کو جہاد پر آمادہ کیا اور قائداعظم کو تار بھیجا کہ ہمارے ضلع کے عوام جہاد کے لئے تیار کھڑے ہیں۔

Marfat.com

قائداعظم نے آپ کے اس جذبہ کی بہت تعریف کی۔تا زیست مذہبی، ملی اور سیاسی خدمات انجام دینے کے علاوہ آپ نے بہت سی کتابیں بھی لکھیں۔عربی، فارسی، اردو، سندھی، پشتو، پنجابی، بروہی، بلوچی اور سرائیکی پر یکساں عبور رکھتے تھے۔ہزاروں اشعار زبانی یاد تھے۔مشکل اشعار کی تشریح کرتے تو سماں باندھ دیتے۔مندرجہ ذیل کتابیں یادگار ہیں۔

ا۔یسر العربی (عربی، اردو، اور سندھی) حجاج کرام کی رہنمائی وسہولت کے لئے۔

۲۔سفرنامہ ایران (اردو) ایران کا دلچسپ سفرنامہ

۳۔ضبط تولید: (اردو (ضبط تولید کا مسئلہ اسلامی نقطہ نظر سے

۴۔بنات رسول ﷺ (اردو) حضور ﷺ صاحبزادیوں کی سوانح

۵۔منازل ومراحل: (اردو) سعودی عرب، شام، عراق، اردن، لبنان، مصر اور ایران کا دلچسپ سفرنامہ ہے۔

آپ کی وفات 3 ذوالحجہ 1395ھ / 7 دسمبر 1975ء بروز ہفتہ کراچی میں ہوئی۔جسد مبارک کو آبائی قبرستان کوہ گنجہ (ٹکھڑ) سندھ میں سپرد خاک کیا گیا۔آپ کے صاحبزادے پیر نثار احمد جان سرہندی مدظلہ، آپ کے جانشین ہیں اور میر پور خاص (سندھ) میں خلق خدا کی خدمت میں مصروف ہیں۔

پیر عبداللہ جان سرہندیؒ

پیر عبداللہ جان المعروف شاہ آغا بن حضرت خواجہ محمد حسن جان سرہندی (ف 1946ء) کی ولادت 8 جمادی الاول 1305ھ مطابق 22 جنوری 1888ء بروز اتوار ٹنڈو سائیں دادو (سندھ) میں ہوئی۔دس سال کی عمر تک اپنے جد امجد حضرت خواجہ عبدالرحمٰن سرہندی (ف 1898ء) کے زیر تربیت رہے۔پھر والد گرامی کے علاوہ مولانا عبدالقیوم بختیار پوری، مولانا لعل محمد متعلوی، مولانا خیر محمد مگسی، مولانا خیر محمد پاتائی سابق قاضی القاضاۃ ریاست لسبیلہ (بلوچستان) اور مخدوم احسن اللہ خان پاتائی سے اکتساب علم کیا اور والد گرمی کے دست مبارک پر سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں سعادت بیعت حاصل کی۔1938ء میں تحریک مسجد منزل گاہ سکھر میں بڑے جوش وجذبہ کے ساتھ حصہ لیا۔اس سے بیشتر تحریک خلافت میں بھی نمایاں کام کیا۔تحریک پاکستان میں اپنے خاندان کے بزرگوں خواجہ محمد حسن جان سرہندی (ف 1946ء) خواجہ محمد حسین جان سرہندی (ف 1948ء) پیر غلام مجدد سرہندی (ف 1958ء) اور پیر محمد ہاشم جان سرہندی (ف 1975ء) کے شانہ بشانہ پاکستان کو حقیقت کا روپ دینے کے لئے دیوانہ وار کام کیا۔اپنے تمام مریدین کے ساتھ مسلم لیگ کی پوری طرح حمایت کی۔یہاں تک کہ 14 اگست 1947ء کو پاکستان معرض وجود میں آگیا۔آپ کی وفات حسرت آیات 3 ربیع الاول 1393ھ مطابق 31 مارچ 1973ء بروز پیر بوقت تہجد ہوئی اور ٹنڈو سائیں داد میں آخری آرام گاہ بنی۔

دیوان سید آل رسول علی خاں اجمیریؒ

حضرت دیوان سید آل رسول علی خاں ابن پیر جی سید خورسند علی کی ولادت 1893ء میں موضع دھول کوٹ ضلع

Marfat.com

گڑگانواں میں ہوئی۔ والد گرامی اور مولانا عبدالمجید سے اکتساب علم کیا۔ پھر والد بزرگوار سے بیعت کر کے خلافت حاصل کی۔ بعدازاں فرید العصر حضرت میاں علی محمد خان (1881-1975ء) چشتی نظامی آف بسی شریف نے قیام پاکستان کے بعد پشاور میں اجازت وخلافت سے نوازا۔ 1922ء میں سید شرف الدین سجادہ نشین اجمیر شریف کے لاولد فوت ہونے پر سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز سرکار معین الدین چشتی اجمیری قدس سرہ کے سجادہ نشین قرار پائے۔ علم وفضل اور روحانیت میں اپنی مثال آپ تھے۔ تحریک پاکستان میں آپ کی خدمات آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ 5 اکتوبر 1945ء کو روزنامہ ''منشور'' دہلی کے صفحہ اول پر مسلم لیگ کی حمایت میں آپ کا ایک زبردست بیان شائع ہوا: ''ہر مسلمان دل وجان سے مسلم لیگ کے ساتھ ہو جائے اور اس کی حمایت کو اپنا دینی فریضہ تصور کرے''

14 اکتوبر 1945ء کو پیر محمد امین الحسنات المعروف پیر صاحب مانکی شریف (ف 1960ء) نے مانکی شریف ضلع پشاور میں برصغیر کے نامور علماء ومشائخ کی ایک کانفرنس بلائی تاکہ صوبہ سرحد میں مسلم لیگ کے کام کو تیز کیا جائے۔ یہ کانفرنس بعد نماز عشاء حضرت پیر معصوم بادشاہ فاروقی نقشبندی (ف 1957ء) آف چورہ شریف ضلع اٹک کی صدارت میں انعقاد پذیر ہوئی۔ اس کانفرنس میں سنوسئ ہند امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری (ف 1951ء) کو خصوصی طور پر مدعو کیا گیا تھا۔ آپ کے علاوہ صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی (ف 1948ء) مصور فطرت حضرت خواجہ حسن نظامی دہلوی (ف 1955ء) خواجہ غلام سدید الدین تونسوی (ف 1960ء) خواجہ عبدالرشید پانی پتی (ف 1962ء) پیر سید محمد فضل شاہ جلالپوری (ف 1966ء) مولانا عبدالحامد بدایونی (ف 1970ء) پیر محمد عبداللطیف زکوڑی شریف (ف 1978ء) کے علاوہ دیوان سید آل رسول علی خان اجمیری جیسے پانچ صد جید علماء ومشائخ نے قدوم میمنت سے لزوم فرمایا۔ حضرت امیر ملت نے اپنے روح پرور خطاب میں تحریک پاکستان کی زبردست حمایت فرمائی جس پر تمام علماء ومشائخ نے پاکستان کی تائید وحمایت میں تن من دھن کی بازی لگانے کا عہد کیا اور اپنے مریدوں کو مسلم لیگ کی مدد اور حمایت کا حکم جاری کیا۔ 17 دسمبر 1945ء کو اخبار ''دبدبہ سکندری'' رامپور کے صفحہ 22 پر حضرت دیوان آل رسول علی خان کے ایما پر مفتی آستانہ اجمیر شریف مولوی امتیاز احمد صاحب کا مندرجہ ذیل فتویٰ شائع ہوا:

''مسلمانوں کی بڑی جامعت مسلم لیگ کی پیروی وحمایت فرض ہے اور ضروری ہے، حبیب خداوند عالم، حکیم وشفیق امت رسول اکرم ﷺ نے ''اتبعو السواد الاعظم'' یعنی بوقت اختلاف آراء بڑی جامعت اور کثرت آراء کا اتباع اور اس سے موافقت کیا کرو اور اسی کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ ''من شذ شذ فی النار جو شخص اکثریت سے مخالف ہو کر جماعت سے نکلا اور اقلیت میں شریک ہو کر اکثریت کی مخالفت کی وہ ناجی نہیں بلکہ ناری اور دوزخی ہے''

اپریل 1946ء میں سنوسئ ہند امیر ملت حضرت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوریؒ کی زیر صدارت وزیر سرپرستی بنارس (حال انڈیا) میں ''آل انڈیا سنی کانفرنس'' انعقاد پذیر ہوئی جس میں سات ہزار مستند علماء کرام اور مشائخ عظام نے شرکت فرما کر مطالبہ پاکستان کی تحریک کو کامرانی کے آخری مراحل میں داخل کر دیا۔ اور اعلان کر دیا کہ: ''آل انڈیا سنی کانفرنس کا یہ

Marfat.com

تاریخی اور عظیم الشان اجلاس مطالبہ پاکستان کی پرزور حمایت کرتا ہے"

کانفرنس میں منظور شدہ قراردادوں میں سے دوسری قرارداد کے مطابق اسلامی حکومت کے لئے مکمل لائحہ عمل مرتب کرنے کے لئے جن تیرہ مقتدر علماء و مشائخ کی کمیٹی بنائی گئی ان میں دیوان سید آل رسول علی خان کا اسم گرامی بھی شامل تھا جس سے آپ کی علمی، روحانی اور سیاسی وجاہت نمایاں ہے۔ 6-5 رجب 1365ھ/ 8-7 جون 1946ء کو آپ نے پاکستان کے خواب کو شرمندہ تعبیر کرنے کے لئے حضرت خواجہ غریب نواز اجمیریؒ کے سالانہ عرس مبارک کے موقعہ پر اجمیر میں سنی کانفرنس منعقد کی۔ یہ کانفرنس آپ کی زیر صدارت مسجد شاہجہانی واقع درگاہ معلیٰ اجمیر شریف میں دو دن جاری رہی۔ اس میں ہزاروں علماء و مشائخ اور ایک لاکھ سے زائد عوام نے شرکت کی۔ اس تاریخی کانفرنس سے خطاب کرنے والوں میں سے چند ایک اسمائے گرامی یہ ہیں۔

۱۔ حضرت صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی (ف 1948ء)

۲۔ مبلغ اسلام حضرت شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی میرٹھی (ف 1954ء)

۳۔ ابوالمحامد حضرت سید محمد اشرفی محدث کچھوچھوی (ف 1961ء)

۴۔ فخر اہلسنت حضرت مولانا محمد عبدالحامد بدایونی (ف 1970ء)

علماء کرام کی تقاریر کا موضوع بنارس سنی کانفرنس کی منظور کردہ تجاویز پر اعتماد، پاکستان کا حصول، مہاسبھائی تحریک کے مظالم کے خلاف احتجاج اور نفرت اور اس مقصد کے لئے اصلاحی پروگرام وغیرہ امور تھے۔ حضرت محدث کچھوچھویؒ نے "الخطبہ الاشرفیہ للجمہوریہ الاسلامیہ" کے نام سے اپنا معرکۃ الآرا خطبہ پڑھا جس کا ایک ایک لفظ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے اس خطبہ نے پاکستان کے حامیوں کو ایک نیا جوش و ولولہ اور عزم بخشا اور اسی جذبہ کے تحت 14 اگست 1947ء کو پاکستان دنیا کے نقشے پر ابھرا۔

1946ء کے الیکشن میں مشائخ کرام نے اپنے اپنے مریدوں اور عقیدت مندوں کے حلقوں میں مسلم لیگ کی حمایت کے سلسلے میں اعلانات کئے تو اس موقعہ پر دیوان آل رسول خان نے بھی ایک اہم اعلان فرمایا جو درج ذیل ہے: اس وقت ہندوستان میں سب سے ضروری اور ہم سب کی توجہ کے قابل یہ مسئلہ یہ ہے کہ مسلم لیگ کی واحد نمائندگی کے دعوے میں ہم پورے اتر جائیں اور قائداعظم محمد علی جناح کی قیادت قائم و برقرار رہ جائے، اغیار اور معاندین اسلام ہماری اس واحد نمائندگی اور قیادت کی دھجیاں فضائے آسمانی میں اڑا دینا چاہتے ہیں۔ ہم کو بڑے استقلال و پامردی کے ساتھ اس دعوے کو ثابت کرنا ہے اور اس کی قیادت کے قیام و بقاء کے لئے کام کرنا ہے، میں اپنے اس سلسلہ کی خانقاہوں کے سجادگان سے اپنے جد امجد حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے نام پر اپیل کرتا ہوں کہ وہ اپنی اپنی گدیوں کو چھوڑ کر اس نازک وقت میں اسلام کی خدمت کے لئے نکل پڑیں اور مسلم لیگ کے امیدواروں کو کامیاب بنانے کے لئے کمر باندھ کر میدان میں آجائیں۔

قیام پاکستان کے بعد آپ پاکستان تشریف لے آئے۔ اگر چہ بھارتی حکومت نے آپ کو اجمیر شریف قیام فرمار ہنے

Marfat.com

پر بزاز وردیا اور منہ مانگی مراعات دینے کی پیشکش کی مگر آپ نے وہاں ٹھہرنا گوارانہ کیا۔ پہلے چک نمبر 12 سرگودھا میں قیام فرمایا اور بعد ازاں مستقل طور پر پشاور کو اپنا مسکن بنا کر خلق خدا کی روحانی تربیت فرمانے لگے۔ آپ کی حسرت آیات 18 جمادی الاول 1394ھ 9 جون 1974ء بروز اتوار پشاور میں ہوئی۔ اور ''بیری باغ بیرون یکہ توت دروازہ'' پشاور میں سپرد خاک ہوئے۔ بعد میں آپ کا تابوت پشاور سے لا کر گلشن سلطان الہند ضلع اٹک میں دفن کیا گیا۔ آج کل آپ کے صاحبزادے دیوان آل مجتبیٰ علی خاں مدظلہ، گلشن سلطان الہند پنڈی فتح جنگ روڈ ڈاک خانہ قطبال تحصیل فتح جنگ ضلع اٹک میں رشد و ہدایت کی شمع روشن کئے ہوئے ہیں۔

پیر سید غلام محی الدین گولڑوی

حضرت خواجہ پیر سید غلام محی الدین المعروف بابو جی بن قبلہ عالم حضرت پیر سید مہر علی گولڑوی شریف (1937ء) کی ولادت باسعادت دسمبر 1891ء/1309ھ میں گولڑہ شریف ضلع راولپنڈی میں ہوئی۔ والد ماجد نے آپ کی تربیت کے لئے قاری عبدالرحمٰن جونپوری اور مولانا محمد غازی جیسے قابل ترین اساتذہ مقرر کئے۔ بعد فراغت آپ نے والد گرامی کے دست مبارک پر بیعت کر کے اجازت وخلافت حاصل کی۔ اور پھر خلق خدا کی روحانی تربیت فرمانے لگے۔

بابو جی نے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ برصغیر میں ایک علیحدہ آزاد مسلمان مملکت کے حصول وقیام کے لئے آل انڈیا مسلم لیگ کی پرزور حمایت فرمائی اور اپنے ہر ملنے والے سے یہی فرمایا کہ برصغیر کی بہتری اسی میں ہے کہ مسلم لیگ کی مکمل اور متفقہ حمایت کی جائے۔ نامور صحافی اور تحریک پاکستان کے مجاہد میاں محمد شفیع المعروف م ش (ف 1993ء) آپ کی تحریک پاکستان میں خدمات کا تذکرہ روزنامہ ''نوائے وقت'' لاہور بابت 26 جون 1974ء میں یوں کرتے ہیں: ''یہ ایک عجیب حقیقت ہے کہ جب اس صدی کی پانچویں دہائی میں برصغیر میں معرکہ حق و باطل بپا ہوا اور مسلمانوں نے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے اسلام کی سربلندی کے لئے حق خودارادیت کا علم بلند کیا تو پنجاب کے جن سجادوں نے تن من دھن سے قائداعظم کا ساتھ دیا ان میں تونسہ شریف (خواجہ غلام سدید الدین)، سیال شریف (خواجہ محمد قمر الدین)، جلال پور شریف (پیر سید فضل شاہ) اور گولڑہ شریف (پیر سید غلام محی الدین بابو جی) پیش پیش تھے۔ انہوں نے اپنے لاکھوں مریدوں کو عام انتخابات کے موقع پر یونینسٹ پارٹی کے مقابلہ پر مسلم لیگ کے امیدواروں کو کامیاب بنانے کی اپیل کی۔ ان لوگوں کے عظیم کردار کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اگرچہ یونینسٹ پارٹی کے اس وقت کے لیڈر ملک سر خضر حیات خاں ٹوانہ اور ان کے دست راست سر اللہ بخش ٹوانہ، گولڑہ شریف اور سیال شریف سے ارادت رکھتے تھے لیکن عظیم تر ملی مقاصد کے پیش نظر خواجہ محمد قمر الدین صاحب اور خواجہ سید غلام محی الدین شاہ صاحب نے پوری ہمت سے مسلم لیگ کے لئے کام کیا''

پاکستان معرض وجود میں آیا تو اسے دارالسلام قرار دے کر غیر مسلموں کی جان و مال کی حفاظت کے لئے ہر ممکن کوشش کی۔ یہ انہی کی مساعی کا نتیجہ تھا کہ راولپنڈی ڈویژن کے لاکھوں غیر مسلموں کو بحفاظت تمام مہاجر کیمپوں میں پہنچایا گیا۔

Marfat.com

جہاد کشمیر میں بھی پوری سرگرمی سے حصہ لیا اور پھر بقیہ تمام عمر سیاست سے الگ رہ کر یاد الٰہی اور مسلمانوں کی روحانی تربیت میں صرف کردی۔ آپ کی رحلت 22 جون 1974ء یکم جمادی الثانی 1394ھ کو ہوئی اور اگلے روز والد گرامی کے پہلو میں سپرد خاک ہوئے۔

میاں علی محمد خاںؒ

حضرت الحاج میاں علی محمد خاں بن میاں عمر خاںؒ (ف 1916ء) ولادت باسعادت بمقام بسی عمر خاں متصل ہریانہ ضلع ہوشیار پور (مشرقی پنجاب، بھارت) میں 1299ھ / 1881ء میں ہوئی۔ اپنے نانا جان حضرت میاں محمد خان المعروف بہ میاں محمد شاہ چشتی فخر نظامیؒ (ف 1914ء) کی زیرنگرانی ''درس نظامی'' طب اور فنون سپہ گری کی تربیت حاصل کی اور پھر انہیں کے دست مبارک پر بیعت کر کے خلافت حاصل کی۔ نانا جان کے وصال کے بعد مسند سجادگی آپ کے سپرد ہوئی اور سچ تو یہ ہے کہ آپ نے جانشینی کا حق ادا کر دیا اور اپنے روحانی فیضان سے لاکھوں انسانوں کو مستفیض فرمایا۔ ملک الشعراء مولانا غلام قادر گرامی (ف 1927ء) نے آپ کے متعلق کیا خوب کہا ہے۔

- محرم نکتہ خفی وجلی جانشین محمد است علی　　　آفتاب، آفتاب راست دلیل درخور مسند ولی است ولی

تحریک پاکستان میں آپ نے نمایاں کردار ادا کیا۔ 46-1945 کے انتخابات میں مسلم لیگی امیدواروں کی کامیابی کے لئے بھرپور کوششیں فرمائیں۔ اپنے عزیز واقارب، دوست احباب اور مریدین کو ہدایت فرمائی کہ مسلم لیگ کی حمایت کریں۔ ہفتہ روزہ ''سعادت'' لائل پور مورخہ 8 اکتوبر 1945ء صفحہ 1 پر آپ کا ایک بیان شائع ہوا کہ پنجاب میں عنقریب انتخابات شروع ہونے والے ہیں۔ بہت سے اصحاب اس سلسلہ میں مجھ سے مشورہ چاہتے ہیں ان سطور کے ذریعے میں تمام اہل محبت سے استدعا کرتا ہوں کہ ان انتخابات میں مسلم لیگ کے امیدواروں کو کامیاب بنا کر اپنی ملی یک جہتی کا ثبوت دیں'' استاذی حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری ثم لاہوری فرماتے ہیں کہ: ''حضرت میاں صاحب قبلہ خاموشی سے کام کرنے کے عادی تھے۔ اخبارات میں بیان وغیرہ چھپوانے کو اکثر ناپسند فرماتے لہٰذا تحریک پاکستان میں اپنے نمائندوں کے ذریعے اپنے مریدین کو تحریک پاکستان کی مکمل حمایت کے احکام بھیجتے رہے، حضرت پیر صاحب مانکی شریف 1945ء میں حضرت گنج شکرؒ کے عرس پر حاضر ہو کر مشائخ کرام سے ملے اور تحریک پاکستان کی کامیابی کے لئے مشورے کرتے رہے۔ حضرت پیر صاحب مانکی شریف نے حضرت میاں صاحب سے بھی ملاقات فرمائی اور تقریباً ایک گھنٹہ سے زائد عرصہ تک یہ دونوں بزرگ آپس میں باتیں کرتے رہے اس کے کچھ عرصہ بعد پیر صاحب مانکی شریف کا ایک معتمد نمائندہ بسی نو پہنچا اور علیحدگی میں بات کر کے فوراً روانہ ہو گیا۔ گفتگو کیا ہوئی؟ اس کا کسی کو علم نہیں، انتخابات بالکل قریب آ گئے تو عقیدت مندوں اور تحریک کے قائدین نے اصرار کیا کہ آپ ایک بیان دیں کہ ووٹ مسلم لیگ کو دیئے جائیں، چنانچہ حضرت میاں صاحب کا وہ بیان روزنامہ ''نوائے وقت'' لاہور میں چھپا تھا۔ مختصر یہ کہ میاں صاحب نے اپنے اصول کے مطابق تحریک پاکستان کی پرزور مدد فرمائی۔ میں اپنی ذاتی معلومات کی بناء پر

Marfat.com

پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ امرتسر کے دیہاتی حلقہ (تحصیل امرتسر) سے چوہدری نصر اللہ خاں صاحب محض حضرت میاں صاحب قبلہ کی وجہ سے منتخب ہوئے اور ہوشیار پور سے منتخب ہونے والے رانا نصر اللہ خاں تو ان کے مخلص عقیدت مند تھے، لدھیانہ سے حضرت کے ایک تعلق دار یونینسٹ پارٹی کی طرف سے کھڑے ہو گئے اور انہوں نے ہر چند کوشش کی میاں صاحب حمایت فرمائیں مگر ایسا نہ ہوا اور مسلم لیگی امیدوار بھاری اکثریت سے کامیاب ہو گیا۔ انبالہ سے پنجاب اسمبلی کے منتخب ہونے والے امیدوار خواجہ غلام صمد انبالوی بھی آپ کے مخلصین اور معتقدین میں سے تھے۔ تقسیم ملک کے بعد آپ لاہور تشریف لے آئے۔ ڈیڑھ دو ماہ بعد پاکپتن شریف تشریف لے گئے اور پھر وہیں کے ہو کے رہ گئے۔ 28 جنوری 1975ء / 15 محرم الحرام 1395ھ بروز منگل بوقت مغرب آپ کے لاہور میں وصال فرمایا اور درگاہ حضرت گنج شکر قدس سرہ، پاکپتن شریف میں دفن ہوئے۔

پیر عبداللطیف زکوڑی شریف ؒ

تحریک پاکستان کے نامور مجاہد، قائداعظم کے معتمد رفیق اور ممتاز روحانی پیشوا پیر عبداللطیف کی ولادت 13 ذوالحجہ 1332ھ / 2 نومبر 1914ء بروز پیر خانقاہ عالیہ زکوڑی شریف، ڈیرہ اسماعیل خاں (صوبہ سرحد) میں ہوئی۔ والد ماجد کا اسم گرامی حضرت مولانا فقیر عبدالقادر (ف 1919ء) بن مولانا پیر محمد حسن (ف 1897ء) بن امام المشائخ حضرت فقیر محمد رضا نوحانی زکوڑی (ف 1857ء) تھا۔ میٹرک کرنے کے بعد دینی تعلیم کے حصول کے لئے زکوڑی شریف، بنوں اور سیپل شریف میں مختلف اساتذہ کے سامنے زانوائے تلمذ تہہ کیا۔ 1932ء میں اپنے بڑے بھائی مولانا پیر عبیداللہ خاں کی رحلت کے بعد سجادہ نشین بنے۔ آپکو یوں تو شروع ہی سے سیاست سے دلچسپی تھی لیکن مسجد شہید گنج کی تحریک اور صوبہ سرحد کی مقامی تحریکوں "واقعہ اسلام بی بی بنوں" اور "واقعہ قربانی ڈیرہ اسماعیل خان" نے آپ کو عملی سیاست میں لا کھڑا کیا۔ اور آپ ایک کامیاب سیاستدان کی حیثیت سے تاریخ میں اپنا مقام پیدا کر گئے۔ 1935ء میں جبکہ ابھی مسلم لیگ اتنی مستحکم نہیں ہوئی تھی، حضرت پیر صاحب کے میلانات طبع اس کی طرف ملتفت ہوتے گئے اور آپ شد و مد سے اس کی تائید و حمایت فرماتے رہے۔ 1939ء میں ڈیرہ اسماعیل خان میں مسلم لیگ کی بنیاد رکھی گئی۔ پیر صاحب بھی اپنے دوستوں سمیت مسلم لیگ میں عملی طور پر شریف ہو گئے۔ 1940ء میں جلسہ قرارداد پاکستان کے موقع پر 23 مارچ کو نوجوان پیر صاحب نے ڈیرہ اسماعیل خان کی نمائندگی کی اور پھر تحریک پاکستان کو ہر دل کی دھڑکن بنانے کے لئے صوبہ سرحد کے کونے کونے میں دورے کر کے مسلم لیگ کی شاخیں قائم کیں اور جلسے کئے۔ دوسرے صوبوں سے بھی مقررین کو بلایا جن میں نواب بہادر یار جنگ (1944ء) مولانا کرم علی ملیح آبادی (ف 1972ء) اور مولانا عبدالحامد بدایونی (ف 1970ء) بھی شامل تھے۔ لاہور کے تاریخی ریزولیشن کے بعد قائداعظمؒ نے فخر بلوچستان قاضی محمد عیسیٰ (ف 1976ء) کی سرکردگی میں ایک وفد صوبہ سرحد بھیجا تاکہ وہاں کے عوام کے سامنے نظریہ پاکستان کی وضاحت کی جاسکے۔ یہ وفد تمام صوبہ میں گیا اور جگہ جگہ جلسے کر کے مسلم لیگ کے پیغام کو پہنچایا۔ اس وفد کو پیر صاحب زکوڑی

Marfat.com

شریف کا پورا پورا تعاون حاصل رہا۔ پیر صاحب خود بھی ان جلسوں میں ایک کامیاب مقرر کی حیثیت سے ابھرے اور اس خداداد صلاحیت سے بعد میں انہوں نے بہت فائدہ اُٹھایا۔ 45-1944ء میں صوبہ سرحد میں مسلم لیگ کی تنظیم فعال نہیں ہوئی تھی، حالات دگرگوں شکل اختیار کر رہے تھے۔ اس موقع پر مسلم لیگ ہائی کمان کی طرف سے نواب محمد اسماعیل خان (ف 1958ء) اور چوہدری خلیق الزمان (ف 1973) کو صوبہ سرحد میں بھیجا گیا تاکہ وہاں کے حالات کا مطالعہ کر کے اپنی رپورٹ پیش کریں۔ اس دو رکنی وفد نے صوبہ سرحد کے اہم مسلم لیگی لیڈروں سے ملاقاتیں کر کے حالات کا جائزہ لیا اور سینٹرل مسلم لیگی پارلیمنٹری بورڈ کے اجلاس منعقدہ 10-9-8 میں اپنی رپورٹ پیش کی جو قائد ملت خان لیاقت علی کان (ف 1951ء) کی زیر صدارت دہلی میں ہوا۔ وفد کے ممبروں نے اپنی رپورٹ میں صوبہ سرحد کے حالات کی تفصیل بیان کی اور مسلم لیگ کی ایک باضابطہ، منظم اور فعال تنظیم قائم کرنے کی سفارش کی جو آئندہ انتخابات کے لئے احسن طریقے سے کام کر سکے۔ اس موقعہ پر صوبہ سرحد مسلم لیگ کے تین بورڈ قائم کئے گئے۔ ایک کا نام الیکشن بورڈ تھا جس کا کام آئندہ انتخابات کے لئے موزوں امیدواروں کا انتخاب تھا۔ پیر صاحب زکوڑی شریف کو اس بورڈ کا ممبر منتخب کیا گیا۔ اس بورڈ نے تمام سرحد کا دورہ کیا۔ دورہ کی ابتدء پشاور سے کی۔ جب وفد بنوں پہنچا تو پیر صاحب کے دوست اور مخلص مسلم لیگی ملک دمساز خان نے بورڈ کے ممبران کی شاندار دعوت کی بورڈ کے ممبران جہاں بھی جاتے ہزاروں کی تعداد میں لوگ سبز جھنڈیوں اور نعرہ تکبیر سے استقبال کرتے اور ممبران پر پھول نچھاور کرتے۔ قائد اعظم زندہ باد مسلم لیگ زندہ باد اور پیر صاحب زکوڑی شریف زندہ باد کے نعروں سے فضا گونج اُٹھتی۔ ہر اجتماع میں پیر صاحب، مسلم لیگ کی حمایت میں پرزور تقریریں کرتے۔ جب بورڈ کے ممبران دورہ کرتے ہوئے ڈیرہ اسماعیل خان پہنچے تو وہاں کے لوگوں نے پندرہ میل شہر سے باہر آ کر استقبال کیا، پھول نچھاور کئے اور پر جوش نعرے لگائے۔ رات کو پیر صاحب نے بورڈ کے ممبران اور دیگر عمائدین مسلم لیگ کی شاندار دعوت کی۔ تمام صوبہ کا دورہ کرنے کے بعد بورڈ نے اپنے اجلاس میں عام انتخابات کے لئے بالاتفاق ٹکٹ تقسیم کئے۔ پیر صاحب کو حلقہ لکی مغربی سے نامزد کیا گیا۔ جب انتخابی مہم عروج کو پہنچی تو حضرت قائد اعظم بنفس نفیس پشاور تشریف لائے۔ اجتماعات سے خطاب کیا، جس سے مسلم لیگ انتخابی مہم کو بہت تقویت ملی۔ پیر صاحب کی انتخابی مہم کے دوران سرحد مسلم لیگ نے ایک پوسٹر بنام ''صرف مسلم لیگ کی حمایت کرو'' حضرت صوفیائے کرام کا اعلان حق شائع کیا۔ اس اشتہار میں 35 مشائخ عظام اور علمائے اکرام کے مسلم لیگ اور پیر صاحب کی حمایت میں اعلانات و بیانات شائع ہوئے بیان دینے والے حضرات میں سے چند کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

۱۔ حضرت پیر سید مقبول احمد صاحب سجادہ نشین سرہند شریف

۲۔ حضرت دیوان سید آل رسول علی خاں سجادہ نشین اجمیر شریف

۳۔ حضرت پیر لاڈلے حسین شاہ سجادہ نشین گلبرگہ شریف

۴۔ حضرت امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پور سیداں ضلع سیال کوٹ

۵۔ حضرت خواجہ غلام سدید الدین سجادہ نشین تونسہ شریف ضلع ڈیرہ غازی خاں

Marfat.com

۶۔ حضرت پیر سید فضل شاہ صاحب سجادہ نشین جلالپور شریف ضلع جہلم

۷۔ حضرت سلطان محمد حسن سجادہ نشین سلطان العارفین حضرت باہوؒ جھنگ

۸۔ حضرت پیر سید منظور احمد شاہ سجادہ نشین مکان شریف ضلع گورداسپور

۹۔ حضرت مولانا سردار احمد شیخ الحدیث دار العلوم منظر اسلام بریلی شریف

۱۰۔ حضرت میاں علی محمد خاں سجادہ نشین بسی شریف، ضلع ہوشیار پور

۱۱۔ حضرت حافظ محمد ابراہیم سجادہ نشین موسیٰ زئی شریف، ڈیرہ اسماعیل خاں

۱۲۔ حضرت پیر معصوم بادشاہ سجادہ نشین چورہ شریف ضلع اٹک، وغیرہ وغیرہ

جب انتخابات کا نتیجہ نکلا تو پچاس کے ایوان میں سے مسلم لیگ کے حصہ میں سترہ سیٹیں آئیں جن میں سے دو تین سیٹیں صرف اور صرف پیر صاحب کی وجہ سے جیتی گئیں۔ پیر صاحب اپنی سیٹ سے 5571 ووٹ لے کر جیت گئے جبکہ ان کے مدمقابل آزاد امیدوار خان عبدالستار خان کو 3776 ووٹ ملے۔ اپریل 1946ء میں حضرت قائداعظم نے ہندوستان بھر کے تمام صوبوں کے منتخب مسلم لیگی ممبران کی دہلی میں میٹنگ بلوائی۔ سرحد اسمبلی کے ارکان بھی دہلی پہنچے۔ حضرت قائداعظم نے سرحد کے ممبران سے ملاقات کی اور ارشاد فرمایا کہ فرنٹیر میں مسلمانوں کی آبادی 95% کے قریب ہے لیکن مسلم لیگ کے حصہ میں صرف ایک تہائی نشستوں کا آنا بڑا تعجب انگیز ار مایوس کن واقعہ ہے۔ یہ سن کر تمام ممبران چپ سادھ گئے۔ اس موقعہ پر پیر صاحب زکوڑی شریف نے کہا کہ بظاہر یہ کامیابی کم نظر آتی ہے، صوبہ میں کانگریس نواز خان برادران کی حکومت ہے، ہندوستان بھر کے کانگریس نواز علماء حکومت کی حمایت میں ہر جگہ تبلیغ اور پروپیگنڈہ کرتے ہیں۔ انتخابات کے دنوں میں حکومت کے خزانے سے ان لوگوں کو بے پناہ مالی امداد ملتی ہے۔ اگر ان حالات کو سامنے رکھا جائے تو یہ کامیابی اتنی معمولی نہیں جتنی بظاہر دکھائی دیتی ہے۔ اب انشاء اللہ تعالیٰ بہت جلد پورے صوبہ میں مسلم لیگ کا اثر ورسوخ نفوذ کرتا جائے گا۔ پیر صاحب کی اس وضاحت سے حضرت قائداعظم مطمئن ہو گئے اور ممبران کو مل جل کر کام کرنے کی ہدایات دے کر رخصت کیا۔ اس کے بعد سرحد میں ڈاکٹر خانصاحب کی کانگریسی وزارت نے مسلمانان سرحد کا قافیہ تنگ کر دیا، ان پر بے پناہ مظالم توڑے گئے۔ آخر صوبہ سرحد کے عوام باطل کا مقابلہ کرنے کے لئے ڈٹ گئے۔ حکومت نے مسلم لیگ کے جلسے جلوسوں پر پابندی لگادی۔ عوام کے بپھرے ہوئے ہجوموں پر آنسو گیس پھینکی جاتی، لاٹھی چارج کیا جاتا، کئی جگہوں پر امن وامان کی بحالی کے لئے فوج بھی بلائی گئی۔ مسلم لیگ کے اہم لیڈروں کو گرفتار کر لیا گیا۔ اور گرفتار شدگان کی اکثریت ڈیرہ اسماعیل خان میں پابہ زنجیر کردی گئی، جن میں پیر صاحب مانکی شریف (ف 1960ء) خان عبدالقیوم خان (ف 1981ء) خان غلام محمد خان لونڈ خور (ف 1974ء) اور پیر صاحب زکوڑی شریف وغیرہ ہم شامل تھے۔ جیل میں تمام سیاسی قیدی پانچوں وقت نماز باجماعت ادا کرتے ہیں جن کی امامت کے فرائض پیر صاحب زکوڑی شریف ادا فرماتے۔ عصر کی نماز کے بعد تقریریں ہوتیں جو اکثر پیر صاحب اور خان عبدلقیوم خان کرتے۔ ہر نماز کے بعد پیر صاحب کے دوست اور معتمد رفیق محمد نواز خان بارک زئی باآواز بلند ''قائداعظم

Marfat.com

زندہ باد' 'پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ' 'اور' 'لے کر رہیں گے پاکستان' ' کے نعرے لگواتے۔ غرضیکہ جیل میں بھی سیاسی ہمہ ہمی اور رونق زوروں پر رہی۔ 3 جون 1947ء کو وائسرائے پلان کا اعلان ہوا جس کے تحت تقسیم ملک کا فیصلہ کیا گیا۔ صوبہ سرحد میں استصواب رائے کا مرحلہ آیا تو ملک بھر کے سیاسی قیدیوں کو رہا کر دینے کا اعلان ہوا۔ اس طرح پیر صاحب اور انکے ہزاروں ساتھی جیلوں سے باہر آئے۔ 9 جون 1947ء کو حضرت قائداعظم نے آل انڈیا مسلم لیگ کی میٹنگ دہلی میں بلائی جس کی صدارت انہوں نے خود کی۔ صوبہ سرحد کی نمائندگی پیر صاحب زکوڑی شریف اور پیر صاحب مانکی شریف کے علاوہ دیگر اکابر مسلم لیگیوں نے کی۔ میٹنگ میں ہر صوبہ کی سیاسی حالت کا جائزہ لیا گیا۔ جب حضرت قائداعظم نے صوبہ سرحد کے نمائندوں سے اپنے صوبہ کے حالات بیان کرنے کے لئے کہا تو صوبہ کے دوسرے نمائندوں کے اصرار پر پیر صاحب زکوڑی شریف اٹھے اور نہایت ہی دل نشین انداز میں صوبہ کے مسلم عوام کے پر جوش جذبات سے حاضرین مجلس کو آگاہ کیا اور کہا کہ اب مسلم لیگ کی مقبولیت صوبہ سرحد میں اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ ریفرنڈم کے وقت 90% سے بھی زیادہ ووٹ پڑیں گے۔ یہ سن کر قائداعظم بہت خوش ہوئے، پیر صاحب اور ان کے ساتھیوں کی مساعی کو بہت سراہا۔ 10 جون 1947ء کو صوبہ سرحد کے نمائندگان کا خصوصی اجلاس حضرت قائداعظم کی صدارت میں ہوا۔ جس میں صوبہ سرحد کی سیاسی حالت اور دیگر مسائل زیر بحث آئے اور آخر میں بالاتفاق صوبہ سرحد کے لئے ریفرنڈم کا سربراہ پیر صاحب زکوڑی شریف کو مقرر کیا گیا۔ دہلی سے واپس آکر پیر صاحب اور ان کے سرفروش ساتھیوں نے رائے عامہ کو پاکستان کے حق میں ہموار کرنے کے لئے طوفانی دورہ کیا۔ صوبہ میں کوئی ایسی جگہ نہ رہی جہاں مسلم لیگ کا انتخابی جلسہ نہ ہوا ہو۔ ان جلسوں میں پیر صاحب نے پر جوش تقریریں کیں اور نظریہ پاکستان سے عوام کو کماحقہ، آگاہ کیا۔ ہر جگہ پیر صاحب اور ان کے ساتھیوں کا پر جوش استقبال کیا جاتا اور گلے میں پھولوں کے ہار ڈالے جاتے۔ مرکزی مسلم لیگ کی طرف سے بھی مقررین کی ایک ٹیم جس میں مولانا عبدالحامد بدایونی (ف 1970ء) جیسے فصیح البیان مقرر تھے، ریفرنڈم کی مہم کو کامیاب بنانے کے لئے بھیجا گیا۔ اس طرح یہ معرکہ حق و باطل اپنے عروج کو پہنچ گیا۔ اس سلسلے میں گجرات کے مشہور مسلم لیگی چوہدری محمد احسن علیگ (ف 1989ء) نے نہایت اہم خدمات انجام دیں۔ ریفرنڈم کے لئے کانگریس کے صندوقچہ کا رنگ سرخ اور مسلم لیگ کے صندوقچہ کا رنگ سبز تھا۔ ان سرخ اور سبز رنگ کے الفاظ سے فائدہ اٹھا کر پیر صاحب جلسوں میں اپنی خطابت کے یوں جوہر دکھاتے: "لوگو! دیکھو، جہنم کا رنگ سرخ ہے، آگ کے شعلے سرخ ہیں، انگریز کا منہ سرخ ہے، بندر کا چہرہ سرخ ہے، تباہی مچانے والی آندھی کا رنگ سرخ ہے اور کفر کے صندوق کا بھی رنگ سرخ ہے۔ جو اس سرخ صندوق میں ووٹ ڈالے گا وہ جہنم کی دہکتی ہوئی آگ میں ڈالا جائے گا۔ اس مقابلہ میں چمن زار سبز ہے۔ روضہ مبارک کا رنگ سبز ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا جبہ اور حضرت امام حسینؓ کے علم کا رنگ سبز ہے۔ مسلم لیگ کے پرچم کا رنگ بھی سبز ہے اور اہل اسلام کے صندوق کا رنگ بھی سبز ہے۔ جو اس سبز رنگ کے صندوق میں ووٹ ڈالے گا وہ بہشت کے سبز رنگ کے پرندوں کے ساتھ بہشت میں خوشی سے پرواز کرے گا"

آخر پیر صاحب اور ان کے مخلص ساتھیوں کی سعی و کاوش رنگ لائی۔ ریفرنڈم کے دن پولنگ اسٹیشنوں پر پاکستان

Marfat.com

کے حق میں ووٹ ڈالنے والوں کی لمبی لمبی قطاریں لگی ہوئی تھیں لیکن کانگریس کے پنڈالوں پر ہو کا عالم طاری تھا۔ جب پولنگ کا نتیجہ نکلا تو پاکستان کے حق میں 28 لاکھ 9 ہزار اور ہندوستان کے حق میں صرف 874 ووٹ پڑے۔ ریفرنڈم کا فیصلہ ہونے کے بعد ایجنسیوں کے قبائلی سردار، سربراہ ریفرنڈم حضرت پیر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اب جبکہ سرحد کے عوام نے پاکستان میں شامل ہونے کا مطالبہ کر لیا ہے۔ آپ براہ کرم حضرت قائداعظم سے مل کر دریافت کریں کہ پاکستان میں اب ہماری پوزیشن کیا ہوگی۔ اس اہم مسئلہ پر گفتگو کرنے کے لئے پیر صاحب 2 اگست 1947ء کو دہلی پہنچے اور قائداعظم سے ملاقات کا وقت مقرر کر کے 3 اگست 1947ء کو ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ قائداعظم بڑی محبت اور تپاک سے ملے۔ آپ نے اپنے قائد کے حضور قبائلیوں کی معروضات اور مطالبات پیش کئے اس پر قائداعظم نے فرمایا: ''اب غیرت کا کوئی سوال نہیں رہا۔ اگر قبائلی اپنے علاقے کو پاکستان کا ڈویژن بنانا چاہتے ہیں تو انہیں وہ تمام مراعات حاصل ہونگی جو دیگر پاکستانیوں کو حاصل ہونگی۔ اگر وہ بدستور سابقہ حالت میں رہنا چاہیں تو انہیں انگریزی حکومت سے زیادہ مراعات ملیں گی۔ ہاں اگر انہوں نے کابل کے برخوردار غلط حکمرانوں اور ہندوؤں کی شہ پر کوئی نامناسب قدم اٹھایا تو اس کا سخت خمیازہ بھگتنا پڑے گا''

پیر صاحب نے حضرت قائداعظم کی خدمت میں مزید عرض کیا کہ پاکستان اور خصوصاً سرحد کے جو آدمی قتل یا ڈاکہ زنی کر کے ملک سے راہ فرار اختیار کر چکے ہیں اور آج کل فقیر اپی (ف 1961ء) اور دوسرے قبائلی سرداروں کے ہاں پناہ لئے ہوئے ہیں، انہیں واپس آنے کی اجازت دی جائے تاکہ فریقین میں کوشش کر کے صلح کرادی جائے اور اس طرح وہ پاکستان کے وفادار شہری کی حیثیت سے زندگی گزار سکیں۔ قائداعظم نے اس تجویز کو بہت پسند کیا اور ہر ممکن تعاون کا یقین دلایا۔ 14 اگست 1947ء کو ماہ رمضان المبارک میں پاکستان کی آزاد مملکت وجود میں آئی اور اس طرح حضرت قائداعظم اور دیگر مسلم لیگ رہنماؤں کی انتھک کوششوں اور خدا اور رسول ﷺ کے فضل وکرم سے ہمیں سورج سے بھی زیادہ روشن منزل مل گئی۔ قیام پاکستان کے بعد پیر صاحب اس نوزائیدہ مملکت کی فلاح و بہبود کے لئے ہمہ تن مصروف رہے۔ حق گوئی و بیباکی ان کا شیوہ رہا۔ بدین سبب کئی بار قید و بند کی صعوبتوں سے نبرد آزما رہے۔ 23 صفر المظفر 1398ھ/2 فروری 1978ء بروز پیر اڑھائی بجے علی الصبح ملتان میں دل کا دورہ پڑنے سے آپ کی رحلت ہوئی۔ جسد مبارک کو خانقاہ زکوڑی شریف میں لا کر سپرد خاک کیا گیا۔

سید محمد حسین ظفر سکھو چکی

سید محمد حسین ظفر ابن حضرت سید محمد غوث (ف 1936ء) سکھو چک تحصیل شکر گڑھ ضلع گورداسپور میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد ادیب، خطیب، شاعر، صوفی اور نامور شیخ طریقت تھے، والد ماجد کی آغوش تربیت میں رہ کر آپ میں بھی وہ تمام خصوصیات پیدا ہوگئی تھیں۔ آپ نے تحریک پاکستان میں خصوصی دلچسپی لی۔ سکھو چک کی جامع مسجد کے خطیب بھی تھے اور اپنے والد ماجد کے سجادہ نشین بھی۔ ان دونوں حیثیتوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آپ نے مسلم لیگ کی بھرپور مدد کی۔ 1945ء میں اپنے والد ماجد حضرت سید محمد غوثؒ کے سالانہ عرس مبارک پر محدث پاکستان حضرت مولانا محمد سردار احمد فیصل آبادی (ف

Marfat.com

1962ء) مولانا محمد یوسف سیال کوٹی (ف 1968ء) اور دیگر علمائے کرام و مشائخ کی موجودگی میں آپ نے اپنی تقریر کے دوران اعلان کیا کہ: ''میں آج سے مسلم لیگ میں شامل ہوتا ہوں اور تمام مسلمانوں کو مسلم لیگ میں شامل ہو جانا چاہیئے کیونکہ مسلمانان ہند کی واحد نمائندہ جماعت ''مسلم لیگ'' ہی ہے جس کے متعلق حضرت امیر ملت قبلۂ عالم مولانا الحاج حافظ پیر سید جماعت علی شاہ علی پور شریف اور باقی سجادہ نشین ہند بھی اعلان فرما چکے ہیں کہ ہندوستان میں اگر کوئی مسلمانوں کی سیاسی نمائندہ جماعت ہے تو وہ واحد مسلم لیگ ہی ہے لہٰذا اب مسلمانوں کو مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع ہونے کے سوا کوئی راہ تجویز نہیں کرنی چاہیئے۔ تمام مسلمانوں نے شملہ کانفرنس میں جو تجاویز کانگریس نے پیش کی تھیں، سن لی ہیں کہ تمام تر مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کی تھیں۔ اور انہیں ہمارے محبوب قائداعظم نے بڑی اچھی طرح جانچ کر مسلمانوں کو قصر مذلت سے بچایا۔ اب میں تمام غیور مسلمانوں کو بالعموم اور ارادتمندان دربار غوثیہ کی خدمت میں بالخصوص اپیل کرتا ہوں کہ مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع ہو جاؤ''

1946ء کے صوبائی انتخابات میں حلقہ شکر گڑھ سے مسلم لیگی امیدوار عبدالغفور قمر آپ کی کوششوں سے 4516 ووٹ لے کر کامیاب ہو گیا جبکہ یونینسٹ امیدوار چوہدری عبدالرحیم، کانگریسی امیدوار محمد خان اور ایک آزاد امیدوار بری طرح ناکام ہوئے۔

پاکستان بننے کے بعد آپ مذہبی، علمی، ادبی اور روحانی خدمات انجام دیتے رہے۔ تصنیف و تالیف سے بھی گہری دلچسپی رہی۔ اپنے والد ماجد کے نعتیہ کلام کو ''مراد العاشقین'' کے نام سے شائع کروایا۔ 1971ء کی پاک بھارت جنگ کے دوران لائل پور تشریف لے گئے اور وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ 1978ء میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

خواجہ محمد قمر الدین سیالویؒ

شیخ الاسلام حضرت خواجہ محمد ضیاء الدین (ف 1929ء) بن خواجہ محمد دین (ف 1909ء) بن شمس العارفین خواجہ شمس الدین (ف 1883ء) کی ولادت باسعادت 15 جمادی الاولیٰ 1324ھ/ 8 جولائی 1906ء کو سیال شریف ضلع سرگودھا میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم خانقاہ کے مدرسہ ضیاء شمس العلوم کے اساتذہ اور والد گرامی سے حاصل کی۔ اس کے بعد 1346ھ میں اجمیر شریف پہنچے اور دارالعلوم صوفیہ میں داخل ہو کر مولانا معین الدین اجمیری (ف 1940ء) سے تلمذ حاصل کیا۔ 1346ھ ہی میں چند ماہ کے لئے والد ماجد نے مولانا اجمیری کو سیال شریف بلا لیا تو آپ بھی ساتھ آ گئے اور پوری توجہ سے تعلیم حاصل کرنے لگے۔ 1351ھ میں تکمیل درسیات و دورہ صحاح ستہ کے بعد سند فراغت پائی۔ 1356ھ میں حج بیت اللہ کے موقعہ پر علمائے حرمین شریفین سے بھی سندات حاصل کی۔ 1929ء میں والد گرامیؒ کی رحلت پر سجادہ نشین ہوئے اور خلق خدا کی رہنمائی فرمانے لگے۔ تحریک پاکستان میں آپ نے بڑا شاندار کردار ادا کیا۔ 1938ء میں ضلع سرگودھا مسلم لیگ کی بنیاد رکھی گئی جس کے بانی صدر ملک مولا بخش ایڈووکیٹ (علیگ) تھے، انہوں نے 1941ء تک مسلم لیگ کی مقدور بھر خدمت کی۔ 42-1941

Marfat.com

میں نواب محمد حیات قریشی (ف 1948ء) صدر رہے مگر کام نہ چل سکا۔ 1942ء میں حضرت خواجہ قمر الدین سیالوی کو ضلعی صدر منتخب کیا گیا اور آپ 1947ء تک بدستور یہ خدمات احسن انداز سے بجالاتے رہے۔ آپ کے دور صدارت میں مسلم لیگ تمام ضلع میں پھیل گئی اور ہر گاؤں میں اسکی شاخیں قائم ہوئیں۔ انگریز نے آپ کو ہر طرح کے لالچ دے کر کلمہ حق سے باز رکھنے کی کوشش کی مگر خواجہ صاحب اس کے دام تزویر میں نہ آسکے۔ حکومت پنجاب کی سفارش پر ملک معظم نے آپ کو ''ہز ہولی نیس'' (تقدس مآب) کا اعلیٰ خطاب پیش کیا مگر آپ نے اس چٹھی ہی کو نذر آتش کر دیا جس میں یہ پیشکش کی گئی تھی اور فرمایا کہ حضور سید عالم ﷺ کی غلامی اور پیر پٹھان حضرت شاہ محمد سلیمان تونسویؒ سے وابستگی میرے لئے سب سے بڑا اعزاز ہے۔ اس اعزاز کے ہوتے ہوئے دنیا کا ہر اعزاز میری نظر میں ہیچ ہے۔ جب حکومت لالچ دے کر خواجہ صاحب کا ایمان نہ خرید سکی تو پھر آپ کو گرفتار کر کے گوبر اور گندے پانی سے بھری ہوئی ایک ایسی کوٹھڑی میں بند کر دیا جس میں نہ بیٹھا جاسکتا تھا اور نہ ہی نماز پڑھی جاسکتی تھی۔ پھر آپ کی ساڑھے گیارہ مربع اراضی ضبط کر لی گئی۔ جب اس پر بھی مرد حق نے سر نہ جھکایا تو طرح طرح سے اذیتیں دی گئیں تا کہ آپ تحریک پاکستان کی حمایت سے دستبردار ہو جائیں لیکن آپ نے انگریز کی ساری کوششوں پر پانی پھیرتے ہوئے فرمایا: ''عزت صرف اللہ کے اختیار میں ہے، اگر میں نے ایک لمحہ کے لئے بھی سوچا کہ مجھے اللہ کے سوا کوئی مٹا سکتا ہے تو میں مشرک ہو جاؤں گا''

1942ء ہی میں وزیر اعظم پنجاب سر سکندر حیات خاں (ف 1942ء) نے خواجہ صاحب کو خط لکھا کہ آپ مسلم لیگ کی مدد نہ کریں کیونکہ اس کے لیڈر مسٹر جناح شیعہ ہیں۔ خواجہ صاحب نے جواباً لکھا کہ آپ کے لیڈر سر چھوٹو رام کہاں کے اہل سنت و جماعت ہیں۔ اس پر سکندر لاجواب ہو گیا۔

خضر حیات خاں ٹوانہ وزیر اعظم پنجاب (ف 1975ء) نے آپ سے غیر جانبدار رہنے کی درخواست کے ساتھ کئی مربع اراضی اور لاکھوں روپے کی پیشکش کی، آپ نے اس پیشکش کو پائے استحکار سے ٹھکراتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''تحریک پاکستان دو قومی نظریہ پر ایمان کا نتیجہ ہے جس میں نہ صرف میری بلکہ حکومت کی بھی شمولیت ضروری ہے۔ اگر حکومت تحریک میں شامل نہیں ہوئی تو مجھ کو جملہ مسلمانوں سمیت روک نہیں سکتی۔ یہ چند مربع اور لاکھوں روپے تو کجا، پوری کائنات کو بھی اٹھا کر میرے قدموں میں رکھ دیا جائے تو بھی میرے ایمان کو خریدا نہیں جاسکتا۔ اپریل 1946ء میں آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس کے تاریخ ساز اجلاس میں بڑھ چڑھ کر شرکت کی اور اسلامی نظام حکومت کے لئے مکمل لائحہ عمل مرتب کرنے عوامی کمیٹی کے رکن منتخب کئے گئے۔ جون 1946ء میں ضلع مسلم لیگ سرگودھا نے ضلعی دورہ کا پروگرام بنایا تو سر خضر حیات خاں وزیر اعظم پنجاب (ف 1975ء) نے جلسوں پر پابندی لگا دی۔ خواجہ صاحب نے اس پابندی کو پائے استحقار سے ٹھکرا کر حسب پروگرام تمام جلسے منعقد کئے۔ 3 جون کو میونسپل کمیٹی باغ سرگودھا کے سبزہ زار میں صبح دس بجے خواجہ صاحب کی زیر صدارت شاندار مسلم لیگ کانفرنس ہوئی۔ چوہدری فضل احمد نائب صدر، ضلع مسلم لیگ نے نواب افتخار حسین ممدوٹ صدر صوبہ مسلم لیگ (ف 1969ء) میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ (ف 1995ء) جنرل سیکریٹری صوبہ مسلم لیگ اور مسلم لیگ کے مرکزی رہنما راجہ غضنفر علی خاں

Marfat.com

(ف 1963ء) کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا۔ ایس پی سرگودھا چوہدری رام سنگھ نے شہر کی چاروں طرف سے ناکہ بندی کرادی تاکہ لوگ کانفرنس میں شرکت نہ کریں مگر اس کے باوجود 40، 50 ہزار افراد نے شرکت کی۔ راجہ غضنفر علی خاں اور نواب افتخار حسین ممدوٹ نے خطاب کیا جس سے عوام میں خاصا جوش وخروش پیدا ہوا۔ رات کا اجلاس بڑا کامیاب اجلاس تھا۔ تقریباً ایک لاکھ عوام نے شرکت کی۔ کمپنی باغ سے لیکر کمپنی گھر تک اور بسوں کے اڈے سے لے کر غلہ منڈی تک سامعین کا اژدھام تھا۔ اتنا بڑا جلسہ سرگودھا کی تاریخ میں اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ راجہ غضنفر علی خاں رات کے واحد مقرر تھے۔ جلسہ دو بجے رات تک جاری رہا۔ راجہ صاحب کی تقریر بہت کامیاب رہی۔ اخباری رپورٹر سرکاری نقطہ نظر کے مالک تھے۔ راجہ صاحب نے انہیں للکارتے ہوئے کہا: ''اے رپورٹرو اور صحافیو! حاضرین کو دیکھ لو۔ بیشک پندرہ بیس ہزار کم بتا دینا۔ باقی جو بچے وہ صحیح لکھنا، یہ نہ کہنا کہ جلسے میں دو ہزار آدمی تھے''

خواجہ صاحب نے صدارتی تقریر میں تحریک پاکستان کی مخالف قوتوں کی للکارتے ہوئے واشگاف الفاظ میں فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں لیکن ان میں خضر کا نام نہیں ہے۔ پھر تو دھمکی کس منہ سے دیتا ہے، پاکستان، اللہ تعالیٰ اور رسول کریم ﷺ کے نام پر حاصل ہو رہا ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ پاکستان بن کر رہے گا'' تحریک پاکستان کے نامور سپاہی میاں محمد شفیع (م ش، ف 1993) ان دنوں اخبار ''ڈان'' کے رپورٹر تھے۔ انہوں نے اسی کانفرنس کی کاروائی کو رپورٹ کیا اور دوسرے دن ڈان میں یہ شہ سرخی جمائی

"The Muslim League has brought the Battel to the home District of Malik Khazar Hayat"

جب حضرت قائداعظم کو اس کامیاب کانفرنس کا علم ہوا تو بہت خوش ہوئے اور خواجہ صاحب کی کوششوں کو بنظر استحسان دیکھا۔ دوسرے دن یعنی 4 جون کو خواجہ صاحب کی زیر قیادت یہ قافلہ تحصیل خوشاب کے دورہ پر روانہ ہوا۔ دوپہر کا جلسہ موضع پدھراڑ میں ہوا۔ نواب محمد حیات قریشی بھی ساتھ تھے۔ اس جلسہ میں پندرہ بیس ہزار لوگوں کے ہجوم نجوم نے شرکت کی۔ راجہ غضنفر علی خاں نے خطاب کیا۔ ظہر کی نماز کے بعد وادی سون کے صدر مقام نوشہرہ کی جامع مسجد میں جلسہ ہوا جس میں تیس چالیس ہزار افراد نے شرکت کی۔ جونہی یہ قافلہ جامع مسجد کے دروازہ پر پہنچا تو فضا نعرہ تکبیر و رسالت کے علاوہ پاکستان زندہ باد، قائداعظم زندہ باد اور مسلم لیگ زندہ باد کے نعروں سے گونج اٹھی۔ لوگ دیوانہ وار خواجہ صاحب کی دست بوسی کے لئے لپکے اور بعض تو پاؤں پر گر رہے تھے۔ مشہور دانشور اور شاعر جناب احمد ندیم قاسمی نے منظوم خطبہ استقبالیہ پڑھا، خواجہ صاحب اور راجہ غضنفر علی خاں نے خطاب کیا۔ تمام حاضرین نے مسلم لیگ کی حمایت کا اعلان کیا۔ 5 جون کی دوپہر کو نور پور تھل میں جلسہ ہوا جس میں دس پندرہ ہزار لوگوں نے شرکت کی۔ شام کا جلسہ پھر سرگودھا شہر میں ہوا جس سے میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ نے پر جوش خطاب کیا۔ اس کے بعد بھلوال، بھیرہ، خوشاب و دیگر اہم مقامات پر جلسے کروائے گئے۔ تمام جلسوں کی صدارت خواجہ صاحب نے فرمائی۔ ان جلسوں سے مسلم لیگ کے چوٹی کے مقرروں مولانا بشیر احمد اختر (ف 1994ء) مولانا غلام فرید آف چنی شخاں ضلع سیال کوٹ

Marfat.com

(ف 1975ء) سید غلام مصطفیٰ شاہ خالد گیلانی آف راولپنڈی (ف 1989ء) اور مجاہد ملت مولانا محمد عبدالستار خاں نیازی نے خطاب کیا۔ مسلم لیگ کے ان دوروں میں علی گڑھ یونیورسٹی کے چند طالبعلم بھی شامل تھے۔ ٹانگوں پر لاؤڈ اسپیکر فٹ کردیئے گئے تھے اور یہ لوگ گاؤں گاؤں مسلم لیگ کا سبز ہلالی پرچم لہراتے پھرتے تھے۔ ایک جلسہ ملک خضر حیات (1975ء) کے گاؤں کالرہ اسٹیٹ میں اس کی حویلی کے پاس کیا گیا۔ خواجہ صاحب نے صدارت فرمائی۔ سرگودھا مسلم لیگ کے جانثار ورکر قریشی محمد عبداللہ شاہ ایڈووکیٹ نے اپنی جادو بیانی سے لوگوں کو گرمایا۔ خضر حیات کے چند نوکروں نے گڑبڑ کی کوشش کی مگر خواجہ صاحب کی روحانیت اور مسلم لیگی ورکروں کے عزم وہمت کے سامنے ان کی پیش نہ گئی۔ اس سال بھر کی محنت، کوشش اور سعی کا نتیجہ یہ نکلا کہ ضلع بھر میں پرائمری لیگیں قائم ہوگئیں اور بچے بچے کی زبان پر مسلم لیگ زندہ باد، قائداعظم زندہ باد اور پاکستان زندہ باد کے نعرے تھے۔ یہ سب کچھ خواجہ صاحب کی مساعی جمیلہ کا صلہ تھا۔ جنوری 1947ء میں خضر حکومت کے خلاف سول نافرمانی کی تحریک میں آپ نے ڈٹ کر حصہ لیا۔ آپ نے جب اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کیا تو انگریز کے خوشامدیوں اور ٹوڈیوں کے اس ضلع کے عوام کا منجمد خون گرم ہوگیا۔ سوئے ہوئے جذبات بیدار ہوگئے اور آپ کے پروانوں نے سینے تان کر پولیس کی لاٹھیوں کو لبیک کہا اور اپنے پاک خون سے سرگودھا کی سرزمین کو رنگین کردیا۔ 17 جولائی 1947ء کو آپ نے قائداعظم کو ایک خط لکھا جو قائداعظم اکیڈمی کراچی میں محفوظ ہے۔ اور خواجہ رضی حیدر سینئر ریسرچ فیلو وڈپٹی ڈائریکٹر قائداعظم اکیڈمی کراچی نے اس تاریخی خط کو ماہنامہ ''ساحل'' کراچی ستمبر 1996ء کے صفحہ 26-25 پر شائع کروادیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پاکستان زندہ باد

17 جولائی 1947ء

نحمدہ ونصلی حبیبه الکریم وعلی اله و اصحابه اجمعین

بحضور محسن ملت مسلمہ حضرت محمد علی جناح صاحب جزاہ اللہ عنا دبین سائر المسلمین احسن الجزاء

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ،

بعد از ہدیہ تبریک معروض آنکہ اللہ تعالیٰ نے امت مرحومہ پر احسان فرمایا کہ متفرق ومتشتت افراد کو ایک نقطہ اور ایک مرکز پر لانے کے لئے آپ جیسی ہستی کے دل میں اس مقدس ملت کی ہمدردی اور محبت بھردی جس کی بدولت دنیا بھر کی ترغیب اور ترھیب، قوم مسلم کی علو منزلت اور شیرازہ بندی اور آزادی جیسے عالی مقصد حاصل کرنے سے اس عالی ہمت کو نہ روک سکی جس کا اور آزادی جیسے عالی مقصد حاصل کرنے سے اس عالی ہمت کو نہ روک سکی جس کا نتیجہ ہی ہوا کہ اللہ اور سکے مقدس رسول ﷺ کی برکت سے آج ہم اپنے آپ کو آزاد دیکھ رہے ہیں اور یہودیت ونصرانیت کی لعنت ہی سے نہیں بلکہ مجوسیت سے بھی پیچھا چھڑا سکے ہیں۔ **الحمد للہ علی ذالک**۔

دیانتاً ہمارا فرض کہ ہم اپنے اس دلی ہمدرد کا شکریہ تہہ دل سے ادا کریں لیکن یہ گزارش بے جا نہ ہوگی کہ ہم جس غرض اور جس مقصد کے لئے مسلم لیگ میں شریک ہوئے ہیں اور ہر قسم کی تکالیف، قید وبند کی اذیتیں جس بناء پر

Marfat.com

برداشت کیں اور جس بلند مقصد کی خاطر جاگیروں اور مربعوں اور بے حساب مال و دولت اور حکومت کے اعزازات اور مراعات کو رد کیا، پرانے، گہرے اور مفید تعلقات کو توڑا۔ اپنے بال بچوں کو ایک کافی عرصہ تک کپڑا اور کھانڈ کے لئے ترسایا اور ان کے بدن پر پھٹے پرانے کپڑے، دیکھنا منظور کئے۔ چینی کی بجائے گڑ استعمال کیا جس حال میں کہ ہمارے پڑوسی دنیا کی ہر عزت حاصل کر رہے تھے، دنیا کی ہر نعمت سے مالا مال ہو رہے تھے اور حکومت کا ہر شعبہ ان کے ادنیٰ اشاروں پر ناچ رہا تھا۔ اس وقت ہم ہر قسم کی تنگی اور دشواری، قلت دولت، قید و بند کے مصائب جھیل رہے تھے اور اپنے آپکو ایک بھاری مجرم دیکھ رہے تھے۔ یہ سب کچھ ہم نے کہا۔ مال و دولت حاصل کرنے کے لئے نہیں، حاکم وافسر بننے کے لئے نہیں، کسی خاص شخصیت کے لئے نہیں، اپنا نام مشہور کرنے کے لئے نہیں کیونکہ اس وقت تو مسلم لیگ میں ہونا دنیا بھر کے مصائب اور ذلت وخواری کو مول لینا تھا۔ یہ سب کچھ فقط اس لئے برداشت کیا کہ قوم مسلم اپنے تمدن و معاشرت، مذہب و تہذیب میں اپنے محسن مطلق ﷺ کے لائے ہوئے مقدس قانون ''قرآن'' کے تابع ہوگی اور شرعی احکام کے بجالانے میں اور شرعی قوانین کے نفاذ میں کسی یہودیت، کسی نصرانیت، کسی مجوسیت یا کسی نیچریت کے منحوس اثر سے متاثر نہ ہوسکیں گے اور نہ ہی کوئی مخالف قانون ہماری اسلامی زندگی میں شاہراہ شریعت پر چلنے سے روک سکے گا۔ یعنی ''مسلم لیگ'' مسلم لیگ ہوگی اور بنی نوع انسان میں سے اللہ اور اسکا پیارا رسول ﷺ کے فرمائے ہوئے آئین پر چلنے والی جماعت آزاد ہوگی۔ ہم مسلم لیگ میں اسلئے شامل ہوئے کہ ہمیں ''پاکستان'' حاصل ہوگا۔ یعنی انسان کے پیدا کرنے والے، اس کے دل و دماغ کے خلاف اسکے نفع ونقصان کی حقیقت سمجھنے والے اللہ کا قانون رائج ہوگا جہاں سے انسان کے ناقص دماغ کے نتائج یہودیت ونصرانیت کی انسانیت سوز تہذیب و دہریت اور نیچریت کے ملعون تخیلات، جرم پرور قوانین سے ہمارا ملک پاک ہوگا جس کے بجائے ہر زمانہ میں، ہر حالت میں ضروری ثابت ہونے والے قوانین جرم اور بدمعاشی کے استیصال کرنے والے آئین، بے غیرتی اور دیوسی کو بیخ و بن سے اکھیڑ پھینکنے والے احکام نافذ یعنی ''پاکستان'' حاصل ہوگا۔ ہم بحیثیت مسلمان ہونے کے اللہ تعالیٰ کے اس فیصلہ کو کبھی نظر انداز نہیں کر سکتے۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے سوا جو لوگ حکم دیتے اور فیصلہ کرتے ہیں وہ لوگ کافر ہیں، فاسق ہیں اور ظالم ہیں۔ (القرآن)

اسی طرح ترجمہ: جو لوگ اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول ﷺ کے امر کی مخالفت کرتے ہیں ان لوگوں کو اس بات سے ڈرنا چاہیئے کہ انہیں کسی زبردست فتنہ یا کسی دردناک عذاب کا سامنا ہوگا'' (القرآن)

اب ہم جبکہ اپنی تہذیب اور اپنے تمدن و معاشرت میں غیر آسمانی قوانین سے سبکدوش ہو چکے ہیں اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کا فضل ہے اور ہمیں اختیار دیا گیا ہے کہ ہم ما انزل اللہ وما امر به رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم کے مطابق آئین وقوانین اپنے اوپر نافذ کریں۔ وہ قوانین جو قیامت تک ہر قوم کے لئے ہر حالت میں ضروری النفاذ ہیں جس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ ہمیں اختیار مل چکا ہے کہ ہم اپنے ملک کو پاکستان بنائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ایسے حالات میں اللہ تعالیٰ اور اسکے مقدس رسول ﷺ کی ناشکری کرتے ہوئے وہی غیر قرآنی احکام اور وہی غیر شرعی قوانین اپنے سر پر اٹھائیں جن سے کہ دنیا بھر کی

Marfat.com

تکالیف برداشت کر کے سبکدوشی حاصل کی ہے۔کون شخص یہ نہیں سمجھ سکتا کہ پاکستان ایسی صورت میں ہوسکتا ہے اور اسکے بغیروہ پاکستان نہیں۔میں چیلنج کرتا ہوں کہ شریعت اقدس کے کسی قانون کے مقابلے میں کوئی انسانی قانون کسی حالت میں بھی مفید ثابت نہیں ہوسکتا۔اس نظریہ کے زیر نظر درخواست کرتا ہوں اور ساتھ ہی اس بلند شخصیت سے امید رکھتا ہوں کہ ایسے علمائے شریعت کی مجلس منعقد کرنے کا حکم دیا جائے کہ جو مجلس آئین ساز کی جزو ہو اور جو قانون نافذ ہوسکتے ہیں اس مجلس کے مشورے سے نافذ ہوں۔یہ علماء کی جماعت فی الحقیقت ''پاکستانی نظام'' کی حیات و بقاء کی روح رواں ہوگی۔مخالف کی اکثر سازشوں، پروپیگنڈوں اور کوششوں کی روک تھام نہایت آسانی سے کرسکیں گی۔یعنی شریعت کی آڑ میں ہر مخالف سازش کا استیصال اس جماعت کا اولین فرض ہوگا اور یہی کرسکے گی۔شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا آفتاب ساڑھے تیرہ سو سال سے زیادہ عرصہ سے طلوع ہوچکا ہے اور اس لمبے عرصے میں بعض بے بصیرت اور کم نظر لوگوں کی نگاہوں نے اس کی مقدس روشنی سے فائدہ حاصل کرنے کی کوشش بھی نہیں کی۔لیکن حقیقت ہے کہ اس اثناء میں اس کی ضوفشانیاں اور اس کی ضرورت اور اسکا عام فائدہ اور اس کی برکات موجودہ ہیں اور قیامت تک موجود رہیں گی۔اس دوران میں کئی روشنیاں اس آفتاب کو غیر ضروری ثابت کرنے کے لئے پیش کی گئیں جو خود غیر ضروری اور بجائے مفید ہونے کے مضر ثابت ہوتی رہیں اور یہ اس مقدس شریعت کا معجزہ ہے کہ جس شخص نے اس کے کسی پہلو پر غور کیا آخر میں اس کو اس کی صداقت اور اس کی ہمہ گیری اور بنی نوع انسان کے لئے باعث خیرو برکت ہونے کا قول کیا۔یورپ کے بڑے بڑے سائنس دانوں اور ڈاکٹروں کی رائے اس امر کی دلیل میں پیش کی جاسکتی ہے۔بعض نے صراحتاً اس شریعت اقدس کے معجزہ کا اقرار کرلیا اور بعض نے اس کے مقدس قوانین کو انسانی برتری اور انسانی بقاء کے لئے ''کنایۃً'' ضروری قرار دیا تو مسلمان بحال خود اختیاری، اپنے ملک میں ایسے مقدس قوانین سے کیونکر اجتناب کرسکتا ہے اور اجتناب کرنیکی صورت میں کیونکر مسلمان رہ سکتا ہے کیونکہ مسلمان اس انسان کا نام ہے کہ جو اپنے کو شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر چلنا ضروری خیال کرے ورنہ مسلم اور غیر مسلم میں کیا فرق ہے۔اور پاکستان اور ہندوستان کی حد بندی کی کیا ضرورت ہے۔وصف اسلام کے بغیر نوع انسان میں کوئی خاص رنگ، خاص علاقہ یا خاص زبان پاکستان اور غیر پاکستان کا فرق پیدا نہیں کرسکتا۔انسان ہونے میں اور انسانی خواص میں کوئی فرق، کوئی تمیز پیدا نہیں کی جاسکتی، مگر مسلم لیگ جب ہوسکتی ہے کہ مسلم افراد پر مشتمل ایک جماعت ہو اور ہر اس انسان کو مسلم کہا جاسکتا ہو جو وصف اسلام کے ساتھ متصف ہو۔امید ہے کہ میری اس مخلصانہ درخواست کو درجہ قبولیت بخشا جائے گا اور رازداران شریعت اقدس کی راہنمائی میں آئین ساز اسمبلی کو قائم کیا جائے گا۔

والسلام

محمد قمر الدین سجادہ نشین سیال شریف

ضلع شاہ پور، پنجاب، پاکستان

جواباً قائد اعظم نے تحریر فرمایا کہ: پاکستان کی تاریخ میں مشائخ عظام کی خدمات بڑی عظیم اور قابل قدر ہیں۔آپ اطمینان رکھیں پاکستان میں یقینی طور پر اسلامی قانون ہی نافذ ہوگا''

Marfat.com

صوبہ سرحد میں ریفرنڈم کا معرکہ گرم ہوا تو پیر صاحب مانکی شریف (ف 1960ء) اور پیر صاحب زکوڑی شریف (ف 1978ء) امیر ملت محدث علی پوری (1951ء) کے علاوہ آپ کی ذات گرامی بھی پیش پیش تھی۔ آپ کی ان خدمات پر حضرت قائداعظم نے زبردست خراج تحسین پیش کیا۔ شہید ملت لیاقت علی خان (ف 1951ء) جب آپ سے ملنے کے لئے سرگودھا آئے تو آپ نے دو گھنٹے تک ان سے اسلامی آئین کے بارے میں گفتگو کی اور اپنی بات چیت کے دوران ان سے استفسار کیا کہ اسلامی آئین کے نفاذ میں تاخیر کیوں ہو رہی ہے؟ اس پر لیاقت علی خاں نے کہا: مشرقی اور مغربی پاکستان میں رابطہ اور تعلق اسلام ہی ہے، دنیا کے تمام مسلمان ایک لڑی میں منسلک ہیں، ہم نے یہ ملک اسلام کے نام پر ہی حاصل کیا ہے اسلئے ہم اسلامی آئین یہاں نافذ کر کے ہی دم لیں گے"

لیکن افسوس کہ قائداعظم (ف 1948ء) اور لیاقت علی خاں (ف 1951ء) یہ حسرت دل ہی میں لئے اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ آپ کی وفات حسرت آیات 17 رمضان المبارک 1401ھ/20 جولائی 1981ء بروز پیر ہوئی اور سیال شریف میں آخری آرامگاہ بنی۔

مخدوم سید شوکت حسین گیلانیؒ

مخدوم سید شوکت حسین گیلانی بن مخدوم سید غلام مصطفیٰ شاہ گیلانی (ف 1949ء) بن مخدوم سید محمد صدرالدین گیلانی (ف 1946ء) کی ولادت 21 رشوال المکرم 1332ھ مطابق 12 رستمبر 1914ء بروز ہفتہ ملتان کے مشہور زمانہ گیلانی خاندان میں ہوئی۔ جد امجد کی آغوش میں تربیت پائی اور روحانیت کے خزانے لوٹے۔ دینی تعلیم کے علاوہ ایف اے تک کالج کی تعلیم بھی حاصل کی۔ 11 اپریل 1949ء کو والد گرامی کے وصال کے بعد حضرت موسیٰ پاک شہید کے سجادہ نشین مقرر کیے گئے۔ آپ نے اوائل زندگی سے ہی دینی، ملی اور سیاسی کاموں میں بھرپور دلچسپی لی۔ تحریک مسجد شہید گنج (ف 1935ء) تحریک پاکستان، تحریک ختم نبوت (1953, 1974ء) اور تحریک نظام مصطفیٰ (1977ء) میں آ کی خدمات رہتی دنیا تک نژاد نو کے لئے مشعل راہ رہیں گی۔ تحریک پاکستان میں ملتان کا تمام گیلانی خاندان، مسلم لیگ میں شامل ہو کر بابائے قوم حضرت قائداعظم (ف 1948ء) کی ولولہ انگیز قیادت میں سردھڑ کی بازی لگا چکا تھا۔ مخدوم صدرالدین گیلانی (ف 1946ء) مخدوم راجن شاہ گیلانی (ف 1936ء) مخدوم ولائت حسین گیلانی (ف 1954ء) مخدوم محمد رضا شاہ گیلانی (ف 1949ء) اور سید زین العابدین شاہ گیلانی (ف 1960ء) جیسے اعظم میدان عمل میں کود کر مسلم لیگ کو عوام کے دلوں کی دھڑکن بنا رہے تھے تو مخدوم سید شوکت حسین گیلانی اپنے جد امجد و دیگر بزرگوں کے پیغامات لے کر ضلع ملتان کے مختلف مقامات پر زمینداروں، کاشتکاروں، تاجروں اور دکانداروں وغیرہ تک پہنچاتے جن میں حضرت قائداعظم کی قیادت پر مکمل اعتماد کرنے سے، مسلم لیگ کی شاخیں قائم کرنے اور انہیں فعال و مستند بنانے پر زور دیا جاتا تھا۔ پیغام رسانی کے علاوہ مخدوم سید شوکت حسین گیلانی، ملتان میں مسلم لیگ کے جلسوں کے انتظام و انصرام کی ذمہ داریاں نبھاتے تھے اپنے سینے پر مسلم لیگ کا بیج لگائے جلسے جلوسوں میں

Marfat.com

نمایاں نظر آتے تھے۔ قیام پاکستان کے بعد آپ نے استحکام پاکستان کے لئے بھرپور سعی کی اور اپنی تمام تر زندگی زہد و عبادت اور خدمت خلق میں گزار دی۔ اپنے برادر بزرگ مخدوم سید ولایت حسین گیلانی (ف 1954ء) کی رحلت کے بعد انجمن اسلامیہ ملتان کے سربراہ مقرر ہوئے اور اپنے دور صدارت میں ولایت حسین اسلامیہ ڈگری کالج، علمدار حسین اسلامیہ کالج، اسلامیہ لاء کالج اور متعدد تعلیمی ادارے کھولے جس سے پورا پنجاب مستفید ہوا۔ آپ نہایت متقی، پرہیزگار اور شب زندہ دار بزرگ تھے۔ آپ کی وفات 3 شوال 1402ھ مطابق 24 جولائی 1982ء بروز ہفتہ بعد نماز اشراق ہوئی۔ اگلے روز 25 جولائی کو غزالئی دوراں علامہ احمد سعید کاظمیؒ (ف 1986ء) نے نصف لاکھ عقیدت مندوں کی آہوں اور سسکیوں کے طوفان میں نماز جنازہ پڑھائی اور دربار پیر پیران حضرت موسیٰ پاک میں سپرد خاک ہوئے۔

صاحبزادہ ظہور الحق گورداسپوریؒ

صاحبزادہ ظہور الحق ابن شاہ سراج الحق (ف 1932ء) کی ولادت 1897ء میں خانقاہ سراجیہ گورداسپور میں ہوئی۔ ایف اے تک تعلیم حاصل کی اور ڈی ایس پی بھرتی ہوگئے۔ دینی تعلیم خانقاہ سراجیہ سے حاصل کی۔ بیعت وخلافت والد ماجد سے تھے۔ 1932ء میں والد ماجد کی رحلت پر سجادہ نشین ہوئے اور ہزاروں گم راہوں کو صراط مستقیم پر گامزن کیا۔ آپ نے تحریک پاکستان میں بھرپور دلچسپی لی۔ اپنے مریدوں کو مسلم لیگ کی حمایت کا حکم دیا۔ 1945ء میں جب عام انتخابات کی گھما گھمی شروع ہوئی تو آپ نے اپنے سیکریٹری شیخ شریف حسین خان بی اے ایل ایل بی پلیڈر کو حکم دیا کہ وہ ان کی طرف سے مسلم لیگ کی حمایت میں اعلان جاری کریں۔ چنانچہ سیکریٹری مذکورہ نے 5 اکتوبر 1945ء کو مسلمانان گورداسپور و مضافات کے مجمع عام میں اعلان کیا کہ ”آئندہ صوبائی اسمبلی کے انتخابات میں ہم مسلم لیگ کے امیدواروں کی حمایت میں ہر ممکن کوشش کریں گے اور جملہ اصحاب جو کہ دربار سراجیہ سے ارادت وعقیدت رکھتے ہیں، مسلم لیگ کے حلقہ میں شامل ہو کر انتخابات کو کامیاب بنانے کی مساعی کریں گے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں ہم نے اپنے خاص مریدوں کے ذریعے مسلم لیگ کا پروپیگنڈا شروع کر دیا ہوا ہے“ حاضرین یہ اعلان سن کر بہت خوش ہوئے اور صاحبزادہ صاحب کے ارشاد کے مطابق مسلم لیگ کے تن دہی سے کام کرنے کا وعدہ فرمایا۔ چنانچہ 1946ء کے اوائل میں صوبائی اسمبلی کے انتخابات میں آپ کے حلقہ کے مسلم لیگی امیدوار چوہدری غلام فرید 8609 ووٹ لے کر کامیاب ہوگئے جبکہ یونینسٹ امیدوار چوہدری محمد شبیر کو صرف 573 ووٹ ملے اور ضمانت ضبط ہوگئی۔ قیام پاکستان کے بعد آپ لائل پور (حال فیصل آباد) تشریف لے آئے اور خلق خدا کی روحانی خدمت انجام دیتے ہوئے 10 ذوالحجہ 1404ھ/7 ستمبر 1984ء بروز جمعۃ المبارک رحلت فرما گئے۔ مرکز سراجیہ پیپلز کالونی نمبرا، لائل پور میں آخری آرام گاہ بنی۔

پیر محمد قاسم مشوریؒ

پیر محمد قاسم بن الحاج محمد عثمان کی ولادت شب دوشنبہ (پیر کی رات) ماہ مبارک ربیع الاول 1316ھ مطابق جولائی

Marfat.com

1898ء مشورہ شریف ضلع لاڑکانہ (سندھ) میں ہوئی۔آپ کا تعلق رند بلوچ قبیلہ کی شاخ مشوری سے تھا۔والدین سے ناظرہ قرآن خوانی کے بعد گیارہ برس کی عمر میں سندھ کی مشہور دینی درسگاہ ''دارالفیض سونا جتوئی ضلع لاڑکانہ'' میں داخل ہو کر 1339ھ/ 1921ء میں تمام علوم عقلیہ ونقلیہ سے فراغت حاصل کر لی اور پیر پگارا خاندان کے عظیم روحانی پیشوا حضرت پیر سید امام الدین شاہ راشدی قادری نقشبندیؒ سجادہ نشین درگاہ عالیہ ٹھلاہ شریف ضلع لاڑکانہ کے دست حق پر بیعت فرما کر خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ایک سال تک مدرسہ دارالفیض سونا جتوئی میں تدریس وفتویٰ نویسی کی خدمات سرانجام دینے کے بعد 1340ھ/ 1922ء میں درگاہ عالیہ مشوری شریف میں اپنے استاذ گرامی حضرت مولانا ابوالفیض غلام عمر جتوئیؒ کے ہاتھوں ''مدرسہ عربیہ قاسم العلوم'' کا سنگ بنیاد رکھوایا جہاں سے اب تک بے شمار تشنگان علوم ظاہری و باطنی اپنی پیاس بجھا چکے ہیں اور ہزاروں کافر ومشرک اور مرتد تائب ہو کر دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے ہیں۔آپ نے تحریک پاکستان میں گرانقدر خدمات سرانجام دیں۔انجمن اسلامیہ لاڑکانہ جو اہل سنت وجماعت کی نمائندہ تنظیم تھی کے پلیٹ فارم سے مسلم لیگ کی جدوجہد میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور جلسے جلوسوں کے ذریعے تحریک پاکستان کی گاڑی کو آگے بڑھانے کی بھرپور سعی کی۔مسلم لیگ صوبہ سندھ کے زعماء پیر الٰہی بخش (ف 1975ء) اور محمد ایوب کھوڑو (ف 1980ء) وغیرہم اس انجمن کے جلسوں میں حاضر ہوتے اور ایک کارکن کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔آپ نے اس انجمن کے پلیٹ فارم سے قیام پاکستان کے لئے قراردادیں پاس کرائیں اور لوگوں کو تحریک پاکستان سے روشناس کیا حتی کہ لوگ کانگریس سے بیزار ہو کر مسلم لیگ کے سپاہی بن گئے۔1946ء کے الیکشن میں آپ نے ضلع لاڑکانہ میں مسلم لیگی امیدواروں کی کامیابی کے لئے جو کارہائے نمایاں سرانجام دیئے وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔لاڑکانہ سے مسلم لیگی امیدواروں محمد ایوب کھوڑو، نواب امیر علی خاں لوہاری اور نواب محمد خاں چانڈیو کی کامیابی میں آپ کی کوششوں کا بہت بڑا دخل ہے۔مخالف امیدواروں کو جو عبرت ناک شکست ہوئی اس کی مثال ناپید ہے۔پاکستان معرض وجود میں آیا تو آپ نے بحیثیت صدر انجمن اسلامیہ لاڑکانہ مہاجرین کی آبادکاری کے لئے شب وروز نہایت جانفشانی سے کام لیا۔آپ کے معتقدین نے بھی اسلسلہ میں بھرپور ساتھ دیا۔آپ جمعیت علماء پاکستان کے ضلعی وصوبائی صدر رہے۔ایوبی دور میں کراچی میں ''مشائخ کانفرنس'' کے انعقاد اور کامیابی کے لئے فعال کردار ادا کیا۔1965ء میں پاک بھارت جنگ کے دوران لاڑکانہ میں آل پارٹیز کانفرنس آپ کی صدارت میں منعقد ہوئی۔جہاد کمیٹی قائم ہوئی اور لاکھوں روپیہ چندہ اکٹھا کر کے دفاعی فنڈ میں دیا۔مجاہدین کو بھرتی کر کے عسکری تربیت دی۔جون 1970ء کی ٹوبہ ٹیک سنگھ (دارالسلام) آل پاکستان سنی کانفرنس اور جولائی 1970ء کی آل سندھ علماء ومشائخ کانفرنس سکھر میں قائدانہ کردار ادا کیا اور پورے سندھ کے طوفانی دورے کر کے سوشلزم کے دام فریب کو تار تار کیا۔1970ء کے عام انتخابات میں مسٹر ذوالفقار علی بھٹو (ف 1979) کے مقابلے میں لاڑکانہ سے قومی اسمبلی کا الیکشن لڑا مگر تھوڑے سے ووٹوں سے ہار گئے۔آپکی وفات یکم رمضان المبارک 1410ھ مطابق 28 مطابق 28 مارچ 1990ء بروز بدھ ہوئی اور درگاہ مشوری شریف ضلع لاڑکانہ میں آخری آرامگاہ بنی۔

ولادت بدھوار 16/11/1912، وفات بروز ہفتہ 29/5/1982۔

Marfat.com

پیر غلام مرتضیٰ سرہندیؒ

ولادت بدھوار 16/11/1912 وفات بروز ہفتہ 29/5/1982۔

پیر غلام مرتضیٰ سرہندی نے تحریک پاکستان میں بڑا فعال کردار ادا کیا۔ 1936ء میں مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی۔ 28 جنوری 1940ء کو کراچی میں حاجی عبداللہ ہارون (1942ء) کی زیر صدارت سندھ مسلم لیگ کی جنرل باڈی کا اجلاس ہوا جس میں نئے عہدیدار چنے گئے۔ تیس ارکان پر مشتمل ورکنگ کمیٹی بنائی گئی، جس میں پیر صاحب بھی شامل تھے۔ 25 فروری 1939ء کو گوٹھ مراد میمن (ملیر، کراچی) میں ضلعی مسلم لیگ کانفرنس ہوئی جس کا تمام انتظام وانصرام پیر صاحب نے کیا تھا۔ 1941 تا 1943ء ضلع کراچی کے صدر منتخب ہوتے رہے۔ 1944ء میں ضلع کراچی سے سندھ مسلم لیگ کے صوبائی کونسلر منتخب ہوئے۔ 1945ء میں سندھ مسلم لیگ کے نئے سالانہ انتخابات ہوئے تو دس ارکان پر مشتمل جو ورکنگ کمیٹی بنائی گئی پیر صاحب کو اس کا ممبر منتخب کیا گیا۔ تحریک پاکستان میں پیر صاحب کی بے بہا خدمات ہیں۔ افسوس کہ سعی بسیار کو باوجود پیر صاحب کے حالات زندگی اور خدمات کی تفصیل نہیں مل سکی جس کا ازحد افسوس ہے۔

پیر عبدالستار جان سرہندیؒ

پیر عبدالستار جان سرہندی ابن پیر محمد حسن جان سرہندی (ف 1946ء) کی ولادت رجب المرجب 1311ھ/ مطابق جنوری 1894ء بروز پیر ٹکھڑ (سندھ) میں ہوئی۔ آپ کے جد امجد حضرت پیر خواجہ عبدالرحمٰن سرہندی (ف 1898ء) آپ سے بہت پیار اور محبت فرماتے تھے اور پورا پورا دن آپ کو اپنے دوش مبارک پر بٹھا رکھتے تھے۔ خوش طبعی کرتے ہوئے آپ سے پوچھتے تھے "تو چنیں وچناں ہستی" تو آپ یکدم اپنی توتلی زبان سے فرماتے تھے "تو چنیں وچناں ہستی"

آپ نے ابتدائی تعلیم ٹکھڑ میں علامہ حافظ محمد یوسف کے پاس اور باقی ٹنڈو سائیں داد و میں حاصل کی۔ آپ کا شمار علماء کبار میں ہوتا تھا۔ دنیا کے مختلف ممالک کے دورے کئے۔ عربی، فارسی، اردو، سندھی اور پشتو زبانوں پر یکساں عبور حاصل تھا۔ شعر بھی لکھتے تھے۔ تخلص "پیر" استعمال کیا کرتے تھے۔ عالم اسلام کے مسلمانوں سے عموماً اور حرمین طیبین کے مسلمانوں سے خصوصاً محبت فرماتے تھے۔ ایک دفعہ حجاز مقدس میں قحط پڑا تو آپ سندھ سے ہزاروں من اناج اور ہزاروں روپیہ چندہ جمع کر کے حجاز پہنچے اور وہاں کے ساکنین میں تقسیم فرمایا۔ آپ کی زندگی کا آخری دور ذکر وفکر، مراقبہ اور تسبیح وتہلیل میں گزرتا تھا۔ حقیقت میں آپ عارف کامل اور بڑے پائے کے درویش تھے۔ تحریک پاکستان میں بڑا فعال کردار ادا کیا تھا۔ 1936ء میں مسلم لیگ میں شامل ہو گئے تھے۔ 10-9-8 اکتوبر 1938ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کانفرنس کراچی میں منعقد ہوئی۔ جس میں پورے ہندوستان کی مسلم قیادت شریک تھی۔ حضرت قائداعظم (ف 1948ء) کے علاوہ مولانا شوکت علی (ف 1938ء) راجہ امیر خاں آف محمود آباد (ف 1973ء) نواب محمد اسماعیل خاں آف بہار (ف 19) چوہدری خلیق الزماں (ف 1973ء) سید سجاد حیدر یلدرم (یوپی ف 1940ء) بیگم مولانا محمد علی جوہر (ف 1947ء) حاجی عبداللہ ہارون (ف 1942ء) شیخ عبادالمجید سندھی (ف 1978ء) سید غلام بھیک نیرنگ انبالوی (ف 1952ء) سید عبدالرؤف شاہ آف ناگپور (ف 19)

Marfat.com

مخدوم مرید حسین آف ملتان (ف 1960ء) نواب احمد یار دولتانہ خاں (ف 1951) مولانا جمال میاں فرنگی محلی و دیگر رہنما شریک ہوئے۔ اس کانفرنس میں پیر عبدالستار جان سرہندی نے ایک تجویز پیش کی کہ: "یہ کانفرنس مسلمانوں سے استدعا کرتی ہے کہ ہر شہر اور گاؤں میں مسلم لیگ کی شاخیں قائم کریں اور جو ارکان سندھ اسمبلی، میونسپلٹیوں اور لوکل باڈیز میں ہیں ان پر دباؤ ڈالا جائے کہ وہ بھی مسلم لیگ میں شامل ہو جائیں۔ مسلم دوکانداروں کی حوصلہ افزائی کی جائے، بے روزگار مسلمانوں کو کام میں لایا جائے اور سیاسی بیداری لائی جائے" یہ تجویز متفقہ طور پر منظور کی گئی۔ اسی موقعہ پر ہی سندھ مسلم لیگ کی کانفرنس بھی کراچی میں ہوئی۔ قائداعظم کے مشورے سے عہدیداران مقرر ہوئے، صدر: حاجی عبداللہ ہارون، نائب صدر: پیر محمد سرہندی، جنرل سیکریٹری: شیخ عبدالمجید سندھی، جوائنٹ سیکریٹری: پیر علی محمد راشدی، جوائنٹ سیکریٹری: آغا غلام نبی پٹھان، خزانچی: گلام حسین ہدایت اللہ اور سندھ سے آل انڈیا مسلم لیگ کے 26 ممبر منتخب کئے گئے جن میں حیدر آباد سے پیر عبدالستار جان سرہندی بھی شامل تھے۔ 28 جنوری 1939ء کو صوبائی مسلم لیگ سندھ کی جنرل باڈی کا اجلاس کراچی میں منعقد ہوا۔ جس میں صوبہ سندھ کے نئے عہدیدار چنے گئے۔ 30 ارکان پر مشتمل ورکنگ کمیٹی میں پیر عبدالستار جان سرہندی بھی شامل تھے۔ 22 دسمبر 1940ء کو سیاسی جدوجہد کو تیز کرتے اور ہر مسلمان کو مسلم لیگ کا ممبر بنانے کے لئے "سندھ" مسلم لیگ کونسل کی میٹنگ ہوئی۔ اس موقعہ پر حضرت قائداعظم بھی کراچی میں تشریف لائے تھے۔ اس میٹنگ میں سات ارکان پر مشتمل ایک کمیٹی بنائی گئی جن میں پیر عبدالستار جان سرہندی بھی شامل تھے۔ اس کمیٹی کا اجلاس 22 فروری 1941ء کو ہوا جس میں حصول پاکستان کی جدوجہد کو تیز تر کرنے کا پروگرام تشکیل دیا گیا اور پوسٹر وغیرہ چھپوائے گئے۔ اس کمیٹی نے ایک منصوبہ تیار کیا جس کے تحت مسلم لیگ کو ضلع کمیٹیوں کے تحت کانفرنسیں بلانا، دیہات میں دورے کر کے لوگوں کو مسلم لیگ سے روشناس کرانا، آل انڈیا مسلم لیگ اور پاکستان کے سلسلے میں لٹریچر چھپوا کر تقسیم کرنا اور ہندوؤں کی غلط پالیسیوں سے عوام کو آگاہ کرنا شامل تھا۔ اس کمیٹی نے بڑا کام کیا۔

تھوڑے ہی عرصے میں سندھ کے اندر مسلم لیگ کی 450 شاخیں قائم کر دیں اور کئی کانفرنسیں بلا کر مسلم لیگ کا سکہ بٹھا دیا۔ 1946ء کے الیکشن میں پیر عبدالستار جان سرہندی نے مسلم لیگی امیداروں کی کامیابی کے لئے جو سرگرمی دکھائی اس کی مثال ڈھونڈے سے نہ ملے گی۔ پورے سندھ کے دورے کر کے مسلم لیگ کے پیغام کو گھر گھر پہنچایا۔ آپ کا پورا خاندان اس مہم میں مصروف کار تھا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کامیابی نے مسلم لیگ کے قدم چومے اور کانگریس اور اس کی ذیلی جماعتیں خاسر و نامراد ہوئیں۔ آپ کی وفات حسرت آیات 18 ستمبر 1966ء ٹنڈو سائیں داد میں ہوئی اور مقبرہ شریف نزد ٹکھر و تدفین عمل میں آئی۔

حکیم محمد حسین بدر چشتیؒ

حضرت پیر خواجہ محمد حسین بدر چشتی کی ولادت 20 جون 1922ء مطابق 23 شوال 1340ھ بروز منگل قصبہ بھوماو ڈالا ضلع امرتسر (مشرقی پنجاب) میں ہوئی۔ عربی، فارسی اور طب کی ابتدائی تعلیم خاندانی روایت کے مطابق اپنے والد ماجد سے

Marfat.com

حاصل کی۔ درس نظامی سے فراغت حاصل کرنے کے بعد اپنے گاؤں سے مڈل کا امتحان پاس کیا۔ پھر ہائی اسکول مجیٹھا سے میٹرک اور مسلم اورینٹل کالج امرتسر سے ایف اے کے امتحانات امتیازی حیثیت سے پاس کئے اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے گریجویشن کی۔ علی گڑھ یونیورسٹی میں 3 مارچ 1941ء کے اتحاد طلباء جامعہ علی گڑھ میں آپ خصوصی طور پر شریک تھے۔ جس میں حضرت قائد اعظم نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ علی گڑھ یونیورسٹی، مسلم لیگ کا اسلحہ خانہ ہے اور تم اسکے بہترین سپاہی ہو'' 1944ء میں 92 انڈین ملٹری ہسپتال کیملا (بنگال) میں ملازمت اختیار کی۔ بعد ازاں ریڈیو سیلون ملٹری سیکشن میں اردو اناؤنسر کی جگہ کام کرتے رہے۔ مارچ 1945ء میں کامن ویلتھ ریڈیو اسٹیشن کیورے جاپان میں اردو اناؤنسر کی آسامی پر فائز رہے۔ ملازمت کے دوران ریڈیو کامن ویلتھ کی جانب سے 1946ء میں ہندوستان میں کانگریس اور مسلم لیگ کی الیکشن مہم کی رپورٹنگ کرتے وقت برصغیر کی اہم شخصیتوں سے انٹرویو لئے۔ 16 جون 1945ء کو صدر الا فاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی (1948ء - 1883ء) ناظم اعلیٰ آل انڈیا سنی کانفرنس کے اجلاس منعقدہ اے آر پی گراؤنڈ کمیلا (بنگلہ دیش) اور 12 اگست 1945ء کے اجلاس منعقدہ پلٹن میدان ڈھاکہ میں شرکت کی۔ ان اجلاسوں میں صدر الا فاضلؒ نے تحریک پاکستان کی حمایت میں زوردار تقریریں کیں۔ اپریل 1946ء میں بنارس میں آل انڈیا سنی کانفرنس کے تاریخ ساز اجلاس میں شرکت کی۔ اس سے پیشتر 3 جنوری 1946ء کو لدھیانہ میں احراری ادیوار ماسٹر تاج الدین انصاری (1970 - 1891ء) کی الیکشن مہم کے سلسلہ میں بازار خرادیاں کے ایک جلسہ سے نیاز احمد احراری اور عبدالرحمٰن احراری خطاب کر رہے تھے کہ دریں اثناء مسلم لیگی امیدوار سردار شوکت حیات خاں کے کارکن محمد صدیق کو احراریوں نے چاقو کے پے در پے وار کر کے شہید کر دیا۔ محمد صدیق لدھیانوی، مسلم لیگ کے شعلہ بیان مقرر تھے۔ کانگریس اور احراری ان سے خائف رہتے تھے۔ حکیم محمد حسین بدر نے یہ دلدوز منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ مولانا حسین احمد مدنی دیوبندی پرنسپل دارالعلوم دیوبند (1957 - 1879ء) نے خوب زہر اگلا اور ہندوؤں کی خوشنودی حاصل کرنے پر اپنا زور بیان صرف کر دیا۔ قائد اعظم محمد علی جناح (1948 - 1876ء) صدر الا فاضل مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی (1948 - 1883ء) امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری (1951 - 1841ء) اور نظریہ پاکستان پر مسلسل حملے کیے۔ دیوبندی مکتبہ فکر کے لوگوں کو تشدد پر ابھارا گیا اور مطالبہ پاکستان کی کھل کر تضحیک، توہین اور مخالفت کی گئی۔ حکیم محمد حسین بدر نے اس جلسہ کی خصوصی رپورٹ ریڈیو کامن ویلتھ جاپان کے لئے تیار کی۔ 8 نومبر 1946ء کو بہار کے فساد زدہ علاقہ کا دورہ کیا۔ پٹنہ میڈیکل کالج کے ہسپتال اور پناہ گزینوں کے دو مرکزوں کا روح فرسا نظارہ دیکھا۔ اسی موقعہ پر بہار کے گورنر سر ہیوڈو، سردار عبدالرب نشتر (1958 - 1899ء) اور جنرل سل کمانڈر سب ایریا پٹنہ سے ملاقات کر کے مسلمانوں پر ہونے والے مظالم سے آگاہ کیا۔ یاد رہے کہ پٹنہ میں امدادی مرکز کا انتظام و انصرام ''انجمن اسلامیہ بہار'' کر رہی تھی۔ غرض حکیم محمد حسین بدر نے دوران ملازمت اپنی بساط سے بڑھ کر تحریک پاکستان کی خدمت کی۔ 25 اپریل 1948ء کو جاپان سے ملازمت ترک کر کے مدراس، پونا ناسک و بمبئی کے راستے کراچی پہنچے اور پاکستان آتے ہی جہاد کشمیر میں عملی حصہ لیا۔ 1953ء میں ڈیرہ نواب صاحب ریاست بہاولپور میں مستقل قیام کر کے طب و حکمت کے ذریعے خلق

Marfat.com

خدا کی خدمت کرنے لگے اور ساتھ ہی ساتھ تحریری محاذ پر استحکام پاکستان اور تحفظ نظریہ پاکستان کے لئے ڈٹے رہے۔''منزل انہیں ملی جو شریک سفر نہ تھے'' آپکی یادگار تصنیف ہے۔12 جون 1966ء کو آپ نے سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ کے معروف شیخ طریقت حضرت حکیم سید اکرام حسین شاہ صاحب سیکری مدظلہ، کے دست اقدس پر بیعت کی اور 4 محرم الحرام 1398ھ/5 دسمبر 1978ء کو خلافت و اجازت سے سرفراز ہوئے اور ہزاروں گم گشتگان راہ کو صراط مستقیم پر گامزن کیا۔علم و ادب، تاریخ و مذہب، طب وحکمت پر آپ نے تیس کے قریب کتابیں لکھیں۔3 صفر المظفر 1407ھ مطابق 8 اکتوبر 1986ء بروز بدھ آپ کا انتقال ہوا۔خانقاہ عالیہ چشتیہ ڈیرہ نواب صاحب میں آخری آرامگاہ بنی۔استاذی حضرت حکیم ملت حکیم محمد موسیٰ امرتسری ثم لاہوری دامت برکاتہم عالیہ نے یہ تاریخی مادے نکالے:''بدر فیض رساں'' ''بلند درجات چشتی'' 1407ھ تحریک پاکستان کے نامور مجاہد مولانا بشیر احمد اخگر (1994-1916ء) نے آپ کی رحلت پر اپنے تعزیت نامہ میں لکھا ہے:''ہم پاکستان کی سالمیت اور محبت کے ناطے''پیر بھائی تھے''اس سے بڑھ کران کی خدمات کو بھلا اور کیا خراج تحسین پیش کیا جاسکتا ہے۔آپ کی رحلت کے بعد بڑے صاحبزادے حکیم محمد افتخار حسین اظہر چشتی سجادہ نشین ہوئے جوان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے گرانقدر خدمات انجام دے رہے ہیں۔

شاہ محمد سلیمان پھلواروی ؒ

شاہ محمد سلیمان پھلواروی بن شاہ محمد داؤد بن حکیم شاہ محمد محبوب عالم قادری کی ولادت 11 محرم الحرام 1276ھ مطابق 10 اگست 1859ء بروز بدھ عظیم آباد (پٹنہ) کے نواحی قصبے پھلواری شریف میں ہوئی۔سلسلہ نسب حضرت غوث الاعظم (1077-116) کے واسطے سے حضرت علی مرتضیٰ سے ملتا ہے۔شاہ محمد داؤد فیض آباد میں شاہی طبیب تھے اور جنگ آزادی کے نامور ہیرو مولانا شاہ احمد اللہ مدراسی (1790-1858ء کے خاص رفقاء میں سے تھے۔جنگ آزادی کے بعد جب 15 جون 1858ء کو شاہ احمد اللہ مدراسی شہید کر دیئے گئے تو اکثر مجاہدین مثلاً ڈاکٹر وزیر خان (ف 1873ء) اور مولانا رحمت اللہ کیرانوی (1818-1891ء) وغیرہ ہجرت فرما کر حجاز چلے گئے، شاہ محمد داؤد بھی چھپ چھپا کر پھرتے پھراتے پھلواری پہنچے اور وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔شاہ محمد سلیمان نے ابتدائی تعلیم اپنے ماموں شاہ نعمت مجیب سے حاصل کرنے کے بعد فرنگی محل لکھنؤ میں استاذ الہند مولانا عبدالحی (1848-1886ء) سہارن پور جاکر مولانا احمد علی (1808-1880ء) سے ابن ماجہ، نسائی اور بخاری شریف پڑھی، بقیہ صحاح ستہ سید نذیر حسین محدث دہلوی (1805-1902ء) سے پڑھیں۔ 1304/1887ء میں سفر حج کے موقعہ پر شیخ عباس بن ادرس، شیخ محمد صالح السودانی، سید عبداللہ نہاری اور سید امین رضوان کو بخاری شریف سنا کر اسناد لیں۔بعدازاں شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی (1794-1895) سے بخاری شریف سنا کر سند لی۔ شاہ ابوالحسین مارہروی (1839-1906) مولانا محمد سعید بن صبغتہ اللہ مدراسی سے بھی مسلسلات کی سند لی، غرض تقریباً ساٹھ ستر شیوخ حدیث سے استفادہ کیا۔طب میں مولانا عبدالحی فرنگی محلی، حکیم محمد عبدالعزیز دریابادی اور حکیم مرزا مظہر حسین خان

Marfat.com

بن حکیم مسیح الدولہ سے اکتساب کیا۔ دیگر علوم ادبیہ میں مولانا محمد مظہر نانوتوی (1823۔1885) مفتی محمد عباس لکھنوی، مولانا جمیل احمد بلگرامی، میر حسین لکھنوی، میر فرزند احمد صغیر بلگرامی کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیا۔ مؤالذکر دونوں حضرات کا سلسلہ تلمذ ناصر علی سرہندی (ف 1697) سے جا کر ملتا ہے۔ علاوہ ازیں عربی قصائد واشعار، درسیات حکیم عبدالحمید عظیم آبادی، مولانا محمد فاروق چڑیا کوئی (ف 1909) مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری (ف 1918) اور مولانا معین الدین ساکن کڑا (یوپی) سے پڑھے۔ فراغت کی تاریخ خود نکالی ''آج فارغ ہوا''

سولہ سال کی عمر میں 7 ربیع الثانی 1291ھ مطابق 24 مئی 1874ء کو شاہ علی حبیب نصر پھلواروی سے سلسلہ قادریہ میں بیعت کی۔ پھر اپنے حقیقی ماموں شاہ صفت اللہ اور شاہ اشرف مجیب سے اجازت وخلافت پائی۔ علاوہ ازیں اپنی اہلیہ کے ماموں شاہ عبدالرحمٰن رشتے میں نانا شاہ یحیٰی، شاہ وحید الحق سجادہ نشین آستانہ منعمیہ ابوابوالعلائیہ پھلواری شریف، مولانا عبدالحی فرنگی محلی قادری رزاقی اور شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی قادری مجددی سے اجازت وخلافت پائی۔ سفر حج کے موقعہ پر مسلسل چار ماہ حاجی امداداللہ مہاجر مکی (1817ء۔1899ء) کی خدمت میں حاضر رہے اور مثنوی شریف کے درس میں برابر شریک رہے۔ افکار واوراد صابریہ کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد بغداد شریف حاضر ہوئے اور نقیب الاشراف سید عبدالرحمٰن سجادہ نشین آستانہ غوث پاک سے اپنے جدی سلسلہ قادریہ کی اجازت لی۔ آپ ایک بلند پایہ خطیب اور شعلہ نواز مقرر تھے۔ آپ کا وعظ بہت دل پذیر اور اثر انگیز ہوتا تھا۔ پہلے حج سے واپسی سے سلسلہ تقاریر شروع کیا اور جلد ہی ہر محفل کی جان بن گئے۔ آپ کی سحر بیانی ضرب المثل تھی۔ بات بات پر نشتر کی طرح چبھتا ہوا شعر، پھر مثنوی کا سوز وگداز اور ترنم کی وجد انگیزی الگ، لوگ سنتے اور سر دھنتے تھے، تڑپتے تھے اور جب اپنے گھروں کو جاتے تھے تو اپنے ماضی وحال کا جائزہ لے کر اپنے اعمال کا محاسبہ کرتے تھے۔ سامعین میں اہل حال بھی ہوتے تھے، اہل قال بھی۔ مشائخ بھی، علماء بھی، خواص بھی اور عوام بھی۔ لیکن روحانیت کی دولت سب سمیٹتے تھے اور ایک پائیدار کسب سب کے دل میں جاگزیں ہو جاتی تھی۔ آپ کی تقریر میں سوز، درد وگداز اور ترنم کے علاوہ بذلہ سنجی بھی انتہا درجے کی تھی۔ حاضرین کو جہاں رلاتے وہاں ہنساتے بھی تھے۔ ایک دفعہ اتفاق سے ندوۃ العلماء کے اجلاس 1915ء میں چار سلیمان ایک ہی جگہ اکٹھے بیٹھے تھے۔ یعنی مولانا سید سلیمان اشرف بہاری (1878ء۔1939ء) قاضی محمد سلیمان منصور پوری (ف 1930ء) مولانا سید سلیمان ندوی (1884۔1953ء) اور خود شاہ محمد سلیمان پھلواری۔ آپ تقریر کے لئے اٹھے اور فرمایا:

بھئی! آج کئی سلیمان پیدا ہو گئے ہیں ۔ پریاں نئی نئی ہیں، سلیمان نئے نئے

مجمع بھی مسکرایا ہی تھا کہ ان کی آواز بلند ہوئی ''لیکن سلیمان ابن داؤد میں ہی ہوں'' (آپ کے والد کا نام داؤد تھا) اجلاس گلزار ہو گیا۔ ان کی آواز اور بلند ہوئی ''پہلے سلیمان فرد تھا (بمعنی شعر فرد اور بمعنی یکتا) اور اب ''رباعی'' ہے۔ یہاں چار چار سلیمان جمع ہیں۔ آپ کی طبیعت میں نکتہ آفرینی، برجستگی، شگفتہ مزاجی اور مزاح کا عنصر نمایاں تھا۔ چنانچہ ایک جلسے سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ: ''اسلام کے سب سے بڑے اور موذی دشمن عمرو بن ہشام کو آنحضرت ﷺ نے ابوجہل کا خطاب دیا:

Marfat.com

یعنی جہالت کا باپ کہا۔ ابوالفکر نہیں کہا اور اسلام کے سب سے بڑے دوست علی مرتضیٰؓ کے بارے میں **انا مدینۃ العلم وعلی بابھا** ''میں علم کا شہر ہوں اور علیؓ اس کا دروازہ ہے''

مسلمانو! اب تم کو اختیار ہے کہ یا تو جاہل رہو اور اپنا سلسلہ ابوجہل سے ملاؤ یا پڑھ لکھ کر صاحب علم ہو جاؤ اور اپنا رشتہ علی مرتضیٰ سے جوڑو: آپ نے تحریک خلافت و دیگر سیاسی، مذہبی اور علمی تحریکوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ تحریک خلافت کے زمانے میں ترکوں کی حمایت میں زبردست تقریریں 1922 میں ''گیا'' کے مقام پر بی اماں (1851۔1924) کی صدارت میں ایک جلسہ ہوا جس میں آپ نے شعلہ بار تقریر کرتے ہوئے فرمایا: ''میں تو حسین شہید کربلا کی اولاد ہوں۔ اسلام اور امت کی راہ میں قربان ہو جانا تو ہمارے دادا کی عین سنت ہے، چاہے کوئی مسلمان اسلام کے اس نازک ترین موقع پر اپنے آپ کو پیش کرے یا نہ کرے، میں تو اپنی ساری ضعیفی، ساری کمزوری اور ساری ناتوانی کے باوجود خلافت ترکیہ اور اسلام کے لئے اپنے آپ کو پیش کرتا ہوں''

آپ نے وجود ملی کی حفاظت و بقاء، طلب حقوق و اسلام کی سربلندی کے لئے ہر جدوجہد کا ساتھ دیا۔ آل انڈیا مسلم لیگ قائم ہوئی تو دل و جان سے تائید و حمایت کر کے بھرپور تعاون کیا۔ اور آل انڈیا کونسل کے رکن رہے۔ جمعیت العلماء سب سے پہلے صوبہ بہار میں آپ کی صدارت میں قائم ہوئی۔ بعدازاں جمعیت علماء ہند (1919ء) معرض وجود میں آئی تو اس کا ساتھ دیا مگر جب 1929ء میں نہرو رپورٹ کے مسئلے پر جمعیت نے کانگریس کا ساتھ دیا تو ملی وجود کو خطرے میں دیکھ کر آپ بھی مولانا محمد علی جوہر (1878۔1931) مولانا حسرت موہانی (1878۔1951) مولانا نثار احمد کانپوری (1880۔1934) مولانا شاہ محمد فاخر الہ آبادی (ف 1930ء) مولانا عبدالماجد بدایونی (1887ء۔1931ء) مولانا قطب الدین عبدالوالی فرنگی محلی (1896۔1954) مولانا غلام بھیک نیرنگ (1876۔1952) مولانا نذیر احمد خجندی (ف 1936ء) مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی (1892۔1954) اور مولانا عنایت اللہ فرنگی محلی وغیرہ ہم کے ساتھ جمعیت علماء ہند سے مستعفی ہو گئے۔

کانپور میں ایک علماء کانفرنس رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر کی صدارت میں منعقد ہوئی اور جمعیت علماء کانپور کے نام سے علماء کی ایک فعال جمعیت قائم کی گئی تو آپ نے بھرپور تعاون فرمایا۔ اس جمعیت کے جملہ مقاصد میں سے ایک مقصد یہ بھی تھا کہ جغرافیائی وملنیت وقومیت کے طلسم سامری سے جو مغربی تہذیب کا سب سے بڑا دلفریب مگر گمراہ کن تحفہ ہے سے مسلمانوں کی فکر اسلامی اور اسلام کی عالمگیر اخوت کو متاثر و مغلوب نہ ہونے دیا جائے۔ اس کے بعد 1930ء آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس علامہ اقبالؒ (1877۔1938ء) کی صدارت میں منعقد ہوا اور اس اہم مقصد اور فیصلے کی پرزور تائید و توثیق کی گئی۔ علامہ اقبال نے اسی کی بنیاد پر اپنی وہ اسکیم پیش کی جو بالآخر پاکستان کے نام سے ایک ٹھوس حقیقت بن کر 1947ء میں منصہ شہود پر آئی۔ آپ کو تعلیمی کاموں میں مہارت تامہ اور ید طولیٰ حاصل تھا۔ آپ کلکتہ یونیورسٹی کی سینٹ کے رکن، مدرسہ عالیہ کی مدرسہ کمیٹی اور نصاب کمیٹی کے رکن تھے۔ ڈھاکہ یونیورسٹی قائم کرنے کی جدوجہد میں نواب سلیم اللہ خاں (1884۔1915) کے

Marfat.com

شانہ بشانہ کام کیا اور پھر اس کی گورننگ باڈی اور نصاب کمیٹی کے رکن بھی منتخب ہوئے۔ علاوہ ازیں اسلامیہ کالج لاہور، اسلامیہ کالج پشاور، انبالہ مسلم ہائی اسکول، حلیم مسلم ہائی اسکول کانپور، یتیم خانہ اسلامیہ کلکتہ، مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ، مدرسہ امدادیہ دربھنگہ، مدرسہ وحیدیہ حنفیہ آراہ کے قیام و انتظام میں شروع ہی سے دخیل رہے۔ ایم اے او کالج علی گڑھ کے ٹرسٹی اور مجلس ندوہ کے قائم کردہ دارالعلوم کے بھی معتمد رہے۔

علاوہ ازیں انجمن حمایت اسلام لاہور، مدرسہ عربیہ سہسرام، مدرسہ انوار الاسلام گیا، مدرسہ تکمیل العلوم کانپور، انجمن ترقی تعلیم امرتسر، انجمن اسلامیہ پٹنہ، مرکزی جمعیت تبلیغ انبالہ، طیبہ و حاجیہ کالج لکھنؤ اور طبی کانفرنس وغیرہ اداروں میں ہمیشہ گہری دلچسپی لیتے رہے۔ بلوہ شاہ آباد (بقر عید ہندو مسلم فسادات) میں نمایاں کام کیا۔ چندے وصول کر کے مسلم عوام کی مدد کی، ہندوؤں کے خلاف سب سے پہلے اس زمانے میں آپ ہی نے احتجاج کیا اور ہندو مسلم دو الگ قوم کی تبلیغ کی۔ آپ کی دعا میں ایک خاص اثر، درد اور سوز تھا جب آپ دعا فرماتے تو حاضرین زار و قطار رو دیتے، چنانچہ مولانا فتح محمد خاں جالندھری دیوبندی نظریاتی اختلافات کے باوجود اس حقیقت کا اعتراف بڑی عقیدت و محبت کے ساتھ ماہنامہ ''صوفی'' پنڈی بہاؤ الدین (حال منڈی بہاؤالدین) کے شمارہ ستمبر 1910ء میں کرتے ہیں کہ: 1908 کے اجلاس ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ امرتسر میں مولانا شبلی کا بھی لیکچر ہوا۔ مولوی ثناء اللہ کی بھی تقریر ہوئی اور حاضرین جلسہ نے ان کو شوق و رغبت سے سنا بھی، مگر جو ایک خاص بات حضرت شاہ سلیمان کے وعظ میں دیکھی گئی وہ دونوں صاحبوں کے کلام میں نہ تھی۔ شاہ صاحب نے جب اختتام وعظ پر دعا مانگی تو حاضرین میں سے ایک متنفس ایسا نہ تھا، جو زار و قطار روتا نہ ہو اور خاص کر انگریزی پڑھے ہوئے جو کوٹ اور پتلون زیب تن کئے ہوئے تھے اور سروں پر ترکی ٹوپیاں اوڑھے ہوئے تھے، اس طرح دھاڑیں مار کر روتے تھے کہ مولانا شبلی نے جب یہ کیفیت سنی تو تعجب کیا''

آپ نے چالیس کے قریب کتابیں لکھیں جن کی تفصیل ہماری دوسری کتاب ''کہاں گئے وہ لوگ'' میں دیکھی جا سکتی ہے۔ آپ کی وفات حسرت آیات 27 صفر 1354ھ مطابق 31 مئی 1935ء بروز جمعۃ المبارک صبح چھ بج کر پچپن منٹ پر ہوئی۔ نماز جنازہ آپ کے صاحبزادے اور سجادہ نشین شاہ حسین میاں (1894ء۔1947ء) نے پڑھائی۔ اور خانقاہ عالیہ پھلواری شریف میں آخری آرام گاہ بنی۔ ''خواجہ ہند رفت'' (1354ھ) سے تاریخ وفات نکلتی ہے۔ قیام پاکستان کے بعد آپ کے ایک صاحبزادے شاہ محمد جعفر پھلواری (1901۔1982ء) لاہور میں عرصہ تک قیام پذیر رہے اور ہماری ان سے ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ وفات سے چند سال قبل وہ کراچی چلے گئے تھے۔

پیر فضل حق کربوغہ شریفؒ

پیر فضل حق عرف گل آباد صاحب بن مولانا پیر محمد عمر شاہ عرف صاحب مبارک (1819۔1929ء) کی ولادت

Marfat.com

باسعادت 1297ھ/1880ء میں محلّہ صاحبزدگان کربوغہ شریف تحصیل ہنگو ضلع کوہاٹ (سرحد) میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم گھر میں حاصل کرنے کے بعد قرآن پاک حفظ کیا۔ پھر مختلف اساتذہ مثلاً مولانا محمد الیاس آفریدی، موضع بھوٹان، مولانا عبداللطیف ریاست دیر سے استفادہ کیا۔ شیخ الحدیث مفتی محمد سعید آف کربوغہ شریف سے دورۂ حدیث کیا۔ بعدازاں طب وحکمت میں بھی دسترس حاصل کی۔ اپنے والد گرامی کے دست مبارک پر سعادت بیعت حاصل کرکے فیوض و برکات کے خزانے لوٹے۔ والدگرامی کے خلیفۂ ارشد اور آپ کے استاذ محترم مولانا محمد الیاس آف بھوٹان نے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ، قادریہ میں اجازت و خلافت سے نوازا۔ 1929ء میں والدگرامی کی رحلت پر سجادہ نشین ہوئے اور لوگوں کی روحانی تربیت فرمانے لگے۔ قبائلی علاقہ جات میں مسلمانوں کے باہمی تنازعات کے فیصلے کرنے اور امن وامان قائم کرنے پر خصوصی توجہ دی۔ آپ نے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ 14/اکتوبر 1945ء کو پیر صاحب مانکی شریف (ف 1960ء) نے اپنے ہاں برصغیر کے نامور علماء و مشائخ کی ایک کانفرنس بلائی تاکہ صوبہ سرحد میں مسلم لیگ کے کام کو تیز تر کیا جائے۔ یہ کانفرنس راٹ کو پیر معصوم بادشاہ فاروقی نقشبندی مجددی (ف 1957ء) سجادہ نشین چورہ شریف ضلع اٹک کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس میں سنوسئی امیر ملت پیر سید حافظ جماعت علی شاہ محدث علی پوری (ف 1951ء) خصوصی طور پر مدعو تھے۔ علاوہ ازیں صدرالافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی (ف 1948ء) پیر صاحب تونسہ شریف خواجہ غلام سدید الدین (ف 1960ء) مولانا عبدالحامد بدایونی (ف 1970ء) پیر عبداللطیف زکوڑی شریف (ف 1978ء) مولانا شائستہ گل (ف 1981ء) اور سینکڑوں دیگر علماء و مشائخ کے ساتھ پیر صاحب کربوغہ شریف نے بھی شرکت کی۔ یہ کانفرنس بہت کامیاب رہی۔ شرکائے کانفرنس نے بڑے جوش و خروش کا مظاہرہ کیا۔ تمام صوبہ سرحد میں اس کانفرنس کی وجہ سے مسلم لیگ کا بول بالا ہوگیا۔ پیر صاحب کربوغہ شریف نے اس کانفرنس میں مسلم لیگ میں اپنی شرکت کا اعلان کیا اور واپس آکر گوشہ نشینی کو خیرباد کہہ کر مسلم لیگ کا سبز ہلالی پرچم تھام کر پورے علاقے میں دورے کرکے عوام وخواص کو مسلم لیگ کا حامی بنایا۔ ضلع بنوں، کرک، لکی مروت اور دوسرے علاقوں میں جلسے منعقد کرکے ایک ایسا انقلاب برپا کردیا کہ ہر طرف سے ''مسلم ہے تو مسلم لیگ میں آ'' کے روح پرور ترانے سنائی دینے لگے۔

30/مئی 1946ء کو پیر صاحب مانکی شریف نے صوبہ سرحد کے علماء ومشائخ کا ایک خصوصی اجلاس مانکی شریف تحصیل نوشہرہ ضلع پشاور میں بلایا تو آپ نے بنفس نفیس شرکت فرما کر اپنے ایمان افروز اور باطل سوز خطاب سے سامعین کے قلب وجگر کو جلا بخش کر تحریک پاکستان کو اک ولولہ تازہ بخشا۔ اسکے بعد آپ نے بنوں میں ایک شاندار ''علماء ومشائخ کانفرنس'' بلائی۔ اس سلسلہ میں پیر صاحب مانکی شریف، کربوغہ شریف تشریف لائے اور پھر آپ کی قیادت میں ایک شاندار جلوس بنوں پہنچا۔ آپ نے کانفرنس سے اختتامی خطاب فرماتے ہوئے ''طالوت وجالوت'' کے موضوع پر خطاب فرمایا اور حاضرین کے اذہان میں قیام پاکستان کی ضرورت واہمیت کو خوب بٹھایا۔ آپ کی تقریر کا ایک ایک لفظ سامعین کے قلب وجگر میں اترتا جارہا تھا۔ آپ نے آخر میں فرمایا کہ جو کوئی اس نازک وقت پر قیام پاکستان کے حق میں ووٹ نہ دے، تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ اصحاب طالوت کا سا سلوک کرے۔ لوگوں نے آپ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے بانگ دہل حمایت وتعاون کیا۔ آپ کی مسلسل

Marfat.com

جدوجہد سے مسلم لیگ کی دھوم مچ گئی۔آپ کے مریدوں، متعلقین اور علاقہ کے علماء ومشائخ نے آپ کا بھرپور ساتھ دیا حتی کہ 14 اگست 1947ء کو آزادی کی صبح طلوع ہوگئی۔ بعدازاں آپ نے جہاد کشمیر میں بھی سرفروشانہ کردار ادا کیا، راولاکوٹ کے بڑے مورچے کا ''فاتح'' آپ ہی کا لشکر تھا۔ پاکستان بننے کے بعد جب مسلم لیگی لیڈروں نے نفاذ شریعت کا وعدہ پورا نہ کیا تو آپ تازیست ناراض رہے اور اسی درد کی کسک لئے ہوئے 11 ذوالحجہ 1371ھ مطابق 2 ستمبر 1952ء بروز منگل صبح کے وقت داعی اجل کو لبیک کہ گئے۔نماز جنازہ ان کے صاحبزادے اور سجادہ نشین حاجی سلطان محمد صاحب نے پڑھائی اور والد گرامی کے پہلو میں آخری آرامگاہ بنی۔

تحریک پاکستان میں طلباء کا کردار

قائد تحریک پاکستان محمد علی جناح نے ایک بار ارشاد فرمایا تھا کہ جب قوم کے بالائی طبقوں نے میرا ساتھ نہ دیا۔اس وقت طلباء میری مدد کے لئے آگے بڑھے۔قائداعظم نے جب مسلمانوں کو منظم کرنے کا ارادہ کیا۔تو ۱۹۳۷ء میں طلباء اور نوجوانوں نے ہی ان کی آواز پر لبیک کہا۔راجہ صاحب محمود امیر احمد خاں تحریک کے عظیم رہنما کی حیثیت سے میدان میں آگئے۔ راجہ صاحب محمود آباد آل انڈیا مسلم اسٹوڈینٹس فیڈریشن کے صدر تھے۔اس طرح انہوں نے تمام ہندوستان میں طلباء کو تحریک پاکستان کے لئے منظم کیا۔قائداعظم کو ان پر بے حد اعتماد تھا۔ ۱۹۳۷ء میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس لکھنؤ میں نوجوان طلباء نے عزم کیا۔کہ وہ ملک کے تحفظ اور سربلندی کے لئے کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔

تحریک پاکستان میں علی گڑھ کالج

علی گڑھ کالج کے توسط سے سرسید احمد خاں نے مسلمان طلبہ کی ایسی نسل تیار کر لی تھی۔جس نے بہت جلد ان کے نظریات ومقاصد پر عمل شروع کر دیا۔اور تحریک آزادی میں سرگرمی سے شمولیت اختیار کی۔سید احمد خاں کی تعلیمی تحریک اور اس کے تحت علی گڑھ کالج کا قیام اپنے نتائج کے لحاظ سے بڑا دوررس اور مؤثر ثابت ہوا۔اپنے مقاصد کے اعتبار سے سید احمد خاں انگریزوں کے بہت بڑے باغی ثابت ہوئے۔اپنے مقاصد کے اعتبار سے تو برعظیم میں اس قدر ہلچل پیدا نہ ہوتی۔نہ وہ کالج قائم کرتے۔نہ نوجوانوں کی ایک پرجوش نسل نکلتی۔نہ تحریک آزادی اس قدر شدت اختیار کرتی۔اور نہ برطانوی حکومت کا عرصہ کم ہوتا۔سید احمد خان نے نوجوانوں میں جن نظریات اور مقاصد کی آبیاری کی انہوں نے بعد کے عرصے میں اُبھرنے والی تمام تحریکوں میں اپنا شدید اظہار کیا ہے۔مسلم لیگ کے قیام اور مسلم یونیورسٹی کی تشکیل کے بعد جدوجہد میں طلبہ ہراول دستے کے طور پر شریک رہے اس وقت یہ سمجھا جا رہا تھا کہ جو تعلیم حکومت کے زیر اثر ہوگی وہ کسی طرح بھی مسلمانوں کے لئے فائدہ مند اور ان کے قومی ثقافتوں کے مطابق نہیں ہوسکتی۔علی گڑھ کالج سے فارغ التحصیل طلباء کا ایک پرجوش طبقہ اس خیال کے تحت چاہتا تھا کہ مسلمانوں کی تعلیم میں حکومت کا عمل دخل کسی طرح نہ رہے چنانچہ تحریک خلافت کے دوران جب عدم تعاون کی تحریک شروع ہوئی۔اور تمام سرکاری اداروں، ملازمتوں اور امداد کو ترک کیا جانے لگا تو تعلیمی ادارے بھی اس تحریک میں شامل ہوگئے۔جس

Marfat.com

قرارداد کے تحت حکومت سے عدم تعاون کا فیصلہ کیا گیا تھا۔اس میں یہ سفارش بھی کی گئی تھی کہ جن تعلیمی اداروں کو حکومت خود چلاتی ہے۔یا جن کو امداد دیتی ہے۔ان سے طلبہ کو اٹھا لیا جائے۔اس تحریک کے دوران سرکاری مدارس سے طلبہ کی علیحدگی کی صورتِ حال نے طلبہ کی ایک کثیر تعداد کو تحریک میں رضا کارانہ حیثیت سے کام کرنے کے لئے آزاد کر دیا تھا۔اس سے طلبہ کے سیاست میں حصہ لینے کی روایت عام ہوئی۔اس تحریک کے دوران طلبہ کے ایک طبقہ کو جب علی گڑھ کالج کی سرکاری امداد کو جاری رکھنے کے فیصلے پر اعتراض ہوا۔تو انہوں نے ایک جداگانہ درس گاہ جامعہ ملّیہ قائم کر لی۔اور اسے خود اپنے وسائل سے باقی رکھا۔ اس وقت عام مسلمانوں اور بالخصوص نوجوانوں پر علامہ اقبال، مولانا محمد علی جوہر اور مولانا ظفر علی خاں کے خیالات اور ان کی تحریروں کا بہت نمایاں اور واضح اثر قائم ہو رہا تھا۔خصوصاً علامہ اقبال کے اتحاد اسلامی، آزادی اور علیحدہ مسلم مملکت کے خیالات نے انہیں بہت زیادہ مشتعل اور مضطرب کر دیا تھا۔اب نوجوانوں اور طلباء میں بھی ایسے تصورات اور خیالات جگہ پا رہے تھے۔جو قوم کے مستقبل کی تعمیر میں ان کے عزائم اور نصب العین کو ظاہر کرتے ہیں۔وہ اس صورت حال میں اپنے مسلم رہنماؤں کے نقشِ قدم پر بھی چلتے رہے۔اور ان میں بعض نے اپنے لئے علیحدہ لیکن مثبت راہوں کا انتخاب بھی کیا۔ مولانا محمود الحسن کی تحرک ''ریشمی رومال'' کا بیشتر دارومدار طلبہ پر ہی تھا۔جس کے تحت طلبہ نے بیرونِ ملک جا کر بھی آزادی کی جدوجہد کو مؤثر اور عام کیا۔ایسے طلباء جنہوں نے بذاتِ خود اپنے تصورات اور مقاصد کو ایک عملی صورت دینے کی کوشش کی اور مسلمانوں کے لئے آزادی اسلامی مملکت کے قیام کی جدوجہد کی۔ان میں چوہدری رحمت علی کا نام زیادہ ممتاز اور مسلمانوں میں منفرد ہے۔انہوں نے ۱۹۱۵ء میں اس وقت جب کہ وہ اسلامیہ کالج لاہور میں زیرِ تعلیم تھے۔اور مسلمانوں میں آزادی اسلامی مملکت کے تصورات ابھی تک اتنے عام نہیں ہوئے تھے۔آزاد اسلامی مملکت کا تصور پیش کیا۔بعد میں جب وہ انگلستان میں زیرِ تعلیم تھے۔تو مسلم طلباء کو اپنا ہم خیال بنانے اور ان کو یکجا کرنے کے لئے ''پاکستان نیشنل لبریشن موومنٹ'' نامی جماعت تشکیل دی۔ جو طلبہ اور نوجوانوں کے لئے مخصوص رہی۔اس تنظیم کے تحت انہوں نے متعدد اہم کتابچے شائع کئے۔اور پاکستان کے حصول کے لئے ایک منظم اور طویل جدوجہد جاری رکھی۔ بہت جلد انہوں نے اپنی تحریک کو انگلستان بر عظیم تک پھیلا دیا۔اور طلبہ اور نوجوانوں کی ایک ایسی جماعت تیار کی جو تحریک پاکستان کی جدوجہد میں بہت سرگرم اور فعال ثابت ہوئی۔اس دوران

بر عظیم کی دیگر تنظیمیں بھی اپنے اپنے دائرہ اثر میں کام کرتی رہی ہیں۔لیکن ایک بہت سرگرم اور مستعد تنظیم ''مسلم اسٹوڈینٹس فیڈریشن'' کے نام سے ۱۹۳۷ء میں قائم ہوئی اس کے محرک علی گڑھ کالج کے ایک ممتاز طالب علم محمد نعمان تھے۔ اس تنظیم نے بہت جلد اپنی شاخیں ملک کے کئی صوبوں میں قائم کر دیں۔نوجوانوں میں تحریک پاکستان کو مقبول بنانے میں اس تنظیم نے نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔اس نے مسلمان طلباء کو منظم کرنے اور ان میں اتحاد و اتفاق کی خصوصیات پیدا کرنے اور انہیں حصول پاکستان کی جدوجہد میں سرگرم ہونے کی ترغیب دی۔اس کے مقاصد اور اس کے دائرہ کار کے سبب اسے بہت جلد قائد اعظم اور دیگر مسلم زعماء اور مسلم لیگ کی ستائش حاصل ہو گئی۔خود اس تنظیم نے قائد اعظم اور مسلم لیگ کی جدوجہد میں ہر مرحلے پر اپنے آپ کو شامل رکھا۔اور قیام پاکستان کی جدوجہد میں طلبہ کے کردار کی نمائندگی کی۔

Marfat.com

قائداعظم اور نوجوان

نومبر ۱۹۴۲ء میں جب پنجاب مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس ہوا۔ جس کی صدارت قائداعظم نے فرمائی۔ یہ اجلاس مسلمانوں کی سیاسی بیداری کا مظہر تھا۔ پنجاب کے طول وعرض سے ہزاروں مخلص اور ایثار پیشہ مسلمان شریک ہوئے۔ قائداعظم اس کیفیت سے بے حد متاثر ہوئے۔ وہ اس حقیقت سے آشنا تھے۔ کہ پنجاب میں یہ بیداری نوجوانوں کی مرہون منت ہے۔ جب مسلم سٹوڈینٹس فیڈریشن فیصل آباد کی جانب سے سپاسنامہ پیش کیا گیا۔ تو قائداعظم نے فرط جذبات سے فرمایا ''آپ سب نوجوان میرے ہیں اور میں آپ کا ہوں۔ پس آپ کے اس اور آپ ہم قدم ہوکر بڑھیں ہم ضرور فتح پائیں گے''۔

جنوری ۱۹۴۶ء میں قائداعظم لاہور میں تشریف فرما تھے۔ بعض ملت دشمن عناصر نے قائداعظم کو گزند پہنچانے کی کوشش کی۔ قائداعظم ممدوٹ ولا میں مقیم تھے۔ سینکڑوں نوجوان رات بھر اپنے محبوب قائدین کی حفاظت کیلئے پہرہ دیتے رہے کچھ عرصے بعد قائداعظم شملہ تشریف لے گئے۔ بعض مسلم دشمن حلقوں کی جانب سے قائداعظم کو خطرہ درپیش تھا۔ نیازمندوں کے اصرار پر قائداعظم سے فرمایا کہ اسلامیہ کالج لاہور کے طلبہ کو بلائیے۔ جنہوں نے لاہور میں میری حفاظت کا سامان کیا تھا۔

تحریک میں طلباء کا کردار......پس منظر

تحریک پاکستان میں مسلم طلبا کے کردار کے تجزیہ کے طور پر چند ایک حقائق پیش کرنا بے حد ضروری ہے۔ معاشرے کے اور طبقوں کی طرح طلباء کے ماحول اور تاریخی عوامل نے ان کی شخصیت اور کردار پر اثر ڈالا تھا۔ جدید تعلیم کی ضرورت، سیاسی اور سماجی حالات میں مسلمان معاشرے کی مشکلات، برطانوی راج کی پالیسی، ہندو اکثریت کا طرزِ عمل، دو قومی نظریئے کی حقیقت واہمیت ان تمام عناصر نے مل جل کر مسلم خواص کی طرح طلبا کے کردار و ذہن کی تخلیق میں بھی حصہ لیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ جدید دور کا ''مسلمان طالب علم'' جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے بعد کی پیداوار اور سرسید احمد خاں کی تعلیمی وسماجی تحریک کا نتیجہ ہے۔ طالب علم تو پہلے بھی ہوتے تھے۔ اور مسلمانوں کے دور حکومت میں درس وتدریس کی طرف خاصی توجہ دی جاتی تھی۔ مثلاً صرف روہیل کھنڈ میں پانچ ہزار تنخواہ دار مدرس تعلیم دینے پر مقرر تھے۔ سلطنت کے ہر علاقے میں مدرسے موجود تھے۔ لیکن ۱۸۵۷ء میں جب مغلیہ سلطنت کا چراغ گل ہوا۔ تو تعلیم ہی کیا زندگی کی پوری بساط ہی اُلٹ گئی۔ ادھر عیسائی مشنریوں نے اسکول کھولنے شروع کیے۔ جس سے بعض لوگوں کو یہ خدشہ ہوا کہ وہ شائد بچوں کو عیسائی بنانا چاہتے ہیں۔ اسی خطرے سے نپٹنے کے لئے حاجی محمد حسین نے ہگلی میں اسلامیہ درس گاہ کی بنیاد ڈالی۔ یہ سرسید احمد خان ہی تھے جنہوں نے اس صورتِ حال کو پوری طرح سمجھا۔ اور یہ جان لیا کہ زمانہ بدل چکا ہے۔ پرانی وضع کے زوال پذیر معاشرے کی ٹکر یورپ کے سائنسی اور صنعتی دور کے پروردہ ترقی یافتہ اُبھرتے ہوئے معاشرے سے ہو رہی ہے۔ جس کا مقابلہ صرف جدید تعلیم سائنس اور ٹیکنالوجی کے ہتھیاروں سے ممکن ہے۔ چنانچہ انہوں نے ۱۸۷۵ء میں علی گڑھ مدرسہ قائم کیا۔ ۱۸۷۷ء میں وہ محمڈن اینگلو اورینٹل کالج بنا۔ اور دسمبر ۱۹۲۰ء میں مسلم لیگ یونیورسٹی کا قیام عمل میں آیا۔ اس کے اثرات بڑے دُور رس نکلے۔ ہر صوبے میں جگہ جگہ مسلمانوں کے

Marfat.com

مدرسے اور کالج کھلنے شروع ہو گئے اور مسلم طلباء کی نئی پود ابھرنی شروع ہو گئی۔ ساتھ ہی تعلیم نسواں کا چرچا ہوا۔ یہ نئی پود پرانی وضع کے مدرسوں اور مکتبوں کے تعلیم یافتہ طلباء سے مختلف ثابت ہوئی۔ یہی نئی وضع کے طلباء تھے جنہوں نے جدید تعلیم سے بہرور ہو کر طلباء کی حیثیت سے قائداعظم محمد علی جناح کی قیادت میں پاکستان کی جدوجہد میں حصہ لیا۔ اور کامیابی حاصل کی۔ تاریخ کی ایک ناقابل انکار حقیقت یہ ہے کہ سرسید نے اپنے زمانے میں مسلمانوں کو اور ظاہر ہے۔ کہ مسلم طلباء بھی ان مسلمانوں کا ہی ایک اہم جزو تھے۔ کانگریس سے الگ رہنے کی تلقین کی تھی۔ ان کی دور بین نگاہ نے صورت حال کا صحیح تجزیہ کر لیا تھا۔ سید رضا علی کے مطابق: ''سرسید احمد خاں نے کانگریس کی مخالفت اس وجہ سے کی تھی کہ مسلمان تعداد میں غیر مسلموں سے بہت کم ہیں۔ اگر اہل ملک کو حقوق دینے میں نمائندگی کے وہ اصول ہندوستان میں رائج کئے گئے جن کا تجزیہ انگلستان میں کیا گیا ہے تو مسلمان کہیں کے نہ رہیں گے''۔ نئے سیاسی اور سماجی حالات کی روشنی میں سرسید کی تعلیم و تربیت نے مسلمانوں پر یہ نکتہ واضح کر دیا تھا کہ ان کا علیحدہ قومی تشخص اور الگ ضروریات ہیں۔ سرسید کی تحریک صرف کالج کھولنے تک محدود نہ تھی۔ انہوں نے اپنی تحریروں کے ذریعے، لیکچروں کی وساطت سے اور مسلسل عمل سے مسلمانوں کی تعلیم، ذہنی تربیت، معاشرے کی اصلاح، عقائد و زبان سب کی طرف توجہ دی۔ تقریباً ہر موضوع پر ان کے مضامین موجود ہیں۔ اردو کو انہوں نے ایک کاروباری زبان بنایا۔ اور نثر کی آبیاری کی۔ اور زبان پر جو حملے ہو رہے تھے اس سے بچایا۔ اس لئے کہ دراصل ان کے خیال میں ان حملوں کا مقصد سیاسی تھا۔ سرسید بورڈنگ سسٹم کو پسند کرتے تھے۔ ان کا کالج میں پنجاب، بنگال، سندھ، سرحد، یوپی، مدارس، بمبئی غرضیکہ برصغیر کے کونے کونے سے لڑکے آتے تھے۔ ایک جگہ رہتے تھے۔ اور کھاتے پیتے تھے۔ ساتھ پڑھتے تھے۔ اور کھیلتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں قومی یگانگت اور میل جول پروان چڑھا۔ اس طرح پڑھے لکھے طبقے میں قومی تشخص کا احساس اور بھی زیادہ مضبوط ہونے لگا اور رفتہ رفتہ منتشر افراد جن کا تعلق نئی نسلوں سے تھا۔ ایک لڑی میں پروئے جانے لگے۔ یہ حقیقت نہیں ہے کہ سرسید تنگ نظر یا فرقہ پرست تھے۔ ان کے بہت سے دوست ہندو اور سکھ بھی تھے۔ انہوں نے لائق ہندو استادوں کو ایک الگ اکائی تصور کرتے تھے۔ اور مشترکہ قومیت کے قائل نہ تھے۔ انہوں نے مشہور کانگریسی لیڈر بدرالدین طیب جی کو ۱۸۸۸ء میں ایک خط لکھا تھا۔ جس میں مشترکہ قومیت کے بارے میں اپنے خیالات واضح کئے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ ان کی سمجھ میں ''نیشنل کانگریس'' کا اصلاح نہیں آئی۔ ''کیا وہ تمام فرقے اور ذاتیں جو ہندوستان میں بستی ہیں ایک قوم ہیں؟ کیا ان کے جذبات و احساسات ایک ہیں؟ میری رائے میں ایسا نہیں ہے۔ اس لئے ''نیشنل کانگریس'' قسم کی کوئی چیز نہیں ہے''۔

متحدہ قومیت سے سرسید کا س وقت سے مایوسی شروع ہو چکی تھی۔ جب بنارس کے چند سربرآوردہ ہندوؤں نے اردو کی مخالفت شروع کی تھی۔ مولانا حالی نے بنارس کے کمشنر شیکسپیئر کے ساتھ ان کی گفتگو کی جو نقل پیش کی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ گو اس وقت تک ''پاکستان'' کے لفظ کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ لیکن دو قومی نظریہ صاف نظر آنے لگا تھا۔ جس کی بناء پر آئندہ چل کر قائداعظم نے الگ ملک کا مطالبہ کیا۔ شیکسپیئر نے سرسید سے کہا تھا کہ آج پہلا موقع ہے کہ میں نے تم سے ''خاص مسلمانوں کی ترقی کا ذکر سنا ہے'' سرسید نے جواب دیا کہ اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ دونوں قومیں کسی کام میں دل سے شریک نہ

Marfat.com

سکیں گی۔ ابھی تو بہت کم ہے۔ آگے آگے اس سے زیادہ مخالفت اور عناد ان لوگوں کے سبب جو تعلیم یافتہ کہلاتے ہیں۔ بڑھتا نظر آتا ہے۔ جو زندہ رہے گا دیکھے گا۔ اس کا مجھے رنج ہے مگر مجھے اپنی پیشین گوئی پر پورا یقین ہے''۔ سرسید نے ایجوکیشن کمیشن پر بھی ظاہر کر دیا تھا۔ کہ اردو ہندی کا مسئلہ ایجوکیشن کمیشن سے کوئی تعلق نہیں رکھتا بلکہ ایک بہت بڑا پولیٹیکل مسئلہ ہے۔ ان کے زمانے کے ایک اور نہایت ذہین اور طباع مصنف مولوی نذیر احمد کہتے ہیں سرسید کے میگزین ''تہذیب الاخلاق'' کے تصرفات تھے۔ کہ مسلمانوں میں قوت اجتماعی کی تحریک پیدا ہوتی ہے۔ یہ اسی کے تصرفات تھے۔ کہ الفاظ ''قوم'' قومی ہمدردی، قومی خیر خواہی ہمارے روزمرہ میں داخل ہو گئے''۔

سرسید کی وفات ۲۷ مارچ ۱۸۹۸ء کے تھوڑے ہی عرصہ بعد ان کی تعلیمی اور اصلاحی کوششوں کے نتائج ظاہر ہونا شروع ہو گئے۔ اور اس قوم کے خدو خال ابھرنے لگے۔ جو پاکستان بنانے والی تھی۔ مسلمانوں کا ایک ایسا خاکہ اہم گروہ پیدا ہو گیا۔ جس نے تعلیم سے فائدہ اٹھایا۔ اور حالات کے نئے تقاضوں کو سمجھا۔ اس کے قومی تشخص کی حس بیدار ہو گئی۔ جدید تعلیمی اداروں سے تعلیم پا کر جو کھیپ نکلی۔ وہ برصغیر کی اہم تحریکوں میں حصہ لینے کی قابلیت واستعداد رکھتی تھی۔ خلافت کی تحریک ہو یا جنگ بلقان کا مسئلہ ہو یا سول نافرمانی کا معاملہ ہو۔ یہ نئے تعلیم یافتہ مسلمان ان سب میں مؤثر کردار ادا کرتے نظر آتے ہیں۔ اس طبقے نے مولانا حسرت موہانی، مولانا محمد علی جوہر اور مولانا ظفر علی خان جیسے لوگ پیدا کئے۔ جو آزادی کے پروانے بھی تھے۔ اسلامی اقدار کے رکھوالے بھی۔

اگرچہ اس صدی کی دوسری اور تیسری دہائی میں مسلمانوں کا تعلیم یافتہ فعال اور سمجھدار طبقہ وجود میں آ چکا تھا۔ مگر سیاسی اعتبار سے ابھی مسلمانوں کی کوئی پائیدار اور منظم مرکزی قیادت موجود نہ تھی۔ خلافت کی سامراج دشمن تحریک آندھی کی طرح اُبھرا اور ختم ہو گئی۔ عام آدمیوں کی طرح مسلم طلباء بھی گروہوں میں بٹ گئے تھے۔ کچھ کانگریس سے امیدیں باندھے ہوئے تھے۔ کچھ ملازمتوں کے چکر میں گرفتار تھے۔ بعض الگ کھڑے حالات کو دور سے دیکھتے تھے۔ اس لئے کہ نہ کوئی واضح مقصد ان کے سامنے تھا اور نہ کوئی ملک گیر موثر قیادت انہیں راستہ دکھانے کے لئے موجود تھی۔ کانگریس ایک مضبوط موثر اور اہم ادارہ بن چکی تھی۔ لیکن جتنی وہ مضبوط ہوتی گئی۔ مسلمانوں میں اس کی نیت کے بارے میں اسی قدر شبہات پیدا ہوتے گئے۔ تاریخ گواہ ہے کہ جب تک مسلمانوں کی حکومت قائم رہی، تو اقلیت میں ہونے کے باوجود نفسیاتی طور پر انہیں تحفظ کا احساس تھا۔ مگر انگریز آئے تو انہوں نے ہندوؤں کو آگے بڑھایا۔ اور مسلمان پیچھے رہ گئے اور دشمنی اور مذہبی تعصب نے ان میں خطرے کا احساس پیدا کیا۔ سرسید کی جدید تعلیم وتربیت کی تحریک نے انہیں سیاسی ومعاشی سوجھ بوجھ اور نئے زمانے کی پیچیدگیوں کو سمجھنے کی استطاعت عطا کی۔ اور اس طرح الگ قومی تشخص کا خوابیدہ احساس جاگ اٹھا۔ یہ پس منظر تھا۔ جب قائداعظم نے نیم جان آل انڈیا مسلم لیگ میں نئی روح پھونکی اس احساس نے استحکام حاصل کیا۔ اور مسلمان پھر فعال اور متحرک ہونے شروع ہو گئے۔ قائداعظم نوجوان مسلمانان طلباء کی اہمیت کو پوری طرح سمجھتے تھے۔ انہوں نے طلباء کو منظم کرنے میں مدد دی۔ انہیں روشنی دکھائی اور پھر مسلمان طلباء کی خوش ظفر موج حصول پاکستان کی جدوجہد کرنے کے لئے میدان عمل میں آ گئی۔ غالباً برصغیر کی تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا

Marfat.com

کہ طلباء منظم ہو کر باقاعدہ طور پر ایک معینہ مدت کے لئے جماعتی حیثیت سے آگے بڑھے۔

آل انڈیا سٹوڈینٹس فیڈریشن

جولائی ۱۹۳۵ء میں آل انڈیا سٹوڈینٹس فیڈریشن کا ایک اجلاس لکھنؤ میں منعقد ہوا۔ اجلاس کا افتتاح پنڈت جواہر لال نہرو نے کیا۔ اجلاس کی صدارت کے لئے مسٹر جناح کو مدعو کیا گیا۔ اس اجلاس میں شرکت کے بعد مسٹر جناح نے بہت جلد محسوس کر لیا کہ کانگریس ایک دفعہ پھر یہ کوشش کر رہی ہے کہ طلباء کو ترقی پسندی کے نعروں میں پھنسا کر اپنے قبضے میں لے آئے۔ سٹوڈینٹس فیڈریشن کا یہ اجلاس تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لئے کہ یہی مسلم طلباء کی تحریک کا نقطۂ آغاز اور ایک اہم موڑ ثابت ہوا۔ اجلاس کے پہلے دن جب پنڈت نہرو افتتاحی تقریر کر رہے تھے۔ تو مغرب کی نماز کا وقت ہو گیا۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ایک طالب علم راج سعید چھتاری کھڑے ہو گئے۔ اور پنڈت نہرو سے درخواست کی کہ براہ کرم کچھ دیر کے لئے تقریر ملتوی کر دیں۔ تا کہ مسلمان مندوبین مغرب کی نماز ادا کر سکیں۔ راج چھتاری کہ یہ بات سنتے ہی ہندو لڑکوں نے شور مچانا شروع کر دیا لیکن مسلمان طلباء کے مسلسل اصرار پر پنڈت نہرو کو اعلان کرنا پڑا کہ اگر اجلاس کو تھوڑی دیر کے لئے ملتوی کر دیا جائے تو انہیں اعتراض نہ ہوگا۔ چنانچہ اجلاس ملتوی ہوا۔ مسلمان طلباء اور چند اور مسلمان جو وہاں تھے ہال سے باہر آ گئے اور لان میں باجماعت نماز ادا کی۔

قائد کا خطاب

اگلے روز قائداعظم نے اپنی صدارتی تقریر کی۔ جب انہوں نے کہا کہ کانگریسی ہندوؤں کی جماعت ہے۔ اور مسلمانوں کی الگ انفرادیت ہے تو ہال میں شور مچ گیا۔ ہندو لڑکوں نے ہوٹنگ شروع کر دی اور قائداعظم کے خلاف نعرے لگائے۔ چنانچہ ہندوؤں کی طرف سے شدید ردِعمل ہوا۔ جب شور زیادہ بڑھا تو قائداعظم خاموش ہو گئے۔ اور ساکت وصامت کھڑے رہے۔ یہاں تک کہ شور قدرے کم ہوا اس کے بعد انہوں نے اپنے خاص انداز سے اپنا ہاتھ بلند کیا۔ اور صاف واضح الفاظ اور گرجتی ہوئی آواز میں پھر دہرایا۔ ''میں کہتا ہوں کہ کانگریس ہندوؤں کی جماعت ہے۔ اور مسلمانوں کی نمائندگی مسلم لیگ کرتی ہے''۔ ہندو طلباء کو غالباً امید تھی کہ یا تو قائداعظم معافی مانگیں گے یا اپنا بیان واپس لے لیں گے یا اس کی کوئی قابل قبول تشریح کر کے بات ٹال دیں گے۔ لیکن دوبارہ جب قائداعظم نے وہی بات اور بھی بلند آواز سے دہرائی تو کچھ ایسا اثر ہوا کہ لڑکے ہکا بکا ہو گئے۔ اور کسی نے چوں تک نہ کی۔ اور پھر قائداعظم نے اپنی تمام خطیبانہ قوتوں کو بروئے کار لا کر ایسی مدلل اور زبردست تقریر کی۔ نہ کسی کو بولنے کی ہمت نہ ہوئی۔ اور پوری تقریر خاموشی سے سنی گئی۔ قائد کی زندگی میں ایسے بہت سے مواقع آئے جب انہیں مخالفین کے جلسوں میں خطاب کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ لیکن وہ ہمیشہ اپنے مضبوط اعصاب مدلل انداز بیان اور اعلیٰ فصاحت وبلاغت سے سامعین کو مسحور کر لیتے۔ اور ان سے اپنی بات منوا کر چھوڑتے۔ سٹوڈینٹس فیڈریشن کا یہ جلسہ بھی ایسا ہی ایک موقع تھا۔ قائد جلسہ کے اختتام پر جب ہال سے باہر نکل رہے تھے تو چند مسلمان طلباء نے ان سے ملاقات کی

Marfat.com

خواہش کا اظہار کیا۔علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے طالب علم نعمان اس سلسلے میں پیش پیش تھے۔ان کے ذہن میں خیال آیا کہ مسلم طلباء کی ایک الگ تنظیم بنائی جائے۔اگلے دن صبح جب وہ قائداعظم سے ملنے گئے تو انہوں نے یہ تجویز ان کے سامنے رکھ دی۔ انہوں نے فوری طور پر اسے تسلیم کیا۔اور اپنی امداد کا یقین دلایا۔

مسلم سٹوڈینٹس فیڈریشن کے قیام کی تجویز

جب مسلم طلباء کو فیڈریشن کے قیام کے سلسلے میں قائداعظم کی حمایت حاصل ہوگئی تو انہوں نے بلاتاخیر اخبارات میں اس تجویز کا اعلان شائع کرا دیا۔ ہندو لیڈروں نے اس پر کڑی نکتہ چینی کی اور بہت سختی سے اس کی مخالفت شروع کر دی۔ مسلم یونیورسٹی کے سامنے جو قرارداد پیش کی گئی اس میں منجملہ اور باتوں کے یہ کہا گیا تھا کہ: "علی گڑھ یونیورسٹی کے طلباء کی رائے ہے کہ اب وقت آ گیا ہے اور اس بات کی ضرورت محسوس کی جا رہی ہے کہ کل ہند سطح پر مسلمان طلباء کی ایک مرکزی تنظیم قائم کی جائے۔ جسے آل انڈیا مسلم سٹوڈینٹس فیڈریشن یا اسی قسم کا کوئی نام دیا جائے۔ تاکہ ملک کے تمام صوبوں کی یونیورسٹیوں اور کالجوں کے مسلمان طلباء ک ایک مشترکہ پلیٹ فارم معرض وجود میں آئے۔جس کا مقصد یہ ہے کہ ان میں سماجی، ثقافتی، سیاسی اور اقتصادی روابط اور مذہب کو سمجھنے کی بہتر صلاحیت پیدا کرنے کے مواقع فراہم کئے جائیں"۔

علاوہ ازیں قرارداد میں اس رائے کا بھی اظہار کیا گیا کہ مجوزہ تنظیم کے قیام کے سلسلے میں اقدامات کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ دوسرے صوبوں کی یونیورسٹیوں کے مسلمان طلباء کی رائے بھی معلوم کی جائے۔اور اگر وہ اس تجویز کی تائید کریں تو پھر مجوزہ تنظیم کے قیام کے لئے جلد از جلد ضروری اقدامات کئے جائیں۔ یہ قرارداد معقول تھی، بلکہ اس میں کانگریس نواز آل انڈیا سٹوڈینٹس فیڈریشن کی طرف سے کوئی معاندانہ اشارہ بھی نہیں تھا۔لیکن حقیقتاً اس وقت تک علی گڑھ کی فضا مسلم طلباء کی علیحدہ تنظیم کے حق میں نہیں تھی۔لیکن چند ہی ماہ بعد حالات میں زبردست تبدیلی رونما ہوئی اور مسلم یونیورسٹی یونین نے خود آل انڈیا مسلم سٹوڈینٹس فیڈریشن کے قیام اور اس کے مقاصد کی تائید کا فیصلہ کیا۔اسی دوران دو اہم ترین مسلم اکثریتی صوبوں یعنی پنجاب اور بنگال میں بھی مسلم طلباء کی الگ تنظیم کی داغ بیل ڈالی جا چکی تھی۔سیاسی فضا بڑی تیزی سے تبدیل ہو رہی تھی قائداعظم کی رہنمائی میں مسلم لیگ اپنے مقصد اور اپنی منزل کا تعین کر چکی تھی۔اور اب وہ ایک پرجوش عوامی جماعت بنتی جا رہی تھی۔اور مسلمانوں کی سیاسی بیداری کے آثار ہر جانب صاف نظر آ رہے تھے۔انہی دنوں ۱۸۷۵ء کے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کے تحت تمام انتخابات کا اعلان کیا گیا۔یہ انتخابات نہایت اہم ثابت ہوئے۔اس لئے کہ ایک سال کے اندر اندر لیگ کی کایا پلٹ گئی اور مسلمانان برصغیر کی سیاسی زندگی کا اہم ترین سفر تیزی سے شروع ہوگیا۔

مسلم طلباء کی کانفرنس۔۔۔ لکھنؤ

ان دنوں لکھنؤ کے مسلمان طلباء۔نے ایک کانفرنس کرانے کا فیصلہ کیا۔کانفرنس ۲۸ اور ۲۹ دسمبر ۱۹۳۵ء کو ہونا قرار پائی۔ممتاز ماہر تعلیم اور مترجم قرآن علامہ عبداللہ یوسف علی سے درخواست کی گئی کہ وہ کانفرنس کی صدارت کریں۔انہوں نے یہ

Marfat.com

دعوت قبول کرلی۔ صرف چھ ماہ قبل جس شہر میں آل انڈیا سٹوڈینٹس فیڈریشن کا وہ اجلاس منعقد ہوا جس نے مسلم طلباء کو ناامید و ناراض کر دیا تھا۔ اب اسی لکھنؤ میں ان کی الگ تنظیم قائم کرنے کے لئے کانفرنس کے انعقاد کا فیصلہ کیا گیا۔ داعیان جلسہ نے ایک ''اپیل'' شائع کی جس کا حسب ذیل اقتباس قابل غور ہے: ''ہم مسلمانوں کی جو اس وقت جو حالت ہے۔ اسے دیکھتے ہوئے یہ تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ اتحاد و استحکام اور روشن خیالی کی ہمیں اشد ضرورت ہے۔ اور جو لمحہ گزرتا ہے وہ اس ضرورت کی شدت کو اور بھی واضح کرتا ہے۔ ہم اجتماعی زندگی میں اپنا صحیح مقام اس وقت تک حاصل نہیں کر سکتے جب تک ہم مسلمان اسلامی اخوت کی بنیاد پر اپنے مقاصد و افکار میں ارتباط پیدا نہ کریں۔ مسلمان نوجوانوں کو ملت کے ذہنی جمود اور تساہل کا پورا شعور ہے۔ اس لئے ہمارا فرض ہے کہ ہم اس سستی اور کاہلی کو جھٹک کر الگ پھینک دیں اور ملت میں ایک نئی روح پھونکیں۔ یہ کام مسلمان طالب علم کو کرنا ہے۔ اسے اپنی پوشیدہ قوتوں کو بیدار کرنا ہے۔ اسے ایک مشترکہ پلیٹ فارم کی ضرورت ہے۔ جہاں وہ اپنی مشترکہ قوتوں کو جمع کر سکے۔ اور ایک واضح مقصد کا تعین کر سکے۔ ان اہم ضروریات کے لئے ایک کل ہند مسلم طلباء کی کانفرنس کا قیام ضروری ہے''۔ اس اپیل میں طلباء کی مجوزہ تنظیم کے اغراض و مقاصد واضح کرتے ہوئے کہا گیا تھا: ''ہمارے لئے ضروری ہے کہ وہ عناصر جو ہم سے بہتر وسائل رکھتے ہیں۔ اور ہم سے زیادہ منظم ہیں۔ جب ہمارے حقوق پر ڈاکہ ڈالیں تو ہم اپنا دفاع کر سکیں۔ قوم کی بے حسی دور کرنے کے ایک موثر مہم چلانا۔ غیر متحرک اور جمود کے مارے ہوئے عوام میں نئی روح پھونکنا، امید اور خود اعتمادی پیدا کرنا۔ اپنی تاریخی انفرادیت کے احساس کو اپنے جوش عمل سے از سر نو جنم دینا اور بین الاقوامی سٹیج پر ایک اہم کردار ادا کرنا۔ یہ ہیں وہ عظیم الشان مقاصد جس کی طرف مسلمان نوجوانوں کو توجہ دینی ہے۔ اگر یہ مقاصد نظروں کے سامنے رہے تو بے شک ملک کی ترقی میں نمایاں حصہ لینا مسلمانوں کا مقدر ہوگا''۔ اس اپیل کے شائع ہوتے ہی اس کا خوشگوار ردِ عمل ظاہر ہونا شروع ہوا۔ علی گڑھ کی صورتِ حال یکسر بدل گئی۔ وہاں اکثریت مسلم طلباء کی علیحدگی تنظیم کے حق میں ہوگئی۔ وہی یونین جہاں چند دن پہلے تک کانگریس کے موقف کی تائید میں آوازیں سنائی دیتی تھیں۔ اب قائداعظم کے موقف کی طرف جھک رہی تھی۔ فضا میں اتنی تیزی سے تبدیلی آئی کہ کانگریس کی قیادت بھی انگشت بدنداں رہ گئی۔ اور آخر کار علی گڑھ یونیورسٹی یونین نے قرارداد منظور کرلی کہ آل انڈیا مسلم سٹوڈینٹس فیڈریشن کا قیام عمل میں لایا جائے۔ ایک دفعہ پھر علی گڑھ نے قوم کی آواز پر لبیک کہا۔

لکھنؤ کانفرنس کے منتظمین یہ چاہتے تھے کہ علی گڑھ کی پوری پوری حمایت ہو جائے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ علی گڑھ مسلمانان برصغیر کا سب سے بڑا تعلیمی ادارہ تھا۔ اور وہاں ہر صوبے کے طلباء تعلیم حاصل کرتے تھے۔ اس صورتِ حال کے پیش نظر یہ فیصلہ کیا گیا کہ لکھنؤ کانفرنس کو چند دن کے لئے ملتوی کیا جائے۔ تاکہ انتظامات کے لئے کچھ اور وقت مل جائے۔ اور اس دوران یہ کوشش کی جائے کہ کانفرنس بہت بڑے پیمانے پر منعقد کی جاسکے۔ چنانچہ طے کیا گیا کہ اب کانفرنس ۱۷ جنوری ۱۹۳۶ء کو منعقد ہوگی۔ اس تاریخ کو علامہ عبداللہ یوسف علی کہیں اور مصروف تھے اس لئے انہوں نے شرکت سے معذوری ظاہر کی سید وزیر حسین الیکشن میں مشغول تھے۔ لہٰذا وہ بھی صدارت کے لئے تیار نہ ہوئے۔ لیکن مشیر حسین قدوائی نے صدارت کی پیش کش قبول کرلی۔ جب یہ خبر اخبارات میں شائع ہوئی کہ مسلمان طالب علم اپنی کانفرنس لکھنؤ میں منعقد کرنے والے ہیں۔ تو کانگریسی

Marfat.com

حلقوں میں غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی۔ چنانچہ ہندو طلباء نے طے کیا کہ کسی نہ کسی طرح کانفرنس کو ناکام بنایا جائے۔ اور اس کام کے لئے چند مسلمان کاسہ لیسوں کی خدمت حاصل کی گئیں۔ ہندوؤں کے اس ارادے کو دستاویزی ثبوت اس طرح حاصل ہوا کہ لکھنؤ کے ایک ہندو طالب علم نے اپنے ایک دوست کو جو الہ آباد یونیورسٹی کا ایک طالب علم تھا ایک خط لکھا جو پکڑا گیا۔ اس میں لکھا تھا: ''الہ آباد سے اپنے چند مسلمان دوستوں کو ساتھ لے کر آؤ۔ وہ اس کانفرنس میں شریک ہو کر اندر سے اسکا تختہ الٹ دیں گے۔ وہ ناممکن العمل تجاویز پیش کر سکتے ہیں۔ مثلاً کمیونل ایوارڈ کو مسترد کر دیا جائے اور آزادی کامل کا ریزولیشن پیش کیا جائے۔ اس طرح رجعت پسند عناصر کو مشکل کا سامنا ہوگا''۔ کانفرنس شروع ہوئی۔ تو صاف ظاہر ہو گیا کہ اسے ناکام بنانے کی کوششیں کس کس طرح کی گئی تھیں۔ اجلاس سے ایک دن پہلے ندوۃ العلماء اور مدرسہ فرنگی کے چند طالب علموں نے منتظمین سے درخواست کی۔ چونکہ مندوبین فیس ادا کرنے سے معذور ہیں۔ اسلئے انہیں بلافیس کے کانفرنس میں شرکت کی اجازت دی جائے۔ منتظمین یہ نہیں چاہتے تھے کہ کانفرنس میں گروہ بندی کے مواقع پیدا ہوں۔ اس لئے انہوں نے دس طلباء کو بلافیس کانفرنس میں شریک ہونے اور ووٹ دینے کی اجازت دے دی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ دراصل اس گروہ کا مقصد گڑ بڑ اور انتشار پیدا کرنا تھا۔ ۱۷ جنوری کو کانفرنس منعقد ہوئی تو ندوۃ اور فرنگی محل کے طلباء کثیر تعداد میں ہال کے دروازے پر جمع ہو گئے۔ اور بہت سے اندر آ گئے۔ ان کا مطالبہ تھا کہ ان سب کو کانفرنس میں شریک کیا جائے۔ اس صورتِ حال سے صدر جلسہ مشیر حسین قدوائی کو آگاہ کیا گیا۔ انہوں نے فیصلہ دیا کہ ان میں صرف طلباء کو فیس دینے والے ملازمین کی طرح ووٹ دینے کا حق حاصل ہوگا۔ جس کے بارے میں سیکریٹری کانفرنس نے پیشگی مطلع کر دیا تھا۔ صدر کے اس فیصلے سے گڑ بڑ کرنے وال گروہ کی سازش ناکام ہو گئی۔ پہلا اجلاس ڈیڑھ بجے ختم ہو گیا۔ دوسرا چار بجے شام کو شروع ہونے والا تھا۔ درمیانی وقفے میں کمیٹی کا جلسہ ڈھائی بجے منعقد ہونا تھا۔ لیکن اس دوران مشیر حسین قدوائی کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی۔ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر کانگریس نواز گروہ نے جس کی پہلی چال صبح کے اجلاس میں ناکام ہو چکی تھی۔ دوسری چال چلی۔ انتشار پھیلانے والے ان تمام لوگوں نے جو زبردستی ہال میں ناجائز طور پر داخل ہو چکے تھے۔ یا داخل ہونا چاہتے تھے۔ دونوں کے درمیانی وقفے میں اپنا ایک الگ جلسہ کر ڈالا۔ اور کئی قراردادیں منظور کر ڈالیں۔ جو کانفرنس کے صریح مقاصد کے منافی تھیں۔ مگر کانگریس نواز حلقوں نے یہ تاثر عام کرنے کی کوشش کی۔ کہ جن خیالات کا اظہار قراردادوں میں کیا گیا ہے۔ دراصل وہی خیالات مسلمان طلباء کی اکثریت کے تھے۔ ان حالات کے پیش نظر اگلے دن مشیر حسین قدوائی نے ایک بیان جاری کیا جس میں کانگریس نواز اور انتہا پسند گروہ کی تمام قراردادوں کو کالعدم قرار دیا۔ انہوں نے کہا کہ چونکہ جلسہ ان کی مرضی اور اجازت کے بغیر منعقد کیا گیا۔ اس لئے وہ غیر قانونی ہے اور اس میں جو قراردادیں منظور کی گئی ہیں وہ کانفرنس کی قراردادیں نہیں ہیں۔ اور نہ ہی کانفرنس سے انکا کوئی تعلق ہے۔ اس لئے اس فتنہ کا خاتمہ کیا جائے۔

مسلم سٹوڈینٹس فیڈریشن کا قیام

۱۰ جنوری کو ساڑھے چار بجے کانفرنس کا دوسرا اجلاس ہوا۔ جس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ کُل ہند سطح پر مسلمان طلباء کی

Marfat.com

ایک مستحکم تنظیم ہو۔ یہ ایک ایسا پلیٹ فارم ہو۔ مسلمانوں کے قومی تشخص کی مکمل عکاسی کرے۔ چنانچہ اس طرح آل انڈیا مسلم سٹوڈینٹس فیڈریشن کی بنیاد پڑی۔ جس نے آگے چل کر تحریک پاکستان میں نہایت اہم کردار ادا کیا۔ بنگال میں مسلم طلباء نے اپنی صوبائی تنظیم آل بنگال مسلم سٹوڈینٹس فیڈریشن پہلے ہی قائم کر لی تھی۔ جس کے روح رواں محمد عبدالواثق تھے۔ انہیں آل انڈیا مسلم سٹوڈینٹس فیڈریشن کا پہلا جنرل سیکریٹری مقرر کیا گیا۔ جب کہ نعمان علی گڑھ مسلم یونیورسٹی آرگنائزنگ سیکریٹری منتخب ہوئے۔ آل انڈیا مسلم سٹوڈینٹس فیڈریشن کے وجود میں آنے پر جن اہم شخصیات نے خوشی کا اظہار کیا۔ ان میں شاعر مشرق علامہ اقبال بھی تھے۔ علامہ نے ایک خصوصی پیغام فیڈریشن کے نام بھیجا۔ ان کے علاوہ نواب بہادر بہار جنگ، علامہ عبداللہ یوسف علی، پروفیسر ابوبکر احمد حلیم، میاں بشیر احمد اور مسٹر عبدالعزیز، بیرسٹر ل ہٹنہ کی طرف سے بھی مسرت ومبارک کے پیغامات موصول ہوئے۔ لکھنؤ کے ایڈووکیٹ چوہدری اختر حسین نے کانفرنس میں کافی دلچسپی لی تھی۔ بعد میں انہوں نے ایک رپورٹ شائع کی۔ جس میں انہوں نے مسلم طلباء کو زبردست خراج تحسین پیش کیا۔

فیڈریشن کا پہلا اجلاس

مسلمان طالب علم اب تاریخ کے نئے باب میں داخل ہو رہے تھے۔ آئندہ لائحہ عمل کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ اگلے سال کلکتے میں فیڈریشن کا پہلا سالانہ اجلاس ہوا۔ اس دور میں لندن۔ کے بعد کلکتہ سلطنت برطانیہ کا دوسرا سب سے بڑا شہر سمجھا جاتا تھا۔ کلکتے کی رونق کرسمس کے موقع پر اپنے عروج پر ہوتی ہے۔ موسم کے لحاظ سے یہ شہر سال کے بیشتر مہینوں میں گرم اور مرطوب رہتا ہے۔ مگر دسمبر میں یہاں موسم نہایت خوشگوار ہوتا ہے۔ کرسمس انگریزی دور میں بڑے زور وشور سے منایا جاتا تھا۔ دوکانوں اور سڑکوں کی رونق قابل دید ہوتی تھی اور کرسمس کا وائسرائے ہند کلکتہ میں گذارتا تھا۔ کشتی رانی، رقص وسرور کی محفلیں اور عشائیے اپنے شباب پر ہوتے تھے۔ لیکن ۱۹۳۷ء کے دسمبر میں مسلم طلباء کے لئے ان میں سے کوئی شے دلکشی نہیں رکھتی تھی۔ ان کے لئے دسمبر اس لئے اہمیت کا حامل تھا کہ قائداعظم بہ نفس نفیس اس سال کلکتے میں ان کے درمیان موجود تھے۔ وہ آل انڈیا مسلم سٹوڈینٹس فیڈریشن کے پہلے سالانہ اجلاس کی صدارت کے لئے تشریف لائے تھے۔ آل بنگال مسلم سٹوڈینٹس لیگ کا الحاق آل انڈیا مسلم سٹوڈینٹس فیڈریشن سے ہو چکا تھا اور سٹوڈینٹس لیگ ہی پہلے سالانہ اجلاس کی میزبانی کے فرائض انجام دے رہی تھی۔ اجلاس سے چند دن پہلے فیڈریشن کے آرگنائزنگ سیکریٹری مسٹر محمد نعمان نے ہٹنہ اور چند شہروں کا دورہ کیا۔ تقریباً تمام صوبوں میں فیڈریشن کی شاخیں قائم کر دی گئیں۔ ان تنظیمی کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ مسلم طلباء میں اپنے حقوق کا شعور اور بیدار ہو گیا۔ اور تمام تعلیمی اداروں میں مسلمان طالب علموں نے اتحاد واتفاق پیدا کرنے اور منظم ہونے کی کوششیں شروع کر دیں۔ کلکتہ کا اجلاس اس خوشگوار پس منظر میں ہوا۔ ایک شام کو شہر کے مسلمان لیڈروں اور طالب علموں کا اجتماع اسلامیہ کالج کے احاطے میں ہوا۔ تاکہ آنے والے اجتماع کے بارے میں تبادلہ خیالات کیا جا سکے۔ آخر کار فیصلہ کیا گیا کہ فضل حق مسلم بنگال کے لیڈر کی حیثیت سے اور محمد واثق اور محمد نعمان فیڈریشن کے جنرل سیکریٹری اور آرگنائزنگ سیکریٹری کی حیثیت سے قائداعظم سے

Marfat.com

درخواست کریں۔ کہ وہ آل انڈیا مسلم سٹوڈینٹس فیڈریشن کے پہلے سالانہ اجلاس کی صدارت قبول فرمائیں۔ اس کے بعد محمد نعمان بمبئی گئے۔ اور قائداعظم کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے قائد کے سامنے مسلمان طلباء کی کارکردگی کی روداد پیش کرنے کے بعد ان سے درخواست کی کہ وہ مسلمان طلباء کی دلی خواہش کے مطابق اجلاس کلکتہ کی صدارت قبول فرمائیں۔ اور طلباء کی رہنمائی کریں۔ قائداعظم نے ایک لحہ بھی توقف کئے بغیر رضامندی کا اظہار کیا۔ جب انہیں کہا گیا کہ آیا یہ خبر شائع کرادی جائے تو قائداعظم نے کہا ''ابھی اور اسی وقت شائع کرادو'' اجلاس کلکتہ کے بعد سے طلباء قائداعظم کی رہنمائی میں ہمیشہ آگے بڑھتے رہے۔ قائد نے آئندہ کبھی بھی آل انڈیا مسلم سٹوڈینٹس فیڈریشن کے اجلاسوں کی صدارت سے انکار نہیں کیا۔ وہ جہاں جاتے تھے اپنی بے پناہ مصروفیات کے باوجود طلباء سے ملنے کا وقت ضرور نکال لیتے تھے۔ جب یہ خبر شائع ہوئی کہ قائداعظم نے طلباء کے اجلاس کی صدارت قبول کر لی ہے تو کلکتہ میں خوشی اور جوش کی لہر دوڑ گئی۔ یہ خبر نہ صرف طلباء کے لئے بلکہ کلکتہ کے سیاسی حلقوں اور خصوصاً مسلم لیگ والوں کے لئے بھی بے حد اہم تھی۔ مسٹر حسین شہید سہروردی نہایت پر جوش اور انتھک کام کرنے والے آدمی تھے۔ انہوں نے فوری طور پر محمد علی پارک میں ایک شاندار پنڈال قائم کرادیا۔ کلکتے کے مسلم لیڈروں نے طلباء کی بھرپور اعانت کی اور قائداعظم کے پرتپاک استقبال کی تیاریاں شروع ہوگئیں۔ جس دن قائداعظم ریل سے کلکتہ آئے تو ہاوڑہ اسٹیشن پر ہجوم کا یہ عالم تھا کہ تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ قائداعظم کا ایسا شاندار استقبال ہوا۔ کہ مخالفین کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اگرچہ کانگریس نواز حلقوں نے صورتِ حال کو خراب کرنے کی پوری کشش کی مگر وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ قائداعظم اصفہانی خاندان کے ساتھ ٹھہرے ہوئے تھے۔ مرزا ابوالحسن اصفہانی بنگال کی سیاست میں قائد کے معتمدین میں تھے۔ طلباء کا ایک وفد اصفہانی ہاؤس میں قائداعظم سے ملاقات کرنے گیا۔ تاکہ فیڈریشن کے آئین کے بارے میں ان سے مشورہ کر سکے۔ آئین کے مسودے میں ایک جگہ یہ لکھا گیا تھا کہ فیڈریشن (Masses) سماجی اور اقتصادی ترقی کی کوشش کرے گی۔ قائد نے مشورہ دیا کہ اس کی بجائے (People) یعنی عوام الناس کا لفظ زیادہ مناسب ہوگا۔ اس لئے کہ سیاسی بول چال میں (Masses) کے لفظ سے ذہن کسانوں وغیرہ طرف جاتا ہے جب کہ (People) میں شہروں اور دیہات کے تمام عوام شامل ہیں۔ بعد میں فیڈریشن کے آئین میں اس جگہ ''مسلمانان'' کا لفظ استعمال کیا گیا۔

محمد علی پارک کے وسیع اور خوب صورت پنڈال میں پیر کے دن ۲۷ دسمبر ۱۹۳۷ء سات بجے شام مسلم سٹوڈینٹس فیڈریشن کا جلسہ مسٹر ایم۔ اے جناح کی صدارت میں شروع ہوا۔ مسٹر فضل حق، خواجہ ناظم الدین اور سید عبدالعزیز پنڈال میں داخل ہوئے۔ تو فضا ''اللہ اکبر'' کے نعروں سے گونج اٹھی۔ ان کے علاوہ آسام کے وزیراعلیٰ سر سعد اللہ، مسٹر حسین شہید سہروردی نواب بہادر ڈھاکہ، مولانا اکرم خان، مولوی تمیزالدین خان وغیرہ بھی جلسے میں موجود تھے۔

مولوی فضل حق کا خطاب

جلسے کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ اس کے بعد مولوی فضل حق نے جلسے سے خطاب کیا۔ انہوں نے کہا ''میں

Marfat.com

حال ہی میں بنگال کے مشرقی علاقوں کا طویل دورہ کر کے آیا ہوں۔ میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ کانگریس کے کارکنوں اور ہمدردوں نے نہ صرف میری وزارت کے خلاف بلکہ عام مسلمانوں کے خلاف ایک سازش کر رکھی ہے‘‘۔ یہ سن کا حاضرین نے ’’شیم شیم‘‘ کے نعرے لگائے تو فضل حق نے کہا کہ شیم شیم نہ لگایئے۔ میں نے پہلے بھی اس قسم کے نعرے بہت سنے ہیں۔ ایسے نعروں سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ ’’شیم‘‘ کے نعرے لگانے کے بجائے سخت اقدام کی ضرورت ہے۔ میں آپ کو بعض حقائق سے آگاہ کروں گا۔ جن سے صورتِ حال خود واضح ہو جائے گی۔ جن صوبوں میں کانگریس وزارتیں قائم ہیں۔ وہاں یونائیٹڈ پریس آف انڈیا اور ایسوسی ایٹڈ پریس آف انڈیا کے نمائندے وزراء کے ساتھ جگہ جگہ جاتے ہیں۔ اور ان کی تقریروں کی بڑے پیمانے پر تشہیر کرتے ہیں۔ میں نے اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ نہایت تفصیلی دورہ کیا۔ لیکن یونائیٹڈ پریس اور ایسوسی ایٹڈ پریس نے میرے دورے کا بائیکاٹ کیا۔ میں نے کئی مرتبہ پریس کے نمائندوں سے کہا کہ وہ میرے ساتھ جلسوں میں چلیں اور سنیں کہ میں لوگوں سے کیا کہتا ہوں۔ لیکن وہ جان بوجھ کر جلسوں میں نہیں جانا چاہتے۔ اور جب جلسے ختم ہو جاتے ہیں تو وہ اپنے تخیل کی مدد سے میری تقریر چھاپ دیتے ہیں اور جو باتیں میں کہتا ہوں انہیں نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اور جو نہیں کہتا وہ میرے کھاتے میں ڈال دیتے ہیں۔ اس طرح وہ جھوٹ اور سچ کا ایک عجیب و غریب ملغوبہ پیش کر دیتے ہیں۔ جھوٹ کی بنیاد پر بنی ہوئی یہ عمارت اخباروں میں نظر آتی ہے۔ اگر پریس اور خبر رساں ایجنسیاں اس طرح بائیکاٹ کریں گے تو جو میں کہتا ہوں۔ وہ لوگوں تک پہنچ سکے گا۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا آپ کے لئے ان حقائق سے غافل رہنا مناسب ہوگا۔ اور کیا آپ ایجی ٹیشن کے اس ریلے میں بہہ جانا پسند کریں گے جو ایک تباہ کن امر ہے۔ یہ ایجی ٹیشن میرے اور میری کابینہ کے خلاف محض اس لئے کیا جاتا ہے کہ میں مسلمان ہوں۔ اگر میں ایک ہندو وزیر ہوتا تو صورتِ حال بالکل مختلف ہوتی۔ شیم شیم کے نعرے لگاتے اس سے نہ آپ کا فائدہ ہوگا نہ میرا۔ وقت آ چکا ہے کہ بنگال کے مسلمان راست اقدام کریں اور اگر ان کی رگوں میں مسلمان خون کا ایک قطرہ بھی باقی ہے تو حق کہنے سے ہرگز گریز نہ کریں۔ اس لئے صورتِ حال کو بدلنے کی یہی ایک صورت ہے۔ جو لوگ انصاف اور ایمان داری کے تمام اصول بھلا چکے ہوں اور وہ آپ کے خلاف باضابطہ معاندانہ پروپیگنڈہ کریں تو آپ کیا کریں گے۔ یہ بدترین قسم کی فرقہ وارانہ ذہنیت ہے۔ لیکن جو لوگ اس قسم کے وحشیانہ پروپیگنڈہ میں مصروف ہیں اچھا ہوگا اگر وہ یہ جان لیں کہ میرے پاس ان سب کے لئے مضبوط ڈنڈا موجود ہے۔ میں سوچ سمجھ کر یہ بات کہہ رہا ہوں کہ اس صوبے سے اس قسم کی فرقہ واریت کا خاتمہ کر دوں گا۔ فرقہ پرستوں کو خبردار ہونا چاہئے اس لئے کہ جب وقت آئے گا تو وہ مجھے سخت اقدام کے لئے مضبوط و مستحکم پائیں گے‘‘۔ مسٹر فضل حق نے مسلمان نوجوانوں کو مشورہ دیا کہ وہ متحد ہو کر ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو جائیں۔ اور آل انڈیا مسلم لیگ کے جھنڈے کے نیچے آ جائیں۔ ہندوستان کے مسلمان چاروں طرف سے دشمنوں سے گھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ ایک سیلاب کرتا ہے۔ آپ اس کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنے آپ کو تیار کر لیں۔ اور اپنے حقوق کی حفاظت کیلئے منظم ہو جائیں۔ آپ اپنے قول و عمل سے یہ ثابت کر دیں کہ آپ کی تنظیم نہ صرف آپ کے اور آپ کی جماعت کے لئے بلکہ پورے ملک اور اہل ملک کے لئے فائدہ مند ہوگی‘‘۔ اس موقع پر مسٹر ایم۔ اے جناح نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ: ’’گذشتہ سال میں نے آل انڈیا

Marfat.com

سٹوڈینٹس فیڈریشن کے اجلاس کی صدارت کی تھی۔ جو لکھنؤ میں ہوا تھا۔ اور جس کا افتتاح پنڈت جواہر لال نہرو نے کیا تھا۔
لیکن اب میں آل انڈیا مسلم سٹوڈینٹس فیڈریشن کے اجلاس کی صدارت میں ہوں۔ اسکی کیا وجہ ہے!

مسٹر جناح نے ان حالات کی تشریح کی۔ جن کی بناء پر ان کے خیالات میں تبدیل آئی تھی اور انہوں نے اپنی رائے بدل دی تھی۔ انہوں نے کہا کہ میں سوچ سمجھ کر اس نتیجے پر پہنچا ہوں۔ کہ مسلمانوں کے سامنے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ اور قابل عزت راستہ نہیں ہے۔ کہ وہ کہ علیحدہ خطوط پر اپنی تنظیم قائم کریں۔ اور سب سے پہلے خود اپنے گھر کو ٹھیک کریں۔ ان کی فلاح و بہبود کی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ لہذا انہیں اپنے بچاؤ اور اپنی امداد کے لئے خود کو منظم کرنا چاہئے۔ یہ کام کوئی اور نہیں کرے گا اور نہ ماضی میں کسی نے کیا۔ اس لئے میں دانستہ طور پر اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ جب تک مسلمان اپنے آپ کو منظم نہ کریں گے اور مستحکم نہ ہو جائیں گے اور صلاحیت حاصل نہ کر لیں گے اس وقت تک نہ کوئی ان کی پرواہ کرے گا اور نہ کوئی ان کی عزت کرے گا"۔

مسٹر جناح نے کہا کہ پچھلے سال میں نے آل انڈیا مسلم سٹوڈینٹس فیڈریشن کی ترقی کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ اس لئے مجھے امید تھی کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایک مشترکہ پلیٹ فارم پر لانے کا کام جس میں بزرگ ناکام ہو چکے ہیں۔ شاید ہندوستان کے نوجوان انجام دے سکیں گے۔ لیکن بہت جلد میں نا امید ہو گیا۔ میری صدارت کے دوران آل انڈیا سٹوڈینٹس فیڈریشن نے کئی قراردادیں منظور کر لیں۔ اور تمام کارروائیاں مکمل کر لیں۔ لیکن انہوں نے عہدیداروں کا انتخاب اس وقت کیا جب میں کانفرنس سے چلا گیا۔ اگلے دن مسلمان طلباء نے مجھے بتایا کہ ہندو طلباء نے مسلمانوں کو تمام عہدوں سے بلکہ مجلس عاملہ کی رکنیت تک سے الگ رکھا۔ ان حالات میں مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان تمام امور پر اشتراک و تعاون مشکل ہو گیا۔ مجھے زندگی بھر کا تجربہ ہے اور میرے اندر اتنا صبر کا مادہ ہے کہ میں نے دوسرے فرقوں کے ساتھ برابری کی سطح پر باعزت طور سے تعاون تک ان کوششوں میں ناکام رہا ہوں۔ بالکل یہی صورت حال مسلم نوجوانوں اور طلباء کو بھی درپیش ہے اب مسلمان نوجوانوں نے مسلم سٹوڈینٹس فیڈریشن کا آغاز کیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ برابر اپنے کو منظم کرتے رہیں گے۔ یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے ہمسایہ فرقوں کے ساتھ مساویانہ سطح پر تعاون و اشتراک میں خواہ وہ بوڑھے ہوں یا نوجوانوں سے کبھی کوتاہی نہ کریں گے۔ اگرچہ ہم اعلیٰ ترین طریق پر اپنی تنظیم کرنا چاہتے ہیں لیکن اپنے اور اپنے ملک کی بھلائی کی خاطر برابری کی سطح سے ہم اپنا دستِ تعاون ہمیشہ بڑھائیں گے لیکن ہم دینے کے لئے تیار نہیں ہیں نہ ہم کانگریس کے حاشیہ بردار ہیں اور نہ ہم ہندو راج کے غلام ہیں۔

مسٹر جناح نے ان کلمات کے بعد سید عبدالعزیز بارایٹ لا اور سابق وزیر صوبہ بہار کو دعوت دی کہ وہ اپنا افتتاحیہ خطبہ پیش کریں۔ انہوں نے مسٹر عزیز کی خدمات کو سراہا اور کہا کہ مسٹر عزیز ایک نیشنلٹ (قوم پرست) ہیں اور میں بھی نیشنلسٹ ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ اور ہم دونوں پرخلوص نیشنلسٹ ہیں۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ خود ہندوؤں نے مسٹر عزیز کو نیشنلسٹ تسلیم کیا ہے۔ لیکن افسوس کے حالات بدل چکے ہیں۔ اور آج ہم جیسے لوگ مسلم طلباء کے اس فرقہ وارانہ پلیٹ فارم پر اکھٹے

Marfat.com

ہوتے ہیں۔اب میں سید عبدالعزیز کا ایک فرقہ پرست کی حیثیت سے خیر مقدم کرتا ہوں۔اس لئے اگر مسلمانوں کے حقوق دلانے کے لئے اور حکومت میں اور ایک ہیں اور دوسرے شعبوں میں مسلمانوں کوان کا صحیح مقام دلانے کے باعث مجھے فرقہ پرست ہونے کا طعنہ دیا جارہا ہے۔تو میں اس جرم کوتسلیم کرتا ہوں۔اگر میں اس لئے فرقہ پرست کہلاتا ہوں کہ میں اپنی قوم کے لوگوں کی سماجی، سیاسی اور اقتصادی ترقی کے لئے اقدامات کررہا ہوں۔تو میں فرقہ پرست ہونے کا خطاب بخوشی قبول کرتا ہوں۔دراصل موجودہ حالات میں دونوں فرقوں کا اتحاد واتفاق کے ساتھ کام کرنا مشکل ہوتا جارہا ہے۔لہٰذا آل انڈیا مسلم سٹوڈینٹس فیڈریشن کی قسم کے علیحدہ ادارے بنانے کے علاوہ ہمارے سامنے اور کوئی بارۂ کار نہیں ہے۔اگر چہ ہم نے یہ راستہ اختیار کرلیا ہے۔پھر بھی ہم اپنے پڑوسی فرقوں کے ساتھ باعزت اور مساویانہ بنیاد پر تعاون کرنے سے کبھی پیچھے نہیں ہٹیں گے مگر ہم حاشیہ برداری اور ہندوراج کی غلامی کے لئے کبھی بھی تیار نہیں ہوں گے''۔

افتتاحی خطاب

مسٹر عبدالعزیز نے اپنے افتتاحی خطاب میں کہا ''یہ اجلاس مسلم طلباء کی تاریخ میں ایک بے مثال واقعہ ہے۔بعض حضرات طلباء کی الگ تنظیم کے قیام کا خیر مقدم کریں گے لیکن بعض اس کی مخالفت بھی کریں گے۔مگر ہم اپنے ملی مفاد کو نظرانداز نہیں کرسکتے۔ایسا کرنا عقل، انصاف اور حب الوطنی کے خلاف ہوگا''۔سید عبدالعزیز نے تسلیم کیا۔کہ شروع میں وہ کانفرنس میں شریک ہونے کسے کسی قدر ہچکچارہے تھے۔لیکن ہندوستان کے مسلم طلباء کی اتنی بڑی تعداد کی خواہش کے سامنے انہیں ہتھیار ڈالنے پڑے''۔پھرانہوں نے اس بات پر زور دیا کہ جب مسلمانوں کی اکثریت اور کانگریس میں بعد پیدا ہوگیا۔تو مسلمان طلباء ایک الگ اور منفرد گروہ کی حیثیت سے اپنی پوزیشن کی حفاظت کرنا چاہتے ہیں۔اور غیر مسلموں کے ساتھ اپنے کالجوں کی سرگرمیوں میں برابر کی حیثیت سے شریک ہونا چاہتے ہیں۔توانہیں اپنی الگ تنظیم بنانے کی تجویز کو بروئے کار لانا ضروری ہے۔سید عبدالعزیز نے ایک اور مشورہ یہ دیا کہ وہ کم ازکم دو برس پبلک کاموں کے لئے وقف کریں۔اور ہر مسلم طالب علم کم ازکم ایک ہندو دوست بنائے۔اس کا آئندہ پبلک زندگی میں بہت فائدہ ہوگا۔ان کے اس جملہ سے صرف ایک نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ اگر چہ کانگریس پر ہندوؤں کا غلبہ ہوچکا تھا اور مسلمانوں کی طرف کانگریس کا رویہ اچھا نہ تھا۔لیکن مسلم لیڈروں نے ابھی تک ہندو مسلم اتحاد کی کوششوں سے منہ نہیں موڑا تھا۔خود مسٹر جناح نے ۱۹۳۴ء میں کہا تھا کہ ہندو مسلم اتحاد ان کی بڑی خواہش ہے لیکن مسلمان قائدین یہ اتحاد برابری، اشتراک وتعاون کے اصول پر چاہتے ہیں۔وہ دباؤ اور دھمکیاں سہنے اور غیروں کا غلبہ قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔البتہ فراخ دلی اور برابری کے جذبے سے ہندوؤں کے ساتھ تعاون شروع سے مسلمانوں کی پالیسی رہی ہے۔اس موقع پر یہ یاد دلانا بھی ضروری ہے کہ علی گڑھ سٹوڈینٹس یونین میں قرارداد کا جو مسودہ چند دن پہلے پیش کیا گیا تھا۔اس میں یہ فقرہ بھی تھا کہ مسلم طلباء ایسا کوئی ادارہ نہیں بنانا چاہئے جس کا مقصد ''بالواسطہ یا بلاواسطہ'' طلباء کے خلاف معاندانہ کارروائی ہو۔ظاہر ہے کہ اس میں اشارہ صاف طور سے آل انڈیا فیڈریشن کی طرف ہے۔

Marfat.com

قائداعظم کا خطبۂ صدارت

آل انڈیا مسلم سٹوڈینٹس فیڈریشن کا دوسرا اجلاس منگل ۲۸ دسمبر ۱۹۳۷ء کو محمد علی پارک میں منعقد ہوا۔ اس یادگار تقریب کے موقع پر قائداعظم نے طلباء کے مندوبین اور حاضرین جلسہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: ''اب مسلمانوں کی خواہش ہے اور جائز خواہش ہے کہ اگر وہ اپنے تمدن، اپنے قوانین دین اور اپنی ہر اس شے کو بچانا چاہتے ہیں۔ جو بطور اقلیت ان کے لئے بیش قیمت ہے۔ تو ضروری ہے کہ مستقبل کے قانون میں ان کی مکمل حفاظت کا بندوبست کیا جائے مسلمان اس امر سے پورا اتفاق کرتے ہیں کہ ہندوستان کو مکمل آزادی اور خودمختاری حاصل ہونی چاہئے''۔ ''میں ہندوستان کے مسلمانوں کو خبردار کرنا چاہتا ہوں کہ انہیں امریکہ کے حبشیوں کی حیثیت میں نہیں چھوڑا جا سکتا۔ ہم بھی ایسی ہی حکومت چاہتے ہیں جسی ابراھیم لنکن چاہتا تھا۔ جو عوام کے لئے عوام کے ذریعے عوام کی حکومت تھی۔ لیکن جب لنکن حکومت نے اس اعلیٰ اصولوں کو اپنایا تو امریکی حبشیوں کو مستثنیٰ کر دیا۔ اس طرح میرے بہت سے ہندو دوست جب ''نیشنلزم'' اور آزادی و مختاری کی بات کرتے ہیں تو مسلمانوں کو اس میں خارج کر دیتے ہیں۔ کانگریس آئی کمان اور مسلم لیگ کے درمیان یہی بنیادی اور اہم فرق ہے۔ میں جانتا ہوں کہ بہت سے ہندو مجھ سے پوری طرح اور دل سے اتفاق کرتے ہیں لیکن اس وقت یا تو ان کی آواز کو خاموش کر دیا گیا ہے یا گم ہوگئی ہے۔ ضروری یہ ہے کہ کانگریس کی ہائی کمان کو عقل کا راستہ دکھایا جائے۔ ہمارا موقف انصاف پر مبنی ہے۔ اور اگر ہم متحد رہے تو مجھے یقین ہے کہ ہمیں کسی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ اگر ہم ایسی اتحاد رہا اور ہم نے اپنے آپ کو منظم کر لیا تو مجھے یقین ہے کہ ہندوؤں کا ایک بڑا طبقہ ہمارے ساتھ اس بات پر متفق ہو جائے گا کہ کانگریس کو عقل سکھانے کی ضرورت ہے''۔ مسٹر جناح نے کہا کہ مسلم لیگ کے اغراض و مقاصد، کانگریس یا ملک کی کسی اور سیاسی جماعت کے اغراض و مقاصد کے معاملے میں کسی طرح پیچھے نہیں ہیں۔ لیکن مشترک سیاسی مقاصد کے باوجود مسلمان ان حقائق اور واقعات کو فراموش نہیں کر سکتے۔ جن سے وہ آج دوچار ہیں۔ میں نے ۱۹۱۳ء میں جو کچھ کہا تھا اس میں اب تک تبدیلی نہیں ہوئی۔ یعنی یہ کہ ملک کے لئے جو بھی قانون بنایا جائے۔ اور خواہ کوئی بھی اسے بنائے اس میں مسلمان اقلیت کے حقوق و مفاد کی حفاظت کے لئے کافی تحفظات ہونے چاہئیں۔ اس بنیاد پر ۱۹۱۶ء کا میثاق لکھنؤ ہوا تھا۔ یہ سمجھوتا کانگریس اور لیگ کی ترقی کا ضامن تھا۔ اسی اصولوں کے مطابق اتحاد کے لئے کئی کانفرنسیں طلب کی گئیں۔ اور متعدد کوششیں کی گئیں۔ اور ہندوستان کی تمام اقلیتوں کے حقوق اور مفاد کے تحفظ کے لئے متفقہ فارمولے کی تلاش جاری رہی۔ یہ عمل اس وقت تک جاری رہا جب تقریباً پانچ چھ برس قبل کانگریس ہائی کمان نے اپنی پالیسی اور پروگرام سے اس بنیادی اصول کو خارج کر دیا۔ اور یہ موقف اختیار کیا کہ اقلیت کے مسائل کے نام کی کسی شے کا وجود نہیں ہے۔ کانگریس اور لیگ کے درمیان اہم اور بنیادی فرق یہ ہے کہ کانگریس کی رائے میں اقلیتوں کے مسائل کا کوئی وجود نہیں ہے۔ اور مسلمانوں کے لئے یہ موت و حیات کا سوال ہے۔ ہندوستان میں ایک جمہوری حکومت کے تحت اقلیتوں کے لئے خصوصی تحفظات پر زور دیتے ہوئے مسٹر جناح نے کہا کہ ہندستان میں ایک ایسی پارلیمانی جمہوری حکومت قائم ہو رہی ہے جیسی کہ برطانوی حکمرانوں کے ملک میں

Marfat.com

قائم ہے۔ خواہ یہ کامیاب ہو یا نہ ہو۔ اگر یہ حکومت نافذ ہوتی ہے تو یقیناً یہ اکثریت کی حکومت ہوگی۔ دراصل ہندوؤں کو معلوم ہے کہ اکثریت کے معنی ہیں ''ہندو'' میرے خیال میں ہندو بھی دوسرے انسانوں سے مختلف نہیں ہیں۔ اور انسانی جبلت جیسی ہے اس کے تجربے سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثریت مغرور اور ظالم ہو سکتی ہے اور اقلیتوں کے حقوق کو بے دردی سے پامال کر سکتی ہے۔ پارلیمانی حکومت کی کامیابی کے لئے ایک طاقت ور اور فعال حزب مخالف کی موجودگی ضروری ہے یعنی ایک ایسی اکثریت کے مقابلے میں جہاں ووٹروں کی بیشتر تعداد یعنی تقریباً ۸۰، ۹۰ فیصد لوگ بطور ہندو، مسلمان یا پارسی کے ووٹ نہ دیں۔ بلکہ ملک کے شہری ہونے کی حیثیت سے ووٹ دیں۔ مگر ہندوستان میں صورتِ حال یہ ہے کہ عوام ہندو اور مسلمان دونوں فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ ہندوستان میں ہم محض تعلیم یافتہ، ترقی یافتہ اور تربیت یافتہ ووٹروں ہی کے مسئلے سے دوچار نہیں اور اگر محض اس قسم کے ووٹروں ہی سے دوچار ہوتے تب بھی یہ صورتِ حال تو موجود ہی ہے کہ وہ سب بھی کسی نہ کسی مذہب کے ماننے والے ہیں۔ اور مذہب ایک بہت اہم معاملہ ہے اور لوگ اپنے مخصوص تمدن، فلسفۂ حیات اور سماجی زندگی کی پیداوار ہیں۔ اس لئے اگر ایک خاص مذہب کے ماننے والے حکومت کی تشکیل کریں گے تو قدرتی امر ہے کہ وہ حکومت پر اثر انداز ہوں گے اور حکومت میں اگر ان کے اختیارات محدود ہوں گے تب بھی وہ اپنے کلچر اور اپنے فلسفے کو سب پر مسلط کرنے کی کوشش کریں گے۔ واضح ثبوت بندے ماترم کے گانے اور ہندی یا ہندوستانی کو زبردستی پڑھانے کے احکامات کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے۔ اپنی کامیابی کے نشے میں وہ ان باتوں کی طرف توجہ نہیں کرتے اور اس بات کو تسلیم ہی نہیں کرتے۔ یہ باتیں بعض لوگوں کے لئے انتہائی ناپسندیدہ ہیں''۔

قائداعظم نے فرمایا ''ہندوستان میں مسلمانوں کی موجودہ پوزیشن کو دیکھئے اور یہ بات دھیان میں رکھئے کہ ووٹر صرف خالص شہری ہونے کی حیثیت سے ووٹ نہیں دیتے۔ اس حالت میں مسلمانوں کے ہونے کی حیثیت سے ووٹ نہیں دیتے اس حالت میں مسلمانوں میں جو پہلا سوال آتا ہے۔ وہ یہی ہے کہ اگر وہ ملک کے آزادی کی خاطر لڑتے ہیں تو آئندہ حکومت اور انتظامیہ ان کی حیثیت کیا ہوگی''۔ مسٹر جناح نے آل انڈیا مسلم سٹوڈینٹس فیڈریشن کو مبارک باد دی اور کہا کہ مسلمان نوجوانوں کا استحصال کیا گیا۔ اور اگر فیڈریشن ان کی مدد کو نہ آتی تو ان کا استحصال جاری رہتا۔ اور وہ ختم کر دیئے جاتے۔ آپ نے نوجوانوں کو خبردار کیا۔ کہ وہ محض نعروں سے گمراہ نہ ہوں۔ ایک طرف ''نیشنلزم'' اور ''آزادی'' کے نام پر اور دوسری طرف راجاؤں، مہاراجاؤں، زمینداروں اور سرمایہ داروں وغیرہ کا خاتمہ کرنے کا نعرہ دے کر نوجوانوں کے جذبات کو اُبھارا جا رہا ہے اور ان کا استحصال ہو رہا ہے یہ کہہ کر راجاؤں نواب لوگوں کا خون چوستے ہیں۔ نوجوانوں سے کہا جاتا ہے کہ وہ انہیں نکال باہر کریں۔ انہیں باور کرایا جاتا ہے کہ صرف کانگریس ہی ایسی جماعت ہے جو بھوک اور مفلسی کو دور کر سکتی ہے لیکن یہ کب اور کس طرح ہوگا۔ کسی نے پنڈت نہرو سے یہ سوال کیا تو انہوں نے جواب دیا ''یہ میری زندگی میں ہو جائے گا'' میں چاہتا ہوں کہ پنڈت جی ڈیل عمر پائیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ کانگریس تمام قابل ذکر آدمیوں کو تباہ و برباد کر کے اور ملک کو ایک ریگستان میں تبدیل کر کے ملک کا دستور بنائے گی۔ لیکن اس کے بعد میں پوچھتا ہوں کہ کانگریس نے الیکشن کرنے اور وزارتیں قبول کرنے کے بعد کون سے

Marfat.com

کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں۔ دفعہ نمبر ۱۴۴ اب بھی لگی ہوئی ہے ان حالات میں آپ کسی کے کہنے میں نہ آئیں۔ سوچیں؟

مسٹر جناح نے کہا کہ اس وقت جو جدوجہد ہو رہی ہے وہ اسی وقت تک کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتی جب تک سب سے پہلے اقلیتوں کے مسئلے کا حل تلاش نہ کر لیا جائے۔ اس حل کی غیر موجودگی میں تمام گفتگو لامعنی ہے۔ اگر میں کسی طرح کانگریس ہائی کمان اور ہندو پبلک کو اقلیتوں کے مسئلے کو حل کرنے پر راضی کر سکوں تو میں سمجھ سکوں گا کہ میں نے اصل نیشنلزم کی سب سے بڑی خدمت انجام دی ہے۔ اس کے بعد ہم آگے بڑھ سکیں گے۔ اگر یہ مسئلہ حل ہو گیا تو آزادی کی منزل تک جانے کا راستہ بالکل صاف اور ہموار ہو جائے گا لیکن ہندوؤں کو مسلمانوں کی صحیح پوزیشن کس طرح سمجھائی جائے۔ اس مقصد کے لئے مسلمانوں کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ اپنے عوام کی اقتصادی سماجی اور تعلیمی ترقی کے لئے بنیادی کام کر کے اپنے لئے عزت کا مقام پیدا کریں۔ جب میں دیکھتا ہوں کہ چھوٹے قصبات، بلکہ دیہات تک میں ہزار ہا ہندو کارکن کا نہایت بے نفسی کیساتھ لوگوں کی فلاح و بہبود کے لئے کام کر رہے ہیں تو مجھے کوئی بغض یا حسد پیدا نہیں ہوتا بلکہ میں اس کا خیر مقدم کرتا ہوں۔ اس کے لئے ان کی تعریف کرنی چاہئے لیکن مسلمانوں کا کیا حال ہے وہ کیا کر رہے ہیں۔ دیہاتوں میں مسلمانوں کی حالت زار دیکھ کر دل پھٹتا ہے۔ مگر ان کی امداد کرنے والا کوئی نہیں، کانگریس جو اپنے کو نیشنل کہتی ہے اور قوم پرست ہونے کا دم بھرتی ہے وہ بھی مسلمان عوام سے اب تک لاپرواہ ہی کرتی رہی۔ جب تک مسلم لیگ میدان میں نہیں آئی تھی۔ دیہات کے مسلمانوں میں کوئی دلچسپی نہیں لیتا تھا۔ اب کانگریس نے مسلم عوام سے رابطے کی مہم شروع کر دی ہے دراصل یہ مسلم عوام کے قتل کی مہم ہے۔ قائداعظم نے فرمایا ہمیں تعمیر کام کے لئے ایسے کارکنوں کی ضرورت ہے۔ جو ظاہری چمک دمک اور نام آوری پر جان نہ دیتے ہوں بلکہ لگن اور بے غرضی کے ساتھ ایک عظیم معاشرے کی بنیاد ڈالنے کی خواہشمند ہوں۔ اس کام میں نہ تو استاد آپ کے راستے میں حائل ہو سکتے ہیں اور نہ کانگریس حکومتیں اس وقت مسلمانوں کا کوئی مقام نہیں۔ ان کی کوئی حیثیت نہیں۔ کانگریس پچاس سال پرانا ادارہ ہے ابھی چند دن قبل جب میں کلکتہ آ رہا تھا تو ایک ہندو جنٹلمین نے مجھے بتایا۔ کہ ایک شریف ہندو نے جو اپنا نام ظاہر نہیں کرتا چاہتا۔ کانگریس کے کام کے لئے پانچ لاکھ روپے کا عطیہ دیا ہے۔

مسلمان طالبات کی فیڈریشن

راجہ صاحب محمود آباد نے بذریعہ تار بیگم اکرام اللہ کو اختیار دیا کہ وہ فوراً ایک کمیٹی تشکیل کریں اور خواتین سٹوڈینٹس فیڈریشن کی بنیاد ڈالیں چنانچہ چند لڑکیوں کی ایک تنظیم بنائی گئی اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ یہ تنظیم تمام ملک کی طالبات کے ملازمین کی ایک کانفرنس منعقد کرے اس فیصلے کے بعد لاہور، لکھنؤ، الہ آباد، کلکتہ، میرٹھ، بمبئی اور دوسرے شہروں کو جہاں لڑکیوں کے کالج موجود تھے یا جہاں مسلمان لڑکیاں خاصی تعداد میں دوسرے کالجوں میں تعلیم پا رہی تھیں دعوت نامے بھیجے گئے۔ ۱۹۲۵ء میں مسلمان لڑکیوں کی کانفرنس عربک کالج دہلی کے ہال منعقد ہوئی۔ مس جناح نے صدارت قبول کر لی تھی لیکن وہ اس زمانے میں علیل تھیں۔ اس لئے بیگم اعزاز رسول نے کانفرنس کی صدارت کی۔ بیگم کشور رحمٰن نے اس کا فتتاح کیا یہ دونوں خواتین

Marfat.com

آل انڈیا مسلم لیگ کی خواتین سب کمیٹی کی ممبر تھیں۔ طالبات کی کانفرنس میں لکھنؤ، دہلی، میرٹھ اور دوسرے کئی شہروں سے مندوبین نے شرکت کی۔ لاہور سے فاطمہ بیگم پانچ لڑکیوں کا وفد لے کر آئیں۔ بیگم اکرام اللہ نے بتایا ''دہلی سے باہر کی لڑکیوں کی تعداد کانفرنس میں زیادہ نہیں تھیں۔ اس کا سبب ظاہر ہے کہ لڑکیوں کے لئے مشکل تھا کہ وہ دور دراز مقامات سے اتنا بڑا سفر کر کے دہلی آئیں۔ لڑکیوں کی فیڈریشن آگے چل کر بڑا ادارہ بننے والا تھا۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ لڑکیوں کے ادارے کا معرض وجود میں آنا بہت فائدہ مند ثابت ہوا۔ خصوصاً مسلم لیگ کی خواتین سب کمیٹی کے لئے تو یہ بہت مددگار ثابت ہوا۔ لڑکیوں نے خواتین کے حلقے میں بہت اچھا کام کیا۔ عورتوں میں سیاسی بیداری پیدا کی۔ اور پاکستان کی راہ ہموار کرنے میں قابل قدر خدمات انجام دیں۔

طالبات کانفرنس علی گڑھ

۱۹۴۳ء میں علی گڑھ میں لڑکیوں کی ایک عظیم الشان کانفرنس منعقد ہوئی۔ علی گڑھ گرلز کالج لڑکیوں کا بہت بڑا تعلیمی مرکز تھا اس لئے کانفرنس کی کامیابی یقینی تھی، کانفرنس میں جن خواتین مندوبین نے موثر اور جوشیلی تقریریں کیں ان میں زری سرفراز، ممتاز جہاں شاہ نواز کے نام اہم ہیں۔ علی گڑھ میں طالبات کی کانفرنس کے دو اجلاس ہوئے۔ بحث و مباحثہ کے دوران ایک دلچسپ سوال یہ بھی تھا کہ اگر طالبات کی الگ فیڈریشن قائم کی جائے یا انہیں براہ راست آل انڈیا مسلم سٹوڈینٹس فیڈریشن کا ممبر بنایا جائے۔ بالآخر یہ طے کیا گیا کہ چونکہ بہت سی لڑکیاں پردے میں رہتی ہیں۔ مناسب یہ ہے کہ انہیں مخلوط فیڈریشن کا ممبر بننے پر مجبور نہ کیا جائے۔ وہ اپنی تنظیم الگ بنائیں۔ لیکن اس کا ہر یونٹ آل انڈیا مسلم سٹوڈینٹس فیڈریشن کی مقامی شاخ سے الحاق کر سکتا ہے۔ اس طرح لڑکیوں کے سکولوں اور کالجوں میں جہاں مسلمان لڑکیوں کی معقول تعداد موجود ہے۔ مسلم طالبات کی فیڈریشن کا اپنا یونٹ کام کر سکے گا۔ لیکن اگر طالبات براہ راست آن انڈیا مسلم سٹوڈینٹس فیڈریشن کا ممبر بن کر کام کرنا چاہیں تو انہیں آئین کی رو سے اس کی بھی اجازت ہوگی۔ اس کے بعد بعض لڑکیاں آل انڈیا سٹوڈینٹس فیڈریشن میں داخل ہوئیں اور اہم عہدوں پر بھی فائز رہیں۔ اور بعض خواتین کی تنظیم سے منسلک رہیں۔ علی گڑھ میں مسلم سٹوڈینٹس فیڈریشن کے دونوں اداروں یعنی خواتین اور مردوں کی تنظیم کا ایک مخلوط اجلاس بھی ہوا۔ جس میں ہر وہ درخواستیں پردے کے پیچھے بیٹھیں۔ راجہ صاحب محمود آباد نے اجلاس کی صدارت کی۔ ۱۹۴۶ء کے انتخابات میں مسلمان لڑکیوں نے پاکستان کی خاطر نہایت جوش و خروش کے ساتھ انتھک کام کیا۔ وہ تمام عورتوں کے پاس ان کے گھروں میں جاتی تھیں اور انتخابات کی اہمیت اور پاکستان کے مطالبہ کی قدر و قیمت سے خواتین ووٹروں کو آگاہ کرتی تھیں۔

پنجاب مسلم سٹوڈینٹس فیڈریشن

یہ ایک حقیقت ہے کہ پنجاب کے مسلمان طالب علموں نے تحریک پاکستان میں ہراول دستے کا کام کیا۔ مخالفین طاقتور تھے اور مقابلہ سخت تھا لیکن طلبہ نے جان کی بازی لگا کر ان سے ٹکر لی۔ اور ان کی طاقت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔

Marfat.com

یہ بالکل بجا ہے کہ پنجاب مسلم لیگ کی پشت پر طلباء کی منظم قوت ہی تھی جس کی مدد سے اس نے یونینسٹ پارٹی کے اقتدار کے بت کو پاش پاش کر دیا۔ چند پرجوش لیڈروں کو چھوڑ کر پنجاب کے اکثر مسلم لیگی رہنما مصلحتوں کا شکار تھے۔ حالانکہ اس سیاسی جنگ میں بجلی کی تیزی شیر کی دلیری اور ذاتی مفاد سے بلند ہو کر کام کرنے کی لگن کی اشد ضرورت تھی۔ یہ مسلمان طلباء ہی تھے جنہوں نے مسلم لیگ کی سست رفتار گاڑی کو زور سے دھکیلا اور سہارا دیا۔ یہاں تک کہ اس نے ایسی رفتار پکڑی کہ مخالفین کو چھوڑ کر آگے نکل گئی۔ کلکتہ میں آل انڈیا مسلم سٹوڈینٹس فیڈریشن کے پہلے اجلاس سے بیشتر ہی بنگال اور پنجاب میں مسلم طلبہ کی تنظیم کی داغ بیل پڑ چکی تھی۔ چنانچہ پنجاب مسلم سٹوڈینٹس فیڈریشن یکم ستمبر ۱۹۳۷ء کو قائم ہوئی۔ آل انڈیا مسلم لیگ اس دور میں مسلمانان برصغیر کے حقوق کے لئے سینہ سپر ہو چکی تھی۔ اس لئے مسلم طلبہ کی نگاہیں لیگ کے لیڈروں کی طرف اٹھتی تھیں۔ وہ اپنے لیڈروں سے رہنمائی لیتے تھے اور لیگ کو اپنی کارگزاریوں سے مطلع رکھتے تھے۔ ۱۴ فروری ۱۹۳۹ء کو پنجاب مسلم سٹوڈینٹس فیڈریشن کی جانب سے اس کے بانی سیکریٹری نواب زادہ لیاقت علی خاں کو بھیجی۔ چند اور بعد طلباء کے ایک اور لیڈر عبدالستار خاں نیازی نے ۱۱ اکتوبر ۱۹۳۹ء کو نواب زادہ لیاقت علی خاں کو مطلع کیا کہ پنجاب مسلم سٹوڈینٹس فیڈریشن نے خلافت ربانی کا منصوبہ مرتب کیا ہے۔

پاکستان کانفرنس

پنجاب مسلم سٹوڈینٹس فیڈریشن نے معرض وجود میں آنے کے چند دن کے اندر اندر ہزاروں لڑکوں کو ممبر بنا لیا۔ بہت سی کانفرنسیں منعقد کیں۔ اور قابل ذکر نکتہ یہ ہے کہ فیڈریشن نے بقول عبدالسلام خورشید قرارداد لاہور سے تقریباً تین برس پہلے ۱۹۳۷ء میں مسلمانوں کو الگ ریاست قائم کرنے کے خیال کی تائید کی۔ پھر پنجاب مسلم سٹوڈینٹس فیڈریشن نے مارچ ۱۹۴۱ء میں یعنی قرارداد پاکستان کی منظوری کے تقریباً ایک سال بعد طلباء کی طرف سے کانفرنس منعقد کرنے کا اعلان کیا۔ کانفرنس استقبالیہ کمیٹی کے چیئرمین عبدالحمید مرزا نے ۱۵ جنوری ۱۹۴۱ء کو قائداعظم کو لکھا کہ پنجاب کے طلباء کی سب سے بڑی خواہش ہے کہ آپ جناب اس کانفرنس کی صدارت کریں۔ قائداعظم نے جواب میں لکھا کہ پاکستان کانفرنس کی جو تاریخیں مقرر کی گئی ہیں اس زمانے میں وہ بے حد مصروف ہوں گے۔ لیکن اس خط میں پنجاب مسلم سٹوڈینٹس فیڈریشن کے کام اور پنجاب کی سیاسی صورت حال میں خصوصی دلچسپی کا اظہار کیا۔

اسلامیہ کالج لاہور میں جلسہ

پنجاب مسلم سٹوڈینٹس فیڈریشن کا ایک اہم اجلاس ۱۹/۱۸ مارچ ۱۹۴۴ء کو اسلامیہ کالج لاہور میں ہوا۔ اس کی مجلس استقبالیہ کے صدر میاں ممتاز احمد خاں دولتانہ تھے۔ جو بعد میں پنجاب کے وزیر اعلیٰ بنے۔ اپنے خطبۂ استقبالیہ میں جب دولتانہ صاحب نے کئی ایک اہم نکات کی طرف اشارہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ تعلیم اقتصادیات اور فوجی ملازمتوں کے میدان میں پنجاب کے لوگ ہمارے ان بھائیوں سے آگے ہیں جو دوسرے مقامات پر رہتے ہیں اور جن کے حالات ہمارے مقابلے میں اچھے نہیں

Marfat.com

ہیں۔ لہذا قدرتی طور پر پنجاب کا یہ مقدر ہے کہ وہ پاکستان کی تحریک میں پیش پیش رہے۔ اور یہی امر پاکستان کے حق میں سب سے بڑی دلیل اور اس کے حصول کے لئے سب سے بڑا ہتھیار بھی ہے۔ میاں ممتاز دولتانہ نے اس بات پر رنج کا اظہار کیا کہ سیاسی بیداری اور سیاسی تنظیم کے لحاظ سے پنجاب پچھلی صف میں ہے اور اہل پنجاب گروہ بندیوں میں الجھے ہوئے ہیں۔ سرسید اور ان کے رفقاء عقلی و ذہنی نشاۃ ثانیہ کی جو تحریک چلائی تھی۔ اس نے جزوی طور پر پنجاب کے عوام کے ذہنی جمود کو دور کیا۔ اور پھر اقبال کی صدائے عام ہمارے کانوں میں آئی۔ جو گویا خدا کی طرف سے ہمارے لئے پیغام بھی تھا اور تنبیہ بھی۔ اقبال نے مسلم نوجوانوں کی روح کو بدل دیا۔ اقبال کے بعد اس کے صلاح مشورے کی تشکیل اور اس کے خواب کی تعبیر کے لئے محمد علی جناح کی حیات بخش اور بے باک شخصیت ظہور پذیر ہوئی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا باری تعالیٰ نے اقبال کے جذب و عشق سے بھرے ہوئے شکوے کو سن لیا ہے۔ دریائے رحمت جوش میں آیا۔ اور اللہ نے ہماری رہنمائی کے لئے ہمارے پاس قائداعظم کو بھیج دیا۔

قائداعظم نے ۱۸ مارچ کو اجلاس سے خطاب کیا۔ اور ۸۰ منٹ تک خطبۂ صدارت ارشاد فرمایا۔ آپ نے اس امر پر مسرت کا اظہار کیا۔ کہ تعلیم سے طلباء میں غور و فکر کی صلاحیت بڑھ رہی ہے طلباء کا اصل مقصد یہ ہونا چاہئے کہ وہ لکھنے پڑھنے کی طرف توجہ دیں۔ اور تعلیم کے ذریعے اپنے آپ کو اس قابل بنائیں کہ جب وہ عملی زندگی میں قدم رکھیں۔ تو ان میں ایسے مسائل کو حل کرنے کی صلاحیت موجود ہو جن سے انہیں دوچار ہونا ہے۔

حصول پاکستان کی اس جنگ میں پنجاب کی طالبات بھی شریک تھیں۔ وہ خواتین میں پاکستان کے مطالبے کا شعور پیدا کرنے کی کوشش میں مصروف تھیں۔ جب میں جب مسلم لیگ پارٹی اور یونینسٹ حکومت میں ٹھن گئی۔ اور سرکاری مشینری لیگ کے خلاف حرکت میں آتی تو ان خواتین نے پولیس کی لاٹھیاں کھائیں۔ اور سزائیں برداشت کیں اور یہ واقعہ اب تحریک آزادی کی تاریخ کا سنہری باب بن چکا ہے کہ پہلی دفعہ پنجاب سیکریٹریٹ کی عمارت پر جس شخصیت نے مسلم لیگ کا پرچم لہرایا وہ ایک لڑکی تھی۔

۱۲ اگست ۱۹۴۴ء کو جناح کالج برائے خواتین لاہور نے موسم گرما کی تعطیل میں ''سیاسی درس و تدریس'' کا انتظام کیا۔ بہت سی طالبات نے اس موقع پر فائدہ اٹھایا۔ اور ملکی و ملی سیاست کے بارے میں اپنی معلومات بڑھائیں۔ منتظمین نے نواب زادہ لیاقت علی خاں بلوچستان کے لیڈر محمد عیسیٰ اور دوسرے اصحاب کو مدعو کیا۔ کہ وہ طالبات کو سیاسی حالات سے مطلع کریں۔

جالندھر اجلاس

نومبر ۱۹۴۲ء میں آل انڈیا مسلم سٹوڈینٹس فیڈریشن نے جالندھر میں ایک عظیم الشان اور یادگار جلسہ منعقد کیا۔ قائداعظم نے اس جلسے کی صدارت کی اور ملک بھر سے طلباء کے مندوبین نے اس جلسے میں شرکت کی۔ کانفرنس کے موقع پر جالندھر شہر کی رونق دوبالا ہوگئی۔ ایک بڑے میدان میں مندوبین کیلئے خیمہ لگائے گئے۔ طبی امداد کے لئے خیمہ الگ تھے متعدد سماجی انجمنوں نے بھی اس موقع پر اپنے دفاتر کھول لئے تھے۔ تاکہ وہ طلباء کا ہاتھ بٹائیں۔ اپنے خطاب میں قائداعظم نے

Marfat.com

آئین کی دفعہ اول کا ذکر کیا جس میں کہا گیا تھا کہ فیڈریشن مسلمان طلباء میں سیاسی شعور بیدار کرے گی۔ اور حصول پاکستان کی جدوجہد میں مناسب حصہ لینے کے لئے انہیں تیار کرے گی۔ طلباء نے بھی قائداعظم کے فرمان کو ذہن میں بٹھالیا۔ اور جب تک پاکستان نہ بن گیا وہ برابر اس کے حصول میں کوشاں رہے۔ تحریک پاکستان اور قائد پاکستان کی پرجوش تائید کے باعث پنجاب کے مسلمان طلباء کو بہت سی مشکلات اور آزمائشوں سے گذرنا پڑا۔ انہوں نے شاید پہلی دفعہ اجتماعی طور پر سر خضر حیات ٹوانہ اور چھوٹو رام کی سیاسی اجارہ داری پر کاری ضرب لگائی۔ جس کا سکہ پنجاب میں برسوں سے چل رہا تھا۔ سر خضر حیات ٹوانہ پاکستان کی مخالفت کا عزم کیے ہوئے تھے۔ انہوں نے اس سلسلے میں ہندوؤں اور سکھوں سے گٹھ جوڑ کر رکھی تھی۔

طلباء کی سرگرمیاں سندھ میں

قائداعظم نے ۱۹۳۶ء میں جب مسلم لیگ کی تنظیم نو کی۔ تو سندھ کے اکثر بااثر سیاست دان مسلم لیگ میں شامل ہوگئے۔ سندھ کے بہت سے تعلیم یافتہ نوجوان علی گڑھ تحریک سے متاثر تھے۔ اس طرح وہ مسلم قومیت کے احیاء میں شریک کار تھے۔ اب یہ لوگ قائداعظم کے ساتھ تھے۔ اور یہ سمجھ چکے تھے کہ سندھی مسلمانوں کی آئندہ فلاح و بہبود کے لئے پاکستان کا قیام بہت اہم ثابت ہوگا۔ اگرچہ سندھ مسلم اکثریت کا صوبہ تھا مگر یہاں کے عام مسلمان اقتصادی، تعلیمی اور سیاسی حیثیت سے بڑی حد تک ہندوؤں کے زیر اثر تھے۔ ہندو تعلیم، تجارت اور پیشے کے لحاظ سے اکثر مسلمانوں فوقیت رکھتے تھے۔ جب سیاسی بیداری کا دور آیا تو یہاں بھی مسلم عوام کی تعلیمی ترقی کے لئے کوششیں شروع کی گئیں اس سلسلے میں سندھ مدرسہ کالج کا قیام ایک سنگِ میل تھا۔ ۲۱ جون ۱۹۴۳ء کو خود قائداعظم نے اس کی افتتاح میں شرکت کی۔ مسلمانوں میں تعلیم نے ترقی کی تو تعلیم یافتہ مسلم طلباء نے بھی قومی تحریک میں اہم کردار ادا کرنا شروع کیا۔ چنانچہ ۱۹۴۳ء میں حیدرآباد مسلم سٹوڈینٹس فیڈریشن کے سیکریٹری جنرل قاضی عبدالمنان نے قائداعظم کو لکھا "میں پوری طرح کوشش کروں گا کہ حیدرآباد کے مسلم طلباء میں خصوصاً اور سندھ کے طلباء میں عموماً سیاسی شعور بیدار کروں۔ اللہ کا شکر ہے کہ سندھ کے مسلمان طلباء اب بیدار ہو چکے ہیں۔ اور آپ جب بھی انہیں حکم فرمائیں گے وہ پاکستان کیلئے ہر قربانی دینے کے لئے تیار رہیں گے"۔ قائداعظم ہمیشہ طلباء کی ہمت افزائی کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ۲۲ جون ۱۹۴۳ء کو قائداعظم نے قاضی عبدالمنان کو ان کے خط کے جواب میں لکھا "میں جب دسمبر میں سندھ میں آؤں گا تو امید ہے کہ آپ سے ملاقات ہوگی"۔ ٹھٹھہ کے مسلمان طلباء نے بھی ایک مسلم سٹوڈینٹس یونین قائم کی۔ یونین کے جنرل سیکریٹری عبدالکبیر نے لیگ کے دفتر میں ایک قرارداد کی نقل بھیجی۔ جسے یونین کے ایک جلسے میں منظور کیا گیا تھا۔ جس کی صدارت ایم۔ اے عباسی نے کی تھی۔ قرارداد میں قائداعظم کی قیادت پر پورے اعتماد کا اظہار کیا گیا تھا۔ اور شملہ کانفرنس کے مسئلہ پر مسلم لیگ کی پالیسی کی تائید کی گئی تھی۔ یونین نے قائداعظم کو یقین دلایا کہ پاکستان کے حصول کے لئے مسلمان ہر قسم کی قربانی دینے کے لئے ہر وقت تیار ہیں"۔

۱۹ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو ٹھٹھہ مسلم سٹوڈینٹس یونین کے صدر نے نواب زادہ لیاقت خاں کو لکھا کہ مسلم طلباء آئندہ الیکشن

Marfat.com

کے بارے میں مسلم لیگ کی پالیسی کی تائید کرتے ہیں۔ انہوں نے لکھا "جیسا کہ مسلم لیگ کی قیادت نے اعلان کیا ہے ہم سمجھتے ہیں کہ یہ مسلمانوں کا آخری امتحان ہے۔ جس میں انہوں نے ثابت کرنا ہے کہ وہ ایک الگ اور منظم قوم ہیں۔ مسلم ہوسٹل شکار پور کے ایک طالب علم عبدالغفور بھرگری نے اپنے لئے خادم السام کا لقب اختیار کیا۔ اور ۱۲ فروری ۱۹۳۴ء کو نواب زادہ لیاقت علی خاں کے نام ایک خط لکھا۔ جس میں کہا گیا "سندھ کے طلباء نے مسلم لیگ کی پالیسی پروگرام کو منظور کر لیا ہے۔ ۲ فروری ۱۹۴۳ء کو شکار پور کے مسلم طلباء کا ایک جلسہ ہوا۔ جس میں کانگریس کے اس غلط اور گمراہ کن اقدام پر تنقید کی گئی کہ اس نے ہندو مسلم سوال کو طے کئے بغیر اور پاکستان کا مطالبہ تسلیم کئے بغیر ہندوستان چھوڑ دو' کی تحریک شروع کر دی۔ کالج بند کر دیا گیا۔ ہندوستان کے مسلمانوں کی تاریخ کے اس نازک موڑ پر مسلمان طلباء کے لئے موقع ہے کہ وہ اپنے پسند کردہ نصب العین پاکستان کے حصول کے لئے کوشش کریں۔ ہم اپنی قوم کی جدوجہد میں حصہ لینے کے لئے بے چین ہیں۔ اور اگر کوئی بات یا فرد ہمیں اپنی قومی فرائض کی بجا آوری سے روکتا ہے تو یہ بڑا المیہ ہوگا"۔

مسلم سٹوڈینٹس فیڈریشن سرحد

سرحد مسلم سٹوڈینٹس فیڈریشن کی بنیاد ۱۹۴۵ء کے آغاز میں رکھی گئی اس نے مسلم پبلک کی عموماً اور مسلم طلباء کی خصوصاً بہت خدمات انجام دیں۔ فیڈریشن کا تعمیری کام کچھ دنوں کے لئے التوا میں پڑ گیا۔ اس کی وجہ سیاسی خلفشار اور مسلم لیگ کی وزارت کا خاتمہ تھا۔ ۱۹۴۵ء میں فیڈریشن کی نئے سرے سے تنظیم کی گئی۔ پنجاب کے مسلم طلباء نے بھی سرحد کے طلباء کی تنظیمی معاملات میں مدد کی۔ پنجاب مسلم سٹوڈینٹس فیڈریشن کے سربراہ آوروہ ممبر جن میں یحییٰ بختیار، راجہ افتخار اللہ اور امین ترین شامل تھے۔ ۱۹۴۲ء میں پشاور گئے وہاں ایک جلسے کا انتظام کیا گیا۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ طلباء ابھی تک زیادہ فعال نہیں تھے۔ جلسے میں حاضرین کی تعداد کم رہی۔

قائداعظم کا دورہ

۱۹۴۵ء کے بعد سرحد کے مسلم طلباء تحریک پاکستان کے حق میں اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے اس کے لئے بھرپور کام کیا۔ ۱۹۴۵ء میں قائداعظم نے سرحد کا تاریخی دورہ کیا۔ مسلم طلباء نے آنے والے انتخابات کے لئے جو مسلمانانِ برصغیر کی قسمت کا فیصلہ کرنے والے تھے۔ قائداعظم کو آٹھ ہزار روپے کی تھیلی پیش کی۔ طلباء نے ۵ ہزار روپے کی مزید رقم بہار ریلیف فنڈ کو دی۔ ۲۰ نومبر ۱۹۴۵ء کو قائداعظم نے پشاور میں ایک جلسے سے خطاب کیا۔ جس کا سارا انتظام سرحد کے مسلم طلباء نے کیا تھا۔ قائداعظم نے اپنی تقریر میں لوگوں کو سمجھایا کہ کانگریس انگریزوں کے سمجھوتہ کر کے اپنا اقتدار قائم کرنا چاہتی ہے۔ جس کے تحت مسلمان ہمیشہ کے لئے ایک مستقل اقلیت کی حیثیت سے رہیں گے۔ تالیوں کی گونج میں قائداعظم نے اعلان کیا۔ "ہمارا کوئی دوست نہیں ہے نہ انگریز نہ ہندو۔ میں مسلمانوں کو ہرگز ہندوؤں کا غلام بننے نہیں دوں گا۔ جب وقت آئے گا تو نہ میں ہچکچاؤں گا اور نہ ایک قدم پیچھے ہٹوں گا"۔ قائداعظم کے دورہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ پورے صوبے میں گویا بجلی کی سی لہر دوڑ گئی۔ یہاں تک کہ جب

Marfat.com

پنجاب میں مسلم لیگ نے سول نافرمانی کی تحریک شروع کی۔ تو سرحد کے مسلمان طالب علموں کے گروہ مسلم عوام کا ساتھ دینے کے لئے پنجاب پہنچ گئے۔ اس کے بعد ۳ جون کی اسکیم کے مطابق صوبہ سرحد میں ریفرنڈم یا عام رائے شماری کرائی گئی تو مسلم طلباء نے سرحد کے مورچوں پر ہلہ بول دیا۔

تفصیلات کیمطابق مسلم طلباء نے دن رات کام کر کے جو تنظیم تیار کی تھی بڑی حد تک اس کا نتیجہ تھا کہ صوبہ سرحد نے ریفرنڈم میں پاکستان کے الحاق کے حق میں رائے دی۔ ۱۹۴۳ء میں سرحد مسلم سٹوڈینٹس فیڈریشن نے جنرل سیکریٹری عنایت کبریا نے قائداعظم کو لکھا ''ہم نے سرحد مسلم سٹوڈینٹس فیڈریشن کی تنظیم کر لی ہے۔ اور اس میں بڑی حد تک ہمیں کامیابی ہوئی ہے لیکن ہمارے سامنے بعض بنیادی مشکلات ہیں جن پر قابو پانا باقی ہے خط میں اشارہ کیا گیا ہے کہ عوام کی تائید ہمیں حاصل ہو رہی ہے لیکن اس کی ہمیں بھاری قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔ جنرل سیکریٹری نے پر زور الفاظ میں یقین دلایا کہ مسلم سٹوڈینٹس فیڈریشن پاکستان کے مطالبے پر یقین رکھتی ہے اور اس کی تائید کرتی ہے۔ قائداعظم سے ہدایت حاصل کرتی ہے۔ مگر مقامی لیڈروں سے اسے کوئی علاقہ نہیں۔ دوسرے صوبوں کی طرح صوبہ سرحد میں بھی طلباء مسلم لیگ اور اس کے مخالفوں پر کڑی نظر رکھتے تھے۔ چنانچہ اس خط میں بھی واضح طور پر کہا گیا ہے کہ صوبائی وزارت نامقبول ہوتی جارہی ہے۔ لیکن طلباء کی طرف سے قائداعظم کو یقین دلایا گیا ہے کہ اگر صوبائی مسلم لیگ مسلم عوام کی امیدوں کو پورا کرنے میں ناکام رہی تب بھی سرحد مسلم سٹوڈینٹس فیڈریشن کوتاہی نہیں کرے گا۔ ہمارے سامنے بہت مشکل کام ہے۔ لیکن ہمیں بھروسہ ہے کہ مسلسل کوشش سے ہم مشکلات پر قابو پالیں گے اور بالآخر ہم ایک خوبصورت شے کی تخلیق کریں گے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط قائداعظم کے کسی خط کے جواب میں لکھا گیا ہے۔ گو قائداعظم کا خط کسی فائل میں سے دستیاب نہیں ہو سکا۔ جنرل سیکریٹری جواباً لکھتا ہے کہ ''آپ نے جس پدرانہ شفقت کا اظہار کیا ہے۔ طلباء اس کے لئے آپ کے لئے بے حد ممنون ہیں'' قائداعظم غالباً صوبہ سرحد کا دورہ کرنے کا بھی ارادہ کر رہے تھے۔ اس لئے خط میں لکھا ہے کہ ''آپ کی آمد کی خبر نے ہماری تنہائی کے احساس کو ختم کر دیا ہے۔ ہم اپنے آپ کو محفوظ سمجھنے لگے ہیں اس لئے کہ ہماری پشت پر تخلیقی تحریک کا سرچشمہ ہے''۔ جنرل سیکریٹری کو قائداعظم نے دوبارہ لکھا کہ وہ مستقبل قریب میں صوبہ سرحد کا دورہ کریں گے۔ اور جنرل سیکریٹری نے جو تجاویز پیش کی ہیں ان پر یقیناً غور کریں گے۔

فیڈریشن کا اجلاس

سرحد سٹوڈینٹس فیڈریشن نے ۱۴ جون سے ۱۸ جون ۱۹۴۵ء تک اپنا ایک اجلاس منعقد کیا۔ اس اجلاس کا مقصد اس پُر فریب پروپیگنڈہ کا دندان شکن جواب دینا تھا۔ جو کہ کانگریس اور ہندوؤں کی سرمایہ دارانہ وزارت کی طرف سے کیا جارہا تھا۔ اجلاس کے منتظمین نے اعلان کیا کہ اس اجلاس سے صوبہ سرحد کے ''پاکستان دوست'' عناصر کو تقویت پہنچے گی۔ اور طلباء براہ راست عوام سے رابطہ قائم کریں گے اور مسلم سٹوڈینٹس فیڈریشن کا نام بلند کریں گے۔ فیڈریشن کی طرف سے قائداعظم کو ایک

Marfat.com

مکتوب لکھا گیا۔ جس میں ان سے درخواست کی گئی کہ وہ اس موقع پر سرحد کے طلباء کے نام خصوصی پیغام ارسال فرمائیں۔
۱۲ جون ۱۹۴۵ء کو قائداعظم نے اس خط کے جواب میں ایک پیغام بھیجا۔ جس میں انہوں نے سرحد مسلم فیڈریشن کو خصوصی اجلاس منعقد کرنے پر مبارک باد دی۔ قائداعظم نے فرمایا: جو اطلاعات مجھ تک پہنچی ہیں۔ اور ان کی آپ کے خط میں بھی تائید ہوتی ہے۔ ان کی بناء پر میں سمجھتا ہوں کہ عام طور پر عوام آل انڈیا مسلم لیگ کے ہم نوا ہیں۔ یہ بہت روشن نشانی ہے جو ہمارے سامنے آئی ہے۔ اب آپ کا اور صوبے کے مسلمان لیڈروں کا جو لائق اور پر خلوص اصحاب ہیں۔ اور جو اس بات کے لئے تیار ہیں کہ ذاتی مفاد کی بجائے قومی مفاد کے لئے اتحاد و اتفاق سے کام کریں گے۔ یہ فرض ہے کہ وہ عزم بالجزم کے ساتھ آگے بڑھیں اور آل انڈیا مسلم لیگ کے جھنڈے تلے اور اس کے مطابق صوبہ سرحد کی رہنمائی کریں اس میں نہ صرف سرحد کے مسلمانوں کی بلکہ پورے مسلم ہندوستان کے مسلمانوں کی نجات ہے۔

۱۲۸ اکتوبر کو ڈیرہ اسماعیل خاں مسلم سٹوڈینٹس فیڈریشن کے صدر محمد عمران نے نہایت دلسوز اور رنج کے ساتھ قائداعظم کو لکھا کہ ''وہ بی کالج کے مسلم طلباء ہندو پروفیسروں کے ہاتھوں پریشان ہیں''۔ انہوں نے قائداعظم سے شکایت کی کہ ہندو پروفیسر ہمارے لیڈروں کو گالیاں دیتے ہیں۔ اب انہوں نے ہمارے مذہب پر بھی حملے کرنے شروع کر دیئے ہیں۔ ان کے دورہ سرحد کے بعد سے ہوسٹل کے سپرنٹنڈنٹ نے اذان پر پابندی لگادی ہے''۔ خط میں قائداعظم سے درخواست کی گئی کہ عبوری حکومت کے مسلمان ممبروں کو ہدایت کی جائے کہ وہ معاملے میں ضروری کارروائی کریں۔ اپریل ۱۹۴۰ء میں سرحد مسلم سٹوڈینٹس فیڈریشن کے سیکریٹری نے لیاقت علی خاں کو لکھا ''ہمارے پاس دو نعرے ہیں قائداعظم اور پاکستان! انہیں کے ذریعے اپنی حالت سدھاریں گے''۔ مردان کے طالب علم شہزاد گل نے مسلم سٹوڈینٹس فیڈریشن کے جنرل سیکریٹری کو لکھا ''ڈاکٹر خاں صاحب اور ان کا گروہ کانگریس کے حق میں برابر پروپیگنڈہ کرنے میں مصروف ہے اس سلسلے میں کیا اقدامات ضروری ہیں''۔

۱۲۸ اپریل ۱۹۴۴ء کو اسلامیہ کالج کے ایک طالب علم نے اپنے خط میں لیاقت علی خاں کو لکھا ''مسلم طلباء نے قسم کھائی ہے کہ وہ مسلم قوم کے مطالبہ پاکستان کی خاطر اپنا خون بہا دینے کے لئے تیار ہیں۔ لیکن یہاں ان کے جوش و خروش کو دبانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ طلباء اور پروفیسروں کو نکالا جارہا ہے۔ ان کے خلاف کارروائیاں کی جارہی ہیں۔ اور ان کے نام خارج کیئے جارہے ہیں۔ فوری اقدام نہایت ضروری ہے''۔ قائداعظم زندہ باد

بلوچستان میں طلباء کی سرگرمیاں

قائداعظم بلوچستان میں اصلاحات کے لئے گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ صوبہ سرحد اور بلوچستان کو بھی ترقی کے محاذ سے دوسرے صوبوں کے برابر لا کھڑا کیا جائے۔ پاکستان کے تمام صوبے سیاسی اعتبار سے ایک دوسرے کے برابر ہو جائیں۔ اس مقصد کے لئے قائداعظم کی ہدایت کے مطابق بلوچستان میں مسلم لیگ نے عوام میں سیاسی بیداری کرنے کی

Marfat.com

کوشش کی۔ قائداعظم نے خود مسلم لیگ کی کارکردگی کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔ ہماری کوششوں کے چار فائدے ہوئے اولاً بلوچستان کے ایک نمائندے کو مرکزی اسمبلی میں، دوم کوئٹہ کے لئے ایک منتخب شدہ میونسپل کمیٹی کے قیام کا فیصلہ کیا گیا۔ سوم تعلیم کے لئے ۹ لاکھ روپیہ منظور کیا گیا۔ چہارم حکومت نے وعدہ کیا کہ بلوچستان میں اصلاحات کے لئے سفارشات پیش کی جائیں گی۔ یہ تمام کام ایک سال کے اندر اندر ہوا۔ جو کسی کے خواب وخیال میں بھی نہ تھا۔ جسے حکومت نظرانداز نہیں کرسکتی تھی۔ جس شخصیت نے بلوچستان میں مسلم لیگ کی تنظیم کو مؤثر بنادیا وہ قاضی محمد عیسیٰ تھے۔ قاضی صاحب نے مسلم طلباء کی اچھی طرح ہمت افزائی کی۔ اور بلوچستان مسلم سٹوڈینٹس فیڈریشن کے صدر بھی رہے۔ بلوچستان مسلم سٹوڈینٹس فیڈریشن قاضی عیسیٰ کی صدارت میں ۱۹۴۳ء میں قائم ہوئی۔ اس وقت اس کی چار شاخیں تھیں۔ دو کوئٹہ میں، ایک سبّی میں اور ایک نوشکی میں۔ اس زمانے میں بلوچستان میں کوئی یونیورسٹی نہیں تھی صرف اسکولوں اور کالجوں کے طلباء مسلم سٹوڈینٹس فیڈریشن کے ممبر تھے۔ مگر جوش وخروش میں کسی سے کم نہ تھے۔ ۱۹۴۴ء میں جب قائداعظم نے بلوچستان کا دورہ کیا تو فیڈریشن کی شاخوں کی تعداد دس تک پہنچ گئی۔ طلباء نے قائداعظم سے درخواست کی کہ وہ کوئٹہ میں مسلم سٹوڈینٹس فیڈریشن کی لائبریری کا افتتاح کریں۔ فیڈریشن نے بارہ بارہ روپے کے چھ وظیفے بھی ضرورت مند طلباء کو دیئے۔

دورۂ قائداعظم

۱۸ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو جب قائداعظم بلوچستان کے دورے پر تھے۔ تو بلوچستان مسلم سٹوڈینٹس فیڈریشن نے انکی خدمت میں ایک سپاسنامہ پیش کیا۔ قائداعظم نے سپاسنامے کا جواب دیتے ہوئے اس بات پر مسرّت کا اظہار کیا کہ بلوچستان کے مسلم طلباء میں زبردست بیداری پیدا ہوگئی ہے۔ تاہم طلباء کو چاہئے کہ وہ اپنے مطالبات کے لئے برابر جدوجہد کرتے رہیں"۔ بلوچستان مسلم سٹوڈینٹس فیڈریشن نے یوم شہداء منایا اور اس جوش وخروش سے منایا کہ انتظامیہ کو پریشانی لاحق ہوگئی۔ حکومت نے طلباء کے جلسوں پر پابندی لگانے کا فیصلہ کرلیا۔

انتخابی مہم اور مسلم طلباء

فروری ۱۹۴۶ء میں صوبائی انتخابات منعقد ہوئے۔ جن میں مسلم لیگ کے نامزد امیدواروں نے زبردست کامیابیاں حاصل کیں۔ ان انتخابات میں بلوچستان مسلم سٹوڈینٹس فیڈریشن کے ممبران پر مشتمل دس جماعتیں ترتیب دی گئیں ان جماعت کے بارہ بارہ ممبر تھے۔ پانچ جماعتیں سندھ اور پانچ صوبہ سرحد میں بھیجی گئیں تاکہ ان صوبوں کا دورہ کرکے پاکستان کا پیغام گھر گھر پہنچائیں۔ کوئٹہ میونسپل کمیٹی کا الیکشن ہوا۔ تو اس میں بھی طلباء نے لیگ کے امیدواروں کے حق میں کام کیا۔ اور مسلم لیگ نے ساری نشستیں جیت لیں۔ بلوچستان کے مسلم طلباء نے پنجاب کی سول نافرمانی کی تحریک میں بھی اہم کردار ادا کیا۔ حکومت پنجاب نے مسلم لیگ نیشنل گارڈ پر پابندی لگادی۔ لیگ کے تقریباً تمام قابل ذکر لیڈر گرفتار کرلئے گئے۔ سینکڑوں طلباء مرد اور عورتیں جیل بھیج دی گئیں۔ ۲۲ فروری ۱۹۴۷ء کو بلوچستان مسلم سٹوڈینٹس فیڈریشن کے نائب صدر فضل احمد نے

Marfat.com

قائداعظم کو ایک مراسلہ بھیجا جس میں بلوچستان مسلم طلباء کے حالات کا تفصیل سے ذکر کیا۔ اس رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ تحریک پاکستان کے لئے نوجوان بلوچی کس انداز سے تنظیم کر رہے تھے۔ رپورٹ کے الفاظ اس طرح تھے: "ہماری تحریک کا آغاز بہت چھوٹے پیمانے پر ہوا۔ لیکن جناب عالی! ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ گو ہماری تعداد کم ہے۔ ہمارا نصب العین بہت بلند ہے۔ ہمیں آپ کی یہ نصیحت اچھی طرح یاد ہے کہ تعلیم کے دوران طلباء کو سیاست میں عملی حصہ نہیں لینا چاہئے۔ لیکن ساتھ ہی موجودہ سیاسی مسائل اور تحریکوں سے خصوصاً اپنے ملک کی سیاست سے نابلد کبھی نہیں رہنا چاہئے۔ ہم منتشر بھیڑ بکریوں کی مانند تھے نہ کوئی ہماری تنظیم تھی نہ کوئی پلیٹ فارم تھا۔ نہ کوئی پرچم تھا اور نہ کوئی ہمارا نصب العین! آپ نے ہمیں ایک جھنڈے کے نیچے ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا۔ اور اب ہمارے سامنے پاکستان کا اعلیٰ وارفع نصب العین ہے"۔

پیرپور رپورٹ

کانگرس وزارتیں جو مظالم مسلمانوں پر ڈھا رہی تھیں۔ ان کا ذکر اخبار میں آتا رہتا تھا اور مسلم قائدین کی طرف سے ان کا ردعمل اور مذمت بھی ہوتی رہتی تھی۔ پنڈت نہرو نے قائداعظم سے اس بارے میں خط و کتابت کی اور ان حقائق کو بے بنیاد قرار دیا اور اردو اخبارات کو اس کا ذمہ قرار دیا۔ قائداعظم نے راجہ سید محمد مہدی آف پرکورٹ کی قیادت میں ۲۰ مارچ ۱۹۳۸ء کو ایک کمیٹی مقرر کر دی۔ جس کے ممبران میں سید محمد اشرف احمد، خان بہادر، حاجی رشید احمد، میاں غوث الدین ایم۔ ایل۔ اے مولوی عبدالغنی ایم۔ ایل۔ اے۔ سید حسن ریاض، سید تقی ہادی، سید ذاکر علی اور اے بی حبیب اللہ شامل تھے۔ اس کمیٹی نے ۱۵ نومبر ۱۹۳۸ء کو مسلم لیگ ہائی کمان کو اپنی رپورٹ پیش کر دی۔ جس کو پیر رپورٹ کا نام دیا گیا۔ اس رپورٹ کی اشاعت نے کانگریس کے پراپیگنڈے کی قلعی کھول دی اور کانگریس اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود مسلمانوں کو ورغلانے میں ناکام رہی۔

کانگریس حکومت کے دوران مسلم لیگ کی جدوجہد

۱۹۳۸ء کے انتخابات میں کانگریس کی حیثیت کے بعد کانگریس کا مسلمانوں کے ساتھ جو رویہ رہا وہ ان کے لئے ایک عبرتناک تازیانے سے کسی صورت بھی کم نہ تھا۔ مسلمانوں نے ہندوؤں کو ووٹ دے کر جس پشیمانی کا مظاہرہ کیا وہ مسلم لیگ کی آئندہ دو سالوں میں وسعت اور مقبولیت سے واضح رہے۔ ہندوؤں کا خیال یہ تھا کہ کانگریس کی لادینیت کا لبادہ اوڑھ کر ہم تمام مسلمانوں کو اپنے دام فریب میں لے آئیں گے اور مکر کے آہنی پنجوں میں جکڑ ان کی شہ رگ تک کا خون پئیں گے اور ان سے گزشتہ کئی صد سالہ عہد حکومت کا خمیازہ اٹھوائیں گے۔ لیکن قدرت کو ان کی مکاری زیادہ دیر تک پسند نہ آئی۔ مسلم لیگ نے بھی اپنی خامیوں کو اچھی طرح پرکھ لیا تھا اور اس کے رہنماؤں نے ان کوتاہیوں کو دور کرنے کا ایک جامع پروگرام بنایا۔ کانگریس کے دوران حکومت میں مسلم لیگ کی توجہ اب دو محاذوں کی طرف تھی۔ ایک محاذ ان حالات کو جو کانگریس کی حکومت کی وجہ سے پیدا ہو رہے تھے اور جن کی بناء پر مسلمانوں پر دن بدن سختیاں بڑھتی جا رہی تھیں اور ان کے عقائد کا مذاق اڑایا جا رہا تھا اور دوسری طرف ان اقدامات پر غور کرنا تھا جن کے تحت مسلم لیگ کو مزید مقبول طاقتور اور استوار بنانے کے ذرائع اختیار کئے جا رہے تھے

Marfat.com

اس دور میں مسلم لیگ کے پاس تین عظیم ترین شخصیتیں تھیں۔

اوّل۔ قائداعظم دوم۔ علامہ اقبال اور سوم۔ نواب راجہ صاحب محمود آباد

ان تینوں اکابرین نے سر جوڑ کر مسلم لیگ کی مقبولیت کے لئے ذرائع تلاش کئے اور زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کو مسلم لیگ میں شامل کرنے کا عمل پروگرام بنایا۔ چنانچہ فیصلہ ہوا کہ مسلمانوں کو حقائق سے آگاہ کرنے کے لئے مندرجہ ذیل صورتیں اختیار کی جائیں۔

۱۔ جلسوں کا انعقاد ۲۔ جلوسوں کی رہنمائی ۳۔ مختلف شہروں میں مسلم لیگ سے ملاقاتیں

۴۔ کانگریس کی سہکاریوں کی واضح تشہیر ۵۔ مختلف جماعتوں کے لیڈروں سے بالواسطہ یا بلاواسطہ رابطے

چنانچہ سب سے پہلے ۱۳ اکتوبر ۱۹۳۷ء کو قائداعظم نے راجہ صاحب محمود آباد کے کہنے پر لکھنو میں ایک جلسے کا انعقاد کا بندوبست کیا۔ اس اجلاس کی کامیابی کے لئے ہزاروں مسلم لیگی مسلمان جلسہ گاہ میں پہنچنے کے لئے لکھنو پہنچ گئے۔ جلسے کی اس قدر عظیم سطح پر تیاریوں کو دیکھ کر کانگریس کے منہ میں جھاگ آنے لگی اور انہوں نے جلسے کو ناکام کرنے یا اس کو منعقد نہ ہونے کی کوششیں شروع کر دیں۔ یہاں تک کہ خبریں عام ہوئیں کہ جس وقت قائداعظم جلسہ گاہ کے پنڈال پر تقریر کرنے کے لئے کھڑے ہوں گے۔ ان کے پنڈال کو آگ لگا دی جائے گی اور قتل کر دیا جائیگا۔ اس کے علاوہ پوری جلسہ گاہ میں موجود اور حاضر لوگوں پر شدید پتھراؤ کیا جائے گا۔ لیکن قائداعظم نے ان خبروں کے سننے کے باوجود اپنے ارادے میں ذرا برابر تبدیلی نہ کی اور بڑی جرأت مندی کے ساتھ وہ جلسہ گاہ میں تشریف لائے اور للکار کر ان گیدڑوں کو پکارا جو کئی دنوں سے بھبکیاں دے رہے تھے۔ جلسہ نہایت کامیاب رہا اور قائداعظم نے جم کر ایک زبردست جذبات انگیز تقریر کی۔ جس سے تمام مسلمانوں کے گوشہ ہائے ہوش کھل گئے۔

اسی دن سے یوپی میں کئی افراد کانگریس کو چھوڑ کر مسلم لیگ میں شامل ہونے لگے۔ اس کے بعد قائداعظم نے جلسوں میں خطاب کرنے کی مہم کو اور تیز کر دیا اور ۳ نومبر ۱۹۳۷ء کو بمبئی میں عظیم الشان جلسہ میں روح پرور تقریر کی۔ اس تقریر میں قائداعظم نے ان جھوٹے وعدوں کی نقاب کشائی کی جس کے تحت کانگریس نے مسلمانوں سے ووٹ حاصل کر کے انتخاب جیتا تھا اور جو بعد ازاں ان کے مفادات کو مسل دینے کا موجب بنی۔

قائداعظم نے عوام پر واضح کر کہ کانگریس کبھی مسلمانوں کے مفادات کا تحفظ نہیں کر سکتی۔ اگر مسلمانوں کی افادیت کی فکر رکھنے والی کوئی جماعت ہے تو وہ صرف مسلم لیگ ہے اس لئے کہ مسلم لیگ صرف مسلمانوں کی جماعت ہے۔ اس میں کسی قسم کی آمیزش نہیں۔ انہوں نے انگریزوں کو بھی متنبہ کیا کہ اس کی کانگرسی پروری اس کے ہندوستان میں زیادہ دیر تک قدم جمائے رکھنے میں ممد نہیں ہوگی کیونکہ کانگریس ایک ایسی جماعت ہے جسے ہوس ملک گیری لاحق ہے۔ اور وہ اپنی تسکین ہونے تک اس ہوس کی تکمیل کے لئے شکار ڈھونڈتی رہے گی اور انگریز کو کبھی یہ تصور نہیں کرنا چاہئے کہ ہندو کی پرورش کر کے وہ مسلمانان ہند کے عزائم میں کوئی فرق نہیں ڈال سکے گا۔

Marfat.com

قائداعظم نے کہا کہ اگر کانگریس یہ چاہتی ہے کہ ملک کو جلد از جلد آزاد کرایا جائے اور انگریز کو یہ موقع نہ دیا جائے کہ وہ زیادہ دیر تک ہندو مسلم فسادات کا تماشہ دیکھتا رہے تو اسے چاہئے کہ مسلم لیگ کو مسلمانوں کی واحد جماعت کی حیثیت سے تسلیم کرے اور اس کے ساتھ مشترک النظریات ہو کر انگریز کو نکال باہر پھینکنے میں مدد و معاون ہو۔ لیکن کانگریس کے لئے مسلم لیگ یہ باتیں زہر قاتل معلوم ہوتی تھیں۔ وہ ان جلسوں کی زبردست کامیابیوں سے بہت پریشان ہو چکی تھی۔ اندیشہ لاحق ہو گیا تھا کہ مسلم لیگ کا پلیٹ فارم دن بدن وسیع اور مضبوط ہوتا جا رہا ہے جس سے نہ صرف کانگرس کو ضعف پہنچ رہا ہے بلکہ کانگریس کے دشمن کو قوت ملتی جا رہی ہے۔ اس کے بعد مارچ ۱۹۳۸ء میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس پٹنہ میں ہوا۔ اس اجلاس کے انعقاد سے بیشتر وہاں کے عوام کو خبر مل چکی تھی۔ اور لکھنو اور بمبئی کے جلسوں میں مسلم کو عالیشان کامیابیاں حاصل ہوئیں تھیں اور جن خیالات کا اظہار قائداعظم نے ان جلسوں میں کیا تھا اب مسلم لیگ فعال جماعت بن گئی ہے اور اب یہ کچھ نہ کچھ کر چھوڑے گی۔ اس کے ساتھ مزید دشمنی کانگریس کی نذیر کمزوری کا باعث ہوگی۔ اس لئے جس قدر جلدی ہو سکے قائداعظم کا منہ بند کیا جائے اور ان سے مذاکرات کئے جائیں۔

یہ جلسہ کانگریس کے لئے زیادہ تشویش کا باعث اس لئے بھی ہوا کہ مسلم لیگ کی طرف سے اس ایک آٹھ رکنی کمیٹی تشکیل دی گئی۔ جسے کانگریس کی طرف سے کئے گئے غیر آئینی اقدامات اور دیگر مظالم کی تحقیقات کر کے اپنی رپورٹ پیش کرنا تھی۔ اس کمیٹی کے سربراہ نواب راجہ سید محمد مہدی آف میر پور سٹیٹ تھے۔ اس کمیٹی نے جب اپنی رپورٹ پیش کی تو اس کو شائع بھی کر دیا گیا۔ اس طرح کانگریس کی تمام بدکرداریاں منظر عام پر آ گئیں جو انگریزوں کی نظروں میں بھی کانگریس کی ذلت کا باعث بنیں۔ یہ رپورٹ کانگریس کے بھانڈے کو چوراہے میں پھوڑنے کا باعث ہوئی لیکن ڈھیٹ قوم اس قدر کھسیانی ہو گئی کہ ان حقائق کی توضیح پیش کرنے کے بجائے ایسا راستہ اختیار کرنے لگی جس سے مسلمانوں کے جذبہ شوق میں کمی واقع ہو جائے یعنی انداز گفتگو میں اور لیڈروں کے لہجے میں نرمی آ گئی۔ لیکن دل اور کردار میں کوئی فرق نہ آیا۔

۱۹۳۸ء میں قائداعظم نے سندھ کا بھی دورہ کیا اور وہاں جگہ جگہ لوگوں کے اجتماعات کو مخاطب کر کے مسلم لیگ کی عظمت اور کانگریس کی فطرت سے آگاہ کیا اور پورے سندھ کو اس بات پر متفق کر لیا کہ ہندو اور مسلمان دو ایسی قومیں ہیں جو ہر لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور یہ اب زیادہ دیر تک اکٹھی ہرگز ہرگز نہیں رہ سکتیں۔ سندھ کے مختلف مقامات کے اجلاس میں قائداعظم نے نہایت واضح انداز میں بتایا۔ ہندوؤں کے نظریہ حیات اور ہے اور مسلمان قوم کا نظریہ زندگی کچھ اور دونوں کے نظریات میں بعد المشرقین ہے اور یہ آپس میں کبھی نہ ملنے والی اقدار و روایات کی مالک قومیں ہیں۔ اس لحاظ سے قائداعظم نے پہلی دفعہ مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے دو قومی نظریہ کا اعلان کیا۔ دو قومی نظریئے کے اعلان نے کانگریس کے رہے سہے سکون میں ہل چل مچا دی۔

جلسوں اور جلوسوں کے انعقاد کی اسکیم اس قدر مفید ثابت ہوئی کہ مسلم لیگ کو تازہ روح اور نئی حیات مل گئی۔ اس میں ایک ایسی قوت پیدا ہوئی۔ جس سے کانگریس جیسی جماعت کو سوچنا پڑا کہ اب مسلم لیگ کے سیلاب کو روکنے کی کارروائیاں پہلے

Marfat.com

سے مختلف انداز میں کرنی چاہئیں۔ دوسرے لفظوں میں کانگریس جب مسلم لیگ کو نقصان پہنچانے میں بالکل ناکام رہی تو وہ قائد اعظم سے بات چیت کرنے اور خط و کتابت پر مجبور ہو گئی۔

خط و کتابت

مہاتما گاندھی نے قائداعظم کو ایک طویل خط لکھا جس میں بہت سے گلے شکوے کئے گئے۔ قائداعظم نے اس خط کا جواب نہایت سنجیدگی سے دیا۔ مہاتما گاندھی نے یہ خط ۱۹ اکتوبر ۱۹۳۷ء کو لکھنو جلسے کی کاروائی سن کر بگاؤں سے لکھا جس میں انہوں نے کہا تھا کہ: ''جس طرح میں نے اسے پڑھا ہے آپ کی پوری تقریر اعلان جنگ ہے''۔

قائداعظم نے اس خط کا جواب ۵ نومبر ۱۹۳۷ء کو دیا اور لکھا: ''مجھے افسوس ہے کہ میری لکھنو کی تقریر کو اعلان جنگ سمجھتے ہیں۔ وہ بالکل حفاظت خود اختیاری میں ہے۔ مہربانی کر کے اسے دوبارہ پڑھئے اور سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ گذشتہ سال میں جو واقعات پیش آئے ہیں۔ ان پر آپ کی نظر نہیں رہی''۔

اسی دوران پنڈت جواہر لال نہرو نے بھی قائداعظم سے خط و کتابت کا سلسلہ شروع کیا۔ انکے مراسلات کا مقصد یہی تھا کہ ہم آپس میں بیٹھیں اور کوئی مفاہمت کر لیں۔ قائداعظم نے انہیں بھی یہی شرط پیش کی کہ کانگریس پہلے مسلم لیگ کی نمائندہ حیثیت کو تسلیم کرے۔

نہرو کا تکبر

پنڈت نہرو ایک خالص ترین برہمن تھا اس میں تمام وہ صفات پائی جاتی تھیں جو ایک میل برہمن میں ہونی چاہئے۔ یعنی زبان کا ہے بے حد شیریں دل کا مکمل خودغرض۔ مطلب برآری کے لئے ذاتی ذلت کو عین خدمت تصور کرنا اور وقت نکل جانے پر پورا اوراحتوطا چشم، کمزور کے سامنے بے خوف تاکہ بلائی حیثیت رکھے اور اپنے سے طاقتور کے سامنے۔ جس سے کوئی مطلب نکلتا نظر آتا ہو اس کی مبالغہ خوشامد اور جس سے کسی قسم کا کوئی سروکار دکھائی نہ دے اس سے سخت نفرت قوت کے ہاتھ میں آجانے کے بعد خود کو اتنا مد ہوش طاقت کر لینا کہ ماحول سے اٹکیلیاں لینے لگنا۔ ان تمام صفات کا مصداق بندہ نہرو عملی طور پر قائداعظم کے سامنے آ گیا۔ اور شرمندگی اور خجالت کا طوق گلے میں ڈال کر واپس لوٹا۔

جب کانگریس کی جماعتیں قائم ہوئیں اور مسلم لیگ اسمبلی میں حزب اختلاف کی نشستوں پر بیٹھی تو انہیں حزب اختلاف کی نشستوں پر بیٹھے دیکھ کر پنڈت جواہر لال نہرو نے اس میں تصور کرتے ہوئے دعویٰ کیا کہ ہندوستان میں صرف دو سیاسی جماعتیں ہیں۔ ایک کانگریس اور دوسری گورنمنٹ آف گریٹ برٹن۔ اس پر قائداعظم نے فی الفور جواب دیا کہ یہ سراسر غلط ہے۔ ہندوستان میں تین سیاسی جماعتیں ہیں۔ ایک مسلم لیگ، ایک کانگریس اور حکومت برطانیہ۔

انہیں دنوں یوپی میں پانچ ضمنی انتخابات ہونے والے تھے۔ قائداعظم نے اعلان کر دیا کہ اگر کانگریس کو اپنی واحد نمائندہ جماعت ہونے کا اتنا ہی زعم ہے تو میں چیلنج کرتا ہوں کہ وہ ان پانچوں ضمنی نشستوں کے ضمنی انتخابات مسلم لیگ کے

Marfat.com

امیدواروں کے سامنے اپنے کانگریسی امیدوار کھڑے کر کے دیکھ لے اور انتخابات جیت کر دکھائے۔ پنڈت جی نے یہ چیلنج قبول کرتے ہوئے پانچوں نشستوں پر امیدوار کھڑے کیے۔ قدرت خدا کی دیکھئے ان پانچوں پر کانگریس کے امیدواروں کو بری طرح شکست ہوئی اور پانچوں مسلم لیگی امیدوار کامیاب ہوگئے۔ انتخابات کے نتیجے پر پنڈت جی کھسیانے ہو کر خط وکتابت کی راہ پر نکلے۔ ادھر تو پنڈت جی بھی قائداعظم کے ساتھ مراسلہ نگاری کا سلسلہ شروع کر دیا۔ ادھر رابطہ مہم کا آغاز کر دیا۔

پنڈت کے بعد کانگریس کی صدارت سوبھاش چندر بوس نے سنبھالی مسٹر سوباش چندر بوس مسلم لیگ کی کامیابی اور اس کی مقبولیت سے بخوبی آگاہ تھے سوبھاش چندر نے انہیں خطوط پر خط کتابت کی جن پر ان کے پیش رو کر رہے تھے۔

اس مقصد پر لانے کے لئے قائداعظم نے سوبھاش چندر بوس کو ایک خط میں تحریر کیا: "کانگریس نے مسلم لیگ کی حیثیت کو دراصل ۱۹۱۶ء میں تسلیم کر لیا تھا۔ حیرت ہے کہ وہ کون سے اسباب ہیں جن کی بناء پر کانگریس اپنے فیصلے سے پھر گئی ہے"۔

سوبھاش چندر نے اس کے جواب میں لکھا کہ: "آپ کے خط کے سیاق وسباق سے نہ مفہوم واضح ہوتا ہے کہ مسلم لیگ اس بات کی توقع نہیں ہے کہ کانگریس اسے ایک الگ مسلم تنظیم تسلیم کرے اس لئے میں آپ کو خوش خبری دیتا ہوں کہ کانگریس کی مجلس عاملہ مسلم لیگ کی مقررہ کمیٹی سے گفتگو کرنے کے لئے تیار ہے"۔

علامہ اقبال کی وفات

ابھی مسل لیگ کی تنظیم نو کا سلسلہ پورے جوش وخروش سے جاری تھا۔ پنجاب میں علامہ اقبال اپنی پوری قوت دانش سے قوت افرنگ کے جن کو گرائے میں مصروف تھے اور پوری قوم میں نئی روح پھونکنے میں لگے ہوئے تھے کہ اچانک ان کی طبیعت خراب ہوگئی۔ بستر علالت پر بھی انہوں نے قائداعظم کے ساتھ رابطہ قائم رکھا اور مسلم لیگ کی مضبوطی اور ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے ایک علیحدہ وطن حاصل کرنے کی کوشش کو تیز کرنے کے لئے پوری جان فشانی سے مصروف رہے۔ اس کثرت کار کی بنا پر ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء کو علامہ اقبال کا لاہور کے مقام پر انتقال ہوگیا۔ علامہ اقبال کی رحلت پوری ملت بیضاء، کے لئے ناقابل تلافی نقصان تھا۔ قائداعظم کو جب ان کے انتقال کی خبر ملی تو ان پر سکتے کا عالم طاری ہوگیا۔ اور بے ساختہ ان کے منہ سے اعلیٰ ترین دانش ور ایک قابل قدر قومی رہنما جس نے اپنی نظموں اور خیالات سے پوری قوم میں نئی روح پھونکی تھی۔ ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہوگیا۔

مولانا شوکت علی کی وفات

مولانا شوکت علی تحریک خلافت کی ناکامی کے بعد مسلم لیگ کے ساتھ منسلک ہوگئے تھے اور ملک فعال، اہم اور مخلص کارکن بن گئے تھے۔ ۱۹۳۸ء کے ماہ نومبر میں آپ نے اس جہان فانی سے رحلت فرما کر پوری ملت اسلامیہ میں ایک زبردست خلاء پیدا کر دیا۔

Marfat.com

مسلم لیگ نے ۱۹۳۷ء سے ۱۹۳۹ء تک جس قدر محنت سے کام کیا اور اس کے رہنماؤں نے جس حوصلہ مندی سے قدم بڑھانے اس کی مثال اقوام کی زندگیوں میں بہت کم ملتی ہے۔ دو سال کے عرصہ میں اس جماعت نے تکبر و حاکم جماعت سے اپنی عظمت کا لوہا منوالیا۔ اس اعتراف عظمت کا سہرا دراصل قائداعظم محمد علی جناح کے سر پر تھا۔ جنہوں نے ہر ایک کانگریسی لیڈر کو اس کی بساط کے مطابق دیا دلائل سے انہیں قائل کیا۔ اور مسلمانوں کو حقیقت کی قبولیت کی طرف مائل کیا۔ اس طرح ان دو سالوں کو عرصہ مسلم لیگ کی زندگی میں ایک نئی روح پیدا کرنے کا دور تھا۔ جو قوت ان دو سالوں میں اسے حاصل ہوئی اس کی مدد سے بالآخر یہ ایک نیا ملک حاصل کرنے میں کامیاب ہوئی۔

اسلامی تہذیب کے داعی

قائداعظم ''اسلامی تہذیب'' کو عظیم ورثہ تصور کرتے تھے اور زندگی بھر اس کے احیا اور اس کی ترویج و اشاعت کے لئے کوشاں رہے۔ اگر انہیں مہلت ملتی تو وہ یقیناً اسلامی تہذیب اور اسلامی ثقافت کو پاکستان میں رائج کرتے۔

22 مارچ 1939ء کو مرکزی مقننہ میں مسودہ قانون مالگزاری پر بحث کرتے ہوئے آپ نے فرمایا: ''میں تمہیں بتائے دیتا ہوں۔ تم دونوں کو، کہ تم تنہا۔ یا یہ ادارہ تنہا۔ یا تم دونوں متفق ہو کر بھی ہماری روح کو فنا کرنے میں کامیاب نہ ہو پاؤ گے۔ تم اس تہذیب کو مٹا نہ سکو گے۔ اس اسلامی تہذیب کو جو ہمیں ورثہ میں ملی ہے ہمارا تو ایمان زندہ ہے زندہ رہا ہے اور زندہ رہے گا۔ تم ہمیں مغلوب کرو، ہم پر ظلم و تعدی کرو، ہمارے ساتھ بدترین سلوک روا رکھو۔ ہم ایک نتیجہ پر پہنچ چکے ہیں اور ہم نے یہ سنگین فیصلہ کر لیا ہے کہ اگر ہمیں مرنا ہی ہے تو لڑتے لڑتے مر جائیں گے''

اسی طرح 3 جنوری 1941ء کو انجمن ترقی مسلمین اور مجلس مسلم نوجوانان بمبئی کے ایک مشترکہ اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا: ''میں سارے ہندوستان پر اقتدار حاصل کرنے کے لئے نہیں کھڑا ہوں اور نہ ہی ہندوؤں پر اقتدار حاصل کرنے کے لئے کوئی سازش کر رہا ہوں میں ایسے منصوبے ہرگز نہیں رکھتا۔ مسلم لیگ جو کچھ چاہتی ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ ان دو لفظوں میں جسے وہ اپنا وطن سمجھتی ہے، اپنی حکومت قائم کرنے اور ''اپنی تہذیب و تمدن'' کو ترقی دینے کا موقع ملے'' (2)

اسلام مساوات، رواداری کا حامل اور انصاف پسند مذہب ہے۔ یہ اخوت، بھائی چارے اور مواخات کی تلقین کرتا ہے اور کسی کے حق کو غصب کرنے کو سخت ناپسند کرتا ہے۔ قائداعظم پاکستان میں یہی اصول نافذ کرنا چاہتے تھے اس بات کا اظہار انہوں نے متعدد بار کیا۔ اپریل 1941ء میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ مدراس میں اپنے خطبہ صدارت میں آپ نے فرمایا: ''مجھے یقین ہے کہ جب وقت آئے گا تو ہمارے وطن کے منطقوں میں آباد اقلیتیں دیکھیں گی کہ ہمارے مسلمان حاکم نہ صرف منصف ہیں بلکہ فیاض بھی اور کیوں نہ ہو اسلام، کی روایات ہی ایسی ہے۔ اسلام یہی سکھاتا ہے اور اس نے اپنے پیروؤں کی ایسی ہی وراثت دی ہے''

اپریل 1941ء میں مدراس میں تقریر کرتے ہوئے قائداعظم نے اسلامی تہذیب و ثقافت رواداری اور تعلیمات

Marfat.com

کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا: ''اقلیتیں جہاں بھی ہوں ان کے تحفظ کا انتظام کیا جائے گا میں نے ہمیشہ یقین کیا۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ میرا ایقان غلط نہیں۔ کوئی حکومت اور کوئی مملکت اپنی اقلیتوں کو اعتماد اور تحفظ کا یقین دلائے بغیر کامیابی کے ساتھ ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکتی۔ کوئی حکومت ناانصافی اور جانب داری کی بنیادوں پر کھڑی نہیں رہ سکتی اقلیت کے ساتھ ظلم و تشدد اس کی بقا کا ضامن نہیں ہو سکتا۔ اقلیتوں میں انصاف و آزادی امن و مساوات کا احساس پیدا کرنا ہر انتخابی حکومت کی بہترین آزمائش ہے۔ اس خصوص میں ہم دنیا کے کسی متمدن ملک سے پیچھے نہیں رہ سکتے مجھے یقین ہے کہ جب وقت آئے گا تو ہمارے ملکی خطوں کی اقلیتوں کو ہماری روایات ثقافت اور اسلامی تعلیم سے نہ صرف انصاف و صداقت ملے گی بلکہ انہیں ہماری کریم النفسی اور عالی ظرفی کا ثبوت بھی مل جائے گا۔ ہم مول تول نہیں کرتے۔ ہم لین دین کے عادی نہیں ہم صرف عمل پر یقین رکھتے ہیں اور صرف تدبر اور عملی سیاست پر اعتماد رکھتے ہیں''

اسلام عدل و انصاف، مساوات اور رواداری کی تعلیم دیتا ہے قائد اعظم اسلام کے زریں اصولوں کی ترویج کرنا چاہتے تھے 2 نومبر 1941ء کو انجمن اتحاد طلباء جامعہ اسلامیہ علی گڑھ کے اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا: ''مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ چھوت چھات صرف انہیں مذہب اور انہیں کے فلسفہ میں جائز ہے ہمارے ہاں ایسی کوئی بات نہیں۔ اسلام انصاف، مساوات معقولیت اور رواداری کا حامل ہے بلکہ جو غیر مسلم ہماری حفاظت میں آجائیں ان کے ساتھ فیاضی کو بھی روا رکھتا ہے۔ یہ لوگ ہمارے بھائی ہیں اور اس ریاست میں وہ شہریوں کی طرح رہیں گے۔

جہاں تک مسلم ہندوستان کا تعلق ہے ہم نے خود ہی ایک ''منشور'' ترتیب دیا ہے اور وہ ''پاکستان'' ہے۔ ہم اپنے منشور کے بارے میں یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ اس کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دیں گے۔ ہمارے مخالفین اپنے دل و دماغ سے یہ خیال نکال دیں کہ یہ کوئی بازاری لین دین ہے یا کوئی چلتا ہوا فقرہ ہے۔

قائد اعظم نے یکم جولائی 1942ء کو ایسوسی ایٹڈ پریس آف امریکہ کو انٹرویو دیتے ہوئے ''اسلامی تہذیب و تمدن'' کے بارے میں فرمایا: ''ہم مسلمان اپنی تابندہ تہذیب اور تمدن کے لحاظ سے ایک قوم ہیں۔ زبان و ادب فن لطیف و فن تعمیر، نام و نسب، شعور اقتدار و تناسب، قانون و اخلاق رسم و رواج، تاریخ و روایات اور رجحان و مقاصد ایک لحاظ سے ہمارا انفرادی زاویہ نگاہ اور فلسفہ حیات ہے۔ بین الاقوامی قانون کی ہر تعریف ہماری قومیت کو اسلامی دینے کے لئے تیار ہے''۔

قائد اعظم اسلام کی ''نشاۃ ثانیہ'' کے علمبردار تھے اور ''پاکستان'' کو اس کا ''گڑھ'' سمجھتے تھے۔ ان کا مطالبہ پاکستان درحقیقت ایک ایسا مطالبہ تھا جس کے پورا ہونے کے بعد مسلمان اسلامی روایات اور اسلامی اقدار کو اپنا کر زندگی بسر کر سکیں۔ وہ پاکستان کے لئے ایک ایسا خطہ زمین میں چاہتے تھے۔ 2 نومبر 1942ء کو قائد اعظم نے اتحاد طلباء جامعہ اسلامیہ علی گڑھ کے ایک جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا: ''یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ تقریباً ایک ہزار سال سے ہندوؤں نے ملک کے کسی قابل ذکر حصہ پر حکومت نہیں کی ہے ہماری تجویز کی رو سے تین چوتھائی ہندوستان ان کو دیا جا رہا ہے، جہاں وہ اپنی حکومت قائم کر سکتے ہیں میں نے ان سے اپیل کہ وہ حریص نہ بنیں لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہیر پھیر سے سارے ملک کو ہتھیا لینا چاہتے ہیں۔

Marfat.com

میں کہتا ہوں کہ یہ تین چوتھائی لے لو اور میری ایک چوتھائی پر حسد نہ کرو۔ مجھے ''اسلامی تاریخ'' کی روشنی میں اپنی روایات، اپنی ثقافت اور اپنی زبان کو برقرار رکھتے ہوئے زندگی بسر کرنے دو اور تم بھی اپنے منطقوں میں یہی کرو۔ آؤ اس طرح ہم امن کے ساتھ گزر بسر کریں۔ اعتقاد، اتحاد اور تنظیم کو اپنا اصول بنانے کی میں نے گزشتہ مرتبہ اپیل کی تھی۔ اگر تم زندہ رہنا چاہتے ہو اور اپنی متاع عیز زاس بیش بہا ''وراثت اسلامی'' کو محفوظ رکھنا چاہتے ہو تو اب اور اسی وقت اس کا عہد کرلو اور کام کا آغاز کردو اور کیسے ہی جاؤ۔ مسلم لیگ کو منظم کردو۔ یہی تمہارے آخری محرکات ہیں اور یہی تمہارے آخری اور قطعی اسلحہ بھی ہیں جو تم بنا سکتے ہو۔ اگر تم میں بے غرضی، باہمی تعاون، جذبہ خدمت اور مل جل کر کام کرنے کی صفات پیدا ہو جائیں تو اس کرہ ارضی کی کوئی طاقت تمہیں دبا نہیں سکتی''۔

قائداعظم نئی پود یعنی طلباء پر زور دیتے تھے کہ وہ اسلامی روایات کو اپنائیں اور اپنا اوڑھنا بچھونا بنائیں وہ زمانہ طالب علمی میں طلباء کو سیاست میں حصہ لینے سے باز رکھنا چاہتے تھے۔ 15 نومبر 1942ء کو کل ہندو وفاق مسلم طلباء کے سالانہ اجلاس بمقام جالندھر میں تقریر کرتے ہوئے قائداعظم نے فرمایا: ''میں آپ کو متنبہ کردوں کہ جب تک آپ کا سلسلہ تعلیم جاری ہے، آپ کی سیاسی سرگرمیاں صرف نظری ہونی چاہئیں موجودہ سیاسی جدوجہد میں جو اس وقت ملک میں جاری ہے عملی حصہ لینے سے طلباء کو احتراز کرنا چاہئے۔ آپ ہندوستان کے مسلمان طلباء کی اس طرح تنظیم کیجئے کہ وہ اپنے مفادات کو تحفظ کے لئے ایک نقطہ پر جمع ہو جائیں اور ملت اسلامیہ کی معاشرتی، اقتصادی اور تعلیمی وارتقاء کے لئے تعمیری لائحہ عمل ترتیب دیں۔ ثقافت اسلامی اور تعلیمات محمدی کا احیاء کریں اور ہندوستان کے مختلف اقوام وملل کے درمیان بھائی چارہ اور خیر سگالی کے احساسات کو ترقی دیں۔

''مجھے یقین ہے۔ مسلمان ذیلی جماعت قومی نہیں ہیں بلکہ ایک قوم ہیں حق خود ارادیت کا مطالبہ ان کا پیدائشی حق ہے''

مسلمان وہ ہے جو ہمیشہ راضی بارضا ہے۔ اس کا مرنا جینا سب خداوند کریم کی خوشنودی کی خاطر ہو۔ اپریل 1946ء میں انگریزوں نے سازش کی اور بظاہر یہ امکان پیدا کردیا کہ ''پاکستان'' نہیں بننے دیا جائے گا تو قائداعظم نے مرکزی اسمبلی اور تمام مجالس آئین ساز کے مسلم ممبروں کا ایک کنونشن دہلی میں بلایا اور ایک مرتبہ پھر مطالبہ پاکستان کا اعادہ کیا اور ساتھ ہی ساتھ سب نے ایک حلف نامے پر دستخط کئے۔ یہ حلف نامہ تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ للہ رب العالمین

کہہ دو کہ میری نماز، میری قربانی، میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔

میں ۔۔۔۔رکن مسلم لیگ پارٹی صوبائی لیجسلٹو اسمبلی کونسل صوبہ۔۔۔۔۔ اپنے اس پختہ عقیدہ کا اعلان کرتا ہوں کہ برکوچک ہند میں بسنے والی قوم کی نجات، اس کی سلامتی اس کا تحفظ اور اس کا مستقبل حصول پاکستان میں مضمر ہے اور پاکستان ہی اس وسیع برکوچک کے پیچیدہ دستوری مسائل کا حل۔۔۔۔ باوقار اور معقول حل ہے اور اسی کے ذریعہ یہاں بسنے والی

Marfat.com

تمام قوموں اور فرقوں کو دامن آزادی اور خوشحالی حاصل ہو سکتی ہے۔

میں بہ صمیم قلب اقرار کرتا ہوں کہ اس مقصد عزیز یعنی پاکستان کو حاصل کرنے کے لئے آل انڈیا مسلم لیگ کی طرف جو تحریک بھی روبہ عمل میں لائے جائے گی اور اس سلسلہ میں ہدایات و احکام جاری کیئے جائیں گے میں بلا پس و پیش کمال رضامندی کے ساتھ ان کی پوری پوری تعمیل کروں گا اور اس امر کا یقین کامل رکھتے ہوئے کہ میرا مقصد و مدعا حق و انصاف پر مبنی ہے میں عہد کرتا ہوں کہ اس راہ میں جو خطرات اور آزمائشیں پیش آئیں گی اور جن قربانیوں کا مطالبہ ہوگا، انہیں برداشت کروں گا۔

ربنا افرغ علینا صبراً و ثبت اقدامنا وانصرنا علیٰ القوم الکفرین

اے پروردگار! ہمیں صبر واستقامت دے۔ ہمیں ثابت قدم رکھ اور قوم کفار پر ہمیں فتح ونصرت عطا فرما

دستخط۔۔۔۔۔۔

مورخہ۔۔۔۔۔۔

تمام اراکین مسلم لیگ نے ''حلف نامے'' پر دستخط کرنے کے بعد حصول پاکستان کی خاطر اپنی جانیں قربان کرنے اور ہر قسم کی قربانی دینے کا عہد کیا؛ اسی ''حلف نامے'' پر دوسروں کی طرح خود قائداعظم نے بھی دستخط ثبت فرمائے تھے۔ یہ بڑا اثر آفرین اور جذبات انگیز موقع تھا۔ ''حلف نامے'' پر دستخط کے بعد قائداعظم نے ایک ولولہ انگیز تقریر فرمائی جس میں ''مذہب اسلام'' کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار یوں فرمایا: ''ہم کسلیئے جدوجہد کر رہے ہیں؟ ہمارا نصب العین کیا ہے؟ ہمارا مقصد تنگ نظری اور تعصب نہیں۔ ہم ایسی مملکت کا قیام نہیں چاہتے جو تنگ نظری اور مذہبی تعصب پر قائم ہو۔ مذہب ہم کو انتہائی محبوب ہے۔ مذہب کے مقابلے میں تمام دنیاوی چیزیں ہمارے نزدیک کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔ لیکن بعض دوسرے امور بھی ناگزیر ہیں جو زندگی کے لئے اہم اور ناگزیر ہیں۔ مجلسی زندگی اور اقتصادی زندگی بھی قوم کے لئے ضروری ہوتی ہے۔ سیاسی قوت کے بغیر آپ اپنے مذہب کی بھی حفاظت نہیں کر سکتے اور آپ کی اقتصادی زندگی کا بھی تحفظ نہیں ہوسکتا۔ مسلمان اپنے ذاتی مفاد کو قومی مفاد پر قربان کر دیتا ہے۔ جب ملت کسی مشکل میں مبتلا ہوتی ہے تو اسے کسی پل چین نہیں آتا۔ وہ ہر کام خود عمل کر کے کروانے کی کوشش کرتا ہے۔ بہار کے مسلمانوں پر جب مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹے تو آپ بے قرار ہو گئے۔''

5 نومبر 1946 کو دہلی میں ''عید سعید'' کے اجتماع میں تقریر کرتے ہوئے قائداعظم نے فرمایا: ''بہار کی نازک حالت کے پیش نظر میں باغیت میں آرام نہ کر سکا۔ میں حالات کا جائزہ لے رہا ہوں جیسے ہی ضرورت ہوگی میں جہاز کے ذریعے بہار پہنچ جاؤں گا۔ میں جہاں کہیں جاتا ہوں یہی سنتا ہوں کہ قائداعظم ہم آپ کے حکم کے منتظر ہیں۔ میں تم کو بتانا چاہتا ہوں کہ میں اس وقت تک حکم نہیں دوں گا جب تک مجھے تمہاری تیاری کا پورا یقین نہ ہو جائے کیونکہ اگر میں ایسا کروں گا تو میں سالار

Marfat.com

نہیں غدار اور مجرم ہوں اس لئے میں کہتا ہوں کہ اپنی اندرونی حالت درست کرو۔ میں بہار کے لئے ایک امدادی کمیٹی بنا رہا ہوں اور ایک فنڈ کھول رہا ہوں۔ میں اپنی طرف سے ایک حقیر رقم پانچ ہزار روپے حبیب بینک، چاندنی چوک، دہلی میں جمع کرا رہا ہوں میں ہر مرد و عورت سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ بہار فنڈ میں چندہ دے"۔

مسلمان کی نشانی یہ ہے کہ وہ ملکی مفاد کو پیش نظر رکھے اور اس کی خاطر اپنے ذاتی مفاد کو قربان کر دے۔ قائداعظم نے زندگی بھر ملی مفاد عزیز رکھا اور جب اس جہان فانی سے کوچ کیا تو اپنی تمام جائیداد ملک وملت کے سپرد کرنے کی وصیت فرمائی۔ آپ نے انجمن اتحاد طلباء اینگلو عربک کالج دہلی میں مولانا شوکت علی مرحوم کی تصویر کی نقاب کشائی کرتے ہوئے اس امر کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: "اورنگ زیب روڈ پر میرا مکان خانگی حیثیت سے قابل رشک ہی سہی لیکن معتمدی فوج کا دفتر کہاں ہے؟ میری ساری کائنات ایک اٹیچی کیس، ایک ٹائپ رائیٹر اور ایک ذاتی مددگار پر مشتمل ہے۔ ان تمام دشواریوں کے باوجود میرا ایمان ہے کہ مسلمان کسی دوسرے فرقے کی نسبت "بہتر سیاسی دماغ" رکھتے ہیں۔ اور اک سیاسی مسلمانوں کے خون میں ملا ہوا ان کی رگوں اور شریانوں میں دوڑ رہا ہے۔ مسلم لیگ نے انہیں ایک پرچم، ایک لائحہ عمل اور ایک حکمت عملی دی ہے۔ اب مسلمان اپنی تنظیم کو وسیع اور استوار کریں"۔

کبھی ہم نے بھی کی تھی حکمرانی ان ممالک پر مگر وہ حکمرانی جس کا سکہ جان و دل پر تھا

اسلام اخوت، مساوات، مواخات اور رواداری کی تعلیم دیتا ہے انبیائے کرام، اولیائے عظام اور مصلحین اسلام کے انہیں سنہری اصولوں کی ترویج و ترقی کے لئے کوشاں رہے، قائداعظم بھی پاکستان میں اسلامی تعلیمات نافذ کرنا چاہتے تھے۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی تقریر کے جواب میں مجلس دستور ساز میں 14 اگست 1947ء کو آپ نے فرمایا: "غیر مسلموں کے ساتھ جو خیر سگالی اور رواداری کا برتاؤ کی ابتداء آج سے تیرہ سو سال پہلے ہمارے رسول ﷺ نے کر دی تھی۔ انہوں نے زبان ہی سے نہیں بلکہ عمل سے یہود و نصاریٰ پر فتح حاصل کرنے کے بعد نہایت اچھا سلوک کیا۔ ان کے ساتھ رواداری برتی اور ان کے عقائد کا احترام کیا مسلمان جہاں کہیں بھی حکمراں رہے ایسے رہے۔ ان کی تاریخ دیکھی جائے تو وہ ایسے ہی انسانیت نواز اور عظیم المرتبت اصولوں کی مثالوں سے بھری پڑی ہے جن کی ہم سب کو تقلید کرنی چاہئے۔

اسلام کا حکم ہے کہ "ہمیشہ حق کا ساتھ دو" ہمیشہ سچی بات کہو اور ہمیشہ دیانت، امانت اور صداقت پر عمل کرو۔ خیانت منصبی اقربا نوازی لعنت ہے، اس سے چھٹکارا حاصل کرو۔ قائداعظم کا بھی یہی نصب العین تھا اور وہ اس پر خود کاربند ہونا چاہتے تھے بلکہ اسلامیان ہند کو بھی ان سنہری اصولوں کا پابند دیکھنا چاہتے تھے۔ 14 اگست 1947ء کو مجلس دستور ساز سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے فرمایا: "اچھی اور بری دیگر چیزوں کیساتھ خیانت منصبی اور اقربا نوازی کی لعنتیں بھی ہمارے حصے میں آئی ہیں ہمیں ان برائیوں کو بیدردی سے کچل دینا چاہئے لیکن یہ امر واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ خیانت منصبی اقربا نوازی بالواسطہ یا بلا واسطہ مجھ پر اثر ڈلوانے کی کسی کوشش کو میں ہرگز برداشت نہیں کروں گا۔ جہاں مجھے معلوم ہوا کہ فلاں فلاں جگہ ایسا ہو رہا ہے تو پھر میں خواہ کتنا ہی بڑا یا چھوٹا کیوں نہ ہو، اسے ہرگز نہیں بخشوں گا"۔

Marfat.com

اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ غیر مذاہب کے لوگوں کے ساتھ یکساں اور مساوی سلوک کیا جائے، ان پر بے جا پابندی اور بندش یا قدغن نہ لگائی جائے۔ انہیں مذہبی آزادی حاصل ہو قائداعظم بھی پاکستان میں اقلیتوں کو ان کے جائز حقوق دینے کے حق میں تھے کیونکہ "لکم دینکم ولی دین" اسلام کی تعلیم ہے۔ 14 اگست 1947ء کو مجلس دستور ساز پاکستان سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے فرمایا: ''آپ آزاد ہیں۔ اپنے مندروں، مسجدوں اور دوسری عبادگاہوں میں جانے کے لئے آپ پاکستان کی مملکت میں بالکل آزاد ہیں۔ آپ کسی مذہب، فرقہ، عقیدہ سے تعلق رکھتے ہوں، اس کا کاروبار سلطنت سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ ہم اس بنیادی اصول سے اپنے نظام کا آغاز کر رہے ہیں کہ ہم سب ایک ہی مملکت کے شہری ہیں اور مساوی الحیثیت۔ ہمیں اس مسلک کو اپنے نصب العین کے طور پر سامنے رکھنا چاہیے پھر آپ دیکھیں گے کہ جیسے زمانہ گزرتا جائے گا نہ ہندو ہندو رہے گا اور نہ مسلمان مسلمان۔

مذہبی اعتبار سے نہیں کیونکہ یہ تو ذاتی عقائد کا معاملہ ہے۔ بلکہ سیاسی لحاظ سے ہم سب ایک ہی مملکت کے شہری ہو جائیں گے۔ اسلام مسلمانوں کو اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ دشمن سے انتقام لو تلوار سے نہیں رواداری سے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے بھی اپنے بدترین دشمنوں کے ساتھ یہی سلوک کیا تھا۔ قائداعظم نے انہی اسلامی تعلیمات کی ترویج واشاعت پر زور دیتے ہوئے 24 اگست 1947ء کو فرمایا: ''میں پاکستان کے ہر مسلمان مرد اور عورت سے کہتا ہوں کہ وہ اپنے موجودہ غم واندوہ کے سیلاب میں نہ بہہ جائیں۔ انہوں نے اپنی قومی سلطنت قائم کرنے کے لئے بہت دکھ اٹھائے ہیں اور قربانیاں دی ہیں۔ اب یہ انہی کا کام ہے کہ اس کی تعمیر کریں تاکہ بہت جلد دنیا کی سب سے بڑی اسلامی ریاست کہلانے کے اہل ثابت ہوسکیں۔ اور اقوام عالم میں اپنے لئے ایک معزز مقام پیدا کرسکیں دوسری طرف صرف اسی صورت سے ہم قتل وغارت گری کا جو ہمارے آدمیوں کے ساتھ کی گئی ہے، بہترین بدلہ لے سکتے ہیں، فوری جذبات سے مغلوب ہو کر جسمانی انتقام اور بدلہ لامحدود ویرانہ میں بھٹک کر نہیں۔

30 اکتوبر 1947ء کو مسلمانان پنجاب سے خطاب کرتے ہوئے قائداعظم نے اسلامی روایات کے بارے میں یوں اظہار خیال فرمایا: ''میں آپ سے اپیل کرتا ہوں کہ اپنے حوصلوں اور ہمتوں کو بلند رکھئے'' کیا ہمارے حوصلے پست ہو گئے ہیں؟ کیا ہمارے دل بجھ گئے ہیں؟ ہرگز نہیں! تاریخ اسلام شاندار روایات وواقعات کی حامل ہے۔ ہم اعلیٰ روایات رکھتے ہیں۔ ایسی روایات جو ہمارے عزائم کو کبھی متزلزل نہیں ہونے دیتیں۔ قوموں کی زندگی میں ایسے واقعات آیا ہی کرتے ہیں لیکن بہادر قومیں خندہ پیشانی اور جوانمردی سے ایسے حالات کا مقابلہ کرتی ہیں تاریخ اسلام کے واقعات پر غور کیجئے اور ان کی روشنی میں اپنے مستقبل کو شاندار بنایئے۔ ہمیں ناامید مایوس اور پست ہمت نہیں ہونا چاہئے۔ میں پاکستان کی ترقی سربلندی اور کامیابی سے کبھی مایوس نہیں ہوا۔ میرا یقین کامل اور ایمان پختہ ہے کہ اگر سات کروڑ انسانوں کی متحدہ قوم پورے عزم اور ناقابل شکست جذبہ کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی تو دنیا کی مہذب اور ترقی یافتہ اقوام میں اپنے لئے بلند مقام حاصل کرسکتی ہیں۔ ہمیں خوف زدہ اور مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ ہم یقیناً کامیاب ہوں گے۔ فتح وکامرانی ہمارے قدموں میں ہوگی۔ لیکن اب یہ آپ کا کام ہے۔ آپ کا

Marfat.com

فرض ہے کہ کام کریں۔ کام کریں اور کام کریں یہاں تک کہ کامیاب ہو جائیں۔ اس بات کو کبھی فراموش نہ کریں کہ ہمارا نصب العین اور موٹو ہے

''یقین محکم'' ''عمل پیہم'' ''ضبط و تعاون''

اسی ضمن میں قائداعظم نے مارچ 1940ء میں اپنی پہلی ''پاکستانی تقریر'' میں ملت اسلامیہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا: ''میں تعلیم یافتہ لوگوں سے اپیل کرتا ہوں کہ ملک میں تعلیم یافتہ آزادی کی ہر تحریک کا مقدمۃ الجیش رہے ہیں۔ اب مسلمانوں کا تعلیم یافتہ طبقہ کیا کرنا چاہتا ہے؟ میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ جب تک آپ کے دل کو نہ لگے اور آپ آستین چڑھا کر قربانی اور بے نفسی کے ساتھ خلوص کے ساتھ اور جوش کے ساتھ اپنی قوم کے لئے کام کرنے کو تیار نہ ہو جائیں، آپ کبھی اپنا مقصد حاصل نہ کر سکیں گے۔

دوستو! اس لئے میں جانتا ہوں کہ آپ قطعی عزم کر لیں اور تدبیریں نکالیں اور اپنی قوم کو منظم کریں۔ اپنی انجمن کو مضبوط کریں اور تمام ہندوستان میں مسلمانوں کو مستحکم بنائیں میرا خیال ہے کہ عوام اچھی طرح بیدار ہیں۔ وہ صرف آپ سے رہنمائی اور ہدایت چاہتے ہیں۔ اسلام کے خدمت گاروں کی طرح آگے آؤ اور اپنی قوم کو اقتصادی حیثیت سے، معاشرتی حیثیت سے تعلیمی حیثیت سے منظم کرو پھر مجھے یقین ہے کہ آپ ایسی طاقت ہوں جس کو سب تسلیم کریں گے''۔

قائداعظم کو اسلامی تہذیب و ثقافت سے بہت پیار تھا اور وہ اس کی ترویج و اشاعت چاہتے تھے۔ 23 مارچ 1940ء کو لاہور کے تاریخی اجلاس میں ''قرارداد پاکستان'' منظور ہوئی بانی پاکستان حضرت قائداعظم نے مسلمانوں اور ہندوؤں کی تہذیب و ثقافت، مذہبی معتقدات اور معاشرتی اطوار کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا: ''یہ لوگ آپس میں شادی بیاہ نہیں کرتے۔ نہ ایک دسترخوان پر کھانا کھاتے ہیں اور یہ بھی اصرار کے ساتھ کہئے کہ دو مختلف تہذیبوں سے واسطہ رکھتے ہیں اور ان تہذیبوں کی بنیاد ایسے تصورات اور حقائق پر رکھی گئی ہے کہ جو ایک دوسرے کی ضد میں بلکہ اکثر متصادم ہوتے رہتے ہیں۔

حیات انسانی کے متعلق ہندوؤں اور مسلمانوں کے خیالات اور تصورات ایک دوسرے سے مختلف ہیں یہ بھی ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ ہندو اور مسلمان اپنی اپنی تمنائے ترقیات کے لئے مختلف تاریخوں شغف رکھتے ہیں۔ ان کے تاریخی وسائل اور ماخذ مختلف ہیں۔ دو قوموں کی رزمیہ نظمیں ان کے سربرآوردہ بزرگ اور قابل فخر تاریخی کارنامے سب مختلف اور الگ الگ ہیں۔ اکثر اوقات ایک قوم کا زعیم اور رہنما دوسری قوم کے بزرگ اور برتر ہستیوں کا دشمن ثابت ہوتا ہے ایک قوم کی فتح دوسری قوم کی شکست ہوتی ہے۔ ایسی دو قوموں کی ایک ریاست اور حکومت کی ایک مشترکہ گاڑی کے دو بیل بنانے اور ان کے باہمی تعاون کے ساتھ قدم بڑھانے پر آمادہ کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دونوں کے دلوں میں بے صبری روز بروز بڑھتی رہے گی جو انجام کار تباہی لائے گی''۔

قومیت کی تعریف چاہے جس طرح کی جائے مسلمان اس کی تعریف کی رو سے الگ الگ قوم کی حیثیت رکھتے ہیں اور اس لئے اس بات کے مستحق ہیں کہ ملک میں ان کی اپنی ایک الگ مملکت اور اپنی جداگانہ خودمختار ریاست ہو۔ ہم مسلمان چاہتے

Marfat.com

ہیں کہ ہندوستان کے اندر ہم ایک آزاد قوم بن کر اپنے ہمسایوں کے ساتھ ہم آہنگی اور امن وامان کے ساتھ زندگی بسر کریں۔ ہماری تمنا ہے کہ ہماری قوم اپنی روحانی، اخلاقی، تمدنی، اقتصادی، معاشرتی اور سیاسی زندگی کو مکمل ترین نشو ونما بخشے اور اس کام کے لیے وہ طریق عمل اختیار کرے جو اس کے نزدیک بہترین ہو اور ہماری رائے میں عطیات قدرتی اور نصب العین سے ہم آہنگ ہوائے خادمان اسلام! اپنے ارباب ملت کو اقتصادی، سیاسی تعلیمی اور معاشرتی تمام پہلوؤں سے منظم کرو۔ پھر دیکھو گے کہ تم یقیناً ایک ایسی قوت بن گئے ہو جس کی طاقت ہر شخص تسلیم کریگا''۔

1916ء میں مسلم لیگ کے اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے قائداعظم نے ''خلافت'' کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار یوں کیا: ''میں اپنے فرائض کی بجا آوری میں کوتاہی کروں گا اگر اس نازک موقع پر حکومت ہند اور برطانیہ عظمیٰ کی توجہ ''خلافت'' کے مسئلہ کی طرف مبذول نہ کراؤں۔ مسلمانان ہند بلکہ تمام عالم اسلام کے جذبات، حسیات، اعتقادات سرسری طور پر نظر انداز نہیں کیے جاسکتے۔ حکومت کو ان کے عزیز ترین اور مقدس مذہبی جذبات کا لحاظ کرنا چاہئے اور کسی حالت میں بھی خلافت کے مسئلہ میں مداخلات نہیں کرنی چاہئے اس کا فیصلہ کلیتہً مسلمانوں پر چھوڑ دینا چاہیے۔ مسلمان اس امر کے مستحق ہیں کہ سلطنت کی عمودی حکمت عملی پر اثر انداز نہ ہوں بالخصوص جب کہ انصاف، انسانیت اور بین الاقوامی ذمہ داریاں اس کی تائید میں ہیں''۔ مسئلہ خلافت کی تائید قائداعظم نے اس حالت میں کی جب وہ مذہباً اس مسئلہ سے غیر متعلق تھے اور سیاسی اعتبار سے خلافت اور کانگرس کے حریف تھے۔

قرارداد سے قیام تک

کانگرس وزارتوں نے اکتوبر ۱۹۳۹ء میں اپنے استعفیٰ داخل کر دیئے تھے۔ پارٹی کے لیڈروں کو پوری پوری توقع تھی کہ ان سے اس اقدام سے برطانوی حکمرانوں کے اوسان خطا ہو جائیں گے اور منت خوشامد کر کے ان کو واپس بلایا جائے گا۔ ان کا منصوبہ یہ تھا کہ جنگ کی غیر یقینی صورت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کانگرس مرکزی حکومت پر قابض ہو جائے گی اور من مانی کر سکے گی لیکن انگریز حکمرانوں نے کانگرس کے رویے کو غنیمت جانا ان کے نزدیک کانگرس کو واپس بلانا، خانہ جنگی کو دعوت دینا تھا۔ اور جنگ میں ایسی صورت خطرے سے خالی نہ تھی۔ چنانچہ تمام کانگرسی صوبوں میں گورنر راج نافذ ہو گیا۔ ۲۲ دسمبر ۱۹۳۹ء کو قائداعظم کے ارشاد کے مطابق نہایت جوش وخروش کے ساتھ یوم نجات منایا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان اور دوسری اقلیتوں کے لئے کانگرس کا محروم اقتدار ہونا کس قدر اطمینان کا باعث بنا۔ قائداعظم نے اس موقع کا پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ مسلم لیگ کی تنظیم کو مضبوط بنایا اس کو عوامی جماعت کے رتبے تک پہنچایا اور اسے مکمل طور پر مسلمانان ہند کی نمائندہ جماعت بنا دیا ان کی زیر قیادت، مسلم لیگ کو مسلمانوں میں وہی مقبولیت حاصل ہوئی جو کانگرس کو ہندوؤں میں تھی۔ لیگ اس سے پہلے بھی مسلمانوں میں کانگرس کی رابطہ مہم کو ناکام بنا چکی تھی۔ اپنی سلسلی بیکاری کے زمانے میں کانگریسی لیڈر کبھی براہ راست لیکن اکثر بالواسطہ، وائسرائے پر حصول اقتدار کے لئے زور ڈالتے رہتے تھے۔ لیکن وائسرائے نے جس کا رویہ قائداعظم اور مسلم لیگ کی

Marfat.com

طرف کیس لحاظ سے بھی دوستانہ نہیں کیا جاسکتا، تمام ایسی تجاویز کو ٹھکرا دیا بالآخر کانگریسی لیڈر مایوس ہو گئے اور مناسب موقع کی تلاش کرنے لگے۔

قرارداد لاہور

برطانوی جریدے میں اس مضمون کی اشاعت کے صرف دو ہفتے بعد مسلم لیگ نے تاریخی قرارداد منظور کی جسے بعد میں قرارداد پاکستان کے نام سے شہرت حاصل ہوئی۔ ۲۳۔ مارچ ۱۹۴۰ء کو اس عظیم جلسۂ عام میں خطاب کرتے ہوئے قائداعظم نے کانگرس کی حکومت کے دور میں مسلمانوں پر کیے گئے مظالم کی تفصیل بیان کرنے کے بعد کہا کہ ہمیں کانگرسی وزارتوں کے دوران کئی تجربے ہوئے ہیں۔ اور ہم نے تجربے سیکھے ہم ہندوؤں سے خوفزدہ ہیں اور ان پر اعتبار نہیں کر سکتے اس بات کو غلط طور حقیقت سمجھ لیا گیا ہے کہ مسلمان اقلیت میں ہیں اور وہ خود بھی عرصے سے اس اصلاح کے عادی ہو چکے ہیں لیکن مسلمان اقلیت نہیں بلکہ وہ تعریف کی رو سے ایک قوم ہیں۔ انہوں نے مزید فرمایا کہ: ''ہندوؤں اور مسلمانوں کا دو مختلف مذہبی فلسفوں، علیحدہ رسم و رواج اور جداگانہ مذہبیات سے تعلق ہے وہ نہ ایک دوسرے میں شادی کرتے ہیں اور نہ ایک دوسرے کیساتھ کھاتے پیتے ہیں در حقیقت ان کا تعلق دو مختلف تہذیبوں سے ہے جن کی بنیاد باہم تصادم نظریات اور تصورات پر ہے زندگی کے بارے میں ان کے تصورات یکسر مختلف ہیں ان کی داستان ہائے شجاعت علیحدہ ہیں ایک قوم کے ہیرو کو دوسری قوم دشمن قرار دیتی ہے ان کی فتوحات شکستیں بھی ایک دوسرے کے خلاف ہیں۔ ایسی دو قوموں کو ایک ہی مملکت میں اکھٹے جوت دینا جب کہ ان میں ایک اقلیت میں اور دوسری اکثریت میں بے اطمینانی میں ہی اضافہ ہوگا۔ مسلمان ہر اعتبار سے ایک قوم ہیں اور ان کا اپنا وطن اپنا الگ ملک (یعنی پاکستان) ہونا چاہیے''۔ قرارداد لاہور میں مسلمانوں کے نصب العین اور منزل کا تعین کیا گیا تھا۔ چنانچہ مسلمانوں نے اس کا پر جوش خیر مقدم کیا چنانچہ مسلمان جنہوں نے محمد علی جناح کو اس وقت قائداعظم کا خطاب دیا متحد ہونے لگے۔

قرارداد لاہور کی منظوری کے دو سال بعد حکومت برطانیہ کی طرف سے سر سٹیفرڈ کرپس ۲۳ مارچ ۱۹۴۲ء کو ہندوستان کے لیڈروں کے ساتھ آئینی مسائل پر تبادلہ خیالات کے لئے بھیجا گیا۔ کرپس نے جنگ کے بعد ہندوستان کے لئے نوآبادیاتی درجہ اور ایک آئین ساز ادارہ قائم کرنے کی پیش کش کی لیکن کانگرس نے کرپس کی تجاویز کو مسترد کر دیا۔ مسلم لیگ نے بھی تجاویز مسترد کر دیں کیونکہ اس میں قیام پاکستان کا کھل کر وعدہ نہیں کیا گیا تھا۔ دوسری طرف قائداعظم تیزی سے مقبولیت حاصل کر رہے تھے۔ کانگرسی اس سے فکر مند تھے۔ چنانچہ انہوں نے حکومت برطانیہ پر زیادہ سے زیادہ دباؤ ڈالنے کا راستہ اختیار کیا کہ وہ ہندوستان کو آزاد کر کے اقتدار کانگرس کو منتقل کر دے تاکہ برطانیہ کے اخراج کے بعد قائداعظم سے اور مسلم لیگ سے اپنی من مانی شرائط منوا سکیں اسی منصوبے کے تحت کانگرس نے ۱۸ اگست ۱۹۴۲ء ''ہندوستان چھوڑ دو'' قرارداد منظور کی۔ مسلم لیگ نے اور قائداعظم نے مسلمانوں کو اس تحریک سے الگ رہنے کا مشورہ دیا۔

Marfat.com

مسلمانوں کی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد حکومت برطانیہ نے ہندوستان چھوڑ دو تحریک کو سختی سے دبانے کے لئے سختی سے کام لیتے ہوئے تمام سرکردہ لیڈروں کو جیلوں میں ڈال دیا۔ قائداعظم نے اس صورت حال سے فائدہ اٹھا کر مسلم لیگ کو از سر نو منظم کیا اور مطالبہ پاکستان کو ہندوستان کے طول وعرض کے تمام مسلمانوں کی آواز بنا دیا۔ یہ سب قائداعظم کی انتھک محنت کا نتیجہ تھا۔ مطالبہ پاکستان کا مطلب تھا کہ نہ صرف ہندوؤں سے آزادی بلکہ اس کا مطلب یہ تھا کہ پاکستان ایک آزاد اسلامی مملکت ہو گی جس میں وہ اپنے مذہب کے مطابق اپنی زندگیاں بسر کر سکیں گے۔ مئی ۱۹۴۴ء میں گاندھی کو رہا کر دیا گیا تھا لیکن اس دوران مسلم لیگ ''پاکستان'' کو تمام مسلمانان ہند کا مطالبہ کر چکی تھی۔ گاندھی اب اسے نظر انداز نہیں کر سکتا تھا چنانچہ اس نے قائداعظم سے ملنے کی خواہش کی قائداعظم ان دنوں کشمیر کا دورہ کر رہے تھے۔ انہوں نے گاندھی کو جواب میں لکھا کہ وہ وسط اگست تک بمبئی پہنچ جائیں گے اور گاندھی ان کے ہاں تشریف لائیں تو انہیں خوشی ہو گی۔

ملکی سیاست

اس میں کوئی شک نہیں کہ برصغیر کی سیاست میں ہندوؤں نے بہت کچھ حصہ لیا۔ تلک، بپن چندرا پال اور کھاپرڈے نے کانگریس کو انگریزوں کے خلاف ضرور تیار کیا تھا لیکن یہ محض ظاہر داری تھی کیونکہ انہوں نے اس کانگریس کے علاوہ ایک ہندو جماعت کی تشکیل بھی کی تھی اور ان کے برعکس دادا بھائی نوروجی، فیروز مہتا اور گورکھلے نے برصغیر کی تمام جماعتوں کو متحد کرنے کی کوشش کی تھی (قائداعظم) محمد علی جناح بھی ان کے ساتھ ہو گئے تھے۔ پھر جب ترکی سلطان عبدالحمید کا زوال ہوا اور اٹلی نے طرابلس الغرب پر حملہ کر دیا تو ہندوستان کے مسلمانوں کو سخت صدمہ ہوا۔ مولانا ظفر علی خان وغیرہ نے چندہ فراہم کیا اور طبی وفد کے ساتھ قسطنطنیہ گئے۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد ''علی برادران'' نے ۱۹۱۸ء میں تحریک خلافت شروع کی تھی بلکہ محمد علی جوہر نے خلافت عثمانیہ کے احیاء کے لئے انگلستان کا دورہ بھی کیا تھا۔ ۱۹۲۳ء میں بنگال کے سی۔ آر۔ وال نے مغرب کے خلاف ایشیاء والوں کو متحد کرنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکی۔ انگریز نے ۱۹۲۷ء میں ''سائمن کمیشن'' مقرر کیا کہ وہ معلوم کرے کہ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کہاں تک ہندوستانیوں کے لئے قابل عمل ہے۔ اور ہندوستان میں ذمہ دار حکومت کن اصولوں پر قائم ہو سکتی ہے۔ یہ کمیشن ۱۹۲۹ء میں ہندوستان آیا۔ تو ایک بار پھر ہندو اور مسلمان متحد ہوئے۔ اس کمیشن کا بائیکاٹ کیا گیا (کیونکہ اس میں ہندوستان کو شامل نہیں کیا گیا تھا) اسی کے خلاف قائداعظم کے چودہ نکات تھے جن میں خصوصیت کے ساتھ مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ رکھا گیا تھا۔ آخر اس کمیشن نے یہ تجویز پیش کی کہ ہندوستان کے اور ریاستوں کے نمائندوں کو گول میز کانفرنس میں (۱۹۳۰ء تا ۱۹۳۳ء بلایا جائے قائداعظم نے اس میں شرکت کی لیکن وہاں کے حالات سے مطمئن نہ ہو کر انہوں نے مسلم لیگ کو مضبوط بنانے کی کوشش کی اور علامہ اقبال نے ۱۹۳۰ء میں مسلمانوں کے لئے ایک نیا گھر (پاکستان) بسانے کی تجویز پیش کی۔ لاہور میں مسلم لیگ نے ۱۹۴۰ء میں قرارداد پاکستان منظور کی۔

اگر یہاں چند تلخ حقیقتیں بھی عرض کر دی جائیں بے محل نہ ہو گا۔ انگریز بڑا عیار تھا اور شروع ہی سے اس کی پالیسی''

Marfat.com

پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو' تھی۔ پہلے تو اُس نے ہندوستان کے مختلف راجاؤں اور حکمرانوں کو استعمال کیا کمزور کا ساتھ دے کر مضبوط کو ہرایا اور جب مضبوط ختم ہو گیا تو اپنے تسلط کو وسیع سے وسیع تر بنایا۔ ۱۸۵۷ء کے بعد مسلمان تو بالکل ختم ہو گیا اور جہاں کہیں تھوڑی بہت اس کی رمق دیکھی گئی اس کا انسداد اور استحصال کر دیا گیا۔ بہادر شاہ ظفر کی گرفتاری ۱۸۵۷ء میں عمل میں آئی اور آخر وہ رنگون میں ۱۸۶۲ء میں فوت ہو گئے۔

ایک اور تحریک

اسی سال مجاہدین اسلام نے متفق ہو کر شمالی و مغربی سرحد میں جمع ہو کر اچانک نعرۂ جہاد بلند کیا اور ہزاروں مسلمان ان کے جھنڈے کے تلے جمع ہو گئے۔ لارڈ ایلگن (وائسرائے) کی فوجیں حرکت میں آ گئیں لیکن انگریز فوجوں کو تقریباً ہر مورچے پر شکست ہوئی۔ ایسے حالات میں انگریز نے اپنی عیاری سے فوراً کام لیا۔ اور پٹھان سرداروں کو اپنے ساتھ (مختلف قسم کے لالچ دیکر) شامل کر لیا۔

مجاہدین کو وہابی کا لقب دیکر بُری طرح تباہ کیا اور انگریز کو ان خطرے سے نجات مل گئی جو ۱۸۵۷ء کے معرکے سے زیادہ خطرناک تھا لیکن انہی مجاہدین میں سے بہت سے لوگ دہلی کے تھے جو سرحد میں شکست کے بعد وطن واپس آ گئے تھے۔ اس لئے ان کے درمیان پھوٹ ڈالنے کے لئے ایک نیا شوشہ چھوڑا گیا وہ یہ کہ پنجاب سے ایک مولوی حبیب اللہ آئے اور انہوں نے کہا کہ تم لوگ حرف ''ض'' غلط ادا کرتے ہو۔ اس طرح یہ فتنہ اتنا بڑھا کہ جنگ و جدال اور کشت و خون عام ہوا۔ یہ واقعہ ۱۲۸۰ء، ۱۸۶۳ء کا ہے۔ قاری عبدالرحمٰن پانی پتیؒ (م ۱۳۱۴ھ، ۱۸۹۶ء) اسی سلسلے میں تحفۂ نذریہ کے دیباچے میں لکھتے ہیں: ''بر سالکان مسلک نصفت مخفی مباد کہ درحدود سنہ ثمانین و مائتین بعد الف من ہجرتہ علیہ السلام در بعض بلاد ہند در تلفظ حرف ضاد اختلافِ عظیم افتاد۔ اکثر مردم بسبب کم مشقی خود ضاد را دالِ مفخم ادامی کردند۔ چنانچہ آئمہ قراء پیوستہ در تصانیف خود ہا ازیں غلطی تحذیری کردہ آمدہ اند تحریص و تاکید براخذِ استد ماہری کردند بعض مردمِ ایں دیار چون از صحبتِ استادِ ماہر محروم بودند و بسبب کسلِ خود تلاشِ استادِ ماہر نہ کردند و پنداشتند کہ تلفظِ ضاد بمطالعۂ کتبِ قرأت می تواں کرد۔ چوں ضاد را در اکثر صفات با ظا مشابہ یافتند وہم بعض اہل تصانیف بنظرِ ہمیں تشابہ صفات ضاد را با ظا مشابہ نوشتند۔ پس گمان کردند کہ ضاد را مانندِ ظا ادا باید کرد تا آنکہ جوازِ نماز در ظا حصر کردند و ہر کہ ضاد را ظا تلفظ نمی کرد نمازش وامامتش را جائز نمی داشتند و نظرِ تعصب شان از روایاتِ فقہیہ کہ از تلفظِ ظا بجائے ضاد عمداً نماز فاسدمی شود کور شد و طعن و تشنیع دریں باب بلند شد و دامِ تلبیسِ ابلیس پہن شد۔۔۔۔''

دراصل ضاد ایک ایسا حرف ہے جو صرف عربی میں ہے اور اسکے ادا کرنے کا طریقہ کسی ماہر استاد ہی سے سیکھا جا سکتا ہے جو مشکل بھی نہیں۔ تاہم اس ایک حرف کی وجہ سے بہت کچھ جدال و قتال ہوا اور ایسی پھوٹ پیدا کر دی گئی جو آج تک بعض علماء میں قائم ہیں اور بہت سے لوگوں کو اسی ایک حرف کی بدولت آج بھی ''وہابی'' کا لقب حاصل ہے۔

Marfat.com

مسیحیت اور آریہ سماج

پھر فتنۂ مسیحیت کو فروغ ہوا جس کا مقابلہ ڈاکٹر وزیر خان، مولانا رحمت اللہ کیرانوی اور مولانا منصور علی خان دہلوی نے کیا۔ اور فتنۂ آریہ سماج کا مقابلہ مولانا قاسم نانوتوی، مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا عبدالخالق حقانی محمود دھرم پال، بابا خلیل داس وغیرہ نے کیا۔

ایک پیغمبر

پنجاب میں مسلمانوں کا زور تھا تو وہاں ایک پیغمبر کو پیدا کیا گیا تا کہ زیادہ سے زیادہ پھوٹ ڈالی جا سکے اور انگریز کے خلاف جہاد کو بھی منسوخ کیا جا سکے۔ پھر بھی یہ مسلمان ختم نہ ہوتا تھا تو اس کے درمیان خلیج وسیع کرنے کے لئے دیوبندی اور بریلوی جھگڑے شروع کرائے گئے۔ رفع یدین، ضالین، میلاد شریف میں قیام، سوم، چہلم، حی علی الصلاح کہنے پر جماعت کے لئے کھڑا ہونا، بہت سی فروعات پر جدال و قتل کرایا گیا۔

کہا گیا کہ ہر مسلمان کافر ہے

ایک عالم نے اپنے شجرۂ قادریہ میں تو یہاں تک لکھ دیا کہ دیوبندی (جو دیو کے بندے ہیں) کافر ہیں، اہلحدیث کافر ہیں، ندوی کافر ہیں وغیرہ۔ اور جو شخص ان کو کافر نہ سمجھے وہ بھی کافر ہے۔ اور یہ فتنہ آج بھی قائم ہے۔ البتہ آریہ سماج اور رشدہی سنگھٹن والا فتنہ پاکستان بننے سے پہلے تک قوت پکڑے ہوئے تھا بعض شہروں میں مستقل طور پر ہر سال ہندو مسلم فسادات ہوا کرتے تھے جو ہندوستان میں اب بھی ہیں۔ لیکن پاکستان کے ہندوؤں نے خالصتاً لسانی جھگڑوں کو زیادہ اُچھالا کیونکہ اسی طرح ان کا بچاؤ ہو سکتا ہے اور ان کی طرف سے توجہ ہٹ سکتی ہے۔

جنگ کی صورت حال

ا۔ ابتدائی دور اور کانگرس

جنگ کے ابتدائی دنوں میں ہی جرمنی نے پولینڈ کی فوجی قوت کو پاش پاش کر کے رکھ دیا تھا۔ جون ۱۹۴۰ء میں جرمنی کو فوجوں نے تین ہفتے کے اندر اندر ہالینڈ بیلجیم اور فرانس کو عبرت ناک شکستیں دے کر مغربی یورپ اور اس کے متصل سمندروں پر اپنا اقتدار قائم کر لیا۔ یورپ میں مقیم برطانوی فوجیں نہایت بے سروسامانی کی حالت بھاری مالی اور جانی نقصان اٹھانے کے بعد بموں کی بارش کے نیچے سے گزرتے ہوئے، اپنے وطن کو واپس لوٹیں۔ یہ وقت برطانیہ کے لئے بڑا خطرناک تھا۔ جرمنی کے مقابلے میں اسکی جنگی تیاری اور عسکری قوت ہونے کے برابر تھی۔ یوں نظر آ رہا تھا کہ اگر فرانس کو شکست دینے کے بعد جرمنی انگلستان پر ہلہ بول دیتا تو اسے انگلستان پر قابض ہونے میں کوئی دقت پیش نہ آتی۔ سر انٹونی ایڈن نے اپنی خودنوشت سوانح حیات میں لکھا ہے کے ملک میں اسلح کی شدید قلت کے پیش نظر ہوم گارڈ کے نوجوانوں کو بندوقوں کی بجائے لکڑی کے ڈنڈوں سے مسلح کیا گیا، گاندھی، جنھوں نے ستمبر ۱۹۰۴ میں وائسرائے کے روبرو آنسو بہا بہا کر انگلستان کے ساتھ اپنی ہمدردی کا اظہار کیا

Marfat.com

تھا، اب ذہنی طور پر بالکل بدل چکے تھے۔ انگلستان پر برے دن آئے تو انہوں نے اہل انگلستان سے مت ڈرو۔ دشمن کے آگے ہتھیار ڈال دو۔ جب تمہارے ملک میں داخل ہوں تو عدم تشدد سے ان کا مقابلا کرو۔ اسی طرح تم اپنی آزادی کی حفاظت کر سکو گے معلوم نہیں کہ گاندھی یا ان کے کسی چیلے نے خود اپنے ملک کے لیے کبھی اس نسخے کو آزمانے کا خیال کیا ہے یا نہیں کئی سال بعد اکالی سکھ لیڈر تارا سنگھ نے لاہور کے ایک غیر مسلم اخبار میں ایک سلسلۂ مظامین لکھ کر اس بات کا انکشاف کیا کہ جون ۱۹۴۰ء میں انگلستان کی شکست کے بعد برطانوی راج کا خاتمہ صرف نظر آ رہا تھا اور ہم نے لاہور بزور شمشیر کرنے کے تمام انتظامات مکمل کر رکھے تھے۔

۲۔ اگست ۱۹۴۰ کا اعلان

اس مخدوش حالت میں برطانوی حکومت نے اہل ملک اور بالخصوص مسلمانوں کو یہ اطمینان دلانے کے لیے کہ حکومت کو اکثریت کے حوالے نہ کیا جاے گا۔ اگست ۱۹۴۰ میں ایک اعلان کیا جسے عام طور پر August Declartaion کہا جاتا ہے۔ اس کا منشا یہ تھا جنگ کے خاتمے پر آئین کے کے مسلئے کا از سر نو جائزہ لیا جاے گا اور ملک کے اہم اور بڑے عناصر کی خواہشات کے خلاف یہاں کسی حکومت یا آئین کو مسلط کو نہیں کیا جائے گا۔ اگر چہ اعلان میں قرارداد پاکستان کا اثر صاف نظر آتا ہے۔ لیکن یہ نہ تو مسلمانوں کے لئے آزادی کا پیغام تھا نہ ہی تقسیم ملک کے اصول کی تائید تھی۔ صرف بہم الفاظ میں یہ بتایا گیا کہ بعد از جنگ نیا آئین دفع کرنے میں مسلمانوں کی خواہشات کا احترام کیا جائے گا۔ اس طرح کے اعلان سے برطانوی فوجوں کے شانا بہ شانہ لڑنے والے مسلمان عصر کے دلجوئی اور حوصلہ افزائی مقصود تھی۔ لیکن جنگ کا نقشہ انگریزوں کے لئے انتہای ناسازگار تھا اور کسی کو اس بات کا یقین نہ تھا کہ برطانیہ اس طرح کے وعدے کرنے قابل بھی ہوگا یا نہیں ملک میں بے چینی دن بدن بڑھ رہی تھی، گاندھی دن بدن انوکھا طرز گفتگو اختیار کر رہے تھے۔ جس سے صاف ظاہر ہوتا کہ وقت آنے پر وہ حکمرانوں کے لئے زیادہ سے زیادہ دقتیں پیدا کر دیں گے۔

۳۔ روس اور جاپان کی جنگ میں شمولیت

جنگ کا ایک ایک ہفتہ اور ایک نئی آزمائشوں کا پیغام لاتا تھا۔ انگلستان روز بروز جرمن بمبار طیارے آگ برساتے تھے جون ۱۹۴۱ء میں ہٹلر نے امن اور دوستی کے معاہدے کو بالائے طاق رکھ کر اور اپنے ملک کے مستقبل کو داؤ پر لگاتے ہوے۔ روس سے ٹکر لی۔ جرمنوں کی یہ توقع کہ روس بھی فرانس کی طرح لقمہ تر ثابت ہوگا۔ غلط نکلی۔ کچھ عرصہ تک تو جرمن فوجیں روس میں بلا روک ٹوک بڑھتی گئی لیکن آخر کار روسی مزاحمت نے جرمنون کے دانت کھٹے کر دیئے اور سلسلے میں سٹالن گراڈ کے شہر کا نام زندہ جاوید ہو گیا۔ اس سے جنگ کا خاتمہ دور کی بات ہوگئی۔ دسمبر ۱۹۴۱ء میں امریکہ اور جاپان بھی جنگ میں شامل ہو گئے امریکہ تو برطانیہ کے خلفیوں کی صف میں کھڑا ہو گیا اور جاپان نے جرمنوں کی حمایت کا اعلان کر دیا۔

Marfat.com

۴۔ ہندوستان پر جاپان کے حملے کا خطرہ

جاپان کے جنگ میں کود پڑنے سے جنوب مشرقی ایشیاء میں اتحادیوں کے لئے، جنگ کی صورت نازک ہوگئی بجلی جیسی سرعت کے ساتھ جاپانیوں نے بحرالکاہل میں واقع وسیع اور زرخیز ملکوں پر قبضہ کرلیا، جلد ہی ان کی جنگی سرگرمیوں کا رخ برما کی طرف مڑ گیا یہ ملک ۱۹۳۵ء کا قانون پاس ہونے تک برطانوی ہند کا حصہ تھا اور ہندوستان کے صوبوں میں شمار ہوتا تھا۔ برما بھی انگریزوں کے ہاتھ سے نکل کے صوبوں میں شمار ہوگیا تھا۔ اور جاپانی فوجین بڑھتے بڑھتے آسام کے دروازوں پر پہنچ گئیں۔ جاپانیوں کلکتہ کے شہر پر بھی جاپانیوں نے بمباری کی۔ اندازہ کیا جاتا تھا کہ اگر جاپانیوں نے اپنی پیش قدمی جاری رکھی تو وہ کسی روک تھام کے بغیر ہندوستان کے شمالی حصوں پر قابض ہو جائیں گے، اب تک ہندوستان جنگ کی تخت و تاراج سے بچا ہوا تھا اور یہاں سے جنگی ضروریات کا سامان بھاری مقدار میں جنگ سے محاذوں پر بھیجا جاتا تھا ایک طرف تو برطانوی حکومت متوقع حملے کے پیش نظر انخلاء کے منصوبے بنارہی تھی۔ اور دوسری طرف ہندوستان کی اکثریت کی خوشنودی حاصل کرنے کی خواہاں تھی، برطانوی وزیراعظم چرچل، برسوں تک آزادی ہند کے انگریز مخالفوں کے صف اول کے سورما نے جاتے تھے۔ لیکن روز افزوں ابتر حالات سے مجبور ہوکر انہوں نے پرانے سیاسی دشمنوں کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا اور سر ٹیفورڈ کرپس کو چند ایسی تجاویز دے کر بھیجا جس سے کانگرس اور اس کی حواری جماعتوں کا اعتماد حاصل کرنا مقصود تھا۔

کرپس مشن...... تجاویز

کرپس لیبر پارٹی کا ایک اہم اور وکالت پیشہ رکن تھا۔ کانگریس کے اہم لیڈروں کے ساتھ اس کا پرانا دوستانہ تھا۔ یہ اہم مشن اس کے سپرد کرنے کا مقصد یہ تھا کہ وہ اپنے ذاتی تعلقات کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ہندوستان میں برطانیہ کے لئے سازگار فضا پیدا کرے۔ اس ۲۲ مارچ ۱۹۴۲ء کو آتے ہی ریڈیو پر اپنی تجاویز کا اعلان بظاہر یہ تجاویز بہت خوشنما تھیں۔

ا۔ جنگ کے بعد کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ اور جنوبی افریقہ جیسی خودمختاری کا وعدہ تھا اس بات کی تشریح کردی گئی تھی کہ اگر کوئی ملک چاہے تو دولت مشترکہ سے علیحدہ ہوسکتا ہے لیکن ہندوستان میں خودمختار حکومت قائم کرنے سے پہلے انگریز ایک دستور ساز اسمبلی کے ذریعے ملک کا آئین تیار کروائیں گے۔ اور اس آئین کو نافذ کر کے رخصت ہو جائیں۔ یہ اسمبلی ترجیحاً متحدہ ہندوستان کے لئے آئین دفع کرے گی۔ لیکن جس صوبے یا جن صوبوں کو یہ آئین قبول نہ ہو وہ وفاق سے علیحدہ بھی ہوسکتے ہیں بلکہ چاہیں تو اپنی علیحدہ فیڈریشن بھی بنا سکتے ہیں۔

۲۔ جنگ کے عرصے کے لئے ایک قومی حکومت بنے گی جو جنگی تیاریوں میں مدد تو دے گی لیکن اس کو جنگی معاملات پر کنٹرول نہیں ہوگا۔ ان تجاویز سے ہندو پارٹیوں کو خوش کرنا مقصود تھا۔ دولت مشترکہ سے علیحدگی کے اختیار پر گاندھی بے حد زور دیا کرتے تھے۔ ہندوؤں کے اتحاد کو برقرار رکھنے کا منصوبہ بھی ہندو فلسفہ سیاست کا جزو اعظم تھا۔ مناسب نمائندگی کا مطلب یہ تھا کہ دستور ساز ادارے میں مسلمان ایک چوتھائی اقلیت میں ہوں گے اور رائے شماری کے وقت انکا ہر مطالبہ رد کیا جاسکے گا۔ ان تجاویز میں

Marfat.com

تقسیم ملک کی طرف ایک خفیف سا یہ اشارہ موجود تھا کہ کسی صوبے کو اس کی منشاء کے خلاف فیڈریشن میں شریک نہیں کیا جائے گا۔ لیکن اس امر کا فیصلہ کون کرے گا؟ اس کے متعلق اور بہت سے سوالوں پر تجاویز میں کوئی صراحت نہ تھی۔ کرپس نے سب سے اہم پارٹیوں کے نمائندوں سے طویل گفتگو کیں۔ چونکہ ان تجاویز کا مقصد محض سیاسی تھا۔ اس لئے ابتدائی مرحلے کے بعد کرپس نے مکمل طور پر کانگرس والوں پر انحصار کرنا شروع کر دیا۔ اور دوسری جماعتوں کو کم و بیش نظر انداز کر دیا۔ صدر امریکہ کا ذاتی نمائندہ کروں جانسن اس موقع پر دہلی میں موجود تھا۔ وہ ساری کارروائی میں بڑی دلچسپی لے رہا تھا۔ یہاں تک کہ وہ جواہر لال نہرو اور کرپس کے درمیان نامہ و پیام کے فرائض بھی انجام دے رہا تھا۔ لیکن ان تمام گفتگوؤں کے سرے چڑھنے کا انحصار اس بات پر تھا کہ جنگ کا رخ کس طرف ہے اور اس میں برطانیہ حکمرانوں کی کامیابی کے کیا امکانات ہیں؟

ا۔ کانگرس کا ردعمل

گاندھی کو اس بات کا یقین تھا کہ انگریز جنگ میں ہار جائیں گے اس لئے جنگ کے دوران اس سے کسی قسم کا عہد و پیمان نہ لینے یا لینے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ ان کے اپنے الفاظ یہ تھے کہ آزادی کا یہ پروانہ ایک ایسے چیک کی مانند ہے جو اس بینک پر کاٹا گیا ہے جس کا دیوالیہ نکل رہا ہے، اور چیک کی تاریخ غیر معینی مدت کے لئے التوا میں ہے۔ اگرچہ کانگرس کے اندر چند اہل سیاست دان ایسے بھی تھے جو کرپس کی تجاویز کو قبول کر لینے کے حق میں تھے لیکن گاندھی کے سامنے کسی کا چراغ نہیں جلتا تھا۔ کانگریس نے کرپس پر وعدہ شکنی کا الزام ہوئے اس کی تجاویز کو رد کر دیا۔ ان قوانین سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کرپس نے دوسری پارٹیوں کے علم کے بغیر کانگریس والوں سے کسی قدم کے خفیہ معاہدے کئے تھے۔

۲۔ لیگ کا ردعمل

قائداعظم کا رویہ شروع سے ہی ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر تھا۔ ان کا سب سے پہلا اعتراض تو آئین ساز ادارے سے غالب ہندو اکثریت پر تھا۔ لیکن اس سے بڑا اعتراض یہ تھا کہ کرپس کی تجاویز کے مطابق آئین ترجیحی طور پر ہندوستان کے لئے بنایا جائے گا۔ تقسیم ملک کا وعدہ مشروط اور مبہم تھا اس کا پورا کرنا اکثریت کے ہاتھ میں تھا۔ ان سب باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے لیگ نے بھی کرپس کی تجاویز کو منظور کرنے سے معذوری کا اظہار کر دیا۔ واپسی سے پہلے کرپس نے آل انڈیا ریڈیو پر اپنی ناکامی کا اعلان کرتے ہوئے ایک طویل تقریر کی۔ (اس سارے قصے میں مسلمانوں کے لئے صرف ایک پہلو ہی قابل اطمینان ہو سکتا تھا وہ یہ کہ برطانوی حکومت نے اپنے ۱۹۴۰ء کے اعلان پر اضافہ کرتے ہوئے مبہم طور پر ہی سہی تقسیم ملک کے اصول کو ٹھکرانے کی بجائے معرض امکان میں رکھ دیا)

اقتدار پر قبضہ کرنے کے لئے کانگرس کا منصوبہ

کرپس کے رخصت ہونے کے بعد گاندھی کے خیالات میں ایک اور تبدیلی آئی، جنگ کے پہلے دنوں میں جب تک برطانوی سامراج کو کوئی گزند نہ پہنچا تھا۔ وہ برطانیہ کے ساتھ بھرپور ہمدردی کا اظہار کرتے رہے۔ جوں جوں برطانیہ کی ج

Marfat.com

پوزیشن کمزور ہوتی گئی وہ مخالفت کا پہلو اختیار کرتے گئے۔ شروع میں تو ان کے سر دھیمے تھے لیکن بات ۱۹۴۱ء کی انفرادی سول نافرمانی سے شروع ہو کر ۱۹۴۲ء کے اعلان جنگ تک پہنچی، اتحادیوں کی بگڑتی ہوئی حالت کو دیکھ کر انہوں نے حکومت پر جبری طور پر قبضہ کرنے کے لئے ایک نیا منصوبہ وضع کیا۔ اس منصوبے کے خدوخال آہستہ آہستہ ان کی تحریروں میں ابھرے۔ دلوں کا حال تو اللہ ہی جانتا ہے۔ لیکن بالغ نظر مبصرین کا اس بات پر اتفاق تھا کہ گاندھی کی نئی مہم بدترین قسم کی موقع پرستی تھی۔ اب وہ حرکت کے لئے بے تاب تھے اور مزید انتظار نہیں کر سکتے تھے۔ برطانیہ چاروں طرف سے دشمنوں کے نرغے میں گھرا ہوا تھا۔ جاپانی ہندوستان کے دروازوں پر دستک دے رہے تھے۔ مسلمان اور انگریزوں نپٹنے کا یہی سنہری موقع تھا۔ چنانچہ ۷ اگست ۱۹۴۲ء کو گاندھی کے ایماء پر اور اس کی سرکردگی میں ''ہندوستان چھوڑ دو'' کی تحریک شروع ہوگئی۔ گاندھی کا طرز استدلال یہ تھا کہ جاپانی ہندوستان پر صرف اس لئے حملہ کرنا چاہتے ہیں کہ برطانیہ سے برسرپیکار اگر انگریز اس ملک کو چھوڑ کر چلے جائیں تو جاپانی پر قبضہ کرنے کا ارادہ ترک کر دیں گے۔ یہ طرز فکر محض حقائق کا منہ چڑانے کے مترادف تھا۔ وہ یہ بھی کہتے کہ ہماری جنگ آزادی کا یہ مرحلہ کھلم کھلا بغاوت کا مرحلہ ہے۔

ہمیں بدامنی اور لاقانونی منظور ہے۔ لیکن موجودہ حکومت قبول نہیں۔ حکومت نے اس صورت حال سے عہدہ برآ ہونے کے لئے معقول انتظامات کر رکھے تھے۔ کانگریس انتظامیہ کے تمام ممبروں کو حراست میں لے لیا گیا۔ اس کے فوراً بعد وسیع پیمانے پر غیر قانونی کارروائیاں شروع ہوگئیں۔ سرکاری عمارتوں کو نظر آتش کیا گیا۔ ٹیلی گراف کی تاریں منقطع کی گئیں۔ سرکاری خزانوں کو لوٹ لیا گیا۔ متوازی حکومتی دفتر کھولے گئے۔ ٹیکسوں کی ادائیگی روک دی گئی۔ غرض یہ کہ کانگریسی صوبوں میں زندگی کا نظام معطل ہو کر رہ گیا۔ بعد میں حکومت کو کانگریس کے دفاتر سے جو دستاویزات ملیں ان سے معلوم ہوا کہ یہ سب تیاریاں بہت پہلے مکمل ہو چکی تھیں معاشرے کے کاروبار کو معمول پر لانے کے لئے چند مہینے لگ گئے اس بغاوت کے مقاصد کیا تھے؟ بظاہر ''ہندوستان چھوڑ دو'' کا نعرہ منصفانہ نظر آتا تھا۔ اگر یہ تحریک کامیاب ہو جاتی تو انگریزوں کے اخراج کے علاوہ کانگریس کے دیرینہ ارادوں کے مطابق یہاں ایک ایسی ''قومی حکومت قائم ہو جاتی جس میں مسلمانوں کا کوئی مقام نہ ہوتا۔ اور حصول پاکستان کے سلسلے میں جو کچھ ہو چکا تھا وہ ملیامیٹ ہو جاتا اور پاکستان کا وجود میں آنے کا مسئلہ ہی ختم ہو جاتا۔ اس لئے قائداعظم نے ہندوستان چھوڑ دو تحریک کی پرزور مخالفت کی۔ اور اپنے موقف کو دلائل سے ثابت کیا گیا۔ انہوں نے انگریزوں کو یہ مشورہ دیا کہ ملک کو ''پہلے تقسیم کرو اور پھر اسے چھوڑ دو''۔

الزام اور جوابی الزام

اس محل سرائے سے جلسے گاندھی کا جیل خانہ کہا جاتا تھا۔ گاندھی نے وائسرائے کے ساتھ متنازعہ فیہ معاملات پر مراسلات کا ایک طویل سلسلہ شروع کیا جس میں تباہی اور لاقانونی کی ساری ذمہ داری حکومت کی انتظامی مشینری پر ڈال دی۔ وائسرائے نے اس یک طرفہ فیصلہ سے شدید اختلاف کیا۔ جنگ جاری رہی کانگریس کے بہت اہم لیڈر زندان میں تھے۔ کہ

Marfat.com

وائسرائے لن لیتھ لو کی جگہ ۲۰ اکتوبر ۱۹۴۲ء کو کمانڈر انچیف ویول نے سنبھال لی۔ گاندھی نے اسے بھی کانگریس کی اصول پرستی اور بے گناہی کا یقین دلانے کی کوشش کی لیکن ویول نے اس عذر لنگ کو سننے سے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ پہلے اپنی خطا کا اعتراف کرو، آئندہ کے لئے اچھے چلن کا وعدہ کرو اور پھر ہمارے ساتھ گفت وشنید کا آغاز کرو۔

قائداعظم سے گاندھی کی ملاقاتیں

سیاسی میدان سے کانگریس کی اس طویل غیر حاضری سے خود تو کانگرس کو کوئی نقصان نہ ہوا کیونکہ اس کو ہندوؤں کی تائید حاصل تھی۔ البتہ مسلم لیگ کی پوزیشن مستحکم ہوئی۔ اور دوست دشمن اس کی نمائندہ حیثیت کو تسلیم کرنے لگے۔ برطانیہ کو بھی روز بروز اس کا احساس ہو رہا تھا۔ متوازن ذہن رکھنے والے کانگریسی حلقے میں بھی پاکستان کے مطالبے کو حق بجانب قرار دیا جا رہا تھا۔ ۱۹۴۲ء کے آغاز یعنی ''ہندوستان چھوڑ دو'' کی تحریک سے چند ماہ پہلے مدارسی لیڈر راج گوپال اوراچاریہ اس نتیجے پر پہنچ چکے تھے۔ کہ پاکستان کا قیام ناگزیر ہے۔ اس حق گوئی کی پاداش میں گاندھی نے اس کو جی بھر کر کوسا اور کانگریسی حلقوں میں ذلیل کرنے کی مہم شروع کر دی۔ لیکن وہ اس سے نہیں دبے بلکہ انہوں نے تقسیم ملک کے لئے ایک فارمولا بھی دفع کر لیا۔ جس کو عام طور راجہ جی فارمولا کہا جاتا تھا۔ ۱۹۴۴ء میں حکومت نے کچھ گاندھی کی ناسازئی طبیعت اور کچھ ان کی اہلیہ کی وفات کی وجہ سے اس کو رہا کر دیا۔ شاید یہ وجہ بھی ہو کہ اب جنگ کا پانسہ برطانیہ کے حق میں پلٹ چکا تھا۔ رہائی کے بعد قائداعظم کے ساتھ ان کی طویل ملاقاتیں ہوئیں جو دو ہفتے سے اوپر جاری رہیں اس گفتگو میں قرارداد پاکستان پر تفصیلی بحث ہوئی۔ بعد میں جو کچھ ان دونوں رہنماؤں کی باہمی خط وکتابت کے شائع ہونے کے بعد معلوم ہوا وہ یوں تھا۔ گاندھی کا خیال تھا کہ یہ قرارداد مبہم اور تفصیل طلب ہے۔ راج گوپال اچاریہ فارمولا نے اسے بامعنی اور کارآمد بنا دیا ہے۔ ہندو اور مسلمان ایک ہی ہندی قوم سے تعلق رکھتے ہیں اور مذہب کا اختلاف ان کی ہندی قومیت کو باطل نہیں کرتا اگر ملک کو تقسیم کرنا لازمی ٹھہرے تو ہندوستان اور پاکستان کے درمیان فوج، مواصلات اور خارجہ معاملات مشترک رہیں گے۔ تقسیم ملک انگریزوں کے جانے کے بعد عمل میں آئے اس سے پہلے ہرگز نہیں۔ یہ تمام نکات قائداعظم کے لئے ناقابل قبول تھے۔ گاندھی نے خود اپنی ایک چھٹی میں لکھا کہ ہمارے گفتگو ایسے دو متوازی کا حاصل صرف یہی تھا تو معلوم نہیں اس پر کیوں اتنا وقت صرف کیا گیا شاید گاندھی اپنی وسیع النظری دکھا کر رائے عامہ کو اپنے حق میں ہموار کرنا چاہتے تھے۔

نواب بہادر یار جنگ کا خطاب

آل انڈیا مسلم لیگ اجلاس منعقدہ کراچی دسمبر ۱۹۴۳

برادران ملت! مسلم لیگ کا اجلاس ہو چکا اور حسب روایت قدیم میں آپ کو مخاطب کرنے کھڑا ہوا ہوں۔ اس اجلاس کو میں مسلم لیگ کی زندگی کا نیا باب تصور کرتا ہوں اور اسکی منظور کردہ چھ میں سے تین قراردادیں میرے نزدیک سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہیں۔ یعنی کونسل آف ایکشن کی قرارداد، پنج سالہ پروگرام بنانے والی کمیٹی کی قرارداد اور نئے الیکشن کے مطالبہ کی

Marfat.com

قرارداد۔ آخرالذکر کے متعلق کوئی گفتگو نہیں کروں گا۔ صرف اسی قدر کہنا کافی تصور کرتا ہوں کہ میرے احباب، سرافضل حسین کی روح پرفتوح کے لئے چاہے کتنے شکر گزار ہوں پھر بھی اگر نئے الیکشن ہوئے تو بقول غالب:

بھرم کھل جائے ظالم تیرے قیامت کی درازی کا — اگر اس طرۂ پُر پیچ و خم کا پیچ و خم نکلے

صبح اُمید

مجھے دوسری دونوں قراردادوں کے متعلق گفتگو کرنی ہے۔ میں ان قراردادوں کو دورِنو کا آغاز، صبح اُمید کا نشان تصور کرتا ہوں، مسلم لیگ کے مستقبل کی درخشانی کی علامت سمجھتا ہوں اور داغ کے الفاظ میں اپنے قائد سے یہ کہنے کی اجازت چاہتا ہوں:

ہم شام سے اندازِ سحر دیکھ رہے ہیں — تیور ترے اے رشکِ قمر دیکھ رہے ہیں

حضرات! مسلم لیگ کا احیاء اور ترقی ایک فطری احیاء اور فطری ترقی ہے جو بتدریج اور بہ استقلال عمل میں آئی اور آئندہ بھی جاری رہے گی۔ اس نے ہماری سیاسی حیات کو اچانک اور یکدم منقلب نہیں کیا بلکہ آہستہ آہستہ ہمیں منزل کی طرف بڑھایا تاکہ ہمارا قدم آگے بڑھے اور ہم پیچھے نہ ہٹنے پائیں۔

دوقومی نظریہ

جس وقت قائداعظم نے لیگ کی زمام اپنے ہاتھوں میں لی، ہمارے دماغوں پر مختلف باطل تصورات چھائے ہوئے تھے۔ برادران وطن نے بہ انداز دوستی ہم کو یقین دلایا تھا کہ ہم دس کروڑ کی تعداد میں ہونے کے باوجود ہندوستان میں ایک اقلیت ہیں۔ دس کروڑ کی تعداد رکھنے والی کوئی جماعت اقلیت نہیں کہلا سکتی۔ تم ایک قوم ہو، مستقل قوم، جس کا خمیر اقوامِ عالم سے بالکل مختلف اور جدا ہے اور جس کی بنیاد جغرافیہ اور نسل ورنگ کی ادنیٰ تفریقات سے بالاتر ہے۔

اقبال کا خواب

جب مسلمانوں میں یہ خیال عام ہوگیا کہ ہم ایک اقلیت نہیں، ہم ایک مستقل قوم ہیں تو انہوں نے ہمیں سمجھایا کہ: جس ملک میں دو قومیں آباد ہوں اور دونوں کے مذہبی اور ثقافتی تصورات میں بُعد المشرقین ہو تو اس ملک میں جمہوریت صحیح طرزِ حکومت نہیں ہوسکتی۔ جب اس نظریے نے بھی مسلم عوام کے قلوب میں جگہ پیدا کرلی تو قائداعظم نے اقبال کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کیا اور ہندوستان کے شمال مشرقی اور شمال مغربی علاقوں میں آزاد مسلم ریاستوں کا مطالبہ کیا جس کو اب عرفِ عام میں پاکستان کہتے ہیں۔

نعرہ جنگ

آج سے تین سال پہلے خود ہم سے بہت سے لوگ یہ کہتے تھے کہ مسلم لیگ کا یہ مطالبہ پورا نہ ہوسکے گا، لیکن اب موجودہ حالات نے پاکستان کے عنقریب حاصل ہونے کا یقین پختہ کردیا ہے۔ مسلمان زیادہ سے زیادہ اس مطالبہ سے وابستہ نظر آرہے ہیں۔ اب وقت آگیا ہے کہ مسلم لیگ اس جنگ کی تیاری کا آخری قدم اٹھائے۔ اس نے دہلی میں حکومت برطانیہ کو آخری تنبیہ کی

Marfat.com

اور آج آل انڈیا مسلم لیگ نے کونسل آف ایکشن کی تجویز پاس کر کے اس عزم کا اظہار کیا کہ اگر پاکستان سیدھے ہاتھوں اور صلح و آشتی سے نہیں مل رہا ہے تو ہم یہ بزور باز و حاصل کریں گے۔

حضرات! وہ قائد یا سپہ سالار جس کے سپاہی مفلوج و ناکارہ ہوں، کسی مہم کو کامیابی کے ساتھ سر نہیں کر سکتا۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ نعرۂ جنگ بلند کرنے سے پہلے اپنی فوجی طاقت کا اندازہ کر لے۔ یہ کونسل آف ایکشن اس لئے مقرر کی گئی ہے کہ وہ ہر ایک صوبے میں نہ صرف اپنی طاقت کا اندازہ کر لے بلکہ نئی طاقت پیدا کرے اور اسکو اس دن کے لئے تیار کرے جب قائد کی طرف سے کوچ کا حکم ملے۔

میدان کارزار

مسلمانانِ ہند! جلسوں کا منعقد کر لینا تجاویز پاس کر لینا، تقریریں کرنا، تقریریں سننا کسی قسم کی زندگی میں انقلاب پیدا نہیں کر سکتا۔ جہاں تک آپ کے ذہن اور فکر کی تربیت کا تعلق تھا، وہ منزل گزر چکی۔ اب عمل اور صرف عمل کا وقت ہے۔ اگر آپ اس کی طاقت نہیں رکھتے تو پاکستان کا مطالبہ کر کے اس کو ذلیل نہ کیجئے۔ داغؔ، گو شاعرِ بزم تھا مگر بعض دفعہ اس نے بڑے پتے کی باتیں کہی ہیں۔ کہا تو اس نے رندی اور سرمستی کے انداز میں ہے لیکن شاید ہم ہی سے مخاطب ہو کر کہا ہے کہ:

؎ نہ تھی تاب اے دل تو کیوں چاہ کی　　بڑا تیر مارا اگر آہ کی

اس لئے تیار ہو جاؤ اور اپنے محتاط اور عاقبت بین قائد کو یقین دلاؤ کہ اس کی پوری قوم ہر مرحلے میں اسکے ساتھ ہے۔

قائد اعظم! آپ مایوس نہ ہوں۔ آپ کے دوست اور پرانے ساتھی حضرت اقبال نے شاید آپ ہی سے مخاطب ہو کر کہا ہے:

؎ اے رہبر فرزانہ مایوس نہ ہو ان سے　　کم کوش تو ہیں لیکن بے ذوق نہیں راہی

ممکن ہے آپ کو اس طبقے سے آپ کے کام کے آدمی نہ ملیں جس کو اعلیٰ طبقہ کہتے ہیں، لیکن آپ کی قوم جانباز سپاہیوں سے خالی نہیں ہے۔

عہدِ وفا

قائد اعظم! آپ کے ایک ادنیٰ سپاہی کی حیثیت سے اجازت دیجئے کہ سب سے پہلے میں اپنے آپ کو پیش کروں۔ جو فہرست آپ کی کونسل آف ایکشن پیش کرے اس کے لئے حکم دیجئے کہ آپ کے اس سپاہی کا نام سب سے پہلے درج کیا جائے۔ میں آپ کو، اس اجلاس کے سارے شرکاء کو، سنسناتی ہواؤ کو، اس پنڈال پر چمکتے ہوئے سورج، چاند اور ستاروں کو، سارے کروبیوں کو اور خود خدائے قادر و قیوم کو حاضر و ناظر جان کر عہد کرتا ہوں اور آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ان شاء اللہ آپ مجھے اس راستے کی کسی کٹھن منزل میں کبھی پیچھے نہ پائیں گے۔

؎ آں نہ من باشم کہ روزِ جنگ بینی پشتِ من　　آں منم کاندر میانِ خاک و خون بینی مرے

Marfat.com

نذرانہ جان

قائداعظم! وہ دن میرے لئے عید کا دن ہوگا جس دن ملت محمدی ﷺ کے راستے میں اپنے گرہ کی آخری پائی اور اپنے خون کا آخری قطرہ نچھاور کر کے فخر و ناز کروں گا اور جس دن میرا جسم زخموں سے چور ہوگا۔ (مجمع سے فلک شگاف نعرے بلند ہوئے کہ ہم آپ کے ساتھ ہیں)۔

اسقدر جلد فیصلہ نہ کیجئے۔ میں نے اپنے عزم کو اظہار آج کیا ہے وہ میرے بارہ سال کی شبانہ روز غور و فکر کا نتیجہ ہے۔ میں نے اس کی تیاری کی اور اس پر عمل بھی شروع کر دیا ہے۔ جاؤ اپنی بیویوں کے تابناک چہروں کو دیکھو، اپنے بچوں کی مسکراہٹ کو، اپنی زندگی کی ہر خوشی آنکھوں کے سامنے رکھ کر فیصلہ کرو، اپنی تجارت اور ذرائع معیشت کی ساری تباہیوں کا بغور تصور کر کے ایک مرتبہ تصفیہ کرو۔ مسلمانو! وہ فیصلے جو جوش کے عالم میں دوسروں کی تقلید میں کر دیئے جاتے ہیں، بسا اوقات آنی اور اسی لئے فانی ہوتے ہیں۔ آج ہمیں ان کی ضرورت نہیں ہے جو شجر ملت پر پھول بن کر مہکنا چاہتے ہوں اور پھل بن کر کام و دھن کو شیریں کرنا چاہتے ہوں۔ ہمیں ان کی ضرورت ہے جو کھاد بن کر زمین میں جذب ہوتے ہین اور جڑوں کو مضبوط کرتے ہیں۔ جو کسی اور پانی میں مل کر رنگین پھول پیدا کرتے ہیں، جو محمدی ہوتے ہیں اور پھلوں میں لذت و شیرینی پیدا کرتے ہیں۔ ہم کو ان کی ضرورت نہیں جو کاخ و ایوان کے نقش و نگار بن کر نگاہ نظارہ باز کو خیرہ کرنا چاہتے ہوں۔ ہم ان بنیاد کے پتھروں کو چاہتے ہیں جو ہمیشہ کے لئے زمین میں دفن ہو کر اور مٹی کے نیچے دب کر استحکام عمارت کی ضمانت دے سکتے ہوں۔ میں نے کل کہا تھا اور آج پھر بتا دینا چاہتا ہوں کہ:

ایسی کوئی دنیا نہیں افلاک کے نیچے   بے معرکہ ہاتھ آئے جہاں تخت جم و کے

پاکستان کا تعمیری لائحہ عمل

حضرات! اس اجلاس کی دوسری خصوصیت پلاننگ کمیٹی یعنی پنج سالہ پروگرام یا لائحہ عمل مرتب کرنے والی جماعت کا قیام ہے۔ فارسی کا قول ہے: مردِ آخر میں مبارک بندہ۔

آج دنیا میں وہ لوگ بھی جو عالم گیر جنگ کی کشمکش میں مبتلا ہیں اور جس کی فتح و شکست کے متعلق کوئی قطعی رائے قائم نہیں کی جاسکتی، اس وقت جب کہ ان کی کشتی حیات گرداب قضا میں چکر کھا رہی ہے، ساحل کی نقشے تیار کر رہے ہیں، ہر جگہ تعمیر بعد از جنگ کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ ہم نے بھی پاکستان کو اپنے سامنے پا کر اگر پاکستان کے مستقبل، ترقی و خوشحالی کے متعلق سوچنا شروع کر دیا تو حقیقت یہ ہے کہ بہت صحیح قدم اٹھایا ہے۔

پاکستان کا دستوری نظام

حضرات! پاکستان کا حاصل کر لینا اتنا مشکل نہیں تھا، پاکستان کو پاکستان بنانا اور قائم رکھنا مشکل ہے۔ آپ کے قائد نے ایک سے زائد مرتبہ اس کا اعادہ فرمایا ہے۔ کہ مسلمان اپنی حکومتوں میں کسی دستور اور قانون کو خود کو مرتب کرنے کا حق نہیں

Marfat.com

رکھتے۔انکا دستور مرتب و متعین ان کے ہاتھوں میں موجود ہے اور وہ قرآن پاک ہے۔کتنی صحیح نظر اور کتنے صحیح فیصلے ہیں۔اس حقیقت سے کون انکار کرسکتا ہے کہ ہم پاکستان صرف اس لئے نہیں چاہتے کہ مسلمانوں کے لئے ایک ایسی جگہ حاصل کرلیں جہاں وہ شیطان کے آلہ کار بن کران کی پٹی پر عمل کریں جس پر آج ساری دنیا کاربند ہے۔ہمارے پاکستان کا یہی مقصد ہے تو کم از کم میں ایسے پاکستان کا حامی نہیں ہوں۔اس امر سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ پاکستان اسلئے چاہتے ہیں کہ وہاں قرآنی نظام حکومت قائم ہو۔یہ ایک انقلاب ہوگا،یہ ایک نشاۃ ثانیہ ہوگی،یہ ایک حیات نو ہوگی جس میں خوابیدہ تصورات اسلامی ایک مرتبہ پھر جاگیں گے اور حیات اسلامی ایک مرتبہ پھر کروٹ لے گی۔پلاننگ کمیٹی آپ کے لئے دستوری اور سیاسی نظام مرتب کرے گی،اس کی بنیادی اگر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ پر نہیں ہیں تو وہ شیطانی سیاست ہے اور ہم ایسی سیاست سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔ (قائداعظم نے زور سے اور بڑے جوش سے میز پر مکا مار کر فرمایا بالکل درست کہتے ہو")

پاکستان کا تعلیمی نظام

اس پلاننگ کمیٹی کا مقصد یہ ہے کہ وہ مسلمانان ہند کو عموماً اور مسلمانان پاکستان کو خصوصاً پاکستان میں زندہ رہنے کے قابل بنائے اور پاکستان کے لئے خالص اسلامی نقطۂ نظر سے معاشرتی،تعلیمی،معاشی اور سیاسی نظام عمل مرتب کرے۔دنیا جانتی ہے کہ دنیا کا کوئی انقلاب عملی صورت نہیں اختیار کرسکتا جب تک پہلے ذہنی حیثیت سے مکمل نہ ہوجائے۔تاریخ عالم گواہی دیتی ہے کہ ہر انقلاب کو عملی صورت اختیار کرنے سے پہلے ذہنی انقلاب سے گزرنا پڑتا ہے۔تاریخ انقلاب میں صرف محمدی ﷺ انقلاب ہی ایک ایسا انقلاب تھا جس نے بائیس برس کی قلیل مدت میں ان دونوں منزلوں کو طے کیا۔ذہنی انقلاب کے پیدا کرنے کی ایک صورت تو یہی اجتماعات اور محفلیں ہیں لیکن انقلاب کو وجود میں لانے کا مستقلاً اور بنیادی ذریعہ صحیح اور موثر تعلیمی نظام کی ترویج ہے۔

ہندوستان کی سب سے بڑی بدبختی یہی تھی کہ یہاں کا تعلیمی نظام اس قوم نے مرتب کیا جو نہ صرف ہندوستان کی سرزمین اور اس کے معاشی ذرائع پر قابض ہونا چاہتی تھی بلکہ اس کے ذہن وفکر پر بھی اپنا قبضہ جمانا چاہتی تھی۔اس مقصد کے لئے اس نے ہماری تاریخ کو اس انداز سے ہمارے سامنے پیش کیا جس نے ہم میں خود فراموشی کو بڑھایا اور خوداعتمادی کو گھٹایا،جس نے ہماری مشرقی خصوصیات کو فنا کیا اور ہمیں مغربی غلامی کی زنجیروں میں جکڑا۔ضرورت ہے کہ مستقبل کے لائحہ عمل میں سب سے پہلا مقام تعلیمی نظام کو دیا جائے۔ایسا تعلیمی نظام جس کی بنیاد کتاب اللہ وسنت رسول اللہ ﷺ پر ہو۔جس نظام تعلیم سے گزرنے کے بعد مسلمان کا بچہ اسلامی نظام میں نشوونما پائے تاکہ وہ اپنی عملی زندگی میں ملت اسلامیہ کی صحیح خدمت انجام دے سکے۔میں اعلیٰ تعلیم کے مقابلہ میں ابتدائی تعلیم کو زیادہ اہمیت دیتا ہوں۔ابتدائی تعلیم بنیاد ہے جس کی مضبوطی پر عمارت کے استحکام کا انحصار ہے۔یاد رکھو قوم کی بدعملی صرف اخلاقی پستی ہی پیدا نہیں کرتی بلکہ اس قوم کی سیاسی غلامی کا سب سے بڑا سبب ہوتی ہے۔آپ کا فرض ہے کہ آپ اپنے تمام وسائل اس کمیٹی کی کامیابی کے لئے استعمال کریں۔

Marfat.com

پاکستان کا معاشی نظام

دوسرا اہم مسئلہ جو اس کمیٹی کے دائرہ کار میں شامل ہوگا، آپ کی معاشی تنظیم کا ہے، آپ جانتے ہیں کہ دنیا کی موجودہ کشمکش سرتاسر معاشی ہے۔ جو لڑائی اس وقت لڑی جا رہی ہے، اس کے اسباب پر اگر گہری نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ معاشی اور صرف معاشی مسائل اس کی تہہ میں کارفرما ہیں۔

اسلام کا آفتاب دنیا پر اس وقت طلوع ہوا جب ایک طرف دنیا میں سیم وزور کے فلک بوس پہاڑ تھے اور اسکی دوسری طرف نکبت وافلاس کے عمیق غار نظر آرہے تھے۔ نام نہاد پیشواؤں نے مذہب کو آلہ کار بنا کر بنی نوع انسان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے تھے اور خود ساختہ اصول کے تحت اعلیٰ اور ادنیٰ کا امتیاز قائم کر رکھا تھا۔ شہنشاہیت اور سرمایہ داری کا دور دورہ تھا۔ حضرت محمد ﷺ نے بہ یک جنبش لب لا الہ الا اللہ کہہ کر اس ہلال حق سے باطل کی ساری عمارتوں کو مسمار کر کے تبلیغ وتوحید سے ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ان غاروں کو بھرا جو افلاس ونکبت نے پیدا کر دیئے تھے۔ انسانیت کی سطح ایک کر دی تھی۔ محمد عربی ﷺ کی محفل میں ہم بلال حبشیؓ کو ہم دوش ابو بکر صدیقؓ اور عمار و یاسر کو ہم نشین عمر ابن خطابؓ دیکھتے ہیں۔ امتناع سود سے سرمایہ داری کی جڑیں کٹ گئیں۔ وراثت کے قانون نے دولت کو جمع ہونے کے راستے روک دیئے۔ زکوٰۃ نے اس دولت کو جو کسی نہ کسی طرح ان موانع کی موجودگی میں جمع ہوتی "جبراً" تقسیم کر دیا اور ارتکاز دولت کا خاتمہ کر دیا۔ جمع مال کی خدمت اور انفاق فی سبیل اللہ کی تلقین نے مدینہ میں عہد رسالت کے اخری ایام کو مسکین کے وجود سے خالی کر دیا۔ الارض اللہ کا قرآنی پیغام سنا کر نبی اُمی نے زمین کی ملیت صرف خدا اور اس کے خلیفہ یعنی اسلامی اسٹیٹ کے لئے مخصوص کر دی۔ نہریں، جنگل، معدنیات وغیرہ یہ سب سٹیٹ کی مشترک ملک قرار پائے اور کسی فرد واحد کو یہ حق نہ رہا کہ ان کے ذریعہ دولت کے ڈھیر جمع کرے۔ زکوٰۃ کے تعلق سے اجمالاً واشارتاً یہ بات ذہن نشین رکھنے کے قابل ہے کہ یہ اسلامی ٹیکس آمدنی پر وصول نہیں کیا جاتا بلکہ سرمایہ سے وصول کیا جاتا ہے اور ان سارے ٹیکسوں سے بڑھ جاتا ہے جو آج ساڑھے تیرہ سو برس کے بعد انسانیت نے اپنی ترقی یافتہ ضرورتوں کو مدنظر رکھ کر وضع کیے ہیں۔ کیا اس نظام کی موجودگی میں کسی اور معاشی نظام کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھنے کی ضرورت ہے؟ میں محسوس کر رہا ہوں اور پوری شدت کے ساتھ محسوس کر رہا ہوں کہ روس کی اس جنگ میں انگلستان کے ساتھ شرکت نے ہندوستان کے لئے کمیونزم کی تبلیغ اور دعوت کے دروازے کھول دیئے ہیں اور کمیونسٹ کو موجودہ گرانی اور قلت اجناس نے موقع بہم پہنچایا ہے کہ غریبوں کے سامنے روٹی اور کپڑے کا نعرہ بلند کر کے ان کو کمیونزم کی طرف گھسیٹیں۔ میں اپنے نوجوانوں کو ہندو نوجوانوں سے زیادہ اس مذہب معاش کی طرف متوجہ ہوتا دیکھ رہا ہوں۔ اگر کمیونزم کے معنی صرف یہ ہیں کہ دنیا سے غربت و افلاس کو مٹایا جائے اور ہر انسان کو روٹی اور کپڑا مہیا کیا جائے تو میں اپنے آپ کو سب سے بڑا کمیونسٹ کہہ سکتا ہوں اور اگر اس کے پیچھے یہودی کارل مارکس کا وہ فلسفہ کام کر رہا ہے جس کی بنیاد اللہ تعالیٰ کے انکار پر ہے تو میں کمیونزم سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں۔

Marfat.com

اسلام کی بنیاد وجودِ باری کے عقیدے پر رکھی گئی ہے اور اگر مسلمان اس سے ہٹ رہا ہے تو اسلام سے ہٹ رہا ہے، سیدھے راستے سے ہٹ رہا ہے، خیر سے ہٹ کر تباہی کے غار میں گرنا چاہتا ہے۔ میں اس اجلاس میں اعلان کرنا چاہتا ہوں کہ ہمارے پنڈال سے وہ لوگ اُٹھ جائیں جو خدا کے انکار پر اپنے معاشی نظام کی بنیاد رکھتے ہیں، قرآن کے واضح اور اٹل احکامات میں تحریف و اضافہ کر کے مسلمانوں کو گمراہ کرنا چاہتے ہیں اور جو روٹی کپڑے کے بدلے مسلمان کا ضمیر اور اس کا ایمان خریدنا چاہتے ہیں (مجمع سے بے پایاں شور بلند ہوتا ہے ''ہم صرف اسلامی نظام چاہتے ہیں'')

مجھے یقین ہے کہ ہمارے پلاننگ کمیٹی جب پاکستان کے لئے معاشی نظام مرتب کرے گی تو اس کی بنیاد قرآن و اسلامی نظام معیشت پر ہوگی (قائداعظم زندہ باد کے فلک شگاف نعرے)

جناب قائداعظم

میں نے پاکستان کو اسی طرح سمجھا ہے اور اگر آپ کا پاکستان یہ نہیں ہے تو ہم ایسا پاکستان نہیں چاہتے۔

(قائداعظم نے مسکراتے ہوئے فرمایا: آپ مجھے قبل از وقت کیوں چیلنج دے رہے ہیں)

نہیں قائداعظم! میں چیلنج نہیں دے رہا ہوں۔ میں اس چیلنج کے ذریعے آپ کے عوام کو یہ سمجھانا چاہتا ہوں کہ آپ ایسا ہی پاکستان چاہتے ہیں جس کا اس وقت اجمالی تصور پیش کیا گیا ہے۔

نشاۃ ثانیہ

برادران ملت! یاد رکھئے پلاننگ کمیٹی کا تقرر آپ کی سیاسی زندگی کی نشاۃ ثانیہ ہے۔ وہ قوم جو تعلیمی اور معاشی حیثیت سے آزاد نہ ہو، سیاسی حیثیت سے کبھی آزاد نہیں ہو سکتی۔ تعلیمی اور معاشی غلامی کے ساتھ سیاسی آزادی غلامی کی بدترین قسم ہے۔ اپنی تقریر ختم کرتے ہوئے میں آپ کی توجہ اس امر کی جانب خصوصیت سے مبذول کروانا چاہتا ہوں کہ پاکستان کا مطالبہ کر کے اگر آپ ایسا ملک چاہتے ہیں جس میں پاک لوگ بستے ہوں اور جو خیالات کے اعتبار سے، افکار و اعمال اور کردار کے لحاظ سے پاک ہوں تو میرے دوستو یاد رکھو کہ جسمانی ناپاکی دور ہو سکتی ہے اور آسانی سے دور ہو سکتی ہے لیکن ذہن و فکر اور قول و عمل کی ناپاکی وہ گندگی ہے جس کو دور کرنے کے لئے اللہ نے انبیاء جیسی ہستیاں پیدا کی ہیں۔ وہ اسی وقت دور ہو سکتی ہے جب نبی کی اتباع کی جائے۔ کیا ان ناپاکیوں میں آلودہ ہو کر جھوٹ کو اپنا شعار بنا کر، مکر و فریب میں مبتلا رہ کر، ظلم و استبداد کو جاری رکھ کر کیا ہم یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ ہم پاک ہیں اور اگر ہم ان گندگیوں سے پاک نہ ہوئے اور ہمیں ہندوستان کے دونوں گوشوں میں خود مختار حکومت مل بھی گئی تو کیا وہ پاکستان کہلانے کی مستحق ہوگی؟ پاک بننے کی اس کوشش کو آج سے شروع کرو اور یاد رکھو کہ نہ صرف پاکستان میں رہنے کے لئے پاک بننے کی ضرورت ہے بلکہ پاکستان کے حصول کے لئے بھی پاک بننے کی ضرورت ہے۔ مکر و فریب کی سیاست طالبان پاکستان کی سیاست نہیں ہو سکتی۔ آپ کی کونسل آف ایکشن کا سب سے پہلا طریقہ یہ ہوگا کہ پاکستان کی جنگ لڑنے والے سپاہیوں کو آج سے پاک بنانا شروع کر دے۔ مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ سپاہی اس وقت تک پاک

Marfat.com

نہیں ہوسکتا جب تک کہ ایک ایک سپہ سالار پاک نہ ہو جائے۔

سن لو اور یاد رکھو اسلام کے عہد حاضر کے سب سے بڑے مفکر علامہ اقبال برملا کہہ رہے ہیں:

عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو — کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی

دارا و سکندر سے وہ مرد فقیر اولیٰ — ہو جس کی فقیری میں بوئے اسداللہی

(شہ نشین پر بیٹھنے والوں کی طرف مخاطب ہو کر)

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی — جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

نوائے سروش

برادران ملت! اس زندگی ناپائیدار میں انسان کا عمل ہی اسے حیات دوام بخشتا ہے۔ ہماری منزل اگر چہ نمایاں ہو کر نگاہوں کے سامنے آچکی ہے اور ہمیں اس بات کا یقین ہو چکا ہے کہ ہم اپنے عظیم قائد کی رہنمائی میں منزل سے ہمکنار ہو کر رہیں گے۔ لیکن راستے کے خطرناک سے آگاہ کئے بغیر نہیں رہ سکتا، وقت کے تند و تیز طوفانوں میں اس امکان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ ابتلاو آزمائش کی کٹھن ساعتوں میں کتنے ہی سپاہی بچھڑ سکتے ہیں۔ یہ بھی میری آرزو ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کے عظیم مقصد میں عظیم کامیابی عطا فرمائے۔ آخر میں اس مختصر سی دعا کے ساتھ جس کی برکات بے اندازہ ہیں، رخصت ہوتا ہوں:

یا ربنا یا ارحم الرحمین — رحم کن بر حال ما یا رحمتہ اللعالمین

جناح گاندھی مذاکرات

قائداعظم اور گاندھی کے درمیان ۹۔ ستمبر ۱۹۴۴ء کو ملاقاتوں اور بات چیت کا سلسلہ شروع ہوا اور تین ہفتے تک جاری رہا لیکن دونوں رہنماؤں کے نقطہ نظر میں بہت زیادہ فرق کی وجہ سے مذکارات ناکام ہوئے البتہ مذاکرات سے قائداعظم کو ہندو ذہنیت کو اچھی طرح سمجھنے کا موقع مل گیا۔ ان مذاکرات کے چند دن بعد قائداعظم نے لندن کے ''نیوز کرانیکل'' کو ایک انٹرویو دیا جو ۴۔ اکتوبر ۱۹۴۴ء کے شمارے میں شائع ہوا۔ اس میں قائداعظم نے کہا کہ ہندو مسلم اختلافات کو دور کرنے کا صرف ایک ہی عملی طریقہ ہے۔ یعنی ہندوستان کو دو آزاد اور خود مختار حصوں یعنی پاکستان اور ہندوستان میں تقسیم کر دیا جائے اور ہر دو پر اعتماد کیا جائے کہ پاکستان میں ہندو اقلیت سے اور ہندوستان میں مسلم اقلیت سے منصفانہ سلوک کیا جائے گا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہندو ہماری مکمل آزادی کو ذہنی طور پر تسلیم نہیں کریں گے۔

ویول کی تجاویز

۱۹۴۵ء کے آغاز میں جنگ کا خاتمہ صاف نظر آ رہا تھا۔ جاپان کی قوت پر تو ابھی تک کوئی ضرب نہیں لگی تھی البتہ جرمنی جل کر راکھ کا ڈھیر ہو گیا تھا۔ اور اس کے ابھرنے کی کوئی صورت باقی نہیں رہی تھی۔ ویول اپنے دل میں آئندہ کے متعلق منصوبے مرتب کر رہا تھا اور سمجھ گیا کہ جنگ کے خاتمے پر بہت سے حل طلب مسائل جمع ہو جائیں گے۔ اور ان سب سے بیک

Marfat.com

وقت عہدہ برآنہ ہوگا۔ اس نے ہوم ورک کی ٹھانی اور قومی حکومت کے گڑے مردے کو نکال کر زندہ کرنے کی کوشش کی اسمبلی میں کانگریس اور لیگ کے لیڈروں کی بیان کردہ افہام وتفہیم سے مرکزی حکومت کی تشکیل نو کے متعلق تجویزیں مرتب ہوئیں۔ ان کو ساتھ لے کر ویول انگلستان گیا اور برطانوی حکومت کی منظوری حاصل کرنے کے بعد واپس آتے ہی اس نے ۲۷ مئی کو ان تجاویز کا ریڈیو پر اعلان کیا۔

شملہ کانفرنس

ان تجاویز کی منظوری کے لئے اس نے شملہ کے مقام پر ایک سیاسی کانفرنس طلب کی تجاویز کی جزئیات پر بحث کرنے کا موقع نہیں بنیادی مسئلہ یہ تھا کہ مجوزہ حکومت کے مسلمان ارکان کس کی نمائندگی کریں گے۔ کانگریس سارے ملک کی نمائندگی کی اجارہ داری کی دعویدار تھی۔ اور مجوزہ حکومت کے پانچ مسلمان ارکان میں سے دونشستوں پر کانگریسی مسلمانوں کو نمائندگی دلوانا چاہتا تھی ویول پنجاب کی یونینسٹ پارٹی کا سرپرست ہونے کی حیثیت سے ایک یونینسٹ مسلمان کی نمائندگی اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہتا تھا۔ باقی دو مسلمان لیگ کی نمائندگی کر سکتے تھے قائداعظم کو اس طریق کار سے شدید اختلاف تھا۔ گزشتہ آٹھ سالوں کے ضمنی انتخابات کے نتائج سے یہ بات بالکل ثابت تھی کہ مسلم لیگ ہی مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے ویول کی نیت بھی صاف نہ تھی۔ وہ ایک طرف تو کانگریس کی خوشامد میں مصروف تھا۔ دوسری طرف یونینسٹ پارٹی جس کا وجود بھی متناعہ فیصلے تھا اور جو لیگ سے ۱۹۴۴ء میں بغاوت کر چکی تھی۔ لیگ کے مقابلے میں کھڑا کر رہا تھا۔ کانفرنس ناکام ہوئی ویول نے جائز طور پر اس کا اپنے سر لے لیا۔ اس کانفرنس کا مثبت نتیجہ یہی نکلا کہ ملک میں عمومی انتخابات کرانے کا فیصلہ ہوا تا کہ مختلف سیاسی جماعتوں کے دعاوٗں کا امتحان ہوسکا۔ انہی دنوں ایٹم بم کے سامنے خود کو بے بس پاتے ہوئے جاپان نے غیر مشروط طور پر شکست مان لی۔

دوسری جنگ عظیم کے خاتمے کے قریب حکومت برطانیہ نے اعلان کیا کہ گورنر جنرل کی ایگزیکٹو کونسل بنائی جائے گی تاکہ بعد میں مرکزی عبوری حکومت کا قیام عمل میں آسکے چنانچہ جون ۱۹۴۵ء میں گورنر جنرل نے تمام پارٹیوں کی ایک کانفرنس شملہ میں بلائی جس میں گاندھی، ابوالکلام آزاد اور قائداعظم بھی شامل ہوئے۔ کانفرنس کے نتیجے کے طور پر سیاسی جماعتوں نے ایگزیکٹو کونسل کے ممبران کے نام تجویز کرتے تھے لیکن کانفرنس کے دوران کانگرس نے دعویٰ کیا کہ وہ ہندوستان کی واحد نمائندہ جماعت ہے اس لئے مسلمان ممبران کے نام بھی کانگرس ہی تجویز کرے گی جب کہ قائداعظم کا نقطہ نظر یہ تھا کہ مسلم لیگ ہی مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے۔ چنانچہ اس اختلاف کی بنا پر کانفرنس ناکام ہوگئی۔

قائداعظم نے اس موقع پر ایک واضح موقف اختیار کر کے پاکستان کے قیام کے لئے راہ ہموار کر دی اس لئے کہ اگر اس وقت کانگرس کامیاب ہو جاتی تو انہی بنیادوں پر عبوری حکومت کا قیام عمل میں آتا اور نتیجہ کے طور پر ہندوستان کی تقسیم کی تجویز کا ہندوؤں کی اکثریت کے بوجھ تلے دب کر ختم ہو جاتی۔ کانگرس کی ناکامی کے نتیجے میں انتخابات ہوئے جس میں قائداعظم کا فرمان سچ ثابت ہوا مسلم لیگ کو زبردست کامیابی حاصل ہوئی۔ ان انتخابات میں واضح کامیابی نے مسلم لیگ کے اس دعویٰ کو

Marfat.com

درست ثابت کر دیا کہ

۱۔ مسلم لیگ ہی مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے۔

۲۔ ہندوستان کے مسلمان مطالبہ پاکستان پر متفق ہیں۔

مسلم لیگ کی بھرپور کامیابی دراصل قائداعظم کی رہنمائی اور قابلیت کو خلا خراجِ عقیدت تھا۔ یہ ان کی قیادت کا کارنامہ تھا کہ جس مسلم لیگ کو ۱۹۳۷ء میں ۴۸۲ مسلم حلقوں میں سے صرف ۱۰۲ حلقوں میں کامیابی حاصل ہوئی تھی لیکن صرف آٹھ سال بعد وہ برصغیر کے مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت بن گئی۔

۱۹۴۵۔۴۶ کے انتخابات

انتخابات ۱۹۴۵ء کے موسم سرما میں شروع ہوئے اور ۱۹۴۶ء کے آغاز میں ختم ہوئے۔ ان سے دو باتیں ثابت ہوئیں۔ اول لیگ ہی مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے۔ اور دوم برصغیر کے مسلمان تقسیم ملک چاہتے ہیں۔ ۱۹۴۵ء کے وسط میں برطانیہ کے عمومی انتخابات میں لیبر پارٹی کو پہلی دفعہ پارلیمنٹ میں فیصلہ کن اکثریت حاصل ہوگئی اس کے پروگرام میں ہندوستان کی آزادی کا مسئلہ بہت اہم بتایا جاتا تھا یوں بھی لیبر پارٹی والوں کی کانگریس کے لیڈروں سے بہت گاڑھی چھنتی تھی لیبر کے برسر اقتدار آنے سے کانگریس والوں کے حوصلے اور بھی بڑھے۔ جواہر لال نہرو کو سخن سازی کا فن آتا ہی تھا۔ انہوں نے نہایت دیدہ دلیری سے کہنا شروع کیا کہ مسلمانوں کی رائے کوئی حیثیت نہیں لیکن حقیقت یہ تھی کہ الیکشنوں سے مسئلے تمام الجھاؤ ختم ہو چکے تھے ملک میں دو ہی پارٹیاں تھیں کانگریس اور مسلم لیگ۔ کانگریس ملک کو متحد رکھ کر اکثریت کی حکومت قائم کرنا چاہتی تھی۔ مسلم لیگ اکثریت کے علاقوں کو پاکستان میں تبدیل کرنا چاہتی تھی۔

کابینہ مشن

مارچ ۱۹۴۶ء میں برطانیہ کی لیبر حکومت نے تین وزراء (کرپس پیتھک لارنس اور اے دی الیگزینڈر) پر مشتمل ایک مشن ہندوستان کو بھیجا تاکہ دونوں پارٹیوں کے درمیان افہام و تفہیم کی کوئی راہ نکلے، کرپس اور لارنس دونوں کانگریس کے خیرخواہ مربی تھے۔ ۱۹۴۶ء میں کرپس کی تجاویز کے سلسلے میں برطانوی حکوت نے ایک غلطی یہ کی کہ گفت وشنید کے تمام اختیارات کلی طور پر کرپس کے سپرد کر دیئے تھے۔ اور وائسرائے ان سے بالکل بے تعلق تھا، اس لئے وہ پس پردہ بیٹھ کر تاریں ہلاتا تھا۔ اب کے وائسرائے ویول کو بھی اس مشن میں باقاعدہ طور پر شامل کر لیا گیا تھا۔ اس لئے اس مشن کے متعلق اس کی چھپی ہوئی ڈائری میں بہت سی کام کی اطلاعات مل جاتی ہیں۔ مشن نے حسب معمول اپنی کاروائی کا آغاز پارٹی لیڈروں کی ملاقات سے کیا۔ دو مہینے کے اندر ان کی ان پر حقیقت حال واضح ہوگئی ایک طرف تو برصغیر کے مسلمانوں میں پورا پورا اتحاد تھا۔ قائداعظم کی قیادت مسلم تھی اور مسلمانوں کے حق خود ارادیت کے متعلق کوئی اختلافات نہ تھا دوسری طرف کانگریس کو ہندو رائے عامہ کی پوری پوری تائید حاصل تھی اور تقسیم ملک کے بارے میں اس کا رویہ لچک تھا ان دو نقطۂ ہائے نظر میں رابطہ پیدا کرنا مشکل تھا۔

Marfat.com

ا۔ مشن کی تجاویز

بہت غور و فکر کے بعد مشن نے ۱۶ مئی ۱۹۴۶ء کو اپنی اسکیم کا اعلان کیا۔ جس میں تقسیم ملک کو ٹالنے کی خاطر ایک محدود اختیارات رکھنے والی ایسی مرکزی حکومت کی سفارش کی گئی تھی۔ جو صرف دفاع، امور خارجہ اور مواصلات کی نگرانی کرے مرکز کو تو بہر حال اکثریت کی تحویل میں رہنا ہی تھا۔ اسی لئے دانستہ طور پر کمزور بنایا گیا تھا۔ تا کہ یہ مسلمانوں کے لئے قابل قبول ہو سکے اس مرکز سے نچلی سطح پر ایک دو منزلہ وفاق قائم کرنے کی تجویز پیش کی گئی تھی اس مقصد کے لئے گیارہ صوبوں کو تین گروہوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ ایک گروپ میں مسلم اکثریت کے شمال مغربی صوبے یعنی پنجاب، سندھ، سرحد اور بلوچستان دوسرے گروپ میں مسلم اکثریت کے شمال مغربی صوبے یعنی آسام اور بنگال تیسرے صوبے میں ہندو اکثریت کے باقی ماندہ چھ صوبے مجوزہ انتظام یہ تھا کہ ہر صوبے کی اپنی حکوت ہو گی اس کے اوپر ہر گروپ کی حکومت ہو گی اور سب سے اوپر یونین کی محدود حکومت ہو گی جس کا ذکر بھی کیا جا چکا ہے غالباً مشن کا مقصد یہ تھا کہ گروپوں کی حکومتیں بہت با اختیار ہوں گی اور اس طرح اکثریت کے منطقوں کو دفاع امور خارجہ اور مواصلات کو چھوڑ کر باقی تمام معاملوں میں کلی اختیار ہو گا۔ دستور سازی کے لئے ایک دستور ساز اسمبلی کا انتخاب ہونا تھا جس کو علیحدہ علیحدہ گروپوں میں بیٹھ کر صوبائی دستور نیز گروپوں کے دستور بنانے تھے۔ یہ تھا مشن کی سکیم کا ایک اہم حصہ۔

دوسرا حصہ یہ تھا کہ عبوری دور کے لئے ایک ایسی نمائندہ حکومت بنائی جائے گی جس میں بڑی بڑی پارٹیوں کے ساتھ اقلیتیں بھی شامل ہوں گی۔

ایک اہم مشق یہ بھی تھی کہ دس سال کے عرصہ کے بعد کوئی گروپ چاہے تو وہ انڈین یونین سے علیحدگی اختیار کر سکتا ہے۔

مشن کا اصرار یہ تھا کہ اس سکیم کے دونوں حصے باہم مربوط ہیں اس لئے دونوں کو قبول کرو یا نا منظور۔ جو پارٹی اسے نا منظور کرے گی اسے نظر انداز کر کے تعاون کرنے والی پارٹی کی مدد سے مجبوری حکومت کی تشکیل کی جائے۔

۲۔ مشن کی تجاویز کا حشر

دونوں کیمپوں میں مفصل بحث کے بعد کانگریس نیا اسکیم کا پہلا یعنی دستور سازی کا حصہ تو منظور کر لیا لیکن عبوری حکومت میں شامل ہونے سے انکار کر دیا۔ مسلم لیگ نے دونوں حصوں کی توثیق کر دی۔ لیکن قبولیت کی وجہ یہ بتائی کہ صوبوں کے گروپنگ سے مسلمانوں کے حق خود ارادیت کو فوری طور پر بروئے کار لایا جا سکے گا۔ اور اس اسکیم کے اندر رہتے ہوئے دس سال کے اندر اندر پاکستان بن جائے گا۔ چاہئے تو یہ تھا کہ اپنے موقف کے مطابق، مشن کے ارکان، کانگریس کو نظر انداز کر کے لیگ کو عبوری دعوت بنانے کی دعوت دیتے لیکن وہ اپنے وعدے سے پھر گئے۔ کانگریس نے اسکیم کے پہلے حصے کی جو لنگڑی لولی منظوری دی تھی وہ اس طرح واپس لے لی گئی کہ جواہر لال نہرو نے اعلان کیا کہ گروپنگ کو مشن کی اسکیم کا لازمی جز نہیں قرار دیا جا سکتا۔ کسی صوبے کو اس کے مقرر گروپ میں شامل ہونے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا نیز دستور ساز اسمبلی ایک خود مختار ادارہ ہے اس پر

Marfat.com

کسی قسم کی کوئی پابندی عائد نہیں کی جاسکتی حقیقت یہ ہے کہ ساری کی ساری سکیم مشروط تھیں اگر کانگریس کی اس توضع کو مان لیا جاتا تو مسلمانوں کا حق خود ارادیت ساقط ہو جاتا اور دستور ساز اسمبلی کانگریس انتظامیہ کا تابع مہمل بن کر رہ جاتی اس پر لیگی حلقوں میں شدید ردعمل ہوا اور لیگ نے بھی مشن کی سکیم پر از سر نو غور کرنے کے بعد اور مشن کی وعدہ خلافی پر احتجاج کرتے ہوئے اپنی منظوری لے لی اور ۱۶ اگست کا دن ڈائریکٹ ایکشن ڈے مقرر کیا جون کے آخر میں مشن کے ارکان انگلستان واپس چلے گئے انہوں نے گفت وشنید کے جو طریقے اختیار کئے تھے ان سے کانگریس اور لیگ کے اختلافات شدید تر ہو گئے۔ برطانوی حکومت کے خلاف مسلمانوں کی ناراضگی بہت بڑھی لیکن دستور ساز اسمبلی کے انتخابات بہت جلدی ہو گئے۔

عبوری حکومت اور اس کی ناکامی

کابینہ مشن کی روانگی کے بعد وائسرائے نے عبوری حکومت بنانے کی کوشش از سر نو شروع کر دی اس ڈائری کے بعض اندراجات سے معلوم ہوتا ہے کہ لیبر گورنمنٹ اس سے اس لئے ناراض تھی کہ وہ سارا اقتدار کانگریس کے حوالے کرنے میں شامل کرتا تھا وہ نہرو اور گاندھی کے ہتھکنڈوں کو اچھی طرح سمجھتا تھا اس نے ایک انٹرویو پر ان دونوں کو یہ ڈانٹ پلائی۔تم مجھے پیچ در پیچ قانونی موشگافیوں میں مت الجھاؤ بلکہ دیانت دار آدمیوں کی طرح مجھ سے گفتگو کرو۔اسے پاکستان کے معاملے میں مسلمانوں کے شدید جذبات کا علم تھا۔وہ کانگریس اور لیگ دونوں کے بیچ در بیچ چلنا چاہتا تھا لیکن اپنے آقاؤں کی خواہشات کے سامنے بے بس تھا۔چنانچہ سانے ۹ ستمبر ۱۹۴۶ء کو کانگریس کے نامزد ارکان کو اپنی حکومت میں شامل کر لیا اس وقت حالات نہایت نازک ۱۶ اگست کو ڈائیریکٹ ایکشن ڈے کے موقع پر کلکتہ میں ہولناک فساد ہو چکے تھے جن میں ہندوؤں نے دل کھول کر مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی تھی۔مسلمانوں نے ۲ ستمبر کو یوم احتجاج منایا ویول لیگ کو بھی حکومت میں شریک کرنا چاہتا تھا ورنہ خانہ جنگی کا فوری خطرہ سر پر سوار تھا آخر وہ اپنی کوششوں میں کامیاب ہوا اور لیگ بھی حکومت میں آئی۔کانگریس نے تمام اہم محکمے اپنے رکھے اور لیگ کے پاس صرف مالیات کا محکمہ جانے دیا۔خیال یہ تھا کہ مسلمان حساب کتاب میں کمزور ہوتے ہیں اس لئے مالیات کا محکمہ لیگ کے نمائندے سے نہیں چل سکے گا۔یہ عبوری حکومت جس میں لیگ اور کانگریس دونوں شامل تھیں بالکل بے کار ثابت ہوئیں اس کے کسی اجلاس میں کسی مسئلے پر اتفاق رائے نہیں ہو سکتا تھا۔اور ہر میٹنگ تو تو میں میں پر ختم ہو جاتی تھی۔ معاملات پر حکومت کی گرفت کمزور سے کمزور تر ہو رہی تھی۔ بہار مشرقی بنگال اور یو پی ہولناک فرقہ وارانہ فسادات ہوئے۔ مرکزی حکومت کے کانگریسی ارکان ہندو فسادیوں کی حوصلہ افزائی کرتے اور ان کے جرائم سے پردہ پوشی کرتے تھے لیگی جواہر لال نہرو کو سربراہ حکومت تسلیم کرنے سے انکاری تھے۔

کانگریس اور لیگ کے اختلافات

برطانوی حکومت کا فیصلہ

سب سے اہم اختلاف صوبوں کی گروپنگ کے متعلق تھا مسلمانوں کا حق خود اختیاری گروپنگ اسکیم کی بنیاد پر قائم

Marfat.com

اگر گروپنگ کو ختم کر دیا جائے تو مسلمانوں کے نقطۂ نظر سے ساری سکیم بے کار ہو جاتی تھی کانگریس گروپنگ کے لئے اختیاری قرار دیتی تھی اس کا اصرار یہ بھی تھا کہ مسلم لیگ ان کی طے کی ہوئی شرائط کے ماتحت دستور ساز اسمبلی میں داخل ہو ورنہ حکومت مستعفی ہو جائے۔ آخر کار برطانوی حکومت، جو کئی مہینے سے اس بحث کو تماشائی کی حیثیت سے دیکھتی رہی تھی۔ حرکت میں آگئی اور اس نے لندن میں لیڈروں کی ایک کانفرنس طلب کر کے یہ فیصلہ دیا کہ گروپنگ لازمی ہے اختیاری نہیں۔

اس فیصلے سے کانگریس کے عزائم پر اوس پڑ گئی۔ لیکن دستور ساز اسمبلی کا اجلاس شروع ہو گیا جس میں لیگ نے شامل ہونے سے انکار کر دیا۔ اس سے پاکستان کا حصول یقینی بن گیا۔ عبوری حکومت کے اندرونی اختلافات سالانہ بجٹ کے موقع پر کھل کر سامنے آگئے۔ وزیر خزانہ لیاقت علی خان کی نگرانی میں جو میزانیہ تیار ہوا اس میں صنعت کاروں اور تاجروں پر بھاری ٹیکس لگائے گئے تھے آج کل کے مقابلے میں تو یہ ٹیکس معمولی تھے لیکن ان دنوں کے معیار سے ان کو بھاری سمجھا جاتا تھا۔ بات یہ تھی دوران جنگ کی صنعتی ترقی سے بے شمار لوگوں نے بے اندازہ دولت کمائی تھی۔ وہ مختلف حیلوں اور بہانوں سے حکومت کو دھوکہ دیتے تھے اور سرکاری واجبات کو روک لیتے تھے۔ بجٹ میں ایسے نادہندہ ٹیکس گزاروں کا جو زیادہ تر ہندو تھے، اچھی طرح تدارک کیا گیا تھا حکومت کے ہندو ارکان اس بات کو لے اٹھے کہ یہ بجٹ انتقامی بجٹ ہے حالانکہ معاملہ اصلاحی اور انتظامی نوعیت کا تھا اس سے ہندوؤں کو مسلم لیگ کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے کے لئے ایک اور ہتھیار مل گیا آخر کار کچھ دو اور کچھ لو کے اصول پر حکومت کے دونوں دھڑوں میں مفاہمت ہوگئی۔ عبوری حکومت کھوکھلا پن ظاہر ہو گیا اس کا ناکام تجربہ قیام پاکستان کے ساتھ ختم ہو گیا۔

شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانیؒ کا خطبہ صدارت

صوبائی کانفرنس جمعیۃ علماء اسلام، منعقدہ لاہور، جنوری ۱۹۴۶ء

صوبہ پنجاب کی تاریخ میں شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانیؒ کا یہ خطبہ صدارت اپنی عظمت اور اہمیت کے اعتبار سے سنہری حرفوں میں لکھے جانے کے قابل ہے۔ میرٹھ کانفرنس کے بعد علامہ عثمانی کی صدارت میں کانپور، مدراس، بمبئی، حیدر آباد، سندھ، سہارنپور، مظفر نگر، بجنور اور دیگر مقامات پر کانفرنسیں منعقد ہوئیں جن سے ملک میں ایک خاص ذہن پیدا ہوا جو مسلم لیگ اور نظریہ پاکستان کی حمایت کے حق میں روشن ہوا۔ پنجاب میں خضر حیات کی وزارت یونینسٹ حکومت تھی۔ خضر حیات ایک طرف تو مسلم لیگ کی بظاہر ہاں میں ہاں ملاتے تھے لیکن پس پردہ گیلنسی گورنر پنجاب کے ہمنوا تھے۔ اس لئے یہاں ایک کانفرنس کی ضرورت تھی۔ چنانچہ مولانا غلام مرشد صاحب صدر جمیعۃ العلماء اسلام پنجاب کی کوششوں سے اسلامیہ کالج لاہور کے گراؤنڈ میں علامہ عثمانی نے زبردست خطبہ دیا جو "ہمارا پاکستان" کے نام سے مشہور ہے اور جس خطبے نے پنجاب کی کایا پلٹ کر رکھ دی۔ آپ نے فرمایا: ہمارا عقیدہ ہے کہ تقدیر نے ہمیں پاکستان کے تحفظ کے لئے منتخب کیا ہے اور یہ چیز آئندہ نسلوں کو ورثہ میں ملے گی۔ امروز شاید ہمارا مذاق اڑائے لیکن ہماری آنکھیں صبح فردا کے اس دلفریب خندہ کا نظارہ کر رہی ہیں جس کے پردے سے ہماری

Marfat.com

کامرانیوں کا مہر منیر طلوع ہوگا۔اس صبح اُمید کی نمود تک ہم نومیدیوں کی شب تار کو اپنی قربانیوں کے نور سے روشن رکھیں گے اور اسلام کے سچے فرزندوں کی طرح ہر مصیبت کو خندہ پیشانی سے برداشت کریں گے (خطبہ لاہور)

۲۔ کیا بعید ہے جیسے مدینے کا پاکستان انجام کار فتح مکہ پر منتہی ہوا اور سارے جزیرۃ العرب کو اس نے پاکستان بنادیا، اسی طرح یہ ہندی پاکستان بھی اللہ کے فضل ورحمت سے وسیع تر ہوتا جائے۔

شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانیؒ کا خطبہ صدارت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین و العاقبة للمتقین و الصلوٰة و السلام

علی سید الانبیاء و المرسلین و علیٰ آلہِ و صحبہِ اجمعین. اما بعد

آپ نے اپنے حسن ظن کی بناء پر جمیعۃ العلماء اسلام کی اس پہلی صوبائی کانفرنس کا صدر تجویز فرما کر مجھے جو عزت بخشی اللہ تعالیٰ اس کی لاج رکھ لے، آپ کے نیک گمان کو میرے حق میں اپنی قدرت کاملہ سے سچا کر دکھائے، ایک اور ادنیٰ خادم دین کی قدر افزائی کا صلہ دین وملت کی کسی عظیم فلاح وکامرانی کی صورت میں سب کو مرحمت فرمائے۔بس یہی میری متضرعانہ دعا اور یہی میری طرف سے آپ کا مخلصانہ شکریہ ہے۔کیا میرے بھائی اس پر قناعت کریں گے۔میں جلسوں کے آداب وحقوق اور منصب صدارت کے فنی رسوم وفرائض سے نہ پوری طرف ہوقف ہوں، نہ اپنی افتادِ طبیعت سے اس ان کے انجام دینے کی صلاحیت و قدرت رکھتا ہوں۔اس لئے اگر میں آپ کے تخمینہ یا عصری معیار کے مطابق کوئی خطبہ پیش نہ کرسکوں تو مجھے معذور سمجھئے۔میرا مشورہ تو دوسروں کے لئے بھی یہی ہے کہ اب ہم مسلمانوں کے پاس اپنے قومی جہاز کو شدید ترین خوفناک گرداب بلا سے نکالتے ہوئے اتنا فضول وقت نہیں بچنا چاہئے جس میں اہم اور ضروری مقاصد کو چھوڑ کر ہم محض اپنی عملی قابلیت کا اظہار اور رسمی وزبانی شکریوں کی نمائش کیا کریں۔

علماء ومشائخ کے فرائض

ہم مسلمانوں اور خصوصاً علماء اُمت کو اپنی مجالس عامہ اور خاصہ میں تتبع کرنا چاہئے ،قرون اولیٰ کی سادہ اور بےلوث مجالس کا،ان کی مختصر مگر پر مغز تقریروں اور طویل وعریض سلسلہ عمل کا،ان کے مشاورت اور تبادل آراء وافکار کے بہترین اصول کا،ان کی مخلصانہ تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کا، ان کے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا اور اصلاح ذات البین کی مفید متفع گفتگوؤں کا۔غرض یہ کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اس معطر ومنعکس ارشاد پر ٹھیک ٹھیک عمل پیرا ہونے کا:

لا خیر فی کثیر من نجواھم الا من امر بصدقة او معروف او اصلاح بین الناس

ان کی اکثر مجالس میں کوئی بھلائی نہیں بجز اس شخص کے جو حکم دے خیرات کا یا کسی اچھی اور معقول بات کا یا اصلاح ذات البین کا۔

Marfat.com

حضرت عثمانؓ کا تاریخی فیصلہ

اے حضرات علماء کرام! میں نہ کوئی خطیب ہوں، نہ انشاپرداز، نہ سیاست دان اور نہ گویائی کی ایسی ممتاز قوت رکھتا ہوں جس سے دوسرے حضرات محروم ہوں۔ بلکہ اگر آپ مجھے مجبور نہ کریں تو اس سے زیادہ ایک لفظ بھی نہیں بولنا چاہتا جو میرے جدِ بزرگوار خلیفۂ ثالث حضرت عثمان ذی النورین نے مدینہ طیبہ کے منبر پر فرمایا تھا:

ایھا الناس انکم الی امام فعال احوج منکم الی امام قوال

ترجمہ: اے لوگو! یقیناً تم کو زیادہ کلام کرنے والے رہنما سے بڑھ کر بہت زیادہ کام کرنے والے رہنما کی ضرورت ہے۔

مگر جب آپ حضرات نے محض اپنی مہربانی اور حسن ظن سے مجھے اس مقام پر کھڑا ہونے کے لئے مامور فرمایا ہے تو میرا فرض ہے کہ اپنی اور آپ کی بلکہ **لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ** کہنے والے تمام مسلمانوں کی اصلاح وفلاح سے متعلق نظر بحالات موجودہ جو میرے ناچیز خیالات ہیں، وہ مختصر ابلاکم وکاست آپ کے سامنے رکھ دوں۔ میں آج زندہ دلانِ پنجاب کے ماحول میں اپنے اندر بھی ایک قسم کی زندہ دلی محسوس کرتا ہوں اور مجھے اُمید ہے کہ پاکستان کے قلب وجگر سے جو صدائے حق بلند ہوگی اس کی گونج اخوت اسلامی کی عروق وشرائین کے ذریعہ بہت تیزی کے ساتھ تمام جسد پاکستان بلکہ ملک ہند کے اعضاء میں پھیل جائے گی۔ اس وقت پورا حوالہ مجھے یاد نہیں رہا لیکن پورے جزم ووثوق کے ساتھ عرض کرسکتا ہوں کہ اب سے تقریباً ساڑھے تین سو سال پہلے حضرت مجدد الف ثانی نے اپنی کسی تحریر میں ازراہِ کشف ارشاد فرمایا تھا کہ آج کل رسول مقبول ﷺ کی خصوصی توجہ یا نظرِ التفات شہر لاہور پر مرتکز ہے۔

رسول اکرم محمد ﷺ کی نظر کرم

میں سوچتا ہوں کہ لاہور کے حق میں کیا اس محبوب خدا اور آقائے دوجہاں کی وہ نظر کیمیا اثر خاص جا سکتی ہے۔ وہ نگاہِ لطف وکرم جس کی ایک معمولی جھپک ہزار سالہ بت پرست کو ایک آن میں ولی کامل بنادے، جو مدت کے بگڑے ہوئے شیطانوں کو ایک لمحہ میں درست اور پاک وصاف بنا کر فرشتوں کے زمرے میں شامل کردے، جو ذرا سی دیر میں قلوب وارواح کی دنیا بدل ڈالے اور ملکوں اور قوموں کی کایا پلٹ کر رکھ دے۔ کیا چند صدیوں کی مسافت زمانی نے لاہور کے مستقبل کو اس انقلاب آفرین نگاہ تلطف کی عظیم تاثیر وتصرف کے فیض سے بالکلیہ محروم کردیا ہوگا۔ ہرگز نہیں، ان کی شان تو یہ ہے:

درفشانی نے تری قطروں کو دریا کردیا	**دل کو روشن کردیا آنکھوں کو بینا کردیا**
جو نہ تھے خود راہ پر دنیا کے ہادی بن گئے	**کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کردیا**

غور کیجئے "مردے" اس نظر سے صرف "زندہ" نہیں ہوئے بلکہ مسیحا بن گئے جن کی مسیحائی سے کروڑوں مُردہ دلوں کو حیات تازہ حاصل ہوئی۔

Marfat.com

حضرت شیخ مجددؒ کا نعرہ حق

یہ چیز بھی لائق غور ہے کہ شیخ مجدد الف ثانی (جن کو لاہور کی یہ سعدت مکشوف ہوئی) وہ بزرگ ہیں جنہوں نے اکبر بادشاہ کی بنائی ہوئی ''قومیت متحدہ'' اور نام نہاد دین الٰہی کے مقابلہ پر تاریخی جہاد کیا تھا۔ ممکن ہے ان کے مذکورہ بالا کشف سے ادھر بھی اشارہ ہو کہ آگے چلکر جب قومیت متحد ایک دوسرے رنگ میں اور اکبر کا دین الٰہی گاندھی ازم کی شکل میں ظہور کرے گا، اس وقت رسول کریم ﷺ کی توجہ گرامی اور التفات خصوصی کی بدولت لاہور ہی وہ مقام ہوگا جہاں سے ان نئے بتوں کے توڑنے کی پہلی آواز بلند ہوگی اور پھیلے پھولے گی۔

حضرت شیخ الہندؒ کا آخری پیغام

بہر حال آج اس نئی مہم کا ابتدائی منظر ہمارے سامنے ہے ''جداگانہ قومیت'' کا عقیدہ تو ہمیشہ سے مسلمانوں کے جذر قلوب میں بطور ایک مفروع عنہ مسئلہ کے مرتسم و متمکن ہے اور کانگریس کے چند سالہ شور وغل سے پہلے کوئی اس پر نظر ثانی کی ضرورت بھی نہ سمجھتا تھا۔ چناں چہ حضرت شیخ الہند (محمود الحسن) کے آخری پیغام صدارت میں جو جمعیۃ العلماء ہند کے اجلاس دہلی کے موقع پر حضرت کی وفات سے نو دن پہلے پڑھا گیا، ہندو مسلمان کے دو قوم ہونے کی تصریح موجود ہے۔ کسی شخص نے آج تک اس پر حرف گیری نہیں کی۔ ہاں ہندوستان کے مسئلہ کے پاکستانی حل کی ابتداء لاہور کی آرام گاہ میں سونے والے ڈاکٹر اقبال مرحوم کے قلم سے ۱۹۳۰ء میں سامنے آئی۔ لیکن یہ نام پاکستان علامہ اقبال کا تجویز کردہ نہیں بلکہ پیام اقبال کے ایک پُر جوش علمبردار چوہدری رحمت علی صاحب نے ۱۹۳۲ء میں اس تجویز کو یہ نام دیا ہے جو آگے چل کر اختصار کی وجہ سے لوگوں میں مقبول ہوگیا۔ تقسیم ہند کی اس تجویز پر جس کا اصطلاحی نام پاکستان ہے اور جس کا اصل واضع علامہ اقبال مرحوم ہے، آخر کار قدرے ترمیم و تغیر کے ساتھ آپ کے اس تاریخی شہر لاہور میں آل انڈیا مسلم لیگ نے مہر تصدیق ثبت کردی اور آج پاکستان جمہور مسلمانان ہند کے لئے محض ایک گرمی اور جوش پیدا کرنے والا نعرہ نہیں بلکہ ایک مضبوط اور اٹل سیاسی عقیدہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اب پاکستان کا نام آنے پر ان کے دلوں میں جذبات مسرت وابتہاج کی لہر دوڑ جاتی ہے اور وہ یہ محسوس کرنے لگتے ہیں کہ ہمارا درخشاں مستقبل گویا ہماری طرف تیزی سے بڑھتا چلا آرہا ہے۔ مسلمان جب اپنے نصب العین کے متعلق یہ یقین حاصل کرلے اور مطمئن ہو جائے کہ اسلامی نقطۂ نظر سے وہ صاف، واضح، غیر مبہم اور بے غبار ہے تو اس کے حصول کے لئے اسے کوئی قربانی بھاری معلوم نہیں ہوتی۔ وہ آگ کے طوفان سے کھیلنے اور خون کے دریا میں کودنے کے لئے تیار ہوجاتا ہے۔ پھر وہ کسی دھمکی کو خاطر میں نہیں لاتا اور ولبھ پٹیل جیسے ناعاقبت نااندیش مدعیوں کے چیلنج کو بہت خوشی اور اطمینان کے ساتھ منظور کرتا ہے۔

دور جاہلیت کی تاریکیاں

حضرات! اب ذرا آپ تیرہ سو ستر برس پیچھے لوٹ جایئے، دیکھئے! دنیا کی فضا کس قدر بھیانک اور کیسی تاریک نظر آرہی ہے۔ ہر جگہ ظلم وستم، کفر وشرک، عصیان وطغیان، جبر واستبداد، وحشت وبہیمت اور شیطانی طاقتوں نے کس طرح پرے

Marfat.com

جمار کھتے ہیں۔امن واطمینان کی ایک کرن بھی کسی طرف نظر نہیں آتی۔ تیرہ وتار گھٹاؤں نے دن کورات بنادیا ہے۔ان ہی خوفناک اندھیروں میں دفعتاً مکہ کی پہاڑیوں پر ایک چمک دکھائی دی۔ رحمت کا بادل زور سے گرجا اور کڑکا، دیکھنے والوں نے دیکھا کہ جبل النور کی چوٹی سے دنیا کا ہادی اور شہنشاہ اکبر کا پیغامبر اعظم چمکتا اور گرجتا ہوا بارانِ رحمت کو ساتھ لئے نزول اجلال فرمارہا ہے۔

اللھم صل علی سیدنا محمد وعلیٰ آل محمد الف الف صلوٰت و سلام

سرور عالم ﷺ کی تعلیمات

تھوڑی سی مدت گزری کی مکہ کی فضا میں بہت عجیب وغریب تغیر پیدا ہونا شروع ہوا۔ایک طرف سے رحمۃ اللعالمین کا دست شفقت دراز تھا اور دوسری جانب اس جواب ہرزہ سرائیوں دشنام طرازیوں بلکہ بعض اوقات اینٹ اور پتھر سے دیا جارہا تھا۔نور وظلمت کی اس کشمکش میں حضور انور کے ساتھ جو چند سعید روحیں آپ کے پیغام کی حقیقت کو سمجھ چکی تھیں، دشمنوں کے ظلم و ستم کی آماجگاہ بنتی رہیں۔ رشد وہدایت کے اس سراجِ منیر کو جس قدر اپنی پھونکوں سے بجھانے کی کوششیں کی جاتیں، اسی قدر زور سے اس کی روشنی بھڑکتی تھی۔آپ برابر اس قوم کو سمجھاتے کہ تمہارے لئے دارین کی کامیابی کی اور فلاح میری پیروی میں ہے۔آؤ کہ دنیا کی حکومت اور آخرت کی سعادت کا زرتاج تمہارے سروں پر رکھ دوں، مگر وہ غفلت کے نشہ میں کچھ ایسے سرشار تھے کہ آپ کی ساری دردمندی اور نیک خواہی کا جواب متمردانہ استکبار اور ناشائستہ سب وشتم سے دیتے رہے۔آپ ﷺ کے جاں نثار اصحابؓ پر جن کے سینے اللہ تعالیٰ نے ایمان وعرفان کے لئے کھول دیئے تھے، جور وستم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ مدت دراز تک ایسے ایسے زہرہ گداز مظالم سے انکو دوچار ہونا پڑا جن کی مثال شاید کسی اُمت کی تاریخ میں نہ مل سکے۔ مسلسل تیرہ سال تک ایسے سخت امتحان وآزمائش کی چکی میں پستے رہے جس کے پڑھنے اور سننے سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ایک عرصے تک قوم کی طرف سے ایسا سخت بائیکاٹ کیا گیا کہ درختوں کے پتے اور جنگل کی گھاس کھانے کی نوبت آئی۔ رسول اکرم ﷺ کا اعلیٰ اور مقدس نصب العین یہ تھا کہ زمین پر اللہ کی حکومت قائم فرمائیں اور اسکے نائب السلطنت کی حیثیت سے اس کا آخری، ابدی، اکمل اور عالمگیر قانون نافذ کریں۔لیکن مکہ میں جہاں کفار کا غلبہ تھا ایسا موقع کہاں میسر تھا، آزاد حکومت قائم کرنے کے لئے ایک آزاد مرکز ومستقر کی ضرورت تھی۔

یثرب کا پاکستان

کوئی ایماندار آدمی اس حقیقت سے انکار نہیں کرسکتا کہ اگر خداوند قدیر چاہتا تو ان ہی مٹھی بھر مظلوم ومجبور مسلمانوں کو ان سب پر غالب کردیتا اور ان کے دشمنوں کو دفعتاً کچل کر تباہ کرڈالا۔ مگر حکمت الٰہیہ کا تقاضا یہ تھا کہ اُمت مرحومہ ہر قدم پر اس عالم اسباب کے محکم نظام کے ماتحت اپنے نبی سے سبق حاصل کرے اور زندگی کے ہر ایک روشن تاریک دور میں اپنے مستقبل کی تعمیر کا کام سیکھے۔اسلئے اس ناسازگار فضا میں سیاست وحکمت کا ایک نیا باب کھولا گیا، یعنی یہ کہ اسلام کے لئے مکہ سے ہٹ کر

Marfat.com

(جو اس وقت دارالحرب تھا) کوئی ایسا مامن و مسکن بناؤ جو اگر چہ ابتداء میں مکمل طور پر دارالاسلام نہ کہا جا سکے تاہم اسلام وہاں آزاد ہو اور کم از کم اپنے پیروں پر اپنا قانون بے روک ٹوک نافذ کر سکے۔ پھر جب تائید ربانی سے مسلمانوں کا وہ آزاد مرکز دائرہ اسباب میں مضبوط اور طاقتور ہو جائے (خواہ وہ کتنے ہی محدود پیمانہ پر ہو) تو اس مرکز سے اسلام کو اپنے اصلی عزائم کے فروغ اور وسعت دینے کا موقع مل سکے۔ اس نقطہ نگاہ کے ماتحت شہر یثرب کو (جو حضور ﷺ کی تشریف آوری کے بعد مدینۃ النبی ﷺ بن گیا) مرکز توجہ بنایا گیا۔ ہجرت سے پہلے وہاں کی زمین ہموار کی گئی اور حضور اکرم ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے بہت سے چیدہ و برگزیدہ اصحاب کو وہاں بھیجا گیا تا کہ اللہ کے سب سے بڑے نائب کی حکومت قائم کرنے کے لئے جس سے ساری روئے زمین پر قرآنی سیاست اور آسمانی حکومت کا صور پھونکا جانے والا تھا) راستہ صاف رکھیں۔

پاکستان اولیٰ کی فتوحات

مکہ کے رہنے والے دشمن بھی اس نتیجے سے غافل نہ تھے۔ انہوں نے ہر طرح اس تحریک کو ناکام بنانے کی کوشش کی مگر وہ خود ناکام رہے اور مشیت الٰہیہ کے زبردست ہاتھ نے آخر کار اپنے رسول مقبول ﷺ کی تاریخی ہجرت سے مدینہ میں ایک طرح کا پاکستان قائم کر دیا۔ حضور ﷺ کا مدینہ پہنچنا تھا کہ نور اسلام ظلمت کفر پر حسی رنگ میں غالب آنا شروع ہو گیا اور گو وہاں اس وقت تک بہت سی ناپاک ہستیوں کی موجودگی سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا مگر اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ پاک اور طاہر و مطہر بندوں کی پاکی اس طرح مدینہ کے در و دیوار پر چھا گئی کہ اب کسی پلید اور ناپاک ہستی کے لئے ابھرنے کا موقع باقی نہ رہا۔ اندریں حالات کفار مکہ کو یہ فکر دامن گیر تھی کہ اسلام کے پودے کی جڑ مدینے کی سرزمین میں انصار مدینہ کی آبیاری سے مضبوط ہوتی جا رہی ہے۔ کوشش ہونی چاہیے کہ تناور درخت بننے سے پہلے ہی اس کی جڑ نکال دی جائے۔ اس طرح کے مشورے ہوتے تھے، منصوبے باندھے جاتے تھے اور سازشیں تیار کی جا رہی تھی کہ اس اثناء میں چند قدرتی اور ناگزیر اسباب کی بناء پر وہ مشہور و معروف معرکہ پیش آ گیا جو اسلامی تاریخ میں غزوہ بدر سے موسوم ہے۔

دارالحرب کے ضعفاء

''یوم بدر'' کو قرآن نے ''یوم الفرقان'' کہا ہے کیونکہ اس نے حق و باطل اسلام و کفر اور موحدین و مشرکین کی پوزیشن کو بالکل جدا کر کے دکھلا دیا۔ بدر کا معرکہ فی الحقیقت خاص اسلام کی عالمگیر اور طاقتور برادری کا سنگ بنیاد اور حکومت الٰہیہ کی تاسیس کا دیباچہ تھا۔ " وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ (الانفال ۸:۷۳) (ترجمہ: اور جو لوگ کافر ہیں وہ باہم ایک دوسرے کے وارث ہیں) کے مقابلہ میں جس خالص اسلامی برادری کے قیام کی طرف سورۃ الانفال کے خاتمہ پر اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِی الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِیْرٌ " (الانفال ۸:۷۳) (ترجمہ: اگر یہ نہ کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ اور فساد پھیل جائے گا) کہہ کر توجہ دلائی تھی، اس کا صحیح اقتضا تھا کہ اس اسلامی برادری کا کوئی طاقتور اور زبردست مرکز جس طور پر بھی دنیا میں قائم ہو، جو ظاہر ہے کہ جزیرۃ العرب کے سوا نہیں ہو سکتا تھا جس کا صدر مقام مکہ معظمہ ہے۔ سورۃ الانفال کے آخر میں یہ بھی جتا دیا گیا تھا کہ

Marfat.com

جو مسلمان مکہ وغیرہ سے ہجرت کر کے نہیں آئے اور کافروں کے تسلط میں زندگی بسر کر رہے ہیں، دارالاسلام کے آزاد مسلمانوں پر ان کی ولایت ورفاقت کی کوئی ذمہ داری نہیں: مَا لَكُمْ مِنْ وَّلَايَتِهِمْ مِنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا (الانفال ۸:۸۳) ہاں حسب استطاعت ان کے لئے دینی مدد بہم پہنچانی چاہیئے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ مرکز اسلام میں موالات واخوت اسلامی کی کڑیوں کو پوری مضبوطی کے ساتھ جوڑنے کے لئے دوصورتوں میں سے ایک ہونی چاہیئے، یا تمام عرب کے مسلمان ترک وطن کر کے مدینے آجائیں اور اسلامی برادری میں بلا روک ٹوک شامل ہوں اور یا پھر آزاد مسلمان اپنی مجاہدانہ قربانیوں سے کفر کی قوت کو توڑ کر جزیرۃ العرب کی سطح ایسی ہموار کردیں کہ کسی مسلمان کو ہجرت کی ضرورت باقی نہ رہے۔ یعنی سارا جزیرۃ العرب خالص اسلامی برادری کا ایسا ٹھوس مرکز اور غیر مخلوط مستقر بن جائے جس کے دامن سے عالمگیر اسلامی قومیت کا نہایت محکم اور شاندار مستقبل وابستہ ہوسکے۔ یہ دوسری صورت ہی ایسی تھی جس سے روز روز کے فتنہ وفساد کی بیخ کنی ہوسکتی تھی اور مرکز اسلام کفار کے اندرونی فتنوں سے پاک وصاف اور آئے دن کی بدعہدیوں اور ستم رانیوں سے پوری طرح مامون ومطمئن ہو کر تمام دنیا کو اپنی عالمگیر برادری میں داخل ہونے کی دعوت دے سکتا تھا۔

غلبۂ اسلام

اس اعلیٰ اور پاک مقصد کے لئے مسلمانوں نے ۲ ہجری میں پہلا قدم میدان بدر کی طرف اٹھایا تھا جو آخر کار ۸ ہجری میں مکہ معظمہ کی تطہیر اور فتح عظیم پر منتہی ہوا۔ جو فتنے اشاعت یا حفاظت اسلام کی راہ میں مزاحم ہوتے رہتے تھے، فتح مکہ نے ان کی جڑوں پر تیشہ لگایا اور چند سال بعد اللہ تعالیٰ کی رحمت اور سچائی کی طاقت سے مرکز اسلام ہر قسم کے آلائش کفر وشرک سے پاک ہوگیا اور سارا عرب متحد ہو کر شخص واحد کی طرح تمام عالم میں نور ہدایت اور اسلام کا پیغام اخوت پھیلانے کا کفیل وضامن بنا۔ اس طرح پور جزیرۃ العرب ساری دنیا کے لئے ایک عظیم تر پاکستان بن گیا۔

فللّٰہ الحمد علی ذالک: یہ ہے مختصر سی تاریخ اس اُمت کے پہلے دور کی۔

حضرت امام مالکؒ کا حکیمانہ قول

امام مالکؒ نے فرمایا تھا کہ اس اُمت کا آخر بھی اس چیز سے درست ہوسکتا ہے جس سے اس کا اول درست ہوا تھا۔ اس حکیمانہ قول کی روشنی میں ہم اُمت کے اس پچھلے دور کا جائزہ لیں۔

کہنے کو آج ہم مسلمان دنیا میں ستر کروڑ اور صرف ملک ہند میں تقریباً دس کروڑ ہیں لیکن ہماری غفلت، حماقت، وہن، فشل اور افتراق وانتشار نے اس کثرت عدد کے باوجود ہم کو مفلوج، بے جان یا نیم جان کر کے چھوڑ دیا ہے۔ قرون اولیٰ کے مسلمانوں کے قوت ایمانی اور جذبہ اسلامیت سے اگر موازنہ کیا جائے تو شاید ہم ستر کروڑ کا مجموعہ ان کے ستر افراد کے ہم وزن بھی نہ نکل سکے۔ ہندوستان ہی کو دیکھ لیجئے جس پر ہم نے صدیوں تک حکومت کی اور جہاں ہم اب تک محمد بن قاسم، محمود غزنوی اور شہاب الدین غوری وغیرہ کے ناموں پر فخر کرتے رہے ہیں، آج ہماری حالت اس بر کو چک میں کیا ہے۔

Marfat.com

ہم یہاں ہر طرح لٹے ہوئے اور پامال کئے ہوئے ہیں۔ کسی شعبہ زندگی میں بھی ہمارا اقتدار امتیاز باقی نہ رہا۔ اسلامی حکومت کے خاتمہ کے ساتھ ہمارے سیاسی، اقتصادی، تمدنی اور اخلاقی نظام سب تباہ ہو گئے۔ نسلی، قبائلی، طبقاتی اور مذہبی تعصبات اور تنگ نظریوں نے ہماری قبائے قومیت کو تار تار کر دیا۔ سامراج کے علمبرداروں اور رام راج کے طلبگاروں نے مل کر ہمارے اجتماعی نظام کا شیرازہ بکھیر دیا۔ نہ مادی طاقت ہمارے ہاتھ میں رہی، نہ روحانی قوت کا ذخیرہ محفوظ نہ رہ سکا۔ ہم اپنے جس خوشہ زندگی پر نظر ڈالتے ہیں وہ ہی کیفیت ہوگئی کہ:

تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

ہندوستان کی جنگ آزادی

ہنگامہ ۵۷ء کے بعد ایسی بری طرح ہم کو کچلا گیا کہ مدت تک موت کی سی بے ہوشی سارے ملک پر طاری رہی۔ کچھ افاقہ ہوا تو چاروں طرف مایوسی کی گھٹا چھائی ہوئی تھی۔ مایوسی کے بعد حکومت کے سامنے چاپلوسی اور خوشامد کا دور آیا۔ پھر مدت کے دبے ہوئے جذبات کچھ ابھرنے شروع ہوئے، یہاں کے حاکموں نے جب دیکھا کہ موت کی نیند سونے والے کچھ کروٹیں بدلنے اور جھرجھری لینے لگی ہیں تو انہوں نے معروضات و رگزارشات پیش کرنے کا راستہ سمجھا دیا۔ مبادا یہ تازہ حرکت اٹھتے ہوئے جذبات اور بیدار کن احساسات کے نکلنے کا کوئی دوسرا خطرناک راستہ اختیار کرلے۔ معروضات سے گزر کر اول نرم پھر گرم لہجہ میں مطالبات کا آغاز ہوا۔ تا آنکہ پہلی جنگ عظیم کے ختم ہونے پر مسلمانوں کے سامنے خلافت اسلامیہ کے زوال نے اک نئی اور زوردار تحریک کھڑی کر دی۔ تحریک خلافت کا سیلاب اس جوش وجذبہ سے امڈا، جس کی نظیر اس سے پہلے کی تاریخ میں نہیں مل سکتی۔ ملک کا گوشہ گوشہ خلافت اور ترک موالات کے نعروں سے گونج اٹھا۔ یوں کہیئے کہ ۵۷ء کے بعد اس قدر ہمہ گیر شجاعانہ گرمجوش اور بے پناہ مظاہرہ یہاں کے زمین وآسمان نے نہ دیکھا تھا۔

انڈین نیشنل کانگریس

مسلمانوں نے خالص اسلامی مقصد کی خاطر عظیم الشان جانی و مالی قربانیاں پیش کیں۔ قدرتی طور پر کچھ حالات اس دوران میں ایسے پیش آ گئے کہ ہمسایہ اقوام بھی ہمارے ساتھ رل مل گئیں اور نام نہاد انڈین نیشنل کانگریس نے موقع غنیمت دیکھ کر اس نیم مذہبی اور نیم سیاسی تحریک کو اپنا لیا۔ ہوش مند باخبر اور ذی انصاف آدمی انکار نہیں کر سکتا کہ سمندر کی طوفانی موجوں کی طرح امڈتے ہوئے مسلمانی جوش وایثار ہی نے اس وقت کانگریس کے قلب میں روح حیات پھونکی اور برطانوی قہرمانیت کا خوف و ہراس عام پبلک کے دلوں میں سے نکالا۔ اب لوگوں کو جیل بلکہ پھانسیوں کا ڈر بھی خوفزدہ نہ کرتا تھا بلکہ بڑی حد تک یہ چیزیں مفاخر میں شمار ہونے لگیں۔ یہ بہت بڑا فائدہ تھا جو اس تحریک سے ملک کو حاصل ہو گیا۔ یہ رلی ملی سیاست بدون کسی تمیز و تخصیص کے کچھ عرصہ تک چلتی رہی۔ شاطران بساط حکومت بھی اس سے غافل کب ہو سکتے تھے۔ وہ بھی اس کے توڑ کے لئے نئے جال بچھاتے رہے۔ بہادر مسلمان کی سادہ دلی و رعیار ہندو کی تنگ نظری اور بنیادی ذہنیت کو وہ خوب سمجھتے تھے۔ آخر کبھی شدھی،

Marfat.com

کبھی سنگھٹن اور کبھی نہرو رپورٹ جیسی افتراق انگیز اور اشتعال آمیز تحریکات وتجاویز سے یہاں کے مسلمانوں کو دوچار ہونا پڑا۔ دریائے سیاست کا یہ جزر ومد برابر تھوڑے وقفہ سے جاری رہا۔ تا آنکہ ایکٹ ۳۵ء کے ماتحت انتخابات ۳۷ء کے بعد ہندوستانی وزارتیں بن گئیں۔ گویا ہندو کو اب موقع ہاتھ آ گیا کہ اپنے صوبوں میں خود غرضی، تنگ نظری اور اپنے ان ناپاک خواہشات وعزائم کا زور وقوت سے مظاہرہ کرے جو ابھی تک ذرا مستور تھے اور کبھی کبھی بطور مکر وکید بروئے کار آتے تھے۔

کانگریس وزارتیں

کانگریس کی ڈھائی سالہ وزارتوں میں جو دردناک، سفاکانہ اور وحشیانہ مظالم مسلمانوں پر کئے گئے ہیں، ان کی تفصیل کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ کیونکہ وہ مدت سے منظر عام پر آ چکے ہیں اور ''ڈان'' نیز ''منشور'' کے پچاس ساٹھ نمبروں میں مسلسل شائع کئے گئے ہیں۔

''واردھا اسکیم'' اور ''ویا دمندر اسکیم'' کو آپ بھولے نہ ہوں گے جن کی مذمت تمام مسلم جماعتوں نے متفقہ طور پر کی۔ مگر مسلمانوں کے دین واخلاق کو نقصان پہنچانے اور ان کی تاریخ کو بھلا دینے والی یہ اسکیمیں سب مل کر بھی کانگریس وزارتوں سے منسوخ نہ کرا سکیں۔ مسلمانوں نے آخر سمجھ لیا کہ جب ہندو کا نشہ حکومت وزارتی اقتدار میں اس قدر تیز ہے تو آزاد حکومت میں کیا کچھ نہ ہوگا۔ انہوں نے طے کر لیا کہ ہندوستان کے سیاسی مسئلہ پر از سر نو غور کیا جائے اور اونچی ذات اکثریت کے بل بوتے پر پورے ملک میں جو اقتدار حاصل کرنا چاہتی ہے اس سے آزاد رہنے کی کوئی تدبیر سوچی جائے۔ کیا کوئی حساس مسلمان اپنی خوشی سے یہ منظور کر سکتا ہے کہ دس کروڑ فرزندان اسلام انگریز کی جگہ ہندو کے غلام بن کر رہیں یا انگریز ہندو کی ڈبل غلامی کو ہمیشہ کے لئے قبول کر لیں۔

مسلم لیگ کا تاریخی فیصلہ

مسلمانوں کی سب سے بڑی سیاسی جماعت آل انڈیا مسلم لیگ نے ان تمام خطرات وعواقب کو اندازہ لگا کر جو زمانہ کی رلی ملی سیاست سے پیدا ہو سکتے تھے، آخر کار آپ کے اس تاریخی شہر میں دوٹوک فیصلہ کر لیا کہ جس طرح ہندو مسلمان دو الگ الگ قومیں ہیں لہٰذا ان کی سیاست اور مرکز حکومت بھی اب الگ الگ رہنا چاہیئے۔ انہوں نے اپنے سب سے بڑے ہادی اور دنیا کے سب سے بڑے مصلح اور خداوند قدوس کے سب سے بڑے پیغمبر ﷺ کی سیرت طیبہ پر ایک نظر ڈالی جو ہم مختصراً خطبہ کے آغاز میں آپ کو بتا چکے ہیں۔ اس کی صاف روشنی میں وہ سمجھ گئے کہ ہندوستان کے اس برکوچک میں سے ہم کو ایک ایسا خطہ حاصل کر لینا چاہیئے جو نسبتاً چھوٹا اور محدود ہی کیوں نہ ہو، مگر وہاں ہم پوری آزادی کے ساتھ اپنے آسمانی قوانین کے موافق اپنے مذہب، اپنے علوم ومعاف، اپنی تاریخی روایات، قومی خصائص اور تہذیب ومعاشرت کی حفاظت کر سکیں اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی توفیق ودستگیری سے اس بے مثال قانون عدل وحکمت کا کوئی چھوٹا سا نمونہ قائم کر کے دنیا کو دکھلا دیں کہ قرآن کی حکومت جبر واستبداد اور ظلم وستم کی حکومت نہیں بلکہ وہ تمام اقوام اور بندگان خدا کے لئے انصاف ورواداری، رحمت ورافت اور امن وسلام کا

Marfat.com

پیغام ہے۔ خوش نصیبی سے خود قدرت نے ہندوستان میں آبادی کی تقسیم ایسے نہج پر کر دی ہے کہ ہمارے لئے مروجہ اصول سیاست کے موافق ایسے خطہ کا حاصل ہو جانا ممکنات سے ہے، یعنی مسلم پر مسلمان اپنے نیک عزائم اور قومی رجحانات کو فروغ دے سکتے ہیں اور وہ ایک ایسی طاقت حاصل کر سکتے ہیں جو نہ صرف ان مسلم صوبوں میں ان کی آزادی کی ضامن ہو گی بلکہ اپنی اس اقلیت کے تحفظات کا بھی اچھا انتظام کر سکے گی جو ہندو اکثریت والے صوبوں میں آباد رہے گی۔ اس آزاد اسلامی خطہ کو آج پاکستان کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

حقیقتِ پاکستان

آغاز خطبہ میں، میں نے مدینہ کے پاکستان کا ذکر کیا تھا، یہ تو جسارت اور بے ادبی ہو گی کہ کوئی شخص ہند کے اس پاکستان کو اس کے مماثل قرار دے: چہ نسبت خاک رابا عالم پاک

ہاں! جس طرح آپ ایک بوسیدہ بے حیثیت پھٹے پرانے کپڑے کا ذرا سا ٹکڑا یا ذرا سی کترن بزاز کی دکان پر بطور نمونہ پیش کر کے فرمائش کرتے ہیں کہ اس کپڑے کا ایک بڑا قیمتی تھا نکال دو، حالانکہ اس تھان اور اس کترن میں کچھ بھی نسبت نہیں ہوتی، ایسے ہی ہم ایک ادنیٰ اور حقیر نمونہ کی حیثیت سے ہندی پاکستان کا ذکر کرتے وقت اس اعلیٰ مدنی پاکستان کا ذکر کرتے ہیں۔ آخر ہم اپنے تمام وظائف شرعیہ مثلاً نماز، حج وغیرہ کو اس وقت معتبر و مستند سمجھتے ہیں، جب وہ سنت رسول ﷺ کے موافق ہوں، تو کیا ایسا کہنے سے کوئی شخص گمان کر سکتا ہے کہ ہماری نمازیں اور عبادتیں اس درجہ اور اس مرتبہ کی ہوں گی جو سرور کائنات ﷺ کی عبادت کو حاصل تھا۔ ظاہر ہے کہ ہماری سینکڑوں برس کی عبادتیں بھی آپ ﷺ کے ایک مرتبہ سبحان اللہ فرمانے کے برابر نہیں ہو سکتیں لیکن موضع استدلال میں تو ہر چیز کے لئے قرآن وسنت کی سند ہی پیش کی جاتی ہے۔ بہر حال عامتہ المسلمین نے ایک قطعی فیصلہ کر لیا ہے کہ ہندوستان کے ایک حصہ کو پاکستان بنایا جائے جو اسلامی ثقافت و دیانت اور سیاست و حکومت کا آزاد مرکز ہو۔

نظامِ پاکستان

پھر جس طرح رات کی تاریکی آہستہ آہستہ کم ہوتی اور دن کی روشنی بتدریج پھیلتی ہے یا جس طرح ایک پرانا مریض دھیرے دھیرے صحت کی طرف قدم اٹھاتا ہے دفعتاً و بغتتاً بیماری سے چنگا نہیں ہو جاتا، اس طرح پاکستان ہماری قومی صحت اور مکمل ترین آزادی کے نصف النہار کی طرف تدریجی قدم اٹھائے گا۔ آخر مدینہ کا اعلیٰ پاکستان بھی تو اپنے عظیم الشان مرتبہ کے موافق بتدریج حد کمال کو پہنچا تھا۔ شروع میں مکہ سے خاص خاص صحابہ مدینہ تشریف لے گئے، جنہوں نے سطح ہموار کی۔ آج ہندی پاکستان کے لئے بھی اکثر غیر پاکستانی مسلمان آ کر مقامی برادران اسلام کے تعاون سے اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ یہ غیر پاکستانی بے شک ترکِ وطن کر کے نہیں آئے اور وہ سمجھتے ہیں کہ پاکستان کے قیام سے ہم کو براہ راست وہ نفع نہیں پہنچے گا جو پاکستانی مسلمانوں کو پہنچ سکتا ہے، پھر بھی وہ اپنی قوم کے دو تہائی سے زیادہ افراد کی آزادی میں ساعی ہیں اور اس کے لئے

Marfat.com

تدبیریں اور دعائیں کرتے ہیں۔

پاکستان کے حدود

گویا وہ زبان حال سے کہہ رہے ہیں کہ جس طرح کہ کے مہاجرین کرام آخر مکہ کے مستضعفین کو وہیں چھوڑ کر اور اللہ کے سپرد کر کے چلے آئے تھے اور اپنے معاہد وغیرہ کو بھی ساتھ نہ لے جاسکتے تھے۔ آپ لوگ بھی ہم سے تھوڑی دیر کے لئے قطع نظر کر کے مکمل آزادی حاصل کرلیں۔ کیا بعید ہے کہ جیسے مدینہ کا پاکستان انجام کار فتح مکہ پر منتہی ہوا اور سارے جزیرۃ العرب کو اس نے پاکستان بنادیا اسی طرح یہ ہندی پاکستان بھی اللہ کے فضل و رحمت سے وسیع تر ہوتا چلا جائے۔ بلکہ ممکن ہے کہ پاکستان کے طرز حکومت اور اسکے منصفانہ وفیاضانہ رویہ کو دیکھ کر خوف ہندوستان یہ خواہش کرنے لگے کہ ہمارے ہاں بھی اسی پاکستانی نوع کی حکومت قائم ہو جائے۔ **وما ذالک علی اللہ بعزیز.**

اس سلسلے میں سب سے پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہندوستان کے مسئلہ کا اطمینان بخش حل کیا پاکستانی تجویز کے سوا کسی دوسرے طریق سے نہیں ہوسکتا۔ ''منشور'' کی ایک قریبی اشاعت میں اس کے فاضل مدیر نے بہت ہی سلیس اور معقول انداز میں اس پر بحث کی ہے جس کا اقتباس یہاں درج کیا جاتا ہے کیونکہ اس سے زیادہ عام فہم اور سلجھے ہوئے الفاظ اس کی تفہیم کے لئے مجھے نہیں مل سکے۔ وہ رقم طراز ہیں:

آل انڈیا یونین کا فریب

کہا جاتا ہے کہ کانگریس نے یہ تسلیم کرلیا ہے کہ مسلم اکثریت کے صوبوں کو داخلی حیثیت سے کامل حق خود ارادیت حاصل ہوگا اور نیز یہ بھی کہ جو صوبے چاہیں وہ آل انڈیا یونین سے الگ ہو جائیں۔ ظاہر ہے کہ انہی صوبوں سے مسلم لیگ پاکستان بنانا چاہتی ہے، جب انکا حق خود ارادیت تسلیم کرلیا گیا اور یہ بھی کہ جب یہ چاہیں الگ ہو جائیں تو پھر اب اس اصرار کی کیا ضرورت ہے کہ پاکستان کو ایک جداگانہ آزاد اور خودمختار اسٹیٹ کی حیثیت سے اس وقت تسلیم کیا جائے۔ مسلم لیگ یہ کیوں نہیں کرتی کہ اب کانگریس کے ساتھ شریک ہو کر ہندوستان کو برطانوی تسلط سے آزاد کرنے کے لئے جدوجہد کرے اور جب ہندوستان آزاد ہو جائے تو مسلم اکثریت کے خود اختیار صوبوں کو آل انڈیا یونین سے الگ کرلے۔ اگر مسلم لیگ کو یہ خوف ہے کہ اس وقت ہندو اکثریت کے صوبوں کو الگ نہیں ہونے دیں گے اور وہ ہندوؤں کو اتنا طاقتور سمجھتی ہے کہ وہ ایسا کرسکیں گے تو پھر اگر اس وقت پاکستان کا ایک جداگانہ حکومت کی حیثیت سے اعلان بھی ہو جائے تو ہندوستان سے انگریزوں کے چلے جانے کے بعد مسلمان پاکستان کی حفاظت نہ کرسکیں گے۔ مسلم لیگ کے اس اصرار پر کہ اس وقت پاکستان کے اصول کو تسلیم کرنے کا اعلان کیا جائے اور کانگریس کے ساتھ اشتراک عمل نہ کرنے سے مخالفین پاکستان کو یہ بدگمانی ہے کہ مسلم لیگ پاکستان اور مسلمانوں کے تحفظ کے لئے ہندوستان میں تیسری طاقت یعنی حکومت برطانیہ کے تسلط کی خواہش کرے گی۔ کانگریس نے یہ تسلیم کرلیا ہے کہ مسلم اکثریت کے صوبوں کو داخلی حیثیت سے کامل حق خود ارادیت ہوگا اور اگر وہ چاہیں تو تمام ہندوستان کی مرکزی یونین سے

Marfat.com

علیحدگی کا بھی۔اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہندوستان میں پہلے ایک یونین یا فیڈریشن کے ماتحت حکومت قائم ہوگی۔اختیارِ حکومت برطانیہ سے اس یونین کو منتقل ہوگا یعنی مجموعی طور پر پورے ہندوستان کو کامل یا زیرِ سایہ حکومت برطانیہ آزادی حاصل ہوگی۔اس یونین کے ماتحت مسلم اکثریت کے صوبوں کو داخلی حق خود ارادیت حاصل ہوگا بالکل اس طرح جیسے برطانوی نو آبادیات آسٹریلیا، نیوزی لینڈ اور جنوبی افریقہ کو دولت مشترکہ برطانیہ کے اندر داخلی آزادی حاصل ہے اور آئین ویسٹ منسٹر کی رو سے برطانوی سلطنت سے علیحدگی کا حق بھی۔لازماً اس کا نتیجہ یہ ہونا چاہئے کہ مسلم اکثریت کے صوبے کچھ عرصہ آل انڈیا یونین کے اندر رہ کر تجربہ کریں کہ آیا وہ آزادی کے ساتھ اور مرکز کی مداخلت کے بغیر معاملات سرانجام دے سکتے ہیں یا نہیں۔

مسلم اکثریت کے صوبوں کی قوت

جب یہ ثابت ہو کہ مرکزی مداخلت مسلمانوں کو ان کی منشاء کے مطابق حکومت نہیں کرنے دیتی تب وہ مطالبہ کریں کہ ہم مرکزی وفاق سے الگ ہونا چاہتے ہیں۔اسوقت صورت حال کیا ہوگی یہ کہ مسلم اکثریت کے صوبوں کی علیحدگی کے حق کے نفاذ کی منظوری اور نفاذ مرکزی فیڈرل گورنمنٹ کے اختیار میں ہوگا اور اس مرکز کے پاس فوج ہوگی۔مسلم اکثریت کے ان صوبوں کی ان وجوہ کو غلط قرار دے کر جن کی بناء پر وہ علیحدگی چاہیں گے، اپنی عسکری قوت کے دباؤ سے مسلم اکثریت کے صوبوں کا یہ مطالبہ مسترد کر دے گی اور اگر وہ اس پر اصرار کریں گے تو فوج کے ذریعہ ان کی سرکوبی کی جائے گی۔کانگریس نہیں کہتی، مسٹر گاندھی نہیں کہتے، اس کا کوئی ہندو لیڈر دعویٰ نہیں کرتا کہ وہ اسلحہ سے جنگ کر کے انگریزوں سے ہندوستان کا اختیار حکومت کو چھیننا چاہتے ہیں۔کانگریس کی تمام جدوجہد اور تحریک ایک طرح کا آئینی ایجی ٹیشن ہے۔سول نافرمانی بھی اس سے زیادہ نہیں کہ کانگریس کی ہر تحریک برطانیہ کی خدمت میں معروضات سے شروع ہوتی ہے۔یہ لہجہ گرم ہوتا ہے۔یہ ہمیں تسلیم ہے۔مگر وہ ہوتا ہے معروضہ ہی اور ہر تحریک کا انجام بھی معروضات ہی پر ہوتا ہے۔کوئٹ انڈیا یعنی تخلیہ ہند کا ریزولیوشن بھی مطالبہ ہی تھا۔جو بات سخت لہجے میں کہی جائے وہ مطالبہ، اور جو نرم لہجے میں کہی جائے وہ معروضہ ہے۔اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ جاپان کی قوت کے بھروسہ پر تھا۔کانگریس حکومت برطانیہ سے اختیار مانگتے ہوئے جیل گئے اور اختیار مانگتے ہوئے جیل سے نکلے۔ان کا یہ تنزل البتہ ساری دنیا نے دیکھا ہے کہ تخلیہ ہند کا مطالبہ کرتے ہوئے گئے اور عارضی حکومت کے لئے انہوں نے شملہ میں لارڈ ویول کے قدموں پر سر رکھا۔حاصل کلام یہ ہے کہ انگریزوں کو ہندوستان بزور دفع کرنے کا نہ ادارہ ہے اور نہ اس کا سامان ہے۔لہٰذا ہندوستان کو کامل یا نیم آزادی اگر ملنے والی ہے تو وہ انگریزوں کے دینے سے ملے گی اور انگریز ہی یہ اختیار اور آزادی، کچھ ہندوستانیوں کے ایجی ٹیشن سے پریشان ہو کر، کچھ بین الاقوامی سیاسی حالات اور بین الاقوامی رائے عامہ سے متاثر ہو کر دیں گے۔اگر یہ ہوتا کہ فوجیں بھرتی ہو رہی ہوتیں، اسلحہ اور سامان حرب کا انتظام ہوتا اور انگریزوں سے کھلے میدان میں جنگ کر کے ہندوستان کی آزادی حاصل کی جاتی تو بلاشبہ مسلمانوں کو اس کی ضرورت نہ تھی کہ وہ ایسے حقوق اور مفادات کے متعلق پہلے

Marfat.com

ہندوؤں سے کوئی سمجھوتہ یا پاکستان کا اصول تسلیم کرنے کا مطالبہ کرتے۔ وہ تو زیادہ سے زیادہ فوجوں کی تنظیم کرتے، زیادہ تعداد میں اور بہتر مسلم فوجیں اس کی ضمانت ہوتی کہ ہندوستان میں مسلمان آزاد ہوں گے اور ہندوستان کے ساتھ ناانصافی نہیں کریں گے۔

معروضات ومطالبات

جب صورتحال یہ ہے کہ ہندوستان کو جو کچھ ملنے والا ہے وہ برطانوی پارلیمنٹ کے قانون سے ملے گا تو مسلمانوں کو اس کی کیا ضرورت ہے کہ وہ ہندو اکثریت کو اس کا موقع دیں کہ ہندوستان کی خدمت کا اختیار واقتدار اس کے حق میں منتقل ہو اور پھر مسلمانوں کو اس ہندو اکثریت سے معروضات کرنے پڑیں۔ اس کے خلاف ایجی ٹیشن کرنا پڑے اور ہندو اکثریت مسلمانوں کے ساتھ اس طرح پیش آئے جس طرح برطانیہ ہندوستانیوں کے ساتھ پیش آرہی ہے۔ اس کی کون سی وجہ ہے کہ مسلمان یہ مطالبہ نہ کریں کہ پہلے ہندوستان کی تقسیم اور آزاد وخود مختار پاکستان کا اصول تسلیم کیا جائے اور جب برطانیہ کی طرف سے ہندوستان کو اختیار حکومت منتقل ہو تو ہندوستان کے دونوں علاقوں میں بیک وقت انتظامی، عدالتی اور دفاع وتحفظ کے نظامات قائم ہوں۔ اس صورت میں ہندوؤں کی کیا مجال ہے کہ پاکستان کی آزادی سلب کرنے کا خیال بھی دل میں لائیں۔ ہندوستان انگریزوں سے کیوں آزادی حاصل نہیں کر سکتے۔ کیا اس کے سوا کوئی دوسری وجہ ہے کہ انگریزوں کے پاس طاقت اور فوج ہے، ہندوستانیوں کے پاس نہیں ہے اور برطانیہ کی طاقتور فوج کی موجودگی میں ہندوستانیوں کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ اپنی فوج بھرتی کریں اور اس کی تنظیم کریں۔ مسلم لیگ یہ حماقت کرنے کے لئے تیار نہیں کہ پہلے آل انڈیا یونین کو جس میں ہندوؤں کی اکثریت ہوگی، ہندوستان کا اختیار حکومت دلا دے، اس کی فوجیں مرتب کرا دے اور اسکے مقابلہ میں مسلم اکثریت کے صوبوں کی وہی حیثیت کردے جو برطانیہ کے مقابلہ میں تمام ہندوستان کی ہے۔ آزادی کی حفاظت فوج، اسلحہ اور جنگ کے ہوتی ہے، تعلیوں اور شیخیوں سے نہیں ہوتی۔

پاکستانی تجویز پر ایک دوست کے کچھ شبہات

اب آخر میں بطور تتمیم فائدہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں اپنے ایک مخلص دوست کی وہ تحریر لفظ بلفظ نقل کردوں جو اس نے بہار سے مجھے لکھی تھی اور جس میں اکثر پیش آنے والے شبہات کو مختصر پیرایہ میں سمیٹ لیا گیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ”مسلمانوں کے موجودہ تشتت وافتراق کو دیکھ کر سخت تذبذب ہے کہ ہم لوگوں کو کون سا راستہ اختیار کرنا چاہئے۔ مسلمانوں کو جمعیۃ العلماء اسلام اور لیگ کی تجویز کے مطابق پاکستان کا ساتھ دینا چاہئے یا جمعیۃ علماء قدیم کی متحدہ حکومت کی پالیسی کو لبیک کہنا چاہئے۔ اس وقت مسلمانوں کے پاس دو راہیں ہیں: ایک متحدہ حکومت، دوسرے پاکستان۔ جہاں تک ہم لوگوں نے غور وفکر کیا، اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ پاکستان کی صورت میں مسلمانوں کے کئی نقصانات ہیں، جو درج ذیل ہیں۔ پاکستان کی صورت میں مسلم اکثریت والے صوبے اکثریت والے صوبوں میں کٹ کر نہایت خطرناک اقلیت ہو جائیں گے۔ ہندو رام راج کے منصوبے گانٹھے بیٹھے

Marfat.com

ہوئے ہیں۔ وہ بہار و مدراس وغیرہ کے مسلمانوں کی مذہبی آزادی کو بتدریج سلب کر لیں گے اور ہندوستان میں رام راج کا بولا بالا ہوگا۔ تین کروڑ مسلمانوں کی مذہبی موت ہوگی۔ پانچ کروڑ مسلمانوں کے مفاد کے لئے تین کروڑ مسلمانوں کو اس طرح کفار کے حوالہ کر دینا شرعاً جائز نہ ہوگا۔ ہجرت وغیرہ کی تجویز محض مہمل اور ناممکن العمل ہے۔ تین کروڑ مسلمانوں کی کھپت کہیں نہ ہو سکے گا۔ ہجرت کا ایک دفعہ تلخ تجربہ بھی مسلمانوں کو ہو چکا ہے جو عبرت کے لئے کافی ہے۔ ارباب لیگ کا یہ کہنا کہ اگر ''مسلم اقلیت پر ظلم ہوگا تو مسلم اکثریت کے صوبوں میں ہندوؤں سے اس کا بدلہ لیں گے'' محض طفلانہ بات ہے، جو عقل و شرع کے خلاف ہے۔ مدبرین کو تو ایسی باتیں بھول کر بھی نہ کرنی چاہئیں۔ اگر اکثریت والے صوبوں میں قرآنی حکومت ہو تو بھی خیر غنیمت تھا مگر ہندوؤں کی اقلیت ایسی نہیں جیسی مسلمانوں کی ہے بلکہ بعض بعض صوبوں میں ان کی تعداد تقریباً مساوی ہے، لہٰذا ان کے مساویانہ حقوق ہوں گے۔ ان کی مساوی نشستیں اور ملازمتیں ہوں گی تو اس طریق حکومت کو حکومت اسلامیہ کیوں کر کہا جا سکتا ہے۔ علاوہ بریں پاکستان ابھی تو یقیناً زیر سایہ برطانیہ ہوگا پھر کافر کی سرپرستی میں قرآنی حکومت کا قیام چہ معنی دارد، یہ بات سمجھ میں نہیں آئی۔ غرض پاکستان کی صورت میں پنجاب و بنگال وغیرہ میں قرآنی حکومت تو نہیں ہوگی مگر سی پی و مدراس میں رام راج ضرور ہو کر رہے گا اور وہاں کے ہندو شعائر اسلامیہ کو پامال کریں گے اور مسلمانوں پر بدترین غلامی مسلط ہو جائے گی۔ معدنی اشیاء زیادہ تر ہندوستانی خطوں میں پائی جاتی ہیں۔ پاکستان علاقوں میں بہت کم ہیں اور یہ علاقے زراعتی و صنعتی اعتبار سے ممتاز ہیں۔ لہٰذا پاکستان کے مسلمان اقتصادی اعتبار سے دن بدن کمزور ہوتے جائیں گے کیونکہ ہندوستان سے ان کو سروکار ہی نہیں ہوگا۔ پاکستان بن جانے پر سب سے بڑی خرابی یہ ہوگی کہ انگریزوں کا قدم ہمیشہ کے لئے ہندوستان میں جم جائے گا۔ تاریخ شاہد ہے کہ تفریق اور باہمی نزاع ہی نے ہندوستان میں انگریزوں کو بڑھنے اور پنپنے کا موقع دیا ہے۔ پاکستان کی بنیاد ہی تفریق و تقسیم پر ہے۔ برٹش مہاراج کو ہندوؤں اور مسلمانوں کو لڑانے کا اچھا موقع مل جائے گا اور ہمیشہ در پردہ شکار کھیلا جائے گا۔ دونوں قوموں میں تصادم ہوتا رہے گا۔ عصبیت لازماً پیدا ہوگی۔ کبھی یہ لوگ متحد ہوں گے، نہ ہندوستان کی مکمل آزادی کا خواب شرمندہ تعبیر ہوگا۔ بلکہ چند سال بعد ہندوستانیوں کو نااہل ٹھہرا کر ان کی آزادی چھین لی جائے گی۔ ہندوستان بدستور غلام رہ جائے گا۔ ممالک اسلامیہ بھی برطانیہ کے پنجہ استبداد سے نہ نکل سکیں گے۔ حالانکہ مسلمانوں کا مطمع نظر صرف ہندوستان ہی کی آزادی نہیں بلکہ تمام عالم اسلام کی آزادان کے مدنظر ہے۔ برما کی تفریق موئیدین پاکستان کی عبرت کے لئے کافی ہے کہ برمیوں نے وطنی عصبیت پیدا ہو جانے پر ہندوستانیوں کے ساتھ کیسا برسلوک کیا۔ پاکستانی حکومت کا زمام اختیار ایسے لوگوں کے ہاتھ میں ہوگا جو دین و مذہب سے دور کا بھی واسطہ نہیں رکھتے۔ جن لوگوں نے اسمبلی میں جا کر سول میرج ایکٹ اور جیسے دوسرے لعنتی قوانین کو مسلمانوں پر مسلط کیا۔ اگر پاکستانی علاقوں کے ایسے نام نہاد مسلمان ایسے ہی خلاف شرع قوانین کا نفاذ کرتے رہے تو اس پاکستان سے اسلام اور مسلمانوں کو کیا فائدہ پہنچا۔

کانگریس کی مجوزہ متحد حکومت کی صورت میں گو من حیث المجموع مسلمان اقلیت میں ہوں گے مگر ایسی خطرناک اقلیت نہ ہوگی جیسی پاکستان کی صورت میں صوبہ جات سی پی و مدراس وغیرہ میں ہو جاتی ہے۔ پھر مسلمانوں کی حیثیت فریق کی

Marfat.com

ہوگی۔محکوم کی نہ ہوگی۔وہ اپنے حقوق کا تحفظ کرسکیں گے۔جمیعۃ علماء ہند کا مطالبہ تو یہ ہے کہ مرکزی اسمبلی میں مسلمانوں کی نشستیں مساوی کردی جائیں یعنی ۴۵ فی صد ہندو، ۴۵ فی صد مسلمان اور ۱۰ فی صد دیگر اقوام۔اس صورت میں مسلمانوں کی اکثریت والے صوبوں میں مسلمانوں کا اقتدار بھی ہوجاتا ہے اور من حیث المجموع مسلمانوں کے محکوم ہونے کا خطرہ بھی دور ہوجاتا ہے۔ بتدریج مکمل آزادی کے لئے بھی راستہ صاف نظر آتا ہے۔ممالک اسلامیہ بھی برطانیہ کے دستبرد سے نجات پاسکیں گے۔اگر یہ شبہ ہو کہ اچھوت وغیرہ مل ملا کر پھر مرکز میں ہندوؤں کی اکثریت رہے گی تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اچھوت اور سکھ ہندوؤں سے قریب تر ہیں تو پارسی اور عیسائی اہل کتاب ہونے کی وجہ سے مسلمانوں سے زیادہ مانوس ہیں، اپنے مفاد کی خاطر مسلمان بھی ان قوام کو اپنانے کی کوشش کرسکتے ہیں۔دریافت طلب یہ ہے:

ا۔کہ جمیعۃ علماء جدید اور لیگ اگر واقعی آزادی خواہ جماعتیں ہیں تو جمیعۃ علماء ہند کی اس زریں تجویز کا کیوں ساتھ نہیں دیتیں۔

۲۔کیا اگر کانگریس جمیعۃ علماء کی ۴۵ فیصدی والی تجویز کو منظور کرلے اور اسکا باضابطہ اعلان ہوجائے تو لیگ اور جدید جمیعۃ اس کا ساتھ دے گی یا نہیں۔

۳۔کیا لیگ ہائی کمانڈ نے جمیعۃ علماء اسلام کے ساتھ اس قسم کا کوئی معاہدہ کیا ہے شرعی امور میں علماء کی طرف رجوع کریں گے۔

۴۔اگر کوء معاہدہ اس قسم کا نہیں کیا ہے تو اس کی کیا ضمانت ہے کہ الیکشن کے بعد لیگ ہائی کمانڈ جمیعۃ علماء اسلام سے اس طرح منحرف نہ ہوجائے گی جس طرح ۳۷ء کے بعد جمیعۃ علماء قدیم کے ساتھ نقض عہد کیا۔اگر ارباب لیگ نے جمیعۃ علماء اسلام کے کوئی اس قسم کا معاہدہ کرلیا ہے تو اس کا باضابطہ اعلان ہونا چاہئیے۔ممکن ہے کہ اس اعلان کے بعد قدیم وجدید جمیعتوں میں اختلاف باقی نہ رہے اور دونوں ایک ہی مرکز پر آجائیں''

ہمارا جواب

اس تحریر کا جواب میری طرف سے حسب ذیل لکھا گیا ہے:''پاکستانی تجویز اور جمیعۃ علماء کے فارمولا کا فرق سمجھنے کے لئے اولاً یہ ملحوظ رہے کہ ہر مسلم اکثریت والے صوبے کا پاکستان علیحدہ نہیں رہے گا پانچ چھ صوبوں کا ایک ہی پاکستان ہوگا۔اس لئے پاکستان پر بحث کرتے وقت ہر صوبہ کے جداگانہ اعداد وشمار اور ان کی اکثریت واقلیت کی بحث بیکار ہے۔اب یہ سمجھئے کہ صحیح تحقیق کے موافق پاکستانی صوبوں میں مجموعی تعداد مسلمانوں کی سات کروڑ بیس لاکھ ہے۔ہم تنزلاً سات کروڑ ہی فرض کئے لیتے ہیں اور غیر مسلم آبادی پاکستان میں ڈھائی اور تین کروڑ کے درمیان ہے۔اس کو بڑھا کر پورے تین کروڑ مان لیجئے، پس مجموعی حیثیت سے مسلم اور غیر مسلم میں سات اور تین کی نسبت ہوئی۔گویا ستر فیصدی مسلمان اور تیس فیصدی غیر مسلم۔اگر اس قسم کے حسن ظن سے کام لیا جائے تو جمیعتی فارمولا کی تقدیر پر آپ نے استعمال کیا ہے تو کیا بعید ہے کہ عیسائی بوجہ اہل کتاب ہونے اور سکھ بوجہ موحد ہونے کے اور اچھوت ہندو دھرم کے مقابلہ میں اسلامی مساوات ورواداری نیز پاکستان میں مسلم غلبہ کو دیکھ کر ہماری طرف آجائیں، ادھر باسی قوم کے کروڑوں افراد اسلام سے قریب تر اور پاکستان کے حامی ہونے کی بناء پر مشرقی حصہ پاکستان

Marfat.com

میں شامل ہو جائیں، پھر تو پوچھنا ہی کیا ہے۔ بہر حال میں سیاسی معاملات میں اس قسم کی خیال آرائیوں کو چھوڑ کر تمام غیر مسلم قوموں کا الکفر ملتہ واحدۃ کے مطابق ایک ہی پلان فرض کئے لیتا ہوں، تب بھی ستر مسلم اور تیس غیر مسلم فیصدی کا تناسب رہے گا در آں حالیکہ آپ کے بیان کردہ جمعیتی فارمولا کے مطابق سارے ہندوستان کی مرکزی حکومتیں ۴۵ مسلم اور ۵۵ غیر مسلم رہتے ہیں۔" یہ چیز عجائب دہر میں سے ہے کہ ہم ستر فیصدی رہتے ہوئے تو خسارہ میں رہتے ہیں۔ جب ۴۵ فیصدی ہو جائیں تو فلاح و کامران کے خزانوں کی گویا سب کنجیاں ہمارے ہاتھ میں آجاتی ہیں۔ نیز ہماری صوبہ جاتی قلیل اکثریت جو آپ کے نزدیک غیر موثر اور نا قابل اعتداد ہے، متحدہ حکومت کی صورت میں کس طرح موثر بن جائے گی جب کہ اوپر مرکز میں بھی ہم اقلیت میں ہوں گے اور مسلم صوبہ جات میں وہ اقلیت بے اثر ہی رہی تو صوبوں کی آزادی کا مطلب جمعیتی فارمولا کی بناء پر کیا ہوا۔ کیا کوئی عاقل اسے باور کر سکتا ہے کہ ہماری صوبہ جاتی تھوڑی سی اکثریت اس وقت تو کار آمد نہیں جب کہ اس کے مرکز حکومت میں ہم ستر فیصدی ہوں لیکن جب وہ اکثریت ایک ایسے مرکز کے ماتحت آجائے جہاں ہم ۴۵ فیصدی رہ جاتے ہیں تو وہ نہایت محفوظ اور کار آمد ہو جاتی ہے۔ پھر اس پینتالیس فیصدی کو بھی اس خطرہ سے مامون نہ سمجھئے کہ بہت سے مسلمان اس وقت بھی ایسے نکل سکتے ہیں جو محض اپنے ذاتی اغراض و مفاد کی خاطر ہندوؤں کی دولت، تنظیم اور اکثریتی حاکمانہ تفوق سے مرعوب و متاثر ہو کر ادھر چلے جائیں، جب کہ بحال راہنہ ہندو حکومت کے فقدان کے باوجود ایسا مشاہدہ کیا جا رہا ہے۔

ہندوستان کے مسلمانوں کی حیثیت

رہا یہ سوال کہ قیام پاکستان کی صورت میں ان دو ڈھائی کروڑ مسلمانوں کا کیا بنے گا جو ہندو اکثریت کے ماتحت رہیں گے، تو کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ جس طرح ہم کو اپنی اس اقلیت کی فکر ہے، ہندوؤں کو تین کروڑ ہندو اقلیت کے تحفظ کا کوئی احساس نہ ہوگا جو پاکستان میں آباد ہوگی۔ اصل یہ ہے کہ تحفظ اقلیت کے اس دوطرفہ احساس اور پورے ملک کی مشترکہ دفاعی مسائل کی فکر ہی قدرتی طور پر وہ بنیاد ثابت ہوگی جس پر مضبوط معاہداتی سسٹم کے تحت دونوں قوموں کے عملی اتحاد و اشتراک کی عمارت قائم کی جائے گی اور باہمی تعاون سے مشترک فوائد حاصل کرنے اور مشترک مضار کو دور کرنے کے راستے نکلتے چلے آئیں گے۔ پاکستان میں ہم غیر مسلم اقلیتوں کو جس قسم کی مراعات کھلے دل سے دیں گے۔ ہم توقع رکھیں گے کہ اس قسم کی مراعات ہندوستان میں ہمارے مسلم بھائیوں کو ملیں۔ ہم پاکستان کا تحفظ اس لئے کر رہے ہیں کہ ملت اسلامیہ کا ہیئت مجموعی اس میں فائدہ ہے۔ پاکستان پر ہندوستانی مسلمانوں کا اتنا ہی حق ہے جتنا ہمارا ہے کیونکہ وہ ہماری ملی جائے پناہ اور ان کا اخلاقی سہارا ہوگا۔

پاکستانی اور ہندوستانی مسلمانوں کا راستہ

ہمارا ہندوستان سے کٹ جانا ہندی مسلمانوں سے کٹ جانے کے مترادف نہیں سمجھنا چاہیئے۔ مسلمانوں کے باہمی تعلقات کے راستے میں جغرافیائی حدود بندی کوئی شے نہیں۔ جنوبی افریقہ کا مسلمان اور بحر منجمد شمالی کا مسلمان ملت اسلامیہ کے محکم و استوار رشتہ میں منسلک ہونے کی وجہ سے ایک ہی جسم کے دو حصے ہیں۔ اس لئے ہم میں اور ہندی مسلمانوں میں کوئی بعید

Marfat.com

نہیں ہوگا۔کوئی چیز ہمارے راستہ میں حائل نہیں ہوگی۔ہم اپنے ہندو معترضین کو یقین دلاتے ہیں کہ ہمارے عزائم غاصبانہ نہیں۔ پاکستان کے مسلم اور غیر مسلم اپنے ملک کی خوشحالی اور مصیبت میں برابر کے شریک اور حصہ دار ہوں گے۔مسلمان جو اکثریت میں ہوں گے ان شاء اللہ اپنے عمل سے ثابت کر دکھائیں گے کہ طاقت اور قوت ان کے دماغ میں نخوت اور غرور نہیں بلکہ خدمت خلق کا جذبہ پیدا کر دیتی ہے۔وہ انڈین نیشنل کانگریس نہیں کہ اقلیتوں کے جذبات سے اغماض کریں اور ان کے حقوق پامال کر ڈالیں وہ اپنے حقوق کی طرح برادران وطن کے حقوق کی محافظت کریں گے،اس لئے کہ ان کا مذہب انہیں اس امر کی تعلیم دیتا ہے اور ان کی گذشتہ تاریخ ان کی اس قومی خصوصیت کی تفسیر ہے۔

اچھا اسے چھوڑیئے،اکھنڈ ہندوستان کی صورت میں ملک کی ۱/۴ مسلم اقلیت کا تحفظ کس طرح ہوتا ہے اور کس طرح آئندہ ہوگا۔اقلیت بہر حال اقلیت ہے۔مرکز حکومت ایک ہو یا دو،ملکی حکومت ہو یا اجنبی،اقلیت کو اکثریت کے برابر کر دینا تو کسی کی قدرت میں نہیں۔اب اگر دس کروڑ میں سے سات کروڑ مسلمان ہی رام راج کی تیاری کرنے والے ہندوؤں کی گرفت سے آزاد و محفوظ ہو جائیں تو کیا یہ کوئی فائدہ کی چیز نہیں۔

ہندوستان کے مسلمانوں کی قربانی

جناب رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ نے جب مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو مکہ کے معاہدہ کو اپنے ساتھ اٹھا کر نہیں لے گئے اور بے کس و بے بس مستضعفین کو بھی وہیں چھوڑنا پڑا۔جن کا ذکر قرآن پاک میں موجود ہے:

وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا. وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ٥ (النساء: ۴:۷۵)

ترجمہ:اور ان کے واسطے جو مغلوب ہیں مرد اور عورتیں اور بچے جو کہتے ہیں:اے رب ہمارے!نکال ہم کو اس بستی سے کہ ظالم ہیں یہاں کے لوگ اور کر دے ہمارے واسطے اپنے پاس سے مددگار۔

کفار مکہ ان ہی بعض مستضعفین کو بجبر و اکراہ میدان بدر میں مسلمانوں کے مقابلہ پر بھی کھینچ لائے تھے تو کیا ان تصورات و امکانات کی موجودگی میں حضور ﷺ نے مدینہ کو پاکستان بنانے کا خیال ترک فرما دیا تھا۔وہاں ہوا تو یہ ہوا کہ قرآن کریم میں حق تعالیٰ نے تمام غیر مہاجر مسلمانوں کے متعلق صاف اعلان کر دیا کہ:وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَا يَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ'' (الانفال ۸:۷۲)

ترجمہ:اور جو ایمان لائے اور گھر نہیں چھوڑا،تم کو ان کی رفاقت سے کچھ کام نہیں جب تک وہ گھر نہ چھوڑ آئیں،اور اگر وہ تم سے مدد چاہیں دین میں تو تم کو لازم ہے مدد کرنی مگر مقابلہ میں ان لوگوں کے کہ ان میں اور تم میں عہد ہو۔

Marfat.com

دارالحرب سے ہجرت

آخر یہ مسئلہ تو اب بھی فقہاء کے نزدیک مسلم ہے کہ اگر دارالحرب میں کفار ارکانِ دین کے ادا کرنے سے روک دیں اور چارہ کار باقی نہ رہے تو ایسے ملک سے ہجرت کر جانا واجب ہے۔ فرض کیجئے ایسی صورت آج کسی ملک میں پیش آ جائے تو ہجرت کرنے والے مسلمان کیا اپنے معابد و معاہد کو اٹھا کر اپنے ساتھ لے جائیں گے یا غیر مستطیع مستضعفین کی وجہ سے ہجرت ترک کرنا ضروری سمجھیں گے۔ میں یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ ایسی صورت حالات میں علماء اُمت نے وجوب ہجرت کا حکم دیتے ہوئے آخر ان مسائل کا حل کیا سوچا۔ کیا یہی کہ ان سب کو اللہ کے سپرد کر کے چلے جائیں یا کچھ اور۔ پھر یہاں نہ تو سر، دست ہجرت کا سوال ہے نہ کئی کروڑ مسلمانوں کا عدد ایسا ہے کہ بلکلیہ بے دست و پا ہو کر بیٹھ رہے خصوصاً اس حالت میں جب کہ ان کے پڑوس میں مسلمانوں کا طاقتور پاکستان بھی موجود ہو اور اس کو ان کی مادی امداد و تحفظ کا پورا خیال بھی ہو اور پاکستانی خطہ دوسرے آزاد اسلامی ممالک سے متصل بھی واقع ہو۔ خدا جانے لوگ ہندو قوم سے اس قدر خائف کیوں ہیں کہ کسی نے اس کی اکثریت کی غلامی سے نکلنے کا نام لیا اور وہ سمجھے کہ بس ہمارا خاتمہ ہوا۔ ایک مرتبہ کم از پاکستانی نظریہ کا تجربہ کر کے تو دیکھ لیں۔ اگر ناکام رہے تو بھی یہ موقع تو ہر قیمت حال ہے کہ پھر اپنے کو ہندو اکثریت کی غلامی کے سپرد کر دیں اصل یہ ہے کہ ابھی تک آزاد اور طاقتور پاکستان کا تصور ہی ان کے ذہن میں نہیں ورنہ اس طرح کے رکیک شبہات دق نہ کرتے۔ رہی پاکستان کی مادی و اقتصادی وسائل کی بحث اور اس میں معدنیات وغیرہ کی قلت کا سوال، اس کا مختصر جواب خود مسٹر جناح ایسوسی ایٹڈ پریس آف امریکہ کے نمائندہ کو اپنے ایک بیان میں دے چکے ہیں۔ سر سپرد کمیٹی کے دو ارکان سر ہومی مودی اور ڈاکٹر جان متھائی نے جو یادداشت پیش کی تھی اس میں بھی پاکستان کے اقتصادی پہلو کا کچھ حل بتایا گیا ہے۔

پاکستان کی اقتصادیات

بعض مسلمان ماہرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس وقت جو رقم پاکستان اپنے مصارف کے لئے مرکزی حکومت سے وصول کرتا ہے، ان سے کہیں زیادہ وہ مرکزی خزانہ میں داخل کرتا ہے تو گویا مجموعی حیثیت سے ہم خسارہ میں رہتے ہیں۔ جب پاکستان علیحدہ ہوگا تو دولت کی وہ نہر جو اب گنگا جمنا کے میدانوں کے سیراب کرتی ہے پاکستان کے میدانوں کو گلزار بنانے میں صرف ہوگی۔

اطلاعات سے پتہ چلتا ہے کہ سندھ اور بلوچستان کے صوبہ جات میں مٹی کے تیل کے چشمے برآمد ہوئے ہیں۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ یہاں سے اتنا تیل دستیاب ہو سکے گا جو کل ہندوستان اور پاکستان کی کفالت کرے گا۔ علاوہ ازیں پاکستان کی زمین ہندوستان کی زمین سے زیادہ زرخیز ہے اور اس میں ہر قسم کی پیداوار ہو سکتی ہے۔ بلوستان کا ساحل (مکران کا علاقہ) مچھلیوں کے لئے مشہور ہے۔ اس صنعت کو بھی فروغ دیا جا سکتا ہے۔ جنگلات اور ان سے متعلق صنعتوں کو بھی ترقی دی جا سکتی ہے۔ ذرائع آمدنی گو سر دست ہمارے لئے بالکل بیکار ہیں ذرا سے اقتصادی شعور اور تدبیر سے ریگزار کو باغ عدن بنایا جا سکتا

Marfat.com

ہے۔گراں بارطرزِ حکومت اور ملازمین کے گراں قدر مشاہروں میں تخفیف کی جاسکتی ہے۔ ہمارے معدنی ذرائع بھی اُمید افزاء ہیں۔شمال مغربی علاقہ میں کوئلہ کی کمی ہے لیکن جہاں تک اس کی کا تعلق ہے ہمارے دریاؤں نے ہمیں اس سے بے نیاز کردیا ہے۔دریا تمام کے تمام برفانی پہاڑوں سے نکلتے ہیں اور اپنے راستے میں جابجا آبشاریں بناتے ہیں جن سے بجلی کی بے پناہ قوت حاصل کی جاسکتی ہے جو آج کل ہائیڈروالیکٹرک کے نام سے مشہور ہے۔اس قسم کے دوسرے پاور ہاؤس قائم ہوجانے سے اندازہ کی جاسکتا ہے کہ بجلی کتنی وافر مقدار میں پیدا کی جاسکتی ہے اور ہم کس حد تک کوئلہ سے بے نیاز ہوسکتے ہیں۔کوئلے سے بے نیاز کرنے کے لئے مٹی کا تیل اور پٹرول بھی ہمارا معاون ہوگا اور ان سب اشیاء کے استعمال سے معدنی، صنعتی اور زرعی پیداوار کو آسانی اور کامیابی کے ساتھ بڑھایا جاسکتا ہے۔اب اگر ایسا نہیں ہورہا تو اس کی وجہ محض یہ ہے کہ جن ہاتھوں میں پاکستان کی قسمت ہے وہ مخلص اور دیانتدار نہیں اور وہ دل سے پاکستان کو اپنا دست نگر اور محتاج بنانے کے خواہاں ہیں۔

پاکستانی صوبوں کی زرخیزی

ہم معترضین کی چشم بصیرت وا کرنے کے لئے پنجاب کے سابق فنانشل کمشنر مسٹر ایچ کیلورٹ کی مشہور تصنیف ''پنجاب کی دولت وفراغت'' سے مندرجہ ذیل اقتباس پیش کرتے ہیں۔

''آل انڈیا فیڈریشن کا جزو بننے سے پنجاب پر اقتصادی موت طاری ہوجائے گی اور اس کی تمام تر ذمہ داری ان لوگوں پر عائد ہوگی جو غیر پنجاب ہونگے مگر جو مرکز میں براجمان ہوکر مرکز کے مفاد کے لحاظ سے پنجاب کا خون شیر مادر کی طرح پی جائیں گے۔وفاقی دستور کے ماتحت تقسیم دولت کے جملہ وسائل اغیار کے ہاتھوں میں ہوں گے۔ریلوے، ڈاک اور تار، بری اور بحری ذرائع رسل ورسائل تمام کے تمام صوبائی خودمختاری کے حلقہ اختیار سے باہر ہوں گے حتی کہ پنجاب کی پیداوار کے لئے منڈیاں تلاش کرنا اور ان کو مناسب قیمتوں پر فروخت کرنا اور اس قسم کے دوسرے اہم کام ان کے سپرد ہوں گے جنہیں پنجاب سے کوئی ہمدردی نہیں ہوگی۔نرخوں کا تعین خارجی اثرات سے انجام پذیر ہوگا اور درآمد برآمد کے سلسلے میں پالیسی سراسر مرکزی حکومت کی ہوگی۔پنجاب کے لئے سب سے زیادہ خطرناک چیز بمبئی کے کارخانہ داروں کا وہ مہلک اثر ہے جس کے باعث وہ مرکزی حکومت کو محصولات کا لالچ دے کر تحفظ صنعت پر آمادہ کرلیتے ہیں۔اس کے بہادر اور تنومند باشندے بمبئی کے فریب کار اور خودغرض تاجروں کے سامنے مجبور محض ہوں گے جن کی ہوس رانیوں نے پہلے ہی ہندوستان بھر کے مفاد کو خطرہ میں ڈال رکھا ہے۔پنجاب فیڈریشن میں اقلیت کی حیثیت سے شامل ہوگا اور فیڈریشن کے ناخداؤں کو اس کی ترقی اور تنزلی سے کوئی سروکار نہیں ہوگا اور اگر پنجاب اپنی گذشتہ روایات کا تحفظ اور اقتصادی آبرو کی بقا چاہتا ہے تو اسے ضرور اکثریت پیدا کرنی چاہئے اور وہ اکثریت دوسرے ہمسایہ زرعی صوبوں کو اپنے ساتھ ملانے سے ہوسکتی ہے۔مرکزی حکومت جب اپنے ذرائع آمدنی بڑھانے کے لئے اور بمبئی کے تاجروں کی صنعت کو فروغ دینے کی خاطر بیرونی اشیاء کی درآمد پر بھاری محصولات لگائے گی تو غیر ممالک بھی ہندوستان کی برآمد پر جواباً اس قسم کی پابندی عائد کریں گے اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ہندوستان کی برآمد میں نمایاں کمی

Marfat.com

ہو جائے گی اور چوں کہ ہندوستان کی برآمد کا بیشتر حصہ خام اشیاء پرمشتمل ہے جوزیادہ تر پنجاب، سندھ وغیرہ جیسے زرعی صوبے مہیا کرتے ہیں اس لئے بائیکاٹ کی زد سیدھی ان صوبوں کی ۸۰ فیصدی آبادی پر پڑے گی جن کا روزگار ان خام اشیاء کی پیداوار پر منحصر ہے اور اغلب ہے کہ ان صوبوں کے جفاکش کسان تنگدستی اور فلاکت کے مرض میں مبتلا ہو کر راہی ملک بقا ہوں اور ان کی سرسبز ولہلہاتی کھیتیاں ہمیشہ کے لئے خزاں کی نذر ہو جائیں۔ برما نے علیحدہ ہو کر اپنا مستقبل محفوظ کر لیا ہے۔ اب زرعی صوبہ جات کے لئے اپنی یقینی بربادی سے بچنے کی واحد صورت یہی ہے کہ وہ صنعتی صوبہ جات سے علیحدہ ہو کر اپنی جدگانہ فیڈریشن قائم کریں۔ اگر پنجاب، سندھ، بلوچستان، سرحد اور وہ ریاستیں جو این ڈبلیو آر (شمال مغربی ریلوے) سے ملحق ہیں، اپنی علیحدہ فیڈریشن قائم کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو وہ ان خطرناک نتائج سے بچ سکتے ہیں جو لازمی طور پر انہیں مرکزی حکومت کی تجارتی حکمت عملی کے طفیل بھگتنے پڑیں گے"

ہمارے صوبوں کی معدنیات، صنعت اور تجارت

ابھی چندروز ہوئے ایک مضمون "پاکستان کی اقتصادی وسیاسی پوزیشن" کے عنوان سے جناب بابورام شرما نے شائع کرایا ہے جو معلومات سے لبریز ہے، اس کا اقتباس بھی ذیل میں درج کیا جاتا ہے: کسی ملک کی اقتصادی حالت کا جائزہ لینے کے لئے بنیادی طور پر تین چیزیں سامنے ہوتی ہیں۔ اول اس ملک کی آبادی، دوسرے معدنیات اور تیسری زرعی پیداوار۔ آبادی کے لحاظ سے شمال مغربی پاکستان کی آبادی تقریباً ساڑھے تین کروڑ اور شمال مشرقی پاکستان کی ساڑھے تین کروڑ کے لگ بھگ ہے جو یورپ کے سب سے بڑے ملک روس کو چھوڑ کر یورپ کے تمام ممالک سے زیادہ ہے، یعنی سات کروڑ کی آبادی یورپ کے کسی ملک کی بھی نہیں ہے اور غالباً یورپی اشیاء کی بھی اتنی ہی ہے۔ اسلئے آبادی کے لحاظ سے پاکستان ایک بہت بڑا طاقتور ملک ہے اور اسکے باشندے نہایت خوبصورت، لانبے، مضبوط اور سڈول جسم کے ہوتے ہیں۔ ہندوستان کی موجودہ فوج میں ساٹھ فی صدی بھرتی اس خطہ پاکستان سے لی جاتی ہے۔ اس کی آبادی قدرتی طور پر سپاہی ہے اور اس سات کروڑ آبادی میں سے تقریباً دو کروڑ فوج تیار ہو سکتی ہے۔ معدنیات کے لحاظ سے ہمالیہ پہاڑ کا بیشتر حصہ پاکستان میں سے گزرتا ہے جو ریسرچ کرنے پر معدنیات سے بھرپور ہے۔ نمک (کھیوڑہ) اور مٹی کا تیل (اٹک) پنجاب میں کافی مقدار میں موجود ہے اور سیمنٹ کے لئے بھی یہاں بہت بڑا وسیع میدان ہے۔ کوئلہ کی کمی مشرقی بنگال سے پوری کی جاسکتی ہے، جہاں ہائیڈرو الیکٹرک پاورز دنیا کی بہت بڑی الیکٹرک پاورز میں سے ایک ہے جس سے نیشنل لائن پر بہت بڑا کام لیا جاسکتا ہے جو پاکستانی باشندوں کے لئے بہت بڑی خوشحالی کا باعث بن سکتی ہے۔ عمارتی لکڑی پنجاب میں ضرورت سے بہت زیادہ پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے معدنیات کے اعتبار سے پاکستان کا علاقہ کچھ کم زرخیز نہیں ہے۔ زرعی اعتبار سے پاکستان دنیا کا بہترین خطہ ہے۔ پاکستان آج بھی دنیا کا بہت بڑا گندم پیدا کرنے والا ملک ہے۔ حالانکہ ابھی سائنٹفک طور پر اور نیشنل طریقہ پر گندم کی کاشت کا کوئی انتظام نہیں۔ اگر سائنٹفک اور نیشنل طریقہ پر گندم کی کاشت کا انتظام کر لیا جائے اور اس کے خشک علاقوں میں آب پاشی کا انتظام ہو جائے تو یقیناً پاکستان

Marfat.com

دنیا میں سب سے زیادہ گندم پیدا کرنے والا ملک ہوسکتا ہے۔

کشمیر اور بلوچستان کے خشک اور تر میوہ جات پاکستان کی آبادی کی صحت اور خوشحالی میں بہت معاون ہوسکتے ہیں نیز کشمیر کی جڑی بوٹیوں سے بہت زیادہ مالی فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ کشمیر کی اون ریشم کی دستکاری کو اگر آرگنائز کرلیا جائے تو بھوکے کشمیر کو مالا مال کیا جاسکتا ہے۔ دودھ، گھی اور مکھن کے لئے مویشی انسانی زندگی کی جان ہیں اور یہ بات ہر شخص پر عیاں ہے کہ پنجاب کے پاکستانی علاقہ میں بہترین مویشی پالے جاتے ہیں۔ اس علاقے کی گائے، بھینس اور بکری بہت زیادہ دودھ دیتی ہیں۔ اونٹ اور بیل زرعی کاموں میں بہت کارآمد ہیں اور سچ پوچھیے تو گھوڑا جو سواری کے لئے بہترین جانور ہے، ملتان اور سندھ کے سوائے ہندوستان میں اور کہیں ہوتا ہی نہیں۔ کسی ملک کا محل وقوع بھی اس کی ترقی میں خاص اہمیت رکھتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی ملک وحشی ممالک کا ہمسایہ ہے تو اس کے لئے ترقی کے مواقع بہت کم ہوتے ہیں۔ اگر سمندر نہ لگتا ہو اور اندرونی نقل وحرکت کے ذرائع موجود نہ ہوں تو وہ ملک تجارتی لحاظ سے ترقی یافتہ نہیں ہوسکتا۔ آیئے شمال مغربی پاکستان کا محل وقوع دیکھئے، ایک طرف افغانستان اور روس دوسری جانب ایران اور ایک طرف بحیرہ عرب واقع ہے۔ افغانستان کے ساتھ اناج کے تبادلہ میں پھل اور میوہ لئے جاسکتے ہیں اور مشرقی مقبوضات بھی اپنی ضروریات کے مطابق پورا اناج پیدا کرنے کے اہل نہیں ہیں۔ اس لئے روس سے اناج کے مقابلے میں مشینری لی جاسکتی ہے۔ روس کا افغانستان ایران اور افریقہ سے براہ راست تعلق ہے۔ کراچی جو کمرشل اور فوجی نقطہ نگاہ سے ہندوستان کی واحد بندرگاہ تصور کی جاتی ہے، پاکستان میں واقع ہے۔ جس سے گندم اور کپاس کی برآمد ہوتی ہے۔ سودیشی نقطہ نگاہ سے بمبئی کی بندرگاہ جو بدیشی مال درآمد کرکے ملک کو اقتصادی لوٹ کا شکار بناتی ہے، بالکل ناکارہ ہے۔ اندرونی نقل وحرکت کے لئے پاکستان میں ریل کا جال بچھا ہوا ہے۔ نیز دریاؤں سے کامیاب طور پر تجارتی نقل وحرکت کی جاسکتی ہے۔ پاکستانی خطہ میں نہ صرف بڑے بڑے دریا بہتے ہیں، بلکہ ہندوستان کو سیراب کرنے والے دریا گنگا اور جمنا پاکستان کی سرزمین سے نکلتے ہیں، اگر ان کے منبع پر سائنٹفک طریق سے کام لے کر گنگا اور جمنا کا پانی ستلج اور بیاس میں منتقل کردیا جائے تو پاکستان کا کونہ کونہ سیراب ہوسکتا ہے۔ دریاؤں کے رخ بدلنے کا کامیاب تجربہ امریکہ میں ہوچکا ہے۔ پانامہ نہر کے بناتے وقت ایک دریا کا پانی کئی سالوں تک دوسرے راستہ سے خارج کیا گیا تھا۔ اب شمال مشرقی پاکستان کو لیجئے اس میں کوئلہ بافراط ملتا ہے بلکہ ہندوستان کی آج تمام ضروریات بنگال کے کوئلے سے پوری ہورہی ہیں۔ بنگال اپنی ضروریات سے کہیں زیادہ چاول پیدا کرتا ہے اور پٹ سن اسکی خاص انڈسٹری ہے، اگر اسے نیشنل لائن پر چلایا جائے تو تمام مشرقی پاکستان محض پٹ سن کے علاقہ سے مالا مال ہوسکتا ہے۔ اس سرزمین کو بھی بڑے بڑے دریا سیراب کرتے ہیں جو تجارتی نقل وحرکت کے لئے بھی بہت مفید ہے۔ کلکتہ ہندوستان کی سب سے اہم بندرگاہ ہے اور اسکی کھاڑی بنگال کے جہازوں کے لئے محفوظ ترین بندرگاہ ہے، جو پاکستان کی ایک بہت بڑی بحری قوت بننے میں مدد دے سکتی ہے اور اس سے پٹ سن کے مصنوعات اور چاول وغیرہ کی برآمد آسٹریلیا، ملایا اور سنگاپور کو کی جاسکتی ہے اور ادھر سے سماٹرا جاوا کے مصالحہ جات براستہ کلکتہ درآمد کرکے ہندوستان میں برآمد کئے جاسکتے ہیں اور مچھلی بھی اندرونی ہند میں برآمد کی جاسکتی ہے۔ سب سے معرکہ کی بات یہ ہے کہ ہندوستان کی دوطرفہ سرحد پاکستان کے ہاتھ میں

Marfat.com

ہے۔ اسلئے چین، روس، تبت اور افغانستان کو براہ راست پاکستان سے معاہدات کرنے ہونگے اور ان عہد ناموں کی موجودگی پاکستان کو بین الاقوامی طور پر ایک بہت اہم ملک بنادیتی ہے"۔ مندرجہ بالا حقائق کی روشنی میں، میں اپنے بھائیوں کو دعوت دیتا ہوں کہ یہ چند موٹی موٹی باتیں ہیں جو بیان کی گئی ہیں، اگر ان کا بغور مطالعہ کیا جائے تو ایک غیر جانبدار آدمی یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہوتا ہے کہ پاکستان اقتصادی، معدنی اور زرعی طور پر ہندوستان سے کہیں زیادہ بہتر پوزیشن میں ہوگا اور شاید ہندوؤں کے دل میں یہی جذبہ کام کر رہا ہے کہ پاکستان کی علیحدگی سے ان کی اپنی اقتصادی پوزیشن کو بہت نقصان پہنچے گا اور اس جذبہ کے اظہار کو وہ پاکستان کی مالی اقتصادی اور سیاسی نقصان سے تعبیر کرتے ہیں۔

برادرانِ وطن کی گھبراہٹ

ابھی حال ہی میں ایک مسلمان اخبار نے پاکستان کے متعلق ہندو کے اقتصادی نقطہ نظر کی توضیح ان الفاظ میں کی ہے:

ہندو سوچتا ہے کہ بھارت ورش کے ساتھ ملایا، جاوا، برما، چین، جاپان اور آسٹریلیا کی تمام تجارت کلکتہ کی بندرگاہ سے ہوتی ہے۔ بنگال میں پاکستان بن گیا تو یہ سب تجارت گئی۔ عرب، ایران، اور عراق کی تجارت کا ذریعہ کراچی ہے۔ ایران اور موصل کا تیل کراچی کے قریب ہے اور برما کا تیل کلکتہ کے قریب ہے۔ اگر بنگال وسندھ میں پاکستان بن گیا تو یہ سب تجارتیں بھی گئیں۔ عراق، ایران، اور برما کے تیل کی کمپنیاں پاکستانیوں کے ہاتھ آسکتی ہیں۔ اس صورت میں ہندو کا کیا بنے گا۔ ہندو سوچتا ہے کہ کشمیر کے میوے گئے۔ کابل کے سردے، چمن کے انگور اور افغانستان کے خشک میوں کی تجارت گئی۔ بنگال کا چاول اور جوٹ گیا۔ پنجاب کی اجناس گئیں۔ برما عراق اور ایران اپنے تیل کے لئے اپنی ہمسایہ پاکستانی بندرگاہوں (کراچی۔ کلکتہ) کو ترجیح دیں گے۔ تیل بھی ہوگا۔ ہندوستان میں کسی بھی دوسری جگہ تیل نہیں ہے۔ ان دردناک حالات میں ہندوؤں کا کیا بنے گا۔ اچھا ان سب باتوں کو رہنے دیجئے، پھر کیا کوئی قوم اپنے موجودہ اقتصادی وسائل کی قلت پر نظر کر کے غلامی کی ذلت کو آزادی کی زندگی پر ترجیح دے گی؟ آپ سرحدی آزاد قبائل کا حال نہیں دیکھتے کہ یہ وہ اتنی بڑی قاہر سلطنت کے مقابلہ میں باوجود انتہائی بے سروسامان کے کب سے اپنی آزادی کو قائم رکھے ہوئے ہیں۔

انگریز کی غلامی

اگر آپ کی سب حجتیں صحیح مان لی جائیں تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ ہندوستان کے مسلمان کو کبھی اور کسی جگہ ایسا ارادہ اور نیت ہی نہ کرنی چاہیئے کہ وہ ہندو اکثریت کے زیرنگیں رہنے اور ان سے شوق تحفظات کی بھیک مانگنے سے انکار کرے۔ آپ نے یہ بھی خوب کہی کہ پاکستان بننے کی صورت میں انگریز کی دائمی غلامی سب پر مسلط رہے گی۔ کیا آپ نے پڑھا نہیں کہ بار بار قائدین لیگ اعلان کر رہے ہیں کہ آج کانگریس مسلمانوں کا حق خود ارادیت اور صحیح مطالبہ تسلیم کر لے تو کل صبح کا آفتاب طلوع ہونے سے پہلے دونوں قومیں کامل تعاون اور وحدت عمل کے ساتھ آزادی کی جنگ دوش بدوش ہو کر لڑیں گی بلکہ مسلمان اس میں پیش پیش رہیں گے۔ اب اگر ہندو کا یہ دلی منشا ہی نہ ہو کہ ملک کو انگریزی غلامی سے آزاد کرائے بلکہ یہی مقصد ہو کہ مسلمانوں کو دائما اپنی

Marfat.com

اکثریت کو محکوم رکھے تو وہ ہی آزادیٔ ملک کے راستے میں سنگ راہ بنے گا اور مسلمان آزادی حاصل کرنے کے لئے کوئی دوسرا اختیار کرنے پر مجبور ہوں گے۔ پاکستان کا انکار کر کے انگریز کو یہ موقع تو خود ہندو دے رہا ہے کہ وہ ہم کو باہم ٹکراتا اور لڑاتا رہے۔ دونوں قوموں کی بیک وقت آزادی تسلیم کر لینے سے تو آپس کے سب جھگڑے مٹ جائیں گے اور دونوں ایک دوسرے کے احساسات کی قدر کرنا سیکھیں گے۔

بے شک انگریزی حکومت باختیار خود اپنے مفاد کو ترک نہیں کر سکتی۔ لیکن اگر حکومت ہندوستانیوں کو الو بناتی ہے تو وہ خود الو کیوں بنتے ہیں۔ ان کو لازم ہے کہ بے جا تعصبات اور تنگ نظریوں سے بالاتر ہو کر فراخ دلی کے ساتھ معاملہ کرنا سیکھیں اور ایک دوسرے کے صحیح اور جائز احساسات کی رعایات اور قدر کریں اور انہیں خود سوچنا ہوگا کہ وہ کیوں غیر ملکی حکومت کے جال میں پھنسیں۔

پاکستان کا قانون

یہ کہنا حیرت انگیز ہے کہ پاکستان کی حکومت ایسے لوگوں کے ہاتھ میں آئے گی جو دین و مذہب سے دور کا بھی واسطہ نہیں رکھتے اور اپنی حکومت میں سول میرج جیسے قوانین بنائیں گے۔ میں کہتا ہوں کہ آپ لوگ پاکستانی حکومت ایسے ہاتھوں میں جانے ہی کیوں دیتے ہیں۔ یہ تصور تو آپ کا ہے۔ آج اگر تمام علماء و زعماء مل کر لیگ میں آجائیں اور لاکھوں صحیح الخیال اور صحیح العقیدہ مسلمانوں کو اس کا ممبر بنائیں پھر اکثریت آپ کی ہوگی۔ آپ ہر طرح کی اصلاح جمہور کی طاقت کو ساتھ لے کر کر سکیں گے اور ناقابل اصلاح ہونے کی تقدیر پر فاسد عنصر کو نکال باہر کریں گے۔ بہر حال ان مشکلات کا واحد حل یہی ہے، ورنہ کیا ہندو اکثریت کی حکومت سے آپ یہ اُمید کر سکتے ہیں کہ وہ ہمارے دین و مذہب کے تحفظ کی ضامن و کفیل ہوگی۔ اگر کلمہ پڑھنے والوں سے آپ اپنی مذہبی بات نہیں منوا سکتے تو کھلے ہوئے کافروں سے کس طرح تسلیم کرائیں گے۔

کانگریس وزارتوں کے زمانے میں جو دردناک مظالم ہوئے، انہیں چھوڑ کر کیا واردھا اسکیم ہی آپ کانگریس سے منسوخ کرانے میں کامیاب ہو گئے۔ جس کی پرزور مذمت تمام مسلم جماعتوں نے متفقہ طور سے کی۔

جمعیۃ العلماء ہند کا فارمولا

کیا جمعیۃ العلماء کا موجودہ فارمولا ہی کانگریس اور دوسری قوام متعلقہ سے منظور کر لیا ہے یا محض ہوا پر قلعہ تعمیر کیا جا رہا ہے۔ پہلے جمعیۃ االعلماء اپنا فارمولا کانگریس وغیرہ سے تسلیم کرائے تب دوسری مسلمان جماعتوں سے دریافت کیجئے کہ تم اسے تسلیم کرتے ہو یا نہیں۔ عجیب بات ہے کہ کانگریس میں دوسری اقوام غالبہ کی شرکت کے لئے تو ہم کو معاہدہ کی ضرورت نہیں مگر مسلم لیگ میں شریک ہونے یا اس کی تائید کرنے کے لئے جس کا دروازہ تمام مسلمانوں کے لئے کھلا ہوا ہے، پہلے معاہدہ کی ضرورت ہے۔ گویا مشرکین کی بات پر تو ہم اعتماد کر سکتے ہیں لیکن مسلمانوں کے ساتھ کسی درجہ میں بھی حسن ظن باقی نہیں رکھ سکتے۔ مسلم لیگ کے شائع شدہ دستور میں یہ دفعہ موجود ہے کہ مسلمانوں کے تمام شرعی معاملات میں سنیوں کے علماء اور شیعوں کے

Marfat.com

مجتہدین کی آراء کو معتبر رکھا جائے گا۔ پھر سب وعدے اور اعلانات کی پابندی کرانا کسی طاقت ہی سے ممکن ہے۔ مسلم لیگ میں جمہور اہل اسلام کی طاقت کو ساتھ لے کر وعدے وفا کرانے کا ہر وقت موقع ہے۔ کانگریس میں کبھی یہ امکان ہی نہیں بجز اس کے کہ اکثریت اپنے لطف و کرم سے ہم کو بھی زندہ رہنے کا حق عطا فرمادے۔ کیا اس قدر واضح اور کھلے ہوئے حقائق کی موجودگی میں کوئی مسلمان بشرط سلامت ہوش و حواس یہ گمان کرسکتا ہے کہ چند منفرد و منتشر مسلمانوں کا کانگریس میں شریک ہوکر مسلم لیگ کے خلاف محاذ بنانا صحیح ہوگا۔ بار بار سوچئے اور فہم و دیانت سے کام لیجئے۔ کیا بعید ہے کہ حق تعالیٰ صحیح حقیقت سب کے دلوں پر منکشف فرمادے اور جو موقع حسن اتفاق سے کلمہ گویوں کی تنظیم کا کفار کے مقابلہ پر اس وقت اللہ کی رحمت سے ہاتھ آ گیا ہے، وہ ضائع نہ ہوجائے۔ سب مسلمان یک دل و زبان ہوکر اپنا متفقہ مطالبہ حکومت اور کانگریس دونوں کے سامنے رکھیں تو کس کی مجال ہے کہ دس کروڑ فرزندانِ توحید کی پرقوت اور پرہیبت آواز کو یوں ہی بے اعتنائی سے ٹھکرادے اور اگر ایسا ہو بھی تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اسے ٹھکرانے کے بعد وہ دنیا میں چین سے بیٹھ کر حکومت کرتے رہیں گے۔

جمہور مسلمانوں کا مطالبہ

یاد رکھئے! مسلمان اب بیدار ہوچکا ہے، اس نے اپنی منزل مقصود معلوم کرلی ہے اور اپنا نصب العین خوب سمجھ لیا ہے۔ وہ اس راستہ میں جان و مال نثار کرنے سے بھی دریغ نہیں کرے گا۔ خوش قسمتی سے بہت سے علماء اُمت اور اکثر مشائخ طریقت نے مذہبی نقطہ نظر سے پاکستان کی حمایت و تائید کا بیڑہ اٹھایا ہے اور وہ اپنے پیروؤں کو برابر یہ تلقین کررہے ہیں کہ پاکستان اور مسلم لیگ کو کامیاب بنانے کی انتہائی سعی کریں اور کسی رکاوٹ کو خاطر میں نہ لائیں کیونکہ اس وقت یہ مسلمانان ہند کی موت و حیات کا مسئلہ ہے۔ اب ہم مضمون پاکستان کو چوہدری رحمت الٰہی کے الفاظ پر ختم کرتے ہیں جو ترکی کی شہرآفاق خاتون خالدہ ادیب خانم کی کتاب ''درون ہند'' سے ماخوذ ہیں۔ انہوں نے اسلامہ ہند کی سیاست پر تبصرہ کرتے ہوئے پاکستان نیشنل تحریک پر ایک باب باندھا ہے اور اس سلسلے میں چوہدری صاحب سے پیرس اور لندن میں دو دفعہ ملاقات کی ہے اور پاکستان کا باب انہیں ملاقاتوں کا نتیجہ ہے۔ اس باب میں ہم چند سطور ذیل میں درج کرتے ہیں: ''ہماری تجویز ایک آزاد اور علیحدہ پاکستان کا تصور ہے جو شمال کے پانچ صوبوں پر مشتمل ہے اور جس کا سیاسی درجہ دیگر مہذب اقوام کے برابر ہوگا۔ ہمارا یقین ہے کہ یہ حل دونوں قوموں (پاکستان کے مسلمان اور ہندوستان کے ہندو) کے لئے آبرومندان زندگی کا تحفظ کرے گا اور دونوں کی برطانوی شہنشاہیت کا آلہ کار بننے سے بچائے گا۔ ہم مسلمانوں کا ہندو اکثریت میں مدغم ہو جانا سیاسی موت کے مترادف ہوگا''

ملی خودکشی کے معنی

کیا تاریخ عالم میں ایسی ایک بھی مثال ملتی ہے کہ ایک قوم نے ہمسایہ قوم کے اتحاد کے لئے خودکشی کی ہو۔ شکست ایک بری چیز ہے لیکن بغیر مقابلہ کے ہتھیار ڈال دینا گناہ عظیم ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ برطانوی راج اور ہندو وطن پرستی اپنی مخصوص مصالح کی خاطر ہم سے متحدہ ہندوستان کے نام پر قومی خودکشی کی توقع رکھتی ہے لیکن ایسا ہونا قبیل محالات سے ہے۔ ہندوستان کو

Marfat.com

متحد کرنا الگ بات ہے لیکن پاکستان کو غصب کرنا اور بات۔ یہ ہم کبھی گوارا نہیں کر سکتے۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ہم کشمکش حیات میں چند در چند مصائب میں مبتلا ہیں لیکن یہ درخشاں حقیقت ہم فراموش نہیں کر سکتے کہ ہمارے آباؤ اجداد نے اس سرزمین میں ان سے کہیں زیادہ عظیم الشان مصائب کا نہایت جوانمردی اور کامیاب سے مقابلہ کیا تھا۔ ہمارا مستقبل پاکستان سے وابستہ ہے اور ہم اسے زندگی اور موت کا سوال سمجھتے ہیں۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ تقدیر نے ہمیں پاکستان کے تحفظ کے لئے انتخاب کیا ہے اور یہ چیز آئندہ نسلوں کو ورثہ میں ملے گی۔ امروز شاید ہمارا مذاق اڑائے لیکن ہمارے آنکھیں صبحِ فردا کے اس دلفریب خندہ کا نظارہ کر رہی ہیں جس کے پردہ سے ہماری کامرانیوں کا مہر منیر طلوع ہوگا۔ اس صبح کی نمود تک ہم نومیدیوں کی شب تار کو اپنی قربانیوں کے نور سے روشن رکھیں گیا ور اسلام کے سچے فرزندوں کی طرح ہر مصیبت کو خندہ پیشانی سے برداشت کریں گے۔ دیگر اقوام عالم کی طرح ہمارے سامنے بھی خدمت خلق کا معین مقصد ہے اور وہ اس صورت میں پورا ہو سکتا ہے ہم پاکستانی روح کو منزہ اور ملحوظ رکھیں۔ اندریں حالات اگر ہم قومیت متحدہ ہندیہ کے بر خود غلط اور خطرناک نظریہ کے لئے اپنے ہی قتل نامہ پر دستخط ثبت کر دیں تو یہ آئندہ نسلوں سے غداری، اپنی تاریخ سے صریح ظلم اور انسانیت کے خلاف گناہ عظیم ہوگا۔

پاکستان کا نظام حکومت

اب آپ نے سمجھ لیا کہ پاکستان کیا ہے۔ اگر یہ پاکستان بن گیا تو وہاں نظام حکومت کس قسم کا ہوگا۔ اس کے متعلق سر دست بدون تفصیلات میں جائے، انہی اعلانات پر اکتفا کرتے ہیں جو آل انڈیا مسلم لیگ کے قائداعظم محمد علی جناح، اس کے جنرل سیکریٹری نواب زادہ لیاقت علی خان اور اسکے مجلس عمل کے صدر نواب محمد اسماعیل خان صاحب وقتاً فوقتاً کرتے رہے ہیں کہ سرزمین پاکستان میں قرآن کریم کے سیاسی اصول کی بنیادوں پر اسلام کی حکومت عادلہ قائم ہوگی جس میں تمام اقلیتوں کے ساتھ منصفانہ بلکہ فیاضانہ برتاؤ کیا جائے گا۔ ذمہ داران لیگ کے اعلانات پر اعتبار کرتے ہوئے مجھے اس قدر وضاحت کرنے کی اجازت دی جائے کہ یہ اعلیٰ اور پاک نصب العین ممکن ہے بتدریج حاصل ہو۔ تاہم ہر دوسرا قدم جو اٹھایا جائے گا انشاء اللہ پہلے قدم سے زیادہ مسلم قوم کو اس محبوب نصب العین سے قریب تر کرے گا۔ ہاں اس موقع پر میں یہ کہنے کی جرأت ضرور کروں گا کہ پاکستان بنانے والوں کے لئے بہت ضروری ہے کہ وہ پہلے خود پاک بنیں۔ بلاشبہ پاکی کے درجات ہیں اور اس کا کوئی نہ کوئی درجہ ادنیٰ ترین مسلمان کو بھی حاصل ہے کیوں کہ کفر و شرک کی نجاست سے وہ بہر حال پاک ہوتا ہے۔ مگر بانیان پاکستان کے لئے بہت ہی ادنیٰ درجہ کی پاکی کفایت نہیں کر سکتی۔ لازم ہے کہ پاکستان قائم ہونے سے پہلے وہ زیادہ سے زیادہ پاکیزگی اپنے اخلاق، اعمال، خیالات اور جذبات میں پیدا کریں۔ میں نے میرٹھ کانفرنس کے خطبہ صدارت میں اس پر ذرا تفصیل کے ساتھ متوجہ کیا ہے اور آج پھر کہتا ہوں کہ حقیقی معنی میں پاکستان بنانے والی قوم کے لئے ضرورت ہے کہ وہ خود پاکیزہ اخلاق و اطوار کا نمونہ بنے اور اس کے ساتھ تحصیل پاکستان کے ذرائع وسائل مہیا کرنے میں ان تھک جدوجہد سے کام لے۔ وہ ذرائع و وسائل کیا ہیں، اس کی تفصیلات تو حالات کے اقتضاء سے وقتاً فوقتاً سامنے آتی رہیں گی۔ فی الحال تو ہماری تمام تر مساعی اس نقطہ پر مرکوز

Marfat.com

ہونی چاہیئے کہ ایک طرف حکومت اور دوسری جانب ہندوستان میں بسنے والی قوموں پر یہ ثابت کردیں کہ یہاں کے جمہور مسلمانوں نے آخری طور پر فیصلہ کرلیا ہے کہ ہم پاکستان لے کر رہیں گے جس کا ثبوت پیش کرنا صرف مسلمان ووٹروں کے قومی احساس اور فرض شناسی پر منحصر ہے۔

مسلم لیگ کی درخشاں کامیابی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالْمِنَۃ کہ سنٹرل اسمبلی کے انتخابات میں انہوں نے بہت ہی صاف طور پر اس کا ثبوت پیش کردیا۔ اب دوسرا مرحلہ شروع ہے اور محض تائید ربانی سے آثار ایسے پیدا ہیں۔ اس مرحلہ پر بھی ہمارا یہ دعویٰ جھوٹا ثابت نہ ہوگا۔ ضرورت ہے کہ اس ایک دو ماہ میں مسلمان چین سے نہ بیٹھیں اور ہر فرد مسلم اپنی اپنی جگہ مطالبہ پاکستان کو حق بجانب ظاہر کرنے کے لئے ہر امکانی کوشش کو کام میں لائے۔ کاش جو مسلمان اس مطالبہ سے علیحدہ ہیں وہ بھی اس وقت متفق ہوتے یا کم از کم برسر پیکار نہ ہوتے تو باسہولت اور بلا ادنیٰ مقابلہ کے ہمارا یہ قومی نصب العین انگریز اور ہندو دونوں سے تسلیم کرایا جاسکتا۔ خصوصیت کے ساتھ ہمارے احراری بھائی پہلے مسلم لیگ کے ساتھ ہو کر ہندوستان میں کوئی مناسب زمین حاصل کر لیتے پھر وہاں حکومت الٰہیہ کی مضبوط عمارت بنوانے کی خدمات پوری قوت کے ساتھ انجام دیتے۔ افسوس کہ ایسا نہ ہو!!

تجری الریحا بما لا تشتھی السفن واللہ غالب علی امرہ ولکن اکثر الناس لا یعلمون.

بہر صورت اس وقت مسلمانوں کا فرض ہے کہ اس معرکہ انتخاب میں حصول پاکستان کے پیش نظر مسلم لیگ کی آواز کو زیادہ سے زیادہ کامیاب اور موثر بنانے کی کوشش کریں میں اس سے بے خبر نہیں کہ محض الیکشن کی کامیابی ہم کو پاکستان نہیں دلواسکتی۔ الیکشن ختم ہونے کے بعد دیکھنا ہے کہ بین الاقوامی سیاست اور ہندوستان کی سخت اضطرابی کیفیات کا اثر حکومت برطانیہ کے دماغ وقلب پر کیا پڑتا ہے اور ہماری ہمسایہ اقوام کہاں تک ٹھنڈے دماغ سے جمہور مسلمین کے منصفانہ مطالبہ پر غور کرتے اور اس پورے ملک کی بہتری اور امن وخوشحالی کا کس حد تک پاس ولحاظ رکھتے ہیں۔ اگر امن پسندانہ آزادی، صلح وآشتی، نیک خواہی اور خیر سگالی کے جذبات یہاں کی اقوام میں کارفرما ہوئے تو مسلمان آگے بڑھ کر جوش کے ساتھ اس کا خیر مقدم کریں گے، ورنہ جو غیر خوشگوار حالات پیش آئیں گے ان کے لئے ہم کو بہرحال سینہ سپر ہونا پڑے گا۔

ہمارا قومی نعرہ

اس موقعہ پر ہمارا قومی نعرہ وہی ہوگا جو روہیل کھنڈ کے آخری ہیرو حافظ رحمت خان نے اپنے تاریخی خط میں شجاع الدولہ کو لکھا تھا کہ ''اگر اصلاح دولت کیشاں بصلح ہمرنگ است بارک اللہ وگر بستیز وجنگ است بسم اللہ''

جواں مرداں تنابنداز کسے روئے   ہمیں میدان ہمیں چوگان ہمیں گوئے

حالات کو آخری نتیجہ کچھ بھی ہو اور اس منزل کے قطع کرنے میں کچھ بھی مصائب کسی طرف سے پیش آئیں مگر ہندی مسلمان اب جاگنے کے بعد پھر سونے کا اور اٹھنے کے بعد بیٹھ جانے کا ارادہ نہیں رکھتے۔

Marfat.com

سینے میں دل آگاہ ہو کچھ غم نہ کرنا شاد سہی — مشغول تو ہے بیدار تو ہے نغمہ نہ سہی فریاد سہی
ہر چند بگولا مضطر ہے اک جوش تو ہے اس کے اندر — اک وجد تو ہے اک رقص تو ہے بے چین نہ سہی برباد سہی

اب رخصت ہونے سے پہلے مجھے دو لفظ اور کہنے دیجئے جو یہاں کی برسر حکومت پارٹی سے متعلق ہیں۔ میں ابھی تک یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ یونینسٹ پارٹی کے مسلم ارکان باوجود پاکستان کے حامی ہونے کے کس نوعیت کا اختلاف مسلم لیگ سے رکھتے ہیں۔ میں ایک غیر سیاسی آدمی ہوں، ایسے دقیق سیاسی اختلافات کا سمجھنا شاید میری دسترس سے باہر ہے۔ اخبارات و جرائد سے جو کچھ مجھے اندازہ ہوا، وہ یہ ہے کہ اصولاً اختیارات زیادہ شدید قسم کا معلوم نہیں ہوتا مگر اس نے عملاً ایک سخت نوعیت اختیار کر لی ہے۔ کیا پنجاب میں کوئی سمجھ دار اور بااثر ایسا نہیں جو اختلاف کی اس گتھی کو سلجھا سکے۔ اوس وخزرج کی ایک سو بیس سالہ جنگ کے اثرات کو اسلام کی ربانی تاثیر نے ایک آن میں ختم کر دیا تھا۔ کیا آج ہمارا مشترک جذبہ اسلامیت اور اعلیٰ قومی مفاد کا تصور ایسے حقیر نزاعات کو ایسے نازک موقع پر ختم نہیں کر سکتا۔ ضرور کر سکتا ہے، مگر وہ ختم کرنا اس خداوند قدوس کے نام پر ممکن ہوگا جس کا واسطہ دینا الیکشن کے زمانے میں جرم قرار دے دیا گیا۔ اکبر مرحوم نے شاید اسی دن کے لئے کہا تھا: رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں کہ

اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

اب فرمایئے کہ اگر گلیلسی ہمارا خضر راہ بن جائے اور خضر راہ ہی راستہ سے ہٹانے لگے تو صحیح راہنمائی کی توقع کس طرح کی جاسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ مسلمانوں نے یہ سیاسی مہم سر کرنے کے لئے اپنا راہنما چن لیا ہے، جس نے عظیم ترین قومی تنظیم کو ہر قیمت پر محفوظ رکھنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ حق تعالیٰ ہم سب کو صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق ارزانی فرمائیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ خطبہ بلا ارادہ طویل ہوتا جا رہا ہے اور جمعیۃ علماء اسلام کے دوسرے مقاصد جو اس کے مفصل نظام نامہ کے پڑھنے سے آپ پر واضح ہوں گے اور جن اک تعلق محض ہنگامی صورت حال سے نہیں، میں اس پر کوئی بحث نہیں کر سکا۔ اپنی اس تقصیر کا مجھے اعتراف ہے لیکن وقتی مسئلہ نے بہت وقت لے لیا۔ ادھر طویل علالت کے اثرات سے میں اس قابل نہیں کہ مزید محنت برداشت کر سکوں۔ میں تھک چکا ہوں اور میرے خیال میں آپ بھی سنتے سنتے اکتا چکے ہوں گے۔ اس لئے آخر میں آپ کی قدر افزائی اور مہمان نواز کے شکریہ کے ساتھ اس دعا پر ختم کرتا ہوں:

اللهم انصر من نصر دين محمد صلى ا عليه وسلم

واجعلنا منهم واخذل من خذل دين محمد صلى الله عليه وسلم ولا تجعلنا منهم سبحان ربك رب العزة عما يصفون وسلام على المرسلين والحمد الله رب العالمين.

آخر میں، میں مجلس استقبالیہ اور اسکے سرگرم عہدہ داران بالخصوص مولانا غلام مرشد صاحب صدر جمعیۃ علماء اسلام پنجاب، خان صاحب، چوہدری عبدالکریم صاحب جنرل سیکریٹری مجلس استقبالیہ جمعیۃ علماء اسلام پنجاب اور ملک لال خان صاحب آرگنائزنگ سیکریٹری مجلس استقبالیہ جمعیۃ علم ءاسلام اور عزیز مولوی محمد متین خطیب دیوبند نائب ناظم کل ہند جمعیۃ علمائے

Marfat.com

اسلام کا دلی شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جن کی انتھک کوششوں اور قربانیوں سے یہ کانفرنس انعقاد پذیر ہوسکی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ان حضرات کے دلوں میں خدمت اسلام کا ایک بے پناہ جذبہ پیدا فرما دیا جسکا اثر یہ ہے کہ آج ہم اس قدر عظیم الشان اجتماع اپنے سامنے دیکھ رہے ہیں۔ اگر یہ حضرات اپنے وقت عزیز وں کو اس قدر سرگرمی سے مفاد ملت کے لئے وقف نہ فرماتے تو شاید ہم اپنے مقاصد کے حصول کے لئے کامیاب نہ ہوسکتے۔ میری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں بیش از بیش خدمت دین وملت کی توفیق اور ہمت عطا فرمائے۔ آمین!

شبیر احمد عثمانی

۲۶ جنوری ۱۹۴۶ء/۲۱ صفر ۱۳۶۵ھ

چودھری رحمت علی

پاکستان نیشنل موومنٹ کے ممتاز رہنما اور لفظ پاکستان کے خالق چودھری رحمت علی ۱۸۹۳ء کو موضع موہراں تحصیل گڑھ شنکر ضلع ہوشیار پور پنجاب میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۱۹ء کو اسلامیہ کالج لاہور سے بی اے کرنے کے بعد ۱۹۳۰ء کو اعلیٰ تعلیم کے لئے انگلستان چلے گئے جہاں انہوں نے ۱۹۳۲ء کو عمانوئیل کالج (Emmanual College) کیمبرج سے قانون کی سند حاصل کر کے ۱۹۴۰ء کو کیمبرج یونیورسٹی سے ایم اے کیا۔ جنوری ۱۹۴۳ء کو کیمبرج سے ایک مختصر کتابچہ "Now or Never" شائع کیا کہ جس میں سب سے پہلے لفظ پاکستان استعمال کیا گیا۔ اس کتابچے میں چودھری رحمت علی اور ان کے ہم خیال افراد نے تین مسلم ریاستوں کا تصور پیش کیا گیا۔

۱۔ پاکستان ۲۔ عثمانستان ۳۔ بانگ اسلام

پاکستان قریباً وہی ہے کہ جس کا نقشہ آپ نے مذکورہ کتابچہ میں شائع کیا تھا جبکہ حیدر آباد دکن کو عثمانستان اور بنگال کو بانگ اسلام کا نام دیا اور ان تینوں کا نقشہ بھی سرورق کے طور پر Now or Never میں شائع کیا۔ پاکستان کے بارے میں چودھری رحمت علی کے نظریات محمد علی جناح سے کافی مختلف تھے یہی وجہ ہے کہ مسلم لیگ کی طرف سے محمد علی جناح نے ۹ جون ۱۹۴۷ء کو ماؤنٹ بیٹن کا منصوبہ تقسیم ہند قبول کیا تو چودھری رحمت علی کو سخت رنج ہوا اور انہوں نے اسے برطانیہ و بنیوں کے درمیان طے شدہ معاہدہ قرار دیا۔ قیام پاکستان کے بعد چودھری رحمت علی ۱۹۴۸ء کو لاہور آئے لیکن یہاں کے حالات سے مایوس ہوکر آپ انگلستان واپس چلے گئے اور فروری ۱۹۵۱ء کو مایوسی کے عالم میں وہیں کیمبرج میں انتقال ہوا۔ آج وہ مارکیٹ روڈ کیمبرج میں اس شرط کے ساتھ دفن ہیں کہ جب ورثاء چاہیں کیمبرج کے عمانوئیل کالج کے پرنسپل کی معرفت میت پاکستان لے جاسکتے ہیں۔

تحریک پاکستان اور خواتین

۱۹۳۸ء میں قائداعظم کے حکم سے پورے ہندوستان میں خواتین مسلم لیگ کمیٹیاں قائم ہوگئیں اور ہر صوبے میں

Marfat.com

خواتین آزادی کی جدوجہد میں مردوں کے دوش بدوش حصہ لے رہی تھیں۔ پردے کی انتہائی قیود کے بعد خواتین مسلم لیگ سب کمیٹی کی اراکین کی تعداد میں اضافہ ہو رہا تھا۔ اور یہ خواتین خود بخود آ کر مسلم لیگ کام کے لئے خود کو پیش کر رہی تھیں۔

۲۲ مارچ ۱۹۴۰ء کے مسلم لیگ کے اجلاس میں قرارداد پاکستان منظور کی گئی۔ قائداعظم اسی اجلاس کے اپنے تاریخی خطبے میں خواتین کی خدمات کو ان الفاظ میں سراہا: ''آپ کو یاد ہوگا کہ اجلاس پٹنہ میں خواتین کی ایک کمیٹی مقرر کی گئی تھی، یہ بات ہمارے لئے بہت اہم ہے۔ کیوں کہ میں زندگی اور عمل کی جدوجہد میں خواتین کو شریک ہونے کا ہر موقع فراہم کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ خواتین اپنے گھروں کی چار دیواری میں رہتے ہوئے اور باپردہ رہ کر بہت زیادہ کام کرسکتی ہیں۔ ہم نے یہ کمیٹی اس غرض سے بنائی تھی کہ وہ لیگ کے کاموں میں حصہ لے سکیں۔ اس مرکزی کمیٹی کے حسب ذیل مقاصد تھے:

۱۔ صوبائی اور ضلع وار مسلم لیگیوں کی تنظیم۔

۲۔ مسلم لیگ میں زیادہ سے زیادہ خواتین کی ممبر سازی۔

۳۔ پورے ہندوستان میں پروپیگنڈہ کرنا تھا کہ ان میں اور اور زیادہ سیاسی شعور پیدا ہو۔ یاد رکھئے کہ اگر خواتین میں سیاسی شعور پیدا ہوگیا تو آپ کے بچوں کو فکر و تردّد سے دوچار ہونا نہیں پڑے گا۔

۴۔ مسلم معاشرے کی ترقی کے لئے ایسے تمام معاملات میں ان کی رہنمائی کرنا اور مشورہ دینا جن کی ذمہ داری ان پر عائد ہوتی ہے۔ مجھے یہ بتاتے ہوئے مسرت ہے کہ اس مرکزی کمیٹی نے سنجیدگی اور جوش و خروش کے ساتھ اپنا کام شروع کر دیا ہے۔ اور اب تک زیاد مفید کام انجام دے چکی ہے۔ مجھے اس بات میں قطعی کوئی شبہ نہیں کہ جب ہم ان کی کارگذاریوں کی رپورٹ پر غور کریں گے تو واقعی ہم ان کی خدمات پر ممنون ہوں گے جو انہوں نے مسلم لیگ کے لئے انجام دی ہیں۔ ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور میں مسلم لیگ کے اسی اجلاس میں جب قرارداد پاکستان منظور ہوئی تو بیگم مولانا محمد علی جوہر نے اس قرارداد کی تائید کل ہند خواتین مسلم لیگ کی نمائندگی کرتے ہوئے کی تھی۔ مسلم خواتین نے قیام پاکستان اور آزادی کی جدوجہد میں جو کردار ادا کیا وہ ہماری تاریخ میں ایک روشن باب کا اضافہ کرتا ہے۔ تحریک خلافت میں محترمہ بی اماں (والدہ مولانا محمد علی جوہر) نے اپنے دونوں بیٹوں کی گرفتاری کے بعد بھی تحریک کو اس زور و شور سے جاری رکھا تھا۔ اسی طرح بیگم مولانا محمد علی جوہر نے اسی زمانے سے ملک کی سیاست میں حصہ لیا۔ پردہ کی پابندی ان کے کاموں میں مانع نہیں اس کی وہ مسلم لیگ کی کمیٹیوں اور اجلاسوں میں زیر شریک ہوتی رہیں۔ ۱۹۲۶ء میں جب قائداعظم نے دوبارہ مسلم لیگ کی تنظیم کی تو خواتین پیش پیش تھیں انہوں نے ملک میں دورے کر کے خواتین کو مسلم لیگ سے روشناس کرایا اور کثیر تعداد میں خواتین مسلم لیگ میں شامل ہوگئیں۔

جب قیام پاکستان سے پہلے یونینسٹ وزارت کے خلاف پنجاب میں تحریک شروع ہوئی تو اس تحریک میں خواتین نے برابر کا حصہ لیا اور مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین کی ایک بڑی تعداد جیلوں میں بند کر دی گئی خواتین نے بڑے بڑے جلوس لاہور کی سڑکوں پر نکالے پولیس کی لاٹھیاں کھائیں اور اشک آور گیس کا مقابلہ کیا آخر میں سیکریٹریٹ کی بلڈنگ پر مسلم لیگ کا جھنڈا بھی چند خواتین ہی نے لہرایا اس تحریک میں صرف پنجاب ہی نہیں بلکہ ملک کے گوشے گوشے سے خواتین آ کر شامل ہوگئیں اور خود

Marfat.com

کو گرفتاری کے لئے پیش کر دیا۔ خواتین کی ان سرگرمیوں سے خضر حیات وزارت اتنی گھبرائی کہ آخر اس کو استعفیٰ دینا پڑا۔

حصول پاکستان کی تحریک جنوری ۱۹۴۷ء میں بہت شد و مد سے ابھی جس میں مردوں اور عورتوں نے برابر کا حصہ لیا برطانوی حکومت اس تحریک سے بے حد متاثر ہوئی اس کی سمجھ میں آ گیا کہ اب مسلمانان ہند کے مطالبہ پاکستان کو زیادہ عرصے کے لئے ٹالا نہیں جا سکتا۔ جنوری ۱۹۴۷ء میں دہلی میں لیڈی کرپس کی جانب سے تجویز پیش ہوئی کہ چند مسلم لیگی اور چند کانگریسی خواتین لیڈی کرپس سے مل کر اپنے اپنے نظریئے کی وضاحت کریں یہ ملاقات لیڈی کرپس کی کوٹھی پر ایک ہی وقت میں مقرر ہوئی اور ان کے سیکریٹری نے دونوں جانب کی خواتین کو مقررہ وقت کی اطلاع دے دی۔

مسلم لیگ کی جانب سے اس وفد میں بیگم حسین ملک نور الصباح بیگم، بیگم شائستہ اکرام اللہ، انجمن آرا بیگم، بیگم سید احمد شاہ بخاری اور بیگم حمیدہ عارف شریک ہوئی تھیں۔ پہلی چار خواتین صوبہ دہلی خواتین مسلم لیگ کی عہدیدار ہونے کے علاوہ آل انڈیا خواتین مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی کی بھی ممبر تھیں۔ باقی دونوں خواتین صوبہ دہلی مسلم لیگ خواتین سب کمیٹی کی ممبر تھیں مسلم لیگی خواتین نے مدلّل طریقے سے نظریہ پاکستان کی وضاحت کی یہ سب گفتگو کانگریسی خواتین کی موجودگی میں ہوئی جن میں مسز سروجنی نائیڈو، مسز وجے لکشمی پنڈت، راج کماری امرت کو وغیرہ شامل تھیں۔ اپریل ۱۹۴۷ء میں لارڈ اور لیڈی مونٹ بیٹن جب دہلی آئے تو لیڈی مونٹ بیٹن کے ایما پر بیگم رعنا لیاقت علی خان کی کوٹھی پر لیڈی مونٹ بیٹن سے ملنے کے لئے ساتھ ستر مسلم لیگی خواتین کو مدعو کیا گیا۔ اس اجتماع میں مسلم لیگی خواتین نے موصوفہ کو بتایا کہ ہمارا مذہب ہی نہیں بلکہ ہماری تہذیب و تمدن، ہمارے رسم و رواج، ہمارے رہن سہن کے آداب اور ہماری طرز گفتگو حتیٰ کہ ہمارے کھانے بھی ہندو قوم سے قطعی مختلف ہیں۔ اور کسی طرح بھی مسلمان ایک اقلیت نہیں بلکہ ایک علیحدہ قوم ہیں۔ لیڈی ماؤنٹ بیٹن کو اخیر میں لاجواب ہو کر کہنا پڑا کہ حصول پاکستان کا جو جذبہ مسلم لیگی خواتین کے دل میں ہے وہ دبانا مشکل ہے۔

عرض کہ برطانیہ نے ۳ جون ۱۹۴۷ء کو تقسیم ہندوستان یعنی بھارت اور پاکستان کی آزادی کے متعلق اپنا نیا منصوبہ شائع کر دیا۔ ۱۴ جولائی ۱۹۴۷ء کو برطانوی پارلیمنٹ میں ہندوستان آزادی کا بل منظور ہو گیا۔ اور پندرہ اگست ۱۹۴۷ء تاریخ نفاذ، طے پائی جس کے تحت دو آزاد اور خود مختار ریاستیں بھارت اور پاکستان قائم ہوئیں۔ اسی اثناء میں سارے ملک میں خصوصاً بہار، بنگال، دہلی، بمبئی اور پنجاب میں ہندو مسلم فساد کی آگ بھڑک اٹھی جس میں سکھ مسلم دشمنی میں پیش پیش تھے۔ پر امن شہروں کا خون مذہب کے نام پر بری طرح بہایا گیا۔ حالات کا اندازہ لگاتے ہوئے دہلی مسلم لیگ خواتین سب کمیٹی نے طے کیا کہ کارکن لڑکیاں اور عورتیں فرسٹ ایڈ کی ٹریننگ لیں تاکہ ان کیمپوں میں جا کر کام کر سکیں۔ جن میں قرب و جوار کے آئے ہوئے زخمی مرد اور عورت پڑے ہوئے تھے۔ چنانچہ بیگم رعنا لیاقت علی خاں کی کوٹھی پر فرسٹ ایڈ کے لیکچر دیئے گئے۔ اور اسناد حاصل کر کے خواتین نے فرسٹ ایڈ کے بکس سنبھال لئے اور زخمیوں کی مرہم پٹی کا کام اپنے ذمے لے لیا۔ ایک بار جب گڑھ مکتیشر میں ہندو مسلم فساد ہوا تو اس علاقے میں مردوں کی ہمت نہیں پڑتی تھی کہ جا کر دیکھیں مگر عورتوں کا وفد گڑھ مکتیشر گیا، وہاں کے حالات کا جائزہ لیا اور واپسی پر مسلم لیگ آفس سے انتظام کرایا کہ وہاں سے کسی نہ کسی طرح مسلمانوں کو نکال کر لایا جائے۔ اس وفد میں

Marfat.com

بیگم اقبال حسین ملک، نورالصباح بیگم، بیگم احمد شاہ بخاری اور بیگم نسیم حسین پیش پیش تھیں۔فرسٹ ایڈ کا کام کرنے کے لئے خواتین مسلمان ڈاکٹروں سے دوائیں حاصل کرتی تھیں۔اس کے علاوہ ان مصیبت زدہ لوگوں کے لئے غذا فراہم کرنا بھی دہلی کی مسلم لیگی خواتین ہی کے ذمے تھا۔جو وہ کسی نہ کسی طرح حاصل کر کے کیمپوں میں تقسیم کرتی تھیں۔خواتین اور بچے زیادہ تر اس مصیبت کا شکار ہوئے۔بے خانماں لوگوں کے قافلے لئے جوان لڑکیاں اور عورتیں چھن رہی تھیں۔خون، تباہی، بربادی اور بہمیت کا دور دورہ تھا۔لاکھوں افراد، پریشان حال لئے پئے اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر جا رہے تھے۔اسی لئے اگر غور کیا جائے تو تقسیم ہند کے بعد جب مسلمانوں نے پاکستان کا رخ کیا تو سب سے زیادہ نقصان خواتین کو ہی برداشت کرنا پڑا۔مگر باوجود ان بے شمار تباہیوں اور پریشانیوں کے جن میں وہ گھری ہوئی تھیں۔انہوں نے ہمت سے کام کیا اس دوران میں بھی زخمیوں کی مرہم پٹی کی اور دیکھ بھال کی۔دہلی کے کیمپ ان زخمیوں سے بھرے پڑے تھے جو لوگ گورداس پور جالندھر، گڑھ مکتیشر اور الور وغیرہ سے لٹ کر آرہے تھے۔اسی طرح دوسری فساد کی جگہوں کا حال تھا۔اس کے بعد جیسے ہی وہ پاکستان پہنچیں یہاں کی خواتین کے ساتھ مل کر مختلف انجمنوں کے ذریعے وہ اپنے ملک کی تعمیر اور فلاح کے لئے اصلاحی کاموں میں لگ گئیں۔

فاطمہ جناح

محترمہ فاطمہ جناح ۳۱ جولائی ۱۸۹۳ء کو کراچی کے نیونہام روڈ پر واقع عمارت میں پیدا ہوئیں۔

جب آپ دو سال کی تھیں تو والدہ مٹھی بائی انتقال کر گئیں اس طرح شفقت مادری سے محرومی کے بعد فاطمہ کی تربیت کا ذمہ انہیں کی بڑی بہن مریم نے لے لیا۔۱۹۰۲ء کو جناح پونجا کے انتقال کے بعد تعلیم کا ذمہ مکمل طور پر محمد علی جناح نے اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اس طرح محمد علی جناح کے زیر سایہ فاطمہ جناح نے ۱۹۲۲ء کو امراض دنداں کے ڈاکٹر احمد ڈینٹل کالج کلکتہ سے ڈنٹسٹ کی سند حاصل کی۔

۱۹۳۷ء کو آل انڈیا مسل لیگ کے اجلاس لکھنو میں فاطمہ جناح نے پہلی بار مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں شرکت کی۔ فاطمہ جناح ۱۹۳۸ء سے بمبئی پروینشل مسلم لیگ کی رکن بن چکی تھیں اور جب بمبئی مسلم لیگ کا اجلاس محمد علی جناح کی زیر صدارت منعقد ہوا تو اس میں بمبئی مسلم لیگ کے عہدیداران اور ایک کمیٹی تشکیل کی منظوری دی گئی جس میں فاطمہ جناح کمیٹی کی رکن مقرر ہوئیں اور بالآخر انہوں نے تحریک بیداری نسواں میں اہم کردار ادا کیا اور لاہور میں زنانہ میڈیل کالج کی بنیاد ڈالی۔

قیام پاکستان کے بعد محترمہ فاطمہ جناح نے ملک وقوم کے لئے گراں قدر خدمات انجام دیں۔فاطمہ جناح تعمیر پاکستان میں برابر کوشاں تھیں تعمیر وطن کی جدوجہد میں جب مشکل ترین لحہ آیا تو فاطمہ جناح بنفس نفیس ۱۹۶۵ء کے صدارتی انتخابات کے موقع پر میدان عمل میں نکل آئیں۔۲۱ جولائی ۱۹۶۴ء کو ملک کی پانچ سیاسی جماعتوں کونسل مسلم لیگ، نیشنل عوامی پارٹی، عوامی تحریک، نظام اسلام پارٹی اور جماعت اسلامی نے اتفاق رائے سے ایک مشترکہ جماعت متحدہ حزب اختلاف بنا کر محترمہ فاطمہ جناح کو اپنا امیدوار کھڑا کر دیا۔۲ جنوری ۱۹۶۵ء کو ملک میں صدارتی امیدواروں کے پولنگ کا آغاز ہوا اور حکومت

Marfat.com

کی جانب سے اعلان ہوا کہ انتخابات میں محترمہ فاطمہ جناح کو شکست ہوئی اور ایوب خان جو کہ اس وقت صدر مملکت بھی تھے کامیاب قرار دیئے گئے یہ معمہ اپنی جگہ باقی ہے کہ محترمہ فاطمہ جناح ہار گئی یا ایوب خان کو زبردستی جیتایا گیا؟ ۱۹۶۷ء کو کراچی میں انتقال کر گئیں۔

آپ کی پہلی نماز جنازہ مولانا بن حسن جاچوری نے دوسری نماز جنازہ مولانا شفیع نے پڑھائی۔ آپ کو محمد علی جناح کے مقبرے کے احاطے ہی میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ ان کی موت کے بارے میں کچھ انکشافات ۱۹۷۱ء کو منظر عام پر آئے کہ جس کے مطابق افراد کا دعویٰ ہے کہ گلا گھونٹ کر مارا گیا ہے! واللہ اعلم

تحریک پاکستان میں خواتین کا حصہ

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی نے مسلمانوں کا رہا سہا اقتدار بھی ختم کر دیا۔ یہ سب کچھ بڑی حد تک اپنوں نے ہی کئے دھرے کا منطقی نتیجہ تھا۔ لہذا انظام قدرت کے مطابق دوسروں کو اقتدار مل گیا۔ نیز وہ ہندو قوم بھی جس کے ساتھ مسلمانوں نے اقتدار کے باوجود صدیوں تک انتہائی رواداری کا مظاہرہ کیا تھا۔ ہماری بدترین حریف بن گئی اور وہ سیاسی اقتدار کے خواب دیکھنے لگی۔ آخر کار حالات نے ایسا پلٹا کھایا کہ آقا غلام اور غلام آقا بن گئے۔ ظاہر ہے کہ ان حالات میں مسلم قوم کے مرد ہی نہیں بلکہ خواتین بھی متاثر ہوئیں۔ عورتیں اپنی پردہ نشینی کے سبب پردوں کا منہ تکتی رہیں کہ وہ کب کروٹ لیں اور نیا انقلاب رونما ہو۔ پھر قوم کی بیداری اور نشاۃ ثانیہ کا مثبت لائحہ عمل بنائیں اور خواتین کو بھی قدم بہ قدم، منزل اپنے ساتھ لے کر چلیں۔ یوں تو مسلم خواتین میں رضیہ سلطانہ، چاند بی بی اور زیب النساء جیسی خواتین پیدا ہوئیں لیکن ہماری تحریک آزادی میں جو اولین قابل فخر خاتون مثالی حیثیت میں ہمارے سامنے آئی وہ علی برادران کی والدہ بی اماں کی شخصیت تھی۔ بی اماں نے قوم کو آزادی کا سبق پڑھایا اور میدان عمل میں نکلنے کا پیغام دیا۔ وہ خود اپنے بیٹوں کے ساتھ تحریک خلافت میں باہر نکلیں اور ہزاروں خواتین کو بھی اپنا ہم سفر بنالیا۔ گو مسز سروجنی نائیڈو، مسز رشید، نائر، مسز پنڈت، ارونا آصف علی اور مس امۃ السلام بھی میدان عمل میں رہیں مگر ہمارا سفر مختلف منزل کی نشاندہی کرتا تھا۔ جب کوئی نصب العین سامنے ہوں گے بلند اور سخن دل نواز بن جائے۔ جذبۂ صداقت ہم سفر ہو تو سفر خوشگوار اور منزل نزدیک تر آجاتی ہے۔

مسلمانوں میں یہ کیفیت اس وقت پیدا ہوئی جب افق سیاست ہند پر ایک جگمگاتا ستارہ نمودار ہوا۔ اس نے قوم کو پکار پکار کر کہا اگر تم اپنا تشخص قائم نہ رکھ سکے تو ہمیشہ کے لئے وادیٔ فنا میں پہنچ جاؤ گے۔ تمہاری زندگی کا حق بھی تم سے چھین لیا جائے گا دشمن تمہاری دنیا ہی نہیں تمہارے دین کے بھی درپے ہے یہ قائداعظم کی شخصیت تھی۔ مسلمان، مسلم لیگ کا آغاز تو کر چکے تھے مگر ذہنی طور پر مکمل تیاری کا فقدان تھا۔ قائد کی آواز پر قوم چونکی۔ قائد کا عمل اور علامہ اقبال کا سخن دلنواز قوم کے لئے رہبر ثابت ہوا اور گنتی کے چند سالوں کے اندر دنیا کے جغرافیہ پر ایک مضبوط و مستحکم مسلم ریاست ابھر کر اقوام عالم کی صف میں شامل ہوگئی۔ اس نئی مسلم ریاست کی تعمیر میں خواتین ہند نے زبردست اور تاریخ ساز کردار ادا کیا اور قائداعظم کی قیادت میں یہ قافلہ دہلی سے روانہ

Marfat.com

ہو کر درۂ خیبر اور اس کماری تک جا پہنچا۔ پہلے بی اماں کی بہو، بیگم محمد علی جوہر نے پیش قدمی کی پھر ہندوستان کے صوبے صوبے سے مسلم خواتین میدان عمل میں اتر آئیں۔ اور پاکستان کا تصور ان کا جزو ایمان بن گیا۔ بعدازاں جن باشعور مسلم لیگی خواتین نے قیادت سنبھالی، ان میں بہت سے نام آتے ہیں۔ یہ وہ خواتین تھیں جنہوں نے دن رات کا آرام وسکون تج دیا اور خود کو اپنے ارمانوں کے مرکز پاکستان کے لئے وقف کر دیا۔ وہ قائداعظم کے اس قافلے میں قدم قدم پر ساتھ رہیں۔

ان خواتین میں پنجاب کی خواتین کی کارکردگی زیادہ تر انتظامی امور، وسیع سیاسی وتبلیغی جلسوں کے انعقاد جلوسوں اور بین الصوبائی رابطے تک محدود تھی۔ علاوہ ازیں پنجاب کی مسلم خواتین کو قید وبند کی صعوبتیں برداشت کرنے کا جو شرف حاصل ہوا وہ کسی صوبے کی خواتین کے لئے مقدمہ نہ تھا۔ پنجاب کی خواتین نے اس صوبے کی تمام ریاستوں میں بھی مسلم لیگ کے لئے زبردست خدمات انجام دیں۔ سرحد کی خواتین کو سول نافرمانی جاری رکھنے اور سیاسی، جوش وولولہ کو زندگی دینے کا شرف حاصل ہے۔ خواتین سرحد نے شدید سیاسی پابندیوں کی دھجیاں اڑا دیں۔ انہوں نے حکومت سرحد کی مزاحمت کا مقابلہ کیا اور وائسرائے ہند کے انکار کے باوجود اسے ملاقات پر مجبور کر دیا۔ اس کے بعد اسی صوبے کی غیور اور بہادر خواتین نے کانگریسی وزارت کا غرور پارہ پارہ کر کے کانگرس کو عبرت ناک سبق دیا۔ یوپی میں مسلم لیگ کو بام عروج تک پہنچانے میں دلّی کی خواتین کا کردار قابل فخر رہا۔ مرکزی حکومت کے دارالحکومت میں مسلمانوں کے خلاف ہندو اور انگریز کی مزاحمت انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ دلّی کی خواتین نے صوبے کے گھر گھر میں مسلم لیگ کا پیغام پہنچایا۔ مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس دلی اور دیگر اجتماعات کا انتظام وانصرام بہ حسن وخوبی کیا۔ حکومت برطانوی ہند کے گرمائی دارالحکومت شملہ میں پنجاب مسلم لیگ کے علاوہ دلی کی زنانہ مسلم لیگ نے بھی اہم کردار ادا کیا۔ اسی صوبے کی خواتین نے کانگریس حکومت کے خلاف اتنا زبردست پروپیگنڈہ کیا کہ ہندو رہنما بوکھلا اٹھے۔

صوبہ بنگال کے مشرقی اور مغربی دونوں حصوں میں خواتین نے بھرپور کردار ادا کیا۔ مشرقی حصے کا یہ کارنامہ ناقابل فراموش ہے کہ مسلم لیگ کا اولین اجلاس ہی صدر مقام ڈھاکہ میں ہوا۔ جس کی صدارت بزرگ رہنما نواب وقارالملک نے فرمائی۔ بیگم شمس النساء محمود، بیگم مرشد اور حسین شہید سہروردی کے خاندان کی مستورات نے مسلم لیگ کے شعبہ قوانین کو نہایت جانفشانی سے چلایا۔

زنانہ مسلم لیگ کے قیام کا اعزاز بیگم حفیظ الدین کو حاصل ہوا۔ بیگم محمد علی جوہر تو پہلے ہی سب سے مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کی رکن تھیں۔ علاوہ ازیں منشی محبوب عالم مالک پیسہ اخبار کی دختر فاطمہ بیگم نے ۱۹۰۱ء میں تکمیل تعلیم کے بعد بمبئی جا کر انسپکٹرلیس آف سکولز کا عہدہ سنبھالا اور بعدازاں وہیں سے مجلّہ ''شریف بی بی'' کا اجراء کیا۔ انہوں نے محسوس کیا کہ پنجاب مقابلے میں بنگال کی خواتین میں زیادہ بیداری پیدا کی جاسکتی ہے۔ بنگالی خواتین نے اس دور میں انگلستان جا کر تعلیم حاصل کی۔ عطیہ بیگم فیضی، ان کی ہمشیرہ زہرہ بیگم فیضی اور نواب منجیرہ کی اہلیہ نالی بیگم لندن پہنچیں اور مختلف کانفرنسوں میں شریک ہوئیں۔ کچھ سیاسی شعور کی بیداری اور کچھ ایسی عالم فاضل خواتین کی دیکھا دیکھی برصغیر کے مسلمانوں سے بھی کافی حد تک بچیوں کی تعلیم کی مخالفت سے دست کشی اختیار کر لی۔ ادھر پنجاب کے باثر لوگوں میں سب سے پہلے سر محمد شفیع کے خاندان کی کچھ خواتین سماجی اور سیاسی

Marfat.com

میدان میں آئیں۔ جہاں آرا شاہنواز اپنے والد محترم کی سیکریٹری کی حیثیت سے گول میز کانفرنس میں شرکت کے لئے لندن گئیں اور پہلی عالمی کانفرنس میں مسلمان عورتوں کی نمائندگی کے فرائض انجام دیئے۔ سر محمد شفیع کی دوسری صاحبزادی گیتی آرا بیگم تھیں جو جسٹس شاہ دین کی بہو اور میاں بشیر احمد کی اہلیہ تھیں۔ جنہوں نے نہایت معیاری ماہنامہ ''ہمایوں'' جاری کیا۔ کچھ پہلے بنگال میں سہروردی خاندان میدان علم وعمل میں آچکا تھا۔ حسین شہید سہروردی کی پھوپھی خجستہ اختر بانو (المعروف) سہروردیہ بیگم نے پہلی بار عورتوں میں (ایم۔اے) کیا۔ پھر خواتین کی تعلیم کا بیڑا اٹھاتے ہوئے بنگال کے مختلف مقامات کا دورہ کیا اور مسلمان بچیوں کے لئے مدارس کھولے۔ ایک اور مسلمان خاتون مسز شوکت حسین نے شوکت میموریل سکول کھول کر مسلمان لڑکیوں کے لئے تعلیمی مواقع فراہم کئے۔ محترمہ فاطمہ بیگم کی ملاقات قائداعظم سے ہوئی تو انہوں نے کہا: ''مسلمانوں کو اس وقت باعمل خواتین کی شدید ضرورت ہے۔ آپ ملازمت کے دائرے سے نکلیں اور لاہور جا کر ملک وقوم کے لئے مفید کام سرانجام دیں''۔

محترمہ فاطمہ بیگم نے بلا تامل اس حکم پر عمل کرتے ہوئے ملازمت کو خیر باد کہا اور لاہور چلی آئیں۔ انہوں نے اپنی تمام زندگی مسلم لیگ اور قوم کے لئے وقف کر دی۔ لاہور لوٹتے ہی انہوں نے متعدد زنانہ مدارس کھولے اور خواتین کو گھر گھر جا کر دعوت عمل دی۔ ۱۹۳۵ء میں جناح کالج کھولا جس کی عمارت نواں کھوٹ میں اب بھی موجود ہے ۔ان کے شدتِ احساس کا یہ عالم تھا کہ اپنی تمام املاک قوم کے لئے وقف کر دیں۔

برطانوی ہند کی حکومت نے ۱۹۳۶ء میں برصغیر کے عوام کو صوبائی خود مختاری دینے کا اعلان کیا تو ہر شخص کو حق رائے دہی کا موقع مل گیا۔ یوں ۱۹۳۷ء ہی پہلی بار برصغیر میں صوبائی سطح پر انتخابات کا آغاز ہوا اور یہی پہلا موقع تھا جب مسلمان خواتین اپنے گھروں سے باہر نکلیں اور انہوں نے اپنے امیدواروں کو ووٹ دے کر کامیابی سے ہم کنار کر دیا۔ ہر صوبے سے مسلمان عورتوں کے لئے مخصوص نشستوں کا اعلان بھی ہوا تھا۔ لاہور میں خاتون امیدواروں مسلم لیگ سول لائن حلقہ سے بیگم شاہنواز، شہر کے حلقے سے یونینسٹ امیدوار باقی رشیدہ لطیف اور ان کے علاوہ بیگم قلندر علی، بیگم مظفر حسین جن کے شوہر ریلوے بورڈ کے رکن تھے۔ باغانپورہ سے ایک خاتون معراج بیگم شامل تھیں۔ بیگم شاہنواز کو کامیابی حاصل ہوئی۔

پنجاب سے بیگم شاہنواز، بنگال سے بیگم حکم، لکھنؤ سے بیگم اعزاز رسول اور بیگم حبیب اللہ، بہار سے بیگم کلیم اور دیگر خواتین کامیاب ہوئیں تو نہ صرف جوش وولولہ پیدا ہوا بلکہ مسلمان بچیوں کو بھی شوق پیدا ہوا کہ وہ تعلیمی میدان میں آگے بڑھیں۔ گو مسلم خواتین کی تعلیمی سرگرمیوں کا آغاز ۱۹۱۵ء میں ہو گیا تھا۔ مگر یہ کسی حد تک عام گھرانوں کی بچیوں اور ان کے والدین کو تعلیم کی طرف رغبت دلانے تک محدود تھیں۔ بلاشبہ اس وقت بہت سے زنانہ مشن اسکول کھل گئے تھے مگر مسلمان اپنی بچیوں کو مشنری مدارس میں داخل کرانا بالکل پسند نہ کرتے تھے۔ لہٰذا ان اسکولوں میں ہندو، سکھ، پارسی اور عیسائی لڑکیوں کی بھرمار تھی ۱۹۱۵ء ہی میں پہلی مسلمان لڑکی کوئین میری سے میٹرک پاس کر کے نکلی۔ بعد ازاں زنانہ مسلم لیگ کی پہلی جنرل سیکریٹری قدسیہ اعزاز رسول نے میٹرک کا امتحان دیا اور یوں دوسری مسلمان بچیوں میں حصول تعلیم کا شوق فزوں تر ہو گیا۔ گو ابھی مسلمان مدارس کی کمی تھی لیکن جب بامرِ مجبوری مسلمان بچیوں نے مشنری سکولوں کو ہی غنیمت جانا تو وہاں داخلہ ملنا دشوار ہو گیا۔ کیونکہ غیر مسلم لڑکیاں پہلے سے

Marfat.com

کثیر تعداد میں موجود تھیں۔ کچھ ایسی ہی حالت مردانہ سکولوں اور کالجوں کی تھی۔ جہاں مسلمان بچوں کو داخلہ کیلئے ترسنا پڑتا تھا۔ میڈیکل کالج تو خیر ان کے لئے شجر ممنوع تھے۔ یہی حالات تھے جن کے تحت سر فضل حسین سے جو پہلی بار صوبائی انتخابات میں کامیابی کے بعد وزیر تعلیم پنجاب بنے تھے، حکومت برطانیہ سے بڑی تگ و دو کے بعد ہر کالج میں ۳۴ فیصد نشستیں مسلمان بچیوں کے لئے مختص کروائیں۔ اس وقت تک مسلمان شدید احساس کمتری میں مبتلا تھے اور وہ غیر مسلم لڑکوں اور بالخصوص لڑکیوں کو قابلیت اور ذہانت میں اپنی اولاد کے مقابلے میں برتر سمجھتے تھے۔ یہ احساس اپنی جگہ کسی حد تک بجا تھا۔ اکثر نوجوان لڑکے تو مختلف صوبوں سے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ پہنچ جاتے مگر لڑکیوں کا مسئلہ پھر بھی موجود تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور کے اکثر تعلیم یافتہ مسلمان علی گڑھ یونیورسٹی ہی سے تعلق رکھتے تھے۔ مسلمان خواتین میں ایک اور خاتون مس خدیجہ فیروز الدین نے ۱۹۱۹ء میں ایم۔ اے کیا اور بعد ازاں محکمہ تعلیم میں ڈائریکٹرس کے عہدے سے ریٹائر ہوئیں۔ انہوں نے دمِ آخر تک سختی سے پردے کی پابندی کی۔ بڑی بڑی تقریبات سے خطاب کرنے یا ان کی صدارت کے دوران بھی وہ برقعہ میں ہوتیں۔ حتیٰ کہ ہاتھوں پر بھی ہمیشہ دستانے چڑھائے ہوتے۔ ان کا تعلق ایک معزز زمیندار گھرانے سے تھا اور ان کی بہن ڈاکٹر تھیں۔ علی گڑھ کی چند خواتین بھی علی گڑھ سے تعلیم حاصل کر کے نکلیں اور بعد ازاں انہوں نے خاصا نام پیدا کیا۔ ان میں خود مس عبداللہ بھی تھیں جن کے والد اس کالج کے بانی تھے ایک اور لڑکی سعید زادہ تھی جس نے کلکتہ یونیورسٹی سے ایم۔ اے کیا۔ ایک مسِ رشیدہ جہاں تھیں انہوں نے بھی ایم۔ اے کیا اور انگلستان چلی گئیں۔ جہاں انہوں نے آئی۔ سی۔ ایس کا امتحان دینے کے بعد پروگریسو رائٹرز گروپ میں شرکت کر لی۔ وہ روس چلی گئیں تھیں اور وہیں ان کا انتقال ہوا۔ علی گڑھ کالج اور یونیورسٹی سے فارغ التحصیل دیگر لڑکیوں میں ممتاز جہاں و خاتون جہاں، رشید جہاں کی بہنیں تھیں جو ایم۔ اے کر کے نکلیں اور مختلف اوقات میں اپنے والد کے تعلیمی ادارے سے منسلک رہیں۔ اس تعلیمی شوق کے بعد بہت سے اسلامی مدارس بھی وجود میں آئے، اس سلسلہ میں بی اماں نے جو کردار ادا کیا وہ ناقابل فراموش ہے۔ بی اماں (والدہ محمد علی جوہر) نے ملک کے طول و عرض میں دورے اور لڑکیوں کے دلوں میں ملی خدمت کے نقوش راسخ کیے۔

اسی دور میں عورتوں نے سماجی خدمت کا فن بھی سیکھا اور ڈگریاں حاصل کیں۔ خواتین نے ایک مجلس "مجمع البنات" کے نام سے بھی قائم کی۔ ہر ہائی نس بیگم آف بھوپال نے آل انڈیا مسلم و غیر کانفرنس کی بنیاد ۱۹۱۵ء میں ڈالی ۱۹۱۸ء میں پہلی کانفرنس لاہور میں منعقد کی۔ جس کی صدارت آبرو بیگم نے کی۔ پہلی بار اسی کانفرنس میں ایک قرارداد منظور کی گئی۔ قرارداد میں کہا گیا کہ جو شخص پہلی بیوی کی موجودگی میں دوسری شادی کرے اور خواہ ایسا شخص کانفرنس کی کسی رکن کا قریب ترین عزیز کیوں نہ ہو، اس سے میل جول ترک کر دیا جائے۔ یہ قرارداد بیگم شاہنواز نے پیش کی تھی۔ جب عوام اور اخبارات نے اس قرارداد پر لے دے کی تو تنقید کا تمام ہر ہدف بیگم شاہنواز ہی بنیں کیوں کہ قرارداد انہوں نے پیش کی تھی۔ ۱۹۲۰ء تک خواتین میں سماجی اصلاحات کا چرچہ ہو چکا تھا۔ اور جا بجا انجمنوں کی تشکیل شروع ہو چکی تھی۔ نیز اسلامی مدارس کی بنیادیں بھی پڑنا شروع ہو چکی تھیں۔

Marfat.com

اس موقع پر آل انڈیا ویمنز کانفرنس کا ذکر کرنا بھی بہت ضروری ہے۔اس کانفرنس میں گنتی کی مسلمان عورتیں تھیں۔ آل انڈیا ویمنز کانفرنس دراصل کانگرس کی ایک ذیلی سی تنظیم بن چکی تھی۔گو اس پر یہ لیبل نہ تھا تاہم وہ کانگرس ہی کے احساسات اور جذبات کی آئینہ دار تھی۔ ہندو خواتین مسلمان خواتین کو اپنے سے کم تر، کم عقل، غریب جاہل اور ملیچھ (ناپاک) سمجھتی تھیں لیکن زبان میں اتنا رس کہ انسان ان کا گرویدہ ہو کر رہ جائے۔وہ مسلمان خواتین کیساتھ ایک میز پر کھانا بھی پسند نہ کرتیں۔انہیں کوئی مشکل پیش آتی تو تمسخر کا انداز اختیار کرتیں۔ مذہبی رسومات پر طنز کرتیں اور پردے کو نہایت نفرت کی نظر سے دیکھتیں۔ بسا اوقات تو اسلامی روایات اور اسلام کا تمسخر اڑاتیں، ہندو عورتیں آل انڈیا ویمنز کانفرنس میں اپنی اکثریت کے بل پر بالعموم ہندو خواتین کو صدر یا دیگر عہدیدار منتخب کرتیں۔ ہندو عورتوں میں اکثریت متمول مگر نہایت کفایت شعار تھیں۔ ہندو خواتین نے اپنی اجارہ داری اس اعتبار سے بھی قائم کر رکھی تھی کہ کسی تقریب میں تمام اراکین کو مدعو کرنے کے بجائے اپنی مرضی سے محدود تعداد کو دعوت نامے ارسال کرتیں۔ایک سالانہ اجلاس کی صدارت لیڈی عبدالقادر کر رہی تھیں۔جس طرح آج بھی دکھاوے کے لئے بھارت کا صدر اکثر کوئی مسلمان چنا جاتا ہے۔بعینہ ویمنز کانفرنس کے کسی بڑے اجلاس کی صدارت کسی مسلمان خاتون کی کرائی جاتی۔اسی اجلاس میں بظاہر مسلمان عورتوں کی ترقی کے نام پر پردے کی مخالفت کی گئی جس پر اجلاس میں اور اس کے بعد سخت لے دے ہوئی۔آخر وہ وقت آ گیا کہ جب قائداعظم نے مسلمان خواتین کو حکماً اس انجمن سے الگ ہو جانے کو کہا کیوں کہ اس کے ذریعے اسلامی نظریات کو مسخ کرنے اور مسلمان عورتوں کو گمراہ کرنے کی مسلسل کوشش کی جا رہی تھی۔اس کے بعد ہی مسلمان خواتین نے اس کانفرنس کا بائیکاٹ کر دیا اور اسی سطح پر اپنی تنظیموں کا قیام شروع کر دیا۔

لاہور کے خوبصورت باغ جناح (لارنس گارڈ) میں ایک لیڈیز کلب تھی۔انگریز اور ہندو خواتین کی اکثریت اس کلب کی رکن تھی۔اندازہ کیجئے کہ ۲۳۰ اراکین میں صرف ۳۰ مسلمان خواتین تھیں۔مگر انگریز عورتیں یہاں صرف تبلیغی روح لے کر آتیں تا کہ مسلمان اور ہندو خواتین کے ساتھ گھل مل کر انہیں دائرہ عیسائیت میں شامل کر سکیں ورنہ کم از کم ذہنی طور پر فرنگی حکومت کا ہم نوا بنا سکیں۔گورنر کی بیوی باقاعدگی سے آتی اور باتوں باتوں میں عیسائیت کی تبلیغ بھی کرتی۔دراصل لیڈیز **کلبیں** ہر ضلعی صدر مقام پر قائم کی گئی تھیں۔ ہر ضلع کے ڈپٹی کمشنر جو عموماً انگریز ہوتے تھے کی بیوی اس کی سربراہ ہوتی اور بنیادی مقصد ہی تبلیغ ہوتا۔ ورنہ وہ انگریز جو ...... اور کمروں کو ٹیشن، باغات اور ریفریشمنٹ رولز میں ایک درجہ دیتا تھا۔ وہ اپنی عورتوں کو ہندوستانی عورتوں کے ساتھ گھل مل جانے کا سبق دینا کیوں کر گوارا کر سکتا تھا؟ بہر حال لاہور کی لیڈیز کلب کی رکن متمول ہندو سکھ خواتین اور راجوں مہاراجوں کی بیویاں تھیں۔جب ۱۹۳۹ء میں عدم تعاون کی تحریک چلی تو انگریز گورنر کی بیوی کی کلب میں آمد کے ساتھ ہی ہندو رکن خواتین باہر چلی جاتیں۔مسلمان خواتین میں بیگم قلندر، لیڈی عبدالقادر، بیگم محمد علی، ان کی صاحبزادیاں، لیڈی مراتب علی، لیڈی ذوالفقار وغیرہ اور دیگر چند مسلمان خواتین نمایاں تھیں۔ ہندو رکن خواتین میں بڑے بڑے سیٹھوں اور بیرسٹروں کی بیویاں تھیں۔گو اس زمانے میں کاریں بہت کم تھیں مگر یہ خواتین کاریں ہونے کے باوجود پیدل آتیں۔کروڑ پتی مسز مہاجن بھی ڈیوس روڈ سے پیدل آتیں اور دیگر سماجی امور بھی پیدل ہی جا کر انجام دیتیں۔انہوں نے نسبت روڈ پر ایک

Marfat.com

ودھوا آشرم کھول رکھا تھا جہاں بیوہ عورتوں کو سلائی کڑھائی سکھائی جاتی۔ ان کے مقابلہ مسلمان عورتوں کو کوئی ادارہ موجود نہ تھا۔ لہٰذا بیگم تصدق حسین نے مسلم لیگ کی تنظیم کے تحت سوشل سروس کا بیڑہ اٹھایا اور یہاں مختلف علاقوں میں خواتین کے لئے دس سکول قائم کئے۔ ایک ایک دو دو کمرے لے کر سلائی کڑھائی کا کام شروع کر دیا۔ مسلمان خواتین کی بیداری میں متعدد رسائل و اخبارات نے بھی اہم کردار ادا کیا۔ اور انہیں اپنی مذہبی، معاشی و معاشرتی ذمہ داریوں کا احساس دلایا۔ ان میں فاطمہ بیگم کا ''شریف بی بی بمبئی سے'' لاہور سے محمدی بیگم کا ''تہذیب نسواں'' اور دلی سے علامہ راشد الخیری کا ''عصمت'' قابل ذکر ہیں۔ یہ رسائل مسلمانوں کے گھروں میں پہنچے اور انہوں نے خواتین کو تمام وقتی مسائل سے آگاہ کیا۔ ان تینوں کی زبان نہایت سادہ ہوتی۔ لہٰذا خواتین ہر مضمون کو باآسانی سمجھ لیتیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان رسائل نے مسلمان خواتین کے فکر و احساس کو وسعت و تقویت بخشی۔ لاہور سے حمید نظامی (مرحوم) نے ''نوائے وقت'' کا اجراء بیڈن روڈ سے کیا۔ اس وقت یہ ایک چھوٹا سا دفتر تھا اور وسائل محدود تھے۔ لیکن مرحوم حمید نظامی کی سنجیدہ قلمی و ذہنی قیادت نے طلباء کو نہایت وقار اور تحمل کیساتھ سیاسی تربیت کے حصول کی پرعزم صلاحیت عطا کی۔ بلاشبہ یہ نوائے وقت کی تحریروں کا معجزہ تھا کہ مسلم لیگ میں طلباء کا مسلسل اضافہ ہو رہا تھا۔ اور طالبات کی تنظیم بھی ابتدائی مراحل سے گزر رہی تھی۔ اس وقت مسلم سٹوڈینٹ فیڈریشن کے اراکین میں ضیاء الاسام انصاری، شباب مفتی اور آفتاب قریشی سرگرم عمل تھے۔

پنجاب میں مسلم لیگ صوبائی سطح پر ۱۹۰۷ء میں قائم ہوئی جس کے پہلے جنرل سیکریٹری سر محمد شفیع اور صدر خاں بہادر جسٹس شاہ دین تھے۔ دیگر عہدیداروں میں نائب صدر نواب محمد علی قزلباش جائنٹ سیکریٹری مولوی محبوب عالم پیسہ اخبار، خازن شیخ گلاب دین، نائب خازن مرزا جلال الدین تھے۔ اور مجلس عاملہ میں چوہدری شہاب الدین، خواجہ کمال الدین، شیخ تاج الدین، خواجہ ضیاء الدین مولوی احمد دین، مولوی انشاء اللہ، منشی عبدالعزیز (پیشہ اخبار) میر ناظم حسین ناظم، مدیر ناظم الہند غلام نبی دیگر اضلاع سے خواجہ غلام محمد (فیروز پور) مرزا اعجاز حسین وکیل (انبالہ) خواجہ احمد شاہ (لدھیانہ) شیخ عبدالقادر (دلی) جو اس وقت پنجاب میں تھے۔ شیخ عبدالحق وکیل، شیخ محمد نصیب (گورداسپور) محمد حسین چیمہ وکیل (گجرات) چوہدری محمد احسن (گجرات) اور محمد اکبر وغیرہ تھے۔ بعد ازاں انہیں گھرانوں کی مستورات نے بھی مسلم لیگ کے لئے نمایاں خدمات انجام دیں۔

زنانہ مسلم لیگ کا باقاعدہ اجرا تو دسمبر ۱۹۳۸ء میں پٹنہ سیشن کے بعد ہوا یعنی اس اجلاس کے بعد جس میں ہمارے رہنما محمد علی جناح کو ایک سرگرم کارکن فیروز الدین نے قائداعظم کے نام سے پکارا اور پھر سارے ہندوستان میں انہیں قائداعظم ہی کہا جانے لگا، مگر پنجاب بالخصوص لاہور میں زنانہ مسلم لیگ کا وجود تقریباً ۲ سال قبل قائم ہو چکا تھا۔ امرتسر، گوجرانوالہ، گوجرخان، گجرات، جالندھر، لدھیانہ، فیروز پور، ملتان، فیصل آباد اور راولپنڈی وغیرہ کے اضلاع میں زنانہ مسلم لیگ کی شاخوں کا قیام ۱۹۳۹ء میں عمل میں آیا۔ ۱۹۳۸ء میں محترمہ فاطمہ جناح اپنے برادر عزیز قائداعظم کے ساتھ خواتین کو دعوت دینے کے لئے خود میدان عمل میں اتریں۔ ان کے میدان عمل میں آتے ہی مسلمان خواتین کو خود اعتمادی کی دولت نصیب ہوئی۔ اور مسلم لیگ کی تاریخ میں ایک اہم ترین باب کا اضافہ ہو گیا۔ قائداعظم نے چند خواتین کے ایما پر سالانہ اجلاس مسلم لیگ منعقدہ پٹنہ میں

Marfat.com

مسلم لیگ خواتین سب کمیٹی کا اعلان فرمادیا۔ دراصل اس کمیٹی کے قیام سے متعلق نواب سورت کی بیگم (مسز حفیظ الدین) نے قائداعظم سے تحریری درخواست کی تھی کہ خواتین کو قومی سرگرمیوں میں حصہ لینے کی اجازت دی جائے۔ چنانچہ قائداعظم نے اس تجویز کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے بیگم حفیظ الدین کو جواب دیا کہ صرف چند مستورات نہیں بلکہ پوری مسلمان قوم کی خواتین کو دعوت عمل دی جائے۔ لہذا ۱۹۳۸ء نہایت مبارک سال ثابت ہوا کہ خواتین کو میدان عمل میں اترنے اور پھر ہر صوبہ میں زنانہ مسلم لیگ کے اجرا کی اجازت مل گئی۔ زنانہ مسلم لیگیں پہلے صوبائی پھر ضلعی اور اس کے بعد تحصیل و دیہی سطح پر قائم کی گئیں۔ اور یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ پھر خواتین نے مسلم لیگ کو گودوں میں لے کر پالا اور اس کی پرورش کی۔ ابتدائی دور میں جو خواتین آگے بڑھیں ان میں ضلعی سطح پر بیگم بیضا خاں (امرتسر) بیگم شیخ صادق حسن (امرتسر) بیگم شیخ (فیروز پور) بیگم قلندر علی خاں، بیگم خاں اسداللہ خاں (پشاور) بیگم ضیاء الدین (پشاور) بیگم محمد شریف (انبالہ) بیگم محمد اکبر (گجرات) بیگم محمد حسن چیمہ (گجرات) بیگم رشیدہ حسن (گجرات) بیگم مہدی علی خاں (گجرات) بیگم عطاء محمد (گوجرانوالہ) بیگم سعیدہ ریاض الحسن (راولپنڈی) بیگم محمود حسین سنٹو اور بیگم حیات بخش (پشاور) بیگم فاطمہ (لاہور) بیگم زبیدہ شاہ، بیگم احسان علی شاہ اور لیڈی شفیع شامل تھیں۔

علاوہ ازیں پٹنہ سیشن میں جو خواتین کمیٹی تشکیل دی گئی اس میں درج ذیل خواتین شامل کی گئیں۔

صدر شعبہ خواتین:۔ بیگم حفیظ الدین (نواب آف سورت)

جنرل سیکریٹری:۔ بیگم اعزاز رسول (لکھنؤ)

اراکین:۔ لیڈی ہدایت اللہ (کراچی) بیگم نواب صدیق علی خان (سی پی) بیگم سبحان (بمبئی) بیگم رحمان (شملہ) لیڈی امام (بہار) بیگم اختر (بہار) بیگم عطاء الرحمٰن (آسام) بیگم حاتم طیب جی (کراچی) مسز حسین ملک (دلّی) بیگم حاجی اسداللہ خاں (پشاور) بیگم قریشی (مدراس) بیگم حاجی (کلیما مور) بیگم جہاں آراء شاہنواز (لاہور) بیگم شہاب الدین (ڈھاکہ) بیگم اصفہانی (کلکتہ) بیگم حبیب اللہ (لکھنؤ) مس فاطمہ جناح (کراچی) مسز طیب جی (کراچی) بیگم وسیم (کلکتہ) بیگم اسماعیل خاں (میرٹھ) بیگم محمد علی جوہر (احمد آباد) لیڈی ہارون (کراچی) اور مسز خواجہ اللہ بخش، مس جے خاں، مس راحیلہ خاتون اور مس نادر خاں یہ تمام خواتین تادم زیست مسلم لیگ سے وابستہ رہیں۔

زنانہ مسلم لیگ کے لئے جو قرارداد پیش کی گئی اس کا متن یہ ہے: ''چونکہ خواتین کی ترقی کے لئے انہیں کافی مواقع مہیا کرنا ضروری ہیں تاکہ وہ ہندوستان میں مسلمان قوم کی سماجی، اقتصادی اور سیاسی آزادی کے جدوجہد میں حصہ لے سکیں۔ اس لئے آل انڈیا مسلم لیگ کا یہ اجلاس فیصلہ کرتا ہے کہ مندرجہ ذیل ارکان پر مشتمل آل انڈیا مسلم لیگ کی ویمن سب کمیٹی قائم کر دی جائے۔ سب کمیٹی کے اغراض و مقاصد یہ ہوں گے:

۱۔ صوبائی اور اضلاعی مسلم لیگوں کے تحت صوبائی اور اضلاعی سب کمیٹیوں کو منظم کرنا۔

۲۔ ہندوستان بھر میں مسلم خواتین میں وسیع پروپیگنڈہ کرنا تاکہ ان میں زبردست سیاسی شعور پیدا ہو سکے۔

۳۔ خواتین کو بھاری تعداد میں مسلم لیگ کا رکن بنانا۔

Marfat.com

۴۔انہیں ایسے تمام معاملات میں مشورہ دینا اوران کی رہنمائی کرنا جن پر مسلم معاشرے کی ترقی کا دارومدار ہے"۔

یہ قرارداد لکھنؤ کے قانون ساز اسمبلی کی رکن بیگم حبیب اللہ نے پیش کی اور چوہدری خلیق الزمان کی ہمشیرہ بیگم وسیم نے اس کی تائید کی تھی۔مردوں کی طرف سے اس قرارداد کے نوید محمد فاروق رکن قانون ساز اسمبلی یوپی تھے۔اس کے تحت کمیٹی کی تشکیل عمل میں آئی۔اورخواتین نے ہدایات حاصل کرنے کے بعد اپنے اپنے علاقوں میں لوٹ کرنہایت تندہی کے ساتھ کام کا آغاز کردیا۔

پنجاب میں زنانہ مسلم لیگ ۱۹۳۵ء ہی سے موجود تھی لیکن ۱۹۳۷ء میں زنانہ شعبہ زیادہ سرگرم عمل ہوگیا۔پٹنہ قرارداد کے بعد تو پنجاب کے شعبے میں بھی ایک نئی روح پھونک دی گئی۔یہاں بیگم سید مراتب علی کو صدر اور بیگم قلندر علی کو جنرل سیکریٹری منتخب کیا گیا۔قلندر علی وکیل سرکار تھے۔ ۸۸ شارع حمید نظامی (ٹمپل روڈ) پر بہت بڑی حویلی ان کی ذاتی ملکیت تھی۔اور یہیں پرسب سے پہلے زنانہ مسلم لیگ کے دفتر کا قیام عمل میں آیا وہ کمرہ جس میں مسلم لیگ کا دفتر تھا اب ایک ٹیلر ماسٹر کی ملکیت ہے۔ اس کے بعد زنانہ مسلم لیگ کا دفتر ایمپریس روڈ پر مستقل ہوگیا۔اس کی پہلی خزانچی بیگم عبدالعزیز فلک پیا تھیں اور بیگم جہاں آراء شاہنواز، بیگم بشیر احمد، لیڈی شفیع، بیگم نعمت اللہ، بیگم ذوالقرنین، بیگم جسٹس شاہ دین، بیگم رحمت اللہ شیخ، بیگم نواب ذوالفقار علی خاں، بیگم اصغر علی اور بیگم تصدق حسین مجلس عامہ میں شامل تھیں۔دوسال بعد شعبہ خواتین کے نئے انتخابات ہوئے تو بیگم گیتی آراء، بشیر احمد صدر اور فاطمہ بیگم جنرل سیکریٹری منتخب کی گئیں۔خواتین نے جس تندہی سے بین الصوبائی رابطے کو دوروں کی صورت میں قائم کیا وہ بلا مبالغہ کسی بھی فعال ومنظم اور مربوط جماعت کے شایان شان تھا۔مختلف صوبوں سے خواتین کے جوخود لاہور آتے رہتے ان میں یوپی سے بیگم نواب محمد اسماعیل، بیگم وسیم، بیگم اسماعیل، بیگم وسیم کی ہمشیرہ اوران کی صاحبزادیاں، بنگال سے مسز مرشد اور مسز شمس النا محمود، بیگم حکم اور بیگم وہاب، کراچی سے بیگم کھرو، بیگم ہدایت اللہ، بیگم ہارون اور ان کے خاندان کی بہت سی لڑکیاں شامل تھیں۔بیگم ہدایت اللہ کی صاحبزادی دولت ہدایت اللہ اور شرکت میر مقبول اور اب ان کی صاحبزادی لیلیٰ پشاور میں ہے۔جن کی شادی میر افضل صاحب کے چھوٹے بھائی سے ہوئی۔

بیگم حسین ملک نے لکھنؤ سیکشن (مسلم لیگ) میں شرکت سے قبل مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کرلی تھی۔بعدازاں وہ کمیٹی کی رکن منتخب ہوئی۔جنرل سیکریٹری چنا گیا۔بیگم حسین ملک نے بیگم رضا اللہ انجمن آراء بیگم اور بیگم محمد حسین کے ساتھ مل کر مرکزی خواتین کمیٹی کی تنظیم کے لئے بہت کام کیا اورانہیں محترمہ فاطمہ جناح کی سرپرستی حاصل رہی۔نورالصباء بیگم دلی میں زنانہ شعبہ مسلم لیگ کی جنرل سیکریٹری رہیں۔انہوں نے محلہ، موضع، تحصیل اور ضلع کی سطح پر نا صرف مسلم لیگ کی تنظیم کی بلکہ مدارس اور انڈسٹریل ہوم بھی کھولے۔کانگریس کی مخالفت کے باوجود انہوں نے خواتین کی کثیر تعداد کو رکن بنایا بہت سے صوبوں میں تو مسلمان سرکاری افسروں کی بیگمات بھی بے دھڑک میدان عمل میں اتر آئیں۔لیکن دلی میں ایسی عورتوں کی تعداد بہت کم تھی۔ زنانہ شعبہ کی تنظیم میں بیگم شائستہ اکرام اللہ، بیگم اویس بخاری اور بیگم نسیم حسین (سر فضل حسین کی بہو) کی رہنمائی اور رعانت کا بڑا دخل رہا۔بیگم عبداللہ ہارون تو شب وروز سرگرم رہتی۔ ۱۹۴۶ء میں انہوں نے دلی میں خواتین کا ایک تاریخی اجتماع کیا او

Marfat.com

قائد اعظم نے اس اجتماع سے خطاب فرمایا۔اس اجتماع میں پنجاب اور یوپی کے وفود نے بھی شرکت کی۔دلّی کی خواتین سول نافرمانی کے سلسلہ میں بھی پیش پیش رہیں۔بیگم نورالصباح اور بیگم حسین ملک نے گرفتاریاں دیں۔ کہاں وہ وقت کہ دلّی کی عورت کو مسلم لیگ کا رکن بنانا محال تھا اور کہاں ۱۹۴۶ء کے ہزاروں کا اجتماع تشکیل پاکستان کے بعد انہیں خواتین نے پاکستان کی انڈسٹریز اور گُل پاکستان، ویمن ایسوسی ایشن (اپوا) کی تشکیل کی۔یہ کہنا بجا ہوگا کہ ہر صوبے کی زنانہ مسلم لیگ کی نگرانی میں دیہی سطح تک جو کام ہوا وہ قابل فخر تھا۔بلاشبہ کسی بھی صوبے کے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کسی دوسرے صوبے سے پیچھے تھا البتہ ہر علاقے کے مسائل مختلف تھے۔اور مقامی خواتین کو ہی ان کا بہتر علم تھا۔

مسلم لیگ کی زنانہ مرکزی کمیٹی کے بعد ازاں زنانہ مسلم سٹوڈینٹس فیڈریشن کی تشکیل بھی پنجاب میں ۱۹۴۰ء کے بعد تو اسے بہت مضبوط کر دیا گیا۔اس کی صدر رفعت بشیر تھیں علاوہ ازیں ایک ویمن نیشنل گارڈ بھی بنائی گئی۔

سندھ میں بیگم صغریٰ ہدایت اللہ، لیڈی ہارون، مسز شعبات طیب جی اور دیگر خواتین نے مسل لیگ کی خدمت اس انداز میں کی کہ اسے فراموش کرنا شدید ناانصافی ہوگا۔سندھ میں بھی ابتداء صوبہ دلی کی طرح خواتین میں شعور کا فقدان تھا۔اور وہاں شاخوں کے اجراء کا نام محال تھا۔اگرچہ سندھ کی صوبہ بمبئی سے علیحدگی کے سبب ملک میں بہت سیاسی ردوبدل ہوا۔مگر قدامت پرستی کی وجہ سے خواتین کی فکر میں کوئی تبدیلی نہ آسکی۔وہ حسب معمول گھروں کی چاردیواریوں میں مبحوس رہیں۔ لیڈی ہارون اگرچہ ایران نژاد تھیں لیکن کراچی میں رہنے والے سندھی میمن خاندانوں پر ان کا بہت اثر تھا۔سیٹھ عبداللہ ہارون خود میمن اور اپنی برادری میں بے حد مقبول تھے ادھر غلام حسین ہدایت اللہ خالص سندھی ہونے کے باعث بہت اثرورسوخ کے مالک تھے۔لہذا سندھ کی سیاست میں ان دو خاندانوں کے مردوں اور خواتین نے تاریخی اور اہم کردار ادا کیا۔ہارون خاندان کے نوجوان یوسف ہارون، محمود ہارون اور سعید ہارون اور چند لڑکیاں خصوصاً بیگم دولت ہدایت اللہ بھی مسلم لیگ کے لئے بے پناہ جدوجہد میں مصروف رہے۔مسز یوسف ہارون گرلز نیشنل کارڈ کی انچارج تھیں۔

سرحد میں بیگم الہ بخش، بیگم حکیم شریف حسین، بیگم فتح محمد، بیگم نشتر اور بیگم اورنگ زیب کے علاوہ بیگم ممتاز جمال، بیگم شیریں وہاب، بیگم نذیر حیدر اور بیگم زری سرفراز سرگرم عمل رہیں۔سردار عبدالرب نشتر (مرحوم) کی بھی زبردست خواہش تھی کہ زنانہ شعبہ مضبوط تر ہوجائے۔اتنے قدامت پسند صوبے کی خواتین کو جب راہنماؤں نے بیدار کیا تو انہوں نے کانگرسی وزارت کی دھجیاں اڑادیں، وائسرائے کو ملاقات پر مجبور کر دیا۔اور ریل کی پٹریوں پر لیٹ گئیں۔یہ مسلم لیگ کی پہلی صدر بیگم میر احمد فنانشل کمشنر کی اہلیہ تھیں۔مسلم لیگ کے زنانہ شعبہ کے قیام اور اسکے بعد خواتین کی مسلسل تگ و دو نے ہندوستان کی مسلم خواتین میں ایک نئی روح پھونک دی اور اپنی قومی تنظیم سے خواتین کی شیفتگی انتہا کو پہنچ گئی۔ہر سال کسی ایک صوبے میں کل ہند مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس منعقد ہوتا۔جیسا کہ ۱۹۴۰ء میں شہر لاہور کو یہ شرف حاصل ہوا۔ ۱۹۴۱ء، ۱۹۴۲ء اور ۱۹۴۳ء میں علی ترتیب مدراس، الہ آباد اور کراچی کو یہ اعزاز ملا۔اس کے بعد اس قدر گہما گہمی ہوگئی کہ اجلاس منعقد کرنے کے بجائے ہر صوبہ خود ہی مرکز عمل بن گیا۔ہر ضلع میں شاخیں قائم ہوگئیں۔اور ہر تحصیل میں مسلم لیگ ہی مسلم لیگ نظر آنے لگی۔

Marfat.com

مارچ ۱۹۴۰ء سے ایک نئے دور کا آغاز ہو گیا۔ ۱۹۴۰ء سے ۱۹۴۷ء تک کا دور بڑا ہنگامہ خیز تھا۔ اس دوران مسلم خواتین ہند کی کارکردگی اور اس کے مثبت نتائج کسی معجزہ سے ہرگز کم نہیں۔ یعنی قرارداد پاکستان کی منظوری کے بعد ۱۹۴۷ء تک کا ساڑھے چھ سالہ دور مردوں کے دوش بدوش عورتوں کی مسلسل قربانیوں کا دور تھا۔ اگر اسے مبالغہ آمیزی نہ کہا جائے تو یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ فسادات بہار سے ۱۹۴۷ء تک تشکیل پاکستان کے لئے خواتین کی قربانیاں مردوں سے کہیں زیادہ ہیں۔ صرف ۹۰ ہزار مسلم خواتین نے تو ۱۹۴۷ء میں اپنی عصمتوں کی قربانیاں دیں شہادت پانے والی خواتین کی تعداد کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ اسی طرح فسادات بہار کے دوران ہزاروں عورتوں نے جان کی قربانیاں دے کر اس پودے کو سینچا۔ بلاشبہ قائداعظم کے ساتھ بی اماں، محترمہ فاطمہ جناح اور بعض دیگر رہنماؤں کی قیادت نے برصغیر کی مسلم خواتین میں نہ صرف جوش و ولولہ پیدا کیا بلکہ انہیں ایک سرے سے دوسرے تک ایک لڑی میں بھی پرو دیا۔ اگر ہندوستان کی خواتین تحریک آزادی میں دل و جان سے شریک نہ ہوتیں تو جدوجہد پاکستان میں ہماری کامیابی بہت حد تک مشکل تھی۔ خواتین کی جدوجہد نے بعض مراحل کو آسان کر دیا اور حکومت وقت کے ساتھ ہندوؤں کے سامنے بھی ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئیں۔ ۱۹۴۶ء کے انتخابات سول نافرمانی مہاجرین کی آمد، فسادات بہار مغویہ خواتین کی بازیابی لاوارث عورتوں اور بچوں کی آبادکاری وغیرہ ایسے اہم مسائل تھے جو قبل از تشکیل پاکستان تنہا مردوں کے بس کا روگ نہیں تھے نہ بعد از قیام پاکستان تنہا حکومت کے۔

تحریک پاکستان اور خواتین

الفت وطن کا صحیفہ اس وقت تک مکمل نہیں کہلا سکتا جب تک پر جوش اور اولا العزم مسلمان خواتین کے قلوب ملی حمیتوں کے سلگتے ہوئے الاؤ اور موجزن و بیکراں اخوت قومی کے سمندر کا تذکرہ شامل نہ کیا جائے۔ ہماری تاریخ حریت شاہد ہے کہ ہماری سرفروش خواتین نے زنانہ جنگ اور حالت امن میں مردوں کے دوش بدوش قابل فخر کارنامے انجام دیئے۔ حضرت خولہ فاطمہ بنت عبداللہ (طرابلس)، رضیہ سلطانہ، چاند بی بی گلبدن بیگم، جہاں آراء، روشن آرا، بی اماں (علی برادران کی والدہ) بیگم محمد علی، مادر ملت، بیگم رعنا لیاقت، بیگم گیتی آرا، ہمایوں، بیگم شاہنواز، بیگم سلمیٰ تصدق حسین، لیلیٰ خالدہ، زرقا وغیرہ ہماری ملی تاریخ کی آبرو ہیں۔ تحریک پاکستان کی عظیم جدوجہد سے قبل بی اماں وہ پہلی باہمت خاتون تھیں جنہیں ملکی سیاست میں سب سے پہلے قدم انداز ہونے کا افتخار حاصل ہوا۔ ؎ ایک شمع کیا جلی ہر سو چراغاں ہو گیا

دوسرے اساطیر اولین بھی اس کا محرک بنیں، قومی سیاست میں عزم و حوصلہ کے کنول کھلنے لگے۔ دوسری اہم خاتون جو میدان سیاست میں آئیں وہ بیگم محمد علی تھیں جن کی خدمات قومی تحریک کا عظیم سرمایہ ہیں۔

مسلم خواتین نے ہمیشہ ایک باشعور اور حساس طبقہ ہونے کے ناطے عصری تقاضوں کا ادراک کیا۔ تعلیمی استعداد اور تہذیب نشیب و فراز سے بہرہ مند ہونے کی وجہ سے فکری انقلاب برپا کیا۔ بیگم محمد علی صدر کل ہند خواتین مسلم لیگ کی تعلیمی ادارے سے فارغ التحصیل نہ تھیں۔ لیکن آپ کے قلب حساس میں ملی حمیت قومی جذبوں کی صداقت بے پناہ تھی۔ آپ باپردہ

Marfat.com

خاتون تھیں اور کل ہند مسلم لیگ کی مجلس عاملہ میں بھی برقعہ پہن کر شرکت کرتی تھیں۔ آپ کی تقریر عام فہم اور روزمرہ کی عکاسی ہو تی تھی۔ آپ نے برصغیر مسلم خواتین کو منظم کرنے کی باوصف خدمات انجام دیں۔ خواتین کے شانہ بشانہ طالبات کی تنظیم مسلم گرلز اسٹوڈینٹس فیڈریشن کو بھی ترتیب دیا۔ حضرت قائداعظم نے ۱۹۳۸ء میں کل ہند خواتین مسلم لیگ اور مسلم طالبات فیڈریشن کو ڈال کر دیرینہ قومی ضرورت کو پورا کیا۔ حدیث نبوی ﷺ "طلب علم علی کل مسلمون مسلما" کے تحت مسلم خواتین اور طالبات کو علوم دینی و دنیوی سے آراستہ ہونے کا شعور بیدار کیا۔ ایک خاتون کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنا ایک معاشرے کو تعلیم یافتہ بنانے کے مترادف ہے۔ تحریک پاکستان میں جب ۱۹۴۰ء میں فیصلہ کن دور میں داخل ہوئی بیگم محمد علی اور مادر ملت نے اس وقت اتحاد اور تنظیم سے متعلق گراں مایہ خدمات انجام دیں انہیں مسلمانان برصغیر کی محبوب جماعت مسلم لیگ کے سبز ہلالی پرچم تلے متحد کیا۔ قرارداد لاہور ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو پہلی بار بیگم محمد علی نے اپنی تائیدی تقریر میں ''قرارداد پاکستان'' کا تاریخی نام دیا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس ہی نام سے موسوم ہوگئی۔ ویسے بھی اگر ہم اپنی معاشرتی زندگی کا منصفانہ جائزہ لیں تو یہ حقیقت تسلیم کرنا ہوگی کہ مستورات میں اسلامی اقدار کی فراوانی اور سرشاری کے جذبات متجاوز ہیں۔ کل ہند مسلم لیگ کونسل کے اجلاس ۹ جون ۱۹۴۷ء کو جب خاکساروں نے امپیریل ہوٹل نئی دہلی پر یلغار کی اس وقت مادر ملت شمشیر برہنہ لئے حضرت قائد اعظم محمد علی جناح کے تحفظ کے لئے سامنے آ کھڑی ہوگئی تھیں۔

گورنر سیکریٹریٹ پر ہلالی پرچم

باحوصلہ جرأت مند مسلم خواتین نے برستی گولیوں اور سخت پہرے میں گورنر کے دفتر پر یونین لیگ کی جگہ مسلم لیگ کا ہلالی پرچم لہرا کر عظیم کارنامہ سرانجام دیا۔

قید تنہائی اور مشقت

تحریک حریت ۱۹۴۷ء کی پاداش میں مسلمان خواتین اور طالبات کو خضر گم کردہ راہ کی انتظامیہ نے ایذائیں پہنچائیں مشقت لی اور قید کی اذیت ناک سزائیں دیں۔

مہاجرین کی خدمت

قیام پاکستان کے بعد ہندوؤں اور سکھوں کے بہیمانہ اور سفاکانہ مظالم کے نتیجے میں آنے والے زخم خوردہ اور ستم رسیدہ مہاجرین کی تیمارداری اور خدمت کے اہم ملّی فرائض ہماری پرجوش بہنوں نے رضاکارانہ طور پر انجام دیئے۔ بعدازاں خواتین نے اپنی فلاحی، سماجی اور معاشرتی انجمنیں قائم کرلیں۔ قائداعظم نے خواتین کو پیغام دیا: کہ خواتین سچی مسلمان ثابت ہوں اپنا نسواں وقار قائم رکھیں۔ غیر قوموں کی تقلید نہ کریں۔ مشرقی روایات کو ہر صورت میں زندہ رکھیں کبھی اپنا تہذیبی توازن زائل نہ ہونے دیں۔ یہی تہذیبی توازن ہے جسے اسلام اعتدال کی راہ قرار دیتا ہے۔

Marfat.com

پاکستان کا پہلا نقشہ

بابائے قوم کو مجوزہ پاکستان کا قیام پاکستان سے قبل سوزن کاری سے کپڑے پر تیار کردہ رنگین نقشہ روہیل کھنڈ یوپی کا ایک گیارہ سالہ باپردہ لڑکی نے تیار کیا تھا جسے لینے کے لئے لڑکی کی خواہش پر قائداعظم دور اُفتادہ دیہات میں اس کے گھر تشریف لے گئے۔ بعدازاں وائسرائے لنلتھگو یہ نقشہ دیکھ کر پاکستان کے تصور سے بڑا متحیر ہوا۔

ممبران سب کمیٹی کل ہند خواتین مسلم لیگ

آسام۔ بیگم عبدالمتین چوہدری۔ بہار اختر۔ بلوچستان۔ بیگم قاضی عیسیٰ

پنجاب۔ بیگم بشیر احمد۔ بیگم عبدالعزیز۔ فاطمہ بیگم۔ بیگم تصدق حسین۔ بیگم رحمٰن

بمبئی۔ فاطمہ جناح۔ بیگم حفیظ الدین۔ بیگم جیراز بھائی۔ بیگم محمد حسین۔ بیگم سومجی

بنگال۔ بیگم شہاب الدین۔ بیگم اصفہانی۔ بیگم حکم

یوپی۔ بیگم حبیب اللہ، بیگم محمد علی۔ بیگم محمد وسیم۔ بیگم اختر خاں۔ راحیلہ خاتون

سی پی۔ بیگم صدیق علی خاں۔ بیگم افتخار علی۔ سلیم الزہرہ بیگم

سندھ۔ بیگم ہارون۔ بیگم انور ہدایت اللہ۔ بیگم الانا

دہلی۔ بیگم حسین ملک۔ انجمن آرا بیگم۔ بیگم محمد حسین۔ بیگم اکرام اللہ۔ بیگم زاہد حسین۔ بیگم بخاری۔

صوبہ سرحد۔ بیگم وہاب۔ بیگم کلام الدین

مدراس۔ بیگم کریم اصفہانی۔ بیگم ملنگ احمد پاشا۔ بیگم حمید خاں اور بیگم شاہنواز بیگم۔ رضا اللہ بیگ

یوپی۔ بیگم رعنا لیاقت۔ بیگم اعزاز رسول اور بہت سی خواتین شامل تھیں۔

انتقال اقتدار

دو ستمبر ۱۹۴۶ء کو جواہر لال نہرو کی سرکردگی میں عبوری حکومت قائم ہو چکی تھی چند ہفتے کے بعد لیگ بھی اس میں شریک ہو گئی لیکن اس مشترکہ حکومت سے کوئی اچھے نتائج برآمد نہ ہوئے۔ بلکہ حالات بد سے بدتر ہوتے چلے گئے فساد اور تشدد کے واقعات روزمرہ کا معمول بن گئے۔ دسمبر ۱۹۴۶ء میں برطانوی حکومت نے اس امر کا فیصلہ کر دیا کہ صوبوں کی گروپ بندی، کیبنٹ مشن کی سکیم کا لازمی فرد ہے اس فیصلے کے فوراً بعد ہی کانگریس نے دستور ساز اسمبلی کا اجلاس شروع کرا دیا لیکن وہ اپنے اس موقف پر پہلے کی طرح قائم رہی کہ ہر صوبے کو اپنے گروپ میں شامل ہونے یا نہ ہونے کی پوری آزادی ہے۔ اس رویے کو مدِنظر رکھتے ہوئے لیگ کے نمائندے دستور ساز اسمبلی کے اجلاس میں سربلند ہوئے۔

لیبر حکومت اور وائسرائے ویول

۱۹۴۶ء کے آغاز میں حالات اس طرح پر تھے کہ جنگ نے برطانیہ کی کمر توڑ کر رکھ دی تھی۔ اب اس کے لئے

Marfat.com

ہندوستان پر قبضہ رکھنا مشکل تھا۔ ملک میں لیبر پارٹی کی حکومت برسر اقتدار تھی، اس کے سربراہ ایٹلی، سائمن کمیشن کے ممبر رہ چکے تھے اور پارٹی میں ہندوستان کے معاملات میں ایکسپرٹ سمجھے جاتے تھے۔ پتھک لارنس اور سر سٹفورڈ کرپس اس جماعت کے صف اول کے راہنماؤں میں شمار کیے جاتے تھے۔ کانگریس والوں کے ساتھ ان کا پرانا دوستانہ تھا اور دونوں کے درمیان اکثر نامہ و پیام ہوتے رہتے تھے وہ کانگریس کے بہت سے ناواجب مطالبات کے ڈٹ کر تائید کرتے اور وقت پر سب وعدوں سے پھر جاتے تھے، ان سے ہوسکتا تو ملک کی حکومت اکثریت کے سپرد کر کے ایک طرف ہو جاتے۔ ان دنوں لیگ کو مسلمانوں میں غیر معمولی مقبولیت حاصل تھی۔ ویول ہندوستان کا وائسرائے تھا وہ اپنے ذاتی تعصبات تو رکھتا تھا لیکن یہاں کے حالات سے بخوبی واقف تھا۔ اسے بہت اچھی طرح معلوم تھا کہ ملک کے اندر رائے عامہ کی کیا کیفیت ہے اور مختلف پارٹیوں کو کتنی قوت حاصل ہے۔ وہ اس بات کو بھی دیکھ چکا کہ کانگریس کے لیڈر کسی نکتے پر بھی لیگ سے سمجھوتہ کرنے کے لئے تیار نہیں کیونکہ ان کا مقصد حالات کو سلجھانا نہیں بلکہ الجھانا تھا، اگر اس سے بن پڑتا تو وہ کانگریس کو اس جائز مقام پر رکھتا اور اس کی ناز برداری نہ کرتا۔ لیکن آخر کار وہ برطانوی حکومت کا ایجنٹ اور اپنے آقاؤں کا حکم بردار تھا۔ اگر وہ حالات کو سامنے رکھتے ہوئے کوئی منصفانہ فیصلہ کرنا چاہتا تو اسے لندن سے ڈانٹ پڑتی اس لئے اس کی قوت فیصلہ مفلوج ہو چکی تھی، اس بارے میں اس پر الزام دینا درست نہیں۔ اگر اس کی جگہ کوئی اور شخص ہوتا تو وہ بھی اپنے آپ کو انہی حالات کے شکنجے میں کسا ہوا محسوس کرتا اپنے طور پر برطانوی حکومت، کانگریس لیڈروں کی خواہش کے مطابق ویول کو واپس بلانے کا فیصلہ تو دسمبر ۱۹۴۶ء میں ہی کر چکی تھی لیکن نامعلوم وجوہات کی بناء پر اس فیصلے کو انتہائی راز میں رکھا گیا تھا اور دو مہینے کے بعد ۲۰ فروری ۱۹۴۷ء کو اس کا اعلان ہوا۔

۲۰ فروری ۱۹۴۷ء کا اعلان

اسی اعلان میں برطانوی حکومت کے دو اور فیصلے بھی منظر عام پر آئے۔ اوّل برصغیر کی حکومت سے برطانیہ جون ۱۹۴۸ء میں قطعی طور پر دست بردار ہو جائے گا۔ دوم کسی اقلیت کو یہ حق نہیں دیا جائے گا کہ اکثریت کے فیصلوں کے خلاف اپنی رائے منوا سکے۔ اس اعلان پر کسی لمبی چوڑی حاشیہ آرائی کی ضرورت نہیں ویول کی واپسی، کانگریس کے راہنماؤں کو منشا کے عین مطابق تھی اور ان کی سفارش پر عمل میں آئی تھی ویول نے بجا طور اس کو اپنی برطرفی سمجھا، برصغیر کی حکومت سے دست برداری کا فیصلہ تو ۱۹۴۲ء سے ہو چکا تھا لیکن برطانیہ نے حتمی تاریخ کا تعین یہ پہلی بار کیا۔ اقلیتوں کو اکثریت کے رحم و کرم پر چھوڑ دینے کی پالیسی نئی تو نہ تھی لیکن اس کا واشگاف اقدار ۲۰ فروری کے بیان میں ہی کیا گیا۔ گذشتہ کئی سالوں سے برطانیہ کے نمائندے یہ تکرار کر چکے تھے کہ آبادی کے ''اہم عناصر'' کی مرضی کے خلاف کوئی آئین یا کوئی حکومت مسلط نہ کی جائے گی لیکن اب اس اصول کو بالائے طاق رکھ دیا گیا تھا۔

اعلان کا اصل مقصد یہ بتایا تھا کہ آئندہ کے لئے برطانوی حکومت ہندوستان کی ہندو اکثریت کی مرضی کے تابع ہوگی اور اس کی خواہشات کے مطابق انتقال اقتدار عمل میں آئے گا۔ جواہر لال نہرو اور کانگریس کے دوسرے راہنماؤں نے ایٹلی پر

Marfat.com

تحسین کے پھول برسائے۔نئی پالیسی کو عملی جامہ پہنانے کا کام ویول سے نہیں لیا جاسکتا تھا اس کام کے لئے ماؤنٹ بیٹن کو منتخب کیا۔

ماؤنٹ بیٹن، اس کے مشیر اور اختیارات

ماؤنٹ بیٹن کی عمر اس وقت ۴۶ برس تھی وہ انگلستان کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔دوسری عالمی جنگ کے دوران وہ جنوب مشرقی ایشیاء میں اتحادی فوجوں کا سپریم کمانڈر رہ چکا تھا۔اپنے فرائض کی بجا آوری میں وہ اکثر وہی آتا جاتا رہتا تھا۔یہاں کے حالات کا اپنے نقطہ نظر سے تجزیہ کرسکتا تھا اور حکومت ہندوستان کے اعلیٰ ترین افسروں سے واقفیت پیدا کرسکتا تھا۔یہاں آنے سے کچھ عرصے پہلے وہ سنگاپور میں نہرو سے ملاقات کر کے اسکی میزبانی کر چکا تھا اور اس نے حکومت ہند کی خواہشات کے خلاف نہرو کو سنگاپور میں چلت پھرت اور تقدیر کی آزادی دے دی تھی، اس سے دونوں کے درمیان دوستی کا آغاز ہو چکا تھا۔حقیقت یہ ہے کہ ماؤنٹ بیٹن ایک خودسر انسان تھا۔زبان سے تو وہ جمہوریت کا دم بھرتا تھا لیکن عملاً اس کی طبیعت میں بدترین قسم کی آمریت کوٹ کوٹ پر بھری ہوئی تھی۔باتیں بنانے کا فن جانتا تھا اور لوگوں کو اپنی دلکش گفتگو سے موہ لینے کی کوشش کرتا تھا یہ خیال کرتے ہوئے کہ وائسرائے کا کثیر ذاتی سٹاف اس شاہانہ ضروریات کے لئے ناکافی ہوگا وہ انگلستان سے اپنے ساتھ مشیروں اور مداحوں کی ایک فوج لے کر آیا۔ان میں دو کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

۱۔ اول، لارڈ اسے جو دوران جنگ برطانیہ کا چیف آف سٹاف رہ چکا تھا۔اس نے آتے ہی اس بات پر اظہار اطمینان کیا کہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو ہندونوازی کے متعلق یہاں کے مسلمانوں کو کوئی علم نہ تھا۔

۲۔ دوسرے شخص کا نام کیمپبل جانس تھا جو اس کا تعلقات عامہ کا انچارج تھا۔

۳۔ ماؤنٹ بیٹن نے آتے ہی وی۔پی۔مینن کو بھی اپنے مشیروں میں شامل کرلیا۔مینن کہنے کو تو سرکاری ملازم اور عہدے کے لحاظ سے حکومت ہند کا دستوری مشیر تھا، لیکن ولبھ بھائی پٹیل کے ساتھ اسکے تعلقات گہرے تھے۔وہ حکومت کے اندر رہتے ہوئے کانگریس جاسوس اور وائسرائے کے روبرو کانگریس کا ترجمان بن گیا۔ماؤنٹ بیٹن کے ازگرد جس طرح کے لوگوں کا جم غفیر ان میں سے ہر کوئی لیگ، قائداعظم اور پاکستان کے مطالبے کے خلاف ادھار کھائے بیٹھا تھا۔خود بھی ماؤنٹ بیٹن کا طرزفکر یہی تھا۔اسے برطانوی حکومت کی طرف سے سب سے اہم ہدایت یہی ملی تھی کہ وہ پاکستان کے مطالبے کو غیر موثر بنا کر رکھ دے اور ملک کی تقسیم ہونے سے روک دے۔شاید کہنا بھی زیادتی نہ ہو کہ اسے برطانوی حکومت کی طرف سے کوئی ہدایت بھی ملی تھی۔اصل بات یہ تھی کہ جو ہدایات اسے دی گئی تھیں، وہ سب کی سب اس کی خود تجویز کردہ تھیں۔سادہ الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہے کہ انتقال اقتدار کے لئے لیبر حکومت کی پالیسی ماؤنٹ بیٹن کے مشورے پر ہی وضع کی گئی تھی اور اس پر عمل درآمد کرانے کا کام بھی اس کے ذمے لگایا گیا تھا۔آنے سے پہلے ماؤنٹ بیٹن نے لندن حکومت پر یہ بھی واضح کر دیا تھا کہ میں موقع پر تمام فیصلے خود کروں گا اور برطانوی حکومت کو ان میں مداخلت کا کوئی حق نہیں ہوگا۔اس نوعیت کے وسیع اختیارات ماؤنٹ بیٹن سے پہلے کسی

Marfat.com

وائسرائے کو حاصل نہیں ہوئے تھے۔ اپنے عہدے کے فرائض کی بجا آوری میں وہ اپنے آپ کو کسی کے سامنے جواب دہ نہیں سمجھتا تھا اور اس کا طرز عمل بہت حد تک غیر ذمہ دارانہ تھا۔

ماؤنٹ بیٹن کا طریقہ کار

ا۔ لیڈروں سے ملاقاتیں

۲۲ مارچ ۱۹۴۷ء کو یہاں پہنچتے ہی ماؤنٹ بیٹن نے اہل سیاست سے گفت وشنید کا سلسلہ شروع کیا، وہ کانگریس لیڈروں کو بہت زیادہ اہمیت دیتا تھا۔ ان کی باری پہلے آئی۔ قائداعظم کے ساتھ اس کی پہلی ملاقات اس کی آمد کے چودہ دن بعد ہوئی۔ ماؤنٹ بیٹن کو اپنی کامیابی کا بہت یقین تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ میں اپنی منطق اور اپنی ذاتی جاذبیت سے مطالبہ پاکستان کو ختم کر دوں گا۔ لیکن قائداعظم کے ساتھ پہلی ملاقات میں اس کی خوش فہمی رفع ہوگئی۔ برسوں بعد اس نے لندن کے ایک پبلک جلسے میں بتایا کہ متحدہ ہندوستان کے مستقبل کے متعلق پر امید تھا لیکن اس ملاقات میں ہی میرا یقین متزلزل ہو گیا۔ ماؤنٹ بیٹن کے خیر خواہوں اور مداحوں نے اس سلسلے میں جو کچھ لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کانگریس کا بے حد طرف دار تھا۔ اور اسے قائداعظم کے ساتھ دلی بغض تھا۔ جلد ہی اس کو معلوم ہو گیا کہ ملک کی تقسیم ناگزیر ہے۔ کانگریس نے بھی یہی بات محسوس کرتے ہوئے ماؤنٹ بیٹن کی آمد سے چند دن پہلے بنگال اور پنجاب کے صوبوں کی تقسیم کے حق میں قرارداد پاس کر دی تھی۔ ماؤنٹ بیٹن نے فی الفور محسوس کر لیا کہ کانگریس کے لیڈر بھانت بھانت کی بولیاں بول رہے ہیں۔ گاندھی نے اپنی سیاسی پٹاری سے عیب فرسودہ تجویز نکال لی کہ ملک متحد رہے اور قائداعظم کو اس کا وزیراعظم بنا دیا جائے جواہر لال نہرو بہت جوش وخروش کے ساتھ اکھنڈ بھارت کا نعرہ لگا رہے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ پنجاب اور بنگال کی تقسیم والی قرارداد سے ملک کی تقسیم کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔ پٹیل اپنے دل میں تقسیم ملک کا قائل ہو چکا تھا۔ لیکن کبھی کبھار اپنی پارٹی کی دلجوئی کے لئے قیام پاکستان کے خلاف بیان داغ دیتے تھے۔ نہرو کی مدد سے ماؤنٹ بیٹن نے سب سے پہلے گاندھی کی مہم اور پریشان کن بیان بازیوں کو بند کرایا۔ ساتھ ہی نہرو کو تقسیم ملک کے حق میں مائل کرنے کی کوشش کی۔ نہرو بھی اپنی ضد کے پکے تھے۔ انہوں نے کہا کہ تقسیم کی تجویز حکومت کی طرف سے پیش ہونا چاہئے۔ ہم اسے مان لیں گے لیکن اپنی زبان سے ہم تقسیم کا مطالبہ نہیں کریں گے۔

۲۔ ماؤنٹ بیٹن کی پہلی سکیم

اس مہم سے فراغت کے بعد ماؤنٹ بیٹن نے آزادی ہند کی ایک سکیم مرتب کی اور اس کی تفصیلات کو دو قاصدوں کے ہاتھ انگلستان بھجوایا اس تجویز کا مرکزی نکتہ یہی تھا کہ ۲۰ فروری کے بیان کے مطابق انگریزوں کے چلے جانے کے بعد تمام صوبے خود مختار تصور کیے جائیں گے۔ اور اس سے پیدا ہونے والی صورت کو وفاق میں تبدیل کرنے کا اختیار صوبوں کو ہی حاصل ہوگا۔ اور اس اسکیم کو لندن بھیج کر ماؤنٹ بیٹن کچھ دن ستانے کے لئے شملہ چلا گیا طے شدہ انتظام کے مطابق دو چار دن کے بعد نہرو بھی وہاں پہنچ گیا۔ ماؤنٹ بیٹن نے اپنی سکیم کو نہرو کے سامنے رکھا نہرو اسے دیکھ کر غصے سے لال پیلے ہو گئے اور اس سکیم کو

Marfat.com

قطعی طور ٹھکرا دیا۔ ان کا کہنا تھا کہ اگر آپ ملک کو تقسیم ہی کرنا چاہتے ہیں تو اسے گیارہ صوبوں کے بجائے دو مملکتوں میں بانٹ دیں۔

۳۔ دوسری سکیم

اس پر ماؤنٹ بیٹن نے فی الفور لندن میں پیغام بھیج کر اپنی سکیم کو ساقط قرار دے دیا ساتھ وہیں تقسیم ملک کا ایک مسودہ وی۔ پی مینسن کے قلم سے تیار کروایا۔ جو مکمل طور پر نہرو کی ہدایت کے مطابق تھا۔ قابل غور بات یہ ہے کہ یہ دوسرا منصوبہ جو بالآخر تقسیم ملک کی بنیاد بنا صرف نہرو کو مطمئن کرنے کے لئے بنایا گیا تھا۔ اس مرحلے پر قائداعظم یا مسلم لیگ کو نہ پہلا منصوبہ دکھایا گیا تھا نہ دوسرا۔ نہرو اور ماؤنٹ بیٹن کے درمیان شملہ میں طویل ملاقاتیں ہوئیں۔ ان ملاقاتوں میں دونوں گھل مل گئے۔ دونوں تقسیم ملک کے شدید مخالف تھے۔ لیکن دونوں نے اپنے آپ کو مسلمانوں کی رائے عامہ کے سامنے بے بس پایا۔ انہوں نے شملہ کی بلندیوں پر بیٹھ کر بہت بحث و تمہیص کی۔ اس کے متعلق ہمارے پاس کوئی دستاویزی شہادت موجود نہیں لیکن بعد کے واقعات سے یہ شبہ یقین میں تبدیل ہو جاتا ہے کہ تقسیم ملک کے طریق کار اور عمل میں پاکستان کے ساتھ جتنی بے انصافیاں ہوئیں ان کی بنیاد یہیں پر رکھی گئی تھی۔ تھوڑے دنوں کے بعد دہلی میں واپس آکر ماؤنٹ بیٹن نے ترمیم شدہ منصوبہ قائداعظم کو دکھایا اور اسے اپنے ساتھ انگلستان لے گیا۔

وزیراعظم اٹلی کا بیان

۲۷ فروری ۱۹۴۷ء کو وزیراعظم برطانیہ اٹلی نے اپنی حکومت کے اس ''قطعی اور حتمی عزم'' کا اعلان کر دیا کہ جون ۱۹۴۸ء سے پہلے اہل ہند کو اقتدار منتقل کرنے کے لئے ضروری اقدامات کیے جائیں گے۔ اس مقصد کے لئے لارڈ مونٹ بیٹن کو وائسرائے مقرر کیا گیا۔ وہ ۲۲ مارچ ۱۹۴۷ء کو ہندوستان پہنچا وہاں پر بے چینی کا عالم تھا کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ برطانیہ اقتدار چھوڑنے والا ہے۔ چنانچہ مرکزی ملازمتوں میں ہندو اور مسلم افسر ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہو گئے عام زندگی میں بھی ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان فسادات ہو رہے تھے مسلم ہر جگہ ''لے کے رہیں گے پاکستان'' پیش نظر مونٹ بیٹن نے جون ۱۹۴۸ء سے پہلے اقتدار منتقل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ چنانچہ مونٹ بیٹن نے کانگریسی راہنماؤں سے تبادلۂ خیال کیا اور ایک منصوبہ بنایا جو کہ ۳ جون کے منصوبے کے نام سے مشہور ہے۔

۳ جون کا اعلان

حکومت انگلستان نے ماؤنٹ بیٹن کی تجاویز میں معمولی سا ردوبدل کیا۔ ماؤنٹ بیٹن نے دہلی پہنچ کر لیگ، کانگریس اور سکھوں کے سرکردہ لیڈروں کو اس سے آگاہ کیا۔ اور اگلے دن یعنی ۳ جون کی شام کو ریڈیو پر اس کا اعلان میں تقسیم کا اصول تسلیم کر لیا گیا تھا۔ اور تقسیم کے طریق کار اور پروگرام کے متعلق ضروری تفصیلات دی گئی تھیں تقسیم ملک کے ساتھ ہی پنجاب اور بنگال کی تقسیم لازمی قرار دی گئی تھی وہ اس طرح کہ ان صوبوں کی اسمبلیوں کے ہندو اکثریت کے اضلاع اور مسلم لیگ کے

Marfat.com

اضلاع (جن کی فہرست اعلان کے نتیجے کے طور شامل تھی) کے نمائندوں کو علیحدہ علیحدہ سیکشنوں میں بیٹھ کر اس امر کا فیصلہ کرنا تھا کہ ان کو تقسیم ہونا چاہئے یا نہیں اگر ان دونوں سیکشنوں میں سے ایک سیکشن بھی تقسیم حق میں رائے دے تو صوبے کو تقسیم کر دیا جائے گا۔ یہ منطق نہایت ٹیڑھی تھی۔ اس کی رو سے پنجاب اور بنگال کی تقسیم کا فیصلہ عملی طور پر اکثریت کو نہیں بلکہ ان صوبوں کو ہندو اقلیتوں کے ہاتھ میں دے دیا گیا۔ کیونکہ اس بات میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہ تھی کہ ہندو اقلیتیں، ہندوستان میں شمولیت کے حق میں ووٹ دیں گی۔ بظاہر ماؤنٹ بیٹن یہ تاثر پیدا کرنا چاہتا تھا کہ طریق کار جمہوری ہے۔ لیکن یہ صرف ایک چال تھی۔ تقسیم ملک کی صورت میں وہ پنجاب اور بنگال کو خود تقسیم کروانا چاہتا تھا۔ لیکن اس کی ذمہ داری اپنے کندھوں پر نہیں لینا چاہتا تھا۔ اس لئے اس نے ایک ایسا طریق کار وضع کیا کہ فیصلہ تو اس کی مرضی کے مطابق ہو۔ لیکن فیصلے کی ذمہ داری دوسروں پر ہو۔ سلیٹ اور شمال مغربی سرحدی صوبے کے پاکستان میں شمول کے سوال پر دونوں علاقوں میں ریفرنڈم کی تجویز کی گئی۔ بلوچستان میں اس امر کا فیصلہ کونسل آف ایڈرز پر چھوڑ دیا گیا۔

صلح حدیبیہ اور تشکیل پاکستان میں مماثلت

آزادی ہند کے تین جون ۱۹۴۷ء کے منصوبہ کے پیش ہونے کے بعد حضرت قائداعظم نے اسے قبول کرنے یا رد کرنے کے لئے تمام ملک کے مسلمان اکابرین کو اظہار خیال کا موقع فراہم کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس تقسیم کی تجویز قبول کرنے کا حتمی فیصلہ مسلم لیگ کونسل ہی کرے گی۔

اب سے چودہ سو برس قبل پیغمبر اسلام کے سامنے بھی یہی مسئلہ آیا تھا۔ اس وقت بھی کفار کا کہنا تھا کہ ہم آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو علیحدہ کیسے مان لیں جب کہ ہم آپ کو اور آپ کے باپ دادا کو اور آپکے ساتھیوں کو جانتے ہیں۔ ہم اکٹھے پلے بڑھے ہیں اور اب آپ کہتے ہیں کہ میرے پاس اسلام ہے اور میں مسلمان ہوں۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر کفار نے مسلمانوں پر کڑی شرائط عائد کیں، یہ کڑا وقت تھا۔ لیکن نبی ﷺ کی بصیرت نے بھانپ لیا، ساتھیوں نے اس معاہدہ کی مخالف کی لیکن رب کی جانب سے وحی نازل ہوئی کہ یہ فتح مبین ہے۔ اس معاہدہ میں بڑی کامیابی یہ حاصل ہوئی کہ کفار نے دوقومی نظریہ تسلیم کرلیا۔ مسلمانوں کو علیحدہ قوم اور انکا علیحدہ وجود تسلیم کرلیا۔

یہ معاملہ تقسیم ہند کے وقت پیش آیا۔ بہت سے مسلمانوں کے مفادات اور حقوق کو زک پہنچائی گئی۔ اور ایک لٹی پٹی کرم خوردہ مملکت دی جارہی تھی۔ لیکن ہمارا مطالبہ ایک علیحدہ قوم کا تھا۔ جو بالآخر تسلیم کیا گیا۔ مسلمانوں کو علیحدہ قوم تسلیم کیا جارہا ہے تو یہی فتح مبین ہے۔ گاندھی اور دیگر ہندو رہنما بھی اسی بنیاد پر یعنی نسلی اور وطنی نظریہ قومیت کی تبلیغ کررہے تھے اور وہ بھی سرداران مکہ کی مانند مسلمانوں کو علیحدہ قوم ماننے کو تیار نہ تھے۔

۹ جون کو مسلم لیگ کونسل کا اجلاس منعقد کیا گیا۔ اس سلسلہ میں جب متذکرہ کونسل میں تقسیم ہند کے منصوبہ پر بحث ہوئی تو مولانا حسرت موہانی نے جوش وجذبہ سے خطاب کیا اور کہا کہ وہ کرم خوردہ پاکستان نہیں لیں گے۔ اس بات پر دیگر بزرگ

Marfat.com

اراکین نے انہیں ٹوکنا چاہا۔قائداعظم نے ارشادفرمایا کہ مولانا کو بات مکمل کرنے دی جائے،جب وہ بات ختم کر چکے تو قائد اعظم نے ارشادفرمایا سکیم (تقسیم ہند) یا مکمل طور پر قبول یا مکمل طور پر اسے رد کرنا ہوگی۔اس کو جزوی طور پر رد یا قبول نہیں کیا جاسکتا۔اس پر مولانا حسرت موہانی کے منہ سے نکلا کہ ''یہ صلح نامہ حدیبیہ ہوا'' حضرت قائداعظم نے جواب دیا کہ آپ اسے صلح نامہ حدیبیہ کہتے ہیں تو یہی سمجھ لیں۔رسول اللہ ﷺ نے بھی حدیبیہ کے صلح نامہ کو منظور کرلیا تھا۔اس بات پر موجود ایک بزرگ عبدالحامد صاحب نے لقمہ دیا''اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسے قرآن پاک میں فتح مبین میں فرمایا ہے:انا فتحنا لک فتحاً مبیناً

قائداعظم نے اس پر فرمایا''بے شک یہ منصوبہ بھی آگے چل کر مسلمانوں کیلئے فتح مبین ثابت ہوگا''

مولانا عبدالحامد بدایونی نے کہا''انشاءاللہ ضرور بالضرور''

بلاشبہ یہ کامیابی مسلمانانِ ہند کیلئے فتح مبین ہی تھی۔

اس اجلاس کی تفصیل اجلاس کے چشم دید گواسید انصار ناصری صاحب کی کتاب''پاکستان زندہ باد''صفحہ ۱۰۷)

قائداعظم قیام پاکستان کے معجزانہ قیام پر یہ ارشادفرمایا تھا کہ''پوری دنیا اس مثالی طوفانی انقلاب پر حیرت زدہ ہے جسکی بدولت وہ منصوبہ روبہ عمل ہوا جس کے تحت برصغیر میں دوآزاداور خودمختار ریاستوں کا قیام عمل میں آسکا۔یہ حقیقت ہے کہ اس کی دنیا میں کوئی نظیر نہیں ملتی''،تقسیم ہند کا بدترین مخالف اور نقادنراد چوہدری تقسیم ہند کے حوالے سے قائداعظم کے کردار پر تحریر کرتا ہے کہ''جناح واحد شخص تھے جو ہندوستان میں برطانوی سلطنت کے بدترین انجام سے کامیابی اوروقار کے ساتھ سرخرو ہوئے۔جووہ چاہتے تھے انہوں نے کبھی خفیہ نہ رکھا اور نہ کبھی مصالحت کی۔اس کے باوجود بھی انڈین نیشنل کانگریس اور برطانوی حکومت دونوں کو زبردست شکست دے کرشاندار کامیابی حاصل کی۔

قیام پاکستان کے راستے میں مشکلات

اگراس سارے منصوبے پرغور کیا جائے تو یہ بات کھل کرسامنے آئی ہے کہ اس کی روس سے مسلمانوں کے اکثریتی علاقوں کے حق خودارادیت ایسے پیچ دارطریقے پر مانا گیا تھا کہ پاکستان میں شامل ہونے والے چپہ چپہ اوراس کے رہنے والوں کوایک نئے امتحان سے گزرنا پڑے اوراپنے عزم کا اعادہ ووٹوں کے ذریعے کرنا پڑے۔شاید ماؤنٹ بیٹن یااس کے کسی مشیر کو یہ بات یاد نہ تھی کہ ہندواکثریت کے صوبوں میں بھی وسیع اور واضح مسلم اکثریت کے علاقے موجود تھے۔اگر مسلم اکثریت کے صوبوں کی ہندواقلیتوں کوخودارادیت کا حق دے دیا گیا تھا تو ہندوصوبوں کی اقلیتوں کواس حق سے محروم رکھنے کا کیا جواز تھا لیکن ماؤنٹ بیٹن کے فیصلوں کا انحصار منطق،قانون یاانصاف پرنہیں تھا۔اس کی نیت کچھ اورتھی وہ یہی چاہتا تھا کہ اتنے دشوارطریقے سے قیام پاکستان کوسرے سے ناممکن بنادیا جائے۔اور پاکستان وجود میں آبھی جائے تواس میں مشکلوں کا مقابلہ کرنے کی سکت نہ رہے۔۳جون کے اعلان میں دونوں ملکوں کی آزادی کی تاریخ ۱۵اگست مقرر کی گئی تھی۔اڑھائی مہینے کم یا یہ عرصہ لیگ کے راہنماؤں کے لئے سخت محنت شاقہ کا زمانہ تھا۔اس عرصے میں حکومت ہند کے اثاثوں کی تقسیم کا مشکل کام کیا جانا تھا سلیٹ اور

Marfat.com

صوبہ سرحد میں استصواب ہونا تھا۔ دونوں ملکوں کے حد بندی کمیشن کو اپنی رپورٹ مکمل کرنا تھی۔ پاکستان کی نئی حکومت کو منظم کرنا تھا ظاہر ہے کہ ان گیارہ ہفتوں میں مسلم لیگ اور اس کے لیڈروں کو سخت آزمائش میں گزرنا تھا۔ اس امتحان کے دوران ایک طرف ہندوؤں کی پیہم سازشوں اور دوسری طرف برطانوی حکومت اور خصوصاً اس کے نمائندے ماؤنٹ بیٹن کی کھلم کھلا مخالفت کا سامنا کرنا تھا۔ جب کبھی ماؤنٹ بیٹن کی توجہ اس امر کی طرف دلائی جاتی کہ اتنے مختصر وقفے میں اتنے بڑے کاموں کا کامیابی کے ساتھ انجام پانا مشکل ہے تو وہ نہایت بے رخی بلکہ درشتی سے جواب دیتا اور پاکستان کا ذکر نہایت ناشائستہ الفاظ کرتا۔

مسلمان اس کڑے امتحان میں کیوں کر کامیاب رہے؟ اس کا جواب مختصر طور پر یہ ہے: قوم کا جذبہ آزادی اور اس کا عزم و ہمت اور قائداعظم کی بے نظیر قیادت۔

ماؤنٹ بیٹن کے عزائم

یہاں ماؤنٹ بیٹن کے بعض عزائم کا جائزہ لینا ضروری ہے۔

ا۔ شروع سے ہی اس نے اس بات پر زور دینا شروع کیا کہ انڈین آرمی کو دو حصوں میں تقسیم نہ کیا جائے۔ بلکہ دونوں ملکوں کی دفاعی ضروریات کو ایک ہی فوج پورا کرے۔ یہ تجویز سیاست کے کسی مسلمہ اصول سے مطابقت نہیں رکھتی تھی۔ قائداعظم نے اس بات کو ماننے سے صاف انکار کر دیا۔ اس کا موقف یہ تھا کہ فوج کا مکمل کنٹرول کسی مملکت کے اقتدار اعلیٰ کی پہلی اور لازمی شرط ہے۔ جو حکومت اپنی فوج پر پورا پورا قابو نہیں رکھتی وہ آزاد کہلانے کی مستحق نہیں ہوتی۔ اگر ماؤنٹ بیٹن اس ارادے میں کامیاب ہو جاتا تو پاکستان کی آزادی بے حقیقت بن کر رہ جاتی۔ اس سلسلے میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ دونوں ملکوں میں فوجوں اور اسلحہ کی تقسیم کا کام سابق کمانڈر انچیف کلاڈ آکن لیک کے ذمے لگایا گیا تھا۔ اس کے ''امداد'' کرنے والے ہندوستان کے نمائندے نے اس کام میں ہر قدم پر ایسے روڑے اٹکانے شروع کئے کہ آکن لیک کو یہ کہنا پڑا کہ ہندو ہرگز نہیں چاہتا کہ پاکستان وجود میں آئے۔ لیکن آکن لیک نے تمام مشکلوں پر عبور پا کر اپنا کام وقت مقررہ کے اندر اندر ختم کر دیا۔ اس پر کانگریس کے لیڈر بہت برہم ہوئے۔ پٹیل کی یہ توقع کہ پاکستان کو بننے دیا جائے لیکن اس کے پاس اپنی کوئی فوج نہ ہو؟ پوری نہ ہوئی عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ ہندو اخبارات نے یہ سارا شور و غوغا ماؤنٹ بیٹن کے ایماء پر ہی کیا تھا۔

۲۔ ماؤنٹ بیٹن کی دوسری بڑی خواہش یہ تھی کہ وہ خود ہی دونوں ملکوں کا گورنر جنرل بن جائے اس نے جس ڈھٹائی اور بے اصولی سے کانگریس اور ہندوؤں کے مطالبات کی تائید کی تھی۔ اس کے صلے میں حصول آزادی کے بعد اسے ہندوستان کی گورنر جنرل کی پیشکش کر دی گئی تھی۔ اس کے بعد وہ یہ چاہنے لگا کہ پاکستان کی طرف سے بھی یہی انعام اس کی جھولی میں ڈال دیا جائے اس کی یہ توقع بے معنی تھی۔ دولت مشترکہ کی ساری تاریخ میں کوئی ایسی مثال نہیں کہ دو ملکوں کی سربراہی کے فرائض بیک وقت ایک ہی شخص کو سونپے گئے ہوں۔ اس سے وہ اپنی دستار میں ایک اور کلغی لگانا چاہتا تھا۔ اگر اس کی خواہشات کا احترام کیا جاتا تو ایک خطرناک صورتِ حال پیدا ہو جاتی۔ بیرونی دنیا، ہندوستان اور پاکستان کو ملا کر ایک ہی ملک سمجھتی رہتی اور

Marfat.com

پاکستان کی آزادی کی علامتی اہمیت بھی نہ رہتی ایک اسلامی مملکت کی سربراہی کے لئے ایک غیر مسلم انتخاب کبھی کسی حیثیت سے موزوں نہ ہوتا۔ چونکہ ماؤنٹ بیٹن تقسیم ملک کا بے حد مخالف تھا اس لئے دونوں ملکوں کی سربراہی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ اکھنڈ بھارت کے لئے راستہ صاف کر دینا۔ ان دونوں کے علاوہ اگر وہ اپنا مقصد حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا تو اس کی اپنی پوزیشن کیا ہوتی۔ کیونکہ بہت سے اہم معاملات پر اسے دونوں ملکوں کی حکومتوں کی طرف سے متضاد مشورے ملتے اور ماؤنٹ بیٹن یا اس کی جگہ کوئی اور شخص اس قسم کے دوسرے اعزاز کو نبھانے کی لیاقت نہیں رکھتا تھا۔ لیکن ماؤنٹ بیٹن ایسی باتوں کو کب خاطر میں لاتا تھا۔ اس کی عقل پر اس کی ہوس غالب تھی۔

قائداعظم کا موقف

قائداعظم دیر تک اس مسئلے پر غور کرتے رہے۔ وائسرائے نے مئی میں انگلستان جانے سے پہلے ہی سلسلہ جنبانی شروع کر دی تھی جتنے دن میں وہ لندن میں ٹھہرا رہا روز اپنی درخواست کی منظوری کا انتظار کرتا رہا۔ واپس آیا تو بعض اہم معاملات سے نپٹنے کے بعد پورے جوش وخروش سے دوبارہ اسی مسئلے کی طرف متوجہ ہوا۔ کیمبل جانسن کی ڈائری سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے مشیروں کی روزانہ مجلس میں علی التواتر اس کا ذکر کیا کرتا تھا اور قائداعظم کی خاموشی کو اپنی شان میں گستاخی قرار دیتا تھا۔ آخر کار اس نے خود ہی براہ راست قائداعظم کے ساتھ اس مسئلے پر گفتگو کا آغاز کیا، اور انہیں بتایا کہ میرے دل میں اپنی ہوس کو پورا کرنے یا اپنی اہمیت اور شان وشوکت بڑھانے کا کوئی خیال نہیں۔ یہ بات خود پاکستان کے مفاد میں ہوگی کہ اس مملکت کی گورنر جنرل کا عہدہ بھی مجھے پیش کر دی جائے۔ اگر ایسا نہ ہوا تو حکومت پاکستان کے لئے اپنے اثاثوں کا جائز حصہ حاصل کرنا ناممکن ہو جائے گا۔ یہ ایک کھلی دھمکی تھی جس کو ماؤنٹ بیٹن نے پورا کر کے دکھایا۔

چند دن کے بعد ماؤنٹ بیٹن کو یہ پیغام ملا کہ قائداعظم خود ہی پاکستان کے گورنر جنرل ہوں گے۔ آزادی کا پہلا تقاضہ یہی تھا کہ پاکستان اپنے سربراہ مملکت کا انتخاب خود کرے ماؤنٹ بیٹن نے ہر طرف دباؤ ڈالا کہ انتخاب کا قرعہ اس کی مرضی کے مطابق اس کے نام پر نکلے جب یہ نہ ہو سکا تو وہ پاکستان کے لئے مجسم انتقام بن گیا۔ پاکستان کے مفاد پر گہری ضربیں لگتی رہیں۔ شرقی پنجاب میں مسلمانوں کا قتل ہوا۔ دہلی میں مسلمان پر قیامت ٹوٹ پڑی پاکستان کو اپنے اثاثوں سے محروم کر دیا گیا۔ مشترکہ خزانہ سے پاکستان کے حصے کا روپیہ روک دیا گیا۔ سرکاری عملہ اور ریکارڈ کو لے کر جو گاڑیاں کراچی جا رہی تھیں ان پر پے در پے حملے کئے گئے۔ ماؤنٹ بیٹن خاموشی سے سب کچھ دیکھتا رہا اور شاید اپنی انا کی تسکین کرتا رہا۔ ۱۹۴۷ء کے قانون آزادی ہند میں ایک شق اس مضمون کی بھی رکھی گئی تھی کہ اگر دونوں مملکتیں چاہیں تو وہ مشترکہ گورنر جنرل بھی مقرر کر سکتی ہیں۔ جب یہ شق دھری کی دھری رہ گئی تو پارلیمنٹ میں تقریر کرتے ہوئے برطانیہ کے وزیراعظم کو ہدف تنقید بنایا۔

۳۔ دونوں ملکوں کی حد بندی کا مسئلہ بھی پیچیدہ تھا۔ تمام پارٹیوں نے اس اصول کو منظور کر لیا تھا کہ مسلم اکثریت کی آبادی کے متصل علاقوں کو ملا کر پاکستان کی مملکت قائم ہوگی۔ یہ ایک واضح اصول تھا اور اس میں کسی قسم کا الجھاؤ نہ تھا۔ لیکن ۳ جون کے

Marfat.com

ریڈیائی بیان میں ماؤنٹ بیٹن نے ایک گرہ یہ لگادی تھی کہ حد بندی کرنے میں تسلیم شدہ بنیاد کے علاوہ ''دوسرے عوامل'' کو بھی مد نظر رکھا جائے گا۔ یہ دوسرے عوامل (Other Factors) کیا تھے بیان میں اس کی کوئی وضاحت نہیں کی گئی تھی۔ کیونکہ اس دو لفظی محاورے کو بہت سے معنی پہنائے جا سکتے ہیں۔ اس وقت کسی منصف مزاج شخص کو اس بات کا وہم و گمان تک نہ تھا کہ اکثریت کے ٹھوس اصول کو مد نظر انداز کر کے اور محض کا سہارا لیتے ہوئے غالب اکثریت کے بعض علاقوں کو ہندوستان کے حوالے کر دیا جائے گا۔ قائداعظم نے تجویز پیش کی کہ حد بندی کے لئے اقوام متحدہ سے رجوع کیا جائے۔ جواہر لال نہرو نے مخالفت کی کیونکہ اس وقت تک اقوام متحدہ کی غیر جانب داری کا بھرم کچھ نہ کچھ قائم تھا۔ اور کانگریس والے کسی غیر جانب دار فریق کو اس معاملے میں نہیں لانا چاہتے تھے۔ اس پر قائداعظم نے مشورہ دیا کہ دوسری صورت میں یہ معاملہ برطانیہ کی پریوی کونسل کے سپرد کیا جا سکتا ہے۔ ماؤنٹ بیٹن نے اس بات کو بھی سرے نہ چڑھنے دیا۔ اس طرح یہ تصفیہ طلب معاملہ برطانوی حکومت کو لوٹ آیا جو قیام پاکستان کی مخالف اور کانگریس کی طرف دار تھی۔ طے ہوا کہ ''حد بندی کے ایک نہیں دو کمیشن مقرر کئے جائیں ہر کمیشن کے چار چار ممبر ہوں۔ ان میں سے دو دو کا انتخاب کانگریس کرے اور دو دو کا لیگ، اور دونوں کمیشنوں کا مشترکہ صدر ہو'' صدارت کے لئے برطانیہ حکومت نے ریڈ کلف کا نام پیش کیا۔ جسے قائداعظم نے منظور کر لیا۔ یہ تو سب کو نظر آتا تھا کہ دونوں کمیشنوں کی ہیئت ترکیبی کچھ ایسی ہے کہ کسی کے اندر کوئی فیصلہ بھی اتفاق رائے سے نہیں ہو سکے گا اور ثالثی کا اختیار تمام تر ریڈ کلف کو مل جائے گا۔ ریڈ کلف ۸ جولائی کو دہلی میں پہنچا۔ وہاں تین اجلاس میں اس نے یہ موقف اختیار کیا کہ اگر کمیشن کے ممبروں میں اتفاق رائے ہو گیا تو مجھے دخل دینے کی کوئی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ لیکن سکھوں کے دعاوی بہت مبالغہ آمیز تھے وہ پاکستان کی حد دریائے جہلم کو بنانا چاہتے تھے۔ یہ بات سراسر حق و انصاف کے خلاف تھی، کام کا آغاز کرتے ہوئے ریڈ کلف نے امرتسر، بٹالہ اور پٹھان کوٹ کے علاقوں پر ہوائی پرواز کی خواہش ظاہر کی۔ موسم کی خرابی کی وجہ سے سفر تو ملتوی ہو گیا لیکن کمیشن کے مسلمان ممبر کو شبہ ہو گیا کہ یہ علاقہ وہی ہے جس کو کانگریس والے حد بنانے کے لئے زور دے رہے ہیں۔ اور کیا وجہ ہے کہ ریڈ کلف صرف اس محدود علاقے کو دیکھنا چاہتا ہے۔ اور کسی دوسرے علاقے کی طرف اس کا خیال تک بھی نہیں گیا۔ پاکستانی رکن نے تجویز پیش کی کہ کمیشن کے مسلمان ممبر بطور احتجاج مستعفی ہو جائیں کیونکہ کمیشن کا صدر معاملے کی چھان بین کئے بغیر ایک پارٹی کے موقف سے اتفاق کر رہا ہے لیکن قائداعظم نے اس سے اتفاق کیا۔ چار دن بعد تک کمیشن کی کارروائی شروع ہو گئی اور ۳۱ جولائی تک جاری رہی۔ دونوں کمیشنوں کی نشستوں سے غیر حاضر رہا سے وکلاء کے دلائل اور دوسری کارروائیوں کی روزانہ رپورٹ بھیجی جاتی تھی۔ اگست کے پہلے ہفتے میں ریڈ کلف نے کمیشن کے ممبروں سے علیحدہ علیحدہ گفتگو کی۔ اس وقت کمیشن کے ایک دوسرے مسلمان رکن سے اس کی توجہ ضلع فیروز پور کی مسلم اکثریت کی دو تحصیلوں کی طرف دلائی۔ ریڈ کلف نے جواباً کہا کہ اس معاملے پر زیادہ گفتگو کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ یہ دونوں تحصیلیں پاکستان کو دی جا رہی ہیں۔ ریڈ کلف نے اپنا ایوارڈ مکمل کرنے کے بعد ۸ یا ۹ اگست کو ماؤنٹ بیٹن کے حوالے کیا اس کی اشاعت یوم آزادی کے بعد ۱۷ اگست کو ہوئی۔

Marfat.com

پاکستان کی حد بندی میں بددیانتی

پاکستانیوں کو یہ معلوم کر کے بہت حیرت ہوئی کہ ۳ جون کے اعلان میں تو گورداسپور مسلم اکثریت کے اضلاع میں شمار کیا گیا تھا لیکن ریڈکلف نے اس کا تین چوتھائی ہندوستان کو بخش دیا اور حد بندی کی لائن اس جگہ لگائی جس کو وہ طیارے کی اڑان سے دیکھنا چاہتا تھا۔ اس طرح ہندوستان کے لئے کشمیر کا دروازہ کھل گیا۔ زیرہ اور فیروز پور کی تحصیلیں جن کو خود ریڈکلف نے پاکستان میں شامل کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ وہ بھی ہندوستان کے حصے میں آ گئیں۔ ستلج اور بیاس کا درمیانی زرخیز اور مسلم اکثریت کا علاقہ بھی ہندوستان کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ ملک کے مشرقی بازو کی حد بندی میں بھی مسلم کش جانب داری سے کام لیا گیا۔ اس بات کو تسلیم کرنے کے لئے بہت سے شواہد موجود ہیں کہ ریڈکلف کے قلم سے ایوارڈ میں فیروز پورہ اور زیرہ کی تحصیلوں کے متعلق ایسی تبدیلیاں کرائی گئیں جن سے پاکستان کو بہت سا نقصان اٹھانا پڑا۔ یہ تبدیلیاں کس کے کہنے پر کی گئیں اور کیوں کی گئیں اس کے متعلق پاکستان میں کوئی اختلاف رائے موجود نہیں اس طرح کی ریڈکلف حد بندی کسی اصول پر مبنی نہ تھی، اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ پاکستان کے رقبے کو امکانی حد تک کم کر دیا جائے نتیجہ یہ ہوا کہ پاکستانی علاقے کو سیراب کرنے والی نہروں کے ہیڈورکس ہندوستان کو مل گئے۔ اور ہندوستان کو یہ اختیار مل گیا کہ جب چاہے پاکستان کو پانی کی رسد بند کر دے۔ اس اختیار کو جلد ہی استعمال کیا گیا۔ اس سے ملک کے بہترین زرعی رقبوں میں آبپاشی کا بحران پیدا ہو گیا۔ جو کئی سالوں بعد دور ہوا۔ ہندوستان نے پاکستان کے حصے کا جنگی سامان اور روپیہ بھی روک لیا۔ پاکستان کو ملا ہوا بہت سا سرکاری ریکارڈ کراچی کے راستے میں تلف کر دیا گیا۔ اس طرح پاکستان کا آغاز نہایت نامساعد حالات میں ہوا لیکن پاکستانیوں کے عزم و ہمت اور قائداعظم کی رہنمائی نے ان مشکلات پر قابو پا لیا۔

انتقال اقتدار کی رسم باقی تھی اس کو ادا کرنے کے لئے ماؤنٹ بیٹن نے ۱۳ اگست ۱۹۴۷ء کو کراچی پہنچا اس موقع پر اس نے جو تقریر کی اس سے اس کی شخصیت کے کسی انسانی پہلو پر روشنی نہیں پڑتی کیونکہ اس تقریر کا رنگ واعظانہ تھا۔

قیام پاکستان اور قائداعظم کی رہنمائی

قیام پاکستان بلاشبہ قائداعظم کی بہترین رہنمائی کا نتیجہ ہے جس انداز میں انہوں نے انگریزوں اور ہندوؤں کا مقابلہ کیا خاص طور پر کابینہ مشن کے منصوبے کے بعد۔ وہ ہر اعتبار سے قابل تعریف ہے وہ ہمیشہ معقول اور عملی روّیہ اختیار کرتے تھے۔ وہ دونوں فریقوں میں مفاہمت کے لئے مصالحت پر آمادہ ہو جاتے تھے لیکن انہیں ڈرا دھمکا کر یا دباؤ کے تحت اپنی مرضی کے خلاف کوئی بات یا منصوبہ تسلیم کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے طلباء سے ایک ملاقات کے دوران انہوں نے کہا تھا کہ: ''فیصلہ کرنے سے پہلے ایک سو مرتبہ سوچو لیکن جب فیصلہ کر لو تو پھر اس ڈٹ جاؤ''۔

یہی سبق اور رہنما اصول انہوں نے مسلم لیگ کے سامنے رکھا اور اسے ملحوظ رکھنے سے انہیں پاکستان حاصل کرنے کے مقصد میں شاندار کامیابی ہوئی۔

Marfat.com

پاکستان اور بھارت کی تحریک آزادی کے سیاسی لیڈروں کے کردار کا بے لاگ جائزہ لیا جائے تو قائداعظم منصف مزاجی اور بے لوثی کے اعتبار سے سرفہرست نظر آتے ہیں۔ وہ نہرو، گاندھی اور دوسرے سرکردہ لیڈروں میں سب سے ممتاز حیثیت کے حامل ہیں۔ انہوں نے سیاست میں ناجائز ذرائع اور گھٹیا ہتھکنڈوں کو ہمیشہ نفرت کی نگاہ سے دیکھا انہوں نے اپنی ساری صلاحیتوں کو مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ خدمت کے لئے وقف کر رکھا تھا۔ سیاسی زندگی کے ابتدائی دور میں جب وہ ہندو مسلم اتحاد کے داعی تھے تو وہ اس خیال سے سرشار تھے کہ ہندوؤں سے تعاون کرنے سے مسلمانوں کا مفاد محفوظ ہوسکتا ہے لیکن بعد کے تجربات بالخصوص نہرو رپورٹ کی اشاعت اور گول میز کانفرنس میں ان پر ہندو ذہنیت پوری طرح عیاں ہوگئی اور انہیں معلوم ہوگیا کہ کانگریس کا مقصد ہندو راج ہے اور ان کے اس تاثر کو ۱۹۳۷ء کے عام انتخابات کے بعد کانگریس کے اڑھائی سالہ دور حکومت نے تقویت پہنچادی تو پھر وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ مسلمانوں کے لئے علیحدہ مملکت کا قیام ضروری ہے۔ اس کے بعد دن رات قیام پاکستان کے لئے کام کرنے لگے اور اپنے خلوص بے لوثی محنت اور تدبر سے اس مہم میں بھی انہیں عظیم الشان کامیابی حاصل ہوئی۔

زندگی کے کسی بھی دور میں قائداعظم اقتدار برائے اقتدار کے خواہاں نہیں ہوئے تھے۔ پاکستان کی جدجہد میں انہوں نے اس یقین کے ساتھ کام کیا کہ انگریزوں کے رخصت کے بعد ہندو اور مسلمان اکٹھے نہیں رہ سکیں گے۔ ستمبر ۱۹۴۴ء میں مذاکرات کی ناکامی کے بعد انہوں نے گاندھی سے جو خط وکتابت کی اس کے سرسری مطالعے سے قائداعظم کا خلوص ظاہر ہوتا ہے گاندھی کا خیال تھا کہ چند سراعات سے قائداعظم کو مطمئن کیا جاسکے گا لیکن قائداعظم نے اس کے جال میں پھنسنے سے صاف انکار کردیا۔ اور کابینہ مشن کے منصوبے کے سلسلے میں کانگریس نے جس ہیرا پھیری سے کام لیا اس سے بھی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قائداعظم نے اپنی خداداد بصیرت سے ۱۹۴۴ء میں گاندھی کیساتھ مذاکرات میں ہی بھانپ لیا تھا کہ ہندو مسلمانوں کے ساتھ انصاف کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اور ۱۹۴۲ء میں کانگریس کی ''ہندوستان چھوڑ دو'' تحریک کے جواب میں انہوں نے ''تقسیم کرو اور چلے جاؤ'' کا جو نعرہ لگایا تھا وہ کس قدر درست اور حق پر مبنی تھا۔

کانگریسی راہنماؤں کے مقابلے میں قائداعظم بدر جہا زیادہ راست باز اور باوقار مدبر تھے۔ انہوں نے کبھی مقبولیت حاصل کرنے کے لئے عوام کے جذبات سے نہیں کھیلا وہ اپنے ضمیر کی روشنی میں قدم اٹھاتے تھے۔ ان کا استدلال ایمان ویقین پر مبنی ہوتا تھا اس لئے کوئی شخص ان کی دلیل کو جھٹلا نہیں سکتا تھا۔ ان کے اقدامات بالکل واضح اور ہر قسم کے ہیر پھیر سے پاک ہوتے تھے وہ واحد مسلمان رہنما تھے جو صاف ذہن اور غیر معمولی بصیرت کے مالک ہونے کے باعث گاندھی اور نہرو کے عزائم کو بھانپ لیتے تھے۔ انہیں اوصاف کی بناء پر وہ سب سے بڑی اسلامی ریاست کے قیام کی جدوجہد میں کامیاب ہوئے۔ قائداعظم کو انسانی محنت پر پورا پورا اعتماد تھا۔ انہیں یقین تھا کہ مسلمان پوری لگن سے سرشار ہو کر پاکستان کو برقرار رکھ سکیں گے اور وہ اس سلسلے میں غیر ملکی امداد پر بھروسہ نہیں کرتے تھے۔

Marfat.com

پاکستان منزل بہ منزل

1901: اردو یا ہندی، احتجاجی جلسہ، اردو ڈیفنس ایسوسی ایشن، عمائدین کا ایک جلسہ، تعلیمی درس گاہ، قانونِ انتقالی اراضی، سیاسی جماعت کی اہمیت، مسلمانوں کی رائے عامہ، مسلم اکابرین کا اجلاس، کانگرس کا اجلاس۔

1902: تقسیم بنگال، خاموش نمائندگی۔

1903: سوشیو پولیٹیکل آرگنائزیشن، محمڈن پولیٹیکل ایسوسی ایشن، تقسیم بنگال پر اعتراضات، کانگرس میں مسلمانوں کی نمائندگی۔

1904: نئی تجاویز، محمڈن نیشنل یونین، مسلمان نمائندے، عالمی حالات کا جائزہ، کانگرس نوازی، مسلمان اور بدلتے ہوئے حالات، کانگرس کا اجلاس۔

1905: سیاسی بصیرت، تقسیم بنگال، بائیکاٹ، تقسیم بنگال پر عملدرآمد، خواب غفلت سے بیداری، سوگ کا دن، کانگرس ایجی ٹیشن، طالب علموں پر پابندی، جان مارلے کی تعیناتی، لارڈ کرزن کا استعفیٰ، تناسب اور مقام۔

1906: جذبہ قومیت کی نئی لہر، ہندو ذہنیت، ایک وضاحت، انڈین پارلیمینٹری کمیٹی، اصلاحات پر گفت وشنید، محمڈن نیشنل یونین سے مسلم لیگ تک، لارڈ منٹو کی بات چیت، مقامی لوگوں کی ممکنہ نمائندگی، ہندوؤں کا متعصب رویہ، آئینی اصلاحات، بجٹ تقریر، محسن الملک کی خط وکتابت، ایگزیکٹو کونسل، اصلاحات کے نفاذ کا اشارہ، کرنل سمتھ سے خط وکتابت، مشترکہ جدوجہد کی اپیل، مسودہ یادداشت، شملہ وفد کے مطالبات، کانگرس کی نکتہ چینی، مسلم آل انڈیا کنفیڈریسی، مسلم لیگ کے مقاصد۔

1907: انڈین مسلمان ایسوسی ایشن کا قیام، کونسل کا ہندوستانی نمائندہ، ایڈوائزری کونسل، ضمنی کمیٹی، تجاویز اور جوابات، ہندوستانی نمائندوں کی نمائندگی، آل انڈیا ایجی ٹیشن، متحدہ نصب العین۔

1908: مسلم لیگ کی پہلی صدارت، مسلمانوں کی تعداد، لندن کی شاخ، پریس ایکٹ، کمیٹی کی رپورٹ، گیتا اور قرآن، اصلاحات اسکیم، سیاسی جماعت، کانگرس کا اظہار تشکر۔

1909: مسلمانوں کی جداگانہ نمائندگی، ہندوستانی نمائندہ، مسلمانوں کی نشستیں، مسلمانوں کی جانبداری، کانگرسی نقطہ نظر، جداگانہ انتخابات، پریوی کونسل کے رکن، کانگرسی مسلمان، اصلاحات، کانگرس کی تنقید۔

1910: کونسل میں مسلمان، منشور میں تبدیلیاں، قومیت کا تصور، اینگلو انڈین پریس، ایک ضروری برائی۔

1911: یونیٹی کانفرنس، مشترکہ وفد، فیصلوں سے انحراف، مرکزی فاؤنڈیشن کمیٹی، مسلم یونیورسٹی کا دستور، جنگ طرابلس و بلقان، تنسیخ تقسیم بنگال، تاج پوشی کی رسم، سرسید کی تحریک، اپنی قوت بازو۔

Marfat.com

1912: تنسیخ تقسیم بنگال کے اثرات، سرگرمیاں اور منشور، ہندوؤں کی نا انصافیاں، زمیندار اخبار، وفاداری سے خوداختیاری تک، ترکی کے لئے طبی مشن، کانگرس سے علیحدگی کا مشورہ، مسلم لیگ کی صدارت، خاموش انقلاب۔

1913: ایک اہم تبدیلی، کانپور کی مسجد کا واقعہ، اسلامیہ کالج پشاور، اعلان جنگ، مسجدوں میں سیاست، برطانوی عوام کے لئے ایک وفد، ایکتا اور سیلف گورنمنٹ، غیر ملکی استبداد، منشور ومقصود، انجمن خدام کعبہ، کانگرس کا وفد۔

1914: رہنماؤں کا وفد، پہلی جنگ عظیم، سیاسی تاریخ کا ایک باب، کانگرس کی وفاداریاں۔

1915: مسلمان علاقہ، اہم اعلان، متفقہ اسکیم، اجلاس یا اشتراک کانفرنس۔

1916: ایک تاریخی اجلاس، بڑی طاقتوں کا معاہدہ، کانگرسی رویہ، آل انڈیا ہوم رول لیگ، جنگ کے بعد کی تجاویز، اصلاحات کمیٹیاں، میثاق لکھنؤ، ہندوؤں ومسلم اتحاد، ہندو مسلم اتحاد کا پیامبر۔

1917: نسیم کی تجویز، ہوم رول پر بحث، سیاستدانوں کا وفد، پالیسیاں اور ان کا تجربہ، انیس ممبروں کی دستاویز، تاریخ ساز اعلان، ہندو مسلم فسادات، مسلمانوں کی حیثیت اور اہمیت، مشترکہ ردِعمل، مانٹیگو کی ملاقاتیں، کرٹس اسکیم، ایک اہم مجموعہ مکتوبات۔

1918: ولسن کے چودہ نکات، ہندوستانیوں کی ملاقاتیں، وار کانفرنس، ایکٹ، ڈولکنڈن کی وضاحت، چیمسفورڈ رپورٹ، رپورٹ کا ردعمل، ایک بلوہ، معاہدہ متارکہ جنگ، برطانوی حکومت کے خلاف اظہار، کانگرس کمیٹی۔

1919: صلح کانفرنس، رولٹ ایکٹ پر ردعمل، اراکین پر ردعمل، پولیس کارروائی، ہڑتال اور جلسے جلوس، گرفتاریاں اور جلوس، احتجاجی جلوس اور پولیس فائرنگ، جلیانوالہ باغ کا سانحہ، مارشل لاء کا نفاذ، جمعیت اقوام کا چارٹر، مسلمانوں کا احتجاج، نفاذ کی اجازت، ہنٹر کمیٹی یا وائٹ، واشنگ کمیٹی، تحریک خلافت اور گائے کی حفاظت، جشن متارکہ جنگ، خلافت کانفرنس، خلافت کانفرنس کے فیصلے، قانون ہند۔

1920: وائسرائے ہند سے ملاقات، تحریک عدم تعاون کا پروگرام، خلافت وفد، علی گڑھ یونیورسٹی، خلافت وفد کے ارکان اور روانگی، قومی بنیادوں پر تقسیم، عدم تعاون کی تحریک، عام ہڑتال، تیسرے درجے کے نمائندے، خلافت عثمانیہ اور انگریزی پالیسی، خارجہ دنیا میں ہندوستان کی نمائندگی، عدم تعاون کی قراردادیں، ہوم رول لیگ میں تبدیلی، سوراجیہ سبھا، قائداعظم کا استعفیٰ، خلافت وفد کی واپسی، قرطاس ابیض، کانگرس کی ناگ پور اجلاس، مشترکہ اجلاس، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کالج۔

1921: تاریخ خطبہ اور گرفتاریاں، دھرتی ماتا کا تصور، موپلوں کی بغاوت، تحریک ہجرت، بائیکاٹ اور ہڑتالیں، سول نافرمانی، یونائیٹڈ اسٹیٹس آف انڈیا، گرفتاری۔

Marfat.com

1922: چوراچوری کا واقعہ، آل پارٹیز کانفرنس، عالمی عدالت، مصر میں برطانوی سیادت کا خاتمہ۔

1923: پشاور سے آگرہ تک، فرقہ وارانہ فسادات، فسادات کی آندھی، کانگرس سے بات چیت۔

1924: شدھی سنگھٹن، خلافت کا خاتمہ، مسلم لیگ کا اجلاس، ہندو انڈیا اور مسلم انڈیا، ریفارمز انکوائری کمیٹی، اقلیتوں کے حقوق، مہابھارت سوراجیہ پارٹی، کوہاٹ فسادات، ہر سطح پر نمائندگی۔

1925: لالہ ہردیال کی منطق، ہندو مسلم اتحاد، رائل کمیٹی، اجلاس۔

1926: صوبہ سرحد میں اصلاحات، اقلیتوں کے مسائل، علامہ اقبال کی پنجاب اسمبلی میں کامیابی، علامہ اقبال کی تجاویز۔

1927: شدھی بمقابلہ تبلیغ اسلام، تجاویز دہلی، بہتر تجاویز، اتحاد کے لئے ایک منطق، سائمن کمیشن، سائمن کمیشن پر ردعمل، سائمن کمیشن سے تعاون کا اعلان، مساوی بنیادیں۔

1928: مسلم کانفرنس کے مطالبات، آل پارٹیز کانفرنس، سیاہ جھنڈیوں سے استقبال، آل پارٹیز کانفرنس، نہرو رپورٹ کی سفارشات، مکمل آزادی کا مطالبہ، کانفرنس کی دعوت، کانگرس کی دھمکی، جدا راستے، تین ترامیم، قائداعظم کا خطاب۔

1929: آل پارٹیز مسلم کانفرنس، جناح کے چودہ نکات، برطانوی انتخابات، مشترکہ اجلاس بلانے کی تجویز، وائسرائے ہند کا اہم اعلان، مجلس احرار ہند کا قیام، باہمی اتحاد، آل انڈیا خلافت کانفرنس، سول نافرمانی تحریک کی دھمکی۔

1930: کانگرس کا یوم سیاہ، عملی تحریک، سائمن کمیشن رپورٹ، پہلی گول میز کانفرنس، اسلامی ریاستیں، اصلاحات کا منصوبہ، شمالی علاقوں کا اتحاد، خطبہ الہ آباد۔

1931: کانفرنس کی سفارشات، گاندھی ارون معاہدہ، دین الٰہی جیسا دین، فیڈرل اسٹرکچر سب کمیٹی کا اجلاس، دوسری گول میز کانفرنس، خاکسار تحریک، اتحاد ملت۔

1932: مسلم کانفرنس، پاکستان، کمیونل ایوارڈ، گاندھی کا مرن بھوت، پونا پیکٹ، پاکستان نیشنل موومنٹ، کل ہند بلوچ کانفرنس۔

1933: قرطاس ابیض، ایک درخواست، پاکستان اسکیم کے بارے میں استفسارات، مسلمان علیحدہ قوم، اتحاد کی ضرورت ہفت روزہ پاکستان۔

1934: گروپوں کا اتحاد، اتحاد کے بہتر نتائج، کانگرس پر نکتہ چینی، بلقانی حکومتوں کا معاہدہ، روزنامہ احسان۔

1935: صدارت کی تجویز، نیا آئین، قانون ہند پر ردعمل، تشکیل نو، پرعزم اپیل۔

Marfat.com

1936: حصول پاکستان پہلا مقصد، ایڈورڈ ہشتم، مستحکم اور متحد مسلمان، اہم فیصلے، پنجاب مسلم لیگ، مسلم لیگ کا انتخابی منشور، سینٹرل پارلیمنٹری بورڈ، رئیس الاحرار کا بیان، مسلم حکومت قائم کی جائے، جارج ششم، ہندو مسلم اتحاد، پنجابی اسکیم، انتخابات۔

1937: رام راج، کانگرس اور حکمران جماعتیں، صوبائی وزارتیں، باہمی بات چیت، کانگرسی وزارتیں، کانگرس اور مسلم لیگ، عوامی سطح پر تنظیم، یوپی کی وزارت، بنگال اور پنجاب کی وزارتیں، خواتین کی مسلم لیگ، پنجاب مسلم اسٹوڈینٹس فیڈریشن، مسلمان طالب علموں کی اپنی تنظیم، مکمل خود مختار حکومت، مسلمانوں کا واجب حصہ، قائد کی رہنمائی۔

1938: واردھا تعلیمی اسکیم، اردو ہندی تنازعہ، جائزہ کمیٹی، سندھ وزارت، سکیم آف ورک، اختلافات اور قائد اعظم، کانگرس کی دوہری چال، مشترکہ آزادی، مجلس کبیر پاکستان، فلسفہ متحدہ قومیت، دو وفاق، علیحدہ وطن، پیر پور رپورٹ اور شریف پور رپورٹ، کانگرس پر نکتہ چینی، علماء کا وفد۔

1939: جداگانہ تقسیم ناممکن ہے، کمیٹی کا قیام، وفاقی اسکیم، جبری بھرتی، بلوچستان میں مسلم لیگ، کنفیڈریسی آف انڈیا، سیاسی جماعتوں سے رابطہ، جنگ عظیم دوم کا آغاز، برطانوی وائسرائے کی کوششیں، مجوزہ وفاقی اسکیم، فیصلے کا خیر مقدم، کانگرس کی جانب سے مذمت، برطانوی پارلیمنٹ کی پیش کش، وزارت کا استعفیٰ، ناکام گفتگو، گورنر راج، یوم تشکر، یوم نجات منانے کی اپیل، پر امن جلسے جلوس، کشمیر مسلمان۔

1940: جناح نہرو خط وکتابت، ہندو مسلم دو قومیں، ایک حقیقت پسندانہ بیان، ہندوؤں کی جماعت، سکیم کی حتمی صورت، سکندر حیات کی نصیحت، جماعت خاکسار پر پابندی، ملک کی تقسیم کا مطالبہ، کرفیو اور دفعہ ۱۴۴، نئے باب کا افتتاح، مسلمانوں کی جداگانہ تشخص، قرارداد پاکستان، قرارداد لاہور، ہندو سماج اور اسلامی تہذیب، اسلام اور ہندو دھرم، مسلمانوں کی اکثریت، ایک الگ قوم، کانگرس ہندو جماعت ہے، دستوری سکیم، ویمن ورکرز لیگ، تقسیم ہند کی سکیم، ایک معاصر کا تبصرہ، قرطاس ابیض، قائد اعظم، قرارداد پاکستان کی تائید میں اجلاس، مسلمانان بلوچستان، آزاد مسلم کانفرنس دو قومی نظریہ اور گاندھی جی مخالفت، ورکنگ کمیٹی، مشترکہ کانفرنس، عبوری آئین اور مسلم لیگ، کانگرس اور مسلم لیگ، عالمی سیاست، دو قومی نظریہ، ایک جائز مطالبہ، ریاستوں کا الحاق، شاندار جلوس، پاکستان سکیم، اگست پیش کش، مسائل کی افہام و تفہیم، سمجھوتے کی پیش کش، نیا دستور، مسائل دلچسپی، اہم اعلان، ایک اہم اجلاس، لطیف سکیم، سول نافرمانی کا فیصلہ، پاکستان اور مسلمانوں کی تحریک، یوم دعا، مدراس لیگ کا اجلاس، انڈین فنانس بل، مسلمانوں کی فوج، پاکستان منزل مقصود، مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن دہلی، پاکستان سکیم اور کانگرس، مطالبہ پاکستان، کراچی مسلم لیگ کا اجلاس، رہنما اور اس کی رہنمائی، ایک کمیٹی۔

Marfat.com

1941: اختلافات ختم کرنے کی تجویز، پاکستان سکیم کی وضاحت، پاکستان کی مخالفت، پاکستان بن چکا ہے، قیام پاکستان، جنرل بجٹ اور تعلیم، حکومت کی مشکلات، صرف پاکستان، انڈیا فنانس بل، پنجاب سٹوڈنٹس فیڈریشن کا اجلاس، جدا راستے جدا منزلیں، یوم پاکستان، کانپور کانفرنس، پاکستان کانفرنس، مسلم لیگ کے اغراض و مقاصد، ہندوستان کی اسلامی ریاست، جناح سپرو خط وکتابت کی اشاعت، مسلمانان بلوچستان اور پاکستان، ایگزیکٹو کونسل اور مشاورتی کونسل نیشنل ڈیفنس کونسل کی پیش کش، مسلم لیگ کی قانونی چارہ جوئی، ایگزیکٹو کونسل کے ممبران، پاکستان کی جدوجہد، ورکنگ کمیٹی کا فیصلہ، دوقومی نظریہ کی مخالفت، مزید کارروائی سیاسی مذاکرات، بنگال مسلم اسٹوڈنٹس کانفرنس، نئے اقدامات، ہفت روزہ ڈان کا اجراء، کانگرس اور ہندو سبھا، پاکستان کونسل لکھنؤ۔

1942: دیگر عصری مسائل، سراج گنج کا اجلاس، مطالبہ پاکستان زبان غیر سے، مشن بھجوانے کا اعلان، پاکستان ڈے، کرپس ڈے، کرپس تجاویز کے لئے اجلاس، کرپس مشن کی تجاویز، تقسیم ملک اور پاکستان، پاکستان کی بو، مسلم لیگ کا اجلاس، جداگانہ مملکت کے قیام کا مطالبہ، مسلم لیگ کی کمیٹی کا قیام، ممتاز علماء کی تائید وحمایت، ایک کمتر برائی سی۔آر فامولا، مسلمانوں کی تابندہ تہذیب، ہندو مسلم اتحاد، کانگرس کی سیاست، قیادت پر اطمینان اور اعتماد، ملک تقسیم کرو اور چھوڑ جاؤ، گاندھی جی اور سول نافرمانی تحریک، راج گوپال اچاریہ فارمولا، تحریک اور گرفتاریاں، حق خود ارادیت اور اقوام عالم سے درخواست، مسلمانوں کا مزاج، سیاسی تجاویز، ہم آزادی چاہتے ہیں، علم اور عمل، سیاسی بیداری، پاکستان کا مطالبہ، وزیر اعلیٰ پنجاب اور مسلم لیگ۔

1943: مسلمانوں کی منزل پاکستان، سندھ اسمبلی کی قابل قدر مثال، عظیم الشان اجلاس، نصب العین کا راستہ، مستقبل کا جائزہ، معمار پاکستان خوش آمدید، جمعیت العلماء بلوچستان، مسلم لیگ کا نظام، مسلم لیگ کے کارکن، یوم تشکر، یوم تشکر، یوم سیاہ، رکاوٹیں اور ان کا حل، دست راست، مسلمان ایک قوم ہیں، نواب بہادر یار جنگ کی قربانی، ایکشن کمیٹی، قرارداد برائے انتخابات۔

1944: بلوچستان کے لئے آئینی اصلاحات، قبائل کی حیثیت اور روایات، ہمارا مطالبہ اسلام کا مطالبہ، ننانوے فیصد مسلمانوں کی حمایت، مسلمانوں کا متفقہ فیصلہ، راج گوپال اچاریہ فارمولا، ایک موہوم فارمولا، گاندھی جی کا حکومت سے تعاون، جناح سکندر معاہدہ، ہندو مسلم اتحاد، خامیاں اور خوبیاں، راج گوپال اچاریہ فارمولا کی اشاعت، لاہور کانفرنس، نئے دستور کی ضرورت، سول ڈیفنس کمیٹی، گاندھی جی کی تجاویز، ملاقاتیں اور گفت وشنید، جناح گاندھی مذاکرات، ڈیسائی لیاقت معاہدہ، مسلمانوں کی سیاسی بیداری۔

1945: مسودہ تجاویز، معاہدے کی تجاویز، پاکستان اسکیم تمام مسائل کا حل، غلط فہمیوں کا ازالہ، وفاقی عبوری حکومت کا ڈھانچہ، ڈیسائی لیاقت معاہدہ، ایگزیکٹو کونسل کی کوششیں، لیاقت علی کی وضاحت، مسلم قوم کی روح اور بقاء، ہندوستان کی صورتحال، لارڈ ویول کی واپسی، کمیٹی کی تشکیل نو اور تجاویز، سیاسی رہنماؤں کی کانفرنس، سیاسی ملاقاتیں، شملہ کانفرنس، ایگزیکٹو

Marfat.com

کونسل کی نشستیں، اصول فسادات، صرف مسلم لیگ، مطالبات کی وضاحت، بنیادی اصول کی حفاظت، ویول پلان کا تجزیہ، ایک تبصرہ، مسلمانوں کا منصفانہ مطالبہ، مجالس قانون ساز کے انتخابات، لارڈ ویول کی کوششیں، ڈیسائی لیاقت معاہدہ، وضاحتی بیان، معاہدہ یا تجاویز، مسلم لیگ کے قواعد وضوابط، لارڈ ویول کا صلح مشورہ، انتخابات اور مجلس دستور ساز، پاکستان کی بنیاد، صوبہ سرحد کا دورہ، ایک واضح مطالبہ، تعلیم کا اجالا، مسلم لیگ ایک طاقت، اتحاد کی ضرورت، پاکستان کا پرچم، مسلم لیگ کی شاندار کامیابی، صوبہ سرحد کے مسلمان، میمن چیمبر آف کامرس کا عطیہ، آل انڈیا مسلم کانفرنس۔

1946: پارلیمانی وفد، یوم فتح، مطالبہ پاکستان اور اسلامی اصول، لارڈ پیتھک کا اعلان، کابینہ مشن کے ارکان، مرکزی قانون ساز، صوبائی انتخابات اور مسلم لیگ کی کامیابی، پیغام مبارک باد، پنجاب سول نافرمانی کی تحریک، حالات حاضرہ پر اجلاس، کابینہ مشن کے لئے ضابطہ کار، مسئلے کا حل صرف پاکستان، کابینہ کنونشن کی خواہشات، کانگریس اور مسلم لیگ، مسلم لیگ ایک عظیم جماعت، متحد جماعت، جداگانہ آزادی، یونینسٹ پارٹی، لجسلیٹر کنونشن، شاندار کنونشن، خودمختار پاکستان یا وفاق ہند، دوخودمختار حکومتیں، سہ منزلہ وفاق، کابینہ وفد کی سکیم، کابینہ مشن میں شرکت، مشن کا استقبال، شملہ کانفرنس، ایک مناسب منصوبہ، تائیدی اجلاس، کانفرنس کا ناکام خاتمہ، ریاستوں کا وفاق اور اختیارات، تین گروپ، ہندوؤں کی خوشنودی اور مطالبہ پاکستان، گروپنگ، آئین کا طریق کار، مسلمانوں کی مقبولیت، سیاسی صورتحال کا جائزہ، کابینہ مشن کی وضاحت، مشروط طور پر قبولیت، مجوزہ عبوری حکومت، نگران حکومت، عبوری حکومت، آل انڈیا مسلم لیگ اور قائداعظم، عبوری حکومت اور کانگرس، چند وضاحتیں، کانگرس کا فیصلہ، عارضی نگران حکومت، اتحاد ایمان اور تنظیم، کابینہ مشن کی ناکامی، کابینہ مشن کی واپسی، سینٹرل پارلیمانی بورڈ کا اجلاس، مسلمان اور قرآن، عبوری حکومت کی تجویز، مجلس آئین ساز کے انتخابات، کانگرس کا رویہ، منصفانہ حقوق کا دعویٰ، یوم راست اقدام، ناکام مشن، مخلوط حکومت، وائسرائے کی کانگرس نوازی، سعی لا حاصل، یوم عمل، بنگال اور سندھ میں راست اقدام، ہندو مسلم فسادات، عبوری حکومت کے قیام کا اعلان، شرمناک حملہ، کانگرس کی آرزو، حصول پاکستان کے لئے قربانیاں، فرقہ وارانہ فسادات، حلف وفاداری، یوم سیاہ، فسادات کی آگ، پیش کش اور اس کا انجام، ہمدردانہ سیاسی تصفیہ، عبوری حکومت کا مقصد، ایک اہم ملاقات، نواب آف بھوپال سے قائداعظم کی ملاقات، نونکات، اہم ہنگامی اجلاس، ایک ملاقات ایک فیصلہ، وزرا کی نامزدگی، مسلمانوں کا قتل عام، لیاقت علی خان کی ایک وضاحت، وزیر اور وزارتیں، پاکستان اسکیم، جنگ پاکستان کے لئے قربانیاں، پاکستان اسکیم ایک حل، ایک بیان ایک جائزہ، مسلم لیگ کے مطالبات، برطانوی حکومت کی دعوت، گول میز کانفرنس، مجلس آئین ساز کا اجلاس اور مسلم لیگ کا بائیکاٹ، خودمختار اسمبلی، گروپ بندی، مسلم لیگ کا مطالبہ پاکستان، آزادی کی جدوجہد میں عالمی تعاون، علماء اور مشائخ کی تائید وحمایت۔

1947: آئین سازی، تحریک سول نافرمانی، تحریک اور معاملے کی نزاکت، نیشنل گارڈ، پنجاب کی نازک صورتحال، یا یہ یاوہ، صورتحال کا جائزہ، حکومت برطانیہ کا حتمی اعلان، صوبہ سرحد میں سول نافرمانی کا آغاز، سول نافرمانی اور گرفتاریاں، دس کروڑ

Marfat.com

مسلمان، بجٹ تقریر، آسام میں تحریک سول نافرمانی، مخلوط حکومت کا خاتمہ، گورنر راج، ماسٹر تارا سنگھ کی تقریر اور فسادات کی آگ، نئے وائسرائے کا تقرر، فسادات میں عارضی التوا کی تجویز، نئی کابینہ، سرحد کے مسلمان، مطالبہ پاکستان، چند تجاویز، فسادات کے خاتمے کے لئے مشترکہ اپیل، پاکستان کانفرنس، تقسیم ملک کا منصوبہ، انتخابات کا منصوبہ، قومی مسائل پر تبادلہ خیال، ایک کوریڈور کی تجویز، تجویز کی مخالفت، لیڈرز کانفرنس، برطانوی منصوبہ، منصوبے کی منظوری، لیگ کا اجلاس، پاکستان زندہ باد، تحریک سول نافرمانی کا خاتمہ، بلوچستان کا شاہی جرگہ، اسمبلیوں کی تقسیم، پاکستان فنڈ کا قیام، مسلم لیگ کا اجلاس، تقسیم ملک کا اعلان، ریاستوں کی آزادی کا قانون، کراچی ۔ دارالحکومت، ریفرنڈم، حد بندی کمیشن، قانون آزادی ہند، سرحد اور بلوچستان کی پاکستان میں شمولیت، ریڈکلف اور حد بندی کمیشن، پہلے گورنر جنرل، پاکستان اور عالمی امن، ایک ٹرین دہلی سے کراچی کے لئے، مسودہ آزادی ہند، مسودہ آزادی ہند پر بحث ومباحث، مسلم کانفرنس کا کنونشن، عبوری حکومتوں کا قیام، بنگال کی پاکستان میں شمولیت، اعلان عافیت و آزادی، سندھ کی پاکستان میں شمولیت، پاکستان کی قانون ساز اسمبلی کا اعلان، صوبائی اسمبلیوں کے لئے نمائندے، ریاستوں کے لئے معاہدہ اور سمجھوتہ، چناؤ کے اختیارات، باؤنڈری کمیشن کی رپورٹ، سکھوں کی سازش کا انکشاف، انتقال اقتدار کے عمور، قائداعظم بطور چیئرمین، عظیم مملکت پاکستان، قائداعظم محمد علی جناح، انتقال اقتدار کی رسم، پاکستان کا پرچم، پاکستانی ہائی کمشنر، قائداعظم کا حلف وفاداری، حلف وفاداری، آخری وائسرائے کا خطاب، ریاست جموں وکشمیر۔

پاکستان کا مقصد قیام

قیام پاکستان سے چند روز بیشتر اواخر جولائی ۱۹۴۷ء کی بات ہے۔ جب قائد قیام پاکستان کے امور سلجھا رہے تھے۔اس وقت علامہ شبیر احمد عثمانی اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ قائد سے ملاقات کیلئے انکی رہائش گاہ ۱۰اورنگزیب روڈ دہلی میں تشریف لائے۔ان کی قائد کے ساتھ گفتگو کچھ اس طرح سے ہوئی۔

علامہ عثمانی: آپ کو قیام پاکستان مبارک ہو۔

قائداعظم: مبارکباد کے مستحق تو آپ لوگ ہیں جنہوں نے تحریک پاکستان کو کامیاب کرنے میں بھرپور جدوجہد کی۔

علامہ عثمانی: اب جبکہ اللہ کے فضل وکرم سے پاکستان بن رہا ہے آپ یہ فرمائیں کہ پاکستان میں آئین کونسا ہوگا؟

قائداعظم: پاکستان میں قرآنی آئین ہوگا۔جس میں قرآن پاک مع ترجمہ پڑھا ہے اور میں پختہ یقین رکھتا ہوں کہ قرآنی آئین سے بڑھ کر کوئی آئین نہیں ہوسکتا۔میں نے مسلمانوں کو سپاہی بن کر پاکستان کی جنگ جیتی ہے۔میں قرآنی آئین کا ماہر نہیں ہوں، آپ اور آپ جیسے علماء ہیں۔میرا مشورہ تو یہ ہے کہ آپ دوسرے علماء کے ساتھ، سر جوڑ کر بیٹھیں اور اپنے نئے ملک پاکستان کے لئے قرآنی آئین کا مسودہ تیار کریں۔

قیام پاکستان کا اعلان اور شب قدر

تاج برطانیہ کے آئینہ نوٹیفکیشن کے مطابق ۱۵ اگست کی تاریخ آزادی ہند کیلئے مقرر کی گئی۔جسکے مطابق ۱۵ اگست

Marfat.com

۱۹۴۷ء کو انڈیا کی دو حصوں میں تقسیم عمل میں آئے گی۔ انڈیا اور پاکستان کے نام سے دو ریاستیں وجود میں آئیں گی۔ اس کے تحت آئینی و قانونی تقاضوں کی بجا آوری کیلئے ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو رسم تقریب آزادی برائے انتقال اقتدار، سندھ اسمبلی ہال میں منعقد ہوئی۔ جہاں ایک خصوصی اجلاس کا انعقاد ہوا۔ جیسا کہ بیان ہوا کہ ۱۵ اگست کی تاریخ پاکستان کے یوم آزادی کیلئے مقرر کی گئی۔ ۱۴ اور ۱۵ اگست کی درمیانی شب، رات بارہ (۱۲) بجے ہمیں آزادی نصیب ہوئی۔ اسلامی کیلنڈر کی رو سے یہ ۲۷ رمضان مبارک ۱۳۶۶ھ کی درمیانی شب تھی جو کہ شب قدر اور شب جمعۃ الوداع بھی تھی۔ دو انتہائی مبارک ساعتوں میں قیام پاکستان کا اعلان، ٹھیک نصف شب کو ہوا (متذکرہ لیلۃ القدر کے حوالہ سے رات ۱۲ بجے ریڈیو پشاور نے ایک عظیم الشان مسلم مملکت، پاکستان کا قیام عمل میں آنے کا اعلان کیا۔ اسکے بعد قاری علی تجمل نے سورۃ القدر کی تلاوت و ترجمہ پیش کیا)۔

آزادی وطن کے لئے اس متبرک اور عظیم گھڑی کا انتخاب مسلمانوں سے پوچھ کر نہ کیا گیا۔ اور نہ انگریز نے اسے ہمارے لئے چنا۔ آزادی وطن کا یہ کام دن کے وقت بھی ہو سکتا تھا۔ مگر حکمت باری تعالیٰ سے وسط شب میں ہونا قرار پایا۔ قیام پاکستان کا اعلان ایسی بابرکت رات، لمحات، ساعت اور ایسے دن میں ہوا کہ اس سے بہتر رات، وقت، ساعت یا دن کا تصور بھی محال ہے۔

ان مبارک لمحات میں، نظریہ کفر و ایمان کی بناء پر عالمی نقشہ پر خطوط ابھرنا کوئی پیدائشی حادثہ نہیں بلکہ انہیں خون جگر سے سینچا، اور اسی نے پروان چڑھایا۔ ابھی عید الفطر میں چند روز باقی تھے۔ مگر اس برس رمضان المبارک مسلمانان برصغیر کے لئے اس عید سے قبل ایک بڑی عید کی نوید لے کر آیا۔ جسے حضرت اقبال نے عیدِ آزاداں، سے تعبیر کیا ہے۔ رات ٹھیک ۱۲ بجے سائرن آزادی بجا۔ غلامی کی بیڑیاں ٹوٹ گئیں۔ ان آزادی کے تاریخی لمحات میں مسلمان بارگاہ خداوندی میں نمدار نظروں سے سجدہ ریز ہو گئے۔ ہر مسلمان پر اس آزادی کی نعمت عظمیٰ کے حصول پر شادمانی وجد اور سرشاری کی کیفیت طاری تھی۔ مسلمانانِ ہند کے جوش وخروش کا یہ عالم تھا کہ شب آزادی کا اعلان قیام پاکستان کے ہوتے ہی، انہوں نے ایک دوسرے کو سینے سے لگایا۔ مبارک بادیں دیں، تکبیر اور پاکستان زندہ باد کے واشگاف نعروں سے ہند کی فضا گونجتی رہی۔ اس شب مٹھائیاں بانٹی گئیں اور خوشیاں منائی گئیں۔ حقیقت میں یہ رات مسلمانان برصغیر کے لئے ہزار مہینوں سے بہتر تھی۔ رمضان المبارک کے اس تیسرے عشرے میں ہمیں غلامی کے جہنم سے آزادی مل گئی۔ اس رات مسلمانوں کو ایک ایسا محفوظ ٹھکانہ میسر آ گیا تھا جس کے ذریعہ وہ اپنی منزل مراد پا سکتے تھے۔

میری جبین شوق سے رحمت لپٹ گئی ۔۔۔ کیا رات تھی کہ ایک ہی سجدہ میں کٹ گئی

شب قدر کی نسبت قرآن اور پاکستان

شب قدر کی قدر و منزلت قرآن پاک کی روشنی میں: شھر رمضان الذی انزل فیه القرآن

ترجمہ: "رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن پاک، نازل کیا گیا۔ (البقرہ ۱۸۵)

Marfat.com

اس شب میں سورۃ القدر کے بیان کے مطابق نزول قرآن کا آغاز ہوا اس شب کی اہمیت اور عظمت میں سورۃ القدر نازل ہوئی۔ اس شب کی قدر و منزلت کا حقیقی سبب قرآن پاک کا اس رات میں نزول قرار دیا گیا۔ اس شب کو رب العالمین نے قدر و قیمت کے اعتبار سے ہزار مہینوں سے افضل قرار دیا۔ امن اور سلامتی اس رات کا خاصہ ہیں۔ سورۃ الدخان میں اس قدر والی رات کو مبارک شب کی صفت سے بھی متصف کیا گیا ہے۔ اور اس میں نزول قرآن کے حوالے سے بتایا گیا ہے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِیْنَ

ترجمہ: ''ہم نے اسے بہت برکت والی رات میں نازل کیا، ہم تو رستہ دکھانے والے ہیں'' (سورۃ الدخان آیت ۳)

(ابن کثیر میں ابن عباسؓ کا فرمان کے مطابق ''پورا قرآن پاک آسمان اول سے شب قدر میں بیت العزت پر اترا۔ پھر ۲۳ برس رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا۔

یعنی قرآن فرشتوں کے سپرد کر دیا گیا اور پھر واقعات کے مطابق ۲۳ برس تک رسول اللہ پر نازل ہوتا رہا۔

سورۃ الدخان کی اگلی آیت میں اس مبارک شب کی ایک اور بڑی صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ:

فِیْهَا یُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِیْمٍ

ترجمہ ''یہ وہ رات ہے جس میں وہ (اللہ) بہت بڑے بڑے حکمت کے فیصلے کر دیتا ہے'' (سورۃ الدخان آیت ۴)

عظیم منصوبہ ساز اور خالق کائنات، اللہ تعالیٰ اس رات میں اپنی اعلیٰ منصوبہ بندی اور حکمت عملی کے تحت عالمی تقدیر کے نہایت اہم فیصلے فرماتے ہیں (سورۃ القدر آیت ۴) ان احکام کی تنفیذ حضرت جبرائیل اور دیگر ملائکہ کے ذریعہ عمل میں آتی ہے۔ اس رات میں قیام پاکستان کا فیصلہ عظیم خدائی تدبیر کا اظہار ہے۔

شب جمعہ اور جمعۃ الوداع

جمعہ اور شب جمعہ کی قدر و فضیلت بھی دین محمدی ﷺ میں مسلم ہے۔ شب جمعہ کے بعد طلوع ہونے والے دن کو سید الایام کہا گیا ہے۔ جمعۃ الواع کی رات تکمیل قرآن کی رات ہے اور اسے ایک خاص مقام حاصل ہے۔ شب قدر اور شب جمعۃ الوداع، یعنی نزول و تکمیل قرآن کی راتیں، یکجا ہو کر پاکستان کی شب آزادی میں یعنی ایک ہی رات میں آ گئیں۔ اور یہ وہ شب تھی کہ جب ہمارے مقدر کا اعلان ہوا۔

لائے ہیں طوفاں سے ہم کشتی نکال کے

آزادی قربانی اور خون کا قصاص طلب کرتی ہے۔ ہم نے اس کیلئے تاریخی انسانی کی سب سے بڑی قیمت چکائی۔ یہ ملک تاریخ کی عظیم قربانیوں کا ثمر تھا۔ اس ریاست کی تخلیق میں مسلمانانِ ہند نے نبی ﷺ کی سنت کی پیروی میں ہجرت نبوی ﷺ کا اعادہ کیا۔ اور اس طرح تاریخ کی ایک عظیم ہجرت عمل میں آئی۔

اقبال: ؎ ہے ترکِ وطن سنتِ محبوبِ الٰہی — دے تو بھی نبوت کی صداقت پہ گواہی

Marfat.com

تقسیم ہند کے اعلان کے ساتھ ہی فرقہ وارانہ کشیدگی بڑھتی چلی گئی۔اس مرحلہ پر برائی کی قوتوں کو بے لگام چھوڑ دیا گیا۔کشت وخوں کا وہ بازار گرم ہوا کہ الامان والحفیظ۔مشرقی پنجاب کی سرزمین میں مسلمانوں کے خوں سے سرخ ہوگئی۔یہ تقسیم کی قیمت تھی جو ادا کرنا پڑ رہی تھی۔لاہور کے ریفیو جی کیمپ میں زندہ لاشوں کے ڈھیر لگ گئے۔ان خونی مناظر کے دیکھنے پر مسلمانوں کے دلوں پر دراڑیں پڑ گئیں۔بھارت کے سیکولرازم کا اس کی پیدائش پر ہی بھانڈ پھوٹ گیا۔ہندو مسلم یکجہتی کا پرچارک،مسلمان بھی یہ منظر دیکھ کر اس لمحے ایک پکا اور سچا مسلمان ہو گیا اور اپنے دین وملت پر فخر کرنے لگا۔سب کو معلوم ہو گیا کہ پاکستان ہی ہماری واحد پناہ گاہ ہے۔

اس وقت کے بی بی سی کے برصغیر میں نمائندہ صحافی،جن کا انٹرویو تقسیم ہند پر بننے والی مشہور ڈاکومینٹری (End of Empire) میں نشر کیا گیا۔اس کی رپورٹ کے مطابق مغربی پاکستان سے ملحقہ خطوں سے آنے والے مہاجرین زبردست خوں ریزی کا شکار ہوئے۔دس لاکھ سے زائد نفوس ان خونی فسادات کی نذر ہوئے۔

لاہور پہنچنے والی ٹرینوں میں مسلمانوں کے مردہ اجسام اور بے دردی سے کٹے خواتین کے برہنہ اجزاء بکھرے پڑے تھے۔ایک قیامت تھی جو گزر رہی تھی۔یہ کفار کے،اس نومولود ریاست کی خیرسگالی کے تحائف تھے۔مہاجرین کے قافلوں میں بچوں،بوڑھوں اور جوانوں کو تو سکھ اور ہندو بے دردی سے قتل کر ڈالتے۔مگر جوان مسلم خواتین کو اٹھا کر ساتھ لے جاتے رہے۔ ماؤں بہنوں کی عصمتیں ان کے والدین،بھائیوں اور دیگر لواحقین کے سامنے تار تار کی گئیں۔مشرقی پنجاب کے شہروں میں پردہ نشین مسلم خواتین کے برہنہ جلوس نکالے گئے۔ایک لاکھ کے قریب مسلم خواتین کو اغوا کیا گیا۔ان میں سے پچاس ہزار (ریکارڈڈ) آج تک ہندوؤں اور سکھوں کے گھروں میں ہیں۔

بھارتی نیتاؤں نے انتہا پسند مسلم کش تنظیموں کو کھلی چھٹی دے رکھی تھی جن مین RSS،جن سنگھ،ہنومان سینا (فوج) اور دیگر خالصہ گروپ بے حد متحرک تھے۔انہوں نے ناحق خونِ مسلم سے ہولی کھیلتے ہوئے انہیں محض مسلمان ہونے یعنی اللہ پر ایمان کی پاداش میں ظلم وجبر کا نشانہ بنایا گیا۔دیہاتوں کو ہی نہیں،شہری علاقوں کو بھی بدترین مظالم کا نشانہ بنایا گیا۔پہاڑ گنج، قردل باغ،باڑہ ہندوراؤ،سبزی منڈی اور دلی کے بیشمار حصوں میں ''کالی ماتا'' کو مسلمانوں کے خون کی بھینٹ دی گئی۔ مسلمانوں کو ان کے گھروں میں محصور کر کے آگ لگانے کے سانحات بھی پیش آئے۔

لائے ہیں طوفاں سے ہم کشتی نکال کے ۔۔۔ رکھنا، میرے بچو، تم اسے سنبھال کے

دوسری طرف مسلم زعماؤں نے اس سنگین صورتحال میں بھی اسلام کی تعلیمات کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔اقلیتوں کی حفاظت کیلئے ہر ممکن اقدام کیا۔۳۰ اکتوبر کو یونیورسٹی اسٹیڈیم لاہور میں خطاب کرتے ہوئے قائد نے فرمایا:''اسلام ہر مسلمان کا فریضہ قرار دیتا ہے کہ وہ اپنے ہمسایوں اور اقلیتوں کو پوری پوری حفاظت کرے،خواہ ان کا عقیدہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ہندوستان میں مسلمانوں کے خلاف جو کچھ ہو رہا ہے اسکے باوجود ہمیں یہاں اقلیتوں کا پورا پورا تحفظ کرنا چاہیئے۔ان کے دل میں اس حفاظت کی طرف سے،کامل اعتماد کرنا چاہیئے،ہمارا یہی رویہ ہمارے لئے باعث عزت اور وجہ افتخار ہونا چاہیئے''۔

Marfat.com

عظیم نصب العین اور ملت ہند

اقبال اور قائد نے جب مسلمانان ہند کو خواب غفلت میں جھنجھوڑا، انہیں ملت ہند کے سر پر منڈلاتے سنگین خطرات سے متنبہ کیا۔ تو اس صورتحال میں ان کی آواز صورِ اسرافیل کی تاثیر لئے ہوئے ابھری۔ سوئی ہوئی قوم نے کروٹ لی اور ایک بیداری کی لہر پورے ہند کو مسلمانوں میں سرائیت کرگئی۔ ملت ہند تم عصبیتیں ترک کر کے نظریہ اسلام پر متحد و یکجان ہوگئی۔ اور ایک عظیم نصب العین، نظریہ اور فکر کا پرچم تھام کروہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ یہ وہ فکر تھی جسے چودہ سو برس قبل ان کے پیغمبر ﷺ لیکر آئے تھے۔ اس موقع پر پیدا ہونے والے قوم میں اتحاد کی تاریخ سلام میں نظیر نہیں ملتی۔ یہ مسلم قیادت کا بہت بڑا کرشمہ تھا کہ جنہوں نے مسلم ملت کی خوابیدہ امنگوں کو زباں بخشی اور ان میں ایک ایسا ولولہ اور جوش پیدا ہوا کہ جس نے نا قابل یقین میں بدل ڈالا۔ کل تک جس سرزمین پر یونین جیک لہراتا تھا انگریز بہادر کا سکہ رواں دواں تھا۔ اور آخر کار ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو (شب قدر) قیام پاکستان کا اعلان ہوگیا تھا۔ اب وہی سرزمین چاند تارے والے سبز ہلالی پرچم کو ہلراتا ہوا دیکھ رہی تھی۔

برسوں کے بعد پھر اڑے پرچم ہلال کے

آئینی اصلاحات

یکم نومبر ۱۸۵۸ء کو ملکہ برطانیہ نے ہندوستان کا انتظام ایسٹ انڈیا کمپنی سے لے کر اپنے ذمے لے لیا۔ اس تبدیلی کے تقریباً تین سال بعد ۱۸۶۱ء میں حکومت نے برطانیہ نے قانون کا قابل ذکر ڈھانچہ نافذ کیا۔ اسے "انڈین ایکٹ کونسلر ایکٹ ۱۸۶۱ء کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے"۔

ہندوستان کی دستوری تاریخ میں دوسرا اہم قانون ۱۸۹۲ء میں نافذ ہوا۔ یہ انڈین کونسلر ایکٹ ۱۸۹۲ء تھا۔ اس کے بعد وائسرائے لارڈ منٹو اور سیکریٹری آف سٹیٹ برائے ہندوستان جان مارلے نے ایک نیا دستور خاکہ تیار کیا۔ یہ دستوری خاکہ لارڈ مارلے نے مسودہ قانون کی صورت میں پارلیمنٹ میں پیش کیا۔ منظوری کے بعد ۱۹۰۹ء میں ہندوستان میں نافذ ہوا۔ اسے مارلے اصلاحات کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔

مسٹر مانٹیگو ایک وفد کے ہمراہ نومبر ۱۹۱۷ء میں ہندوستان آئے اور یہاں رہ کر انہوں نے ایک رپورٹ تیار کی۔ اس رپورٹ کا نام مانٹیگو چیمسفورڈ رپورٹ تھا۔ چیمسفورڈ اس وقت ہندوستان کا وائسرائے تھا۔ جس نے اس رپورٹ کی تیاری میں مدد دی۔ اس رپورٹ کی بنیاد پر ایک دستور کا ایک مسودہ برطانوی پارلیمنٹ میں پیش کیا گیا جو منظوری کے بعد ۱۹۱۹ء میں گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۱۹ء کے نام سے ہندوستان میں نافذ ہوا۔ ۵ فروری ۱۹۳۵ء کو سیکریٹری آف سٹیٹ برائے ہندوستان نے ہاؤس آف کامنز میں حکومت کے ہند قانون کا مسودہ پیش کیا۔ ہاؤس آف کامنز سے منظوری کے بعد یہ مسودہ ہاؤس آف لارڈ میں منظور ہوا۔ ۲ اگست ۱۹۳۵ء کو اس قانون پر شاہی دستخط ثبت ہوئے۔ یہ قانون حکومت ہند کا قانون مجریہ ۱۹۳۵ء کے نام سے مشہور رہا۔ بہر حال انگریزوں کے دور حکومت میں دستوری ارتقاء مذکورہ قوانین کی شکل میں ہونا ہے۔

Marfat.com

۱۸۶۱ء سے ۱۸۹۲ء تک آئینی ارتقاء

سرسید احمد کے نزدیک ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی سب سے اہم وجہ یہ تھی کہ قانون بناتے وقت ہندوستانیوں کی خواہشات کا خیال نہیں رکھا جاتا تھا۔ قانون سازی کا کام گورنر جنرل کی انتظامی کونسل سرانجام دیا کرتی تھی۔ سرسید نے اپنی کتاب رسالہ اسباب بغاوت ہند میں قانون سازی کے کاموں میں ہندوستانیوں کی شکست پر زور دیا۔ چنانچہ حکومت نے پہلی مرتبہ ۱۸۶۱ء میں بالکل محدود پیمانے پر ایک چھوٹی سی مجلس قانون ساز قائم کی۔ ۱۸۵۸ء کے بعد حکومت برطانیہ کی یہ پالیسی رہی کہ ہندوستانیوں کو حکومت کے انتظامات میں شامل کیا جائے۔ یہی پالیسی ان اصلاحات میں کارفرما نظر آتی ہے۔ انڈین کونسلز ایکٹ کے نام سے جو قانون ۱۸۶۱ء میں پاس کیا گیا اس کی مندرجہ ذیل دفعات تھیں۔

۱۔ گورنر جنرل کی انتظامی کونسل کے ممبروں کی تعداد چار سے بڑھا کر پانچ کردی گئی۔ کمانڈر انچیف کو بھی انتظامی کونسل کا غیر معمولی رکن بنایا گیا جس کا درجہ گورنر جنرل کے بعد قرار پایا۔ انتظامی کونسل کے ہر رکن کو کسی شعبے کا انچارج بنا دیا گیا۔

۲۔ ۱۸۵۷ء سے قبل قانون سازی کا کام گورنر جنرل کی انتظامی کونسل کے سپرد تھا۔ مگر اس قانون کے تحت قانون کے کام میں ہندوستانیوں کی شرکت کا موقع دیا گیا گورنر جنرل کی انتظامی کونسل میں زائد ممبران (Additional Members) کا تقرر کیا گیا جن کا کام صرف یہ تھا کہ جب بھی گورنر جنرل کی انتظامی کونسل ہندوستان کے لئے قانون سازی کا کام کرتے تو یہ اس اجلاس میں شرکت کریں۔ ان ارکان کی تعداد کم سے کم چھ اور زیادہ سے زیادہ بارہ مقرر کی گئی۔ ان ممبران کی تعداد کا نصف غیر سرکاری ہونا ضروری قرار پایا۔ یہ زائد ارکان گورنر جنرل کی تعداد صوابدید پر دو سال کے لئے نامزد کئے جاتے تھے۔

۳۔ گورنر جنرل کی غیر موجودگی میں کونسل کا صدر (جس کو خود گورنر جنرل نامزد کیا جاتا تھا) یا کونسل کا کوئی ممبر کونسل کی صدارت کرتا تھا۔

۴۔ گورنر جنرل کو ہنگامی حالات میں آرڈیننس جاری کرنے کے اختیارات دیئے گئے۔

۵۔ کونسل کا پاس کردہ کوئی بھی قانون اور ضابطہ گورنر جنرل کی منظوری کے بغیر قانون حیثیت حاصل نہیں کر سکتا تھا۔

۶۔ انتظامی کونسل کے زائد ممبران کو کسی قسم کے اختیارات حاصل نہ تھے۔ نہ تو وہ سوالات ہی پوچھ سکتے تھے اور نہ ہی ان کو قرارداد یں پیش کرنے کی اجازت تھی۔

۷۔ مختلف صوبوں میں بھی انتظامی کونسلوں میں زائد ممبران کا تقرر عمل میں آیا۔ ان صوبوں میں زائد صوبوں کی تعداد کم سے کم چار اور زیادہ سے زیادہ آٹھ مقرر کی گئی۔ صوبائی کونسلوں کے اختیارات اور بھی محدود تھے۔ صوبائی کونسلوں کے پاس کردہ قوانین کے لئے پہلے گورنر اور پھر گورنر جنرل کی منظوری لازمی تھی۔

اگرچہ انڈین کونسلز ایکٹ ۱۸۶۱ء کے تحت ممبران کی تعداد اور ان کے اختیارات بالکل محدود تھے لیکن پھر بھی برصغیر میں ذمہ دار حکومت کے قیام کی طرف یہ پہلا قدم تھا۔

Marfat.com

انڈین کونسلز ایکٹ ۱۸۹۲ء

جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا انڈین ایکٹ ۱۸۶۱ء ہندوستانیوں کی توقعات پر پورا نہ اترا۔ وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ ہندوستان میں سیاسی بیداری پیدا ہوتی جا رہی تھی۔ ہندوستان مختلف یونیورسٹیوں کے قیام سے مغربی تعلیم عام ہوگئی جس سے ہندوستانیوں کو ایک دوسرے کے قریب آنے کا موقع ملا ادھر حکومت کی جابرانہ حکمت عملی نے حکومت کے خلاف نفرت پیدا کر دی۔ لارڈ لٹن نے عہد حکومت میں ورنیکلر پریس ایکٹ اور رابرٹ بل وغیرہ کے متعلق اقدامات نے سیاسی طور پر جو بے چینی پیدا کر دی اس کو دور کرنے کی غرض سے گورنر جنرل لارڈ ڈفرن نے ۱۸۸۸ء میں ایک کمیٹی قائم کی تا کہ وہ ۱۸۶۱ء کی اصلاحات میں تبدیلیوں کا جائزہ لے۔

انڈین کونسل ایکٹ ۱۸۹۲ء کی مندرجہ ذیل خصوصیات تھیں

۱۔ گورنر جنرل کی انتظامی کونسل کے زائد ارکان کی تعداد میں اضافہ کر دیا گیا۔ اب کونسل کے ممبروں کی تعداد کم سے کم دس اور زیادہ سے زیادہ بیس مقرر کی گئی۔

۲۔ صوبائی کونسلوں کے ارکان کی تعداد بھی بڑھا کر آٹھ اور بیس کے درمیان کر دی گئی۔ صوبہ بنگال کے لئے ممبروں کی تعداد بیس متعین کر دی گئی۔

۳۔ زائد ممبروں کی کل تعداد کا ۲/۵ غیر سرکاری ہونا لازمی قرار پایا۔

۴۔ کونسل کے ارکان کی تعداد میں اضافہ کے ساتھ ان کے حقوق واختیارات میں بھی اضافہ ہوا۔ اب ان کو کچھ پابندیوں کے ساتھ بجٹ پر بحث کرنے کا حق دے دیا گیا۔ ۱۸۶۱ء میں زائد ممبران کو سوالات پوچھنے کی اجازت نہیں تھی۔ اس قانون کے تحت انہیں سوالات پوچھنے کا حق دیا گیا۔ اگرچہ ضمنی سوال پوچھنے سے وہ اب بھی محروم تھے۔

۵۔ زائد ارکان کے لئے انتخاب کا طریقہ رائج کیا گیا۔ لیکن کوئی بھی منتخب شدہ رکن گورنر جنرل کی نامزدگی کے بعد ہی کونسل کا ممبر بن سکتا تھا۔

ہندوستانیوں کو ان کی طویل جدوجہد کا ثمرہ ۱۸۹۹ء کے ایکٹ کی شکل میں ملا۔ مگر یہاں دراصل برطانوی سامراج نے ایک مرتبہ پھر ہندوستانیوں کو ٹرخانے کی کوشش کی تھی۔ کونسل کے ارکان کی تعداد ان کے محدود اختیارات اور گورنروں گورنر جنرل کو لامحدود اختیارات کی موجودگی ہندوستانیوں کے لئے ہیں قانون میں کسی کشش کا سبب نہ بنی اور کچھ عرصہ بعد حکومت کو مجبور ہو کر دوبارہ اس قانون میں ترمیم کرنی پڑی۔

گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۰۹ء

۱۸۹۶ء سے ۱۹۰۹ء تک دور میں ہندوستان میں بہت سیاسی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ تقسیم بنگال کے سلسلے میں ہنگامے ہوئے مسلمانوں کا ایک وفد شملہ میں وائسرائے سے ملا اور ۱۹۰۶ء میں مسلم لیگ عالم وجود میں آئی۔ کانگریس اور مسلم لیگ

Marfat.com

ہندوستان کا دستور میں ضروری ترامیم کا مطالبہ کر رہی تھی۔ وائسرائے لارڈ منٹو اور سیکریٹری آف سٹیٹ برائے ہندوستان جان مارلے نے ایک نیا دستوری خاکہ تیار کیا۔ یہ دستوری خاکہ لارڈ مارلے نے مسودہ قانون کی صورت میں برطانوی پارلیمنٹ میں پیش کیا۔ منظوری کے بعد ۱۹۰۹ء میں ہندوستان میں نافذ ہوا۔ اسے منٹو مارلے اصلاحات کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔

حکومت ہند کے قانون مجریہ ۱۹۰۹ء کی اہم خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ لجسیٹو کونسلوں کے اراکین کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ کیا گیا۔ گورنر جنرل کی کونسل کے اضافی اراکین کی زیادہ سے زیادہ تعداد ۶۰ کر دی گئی۔ مدراس، بنگال، یوپی، بمبئی، بہار اور اڑیسہ کے صوبوں کی لجسیٹو کونسلوں کے اضافی اراکین کی زیادہ سے زیادہ تعداد ۵۰ مقرر کی گئی۔ ان تمام کونسلوں میں سرکاری اکثریت برقرار رکھی گئی۔ مرکزی لجسیٹو کونسلوں میں ۳۷ سرکاری اور ۳۲ غیر سرکاری اراکین تھے۔ ۳۷ سرکاری اراکین میں سے ۲۸ کی نامزدگی گورنر جنرل نے کرنی ہوتی تھی اور نو اراکین اپنے عہدہ کی وجہ سے کونسل کے ممبر تھے۔ ۳۲ غیر سرکاری اراکین میں سے پانچ گورنر جنرل نامزد کرتا تھا اور باقی اراکین کا انتخاب ہوتا تھا۔

۲۔ صوبائی لجسیٹو کونسلوں میں سرکاری اکثریت میں نہیں تھی۔ اکثریت غیر سرکاری افراد کی تھی لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ غیر سرکاری ارکان کی اکثریت منتخب ہوگی۔ کچھ غیر سرکاری اراکین کو حکومت نے نامزد کرنا تھا۔ سرکاری اراکین دو قسم کے تھے۔ اول جنہیں گورنر اور حکومت نامزد کرتی ہے دوم جو اپنے عہدہ کی وجہ سے ممبر بن جاتے تھے۔

۳۔ حکومت نے جداگانہ انتخابات کے اصول کو منظور کر لیا۔ اس کا مطالبہ ۱۹۰۵ء میں مسلمانوں کیا تھا۔ مختلف فرقوں، طبقوں اور مفادات کو جداگانہ نمائندگی دینے کا فیصلہ کیا گیا۔

۴۔ لجسیٹو کونسلوں کے فرائض میں اضافہ کر دیا۔ مرکزی لجسیٹو کونسل میں بجٹ کو زیر بحث لانے کی اجازت دی گئی۔ اراکین کو ٹیکس میں تبدیلی کرنے، نئے قرضہ یا مقامی حکومت کے لئے نئی گرانٹ میں ترمیم کرنے کے لئے قرارداد پیش کرنے کا حق تھا۔ لیکن کونسل قرضوں پر سود اور ریلوے وغیرہ کے اخراجات کے ضمن میں کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

۵۔ لجسیٹو کونسلوں کے اراکین کو سوالات اور ضمنی سوالات پوچھنے کی اجازت دی گئی لیکن جواب دینے والا متعلقہ شخص ضمنی سوال کا فوری جواب دینے سے انکار کر سکتا تھا۔ وہ جواب تیار کرنے کے لئے کچھ وقت مانگ سکتا تھا۔ اس کے علاوہ اراکین کو قراردادیں پیش کرنے کا بھی حق تھا۔ کونسل کا صدر کوئی وجہ بتائے بغیر کسی قرارداد یا اس کے کسی حصے کو پیش کرنے سے منع کر سکتا تھا۔

۶۔ بمبئی، بنگال اور مدراس کی ایگزیکٹو کونسل کے اراکین کی تعداد چار کر دی گئی۔ حکومت کو اس امر کی اجازت بھی دی گئی کہ لیفٹنٹ گورنر کے صوبہ کے لئے ایگزیکٹو کونسل مقرر کیا جائے۔

۷۔ یونیورسٹی سینٹ، زمینداروں، ڈسٹرکٹ بورڈوں، میونسپل کمیٹیوں اور چیمبر آف کامرس کو لجسیٹو کونسل کے لئے ممبر منتخب کرنے کی اجازت دی گئی۔ یہاں بھی جداگانہ انتخابات کا اصول نافذ ہوا۔ یعنی مسلمان نمائندوں کا انتخاب صرف مسلمانوں نے کرنا تھا

حکومت ہندو کے قانون مجریہ ۱۹۰۹ء میں مسلمانوں کا ایک مطالبہ یعنی جداگانہ انتخاب مان لیا گیا تھا۔ ۱۹۰۵ء میں مسلمانوں کے ایک وفد نے وائسرائے لارڈ منٹو سے مطالبہ کیا تھا کہ مسلمان نمائندوں کو چنے کا حق صرف مسلمانوں کو حاصل ہونا

Marfat.com

چاہئے۔ وائسرائے نے یہ مطالبہ منظور کرلیا تھا۔ ۱۹۰۹ء کے ایکٹ میں اسے قانونی شکل دے دی۔ ہندوؤں اور کانگریس نے جداگانہ انتخابات کے اصول کو پسند نہ کیا اور اس کی مخالفت کی۔ جہاں تک دوسری شقوں کا تعلق ہے۔ یہ ہندوستان کی سیاسی جماعتوں کی امیدوں سے بہت کم تھیں۔ لجسیٹو کونسلوں کو بڑا ضرور کر دیا گیا تھا لیکن ان کے اختیارات بہت محدود تھے اور انہیں انتظامیہ پر صحیح معنوں میں کوئی کنٹرول حاصل نہ تھا۔ مرکزی لجسیٹو کونسل میں سرکاری اراکین کی اکثریت تھی لیکن کچھ غیر سرکاری اراکین کو حکومت نامزد کرتی تھی اس طرح منتخب اراکین کے ہاتھ کمزور پڑ جاتے تھے۔ حکومت نامزد اراکین کی حمایت پر بھروسہ کر سکتی تھی۔

لجسیٹو کونسلوں کے اراکین کا انتخاب براہ راست تھیں۔ عوام مقامی اداروں (Local Bodies) کے اراکین کا انتخاب کرنے۔ مقامی ادارے انتخابی ادرہ منتخب کرتیں۔ انتخابی ادارہ صوبائی لجسیٹو کونسل کے اراکین منتخب کرنا اور صوبائی لجسیٹو کونسل کے اراکین مرکزی لجسیٹو کونسل کے اراکین منتخب کرتے۔ اس طرح عوام اور کونسل کے اراکین کے درمیان فاصلہ بہت بڑھ جاتا تھا اور کونسل کے اراکین اور رائے دہندگان میں جو رابطہ ہونا چاہئے وہ پیدا ہی نہیں ہوسکتا تھا۔

ہندوستان کی سیاسی جماعتوں کا مطالبہ تھا کہ حکومت انگلستان اعلان کرے کہ بالآخر ہندوستان میں ذمہ دار حکومت رائج کی جائے گی اور اس مقصد کے حصول کے لئے کتنا وقت لگے گا۔ حکومت ہند کے قانون مجریہ ۱۹۰۹ء میں اس ضمن میں کچھ بھی نہیں کیا گیا تھا۔ ہندوستان میں اس دور میں خود مختار اور ذمہ دار طرز حکومت کے نفاذ کے لئے تحریک چل رہی تھی۔ اس ایکٹ کے نفاذ سے اس تحریک کی شدت میں کمی پیدا نہیں ہوئی۔ کچھ ہندوستان کے سیاست دانوں نے ان اصلاحات کو کھوکھلا قرار دیا۔ ان کا خیال تھا کہ حکومت انگلستان نے ہندوستان میں بڑی نمائندہ حکومت قائم کرنے کی کوشش نہیں کی اور نہ ہی انہوں نے ہندوستان باشندوں کو حکومت میں شمولیت کے لئے زیادہ مواقع فراہم کئے۔

یہ درست ہے کہ یہ ایکٹ ہندوستان کے سیاسی قائدین خصوصاً کانگریس قیادت کی امیدوں پر پورا نہیں اترا۔ لیکن اسے کھوکھلا قرار دے کر نظر انداز نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اگر اس کا ۱۸۹۲ء کے ایکٹ سے موازنہ کیا جائے تو یہ ایکٹ اول الذکر ایکٹ سے زیادہ جامع ہے اور انتخابات کا اصول بھی زیادہ واضح نظر آتا ہے۔ نہ صرف لجسیٹو کونسلوں کے ارکان میں اضافہ کر دیا تھا بلکہ پہلی صوبوں میں غیر سرکاری اراکین کی تعداد بھی خاصی بڑھا دی گئی تھی۔ اختیارات محدود نظر تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی حکومت انگلستان بتدریج اختیارات بڑھانے کی قائل تھی۔ پہلی بات جو نظر انداز نہیں کرنی چاہئے وہ یہ ہے کہ انگلستان ہندوستان پر حکومت کر رہا تھا اور وہ کوئی ایسا قدم نہیں اٹھانا چاہتا تھا جس سے ہندوستان میں اس کے اقتدار اعلیٰ کو ٹھیس پہنچے۔ اس لئے یہ امید کرنا کہ انگلستان ۱۹۰۹ء میں ہندوستان میں خود مختار او ذمہ دار طرز حکومت نافذ کرے گا۔ ایک انہونی سی بات تھی۔

اس ایکٹ کے تحت تمام لجسیٹو کونسلوں کی دوبارہ تشکیل ہوئی اور حکومت کا نظام چلنے لگا۔ یہ ایکٹ ۱۹۱۹ء تک نافذ رہا۔ ۱۹۱۹ء میں حکومت ہند کا ایک نیا ایکٹ نافذ ہوا۔

Marfat.com

گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۱۹ء

۱۹۰۹ء سے ۱۹۱۹ء کے دور میں ہندوستان میں سیاسی بے چینی میں کافی اضافہ ہوا۔ کانگریس تو خودمختاری طرز حکومت کا مطالبہ کر رہی تھی۔ ۱۹۱۳ء مسلم لیگ نے اپنے مقاصد میں ترمیم کر کے خودمختار طرز کا حصول مقاصد میں شامل کر لیا۔ اب دونوں جماعت شانہ بشانہ ان مقاصد کے حصول کے لئے آگے بڑھنے لگیں۔ پہلی جنگ عظیم کا دور سخت آزمائش کا دور تھا۔ ایک طرف ہندوستان برطانیہ اور اس کے ساتھیوں کے لئے مالی اور جانی قربانیاں پیش کر رہا تھا دوسری طرف ملک میں سیاسی بے چینی اور دنگا فساد بڑھ رہا تھا جس کو دبانے کے لئے ڈیفنس آف انڈیا رولز کا استعمال کیا گیا۔ ہندوستان کی سیاسی جماعتیں مطالبہ کر رہیں تھیں کہ ہندوستان میں ذمہ دار حکومت نافذ کیا جائے اور ہندوستان کے باشندوں حکومت کے کاموں میں شامل ہونے کے زیادہ سے زیادہ مواقع فراہم کئے جائیں۔ ۱۹۱۶ء میں لکھنو کے مقام پر مسلم لیگ اور کانگریس میں معاہدہ ہو گیا تھا۔ دونوں سیاسی جماعتوں کا مطالبہ تھا کہ اس معاہدہ کی شقوں کو ہندوستان کے آئندہ دستور میں شامل کر لیا جائے۔ اس کے علاوہ مسلمانوں بلقان کی جنگوں اور ترکی کی جنگ میں انگلستان کے خلاف شمولیت سے پریشان تھے جو سکھ آسٹریلیا اور کینیڈا سے واپس آ رہے تھے۔ وہاں بدسلوکی کی داستانیں سنا رہے تھے۔ جس کی وجہ سے ہندوستان کے سکھوں میں بے چینی پھیل رہی تھی۔

حکومت انگلستان ہندوستان کے حالات اور سیاسی جماعتوں کے مطالبات سے بے بہرہ تھی۔ سیکریٹری آف سٹیٹ برائے ہندوستان مسٹر مانٹیگو نے ۲۰ اگست ۱۹۱۷ء کو ہندوستان کے متعلق حکومت انگلستان کی نئی پالیسی کا اعلان کیا۔ یہ اعلان کیا گیا کہ حکومت، انگلستان کی نئی پالیسی یہ ہے کہ ہندوستانیوں کو انتظامیہ کے ہر شعبہ میں شامل کر لیا جائے۔ اور ذمہ دار حکومت کو ہندوستان میں بتدریج رائج کیا جائے۔ مسٹر مانٹیگو نے ہندوستان آ کر حالات کا خود بخود مطالعہ کرنے وائسرائے حکومت کے دیگر اراکین اور سیاسی رہنماؤں سے معاملات پر گفت وشنید کرنے کا فیصلہ کیا۔ مسٹر مانٹیگو ایک وفد کے ہمراہ نومبر ۱۹۱۷ء میں ہندوستان آئے یہاں تقریباً ½ ۵ ماہ قیام کے بعد اپریل ۱۹۱۸ء کے آخر میں واپس انگلستان چلے گئے۔ چند ماہ بعد مانٹیگو کی سفارشات رپورٹ کی صورت میں شائع ہو گئیں۔ اس رپورٹ کا نام مانٹیگو چیمفسورڈ رپورٹ تھا۔ چیمسفورڈ اس وقت ہندوستان کے وائسرائے تھے جس نے اس رپورٹ کی تیاری میں مدد دی تھی۔ اس رپورٹ کی بنیاد پر دستور کا ایک مسودہ برطانوی پارلیمنٹ میں پیش کیا گیا۔ اور منظوری کے بعد ۱۹۱۹ء میں گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۱۹ء کے نام سے ہندوستان نافذ ہوا۔

حکومت ہند کے قانون مجریہ ۱۹۱۹ء کی اہم شقیں مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ امپیریل لجیسلٹو کونسل کی جگہ مقننہ قائم کی گئی۔ مرکزی اسمبلی کے ایوان بالا کے نام کونسل آف سٹیٹ تھا۔ اس کے ممبروں کی تعداد ۶۰ تھی ۳۳ اراکین کو گورنر جنرل منتخب کرتا تھا۔ ایوان زیریں جو کہ لجیسلٹو اسمبلی کے نام سے موسوم تھا۔ ۱۴۵ ممبران پر مشتمل تھا۔ اس میں ۱۰۳ کا انتخاب ہوتا تھا۔ اور باقی گورنر جنرل نامزد کرتا تھا۔ نامزد اراکین ۲۵ سرکاری اور باقی غیر سرکاری محرکہ کرتے۔ منتخب شدہ ۱۰۳ اراکین کی تقسیم یہ تھی۔ ۵۱ عمومی حلقوں سے ۳۰ مسلمانوں کے لئے، ۲ سکھوں کے لئے اور ۱۰۴ انڈین کامرس کی

Marfat.com

طرف سے لیجسلو اسمبلی اور کونسل آف سٹیٹ کا عرصہ حیات بالترتیب ۴ سال اور پانچ سال تھا۔ گورنر جنرل عرہ حیات میں اضافہ کر سکتا تھا۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ آخری اسمبلی ۱۱ سال قائم رہی۔ اسمبلی کے لئے اسپیکر کی تقرری نامزدگی کے ذریعے تھی۔ اس کے بعد اسمبلی کے اراکین خود اسپیکر چن سکتے تھے۔

۲۔ دونوں ایوانوں کے منتخب اراکین کا براہ راست انتخاب ہوتا تھا۔ حکومت نے جداگانہ انتخابات کے اصول کو برقرار رکھا۔ رائے دہندہ بننے کے لئے ایک خاص حد تک ٹیکس دینے یا جائیداد رکھنا ضروری تھا۔ اس وجہ سے حق رائے دہی استعمال ایک حد تک محدود ہو گیا تھا۔

۳۔ گورنر جنرل مرکزی مقننہ کے دونوں ایوانوں کے اجلاس طلب کر سکتا تھا۔ اور برخاست بھی کر سکتا تھا۔ گورنر جنرل کو دونوں ایوانوں کو خطاب کرنے کا اختیار دیا گیا تھا۔

۴۔ مرکزی مقننہ کو پورے برطانوی ہندوستان یا اسکے کسی حصہ کے لئے قانون سازی کا اختیار حاصل تھا۔ مرکزی حکومت یہ حق بھی رکھتی تھی کہ وہ کسی بھی موجودہ قانون میں ترمیم کرے۔ اس مقننہ کو برطانوی پارلیمنٹ کا بنایا ہوا قانون منسوخ کرنے یا اس میں ترمیم کرنے کی اجازت نہ تھی اور نہ ہی کوئی ایسا قانون متعلق مسودہ قانون پیش کرنے کے لئے گورنر جنرل کی پیشگی اجازت لینی ضروری تھی۔

۱۔ سرکاری قرضوں اور حکومت ہندوستان مالیاتی امور

۲۔ برطانوی شہریوں (جو کہ ہندوستان میں ہیں) کے مذہب اور مذہبی اصول

۳۔ فوج کے تینوں شعبوں کے ڈسپلن اور تنظیم

۴۔ حکومت ہند کے دیگر مخالف سے تعلقات

۴۔ کوئی ایسا قدم جو مرکزی قانون یا گورنر جنرل کے آرڈیننس کو تبدیل یا منسوخ کرنے کے لئے ہو۔ گورنر جنرل کو یہ اختیار بھی حاصل تھا کہ وہ مرکزی مقننہ کو کسی مسودہ قانون یا اس کا کسی حصہ پر غور کرنے سے منع کر دے مقننہ کا منظور کردی قانون اس وقت تک نافذ نہیں ہو سکتا تھا۔ جب تک گورنر جنرل کو منظور دے سکتا، رد کر سکتا تھا۔ یا شاہ معظم کی حکومت کے غور کے لئے رکھنا سے مراد تھی وہ ویٹو استعمال کرنے سے پہلے حکومت برطانیہ سے مشورہ کرتا تھا۔ حکومت برطانیہ نے اکثر و بیشتر گورنر جنرل کو یہ اختیار استعمال کرنے کی کھلی چھٹی دے رکھی تھی، ہنگامی حالت میں گورنر جنرل کو آرڈیننس جاری کرنے کا اختیار حاصل تھا۔ اس طرح آرڈیننس چھ ماہ لاگو رہے تھے۔

۵۔ مرکزی مقننہ کے دونوں ایوانوں کے اراکین کو سوالات اور ضمنی سوالات پوچھنے، قرارداد میں اور تحریک التواء پیش کرنے کی اجازت دی گئی تھی۔ سپیکر کسی بھی قرارداد، تحریک التوا، یا سوال کو ایوان میں پیش کرنے سے منع کر سکتا تھا۔ اراکین کو، ایوان میں تقریر کی اجازت تھی، منتخب اراکین نے اس حق سے خوب خوب فائدہ اٹھایا۔ اور جب بھی ممکن ہوا حکومت ہندوستان کی پالیسیوں پر تنقید کی اور اپنے مطالبات حکومت سے سامنے پیش کئے۔

Marfat.com

۶۔ بجٹ کے سلسلے میں مرکزی مقننہ کے اختیارات بہت محدود تھے۔ بجٹ کے کچھ حصوں پر اسمبلی بحث کر سکتی تھی اور نہ ہی ووٹ دے سکتی تھی۔ گورنر جنرل یہ واضح کر سکتا تھا کہ بجٹ میں اس قسم کے کون سے حصے ہیں۔ باقی ماندہ حصوں پر مقننہ میں بحث ہو سکتی تھی اور اراکین کو اختیار حاصل تھا کہ وہ مخصوص شدہ رقوم میں کمی کریں یا منظوری دینے سے انکار کر دیں۔ گورنر جنرل محسوس کرے کہ جو رقم مقننہ نے نامنظور کی ہے یا اس میں رد و بدل کیا ہے حکومت کے لئے اشد ضروری ہے تو وہ اپنے مخصوص اختیارات استعمال کر کے حکومت کی طرف سے مخصوص کردہ رقم کو برقرار رکھ سکتی تھی۔ ہنگامی حالات میں گورنر جنرل خود بجٹ کی منظوری دے سکتا تھا۔

۷۔ گورنر جنرل کی ایگزیکٹو کونسل کے اراکین نامزد ہوتے تھے۔ مقننہ کا کوئی ایوان ان کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک منظور نہیں کر سکتا تھا۔ اس طرح حکومت برطانیہ کو مقننہ کے اثر میں آزاد رکھا۔ لیکن ایک طریقہ سے وہ حکومت کی پالیسیوں پر اثر انداز ہو سکتے تھے۔ مقننہ کے سامنے براہ راست ذمہ دار ٹھہرایا گیا۔

۸۔ مرکز اور صوبوں کے درمیان اختیارات کی تقسیم کے لئے دستور میں دو فہرستیں درج کی گئیں ایک مرکزی فہرست اور دوسری صوبائی فہرست تھی۔ جن امور کے لئے تمام ہندوستان میں یکساں قوانین کی ضرورت تھی۔ مرکز کے سپرد کئے جن امور کا تعلق خصوصاً کسی صوبے سے تھا۔ صوبائی فہرست میں شامل کر دیا گیا۔ اس تقسیم کے باوجود مرکز کو وسیع اختیارات حاصل تھے۔ مرکز کے ذمے جو امور تھے، ان میں سے چند قابل ذکر یہ تھے۔ دفاع، امور خارجہ، سیاسی تعلقات، کسٹم ٹریف، عوامی قرضے، ڈاک، تار، کاپی رائٹ، کرنسی، رسل رسائل، کامرس، جہاز رانی، بڑی بڑی بندرگاہیں، دیوانی اور فوجداری قوانین کے متعلق امور وغیرہ۔ صوبائی امور میں مندرجہ ذیل امور قابل ذکر ہیں۔ مقامی خود مختاری کی حکومت، پبلک ہیلتھ اور صفائی، تعلیم وائر ورکس، واٹر سپلائی اور آب پاشی، لینڈ ریونیو کا اختیار، جنگلات کوپریٹو سوسائیٹیاں، زراعت، قحط، ریلیف اور امن عامہ وغیرہ یہ تقسیم واضح تھیں، اختیارات کی تقسیم کچھ اس طرح تھی، مرکزی حکومت بعض صوبائی میں دخل سے سکتا تھا۔ وہ صوبائی گورنر کو ہدایت دے کر اپنی مرضی کے مطابق صوبوں میں احکامات جاری کر سکتا تھا اگرچہ صوبائی گورنروں کو بعض حالات میں مقننہ کے قوانین اور احکامات کو نظر انداز کرنے کا اختیارات تھے۔

۹۔ صوبوں میں لجسلیٹو اسمبلیوں کے ارکان میں بھی اضافہ کیا گیا تھا۔ ان اسمبلیوں کے ۷۰ فیصد اراکین اور ۳۰ فیصد نامزدان اراکین کو گورنر جنرل نامزد کرتا تھا۔ نامزد اراکین میں سے کچھ سرکاری افسر اور کچھ غیر سرکاری اراکین ہونے تھے۔ صوبائی مقننہ جات کا عرصہ حیات تین سال مقرر کیا گیا تھا۔ صوبائی گورنر اس مدت کے اختتام سے قبل مقننہ کو توڑ سکتا تھا۔ اور اگر محسوس کرے تو اس عرصہ حیات میں اضافہ کر سکتا تھا۔ صوبائی مقننہ جات کے اراکین کو سوالات، ضمنی سوالات پوچھے قرار دادیں پیش کرنے کی بھی اجازت دی گئی تھی۔ اراکین کو صوبائی بجٹ نامنظور کرنے کی اجازت بھی تھی۔ لیکن گورنر جنرل کی طرح گورنر مقننہ کی منظوری کو رد کر کے بجٹ کو برقرار رکھ سکتا تھا۔

۱۰۔ صوبائی حکومت کے اختیارات کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔

Marfat.com

۱۔ منتقل شدہ (TRANSFERRED)

۲۔ مخصوص شدہ (RESERVED)

منتقل شدہ امور کے زمرے میں مندرجہ ذیل آئے تھے۔ مقامی خود اختیاری کی حکومت، پبلک ہیلتھ اور صوبائی میڈیکل ایڈمنسٹریشن اور ہسپتال، ڈسپنسریاں ہندوستان کے باشندوں کی تعلیم کا انتظام امور عامہ مثلاً سڑکیں، پل ٹرام وے، صنعت وحرفت کی ترقی بمعہ صنعتی تحقیق اور فنی تعلیم کوآپریٹو سوسائٹیاں وغیرہ گورنر امور وزراء کے سپرد کرتا جو کہ مقننہ کے سامنے جواب دہ تھے۔ اگر کچھ امور کے بارے میں وزیر نہ ہوتو گورنر خود ذمہ داری سنبھال لیتا۔ یہ اس وقت تک رہتا جب تک صوبہ میں ان امور کے لئے کوئی شخص وزیر مقرر نہ ہو جاتا۔ مخصوص شدہ امور کے زمرے میں مندرجہ ذیل امور آتے ہیں۔ عدلیہ کے انتظام، پولیس، آبپاشی، نہریں، پانی کا نکاس اور پانی روکنے کے لئے بند وغیرہ۔ پانی اور لینڈ ریونیو، قحط ریلیف، اخبارات کتابوں اور پریسوں کا کنٹرول، جیل اور اس میں اصلاحات جنگلات (بمبئی اور برما کے علاوہ) فیکٹریوں کا معائنہ اور لیبر کے جھگڑے، انڈسٹریل انشورنس، رہائش وغیرہ یہ امور گورنر کی ایگزیکٹو کونسل کے اراکین کے سپرد تھے۔ اور وہ گورنر کو جواب دہ تھے، وزراء (جن کے سپرد منتقل شدہ امور تھے) میں ایک بڑا فرق یہ تھا کہ وزراء صرف صوبائی اسمبلی کے منتخب ارکان میں سے مقرر کئے جاتے تھے لیکن ایگزیکٹو کونسل کے وہ ارکان جن کے ذمے مخصوص امور ہوتے تھے۔ منتخب ارکان نہیں ہوتے تھے۔ گورنر جنرل بمعہ کونسل کے سیکریٹری آف اسٹیٹ برائے ہندوستان کی پیشگی، اجازت سے کسی ایک یا تمام منتخب شدہ امور کو مخصوص امور کے زمرے میں شامل کرسکتا تھا۔ صوبائی امور کی اس تقسیم کے نظام کو ڈائیار (DAARCHY) دوعملی کے نظام کا نام دیا جاتا تھا۔ یہ نظام ۱۹۲۱ء سے ۱۹۳۷ء تک صوبوں میں نافذ رہا۔

۱۱۔ ماضی میں اسٹیٹ آف سیکریٹری برائے ہندوستان کے اخراجات ہندوستان کا خزانہ برداشت کرتا تھا لیکن حکومت ہند کے قانون مجریہ ۱۹۱۹ء کے تحت ی اخراجات انگلستان کے خزانے سے ادا کئے جانے لگے۔ ایک نیا عہدہ قائم کیا گیا یہ عہدہ ہائی منسٹر برائے ہندوستان کا عہدہ تھا اس کے سپرد سیکریٹری آف سٹیٹ برائے ہندوستان کی کچھ ذمہ داریاں کردی گئیں۔ ہائی کمشنر کی حیثیت گورنر جنرل اور اس کی ایگزیکٹو کونسل کے نمائندے کی تھی۔ اس کے تمام اخراجات ہندوستان کے خزانے سے برداشت کئے جاتے تھے۔

۱۲۔ گورنر جنرل اپنی کارکردگی کے سلسلہ میں سیکریٹری آف سٹیٹ برائے ہندوستان اور برطانوی کابینہ کی وساطت سے برطانوی پالیمنٹ کو جواب دہ تھا۔

حکومت ہند کے قانون مجریہ ۱۹۱۹ء میں ذمہ دار طرز حکومت قائم کرنے کی سمت میں ایک قدم اٹھایا گیا تھا۔ ہندوستان میں پہلی مرتبہ دوایوانی مقننہ قائم کی گئی۔ جس میں منتخب اراکین کو اکثریت دی گئی۔ مقننہ کے اختیارات میں اضافہ کیا گیا۔ سوالات، ضمنی سوالات پوچھنے، قرار دادیں اور تحریک التواء پیش کرنے کی اجازت دی گئی۔ اس طرح صوبائی مقننہ جات میں منتخب اراکین کی اکثریت برقرار رکھی گئی اور مقننہ جات کو ماضی کی نسبت زیادہ اختیارات دیئے گئے۔ یہی حال مرکزی مقننہ کا

Marfat.com

تھا۔ ماضی کی نسبت زیادہ اختیارات عطا کیئے گئے۔ بجٹ کے حصول پر ووٹ کا حق دیا گیا۔ جب جات قائم ہوگئیں تو ایوان میں حکومت کی کارکردگی کا تفصیلی جائزہ لیا جاتا ہے۔ مرکزی مقننہ کی قراردادوں پر حکومت نے بھی عمل یا۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ ہندوستان میں صحیح معنوں میں ذمہ دار طرز حکومت رائج کردی گئی۔ گورنر جنرل اور صوبوں میں گورنروں کو وسیع اختیارات حاصل تھے۔ مرکزی مقننہ کو گورنر جنرل کی ایگزیکٹو کونسل کے اراکین پر کوئی کنٹرول حاصل نہیں تھا۔ گورنر جنرل ایگزیکٹو کونسل کے اراکین اگر چاہتے تو مرکزی مقننہ کے اراکین کی قراردادوں اور مطالبات کو یکسر نظرانداز کر سکتے تھے۔ مرکزی مقننہ کو بجٹ پر جو اختیارات حاصل تھے صرف برائے نام تھی کیونکہ گورنر جنرل کو اختیار تھا کہ وہ مقننہ کے نامنظور بجٹ کو نافذ کردے۔

صوبوں اور مرکز میں اختیارات تو تقسیم کردیئے گئے۔ لیکن یہ تقسیم کافی مبہم تھی۔ گورنر جنرل با آسانی صوبائی امور میں داخل ہوسکتا تھا۔ صوبوں میں صوبائی گورنروں کو وسیع اختیارات حاصل تھے۔ وہ با آسانی صوبائی مقننہ کی آزادی کو کچل سکتے تھے۔ مخصوص امور کے ضمن میں گورنر کو بہت وسیع اختیارات حاصل تھے۔ وہ اپنی کونسل کے اراکین سے مل کر اپنی مرضی کے مطابق چلا سکتا تھا۔ صوبہ کے تمام تر اہم امور کو محض امور کے زمرے میں شامل کردیا گیا تھا۔ جس کہ وجہ سے صوبائی خودمختاری ایک حد تک بے معنی چیز ہوکر رہ گئی تھی۔ وہ عملی یا ڈائیارکی (DYARCHY) کا اصول ناقص تھا۔ حکومت کے کاروبار کو دو حصوں میں اس طرح تقسیم کرنا کہ ان کا آپس میں کوئی تعلق نہ ہونا قابل عمل ہے۔ اول تو حکومت کے کاروبار کی اس طرح تقسیم ممکن نہیں جس طرح برطانوی حکومت چاہتی تھی۔ دوم ایسی تقسیم سے حکومت کے کاروبار پر برا اثر ہوا۔ کیونکہ حکومت کے مختلف شعبے ایک دوسرے سے اس طرح متعلق ہوتا ہے کہ ان کو ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔ بہت سے ہندوستانی باشندوں جنہوں نے وزیر کا عہدہ سنبھالا اور منتقل امور کی ذمہ داری اپنے کندھوں پر لی۔ بعد میں یہ شکایت کی امور کی اس تقسیم کی وجہ سے انہیں اپنی ذمہ داریوں سے بطریق احسن سبکدوش ہونے میں بہت دقت ہوئی۔ مثلاً زراعت اور مچھلی بانی کو منتقل امور کے زمرے میں شامل کیا گیا۔ آبپاشی، نہریں، اور متعلقہ امور کو مخصوص امور کے طور پر رکھا گیا۔ اگر وزیر زراعت کو آبپاشی اور نہروں کے بارے میں اختیارات حاصل نہ ہوں تو اپنے فرائض کس طرح بخوبی انجام دے سکتا ہے۔ اس قسم کا حال صوبائی حکومتوں کے دوسرے محکموں کا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حکومت ''آدھا تیتر آدھا بٹیر'' کے اصول کو نافذ کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ کچھ شعبوں کو وزراء کے سپرد اور کچھ شعبے غیر منتخب افراد کے سپرد کردیئے گئے۔

حکومت کے دونوں شعبوں کو دو مختلف المزاج افراد کے سپرد کردیا گیا تھا۔ وزراء عوام کے منتخب نمائندے تھے۔ کہ ایگزیکٹو کونسل کے اراکین کا زیادہ تر تعلق بیوروکریسی سے تھا۔ اس لئے دونوں کے انداز فکر اور کام کرنے کے طریقوں میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ اس تفاوت کا بڑا اثر حکومت کی کارکردگی پر ہوا۔ وزراء کے لئے سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ انہیں دو ''مالکوں'' کو خوش رکھنا پڑتا تھا۔ وزیر کے لئے ضروری تھا کہ وہ مقننہ کے دیگر اراکین کو خوش رکھے تاکہ مقننہ میں اس کی پالیسیوں کی حمایت جاری رکھے۔

دوسری طرف گورنر کو خوش رکھنا بھی ضروری تھا۔ کیونکہ وزیر کی تقرری اور وزارت سے علیحدگی کے مکمل اختیارات گورنر

Marfat.com

کو حاصل تھے۔ عام طور پر دیکھا تھا کہ وزراء کو خوش رکھنے میں زیادہ مصروف رہتے۔ مقننہ میں اپنے اقدامات کی حمایت کے لئے انہیں سرکاری اراکین پر انحصار کرنا پڑتا تھا۔ کیونکہ منتخب اراکین مختلف گروہوں میں تقسیم تھے اور سرکاری اراکین ملکی سیاست سے دور ایک گروپ کی صورت میں گورنر کی پالیسیوں کی حمایت کرتے تھے۔ لہذا وزراان کی حمایت پر زیادہ انحصار کرتے تھے۔

حکومت کا سب سے اہم شعبہ خزانہ ایگزیکٹو کونسل کے رکن کے سپرد کیا گیا۔ یہ مخصوص امور میں سے تھا۔ قومی ترقی کے امور سے متعلق تمام محکمے وزراء کے سپرد کئے گئے۔ یہ منتقل امور کے زمرے میں آتے تھے۔ یہ محکمے اپنی مرضی سے کوئی بھی منصوبہ نافذ نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ روپیہ پیسہ کی منظوری کے لئے خزانہ کے محکمہ پر انحصار تھا۔ اگر خزانے کا محکمہ خرچ کی منظوری دے دے تو متعلقہ وزیر آگے قدم اٹھا سکتا تھا۔ وگرنہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہ جاتا تھا۔

جب ہندوستان میں یہ ایکٹ نافذ کیا گیا۔ سیاسی حالات بہت خراب تھے، ہر طرف بے چینی پھیلی ہوئی تھی۔ ہندو، مسلمان، سکھ، غرض کہ ہر اہم قوم سخت پریشان تھی اس وجہ سے ان اصلاحات کا ہندوستان میں کوئی خاص خیر مقدم نہیں ہوا۔ کانگریس نے آغاز میں انتخابات میں شرکت کا فیصلہ کیا۔ جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد مسلمانوں نے تحریک خدمت کو ہر طرف پھیلا دیا۔ مسلمانوں میں حکومت کے خلاف جذبات بھڑک رہے تھے۔ ۱۹۱۹ء میں جلیانوالہ باغ کے حادثہ کی تلخی نے ہندوستان کے باقی ماندہ باشندوں اور حکومت کے تعلقات خراب کر دیئے۔ گاندھی اور کانگریس لیڈر شپ نے تحریک عدم تعاون چلائی۔ مسلمان بھی شریک ہو گئے۔ جب ۱۹۲۱ء میں حکومت ہند کے قانون مجریہ ۱۹۱۹ء کے تحت انتخابات ہوئے۔ تحریک عدم تعاون اپنے جوبن پر تھی۔ اس وجہ سے ہندوستان کے باشندوں نے زیادہ دلچسپی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ جب وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ یہ تحریکیں ختم ہوئیں اور سیاسی فضاء ایک حد تک پرسکون ہوئی تو ہندوستانی باشندوں نے انتخابات میں دلچسپی لینی شروع کی۔ ہندوستان کی حکومت ۱۹۳۷ء تک اسی ایکٹ کے تحت چلتی رہی۔ ۱۹۳۷ء میں صوبوں میں حکومت ہند کا ایک نیا قانون (مجریہ ۱۹۳۵ء) نافذ کر دیا گیا تھا۔

گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء

۱۹۲۷ء میں حکومت برطانیہ نے سر جان سائمن کی صدارت میں ایک کمیشن قائم کیا۔ یہ کمیشن ۱۹۲۸ء میں ہندوستان میں آیا۔ کانگریس اور مسلم لیگ کے بائیکاٹ کے باوجود اس کمیشن نے حکومت ہند کے قانون مجریہ ۱۹۱۹ء کی کارکردگی کا جائزہ لیا۔ تاکہ مستقبل میں کی جانے والی ترامیم کے سلسلے میں اپنی سفارشات کرے۔ ۱۹۳۰ء میں سائمن کمیشن کی رپورٹ شائع ہوئی۔ کمیشن کی رپورٹ دو جلدوں پر مشتمل تھی اس رپورٹ میں ہندوستان کے موجودہ طرز حکومت کا جائزہ لینے کے بعد نئے دستور کے سلسلہ میں سفارشات پیش کی گئی تھیں۔ حکومت انگلستان نے ہندوستانی سیاسی رہنماؤں کی رائے معلوم کرنے کے لئے لندن میں گول میز کانفرنس طلب کیں۔ ان کانفرنسوں میں کوئی مشترکہ فارمولا تیار نہ ہو سکا۔ لیکن وزیر اعظم اور حکومت انگلستان کو مختلف امور پر ہندوستانی رہنماؤں کی رائے معلوم ہوگئی۔

Marfat.com

گول میز کانفرنسوں کے بعد حکومت انگلستان نے ہندوستان کے نئے دستور کے متعلق تجاویز مرتب کیں اور مارچ ۱۹۳۳ء میں ایک قرطاس ابیض White Paper شائع کیا۔ اس قرطاس ابیض کی تجاویز کی رو سے ہندوستان کے نئے دستور میں صوبوں میں دوعملی یا ڈائیارکی ختم کر کے مرکز میں نافذ کرنے کا ارادہ تھا۔ صوبوں کو صوبائی خود مختاری دینے کی تجویز بھی رکھی گئی تھی۔ ہندوستان کے سیاسی رہنماؤں نے قرطاس ابیض کو خوش آمدید نہ کہا۔

اپریل ۱۹۳۳ء میں برطانوی پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کے سولہ اراکین پر مشتمل ایک جوائنٹ سلیکٹ کمیٹی قائم کی گئی۔ اس کمیٹی کے سامنے کئی ہندوستانی رہنما پیش ہوئے اور کئی یادداشتیں پیش کی گئی۔ کمیٹی نے ان یادداشتوں اور مختلف رہنماؤں سے گفتگو کی بنیاد پر اپنی رپورٹ مرتب کر کے نومبر ۱۹۳۴ء میں پیش کر دی۔ اس کمیٹی نے قرطاس ابیض میں پیش کردہ تجاویز میں زیادہ تبدیلیوں کی سفارش نہیں کی۔ ۵ فروری ۱۹۳۵ء کو سیکریٹری آف سٹیٹ برائے ہندوستان نے ایوان زیریں (ہاؤس آف کامنز) میں حکومت ہند کے قانون کا مسودہ پیش کیا۔ ہاؤس آف کامنز سے منظوری کے بعد یہ مسودہ قانون اویان بالا (ہاؤس آف لارڈز) میں منظور ہوا۔ ۲ اگست ۱۹۳۵ء کو اس قانون پر شاہی دستخط ثبت ہو گئے۔ یہ قانون حکومت ہند کا قانون مجریہ ۱۹۳۵ء کے نام سے مشہور رہا۔ کیونکہ اس کو ۱۹۳۵ء میں منظوری حاصل ہوئی تھی۔

حکومت ہند کا قانون مجریہ ۱۹۳۵ء Govt of India Act, 1935 کی اہم شقیں مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ ہندوستان میں وفاقی طرز حکومت نافذ کیا گیا۔ اس وفاق میں ہندوستان کے صوبے اور ہندوستان کی شاہی ریاستیں شامل تھیں۔ تمام صوبے خود بخود اس وفاق کے رکن بن گئے شاہی ریاستوں کے سربراہوں کے ضروری تھا کہ وفاق میں شامل ہونے کے لئے حکومت ساتھ معاہدہ پر دستخط کر کے وفاق میں شرکت کا اعلان کریں۔ حکومت کو حق تھا کہ کسی شاہی ریاست کے سربراہ کی طرف سے پیش کردہ شرائط کو نامنظور کر کے معاہدہ کرنے سے انکار کر دے، معاہدہ میں یہ بھی درج ہوتا تھا کہ سربراہ ریاست کسی حد تک اور کتنے اختیارات وفاق کے سپرد کرنا چاہتا ہے۔ ایک دفعہ جو اختیارات وفاق کے سپرد کر دیئے گئے بعد میں ان میں نہ کمی کا امکان تھا اور نہ واپس لئے جا سکتے تھے۔

۲۔ مرکز میں دو ایوانی مقننہ قائم کی گئی۔ ایوان بالا کا نام کونسل آف سٹیٹ۔ ایوان زیریں کا نام فیڈرل اسمبلی تجویز کیا گیا تھا۔ کونسل آف سٹیٹ میں شاہی ریاستوں کے ۱۰۴ نمائندے اور صوبوں میں ۱۵۶ نمائندے تھے (میزان ۲۶۰) صوبوں کے نمائندوں کا انتخاب ہوگا اور شاہی ریاستوں کے نمائندوں کو ریاستوں کے سربراہ اپنی مرضی سے نامزد کریں گے۔

۳۔ وفاق اور وفاقی اکائیوں کے درمیان اختیارات کی تقسیم کے لئے تین فہرستیں اس قانون میں شامل کی گئیں۔

اوّل: مرکزی فہرست

اس فہرست میں وہ تمام امور شامل تھے۔ جن پر مرکز کو مکمل اختیارات حاصل تھے۔ مثلاً دفاع، امور خارجہ ون سی، فوج کا انتظار وغیرہ۔

Marfat.com

دوم: صوبائی فہرست

اس فہرست میں وہ تمام امور شامل تھے جن پر صوبائی حکومتوں کو مکمل اختیارات دیئے گئے تھے۔

سوم: مشترکہ فہرست CONCURRENT LIST

اس فہرست میں شامل امور کے متعلق مرکزی اور صوبائی حکومتیں قانون بنانے کا اختیار رکھتی تھیں لیکن اگر مشترکہ فہرست میں شامل کسی چیز کے متعلق مرکز نے قانون بنادیا ہے تو صوبائی حکومت کو قانون بنانے کا حق نہیں رہتا تھا۔ اگر مرکزی اور صوبائی قانون میں تضاد ہو جائے تو صوبائی قانون کالعدم ہو جائے گا اور مرکزی قانون پر عمل ہوگا۔ اگر کوئی ایسا معاملہ آجائے جس کا ذکر ان تینوں فہرستوں میں موجود نہ ہو تو گورنر جنرل فیصلہ کرے گا اسے کسی فہرست میں شامل کیا جائے۔

۴۔ صوبوں میں دوعملی یا ڈائیارکی کو ختم کیا گیا۔ لیکن اس اصول کو مرکز میں نافذ کر دیا۔ اب مرکزی حکومت کے اختیارات کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا اوّل وہ امور جن کا انتظام گورنر جنرل تین کونسلروں کی مدد سے کرتا تھا۔ ان امور میں دفاع امور، مذہبی امور اور قبائلی علاقوں کے مسائل شامل تھے۔ باقی ماندہ امور کو سرانجام دینے کے لئے گورنر جنرل وزراء کی کونسل بنائے گا۔ وزراء کی تعداد دس سے زیادہ نہیں ہوگی۔ وزراء مقننہ کی منتخب افراد میں چنے جاتے تھے۔ مرکزی وزارت مجموعی طور پر مرکزی مقننہ کے سامنے جواب دہ تھی۔

۵۔ فیڈرل اسمبلی کا عرصہ حیات ۵ سال تھا۔ مدت پوری ہونے کے بعد یہ خود بخود ختم ہو جاتی تھی۔ گورنر جنرل اس کی مدت حیات میں اضافہ کر سکتا تھا۔ کونسل آف اسٹیٹ ایک مستقل ادارہ تھی۔ ہر تین سال بعد ایک تہائی اراکین ریٹائر ہو جاتے اور ان کی جگہ نئے اراکین کا انتخاب ہوتا۔ شاہی ریاستوں کے نمائندوں کی نامزدگی سربراہ ریاست کرتا تھا۔ برٹش انڈیا کے نمائندوں کا انتخاب محدود رائے شماری، کی بنیاد پر ہوتا تھا۔ جداگانہ انتخابات کے اصول کو برقرار رکھا گیا۔

۶۔ مقننہ کے اختیارات کو ایک حد تک محدود کر دیا۔ اس ایکٹ میں ترمیم کا اختیار صرف برطانوی پارلیمنٹ کو حاصل تھا۔ ہندوستانی مقننہ اس ایکٹ کے کسی حصہ میں کوئی کمی یا زیادتی نہیں کر سکتی تھی۔ اس کے علاوہ کچھ امور کے متعلق نہ مرکزی اور نہ صوبائی مقننہ قانون بنا سکتی تھی۔ کوئی ایسا قانون نہیں بنایا جا سکتا تھا۔ جس کا اثر برطانیہ کے شاہی خاندان یا بادشاہت کی جانشینی یا تاج برطانیہ کے اختیارات پر ہو۔ برطانوی شہریت، برّی اور ہوائی فوج کے قوانین یا پرائز کورٹوں کے سلسلہ میں بھی کوئی قانون منظور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ جو قوانین اور احکامات گورنر جنرل یا سیکریٹری آف سٹیٹ برائے ہندوستان نے ذاتی فیصلہ کی بنیاد پر نافذ کئے ہوں ان میں ترمیم نہیں کیا جا سکتی۔ مقننہ کو کوئی ایسا قانون بنانے کی اجازت نہیں تھی۔ جس سے برطانیہ کے تجارتی مفادات کو نقصان پہنچے۔ اس کے علاوہ کچھ اہم امور ایسے تھے جن کے متعلق قانون منظور کرنے سے قبل حکومت سے پیشگی اجازت لینی ضروری تھی۔

Marfat.com

مرکزی بجٹ کے سلسلے میں مقننہ کے اختیارات محدود تھے۔تقریباً ۸۰ فیصد بجٹ کو مقننہ کے ووٹ سے مستثنیٰ قرار دیا گیا تھا۔اگر فیڈرل اسمبلی بجٹ کی کسی شق کو نامنظور کردے تو گورنر جنرل وہی حصہ کونسل آف سٹیٹ کے سامنے پیش کرسکتا تھا۔ اگر بجٹ کے سلسلہ میں دونوں ایوانوں میں نااتفاقی ہوجائے تو گورنر جنرل دونوں ایوانوں کا مشترکہ اجلاس طلب کرے گا اور اکثریت کی رائے کی بنیاد پر فیصلہ ہوگا۔

مرکزی مقننہ کے منظور شدہ تمام قوانین گورنر جنرل کے سامنے پیش کئے جاتے تھے۔اگر گورنر جنرل دستخط سے انکار کر سکتا تھا۔یا دوبارہ غور کرنے کے لئے مقننہ کو واپس بھیج سکتا تھا۔یا شاہ معظم کی حکومت کے غور کے لئے روک سکتا تھا۔اس ایکٹ کی ایک دلچسپ شق یہ تھی کہ اگر کسی قانون کو گورنر جنرل منظور کرے تو اس منظوری کے ایک سال کے اندر اندر "شاہ معظم اپنی کونسل" کو یہ قانون کرنے کا اختیار حاصل تھا۔

۷۔ صوبائی گورنر، گورنر جنرل کی وساطت سے اور گورنر جنرل براہ راست سیکریٹری آف سٹیٹ برائے ہندوستان کو جواب دہ تھا مرکز میں گورنر جنرل اور صوبوں میں گورنروں کو ذاتی صوابدید Divival Judgement اور اپنی مرضی Discretion کی بنیاد اختیارات استعمال کرنے کی اجازت تھی۔گورنر جنرل ذاتی صوابدیدہ یا اپنی مرضی سے مرکزی مقننہ کے قانون پر عمل درآمد ہونے سے روک سکتا تھا۔یا کوئی خاص احکامات جاری کرسکتا ہے۔ان اختیارات کے استعمال میں وہ صرف سیکریٹری آف سٹیٹ برائے ہندوستان کو جواب دہ تھا۔گورنروں کو ان اختیارات کی بنیاد پر وزیروں کی سفارشات رد کرنے کا اختیار حاصل تھا۔ گورنر جنرل اور گورنروں کے ذاتی فیصلے اور اپنی مرضی سے اختیار استعمال کرنے کی اجازت دے ذمہ دار طرز حکومت کی روح کو سخت نقصان پہنچایا گیا۔

۸۔ گورنر جنرل کو مرکزی حکومت کا سربراہ مقرر کیا گیا۔گورنر جنرل کا تقرر وزیر اعظم کی سفارش پر شاہ برطانیہ کرتا تھا۔ گورنر جنرل اپنے اختیارات تین مختلف حیثیتوں میں استعمال کرتا تھا۔

اوّل: جب وہ وزراء کی رائے عمل کرتا تھا۔اس ضمن میں اسکی حیثیت ایک دستوری سربراہ کی تھی۔

دوم: جبکہ وہ ذاتی فیصلہ کی بنیاد پر کوئی قدم اٹھاتا تھا۔ایسا قدم اٹھانے کے لئے وہ اپنے وزراء سے مشورہ کرسکتا تھا۔لیکن اس پر لازم نہیں تھا کہ وزراء کے مشورہ کو قبول کرے گورنر جنرل مندرجہ ذیل امور کے سلسلہ میں ذاتی فیصلہ کا حق استعمال کرسکتا تھا۔

۱۔ ملک کے مالی استحکام اور قرضوں کے ضمن میں۔

۲۔ اگر ہندوستان یا اس کے کسی حصہ میں امن اور سلامتی کو خطرہ ہو۔

۳۔ اقلیتوں کے جائز حقوق کا تحفظ۔

۴۔ سرکاری ملازمین اور ان کے خاندانوں کے جائز حقوق کی حفاظت۔

۵۔ برما اور انگلستان میں تیار شدہ اشیاء سے امتیازی سلوک۔

Marfat.com

۶۔ ہندوستان کی شاہی ریاستوں اوران کے سربراہوں کے حقوق کا تحفظ

۷۔ جو اختیارات اپنی مرضی کے مطابق کے زمرے میں آتے ہیں۔ان کی ادائیگی کے سلسلہ میں۔گورنر جنرل کو کچھ اختیارات اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرنے کی اجازت تھی ان اختیارات کے استعمال کرنے کے لئے گورنر جنرل کو وزراء سے مشورہ کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔وہ خود اپنی مرضی سے فیصلہ کرسکتا تھا۔اس زمرے میں مندرجہ ذیل امور آتے تھے۔

۱۔ وہ تمام امور جن کو مخصوص شدہ امور قرار دے دیا گیا تھا۔مثلاً دفاع، خارجی، تعلقات مذہبی امور، قبائلی علاقوں کے امور ان امور کو سرانجام دینے کے لئے گورنر جنرل کونسلر مقرر کرتا تھا جو کہ اس کو جواب دہ تھے۔

۲۔ وہ وزراء کی کونسل کا تقرر کرسکتا تھا یا اسے برخاست کرسکتا تھا۔گورنر جنرل کو وزراء کی کونسل کے اجلاس کی صدارت کا حق بھی حاصل تھا۔

۳۔ آرڈیننس جاری کرنے کا اختیار، آرڈیننسوں کی دو اقسام تھیں۔اوّل ایسے آرڈیننس جو کسی بھی وقت جاری کئے جاسکتے تھے اور چھ ماہ تک نافذ رہتے تھے۔دوم اگر مقننہ کا اجلاس نہ ہو رہا ہو تو فوری ضرورت پوری کرنے کے لئے گورنر جنرل آرڈیننس جاری کرسکتا تھا۔

۴۔ بعض امور کے متعلق مقننہ میں مسودہ قانون پر غور کرنے سے منع کرسکتا تھا اور منظور شدہ مسودہ قانون پر دستخط کرنے سے انکار کرسکتا تھا یا مسودہ قانون کو دوبارہ غور کرنے کے لئے مقننہ کو واپس کرسکتا تھا۔

۵۔ بجٹ کے تقریباً ۸۰ فیصد حصے پر گورنر جنرل کو مکمل اختیارات حاصل تھے۔

۶۔ گورنر جنرل صوبائی گورنروں کو حکومت چلانے کے ضمن میں ضروری ہدایات دے سکتا تھا۔

۷۔ وہ دستور پر عمل درآمد معطل کرسکتا تھا۔

۸۔ گورنر جنرل کو فیڈرل اسمبلی کا اجلاس طلب، ملتوی اور برخاست کرنے کا حق تھا۔وہ دونوں کا مشترکہ اجلاس طلب کرسکتا تھا اور خطاب بھی کرسکتا تھا۔

۹۔ اس ایکٹ کے نفاذ سے قبل سیکریٹری آف سٹیٹ برائے ہندوستان کو حکومت ہندوستان پر وسیع اختیارات حاصل تھے اس کی مدد کے لئے دو انڈر سیکریٹری اور ایک ایڈوائزر کمیٹی ہوتی تھی۔حکومت ہند کے قانون مجریہ ۱۹۱۹ء کی رو سے سیکریٹری آف سٹیٹ کے اخراجات برطانوی خزانے سے پورے کئے جاتے تھے۔اب بعض حدوں میں سیکریٹری آف سٹیٹ برائے ہندوستان کے اختیارات محدود کردیئے گئے تھے۔صوبوں میں صوبائی خودمختاری اور ذمہ دار طرز حکومت کے نفاذ سے کچھ ذمہ داریاں وزراء کے سپرد کردی گئیں۔ان تمام امور پر سیکریٹری آف سٹیٹ برائے ہندوستان کا کنٹرول کم ہوگیا۔اگر صوبائی گورنر وزیر کی بات مان لیتا تو اس کا قدم دستور کے مطابق ہوتا تھا۔لیکن اگر گورنر اپنے مخصوص اختیارات استعمال کرنے کا فیصلہ کرے تو سیکریٹری آف سٹیٹ کا دخل بڑھ جاتا تھا۔مرکزی حکومت کے مخصوص شدہ امور Reserved Subjects کے ضمن میں سیکریٹری کو وسیع اختیارات حاصل تھے۔مخصوص شدہ امور میں دفاع، تعلقات خارجہ، قبائلی اور مذہبی امور، مرکزی ریلوے اور ریزونیک

Marfat.com

شامل تھے۔ یہ تمام کے تمام محکمے خاص اہمیت کے حامل تھے اس کے علاوہ مرکزی حکومت کی ملازمتوں مثلاً آئی سی ایس کے سلسلہ میں اسے وسیع اختیارات حاصل تھے۔

سیکریٹری آف سٹیٹ تاج برطانیہ کو ہندوستانی امور کے سلسلہ میں دستوری ایڈوائزر تھا۔ وہ حکومت چلانے کے لئے گورنر جنرل اور صوبائی گورنروں کو ضروری ہدایات دینے کا مجاز تھا۔ ہندوستان کے متعلق تمام ضروری معلومات برطانوی پارلیمنٹ کے سامنے پیش کرتا تھا اور ہندوستان کے متعلق ممبروں کے سوالات کے جوابات دیتا تھا۔ سیکریٹری آف سٹیٹ برائے ہندوستان کی مدد کرنے کے لئے جو انڈین کونسل موجود تھی اسے ختم کر دیا گیا۔ اس کی جگہ سیکریٹری آف سٹیٹ کم از کم تین اور زیادہ سے زیادہ چھ ایڈوائزر مقرر کرتا تھا۔ اس میں کم از کم نصف ایسے ہونے چاہیں جنہوں نے کم از کم دس سال تک ہندوستان میں ملازمت کی ہو اور انہیں ہندوستان چھوڑے دو سال سے زیادہ عرصہ نہ گذرا ہو۔ یہ نامزدگی پانچ سال کے لئے ہوتی تھی اور انہیں پارلیمنٹ میں بیٹھنے کا اختیار حاصل نہیں تھا۔ سیکریٹری آف سٹیٹ پر لازم نہیں تھا کہ وہ اپنے ایڈوائزروں سے مشورہ کرے تو اس پر عمل بھی کرے وہ سب ایڈوائزری یا چند ایک سے مشورہ کر سکتا تھا لیکن مشورہ پر عمل کرنے کا پابند نہیں تھا۔

۱۰۔ ہائی کمشنر برائے ہندوستان کا عہدہ برقرار رکھا گیا۔ یہ عہدہ حکومت ہند کے قانون مجریہ ۱۹۱۹ء کے ذریعہ قائم کیا گیا تھا۔ ہائی کمشنر کی تقرری گورنر جنرل اور اس کے ایگزیکٹو کونسل کرتی تھی۔ عہدہ کی مدت پانچ سال رکھی گئی۔ لیکن گورنر جنرل اور اس کی کونسل اس مدت کے پورا ہونے سے قبل اسے عہدہ سے علیحدہ کر سکتی تھی۔ ایک شخص ایک دفعہ سے زیادہ ہائی کمشنر مقرر ہو سکتا تھا۔ برطانیہ میں ہائی کمشنر کی حیثیت گورنر جنرل اور حکومت ہندوستان کے نمائندے کی تھی۔ وہ ایسی تمام ذمہ داریاں سرانجام دیتا تھا جو گورنر جنرل اس کے سپرد کرے۔ ۱۹۲۰ء میں سٹور اور طلباء کا ڈیپارٹمنٹ اس کے سپرد کر دیا گیا تھا۔ وہ انڈین ملازمین کی انگلستان میں ابتدائی تربیت سے متعلق امور کی دیکھ بھال کرتا۔ ان کی واپسی تنخواہوں، تعطیلات وغیر کے امور بھی اس کے سپرد تھے۔

۱۱۔ حکومت ہند کے قانون مجریہ ۱۹۳۵ء کی نمایاں خصوصیت صوبائی حکومتوں کا ڈھانچہ تھا۔ ہندوستان میں پہلی مرتبہ صوبائی خود مختاری اور ذمہ دار طرز حکومت کے اصول کو نافذ کرنے کی کوشش کی گئی۔ صوبائی حکومتوں کو ایک حد تک مرکزی حکومت کے اثر سے آزاد کرنے کی کوشش کی گئی صوبائی حکومت کا سربراہ گورنر تھا۔ گورنر کا تقرر تاج برطانیہ کے نام میں ایک کمیشن کرتا تھا۔ گورنر جنرل کی طرح گورنر تین حیثیتوں میں اپنے اختیارات استعمال کر سکتا تھا۔ اول جب کہ وہ وزراء کی رائے پر عمل کرتا تھا۔ یہاں اس کی حیثیت صوبے کے دستوری سربراہ کی تھی۔ دوم جب کہ وہ ذاتی فیصلے کی بنیاد پر مخصوص اختیارات اس سے مشورہ کر سکتا تھا۔ لیکن وہ اس مشورہ کا پابند نہیں۔ سوم جب کہ وہ اپنی مرضی کی بنیاد پر کوئی فیصلہ کرتا تھا۔ ان فیصلوں کے لئے وزراء سے مشورہ لینا ضروری نہیں تھا۔

اگرچہ گورنروں کو ہدایت کی گئی تھی کہ وہ اپنے مخصوص اختیارات کا محدود استعمال کریں۔ لیکن ذاتی فیصلے اور اپنی مرضی کے زمرے میں گورنروں کو اتنے اختیارات حاصل ہو گئے تھے کہ وہ وزارت اور حکومت کے کاموں میں دخل دے سکتے تھے۔

Marfat.com

۱۲۔ صوبوں میں ڈائیارکی کا نظام ختم کر کے تمام محکمے وزراء کے سپرد کر دیئے گئے۔ گورنر سے توقع کی گئی تھی کہ جہاں تک ممکن ہو سکے وہ وزراء کے مشوروں پر عمل کرے۔ حکومت برطانیہ نے گورنروں کو ہدایت بھی کی تھی کہ وہ اس شخص کو وزارت بنانے کی دعوت دیں۔ جس کو صوبائی مقننہ کے ممبران کی اکثریت کی حمایت حاصل ہو۔ باقی وزراء کا تقرر وزیر اعلیٰ کی سفارش پر کیا جائے۔ اگر کوئی شخص وزیر مقرر ہو جو کہ مقننہ کا ممبر نہ ہو۔ اس کے لئے لازم تھا کہ وہ چھ ماہ کے اندر مقننہ کے ممبر بنے۔ گورنر کے لئے لازم تھا کہ وہ دیکھے کہ صوبے کی اقلیتوں کو وزارت میں خاطر خواہ نمائندگی ملے۔ گورنر کو وزیر اعلیٰ اور وزارتوں کو برخاست کرنے کا اختیار حاصل تھا۔ ان وزارتوں میں مشترکہ ذمہ داری اور مقننہ کے سامنے جواب دہی کے اصول کو فروغ دینے کو اہمیت دینے کا فیصلہ بھی کیا گیا۔

۱۳۔ تمام صوبوں یکساں نوعیت کی مقننہ جات قائم نہیں کی گئیں۔ آسام، بنگال، لبار، مدارس، بمبئی اور یوپی میں دو ایوانی مقننہ قائم کی گئیں۔ صوبہ پنجاب، سندھ، صوبہ سرحد، اڑیسہ اور سی پی میں ایک ایونی مقننہ بنائی گئیں۔ دو ایوانی مقننہ کی صورت میں دونوں ایوانوں کے نام صوبائی لجسلیٹو کونسل کا نام دیا گیا۔ صوبائی لجسلیٹو اسمبلی کے تمام اراکین براہ راست منتخب ہوتے تھے۔ لیکن لجیسلیٹو کونسل کے کچھ اراکین نامزد ہوتے تھے۔ جداگانہ انتخابات کے اصول کو صوبوں اور مرکز دونوں کے لئے برقرار رکھا گیا۔ اسمبلیوں کے اراکین کی تعداد کی تفصیل یہ تھی:

صوبائی لجیسلیٹو اسمبلی، مدراس ۲۱۵، بمبئی ۱۷۵، پنجاب ۱۷۵، بنگال ۲۵، یوپی ۲۲۸، لبار ۱۵۲، سی پی ۱۱۲، بریر ۱۱۲، آسام ۱۰۸، صوبہ سرحد ۵۰، اڑیسہ ۶۰، سندھ ۶۰، جن صوبوں میں دو ایوانی مقننہ بنائی گئی تھی۔ ایوان بالا صوبائی لجسلیٹو کونسل ایک مستقل ادارہ تھی۔ ایک تہائی اراکین تین سال کے بعد ریٹائر ہو جاتے تھے۔ اس کا رکن بننے کے لئے عمر ۳۰ سال سے کم نہیں ہونی چاہئے۔ صوبائی لجسلیٹو اسمبلی کی رکنیت کی کم از کم عمر ۲۵ سال مقرر کی گئی تھی۔

رائے دہی کا حق حاصل کرنے کی شرائط مختلف صوبوں میں مختلف تھیں مثلاً پنجاب میں رائے دہی کا حق ان افراد کو حاصل تھا جو سالانہ کم از کم ۵ روپیہ مالیہ ادا کرتے یا ایسی ناقابل انتقال جائیداد کے مالک ہوتے۔ جس کی مالیت ۶۰ روپے سے کم نہ ہوتی۔ یا جو پرائمری تک تعلیم یافتہ ہو خواتین میں سے ان کو حق رائے دہی دیا گیا جو جائیداد کی شرط پوری کرتی ہوں یا وہ ایسے شخص کی بیوی ہو یا بیوہ ہوں۔ جو جائیداد کی شرط پوری کرتا ہو۔ یا وہ ملٹری کے پنشن شدہ افراد کی بیوی یا والدہ یا جو تعلیم کی شرط پوری کرتی ہوں۔

۱۴۔ صوبائی مقننہ کو ان تمام امور کے لئے قانون بنانے کی اجازت تھی جن کا ذکر صوبائی اور مشترکہ فہرست میں کیا گیا تھا۔ اگر مشترکہ فہرست میں مندرجہ کسی چیز کے متعلق صوبائی اور مرکزی قانون میں اختلاف ہو تو مرکزی قانون پر عمل درآمد ہوگا۔ صوبائی فہرست میں مندرجہ ذیل امور شامل تھے۔ امن عامہ، عدالتوں کا انتظام، نظر بندی کے قانون، پولیس، جیل خانے، ہوسٹل ادارے، سرکاری قرضے، صوبائی سرکاری ملازمتیں، اور سروس کمیشن، صوبائی مقننہ کے انتخابات: صوبائی وزراء، سپیکر اور ڈپٹی سپیکر کی تنخواہیں، اسمبلی کے اراکین کی مراعات تھا وہ حکومت خود مختاری پبلک ہیلتھ اور صفائی، ہسپتال اور ڈسپنسریاں، تعلیم، سڑکیں،

Marfat.com

پل، جنگلات، مچھلی، پانی، زرعی آمدنی پر ٹیکس اور آبپاشی وغیرہ مشترکہ امور کی فہرست میں مندرجہ ذیل چیزیں شامل تھیں۔ فوج داری اور دیوانی معاملات اور قوانین شادی اور طلاق، وصیتیں اور جانشینی و وراثت، کاغذات اور معاہدوں کی رجسٹریشن، ٹرسٹ کے معاملات، معاہدات اور دیوالیہ، اخبارات، کتابوں اور پریس، فیکٹریاں ملازمین کے مفادات، ٹریڈ یونین، انڈسٹریل اور سیر جھگڑے بڑھاپے کی پنشن اور الیکٹرک سٹی وغیرہ۔

۱۵۔ صوبائی اسمبلی میں قانون منظور ہونے کے بعد گورنر کے سامنے پیش ہوتا تھا۔ گورنر منظوری دے سکتا تھا۔ اسے رد کر سکتا تھا یا گورنر جنرل کے غور کرنے کے لئے روک سکتا تھا۔ یا اسمبلی کو دوبارہ غور کرنے کے لئے واپس کر سکتا تھا۔ کچھ قوانین کو منظور کرنے کے لئے گورنر کی پیشگی منظوری ضروری تھی۔ تقریباً نصف صوبائی بجٹ پر اسمبلی کو اختیار حاصل نہیں تھا۔ اس کے علاوہ حکومت برطانیہ کو اختیار حاصل تھا کہ اگر ضرورت محسوس کرے تو وہ کسی صوبائی قانون پر عمل درآمد ہونے سے روک سکتی تھی۔

۱۶۔ اگر صوبے میں ہنگامی حالات پیدا ہو جائے، امن عامہ کو خطرہ ہو یا کوئی مالی سیاسی یا کوئی اور مشکل درپیش ہو۔ جو کہ صوبائی حکومت کے قابو سے باہر ہو تو گورنر جنرل صوبے کا انتظام گورنر کی وساطت سے خود سنبھال سکتا تھا۔ ایسی صورت میں وزارت کو برطرف کیا جا سکتا تھا۔ تمام اختیارات گورنر جنرل کو حاصل ہو جاتے تھے۔

۱۷۔ ایک فیڈرل کورٹ قائم کی گئی جو کہ ہندوستان میں آخری عدالت تھی اسے براہ راست مقدمات سننے اور اپیلیں سننے کا حق تھا۔ ہر صوبے میں ایک ہائی کورٹ قائم کیا گیا۔ ہائی کورٹ متعلقہ صوبے کی آخری عدالت تھی۔ اس کے فیصلے کے خلاف فیڈرل کورٹ میں اپیل ہو سکتی تھی۔

۱۸۔ برما کو ہندوستان سے علیحدہ کر دیا گیا۔

اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا تھا کہ حکومت ہند کے قانون مجریہ ۱۹۳۵ء نے صوبائی خودمختاری رائج کی لیکن صوبائی خودمختاری پر اتنی پابندیاں لگا دیں کہ اس کی اصل روح سلب ہو کر رہ گئی۔ اگر وزیراعلیٰ اور گورنر میں اختلاف نہ ہو تو کوئی مشکل درپیش نہیں ہوتی تھی۔ جونہی اختلاف ہوا۔ وزیراعلیٰ کے لئے آزادی سے حکومت چلانا مشکل ہو جاتا تھا۔ گورنر کے اختیارات اتنے وسیع تھے کہ باآسانی وزارت کے کاموں میں روڑے اٹکا سکتا تھا۔ اپنی مرضی ٹھونس سکتا تھا۔ ذاتی فیصلے اور اپنی مرضی کی بنیاد پر اس کو اتنے اختیارات حاصل تھے کہ وہ باآسانی ذمہ دار طرز حکومت کے اصولوں کو مجروح کر سکتا تھا۔ اس کے علاوہ بعض حالات میں گورنر جنرل صوبائی حکومت کے کاموں میں دخل دے سکتا تھا۔ دستور میں صاف طور پر درج تھا کہ ہنگامی حالات کی صورت میں گورنر جنرل صوبہ کا انتظام خود سنبھال سکتا تھا۔ ایکٹ نے اگرچہ صوبوں اور مرکز کے درمیان اختیارات کو تقسیم کر دیا۔ لیکن صوبوں کے اختیارات کافی محدود تھے۔ مرکز باآسانی صوبائی امور میں دخل دے سکتا تھا۔ مشترکہ فہرست کے امور کی صورت میں مرکزی قانون کو صوبائی قانون پر فوقیت دی جاتی تھی اگر دونوں اختلاف ہو تو مرکزی قانون پر عمل درآمد ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ گورنر جنرل کو صوبائی انتظام خود سنبھالنے کا بھی اختیار تھا۔ ان وجوہات کی بناء پر یہ کہنا درست نہیں ہے کہ اس ایکٹ نے ہندوستان میں صحیح معنوں میں صوبائی خودمختاری اور ذمہ دار طرز حکومت کی بنیاد رکھی۔

Marfat.com

سب سے زیادہ قابل غور طلب بات یہ تھی کہ ہندوستان کی کسی مقننہ کو اس ایکٹ ترمیم کرنے کا حق نہیں دیا گیا تھا۔ صرف برطانوی پارلیمنٹ اس میں کوئی ترمیم کرسکتی تھی۔ دوسرے الفاظ میں ہندوستانی باشندوں کے ہاتھ باندھ دئے گئے تھے اوران کے اختیارات کو محدود کردیا تھا۔ مرکزی حکومت میں گورنر جنرل کو وسیع اختیارات حاصل تھے۔ مرکزی مقننہ کو بجٹ پر برائے نام اختیارات حاصل تھے۔

ہندوستان کے سیاسی رہنما نے ڈائیارکی کے نظام پر سخت تنقید کی تھی۔ صوبوں میں اس کا تجربہ کامیاب نہیں رہا تھا۔ کیونکہ حکومت کے مختلف شعبوں کو دو حصوں میں تقسیم کرنا ناممکن ہی نہیں بلکہ حکومت کی کارکردگی کے لئے نقصان دہ بھی ہے۔ اب اس نظام کو صوبوں میں ختم کر کے مرکز میں رائج کردیا۔ اگر ایک اصولی صوبوں میں ناکام ہو چکا تھا۔ اب یہ امید کرنا کہ مرکز میں کامیاب ہو جائے گا ایک غلط فہمی سے زیادہ کچھ نہیں تھا۔

ہندوستان کے وفاق کے قیام کا دارومدار شاہی ریاستوں کی شمولیت پر تھا۔ اس ایکٹ نے ان ریاستوں کو شامل ہونے یا نہ ہونے کی اجازت دے دی تھی۔ اس کی وجہ سے وفاق کا قیام مشکل ہو گیا تھا۔ صوبوں کو لازمی طور پر وفاق میں ہونا تھا۔ ان کو اس ضمن میں اپنی مرضی استعمال کرنے کا حق حاصل نہیں تھا۔

وفاق کے دونوں ایوانوں میں شاہی ریاستوں سے ترجیحی سلوک کیا گیا۔ انہیں اپنی آبادی اور علاقہ کی نسبت زیادہ نمائندگی دی گئی تھی۔ یہ تمام نمائندے نامزد ہوتے تھے۔ نقادوں کی خیال تھا کہ ان کے اور منتخب شدہ اراکین کے انداز فکر میں واضح فکر فرق ہوگا۔ ان کا مطمع نظر ریاست کے سربراہ اور برطانوی حکومت کی خوش نودی ہوگا۔ تمام شاہی ریاستیں حکومت کے پولیٹیکل ڈپارٹمنٹ کے ماتحت تھیں۔ یہ ڈپارٹمنٹ ان ریاستوں کے والیوں پر خاصا اثر رکھتا تھا۔ لہذا خدشہ تھا کہ ریاستوں کے نمائندوں کی نامزدگی میں حکومت کو کافی دخل ہوگا۔ اس طریقہ سے حکومت اپنے حمایتیوں کو مقننہ میں ڈال سکتی تھی۔

فیڈرل اسمبلی کے بالواسطہ انتخابات Indirect Elections کے اصول پر سخت تنقید کی گئی۔ سیاسی نقادوں کی رائے میں یہ اصول جمہوری تقاضوں کے مطابق نہیں تھا اسکے علاوہ ہندوستان کی ملازمتوں پر سیکریٹری آف سٹیٹ برائے ہندوستان کو غیر معمولی اختیارات دیئے۔ سیاسی رہنماؤں نے اس کنٹرول پر بھی اعتراض کیا۔

ہندوستان کے بجٹ کا خاصا بڑا حصہ فوج اور دفاع کی ضروریات کی نظر ہو جاتا تھا۔ دفاع اور اسکے امور کو مخصوص امور کے زمرے میں شامل کر کے مقننہ کے کنٹرول سے بچایا لیا گیا۔ دوسرے الفاظ میں عوام کے نمائندے فوج اور دفاع جیسے اہم معاملات میں بالکل دخل نہیں دے سکتے تھے۔ اور جو روپیہ ان امور پر خرچ ہوتا تھا اس میں کمی بیشی کا حق انہیں حاصل نہیں تھا۔ ہندوستانی رائے عامہ فوج کے قیام کے خلاف نہیں تھی۔ لیکن ان کا خیال تھا کہ حکومت ضرورت سے زیادہ دفاع پر خرچ کر رہی ہے اور ہندوستان کی ضروریات سے زیادہ فوج تیار کی گئی ہے۔ کیونکہ حکومت انگلستان اپنے امپریل مفادات کے حصول اور تحفظ کے لئے ہندوستانی فوج کو استعمال کرنا چاہتی ہے۔ سیاسی رہنماؤں کا مطالبہ تھا کہ فوج کے کمشینڈ عہدوں کے لئے ہندوستانی باشندوں کی بھرتی کی اختیار میں اضافہ کیا جائے اور جلد از جلد فوج کے اعلیٰ عہدوں پر ہندوستانیوں کو فائز کیا جائے۔ یہاں یہ

Marfat.com

بات دلچسپی سے خالی نہیں ہوگی کہ حکومت انگلستان نے ۱۹۱۷ء میں پہلی بار یہ فیصلہ کیا کہ فوج کے کمشینڈ عہدوں پر بتدریج ہندوستان کے باشندوں کو فائز کیا جائے اس سے قبل کوئی ہندوستانی فوج کمشینڈ عہدہ سنبھال نہیں سکتا تھا۔ فوج کے کمشینڈ عہدوں کی بھرتی کے لئے رفتار بہت آہستہ تھی، ہندوستان کے سیاسی رہنما اس رفتار میں اضافے کا مطالبہ کر رہے تھے۔

مسلمان جداگانہ انتخابات کے اصول کے حق میں تھے۔ حکومت نے ۱۹۳۲ء کے کمیونل ایوارڈ کی بنیاد پر مختلف قوموں اور فرقوں کے لئے نشستیں محفوظ کی تھیں۔ کانگریس اور ہندو رہنما جداگانہ انتخابات کے اصول کے خلاف تھے اور انہوں نے ایک قومی یک جہتی کے منافی قرار دیا۔ کانگریس نے اس ایکٹ پر سخت تنقید کی۔ بعض قائدین کا خیال تھا کہ اسے رد کر دیا جائے۔ عام طور پر کانگریس کے رہنماؤں نے گورنروں کے مخصوص اختیارات شاہی ریاستوں کے نمائندوں کی نامزدگی کا اصول، دفاع پر مقننہ کے کنٹرول نہ ہونے کی سخت تنقید کی۔ کافی بحث و تمحیص کے بعد کانگریس نے اس ایکٹ کے تحت منعقد ہونے والے انتخابات میں شرکت کا فیصلہ کیا۔ مسلم لیگ کا ردعمل اتنا سخت نہیں تھا حقیقتاً کانگریس کا تھا۔ لیکن اسکے قائدین نے بھی ایکٹ کے مختلف حصوں کو ہدف تنقید بنایا۔ مسلم لیگ کے ۱۹۳۶ء کے سالانہ اجلاس میں سرسید وزیر حسن نے اس ایکٹ کو غیر جمہوری قرار دیا۔ مسلم لیگ نے اس ایکٹ میں صحیح معنوں میں ذمہ دار طرز حکومت رائج نہ کرنے اور بہت محدود صوبائی خودمختاری دینے پر افسوس کا اظہار کیا۔ کانگریس کی طرح مسلم لیگ نے بھی انتخابات میں شرکت کا فیصلہ کیا۔

۱۹۳۵ء کا حکومت ہند کا قانون مکمل طور پر ہندوستان میں نافذ نہیں کیا گیا تھا۔ اس قانون کا صوبوں میں یکم اپریل ۱۹۳۷ء کو نفاذ کر دیا گیا۔ وفاق اور مرکزی حکومت کے حصہ کا نفاذ نہیں کیا گیا۔ انتخابات میں کانگریس نے چھ صوبوں میں مکمل اکثریت حاصل کر لی۔ ساتوں صوبوں میں سب سے بڑی پارٹی بن گئی۔ ابتدا کانگریس نے وزارتیں بنانے سے انکار کر دیا۔ کیونکہ کانگریس کا مطالبہ تھا کہ گورنر مخصوص اختیارات استعمال نہ کرنے کا وعدہ کرے۔ آخر کانگریس اور حکومت میں صلح ہوگئی اور بنگال میں بھی مسلم لیگ برسر اقتدار نہ آسکی۔ دیگر مسلم جماعتوں نے وزارتیں بنائیں، یہی حال سندھ اور صوبہ سرحد میں تھا۔ کانگریس کی وزارتیں ۱۹۳۹ء تک قائم رہیں۔ جنگ عظیم دوم کے آغاز پر حکومت برطانیہ سے اختلافات کی وجہ سے ان وزارتوں نے استعفیٰ دے دیئے۔ غیر کانگریسی وزارتیں کام کرتی رہیں۔

قیام پاکستان کے بعد ضروری ترمیم کے بعد حکومت کا قانون مجریہ ۱۹۳۵ء میں پاکستان میں آئین کے طور پر استعمال ہوا۔ ۱۹۵۶ء میں جب پاکستان کا آئین تیار ہوگیا تو حکومت ہند کے قانون مجریہ ۱۹۳۵ء کی جگہ نافذ کر دیا گیا۔ ہندوستان میں بھی دستور کی تیاری تک حکومت ہند کا قانون مجریہ ۱۹۳۵ء میں ضروری ترامیم کے ساتھ دستور کے طور پر استعمال ہوتا رہا۔ ہندوستان کا آئین ۱۹۵۰ء میں تیار ہو گیا تھا۔ ہندوستان کے ۱۹۵۰ء کے آئین اور پاکستان کے ۱۹۵۶ء کے آئین میں حکومت ہند کے ۱۹۳۵ء کے ایکٹ کی کافی شقوں کو شامل کیا گیا تھا۔

Marfat.com

ہندوستان کی آزادی کا قانون ۱۹۴۷ء

آزادی ہند کا مسودہ قانون ۴ جولائی ۱۹۴۷ء کو برطانوی پارلیمنٹ میں پیش ہوا۔ ۱۵ جولائی کو پارلیمان کے دونوں ایوانوں نے اسے منظور کر لیا۔ ازاں بعد شہنشاہ برطانیہ نے ۱۸ جولائی کو اس کی منظوری دے دی۔ قانون حکومت ہند مجریہ ۱۹۳۵ء میں ترمیم کرنے کے بعد عارضی آئین کے طور پر دونوں مملکتوں میں اگست ۱۹۴۷ء سے انڈیا آرڈر کی رو سے ۱۹۴۷ء ہی میں نافذ کیا گیا۔ اس کے اہم نکات مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو برطانوی ہندوستان میں دو آزاد مستعمرات کا قیام عمل میں آنا تھا۔

۲۔ ایک دفعہ کی رو سے ہر مملکت میں ایک گورنر جنرل کا تقرر ہونا قرار پایا۔ ایک شخص دونوں ملکوں کا مشترکہ گورنر جنرل بن سکتا تھا۔

۳۔ پاکستان اور بھارت کی اعلیٰ اسمبلیوں (آئین ساز اسمبلیاں) کو اعلیٰ اختیارات دے گئے تھے۔

۴۔ مقامی ریاستوں کی برطانوی حکومت سے آزادی کا اعلان بھی ہوا۔

۵۔ قانون حکومت ہند مجریہ ۱۹۳۵ء اس وقت تک دونوں ملکوں میں نافذ رہ سکتا تھا جب تک وہ اپنے اپنے آئین نہیں بنا لیتیں۔

۶۔ دونوں ملکوں کی مجلس قانون ساز ۱۹۳۵ء کے قانون میں ضرورت کے وقت ترمیم بھی مجاز قرار پائیں۔

تفویض اختیارات

متحدہ آئین ساز اسمبلی کے پاکستانی اراکین نئی دہلی میں چند دن قیام کر کے اپنی مملکت کا ابتدائی انتظام انفرام کرنا چاہتے تھا لیکن کانگریس اس کی روادار نہ تھی۔ کانگریس والوں سے تنگ آ کر مرکزی شعبوں کے مہمان اہل کاروں کو بھی ہندوستان چھوڑنا پڑا۔ پاکستان کا دارالحکومت کراچی قرار پایا۔

کانگریس لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو بھارت کا گورنر جنرل مقرر کرنے کا فیصلہ کر چکی تھی۔ اور اس سلسلے میں انہیں دعوت بھی دی جا چکی تھی۔ اگرچہ وہ پاکستان کے بھی گورنر جنرل بننے کے متمنی تھے۔ اس مسئلے پر مسلم لیگ نے بہت غور کیا۔ دراصل بھارت اور پاکستان کے درمیان بے شمار معاملات پر اختلافات رائے پایا جاتا تھا۔ اور ان حالات میں ہر معاملے پر گورنر جنرل کو اپنا فیصلہ دینا پڑتا۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی مسلم دشمنی کسی سے مخفی نہ تھی۔ اس پر قائداعظم نے بھارت اور پاکستان کے لئے علیحدہ علیحدہ گورنر اور ان دونوں پر ایک بالائی گورنر جنرل کی تقرر کی تجویز پیش کی۔ اس کے بعد مسلم لیگ نے قائداعظم کو پاکستان کا پہلا گورنر جنرل مقرر کرنے کا فیصلہ کیا۔ برطانوی وزیر اعظم مسٹر اٹیلی نے برطانوی پارلیمان کے ایوان زیریں (دارالعلوم) میں اعلان کیا کہ: ''پاکستان کے لئے مسٹر جناح گورنر جنرل مقرر کئے گئے اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے کانگریس کی اس دعوت کو شرف قبولیت بخشا کہ وہ ہندوستان کے گورنر جنرل رہیں گے۔ جسے مسٹر جناح اور مسلم لیگ نے قبول کر لیا''۔

Marfat.com

پاکستان اسلام کی تجربہ گاہ

قائداعظم کی نظر میں پاکستان کا خطہ جغرافیائی طور پر اس لئے حاصل کیا جارہا تھا یہاں اسلامی تہذیب وثقافت اور اسلامی اصولوں کا تجربہ کیا جاسکے جس کے بعد دنیا پر یہ ثابت کیا جائے کہ دین حق صرف اور صرف اسلام ہے ۔ دیگر تمام ادیان باطل ہیں، وہ نہ تو پنپ سکتے ہیں اور نہ ہی انسانیت کے کام آسکتے ہیں۔

قائداعظم ''پاکستان کو'' اسلام کی تجربہ گاہ سمجھتے تھے اور اس کے قیام وبقا کی خاطر وہ جان کی بازی لگا دینے سے بھی گریز نہ کرتے تھے۔ حب الوطنی جزو ایمان ہے۔ مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنے وطن کی خاطر شہید ہو جائے۔ مولانا حالی نے کیا خوب فرمایا ہے کہ:

ے حب وطن کی دولت جس کو نہیں ملی   سمجھو اس آدمی میں ایماں کی کمی ہے

اسی سلسلے میں سر محمد یامین خان رقمطراز ہیں: ''دہلی میں آل انڈیا مسلم لیگ کا جلسہ ہو رہا تھا۔ ایک خوشامدی نے نعرہ لگایا ''شاہ پاکستان زندہ باد'' قائداعظم بجائے خوش ہونے کے فوراً بولے'' دیکھئے آپ لوگوں کو اس قسم کی باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔ پاکستان میں کوئی بادشاہ نہیں ہوگا۔ وہ مسلمانوں کی ری پبلک ہوگی، جہاں سب مسلمان برابر ہوں گے ایک دوسرے پر فوقیت نہیں ہوگی''۔

منشی عبدالرحمٰن خاں رقم طراز ہیں کہ مولانا اشرف علی تھانوی نے اپنے ''دارالسلام'' کا جو نقشہ پیش کیا تھا، قائداعظم بھی اسی کے مطابق ''نظام پاکستان'' بنانا چاہتے تھے۔ چنانچہ اگست 1941ء میں قائداعظم جب حیدر آباد تشریف لے گئے تو ان سے ''اسلامی حکومت'' کی وضاحت چاہی گئی تو انہوں نے اس سوال کے جواب میں نوجوان طلباء کو بتلا دیا کہ: ''اسلامی حکومت کا یہ امتیاز پیش نظر رہنا چاہئے کہ اس میں اطاعت اور وفا کشی کا مرجع خدا کی ذات ہے، جس کے لئے تعمیر کا مرکز ''قرآن مجید'' کے احکام اور اصول ہیں۔ اسلام میں اصلاً نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے نہ کسی پارلیمان کی، نہ کسی اور شخص اور ادارے کی۔ قرآن کریم کے احکام ہی سیاست ومعاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کے حدود متعین کرتے ہیں۔ اسلامی حکومت دوسرے الفاظ میں قرآنی اصول اور احکام کی حکمرانی ہے''۔

غرض یہ کہ انہیں اصولوں پر قائداعظم نے پاکستان کی جنگ لڑی انہیں اصولوں کی حکومت کے لئے قوم نے پاکستان کے حق میں ووٹ دیا جو جنگ پاکستان کے ہر مرحلے پر پوچھتی تھی کہ پاکستان کا مطلب کیا ہے؟ تو اسے جواب دیا جاتا تھا لا الہ الااللہ ۔30 دسمبر 1916ء کو آل انڈیا مسلم لیگ نواں اجلاس لکھنؤ میں منعقد ہوا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے صدارت فرمائی۔ آپ نے اپنے صدارتی خطبہ میں ''اسلامی تعلیمات'' کی ترویج اور اشاعت پر زور دیتے ہوئے فرمایا: ''اسلامی تعلیمات کی درخشندہ روایات وادبیات کس امر پر شاہد ہیں؟ دنیا کی کوئی قوم جمہوریت میں مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ جو کے اپنے مذہب میں بھی جمہوری نکتہ نظر رکھتے ہیں''۔

Marfat.com

قائداعظم پاکستان میں اسلام اور آزاد اور خود مختار اسلام رائج کرنے کے متمنی تھے وہ زندگی بھر اسی مقصد کے لئے کوشاں رہے۔ 17، 18 ستمبر 1939ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کی مجلس عامہ کے اجلاس منعقدہ دہلی میں آپ نے اپنی صدارتی تقریر میں اس امر کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: ''متحد اور مجتمع ہو کر مسلم لیگ کی پالیسی اور پروگرام کی تائید کیجئے۔ مسلم لیگ ہی ایک ایسی جماعت ہے جو مسلمانان ہند کی طرف سے فیصلوں کا حق رکھتی ہے۔ مسلم لیگ ہندوستان کی کامل آزادی کی متمنی ہے اور یہ آزادی صرف ایک فرقہ کے لئے نہیں بلکہ ان سب اقوام کے لئے ہے، جو اس چھوٹے سے براعظم میں آباد ہیں۔ مسلم لیگ آزاد اور خود مختار اسلام کی مدعی ہے اور اسلام ہر مسلمان سے متوقع ہے کہ وہ اپنا فرض ادا کرے۔ ہندوستان کی تاریخ کے اس نازک دور میں وہ جگہ اور وہ مقام حاصل کرنے کے لئے جو مسلمانوں کی روایات اور ورثہ اور عہد ماضی کی شایان شان ہے جتنی بڑی سے بڑی قربانیاں اور خدمات کی جائیں کم ہیں اور خصوصاً اس وقت کہ ایک ہولناک جنگ اور خطرناک ترین بین الاقوامی حالت درپیش ہے جس سے یقیناً نظم عالم بدل جائے گا مجھے اعتماد ہے کہ ہندوستان کے نوجوان مسلمان جن پر اس کا سارا بار پڑنے والا ہے نو کروڑ مسلمانوں کے مستقبل کی تعمیر میں حصہ لیں گے۔ مسلمان ہر مطالبہ کے وقت بلا پس و پیش ہر خدمت اور ہر قربانی کے تیار ہوں گے۔''

قائداعظم پاکستان میں اسلامی طرز حکومت چاہتے تھے۔ وہ مغرب کی نام نہاد جمہوریت کو قطعاً ناپسند کرتے تھے۔ نیز ہندوستان میں برطانوی دور حکومت میں جو طرز حکومت رائج تھی اسے بھی ناپسند فرماتے تھے۔ آپ نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے 6 مارچ 1940ء کو طلبائے مسلم یونیورسٹی کے اجتماع میں فرمایا: ''جہاں تک میں نے اسلام کو سمجھا ہے وہ کسی ایسی جمہوریت کی تلقین نہیں کرتا جس کی بنا پر مسلمانوں کی قسمت کے فیصلوں کا اختیار غیر مسلم اکثریت کے ہاتھ میں چلا جائے۔ ہم کسی ایسی طرز حکومت کے قبول نہیں کر سکتے کہ جن میں غیر مسلم محض عددی اکثریت کی وجہ سے ہم پر قبضہ واقتدار حاصل کر کے حکومت کر سکتے ہوں۔ مجھ سے سوال کیا گیا تھا کہ اگر میں جمہوریت نہیں چاہتا تو پھر کیا چاہتا ہوں۔ فاسطیت، نانیست یا آمریت؟ میں کہتا ہوں، ان بھگتوں اور جمہوریت کے پرستاروں سے کیا کیا ہے؟ انہوں نے چھ کروڑ انسانوں کو تو اچھوت بنا کر رکھا ہے اور ایسے اصول کھڑے کئے۔ ہوئے ہیں جو فاسطی مجلس اعلیٰ کے سوائے اور کچھ نہیں ہیں۔ ان کا آمر کانگرس کا چار آنہ کا رکن بھی نہیں ہے۔ انہوں نے ایسی کٹھ پتلی وزارتیں بنائی ہیں جو مجلس قانون ساز یا رائے دہندگان کو نہیں بلکہ مسٹر گاندھی کی ایک منتخب بزمک کو جواب دہ ہیں۔ مغرب کے مختلف ممالک میں بھی عام طور پر مختلف نوع کی جمہوریت ہوتی ہے چنانچہ میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ہندوستان میں جہاں کے حالات یورپ سے مختلف ہیں برطانوی جماعتی طرز حکومت اور نام نہاد جمہوریت قطعی ناموزوں ہے''۔ اسی طرح 26 مئی 1940ء کو قائداعظم نے پاکستان کے نصب العین کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: ''ہمارا نصب العین اور ہماری جدوجہد کسی فرقے اور قوم کو نقصان پہنچانا نہیں ہے اور نہ دوسروں کی ترقی اور مفاد میں روڑا اٹکانا ہمارا منشا ہے بلکہ ہم اپنی حفاظت آپ کرنا چاہتے ہیں۔ ہم اس ملک میں باعزت اور آزاد انسانوں کی طرح زندہ رہنا چاہتے ہیں اور آزاد ہندوستان میں ''آزاد اسلام کی تمنا رکھتے ہیں''۔

Marfat.com

قائداعظم کو اسلام اور اسلامی اقدار سے بے حد پیار تھا اور وہ پاکستان میں اسلام کو پھلتا پھولتا دیکھنا چاہتے تھے۔ وہ اسلام یا اسلامی اقدار کے تحفظ اور بقاء کی خاطر اپنی جان کی بازی لگانے کے لئے تیار تھے۔ 10 مارچ 1941 کو انجمن اتحاد طلباء جامعہ اسلامیہ علی گڑھ کے ایک جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا: ''عملی لحاظ سے پاکستان'' ہی آپ کا وہ واحد مقصد ہے جس کے ذریعہ سے آپ اس ملک میں ''اسلام'' کو قطعاً فنا ہونے سے بچا سکتے ہیں۔ ہمیں ابھی بہت کچھ کرنا ہے پاکستان موجود تو ہے لیکن اسے حاصل کرنا ہے۔ آزادی حاصل کرنا، آزادی برقرار رکھنے سے زیادہ آسان ہے''۔

21 نومبر 1942ء کو لاہور ٹاؤن ہال گراؤنڈ میں مسلم خواتین کے جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے پاکستان میں اسلامی عدل وانصاف کے احیاء کے بارے میں اپنا نقطہ نظر یوں بیان فرمایا: ''اتاترک کو بھی ترکی کو زندہ کرنے کے لئے چودہ سال لگ گئے تھے۔ ہم تو دوسو سال کے غلام ہیں۔ اب ہم آزاد ہونا چاہتے ہیں، اپنی حکومت قائم کرنے کے لئے علاقہ مانگتے ہیں جس میں ہم اسلامی عدل وانصاف کی تاریخ دہرائیں گے''۔

11 جولائی 1946ء کو چار بجے شام قائداعظم نے مسلمانان حیدرآباد دکن کے ایک عظیم الشان اجتماع میں ''قرآنی تعلیمات'' کی برکات پر ایک جامع اور مبسوط تقریر فرمائی آپ نے فرمایا: ''ہم ہندوستان میں کسی قوم کے جائز حقوق و مفاد کو نقصان نہیں پہنچانا چاہتے لیکن یہ بھی گوارا نہیں کر سکتے کہ ہماری گردنوں میں اغیار کی غلامی کا گرانبار طوق پڑا رہے۔ پاکستان کے مطالبہ سے ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ مسلمانوں کو ان کی اکثریت کے علاقوں میں اسلامی تعلیمات کے مطابق آزادی کی فضا میں زندگی بسر کرنے کا حق حاصل ہو جائے۔ قائداعظم نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے حکومت کے باب عالی کے ممبروں اور حیدرآباد کے لیڈروں کو مشورے دیئے ہیں۔ ان سے حیدرآباد میں بسنے والی تمام قوموں کو فائدہ پہنچے گا اور کسی قسم کی حق تلفی نہ ہوگی۔

اورینٹ پریس کی اطلاع کے مطابق قائداعظم جناح نے مسلمانان دکن کی مہمان نوازی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا کہ مملکت نظام میں مسلمانوں کی تعداد صرف پچیس لاکھ ہے اور وہ اقلیت میں ہیں۔ لیکن انہوں نے شجاعت، مستقل مزاجی اور ایمان وایقان کی قوت سے دولت آصفیہ کی تاریخ میں حیرت انگیز اور نمایاں ترین حصہ لیا ہے آپ نے مسلمانان دکن کو اپنی پوری ہمدردی کا یقین دلاتے ہوئے فرمایا کہ جغرافیائی حدود اسلام کے عالمگیر رشتہ اخوت کو منقطع نہیں کر سکتیں تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ اور انہیں مصیبت کے وقت ایک دوسرے کی مدد کرنی چاہئے۔ مسلمانان حیدرآباد کو میرا مشورہ یہ ہے کہ لیڈروں کے انتخاب میں وہ ہمیشہ احتیاط کریں۔ آدھی جنگ تو لیڈروں کے صحیح انتخاب ہی سے فتح ہو جاتی ہے۔

قائداعظم نے حیدرآباد کے خلاف کانگریسی شر انگیزیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ہندوستان میں کوئی قابل ذکر جماعت ایسی نہیں جو ریاستوں میں ذمہ دار حکومت کے قیام کی حامی نہ ہو۔ لیکن ہر مقام کے حالات دوسرے مقام سے مختلف ہوتے ہیں اور ساری دنیا کے لئے ایک ہی دستور مرتب نہیں کیا جا سکتا۔ میں پوچھتا ہوں کہ انگلستان، فرانس، امریکہ اور روس وغیرہ میں کیا ایک ہی دستور رائج ہے۔ اگر نہیں تو کیا وجہ ہے کہ ہندوستانی ریاستوں پر ایک ہی دستور مسلط کرنے کی کوشش کی جائے۔ انصاف اور حق خودداری کا تقاضا یہ ہے کہ ہر ریاست کو اس کے حالات کے مطابق دستور مرتب کرنے کا حق دیا جائے۔

Marfat.com

حیدرآباد و کشمیر کے حالات ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ تاریخ کا ہر مبصر مجھ سے اتفاق کرے گا کہ ان دونوں کی تاریخ و روایات میں بھی زمین آسمان کا فرق ہے۔

اس وقت میدان سیاسات میں ہندو مسلمانوں کی جنگ ہو رہی ہے لوگ پوچھتے ہیں کہ کون فتحیاب ہوگا۔ علم غیب خدا کو ہے لیکن میں ایک مسلمان کی حیثیت سے علی روس الاشہاد کہہ سکتا ہوں کہ اگر ہم قرآن مجید کو اپنا آخری اور قطعی رہبر بنا کر شیوہ صبر و رضا پر کاربند رہیں اور اس ارشاد خداوندی کو کبھی فراموش نہ کریں کہ تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں تو۔۔۔۔۔۔۔ تو ہمیں دنیا کی کوئی طاقت یا کئی طاقتوں کا مجموعہ بھی مغلوب نہیں کر سکتا۔

ہم تعداد میں کم ہونے کے باوجود فتحیاب ہوں گے اور اسی طرح فتحیاب ہوں گے۔ جس طرح مٹھی بھر مسلمانوں نے ایران و روم کی سلطنتوں کے تختے الٹ دیئے تھے۔ تقریر کے آخری حصے میں قائداعظم جناح نے ارشاد فرمایا کہ میں نے اعلیٰ حضرت نظام دکن کی ایگزیکٹو کونسل کے ممبروں اور حیدرآباد کے لیڈروں کو جو مشورے دیئے ہیں۔ وہ حیدرآباد میں بسنے والی تمام قوموں کے لئے یکساں مفید ہیں اور ان سے نہ کسی ہندو کو نقصان پہنچ سکتا ہے اور نہ اچھوت کو نہ عیسائی کو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم مسلمان ہیں۔ مسلمان کسی قوم کے بھی جائز حق کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

12 جولائی 1946ء کو قائداعظم نے اپنی جائے رہائش پر حیدرآباد میں اخبار نویسوں سے ملاقات کی پھر مسلم ڈاکٹروں سے ملاقات کی۔ ڈاکٹروں نے تین ہزار روپے کا کیسہ زر بھی قائداعظم کی خدمت میں پیش کیا۔

آپ نے نماز جمعہ مکہ مسجد میں ادا فرمائی۔ نماز کے بعد آپ نے مختصر تقریر میں اتحاد و اتفاق کی تلقین فرمائی۔

پاکستان کے مرکزی نظام کے بارے میں 21 نومبر 1946 کو رائٹر کے نمائندے مسٹر ڈون کیمبل سے ایک انٹرویو کے دوران قائداعظم نے فرمایا: ''پاکستان کے مرکزی نظام اور اس کی وحدانیتوں کے نظام حکومت کا فیصلہ تو پاکستان کی مجلس دستور ساز کرے گی البتہ پاکستان کا طرز حکومت صرف جمہوری ہوگا۔ اس کی پارلیمنٹ، اس کی وزارت (جو پارلیمنٹ کے سامنے جوابدہ ہوگی) دونوں ہی عموماً رائے دہندگان اور عوام کے سامنے جواب دہ ہوں گی۔ جس میں کسی ذات، نسل یا فرقہ کی تفریق نہیں کی جائے گی اور عوام ہی اپنی حکومت کی پالیسی اور پروگرام کے متعلق آخری فیصلہ کریں گے''۔

13 جولائی 1947 کو نامزد گورنر جنرل پاکستان قائداعظم نے یقین دلایا کہ ''پاکستان کی نو آبادی میں اقلیتوں کے مذہب، تہذیب، تمدن اور معاشرت کا ہر ممکن تحفظ کیا جائے گا۔ ان کو ہر صورت میں پاکستان کا شہری تصور کیا جائے گا اور ان کو شہریت کے تمام حقوق دیئے جائیں گے۔ اقلیتوں کا بھی فرض ہے کہ وہ حکومت کی وفادار رہیں اور کسی بھی صورت میں حکومت کا اعتماد نہ کھوئیں۔ ایک سوال کے جواب میں کہ ''کیا پاکستان ایک غیر مذہبی حکوت الہیہ ہوگی یا وہاں حکومت اہلیہ قائم ہوگی قائداعظم نے فرمایا: ''آپ لوگ مجھ سے ایسا سوال کر رہے ہیں جو بالکل لغو ہے اور جس کے کوئی معنی نہیں ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ حکومت الہیہ کے کیا معنی ہوتے ہیں۔ اس موقع پر ایک نامہ نگار نے کہا کہ ''حکومت الہیہ کے معنی ایک ایسی حکومت کے ہیں جہاں صرف ایک خاص مذہب کی حکومت ہو۔ مثال کے طور پر مسلمان پوری طرح سے شہری ہوں گے اور غیر مسلموں کو مکمل طور

Marfat.com

سے وہاں کا باشندہ نہیں سمجھا جائے گا''۔

قائداعظم نے اس کے جواب میں فرمایا: ''ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں اب تک جو کچھ کہا ہے وہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے میں کسی بطخ کی پیٹھ پر پانی پھینکتا رہا۔ مہربانی کر کے آپ ان تمام لغو باتوں کو اپنے دماغ سے نکال دیجئے جن پر اس وقت گفتگو ہو رہی ہے انہوں نے کہا کہ حکومت الٰہیہ کے کیا معنی ہیں، یہ میں بالکل نہیں سمجھتا اس موقعہ پر ایک دوسرے نامہ نگار نے کہا: ''حکومت الٰہیہ کا مطلب ہے کہ وہ حکومت جو مولاناؤں کے مشورے سے چلائی جائے''۔

قائداعظم نے اس سوال کے جواب میں فرمایا: ''انڈیا کی حکومت بابت آپ کی کیا رائے ہے جو پنڈتوں کی طرف سے چلائی جائے گی (قہقہہ) قائداعظم نے اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے فرمایا: جب آپ جمہوریت پر غور کرتے ہیں تو مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اسلام کا قطعاً مطالعہ نہیں کیا ہے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ ہم آج سے 1300 برس قبل ہی جمہوریت کا مطالعہ کر چکے ہیں''۔ قائداعظم پاکستان میں اسلامی شریعت یا اسلامی قانون نافذ کرنا چاہتے تھے وہ چاہتے تھے کہ پاکستان میں اسلام کا دور دورہ ہو اور لوگ سنتِ رسول ﷺ پر عمل پیرا ہوں۔

15 اگست 1947ء کو قائداعظم محمد علی جناح پاکستان کے گورنر جنرل منتخب ہوئے۔ 19 اگست کو کراچی میں پاکستان دستور ساز اسمبلی کا اجلاس منعقد ہوا۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ اجلاس کی صدارت کسی مسلمان نے نہیں کی بلکہ ایک ہندو۔۔۔۔۔ مسٹر جوگندر ناتھ منڈل نے کی ایوان نے مستقل صدارت کے لئے قائداعظم کا اسم گرامی منظور کیا۔ اس موقع پر کانگرس اور دیگر پارٹیوں کی طرف سے قائداعظم کو خراج تحسین پیش کیا گیا۔ کانگرس پارٹی کے لیڈر مسٹر کرن شنکر رائے نے کہا: ''میں کانگریس پارٹی کی طرف سے آپ کو دستور ساز اسمبلی کا صدر منتخب ہونے پر مبارکباد دیتا ہوں۔ آپ نے زندگی کے مختلف شعبوں میں زبردست کامیابی حاصل کی ہے۔ پاکستان کا خواب آپ ہی نے دیکھا تھا اور اب یہ خواب سچا ثابت ہو چکا ہے بالکل مناسب ہے کہ پاکستان کی تعمیر آپ ہی کے ہاتھوں ہو۔

اس موقع پر قائداعظم نے اپنی تقریر میں فرمایا: ''حکومت کا پہلا فرض امن وامان اور نظم وضبط رکھنا ہے تاکہ ہر قیمت پر لوگوں کے جان و مال اور مذہبی عقائد کا تحفظ ہو سکے اس وقت ہندوستان پر جو بڑی لعنتیں مسلط ہیں ان میں رشوت اور بے ایمانی بھی شامل ہے ہمیں ان کو فولادی پنجہ سے ختم کر دینا ہے۔ چور بازار والوں کو شدید ترین سزا ملنی چاہئے۔

حکومت پاکستان میں آپ کو اپنے مندروں اور پرستش گاہوں میں جانے کی آزادی ہے۔ آپ کسی بھی مذہب کے مقلد ہوں یا آپ کی ذات اور عقیدہ کچھ بھی ہو، اس سے پاکستان کی حکومت کو کوئی تعلق نہیں ہے۔ یورپ خود کو مہذب کہتا ہے لیکن وہاں پروٹسٹنٹ اور رومن کیتھولک خوب لڑتے ہیں آج بھی بعض ریاستوں میں وہاں مذہبی تمیزیں موجود ہیں مگر ہماری ریاست کسی تمیز کے بغیر قائم ہو رہی ہے۔ ایک فرقے یا دوسرے فرقے میں کوئی تمیز نہیں ہوگی۔ نہ ذات اور عقیدوں کی تمیزیں ہوں گی۔ ہم اس بنیادی اصول کے تحت کام شروع کر رہے ہیں کہ ہم ایک ریاست کے باشندے اور مساوی باشندے ہیں ہم کو اپنا مطمع نظر بالینا چاہئے اور پھر کچھ عرصہ بعد آپ دیکھیں کہ ہندو ہندو نہیں رہیں گے اور مسلمان مسلمان نہیں رہیں گے اس کا مطلب یہ

Marfat.com

نہیں کہ ان کے مذہب مٹ جائیں گے کیونکہ مذہب کو ماننا ہر شخص کا ذاتی عقیدہ ہے۔ میرا مطلب سیاسی تمیز سے ہے۔ وہ سب ایک قوم کے افراد ہو جائیں گے۔

گورنر جنرل ہندوستان لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے تقریر کرتے ہوئے کہا: ''پاکستان کا قیام تاریخ کا ایک عظیم الشان واقع ہے۔ تاریخ اکثر برف کی چٹانوں کی طرح بہت سست رفتار ہوتی ہے اور اکثر آبشار کے دھارے کی طرح اچھل کر قدم آگے بڑھاتی ہے۔ میں مسٹر جناح کی خدمت میں خراج تحسین پیش کرنا چاہتا ہوں جن سے ہمارا ذاتی قریبی تعلق ہے اور اسی وجہ سے باہمی اتحاد اور مفاہمت کا امکان پیدا ہوا۔ یہ چیز مستقبل کے بہترین تعلقات کے لئے نیک فعال ہے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی تقریر کے جواب میں قائداعظم نے فرمایا: ''ہم پاکستان کے تمام فرقوں کی فلاح و بہبود کے لئے مساعی کرتے رہیں گے''۔

غیر مسلموں کے ساتھ جو خیر سگالی اور ہمدردی کا برتاؤ تیرہ سو سال پرانی چیز تھی ہمارے رسول اکرم ﷺ نے صرف قول سے نہیں بلکہ عمل سے یہودیوں اور عیسائیوں کے ساتھ نیک برتاؤ کر کے انہیں مفتوح کر لیا تھا ہمارے رسول اکرم ﷺ نے ان کے مذہب اور عقیدہ کے بارے میں انتہائی تحمل اور رواداری اور بلند حوصلگی کا ثبوت دیا تھا۔ ہم یقیناً اس سنت پر عمل کریں گے''۔

مسلمانان ہند قائداعظم کی قیادت میں آزادی حاصل کرنے کے لئے اس لئے جدوجہد کر رہے تھے کہ انہیں نہ تو پریس کی آزادی تھی، نہ ان کی زبان بند تھی، انکے حقوق پامال ہو رہے تھے۔ ان کی روایات کا خون ہو رہا تھا انہیں مذہبی آزادی نہ تھی۔ انہیں اپنے حقوق کی خاطر آواز اٹھانے پر پابند سلاسل کیا جا رہا تھا اور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑتی تھیں۔ علامہ اقبال کی زبان میں حالات ہو گئے تھے کہ:

دل بتدریج از میان سینہ رفت　　جوہر آئینہ از آئینہ رفت

اقتدار و عزم و استقلال رفت　　اعتبار و عزت و اقبال رفت

زور تن کاہید خوف جاں فزود　　خوف جاں سرمایہ ہمت ربود

ان حالات کے پیش نظر ضروری تھا کہ مسلمانان ہند اپنے لئے الگ الگ خطہ زمین حاصل کریں جہاں وہ اپنی روایات اور تمدنی خصوصیات کے مطابق ترقی کر سکیں اور جہاں اسلامی تعلیمات کا احیاء ہو۔ قائداعظم نے قیام پاکستان کے بعد افسران حکومت سے خطاب کرتے ہوئے 11 اکتوبر 1947ء ان امور کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: ''قیام پاکستان جس کے لئے ہم گزشتہ دس سال سے جدوجہد کر رہے تھے خدا کا شکر ہے کہ آج ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ اپنے لئے ایک مملکت قائم کرنا ہی ہمارا مقصود نہیں تھا بلکہ یہ ذریعہ تھا حصول مقصد کا۔ خیال یہ تھا کہ ہم ایسی مملکت کے مالک ہوں جہاں ہم اپنی روایات اور تمدنی خصوصیات کے مطابق ترقی کر سکیں۔ جہاں اسلام کے عدل و انصاف و مساوات کے اصولوں کو آزادی سے برسر عمل آنے کا موقع حاصل ہو''

قائداعظم پاکستان میں اسلامی نظام حکومت چاہتے تھے۔ انہیں اسلامی تعلیمات سے بے حد گہرا لگاؤ تھا اور اسوۂ حسنہ کی ترویج و اشاعت ان کا مدعا و مقصد تھا۔ اسلام ہمیں اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ غیر مسلموں کی جان و مال کی حفاظت کی جائے

Marfat.com

اگر وہ وفادار اور وفاکش رہیں۔ پاکستان کے نظام حکومت کی وضاحت کرتے ہوئے قائد اعظم نے 11 اکتوبر کو افسران حکومت سے فرمایا: ”پاکستان کے نظام حکومت کی بابت میں پھر یہ کہوں گا اور نہایت پرزور طریقے سے کہوں گا کہ ہم اس سلسلہ میں جو پالیسی طے کی ہے اس پر پوری طرح کاربند رہیں گے۔ پاکستان میں جو اقلیتیں ہیں ان کی جان و مال کی حفاظت کرتے رہیں گے اور ان کے ساتھ انصاف کریں گے۔ ہم نہیں چاہتے کہ وہ پاکستان سے چلے جانے پر مجبور کر دیئے جائیں۔ جب تک یہ لوگ حکومت کے وفادار اور وفاکیش رہیں گے ان کے ساتھ ویسا ہی سلوک کیا جائے گا جیسا پاکستان کے اور شہریوں کے ساتھ۔

چونکہ حکومت کی اس پالیسی کو عملی جامہ پہنانے کی ذمہ داری عمال حکومت پر عائد ہوتی ہے اس لئے یہ دیکھنا ان کا فرض ہے کہ اس پر کماحقہ عمل ہو رہا ہے یا نہیں تاکہ ہم پر یہ الزام نہ آئے کہ ہم جو کچھ کہتے ہیں اس پر عمل نہیں کرتے۔ آپ لوگ ہی عوام کو حکومت کی نیک نیتی کا یقین دلا سکتے ہیں۔ مجھے کامل یقین ہے کہ عمال حکومت ہمیں اس سلسلہ میں مایوس نہ کریں گے۔

ہندوستان میں رہنے والے اپنے مسلمان بھائیوں کو میں یہی مشورہ دوں گا کہ وہ جس مملکت میں رہیں اس کے ساتھ پوری پوری وفاداری کا ثبوت دیں۔ اور ساتھ ہی ساتھ انہیں یہ بھی چاہئے کہ اپنی تنظیم کریں اور صحیح قسم کی قیادت پیدا کریں جو اس پرآشوب زمانہ میں ان کی ٹھیک رہنمائی کر سکے۔

معمار پاکستان، حضرت قائداعظم محمد علی جناح نے 11 اکتوبر 1947 کو مقصود پاکستان کی وضاحت کرتے ہوئے پاکستان کے ارباب اختیار و اقتدار سے فرمایا: ”ہم ایک ایسا وطن حاصل کریں جس میں ہم عقل و دانش اور ثقافتی اقدار کے مطابق ترقی کر سکیں اور جہاں سماجی اور معاشرتی انصاف کے اسلامی اصول بلا روک ٹوک پنپ سکیں“۔

یہی بات آپ نے 14 فروری 1948 کو سبی کے شاہی دربار میں دہرائی اور فرمایا: ”میرا عقیدہ یہ ہے کہ ہماری نجات پیغمبر اسلام کے کردہ سنہری اصولوں پر عمل پیرا ہونے میں ہی مضمر ہے۔ آیئے ہم اپنی جمہوریت کی عمارت حقیقی اسلامی نظریات اور اصولوں کی بنیادوں پر استوار کریں“۔

قائداعظم کی دلی خواہش تھی کہ پاکستان میں عہد فاروقی کی تصویر عمل میں لائی جائے 21 مارچ 1948 کو آپ نے بدعناصر کو مخاطب کر کے فرمایا: ”پاکستان قائم ہو چکا ہے اور یہ مسلمانوں کی قربانیوں سے بنا ہے۔ پاکستان کے مقاصد میں کامیاب ہونے کے لئے ضروری ہے کہ مسلمانوں میں مکمل اتحاد و اتفاق ہو۔ ہمارا خدا رسول کلمہ اور قرآن ایک ہے؛ پھر کوئی وجہ نہیں کہ ہم ایک ہو کر اپنے ملک اور اپنے مذہب کی اشاعت اور ترقی کے لئے انتھک جدوجہد نہ کریں اگر آپ نے مکمل اتحاد و تعاون اور صحیح جوش و خروش سے کام کیا تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اللہ کے فضل و کرم سے پاکستان جلد ہی دنیا کے عظیم ترین ممالک میں شمار ہونے لگے گا۔ تعمیر پاکستان کے لئے مسلمانوں کے تمام عناصر اور طبقوں میں یک جہتی اور اتحاد ضروری ہے۔

میں نے مسلمانوں اور پاکستان کی جو خدمت کی ہے وہ اسلام کے ایک ادنیٰ سپاہی اور خدمت گزار کی حیثیت سے کی ہے اور اب پاکستان کو دنیا کی عظیم قومی اور ترقی یافتہ ملک بنانے کے لئے آپ میرے ساتھ مل کر جدوجہد کریں۔

میری آرزو ہے کہ پاکستان صحیح معنوں میں ایک ایسی مملکت بن جائے کہ ایک بار پھر دنیا کے سامنے فاروق اعظم کے

Marfat.com

سنہری دور کی تصویر عملی طور پر کھینچ جائے۔ خدا مری اس آرزو کو پورا کرے۔

پاکستان میں کسی ایک طبقے کو لوٹ کھسوٹ اور اجارہ داری کی اجازت نہیں ہوگی۔ پاکستان میں بسنے والے ہر شخص کو ترقی کے برابر کے مواقع میسر ہوں گے۔ پاکستان امیروں، سرمایہ داروں، جاگیرداروں اور نوابوں کی لوٹ کھسوٹ کے لئے نہیں بنایا گیا پاکستان غریبوں کی قربانیوں سے بنا ہے۔ پاکستان غریبوں کا ملک ہے اور اس پر غریبوں ہی کو حکومت کا حق حاصل ہے۔ پاکستان میں ہر شخص کا معیار زندگی اتنا بلند کر دیا جائے گا کہ غریب اور امیر میں کوئی تفاوت باقی نہ رہے گا۔ پاکستان کا اقتصادی نظام اسلام کے غیر فانی اصولوں پر ترتیب دیا جائے گا یعنی ان اصولوں پر جنھوں نے غلاموں کو تخت وتاج کا مالک بنا دیا۔

26 مارچ 1948ء کو چاٹگام میں ایک جلسہ عام میں اسلامی ریاست کی وضاحت یوں فرمائی: ''ہم ایسی ریاست کی تشکیل چاہتے ہیں جو مساوات اور سماجی اصولوں پر مبنی ہو۔ اگر ہم دوسروں کے ساتھ انصاف ورواداری کا برتاؤ کر سکتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم آپس میں عدل وانصاف سے کام نہ لیں۔ اس بے توجہی اور ناروا سلوک کا تدارک ہی پاکستان کے قیام کا سب سے بڑا مقصد ہے۔ آپ کے عزائم، محنت ومشقت اور آپ کی حکومت کی عملی سرگرمیاں ضرور کامیاب ہو کر رہیں گی۔ خدا آپ کا حامی ومددگار ہو۔

آپ میرے اور دوسرے کروڑوں کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہیں۔ جب آپ یہ کہتے ہیں کہ پاکستان کی حکومت معاشرتی انصاف اور اسلامی سوشلزم کے اصولوں پر مبنی ہونی چاہئے اسلامی سوشلزم کے علاوہ کوئی اور ''عزم'' قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ اس لئے یہ وہ عزم ہے جو انسانی اخوت اور مساوات کا درس دیتا ہے۔ آپ جب یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ ریاست کے ہر شہری کو یکساں مواقع ملنے چاہیں تو آپ میرے دل کی بات کہتے ہیں۔ انسانی اخوت مساوات اور خیر سگالی ہمارے تمدن کے بنیادی اصول ہیں۔۔ پاکستان کے حصول اور اس کے لئے جدوجہد بھی انسانی عقیدوں کی جنگ تھی۔ یہ بیشمار دقتوں اور بے پناہ مشکلات کے باوجود لڑی گئی۔ اسی جدوجہد کے بعد 15 اگست 1947ء کو دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت وجود میں آئی۔ 15 اگست ہماری تاریخ میں ایک اہم دن کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس روز ایک نئی حکومت ہی نہیں قائم ہوئی بلکہ ایک نیا ملک بھی بنا اور ایک نئی قوم بھی ابھری۔

قائداعظم چاہتے تھے کہ پاکستان کا اقتصادی نظام اسلامی اصولوں کے مطابق ہو۔ یکم جولائی 1948ء کو سٹیٹ بینک آف پاکستان کی رسم افتتاح کے موقع پر اس طرف اشارہ کرتے ہوئے آپ نے فرمایا: ''سٹیٹ بینک آف پاکستان مملکت کیلئے ایک ایسا ٹھوس اقتصادی نظام تیار کرے گا جو اسلامی اصولوں کے مطابق ہوگا۔ سٹیٹ بینک آف پاکستان کا قیام اس امر کی علامت ہے کہ مالیت کے میدان میں پاکستان پوری طرح خودمختار ہو گیا ہے۔ سٹیٹ بینک آف پاکستان ترقی کرتے کرتے ایک اہم قومی [illegible] گا اور مملکت پاکستان کی اقتصادی خوشحالی کے سلسلہ [illegible] اہم خدمات انجام دے گا۔ ہمیں اپنا مستقبل اپنے اصولوں پر [illegible] اسلام کے معاشرتی انصاف کے اصولوں پر [illegible]ستان کا اقتصادی اور مالی نظام قائم کیا جائے۔ مسلمان اسی طرح اپنا مشن پورا کر سکیں [illegible] فلاح وبہبود اور خوشحالی کا وسیلہ بن سکتا ہے۔

Marfat.com

قائداعظم پاکستان کو دنیا کی عظیم ترین قوم جانتے تھے۔ان کا عقیدہ تھا کہ مسلمان اس مہم کی خاطر شہید ہو جائے لیکن اس پر آنچ نہ آنے دے۔ان کا ایقان تھا کہ عزت و وقار اور سرفرازی قربانی دیئے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔انہوں نے 30 اکتوبر 1947ء کو لاہور میں ملت اسلامیہ کے نام اپنے پیغام میں فرمایا: ''اس وقت میں آپ سے صرف اس بات کا طلب گار ہوں کہ میرا یہ پیغام جس شخص کے پاس پہنچے وہ اپنے دل میں اس بات کا عہد کرے کہ ضرورت پڑنے پر وہ پاکستان کو اسلام کی پشت پناہ اور دنیا کی عظیم ترین قوم بنانے کے لئے جس نصب العین امن و آشتی ہو اندرون ملک اور بیرون ملک بھی، مسلمان کے لئے اس سے بہتر کوئی ذریعہ نجات نہیں ہو سکتا کہ وہ حق کی خاطر شہید ہو جائے''۔

25 جنوری 1948ء کو عید میلاد النبی ﷺ کے مبارک موقع پر کراچی ایسوسی ایشن کے استقبالیہ میں ''شریعت اسلامیہ'' پر تقریر کرتے ہوئے قائداعظم نے فرمایا: ''کون کہتا ہے کہ پاکستان کے آئین کی اساس شریعت پر نہیں ہوگی؟ جو لوگ ایسا کہتے ہیں وہ مفسد ہیں۔ ہماری زندگی میں آج بھی اسلامی اصولوں پر اسی طرح عمل ہوتا ہے جس طرح کہ تیرہ سو سال پہلے ہوتا تھا۔اسلام نے جمہوریت دکھائی ہے مساوات اور انصاف کا سبق دیا ہے لہذا اسلامی اصولوں پر عمل کرنے سے ہم ایک ساتھ انصاف کرسکیں گے۔

صوبائیت ایک لعنت ہے۔ایک بیماری ہے۔میں اس سے مسلمانوں کو نجات دلانا چاہتا ہوں۔کوئی قوم اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتی جب تک کہ وہ ایک عزم کے ساتھ متحد ہو کر نہ چلے ہم سب پاکستانی ہیں اور مملکت کے لئے ہم سب کو مل کر کام کرنا ہے، قربانیاں دینی ہیں اور وقت پڑے تو جان بھی دے دینا ہے۔

تختہ دکاں، شریک تاج و تخت — از تجارت نفع و از شاہی خراج

آن جہاں بانے کہ ہم سوداگر است — بر زبانش خیر و اندر دل شر است

بے نیاز از کارگاہ او گزر — در زمستاں پوستین او مخر

بانی پاکستان، حضرت قائداعظم محمد علی جناح پاکستان میں اسلامی نظام حیات رائج کرنا چاہتے تھے۔ان کے مطابق یورپ کا جمہوری نظام مسلمانوں کے لئے زہر قاتل کی حیثیت رکھتا ہے۔وہ پاکستان لئے وقف ہو جائے 21 فروری 1948ء کو اپنے اس نظریئے کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: ''ہم نے پاکستان کی جنگ آزادی جیت لی ہے مگر اسے برقرار رکھنے اور مضبوط و مستحکم بنیادوں پر قائم کرنے کی سنگین ترین جنگ ابھی جاری ہے اور اگر ہمیں ایک قوم کی حیثیت سے زندہ رہنا ہے تو اس جنگ میں کامیابی حاصل کرنی ہوگی فطرت کا اٹل اور سفاک قانون ہے۔''بقائے اصلح'' ہمیں خود کو اس نئی آزادی کا اہل ثابت کرنا ہوگا۔فاشیت کے خطرات سے دنیا کو بچانے اور اسے جمہوریت کے لئے محفوظ بنانے کی خاطر کرۂ ارض کے دور دراز حصوں میں جا کر آپ نے میدان جنگ میں داد شجاعت حاصل کی۔مگر اب آپ کو اپنے ہی وطن عزیز کی سرزمین پر اسلامی جمہوریت ''اسلامی معاشرتی عدل و مساوات انسانی کے اصولوں پر پاسبانی کرنی ہے۔آپ کو ان کے لئے ہر وقت تیار رہنا پڑے گا، ہم تن ہوشیار، ستانے کا موقع ابھی نہیں آیا ہے۔یقین محکم، ضبط و نظم اور ادائیگی فرض کی دھن، ایسے اصول ہیں کہ اگر آپ ان پر کاربند ہیں تو

Marfat.com

کوئی شے ایسی نہیں جسے آپ حاصل نہ کر سکیں''۔

قائداعظم نے پاکستان کی پہلی سالگرہ۔ 14 اگست 1948ء کو پاکستان کے نظام حکومت کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: ''مجھے امید ہے کہ آپ ہر موقع پر ہم آہنگ ہو کر اسلام کی قابل فخر تاریخ اور اسلام کی شاندار روایات کو تازہ رکھیں گے۔ قدرت نے آپ کے ملک کو قدرتی وسائل بخشے ہیں، اگر آپ نے ان سے کام لیا تو آپ کا ملک مالا مال ہو جائے گا''۔

قدرت نے آپ کو ہر چیز عطا کی ہے۔ آپ کو غیر محدود ذرائع بخشے ہیں۔ آپ کی سلطنت کی بنیاد رکھ دی ہے اب اس کی تعمیر کا انحصار آپ پر ہے۔ جو بھی آپ سے بن پڑے عزم، خلوص، ایثار و جرات نظم وضبط اور اتحاد و تعاون سے کئے جایئے۔ میں آپ کی کامیابی کے خدا وند کریم کی بارگاہ میں دعا کرتا ہوں۔

قائداعظم پاکستان میں اسلامی قانون نافذ کرنا چاہتے تھے۔ مولانا ظفر علی احمد عثمانی نے اس سلسلے میں جو گفت وشنید کی اور جو سوال جواب ہوئے قائداعظم نے فرمایا: ''باقی رہا نظام اسلام کا مسئلہ تو آپ مطمئن رہیں۔ ذرا مجھے مہاجرین کی طرف سے اطمینان ہو جائے اور اسمبلی کو بھی اطمینان نصیب ہو جائے تو انشاء اللہ جلد دستور پاکستان اصول اسلام کے موافق مرتب ہو جائے گا۔ میرا خیال ہے کہ پاکستان میں ایک لارڈ بشپ ہوگا۔ اس کا ترجمہ آپ کا کریں گے؟ میں نے کہا ''شیخ الاسلام'' کہنے لگے۔ ہاں ''ایک شیخ الاسلام'' ہوگا جو حکومت پاکستان کو کنٹرول کرتا رہے گا کہ دستور اور کوئی قانون خلاف اسلام پاس نہ ہو سکے۔

عوام، علماء اور ارکان دستوریہ کے درمیان اسلامی آئین کے ضامن صرف قائداعظم ہی تھے انہوں نے اگرچہ اپنی ایک ملاقات میں علامہ شبیر احمد عثمانی اور ان کے رفقاء مولانا ظفر احمد عثمانی اور مولانا مفتی محمد شفیع سے فرمایا تھا: ''میں پاکستان کے مقدمہ میں مسلمانوں کا وکیل تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس مقدمہ میں کامیاب کیا۔ پاکستان ان کو مل گیا۔ اب میرا کام ختم ہوا۔ اب مسلمانوں کی اکثریت و جمہوریت کو اختیار حاصل ہے کہ جس طرح کا چاہے نظام قائم کرے اور چونکہ پاکستان میں غالب اکثریت مسلمانوں کی ہے تو اس کے سوا کوئی دوسری صورت ہو نہیں سکتی کے یہاں اسلامی اور صرف اسلامی ریاست قائم ہو۔

مگر اخلاقی طور پر وہ اپنے وعدوں کے بھی پابند تھے جو انہوں نے علامہ شبیر احمد عثمانی اور ان کے رفقاء کار سے کر رکھے تھے کہ اس لئے علماء کرام اور عوام کی امیدیں زیادہ تر قائداعظم کی ذات سے وابستہ تھیں نہ کہ ارکان دستوریہ سے۔

مگر قدرت کو ملت اسلامیہ کا ابھی ایک امتحان منظور تھا۔ اسلیئے اس نے قائداعظم کو فانی دنیا سے ابدی دنیا میں منتقل کرنے کا فیصلہ کر لیا جس کے آثار دیکھ کر قائداعظم کے معالج ڈاکٹروں نے گھبرا کر قائداعظم سے کہا اب پاکستان کو ساحل مراد پر کون پہنچائے گا اس ایک فقرہ نے قائداعظم کی آنکھوں کے سامنے اس محسن ناشناس قوم کے کردار کی ایک فلم سی چلا دی جب انہیں ساری قوم میں کوئی شخص بھی ایسا نظر نہ آیا جو اس ذمہ داری کو سنبھال سکتا ہو اس صدمہ سے ایک بڑا سا لچکدار آنسو ان کی مسہری پر گر پڑا اور انہوں نے آہستہ سے یہ فرماتے ہوئے کمبل سے منہ ڈھانپ لیا کہ: ''اے خدا! تو نے مسلمانوں کو آزادی عطا کی ہے۔ اب تو ہی اس کی حفاظت کرنے والا ہے۔ میری قوم ابھی ابتدائی مرحلے طے کر رہی ہے، کمزور ہے ابھی اس کی صفوں کا کج دور نہیں ہوا تو ہی مدد کرنے والا ہے اور تو ہی اس کا حامی و ناصر ہے۔

Marfat.com

عرفات کے میدان میں لاکھوں مسلمانوں کے مجمع سے خطاب کرتے ہوئے حضور اکرم ﷺ نے اپنے خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا تھا: ''اے لوگو! میری بات اچھی طرح سن لو کیونکہ میں اس سال کے بعد اس جگہ تم سے پھر کبھی نہ مل سکوں۔

اے لوگو! میری باتیں گوش ہوش سے سنو کیونکہ میں خدائی پیغام تم تک پہنچا دیا ہے۔ میں تم میں وہ چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر تم انہیں مضبوطی سے پکڑ لوگے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے اور وہ ہیں کتاب اللہ اور اسکے نبی ﷺ کی سنت۔

اے لوگو! میری باتیں خوب غور سے سنو۔ دیکھو ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور تمام مسلمان آپس میں بھائی ہیں۔ پس کسی شخص کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی کی دلی رضامندی کے بغیر کوئی چیز لے۔ پس تم ایک دوسرے پر ظلم کرنے سے باز رہنا۔

اے اللہ! تو سن رہا ہے کہ میں نے تیرا پیغام لوگوں تک پہنچا دیا''۔

جب حضور نبی کریم ﷺ خطبہ ختم کر چکے تو فرمایا: ''کیا میں نے خدا کا پیغام تم لوگوں تک پہنچا دیا ہے''؟

ہر طرف سے آواز آئی۔ ''یقیناً''

آپ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! تو گواہ رہ کہ میں نے اپنا فرض ادا کر دیا۔

خطبہ ختم کرنے، نماز ظہر اور عصر ادا کرنے کے بعد حضوا کرم ﷺ مقام صحرات میں تشریف فرما ہوئے، وہاں سورۃ المائدہ کی وہ آیت نازل ہوئی جس کا ترجمہ یہ ہے: ''آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کر لیا''۔

یہ آیت سن کر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنی مومنانہ فراست سے اندازہ لگایا تھا کہ اب جبکہ آپ ﷺ کا فرض ادا ہو چکا ہے تو آپ ﷺ کی وفات بھی نزدیک ہے۔

اسی طرح وفات سے قبل قائداعظم نے بھی خدا پر بھروسہ کر کے انتھک کوشش اور مسلسل محنت کی وجہ سے اپنے جسم کے خون کا آخری قطرہ تک تعمیر پاکستان کے لئے صرف کر دیا۔

انہوں نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ انہوں نے ابھی اپنی خداداد اور قابلیت اور سیاسی بصیرت سے سمجھ لیا تھا کہ ان کے دن پورے ہو چکے ہیں۔ تبھی تو انہوں نے فرمایا تھا ''اب میں تھک گیا ہوں۔ آرام کرنا چاہتا ہوں۔ اب مجھے اپنا فرض ادا کر چکنے کے بعد زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں'' انہوں نے ملت اسلامیہ کو یہ مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا: ''میں مسلمانوں سے کبھی مایوس نہیں ہوا۔ اسلام کی تعلیمات میں مایوسی کا لفظ تک نہیں۔ زندہ قوموں کو انتہائی مصائب اور مشکلات میں بھی مایوس ہونا چاہئے۔ مصائب و آلام کی آندھیوں مشکلات کے طوفان، دشمن کی مخالفتوں وریشہ دوانیوں سے گھبرانا نہیں چاہئے۔ خدا ہمیشہ ان قوموں کو آزمائش میں ڈالتا ہے جنہیں وہ زمین کی خلافت سونپا کرتا ہے۔ میں جانتا ہوں، مجھے معلوم ہے کہ دو صدیوں کی دہری غلامی نے مسلمانوں کے دماغوں کو ماؤف کر دیا ہے۔ ابھی انہیں یہ احساس نہیں ہوا کہ وہ اب آزاد ہیں۔ یہ احساس مسلمانوں میں بیداری کرنے کی اشد ضرورت ہے کہ اب وہ ایک آزاد قوم ہیں۔ انہیں آزاد قوم کی طرح الگ ملک کی تعمیر میں حصہ لینا چاہئے۔

Marfat.com

جب بھی مسلمانوں میں یہ احساس پیدا ہو گیا اور وہ محسوس کرنے لگے کہ وہ آزاد ہو چکے ہیں تو اس کے بعد پاکستان کے عظیم ملک بننے میں کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہے گی۔ گو میں آپ میں موجود نہیں ہوں گا۔ لیکن آپ دیکھ لیں گے کہ پاکستان چند سال میں ہی دنیا کا عظیم ترین ملک بن جائے گا اور اس کی ترقی اور اطاعت دنیا کو ورطہ حیرت میں ڈال دے گی اور دنیا کا ہر ملک اور قوم اس کی دوستی کے خواہاں ہوں گے۔

قدرت حالات کے مطابق ایسا آدمی پیدا کر دیا کرتی ہے جس کی وقت اور حالات کو ضرورت ہوتی ہے۔

گھبراؤ نہیں خدا پر اعتماد رکھو۔ اپنی صفوں میں کج نہ آنے دو۔ اور انتشار پیدا نہ ہونے دو دیانت اور خلوص کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔ ملت کے مفاد پر اپنے ذاتی مفاد کو کبھی ترجیح نہ دو۔ انشاء اللہ قدرت تمہیں مجھ سے زیادہ عقیل اور ذہین رہنما عطا کرے گی جو کشتی امت مرحوم کو مشکلات کے بھنور سے نکال کر ساحل مراد تک کامیابی سے پہنچا دے گا۔

قوم نے جو کام میرے سپرد کیا تھا، اور قدرت نے جس فریضہ کے لئے مجھے مقرر کیا تھا وہ اب پورا ہو چکا ہے قوم کو جس چیز کی ضرورت تھی وہ اسے مل گئی، پاکستان بن گیا ہے اور اس کی بنیادیں مضبوط ہیں۔ اب یہ کام قوم کا ہے کہ وہ اسے ناقابل تسخیر اور ترقی یافتہ ملک بنا دے اور حکومت کا نظم و نسق چلائے۔ میں طویل سفر کے بعد تھک گیا ہوں۔ آٹھ سال تک مجھے قوم کے اعتماد و تعاون پر تنہا۔ دو عیار اور مضبوط دشمنوں سے لڑنا پڑا ہے۔ میں نے خدا کے بھروسہ پر انتھک کوشش اور مسلسل محنت کی۔ ہے اور اپنے جسم کے آخری خون کا آخری قطرہ تک پاکستان کے لئے صرف کر دیا ہے۔ اب میں تھک گیا ہوں آرام چاہتا ہوں۔ اب مجھے اپنا فرض ادا کر چکنے کے بعد زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں رہتی''۔

عالم اسلام اور قائداعظم

عالم اسلام پر قائداعظم نے کیا اثرات چھوڑے اور ان کی قدر و منزلت کیا تھی؟ اس کا جائزہ ذیل میں کچھ یوں ہے

30 جون 1945ء کو شیخ نشاشی رکن عرب پروپیگنڈہ کمیٹی نے لندن میں قائداعظم کی ان خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے جو انہوں نے مسلمانان ہند اور عالم اسلام کے لئے انجام دیں، یوں خراج تحسین پیش کیا: ''مسٹر جناح نے شام و لبنان کے مطالبات کی ہندوستان میں سب سے پہلے حمایت کی۔ دوسرے جناب نے فلسطین میں یہودیوں کو آباد کرنے کی پالیسی کے خلاف لیبر پارٹی کو احتجاجی تار روانہ کیا۔ پاکستان میرے نزدیک ایک خوش آئند چیز ہے۔ تمام ممالک عرب جناح صاحب کی پاکستانی اسکیم کو دل سے پسند کرتے ہیں۔ جناب طٰہٰ عرب پروپیگنڈا کمیٹی کے جنرل سیکریٹری نے کہا: ''ہم ہندوؤں کے مقابلے میں جناب جناح صاحب سے بہت قریب ہیں''

29 اگست کو عرب وفد کے رکن جناب انور نشاشی نے لندن مسلم لیگ کے صدر جناب عباس علی کے نام ایک خط لکھا: ''اگر پاکستان قائم ہو جائے تو فلسطین کا مسئلہ خود بخود حل ہو جائے گا۔ دس کروڑ ہندوستانی مسلمانوں کی ایک عظیم الشان حکومت کا قیام ایشیاء کی تاریخ کو بدل دے گا۔ اور عرب حکومتوں کے لئے رحمت کا باعث ہوگا۔

Marfat.com

اسلامی حکومت کے قیام کے سلسلے میں مسلم لیگ جو مبارک جدوجہد کر رہی ہے میں اس پر اپنی اور اپنی قوم کی طرف سے پسندیدگی اور تحسین کا اظہار کرتا ہوں۔

23 جنوری 1945ء شام کے سابق وزیر فارس الخوری نے ڈان کے نمائندے کو بتایا: ''میں ہندوستان میں مسلمانوں کی آزاد حکومت کو بے حد پسند کرتا ہوں۔ مسلمانوں کی یہ آزاد حکومت اسلامی ممالک کے لئے مفید ثابت ہوگی۔ ہمیں یقین ہے کہ انگریز ہندوستانی مسلمانوں اور دوسرے اسلامی ممالک کے مسلمانوں کے جذبات کا پورا پورا احترام کریں گے''۔

متحدہ عرب لیگ کے جنرل سیکریٹری جناب عزام بے نے 15 جنوری 1946ء کو ایک بیان میں پاکستان کی حمایت کرتے ہوئے کہا: ''ہم دس کروڑ مسلمانوں کی نمائندہ جماعت مسلم لیگ کی آواز سننے پر فخر محسوس کرتے ہیں۔ ہم خوش ہیں کہ وہ عرب لیگ کے مقاصد و اعمال کی تائید کرتی ہے۔ ہمیں خوشی ہے کہ استقلال اسلام کے لئے مسلم لیگ دس کروڑ مسلمانوں کو ایک جھنڈے کے نیچے متحد و منظم کر رہی ہے''۔

جناب ریاض الصلح بے وزیر اعظم لبنان نے 19 جنوری 1945ء کو ''پاکستان'' کی حمایت کرتے ہوئے مندرجہ ذیل بیان جاری کیا: ''عرب ہندوستان کے مسلمانوں کی تحریک آزادی کے دل و جان سے متمنی ہے۔ ہم خوب جانتے ہیں کہ ہندوستان میں آزاد اسلامی حکومت کا قیام ساری دنیا کے لئے کتنی بڑی طاقت کا باعث ہوگا۔ بلاشبہ سلطنت پاکستان دنیا کی مضبوط ترین اسلامی سلطنت ہوگی۔ ہمیں امید ہے کہ ہندو قوم مسئلہ پاکستان اور استقلال اسلام کے متعلق آپ کے جذبات کا احترام کریں گے''

12 فروری 1946ء کو جناب حافظ دہبہ سفیر سلطنت سعودیہ عرب نے مارننگ نیوز کلکتہ کے نمائندے کو بیان دیتے ہوئے ''پاکستان'' اور ''مسلم لیگ'' کی یوں حمایت کی: ''شریعت اسلامیہ کا مسلمہ اصول ہے کہ کسی صورت مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ مسلمانوں کی جماعت اور سواد اعظم سے اپنے آپ کو منقطع کرلے۔ معاملات میں ایک مسلمان کی خلاف رائے ہمیشہ امت کی اکثریت اور سواد اعظم کی خواہش و مرضی کے طابع ہوتا ہے۔ اگر میں مولانا آزاد کی جگہ ہوتا اور پاکستان کے خلاف بھی ہوتا پھر بھی پاکستان کی حمایت کرتا اور وہ اس لئے کہ مسلمان چاہتے۔

میرا خیال ہے کہ ہندوستان میں اسلامی سلطنت کا ظہور و قیام نا صرف اسلامیان ہند اور عالم اسلام کے لئے عظیم ترین فائدہ اور بھلائی کی بات ہوگی بلکہ اس عالم کے لئے بھی بڑی چیز ہوگی''۔

11 ستمبر 1946ء کو انجمن خیر خواہان جنوبی افریقہ کی جانب سے قائد اعظم محمد علی جناح کو ایک بحری تار موصول ہوا: ''ہم جنوبی افریقہ کے مسلمانوں کو تہہ دل سے مبارک باد دیتے ہیں اور آپ کی اور مسلم لیگ کی دلیرانہ روش جو اس نے خطرناک اور نازک دور میں اختیار کی ہے، اس کی تائید کرتے ہیں ہم انشاء اللہ کبھی مایوس نہیں ہوں گے بلکہ اس جنگ میں فتح حاصل کریں گے اگرچہ سیاہ بادل چھائے ہوئے ہیں مگر ساتھ ہی ساتھ روشنی کی کرن بھی موجود ہے: ''اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد''

Marfat.com

15 اکتوبر 1946ء کو عراقی ایوان مندوبین کے نائب صدر جناب فضل الدین النقیب نے قائداعظم محمد علی جناح کی خدمت میں ایک تار روانہ کیا۔ جس میں تحریر تھا: ''مسٹر ٹرومین کے نامنصفانہ بیانات، فلسطین کے معاملات میں غیر ضروری مداخلتیں اور صیہونیت کے موافقت سے عرب اقوام میں سخت نفرت اور شورش پیدا ہوگئی''۔

قائداعظم نے مندرجہ بالا تار کے جواب میں تحریر فرمایا: ''آپ کا تار ملا۔۔۔میں صدر ٹرومین کی تازہ تجاویز کی مذمت میں آپ کا شریک ہوں جو انتہائی غیر منصفانہ اور اخلاق کے تمام اصولوں کے خلاف ہیں۔ مسلم ہندوستان فلسطین کے عربوں کی قومی جدوجہد کی پوری حمایت کرتا ہے''

5 اپریل 1947ء کو مصری رئیس وفد جناب مصطفےٰ مومن نے قائداعظم محمد علی جناح سے دہلی میں ملاقات کی وہ ایشیائی ممالک کے تعلقات کی کانفرنس میں شامل ہونے کے لئے تشریف لائے تھے۔

جناب مومن نے قائداعظم سے ملاقات کے بعد ان کے بارے میں اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے انہیں یوں خراج تحسین پیش کیا: ''اسلامی ہندوستان میں زندگی کی روح پھونکنے اور پیدا کرنے کے معاملے میں قائداعظم کو اولیت اور انتہائی درجے کی کامیابی کا شرف حاصل ہے۔ آپ کی شہرت کا ڈنکا کرہ ارض کے گوشے گوشے میں بج چکا ہے۔ جب ایشیائی ممالک کے تعلقات کی کانفرنس میں بعض اسلامی ممالک کے شامل ہونے کا ذکر آیا تو قائداعظم نے مجھ سے فرمایا: شرے برانگیزد کہ خیر ما در آں باشد۔

''آپ کو حضرات کو سیاحت ہندوستان کا موقع مل گیا اور آپ نے معاملات کی رفتار کو بچشم خود دیکھ لیا اب آپ یہاں کی صورت حال کے متعلق اندھیرے میں نہیں رہیں گے۔

ایشیائی کانفرنس کے انعقاد کا خیال بے شک اچھا ہے بلکہ نہایت مستحق ہے مگر اس اجتماع کے لئے یہ وقت مناسب نہیں ہے جب مسلمانان ہندوستان کے مسئلے کا حل ہو جائے گا تو وہ جملہ بلاد اسلامیہ کی فلاح و بہبود کے معاملے میں نمایاں حصہ لیں گے''۔ 21 اپریل 1947ء کو ریاست میسور کی کانفرنس کا پانچواں اجلاس شملہ میں منعقد ہوا۔ مولانا عبدالحامد بدایونی نے جو مشرق وسطیٰ کا دورہ کرنے والی مسلم لیگی وفد کے رئیس تھے، اپنی تقریر میں قائداعظم کو زبردست خراج تحسین پیش کیا۔

انہوں نے اپنے دورے کے تاثرات بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''میں جلالۃ الملک ابن سعود کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے پاکستان کے نظریہ کی بہت تائید کی اور مسٹر جناح کی سیاسی دوراندیشی کا اعتراف کرتے رہے۔ مصر، ور دیگر بلاد اسلامیہ کے اکابر کا نظریہ بھی یہی ہے کہ وہ سب کے سب کہہ رہے ہیں کہ: ''مسٹر جناح اسلام کے قائداعظم ہوں گے''۔

3۔ جون 1947ء کو تقسیم ہند کا اعلان ہوا۔ اس کے بعد پوری دنیا نے ''حصول پاکستان'' پر قائداعظم محمد علی جناح کو مبارک باد کے پیغامات ارسال کئے۔ 7۔ جون 1947ء کو شرق اردن کے سلطان ہز میجسٹی شاہ عبداللہ نے ایک تار کے ذریعے ہدیہ تبریک ارسال کیا جس میں تحریر تھا: ''آپ کی کامیابی کی مسرت میں برابر کے شریک ہوں۔ میں دعا کرتا ہوں کہ پاکستان کو ترقی، دولت اور امن نصیب ہو اور آپ کو بہترین صحت''۔

Marfat.com

8 جون 1947ء کو شرق اردن کے بادشاہ عبداللہ نے جو شریف حسین کے صاحبزادے ہیں، قائداعظم کو ایک تار ارسال کیا جس میں حصول پاکستان پر انہیں مبارک باد دی۔ اس تار میں انہوں نے کہا: ''میں آپ کی مسرتوں میں شریک ہوں اور اس کامیابی پر ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں۔ میری دعا ہے کہ پاکستان پھلتا پھولتا رہے اور امن اور فارغ البالی اس کے قدم چومے۔ آپ کو صحت وعافیت میسر ہو''۔

10 جون 1947ء کو حکومت سعودیہ اور حجاز کے فرماں روا جلالۃ الملک سلطان ابن سعود نے حصول پاکستان پر مبارک باد پیش کرتے ہوئے قائداعظم کو مندرجہ ذیل برقی پیغام ارسال کیا: ''میں پاکستان کے نام سے ہندوستان میں خالص اسلامی ریاست کے قیام پر اپنی رعایا کی طرف سے آپ کو تمام مسلمان بھائیوں کی لازوال مسرت اور ترقی کے لئے ہدیہ خلوص پیش کرتا ہوں۔ میں رب العزت سے دعا گو ہوں کہ وہ آپ کو ساری دنیا میں امن عامہ اور مسلمان بھائیوں کے لئے ایک عظیم الشان ''قائد'' ثابت کرے۔

10 جولائی 1947ء کو لندن میں برطانیہ کے مسلمانوں نے ''حصول پاکستان'' کی خوشی میں ایک دعائیہ جلسہ کیا، جس کے بعد ایک دعوت طعام ہوئی۔ جلسہ میں سب سے پہلے قائداعظم کا ایک پیغام پڑھ کر سنایا گیا۔ اس دعوت میں برطانیہ کی متعدد ہندوستانی جماعتوں کے نمائندوں کے علاوہ بہت سے اسلامی ملکوں کے سفیر وزراء اور دوسرے غیر ملکی نمائندے شریک ہوئے۔

ترکی کے سفیر نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ: ''آج مجھے ایک نئی اسلامی حکومت کے قیام کو خوش آمدید کہتے ہوئے نہایت مسرت محسوس ہوئی ہے۔ میں اپنے وطن کی طرف سے پاکستان اور پاکستان کے مسلمانوں کو خوش خوشحالی اور شاندار مستقبل کی تمنا ظاہر کرتا ہوں''۔ سعودی عرب کے سفیر شیخ وہبہ نے اپنی تقریر میں کہا: ''اسلام کا ستارہ اس بادل سے نکل رہا ہے جس میں وہ کچھ عرصہ سے چھپا ہوا تھا۔ ایک نئی اسلامی حکومت عالم وجود میں آئی ہے، مجھے یقین ہے کہ یہ نئی اسلامی حکومت دنیا کے امن اور خوش حالی میں بہت ممدو معاون ثابت ہوگی''۔

پاکستان کے قیام پر خوشی مناتے وقت ہمیں اپنے ہندوستانی بھائیوں کو فراموش نہیں کرنا چاہئے۔ میں ان کے شاندار مستقبل کے لئے دعا گو ہوں۔

عراق کے وزیر مالیات جناب ڈاکٹر جمالی نے کہا: ''ہم عراق والوں کے تعلقات پاکستانی مسلمانوں سے متصل ہوں گے ہمارا تمدن اور تہذیب بہت یکساں ہے۔ ہم نے پاکستان کے لیڈر محمد علی جناح کی ہمیشہ عزت کی ہے۔ پاکستان اسلامی اصولوں پر عمل کر کے دنیا کو بتا دے گا کہ اسلام امن وسلامتی کا علمبردار ہے۔ دنیا کو یہ بات بھی گرہ میں باندھ لینی چاہئے کہ جس طرح تمام دنیائے اسلام پاکستان کے ساتھ'' اسی طرح وہ فلسطین کے ساتھ بھی ہے، فلسطین یہودیوں کا نہیں ہے، دنیائے اسلام کی پشت پر ہے۔ پاکستان بھی اس کی پشت پر رہے گا اپنی باہمی امداد کے ذریعے ہم فلسطین کو آزاد کرا کے رہیں گے۔ جس طرح ہم نے پاکستان حاصل کیا، جس طرح ترکی، مصر، عرب اور ایران وغیرہ سے ہمارے گہرے دوستانہ تعلقات ہیں، اسی طرح پاکستان سے بھی رہیں گے۔ یہ تمام اسلامی ممالک مل کر دنیا کو بتا دیں گے کہ ہم پس ماندہ نہیں ہیں۔ ہم کسی غیر طاقت کا اقتدار

Marfat.com

قبول نہ کریں گے۔ پاکستان مسلم آزادی، خوش حالی اور امن کی ایک نئی کرن ہے میں اپنے ملک کی طرف سے پاکستان کو خوش آمدید کہتا ہوں۔

قائداعظم علماء کی نظر میں

علمائے کرام کی ایک جماعت وہ تھی جو پاکستان کی ہم خیال بننے اور مسلم لیگ کی قیادت کرنے سے ہچکچا رہی تھی۔ وہ مسلم لیگ کی قیادت کو غیر مذہبی گردانتی تھی اور نہ تو کانگریس کی قیادت کو تسلیم کرتی تھی اور نہ ہی پاکستان کی مخالفت میں سرگرم عمل ہوتی تھی۔ مولانا ظفر احمد عثمانی، خلیفہ مجاز حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نے مولانا حسین احمد مدنی کے مزعومات اور شرکت کانگرس کے تخیلات پر خالصتاً مذہبی نقطہ نظر سے بحث کی۔ آپ کا یہ بیان 26 اکتوبر 1945ء کے اخبارات میں بھی شائع ہوا؛ آپ نے پاکستان کے بارے میں فرمایا: ''رہا مطالبہ پاکستان! سو جب کہ تمام ہندوستان کو اسلامی سلطنت بنانا بحالت موجودہ کسی طرح ممکن نہیں تو کم از کم ان صوبوں کو جہاں مسلم اکثریت ہے، اسلامی سلطنت بنا لینا کہ وہاں اسلامی سلطنت اسلامی اصولوں پر قائم کی جا سکے لازم اور ضروری ہے اس کی نظیر مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت ہے جبکہ مکہ معظمہ میں اسلامی حکومت اور نظام اسلامی قائم نہ ہو سکا تو مدینہ منورہ کو مرکز بنایا گیا۔ پھر اسی مرکز سے اسلام کو ترقی ہوئی۔ اسی طرح کیا عجب ہے کہ پاکستان سے بھی اسلام کو ترقی ہو''۔

دیوبند اور دہلی کے جو علماء کانگرس کے ہم خیال تھے اور مسلم لیگ اور پاکستان کی مخالفت پر کمربستہ تھے، ان کے اس فعل پر کڑی تنقید کرتے ہوئے مولانا مناظر احسن گیلانی (شیخ التفسیر جامعہ عثمانیہ) نے مولانا عبدالماجد دریابادی کے نام جو خط لکھا اس میں تحریر فرمایا: ''دیوبند ہی میں نہیں طبقہ علماء کا حال ہر جگہ قابل رحم حد تک پہنچ چکا ہے اپنی فوج کو خود اپنے ہاتھوں انہوں نے ضائع کیا۔ اب اگر مذہبی بیباکیوں کی طرف سے کوئی اقدام خدانخواستہ پیش آیا تو ان مولویوں سے کوئی پوچھے کہ اپنی کس قوت کا دباؤ ڈال کر ان شرارتوں کا مقابلہ کریں گے۔ جمعیۃ العلماء اسلام کلکتہ نے گو ایک محاذ مولویوں کے لئے قائم کر دیا ہے لیکن عوام ان کے ہاتھوں سے نکل چکے ہیں اب ان پر قابو پانا آسان نہیں ہے۔ افسوس کہ خود اپنے ہاتھوں اپنے پیر پر کلہاڑی ان مولویوں نے چلائی۔ تاہم محمد رسول اللہ ﷺ کے دین کے محافظ وہی ہے جس نے اس کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ علماء ہمارے ہاں کسی نسل کا نام نہیں ہے۔ مجھے تو کچھ ایسا نظر آتا ہے کہ تعلیم یافتوں میں دین کا عنصر شریک کر کے علماء کی قیادت کی باگ دوڑ اب تعلیم یافتوں کے سپرد کر دے گی۔ آئندہ میدان انشاء اللہ محمد علیوں، اقبالوں کے ہاتھ میں رہے گا۔

مولانا شبیر احمد عثمانی برصغیر کے چند گنے چنے خطیبوں اور واعظوں میں سے تھے آپ وہ واحد بزرگ ہیں جنہوں نے مسلم لیگ کے نصب العین ------ پاکستان کو دل و جان سے مانا اور قائداعظم محمد علی جناح کو ہندوستان کا سیاسی لیڈر تسلیم فرمایا۔

جب انہوں نے بعض دوسرے علماء کی طرح یہ اعلان فرمایا کہ: ''قائداعظم محمد علی جناح کو ہندوستان کا سیاسی لیڈر تسلیم کیا جائے'' تو اس اعلان پر بعض کانگرس نواز علماء نے جو مولانا عبدالکلام آزاد کو قائداعظم پر فوقیت دیتے تھے نکتہ چینی کی مثال کے

Marfat.com

طور پر مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے مولانا شبیر احمد عثمانی کے نام جو خط لکھا اس میں اپنے دل کی کیفیت یوں بیان کی: ''مجھ کو آپ کے اس لکھنے سے کہ جناح کو ہندوستان کا سیاسی لیڈر تسلیم کیا جائے، بڑا دکھ ہوا۔ گویا کہ ہندوستان کے قرآن کے مفسر نے انگریزی دان طبقے کے سامنے اقرار کر لیا ہے کہ مولوی سیاست نہیں جانتا اور یہ بھی اقرار کر لیا کہ وقت کی سیاست کو قرآن کا سب سے بڑا مفسر نہ چلا سکتا ہے اور نہ سمجھ سکتا ہے۔ یہ علماء کے قتل کا فتویٰ نہیں تو اور کیا ہے؟۔ مولانا شبیر احمد عثمانی نے اس خط کے جواب میں تحریر فرمایا: ''رہا علماء محدثین و مفسرین کی موجودگی میں مسٹر جناح کی قیادت کا مسئلہ تو آپ کو معلوم ہے کہ ہم نے ان کو ابتداً قائد نہیں بنایا وہ اپنے دماغی قابلیت یا دوسرے تکوینی اسباب کی بناء پر مسلم اکثریت کے قائد بن گئے۔ اب ان کا مقابلہ کر کے جماعت المسلمین میں تفرقہ ڈالنا، درآں حال یہ کہ وہ اس وقت ایک مضبوط اصول اور صحیح نظر کے حامل بھی ہیں۔ کیسے درست ہو سکتا ہے جبکہ سلطان متغلب یا فاقد الشروط امیر اور خلیفہ کے متعلق اطاعت کی تصریحات موجود ہیں۔ اور جب کہ اس قیادت کو خود اکابر جمعیت العلماء 1937ء میں مستقل اور کلی اختیار سپرد کر کے خود مستحکم اور مضبوط کر چکے ہیں۔ دیکھو خط مطبوعہ حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی بابت الیکشن 1937ء غالباً ان حضرات کی نظر بھی اسی نقطہ نظر پر مرتکز ہوگئی کہ یہ عصری سیاست کے موافق ایک آئینی جنگ ہے جس سے مسٹر جناح کی قیادت میں مسلمان اچھی طرح عہدہ براں ہو سکتے ہیں۔ مسٹر جناح عالم نہ سہی لیکن جو آئینی کشتی لڑی جا رہی ہے اس کے داؤ پیچ سے خوب واقف ہیں۔ لاؤز بسکو کے مقابلہ میں اس گاماہی کو آگے بڑھائیں)۔ آخر حضرت اشمویل نبی کی موجودگی میں بنی اسرائیل کی درخواست پر اللہ تعالیٰ نے طالوت کو امیر لشکر بنایا تھا اور حضرت ایوب انصاریؓ اور دوسرے صحابہ کرام نے یزید بن معاویہ کی قیادت میں مدینہ قیصر پر وہ چڑھائی کی جس کی بشارت صحیح بخاری میں آئی ہے پھر میں نہیں جانتا کہ آج کسی مفسر قرآن کی موجودگی میں مسٹر جناح کو قائد بنا دینے سے کیا قیامت ٹوٹ پڑی اور جو چیز 1937ء میں جنت تھی، 1945ء میں جہنم کس طرح بن گئی۔ جمعیۃ العلماء اسلام نے اگر اس کی قیادت کی تعریف اور مسلم لیگ کی تائید کی تو کیا گناہ کیا؟''

قائداعظم کی نماز جنازہ کے بعد مولانا شبیر احمد عثمانی نے آپ کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا: ''اب قائداعظم ہم میں موجود نہیں ہیں جو قوم کی رہنمائی کر سکیں۔ مگر قائداعظم کی ہدایات اور اسپرٹ قوم کی رہنمائی کرتی رہے گی۔ قائداعظم کی وفات صرف پاکستان ہی کا نقصان نہیں ہے بلکہ یہ ساری اسلامی دنیا کا نقصان ہے۔ قائداعظم نے قوم کے دلوں پر قبضہ کر لیا اور ان پر حکمرانی کی۔ سیاست دان کی حیثیت سے قائداعظم کی مثال نہیں ملتی۔ قائداعظم کو کوئی خرید نہ سکتا تھا۔ نہ ان کو کوئی بیوقوف بنا سکتا تھا۔

وہ ایک غریب اور غیر تعلیم یافتہ قوم کے لیڈر تھے اس لئے انہوں نے اپنی تمام راحتوں پر لات مار دی تھی اور رات دن وہ اپنی قوم کی بہبودی کے لئے کام کرتے تھے۔ قائداعظم نے اسلام کی وہی عظمت کر دی جو اورنگ زیب کے زمانے میں تھی اور اس زمین کے مسلمان اس احسان پر ہمیشہ ان کے ممنون رہیں گے۔

مسلمانان ہند کے متحد و متفق ہونے کے لئے ضروری تھا کہ تمام مسلم سیاسی جماعتیں قائد کے ساتھ دیں۔ 30 اگست

Marfat.com

1946ء کو قیصر باغ، بمبئی میں منعقدہ ایک اجلاس میں جو بسلسلہ ''جشن عید'' ہوا تھا۔ قائد اعظم نے مسلم سیاسی جماعتوں جمعیۃ العلماء ہند، مجلس احرار، خاکسار اور مسلم مجلس سے اتحاد کی اپیل کرتے ہوئے فرمایا: ''حضرات! ''عید مبارک'' کا ہدیہ تبرک پیش کر چکا ہوں۔ بلا شبہ اسلامی دنیا کے لئے آج کا دن مسرت و شادمانی کا دن ہے لیکن حقائق سے چشم پوشی نہیں کر سکتے۔ آج ہمارے سروں پر سیاہ بادل کا ایک ٹکڑا منڈلا رہا ہے۔ ایسے نازک حالات میں اسلامیان ہند سے درخواست کروں گا کہ وہ آنے والے خطرات کو محسوس کریں اور اپنے اختلاف کو بھول جائیں۔ شانہ سے شانہ ملا کر سارے ملک میں متحد و منظم ہو جائیں اور اس موقع پر خصوصیت کے ساتھ میں جمعیۃ العلماء ہند، مجلس احرار، خاکسار اور مسلم مجلس سے اپیل کرتا ہوں کہ اسلام کی فلاح و سربلندی کی خاطر ہم متحد و منظم ہو کر مقابلہ کے لئے کمر بستہ ہو جائیں تو مخالفین کی تمام طاغوتی سازشوں کو بری طرح ناکام بنا دیں گے۔ ہمارے مطالبات حق و انصاف پر مبنی ہیں اور خدا ہمارے ساتھ ہے۔ دس کروڑ مسلمانوں کی زندہ اور جاوید قوم مٹائی نہیں جا سکتی۔ اگر ہم منظم ہو کر ایک پرچم تلے جمع ہو جائیں تو ہم اپنے محبوب نصب العین کو حاصل کر کے رہیں گے۔ پاکستان کے بغیر مسلمانان ہند تباہ و برباد ہو جائیں گے۔

قائد اعظم کی مندرجہ بالا اپیل بار آور نتیجہ خیز ثابت ہوئی۔ بعض مقتدر علماء اور صوفیاء نے آپ کی اپیل پر لبیک کہا۔ مثال کے طور پر سید محی الدین لال بادشاہ، پیر مکھڈ شریف، اور مولانا داؤد غزنوی جیسے بزرگ مسلم لیگ میں شامل ہو گئے اور اپنی زندگی ملت اسلامیہ کی خدمت کے لئے وقت کرنے کا یقین دلایا۔

19 اکتوبر 1945ء کو جب صوبہ سرحد اور پنجاب کے پیروں، سجادہ نشینوں صوفیوں اور روحانی پیشواؤں کا ایک اہم اجتماع پشاور میں ہوا تو اس میں ایک تجویز منظور ہوئی جس میں مسلم لیگ سے وفاداری اور قائد اعظم کی قیادت پر اعتماد کا اظہار کیا گیا۔ سجادہ نشین پیر مانکی شریف نے اس اجتماع میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا: ''اس وقت مسلمانوں کو باہمی اتحاد کی ضرورت ہے۔ ہر مسلمان کو حصول پاکستان کے لئے پوری جدوجہد کرنی چاہئے، جہاں وہ عزت اور آزادی سے رہ سکیں گے۔ حصول پاکستان کا اس سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں ہو سکتا کہ ہر مسلمان مسلم لیگ میں شریک ہو کیونکہ صرف مسلم لیگ ہی ایک ایسی جماعت ہے جو صرف اسلام اور مسلمانوں کی سربلندی اور آزادی کے لئے کوشاں ہے''

شیخ المشائخ حضرت دیوان سید آل رسول بیرہ و سجادہ نشین درگاہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری علالت کے باعث علماء اسلام کانفرنس کلکتہ میں بہ نفس نفیس شریک نہ ہو سکے۔ آپ نے غازی محی الدین اجمیری کو اپنا نمائندہ خاص بنا کر بھیجا اور مندرجہ ذیل پیغام ارسال فرمایا: ''اس وقت ہندوستان میں سب سے زیادہ ضروری اور ہم سب کی توجہ کے قابل یہ مسئلہ ہے کہ مسلم لیگ کی واحد نمائندگی کے دعوے میں ہم پورے اتر جائیں اور قائد محمد علی جناح کی قیادت قائم و برقرار رہ جائے۔ اغیار اور معاندین اسلام ہماری واحد نمائندگی اور قیادت کی دھجیاں فضائے آسمانی میں اڑا دینا چاہتے ہیں۔ ہم کو بڑے استقلال و پامردی کے ساتھ اس دعویٰ کو ثابت کرنا ہے اور اس قیادت کے قیام و بقا کے لئے کام کرنا ہے۔ میں اپنے اس سلسلہ کی خانقاہوں کے سجادگان سے اپنے جد امجد حضرت خواجہ غریب نواز کے نام پر اپیل کرتا ہوں کہ وہ اپنی اپنی گدیوں کو چھوڑ کر اس نازک وقت میں

Marfat.com

اسلام کی خدمت کے لئے نکل پڑیں اور مسلم لیگ کے امیدواروں کو کامیاب بنانے کے لئے کمربستہ ہوکر میدان میں آجائیں''۔

شمس العلماء حضرت خواجہ حسن نظامی نے 21 نومبر 1945ء کو مندرجہ ذیل بیان دیا: ''حضرت پیر مہر علی شاہ کے سجادہ نشین پیر غلام محی الدین نے اپنے سب مریدوں کو حکم دے دیا ہے کہ وہ مسلم لیگ کا ساتھ دیں اور چونکہ نواب خضر حیات خان ان کے مرید ہیں اس واسطے یقین ہے کہ نواب صاحب بھی آخر کار مسلم لیگ کے ساتھ ہو جائیں گے۔

کانگریس جمعیت العلماء سے بہت زیادہ مولوی صاحبان کلکتہ کی بڑی جمعیت العلماء میں ہیں اور وہ سب مسلم لیگ کے ساتھ ہیں اور انہوں نے مسلمانوں کو فتویٰ دے دیا ہے کہ وہ مسلم لیگ کا ساتھ دیں اور جو مسلمان بڑی جمعیت العلماء کے فتویٰ کے خلاف کرے گا، گنہگار ہوگا''۔

11 جنوری 1946ء کو حضرت مولانا فضل شاہ سجادہ نشین جلال پور شریف نے اعلان کیا کہ: ''تنظیم ملی کا تقاضا ہے کہ مسلمان مسلم لیگ کو ووٹ دیں''

20 جنوری 1946ء کو حضرت شاہ شرف الدین بو علی قلندر کی درگاہ کے متولی اور سجادہ نشین عبد الرشید نے پانی پت سے حسب ذیل بیان شائع کرایا: ''اس وقت مسلمانان ہند کی واحد نمائندہ جماعت مسلم لیگ ہے اور پاکستان مسلمانان ہند کا بہترین نصب العین ہے'' اس کے بعد سجادہ نشین موصوف نے درگاہ متوسلین اور معتقدین سے مطالبہ کیا کہ وہ صرف اور صرف ۔۔۔ مسلم لیگ ۔۔۔ کے امیدواروں کو ووٹ دیں۔

جمعیۃ العلمائے اسلام کانفرنس پنجاب کے ایک اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے حضرت پیر سید جماعت علی شاہ، محدث علی پور نے فرمایا: ''حکومت اور کانگریس دونوں کان کھول کر سن لیں کہ اب مسلمان بیدار ہو چکے ہیں۔ انہوں نے اپنی منزل مقصود متعین کر لی ہے۔ اب دنیا کی کوئی طاقت ان کے مطالبہ پاکستان کو ٹال نہیں سکتی بعض دین فروش نام نہاد لیڈر مسٹر جناح کو برملا گالیاں دیتے ہیں لیکن انہوں نے آج تک کسی کو برا نہیں کہا یہ ان کے سچے رہنما ہونے کا بڑا ثبوت ہے۔ خاکساروں نے مجھے قتل کی دھمکیاں دی ہیں۔ میں انہیں بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں سیّد ہوں، سیّد موت سے کبھی نہیں ڈرتا''۔

26 جنوری 1946 کو شام کے وقت صوبائی جمعیت العلمائے اسلام کا ایک اجلاس اسلامیہ کالج لاہور کی گراؤنڈ میں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کی صدارت میں منعقد ہوا۔ شیخ الاسلام نے اپنے صدارتی خطبہ میں فرمایا: ''علماو مشائخ نے پاکستان کی حمایت کا بیڑہ اٹھایا ہے۔ پاکستان کی حکومت اسلامی قانون کے اصول پر ہوگی''

اجلاس مذکور میں جو قراردادیں منظور ہوئیں ان میں ووٹ لینے کے بارے میں حکومت پنجاب کے اعلان کی مذمت کی گئی اور قائداعظم پر مکمل اعتماد کا اظہار کیا گیا۔

خطیب اعظم مولانا غلام مرشد نے اجلاس میں خطبہ استقبالیہ پیش کیا۔ آپ نے اپنے خطبے میں فرمایا: ''علماء پاکستان کے لئے اپنے خون کا آخری قطرہ بھی بہا دیں گے''۔

6 فروری 1946ء کو مردان میں ایک جلسہ منعقد ہوا جس میں جمعیۃ علمائے اسلام کے مقتدر علما نے تقاریر کیں۔

Marfat.com

مولانا عبدالقدوس بہاری اور مولانا عبدالقیوم کانپوری نے فرمایا: 'علما حصول پاکستان کی خاطر اپنی جانیں قربان کرنے سے دریغ نہیں کریں گے''۔

لاہور۔ 17 مارچ سید محی الدین لال بادشاہ (پیر مکھڈ شریف) ایم ایل اے نے مسلم لیگ میں شمولیت کے متعلق اپنے فیصلے کا اعلان کر دیا ہے۔ انہوں نے قائداعظم کو ایک مکتوب لکھا ہے جس میں فرماتے ہیں: ''میں نہایت مسرت اور امتہاج کے ساتھ آپ کی وساطت سے اپنی ناچیز خدمات ملت اسلامیہ کے حضور پیش کرتا ہوں۔ میں ان تمام ذاتی یا سیاسی اختلافات کو جنہوں نے ماضی میں مجھے ایسا کرنے سے باز رکھا۔ برطرف کرتا ہوں، مفاد ملت کے لئے میری پیش کش کو قادر مطلق قبول فرمائے۔ اپنی انفرادی حیثیت میں قوم کے لئے میں جو کچھ کر سکتا تھا اس میں کوشاں رہا ہوں۔ ایسا کرنے میں غرض مندانہ مفادوں سے مجھے ٹکرانا بھی پڑا اور اس سے مجھے نقصان بھی اٹھانا پڑا۔ موجودہ ساعت جو ملت کے لئے بڑی آزمائش کی ساعت ہے انہیں غرض مندانہ مفادات نے مجھے پھر سے الگ تھلگ رکھنے کی کوشش کی مگر پورے وثوق کے ساتھ میری یہ رائے ہے کہ اس وقت ہر فرد ملت کا یہ مقدس فرض ہے کہ وہ مسلم لیگ میں شامل ہو جائے۔ یہ فرض ہر دوسرے فرض پر مقدم ہے۔ اس لئے میں اپنے اختلافات کو قطعاً بھلا کر اور مٹا کر ملت کے ایک ادنیٰ خادم کی حیثیت سے اسمبلی کے اندر اور باہر بھی آپ کی اور مسلم لیگ کی تائید و حمایت کا اقرار صالح کرتا ہوں''۔

30 مئی 1946 کو بنوں میں کل پاکستان کانفرنس کی صدارت کرتے ہوئے حضرت پیر صاحب مانکی شریف نے مسلمانوں کو دعوت دی کہ اگر لیگ ہائی کمان نے فیصلہ کیا تو ایک تحریک جاری ہوگی۔ اس کیلئے مسلمانوں کو تیار رہنا چاہئے۔ سرحد میں پیر صاحب کے مریدوں اور معتقدوں کا شمار لاکھوں تک پہنچتا ہے، آپ نے فرمایا: ''مسلمان بہت نازک وقت سے گزر رہے ہیں۔ جن آلام و مصائب سے ان کو دوچار ہونا پڑے گا، ان کے لئے مسلمانوں کو تیار رہنا چاہئے''۔

خراج تحسین

بھارت کے پہلے وزیراعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے قائد کے بارے میں اپنے تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

''انسان کا قیمتی سے قیمتی سرمایہ یہی ہے کہ وہ ایک اعلیٰ کردار اور عمدہ سیرت کا مالک ہو۔ قائداعظم کی اعلیٰ سیرت و کردار وہ موثر حربہ تھا۔ جس کے ذریعے انہوں نے اپنی زندگی بھر کے معرکوں کو سر کیا اور اپنے کارناموں کی وجہ سے قائداعظم کہلائے''

اٹلی کے مشہور راہنما مسٹر مسولینی نے کہا: ''قائداعظم کیلئے یہ بات کہنا غلط نہیں ہوگا کہ وہ ایک تاریخ ساز شخصیت ہیں جو کہیں صدیوں میں جا کر ہی پیدا ہوتی ہے''

ہندوؤں کے عظیم سیاستدان اور راہنما مسٹر کرم چند موہن داس گاندھی نے قائد کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار یوں کیا: ''یہ حقیقت ہے کہ جناح بلاشبہ اعلیٰ اوصاف کے مالک تھے۔ وہ سیرت و کردار کی ان بلندیوں پر تھے جہاں کوئی لالچ اور خوف انہیں اپنے راستے سے ہٹا نہیں سکتا تھا۔ وہ عزم و استقامت کے کوہ گراں تھے۔ نہ امارت و ثروت ان کی راہ میں حائل

Marfat.com

ہوئی اور نہ حکومت کا جاہ وجلال انہیں مرعوب کر سکا۔ محمد علی جناح کو مسلم عوام پر بے پناہ قابو حاصل تھا اور ان کے متعلق بڑے سے بڑے لیڈر کو بھی تسلیم کرنا پڑا کہ وہ کسی قیمت پر خریدے نہیں جا سکتے"

مشہور فلسفی سائنسدان اور دانشور ٹرینڈ رسل نے کہا کہ: "ہندوستان کے مسلمانوں کی پوری تاریخ میں کوئی بڑے سے بڑا شخص ایسا نہیں گزرا ہے جسے مسلمانوں میں ایسی مقبولیت، ہر دلعزیزی اور محبوبیت نصیب ہوئی ہو جیسے مسلمانوں کے نامور راہنما محمد علی جناح کو حاصل ہوئی"۔ (قائد اعظم کیسا پاکستان چاہتے تھے۔ صفحہ ۱۴۳)

مشہور سکھ راہنما ماسٹر تارا سنگھ نے ان الفاظ میں قائد کو خراج عقیدت پیش کیا: "قائد اعظم نے مسلمانوں کو ہندوؤں کی غلامی سے بچا لیا۔ اگر یہ شخص سکھوں میں پیدا ہوتا تو اس کی پوجا کی جاتی" (مقالہ قائد اعظم ص ۳۳)

اعزاز

حضرت محمد علی جناح نے عالم اسلام کے مسائل کو اپنے مسائل سمجھا مسئلہ فلسطین ہو یا انڈونیشیا کی آزادی کا معاملہ ہو یا کشمیر ہو، ہر محاذ پر آپ نے عملی کردار ادا کیا۔ انڈونیشا کی حکومت نے قائد اعظم کی ملی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے اپنے ملک کا سب سے بڑا اعزاز بعد از مرگ پاکستان کی پچاس سالہ تقریبات آزادی کے موقع پر نوازا۔

قائد اعظم کا سفرِ آخرت

Behold him in the evening tide of life.....

By unpereceived degrees he wears away:

Yet, like the Sun, seems larger at his setting.

The Grave, by Robert Blair

اس درخشاں زندگی کی شام بھی قابل دید ہے۔

شمع حیات آہستہ آہستہ بجھ رہی ہے،

لیکن اس کے گل ہونے کا انداز بھی اپنی ایک شان رکھتا ہے،

جیسے غروب ہونے سے قبل کچھ دیر تک سورج پہلے سے بھی زیادہ بڑا معلوم ہوتا ہے۔

جناح کے پرانے پارسی دوست جمشید نوشیرواں جی ابھی حیات تھے اور کراچی میں رہتے تھے۔ وہ جناح سے بہت مانوس تھے۔ ایک دن وہ انہیں تلاش کرتے ہوئے گورنمنٹ ہاؤس کے چمن میں پہنچ گئے اور دیکھا کہ جناح ایک نشست پر بیٹھے اونگھ رہے ہیں۔ انہیں دیکھ کر قائد اعظم نے سر اٹھایا اور بولے: "میں تھک گیا ہوں، جمشید، بری طرح تھک گیا ہوں۔" یہ فروری ۴۸ء کا واقعہ ہے اس وقت پاکستان کو قائم ہوئے صرف چھ مہینے گزرے تھے۔

اس سے پہلے شاید جناح کو کبھی اتنی فرصت ہی نہ ملی تھی کہ گھر سے باہر باغ میں بیٹھ کر کچھ دیر اونگھ لیں۔ ان کی سیاسی

Marfat.com

زندگی کے شروع کے دنوں میں مالابارہل پر ان کی کوٹھی کے ساتھ باغ بھی تھا۔ صبح کو وہ ضرور وہاں جایا کرتے تھے لیکن تیزی سے اس کی روشیں طے کر جاتے، اور باغ کے انتظام پر نکتہ چینی صرف اس وقت کرتے جب انہیں ایک ہی کیاری میں دو قسم کے پھول ملے جلے دکھائی دیتے۔ وہ کہتے کہ ''یہ باغ نہیں جنگل ہے''۔ انہیں فلاکس (Phlox) اور پیٹونیہ (Petunia) کے پھولوں کی سیدھی، ستھری قطاریں بہت مرغوب تھیں، لیکن پھول توڑنے کا شوق نہ تھا۔ نہ انہیں کبھی اتنی فرصت ملی کہ اطمینان سے بیٹھ کر گلستان کے نظارے سے لطف اندوز ہوں۔

لیکن اپنی زندگی کے آخری زمانے میں قائداعظم کی بعض عادتوں میں کچھ تبدیلی رونما ہوئی۔ کبھی کبھی وہ گورنمنٹ ہاؤس کے چمن میں جا بیٹھتے اور کچھ دیر درختوں کے سائے کے تلے تصور کی دنیا میں گم ہو جاتے۔ اس کے بعد اکثر تھوڑی دیر کے لئے ان کی آنکھ لگ جاتی۔ اس سے پہلے کبھی انہوں نے اس طرح چمن میں استراحت نہ کی تھی۔ کبھی کبھی باغ میں ٹہلتے ہوئے وہ ٹھہر جاتے اور کارنیشن کا ایک پھول توڑ کر اپنے کوٹ میں لگا لیتے۔

اسی مہینے میں ایک صبح کو 'اسٹیٹس مین' کے ایڈیٹر مسٹر این اسٹیفنز نے قائداعظم سے ملاقات کی۔ کئی برس بعد اپنی کتاب Horned moon میں اس ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے لکھا: ''بانی پاکستان کی زندگی کا چراغ گل ہو رہا تھا، مگر اس وقت تک کسی کو یہ خبر نہ تھی کہ وہ تپ دق میں مبتلا ہیں اور یہ موذی مرض ان کے پھیپھڑوں کو چھلنی کر چکا ہے۔ چند ہی مہینوں میں اس مرض نے ان کی جان لے لی''۔

ساڑھے تین سال قبل بمبئی میں قائداعظم کے معالجوں نے ان کو اس خطرے سے آگاہ کیا تھا، لیکن قائداعظم نے یہ بات راز بنا کر چھپا رکھی تھی۔

آگے چل کر مسٹر اسٹیفنز لکھتے ہیں: ''تقسیم ہند سے چند دن قبل میں نے مسٹر جناح کو دیکھا تھا۔ اس زمانے کی بہ نسبت اب ان کی صحت مجھے بہتر معلوم ہوئی اور میں نے یہ بات ان سے کہی۔ اس کے بعد وہ دیر تک مجھ سے گفتگو کرتے رہے اور ان کے سیکریٹریوں کو سترمنٹ کی اس طویل ملاقات پر بہت تعجب ہوا۔ دوران گفتگو میں مسٹر جناح نے ہندوستان اور پاکستان کے گزشتہ سات مہینے کے حالات و واردات کا جائزہ لیا۔ اس دور کی تاریخ کی تشکیل میں جناح کا بہت بڑا حصہ تھا اور خود ان کی زبان سے اس کی داستان مجھے بہت دلچسپ اور مؤثر معلوم ہوئی''۔

رخصت ہوتے وقت قائداعظم نے کہا: مسٹر اسٹیفنز، آپ کا بہت بہت شکریہ۔ مجھے اپنی طبیعت میں خاصہ افاقہ محسوس ہو رہا ہے اور درحقیقت اب میری حالت پہلے سے بہت بہتر ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ میں حال میں بیمار رہا ہوں، لیکن میں جانتا ہوں کہ یہ غلط ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ اب میں جلد تھک جاتا ہوں''۔

''پھر ان کے حسین اور باریک ہونٹوں کو جنبش ہوئی اور وہ اپنے مخصوص انداز میں زیر لب مسکرائے، پھر بولے: یہ تو عمر کا تقاضہ ہے۔ اب میں جوان نہیں ہوں اور مجھ پر ذمہ داریوں کا بڑا بار ہے۔ جب میں تھک جاتا ہوں تو آرام کر لیتا ہوں۔ یہ بہت آسان نسخہ ہے۔ میں جانتا ہوں کہ مجھے اپنی صحت برقرار رکھنے کے لئے کیا کرنا چاہئے، لہٰذا میں اپنے معالجوں سے کہہ دیتا

Marfat.com

ہوں کہ وہ اپنے گھر جائیں۔ میں نہیں چاہتا کہ وہ بات کا بتنگڑ بنائیں، یہ مجھے ناگوار گزرتا ہے۔نہیں نہیں میں بالکل بیمار نہیں تھا"۔(ص۔۵۰)

ہر آدمی کی شخصیت کے بے شمار متنوع پہلو ہوتے ہیں اور جن لوگوں کو اس سے سابقہ پڑتا ہے ان میں سے ہر ایک کو اس کی شخصیت کا رنگ جدا نظر آتا ہے۔ یہی حال محمد علی جناح کا تھا۔ ان کی سیرت اور مزاج کے متعلق ان کے شناساؤں میں خاصا اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔لیکن اس بات پر سب متفق ہیں کہ جناح انتہائی دیانت دار انسان تھے اور ساری عمر کسی نے ان کی دیانت پر شبہ نہ کیا۔سر اسٹیفر ڈ کرپس انہیں ۱۹۳۰ء سے جانتے تھے اور ان کی رائے یہ تھی کہ "جناح انتہائی راست باز اور خود دار شخص تھے۔ ان سے معاملہ کرنا اسی لئے دشوار تھا کہ وہ اپنے مقصد کو ترک کرنے پر کبھی تیار نہ ہوتے"۔ فیلڈ مارشل سر کلاڈ آ کنلیک کہتے ہیں: "میں جناح کا بڑا مداح تھا۔ وہ زبردست شخصیت کے مالک تھے اور دھن کے پکے تھے۔کوئی چیز ان کی غیر معمولی قوت ارادی کو دبا نہ سکتی تھی"۔ لارڈ ویول کے عہد حکومت کے آخری دنوں میں جناح سے ان کے مراسم خوش گوار نہ رہے تھے۔ان سے جب جناح کے متعلق رائے پوچھی گئی تو انہوں نے ٹھنڈی سانس بھر کا کہا: "ان سے معاملہ کرنا واقعی بہت مشکل تھا"۔

قیام پاکستان کے بعد بہت سے پاکستانی نوجوانوں کو قائد اعظم کے قریب رہ کر ان کی خدمت کا موقع ملا۔ یہ سب بہت مخلص تھے لیکن کچھ سہمے سہمے معلوم ہوتے تھے۔ ایک صاحب جو ان کے سیکریٹری رہ چکے ہیں کہتے ہیں کہ "جناح اگر کبھی گرم جوشی کا اظہار کرتے بھی تھے تو بہت سوچ سمجھ کر اور ناپ تول کر۔" ایک اور صاحب، جو آخری زمانے میں ان کی خدمت میں رہے، کہتے ہیں: مجھے جب ان کی خدمت کا موقع ملا اس وقت وہ بہت بوڑھے ہو چکے تھے اور تھک چکے تھے۔ میرے دل میں انکے لئے جو جذبے تھے ان سب پر قائد اعظم کا رعب حاوی ہو گیا۔ تاہم ان میں بہت سی خوبیاں ایسی تھی جو دوسروں کو ان کا گرویدہ بنا دیتیں۔بعض وقت جب وہ غصے میں ہوتے تو میری بات سننا بھی گوارا نہ کرتے اور ہاتھ کے اشارے سے مجھے لوٹا دیتے۔لیکن اس کے بعد اکثر وہ خود فون کر کے مجھے بلاتے اور پھر بڑی شفقت سے معذرت کرتے: "میں بوڑھا اور کمزور ہو چکا ہوں اور بعض وقت جھنجلا جاتا ہوں، مجھے امید ہے کہ میری کج خلقی معاف کر دو گے"۔

مگر اس قسم کا نرم برتاؤ قائد اعظم شاذ و نادر ہی کرتے تھے، اور ان سے ملنے والوں کو اکثر ان کی کج خلقی کا گلہ رہتا تھا۔ مثلاً لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے عملے کے ایک افسر کا کہنا ہے کہ اس نے نہر سوئیز کے مشرق۔کے کسی ملک میں جناح سے زیادہ بدتمیز کوئی شخص نہیں دیکھا۔قائد اعظم کی بیٹی مسز نیویل وادیا نے اپنے والد کے متعلق یہ رائے سن کر کہا: "میرے والد مغرور ضرور تھے، لیکن بدتمیز نہیں تھے۔ان کی کج خلقی کے بہت سے قصے مشہور ہیں، لیکن اگر آپ غور سے ان کا جائزہ لیں تو آپ دیکھیں گے کہ پہلے دوسرے آدمی نے ان سے بدتمیزی کی اور انہیں غصہ دلایا اور پھر جواب میں وہ بھی اس سے بری طرح پیش آئے"۔

یہ صحیح ہے کہ اگر کوئی شخص اشارتاً کبھی کوئی ایسی بات کہتا جو جناح کو ناگوار ہوتی تو وہ بلا تامل اسے ڈانٹ دیتے۔ کہتے ہیں کہ برطانیہ کے وزیر اعظم مسٹر ریمزے میک ڈانلڈ نے ایک دفعہ ان سے کہا: "ہم اب جلد ہندوستان کو خود مختار کرنا چاہتے ہیں

Marfat.com

اور مجھے چند ایسے ہندوستانیوں کی تلاش ہے جو صوبائی گورنر بنائے جاسکیں"۔ اس پر جناح نے برجستہ سوال کیا: "کیا آپ مجھے رشوت دینا چاہتے ہیں؟"

قائد اعظم جذباتی اور کھوکھلی مدح سرائی کو بھی سخت ناپسند کرتے تھے۔ ایک مرتبہ وہ ایک چھوٹے سے شہر میں وارد ہوئے جہاں کسانوں کے ایک بہت بڑے جلوس نے ان کا استقبال کیا، اور مولانا محمد علی جناح زندہ باد، کے نعرے لگائے۔ یہ مذہبی لقب جناح کو پسند نہ آیا اور انہوں نے جلوس کو ٹھہرالیا۔ پھر انہوں نے انگلی اٹھا کر ہجوم کو اشارہ کیا اور کہا: "مجھے مولانا کہہ کر ہرگز نہ پکاریں۔ میں آپ کا سیاسی لیڈر ہوں، مذہبی پیشوا نہیں۔ آپ مجھے 'مسٹر جناح' یا 'محمد علی جناح' کہیں۔ 'مولانا' لقب میں آپ کی زبان سے دوبارہ نہیں سننا چاہتا۔ آ گئی بات سمجھ میں"۔

عقیدت مندوں اور شیدائیوں کا ہجوم اس فہمائش پر ششدرہ گیا، ان کا خیال تھا کہ 'مولانا' کے لقب سے انہوں نے جناح کی عزت افزائی کی ہے۔ ان کی ڈانٹ سن کر وہ چپ ہو گئے اور جلوس آگے بڑھ گیا۔

"جناح کی شخصیت کا حسن اور ان کے کردار کی خوبیاں ان سے ملنے والے پر جلد ظاہر نہیں ہوتیں، اور اگر سیرت نگار کی نظر سطحی ہے تو اسے جناح میں نقائص زیادہ نظر آئیں گے اور خوبیاں کم۔ ان کی صلاحیتیں اور دلچسپیاں محدود ہیں اور ان میں وہ ہمہ گیری نہیں جس کی بدولت ان کے بہت سے ہم عصروں نے اپنے روزمرہ کے دائرہ عمل کے علاوہ زندگی کے دوسرے شعبوں میں بھی شہرت حاصل کی ہے۔ ان میں نہ علمی تبحر کی سرخوشی ہے، نہ جذبہ سرفروشی کا نشہ ہے، نہ خوش گفتاری کی مٹھاس ہے، نہ خدمت خلق یا دینی اصلاح کی لگن ہے۔ فطرتاً اور عادتاً تنہائی پسند اور کم آمیز واقع ہوئے ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ ان کے سیاسی معتقد تو بے شمار ہیں لیکن بے تکلف دوست بہت ہی کم ہیں۔ سیاست اور وکالت کے سوا ان کا کوئی مشغلہ نہیں نہ انہیں کسی اور کام میں کمال حاصل ہے۔

"جناح کی عظمت نہ علم اور تجربے کی وسعت میں مضمر ہے، نہ مقاصد کے تنوع میں، نہ شخصیت کی بلندی میں۔ ان کی عظمت ان کے ذہن اور روح کی پاکیزگی، ان کے احساس کی شدت اور ان کے خلوص اور یکسوئی میں پوشیدہ ہے۔ نجی اور سیاسی زندگی دونوں میں ان کے اصول اور اخلاق ضابطے بہت سخت اور قابل ستائش ہیں۔ یہی اخلاق بلندی ان کے کردار کی جان ہے اور اسی نے ان کی شخصیت کو دائمی کشش بخشی ہے"۔

گورنمنٹ ہاؤس کے چمن میں جب جمشید نوشیرواں جی نے محمد علی جناح کو غنودگی سے بیدار کیا اس وقت وہ کیا سوچ رہے ہوں گے؟ یہ اندازہ لگانا مشکل ہے، لیکن جناح کے مزاج اور ذہنیت کو دیکھتے ہوئے یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ وہ اپنی گزشتہ زندگی یا ماضی کی سیاست کے متعلق نہیں سوچ رہے ہوں گے۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے کبھی تاریخ کے پردے پر اپنی شخصیت کا پرتو دیکھنے کی کوشش نہیں کی۔ بڑھاپے میں لوگ عموماً اپنے ماضی کی یادیں تازہ کر کے خوش ہوتے ہیں، لیکن محمد علی جناح شاید اس لطف سے بھی محروم تھے۔ ان کی زندگی کا آخری سال کراچی میں گزارا، لیکن وہ ایک دفعہ بھی نیونہم روڈ کا وہ گھر دیکھنے نہ گئے جہاں اکہتر برس قبل انہوں نے جنم لیا تھا۔ ان کی جگہ کوئی اور شخص ہوتا تو وہ بڑے فخر سے اپنے پرشکوہ سرکاری محل سے نکل کر اس

Marfat.com

حقیر مکان تک جاتا جہاں وہ پیدا ہوا تھا۔ پھر اس کی بالائی منزل کے دو کمروں پر نظر ڈال کر کہتا: ''میرے سفر زندگی کا آغاز کتنے ادنیٰ مقام سے ہوا تھا، مگر میں نے آخر کار ایک قوم کی تشکیل کی اور اس کے لئے ایک آزاد مملکت قائم کر دی''۔ لیکن جناح کے ذہن میں شاید اس قسم کا کوئی خیال نہیں آیا ہوگا۔ ماضی ان کے لئے ایک مردہ اور بے جان چیز تھی اور انہیں اس سے کوئی لگاؤ نہ تھا۔

۱۹۴۸ء کی فروری اور مارچ میں بھی جناح حسب معمول سخت محنت سے کام کرتے رہے۔ وہ روزانہ کئی گھنٹے دفتر میں بیٹھتے اور بڑی سنجیدگی، تندہی اور یک سوئی سے کام کرتے۔ اس زمانے میں جو صاحب ان کے سیکریٹری تھے وہ کہتے ہیں: ''قائد اعظم کی سنجیدگی کا اثر ہم سب پر پڑا۔ ہم کسی قسم کی تفریح یا ہنسی مذاق سے اپنے کام کا بوجھ ہلکا کرنے کی کوشش نہ کرتے۔ نئے قانون جب توثیق کے لئے قائد اعظم کی خدمت میں پیش کئے جاتے تو وہ ان کا ایک ایک فقرہ بہ غور پڑھتے، اور اکثر شکایت کرتے کہ، عبارت بھونڈی اور اور الفاظ کا انتخاب ناقص ہے، مجھے جب کوئی بل لے کر ان کی خدمت میں جانا ہوتا تو میں خوب تیار ہو کر جاتا، گویا میں وزیر ہوں اور بل کا مسودہ میں نے ہی تیار کیا ہے۔ بل کو پڑھ کر وہ اس قسم کی ہدایتیں کرتے: 'اس کے متن کی مزید تقسیم کر کے زیادہ دفعات قائم کر دو، یہ بل واپس بھیج دو، کہ از سر نو لکھا جائے''۔ بعض موقعوں پر میں عرض کرتا: یہ قانون بہت ضروری ہے اور اس کی توثیق میں مزید تاخیر نہ ہونا چاہئے۔ اس پر وہ اکثر ڈھیل دے دیتے اور بل پر دستخط کر دیتے۔ لیکن پھر بھی وہ ہمیشہ چوکس رہتے اور اکثر کہا کرتے: ''یہ لوگ ہڑ بڑی مچا کر مجھ سے کوئی کام نہیں کرا سکتے۔ میں [illegible]ت میں کوئی بات نہ کروں گا''۔

اپنی زندگی کے آخری پانچ سات مہینوں میں قائد اعظم کا دائرہ فکر و عمل بہت وسیع ہو گیا۔ کشمیر کا سنگین مسئلہ اب ہندوستان اور پاکستان تک محدود نہ تھا، ۳۰ دسمبر ۱۹۴۷ء سے وہ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں زیر بحث تھا اور دنیا کے تمام ملکوں کو اس سے دل چسپی پیدا ہو گئی تھی۔ ۱۹۴۲ء میں جواہر لال نہرو نے ہندو مسلم اختلافات کا ذکر کرتے ہوئے بڑی بے پروائی سے کہا تھا کہ 'مٹھی' بھر لوگوں کو چھوڑ کر کسی کو ان اختلافات کا احساس تک نہیں۔ اس وقت انگلستان میں واقعی لوگوں کے لئے یہ فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ ہندو مسلم اختلافات کی نوعیت کیا ہے اور وہ کتنے گہرے ہیں۔ اور حکومت برطانیہ کے لئے بھی یہ طے کرنا آسان نہ تھا کہ ان اختلافات کو نظر انداز کر دے یا ان کو پیش نظر رکھ کر آئینی اصلاحات کا منصوبہ بنائے۔ پانچ برس کے اندر ان اختلافات نے ہندوستانی سیاست کی کیا پلٹ کر رکھ دی اور اب ان کے الم ناک نتائج ساری دنیا کے لئے ایک پیچیدہ مسئلہ بن گئے تھے۔ یہ مسئلہ اب قائد اعظم کے بس کا روگ نہ تھا۔

مارچ کے مہینے میں قائد اعظم نے اپنی قوم کو متحد کرنے کے لئے ایک اور قدم اٹھایا۔ اپنی ناتوانی اور علالت کے باوجود وہ قریب دو ہزار میل کا ہوائی سفر کر کے مشرقی پاکستان پہنچے اور کئی دن وہاں ٹھہرے۔ اس اثناء میں انہوں نے متعدد تقریریں کیں اور کئی سرکاری اور غیر سرکاری تقریبوں میں شریک ہوئے۔ ڈھاکہ یونیورسٹی کے طلبہ سے خطاب میں جو باتیں انہوں نے کیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ اقتدار و اختیار ملنے سے قائد اعظم کے انداز فکر پر مطلق اثر نہ پڑا تھا۔ انہوں نے کہا:

''میرے نوجوان دوستو۔ میں نے دس برس بڑے خلوص اور وفاداری سے تمہاری خدمت کی ہے اور تمہارے لئے

Marfat.com

میرے دل میں کوئی جذبہ بجز محبت اور شفقت کے نہیں۔ یہی جذبہ آج مجھے مجبور کر رہا ہے کہ میں تمہیں تھوڑی سی تنبیہ بھی کر دوں۔ اگر تم کسی سیاسی جماعت کے چکر میں پڑ گئے اور اسے اس بات کی اجازت دی کہ وہ تمہاری مدد سے اپنا اُلو سیدھا کرے، تو تم سخت نقصان اٹھاؤ گے"۔

مشرقی پاکستان سے واپسی کے چند ہی دن بعد قائداعظم صوبہ سرحد کے دورے پر نکل کھڑے ہوئے۔ ۱۵ اپریل سے ۲۲ اپریل تک وہ وہاں رہے اور وہاں بھی تقریروں اور تقریبوں کا وہی سلسلہ رہا۔ جب وہ کراچی واپس آئے تو طبیعت پھر بگڑ گئی اور وہ اس قابل نہ رہے کہ زیادہ دیر تک دفتر میں بیٹھ کر کام کر سکیں۔ ان کے سیکریٹری کا کہنا ہے کہ "ان دنوں وہ زیادہ تر نیچے کی منزل میں اپنے کمرے میں رہتے۔ لیکن اخبار بینی کے شوق میں کوئی کمی نہ ہوئی۔ خبروں سے دلچسپی کا اب بھی یہ عالم تھا کہ گورنمنٹ ہاؤس میں ٹیلی پرنٹر پر جو خبریں آتیں ان کا پلندہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد ان کو پیش کیا جاتا۔ وہ کاغذ کا چونگا لے کر صوفے پر دراز ہو جاتے اور اسے اپنی انگلیوں پر گھما گھما کر خبریں پڑھتے جاتے"۔

قائداعظم کی زندگی کے آخری چند مہینوں میں جو لوگ ان کے مہمان رہے ان میں سر فرانسس موڈی بھی تھے۔ دنوں کا ذکر کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں: "مئی کے آخر میں میں نے چند دن ان کے ساتھ قیام کیا۔ وہ بہت بیمار تھے اور زیادہ تر بستر ہی میں رہتے۔ آخری روز پنجاب کی وزارت کے معاملے میں میرا اور ان کا سخت اختلاف ہوا۔ لیکن دو گھنٹے بعد جب میں روانہ ہونے لگا تو انہوں نے اٹھ کر مجھے خیر باد کہا اور بڑے تپاک سے مجھے رخصت کیا"۔

مئی کے مہینے میں قائداعظم نے لیفٹیننٹ مظہر احمد کو اپنا بحری اے۔ ڈی۔ سی مقرر کیا، اور وہ قائد کی رحلت تک اسی عہدے پر فائز رہے۔ جون میں قائداعظم مع اپنے عملے کے زیارت چلے گئے۔ زیارت کوئٹہ سے ستر میل دور ایک پر فضا مقام ہے۔ قائداعظم کے وہاں کے قیام کا حال لیفٹیننٹ مظہر احمد نے یوں بیان کیا ہے:

"جس بنگلے میں قائداعظم کا قیام تھا وہ پہاڑوں کے درمیان خاصی ایک چمن ہے جو جنیپر! (Juniper) اور جنگلی لیوینڈر (Lavender) کی خوشبو سے بسا ہوا تھا۔۔۔ وہاں پہنچتے ہی ہم نے گورنر جنرل کا نیلا پرچم بنگلے پر نصب کر دیا اور ہمارا خیال تھا کہ اب قائداعظم کچھ دن مکمل طور پر آرام کریں گے۔ لیکن محنت ان کی فطرت ثانیہ بن چکی تھی اور آرام کرنا ان کے لئے ممکن نہ تھا۔ ہر روز کراچی سے ان کی ڈاک سیاہ صندوقوں میں آتی جن پر M.A.J کی سنہری مہر لگی ہوتی۔ یہ صندوق سرکاری کاغذوں سے بھرے ہوتے۔ قائداعظم ان کے مطالعے میں مصروف رہتے اور ان کی پتلی پتلی انگلیاں ان میں الجھی رہتیں۔

میرے ذہن میں قائداعظم کی جو تصویریں محفوظ ہیں ان میں یہ تصویر سب سے زیادہ صاف ہے۔

"اپنے عملے کے ساتھ قائداعظم کے تعلقات بالکل رسمی انداز کے تھے اور میں ہر وقت ان سے سہما رہتا تھا۔ تاہم کبھی کبھی ان کا رویہ نرم ہو جاتا تو وہ اور بیٹھ کر ہمیں قصے سناتے۔ یہ قصے وہ اکثر اس نیت سے سناتے کہ ہم ان سے استفادہ کریں اور سبق حاصل کریں۔ عموماً قصہ شروع کرنے سے پہلے وہ انگلی اٹھاتے اور اس سے ہماری طرف اشارہ کر کے بات شروع کرتے"

Marfat.com

ان کا سنایا ہوا ایک قصہ اب تک مجھے بہت اچھی طرح یاد ہے۔ ایک دفعہ شملہ کے قیام کے دوران میں وہ پیدل سیر کرتے ہوئے کوہ جیکو گئے ان کی جیب میں کچھ Peanuts تھے جوانہوں نے بندروں کے سامنے ڈال دیے۔ انہیں یہ دیکھ کر بہت تعجب ہوا کہ بندروں نے پھلیوں کی خاطر آپس میں کوئی چھین جھپٹ نہ کی اور خاموش کھڑے رہے۔ پھر ایک بڑا موٹا بندر درخت پر سے اترا اور پھلیوں کی طرف بڑھا۔ اسے دیکھ کر سب بندر خاموش ہو گئے اور اپنے سردار کے راستے سے ہٹ گئے۔ اور جب تک اس نے پھلیاں نہ کھالیں کسی اور نے انہیں منہ سے نہ لگایا۔ یہ قصہ سنا کر قائداعظم کہنے لگے: ''تم نے دیکھا کہ بندر تک نظم وضبط کے پابند ہیں''۔

''قائداعظم کا نحیف ولاغر جسم دیکھ کر ہم سب کو بہت دکھ ہوتا تھا۔ ایک روز صبح انہوں نے کہا کہ اب دن میں سردی زیادہ ہونے لگی ہے اور انہیں چند اونی بنیانوں کی ضرورت ہے۔ میں نے کہا کہ آپ کے لئے تو زنانہ ناپ کی بنیان ڈھونڈنا پڑے گی۔ یہ سن کر وہ مسکرا دیئے۔ میں کوئٹہ جا کر ان کے لئے بنیانیں لے آیا، لیکن پہلے ہی شوب میں ان میں سوراخ ہو گئے۔ میں انہیں بدلوانے کے لئے پھر دکان پر لے گیا، لیکن وہاں اس قسم کی اور بنیانیں نہ تھیں اور دکان دار نے انہیں رفو کروادیا۔ قائد اعظم اس سے مطمئن نہ ہوئے، ان کا خیال تھا کہ قیمت میں کچھ کمی ہونا چاہئے۔ دکاندار راضی ہو گیا اور میں نے پانچ روپے اس سے لے کر قائداعظم کو لوٹا دیئے۔ اس پر انہوں نے خوش ہو کر کہا: ''شاباش، تم بھی روپے کی قدر کرنا سیکھو''۔ جن دنوں قائداعظم زیارت میں تھے انہی دنوں کراچی میں گورنر جنرل کی کوٹھی کے قریب پاکستان کے سرکاری بینک (State Bank) کی شاندار عمارت مکمل ہوئی۔ یہ بینک ملک کی اقتصادی خودمختاری کا نشان تھا، اور قائداعظم کو پاکستان کی بقا پر جو یقین کامل تھا یہ عمارت اس کا ایک شاندار مادی مظہر تھی۔

قائداعظم کی طبیعت ابھی تک ناساز تھی مگر وہ اس پر مصر تھے کہ بینک کا افتتاح وہ خود کریں گے۔ جب ان کی افتتاحی تقریر لکھ کر تیار ہو گئی تو ان کے بحری اے۔ ڈی۔ سی۔ نے یہ صلاح دی کہ تقریر کا مسودہ کراچی بھیج دیا جائے اور افتتاح کے وقت گورنر جنرل کی طرف سے وزیراعظم اسے پڑھ دیں۔ قائداعظم نے کوئی جواب نہ دیا لیکن ہاتھ کے اشارے سے تجویز رد کر دی۔ یہ دیکھ کر اے۔ ڈی۔ سی کمرے سے باہر چلا گیا۔ دو دن بعد قائداعظم کوئٹہ پہنچے اور وہاں سے بذریعہ ہوائی جہاز کراچی واپس ہوئے۔ اسٹیٹ بینک کا افتتاح ان کی زندگی کا آخری اہم کام تھا۔

کراچی ریڈیو اسٹیشن کے دفتری محافظ خانے میں قائداعظم کے اس افتتاحیہ خطبے کا ایک گراموفون ریکارڈ موجود ہے۔ اس میں ان کی آواز باریک ہے اور بڑھاپے کے باعث کرخت ہے۔ لیکن طرزِ ادا، آواز کے اتار چڑھاؤ اور وقفوں کی مناسبت سے معلوم ہوتا ہے کہ تقریر بڑی احتیاط سے کی گئی تھی۔ پچاس برس پہلے جناح نے تھیٹر میں اداکاری جو تجربہ حاصل کیا تھا، اس کا اثر اس آخری تقریر میں بھی جھلکتا ہے۔ تقریر کا پہلا فقرہ بہت خوب ہے۔ اس کی عبارت تو سادہ سی ہے، لیکن انہوں نے جس انداز سے، مناسب وقفے دے دے کر، اسے پڑھا اس سے اس فقرے میں خاص اثر پیدا ہو گیا۔ انہوں نے کہا:

''جناب گورنر صاحب، بینک کے ناظمین، خواتین وحضرات! اسٹیٹ بینک کا افتتاح ہمارے ملک کی مالی اور

Marfat.com

اقتصادی خودمختاری کا نشان ہے اور مجھے اس بات کی بہت خوشی ہے کہ میں خود یہ رسم ادا کر رہا ہوں"۔

تقریر ختم کرتے ہوئے قائداعظم نے اس دور کی عالم گیر افراتفری پر آخری دفعہ اظہار خیال کیا:

''مغرب کے اقتصادی نظام نے ساری دنیا کے لئے بعض ایسے پیچیدہ مسئلے پیدا کر دیئے ہیں جن کا کوئی حل نظر نہیں آتا۔ بلکہ مجھے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ مصیبتیں دنیا کو تیزی سے بربادی کی طرف لے جا رہی ہیں اور کوئی معجزہ ہی اسے اس تباہی سے بچا سکتا ہے۔ یہ نظام نہ معاشی عدل کے تقاضے پورے کر سکا، نہ بین الاقوامی مخاصمت کا مداوا کر سکا۔ بلکہ گزشتہ نصف صدی میں جو دو عالم گیر جنگیں ہوئی ہیں ان کی ذمہ داری زیادہ تر اسی اقتصادی نظام پر ہے۔ صنعتی معاملات میں مغربی ممالک کو بلاشبہ باقی دنیا پر فوقیت حاصل ہے، لیکن اس کے باوجود مغربی دنیا کی حالت جتنی ابتر آج ہے پہلے کبھی نہ تھی۔ ہمارا اقتصادی نصب العین یہ ہے کہ ہماری عوام ہر طرح مطمئن اور خوش و خرم ہوں۔ مغرب کے اقتصادی نظریئے اور اس کا معاشی نظام ہمارے درکار درمان نہیں اور ان کے ذریعے ہمارا مقصد پورا نہیں ہو سکتا۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنے مخصوص تصورات و مقاصد کے مطابق اپنے اقتصادی نظام کی تشکیل کریں اور دنیا کے سامنے ایک ایسا نمونہ پیش کریں جو انسانی مساوات اور معاشی انصاف کے اسلامی تصورات کا آئینہ دار ہو۔ اس طرح وہ مشن بھی پورا ہو جائے گا جس کے لئے ہم نے بہ حیثیت مسلمان اپنے آپ کو وقف کر دیا ہے، اور ہم دنیا کو امن و آشتی کا راستہ دکھا سکیں گے۔ اسی راستے میں انسانیت کی نجات ہے اور اسی کے ذریعے بنی نوع انسان کو خوشحالی اور مسرت نصیب ہو سکتی ہے۔

اسٹیٹ بینک کے افتتاح کی رسم شاہانہ ٹھاٹھ سے ادا ہوئی۔ قائداعظم اور ان کی ہمشیرہ گھوڑے گاڑی میں بیٹھ کر اپنی قیام گاہ سے بینک کی عمارت تک گئے۔ یہ گاڑی ان سرکاری سواریوں میں سے تھی جو انگریزوں کے زمانے میں وائسرائے کے لئے مخصوص تھیں، اور تقسیم ہند کے وقت دہلی سے کراچی آئی تھی۔ اسے چھ گھوڑے کھینچ رہے تھے اور اس کا محافظ دستہ شوخ سرخ رنگ کی وردیاں پہنے تھا جو انگریزوں کے عہد حکومت میں وائسرائے کے باڈی گارڈ پہنا کرتے تھے۔ اس روز کراچی کے لوگوں نے پہلی اور آخری مرتبہ اپنے مسیحا کو شاہانہ کر و فر سے نکلتے دیکھا۔ ایک لطیفہ اس موقع پر یہ ہوا کہ جب جلوس گورنر جنرل کی کوٹھی سے نکلنے والا تھا تو قائداعظم نے جھک کر اپنے ملٹری سیکریٹری سے کہا: ''کرنل نولز (Knowles) مجھے امید ہے کہ ان گھوڑوں کو اس سفر کے لئے کافی مشق کرا لی گئی ہے"۔

اس یادگار دن کے آخری قابل ذکر واقعات لیفٹیننٹ مظہر احمد نے یوں بیان کیے ہیں:

''واپسی پر قائداعظم جب گاڑی میں چڑھنے لگے تو وہ بہت نحیف اور تھکے ہوئے معلوم ہو رہے تھے۔ ہزاروں آدمی ان کی طرف بڑھنے کی کوشش کر رہے تھے اور شاید وہ انہیں چھونا چاہتے تھے، لیکن ہم رکاب سواروں انہیں روک دیا۔ جو لوگ سوار سے ذرا قریب تھے انہوں نے اپنے ہاتھ گاڑی کی طرف بڑھا دیئے، گویا اسی طرح ان کی خوشی پوری ہو جائے گی۔ گورنمنٹ ہاؤس پہنچ کر میں قائداعظم کے ہمراہ اوپر گیا اور پھر ہم دونوں داہنے ہاتھ کو مڑ گئے جدھر مسٹر جناح کا کمرا تھا۔ چند قدم آگے جا کر انہوں نے مجھے رخصت کر دیا۔ سیڑھیاں اترنے سے پہلے میں نے مڑ کر دیکھا تو قائداعظم لڑکھڑاتے ہوئے اپنے کمرے کے

Marfat.com

دروازے کی طرف جا رہے تھے۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ بہت بیمار ہیں لیکن مجھے یہ جرأت نہ ہوئی کہ واپس جا کر ان کی مدد کروں۔ میں جانتا تھا کہ وہ اس مداخلت کی ہرگز اجازت نہ دیں گے"۔

موت کے سائے میں

کہتے ہیں کہ انسان کی پوری شخصیت اور سیرت عالم نزع میں اس کے قول و فعل اور حرکات و سکنات میں جھلکتی ہے۔ یہ مقولہ محمد علی جناح پر پوری طرح صادق آتا ہے۔ آخری دنوں میں ان کا وزن گھٹ کر صرف ستر پونڈ رہ گیا تھا لیکن ان کا نحیف و لاغر جسم اب بھی جان دار معلوم ہوتا تھا اور آنکھوں میں وہی پرانی چمک باقی تھی۔ ان دنوں جو لوگ ان کے اردگرد تھے ان کا خیال ہے کہ قائداعظم کی جسمانی توانائی ختم ہو چکی تھی اور اب وہ محض اپنی زبردست قوت ارادی کے بل پر زندہ تھے۔

ان کی ہمشیرہ مس فاطمہ جناح کا کہنا ہے کہ: "رحلت سے پہلے کئی سال تک قائداعظم اور ان کے معالجوں کے درمیان برابر کشمکش رہی۔ ڈاکٹر کہتے ہیں کہ زیادہ محنت ان کے لئے خطرناک ہے، لہٰذا ان کو چند گھنٹے کام کرنے کے بعد دیر تک آرام کرنا چاہئے۔ لیکن قائداعظم کا عمل ہمیشہ اس کے برعکس ہوتا، حالانکہ انہیں اچھی طرح معلوم ہوتا تھا کہ یہ ان کی صحت کے لئے سخت مضر ہے۔ مس جناح ان سے ڈاکٹر سے مشورہ کرنے کو کہتیں تو وہ اکثر انکار کر دیتے اور کہتے: "مجھے بہت کام کرنا ہے، میں وقت ضائع نہیں کر سکتا"۔

اسٹیٹ بینک کا افتتاح کر کے قائداعظم زیارت لوٹ گئے اور تیئیس دن کے بعد بہ مشکل اس پر راضی ہوئے کہ ایک ڈاکٹر مستقل طور پر ان کی دیکھ بھال کے لئے مقرر کیا جائے۔ اس اہم اور مشکل کام کے لئے لیفٹیننٹ کرنل الٰہی بخش کا انتخاب کیا گیا۔ یہ ڈاکٹر لندن کے گائز اسپتال (Guy's Hospital) کے سند یافتہ تھے اور اپنی طالب علمی کے زمانے میں لیسٹر شئر (Leicestershire) کی کرکٹ ٹیم میں بھی رہ چکے تھے۔

کرنل الٰہی بخش نے لاہور سے آ کر ۲۴ جولائی کو پہلی دفعہ قائداعظم کا معائنہ کیا۔ انہوں نے دیکھا کہ قائداعظم بہت کمزور ہو چکے ہیں اور ان کے چہرے کا رنگ راکھ کا سا ہو گیا ہے۔ لیکن قائداعظم اب بھی شکست کا اعتراف کرنے کو تیار نہ تھے۔ انہوں نے اپنے معالج سے کہا: "میں کسی خطرناک مرض میں مبتلا نہیں ہوں۔ میں کام زیادہ کرتا ہوں اور مجھے فکریں بھی بہت ہیں، اس کی وجہ سے مجھے معدے کی شکایت اور تھکان رہتی ہے۔ گزشتہ چالیس سال سے میں روزانہ چودہ گھنٹے کام کر رہا ہوں اور مجھے کوئی مرض لاحق نہیں ہوا"۔

اس کے بعد انہوں نے اپنی گذشتہ بیماریوں اور علاج کی داستان تفصیل سے اپنے نئے معالج کو سنائی۔ ان کا انداز بیان اس جان بہ لب بیمار کا سا نہ تھا جو خود اپنی زندگی سے مایوس ہو چکا ہو۔ وہ اس وکیل کی طرح بات کر رہے تھے جو جانتا ہو کہ اس کے مقدمہ میں جان نہیں مگر پھر بھی برابر بحث کئے جا رہا ہوں۔ انہوں نے کہا: "گذشتہ چند سال سے ہر برس مجھے کھانسی اور بخار کی شکایت ہو جایا کرتی ہے۔ بمبئی میں میرے معالجوں کی تشخیص یہ تھی کہ نرخرے کی نالیوں پر ورم آ جاتا ہے۔ پچھلے دو سال میں یہ

Marfat.com

تکلیف خاصی بڑھ گئی ہے۔ کھانسی بخار کی شکایت اب جلد جلد ہونے لگی ہے اور زیادہ تکلیف دہ ہوگئی ہے۔ تھکان بھی پہلے کی بہ نسبت اب بہت زیادہ ہوتی ہے۔

پھر اپنی حالیہ تکلیف کا حال بیان کرتے ہوئے قائداعظم نے کہا: ”قریب تین ہفتے ہوئے مجھے سردی لگ گئی اور کھانسی بخار کی تکلیف شروع ہوگئی۔ اس کے لئے کوئٹہ کے سول سرجن نے پینسلین کی ٹکیاں تجویز کیں۔ اس وقت سے میں پابندی سے یہ ٹکیاں کھا رہا ہوں۔ اس سے زکام میں افاقہ ہے اور حرارت بھی گھٹ گئی ہے، لیکن نقاہت اب بھی بہت ہے۔ میرا خیال ہے کہ میری صحت میں کوئی بنیادی نقص نہیں۔ یہ بلغم غالباً میرے پیٹ سے آتا ہے اور اگر میرا پیٹ ٹھیک ہوجائے تو بہت جلد میں صحت یاب ہوجاؤں گا“۔

یہ تشخیص تو خاصی امید افزا تھی، لیکن کرنل الٰہی بخش اس سے بالکل متفق نہ تھے۔ انہوں نے چند اور ڈاکٹروں کو مدد کے لئے طلب کیا اور سب نے مل کر قائداعظم کا مکمل طبی معائنہ کیا۔ امتحان کا نتیجہ سخت مایوس کن نکلا۔ کرنل الٰہی بخش کو شروع سے یہ اندیشہ تھا کہ قائداعظم پھیپھڑوں کے کسی مہلک مرض میں مبتلا ہیں، اور خود مریض کو بھی اس کا احساس تھا۔ اب طبی امتحان کے نتیجے سے کرنل کی رائے کی تصدیق ہوگئی۔

کرنل الٰہی بخش اپنی ڈائری میں لکھتے ہیں: قائداعظم کو یہ منحوس خبر سنا کر میں نے اپنی نظریں ان کے چہرے پر گاڑ دیں۔ اسے سن کر ان کے سکون میں بالکل خلل نہ پڑا اور انہوں نے پوچھا: آپ نے مس جناح کو خبر دی؟ جب میں نے اثبات میں جواب دیا تو وہ بولے: یہ آپ نے برا کیا۔ آخر وہ عورت ہیں۔ بہرحال، جو ہوچکا سو ہوچکا۔ اب آپ مجھے یہ بتائیں کہ علاج میں کتنا عرصہ لگے گا۔ میں سب کچھ جاننا چاہتا ہوں اور آپ بلا جھجک ساری حقیقت مجھے بتا دیجئے۔

ڈاکٹر نے قائداعظم کو سب کچھ بتا دیا، لیکن ان کی ضد میں فرق نہ آیا۔ پہلے تو انہوں نے نرس رکھنے سے انکار کردیا، وہ چاہتے تھے کہ صرف ان کی ہمشیرہ ان کی دیکھ بھال کریں۔ بالآخر ایک لیڈی کمپاؤنڈر بلائی گئی۔ اس نے آکر سب سے پہلے ان کا درجہ حرارت اور نبض دیکھی، لیکن جب مریض نے اس سے پوچھا کہ انہیں کتنی حرارت ہے تو اس نے ڈاکٹر کی اجازت کے بغیر بتانے سے انکار کردیا۔ قائداعظم خود فطرتاً آئین اور ضابطے کے بڑے پابند تھے، اب علاج معالجے کے معاملے میں اس عورت کی آئین پسندی دیکھ کر خوش ہوئے۔

پھر شب خوابی کے لباس کے سلسلے میں وہ کرنل الٰہی بخش سے بحث میں الجھ پڑے۔ بات بہت معمولی تھی ڈاکٹر نے ان سے کہا: ”جناب، یہ ریشمی لباس جو آپ پہن رہے ہیں آپ کے لئے بہت باریک ہے اور آپ کو سردی لگ جانے کا خطرہ ہے“۔ اس پر مسٹر جناح نے کہا: ”فی الحال تو میرے پاس صرف ریشمی لباس ہے لیکن میرا ارادہ ہے کہ چند جوڑے کھدر کے بنوا لوں گا“۔

ڈاکٹر نے ان سے اتفاق نہ کیا اور کہا: جناب! سوتی کپڑوں سے کام نہ چلے گا۔ آپ کو گرم لباس کی ضرورت ہے اور آپ کی اجازت کے بغیر میں نے تین گز وائیلا کپڑے (Viyella) کا آرڈر کراچی بھیج دیا ہے۔ یہ سن کر قائداعظم نے تو کچھ نہ

Marfat.com

کہا، لیکن آئندہ کے لئے ڈاکٹر کو ہدایت کی کہ خرچ کے معاملے میں محتاط رہیں۔ ڈاکٹر، میری ایک بات مانو۔ جب بھی کسی چیز پر روپیہ صرف کرو تو یہ اچھی طرح سوچ لو کہ اس پر خرچ کی ضرورت ہے یا نہیں۔ کرنل الٰہی بخش گائز اسپتال کے سند یافتہ تھے اور کرکٹ کے کھلاڑی بھی تھے، اس لئے ارادے کے مضبوط تھے۔ انہوں نے جواب دیا: جناب آپ کے علاج کے سلسلے میں جب بھی کوئی فیصلہ کرتا ہوں تو اسے آپ کے سامنے پیش کرنے سے پہلے کئی دفعہ اس پر اچھی طرح غور کر لیتا ہوں۔ میری یہ قطعی رائے ہے کہ آپ کو گرم کپڑوں کی سخت ضرورت ہے۔ قائداعظم نے مسکرا کر کہا: بہت اچھا، مجھے منظور ہے۔

زیارت کے اس بلند بنگلے میں قائداعظم موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا تھے، اور اس سے کئی سو میل دور، کراچی میں ان کے وزیراعظم اور حکومت کے دوسرے ارکان بے چینی سے ان کی خیریت کی خبروں کے منتظر رہتے۔ جس دن کرنل الٰہی بخش نے وہ منحوس خبر قائداعظم کو سنائی اس کے تین روز بعد لیاقت علی خان زیارت آئے اور آدھ گھنٹے تک گورنر جنرل کے پاس رہے۔ پھر وہ کرنل صاحب کے پاس گئے، اور ان سے پوچھا کہ ان کی کیا تشخیص ہے۔ کرنل الٰہی بخش کا خیال تھا کہ انکو حکومت نے نہیں بلکہ مس جناح نے قائداعظم کے علاج کے لئے طلب کیا ہے، لہٰذا ان کا یہ فرض نہیں کہ وہ وزیراعظم کو اپنی تشخیص سے مطلع کریں۔ انہوں نے جواب دیا: ''میں نے ابھی تک کوئی تشخیص نہیں کی''۔

لیاقت علی خان نے پوچھا ''آخر آپ کو کس مرض کا شبہ ہے'' ڈاکٹر نے جواب دیا: ابھی تو مجھے آٹھ دس امراض کا شبہ ہے، جب تک میں تصدیق نہ کروں کچھ نہیں کہہ سکتا''۔

لیاقت علی خان کے ساتھ مرکزی حکومت کے سیکریٹری جنرل، مسٹر محمد علی بھی تھے۔ انہوں نے الٰہی بخش سے کہا: ''آپ کا فرض ہے کہ آپ وزیراعظم کو ٹھیک ٹھیک بتائیں کہ قائداعظم کس مرض میں مبتلا ہیں۔ حکومت کے ارکان کو ہر بات کے لئے تیار رہنے چاہئے۔ ڈاکٹر نے کہا: ''آپ صحیح فرماتے ہیں، لیکن میں مجبور ہوں کہ اپنے مریض کی اجازت کے بغیر ان کے مرض کے متعلق کچھ نہیں بتا سکتا''۔

دوسرے دن صبح قائداعظم نے اپنے معالج سے پوچھا: ''وزیراعظم میرے بارے میں آپ سے کیا پوچھ رہے تھے؟ ڈاکٹر نے جواب دیا: انہوں نے وزیراعظم کو کچھ نہیں بتایا۔ قائداعظم یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور بولے: آپ نے بہت اچھا کیا میں مملکت کا سربراہ ہوں اور جب میں مناسب سمجھوں گا تو خود قوم کو اپنی بیماری کی نوعیت سے مطلع کروں گا۔

۲۹ جولائی کو ایکسرے تصویریں تیار ہوئیں اور ان سے معلوم ہوا کہ مریض کے پھیپھڑوں کی حالت ان کے معالجوں کے اندازے سے کہیں زیادہ ابتر ہے۔ اسی دن مسٹر فلس ڈنہم (Phyllis Dunham) جو کوئٹہ کے سول اسپتال میں نرسنگ سپرنٹنڈنٹ تھیں، قائداعظم کی تیمارداری کے لئے زیارت پہنچیں۔ پہلے دن ہی ان کے اپنے مریض سے تکرار ہو گئی۔ انہوں نے تکیئے برابر کرنا چاہے تو قائداعظم نے انہیں روک دیا اور بولے: ''مجھے اسی طرح رہنے دو، مجھے ہاتھ نہ لگاؤ''۔ نرس نے کہا: بہت اچھا، اگر آپ کو میری خدمت کی ضرورت نہیں تو مجھے بھی اس پر اصرار نہیں۔ لیکن ڈاکٹر کا حکم ہے۔۔۔ مسٹر جناح ان کی بات کاٹتے ہوئے بولے: ''میں خود دوسروں کو حکم دیتا ہوں، مجھے کوئی حکم نہیں دے سکتا''۔ اس پر مسٹر ڈنہم نے 'حکم' کا لفظ واپس لے لیا

Marfat.com

اور کہا: ڈاکٹر صاحب نے درخواست کی ہے کہ۔

پھر قائداعظم نے دوا پینے سے انکار کیا تو ان کی نرس نے انکو خوش کرنے کی کوشش کی اور بولیں: ''جناب اب مان بھی جایئے۔ مجھے امید ہے کہ تھوڑے ہی دن میں آپ میرے طور طریقے قبول کرلیں گے اور میں آپ کے''۔ قائداعظم نے جواب دیا: ''میرے طور طریقے کوئی انوکھے نہیں۔ ان کو سمجھنے کے لئے صرف عقل سلیم کی ضرورت ہے''۔

چار دن کی خدمت کے بعد مسز ڈنہم اس نتیجے پر پہنچیں کہ قائداعظم کی تیمارداری ان کے بس کی بات نہیں، اور انہوں نے کرنل الٰہی بخش سے کہا کہ ان کی جگہ کوئی مرد نرس رکھا لیا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا۔ لیکن جب کرنل صاحب نے یہ تجویز قائداعظم کے سامنے پیش کی تو انہوں نے انکار کر دیا۔

اس کے بعد جب سسٹر ڈنہم اپنے مریض کے کمرے میں آئیں تو ان کے ہاتھ میں برش اور کنگھا تھا۔ جناح انہیں دیکھ کر مسکرائے اور اپنا سر تکیے پر ڈال دیا۔

۹ اگست کو ڈاکٹروں کی یہ رائے ہوئی کہ زیارت کی بلندی مریض کے حق میں اچھی نہیں اور انہیں کوئٹہ منتقل کر دینا چاہیے۔ ۱۲ تاریخ کو لیفٹیننٹ مظہر احمد ساری رات سفر کے اہتمام میں مصروف رہے۔ دوسرے دن صبح جب قائداعظم کو بتایا گیا کہ اب روانگی کا وقت آ گیا ہے تو انہوں نے کہا: ''میں کپڑے تو بدل لوں۔ شب خوابی کا لباس پہن کر میں ہرگز گھر سے نہ نکلوں گا''۔ اس پر انہیں وہ نیا کوٹ پیش کیا گیا جو انہوں نے کراچی میں سلوایا تھا اور پہلے کبھی نہ پہنا تھا۔ پھر انہوں نے اپنے پمپ جوتے پہنے اور اس کے بعد اپنی سرمئی ریشمی ڈوری گلے میں ڈالی۔ انہوں نے چشمہ لگانا پچاس سال قبل شروع کیا تھا، جب وہ لندن میں زیر تعلیم تھے اور پیدل اپنی درسگاہ سے کینسنگٹن میں اپنی قیام گاہ تک جایا کرتے تھے۔ آج موت کے سائے میں بھی وہ اپنا یک چشمہ نہ بھولے۔ نوجوانی میں پہلی دفعہ اسے لگا کر انہیں جو خوشی ہوئی ہوگی اس کی یاد شاید آج تازہ ہوگئی ہوگی۔

قائداعظم اپنا اکا گلے میں ڈال چکے تو انہیں ایک سفید رومال دیا گیا جسے انہوں نے اپنی انگلیوں میں دبا لیا۔ پھر مظہر احمد نے فوجی اے۔ ڈی۔ سی اور دو پٹھان خدمت گاروں کی مدد سے قائداعظم کا نحیف جسم اٹھا کر اسٹریچر پر رکھ دیا اور اسے نیچے لے گئے۔

لیفٹیننٹ مظہر احمد کہتے ہیں کہ ''جب میں نے قائداعظم کو اٹھا کر موٹر میں لٹایا تو وہ مجھ سے اتنے قریب تھے کہ ان کا رخسار میرے رخسار کے برابر تھا اور میں ان کی سانس کی ہلکی ہلکی آواز سن سکتا تھا۔ میں نے انہیں گدے پر لٹا دیا لیکن میں نے محسوس کیا کہ وہ آرام سے نہیں لیٹے ہیں۔ میں ابھی تک انہیں پکڑے ہوئے تھا اور ارادہ کر رہا تھا کہ انہیں ذرا ہٹا کر ایسی جگہ لٹاؤں جہاں انہیں پوری طرح آرام مل سکے۔ اسی اثناء میں انہوں نے مجھ سے کہا: ''مظہر، تمہارا دم پھول رہا ہے، اور میرا بھی یہی حال ہے۔ ذرا ٹھہر کر سستا لو، میں کچھ دیر ٹھہر گیا اور پھر انہیں اٹھا کر آرام سے لٹا دیا۔ پھر میں نے ان سے پوچھا: ''اب آپ آرام سے ہیں؟'' اس پر وہ مسکرائے اور پوچھا کہ میرا رومال کہاں ہے؟ میں نے رومال ڈھونڈ کر انہیں دیا۔ پھر عملے کے باقی سب لوگ موٹروں میں بیٹھ گئے اور ہمارا سفر شروع ہوگیا۔

Marfat.com

''جب ہم کوئٹہ کی ریزیڈینسی میں پہنچے تو میں قائد اعظم کو ان کے بستر پر لے گیا۔ میں نے انہیں لٹایا تو وہ مسکرا دیئے لیکن زبان سے کچھ نہ کہا''۔

۱۶ اگست کو کرنل الٰہی بخش نے اپنے مریض کو یہ خوش خبری سنائی کہ ان کے پھیپھڑے کی حالت اب پہلے کی بہ نسبت چالیس فیصد بہتر ہے۔ اس پر قائد اعظم نے پوچھا: ''سو فیصد اصلاح کب تک ہو جائے گی''۔ دو دن بعد ان کی حالت اتنی سدھر گئی کہ انہوں نے اپنا کام دوبارہ شروع کر دیا اور روزانہ ایک گھنٹا سرکاری کاغذات کے مطالعے پر صرف کرنے لگے۔ انہی دنوں مسٹر محمد علی کراچی سے آکر پھر قائد اعظم سے ملے اور انہیں دیکھ کر یہ رائے قائم کی کہ ''ان کی ذہنی کیفیت اب پہلے سے بہتر ہے اور بہ حیثیت مجموعی وہ رو بہ صحت معلوم ہوتے ہیں''۔

تھوڑے دن بعد قائد اعظم اس قابل ہو گئے کہ اٹھ کر کمرے میں چند قدم چل سکیں۔ انہوں نے اسپاگیٹی (Spaghetti)، انگور اور آڑو کھائے اور کراچی واپس جانے کی خواہش ظاہر کی۔ لیکن ساتھ ہی یہ شرط بھی لگائی کہ مجھے وہاں بیساکھیوں کے سہارے نہ چلنا پڑے۔ میں ہرگز گوارا نہ کر سکوں کہ لوگ مجھے اسٹریچر پر ڈال کر موٹر سے میرے کمرے تک لے جائیں۔

یہ عزم ان کی دلیری کا آخری مظاہرہ تھا۔ ۲۹ اگست کو یکا یک ان کی قوت ارادی جواب دینے لگی اور انہوں نے کرنل الٰہی بخش سے کہا: ''آپ کو معلوم ہے کہ جب آپ پہلی مرتبہ زیارت آئے تھے تو میری خواہش تھی کہ میں زندہ رہوں۔ لیکن اب مجھے اس کی کچھ فکر نہیں کہ میں زندہ رہوں گا یا مر جاؤں گا''۔

بعد میں کرنل الٰہی بخش نے اپنی ڈائری میں لکھا: ''میں نے دیکھا کہ ان کی آنکھوں میں آنسو چمک رہے ہیں۔۔۔۔۔۔ میں اس مایوسی کی وجہ نہ سمجھ سکا۔۔۔۔ خود انہوں نے وجہ یہ بتائی تھی کہ ان کا مقصد زندگی اب پورا ہو چکا ہے۔ لیکن اس توجیہ سے میری تسلی نہ ہوئی، بلکہ یوں محسوس ہوا کہ یہ بات محض مجھے ٹالنے کو کہی گئی ہے۔ اصل وجہ میرے لئے معما بنی رہی۔ میں دل میں یہی سوچتا رہا کہ کیا پانچ ہفتے پہلے ان کا کام مکمل نہ ہوا تھا؟ کیا ان پانچ ہفتوں میں انہوں نے کوئی کام ایسا کیا تھا جس نے انہیں یہ احساس دلا دیا کہ ان کا مقصد زندگی اب مکمل ہو گیا ہے؟ ان سوالوں کا کوئی جواب میرے پاس نہ تھا، لیکن میں نے یہ ضرور محسوس کیا کہ کوئی بات ان دنوں میں ایسی ہوئی ہے جس نے ان کے عزم زندگی کی جڑ کاٹ کر رکھ دی''۔

۵ ستمبر کی شام کو قائد اعظم کو نمونیا ہو گیا۔ تین دن تک ان کا بخار چڑھتا گیا اور تھوڑی تھوڑی دیر بعد بے چینی کا دورہ بھی پڑتا تھا۔ اس حالت میں وہ اکثر بڑبڑاتے رہتے اور اس طرح ان خیالات کا سراغ ملتا جو اس وقت ان کے ذہن کی گہرائیوں میں کار فرما تھے۔ اس حالت میں جو آخری فقرے ان کی زبان سے نکلے وہ کشمیر کے متعلق تھے۔ اچانک ان کی آواز اونچی ہو گئی اور انہوں نے غصے سے کہا: ''آج کشمیر کمیشن نے مجھ سے ملاقات کے لئے وقت لیا تھا۔ وہ اب تک کیوں نہیں آئے، وہ کہاں ہیں''۔

۱۰ ستمبر کو کرنل الٰہی بخش نے مس جناح کو مطلع کر دیا کہ ان کے بھائی اب چند دن کے مہمان ہیں۔ دوسرے دن کوئٹہ کے ہوائی اڈے پر تین طیارے اترے جن میں قائد اعظم کا حسین وائکنگ (Viking) بھی تھا۔ قائد اعظم کو اسٹریچر پر ڈال کر

Marfat.com

ہوائی جہاز تک پہنچایا گیا۔ جہاز کے انگریز پائلٹ اور اس کے باقی عملے نے صف میں کھڑے ہو کر گورنر جنرل کو سلامی دی۔ قائداعظم نے آہستہ سے اپنا ہاتھ اٹھا کر ان کے سلام کا جواب دیا۔ پھر ہوائی جہاز روانہ ہو گیا اور چند لمحوں میں کوئٹہ کے ناہموار پہاڑوں کے اوپر سات ہزار فٹ کی بلندی پر پرواز کرنے لگا۔

سہ پہر کو سوا چار بجے جہاز ماڑی پور کے ہوائی اڈے پر اترا۔ تیرہ مہینے پہلے اسی مقام پر ہزاروں پاکستانی اپنے مسیحا و رہبر کا استقبال کرنے جمع ہوئے تھے۔ آج صرف معدودے چند آدمی وہاں موجود تھے کیونکہ قائداعظم کی آمد صیغہ راز میں رکھی گئی تھی، حتیٰ کہ وزیراعظم کو بھی کوئٹہ سے فون پر ہدایت کر دی گئی تھی کہ وہ قائداعظم کے استقبال کے لئے ہوائی اڈے پر نہ آئیں۔

جہاز کو پاس کرنل نولز کھڑے تھے۔ انہوں نے قائداعظم کے اسٹریچر کو ہوائی جہاز سے باہر جاتے ہوئے دیکھا، اور جب اسٹریچر کا رخ سورج کی طرف ہوا تو انہوں نے دیکھا کہ قائداعظم نے اپنا ہاتھ چادر میں سے نکالا اور آہستہ سے اٹھا کر اپنی آنکھوں پر رکھ لیا تا کہ سورج کی روشنی ان پر نہ پڑے۔

اسٹریچر ایک فوجی ایمبولینس میں رکھ دیا گیا، پھر مس جناح اور مسٹر ڈنہم بھی اس میں سوار ہو گئیں اور گاڑی شہر کی طرف روانہ ہو گئی۔ لیکن تھوڑی دور جا کر، مہاجروں کی ایک گنجان بستی سے ذرا آگے موٹر بگڑ گئی۔ ایک گھنٹے تک ڈرائیور ٹھیک کرنے کے لئے ہاتھ پاؤں مارتا رہا، حتیٰ کہ شہر سے دوسری ایمبولینس! آ گئی۔

مسٹر ڈنہم نے اس قیامت کی گھڑی کا حال یوں بیان کیا ہے:

''ہم مہاجروں کی بستی اور اس کی کیچڑ سے زیادہ دور نہ تھے، اور مکھیوں نے ہمیں گھیر لیا تھا۔ میں نے ایک دفتی کا ٹکڑا ڈھونڈ نکالا اور اس سے مسٹر جناح کے منہ پر پنکھا جھلنے لگی تا کہ مکھیاں نہ بیٹھنے پائیں۔ چند منٹ تک ان کے پاس میرے سوا کوئی نہ تھا اور اس اثناء میں انہوں نے میری دلجوئی اس انداز سے کی کہ میں ساری عمر نہیں بھول سکتی۔ انہوں نے اپنا بازو چادر میں سے نکالا اور اپنا ہاتھ میرے بازو پر رکھ دیا۔ وہ زبان سے کچھ نہ کہہ سکے لیکن ان کی آنکھوں سے ان کے جذبہ تشکر کا پوری طرح اظہار ہو رہا تھا۔ میں ان کی جو کچھ خدمت کر سکی تھی یہ ایک نگاہ اس کا مکمل صلہ تھی۔ اس سے بہتر صلہ مجھے کیا مل سکتا تھا۔ اس وقت یوں معلوم ہوتا تھا کہ قائداعظم کی ساری روح ان کی آنکھوں میں اتر آئی تھی''۔

دوسری ایمبولینس پر سفر کی آخری منزل شروع ہوئی۔ اس وقت بہت سے لوگ ہوا خوری کے لئے سڑک پر نکل آئے تھے، لیکن چونکہ ایمبولینس پر کوئی پرچم نہ تھا اس لئے کسی نے اس کی طرف توجہ نہ کی۔ چھ بج کر دس منٹ پر ایمبولینس گورنمنٹ ہاؤس پہنچ گئی اور قائداعظم کو اوپر ان کے کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ ڈاکٹروں اور نرس نے انہیں ایک مقوی قلب دوا پلانے کی کوشش کی لیکن دوا حلق میں اترنے کی بجائے ان کے دہانے سے بہہ کر باہر گر گئی۔

کراچی کے انگلستانی (Arglican) گرجا گھر نے سات کا گھنٹا بجایا، پھر چند منٹ بعد مؤذن مسجد کے میناروں پر سے مسلمانوں کو مغرب کی نماز کے لئے بلانے لگے۔

ڈاکٹروں نے قائداعظم کے پلنگ کی پائنتی ذرا اونچی کر دی تا کہ قلب کی طرف دوران خون تیز ہو جائے۔ پھر انہوں

Marfat.com

نے ایک ٹیکا لگانا چاہا، لیکن رگیں بے جان ہو چکی تھیں۔ نو بج کر پچاس منٹ پر کرنل الٰہی بخش نے جھک کر آہستہ سے کہا: ''جناب! ہم نے آپ کو طاقت کا ٹیکا لگایا ہے، اور خدا نے چاہا تو آپ سلامت رہیں گے''۔ اس پر قائداعظم نے اپنے سر کو جنبش دی اور پھر آخری مرتبہ ان کی آواز سنائی دی: ''نہیں! اب میں نہ بچوں گا''۔ اس کے تیس منٹ بعد وہ اس دنیا سے سدھار گئے۔

محترمہ فاطمہ جناح اپنی کتاب ''میرا بھائی'' میں تحریر فرمایا ہے قائداعظم کے آخری ایام میں جب انہیں کوئٹہ سے کراچی لایا گیا تو، کراچی میں اپنی رہائشگاہ پر پہنچنے پر'' قائداعظم کو کوئی دو گھنٹے غنودگی سی میسر آ گئی جس کے دوران وہ بڑبڑا کر کشمیر کا ذکر کر رہے تھے۔ مہاجرین کی آبادکاری پر زور دے رہے تھے اور آئین کی تیاری کی تلقین کر رہے تھے، وغیرہ۔۔۔

اس کے بعد جب پھر ہوش میں آئے تو فاطمہ جناح سے کہا خدا حافظ۔ فاطمہ جناح فرماتی ہیں کہ ساتھ ہی ان کی زبان پر تھا لا الہ الا اللہ۔۔۔ پھر اچانک اٹک اٹک کر کہا۔۔۔ محمد رسول اللہ۔۔۔۔۔۔۔ اس کے بعد ہمیشہ کے لئے چپ ہو گئے۔

(انا للہ وانا علیہ راجعون)

اس سانحہ عظیم کی خبر رات ہی میں بازاروں سے نکل کر سارے شہر میں پھیل گئی۔ کچھ لوگ آہ و بکا کر رہے تھے، اور کچھ سرگوشیوں میں باتیں کر رہے تھے۔ دیکھتے دیکھتے گورنمنٹ ہاؤس کی اونچی دیواروں کے قریب ہزاروں آدمی جمع ہو گئے۔ شام کو جو ہوا چل رہی تھی وہ اب بند ہو چکی تھی اور رات بہت گرم تھی۔ ہجوم میں جو لوگ دیوار سے سب سے زیادہ قریب تھے انہوں نے اسے ہاتھ لگایا اور دعائیں پڑھتے رہے۔

ذرا دیر بعد ایک شخص آہستہ آہستہ بھیڑ کو چیرتا ہوا آگے بڑھا۔ اس کے ہاتھ میں کفن اور ایک چھوٹی سی بوتل تھی۔ کفن کو آبِ زم زم میں ڈبویا گیا تھا اور بوتل میں عطر تھا۔ یہ شخص کچھ عرصے قبل رسول اکرم ﷺ کے مزار مبارک کی زیارت کرنے مدینے گیا تھا۔ وہاں اس موقع پر جو عطر آنحضرت ﷺ کی قبر پر چھڑکا گیا تھا اس میں سے تھوڑا سا دہ تبرکاً بوتل میں ساتھ لیتا آیا تھا۔ قائداعظم کو کفن دیا گیا اور پھر یہی عطر اس پر چھڑکا گیا۔ اور آخر قائداعظم محمد علی جناح ہم سے رخصت ہو گئے۔

(کتاب محمد علی جناح بولائیتھو صفحہ ۳۲۰ تا ۳۴۴)

قائداعظم کا جنازہ

ے میں بعد برگ بھی بزم وفا میں زندہ ہوں تلاش کر مری محفل، مرا مزار نہ پوچھ

علامہ اقبال فرماتے ہیں: ''مسٹر جناح کو خدا تعالیٰ نے ایک ایسی خوبی عطا کی ہے، جو آج تک ہندوستان کے کسی مسلمان میں، مجھے نظر نہیں آئی''

آپ نے انگریزی میں فرمایا: He Is Incorruptabl AND Unpurchasable

علامہ عثمانیؒ نے قائداعظم کے جنازہ کے موقع پر خطاب کرتے ہوئے ان کی فکر اور کردار کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا تھا۔

شبیر احمد عثمانیؒ نے فرمایا: قائداعظم کا جب انتقال ہوا تو میں نے رات رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ قائداعظم کھڑے تھے۔ اور رسول اللہ ﷺ قائداعظم کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ میرا مجاہد ہے۔

Marfat.com

''قائد نے مجھ سے فرمایا تھا کہ انشاء اللہ وہ دن قریب ہے۔ جب کراچی اسلامی ممالک کا مرکز ہوگا۔ کراچی سے لیکر انقرہ تک، کراچی سے لیکر مراکش تک، کراچی سے لیکر چین تک، مسلمانوں کا مضبوط بلاک بنایا جائے گا، جس کی قیادت کے فرائض انشاء اللہ پاکستان ادا کرے گا'' علامہ عثمانی اس موقع پر قائد کے بارے میں فرمایا کہ ''قائداعظم ایک غریب اور بے علم قوم کا راہنما تھا اور تمام دینوی آسائشوں کو ٹھکرا کر اپنی قوم کے پامال لوگوں کی بہترین کے لئے شب و روز مصروف خدمت رہتا تھا۔ اس نے عہد اورنگزیب کی شان و شوکت کی یاد تازہ کردی تھی اور اس سرزمین کے مسلمان ان تمام خدمات کے عوض جو آپ نے مسلم قوم کیلئے انجام دی تھیں۔ آپ کے ہمیشہ خدمت گزار رہیں گے۔ آپکو دنیا کا کوئی بھی انسان خرید نہیں سکتا تھا۔ وہ نحیف انسان تھا۔ لیکن وہ پہاڑوں سے ٹکرانے کی قوت رکھتا تھا۔ جب پہلے پہل انہوں نے پاکستان کا تخیل پیش کیا تو، ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جو یہ یقین رکھتا ہو کہ پاکستان کبھی حقیقت بن سکے گا۔ لیکن اس مرد مجاہد کے استقلال، عزم، ایثار، سیاسی ذہانت اور تدبر نے خدا کے فضل و کرم سے ایک ناممکن امر کو ممکن بنا کر رکھ دیا''

(بحوالہ ''خطبات عثمانی) خطبات عثمانی صفحہ ۲۹۴۔۲۹۵ بحوالہ امروز ۱۲ستمبر ۱۹۴۸ء)

ہمیں عہد کرنا چاہیئے کہ ہم مملکت پاکستان کے وفادار بن کر رہیں گے اور اللہ کے احکام پر عمل کرنے کی پوری کوشش کریں گے اور اس مملکت خداداد کو جس مقصد کیلئے حاصل کیا گیا ہے یعنی کہ اس میں قانون خداوندی کا ہم نفاذ کر کے چھوڑیں گے، اس کے لئے کمربستہ ہو جائیں گے۔

اہم واقعات کا سلسلہ تاریخ

۵۷۱۔۔۔۔۔۔پیغمبر اسلام ﷺ کی ولادت

۶۱۰۔۔۔۔۔۔پیغمبر اسلام ﷺ کی نبوت کا آغاز

۶۲۲۔۔۔۔۔۔سن ہجری کی ابتداء

۹۳ھ۔۔۔۔۔۔سندھ پر عربوں کا حملہ

۹۶ھ۔۔۔۔۔۔ محمد بن قاسم کا حملہ

۹۹۸۔۔۱۰۳۰۔۔۔۔ محمود غزنوی

۱۱۹۲۔۔۱۱۹۳۔۔۔۔ دہلی پر قبضہ

تقریباً ۱۲۰۰۔۔۔۔۔۔ فتح بنگالہ

۱۲۱۰۔۔۱۲۳۶۔۔۔۔ التمش

۱۲۶۶۔۔۱۲۸۷۔۔۔۔ بلبن

۱۲۹۴۔۔۔۔۔۔ فتح دیوگری (مستقبل کا دولت آباد، دکن میں)

۱۲۹۲۔۔۱۳۱۶۔۔۔۔ علاؤالدین خلجی

۱۲۹۷۔۔۔۔۔۔ فتح گجرات

۱۳۰۵۔۔۔۔۔۔ فتح مالوہ

۱۳۱۰۔۔۔۔۔۔ دکن میں ملک کافور کی فتوحات کا انتہائی نقطہ

۱۳۲۵۔۔۱۳۵۱۔۔۔۔ محمد بن تغلق

۱۳۳۳۔۔۱۳۴۵۔۔۔۔ ابن بطوطہ برعظیم میں

۱۳۳۹۔۔۔۔۔۔ شاہ میر شاہ کشمیر ہوگیا

۱۳۵۱۔۔۱۳۸۸۔۔۔۔ فیروز شاہ

۱۳۹۱۔۔۔۔۔۔ ظفر خان والئی گجرات مقرر کیا گیا

۱۳۹۶۔۔۔۔۔۔ گجرات کی آزادی

۱۴۰۴۔۔۔۔۔۔ بنگال کے تخت پر گنیش کا غاصبانہ قبضہ

Marfat.com

۳۹۸_____ برعظیم پاک وہند کی ملت اسلامیہ

۱۴۹۸__۱۵۱۷___ سکندر لودھی

۱۵۳۸__۱۵۴۵___ شیر شاہ سوری

۱۵۵۵_____ مغلوں کی بحالی

۱۶۰۵__۱۶۲۷___ جہانگیر

۱۶۵۸__۱۷۰۷___ عالمگیر اوّل

۱۷۶۱_____ پانی پت میں مرہٹوں کی شکست

۱۷۸۶__۱۸۳۱___ سید احمد شہید

۱۸۵۷__۱۸۵۸___ سپاہیوں کی سرکشی اور عام بغاوت

۱۸۷۷__۱۹۳۸___ محمد اقبال

۱۴۵۱__۱۵۲۶___ لودھیوں کا عہد حکومت

۱۵۲۶__۱۵۳۸___ پہلی مغل سلطنت

۱۵۴۵__۱۵۵۲___ اسلام شاہ سوری

۱۵۵۶__۱۶۰۵___ اکبر

۱۶۲۸__۱۶۵۸___ شاہ جہاں

۱۷۰۳__۱۷۲۳___ شاہ ولی اللہ

۱۷۶۵_____ برطانیہ کو بنگال کی دیوانی عطا کی گئی

۱۸۱۷__۱۸۹۸___ سید احمد خان

۱۸۵۸___ ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کا خاتمہ

۱۸۷۶__۱۹۴۸__ قائداعظم محمد علی جناح

برطانوی وائسرائے اور گورنر جنرلز

۱۷۷۴__۱۷۷۵___ وارن ہسٹنگز

۱۷۸۶__۱۷۹۳___ لارڈ کارن والس

۱۷۹۸__۱۸۰۵___ لارڈ مارنگٹن

۱۸۰۵__۱۸۰۷___ جارج بارلو

۱۸۱۳__۱۸۲۳___ لارڈ موئیرا

۱۸۲۳__۱۸۲۸___ لارڈ امرسٹ

۱۸۲۸__۱۸۳۴___ لارڈ

۱۸۳۵__۱۸۳۶___ سر چارلس

۱۸۴۲__۱۸۴۴___ لارڈ ایلن برو

۱۸۴۴__۱۸۴۸___ ہنری ہارڈنگ

۱۸۵۶__۱۸۵۸___ لارڈ

۱۸۶۲__۱۸۶۳___ لارڈ ایلجن

۱۸۶۳__۱۸۶۴___ کرنل ولیم ڈینین

۱۸۶۹__۱۸۷۲___ جان سٹرچی

۱۷۸۵__۱۷۸۶___ جان میکفرسن

۱۷۹۳__۱۷۹۸___ لیفٹیننٹ جنرل کلارک

۱۸۰۵_____ لارڈ کارن والس (دوسری بار)

۱۸۰۷__۱۸۱۳___ لارڈ منٹو

۱۸۲۳___ جان ایڈم

۱۸۲۸___ بٹرورتھ

۱۸۳۴__۱۸۳۵___ لارڈ بینٹنگ

۱۸۳۶__۱۸۴۲___ لارڈ آک لینڈ

۱۸۴۴___ ولیم لبرنورس

۱۸۴۸__۱۸۵۶___ لارڈ ماڈل ہاوزی

۱۸۵۸__۱۸۶۲___ لارڈ ٹینک

۱۸۶۳_____ میجر جنرل نیپئر

۱۸۶۴__۱۸۶۹___ سر جان لارنس

۱۸۷۲___ لارڈ نیپئر

Marfat.com

۱۸۷۲__۱۸۷۶___ نارتھ بروک	۱۸۷۶__۱۸۸۰___ لارڈ
۱۸۸۰__۱۸۸۴___ لارڈ پن	۱۸۸۴__۱۸۸۸___ لارڈ وفرن
۱۸۸۸__۱۸۹۴___ لارڈ لیڈز ڈون	۱۸۹۴__۱۸۹۹___ لارڈ ایلچن
۱۸۹۹__۱۹۰۴___ لارڈ کرزن	۱۹۰۴___ لارڈ اسپہل
۱۹۰۴__۱۹۰۵___ لارڈ کرزن	۱۹۰۵__۱۹۱۰___ لارڈ منٹو
۱۹۱۰__۱۹۱۶___ لارڈ بارڈنگ	۱۹۱۶__۱۹۲۱___ لارڈ چلسمنورڈ
۱۹۲۱__۱۹۲۵___ لارڈ ریڈنگ	۱۹۲۵___ لارڈ لٹن
۱۹۲۵__۱۹۲۶___ لارڈ ریڈنگ	۱۹۲۶__۱۹۲۹___ لارڈ آئرونگ
۱۹۲۹________ لارڈ کرسٹن	۱۹۲۹__۱۹۳۱___ لارڈ آئرونگ
۱۹۳۱__۱۹۳۴___ لارڈ بلنگڈن	۱۹۳۴________ جارج سٹنلے
۱۹۳۴__۱۹۳۶___ لارڈ بلنگڈن	۱۹۳۶__۱۹۴۳___ لارڈ لسن لتھ گو
۱۹۴۳__۱۹۴۷___ لارڈ ویول	۱۹۴۷________ لارڈ ماؤنٹ بیٹن

قائد اعظم کا سوانحی خاکہ

۱۸۷۶ء ----- کراچی میں ولادت	۱۸۸۲ء ----- ابتدائی تعلیم کا آغاز
۱۸۹۳ء ----- انگلستان روانگی	۱۸۹۶ء ----- بیرسٹری میں کامیابی
۱۸۹۶ء ----- وطن واپسی	۱۸۹۷ء ----- وکالت کا آغاز

۱۹۰۰ء ----- بحیثیت پریذیڈینسی مجسٹریٹ کے تقرر

۱۹۰۵ء ----- دادا بھائی نوروجی کے پرائیویٹ سیکریٹری مقرر ہوئے

۱۹۰۵ء ----- کانگریس میں شرکت	۱۹۰۶ء ----- بمبئی ہائی کورٹ میں بحیثیت ایڈوکیٹ

۱۹۰۹ء ----- سپریم امپیریل کونسل میں بلا مقابلہ منتخب ہوئے

۱۹۱۰ء ----- قانون ساز کونسل کے رکن بنے

۱۹۱۱ء ----- وقف علی الاولاد کے ضمن میں مسودہ قانون کونسل میں پیش کیا

۱۹۱۲ء ----- مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ کلکتہ میں شرکت

۱۹۱۳ء ----- مسٹر گوکھلے کیساتھ برطانیہ روانگی	۱۹۱۳ء ----- وطن واپسی

۱۹۱۳ء ----- مسلم لیگ میں شرکت

Marfat.com

۱۹۱۴ء ـــــ کانگرس کے وفد کے ایک رکن کی حیثیت سے برطانیہ روانہ ہوئے

۱۹۱۶ء ـــــ مسلم لیگ کے تاریخی اجلاس لکھنؤ کے صدر مقرر ہوئے

۱۹۱۷ء ـــــ ہوم رول تحریک میں شرکت کی ۱۹۱۸ء ـــــ شادی کی

۱۹۱۸ء ـــــ لارڈ ولنگڈن کے خلاف مظاہرے کی رہنمائی کی

۱۹۱۹ء ـــــ رولٹ ایکٹ کے خلاف بطور احتجاج امپیریل کونسل سے استعفیٰ دے دیا

۱۹۲۰ء ـــــ کانگرس سے علیحدگی اختیار کی ۱۹۲۱ء ـــــ گاندھی جی کی حکمت عملی سے اختلاف

۱۹۲۷ء ـــــ آل پارٹیز کانفرنس میں شرکت ۱۹۲۸ء ـــــ نہرو رپورٹ کی ابتداء

۱۹۲۹ء ـــــ چودہ نکات کا اعلان

۱۹۳۰ء ـــــ مسلمانوں کے نمائندے کی حیثیت سے گول میز کانفرنس میں شرکت اور انگلستان میں مستقل سکونت

۱۹۳۱ء ـــــ دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت اور ہندوستانی سیاست سے عارضی کنارہ کشی

۱۹۳۴ء ـــــ بمبئی کے شہری حلقے سے مرکزی اسمبلی کے انتخاب میں کامیابی

۱۹۳۷ء ـــــ آل انڈیا مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے پہلے سالانہ اجلاس کلکتہ کی صدارت کی

۱۹۳۸ء ـــــ کراچی مسلم لیگ کی صدارت

۱۹۳۹ء ـــــ یکم نومبر، وائسرائے کی خواہش پر ان سے ملاقات کی

۱۹۴۰ء ـــــ ۲۴ مارچ لاہور میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں قرارداد لاہور کی منظوری وکالت ترک کر کے مسلمانوں کی خدمت کو نصب العین بنایا حکومت برطانیہ کو انتباہ۔

۱۹۴۲ء ـــــ ہندوستان میں کرپس مشن کی آمد قائداعظم سے ملاقاتیں اور پاکستان کے اصول کو تسلیم کر لینا

۱۹۴۳ء ـــــ ۲۶ جولائی ایک خاکسار کا ان پر قاتلانہ حملہ

۱۹۴۴ء ـــــ ۱۸ مارچ لاہور مسلم اسٹوڈنٹس کانفرنس کا افتتاح ۹ ستمبر ۴۴ء کو گاندھی سے ملاقات

۱۹۴۵ء ـــــ ۲۸ جون لارڈ ویول کی شملہ کانفرنس میں شرکت

۱۹۴۵ء ـــــ اکتوبر میں بلوچستان کا دورہ

۱۹۴۶ء ـــــ ۲۹ جولائی وزارتی مشن کو مسترد کرتے ہوئے راست اقدام کا اعلان کیا جس میں پر تمام خطاب یافتہ محرکوں نے خطابات واپس کر دیئے

۱۹۴۶ء ـــــ [illegible] اگست لارڈ ویول کی طرف سے عبوری حکومت کے قیام کا اعلان۔ قائداعظم کا وائسرائے کی اس عیاری پر احتجاج اور عبوری حکومت میں مسلم لیگ کی شمولیت

Marfat.com

۱۹۴۶ء ----- دسمبر میں برطانوی حکومت کی دعوت پر لندن کو روانگی واپسی پر مفتی اعظم فلسطین امین حسینی نحاس پاشا اور عزام پاشا سے ملاقاتیں

۱۹۴۷ء ----- مارچ میں ماؤنٹ بیٹن کی بطور وائسرائے اور گورنر جنرل ہندوستان میں آمد، وائسرائے سے ملاقاتیں اور پاکستان کا مطالبہ

۱۹۴۷ء ----- ۱۲اپریل کو کانگرس کی طرف سے بنگال اور پنجاب کی تقسیم کا مطالبہ

۱۹۴۷ء ----- ۲جون مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کا اجلاس

۱۹۴۷ء ----- ۴جولائی کو دارالعوام میں قانون آزادی ہند کی منظوری

۱۹۴۷ء ----- ۱۱اگست پاکستان کی مجلس دستور ساز میں خطبہ استقبالیہ

۱۹۴۷ء ----- ۱۴اگست کو لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے اعزاز میں کراچی میں دعوت

۱۹۴۷ء ----- ۱۴اگست قیام پاکستان

۱۹۴۷ء ----- ۱۸اگست بحیثیت گورنر جنرل قوم کے نام عید کا پیغام

۱۹۴۷ء ----- ۲۴اکتوبر عیدالضحیٰ کے موقع پر قوم کے نام پیغام

۱۹۴۷ء ----- ۳۰اکتوبر کو پنجاب یونیورسٹی کے کھلے میدان میں قوم سے خطاب اور مہاجرین کو صبر وضبط کی تلقین

۱۹۴۸ء ----- ۲۳جنوری کو بحری ادارہ ''دلاور'' کی رسم افتتاح

۱۹۴۸ء ----- ۱۴فروری کو سبی کے دربار میں شرکت

۱۹۴۸ء ----- ۲۱مارچ کو ڈھاکہ میں تین لاکھ کے مجمع سے خطاب

۱۹۴۸ء ----- یکم جولائی کو اسٹیٹ بینک آف پاکستان کی رسم افتتاح

۱۹۴۸ء ----- ۱۴جولائی کو بغرض صحت زیارت (بلوچستان) کو روانگی

۱۹۴۸ء ----- ۱۱ستمبر ۹ بجے رات کو کراچی میں بذریعہ ہوائی جہاز آمد، شب کو دس بج کر پینتالیس منٹ پر انتقال

Marfat.com

باب: بارھواں

نظامِ پاکستان

Marfat.com

نظامِ پاکستان

ہماری تاریخ کے دردناک اوراق

چودہ اگست اور 27 رمضان المبارک کو پاکستان کی تخلیق کے فوراً بعد پاکستان کی حکومت نے اسلامی دنیا کے نامور مفکر، دانشور اور مصنف علامہ محمد اسد کو پاکستان کی شہریت عطا کی اور انہیں پہلا پاکستانی پاسپورٹ جاری کیا۔ اس کے بعد قائداعظم محمد علی جناح نے ایک ایسے محکمے کی بنیاد رکھنے کی درخواست کی جو آئین پاکستان، قوانین اور نصاب تعلیم کو اس ملک کی روح یعنی اسلامی اساس پر مرتب کرے۔ اس محکمے کا نام Reconstruction Department of Islamic رکھا گیا اور اس کی سربراہی علامہ محمد اسد کو سونپ دی گئی۔ یہ پاکستان کا پہلا ادارہ تھا جس کے نام کے ساتھ اسلامک کا لفظ لکھا گیا۔ ادارے کے خدوخال اور مقاصد کو واضح کرنے کے لئے 18 ستمبر 1947ء کو علامہ محمد اسد نے ایک نشری تقریر ریڈیو پاکستان سے کی اور بتایا کہ اس ادارے کا مقصد پاکستان کے آئین اور قوانین کو اسلام کے اصولوں کے مطابق مرتب کرنا ہے جس کے لئے یہ ملک تخلیق کیا گیا۔

علامہ اسد

یہ علامہ محمد اسد کون تھے، ان کی سفارشات جاننے سے پہلے ان کی جدوجہد کو جاننا بہت ضروری ہے۔ لوگ انہیں ان کے عالمی شہرت یافتہ سفرنامے Road to Makkah کے حوالے جانتے ہیں۔ لیکن امت مسلمہ کے لئے ان کے دیگر کارناموں پر وقت کی دھول پڑ چکی تھی۔ 2 جولائی 1900ء میں آسٹرو ہنگرین سلطنت کے شہر لیمبرگ کے ایک یہودی گھرانے میں ایک بچے کی پیدائش ہوئی جس کا نام لیوپولڈ ویئس رکھا گیا۔ اس کا باپ ایک وکیل اور دادا یہودی مذہبی رہنما یعنی ربی تھا۔ اس نے یہودی مذہبی تعلیم اپنے گھرانے میں حاصل کرنے کے بعد معمول کی تعلیم حاصل کرنا شروع کی اور وی آنا یونیورسٹی تک جا پہنچا۔ اس دوران اس نے جرمن، انگلش فرانسیسی، فارسی اور اردو زبانوں کا علم حاصل کیا اور تعلیم کو خیرآباد کہہ کر صحافت، سکرپٹ لکھنے اور سیر و سیاحت وغیرہ میں زندگی گزارنے لگا۔ اسی دوران وہ صحافتی ذمہ داریاں ادا کرتے ہوئے فلسطین جا پہنچا اور وہاں اپنے رشتے کے چچا کے گھر مقیم ہو گیا جو مشہور نفسیات دان سگمنڈ فرائڈ کا چیلا تھا اور اس نے بعد میں نیویارک سے تحلیل نفسی پر رسالہ بھی نکالا تھا۔ زبانیں سیکھنے کی دھن اسے عربی زبان تک لے آئی اور پھر عربی زبان نے اسے قرآن حکیم سے روشناس کرایا۔ اسی دوران اس پر مسلمانوں کی زبوں حالی اور یہودی سازش کے تانے بانے کھلنے لگے اور اس نے ان سازشوں کو بے نقاب کرنے کے لئے مضمون لکھنے شروع کئے اور پھر وہ اسلام کی حقانیت سے متاثر ہو کر 1926ء میں جرمنی کے شہر برلن میں مسلمان ہو گیا اور اپنا نام محمد اسد رکھا۔ محمد اسد سے علامہ محمد اسد تک کی کہانی کمال کی ہے۔ انہوں نے دنیا کے ہر اسلامی ملک کا سفر کیا وہاں پر لوگوں کو مغربی طاقتوں کی غلامی سے آزاد ہونے کی ترغیب دی۔ 1932ء میں وہ ایک اور غلام ملک ہندوستان آ گئے

Marfat.com

جہاں 1934ء میں ان کی ملاقات علامہ اقبال سے ہوئی جنہوں نے انہیں مزید سفر ختم کر کے برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کے لئے کام کرنے پر قائل کر لیا۔ علامہ محمد اسد کے مطابق علامہ اقبال نے ان کی سوچ کے دھارے کو تبدیل کر دیا اور وہ ایک اسلامی ریاست کی فکری اور علمی بنیادوں پر کام کرنے لگے۔ علامہ اقبال نے انہیں لاہور کے ایک کالج میں شعبہ اسلامیات کا سربراہ لگوا دیا لیکن وہ آزادانہ کام کرنا چاہتے تھے۔ گھنٹوں اقبال کی صحبت میں بیٹھنے والے اس شخص نے دنیا بھر کے اخباروں میں ایک نئے ملک پاکستان کے نظریاتی اور اسلامی تشخص پر مضامین لکھنے شروع کیے جن کا اردو ترجمہ لاہور کے ایک اخبار میں شائع ہوتا تھا۔ علامہ اسد نے دہلی اور لاہور میں دو قومی نظریہ اور اسلامی ریاست کے خدوخال پر لیکچر دینے شروع کر دیئے۔ لیکن دوسری جنگ عظیم شروع ہوگئی ان کے والدین کو ہٹلر نے یہودی ہونے کی وجہ سے قتل کر دیا اور انہیں ہندوستان کی برطانوی حکومت نے جرمن جاسوس سمجھ کر گرفتار کر لیا۔ چھ سال گرفتاری کاٹ کر رہا ہوئے تو اپنا ایک رسالہ عرفات نکالا جس میں انہوں نے پاکستان کا مطلب کیا کے عنوان سے مضامین لکھنے شروع کئے۔ انہی مضامین میں برصغیر کی تاریخ میں پہلی دفعہ یہ نعرہ گونجا کہ پاکستان کا مطلب کیا، لا الہ الا اللہ۔ پاکستان کی آزادی سے صرف ایک ماہ پہلے کے رسالے میں انہوں نے پاکستان کے آئین، قانون، معاشی نظام اور نصاب تعلیم کو اسلامی بنیادوں پر استوار کرنے اور اسے پاکستان کا حقیقی مقصد سمجھانے پر ایک طویل مضمون تحریر کیا۔ اس کا عنوان تھا Towords an Islamic Constitution اسلامی آئین کی جانب سفر۔ اس آخری شمارے کے بعد وہ لاہور آگئے اور پاکستان نے انہیں پہلے پاکستانی شہری کی حیثیت سے نوازا تھا یہ تھا وہ عملی اور فکری سرمایہ جس کی بنیاد پر قائد اعظم محمد علی جناح نے انہیں ایک نئے محکمے ڈپارٹمنٹ آف اسلامک ری کنسٹرکشن کا سربراہ مقرر کیا اور ان کے مضامین کے حاصل پاکستان کا مطلب کیا کے مطابق پاکستان کے آئین اور قوانین کو اسلام کے اصولوں پر مرتب کرنے کی ذمہ داری سونپی۔ علامہ محمد اسد نے اپنا رسالہ عرفات بھی اسی ادارے سے نکالنا شروع کیا۔ انہوں نے اپنی فوری سفارشات مرتب کیں جن میں دو ایسی تھیں کہ اس زمانے کے مراعات یافتہ طبقے کی ناراضگی کا باعث بنیں۔ انہوں نے کہا کہ جن لوگوں کو انگریز نے جائیدادیں عطا کی ہیں اور وہ آج نواب "خان" چودھری اور وڈیرے بنے بیٹھے ہیں، ان سب سے جائیدادیں واپس لے لی جائیں۔ دوسری تجویز یہ تھی کہ ایک مکمل اسلامی نظام تعلیم اور نصاب مرتب کیا جائے اور اگر یہ تین سال کے عرصے میں بھی مرتب ہوا تو اس وقت تک تمام تعلیمی ادارے بند کر دیئے جائیں گے۔ کیونکہ بچوں کا فارغ بیٹھنا اس سے بہتر ہے کہ انہیں مغرب کے ایسے نظام تعلیم میں پڑھایا جائے جس میں ان کے مذہب، اقدار، روایت یہاں تک کہ ان کی شخصیات کے بارے میں بھی جھوٹ پڑھایا جاتا ہے اور وہ اسے سچ سمجھ کر آگے بڑھنے لگتے ہیں۔ اب وہ تمام طبقہ حرکت میں آگیا۔ بڑے بڑے بیوروکریٹ، نواب، خان، وڈیرے، چودھری اکٹھے ہو گئے۔ قائد اعظم انتقال کر چکے تھے۔ وزیر اعظم لیاقت علی خان نے انہیں وزارت خارجہ میں ڈپٹی سیکریٹری کے عہدے پر تعینات کر دیا اور مشرقی وسطیٰ کے ڈیسک کا انچارج بنا دیا۔ علامہ محمد اسد پوری عرب دنیا کے دورے پر روانہ ہوئے اور تمام مسلم امہ کے حکمرانوں سے ملے تا کہ ملت اسلامیہ کے خواب کو شرمندہ تعبیر کیا جائے۔ اپنی انتھک محنت اور کوشش کے بعد انہوں نے مسلم امہ کی یک جہتی کے لئے حقیقی تجاویز مرتب کیں اور اس زمانے کے وزیر خارجہ سر ظفر اللہ

Marfat.com

CALLING ALL MUSLIMS*

Seven Radio Talks

By MUHAMMAD ASAD

I

MUSLIM men and women: You through whose sacrifices and sufferings the Muslim State of Pakistan has been achieved: you whose hearts are bewildered at the terrible misfortunes which have befallen our Millat in these days; you whose hearts weep in sorrow, and you who are filled with anger: brothers and sisters in Islam—all of you who bear the proud name of Muslims: permit me to speak to you at this hour of your supreme trial.

To some of you my name and the nature of the work I am doing may be familiar; but many thousands of you who are now listening to me have probably never heard of my existence, not to speak of my work, and are perhaps asking themselves in wonderment: "What right has this man to address us, with the intention, it seems, of giving us advice?" To such of my friends I should like to say this: I am not addressing you by virtue of any special "*right*" in this connection. I am speaking to you as one of the many millions who believe that the word *lā ilāha ill'Allāh* is the greatest truth ever revealed to mankind, and that everybody who believes in this word is duty-bound to contribute his or her best towards the welfare of all the others who share this belief and, through them, towards the welfare of all mankind. In other words, my voice is no more than the voice of a humble servant of Islam who feels that in this crisis of our existence no one has the right to keep aloof from social service. It is in response to this call of Islamic duty that I have taken it upon myself to speak to you on some of the tremendous moral and civic problems which will decide the future of the Millat and of Pakistan.

For we must not deceive ourselves. Every one of us should realise that the future of the Millat and of Pakistan still hangs in the balance. We have suffered a grievous political defeat in the first hour of our existence as an independent State; we have suffered a tremendous loss of life and property; our economic structure has been thrown out of gear; we have to cope with a refugee problem on a scale never before witnessed by the world. All this, however, should not make us

* By courtesy Radio Pakistan. The above talks were delivered in September, 1947.

علامہ اسد کی 7 تقاریر جو ریڈیو پاکستان سے جاری کی گئی ان تقاریر کا عکس

Marfat.com

despondent. Other nations and communities have, in the initial stages of their existence, suffered defeats—and were nevertheless able to emerge victoriously from all such trials and dangers Other nations and communities had to build states almost out of nothing, and against the opposition of mighty neighbours—and were nevertheless able to build and to survive in glory. It is, indeed, in trials and dangers, in difficulties and hardships that the real worth of a nation is tested: and history shows that the Muslims were always at their best when they were forced to fight with their backs to the wall. We, also, shall overcome the tremendous odds pitched against us if we rise in our spiritual stature and keep our faith and our courage intact. The one kind of defeat we must beware of under all circumstances, and at all costs, is *moral* defeat; the loss of faith in ourselves and in our historic mission. And this is the greatest danger, the real danger now confronting the Millat.

Muslim men and women: You have demanded Pakistan on the ground of your being Muslims, and on this ground alone. You have demanded it because you rightly felt that your way of life and thinking was different from that of the other nations inhabiting this sub-continent, and that, in order to be able to live in accordance with the tenets to which you adhere, you must have a political homeland of your own. Your strength, your courage and your unity have achieved a fulfilment of this demand of yours. And now that you have achieved Pakistan, and freedom is yours, what are you going to *do* with this freedom?

For, let there be no mistake about it: freedom is no end in itself—it is only a means to an end. The moment you achieve freedom *from* something, the question arises: What is this freedom *for*? It is this question which the Muslim Millat is now being called upon to answer.

Obviously, the ultimate goal behind our demand for an independent Pakistan was the building of a free society in accordance with our own concepts of life and of social behaviour. We—the Muslims of Pakistan—had a definite vision before us: the vision of an equitable society ruled by the principles of Islam, in which all men and women of good-will, whatever their creed or race, might find all the justice and well-being that is possible of attainment on earth. It is for this that the Muslims have suffered and struggled for years; and it is for this that they were prepared to undergo many more sufferings.

Some of us, probably very many of us, have still that vision before their eyes; but there is no going round the fact that very many of us have become blind to it. The Millat, as a whole, has become weaken-

Marfat.com

ed in its spiritual resolve. Countless people have become depressed by the terrible happenings of the recent past and present: the splendid enthusiasm which but yesterday distinguished the Millat is now giving way to cynicism and despondency; the spirit of mutual co-operation is rapidly disintegrating; selfishness, greed and dishonesty have begun to replace our previous readiness to self-sacrifice; in short, social corruption of an unprecedented depth and magnitude is threatening to eat into the very heart of our community.

As I have said, it is this, and not the outward difficulties which have been thrust upon our community, that constitute the real danger to Pakistan. Clearly, God is now putting His Millat to the greatest test in accordance with the words of the Holy Qur'ān:

ولنبلونكم بشيء من الخوف و الجوع و نقص من الاموال والانفس والثمرات

وبشر الصابرين الذين اذا اصابتهم مصيبة قالوا انا لله و انا اليه راجعون

"We shall indeed try you by fear and hunger, by scarcity of worldly goods, of men, and of the fruits of your labour. But give the good tidings to those who are steadfast, and who say, whenever a calamity befalls them, 'It is to God that we belong, and it is to Him that we have to return'."

If we pass this test successfully; if we act in unison, with faith and courage; if we eliminate from our midst all corruption and dishonesty, no power on earth will be able to stop our forward march, and the establishment of Pakistan will become an eternal landmark in the history of Islam. But if, on the other hand, we continue losing our faith and our social discipline; if we give way, as many of us are doing at present, to selfish desires and individual fears and permit ourselves to be tossed about aimlessly by the winds of fortune, from whichever direction they happen to blow: if this should come about, no power on earth could save us from ultimate disaster.

A great responsibility rests on this generation of Muslims. The manner in which they discharge this responsibility will decide whether we are truly a Millat, a community of men and women inspired by the moral principles of the Message which the Holy Prophet (peace and blessings be upon him) has laid before us, or just a chaotic mass of people, a rabble without faith, without aim and without future. It is for you and for me, for all of us, to decide which of the two ways we shall choose: the way of *imān*, courage and discipline—the way which leads to the establishment of a truly Islamic society—or the road to despondence, chaos and unforgettable shame.

Marfat.com

II

OUR struggle for Pakistan and our ultimate achievement of independence drew its force from the fundamental desire on the part of the Muslims to translate their own world-view and their own way of life into terms of political reality. All over the civilised world such a desire is regarded as something that carries its moral justification within itself: as something based on man's inherent right to arrange his life in accordance with his ethical concepts, provided, of course, that those concepts do not imply the causing of harm to other human beings. Now our claim for an independent Pakistan was and is based on precisely such a right. When we demanded a state in which the Muslim nation could freely develop its own traditions, we demanded no more than our just share of God's earth; we asked for no more than to be allowed to live in peace, to build a commonwealth in which the genius of Islam could freely unfold, conferring light and happiness not only on Muslims but also on all the people of other communities who would choose to share our living-space with us. On countless occasions our leaders—foremost among them the Qaid-i-Azam—made it clear to the world that the establishment of the Muslim State of Pakistan could not and did not mean oppression of non-Muslims, and that, on the contrary, every one of our citizens, whether Muslim or non-Muslim, could always count on the protection which a civilised state is bound to accord to its loyal citizens, and which, in particular, Islam has enjoined on us with unmistakable insistence.

Nevertheless, the non-Muslim world did not in the beginning take kindly to our aims and endeavours. Though nobody in his senses would have dreamt of denying the right of freedom and self-determination to, say, the Irish or the Poles or the Chinese, that very right was apparently deemed too good for us Muslims. I shall not go here into the reasons of this discrimination; but all of us know that in the crucial time of our history there was no sympathy for us among the non-Muslim nations. Our desperate struggle for independence was branded by most of our critics as reactionary, and therefore as undesirable. Foreign newspapers, and non-Muslim newspapers in this country, described our goal of Pakistan as a "political stunt", as a bargaining subterfuge aiming at no more than the achievement of more government posts and economic advantages for the Muslim community in India. In short, hardly anybody except ourselves really believed that Pakistan was a reasonable and morally good proposition, and that we would be able to win it. That we did, in the

Marfat.com

end, win it was not due to any support from the outside world but to our own burning faith in the justice of our cause; and when we won Pakistan and embarked on the great adventure of building an Islamic State, all the forces of darkness and evil were let loose on us in order to destroy what we had achieved.

For there is hardly any room for doubt that the tragic situation in which Pakistan has found itself at the beginning of its independent existence was not the result of an accidental outbreak of communal passions. The atrocities committed on our people across the border, the storm of destruction that encompassed the Muslim population of East Punjab and of Delhi, were part and parcel of a cleverly devised and ruthlessly executed plan. It appears that our opponents had a twofold aim before themselves. For one thing, they wished to eliminate, once and for all, the Muslim element in those areas of the Punjab which had fallen to their lot at the time of partition; and, secondly, they intended to create such difficulties for the new State of Pakistan as would make it impossible for us to spend any of our energies on constructive endeavour. Quite obviously we were not to be permitted to work in peace and order for the achievement of our dream: nor are we, it seems, to be permitted to do so now and in future. Our opponents wish to drown us in a welter of confusion; they wish to make any progress on our part impossible by destroying lakhs of Muslims beyond our borders, by uprooting those who survive, by flooding us with millions of destitute refugees and thus breaking up the economic foundations of our existence—in short, by making it utterly impossible for us to look beyond the immediate, day-to-day needs of a tragic present—and so to stop our march towards an Islamic State at its very start.

These are the facts—and none of you could have remained unaware of them. If I refer to these things now it is not to repeat once more what every one of you must know perfectly well, but to ask you, who now listen to me—and through you, the whole Millat—a very important, a very grave question: Are we, the sons and daughters of Islam, going to lose heart, simply because the odds against us are so great? Are we, the hope of future generations of Muslims, going to betray the trust which God Almighty has placed upon our shoulders? Are we going to play the game of our adversaries by increasing the confusion of our Millat, by tearing our unity to shreds, by paralysing the work of our chosen leaders through destructive criticism, denial of mutual co-operation, lawlessness, and petty personal greeds?

As it is, our external difficulties are almost without parallel in

Marfat.com

modern times; and the dangers we had and have to face are certainly greater than anything we have thought possible. But should not this very fact inspire us with the feeling that God has selected us for a destiny which is without parallel in modern times, and that, perhaps, He means us to achieve something far greater than we had thought possible?

All history teaches us that the way to greatness, to happiness and to victory is a hard and rocky way; and that the hand which hammers at the bolted doors of freedom is bound to bleed before those doors spring open. Indeed, in a nation's life no achievement really worth having can ever be obtained without suffering, and blood, and tears. It was because of this that Muhammad of Arabia (peace and blessings be upon him) and the little band of his faithful Companions were called upon to suffer cruel persecution at Mecca; it was because of this that they were banished from the country of their birth: but was not their suffering crowned in the end by the most glorious of achievements the world has ever seen? This we should always remember. For, though our endeavours and all that we may achieve can never bear any comparison with their endeavours and their achievements, it is, after all, their example that has inspired this Millat of ours to strive, nearly fourteen centuries after the *hijrah*, towards similar ends: the establishment of an Islamic State in which the word *la ilaha ill' Allah* would reign supreme. And it is perhaps only because of the greatness of our goal that we are now asked to bear a greater burden of blood and suffering than any other nation had to bear in our time, so that we might be strengthened and purified for the future that lies before us—for, as Iqbal has prophetically said:

تندئ باد مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب

یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لئے

Let us, therefore, draw new courage, new hope and—most of all—a new determination from all those terrible things that have happened to us, and let us turn our eyes towards the distant horizon on which God's promise to His Millat is written in letters of light and glory:

وانتم الاعلون ان كنتم مؤمنين

"You shall triumph if you are faithful." *If you are faithful*: this, my Muslim brothers and sisters, is the key to your future.

Marfat.com

III

ANYBODY who tries to analyse the prevailing mood of our people in these days is struck by the deep note of pessimism, not to say despondency, which finds its expression in a complete lack of a social co-operation among the people themselves, and in their bitter, almost vicious criticism of the activities of the Government. That our situation is difficult beyond words, nobody can deny; but, at the same time, nobody can deny that salvation can come only through a grim, purposeful co-ordination of all our efforts in the service of our common cause. Criticism of a government by the people is, in itself, a healthy expression of democracy—but, on the other hand, *obstructive* criticism is nothing but a denial of democracy; and it is in obstructive criticism that most of our people are now indulging. They seem to have forgotten in what extraordinary circumstances this first Muslim Government has come into being; they seem to have forgotten that the men who are now at the helm of our affairs have never had any breathing space since they assumed power, but had from the very beginning to cope with difficulties of a magnitude seldom encountered throughout the history of nations. Even a far more experienced government than ours would have found a similar task almost beyond human strength; and there is no denying the fact that *our* Government has never had an opportunity to gain administrative experience.

How could it have been otherwise? For several generations the Muslim Millat has been denied any effective say in its national affairs. The Government of the country was an alien government; the makers of its policy were always bent on keeping all real sources of power in their own hands, and jealously prevented our own people from any sharing of that power. A moment's cool reflection will tell you that the art of government can be learnt only through actual *exercising* the functions of government over a sufficiently long span of time, and in no other way; and it can be learnt only through a series of trials and errors and subsequent improvements. There is no doubt that after the sudden birth of Pakistan our leaders have committed mistakes. They themselves will probably be the last to deny this. But is not the commission of mistakes an outcome of human frailty? Can anyone of you, my brothers and my sisters, honestly claim that he or she would not have made any mistake if placed in a similar position of responsibility?

I am not holding any brief for the Government. I am not here to whitewash any errors of policy, or to defend any particular group of

Marfat.com

persons from public criticism. But I know one thing—and I hope all of you know it as well; if ever there was a need for a people's co-operation with their Government, this need is here and now before us. Criticism, as I have said, is a healthy sign of democratic life—but it is justified only so long as the critics themselves are prepared to live up to the standards they demand of their leaders. And can you, the people of Pakistan, honestly declare before God and mankind that you yourselves are now displaying all those qualities of faith, of wisdom of self-sacrifice which you demand of your leaders?

There is no use mincing words at this most critical juncture of our political life. The first and foremost call of the hour is spiritual honesty and a frank admission of our failings. God knows that our failings are many, and most humiliating; God knows, and all of you know, that the first few weeks and months of danger and suffering to which the new-born State of Pakistan has been exposed have shown us in the worst possible light and have almost destroyed our pride in the achievement of independence. The Muslim Millat, which but a short while ago had offered a splendid picture of unity and determination, has overnight been changed into a chaotic, demoralised mass of human beings. Under the first impact of the catastrophe which has befallen the Muslims in East Punjab, most of our previous self-confidence seems to have gone to pieces. Many of those who had been clamouring at the top of their voices that no power on earth could stifle the Millat's desire for independence, were suddenly transformed into a mob of frightened sheep. Many of those who had yesterday professed to be ready to undergo any sacrifice for the sake of Islam and of Pakistan, entirely forgot their erstwhile boasts at the very moment when God began to demand real sacrifices of them. Many of those who had shouted that they were prepared to lay down their lives for the achievement of their ideal, immediately gave way to senseless panic on hearing of the butchery of their brethren and sisters beyond the borders of Pakistan. And many of those who had been asserting that their one and only object was selfless service of the Millat, seem now to regard Pakistan as a happy hunting ground for all kind of selfish endeavours, and have no thought for anything but the securing, by hook or by crook, of petty economic advantages, jobs, careers and Government contracts for themselves and their relatives. Instead of the glory that was to be ours, the dawn of independence has witnessed our bitter shame. Instead of growing in spiritual stature under the weight of a unique and tragic experience, the Millat appears to have sunk to almost unbelievable depths of confusion and corruption.

Marfat.com

Is this the true face of the Millat?

If this were so, there would be no sense in talking about Pakistan and independence. There would be no sense in invoking the glorious heritage of Islam in support of our claim to being a nation: for all that Islam stands for has been utterly belied by our recent behaviour. There would be no sense even in hoping for a better future: for the betterment of a nation's outward condition can never come about by a miracle. God Himself says in the Holy Qur'ān:

ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتیٰ یغیروا ما بانفسہم

"Behold, God does not change the condition of a people unless they change their hearts." This is a hard and immutable law, and there is no going away from it. If, therefore, our present debasement could be taken as revealing the true face of our Millat, there would be no room for the expectation that things could ever take a turn for the better.

But this is just the point: We cannot believe that all these shameful happenings around us reveal the true face of the Millat. We cannot believe that we, the sons and daughters of Islam, are really as worthless as we now appear to be. We cannot believe it— for, the very feeling of shame that now fills so many of us at the sight of our debasement proves that our vision of spiritual truths has not yet been extinguished: and as long as that vision is alive in a nation, the nation itself is alive. It may well be that our present confusion is but the confusion of a new beginning, the deeper darkness that comes before the real dawn, the chaos out of which stars are born.

But there can be no new beginning for us, no real dawn and no starlight unless we realise how deep we have fallen; and there can be no real freedom for us unless we get rid of that slavish mentality which places all blame for our own shortcomings on the shoulders of the leaders. It is no more than just to expect of our chosen leaders that they rise to the occasion and lead us wisely and selflessly in this hour of our bitter trial: but it is also no more than just to expect of ourselves that we give those leaders all the help and co-operation which they need to overcome our present crisis. If we stand united in these days of upheaval and catastrophe, if we co-operate with each other with consciousness of purpose and honest determination, our long-cherished dream of an Islamic State will come true in spite of all the obstacles which our enemies may yet place in our way; but if we fritter away our strength in senseless squabbles among ourselves and persist in our present corruption, nobody will be more pleased than our opponents: for theirs will be the victory, and ours the disaster.

Marfat.com

IV

A FRIEND who happened to listen to my previous talk reproached me a short while ago for having been too hard on the Muslim community. Though he could not deny that what I had said about the failings of the Muslims was true, he was of the opinion that I should have merely exhorted them to be good, instead of depressing them by a reminder of how bad they are. In this, I believe, my friend was wrong; but as it is possible that his opinion is being shared by many others of my listeners, it is as well that I should make my point clear at this stage.

I was telling you, my brothers and sisters, how bad you are—because I am convinced in my heart that you could become immeasurably better, if you but wanted it.

We are passing through a time of unprecedented stress and gravity a time that calls for the utmost moral and physical effort on the part of every one of us. Unless we, as a community, are able to bring forth such an effort, our social and political life is bound to suffer grievously and the very achievement of an Islamic State may prove to have been an illusion. Now the moral and physical effort of which I am speaking depends on whether we are able to rise to great heights of spiritual earnestness and integrity; for it is thus alone that we shall be able to overcome the tremendous odds which have been pitched against us. It is precisely because of our lack of spiritual integrity that we have fallen so low in the past centuries; and unless we regain it quickly—not in the next generation, not a few years hence, but now, today—our future is dark indeed. At a time like this, nursery methods are out of place: and by "nursery methods" I mean that flattering, cajoling approach of most of our platform speakers, who tell you sweet lies about yourselves, who assure you that you are the nicest and the most superior of all people; who, in short, do no more than confirm you in that false complacency which you have inherited from your decadent past. To do this is, in my opinion, nothing short of a crime. He who flatters you at this grave hour of your existence is not your true friend: he is, unwittingly perhaps, helping you to persist on the road to destruction. A true friend can be, at this stage, only he who tells you the most bitter things about yourselves: for it is only in this way that the conscience of the Muslim Millat can be awakened from its age-long sleep: it is only in this way that the dormant strength of Islam can be brought to the surface of the Millat's life and force it to a new, glorious activity. Complacency, especially at a time like the present, leads nowhere but to the nation's death. We need hard blows,

Marfat.com

hard words and hard truths to make us worthy sons and daughters of Islam, and to open the gates to that destiny which God Almighty holds in store for His faithful followers ; a destiny full of glory and immortal achievement.

So much, I think, should be clear to everybody who has tried to understand our situation ; but, unfortunately, only a very few of us do try to understand it. Most of us try instead to deceive themselves by uttering slogans and commonplaces, and by apportioning blame for our shortcomings to external circumstances. No doubt, most of the physical difficulties in which we now find ourselves are due to external circumstances : but are these circumstances also responsible for our failure to behave like upright men and women and to meet our difficulties with that stoutness of heart, that single-minded determination which Islam expects of every Muslim ? Are only external circumstances responsible for all the moral defects which for centuries have made us a play-ball for non-Muslim nations ? Is it only external circumstances that cause us to utter lies day in and day out, to deceive one another, to break our promises—to break, in short, every moral command of Islam ? Oh no, my friends; to plead "external circumstances," for all our shortcomings is too cheap an excuse, and certainly unworthy of the sons and daughters of Islam. It is, moreover, not merely an excuse but a subtle method of self-flattery—that same self-flattery, false self-satisfaction and laziness of heart which was our undoing throughout the past centuries. This frame of mind is most certainly unsuited for the predicament in which the Millat has now been placed. Flattery is always bad for any society : and it is particularly bad for *our* society, and particularly dangerous in *our* time. What we most urgently need is honest self-criticism and heart-searching, an honest admission of our past mistakes and wrongdoings, and an honest determination to do better now and in future. An effort in this direction quite obviously demands a great amount of hardness towards ourselves, a ruthless resolve to see ourselves as we really are, and not as our vanity would like us to appear.

Unless we succeed in this effort of self-criticism, we cannot possibly improve our ways : and unless we improve our ways, we shall probably not survive as a nation, and certainly not as a free nation.

As long as you try to persuade yourselves that the responsibility for all the misfortunes which have recently befallen you rests on the shoulders of your leaders alone, the Millat will never be able to overcome those misfortunes. After all, your leaders—that is, the Government—are only human. They are not endowed with any supernatural powers. They can achieve only that which the Millat wants them to

Marfat.com

achieve—or I should rather say, that which the Millat, as a whole is *able* to achieve. If the Millat as a whole is imbued with the spiritual qualities of self-sacrifice, discipline and genuine faith in the ideals of Islam, those qualities will quickly find a practical expression in our political life. But if, on the other hand, we continue flattering ourselves with the thought that we are very nice people and that all the tragic happenings which we are witnessing every day are due only to inadequate leadership, then God may have mercy on us.

No, my friends, let us be frank about it: we Muslims are *not* very nice people at present—simply because most of us are not Muslims in the true sense of the word: and this is the ultimate cause of our moral and social decay. It is quite possible for an Englishman or a Chinese or a Russian to remain unconcerned with the demands of religion, and nevertheless to be a decent person: but not so for a Muslim. For us Muslims religion was from the very beginning the one and only basis of our social and moral existence. We had no other basis. We are neither a racial nor a national entity in the conventional meaning of this term; we have become a nation only on the strength of an ideology, a common belief in a particular way of life: and that ideology, that way of life is expressed in one single word: Islam. The moment we cease to be inspired by the Message of Islam, the moment it becomes degraded to a mere convention, to a mere accident of birth, to a mere name, we lose all real justification to call ourselves a nation, or even a community. All our cultural values, all our concepts of Right and Wrong, all our ideas of social co-operation had their source in Islam—and when Islam became weak in us, we naturally lost all sense of morality and cultural direction.

This we should always remember—and especially now, when the future of the Muslim Millat is going to be decided in one way or another. In order to survive and to attain to real freedom and greatness—that freedom which comes from unsullied hearts, and that greatness which builds for the future—we must revive in ourselves our lost moral sense, overcome the degrading heritage of our decay, become truthful, courageous, disciplined and helpful to each other; and all this can be achieved only on the basis of Islam. Unless we remember this, and act accordingly, the glory for which we were hoping will always elude our grasp.

Marfat.com

V

YOU will agree with me when I say that our struggle for Pakistan was from its very beginning inspired by our faith in Islam. However much we have been lacking in true Islamic spirit, however much our personal lives and our social behaviour conflicted with the demands which the Holy Qur'ān makes of its followers, there is no denying the fact that the Muslims of this sub-continent had a definite ideological goal before themselves when they started on their trek towards an Islamic State. We did not desire a "national" state in the usual sense of the word. To be sure, we used and still use the term "nation" whenever we speak of ourselves in English; but the use of this term is forced on us by the absence, in the English language, of an equivalent of the Islamic terms "Millat" or "Ummat". What most of us meant when they spoke of a Muslim Nation, was in reality a Muslim Millat—that is to say, an ideological community based on the world-view of Islam.

It was on this basis alone that our immortal spiritual leader, Iqbal, for the first time formulated his famous demand for a separation of Muslim India from non-Muslim India; and it was precisely on this basis that the greatest political leader the Muslim community has produced in modern times, Muhammad Ali Jinnah, took over the leadership of the Millat over a decade ago and guided it wisely, and successfully, towards the achievement of complete independence. Neither of these two men ever thought of Pakistan in terms of a state devised merely for the benefit of the Punjabis or Bengalis or Pathans or Sindhis; neither of the two had merely the sectional interests of a particular group or groups of Muslims in view: their vision went far beyond that. Whenever Iqbal spoke of God's Kingdom on Earth, and whenever the Qaid-i-Azam demanded a political structure in which the Muslim nation could freely develop its own institutions and live in accordance with the genius of the *shari'ah*, both meant essentially the same. The goal before them was the achievement of a state in which the ideology common to all of us, the ideology of Islam, would fully come into its own: a polity in which the Message of Muhammad (peace and blessings be upon him) would be the foundation of our social life and the inspiring goal of all our future endeavours. The poet-philosopher put greater stress on the spiritual aspect of our struggle, while the Qaid-i-Azam was mainly concerned with outlining its political aspect; but both were one in their intense desire to assure to the Muslims of India a future on Islamic lines.

Marfat.com

Nothing could be nobler than this aim: and, in fact, it was this aim alone, fired by the Millat's and its leaders' faith in the sublime truth of Islam, that has enabled us to win Pakistan in the teeth of the most stubborn resistance on the part of our neighbours and of our previous rulers. The Muslims were determined, after all the centuries of their decay, to have an Islamic State; and the establishment of a Muslim homeland was the first step in this direction.

It was the first step only—for a truly Islamic State cannot be produced by a conjurer's trick. A country that was for centuries ruled by an alien government in accordance with principles entirely alien to the spirit of Islam cannot overnight, as if by magic, be changed into a state similar to that of *al-khulafā' ar-rāshidūn*. We must not forget that it is the spirit of the people which is ultimately, and always, responsible for the spirit of the state; and as long as we, the people, are unable to rise to the demands of Islam, no leader in the world can ever succeed in making Pakistan an Islamic State in the full sense of this word.

For what, exactly, do we mean by an "Islamic" State? Do we mean by it no more than a country in which Muslims form the majority of the population, and in which all the main governmental functions are exercised by Muslims? This, no doubt, is one of the characteristics of an Islamic State—but only one of them: for, if no more than this were necessary to make a state "Islamic", we could as well say that the Muslim Republics of Soviet Russia are Islamic States: which, you will agree, would be an absurd assertion. Or, do we mean by an "Islamic" State a country where, in addition to their being in majority, the Muslims administer their personal affairs—like marriage, divorce, inheritance, or religious institutions—on the basis of the personal Law of Islam? This, no doubt, is another of the characteristics of an Islamic State—but, again, it is only one of them; for, if this were the sum-total of the requirements of an Islamic State, countries like Iran or Turkey or Albania or Zanzibar could be described as Islamic States—which, as we know, would be quite off the mark.

Neither the mere fact of having a Muslim majority in the country, nor the mere holding of governmental key positions by Muslims, nor even the functioning of the "personal" laws of the *sharī'ah* can justify us in describing any Muslim State as an *Islamic* State. In all the countries which I have just mentioned by way of example, the above conditions do exist in some measure or other, but none the less neither Albania nor Turkey nor the Muslim Republics of Soviet Russia can really have a claim to being called Islamic States—for the simple reason that in neither of these states the Law of Islam

Marfat.com

supplies the ideological basis of the people's life and of governmental policies. And the existence of such an ideological basis—this alone—is the true criterion of an Islamic State.

The establishment of such a state does not presuppose, and cannot presuppose, an oppressive treatment of non-Muslim minorities: for Islam would not be a call from God Himself were it not based on most perfect justice towards every one of God's creatures, whether Muslim or non-Muslim. In an Islamic State no non-Muslim should be afraid of being discriminated against or exploited for the benefit of the Muslim majority Nor does Islam want us to exert any pressure on non-Muslims with a view to inducing them to embrace Islam. No —the only thing that an Islamic State demands of every citizen, be he Muslim or non-Muslim, is a loyal co-operation towards common welfare on the basis of the social and economic laws which the Qur'an and the life-example of our blessed Prophet have laid down for us.

When we were demanding Pakistan, we—at least the overwhelming majority of us—had precisely this ideal before our eyes. When we were saying that we Muslims must have a homeland of our own in which we could live and work in accordance with our own world-view and our own ethical concepts, we obviously dreamt of an Islamic State, and of nothing else. The very terms "Muslim world-view" and "Muslim ethical concepts" imply the acknowledgment of Islam as the guiding principle of our lives; for what is it that makes a Muslim different from all the other people around him? What is it that makes him assert a nationhood of his own? Or, to put it in yet simpler words: What is it that makes him a *Muslim*? The answer is obvious: A Muslim is a Muslim only by virtue of his adherence to Islam.

Friends, brothers and sisters: all of you who have dreamt of Pakistan and have now achieved it: remember that you are Muslims only by virtue of your adherence to Islam Remember that you have a great heritage behind you and a great task before you; and no great task can be achieved without a supreme effort of the spirit. Remember that you are the only Muslim community in modern times that has struggled for independence and won it, not on the ground of any nationalist exclusiveness, but for the sake of Islam alone: not on the ground of your being Punjabis or Pathans or Bengalis or Sindhis, but on the ground of your being Muslims. It is this, in the last resort, that has earned you the undying hatred of all those who do not wish to see the clarion call of *lā ilāha ill' Allāh* supreme in any part of the world. It is this, and nothing else, that causes you now to bear sufferings far beyond anything that nations had suffered in modern times.

Marfat.com

VI

I HAVE now had the privilege of addressing you on several occasions on some of the moral problems connected with the extraordinary situation in which the manœuvres of our adversaries have placed the new-born State of Pakistan. And now I wish to say a few words about the civic duties which have devolved on us Muslims with the attainment of our independence, but which, I am afraid, are being grossly neglected by most of us. I am not going to speak here of duties and activities which properly fall within the scope of Government: for the men who today wield authority in our State are, I believe, aware of needs and difficulties of the hour. My words are directed to the Muslim public: to all those numberless men and women who pursue the more humble avocations of life and have, as a rule, nothing to do with high-level political decisions. But the times through which we are passing are fraught with so great a danger for our future that none of us has the right to concern himself with his private affairs only. In fact, no avocation, no trade or business, no employment, however humble, can remain anyone's private concern under the impact of the tremendous happenings which are now weighing so heavily on our community. In some way or other, every one of us has been deeply affected by the present turmoil and so the reactions of every one of us have, in varying degrees, a definite bearing on our social and political fortunes. A good deal of the activities which in normal times would have been regarded as belonging to the sphere of private life, have now come to play, cumulatively, a great rôle in the drama called "The Birth of Pakistan": for it is the behaviour of the numberless ordinary men and women rather than any specific act of Government which will ultimately shape our future. If we behave well, Pakistan will survive its present ordeal and will become the centre of a new hope for the whole Muslim world; and if we behave badly, Pakistan will soon become a byword for futile endeavour, a bitter memory with which the non-Muslim world will taunt the followers of the Qur'ān wherever they live.

We, the Muslims of Pakistan, are now undergoing a most severe test of our social character: and nothing should make us forget that a community's social character is no more than the sum-total of individual characters—the sum-total of all the qualities, good and bad, of the individual men and women who comprise the community. The manner in which we acquit ourselves of this test will decide whether we, as a community, are worthy of independence or not.

One of the most depressing aspects of the slavery to which the

Marfat.com

Muslim Millat of this country has been subjected for so long a time was the ordinary man's and woman's dependence, in almost every walk of life, on directives issued by the Government. We hardly ever tackled any social problem—or, for that matter, any practical work of public importance—without first looking up to the *Sarkār* for gracious initiative; and when that initiative was forthcoming, we blandly relied on the *Sarkār* to chalk out the line of action for us. In those times we did not realise that a nation's welfare and progress cannot be made dependent on governmental action alone; nor, as a matter of fact, had our then rulers the least intention to make us realise this. Our humility was very much welcome to them. What they wanted was to rule over a docile mass of soulless slaves, always ready to obey the slightest behest from above, unable to make any decisions of their own, and not even possessing a will of their own. In order to achieve this end—so necessary from our rulers' view-point—they devised for us an educational system in which all independence of thought would be stifled from the very first stages of one's school-life—for, as stated by Macaulay, such a system was the best means of obtaining suitable clerks for the offices of the East India Company, and, besides, of training obedient subjects. A similar view governed almost all the branches of the civil service from the days of the East India Company down to very recent years. The Government did not want *civil servants*—that is, servants of the public; they wanted only servants of the Government, trained to obey the alien rulers' command without any consideration of their own nation's welfare. It is not astonishing, therefore, that in the times of which I am speaking the very word "public" assumed a somewhat contemptuous sound. What the Government meant by it in this country was not quite the same they meant by it in their own. There, the word "public" is synonymous with the sum-total of the inhabitants of the country—all those men and women in whose name, and for whose benefit, the Government exercises its functions: but in this country the word "public" was for many decades meant to designate no more than a mute mass of *subjects*—people who had merely to follow the commands of the Government, in whichever direction the latter pleased to lead them. It is obvious that such a system was not conducive to the development among us of any civic spirit; for civic spirit depends on the possession, by the people, of a great measure of responsibility—in other words, on their being citizens and not subjects.

It is this legacy of our past that we have to contend with in our days. We have got rid of the alien Government, and have placed in power men of our own—men who belong to us, men who live

Marfat.com

among us and whose interests are the same as ours. Nevertheless, this tremendous change does not yet seem to have penetrated into the consciousness of our community. Most of us still expect to be led like a head of soulless slaves. Though we have won independence, most of us still believe that it is the *Sarkār* alone that is responsible for the running of the State, and that the ordinary citizen cannot and should not do anything unless he is expressly ordered by the *Sarkār* to do it.

Don't you think that this wrong attitude of mind is at the bottom of many of our present troubles? Don't you think that to wait in all matters of social importance for a lead from "above" is equivalent to admitting that the Millat is not yet ripe for independence and democracy?

A democratic government is, in its very nature, no more than an agent of the people who have called it to power. It has certain administrative functions to fulfil, it has to outline certain policies and ways of action and to submit them for the people's approval. It cannot *force* the people to co-operation; but, on the other hand, it cannot function properly unless popular co-operation is forthcoming. To give such a co-operation to their chosen government is the people's first and foremost civic duty. That co-operation must be based on the people's resolve to eradicate all dishonesty, all corruption, all anti-social endeavours from the community's life—otherwise there can be no point in expecting that our Government should function properly. After all, the Government does not consist merely of a few ministers and secretaries: it is a vast machinery composed of thousands of persons, all of them belonging to the very community which they are supposed to administer. If the community as a whole is, like ours, filled to the brim with corruption and dishonesty, it has no right to expect efficiency of its administrative machinery; for no machinery can be efficient if its cogs and wheels are of rotten material.

No nation can prosper unless the men and women of whom it is composed apply to their own behaviour the same high standards of social morality as they apply to the officers of the Government; nor is your Millat an exception to this general rule: for it is your fathers, your sons and your brothers—in a word, it is *yourselves*—who are ultimately responsible for the Millat's administration.

Marfat.com

VII

YOU should not expect in each and every case a lead from Government but should attempt, as free Muslims are supposed to do, to reform your own affairs by your own endeavour wherever possible. Many of you, listening to my advice, will probably wonder what I am driving at. After all, one might argue, it is the main function of the government to give to the people a lead in all matters pertaining to communal life; for it is only through the instrumentality of a highly organised, authoritative body that concerted action can be produced.

Now this, my friends, is perfectly true in so far as the policies of the State, economic reconstruction, public safety and similar matters are concerned. There are, however, besides such matters - which must always be subject to government initiative—many other aspects and problems of our communal existence where the initiative can come only from the people themselves: and the foremost of these problems is the evolution of a civic spirit within the community.

By civic spirit we mean, firstly, the feeling among the people that they are an organic community, the members of which have all the main interests of life in common; and, secondly, the people's readiness to uphold those interests for the sake of the common good, and to defend them against any encroachment by selfish interests on the part of individual members of the community or of outside powers. Now the existence of such a civic spirit certainly does not depend on any governmental action. No government in the world can make the community under its authority public-spirited by mere administrative commands or even by rigorous police action: for, as in all matters of the spirit, a nation's civic spirit also is not amenable to the dictates of force. It is from the people themselves, and from the people alone, that the moral impetus must come: that moral impetus which fills a nation with unquenchable thirst for cultural achievement, and enables it to achieve what it is thirsting for. In the last resort, the moral quality of a government—of any government—is conditioned by the moral quality of the people whom it governs: for it is the people themselves who produce the personnel of the great administrative machinery which we describe as "government".

It is, therefore, not quite reasonable to expect of our Government that it should lead us in the direction of Islamic integrity and solidarity so long as that integrity and solidarity are absent in our own behaviour.

I am not in the least suggesting that our Millat is really depraved. On the contrary, the amount of suffering which our people have

Marfat.com

willingly undergone, and are still undergoing, for the sake of their Islamic ideals; the rivers of our people's blood which have flown for no other reason than our belief in the truth of *lā ilāha ill' Allāh*, and our burning desire to arrange our lives in accordance with this belief; our hopes for a better future, our readiness to bear any burden of pain and sorrow that may yet be necessary for the achievement of our goal: all this clearly shows that the heart of the Millat is sound, and that the present confusion and chaos may in reality be only the birth-pangs of a new life. With all this, however, we must realise —and it is high time for us to realise—that all our sufferings will be in vain, that all our hopes will be frustrated, that all our belief in the great word *lā ilāha ill' Allāh* will remain an empty boast unless we produce now, among ourselves, and from among ourselves, that spiritual and social integrity which is the basis and innermost core of all civic spirit: that integrity without which no nation can remain alive, and without which the Muslim Millat will never be able to brave the storms of the future.

As it is, only very few of us seem to feel that corruption is always a vice—and that at this time it is an unforgivable sin before God and the Millat. Only very few of us apply to themselves and to their relatives the dictum that honesty in our day-to-day dealings is always necessary—and that at this time it is almost the sole condition of our survival.

Only a few, very few of us remember these words of the Holy Prophet (upon whom be peace and blessings): "The signs of the *munāfiq* are threefold: When he speaks he utters lies; when he makes a promise he breaks it; and when he is trusted he betrays the trust."

Can we honestly claim that we, who call ourselves Muslims, have remained free of these defects? Is it not, rather, true that all our social life is blackened by these sins?

Most of us tell lies to each other daily and hourly. Most of us break their promises as easily as they make them. And most of us betray the Millat's trust at every step. Numberless are the so-called Muslims who offer and accept bribes as a matter of course: who invariably give preference to their personal friends and relatives whenever there is any opportunity for social advancement or personal gain; who do not mind robbing the State in a thousand ways—that same State for which so many of our brethren and sisters have laid down their lives; who do not mind, for instance, stealing public money and gorging themselves with luxuries—while lakhs of Muslim men, women and children are starving; who do not mind buying or

Marfat.com

selling cloth in the black markets—while thousands upon thousands of refugees have to go almost naked for want of rationed cloth; who always try to get undue advantages from the fact that a cousin of theirs or a brother-in-law happens to be an officer of the Government; who, in short, are prepared to sell their own honour and their Millat's happiness in order to satisfy their personal greeds, fears or ambitions.

This list of our degrading vices is long, but by no means exhaustive. One could go on and on for hours enumerating the failings which have so conspicuously blackened the face of the Millat. But I do not think it necessary to produce a complete list here and now—simply because you, my brothers and sisters in Islam, know full well how deep we have sunk. I do not mean to say that *all* of us are guilty of the sins to which I have just alluded. But there is no doubt that many of us, perhaps most of us, are guilty of them. And so long as we are guilty of the sins which the Holy Prophet has described as characteristics of a *munāfiq*, we have no right to regard ourselves as Muslims. A Muslim is he who carries the fear of God in his heart and tries, by following the ways of Islam, to rise in spiritual stature: and not merely he who happens to have been born in a Muslim house and bears a Muslim name. Unless, therefore, we make an honest attempt to eradicate those sins from our midst and to condemn those who commit them, we cannot in justice demand of any government to make Pakistan an Islamic State: for a state can be Islamic only if the lives of its people are Islamic.

It is for you and for me, for all of us humble followers of Islam, to make our lives truly Islamic: to love honour and integrity more than life itself: and not to permit those whom we love to soil the name of Islam by degrading dealings and ambitions. If we succeed in this—and there is nothing in the outward happenings that could prevent us from succeeding if we so desire—then we shall justify the mission for which God has chosen us, namely—

لتكن منكم أمة يدعون الى الخير و يأمرون بالمعروف
و ينهون عن المنكر و اولئك هم المفلحون

"that you may become a people inviting the world to equity, enjoining what is right and forbidding what is wrong: and such people, indeed, attain to spiritual happiness."

But we cannot remain true to this mission, we cannot even dream of achieving an Islamic polity, unless we free ourselves from the shameful habits of our decadence and become more upright, more

Marfat.com

truthful—in short, more *decent* in our behaviour than we are now. In order that we should be able to invite the world to equity, we must learn ourselves to behave equitably towards those who are weak; in order to be able to enjoin what is right and to forbid what is wrong, we must learn to judge ourselves more severely than we judge others: and in order to attain to spiritual happiness, we must learn to be far less materialistic than we are now. God demands of us faith and courage, honesty and self-respect, purity of mind and purity of action: and this is surely not too heavy a demand to make of those who call themselves sons and daughters of Islam, and not too heavy a price to pay for the future which God has promised to His faithful followers. But it is a demand which *must* be fulfilled, and a price which *must* be paid for the privilege of being Muslims.

And it may be, if we pay this price and succeed in this endeavour of ours, that all the blood, all the suffering, all the tears and all the pain which are now our portion in this world, will become a source of unforgettable pride to us, as well as to our children and grandchildren after us. They will remember us—they will remember those of us who will be alive at that time and those who will be dead—and will tell their own children:

"Do you see these buildings around you? They have been built out of the flesh of those who fought for Pakistan in the days of its greatest ordeal. Do you see these factories which provide the things of your daily use? The power to drive their machines, to make the wheels go round, has been provided by the sufferings of those who came before us. Do you see these fields which give you your daily bread? They have been irrigated by the blood of the martyrs who died so that you be alive and that Islam be supreme on earth."

Marfat.com

کے سامنے پیش کیں جس نے انہیں اپنے مخصوص تعصب کی وجہ سے ردی کی ٹوکری میں نذر کر دیا۔ ادھر ڈپارٹمنٹ اور اسلامک ری کنسٹرکشن کے دفتر میں اچانک ایک دن آگ بھڑک اٹھی اور وہ سب کچھ جل کر خاکستر ہو گیا جسے علامہ محمد اسد نے مرتب کیا تھا

کھرا سچ

یہ سب لوگ انہی کے اسلاف تھے۔ آج کے اکثر دیوبندی، بریلوی، اہل حدیث اور شیعہ علماء نے ان کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا ہوگا۔ ان کی جوتیاں سیدھی کی ہوں گی۔ ان کے سامنے مودب ہو کر چٹائی پر بیٹھ کر قرآن وحدیث، فقہ، منطق اور عربی صرف ونحو کی تعلیم حاصل کی ہوگی۔ یہ سب کی سب آج بھی تقریر وتحریر میں اپنے ان اکابرین کا نام عزت وتوقیر سے لیتے ہیں۔ ان کے خلاف کوئی بات کرے تو مرنے مارنے پر اتر آتے ہیں۔ لیکن ان کے یہ اسلاف تو کمال کے تھے۔ یہ مملکت خداداد پاکستان ان کی جس قدر بھی تکریم کرے کم ہے۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اس عظیم اسلامی ملک پاکستان کے تخلیق کے ہر مرحلے کو دیکھا تھا۔ انہوں نے آگ اور خون کے اس دریا کہ ہولنا کی بھی دیکھی تھی جسے عبور کر کے اس دنیا کے واحد اسلامی نظریاتی ملک کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ وہ عوام میں رہتے تھے اور جانتے تھے کہ قائداعظم کی مسلم لیگ پر لوگ اس لئے فریفتہ ہیں کہ وہ شخص سچ بولتا ہے اور اس کا سب سے بڑا سچ یہ ہے کہ وہ قومیت کی بنیاد رنگ، نسل، زبان یا علاقہ نہیں، بنگالی، پنجابی، پختون، سندھی یا بلوچ نہیں بلکہ قوم کی بنیاد وہی تصور کرتا ہے جو آج سے چودہ سو سال قبل سید الانبیاء ﷺ نے رکھی تھی اور وہ صرف اور صرف کلمہ طیبہ تھی۔ انہیں قائداعظم کے خلوص پر بھی یقین اور وہ جانتے تھے کہ اس ملک کو بنے ابھی صرف ایک ہفتہ کہ قائداعظم نے اس ملک میں اسلامی آئین وقوانین کی تدوین کے لئے علامہ اقبال کے مجلس کے خوشہ چیں علامہ محمد اسد کی سربراہی میں ایک ادارہ بھی قائم کیا تھا۔ انہیں ستمبر 1947ء کی علامہ محمد اسد کی وہ سات ریڈیو کی تقریریں بھی یاد تھیں جس میں انہوں نے نوزائیدہ ملک کے سرکاری نمائندے کی حیثیت سے اس کے نظریاتی پہلو بیان کئے تھے اور اس مملکت کی تخلیق کا مقصد اسلامی قوانین اور اسلامی نظام کے نفاذ کو بتایا تھا یہ سب اس حقیقت سے آشنا تھے قائداعظم کے انتقال کے بعد کس طرح اس ملک پر راج کرنے والی انگریز کی پروردہ بیوروکریسی نے علامہ محمد اسد کے کام کو تلف کرنے کے لئے ان کے دفتر میں آگ لگوائی اور کیسے ان کو ہر ایسے کام سے دور کر دیا گیا جس کا تعلق اس ملک کی قانون سازی سے ہو۔ انہوں نے ان تمام قوتوں کے داؤ پیچ دیکھے تھے جو پہلے دن سے اس کی کوشش میں تھیں کہ پاکستان کو ایک جغرافیائی اکائی کے طور پر ابھارا جائے، اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جائے جیسے چار پڑوسیوں پنجابی، سندھی، بلوچ اور پشتون نے مل کر ایک بڑا سا گھریا ملک بنا لیا ہے۔ لیکن اس وقت تک لوگ اس حقیقت سے آشنا تھے کہ ان چاروں جگہوں سے کتنے لوگ سب کچھ چھوڑ چھوڑ کر چلے گئے جن کی زبانیں کلمہ طیبہ سے آشنا نہ تھیں اور لاکھوں لوگ ایسے آبسے جو زبان تو کوئی اور جو زبان تو کوئی اور بولتے تھے، رنگ ڈھنگ تو کوئی اور تھا لیکن کلمہ طیبہ کا ورد کرتے تھے۔ اسی لئے ان طاقتوں کا زیادہ زور نہیں چلتا تھا جو اس ملک کو علاقائی اور جغرافیائی حقیقت بنانا اور ثابت کرنا چاہتے تھے۔ اسی لئے ان کا زیادہ زور اس بات پر رہا کہ اس ملک کا آئین اور قانونی ڈھانچہ اسلام کے مطابق نہ ہو جائے۔ اگر کہیں ایسا ہو گیا تو پھر اس قوم کی نسلوں

Marfat.com

سے بھی اسلام کا تشخص ختم نہیں کیا جا سکے گا۔ قانون بھی انگریز کا رہے، نصاب تعلیم بھی اس کا، معاشی نظام بھی اسی کا بنایا ہوا اور انتظامی ڈھانچہ تو ہے ہی ایسا کہ اب لوگوں کو اس کی عادت ہوگئی ہے۔ بس ایک آئین بھی سیکولر کردو اور اس ملک کی بنیاد ہی میں یہ تحریر کردو کہ یہ ملک کوئی اسلام کے نام پر نہیں بنا، بلکہ یہ مسلمانوں نے نہیں بلکہ پنجابیوں، سندھیوں، بلوچیوں اور پختونوں نے مل کر بنایا تھا۔ ایسے میں وہ لوگ تھے وہ چٹائی نشین تھے۔ اپنی قلم کی روشنی سے امت کو جگانے والے عالم تھے جو ایک تحریک بن کر اٹھے تھے، پورے ملک میں دستخطوں کی ایک مہم چلی تھی، گلی گلی کوچے کوچے اسمبلی میں بیٹھے ارکان کو یہ یاد دلایا گیا تھا کہ تم کو ووٹ اس لئے ملے تھے کہ تم اسلام کے نام پر ایک ملک کے علمبردار تھے ورنہ تم میں اور تیجا سنگھ اور ہری داس میں رنگ کا فرق تھا نہ زبان کا۔ یہ تحریک اس زمانے میں چلی جب اس ملک کی معاشی حالت ناگفتہ بہ تھی، مہاجروں کے قافلے کے قافلے بھی اس سرزمین پر آ رہے تھے، لیکن لوگ تھے کہ اس ملک کی پیشانی پر کلمہ طیبہ لکھوانا چاہتے تھے اور 12 مارچ 1949ء کو قرارداد مقاصد کی صورت اس ملک کی پیشانی پر یہ تحریر کر دیا گیا کہ یہاں بادشاہی صرف اللہ کی ہے۔ لیکن بات یہاں ختم نہیں ہوتی تھی، جنگ تو ابھی شروع ہوئی تھی۔ پہلی شکست کے بعد وہ تمام قوتیں جو اس ملک کی اساس سے نفرت کرتی تھیں ایک اور ہتھیار اٹھا کر سامنے آگئیں۔ کس اسلام کی بات کرتے ہوئے۔ کوئی ایک تو بتاؤ، دیوبندی کا، بریلوی کا، شیعہ کا، اہل حدیث کا، کس کا اسلام، ان کی نظر میں وار بڑا کاری تھا۔ مدتوں انہوں نے امت کو اسی ہتھیار سے ذبح کیا تھا۔ اس کا خون بہایا تھا۔ ان کو گلی گلی اور محلے محلے مناظروں کی ایک لت لگائی تھی کہ لوگ پہلوانوں کے دنگل کم دیکھتے اور مولویوں کے مناظرے زیادہ۔ آج کا دور ہوتا تو یہ تیر اب تک اس امت کے حلق کے پار ہو چکا ہوا ہوتا۔ لیکن وہ انہیں دیوبندی، بریلوی، شیعہ اور اہل حدیث کے اسلاف تھے، ان کے استاد تھے، ان کے رہنما تھے۔ وہ سب کے سب سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ ان میں وہ سب لوگ شامل تھے جن کی قرآن کی تفسیریں، فقہ کی کتابیں اور حدیث کے اسباق آج مدرسوں میں پڑھائے جاتے ہیں۔ یہ سب لوگ جب ایک مقصد کے لئے اکٹھے ہوئے تو ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ جو قوانین ملکی سطح پر نافذ کرنے ہیں، جن سے لوگوں کا روزمرہ کا معاشی، معاشرتی، قانونی، اخلاقی اور شہری نظام وابستہ ہے، ان کے بارے میں اسلام نے جو تعلیمات دی ہیں، جو اصول بنائے ہیں، جو قوانین اتارے ہیں، ایسے معاملات میں تو کسی ایک فرقے کو بھی اختلاف نہیں۔ یہ چوری کی سزا، یہ قتل، زنا، ڈاکے کی سزا، یہ زکوۃ، عشر، یہ سود کی حرمت، جھوٹی گواہی، کاروباری ایمانداری اور ایسے سب قوانین کا تو تعلق کسی فرقے سے ہے ہی نہیں۔ جھگڑے تو اور ہیں۔ یوں 9 فروری 1951ء کو اس ملک کے ہر فرقے کے عالم نے ایک دستاویز پر دستخط کیے۔ اس دستاویز میں 22 نکات تھے۔ کہا گیا کہ یہ 22 نکات ایسے ہیں جن کے مطابق قانون سازی کرو تو ہم اسے اسلامی بھی مانیں گے اور اس پر متفق بھی ہوں گے۔ ان 31 علماء میں تمام مسالک کے اکابرین شامل تھے۔ بریلیوں کے پیر امین الحسنات، دیوبندیوں کے مولانا احتشام الحق تھانوی، شیعوں کے مفتی کفایت حسین غرض یہ 31 وہ بڑے نام ہیں جن کے علم سے چراغ آج روشن ہیں۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی اور سید سلیمان ندوی ان میں سے ایک ہیں۔ آج ان بائیس نکات کو اس ملک کے سولہ کروڑ عوام کے سامنے پیش ہوئے پورے اکسٹھ سال ہو چکے ہیں لیکن پھر بھی ہر کوئی یہ سوال کرتا ہے کونسا اسلام۔ اس کا ذمہ دار سوال کرنے والا نہیں بلکہ وہ سب لوگ ہیں جن

Marfat.com

کے اسلاف نے یہ 22 نکات مرتب کیے جاتے تھے لیکن ان کے ماننے والے، ان کے شاگرد آج ایک دوسرے پر ایسے آستین چڑھائے بیٹھے ہیں جیسے کل حق و باطل کا معرکہ ہونے والا ہے۔ ان میں توحید کے علمبردار بھی ہیں اور عاشقان رسول بھی، محبان اہل بیت بھی ہیں اور علمبردار صحابہ بھی، لیکن شاید ان میں نہ اتنا ظرف ہے نہ حوصلہ اور نہ اتنا علم جتنا ان کے اسلاف میں تھا۔

یہ تاریخ کا وہ باب ہے جس کے سنہری نقوش ہر جگہ سے اس لئے مٹانے اور کھرچنے کی کوشش کی گئی کہ پاکستان کا وہ برسر اقتدار طبقہ جسے انگریز نے زمینیں، جائیدادیں، افسریاں اور تمغے دے کر اس ملک کے غریب عوام پر مسلط کیا تھا، جن میں سیاست دان، بیوروکریٹ، فوجی افسران سب کے سب یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ اس ملک کو خالصتاً معاشی بنیادوں پر تخلیق کیا گیا تھا اور اس کے بانی قائداعظم محمد علی جناح ایک سیکولر خیالات کے حامل تھے اور اس ملک کو بھی ایک سیکولر ریاست بنانا چاہتے تھے۔ اس مملکت خداداد پاکستان کی تاریخ کا زریں ورق آپ کو اب نہ نصاب کی کتابوں میں ملے گا اور نہ دانشوروں کی تحریروں، نہ ٹی وی ٹاک شوز میں اس کی گھن گرج سنائی دے گی اور نہ ہی کسی مفکر کی گفتگو میں اسے اس ملک کی تاریخ سے کھرچنے کی ہر کسی نے کوشش کی اور آج نوجوان نسل جسے من گھڑت اور توڑی موڑی ہوئی تاریخ پڑھنے کو ملتی ہے وہ سوال کرتا پھرتا ہے کہ کیا پاکستان واقعی اسلام کے نام پر تخلیق کیا گیا تھا۔ کیا قائداعظم واقعی یہاں پر اسلامی قوانین کا نفاذ چاہتے تھے۔ تاریخ کا یہ ورق، یہ گواہی اور یہ ثبوت کیا تھا جسے ہر جگہ سے مٹانے کی کوشش کی گئی۔ (14 مارچ 2012ء جنگ، 11 اپریل 2012ء جنگ)

جدید اسلامی ریاست کے خدوخال اور علامہ عثمانیؒ

علامہ عثمانی نے تحریک پاکستان سرگرم کردار ادا کیا۔ مسلم لیگ کے پاس علامہ کی صورت میں پاکستان مخالف علماء کو فکری جوابدہی کیلئے بہترین ہتھیار میسر تھا۔ قائد، علامہ عثمانی پر بے حد اعتماد کرتے تھے۔ ان سے دینی مسائل پر راہنمائی بھی لیتے اور مختلف ذمہ داریاں بھی انہیں سونپتے۔ علامہ مسلم لیگ کے ٹکٹ پر کبھی الیکشن نہ لڑے تھے۔ اس کے باوجود قیام پاکستان کے بعد قائد نے انہیں پہلی دستور ساز اسمبلی کا ممبر اپنی ایماء پر بنوایا تا کہ اسلامی آئین تیار کیا جا سکے۔ اس سلسلہ میں قائد نے ان پر خصوصی ذمہ داری سونپی گئی۔

قیام پاکستان سے کچھ روز قبل، جب پاکستان کے قیام کا حتمی فیصلہ ہو چکا تھا۔ علامہ عثمانی، علماء کے ایک وفد کے ہمراہ قائد سے ملنے دہلی میں انکی رہائش گاہ ۱۰ اورنگزیب روڈ پہنچے۔ قائد کو قیام پاکستان کی مبارکباد دینے کے بعد، پاکستان کے نظام ریاست پر استفسار کیا، جس پر قائداعظم نے دوٹوک ارشاد فرمایا کہ پاکستان کا آئین قرآنی آئین ہوگا اور اسکے علاوہ کوئی دوسرا آئین تیار نہیں ہوگا۔ قائد نے فرمایا کہ وہ قرآنی آئین کے ماہر نہیں، علامہ عثمانی کو مخاطب کر کے کہا کہ وہ اور ان جیسے دیگر علماء اس کے ماہر ہیں۔ قائد نے علامہ عثمانی سے اس سلسلہ میں یہ بھی فرمایا کہ وہ دیگر اسکالرز کے ساتھ مل کر اپنے نئے ملک پاکستان کا 'قرآنی آئین پر مشتمل، آئینی مسودہ تیار کریں۔

قائداعظم کے حکم پر علامہ شبیر احمد عثمانی نے چند اصحاب دانش کی مدد سے ایک ریاستی نظام کا خاکہ تیار کروایا۔ جو کہ

Marfat.com

قائداعظم کی وفات کے قریباً ایک برس کے بعد تیار ہوا۔ اس میں چار آئینی شعبے بنائے گئے ۔ جدید اسلامی عدلیہ، انتظامیہ، مقننہ اور ایک جید علما کا مذہبی ادارہ، قرآن وسنت کو ریاست کا اعلیٰ ترین قانون تجویز کیا گیا اور پھر مقننہ اور انتظامیہ پر چیک رکھنے کیلئے کہ آیا ان کی قانون سازی قرآن وسنت کے مطابق ہے یا نہیں، ایک متفقہ قومی دینی ادارہ تجویز کیا گیا جس کا سربراہ ''مفتی اعظم پاکستان'' کہلائے گا۔ جسے شیخ الاسلام بھی کہا جاسکتا ہے۔ نیز ریاست کے تمام اداروں کو باہم مربوط کیا گیا۔

منشی عبدالرحمٰن نے اپنی کتاب ''تعمیر پاکستان اور علماء ربانی'' میں رقم فرمایا ہے کہ ایک دفعہ قائد نے علامہ ظفر احمد عثمانی سے فرمایا تھا: ''باقی رہا نظام اسلام کا مسئلہ تو آپ مطمئن رہیے ۔ انشاء اللہ بہت جلد دستور پاکستان اسلام کے موافق مرتب ہوجائے گا''

اس میں علامہ ظفر احمد عثمانی، جو علامہ شبیر احمد عثمانی کے بھائی تھے ۔ ان کے مطابق قائد کے خیال میں یہ بھی بات تھی کہ پاکستان میں ایک شیخ الاسلام ہو۔ جو حکومت پاکستان کو قرآنی احکام کی روشنی میں راہنمائی کرتا رہے اور خلاف اسلام امور کے سد باب کیلئے اختیار رکھتا ہو۔ تاکہ دستور میں کوئی قانون محکمات اسلام کے خلاف پاس نہ ہوسکے۔ علامہ شبیر احمد عثمانی کا تیار کردہ یہ مجوزہ پلان علماء اور دانشوروں کی مشاورت سے نافذ کیا جاسکتا ہے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی نے ریاست پاکستان سے متعلق اپنی آرزو کا یوں اظہار فرمایا تھا: '' ہم پاکستان کو کرہ ارضی میں جنت ارضی بنانے کے آرزومند ہیں۔ ہم پاکستان کے ذریعے خلافت اسلامیہ کا قیام واحیاء چاہتے ہیں، ہم پاکستان ہی کے ذریعے عہد صحابہ کے اسلامی اور قرون اولیٰ کے مسلمانوں کے حیات افروز دور کی یاد تازہ کرنا چاہتے ہیں ہمارا تو یقین ہے کہ انشاء اللہ پاکستان کے ذریعہ ہی تمام اسلامی مملکتوں کا اتحاد اور خلافت اسلامیہ کا قیام عمل میں آئے گا'' (کتاب خطبات عثمانی صفحہ ۲۸۶)

مثالی اسلامی معاشرہ اور فرمان قائداعظم

نومبر ۱۹۳۹ء کو ایک نشری تقریر میں قائد نے فرمایا: '' قرآن حکیم میں انسان کو زمین پر اللہ تعالیٰ کا خلیفہ کہا گیا ہے۔ انسان کے اس مرتبے کی اہمیت کے پیش نظر پر یہ واجب ہے کہ ہم قرآنی تعلیمات پر عمل کریں۔ اور یہ ایک دوسرے کے ساتھ اسی طرح، پیش آنے کا تقاضا کرتی ہیں، جیسے اللہ اپنے بندوں کے ساتھ پیش آتا ہے۔ اور اسکا وسیع تر مفہوم یہ ہے کہ اللہ کے بندوں کے ساتھ محبت اور تحمل کا سلوک ہم سب پر فرض ہے'' (آل انڈیا ریڈیو بمبئی سے عیدالفطر کا نشری پیغام ۱۳ نومبر ۱۹۳۹ء)

(Speeches, Writings of Mr. Jinnah, 13th Nov. 1939 P. 102)

مثالی معاشرہ

مثالی معاشرہ مثالی انفرادی واجتماعی کردار کا نمائندہ ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے انتہائی کرپٹ اور بے کردار معاشرہ میں جنم لیا۔ اور پھر اس معاشرہ کو فرد واحد نے یکسر بدل کے رکھ دیا۔ قرآن پاک رسول اللہ ﷺ کے اس سلسلہ میں اختیار کردہ طریقہ کے بارے میں فرماتا ہے کہ وہ اللہ کی کتاب کی تعلیم دیتے ہیں اور حکمت و دانائی سکھاتے ہیں اور تزکیہ نفس

Marfat.com

کرتے ہیں۔ایک معیاری اور پاک معاشرہ کیلئے یہ تینوں چیزیں اساسی نوعیت کی حامل ہیں۔

مساوات

اسلام میں کسی بھی قسم کا کوئی VIP کلچر نہیں ہے۔رسول اللہ ﷺ کی ساری زندگی اس کی بہترین مثال ہے۔وہ برابر میں بیٹھ کر معمولی معیار زندگی کے ساتھ تمام امور انجام دیتے رہے۔خلفائے راشدین کی زندگیاں بھی اس کی بہترین عکاس رہی ہیں۔

نشاۃ ثانیہ

رسوال اللہ ﷺ رہتی دنیا کیلئے عظمتِ کردار اور اعلیٰ حکمرانی کے اصول و معیارت قائم کر گئے ہیں۔جن سے بہتر کا تصور بھی محال ہے۔آج کے دور میں انسانیت کیلئے مشعل راہ اور فوز و فلاح کا وہی معیار، وہی برائیوں میں ڈوبا ہوا یثرب ہے۔ جسے رسول اللہ ﷺ نے حکمت و تدبر اور آسمانی ہدایت کے ذریعہ پاک شہر اور مثالی ریاست میں بدل دیا۔اور انہوں نے اقتدار الٰہیہ کی عملی تصویر اعلیٰ ترین سطح پر قائم کر کے دکھائی۔

رسول اللہ ﷺ کے پیغام اور اسوہ حسنہ کی تجدید کیلئے ہمیں ریاست مدینہ کے قیام کے زمانے اور موجودہ دور کے زمینی حقائق کے منظر کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔اس زمانہ کے حالات اور دور حاضر میں بعض تبدیلیاں نمایاں طور پر وقوع پذیر ہو چکی ہیں۔آج جدید عمرانی ادارے وجود رکھتے ہیں۔علوم وفنون اور جدید سائنس اور ٹیکنالوجی سے بے حد آگے بڑھ چکی ہیں۔ان عوامل کے باعث دنیا سکڑتی اور سمٹتی جارہی ہے۔فاصلے بے معنی ہو کر رہ گئے ہیں۔اس صورتحال نے آسانیوں اور آسائشوں کے ساتھ ساتھ جدید فردی، معاشرتی اور ریاستی امور سے متعلق گھمبیر مسائل کو بھی جنم دیا ہے۔جن کا اس سے پیشتر تاریخ میں سامنا نہ تھا۔اس کی مثال بڑے بڑے آبادیوں سے اٹے شہر اور ان کے مسائل۔صنعتی انقلاب برپا ہونے کے نتیجہ میں۔آجر واجیر اور مزدور وصنعتکار کے مسائل پیدا ہوئے ہیں۔خواتین جو کہ ہر میدان حیات میں سامنے آچکی ہیں۔ان کا سماجی اداروں میں کردار، ذرائع سواصلات، ذرائع ابلاغ اور اطلاعات کا نظام اور اسکا کردار، الغرض قریبا تمام شعبہ حیات ہی میں زبردست تغیر کا سامنا ہے۔

اس میں نہایت اہم مسائل عہد حاضر میں تجارتی، معاشی اور مالیاتی امور بھی ہیں جنکے مسائل اپنی جگہ مسلم ہیں۔لہٰذا ان انسانی شعبہ حیات میں غیر معمولی تبدیلی کے پیش نظر ان کے حل اور ان سے نبرد آزما ہونے کیلئے اہل فکر و دانش، علماء وحکماء کے اجتہاد کی ضرورت لازم ہو چکی ہے۔اسلام کے دیئے ہوئے چودہ سو برس قبل کے اصول وضوابط آج بھی اسی طرح کارآمد ہیں۔ جیسے پہلی ریاست ''مدینہ طیبہ'' میں تھے۔اسلام کے یہ آفاقی نظریات اور قوانین جو فطرت کے اصولوں پر مبنی ہیں وہ ہمیشہ یہ کارآمد رہیں گے۔اس کا اعتراف نہ صرف دین اسلام کے پیروہی کرتے ہیں بلکہ غیر مسلم دانشور بھی تسلیم کرتے ہیں۔خطبات اقبال (Reconstruction of Religious Thoughts) کے ایک خطبہ میں حضرت اقبال فرماتے ہیں: ''گوئٹے نے

Marfat.com

اپنے دوست (Eckerman) کے نام اپنے خط میں کس قدر صحیح لکھا تھا کہ اسلام کی تعلیم کبھی ناکام ثابت نہیں ہوسکتی۔ ہم اپنے تمام نظامہائے حیات کے باوجود اس سے آگے جا ہی نہیں سکتے اور حقیقت تو یہ ہے کہ کوئی انسان بھی اس سے آگے نہیں جاسکتا۔''

(خطبات اقبال)

انسان کو اس دنیا کی زندگی میں جو سب سے بڑی نعمت میسر ہے وہ حریت اور آزادی افکار کی ہے۔ جس کے گرد تمام انقلابات چکر کاٹتے دکھائی دیتے ہیں۔ اکثر و بیشتر یہی انقلابی تحریکوں کا Motto بھی رہا ہے۔ انسانوں کے ہاتھوں انسانی جبر اور استحصال سے نجات اور معاشی خود کفالت کا نعرہ دیا جاتا ہے۔ دین اسلام نے انسانی زندگی میں، تخلیق کردہ تمام طبقاتی تقسیم کو اپنے مربوط نظام کے تحت ختم کر ڈالا۔ اسی طرح اس نے عہد حاضر کے برعکس مادی، روحانی، الگ الگ دنیائیں قائم ہی نہیں کیں۔ یہ دونوں اس میں اس طرح سے مربوط ہیں کہ ان میں لکیر ہی نہیں کھینچی جاسکتی۔ اور اسے کلی طور پر کسی دوسرے نظام کے ساتھ نہیں سمجھا جاسکتا۔ اسلامی طرز حیات اور اجتماعی نظام اور اسکی فکری اساس، تمام رائج الوقت نظاموں سے ہٹ کر مخصوص نوعیت کی ہے۔ اس کا اپنا مخصوص مزاج اور طریقہ عمل ہے۔ اسلامی ریاست درحقیقت روح کی نمود کا ایک اجتماعی ذریعہ ہے۔

آج کی دنیا میں مسیحی یورپ کا نظام متشکل ہے اور دوسری جانب مسلمانوں کے پاس ایک نظریہ حیات ہے جو کہ Devine Law پر مبنی ہے۔ جو فردی اور ریاستی دونوں ہی کی ضرورتوں کا کفیل ہے۔ اور ایک فطری توازن کا باعث ہے۔ اسلام کے مقابلہ میں مسیحیت کا آغاز ایک تمدنی قوت کی حیثیت سے نہیں ہوا تھا۔ حضرت عیسیٰ نے کوئی ریاست قائم نہیں فرمائی۔ ان کے بعد مسیحیت نے راہبانیت کی شکل اختیار کئے رکھی اور دین و دنیا میں لکیر کھینچ دی گئی۔ دنیا اور اہل دنیا کو ناپاک قرار دیا گیا۔

قسطنطین اعظم نے جب مسیحیت قبول کی اور اسے سرکاری مذہب قرار دیا۔ تو اسکے نتیجہ میں، ریاست اور کلیسا کے دو مدمقابل ادارے قائم ہوگئے۔ ریاست اور کلیسا کی حدود اور ذمہ داریوں کے تعین کی لاحاصل بحث چھڑ گئی۔ اسی دوری اور نظام کے غیر مربوط ہونے کا باعث اس راہبانہ یا ترک دنیا پر مبنی مذہبی مسیحیت کی فکر تھی اور اس راہبانہ مسیحیت کی باگ ڈور مذہبی پیشوا ہیت کے ہاتھ میں تھی۔ ریاست میں ایک طرف نظام شہنشاہیت اور دوسری جانب پیشوا ہیت کے غیر فطری نظام نے انہیں ایک دوسرے کے مدمقابل کھڑا کر دیا۔ مسیحیت کی رو سے یہ گناہ آلود اور ناپاک دنیا ہے۔ جس کے باعث ریاستی نظام، معاشرتی نظام اور مذہب ایک منظم طریقہ سے قائم ہی نہ ہوسکا۔ عملاً مسیحیت پر رومن بادشاہتیں ہی مسلط رہیں۔

تھیوکریسی پر مبنی مسیحیت کا شدید ٹکراؤ جدید علوم سائنس کے ساتھ بھی ہوا۔ راہبانہ مسیحیت اور نظام پاپائیت جدید علوم خصوصاً سائنسی علوم کو مذہب کے خلاف قرار دیتی تھی کیونکہ ان کے مذہبی لٹریچر میں دی گئی تعلیمات کی اس سے نفی ہوتی تھی۔ جبکہ اسلام میں روز اول سے ایسا جھگڑا نہ تھا۔ جدید سائنسی حقائق آسمانی کلام یعنی دین فطرت کی تشریح اور تصدیق کرتے رہے۔

مسیحیت کے برعکس اسلام راہبانیت کی ضد ہے۔ اسلام میں ترک دنیا کی شدت سے ممانعت ہے۔ اسلام نے نہ صرف ایک نظریہ حیات دیا بلکہ رسول اللہ ﷺ نے اسے ریاست مدینہ میں متشکل کر کے بھی دکھا دیا۔ جو ان کے وصال کے بعد بھی خلاف راشدہ کی صورت میں، آسمانہ راہنمائی (قرآن) کے اصولوں پر چلتا رہا۔ قرآن کریم نے ہمیں اصولاً بنیاد فراہم

کردی۔ عمرانی ارتقاء اور جدید مسائل کے حل کیلئے اسلام میں اجتہاد کے ذریعہ وسیع قانون سازی کا دروازہ بھی وا کر دیا گیا۔ فکر اقبال کی روشنی میں تشکیل پانے والی ریاست پاکستان میں بندہ اور رب کا تعلق جوڑنے اور ایک آسمانی ہدایت و اصولوں پر مبنی جنتی ریاست کی تشکیل کیلئے درج ذیل اہم اقدامات کرنے کی ضرورت ہے۔

اولاً پاکستان کو قرآنی ریاست قرار دے دیا جائے۔ اور اقتدار اعلیٰ قرآن مجید و فرقان حمید کو حاصل ہو۔

دوم ریاست پاکستان کا یہ فریضہ ہوگا کہ وہ قرآنی احکام کی پابندی اور عملی تنفیذ کرے۔

سوم ہر پاکستانی احکام قرآنی کی روشنی میں زندگیوں کو ڈھالے گا اور رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے اصول و ضوابط اور طرز فکر اپنانے کی حتی المقدور کوشش کرے گا۔

چہارم قرآنی اساس پر نظام شوراہیت کا قیام جو وفاداریاں بدلنے اور مذہبی فرقہ واریت سے ماوار ہو۔ ملت کے نمائندہ افراد پر مشتمل مجلس کا عملی قیام۔

ذہن نشین رہے کہ تاریخ میں نظام خلافت انسانوں کے ہاتھوں قائم ہوا تھا لہٰذا یہ ناممکن العمل شے نہیں۔ اس کیلئے ملی نصب العین اور قائم کرنے کی لگن درکار ہے۔ اسلام کے اصولوں کے تحت ریاست رعایا کی حاکم نہیں ہوتی بلکہ خادم ہوتی ہے۔ حکومت رعایا کی خوش حالی اور عوام کے بہتر مستقبل کیلئے تدبیریں کرتی ہے اسی بات کو بابائے قوم نے اپنے اس قائم کردہ مدینہ ثانی کے مقتدران کی راہنمائی کیلئے بیان فرمایا: ''حکومت کے سامنے ایک ہی مقصد ہو سکتا ہے۔ وہ عوام کی خدمت کس طرح کر سکے، کس طرح وہ عوام کی بہترین کیلئے نئے نئے ذرائع پیدا کرے، اور ان کے حالت کو دھارے۔ اسکے علاوہ حکومت کے سامنے اور کون سا مقصد ہو سکتا ہے'' (ارشاداتِ قائد اعظم۔ صفحہ ۱۳۷)

مذہبی پیشوائیت (ملاہیت) Theocracy

نظامِ ریاست

علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ:

''تمہارے دین کی یہ عظیم الشان بلند نظری، ملاؤں اور فقہوں کے فرسودہ اوہام میں جکڑی ہوئی ہے۔ اور آزادی چاہتی ہے۔ روحانی اعتبار سے ہم حالات و جذبات کے ایسے قید خانے میں محبوس ہیں۔ جو صدیوں کی مدت میں ہم نے اپنے گرد خود تعمیر کر لیا ہے۔ اور ہم بوڑھوں کے لئے شرم کا مقام ہے کہ ہم نوجوانوں کو ان اقتصادی، سیاسی بلکہ مذہبی بحرانوں کا مقابلہ کرنے کے قابل نہ بنا سکے جو زمانہ حاضر میں آنے والے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ساری قوم کی موجودہ ذہنیت کو یکسر تبدیل کر دیا جائے تا کہ وہ پھر نئی آرزوؤں، نئی تمناؤں اور نئے نصب العین کی امنگ کو محسوس کرنے لگے جائے''۔

(روزنامہ انقلاب لاہور، ۲۳ مارچ ۱۹۳۲ء)

Marfat.com

حقیقی پیشوائیت فرمان نبوی ﷺ

''میں تمہارے درمیان ایک ایسی چیز چھوڑے جاتا ہوں کہ تم کبھی گمراہ نہ ہوسکو گے اگر اس پر قائم رہے، اور وہ خدا کی کتاب (قرآن) ہے اور ہاں دیکھو، دینی معاملات میں غلو سے بچنا کہ تم سے پہلے کے لوگ انہی باتوں کے سبب ہلاک کر دیئے گئے'' (فرمان رسول ﷺ، خطبہ حجتہ الوداع)

فرمان قائداعظم

'ہمارے رسول مقبول ﷺ کا یہ حکم ہے کہ ہر مسلمان کے پاس قرآن کا ایک نسخہ ضرور ہونا چاہیئے اور ہر ایک کو اپنا پیشوا آپ ہونا چاہیئے''

اسلامی ریاست میں خواتین کا کردار

دور جدید میں ایک ظلم انسانیت کے ساتھ یہ کیا گیا ہے کہ خواتین اور مردوں کو مد مقابل کھڑا کر دیا گیا ہے اور ایک رسہ کشی حقوق کے نام سے کھڑی کر دی گئی۔ بحیثیت انسان دونوں مساوی ہیں۔ یکساں تکریم کے لائق ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن سورۃ النساء میں فرمایا ہے کہ ہم نے (تم دونوں) کو ایک روح سے پیدا کر دیا ہے پہچان کے لئے مرد اور عورت بنا دیا گیا ہے۔ حضرت خدیجہؓ اس جہالت کے دور میں قریش کی سب سے بڑی تاجر عورت تھیں۔ اور حضرت عائشہؓ سے سب سے زیادہ حدیث مروی ہیں۔ علم حاصل کرنا دونوں پر فرض کیا گیا ہے۔ قدرت نے دونوں اصناف کی نفسیات، امور اور جسمانی ساخت مختلف رکھی ہے۔ مرد کی تخلیق فطری اعتبار سے بے جان اشیاء کیلئے ہوئی ہے اس کا اظہار ہم عالمی سطح پر تمام مادی امور پر مردوں کی فوقیت کی شکل میں دیکھ سکتے ہیں تمام محنت ومشقت کے کام، نظامہائے حکومت، صنعت وحرفت پر مردوں کا فطری غلبہ ہے۔ یعنی بے جان اشیاء کی تخلیق اور کام مرد کی فطرت میں ہے۔ مرد کی جسمانی ساخت بھی اس کی آئینہ دار ہے۔ اسی طرح دنیاوی امور اور سیاسیات مرد حضرات کے موضوع بحث ہوتے ہیں۔

اسکے برعکس خواتین کو اللہ نے جاندار کیلئے تخلیقی صلاحیت ودیعت کی ہے۔ بچہ جس نے مستقبل کا معاشرہ تشکیل دینا ہے۔ اس نے اپنی تخلیقی صلاحیتیں اور کردار اُجاگر کرنا ہے۔ اس کا صرف اور صرف دارومدار اسکی ماں پر ہے۔ ان انسانی تخلیق کی فطری صلاحیتوں سے مرد خالی ہے۔ صرف خواتین ہی فطری اعتبار سے یہ صلاحیت رکھتی ہیں۔ یہ فطری رجحان خواتین کی باہمی گفتگو میں بھی دیکھا جاسکتا ہے۔ مردوں کے برعکس عموماً ان کا موضوع بحث رشتے ناتے ور خاندانی امور ہوتے ہیں۔ ایک تربیت یافتہ اور تعلیم یافتہ ماں پورے خاندان کو اخلاق و کردار اور تہذیبی کا نمونہ بنا سکتی ہے۔ جو معاشرہ خواتین کی تعلیم وتربیت سے غافل ہوتا ہے وہ اپنا مستقبل نئی نسل کی صورت میں خود تاریک کر لیتا ہے۔

مرد اور خواتین کے معاشرتی کردار میں عدم توازن معاشرتی اور خاندانی زندگی میں سنگین نتائج کا حامل ہوتا ہے۔ ہم نے انسان کو مختلف تعصبات کا شکار کر رکھا ہے۔ اچھے مرد بھی ہوتے ہیں اور برے بھی اسی طرح اچھی خواتین بھی ہوتی ہیں اور

Marfat.com

بری بھی، کسی کلیتًا اچھا یا برا قرار نہیں دیا جا سکتا۔

علامہ اقبال فرماتے ہیں: کہ ''جب تک عورتوں کو صحیح قدر و قیمت کا احساس نہیں ہوگا، حیات ملی نامکمل رہے گی۔اہل وعیال کی پرورش میں عدل وانصاف پر عمل کرنا چاہئیے''

جدید ریاستی اداروں، نظام ریاست و معاشرت اور تمدنی ضروریات کے تحت خواتین کا کیا کردار ہونا چاہئیے۔اس کا تعین اپنی معاشرتی ضروریات، عمرانی ارتقاء اور کلام الٰہی کی روشنی میں کیا جاسکتا ہے۔

قائد ایک Visionery شخصیت تھے اور آپ اپنی قوم کے تمام طبقات اور افراد اور انکے قومی زندگی میں رول سے خوب آگاہ تھے۔خواتین کو قائد قومی زندگی کی تعمیر و ترقی میں ہم ترین جز و سمجھتے تھے کیونکہ معاشرہ کی عمارت خاندانی نظام سے بنتی ہے اور اس نظام میں کلیدی کردار خواتین کا ہوتا ہے۔ایک باشعور پڑھی لکھی ماں اپنی تمام اولاد کو زیور تعلیم اور تہذیب سے آراستہ کرسکتی ہے اور یوں ایک پوری قوم کا کردار بدلا جاسکتا ہے۔۱۰ مارچ ۱۹۴۴ء کو خواتین سے ایک خطاب میں قائد نے خواتین کو ملت کے عظیم سرمائے سے تعبیر کرتے ہوئے فرمایا۔

''عورت میں بچوں کو سیدھے راستے پر چلانے کی زبردست قوت ہوتی ہے، اتنے عظیم سرمایہ کو ضائع نہ ہونے دیں''

قائد سمجھتے تھے کہ خواتین کے کردار کے بغیر کسی قوم کی ترقی ممکن نہیں قائد نے ۲۲ نومبر ۱۹۴۲ء کو جناح اسلامیہ کالج برائے خواتین میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''اگر مسلمان عورتوں نے مردوں سے اسی طرح تعاون کیا جس طرح انہوں نے پیغمبر اسلام ﷺ کے زمانے میں کیا تھا تو مجھے یقین ہے کہ ہم بہت جلد منزل مقصود پالیں گے''

(کتاب ''گفتار و کردار قائد اعظمؒ از پروفیسر سعید راشد'' ص ۳۸۹)

رسول اللہ ﷺ نے خواتین کو نہ صرف عزت واحترام دیا بلکہ ان کے تمام انسانی حقوق بحال فرمائے۔رسول اللہ ﷺ اہم معاملات پر امہات المومنین سے مشاورت فرماتے۔حصول تعلیم جو اعلیٰ تہذیب و ترقی کی بنیاد ہے، رسول اللہ ﷺ نے مرد و زن پر اس کا حصول یکساں ضروری قرار دیا۔اسلام میں بحیثیت انسان کوئی جنسی تفاوت نہیں ہے۔متعدد جدید سکالرز نے یہ واقعہ کوڈ کیا ہے کہ ریاست مدینہ میں رسول اللہ ﷺ نے ایک خاتون کو مجسٹریٹ کے عہدہ پر فائز کیا۔حضرت شفاد بنت عبداللہ جو حضرت عمرؓ کی رشتہ دار تھیں۔لکھنا پڑھنا جانتی تھیں اور اسی قابلیت کے سبب بعدازاں جب وہ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائیں تو ابن حجر کے بیان کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے ان کو مدینہ کے بازار میں ایک عہدہ پر معمور کیا چونکہ وہ لکھنا پڑھنا جانتی تھیں

(اسکی تفصیل خطبات بہاولپور صفحہ ۲۹۸ پر دیکھئے)

محاذ جنگ میں بھی رسول اللہ ﷺ خواتین کو ہمراہ لیکر جاتے تھے۔حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ:

''رسول اللہ ﷺ اُم سلیم کو جہاد میں لے جاتے اور انصار کی کئی عورتوں کو بھی اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔

جب حضرت اور صحابہ جہاد کرتے تو یہ عورتیں ان کو پانی پلاتیں اور زخمیوں کی دوا کرتیں (ابوداؤد)

اسلام میں مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین کے رول کو بھی ابھارا گیا ہے۔جنگ وجدل جسے عموماً مردوں کا کام سمجھا جاتا ہے۔

Marfat.com

وہاں بھی خواتین کا کردار انکی صلاحیتوں کے مطابق ملحوظ رکھا گیا ہے۔ جہاں تک قائداعظم کا تعلق ہے تو جیسا کہ بیان کیا گیا کہ قائد خواتین کو ایک بہت بڑی قوت خیال کرتے تھے۔ جو مردوں کو مثبت کردار ادا کرنے کیلئے Motivate کرسکتی ہیں۔ محترمہ فاطمہ جناح کی خدمات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں۔ قائد نے خواتین کو مغربی تہذیب کی قباحتوں اور شمع محفل بننے سے روکا۔ قائد نے خواتین کے قومی کردار پر ایک بہت عمدہ خطاب ۱۰ مارچ کو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں کیا۔

''کوئی قوم صحیح معنوں میں ترقی نہیں کرسکتی جب تک ان کی خواتین بھی مردوں کے ساتھ تعمیر و ترقی کے کام میں شریک نہ ہوں۔ ہم غلط رسم و رواج کا شکار ہیں۔ عورتوں کا گھر کی چار دیواری کے اندر قیدیوں کی طرح رکھا جاتا ہے۔ یہ انسانیت کے خلاف ایک بڑا ظلم بلکہ جرم ہے۔ میرا مطلب یہ نہیں کہ وہ مغربی طرز زندگی کی قباحتوں کو اختیار کریں یا ان کی نقالی کریں۔ ہمیں اپنے اسلامی تصورات اور معیار کے مطابق خواتین کی حالت سدھارنے کی کوشش ضرور کرنی چاہیئے۔ جن ناگفتہ بہ حالات میں ہماری بیشتر خواتین رہتی ہیں۔ انہیں اس طرح رکھنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ آپ زندگی کے ہر شعبہ میں عورتوں کو ساتھ لیکر چلئے اور مغرب کی غلط باتوں سے بچیئے آپ اس عورت سے جو جاہل ہے، کسی طرح توقع رکھ سکتے ہیں کہ وہ اولاد کی پرورش اچھی طرح کرسکے گی۔ خواتین کو خدا نے یہ صلاحیت دی ہے کہ وہ بچوں کی تربیت اعلیٰ طریقہ سے کرسکتی ہیں۔ ہمیں اس سرمائے کو ضائع نہیں کرنا چاہیئے۔

Released by Ministry of info. & BroadCast. Govt. of Pakistan

(کتاب ''گفتار و کردار قائداعظم' از پروفیسر سعید راشد ص ۳۸۹)

قائد نے اپنے اس بابصیرت اور متوازن خطاب میں درج ذیل معاملات کی نشاندہی فرمائی۔

جنسی تفریق کا خاتمہ:

۱۔ قومی تعمیر و ترقی میں خواتین کا لازم کردار

۲۔ معاشرتی رویے مجرمانہ روایات اور غلط رسم و رواج کی نشاندہی

۳۔ مغربی معاشرت کی قباحتوں سے بچنے کا حکم

۴۔ اسلام میں خواتین کا حقیقی کردار

۵۔ ہمارے معاشرے میں خواتین کی ناگفتہ بہ حالت

۶۔ قومی زندگی میں خواتین کا کردار

۷۔ خواتین کا اہم ترین رول نئی نسل کی تعلیم و تربیت

جاگیرداری نظام کا خاتمہ اور قائداعظم کے اقدامات

قائداعظم نے فرمایا: ''آج میں سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کو انتباہ کرنا چاہتا ہوں کیونکہ عوام کا استحصال ان کے

Marfat.com

بری بھی، کسی کلیتاً اچھا یا برا قرار نہیں دیا جاسکتا۔

علامہ اقبال فرماتے ہیں: کہ ''جب تک عورتوں کو صحیح قدر و قیمت کا احساس نہیں ہوگا، حیات ملی نامکمل رہے گی۔ اہل وعیال کی پرورش میں عدل وانصاف پر عمل کرنا چاہیئے''

جدید ریاستی اداروں، نظام ریاست و معاشرت اور تمدنی ضروریات کے تحت خواتین کا کیا کردار ہونا چاہیئے۔ اس کا تعین اپنی معاشرتی ضروریات، عمرانی ارتقاء اور کلام الٰہی کی روشنی میں کیا جاسکتا ہے۔

قائد ایک Visionery شخصیت تھے اور آپ اپنی قوم کے تمام طبقات اور افراد اور انکے قومی زندگی میں رول سے خوب آگاہ تھے۔ خواتین کو قائد قومی زندگی کی تعمیر و ترقی میں اہم ترین جزو سمجھتے تھے کیونکہ معاشرہ کی عمارت خاندانی نظام سے بنتی ہے اور اس نظام میں کلیدی کردار خواتین کا ہوتا ہے۔ ایک باشعور پڑھی لکھی ماں اپنی تمام اولاد کو زیور تعلیم اور تہذیب سے آراستہ کر سکتی ہے اور یوں ایک پوری قوم کا کردار بدلا جاسکتا ہے۔ ۱۰ مارچ ۱۹۴۴ء کو خواتین سے ایک خطاب میں قائد نے خواتین کو ملت کے عظیم سرمائے سے تعبیر کرتے ہوئے فرمایا۔

''عورت میں بچوں کو سیدھے راستے پر چلانے کی زبردست قوت ہوتی ہے، اتنے عظیم سرمایہ کو ضائع نہ ہونے دیں''

قائد سمجھتے تھے کہ خواتین کے کردار کے بغیر کسی قوم کی ترقی ممکن نہیں قائد نے ۲۲ نومبر ۱۹۴۲ء کو جناح اسلامیہ کالج برائے خواتین میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''اگر مسلمان عورتوں نے مردوں سے اسی طرح تعاون کیا جس طرح انہوں نے پیغمبر اسلام ﷺ کے زمانے میں کیا تھا تو مجھے یقین ہے کہ ہم بہت جلد منزل مقصود پالیں گے''

(کتاب ''گفتار و کردار قائداعظم'' از پروفیسر سعید راشدؒ ص ۳۸۹)

رسول اللہ ﷺ نے خواتین کو نہ صرف عزت و احترام دیا بلکہ ان کے تمام انسانی حقوق بحال فرمائے۔ رسول اللہ ﷺ اہم معاملات پر امہات المومنین سے مشاورت فرماتے۔ حصول تعلیم جو اعلیٰ تہذیب و ترقی کی بنیاد ہے، رسول اللہ ﷺ نے مرد و زن پر اس کا حصول یکساں ضروری قرار دیا۔ اسلام میں بحیثیت انسان کوئی جنسی تفاوت نہیں ہے۔ متعدد جدید سکالرز نے یہ واقعہ کوڈ کیا ہے کہ ریاست مدینہ میں رسول اللہ ﷺ نے ایک خاتون کو مجسٹریٹ کے عہدہ پر فائز کیا۔ حضرت شفاد بنت عبداللہ جو حضرت عمرؓ کی رشتہ دار تھیں۔ لکھنا پڑھنا جانتی تھیں اور اسی قابلیت کے سبب بعد ازاں جب وہ ہجرت کرکے مدینہ تشریف لائیں تو ابن حجر کے بیان کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے ان کو مدینہ کے بازار میں ایک عہدہ پر معمور کیا چونکہ وہ لکھنا پڑھنا جانتی تھیں

(اسکی تفصیل خطبات بہاولپور صفحہ ۲۹۸ پر دیکھئے)

محاذ جنگ میں بھی رسول اللہ ﷺ خواتین کو ہمراہ لیکر جاتے تھے۔ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ :

''رسول اللہ ﷺ اُم سلیم کو جہاد میں لے جاتے اور انصار کی کئی عورتوں کو بھی اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔

جب حضرت اور صحابہ جہاد کرتے تو یہ عورتیں ان کو پانی پلاتیں اور زخمیوں کی دوا کرتیں (ابوداؤد)

اسلام میں مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین کے رول کو بھی ابھارا گیا ہے۔ جنگ وجلد جسے عموماً مردوں کا کام سمجھا جاتا ہے۔

Marfat.com

وہاں بھی خواتین کا کردار انکی صلاحیتوں کے مطابق ملحوظ رکھا گیا ہے۔ جہاں تک قائد اعظم کا تعلق ہے تو جیسا کہ بیان کیا گیا کہ قائد خواتین کو ایک بہت بڑی قوت خیال کرتے تھے۔ جو مردوں کو مثبت کردار ادا کرنے کیلئے Motivate کر سکتی ہیں۔ محترمہ فاطمہ جناح کی خدمات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں۔ قائد نے خواتین کو مغربی تہذیب کی قباحتوں اور شمع محفل بننے سے روکا۔ قائد نے خواتین کے قومی کردار پر ایک بہت عمدہ خطاب ۱۰ مارچ کو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں کیا۔

''کوئی قوم صحیح معنوں میں ترقی نہیں کر سکتی جب تک ان کی خواتین بھی مردوں کے ساتھ تعمیر و ترقی کے کام میں شریک نہ ہوں۔ ہم غلط رسم و رواج کا شکار ہیں۔ عورتوں کا گھر کی چار دیواری کے اندر قیدیوں کی طرح رکھا جاتا ہے۔ یہ انسانیت کے خلاف ایک بڑا ظلم بلکہ جرم ہے۔ میرا مطلب یہ نہیں کہ وہ مغربی طرز زندگی کی قباحتوں کو اختیار کریں یا ان کی نقالی کریں۔ ہمیں اپنے اسلامی تصورات اور معیار کے مطابق خواتین کی حالت سدھارنے کی کوشش ضرور کرنی چاہیئے۔ جن ناگفتہ بہ حالات میں ہماری بیشتر خواتین رہتی ہیں۔ انہیں اس طرح رکھنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ آپ زندگی کے ہر شعبہ میں عورتوں کو ساتھ لیکر چلئے اور مغرب کی غلط باتوں سے بچیئے آپ اس عورت سے جو جاہل ہے، کسی طرح توقع رکھ سکتے ہیں کہ وہ اولاد کی پرورش اچھی طرح کر سکے گی۔ خواتین کو خدا نے یہ صلاحیت دی ہے کہ وہ بچوں کی تربیت اعلیٰ طریقہ سے کر سکتی ہیں۔ ہمیں اس سرمائے کو ضائع نہیں کرنا چاہیئے۔

Released by Ministry of info. & BroadCast. Govt. of Pakistan

(کتاب ''گفتار و کردار قائد اعظم'' از پروفیسر سعید راشد ص ۳۸۹)

قائد نے اپنے اس بابصیرت اور متوازن خطاب میں درج ذیل معاملات کی نشاندہی فرمائی۔

جنسی تفریق کا خاتمہ:

۱۔ قومی تعمیر و ترقی میں خواتین کا لازم کردار

۲۔ معاشرتی رویے مجرمانہ روایات اور غلط رسم و رواج کی نشاندہی

۳۔ مغربی معاشرت کی قباحتوں سے بچنے کا حکم

۴۔ اسلام میں خواتین کا حقیقی کردار

۵۔ ہمارے معاشرے میں خواتین کی ناگفتہ بہ حالت

۶۔ قومی زندگی میں خواتین کا کردار

۷۔ خواتین کا اہم ترین رول نئی نسل کی تعلیم و تربیت

جاگیرداری نظام کا خاتمہ اور قائد اعظم کے اقدامات

قائد اعظم نے فرمایا: ''آج میں سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کو انتباہ کرنا چاہتا ہوں کیونکہ عوام کا استحصال ان کے

Marfat.com

خون میں رچ بس گیا ہے۔ اور وہ اسلام کی تعلیمات کا فراموش کر چکے ہیں۔ کیا آپ تصور کر سکتے ہیں کہ کروڑوں لوگوں کا استحصال کیا گیا ہے۔ اور وہ ایک وقت کا کھانا بھی حاصل نہیں کر سکتے؟ اگر یہی تصور پاکستان ہے تو میں اس سے باز آیا! اگر وہ عقلمند ہیں تو انہیں زندگی کی نئی حقیقتوں سے اپنے آپ کو ہم آہنگ کرنا پڑے گا اور اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو پھر خدا ہی ان کی مدد کرے تو کرے، ہم تو ان کی مدد نہیں کریں گے" (Speeches & Writings of Jinnah, Vol. 1, p-526)

(Govt. of Paksitan, Quotes from .... Directorate General Films & Publications, Ministry of Information and Broadcasting Islamabad 1992, p-54)

(بحوالہ "قائداعظم اور قومی تعلیم از ڈاکٹر حمود الرحمٰن ص ۶۴)

رزق خود را از میں بردن رواست — ایں متاع بندہ و ملک خدا است

(اقبالؒ)

قائد کا جاگیرداری نظام کے خاتمے کا فیصلہ

اُٹھو میری دنیا کے غریبوں کو جگا دو — کاخ امراء کے درو دیوار ہلا دو

جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہیں روزی — اس کھیت کے ہر خوشہ گندم کو جلا دو (اقبالؒ)

نبی ﷺ نے فرمایا کہ: "زمین اللہ کی ہے اور بندے بھی اللہ کے۔ اس لئے اللہ کی زمین، اللہ کے بندوں کیلئے رہنی چاہیئے"

(قائداعظم کے تصور کا پاکستان صفحہ ۹۵)

حضرت قائداعظم انگریز کے اس پروردہ اور وفادار طبقہ سے خوب آگاہ تھے۔ جس کی گھٹی میں قوم فروشی اور ملت سے غداری پڑی تھی۔ قائد نے قیام پاکستان کے فوراً بعد ملک کی آئندہ تعمیر و ترقی کے لئے جاگیرداری نظام کا خاتمہ ضروری سمجھا۔ چنانچہ ملک میں نئے نظام کی ابتداء کرنے کے لئے، یعنی نیا معاشرتی وسماجی نظام (Socio-Economic System) قائم کرنے کے لئے، سب سے پہلے زرعی شعبہ کو چنا۔ ایک لینڈ ریفارمز کمیٹی (Land Reforms Committee) قائم کی جس نے اپنی سفارشات اگست 1948ء میں حکومت کو پیش کیں جو کہ یہ تھیں:

۱۔ وہ جاگیریں، ان زمینوں کے حقوق جو کہ برطانوی راج کے دور انعام کے طور پر دی گئی تھیں۔ وہ سب حکومت کو بغیر معاوضہ دیئے ہوئے فوراً اپنے قبضے میں لے لینی چاہیے۔

۲۔ کوئی لینڈ لارڈ ۱۵۰ ایکڑ نہری اور ۴۵۰ ایکڑ بارانی سے زیادہ زمین نہ رکھ سکے گا۔ اور اس سے زیادہ زمین کا رقبہ مزارع میں معاوضہ لینے کے بعد بانٹ دینا چاہیئے۔

۳۔ وہ قابضین جو کہ خود کاشت کرتے ہیں، انہیں ہی درحقیقت اس زمین کا مالک قرار دینے کے لئے قانونی حیثیت دی جائے۔

Marfat.com

۴۔ غیر معیاری پٹے دار کو مناسب مدت کے تحفظ کی گارنٹی ہونی چاہئے، جو کہ کسی صورت میں ۱۲ سال سے کم مدت کے لئے نہ ہو۔ زمیندار ۱۱۲۵ ایکڑ میں سے زیادہ خود کاشت کے لئے زمین نہ رکھ سکے گا۔

۵۔ کل پیداوار میں مزارع کا حصہ 50 فیصد سے بڑھا کر 60 فیصد کر دیا جائے۔

۶۔ زمین کی تقسیم اور چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم پر نظر رکھنے کے لئے کوآپریٹو فارمنگ کو فروغ دیا جائے۔

(بحوالہ، گرینڈ ایجنڈا، ایک ناگزیر ضرورت، از سینیٹر جہانگیر بدر: روزنامہ جنگ 98-5-25)

یہ تمام سفارشات اگست 1948ء میں حکومت کو پیش ہوئیں جبکہ ستمبر 1948ء میں بابائے قوم رحلت فرما گئے۔

پاکستان کا معاشی نظام اور اقبال، جناح اور جنگ کا تصور

دنیا میں وہی نظام معیشت قائم رہ سکتا ہے جو تمام انسانوں کیلئے ہو

نواب بہادر یار جنگ نے اپنے آخری عوامی جلسہ میں قائد کے سامنے ایک عظیم منشور نئی تخلیق ہونے والی ریاست، پاکستان کیلئے دیا۔ اس شاہکار خطاب کا ایک اقتباس درج ہے: ''امتناع سود سے، سرمایہ داری کی جڑیں کٹ گئیں۔ وراثت کے قانون نے دولت کے جمع ہونے کے راستے روک دیئے۔ زکوٰۃ نے اس دولت کو جو کسی نہ کسی طرح ان موانع کی موجودگی میں جمع ہوئی جبراً تقسیم کر دیا اور ارتکاز دولت یا جمع مل کی مذمت اور انفاق فی سبیل اللہ کی تلقین نے مدینہ میں عہد رسالت کے آخری ایام کو مسکین کے وجود سے خالی کر دیا۔ الارض اللہ کا قرآنی پیغام سنا کر نبی امی ﷺ نے زمین کی ملکیت صرف خدا اور اسکے خلیفہ یعنی اسلامی ریاست کے لئے مخصوص کر دی۔ نہریں، جنگل، معدنیات وغیرہ۔ یہ سب ریاست کی مشترک ملک قرار پائے اور کسی فردِ واحد کو یہ حق نہ رہا کہ ان کے ذریعہ دولت کے ڈھیر جمع کرے''

(تقریر نواب بہادر یار جنگ، مسلم لیگ جلسہ منعقدہ 26 دسمبر 1943، کراچی)

پاکستان کا معاشی نظام اور قائد کا ابدی منشور

بابائے قوم حضرت قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا: ''دور جدید کہتا ہے، نہیں اسلام نے کہا، تیرہ سو برس سے زیادہ عرصہ نہیں ہوا۔ اسلام کے مطابق کوئی فرد جو ذاتی محنت سے روٹی کماتا ہے، وہی صرف اس کا جائز حقدار ہے۔ مسلمانوں نے خواب دیکھا ہے۔ پاکستان کا خواب، اس منظر کے ساتھ کہ انکا بہتر اور منصفانہ معاشی نظام ہے۔ وہ ایک ایسا معاشرہ پیدا کرنا چاہتے ہیں جس میں سب (لوگ) کام کریں گے۔ اور کوئی بھی (شخص) کام کے بغیر نہیں ہوگا۔ اس میں کوئی ملینیئر (سرمایہ دار) نہیں ہو سکے گا، مگر کوئی بھوکا بھی نہیں رہے گا۔ اور ہر ایک کو ترقی اور آگے بڑھنے کے مواقع میسر ہوں گے۔ جسکا کہ اسکی صلاحیتیں حقدار ہیں۔ اسکی پرواہ کئے بغیر کہ وہ پیدائشی طور پر امیر ہے یا غریب، یہ ایک مثالی اسلامی ریاست ہوگی۔

(The Eastern Times July 9, 1943)

Marfat.com

منشورِ قائد

قائداعظم نے اپنی وفات سے قبل سٹیٹ بینک کی افتتاحی تقریب کے خطاب میں ایک نہایت ہی مختصر فقرے میں ایک ابدی نوعیت کا راہنما منشور عطا فرمادیا۔ یکم جولائی ۱۹۴۸ء سٹیٹ بینک بلڈنگ افتتاح میں قائد نے فرمایا تھا' مغرب کے سودی نظام نے انسانیت کو دوخونریز جنگوں میں دھکیلا ہے۔ پاکستان کا اکانومی کو قرآن میں لکھے اسلامک سوشلزم کے اصولوں پر استوار کیا جائے گا'' بابائے قوم کے اس بیان پر ممتاز صحافی اور کالم نویس فضل حق صاحب نے یوں تبصرہ فرمایا ہے۔

''جہاں تک میں جانتا ہوں، عصر حاضر کی دنیائے اسلام میں، کسی مسلمان لیڈر نے اسلامک سوشلزم کی بات نہیں کی، قرون اولیٰ میں تو خیر یہ لفظ نہ یورپ کی سیاسی لغت میں تھا۔ نہ ایشیاء کے درباروں میں، شاید محمد علی جناح اسلام سوشلزم کی اصطلاح ایجاد کر کے رحمت اللعالمین ﷺ کے قول اور س الفقر فخری کا جدید جمہوری سیاست کی زبان میں ترجمہ کر رہے تھے۔ اس قسم کی سعادت نہ چرچ نشینوں کو حاصل ہوتی ہے نہ ہوس اقتدار میں قید جاگیرداروں کو'' (۲۲ جون ۹۷ روزنامہ جنگ از فضل حق)

قائد کا اقتصادی ترقی کا اسلامی پلان

کراچی 1943ء میں قائداعظم نے مسلم لیگ کے اجلاس میں ایک کمیٹی قائم فرمائی جسے مسلمانوں کی معاشی حالت بہتر بنانے کی منصوبہ بندی کا فریضہ سونپا گیا۔ اس کمیٹی میں ہندوستان کے کونے کونے سے تقریباً چالیس اراکین جن میں اساتذہ اور بینکرز شامل تھے، ممبر بنایا گیا۔ قائد نے ان ماہرین کے سامنے اپنی 5 نومبر 1944ء کی تقریر میں اپنا مدعا کھول کر یوں بیان فرمایا: ''ہمارا مقصد یہ نہیں ہونا چاہئے کہ امیر، امیر تر ہو جائے اور دولت کا ارتکاز چند ہاتھوں میں ہو کر رہ جائے۔ ہمیں عام آدمی کے معیار کو بلند کرنے کا مطمع نظر اپنانا چاہئے''۔

(رفعتوں کی تلاش، از اسد اللہ غالب مضمون از معروف چارٹرڈ اکاؤنٹینٹ ایس ایم مسعود)

حضرت قائداعظم کا بیان کردہ یہ عظیم معاشی اصول، اللہ نے کلام پاک میں ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

کی لا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم (القرآن)

''یعنی تم اپنا نظام ایسا بناؤ کہ دولت صرف امیروں میں ہی نہ گردش کرتی رہے''

متذکرہ کمیٹی کے ذمہ قائد کے خواب کی تکمیل کے لئے مندرجہ ذیل نکات رکھے گئے۔

۱۔ مسلمانوں کی تیز ترین ترقی کے اقدامات (معاشی واقتصادی ترقی کا پروگرام)

۲۔ زرعی اور صنعتی پیداوار میں اضافہ، پاکستان میں شامل ہونے والے علاقوں میں صنعتوں کے قیام کی منصوبہ بندی، مفت پرائمری تعلیم، زرعی نظام کی اصلاح اور محنت کشوں کی حالت زار کو سدھارنا۔

۳۔ بھاری صنعتوں میں خود کفالت کا حصول۔

Marfat.com

۴۔ افراطِ زر کی روک تھام۔

۵۔ لیبر پالیسی کی تشکیل اور اس پر عملدرآمد۔

۶۔ شرح آبادی میں اضافے کا رجحان۔

۷۔ تعلیم کا موثر نظام وضع کرنا۔

۸۔ روزگار عام کرنے کے منصوبے

۹۔ کاشت کاروں کا تحفظ اور زمینداروں کے ناجائز اختیارات کا خاتمہ

اس اجلاس میں کمیٹی کے بنیادی محرکات اور مقاصد کا تعین کر دیا گیا تھا۔ اکنامک پلاننگ کمیٹی کی مزید پندرہ ذیلی کمیٹیاں تشکیل دی گئیں۔ سوچنے سمجھنے والے دماغوں کو یکجا کر دیا گیا۔ ان میں ایک نہایت اہم افراد، نوجوان صنعتکار رفیع بٹ بھی تھے۔

اس کمیٹی کو سخت معاشی حالات اور بے حد دشواریوں اور وسائل کی شدید کمی کے ساتھ کام کرنا پڑا حتیٰ کہ ایک مرتبہ قائداعظم نے خود ایک ہزار کا چیک اسے ارسال کیا تاکہ کمیٹی کے اخراجات پورے ہو سکیں۔ قائد نے آٹھ نومبر 1945ء کو امریکہ کے ایسوسی ایٹ پریس کو انٹرویو دیتے ہوئے معاشی نظام کے ضمن میں فرمایا کہ:

''پاکستان میں بڑی صنعتیں اور مفاد کی سہولتیں قومی شعبہ میں (Socialized) ہونگی۔ پاکستان کے قدرتی وسائل اور افرادی قوت کا پیش خیمہ کرتے ہوئے قائداعظم نے بی بی سی کے ڈاول ایڈورڈ سے ایک ملاقات کے دوران کہا تھا کہ:

''اقتصادی طور پر پاکستان نہایت ہی طاقتور ریاست ہوگی۔ پاکستان میں اقتصادی میدان میں حیرت انگیز امکانات موجود ہیں''۔ (ارشادات قائداعظم صفحہ ۸۸)

قائد کے بعد آنے والی حکومتوں نے قائد کے خواب کو نظر انداز کر دیا۔ اس کمیٹی کی رپورٹ کا کچھ پتہ نہ چلا۔ امتیاز رفیع بٹ کے شریک کار اور قریبی ساتھی شبیر زیدی نے اسے تلاش کر کے ایک تاریخی کام کیا۔ اس رپورٹ کو خالد شمس الحسن نے ''قائد کا تشنہ تکمیل خواب'' کے عنوان سے انگریزی زبان میں شائع کیا۔

(رفعتوں کی تلاش، ص ۸۳ بحوالہ ڈاکٹر مسکین علی حجازی، چیئرمین شعبہ ابلاغیات، پنجاب یونیورسٹی)

قائداعظم نے پاکستان میں نظام اقتصاد و معاش کی رہنمائی کرتے ہوئے 21 مارچ 1948ء کو اپنے خطاب میں فرمایا:

''پاکستان میں کسی ایک طبقہ کو لوٹ کھسوٹ اور اجارہ داری کی اجازت نہیں ہوگی۔

پاکستان میں بسنے والے ہر شخص کو ترقی کے برابر مواقع میسر ہوں گے۔ پاکستان امیروں، سرمایہ داروں، جاگیرداروں، اور نوابوں کی لوٹ کھسوٹ کے لئے نہیں بنایا گیا۔ پاکستان غریبوں کی قربانیوں سے بنا ہے، پاکستان غریب کا ملک ہے۔ اس پر غریبوں ہی کو حکومت کا حق ہے، پاکستان میں ہر شخص کا معیار زندگی اتنا بلند کر دیا جائے گا کہ غریب اور امیر میں کوئی تفاوت باقی نہیں رہے گا۔ پاکستان کا اقتصادی نظام اسلام کے غیر قانونی اصولوں پر ترتیب دیا جائے گا۔ اور ان اصولوں پر

Marfat.com

جنہوں نے غلاموں کو تخت و تاج کا مالک بنا دیا''

طبقاتی معاشرے کے اندر ایک مختصر سے طبقہ کے پاس دولت کے انبار ہونے کا ذہنی صلاحیت سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ محنت کش کی محنت کے استحصال کے باعث ہے جس کو منافع کا نام دیا جاتا ہے۔ ممتاز دانشور قاضی جاوید صاحب (آرٹیکل روزنامہ پاکستان 98-6-24) کے بقول: ''ہمارے علماء سود کے خلاف تو پوری تن دہی سے جدوجہد کرتے ہیں مگر محنت کے استحصال کو جائز قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ سود کا باعث ہی محنت کا استحصال ہے''۔

بلاسود بنکاری میں سود کی ظاہری صورت و شکل ختم ہو جاتی ہے۔ مگر وہ محنت کے استحصال میں قائم رہتا ہے''۔

قدرت نے ہمیں صنعتی ترقی کے لئے خام مال کے وسیع ذخائر مہیا کئے ہیں۔ اب یہ کام پاکستانی قوم اور قیادت کا ہے کہ وہ ان سے بھرپور استفادہ کریں۔ قومی بیداری اور ملی تعمیر کا جذبہ بہت اہم شے ہے۔ قوم زندہ ہوگی اور سارے ملک کو اپنا گھر تصور کرے گی تو پھر ہمارے راستے میں وسائل کی کمی بھی آڑے نہیں آئے گی۔ زندہ قومیں ناممکن کو ممکن کرنے کی صلاحیتیں رکھتی ہیں۔ قائداعظم نے 26 مئی ستمبر کو اپنے دست مبارک سے ولیکا ٹیکسٹائل ملز کا افتتاح فرمایا اس موقع پر خطاب میں فرمایا کہ: ''ترقی کے لئے بلاشبہ سرمائے کی ضرورت ہے لیکن قومی ترقی محض سرمائے کی محتاج نہیں۔ اس کا انحصار انسانی کوشش و محنت پر بھی ہوتا ہے۔ مجھے پورا بھروسہ ہے کہ پاکستانی قوم ایسی محنتی اور ارادے کی پکی قوم ہے جو شاندار روایات کی بدولت ماضی میں ممتاز رہی ہے'' (قائداعظم بحیثیت سربراہ مملکت صفحہ ۱۳۴)

قائداعظم نے پاکستان میں ہر نئی مل اور کارخانے کو ملکی ترقی میں ایک قدم سے تعبیر فرمایا۔ نیز قائد نے اس خواہش کا اظہار فرمایا تھا کہ لفظ پاکستان بین الاقوامی منڈی میں مال کی عمدگی اور معیار کا علامت بن جائے۔

کیپٹلزم اور کمیونزم اور قائداعظم کا موقف

''پاکستان کیپٹلزم اور کمیونزم کا قبرستان بن جائے گا'' (قائداعظم)

26 نومبر 1946ء کو قائداعظم نے یہ انٹرویو دیا: ''قرآن وسنت کے زندہ جاوید قانون پر مبنی ریاست (پاکستان) دنیا کی بہترین اور مثالی ریاست ہوگی۔ یہ اسلامی ریاست اسی طرح سوشلزم، کمیونزم، مارکسزم اور کیپٹلزم کا قبرستان بن جائے گی۔ جس طرح سرورِ کائنات ﷺ کا مدینہ اس وقت کے تمام فرسودہ نظاموں کا گورستان بنا۔ پاکستان میں اگر کسی نے روٹی کے نام پر اسلام کے خلاف کام کرنا چاہا یا کسی عزم وغیرہ کے لئے راہ ہموار کرنے کی کوشش کی تو پاکستان کی غیور قوم اسے کبھی بھی برداشت نہیں کرے گی۔ میرا ایمان ہے کہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ دنیا کی تمام مشکلوں کا حل اسلام سے بہتر کہیں نہیں ملتا''

(بحوالہ نقوش 1976ء از سید بدر زمان) حوالہ دوم (گفتار و کردار قائداعظم، از پروفیسر سعید راشد)

شہری اصلاحات علاقہ اقبال اور مثالی شہری نظام

''ہر شہر کی آبادی مقرر کر کے اسے حد سے نہ بڑھنے دو۔ اس سے زیادہ بسنے والوں کو نئی بستیاں مہیا کی جائیں'' (علامہ اقبال)

Marfat.com

تیسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے بعد، ہندوستان واپسی پر علامہ اقبال چند روز اٹلی میں بھی ٹھہرے۔ مسولینی کو خبر ہوئی تو اس نے علامہ سے خصوصی طور پر ملاقات کی۔ دوران گفتگو مسولینی نے کہا:

مسولینی: مجھے کوئی اچھوتا مشورہ دیجئے۔

علامہ: ہر شہر کی آبادی مقرر کر کے اسے حد سے نہ بڑھنے دو۔ اس سے زیادہ بسنے والوں کو نئی بستیاں مہیا کی جائیں۔

مسولینی: (حیران ہو کر) اس میں کیا مصلحت ہے؟

علامہ: شہر کی آبادی جس قدر بڑھتی جاتی ہے، اس کی تہذیبی اور اقتصادی توانائی کم ہو جاتی ہے۔ اور ثقافتی توانائی کی جگہ محرکات شر لے لیتے ہیں۔

علامہ مزید فرماتے ہیں کہ ''یہ میرا ذاتی نظریہ نہیں بلکہ میرے پیغمبر ﷺ نے آج سے تیرہ سو سال قبل یہ مصلحت آمیز ہدایت فرمائی تھی کہ جب مدینہ منورہ کی آبادی ایک حد سے تجاوز کر جائے تو مزید لوگوں کو آباد ہونے کی اجازت دینے کی بجائے دوسرا شہر آباد کیا جائے'' (مکالمات اقبال از پروفیسر سعید راشد صفحہ ۱۴۷)

(مسولینی یہ حدیث سنتے ہی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا اور دونوں ہاتھ میز پر مارتے ہوئے متجسس انداز میں مزید مشورے علامہ سے لینے لگا)

قائد کا ایک تاریخ ساز انٹرویو

''میں لندن میں امیر زندگی گزار رہا تھا۔ اب میں اسے ترک کر کے انڈیا اسلئے آ گیا ہوں کہ یہاں لا الہ الا اللہ کی مملکت کے قیام کی کوشش کروں۔ اگر میں لندن میں رہ کر سرمایہ داری کی حمایت کرنا پسند کرتا تو سلطنت برطانیہ میں جو دنیا کی عظیم ترین سلطنت ہے، مجھے اعلیٰ سے اعلیٰ مناصب اور مراعات سے نوازتی۔ اگر میں روس چلا جاؤں یا کہیں بھی بیٹھ کر سوشلزم، مارکسزم اور کمیونزم کی حمایت شروع کر دوں تو مجھے بڑے سے بڑا اعزاز بھی مل سکتا ہے اور دولت بھی۔ مگر علامہ اقبال کی دعوت پر میں نے دولت اور منصب دونوں کو پرے دھکیل کر انڈیا میں محدود آمدنی کی دشوار زندگی بسر کرنا پسند کیا ہے تاکہ مسلمانوں کے لئے اسلامی مملکت وجود میں آئے اور اس میں اسلامی قوانین کا بول بالا ہو کیونکہ انسانیت کی نجات اسلامی نظام ہی میں ہے۔ صرف اسلام ہی کے علمی، عملی اور قانونی دائروں میں آپ کو عدل، مساوات، اخوت، محبت، سکون اور امن دستیاب ہو سکتا ہے۔ برطانیہ، امریکہ اور یورپ کے سارے بڑے بڑے سیاستدان مساوات کا راگ الاپتے ہیں۔ روس کا نعرہ بھی مساوات اور ہر مزدور کاشتکار کے لئے روٹی، کپڑا اور مکان مہیا کرنے کا ہے۔ مگر یورپ کے بڑے بڑے سیاستدان عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے ہیں وہ وہاں کے غریبوں کو نصیب نہیں۔ محمد علی جناح کا لباس اتنا قیمتی نہیں جتنا قیمتی لباس یورپ کے بڑے بڑے ''غریب پرور'' لیڈر زیب تن کرتے ہیں نہ محمد علی جناح کی خوراک اتنی اعلیٰ ہے کہ جتنی کہ ''بھوک مٹانے کے دعوے دار'' سوشلسٹ اور کمیونسٹ لیڈروں کی اور یورپ کے سرمایہ داروں کی ہے۔ اسکے برعکس ہمارے پیغمبر ﷺ اور خلفائے راشدین

Marfat.com

نے سارا اختیار ہوتے ہوئے غریبانہ زندگی بسر کی۔ رعایا کو خوش اور خوشحال رکھا۔

میں دیکھ رہا ہوں کہ انڈین کانگریس حکومت بنانے کی صورت میں برطانوی ٹھگوں کو تو یہاں سے نکال دے گی لیکن پھر خود ٹھگ بن کر اس کی جگہ لے لے گی۔ یہ صرف مسلمانوں کی آزادی ختم نہیں کریں گے۔ بلکہ اپنے لوگوں کی آزادی بھی ختم کر دیں گے۔ اس لئے ہمیں پاکستان کے قیام کیلئے بھرپور کوشش کرنی چاہیئے۔ ذرا تصور کیجئے کہ لا الہ الا اللہ پر مبنی حکومت قائم ہو جائے تو افغانستان، ایران، ترکی، اردن، بحرین، کویت، حجاز، عراق، فلسطین، شام، تیونس، مراکش، الجزائر اور مصر کے ساتھ مل کر یہ کتنا عظیم الشان اسلامی بلاک بن سکتا ہے۔

سوشلزم اور کمیونزم جناح کی نظر میں

اسی انٹرویو میں قائد نے مزید فرمایا: 'علامہ اقبال کی طرح میرا بھی یہ عقیدہ ہے کہ کوئی سوشلسٹ یا کمیونسٹ مسلمان نہیں ہو سکتا خواہ وہ پیر یا مولانا ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ سوشلزم اور کمیونزم کے سارے بانی یہودی تھے۔ آپ کو سمجھ لینا چاہیئے کہ سوشلزم اور کمیونزم مسلمانوں کے لئے ایسا زہر ہے جس کا کوئی تریاق نہیں۔ آپ کبھی نہ بھولیں کہ یہودی، انگریز، سوشلسٹ، کمیونسٹ اور ہندو سب مسلمانوں کے مٹانے کے درپے ہیں۔ پاکستان بن جانے کے بعد یہ پاکستان کو مٹانے کی کوشش بھی کریں گے۔ آپ کو اس وقت بھی ہوشیار رہنا ہوگا'' (اسلام اور انقلاب مولف منشی عبدالرحمٰن خان)

قائداعظم نے انگلستان سے واپسی پر مولانا ظفر علی خان اور سردار عبدالرب نشتر کی موجودگی میں متذکرہ بیان دیا جو ماہنامہ ''منارہ'' کراچی میں شائع ہوا۔ جسے روزنامہ ''ندائے ملت'' لاہور نے اپنی 15 اپریل 1970ء کی اشاعت میں مجید نظامی کے زیر ادارت شائع کیا۔ نیز ''ہلال'' نے جون 1977ء میں اور اسی طرح اردو ڈائجسٹ نے بھی شائع کیا۔ علاوہ ازیں ''مبشرات پاکستان''

آزادی کے بعد

برطانوی سیاست کی پاکستان کے خلاف ریشہ دوانیوں اور پاکستان کے اعلیٰ طبقات میں اس کے پروردہ عناصر کے اثرات کو غیر مؤثر کرنے کے لئے قائداعظم کے پاس ایک ہی راستہ تھا کہ وہ پاکستان کو ایک ایسے راستے سے لے کر آگے بڑھیں جو برطانوی سیاست کے مہروں اور پروردہ عناصر کو پاکستان کے اصل مقاصد کے خلاف کسی سازش کے موقع یا امکان کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دے اس کے لئے یہ ضروری تھا کہ آہستہ آہستہ قومی سیاست میں ایسے عناصر کو آگے بڑھایا جائے اور ایسی قوتوں کی ہمت افزائی کی جائے تو تحریک پاکستان کے مقاصد سے سرشار ہوں اور پاکستان کی قسمت کی باگ ڈور جاگیرداروں، موروثی سیاسی خاندانوں اور اہل غرض کے ہاتھوں سے نکال کر پاکستان کی اکثریت کے مسائل اور شعور کے حامل ان طبقات کی طرف منتقل کر دی جائے تو ایک اُبھری ہوئی قوم اور ایک نئی تعمیری ریاست کے حقیقی وارث ہوں۔ اس کے لئے سب سے زیادہ ضرورت اس بات کی تھی پاکستان کو ابتداء ہی سے ایسے اصولوں اور اقدار پر اٹھایا جائے جس کے نام پر یہ مملکت وجود میں آئی تھی

Marfat.com

اوراوپر کے طبقات کے مفادات اور خواہشات کے تمام دباؤ کا پوری جرأت اور ہمت سے مقابلہ کرتے ہوئے اس کو جمہوریت کی مضبوط بنیادوں پر کھڑا کر دیا جائے تا کہ پاکستان کی سیاسی زندگی کو ہمیشہ نیا خون نئی قیادت میسّر آتی رہے اور اگر قضاء وقدر کو قائداعظم کو اتنی جلد رخصت کرنا منظور نہ ہوتا تو یقیناً پاکستان ان ہی بنیادوں پر تعمیر کیا جاتا جس کے وعدے قائداعظم نے اپنی قوم سے کئے تھے۔ مگر پاکستان کا قیام جن خطرات، مخاصمت اور نفرتوں کے درمیان عمل میں آیا تھا، اس کے لئے سب سے بڑی ضرورت اس کے انتظامی ڈھانچہ اور مشینری کو حرکت میں لانا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر یہ مشینری اپنی پوری قوت سے روبہ عمل نہ ہوتی تو پاکستان کے دشمنوں کی وہ تمام پیش گوئیاں سچ ہو جاتیں جن کی بنیاد پر ان کا یقین تھا کہ پاکستان کا تجربہ ناکام ہو جائے گا۔ اور یہ نوزائیدہ مملکت وسائل کی کمی، ضروریات کی فراہمی اور انتظامی مشینری کے نقائص کی وجہ سے ایک روز دم توڑ جائے گا۔ لیکن انتظامی مشینری نے جہاں اس چیلنج کو قبول کیا وہاں پاکستان کے لئے نہایت نازک مقامات پر ان خطرات کا سدّ باب بھی کیا جو دشمنوں میں گھرے ہوئے اس ملک اور اس کی کمزور معیشت اور وسائل کی کمی کی بناء پر ابتدائی عہد میں پاکستان کے لئے موت وزیست کا مسئلہ بن گئے تھے مہاجرین کی مسلسل آمد، سرمایہ کی کمی، ضروریات زندگی کی فراہمی اور انتظامی امور کی بے سروسامانی میں پاکستان کو قائم رکھنا یقیناً ایک ایسا کارنامہ تھا جس سہرا پاکستان کے اندرونی اور داخلی انتظامی امور کے نگراں اور اہلکاروں کے سر بندھتا ہے۔

لیکن جس کسی ایک چیز کے جہاں سے بہت سے مفید پہلو ہوتے ہیں اور چند مضر، بالکل اسی طرح پاکستان کی نئی انتظامیہ جن ہاتھوں میں منتقل ہوئی اس کے مفید کارناموں کے ساتھ دو ایک قباحتیں بھی لگی ہوئی تھیں۔ پاکستان کی انتظامیہ کی باگ ڈور پاکستان بنتے ہی ان افراد کے ہاتھوں میں آ گئی جو برطانوی بیوروکریسی کے ستون تھے جن کی سیاسی تربیت اور تحریک پاکستان سے ان کی وابستگی اس انداز اور شعور کے ساتھ نہیں تھی جو مسلم لیگ کی قیادت کے مقاصد اور عوام کی خواہشات میں مشترک تھی، اس لئے انہوں نے اپنی تربیت اور اہلیت کے بل بوتے پر پاکستان کی انتظامی تنظیم کو تو کماحقّہ پوری ذمہ داری سے چلایا مگر وہ ان مقاصد اور نصب العین کے لئے کچھ نہ کر سکے جس کے لئے یہ مملکت وجود میں آئی تھی، چونکہ سیاسی اور آزادی کی تحریک میں ان کا کوئی حصہ بھی نہیں تھا، اس لئے وہ عوام کے دکھ درد اور مسائل سے بھی ناواقف تھے اور نہ ان سے ہمدردی رکھتے تھے۔ دراصل ان کی اس کمی کو پاکستان کی وہ قیادت پورا کر سکتی تھی جس کے ہاتھوں میں پاکستان کی آئینی، دستوری، نظریاتی اور ذہنی قیادت تھی اور دراصل وہی اس مملکت کے اولین خاکے میں رنگ بھرتے، انتظامیہ اس کے تقاضوں کو پورا کرتی۔ مگر افسوس کہ مسلم لیگ کی قیادت میں گنتی کے چند ایسے افراد تھے جو اتنی بڑی ذمہ داری کے اہل تھے۔ بیشتر افراد اس اعتبار سے نہ صرف نااہل بلکہ حکومت کے تقاضوں اور مملکت کی ذمہ داریوں سے بھی نابلد تھے اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پاکستان کی اصل طاقت بیوروکریسی کے ہاتھ میں آ گئی۔ مگر قائداعظم کی زندگی میں خود بیوروکریسی میں ایسے عناصر موجود تھے جو قائداعظم کی بے پناہ صلاحیتوں اور قیادت کی رہنمائی میں پاکستان کو اسی شکل میں اور ان ہی خطوط پر تعمیر کرنے پر مجبور تھے جو قوم کا یہ عظیم قائد چاہتا۔ اس پہلو کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ آپ کے پیش نظر یہ حقیقت رہے کہ پاکستان میں

Marfat.com

برطانیہ کے پروردہ اور آوردہ عناصر کی یہ قوت اس بیوروکریسی کی صورت میں ہمارے یہاں موجود تھی جس کے ہاتھوں میں پاکستان کی عملی باگ دوڑ تھی۔

چنانچہ اس پس منظر قائداعظم کے پاس برطانوی اثرات سے بچنے کی یہی صورت تھی کہ وہ پاکستان کی خارجہ پالیسی اور بین الاقوامی تعلقات میں ایک ایسا لائحہ عمل اختیار کریں جو برطانوی سیاست سے نہ صرف محفوظ اور مامون کر دے بلکہ وہ ایک نئی مملکت کے وسیع تر مفادات اور زیادہ سے زیادہ تعلقات پیدا کرنے کا سبب بن سکے۔ اور یہ پالیسی اسی وقت اختیار کی جا سکتی تھی جب بین الاقوامی طاقتوں کے دو سب سے بڑے بلاکوں کے درمیان ایک متوازن راہ اختیار کی جائے۔ پاکستان کے قیام کے وقت دنیا دو طاقتور بلاکوں میں منقسم تھی۔ ایک مغربی طاقتوں کا بلاک، دوسرا اشتراکی بلاک جس کی قیادت روس کر رہا تھا۔ قائد اعظم کے لئے برطانوی سازش اور ریشہ دوانیوں سے بچنے کی ایک ہی صورت تھی کہ وہ مغربی بلاک سے رشتے توڑے بغیر اشتراکی بلاک سے زیادہ تعلقات استوار کر لیں۔ یہ قائداعظم کے سیاسی شعور، بے پناہ معاملہ فہمی اور اپنی قوم پر اعتماد کا سب سے بڑا مظاہرہ تھا کہ انہوں نے اس پالیسی پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ انہیں اپنے قومی نظریات اور تحریک پاکستان کے نصب العین پر اس درجہ یقین تھا کہ وہ سمجھتے تھے کہ یہ راہ اختیار کرنے کے بعد انہیں پاکستان کی نظریاتی تشکیل کرنے میں زیادہ آسانی ہوگی اور پاکستان کے دوستوں کا حلقہ ساری دنیا میں پھیل جائے گا یہ ایک حقیقت ہے اور قائداعظم کی فراست کا کرشمہ کہ دنیا کے تمام نو آزاد ملکوں میں ایک غیر جانبدار خارجہ پالیسی اور ہر چہار طرف سے پاکستان کے مفادات کے تحفظ اور فائدے کے پیش نظر سب سے پہلے پاکستان نے راہ ہموار کی قائداعظم نے اپنی دور اندیشی سے اس راہ کا سب سے پہلے انتخاب کیا جس کو بعد میں جواہر لال نہرو نے غیر جانبداری کا سیاسی فلسفہ بنا دیا۔ اتفاق سے قائداعظم کو دنیا کی بہت بڑی طاقتوں میں سے سب سے پہلے جس ملک نے اپنے یہاں مدعو کیا وہ روس تھا اور قائداعظم نے یہ دعوت قبول کر لی تھی۔ اور اگر انہیں موقع ملتا تو وہ سب سے پہلے روس جاتے۔ اور غالباً اس کو مغربی بلاک اور برطانیہ نے پوری طرح بھانپ لیا کہ اس کا نتیجہ کیا نکلے گا اور اس کے بعد قائداعظم کو دولت مشترکہ کو چھوڑنے میں بھی کوئی پس و پیش نہیں ہوگی۔ چنانچہ پاکستان کے ان ابتدائی دنوں ہی میں برطانوی سیاست نے اپنی ریشہ دوانیاں اور سازش شروع کر دی چنانچہ واقف کاران سیاست اس بات سے بخوبی واقف ہوں گے کہ قائداعظم کی زندگی کے آخری دنوں میں پاکستان کی بیوروکریسی نے اپنے ہاتھ پیر نکالنے شروع کر دیئے تھے اور ان کا ایک بہت بڑا طبقہ پاکستان کی دوسری سب سے بڑی شخصیت کے ارد گرد اپنے جال بننے لگا تھا۔ اور بیوروکریسی دو طبقوں میں بٹ گئی تھی۔ اور اتفاق سے وہ طبقہ زیادہ مضبوط اور مقتدر تھا جو قائداعظم کی اس خواہش کے مقابلے پر مغربی بلاک سے رشتے جوڑنے کو زیادہ مفید خیال کرتا تھا اور ظاہر ہے کہ یہ برطانوی خواہشات کا آلۂ کار تھا جو ایک بین الاقوامی طاقت کی صورت میں غیر اہم ہو کر امریکہ کا ایک طفیلی سیارہ بن کر رہ گیا تھا۔ اور ایشیاء میں اس کے مفادات کا تحفظ کرنے کا ایک ذریعہ تھا۔ قائداعظم نے ایک خالص سیاسی سمت کیوں اختیار کرنا چاہتی تھی۔ اس کا سبب قیام پاکستان کے وقت برطانوی سیاست کی بدکرداری کے علاوہ پاکستان میں ان عناصر کو غیر موثر اور کمزور کرنا تھا جو پاکستان کو برطانوی سیاست اور مغربی طاقتوں کا غلام بنانے میں پیش پیش تھا اور اس میں سب سے زیادہ

Marfat.com

ہاتھ اس نوکر شاہی کا تھا جو قائد ملت لیاقت علی خان کے گرد جمع ہو گیا تھا۔ چنانچہ ان فریب کاروں اور مفاد پرستوں کے ہاتھوں پاکستان کی سب سے بڑی شخصیت کو بے بس کرنے کی پوری شاطرانہ چالیں چلی گئیں۔ اور اس بات سے کون اور کیسے کوئی انکار کر سکتا ہے کہ بستر علالت سے قائداعظم کی رحلت تک حالات اتنے پراسرار ہو کر رہ گئے تھے کہ ہر ممکن شک وشبہات قوم کے ذہنوں میں پرورش پانے لگے۔ قائداعظم کی علالت کی سنگینی کے باوجود ان کی رحلت کے وقت بعض واقعات اور ان کو کراچی جس کسمپرسی اور پراسرار حالات میں لایا گیا وہ ان شبہات کو مزید تقویت دینے کے باعث ہوئے جن کو ان سیاسی اقدامات اور حالات نے اور بھی سنگین اور اہم بنا دیا جو قائداعظم کی وفات کے بعد پاکستان کی خارجہ اور داخلہ پالیسیوں میں اختیار کیا گیا۔ غرض کہ پاکستان کے اس نازک ترین دور میں سیاسی ریشہ دوانیوں اور نوکر شاہی سیاست کے موڑ پر پاکستان کے عوام نے اپنے مثال قائد کو آہوں اور سسکیوں کے درمیان سپرد خاک کر دیا، اس کے سانحہ کے بعد پاکستان صرف نو آبدیاتی سطح کا ایک ملک رہ گیا کیونکہ اس کا آدرش اور مرکزی قوت خاک میں مل چکی تھی اور پھر وہ زمانہ بھی آیا جب پاکستان استعماری قوتوں کی ایک طفیلی سیارہ بن کر رہ گیا۔ تحریک پاکستان کی جدوجہد اسلامیان ہند کا آدرش اور پاکستان کا نصب العین اسلام ایک دھوکہ بن کر رہ گیا۔ جس کے پیچھے برطانوی سیاست کے مہرے اپنا ناپاک کھیل کھیلتے رہے اور اسلام کا صرف نام لے لے کر پاکستان کے معصوم صاحب کردار اور آدرش پسند عوام کا استحصال کرتے رہے اور ان طاقتوں کے ہاتھ مضبوط کرتے رہے جو مایوسی اور دھوکہ کی فضا میں پاکستان کے عوام کے ذہنوں سے اسلام اور تحریک پاکستان کے تمام نقوش کو مٹا دینے کی کوشش میں مصروف ہو گئے تا کہ وہ معیار ختم کیا جا سکے جس کے بغیر یہ مفاد پرست عناصر، اقتدار کے بھوکے اور سرمایہ کے لوٹ کر اپنی من مانی کر سکے۔

قائداعظم کی وفات کے صرف تین سال کے اندر اندر پاکستان میں جو جو واقعات ہوئے ہیں اگر ان کو ایک بار پھر ذہن میں تازہ کر لیا جائے تو اس عہد کی ان تبدیلیوں کا احساس ہو جائے گا جنہوں نے آہستہ آہستہ عوام کا استحصال کر کے اور انہیں دھوکہ دے کر اپنا الّو سیدھا کرنے میں زیادہ دیر نہیں کی اور روز بروز تنزل کی طرف مائل سیاست مفاد پرست افراد کے ہاتھوں میں حصول زر اور حصول اقتدار کی رسہ کشی میں گرفتار ہو کر رہ گئی۔ ان واقعات نے پاکستان کی تاریخ پر کیا اثر ڈالا اور اس وقت اس پر عوام کا کیا ردعمل ہوا تھا اس کی داستان چند جملوں میں درج ذیل ہے۔

۱۔ پاکستان آرمی کے سب سے قابل فخر سپوت میجر جنرل افتخار اور کرنل شیر علی خاں ہوائی حادثہ کا شکار ہوئے۔ یہ یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ اگر یہ حادثہ نہ ہوتا تو میجر جنرل افتخار پاکستانی افواج کے کمانڈر انچیف ہوتے۔

۲۔ ایوب خان کو کمانڈر انچیف بنایا گیا۔

۳۔ راولپنڈی سازش کیس رونما ہوا جس کا مقصد وزیراعظم کو قتل کر کے اشتراکی انقلاب لانا تھا۔

۴۔ حکومت میں لیڈروں سے زیادہ بیوروکریسی کے مشہور نمائندوں کا اثر بڑھا۔ غلام محمد اور اسکندر مرزا اس طرح سامنے لائے گئے کہ گویا اقتدار ان ہی کے ہاتھوں میں ہے۔

Marfat.com

۵۔ دستور سازی کے کام کو التوا میں ڈال دیا گیا۔ عام انتخابات کی نوبت نہیں آنے دی گئی۔ غرض کہ ان واقعات پر آپ اگر ایک گہری نظر ڈالیں گے تو آپ کو آنے والے المیہ کے پس منظر کا خاصا سراغ مل سکتا ہے اور یہ بلا شبہ سبب نہیں ٹھہرتا کہ قائد اعظم کے بعد برطانوی سیاست اور اس کے مفادات کا تحفظ کرنے والوں نے پاکستان کو پوری طرح اپنی گرفت میں لے لیا تھا حالانکہ تحریک پاکستان اور پاکستان کے قیام کا مقصد ہرگز یہ نہیں تھا کہ قومی مفاد کے دشمنوں اور بیوروکریسی کی خواہشات کا اہتمام کیا جائے گا اور تمام قومی تقاضوں، وعدوں اور خواہشات کو پس پشت ڈال دیا جائے گا۔ اگر آپ ان اسباب کا سراغ لگائیں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ سارے حالات اس لئے پیش آئے کہ ہماری قیادت نے اپنا وہ فریضہ پورا نہیں کیا جس کے وہ پابند تھے، اور ان مقاصد سے جان بوجھ کر روگردانی کی جس کا وعدہ انہوں نے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے بار بار کیا تھا۔

اگر ہماری قیادت اور ہمارے قومی رہنما چاہتے تو پاکستان کی ایک نئی مملکت اور اپنی نوعیت کے انوکھے تجربے کو ابتداء ہی سے ایسی بنیادوں پر قائم کرنے کی جدوجہد کرتے جس کے نام پر یہ مملکت وجود میں آئی تھی۔ جمہوریت کو اپنی پوری صداقتوں اور خلوص سے بغیر صوبوں کی ناراضگی اور خوشی کا خیال رکھتے ہوئے اصولی طور پر اگر ابتداء ہی سے سختی سے نافذ کر دیا جاتا تو پوری قوم اس کی تائید کرتی اور مختلف صوبوں کو وہ شکایات پیدا نہ ہوتیں جو ان کی حق تلفی کے احساس اور جائز مطالبات کو نظر انداز کرنے سے پیدا ہوئی تھیں۔ اگر صوبوں کو جمہوری اصولوں کے مطابق ابتداء ہی سے ان کی آبادی اور تناسب کی بنیاد پر قومی اسمبلی میں نمائندگی دی جاتی تو ایک طرف وہ خود کو اقتدار میں شریک سمجھتے تو دوسری طرف جمہوری اقدام کو پھلنے پھولنے کا موقع ملتا اور ایسی روایت کی بنیاد پڑتی جو پاکستان کو عوام کی خواہشات اور اقتدار کا موقع فراہم کرتی ہے مگر افسوس کہ پاکستان کی قیادت نے قائد اعظم کے بعد کوئی مثبت قدم نہیں اٹھایا، بلکہ ہر اصول، مقصد اور وعدے کو نظر انداز کر کے ذاتی اقتدار کے حصول اور استحکام میں مصروف ہو گئے۔ اور ساری سیاست مقتدر طبقات کے مفادات اور سودے بازی کا کھیل بن کر رہ گئے۔ یہ ذہنیت اور طریقہ تحریک پاکستان اور ان عوام سے غداری تھی جنہوں نے آنکھ بند کر کے مسلم لیگی قیادت پر بھروسہ اور اعتماد کیا تھا۔ اس سلسلہ میں یہ کہنا کہ اس وقت کے حالات کا تقاضا یہ تھا کہ اس کو اسی صورت سے طے کیا جاتا ورنہ پاکستان کو خطرہ درپیش تھا۔ ایک صریحاً فریب دہی اور کھلی ہوئی دھوکہ بازی ہے۔ دنیا کے کسی آزاد اور جمہوری ملک میں عوام کو تو اعتماد میں لئے بغیر اور ان کو باخبر رکھے بغیر کوئی مثبت اور مستحکم حکومت قائم نہیں ہو سکتی۔ اگر اس قسم کے کچھ خطرات ملک کو درپیش تھے تو اس کا واحد حل یہ تھا کہ ان سے عوام کو باخبر رکھا جاتا تو یہ خدشات اور سازشیں ابھرنے سے پہلے ختم ہو جاتیں۔

مسلم لیگی قیادت ایک بہت بڑی عوامی تحریک سے گزر کر اس منزل تک آئی تھی، وہ کسی سازش یا طاقت کے اشارے اور بھروسہ پر ملک پر قابض نہیں ہوئی تھی۔ پھر مشکلات اور مسائل کو عوام سے چھپا کر اور ان سے ان کو بے خبر رکھ کر کسی مہم کو طے کرنے کا کوئی جواز نہیں تھا اور عوام بھی وہ جنہوں نے ان رہنماؤں کے ایک ایک اشارے پر جان و مال اور غیرت کی ہر قربانی دی تھی۔ وہ اسی سپرٹ کی قوت سے سرشار تھے جس نے پاکستان کو ہر ممکن طریقہ سے ساحل مراد تک پہنچایا تھا چنانچہ وہ اب بھی کسی ایک رہنما کی اپیل پر ملک اور قوم کے لئے ہر خطرے، اندیشہ اور سازش کے سامنے ڈٹ جاتے مگر حقیقت احوال یہ ہے کہ اس

Marfat.com

وقت عوام کو ہر قیمت پر تاریکی میں رکھنے کی کوشش کی گئی اوران کی پرواکئے بغیر اپنے اقتدار کی جنگ، سیاسی جوڑتوڑ، وعدے وعید، دھوکہ اور فریب اور قوت کی بنیاد پر حصول اقتدار کے لئے لڑی گئی۔ عوام کو اپنے اعتماد میں نہ لینے کا نتیجہ یہ نکلا کہ پاکستان کی سیاسی قوت اوراس کی حکومت برطانوی ایجنٹوں اور قوم وملک کے دشمن عناصر اور نوکر شاہی کے ہاتھوں میں چلی گئی۔ پسماندہ علاقے اوران کی خواہشات طاقتور علاقوں کی خواہشات کے غلام ہو گئے۔ اکثریت کا صوبہ بے دست و پا کہہ دیا گیا، اور سیاست صرف مفادات کے تحفظ اور معاہدوں کی کنیز بن گئی۔ اس کھیل کا نتیجہ یہ ہوا کہ عوام کی ساری قوتیں مضمحل ہو گئیں۔ ان کا اعتماد اپنی قیادت پر سے اٹھ گیا اور وہ برسر اقتدار طبقہ کے استحصال کا نشانہ بننے کے لئے چھوڑ دیئے گئے۔

اگر اس عہد کے تمام کوائف اور حقائق کو پیش نظر رکھا جائے تو چند بڑی سنگین حقیقتوں کا احساس ہوتا ہے۔ اسمیں کوئی شک نہیں کہ پاکستان میں شامل بیشتر صوبے برصغیر کے سب سے پسماندہ علاقوں پر مشتمل تھے۔ بنگال، سندھ، سرحد اور بلوچستان معاشی اور معاشرتی بدحالی کی پست ترین سطح کے حامل تھے اور یہاں تعلیم کا تناسب انتہائی افسوسناک صورتحال کو چھو رہا تھا۔ اس لئے یہ ایک فطری امر تھا کہ پاکستان جیسی بڑی مملکت کے تمام عہدوں، انتظامیہ، مقننہ، عدلیہ اور فوج و پولیس میں ان پسماندہ صوبوں کا کوئی حصہ نہیں تھا۔ اور تعلیم و تربیت کے فقدان کی وجہ سے پاکستان کی انتظامیہ مشینری میں ان صوبوں کے افراد کو نہیں لیا جاسکتا تھا۔ اور یہ بھی صحیح ہے کہ اگر مہاجر اور پنجاب کے پڑھے لکھے، سرکاری ملازمین اور اعلیٰ عہدیدار اس خلا کو پورا نہ کرتے تو پاکستان کا چلنا ناممکن تھا لیکن کیا، اس صورت حال کا یہ تقاضا نہ تھا کہ وہ خود کو ایک عارضی ذمہ دار اور اہل کار خیال کرتے اور بجائے پسماندہ صوبوں کی ان مجبوریوں سے فائدہ اٹھانے کے، انہیں حقیر سمجھنے اور نظرانداز کرنے کے ان حقائق کا تحفظ اپنا فرض اوّلین بنا لیتے اور حب الوطنی، دیانت اور انصاف کے ہر اصول کی مدد سے جلد از جلد ان صوبوں کے حقوق کو انہیں واپس کرنے کی سعی کرتے اور قومی اتحاد، یگانگت خلوص اور محبت کو اپنا ایمان بنا کر اس مجبوری سے منفعت حاصل کرنے کی جگہ خود کو ان صوبوں کا خادم سمجھتے اور ان کے احسان مند ہوتے جس کی وجہ سے انہیں عزت، اقتدار اور دولت نصیب ہوئی تھی، مگر ہوا یہ کہ ان عناصر نے ان صوبوں کو اپنی ریاست سمجھنا شروع کر دیا اور پاکستان کے اقتدار کو اپنی موروثی جائداد سمجھ کر بدترین ذہنیت، استحصال اور حقارت کا سلوک پاکستان کے ان عوام سے روا رکھا گیا جو پاکستان میں ''خلافت راشدہ'' کے خواب دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے ان صوبوں کے حقوق کو غصب کیا اور ان کی مجبوریوں سے اپنا ہر وہ اُلّو سیدھا کیا جس کا انہیں کوئی حق نہیں پہنچتا تھا۔ چنانچہ اس پورے طبقہ کی حیثیت پاکستان کی اکثریت کی نظر میں لٹیروں، ڈاکوؤں، غاصبوں اور بدمعاشوں کی ہو کر رہ گئی۔

پاکستان کے سارے المیوں کی ذمہ دار دراصل یہی صورت حال تھی کہ پاکستان کے ۵ میں سے ۴ صوبوں اور آبادی کی ۸۰ فیصد اکثریت پر وہ لوگ قابض ہو گئے جن کو اس کا کوئی استحقاق نہ تھا۔ انہوں نے پاکستان کی اصل قوت اور اکثریت کی مجبوریوں اور مظلومیت سے اس لئے فائدہ اٹھایا کہ اتفاقاً سے وہ بہتر معاشی و معاشرتی حالت اور بہتر تعلیمی تناسب کے حامل نہیں تھے۔ ایک جمہوری پرخلوص اور محب وطن قیادت کا ایسے وقت یہ فرض تھا کہ اگر وہ پاکستان کی اکثریت کے مفادات اور حقوق کے نمائندوں کی کمی ایک صوبے یا اقلیت کے افراد سے پورا کرنے کرنے پر مجبور تھی تو اس کی کمی اور تلافی کو کسی اور صورت میں پورا

Marfat.com

کرنے کی کوشش کرتی۔ اسے چاہئے تھا کہ وہ جمہوری اصولوں کی روح کے مطابق پسماندہ علاقوں کو اقتدار میں شریک کرنے اور ان کے حقوق کا تحفظ کرنے کے جمہوری طریقوں سے کام لیتی۔ اگر ساری انتظامی قوت پنجاب اور مہاجرین کے ہاتھ میں تھی، اگر فوج میں پنجاب کا سب سے بڑا حصہ تھا گویا اقتدار کا سارا سرچشمہ ان دو عناصر کے ہاتھوں میں تھا تو اس کنٹرول کرنے اور ان کی قوت کو آمریت میں تبدیل ہونے سے بچانے کے لئے قومی اسمبلی اور پارلیمنٹ میں اکثریت کی بنیاد پر پسماندہ صوبوں کو سیٹیں دی جاتیں تاکہ وہ خود کو پاکستان کے اقتدار میں شامل سمجھتے اور اپنے جیسے دوسرے صوبوں کے نمائندوں سے مل کر اقتدار کی اصل قوت ان کے ہاتھوں میں رہتی۔ اس طرح پاکستان میں حقوق اقتدار اور سیاسی قوت کا توازن قائم ہوجاتا اور انتظام قائم ہوجاتا اور انتظامی اہلکار، بیوروکریسی اور پنجاب اقتدار پر اپنی مان مانی نہ کرسکتا۔ یہ کام اس لئے بھی ضروری تھا کہ اقتدار کا دارومدار کیونکہ فوج اور انتظامیہ پر ہوتا ہے اور اس کا تعلق پنجاب سے تھا اس لئے اکثرتی کے تمام تر نمائندوں اور پارلیمنٹ میں اکثریت کے باوجود حقیقی اقتدار اس وقت تک جب تک یہ صوبے اپنے حقوق اور ہر شعبہ میں اپنی نمائندگی کی پوزیشن میں نہ آجاتے عملاً پنجاب کے ہاتھوں میں رہتا۔ لیکن اس یک طرفہ کارروائی اور ناانصافی نے پاکستان کے مختلف صوبوں کے درمیان وہ کانٹے بودیئے جس کی وجہ سے نفرت، عدم اعتماد اور علاقائی تعصبات کا کبھی نہ ختم ہونے والا فتنہ پیدا ہوگیا۔ اور بالآخر ۲۳ سال کی اس منافرت، بدعہدی، ناانصافی اور تعصب کے بعد وہی آبادی کی بنیاد پر نمائندگی کا اصول طے ہوا:

لیک بعد از خرابی بسیار

کیا ہماری قومی قیادت اگر اس جمہوری تقاضے کے تحت ابتداء ہی میں اپنے اس فریضہ کو پورا کردیتی تو پاکستان اس نوبت کو پہنچتا؟ اور کیا ہم ان تمام خطرات اور خدشات سے محفوظ نہ ہوتے جس نے آج ملک کو ایک خطرناک موڑ تک پہنچادیا ہے اور کیا اس ملک میں جمہوری نظام پوری قوم کے لئے ایک نعمت نہ بن چکا ہوتا جس کی وجہ سے ہم بیوروکریسی کی ان تمام سازشوں سے کبھی نہ گزرتے جس نے پاکستان میں تمام جمہوری اقتدار کا خاتمہ کرکے بالآخر آمریت کی راہ ہموار کی۔

غرض کہ اس مسئلہ پر جتنا بھی غور کیا جائے گا ہر تجزیہ اس نتیجہ پر پہنچائے گا کہ پاکستان کو اس نوبت تک پہنچانے کی ذمہ داری ہماری اس قومی قیادت پر عائد ہوتی ہے جس نے عوام کو اعتماد میں لئے بغیر اور عوام سے سروکار رکھے بغیر اپنے اقتدار کی خاطر ان قوتوں کی ہمت افزائی کی اور ان کی للّو پتو میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی جن سے ساز باز کرکے اپنے اقتدار کو بالا ہی بالا مستحکم کرنے کا مجرمانہ فعل کیا گیا اور پاکستان کے پسماندہ صوبوں، عظیم اکثریت، جمہوری تقاضوں، قومی خواہشات، عوام کی فلاح و بہبود اور تحریک پاکستان سے غداری کرکے ملک کو برطانوی ایجنٹوں، ملک دشمنوں اور خودغرض عناصر کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا اور ایک اتنی بڑی تحریک، منفرد مملکت اور قومی انفرادیت کے انقلابی امکانات کو معدوم کردیا گیا۔ حالانکہ اگر ہماری قیادت چاہتی تو وہ ہر مسئلہ قوم کے سامنے پیش کرکے، اسے عوامی تحریک بنا کر اور ان پر اعتماد کرکے بھی اپنے اقتدار کا تحفظ کرسکتی تھی اور یہ ایک مثبت، فعال اور جمہوری ذہنی انقلاب کی پیدائش کا سبب ہوتا جس کے ذریعے پاکستان کو جمہوریت اور اسلام کی مستحکم ترین تجربہ گاہ بنانے میں کامیابی ہوجاتی یہی ان کا فریضہ تھا۔ یہی قوم سے کئے ہوئے وعدوں کا تقاضا تھا اور یہی تحریک پاکستان کا مقصد تھا۔

Marfat.com

باب: تیرھواں

قرار دادِ مقاصد

Marfat.com

قراردادِ مقاصد

لیاقت علی خان

مسلم لیگ کے معتمد عمومی اور پاکستان کے اولین وزیر اعظم نوابزادہ لیاقت علی خان ۱۸۹۵ء کو ہریانہ کے ضلع کرنال میں پیدا ہوئے ۱۹۱۸ء کو ایم اے او کالج علی گڑھ سے بی اے کر کے ۱۹۱۹ء کو ایم اے کیا۔

۱۹۲۲ء کو انر ٹمپل (INNER TEMPLE) لندن سے بیرسٹر بنے اور پھر ہند آ گئے۔

مسلم لیگ نے ۴۶/۱۹۴۵ء کے انتخابات میں میرٹھ سے لیاقت علی خان کو زبردست کامیاب کرایا اور بالآخران کو ہند میں وزیر خزانہ بنایا گیا اور انہوں نے ۲۸ فروری ۱۹۴۷ء کو غیر منقسم ہند کا آخری اور یادگار عوامی بجٹ پیش کیا۔ پاکستان میں ۱۲ مارچ ۱۹۴۹ء کو لیاقت علی خان کی تحریک پر آئین ساز اسمبلی نے قرارداد مقاصد منظور کی۔

پہلے وزیر اعظم لیاقت علی خان نے قیام پاکستان کے بعد ہی پاکستان کا دستور محض اسلامی بنانے کے لئے مشرقی اور مغربی پاکستان کے بڑے بڑے علماء کو کام شروع کرا دیا تھا۔ ۱۹۵۶ء میں یہ دستور تیار ہوا۔ مملکت کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان رکھا۔ سربراہ مسلمان ہوگا۔ قرآن وسنت کے خلاف تمام قوانین منسوخ ہوں گے اور صرف اسلامی قانون نافذ ہوگا۔ قرآنی تعلیمات لازمی ہوگی۔ اسلامی اخوت کو فروغ دیا جائے گا۔ زکوٰۃ اوقاف اور مساجد کا انتظام کیا جائے گا اسلامی ممالک سے قریب تعلقات قائم کئے جائیں گے۔ ہر شہری کو تحریر وتقریر۔ انجمن سازی، مذہبی عبادات کی آزادی ہوگی۔ نواہی پر قدغن لگائی جائے گی وغیرہ۔ لیاقت علی خان ۱۹۵۶ء میں یہ دستور نافذ کرنا چاہتے تھے لیکن مخالفین کی سازش سے انہوں نے استعفیٰ دیدیا اور یہ دستور نافذ نہ ہوسکا۔ پھر ۱۹۶۲ء اور ۱۹۷۳ء میں تبدیلی اور ترامیم کے بعد یہ دستور نافذ نہ ہوسکا۔ ۱۹۷۳ء میں قادیانی جماعت کو کافر قرار دیا گیا۔ اب بھی Islamic Idealogy Council قائم ہے اور دشمنوں کی سازش کا شکار ہے۔

(اوراق گم گشتہ صفحہ ۱۷۹)

پاکستان کے پہلے وزیر اعظم نوابزادہ لیاقت علی خان کی تقریر

صدر محترم!

میں ذیل میں قراردادِ مقاصد OBJECTIVE RESOLUTION پیش کرتا ہوں۔ یہ قرارداد مقاصد ان اصولوں پر مبنی ہے جن پر پاکستان کا دستور اساسی مبنی ہوگا۔

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

چوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کل کائنات کا بلاشرکت غیرے حاکم مطلق ہے اور اسی نے جمہور کی وساطت سے مملکت پاکستان کو اختیار حکمرانی اپنی مقررہ حدود کے اندر استعمال کرنے کے لئے نیابت عطا فرمایا ہے اور چوں کہ یہ اختیار حکمرانی ایک مقدس امانت ہے، لہذا پاکستان کی نمائندہ مجلس دستور ساز فیصلہ کرتی ہے کہ آزاد ومختار مملکت پاکستان کے لئے ایک دستور مرتب کیا جائے۔

جس کی رو سے مملکت جملہ حقوق واختیارات حکمرانی جمہور کے منتخب نمائندوں کے ذریعہ سے استعمال کرے جس میں اصول جمہوریت وحریت، مساوات ورواداری اور عدل عمرانی کو جس طرح اسلام نے ان کی تشریح کی ہے پورے طور پر ملحوظ رکھا جائے۔

جس کی رو سے اس امر کا قرار واقعی انتظام کیا جائے کہ اقلیتیں آزادی کے ساتھ اپنے مذہبوں پر عقیدہ رکھ سکیں اور ان پر عمل کرسکیں اور اپنی ثقافت کو ترقی دے سکیں۔

جس کی رو سے وہ علاقے جو اب تک پاکستان میں داخل یا شامل ہوگئے ہیں اور ایسے دیگر علاقے جو آئندہ پاکستان میں داخل یا شامل ہوجائیں۔ ایک وفاقیہ بنائیں جس کے ارکان مقرر کردہ حدود اربعہ ومتعینہ اختیارات کے ماتحت خودمختار ہوں۔

جس کی رو سے بنیادی حقوق کی ضمانت لے جائے اور ان حقوق میں قانون اور اخلاق عامہ کے ماتحت مساوات حیثیت ومواقع، قانون کی نظر میں برابری، عمرانی، اقتصادی اور سیاسی عدل، خیال، اظہار، عقیدہ ودین وعبادات اور ارتباط کی آزادی شامل ہوں۔

جس کی رو سے اقلیتوں اور پسماندہ وپست طبقوں کے جائز حقوق کے تحفظ کا قرار واقعی انتظام کیا جائے۔

جس کی رو سے نظام عدل کی آزادی کامل طور پر محفوظ ہو۔

جس کی رو سے وفاقیہ علاقوں کی صیانت، اس کی آزادی اور اس کے جملہ حقوق کا جن مین اس کی بر وبحر اور فضا پر سیادت کے حقوق شامل ہیں، تحفظ کیا جائے۔ تاکہ اہل پاکستان فلاح وخوشحالی کی زندگی بسر کرسکیں۔ اقوام عالم کی صف میں اپنا جائز اور ممتاز مقام حاصل کرسکیں اور امن عالم کے قیام اور بنی نوع انسان کی ترقی وبہبود میں کماحقہ اضافہ کرسکیں۔

جناب والا! میں اس موقع کو ملک کی زندگی میں بہت اہم سمجھتا ہوں۔ باعتبار اہمیت صرف حصول آزادی ہی اس سے بلندتر ہے کیوں کہ حصول آزادی سے ہمیں اس بات کا موقع ملا کہ ہم ایک مملکت کی تعمیر اور اس کے نظام سیاست کی تشکیل اپنے نصب العین کے مطابق کرسکیں۔

میں ایوان کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ بابائے ملت قائداعظم نے اس مسئلہ کے متعلق اپنے جذبات کا متعدد موقعوں پر اظہار کیا تھا اور قوم نے ان کے خیالات کی تائید غیر مبہم الفاظ میں کی تھی۔ پاکستان اس کیلئے قائم کیا گیا کہ اس برصغیر کے مسلمان اپنی زندگی کی تعمیر اسلامی تعلیمات وروایات کے مطابق کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے کہ وہ دنیا پر عملاً واضح کردینا چاہتے تھے کہ آج

Marfat.com

حیات انسانی کو جو طرح طرح کی بیماریاں لگ گئی ہیں ان سب کے لئے اسلام اکسیر اعظم کا حکم رکھتا ہے۔ ساری دنیا تسلیم کرتی ہے کہ ان برائیوں کا اصل سبب یہ ہے کہ انسان اپنی مادی ترقی کے ساتھ قدم نہ بڑھا سکا اور انسان دماغ نے سائنسی ایجادات کی شکل میں جو جن اپنے اوپر مستولی کرلیا ہے، اب اس سے نہ صرف انسانی معاشرے کے سارے نظام اور اس کے مادی ماحول کی تباہی کا خطرہ پیدا ہوگیا ہے بلکہ اس مسکن خاکی کے بھی تباہ ہو جانے کا اندیشہ ہے جس پر انسان آباد ہے۔

یہ عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ اگر انسان نے زندگی کی روحانی قدروں کو نظر انداز نہ کیا ہوتا اور اگر خدا کی نسبت اس کا اعتقاد کمزور نہ ہوگیا ہوتا تو اس سائنسی ترقی سے خود اس کی ہستی ہرگز خطرہ میں نہ پڑتی۔ محض وجود باری کا احساس انسانیت کو اس تباہی سے بچا سکتا ہے، جس کا منشاء یہ ہے کہ انسان کو قوتیں حاصل ہیں ان سب کو ایسے اخلاقی معیاروں کے مطابق استعمال کرنا لازمی ہے جو وحی سے فیضیاب ہونے والے ان معلموں نے معین کر دیئے ہیں جنہیں ہم مختلف مذاہب کے جلیل القدر پیغمبر سمجھتے ہیں۔

مقتدر اعلیٰ اللہ تعالیٰ

ہم پاکستانی ہوتے ہوئے اس بات پر شرمندہ نہیں ہیں کہ ہماری غالب اکثریت مسلمان ہے اور ہمارا اعتقاد ہے کہ ہم اپنے ایمان اور نصب العین پر قائم رہ کر ہی دنیا کی فوز و فلاح میں حقیقی اضافہ کر سکتے ہیں۔ لہذا جناب والا آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ اس قرارداد کی تمہید میں صاف اور صریح الفاظ میں یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ تمام اختیار و اقتدار کا ذات الٰہی کے تابع ہونا لازمی ہے۔ یہ بالکل درست ہے کہ مغربی تصور مملکت یہ ہے کہ اس کے نظام حکومت میں روحانی اور اخلاقی قدروں کو مطلق دخل نہیں ہونا چاہئے اس لئے شاید اس بات کا خیال بھی رواج کے کسی قدر خلاف ہی سمجھا جاتا ہے کہ مملکت کو خیر کا آلہ ہونا چاہئے نہ کہ شر کا، لیکن ہم پاکستانیوں میں اتنی جرأت ایمانی ہے کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ تمام اقتدار اسلام کے قائم کردہ معیاروں کے مطابق استعمال کیا جائے گا کہ اس کا غلط استعمال نہ ہو سکے۔ اقتدار تمام تر ایک مقدس امانت ہے جو خداوند تعالیٰ کی طرف سے ہمیں اس لئے تفویض ہوا ہے کہ ہم اسے نوع انسانی کی خدمت کے لئے استعمال کریں اور یہ امانت ظلم و تشدد اور خود غرضی کا آلہ نہ بن جائے۔

جمہوریت

بہر صورت میں یہ چاہتا ہوں کہ اس سے ہرگز یہ مراد نہیں ہونا چاہئے کہ ہم حکمرانوں اور بادشاہوں کے ظل الٰہی ہونے کے فرسودہ نظریہ کو پھر سے زندہ کریں، کیوں کہ جذبہ اسلامی کے تحت تمہید قرارداد میں اس حقیقت کو کلی طور پر تسلیم کرلیا گیا ہے کہ خدا نے اختیارات سوائے جمہور کے کسی اور کو تفویض نہیں کئے اور اس کا فیصلہ ہے خود جمہور ہی کو کرنا ہوگا کہ یہ اقتدار کن لوگوں کے ذریعہ استعمال کیا جائے گا۔ اس لئے قرارداد میں یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ مملکت تمام حقوق و اختیارات کو عوام کے منتخب کردہ نمائندوں کے ذریعہ کام میں لائے گی۔ یہی جمہوریت کا نچوڑ ہے، کیوں کہ جمہور ہی کو اختیار کی امانت کا حامل تسلیم کیا گیا ہے۔ پھر جمہور ہی کو ان اختیارات کے استعمال کا مجاز ٹھہرایا گیا۔

Marfat.com

تھیوکریسی کی نفی

جناب والا! میں نے ابھی عرض کیا تھا کہ اختیارات کے حقیقی حامل جمہور ہیں چناں چہ قدرتی طور پر ''تھیوکریسی'' کے لغوی معنی ''خدا کی حکومت'' ہیں اور اس اعتبار سے تو کل کائنات ہی ''تھیوکریسی'' ہوئی کیوں کہ کائنات کا کون سا گوشہ ایسا ہے جہاں اسے قدرت حاصل نہیں۔ لیکن اصطلاح میں ''تھیوکریسی'' کلیسائی حکومت کو کہتے ہیں، یعنی برگزیدہ پادریوں کی حکومت جو محض اس بناء پر اختیار رکھتے ہوں کہ وہ ایسے اہل تقدس کی طرف سے خاص طور پر مقرر کیے گئے ہیں جو اپنے مقام تقدس کے اعتبار سے ان حقوق کے دعویدار ہیں اور میں اس امر پر جتنا بھی زور دوں کم ہوگا کہ یہ تصور اسلام سے قطعاً بعید ہے۔ اسلام ملائیت یا کسی حکومت مشائخ کو تسلیم نہیں کرتا۔ اس لئے اسلام میں ''تھیوکریسی'' کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اگر کوئی شخص اب بھی پاکستان کے نظام حکومت کے ضمن میں ''تھیوکریسی'' کا ذکر کرتا ہے تو وہ یا تو کسی شدید غلط فہمی کا شکار ہے یا شرارت سے ہمیں بدنام کرنا چاہتا ہے۔

مساوات وعدلِ عمرانی

جناب والا! اب میں آپ کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کراتا ہوں کہ قرارداد مقاصد میں جمہوریت، حریت، مساوات، رواداری اور عدل عمرانی کے اصولوں پر زور دیا گیا ہے اور اس کی مزید صراحت یہ کردی گئی ہے کہ دستور مملکت میں ان اصولوں کو اس تشریح کے مطابق ملحوظ رکھا جائے جو ان الفاظ کی اسلام نے کی ہے۔ ان الفاظ کی صراحت کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ یہ بالعموم مبہم طور پر استعمال کیے جاتے ہیں، مثلاً مغربی حکومتیں اور اشتراکی روس دونوں اس امر کا دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کے نظام حکوت جمہوریت پر مبنی ہیں لیکن ہر شخص جانتا ہے کہ وہ کس قدر مختلف ہیں۔ اس لئے یہ ضروری سمجھا گیا کہ ان الفاظ کے مفہوم کا تعین کردیا جائے کہ ہر شخص کے ذہن میں ان کا مفہوم آجائے۔ جس وقت ہم جمہوریت کا لفظ اس کے اسلامی مفہوم میں استعمال کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جمہوریت ہماری زندگی کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہے اس کا اطلاق جتنا ہمارے نظام حکومت پر ہے اتنا ہی ہمارے معاشرے پر بھی ہے کیوں کہ اسلام نے دنیا کو عظیم الشان صفتوں سے مالا مال کیا ہے۔ ان میں سے ایک عام انسانوں کی مساوات ہے۔ اسلام کو نسل، رنگ اور نسب کے امتیازات کو تسلیم نہیں کرتا۔ انحطاط کے دور میں بھی اسلامی معاشرہ ان کے تعصّبات سے نمایاں طور پر پاک رہا جنہوں نے دنیا کے دوسرے انسانوں کے باہمی تعلقات کو زہر آلود کردیا تھا۔

اسی طرح ہماری رواداری کی روایات بھی عظیم الشان ہیں۔ قرون وسطی میں اقلیتوں کو کسی نظام حکومت کے تحت وہ مراعات حاصل نہیں ہوئیں جو مسلمان ملکوں میں ان کو حاصل تھیں۔ جس زمانے میں کلیسا سے اختلافات رکھنے والے مسیحوں اور مسلمانوں کو اذیتیں دی جاتی تھیں اور انہیں گھروں سے نکالا جاتا تھا، اسلام ان سب کا مامن و ملجا ثابت ہوا جنہیں مظالم کا نشانہ بنایا جارہا تھا اور جو تنگ آکر بھاگ نکلنے پر مجبور ہوئے تھے۔ زندہ جلانے کا تصور بھی اسلام میں کبھی نہیں آیا۔ تاریخ کا یہ مشہور

Marfat.com

واقعہ ہے کہ جب سامیوں سے نفرت کے تحت بہت سے یہودیوں کو یورپ کے ممالک سے نکال دیا گیا تو سلطنت عثمانیہ نے انہیں اپنے یہاں پناہ دی۔ مسلمانوں کی رواداری کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ دنیا میں کوئی اسلامی ملک ایسا نہیں ہے جہاں اقلیتیں کافی تعداد میں موجود نہ ہوں اور جہاں وہ اپنے مذہب اور ثقافت کو برقرار نہ رکھ سکی ہوں۔ ہندوستان کے اس برصغیر میں جہاں کبھی مسلمانوں کو لامحدود اختیارات حاصل تھے، غیر مسلموں کا پاس ولحاظ رکھا گیا اور ان کا ہمیشہ تحفظ کیا گیا۔

جناب والا! میں آپ کی توجہ سے اس طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ مسلمانوں ہی کی سرپرستی میں ہندوستان کی بہت سی زبانوں کو فروغ حاصل ہوا۔ میرے بنگال سے آنے والے دوستوں کو یاد ہوگا کہ یہ صرف مسلمان حکمرانوں کی حوصلہ افزائی ہی کا نتیجہ تھا کہ سب سے پہلے ہندوؤں کی مقدس کتابوں کا ترجمہ سنسکرت سے بنگال میں کیا گیا۔ یہی وہ رواداری ہے جس کا تصور ہمیشہ اسلام نے پیش کیا۔ جس میں اقلیتیں ذلت ورسوائی کی حالت میں نہیں رہتیں بلکہ باعزت طریقہ پر زندگی بسر کرتی ہیں اور انہیں اپنے نظریات اور اپنی ثقافت کو فروغ دینے کے مواقع دیئے جاتے ہیں تاکہ وہ پوری قوم کی عظمت میں اضافہ کرسکیں۔

جناب والا! جہاں تک عدل عمرانی کا تعلق ہے، میں کہوں گا کہ اسلام اس میں امتیازی اضافہ کرتا ہے۔ اسلام ایک ایسے معاشرے کے قیام کا حامی ہے جس میں عدل عمرانی کا تصور نہ خیرات پر مبنی ہے نہ تشدد۔ اسلام جو عمرانی عدل قائم کرنا چاہتا ہے وہ ان بنیادی ضابطوں اور تصورات پر مبنی ہے جو انسان کی زندگی کو احتیاط سے پاک رکھنے کے ضامن ہیں اور جو دولت آزادی سے مالا مال کردینے والے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جمہوریت، آزادی، مساوات، رواداری اور عدل عمرانی کیا ایسی تعریف کی گئی ہے جس کی وجہ سے ہمارے خیال کے مطابق ان الفاظ کے عام معنی کی بہ نسبت زیادہ گہرے اور وسیع معانی پیدا ہوگئے ہیں۔

اسلامی زندگی کے لئے تیاری

قرارداد کی اس دفعہ کے بعد یہ دفعہ درج ہے کہ مسلمانوں کو اس قابل بنایا جائے کہ انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی زندگی کو اسلامی تعلیمات و مقتضیات کے مطابق جو قرآن مجید اور سنت رسول ﷺ میں متعین ہیں، ترتیب دے سکیں۔ یہ امر بالکل ظاہر ہے کہ اگر مسلمانوں کو اس قابل بنایا جائے کہ وہ اپنی زندگی اپنے مذہب کی تعلیمات کے مطابق بنالیں تو اس پر کسی غیر مسلم کو اعتراض نہیں ہونا چاہئے۔

جناب والا! حکومت ایک غیر جانبدار تماشائی کی حیثیت سے اس امر پر اکتفا نہیں کرے گی کہ مسلمانوں کو اس مملکت میں صرف اپنے مذہب کو ماننے اور اس پر عمل کرنے کی آزادی حاصل ہو، کیوں کہ حکومت کے اس طریق عمل کا مطلب یہ ہوگا کہ جو مقاصد پاکستان کے مطالبہ کے محرک تھے، انہی کی خلاف ورزی ہو حالانکہ یہ مقاصد اس مملکت کا سنگ بنیاد ہونے چاہئے جسے ہم تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ یہ مملکت ایک ایسا ماحول پیدا کرے گی جو ایک حقیقی اسلامی معاشرہ کی تعمیر میں ممد ومعاون ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مملکت کو اپنی مساعی میں مثبت پہلو اختیار کرنا ہوگا۔

Marfat.com

جناب والا! آپ کو یاد ہو گا کہ قائداعظم اور مسلم لیگ کے دوسرے رہنماؤں نے ہمیشہ یہ واضح اور غیر مبہم اعلانات کئے کہ پاکستان کے قیام کے لئے مسلمانوں کے ہاں اپنا طریق زندگی اور ضابطہ اخلاق موجود ہے۔ انہوں نے بار بار اس امر پر بھی زور دیا کہ اسلام کا مطلب صرف یہ نہیں ہے کہ خدا اور بندہ کے درمیان ایک ایسا تعلق قائم ہو جسے مملکت کے کاروبار میں کسی قسم کا دخل نہ ہو بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام میں عمرانی اخلاق کے متعلق مخصوص ہدایات ہیں اور اسلام روزمرہ پیش آنے والے مسائل کے متعلق معاشرہ کے طرز عمل کی رہنمائی کرتا ہے۔ اسلام صرف ذاتی عقائد اور اخلاق کا نام نہیں ہے بلکہ اپنے پیروؤں سے توقع کرتا ہے کہ وہ ایک ایسے معاشرے کی تعمیر کریں جس کا مقصد حیات صالح ہو۔ یونانیوں کے برخلاف اسلام نے صالح زندگی کا جو تصور پیش کیا ہے اس کی اساس لازماً روحانی اقدار پر قائم ہے۔ ان اقدار کو اہمیت دینے اور انہیں نافذ کرنے کے لئے مملکت پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ مسلمانوں کی سرگرمیوں کی اس طریقہ پر ہم نوائی کریں کہ ایک ایسا نیا عمرانی نظام قائم ہو جائے جو اسلام کے بنیادی اصولوں پر مبنی ہو، جن میں جمہوریت، حریت، رواداری اور عمرانی عدل شامل ہیں۔ ان کا ذکر تو میں تمثیلاً کیا ہے کیونکہ وہ اسلامی تعلیمات جو قرآن اور سنت نبوی ﷺ پر مشتمل ہیں محض اس پر ختم نہیں ہو جاتیں۔ کوئی مسلمان ایسا نہیں ہو سکتا جس کا اس پر ایمان نہ ہو کہ کلام اللہ اور اسوہ رسول ﷺ ہی اس کے روحانی فیضان کے بنیادی سرچشمے ہیں۔ ان کے متعلق مسلمانوں کے مابین کوئی اختلاف رائے نہیں اور اسلام کا کوئی فرقہ نہیں ہے جو ان کے وجود کو تسلیم نہ کرتا ہو۔

فرقہ پرستی نہیں

لہٰذا کسی ایسے فرقے کو جو پاکستان میں اقلیت میں ہو، اس مملکت کی نیت کی طرف سے اپنے دل میں غلط فہمی نہیں رکھنا چاہئے۔ یہ مملکت ایک ایسا اسلامی معاشرہ پیدا کرنے کی سعی کرے گی جو باہمی تنازعات سے مبرا ہو۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ اعتقادات کے معاملہ میں مسلمانوں کے کسی طبقے کی آزادی سلب کر لے گا۔ کسی فقہ کو خواہ وہ اقلیت میں ہو یا کثریت میں، یہ اجازت نہیں ہو گی کہ وہ دوسروں کو اپنا تحکم قبول کرنے پر مجبور کرے۔ اپنے اندرونی معاملات اور فرقہ وارانہ اعتقادات میں تمام فرقوں کو کامل آزادی اور وسعت خیال و مشرب حاصل ہو گی۔ درحقیقت ہمیں یہ امید ہے کہ مختلف فرقے اس منشا کے مطابق عمل کریں گے جو اس حدیث میں مذکور ہے کہ میری امت کے لوگوں میں اختلاف رائے ایک نعمت ہے۔ اب یہ ہمارا کام ہے کہ اپنے اختلافات کو اسلام اور پاکستان کے لئے باعث استحکام بنائیں اور چھوٹے موٹے مفادات کے لئے ناجائز فائدہ نہ اٹھائیں کیونکہ اس طرح پاکستان اور اسلام دونوں کمزور ہو جائیں گے۔ بسا اوقات اختلافات رائے ہم آہنگی اور ترقی کا ذریعہ بن جاتے ہیں لیکن یہ صرف اسی طرح ہو سکتا ہے کہ رائے کے اختلافات میں اس امر کی اجازت نہ دی جائے کہ وہ ہمارے حقیقی نصب العین کو جو اسلام کی خدمت اور اس کے مقاصد کو ترقی دینا ہے، نظروں سے اوجھل کر دیں۔ بس ظاہر ہے کہ اس دفعہ کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کو ایک ایسا نظام سیاست قائم کرنے کی سہولت حاصل ہو جائے جس کے ذریعے دنیا پر واضح ہو سکے کہ اسلام دنیا میں نہ صرف ایک ترقی پسند طاقت ہے بلکہ وہ ان گوناگوں خرابیوں کا علاج بھی مہیا کرتا ہے جن میں بنی نوع انسان مبتلا ہے کیوں

Marfat.com

کہ مسلمانوں کو اپنی پستی اور محکومی کے طویل دور میں ہمیشہ اس قسم کے موقع کی تلاش رہی ہے۔

غیر مسلموں کے حقوق محفوظ

ایک ایسا اسلامی معاشرہ تعمیر کرنے کے مقصد میں ہم نے غیر مسلموں کے حقوق کو نظر انداز نہیں کیا۔ اگر ہم اقلیتوں کی آزادی میں مداخلت کرنے کی کوشش کرتے تو یہ ایک غیر اسلامی فعل ہوتا اور ہم یقیناً اپنے مذہبی احکام کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوتے۔ اقلیتوں کو اپنے مذہب پر چلنے، اس کی حفاظت کرنے یا اپنی ثقافت کو فروغ دینے سے کسی طرح بھی روکا نہیں جا سکتا۔ اسلامی ثقافت کی نشوونما کی تاریخ بتاتی ہے کہ مسلمان حکومتوں اور سلطنتوں کے تحت زندگی بسر کرنے والی اقلیتوں کی ثقافتیں میراث کی اس دولت میں اضافہ کرنے کے موجب ہوئیں جس مسلمانوں نے اپنے لئے مہیا کی تھی۔ میں اقلیتوں کو یقین دلاتا ہوں کہ ہمیں اس امر کا پورا پورا احساس ہے کہ اگر اقلیتیں انسانی علم وفکر کی دولت میں اضافہ کرسکیں تو یہ امر پاکستان کی نیک نامی میں اضافہ کا موجب ہوگا اور ہماری قومی زندگی کو چار چاند لگادے گا۔ اس لئے اقلیتوں کو نہ صرف کامل آزادی کی توقع کرنی چاہئے بلکہ یہ امید بھی رکھنی چاہیے کہ اکثریت ان کے ساتھ قدردانی اور احترام کا وہی برتاؤ کرے گی جو تاریخ میں ہمیشہ مسلمانوں کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔

وفاق حکومت

جناب والا! قرارداد میں وفاقی طرز حکومت کا ذکر کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جغرافیائی حالات اس طرز حکومت ہی کے متقضی ہیں۔ اس صورت میں جب کہ ہمارے ملک کے دو حصوں کے درمیان ایک ہزار میل سے بھی زیادہ فاصلہ ہے، وحدانی مرکزی حکومت کے قیام کا خیال بیکار ہے۔ لیکن میں امید کرتا ہوں کہ مجلس دستور ساز ان واحدوں کو ایک دوسرے سے قریب تر لانے اور ایسے رابطے پیدا کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کرے گی جن سے ہماری قوم خوب منظم ہو جائے۔ میں نے ہمیشہ صوبہ پرستی کے جذبات کو دبانے کی حمایت کی ہے مگر میں اس امر کو واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ کسی ایسی بات کی اجازت نہ دینی چاہئے جو کسی طرح قومی اتحاد کو کمزور کرنے کا موجب بنے۔ نیز آبادی کے مختلف فرقوں کے موجودہ باہمی تعلقات کو بہتر بنانے کا بندوبست کیا جائے۔ اس مقصد کے لئے مجلس دستور ساز کو اس مسئلہ پر از سر نو غور کرنا پڑے گا کہ کون سے امور مرکز کے تحت ہونے چاہئیں اور کون سے واحدوں کے پاس رہیں گے اور یہ کہ ہمارے نظام میں واحدوں کا تعین کس طرح کیا جائے۔

بنیادی حقوق

صاحب صدر! بعض بنیادی حقوق کے تحفظ کا یقین دلانا بھی ایک رسم سی ہوگئی ہے لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہمارا مقصد ہر گز یہ نہیں ہے کہ ہم ایک ہاتھ سے حقوق دیں اور دوسرے سے واپس لے لیں۔ میں اس بات کے ثبوت میں بہت کچھ کہہ چکا ہوں کہ ہم ایک حقیقی وسیع الخیال حکومت بنانا چاہتے ہیں جس کے تمام امکان کو زیادہ سے زیادہ آزادی حاصل ہوگی۔ قانون کی نظر میں سب برابر ہوں گے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان کے پرسنل لاء کا تحفظ نہیں کیا جائے گا۔ عدل کے

Marfat.com

معاملے میں مساوات ہمارا عقیدہ ہے۔ یہ ہمارا پختہ یقین ہے اور ہم نے اکثر جگہ اس کا اعلان کیا ہے کہ پاکستان مفاد پرستوں اور مالداروں طبقوں کے لئے نہیں بنا ہے۔ ہمارا مقصد اقتصادی نظام کو اسلام کے بنیادی اصولوں پر تعمیر کرنا ہے کیوں کہ یہ دولت کی بہتر تقسیم میں اور ناداری کو رفع کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ اپنے عروج پر پہنچنے میں جو وجوہ انسان کے لئے مانع رہیں، وہ افلاس اور پسماندگی ہیں اور پاکستان سے ہم ان کو مٹا کر چھوڑیں گے۔ ہمارے عوام اس وقت غریب اور جاہل ہیں لیکن ہمیں ان کا معیار زندگی ضرور بلند کرنا اور انہیں افلاس اور جہالت کی زنجیروں سے آزاد کرانا چاہئے۔ جہاں تک سیاسی حقوق کا تعلق ہے، حکومت کے پیش نظر حکمت عملی اور حکومت چلانے کے لئے ان ارکان کو انتخاب کرنے میں ہر شخص کو دخل حاصل ہوگا تاکہ وہ اپنا کام عوام کے مفاد میں خیال رکھ کر کریں۔ چوں کہ ہمیں یہ یقین ہے کہ خیالات پر کوئی پابندی نہیں عائد کی جاسکتی اس لئے ہم نہیں چاہتے کہ کسی شخص کو اس کے خیالات کے اعتبار سے باز رکھیں اور نہ ہم کسی کو جائز اور اخلاقی مقاصد کے پیش نظر ربط وانتساب سے روکنا چاہتے ہیں۔ مختصر یہ کہ ہم اپنے نظام حکومت کی بنیاد آزادی، ترقی اور عدل عمرانی پر رکھنا چاہتے ہیں۔ ہم سماجی تفاریق کو اس طریقہ سے ختم کرنا چاہتے ہیں کہ کسی کو نقصان نہ پہنچے اور انسانی خیالات اور جائز رجحانات پر بھی پابندیاں عائد نہ ہوں۔

اقلیتوں کا تحفظ

جناب والا! اقلیتوں کے بہت سے مفاد ایسے ہیں جن کا وہ بجا طور پر تحفظ چاہتی ہیں۔ یہ قرارداد اس تحفظ کی ضامن ہے۔ ہماری خاص ذمہ داری پست اور پسماندہ لوگوں کی نسبت ہے۔ ہم ان کی حفاظت سے پوری طرح آگاہ ہیں کہ وہ اپنی موجودہ حالت میں بغیر کسی قصور کے مبتلا ہیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ ہم ان کے حالات سے اس حالت تک پہنچنے کے کسی طرح بھی ذمہ دار نہیں ہیں۔ لیکن اب چوں کہ وہ ہمارے شہری ہیں اس لئے ہماری خاص کوشش یہ ہوگی کہ ہم انہیں دیگر شہروں کے بدوش بدوش لے آئیں تاکہ وہ ان ذمہ داریوں کو سنبھال سکیں جو ایک آزاد اور ترقی پسند مملکت کے شہری ہونے کے کی حیثیت سے ان پر عائد ہوتی ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ جب تک ہمارے عوام میں پسماندہ طبقے موجود ہیں، ہمارے معاشرہ کی ترقی کی رفتار سست رہے گی۔ لہٰذا مملکت کی تعمیر کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم ان طبقوں کے مفادات کو ملحوظ رکھیں۔

روشن مستقبل

آخر میں صاحب صدر! یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ ہمیں پختہ یقین ہے کہ ہم پاکستان کو ان اصولوں پر ڈھال کے جن کی توضیح کر دی گئی ہے، اس مملکت کو ترقی کی راہ پر ڈال دیں گے۔ وہ دن دور نہیں جب پاکستان ایک ایسا ملک بن جائے گا جس کے باشندے بلاتمیز عقائد وحیثیت اس پر فخر کریں گے۔ مجھے یقین ہے کہ ہمارے عوام بڑی صلاحیتوں کے حامل ہیں۔ انہوں نے بے بہا قربانیوں اور اس قابل تعریف ضبط ونظم کی بدولت جس کا مظاہرہ انہوں نے ایک ابتدائی اور نازک دور میں کیا، تمام دنیا سے خراج تحسین حاصل کر لیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ایسی قوم نہ صرف زندہ رہنے کی مستحق ہے بلکہ وہ انسانیت کی فلاح وترقی میں بھی لازمی طور پر اضافہ کرے گی۔ یہ ضروری ہے کہ ہماری قوم جذبہ وقربانی کو زندہ رکھے اور اپنے اعلیٰ نصب العین پر قائم

Marfat.com

رہے۔ پھر قدرت اسے امور عالم میں عظیم الشان مرتبہ عطا کرے گی اور اسے انسانیت کی تاریخ میں زندہ جاوید بنا دے گی۔

جناب والا! یہ قوم زبردست کامیابیوں کی روایات رکھتی ہے۔ اس کی تاریخ کارناموں سے بھرپور ہے۔ اس نے زندگی کے ہر شعبہ میں کامیابی کے ساتھ پورا پورا حصہ لیا ہے۔ ہماری قوم کی بہادری کے کارنامے قومی تاریخ کی زینت ہیں۔ یہ وہ قوم ہے جس کے ارباب نظم ونسق نے ایسی روایات قائم کی ہیں جو زمانہ کی دستبرد سے اب تک محفوظ ہیں۔ اس کے تخلیقی فنون میں شعروشاعری، فن تعمیر اور جمالیاتی ذوق کے لئے اسے خراج تحسین ادا کیا گیا ہے۔ روحانی عظمت کے لحاظ سے یہ قوم عدیم المثال ہے۔ اب پھر یہی قوم راہ عمل پر گامزن ہے اور اگر اسے ضروری مواقع میسر آجائیں تو وہ اپنی شاندار کامیابیوں کی سابقہ عظیم الشان روایات کو پھاند کر ان سے بہتر کام کر دکھائے گی۔ یہ قرارداد مقاصد اس ماحول کے پیدا کرنے کی طرف پہلا قدم ہے جس میں قوم کی روح پھر بیدار ہو جائے گی۔ ہم لوگوں کو قدرت نے قوم کی اس نشاۃ ثانیہ کے زبردست ہنگامہ میں حصہ لینے کے لئے خواہ وہ کتنا ہی حقیر اور غیر اہم ہو، منتخب کیا ہے اور ہم ان زبردست گوناگوں مواقع سے جو ہمیں حاصل ہیں، محو حیرت ہیں۔ ہمیں چاہئے کہ ہم ان مواقع سے خردمندی اور دوراندیشی کے ساتھ فائدہ اٹھائیں اور مجھے اس میں ذرا بھی شک نہیں ہے کہ اس اللہ کے فضل وکرم سے جس کی رحمت سے پاکستان قائم ہوا ہے، ہماری یہ کوشش ہماری بڑی سے بڑی توقعات سے بڑھ کر بارآور ہوگی۔ بڑی قوموں میں اپنی میراث روز روز نہیں ملتی، قوم کی نشاۃ ثانیہ کا باب ہر روز نہیں کھلتا اور ہر روز قدرت مظلوموں اور محکوموں کو نہیں ابھارتی اور انہیں شاندار مستقبل کی طرف بڑھنے کی بار بار دعوت نہیں دیتا۔ روشنی کی کرنیں افق پر تحریر ہو کر طلوع ہونے والے روزِ روشن کا پیش خیمہ بن رہی ہیں اور ہم اس تحریر کا اس قرارداد کی شکل میں خیر مقدم کرتے ہیں۔

(تصور پاکستان صفحہ ۱۴۷ تا ۱۶۰)

لیاقت علی خان اور سیاسی وخارجی حکمتِ عملی

۱۴ اکتوبر 1951ء کو راولپنڈی کے کمیٹی باغ میں ایک افغان باشندے سید اکبر نے انہیں گولی مار کر قتل کر دیا۔ سید اکبر کو موقع پر ہی سب انسپکٹر محمد شاہ نے قتل کر دیا تاکہ سازش وقتی طور پر بے نقاب نہ ہو سکے۔ ۱۷ اکتوبر کو قائداعظم محمد علی جناح کے مقبرے کے احاطے میں آپ کو سپرد خاک کر دیا گیا۔ لیاقت علی خان سے بعض افراد نے شدید اختلاف بھی کیا کہ جن میں محترمہ فاطمہ جناح نمایاں ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ لیاقت علی خان سے کوئی غلطی نہیں ہوئی۔ انہوں نے امریکہ کا دورہ کر کے بہت بڑی غلطی کی کہ جس کی سزا ہم آج تک بھگت رہے ہیں۔ امریکہ چالاک لومڑی ہے کہ جسے لیاقت علی خان نہ سمجھ پائے۔ بہر حال امریکہ میں انہوں نے پاکستان کے اغراض ومقاصد پر تفصیل سے روشنی ڈالی آپ نے واشنگٹن میں خطاب کرتے ہوئے کہا کہ:

Pakistan was founded by indomitable will of a hundred million Muslims who felt that they were a nation too numerous and too distinct to be relegated forever to the unalterable position of political minority, specially when in the vast subcontinent which was their homeland, there was enough room for to great nations the hindus and the muslims to enjoy peace and full Sovereignty in their respective dominious. (56).

Marfat.com

لیاقت علی خان نے ۲۳ جنوری ۱۹۴۹ء کو گورنر جنرل کو پنجاب اسمبلی توڑنے کا مشورہ دیا اس طرح انہوں نے پاکستان میں اسمبلی توڑنے کا رواج ڈالا۔ (دھند ٹوٹ گیا ۷۵ تا ۷۷)

مجلس دستور ساز میں شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانی کی تقریر

قرارداد مقاصد کی تائید میں مولانا شبیر احمد عثمانی نے ۹ مارچ ۱۹۴۹ء کو مندرجہ ذیل تقریر فرمائی:

جناب صدر محترم! قرارداد مقاصد کے اعتبار سے جو مقدس اور محتاط تجویز آنریبل مسٹر لیاقت علی خان صاحب نے ایوان ہذا کے سامنے پیش کی ہے، میں نہ صرف اس کی تائید کرتا ہوں بلکہ آج اس بیسویں صدی میں (جب کہ ملحدانہ نظریات حیات کی شدید کشمکش اپنے انتہائی عروج پر پہنچ چکی ہے) ایسی چیز کے پیش کرنے پر موصوف کے عزم و ہمت اور جرأت ایمانی پر مبارکباد دیتا ہوں۔

اگر غور کیا جائے تو یہ مبارک باد فی الحقیقت میری ذات کی طرف سے نہیں بلکہ اس پسی ہوئی اور کچلی ہوئی روح انسانیت کی جانب سے ہے جو خالص مادہ پرست طاقتوں کی حریفانہ حرص و آزار قیبانہ ہوس ناکیوں کے میدان کارزار میں مدتوں سے پڑی کراہ رہی ہے۔ اس کے کراہنے کی آوازیں اس قدر دردانگیز ہیں کہ بعض اوقات اسکے سنگدل قاتل بھی گھبرا اٹھتے ہیں اور اپنی جارحانہ حرکات پر نادم ہو کر تھوڑی دیر کے لئے مداوا تلاش کرنے لگتے ہیں۔ مگر پھر علاج و دوا کی جستجو میں وہ اسلئے ناکام رہتے ہیں کہ جو مرض کا اصل سبب ہے اسی کو دوا اور اکسیر سے سوا سمجھ لیا جاتا ہے۔

یاد رکھئے! دنیا اپنے خود ساختہ اصولوں کے جس جال میں پھنس چکی ہے اس سے نکلنے کے لئے جس قدر پھڑ پھڑائے گی اسی قدر جال کے حلقوں کی گرفت اور زیادہ سخت ہوتی جائے گی۔ وہ صحیح راستہ گم کر چکی ہے۔ جو راستہ اب اختیار کر رکھا ہے اس پر جتنے زور سے بھاگے گی وہ حقیقی فوز و فلاح کی منزل سے دور ہی ہوتی چلی جائے گی۔

ہمیں اپنے نظام حیات کو درست اور کامیاب بنانے کے لئے ضروری ہے کہ ہمارا انجن جس لائن پر اندھا دھند چلا جا رہا ہے اسے تبدیل کریں اور جس طرح بعض دفعہ لائن تبدیل کرتے وقت گاڑی کو کچھ پیچھے ہٹانا پڑتا ہے ایسے ہی صحیح لائن پر آگے بڑھنے کی غرض سے ہمیں کچھ پیچھے ہٹنا پڑے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اگر ایک شخص کسی راستہ پر بے تحاشہ دوڑ رہا ہے اور ہم دیکھیں کہ چند قدم آگے بڑھنے پر وہ کسی ہلاکت کے غار میں جا پڑے گا تو ہم خاموش نہیں رہ سکتے۔ اسے ادھر سے پیچھے ہٹا کر صاف اور سیدھی شاہراہ پر ڈالنے کی کوشش کریں گے۔ یہ ہی حال آج دنیا کا ہے۔ اگر ہماری اس نئی اور بے چین دنیا کو اپنے تباہ کن مصائب سے چھٹکارا حاصل کرنا ہے تو اسے حالات کا بالکل جڑ اور بنیاد سے ازسرنو جائزہ لینا ہوگا۔ کسی درخت کی شاخوں اور پتوں پر پانی چھڑکتے رہنا بیکار ہے۔ اگر اس کی جڑ جو سینکڑوں من مٹی کے نیچے دبی ہوئی ہے مضبوط نہ ہو۔ آج کے بہت سے بکھرے ہوئے مسائل خواہ ان سے آپ کو کتنی ہی دلچسپی اور شغف کیوں نہ ہو کبھی ٹھیک طور پر سنور اور سلجھ نہیں سکتے۔ جب تک ان کے اصول بلکہ اصل الاصول درست نہ ہو جائے۔ قدامت پرستی اور رجعت پسندی کے طبقوں سے نہ گھبرایئے بلکہ کشادہ

Marfat.com

دل ودماغ کے ساتھ ایک متجسس حق کی طرح الجھی ہوئی ڈور کا سرا پکڑنے کی کوشش کیجئے۔ جو باتیں طاقتور اور ذی اقتدار قوموں کے زبردست پروپیگنڈا یا غیر شعوری طور پر ان کے حاکمانہ اقتدار اور مسحور کن مادی ترقیات کے زور اثر سے بطور مسلمات عامہ، اصول موضوعہ اور مفروع منہا صداقتوں کے تسلیم کر لی گئی ہیں، ان ہی پر تجدید فکر ونظر کی ضرورت ہے۔ اس پکے ارادے کے ساتھ کہ جس چیز پر ہم صدیوں کی کوششوں کے نتیجہ میں اعتقاد جمائے بیٹھے تھے، وضوح حق کے بعد ایک لمحہ کے لئے اس پر قائم رہنا ہم جرم عظیم سمجھیں گے۔ اگر دنیا کو انسانیت کی حقیقی فلاح کے لئے کسی نتیجہ پر پہنچنا ہے تو اسے ان قدیم اور اٹل نظریات پر ضرور غور کرنا ہوگا جنہیں مادی ومعاشی مسابقت کی بے تحاشا دوڑ میں بہت سے قومیں پیچھے چھوڑ آئی ہیں۔ اسے یوں خیال کیجئے کہ کتنی صدیوں تک ارض کے متعلق بطلیموس کا نظریہ دنیا پر مستولی رہا۔ فیثا غورث کی آواز پر کسی نے توجہ نہ کی۔ پھر ایک وقت آیا کہ ہزاروں من مٹی کے نیچے چھپا ہوا بیج جو فیثا غورث دبا گیا تھا، زمین کے سینے کو چاک کر کے باہر نکلا اور برگ وبار لا کر رہا۔ سچائی کا پرستار کبھی اس کی پروا نہیں کرتا کہ کسی زمانہ میں یا طویل عرصہ تک لوگ اس کے ماننے سے آنکھیں چرائیں گے یا ناک بھوں چڑھائیں گے۔ حق اکیلا رہ کر بھی حق ہی رہتا ہے۔ اسے یقین ہے کہ ایک دن ضرور آئے گا جب اس کے جھٹلانے والے زمانہ کے دھکے مکے کھا کر اسی کے دامن میں پناہ لینے پر مجبور ہوں گے۔ آج وہ دن قریب آ رہا ہے اور جیسا کہ آنریبل جناب لیاقت علی خان نے فرمایا، روشنی کی تحریر اُفق پر ظاہر ہو کر طلوع ہونے والے روز روشن کا پیش خیمہ بن رہی ہے۔

ضرورت ہے کہ ہم اپنے کو خفاش صفت ثابت نہ کریں جو دن کی روشنی کو دیکھنے کی تاب نہیں لا سکتی۔ پاکستان مادیت کے بھنور میں پھنسی ہوئی اور دہریت والحاد کے اندھیروں میں بھٹی ہوئی دنیا کو روشنی کا ایک مینار دکھانا چاہتا ہے۔ یہ دنیا کے لئے کوئی چیلنج نہیں بلکہ انسانیت کے لئے پُر امن پیغام حیات ونجات اور اطمینان اور خوش حالی کی راہ تلاش کرنے والوں کے لئے سہولت مہیا کرتا ہے۔ ہمارا غیر متزلزل عقیدہ ہے کہ دنیا کے لئے عموماً اور پاکستان کے لئے خصوصاً کسی قسم کا نظام تجویز کرنے سے پہلے پوری قطعیت کے ساتھ یہ جان لینا ضروری ہے کہ اس تمام کائنات کا جس میں ہم سب اور یہ ہماری مملکت بھی شامل ہے، مالک اصلی اور حاکم حقیقی کون ہے اور ہے یا نہیں۔ اب اگر ہم اس کا مالک کسی خالق الکل اور مقتدر اعلیٰ ہستی کو مانتے ہیں (جیسا کہ میں خیال کرتا ہوں کہ اس ایوان کے تمام ارکان واعضاء کا یہ عقیدہ ہوگا) تو ہمارے لئے یہ تسلیم کرنا ناگزیر ہوگا کہ کسی مالک کی خصوصاً اس مالک علی الاطلاق کی ملک میں ہم اسی حد تک تصرف کرنے کے مجاز ہیں جہاں تک وہ اپنی مرضی سے ہمیں اجازت دے دے۔ ملک غیر میں کوئی غاصبانہ تصرف ہمارے لئے جائز نہیں ہو سکتا۔ پھر ظاہر ہے کہ کسی ملک کی اجازت ومرضی کا علم اس کے بتلانے ہی سے ہو سکتا ہے۔ سو اللہ تعالیٰ نے پیغمبر اسی لئے بھیجے اور وحی ربانی کا سلسلہ اسی لئے قائم کیا کہ انسانوں کو اس کی مرضی اور اجازت کے صحیح حدود معلوم کرا دیئے جائیں۔ اسی نقطہ وخیال کے پیش نظر ریزولیشن میں ''اسکے مقرر کردہ حدود کے اندر'' کے الفاظ رکھے گئے ہیں اور یہ ہی وہ بنیادی نقطہ ہے جہاں سے دینی اور خالص مادی حکومتوں کی لائنیں ایک دوسرے سے الگ ہو جاتی ہیں۔

یہ نظریہ کہ دین ومذہب کا تعلق انسان اور اسکے مالک سے ہے، بندوں کے باہمی معاملات سے اسے کچھ سروکار نہیں نہ

Marfat.com

سیاست میں اس کا کوئی دخل ہے، اسلام نے کبھی تسلیم نہیں کیا۔ ممکن ہے دوسرے مذاہب جو آج کل دنیا میں موجود ہیں، ان کے نزدیک یہ نظریہ درست ہو اور وہ خود کسی جامع وحاوی نظامِ حیات سے تہی دامن ہوں۔ مگر جہاں تک اسلام کا تعلق ہے، ایسے تصور کی اس میں کوئی گنجائش نہیں بلکہ اس کی تمام تر تعلیمات اس باطل تصور کی دشمن ہیں۔

قائداعظم مرحوم نے اگست ۴۴ء میں گاندھی جی کے نام جو خط لکھا تھا اس میں لکھتے ہیں: ''قرآن مسلمانوں کا ضابطہ حیات ہے۔ اس میں مذہبی اور مجلسی، دیوانی اور فوجداری، عسکری اور تعزیری، معاشی اور معاشرتی غرض کہ سب شعبوں کے احکام موجود ہیں۔ مذہبی رسوم سے لے کر روزانہ کے امورِ حیات تک، روح کی نجات سے لے کر جسم کی صحت تک، جماعت کے حقوق سے لے کر فرد کے حقوق وفرائض تک دنیوی زندگی میں جزا وسزا سے لے کر عقبیٰ کی جزا وسزا تک، ہر فعل، قول اور حرکت پر مکمل احکام کا مجموعہ ہے۔ لہٰذا جب میں یہ کہتا ہوں کہ مسلمان ایک قوم ہے تو حیات ومابعد حیات کے ہر معیار اور ہر مقدار کے مطابق کہتا ہوں''۔

ہر مسلمان جانتا ہے کہ قرآنی تعلیمات محض عبادات واخلاقیات تک محدود نہیں بلکہ قرآن کریم مسلمانوں کا دین وایمان اور قانون حیات ہے۔ یعنی مذہبی، معاشرتی، تجارتی، تمدنی، عسکری، عدالتی اور تعزیری احکام کا مجموعہ ہے۔ ہمارے رسول اللہ ﷺ کا ہم کو یہ حکم ہے کہ ہر مسلمان کے پاس اللہ کے کلام پاک کا ایک نسخہ ضرور ہو اور وہ اسکو بغور وخوض مطالعہ کرے تاکہ یہ اس کی انفرادی واجتماعی ہدایات کا باعث ہو۔

قائداعظم نے ان خیالات وعزائم کا بار بار اظہار کیا ہے۔ کیا ایسی واضح اور مکرر تصریحات کے بعد کوئی شخص یہ کہنے کی جرأت کرسکتا ہے کہ سیاست وحکومت، مذہب سے کوئی علاقہ نہیں رکھتی یا یہ کہ اگر آج قائداعظم زندہ ہوتے تو یہ تجویز مقاصد پیش نہیں ہوسکتی تھی۔

قرآن حکیم میں صاف صاف ارشاد ہے: فَلَا وَرَبِّکَ لَایُؤمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْ فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجاً مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْ تَسْلِیْماً

ترجمہ: پروردگار کی قسم! یہ لوگ جب تک اپنے تنازعات میں آپکو منصف نہ بنائیں اور جو فیصلہ آپ کریں اس سے اپنے دل میں تنگ نہ ہوں بلکہ اس کو خوشی سے مان لیں، تب تک مومن نہیں ہوں گے۔ (النساء ۴:۶۵)

اور وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْکَافِرُوْنَ. (المائدہ ۵:۴۴)

وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الظَّالِمُوْنَ (المائدة ۵:۴۵)

وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (المائدة ۵:۴۷)

ترجمہ: اور جو اللہ کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں۔۔۔

ترجمہ: اور جو اللہ کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے تو ایسے ہی لوگ ظالم ہیں۔۔۔

ترجمہ: اور جو اللہ کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے تو ایسے ہی لوگ نافرمان ہیں۔

Marfat.com

اس موقع پر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اسلام میں دینی حکومت کے معنی پاپائیت یا ''کلیسیائی حکومت'' کے نہیں۔ بھلا جس بت کو قرآن نے اتخذو احبارھم اربابا من دون اللہ کہہ کر توڑا ہے کیا وہ اسی کی پرستش کو جائز رکھ سکتا ہے؟

اسلامی حکومت سے مراد وہ حکومت ہے جو اسلام کے بتائے ہوئے اعلیٰ اور پاکیزہ اصول پر چلائی جائے۔ اس لحاظ سے وہ ایک خاص قسم کی اصولی حکومت ہوگی۔ ظاہر ہے کہ کسی اصولی حکومت کو چلانا خواہ مذہبی ہو یا غیر مذہبی (جیسے روس کی اشتراکی حکومت) دراصل ان ہی لوگوں کا کام ہوسکتا ہے جو ان اصولوں کو مانتے ہوں۔ جو لوگ ان اصولوں کو نہیں مانتے ایسی حکومت انتظام مملکت میں ان کی خدمات تو ضرور حاصل کرسکتی ہے مگر مملکت کی جنرل پالیسی یا کلیدی انتظام کی باگ ان کے ہاتھ میں نہیں چھوڑی جاسکتی۔

اسلامی حکومت اصل میں انسانی حکومت نہیں بلکہ نیابتی حکومت ہے۔ اصل حاکم خدا ہے، انسان زمین پر اس کا خلیفہ (نائب) ہے جو حکومت در حکومت کے اصول پر دوسرے مذہبی فرائض کی طرح نیابت کی ذمہ داریوں کو بھی خدا کی مقرر کردہ حدود کے اندر پورا کرتا ہے۔

مکمل اسلامی حکومت، حکومت راشدہ ہوتی ہے۔ لفظ ''رشد'' حکومت کے انتہائی اعلیٰ معیار حسن وخوبی کو ظاہر کرتا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ حکومت، حکومت کے کارکن اور مملکت کے عوام کو نیکوکار ہونا چاہیئے۔ قرآن نے حکومت اسلامی کی یہ ہی غرض وغایت قرار دی ہے کہ وہ انسانوں کو اپنے دائرہ اقتدار میں نیکیوں کا حکم دے اور برائیوں سے روکے۔ اسلام آج کل کی سرمایہ پرستی کے خلاف ہے۔ اسلامی حکومت اپنے خاص طریقوں سے جو اشتراکی طریقوں سے الگ ہیں، جمع شدہ سرمایہ کی مناسب تقسیم کا حکم دیتی ہے۔ اس کو دائرہ وسائرہ رکھنا چاہتی ہے۔ مگر اس کام کو اخلاقی و نیز قانونی طریقہ پر عام خوشدلی، عدل اور اعتدال کے ساتھ کرتے ہوئے اسلامی حکومت شخصی ملکیت کی نفی نہیں کرتی۔ مناسب حد تک راس المال رکھنے کی اجازت دیتی ہے، زائد سرمایہ کے لئے ملی بیت المال قائم کرتی ہے جس میں سب کے حقوق مشترک ہیں اور اس سرمایہ کی تقسیم سے سرامیہ اور افلاس کے درمیان توازن اور اعتدال کو بحال رکھتی ہے۔

شوریٰ اسلامی حکومت کی اصل ہے۔ وَاَمْرُھُمْ شُوْرٰی بَیْنَھُمْ (الشوریٰ ۴۲:۳۸) (اور وہ اپنے کام آپس کے مشورے سے کرتے ہیں)۔ اسلامی حکومت دنیا میں پہلا ادارہ ہے جس نے شہنشاہیت کو ختم کرکے استصواب رائے عامہ کا اصول جاری کیا اور بادشاہ کی جگہ عوام کے انتخاب کردہ امام (قائد حکومت) کو حکومت عطا کی۔ محض جبر واستبداد کے راستوں سے بادشاہ بن بیٹھنا اسلام کے منشاء کے سراسر خلاف ہے۔ وہ جمہور کی مرضی اور ان ہی کے ہاتھوں سے اسٹیٹ کو اختیار دلاتا ہے۔ ہاں انہیں یہ حق نہیں دیتا کہ وہ امارت کی کوئی تنظیم نہ کریں اور اقتدار اپنے ہی پاس روک کر انتشار، ابتری اور طوائف الملوکی پھیلا دیں۔ یہ اولیت کا ایسا شرف ہے جو اسلامی حکومت کو دنیا کی تمام جمہوریتوں پر حاصل ہے۔

اسلامی سلطنت کا بلند ترین منتہائے خیال یہ ہے کہ سلطنت کی بناء جغرافیائی نسلی، قومی، حرفتی اور طبقاتی قیود سے بالاتر ہوکر انسانیت اور ان اعلیٰ اصولوں پر ہو جن کی تشدید وترویج کے لئے وہ قائم کی جاتی ہے۔

Marfat.com

اسلامی حکومت پہلی حکومت ہے جس نے اس منتہائے خیال کو پورا کرنے کے لئے اپنی خلافت راشدہ کی بنیاد انسانیت پر رکھی۔ یہ حکومت اپنے کاموں میں رائے عامہ، مساوات حقوق، آزادی ضمیر اور سادگی کا امکان حد تک خیال رکھتی ہے۔

اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ اپنے قلمرو میں بسنے والے تمام غیر مسلموں سے جو شرائط طے ہوئے ہوں، جان، مال، آبرو، مذہبی آزادی اور عام شہری حقوق کی پوری حفاظت کرے۔ اگر کوئی طاقت ان کے جان ،مال وغیرہ پر دست اندازی کرے تو حکومت اس سے جنگ کرے اور ان پر کوئی ایسا بار نہ ڈالے جو ان کے لئے ناقابل تحمل ہو۔ جو ملک صلحاً حاصل ہوا ہو وہاں کے غیر مسلموں سے جو شرائط طے ہوں ان کی پوری پوری پابندی کی جائے۔ پھر غیر مسلموں کے یہ حقوق محض اکثریت کے رحم وکرم پر نہیں بلکہ خدا کا عائد کیا ہوا ایک فرض ہے۔ جس سے کسی وقت انحراف جائز نہیں۔

اسکے بعد دینی حکومت کی مزعومہ خرابیوں کا جہاں تک تعلق ہے۔ جواب میں اتنا کہنا کافی ہوگا کہ علم وتحقیق کی روشنی میں موجودہ ترقی یافتہ حکومتوں کے طور طریقوں کو خلفائے اربعہ کے بے داغ عہدِ حکومت کے مقابلہ میں رکھ کر مفادِ عامہ کے لحاظ سے وزن کرلیا جائے۔ آج ظلم وجبر، عہد شکنی، مالی دست برد، کشت وخون، بربادی وہلاکت، انسانی جماعتوں کی باہمی دشمنی، افراد کی عدم مساوات اور جمہور کے حقوق کی پامالی جو مثالیں دوربین سے دیکھے بغیر نظر آرہی ہیں، خلفاء کی ترقی یافتہ عہد میں اس کا خفیف سا نشان بھی نہ ملے گا۔ غرضیکہ بیان کردہ خیابیاں مذہبی طرز حکومت کی خرابیاں نہیں ہیں بلکہ ان انسانی گمراہیوں سے اخذ کی گئی ہیں جنہوں نے خالص مادی طرز حکومت کی داغ بیل ڈالی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ گاندھی جی نے اسی نکتہ کی طرف اشارہ کیا تھا جب ۱۹۳۷ء میں آپ نے کانگریسی وزراء کو یہ ہدایات دیں کہ تم ابوبکرؓ اور عمرؓ کی سی حکومت قائم کرو۔ نیز قائداعظم مرحوم نے دستور کی اسی اساس کی طرف اشارہ کیا تھا جب ۴۳ء میں بمقام جالندھر آل انڈیا سٹوڈنٹس فیڈریشن کی صدارت کرتے ہوئے فرمایا کہ: ''میرے خیال میں مسلمانوں کا طرز حکومت آج سے ساڑھے تیرہ سو سال قبل قرآن حکیم نے فیصل کردیا تھا'' انہوں نے نومبر ۴۵ء میں پیر صاحب مانکی شریف کے نام خط لکھا اس میں صاف صاف لکھ دیا تھا کہ ''اس بات کے کہنے کی ضرورت ہی نہیں کہ قانون بنانے والی جماعت جس میں بہت زیادہ اکثریت مسلمان کی ہوگی، پاکستان کے لئے ایسے قانون بنا سکے گی جو اسلامی قانون کے خلاف ہو اور نہ ہی پاکستانی غیر اسلامی قانون پر عمل کر سکیں گے''۔ اس قسم کے اعلانات قیام پاکستان سے پہلے قائداعظم اور دوسرے زعماء لیگ کی طرف سے برابر ہوتے رہے جن کا بخوف طوالت ہم استیعاب نہیں کر سکتے۔ بہر حال ان بیانات کے پڑھنے کے بعد کسی مسلم یا غیر مسلم کو ہمارے مقصد اور مطمح نظر کو سمجھنے میں کوئی ابہام وانشباط نہیں رہ سکتا اور جس قدر باتیں آئین ونظام اسلامی کے متعلق بطور اعتراض آج کہی جارہی ہیں ان سب کے سوچنے کا وقت وہ تھا جب پوری صراحت کے ساتھ یہ اعلانات کئے جارہے تھے۔ جب یہ سب کچھ جان کر اور سمجھ کر دوسری قوم نے تقسیم ہند کے فیصلہ پر دستخط کیے اور پاکستان کی اقلیت نے ان مقاصد کو مانتے ہوئے ہمارے ساتھ اشتراک عمل کیا۔ اب پاکستان قائم ہونے کے بعد اس نقطہ نظر سے انحراف کی کوئی جواز ان کے پاس نہیں۔ انہیں یہ بھی معلوم ہے کہ انڈین یونین کا قیام تو ہندو اور نیشلسٹ مسلمانوں کی مخلوط مساعی

Marfat.com

سے عمل میں آیا ہے لیکن پاکستان کا حصول خالص مسلم قوم کی مساعی اور قربانیوں کا مرہون منت ہے اور ان کی قومی خصائص و ممیزات کے تحفظ کا داعیہ اس کا محرک ہوا ہے۔ اب اگر ایسی سیدھی اور صاف بات کو بھی بھلا دیا جائے تو اس کا کچھ علاج ہمارے پاس نہیں۔

اس موقع پر یہ بات بھی فراموش نہ کیجئے کہ آج دنیا میں معاشی اختلال اور اقتصادی عدم توازن کی وجہ سے ملحدانہ اشتراکیت (کمیونزم) کا سیلاب ہر طرف سے بڑھتا چلا آ رہا ہے اس کا صحیح اور اصولی مقابلہ اگر دنیا میں کوئی نظام کر سکتا ہے تو وہ صرف اسلام کا اقتصادی نظام ہے۔ اگر ہم پاکستان یا عالم اسلامی کو اس بھیانک خطرہ سے بچانا چاہتے ہیں تو اس کی واحد صورت یہ ہے کہ پاکستان میں صحیح اسلامی نظام کا اعلان و آغاز کریں اور تمام اسلامی ممالک کو اسلام کے نام پر اسی کی دعوت دیں۔ اگر اس طرح تمام اسلامی ممالک آئینی طور پر متحد ہو گئے تو قدرتی طور پر وہ وحدت اسلامی قائم ہو جائے گی جس کی ہم سب مدت سے آرزو رکھتے ہیں اور جو اشتراکیت اور سرمایہ پرستی دونوں کی روک تھام کے لئے مضبوط آہنی دیوار کا کام دے گی۔

بہت سے لوگوں کا خیال یہ گزرتا ہے کہ ابھی تک ہمارا کاروبار جس ڈگر پر چل رہا ہے اسلامی نظام اور اسلامی آئین کا اعلان کر کے ہم اسے ایک دم کیسے بدل سکتے ہیں۔ یہ تو ہمارے اجتماعی حالات میں ایسا انقلاب عظیم ہوگا جو ہماری قومی زندگی کی کایا پلٹ کر رکھ دے گا اور جس کے لئے ہمیں جدید کانسٹی ٹیوشن کے چلانے کے لئے کثیر تعداد میں مناسب رجال کار تیار کرنے پڑیں گے اور بہت طویل عرصہ درکار ہوگا۔ میں کہتا ہوں کہ ان حضرات کا یہ خیال ایک حد تک صحیح ہے۔ لیکن اسلامی نظام کا مطالبہ کرنے والے بھی اسے بخوبی محسوس کرتے ہیں۔ اسلامی آئین و نظام کے اعلان سے غرض یہ ہے کہ مملکت کا اصلی نصب العین اور اس کی انتہائی منزل مقصود واضح اور متحضر ہو جائے تاکہ اس کی روشنی میں ہمارا جو قدم اٹھے وہ ہم کو آخری منزل سے قریب تر کرنے والا ہو۔ یہ کام ظاہر ہے کہ بتدریج ہوگا اور بتدریج ہی ہو سکتا ہے۔ جو کام فی الحال کیے جاتے ہیں وہ فوراً کرنے ہوں گے اور جن کاموں کے لئے سر دست حالات ساز گار نہیں وہ فوراً نفاذ پذیر نہ ہوں گے بلکہ حکیمانہ اسلوب پر حالات کو ساز گار بنانے کی ہر امکانی کوشش عمل میں لائی جائے گی۔ بہر حال انسان اسی چیز کا مکلف ہے جس کی وہ استطاعت رکھتا ہے۔ یہی وہ بات ہے جو میں تقسیم سے قبل اپنے مختلف بیانات و خطبات میں کھل کر کہہ چکا ہوں۔ چنانچہ خطبہ لاہور میں، میں نے عرض کیا تھا کہ یہ اعلیٰ اور پاک نصب العین سے قریب تر کرے گا۔ جس طرح رات کی تاریکی آہستہ آہستہ کم ہوتی اور دن کی روشنی بتدریج پھیلتی ہے یا جس طرح ایک پرانا مریض دھیرے دھیرے صحت کی طرف قدم اٹھاتا ہے دفعتاً و بغتتہً بیماری سے چنگا نہیں ہو جاتا، اسی طرح پاکستان ہماری قومی صحت اور ہماری مکمل ترین آزادی سے نصف النہار کی طرف تدریجی قدم اٹھائے گا۔

جناب صدر محترم! آخر میں ایوان ہذا کے معزز ممبران کی خدمت میں، میں عرض کروں گا کہ اس ڈھیلے ڈھالے ریزولیوشن سے گھبرانے اور وحشت کھانے کی کوئی وجہ نہیں۔ اسلامی فرقوں کے اختلافات تحریک پاکستان کی برکت سے بہت کم ہو چکے ہیں اور اگر کچھ باقی ہیں تو انشاء اللہ برادرانہ مفاہمت سے صاف ہو جائیں گے، کیونکہ تمام اسلامی فرقے اور ملک آج اسلامی نظام کی ضرورت کو بہت شدت کے ساتھ محسوس کر رہے ہیں اور میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ ہمارے غیر مسلم دوست بھی اگر ایک

Marfat.com

مرتبہ تھوڑا سا تجربہ کر کے دیکھ لیں گے تو اگلی اور پچھلی سب تلخیاں بھول جائیں گے اور بہت مطمئن رہیں گے بلکہ فخر کریں گے کہ ہم سب پاکستانیوں نے مل کر عام ہیجان اور اضطراب کے زمانہ میں انسانیت عامہ کی اس قدر عظیم الشان خدمت انجام دیں۔

وَمَا ذَالِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْزٍ (ابراہیم:۱۴:۲۰) (اور یہ اللہ تعالیٰ کو کچھ بھی مشکل نہیں)۔

اب بڑا اہم کام ہمارے سامنے یہ ہے کہ دستور سازی کی مہم ایسے قابل، فہیم، مضبوط اور محتاط ہاتھوں کے سپرد ہو جو اس ریزولیشن کے خاص خاص نکتوں کی حفاظت کر سکیں، اس کے فحوا کو بخوبی سمجھ سکیں اور جو دستور تیار کیا جائے وہ صحیح لائن سے ہٹنے نہ پائے۔ یہ بہت کٹھن مرحلہ ہے جو اللہ ہی کی توفیق سے آسان ہوگا۔ بہر حال ہم آئندہ کام کرنے میں ہر قدم پر اس چیز کے منتظر رہیں گے۔ وباللہ التوفیق۔

Marfat.com

باب: چودھواں

میرا انعام پاکستان

Marfat.com

میرا انعام پاکستان

ریاست پاکستان کا نام اس اعتبار سے بڑی انفرادیت کا حامل ہے کہ یہ اپنے معنی ہی میں ایک نظریہ کو ظاہر کرتا ہے۔ بالکل وہی نظریہ جو اس ریاست کے وجود میں لانے کیلئے بنیادی محرک تھا۔ یہ نام اپنے معنی و مفہوم میں دیگر ممالک اور علاقوں کے ناموں کے برعکس کسی مخصوص نسل یا علاقے کا اظہار نہیں کرتا۔ ہم نے یہ ملک دستورِ زمانہ کے برخلاف مختلف قومیتوں اور نسلوں کی نفی کرتے ہوئے، ایک مشترک نظریہ حیات اور فکر کی بناء پر حاصل کیا تھا۔

لفظِ پاکستان ایک نظریاتی قوم کا ترجمان ہے جو زندگی کے بارے میں مخصوص نصب العین رکھتی ہو۔ یہ لفظ جدید اور تاریخ میں اس نام سے کوئی علاقہ برصغیر میں موجود نہیں تھا۔ یہ نام اس ملک کی تخلیق کے ساتھ ہی دنیا میں متعارف ہوا۔ یعنی لفظ پاکستان کے اعتبار سے، اس موجودہ خطہ پاکستان پر ہمارا تاریخی کلیم نہیں ہے۔ جسطرح اہل مصر، اہل ایران وغیرہ کا اپنی سرزمین پر تاریخی کلیم ہے۔

لفظ پاکستان ایک روحانی قوم کی عکاسی کرتا ہے۔ جو مخصوص نظریہ حیات اپناتی ہے اور اپنی فردی اور اجتماعی زندگی میں روحانی نمود کا باعث بنتی ہے۔ یعنی ایک روحانی اور پاکیزہ قوم ایک اعلیٰ نصب العین اور بلند معیار خودی کی حامل قوم کا پاک مسکن۔ نواب بہادر یار جنگ نے اسکی بڑی خوبصورت عکاسی ان الفاظ میں فرمائی ہے۔

”پاکستان کا مطالبہ کر کے اگر آپ ایسا ملک چاہتے ہیں، جس میں پاک لوگ بستے ہوں اور خیالات کے اعتبار سے افکار اور اعمال اور کردار کے لحاظ سے پاک ہوں تو میرے دوستو یاد رکھو کہ جسمانی ناپاکی دور ہو سکتی ہے اور آسانی سے دور ہو سکتی ہے۔ لیکن ذہن وفکر اور قول و عمل کی ناپاکی وہ گندگی ہے جس کو دور کرنے کیلئے اللہ نے انبیاء جیسی ہستیاں پیدا کی ہیں۔ وہ اسی وقت دور ہو سکتی ہے جب نبی ﷺ کی اتباع کی جائے۔ کیا ان ناپاکیوں میں آلودہ ہو کر جھوٹ کو اپنا شعار بنا کر، مکر و فریب میں مبتلا رہ کر ظلم و استبداد کو جاری رکھ کر کیا ہم دعویٰ کر سکتے ہیں کہ ہم پاک ہیں۔ اور اگر ہم گندگیوں سے پاک نہ ہوئے اور ہمیں ہندوستان کے دونوں گوشوں میں۔ (نواب بہادر یار جنگ نے دسمبر ۱۹۴۳ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے انیسویں سالانہ اجلاس منعقدہ کراچی میں، خطاب بحوالہ ”منشورِ پاکستان“)

پاکستان یا پاک ستان (Pak-Stan)

لندن میں منعقدہ گول میز کانفرنس کے موقع پر چوہدری رحمت علی نے اپنا مشہور پمفلٹ Now or Never نکالا۔ جس کو انہوں نے کانفرنس کے شرکاء اور عالمی راہنماؤں کو ارسال بھی کیا۔ جس میں پاک۔ ستان (Pak-Stan) نام سے ریاست کا نام تجویز کیا۔ جسے چند طلباء کی ذہنی اختراع سمجھ کر زیادہ اہمیت نہ دی گئی۔ چوہدری رحمت علی اور ان کے ساتھیوں نے بعد ازاں دونوں حروف پاک ستان کو ملا کر ایک لفظ پاکستان کر دیا۔

اکتوبر ۱۹۳۲ء میں علامہ اقبال گول میز کانفرنس میں شرکت کیلئے لندن پہنچے۔ ملکہ این کے محل میں علامہ قیام پذیر تھے۔

Marfat.com

وہاں بلند قامت وجیہہ نوجوان چوہدری رحمت علی علامہ سے ملاقات کیلئے تشریف لائے۔ چوہدری رحمت کیمبرج میں زیر تعلیم تھے۔اس موقع پر علامہ سے چوہدری صاحب نے دوران گفتگو فرمایا (دیکھئے ''مکالمات اقبال از پروفیسر سعید ارشد)

رحمت علی آپ کے الہ آباد کے خطبہ (اکتوبر ۱۹۳۱ء کے بعض نکات پر گفتگو کرنا چاہتا تھا)

علامہ نے جواباً استفسار کیا کہ آپ نے اسے پڑھا ہے؟ چوہدری رحمت علی نے کہا کہ:

''میں نے اسکا بغور مطالعہ کیا ہے۔ میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ آپ کیمبرج آئیں اور لیکچر دیں''

علامہ نے یہ تجویز با قاعدہ دعوت سے مشروط کر کے قبول کر لی۔لندن میں جن مسلم طلبہ نے علامہ کو استقبالیہ دیا اُن میں چوہدری صاحب پیش پیش تھے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چوہدری رحمت علی حضرت علامہ کی فکر سے متاثر تھے۔ جو انہوں نے خطبہ الہ آباد میں پیش کیا۔علامہ کے تفویض کردہ علاقوں پر چوہدری صاحب نے پاکستان کا نام تجویز کیا۔جنوری ۱۹۳۳ء میں چوہدری رحمت علی نے اپنا مشہور کتابچہ ''اب یا کبھی نہیں'' شائع کیا۔

''جس کے اندر برصغیر کو متعدد آزاد خطوں میں تقسیم کرنے کی تجویز دی گئی، اور شمال مغربی آزاد مسلم ریاست کیلئے لفظ پاک ستان تجویز کیا جیسا کہ بیان کیا گیا کہ ان کو ملا کر پاکستان کر دیا گیا۔''

کانفرنس سے واپسی پر علامہ نے سید نذیر نیازی سے بھی طلبہ سے اپنی اس ملاقات کا تذکرہ کیا۔اور فرمایا: ''ہمارے نوجوان طلبہ نے جو انگلستان میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں، میری تجویز کردہ ہندی اسلامی ریاست کیلئے پاکستان کا نام تجویز کیا ہے۔'' ایک موقع پر سٹینلے جونز کے مضمون پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ نے سید نذیر نیازی سے فرمایا: ''تھوڑا بہت اتحاد جو لیگ کی بدولت قائم ہو گیا ہے بڑا امید افزاء ہے کانگریس کس قدر مرعوب ہے اس اتحاد کے نتائج بڑے شاندار ہوں گے اگر کہیں مسلمانوں کو ایک قطعہ ارض مل جائے تو اور بھی اچھا ہو''

نذیر نیازی پاکستان!

علامہ ہاں پاکستان یا اسے جو بھی چاہے کہہ لو

چوہدری رحمت علی نے Pakistan National Movement کی بنیاد رکھی۔ چوہدری صاحب اپنی تصنیف ''پاکستان: پاک قوم کا آبائی وطن'' Pakistan: Father Land Pak Nation. میں رقم طراز ہیں کہ پاکستان یہ نام میں نے اپنے مشترکہ ہندوستانی اور ایشیائی وطن کے لئے ایجاد کیا تھا۔پاکستان فارسی اور اردو زبان کا لفظ ہے۔

لفظِ پاکستان میں 'پ' P پنجاب کو 'الف' (ا) A افغانیہ (صوبہ سرحد) کو 'ک' K کشمیر کے لئے 'س' S سندھ کو 'تان' TAN بلوچستان کو Reffer کیا گیا۔

چوہدری رحمت علی نے پاکستان Pakistan کے وسیع تر مفہوم میں اوپر کے صوبوں کے علاوہ (ا) ایران، (T) ترکستان اور (A) افغانستان کے لئے بھی استعمال کیا۔(حوالہ N#۳۸،۳۹ ''زعمائے پاکستان'' مضمون چوہدری رحمت علی)

اس وسیع تر پاکستان کی تعریف وہ یوں کرتے ہیں: پاک لوگوں کی آبائی سرزمین جو روحانی طور پر پاکیزہ اور صاف ستھرے ہوں۔

Marfat.com

نظریہ پاکستان کے حوالے سے چوہدری رحمت علی رقمطراز ہیں۔" پاک نظریہ ہندوستان کے خیالی اتحاد پر تباہ کن اثرات ڈالے گا۔ یہ ہندوستان کی متحدہ قومیت اور متحدہ علاقے کے نظریہ کو تباہ و برباد کردے گا۔ اور دینیہ میں کثیر القومیتی اور کثیر العلاقہ جاتی کے نظریہ کو تقویت دیگا"

چوہدری رحمت علی ہندوستان کو دینیہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:" آج کل غلطی سے جسے انڈیا یعنی ذات پات والے ہندو دھرم اور ذات پات رکھنے والے ہندوؤں کا بلاشرکت غیرے علاقہ کہا جاتا ہے۔ وہ اعتقادات اور انسانیت کی رو سے دینیہ یعنی بہت سے مذاہب اور برادریوں کا مشترکہ علاقہ ہے۔ انڈیا ایک ملک نہیں بلکہ یہ براعظم ہے۔ یہاں بہت سی اقوام، ثقافتیں، زبانیں، نسلیں، بالکل مختلف ملتے ہیں اور بھی مسلم عہد سے قبل تاریخ میں یہ ایک وحدت نہیں تھا"

راجندر پرشاد اپنی کتاب India Divided میں لکھتے ہیں۔ چوہدری رحمت علی دو قومی نظریہ پر نہایت سخت موقف رکھتے اور اس کی نشر و اشاعت کرتے تھے۔

چوہدری رحمت علی نے دراصل مختلف اور متضاد اصولوں کو مدنظر رکھ کر انڈیا میں دیگر مسلم ریاستیں قائم کرنیکی بھی تجویز دی۔ بنگال اور آسام کو ملا کر بانگ اسلام، اسی طرح عثمانستان (حیدر آباد دکن) صدیقستان وغیرہ وغیرہ۔ ہندوستان کی تقسیم کے اس پلان میں ایک اصول کارفرما نہیں رکھا گیا، کہیں مسلم حکمرانوں کی موجودگی اور کہیں مسلم آبادی کی اکثریت کو معیار بنایا گیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ مختلف اصولوں کے تحت پیش کئے گئے اس منصوبہ کو مسلم لیگ کے لئے ۱۹۴۰ء تک قبول کرنا مشکل تھا۔ مروجہ جمہوری اصولوں کے تحت اس نظریہ کے مطابق جدوجہد ناممکن تھی۔ اسلئے علامہ اقبال اور قائد دونوں اپنے مجوزہ مسلم ریاست کے مطالبہ کیلئے لفظ پاکستان کا نام استعمال کرنے سے گریزاں ہے کیونکہ اس کے ساتھ چوہدری صاحب کی مکمل فلاسفی بھی وابستہ تھی۔ بعدازاں جب ہندو پریس نے قرارداد لاہور کو پاکستان کا نام دیکر اچھالا، تو اس صورت حال میں مسلم قیادت کیلئے اسے اختیار کرنا آسان ہو گیا۔

پاکستان حصار اسلام

تمام عالمِ اسلام کی امیدوں اور امنگوں کا مرکز، ایک اسلامی ریاست، پاکستان کی صورت میں ظہور پذیر ہوئی۔ جو کہ تمام عالم اسلام کے لئے رحمت خداوندی۔ یہی وجہ کے ساری دنیا کے مسلمانوں کیلئے یہ ملک مرکز امید بنا ہوا ہے۔ اس حقیقت کو عالم اسلام کا ہر صاحب بصیرت سمجھتا ہے۔ مفتی اعظم فلسطین سید امین الحسینی نے تخلیق پاکستان پر 'اخوان المسلمین' کے ایک اجلاس میں فرمایا تھا کہ:" اللہ تعالیٰ نے ہمیں فلسطین کے بدلے میں پاکستان کا خطہ عنایت کیا ہے"

مدینہ ثانی

آج سے چودہ سو برس قبل جو طوفان بلاخیز عرب کے صحراؤں سے اٹھا تھا۔ اور جس نے تمام انسانی امتیازات اور معیارات کے طوق توڑ ڈالے۔ ان لمحات میں ایک نظریاتی امت کا، ایک بے مثل اور عظیم مظاہرہ دیکھنے میں آیا۔ ایک قوم جو ایک

Marfat.com

ارفع نصب العین لیکر اٹھی، آن کی آن میں اس نظریاتی نصب العین کے تحت اس نظریاتی نظام کے عملی ظہور سے عالم کفر کے ایوانوں میں زلزلہ آ گیا۔ منقسم، پسماندہ اور جہل اک شکار، عرب بدھود یکھتے ہی دیکھتے بنیان مرصوص بن گئے۔ ایک فکر اور ایک سوچ کی حامل امت وجود میں آ گئی۔ جس کا ایک اپنا اجتماعی شعور ذات Develop ہو گیا۔ اور اسکا اشیاء اور معاملات کو دیکھنے اور پرکھنے کا ایک مخصوص زاویہ نگاہ اور معیار بن گیا۔ چودہ سو برس کے بعد پھر زمانے نے وقت کے منہ زور گھوڑے کی لگاموں کو ماضی کی جانب موڑا۔ سرزمین ہند سے تحریک پاکستان اٹھی۔ اور وہی نظریہ لے کر اٹھی جو چودہ سو برس قبل ان کا نبی ﷺ لیکر آیا تھا۔ اس تحریک کا سب سے اہم عنصر، روحانی عنصر تھا۔ اور وہ روحانی عنصر نظریہ اسلام ہی تھا۔ اگر پاکستان کی تعمیر حقیقی معنوں میں، بانیان پاکستان کے تصور پر ہو جائے، جو کہ اس ریاست کی تخلیق کا حقیقی محرک تھا۔ تو یہ ریاست پورے عالم اسلام میں ایک روحانی انقلاب کا موجب بن جائے گی۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کیلئے نیل کے ساحل سے لیکر تا بخاک کاشغر

مسلمانانِ ہند کے، اس نصب العین کے برعکس جس کی اساس نظریاتی قومیت تھی، آج دنیائے اسلام پر نظر دوڑایئے تو معلوم ہو گا کہ تمام عالم اسلام ٹکڑوں، عصبیتوں اور گروہی و نسلی مفادات میں بٹا ہوا ہے۔ ان کی نسلیں اور ممالک کے نام ہی ان کے نزدیک اصل اہمیت کے حامل ہیں۔ اور یہی ان کی قومیت کے نشان بن چکے ہیں۔ قیام پاکستان کی بدولت، صدیوں کے بعد یہ موقع میسر آیا ہے کہ ہم اسلام کا اصل چہرہ، ریاست مدینہ کے اصولوں پر اجاگر کر کے دنیا کو دکھائیں۔ ایک مثالی سیاسی، معاشی، معاشرتی اور عدالتی نظام قائم کریں۔ کہ یہ ہے، خدا کا نظام کفالت۔ ہم بتائیں کہ یہ حقیقی Human Rights ہیں۔ اہل مغرب جو راگ الاپتے ہیں وہ اس قدرت کے عطا کردہ نظام کے آئینہ اپنی حقیقت دیکھ سکیں گے۔ انہیں معلوم ہو سکے گا کہ اقلیتوں سے کیسے حسن سلوک کیا جاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ آخری پیغمبر ہیں ان کو چودہ دو برس پرانے اصول آج بھی اسی طرح کارآمد و کارگر ہیں، جس طرح ان کے زمانہ میں تھے۔ یہ آفاقی اصول و قوانین ہیں۔ جو ہر زمانے کے تقاضے پورے کرتے ہیں۔ اگر یہاں تھیوکریسی سے پاک حقیقی اسلامی ریاست بنتی ہے، تو تجدید و احیائے اسلامی کی ایک عالمگیر تحریک کی صورت اختیار کر جائے گی۔ قیام پاکستان کے مقاصد واضح کرتے ہوئے قائد نے فرمایا تھا کہ: ''ہماری اپنی آزاد ریاست کا وجود میں آنا بجائے خود مقصد نہ تھا بلکہ حصول مقصد کا ایک ذریعہ تھا'' اسلام کی پہلی ریاست یعنی ریاست مدینہ کا جائزہ لیجئے تو معلوم ہو گا کہ اس نے نہ صرف مثالی معاشرہ، اور اجتماعی قومی کردار تعمیر کیا بلکہ آسمانی ہدایت پر مبنی نظام فلاح کو عملاً متشکل کر کے بھی دکھایا۔ آج ریاست پاکستان، احیائے اسلام کیلئے زبردست امکانات رکھتی ہے۔ یہ اس کفر و الحاد میں ڈوب جانے والی دنیا، میں واحد امید کی کرن ہے۔ ہم جس اعلیٰ و ارفع نصب العین کو لیکر اٹھے تھے، اسی کو پھر سے اختیار کر کے ایک بہترین قومی زندگی کا آغاز کر سکتے ہیں۔ اس وقت استحصال اور بے انصافی پر مبنی عالمی نظام کے باعث تمام انسانیت ایسے نظام کی متلاشی ہے جو انہیں ان شدید ترین مصائب سے چھٹکارا دے۔

اگر ہم قیام پاکستان کے مقاصد کے مطابق ایک ریاست تعمیر کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو یہ ایک شاندار تجربہ

Marfat.com

اور بڑا کارنامہ ہوگا جوکہ پوری ملت میں ولولہ پیدا کرنے کا باعث بنے گا۔ پاکستان حقیقتاً سارے عالم میں مسلمانوں کا قومی وطن بن جائیگا۔ حضور ﷺ تمام قوموں کیلئے نبی اور رحمت بنا کر بھیجے گئے۔ انکی رحمت سے پوری دنیا فیض یاب ہو سکے گی۔

مدینہ طیبہ اور پاکستان کے الفاظ میں پایا جانے والا ایک خوبصورت تعلق

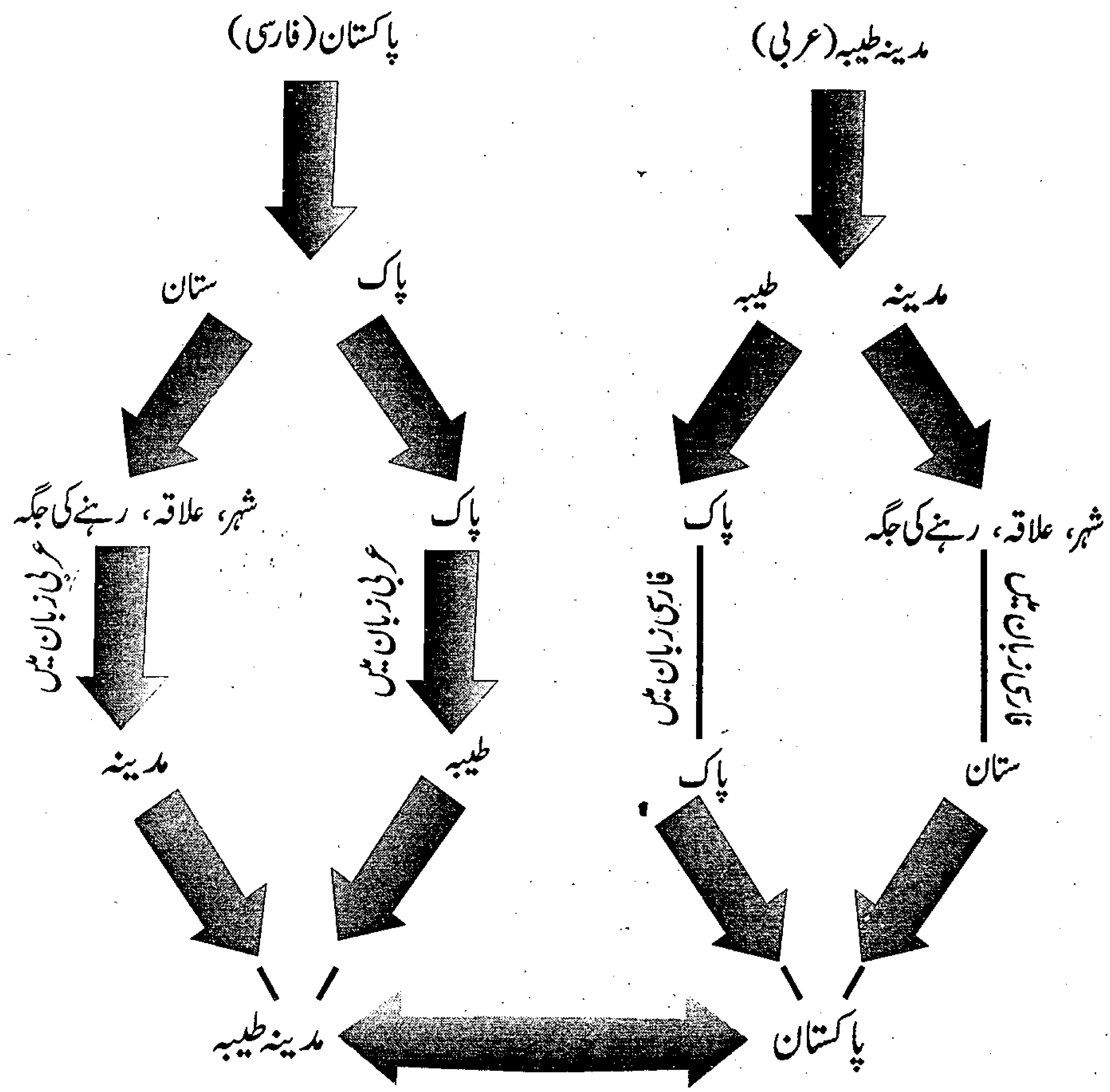

ریاست مدینہ ایک رول ماڈل

مدینہ طیبہ پہلی اسلامی ریاست تھی جس کی بنیاد خود رسول اللہ ﷺ نے ڈالی۔ یعنی الٰہی نظام ریاست کا عملی قیام۔ ایک ایسا نظام سلطنت جس کیلئے افواج، دولت، پولیس اور قید خانوں کی ضرورت نہیں پڑتی۔ ایسی ریاست جو ان چیزوں سے بے نیاز ہوتی ہے اور وہی صحیح معنوں میں خدائی ریاست کی دعویدار ہو سکتی ہے۔

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ کی قائم کردہ ریاست کا جائزہ، تاریخ انسانی کے تناظر میں لیں تو معلوم ہو جائے گا کہ پیغمبر اسلام ایسی ہی ریاست کے سربراہ تھے جو مادی بندھنوں سے آزاد تھی۔ حضرت علامہ اقبال نے اسے بڑے خوبصورت انداز میں بیان فرمایا ہے ان کے مضمون کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمایئے۔

''ان کے پاس کوئی فوج نہ تھی جو عامتہ الناس کو ان کے مقصد کیلئے فتح کر سکے۔ وہ یتیم تھے اور تن تنہا کھڑے ہو گئے تا کہ بدعنوانیوں کی ان طاقتوں سے نبرد آزما ہو سکیں جو ہر چہار جانب منڈلا رہی تھیں۔ بجائے اس کے کہ ان کے پاس اپنے لوگوں کو مطیع و فرمانبردار بنانے کیلئے کوئی فوج خود ان کے خلاف فوج کھڑی کی گئی۔ ایک پوری قوم اسلحہ سے لیس ان کے خلاف کھڑی ہوگئی تا کہ ان کے قدم اکھاڑ دیں۔ تاہم انہیں لوگوں کو وہ حتمی طور پر زیر نگیں لے آئے۔ وہ تھی فی الحقیقت انسانوں پر حق الٰہی کے تحت حکمرانی۔

نہ ہی پیغمبر اسلام کے پاس کوئی خزانہ تھا جس کی کشش سے وہ کسی کو اپنے حلقے میں شامل کر سکتے۔ وہ تو ایک غریب آدمی تھے۔ جن پر کئی کئی دن کے فاقے گزر جاتے۔ عرب کے حکمران ہونے کے باوصف وہ کھجور سے بنی خت چٹائی پر استراحت فرماتے تا آنکہ ان کی کمر مبارک پر کھجور کے پتوں کے نشانات پڑ جاتے۔ ایک ظلم وستم اور جلاوطنی کا شکار جب ابھرے تو پورے علاقے کے بادشاہ بن گئے لیکن وہ قید خانے اور پولیس کے ناموں سے بھی نا آشنا تھے۔ واقعاً وہ ایسے حکمران تھے جو مافوق البشر ہستی کے عطا کردہ حق کی بنا پر حکومت کر رہے تھے۔ اس کا بدیہی سبب یہ تھا کہ انہوں نے وہ تمام حربے اختیار نہیں کئے جو بادشاہ لوگ عموماً استعمال کرتے ہیں۔ اپنی حکمرانی کو برقرار رکھنے کیلئے نہ کوئی فوج بادشاہ کی حفاظت کیلئے نہ کوئی ذاتی محافظوں کا دستہ نہ کوئی خزانہ'' (علامہ محمد اقبال تقریریں، تحریریں اور بیانات، ''فرمانروائی کا الٰہی حق صفحہ ۱۹۰)

اس صورتحال میں اقتدار پرست حکمرانوں اور شہنشاؤں کے برعکس رسول اللہ ﷺ نے کوئی دوسروں کو مرعوب کرنے اور خود ستائش جیسی کوئی کوشش نہیں فرمائی جس سے ذاتی بڑھائی کا اظہار ہو۔ جس سے وہ دوسروں پر امتیازی حیثیت یا کسی قسم کی برتری کا تاثر قائم کرتے۔ رسول اللہ ﷺ نے بادشاہوں کے برعکس اپنی پوجا نہ ہونے دی۔ اور پوری کاوش کی کہ لوگوں کے رویوں میں موجود شخصیت پرستی کے شبہات زائل کئے جائیں۔ رسول اللہ ﷺ کی بعثت ایسی قوم میں ہوئی، جو اپنے ہاتھوں کے تراشے ہوئے بتوں کی پجاری تھی۔ توہمات اور خرافات میں، وہ غرق تھی۔ ایسی قوم کو شخصی پوجا کیلئے راغب کرنے میں دیر نہیں لگتی۔ رسول اللہ ﷺ اگر شخصی معبد بنا چاہتے تو ان کیلئے معاملہ بہت آسان تھا وہ خدا کا دنیا میں اوتار یا روپ بآسانی دھار سکتے تھے مگر رسول اللہ ﷺ نے ایسا کوئی معاملہ نہ فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی قوم کے سامنے اعلان کیا کہ ''میں تم ہی جیسا ایک بشر ہوں'' رسول اللہ ﷺ نے شخصی خدائی کے کسی بھی پیدا ہونے والے ممکنہ احتمال کو یکسر ختم کر ڈالا۔ اس کے برعکس شہنشاہیت میں عوام سے تعظیم کرانے اور شاہی خاندان اور بادشاہ سلامت کے مافوق البشر قرار دینے کیلئے کوئی حربہ فروگزاشت نہیں کیا جاتا۔ حضرت علامہ اقبال اپنے ایک خطبہ میں رسول اللہ ﷺ کی حیات کے اس رُخ پر ان الفاظ میں روشنی ڈالتے ہیں:

''پیغمبر ﷺ نے اپنے لوگوں کو یہ یقین دلانے کی غرض سے ہر طریقہ آزمایا کہ میں محض ایک انسان ہوں اور انسان سے ماورا

Marfat.com

کچھ نہیں۔ انہوں نے دیدہ دانستہ کلمہ میں اس ٹکڑے کا اضافہ کیا کہ "محمد ﷺ اللہ کے ایک رسول ہیں" مستقبل کے لئے تحفظ کے طور پر کہ مبادا ان کے پیروکار اپنے جوش و جذبے کی تسکین کی خاطر انہیں الہیت کی کرسی پر بٹھا دیں۔ جیسے کہ عیسائیوں نے حضرت مسیح کے معاملے میں کیا۔ انہوں نے ان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا "میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس کوئی خزانہ ہے یا مستقبل کے بارے میں کوئی علم ہے" جب انکے فرزند ارجمند کی رحلت کے وقت سورج گرہن ہوا اور لوگوں نے اس کی یہ تعبیر کی کہ اس اندوہناک واقعہ پر فطرت بھی ماتم کناں ہے۔ پیغمبر اسلام نے فوراً اس رجحان اوہام پرستی کو یہ کہہ کر دور فرما دیا کہ یہ مظاہر فطرت ہیں۔ ان کا کسی انسان کی حیات اور موت سے کوئی تعلق نہیں۔ قرآن کریم ایسی آیات مبارکہ سے بھرا ہوا ہے۔ کہ انہوں نے اپنی قوم کو یہ سمجھانے میں کس قدر سعی بلیغ فرمائی کہ ان کا فوق البشریت سے کوئی واسطہ نہیں۔ جب ایک بوڑھا ان کے پاس آیا اور انہوں نے (بوجوہ) اس کے ساتھ تھوڑی سی بے اعتنائی برتی اور باری تعالیٰ کی طرف سے سرزنش ہوئی تو انہوں نے اسے چھپانے کی بجائے قرآن کریم میں شامل کر کے اسے ایک مستقل شکل دے دی۔ کوئی دنیا اور بادشاہ کسی ایسی چیز کا جو خود اسکے اپنے خلاف ہو اس طرح سے اشتہار نہیں دے سکتا تھا۔ خواہ وہ کتنی ہی غیر اہم کیوں نہ ہو"

(علامہ محمد اقبال تقریریں، تحریریں اور بیانات 'فرمانروائی کا الٰہی حق' صفحہ ۱۹۱)

رسول اللہ ﷺ لوگوں میں ایسے گھل مل جاتے کہ ایک اجنبی کیلئے امتیاز مشکل ہو جاتا کہ ان میں رسول اللہ ﷺ کون سے ہیں۔ انہوں نے ہر ایسے فعل اور بات کو ختم فرمایا جو دوسروں کے مقابلے میں امتیاز کا باعث بنے۔ یہی وجہ تھی کہ بعض اوقات اجنبی افراد، جب رسول اللہ ﷺ کو کسی اجتماع میں ملنا چاہتے تو ان کیلئے ان کو پہچاننا مشکل ہو جاتا۔ رسول اللہ ﷺ روزمرہ کے انفرادی کام اس طرح سے انجام دیتے کہ کسی کو احساس نہ ہوتا تھا کہ ایک اتنے بڑے منصب کا بندہ یہ معمولی کام جتا کر یا تشہیر کیلئے انجام دے رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے تمام عمر اپنے حصہ کا کام خود کیا۔ اپنے تمام امور خود انجام دیئے اور اپنا ہر بوجھ خود اٹھایا۔ چاہے وہ گھریلو روزمرہ کے کام ہوں یا اجتماعی۔ دوسرے پہلو سے دیکھئے تو رسول اللہ ﷺ سربراہ کی حیثیت میں پیوند لگا لباس پہنتے۔ کپڑے خود ٹانکتے۔ جوتے خود گانٹھتے۔ دودھ خود دوہتے۔ گھریلو کاموں میں ہاتھ بٹاتے۔ معمول کے عام کام بھی، عام انداز میں اس طرح انجام دیتے رہے باوجود اسکے صحابہ انہیں احتراماً روکتے مگر انہوں نے کبھی خصوصی سٹیٹس قائم نہ ہونے دیا۔ ایک مرتبہ کسی عام بدو نے مسجد مدینہ میں ایک حصہ میں پیشاب کرنا شروع کر دیا تو صحابہ نے غصہ میں روکنا چاہا رسول اللہ ﷺ نے انہیں روک دیا کیونکہ اس کی وہ حالت مناسب نہ تھی جب وہ تسلی سے فارغ ہو چکا تو رسول اللہ ﷺ نے اسے پیار سے سمجھایا کہ یہ اللہ کا گھر ہے اس کا اکرام ہے اس میں پیشاب نہیں کرتے۔ پھر اس جگہ کو خود اپنے ہاتھوں سے پانی بہا کر پاک کیا۔ رسول اللہ ﷺ کی تمام زندگی ان اعلیٰ کردار کے اوصاف سے بھری پڑی ہے۔ اور چشم فلک نے تاریخ نے اس شان بے نیازی کا حامل کوئی سربراہ یا شہنشاہ نہیں دیکھا۔

حضرت علامہ رسول اللہ ﷺ کی بطور ایک طاقتور اور محبوب حکمران کے صفت بیان فرماتے ہیں کہ: "ایسے تھے بے حد طاقتور فرمانروا کہ ان جیسا چشم عالم نے شاید ہی کبھی دیکھا ہو، ایسا فرمانروا جس نے اپنی قوم کے افراد کے جسموں پر ہی نہیں

Marfat.com

دلوں پر بھی حکومت کی۔ ایسا بادشاہ جس کے پاس فوج نہ تھی نہ محل نہ خزانہ، غیر ان متعدد حربوں کے جنہیں دنیا اور بادشاہ اپنے لوگوں کو مطیع وفرمانبردار بنانے کیلئے استعمال کرتے ہیں۔ وہ لوگوں کیساتھ ایسے ہی بے تکلف تھے جیسے کہ ان میں سے کوئی ایک دوسرے کے ساتھ ہوسکتا ہے۔ انہوں نے اپنی شخصیت کو ہر ممکن ہالے سے آزاد رکھنے کیلئے ہر جتن کیا۔ جسے ان کے مقلدین میں اوہام پرست ان کے گرد کھینچ سکتے تھے۔ اس کے باوصف وہ بادشاہ تھے جن سے ان کی قوم ایسے محبت کرتی تھی جیسا شاید ہی کسی نے اپنے بادشاہ سے محبت کی ہو" (علامہ محمد اقبال، تحریریں، تقریریں اور بیانات "فرمانروائی کا الٰہی حق صفحہ ۱۹۳)

اس سلسلہ میں رسالت مآب ﷺ کی زندگی میں لاتعداد واقعات بھرے پڑے ہیں۔ ایک جنگ کے موقع پر مدینہ کی ایک خاتون نے فکرمندی کے عالم میں رسول اللہ ﷺ کے بارے میں خیریت دریافت فرمائی۔ تو رسول اللہ ﷺ کی خیریت سے قبل اس کے شوہر کی شہادت کی خبر ملی۔ اس نے بے چینی کے عالم میں پھر رسول اللہ ﷺ کی خیریت دریافت کی اسے کہا گیا کہ اس کا بھائی بھی شہید ہو چکا تو اس نے اس حال میں اپنا استفسار پھر دہریا اور جواباً معلوم ہوا کہ اس کا بیٹا بھی قتل ہوگیا۔ اس نے متواتر اپنے سوال پر اصرار جاری رکھا کہ رسول اللہ کیسے ہیں تو اسے بتایا گیا کہ وہ خیر و عافیت سے ہیں۔ یہ سن کر اس نے سکھ کا سانس لیا اور فرمایا کہ "تب تو سب دکھ قابل برداشت ہیں" اسی طرح ایک جنگ میں یہ خبر آئی کہ رسول اللہ ﷺ کے دانت شہید ہو گئے۔ تو اس خبر کے سنتے ہی ایک صحابی نے اپنے تمام دانت گرا دیئے۔ ان واقعات سے رسول اللہ ﷺ کی محبوبیت اور لوگوں کی ان کیلئے جانثاری اور والہانہ عقیدت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ کہ وہ ایسے سربراہ اور شخصیت تھے جو رعایا کو اپنی ہر شے سے زیادہ پیارے تھے۔

تاریخ عالم سے پتہ چلتا ہے کہ جب فاتح راہنما اور شہنشاہ کسی مفتوحہ سرزمین میں داخل ہوتے ہیں تو پورے جاہ وجلال کے ساتھ آتے ہیں۔ اور انتہائی تکبر کا مظاہر کرتے ہیں۔ اور مفتوحہ قوم کو ذلیل ورسوا کیا جاتا ہے۔ نہتے عوام کا قتل عام ہوتا ہے۔ ان کی عزتوں سے ہولی کھیلی جاتی ہے۔ مال واسباب لوٹا جاتا ہے۔ اسکے مدمقابل رسول اللہ ﷺ کو بھی دیکھئے کہ چشم فلک یہ دلفریب نظارہ کرتی ہے کہ جب وہ اپنے بدترین حریفوں پر فتح پاتے ہیں اور دس ہزار مقدسین کے ہمراہ فاران کی وادیوں سے سرزمین مکہ میں قدم رکھتے ہیں تو یہ وہ سرزمین تھی جہاں انہیں بے پناہ مصائب اور سازشوں کا شکار کیا گیا تھا۔ حتیٰ کہ آپ کو ہجرت پر مجبور کر دیا گیا تھا۔ اور اب اس فتح کے موقع پر رسول اللہ ﷺ اس سرزمین میں اس شان سے داخل ہو رہے تھے کہ ان کا سر بارگاہ خداوندی میں جھکا ہوا تھا۔ لبوں پر سورۃ الفاتح کا ورد تھا۔ آپ کی عاجزی کی یہ کیفیت ہے کہ آپ ﷺ کا سر بار بار اپنی اونٹنی کے کوہان سے ٹکراتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ اپنے بدترین مخالفین کے گھروں کو جاہ پناہ قرار دیتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ اپنے خلاف، اپنے خاندان کے خلاف بدترین جرائم میں ملوث افراد کو بھی معاف فرما دیتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ اور انکے جانثار جو جائیدادیں مکہ میں چھوڑ کر مدینہ تشریف لائے تھے۔ وہ بھی ان کے قابضین کے پاس ہی رہنے دیتے ہیں حد تو یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اہل مکہ ہی میں سے انکا والی مقرر کر کے واپس مدینہ تشریف لے آتے ہیں۔ کیا تاریخ انسانی ایسی فتح کی نظیر دے سکتی ہے۔ درحقیقت رسول اللہ ﷺ نے جسموں پر نہیں بلکہ دلوں پر حکمرانی کی۔

Marfat.com

دلوں کو جو فتح کرے، وہی فاتح زمانہ

حضرت علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ: ''تاریخ صرف ایک بادشاہ سے آشنا ہے جس کی انسانوں پر حکمرانی کو جائز طور پر حق الٰہی کہا جاسکتا ہے اور وہ شخص تھے پیغمبر اسلام ﷺ اور اگرچہ انہوں نے اللہ کی جانب سے عطا کردہ حق کے انسانوں پر حکمرانی کی، انہوں نے خود کبھی حکمران ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ ''میں ہوں آپ ہی کی طرح ایک بشر'' یہ تھا وہ زبردست پیغام جو عظیم ترین بادشاہ نے جان چھڑکنے والے لوگوں کو دیا'' (علامہ اقبال، تقریریں، تحریریں اور بیانات ''فرمانروائی کا الٰہی حق'' صفحہ ۱۹۳)

ریاستِ مدینہ اور ریاست پاکستان میں موازنہ

مشکوٰۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 1288

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے سنا، رسول کریم ﷺ یہ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے مدینہ کا نام طابہ رکھا ہے۔ (مسلم)

تشریح: ''اللہ تعالیٰ نے مدینہ کا نام طابہ رکھا ہے'' کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کی لسان مقدس کے ذریعہ مدینہ کا نام طابہ ظاہر فرمایا ہے، اور ایک روایت میں ''طیبہ'' ہے جس کے معنی ہیں ''پاک وخوش'' یعنی یہ شہر مقدس کفر وشرک کی نجاستوں سے پاک ہے، اس کی آب وہوا طبائع سلیم کو موافق ہے اور یہاں کے رہنے والے خوش وخرم ہیں۔

اسلامی مملکت پاکستان دوقومی نظریہ کی بنا پر وجود میں آئی۔ جس کا مقصد اسلام کی عملی تجربہ گاہ کا قیام تھا۔ مسلمانوں کی پہلی نظریاتی ریاست ''مدینہ منورہ'' خود نبی ﷺ کے ہاتھوں تخلیق ہوئی۔

۶۱۰ء سے ۶۲۲ء تک مکہ میں، رسول اللہ ﷺ نے پہلی مسلمان قوم تخلیق کی۔ پھر ۶۲۲ء میں ہجرت فرما کر، قرآن کے زیر سایہ مصیبتوں اور آزمائشوں میں پلے ہوئے مسلمانوں نے، مدینہ النبی ﷺ میں پہلی خود مختار مسلم ریاست کی بنیاد ڈالی۔ اس ریاست کے شہریوں میں اس وقت مسلمان، یہود، عیسائی اور مشرکین سب شامل تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے دارالہجرہ سے موسوم کیا۔ یعنی وہ دار جہاں اسلام کی خاطر ہجرت ہوئی۔

مدینہ منورہ کی اس ریاست کے بعد یہی پاک سرزمین ہے جو نظریہ اسلام کی بنا پر ایک نظریاتی ریاست کہلاتی ہے۔ جو مسلمانان ہند کیلئے دارالہجرہ بنی۔

ہجرت آئین حیات مسلم است — ایں ز اسباب ثبات مسلم است
معنی او از تنک آبی رم است — ترک شبنم بہر تسخیر یم است

برطانوی مصنف کینتھ کریگ نے اپنی تصنیف ''موجودہ اسلام میں مجلسِ شوریٰ'' میں تحریر کیا ہے کہ ''پاکستان بطور پالیسی اور امرِ واقعہ، دورِ حاضر میں اسلام کے بارے میں مسلمانوں کے نقطہ نظر کا یقینی مظہر ہے۔ پاکستان نے اسلام کو واضح اور معین کرنے کے سلسلہ میں وہی کام کیا ہے، جو ساتھیوں صدی عیسوی میں ہجرتِ نبوی نے کیا تھا۔

Marfat.com

ریاستِ مدینہ، جہاد وقتال کی بجائے فکری ونظریاتی اور علیحدہ مسلم قومیت کی بناپر وجود میں آئی، رسول اللہ ﷺ نے مسلم قومیت کی بنیاد پر اسلام کی مرکزیت مدینہ میں قائم کی اور ایک آسمانی ہدایت پر مبنی نظام بھی وضع کیا۔ کسی بھی نظام کے عملی قیام کیلئے ضروری ہے کہ اس نظریہ کے پیروکار پہلے کسی مخصوص خطہ میں اپنی مرکزیت قائم کریں۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے کیا۔ اس کے بغیر الٰہی نظام کو متشکل نہیں کیا جاسکتا۔ علامہ اقبال نے ۲۹ دسمبر کو خطبہ الٰہ آباد میں فرمایا: ''اگر ہم چاہتے ہیں کہ اس ملک میں اسلام بحیثیت ایک تمدنی قوت کے زندہ ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایک مخصوص علاقے میں اپنی مرکزیت قائم کرے'' اسلام کی مرکزیت قائم کئے بغیر اسلام کا نصب العین حاصل نہیں ہوتا۔ علامہ اقبال کی طرح اس حقیقت کا ادراک کرتے ہوئے، علامہ شبیر احمد عثمانی نے مدینہ منورہ کی پہلی قائم شدہ اسلامی نظریاتی ریاست کو ''پاکستان'' قرار دیا وہ فرماتے ہیں۔

''مشیتِ الٰہی کے زبردست ہاتھ نے آخرکار اپنے رسول مقبول ﷺ کی تاریخی ہجرت سے مدینہ منورہ میں ایک طرح کا ''پاکستان'' قائم کردیا''

حضرت قائداعظم اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھے۔ اور وہ بھی ریاست مدینہ کی طرز پر پاکستان کی ریاست اور اسکا نظام وضع کرنا چاہتے تھے۔ اس کی عکاسی ان کے اس بیان سے ہوتی ہے جس کے مطابق انہوں نے ایک مرتبہ (۱۹۴۶ء) میں اپنے رفیق اور ممتاز صحافی ڈاکٹر ضیاء الاسلام صاحب سے فرمایا تھا: ''ہمیں پاکستان کی تعمیر اسلام کے اصولوں کی بنیاد پر کرنا ہے میں تم سے کہوں گا تم حدیث پڑھو تا کہ ہم جان سکیں کہ رسول اکرم ﷺ نے جب مدینہ کی ریاست قائم کی تھی تو مسائل کو کیسے حل کیا'' ریاستِ مدینہ کے حالات کا جائزہ لیں تو، ہجرت مدینہ سے قبل حضرت مصعب بن عمیر نے مدینہ کے بارے میں جو حالات حضور ﷺ کو رپورٹ کئے اس کے مطابق ہر گھرانے اور خاندان سے کوئی نہ کوئی فرد مسلمان ہو چکا تھا اور پورے مدینہ میں ہر گھرانے کا موضوع بحث اسلام ہی تھا۔ ان سازگار حالات میں حضور ﷺ نے ریاست مدینہ کی بنیاد ڈالی اور آسمانی راہنمائی پر مبنی نظام قائم فرمایا۔

کچھ اسی قسم کے حالات میں پاکستان بھی قائم ہوا۔ جہاں ہند کے مسلمانوں کے لئے مرکزیت نظریہ اسلام کی بنا پر قائم کی گئی۔ پچھلے ۶۰ برسوں سے اس ریاست کا موضوع بحث بھی اسلام ہی ہے۔ ملت پاکستانیہ اسلام پسند قوم ہے یہی وجہ ہے کہ اس نام اور نظام کیلئے حکمرانوں کے ہاتھوں یہ بلیک میل ہوتی رہی ہے۔ اسلام مسلمانانِ پاکستان کی کمزوری ہے، بدترین اور لادین حکمران بھی یہاں اسلام کا نام لینے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ اسلام کا معاشی، معاشرتی اور سیاسی ڈھانچہ ۵۰ برسوں سے زیر بحث ہے۔ سودی نظام کو پہلے ہی کالعدم قرار دیا جا چکا ہے۔

ریاست مدینہ اور ریاست پاکستانیہ کی نظریات تخلیق نے ان دونوں ریاستوں میں بعض حیرت انگیز مماثلتیں پیدا کردی ہیں جن میں سے چند ایک یہ ہیں۔

Marfat.com

ریاست مدینہ

(۱) ریاست مدینہ کے ظہور سے قبل بت پرست مشرکینِ مکہ اس ریاست کے مسلمانوں اور دین اسلام کے خلاف تھے۔

(۲) یثرب کا نام مدینہ، رسالت مآب ﷺ کی اور ان کے جانثار صحابہ کی بابرکت آمد کے بعد پڑا۔

(۳) ریاست مدینہ کے قیام کے وقت مسلمانوں کی کچھ مخصوص تعداد مکہ میں رہ گئی۔ جن کی عزت وآبرو اور جان ومال متواتر خطرے میں تھا۔ ایک پرخطر ہجرت مسلمان مدینہ چلے گئے۔

(۴) مدنی ریاست میں مسلمانوں کے دو گروہ تھے۔ مہاجرین اور انصار جن میں زمانہ جاہلیت کا تعصب اور عصبیت ابھر آیا کرتی اور دونوں مفادات کے ٹکراؤ کے پیشِ نظر سنگین صورت اختیار لیتے جسے نبی اکرم ﷺ حسن تدبیر اور تدبر کے ساتھ اسلامی مواخات قائم کر کے ختم کر دیتے اور دونوں باہم سینے سے لگ جاتے۔

(۵) روزِ اول سے ریاست مدینہ میں اقلیتیں موجود تھیں، اور ان کے مسائل بھی ابھرتے تھے۔

(۶) مدینہ کی ریاست علیحدہ مسلم قومیت اور نظریہ کی اساس کے باعث اردگرد کی لادین سیکولر ریاستوں میں گھری ہوئی تھی۔

ریاست پاکستان

(۱) ریاست پاکستان کے منصۂ شہود پر آنے سے قبل بت پرست مشرکین ہند اس ریاست کے مسلمانوں اور دینِ اسلام کے خلاف تھے

(۲) پاکستان کا نام بھی عالمی نقشہ پر اس وقت ابھرا جب قائداعظم کی قیادت میں ہندوستان کے شمال مغربی صوبہ جات اور مشرق میں بنگال میں آنے اور ہجرت کے بعد ایک ریاست قرار پانے کے بعد وجود میں آیا۔

(۳) قیام پاکستان کے وقت تاریخ کی عظیم ہجرت عمل میں آئی اور بہت سے مسلمان ہندوستان میں رہ گئے جن کی عزت آبرو جان ومال اور بقاء متواتر خطرے میں گھری ہے۔

(۴) یہی معاملہ پاکستان میں بھی درپیش ہے۔ جہاں مہاجرین نے اپنی علیحدہ شناخت قائم کر لی ہے جب کہ اہلیانِ پاکستان یعنی پہلے سے موجود مسلمان اپنی علیحدہ پہچان رکھتے ہیں۔ (اسکی وجہ مفادات کا ٹکراؤ ہے جو کہ شدید عصبی صورتحال اختیار کر چکا ہے اس کا حل بھی وہی ہے جو نبی اکرم ﷺ نے کیا ہے اور زمانہ جاہلیت کی جاہلانہ سوچ کو اسلامی مواخات کے (ذریعہ بدلا اور سب کو مساوی اور بھائی بھائی بنا ڈالا۔ افسوس کہ یہاں لڑنے والے بہت اور گلے ملانے کم ہیں)

(۵) پاکستان میں بھی مدینہ کی مانند اول روز سے اقلیتیں موجود تھیں اور انکے امور کا مسئلہ بھی یکساں ہے۔

(۶) پاکستان کی ریاست بھی مدینہ کی مانند ایک نظریاتی ریاست ہے مانند ایک نظریاتی ریاست ہے اور یہ بھی سیکولر ریاستوں میں گھری ہوئی ہے۔

Marfat.com

(۷) مدینہ کی ریاست کا قیام کا زمانہ ظلم وجبر، بے انصافی واستحصال کا دور تھا، دنیا میں جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا قانون کارفرما تھا۔ روم اور ایران کی دونوں طاقتوں نے فتنہ وفساد برپا کر رکھا تھا۔ (مزید برآں دگرگوں عالمی حالات میں جب کوئی امید کی کرن دکھائی نہ دیتی تھی مدینہ کی ریاست روشنی کا مینار اور مظلوموں کی نفرت بن کر ابھری۔ جو کہ مروجہ سیکولر ازم ملحد افکار، مادیت پرستی، وطنیت کی نفی پر خالص روحانی ریاست وجود میں آئی)۔

(۷) آج بھی عالمی حالات انتہائی تشویش ناک ہیں۔ عالمی امن تباہ ہورہا ہے۔ ظلم، ناانصافی اور استحصال کا دور دورہ ہے۔ عالمی مغربی طاقتوں نے دنیا بھر میں فتنہ وفساد برپا کر رکھا ہے۔ حالات کی وہی مماثلت آج بھی پائی جاتی ہے۔ (۲۰ ویں صدی میں بھی جبکہ دنیا ظہور اسلام سے قبل کے حالات کو چھو رہی تھی اور بدترین مادیت پرستی سیکولرازم قوم پرستی وفتنہ وفساد کے دور میں معجزانہ طور پر مملکت پاکستان امید کی کرن کے طور پر احیاء اسلام کے لئے وجود میں آئی۔ یہ بھی روحانی احیاء از سر نو کرے گی اور دنیا کو متبادل فطرت پر مبنی نظام دے گی)۔

(۸) نظریاتی ریاست مدینہ یہود کو ایک نظر نہ بھاتی وہ ہمہ وقت اور مسلسل نبی اکرم ﷺ اور مسلمانوں کو نابود کرنے کی اسکیمیں تیار کرتے رہتے۔
یہود نے مشرکین مکہ سے قربی تعلقات اسلام دشمنی کی بناء پر استوار کئے حتیٰ کہ اپنے پورے تعاون کا یقین دلاتے ہوئے حی ابن اخطبہ کی قیادت میں پانچ رکنی یہود کا وفد قریش مکہ سے ملا اور انہیں ریات مدینہ پر حملہ آوری کی دعوت دی۔

(۸) یہی معاملہ آج پاکستان کا ہے جو عالمی صیہونیت کی Top List پر ہے۔ وہ اندرونی وبیرونی دشمنوں کو اس نظریاتی مملکت کو ضعیف کرنے اور یہاں انارکی پھیلانے کے لئے استعمال کرتے ہیں، وہ بھی یہاں سے نظریہ اور مسلمانوں کو نابود کرنے کے درپے ہیں۔ وہ گہری سازشوں اور منصوبوں میں ہمہ وقت مصروف رہتے ہیں۔ یہود وہنود کی گٹھ جوڑ اور قریبی روابط اسی کی کڑی ہے۔

(۹) منافقین نے مسجد نبوی کے مقابلے میں مسجد ضرار تعمیر کرلی تھی۔ جہاں سے رشد وہدایت کی بجائے فتنہ وفساد اور اسلام اور داعی اسلام کے مخالف اسکیمیں تیار کی جاتی تھیں۔

(۹) آج پاکستان کی بہت سی مساجد مسجد ضرار کی منظر کشی کررہی ہیں۔ ہدایت سے خالی اور فتنہ وفساد کا مرکز بنی ہوئی ہیں۔

(۱۰) اس زمانہ میں بھی افواہ سازی کردارکشی اور پراپیگنڈا مشینری اور تجارت یہود کے قبضہ میں تھی۔ یہود نے شراب کی دکانیں کھول رکھی تھیں جن پر شام سے درآمد کردہ شراب بنی قریصہ اور بنی نضیر کے قبائل فروخت کرتے تھے۔

(۱۰) آج بھی عالمی ذرائع ابلاغ اور معاش پر یہود کا سخت کنٹرول ہے خصوصاً امریکی یہود نے فلم انڈسٹری پر مکمل قبضہ صنعت وتجارت پر اجارہ داری اور عالمی بینک ور IMF کے ذریعہ پوری دنیا پر تسلط قائم کررکھا ہے۔ جبکہ غیر یہود کی آج

Marfat.com

عرب ان کی معاشی غلامی میں جکڑے ہوئے تھے جس سے نبی علیہ السلام نے نجات دلائی۔

(۱۱) تاریک ترین جہالت، عصبیت ننگ اخلاق کے ماحول میں محسن انسانیت علیہ السلام نے اس نئی ریاست کے ذریعہ دنیا کو ان اندھیروں سے نکالا اور ایک انقلاب برپا کر کے بھٹکی ہوئی انسانیت کو دنیا کی مہذب ترین قوم بنادیا۔ تاریخ عرب میں پہلی مرتبہ یہ برادری قائم ہوئی جس کی بنا نسلیت، قومیت وطنیت کی بجائے عقیدہ اور ایمان تھا۔ اسلامی مواخات کا عظیم مظاہرہ ہوا۔ انصار و مہاجرین ایک ملت بنیانِ مرصوص بن گئے۔ اوس وخزرج جیسے قدیم دشمنیاں پالنے والے قبائل باہم شیر وشکر ہو گئے۔

بھی وہی حالت ہے جو کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں تھی تمام تر عالمی وسائل اس طبقہ کے ہاتھ میں ہیں۔ ملکوں کی معیشت کے ٹریگر پر ان کا ہاتھ ہے۔ مسلم اکابرین نے جیسے سرسید، مولانا محمد علی جوہر، علامہ اقبال، خصوصاً صحیح معنوں میں حضرت قائداعظم نے ملت ہند کو یکجا کیا اور اسے ایک پلیٹ فارم پر منظم کیا اور ایک متحدہ نظریاتی جدوجہد جو نسلیت، وطنیت، صوبائیت، لسانیت جیسے دور جاہلیت کے نظریات سے پاک تھی۔ اسکا بھرپور آغاز کیا۔ قرآن وکلمہ کیا ساس پر قوم ایک جان ہوگئی۔

(۱۱) پاکستان کی بدنصیبی یہ رہی کہ سوائے حضرت قائداعظم جو کہ درحقیقت ہر حال میں رہبر اعظم علیہ السلام کے نقش پر چلنے کی کوشش کرتے تھے، ان کے ایک سالہ دور کے علاوہ مملکت اسلامیہ پاکستان کو راہداں میسر نہ آئی۔ مملکت کھوٹے سکوں، موقع پرستوں کے ہاتھوں میں یرغمال ہوئی اور یوں اپنی منزل کھوٹی کر بیٹھی۔ ہمارے بعض مفکر، جرائد اور مساجد فرار کی منظر کشی کرنے لگے۔ قوم جمود اور بے حسی کا شکار ہوتی چلی گئی۔

مدینہ ثانی پاکستان کی ذمہ داری

جسطرح مسلمانانِ عرب نے ریاست مدینہ کے ذریعہ مشرکین عرب کو ان کی اصل حقیقت سے روشناس کرایا اور پھر فتح مکہ کے بعد مسلمانان عرب کا حقیقی چہرہ اور تعلیمات بلارکاوٹ ہر خاص وعام تک پہنچیں جس کے نتیجہ میں خطہ عرب سے شرک اور خرافات کا خاتمہ ہوا۔ یہی کام اور فریضہ ریاست پاکستان پر عائد ہوتا ہے کہ وہ پہلے پاکستان میں قرآنی نظام قائم کر کے توحید عملی کا اظہار کرے، پھر صنم خانہ ہند کو شرک سے پاک کرنے کیلئے ہندو قوم کو ان کے حقیقی چہرہ سے روشناس کرے۔ انشاء اللہ اب وہ وقت دور نہیں جب ہند کے دیرنشیں توحید پرست بن جائیں گے۔ غزوہ ہند کے بعد مشرکین کے تمام خاص و عام اپنی اصل حقیقت سے، پاک سرزمیں کے طفیل آشنا ہو جائیں گے۔ ان کے مذہب اور رسوم ورواج سے خرافات کا خاتمہ ہوگا۔

Marfat.com

میرا انعام پاکستان

(Pakistan A Gift Pack from Allah)

قیامِ خلافت کی نوید

ہادی برحق ﷺ نے ابن حوالہ کے سر پر دست مبارک رکھ کر فرمایا: ''ابن حوالہؓ اگر تم دیکھو کہ خلافت ارض مقدس پر اتر آئی ہے، تو وہ وقت، زبوں، آگ کے شعلوں اور سخت ترین مصائب کا ہوگا۔ اور قیامت اتنی قریب ہو جائے گی۔ جتنا میرا ہاتھ تمہارے سر کے قریب'' (ابوداؤد)

اس حدیث سے چار باتیں ہمارے سامنے آتی ہیں۔

اول: فرمان نبوی ﷺ میں، دور نبوی ﷺ اور خلافت راشدہ کا، آغاز اسلام یعنی ابتدائی دور خلافت مراد نہیں ہے۔ نہ ہی وہ خلافت، فرمان نبوی ﷺ میں بیان کردہ کیفیت میں قائم ہوئی۔ یہ خلافت راشدہ بعد ازاں اموی دور میں بادشاہت میں تبدیل ہوگئی۔

جہاد ہند جسکی اس قدر فضیلت بیان ہوئی ہے، وہ بھی آگ دخوں اور زبوں کا آئینہ دار ہے۔

دوم: قیامت سے انتہائی قریب کے دور میں خلافت کے از سر نو قیام کی خبر دی گئی ہے۔

سوم: جہاد ہند کی روایات میں اس کی جو فضیلت بیان ہوئی ہے، اسی طرح کے الفاظ اور درجات غزوہ بدر و احد کے مسلم مجاہدین کیلئے بھی آئے ہیں۔ جہاد ہند کی غیر معمولی فضیلت اور مدینہ ثانی (پاکستان) کا پس منظر، اس جانب واضح اشارہ کرتے ہیں کہ یہ قیام خلافت پاک سرزمین پر ہوگا۔ جہاد ہند کا سبب بھی یہی نظام بنے گا۔ حضرت مسیح کی پورے کرہ ارضی پر عالمی خلافت ہوگی اور ان کا نزول بھی جنگ و جدل، آگ دخون، زبوں حالی اور تباہی اور سخت مصائب کے دور میں ہوگا۔ ابتدائی طور پر قائم ہونے والی یہی متوقع خلافت نزول مسیح کے بعد عالمی صورت اختیار کر جائے گی۔

چہارم: اس نظام خلافت، قیام قیامت سے قبل آ کر یہی الٰہی نظام ہوگا۔

پنجم: خلافت ارض مقدس میں قائم ہوگی۔

قرآن پاک میں ارض موعود (Promised Land) کا تذکرہ آیا ہے۔ یہ وہ علاقہ تھا جس پر بت پرست قابض تھے جبکہ بنی اسرائیل فراعین مصر کی غلامی میں تھے۔ جب اللہ نے بنی اسرائیل کو مصر کی اسیری سے نجات دلائی اور انہیں حضرت موسیٰ کی سربراہی میں سینا میں پناہ دی۔ تو بذریعہ جہاد ارض موعود کی بازیابی بتائی۔ (جس خطہ سے بنی اسرائیل کا انخلاء ہوا تھا، اسلئے اسے ارض موعود کہا گیا۔ بعد ازاں موسیٰ کے ایک شاگرد یشوع نے یہ promised land لیا۔ حضرت عیسیٰؑ کی بعثت کی سرزمین بھی یہی تھی۔ انہیں شام میں آنا ہے اور ان کی نصرت کیلئے لشکر سرزمین ہند سے (ہندوستان سے ایک فیصلہ کن اور مقدس جنگ کے بعد) شام روانہ ہونے ہیں۔ جو مسیح کی سرکردگی میں اسرائیل کے خلاف لڑیں گے۔ حضرت مسیح کی آمد کے بعد

Marfat.com

پاکستان میں متوقع خلافت جنگ ہند کے بعد پورے برعظیم کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔ حضرت مسیح ارض موعود (فلسطین) کو یہود سے آزاد کرائیں گے۔ تو یہ ابتداً قائم ہونے والے ریاست اسلامی، عالمی صورت اختیار کر جائے گی۔ اس سے مراد حضرت مسیح کی بھی خلافت ہو سکتی ہے۔

کیا ارض مقدس سے مراد پاکستان ہے؟

موجود خطہ پاکستان کا نام چوہدری رحمت علی نے اپنے مشہور رسالہ "اب یا کبھی نہیں" میں اپنے مجوزہ وطن کیلئے پاک ستان Pak-stan تجویز کیا۔ جو بعدازاں دونوں کے مرکب سے پاکستان بن گیا۔ یہ لفظ اپنی ہیت میں منفرد ہونے کے علاوہ تحریک پاکستان میں پہلی مرتبہ وجود میں آیا اور قیام پاکستان کے ساتھ ہی متعارف ہوا۔

پاکستان کا معجزانہ نام

یہ کسی بھی مملکت کا واحد نام ہے جو کسی مخصوص نسلیت، وطنیت، علاقائیت، وغیرہ کو ظاہر کرنے کی بجائے، اپنے نام ہی میں ان بتوں کی نفی کرتا ہے۔ جو بذات خود ایک معجزانہ بات ہے۔

معانی: پاک سرزمین، مقدس سرزمین یا ارض مقدس

ارض کے معنی سرزمین اور مقدس کے معنی پاک کے ہیں۔ (دیکھئے قاموس القرآن صفحہ)

حدیث میں بیان کرہ ارض کے پاکستان یعنی ارض پاک کے معنوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

خطہ پاکستان کا عظیم روحانی پس منظر درحقیقت اسی حقیقت کا غماز ہے کہ یہی وہ خطہ ہے جو اسلام کے نام پر وجود میں آیا۔ اور یہی اس کے دوام کا بھی باعث بنے گا۔ یہیں سے دین ابھرا اور ابھرے گا۔ اسی مقصد عظیمہ کی جانب اشارہ فرماتے ہوئے، قائد نے اپنے متعدد خطبات میں مفصل بیان کیا۔ آپ نے قیام پاکستان کے اصل مقصد قیام کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

"اپنے لئے ایک ریاست کی تخلیق اپنی منزل مقصود تک پہنچنے کا ایک ذریعہ ہے خود منزل مقصود نہیں"

یہ سرزمین اللہ اور اسکے رسول ﷺ کے نام لیواؤں نے ایک عظیم مقصد کی تکمیل کیلئے حاصل کی۔ یہ مقدسین کا پاک مسکن ہے۔ یہ مدینہ ثانی اللہ تعالیٰ کی کتاب تنفید کیلئے قائم ہوا ہے۔

اقبالؒ ۔ اے ارض پاک تیری رحمت پہ کٹ مرے ہم — ہے خون تری رگوں میں اب تک رواں ہمارا

پاکستان کے نام (لفظ) کے ساتھ واسطہ مخصوص واقعات

قیام پاکستان کی تحریک میں جب پاکستان کے نام سے خطہ کا مطالبہ کیا گیا تو کانگریس والوں اور کانگریس نواز طبقہ نے طعنہ دیا کہ کیا نام ہے کہ یہ خطہ اور مقدس ہے۔ اور باقی ہندوستان اور دنیا پلید و ناپاک ہے۔ لفظ پاکستان پر مخالفین نے سخت تنقید کی اور اسکے اسی مفہوم کو ہدف تنقید بنایا گیا۔ اسے پلیدستان بھی کہا گیا۔ مولانا ابوالکلام آزاد کہتے ہیں۔ "پاکستان کی اصطلاح بذات یہ مفہوم باور کراتی ہے کہ دنیا کے بعض علاقے تو پاک اور پوتر ہیں اور باقی ناپاک، یہ امتیاز اور تفریق قطعاً غیر اسلامی ہے"

Marfat.com

جبکہ یہ سب کچھ، مولانا جن ہنود کی طرف داری میں یہ کہہ رہے تھے، ان کی بابت قرآن پاک ان بت پرست مشرکین کو نجس یعنی ناپاک اور پلید قرار دیتا ہے۔

"انما المشرکون نجس" "بلاشبہ مشرکین نجس ہیں" (القرآن:۹:۲۸)

آخر میں حضرت سید احمد شہید کا یہ فرمان قارین کا فکر و تدبر کیلئے پیش کرتا ہے فرمایا کہ: "اور اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق یہ متعین تمام ادیان پر غالب ہو کر رہے گا لیکن جو شخص اس معرکے میں خود حاضر ہوگا۔ وہ سعادت سے مشرف ہوگا۔ اور دوسروں سے سبقت لے جائے گا اور جو اس معاملہ میں کاہلی اور سستی سے کام لے گا وہ کل قیامت میں کف افسوس ملے گا"

رسول اللہ ﷺ کی مکی اور مدنی زندگی کا موازنہ

ریاست پاکستانیہ اور ریاست مدینہ میں تخلیقی مماثلتوں اور موازنے پر بحث سے قبل قائد کا اس سلسلہ میں ایک خوبصورت تبصرہ قارئین کی نذر کرنا چاہتا ہے۔ جس سے قائد کی رسول اللہ ﷺ کی مکی اور مدنی زندگی کے دونوں گوشوں پر گہرے مشاہدے کا بھی علم ہوتا ہے۔

نواب بہادر یار جنگ جو کہ ایک بہت بڑی علمی و فکری شخصیت کے مالک انسان تھے۔ وہ قائد کے بمبئی میں قیام کے دنوں میں، ان سے ملتے رہے۔ ایک ملاقات میں قائد سے ملت اسلامیہ اور خاص طور پر ہندوستان کے مسلمانوں کے حوالے سے، ان کے حال اور مستقبل پر باتیں ہو رہی تھیں تو ان سے قائداعظم نے فرمایا: "بہادر یار جنگ آپ جانتے ہیں کہ تاریخ اسلام کے اولین ایام یعنی دور رسالت ﷺ کے دو واضح حصے ہیں یعنی مکی اور مدنی دور، میں نے سیرت نبی اکرم ﷺ کا بغور مطالعہ کیا ہے۔ مکی دور تنظیم ملت کا دور ہے۔ میں اپنے آپ میں مسلمانان ہند کو منظم کرنے کی اہلیت پاتا ہوں اور مطمئن ہوں کہ میں یہ فریضہ ادا کر سکوں گا، مگر مدنی دور دفاعِ ملک و ملت اور جہاد کا دور تھا۔ میں اپنے آپ کو جہاد اور غزویات کے متقضیات میں ملت کی راہنمائی کے قابل نہیں سمجھتا۔ اللہ تعالیٰ کرے جب ملت کو جہاد جیسی اہم ذمہ داری کرنی پڑے، تو اللہ خود اس ملت کو کوئی مردِ مجاہد عطا فرمادے۔

پاکستان عالم اسلام کا فکری و روحانی مرکز

فرمان نبوی ﷺ کی رو سے ہر صدی کے سرے پر اللہ تعالیٰ ایسا شخص بھیجتے ہیں جو دین پر پڑنے والے غبار و دور کر کے اصل چہرہ کو پھر سے زیادہ کر کے لوگوں کے سامنے رکھتا ہے۔ پہلے ہزار برس کے تمام ترمجددین امت عرب میں پیدا ہوئے۔ جنہوں نے فکری و روحانی محاذ پر عظیم خدمات انجام دیں۔ اور پھر اس کے بعد اہل عرب کے دور عروج کا اختتام ہوا۔ اور یہ مرکز علم و فکر عرب سے دوسرے ہزار سال کے شروع میں منتقل ہوگیا۔

Marfat.com

پاکستان کی سرزمین پر ارض پاکستانیہ پر قدرت کے احسانات

قائد نے فرمایا: مجھے کوئی شک نہیں ہے کہ یہ حسین سرزمین (اب) آپ کی ہے اس میں ہر وہ نعمت ہے جس کا آپ تصور کر سکتے ہیں پاک معاشرہ اور خطہ جنت ارضی کا نمونہ ہے۔ یہ خیبر سے مکران تک وسعت کا حامل ہے۔ جہاں بکثرت حسین مناظر ہیں شمالی علاقہ میں شیلو اور شیوک کی خوبصورت وادیاں ہیں۔ جہاں کے سبزہ زاروں میں خراماں خراماں بہتے دریا بہشت کا سماں باندھ رہے ہیں۔ خوبصورت جھیلیں خنک پانی سے لبریز ہیں۔ زمین سے نکلتے یخ بستہ اور گرم پانی کے قدرتی چشمے سرسبز پہاڑوں، برف پوش چوٹیاں۔ چلتی ہوئی معطر ہوائیں۔ فاران وکاغان جیسی جنت نظیر وادیاں۔

جنوب میں بحیرہ عرب کے نیل گوں پانی اپنے سینے میں ان کہی تاریخ چھپائے ہوئے ہیں۔ مضطرب موجیں یہاں اترنے والوں کی خبر دیتی ہیں۔ اس دیس میں چولستان کے صحرا بھی ہیں۔ جہاں عہد حاضر میں بھی اونٹوں کی قطاریں کانوں میں جرس کی مٹھاس گھولتی گزرتی ہیں۔ وادی سندھ اپنے اندر گہری چاہتوں کے نقش سموئے ہوئے ہے۔

دل عشاق کی مانند یہ تپتے میدان — یہ لچکتے ہوئے جنگل یہ تھرکتے ارمان
پہاڑوں کی گھٹاؤں پہ جوانی کی اٹھان — مچلتے ہوئے دریاؤں میں انگڑائی کی شان
کتنے روشن ہیں دیئے تیرے شبستانوں میں

بی بی سی (BBC) نے پاکستان کے موسموں اور مناظر کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ اس ملک میں آپ ہر روز ٹھنڈے میٹھے گرم اور کھٹے موسم کا لطف لے سکتے ہیں۔ پاکستان رقبہ کے لحاظ سے نسبتاً چھوٹا ملک ہونے کے باوجود اس کا موسم اور جغرافیہ کچھ اس قسم کا ہے کہ آپ سال کے کسی بھی دن یہاں ہر طرح کے موسم سے لطف اٹھا سکتے ہیں۔ اس کے ایک کونے میں برف دوسرے میں سخت گرمی اور تیسرے میں بہار کے کھٹے میٹھے موسم کا مزہ ملتا ہے۔ سیاحت کے اتنے امکانات اس قدر رنگوں کے ساتھ کسی اور ملک کو بہت کم نصیب ہیں۔ شمالی علاقہ جات سیاحوں کی جنت ہیں۔ آٹھ عالمی بلند ترین چوٹی K-2 ہے۔ (بعض کے اعداد و شمار میں پہلے نمبر پر ہے) بیشمار قدرتی راستے اور نادر اقسام کے چرند پرند اور پودے پائے جاتے ہیں۔ مزید کہا کہ پاکستان کے ان علاقوں میں طلوع آفتاب کا جو منظر دیکھ سکتے ہیں ویسا دنیا کے کسی اور ملک میں نہیں دیکھا جا سکتا ہے۔

بلاشک وشبہ ہمارا ملک قدرتی فیاضیوں کے اعتبار سے دنیا کا حسین ترین خطہ ہے۔ اس ملک کے مناظر اہل دنیا کے حیران کن ہیں۔

یہ سرزمین زراعت اور معدنیات سے بھی مالا مال ہے۔ دنیا کی کوئی فصل ایسی نہیں ہے جو یہاں کاشت نہ ہو سکے نیز عظیم دریائے سندھ عظیم تہذیب وتمدن کے ہمراہ میسر ہے۔ ہم اس ملک کو دنیا کے سامنے سیاحت کے اعتبار سے Explore کرنے میں ناکام رہے ہیں۔

Marfat.com

ارضی خطے

قدرتی انعامات اور فیاضیوں سے مالا مال سطح مرتفع ، اپنی میٹھی زبان اور ثقافت لئے ہوئے ہے اور دوسری جانب سرحد کی سنگلاخ چٹانوں سے بسنے والے غیور پٹھان، دنیا کے عظیم دریاؤں میں ایک دریائے سندھ اپنے چار ہمجولیوں کے ہمراہ وسیع ڈیلٹا ہوتے ہوئے بحرہ عرب سے گلے ملتا ہے۔ معدنیات اور قدرتی نعمتوں سے بر پور خطہ بلوچستان ہے جہاں کے باسی فطرت سے ہم کلام ہیں۔

الغرض یہ سرزمین عطیہ خداوندی ہے، جہاں لاتعداد نسلیں، زبانیں، تہذیبیں اور ثقافتیں ہیں جو مل کر ایک حسین گلدستہ تشکیل دیتی ہیں اس گلدستے کے ہر پھول کا جدا رنگ اور اپنی ہی خوشبو ہے۔

موسم اور درجہ حرارت

ارض پاک میں منفی ۴۰ سینٹی گریڈ سے کہیں کم تک اور ۵۰ سینٹی گریڈ سے زائد تک کا درجہ حرارت پایا جاتا ہے یہ قدرت کا ایک مخصوص چھوٹے خطے میں ایک عجوبہ ہے۔ درجہ حرارت کا یہ تغیر نا قابل یقین حد تک ہے۔ ایسا معاملہ ہمیں کسی اور ملک میں دیکھائی نہیں دیتا، ایسے میں فطرت پکار اٹھتی ہے کہ

تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے

ہم خوش نصیب ہیں اللہ نے ہمیں رہنے کا مسکن دیا ہے۔ قومیں اپنے مستقبل کی تعمیر کیلئے شبانہ روز محنت کے ذریعہ سخت جفاکشی اور کام کے عبد ایک ممیز مقام اقوام کی برادری میں حاصل کرتی ہیں۔ قدرت نے ہمیں اپنی فیاضیوں سے مالا مال کر دیا ہے۔ اب یہ ہمارا کام ہے کہ اس ملک کو عطیہ خداوندی کی قدر سمجھیں اور اسکی ترقی کیلئے جدوجہد کریں۔ قائد نے کتنی عمدہ بات کی تھی۔

"آیئے ہم اپنی عظیم قوم اور اپنی خود مختار مملکت پاکستان کی تشکیل و تعمیر کیلئے تدبیر کیں۔ اب یہ ہر مسلمان مرد و عورت کیلئے، سنہری موقع ہے اور اسکی خوش قسمتی بھی کہ وہ اپنے حصے کا بھر پور اور مکمل کردار ادا کرے بڑی سے بڑی قربانیاں دے اور پاکستانی قوم اور ملک کو دنیا کی عظیم ترین قوم اور ملک بنانے کیلئے مسلسل ان تھک، شبانہ روز محنت کرے، اب پاکستان اس کی لاج اور ترقی آپ کے ہاتھوں میں ہے"

بلاشبہ ہم میں بے پناہ صلاحیتیں موجود ہیں پاک سرزمین زبردست وسائل و ذرائع اور امکانات ترقی کی حامل ہے، باری تعالیٰ نے ہمیں قدرتی دولت بڑی فراوانی کے ساتھ عطا کی ہے۔ اب یہ انسانی ہاتھوں کا کام ہے کہ وہ اس دولت سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھائیں۔ (نشری بیان لاہور ۳۰ اکتوبر ۱۹۴۷ء)

اے اہلیان پاکستان "اور تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے"

ممتاز دانشور حکیم محمد سعید صاحب کے مطابق اللہ تعالیٰ نے سورۃ الرحمٰن میں بیان کردہ تمام نعمتیں پاکستان میں موجود

Marfat.com

ہیں۔حکیم صاحب کے بقول انہیں ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے سورۃ الرحمٰن کہا جارہا ہو کہ اے ملت پاکستان تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔حکیم محمد سعید صاحب کے نزدیک پاکستان قدرت کا عظیم عطیہ ہے۔ہمیں اپنے رب کا شکر ادا کرتے ہوئے ان نعمتوں سے بھرپور استفادہ کرنا چاہیئے۔اور بقول حکیم صاحب کے ہمیں اپنی ناجائز ضروریات کیلئے غیروں سے بھیک نہیں مانگنی چاہیئے۔اس کی تکریم کرنی چاہیئے۔معروف مصنف اور سفرنامہ نگار مستنصر حسین تارڑ صاحب، جنہوں نے دنیا بھر کی خاک چھانی اور اب وہ پاکستان کا چپہ چپہ دیکھ رہے ہیں۔وہ پاکستان کے قدرتی حسن سے بہت زیادہ متاثر ہیں۔ان کے مطابق دنیا کے سب سے زیادہ اقسام کے پھل کسی ایک خطے کے اعتبار سے پاکستان میں ہوتے ہیں۔پاکستانی علاقوں کی سیاحت پر انہوں نے بہت سے سفرنامے بھی تحریر کئے ہیں۔وہ کہتے ہیں کہ شمالی علاقوں میں انہوں نے ایسے منفرد خوبصورت اور نئے رنگوں کے پھول دیکھے ہیں جو باقی دنیا میں کہیں نہیں دیکھے۔فطرت نے ہمیں سارا سال ہر طرح کے موسموں اور رنگوں سے نواز رکھا ہے۔

تہذیب، ثقافت، فنون لطیفہ اور صوفیانہ روایات ان ہی قدرت کی نعمتوں کی دوسری شکل ہیں۔دنیا کی قدیم ترین تہذیب، ثقافت تمدن اور روایات آج بھی زندہ جاوید ہیں۔ہمارا تاریخی ورثہ، صوفیانہ روایات، فنون، ہنر، شعر و ادب، عشق و رومان کی داستانوں اور زندگی کے جذبوں سے بھرپور حکایتوں سے مزین ہے۔یہ خطہ کثیر النسلی، کثیر الثقافتی، یکسر مختلف روایات، زبانوں لب ولہجوں، رنگوں اور رواجوں، انفرادی قدروں کی بدولت اپنی خاص انفرادیت کا حامل ہے۔

رنگ وخون

پاکستان کے طول وعرض میں قدیم زمانہ سے مختلف اقوام اور نسلیں آباد ہیں۔ممتاز ماہر آثار قدیمہ جناب پروفیسر احمد حسن دانی صاحب کے بقول پاکستان بالعموم اور پنجاب کا بالخصوص ۶۰ فیصد خون وسطی ایشیائی ریاستوں کا ہے جو کہ بڑی تاریخی ہجرت کی خبر دیتا ہے نیز زبان اور ثقافت پر بھی اس خطہ پر وسطی ایشیائی اثرات نمایاں ہیں۔

پاکستان کا جغرافیہ

جغرافیائی اعتبار سے ہم بہت اہم خطہ میں رہ رہے ہیں ایک طرف ہماری سرحد ایران کے ساتھ ملتی ہے، دوسری طرف افغانستان اور واخان کے ذریعہ ہم وسطی ایشیائی ریاستوں کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں۔ہمارے مشرق میں بھارت ہے جو کہ تقسیم سے قبل ایک ہی ملک تھا۔شمال میں چین کے ساتھ دوستانہ روابط ہیں۔نیز شارع ریشم قدیم و رتاریخی رشتوں کی خبر دیتی ہے جبکہ دوسری جانب جنوب میں بحیرہ عرب کے ذریعہ ہم عرب ممالک اور دیگر دنیا کے ساتھ تجارتی تعلقات قائم رکھے ہوئے ہیں۔

سندھ SIND اور ہند HIND

ایرانیوں نے یہاں کے ایک علاقہ پر قبضہ کیا تو یہاں کے دریائے سندھ کی نسبت دیتے ہوئے اسکا نام ہندھو رکھا

Marfat.com

(لفظ Indus) سندھ معانی: دریاؤں کی سرزمین) کیونکہ قدیم فارسی زبان اور سنسکرت میں "ھ" اور "س" کو آپس میں تبدیل کیا جاتا تھا۔ جسکی بہت سے مثالیں ہیں۔ یہ نام پوری دنیا میں مقبول ہوگیا جبکہ اہل عرب "ھند" کی وادی سندھ کو "سندھ" کہہ کر پکارتے تھے۔ شمال مغربی سرحد کے راستے آنے والے مسلم فاتحین نے اسے "ھندواستھان" کا نام دیا۔ سندھ سے مراد پوری وادی سندھ ہے یعنی آج کا بیشتر پاکستان۔

پنجاب

پنج آب سے ہے یعنی پانچ دریاؤں کی سرزمین، تاریخ مخزن پنجاب میں درج ہے کہ پنجاب کو پہلے پنج دوآب کہا جاتا تھا۔ یعنی سات دریاؤں کی سرزمین۔

آج کا بیشتر پنجاب ماضی میں سندھ میں شامل تھا، سندھ پنجاب ایک ہی خطہ ہے۔ دونوں کے نام بھی دریائے سندھ اور اسکے حواری دریاؤں سے ماخذ ہیں۔ محمد بن قاسم کی آمد کے وقت آج کا تقریباً تمام پاکستان سندھ کہلاتا تھا محمد بن قاسم سندھ کے وسط علاقے ملتان شہر تک آباد تھا۔ اسی موضوع کی نسبت سے حال ہی میں حنیف شاہد صاحب کی ایک بڑی عمدہ کتاب "سندھ: سات دریاؤں کی سرزمین شائع ہوئی ہے جو ایک عمدہ تحقیق ہے"۔

انڈیا INDIA

فرانسیسی زبان (French) میں ھند کا "ھ" "الف (ا)" میں بدل کر ھند "اند" ہوگیا اور اسی سے پھر "اندیا" India کہا گیا۔

۲۲ جولائی ۱۹۹۹ء کو بھارتی چینل دوردرشن ایک DD1 سے دریائے سندھ پر خصوصی پروگرام نشر کیا گیا، جس میں بشمول BJP کی انتہا پسند ہندو مذہبی جماعت کے کئی اہم بھارتی راہنماؤں اور کئی جید ہندو مذہبی سکالرز کے انٹرویوز نشر کئے گئے۔ جس میں سندھونڈی کے متعدد تاریخی اور مذہبی حوالے سامنے آئے، ہندو مذہبی سکالرز نے بتایا کہ ویدوں، مہابھارت اور دیگر مذہبی حوالے کے پیش نظر تقدس میں سندھونڈی کی اہمیت کسی صورت بھی گنگا جمنا سے کم نہیں بلکہ ایک اسکالر کے بقول مہابھارت میں سندھونڈی کا تزکرہ تیس ۳۰ مقامات پر آیا ہے۔ بھارتی راہنماؤں اور اسکالرز نے سندھ دریا کو زیادہ اہم اور زیادہ مقدس قرار دیا۔ انہوں نے بھارتی جنتا کو اس دریا کے روشن اور اسکیا شنان کو کرنے کو کہا۔ نیز انہوں نے اس کا بھی اقرار کیا کہ ہندو قوم کی اصل پہچان اسی سندھو سے ہے۔ جس سے لفظ 'ہندو' بنا ہے۔

پچھلے برس اسی اہمیت کے باعث مقبوضہ لداخ کے علاقہ میں بھارتی حکومت نے، دریائے سندھ کے کنارے بہت بڑا میلہ منعقد کیا (یہ وہ مقام ہے جہاں سے دریائے سندھ گزر کر پاکستان میں آتا ہے) جس کا افتتاح بھارتی وزیراعظم شری اٹل بہاری واجپائی نے کیا۔ یہاں خصوصی گیان کیئے گئے۔ اور بعض مقدس اشیاء (ہندو عقیدہ کے مطابق) بہائی گئیں۔ بھارتی پرھام منتری نے اسے پاکستان کیلئے نیک جذبات کا تحفہ کہا۔

Marfat.com

محل وقوع

اسلامی جمہوریہ پاکستان 23.35 اور 37.05 شمالی عرض البلد اور 60.50 اور 77.50 مشرقی طول البلد کے درمیان واقع ہے۔اس کا کل رقبہ 796096 مربع کلومیٹر ہے۔

پاکستان چار صوبوں وفاقی دارالحکومت اور وفاق کے زیر انتظام شمالی علاقوں (فاٹا) پر مشتمل ہے۔رقبے کے لحاظ سے صوبہ بلوچستان سب سے بڑا صوبہ ہے۔اس کا رقبہ 347190 مربع کلومیٹر ہے۔پنجاب کا رقبہ 205345 مربع کلومیٹر ہے۔جبکہ صوبہ سندھ کا رقبہ 140914 مربع کلومیٹر اور شمال مغربی سرحدی صوبے کا رقبہ 74521 مربع کلومیٹر ہے۔فاٹا کا رقبہ 27220 مربع کلومیٹر جبکہ وفاقی دارالحکومت اسلام آباد کا رقبہ 906 مربع کلومیٹر ہے۔

ایشیا کے نقشے پر نگاہ ڈالیئے۔پاکستان کے جنوب کی طرف واقع ہے۔اسی لئے اسکو جنوبی ایشیا کا حصہ سمجھا جاتا ہے۔

پاکستان کے جنوب مغرب میں ایران واقع ہے جس کی پاکستان کے ساتھ تقریباً 800 کلومیٹر طویل مشترکہ سرحد ہے۔ایران پاکستان کے مشرق میں بھارت واقع ہے۔بھارت کے ساتھ پاکستان کی 1610 کلومیٹر طویل مشترکہ سرحد ہے۔سندھ اور پنجاب کے صوبوں کے ساتھ یہ پاکستان سے مربوط ہے۔ریل اور سڑک ذرائع نقل وحمل ہیں۔بھارت کے مشرق میں گئی مسلم ممالک مثلاً بنگلہ دیش، ملائیشیا اور برونائی دارالسلام واقع ہیں۔

پاکستان کے شمال میں واقع ہے چین کے ساتھ پاکستان 585 کلومیٹر طویل مشترکہ سرحد ہے۔شاہراہ قراقرم کے راستے پاکستان چین سے جڑا ہوا ہے۔تاجکستان بھی پاکستان کے شمال میں واقع ہے۔صرف افغانستان کی چھوٹی سی پٹی جسے واخان کہتے ہیں پاکستان کو تاجکستان سے جدا کرتی ہے۔پاکستان کے شمال مغرب میں افغانستان واقع ہے، پاکستان اور افغانستان کی مشترکہ بین الاقوامی سرحد 2252 کلومیٹر طویل ہے۔جو ڈیورنڈ لائین کہلاتی ہے۔پاکستان کے جنوب میں بحیرہ عرب ہے۔بحیرہ عرب کے ساتھ ساتھ پاکستان کا تقریباً 700 کلومیٹر طویل ساحلی علاقہ ہے۔اس ساحلی علاقے میں پاکستان کی بندرگاہیں بھی واقع ہیں ان میں کراچی بندرگاہ، بن قاسم اور گوادر کی بندرگاہ اہم ہیں۔

پاکستان کے محل وقوع کی اہمیت

پاکستان کا محل وقوع بہت اہمیت کا حامل ہے کہ پاکستان جس خطے میں واقع ہے اس کی دفاعی، فوجی، اقتصادی اور سیاسی اہمیت نمایاں ہے۔مندرجہ ذیل عوامل سے اسکی اہمیت عیاں ہے۔

۱۔شمال میں چین سے جڑا ہوا ہے، شاہراہ قراقرم بری اور زمین راستے سے چین اور پاکستان کو باہم ملاتی ہے۔یہ شاہراہ سلسلہ قراقرم کی چٹانوں کو کاٹ کر بنائی گئی ہے اور یہ چین اور پاکستان کے مابین اہم تجارتی شاہراہ ہے۔پاکستان کے چین کے ساتھ انتہائی دوستانہ تعلقات ہیں۔

۲۔پاکستان افغانستان کو تجارت کے لئے عبوری بری اور بحری راستوں کی سہولت مہیا کرتا ہے۔

Marfat.com

۳۔ چین کے مغرب میں افغانستان کے علاقے کی ایک تنگ پٹی واخان، پاکستان کی شمالی سرحد کو تاجکستان سے جدا کرتی ہے، پاکستان کے وسطی ایشیا کے اس ملک کے ساتھ انتہائی خوشگوار تعلقات قائم کر لئے ہیں۔

۴۔ پاکستان کی جنوب مغربی سرحد پر ایران واقع ہے۔ پاکستان ایران اور ترکی اقتصادی تعاون تنظیم (ایکو) کے بنیادی اراکین ہیں۔ اس تعاون کے نتیجے میں تمام رکن ممالک کے مابین انتہائی دوستانہ تعلقات قائم ہیں۔ ان ممالک نے باہمی دلچسپی کے کئی معاہدوں پر دستخط کئے ہیں۔

۵۔ پاکستان تیل پیدا کرنے والے خلیجی ممالک کے نزدیک اور مغرب میں مراکش سے لیکر مشرق میں انڈونیشا تک پھیلی ہوئی مسلم دنیا کے درمیان واقع ہے۔ بے شمار مغربی ممالک کی صنعتی ترقی کا انحصار خلیجی ممالک کی تیل کی پیداوار پر ہے۔ یہ تیل دوسرے ممالک کو بحیرہ عرب کے ذریعے بھیجا جاتا ہے اور کراچی بحیرہ عرب کی انتہائی اہم بندرگاہ ہے۔

۶۔ مشرق وسطیٰ اور خلیج کے مسلم ممالک سے پاکستان کے تعلقات اچھے ہیں۔ پاکستان نے ان ممالک کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ سعودی عرب اور عرب امارات جیسے ممالک پاکستانیوں کے لئے دوسرے گھر کی حیثیت رکھتے ہیں۔

۷۔ کراچی ایک بین الاقوامی بندرگاہ اور ہوائی اڈہ ہے۔ یہ ہوائی اور بحری راستوں سے یورپ کو ایشیا سے ملاتا ہے۔ وہ تمام ممالک جو مشرق وسطی اور وسط ایشیائی ممالک سے رابطہ کرنا چاہتے ہیں وہ پاکستان کے محل وقوع کو نظرانداز نہیں کر سکتے۔

۸۔ پاکستان میں وادی سندھ اور گندھارا کی قدیم تہذیبیں ہیں اور سیاحت کے نقطہ نظر سے یہ بہت اہمیت رکھتی ہیں۔ بے شمار سیاح وادی کاغان، سوات اور پاکستان کے شمالی علاقوں کی سیاحت کو بہت پسند کرتے ہیں۔

۹۔ پاکستان افغانستان اور ترکمانستان کے ایک معاہدے پر دستخط کئے ہیں جسکے تحت پاکستان کو افغانستان کے راستے گذرنے والی پائپ لائن کے ذریعے گیس مہیا کی جائے گی۔

۱۰۔ پاکستان اور بھارت کے درمیان کشمیر اصل تنازع ہے۔

۱۱۔ پاکستان دنیا کی ساتویں ایٹمی قوت ہے اور مسلم دنیا میں اسکو انتہائی تحسین اور احترم کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ یہ ٹیکنالوجی میں بھی ایک ترقی یافتہ ملک ہے۔ مسلم ممالک کی نظریں پاکستان پر ہیں کہ وہ کئی میدانوں میں مشترکہ ترقی اور فروغ کے لئے قائدانہ کردار ادا کرے گا۔

پاکستان کے طبعی خدوخال

پاکستان کی ارضی سطح کو طبعی خدوخال کے لحاظ سے مندرجہ ذیل ۴ بڑے حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

۱۔ پہاڑی سلسلے ۲۔ سطح مرتفع ۳۔ میدانی علاقے ۴۔ ریگستانی علاقے بشمول ساحلی علاقے

شمالی اور شمال مشرقی پہاڑی سلسلہ

اس حصے میں کوہ ہمالیہ اور کوہ قراقرم شامل ہیں۔

Marfat.com

سلسلہ کوہ ہمالیہ

پاکستان کے شمال مشرقی حصے میں دنیا کا سب سے بلند پہاڑ ہمالیہ واقع ہے۔کوہ ہمالیہ کے متوازن سلسلے ایک کمان کی صورت میں بھارت کے مشرقی حصے تک تقریبا 2430 کلو میٹر تک لمبائی میں پھیلے ہوئے ہیں اس سلسلوں میں بے شمار خوبصورت اور حسین وادیاں واقع ہیں ان سلسلوں کو مندرجہ ذیل چار بڑے حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

ا۔شوالک کی پہاڑیاں رہمالیہ بیرونی سلسلہ

۲۔پیر پنجال رہمالیہ صغیر کا سلسلہ

۳۔ہمالیہ کبیر کا سلسلہ

۴۔کوہ لداخ رہمالیہ اندرونی کا سلسلہ

سلسلہ کوہ قراقرم

ہمالیہ کبیر کے شمال مغرب میں کوہ قراقرم واقع ہے جس کے شمال میں کشمیر اور گلگت کے علاقے آتے ہیں۔کوہ قراقرم کی اوسط بلندی تقریبا 7000 میٹر ہے۔پاکستان کی بلندترین اور دنیا کی دوسری بلندترین چوٹی گوڈاون آسٹن یا کے ٹو سلسلہ قراقرم میں واقع ہے۔سطح سمندر سے اسکی بلندی 8611 میٹر ہے،ان سلسلوں میں کئی گلیشئر پائے جاتے ہیں۔انہی میں سیاچن گلیشئر بھی شامل ہے،پاکستان کی شاہراہ ریشم،شاہراہ قراقرم اسی سلسلے سے گذرتی ہے اور چین سے ملاتی ہے

شمالی اور شمال مشرقی پہاڑی سلسلے کی اہمیت

ا۔یہ پہاڑ پاکستان کے لئے بہت فائدہ مند ہیں اپنی بلندی اور ناہموار سطح کی وجہ سے یہ پاکستان کو شمال کی جانب سے ایک قدرتی حصار اور دفاع مہیا کرتے ہیں۔

۲۔یہ پاکستان کو قطب شمالی سے اٹھنے والی خون جما دینے والی سرد ہواؤں سے محفوظ رکھتی ہیں ورنہ موسم سرما میں پنجاب و سرحد برف سے ڈھکے ہوئے ہوتے اور سردیوں کی طویل لہر اور طویل دورانیہ سے زندگی انتہائی دشوار اور قابل رحم ہو جاتی۔

۳۔مون سون کے موسم میں ان پہاڑوں کی وجہ سے پنجاب اور شمالی علاقوں میں بہت زیادہ بارشیں ہوتی ہیں،انہی بارشوں کا پانی دریاؤں کے راستے آبپاشی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

۴۔موسم سرما میں یہ پہاڑ برف سے ڈھک جاتے ہیں جو موسم گرما میں پگھلتی ہے اور زیر زمین اس پانی کی سطح کو بلند کرتی ہے جو زراعت کے کام آتا ہے۔

۵۔ہمارے ملک کے 80 فیصد جنگلات انہی پہاڑوں میں واقع ہیں۔اگر چہ ہمارے ملک کے 4.5 فیصد جغرافیائی رقبے میں جنگلات پھیلے ہوئے ہیں لیکن یہ جنگلات بہت گھنے ہیں اور ملک کے لئے دولت و سرمایہ کا ذریعہ ہیں۔

Marfat.com

شمال مغربی اور مغربی پہاڑی سلسلے

پاکستان کے شمال مغرب میں واقع سلسلہ کوہ یا پہاڑی کو ہمالیہ کی مغربی شاخیں بھی کہا جاتا ہے، شمال مغربی پہاڑوں کے مقابلے میں یہ کم بلند ہیں کئی وادیاں چھوٹے دریا اور درّے ان پہاڑوں میں واقع ہیں۔ ان پہاڑی سلسلوں کو مندرجہ ذیل حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے:

۱۔سلسلہ کوہ ہندوکش ۲۔ سلسلہ کوہ سفید ۳۔ وزیرستان کی پہاڑیاں ۴۔ سلسلہ کوہ سلیمان ۵۔ سلسلہ کوہ کھیرتھر

سطح مرتفع

پاکستان میں مندرج ذیل سطح مرتفع واقع ہیں۔

۱۔سطح مرتفع پوٹھوہار ۲۔سطح مرتفع بلوچستان

میدانی علاقے

پاکستان کے میدانی علاقے دریائے سندھ اور اس کے معاون دریاؤں کی لائی ہوئی مٹی سے بنے ہیں۔ یہ وسیع و عریض میدانی علاقے ۳ حصوں میں تقسیم کیے جاسکتے ہیں۔

۱۔ دریائے سندھ کا بالائی میدان ۲۔ دریائے سندھ کا زیریں میدان ۳۔دریائے سندھ کا ڈیلٹائی میدان

ریگستانی علاقے بشمول ساحلی علاقے

پاکستان کے جنوب مشرق میں ایک وسیع وعریض ریت کے ٹیلوں سے بھرا ہوا ہے۔ یہ ٹیلے اپنی جگہ بدلتے رہتے ہیں۔ پاکستان کے ریگستانی علاقوں میں بارشیں کم ہوتی ہیں۔ اس لئے ان ریگستانوں میں قدرتی نباتات بھی پائی جاتی ہیں۔ پاکستان کے کچھ میدانی علاقے بھی ریگستان یا غیر ریگستانی علاقے کہلاتے ہیں کیونکہ ان کے طبعی حالات میدانی علاقوں سے مختلف ہیں۔

ان میں سے چند صوبہ پنجاب میں اور کچھ صوبہ سندھ میں واقع ہیں۔

۱۔تھل کا ریگستانی علاقہ ۲۔چولستان کا ریگستانی علاقہ ۳۔تھر اور نارا کا ریگستانی علاقہ ۴۔چاغی اور خاران کا ریگستانی علاقہ

ساحلی علاقہ

پاکستان کے ساحلی علاقے کی لمبائی تقریباً 700 کلومیٹر ہے اس کے دو حصے ہیں۔ پہلا حصہ ایران کی سرحد اور دریائے حب کے درمیان واقع ہے جو کہ مکران کا ساحل کہلاتا ہے۔ اسکی لمبائی 500 کلومیٹر ہے۔ دوسرا حصہ سندھ کا ساحل کہلاتا ہے۔ اس کی لمبائی 200 کلومیٹر ہے۔ یہ دریائے حب کے ڈیلٹا اور شاہ بندر ضلع ٹھٹھہ کے درمیان واقع ہے۔ پاکستان کا تمام ساحلی علاقہ بحیرہ عرب کے ساتھ واقع ہے پاکستان کی سب سے اہم بندرگاہ کراچی ہے، دوسری بندرگاہوں میں پورٹ قاسم، سونمیانی، اورمارا، پسنی، گوادر اور جیوانی شامل ہیں۔

Marfat.com

آب وہوا

کسی علاقے یا ملک کی طویل عرصے کی موسمی کیفیات کا مطالعہ آب وہوا کہلاتا ہے۔ موسمی کیفیات سے مراد ہوا کا دباؤ درجہ حرارت رطوبت (نمی) اور بارش کی اوسط شامل ہیں۔ پاکستان خط سرطان Tropic of Comecs کے شمال میں واقع ہے جبکہ یہ ملک مون سون آب وہوا کے خطے کے انتہائی مغرب میں واقع ہے۔ لہٰذا پاکستان کی آب وہوا خشک اور گرم ہے۔ پاکستان کے شمال میں کچھ علاقے نیم گرم مرطوب ہیں جبکہ پہاڑی علاقوں میں سطح سمندر سے بلندی کے باعث پہاڑی آب وہوا پائی جاتی ہے۔ پاکستان کے میدانی علاقوں میں جنوری کے مہینے کا کم از کم درجہ حرارت اوسطاً ۴ درجے سینٹی گریڈ اور زیادہ سے زیادہ 24 درجے سینٹی گریڈ رہتا ہے جبکہ موسم گرما میں کم از کم 30 سینٹی گریڈ اور زیادہ سے زیادہ 40 سینٹی گریڈ تک رہتا ہے۔ جیکب آباد سبی کا درجہ حرارت 50 تک ریکارڈ کیا گیا ہے۔

سالانہ درجہ حرارت سالانہ بارش اور مجموعی فضائی کیفیات کو مدنظر رکھتے ہوئے پاکستان کو 4 آب ہوائی خطوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

۱۔ بری آب وہوا کا پہاڑی خطہ　　　۲۔ بری آب وہوا کا سطح مرتفع خطہ

۳۔ بری آب وہوا کا میدانی خطہ　　　۴۔ بحری آب وہوا کا ساحلی خطہ

وسائل

اس کائنات یا اس عالم میں دو اقسام کے وسائل پائے جاتے ہیں۔ اولاً انسانی وسائل ہیں جو کہ مختلف کاموں کو سرانجام دینے کے لئے۔ انسانوں میں کس قدر قابلیت اور اہلیت ہے مختلف پیشوں کی نوعیت کے لحاظ سے لوگوں میں ایک دوسرے سے امتیاز کیا جاتا ہے۔ جب تمام پیشوں کو باہم ایک جگہ جمع کیا جاتا ہے تو اسی کو انسانی وسائل کہا جاتا ہے۔ پاکستان کی انسانی طاقت مختلف پیشوں اور روزگاروں سے وابستہ ہے مثلاً زراعت، کان کنی، عمارت سازی، تجارت، مواصلات، سرکاری ملازمیں اور دیگر بمعاوضہ کام وسائل کا دوسری قسم قدرتی وائل ہیں جو قدرت نے مہیا کئے ہیں۔ قدرتی وسائل پیداوار کا ذریعہ ہیں دونوں قسموں کے وسائل یعنی انسانی اور قدرتی وسائل کا عطیہ خداوندی میں انسان ان کا کھوج لگا سکتا ہے ان قدرتی وسائل سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ زمینی مٹی (Soil) دریائے سندھ کی میدانی مٹی، پہاڑی مٹی، صحرائی مٹی

جنگلات

جنگلات کسی ملک کی معیشت کا لازمی جز ہیں۔ جنگلات قدرتی وسائل کا بہت اہم ذریعہ ہیں۔ پاکستان کے جنگلات کو چھ اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہاڑی جنگلات، دامن کوہ کے جنگلات، مغربی خشک کوہستانی جنگلات، دریائی جنگلات، نہری یا آبپاشی کے جنگلات یا ساحلی جنگلات۔

معدنیات

معدنیات قدرتی دولت جو زیر زمین دفن ہے اللہ تعالیٰ نے پاکستان کو بھرپور معدنی وسائل کی دولت سے نوازا ہے۔

Marfat.com

پاکستان کے اہم معدنی وسائل یہ ہیں۔

(۱) معدنی تیل (۲) قدرتی گیس (۳) کوئلہ (۴) خام لوہا (۵) کرومائیٹ (۶) تانبا

(۷) جپسم (۸) نمک (۹) چونے کا پتھر (۱۰) سنگ مرمر

زراعت

زمانہ قدیم سے دریائے سندھ کے بالائی اور زیریں میدانی علاقے اسی زرخیزی کی بدولت انسانی تہذیب وتمدن و ثقافت کے مراکز رہے ہیں۔ ان علاقوں میں مختلف اقسام کی فصلیں، پھل اور سبزیاں اُگتی ہیں۔ زرعی شعبہ ملکی ضروریات کا 30% خام مال مہیا کرتا ہے اور یہ آبادی کے 55 فیصد روزگار مہیا کا ذریعہ ہے۔ زرعی برآمدات سے ملک کو 70 فیصد آمدنی ہوتی ہے۔ گندم، چاول اور شکر کی پیداوار میں پاکستان خود کفیل ہے۔

نقد آور فصلیں

کپاس، گنا، تمباکو، تل کے بیج

غذائی فصلیں

گندم، چاول، مکئی، جوار اور باجرہ، دالیں، جو (جئی)

پھل، سبزیاں اور میوہ جات

آلو، شلجم، ٹماٹر، بھنڈی، بینگن، پالک، پیاز، مولی، مٹر، چقندر، بند گوبھی، ہر مرچ، گاجر، کھیرا، انگور، سیب، انار، آلو بخارہ، منقی، خوبانی، آڑو، آم، کھجور، کھیلا، تربوز، خربوزہ، مالٹے، کینو، سردا، گرما، بادا، پستہ، اخروٹ، مونگ پھلی، چلغوزہ، وغیرہ

آبپاشی

پاکستان بنیادی طور پر ایک زرعی ملک ہے، اس کا تقریبا 73% رقبہ زیر کاشت ہے جس کا دارومدار نہروں یا دوسرے ذرائع، ٹیوب ویل، کنویں اور کاریز کے ذریعے آبپاشی پر ہے۔

پاکستان کے علاقوں میں بارش کا سالانہ اوسط 250 ملی میٹر سے بھی کم ہے، پاکستان میں دنیا کا سب سے بڑا نہری نظام ہے۔ صوبہ پنجاب اور صوبہ سندھ میں نہروں کا وسیع جال پھیلا ہوا ہے۔ یہ نہریں ہیڈ ورکس، بیراجوں اور بندوں سے نکالی گئی ہیں۔ پاکستان میں اسوقت 4 ڈیم ہیں۔ تربیلا، منگلا، وارسک بند اور غازی بروتھا بند۔ ہیڈ ورکس کی تعداد 8 اور بڑی نہروں کی تعداد 38 ہے۔

گلہ بانی

پاکستان کو زراعت میں گلہ بانی اور مویشی پالنے کا شعبہ بہت اہمیت کا حامل ہے۔ زرعی شعبے میں اسکا حصہ

Marfat.com

37.5% ہے جبکہ پاکستان کی کل قومی پیداوار میں اسکا حصہ 10% ہے۔گلہ بانی اور مویشیوں میں بھیڑ بکری، بھینس، اونٹ، گھوڑے، گدھے، خچر اور مرغبانی شامل ہیں۔گلہ بانی کی پیداوار میں دودھ، گائے، بکری اور مرغی کا گوشت، اون، بال، چکنائیوں، کھالیں، چمڑا شامل ہیں۔

مچھلیوں کے تالاب بھی ایک ذریعہ ہے۔اونٹ، گھوڑے، گدھے اور خچر وغیرہ چند ایسے مویشی ہیں جو نقل وحمل اور زمین کو ہموار کرنے اور ہل چلانے کے کام آتے ہیں۔

طاقتی وسائل

وسائل توانائی میں کوئلہ، معدنی تیل قدرتی گیس، ایٹمی کا نیوکلیائی توانائی اور شمسی توانائی شامل ہیں۔

۱۔پن چکی احراری (تھرل) بجلی　　۲۔جوہری توانائی (ایٹمی یا نیوکلیائی توانائی)　　۳۔شمسی توانائی

صنعت

فیکٹریوں میں مشین کے ذریعے تیار ہونے والی اشیاء کے کام اور طریقہ عمل کو صنعت کہتے ہیں۔وسیع تر مفہوم میں صنعت کے معنی یہ ہیں کہ خام مال سے متعدد اشیاء تیار کی جائیں جنکی انسانوں کے لئے کچھ افادیت ہو پاکستان میں صنعتوں کی مندرجہ ذیل اقسام ہیں۔

۱۔گھریلو اور چھوٹی صنعتیں

• قالین بافی کی صنعت، سوتی پارچہ بافی کی صنعت، چمڑے کی صنعت، کھیلوں کے سامان کی صنعت، کاردگری (کنکری) کی صنعت، کشیدہ کاری کی صنعت۔

۲۔بھاری صنعتیں

کپڑے کی صنعت، چینی کی صنعت، سیمنٹ کی صنعت، خوردنی تیل اور بناسپتی گھی کی صنعت، کیمیائی کھاد کی صنعت

۳۔دفاعی صنعت

لوہے اور فولاد کی صنعت، پاکستان اسٹیل ملز، کراچی ہیوی مکینیکل کمپلیکس ٹیکسلا، جہاز سازی کی صنعت، ہتھیار اور اسلحہ سازی کی صنعت

سڑکیں

پاکستان میں سڑکیں ذرائع آمد و رفت اور نقل وحمل کا ایک اہم ذریعہ ہیں۔سڑکیں مختلف شہروں کو ایک دوسرے سے ملاتی ہیں۔پاکستان میں سڑکوں کی کل لمبائی 259758 ہے ان میں سے اچھی سڑکیں اور شاہراہیں 162879 کلومیٹر ہیں۔

پاکستان کی اہم شاہراہیں

۱۔قومی شاہراہ　(شاہراہ پاکستان)　　۲۔کراچی، کوئٹہ، شاہراہ براستہ خضدار

Marfat.com

۳۔ کراچی، کوئٹہ شاہراہ براستہ جیکب آباد
۴۔ کوئٹہ پشاور شاہراہ
۵۔ کوئٹہ ملتان شاہراہ براہ لورالائی
۶۔ اٹک ملتان شاہراہ
۷۔ علاقائی تعاون برائے ترقی آر سی ڈی شاہرہ
۸۔ انڈس ہائی وے
۹۔ کراچی حیدرآباد سپر ہائی وے
۱۰۔ لاہور اسلام آباد موٹروے

ریلوے

پاکستان میں آمدورفت کے دوسرے ذرائع میں ریلوے شامل ہے۔ پاکستان ریلوے کا پیچیدہ جال 7791 کلومیٹر لمبائی کی پٹریوں پر بچھا ہوا ہے اسکے 815 اسٹیشن اور 46 ٹرین ہالٹ ہیں۔

۱۔ پشاور سے کراچی براستہ راولپنڈی لاہور اور روہڑی
۲۔ کوئٹہ سے زاہدان
۳۔ روہڑی سے کوئٹہ
۴۔ ملتان سے جیکب آباد براستہ ڈیرہ غازی خان
۵۔ کوئٹہ سے ژوب
۶۔ کراچی سے فیصل آباد
۷۔ راولپنڈی سے فیصل آباد براستہ وزیر آباد
۸۔ پشاور تا کراچی براستہ راولپنڈی، فیصل آباد

فضائی راستے

پاکستان میں 44 بڑے اور چھوٹے ہوائی اڈے ہیں، اس وقت 4 فضائی کمپنیاں کام کر رہی ہیں۔ PIA، Shaheen Air، Aero Asia، Blue Air وغیرہ

بحری راستے

پاکستان میں کراچی اور بن قاسم پر دو بندرگاہوں کو فروغ دین سے تیسری بندرگاہ گوادر زیر تعمیر ہے۔ اس وقت کارپوریشن کے پاس 14 جہاز ہیں۔

ای۔ کامرس

کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کی مدد سے تجارت کرنا، الیکٹرونک تجارت کے ذریعے معاملات جلد طے پا جاتے ہیں۔ الیکٹرانک تجارت اطلاعاتی فنیت (انفارمیشن ٹیکنالوجی کی ایک شاخ) ہے۔ پاکستان اس شعبے میں بھی تیزی سے ترقی کر رہا ہے۔

پاکستان ایک تہذیبی و معاشی وحدت

پاکستان نہ صرف ایک جغرافیائی حقیقت بلکہ ایک نظریاتی اور تہذیبی ورثہ بھی ہے جو برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کی عظیم جدوجہد کے بعد وجود میں آیا۔ قیام پاکستان کا حقیقی سبب صرف ہندو مسلم مذہبی اختلاف نہیں بلکہ صدیوں کا پرانا تہذیبی اور تمدنی اختلاف ہے۔

برصغیر پاک و ہند کی تہذیبی اور تمدنی تاریخ کا اجمالی جائزہ اس حقیقت کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔ پاکستان اس وقت

Marfat.com

چار صوبوں سرحد، پنجاب، سندھ اور بلوچستان پر مشتمل ہے جو جغرافیائی تقسیم کے اعتبار سے وادئ سندھ کا علاقہ کہلاتا ہے۔

برصغیر کا جغرافیائی جائزہ اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ یہ خطہ حقیقی معنوں میں ایک جغرافیائی وحدت نہیں بلکہ دو معاشی اور جغرافیائی اکائیوں، وادی سندھ اور وادی گنگا جمنا پر مشتمل ہے۔ ابتداء ہی سے دونوں خطوں میں جدا جدا حالات، واقعات اور تاریخی عوامل نے دو مختلف تہذیبوں کو جنم دیا۔ حقیقی معنوں میں پاکستانی تہذیب بیک وقت نئی اور پرانی بھی ہے۔ اگرچہ پاکستان ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو وجود میں آیا لیکن اس کی تہذیبی بنیادیں کئی صدیوں تک پھیلی ہوئی ہیں۔ حقیقتاً پاکستان کا تہذیبی اکائی کی حیثیت سے جنم لینا اسی ماضی کے ورثہ کا نتیجہ ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ پاکستان کی بنیاد اسی دن رکھی گئی تھی جب محمد بن قاسم نے سندھ کو بقاصب راجہ داہر سے نجات دلائی اور سندھ کو برصغیر پاک و ہند میں باب الاسلام ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

اسلام ایک آفاقی دین ہونے کی حیثیت سے زندگی کے ہر پہلو کی انقلابی انداز میں رہنمائی کرتا ہے۔ اسلام میں داخل ہونے کے ساتھ ہی انسان ایک نئے تہذیبی دائرے میں داخل ہو جاتا ہے اور ماضی کے تہذیبی ورثے سے یکسر منہ موڑ لیتا ہے۔

بقول مشہور و معروف ہندو تاریخ نویسی کے۔ ایم۔ پانیکر:

ISLAM SPLIT INDIAN SOCIETY INTO TWO SECTIONS FROM TOP TO BOTTOM, AND WHAT HAS COME TO BE KNOWN IN THE PHARASEOLOGY OF TODAY AS TWO SEPARATE NATIONS CAME INTO BEING FROM THE BEGINNING. TWO PARALLEL SOCIETIES WERE ESTABLISHED ON THE SAME SOIL. AT ALL STEPS, THEY ARE DIFFERENT AND HARDLY ANY SOCIAL COMMUNICATION OR INTERMINGLING TO BE EXISTED BETWEEN THEM. (A SURVEY OF INDIAN HISTORY ASIA PUBLISHING HOUSE LONDON P-135).

ایک دوسرے ہندو آر۔ سی۔ مجمدار (R.C. MUGUMDAR) کے مطابق:

THE FOLLOWERS OF ISLAM, SETTLED IN LARGE NUMBERS, BUT THEY DID NOT MERGE THEMSELVES INTO THE HINDU PATTERN, SO FOR THE FIRST TIME IN INDIAN HISTORY, TWO DISPINET BUT IMPORTANT COMMUNITIES AND CULTURES STOOD FACE TO FACE, AND INDIA WAS PERMANENTLY DIVIDED INTO TWO POWERFUL UNITS" (GLIMPSES OF BENGAL IN NINETEENTH CENTURY P.101).

Marfat.com

اس طرح پتہ چلتا ہے کہ دراصل پاکستان کی بنیاد اُسی دن پڑی تھی جس دن پہلے مسلمان نے برصغیر میں قدم رکھا اور وادی سندھ میں ایک نئی تہذیب نے جنم لیا جو تہذیب کی تعریف اور عملی نقطہ نگاہ سے بقیہ برصغیر سے نمایاں اور ہر شعبہ زندگی میں یکسر مختلف نظر آتی ہے۔

قدیم تہذیبی اکائی

زمانہ قدیم سے وادی سندھ تہذیب اور تمدن کا مرکز رہی ہے۔اس لئے ابتداء ہی سے مختلف تہذیبوں کا اس خطے کی طرف رجوع کرنا ایک ایسا قدرتی امر رہا نتیجتاً وادی سندھ برصغیر میں مختلف تمدنوں کی جنم بھومی کا کردار ادا کرتی رہی ہے۔بعد میں وادی گنگا جمنا اس سے مستفیض ہوتی رہی۔دراوڑی تہذیب ہو یا آرین، یونانی ہو یا سیتھین، یہاں تک کہ بدھ مت کو عروج اور اعلیٰ تہذیب وتمدن کی معراج بھی وادی سندھ کو حاصل ہوئی۔ٹیکسلا (TAXILA) بدھ یونیورسٹی کے آثار ایک ناقابل تردید ثبوت مہیا کرتے ہیں۔برصغیر پاک وہند میں تہذیب وتمدن کا بانی اگر کوئی خطہ رہا ہے تو وہ وادی سندھ ہے۔دوسرے الفاظ میں اسے برصغیر کے بقیہ علاقوں سے ممتاز اور بانی تہذیب کی حامل رہی ہے۔اور وادی سندھ کے مختلف لوگ زمانہ قدیم سے قابل رشک حد تک تہذیبی یکسانیت کا مظہر ہیں۔جس کا ثبوت موہنجوداڑو اور ہڑپہ کے آثار ہیں جو قدیم تہذیبی اکائی کا عین ثبوت ہیں۔

جناب Mortimer اپنی کتاب Early India and Pakistan میں ہڑپہ اور موہنجوداڑو کے مختلف پہلوؤں کا موازنہ کرتے ہوئے اس بات کا اندیشہ ظاہر کرتے ہیں کہ اس بات کا امکان موجود ہے کہ وادی سندھ اپنے اس عروج کے دور میں ایک وسیع سلطنت کا درجہ رکھتی ہو۔ آگے چل کر وہ لکھتے ہیں کہ اگر یہ قیاس صحیح ہے جیسا کہ اس کا امکان ہے، وادی سندھ کی تہذیب ہی کو عظیم رومن امپائر سے پہلے ایک وسیع ترین سیاسی تجربہ کی مثال کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔

اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ وادی سندھ زمانہ قدیم سے ہی نہ صرف تہذیبی اور معاشی اکائی کی حیثیت رکھتی ہے بلکہ ایک قدیم سیاسی وحدت کی حامل ہے۔اور بقیہ ہندوستانی علاقوں سے تہذیبی طور پر الگ تھلگ نظر آتی ہے۔

جناب Mortimer کے الفاظ میں:

"THE ACTUAL DISTANCE FROM THE SULTES OF THE INDUS SYSTEM TO JUMNA AT THE FOOT OF SIMLA HILLS IS LESS THAN EIGHTY MILES, BUT ANCIENTLY THE TWO VALLEYS WERE A WORLD A PART". P. 118.

مشترکہ تاریخی پس منظر

سکندر اعظم نے ۳۲۷ قبل مسیح میں برصغیر پر حملہ کیا۔اور یونانی افواج نے دریائے سندھ کو اٹک کے مقام سے عبور کر کے راجہ پورس سے مقابلہ کیا بعد میں وہ پنجاب سے سندھ پر حملہ آور ہوئیں۔یہاں اس سے اس کی فوج کا کچھ حصہ خلیج فارس کی

Marfat.com

طرف بحری راستے سے روانہ ہوا اور وہ خود بقیہ فوج کے ساتھ بلوچستان کے راستے ایران کی طرف روانہ ہوا۔ اس طرح انہوں نے یونانی تہذیب کے انمٹ نقوش موجودہ پاکستان کے مختلف حصوں پر چھوڑے۔

۱۲۶ قبل مسیح میں سیتھین Seythian قبیلوں نے یونانیوں کو علاقے سے نکالنے کے بعد قبضہ کیا۔ اس طرح انہوں نے شمالی ہندوستان میں سلطنت کی بنیاد رکھی۔ کہا جاتا ہے کہ گوتم بدھ کا تعلق بھی سیتھین سے تھا۔ ان میں سب سے مشہور بادشاہ کنشکا KANISHKA گزرا ہے۔ جس کی حکمرانی کشمیر، آگرہ، سندھ، یارکند اور خوکدن تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس طرح سیتھین بہت بڑی تعداد میں برصغیر میں آئے اور پورے پنجاب میں پھیل گئے۔ بعض تاریخ نویسوں کی رائے میں پنجاب کے راجپوت اور جاٹ اور سندھ کے سومر و اوسمہ قبائل ان ہی کی نسل میں سے ہیں۔

اسلام برصغیر میں مکمل طور پر ۷۱۲ء میں داخل ہوا۔ جب محمد بن قاسم کی سربراہی میں سندھ فتح ہوا۔ اور عربوں نے بحری راستوں پر مکمل کنٹرول حاصل کر لیا۔ عربوں نے ملتان تک کے علاقے فتح کر کے اسلامی ثقافت کو ملتان تک پھیلا دیا۔ عباسی خلفاء کے زمانہ میں سندھ اور ملتان دارالسلام کے ثقافتی رنگ میں رنگ گئے۔

تین سو سال بعد جب سلطان محمود غزنوی نے ہندوستان پر شمالی سمت سے حملہ کیا تو برصغیر کا شمال مغربی علاقہ بھی مسلمانوں کی حکمرانی میں شامل ہو گیا۔ اس طرح وہ سب علاقہ جو اس وقت پاکستان میں شامل ہے، ۱۰۲۰ء میں دارالسلام کا حصہ بن گیا۔ اور اس طرح وادی سندھ میں اسلامی تہذیب کی مستحکم بنیاد سلطان محمود غزنوی کے بعد ان کے جانشینوں نے وادی سندھ ہی کو اپنا مسکن بنائے رکھا۔ لاہور کو دارالسلطنت بنایا گیا اور غزنہ خورد کہلایا، فارسی کو سرکاری و ادبی زبان کی حیثیت سے رائج کیا گیا اور اسلامی قوانین نافذ کئے گئے۔

شمالی ہندوستان بارھویں صدی کے آخر میں فتح ہوا۔ جب قطب الدین ایبک نے سلطنت دہلی کی بنیاد رکھی۔ نتیجتاً اسلامی اثرات دہلی اور اس کے اطراف میں مرتکز ہو گئے۔ لیکن اس کے باوجود بھی لاہور، ملتان، ٹھٹھہ اور پشاور اور اسلامی علم و فن کے گہوارے بنے رہے۔

مغلوں سے پہلے جن تین حکمران خاندانوں (تغلق، لودھی، سید) نے دہلی پر حکمرانی کی۔ ان سب کا تعلق ان علاقوں سے تھا جو اس وقت پاکستان کا حصہ ہیں۔ مغلوں نے پہلی مرتبہ پورے برصغیر کو متحد کیا۔ انہوں نے فعال سماجی اور معاشی نظام رائج کیا اور کھلے دل سے علم و فن کی سرپرستی کی۔

نسلی اتحاد

پاکستانی تہذیب کی فطری بنیاد اسلامی تعلیمات اور اس کا آفاقی نقطہ نظر ہے۔ جو مختلف طبقوں کو اپنے سماجی نظام کے ذریعہ ضم کر دیتا ہے۔ اس طرح سب طبقے ملت کا ناقابل تقسیم حصہ بن جاتے ہیں۔ برصغیر کے مختلف علاقوں اور خصوصاً مسلم اکثریت کے علاقہ میں بسنے والے صرف اور صرف مقامی Converts دین اسلام قبول کرنے والے نہیں تھے بلکہ یہ ایک

Marfat.com

ناقابل تردید حقیقت ہے کہ مسلم آبادی کا بہت بڑا حصہ عالم اسلام کے مختلف علاقوں کے آبادکاروں پر مشتمل تھا۔

مسلمان حکمرانوں نے ہر دور میں معاشی، انتظامی اور فوجی ضرورتوں کے لئے مسلم آبادکاروں کی حوصلہ افزائی کی اور انہیں قدر کی نگاہوں سے دیکھا۔ اس کے علاوہ منگوں کے حملے کے سبب بھی بہت بڑی تعداد میں مسلم دنیا سے لوگ برصغیر کو محفوظ علاقہ سمجھ کر آباد ہو گئے۔ تاریخ شاہد ہے کہ التمش کے دور میں نہ صرف مسلم اکثریتی علاقوں بلکہ دہلی کے گلی کوچے بھی مسلم پناہ گزینوں سے بھر گئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہمیں پاکستان کی آبادی کی اکثریت ان قبائل پر مشتمل نظر آتی ہے جو اپنی بنیاد ORIGIN ہندوپاک سے باہر کے لوگوں سے منسوب کرتے ہیں۔ ان میں سے اکثریت کے دعویٰ کو بے بنیاد نہیں کہا جا سکتا۔

جہاں تک مقامی مسلمانوں کا تعلق ہے، انہوں نے مسلمان ہوتے ہی اپنے پرانے مذہبی اور تہذیبی تعلق کو شعوری طور پر چھوڑ دیا۔ یہ اسلام کے سماجی نظام کا ہی اعجاز ہے کہ اسلام میں داخل ہونے والے ان مختلف طبقوں (مقامی مسلمان اور باہر سے آنے والوں) کے درمیان سماجی اخوت خصوصاً باہم شادی بیاہ کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ تقریباً خالصتاً نسلی نقطہ نظر سے کسی بھی طبقے کا علیحدہ وجود مشکل سے مانا جا سکتا ہے۔ حقیقتاً ان مختلف طبقوں کے معاشرتی تعلق کی بنا پر نسلی اعتبار سے مخلوط معاشرہ نظر آتا ہے۔

اس طرح برصغیر کی ہندو اور مسلمان آبادی کے درمیان نہ صرف تاریخی، تہذیبی اور نسلی ورثے میں حقیقی فرق موجود ہے بلکہ ہر شعبہ زندگی میں ایک دوسرے سے علیحدہ قوم کا ثبوت مہیا کرتے ہیں۔ صدیوں ساتھ رہنے کے باوجود ان قوموں کے افراد مختلف اسٹائل کا لباس زیب تن کرتے ہیں۔ مکانوں کی بناوٹ، روزمرہ استعمال کے برتن، کھانے پینے کی اشیاء، یہاں تک کہ عبادت گاہوں کی وضع قطع اور علمی، ادبی رجحان بھی یکسر مختلف ہیں۔

البیرونی، جنہوں نے برصغیر کا نویں صدی ہجری میں سفر کیا، اپنی تصنیف کتاب الہند میں لکھتے ہیں کہ: ''ہندو ہم (مسلمانوں) سے ہر لحاظ سے مختلف نظر آتے ہیں''

آگے چل کر وہ لکھتے ہیں:

"ONE NIGHT THINK THAT THEY HAD INTENTIONALLY CHANGED THEM (I.E. THEIR CUSTOMS AND WAYS OF LIVING) INTO THE OPPOSITE, FOR OUR CUSTOMS DO NOT RESEMBLE THEIRS, BUT ARE THE EVERY REVERSE, AND IF EVER A CUSTOM OF THEIRS RESEMBLES ONE OF OURS IT HAS CERTAINLY JUST THE OPPOSITE MEANING". KITAB AL HIND (TR. BY S. SACHAN. P. 147)

لسانی یکسانیت

ملک کے مختلف علاقوں میں پنجابی، پشتو، بلوچی، سندھی اور سرائیکی کثرت سے بولی جاتی ہیں۔ ان سب میں صرف

Marfat.com

سندھی ایک ایسی زبان ہے جو جدید فنون (Literature) سے آراستہ اور قدرے ترقی یافتہ زبان ہے۔ اردو جسے عام طور پر ایک قلیل اکائی کی زبان کہا جاتا ہے۔ حقیقتاً تاریخی عمل، عربی، فارسی، ترکی اور ان مختلف مقامی زبانوں کے امتزاج وترکیب کا نتیجہ ہے اور اسی لئے اردو تمام مسلمانان پاک و ہند کا مشترکہ ثقافتی ورثہ ہے ۔ اردو نہ صرف قیام پاکستان کے بعد بلکہ صدیوں پہلے ان علاقوں کے رہنے والوں میں رابطہ کی زبان کا کردار ادا کر رہی ہے۔

مختلف علاقوں کے عظیم شاعروں شیخ فرید الدین شکر گنج، وارث شاہ، بابا بھلے شاہ، رحمان بابا، خوشحال خان خٹک، سچل سرمست نے اردو میں طبع آزمائی کی ہے۔

اردو اور دیگر زبانوں میں باقی معاملات میں بھی نا قابل تردید یکسانیت نظر آتی ہے یکساں الفاظ کے علاوہ گرامر، بنیادی الفاظ، ادبی روایات اور موضوع سخن میں بھی مماثلت پائی جاتی ہے۔

ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ دیگر علاقائی زبانوں کو ترقی کے یکساں مواقع فراہم کئے جائیں۔

اردو کے علاوہ لسانی میدان میں ایک مزید حیران کن اکائی صدیوں سے کارفرما ہے ،وہ ہے سرائیکی زبان۔ یہ زبان حقیقی معنوں میں ملک کے ہر علاقے کی واضح اکثریت کی زبان ہے۔ لیکن افسوس کہ اس کی افادیت اور ثقافتی حیثیت کو اہمیت نہیں دی گئی۔ شاید اس کی وجہ سرائیکی نوجوانوں کی مادری زبان سے بے توجہی ہے۔ ملک کا کوئی ایسا خطہ نہیں جہاں سرائیکی زبان نہ بولی جاتی ہو۔ صوبہ سرحد کے ڈیرہ اسماعیل خان، ہزارہ، پنجاب کے بہاولپور، ملتان، ڈیرہ غازی خان، مظفر گڑھ، ساہیوال، سندھ میں سکھر اور حیدرآباد (یہاں تک کہ سندھ کے سابق حکمران تالپور خاندان کی مادری زبان بھی سرائیکی ہے) بلوچستان کے کچھی، قلات علاقوں کی اکثریتی آبادی کی زبان سرائیکی ہے۔

قومیتیں

پاکستان میں کچھ لوگ علاقائی بنیاد پر قومیتوں کی بات کرتے ہیں۔ اس مسئلہ کا عقلی اور حقیقت پسندانہ جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان کے مختلف علاقوں کے بسنے والوں کے درمیان سوائے زبان کے کوئی واضح ثقافتی اختلاف نظر نہیں آتا۔ جبکہ زبانوں میں بھی کوئی بہت بڑا فرق نہیں۔ اس کے باوجود بھی یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلامی معاشرتی نظام اور تاریخی عمل کی وجہ سے آبادی کی نوعیت اس طرح ہو چکی ہے کہ انہیں ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں کیا جاسکتا۔

سندھ کی آبادی کا جب ہم جائزہ لیتے ہیں تو مہاجر آبادی کے علاوہ اگر ۱۹۱۱ء کی مردم شماری کو بنیاد بنایا جائے تو اس کے مطابق سندھ کی آبادی کا ۲۳% بلوچوں پر مشتمل ہے۔ جو موجودہ بلوچستان کی بلوچ آبادی سے دوگنی ہے۔ اسی طرح بلوچ پنجاب کی آبادی کا ۲۰% ہیں جو بلوچستان کی موجودہ بلوچ آبادی سے چار گنا ہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ عظیم بلوچ ہیرو چاکر خان کی قبر بھی ست گرہ ضلع ساہیوال میں ہے۔ صوبہ سرحد کا ڈیرہ اسماعیل خان بلوچ اکثریت کا علاقہ ہے۔ خود ڈیرہ اسماعیل خان کی بنیاد رکھنے والے نواب اسماعیل خان ہوت بلوچ تھے۔

Marfat.com

سندھ کے علاوہ سندھی، لسبیلہ ورکچھی اضلاع میں بہت بڑی اکثریت میں ہیں۔ بہاولپور اور ملتان ڈویژنوں میں سندھی اچھی خاصی تعداد میں آباد ہیں۔

پنجابی، سندھ میں، سکھر، نواب شاہ، خیر پور، سانگھڑ، حیدر آباد اور کراچی میں بہت بڑی تعداد میں آباد ہیں۔ اس کے علاوہ کوئٹہ، پشاور، ہزارہ، اور ڈیرہ غازی خان میں بھی اچھی خاصی تعداد میں آباد ہیں۔

جہاں تک مختلف پشتون طبقوں کا تعلق ہے، ملک کے ہر علاقے میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق بلوچستان کی آبادی کا ۳۵% پشتون آبادی پر مشتمل ہے۔ جن کی اکثریت کوئٹہ پشین ڈویژن میں آباد ہے۔ تقریباً ۲۹ % لاکھ کراچی اور سندھ کے مختلف اضلاع میں اور پچاس لاکھ سے زائد پنجاب میں آباد ہیں۔ اسی طرح ملک کے ہر علاقہ کی آبادی کا ایک قابل ذکر حصہ مہاجروں پر مشتمل ہے۔

اس قسم کی صورت حال میں انتہا پسندانہ قوم پرستی کے جذبات ان مختلف قومیتوں کی تباہی کا باعث ہو سکتے ہیں۔

حقیقت تو یہ ہے کہ ان مختلف قومیتوں کے وجود نے پاکستانی ثقافت کو ایک ایسے گلدستہ کی شکل دے رکھی ہے جس میں مختلف رنگوں کے ایک ہی قسم کے پھول سجے ہوں۔ جو کچھ اس طرح باہم پیوست ہوں کہ ان میں سے کسی بھی ایک کو آسانی سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا ہے۔

معاشی اکائی

معاشی اعتبار سے پاکستان نہ صرف آج کل بلکہ صدیوں سے ناقابل تقسیم اکائی ہے۔ کچھ چیدہ چیدہ مثالیں یہ ہو سکتی ہیں: پاکستان کے سب علاقوں کی معیشت کی بنیاد زراعت ہے۔ تقریباً ۷۰ % آبادی براہ راست یا بالواسطہ زراعت سے وابستہ ہے۔ پورے ملک کی زراعت کا انحصار مکمل طور پر دریائے سندھ اور معاون دریاؤں پر ہے۔

صوبہ سرحد معاشی اعتبار سے ملک کے باقی علاقوں کے لئے پھل اور سخت کاموں کے لئے محنت کش فراہم کرتا ہے۔ اس طرح بے روزگاری کو کم کرنے کے لئے دیگر صوبے اس کا ہاتھ بٹاتے ہیں تو دوسری طرف روزمرہ کے استعمال کی اشیاء اور غذائی ضروریات بہم پہنچاتے ہیں۔

صوبہ بلوچستان ملک کے باقی حصوں کو سوئی گیس، ماربل اور کوئلہ فراہم کرتا ہے۔ دوسری طرف اس کی زراعت کے لئے صوبہ سندھ کے سکھر بیراج، اور گدو بیراج سے پانی میسر ہوتا ہے۔ جس کے بغیر صوبہ بے آب و گیاہ دشت کے علاوہ آبادی سے بھی محروم رہ سکتا ہے۔ اس کے علاوہ نہ صرف بجلی کی ضروریات بلکہ نسبتاً کم ترقی یافتہ ہونے اور معاشرتی نظام کی خرابیوں کے سبب سرمایہ کی فراہمی کا انحصار ملک کے باقی حصوں پر ہے۔

علاوہ ازیں علاقائی یکسانیت، تاریخی و تمدنی رشتوں کے سبب خشک سالی اور سردی کے موسم میں سندھ اور پنجاب، بلوچستان کی آبادی کے لئے پناہ گاہ کا کام دیتے اور روزگار مہیا کرتے ہیں۔ ذخائر سوئی گیس کے خاتمہ کے بعد سندھ اور پنجاب

Marfat.com

اور تہذیبی وحدت ہے بلکہ مغربی تہذیبی نقطہ نظر اور قومیت کی تعریف کے مطابق بھی ایک حقیقت ہے۔

دنیا کی بہترین اور باصلاحیت ترین (talented) قوم

اللہ تعالیٰ نے پاکستانی قوم کو بے پناہ صلاحیتوں اور ذہانت سے نوازا ہے۔ غیر سازگار حالات کے باوجود جس شعبہ میں بھی ہماری قوم کے افرد کو اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوانے کا موقع ملا تو انہوں نے اپنی برتری ثابت کردی۔ خصوصا وہ لوگ جو اپنے دیس میں سازگار حالات اور مواقع نہ ملنے کے باعث وطن سے باہر چلے جاتے ہیں وہ اپنی صلاحیتوں کا لوہا تعلیم، بزنس، تکنیکی مہارت غرض کہ ہر شعبہ حیات میں منواتے رہے ہیں۔ ملک میں جن شعبہ جات میں بھی کچھ سہولیات اور مواقع میسر ہیں ان میں اس ملت نے اپنی صلاحیتیں عالمی سطح پر ثابت کی ہیں۔ چاہے وہ کھیل کا میدان ہو یا علم وحکمت کا اور ادب یا سائنس کا میدان۔ حضرت اقبال کی نظر بینا نے درست مشاہد فرمایا تھا کہ

جس خاک کے خمیر میں ہے آتشِ چنار
ممکن نہیں کہ سرد ہو وہ خاک ارجمند

نیز یہ بھی فرمایا تھا کہ

نہیں مایوس اقبال اپنی کشتِ ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

پاکستانی قوم کے نوجوانوں میں بے پناہ صلاحتیں اور (Potential) اس بات کی دلیل ہے کہ قدرت نے اس قوم سے کوئی بڑا کام لینا ہے۔ بقول پروفیسر سعید ارشد کے کہ ہماری مٹی میں سونے کے ذرات ہیں۔ سازگار حالات اور مواقع اور سمت کے تعین کی بات ہے وقت ثابت کرنے والا ہے کہ یہ قوم دنیا کی بہترین قوم ہے۔ ذہانت، لیاقت، صلاحیت اور عزم میں اس قوم کا کوئی ثانی نہیں۔ بس ذرا نم ہونے کی دیر ہے۔

ملتِ پاکستانیہ کی ذمہ داری

آج سے تیرہ سو برس قبل خطہ عرب کے توہمات وخرافات پر مبنی روایات کے حامل، مشرک اور جہل کے معاشرے کو نبی آخرالزماں ﷺ توحید علم اور شعور کی شمع سے روشن کیا۔ مشرکین عرب حضرت ابراہیم کے پیرو تھے۔ مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اللہ کی ان مقدس اور صالح ہستیوں نے بتوں اور ان کی تعلیمات نے لایعنی رسوم کی صورت لے لی۔ وہ اپنی اصل بھول گئے۔ چند تعلیمات اور مذہبی رسوم باقی رہ گئیں جن سے ان کے ماضی کی خبر ملتی تھی۔ جیسے حج بیت اللہ باقاعدگی سے ہوتا تھا مگر خرافات سے پر تھا۔ اسی طرح سنت ابراہیمی کی گئی رسومات موجود تھیں، جن کا مشاہدہ روز مرہ زندگی میں کیا جاسکتا تھا۔ رسالت مآب ﷺ نے انہیں ان کے اصل مذہب اور ماضی سے ان کے حقیقی تعلق کو جوڑا۔ مکہ میں تو آپ ﷺ کو سازگار حالات ومواقع میسر نہ آئے۔ نہایت قلیل تعداد میں لوگ فیض یاب ہوئے۔ جبکہ باقی آپ ﷺ کی جان کے درپہ ہوگئے۔ جب ہجرت کے نتیجہ میں مدینہ میں اسلام کی مرکزیت، ایک ریاست کے قیام کی شکل میں ہوئی تو اسلام کے نظریات کے عملی نفاذ اور اصل تصویر کشی ممکن ہوئی۔ اس ماڈل اسٹیٹ نے مشرکین مکہ کو زیر کیا اور مسلمانوں نے اپنی ذمہ داری ادا کرتے

Marfat.com

ہوئے ان کو ان کی حقیقت سے روشناس کرایا۔ انکی معمول کی معاشرتی اور مذہبی رسوم کی ادائیگی بدستور جاری رہی فقط غلط اور فرسودہ رسومات اور مشرکانہ عقائد اور خرافات کا خاتمہ کیا گیا۔ اس کے بعد کسی نے اپنی بچی کو زندہ درگور کیا اور نہ بتوں ہی کی پوجا پاٹ کی۔

میرا پیغام پاکستان

جب ہم نے خدا کا نام لیا
اس نے ہمیں انعام دیا
میرا انعام پاکستان
میرا انعام پاکستان
محبت امن ہے اور امن کا پیغام پاکستان
میرا پیغام پاکستان
خدا کی خاص رحمت ہے، بزرگوں کی بشارت ہے
کئی نسلوں کی قربانی، کئی نسلوں کی محنت ہے
اثاثہ ہے دلیروں کا، شہیدوں کی امانت ہے
حلاوت ہی حلاوت ہے، محبت ہی محبت ہے
جبھی تاریخ نے رکھا ہے، اس کا نام پاکستان
میرا پیغام پاکستان
اندھیروں کو مٹائے گا، اجالا بن کے چھائے گا
یہ خطہ انقلابی ہے، نئی دنیا بنائے گا
اگر اللہ نے چاہا، زمانہ وہ بھی آئے گا
جہاں تک عقل جائے گا، اسے آگے ہی پائے گا
نگاہ قائد کی ہے، اقبال کا الہام پاکستان
پاکستان، پاکستان، پاکستان، پاکستان

(عالی)

Marfat.com

باب: پندرھواں

تاریخِ پاکستان

۱۹۴۷ تا ۲۰۱۵

Marfat.com

تاریخ پاکستان ۱۹۴۷ تا ۲۰۱۵

قائداعظم بطور پہلے گورنر جنرل (۱۹۴۷ء تا ۱۹۴۸ء)

قیام پاکستان کے بعد 14 اگست 1947ء کو بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نے ملک کے پہلے گورنر جنرل کی حیثیت سے حلف اُٹھایا۔ آپ کی پہلی کابینہ کے ارکان درج ذیل تھے

۱۔ لیاقت علی خان	(وزیراعظم، وزیرخارجہ)	۲۔ ملک غلام محمد	(خزانہ)
۳۔ سردار عبدالرب نشتر	(مواصلات)	۴۔ راجہ غضنفر علی	(خوراک)
۵۔ اسماعیل ابراہیم چندریگر	(تجارت)	۶۔ فضل الرحمٰن	(اطلاعات وتعلیم)
۷۔ جوگندر ناتھ منڈل	(قانون محنت)		

ان کی پہلی دستور ساز اسمبلی

1945ء کے انتخابات کے نتیجے میں برصغیر کی جو دستور ساز اسمبلی منتخب کی گئی اس کے 69 ارکان کا تعلق پاکستان میں شامل ہونے والے علاقوں سے تھا۔ اس طرح پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی 69 ارکان پر مشتمل تھی۔ بعدازاں اس میں بہاولپور، خیرپور اور بلوچستان کی قلات کے ارکان کی شمولیت سے تعداد 79 ہوگئی۔ اس اسمبلی کے 44 ارکان کا تعلق مشرقی پاکستان، 17 کا تعلق پنجاب 3 کا تعلق صوبہ پختونخواہ 15 کا تعلق بلوچستان اور پنجاب کی ریاستوں سے تھا۔

پاکستان کی ابتدائی مشکلات

تقسیم ہند کے بعد بھارت نے پاکستان کے لئے طرح طرح کے مسائل پیدا کر دیئے جن کا مقصد نوازئیدہ ریاست کو انتظامی اور معاشی لحاظ سے ناکام کرنا تھا۔ اسی دوران گاندھی نے کشمیر کے وزیراعظم پنڈت رام چندر کاک کو ہٹا کر فرقہ پرست ڈوگر جرنیل جنگ سنگھ کو وزیراعظم بنا دیا اور راجہ نے ۲۷ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو بھارت کے ساتھ الحاق کا اعلان کر دیا اور مسلمانوں پر ظلم وتشدد کے پہاڑ توڑ دیئے کشمیر میں خانہ جنگی شروع ہوگئی اور بھارت نے پاکستان پر جارحیت کا الزام لگا کر اپنی فوجیں کشمیر میں داخل کر دیں۔ خونریزی کر کے جب کشمیری مسلمانوں پر قابو نہ پایا جاسکا تو بھارت نے معاملہ اقوام متحدہ تک پہنچا دیا۔ بالآخر جنگ بندی ہوئی مگر یہ عالمی ادارہ آج تک مسئلہ کشمیر کا حل تلاش نہ کرسکا۔

پاکستان کی ابتدائی مشکلات درج ذیل تھیں:

۱۔ کانگریس کے رہنماؤں نے پاکستان کے ساتھ معاندانہ رویہ اختیار کیا۔

۲۔ پاکستان کو اپنا حکومتی ڈھانچہ تشکیل دینا پڑا۔ کراچی کو دارالحکومت قرار دے کر سول سروس قوانین مرتب کئے گئے

Marfat.com

۳۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے جانبدارانہ رویہ اختیار کیا اور بھارت کو کشمیر پر قبضہ کرنے میں پوری مدد فراہم کی۔ اس نے ریڈ کلف ایوارڈ کو بھی تبدیل کروایا۔

۴۔ مشرقی پنجاب سے لاکھوں مہاجرین ہجرت کر کے پاکستان میں آباد ہوئے۔ حکومت کو ان کی آبادکاری میں شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔

۵۔ 1947ء میں ریزرو بینک آف انڈیا میں 4 ارب روپے جمع تھے جن میں سے پاکستان کا حصہ 75 کروڑ روپے بنتا تھا۔ بھارت نے یہ رقم قسطوں میں ادا کی۔

۶۔ پاکستان کو دستور سازی کے معاملہ میں صوبائی عصبیت کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کام کو سرانجام دینے میں نو سال کا عرصہ صرف ہوا۔

۷۔ بھارت نے خان عبدالغفار خان کے ساتھ مل کر صوبہ خیبر پختونخواہ میں پختونستان کا مسئلہ کھڑا کر دیا

۸۔ بھارت نے کشمیر سے پاکستان میں داخل ہونے وال دریاؤں کا رخ مشرقی پنجاب کی جانب موڑ کر پانی کا مسئلہ کھڑا کر دیا۔ بالآخر یہ تنازعہ عالمی بینک کی وساطت سے حل ہوا اور 1960ء میں پاک بھارت سندھ طاس معاہدہ طے کیا گیا۔

۹۔ بھارت نے غیر قانونی طور پر حیدرآباد، جوناگڑھ اور کشمیر کی ریاستوں پر قبضہ کر لیا جس کے نتیجے میں پاکستان نے 1947ء سے 1948ء تک بھارت سے جنگ لڑی۔

۱۰۔ 11 ستمبر 1948ء کو پاکستان کے بانی قائداعظم وفات پا گئے۔ اس طرح ملک ایک مخلص، محنتی اور دیانتدار رہنما سے محروم ہو گیا بعد ازاں خود غرض سیاستدانوں نے ملک کو سیاسی اکھاڑہ بنا دیا۔

لیاقت علی خان (پہلے وزیر اعظم) (۱۹۴۷ء ۱۹۵۱ء)

11 ستمبر 1948ء کو قائداعظم کی وفات کے بعد لیاقت علی خان نے ملک کی ڈگماتی ہوئی کشتی کو سہارا دیا۔ آپ نے 12 مارچ 1949ء کو اسمبلی میں قرارداد مقاصد منظور کروائی جس سے مجوزہ دستور کے خدوخال کا تعین ہو گیا۔ اس کے بعد اپریل 1950ء میں دہلی جا کر نہرو کے ساتھ مل کر ایک معاہدہ پر دستخط کئے۔ لیاقت علی خان نے مئی 1950ء میں امریکہ کا دورہ کیا۔ جس کے نتیجے میں پاکستان کو امریکہ سے فراخدلانہ معاشی اور فوجی امداد ملی۔ تاہم اس دورہ سے سوویت یونین پاکستان کا مخالف بن گیا۔

قرارداد مقاصد (۱۹۴۹ء)

دستور ساز اسمبلی نے 12 مارچ 1949ء کو قرارداد مقاصد منظور کی جس کے اہم نکات درج ذیل تھے۔

۱۔ تمام کائنات کی حاکمیت کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

۲۔ ریاست اپنے منتخب نمائندوں کے ذریعے اختیارات کا استعمال کرے گی۔

۳۔ ریاست میں جمہوریت، آزادی، مساوات، برداشت اور انصاف کے اُصولوں پر عمل کیا جائے گا۔

Marfat.com

۴۔ مسلمانوں کو انفرادی اور اجتماعی زندگیاں قرآن وسنت کی تعلیمات کے مطابق ڈھالنے کے قابل بنایا جائے گا

۵۔ اقلیتوں کو اپنے مذہب اور ثقافت کو فروغ دینے کی اجازت ہوگی۔

۶۔ پاکستان کے تمام علاقوں پر مشتمل ایک وفاق تشکیل دیا جائے گا۔

۷۔ تمام شہریوں کو بنیادی حقوق کی ضمانت دی جائے گی۔ ۸۔ عدلیہ کو مکمل آزادی ہوگی۔

لیاقت علی خان کی شہادت (۱۹۵۱ء)

ملک دشمن عناصر نے جب دیکھا کہ لیاقت علی خان پاکستان کو ترقی کی راہ پر گامزن کرنے کیلئے کوشاں ہیں تو انہوں نے ایک سازش کے ذریعہ آپ کو 16 اکتوبر 1951ء کو راولپنڈی کے جلسہ عام میں شہید کر دیا۔ آپ ابھی جلسہ سے خطاب کرنے ہی والے تھے کہ سید اکبر نامی ایک شخص نے آپ پر فائرنگ کر دی۔ آپ زخموں کی تاب نہ لا کر چل بسے۔

خواجہ ناظم الدین بطور گورنر جنرل اور وزیر اعظم

خواجہ ناظم الدین ایک محب وطن سیاستداں تھے۔ قائد اعظم کی وفات کے بعد آپ نے 12 ستمبر 1948ء کو دوسرے گورنر جنرل کی حیثیت سے حلف اُٹھایا اور 16 اکتوبر 1951ء کو لیاقت علی خان کی شہادت تک اس عہدہ پر کام کیا۔ بعد ازاں آپ نے 19 اکتوبر 1951ء سے 17 اپریل 1953ء تک بطور وزیر اعظم فرائض انجام دیئے۔

تحریک ختم نبوت

پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ ظفر اللہ خان کا تعلق قادیانی فرقہ سے تھا۔ علمائے کرام نے ان کو ہٹانے کے لئے تحریک ختم نبوت کا آغاز کیا۔ 18 مئی 1952ء کو ظفر اللہ خان نے کراچی میں ایک جلسہ عام سے خطاب کیا جس کے خلاف لوگوں نے توڑ پھوڑ کر کے شدید احتجاج کیا۔ اس طرح ملک گیر مظاہروں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس تحریک کا زیادہ زور صوبہ پنجاب کے شہر لاہور میں تھا۔ حکومت نے 6 مارچ 1953ء کو لاہور میں مارشل لاء نافذ کر دیا۔ اسکے باوجود جلوس نکالے گئے جن میں سینکڑوں لوگ شہید اور زخمی ہوئے۔ تحریک ختم نبوت نے خواجہ ناظم الدین کی حکومت کو کمزور کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ وزیر خارجہ ظفر اللہ خان نے قادیانی ہونے کی وجہ سے علامہ اسد کے تمام کام کو تلف کر دیا تھا اور قائد اعظمؒ کا خواب جس میں قانون قرآن وسنت کے مطابق بننا تھا اسے مکمل نہیں ہونے دیا گیا۔

خواجہ ناظم الدین کے دور میں ملکی سیاست

خواجہ ناظم الدین ایک اچھے منتظم نہ تھے، اس لئے بدانتظامی کا دور دورہ ہو گیا۔ سیاست دان شتر بے مہار کی طرح من مانی کرنے لگے۔ ۱۸ مئی ۱۹۵۲ء کو وزیر خارجہ چودھری ظفر اللہ خان نے جہانگیر پارک صدر کراچی میں قادیانی افراد سے خطاب کیا کہ جس پر مسلمان علماء نے پرزور مظاہرہ کیا۔ وزیر خارجہ ظفر اللہ خان چونکہ اس وقت پاکستان کا وزیر خارجہ تھا لہذا پولیس و دیگر انتظامی افراد نے مسلمان مظاہرین پر تشدد کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ احتجاج پورے ملک میں پھیل گیا اور جنوری ۱۹۵۳ء کو

Marfat.com

آل پارٹیز مسلم کنونشن جناح ہل پارک صدر کراچی میں منعقد ہوا کہ جس میں تحریک ختم نبوت نے بھرپور حصہ لیا۔اس کنونشن میں قادیانی افراد کے خلاف تمام مکاتب فکر کے علماء نے تقاریر کیں۔مفتی محمد شفیع،مولانا شاہ احمد نورانی،مولانا عبدالستار خان نیازی، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور مفتی جعفر حسین جیسے شیعہ علماء نے کھل کر قادیانی مذہب کو غیر اسلامی اور سر ظفر اللہ خان قادیانی کو اپنے منصب سے ہٹانے کا پرزور مطالبہ کیا اور اس کے لئے حکومت کو انہوں نے ایک ماہ کا وقت دیا۔گورنر جنرل ملک غلام محمد اور وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔کہتے ہیں وزیر اعظم اگر چہ اس معاملے میں مسلمانوں کے ہم خیال تھے مگر گورنر جنرل مذہب فروش تھا لہذا ظفر اللہ خان قادیانی کو اپنے منصب سے نہ ہٹایا گیا۔۱۹۵۴ء تک ہمارا ملک ڈومینین اسٹیٹس Dominion Status تھا یعنی گورنر جنرل کو رسمی طور پر اپنے منصب کے لئے ملکہ برطانیہ کی حمایت حاصل کرنا ضروری تھا اور سر ظفر اللہ خان کا انگریزوں میں بڑا اثر و رسوخ تھا۔مسلمان علماء کے دیئے گئے ایک ماہ کا وقت گزرنے کے بعد پورے ملک میں ختم نبوت کی حمایت اور قادیانی مذہب کے خلاف مظاہرے ہونے لگے اور حکومت نے اس کو دبانے کے لئے ہر ممکن حربہ استعمال کیا نتیجتاً بقول تحریک ختم نبوت کے قریباً دس ہزار مسلمان شہید کر دیئے گئے اور ایک لاکھ مسلمانوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ پنجاب میں حالات قابو سے باہر ہوئے تو مارچ ۱۹۵۳ء کو پاکستان کا پہلا مارشل لاء صوبہ میں لگا دیا گیا۔اس طرح پنجاب ہی سے اسمبلی ٹوٹنے اور گورنر راج کی ابتداء ہوئی تھی اور پنجاب ہی سے مارشل لاء کی بنیاد پڑی۔اور یہ بھی فوجی افراد کی نہیں سول افراد کی پیداوار ٹھہری۔بنیادی اُصولوں کی کمیٹی کی دوسری رپورٹ 22 دسمبر 1952ء کو شائع کی گئی۔پنجاب،سندھ اور خیبر پختونخواہ نے اس کے خلاف احتجاج کیا۔خواجہ صاحب نے مارچ 1953ء میں دولتانہ وزارت کو برطرف کر دیا۔اسکی جگہ فیروز خان پنجاب کے وزیر اعلیٰ بنے۔سندھ کی سیاسی صورتحال بھی اچھی نہ تھی۔گورنر سندھ نے صوبائی مسلم لیگ کے صدر محمد ایوب کھوڑو کو پروڈا کے قانون کے تحت معطل کر دیا۔خواجہ صاحب نے گورنر سندھ کو برطرف کر دیا۔مشرقی پاکستان میں بھی سیاسی افراتفری کا عالم تھا۔بنگالی طلباء نے بنگالی زبان کو قومی زبان کا درجہ دینے کیلئے تحریک چلائی۔

اسلامی انقلاب

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب ہمارا علم و ادب میں اسلامی انقلاب کا ذکر کرتے ہیں۔اس وقت پاکستان کی ذہنی اور عملی کثافت کو دور کرنے کے لئے صحیح قسم کے علماء اور صوفیہ کے علاوہ دو جماعتیں خصوصیت سے دین کا کام کر رہی ہیں۔ایک تبلیغی جماعت ہے جس کے بانی مولانا محمد الیاس (م۔۱۹۴۳ء) تھے یہ جماعت تمام دنیا میں دورے کر کے لوگوں کی دینی اصلاح پر متوجہ ہے اور اسے سیاست سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔دوسری جماعت اسلامی ہے جس کے بانی مولانا ابوالاعلیٰ مودودی (م۔۱۹۷۹ء) تھے جنہوں نے قیام پاکستان کے بعد ہی سیاست میں عملی حصہ لیا۔اور ۱۹۵۳ء میں قرارداد مقاصد منظور کی جس میں اللہ کی حاکمیت اور شریعت کی بالادستی تسلیم کی گئی۔مولانا کے بعض نظریات سے اختلاف یا جا سکتا ہے لیکن ان کی بے لوث دینی خدمت سے انکار نہیں ہو سکتا۔''اسلامی انقلاب'' کو رونما ہوئے تین سال ہو رہے ہیں اور اللہ پاک نے اس قلیل عرصے میں

Marfat.com

ایک مردِ حق پرست کے ہاتھوں وہ کام کرادیئے ہیں جو اس سے پہلے تیس (۳۰) سال میں بھی نہیں ہوئے تھے اور یہ ملک جو ہماری سازش اور غداری کی وجہ سے آدھا رہ گیا ہے آج دوست اور دشمن دونوں کی نظروں میں بڑی اہمیت حاصل کر چکا ہے۔

اللھم احفظنا من کل بلاء الدنیا و عذاب الآخرہ

غلام محمد بطور گورنر جنرل (۱۹۵۱ء تا ۱۹۵۵ء)

لیاقت علی خان کی شہادت کے بعد خواجہ ناظم الدین نے گورنر جنرل کا عہدہ چھوڑ کر وزارت عظمیٰ کا منصب سنبھالا۔ غلام محمد اس موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے گورنر جنرل کے بلند عہدہ پر فائز ہو گئے۔ اس طرح ملکی سیاست نے ایک نیا رخ اختیار کیا۔

بنیادی اُصولوں کی کمیٹی کی حتمی رپورٹ

22 دسمبر 1952ء کو بنیادی اُصولوں کی کمیٹی نے اپنی حتمی رپورٹ پیش کر دی۔ اس رپورٹ میں ملک کے لئے دو ایوانی مقننہ تجویز کی گئی۔ ایوان بالا 120 ارکان۔ اور ایوان زیریں 400 ارکان پر مشتمل تھا۔ علاوہ ازیں ایک علماء بورڈ کا قیام بھی تجویز کیا گیا آئین میں ترمیم کا مشکل طریق کار تجویز کیا گیا۔

ظہیر الدین وزارت کی برطرفی (۱۹۵۳ء)

گورنر جنرل ملک غلام محمد نے ملکی سیاست میں انتشار ور بدامنی کو وجہ بناتے ہوئے 17 اپریل 1953ء خواجہ ناظم الدین کی وزارت کو برطرف کر دیا۔ بقول خالد بن سعید: ''پنجابی گورنر جنرل غلام محمد نے وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین کو برطرف کر دیا۔ گورنر جنرل نے اپنے فیصلے کو درست قرار دیتے ہوئے کہا کہ خواجہ ناظم الدین کی کابینہ امن و امان قائم کرنے اور خوراک کی بگڑتی ہوئی صورتحال کو روکنے میں ناکام ہو گئی تھی۔

محمد علی بوگرہ (۱۹۵۳ء تا ۱۹۵۵ء)

خواجہ ناظم الدین کی برطرفی کے بعد محمد علی بوگرہ نے 17 اپریل 1953ء کو قلمدان وزارت عظمیٰ سنبھالا۔ وہ اس سے قبل امریکہ میں پاکستان کے سفیر تھے۔ محمد علی بوگرہ نے ایک قابل، محنتی اور فعال سیاست دان تھے۔ آپ نے عہدہ سنبھالتے ہی ملک کی معاشی حالت کو استحکام دینے اور آئین سازی پر توجہ دی۔ اس سلسلے میں حکومت نے امریکہ، کینیڈا اور آسٹریلیا سے 3 لاکھ ٹن اناج منگوایا جس سے ملک میں خوراک کی قلت دور ہو گئی۔ اسکے بعد نومبر 1953ء میں امریکہ کا دورہ کر کے فوجی معاہدہ کیا۔ اسی پس منظر میں پاکستان نے 1954ء میں سینٹو اور 1955ء میں سیٹو کے معاہدوں میں شمولیت اختیار کی۔

بوگرہ فارمولا

محمد علی بوگرہ نے ملک میں آئینی تعطل کو ختم کرنے کیلئے اپنی آئینی سفارشات مرتب کیں جو 17 اکتوبر 1953ء کو اسمبلی میں پیش کی گئیں۔ تاریخی لحاظ سے یہ بوگرہ فارمولا کہلاتی ہیں۔ اس فارمولے میں ایوان بالا کیلئے 50 نشستیں تجویز کی

Marfat.com

ایوان بالا اور ایوان زیریں میں صوبائی تقسیم

نمبر شمار	یونٹ	ایوان بالا	ایوان زیریں	میزان
1-	مشرقی پاکستان	10	165	175
2-	صوبہ پنجاب	10	75	85
3-	صوبہ سندھ	10	19	29
4-	صوبہ خیبر پختونخواہ	10	24	34
5-	باوچستان	10	17	27
	کل میزان	50	300	350

ملک کی سیاسی صورتحال

مارچ 1954ء میں مشرقی پاکستان میں انتخابات کا انعقاد کیا گیا۔ اسمبلی کی 309 نشستوں میں سے متحدہ محاذ نے 222 اور مسلم لیگ نے 9 نشستیں حاصل کیں۔ مسلم لیگ کی شکست نے بنگالی صوبائی تعصب کا راستہ ہموار کر دیا۔ انتخابات کے بعد مشرقی پاکستان فسادات کی لپیٹ میں آ گیا۔ جس کے نتیجے میں گورنر جنرل نے وہاں پر گورنر راج قائم کر دیا اور کمیونسٹ پارٹی پر پابندی لگا دی۔ اسی دوران صوبہ پنجاب میں فیروز خان نون اور ممتاز دولتانہ میں محاذ آرائی جاری رہی۔ ان میں سے ممتاز دولتانہ کو مرکز کی حمایت حاصل نہ تھی۔ 3 اپریل 1953ء ممتاز دولتانہ کی وزارت کے خاتمہ پر فیروز خان نون نے وزارت تشکیل دی جو کہ 13 اپریل 1953ء سے 21 مئی 1955ء تک جاری رہی۔ اس کے بعد عبدالحمید دستی کی وزارت بنی جو کہ اکتوبر 1955ء میں ون یونٹ کے قیام تک کام کرتی رہی۔

پہلی دستور ساز اسمبلی کی برطرفی (اکتوبر ۱۹۵۴ء)

گورنر جنرل ملک غلام محمد نے 24 اکتوبر 1954ء کو پہلی دستور ساز اسمبلی کو برطرف کر دیا۔ کیونکہ اس نے 20 ستمبر 1954ء کو اس کے مشورہ کے بغیر ہی پروڈا (PRODA) کا قانون منسوخ کر دیا تھا۔ اسمبلی کے اسپیکر تمیز الدین نے اس اقدام کو سندھ ہائی کورٹ میں چیلنج کر دیا جس نے گورنر جنرل کے اقدام کو غیر آئینی قرار دے دیا۔ تاہم حکومت نے اس فیصلہ کے خلاف فیڈرل کورٹ میں اپیل دائر کی۔ چیف جسٹس محمد منیر نے نظریہ ضرورت کے تحت حکومت کے اقدام کو درست قرار دے دیا۔

دوسری دستور ساز اسمبلی (۱۹۵۵ء)

ملک غلام محمد نے مئی 1955 کو صوبائی اسمبلیوں کے اراکین کا ایک کنونشن کراچی میں منعقد کیا۔ اس میں

Marfat.com

80 اراکین پر مشتمل دوسری دستور ساز اسمبلی کا انتخاب کیا گیا۔نئی اسمبلی کے 40 اراکین کا تعلق مشرقی پاکستان 21 پنجاب 5 کا سندھ اور 10 کا تعلق دیگر علاقوں سے تھا۔سیاسی لحاظ سے مسلم لیگ کے 25، عوامی لیگ کے 12، یونائیٹڈ فرنٹ کے 16 اور دیگر جماعتوں کے 27 ارکان اسمبلی کے رکن بنے۔

چوہدری محمد علی وزارت (۱۹۵۵ء تا ۱۹۵۶ء)

بوگرہ وزارت کے خاتمے کے بعد 11 اگست 1955ء کو چوہدری محمد علی نے وزارت تشکیل دی۔یہ مسلم لیگ اور یونائیٹڈ فرنٹ کی مخلوط حکومت تھی جو کہ 12 ستمبر 1956ء تک جاری رہی۔چوہدری محمد علی کی وزارت عظمیٰ کے تیرہ ماہ کے عرصہ کے دوران ملک میں کئی سیاسی تبدیلیاں وقوع پزیر ہوئیں۔ان تبدیلیوں میں سے ملک غلام محمد کا استعفیٰ ون یونٹ کا قیام اور 1956ء کے دستور کا نفاذ نمایاں تھیں۔گورنر جنرل ملک غلام محمد خرابی صحت کے باعث 6 اگست 1955ء کو دو ماہ کی رخصت پر چلے گئے۔بعدازاں 5 اکتوبر 1955ء کو مستعفی ہو گئے اور سکندر مرزا نے ان کی جگہ حلف اُٹھالیا۔

ون یونٹ کا قیام (۱۹۵۵ء)

14 اکتوبر 1955ء کو مغربی پاکستان کے تمام صوبوں کو ملا کر ایک ون یونٹ تشکیل دیا گیا۔اس سے قبل ملک کے چاروں صوبائی اسمبلیوں نے اس کی منظوری دے دی تھی۔مشتاق احمد گورمانی کو مغربی پاکستان کا پہلا گورنر اور ڈاکٹر خان صاحب کو پہلا وزیر اعلیٰ مقرر کیا گیا۔ون یونٹ کے قیام سے مشرقی پاکستان کا ایک دیرینہ سیاسی مطالبہ پورا ہو گیا۔پندرہ سال بعد یکم اپریل 1970ء کو یحییٰ خان نے ون یونٹ ختم کر دیا۔

۱۹۵۶ء کا آئین

چوہدری محمد علی کی وزارت کا ایک سنہری کارنامہ 1956ء کے آئین کی تشکیل اور نفاذ تھا۔یہ آئین دستور ساز اسمبلی نے 8 جنوری 1956ء کو منظور کیا۔گورنر جنرل نے 2 مارچ 1956ء کو اسکی توثیق کی اور 23 مارچ 1956ء کو یہ ملک میں نافذ کر دیا گیا۔اس آئین کی اہم خصوصیات درج ذیل تھیں۔

۱۔ یہ ایک تحریری آئین تھا جو کہ 13 حصوں، 6 شیڈولز اور 234 دفعات پر مشتمل تھا۔

۲۔ یہ ایک نیم جامد آئین تھا۔اسمبلی کے اراکین کی دو تہائی اکثریت کیساتھ اس میں ترمیم کی جا سکتی تھی۔

۳۔ قرارداد مقاصد کو افتتاحیہ میں شامل کیا گیا تھا۔

۴۔ آئین کے تحت ملک میں وفاقی نظام اور پارلیمانی طرز حکومت قائم کیا گیا۔

۵۔ وفاق کا سربراہ صدر اور حکومت کا سربراہ وزیر اعظم تھا۔

۶۔ ملک میں ایک آزاد عدلیہ قائم کی گئی تھی۔

۷۔ آئین کے تحت شہریوں کو بنیادی حقوق کی ضمانت دی گئی۔

Marfat.com

۸۔ اُردو اور بنگالی کو ملک کی قومی زبانیں قرار دیا گیا۔

۹۔ ملک میں ایک ایوانی پارلیمنٹ تشکیل دی گئی جو کہ قومی اسمبلی کہلاتی تھی۔ یہ اسمبلی 300 ارکان پر مشتمل تھی۔

۱۰۔ آئین کا مزاج اسلامی تھا۔ ملک کے صدر کا مسلمان ہونا لازمی تھا۔

سکندر مرزا (۱۹۵۵ء تا ۱۹۵۸)

ملک غلام محمد کے مستعفی ہو جانے کے بعد میجر جنرل سکندر مرزا نے 6 اکتوبر 1955ء کو بطور گورنر جنرل حلف اُٹھایا اور 23 مارچ 1956ء تک اس عہدہ پر کام کرتے رہے۔ اسکے بعد نئے دستور کے نفاذ کی وجہ سے آپ نے پاکستان کے صدر کا عہدہ سنبھالا۔ سکندر مرزا 6 اکتوبر 1955ء سے 27 اکتوبر 1958ء تک ملک کے سیاہ سفید کے مالک رہے۔ ان کا یہ دور ہنگامہ خیز رہا، کیونکہ ان تین سالوں کے دوران ملک نے چار وزرائے اعظم کا عروج وزوال دیکھا۔ آخر کار 27 اکتوبر 1958ء کو جنرل ایوب خان نے ان کو مستعفی ہونے پر مجبور کر دیا۔

حسین شہید سہروردی کی وزارت (۱۹۵۶ء تا ۱۹۵۷ء)

حسین شہید سہروردی کا شمار ملک کے نامور سیاستدانوں میں کیا جاتا ہے۔ آپ کا تعلق مغربی بنگال سے تھا۔ آپ نے قیام پاکستان کے بعد لاہور میں جناح عوامی لیگ تشکیل دی تھی۔ 1954ء میں آپ نے بطور وزیر خزانہ فرائض انجام دیئے۔ آپ نے 12 ستمبر 1956ء کو حکومت تشکیل دی اور 18 اکتوبر 1957ء تک وزارت عظمیٰ کے منصب پر فائز رہے۔

سیاسی نظریات کے اعتبار سے آپ مغرب نواز تھے، اس لئے آپ کی حکومت کا جھکاؤ، امریکہ اور برطانیہ کی جانب رہا۔ آپ کے دور حکومت میں برطانیہ، فرانس اور اسرائیل کی متحدہ افواج نے مصر پر حملہ کر کے نہر سوئز پر قبضہ کر لیا۔ اسلامی دنیا اور پاکستان میں اس کے خلاف شدید ردعمل ظاہر کیا گیا۔ تاہم سہروردی کی حکومت برطانیہ اور فرانس کے اس اقدام کی مذمت نہ کر سکی۔ اس پر عوام آپ کے خلاف ہو گئے۔ صدر سکندر مرزا نے 11 اکتوبر 1957ء کو سہروردی وزارت کو برطرف کر دیا۔

ابراہیم اسماعیل چندریگر اور فیروز خان نون کی وزارتیں (۱۹۵۷ء تا ۱۹۵۸)

ابراہیم اسماعیل چندریگر نے 18 اکتوبر 1957ء کو مسلم لیگ اور ری پبلکن پارٹی کے تعاون سے وزارت تشکیل دی۔ یہ اتحاد زیادہ دیر قائم نہ کر سکا کیونکہ صرف ایک ماہ کے بعد جداگانہ انتخابات کے مسئلہ پر ری پبلکن پارٹی الگ ہو گئی۔ اس طرح صرف 59 روز کے بعد چندریگر وزارت کا خاتمہ ہو گیا۔

چندریگر وزارت کے خاتمہ پر 16 دسمبر 1957ء فیروز خان نون نے حکومت تشکیل دی جو کہ عوامی لیگ اور کرشک سرامک پارٹی پر مشتمل تھی۔ فیروز خان نون کی وزارت 7 اکتوبر 1958ء تک جاری رہی۔ اس ایک سالہ دور میں ملک سیاسی انتشار اور بدنظمی کا شکار رہا۔ مغربی پاکستان میں خان عبدالقیوم خان نے سکندر مرزا کے ساتھ محاذ آرائی اختیار کی جس کے نتیجہ میں مسلم لیگ ایک مقبول جماعت بن گئی۔ 9 مئی 1958 کو ڈاکٹر خان صاحب کے قتل نے سیاسی منظر نامے کو غیر یقینی رنگ دے

Marfat.com

دیا۔مغربی پاکستان کی طرح مشرقی پاکستان میں بھی سیاسی رسہ کشی جاری رہی۔نیپ،عوامی لیگ اور کرشک سرامک پارٹی اقتدار حاصل کرنے کے لئے سرگرم عمل تھیں۔محاذ آرائی کے نتیجے میں مرکز کے عمل دخل سے فضل الحق،ابوحسین سرکار اور عطاء الرحمٰن نے یکے بعد دیگرے وزارتیں تشکیل دیں۔صوبے میں گورنر راج نافذ کیا گیا مگر پھر سکندر مرزا نے عوامی لیگ کی وزارت کو بحال کر دیا کچھ عرصہ بعد کرشک سرامک پارٹی کے ارکان نے عوامی لیگ سے تعلق رکھنے والے اسپیکر اسمبلی شاہد علی کی پٹائی کر دی جس سے وہ جاں بحق ہو گئے۔

جنرل ایوب خان اور پہلا مارشل لاء (۱۹۵۸ءتا۱۹۶۹ء)

ملک میں سیاسی ابتری اور لاقانونیت کے پیش نظر سکندر مرزا نے 17 اکتوبر 1958ء کو مارشل لاء نافذ کر دیا اور جنرل ایوب خان کو چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر مقرر کیا۔اس موقع پر سکندر مرزا نے کہا۔

”میں پچھلے دو سال سے تشویش اور اضطراب سے اس بات کا مشاہدہ کر رہا ہوں کہ ملک میں حصول اقتدار کی سنگدلانہ جدوجہد جاری ہے جس میں دیانت دار،محبّ وطن،سادہ لوح اور محنتی لوگوں کا استحصال کیا جا رہا ہے۔۔۔۔ملک کے سربراہ کی حیثیت سے خدا اور قوم کے سامنے میرا پہلا فرض پاکستان کی سالمیت کو برقرار رکھنا ہے۔غداروں اور سیاسی طالع آزماؤں کی سنگدلانہ حرکتیں ملک کی سلامتی کیلئے خطرہ ہیں۔اب میں زیادہ تر ایسے اقدامات کا خاموش تماشائی نہیں رہ سکتا۔

تاہم مارشل لاء نافذ کرنے کے بعد سکندر مرزا اقتدار پر قابض نہ رہ سکے۔کیونکہ جنرل ایوب خان نے 17 اکتوبر 1958ء انہیں مستعفی ہونے پر مجبور کر دیا۔اس طرح ایوب خان کے عہد ساز دور کا آغاز ہوا جو کہ مارچ 1969ء تک جاری رہا۔یہ دور پاکستان کی تاریخ میں بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اس میں نہ صرف ملک کی صنعتوں کو فروغ دیا گیا اور خارجہ حکمت عملی میں تبدیلی لائی گئی بلکہ 1962ء میں ایک نیا صدارتی آئین نافذ کے بنیادی جمہوریتوں کا نظام متعارف کروایا گیا اسکے علاوہ ستمبر 1965ء کی جنگ میں بھارت کو شکست دی گئی۔

ایوب حکومت کی اصلاحات

ایوب حکومت کی زرعی،تعلیمی،قانونی،مالیاتی اور سیاسی شعبوں میں درج ذیل اصلاحات نافذ کیں۔

ا۔زرعی اصلاحات کے سلسلہ میں نہری زمین کیلئے ملکیت کی حد 1500 ایکٹر اور بارانی زمین کی حد 1,000 ایکٹر مقرر کی گئی۔

۲۔مزارعین کو بے دخلی کے خلاف تحفظ دے دیا گیا۔

۳۔تعلیمی شعبہ میں دو سالہ ڈگری کورس کو تین سالہ کر دیا گیا۔

۴۔ملک بھر میں کمرشل ادارے اور ٹیکنیکل اسکولز کھولے گئے۔

۵۔پرائمری سطح تک اُردو اور بنگالی کو ذریعہ تعلیم بنایا گیا۔

۶۔قانونی کمیشن کی سفارش پر عدالتی فیس میں کمی کر دی گئی۔

Marfat.com

۷۔رائج قوانین کو اسلامی فقہ کے مطابق بنایا گیا۔

۸۔اسلام آباد کو ملک کا دارالحکومت قرار دیا گیا۔

۹۔ایبڈو کے قانون کے تحت بدعنوان سیاستدانوں کو جرمانے اور قید کی سزا دی گئی۔نااہل قرار دیئے گئے سیاستدانوں میں سہروردی، ایوب کھوڑو اور افتخار حسین ممدوٹ شامل تھے۔

۱۰۔نیشنل پریس ٹرسٹ تشکیل دیا گیا جس کے تحت کئی اخبارات مثلاً: امروز، پاکستان ٹائمز اور مشرق جاری کئے گئے۔

۱۱۔ملک میں بنیادی جمہوریتوں کا نظام رائج کیا گیا۔منتخب ہونے والے اراکین صدر اور اسمبلیوں کے ارکان کا انتخاب کرتے تھے۔

بنیادی جمہوریتوں کا نظام

جنرل ایوب خان کی حکومت نے پاکستان میں بنیادی جمہوریتوں کا نظام نافذ کیا۔اس کے تحت ملک میں 80 ہزار وارڈ کمیٹیاں 8,863 یونین کونسلیں، 754 تھانہ/ تحصیل کونسلیں، 79 ڈسٹرکٹ کونسلیں اور 16 ڈویژنل کونسلیں تشکیل دی گئیں۔اس نظام میں درج ذیل چار درجات تھے:

۱۔ یونین کونسل/ ٹاؤن کمیٹی ۲۔ تھانہ کونسل/ تحصیل کونسل

۳۔ ضلع کونسل ۴۔ ڈویژنل کونسل

بنیادی جمہوریت کے نظام کے ذریعے ملک میں بالواسطہ انتخابات کا طریقہ رائج کیا گیا۔اس کے تحت ہونے والے 80 ہزار (بعدازاں ایک لاکھ 20 ہزار) ارکان صدر اور اسمبلیوں کا انتخاب کرتے تھے۔

۱۹۶۲ء کا آئین

1956ء کا دستور 7 اکتوبر 1958ء کو منسوخ کر دیا گیا۔جنرل ایوب خان نے نیا دستور مرتب کرنے کے لئے جسٹس شہاب الدین کی سربراہی میں ایک کمیشن تشکیل دیا گیا جس نے 6 مئی 1961ء کو اپنی سفارشات پیش کر دیں۔جنوری 1962ء میں صدارتی کابینہ نے اس مسودے کی منظوری دے دی۔بعدازاں 8 جون 1962ء کو نیا دستور ملک میں نافذ کر دیا گیا۔اس آئین کی خصوصیات درج ذیل تھیں۔

۱۔ یہ ایک تحریری آئین تھا جو کہ پانچ جدولوں اور 250 دفعات پر مشتمل تھا۔

۲۔ یہ غیر لچک دار تھا کیونکہ اس میں ترمیم کرنے کے لئے قومی اسمبلی کے دو تہائی ارکان کی حمایت ضروری تھی۔

۳۔ اس آئین کے تحت ملک میں ایک وفاقی نظام تشکیل دیا گیا جو کہ ایک مرکزی اور دو صوبائی حکومتوں پر مشتمل تھا۔صدر وفاق کا سربراہ تھا۔

Marfat.com

۴۔ ملک میں صدارتی نظام حکومت قائم کیا گیا جس کا سربراہ صدر مملکت تھا۔ صدر اپنی کابینہ کے ارکان کا تقرر خود کرتا تھا۔ صدر کا انتخاب بنیادی جمہوریتوں کے ارکان بالواسطہ طریق انتخاب سے کرتے تھے۔

۵۔ آئین کے تحت یک ایوانی پارلیمنٹ (قومی اسمبلی) تشکیل دی گئی جو کہ 156 ارکان پر مشتمل تھی۔

۶۔ آئین میں شہریوں کے بنیادی حقوق کی ضمانت دی گئی۔

۷۔ ملک کے دونوں صوبوں میں صوبائی حکومتیں تشکیل دی گئی جو گورنروں کے تحت کام کرتی تھی۔

۸۔ ملک میں ایک آزادنہ عدلیہ تشکیل دی گئی جو ایک سپریم کورٹ اور دو ہائی کورٹس پر مشتمل تھی۔

۹۔ آئین کے تحت کئی اسمبلی تشکیل دیئے گئے جن میں الیکشن کمیشن آف پاکستان، قومی اسمبلی، معاشی کونسل اور قومی مالیاتی کمیشن شامل تھے۔

۱۰۔ آئین میں پالیسی کے کچھ اُصول بھی شامل کیے گئے۔

صدارتی انتخابات

ایوب خان نے نئے آئین اور بنیادی جمہوریتوں کے نظام کے تحت جنوری 1965ء میں صدارتی انتخابات کا انعقاد کیا۔ ان میں بنیادی جمہوریتوں کے 80 ہزار ارکان نے اپنی رائے کا اظہار کیا۔ ایوب خان نے 49,951۔ ووٹوں کے ساتھ کامیابی حاصل کی جبکہ محترمہ فاطمہ جناح نے 28,691 ووٹ، ایم کمال نے 183 ووٹ اور میاں بشیر احمد نے 65 ووٹ حاصل کئے۔ حزب مخالف نے حکومت پر انتخابی دھاندلی کا الزام لگایا۔

۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ

24 اگست 1965 کو بھارت نے ضلع گجرات میں واقع ایک گاؤں اعوان شریف پر گولہ باری کی۔ پاکستان اور آزاد کشمیر کی مسلح افواج نے جوابی کاروائی کرتے ہوئے مقبوضہ کشمیر میں واقع جموں کی سرحد پر پیش قدمی کر کے دو اہم قصبوں چھمب اور جوڑیاں پر قبضہ کرلیا۔ بھارت نے بوکھلا کر 6 ستمبر 1965ء کو بین الاقوامی سرحد عبور کر کے لاہور، سیالکوٹ، قصور اور راجستھان کے علاقوں پر حملہ کر دیا۔ بھارت کے خلاف پاکستانی قوم ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئی۔ پاکستان کے صدر ایوب خان نے ایک نشری تقریر میں اعلان کیا۔ ''ہمارے بہادر سپاہی دشمن کو پسپا کرنے کے لئے آگے بڑھ گئے ہیں۔ پاکستان کی مسلح افواج بہادری کا مظاہرہ کر کے ناقابل شکست جذبے کے ساتھ دشمن کو شکست دیں گی۔ بھارتی حکمرانوں کو یہ علم نہیں ہے کہ انہوں نے کس قوم کو للکارا ہے''

بری فوج کے کارنامے

بھارت نے کشمیر میں شکست سے بچنے کیلئے بیک وقت لاہور، سیالکوٹ، قصور اور راجستھان سیکٹروں کے پاکستانی علاقے پر بھرپور حملہ کر دیا۔ پاکستان کی بری فوج نے بے مثال جرات کا مظاہرہ کرتے ہوئے تعداد میں خود سے کئی گنا زیادہ دشمن

Marfat.com

کو بھاری جانی و مالی نقصان پہنچایا۔ بھارتی افواج نے 500 ٹینکوں کی مدد سے سیالکوٹ کے محاذ پر حملہ کیا مگر پاکستان کے جانبازوں نے دشمن پر کاری ضرب لگا کر اسکے متعدد ٹینک تباہ کر دیئے۔ لاہور سیکٹر پر بھی بھارتی دستوں نے آگے بڑھنے کی کوشش کی مگر بی آر بی نہر عبور نہ کر سکے۔ اس محاذ پر میجر عزیز شہید نے بہادری کی نئی داستان رقم کی اور جام شہادت نوش کیا۔ اس پر انہیں نشان حیدر کے اعلیٰ ترین فوجی اعزاز سے نوازا گیا۔

پاکستان کی بری افواج نے فضائیہ کے بھرپور تعاون سے کھیم کرن سیکٹر اور راجستھان سیکٹر میں دشمن کے علاقے میں کئی میل تک پیش قدمی کی۔ اسکے نتیجے میں کھیم کرن قصبہ اور موناباؤ کے سٹیشن پر قبضہ کیا۔

پاک فضائیہ کی فضائی برتری

پاک فضائیہ نے بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کیا اور چھ گنا بڑی بھارتی فضائیہ کو ناک آؤٹ کر دیا۔ اس نے نہ صرف دشمن کے 110 طیارے مار گرائے بلکہ کئی ہوائی اڈوں کو بھی تباہ کر دیا۔ پاک فضائیہ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ تھا کہ اس نے فضا میں برتری حاصل کر کے اپنی بری فوج کی بھرپور مدد کی اور دشمن کے سینکڑوں ٹینک تباہ کر دیئے۔

پاک بحریہ کی کامیابی

پاک بحریہ نے نہ صرف ملکی ساحل کا دفاع کیا بلکہ کھلے سمندر میں جا کر بھارتی بحری اڈے دوارکا کو گولہ باری کر کے تباہ کر دیا۔ اس سے بھارتی بحریہ کے حوصلے پست ہو گئے۔

معاہدہ تاشقند

پاک بھارت جنگ 6 ستمبر سے 23 ستمبر تک یعنی سترہ روز جاری رہی۔ بھارت نے مکمل تباہی سے بچنے کیلئے جنگ بندی کی اپیل کی۔ پاکستان نے سلامتی کونسل کے کہنے پر جنگ بندی کر دی۔ بعد ازاں سوویت یونین کے وزیر اعظم کو **سیجن** کی دعوت پر پاکستان کے صدر جنرل ایوب خان اور بھارت کے وزیر اعظم لال بہادر شاستری کے مابین تاشقند کے شہر میں امن مذاکرات ہوئے۔ 10 جنوری 1966ء کو اعلان تاشقند جاری کیا گیا جس کے تحت دونوں ممالک نے 5 اگست 1965ء کی پوزیشن پر اپنی افواج کو واپس بلانے اور سفارتی تعلقات بحال کرنے پر رضامندی ظاہر کر دی۔

شیخ مجیب الرحمٰن کے چھ نکات (۱۹۶۶ء)

مشرقی پاکستان کی جماعت عوامی لیگ کے سربراہ شیخ مجیب الرحمٰن نے فروری 1966ء میں اپنے مشہور چھ نکات پیش کئے جو کہ بعد ازاں 1971ء میں پاک بھارت جنگ اور سقوط ڈھاکہ کا سبب بنے یہ چھ نکات درج ذیل تھے:

۱۔ قرارداد لاہور کی بنیاد پر پاکستان میں وفاقی پارلیمانی نظام تشکیل دیا جائے۔ قومی اسمبلی کا انتخاب بالغ رائے دہی کی بنیاد پر کیا جائے۔

۲۔ دفاع اور امور خارجہ کے محکمے وفاق کے پاس ہونگے جبکہ دیگر تمام محکمے صوبوں کو دیئے جائیں گے۔

Marfat.com

۳۔ مغربی اور مشرقی پاکستان کیلئے الگ کرنسیوں کا اجراء کیا جائے۔

۴۔ صوبوں کو ٹیکس عائد کرنے کے اختیارات دیئے جائیں۔

۵۔ صوبائی حکومتوں کو بیرونی ممالک کیساتھ تجارتی تعلقات قائم کرنے اور سمجھوتے کرنے کا اختیار دیا جائے۔ ہر صوبے کے زرمبادلہ کے ذخائر الگ ہوں۔

۶۔ صوبائی حکومتوں کو اپنی ملیشیا یا نیم فوجی فورس رکھنے کا اختیار دیا جائے۔

تحریک جمہوریت پاکستان اور ایوب حکومت کا خاتمہ

حکومت مخالف جماعتیں ایوب حکومت کو ختم کرنا چاہتی تھی۔ اس سلسلے میں مئی 1967ء میں ڈھاکہ میں اجلاس منعقد کیا گیا۔ اس میں پانچ ہم خیال جماعتوں یعنی عوامی لیگ، جماعت اسلامی، کونسل مسلم لیگ، نظام اسلام پارٹی اور نصر اللہ گروپ نے تحریک جمہوریت پاکستان (پی ڈی ایم) تشکیل دی۔ بعدازاں ذوالفقار علی بھٹو اور ایئر مارشل اصغر خان نے ملک کا دورہ کر کے ایوب حکومت کے خلاف رائے عامہ ہموار کی۔ اسی دوران مارکیٹ سے چینی اچانک غائب ہوگئی جس سے عوام سڑکوں پر نکل آئے۔ ۹ جولائی ۱۹۶۷ء کو (بعض افراد کے مطابق) محترمہ فاطمہ جناح کو قتل کر دیا گیا۔ تحریک جمہوریت کا باقاعدہ آغاز 1968ء میں کیا گیا۔ اس کے بعد وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ تحریک زور پکڑتی چلی گئی۔ ملک گیر مظاہروں، جلسوں، جلوسوں اور ہڑتالوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہوگیا۔ 9 نومبر 1968ء کو کالج بند کر دیئے گئے۔ ایوب خان نے ملک میں تحریک ختم کرنے کیلئے 17 فروری 1969ء وایک گول میز کانفرنس میں سیاست دانوں سے مذاکرات کئے جن میں اپوزیشن نے مطالبہ کیا کہ ہنگامی حالت ختم کی جائے۔ بنیادی حقوق بحال کر کے سیاسی قیدیوں کو رہا کیا جائے۔ چنانچہ ایوب خان نے سیاسی قیدیوں کو رہا کر دیا جن میں بھٹو اور شیخ مجیب الرحمٰن شامل تھے۔

گول میز کانفرنس اپنے مقاصد حاصل نہ کرسکی۔ اس کا دوسرا راؤنڈ 10 مارچ کو منعقد کیا گیا جو کہ ناکام ہوگیا۔ چنانچہ ملک میں امن وامان بحال کرنے کیلئے 23 مارچ 1969ء کو ایوب خان نے مستعفی ہونے کا اعلان کیا اور جنرل یحیٰی خان کے سپرد کر دیا۔ ۱۹۶۸ء کو ایوب خان پر دل کا دورہ پڑا اور اس طرح ملکی انتظامات میں خلل پڑنے پر ۱۹۶۹ء کو ایوب خان نے یحیٰی خان کے حوالے اقتدار کر دیا۔ اس طرح مارشل لاء کا ایک نیا دور شروع ہوا۔

جنرل یحیٰی خان (۱۹۶۹ء تا ۱۹۷۱ء)

ایوب حکومت کے خاتمے کے بعد جنرل محمد یحیٰی خان نے 25 مارچ 1969ء کو پاکستان کی باگ ڈور سنبھالی اور ملک کی تاریخ کا دوسرا مارشل لاء نافذ کیا۔ 1962ء کے آئین کو منسوخ کر دیا گیا۔ پاکستان کا نظم ونسق چلانے کے لئے جنرل مظفر الدین کو مشرقی پاکستان اور جنرل عتیق الرحمٰن کو مغربی پاکستان کا مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر مقرر کیا گیا۔

Marfat.com

یحیٰ حکومت کی اصلاحات

۱۔ مزدوروں کی بہتری کیلئے نئی لیبر پالیسی کا اعلان کیا گیا۔

۲۔ مزدوروں کی تنخواہ کم از کم 140 روپے ماہوار مقرر کی گئی۔

۳۔ سرکاری افسروں کا احتساب کر کے 303 اعلیٰ افسروں کو برطرف کیا گیا۔

۴۔ اگست 1969ء میں ایک آٹھ رکنی وزارتی کونسل تشکیل دی گئی۔

۵۔ مارچ 1970ء میں ایک لیگل فریم ورک آرڈر کا اعلان کیا گیا۔

۶۔ جولائی 1969ء میں شمالی ریاستوں دیر، چترال اور سوات کو مغربی پاکستان میں شامل کر لیا گیا۔

۷۔ جولائی 1970ء میں ون یونٹ کا خاتمہ کر دیا گیا۔

لیگل فریم ورک آرڈر

یحیٰ خان نے 28 مارچ 1970ء کو ایک لیگل فریم ورک آرڈر کا اعلان کیا جس کے اہم نکات درج ذیل تھے:

۱۔ ملک کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان کا ہوگا۔ اس کا سربراہ مسلمان ہوگا۔

۲۔ ملک میں وفاقی جمہوری نظام رائج کیا جائے گا۔

۳۔ قومی اسمبلی 313 نشستوں پر مشتمل ہوگی۔

۴۔ بنیادی حقوق آئین کا حصہ ہوں گے۔

۵۔ قرآن وسنت کے منافی کوئی قانون ملک میں نافذ نہیں کیا جائے گا۔

۶۔ قومی اسمبلی کی 313 نششوں میں سے مشرقی پاکستان کے لیے 169، پنجاب کے لیے 85، سندھ کے لیے 28، بلوچستان کے لیے 5، خیبر پختونخواہ کے لئے 19 اور قبائلی علاقوں کے لئے 7 نشستیں مخصوص ہوں گی۔

۱۹۷۰ء کے عام انتخابات

یحیٰ حکومت نے 7 دسمبر 1970ء کو ملک میں عام انتخابات کا انعقاد کیا جن کے مطابق قومی اسمبلی میں مجیب الرحمٰن کی عوامی لیگ نے 160، بھٹو کی پاکستان پیپلز پارٹی نے 81، مسلم لیگ قیوم نے 9، مسلم لیگ کونسل نے 7، مسلم لیگ کنونشن نے 2، جمعیت علمائے اسلام نے 7، جماعت اسلامی نے 4، جمعیت علمائے پاکستان نے 7، جمہوری پارٹی نے ایک، نیپ (ولی گروپ) نے 6 اور آزاد ارکان نے 16 نشستیں حاصل کیں۔ جہاں تک صوبائی انتخابات کا تعلق تھا، ان میں پاکستان پیپلز پارٹی نے پنجاب میں 113 اور سندھ میں 28 نشستوں کے ساتھ اکثریت حاصل کی جبکہ عوامی لیگ نے مشرقی پاکستان میں 288 نشستیں حاصل کیں۔

Marfat.com

۱۹۷۱ء کی پاک بھارت جنگ

دسمبر 1970ء کے انتخابات میں شیخ مجیب الرحمٰن کی عوامی لیگ نے 160 نشستوں کے ساتھ قومی اسمبلی میں اکثریت حاصل کر لی تھی۔ اس کی بنیاد پر اس نے قومی اسمبلی کا اجلاس بلانے کا مطالبہ کیا مگر یحییٰ خان نے یہ اجلاس بلانے سے گریز کیا کیونکہ اس کو خدشہ تھا کہ شیخ مجیب الرحمٰن اقتدار حاصل کر کے ملک کی سالمیت کے لیے خطرہ بن جائے گا۔ اس صورت حال نے بنگالیوں کے ذہن میں شکوک وشبہات پیدا کر دیئے جس کے نتیجے میں انہوں نے بھارت کے تعاون سے مشرقی پاکستان میں گوریلا کارروائی کا آغاز کر دیا۔ یحییٰ حکومت نے اس تحریک کو کچلنے کے لیے طاقت کا استعمال کیا۔ اس مقصد کے لیے جنرل ٹکا خان کو مشرقی پاکستان کا گورنر مقرر کیا گیا۔ طاقت کے استعمال سے بنگالیوں کے دل میں مغربی پاکستان کے لیے شدید نفرت پیدا ہو گئی۔ بھارت نے عوامی لیگ کے رضا کاروں کو گوریلا جنگ کی تربیت دی۔ اس طرح مکتی باہنی کی فوج تیار ہو گئی جس نے پاکستانی فوج کے لئے مشکلات پیدا کر دیں۔

گوریلا جنگ بالآخر نومبر 1971ء میں پاک بھارت جنگ کی صورت اختیار کر گئی۔ مغربی پاکستان کی صورت حال کے برعکس مشرقی پاکستان میں بھارت کو برتری حاصل تھی۔ کیونکہ یہاں پاکستانی فوج نہ صرف محدود اسلحہ اور فضائی تحفظ کے بغیر دشمن کی زیادہ نفری کا مقابلہ کیا بلکہ اندرونی محاذ پر بنگالیوں کی گوریلا فوج بھی اس پر عقب سے حملے کر رہی تھی۔ ان نامساعد حالات میں پاکستانی دستہ زیادہ دیر تک دشمن کی پیش قدمی کو نہ روک سکا اور 16 دسمبر 1971ء کو بھارتی فوج ڈھاکہ پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ نوے ہزار سے زیادہ سول اور فوجی افراد جنگی قیدی بنا لیے گئے۔ اس طرح بنگلہ دیش وجود میں آ گیا۔ شیخ مجیب الرحمٰن کو اس کا پہلا صدر منتخب کیا گیا۔

ذوالفقار علی بھٹو کا دور (۱۹۷۱ء تا ۱۹۷۷ء)

سقوط ڈھاکہ کے بعد جنرل یحییٰ خان کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ بعد ازاں ذوالفقار علی بھٹو نے 20 دسمبر 1971ء کو صدر مملکت اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کا عہدہ سنبھالا۔ بھٹو حکومت کی مرکزی کابینہ میں نور الامین، ڈاکٹر مبشر حسن، محمود علی قصوری، ملک معراج، خالد، شیخ رشید، غلام مصطفیٰ جتوئی، عبدالحفیظ پیرزادہ، محمد حنیف اور راجہ تری دیورائے شامل تھے جبکہ صوبوں میں ممتاز علی بھٹو کو گورنر سندھ، غلام مصطفیٰ کھر کو گورنر پنجاب، غوث بخش رئیسانی کو گورنر بلوچستان اور حیات محمد شیر پاؤ کو گورنر خیبر پختونخواہ مقرر کیا گیا۔

بھٹو حکومت کے اقدامات

ذوالفقار علی بھٹو نے اقتدار سنبھالتے ہی ان انقلابی اقدامات پر عمل کرنے کا آغاز کر دیا جس کا نعرہ انہوں نے انتخابی مہم کے دوران لگایا تھا۔ یہ اقدامات درج ذیل تھے:

ا۔ جنرل یحییٰ خان کی جگہ جنرل گل حسن کو فوج کا سربراہ مقرر کیا گیا۔ سات جرنیلوں کو ریٹائر کر دیا گیا۔

Marfat.com

۲۔ سقوط مشرقی پاکستان کے اسباب کی تحقیقات کرنے کے لیے حمود الرحمٰن کمیشن تشکیل دیا۔

۳۔ غداری کے علاوہ سیاسی جرائم میں ملوث قیدیوں کو رہا کر دیا گیا۔

۴۔ جنوری 1972ء میں شیخ مجیب الرحمٰن کو رہا کر دیا گیا۔

۵۔ جنوری 1972ء کو ملک کی تمام بھاری صنعتوں کو قومی ملکیت میں لے لیا گیا۔

۶۔ مارچ 1972ء میں 313 بدعنوان سرکاری افسروں کو برطرف کر دیا گیا۔

۷۔ سرکاری ملازمین کی تنخواہوں میں اضافہ کر دیا گیا۔

۸۔ مارچ 1972ء میں ملک میں زرعی اصلاحات نافذ کی گئیں۔

۹۔ یکم اکتوبر 1972ء کو ملک بھر میں تمام نجی سکول اور کالج قومی تحویل میں لے لئے گئے۔

۱۰۔ اگست 1973ء میں لیبر اصلاحات کا اعلان کیا گیا۔

۱۱۔ اگست 1972ء میں قانونی اصلاحات کا ترمیمی آرڈی نینس جاری کیا گیا۔

۱۲۔ ملک میں صحت پالیسی کی گئی جس کے تحت 7 نئے میڈیکل کالج کھولے گئے۔ میڈیکل پریکٹیشنز کے لیے اجسٹریشن کا طریقہ کار رائج کیا گیا۔

۱۳۔ فروری 1972ء میں پولیس اصلاحات کا اعلان کیا گیا۔

۱۹۷۳ء کا آئین

ذوالفقار علی بھٹو چونکہ جمہوریت پر یقین رکھتے تھے اس لیے تمام سیاسی مکاتب فکر کے تعاون سے ایک نیا دستور مرتب کیا جو ملک میں 14 اگست 1973ء کو نافذ کر دیا گیا۔ اس کے تحت فضل الٰہی چوہدری نے بطور صدر مملکت اور بھٹو نے بطور وزیر اعظم حلف اٹھایا۔ 1973ء کے آئین کی خصوصیات درج ذیل ہیں۔

۱۔ یہ ایک تحریری آئین ہے جو کہ 12 مئی، 27 ابواب اور 280 دفعات پر مشتمل ہے۔

۲۔ آئین کے ابتدائیے میں قرارداد مقاصد شامل ہے۔

۳۔ یہ ایک لچکدار آئین ہے کیونکہ اس میں ترمیم کرنا آسان ہے۔ دونوں ایوانوں کے دو تہائی اراکین آئین میں ترمیم کرنے کے مجاز ہیں۔

۴۔ ملک میں ایک وفاقی نظام تشکیل دیا گیا ہے جس کے تحت ایک مرکزی اور چار صوبائی حکومتیں تشکیل دی گئی ہیں۔ صدر مملکت وفاق کا سربراہ ہے۔

۵۔ آئین کے ذریعہ ایک پارلیمانی طرز حکومت رائج کیا گیا ہے۔ وزیر اعظم ملک کی سرکاری مشینری کا منتظم اعلیٰ ہے۔ وہ اپنی کابینہ کے ارکان کا انتخاب خود کرتا ہے۔

Marfat.com

۶۔ ملک میں دوایوانی مقننہ تشکیل دی گئی ہے جو کہ سینٹ اور قومی اسمبلی پر مشتمل ہے ابتداء میں سینٹ کے اراکین کی تعداد 87 (موجودہ تعداد 100) اور قومی اسمبلی کے اراکین کی تعداد 217 تھی (2002ء میں یہ تعداد 342 کردی گئی)۔

۷۔ ملک کے تمام شہریوں کو بنیادی حقوق فراہم کئے گئے ہیں۔

۹۔ آئین میں حکمت عملی کے اصول شامل کیے گئے ہیں۔

۱۰۔ اردو کو ملک کی قومی زبان قرار دیا گیا۔

۱۱۔ کئی دستوری ادارے قائم کئے گئے جن میں درج ذیل نمایاں ہیں۔

۱۔ پبلک سروس کمیشن	۲۔ الیکشن کمیشن آف پاکستان	۳۔ ایڈووکیٹ جنرل
۴۔ اسلامی نظریاتی کونسل	۵۔ قومی اقتصادی کونسل	۶۔ سپریم جوڈیشل کونسل
۷۔ آڈیٹر جنرل	۸۔ اٹارنی جنرل	۹۔ مشترکہ مفادات کونسل

بھٹو دور کے دیگر اہم واقعات

۱۔ 22 تا 24 فروری 1974ء کو لاہور میں دوسری اسلامی سربراہی کانفرنس کا انعقاد کیا گیا جس میں عالم اسلام کے نامور رہنماؤں نے حصہ لیا۔

۲۔ دسمبر 1974ء میں قومی اسمبلی نے قادیانیوں کی غیر مسلم قرار دے دیا۔

۳۔ جولائی 1972ء میں بھٹو اور اندرا گاندھی (وزیر اعظم بھارت) نے شملہ معاہدہ پر دستخط کئے۔

۴۔ 18 اگست 1973ء کو معاہدہ دہلی طے کیا گیا جس کے تحت بھارت نے پاکستان کے 90 ہزار جنگی قیدی رہا کر دیے۔

پاکستان قومی اتحاد کی تحریک اور بھٹو حکومت کا خاتمہ

بھٹو حکومت نے مارچ 1977ء میں قومی اسمبلی کے انتخاب کا انعقاد کیا جن میں پاکستان پیپلز پارٹی نے قومی اسمبلی کی 156 اور قومی اتحاد نے 36 نشستیں حاصل کیں۔ حزب اختلاف نے حکومت پر انتخابی دھاندلی کا الزام لگایا اور نئے انتخاب کا مطالبہ کیا۔ پاکستان قومی اتحاد نے ملک میں نظام مصطفیٰ کے نفاذ کے لیے ایک ملک گیر تحریک کا آغاز کیا۔ بھٹو نے قومی اتحاد کے رہنماؤں کیساتھ مذاکرات کئے جو کہ ناکام ہو گئے۔ ملک میں خانہ جنگی کو روکنے کے لیے 5 جولائی 1977ء کو جنرل ضیاء الحق نے بھٹو حکومت ختم کر کے مارشل لاء نافذ کر دیا۔

نوجوانوں کا بے مثل ایثار

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب ہمارا علم و ادب میں اسلامی انقلاب کا ذکر کرتے ہیں۔ پاکستان بن جانے کے بعد حزب الشیطان نے زیادہ توجہ علاقائی عصبیت پر مبذول کی اور ہر طبقہ اسی عصبیت کو ذہن میں رکھ کر ملازمتوں میں گھسنے لگا۔ پھر ایسا دور آیا کہ سندھ کی حدود پر ہندوستان کے ہندوؤں کو آباد کیا گیا لسانی ہنگامے اسی کے نتیجے میں رونما ہوئے اور بہت سے بے گناہ

Marfat.com

مسلمان مارے گئے۔ پھر ایسا وقت بھی آیا کہ پاکستان کو ''سرخ'' قرار دیا گیا اور دین کی حمایت کرنے والوں کو گولی کا نشانہ بنایا گیا۔ لیکن گولی کھانے والوں میں بکثرت وہ نوجوان تھے جو بڑے بڑے بال رکھتے تھے اور رنگین کپڑے پہنتے تھے۔ اور جن کے متعلق کوئی شخص سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ان کا کوئی تعلق دین سے ہے بھی یا نہیں۔ پھر اللہ کا بے حد احسان ہوا کہ اس شدید اضطراب اور تشدد کے بعد ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو 'اسلامی انقلاب' رونما ہوا اور قوم کو سکون کی زندگی حاصل ہوئی۔

جنرل ضیاء الحق کا دور (۱۹۷۷ء تا ۱۹۸۸)

جنرل ضیاء الحق نے 5 جولائی 1977ء کو مارشل لاء نافذ کر کے عنان حکومت سنبھالا۔ اس موقع پر قوم سے خطاب فرمایا: ''اب مسٹر بھٹو کی حکومت ختم ہو چکی ہے۔ سارے ملک میں مارشل لاء نافذ کر دیا گیا ہے۔ قومی اور صوبائی اسمبلیاں توڑ دی گئی ہیں۔ صوبائی گورنر ہٹا دیئے گئے ہیں۔ البتہ دستور کو منسوخ نہیں کیا گیا۔ اس کے بعض حصوں پر عمل درآمد روک دیا گیا ہے۔''

ضیاء کے دور کے اہم واقعات

۱۔ ملک کا نظم ونسق چلانے کے لئے پانچ مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر تقرر کیے گئے۔

۲۔ ضیاء حکومت نے ذوالفقار علی بھٹو کو گرفتار کر لیا۔ نصرت بھٹو نے اس کے خلاف سپریم کورٹ میں رٹ دائر کی۔ عدالت نے حکومتی اقدام کو درست قرار دیا۔

۳۔ ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف نواب محمد خان کے قتل کا مقدمہ درج کیا گیا۔ لاہور کورٹ نے 18 مارچ 1978ء کو بھٹو کو پھانسی کی سزا سنائی۔ بعد ازاں سپریم کورٹ نے یہ فیصلہ درست قرار دیا اور 2 مارچ 1978 کو فیصلہ بحال رکھا۔ چنانچہ 14 اپریل 1979 کو بھٹو کو پھانسی دے دی گئی۔

نفاذ اسلام کے اقدامات

۱۔ فروری 1979ء میں حدود آرڈیننس نافذ کیا گیا۔

۲۔ 1977ء سے 1986ء تک سالانہ سیرت کانفرنس کا انعقاد کیا گیا۔

۳۔ جون 1980ء میں زکوٰۃ وعشر کا نظام نافذ کیا گیا۔

۴۔ نومبر 1980ء میں اسلامی یونیورسٹی قائم کی گئی۔

۵۔ جنوری 1981ء میں بلا سود بینکاری کا نظام قائم کیا گیا۔

۶۔ دسمبر 1981ء میں مجلس شوریٰ قائم کی گئی۔

۷۔ فروری 1982ء میں زکوٰۃ فاؤنڈیشن قائم کی گئی

۸۔ اگست 1983ء میں وفاقی محتسب کا ادارہ قائم کیا گیا۔

۹۔ اپریل 1984ء میں قادیانیوں کا آرڈیننس جاری کیا گیا۔

Marfat.com

۱۰۔ اگست 1984ء میں نظام صلوٰۃ نافذ کیا گیا۔

۱۱۔ دسمبر 1984ء میں قاضی عدالتیں قائم کی گئیں۔

۱۲۔ جولائی 1986ء میں شریعت بل منظور کیا گیا۔

جونیجو وزارت (۱۹۸۵ء تا ۱۹۸۸ء)

1985ء کے غیر جماعتی انتخابات کے نتیجے میں محمد خان جونیجو نے حکومت تشکیل کر دی۔ جونیجو نے ملک میں ترقی کی رفتار تیز کرنے کے لئے درج ذیل پانچ نکاتی پروگرام کا اعلان کیا:

۱۔ نظریہ پاکستان کی بنیاد پر مستحکم جمہوری سیاسی نظام کا قیام۔

۲۔ منصفانہ بنیادوں پر معاشی نظام کا قیام۔

۳۔ ملک سے ناخواندگی کا خاتمہ۔

۴۔ معاشرے سے رشوت ستانی کا خاتمہ۔

۵۔ مضبوط دفاع اور غیر جانبدار متوازن خارجہ پالیسی۔

جونیجو حکومت کی برطرفی

محمد خان جونیجو نے وزارت عظمیٰ کا عہدہ سنبھال کر آزاد حکمت عملی اپنائی۔ اس سلسلے میں ضیاء الحق کے وفادار ساتھیوں سے جان چھڑانے کے لیے دوبارہ وفاقی کابینہ تشکیل دی۔ اس طرح جونیجو ضیاء چپقلش کا آغاز ہوا۔ بعدازاں اوجڑی کیمپ کے واقع کے بعد یہ اختلافات شدید ہو گئے۔ چنانچہ ضیاء الحق نے دفعہ 58(2) بی استعمال کرتے ہوئے 29 مئی 1988ء میں صدر کا عہدہ سنبھالا اور 16 نومبر 1988ء کو انتخاب کروانے کا اعلان کیا۔

۱۹۸۸ء کے عام انتخابات

نومبر 1988ء کے عام انتخابات میں قومی اسمبلی میں محترمہ بے نظیر بھٹو کی قیادت میں پاکستان پیپلز پارٹی نے 93 نشستیں حاصل کر کے پہلی پوزیشن حاصل کی۔ اس کے مقابلے میں جمہوری اتحاد نے 54 اور جمعیت العلمائے اسلام نے 7 نشستوں پر کامیابی حاصل کی۔ صوبائی انتخابات میں پنجاب میں اسلامی جمہوری اتحاد نے 108 اور پاکستان پیپلز پارٹی نے 93 نشستیں حاصل کیں۔ ص کیں۔ صوبہ سندھ میں پاکستان پیپلز پارٹی کو 67 نشستوں کے ساتھ اکثریت حاصل ہوئی جبکہ ایم کیو ایم 31 نشستوں کے ساتھ دوسرے نمبر پر رہی صوبہ بلوچستان میں کوئی بھی سیاسی جماعت واضح برتری حاصل نہ کر سکی

بینظیر بھٹو کا پہلا دور وزارت (۱۹۸۸ء تا ۱۹۹۰ء)

1988ء کے انتخابات میں پاکستان پیپلز پارٹی نے مرکز میں 93 نشستیں حاصل کیں۔ اس کے نتیجے میں محترمہ بے نظیر بھٹو نے 2 دسمبر 1988ء کو وزارت عظمیٰ کا عہدہ سنبھالا۔ وہ پاکستان کی پہلی خاتون وزیر اعظم تھیں۔ محترمہ کا پہلا

Marfat.com

وزارت 6 اگست 1990ء تک جاری رہا۔ اس عرصہ کے دوران کئی اہم واقعات رونما ہوئے جن میں درج ذیل نمایاں تھے:

۱۔ 15 دسمبر 1988ء کو گورنر نے بلوچستان اسمبلی کو برطرف کر دیا۔

۲۔ 29 دسمبر 1988ء کو اسلام آباد میں چوتھی سارک کانفرنس کا انعقاد کیا گیا۔

۳۔ اپریل 1989ء میں پیپلز ورکس پروگرام کا آغاز کیا گیا۔

۴۔ یکم اکتوبر 1989ء کو پاکستان دولت مشترکہ کا دوبارہ رکن بن گیا۔

۵۔ 6 اگست 1990ء کو صدر غلام اسحٰق خان نے بے نظیر حکومت کو برطرف کر

نواز شریف کی وزارت کا پہلا دور (۱۹۹۰ء تا ۱۹۹۳ء)

بے نظیر حکومت کی برطرفی کے بعد ملک میں 24 اور 27 اکتوبر 1990ء کو بالترتیب قومی وصوبائی اسمبلیوں کے انتخابات منعقد کیے گئے۔ ان میں اسلامی اتحاد نے 91 نشستوں کے ساتھ قومی اسمبلی میں اکثریت حاصل کر لی۔ اتحاد نے صوبہ پنجاب اور صوبہ خیبر پختونخواہ میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔ پاکستان پیپلز پارٹی نے قومی اسمبلی میں پاکستان ڈیموکریٹک الائنس کے نام کے تحت صرف 10 نشستیں حاصل کیں۔ تاہم اتحاد نے صوبہ سندھ میں 47 نشستوں کے ساتھ اکثریت حاصل کی۔

انتخابات کے نتیجے میں نواز شریف نے 6 نومبر 1990ء کو وزیر اعظم کی حیثیت سے حلف اُٹھایا۔ یہ وزارت جولائی 1993ء تک جاری رہی۔ صدر اور وزیر اعظم میں محاذ آرائی ہوئی، جس کے نتیجے میں صدر نے 18 اپریل 1993ء کو نواز حکومت کو برطرف کر دیا۔ سپریم کورٹ نے 26 مئی 1993ء کو یہ حکومت بحال کر دی۔ حکومت کی بحالی کے بعد بھی صدر اور وزیر اعظم میں محاذ آرائی جاری رہی۔ تاہم 19 جولائی 1993ء کو یہ صورتحال ختم ہوگئی، جب فوج کی مداخلت پر غلام اسحاق خان اور نواز شریف دونوں اپنے عہدوں سے مستعفی ہو گئے۔

۱۹۹۳ء کے عام انتخابات

6 اور 9 اکتوبر 1993ء کو ملک میں عام انتخابات کا انعقاد کیا گیا۔ پاکستان پیپلز پارٹی نے قومی اسمبلی میں 86 جبکہ پاکستان مسلم لیگ (ن) نے 73 نشستیں حاصل کیں۔ صوبائی انتخابات میں پاکستان پیپلز پارٹی نے پنجاب میں 94۔ سندھ میں 56۔ خیبر پختونخواہ میں 22 اور بلوچستان میں 3 نشستیں حاصل کیں۔ اس کے مقابلے میں پاکستان مسلم لیگ (ن) نے پنجاب میں 106۔ سندھ میں 18۔ اور خیبر پختونخواہ میں 15 نشستوں پر کامیابی حاصل کی۔

بے نظیر بھٹو کا دوسرا دور وزارت (۱۹۹۳ء تا ۱۹۹۶)

1993ء کے انتخابات کی بنیاد پر محترمہ بے نظیر بھٹو نے 19 اکتوبر 1993ء کو بطور وزیر اعظم حلف اُٹھایا۔ پنجاب میں پاکستان پیپلز پارٹی اور پاکستان مسلم لیگ (ن) نے مل کر مخلوط حکومت تشکیل دی۔ سندھ میں بھی پاکستان پیپلز پارٹی نے حکومت بنائی۔ بے نظیر بھٹو کی وزارت کے دوسرے دور میں بے نظیر اور نواز شریف کے درمیان محاذ آرائی جاری رہی۔ سیاسی

Marfat.com

مخالفین کو انتقام کا نشانہ بنایا گیا۔صدر فاروق احمد خان لغاری نے 5 نومبر 1996ء کو بے نظیر حکومت کو برطرف کر دیا اور انتخابات کے انعقاد کے لئے معراج خالد کو نگراں وزیر اعظم مقرر کیا۔

سردار فاروق احمد خان لغاری (۱۹۹۳ء تا ۱۹۹۷)

13 نومبر 1993ء کو صدارتی انتخابات کا انعقاد کیا گیا جس میں پاکستان پیپلز پارٹی کے اُمیدوار سردار فاروق احمد خان لغاری نے 274 ووٹ حاصل کر کے پاکستان مسلم لیگ (ن) کے اُمیدوار وسیم سجاد (168) کو شکست دی۔ سردار فاروق احمد خان لغاری کے عہد صدارت کا ایک اہم واقعہ ہے بے نظیر بھٹو کی برطرفی ہے۔2 دسمبر 1997ء کو صدر اپنے عہد سے مستعفی ہو گئے۔

نواز شریف کی وزارت کا دوسرا دور (۱۹۹۷ء تا ۱۹۹۹)

1997ء میں عام انتخابات کا انعقاد کیا گیا جس میں پاکستان مسلم لیگ (ن) نے قومی اسمبلی کی 134 نشستیں جیت کر واضح برتری حاصل کی۔ اس کے نتیجے میں 17 فروری 1997ء کو میاں نواز شریف نے وزیر اعظم کا عہدہ سنبھالا۔ صوبہ پنجاب میں شہباز شریف کو وزیر اعلیٰ منتخب کیا۔صوبہ سندھ میں پاکستان پیپلز پارٹی کے لیاقت علی جتوئی جبکہ صوبہ سرحد میں پاکستان مسلم لیگ (ن) کے مہتاب خان عباسی نے وزارت تشکیل دی۔نواز شریف کی وزارت کے دوسرے دور کے اہم واقعات درج ذیل تھے:

ا۔ 26 نومبر 1997ء کو لاہور۔اسلام آباد موٹروے کا افتتاح کیا گیا۔

۲۔ 13 اگست 1997ء کو انسداد دہشت گردی کا بل منظور کیا گیا۔

۳۔ 28 اور 30 مئی 1998ء کو پاکستان نے چاغی کے مقام پر چھ ایٹمی دھاکے کئے جس سے وہ ایٹمی قوت رکھنے والا دنیا کا ساتواں اور پہلا اسلامی ملک بن گیا۔

۴۔ اپریل 1997ء میں تیرھویں ترمیم، جولائی 1997ء میں چودھویں ترمیم اور اگست 1998ء میں آئین میں پندرھویں ترمیم منظور کی گئی۔

۵۔ 21 اپریل 1999ء کو بھارتی وزیر اعظم اٹل بہاری واجپائی اور میاں نواز شریف نے قرارداد لاہور پر دستخط کئے۔

۶۔ مئی اور جون 1999ء میں کارگل کے مقام پر پاک بھارت افواج میں جھڑپیں ہوئیں۔

جنرل پرویز مشرف (۱۹۹۹ء تا ۲۰۰۸)

12 اکتوبر 1999ء کو جنرل پرویز مشرف نے نواز شریف کی حکومت کو برطرف کر کے ملک کا انتظام خود سنبھال لیا۔ 1973ء کے آئین پر عملدر آمد روک کر عارضی آئینی حکم نمبرا جاری کیا گیا۔ پرویز مشرف نے بطور صدر اور چیف ایگزیکٹو اختیارات سنبھال لئے۔ وہ 14 اکتوبر 1999ء تا 19 جون 2001ء تک ملک کے چیف ایگزیکٹو جبکہ 20 جون 2001 تا

Marfat.com

18 اگست 2008ء کے ملک کے صدر رہے۔

مشرف حکومت کی اصلاحات

ا۔ ملک کی ترقی وخوشحالی کے لئے سات نکاتی ایجنڈے کا اعلان کیا گیا۔

۲۔ ملک کو اقتصادی طور پر مستحکم کرنے کیلئے بیرونی قرضوں سے نجات حاصل کرنے اور تجارت کو فروغ دینے کے لئے پروگرام شروع کئے گئے۔ اس کے نتیجے میں پیرس کلب نے اپنے قرضہ جات کوری شیڈول کر دیا۔ امریکہ نے نہ صرف 1.2 ملین ڈالر کا قرضہ معاف کر دیا بلکہ 3.5 ملین ڈالر کا ایک پیکج بھی دیا۔

۳۔ 2002ء میں ایل ایف او کے تحت قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلیوں کی نشستوں میں اضافہ کر دیا۔

۴۔ اگست 2001ء میں ملک میں ضلعی حکومتوں کا نظام رائج کر دیا گیا۔

۵۔ اگست 2002ء عام انتخابات کا انعقاد کروایا گیا۔

۶۔ جنوری 2004ء میں منعقدہ اسلام آباد کانفرنس کے بعد بھارت امن مذاکرات کا آغاز کیا گیا۔

۷۔ ستمبر 2001ء میں امریکہ میں کئے جانے والے دہشت گردی کے واقعات کے بعد پاکستان نے دہشت گردی کے خلاف امریکہ کا ساتھ دیا۔

۸۔ پاکستان کی تجارت کو ترقی دینے کیلئے گوادر کی بندرگاہ کے منصوبے پر کام شروع کر دیا گیا۔

میر ظفر اللہ خان جمالی (۲۰۰۲ء تا ۲۰۰۴)

اکتوبر 2002ء میں عام انتخابات کا انعقاد کیا گیا، جن میں پاکستان مسلم لیگ (ن) نے مرکز اور صوبہ پنجاب میں کامیابی حاصل کی۔ اس کے نتیجے میں میر ظفر اللہ خان جمالی نے 23 نومبر 2002ء کو بطور وزیر اعظم حلف اُٹھایا۔ جمالی وزارت 26 جون 2004ء تک جاری رہی۔ آپ پارٹی قیادت کی خواہش پر اپنے عہدہ سے مستعفی ہوئے اور شوکت عزیز کو اپنا جانشین نامزد کیا۔

اسلام آباد سارک کانفرنس کی کامیابی

میر ظفر اللہ خان جمالی کے دور وزارت میں جنوری 2004ء میں اسلام آباد میں سارک کانفرنس کا انعقاد کیا گیا۔ جس میں رکن ممالک کے سربراہوں نے شرکت کی۔ بھارت کی نمائندگی وزیر اعظم اٹل بہاری واجپائی نے کی۔ اس موقع پر مشرف واجپائی ملاقات کامیاب رہی۔ دونوں قائدین نے پاک بھارت امن مذاکرات شروع کرنے کا عہد کیا۔ بعد ازاں عملی طور پر یہ مذاکرات شروع ہو گئے جن کے تحت اعتماد سازی کے کچھ اقدامات کئے گئے ہیں۔ ان میں اپریل 2005ء میں مظفر آباد سری نگر سروس کا اجراء شامل تھا۔

Marfat.com

چوہدری شجاعت حسین

میر ظفر اللہ خان جمالی کے مستعفی ہونے کے بعد چوہدری شجاعت حسین نے 26 جون 2004ء بطور نگران وزیر اعظم حلف اُٹھایا۔ آپ کا دور وزارت 28 اگست 2004ء تک جاری رہا۔ اسی دوران وزیر خزانہ شوکت عزیز نے اٹک سے ضمنی انتخاب میں کامیابی حاصل کر کے اسمبلی کی رکنیت حاصل کی۔

شوکت عزیز (۲۰۰۴ء تا ۲۰۰۷ء)

شوکت عزیز کو قومی اسمبلی میں ایوان کا قائد منتخب کیا گیا۔ 29 اگست 2004ء کو بطور وزیر اعظم اپنے عہدے کا حلف اُٹھایا۔ شوکت عزیز وزیر خزانہ بھی رہے۔ اُن کے دور میں ملکی برآمدات 11 ارب ڈالر اور زرمبادلہ کے ذخائر 16 ارب ڈالر سے زیادہ ہو گئے۔ پاکستان میں غیر ملکی سرمایہ کاری میں بھی اضافہ ہوا۔ شوکت عزیز 3 سال، اڑھائی ماہ وزیر اعظم رہ کر 15 نومبر 2007ء کو اپنے عہدے سے سبکدوش ہوئے۔

محمد میاں سومرو

چیئرمین سینٹ محمد میاں سومرو نے بطور نگراں وزیر اعظم 16 نومبر 2007ء کو عہدہ سنبھالا۔ اُن کی موجودگی میں جان محمد جمالی (ڈپٹی چیئرمین سینٹ) قائم مقام چیئرمین سینٹ بنے۔ 24 مارچ 2008ء کو 4 ماہ 9 دن کے بعد سبکدوش ہوئے۔

یوسف رضا گیلانی (۲۰۰۸ء تا ۲۰۱۲ء)

پاکستان پیپلز پارٹی کے سنیئر وائس چیئرمین اور سابق سپیکر قومی اسمبلی مخدوم سید یوسف رضا گیلانی 25 مارچ 2008ء کو پاکستان کے 24 ویں اور پاکستان پیپلز پارٹی کے تیسرے (ذوالفقار علی بھٹو اور بے نظیر بھٹو کے بعد) وزیر اعظم بنے۔ انہوں نے ملک کے پارلیمانی تاریخ میں پہلی بار 29 مارچ 2008ء کو قومی اسمبلی سے اعتماد کا ووٹ متفقہ طور پر حکومتی اور اپوزیشن جماعتوں سے حاصل کیا۔ 19 جون 2012ء کو سپریم کورٹ کے 3 رکنی بنچ نے توہین عدالت کے مقدمے میں یوسف گیلانی کو قومی اسمبلی کی رکنیت سے فارغ قرار دیتے ہوئے 5 سال کیلئے نااہل قرار دے دیا، جبکہ وزارت عظمٰی کا عہدہ 26 اپریل 2012ء سے خالی قرار دیا۔ وفاقی کابینہ تحلیل کر دی گئی۔

آصف علی زرداری (۲۰۰۸ء تا ۲۰۱۳ء)

پاکستان پیپلز پارٹی کے شریک چیئرمین اور سینٹر آصف علی زرداری 6 ستمبر 2008ء کو ملک کے گیارہویں اور پیپلز پارٹی کے چوتھے (ذوالفقار علی بھٹو، فضل الٰہی، چوہدری اور فاروق احمد خان لغاری کے بعد) صدر مملکت بنے۔ انہوں نے اپنے عہدے کا حلف 9 ستمبر 2008ء کو ایوان صدر، اسلام آباد میں اُٹھایا۔ اُن سے حلف سپریم کورٹ کے چیف جسٹس عبدالحمید ڈوگر

Marfat.com

نے لیا۔ وہ 8 ستمبر 2013ء کو اپنے عہدے پر رہے اور اپنی 5 سالہ مدت پوری کرنے والے پہلے جمہوری صدر بنے۔

راجہ پرویز اشرف (۲۰۱۲ء تا ۲۰۱۳ء)

یوسف رضا گیلانی کی سپریم کورٹ سے نااہلی کے بعد پیپلز پارٹی کے ہی اُمیدوار راجہ پرویز اشرف پاکستان کے 25 ویں اور پی پی پی کے چوتھے وزیر اعظم 22 جون 2012ء کو بنے۔ انہیں قومی اسمبلی سے 211 جبکہ مسلم لیگ (ن) کے مہتاب عباسی کو 89 ووٹ ملے۔ پرویز اشرف نے 22 جون کو ہی وزارت عظمیٰ کا حلف اُٹھایا۔ وہ 24 مارچ 2013ء تک وزارت عظمیٰ کے عہدے پر فائز رہے۔

میر ہزار خان کھوسو (نگراں وزیر اعظم)

25 مارچ 2013ء کو بلوچستان سے تعلق رکھنے والے جسٹس (ر) میر ہزار خان کھوسو ملک کے 26 ویں اور چھٹے نگراں وزیر اعظم بنے۔ وہ اس عہدے پر 5 جون 2013ء تک فائز رہے۔

میاں محمد نواز شریف (۲۰۱۳ء) تا حال

5 جون 2013ء کو میاں محمد نواز شریف بھاری اکثریت سے ریکارڈ تیسری بار پاکستان کے وزیر اعظم منتخب ہوئے۔

ممنون حسین (۲۰۱۳ء) تا حال

کراچی سے تعلق رکھنے والے پاکستان مسلم لیگ (ن) کے ممنون حسین 30 جولائی 2013ء ملک کے بارھویں صدر منتخب ہوئے۔ انہوں نے اپنے عہدے کا حلف 9 ستمبر 2013ء کو لیا۔

1973ء کے آئین میں آئینی ترامیم

پاکستان کے 1973ء کے آئین میں اب تک جو ترامیم کی جا چکی ہیں اُن کی تفصیل درج ذیل ہے

پہلی ترمیم (First Amendment)

1974ء میں کی جانے والی پہلی آئینی ترمیم کے ذریعے 1973ء کے آئین میں دو ترامیم کی گئیں۔ پہلی ترمیم بنیادی حقوق سے متعلقہ آرٹیکل 17 میں لائی گئی جس میں شق (2) کا اضافہ کر کے پاکستان کے ہر شہری کو سیاسی جماعت بنانے کا حق دیا گیا، ماسوائے ان لوگوں کے جو کہ حکومت پاکستان کے سرکاری ملازم تھے۔ مزید یہ کہ وفاقی حکومت کو یہ حق بھی دیا گیا کہ وہ سپریم کورٹ میں ریفرنس کے ذریعے پندرہ دن کے اندر کسی بھی سیاسی جماعت کو غیر قانونی قرار دلوا دے۔ اسی ترمیم کے تحت آرٹیکل 17 میں شق (3) کا اضافہ کیا گیا جس کے تحت تمام سیاسی جماعتوں پر لازم قرار دیا گیا کہ وہ پارٹی کے لئے فنڈز حاصل کرنے والے ذرائع کے بارے میں حکومت کو آگاہ کریں۔

Marfat.com

دوسری ترمیم (Second Amendment)

1974ء میں دوسری آئینی ترمیم کی گئی۔ اس ترمیم میں پیپلز پارٹی کی حکومت نے قادیانیوں کو پاکستان میں اقلیت قرار دیا۔

تیسری ترمیم (Third Amendment)

تیسری ترمیم 1975ء میں کی گئی جس کے مطابق بنیادی حقوق کے آرٹیکل 10 میں ترمیم کی گئی اور ایسے لوگوں کے لئے 24 ماہ سے زائد قید میں نہ رکھے جانے کے آئینی تحفظ کو ختم کر دیا جو کہ ملک دشمن عناصر سرگرمیوں میں ملوث پائے جائیں۔

چوتھی ترمیم (Fourth Amendement)

پاکستان کے 1973ء کے آئین میں چوتھی ترمیم 1975ء میں کی گئی جس میں قومی اسمبلی میں اقلیتوں کے لئے مخصوص نشستوں میں چھ نشستوں کا اضافہ کر دیا گیا۔ اس کے آرٹیکل 199 میں ترمیم کے ذریعے ہائی کورٹ سے ایسے لوگوں کی ضمانت لینے کا اختیار واپس لے لیا جو ملک دشمن سرگرمیوں میں ملوث پائے جائیں۔

پانچویں ترمیم (Fifth Amendment)

آئین میں پانچویں ترمیم 1976ء میں کی گئی۔ اس کے مطابق آرٹیکل 101 میں ترمیم کی گئی اور طے پایا کہ کسی شخص کو ایسے صوبے کا گورنر مقرر نہیں کیا جائے گا جس کا وہ رہائشی ہوں۔ اس طرح اس ترمیم کے ذریعے یہ پابندی بھی لگائی گئی کہ ہائیکورٹ کا جج بطور جج سپریم کورٹ اپنی تقرری قبول نہیں کرے گا اور اس کو ریٹائر تصور کیا جائیگا۔

چھٹی ترمیم (Sixth Amendment)

1976ء میں آئین میں چھٹی ترمیم کی گئی جس میں وزیراعظم کے مشیر وزیراعلیٰ کے مشیر، پارلیمانی سیکریٹری، چیئرمین لاء کمیشن، وزیراعظم کے خصوصی اسسٹنٹ حضرات کی تعریف بیان کی گئی۔

ساتویں ترمیم (Seventh Amendment)

ساتویں ترمیم بھٹو حکومت کی آخری ترمیم تھی جو 1977ء میں کی گئی جس کے ذریعے وزیراعظم کو یہ حق دیا گیا کہ وہ ملکی حالات کے پیش نظر صدر مملکت کو یہ مشورہ دے کہ کسی بھی اہم قومی مسئلے پر ریفرنڈم کروایا جائے۔ بھٹو حکومت کی ساتویں ترامیم ایک منتخب اسمبلی کے ذریعے کی گئیں۔

آٹھویں ترمیم (Eighth Amendment)

جنرل ضیاء الحق نے آٹھویں ترمیم 1985ء میں کی جو کہ غیر جماعتی انتخابات کے نتیجے میں منتخب ہونے والی اسمبلی نے منظور کی جس نے 1973ء کے متفقہ آئین کی روح میں بنیادی تبدیلیاں متعارف کروائیں جس میں صدر اور وزیراعظم کی نسبت بہت زیادہ اختیارات حاصل ہوگئے۔

Marfat.com

نویں ترمیم (Ninth Amendment)

آئین میں نویں ترمیم 1985ء میں کی گئی جس کے ذریعے قرآن وسنت کو پاکستان کا سپریم لاء قرار دیا گیا اور حکومتی سطح پر سود کے خاتمے کے لئے عملی کوشش کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

دسویں ترمیم (Tenth Amendment)

آئین میں 1987ء میں کی گئی جس کے ذریعے سینٹ کے اجلاس کی مدت کاروائی 160 روز سے کم کر کے 130 روز کر دی گئی۔

گیارہویں ترمیم (Eleventh Amendment)

مسلم لیگ (ن) کے پہلے دورِ حکومت میں آئین میں گیارہویں ترمیم کا بل سینٹ میں پیش کیا گیا جسے شریعت بل کا نام بھی دیا جاتا ہے، تاہم یہ بل قومی اسمبلی میں پیش نہ ہو سکا اور اسکی معیاد بھی ختم ہو گئی۔

بارہویں ترمیم (Twelfth Amendment)

مسلم لیگ (ن) کے پہلے دورِ حکومت میں آئین میں بارہویں ترمیم کا بل سینٹ میں پیش کیا گیا جس کے ذریعے انسداد دہشت گردی کی خصوصی عدالتوں کا قیام عمل میں لایا گیا۔

تیرہویں ترمیم (Thirteenth Amendment)

آئین میں تیرہویں ترمیم کا بل مسلم لیگ (ن) حکومت نے یکم اپریل 1997ء کو پارلیمنٹ سے منظور کروادیا اور آئین کی دفعات (ذ-ب) 112 B اور 58(2) کو خارج کر دیا گیا۔ اس سے صدر اور گورنروں کے قومی اور صوبائی اسمبلیاں توڑنے کے اختیارات ختم ہو گئے۔ آئین کی دفعہ 243(2)C کو تبدیل کر دیا گیا اور صدر سے مسلح افواج کے سربراہوں کی تقرری کے صوابدیدی اختیارات لے لئے گئے۔ دفعہ 101(1) کو بھی تبدیل کر کے صدر کا گورنروں کی نامزدگی کا استحقاق ختم کر دیا اور صدر کو وزیراعظم کی ایڈوائس کا پابند کر دیا گیا۔

آئین کا آرٹیکل 76 وزیراعظم کے صدر سے تعلقات کے فرائض سے متعلق ہے اور وزیراعظم کیلئے ضروری ہے کہ وہ فیڈریشن کے تمام انتظامی معاملات اور قانون سازی کی تجاویز کے بارے میں کابینہ کے تمام فیصلوں کو صدر تک پہنچائے۔

1973ء کے آئین کی اصل دفعہ 47 اس طرح ہے۔

''صدر اپنے فرائض کی ادائیگی میں وزیراعظم کے مشورے پر اور مشورے کے مطابق عمل کریگا اور صدر اس مشورے کا پابند ہوگا''

اس دفعہ کو آٹھویں ترمیم کے ذریعے ختم کر دیا اور اب یہ آرٹیکل اس طرح ہے۔

صدر اپنے اختیارات کے استعمال میں کابینہ (یا وزیراعظم) کی ایڈوائس کے مطابق عمل کرے گا۔

آئین کی دفعہ 47 میں ایک مزید بنیادی اضافہ کیا گیا تھا۔

Marfat.com

صدر اسی معاملے میں صوابدیدی اختیارات پر عمل کریں گے۔ جس معاملے میں آئین نے انہیں ایسا کرنے سے اختیارات دیئے ہوں اگرچہ مسلم لیگ (ن) نے مارچ 1997ء میں کی گئی تیرھویں ترمیم سے صدر کے اسمبلیاں توڑنے کے صوابدیدی اختیارات کو ختم کردیا ہے۔ لیکن آٹھویں ترمیم کی بعض دفعات اب بھی ایسی ہیں جن کو استعمال کر کے صدر مملکت کسی بھی سیاسی حکومت کیلئے مسائل پیدا کرسکتے ہیں پارلیمنٹ میں 13 ویں ترمیم کا بل منظور کرانے کے بعد مسلم لیگ ن کی حکومت 1973ء کے بنیادی آئین کی ترمیم شدہ 67 دفعات میں سے صرف 6 دفعات ختم کرسکتی ہے۔ 13 ویں ترمیم کا مقصد آئین کی ان دفعات کو ختم کرنا تھا جن سے وزیراعظم کے اختیارات کم ہو گئے تھے اور صدر کو طاقتور ترین ٹرائیکا کا رکن بنا دیا گیا۔

موجودہ آئین میں 17 دفعہ ترامیم کی گئی ہیں لیکن سب سے تنازع اور خوفناک ترمیم 1985ء میں غیر جماعتی الیکشن کے نتیجے میں قائم ہونے والی اسمبلی نے کی تھی جو کہ اس وقت ضیاء الحق کے مارشل لاء کے براہ راست دباؤ میں تھی۔ یہ ترمیم آئین کے بنیادی فریم ورک میں بہت سی تبدیلیاں لائی جس کے نتیجے میں آئین کی بنیادی روح تبدیل ہوگئی۔

صدر کو بے پناہ اختیارات ملنے کی وجہ سے آئین کا پارلیمانی کردار ختم ہوگیا

آٹھویں ترمیم کو جنرل ضیاء الحق نے 9 نومبر 1985ء کو منظور کر کے اسے 1985ء کے ایکٹ کے طور پر نافذ کردیا۔ 20 آرٹیکلز اور ایک شیڈول کے ایکٹ نے بظاہر صرف سترہ دفعات کو تبدیل کیا لیکن اس نے ضیاء الحق کی پہلے وقتاً فوقتاً ترامیم کو جائز اور قابل عمل بنا دیا۔ اس سے قبل بھٹو حکومت نے 15 اگست 1973ء سے 5 جولائی 1977ء تک آئین میں سات ترامیم کی تھیں۔

پارلیمنٹ سے متعلق آئین کی دفعہ 50 کو ضیاء الحق کی خواہش کے مطابق تبدیل کردیا گیا۔ اصل دفعہ 50 اس طرح تھی:

پارلیمنٹ دو ایوانوں پر مشتمل ہوگی اور انہیں قومی اسمبلی اور سینٹ کہا جائیگا۔

آئین کی دفعہ 50 ترمیم کے بعد اس طرح ہے۔

''پاکستان میں ایک مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) ہوگی جو کہ صدر اور دو ایوانوں، قومی اسمبلی اور سینٹ پر مشتمل ہوگی''

سب سے خوفناک ترمیم کی دفعہ 58 میں کی گئی جو قومی اسمبلی کی تحلیل کے بارے میں تھی۔ یہ ترمیم صدر کو اسمبلی کی تحلیل کے بارے میں صوابدیدی اختیارات دینے کے بارے میں تھی جو کہ اب ختم کردی ہے۔ اب صدر کے علاوہ چاروں صوبائی اسمبلیوں کے گورنر بھی صوبائی اسمبلیاں توڑنے کے اہل نہیں رہے ہیں۔

چودھویں ترمیم (Fourteenth Amendment)

یکم جولائی 1997ء و برسراقتدار حکومت نے چودھویں ترمیم کا بل منظور کیا۔ چودھویں ترمیم کے تحت آئین کے مطابق اب کوئی بھی رکن پارلیمنٹ فلور کراسنگ کا متحمل نہیں ہوگا۔ تمام سیاسی جماعتوں کا ممبران اب آئینی طور پر اپنی جماعت سے وفادار رہنے کے مجاز ہونگے۔ اگر کوئی رکن پارلیمنٹ اپنی وفاداری تبدیلی کریگا تو اسکی رکنیت کالعدم قرار دی جائیگی۔

Marfat.com

پندرہویں ترمیم(Fifteenth Amendment)

28 اگست 1998ء کو قومی اسمبلی میں پندرہویں آئینی ترمیم کا بل پیش کیا۔ اس بل کے مطابق آرٹیکل 2A کے بعد دفعات نمبر 2B اور آرٹیکل نمبر 239 کے بعد دفعات نمبر 3C'3B'3A کا اضافہ کیا گیا ہے۔ پندرہویں ترمیم کی رو سے قرآن وسنت کو ملک کے سب سے برتر قانون کا درجہ دے دیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں وفاقی حکومت کو یہ ذمہ داری تفویض کی گئی ہے کہ وہ ملک میں شریعت کے نفاذ زکوۃ کے انتظام وانصرام، امر بالمعروف ونہی المنکر کو فروغ دینے، کرپشن کے خاتمہ اور اسلامی اصولوں کے مطابق سماجی ومعاشی انصاف مہیا کرنے کیلئے اقدامات کرے گی۔ ترمیم کی رو سے غیر مسلموں کے ذاتی، قانونی ومذہبی آزادی اور روایات متاثر ہوں گے۔

آئین کی معطلی

12 اکتوبر 1989ء کے فوجی انقلاب کے بعد آئین کو عارضی طور پر معطل کر دیا گیا۔

سولہویں ترمیم

1973ء کے آئین میں سولہویں ترمیم 27 جولائی 1999ء کو منظور کی گئی۔ اس کے تحت کوٹہ سسٹم بیس سال تک بڑھا دیا گیا۔

سترہویں ترمیم

قومی اسمبلی نے 29 دسمبر 2003ء کو سترہویں ترمیم کا بل منظور کیا۔ اسمبلی کے 248 ارکان نے اس کے حق میں ووٹ دیا جبکہ مخالفت میں کوئی ووٹ نہیں تھا کیونکہ اے آر ڈی نے اجلاس کا بائیکاٹ کر رکھا تھا۔ اگلے روز سینٹ نے بھی اس ترمیم کو صفر کے مقابلے میں 72 ووٹ سے منظور کر لیا۔ سترہویں ترمیم نے صدر کو قومی اسمبلی تحلیل کرنے کے اختیارات تفویض کر دیئے اور اسے 31 دسمبر 2004ء تک چیف آف آرمی سٹاف کا عہدہ رکھنے کی اجازت دیدی۔ سترھویں ترمیم کے اہم نکات مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ سترہویں ترمیم کا ایکٹ فوری طور پر نافذ العمل ہو گیا ہے۔

۲۔ سترہویں ترمیم کی منظوری کے بعد 30 یوم کے اندر صدر کے عہدہ کی توثیق کیلئے بل پیش کیا جائے گا۔ اعتماد کا ووٹ منظور ہو جانے کے بعد صدر کو پانچ سال کی مدت کیلئے منتخب تصور کیا جائے گا۔

۳۔ قومی اسمبلی کو تحلیل کرنے کی صورت میں صدر 15 یوم کے اندر تحلیل کرنے کا معاملہ سپریم کورٹ کو بھیجے گا جس کے بارے میں عدالت 30 یوم کے اندر فیصلہ کرے گی۔

۴۔ صوبائی اسمبلی کو تحلیل کرنے کی صورت میں گورنر یہ معاملہ 15 روز کے اندر سپریم کورٹ کو بھیجے گا جو کہ 30 دن کے اندر اس کا فیصلہ سنا دے گی۔

۵۔ ہائی کورٹ کا جج 62 سال کی عمر تک اپنے عہدے پر قائم رہے گا، اگر اس سے پہلے وہ مستعفی نہ ہو جائے یا عہدے سے سبکدوش کر دیا جائے۔

Marfat.com

۶۔ 12 اکتوبر 1999ء سے لیکر سترہویں ترمیم کے بل کے نفاذ تک عرصہ کے دوران جاری کیا گیا 14 اکتوبر 1999ء کا ہنگامی حالت کا اعلان چیف ایگزیکٹو کے احکامات بشمول پی سی او نمبر 1 اور آئین میں کی گئی تمام ترامیم کو کسی بھی عدالت میں چیلنج نہیں کیا جائے گا۔

۷۔ 12 اکتوبر 1999ء سے لیکر اس آرٹیکل کے نفاذ تک دیئے گئے احکامات اور کی گئی تقرریوں کو کسی بھی قانونی عدالت میں چیلنج نہیں کیا جائے گا۔

ایمرجنسی پلس

3 نومبر 2007ء کو چیف آف آرمی سٹاف جنرل پرویز مشرف نے ملک میں ایمرجنسی پلس کا نفاذ کرتے ہوئے 1973ء کا آئین معطل کر کے نیا پی سی او (پروویژنل کانسٹی ٹیوشنل آرڈر) نافذ کر دیا۔ 15 دسمبر 2007ء کو 42 روز کے بعد ایمرجنسی پلس ختم اور پی سی او واپس لے لیا گیا۔

چیف جسٹس سمیت معزول ججوں کی بحالی

16 مارچ 2009ء کو علی الصبح وزیراعظم یوسف گیلانی نے ٹی وی پر قوم سے خطاب میں چیف جسٹس افتخار محمد چودھری سمیت 11 باقی ماندہ معزول ججوں کو بحال کرنے کا اعلان کیا۔ سپریم کورٹ کے 5 (افتخار چودھری، جاوید اقبال، خلیل الرحمٰن رمدے راجہ فیاض احمد، چودھری اعجاز احمد) لاہور ہائیکورٹ کے 3 (خواجہ محمد شریف، اعجاز احمد اور اقبال حمید الرحمٰن) سندھ ہائیکورٹ کے 2 (مشیر عالم اور مقبول باقر) اور پشاور ہائیکورٹ کے 1 (اعجاز افضل خان) جج کو 2 نومبر 2007ء کی پوزیشن پر بحال کیا گیا۔ افتخار محمد چودھری نے 22 مارچ 2009ء سے دوبارہ چیف جسٹس آف پاکستان کا منصب سنبھالا جب 21 مارچ کو عبدالحمید ڈوگر چیف جسٹس کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔

اٹھارویں ترمیم

8 اپریل 2010ء کو قومی اسمبلی نے اٹھارویں ترمیم کی تمام 102 شقوں کی متفقہ طور پر دوتہائی اکثریت سے منظوری دے دی۔ ترمیم کی رو سے پرویز مشرف کی طرف سے کیے گئے تمام غیر قانونی اور غیر آئینی اقدامات ختم تصور ہونگے۔ اسکے علاوہ صوبہ سرحد کا نام "خیبر پختونخواہ" رکھنے کنکرنٹ لسٹ ختم کرنے، صدر کے اسمبلی توڑنے کے اختیارات ختم کرنے، تیسری مرتبہ وزیراعظم بننے پر پابندی ختم کرنے، صوبائی خود مختاری بحال کرنے کی بھی منظوری دے دی گئی۔

انیسویں ترمیم

22 دسمبر 2010ء کو قومی اسمبلی نے آئین میں انیسویں ترمیم دوتہائی اکثریت سے منظور کی۔ انیسویں ترمیم کی سفارشات میں جوڈیشنل کمیشن میں سنیئر ججوں کی تعداد 2 سے بڑھا کر 4 کرنے اور ایڈہاک جج لگانے کا چیف جسٹس کا صوابدیدی اختیار ختم کرنے کی سفارش شامل ہے۔ ترمیم کے تحت ایڈہاک ججز کی تعیناتی چیف جسٹس، جوڈیشنل کمیشن کی مشاورت سے کرسکیں گے

Marfat.com

ایڈہاک جج کی تعیناتی کا معاملہ پارلیمانی کمیٹی وزیراعظم کے ذریعے صدر کو بھیجے گی۔ پارلیمانی کمیٹی ججوں کا کنڈکٹ بھی زیر بحث لاسکے گی۔ یکم جنوری 2011ء کو صدر آصف زرداری نے انیسویں ترمیم پر دستخط کر دیئے جس کے بعد یہ ترمیم آئین کا حصہ بن گئی۔

بیسویں ترمیم

14 فروری 2012ء کو قومی اسمبلی نے شفاف انتخابات کیلئے غیر جانبدار نگران حکومت اور خودمختار الیکشن کمیشن کے قیام جبکہ نامکمل الیکشن کمیشن کے تحت منتخب ہونے والے ارکان پارلیمانٹ کو تحفظ دینے کیلئے بیسویں آئینی ترمیم اتفاق رائے سے منظور کی۔ اس ترمیم کے ذریعے آئین کی 6 شقوں میں ترامیم کی گئیں جبکہ ایک نئی شق شامل کی گئی۔

اکیسویں ترمیم

6 جنوری 2015ء کو سینٹ اور قومی اسمبلی نے فوجی عدالتوں کے قیام کیلئے آئین میں اکیسویں ترمیم اور آرمی ایکٹ میں ترمیم کی اتفاق رائے سے منظوری دی۔ ترمیم کا بنیادی مقصد آرمی ایکٹ میں ان ترامیم کو دستوری تحفظ فراہم کرنا تھا جن کے تحت دہشت گردی اور شدت پسندی کی روک تھام کیلئے ملک میں تیز رفتار سماعت کیلئے فوجی عدالتیں قائم کی جائیں گی۔

ریاست آزاد جموں وکشمیر

مختصر تاریخ

متحدہ ہندوستان میں ریاست کشمیر شاہی ریاستوں میں سب سے بڑی ریاست تھی۔ اس کا رقبہ 222,773 مربع کلو میٹر تھا۔ اس میں درج ذیل علاقے شامل تھے۔

۱۔ صوبہ جموں ۲۔ صوبہ کشمیر ۳۔ گلگت ۴۔ لداخ

اگست 1947ء میں متحدہ ہندوستان کی تقسیم کے وقت ریاست کے ہندو راجہ نے اس مسلم اکثریتی ریاست کا غیر قانونی طور پر بھارت سے الحاق کر دیا۔ جموں وکشمیر کے عوام نے اس کے خلاف آزادی کی جنگ لڑی جس میں پاکستانی قبائلیوں نے بھرپور ساتھ دیا۔ 24 اکتوبر 1947ء کو ریاست کا بہت سا حصہ بھارت کی افواج سے آزاد کروانے کے بعد آزاد ریاست کا اعلان کر دیا گیا۔

اس وقت ریاست کا علاقہ لداخ چین کے قبضہ میں ہے جبکہ گلگت ایجنسی کو ذوالفقار علی بھٹو (سابق وزیراعظم پاکستان) نے شمالی علاقہ جات قرار دے کر پاکستان میں ضم کر دیا۔ جموں وکشمیر کا کچھ حصہ بھارت کے زیر تسلط ہے جبکہ آزاد جموں وکشمیر پاکستان کے زیر انتظام ریاست ہے۔

Marfat.com

آزاد جموں و کشمیر

انتظامی حیثیت : حکومت پاکستان کے زیر اثر خود مختار حیثیت، جس کی اپنی قانون ساز اسمبلی ہے۔

دارالحکومت : مظفر آباد

محل وقوع : ریاست 33^0N To 36^0N عرض بلد اور 73^0E To 75^0N طول بلد میں واقع ہے۔

رقبہ : 13,297 مربع کلومیٹر (5,134 مربع میل)

انتظامی تقسیم : ریاست 3 ڈویژنز، 30 سب ڈویژنز، 48 پولیس اسٹیشنز، 5 ڈویلپمنٹ اتھارٹی، 31 مرکز کونسل، 11 میونسپل، 2 میونسپل کارپوریشنز، 10 اضلاع، 19 ٹاؤنز، اور 182 یونین کونسلوں میں تقسیم ہے۔ اضلاع کے نام یہ ہیں۔ (بریکٹس میں اضلاع کے صدر مقام دیئے گئے ہیں)

۱۔ مظفر آباد (مظفر آباد) ۲۔ پونچھ (راولاکوٹ) ۳۔ نیلم (اٹھمقام)

۴۔ کوٹلی۔ (کوٹلی) ۵۔ میر پور (میر پور) ۶۔ بھمبر (بھمبر)

۷۔ باغ (باغ) ۸۔ سدھنائی (پلندری) ۹۔ حویلی (فارورڈ کہوٹہ) ۱۰۔ بیٹاں (بیٹاں بالا)

آزاد کشمیر کے ڈویژن

نمبر شمار	ڈویژن	اضلاع
1-	مظفر آباد	مظفر آباد، بیٹیاں، نیلم
2-	پونچھ	پونچھ، حویلی، باغ، سدھنائی
3-	میر پور	بھمبر۔ کوٹلی۔ میر پور

آبادی : 2010ء کے تخمینہ کے مطابق ریاست کی آبادی تقریباً 46 لاکھ ہے۔ 1981ء کی مردم شماری کیمطابق ریاست کی آبادی 1,982,456 تھی جس میں 1,032,859 مرد اور 949597 خواتین تھیں۔

فی مربع کلومیٹر آبادی : 343 افراد

سالانہ شرح پیدائش : %2.7

دیہاتی آبادی کی شرح : %88

شرح خواندگی : 64 فیصد

زبانیں : کشمیری (سرکاری)، پہاڑی، پوٹھوہاری، ڈوگری، گوجری، ہندکو، کوہستانی، میر پوری، پنجابی، پشتو۔

Marfat.com

سرکاری زبان	:	اُردو
نسلی اقوام	:	منگول، آرئین (ARYANS)، ایرانی، ترک اور عرب النسل
آب وہوا	:	سالانہ 100-155 سینٹی میٹر بارش ہوتی ہے۔ جون جولائی سے ستمبر تک مون سون کی بارشیں اور دسمبر تا مارچ بھی بارش کا موسم رہتا ہے۔
اہم دریا	:	جہلم، نیلم، پونچھ
معیشت	:	زرعی
قابل کاشت رقبہ	:	204,922 ہیکٹرز
نا قابل کاشت رقبہ	:	%14.6
اہم زرعی فصلیں	:	گندم، جوار، باجرہ، چاول، مکئی، اناج، سیب، انار، امرود، انگور
صنعت	:	عمارتی لکڑی ہنڈی کرافٹس، ٹیکسٹائل، بناسپتی گھی، ہلکا انجینئرنگ کا سامان
سیاحت	:	آزاد کشمیر سیاحت کے لئے دنیا بھر میں مشہور ہے۔ سالانہ 7 لاکھ پاکستانی اور غیر ملکی سیاح یہاں آتے ہیں۔
اہم سیاحتی مقامات	:	لیپا وادی، دیرکوٹ، راولاکوٹ، بانجوسا، پلندری، گڑھی دوپٹہ، چناری، چکوٹھی، چیکار، لون باگلہ، شدھنجلی وادی جہلم، وادی نیلم، باغ، میرپور، سدھن گلی۔
مشہور ایام	:	5 فروری (یوم یکجہتی کشمیر) 13 جولائی (یوم شہدائے کشمیر)، 24 اکتوبر (یوم سیاہ
مشہور کھیل	:	کرکٹ۔ فٹبال۔ والی بال۔

شمالی علاقہ جات۔ (گلگت بلتستان)

دارالحکومت	:	گلگت (یہ سب سے بڑا شہر بھی ہے جس کی آبادی 216,760 ہے)
رقبہ	:	72,496 مربع کلومیٹر (27,991) مربع میل
آبادی	:	18 لاکھ (تقریباً)
گنجان آبادی	:	25 افراد فی مربع کلومیٹر
زبانیں	:	اُردو، پشتو، شینا، انگلش، بلتی، واخی، بروشسکی، ڈوماکی، کھجونا، کھوار، کوہستانی
موجودہ حیثیت	:	پاکستانی حکومت کے زیر اہتمام غیر خودمختار علاقہ
قیام	:	یکم جولائی 1970
مجلس قانون ساز	:	نادرن ایریا اسمبلی (33 ارکان)

Marfat.com

سرحدیں	:	افغانستان (شمال)، چین (شمال مشرق)، آزادکشمیر (جنوب)، مقبوضہ کشمیر (جنوب مشرق) خیبر پختونخواہ (مغرب)
ڈویژن	:	2 (گلگت بلتستان)
ڈسٹرکٹ	:	7 (گھانچے) چلو، دیامیر (چلاس) استور (عیدگاہ)، غذر (گاہکچ)، گلگت (گلگت)، ہنزہ نگر (علی آباد)، سکردو (مزید ٹاؤن شگر اور خارمنگ ہیں)
آرمی یونٹ	:	نادرن لائٹ انفنٹری
کھیلیں	:	پولو، کرکٹ، والی بال، کبڈی (سب سے مشہور کھیل پولو گلگت، سکردو گھانچے، چلاس، استور، ننگر اور ہنزہ میں کھیلا جاتا ہے)

☆ شمالی علاقہ جات میں 8 ہزار میٹر سے بلند پانچ اور 7 ہزار میٹر سے بلند پچاس پہاڑی چوٹیاں ہیں

☆ یہاں پائے جانے والے دنیا کے دو بلند ترین پہاڑ کے ٹو (ماؤنٹ گڈون آسٹن) اور نانگا پربت ہیں

☆ شمالی علاقہ جات میں دنیا کے بلند ترین پہاڑی سلسلے پائے جاتے ہیں جن میں قراقرم اور مغربی ہمالیاتی پہاڑی سلسلے نمایاں ہیں۔

☆ شمالی علاقہ جات میں سکردو اور گلگت کوہ پیمائی کے شوقین مہم جوؤں کے دو بڑے مراکز ہیں۔

☆ شمالی علاقہ جات میں دنیا کے تین طویل ترین گلیشیر زیافو، بالتورد اور باتوارا پائے جاتے ہیں

☆ چینی حکومت کے تعاون سے مکمل ہونے والی ''شاہراہ قراقرم'' کی تعمیر 1978 میں مکمل ہوئی۔ اس شاہراہ کا دوسرا نام ''شاہراہ ریشم'' ہے۔

☆ دنیا کا سب سے بلند بین الاقوامی سرحدی راستہ ''خنجراب پاس 4,693 میٹر (15,397) فٹ بلند ہے۔

☆ لفظ شمالی علاقہ جات سب سے پہلے اقوام متحدہ نے استعمال کیا۔ اس سے اقوام متحدہ کی مراد کشمیر کے شمالی علاقہ جات تھی۔

☆ یسین شمالی علاقہ جات سے تعلق رکھنے والے فوجی اہلکار لانس نائیک لالک جان شہید کو 1999ء میں معرکہ کارگل میں بے مثال جرائت کا مظاہرہ کرنے پر پاکستان کا سب سے بڑا فوجی اعزاز نشان حیدر عطا کیا گیا۔

☆ ستمبر 2009ء میں حکومت پاکستان نے چین کے تعاون سے ضلع استور میں 7 ہزار میگاواٹ بجلی کے حامل میگا پاور پراجیکٹ نجی پر دستخط کئے۔

☆ 10 نومبر 2009ء کو وزیر اعظم پاکستان یوسف رضا گیلانی نے سکردو اور گلگت کو بگ سٹی قرار دیا۔

Marfat.com

باب: سولہواں

تکوین والے

تکوین والے

اللہ پاک نے اس کائنات کو چلانے کے لئے ایک نظام تخلیق کیا اور پھر اس نظام کے تحت عرش اور دنیا کو قائم کیا گیا انبیاء اور رسول وقت کے ساتھ ساتھ آتے رہے اللہ کا پیغام پھیلاتے رہے اور آخر میں حضرت محمد ﷺ تشریف لائے۔ دین اسلام آنے کے بعد تا قیامت تک نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ کوئی کتاب۔ اللہ پاک کی حضرت محمد ﷺ سے شدید محبت اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ اللہ پاک نے اپنی کتاب کی حفاظت خود فرمائی اور قرآن پاک کو دلوں میں اتارنا شروع کیا اور حافظ قرآن لوگ بنتے چلے گئے۔ یہاں پر قرآن کی حفاظت کا عمل جاری ہے ادھر اللہ پاک نے نبوت ختم کر کے ولایت کی بنیاد ڈالی دی اور اللہ نے اپنے نیک بندوں کو دین کا فہم اور خاص علم عطا فرمانا شروع کر دیا۔ اور ایک نظام قائم فرمایا جو تکوین کہلاتا ہے۔ اس نظام کے تحت اللہ تعالیٰ کے نیک بندے مختلف روپ میں اللہ کے لئے کام کر رہے ہوتے ہیں۔ غوث، قطب، ابدال، امطار، اخیار، مجذوب وغیرہ اہل اللہ کی محفلوں میں دل کی صفائی ہوتی ہے جسے تزکیہ نفس کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے مجاہدوں سے کیا اور کیسے کام لے رہا ہے وہ بہتر جانتا ہے۔

پاکستان بننے کے حالات کچھ الگ ہیں جہاں لاکھوں مسلمانوں نے اپنے گھر بار چھوڑ کر ہجرت کی اور جام شہادت نوش فرمائی۔ پاکستان کو بنانے میں ایسی بڑی بڑی ہستیوں کا ہاتھ رہا ہے اور اس کے بننے کے بعد اس کو پس پردہ ہستیاں آج تک چلا رہی ہیں اس میں ایک ہستی میرے حضرت ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب بھی ہے۔

تکوین کے نظام میں با قاعدہ بادشاہت عطا ہوتی ہے اور پھر حکم کے ذریعے وہ کام کروائے جاتے ہیں۔ عہدہ ہوتا ہے اور پوسٹنگ ہوتی ہے۔ کچھ دربار رسالت سے ڈائریکٹ منسلک ہوتے ہے۔ کچھ اولیاء کرام کے ساتھ زیر نگرانی کام کرتے ہے۔ ممتاز مفتی، قدرت اللہ شہاب، ابن انشاء، ان تینوں بزرگوں کا کسی نہ کسی طرح ڈاکٹر صاحب سے گہرا تعلق رہا ہے۔ حضرت اپنے وقت کے کامل بزرگ اور اردو کے پروفیسر رہے ہیں۔ روحانی اور دنیاوی تعلیم کے لحاظ سے سنگ میل کی حیثیت رکھتے تھے۔

قدرت اللہ شہاب، ابن انشاء سے تعلق کا ثبوت ڈاکٹر صاحب کے مکتوبات سے ملا۔ حضرت کی ذاتی کتابوں میں ممتاز مفتی کی لکھی لبیک ملی۔ ابن انشاء ڈاکٹر صاحب کے شاگرد رہے ہیں۔ باطنی فیض بھی حاصل کرتے رہے ہیں۔ یہ تمام واقعات الکھ نگری، لبیک، رام دین، تلاش، ممتاز مفتی کی ذاتی تحریریں ہیں شہاب نامہ، قدرت اللہ شہاب کی ذاتی تحریر ہے یہ واقعات ان سے ماخوذ ہے۔

ابن انشاء

احوال و آثار یہ مقالہ ڈاکٹر ریاض احمد نے ابن انشاء کی زندگی پر مکمل کیا۔ ابن انشاء کے حالات اس مقالے سے لئے گئے ہیں۔ ضلع جالندھر (مشرقی پنجاب) اس میں ایک دیہاتی کاشت کار گھرانے میں پیدا ہوئے آپ کا اصل نام

Marfat.com

شیر محمد تھا۔ پیدائش کی قطعی تاریخ معلوم نہیں۔ ان کے میٹرک کے سرٹیفکیٹ میں ان کی تاریخ پیدائش 4 جنوری 1924ء درج ہے۔ ویسے ان کی پیدائش کا سال 1927 آتا ہے۔

ابتدائی تعلیم اپرہ میں حاصل کی اور لدھیانہ ہائی اسکول سے میٹرک پاس کیا اسکول میں اول اور صوبہ بھر میں دوئم رہے۔ گریجویشن کے بعد کراچی آ گئے۔ ریڈیو پاکستان سے منسلک ہو چکے تھے اور پھر اگست 1950ء میں انہیں ملک کی پہلی دستور ساز اسمبلی کی سیکریٹریٹ میں عارضی ٹرانسلیٹر کی ملازمت ملی۔ اردو کالج میں 1951 میں ایم۔اے میں داخلہ لیا جہاں ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خان صاحب ان کے استاد بھی تھے اور ابن انشاء نے مئی 1953ء میں کراچی یونیورسٹی بھر میں پہلی پوزیشن حاصل کی۔

اردو کالج میں اس وقت ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خانؒ صدر شعبہ اردو کے فرائض انجام دے رہے تھے۔

1953ء کے موسم سرما میں انہیں بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق کی قربت نصیب ہوئی اور وہ دوبارہ پی۔ایچ۔ڈی کے لئے سنجیدہ ہو گئے اور ایک طویل درخواست جامعہ کراچی کے رجسٹرار کے نام لکھی۔ جس میں اپنی علمی قابلیت اور ادبی مرتبے کا وضاحت سے ذکر کر کے ان سے ڈاکٹریٹ کے لئے رجسٹریشن کی دوبارہ استدعا کی۔ اس عرصے میں انہوں نے اپنی زندگی کے بعض گوشوں سے پردہ اٹھایا اور کچھ ضروری حقائق بیان کئے۔

اس درخواست پر 7 جنوری 1954ء کی تاریخ درج ہے۔ اس کے جواب میں ان سے چند وضاحتیں طلب کی گئیں اور انہیں پی۔ایچ۔ڈی میں داخلے کا اہل قرار دے دیا گیا اور وہ اس ڈگری کے طالب علم کے طور پر رجسٹر کر لئے گئے۔

بابائے اردو مولوی عبدالحق سے راہ و رسم

ڈاکٹریٹ کے منصوبے میں پڑنے کا ایک فائدہ ضرور ہوا کہ بابائے اردو سے ان کی نیازمندی دوستانہ قربت میں بدل گئی۔ وہ خود رقمطراز ہیں: ''مولودی صاحب سے میرا تعلق 1953ء سے ہے۔ اس سال میں نے اردو کالج سے ایم۔اے پاس کیا۔ امتحانوں سے فارغ ہو کر میں نے ایک سلسلۂ مضامین ڈان میں لکھا: Living Writers of Urdu یہ سلسلہ بہت دنوں جاری رہا۔ پہلا مضمون قدرتاً مولوی صاحب پر لکھا۔ یہ مضمون رسمی نہیں تھا کچھ عجیب سا مسخرہ پن لئے ہوئے تھا۔ بہر حال مولوی صاحب کو وہ پسند آیا اور انہوں نے مجھے ایک خط لکھا۔ میری زبان و بیان کی تعریف کی اور ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ میں بدقسمت ان کے پیار سے محروم تھا۔ بہر حال گیا اور انہوں نے حد سے زیادہ توجہ اور عنایت سے نوازا۔ اور برابر آنے کو کہا میری پوزیشن یونیورسٹی میں پہلی تھی۔ ڈاکٹریٹ میں داخلہ لیا تو مولوی صاحب میرے ڈائریکٹر ہوئے۔ اتوار کی اتوار ان سے گپ ہونے لگی۔ باہر آنے جانے میں بھی مجھے ساتھ لیتے۔ ہم سینما بھی ساتھ دیکھتے اور وقت پیری شباب کی باتیں بھی کرتے۔ ان سے اس قسم کی دوستی کا سلسلہ اب تک ہے''۔

بابائے اردو سے متعلق محولا مضمون ان کی نظروں سے بھی گزرا چنانچہ ابنِ انشاء کے نام ایک مکتوب تحریر: 29 جون 1953ء میں انہوں نے اس کا ذکر بھی کیا ہے۔

Marfat.com

''۔۔۔۔۔میں نے تمہارا وہ مضمون پڑھا ہے جو تم نے اس ادارہ کوئے نا اہلاں کی نسبت ''ڈان'' میں لکھا ہے۔ تمہاری زبان اور حسن بیان کی کیا تعریف کروں۔ پڑھ کر مجھے بھی رشک ہوا۔ مگر تم نے بہت جلدی کی۔ کچھ دن اور ٹھہر جاتے تو اچھا ہوتا پھر آزادی سے جو چاہتے لکھتے۔۔۔۔ شاید تمہیں زیادہ انتظار نہ کرنا پڑتا۔ اب اس کے بعد خدا کے لئے کچھ نہ لکھنا۔ میں اپنے دوستوں اور عزیزوں کو ہمیشہ ایسی تحریروں سے منع کرتا ہوں۔ اس سے لوگوں کو حسد ہوتا اور میرے کام میں خلل پڑتا ہے۔ تعریف اور برائی دونوں کام میں مخل ہوتی ہیں''۔

قدرت نے تمہیں انشاء پردازی کہ ایسی اچھی صلاحیت عطا کی ہے جو کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔ اس سے کبھی کوئی ایسا کام نہ کر لینا جو خودداری اور قومی غیرت کے خلاف ہو۔

1956 کے لگ بھگ ابن انشاء بابائے اردو کی طرف سے ان کے نیاز مندوں اور دوستوں کے خطوط کے جواب بھی لکھنے لگے۔ یہ انکے لئے بڑی عزت افزائی کی بات تھی۔ دو سال کے قریب اس کا سلسلہ باقاعدگی سے جاری رہا۔ پھر جب ابن انشاء دستور ساز اسمبلی کی ملازمت چھوڑ کر محکمہ دیہات سدھار میں شامل ہو گئے تو اپنی پیشہ وارانہ مصروفیتوں کے باعث وہ اس خدمت کی بجا آوری میں پہلا معیار قائم نہ رکھ سکے جس کا انہیں خود بھی اعتراف تھا۔ ڈاکٹر خلیل الرحمٰن کے نام مندرجہ ذیل بالا خط مرقومہ 22 جنوری 1957 میں آگے چل کر لکھتے ہیں: ''دو سال ادھر مولوی صاحب کی ڈاک کا کام بھی میں نے کرنا شروع کیا۔ جب فرصت تھی تو ڈھنگ سے لکھتا بھی تھا۔ اب فرسودہ اور بے جان ہے کیونکہ وضع داری سے لکھتا ہوں''۔

بدقسمتی سے یہی زمانہ بابائے اردو کے لئے بڑی کٹھن آزمائشوں کا تھا۔ تقسیم ہند کے بعد انجمن ترقی اردو اور اس کے بہی خواہوں پر بڑا کڑا وقت گزرا بقول مولانا: تقسیم برصغیر کے وقت ''انجمن کا تمام سامان و اسباب تباہ کر دیا گیا۔ کتب خانے کا بیشتر حصہ جو بچ رہا تھا۔ اسے لانے کی اجازت نہ ملی کئی لاکھ روپے کی مطبوعات وہیں چھوڑنی پڑیں اور نقد سرمایہ بھی ضبط ہو گیا۔

لیکن کفر کے گھر، سے مملکت خداداد میں پہنچ جانے کے بعد بھی ان پر مصائب کا بار کم نہ ہوا اور بظاہر اپنوں کے ہاتھوں انہیں جو مصائب جھیلنے پڑے اور جن اذیت ناک مراحل سے گزرنا پڑا۔ یہ ان کی زندگی کا ایک تکلیف دہ باب ہے۔ مختصر یہ کہ انہیں ان کی زندگی ہی میں بے دست و پا کر دیا گیا۔ اور انجمن ترقی اردو ان لوگوں کے تصرف میں آ گئی۔ جو حقیقی منزل میں مولوی صاحب کے رفیق اور مددگار نہیں تھے۔ چنانچہ ادارے کی حالت دگرگوں ہو کر رہ گئی۔

ابن انشاء اصل صورت حالات سے پوری طرح باخبر تھے اور انہوں نے اس محاذ پر اپنی ہمت سے بڑھ کر مولوی صاحب کا ساتھ دیا لیکن سرکاری ملازمت کے باعث ان کی کچھ واضح مجبوریاں تھیں جن کی وجہ سے وہ ایک حد تک مولوی صاحب کے حریفوں کے مقابل آ سکتے تھے۔ پھر جب ان کے خلاف بھی پمفلٹ بازی شروع کر دی گئی اور حکومت تک ان کے سوشلسٹ ہونے کی جھوٹی سچی اطلاعات پہنچائی گئیں تو انہیں بجا طور پر محتاط ہونا پڑا۔

ڈاکٹر ریاض احمد ریاض اپنے مقالے میں لکھتے ہیں: قدرت اللہ شہاب سے ابن انشاء کی ملاقات ان کے ذریعے عمل میں آئی۔ پاکستان رائیٹرز گلڈ 31 جنوری 1959ء کو بنا۔ ڈاکٹر ریاض مرکزی کارکن اور قدرت اللہ شہاب سیکریٹری جنرل منتخب

Marfat.com

ہوئے۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب اور بابائے اردو مولوی عبدالحق سے مراسم پاکستان بننے سے پہلے سے تھے۔

(خطوط کا عکس دیا جا رہا ہے)

ڈاکٹر مولوی عبدالحق بابائے اردو سے ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحبؒ کا تعلق

ڈاکٹر صاحب جنگ اخبار میں انٹرویو دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

میں مولوی عبدالحق صاحب کے ساتھ ایم اے کے زبانی امتحان میں ایگزامنر ہوا کرتا تھا۔ وہ بڑے سخت آدمی تھے۔ کہنے لگے فلاں لڑکے کو 33 نمبر دے دو میں نے کہا کہ بہتر ہے، جب امتحان ختم ہو گیا، مارک شیٹ بننے لگی تو پھر انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ اس بچے کو 33 نمبر دے دیئے۔ میں نے کہا جی ہاں بالکل دے دیئے 33 نمبر آپ کی طرف سے اور 33 نمبر اپنی طرف سے۔ (23 ستمبر جنگ اخبار مڈ ویک میں انٹرویو)

پاکستان رائیٹرز گلڈ میں شمولیت اور قدرت اللہ شہاب سے تعارف

31 جنوری 1959 کا دن تھا جب کراچی میں بابائے اردو مولوی عبدالحق کی زیر صدارت پاکستان رائیٹرز گلڈ کی بنیاد رکھی گئی۔ اس وقت کے صدر پاکستان جنرل ایوب خان کے پرسنل سیکریٹری اور ایوان حکومت کے اہم سرکاری افسر سفیر برائے ہالینڈ اور وفاقی سیکریٹری وزارت تعلیم پاکستان قدرت اللہ شہاب اس ادارے کے سیکریٹری جنرل چنے گئے۔ گلڈ کا ایک مرکزی دفتر اور تین علاقائی مراکز کراچی، لاہور، ڈھاکہ میں قائم کیے گئے تھے۔ حلقہ کراچی کی مجلس عاملہ میں ابن انشاءؔ بھی تھے۔

1961 میں مرکزی حکومت نے دیہات سدھار کا شعبہ بتدریج ختم کرنا شروع کیا۔

سب سے پہلے حفیظ جالندھری محکمے کی سربراہی سبکدوش ہوئے۔ پھر احمد بشیر فارغ کر دیئے گئے۔ ممتاز مفتی اور ضمیر جعفری کو ان کے سابقہ محکموں میں واپس بھیج دیا گیا۔ صرف ابن انشاءؔ مطبوعات کا کام کیے جا رہے تھے۔ آخر کار ان کی خدمات بھی پاکستان زرعی کونسل کے حوالے کر دی گئیں۔ اس نئی تقرری پر تقسیم برصغیر سے قبل کی ان کی امپیریل کونسل آف ایگری کلچرل ریسرچ کی ملازمت کا حوالہ کام آیا۔ جہاں وہ کونسل کے ترجمان مجلہ انڈین فارمنگ کے مدیر تھے۔ پاکستان زرعی کونسل میں انہیں اسسٹنٹ ڈائریکٹر مطبوعات مقرر کیا گیا۔ لیکن ان کی نظریں پاکستان نیشنل بک سینٹر کے منصوبے پر لگی ہوئی تھیں۔ جس کے قیام کا فیصلہ حکومت پاکستان 1960ء کے ایک ریزولیشن کے ذریعے کر چکی تھی اور بین الاقوامی ادارے یونیسکو کے تعاون سے کسی وقت بھی اس پر عمل ہو سکتا تھا۔

ستمبر 1961ء میں انہیں یورپ جانے کا موقع ملا۔ تقریب، بیلجیئم میں دنیا بھر کے شاعروں کا ایک اجتماع تھا۔ جس کا اہتمام یونیسکو کے تعاون سے ہوا تھا۔ پاکستان کی نمائندگی دو شاعروں نے کی۔ مشرقی پاکستان سے ابوالحسین اور مغربی پاکستان سے ابن انشاءؔ۔ لیکن ابن انشاء صرف بیلجیئم تک محدود نہ رہے بلکہ لندن، جرمنی، ہالینڈ اور ڈنمارک بھی جا پہنچے۔ مقصد ان کا ان ملکوں کے کتاب ساز اداروں کو دیکھنا، کتابوں کے نظام کا مطالعہ کرنا اور پبلشروں وغیرہ سے ملنا تھا کہ وطن واپسی پر وہ مجوزہ نیشنل بک سینٹر کے لئے اپنی اہلیت اور استحقاق ثابت کر سکیں۔

Marfat.com

انجمن ترقی اردو (ہند)

Anjuman-e-Taraqqi-e-Urdu (India)

Phone [illegible]

[illegible] 1210

I, Daryaganj, Delhi

۸ [illegible]

مکرم بندہ — وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط ملا — آپ کا کرم فرمانا کہ ملکی حکومت کی تعلیمی پالیسی اور ذریعۂ تعلیم کے بارے میں جس بے خطری کی طرف اشارہ کیا [illegible] وہ بالکل [illegible] اور ۱۴ اگست کی [illegible] کے بعد کی [illegible] روشنی میں بہ صاف نظر آتا ہے۔ صوبہ [illegible] و برار کے مسلمانوں کے قومی جذبے اور جوش عمل کا اعتراف کرتا ہوں مجھے آپ کی اس تجویز سے اتفاق نہیں کہ وہ اپنے لیے اعلا تعلیم کی ایسی درسگاہیں قائم کریں جس میں ذریعۂ تعلیم اردو ہو۔ آپ کا مجوزہ [illegible] میں مسلمانوں کی عددی اقلیت اور ان کی اقتصادی پستی کے پیش نظر یہ خیال قریب قریب ناقابل عمل معلوم ہوتا ہے۔ اور موجودہ حالات میں غیر مسلمانوں سے بھی کسی معتدبہ حصے امداد کی توقع نہیں ہو سکتی۔

ناگپور میں اردو کے حامیوں کے ایک مختصر مشورتی جلسے کے انعقاد کا خیال بہتر اور مناسب ہے لیکن ملک اس وقت جس خلفشار میں مبتلا ہے اسے دیکھتے ہوئے شاید یہ اجتماع کامیاب نہ ہو سکے۔ میری رائے یہ ہے کہ کچھ دنوں اور توقف کیا جائے یہاں تک کہ فضا سازگار اور حالات پر سکون ہو جائیں۔ بہرحال جب کبھی آپ مجھے اس سلسلے میں یاد فرمائیں گے، بے عذر حاضر ہو جاؤں گا۔

بطور خود بھی میں اس گتھی کے سلجھانے کی فکر میں ہوں اور جو تجویزیں میرے ذہن میں ہیں انھیں بروئے کار لانے کے لیے موقع اور محل کے مطابق سلسلہ جنبانی بھی کر رہا ہوں، اگر کوئی مفید نتیجہ نکلا تو آپ کو مطلع کروں گا۔

نیازمند

[illegible]

یادگار خطوط صفحہ نمبر 316-317

ڈاکٹر مولوی عبدالحق بابائے اردو

بابائے اردو مولوی عبدالحق ہاپڑ میں ۲۰ اگست ۱۸۷۰ء میں پیدا ہوئے۔ پنجاب سے میٹرک اور علی گڑھ سے بی۔ اے پاس کیا۔

بابائے اردو کی ادبی خطبات کی فہرست خاصی طویل ہے۔ ان کی ادبی زندگی کا آغاز اسی زمانے میں ہو چکا تھا جب کہ وہ ایم۔ اے۔ او کالج کے طالب علم تھے۔ انسٹی ٹیوٹ گزٹ علی گڑھ اور رسالہ "احسن" سے انھوں نے اپنی مضمون نگاری کا آغاز کیا۔

بابائے اردو نے ادب اور دیگر علوم سے متعلق تقریباً ساٹھ، ستر کتابوں پر مقدمے لکھے۔

شخصی خاکہ نگاری کا دامن بھی بابائے اردو کی فتوحات سے خالی نہیں۔

شخصی خاکے "چند ہمعصر" کے نام سے کتابی شکل میں شائع ہو چکے ہیں۔ یہ کتاب اردو کی چند مقبول ترین کتابوں میں شامل ہے۔

بابائے اردو تفریح طبع کے لیے شعر بھی کہہ لیتے تھے۔ ان کا ایک شعر ہے۔

نہ عشق بتاں ہے نہ فکر معیشت
مگر جاگتے رات کٹتی ہے ساری

آپ کا آصفیہ اسکول حیدرآباد میں بہ عہدہ ہیڈ ماسٹر تقرر ہوا۔ اس سے بابائے اردو کی حیدرآبادی زندگی کی ابتداء ہوئی۔ جہاں انھوں نے اپنی زندگی کے کم و بیش چالیس سال گزارے۔ یہی ان کی زندگی کا سب سے قیمتی حصہ ہے۔ اُن کا رسالہ "اردو" وہیں سے شروع ہوا۔ اسی کے ذریعے اردو میں تحقیقی ادب کا معیار بلند ہوا۔

بابائے اردو کے مضامین کی تعداد تین سو کے لگ بھگ ہے۔

مضامین کے دو مجموعے "سرسید کے آثار و افکار" اور "قدیم اردو" کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔

مقدمات عبدالحق (دو حصے)۔ تنقیدات عبدالحق۔ خطبات عبدالحق۔ مکتوبات عبدالحق وغیرہ ان کی تصانیف ہیں۔ اردو ادب پر ان کے احسانات کبھی فراموش نہیں کیے جا سکتے۔

بحیثیت ایک نقاد کے بابائے اردو، مولانا حالی کے پیرو ہیں۔ وہ ادب کو زندگی کا عکاس سمجھتے ہیں۔

آپ نے ۱۶ اگست ۱۹۶۱ء کو انتقال فرمایا۔

یادگار خطوط صفحہ نمبر 318-319

ڈاکٹر غلام مصطفٰے خان صاحب کا ڈاکٹر مولوی عبدالحق بابائے اردو سے خط وکتابت

Marfat.com

۱۔ دریا گنج، دہلی

مورخہ ۹ ستمبر ۱۹۳۶ء

مکرمی

آپ کا خط پہنچا۔ اور غلام احمد حسن صاحب (۱) کا بھی۔ ذریعہ تعلیم کا مسئلہ قابل غور ہے۔ غلام احمد حسن صاحب نے جو تجویزیں پیش کی ہیں ان پر عمل دشوار معلوم ہوتا ہے۔ کیا سی پی کے مسلمانوں میں اتنی سکت ہے کہ وہ اپنے کالج قائم کر سکیں، کیوں کہ اس زمانے میں باہر سے کسی امداد کی توقع نہیں۔ میں نے اس کے متعلق ایک دوسری تدبیر سوچی ہے اور اب کاروائی بھی شروع کر دی ہے۔ کچھ ہو جائے تو اطلاع دوں گا۔ اصطلاحات علمیہ کے لیے جو آپ نے دوسرا (۲) نام پیش کیا ہے وہ ٹھیک نہیں ہے۔ وہ صاحب اس کے بالکل اہل نہیں۔ آپ مہربانی کر کے ان کی بجائے ڈاکٹر مظفر الدین قریشی پروفیسر جامعہ عثمانیہ کا نام لکھ بھیجیں۔ وہ سائنس کے پروفیسر اور اب کیمیکل و انڈسٹریل ریسرچ کے ڈائریکٹر ہیں۔ ایک مدت تک میرے ساتھ وضع اصطلاحات علمیہ کی ترتیب میں شریک رہے ہیں۔ اور رسالہ سائنس کے مدیر اعلیٰ ہیں۔ وہ اس کام کے لیے سب سے بہتر شخص ہیں۔ جن صاحب کا آپ نے نام پیش کیا ہے وہ اس سے بالکل بے بہرہ ہیں اور ان کا کمیٹی میں ہونا کسی حال میں مفید نہ ہوگا۔

عبد الحق

یادگار خطوط صفحہ نمبر 320

Phone 6298

ٹیلیفون ۶۲۹۸

انجمن ترقی اردو (ہند)

Anjuman-e-Taraqqi-e-Urdu (India)

1. Daryaganj, Delhi

۱۔ دریا گنج، دہلی

مورخہ ۲۱ ستمبر ۱۹۳۶ء

مکرمی و معظمی — تسلیم

آپ نے اور غلام احمد حسن صاحب نے ناگپور یونیورسٹی کی تجویز کے [illegible]

متعلق مجھے لکھا تھا ٹھیک ہے [illegible] یونیورسٹی پر [illegible]

[illegible] ان کی [illegible]

یونیورسٹی کی تجویز کا ایک بدل [illegible] لیکن وہ یہ کہتے ہیں کہ

ہمارے دونوں کے لیے قابل قبول [illegible] کاروائی لائیے تو ہم اس کی

بابت اس کو کچھ علم نہیں۔ [illegible] کاروائی

غور کریں گے۔ [illegible] میرا یہ کہنا قبول [illegible]

ان کا یہ کہنا صحیح ہے [illegible] نے مجھ [illegible]

معتبر ذریعہ سے اطلاع ملی ہے یا [illegible]

نیز مہربانی کر کے یونیورسٹی کی [illegible] کی نقل بھجوا دیجیے

[illegible] یہ تجویز منظور ہو گئی ہے [illegible] صورت ہے

[illegible] کاروائی کر سکوں گا۔ جواب جلد آنا چاہیے

[illegible]

یادگار خطوط صفحہ نمبر 321-322

جناب مکرم

• انجمن ترقی اردو خواتین کالج کے لیے اساتذہ کے تقرر کے سلسلے میں انتخابی کمیٹی بتاریخ ۲۶ فروری بروز اتوار شام کے ساڑھے چار بجے انٹرویو کر رہی ہے۔

آپ سے درخواست ہے کہ اس میٹی میں شرکت فرما کر اساتذہ کے انتخاب میں مدد فرمائیں۔

دعا گو

(ڈاکٹر عبد الحق)

صدر انجمن ترقی اردو خواتین کالج

یادگار خطوط صفحہ نمبر 323

ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خان صاحب کا ڈاکٹر مولوی عبد الحق بابائے اردو سے خط و کتابت

Marfat.com

گویا ان کی یہ قربانی رائیگاں نہ گئی۔ یورپ سے وطن واپس ہوئے تو ان کی خوش قسمتی سے نیشنل بک سنٹر کا منصوبہ اپنی تکمیل کے آخری مراحل میں تھا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے مربی و محسن قدرت اللہ شہاب سے دستگیری کی درخواست کی لیکن یہ ذکر ممتاز مفتی کی زبانی سننے کے قابل ہے:"۔۔۔۔جب ولیج ایڈ کا محکمہ تخفیف میں آنے لگا تو انشاء نے قدرت اللہ شہاب سے کہا، شہاب صاحب زندگی میں میری صرف ایک آرزو ہے، اگر آپ اسے پورا کردیں تو موج ہی ہوجائے"

"کونسی؟ شہاب نے جواب میں پوچھا"

انشاء نے جیب سے کچھ کاغذات نکالے، کہنے لگا "یہ دیکھئے یونیسکو کے پلان کے مطابق پاکستان میں ایک نیشنل بک سینٹر بننے والا ہے، مجھے اس کا ڈائریکٹر بنا دیجئے"۔

شہاب نے کہا "یہ نوکری تو بالکل معمولی ہوگی"

"مجھے معمولی ہی چاہئے"

اس میں ترقی نہیں چاہئے، قیام چاہئے۔ انشاء نے جواب دیا۔

"یہ بھی پتہ نہیں۔ شاید یہ محکمہ پانچ سال بعد قائم ہو چاہے دس سال بعد قائم ہو" میں انتظار کروں گا۔

قدرت اللہ شہاب بھی اس ملازمت کے امیدوار کو محض آزما رہے تھے۔ ورنہ ان سے زیادہ کس کو معلوم تھا کہ یہ سینٹر ایک دو ماہ میں بننے والا تھا۔ چنانچہ انشاء کو چند مہینے بھی انتظار نہ کرنا پڑا۔ اور حسب آرزو انہیں اس نئے ادارے کے ایگزیکٹو سیکریٹری کا عہدہ سونپ دیا گیا۔ مرکزی سیکریٹری تعلیم بلحاظ عہدہ اس کے صدر تھے۔ عملی طور پر ادارے کی سربراہی کا منصب سیکریٹری ادارہ کے سپرد ہی تھا۔ ابتدائی تیاریوں کے بعد سینٹر نے کام شروع کیا۔ تو سیکریٹری کی پوسٹ کو ہی ڈائریکٹر کے اسکیل میں تبدیل کر دیا گیا۔ اور ابن انشاء پاکستان نیشنل سنٹر کے مرکزی ڈائریکٹر مقرر ہوئے۔ یوں ابن انشاء کے اپنے الفاظ میں "ان کی زندگی کی ایک دیرینہ خواہش برآئی۔ ان کی عمر اس وقت پینتیس چھتیس برس کے لگ بھگ تھی۔

ڈاکٹر غلام مصطفٰے خان صاحبؒ کا ابن انشاء اور قدرت اللہ شہاب سے تعلق

جب ابن انشاء نے اردو کالج میں داخلہ لیا تو ڈاکٹر صاحب صدر شعبہ اردو تھے اور ان کی نگرانی میں ایم۔اے مکمل کیا اور پوزیشن حاصل کی۔

ڈاکٹر ریاض احمد ریاض کی وجہ سے پاکستان رائیٹرز گلڈ میں شامل ہوئے جس میں سیکریٹری جنرل قدرت اللہ شہاب چنے گئے اور اس کے صدر بابائے اردو تھے۔ بابائے اردو، ابن انشاء، ڈاکٹر غلام مصطفٰے خان، قدرت اللہ شہاب اسی وجہ سے ایک دوسرے سے منسلک تھے۔ ان کا صرف ڈاکٹر صاحب سے صرف دنیاوی نہیں روحانی تعلق بھی تھا۔

قدرت اللہ شہاب کی دوستی کی وجہ سے ابن انشاء نے ڈاکٹر صاحب کو دو اہم ترین خط لکھے۔ خط کا عکس دیا جا رہا ہے۔

Marfat.com

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحبؒ اور ابنِ انشاء

ابنِ انشاء نے یہ مکتوب قدرت اللہ شہاب کے کہنے پر لکھے گئے۔ ۲۱ فروری 1962ء کو اپنے استاد ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کو اس وقت لکھا جب صدر پاکستان ایوب خان نے قانون میں تبدیلی کراتے ہوئے اسے از سر نو تیار کروایا تھا۔ ابن انشاء نے اس خط کے ساتھ مسودہ آئین پاکستان بھی بھیجا تھا کہ وہ اسے دیکھ کر اپنی رائے سے مطلع کریں۔ اور یہ بھی لکھا کہ آپکی رائے کو سند سمجھا جائے گا، یہ مکتوب اور اس کے جواب میں ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کا مختصر مگر جامع خط، ڈاکٹر صاحب کی شخصیت کے ایک اور پہلو کو ہمارے سامنے روشن کرتا ہے۔ قانون پر ان کی نظر، آئین کی اہمیت، اس کے جزوی پہلو، اس کے اطلاق کی ضرورت، مذہب وسیاست میں اتفاق اور آئین میں سمجھنے کی ضرورت، اسلامی نظریئے کی بقا کا پہلو آئین میں ہونا چاہئے۔ صدارتی نظام اور اسلام کا سیاسی نظام، جیسے اہم سوالات یا موضوعات کا جواب ہمیں ان دونوں مکتوبات کے سلسلے وار سے مطالعے سے ملتا ہے، اور اس مطالعے سے ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان کی سیاسی بصیرت، ان کی مستقبل بینی اور نظریہ سیاست اسلام کی اساس سمجھنے میں ہمیں بڑی مدد ملتی ہے۔ لہذا یہاں وہ خطوط پیش کئے جاتے ہیں۔ پہلے ابن انشاء کا مکتوب دیکھئے: ''اس وقت ایک زحمت دینا چاہتا ہوں۔ معاملہ انتہائی اہم نوعیت کا ہے اور فی الحال صیغہ راز میں (رکھنے کا)۔ آئین کا اعلان یکم مارچ کو ہوگا۔ لیکن جناب صدر چاہتے ہیں کہ اس کے متعلق ملک کے چیدہ دانشوروں کا ردِّعمل معلوم کرلیں۔ پرانے حقوق یافتہ طبقے اور وہ لوگ جن کی سیاسی ترکتازیوں پر اس آئین سے زد پڑے گی، یقیناً اس میں تحدید کے بعض پہلو پائیں گے۔ لیکن عملی سوجھ بوجھ بلکہ اسلامی روایات کے اعتبار سے میری ذاتی رائے میں یہ آئین، محبت الوطن عوام الناس اور دانشوروں کو پسند آئے گا۔ اور صدر صاحب انہی کو محک گردانتے ہیں۔ آپ یقیناً ان پر گہری نظر رکھتے ہیں اور قانون کا بھی آپ کا مطالعہ ہے، لہذا آپ کی بات بجا طور پر سند ہوگی''۔ (یادگار خطوط۔ الخ، ص: ۳۸) خط کا عکس دیا جا رہا ہے۔

ابن انشاء نے اس مکتوب میں آئین سے متعلق ڈاکٹر صاحب کی رائے چاہی ہے بالخصوص ان ترامیم واصلاحات پر جس کے تحت صدر کے اختیارات وسیع ہیں لیکن کسی قدر توازن پیدا کرنے کے لئے عوامی نمائندوں کی گرفت بھی مضبوط کی گئی اور یہ کوشش کی کہ ان کی رائے برخاست کردے تو اسے خود عوام کا اعتماد حاصل کرنے کے لئے خود دوبارہ الیکشن لڑنا پڑے گا۔ اس آئین میں قانون کے جوز کا انحصار، عدالتوں کی بجائے قانون ساز اداروں کی صوابدید پر رکھا گیا ہے۔ جس کے تحت صدر ایوب کے خیال میں مفاد پرستوں پر کاری ضرب پڑے گی۔

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب نے اس مسودے کا بغور مطالعہ کیا، بالخصوص مسودے پیش لفظ کا۔ اس کے جواب میں ایک تفصیلی خط ابن انشاء کو لکھا اس خط کا مطالعہ ڈاکٹر صاحب کی سیاسی بصیرت کو واضح کرتا ہے، اور اس کے جذبے کی ترجمانی بھی کرتا ہے جس کے تحت پاکستان حاصل کیا گیا تھا۔

Marfat.com

ابن انشاء

[illegible] جہانگیر روڈ، کراچی ۵

۲۱ فروری ۱۹۶۲ء

استاذی و مخدومی!

سلام مسنون

آپ کا خط ملا۔ اسے سر آنکھوں پر رکھا۔ آپ کی دعاؤں سے قلب کو عجیب فرحت ہوئی۔ اس کرم کے لیے نہایت ممنون ہوں۔

اس وقت ایک زحمت دینا چاہتا ہوں۔ معاملہ انتہائی اہم نوعیت کا ہے اور فی الحال سینۂ راز میں (رکھنے کا)۔ آئین کا اعلان یکم مارچ کو ہوگا۔ لیکن جناب صدر چاہتے ہیں کہ اس کے متعلق ملک کے چیدہ دانشوروں کا ردِ عمل معلوم کر لیں۔ پرانے حقوق یافتہ طبقے اور وہ لوگ جن کی سیاسی ترکتازیوں پر اس آئین سے زد پڑے گی، یقیناً اس میں تحدید کے بعض پہلو پائیں گے۔ لیکن عملی سوجھ بوجھ بلکہ اسلامی روایات کے اعتبار سے میری ذاتی رائے میں یہ آئین، محب الوطن عوام الناس اور دانشوروں کو پسند آئے گا اور صدر صاحب انھی کو محک گردانتے ہیں۔

آپ یقیناً ان امور پر گہری نظر رکھتے ہیں اور قانون کا بھی آپ کا مطالعہ ہے۔ لہٰذا آپ کی بات بجا طور پر سند ہوگی۔ درخواست یہ ہے کہ آپ اس کا بغور مطالعہ فرما کر اس پر ایک یا ایک سے زیادہ مضامین لکھ دیں۔ زیادہ طویل بے شک نہ ہوں لیکن جس پہلو کو آپ لیں اس کی وضاحت ہو جائے۔ مثلاً صدر کے اختیارات وسیع بھی ہیں لیکن ان پر عوامی نمائندے گرفت بھی کر سکتے ہیں۔ اُن کی رائے پر عوام کے نمائندوں کی رائے غالب رہے گی اور اگر صدر اسمبلی کو برخاست کر دے تو اسے خود عوام کا اعتماد حاصل کرنے کے لیے خود دوبارہ الکشن لڑنا پڑے گا۔ صدارتی نظام میرے خیال میں اسلام کے سیاسی نظام کے زیادہ قریب بھی ہے۔ پھر قانون کے جواز کا انحصار، عدالتوں کی بجائے قانون ساز اداروں کی صواب دید پر رکھا گیا ہے۔ اس سے مفاد پرست طبقے پر چوٹ پڑے گی جو کسی پاداش سے بچنے کے لیے عدالت کے ذریعہ قانون کو چھ چھ مہینے معلق رہنے پر مجبور کرتا تھا۔

بہرحال یہ عمومی باتیں ہیں جو میرے ذہن میں اُٹھیں۔ زیادہ تعمق کا وقت نہیں ہے۔ ہمیں یہ مضمون پیر تک مل جائے تو اچھا ہے۔ اس کا آنریریم میں یہاں سے آپ کو بھجوا دوں گا۔ یہ کسی ادبی پرچے میں چھپے گا۔ نئی قدریں ہی کو دے دیجیے لیکن نقل۔ اصل مجھے بھجوائیے۔ مضمون خواہ گھر کے پتے پر بھیجیے، خواہ کلب کے پتے پر۔ اور منسلک تقریر کے متعلق آپ جانتے ہیں کہ کسی کی نظر نہ اس پر پڑے۔

— ابن انشا —

یادگار خطوط صفحہ نمبر 38

Marfat.com

PROFESSOR
Ghulam Mustafa Khan
M. A., LL. B., PH. D., D. LITT.
HEAD OF THE DEPARTMENT OF URDU

UNIVERSITY OF SIND
HYDERABAD

Dated ۱۹۶۲ء

میں نے صدر محترم کے اُس تفصیلی مکتوب کا بغور مطالعہ کیا جو انھوں نے آئین کے مسودے پر بطور ایک پیش لفظ کے ارقام فرمایا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ قوم کے مستقبل پر کس قدر دلسوزی اور اخلاص سے غور فرما رہے ہیں، البتہ [illegible] سے متعلق جزوی طور پر کسی مفکر کو کچھ اختلاف ہو سکتا ہے۔

اس میں نہیں کہ ۱۹۵۸ء سے پہلے ہمارے سیاسی نظام نے پاکستان میں پارلیمانی طرز کی حکومت کے صحیح ہونے میں بہت کچھ شکوک پیدا کر دیے تھے۔ اسمبلیوں میں نہایت ناقص عناصر داخل ہو گئے تھے اور خود غرضی یا مفاد پرستی کا دَور دورہ تھا۔ لیکن خدا رکھے ہمارے صدر محترم نے نہایت خلوص اور ہمدردی کے ساتھ ان عناصر کا قلع قمع کر دیا اور قوم نے بکثرت فائدے حاصل کیے، تاہم مخلص نفوس کے فقدان کے پیش نظر، آمریت یا شخصی اقتدار غالباً اسلامی روح کے منافی ہے اور اگر ووٹروں نے انتخاب میں غلطی کھائی تو ناقابلِ تلافی نقصانات کے رونما ہونے کا اندیشہ ہے۔ اسی لیے میری ناقص رائے ہے کہ پاکستان کے لیے معتدل جمہوریت اور صدارتی نظام زیادہ موزوں رہے گا، بشرطیکہ ایسے اسلامی اصولوں کو فروغ دیا جائے جو ملک میں بہتر ماحول اور صالح افراد پیدا کرنے میں ممد و معاون ثابت ہو سکیں۔

آئین کا جو خلاصہ میری نظر سے گزرا ہے اُس میں صدر کا پلّہ اتنا بھاری کر دیا گیا ہے کہ نیشنل اسمبلی بھی اُس کے سامنے ہیچ ہو کر رہ گئی ہے۔ نیز مرکزی اور صوبائی وزراء کسی حیثیت سے بھی قوم کے سامنے جواب دہ نہیں رہیں گے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ وزراء بھی ایک خالص آمرانہ نظام کے عمّال بن کر رہ جائیں گے جن پر قوم کو مشکل سے اعتماد حاصل ہوگا۔ شاید یہ مسئلہ بھی مشکل ہے کہ اگر صدر مغربی پاکستان سے لیا گیا تو مشرقی بازو صرف اسپیکر کے عہدے سے مطمئن ہو جائے گا۔ میری رائے یہ مشرقی یا مغربی بازو کا سوال ہی نہ رکھا جائے۔

علیٰ ہذا القیاس اسلامی نظریے کی بقا کے لیے جو طریقِ کار تجویز کیا گیا ہے وہ کافی معلوم نہیں ہوتا۔ واضح ہو کہ پاکستان خالص دینی روایات کے لیے قائم کیا گیا ہے اور یہ قطعاً ناممکن ہے کہ ہم کسی دوسرے ملک کے علماء یا مفکرین کی مدد سے اس نظریے کا کوئی تحفظ کر سکیں۔ مذہبی امور میں قوم کو صحیح مشورہ خود یہاں کے مسلّمہ حیثیت کے علماء ہی دے سکتے ہیں۔ اُن پر قوم کو اعتماد بھی ہے اور ان کے بغیر ایڈوائزری کونسلوں میں لوگوں کے دینی جذبات اور احساسات کا تحفظ ممکن نہیں۔ اس اہم ضرورت کو شہیدِ ملت لیاقت علی خان مرحوم نے اچھی طرح محسوس کر لیا تھا۔ اسی لیے انھوں نے ترقی یافتہ لیڈروں اور علماء میں ایک باہمی تعاون قائم کر دیا تھا۔ جدید و قدیم کے باہمی امتزاج سے ایک صحیح شاہراہ تعمیر کرنے کی کوشش شروع کر دی گئی تھی مگر افسوس کہ بعد کے خود غرض سیاسی لیڈروں نے مذہب اور سیاست دونوں کو بدنام کر دیا۔ میرا خیال ہے کہ مذہبی امور کا محکمہ جس میں طلاق و نکاح، وقف، تبلیغ اسلام، یتیموں اور بیواؤں کی پرورش وغیرہ شامل ہو ضرور قائم ہونا چاہیے جس کے اصول اور طریق کار ملک کے مقتدر علماء ہی وضع کریں اور وہ اس محکمے کے ذمہ دار عہدوں پر بھی فائز ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ اس طرح ان شاء اللہ صدر کا بلند اقتدار بھی قائم رہے گا اور بہت اچھے نتائج رونما ہوں گے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ سیاست اور صحیح مذہب کے امتزاج اور باہمی تعاون سے نظام حکومت تعمیر کیا جائے اور یہی اسلامی حکومت کی صحیح تعریف بھی ہے۔ میرے نزدیک ایڈوائزری کونسل جس کا تذکرہ کیا گیا ہے وہ اس مقصد کے لیے کافی نہیں ہے کیونکہ اس میں ایسے عناصر داخل ہو جائیں گے جو قوم کے مذہبی رجحانات کی صحیح ترجمانی نہیں کریں گے اور دائمی تصادم اور خلفشار کی صورتیں پیدا ہوتی رہیں گی۔

مکتوبات جلد دوئم صفحہ نمبر 26-27

فقط والسلام — دعا گو غلام مصطفیٰ

Marfat.com

''میں نے صدر محترم کے اس مکتوب کا بغور مطالعہ کیا جوانہوں نے آئین کے مسودہ پر بطور پیش لفظ کے ارقام فرمایا ہے۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ قوم کے مستقبل پر کس قدر دل سوزی اور اخلاص سے غور فرماتے ہیں،البتہ طریق کار سے متعلق جزوی طور پر کسی مفکر کو کچھ اختلاف ہوسکتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ ۱۹۵۸ء سے پہلے ہمارے سیاسی نظام نے پاکستان میں پارلیمانی طرز حکومت کے صحیح ہونے میں بہت کچھ شکوک پیدا کر دیئے تھے۔اسمبلیوں میں نہایت ناقص عناصر داخل ہو گئے تھے،اورغرض یا مفاد پرستی کا دور دورہ تھا،لیکن خدا رکھے ہمارے صدر محترم نے نہایت خلوص اور ہمدردی کے ساتھ ان عناصر کا قلع قمع کر دیا اور قوم نے بہ کثرت فائدے حاصل کیے،تاہم مخلوص نفوس کے فقدان کے پیش نظر آمریت یا شخصی اقتدار غالباً اسلامی روح کے منافی ہے۔اور اگر وڈیروں نے انتخاب میں غلطی دکھائی تو ناقابل تلافی نقصانات کے رونما ہونے کا اندیشہ ہے۔اسی لئے میری ناقص رائے ہے کہ پاکستان کے لئے معتدل جمہوریت اور صدارتی نظام زیادہ موزوں رہے گا۔بشرطیکہ ایسے اسلامی اصولوں کوفروغ دیا جائے جو ملک میں بہتر ماحول اور صالح افراد پیدا کرنے میں مدومعاون ثابت ہوسکیں۔

آئین کا جوخلاصہ میری نظر سے گزر رہا ہے اس پر صدر کا پلہ اتنا بھاری کر دیا گیا ہے کہ نیشنل اسمبلی بھی اس کے سامنے ہیچ ہوکر رہ گئی ہے۔نیز مرکزی اور صوبائی وزراء کسی حیثیت سے بھی قوم کے سامنے جواب دہ نہیں رہیں گے۔نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ وزراء بھی ایک خالص آمرانہ نظام کے عمال بن کر رہ جائیں گے جن پر قوم کو مشکل سے اعتماد حاصل ہوگا۔شاید یہ مسئلہ بھی مشکل ہے کہ اگر صدر مغربی پاکستان سے لیا گیا تو مشرقی بازو صرف اسپیکر کے عہدے سے مطمئن ہوجائے گا۔میری رائے میں مشرقی یا مغربی بازو کا سوال ہی نہ رکھا جائے۔

علیٰ ہذالقیاس اسلامی نظریئے کی بقا کے لئے جو نظام یا طریق کار تجویز کیا گیا ہے وہ کافی معلوم نہیں ہوتا۔واضح ہو کہ پاکستان خالص دینی روایات کے لئے قائم کیا گیا ہے اور قطعاً ناممکن ہے کہ ہم کسی دوسرے ملک کے علماء یا مفکرین کی مدد سے اس نظریئے کا کوئی تحفظ کرسکیں۔مذہبی امور میں قوم کو صحیح مشورہ خود یہاں کے مسلمہ حیثیت کے علماء ہی دے سکتے ہیں،ان پر قوم کو اعتماد بھی ہے اور ان کے بغیر ایڈوائزری کونسلوں میں لوگوں کے دینی جذبات اور احساسات کا تحفظ ممکن نہیں۔اس اہم ضرورت کو شہید ملت لیاقت علی خاں نے اچھی طرح محسوس کیا۔اسی لئے انہوں نے ترقی یافتہ لیڈروں اور علماء میں ایک باہمی تعاون قائم کر دیا تھا۔جدید وقدیم کے باہمی امتزاج سے ایک صحیح شاہراہ تعمیر کرانے کی کوشش شروع کر دی گئی تھی مگر افسوس کہ بعد کے خودغرض سیاسی لیڈروں نے مذہب اور سیاست دونوں کو بدنام کر دیا۔ میرا خیال ہے کہ مذہبی امور کا محکمہ جس میں طلاق ونکاح،وقف، تبلیغ اسلام،یتیموں اور بیواؤں کی پرورش وغیرہ شامل ہو ضرور قائم کرنا چاہئے۔جس کے اصول اور طریق کار کو ملک کے متقدر علماء ہی وضع کریں اور وہ اس محکمے کے ذمہ دار عہدوں پر بھی فائز ہوں۔مجھے یقین ہے کہ اس طرح انشاءاللہ صدر کا بلند اقتدار بھی قائم رہے گا اور بہت اچھے نتائج رونما ہوں گے۔ضرورت اس امر کی ہے کہ سیاست اور صحیح مذہب کے امتزاج اور باہمی تعاون

Marfat.com

سے نظام حکومت تعمیر کیا جائے اور یہی اسلامی حکومت کی صحیح تعریف بھی ہے۔ میرے نزدیک ایڈوائزری کونسل جس کا تذکرہ کیا گیا ہے وہ اس مقصد کے لئے کافی نہیں ہے کیونکہ اس میں ایسے عناصر داخل ہوجائیں گے جو قوم کے مذہبی رجحانات کی صحیح ترجمانی نہیں کریں گے اور دائمی تصادم اور خلفشار کی صورتیں پیدا ہوتی رہیں گی۔ (مکتوبات، حصہ دوئم، ص ۲۴/۲۷)

یعنی ڈاکٹر صاحب نے انتہائی صاف گوئی سے آئین کی خوبیوں اور کمزوریوں کو واضح کرتے ہوئے صدر ایوب تک یہ بات پہنچادی کہ اس میں صدر کا پلہ اتنا بھاری کر دیا گیا ہے کہ نیشنل اسمبلی بھی اس کے سامنے ہیچ ہو کر رہ گئی ہے۔ یہ جملہ معمولی نہیں ہے اور اس دور میں آپ کے قلم سے ادا ہوا جسے ایوب نواز دور بھی کہا جاتا ہے۔ پھر اس حکمت کے ممکنہ اثرات کی طرف توجہ بھی دلائی، ایسے میں وزراء کو قوم کا اعتماد کم ہی حاصل رہے گا"۔

اس تحریر سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے مبصر "مشرقی بازو اور مغربی بازو" کی اصطلاح کے بھی خلاف ہیں۔ وہ ہمہ گیر اور توازن کے خواہ نظر آتے ہیں اگر صدر مغربی پاکستان سے منتخب ہوتا ہے تو مشرقی پاکستان صرف اسپیکر کے عہدے سے مطمئن ہوجائے گا؟ یہ ایک سوال ہے جس کا جواب ہمیں 1971ء میں مل جاتا ہے۔ تقریباً ان دس سالوں میں احساس محرومی نے جگہ بنالی اور بالآخر وہی ہوا جسکا خدشہ (بین السطور) اس تحریر میں نظر آتا ہے۔ پھر ہمارے مبصر نے اس آئین میں ان شقوں کی طرف بھی توجہ دلائی جو اسلامی نظریئے کی بقا کے لئے قائم کی گئیں تھیں کہ وہ ناکافی معلوم ہوتی ہیں۔ اس رائے سے ہمارے مبصر کی دور اندیشی ظاہر ہوتی ہے۔ جب ضیاء حکومت آئی تو کم و بیش ان احکامات کو ترمیمی انداز کے ساتھ شامل آئین کیا گیا۔

بہر حال یہ مختصر تحریر ہمارے مبصر کی سیاسی بصیرت کو سمجھنے کے لئے بہت اہم ہے۔

نیشنل بک سینٹر کی سربراہی

14 اپریل 1962ء کراچی میں نیشنل بک سنٹر کا افتتاحی اجلاس ایس۔ ایم شریف معتمد وزارت تعلیمات حکومت پاکستان کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اجلاس میں سینٹر کے اراکین نے شرکت کی جو مختلف علمی و ادبی اداروں کے نمائندے تھے۔

اس ادارے کی مجلس نظماء ۲۱ ارکان پر مشتمل تھی۔ اور یہ اراکین ادیبوں، کتب فروشوں اور مختلف تعلیمی و دیگر علمی اداروں کی نمائندگی کرتے تھے، اس ادارے کے فرائض مختصراً یہ تھے: کتب حوالہ کی اشاعت، قارئین کے مذاق اور ضروریات کا جائزہ کتابوں کی طباعت اور تقسیم کے سلسلے میں ناشروں کو مشورے، شوق کتب بینی کی وسعت، نئی کتابوں کی نمائش اور ملک کے تعلیمی اور علمی اداروں کی ان کے کاموں میں مدد کے علاوہ لائبریریوں کو بہتر بنانے کی تدابیر وغیرہ۔

اس منصب کا حصول ابن انشا کی ایسی کامیابی تھی کہ انہوں نے آئندہ زندگی بھر پھر کسی ملازمت یا عہدے کی خواہش نہ کی۔

مئی 1966ء میں یونیسکو کی طرف سے ایشیا کے کتب سازی کے ماہرین کی ایک کانفرنس ٹوکیو میں ہوئی تو ابن انشاء نے اس میں پاکستان کی نمائندگی کی۔ اور یہاں وائس چیرمین منتخب ہوئے۔ دوسری بار کے انتخاب میں انہیں پھر یہ اعزاز حاصل ہوا اور 1975ء میں تیسری دفعہ جب وہ نائب صدر چنے گئے۔ تو انہوں نے اسے اپنی اور اپنے ملک کی بہت بڑی کامیابی قرار

Marfat.com

دیتے ہوئے کہا: ''یونیسکو کے ایشین کو پبلیکیشن پروگرام میں ایشیاء کے بیس ممالک شریک ہیں۔افتتاحی جلسہ ہوا تو ہمیں یعنی پاکستان کو تیسری بار اس پروگرام کا وائس چیئر مین اور اس کے مرکزی ایڈیٹوریل بورڈ کا رکن منتخب کرلیا گیا۔کوئی اور ملک دوسری بار بھی اس سعادت کو حاصل نہ کرسکا۔جاپان میں اپنی اس قابل فخر کارکردگی سے مطمئن ومسرور ہوئے تو آتے ہی نئے سفر کی تیاری شروع کردی یعنی۔

''دسمبر 1966ء اور اوائل 1967ء میں یونیسکو نے بطور مشیر برائے مطالعاتی امور افغانستان،انڈونیشیا اور فلپائن بھیجا۔یہ روداد ''دنیا گول ہے'' نامی سفر نامے میں موجود ہے۔1968ء میں یونیسکو اور منٹو کے کتابوں کے متعلق جلسوں اور سیمیناروں کے لئے ترکی،ایران،سنگاپور اور کوالالمپور بھی جانا ہوا،لیکن دنیا گول ہے،میں بنیادی سفر وہ ہے جو نومبر 1968ء میں کراچی سے شروع ہوا،اور سنگاپور،ہانگ کانگ،جاپان،کوریا،ہوائی،امریکہ،سویڈن اور ترکی کے راستے وطن واپس ہوئی۔

1970ء میں برٹش کونسل کے وظیفے پر لندن اور 1971ء میں حکومت جرمنی کی دعوت پر جرمنی کا دورہ کیا۔اور اس کے بعد پیرس اور لندن میں جو کچھ دن گزارے۔اس کا تذکرہ کتاب ''ابن بطوطہ کے تعاقب میں شامل ہے''۔

''1972ء، 1973ء اور 1974ء میں متعدد بار جاپان جانا پڑا فلپائن بھی یونیسکو کے ایک سیمینار میں دوبارہ شرکت کی۔اس کا ذکر ابن بطوطہ کے تعاقب میں شامل ہے''۔

ابنِ انشاء کی طبیعت خراب رہنے لگی

ذوالفقار تابش لکھتے ہیں: ماسکو سے لاہور آئے۔ان کے مزاج پر سکوت طاری تھا۔مجھے کسی قدر تعجب ہوا۔میں نے ان سے پوچھا کچھ نہیں کیونکہ میں ان کے مزاج سے واقف تھا۔وہ کبھی کسی سے دل کی بات نہیں کرتے تھے۔میرا خیال ہے کہ اس کرہ ارض پر واحد ایک شخص ہے جس سے ابنِ انشاء دل کی بات کرتا ہے،اندر کا بھید کھولتا ہے۔اس کا نام ہے قدرت اللہ شہاب۔ایک روز کالم لکھتے لکھتے اچانک بولے''تابش میرے گلے کی طرف دیکھو،تم نے کوئی بات محسوس کی؟''۔میں نے پہلی بار دھیان سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ گلے کے دونوں اطراف کی گلٹیاں پھولی ہوئی ہیں اور گلا جیسے نیچے کو لٹکا ہوا ہے۔

لندن میں آخری منصبی فرائض

ابنِ انشاء کے سپرد لندن میں واقعہ انڈیا آفس لائبریری اور برٹش میوزیم کتب خانے میں موجود اسلام،پاکستان اور مسلمانوں سے متعلق لاکھوں نادر کتابوں،بے بہا مخطوطوں اور دیگر قیمتی دستاویزوں میں سے منتخب نوادرات کی مائیکروفلمیں بنوا کر پاکستان بھجوانے کی ذمہ داری تھی تاکہ یہ علمی سرمایہ کتابوں کی صورت میں نہ سہی،مائیکروفلموں کی صورت میں وطن عزیز میں محفوظ ہوجائے۔ان کی تقرری اگرچہ ایک افسر بکارِ خاص کے طور پر تھی لیکن ان کا عہدہ ایک غیر سفارتی وزیر کا تھا تاکہ وہ کتابوں یا دیگر معاملات میں کسی انتخاب اور فیصلے کے وقت کسی برتر اتھارٹی کی منظوری کے محتاج نہ ہوں۔لیکن عملاً یہ ہوا کہ تقرری کے پانچ ماہ بعد تک انہیں دفتر کے لئے سفارت خانے میں کوئی الگ کمرہ تم مہیانہ کیا گیا نہ باقی دفتری عملہ دیا گیا جو ان کا ہاتھ بٹا سکے۔

Marfat.com

بہر حال ابن انشآء نے ان ناموافق دفتری حالات کے باوجود اپنے کار منصبی کا آغاز کر دیا۔انہوں نے انڈیا آفس لائبریری پراجیکٹ پر ایک نوٹ لکھا ہے جو ان کے کاغذات میں ملا ہے۔اس پراجیکٹ کی ضرورت اسلئے محسوس کی گئی کہ ایک مہم چلی تھی کہ یہ لائبریری اوراس کا ریکارڈ ہندوستان اور پاکستان میں تقسیم کر دیا جائے، پھر قباحتیں پیدا ہوگئیں کہ کیسے کیا ہے جب کہ ایک صورت تھی کہ اس نقصان پر افسوس کرتے رہے۔دوسری صورت یہ تھی کہ اس سلسلے میں کچھ کیا جائے، ہماری حکومت نہ بخوشی یہ حقیقت پسندانہ اقدام کیا کہ لندن میں ایک اسپیشل آفس کھولا اور 1973ء میں جناب قدرت اللہ شہاب کے چارج میں دے دیا۔تاکہ ان کتابوں، مخطوطوں اور دستاویزوں کی مائیکروفلمیں بنوا کر پاکستان بھجوائی جاسکیں۔لیکن انہیں بعض وجوہ کی بنا پر ایک ہی سال میں واپس آنا پڑا اور اس طرح یہ کام 1977ء تک التوا میں پڑا رہا۔

اسی اثناء میں نیشنل لائبریری آف پاکستان (اسلام آباد) کی عمارت تکمیل کے قریب پہنچ گئی تو اس امر کی ضرورت محسوس کی گئی کہ اس اہم قومی کام کو دوبارہ شروع ہونا چاہئے۔چنانچہ مارچ 1977ء میں مجھے اسپیشل آفس لندن کے انچارج، افسر بکار خاص کے طور پر یہاں بھیجا گیا۔

اس پراجیکٹ پر محولہ بالا نوٹ کئی صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں ابن انشاء نے پورے کام کا احاطہ کر دیا ہے۔مختصراً

”کتابوں میں پہلا اور ضروری خزانہ ٹیپو سلطان شہید کے دو ہزار مخطوطات اور دستاویزیں ہیں اور دوسرا اہم ذخیرہ منٹوں کی لائبریریاں تھیں جن کے بہت سے ذخائر ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہاتھوں یہاں پہنچے۔1857ء کے غدر کے بعد چوبیس ہزار مسودے انگریزوں کے ہاتھ لگے جن میں سے کچھ یہاں موجود ہیں۔دہلی کالج کا کتب خانہ بھی لوٹ کے مال کے طور پر شامل ہے۔اسی طرح ایک بڑا علمی سرمایہ عربی، فارسی، اردو اور دوسری پاکستانی زبانوں کا بھی انڈیا آفس لائبریری میں موجود ہے۔اس کے علاوہ بھی دیگر مطبوعات اور اہم دستاویزیں تحریک پاکستان کے بارے میں سیاسی اور ثقافتی نوعیت کی ہیں جو ہمارے ہاں نہیں مگر یہاں محفوظ کر لی گئی ہیں“۔

”صرف کتب اور دستاویز کی صورت یہ ہے کہ انڈیا آفس لائبریری میں ان کی تعداد تین لاکھ ہے جن میں سے دو لاکھ اسلامی زبانوں عربی، فارسی، ترکی، اردو، پنجابی، پشتو، سندھی اور بلوچی میں ہیں۔ان میں سے اکثر خاص طور پر تاریخی کتب نادر و نایاب ہیں اور ہمارے قومی نقطۂ نگاہ سے بہت ضروری ہیں۔

اسپیشل آفس کی کارکردگی کی رپورٹ وقتاً فوقتاً وزارت تعلیم حکومت پاکستان کو بھجوائی جاتی رہی۔وفاقی سیکریٹری محکمہ تعلیمات اور قدرت اللہ شہاب نے ستمبر 1977ء میں لندن پہنچ کر اس دفتر کا معائنہ کیا اور لکھا:

۱۔ اسپیشل آفس کی کارکردگی پچھلے چند مہینوں میں بہت تسلی بخش رہی۔

۲۔ ابن انشاء نے جو معاہدہ تجویز کیا ہے، اس سے زرمبادلہ کی بچت ہوگی اور پراجیکٹ بہتر طور پر تکمیل پذیر ہو سکے گا۔

۳۔ معائنہ ٹیم نے یہ بھی تجویز کیا ہے کہ اسپیشل آفس کے کام کو بڑھا کر دوسری لائبریریوں کا بھی جائزہ لیا جائے۔

مندرجہ بالا امور کی بناء پر مجھ سے کہا گیا کہ میں اس معاملے میں ایک خاکہ تیار کر دوں۔

Marfat.com

ابن انشآء کے محولہ بالا نوٹ میں بہت سے دیگر معاملات کا احوال بھی رقم ہے جس کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں البتہ اس معاہدے کا ذکر بے موقع نہیں جس کا حوالہ اوپر مندرجہ رپورٹ ۲ میں دیا گیا ہے۔

"مائیکروفلموں کی خرید کے لئے حکومت پاکستان نے اسپیشل آفس کے انچارج کو پہلے سال کے لئے ایک لاکھ چھتر ہزار دو سو روپے کا زرمبادلہ خرچ کرنے کا اختیار دیا تھا۔لیکن ابن انشآء نے انڈیا آفس لائبریری سے معاملات کر کے یہ رقم اس طرح بچالی کہ جو معاہدہ انہوں نے کیا اس کے مطابق یہ فیصلہ ہوا کہ مائیکروفلموں کے عوض نقد ادائیگی کی بجائے انڈیا آفس لائبریری کو پاکستانی مطبوعات مہیا کی جائیں گی"۔

پونے دو لاکھ روپے کے زرمبادلہ کی بچت کوئی معمولی بات نہیں کیونکہ اس محدود پراجیکٹ کی یہ زیادہ سے زیادہ رقم تھی جو بچائی جا سکتی تھی۔اس سے ابن انشآء کی دفتری فہم وفراست کے علاوہ ملکی اور قومی مفادات میں ان کے انہماک کا بھی بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

وفات

ابن انشآء کو گلے کا کینسر ہو گیا تھا اور ان کی وفات لندن میں ہوئی۔ 11 جنوری 1978 کی انتہائی سرد شام بندھ کا دن تھا اور 6 بج کر 10 منٹ پر اس جہان فانی سے کوچ فرما گئے۔ان کی میت قدرت اللہ شہاب، جمیل الدین عالی اور اہل خانہ لندن سے واپس لائے اور پاپوش کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔

قدرت اللہ شہاب

قدرت اللہ شہاب ۲۶ فروری 1917ء میں گلگت میں پیدا ہوئے۔آپ کے والد عبداللہ صاحب کا تعلق قبیلہ آرائیں چمکور گاؤں ضلع امبالہ سے تھا۔ابتدائی تعلیم اکبر اسلامیہ ہائی اسکول جموں کشمیر میں حاصل کی پھر پرنس آف ویلز کالج جموں میں داخلہ ہو گیا۔ بی۔ایس۔سی کرنے کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور میں .M.A انگریزی میں داخلہ لے لیا۔اس کے بعد آئی۔سی۔ایس کے مقابلے کے امتحان میں شریک ہو گئے تھے۔اور پھر انڈین سول سروس سے منسلک رہے۔آپ نے 16 سال کی چھوٹی عمر سے اردو اور انگریزی میں مضمون لکھنا شروع کر دیا تھا۔لندن میں منعقدہ کردہ مضمون نویسی کے مقابلے میں حصہ لیا اور مقابلہ میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔آپ کی وفات 24 جولائی 1986ء کو اسلام آباد میں اور وہیں کے قبرستان میں آپ کو سپرد خاک کر دیا گیا۔

آئی۔سی۔ایس

آئی۔سی۔ایس نے لوٹ کھسوٹ میں جنم لیا۔مار دھاڑ میں پروان چڑھی۔سلطنت آرائی میں عروج پایا اور برصغیر میں آزادی کے نزول کے ساتھ ہی دم توڑ دیا۔

جب ایسٹ انڈیا کمپنی نے جنوبی ایشیاء میں تجارت کے پردے میں سیاست کا جال پھیلایا، تو اس کے جلو میں ملازمین

Marfat.com

قدرت اللہ شہاب

From:
Q.U.Shahab Esquire, SQA, CSP,
Secretary to the President.

No.F.39(2)-Pres/59
PRESIDENT'S HOUSE
KARACHI.
15th May '59.

Dear Professor

The President desires me to acknowledge with thanks the receipt of a set of your publications, which you have so kindly sent him.

Yours sincerely,
Q.U.Shahab

Professor Ghulam Mustafa Khan,
M.A., LL.B., PH.D., D.Litt.,
Head of the Department of Urdu,
University of Sind,
HYDERABAD.

یادگار خطوط صفحہ نمبر 418

ڈاکٹر غلام مصطفی خان صاحب کا قدرت اللہ شہاب سے خط و کتابت

Marfat.com

کا ایک لاؤ لشکر بھی اس خطہ ارض پر ٹڈی دل کی طرح امڈ آیا۔ یہ ملازم عام طور پر کمپنی کے ڈائریکٹروں کے بیٹے، بھانجے، بھتیجے یا ان کے دوست احباب کے اعزہ و اقارب ہوتے تھے۔ ان کی تنخواہ 5 پاؤنڈ ماہوار تک مقرر تھی، لیکن اس کے علاوہ ذاتی تجارت کرنے کی بھی ان کو کھلی چھٹی تھی، چنانچہ اکثر ملازم کمپنی کا کام کم اور نجی تجارت زیادہ کیا کرتے تھے۔ مقامی راجوں، راجواڑوں، زمینداروں اور رئیسوں سے زبردستی نذرانے وصول کرنے کا رواج بھی عام تھا اور اس طرح اکثر ملازم چند سال میں لاکھوں روپے سمیٹ کر انگلستان واپس چلے جاتے تھے۔ واپسی پر وہ ایک آدھ ملازم چھوکرا طرحدار آیا بھی اپنے ساتھ لے جاتے تھے، اور جب وہ انگلینڈ کے مضافات میں بیش قیمت جائیدادیں خرید کر اپنا ٹھاٹھ جماتے تھے، تو وہاں کی سوسائٹی میں ''نباب'' کہلاتے تھے۔

مال و دولت سمیٹنے کا یہ نیا راستہ دیکھ کر دوسرے انگریزوں کی بھی رال ٹپکنے لگی اور ہندوستان میں کمپنی کی ملازمت حاصل کرنا ایک باقاعدہ مہم کی صورت اختیار کر گیا۔ اب لندن میں ڈائریکٹروں کی بر آئی اور انہوں نے بھی کھلے بندوں ہاتھ رنگنے شروع کر دیئے۔ چنانچہ کمپنی کی اسامیاں فروخت ہونے لگیں۔ ڈائریکٹر صاحبان ایک ایک اسامی کی قیمت دو ہزار سے تین ہزار پاؤنڈ تک وصول کرتے تھے۔

اسامی سفارش سے ملی ہو یا قیمت دے کر خریدی گئی ہو، کمپنی کے ملازمین کا واحد مقصد یہی ہوتا تھا کہ ہندوستان آ کر وہ کم سے کم عرصہ میں زیادہ سے زیادہ دولت سمیٹیں اور پھر وطن عزیز واپس جا کر عیش و آرام کی زندگی بسر کریں۔ اس مقصد براری کی دھن میں انہیں طرح طرح کے پاپڑ بیلنے پڑتے تھے۔

جب کمپنی کا نیا ملازم ہندوستان پہنچ کر جہاز سے اترتا تھا تو سب سے پہلے اسے یہاں کا بنیا ہاتھوں ہاتھ لیتا تھا۔ ہر انگریز کے ساتھ ایک ایک بنیا ہر وقت اس طرح چپکا رہتا تھا جس طرح جسم کے ساتھ سایہ لگا رہتا ہے۔ انگریزوں کی ذاتی تجارت کے لئے سرمایہ بنیا فراہم کرتا تھا۔ سمگلنگ کے کاروبار کے نت نئے راستے وہ نکالتا تھا۔ گھروں کے لئے فرنیچر اور آرائش و زیبائش کا سامان وہ لاتا تھا۔ باورچی خانے کی روزمرہ ضروریات اس کے دم قدم سے پوری ہوتی تھیں۔ گھریلو ملازمین کا چناؤ اس کے مشورے سے ہوتا تھا۔ نذرانہ وصول کرنے کے لئے موٹی موٹی اسامیوں کی نشاندہی بھی بنیا کرتا تھا اور اپنے فرنگی آقاؤں کی جنسی حاجات پر بھی وہ بڑے رکھ رکھاؤ سے اپنی نظر التفات ہر دم مرکوز رکھتا تھا۔ زندگی کے ہر شعبے میں ہر طرح کے مسائل کو آناً فاناً حل کرنے میں بنیئے نے کچھ ایسی مہارت حاصل کر رکھی تھی، کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے اکثر ملازم اس کے بنئے ہوئے چیدہ جال میں بے بس مکڑیوں کی طرح جکڑے بندھے رہتے تھے۔

ابتداء میں انگریزوں اور ہندو بنیوں کا گٹھ جوڑ شروع ہو تو تجارتی لین دین سے ہوتا تھا، لیکن رفتہ رفتہ ایک عالمگیر بلا Octopus کی طرح اس نے باہمی خیر سگالی کے ہر شعبے کو پانی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ انگریزوں اور ہندوؤں کے درمیان ایک بہت بڑی قدر مشترک یہ تھی کہ دونوں مسلمانوں کو اپنا واحد دشمن تصور کرتے تھے۔ یہ ملی بھگت خوب رنگ لائی۔ جب انگریزوں نے برصغیر پر اپنا تسلط جمانے کا آغاز کیا، تو تجارتی بنیا ان کا دستِ راست تھا اور آزادی کے بعد جب انہوں نے یہ خطہ ارض چھوڑا

Marfat.com

توسیاسی بنیاان کا ہمدم وہمراز تھا۔ یہ محض حسن اتفاق ہی نہ تھا، کہ ہندوؤں نے جس انگریز سے چھٹکارا حاصل کیا تھا، اسی انگریز کو برضا ورغبت بھارت کا پہلا گورنر جنرل بھی تسلیم کرلیا۔ برٹش فراست اور بنیا سیاست کی یہ کامیابی چانکیہ کے فلسفہ ریاست کے عین مطابق ہے، جس میں راج نیتی کے کاروبار میں جھوٹ اور فریب واجب ہے، اور ضرورت کے وقت گدھے کو بھی باپ بنانے میں کوئی ہرج نہیں۔ ڈیڑھ دو سو سال پہلے ان دونوں کا نصب العین مسلمانوں کے بنے بنائے اقتدار کو پامال کرنا تھا۔ آزادی کے بعد دونوں کا مقصد ایک نئی ابھرتی ہوئی اسلامی مملکت کو درہم برہم کرنا بن گیا۔

یوں تو بنیا گیری عام طور پر ایک انفرادی پیشہ تھا، لیکن کلکتہ میں چند منچلوں نے مل کر بنیوں کی ایک کمپنی بھی کھول لی تھی۔ اس فرم کا نام ''چار یار'' تھا اور یہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ساتھ بڑے بڑے ٹھیکوں کا کام کیا کرتی تھی۔ 4 مئی 1799ء کا وہ منحوس دن تھا جب سرنگا پٹم کے تاریخی معرکے میں ٹیپو سلطان شہید ہو گئے اور ہندوستان پر قبضہ جمانے کے لئے انگریزوں کا راستہ بالکل صاف ہو گیا۔ اس فتح کی خوشی میں لارڈ کارنوالس نے کلکتہ تھیٹر میں ایک شاندار محفل رقص و سرور منعقد کرنے کا اہتمام کیا۔ ہال میں جگہ جگہ ''دشمن'' سے چھینے ہوئے سامان حرب کی نمائش لگائی گئی۔ دیواروں پر بڑے بڑے آئینوں کے سامنے معرکہ سرنگا پٹم کے مختلف مناظر کی قد آدم تصویریں بنا کر لٹکائی گئیں۔ ستونوں پر بڑی خوبصورتی سے رنگ برنگ ریشم کے تھان منڈھے گئے۔ چھت سے رنگین سلک کی بڑی بڑی چادروں کو شامیانوں کی صورت میں آویزاں کیا گیا۔ انگریزوں کی جس جس رجمنٹ نے سرنگا پٹم کی جنگ میں حصہ لیا تھا، ان کے جھنڈے ہال کے عین وسط میں لہرائے گئے۔ ان کے عین نیچے سلطان ٹیپو شہید کے جھنڈوں کو الٹا لٹکایا گیا۔ ڈانس رات گیارہ بجے شروع ہوا اور صبح پانچ بجے تک جاری رہا۔ میموں نے سفید ساٹن کی چست وردیاں پہنی ہوئی تھیں۔ جن پر ریشم کے دھاگے سے 4 مئی کے الفاظ جلی حروف میں کاڑھے ہوئے تھے۔ ڈانس کے درمیان جب مے نوشی کے لئے کچھ وقفہ ہوتا تھا، تو زرق برق کپڑوں میں ملبوس ہندوستانی ناچنے اور گانے والیاں مبارکبادی کے نغمے گا کر معزز مہمانوں کا دل بہلاتی تھیں۔ ارباب نشاط کے ان طائفوں کو ''چار یار'' نے بڑے اہتمام کے ساتھ بنارس سے فراہم کیا تھا۔ اس تقریب کے لے خاص طور پر ''چار یار'' کے بنیوں نے یہ انوکھی اُپج نکالی تھی کہ ٹیپو سلطان کا درباری لباس اس محفل میں کام کرنے والے خدمتگاروں اور چپراسیوں کو پہنایا گیا تھا۔

اپنے اپنے بنئے کی سرپرستی سے کمپنی کے انگریز ملازموں کی پانچوں گھی میں اور سر اکثر کڑاہی میں رہتا تھا۔ صبح سات بجے کے قریب جب صاحب بہادر کی آنکھ کھلتی تھی، تو سب سے پہلے حمال دبے پاؤں کمرے میں داخل ہو کر کھڑکیاں اور دروازے کھولتا تھا۔ مسالچی بستر پر تنی ہوئی مچھر دانی سمیٹتا تھا۔ ایک طرف سے بیرا ''چھوٹا حاضری'' کی چائے پیش کرتا تھا۔ دوسری جانب سے حجام لپک کر بڑھتا تھا اور صاحب کے سر کے نیچے دو تین تکیے رکھ کر لیٹے ہی لیٹے اس کی شیو بنا دیتا تھا۔ چلمچی اور آفتاب لا کر بستر ہی میں اس کا ہاتھ منہ دھلا دیا جاتا تھا۔ اس کے بعد جب وہ بریک فاسٹ کے لئے بیٹھتا تھا، تو یہی حجام کرسی کے پیچھے کھڑا ہو کر اس کے سر کی ہلکی ہلکی مالش کرتا تھا، بال بناتا تھا۔ ناشتہ ختم ہوتے ہی حقہ بردار حقے کی نلکی اس کے منہ میں دے کر خود پیتل کی ایک چمکدار پھکنی سے چلم کی آگ سلگاتا رہتا تھا۔ حقے کی پہلی گڑگڑاہٹ کے ساتھ ہی صاحب کا بنیا جھک جھک کر

Marfat.com

سلام کرتا ہوا کمرے میں داخل ہوتا تھا۔ اس کے بعد ملازموں کی فوج ظفر موج کا ریلا اندر آتا تھا۔ خاساماں، بیرا، مسالچی، حمال، مالی، بہشتی، کتے والا، پنکھے والا، دھوبی، درزی۔ سب باری باری سلام کر کے اپنی دن بھر کی ضروریات پیش کرتے تھے۔ بنیا انہیں پورا کرنے کا بیڑا اٹھاتا تھا۔ اس کے بعد دفتر کے منشی، متصدی، پیشکار، ہرکارے، چوبدار اور چپراسی پیش ہوتے تھے۔ دس بجے صاحب کمرے سے برآمد ہو کر اپنی حیثیت کے برقندازوں اور چپراسیوں کا جلوس چلتا تھا، جو بڑی خوبصورت رنگین وردیوں میں ملبوس ہوتے تھے۔ کچھ وقت دفتر میں گزار کر سارے مقامی انگریز ایک بجے ٹفن کے لئے جمع ہو جاتے تھے۔ لنچ میں پندرہ سے اٹھارہ تک کھانے کے کورس اور چار پانچ قسم کی شرابیں ہوتی تھیں۔ چار بجے کھانے سے فارغ ہو کر شام کے سات بجے تک قیلولہ ہوتا تھا۔ اس کے بعد باربر ایک بار بال سنوار کر سر پر وگ جماتا تھا، آٹھ بجے سب لوگ اپنی اپنی سواریوں پر ہوا خوری کے لئے نکلتے تھے، اور دس بجے ڈنر کے لئے بیٹھ جاتے تھے۔ ڈنر کے بعد رات گئے تک حقے اور شراب کا دور چلتا تھا۔

اس محنت شاقہ کے عوض یہ لوگ چند برس میں لکھ پتی بن کر اپنے وطن سدھارتے تھے۔ دولت سمیٹنے کے اس کاروبار میں نذرانوں کی وصولی کو بڑا اہم مقام حاصل تھا۔ نذرانہ دراصل رشوت ہی کا دوسرا نام تھا۔ سب سے بڑا نذرانہ کلائیو نے بنگال کے غدار میر جعفر سے وصول کیا تھا۔ اس نذرانے کا تخمینہ تیس لاکھ پاؤنڈ کے لگ بھگ تھا۔ اپنی تاریخی غداری کے شکرانے میں اس ننگ دین ننگِ وطن میر جعفر نے اپنی وصیت میں بھی ساڑھے تین لاکھ روپے کے جواہر اور ڈیڑھ لاکھ روپے کا سونا کلائیو کے لئے ان القابات کے ساتھ چھوڑا تھا: ''ہمارے ہیرو' ہماری آنکھوں کے نور نواب عالی قدر لارڈ کلائیو کے نام جو میدان جنگ میں چٹان کی طرح ثابت قدم رہتے ہیں۔ نذرانوں کے علاوہ میر جعفر کی آنکھوں کا نور اور دل کا سرور لارڈ کلائیو پر بھی بے دریغ ہاتھ صاف کرتا رہتا تھا۔ ایک بار اپنی تنخواہ وغیرہ کے علاوہ اس نے دو برس کے متفرق اخراجات کا جو بل ایسٹ انڈیا کمپنی سے وصول کیا تھا اس کی تفصیلات کچھ یوں ہیں:

	پائی	آنہ	روپیہ
یورپ سے آنے کا خرچہ: (ان تین ہزار پاؤنڈ کے علاوہ جو کمپنی نے لندن میں دیے تھے)	6	15	73489
متفرق اخراجات	0	12	99629
کھانے پینے کے اخراجات	8	1	97462
ملبوسات	7	4	16987
ملازمین کی تنخواہ	4	11	19722
دیگر چھوٹے چھوٹے اخراجات	7	10	11674
سیکریٹری کو انعام	2	7	14928
	2	7	333895

اپنے اپنے بنیوں کے تعاون سے کمپنی کے بہت سے انگریز ملازم خفیہ طور پر چھوٹے چھوٹے مقامی حرم بھی قائم کر لیتے تھے

Marfat.com

لیکن باقاعدہ شادی وہ صرف میموں سے ہی رچاتے تھے۔اس مقصد کے لئے کمپنی کے ڈائریکٹر انگلستان سے آنے والے ہر بحری جہاز میں شادی کی خواستگار میموں کی کھیپ بھی ہندوستان بھیجتے تھے۔یہ خواتین نئے نئے فیشن کے ملبوسات اور سامان آرائش سے لدی پھندی آتی تھیں اور اپنے دل پسند خاوند کا شکار کرنے کے لئے طرح طرح کے دام تزویر بچھا کر بیٹھ جاتی تھیں۔ان کے دل کو نوجوانوں کی نسبت بڈھے خاوند زیادہ پسند آتے تھے۔عمر رسیدہ انگریز ہندوستان کی آب وہوا میں سالہا سال کی بسیار خوری اور مے نوشی کے بعد قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھے ہوئے تھے اور ان کی جوان بیویاں بہت جلد اس کی سمیٹی ہوئی دولت کی وارث بن جاتی تھیں۔اس کے علاوہ خاوند کے مرتے ہی بیوہ کے نام عمر بھر کے لئے تین سو پاؤنڈ سالانہ کی پنشن بھی مقرر ہو جاتی تھیں۔جو عورت ہندوستان آنے کے بعد ایک سال تک خاوند پھانسنے میں کامیاب نہ ہوسکے،اسے کمپنی کے خرچ پر واپس انگلستان بھیج دیا جاتا تھا۔

البتہ ایک طرحدار میم مس ہالڈین نے انگلستان واپس جانے سے صاف انکار کیونکہ اس نے ہندوستان میں کسی خاوند کا سہارا لئے بغیر ہی دولت کمانے کا ایک نیا راستہ تلاش کر لیا تھا۔ہندوؤں کی ریت ہے کہ دیوالی کی رات وہ لکشمی دیوی کی پوجا کرتے ہیں تاکہ سارا سال ان پر مایا کی بارش ہوتی رہے۔اگر کنواری کنیا کے برہنہ جسم پر سونے چاندی کے سکے رکھ کر پوجا پاٹھ کی جائے تو لکشمی دیوی کا دل زیادہ آسانی سے خوش ہو جاتا ہے۔چند بنیوں کی مدد سے مس ہالڈین نے دیوالی کی راتوں کے لئے کنواری کنیا کا روپ دھار لیا۔دولت کے پجاری اسکے عریاں تن بدن کو بڑی فنکاری سے روپوں اور اشرفیوں سے سجاتے تھے،اور پھر اس کے قدموں میں بیٹھ کر ساری رات بڑی عقیدت سے لکشمی دیوی کو برماتے اور اپنے قلب ونظر کو گرماتے تھے۔ رفتہ رفتہ مس ہالڈین ہلدی دیوی کہلانے لگی۔''دھن کی موج ہلدی دیوی''''من کی موج ہلدی دیوی'' کی پھبتیوں کے ساتھ اس کا چرچا دور دور تک پھیل گیا۔پوجا پاٹھ کے لئے اس کی مانگ اتنی بڑھ گئی کہ ہر رات دیوالی کی رات بننے لگی۔کمپنی کے ملازمین ایک سفید فام عورت کی ان حرکات پر بڑے چراغ پا تھے۔ایک طویل سازش کے بعد آخر انہوں نے مس ہالڈین کو زبردستی انگلستان واپس بھجوا دیا۔اس نے اپنی واپسی کے خلاف عدالتوں میں ہاتھ پاؤں مارنے کی کوشش تو بہت کی لیکن کہیں کوئی شنوائی نہیں ہوئی۔کیونکہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی عدالتیں مقدموں کا فیصلہ کی رو سے نہیں بلکہ مصلحت کی رو سے کرنے کی پابند تھیں۔

کمپنی کے عدالتی نظام میں کسی گورے کے ہاتھوں کالے کا قتل بڑا جرم شمار نہ ہوتا تھا۔ایسے مقدمات میں مقتول اکثر بنگلوں اور دفتروں کے پنکھا قلی ہوتے تھے۔انہوں نے دن رات مسلسل پنکھا کھینچنے کی بڑی مہارت حاصل کر رکھی تھی۔بسا اوقات وہ پنکھے کی رسی اپنے پاؤں کے انگوٹھے کے ساتھ باندھ کر فرش پر لیٹ جاتے تھے۔اس حالت میں اگر کبھی انہیں اونگھ بھی آجاتی تھی تو ان کی ٹانگ متواتر چلتی رہتی تھی اور پنکھا بدستور ہلتا رہتا تھا،لیکن اگر شومئی قسمت سے کسی وقت پنکھا بند ہو جائے تو گرمی، نیند اور شراب کے خمار میں بوکھلایا ہوا''صاحب'' ہڑبڑا کر اٹھتا تھا،اور سوئے ہوئے قلی کی پیٹ میں زور سے ٹھوکر مار کر اسے بیدار کرتا تھا۔کئی بار اس ٹھوکر کی ضرب سے بچارے قلی کی تلی پھٹ جاتی تھی اور وہ وہیں لیٹے لیٹے دم توڑ دیتا تھا۔اس جرم کی پاداش میں صاحب کو کبھی ایک روپیہ جرمانہ ہو جاتا تھا،کبھی محض وارننگ ملتی تھی،کبھی بالکل باعزت بری۔

Marfat.com

ہندوستانیوں کو سب کڑی سزا چوری کے جرم پر ملتی تھی۔ مجرم عورتیں ہوں یا مرد، عام طور پر انہیں چوراہوں میں بر سر عام ہر روز 39 کوڑے اس وقت تک لگائے جاتے تھے، جب تک کہ وہ چوری کا مال واپس نہ کردیں۔ تپے ہوئے گرم لوہے سے چہرہ، ہاتھ اور ٹخنے داغنا بھی ایک عام سزا تھی۔ کچھ قیدیوں کو ہفتے میں ایک یا دو بار کاٹھ بھی مارا جاتا تھا۔ کسی کو لکڑی کے شکنجے میں کس کر اس کی نمائش کرنے میں جسمانی تکلیف کی نسبت تذلیل و تشہیر کا عنصر زیادہ نمایاں ہوتا تھا۔

اکثر مقامات پر ہندوستانیوں کے لئے انگریزوں کے سامنے کسی سواری پر بیٹھنا ممنوع اور بارش یا دھوپ میں چھاتا کھول کر چلنے کی بھی ممانعت تھی۔

کوئی دو سو برس تک اسی طرح من مانی کارروائیوں سے کمپنی بہادر نے ایک ہاتھ سے لوٹ مار کا بازار گرم رکھا اور دوسرے ہاتھ سے ملک گیری کی مہم ایسی کامیابی سے چلائی، کہ 1853ء میں اس کا تجارتی کاروبار قانونی طور پر بند ہوگیا اور برصغیر پر انگریزوں کی باقاعدہ حکمرانی کا دور شروع ہوگیا۔ نئے سامراجی تقاضوں کے پیش نظر سب سے پہلے آئی۔سی۔ایس کی داغ بیل ڈالی گئی اور لارڈ میکالے کی قیادت میں اس سروس کی باضابطہ منظم کیا گیا۔ اب اس میں داخلہ صرف مقابلے کے امتحان کے ذریعہ ہونے لگا۔ آئی۔سی۔ایس کا پہلا امتحان لندن 1855ء میں منعقد ہوا۔ 1864ء میں پہلا ہندوستانی اس امتحان میں کامیاب ہوا۔ 1871ء میں ان کی تعداد چار ہوگئی۔ اگلے چالیس پچاس برس تک اس سروس میں جتنے ہندوستانی داخل ہوئے، وہ زیادہ تر ہندو ہی تھے۔

یہ وہ زمانہ تھا، جب اس برصغیر میں مسلمانوں پر تعلیم و ترقی کے سبھی دروازے بند کردیئے گئے تھے۔ لارڈ میکالے کا فتویٰ تھا کہ یہاں پر جو نظم تعلیم رائج کیا جائے وہ ایسے انسانی پیدا کرے جو رنگت میں تو بیشک ہندوستانی ہوں، لیکن چال ڈھال، فہم و فراست، ذوق و مذاق، اخلاق و اطوار اور ذہنی اعتبار سے انگریز ہوں۔ اس پالیسی کے تحت جب فارسی کی جگہ انگریزی کو سرکاری زبان بنا دیا گیا تو برصغیر ہزاروں مسلمان علماء و فضلا بہ یک نوک قلم غیر تعلیم یافتہ قرار دے دیئے گئے۔ اس فیصلے کا ہندوؤں نے بڑی گرمجوشی سے خیر مقدم کیا۔ اس لئے نہیں کہ انہیں انگریزی سے کوئی خاص محبت تھی، بلکہ صرف اس لئے کہ انہیں فارسی سے چڑ تھی۔ کیونکہ اس زبان کا رابطہ مسلمان سے تھا۔

یوں بھی 1857ء میں سلطنت مغلیہ کا آخری چراغ گل ہوگیا، تو انگریزوں اور ہندوؤں کی ایک مشترکہ کوشش یہ تھی کہ اس برصغیر میں ہر اس امکان کو ختم کردیا جائے جس میں مسلمانوں کے دوبارہ سر اٹھانے کا ذرا سا شائبہ بھی موجود ہو۔ یہاں پر مسلمان ہی ایک ایسی قوم تھی جس میں حکومت کرنے کی صلاحیت بھی تھی، روایت بھی تھی اور ہزار سالہ تجربہ بھی حاصل تھا۔ چنانچہ اس قوم کا سر کچلنا دونوں کا فرض منصبی قرار پایا۔

اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے انگریزوں نے سب سے پہلے اقتصادی طور پر ہندوؤں کو آگے بڑھانے اور تعلیمی طور پر مسلمانوں کو پیچھے دھکیلنے کی پالیسی کو عملی جامہ پہنانا شروع کیا۔ یہ تجربہ بڑا کامیاب رہا۔ حکومت انگلینڈ نے نظام تعلیم کو سیکولر بنا کر اسے براہ راست سرکاری سرپرستی میں لے لیا۔ اس طرح مسلمانوں کے تہذیبی، تمدنی اور علمی گھواروں کا رشتہ اس نظام تعلیم سے

Marfat.com

بالکل منقطع ہوگیا۔ اسلامی مدرسے اور دارالعلوم تو حکومت کی سرپرستی سے محروم ہو کر اپنے اپنے خود حفاظتی خول میں چلے گئے، لیکن کرسچین مشنری سکولوں کی تعداد روز بروز بڑی تیزی سے بڑھنے لگی۔ مسلمان طلبہ گورنمنٹ سکولوں میں داخل ہونے سے بڑے طویل عرصہ تک ہچکچاتے رہے۔ اس کی تین وجوہات تھیں۔ ایک تو انگریزوں کا رویہ مسلمانوں کی طرف ویسا ہی تھا جیسا کہ فاتح کا مفتوح کی طرف ہوتا ہے۔ اس لئے مسلمان قدرتی طور پر ان اداروں میں جانے سے استنکاف محسوس کرتے تھے، جو غالب قوم نے خاص اپنے اغراض و مقاصد کے لئے قائم کئے تھے۔ دوسرے، گورنمنٹ سکولوں میں دینی تعلیم پر مکمل پابندی تھی۔ یہ بات مسلمانوں کے لئے ناقابل فہم تھی۔ مسلمانوں کی پوری تاریخ اس بات کی شاہد تھی کہ دین کے بغیر تعلیم کا کوئی نظام نہ مکمل ہوسکتا ہے نہ قابل قبول۔ چنانچہ انگریزوں کا یہ اقدام مسلمانوں کی نظر میں شکوک و شبہات سے اٹااٹ بھرا ہوا تھا۔ تیسری وجہ یہ تھی، کہ مسلمانوں کے سیاسی زوال سے شہ پا کر اس زمانے میں عیسائی مشنریوں نے بھی برصغیر پر یورش شروع کر دی اور وہ بڑی شدت سے مسیحیت کی تبلیغ میں مصروف ہوگئے۔ یہ پادری جگہ جگہ مسلمان علماء کو مناظرے کا چیلنج دیتے تھے۔ مناظرے اکثر گورنمنٹ اسکولوں کی گراؤنڈ میں منعقد ہوتے تھے۔ مقامی انگریز افسر شامیانوں کا بندوبست کرتے تھے اور ہر ممکن طریقے سے پادریوں کی پشت پناہی کا سامان بھی کرتے تھے۔ اس سے مسلمانوں کے ذہن میں یہ شبہ اور بھی پختہ ہوگیا، کہ گورنمنٹ سکولوں، انگریز افسروں اور مسیحی پادریوں کے درمیان مسلمانوں کے خلاف ضرور کوئی گٹھ جوڑ ہے اور مسلمانوں کا سیاسی زور توڑنے کے بعد اب یہ لوگ سرکاری نظام تعلیم کے پردے میں ان کے دین کے درپے ہو رہے ہیں۔ چنانچہ مسلمانوں کے دینی تعلیمی ادارے اور حکومت کے سرکاری اسکول الگ الگ متوازی خطوط پر چلنے لگے۔ آزادی کے بعد بھی یہ سلسلہ اب تک کسی نہ کسی صورت میں جاری ہے۔

اس صورتحال کا نتیجہ یہ تھا کہ 81-1880ء میں سارے برصغیر انگریزی ہائی سکولوں میں 36686 ہندو اور صرف 363 مسلمان طلبہ پڑھتے تھے۔ اسی طرح اس سال پورے ہندوستان میں 3155 ہندو اور فقط 75 مسلمان گریجویٹ تھے۔ قدرتی طور پر ملک کے انتظامی اور معاشی نظام میں بھی ہندوؤں کا تناسب اسی لحاظ سے تھا۔

مسلمانوں کی پسماندگی کے اس جمود کو سرسید احمد خاں کی تحریک علیگڑھ نے بڑے مؤثر طور پر توڑا۔ 1922ء میں جب آئی۔سی۔ایس کے مقابلے کا امتحان لندن اور دہلی میں بہ یک وقت منعقد ہونے لگا تو اس سروس سے مسلمانوں کی تعداد میں بھی اضافہ شروع ہوگیا۔

1940ء میں آئی۔سی۔ایس میں داخل ہوا تو میرا گروپ 30 افراد پر مشتمل تھا۔ ان میں سے 19 کا انتخاب لندن میں اور 11 کا دہلی میں ہوا تھا۔ گروپ میں 15 انگریز، 12 ہندو اور 3 مسلمان تھے۔ دوسری جنگ عظیم کی وجہ سے لندن میں ٹریننگ کے راستے بند تھے، اس لئے ہماری ٹریننگ کا کیمپ دہرہ دون میں کھولا گیا۔

پوسٹنگ

اس کی ٹریننگ کے بعد میری پوسٹنگ صوبہ بہار کے شہر بھاگلپور کر دی گئی اس کے بعد S.D.O بن گیا پھر میرا تبادلہ کر

Marfat.com

دیا اور پھر کچھ دن بعد میری خدمات عارضی طور پر بنگال کی صوبائی حکومت کے سپرد کر دی گئی۔ اور میری پوسٹنگ تملوک کر دی گئی۔ سیلاب سے گھرے ہوئے علاقے میں ایک گودام تھا جس میں آٹھ ہزار من دھان بوروں میں بند پڑا تھا۔ میں نے تار پر تار دے کر صوبائی حکومت سے درخواست کی کہ اس گودام سے کچھ غلہ متاثرہ آبادی میں تقسیم کرنے کی اجازت عطا فرمائی جائے۔ لیکن وہاں سے کوئی جواب نہ آنا تھا نہ آیا۔ ایک روز گودام کے آس پاس تین بچوں اور دو عورتوں کی لاشیں پائی گئیں۔ اب مزید انتظار فضول ہی نہیں بلکہ مجرمانہ غفلت کے مترادف تھا۔ چنانچہ میں نے کانگریس، مسلم لیگ اور فارورڈ بلاک سے ایک ایک نمائندہ چن کر پولیس کی سرکردگی میں گودام کا تالہ تڑوا دیا اور آدھا دھان ان کے حوالے کر دیا۔ اس کمیٹی نے بڑی محنت اور ایمانداری سے یہ غلہ سیلاب زدہ دیہات کے مستحق لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ میں نے اس کمیٹی میں ہندو مہاسبھا کا نمائندہ جان بوجھ کر شامل نہیں کیا تھا۔ اس پر مہاسبھا لیڈی ڈاکٹر شیام پرشاد مکرجی نے کلکتہ کے اخباروں میں میرے خلاف بڑے سخت بیان دیئے۔ Procurement Agent کے وکیل نے مدناپور کی سول کورٹ میں میرے خلاف کئی لاکھ روپے ہرجانہ کا دعویٰ دائر کر دیا۔ بنگال کے چیف سیکریٹری نے ایک بے حد روکھے سے خط میں مجھے صوبائی حکومت کی بے اطمینانی، ناپسندیدگی اور خفگی سے آگاہ کیا اور میری خدمات صوبہ بہار کو واپس کر دیں۔ بہار کے چیف سیکریٹری نے ایک اسی قدر روکھی ٹیلیگرام کے ذریعہ غالباً سزا کے طور پر میرا تبادلہ اڑیسہ کر دیا۔

مدناپور کے سپرنٹنڈنٹ پولیس کے زیر اہتمام تملوک سے میری روانگی راتوں رات کچھ اس طرح بصیغۂ راز عمل میں آئی جیسے کچھ عرصہ قبل لارڈ ویول نے خفیہ طور پر ننڈی پروگرام کا دورہ کیا تھا اگلی صبح مسلم لیگ، کانگریس اور فارورڈ بلاک کے والنٹیر اپنے پروگرام کے مطابق ایس۔ ڈی۔ او کی کوٹھی پر میرے تبادلے کے خلاف احتجاجی پکٹنگ کرنے جمع ہو گئے تھے۔ مجھے غیر موجود پا کر وہ مشتعل ہو گئے اور انہوں نے گھر پر حملہ کر دیا۔ میرے سامان میں جو اشیاء پولیس والوں کو پسند آئیں، وہ انہوں نے حملہ آوروں کے نام لگا کر اپنے پاس چن چن کر رکھ لیں اور بچا کھچا اسباب کچھ دنوں کے بعد میرے پاس اڑیسہ روانہ کر دیا۔

کٹک پہنچ کر میں نے اڑیسہ کے چیف سیکریٹری مسٹر آر۔ ڈبلیو۔ ولیمز کو اپنی آمد کی اطلاع دی تو وہ کچھ سوچ میں پڑ گیا۔ غالباً اسے تردّد تھا کہ جنگ کے زمانے میں خوراک کے ذخیرے کا تالا توڑ کر چار ہزار من دھان بھوکے لوگوں میں مفت تقسیم کرنے والے ایس۔ ڈی۔ او کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ چند روز کی ہیض بیض کے بعد آخر مسٹر ولیمز نے میرے ساتھ وہی سلوک کیا جو اس زمانے میں ایک آئی۔ سی۔ ایس کے ساتھ کرتا تھا اور میری پوسٹنگ برہام پور گنجم کے ایس۔ ڈی۔ او اور ساور ایجنسی کے سب ایجنٹ ٹو گورنر کے طور پر ہو گئی۔ پاکستان کا مطلب کیا۔

بھارت کے عزائم اور پاکستان بننے کی کہانی (پاکستان کا مطلب کیا)

اڑیسہ سیکریٹریٹ میں ہوم ڈپارٹمنٹ کے ڈپٹی سیکریٹری کی حیثیت سے پاسپورٹ جاری کرنے کا کام میری تحویل میں تھا۔ ایک روز میں دفتر سے گھر واپس آیا، تو ادھیڑ عمر کے ایک صاحب برآمدے میں بیٹھے میرا انتظار کر رہے تھے۔

Marfat.com

سہروردی صاحب بنگال کے چیف منسٹر تھے اور وہ ان کا خط لے کر مجھے ملنے آئے تھے۔ان کا اصلی نام تو کچھ اور تھا لیکن سہروردی صاحب نے انہیں حامد علی کے نام سے موسوم کیا تھا۔

اپنے خط میں سہروردی صاحب نے لکھا تھا کہ مسٹر حامد علی کلکتہ میں مسلم لیگ کے ایک انڈر گراؤنڈ ورکر ہیں،اور ہندو مسلم فسادات میں مسلمانوں کے تحفظ کے لئے نہایت اہم فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔اب قائداعظم کی اجازت سے انہیں فوری طور پر خفیہ مشن پر مصر بھیجنا مقصود ہے،لیکن پاسپورٹ کی مشکل درپیش ہے،کیونکہ مسٹر حامد علی کا نام حکومت کی بلیک لسٹ میں درج ہے۔تملوک میں میرے چاول کا گودام توڑنے کی طرف مزاحاً اشارہ کر کے سہروردی صاحب نے لکھا تھا:''مجھے معلوم ہے کہ غیر قانونی حرکات کا تمہیں عملی تجربہ حاصل ہے،اس لئے میں حامد علی کو تمہارے پاس بغیر کسی معذرت کے بھیج رہا ہوں۔

میں نے اس سہ ماہی کی آل انڈیا سول لسٹ اٹھا کر دیکھی تو اس بات پر حیرت ہوئی کہ اس وقت ہندوستان بھر میں اڑیسہ ہی کا سیکریٹریٹ تھا جس میں ایک مسلمان ڈپٹی سیکریٹری کے پاس پاسپورٹ جاری کرنے کا پورا اختیار تھا۔اس انوکھے حسن اتفاق سے فائدہ اٹھا کر اگلے روز میں نے مسٹر حامد علی کا پاسپورٹ بنا کر اس کے حوالے کیا اور سہروردی صاحب کے نام صرف اتنا پیغام لکھ بھیجا کہ''Order Obeyed, Law Broken''اس فقرے میں کلکتہ کے بنگالی اخبار''امرت بازار پتریکا''کے ایک ایڈیٹوریل کی طرف اشارہ تھا جس میں مسٹر سہروردی پر یہ پھبتی کسی گئی تھی کہ ہندو مسلم فسادات میں بنگال کے چیف منسٹر کا فرض منصبی اِشارہ گیا ہے کہ مسلمان بے روک ٹوک قانون شکنی کرتے رہیں،پولیس بے چون چراں،وزیراعلیٰ کا حکم مانتی رہے اور ہندو بے دریغ قتل ہوتے رہیں۔

مسٹر حامد علی جتنا وقت پاسپورٹ بنوانے کی خاطر کٹک میں ٹھہرے،انکے منہ سے بار بار بس ایک ہی بات نکلتی تھی۔وہ یہ کہ ہندوستان بھر میں کانگریس،ہندو مہاسبھا،راشٹریہ سیوک سنگ،اکالی دل اور کئی دوسرے ہندو اور سکھ اداروں کی سرپرستی میں بڑے وسیع پیمانے پر مہلک ہتھیار جمع کئے جارہے ہیں جو یقیناً نہتے مسلمانوں کے خلاف استعمال کئے جائیں گے۔ان ہتھیاروں کی فراہمی کے لئے بہت سے ہندو اور سکھ راجے مہاراجے بڑی فراخدلی سے چندہ دے رہے ہیں۔ان میں مہاراجہ کا نام سرفہرست ہے۔پہلے تو مجھے شبہ ہوا کہ مسٹر حامد علی جذبات کی رو میں بہہ کر مبالغہ سے کام لے رہے ہیں،لیکن بہت جلد مجھے اس بات کا بین ثبوت مل گیا،کہ آل انڈیا کانگریس جیسی بزعم خود نیشنلسٹ سیاسی جماعت بھی مسلمانوں کے خلاف منصوبہ بندی میں بری طرح ملوث ہے۔

اڑیسہ کے چیف منسٹر شری ہری کرشن مہتاب کانگریس کی ورکنگ کمیٹی کے ممبر بھی تھے۔ایک بار دہلی سے وہ کانگریس کی کسی میٹنگ سے واپس آئے تو اپنے معمول کے مطابق انہوں نے کاغذات کی کالی صندوقچی میرے حوالے کردی۔ہمارا طریق کار یہ تھا کہ سیاسی کاغذات چھانٹ کر میں ان کے پرسنل پرائیویٹ سیکریٹری کے سپرد کردیتا تھا اور سرکاری کاغذات متعلقہ محکموں کو بھیج دیتا تھا۔ ان کا پرسنل پرائیویٹ سیکریٹری بڑا متعصب ہندو تھا۔وہ اکثر اس بات پر سر پیٹتا تھا کہ مہتاب صاحب کے سیاسی کاغذات میرے ہاتھ سے کیوں گزرتے ہیں۔چند بار اس نے چیف منسٹر کے پاس اس طریق کار کے خلاف بڑا سخت احتجاج

Marfat.com

بھی کیا، لیکن مہتاب صاحب نے کبھی سنجیدگی سے اس کی باتوں پر کان نہ دھرا۔ جب کبھی میں سیاسی نوعیت کے کاغذات کا پلندا پرسنل پرائیویٹ سیکریٹری کے حوالے کرتا تھا تو وہ ماتھے پر ہاتھ مار مار کر بڑی فوں فاں کیا کرتا تھا۔ "گجب ہو گیا" گجب ہو گیا۔ اپن نے تو سینٹ سینٹ کر ایک ایک کاگج جرور پڑھ لیا ہوگا۔ اپن نے تو ایک ایک کاگج کی نقل بھی رکھ لی ہوگی۔ بڑے گجب کی بات ہے۔ مہتاب جی کی بدھی تو بالکل ماری گئی ہے"۔

میں نے جو اس چیف منسٹر کے کاغذات کا جائزہ لیا تو ان میں ایک عجیب دستاویز ہاتھ آئی۔ یہ چھ سات صفحات کا سائکلوسٹائلڈ انتہائی خفیہ (Top Secret) حکم نامہ تھا، جو کانگرسی چیف منسٹروں کے نام اس ہدایات کے ساتھ جاری کیا گیا کہ ہر چیف منسٹر اسے اپنی ذاتی تحویل میں رکھے۔ اس میں لکھا تھا کہ تقسیم ہند کا معاملہ تقریباً طے پا چکا ہے۔ اس لئے جن صوبوں میں کانگریس کی وزارتیں قائم ہیں، وہاں مسلمان افسروں کو کلیدی عہدوں سے تبدیل کر دیا جائے خاص طور پر ہوم ڈپارٹمنٹ، فنانس ڈپارٹمنٹ میں پریس ڈپارٹمنٹ با اعتماد ہندو افسروں کو تعینات کیا جائے۔ ڈی۔ سی۔ آئی۔ جی اور ایس پی عموماً ہندو ہوں، تھانوں کے انچارج بھی زیادہ سے زیادہ ہندو ہوں، محکمہ پولیس اور ضلعی انتظامیہ میں مسلمانوں کو فیلڈ ورک سے ہٹا کر بے ضرر قسم کے دفتری کام کاج پر لگا دیا جائے۔ پولیس کی نفری میں مسلمان سپاہیوں کو بتدریج غیر مسلح کر کے پولیس لائن اور تھانوں کے اندر معمولی فرائض پر لگا دیا جائے۔ جن صوبوں میں سرحدی مسلمانوں سے بھرتی شدہ ماؤنٹڈ ملٹری پولیس ہے، اسے فوراً توڑا جائے اور افسروں اور نفری کو اختتام ملازمت کی حفاظت رقم یکمشت ادا کر کے رخصت کر دیا جائے۔ سرکاری خزانوں، اسلحہ خانوں اور مال کے ریکارڈ آفسوں کی حفاظت کے لئے ہندو گارڈ تعینات کئے جائیں۔ اسلحہ رکھنے والے مسلمان لائسنس ہولڈرز کی نقل و حرکت کی نگرانی کی جائے۔ ایسے ہنگامی منصوبے تیار رکھے جائیں جن کے تحت ان لائسنس داروں سے قلیل ترین نوٹس پر ہر قسم کا اسلحہ تھانے میں جمع کروا دیا جائے۔ کاروں، بسوں، ٹیکسیوں اور ٹرکوں کے مسلمان مالکوں کی فہرستوں بنا کر ان کڑی نظر رکھی جائے۔ مسلمان آتش بازوں کے لائسنس معطل کر دیئے جائیں اور ان کا آتش گیر سٹاک فوری طور پر پولیس کی حفاظت میں لے لیا جائے۔ وغیرہ وغیرہ۔ ہر چیف منسٹر کو نہایت سخت تاکید کی گئی تھی کہ وہ ان ہدایات پر ایسی خوش اسلوبی سے عمل درآمد کرے کہ اس سے آبادی کے کسی فرقے کے خلاف کسی قسم کے امتیازی سلوک کا پہلو مترشح نہ ہو! بغل میں چھری اور منہ میں رام رام کا اس سے بہتر ظہور چشم تصور میں لانا محال ہے

یہ حکم نامہ پڑھ کر مجھے شدید ذہنی دھچکا لگا۔ مہاتما گاندھی کے نام نہاد بے تعصبی کی لنگوٹی باد مخالف کے جھونکوں میں اڑ کر دور جا پڑی اور وہ اپنے اصلی رنگ و روغن میں بالکل برہنہ ہو گئے۔ اہنسا پرم دھرم کے اس جھوٹے پجاری کے اشاروں پر ناچنے والی انڈین نیشنل کانگریس کے عزائم مسلمانوں کے خلاف اتنے ہی خطرناک اور سنگین نکلے جتنے کہ ہندو مہاسبھا یا راشٹریہ سیوک سنگ کے سمجھے جاتے تھے بلکہ کانگرس کے سازشانہ منصوبے دوسری فرقہ وارانہ جماعتوں سے بھی زیادہ پرخطر اور ہولناک تھے، کیونکہ ہندوستان کے کئی صوبوں میں کانگرس کی حکومت تھی اور مرکز کی عبوری گورنمنٹ میں چودہ میں سے چھ کانگریسی اور دو مزید غیر مسلم وزیر تھے۔ فوج کا محکمہ سردار بلدیو سنگھ کے قبضے میں تھا اور سارے ہندوستان کی پولیس، سی۔ آئی۔ ڈی، ریڈیو اور دیگر

Marfat.com

ذرائع ابلاغ کی مشین سردار ولبھ بھائی پٹیل کے متعصبانہ ہاتھوں میں تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کانگریس اپنی قوت کے تمام وسائل مسلمانوں کا سر کچلنے کے لئے ہر طرح کے کیل کانٹے سے لیس ہو رہی تھی۔

یہ دستاویز پڑھ کر تھوڑی دیر میرے دل میں ایک عجیب سی کشمکش ہوتی رہی۔ ڈپٹی ہوم سیکریٹری کا پیشہ وارانہ ضمیر میرے اندر چھپے ہوئے بے عمل، ناقص اور خوابیدہ سے مسلمان کے ضمیر کے ساتھ ٹکرا گیا۔ خدا کا شکر ہے کہ تھوڑی سی لڑائی کے بعد جیت ٹوٹے پھوٹے مسلمان کی ہوئی، چنانچہ میں نے یہ دستاویز اٹھا کر اپنی جیب میں ڈال لیا اور اسی رات قائداعظم سے ملاقات کرنے کی نیت سے دہلی روانہ ہو گیا۔

ان دنوں مسٹر کے۔ ایچ۔ خورشید قائداعظم کے پرائیویٹ سیکریٹری تھے۔ اگر وہ دہلی میں موجود ہوتے تو غالباً مجھے قائداعظم سے ملنے میں کوئی دقت پیش نہ آتی، لیکن وہ موجود نہ تھے۔ ایک دو روز تک، منت سماجت اور حیلے بہانوں کے بعد آخر بڑی مشکل سے مجھے قائداعظم تک رسائی حاصل ہوئی۔ جب میں ان کے کمرے میں داخل ہوا تو وہ کچھ لکھنے میں مصروف تھے۔ فارغ ہو کر ایک نظر مجھ پر ڈالی اور گرجدار آواز میں بولے ''کیا بات ہے؟''

''سر'' میں آپ کے لئے ایک مفید دستاویز لے کر آیا ہوں۔ میرا نام قدرت اللہ شہاب ہے۔ میں اڑیسہ میں ڈپٹی ہوم سیکریٹری ہوں۔ میں نے ایک ہی سانس میں زیادہ سے زیادہ باتیں کہنے کی کوشش کی۔

''کیسی دستاویز؟''

میں نے آگے بڑھ کر کانگریس کا سرکلر ان کی خدمت میں پیش کر دیا۔ وہ بڑے سکون سے اسے پڑھتے رہے۔ میں کھڑا ہوا ان کے چہرے کا جائزہ لیتا رہا۔ ان کے جذبات میں ہلکا سا ارتعاش بھی پیدا نہ ہوا۔ ایک بار پڑھ چکے تو مجھے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور فرمایا ''ہاں یہ ہمارے لئے مفید ہو سکتی ہے''۔ یہ کہہ کر وہ دوبارہ اس کے مطالعے میں مصروف ہو گئے۔ اس کے بعد مجھ سے دریافت کیا ''یہ تم نے کہاں سے حاصل کی؟''

میں فر فر ساری بات کہہ سنائی۔

''ویل ویل۔۔۔۔ تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا'' This is Breach of Trust ''میں نے اپنا قومی فرض پورا کرنے کے لئے موضوع پر تقریر کرنے کی کوشش کی تو قائداعظم نے مجھے کسی قدر سختی سے ٹوک دیا اور فرمایا:

"Don't you see each copy is numbered? Its disappearance would be easily tracked down to you. Are you prepared to face the consquences".

میں نے بڑے اعتماد سے جواب دیا: "Yes Sir, I am fully prepared"

''کیا میں اسے اپنے پاس رکھ سکتا ہوں؟ قائداعظم نے دستاویز کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''جی ہاں سر، یہ میں آپ کے لئے ہی لایا ہوں''

''آل رائٹ تم جا سکتے ہو، قائداعظم نے حکم دیا۔

Marfat.com

میں دروازے سے باہر نکلنے لگا تو قائداعظم نے بلند آواز سے پکار کر پوچھا۔ ''تم نے اپنا نام کیا بتایا تھا؟''

''قدرت اللہ شہاب''

''بوائے دوبارہ ایسی حرکت نہ کرنا''۔ قائداعظم نے فرمایا۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس وقت ان کے چہرے پر کوئی مسکراہٹ تھی یا نہیں تھی، لیکن ان کے لہجے میں مجھے شفقت کا ہلکا سا گداز ضرور محسوس ہوا۔

یہ اپریل 1947ء کی بات ہے۔ اس وقت ہندوستان کی بساط سیاست پر مسلمانوں کے خلاف جو خطرناک چالیں چلی جا رہی تھیں ان کا پس منظر بڑا سبق آموز تھا۔

جب سے لاہور 1940ء کا پاکستان ریزولیشن منظور ہوا تھا، اسی وقت سے گاندھی جی لنگر لنگوٹ کس کر اسے ناکام بنانے کے لئے میدان عمل میں اترے ہوئے تھے۔ 1942ء میں جب برطانیہ کو جرمنی اور جاپان کے ہاتھوں چاروں طرف شکست پر شکست نصیب ہو رہی تھی تو انہوں نے منجھے ہوئے سیاس جواری کی طرح حالات کو آنک تول کر اپنا پانسہ پھینکا، اور مسلمانوں کو اعتماد میں لئے بغیر ''ہندوستان چھوڑ دو'' (Quit India) تحریک کا کھڑاگ کھڑا کر دیا۔ جب یہ پوچھا جاتا تھا کہ اگر انگریز واقعی چلے جائیں تو ہندوستان کس کے حوالے کر کے جائیں گے؟ تو گاندھی جی کے چیلے چانٹوں کا جواب بڑا جازم اور غیر مبہم ہوتا تھا:

"To God or to Anarchy" طوائف الملوکی کی صورت میں پو بارہ اکثریت ہی کی تھی اور برصغیر میں اکثریت ہندو قوم کی تھی۔

ڈیڑھ دو برس بعد جب جنگ عظیم کا پانسہ پلٹنا شروع ہوا اور برطانیہ کا پلہ بھاری دکھائی دینے لگا تو گاندھی جی نے بھی پینترا بدلا۔ جس وقت برطانیہ شکست کھا رہا تھا، گاندھی جی جنگ کے بائیکاٹ کا پرچار اس اصول کی بناء کر رہے تھے کہ جنگ و جدال اہنسا پرم دھرم کے منافی ہے، لیکن لڑائی کا نقشہ بدلتے ہوئے اہنسا کا اصول بھی موم کی ناک کی طرح مڑ گیا۔ اب گاندھی نے برٹش حکومت کو یہ پیشکش کی کہ اگر ہندوستان کی آزادی کا اعلان کر کے اقتدار فوراً منتقل کر دیا جائے تو جنگ کے ہر شعبے میں برطانیہ کے ساتھ پورا پورا تعاون کیا جائے گا۔ مہاتما گاندھی کے سیاسی دین میں اہنسا کے اصول کو مصلحتوں کی بے حد لچک حاصل تھی۔ جب جی چاہا ہارتے ہوئے انگریز کے خلاف جنگی بائیکاٹ کے لئے استعمال کر لیا اور جونہی حالات بدلے، جیتتے ہوئے انگریز کے ساتھ جنگی تعاون کے لئے کام میں لے آئے۔ امور ریاست اور سیاست میں ریاکاری کو فنون لطیفہ کا درجہ دینے والے کوٹلیا کا ارتھ شاستر بھی گاندھی جی کے عملی ہتھکنڈوں کے سامنے بازیچہ اطفال نظر آتا ہے۔

جنگ ختم ہوتے ہی انگلستان میں لیبر پارٹی برسر اقتدار آ گئی۔ اس پارٹی کے ساتھ کانگرس کے گہرے تعلقات تھے۔ اس صورتحال سے فائدہ اٹھا کر گاندھی جی نے گرگٹ کی طرح ایک اور رنگ بدلا۔ اب انہوں نے برملا یہ رٹ لگانی شروع کر دی کہ انگریزوں کے بعد ہندوستان میں سیاسی اقتدار کی وارث صرف آل انڈیا کانگریس ہے۔ جہاں تک مسلم لیگ کا تعلق ہے، اقتدار حاصل کرنے کے بعد کانگریس خود اسے نپٹ لے گی۔ اہنسا پرم دھرم کا یہ دیرینہ پجاری اب باضابطہ تلوار سونت کر

Marfat.com

میدان جنگ میں اترنے کی دھمکیاں دے رہا تھا۔

مطالبہ پاکستان کے متعلق گاندھی جی کا موقف یہ تھا کہ ہندوستان ایک اٹوٹ اور ناقابل تقسیم اکائی ہے۔ اس کو تقسیم کرنے کی کوشش گئو ماتا کا جسم کاٹنے کے مترادف ہے۔ جراحی کا یہ عمل بھارت ماتا پر کرنے سے پہلے ان کی اپنی لاش پر کرنا ہوگا۔

اس پس منظر میں برطانوی کیبنٹ مشن آزادی ہند کی گتھی سلجھانے مارچ 1946ء میں ہندوستان وارد ہوا۔ مشن میں لارڈ پیتھک لارنش، سر سٹیفورڈ کرپس اور مسٹر اے۔ وی۔ الیگزینڈر شامل تھے۔

رجحان طبع اور میلان خاطر کے لحاظ سے لارڈ پیتھک لارنس گاندھی جی کی مہاتمائی کے اسیر تھے۔ وہ گاندھی جی کو مشرقی دانائی اور روحانیت کا منبع سمجھتے تھے اور ان دونوں کا آپس میں گرو اور چیلے کا سا تعلق تھا۔

مشن کے سب سے زیادہ تیز، طرار اور فعال ممبر سر سٹیفورڈ کرپس تھے۔ پنڈت نہرو کے ان کے ساتھ گہرے مراسم تھے۔ مشن کی بیشتر اہم تجاویز پنڈت نہرو اور گاندھی جی کے خفیہ مشورے کے بعد مرتب کی جاتی تھیں۔ اس مقصد کے لئے سر سٹیفورڈ کرپس اپنے ایک ذاتی دوست سدھیر گھوش کو دلال کے طور پر استعمال کرتے تھے۔

مشن کے تیسرے ممبر اے۔ ڈی۔ وی۔ الیگزینڈر کو کانگریسی لیڈروں کے ساتھ کسی قسم کی ذہنی یا جذباتی وابستگی تو نہ تھی، لیکن ان کو یہ وہم لاحق تھا کہ کانگرس کے ''مرد آہن'' ولبھ بھائی پٹیل کی خوشنودی حاصل کئے بغیر مستقبل میں آزاد ہندوستان اور انگلستان کے باہمی تعلقات خوشگوار نہیں رہ سکتے۔

اس ملی بھگت کے مقابلہ میں قائداعظم کی ذات یگانہ و تنہا تھی۔ ان کا واحد ہتھیار ان کا ذاتی کردار تھا جس کا ایک نمایاں جوہر ان کی سیاسی بصیرت تھی، لیکن اس سے بھی بڑا جوہر ان کی کامل ثابت قدمی اور دیانت داری تھی جسے نہ خوف دبا سکتا تھا اور نہ خوشامد ڈگمگا سکتی تھی، نہ لالچ خرید سکتا تھا۔

جب کیبنٹ مشن ہندوستان آرہا تھا تو وزیراعظم کلیمنٹ اٹیلی نے اپنے بیان میں یہ اعلان کیا تھا کہ ہندوستان میں اقلیتوں کے حقوق کا ہمیں خیال ہے لیکن ہم یہ اجازت نہیں دے سکتے کہ کوئی اقلیت اکثریت کے حقوق پر کسی قسم کا ویٹو استعمال کر سکے۔

اس اعلان پر کانگرس نے بڑی بغلیں بجائیں۔ مسلم لیگ کے لئے یہ ایک طرح کی وارننگ تھی کہ وہ کانگرس کے عزائم میں زیادہ روڑے اٹکانے کی کوشش نہ کرے۔ قائداعظم نے اس دھمکی کا بڑا خوبصورت جواب دیا۔ انہوں نے کہا کہ یہ تو وہی بات ہوئی کہ ایک مکڑی اپنا جالا بن کر تیار کرے اور پھر مکھی کو مدعو کرے کہ وہ تشریف لائے اور جالے میں آکر پھنس جائے۔ اب اگر مکھی اس دعوت کو قبول نہیں کرتی، تو وزیراعظم اٹیلی کے الفاظ میں یہی کہا جائے گا کہ مکھی مکڑی کے خلاف ویٹو استعمال کر رہی ہے۔

کیبنٹ مشن ہندوستان میں تین ماہ کے قریب رہا۔ اس عرصے کی داستان انگریزوں اور ہندوؤں کی سیاسی چیرہ دستیوں، منافقوں، ریاکاریوں، دروغ باغیوں اور فریب سازیوں کی عجیب و غریب بھول بھلیاں ہے۔ کانگرس نے اپنا دام تزویر

Marfat.com

قدم قدم پر بچھا رکھا تھا اور برٹش حکومت کے نمائندے مسلم لیگ کو گھر گھار کر اسے اس میں پھنسانے کے لئے طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال کر رہے تھے۔ قائداعظم نے ان سب کا مقابلہ بڑی بے لاگ راست بازی اور ثابت قدمی سے کیا۔ کیبنٹ مشن کا فیصلہ یہ تھا کہ برصغیر کو پاکستان اور بھارت کے دو الگ الگ اور خودمختار حصوں میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے برعکس انہوں نے یہ تجویز پیش کی کہ متحدہ ہندوستان میں امور خارجہ، دفاع اور ذرائع آمدورفت مرکزی حکومت کے اختیار میں ہوں گے۔ صوبوں کو تین گروپوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ ایک گروپ میں ہندو اکثریت کے صوبے ہوں گے۔ دوسرے گروپ میں پنجاب، سرحد، سندھ اور بلوچستان ہوں گے۔ تیسرے گروپ میں بنگال اور آسام کے صوبے ہوں گے۔ تین مرکزی شعبوں کو چھوڑ کو باقی سب امور میں ہر گروپ خودمختار ہوگا۔

اب متناقصانہ سیاست کاری کا ایک نیا منظر ظہور میں آیا۔ ایک الگ پاکستان کا مطالبہ کرنے والی مسلم لیگ نے تو یہ تجویز منظور کر لی، لیکن اکھنڈ بھارت کی رٹ لگانے والی کانگرس نے اسے مسترد کر دیا۔

مسلم لیگ کی طرف سے اس تجویز کی منظوری قائداعظم کی سیاسی بصیرت کا عملی شاہکار ہے۔ مطالبہ پاکستان رد ہو جانے کے بعد یہ تجویز بھاگتے چور کی سب سے اچھی لنگوٹی تھی۔ اس میں کم از کم یہ گارنٹی تو موجود تھی کہ صوبوں کی گروپ بندی کی وجہ سے ایک طرف پنجاب، سرحد، سندھ اور بلوچستان اور دوسری طرف بنگال اور آسام کے مسلمانوں کو اپنے معاملات میں بڑی حد تک ہندو مرکزیت کے اثر سے خودمختاری حاصل ہوگی۔ اس کے علاوہ قائداعظم ہندو ذہنیت سے بڑی اچھی طرح واقف تھے۔ شاید ان کے ذہن میں یہ خیال بھی ہو کہ جس وجہ سے مسلم لیگ اس فارمولے کو منظور کر رہی ہے، عین اسی وجہ سے کانگرس اسے مسترد بھی کر سکتی ہے اگر ایسا ہوا تو مطالبہ پاکستان قدرتی طور پر از سر نو بحال ہو جائے گا۔

کانگرس کی گنگا جمنی سیاست نے وہی کیا جس کی اس سے توقع تھی۔ ہندو قیادت اتنا بھی برداشت نہ کر سکی کہ کسی فارمولے میں مسلمانوں کو ان کے اکثریتی صوبوں میں بھی کسی قسم کا سیاسی اختیار حاصل ہوگا۔ گاندھی جی چراغ پا ہو گئے۔ پنڈت نہرو اور سدار ولبھ بھائی پٹیل نے کیبنٹ مشن پلان کی دھجیاں اڑا دیں۔ ہندو پریس نے شور و غوغا کر کے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ کیبنٹ مشن کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ انہوں نے کانگرسی لیڈروں کے ساتھ کچھ ظاہری اور کچھ خفیہ رابطے قائم کئے۔ کانگرس کے دباؤ میں آ کر مشن کے ممبروں نے اپنا تھوکا ہوا خود ہی چاٹنا شروع کر دیا اور کانگرس کے ایما پر خود اپنے ہی پلان میں انہوں نے ترمیم و تجدید اور غلط تعبیر، غلط تفسیر اور غلط استخراج کے ایسے ایسے پیوند لگانے شروع کر دیئے کہ اس کی شکل بدل گئی، اس کے معنی بگڑ گئے اور متحدہ ہندوستان میں مسلمانوں کے جمہوری حقوق مکمل طور پر ہندو آمریت کی بھینٹ چڑھ گئے۔ جس طور پر کانگرس نے اپنی تحریک چلائی، اس سے یہ محسوس ہوتا تھا کہ اس کا بنیادی مقصد انگریزی راج سے آزادی حاصل کرنا نہیں بلکہ مسلم لیگ کو شکست دینا ہے۔ کانگرس کی نظر میں ہندوستان کی آزادی اسی صورت میں قابل قبول تھی جبکہ مسلمانوں کو ہمیشہ کے لئے ہندوؤں کے زیر نگیں رکھنے کے لئے پہلے سے پورا پورا بندوبست کر لیا جائے۔

قائداعظم اپنا فرض پورا کر چکے تھے۔ کیبنٹ مشن کے پلان کو تسلیم کر کے انہوں نے پاکستان کا مطالبہ داؤ پر لگا دیا تھا،

Marfat.com

لیکن کانگرس کے خوف وخوشامد میں آ کر مشن نے جب اپنے پلان کی صورت خود ہی مسخ کر دی تو مجبوراً مسلم لیگ نے بھی اپنی منظوری واپس لے لی۔ اس طرح اکھنڈ بھارت کی آخری ہنڈیا کانگرس نے خود اپنے ہاتھوں اپنی مسلم کش پالیسیوں کے چوراہے میں پھوڑ دی۔ کانگرس کے بلیک میل کے آگے سر جھکا کر اور دُم ہلا کر خود اپنے ہی تیار کردہ پلان میں تحریک وتخریب کرنے والے کیبنٹ مشن نے بھی متحدہ ہندوستان کے تابوت میں آخری کیل گاڑ دی۔

چنانچہ قائداعظم نے اعلان کیا کہ ہم نے مفاہمت کی ہر کوشش، دلیل اور حجت کو کام میں لا کر دیکھ لیا ہے۔ اب یہ بات حتمی طور پر پایہ ثبوت تک پہنچ گئی کہ ان تمام مسائل کا واحد حل قیام پاکستان ہے۔ دوسروں سے مدد یا ہمدردی کی امید رکھنا بیکار ہے۔ ایسی کوئی عدالت نہیں جس کا دروازہ ہم انصاف حاصل کرنے کے لئے کھٹکھٹا سکیں۔ ہماری فقط ایک عدالت ہے۔ وہ مسلم قوم ہے۔ اب تک مسلم لیگ کی سیاست بڑی احتیاط سے آئینی حدود کے اندر رکھی جاتی تھی، لیکن اب وقت آ گیا تھا کہ انگریزوں کی موجودہ اور ہندوؤں کی مجوزہ غلامی سے نجات حاصل کرنے کے لئے سیاست کے اس اسلوب کو ترک کر دیا جائے، چنانچہ مسلم لیگ نے ''ڈائریکٹ ایکشن'' کا اعلان کیا اور 16 اگست 1946ء ''ڈائریکٹ ایکشن ڈے'' مقرر ہو گیا۔ ساتھ ہی تمام مسلمانوں سے اپیل کی گئی کہ وہ برٹش گورنمنٹ کے دیئے ہوئے خطابات واپس کر دیں۔

16 اگست کو ''ڈائریکٹ ایکشن ڈے'' ہر جگہ امن وامان سے گزر گیا، لیکن کلکتہ میں بڑا زبردست فسا ہو گیا۔ مسٹر حسین شہید سہروردی بنگال کے چیف منسٹر تھے۔ انہوں نے 16 اگست کو عام تعطیل کا دن قرار دے دیا۔ کانگریسی حلقے اس اعلان پر بڑے سیخ پا ہوئے۔ کلکتہ کی آبادی میں مسلمانوں کی 24 فیصد کے قریب تھی۔ 16 اگست کو وہ لاکھوں کی تعداد میں ''ڈائریکٹ ایکشن ڈے'' کے جلسے میں شریک ہوئے۔ مسٹر سہروردی نے بڑی ولولہ انگیز تقریر کی۔ جلسے کے بعد جب لوگ اپنے اپنے گھروں کو واپس جا رہے تھے تو شہر کے گلی کوچوں میں مسلح ہندوؤں نے اچانک ان پر قاتلانہ حملے شروع کر دیئے۔ جلسہ گاہ سے واپس آنے والے مسلمانوں کے خواب وخیال میں بھی نہ تھا کہ وہ اس طرح یکا یک ایک پہلے سے ٹھانی ہوئی سازش کا شکار ہو جائیں گے۔ وہ بالکل نہتے تھے۔ اس کے برعکس ہندوؤں کے جتھے ہر قسم کے مہلک ہتھیاروں سے لیس تھے۔ وہ جگہ جگہ گھات لگا کر بے خبر اور بے شان وگمان مسلمانوں کے انتظار میں بیٹھے تھے۔ تاریخ یہ کبھی نہ بتا سکے گی کہ اس روز کلکتہ کے گلی کوچوں، سڑکوں اور بازاروں میں کتنے مسلمان شہید ہوئے۔ ان کی تعداد سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں تھی۔ یہ قیامت صغریٰ کئی روز تک شہر کے طول وعرض میں برپا رہی۔ کلکتہ کے ہندو پہلے سے تیار بھی تھے، مسلح بھی تھے اور تعداد میں مسلمانوں سے تین گناہ زیادہ تھے، لیکن ہندو پریس یہی اودھم مچاتا رہا کہ زیادتی سراسر مسلمانوں کی ہے اور صوبے کے چیف منسٹر سہروردی ان کی خفیہ طور پر مدد کر رہے ہیں!

ہندوستان کے شہروں میں ہندو مسلم فساد کوئی نئی یا عجیب چیز نہیں تھی، لیکن جس پیمانے پر کلکتہ میں کشت وخون کا بازار گرم ہوا، اس نے سب کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ یہ دونوں فرقوں یا گروہوں کی لڑائی نہ تھی، بلکہ دراصل یہ دو قوموں کی جنگ تھی۔ برصغیر میں پہلی بار دوقومی نظریہ بساط سیاست سے نکل کر میدان کارزار میں اتر آیا تھا اور اس Great Calcutta Killing نے مستقبل کے نقشے پر بڑے گہرے او. دوررس اثرات مرتب کیے۔

Marfat.com

اس کا سب سے پہلا اثر عبوری حکومت کی تشکیل پر ہوا۔ کیبنٹ مشن کی سفارش کے مطابق وائسرائے ہند لارڈ ویول کانگرس، مسلم لیگ اور دوسری اقلیتوں کے نمائندوں پر مشتمل مرکزی کابینہ بنانے کی تگ ودو کر رہا تھا۔ یہاں پر بھی کانگرس کی یہی خواہش اور کوشش تھی کہ وائسرائے کانگرس کو عبوری حکومت میں شامل ہونے کی دعوت دے۔ اس کے بعد مسلم لیگ سمیت دوسری جماعتیں وائسرائے کی دعوت پر نہیں بلکہ کانگریس کے ساتھ اپنا اپنا معاملہ طے کر کے کابینہ میں شریک ہوں۔ مقصد یہ تھا کہ ہندوستان کی گدی پر بیٹھنے کا حق تو صرف کانگریس کو حاصل ہو۔ باقی جماعتیں اس کی خوشنودی حاصل کر کے محض طفیلیوں اور حاشیہ نشینوں کی حیثیت سے حکومت میں شامل ہوسکیں۔ لارڈ ویول اس چکمے میں آ گیا اور اس نے کانگرس کے نمائندوں کو عبوری حکومت میں شامل ہونے کی براہ راست دعوت دے دی۔ گاندھی جی کا نخلِ تمنا ایک دم سرسبز ہوگیا۔ جب کسی نے ان سے پوچھا کہ عبوری حکومت میں مسلم لیگ کی شمولیت کا کیا بنے گا، تو گاندھی جی نے خوشی سے چہک چہک کر جواب دیا کہ مسلم لیگ کو اب وائسرائے کے بجائے کانگرس کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ جناح صاحب کو چاہیئے کہ اس بارے میں وہ پنڈت نہرو سے انٹرویو مانگیں!

ابھی عبوری حکومت قائم نہیں ہوئی تھی، کہ کلکتہ کا ہولناک فساد برپا ہوگیا۔ فساد کے اثرات کا جائزہ لینے کے لئے لارڈ ویول نے کلکتہ کا دورہ کیا، تو اس کی آنکھیں کھل گئیں۔ وہ سپاہی پیشہ وائسرائے میدان جنگ کی نفسیات اور فن حرب کا تجربہ کار ماہر تھا۔ اس کے فوجی ذہن نے بڑی آسانی سے یہ اندازہ لگا لیا کہ کلکتہ میں ہندو مسلم فساد نہیں ہوا، بلکہ سول وار ہوئی ہے اور مسلمانوں کے جائز حقوق کو مزید پامال کیا گیا تو سارا برصغیر ایک خوفناک خانہ جنگی کی لپیٹ میں آ جائے گا۔

لارڈ ویول دیانت دار سپاہی اور باضمیر سیاست دان تھا۔ کلکتہ سے واپس آ کر اس نے اخلاقی جرأت سے کام لیا اور کانگریس سے مشورہ کئے بغیر مسلم لیگ کو عبوری حکومت میں شامل ہونے کی براہ راست دعوت دے دی۔

وائسرائے کے اس اقدام سے کانگرس کا سارا منصوبہ خاک میں مل گیا۔ انگریزوں کے سائے تلے ہندوستان پر اکیلے راج کرنے کا خواب ادھورا رہ گیا۔ اس وقت ہندوستان کے سول اور فوجی اداروں میں ہندوؤں کی اکثریت تھی۔ اگر عبوری حکومت کی باگ ڈور صرف کانگرس کے ہاتھ میں آ جاتی تو بلاشبہ اسے سارے ہندوستان پر رام راج کی راہ ہموار کرنے میں بڑی مدد ملتی۔ مسند اقتدار پر قبضہ کرنے کے بعد مسلم لیگ کو مستقل طور پر عبوری حکومت سے باہر رکھنا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ کانگرس کے ہاتھ میں ایسے جی حضوریے مسلمان موجود تھے جو بڑے شوق سے انٹیرم گورنمنٹ (عبوری حکومت) میں مسلم لیگی سیٹوں کی خانہ پری کرنے کے لئے تیار تھے۔ اس طرح مسلم لیگی سیاست کا بڑھتا ہوا سیلاب سرکاری رکاوٹوں کی مدد سے اقلیتوں کی بند کھاڑی میں دھکیل دیا جاتا اور تسلسل حکومت کا بہانہ بنا کر کانگرس اپنے اس دعوے کو بھی مستحکم کر لیتی کہ ہندوستان میں وہ برٹش حکومت کی واحد جانشین ہے۔

لیکن وائسرائے کے بروقت اقدام نے ان تمام امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ اس پر کانگرس نے بڑا کہرام مچایا۔ طرح طرح کے حیلے بہانوں کے آڑے کر گاندھی جی نے لارڈ ویول کو بڑی سختی سے برا بھلا کہا اور لندن میں برٹش گورنمنٹ کے پاس

Marfat.com

یہ شکایت لکھ بھیجی کہ وائسرائے کلکتہ کے فسادات سے بوکھلا کر بدحواسی کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ وہ اعصابی تناؤ میں مبتلا ہے اور آئینی امور میں اس کی قوت فیصلہ کمزور پڑ گئی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ وائسرائے کی مدد کے لئے انگلستان سے کوئی ایسا قانونی ماہر بھیجا جائے لارڈ ویول سے زیادہ قابل اور صاحب الرائے ہو۔

لارڈ ویول پر کانگرس کا یہ پہلا حملہ تھا۔ اس کے بعد کانگرسی لیڈر مسلسل اسی تاک میں رہتے تھے کہ جس طرح ہو سکے قدم قدم پر وائسرائے کو ہر معاملے میں زک پہنچائی جائے۔ ساتھ ہی ساتھ انہوں نے لندن میں اپنی بہی خواہوں کے ذریعہ ریشہ دوانیاں شروع کر رکھی تھیں کہ لارڈ ویول کی جگہ کوئی ایسا شخص وائسرائے مقرر ہو جسے کانگرس آسانی سے کٹھ پتلی کی طرح اپنے مفاد کی تار پر نچا سکے۔

کانگرس 2 ستمبر 1946ء عبوری حکومت میں آئی تھی۔ 15 اکتوبر کو مسلم لیگ بھی اس میں شامل ہو گئی۔ مسلم لیگ کی شمولیت کانگرس کی مرضی کے خلاف عمل میں آئی تھی، اس لئے کابینہ میں ان دونوں کی رفاقت شروع ہی سے معاندانہ اور مخاصمانہ رنگ میں ڈوبی ہوئی تھی۔

عبوری حکومت 14 اراکین پر مشتمل تھی۔ چھ کانگرسی، پانچ مسلم لیگی، ایک سکھ، ایک عیسائی اور ایک پارسی، امور خارجہ اور کامن ویلتھ نہرو کے پاس تھے۔ ہوم، انفارمیشن اور براڈ کاسٹنگ پٹیل کے پاس اور ڈیفنس سردار بلدیو سنگھ کے پاس جو ہر لحاظ سے کانگرس ہی کا کل پرزہ تھا۔ کانگرس نے جان بوجھ کر فنانس کا پورٹ فولیو مسلم لیگ پر اس وجہ سے ٹھونسنے کی پیشکش کی کہ مسلمان مالیاتی حساب کتاب میں کمزور مشہور تھے اور کانگرس کو امید تھی کہ وہ وزارت خزانہ چلانے میں بری طرح ناکام ہوں گے۔ لیاقت علی خان نے یہ وزارت سنبھال کر اس چیلنج کو ایسی خوش اسلوبی سے قبول کیا کہ بہت جلد کانگرسی وزیر کف افسوس ملنے لگے کہ انہوں نے فنانس کا چارج مسلم لیگ کو دے کر بڑی فاش غلطی کی ہے۔

ہر حکومت میں وزارت خزانہ کا یہ ناخوشگوار فرض ہوتا ہے کہ وہ وسائل اور اخراجات میں توازن برقرار رکھے۔ اس مقصد کے لئے عبوری حکومت میں جب لیاقت علی خان کسی کانگرسی وزیر کی اخراجاتی تجاویز میں جائز مین میخ نکال کر اسے گھٹاتے یا نامنظور کر دیتے تھے، تو اسے ان کی ضد اور سیاسی خصومت پر محمول کیا جاتا تھا۔ مالیاتی امور کے علاوہ باقی بہت سے معاملات میں بھی دونوں گروہوں میں مستقل چخ چخ چلتی رہتی تھی۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کا عمیق اور وسیع تضاد سیاسی سطح پر تو کیبنٹ مشن کے روبرو آشکار ہو چکا تھا۔ ان دونوں قوموں کا باہمی عناد کلکتہ کے خونریز فسادات نے اجاگر کر دیا تھا۔ رہی سہی کسر اب عبوری حکومت کے تجربے نے نکال دی۔

ایک طرف تو حکومت کے اندر مسلم لیگ اور کانگرس کی کشاکشی روز بروز زور پکڑتی جا رہی تھی، دوسری طرف برصغیر کے کئی حصوں میں ہندو مسلم فسادات باضابطہ خون کی ہولی کھیل رہے تھے۔ کلکتہ میں مسلمانوں کے قتل عظیم کے بعد مشرقی بنگال کے ضلع نواکھلی میں فساد ہو گیا، جہاں تین سو کے قریب افراد مارے گئے، ہلاک ہونے والوں میں اکثریت ہندوؤں کی تھی۔ اس واقعہ کو ہندو پریس نے مبالغے کا رنگ چڑھا کر ایسے انداز سے پیش کیا کہ ملک کے طول و عرض میں شدید بے چینی کی لہر دوڑ گئی۔

Marfat.com

ہندو تو پہلے ہی بپھرے بیٹھے تھے۔اب نواکھلی کو بہانہ بنا کر انہوں نے بہار میں جوابی کارروائی شروع کردی۔ یہاں پر مسلمان اقلیت پر جو قیامت ٹوٹی، اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔صوبے میں کانگرسی وزارت برسرِ اقتدار تھی۔سرکاری اعداد و شمار کے مطابق یہاں آٹھ ہزار سے اوپر مسلمان شہید ہوئے، لیکن اصلی تعداد کا کسی کو پورا علم نہیں۔ان علاقوں میں یہ خونی طوفان اٹھا وہاں پر مسلمانوں کی آبادی سات آٹھ فیصد سے بھی کم تھی۔ ہندوؤں کے مسلح جتھے ہاتھیوں، گھوڑوں اور بیل گاڑیوں پر سوار ہو کر نکلتے تھے اور گاؤں گاؤں جا کر مسلمان آبادیوں کو نیست و نابود کر دیتے تھے۔ پیدل بلوائیوں کے جھنڈ کے جھنڈ ٹڈی دل کی طرح پھیلے ہوئے تھے، اور مسلمانوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر، چن چن کر برچھیوں اور بھالوں سے مارتے تھے یا گھروں میں بند کر کے زندہ جلا دیتے تھے۔ درجنوں مسجدیں کھود کر ہل چلا دیا گیا۔سینکڑوں عورتوں نے اپنی عصمت بچانے کی خاطر کنویں میں کود کر جان دے دی۔ بہت سے بچوں کو درختوں کے تنوں کے ساتھ میخوں سے ٹھونک کر مصلوب کر دیا گیا۔ایک بھاری اکثریت کے ہاتھوں ایک قلیل، بے ضرر اور بے یار و مددگار اقلیت پر ظلم و بربریت کی اس سے زیادہ گھناؤنی مثال ملنا محال ہے۔

بہار کے بعد یو۔پی کی باری آئی۔ گڑھ مکتیسر میں ہر سال ہندوؤں کا میلہ لگتا تھا جس میں لاکھوں ہندو شامل ہوا کرتے تھے۔ چند ہزار غریب مسلمان بھی اس میلے میں خرید و فروخت کا سامان لے کر جمع ہوا کرتے تھے۔ایک روز ہندوؤں نے اچانک مسلمانوں پر حملے شروع کر دیئے اور دیکھتے ہی دیکھتے میلے میں موجود تمام مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کو بڑی بے دردی سے موت کے گھاٹ اتار دیا۔

جب کلکتہ میں مسلمانوں پر مظالم ڈھائے جا رہے تھے تو ہندو پریس نے اسے مسلمانوں کی زیادتی کا رنگ دے کر بڑا شور و غوغا کیا تھا۔نواکھلی کے واقعات کو بھی ہندو پریس نے بڑے ڈرامائی اور سنسنی خیز مبالغے کے ساتھ اچھالا تھا، لیکن بہار اور گڑھ مکتیسر میں مسلمانوں کے قتل عام پر اس پریس کو گویا سانپ سونگھ گیا۔ بہار اور یو پی کی کانگرسی وزارتوں کی شہہ پا کر سارے پریس نے ایک طرح کی اجتماعی، چپ سادھ لی، لیکن جادو کی طرح خون ناحق بھی سر چڑھ کر بولتا ہے۔ان دونوں لرزہ خیز واقعات کی خبریں بڑی سرعت سے پھیل گئیں اور رفتہ رفتہ سارا برصغیر ہندو مسلم تناؤ اور کشیدگی کی انتہائی خطرناک زد میں آ گیا۔

جب نواکھلی میں فساد ہوا تو گاندھی جی فوراً وہاں پہنچے اور کئی ماہ تک انہوں نے متاثرہ علاقوں کا پیدل دورہ کیا۔ وہ روزانہ تین چار میل پا پیادہ چلتے تھے اور ہر جگہ مسلمانوں کو تلقین کرتے تھے کہ ہندو تمہارے بھائی ہیں اور ان کی حفاظت کرنا تمہارا فرض منصبی ہے۔

اسی دوران بہار میں فسادات برپا ہو گئے۔ بہار کے کچھ کانگرسی مسلمانوں کی بار بار استدعا پر گاندھی جی نے نواکھلی میں پیچھا چھوڑا اور بڑی مشکل سے بہار تشریف لائے۔ یہاں پر انہوں نے جو کچھ دیکھا، اس نے ہندو جاتی کی امن پسندی، صلح جوئی اور غیر تشدد پسندی کے متعلق ان کے بہت سے مفروضات کی کایا پلٹ دی۔ یہاں پر وسیع و عریض علاقوں میں مسلمانوں کا نام و نشان تک مٹ چکا تھا۔ گھر لٹ چکے تھے۔ مسجدیں ویران پڑی تھیں۔ کنوئیں مسلمان عورتوں کی لاشوں سے اٹا اٹ بھرے ہوئے تھے۔ کئی جگہ ننھے منے بچوں کے ڈھانچے اب تک موجود تھے، جنہیں لوہے کے کیل گاڑ کر درختوں اور دیواروں کے ساتھ ٹانک

Marfat.com

دیا گیا تھا۔ یہ روح فرسا نظارے دیکھ کر گاندھی جی غالباً زندگی میں پہلی بار یہ احساس ہوا کہ ہندو قوم اتنی نرم دل، امن پسند اور غیر متشدد نہیں جتنا کہ وہ سمجھتے اور پرچار کرتے رہے ہیں۔ مسلمانوں کے خلاف بپھر کر ہندو بھی خونخوار درندگی کا پورا مظاہرہ کرنے پر قادر ہیں۔ گاندھی جی کے جیون ساتھی، سیکریٹری اور سوانح نگار پیارے لال نے اپنی کتاب "Mahtama Gandhi; The Last Phase" میں بڑے واضح طور پر ایک بات کا اعتراف کیا ہے کہ بہار کی خونریزی دیکھ کر گاندھی جی کی آنکھوں سے پردہ اٹھ گیا اور متحدہ ہندوستان کے متعلق ان کا دیرینہ خواب ٹوٹ کر پاش پاش ہو گیا۔

ان المناک واقعات نے ایک طرف تو گاندھی جی کے ذاتی، سیاسی اور اخلاقی فلسفے میں انقلاب عظیم برپا کر دیا اور دوسری طرف وائسرائے ہند لارڈ ویول کے فوجی تربیت یافتہ ذہن کے سامنے بھی تلخ حقائق کے انبار لگا دیئے۔ سارا برٹش انڈیا خانہ جنگی کی مہیب لپیٹ میں گھرا ہوا تھا۔ اس بڑھتے ہوئے طوفان کا مقابلہ کرنے کے لئے وائسرائے کے وسائل خوفناک حد تک محدود تھے۔ جنگ عظیم کی وجہ سے اعلیٰ انتظامی سروسوں میں انگریز افسروں کی تعداد پہلے سے نصف رہ گئی تھی۔ برٹش گورنمنٹ کے "سٹیل فریم" (آئی۔ سی۔ ایس) میں پانچ سو سے بھی کم انگریز افسر تھے۔ ان کی اکثریت بھی آزادی سے پہلے ریٹائر ہو کر گھر واپس جانے کے لئے پر تول رہی تھی۔ ہندوستان پر برٹش ایمپائر کا سایہ قائم رکھنے کے لئے ان لوگوں نے بڑے بڑے معرکے سر کئے تھے، لیکن اب ایمپائر کا سایہ ڈھل رہا تھا۔ اب محض ہندوؤں اور مسلمانوں کے باہمی قتال وجدال میں کوئی نمایاں حصہ لینے میں انہیں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ ہندوستان کی مسلح افواج میں بھی برٹش افسروں کی تعداد گیارہ ہزار سے گر کر فقط چار ہزار رہ گئی تھی۔ گورا فوج کے یونٹ بھی بڑی سرعت سے انگلستان واپس جا رہے تھے کیوں کہ جنگ کے بعد ملک کی تعمیر نو کے لئے برطانیہ کو اپنی افرادی قوت کام پر لگانے کی شدید ضرورت تھی۔ سول اور ملٹری وسائل کی اس تقلیل و تخفیف کے پیش نظر برصغیر کے بگڑتے ہوئے حالات پر کنٹرول رکھنا وائسرائے کے بس کا روگ نہ تھا۔ عوامی سطح پر کشت و خون کا بازار گرم تھا۔ سیاسی سطح پر عبوری حکومت میں مسلم لیگی اور کانگرسی گروپوں کی باہمی کشمکش اور چپقلش روز بروز تلخ سے تلخ تر ہو رہی تھی۔ انتظامی سطح پر غیر جانبدار اور مؤثر وسائل سراسر ناکافی تھے۔ ان تمام حقائق کا جائزہ لے کر لارڈ ویول اس نتیجے پر پہنچا کے برطانیہ کے لئے ہندوستان پر مزید حکومت کرنا ممکن نہیں۔ اس لئے اس نے برٹش گورنمنٹ کے پاس پرزور سفارش کی کہ برصغیر کا اقتدار مقامی لوگوں کو منتقل کر کے برطانیہ کو جلد از جلد اپنی اس ذمہ داری سے سبکدوش ہو جانا چاہئے۔

اس پس منظر میں وزیر اعظم اٹیلی نے 20 فروری 1947ء کو یہ تاریخی اعلان کیا کہ حکومت برطانیہ 15 جون 1948ء تک لازمی طور پر ہندوستان کے اقتدار سے دستبردار ہو جائے گی۔ یہ اقتدار کس کو سونپا جائے گا؟ کیا اقتدار برٹش انڈیا کی کسی واحد مرکزی حکومت کو منتقل کیا جائے گا؟ یا الگ الگ صوبوں کے سپرد کیا جائے گا؟ یا کوئی اور مناسب اور متبادل طریقہ اختیار کیا جائے گا؟ اس کا فیصلہ وقت آنے پر حالات کے پیش نظر طے پا جائے گا۔

اس کے ساتھ ہی وزیر اعظم اٹیلی نے یہ اعلان بھی کیا کہ لارڈ ویول کی جگہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو ہندوستان کا وائسرائے مقرر کر دیا گیا ہے۔ اس اعلان پر کانگرس نے خوشی کے بڑے شادیانے بجائے۔ لارڈ ویول مدت سے کانگرس کی تنقید و تنقیص کا

Marfat.com

نشانہ بنا ہوا تھا۔کانگرسی گرگے کافی عرصہ سے حکمران لیبر پارٹی کے حلقوں میں لارڈ ویول کے خلاف اپنا اثر ورسوخ مستعدی سے استعمال کر رہے تھے۔فیلڈ مارشل ویول کا قصور صرف اتنا تھا کہ کانگرس کے رحم وکرم پر چھوڑنے کے بجائے اس نے مسلم لیگ کو براہ راست عبوری حکومت میں شامل کر لیا تھا۔اب یہ بات تاریخی شواہد سے پایہ ثبوت تک پہنچ گئی ہے کہ لارڈ ویول کی معزولی اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی تقرری کا پنڈت جواہر لال نہرو کو پہلے سے علم تھا اور اس فیصلے کو ان کی اشیر باد بھی حاصل تھی۔

لارڈ ماؤنٹ بیٹن برطانیہ کے شاہی خاندان کا فرد تھا اور ذاتی طور پر بڑی پرکشش اور چکا چوند کر دینے والی شخصیت کا مالک تھا۔اسکی سرشت میں خود اعتمادی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی،اور اپنا کام نکالنے میں اسے بلا کی تیزی،طراری اور انتھک محنت اور مستعدی کا ملکہ حاصل تھا۔وہ شہرت کا دلدادہ،ذاتی پبلسٹی کا رسیا اور رائے عامہ کو اپنی خواہشات میں ڈھالنے کا باکمال ماہر تھا لارڈ ویول کا حشر دیکھ کر ماؤنٹ بیٹن نے یہ سبق پلے باندھ لیا تھا کہ اپنے مشن میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے اسے کانگرس کی خیر سگالی اور خوشنودی کو ہر قیمت پر خریدنا پڑے گا۔یہ قیمت اس نے بڑی فراخدلی سے مسلمانوں کے کھاتے سے ادا کی۔

لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے خاص طور پر پنڈت جواہر لال نہرو کے ساتھ بہت جلد بڑے گہرے تعلقات استوار کر لئے۔ اس رشتے کی آبیاری میں لیڈی ماؤنٹ بیٹن کا بڑا ہاتھ تھا،جو ظاہری حسن و جمال،ذہنی رفاقت اور تمدنی وتہذیبی نزاکت کا خوبصورت مرقع تھی۔

ہندوستان کے آخری وائسرائے کے طور پر لارڈ ماؤنٹ بیٹن یہاں حکومت کرنے نہیں آیا تھا،بلکہ برصغیر سے برٹش حکومت کی بساط لپیٹنے آیا تھا۔15 جون 1948ء تک اس فرض کو پورا کرنے کیلئے اس کے پاس فقط پندرہ ماہ تھے۔ونسٹن چرچل کے نزدیک اتنی بڑی سلطنت کے کاروبار کو اتنے قلیل عرصہ میں منتقل کرنے کی کوشش شدید خطروں سے خالی نہ تھی۔اس نے اس جلد بازی کو شرمناک فرار قرار دیا تھا،جیسے جہاز کو خطرے میں گھرا دیکھ کر اس کے پیندے میں سوراخ کر کے اسے ڈبو دیا جاتا ہے، لیکن لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے ضمیر پر ایسا کوئی بوجھ نہ تھا۔

مارچ 1947ء میں جب لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے وائسرائے کا عہدہ سنبھالا تو تقسیم ہند کا اصول قریباً قریباً طے شدہ امر تھا۔ستم ظریفی تو یہ ہے کہ پاکستان کا مطالبہ تو مسلم لیگ نے کیا تھا،لیکن اس مطالبے کو جلد از جلد پورا کرنے کی فکر اب کانگرس کو لگی ہوئی تھی۔یہ بات نہ تھی کہ پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے۔ہندوستان کی تقسیم پر کانگرس اس لئے آمادہ نہیں ہوئی تھی کہ اسے مسلمانوں کے ساتھ کوئی منصفانہ یا فیاضانہ یا دوستانہ سلوک کرنا منظور تھا۔کانگرسی لیڈروں نے یہ کڑوا گھونٹ بڑے غم وغصہ سے شدید مجبوری اور معذوری کے عالم میں اپنے گلے سے اتارا تھا۔

عبوری حکومت کے تجربے سے پنڈت نہرو،سردار پٹیل اور ان کے ساتھیوں کو اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ مسلمانوں کو اپنے ساتھ اقتدار میں شریک کر کے کانگرس کبھی بھی اپنی من مانی کارروائیاں کرنے پر قادر نہ ہو سکے گی۔عبوری حکومت میں مسلم لیگی وزیر کانگرس کی بالادستی تسلیم نہیں کرتے تھے اور نہ ہی وہ اپنی پالیسیوں میں کانگرس کے اشارے پر کٹھ پتلی کی طرح ناچنے پر تیار تھے۔کابینہ کے مسلم لیگی گروپ نے اپنا الگ تشخص قائم کر رکھا تھا اور ذاتی اہلیت،دیانت اور فہم و تدبر میں بھی وہ اپنے کانگرسی

Marfat.com

رفیق کاروں سے کسی طرح کمتر نہ تھے۔

وہ آخری تنکا جس نے عبوری حکومت کے اونٹ کی کمر توڑ دی۔لیاقت علی خاں کا بجٹ ثابت ہوا جوانہوں نے 28 فروری 1947ء کو وزیر خزانہ کی حیثیت سے پیش کیا۔اسے عام طور پر''غریب آدمی بجٹ'' کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ دوسری جنگ عظیم کی وجہ سے ضروریات زندگی مہنگی ہوگئی تھیں، بلیک مارکیٹ عروج پر تھی، روپے کی قیمت گر رہی تھی اور دولت گنتی کے چند منافع خوروں، بڑے صنعت کاروں اور تاجروں کے ہاتھ میں مرکوز ہوگئی تھی۔ اپنی بجٹ تقریر میں خان لیاقت علی خان نے اعلان کیا کہ وہ قرآن حکیم کے اس معاشی فلسفہ پر ایمان رکھتے ہیں جو دولت کو فقط امیروں کے درمیان گردش کرنے سے روکتا ہے، اس لئے اس بجٹ میں انہوں نے چند ایسی تجاویز شامل کیں جو سماجی انصاف کے تقاضے پورے کرنے کی طرف پہلا قدم تھیں۔ایک تجویز یہ تھی کہ جن لوگوں نے ٹیکس ادا نہ کر کے دولت سمیٹی ہے، ان کی تحقیقات کے لئے ایک کمیشن قائم کیا جائے گا۔دوسری تجویز یہ تھی کہ ایک لاکھ روپے سے اوپر تجارتی منافع پر 25 فیصد سپیشل انکم ٹیکس وصول کیا جائے گا۔اسی طرح کے چند اور ٹیکس تھے جن کی زد براہ راست دولت مند افراد پر پڑتی تھی۔ دولت مندوں میں بھاری اکثریت ان برلاؤں، دالمیوں اور دوسرے ہندو سیٹھوں کی تھی جن در پردہ مالی اعانت سے کانگرس کا سارا کاروبار چل رہا تھا۔ بجٹ کا اعلان ہوتے ہی ہندو سرمایہ داروں کے حلقے میں کہرام مچ گیا۔انہوں نے کانگرسی لیڈروں کو آڑے ہاتھوں لیا اور کانگرس کی مالی امداد بند کر دینے کی دھمکی دی۔سردار ولبھ بھائی پٹیل نے کابینہ میں زبردست اودھم مچایا، اور خان لیاقت علی خان پر یہ الزام عائد کیا کہ یہ بجٹ غریب عوام کی مدد کے لئے نہیں بلکہ ہندو سرمایہ داروں کو زک پہنچانے اور کانگرس کو مشکل میں ڈالنے کی نیت سے بنایا گیا ہے۔ ہندو پریس نے بھی بڑی واویلا مچایا، لیکن نوابزادہ لیاقت علی خاں اپنے موقف پر ثابت قدم رہے اور انہوں نے بجٹ میں کوئی تبدیلی کرنے سے صاف انکار کر دیا۔

بجٹ کے واقعہ نے ہندو تاجروں، صنعت کاروں اور سرمایہ داروں کی آنکھیں کھول دیں۔انہیں یکایک یہ فکر دامن گیر ہوگئی کہ متحدہ ہندوستان کی حکومت میں اگر مسلمانوں کا کچھ عمل دخل ہوا تو سماجی انصاف، انسانی مساوات وغیرہ کے نام پر ان کے مفادات پر ہمیشہ کوئی نہ کوئی ضرب پڑتی رہے گی۔ ہمیشہ کے لئے یہ دردسر مول لینے کے بجائے یہی بہتر ہے کہ مسلمانوں کو زمین کا کچھ ٹکڑا دے کر الگ ہی کر دیا جائے، تاکہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ چنانچہ ہندو سرمایہ دار بھی دل وجان سے مطالبہ پاکستان کے حامی ہوگئے!

کانگرس کے ''مرد آہن'' سردار ولبھ بھائی پٹیل اب اس نتیجہ پر پہنچ چکے تھے کہ حکومت میں مسلمانوں کے ساتھ کسی قسم کی شراکت بالکل لایعنی اور عبث ہے۔ مسلمان اکثریت کے جو علاقے پاکستان بننے کے خواب دیکھ رہے تھے، وہ بھارت ماتا کے پوتر بدن پر گلے ہوئے، سڑے ہوئے ناسور ہیں۔ مناسب یہی ہے کہ ان ناسوروں کو جلد از جلد کاٹ کر الگ کر دیا جائے تاکہ ان کا زہر صحت مند حصوں تک پہنچنے نہ پائے۔ پنڈت نہرو پہلے ہی لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو زبان دے چکے تھے کہ اگر پنجاب اور بنگال کو تقسیم کر دیا جائے تو انہیں پاکستان کے قیام پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔

Marfat.com

کانگرس نے ایک ہاتھ سے مطالبہ پاکستان کو طوہاً و کرہاً تسلیم کیا اور دوسرے ہاتھ سے فوراً سرتوڑ کوششیں شروع کر دیں کہ یہ نوزائیدہ ملک زندہ رہنے کے قابل نہ ہونے پائے۔ اس کوشش میں اسے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی صورت میں بڑا کارآمد معاون و مددگار مل گیا۔

لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو اس بات سے کوئی دلچسپی نہ تھی کہ پاکستان کن حالات میں جنم لیتا ہے اور جنم لینے کے بعد زندہ رہتا بھی ہے یا نہیں۔ اس وقت اس کا سب بڑا نصب العین یہ تھا کہ آزادی کے بعد بھارت جیسا وسیع و عریض ملک برٹش کامن ویلتھ آف نیشنز (دولت مشترکہ) میں ضرور شامل رہے۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کا ریفارمز کمشنر وی۔ پی۔ مینن سردار ولبھ بھائی پٹیل کا بھی دست راست تھا۔ اس کی دلالی میں وائسرائے اور سردار پٹیل کے درمیان سودابازی ہوئی، اور یہ طے پایا کہ اگر پندرہ مہینے کے بجائے اقتدار دو ماہ میں منتقل کر دیا جائے تو بھارت دولت مشترکہ کا ممبر بنا رہے گا۔

اقتدار پندرہ ماہ میں منتقل ہو یا دو ماہ میں بھارت کے ہر طرح پو بارہ تھے۔ اسے بنی بنائی راجدھانی ملتی تھی، جمے جمائے دفتر ملتے تھے اور صدیوں سے قائم شدہ چالو ادارے ملتے تھے۔ اس جلد بازی میں اگر کوئی مشکل درپیش تھی تو وہ صرف پاکستان کو تھی جسے ایک نئی مملکت کا آغاز انتہائی بے سروسامانی اور سراسیمگی کی حالت میں کرنا تھا۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے اپنے قول کے مطابق ''انتظامی طور پر پاکستان کی حکومت کو اپنا کام شروع کرنے کے لئے ہم نہ کوئی بنی بنائی عمارت دے سکتے ہیں'' نہ ٹین کی چھت دے سکتے ہیں، بلکہ فقط ایک خیمہ دے سکتے ہیں، اس سے زیادہ ہم اور کچھ نہیں کر سکتے۔

اس مشکل کے علاوہ کانگرسی قیادت نے پاکستان کا گلا شروع ہی سے گھونٹنے کے لئے اور بھی کئی چالیں چلیں۔ شمالی مشرقی سرحدی صوبے میں اکثریت تو مسلمانوں کی تھی جو پاکستان کے حامی تھے، لیکن ہندوؤں کے گٹھ جوڑ سے وہاں ڈاکٹر خان صاحب نے حکومت کانگرس کی قائم کر رکھی تھی۔ گاندھی جی نے بہت ہاتھ پاؤں مارے کہ صوبہ سرحد میں ہمہ پرسی (ریفرنڈم) نہ ہو، بلکہ صوبائی اسمبلی کو اختیار دیا جائے کہ اگر وہ چاہے تو صوبے کو بھارت میں شامل کرنے کا فیصلہ کرے۔ مقصد یہ تھا کہ پاکستان کو سینڈوچ کی طرح ہر طرف سے بھارت کے شکنجے میں جکڑ دیا جائے۔ یہ تجویز اتنی غیر اصولی اور احمقانہ تھی کہ کانگرس کا لارڈ ماؤنٹ بیٹن جیسا فرمانبردار آلہ کار بھی اس کی حمایت نہ کر سکا۔

دوسری چال یہ تھی کہ آزادی کے بعد دونوں مملکتوں کا ایک ہی مشترکہ گورنر جنرل ہو۔ پنڈت نہرو نے تو تحریری طور پر ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ کمٹمنٹ بھی کر لی تھی انتقال اقتدار کے بعد وہ آزاد بھارت کے گورنر جنرل ہوں گے۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی اپنی انا بھی یہی چاہتی تھی کہ پاکستان کی طرف سے بھی اسے ایسی ہی پیشکش ہو، لیکن قائداعظم نے دوراندیشی سے کام لے کر اس دام ہم رنگ زمیں میں پھنسنے سے انکار کر دیا۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور کانگرس میں ایسی گاڑھی چھن رہی تھی کہ کچھ ہندوؤں نے لارڈ سے اسے پنڈت ماؤنٹ بیٹن کہنا شروع کر دیا تھا۔ ان حالات میں اسے دونوں ملکوں کا مشترکہ گورنر جنرل مقرر کرنا پاکستان کی گردن پر کانگرس کی چھری لٹکانے کے مترادف ہوتا۔ دراصل اس تجویز کا مقصد ہی یہ تھا کہ روز اول ہی سے پاکستان کی پالیسیوں کو بھارتی مفاد کے تابع رکھا جائے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر ماؤنٹ بیٹن دونوں ملکوں کا پہلا مشترکہ گورنر جنرل

Marfat.com

بن جاتا تو ہواپنی افتاد، سیاسی میلان اور ذاتی اور جذباتی وابستگی کے باعث پاکستان کو بھارت کا حاشیہ بردار سیٹلائٹ بنانے کی ہر ممکن کوشش کرتا۔

اس قسم کی مکاریوں، عیاریوں اور چالبازیوں میں ناکام ہونے کے بعد کانگرس نے ایک اور گل کھلا دیا۔ کانگرسی لیڈر عموماً اور سردار ولبھ بھائی پٹیل اور اس کے حواری خصوصاً اب بانگ دہل ڈوون کی لینے لگے کہ مسلمانوں کو وہ پاکستان نہیں مل رہا جس کا وہ مطالبہ کر رہے تھے بلکہ انہیں بے حد کٹا کٹایا، لنگڑا لولا (Truncated) پاکستان دیا جا رہا ہے جس میں زیادہ دیر زندہ رہنے کی صلاحیت اور توانائی ہی نہیں۔ اس قسم کا پاکستان بہت جلد دم توڑ دے گا اور گھٹنے ٹیک کر دوبارہ بھارت میں شامل ہونے پر مجبور ہو جائے گا۔ کھسر پھسر کی یہ زہریلی مہم مسلمانوں کے حوصلے و رعزائم پست کرنے کے لئے چلائی گئی۔ یہ مہم اتنی منظم تھی کہ بہت سے مسلمانوں کے انضباط اور اعتماد نفس پر بڑا برا اثر پڑا۔ کئی ذہنوں میں یہ سوال ابھرنے لگا کہ اس قسم کا Truncated پاکستان قابل قبول ہے بھی یا نہیں؟

اس گومگو کے عالم میں سب کی نظریں قائداعظم پر لگی ہوئی تھیں۔ خود لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو یہ بھی خدشہ تھا کہ کہیں قائداعظم اس کے پارٹیشن پلان کو مسترد نہ کریں۔ اس خطرہ کے پیش نظر اس نے حکومت برطانیہ کی منظوری سے ایک ''دست بردار پلان'' (Demission Plan) بھی تیار کر رکھا تھا۔ اس پلان کی رو سے اگر مسلم لیگ پارٹیشن پلان نہ مانے تب بھی اقتدار دو ماہ کے اندر اندر منتقل کر دیا جائے گا۔ صوبائی اختیار موجودہ صوبائی حکومتوں کو منتقل کر دیئے جائیں گے اور مرکزی اختیارات موجودہ عبوری حکومت کو دے دیئے جائیں گے۔ مسلمانوں کے لئے کوئی خاص تحفظات نہیں رکھے گئے تھے۔ مسلمان کلی طور پر ہندو اکثریت کے سامنے ایک اقلیت کا درجہ رکھیں گے۔

اب قائداعظم کے سامنے دو راستے تھے۔ ایک پارٹیشن پلان تھا۔ اس کے تحت ہندوستان 14 اگست 1947ء کو بھارت اور پاکستان کی دو آزاد ومختار مملکتوں میں تقسیم ہو رہا تھا۔ پاکستان میں مشرقی بنگال، مغربی پنجاب، سندھ اور بلوچستان براہ راست تھے۔ سلہٹ اور صوبہ سرحد میں ریفرنڈم ہونا تھا۔ سرحدوں کے تفصیلی تعین کے لئے باؤنڈری کمیشن قائم کیا جانا تھا۔

اگر مسلم لیگ فوری طور پر پارٹیشن پلان کو منظور نہ کرتی تو لارڈ ماؤنٹ بیٹن کا۔۔۔ Demission Plan یکطرفہ عمل درآمد کے لئے میز پر تیار پڑا تھا۔ اس منصوبے کے تحت صوبہ سرحد سمیت ہندوستان کے آٹھ صوبوں کا کنٹرول 14 اگست کو براہ راست کانگرس کے ہاتھ میں چلا جاتا کیونکہ وہاں پر کانگرسی وزارتیں قائم تھیں۔ پنجاب میں گورنر راج تھا، لیکن وہاں بھی یونینسٹ پارٹی کے گرگے موجود تھے جو ہندو کانگرسیوں اور سکھ اکالیوں کے ساتھ مل کر ہر چڑھتے ہوئے سورج کو سلام کرنے کا عملی تجربہ رکھتے تھے۔ صرف سندھ اور بنگال میں مسلم لیگ کی وزارتیں تھیں جن کے خلاف کانگرسیوں اور دوسری ہندو پارٹیوں کے پریشر گروپ زبردست ریشہ دوانیوں میں مصروف تھے۔ Demission Plan کے تحت مرکزی کنٹرول عبوری حکومت کے ملنا تھا جس کے چھ کانگرسی ممبر اپنے ہم خیال تین اقلیتی نمائندوں کے ساتھ مل کر کسی وقت بھی پانچ مسلم لیگیوں کو بہ یک بینی و دو گوش نکال کر باہر کر سکتے تھے اور ان کی جگہ اپنی مرضی کے مسلمان شو بوائز (Show boys) کو حکومت میں بھرتی کر سکتے

Marfat.com

تھے۔اس صورت میں پورے ہندوستان کا اختیار بلا شرکت غیرے کانگریس کے قبضہ میں آجاتا اور مسلمان قوم ایک اقلیت کی حیثیت سے بے یارومددگاران عناصر کے رحم وکرم پر چھوڑ دی جاتی جو سر سے پاؤں تک وسیع پیمانے پر مسلح تھے اور کلکتہ، بہار، گڑھ مکتیسر اور دوسرے مقامات پر اپنے خون آشام ہاتھ بڑی سفاکی سے دکھا چکے تھے۔

ایک طرف Truncated پاکستان تھا۔ دوسری طرف ہندوؤں کی ابدی غلامی کا عفریت منہ کھولے بیٹھا تھا۔ ان دونوں متبادل صورتوں کے درمیان قائداعظم نے وہی راستہ اختیار کو جو ایک عملی سیاست دان، دوراندیش مدبر اور صاحب فراست مسلمان کے شیان شان تھا۔ انہوں نے بڑے واضح احتجاج کے ساتھ پارٹیشن پلان منظور کر لیا۔

جن لوگوں کے دل میں اب بھی یہ وہم ہے کہ اس وقت Truncated پاکستان قبول کرنے کے سوا اور بھی کوئی چارہ تھا، انہیں لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور کانگرس کی ملی بھگت کے پس منظر Demission Plan کا تفصیلی مطالعہ ضرور کرنا چاہئے۔

آخر 3 جون 1947ء کا تاریخی دن طلوع ہوا اور تقسیم ہند کے منصوبے کا باضابطہ سرکاری طور پر اعلان کر دیا گیا۔

یہ اعلان کانگرس کی منظوری کے ساتھ کیا گیا تھا۔ رسی تو جل گئی لیکن بل نہ گیا۔ چنانچہ گیارہ روز بعد 14 جون کو آل انڈیا کانگرس ورکنگ کمیٹی کا جو اجلاس ہوا، اس میں تقسیم ہند کے "سانحہ" پر بڑے گہرے رنج وغم کا اظہار کیا گیا اور سب نے انتہائی وثوق سے اس امید اور عزم کا اعلان کیا کہ یہ ایک عارضی بندوبست ہے جو وقت کی مجبوریوں اور مصلحتوں کی وجہ سے ناگزیر ہو گیا تھا، ورنہ وہ دن دور نہیں جب بھارت ایک بار پھر متحدہ ہندوستان بن کر رہے گا۔ اس موقع پر کانگرس ورکنگ کمیٹی نے جو ریزولیشن پاس کیا، اس میں مندرجہ ذیل پیراگراف آج تک جوں کا توں موجود ہے۔

"Geography and the mountains and the seas fashioned India as she is, and no human agency can change that shape or come in the way of her final destiny. Economic circumstances and the insistent demands of international affairs make the unity of India still more necessary.

"ہندوستان کی شکل وصورت، اس کی جغرافیائی حدود، اس کے پہاڑوں اور اس کے سمندروں نے وضع کی ہے۔ کوئی انسان تدبیر اس صورت کو بدل سکتی ہے نہ اس کے حقیقی مقدر کو ٹال سکتی ہے۔ معاشیاتی حالات اور بین الاقوامی امور کے شدید تقاضوں کے پیش نظر ہندوستان کی وحدت اور بھی زیادہ ضروری ہے"۔

"India is one and indifisible and there will never be peace unle ss and until the separated areas are brought back into the Indian Union and m ade integral parts thereof".

"ہندوستان واحد اور غیر منقسم ہے۔ جب تک الگ کئے ہوئے علاقوں کو انڈین یونین میں واپس لا کر انہیں اس کا مکمل حصہ نہیں بنایا جاتا، اس وقت تک امن ہرگز قائم نہیں ہوسکتا"۔

Marfat.com

اب بھارت میں اقتدار کانگرس کا ہو یا کانگرس کے مخالفین کا، دونوں صورتوں میں ہر بھارتی حکومت اس نصب العین کو پورا کرنے کا پابند ہے جس کا ذکر مندرجہ بالا اعلانات میں بڑی وضاحت سے موجود ہے۔ بھارت ہمارے ساتھ خیر سگالی کی بات کرے یا تعلقات معمول پر لانے کا آغاز کرے، تجارتی لین دین، ہو یا زراعتی گفت وشنید ہو، یا ثقافتی ہیر پھیر ہو، ہر شعبے میں بھارت کی حکمت عملی کی سڑک ایک اور صرف ایک منزل کی طرف جاتی ہے۔ وہ منزل اکھنڈ بھارت ہے۔

3 جون 1947ء کو لارڈ ماؤنٹ بیٹن، پنڈت جواہر لال نہرو، قائداعظم محمد علی جناح اور سردار بلدیو سنگھ نے پارٹیشن پلان پر آل انڈیا ریڈیو سے اپنے اپنے بیانات نشر کئے۔ میں نے یہ تاریخی براڈ کاسٹ کنک کی 18 سول لائنز میں بملا کماری والے ڈرائنگ روم میں سنا۔ میرا کشمیری خانساماں رمضان اور بنگالی ڈرائیور روز محمد بھی ریڈیو کے ساتھ لگ کر بیٹھے ہوئے تھے۔ جب قائداعظم کی تقریر کا اعلان ہوا تو رمضان نے بڑی عقیدت اور پیار سے ریڈیو سیٹ پر ہاتھ پھیرا۔

تقریریں ختم ہوئیں تو رمضان نے بڑی سادگی سے اللہ کا شکر ادا کیا کہ ایسے بڑے بڑے انگریز، ہندو اور سکھ "صاحب لوگ" مل جل کر مسلمانوں کے لئے پاکستان بنا رہے ہیں۔

"رمضان! تمہیں کچھ معلوم بھی ہے کہ پاکستان کا مطلب کیا ہے؟ میں نے پوچھا۔

"ہاں صاحب! بالکل مالوم ہے، پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الہ الا اللہ رمضان نے لہک لہک کر ترنم کے لہجے میں کہا۔

"تمہیں معلوم ہے کہ یہ کیسے بنا ہے؟ میں نے اسے مزید کریدنے کی کوشش کی۔

"ہاں صاحب! بالکل مالوم، بس لا الہ الا اللہ، بس لا الہ الا اللہ، رمضان نے وثوق سے جواب دیا۔

رمضان کے پاس ایمان کی دولت تھی، اس لئے اس کے لئے اتنا یقین ہی کافی تھا۔ میرے پاس اخبار تراشوں کی ضخیم سکریپ بک تھی۔ میں کاغذ پنسل سنبھالی اور اپنی دانشوری کا بھرم رکھنے کے لئے تاریخی حوالوں کو کھنگال کھنگال کر پاکستان کا مطلب نکالنے بیٹھ گیا۔

پاکستان کا مطلب کیا؟	1857ء کی جنگ آزادی کی تکمیل کی طرف ایک مثبت قدم
پاکستان کا مطلب کیا؟	سرسید احمد خان کی تحریک علی گڑھ کا تدریجی اور منطقی ارتقاء
پاکستان کا مطلب کیا؟	حکیم الامت علامہ اقبال کے خواب کی تعبیر، جو انہوں نے اپنے خطبہ الہ آباد میں پیش کیا تھا
پاکستان کا مطلب کیا؟	دینی، سماجی، معاشی، ثقافتی، تمدنی، اور سیاسی بنیادوں پر مسلمانوں کا ایک الگ قوم کی صورت میں ابھرتا ہوا تشخص۔ ہندو گئور کھشا، مسلمان کا ذبیحہ، ہندو کی چٹیا، مسلمان کا ختنہ، ہندو کے مندر کا ناقوس، مسلمان کی مسجد کی اذان، ہندو کی چھوت چھات، مسلمان کی اخوت اور مساوات، ان اختلافات کی وجہ سے مستقل اور مسلسل خونریز تصادمات اور فسادات
پاکستان کا مطلب کیا؟	قومیت کی اجارہ داری پر ہندوؤں کی ضد اور ہٹ دھرمی
پاکستان کا مطلب کیا؟	آزاد اور متحدہ ہندوستان پر بلاشرکت غیرے حکمرانی کرنے کا کانگرسی جنون

Marfat.com

پاکستان کا مطلب کیا؟ مسلم اکثریتی علاقوں میں بھی مسلمانوں کو ان کی آبادی کے تناسب سے جمہوری حقوق دینے سے انکار

پاکستان کا مطلب کیا؟ آزاد اور متحدہ ہندوستان کی حکومت میں مسلمانوں کو کوئی موثر کردار دینے کے خلاف ہندو سرمایہ داروں کی زبردست مخالفت اور مزاحمت

پاکستان کا مطلب کیا؟ مسلم اکثریتی علاقوں کو بھارت ماتا کے پوتر بدن پر گندے ناسور سمجھ کر انہیں کاٹ کا الگ کر دینے کا شدھ کانگریسی آپریشن

پاکستان کا مطلب کیا؟ بھارت کو برٹش کامن ویلتھ میں شامل رکھنے کے لئے لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور کانگرس کی سودا بازی، اقتدار کو پندرہ مہینے کے بجائے دو ماہ میں منتقل کرنے کی سازش، تاکہ پاکستان کی نوزائیدہ مملکت کو جود میں آتے ہی ہر طرح کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے

پاکستان کا مطلب کیا؟ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو بھارت اور پاکستان کا مشترکہ گورنر جنرل بنانے کی کوشش تاکہ شروع ہی سے اس نئی مملکت کو بھارت کی حاشیہ نشینی کی عادت ڈال دی جائے اور اس کی پالیسیوں کے ہم رنگ اور تابع ہوں۔

پاکستان کا مطلب کیا؟ Truncated پاکستان کی پیشکش کے مقابلے میں Demission Plan کی شمشیر برہنہ

پاکستان کا مطلب کیا؟ کانگرس کا عزم کہ تقسیم ہند ایک عارضی عمل ہے۔ بھارت ایک ہے اور ایک ہو کے رہے گا۔ کوئی انسانی طاقت اس حقیقت کو نہیں بدل سکتی۔

پاکستان کا مطلب کیا؟ ہندو مہا سبھا کا اعلان کہ بھارت ناقابل تقسیم ہے۔ الگ ہونے والے علاقوں کو ہر قیمت پر دوبارہ بھارت میں شامل کر دیا جائے گا۔

پاکستان کا مطلب کیا؟ ہندوؤں کی جارحیت اور انگریزوں کی منافقت کے گٹھ جوڑ کے مقابلے میں قائداعظم محمد علی جناح کی بے لوث، بے لاگ، بے بل، بے خوف، ایماندارانہ اور مدبرانہ قیادت

پاکستان کا مطلب کیا؟ مسلمانوں کا قائداعظم کی رہنمائی پر مکمل اعتماد

پاکستان کا مطلب کیا؟ تحریک پاکستان کے دوران مسلمان قوم کا اتحاد، ایمان اور نظم

سادگی مسلم کی دیکھ

1947ء کے اگست کے مہینے میں ایک روز میں اپنی ڈاک دیکھ رہا تھا۔ اس میں معمولی سے کھردرے سے بادامی کاغذ پر ایک سائیکلوسٹائلڈ خط نکلا، جسے میں اپنی زندگی کا ایک نہایت عزیز خط سمجھتا ہوں۔ آغا ہلالی نے نئی دہلی سے حکم بھیجا تھا کہ مجھے

Marfat.com

پاکستان کی وزارت تجارت میں انڈر سیکریٹری تعینات کیا گیا ہے اور میں 14 اگست کے بعد جلد از جلد کراچی پہنچ کر اپنے عہدہ کا چارج لے لوں۔ اس خط کا نمبر اس طرح درج تھا۔

No. CPS (ESTS) /4/47

Cabinet Secretariat (Pakistan)

New Dehli, the 7th August 1947

حکومت پاکستان کے نام سے اپنی زندگی کا پہلا خط پا کر جوش مسرت میں مجھے یوں محسوس ہوا جیسے مجھے ایک پوسٹنگ آرڈر نہیں بلکہ ایک سلطنت مل گئی ہے!

اس خط کا ایک ایک حرف بجلی کی لہر کی طرح میرے رگ و پے میں سرایت کر گیا۔ میں نے اسے بار بار پڑھا، آنکھوں سے لگایا، سر پر رکھا اور بھاگم بھاگ وزیر اعلیٰ کے کمرے میں پہنچ کر ان کی خدمت میں پیش کر دیا۔ شری ہری کرشن مہتاب بڑے خوش اخلاق اور نیک نیت ہندو تھے۔ میرے چہرے پر مسرت کا غیر معمولی ہیجان دیکھ کر وہ کچھ افسردہ سے ہو گئے اور بولے ''میری طرف سے کوئی رکاوٹ نہیں'' جب جی چاہے چلے جانا۔ مجھے تو اس بات کی چنتا ہے کہ اگر سب مسلم آفیسر اسی طرح چلے گئے تو یہاں پر مسلمانوں کی دیکھ بھال کون کرے گا؟

مہتاب صاحب کی یہ چنتا محض ان کی ذات تک محدود تھی۔ ورنہ سرکاری اور سیاسی طور پر تو وہ ان ہدایات کے پابند تھے جن میں کانگرس نے حکم دے رکھا تھا کہ ان کے صوبے میں کوئی مسلمان پولیس اور انتظامیہ کی کسی کلیدی اور موثر اسامی پر متعین رہنے نہ پائے۔ یہ ہدایات آزادی سے چھ ماہ پہلے جاری ہوئی تھیں۔ آزادی کے بعد بھارت میں کانگرس کی ''سیکولر'' حکومت نے جو گل کھلائے اس کا بڑا واضح نقشہ کے۔ ایل۔ گابا کی کتاب Passive Voices میں ملتا ہے۔

کے۔ ایل۔ گابا کا پہلا نام کنہیا لال گابا تھا۔ وہ پنجاب کے ایک انتہائی متمول خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ انہوں نے بچپن ہی سے انگلستان میں تعلیم پائی۔ بیرسٹری کرنے کے بعد انہوں نے لاہور ہائیکورٹ میں پریکٹس شروع کر دی۔ وہ انگریزی زبان کے بڑے صاحب طرز انشاء پرداز تھے اور تیس سے زیادہ کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان کی کئی کتابیں بین الاقوامی شہرت کی مالک ہیں۔

مسٹر گابا نے 1933ء میں اسلام قبول کر لیا۔ اس وقت ان کی عمر تیس سال سے کم تھی۔ ان کا اسلامی نام خالد لطیف گابا رکھا گیا۔ اس خبر نے چاروں طرف تہلکہ مچایا۔ قبول اسلام کے بعد مسٹر گابا نے سیرت النبی ﷺ پر اپنی مشہور کتاب The Prophet of the Desert لکھی جو آج تک بہت سے حلقوں میں شوق سے پڑھی جاتی ہے۔

کئی نیشنلسٹ مسلمانوں کی طرح مسٹر گابا بھی تقسیم ہند کے خلاف تھے۔ قیام پاکستان کے بعد انہوں نے لاہور چھوڑ دیا اور بمبئی منتقل ہو کر وہاں کی ہائیکورٹ میں پریکٹس شروع کر دی۔ پچیس برس تک انہوں نے بھارتی حکومت کے اپنی مسلمان رعایا کے ساتھ سلوک کا گہرا مطالعہ کیا اور انجام کار وہ بڑے دکھ سے اس نتیجے پر پہنچے کہ برصغیر میں دو قومی نظریہ ہی صحیح نظریہ ہے۔

Marfat.com

انہوں نے اپنی کتاب Passive Voices میں بھارت کی نام نہاد سیکولرازم کے ڈھول کا پول کھولا اور سرکاری اعداد و شمار کے ذریعے یہ ثابت کیا ہے کہ بھارتی حکومتیں کس باقاعدگی اور ترتیب کے ساتھ مسلمانوں کو سرکاری، نیم سرکاری، سیاسی اور معاشرتی زندگی سے خارج کرتی رہی ہیں۔ آزادی کے بعد چند برس کے اندر اندر اڑیسہ کے سیکریٹریٹ، ہائیکورٹ اور پبلک سروس کمیشن میں ایک مسلمان افسر بھی نہ رہا تھا۔ اڑیسہ سے 10 ممبر راجیہ سبھا اور بیس (20) لوک سبھا کے لئے منتخب ہوتے ہیں۔ ان میں بھی مسلمانوں کا کوئی نمائندہ شامل نہیں۔ اڑیسہ کی صوبائی اسمبلی میں 140 سیٹیں ہیں۔ ایک مسلمان بھی اسمبلی کا ممبر منتخب نہیں ہو سکا۔

چیف منسٹر سے فارغ ہو کر میں چیف سیکریٹری مسٹر بی۔ سی۔ مکر جی کے پاس گیا۔ یہ بڑے شوقین مزاج، آزاد خیال اور دہریہ قسم کے آدمی تھے۔ گائے کا گوشت شوق سے کھاتے تھے اور غالباً اسی وجہ سے تعصب کے جذبات سے خالی تھے۔ آئی۔ سی۔ ایس کی ٹریننگ کے دور ان انہوں نے لندن میں کسی کے پاس سورۃ فاتحہ کا انگریزی ترجمہ دیکھا تھا۔ وہ اس سے اتنے متاثر ہوئے کہ اسے حفظ کر لیا۔ کبھی کبھی موڈ میں آ کر مجھے سنایا کرتے تھے اور کہتے تھے "یہ انسان کا کلام نہیں ہو سکتا"۔ سات چھوٹے چھوٹے فقروں میں اتنا کچھ آ گیا ہے کہ سات کتابوں میں بھی نہیں سما سکتا۔

جب میں نے مسٹر مکر جی کو چیف منسٹر کی یہ تشویش بتائی کہ اگر مسلمان افسر پاکستان چلے گئے تو یہاں پر مسلم آبادی کی دیکھ بھال کون کرے گا تو وہ زور سے ہنسے اور بولے "مہتاب جی رسمی باتیں کرتے ہیں" تم یہاں رہ بھی جاؤ تو 15 اگست کے بعد تمہیں ہوم ڈیپارٹمنٹ سے نکال کر غالباً ریکارڈ آفس بکار خاص لگا دیا جائے گا، تاکہ بند کمرے میں بیٹھ کر پرانی فائلوں کی گرد جھاڑتے رہو"۔

مسٹر مکر جی نے میز کی دراز سے ایک فائل نکالی اور اسے کھول کر مجھے ایک صفحہ دکھایا جس میں صوبے کے نئے گورنر چندو لال ترویدی نے چیف سیکریٹری کو انتہائی درشت الفاظ میں بڑی سخت ڈانٹ پلائی تھی۔ نیا گورنر بھی آئی۔ سی۔ ایس افسر تھا اور حال ہی میں ڈیفنس سیکریٹری کے عہدے سے ترقی پا کر اڑیسہ کا پہلا ہندوستانی گورنر مقرر ہوا تھا۔ وہ بڑا تیز طرار، دھانسو قسم کا نبرد جو ہندو تھا اور کانگرس کے ساتھ اپنا قارورہ ملانے کے لئے ہر قسم کھلے اوچھے ہتھیار استعمال کرنے پر کمربستہ رہتا تھا۔ چیف منسٹر اور دوسرے کانگرسی وزیروں کے سامنے وہ بڑی فرمانبرداری سے دم ہلاتا رہتا تھا، لیکن چیف سیکریٹری سمیت باقی افسروں پر وقت بے وقت، جائز ناجائز، دھونس جمانا اپنا فرض منصبی سمجھتا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ چیف سیکریٹری کے طور پر میں بھی چند روز کا مہمان ہوں۔" مسٹر مکر جی نے کہا یہ لوگ مجھے درجہ اول کا ہندو نہیں سمجھتے، اس لئے بہت جلد مجھے بھی کسی بے ضرر اور بے اثر محکمے کی پول میں دھانس دیا جائے گا۔ مجموعی طور پر یہ چھوٹے دل کے کمینے لوگ ہیں۔ ان کے پتھریلے ضمیر انسان دوستی کی شبنم سے ناآشنا ہیں۔ تم ان کی باتوں میں نہ آنا۔ بڑے شوق سے پاکستان جاؤ۔ وہاں جانا تمہارا فرض ہے۔ چند روز بعد گورنر ہاؤس میں کسی ڈنر کی تقریب تھی۔ اسی روز اعلان ہوا تھا کہ 15 اگست سے مسٹر چندو لال ترویدی مشرقی پنجاب کے گورنر ہوں گے۔ اس خبر پر وہ بے حد مسرور تھے، کیونکہ پنجاب کی تقسیم کے

Marfat.com

بعد مشرقی پنجاب کو لازمی طور پر ایک پرابلم صوبہ ثابت ہونا تھا۔ ایسے صوبے کی گورنری کے لئے مسٹر چندولال تریویدی کا انتخاب ان کی برتری وتفوق کا بڑا نمایاں طرۂ امتیاز تھا۔

سارے ہندوستان کی حکومت کا مرکز اعصاب دہلی میں تھا۔ ریلوں، بندرگاہوں اور پوسٹ اینڈ ٹیلیگراف سسٹم کا نظام کار دہلی سے کنٹرول ہوتا تھا۔ صنعتی مراکز اور ریسرچ کے ادارے بھارتی علاقوں میں تھے۔ مرکزی حکومت کا ریکارڈ آفس اور پرانی دستاویزات کا محافظ خانہ دہلی میں تھے، امپیریل لائبریری کلکتہ میں تھی۔ بری، بحری اور ہوائی افواج کے ہیڈ کوارٹر دہلی میں تھے۔ سولہ کی سولہ آرڈیننس فیکٹریاں اور فوجی سامان کے تمام ڈپو بھی بھارت کے علاقے میں واقع تھے۔ اس کے علاوہ برٹش راج کا سب سے زیادہ رفیع الشان اور نظر فریب گورنر جنرل لارڈ ماؤنٹ بیٹن بھی بھارت کے حصے ہی میں آیا تھا۔

متحدہ ہندوستان کے دفتری، مالی اور فوجی اثاثوں کا منصفانہ حصہ پاکستان کو دینا پارٹیشن کونسل کی ذمہ داری تھی جس کا صدر لارڈ ماؤنٹ بیٹن تھا۔ ہندو قدم قدم پر ڈنڈی مارتا تھا اور سردار پٹیل نے تو گویا قسم کھا رکھی تھی کہ پاکستان کو کام کی کوئی چیز ملنے نہ پائے۔ پاکستان کے حق کی وکالت کرنے کا سہرا چودھری محمد علی کے سر ہے۔ انہیں قائداعظم اور نوابزادہ لیاقت علی کا مکمل اعتماد حاصل تھا اور اس سلسلے میں انہوں نے انتھک محنت، لگن اور قابلیت سے اپنے فرائض کو نبھایا، پاکستان کے عالم ظہور میں آنے کے وقت اس کی راہ میں جو دشواریاں، رکاوٹیں اور مزاحمتیں حائل کی جا رہی تھیں، ان کا احاطہ چودھری صاحب نے بڑی خوبی اور وضاحت سے اپنی کتاب Emergence of Pakistan میں کیا ہے۔ اس موضوع پر یہ نہایت اہم، مستند، بے لاگ اور واقعیت پسندانہ دستاویز ہے اور تقسیم ہند کے عمل میں لارڈ ماؤنٹ بیٹن، اس کے انگریز مشیروں اور کانگریسی لیڈروں کی ملی بھگت کے بہت سے پوشیدہ گوشوں کو بڑی وضاحت سے بے نقاب کرتی ہے۔

تقسیم کے وقت حکومت ہند کے پاس چار ارب روپے کا کیش بیلنس تھا۔ بڑی طویل تکرار، حجت اور مول تول کے بعد پاکستان کو 75 کروڑ روپیہ دینا طے ہوا۔ بیس کروڑ کی ایک قسط ادا کرنے کے بعد بھارت نے اپنا ہاتھ روک لیا۔ 14 اگست 1947ء کو جب پاکستان وجود میں آیا تو اس نئی حکومت کے پاس بس یہی نقد اثاثہ تھا۔ اس وقت مملکت خداداد کے سامنے مسائل اور اخراجات کی غیر معمولی بھرمار تھی۔ بھارت کے لئے یہ سنہری موقع تھا کہ کیش بیلنس کی ادائیگی روک کر روز اول ہی سے اس نئی مملکت کے دیوالیہ پن کو ساری دنیا میں مشتہر کر دے۔ 15 اگست 1947ء سے 15 جنوری 48ء تک کا زمانہ پاکستان کے لئے مالی لحاظ سے بڑا نازک اور پُر خطر تھا، لیکن یہ منزل بڑی خوش اسلوبی سے گزر گئی، کیونکہ حکومت اور عوام دونوں آزادی کے نشے میں سرشار، کام کی لگن میں چست اور ہر مشکل پر قابو پانے کے لئے تیار تھے۔ آخر 15 جنوری 1948ء کو گاندھی جی کے "مرن برت" سے گھبرا کر بھارتی حکومت نے کیش بیلنس کی باقی قسط بھی با دل نخواستہ پاکستان کو ادا کر دی۔

فوجی سامان کا ایک تہائی حصہ پاکستان کے حصے میں آنا باہمی رضامندی سے منظور ہوا تھا۔ آرڈیننس فیکٹریاں اور ملٹری اسٹور ڈپو سب کے سب بھارت میں تھے، اس لئے ان پر بھارتی حکومت کا پورا قبضہ تھا۔ مسلح افواج اور فوجی سامان کی تقسیم کے لئے جو ادارہ قائم ہوا تھا، فیلڈ مارشل آکنلیک اس کے سپریم کمانڈر تھے۔ جیسے ہی انہوں نے کوشش کی کہ پاکستان کو ملٹری

Marfat.com

سٹورز وغیرہ کا منظور شدہ حصہ ملنا شروع ہو جائے، کانگرسی حکومت نے آسمان سر پر اٹھا لیا اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ مل کر ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ فیلڈ مارشل آکنلیک کو استعفیٰ دے کر پسپا ہونا پڑا۔ نتیجہ کے طور پر فوجی ساز و سامان میں پاکستان کا حق کا کوئی حصہ آج تک ہمیں موصول نہیں ہو سکا۔

دہلی سے سرکاری ملازمین، دفتری فائلوں اور دوسرے متعلقہ سامان کو کراچی پہنچانے کے لئے ہر روز ایک سپیشل ٹرین چلانے کا منصوبہ بنایا گیا تھا، لیکن بہت جلد یہ بندوبست ترک کر دینا پڑا، کیونکہ ان گاڑیوں پر ہندوؤں اور سکھوں کے شدید حملے شروع ہو گئے۔ ان گنت لوگ مارے گئے۔ بہت سا ریکارڈ تلف ہو گیا۔ بے شمار سامان لٹ گیا۔ ٹرینوں کا سلسلہ بند ہونے کے بعد کچھ دنوں بعد بی۔ او۔ اے۔ سی کے ہوائی جہازوں سے ''آپریشن پاکستان'' چلا کر کسی حد تک یہی کام لیا گیا۔

ان گوناگوں مسائل کے علاوہ ایک بہت بڑا مسئلہ بنگال اور پنجاب کی تقسیم کا تھا۔ ایک تجویز یہ تھی کہ یہ نازک اور اہم کا یو۔ این۔ او کی سرکردگی میں کروایا جائے، لیکن پنڈت جواہر لال نہرو نے اسے دوٹوک رد کر دیا۔ قائداعظم کا مطالبہ تھا کہ صوبوں کی تقسیم کے لئے جو باؤنڈری کمشین بنائے جائیں، ان میں انگلستان کے تین لاء لارڈز کو شامل کیا جائے۔ اس کا جواب یہ ملا کہ لارڈز کہنہ سال لوگ ہیں اور وہ ہندوستان کی گرمی برداشت نہ کر سکیں گے، چنانچہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی نامزدگی پر قرعہ فال ایک انگریز وکیل سر سیرل ریڈکلف کے نام نکلا اور بنگال اور پنجاب کی تقسیم کے لئے جو باؤنڈری کمیشن ترتیب دیئے گئے، اسے ان دونوں کا مشترکہ چیئرمین بنا دیا گیا۔

ریڈکلف کو اپنی شخصیت کے مقناطیس کے زیر اثر رکھنے کے لئے لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے اسے وائسرائیگل لاج میں مہمان رکھا۔ ریڈکلف نے بھی اس مسافرنوازی اور تواضع کا پورا پورا صلہ دیا، کیونکہ اب یہ بات تاریخی شواہد سے پایہ ثبوت تک پہنچ گئی ہے کہ بنگال اور پنجاب کی تقسیم کے متعلق ریڈکلف ایوارڈ پاکستان کے خلاف بددیانتی، فراڈ اور سراسر ناانصافی پر مبنی تھا۔ چودھری محمد علی صاحب نے اپنی کتاب میں اسکے متعلق کئی حیرت انگیز، چشم دید اور براہ راست واقعات بیان کئے ہیں۔ اس بات کا دوٹوک فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ ریڈکلف کی شرمناک جانبداری فقط لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے اثر و رسوخ کا نتیجہ تھی یا اس کی تہہ میں سیم وزر کے کچھ محرکات بھی کارفرما تھے۔ یوں اس زمانے میں یہ افواہ بڑی گرم تھی کہ کانگریس نے ریڈکلف کی خدمت میں دو کروڑ روپے کا نذرانہ چڑھایا ہے۔ ایسی باتوں کا حتمی ثبوت نہیں ملا کرتا۔ رشوت لے کر تو چونگی کا محرر بھی صاف بچ نکلتا ہے، کانگرس، لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور ریڈکلف کا گٹھ جوڑ تو بڑی بات تھی۔ برصغیر میں لارڈ کلائیو اور وارن ہیسٹنگز جیسے مشاہیر باج، خراج اور نذرانہ وصول کرنے کی جو روایات چھوڑ گئے ہیں، ان کے پیش نظر اس بات کی کون ضمانت دے سکتا ہے کہ لندن کا ایک غیر معروف وکیل اس زمانے کی دو کروڑ روپے کی خطیر رقم کو شان بے نیازی کے ساتھ پائے حقارت سے ٹھکرا دے گا؟ اس کے علاوہ اور کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ ایک ماہر قانون دان ایسے فیصلے کرے جو نہ صرف خلاف عقل، خلاف ضابطہ اور خلاف شہادت ہوں، بلکہ بیّن طور پر بدنہادی، کج رائی، تمرد اور خودسری پر مبنی ہوں۔

ایک فیصلہ تو کلکتہ کے متعلق تھا، جسے ریڈکلف نے بغیر کسی تحقیق و تفتیش کے مغربی بنگال میں شامل کر دیا۔ جب کسی نے

Marfat.com

یہ تجویز پیش کی کہ کلکتہ شہر کی رائے معلوم کرنے کے لئے وہاں ریفرنڈم کروالیا جائے تو لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے توبہ توبہ کر کے کانوں کو ہاتھ لگائے کیونکہ اسے خدشہ تھا کہ کہیں وہاں کی اچھوت آبادی مسلمانوں کے ساتھ مل کر مشرقی بنگال میں شمولیت کے حق میں رائے نہ دے دے۔ دو برس بعد سردار ولبھ پٹیل نے کلکتہ میں ایک تقریر کے دوران یہ انکشاف کیا کہ کانگرس نے ہندوستان کی تقسیم اسی شرط پر مانی تھی کہ کلکتہ ہندوستان کے حصے میں آئے گا۔ ظاہر ہے کہ یہ خفیہ معاہدہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ ہی ہوا ہوگا۔ مسلم لیگ کو اس سازش کی کوئی خبر نہ تھی۔

پنجاب کی تقسیم میں ریڈ کلف نے اس سے بھی زیادہ خطرناک گل کھلایا۔ گورداسپور کے ضلع کی آبادی میں مسلمانوں کی واضح اکثریت تھی۔ تقسیم کے متفقہ فارمولے کی ہر شق کے مطابق یہ ضلع پاکستان کے حصے میں آتا تھا، لیکن ریڈ کلف نے بغیر کوئی وجہ بتائے اسے بڑی ڈھٹائی اور بے حیائی کے ساتھ بھارت کو دے دیا۔ اس طرح بھارت کو ریاست جموں کشمیر کے ساتھ آمد و رفت کا وہ راستہ مل گیا جو کسی اور طرح اسے میسر نہ آسکتا تھا۔ ریڈ کلف کا یہ فیصلہ دور رس سیاسی بدنیتی کا مظہر تھا، کیونکہ گورداسپور کے بغیر بھارت کو کشمیر پر غاصبانہ قبضہ کرنے کا موقع ہاتھ آسکتا تھا نہ راستہ مل سکتا تھا۔

پہلی بار 1846ء میں انگریزوں نے جب کشمیر ڈوگروں کے ہاتھ فروخت کیا تھا، تو اس کی قیمت مبلغ 75 لاکھ روپے تھی۔ اب عین ایک سو برس بعد فرنگیوں نے جب دوسری بار کشمیر ہندوؤں کے قبضہ اختیار میں دینے کی چال چلی تو اس کی بھاری قیمت بھارت سے نہیں بلکہ پاکستان سے وصول کی گئی۔ گورداسپور کے راستے بھارت کو کشمیر کے ساتھ براہ راست منسلک کر کے برطانیہ نے پاکستان کی نظریاتی، جغرافیائی اور معاشی سرحد پر ایک ننگی تلوار لٹکا دی اور حربی نقطۂ نظر سے اس نئی مملکت کو غیر مملکت کی غیر متوقع اطراف و جوانب سے بھارت کے بے جواز گھیراؤ میں دھکیل دیا۔

مغربی پنجاب کی معاشی زندگی کو بھارت کے پنجہ اختیار میں دینے کے لئے ریڈ کلف نے گورداسپور کے نہلے پر فیروز پور کا دہلا بھی مار دیا۔ فیروز پور میں ان نہروں کے ہیڈ ورکس تھے، جو مغربی پنجاب کو سیراب کرتی تھیں۔ ریڈ کلف نے یہ ہیڈ ورکس بھی بھارت کی جھولی میں ڈال دیئے۔ آٹھ مہینے کے اندر اندر اپریل 1948ء میں بھارت نے ان نہروں کا پانی بند کر کے پاکستان کو اپنی برتری کا مزہ بھی چکھا دیا۔

16 اگست 1947ء کو جب ریڈ کلف کے معاندانہ، مفسدانہ اور نامنصفانہ ایوارڈ کا اعلان ہوا، اس وقت مشرقی پنجاب اور دہلی کے مسلمانوں پر قتل و غارت کی قیامت ٹوٹی ہوئی تھی۔ ہندوؤں اور سکھوں کے مسلح جتھے فوجیوں اور پولیس کی مدد سے کلمہ گو مردوں، عورتوں اور بچوں کے جان و مال اور ناموس سے درندوں کی طرح کھیل رہے تھے۔ کتنے لوگ تہ تیغ ہوئے؟ کتنی عصمتیں لٹیں؟ کتنے معصوم بچے مارے گئے؟ ان سوالوں کا جواب تاریخ کے حساب دان دینے سے سراسر قاصر ہیں۔ ان کا جواب صرف پاکستان کی بنیادوں میں محفوظ ہے۔ دہلی اور مشرقی پنجاب کے علاوہ بھارت کے طول و عرض میں بہت سی اور جگہ بھی ہندو اور سکھ مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلنے میں حسب توفیق مصروف عمل تھے۔ مسلمانوں کے لئے بھارت کی ہر شاہراہ، ہر پگڈنڈی پاکستان کی طرف جاتی تھی اور چند ماہ کے اندر اندر ڈیڑھ کروڑ سے اوپر لٹے پٹے مہاجر پاکستان میں ہجرت کر کے آ گئے۔

Marfat.com

15 اگست کو جب بھارت پر آزادی کی دیوی کا نزول ہوا تو امرتسر شہر نے اس روزِ سعید کو عجیب طور پر منایا۔ جان کونیل نے اپنی کتاب ''آکنلیک'' میں لکھا ہے کہ اس روز سکھوں کے ایک ہجوم نے مسلمان عورتوں کو برہنہ کر کے ان کا جلوس نکالا۔ یہ جلوس شہر کے گلی کوچوں میں گھومتا رہا۔ پھر سارے جلوس کی عصمت دری کی گئی۔ اس کے بعد کچھ عورتوں کو کرپانوں سے ذبح کر دیا گیا۔ باقی کو زندہ جلا دیا گیا۔ وہ گُرو کا خالصہ، واہ گُرو کی فتح!

ستمبر 1947ء میں جب میں کراچی پہنچا تو چاروں طرف سے لٹے پٹے، کٹے پھٹے مہاجرین کا ایک سیلاب عظیم پاکستان میں اُمڈا چلا آ رہا تھا۔ انہی میں کہیں میرا ایک نہایت قریبی عزیز اپنی بیوی اور بچوں سمیت بھی شامل تھا۔ وہ کئی ماہ پہلے مشرقی پنجاب کے گاؤں چمکور صاحب سے کسی قافلے میں روانہ ہوا تھا، اور ہمیں کچھ معلوم نہ تھا کہ وہ پاکستان تک زندہ سلامت پہنچا بھی ہے یا نہیں؟ اور اگر پہنچا ہے تو کہاں پر ہے؟

اس عزیز کی تلاش میں ایک ایک کر کے میں نے تقریباً تمام مہاجر کیمپوں کا بڑا تفصیلی جائزہ لیا۔ ہجرت کا اصلی اندازہ صرف وہی لوگ لگا سکتے ہیں جو خود اس بھٹی سے گزرتے ہیں۔ گھروں میں بیٹھ کر، یا دفتروں کی چاردیواری میں اعداد و شمار کے گوشوارے بنا کر، یا جلسوں اور جلوسوں میں دھواں دھار تقریریں سن کر ہجرت کا صحیح مفہوم سمجھ میں آتا ہے اور نہ مہاجر خانوں میں سسکتے ہوئے، تڑپتے ہوئے، ایڑیاں رگڑتے ہوئے اور اپنوں اور پرایوں کے ہاتھوں لٹتے ہوئے مہاجرین کی داستان ہی پوری طرح سنائی دیتی ہے۔

اپنی اس تلاش کے دوران ظلم، بربریت اور مصائب کی چادر میں لپٹی ہوئے لاکھوں مہاجرین میری نظروں کے سامنے سے گزرے۔ ان میں ہزاروں کی تعداد میں بچے بھی تھے اور جوان اور بوڑھی عورتیں بھی۔ درجنوں نے تڑپ تڑپ کر، رو رو کر، بین کرتے کرتے مجھے اپنی بپتا بھری جیون کہانیاں سنائیں۔ قدرت اللہ شہاب صاحب نے مہاجرین کے حالات پر اپنی کتاب یا خدا میں تفصیل بیان کی ہے۔ اہل ایمان اور پاکستانی کاش یہ سمجھ سکے کہ پاکستان بڑی قربانیوں سے بنا ہے۔ اس داستان کی تفصیلات کتاب یا خدا سے حاصل کریں۔

آزاد کشمیر

ریاست جموں و کشمیر کی تاریخ بڑی پرانی ہے۔ اس کے چار ہزار سال کے قصص و روایات کا کچھ حصہ ''راج ترنگنی'' کی کلاسیکی سنسکرت میں درج ہے۔ اس کے برعکس تحریک آزادی جموں کشمیر کی داستان اگرچہ ظاہری طور پر 1925 سے شروع ہوتی ہے، مگر تا حال ادھوری ہے۔ اس کے باوجود تحریک آزادی کشمیر کی ساٹھ سالہ داستان کئی لحاظ سے ''راج ترنگنی'' کے ہزاروں سال پر بھاری ہے۔ جدوجہد آزادی کی ایک تحریک کے ایک ایک پہلو پر ایک مستند اور مکمل ''راج ترنگنی'' تصنیف ہو سکتی ہے۔ اتنا بڑا کام سرانجام دینا میرے بس کا روگ نہیں، اس لئے اس بات میں میں اس ڈرامے کی چند چیدہ چیدہ جھلکیاں ہی پیش کر سکوں گا۔

16 مارچ 1846ء کے روز عہد نامہ امرتسر کے ذریعہ انگریزوں نے ریاست جموں و کشمیر ایک ڈوگرہ مسمی گلاب سنگھ

Marfat.com

کے ہاتھ 75 لاکھ نانک شاہی روپیہ کے عوض فروخت کردی۔ ریاست کا رقبہ 84471 مربع میل تھا۔ اس نرخ پر یہ سرزمین رشک فردوس بریں تقریباً 155 روپے فی مربع میل یا موجودہ زمانے کے ایک پیسہ میں تقریباً 270 مربع گز پڑا تھی۔ اس وقت کی کل آبادی کے حساب سے انسانوں کی قیمت تقریباً سات یا سوا سات روپے فی کس پڑی۔

گلاب سنگھ کا جانشین رنبیر سنگھ بھی اپنے باپ کی طرح قطعی ان پڑھ اور جاہل تھا، البتہ اس نے اپنے ولی عہد پرتاب سنگھ کی تعلیم وتربیت کے لئے کچھ اتالیق ضرور مقرر کئے۔ کہا جاتا ہے کہ ان میں ایک مسلمان اتالیق کی بہت جلد چھٹی ہوگئی۔ پرتاپ سنگھ پڑھائی میں بے حد غبی اور کند ذہن تھا۔ کسی بات پر ناراض ہوکر اس کے مسلمان استاد نے اس کو ڈانٹا اور کہا ''ابے لونڈے محنت سے پڑھا کر، ورنہ باپ کی طرح جاہل کا جاہل رہ جائے گا'' یہ بات مہاراجہ رنبیر سنگھ تک پہنچی تو وہ بہت بگڑا اور اس نے اپنے بیٹے کے اتالیق کو ملازمت سے برخاست کردیا۔

مہاراجہ پرتاپ سنگھ انتہائی کایاں اور ''دیوانہ بکار خویش ہوشیار'' قسم کا انسان تھا۔ اسے افیون کھانے کی لت تھی، جس کی وجہ سے وہ دن بھر خمار آلود غنودگی کی کیفیت میں مبتلا رہتا تھا۔ اس صورت حال کو ڈھال بنا کر وہ اپنی ذات پر ایک مصنوعی مخبوط الحواسی، بے بناوٹی اور کسی قدر احمقانہ سادگی کا لبادہ اوڑھے رکھتا تھا، لیکن اس ملمع کاری کے پیچھے وہ انتہائی چالاک، ہوشیار اور دور رس سمجھ بوجھ کا مالک تھا۔ انگریزوں کے ساتھ وہ اپنے تعلقات انتہائی استوار رکھتا تھا۔ مسلمانوں کے ساتھ سادگی اور درویشی کا ڈھونگ رچا کر وہ ان کے خلاف ظلم واستبداد کے سارے قوانین کو مضبوط سے مضبوط تر کر رہا تھا اور اپنی حکمت عملی سے ڈوگرہ خاندانوں کو ریاست میں سیاہ وسفید کا مالک بنانے میں کمال ہوشیاری سے کام لیتا تھا۔

میں نے نہایت کم عمری میں صرف ایک بار مہاراجہ پرتاپ سنگھ کو بچشم خود دیکھا تھا۔ انگریزی ریزیڈنٹ کی کرکٹ الیون کے ساتھ میچ کھیلنے کے لئے مہاراجہ نے اپنے افسروں کی ایک ٹیم کھڑی رکھی تھی۔ میرے والد مہاراجہ کی ٹیم میں شامل تھے۔ مہاراجہ بذات خود اس ٹیم کا کپتان تھا، لیکن جب وہ کھیلنے کے لئے میدان میں اترا تو اس کا حلیہ بہروپیوں جیسا تھا۔

اگرچہ ریاست میں سرکاری طور پر بجٹ بنانے کا دستور رائج ہو چکا تھا، لیکن مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے ذاتی اخراجات کی تفصیل بصیغہ راز رکھی جاتی تھی۔ راج محل کے اخراجات کی ایک مد ''ٹٹی پُن'' کہلاتی تھی۔

مہاراجہ پرتاپ سنگھ بے اولاد تھا۔ اپنی جانشینی کے لئے اس نے اپنی برادری کا ایک لڑکا منتخب کر کے متبنٰی بنا کر رکھا تھا، لیکن ہرسنگھ کے باپ راجہ امر سنگھ کو یہ بات گوارا نہ ہوئی، کیونکہ وہ اپنے بیٹے کو ریاست کا وارث بنانا چاہتا تھا۔ اپنی اس خواہش کو پورا کرنے کے لئے اس نے ریاست کے طول وعرض میں سازشوں کا جال بچھا دیا۔ اس ساز باز میں راجہ امر سنگھ کو حکیم نوردین سے بڑی مدد ملی۔ حکیم نوردین مہاراجہ رنبیر سنگھ کے زمانے سے ریاست کا شاہی طبیب تھا۔ اس کے علاوہ وہ مرزا غلام احمد قادیانی کا دست راست بھی تھا۔

راجہ امر سنگھ کا بیٹا ہرسنگھ انتہائی بدکردار، بداخلاق، آوارہ گرد، لچا لفنگا اور بدمعاش شخص تھا۔ اس کی جنسی بے راہ روی اور بدقماشیوں کے بہت سے قصے زبان زد خاص وعام تھے۔ مسٹر X کے پردے میں ایک انگریز عورت کے ہاتھوں بلیک میل

Marfat.com

(Blackmail) ہوکر وہ کافی ذلت، بدنامی اور مالی نقصان اٹھا چکا تھا۔ اس کے باوجود انگریز حکمرانوں نے پرتاپ سنگھ کے منتخب متنبیٰ کے بجائے رسوائے زمانہ ہرسنگھ کو ہی ریاست کی گدی پر بٹھایا۔ کہا جاتا تھا کہ اس فیصلے میں طرح طرح کی مالی، سیاسی اور جنسی رشوت کا بھی بہت کچھ عمل دخل تھا۔

مہاراجہ ہری سنگھ 1925 میں گدی نشین ہوکر اپنے لہو ولعب اور عیش ونشاط کی بدمستیوں میں ایسا غرق ہوا کہ ریاست کے چھوٹے بڑے ڈوگرہ ہندو ملازمین کو اپنی من مانی کارروائیاں کرنے کی کھلی چھٹی مل گئی۔ مسلمانوں کی آبادی ایک صدی سے زیادہ سکھوں اور ڈوگروں کی غلامی میں ہر طرح کے ظلم وستم کا نشانہ بنی ہوئی تھی۔ اب ان کے مصائب میں کئی گنا مزید اضافہ ہوگیا، لیکن اسی زمانے میں مسلمانوں کی نئی نسل اچانک ردعمل کے ہیجان نے سر اٹھانا شروع کردیا۔ 1929ء میں سرینگر میں شیخ عبداللہ نے ''ریڈنگ روم پارٹی'' کے نام سے ایک تنظیم قائم کی۔ اسی زمانے میں جموں میں بھی چودھری غلام عباس نے اے۔ آر۔ ساغر اور دیگر چند ساتھیوں کے ساتھ مل کر ''ینگ مینز مسلم ایسوسی ایشن'' (Youngmens' Muslim Association) کی بنیاد ڈالی۔ ان دونوں تنظیموں کا ظاہر سماجی لیکن باطن سیاسی تھا۔ انہوں نے ریاست کے مسلمان نوجوانوں کو ایک پلیٹ فارم پر مل بیٹھنے، اپنے ماحول کا جائزہ لینے اور معاشرے کی ناہمواریوں اور ناانصافیوں پر صدائے احتجاج بلند کرنے کا آہنگ سکھایا۔ مہاراجہ ہری سنگھ کا زیادہ وقت کلکتہ، بمبئی، لندن اور پیرس کے عشرت خانوں میں گزرتا تھا۔ میدان صاف پاکر ریاست کے ہندو اہلکاروں کی چیرہ دستیاں اس قدر بڑھ گئیں کہ اب وہ مسلمان رعایا کے مال ودولت اور عزت وناموس کے علاوہ ان کے دین اور ایمان پر بھی ہاتھ ڈالنے لگے۔ 1931ء میں پہلی ریاسی میں ایک مسجد شہید کردی گئی۔ پھر کوٹلی میں مسلمانوں کے ایک جم غفیر کو زبردستی جمعہ کی نماز ادا کرنے سے روک دیا گیا۔ اس کے علاوہ جموں میں ایک ہندو پولیس کانسٹیبل نے جان بوجھ کر قرآن حکیم کی سخت بے حرمتی کی۔ ان واقعات نے ریاست بھر کے مسلمانوں میں شدید غم وغصے کی آگ بھڑکا دی۔ جگہ جگہ احتجاجی جلسے اور جلوس شروع ہوگئے۔ خاص طور پر سرینگر میں عبدالقدیر نامی ایک شعلہ بیاں مقرر نے بڑے بڑے جلسوں میں تقریریں کرکے مہاراجہ کی حکومت کی دھجیاں اڑادیں۔ اسے گرفتار کرکے جیل میں مقدمہ چلایا گیا۔ 13 جولائی 1931ء کو مسلمانوں کے ایک جم غفیر نے جیل کا محاصرہ کرکے مطالبہ کیا کہ انہیں عبدالقدیر کے زیر سماعت مقدمہ کی کارروائی سننے کی اجازت دی جائے۔ اجازت دینے سے انکار کرکے مجمع کو منتشر کرنے کے لئے پولیس نے گولی چلادی، جس میں 27 افراد ہلاک اور بے شمار زخمی ہوئے۔ شیخ عبداللہ اور چودھری غلام عباس گرفتار کرلئے گئے۔ تین روز بعد پھر سرینگر میں فائرنگ ہوئی جس میں دوبارہ مسلمانوں کو خون بہا۔ آزادی کے نام پر کشمیری کی سرزمین پر خون کی یہ قربانی آج تک بدستور جاری ہے۔ 13 جولائی کو ہر سال شہدائے کشمیر کی یاد بھی پابندی سے منائی جاتی ہے۔

سرینگر میں 13 جولائی کی وحشیانہ فائرنگ سے سارے برصغیر کے مسلمانوں میں بھی رنج واضطراب کی لہر دوڑ گئی۔ سب سے پہلے لاہور میں خان بہادر رحیم بخش سیشن جج کی ملتان روڈ والی کوٹھی پر مشورہ کرنے کے لئے چند مسلمانوں کا ایک اجتماع ہوا۔ جموں کی Youngmen's Muslim Association کی نمائندگی کرنے کے لئے اے۔ آر۔ ساغر

Marfat.com

بھی اس میں شامل تھے۔اس میں طے پایا کہ ہندوستان بھر کے سر برآوردہ مسلمان اکابرین کو اکٹھا کر کے اس بارے میں کوئی متفقہ فیصلہ کیا جائے، چنانچہ 25 جولائی 1931ء کو شملہ میں فیئر ویونام کی ایک دومنزلہ کوٹھی میں ایک میٹنگ کے نتیجہ میں آل انڈیا کشمیر کمیٹی قائم کی گئی۔اس میٹنگ میں جو حضرات شامل ہوئے ،ان میں علامہ اقبال، نواب سر ذوالفقار علی، خواجہ حسن نظامی، نواب کنج پورہ، نواب باغپت، سید محسن شاہ، خان بہادر شیخ رحیم، عبدالرحیم، سید حبیب، اسماعیل غزنوی، صاحبزادہ عبداللطیف اور اے۔آر۔ساغر کے نام سرفہرست تھے۔چند دوسرے حضرات کے علاوہ وادیٔ کشمیر کے ایک نمائندے غالباً میرک شاہ بھی اس میٹنگ میں شریک ہوئے تھے۔

بدقسمتی سے صدارت مرزا بشیر الدین محمود نے کر ڈالی اور آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے صدر بھی وہی بن بیٹھے۔یہ قادیانیوں کی ایک سوچی سمجھی چال ثابت ہوئی۔اس کمیٹی کے قائم ہوتے ہی مرزا بشیر الدین محمود نے ہر خاص وعام کو یہ تاثر دینا شروع کر دیا کہ این کی صدارت میں اس کمیٹی کو قائم کر کے ہندوستان بھر کے سر کردہ مسلمان اکابرین نے ان کے والد مرزا غلام احمد قادیانی کے مسلک پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔اس شرانگریز پروپیگنڈا کے جو میں قادیانیوں نے انتہائی عجلت کے ساتھ اپنے مبلغین کو جموں وکشمیر کے طول وعرض میں پھیلانا شروع کر دیا تا کہ وہ ریاست کے سادہ لوح عوام کے علاوہ خاص طور پر شوپیاں میں مسلمانوں کی ایک خاصی تعداد''قادیانی'' بن گئی۔پونچھ کے شہر میں بھی مسلمانوں کی اکثریت نے''قادیانی'' مذہب اختیار کر لیا۔یہ خبر سنتے ہی رئیس الاحرار مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری پونچھ شہر پہنچے اور اپنی خطیبانہ آتش بیانی سے قادیانیت کے ڈھول کا ایسا پول کھولا کہ شہر کی جو آبادی مرزائی بن چکی تھی وہ تقریباً ساری کی ساری تائب ہو کر از سرنو مشرف بہ اسلام ہو گئی۔

آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی صدارت کی آڑ میں مرزا بشیر الدین محمود کی یہ چالبازیاں اور حرکات دیکھ کر علامہ اقبال نے شملہ والی کشمیر کمیٹی سے اپنی علیحدگی کا اعلان کر دیا۔اس کے بعد انہوں نے کشمیر کے متعلق اس تحریک کی اعانت اور سرپرستی فرمانا شروع کر دی، جو مجلس احرار نے بطور نہایت جوش وخروش سے شروع کر رکھی تھی۔

14 اگست 1931ء کو جموں شہر میں پہلی بار''کشمیر ڈے'' منایا گیا۔اے۔آر۔ساغر اور ان کے دیگر رفقاء کار نے یہ پروگرام بنایا تھا کہ ریزیڈینسی روڈ پر انجمن اسلامیہ کے احاطے سے مسلمانوں کا ایک جلوس مرتب کر کے شہر بھر میں گھمایا جائے۔ریاستی حکومت تک یہ خبر پہنچی تو انہوں نے ڈوگرہ فوج کو پہلے ہی سے وہاں بھیج دیا تا کہ یہ جلوس نکلنے ہی نہ پائے۔جلوس کے منتظمین نے خفیہ پیغام رسانی سے کام لے کر انجمن اسلامیہ کے احاطے کے بجائے جامع مسجد میں مسلمانوں کا جم غفیر اکٹھا کر لیا۔ڈوگرہ حکومت نے صورت حال بھانپ کر ایک مسلمان مجسٹریٹ کو مسجد کے باہر تعینات کر دیا کہ مزید مسلمان مسجد میں داخل نہ ہونے پائیں۔اے۔آر۔ساغر جب مسجد میں جانے لگے تو مجسٹریٹ نے انہیں روکا اور پوچھا ''تم اس وقت مسجد میں کیا کرنے جا رہے ہو''؟

ساغر نے جواب دیا کہ وہ نماز ادا کرنے کے لئے مسجد میں جا رہے ہیں۔

صبح کے آٹھ یا ساڑھے آٹھ کا وقت تھا۔مجسٹریٹ نے پوچھا''یہ کون سی نماز کا وقت ہے''؟

Marfat.com

ساغر صاحب نے حاضر جوابی سے کام لے کر کہا ''میں نماز اشراق پڑھنے جا رہا ہوں''۔

مسجد میں داخل ہو کر ساغر صاحب اور ان کے ساتھیوں نے جمع شدہ مسلمانوں کا جلوس مرتب کیا اور ''اللہ اکبر'' کے نعرے لگاتا ہوا جلوس مسجد سے برآمد ہوا۔ اس وقت تک نیزوں سے مسلح ڈوگرہ فوج کا ایک دستہ بھی میجر محمد خان کی کمان میں وہاں پہنچ گیا تھا۔ مسلمان میجر نے ڈوگرہ فوجیوں کو حکم دیا کہ جلوس منتشر کرنے کی خاطر وہ اپنے نیزے سے کسی شخص کو زخمی نہ کریں بلکہ ڈرا دھمکا کر جلوس روک دیں۔ مسلمان ہونے کے ناطے سے میجر محمد خان نے یہ حکم تو صریحاً اپنی ذمہ داری پر دیا تھا، لیکن کسی طرح ڈوگرہ فوجیوں کو یہ تاثر بھی دے دیا کہ حکومت کا بھی یہی منشا ہے۔

اس واقعہ کے بعد جب حکام بالا اور مہاراجہ تک یہ خبر پہنچی تو مسلمانوں کے ساتھ اس ہمدردانہ رویے کی پاداش میں میجر محمد خان کو فوری طور پر فوج سے نکال دیا گیا۔ زندگی کے آخری آٹھ دس برس انہوں نے پاکستان میں انتہائی گمنامی اور مفلسی کی حالت میں گزارے۔ کچھ عرصے انہوں نے جہلم میں لکڑی کے ٹھیکیداروں کے گوداموں کی چوکیداری کر کے گزر اوقات کی۔ یہ بات انتہائی شرمناک ہے کہ حکومت پاکستان یا آزاد جموں و کشمیر کی حکومت میں کسی کو تو خیال تک نہ آیا میجر محمد خان جیسے مرد مجاہد کی قربانی اور خدمت بھی ہماری اعانت کی مستحق ہے۔

یہ عجیب حسن اتفاق ہے کہ 14 اگست 1931ء کو پہلی بار ''کشمیر ڈے'' منایا گیا تھا۔ عین سولہ برس بعد 1947ء میں اسی تاریخ کو پاکستان کا قیام بھی وجود میں آیا۔ اب 14 اگست کو ہر سال ''پاکستان ڈے'' منایا جاتا ہے، لیکن یوم پاکستان کا جشن آزادی اس وقت تک ہرگز شرمندہ تکمیل نہیں ہو سکتا، جب تک کہ کشمیر کا ایک بڑا حصہ بھارت کے قبضہ اقتدار سے آزاد نہیں کروایا جاتا۔

علامہ اقبال کی سرپرستی میں تحریک کشمیر کی رہنمائی مرزا البشیر الدین محمود کی کشمیر کمیٹی سے نکل کر مجلس احرار میں آ گئی تو قادیانیوں نے متوازی خطوط پر اپنی کمیٹی چلانے کے لئے بہت ہاتھ پاؤں مارے، لیکن احراریوں کے مقابلے میں ان کی دال نہ گل سکی۔ کسی وجہ سے جس کا مجھے علم نہیں قادیانی عرصہ دراز سے کشمیر پر اپنا تسلط جمانے کا خواب دیکھتے چلے آئے ہیں۔ ریاست میں مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی ایجی ٹیشن میں انہیں غالباً اپنے اس خواب پریشان کی تعبیر نظر آنے لگی۔ لیکن مجلس احرار نے ان کی یہ امنگیں اور آرزوئیں خاک میں ملا دیں۔

اکتوبر 1931ء میں پہلے تو احرار کے چند سرکردہ قائدین نے خود سرینگر جا کر مہاراجہ ہرسنگھ اور اس کے وزیراعظم سر ہری کرشن کول سے مل کر افہام و تفہیم کے ذریعے معاملات سلجھانے کی کوشش کی، لیکن وہ تو لاتوں کے بھوت تھے، باتوں سے کیسے مان جاتے؟ مایوس ہو کر احراری لیڈر واپس آئے تو سارا پنجاب ''کشمیر چلو کشمیر چلو'' کے نعروں سے گونج اٹھا اور آزادی کشمیر کے متوالے رضاکاروں نے سر پر کفن باندھ کر ریاست کی سرحدیں عبور کرنے کا بیڑا اٹھا لیا۔ پہلی یورش سیالکوٹ کی جانب سے شروع ہوئی۔ اس جیالے شہر کے مسلمانوں نے گھر گھر کو جذبہ جہاد کی حرارت سے پگھلا کر رکھ دیا۔ ماؤں نے بیٹوں کو، بہنوں نے بھائی کو، اور بیویوں نے شوہروں کو خوشی خوشی دعائیں دے کر ریاست میں داخل ہونے کے لئے رخصت کیا۔ ریاستی حکام کا

Marfat.com

اندازہ تھا کہ زیادہ سے زیادہ پانچ ہزار رضا کار جموں تک آ پائیں گے، جنہیں آسانی سے گرفتار کر کے محبوس کیا جا سکے گا، لیکن جب دیکھتے ہی دیکھتے دس ہزار سے بھی اوپر مجاہد گرفتاریاں پیش کرنے کے لئے جموں پر چڑھ آئے تو مقامی پولیس بے بس اور بدحواس ہوگئی۔

دوسری جانب میر پور میں بھی تحریک آزادی کے شعلے تیزی سے بھڑک رہے تھے۔ خاص طور پر جب ایک مسلمان سیاسی کارکن کو دن دہاڑے ایک ڈوگرہ افسر نے برسرِ عام نوک سنگین سے سینہ چھید کر شہید کر ڈالا تو چاروں طرف غم اور غصے کی آگ بھڑک اٹھی۔ پنجاب کے کونے کونے سے مسلمان نوجوانوں کے جتھے کلمہ شہادت کا ورد کرتے جہلم کے راستے کشمیر کی سرحدوں کی طرف پیادہ روانہ ہوگئے، جس طرف وہ پیدل مارچ کرتے ہوئے گزرتے تھے "کشمیر چلو کشمیر چلو" کی صدائے باز گشت کا نقش لوگوں کے دلوں پر چھوڑتے جاتے تھے۔

تیسری جانب تیس رضا کار قرآن شریف پر یہ حلف اٹھا کر راولپنڈی سے روانہ ہوئے کہ وہ جان کی بازی لگا کر دریائے جہلم پر کوہالہ کا پل بند کر کے رہیں گے۔ تین دن کی سرتوڑ ہمت مردانہ سے کان لینے کے بعد انہوں نے یہ پل اپنے قبضہ میں کرلیا اور اسی طرح وادی کشمیر کے ساتھ تجارت کی یہ واحد شاہراہ بند ہوگئی۔ آن کی آن میں دونوں جانب رکی ہوئی گاڑیوں، لاریوں اور ٹرکوں کی طویل قطاریں بندھنا شروع ہوگئیں۔

کچھ رضا کاروں نے گورداسپور اور گجرات کی جانب سے بھی اپنی یلغار شروع کی، لیکن ان علاقوں میں ہندو آبادی کی اکثریت تھی، اس لئے یہ محاذ اور گجرات سے ہمکنار نہ ہو سکے۔

مہاراجہ کشمیر کی درخواست پر ہندوستان کی برطانوی حکومت بھی لنگر لنگوٹ کس کر میدان میں اتر آئی، چنانچہ رضا کاروں کو کشمیر میں داخل ہونے سے روکنے کے لئے اب صوبہ پنجاب میں بھی ان کی گرفتاریاں عمل میں آنے لگیں۔ پنجاب کی جیلیں بھی بہت جلد اٹا اٹ بھر کر کم پڑ گئیں۔ شدید بدانتظامی اور ضروری سامان کی کمیابی کی وجہ سے کئی درجن رضا کار نمونیہ میں مبتلا ہو کر جیلوں ہی میں فوت ہو گئے۔ کئی مقامات پر جیلوں میں جگہ کی قلت کی وجہ سے پولیس والے بہت سے نئے گرفتار شدہ رضا کاروں کے گلے میں تختیاں لٹکا کر احرار کے دفتروں میں چھوڑ جاتے تھے تاکہ جگہ خالی ہونے پر انہیں جیلوں میں لے جائیں! اندازہ ہے کہ صرف پنجاب سے تقریباً 45 ہزار نوجوان گرفتار ہوئے، 5 ہزار سے زائد رضا کار دوسرے صوبوں سے بھی شامل ہوئے۔

ریاست کے اندر اور باہر مسلمانوں کی منظم ایجی ٹیشن سے متاثر ہو کر نومبر 1931ء گلینسی کمیشن قائم کیا گیا۔ سر بی۔ جے۔ گلینسی اس کے صدر اور غلام محمد عشائی، پنڈت پریم ناتھ بزاز اور چوہدری غلام عباس اس کے ممبر تھے۔ کمیشن کے مقاصد میں ریاست کے مسلمانوں کی حالت زار کا جائزہ لے کر ان کے حقوق کی نشاندہی کرنا اور جولائی کی پولیس فائرنگ کے صحیح کوائف کی تحقیقات کرنا شامل تھے۔

دیگر کئی اقدامات کے علاوہ اس کمیشن نے ریاست میں ایک قانون ساز اسمبلی قائم کرنے کی بھی پرزور سفارش کی۔

Marfat.com

ہندوستان میں انگریزوں کے پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ کے دباؤ سے مجبور ہوکر مہاراجہ ہرسنگھ نے انتہائی بے دلی سے یہ سفارش قبول کر کے ایک اسمبلی قائم کر ڈالی جس کا فریضہ حکومت کو فقط مشورہ دینا تھا۔اس سے زیادہ اس نام نہاد اسمبلی کے پاس کوئی خاص اختیار نہ تھا 75 اراکین کی اس اسمبلی میں صرف 33 ممبر انتخاب کے ذریعہ لے جاتے تھے۔21 مسلمان اور 12 غیر مسلم، باقی 42 ممبر حکومت خود نامزد کرتی تھی۔اس طرح اس نوعیت کی محدود مشاورتی اسمبلی میں بھی ریاستی حکومت کے اپنے نامزد کردہ اراکین کی تعداد منتخب ممبروں کی تعداد سے کہیں زیادہ تھی۔

گلینسی کمیشن کے قیام کے ایک برس بعد 1933ء میں سرینگر پتھر مسجد میں، جموں وکشمیر مسلم کانفرنس کی بنیاد ڈالی گئی۔ شیخ محمد عبداللہ اس کے صدر اور چودھری غلام عباس جنرل سیکریٹری منتخب ہوئے۔1935ء میں جب اسمبلی کے لئے پہلی بار انتخابات ہوئے تو شیخ محمد عبداللہ مسلم کانفرنس کے ٹکٹ پر کامیاب ہوکر اسمبلی میں شامل ہوئے۔

سات برس تک شیخ صاحب اور چودھری غلام عباس کا گہرا اور پرخلوص اور برادرانہ باہمی تعاون اور ساتھ رہا۔مسلم کانفرنس کے پلیٹ فارم سے ان دونوں رہنماؤں نے پا پیادہ چل چل کر ریاست کے چپے چپے میں عوام الناس میں سیاسی بیداری کی زبردست روح پھونکنے کا شاندار کارنامہ سرانجام دیا۔ان دنوں شیخ صاحب اپنی تقریر، قرآن حکیم کی قرأت اور اس کے بعد نعت رسول مقبول ﷺ سے شروع کرتے تھے۔ان کی آواز لحن داؤدی کا سماں باندھ دیتی تھی۔ان کی تقریر میں آتش بیانی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔اسی طرح چودھری غلام عباس بھی سادگی، خوش بیانی، سلاست اور جذبات کی فراوانی کا بے حد خوبصورت مجسمہ تھے۔ان دونوں کی تقریروں کو لوگ سحرزدہ سامعین کی طرح مبہوت ہوکر سنتے تھے، تڑپتے تھے اور بعض دھاڑیں مار مار روتے تھے۔اس قسم کے جلسے میں نے زندگی بھر میں کہیں نہیں دیکھے۔ان دونوں حضرات کے علاوہ ایسے جلسوں میں اے۔آر۔ساغر کی آتش بیانی بھی فصاحت وبلاغت کی لاجواب فضا باندھ دیتی تھی۔

مسلمان عوام کو ریاست کے طول وعرض میں اس طرح بیدار اور منظم ہوتے دیکھ کر ہندوؤں کے پیٹ میں بھی مروڑ اٹھا اور انہوں نے ڈوگرہ حکام سے مل کر ہندوستان سے ایک جارحانہ ہندو تحریک راشٹریہ سیوم سیوک سنگ (R.S.S) کو دعوت دی کہ وہ جموں وکشمیر میں بھی اپنے اڈے قائم کرنا شروع کردے، چنانچہ مسلم کانفرنس کے قیام کے دو برس بعد 1934ء میں آر۔ ایس۔ایس نے اپنا کام شروع کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے سرینگر، جموں، میرپور، کوٹلی، سانبہ، اودھم پور اور کٹھوعہ کے علاوہ دیگر کئی مقامات پر بھی اپنے اکھاڑے قائم کر لئے۔بظاہر ان کا مقصد یہ نظر آتا تھا کہ ہندو نوجوانوں کی جسمانی ورزشوں کے لئے یہ جمناسٹک کلب قائم کئے گئے ہیں، لیکن درحقیقت ان اڈوں کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کے ساتھ نبردآزما ہونے کے لئے ریاست کی ہندو اقلیت کو جنگی تربیت دے کر کیل کانٹے سے لیس کردیا جائے۔

ادھر عوامی سطح پر راشٹریہ سیوم سیوک سنگ نے اپنا کام شروع کیا، ادھر آل انڈیا کانگرس کی قیادت نے شیخ عبداللہ پر ڈورے ڈالنے شروع کردیئے۔اس سیاسی مہم کے سرغنہ مہاتما گاندھی اور پنڈت جواہر لال نہرو بنفس نفیس پیش پیش تھے۔یہ تو غالباً وثوق سے کوئی نہیں کہہ سکتا کہ کانگریس کے کیوپڈ (Cupid) دیوتا نے شیخ صاحب کے دل پر کیا کیا تیر چلائے، لیکن یہ

Marfat.com

بات سب جانتے ہیں کہ مسلم کانفرنس کی سات سالہ بے تاج بادشاہی کے بعد 1939ء میں شیخ عبداللہ سیاست السامیہ کے ہمالیہ کی چوٹی سے لڑھک کر منہ کے بل گرے اور ہندو کانگرس کی جھولی میں دھم سے آپڑے۔ زوال کے اس عمل میں ان کے چہرے پر سجی ہوئی نہایت خوبصورت اور دیدہ زیب ریش مبارک آناً فاناً غائب ہوگئی اور ان کے سر کی سج دھج ایک سرخ رنگ کی ترکی ٹوپی بھی راستے میں کہیں گر کر کانگرس کی گنگا ماتا میں ڈوب گئی۔ مسلم کانفرنس سے رشتہ توڑ کر شیخ صاحب نے آل انڈیا کانگرس سے فیضان اور وجدان اور رہنمائی حاصل کر کے جموں وکشمیر نیشنل پارٹی کا ڈول ڈالا۔ یہ پارٹی شروع ہی سے آل انڈیا کانگرس کی داسی بنی رہی ہے۔ اس کے برعکس چودھری غلام عباس کی قیادت میں جموں وکشمیر کانفرنس نے ہمیشہ پاکستان کے ساتھ غیر مشروط وفاداری سے ساتھ دیا ہے۔ شیخ محمد عبداللہ کی اس کایا کلپ کے بارے میں وقتاً فوقتاً طرح طرح کی قیاس آرائیاں اور افواہیں جنم لیتی رہی ہیں۔ اس زمانے میں ایک افواہ جو ریاست کے طول وعرض میں انتہائی شدت سے گردش کر رہی تھی اس کا تعلق جموں وکشمیر کے وزیر اعظم سر گوپال سوامی آئنگر سے تھا۔ یوں تو یہ حضرت انڈین سول سروس کے افسر تھے لیکن در پردہ کانگرسیوں کے ساتھ بھی گہری ساز باز رکھتے تھے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ آزادی کے بعد وہ بھارت کی کابینہ میں بھی شامل کر لئے گئے تھے۔ مشہور ہے کہ شیخ عبداللہ کو کانگرس کی جھولی ڈالنے کے لئے وزیر اعظم کی حیثیت سے انہوں نے انواع واقسام کی ریشہ دوانیوں سے کام لیا۔ ان میں سے ایک افواہ یہ گرم تھی کہ کسی ہیر پھیر سے انہوں نے شیخ صاحب کو دو کروڑ روپے کا جنگلات کا ٹھیکہ بھی دے دیا تھا واللہ اعلم۔

برصغیر میں جوں جوں حصول پاکستان کا مطالبہ زور پکڑتا گیا۔ ریاست میں بھی مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت کی حیثیت سے مسلم کانفرنس کا پلہ اسی رفتار سے بھاری ہوتا گیا۔ 1945ء کے انتخابات میں مسلم کانفرنس نے مسلمانوں کی 80 فیصد نشستیں جیت لیں۔ مسلمانوں کی سیاسی بیداری کا یہ حال دیکھ کر ڈوگرہ حکومت بدحواس ہوگئی اور انہوں نے فوری طور پر ریاست میں ہر قسم کی سیاسی سرگرمیوں پر پابند عائد کر دیں۔ فقط راشٹریہ سیوم سیوک سنگ کو ہر قسم کے جلسے کرنے اور جلوس نکالنے کی آزادی تھی۔ اکتوبر 1946ء میں مسلم کانفرنس نے سیاسی پابندیوں کی خلاف ورزی کرنے کی کوشش کی تو اس کے تمام رہنماؤں اور بے شمار کارکنوں کو بغیر مقدمہ چلائے گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا۔

3 جون 1947ء کو جب تقسیم ہند کا فارمولا منظور ہوا تو برصغیر کی 562 ریاستوں کو آزاد چھوڑ دیا گیا تھا کہ وہ اپنی جغرافیائی اور معاشیاتی حقائق کے پیش نظر ف اپنی اپنی آبادی کی خواہشات کے مطابق بھارت یا پاکستان سے الحاق کر لیں۔ ریاست جموں وکشمیر کی آبادی 80 فیصد مسلمانوں پر مشتمل تھی۔ اس کی سرحدوں کے چھ سو میل مغربی پاکستان کے ساتھ مشترک تھے۔ ریاست کی واحد ریلوے لائن سیالکوٹ سے گزرتی تھی اور بیرونی دنیا کے ساتھ ڈاک اور تار کا نظام بھی مغربی پاکستان کے ذریعہ قائم تھا۔ ریاست کی دونوں پختہ سڑکیں راولپنڈی اور سیالکوٹ سے گزرتی تھیں اور کشمیر کی تمام درآمدات اور برآمدات کا راستہ بھی پاکستان سے وابستہ تھا۔ ان سب حقائق کے پیش نظر ریاست جموں وکشمیر کے ساتھ الحاق لازمی طور پر ایک قدرتی اور منطقی فیصلہ ہونا چاہئے تھا، لیکن مہاراجہ ہرسنگھ اور کانگرسی لیڈروں کے دلی عزائم اس فیصلہ کے برعکس تھے۔ اپنے ان مذموم عزائم کو

Marfat.com

عملی جامہ پہنانے کے لئے انہوں نے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ مل کر سازشوں کا ایسا جال بنا جس کے پھندے میں مقبوضہ ریاست کے بے بس اور مظلوم باشندے آج تک بری طرح گرفتار ہیں۔

3 جون 1947ء کے فارمولے کا اعلان ہوتے ہی سب سے پہلے مہاتما گاندھی اور کانگرس کے صدر مسٹر جے۔ بی۔ کرپلانی فوراً کشمیر پہنچے اور مہاراجہ ہرسنگھ کے ساتھ ساز باز کر کے اپنی سازشوں کے جال کی منصوبہ بندی کر آئے۔

پاکستان کے وجود میں آتے ہی مہاراجہ کشمیر نے یہ چال چلی کہ حکومت پاکستان کے ساتھ ایک Standstill Agreement طے کر لیا، جس کی رو سے ریاست کے ڈاک، تار اور تجارتی کاروبار نظام کو برقرار رکھنے کے لئے پاکستان کی سرزمین پر پہلے جیسی سہولتیں برقرار رہیں۔ پاکستان نے اسے مہاراجہ کی خیر سگالی کا مظاہرہ سمجھا تاکہ الحاق کا فیصلہ کرنے سے پہلے ریاست کے ذرائع ورسائل اور درآمدات، برآمدات میں کسی قسم کا خلل نہ پڑے، لیکن مہاراجہ کی جانب سے یہ معاہدہ محض دھوکہ تھا، کیونکہ ساتھ ہی ساتھ اس نے ہندوستان کے ذریعہ جنرل پوسٹ آفس لندن کو یہ ہدایات بھی جاری کر دیں کہ آئندہ ریاست جموں وکشمیر میں آنے والی سب ڈاک نئی دہلی کی معرفت ارسال کی جائے۔ مہاراجہ کی منافقت میں لارڈ ماؤنٹ بیٹن سمیت بھارتی حکومت کی سازشانہ شرکت کا یہ ایک بیّن ثبوت تھا۔

16 اگست 1947ء کو تقسیم ہند کے بارے میں جب ریڈکلف ایوارڈ کا اعلان ہوا تو ضلع گورداسپور کی آبادی میں واضح مسلمان اکثریت کے باوجود اسے بغیر کوئی وجہ بتائے انتہائی شرانگیز بدنیتی کے ساتھ بھارت کو دے دیا گیا تھا، کیونکہ گورداسپور کے بغیر بھارت کو کشمیر پر غاصبانہ قبضہ کرنے کا موقع ہاتھ آ سکتا تھا نہ راستہ مل سکتا تھا۔ رفتہ رفتہ اب ایسے تاریخی آثار وشواہد منکشف ہو رہے ہیں جن سے یہ بات پایہ ثبوت تک پہنچ گئی ہے کہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن بذات خود اس سازش میں پوری طرح ملوث تھا، البتہ یہ بات فی الحال پردۂ راز میں ہے کہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے ریڈکلف کی اس کھلی بددیانتی اور ناانصافی کا مرتکب ہونے کے لئے کیا کیا حربے اختیار کئے۔ ان حربوں میں بڑی بھاری رشوت بھی بعید از قیاس نہیں۔

پاکستان کے ساتھ Standstill Agreement طے ہوتے ہی مہاراجہ ہری سنگھ نے فیصلہ کر لیا کہ جموں کے صوبے میں پوری مسلمان آبادی کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ اس مہم کی کمان مہاراجہ نے خود اپنے ہاتھ میں لے کر ڈوگرہ فوج، پولیس اور راشٹریہ سیوم سیوک سنگ کے دستوں کو جگہ جگہ خونخوار بھیڑیوں کی طرح مسلم رعایا پر چھوڑ دیا۔ قتل وغارت، لوٹ مار، خواتین کی بے حرمتی اور جوان لڑکیوں کے اغواء کی جو قیامت برپا ہوئی، اسے الفاظ میں بیان کرنا آسان نہیں۔ اس شورش میں جو بے شمار بچیاں اغوا ہوئیں، ان میں چودھری غلام عباس کی ایک چہیتی بیٹی بھی شامل تھی۔ بے شمار مسلمانوں کو پناہ کا جھانسا دے کر بسوں اور ٹرکوں میں سوار کیا گیا تاکہ انہیں سیالکوٹ کی جانب سے پاکستان کی سرحد تک پہنچا دیا جائے گا، لیکن راستے میں ڈوگرہ پولیس کی نگرانی میں آر۔ ایس۔ ایس کے درندوں نے انہیں انتہائی بے دردی سے شہید کر ڈالا۔ صوبہ جموں کے بیشتر علاقے میں مسلمان آبادی کا صفایا کرنے کے بعد اب مہاراجہ نے مسلمانان پونچھ کی طرف اپنا رخ پھیرا۔

پونچھ کی آبادی میں 95 فیصد مسلمان تھے۔ اس آبادی کا ایک کثیر حصہ ریٹائرڈ فوجیوں پر مشتمل تھا جو دوسری جنگ عظیم

Marfat.com

میں دنیا کے کئی محاذوں پر دادِ شجاعت دے چکے تھے۔ صوبہ جموں کے مسلمانوں کے قتل عام کی خبریں سن کر ان کا خون پہلے ہی جوش میں آیا ہوا تھا۔ ساتھ ہی یہ خبر بھی جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی کہ گلگت میں مقامی مسلمانوں نے گلگت سکاؤٹس اور ریاستی فوج کے مسلمان عنصر کے ساتھ مل کر علم بغاوت بلند کر دیا ہے اور مہاراجہ کی حکومت کو جڑ سے اکھاڑ کر آزادی کا اعلان کرنے والے ہیں۔

اس پس منظر میں مہاراجہ کے بہیمانہ عزائم کو بھانپ کر پونچھ کے غیور اور بہادر مسلمانوں نے بھی سر دھڑ کی بازی لگا کر پاکستان کے ساتھ الحاق کا عزم بالجزم کر لیا۔ سارے علاقہ میں ''پاکستان زندہ باد'' کا نعرہ گونجنے لگا۔ ڈوگرہ حکومت نے جگہ جگہ اپنی فوج اور پولیس کی تعداد بڑھا کر عوام الناس کو تشدد سے کچلنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ 25 اگست 1947ء کے روز دھیر کوٹ کے قریب نیال بٹ نامی گاؤں میں الحاق پاکستان کے حق میں ایک جلسہ عام ہو رہا تھا۔ ڈوگرہ فوج کے ایک دستے میں وہاں آ کر اس پرامن جلسے پر بلاوجہ گولی چلا دی۔ اس ظالمانہ واقعہ نے جلتی پر تیل کا کام دیا۔ دو روز بعد سردار عبدالقیوم نے گوریلا مجاہدین کا ایک دستہ منظم کیا اور دھیر کوٹ میں ڈوگرہ پولیس اور فوج کے ایک کیمپ پر حملہ کر کے اس کا صفایا کر دیا۔

اپنی فوج کی اس شکست فاش پر مہاراجہ ہری سنگھ غیظ و غضب سے تلملا کر دیوانہ ہو گیا۔ اس نے ریاست کے ہر حصے سے ڈوگرہ فوج، پولیس اور آر۔ ایس۔ ایس کے دستوں کو مجتمع کر کے اپنے خاص الخاص افسروں کی سرکردگی میں پونچھ کے مسلمانوں کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ ان کو سب سے ضروری ہدایت یہ تھی کہ جتنے مسلمان مرد، عورتیں اور بچے تہ تیغ ہو سکیں انہیں بے دریغ قتل کر دیا جائے۔ باقی ماندہ باغیوں کو کسی نہ کسی طرح پاکستان کی جانب دھکیل دھکال کر ریاست بدر کر دیا جائے۔ پونچھ کی آبادی کے قبائل سدھن، عباسی، چپ، راجپوت، دانیال اور گکھڑ وغیرہ درانی اور افغانی نسل سے تھے اور پاکستان کے کئی ملحقہ اضلاع مثلاً سیالکوٹ، گجرات، جہلم اور راولپنڈی میں ان کی بیشمار رشتہ داریاں اور عزیز داریاں تھیں۔ ڈوگرہ فوج اور راشٹریہ سویم سیوک سنگ کے تیور دیکھ کر بہت سے مقامی مسلمانوں نے اپنی خواتین اور بچوں کو پاکستان میں اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کے ہاں بھیج دیا اور خود سر سے کفن باندھ کر ڈوگرہ حکومت کے ساتھ جہاد کے لئے تیار ہو گئے۔

دھیر کوٹ میں سردار عبدالقیوم خان نے بہادری کی جو مثال قائم کی تھی، اس کی تقلید میں اب جگہ جگہ مقامی دستے منظم ہو گئے اور انہوں نے پے در پے ڈوگرہ فوج کے چھکے چھڑا کر اپنی سرزمین کو ڈوگرہ حکومت کے پنجۂ استبداد سے آزاد کروانا شروع کر دیا۔ کپتان حسن خان اور سخی دلیر نے اپنے اپنے گوریلا دستوں کے ساتھ دریائے جہلم پر پھمن پتن پل پر متعین ڈوگرہ فوج پر حملہ کر دیا اور کئی گھنٹے کی شدید دست بدست جنگ کے بعد پل کو صحیح سالم اپنے قبضے میں لے لیا۔ ڈوگرہ فوج پسپا ہو کر پلندری کی طرف بھاگی تو کپتان حسن خان نے تعاقب کر کے اسے وہاں سے بھگا کر پونچھ شہر کی جانب دھکیل دیا۔ پونچھ کے نزدیک تولی پور کے مقام پر ایک شدید معرکہ ہوا جس میں ڈوگرہ فوج نے ایک بار پھر منہ کی کھائی۔ اس معرکہ میں کپتان حسن خان نے بھی جام شہادت نوش کیا۔ پھمن پتن کا نام اب آزاد پتن ہے۔ یہاں پر دریائے جہلم پر واقع پل مجاہدین کے قبضہ میں آنے کے بعد ان کا رابطہ کہوٹہ کے راستے راولپنڈی کے ساتھ براہ راست قائم ہو گیا۔

Marfat.com

میجر بوستان خان نے اپنے گوریلا دستے سے منگ کے مقام پر حملہ کر کے وہاں پر مقیم ڈوگرہ فوج کی کمپنی کو مار بھگایا۔ اس کے جواب میں راول کوٹ کے ڈوگرہ کمانڈر نے سارے علاقے میں قتل عام کا حکم دے دیا اور گاؤں میں ایک ایک گھر کو نذر آتش کرنا شروع کر دیا۔ یہ آتش زنی اس قدر شدید اور وسیع پیمانے پر تھی کہ اس کے شعلے پاکستان میں مری کے باشندوں کو بھی نظر آتے تھے۔ میجر بوستان خان نے ہمت نہ ہاری اس کے مٹھی بھر مجاہدین ڈوگرہ فوج کو قدم قدم پر پسپا ہونے پر مجبور کرتے رہے۔

کیپٹن فیروز خان نے اپنے مجاہدین کے گروپ سے تراڑ خیل، دیوی گلی اور ہجیرا کو آزاد کرا کے پونچھ شہر کا محاصرہ کر لیا جو کم و بیش ایک برس تک جاری رہا۔

میجر نصر اللہ نے کچھ سابقہ فوجیوں کو منظم کر کے راولکوٹ میں ڈوگرہ فوج کی مضبوط چھاؤنی پر حملہ کیا اور ادھر ادھر دیہات میں بکھری ہوئی پلٹنوں کو گھیر گھار کر ان کا مکمل صفایا کر دیا۔ مجاہدین کی اس پیش رفت کی تاب نہ لا کر ڈوگرہ فوج راولکوٹ سے بھاگ اٹھی اور پونچھ شہر میں جا کر پناہ گزین ہو گئی۔

ان جنگی کارروائیوں کا یہ نتیجہ نکلا کہ پونچھ شہر اور اس کے گرد و نواح کا تھوڑا سا رقبہ چھوڑ کر اب باقی سارا علاقہ آزاد تھا۔ یہ آزادی مٹھی بھر گوریلا لیڈروں نے اپنے اپنے طور پر مقامی مجاہدین کو منظم کر کے جسم و جان کی بے مثال قربانیاں دے کر اللہ تعالیٰ کے فضل سے حاصل کی تھی۔ ان کے پاس نہ کوئی خزانہ تھا جس سے لڑنے والوں کی تنخواہیں ادا کی جاتیں اور نہ ان کے پاس کوئی رسد گاہیں تھیں جہاں سے کھانے پینے اور گولہ بارود کا سامان باقاعدگی سے محاذ جنگ پر پہنچایا جا سکتا۔ ان کے پاس کوئی فوجی جی۔ ایچ۔ کیو بھی نہیں تھا جہاں سے سپاہیوں کی وردی، آلات حرب اور مرکزی جنگی حکمت عملی کے متعلق ہدایات جاری کی جا سکتیں۔ گوریلا لیڈروں اور مجاہدین فقط ایک جذبے سے سرشار تھے۔ ان کے دلوں میں ایک بے لوث اور سچا جذبہ جہاد موجزن تھا۔ وہ اپنے پھٹے پرانے کپڑوں اور ٹوٹے پھوٹے جوتے پہن کر اپنے سے کئی گناہ زیادہ مضبوط اور مسلح دشمن سے دن رات بے جگری سے لڑتے تھے۔ باد و باراں کے طوفان میں وہ کئی کئی روز اپنی خندقوں میں بھوکے پیاسے پڑے رہتے تھے۔ ان کے معصوم بچے ان کی مائیں، بہنیں اور بیویاں اپنے سروں پر راشن لاد کر کئی کئی میل پا پیادہ چلتی تھیں اور دشمن کی نظر بچا کر اپنے لڑنے والے مجاہدوں رسد کا سامان پہنچایا کرتی تھیں۔ برف باری کے دنوں میں پاؤں میں صحیح جوتے نہ ہونے کی وجہ سے کئی مجاہدوں اور رسد لے کر آنے جانے والے بچوں اور خواتین کے پاؤں متورم ہو کر لہولہان ہو جاتے تھے، لیکن ان کے دل میں بھڑکنے والا جہاد کا شعلہ کبھی مدھم نہ پڑتا تھا۔

جب پونچھ کا بیشتر علاقہ آزاد ہو کر ڈوگرہ حکومت کی لعنت سے پاک ہو گیا تو رفتہ رفتہ چاروں طرف پھیلے ہوئے گوریلا لیڈروں اور مجاہدین کا بھی آپس میں رابطہ ہوتا گیا اور 1947ء کے ماہ اکتوبر کے وسط میں انہوں نے باہمی تعاون سے ایک مرکزی جنگی کونسل قائم کر لی۔ اس کے بعد آزاد شدہ علاقے کا نظم و نسق سنبھالنے کے لئے 24 اکتوبر 1947ء کو جموں و کشمیر حکومت کا قیام عمل میں آیا، جس کے پہلے صدر سردار محمد ابراہیم خان تھے۔ اس حکومت کے قائم ہونے کے بعد مجاہدین آزادی نے باقاعدہ منظم ہو کر ڈوگرہ حکومت کے رہے سہے اقتدار کا قلع قمع کرنا شروع کر دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے دس ہزار مربع میل سے

Marfat.com

زیادہ رقبہ آزاد کرالیا۔ ان میں وہ معرکے خاص طور پر نمایاں ہیں جن میں کامیاب ہو کر بھمبر، میر پور، کوٹلی، مینڈھر، راجوری اور نوشہرہ کو آزادی نصیب ہوئی۔ اس کے علاوہ پونچھ شہر کا طویل محاصرہ بھی ایک یادگار واقعہ ہے۔ ان تمام معرکوں میں آزاد کشمیر کے مجاہدین نے ڈوگرہ فوج کے علاوہ ہندوستانی افواج کے ساتھ بھی سرتوڑ مقابلہ کیا، کیونکہ ریاست کا بھارت کے ساتھ الحاق ہوتے ہی بھارتی مسلح افواج نے بھی فوراً کشمیر پر اپنا قبضہ جما لیا تھا اور اب برسرعام مجاہدین آزادی کے خلاف میدان جنگ میں اتر آئی تھیں۔

پونچھ میں اپنی حکمرانی کی بساط الٹتے دیکھ کر مہاراجہ سنگھ کو اب جہلم وادی کی فکر دامن گیر ہوئی، جس کی آبادی 95 فیصد مسلمانوں پر مشتمل تھی۔ ان میں شیخ بھی تھے، مغل بھی اور پٹھان بھی۔ پٹھانوں میں کُکی خیل آفریدیوں، یوسف زئیوں اور مچھلی پوریوں کا تناسب خاص طور پر نمایاں تھا۔ یہ لوگ پہلے پہل درانیوں کے ساتھ کشمیر میں آئے تھے اور بعد میں یہیں پر آباد ہو گئے تھے البتہ شمالی مغربی صوبہ سرحد میں ان کے اپنے اپنے قبیلوں کے ساتھ گہرے مراسم اور رشتہ داریاں قائم رہیں۔

مہاراجہ ہری سنگھ نے مسلمانوں کی اس کثیر آبادی کو قابو میں رکھنے کے لئے سرینگر کے علاوہ وادی کے دوسرے اہم شہروں میں بھی ڈوگرہ فوج اور راشٹریہ سیوم سیوک سنگھ کے بڑے بڑے گروہ جمع کر رکھے تھے۔ جموں اور پونچھ کے واقعات کی خبریں سن سن کر وادی کے مسلمان بھی اپنے درندہ صفت حکمران کے عزائم سے بے خبر نہ تھے۔ جیسے جیسے مختلف مقامات پر ڈوگرہ فوج اور آر۔ ایس۔ ایس کے مظالم مسلم رعایا پر بڑھتے گئے اسی رفتار سے مظفر آباد اور ٹیٹوال کے علاوہ وادی کے بہت سے باشندوں نے بھی اپنے بال بچوں کو محفوظ رکھنے کے لئے پاکستان کے سرحدی اور قبائلی علاقوں میں اپنے عزیزوں اور دوستوں کے پاس بھیجنا شروع کر دیا۔ ان لوگوں کی آمد کے ساتھ ہی پاکستان اور افغانستان کے قبائلی علاقوں میں غم و غصے کی آگ لگ گئی اور پٹھان قبائلیوں کے لشکروں کے لشکر اپنے مظلوم بھائیوں کی امداد کے لئے جوق در جوق ایبٹ آباد کی راہ سے بسوئے کشمیر اٹھ کھڑے ہوئے۔

یہ قبائلی لشکر نے کسی تنظیم میں منسلک تھے اور نہ ان کی رہنمائی اور خبر گیری کے لئے کسی قسم کا ادارہ ہی موجود تھا۔ جہاں کہیں سے وہ گزرتے تھے، عوام الناس حیرت انگیز کشادہ دلی سے ان کی آؤ بھگت کرتے تھے، خوراک مہیا کرتے تھے اور جگہ جگہ، ٹرک، تانگے اور بیل گاڑیوں کی چھتوں پر بیٹھ کر سفر کرتے تھے اور بعض بعض مقامات پر دریاؤں کو تیر کر یا بکری کی کھال کے بنے ہوئے مشکیزوں کا سہارا لے کر عبور کر لیتے تھے۔ 20 اکتوبر 1947ء تک ایبٹ آباد اور مظفر آباد کے درمیان بٹراسی کے جنگل میں ہزارہا محسودی، وزیری، آفریدی اور مہمند قبائلیوں کا ایک عظیم الشان لشکر جمع ہو گیا۔ وہاں پر اس لشکر کی نگہداشت مردان کے خان خوشدل خان نے بڑی محنت اور فیاضی سے کی اور خورشید انور پاکستان کے ایک ریٹائرڈ میجر خورشید انور نے اس لشکر کی کمان اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اس زمانے میں میجر خورشید انور پاکستان مسلم لیگ کی نیشنل گارڈ کے کمانڈ بھی تھے۔

ریاست کے اندر لوہار گلی اور رام کوٹ وغیرہ میں جو ڈوگرہ فوج متعین تھی اس میں چند مسلمان افسر بھی موجود تھے۔ ان میں کیپٹن شیر خان کا نام سرفہرست تھا۔ انہوں نے اپنے طور پر میجر خورشید انور سے خفیہ رابطہ قائم کیا اور مظفر آباد سمیت دریائے

Marfat.com

رکشن گنگا، دومیل اور کوہالہ کے پلوں کو صحیح سالم فتح کر کے اپنے قبضہ میں لینے کی حکمت عملی تیار کر لی۔ ریاستی فوج کے ایک ریٹائرڈ افسر میجر ایم۔ اسلم خان، ایم۔ سی بھی اس منصوبہ بندی میں شامل ہو گئے۔ وادی جہلم کے مقامی باشندوں نے بھی اندر ہی اندر اپنی صفوں کو منظم کرنا شروع کر لیا۔ مجاہدین ہوم فرنٹ کے نام سے ایک خفیہ تنظیم بھی قائم ہو گئی۔ بہت سے رضا کار گوریلا جنگ کی تربیت حاصل کر کے ایک نیم فوجی تنظیم میں شامل ہو گئے جس کا نام ''حیدری کالم'' تھا۔ ثناء اللہ، محمد اقبال اور عبدالرشید نامی چند رضا کاروں نے کچھ خواتین کو اپنے ساتھ ملا کر سرینگر شہر میں کچھ اسلحہ تقسیم کرنے کی کوشش بھی کی، لیکن بدقسمتی سے ان میں سے کئی ایک گرفتار ہو کر جیل میں ڈال دیئے گئے۔

اس قسم کے ابتدائی اقدامات کسی حد تک مکمل ہو چکے تو 20 اکتوبر کی رات کو مجاہدین نے پیش قدمی شروع کی اور اگلے دو روز کے دوران ڈوگرہ فوج اور راشٹریہ سیوم سیوک سنگ کے دستوں کو شکست دے کر کوہلہ، دومیل اور مظفر آباد کو فتح کر لیا۔ مظفر آباد سے آگے دس میل دور گڑھی دوپٹہ کے مقام پر ڈوگرہ فوج کو ایک اور شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کے بعد اوڑی، بارہ مولا اور سرینگر تک راستہ صاف تھا۔ 24 اکتوبر کو مجاہدین نے مہورہ پر قبضہ کر کے وہ پاور ہاؤس اڑا دیا جس سے سرینگر شہر کو بجلی فراہم ہوتی تھی۔ رات کے نو بجے جب اچانک سارا شہر گھپ اندھیرے میں ڈوب گیا اسوقت مہاراجہ ہرسنگھ اپنے راج محل میں دسہرہ کا دربار لگائے بیٹھا تھا۔

مہورہ سے مجاہدین کا لشکر بارہ مولا پہنچا تو دیکھا کہ ڈوگرہ فوج اور آر۔ ایس۔ ایس کے درندے اس شہر کو اپنے ہاتھوں تاخت و تاراج کر کے پہلے ہی وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ سرینگر کی طرف مجاہدین کی یلغار کی خبر پا کر انہوں نے بیشمار نہتے اور معصوم مسلمان شہریوں کو قتل کر ڈالا تھا۔ ان کے گھر لوٹ کر نذر آتش کر دیئے تھے اور ایک عیسائی خانقاہ کے مکینوں اور اس کے ساتھ ملحق ہسپتال کے مریضوں تک کو اپنی بربریت کی سان چڑھانے سے گریز نہ کیا تھا۔ بارہ مولا کا شہر ملبے کا ڈھیر بنا ہوا تھا۔ وہاں سے سرینگر فقط 35 میل دور تھا۔ آگے کی جانب سڑک بالکل صاف تھی۔ دشمن کی طرف سے اب کسی مقام پر کسی قسم کی مزاحمت کا شائبہ تک موجود نہ تھا۔ مجاہدین کا لشکر فتح و نصرت کے ڈنکے بجاتا بارہ مولا تک آن پہنچا تھا۔ اب فقط چند گھنٹوں میں وہ آگے بڑھ کر سرینگر کے ہوائی اڈے کو قبضے میں لے کر اس مظلوم ریاست کے مسلمانوں کی تاریخ کا دھارا بدل سکتا تھا۔

قسمت کی خوبی دیکھئے ٹوٹی کہاں کمند　　　دو چار ہاتھ جب کہ لبِ بام رہ گیا

مہاراجہ کے دسہرہ دربار میں عین درمیان مہورہ کا بجلی کا گھر مجاہدین کے ہاتھوں شکستہ ہو کر جب سرینگر کا شہر تاریکی میں ڈوب گیا تو ڈوگرہ کے ہندو راجپوت ہری سنگھ کو آناً فاناً اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔ اپنے محلات کا جس قدر بیش قیمتی سامان وہ آٹھ دس ٹرکوں پر لاد سکتے تھے انہیں ساتھ لے کر وہ راتوں رات بانہال روڈ کے راستے جموں کی طرف فرار ہو گیا۔ راستے میں جگہ جگہ رک کر اس نے اپنی ڈوگرہ رعایا کو خبردار کیا کہ راج ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے اس لئے وہ ریاست کی سرزمین پر مسلمانوں کی بغاوت کا سر کچلنے کے لئے تن من دھن کی بازی لگانے پر کمربستہ ہو جائیں۔ جموں کا شہر اور اس کے مضافات مسلمان آبادی یکسر خالی ہو چکے تھے۔ اس مکمل ہندو ماحول کے حصار میں پہنچتے ہی بھگوڑے مہاراجہ نے بھارت سے مدد کی درخواست کی۔ اس کے

Marfat.com

جواب میں سردار ولبھ بھائی پٹیل اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن کا منظور نظر مسٹر وی۔ پی۔ مینن ہوائی جہاز سے پرواز کر کے جموں پہنچا اور بھارتی حکومت کی جانب سے مہاراجہ ہری سنگھ کو دھمکی دی کہ اگر اس نے فوری طور پر اپنی ریاست کا ہندوستان سے الحاق نہ کیا تو اسے کسی قسم کی مدد نہ دی جائے گی۔ بزدل مہاراجہ نے بلا چوں و چراں گھٹنے ٹیک کر بھارت کے ساتھ الحاق کی درخواست پر دستخط کر دیئے۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے جن الفاظ میں اس درخواست کو منظور کیا وہ درج ذیل ہیں:

My Dear Maharaja Sahib,

Your Highness' letter dated 26 October has been delivered to me by Mr. V.P. Menon. In the special circumstances mentioned by your Highness my Government has decided to accept the accession of Kashmir Stare to the Dominion of India. In consistence with their policy that in the case of any state, where the issue of accession has been the subject of dispute, the question of accession should be decided in accordance with the wishes of the people of the state, it is my Government's wish the as soon as law and order have been restored in Kashmir and their soil cleared of the invader, the question of the State's accession should be decided by a reference to the people.

Meanwhile, in response to your Highness appeal for military aid, action has been taken today to send troops of the Indian Army to help your own forces to defend your territory and to protect the lives, property and honour of your people.

My Government and I note with satisfaction that your Highness has decided to invite Sheih Abdullah to form an interim government to work with your Prime minister.

I remain

New Dehli

Your Sincerely,

27 October, 1947

Mountbatten of Burma

مندرجہ بالا خط پر لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے دستخط کی سیاہی ابھی خشک بھی نہ ہوئی تھی کہ اسی روز صبح نو بجے سے بھارتی ہوائی جہازوں

Marfat.com

نے ہندوستانی فوج کے دستے سرینگر کے ہوائی اڈے پر اتارنا شروع کر دیئے۔ ایک ایک دن میں پچاس پچاس پروازیں یہ فرض ادا کرتی تھیں۔ ساتھ ہی گورداسپور کے راستے بھارتی فوج کی کثیر تعداد نے بھی صوبہ جموں میں مارچ کرنا شروع کر دیا۔ بھارت نے یہ جنگی تیاریاں پہلے ہی سے مکمل کر رکھی تھیں۔ الحاق کے متعلق مہاراجہ کی درخواست محض ایک بہانہ تھی۔ اس بہانہ کے ہاتھ آتے ہی بھارت نے اپنے جارحانہ عزائم پر فی الفور عملدر آمد شروع کر دیا۔

سرینگر کے ہوائی اڈے پر بھارتی افواج، اسلحہ اور ٹینک انڈین ائیر فورس کے جہازوں سے برآمد ہوتے ہی آزادی کشمیر کی جنگ کا پانسہ اچانک پلٹ گیا۔ مجاہدین کے لشکر کا زیادہ حصہ دو روز سے خوامخواہ بارہ مولا میں اٹکا ہوا تھا۔ اگر اس لشکر کا تھوڑا سا حصہ بھی یلغار کر کے سرینگر ائیر پورٹ پر قابض ہو جاتا تو بھارتی فوج کی وادی کشمیر پر تسلط جمانے میں کسی طرح بھی کامیاب نہ ہو سکتی تھی۔ اس کے برعکس مجاہدین کی ہمت ٹوٹ گئی۔ ان میں سے ایک طرح کی بھگدڑ مچ گئی اور وہ انتہائی غیر منظم طور پر اپنے علاقوں کی طرف واپس لوٹنا شروع ہو گئے۔ یہ صورت حال کیوں اور کیسے پیدا ہوئی؟ اس کا کوئی حتمی جواب مجھے نہیں مل سکا۔ اس بارے میں طرح طرح کے مفروضے، امکانات اور قیاس آرائیاں سننے میں آتی ہیں۔

ایک نظریہ تو یہ مشہور ہے کہ لشکر کے کمانڈر میجر خورشید انور نے مجاہدین کو بارہ مولا میں اس وجہ سے روکے رکھا کہ سرینگر پہنچنے سے پہلے وہ کشمیر کے سیاسی مستقبل میں اپنی ذاتی پوزیشن کو صاف طور پر متعین اور مستحکم کرنے میں ہمہ تن مصروف ہو گئے تھے۔ اس وجہ سے سرینگر کی جانب مجاہدین کی پیش قدمی معرض التوا میں پڑی رہی۔

دوسرا گمان یہ ہے کہ شیخ عبداللہ کی نیشنل پارٹی کے ایجنٹوں کے علاوہ ہندوستان کے چھوڑے ہوئے بہت سے جاسوس بھی ففتھ کالم (Fifth Column) کا لبادہ اوڑھ کر حرکت میں آ گئے۔ انہوں نے طرح طرح کے نفسیاتی حربوں سے کام لے کر مجاہدین کی صفوں میں اس قسم کی افواہیں پھیلا دیں کہ ہندوستان کی منظم فوج کیل کانٹے سے لیس ہو کر میدان جنگ میں اتر آئیں۔ ہندوستان کے بمبار اور لڑاکا تیارے بھی مجاہدین کو اپنا نشانہ بنانے کے لئے پر تول رہے ہیں۔ اور ان کی پسپائی کے راستے بھی رفتہ رفتہ بھارتی فوج کے قبضے میں آتے جا رہے ہیں۔ قبائلی لشکر دست بدست گوریلا جنگ لڑنے کے غازی تو ضرور تھے لیکن ففتھ کالم کے ساتھ اس طرح کی نفسیاتی جنگ میں مقابلہ کرنا ان کے بس کا روگ نہ تھا۔ اس لئے بے بسی اور کسمپرسی کے عالم میں وہ بد نظمی اور انتشار کا شکار ہو کر پسپا ہونے پر مجبور ہو گئے۔

تیسرا قیاس یہ ہے کہ مقبول شیروانی نام کے ایک نیشنل کانفرنسی سیاست دان نے مجاہدین کے ایک لشکر کی بارہ مولا تک رہنمائی کرنے کے بہانے اسے ایسے طویل اور پیچیدہ راستوں پر ڈال دیا کہ وہ دور دور تک غلط اور دشوار گزار گھاٹیوں میں ہی بھٹکتے رہے۔ باقی ماندہ لشکر بارہ مولا میں بیٹھا ان کا انتظار کرتا رہا۔ اس طرح سرینگر کی جانب بڑھنے کا انتہائی قیمتی اور فیصلہ کن وقت ہاتھ سے نکل گیا۔ بارہ مولا پہنچ کر جب مقبول شیروانی کی غداری کا راز فاش ہوا تو مجاہدین نے اسے وہیں پر تہ تیغ کر ڈالا۔

چوتھی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ بھارتی ففتھ کالم کے علاوہ قادیانیوں کے ایک منظم گروہ نے بھی اس موقع پر مسلمانوں کے ساتھ غداری کو عملی جامہ پہنانے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ اصلی آزاد کشمیر گورنمنٹ تو 24 اکتوبر 1947ء

Marfat.com

کے روز قائم ہوئی تھی، لیکن پونچھ میں جہاد کا رنگ اور رخ بھانپ کر غلام نبی گلگار نامی ایک کشمیری قادیانی نے بیس روز قبل ہی 4 اکتوبر کو اپنی صدارت میں آزاد جموریہ کشمیر کے قیام کا اعلان کر دیا تھا۔ غالباً یہ اعلان راولپنڈی صدر کے ایک ہوٹل ''ڈان'' بیٹھ کر کیا گیا تھا۔ اسی ہوٹل کے کمرے میں بیٹھ کر مسٹر گلگار نے اپنی تیرہ رکنی کابینہ بھی منتخب کر لی تھی، جو زیادہ تر ایسے افراد پر مشتمل تھی جن کا تعلق قادیانی مذہب سے تھا۔ اس اعلان کے دو روز بعد 6 اکتوبر کو گلگار مظفر آباد کی راہ سے سرینگر پہنچ گیا، جہاں اسکی ملاقاتیں شیخ عبداللہ سے بھی ہوئیں۔ اس کے بعد سرینگر میں اس کی حرکات و سکنات عام طور پر پردۂ راز میں ہیں، لیکن باور کیا جاتا ہے کہ بارہ مولا سے سرینگر کی جانب مجاہدین کی پیش قدمی سے قادیانیوں کے اپنے منصوبے خاک میں مل گئے۔ انہوں نے جب دیکھا کہ یہ جنت ارضی بلاشرکت غیرے قادیانیوں کے ہاتھ میں نہیں بلکہ پاکستان جانے والی ہے تو انہوں نے بھی ففتھ کالم کا روپ دھار کا اس امکان کو ملیامیٹ کر دیا۔

میرے خیال میں یہ سب اندازے اور قیاس آرائیاں اپنی اپنی جگہ کسی نہ کسی حد تک حقائق پر مبنی ہیں۔ کشمیر کے محاذ سے مجاہدین کی غیر متوقع، بے محل اور بے وقت پسپائی ان ب وجوہات کا اجتماعی نتیجہ تھی۔

جس مجرمانہ مکاری، دغا، فریب اور سازشانہ جارحیت کے ذریعے بھارت نے کشمیر پر اپنا قبضہ جما لیا تھا، اس کی حقیقت ساری دنیا پر اظہر من الشمس تھی۔ اپنی ان گھناؤنی کارروائیوں پر پردہ ڈالنے کے لئے پنڈت جواہر لال نہرو نے بین الاقوامی سطح پر ببانگ دہل رٹ لگانی شروع کر دی کہ بھارت کے ساتھ ریاست کا یہ الحاق محض عارضی، وقتی اور ہنگامی ہے۔ الحاق کا حتمی فیصلہ جموں و کشمیر کے باشندوں کی آزادانہ، منصفانہ اور غیر جانبدارانہ رائے شماری (Plebiscite) کے ذریعہ کروایا جائے گا۔ پنڈت جی کے ان اعلانات کی چند جھلکیوں کو یہاں پر درج کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا:

"I should like to make it clear that question of aiding Kashmir in this emergency is not designed in any way to influence the state to accede to India. Our view which we have repeatedly made public is that the question of accession in any disputed territory or state must be decided in accordance with the wishes of the people, and we adhere to th is view."

(Pandit Jawaharlal Nehru's telegram of 27 October,1947, to the P rime Minister of Pakistan and United Kingdom)

"We are anxious not to finalize anything in a moment of crises and without the fullest opportunity being given to the people of Kashmir to have their way. It is for them ultimately to decide".

(Pandit Jawaharlal Nehru's broadcast from all India Radio on Nov ember 2, 1947)

Marfat.com

"Kashmir should decide question of accession by plesbiscite or refrendum under international auspices such as those of United N ations."

(Pandit Jawaharial Nehru's letter dated November 21, 1947 to the Prime Minister of Pakistan)

"I want to repeat that the Government of India will stand by that pledge. Whatever happens. That pledge itself stated that it is for the people of Kashmir to decide their fate without external interference. That assurance also remains and shall continue."

(Pandit Jawaharial Nehru's address at Public Meeting in Srinagar, June 4, 1951, quoted from "Hindu", Madras, June 5, 1951)

"Kashmir is not the property of India or Pakistan. It belongs t o the Kashmir people. When Kashmir acceded to India, we made it clear to the Leaders of the Kashmir people that we would ultimately abide by the verdict of their plesbiscite. If they tell us to walk out, I would have no hesitation in quitting Kashmir."

"We have taken the issue to the United Nations and given our word of honour for a peaceful solution. As a great nation, we cannot go back on it. We have left the question of final solution to the people of Kashmir and we are determined to abide by their decision."

(Pandit Jawaharial Nehru's in "Amrita Bazar Patrika", Calcutta, January 2, 1952)

"If, after a proper plebiscite the people of Kashmir said, 'we do not want to be with India' we are committed to accept it though it might pain us. We will not send an army against them. We will accept that, however hurt we might feel about it. We will change the constitution, if necessary."

(Pandit Jawaharial Nehru's statement in the Indian Parliament, J une 26, 1952)

"If, however, the people of Kashmir do not wish to remain with us, let them go by all means, we will not keep them against their will,

Marfat.com

however painful it may be to us."

"I want to stress that it is only the people of Kashmir who can decide that future of Kashmir....Inspite of all we have done, we should willingly leave Kashmir if it was made clear to us that the people of Kashmir wanted us to go. However sad we may feel about leaving, we are not going to stay against the wishes of the people. We are not going to impose ourselves on them at the point of the bayonet.....

"I started with the presumption that it is for the people of Kashmir to decide their own future. We will not compel them. In that sense, the people of Kashmir are sovereign."

(Pandit Jawaharial Nehru's statement in the Indian Paliament, Au gust 7, 1952)

"India will stand by her international commitments on the Kashmir issue and implement them at the appropriate time."

"The repudiation of international committments would lower India's prestige abroad."

(Pandit Jawaharial Nehru's speech as reported in the "Times of I ndia", May 16, 1954)

"Every assurance we have given, every international committment we have made in regard to Kashmir holds good and stands. Difficulties have come in the way and may come in its fullfilment, but the difficulties are not of our seeking but of others. But so far as the Government of India is concerned, every assurance and international committment in regard to Kashmir stands."

(Pandit Jawaharial Nehru's statement in the Indian Council of St ates, May 18, 1954)

بھارتی وزیراعظم کے اس نوعیت کے بے شمار اعلانات اور بیانات کے انبار میں سے میں نے یہاں پر صرف چند ایک کا انتخاب کر کے درج کیا ہے۔تاریخ شاہد ہے کہ ان میں سے ایک بیان یا ایک اعلان بھی سچائی، خلوص، دیانتداری اور نیک نیتی پر مبنی تھا۔ یہ ساری لفاظی پرفریب وعدوں کی نمائش تھی جس کے ذریعہ اقوام عالم کی آنکھوں میں دھول جھونک کر اپنا اُلّو سیدھا کرنا تھا۔

Marfat.com

راج نیتی میں پنڈت جی اپنے مہا گرو چانکیہ کے نہایت کامیاب چیلے تھے۔ ایک طرف وہ سلامتی کونسل (Security Council) کی بنیادی قراردادوں کو برضا ورغبت قبول کئے بیٹھے تھے، جن کی رو سے انہوں نے یہ تسلیم کرلیا تھا کہ کشمیر سے فریقین کی مسلح افواج کے انخلاء کے بعد الحاق کا مسئلہ ایک آزادانہ، منصفانہ اور غیر جانبدارانہ استصواب رائے کے ذریعہ طے ہوگا، جس کا بندوبست یو۔این۔او کا متعین کردہ Plebiscite Administrator کرے گا، لیکن دوسری جانب جنگ بندی کے فوراً بعد بھارت کی حکومت نے ان قراردادوں پر عملدرآمد میں طرح طرح کے روڑے اٹکانا شروع کردیئے تھے۔ جوں جوں کشمیر پر بھارت کا قبضہ مستحکم ہوتا گیا، اسی رفتار سے وزیراعظم جواہر لال نہرو کی وعدہ خلافیوں، بے وفائیوں اور فریب کاریوں کا راز بھی طشت از بزم ہوتا چلا گیا اس سلسلے میں پنڈت جی کی قلابازیوں کی فہرست نہایت طویل ہے۔ محض نمونہ کے طور پر ان کی مختصر سی تفصیل درج ذیل ہے۔

مارچ 1949ء میں یو۔این۔او کے کمیشن (U.N.C.I.P) نے ایک میٹنگ اس غرض سے منعقد کی کہ سلامتی کونسل کی قرارداد کے مطابق پاکستانی اور بھارتی افواج کو کشمیر سے واپس بلانے کا پروگرام طے کیا جائے۔ پاکستان نے اپنا پروگرام پیش کردیا۔ ہندوستان ٹال مٹول کرکے اپنی فوجیں ریاست کی حدود سے باہر نکالنے سے مکر گیا۔

اسی برس اگست میں یو۔این۔او کے کمیشن نے یہ تجویز پیش کی کہ کشمیر سے مسلح افواج کے انخلا کا فیصلہ ایک ثالث کے ذریعہ طے کروالیا جائے۔ ایڈمرل نمٹز (Admiral Nimitz) استصواب رائے کے ناظم (Plebiscite Administrator) نامزد ہوچکے تھے۔ کمیشن کی تجویز تھی کہ ثالثی کا فریضہ بھی انہی کو سونپ دیا جائے۔ یہ تجویز اتنی معقول تھی کہ امریکہ کے صدر ٹرومین اور برطانیہ کے وزیراعظم اٹیلی نے بھی اعلانیہ طور پر سفارش کی کہ دونوں فریق اسے مان لیں۔ پاکستان نے اسے قبول کرلیا لیکن بھارت نے اسے مسترد کردیا۔

اس ناکامی کے بعد سلامتی کونسل نے اپنے اس ماہ کے صدر دسمبر 1949ء کو یہ اختیار دیا کہ وہ فریقین کے ساتھ گفت و شنید کے ذریعے موجودہ بحران کا کوئی حل نکالیں۔ ان کا اسم گرامی جنرل میکناٹن تھا اور وہ کینیڈا کے رہنے والے تھے۔ کافی افہام و تفہیم اور سوچ بچار کے بعد انہوں نے کچھ تجاویز مرتب کیں۔ پاکستان نے ان تجاویز کو قبول کرلیا، لیکن بھارت نے میں میخ نکال کر ان میں ترامیم کی ایسی بھرمار کی کہ وہ عملی طور پر مسترد ہوکر رہ گئیں۔

جنرل میکناٹن کے بعد سلامتی کونسل نے سر اوون ڈکسن کو اسی مقصد کے لئے میدان عمل میں اتارا۔ انہوں نے بھی حالات کا پورا پورا جائزہ لے کر بہت سی تجاویز پیش کیں۔ پاکستان حسب معمول مان گیا، لیکن بھارت بدستور اپنی ضد پر اڑا رہا۔

اب سر اوون ڈکسن کی جگہ ڈاکٹر فرینک پی۔ گراہم نے سنبھالی۔ سلامتی کونسل نے ایک بار پھر اپیل کی کہ استصواب رائے کی راہ ہموار کرنے کے لئے متنازعہ امور پر دونوں فریق ثالثی فیصلہ قبول کرلیں۔ بین الاقوامی انصاف کی عدالت (International Court of Justice) کا صدر ثالثوں کو مقرر کرنے کا مجاز ہوگا۔ پاکستان نے سلامتی کونسل کی یہ تجویز منظور کرلی۔ بھارت نے اسے مسترد کردیا۔

Marfat.com

1951ء اور 1958 کے درمیان ڈاکٹر گراہم نے ہر طرح کے ممکنہ فارمولوں کی بنیاد پر سلامتی کونسل کو چھ رپورٹیں پیش کیں۔اس کے تقریباً ہر فارمولا کو پاکستان منظور اور بھارت نامنظور کرتا رہا۔ڈاکٹر گراہم کی پہلی رپورٹ میں جو تجاویز پیش کی گئی تھیں،ان کو سلامتی کونسل کی تائید بھی حاصل تھی،اسی لئے کونسل نے ان تجاویز کو ایک قرارداد کی صورت میں بھی منظور کر لیا تھا۔ یہ قرارداد 23 دسمبر 1952ء کو منظور ہوئی تھی،لیکن بھارت نے اسے قبول کرنے سے یکسر انکار کر دیا۔

ڈاکٹر گراہم کی پانچویں رپورٹ کے بعد سلامتی کونسل نے اپنے صدر اور سویڈن کے سیر گنار یارنگ کو اختیار دیا کہ وہ اس تعطل میں دخل دے کر اسے توڑنے کی کوشش کریں۔ہندوستان کی نازک مزاجی کا احترام کرتے ہوئے انہوں نے ثالثی کا لفظ استعمال کئے بغیر اسی کے لگ بھگ چند معقول تجاویز پیش کیں۔پاکستان نے انہیں تسلیم کر لیا،لیکن بھارت نے نامنظور کر دیا۔

اس ناکامی کے بعد دسمبر 1957ء میں سلامتی کونسل نے دوبارہ ڈاکٹر فرینک گراہم کو اپنا مشن سنبھالنے کی پیشکش کی۔ اس بار انہوں نے پانچ نکات پر مبنی ایک نہایت منصفانہ،معتدل اور واجبی تجویز مرتب کی۔پاکستان نے اس کے پانچوں نکات کو خوشدلی سے تسلیم کر لیا،لیکن بھارت نے اسے مکمل طور پر مسترد کر دیا۔

ڈاکٹر گراہم نے اپنی آخری اور چھٹی رپورٹ مارچ 1958ء میں پیش کی تھی،لیکن اس پر غور کرنے کے لئے سلامتی کونسل کو چار برس بعد اپریل 1962ء میں فرصت ملی۔غالباً اس وقت تک بین الاقوامی سطح پر کشمیر کا معاملہ کافی ٹھنڈا پڑ چکا تھا، چنانچہ سلامتی کونسل میں کسی خاص گرمجوشی کا مظاہرہ کئے بغیر آئرلینڈ کی جانب سے ایک نہایت ہلکی اور دھیمی سی قرارداد پیش ہوئی جس میں فریقین سے درخواست کی گئی تھی کہ وہ سلامتی کونسل کی سابقہ قراردادوں کی روشنی میں باہمی افہام و تفہیم سے اسے قضیئے کو نپٹانے کی ہر ممکن کوشش کریں،لیکن یہ کمزور اور بے اثر سی قرارداد بھی کسی کام نہ آسکی،کیونکہ سوویٹ روس نے اسے ویٹو کر دیا۔ یوں بھی ابتداء ہی سے سوویٹ یونین نے کشمیر کے بارے میں کسی قرارداد پر نفی یا اثبات میں ووٹ ڈالنے سے ہمیشہ احتراز برتا تھا

1965ء تک پچھلے 18 سال کے دوران سلامتی کونسل میں کشمیر کا مسئلہ 133 بار زیر بحث آچکا ہے۔کبھی بھارت کی درخواست پر کبھی پاکستان کی درخواست پر۔اب کوئی کس منہ سے کہہ سکتا ہے کہ یہ مسئلہ بھارت کا اندرونی معاملہ ہے؟ سوویٹ یونین جیسی ایک عظیم سپر پاور اس مسئلہ کو بھارت کے اندرونی معاملات میں دخل اندازی کا نام دے کر اپنا ویٹو استعمال کرنے پر اپنے ضمیر کو کس طرح آمادہ کر سکتی ہے؟ان پریشان کن اور حیران کن سوالات کے جواب چانکیہ اور کوٹلیہ کے شاستروں میں ہوں تو ہوں،لیکن مہذب اور شائستہ اقوام کی تاریخ میں ڈھونڈنے سے بھی نہ مل سکیں گے۔

سلامتی کونسل کی بین الاقوامی سٹیج پر بھارت نے جو ڈرامہ رچا رکھا تھا اس کی کچھ جھلکیاں تو مختصراً بیان ہو چکیں،لیکن خود مقبوضہ کشمیر کے اندر جو ناٹک کھیلا جا رہا تھا اس کی داستان الگ ہے،اس المیے میں شیخ عبداللہ کا اپنا کردار بھی گرگٹ کی طرح بار بار رنگ بدلتا ہوا نظر آتا ہے۔

کشمیر کا مسئلہ جب پہلے پہل بین الاقوامی سطح پر اٹھا گیا تو بھارتی وفد کے ساتھ شیخ عبداللہ بھی یو۔این۔او گئے تھے۔ پاکستانی وفد کے ہمراہ چند ایسے افراد بھی تھے جن کے شیخ صاحب کے ساتھ کسی قدر دیرینہ اور گہرے تعلقات تھے۔ان میں سے

Marfat.com

کسی نے شیخ صاحب کو پاکستان کے موقف کی طرف مائل کرنے کی کوشش کی تو وہ طیش میں آ گئے اور انتہائی غرور اور تکبر سے بولے ''بھارت کے ساتھ کشمیر کا الحاق قطعی اور اٹل ہے۔ اب تو خدا بھی خود آ کر اسے توڑنا چاہے تو یہ نہیں ٹوٹ سکتا''۔ (نعوذ باللہ) یہ قصہ مجھے ابوالاثر حفیظ جالندھری نے سنایا تھا، جو اس واقعہ کے چشم دید گواہ تھے۔

اپنے اس دعوے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے شیخ عبداللہ نے پنڈت نہرو کے زرخرید غلام کا روپ دھار کر طرح طرح کے پاپڑ بیلے۔ اکتوبر 1950ء میں بھارت نے اپنے آئین میں ایسی ترامیم کر ڈالیں جس کی رو سے ہندوستان کو مقبوضہ کشمیر میں بھی اپنی مرضی کے قوانین نافذ کرنے کا حق حاصل ہو گیا۔ پاکستان کے طوطی نے حسب توفیق یو۔ این۔ او کے نقار خانے میں اپنی آواز اٹھائی، لیکن بے سود۔

اس اقدام کے ایک برس بعد بھارت نے مقبوضہ کشمیر میں ایک آئین ساز اسمبلی کا سوانگ رچا کر اس سے ریاست کے الحاق پر تصدیق کا انگوٹھا لگوانے کا منصوبہ تیار کر لیا۔ اس اسمبلی کی حیثیت کے بارے میں سلامتی کونسل نے ایک قرارداد کے ذریعہ پہلے ہی یہ اعلان کر دیا تھا کہ اسے ریاست کے الحاق کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنے کا حق حاصل نہ ہوگا کیونکہ یہ فیصلہ لازمی طور پر انہی قراردادوں کے مطابق کیا جا سکتا ہے جنہیں یو۔ این۔ او بھارت اور پاکستان کی منظوری حاصل ہے۔ اس موقع پر سلامتی کونسل میں بھارتی نمائندہ نے برسر عام اور کھلے بندوں بین الاقوامی رائے عامہ کو یہ یقین دہانی کرائی کہ مقبوضہ کشمیر میں قائم ہونے والی آئین ساز اسمبلی کا ان معاملات سے ہرگز کوئی واسطہ نہ وہگا جن کا فیصلہ سلامتی کونسل کے دائرہ اختیار میں ہے۔ بھارتی نمائندے نے واضح طور پر یہ بھی کہا کہ یہ اسمبلی الحاق کے مسئلہ پر اظہار رائے تو کر سکے گی، لیکن اسے کسی قسم کا فیصلے کرنے کا بالکل کوئی اختیار نہ ہوگا۔ اس وعدہ وعید کے بعد مقبوضہ کشمیر میں اس نام نہاد آئین ساز اسمبلی کے لئے انتخاب ہوئے، جو سراسر چالبازی، دھاندلی اور فریب کا دھندہ تھے۔ ان کے نتیجہ میں شیخ عبداللہ کی جماعت نے تمام کی تمام 75 نشستیں بلا مقابلہ جیت لیں۔ انتخابات کے تقریباً دس ماہ بعد جولائی 1952ء میں شیخ عبداللہ نے اس منحوس اور شرمناک دستاویز پر دستخط کر دیئے جو ''معاہدہ دہلی'' (Dehli Agreement) کے نام سے موسوم ہے۔ اس معاہدہ کی رو سے ریاست کا پورا وجود مکمل طور پر بھارتی حکومت کے زیر نگیں آ گیا۔ ایک سو چھ برس قبل انگریزوں نے اس بہشتِ ارضی ''معاہدہ امرتسر'' کے ذریعہ مبلغ 75 لاکھ نانک شاہی روپیہ کے عوض گلاب سنگھ ڈوگرہ کے ہاتھ فروخت کر ڈالا تھا۔ اب 1952ء میں شیخ عبداللہ نے ''معاہدہ دہلی'' کے نام پر اس سرزمین کو پنڈت جواہر لال نہرو کے قدموں میں فقط اپنی کرسی کے عوض ڈال دیا۔ پنڈت جی کو یہ سودا راس آیا، کیونکہ ایک سال اور ایک ماہ کے اندر اندر انہوں نے شیخ صاحب کو کرسی اقتدار سے اٹھا کر منہ کے بل نیچے دے مارا اور لگے ہاتھوں گھسیٹ کر جیل کی کال کوٹھڑی میں بند کر دیا۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ مقبوضہ کشمیر پر بھارت کا فوجی قبضہ استبداد تو پہلے ہی سے موجود تھا، لیکن ''معاہدہ دہلی'' کے وجود میں آتے ہی ہندوستان کو ریاست کے تمام امور میں دخل اندازی کا بزعم خود آئینی اور قانونی جواب بھی پیدا ہو گیا ہے۔ بھگوڑا مہاراجہ ہری سنگھ عرصہ دراز سے امور ریاست سے کنارہ کش ہو کر جلاوطنی کے دن گزار رہا تھا۔ اب ڈوگرہ راج کی موروثی

Marfat.com

گدی کو موقوف کر کے مہاراجہ کے 35 سالہ بیٹے کرن سنگھ کو ریاست کے آئینی سربراہ کے طور پر منتخب کرلیا گیا۔اس پر ریاست کے طول وعرض میں ہندو آبادی میں شدید ردعمل رونما ہوا اور جگہ جگہ شیخ عبداللہ کے خلاف مظاہروں کا تانتا لگ گیا۔ ریاست بھر میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان کشیدگی بھی زور پکڑ گئی۔ اب شیخ صاحب کی آنکھیں کھلیں اور انہیں ہندوؤں کے ساتھ اپنی وفاداری کا نوشتہ دیوار صاف طور پر ظاہر ہو کر سامنے نظر آنے لگا۔ مایوسی کے عالم میں بوکھلا کر انہوں نے ایک بار پھر پینترا بدلا اور اپنی تقریروں میں بھارت کے خلاف گلے شکوے کے علاوہ کشمیر کی خودمختاری اور آزادی کا راگ بھی الاپنا شروع کر دیا۔ ان کے اس رویے میں بھارت کو کشمیر کے خلاف بین الاقوامی سازشوں کی بو آنے لگی۔ چنانچہ پنڈت جواہر لال نہرو کی اشیر باد حاصل کرنے کے بعد کرن سنگھ نے 9 اگست 1953ء کے روز شیخ عبداللہ کو معزول کر کے جیل بھیج دیا۔

شیخ صاحب کی جگہ بخشی غلام محمد مقبوضہ کشمیر کے وزیراعلیٰ مقرر ہوئے۔ انہوں نے آتے ہی ڈنکے کی چوٹ یہ اعلان فرمایا کہ پاکستان جس استصواب رائے کے خواب دیکھ رہا ہے، کشمیر میں رائے شماری کا وہ دن کبھی طلوع نہ ہوگا۔ پانچ ماہ بعد فروری 1954ء میں انہوں نے اپنا وعدہ پورا کر دکھایا اور کشمیر کی نام نہاد اسمبلی نے بھارت کے ساتھ ریاست کے الحاق کی توثیق کر دی۔ اسی کے ساتھ بھارت نے بھی اپنا پورے کا پورا آئین مقبوضہ کشمیر پر مسلط کر دیا اور یوں پنڈت جواہر لال نہرو کے الفاظ میں کشمیر بھارت کا اٹوٹ انگ بن گیا۔

اردو زبان کا ایک فصیح و بلیغ محاورہ ہے، نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ اگر آزادی کا بانس شروع ہی میں پوری طرح کشمیریوں کے ہاتھ آجاتا، تو یقیناً پنڈت جواہر لال نہرو سلامتی کونسل، مقبوضہ کشمیر اور پاکستان کے سٹیج پر اپنی منافقت ہٹ دھرمی اور دوغلی پالیسیوں کی بنسری بجانے سے محروم رہتے۔ اس کا ایک طریقہ تو یہ تھا کہ جب مجاہدین کا لشکر مظفر آباد کے راستے سرینگر کی جانب روانہ ہوا تھا، اس کے ساتھ ہی بہ یک وقت سوچیت گڑھ کی طرف سے جموں کی طرف بھی چڑھائی کر دی جاتی۔ اٹھارہ بیس میل کا یہ میدانی فاصلہ چند گھنٹوں میں طے کر کے جموں کا شہر اور وسیع علاقہ با آسانی فتح کیا جاسکتا تھا۔ مسلم کانفرنس کے قائم مقام صدر چودھری حمیداللہ اور خواجہ دین وانی کے علاوہ پروفیسر محمد اسحاق قریشی اور چودھری غلام عباس کے بھائی محمد زبیر صاحب نے یکے بعد دیگرے لاہور اور کراچی میں زعمائے پاکستان کی توجہ اس حکمت عملی کی آزمانے کے لئے بہت ہاتھ پاؤں مارے، لیکن کسی وجہ سے کسی صاحب اقتدار شخص نے ان کی تجاویز پر عمل کرنے کی حامی نہ بھری۔

اس کے علاوہ کشمیر کو مکمل طور پر آزاد کروانے کا ایک اور موقع بھی آیا تھ، جو ہاتھ سے نکل گیا۔

بھارتی فوج تو کشمیر میں 27 اکتوبر 1947 کی صبح سے داخل ہونا شروع ہوئی تھیں، لیکن ہمارے جی۔ ایچ۔ کیو کو ان کے اس ارادے کی خبر ایک رات قبل ہی مل چکی تھی۔ یہ اس طرح کہ لاہور ایریا ہیڈ کوارٹر نے بھارتی پیراشوٹ بریگیڈ کا ایک خفیہ پیغام راستے ہی میں پکڑ کر اس کے رموز پڑھ لئے تھے اور اسے فوراً اپنے جی۔ ایچ۔ کیو تک پہنچا دیا تھا۔ اس روز قائداعظم لاہور ہی میں موجود تھے، لیکن کسی نامعلوم وجہ سے کشمیر میں ہندوستانی فوجوں کے حملے کی خبر انہیں اسی روز شام کے وقت سنائی گئی۔

فوری ردعمل کے طور پر قائداعظم نے پاکستان کی برّی افواج کے قائم مقام کمانڈر انچیف جنرل سر ڈگلس گیریسی کو حکم دیا

Marfat.com

کہ پاکستانی افواج کو بھی بلا تاخیر کشمیر میں بھیج دیا جائے۔ جنرل گریسی نے لیت ولعل کر کے اس حکم کی تعمیل کرنے کے بجائے نئی دہلی میں فیلڈ مارشل سر کلاڈ اوکنلیک کو مطلع کر دیا، جو اگلی صبح بنفس نفیس لاہور تشریف لے آئے۔ اوکنلیک نے دھمکی دی کہ قائداعظم کی ہدایات پر عمل کرنے کی صورت میں افواج پاکستان کے تمام برطانوی افسروں کو واپس بلا لیا جائے گا، جس کا نتیجہ صرف یہی نکلے گا کہ فوج کا تمام تر ڈھانچہ غیر منظم ہو جائے گا۔

اس کے بعد قائداعظم نے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو دعوت دی کہ وہ پنڈت جواہر لال نہرو، مہاراجہ کشمیر اور کشمیر کے وزیراعظم کو اپنے ہمراہ لے کر لاہور آئیں تاکہ 29 اکتوبر کو ایک میٹنگ میں بالمشافہ گفت وشنید کے ذریعہ اس سنگین صورتحال کا حل تلاش کیا جائے۔ دعوت تو منظور کر لی گئی، لیکن مقررہ تاریخ پر پنڈت جی حقیقتاً یا مصلحتاً بیمار پڑ گئے۔ اس کے بعد لارڈ ماؤنٹ بیٹن یکم نومبر کو اکیلے لاہور تشریف لائے۔ قائداعظم نے اس کے سامنے کئی معقول مصالحتی تجاویز پیش کیں۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن ٹال مٹول کر کے دامن بچاتے رہے کہ وہ محض آئینی گورنر جنرل ہیں۔ دہلی واپس جا کر وہ یہ تجاویز بھارتی حکومت کے سامنے رکھیں گے اور پھر ان کے فیصلے سے قائداعظم کو آگاہ کریں گے۔ دہلی جا کر لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے قائداعظم کو خود تو کوئی جواب نہ بھیجا، لیکن اگلے روز وزیراعظم نہرو نے آل انڈیا ریڈیو سے کشمیر کے حوالے سے پاکستان کے خلاف ایک نہایت تند وتیز اور تلخ تقریر نشر کر ڈالی، جس سے بھارت کے اصلی عزائم طشت از بام ہو گئے۔ وہ دن اور آج کا دن، بھارت کے ان عزائم میں رتی بھر بھی فرق نہیں آیا۔

آزاد جموں وکشمیر حکومت جو 24 اکتوبر 1947ء سے قائم ہے۔ ریاست کے تقریباً ایک تہائی حصے کو کنٹرول کرتی ہے۔ گلگت اور اسکردو سمیت ریاست کے شمالی علاقے حکومت پاکستان کی براہ راست نگرانی میں ہیں۔ وفاقی وزارت امور کشمیر حکومت پاکستان اور حکومت آزاد کشمیر کے درمیان باہمی رابطے کا کام دیتی ہے۔

24 اکتوبر 1947ء کو آزاد کشمیر حکومت کے قیام کی خبر سنتے ہی میں فوراً چودھری محمد علی سیکریٹری جنرل کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے درخواست کی کہ مجھے فوراً تراڑ کھل روانہ ہونے کی اجازت عطا فرمائی جائے تاکہ میں اس نئی حکومت کی کوئی خدمت بجا لا سکوں۔ انہوں نے فرمایا کہ کشمیر کی جنگ آزادی میں پاکستان کی حکومت کسی طرح بھی ملوث ہونے کا الزام اپنے سر نہیں لینا چاہتی۔ تم پاکستان کی ایک اہم سروس کے سرکاری ملازم ہو، اس لئے تم آزاد کشمیر نہیں جا سکتے۔

میں نے گزارش کی کہ آپ میرا استعفیٰ لے کر اپنے پاس رکھ لیں۔ اگر کسی وقت آزاد کشمیر میں میری موجودگی حکومت پاکستان کیلئے کسی الجھن کا باعث بنے تو آپ بے شک میرا استعفیٰ منظور کر کے مجھے اپنی ملازمت سے دست بردار سمجھ لیں۔ چودھری صاحب مسکرائے اور بولے "جذباتی نہ بنو" پاکستان بھی صرف دو ڈھائی ماہ پہلے وجود میں آیا ہے۔ یہاں پر بھی خدمت کی بہت گنجائش ہے۔

میں مایوس ہو کر واپس آ گیا کام تو میں وزارت تجارت میں انڈر سیکریٹری کے طور پر کرتا رہا، لیکن دل بدستور آزاد کشمیر میں اٹکا رہا۔ پھر مارچ 1948ء میں اچانک چودھری غلام عباس مقبوضہ کشمیر سے رہا ہو کر پاکستان آ گئے۔ آتے ہی فوراً قائداعظم

Marfat.com

کی خدمت میں حاضری دینے کراچی آئے اور ہمارے ہاں فروکش ہوئے۔ اگلے روز قائداعظم نے انہیں لنچ پر مدعو فرمایا۔ جس وقت ہم انہیں ایک نہایت ناقابل اعتبار اور پھٹیچر سی کار پر گورنر جنرل ہاؤس چھوڑنے جا رہے تھے تو راستے میں ان کو میں نے آزاد کشمیر کے متعلق اپنی دلی خواہش کا اظہار کیا۔ اس کے بعد مجھے کچھ معلوم نہیں کہ کیا کیا کارروائی کہاں کہاں پر ہوئی، البتہ کچھ عرصہ بعد چودھری محمد علی صاحب نے ایک روز مجھے دفتر میں بلا کر یہ مژدہ سنایا کہ تمہیں آزاد کشمیر حکومت میں جا کر کام کرنے کی اجازت ہے، لیکن تمہاری موجودہ تنخواہ تمہیں وزارت تجارت ہی سے ملا کرے گی، کیونکہ سرکاری گزٹ میں تمہارا نام اسی وزارت کے ملازمین کی فہرست میں شامل رہے گا۔ میں نے پوچھا کہ وہاں جا کر میرا کیا کام ہوگا؟ چودھری صاحب نے فرمایا ''وہاں پر کابینہ بن چکی ہے۔ اس کے ماتحت نظم ونسق کا سارا کام تمہیں سنبھالنا پڑے گا''۔

چلتے چلتے چودھری محمد علی نے مجھے ایک اور مشورہ بھی دیا ''تم نوجوان اور نوآموز ہو۔ کام نیا اور مشکل ہے۔ اس لئے پھونک پھونک کر قدم رکھنا۔ اگر کبھی کسی معاملہ میں کوئی مشکل پیش آئے تو میرے ساتھ رابطہ قائم کرنے سے ہرگز نہ ہچکچانا''۔ پاکستان کے سیکریٹری جنرل کی اس خیرسگالی کو پلّے باندھ کر میں نے خوشی خوشی رختِ سفر باندھا اور آزاد کشمیر کی راہ لی۔

جولائی 1948ء میں اقوام متحدہ کا کمیشن برائے ہندوستان و پاکستان (United Nations Commission for India and Pakistan..UNCIP) کراچی پہنچا اور اس نے بھارت، پاکستان، مقبوضہ کشمیر اور آزاد کشمیر کے قائدین سے رابطہ قائم کر کے مسئلہ کشمیر کا کوئی قابل قبول حل تلاش کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ ایک روز اس کمیشن کو آزاد کشمیر حکومت کی جانب سے منگلا کے مقام پر لنچ کی دعوت دی گئی۔ کمیشن کے دو رکن امریکہ کے مسٹر ہڈل اور بلجیم کے مسٹر جریف سفیروں کا درجہ رکھتے تھے۔ میری یہ ڈیوٹی لگی کہ مشایعت کی غرض سے راولپنڈی سے منگلا تک موٹر کار کے سفر کے دوران میں ان کے ہمرکاب رہوں۔ میں اگلی نشست پر ڈرائیور کے ساتھ بیٹھ گیا۔ وہ دونوں پیچھے بیٹھے۔ وہ چند روز قبل ہی نئی دہلی میں لارڈ ماؤنٹ بیٹن، پنڈت جواہر لال نہرو اور سردار ولبھ بھائی پٹیل سے مل کر آئے تھے۔ دو ڈھائی گھنٹہ کے اس سفر کے دوران وہ مسلسل ان ملاقاتوں پر تبادلہ خیالات کرتے رہے۔ میں بھی آگے بیٹھا کان لگا کر ان کی باتیں سنتا رہا۔ ان کی گفتگو سے میں نے اندازہ لگایا کہ بھارتی قیادت نے چکنی چپڑی باتیں کر کے ان دونوں کو کسی طرح سے یہ باور کرا دیا ہے کہ مقبوضہ کشمیر میں ہندوستانی فوج صرف دفاعی غرض سے بیٹھی ہے اور آزاد کشمیر میں پاکستانی اور آزاد افواج کا واحد مقصد جارحیت اور ملک گیری ہے، چنانچہ کمیشن کا اولین فرض یہ ہے کہ سب سے پہلے پاکستانی فوج کو آزاد کشمیر سے مکمل طور پر باہر نکالا جائے اور ساتھ ہی ساتھ آزاد مجاہدین کو بھی پوری طرح نہتا کر دیا جائے۔ اب کمیشن کے یہ دنوں مدبر اراکین موٹر کار میں بیٹھے ہوئے سر سے سر جوڑ کر ہندوستان کی اس خواہش کو پورا کرنے کے لئے عملی تدابیر و وسائل پر انتہائی سنجیدگی سے غور وغوض کر رہے تھے۔ مجھے ان فریب خوردہ سفیروں کے ارادوں سے خطرے کی بو آئی۔ منگلا پہنچتے ہی میں نے ایک مختصر سی رپورٹ تیار کی، جسے ایک مقامی فوجی کیمپ کے ذریعے رسل و رسائل سے فوراً چودھری محمد علی کو بھیج دی۔ ساتھ ہی ایک نقل میں نے وزیراعظم لیاقت علی خاں کے نام بھی ارسال کر دی۔ وہ کشمیر لبریشن کمیٹی کے صدر تھے اور ہر ماہ راولپنڈی تشریف لا کر اس کمیٹی کی میٹنگ کیا کرتے تھے۔ اس وجہ سے

Marfat.com

مجھے ان تک براہ راست رسائی حاصل تھی۔ اپنی رپورٹ کی تیسری نقل میں نے جسٹس دین محمد کی خدمت میں پیش کر دی جو اس کمیٹی کے اہم رکن تھے اور بعد میں اس کے صدر بھی رہے۔ مجھے کچھ معلوم نہیں کہ میری اس رپورٹ پر کسی نے کوئی دھیان دیا یا نہیں، البتہ یہ بات تاریخ سے ثابت ہے کہ ادھر کمیشن نے ہمیں اپنے ساتھ مذاکرات میں الجھایا ہوا تھا، دوسری جانب بھارت نے اچانک ایک شدید حملہ کر کے وادی مینڈھر ہمارے قبضہ سے چھین لیا اور راجوری اور پونچھ شہر کو آپس میں منسلک کر لیا۔ پونچھ شہر کا محاصرہ جو تقریباً سال بھر سے جاری تھا، ٹوٹ گیا اور وادی مینڈھر اور دوسرے مفتوحہ علاقوں سے دو لاکھ سے اوپر مہاجرین اپنے ہلکے ہلکے سامان کی گٹھڑیاں سروں پر اٹھائے، دشوار گزار پہاڑی راستوں کو پا پیادہ طے کرتے ہوئے پاکستان روانہ ہو گئے۔ چھوٹے چھوٹے بچوں، عورتوں اور بوڑھے مہاجرین کے اس قافلے کو بھی انڈین ایئر فورس کے جہازوں نے جگہ جگہ اور بار بار اپنی گولیوں کا نشانہ بنایا۔

اس کے کچھ عرصہ بعد بھارت نے لداخ کے محاذ پر ایک اور شدید حملہ کر کے ہمیں دراس اور کرگل سے نکال کر اسکردو تک دھکیل دیا۔ اس طرح لداخ تحصیل کا اپنے صدر مقام لیہہ کے ساتھ رابطہ قائم ہو گیا اور جموں سے لیہہ تک پورا راستہ بھارت کے قبضہ اختیار میں آ گیا۔

یو۔ این۔ کمیشن کے ساتھ صلح صفائی کی گفت و شنید کے دوران بھارت کی ان جارحانہ فوجی پیش قدمیوں اور کامیابیوں نے سارے آزاد کشمیر میں خوف و ہراس اور مایوسی کی لہر دوڑا دی۔ آزاد مجاہدین نے آزاد کشمیر میں موجود فوجی کمانڈروں کے ساتھ مل کر بھارت کے مزید جارحانہ عزائم کی روک تھام کے لئے کئی دور رس منصوبے بنائے۔ پہلے انہوں نے محاذ پر آگے بڑھ کر کئی ایسے مقامات پر قبضہ جما لیا جہاں سے اکھنور اور بیری پتن میں دشمن کی نقل و حرکت صاف نظر آتی تھی۔ ان حرکات و سکنات سے عیاں ہوتا تھا کہ بھارت بھمبر پر حملہ کرنے کی بھرپور تیاریاں کر رہا ہے۔ ہندوستان کے ان ناپاک عزائم کو خاک میں ملانے کے لئے ہماری افواج نے اکھنور اور نوشہرہ کے درمیان فوجی رسل و رسائل کی سڑک کو کاٹنے اور مناور توی کے مغرب میں خاص طور پر چھمب پر حملہ کرنے کا عزم بالجزم کر لیا، لیکن اے بسا آرزو کہ خاک شدہ! خدا جانے اس منصوبے کی بھنک ہندوستان کے کان میں پڑ گئی، یا اس کا علم یو۔ این کمیشن والوں کو ہو گیا کہ دسمبر کے دوسرے نصف میں کراچی سے اچانک چودھری غلام عباس اور سردار ابراہیم کو بلاوا آ گیا۔ میں بھی ان کے ہمراہ کراچی گیا۔ وہاں پر وزیر اعظم لیاقت علی خاں کے ہاں ایک میٹنگ تھی، جس میں وزیر خارجہ چودھری ظفر اللہ خان بھی موجود تھے۔ میں خود اس میٹنگ میں موجود نہ تھا، لیکن بعد ازاں اس کا احوال چودھری غلام عباس کی زبانی سنا۔ دونوں کشمیری لیڈروں کو حکومت پاکستان کے اس فیصلے سے آگاہ کیا گیا کہ کشمیر میں جنگ بندی کی تجویز مان لی گئی ہے اور سیز فائر کے احکام یکم جنوری 1949ء سے نافذ ہو جائیں گے۔ یہ فیصلہ کشمیری لیڈروں سے مشورہ کئے بغیر اور ان کو اعتماد میں لئے بغیر ہی کر لیا گیا تھا۔ غالباً دونوں لیڈر چھمب پر حملے کی تیاریوں سے کسی قدر آگاہ تھے، اس لئے چودھری غلام عباس نے دریافت کیا کہ اس خاص موقع پر جنگ بندی کا فیصلہ تسلیم کرنے میں کون سی خاص وجوہات یا مصلحتیں ہیں؟ اس موضوع پر چودھری غلام عباس اور چودھری ظفر اللہ خاں میں خاصی گرما گرم بحث ہوئی، بلکہ تلخ کلامی تک نوبت آ گئی، لیکن فیصلہ

Marfat.com

اپنی جگہ برقرار رہا اور دونوں کشمیری قائدین اپنا سامنہ لے کر کراچی سے واپس آ گئے۔

وہ دن اور آج کا دن ہے یکم جنوری 1949ء سے مسئلہ کشمیر یو۔این۔او کی قدیمی دستاویزوں کے محافظ خانے میں سال بہ سال جمع ہو کر مقفل ہوتا گیا۔ پھر 1966 میں اسے معاہدہ تاشقند کے تابوت میں ٹھونس دیا گیا۔ چھ برس بعد معاہدہ شملہ نے اس تابوت میں غالباً آخری کیل بھی گاڑ دی۔ اسے آخری کیل کے نام میں اسے لئے دیا ہے کہ ہندوستان اتنا نازک مزاج ہو گیا ہے کہ مسئلہ کشمیر کی مکھی اب اپنی ناک پر بیٹھنے نہیں دیتا۔ اگر ہم کسی بین الاقوامی فورم پر مسئلہ کشمیر کا ذکر تک کر بیٹھیں تو بھارت کو پاکستان کی سرحدوں پر جنگ کے بادل منڈلاتے ہوئے نظر آتے ہیں اور کشمیر کا نام لینا ہندوستان کے اندرونی معاملات میں دخل دینے کے مترادف ہے۔

ے ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام　　وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

جنگ بند ہوتے ہی ہم نے حکومت آزاد کشمیر کا ہیڈ کوارٹر جنجال ہل (تراڑ کھیل) سے مظفر آباد منتقل کر لیا۔ کچھ دفاتر پرانی ضلع کچہری کے چند ٹوٹے پھوٹے کمروں میں سما گئے۔ باقی دفتروں کے لئے اسی عمارت کے احاطے میں بہت سے خیمے نصب ہو گئے۔ قریب ہی ایک ٹیلے پر سرکاری ملازموں کے لئے خیموں کی ایک رہائش کالونی بھی وجود میں آ گئی۔ ان سب کے لئے ایک مشترکہ باورچی خانہ تھا اور سب کے لئے کھانے کا ایک بڑے خیمہ میں مشترکہ بندوبست تھا۔

مظفر آباد آ کر امن وامان کی فضا میں سانس لیتے ہی ہمیں پہلی بار آزاد کشمیر میں ٹیلی فون کی ضرورت کا احساس دامن گیر ہوا۔ میں نے مری آ کر مقامی پوسٹ آفس سے ٹرنک کال کر کے سردار عبدالرب نشتر کی خدمت میں آزاد کشمیر کی اس ضرورت کے متعلق گزارش کی تو چند روز بعد وہ مرکزی محکمہ ٹیلیفون کے چند بڑے افسران کو ہمراہ لے کر خود ہی مظفر آباد تشریف لے آئے۔ یہاں پر انہوں نے حالات کا جائزہ لے کر مظفر آباد کے علاوہ آزاد کشمیر کے دوسرے اہم مقامات پر بھی ٹیلیفون کا نہایت اچھا نظام رائج کرنے کے خصوصی احکام جاری کر دیئے۔ نشتر صاحب پاکستان کے پہلے مرکزی وزیر تھے جنہوں نے آزاد کشمیر میں قدم رنجہ فرمایا تھا۔

چند ماہ بعد وزیراعظم لیاقت علی خان کشمیر لبریشن کمیٹی کی صدارت کرنے والے راولپنڈی تشریف لائے۔ میٹنگ ختم ہونے کے بعد انہوں نے مجھے اپنے پاس روک لیا۔ جب وہ اکیلے رہ گئے تو ''تمہارے وزیر گورمانی صاحب تم سے اس قدر ناخوش کیوں رہتے ہیں؟

میں نے عرض کیا ''سر میرے خیال میں اس کی شاید دو وجوہات ہوں گی۔ ایک تو وہ رات کو کام کرتے اور دن میں سوتے ہیں۔ اس پروگرام میں ان کے ساتھ دینے سے میں بار بار چوک جاتا ہوں۔ دوسری وجہ شاید یہ ہو کہ وہ آزاد کشمیر کے سیاسی لیڈروں کو آپس میں لڑاتے بھڑاتے رہتے ہیں۔ اس کارروائی میں میری روک ٹوک غالباً انہیں پسند نہیں آتی''۔

وزیراعظم کچھ دیر سوچتے رہے۔ پھر اچانک انگریزی میں پوچھا:

"Tell me, is Gurmani Striaght?"

Marfat.com

میں نے فوراً جواب دیا: ".No Sir, He is not straight"

وزیراعظم نے سگریٹ کا ایک لمبا کش لیا۔ پھر آہستہ آہستہ دھواں چھوڑتے ہوئے سنجیدگی سے بولے؛

"I do not agree with you. He is as straight as a Corkscrew!"

اس گفتگو کے چند ہفتہ بعد میرا تبادلہ کراچی ہوگیا۔ جہاں پر مجھے وزارت اطلاعات ونشریات میں فارن پبلیسٹی کا انچارج ڈپٹی سیکریٹری لگا دیا گیا۔

صلہء شہید

محترمہ مس فاطمہ جناح کی اپنی خواہش یہی تھی کہ قائداعظم کی سوانح حیات کسی پاکستانی اہل قلم کے ہاتھوں مرتب ہو۔ پچھلے تیس بتیس برس میں کچھ کتابیں لکھی ضرور گئی ہیں۔ قائداعظم کے صد سالہ یوم پیدائش کی تقریب پر بھی بہت سی فرمائشی کتابیں معرض وجود میں آئیں، لیکن ابھی تک ایسی کوئی کتاب اردو، انگریزی یا کسی اور زبان میں شائع نہیں ہوئی جو اس عظیم رہنما کی سیرت، کردار اور سیاست کے ساتھ پورا پورا انصاف کرتی ہو۔ قائداعظم اکیڈمی نے ایک مفصل اور مکمل سوانح حیات تیار کرنے کا منصوبہ بنا تو رکھا ہے۔ اب دیدہ باید کہ یہ بیل کب تک، کہاں تک اور کس طرح منڈھے چڑھتی ہے۔

مادر ملت کے ذاتی کاغذات میں البتہ ایک مسودہ ضرور موجود ہے، جس کا عنوان ---- My Brother (میرا بھائی) ہے۔ اسے انہوں نے مسٹر جی۔ الانا کے تعاون سے تحریر کیا تھا۔ قائداعظم کی زندگی کے چند گوشوں کا ایک خوبصورت مرقع ہے، لیکن اب تک اس کا پورا متن غالباً کہیں شائع نہیں ہوا۔ قائداعظم کے صد سالہ یوم پیدائش کے موقع پر اسے کتابی صورت میں شائع کرنے کی تحریک ہوئی تھی، لیکن یہ منصوبہ بھی بعض سیاسی ''احتیاطوں'' کی نذر ہوگیا۔ مشاہیر کے اقوال اور افعال سے اگر کسی قسم کے تنازعے کی صورت کی نکلتی ہو تو عصری لحاظ سے ایک محدود مدت تک انہیں صیغۂ راز میں رکھنا قرین مصلحت ہے، لیکن تیس بتیس سال کی مدت بڑی طویل ہوتی ہے۔ اس عرصہ میں متعلقہ مشاہیر تاریخ کی بے رحم بھٹی سے گزر کر اپنے اپنے مستند مقام پر مستحکم ہو چکے ہوتے ہیں۔ جزوی طور پر کسی ناخوشگوار تفصیل کا افشا ان کے اس مقام کو متزلزل نہیں کرسکتا۔ یوں بھی آزاد دنیا میں بہت سی جگہ تیس برس کے بعد خفیہ دستاویزات تک کو عام کردیا جاتا ہے۔ مادر ملت کے مسودہ ''میرا بھائی'' میں دو مقام ایسے آتے ہیں جن کی وجہ سے اس کی اشاعت میں پس وپیش ہوتا رہا ہے۔

پہلا واقعہ جولائی 1948ء کا ہے، جب قائداعظم علالت کی وجہ سے علاج اور آرام کے لئے زیارت میں تشریف رکھتے تھے۔ محترمہ مس فاطمہ جناح نے لکھا ہے کہ جولائی کے اخیر میں ایک روز وزیراعظم لیاقت علی خان اور سیکریٹری جنرل مسٹر محمد علی اچانک زیارت پہنچ گئے۔ ان کے آنے کی پہلے سے کوئی اطلاع نہ تھی۔ وزیراعظم نے ڈاکٹر الٰہی بخش سے پوچھا کہ قائداعظم کی صحت کے متعلق ان کی تشخیص کیا ہے؟ ڈاکٹر نے کہا اسے مس فاطمہ جناح نے یہاں بلایا ہے، اس لئے وہ اپنے مریض کے متعلق کوئی بات صرف انہی کو بتا سکتے ہیں۔

Marfat.com

''لیکن وزیراعظم کی حیثیت سے میں قائداعظم کی صحت کے متعلق متفکر ہوں''۔

ڈاکٹر نے ادب سے جواب دیا ''جی ہاں'' بے شک، لیکن میں اپنے مریض کی اجازت کے بغیر کچھ نہیں بتا سکتا۔

جب مس فاطمہ جناح نے قائداعظم کو وزیراعظم کی آمد کی اطلاع دی، تو وہ مسکرائے اور فرمایا؛ تم جانتی ہو وہ کیوں آئے ہیں؟ وہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ میری علالت کتنی شدید ہے۔ میں کتنا عرصہ زندہ رہ سکتا ہوں۔ تم نیچے جاؤ اور پرائم منسٹر سے کہہ دو میں انہیں ابھی ملوں گا۔

مس فاطمہ جناح نے کہا اب کافی دیر ہو گئی ہے۔ وہ کل صبح ان سے مل لیں۔

''نہیں۔ قائداعظم نے فرمایا انہیں ابھی آنے دو اور بچشم خود دیکھ لینے دو''۔

وزیراعظم نصف گھنٹہ کے قریب قائداعظم کے پاس رہے۔ اس کے بعد جب مس جناح اندر گئیں تو قائداعظم بے حد تھکے ہوئے تھے۔ انہوں نے کچھ جوس مانگا، اور پھر چودھری محمد علی کو اپنے پاس بلایا۔ سیکریٹری جنرل پندرہ منٹ تک قائداعظم کے ساتھ رہے۔ اس کے بعد مس فاطمہ جناح دوبارہ قائداعظم کے کمرے میں گئیں اور پوچھا کہ کیا وہ جو یا کافی پینا پسند فرمائیں گے؟ قائداعظم نے کوئی جواب نہ دیا، کیونکہ وہ کسی سوچ میں محو تھے۔ اب ڈنر کا وقت آ گیا تھا۔ قائداعظم نے مس فاطمہ جناح سے فرمایا ''بہتر ہے کہ تم نیچے چلی جاؤ، اور ان کے ساتھ کھانا کھاؤ''۔

''نہیں، مس جناح نے اصراراً کہا میں آپ کے پاس ہی بیٹھوں گی اور یہیں پر کھانا کھا لوں گی''۔

نہیں، قائداعظم نے فرمایا، یہ مناسب نہیں، وہ یہاں پر ہمارے مہمان ہیں، جاؤ اور ان کے ساتھ کھانا کھاؤ۔

مس فاطمہ جناح لکھتی ہیں کہ کھانے کی میز پر انہوں نے وزیراعظم کو بڑے خوشگوار موڈ میں پایا۔ وہ ہنسی خوشی پر مذاق باتیں کرتے رہے جبکہ مس جناح کا اپنا دل اپنے بھائی کے لئے خوف سے کانپ رہا تھا، جو اوپر کی منزل میں بستر علالت پر اکیلے پڑے تھے۔ کھانے کے دوران چودھری محمد علی، چپ چاپ کسی سوچ میں گم رہے۔

کھانا ختم ہونے سے پہلے مس فاطمہ جناح اوپر چلی گئیں۔ انہوں نے بڑے ضبط سے اپنے آنسوؤں کو روک رکھا تھا۔ قائداعظم انہیں دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا ''فطی'' تمہیں ہمت سے کام لینا چاہئے۔

انگریزی مسودے میں مس فاطمہ جناح کے اپنے الفاظ یہ ہیں:

"Towards the end of July, without prior notice, Mr. Liaquat Ali Khan, the Prime Minister, arrived in Ziarat accompanied by Chaudhri Mohammad Ali. He asked Dr. Ilahi Bux about his diagnosis of Quaid's health. The doctor said that as he had been invited by me to att end to the Quaid, he could only say what he thought of his patient to me. " But, as Prime Minister, I am anxious to know about it". The doctor politely

Marfat.com

replied, "Yes, Sir, I can't do it without the patient's permissi on".

As soon as I was told, as I was sitting with the Quaid, that the Prime Minister and the Secretary-General wanted to see him, I informed him. He smiled and said, "Fati, do you know why he has come?" I said I would'nt be able to guess the reason. He said, "He wants to know how serious my sickness is. How long I will last" After a few minutes he said, Go down. Tell the Prime Minister I will see him.

"It is late, Jin. Let them see you to-morrow morning".

"No, let him come now, Let him see for himself".

The two were together for about half an hour, and as soon as Liaquat Ali Khan came down, I went upstairs to my brother. I found him absolutely tired, and he wore a sickly look. He asked me to give him some fruit juice, and then said, "Send Mr. Mohammad Ali." The secretary-General of the Cabinet was with him for about fifteen minutes, and when he was once again alone, I went into his room. I asked him if he would have juice of coffee, I went into his room. I asked him if he would have juice or coffee, but his mind was too pre-occupied to answer me. By now it was dinner time, and he said, "You better go down, Have dinner with them."

"No, I said empthatically, "I would rather be with you, and have dinner upstairs".

"No, that is not correct. They are our guests here. Go. Eat with them.

I found the Prime Minister on the dinner table in a jolly mood, cracking jokes and laughing, while I shivered with fright about his health, who was alone in his sick bed. Chaudhri Mohammad Ali was silent, thinking. Before the dinner was over, I rushed upstairs. He smiled at me as I entered and said, "Fati, you must be brave". I did my best to conceal the tears that came surging into my eyes.

اس واقعہ کے دوڈھائی ہفتے بعد 14 اگست کو پاکستان کی آزادی کی پہلی سالگرہ آئی۔ اپنی کمزوری صحت کے باوجود یوم پاکستان پر قائداعظم نے قوم کے نام بڑا ولولہ انگیز پیغام جاری کیا۔ مس جناح نے اپنے مسودے میں لکھا ہے کہ یوم پاکستان کے

Marfat.com

چند روز بعد وزیر خزانہ مسٹر غلام محمد قائداعظم سے ملنے کوئٹہ آئے۔ لنچ کے وقت جب مس فاطمہ جناح کے ان کے ساتھ اکیلی بیٹھی تھیں، تو مسٹر غلام محمد نے کہا ''مس جناح میں ایک بات آپ کو ضرور بتانا چاہتا ہوں۔ یوم پاکستان پر قائداعظم نے قوم کے نام جو پیغام دیا تھا، اسے خاطر خواہ اہمیت اور تشہیر نہیں دی گئی۔ اس کے برعکس وزیراعظم کے پیغام کے پوسٹر چھاپ کر انہیں شہر شہر دیواروں پر چسپاں کیا گیا ہے، بلکہ ہوائی جہازوں کے ذریعہ اسے بڑے بڑے شہروں پر پھینک کر مشتہر بھی کیا گیا ہے''۔

مس جناح نے یہ بات خاموشی سے سن لی، کیونکہ اس وقت انہیں اپنے بھائی کی صحت کی فکر تھی، پبلسٹی کی نہیں۔

مادر ملت کے مسودے میں یہ واقعہ انگریزی میں اس طرح درج ہے۔

"After a few days, Mr. Ghulam Mohammad, who was Finance Minister at that time, came to see the Quaid-e-Azam. As I sat alone with him over lunch, He said "Miss Jinnah, I must tell you some thing Quaid-e-Azam's independence Day message has been played down, while the Prime Minister's mesage was printed on posters and pasted on building all over the cities. It was also thrown from aeroplanes over big cities." I listened to this quietly; what was the use of bothering about such things? The only thing that mattered to me was my brother's health, not his publicity.

مسٹر غلام محمد کی اس حرکت میں کھلم کھلا شر، شرارت اور سازش کی آمیزش تھی۔ قائداعظم بستر علالت پر لیٹے ہوئے تھے۔ محترمہ فاطمہ جناح ان کی تیمارداری میں پریشان تھیں۔ ایسے حالات میں اس قسم کی لگائی بجھائی کرنا بڑی مذموم حرکت تھی۔ اگر مسٹر غلام محمد کو واقعی ایسی کوئی شکایت تھی تو ان کا فرض تھا کہ اس بات کو کابینہ میں اٹھاتے۔ اگر اس کے باوجود ان کا گلہ قائم رہتا تو اصولی طور پر انہیں مستعفی ہو جانا چاہیئے تھا، لیکن اصولوں پر استعفیٰ دینا ہمارے حکمرانوں کی کمزوری نہیں۔ غلط فہمیاں پیدا کر کے اختلافات کو ہوا دینا انہیں زیادہ راس آتا ہے۔ یہ واقعہ ایک طرف تو مسٹر غلام محمد کے ان ذاتی رجحانات کی غمازی کرتا ہے جنہوں نے آگے چل کر ملک کے کاروبار میں کئی اور گل کھلانے تھے۔ دوسری طرف اس سے یہ بھی عیاں ہو جاتا ہے کہ پاکستان کی زندگی کے پہلے سال ہی سے مرکزی کابینہ میں ایسے عناصر نے سر اٹھا لیا تھا جو وزیراعظم کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف عمل تھے۔

قائداعظم کی وفات کے بعد محترمہ فاطمہ جناح اور حکومت کے درمیان سرد مہری کا غبار چھایا رہا۔ قائد کی دو برسیاں آئیں اور گزر گئیں۔ دونوں بار مس جناح نے برسی کے موقع پر قوم سے خطاب کرنے سے انکار کر دیا۔ ان کی شرط تھی کہ براڈکاسٹ کرنے سے پہلے وہ اپنی تقریر کا متن کسی کو نہیں دکھائیں گی۔ حکومت یہ شرط ماننے پر آمادہ نہ تھی۔ غالباً اسے خوف تھا کہ نہ جانے مس جناح اپنی تقریر میں حکومت پر کیا کچھ تنقید کر جائیں گی۔ آخر خدا خدا کر کے قائداعظم کی تیسری برسی پر یہ قرار پایا کہ محترمہ جناح اپنی تقریر پہلے سے سنسر کرائے بغیر ریڈیو سے براہ راست نشر کر سکتی ہیں۔ تقریر نشر ہو رہی تھی کہ ایک مقام پر پہنچ کر اچانک ٹرانسمیشن بند ہو گئی۔ کچھ لمحے ٹرانسمیشن بند رہی۔ اس کے بعد خود بخود جاری ہو گی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ مس جناح کی تقریر میں کچھ فقرے ایسے تھے جن میں حکومت پر کچھ تنقید تھی۔ وہ تو بدستور فقروں کو مائیک پر پڑھتی گئیں، لیکن ٹرانسمیشن بند ہو جانے کی وجہ سے وہ فقرے براڈکاسٹ نہ ہو سکے۔ اس بات پر بڑا شور شرابا ہوا۔ اخباروں میں بہت سے احتجاجی بیانات بھی

Marfat.com

آ بیٹے۔ اگرچہ ریڈیو پاکستان کا موقف یہی تھا کہ ٹرانسمیشن میں رکاوٹ کی وجہ یہ تھی کہ اچانک بجلی فیل ہوگئی تھی، لیکن کوئی اس بات پر یقین کرنے کو تیار نہ تھا۔ سب کا یہی خیال تھا کہ مس جناح کی تقریر میں ضرور کوئی ایسی بات تھی جسے حذف کرنے کے لئے یہ سارا ڈھونگ رچایا گیا ہے۔ اس ایک واقعہ نے حکومت کے اعتماد کو جتنی ٹھیس پہنچائی اتنا نقصان مس فاطمہ جناح کے چند تنقیدی جملوں سے نہیں پہنچ سکتا تھا۔

جن دنوں یہ قضیہ اپنے عروج پر تھا، ایک روز ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ وزیر داخلہ واطلاعات کے کمرے میں یہ بات طے کرنے کے لئے میٹنگ ہوئی کہ اس قصے کے متعلق پبلک میں جو چہ مگوئیاں ہو رہی ہیں، ان پر کس طرح قابو پایا جائے۔ بے حد طویل اور بعید از کار بحث وتمحیص کے بعد آخر مسٹر جی۔ احمد نے تجویز پیش کی کہ کسی نامور شخصیت سے انکوائری کروا کر یہ ثابت کیا جائے کہ مس جناح کے براڈ کاسٹنگ کے دوران بجلی کی کرنٹ فیل ہوگئی تھی۔ اس انکوائری رپورٹ کی اشاعت کے بعد زبان خلق خود بخود بند ہو جائیگی۔ اس کے برعکس وزیر اطلاعات خواجہ شہاب الدین کو اصرار تھا کہ انکوائری بے لاگ اور غیر جانب دار ہونی چاہئے۔ اگر یہ ثابت ہو کہ بجلی فیل نہیں ہوئی تو اس بات کا بھی برملا اعتراف کرنا ضروری ہے تاکہ پبلک کے ذہن میں مزید بدگمانیاں پیدا نہ ہوں۔ سیکریٹری اور وزیر کے درمیان اس بحث کی تلخ کلامی نے بڑا طول کھینچا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ خواجہ صاحب بھی یہی سمجھتے تھے کہ بجلی فیل نہیں ہوئی، اور اب وہ اس بات کو کھلم کھلا منظر عام پر لانے کے لئے بے تاب تھے۔ وزیر اعظم لیاقت علی خاں کی حکومت کے لئے وہ اس قسم کی پریشانیاں اور مشکلات کیوں پیدا کرنا چاہتے تھے؟ شاید اس کی وجہ یہ ہوا کہ ان دنوں یہ افواہ گرم تھی کہ وزیر اعظم انہیں مرکزی کابینہ سے سبکدوش کر کے مشرقی بنگال بھیجنا چاہتے ہیں۔

ان دنوں مرکزی کابینہ سے علیحدگی کی تلوار خواجہ صاحب کے علاوہ اور بھی کئی سروں پر لٹک رہی تھی۔

وزیر خزانہ ملک غلام محمد پر فالج کا حملہ ہو چکا تھا۔ خرابی صحت کی بناء پر کابینہ سے ان کی رخصتی متوقع تھی۔ نواب مشتاق احمد گورمانی آزاد کشمیر کی سیاست میں پیچ در پیچ الجھنیں ڈال کر کشمیری لیڈروں کو آپس میں دست وگریباں کرانے کا گل کھلا چکے تھے۔ اب وزارت امور کشمیر میں کشمیر تو غائب ہو چکا تھا، فقط امور ہی امور باقی رہ گئے تھے۔ کچھ گفتی، کچھ ناگفتی۔ چنانچہ افواہ گرم تھی کہ عنقریب گرمانی صاحب بھی کابینہ سے چھٹی کرنیوالے ہیں۔ یہ حضرات تو کیبنٹ سے نکالے جانے والے خوف میں مبتلا تھے، لیکن ایک حضرت ایسے بھی تھے جو کابینہ میں شامل کئے جانے پر برہم وآزردہ مشہور تھے۔ ان کا نام نامی خان عبدالقیوم خاں تھا۔ صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ کے طور پر وہ فرنٹیر کے ''مرد آہن'' کہلاتے تھے۔ وہاں سے اٹھا کر جب انہیں مرکزی کابینہ میں ڈال دیا گیا تو انتظامی اور عاملانہ امور کے علاوہ اپنی سیاسی اساس سے بھی دور ہو گئے۔ یوں بھی ایک طاقت ور صوبائی وزیر اعلیٰ کا ٹھاٹھ باٹھ کچھ اور ہوتا ہے اور اس کے مقابلے میں مرکزی وزارت چیز دِگر۔ اس لئے عام اطلاع یہی تھی کہ وہ اپنی ''ترقی'' سے چنداں خوش نہیں تھے۔

اس قسم کی افواہوں، قیاس آرائیوں اور خبر تراشیوں کی گرم بازاری اپنے عروج پر تھی کہ یکا یک آن قدح بشکست و آں ساقی نماند۔ 16 اکتوبر 1951ء کی شام کو چار بج کر چھ منٹ پر راولپنڈی کے جلسہ عام میں ایک گولی چلی اور اس نے

Marfat.com

پاکستان کی قیادت کو سیاست کی شاہراہ سے موڑ کر موقع پرستی، ابن الوقتی، زمانہ سازی، طالع آزمائی اور مہم جوئی کے ایسے خارزار میں ڈال دیا، جہاں ذاتی خواہشات قومی ضرورت اور ذاتی مفاد، قومی مفاد کے مترادف بنتے چلے گئے۔

قائد ملت لیاقت علی خان نے جام شہادت نوش کر کے تب وتاب جاودانہ کا صلہ پایا۔ جلسہ گاہ میں راولپنڈی کے سپرنٹنڈنٹ پولیس نجف خاں نے اپنے سپاہیوں کو للکار کر حکم دیا کہ گولی چلانے والے قاتل کو فوراً مار ڈالو۔ سید اکبر بھی گولی کا نشانہ بن کر وہیں ڈھیر ہو گئے۔ اس کے ساتھ ہی وہ راز بھی دفن ہو گیا کہ وہ راولپنڈی کیوں آیا؟ ہر طرح کی سیکیورٹی کے باوجود جلسے کی اگلی صفوں تک کیسے رسائی حاصل کی؟ کسی غیبت طاقت یا روحانی یا شیطانی یا انسانی اشارے نے اس کی انگلی پستول کی لبلبی پر رکھ کر دبا دی؟ اسے زندہ گرفتار کرنے کے بجائے پولیس والوں نے اسے خواہ مخواہ جلسہ گاہ میں مار کیوں ڈالا؟ اس بے ضابطہ کارروائی کے بعد سپرنٹنڈنٹ پولیس کے خلاف کیا کارروائی ہوئی؟ اسے ڈی۔ آئی۔ جی کے عہدے پر ترقی کس کارگزاری کے صلے عام میں ملی؟ عام ذہن میں یہ سوال آج بھی جوں کا توں قائم ہے۔ اب تک کسی ایسی بے لاگ انکوائری کا نتیجہ برسر عام نہیں آیا، جو ان سوالات کا تسلی بخش جواب دے سکے۔ قائد ملت کی ہر برسی پر کسی نہ کسی پیرائے میں ایک مکمل اور بھرپور انکوائری کا مطالبہ اٹھتا ہے اور پھر اگلی برسی تک طاق نسیاں کی زینت بن جاتا ہے۔ درمیانی عرصہ میں وہی پرانے شکوک وشبہات خاموشی سے نشوونما پاتے رہتے ہیں اور اجتماعی رگ وریشے میں بے اعتمادی کا سرطان پھیلاتے رہتے ہیں۔

لیاقت علی خان کی شہادت نے پاکستان سے اس کا پہلا وزیر اعظم ہی نہیں چھینا بلکہ ہمیں ایک نہایت بلند پایہ مدبر، سیاست دان اور انتظامی اور انصرامی قابلیت کے رہنما سے بھی محروم کر دیا۔ تحریک پاکستان میں وہ قائد اعظم دست راست تھے۔ اس حیثیت میں انہیں مسلمانوں کی تنظیم اور انگریزوں اور ہندوؤں کے ساتھ سیاسی نبرد آزمائی کا وسیع تجربہ حاصل تھا۔ جب پاکستان معرض وجود میں آیا تو نوزائیدہ ملک کو چاروں طرف سے انتہائی مصائب نے گھیرا ہوا تھا۔ ایک نئی حکومت کے قیام، مسلح افواج کی تنظیم نو، لاکھوں مہاجرین کی آبادکاری، بھارت کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے وسائل کا فقدان اور پھر کشمیر کی جنگ آزادی کا آغاز۔۔۔ اس قسم کے بے شمار سنگین مسائل کو نوابزادہ لیاقت علی خاں نے بڑے تدبر، تحمل اور انتظامی قابلیت سے سنبھالا۔ قائد اعظم کی وفات کے بعد پاکستان کی قیادت کا سارا بوجھ لیاقت علی خان کے کندھوں پر ہی آ پڑا تھا۔ اس بار گراں کو بھی انہوں نے بعنوان شائستہ اٹھایا۔ اس میں شک نہیں کہ ان کی وزارت عظمیٰ کا دور پاکستان کے لئے استحکام، استقلال اور سربلندی کا زمانہ تھا لیکن دو ایسی باتوں کا ذکر بھی ضروری ہے، جنہوں نے ہمارے حالات پر منفی اثرات مرتب کئے۔

اس زمانے میں پاکستان اسلامی دنیا میں سب سے بڑا اور ساری دنیا میں پانچواں بڑا ملک سمجھا جاتا تھا۔ اس کی اس اہمیت کے پیش نظر روس نے وزیر اعظم اور بیگم رعنا لیاقت علی کو روس کا دورہ کرنے کی دعوت دی۔ یہ دعوت نامہ ملنا تھا کہ بھارتی صفوں میں کھلبلی مچ گئی۔ بھارت خود روس سے پینگیں بڑھانے کا جتن کر رہا تھا۔ انہوں نے روسیوں کے کان بھرنا شروع کر دیئے کہ پاکستان خود تو روس کا دعوت نامہ قبول نہ کرے گا بلکہ اسے اچھال کر امریکہ کی نظر میں اپنی قدر وقیمت بڑھانے کی کوشش کرے گا۔ دوسری طرف امریکہ کی نظر میں بھی یہ دعوت نامہ بری طرح کھٹکنے لگا۔ پاکستان میں ہر سطح پر ایسے افسروں کی کمی نہ تھی جو

Marfat.com

مغربی تہذیب کے ذہنی غلام تھے۔ سیاسی آزادی نے انکے دل اور دماغ کو مغرب پرستی کے احساس کمتری سے نجات نہیں دی تھی۔ ان کے قلوب اور اذہان پر غلامی کے دور کی روایات اور اقدار برف کی سلوں کی طرح جمی ہوئی تھیں اور آزادی کی تپش نے ابھی تک انہیں پگھلایا نہ تھا۔ اعلیٰ سطح کے بیشتر افسر برطانوی عہد کے تربیت یافتہ تھے۔ ان کے کمال کا جوہر بندھی بندھائی پالیسیوں پر عمل کرنے، سکونیاتی جمود کو ثبات دینے اور مروجہ روش کو جوں کا توں برقرار رکھنے میں مضمر تھا۔ وہ انگریز کی حکومت کی لکیر کے فقیر تھے۔ آزادی کے تقاضوں کو نئی پالیسیوں کے سانچے میں ڈھالنا ان کے بس کا روگ نہ تھا۔ تغیرات کے عمل سے وہ نا آشنا تھے۔ خاص طور پر بین الاقوامی امور کا انہیں کوئی تجربہ نہ تھا۔ ہماری وزارت خارجہ کے بالائی افسر قریباً سب کے سب پرانی آئی۔ سی۔ ایس کے ممبر تھے۔ اس سروس کی روایات کے مطابق وہ برطانیہ اور امریکہ کے خصوصاً اور مغرب کے عموماً والہ وشیفتہ اور ان کے حریفوں کے ان سے بھی بڑھ چڑھ کر حریف تھے۔ وزیر خارجہ چودھری ظفر اللہ خان بذات خود اس نہلے پر دہلا تھے۔ اپنے مزاج کی افتاد، پس منظر، رجحانات، تعصبات اور ٹریننگ کی وجہ سے یہ سب لوگ پاکستان کی خارجہ پالیسی کو بین الاقوامی تعلقات کے تنے ہوئے رسے پر حقیقت پسندانہ مہارت سے چلانے قاصر تھے۔ چنانچہ روس کا دعوت نامہ کھٹائی میں پڑا رہا اور جب امریکہ نے اپنے دعوت نامہ کا دانہ پھینکا تو ہماری وزارت خارجہ اس پر چیل کی طرح جھپٹی۔ کیا ہی اچھا ہوتا اگر وزیر اعظم روسیوں کی دعوت پر روس کا دورہ کرتے اور امریکیوں کی دعوت موصول ہونے پر امریکہ تشریف لے جاتے۔

اپنی وزارت عظمیٰ کے دوران نوابزادہ لیاقت علی خاں نے کسی وجہ سے مسلم لیگ کی صدارت کا عہدہ بھی خود سنبھال لیا تھا۔ آگے چل کر یہ ادغام مسلم لیگ کے وجود کے لئے صحت مند نہ ہوا۔ اس نے مسلم لیگ کو حکومت ساز پارٹی کے بجائے حکومت نواز پارٹی میں تبدیل کر دیا۔ حکومت اور سیاست کے امتزاج سے حکومت کو تو ضرور تقویت ملتی ہے، لیکن سیاسی عمل آزاد نہیں رہتا بلکہ وہ سرکاری مصلحتوں کے تابع ہو کر مضمحل ہو جاتا ہے۔ رفتہ رفتہ اس میں حکومت کی سرپرستی کے بغیر فعال رہنے کی صلاحیت سلب ہونے لگتی ہے اور حزب مخالف کے طور پر سیاسی کردار ادا کرنے کی قوت ماند پڑ جاتی ہے۔ اس سلسلے میں مسلم لیگ کا اپنی انجام اظہر من الشمس ہے۔

قائد ملت کی شہادت کی خبر میں نے پشاور میں سنی۔ میں قبائلی علاقوں اور سوات، دیر، چترال، کافرستان وغیرہ کا طویل دورہ ختم کر کے ن۔ م۔ راشد کے ہاں ٹھہرا ہوا تھا، جو ان دنوں پشاور ریڈیو سٹیشن کے ڈائریکٹر تھے۔ یہ المناک خبر نشر ہونے ہی ریڈیو سٹیشن پر مختلف قسم کے لوگوں کا جمگھٹا لگ گیا۔ جتنے منہ اتنی باتیں۔ بھانت بھانت کی قیاس آرائیاں ہو رہی تھیں۔ کچھ لوگ ن۔ م۔ راشد کے گھر بھی آ گئے اور صبح تک بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ آدھی رات کے قریب ایک صاحب نے ٹیلیفون پر کراچی کی سوگواری کا حال بیان کیا اور ساتھ ہی بتایا کہ شہر کی ایک مشہور فیشن شاپ راتوں رات کچھ امیر بیگمات کے لئے فیشن ایبل ماتمی ملبوسات تیار کرنے کے لئے صبح تک کھلی رکھنے کا بندوبست کر دیا گیا ہے۔

قائد ملت کی شہادت کے ساتھ ہی یہ سوال ابھر آیا تھا کہ نیا وزیر اعظم کون ہوگا؟ ایک خبر یہ گرم تھی کہ شاید یہ قرعہ سردار عبدالرب نشتر کے نام نکلے، لیکن ابھی پاکستان کی قسمت میں آسائش کی جگہ آزمائش لکھی تھی، اس لئے حکمرانی کا مال غنیمت بانٹنے

Marfat.com

والوں نے وزیراعظم کا عہدہ تو خواجہ ناظم الدین کو سونپا اور گورنر جنرل کی کرسی پر ملک غلام محمد براجمان ہوئے۔ چودھری محمد علی وزیر خزانہ بنے اور وزارت داخلہ اور اطلاعات کا چارج مشتاق احمد گورمانی نے سنبھالا مجھے ضلع جھنگ کا ڈپٹی کمشنر مقرر کر دیا گیا۔

ڈپٹی کمشنر جھنگ

جھنگ میں تعیناتی ہوئے مشکل سے ایک برس گزرا تھا کہ اچانک میں نے اڑتی اڑتی سی خبر سنی کہ مجھے عنقریب وہاں سے تبدیل کر دیا جائے گا۔ یہ خبر میرے لئے نئی نہ تھی۔ اس سے پیشتر بھی اس قسم کی افواہیں کئی بار اڑ چکی تھیں۔ جب سے میں نے ہفتے میں دو دن عام ملاقاتوں کا سسٹم رائج کر کے عوام الناس کے چھوٹے بڑے مسائل براہ راست نمٹانے شروع کئے تھے، اس وقت سے ضلع کے بڑے بڑے زمینداروں، رئیسوں اور پیشہ ور سیاست دانوں میں رنجش اور بے اطمینانی کی لہر دوڑ گئی تھی۔ یہ حضرات عام لوگوں کے مسائل اپنی وساطت سے حل کروانا اپنا حق سمجھتے تھے۔ اس طرح لوگوں پر بھی ان کی گرفت مضبوط رہتی تھی اور افسروں کے ساتھ بھی ان کا رابطہ قائم رہتا تھا۔ میرے طریقہ کار نے جب ان کی اس اجارہ داری کو ختم کر دیا تو میں ان سب کو اپنی بڑی حق تلفی محسوس ہوئی، چنانچہ وہ لاہور جا کر صوبائی وزیروں کے پاس اکثر اپنا رونا روتے رہتے تھے۔

صوبائی وزیر صاحبان بھی مجھ سے کسی قدر آزردہ خاطر ہی رہتے تھے۔ ایک وزیر صاحب پیر کے روز دورے پر تشریف لائے، جو میری عام ملاقات کا دن تھا۔ اس روز ستر، اسی کے قریب ملاقاتی جمع تھے۔ ان میں سے کچھ لوگ پچاس پچاس، ساٹھ ساٹھ میل کا سفر طے کر کے آئے تھے۔ میں نے ریسٹ ہاؤس میں جا کر وزیر صاحب کا استقبال تو ضرور کیا، لیکن پھر ایک اور افسر کو ان کی خدمت میں چھوڑ کر خود واپس چلا آیا، کیونکہ اتنے کثیر ملاقاتیوں کو سارا دن انتظار کی زحمت میں مبتلا رکھنا مناسب نہ تھا۔

ایک اور وزیر صاحب جمعرات کو آئے۔ اس روز بھی یہی واقعہ پیش آیا کیونکہ وہ بھی ملاقات کا دن تھا۔ میں نے اپنے عملے کو ہدایت کر رکھی تھی کہ وزیروں کے دورے پر ریسٹ ہاؤس میں شہر کے لوگوں سے مانگ کر قالین اور صوفے نہ ڈلوائے جائیں تاکہ حکومت نے ریسٹ ہاؤس میں جس قدر فرنیچر رکھا ہوا ہے، وہ سب کے گزارہ کے لئے کافی ہونا چاہئے۔ ایک وزیر صاحب جون کے مہینے کی شدید گرمی میں تشریف لائے۔ ریسٹ ہاؤس کے ٹنڈ منڈ کمرے کو دیکھ کر وہ بگڑ گئے اور الٹے پاؤں لوٹ گئے۔ میں نے انہیں اپنے گھر ٹھہرانے کی پیش کش بھی کی، لیکن دماغ کا جو پارہ ایک دفعہ چڑھ چکا تھا، وہ نیچے نہ اترا۔ اس کے بعد اور کسی صوبائی وزیر نے جھنگ کا دورہ کرنے کی زحمت نہ اٹھائی۔

میرے قیام جھنگ کے دوران البتہ ایک بار مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح اور دوسری بار وزیراعظم خواجہ ناظم الدین ضرور مختصر دورے پر جھنگ تشریف لائے تھے۔ دونوں کا قیام جھنگ میں چند گھنٹے تھا، لیکن دونوں موقعوں پر ہم نے ریسٹ ہاؤس کو دلہن کی طرح سجایا تھا۔ لوگوں نے بڑی خوشی سے سڑکوں پر رنگ برنگی جھنڈیاں لگائیں اور استقبالیہ دروازے بنائے تھے۔ ریسٹ ہاؤس کے اندر میں نے اپنے گھر کا ذاتی ساز و سامان سجا دیا تھا۔

اسی زمانے میں موچیوالہ کا المناک واقعہ پیش آیا۔ پولیس کے کچھ سپاہی اس گاؤں میں کسی تفتیش کے سلسلے میں گئے

Marfat.com

ہوئے تھے۔گاؤں والوں کے ساتھ ان کا جھگڑا ہو گیا۔اس جھگڑے نے طول کھینچ کر فساد کا رنگ اختیار کر لیا جس میں ایک سپاہی جان سے مارا گیا۔اب کیا تھا۔مقامی پولیس انتقام لینے کے لئے گاؤں پر چڑھ دوڑی اور راتوں رات اسے تہہ وبالا کر کے رکھ دیا۔اگلے روز میں خود جائے وقوعہ پر پہنچا تو سارا گاؤں سنسان پڑا تھا۔پولیس کی گارد اور چند نحیف و نزار بوڑھی عورتوں کے علاوہ گاؤں میں اور کوئی فرد و بشر موجود نہ تھا۔کچھ لوگ گرفتار ہو چکے تھے اور باقی سب مرد، عورتیں اور بچے خوف سے اپنے گھر بار کھلے چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔سارے علاقے میں پولیس کے ظلم و تشدد کی داستانیں طرح طرح کی رنگ آمیزی کے ساتھ پھیلی ہوئی تھیں، لیکن پولیس والوں کی اپنی رام کہانی یہ تھی کہ ظلم تو خود ان پر ہوا ہے، جن کا ایک کانسٹیبل جان سے مارا گیا۔ان کا موقف تھا کہ ضابطہ کے مطابق قانونی چارہ جوئی کے علاوہ انہوں نے کسی قسم کی زیادتی نہیں کی اور اب گاؤں والے چند مقامی سیاستدانوں کی شہ پر پولیس کو بدنام کرنے کے لئے مختلف قسم کے ہتھکنڈے استعمال کر رہے ہیں۔

صوبائی اخباروں میں اس واقعہ کا خاصا چرچا ہوا۔کئی جانب سے اسکی مکمل انکوائری کروانے کا مطالبہ بھی اٹھا۔میرا اپنا بھی یہی خیال تھا کہ اس کی انکوائری ہونی چاہئے تاکہ صحیح صورتحال واضح ہو جائے۔ایک روز میں لاہور میں چیف سیکریٹری کے پاس بیٹھا اسی سلسلے میں کچھ بات چیت کر رہا تھا کہ یکا یک ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔دوسری طرف انسپکٹر جنرل آف پولیس خان قربان علی خان تھے۔جب انہیں معلوم ہوا کہ میں بھی چیف سیکریٹری کے پاس موجود ہوں تو انہوں نے ہم دونوں کو اپنے کمرے میں بلا لیا۔

خان قربان علی خاں عام طرز کے پولیس انسپکٹر نہیں تھے۔صوبائی حکومت میں ان کا طوطی بولتا تھا۔وزیر اعلیٰ میاں ممتاز دولتانہ انہیں برسرعام ''انکل'' کہا کرتے تھے۔صوبہ کے وزیر، سیکریٹری اور دوسرے سول افسران سے بے حد خم کھاتے تھے۔قربان علی خاں بھی ان سب پر رعب گانٹھنے، دھونس جمانے اور پولیس کے مقابلے میں انہیں نیچا دکھانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتے تھے۔اپنی بات منوانے کے لئے وہ دلیل سے زیادہ ضد اور ہٹ دھرمی سے کام لیتے تھے۔جو بات ایک بار انکے منہ سے نکل جائے وہ اس موضوع پر حرف آخر کا درجہ رکھتا تھا۔وہ رشوت نہیں لیتے تھے، روزہ رکھتے تھے، نماز پڑھتے تھے، لیکن ان فضائل نے ان کی خود سفا کی اور مزاج کی بے رحمی درشتی پر اعتدال و عجز کا ہلکا سا رنگ بھی نہ چڑھایا تھا۔ان کے دل و دماغ میں تکبر کے بلند و بالا پہاڑ ایستادہ تھے اور دوسروں کی انا اور عزت کو پاؤں تلے روندنا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔اگر کسی وی۔آئی۔پی کی آمد پر اعلیٰ حکام ائیر پورٹ وغیرہ پر جمع ہوتے تھے تو قربان علی ان کے ساتھ استقبالیہ لائن میں کھڑے ہونا اپنی ہتک سمجھتے تھے۔وہ اپنے آپ کو باقی سب سے مختلف، اعلیٰ وارفع چیز گردانتے تھے اور بید کی باریک سی چھڑی ہاتھ گھماتے کسی نہ کسی بہانے گورنر یا چیف منسٹر کے قرب و جوار میں منڈلاتے رہتے تھے۔

جب خاں قربان علی خاں نے چیف سیکریٹری کو اور مجھے اپنے کمرے میں طلب کیا تو ہم نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔اس زمانے کا دستور یہی تھا کہ انسپکٹر جنرل آف پولیس سول افسروں کے کمروں میں شاذ و نادر ہی تشریف لے جاتے تھے۔سب لوگ اکثر ان کے کمرے ہی میں حاضری دیا کرتے تھے۔مجھے مخاطب کر کے قربان علی خاں نے موچیوالہ میں پولیس کی اعلیٰ کارکردگی پر بڑا سیر حاصل تبصرہ کیا اور انکوائری کے سب مطالبوں کو واہیات خرافات قرار دے کر مسترد کر دیا۔چیف سیکریٹری صاحب جو چند

Marfat.com

لمحے پہلے اپنے کمرے میں میرے ساتھ انکوائری کے حق میں گفتگو کررہے تھے، اب ہوا کا رخ دیکھ کر آناً فاناً بدل گئے اور انسپکٹر جنرل آف پولیس کے ہم نوا ہو گئے۔ جھنگ میں پولیس کی نیک نامی کی خاطر میں نے انکوائری کی اہمیت پر کچھ کہنے کی کوشش کو تو خان قربان علی نے ناک سکیڑ کر کچھ دیر سوں سوں کی آواز برآمد کی اور پھر کچھ تبصرہ کئے بغیر میٹنگ برخاست کر دی۔ میرا خیال ہے، ساتھ ہی انہوں نے میرا نام اپنے رجسٹر میں جھنگ کے ناپسندیدہ ڈپٹی کمشنر کے خانے میں درج کر لیا۔

لیکن جس واقعہ نے جھنگ میں میری ڈپٹی کمشنر کے تابوت میں آخری کیل ٹھونکی، اس کا تعلق ایک فوجداری مقدمہ سے تھا جو میری عدالت میں زیر سماعت تھا۔ دونوں فریق ضلع کے بااثر خاندان تھے اور سالہا سال سے باہمی رقابتوں، عداوتوں اور مقدمہ بازیوں میں الجھے ہوئے تھے۔ ایک روز ان کے مقدمے کی پیشی شروع ہوئی تو ایک فریق نے بڑے طمطراق سے آگے بڑھ کر ایک بند لفافہ میری میز پر دے مارا۔ لفافے پر ایک صوبائی وزیر کی مہر تھی اور اس کے اندر غالباً سفارشی خط تھا۔ یہ ماجرا دیکھ کر دوسرا فریق بھی میدان میں اتر آیا اور اس نے بھی ایک بند لفافہ میری میز پر پٹخ دیا۔ اس پر ایک دوسرے صوبائی وزیر کی مہر تھی اور اس کے اندر بھی غالباً سفارشی خط تھا۔ وزیر صاحبان کی سفارشیں وصول کرنا اور ان پر عملدرآمد کرنا ہمارا روز کا معمول تھا، لیکن ایک زیر سماعت مقدمے میں تحریری سفارشیں کرنا بڑی بے اصول اور کڈھب بات تھی۔ میں نے فریقین کے وکیلوں کو دونوں بند لفافے دکھائے اور کہا ''آپ مجھے مشورہ دیں کہ ان خطوط کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے۔ ایک صورت تو یہ ہو سکتی ہے کہ دونوں کھول کر عدالت میں پڑھ کر سنائے جائیں اور پھر انہیں مقدمے کی فائل میں لگا دیا جائے۔ بصورت دیگر انہیں اسی طرح بند کر کے آپ کے موکلین کو واپس لوٹا دیئے جائیں۔

دونوں وکیل اپنے موکلوں کی اس حرکت پر نالاں تھے۔ انہوں نے اپنے اپنے موکل پر خوب لعن طعن کی اور بند خطوط مجھ سے واپس لے لئے۔

میرا خیال تھا کہ معاملہ رفع دفع ہو گیا، لیکن جب یہ خبر وزیر صاحبان تک پہنچی تو وہ بڑے چراغ پا ہوئے۔ چند روز بعد میں کسی کام سے لاہور گیا ہوا تھا۔ اسمبلی کی غلام گردش میں میری ان سے اتفاقاً مڈبھیڑ ہو گئی۔ انہوں نے اپنے دو تین اور ہم منصبوں کیساتھ مل کر مجھے بڑے آڑے ہاتھوں لیا۔ ان کا بار بار یہی اصرار تھا کہ بھری عدالت میں ان کے خطوط کا تماشا بنا کر میں نے وزیروں کی جملہ برادری کو تضحیک و استہزا کا نشانہ بنایا ہے۔ یہ بات ان کے وہم و گمان میں بھی نہ آئی کہ ایسے خطوط لکھ کر انہوں نے بھی کوئی ناروا حرکت کی ہے۔ میں نے یہ واقعہ ملتان جا کر اپنے کمشنر مسٹر آئی۔ یو۔ خاں کو سنایا تو انہوں نے فرمایا، بھائی دریا میں رہ کر مگرمچھ سے بیر لینا کیا ضروری ہے، اب یہ لوگ خواہ مخواہ دق کرتے رہیں گے۔ میری مانو تو کسی طرح اس صوبے سے رفو چکر ہو جاؤ۔ اتفاق سے ان دنوں ہالینڈ کے دارالخلافہ ہیگ میں ''انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ آف سوشل سٹڈیز'' کا ادارہ نیا قائم ہوا تھا۔ اس میں پبلک ایڈمنسٹریشن پر ایک چھ ماہ کا کورس شامل تھا۔ مرکزی حکومت نے جب میرا نام اس کورس کے لئے تجویز کیا تو پنجاب گورنمنٹ نے بلا حیل و حجت بڑی خوشی دلی سے اس پا آمنا و صدقنا کہہ دیا۔

Marfat.com

حج

ہالینڈ میں کئی مسلمان لوگوں سے ملاقات کے بعد دل میں حج کی خواہش نے جنم لیا اور میں نے اس کی نیت کر لی۔ سفر حج کے متعلق معلومات کرنے کے لئے ایک روز میں ہیگ میں امریکن ایکسپریس کے دفتر گیا۔ یہ ادارہ سفری انتظامات کرنے والے تمام اداروں میں معتبر سمجھا جاتا تھا۔ وہاں سے براہ راست میں جدہ نہیں جاہتا تھا تو دو تین ملکوں کا سفر کر کے میں قاہرہ پہنچ گیا وہاں سے سوڈان نے اسماعیلیہ کی بندرگاہ سے لنگر اٹھایا۔ اس میں ساڑھے سات سو عازمین حج سوار تھے۔

محمد نوفل اسکندریہ کے بہت بڑے تاجر، صنعت کار اور رئیس تھے۔ وہ دس برس سے ہر سال متواتر حج پر جا رہے تھے۔ دو برتھ کا پورا کیبن انہوں نے اپنے لئے ریزرو کروایا تھا۔ ایک برتھ پر وہ خود بیٹھتے تھے۔ دوسرے برتھ پر ان کا سامان بکھرا پڑا تھا۔ جہاز کے ملازم نے عربی میں انہیں کچھ کہا اور نوفل صاحب نے اہلاً وسہلاً کہہ کر بڑی خوشدلی سے اپنا سامان اٹھا کر دوسرا برتھ میرے لئے خالی کر دیا۔

نوفل صاحب کی رفاقت میرے لئے نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوئی۔ وہ بڑی اچھی انگریزی بولتے تھے اور مناسک حج کے متعلق مجھے ان سے نہایت مفید معلومات حاصل ہوئیں۔ پاکستان کے متعلق وہ زیادہ نہ جانتے تھے۔ شام کو مغرب کی نماز کے بعد انہوں نے بہت سے لوگوں کو اپنے ڈیک پر جمع کیا اور فرمائش کی کہ میں انہیں پاکستان کے متعلق کچھ بتاؤں۔ جہاز کا کپتان اور اس کے عملے کے کچھ افراد بھی وہاں آ کر بیٹھ گئے۔ کوئی گھنٹہ بھر میں نے انہیں تحریک پاکستان اور قیام پاکستان کے چیدہ چیدہ واقعات سنائے۔ میں انگریزی میں ٹھہر ٹھہر کو بولتا تھا اور نوفس صاحب اس کا عربی میں ترجمہ کرتے جاتے تھے۔ آزادی کے وقت لاکھوں مسلمانوں کی شہادت، عورتوں کی بے حرمتی اور مہاجرین کے حالات سن کر سب کو بڑی حیرت ہوئی۔ جب میں نے انہیں پاکستان کی آبادی، رقبہ اور دیگر تفصیلات بتانے کے بعد یہ کہا کہ دنیا کی اس پانچویں بڑی مملکت کا نصب العین یہی ہے " لا الہ الا اللہ تو سارے مجمع نے بے ساختہ کلمہ طیبہ کا ورد کیا اور پھر سب نے کھڑے ہو کر پاکستان کے حق میں دعا مانگی۔ محمد نوفل صاحب بلند آواز سے دعا کے الفاظ بولتے اور باقی سب لوگ زور زور سے آمین کہتے تھے۔

خانہ کعبہ میں حاضر ہو تو عجیب کیفیت تھی سمجھ نہیں آتا تھا کہ گناہوں کے بوجھ تلا دبا ہوا تھا اور کعبہ شریف کو دیکھ کر نہ مجھ سے طواف ہوا نہ قرآن کی تلاوت۔ میں ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا ایسی کیفیت میں تھا۔ میں نے کہیں پڑھا تھا کہ حج کے ایام میں تین سو ساٹھ اولیاء اللہ ہر وقت حرم شریف میں حاضر رہتے ہیں۔ میں نے حطیم میں کھڑے ہو کر زور زور سے ان کو پکارنا شروع کر دیا میرے پاؤں میں زنجیر پڑی ہوئی ہے اور میں اب تک عمرہ ادا نہیں کر سکا۔ قرآن کی تلاوت سے معذور ہوں رفتہ رفتہ میرے پاؤں طواف کے لئے آزاد ہو گئے اور میری آنکھوں میں تلاوت کے لئے بیداری آ گئی اور پھر حج مکمل کرنے کے بعد مدینہ جانے کی دھن سوار ہو گئی۔

ہمارا قافلہ بھی رات بھر چلتا رہا اور صبح 10 بجے کے قریب مدینہ منورہ سے چار پانچ میل اس طرف رک گیا۔ یہاں پر

Marfat.com

ایک کنواں تھا جس پر رہٹ چل رہا تھا۔ قافلے والوں نے یہاں اتر کر غسل کیا اور نئے کپڑے پہنے۔ کچھ عقیدت مند بسوں پر دوبارہ سوار ہونے کے بجائے یہاں سے احتراماً پیدل چلنے لگے۔ میں بھی ان کے پیچھے پیچھے پیدل روانہ ہو گیا۔ تھوڑی دور چل کر خیال آیا کہ دیارِ حبیب ﷺ میں جوتے پہن کر داخل ہونا بھی ایک طرح کی بے ادبی ہے۔ میں نے فوراً اپنے چپل کھول کر ہاتھ میں اٹھا لئے اور برہنہ پا چلنے لگا۔ دھوپ میں تپتے ہوئے سنگریزوں پر پاؤں پڑتے ہی میرے تلوؤں میں آگ کے شعلے سے لپکے اور حرارت کی لہریں بجلی کی کرنٹ کی طرح میرے جسم میں پھیل کر دماغ سے ٹکرانے لگیں۔ میں نے ادھر ادھر دیکھ کر چپکے سے اپنے چپل دوبارہ پہن لئے۔ اپنے جذبہ احترام کے اس بودے پن پر مجھے اس قدر جھنجھلاہٹ اور ندامت محسوس ہوئی کہ میں نے اپنے چپل پھر کھولے اور انہیں اٹھا کر سڑک سے دور جھاڑیوں میں پھینک دیا۔ اب ننگے پاؤں چلنا ایک امر مجبوری تھا، لیکن میری خود فریبی اس مجبوری کو احترام کا نام ہی دیتی رہی۔

گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ چلنے کے بعد ایک موڑ آیا جس کی گولائی پر چند گاڑیاں رکی ہوئی تھیں اور بہت سے لوگ سڑک پر کھڑے والہانہ انداز میں درود و سلام پڑھ رہے تھے۔ یہ اس بات کی علامت تھی کہ ان حضرات کو اپنا گوہر مقصود نظر آ گیا ہے۔ میری عمر اس وقت بتیس تینتیس برس تھی۔ اس طویل عرصہ میں میری آنکھوں نے زندگی کی کثافت اور رذالت اور رکاکت اور خباثت کے علاوہ اور کچھ بہت کم دیکھا تھا۔ اب جی چاہتا تھا کہ گنبدِ خضرا پر نگاہ ڈالنے سے پہلے ان گناہ گار آنکھوں کو کسی قدر صاف کر لوں۔ اس مقصد کے لئے شاہراہ مدینہ کی خاک سے بہتر اور کیا چیز ہو سکتی تھی؟ میں نے اضطراراً چلتی ہوئی سڑک سے خاک کی ایک چٹکی اٹھائی اور اسے اپنی آنکھوں کا سرمہ بنا لیا۔

مسجد نبوی تک پہنچتے پہنچتے میری آنکھیں سرخ ہو کر سوج گئیں اور راستہ نظر آنا مشکل ہو گیا۔ قدم قدم پر راہگیروں سے ٹکر لگتی تھی۔ مجھے اندھا سمجھ کر ایک بھلے آدمی نے میری رہنمائی کی اور مجھے باب جبریل تک پہنچا دیا۔

باب جبریل پر عاشقان رسول ﷺ کا ہجوم تھا اندر جانے والوں اور باہر آنے والوں کا غیر منقطع تانتا بندھا ہوا تھا ایک نورانی صورت بزرگ چٹائی پر بیٹھے لوگوں کے جوتے سنبھالنے میں مصروف تھے۔ میری آنکھوں میں اب تک دھندسی چھائی ہوئی تھی اور بھیڑ کے ریلے میں پھنس کر مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ میں آگے بڑھ رہا ہوں یا پیچھے جا رہا ہوں۔ ایک مقام پر چند لوگوں سے ٹکرا کر بری طرح لڑکھڑایا اور جوتوں کے ڈھیر پر اوندھے منہ گر پڑا۔ جوتوں کی رکھوالی کرنے والے صاحب نے سہارا دے کر مجھے اٹھایا اور اپنے پاس چٹائی پر بٹھا لیا۔ وہ ٹوٹی پھوٹی اردو بول لیتے تھے۔ میری آنکھیں سوجی ہوئی اور سانس پھولی ہوئی تھیں۔ اپنی صراحی سے پانی کا گلاس پلا کر انہوں نے از راہ ہمدردی دریافت کیا کہ میری آنکھوں کو کیا مرض لاحق ہے؟ میں نے شاہراہ مدینہ کی خاک کی چٹکی والا واقعہ بے کم و کاست بیان کر دیا۔ اسے سن کر وہ بے اختیار رو پڑے اور مجھے وہیں بیٹھے رہنے کی ہدایت کی۔ عصر کی نماز سے پہلے وہ میرا ہاتھ پکڑ کر اندر لے گئے اور جالی مبارک کے سامنے کھڑے ہو کر بڑے سوز و گداز سے درود و سلام پڑھایا۔ نماز کے بعد وہ مجھے پھر اپنے پاس باہر چٹائی پر لے آئے۔

یہ صاحب مشرق اور مغرب میں بہت سے ملکوں کی سیاحی کر چکے تھے۔ عربی تو ان کی مادری زبان تھی۔ اس کے علاوہ

Marfat.com

ترکی، فارسی اور انگریزی خوب جانتے تھے۔ کسی قدر فرانسیسی زبان سے بھی آشنا تھے۔ اٹھارہ انیس برس سے روضہ رسول ﷺ اور مسجد نبوی ﷺ کی صفائی کے انتظامات کے ساتھ وابستہ تھے۔ حج کے زمانے میں جب زائرین کا رش بڑھ جاتا تھا تو یہ صاحب رضا کارانہ طور پر باب جبریل کے باہر جوتے سنبھالنے کے کام میں بھی ہاتھ بٹایا کرتے تھے۔ انہوں نے میرا پاسپورٹ دیکھا اور ہنس ہنس کر بولے ''تم تو پڑھے لکھے آدمی ہو۔ میری اردو بڑی کمزور ہے۔ آؤ انگریزی میں گفتگو کریں''۔

جب انہیں معلوم ہوا کہ میرے رہنے کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے تو مغرب کے بعد وہ مجھے اپنے گھر لے گئے، جو مسجد نبوی کے بالکل قریب واقع تھا۔ انہوں نے مجھے اپنے ساتھ کھانا کھلایا، اپنے کپڑوں کا ایک صاف جوڑا عنایت کیا۔ بازار سے نئے چپل لا کر دیئے اور ایک ڈاکٹر کی دکان پر جا کر میری آنکھوں میں دوا ڈلوائی۔ ساتھ ہی انہوں نے فرمایا کہ میں رات بھی ان کے ہاں گزاروں۔ میں نے التماس کی کہ وہ مجھے باب جبریل کے باہر اپنی چٹائی پر شب بسر کی اجازت دے دیں تو مجھ پر بڑا احسان ہوگا۔ اس پر وہ کچھ سوچ میں پڑ گئے اور پھر بولے ''اس کی اجازت تو نہیں، خیر عشاء کے بعد دیکھا جائے گا''۔

عشاء کے بعد جب مسجد نبوی ﷺ کے دروازے بند ہو گئے تو وہ اندر ہی رہے۔ ڈیڑھ دو گھنٹے کے بعد اپنے سرکاری فرائض سے فارغ ہو کر باہر آئے اور مجھے ایک کاغذ دیا جس پر عربی میں کچھ لکھا ہوا تھا اور نیچے مہر لگی ہوئی تھی۔ فرمایا ''تم اس چٹائی پر رات گزر سکتے ہو۔ اگر کوئی اعتراض کرے تو یہ اجازت نامہ دکھا دینا''۔

تہجد کی اذان ہونے تک کئی سپاہیوں نے کئی بار آ کر مجھے ٹوکا، لیکن اجازت نامہ دیکھ کر وہ خاموش ہو جاتے تھے۔ ایک روز تو جوتے رکھنے والے صاحب نے اپنی کرم فرمائی کی انتہا کر دی۔ عشاء کے بعد جب مسجد نبوی ﷺ کے دروازے بند ہونے لگے تو انہوں نے مجھے باہر نکالا اور تہجد کی اذان تک اپنے ساتھ ہی اندر ہی رہنے دیا اور تھوڑی دیر کے لئے جالی مبارک کے اندر اس عرش بریں جیسی مقدس زمین پر مجھے اپنی پلکوں سے جاروب کشی کی اجازت بھی عطا فرمائی۔

اگلے روز انہوں نے مجھے مدینہ منورہ سے رخصت کر دیا۔ میں نے بہت عذر کیا کہ میرا یہاں سے ہلنے کو جی نہیں چاہتا، لیکن وہ نہ مانے۔ فرمانے لگے ''پانی کا برتن بہت دیر تک آگ پر پڑا رہے تو پانی ابل کر ختم ہو جاتا ہے اور برتن خالی رہ جاتا ہے۔ دنیاداروں کا ذوق و شوق وقتی ابال ہوتا ہے۔ کچھ لوگ یہاں رہ کر بعد میں پریشان ہوتے ہیں۔ ان کا جسم تو مدینہ میں ہوتا ہے لیکن دل اپنے وطن کی طرف لگا رہتا ہے۔ اس سے بہتر ہے کہ انسان رہے تو اپنے وطن میں لیکن دل مدینہ میں لگا رہے۔

حج سے واپس آیا تو میری پوسٹنگ صوبہ پنجاب کے ڈائریکٹر آف انڈسٹریز کے طور پر کر دی گئی تھی۔ اس پوسٹنگ میں کچھ اچھے تجربے ہوئے اور کچھ برے آخر 27 اکتوبر 1954 کو میں ایک میٹنگ کے سلسلے میں لاہور سے کراچی گیا تو وہاں گورنر جنرل ملک غلام محمد صاحب کے سیکریٹری تو گورنر جنرل کی پوسٹ کے لئے منتخب فرمایا۔

گورنر جنرل مسٹر غلام محمد

مسٹر غلام محمد کے کردار میں کسی قسم کی کوئی آئیڈیل ازم نہ تھی۔ ان کے مقاصد میں اولیت کا شرف ہوس اقتدار کو حاصل

Marfat.com

تھا دوسرے درجہ پر صنف نازک کی طرف ان کا شدید رجحان تھا جو اکثر مریضانہ حد تک پہنچ جایا کرتا تھا۔ اپنے مقاصد کے حصول کے لئے وہ خود غرضی، خودسری، ہٹ دھرمی، دھونس، دھاندلی اور ایچ پیچ سمیت ہر قسم کا حربہ استعمال کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ جن لوگوں نے ان کے ساتھ وزیراعظم لیاقت علی خان کی کابینہ میں کام کیا تھا ان پر مسٹر غلام محمد کے کردار کے یہ سب پہلو روز روشن کی طرح عیاں تھے۔ یہ سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے بھی جب انہیں بستر علالت سے اٹھا کر گورنر جنرل کی کرسی پر بٹھا دیا گیا تو یہ ایک ایسی غلطی کا ارتکاب تھا جس کا خمیازہ پاکستان آج تک بھگت رہا ہے۔

یہ مفلوج، معذور اور مغرور شخص ایسی مٹی سے بنا ہوا نہیں تھا کہ گورنر جنرل کے سنہری اور آئینی پنجرے میں بند ہو کر صبر و شکر سے بیٹھا رہے۔ ڈیڑھ برس کے اندر اندر اپریل 1953ء میں اس نے قلم کی ایک جنبش سے خواجہ ناظم الدین کو ملک کی وزارت عظمیٰ سے موقوف کر دیا۔ ابھی چند روز قبل خواجہ صاحب کا بجٹ قومی اسمبلی نے بھاری اکثریت سے منظور کیا تھا۔ مسٹر غلام محمد کے اس آمرانہ عمل نے پاکستان میں جمہوریت کی بنیاد کو پہلی بار نا قابل تلافی نقصان پہنچایا۔ اگر مسلم لیگ پارلیمنٹری پارٹی میں کچھ دم خم ہوتا تو اس کا فرض تھا کہ وہ گورنر جنرل کے اس اقدام کی مذمت کر کے خواجہ ناظم الدین میں اپنے اعتماد کی توثیق کر دیتی، لیکن مسلم لیگ کا زوال شروع ہو چکا تھا، اس لئے اس نے اپنے نہ پر یہ چپت بھیگی بلی بن کر قبول کر لی اور گورنر جنرل کے نامزد وزیراعظم محمد علی بوگرہ کو بڑی فرمانبرداری سے اپنا لیڈر منتخب کر لیا۔ آٹھ دس ماہ بعد 1954ء کے اوائل میں جب مشرقی پاکستان میں انتخابات منعقد ہوئے تو اس میں مسلم لیگ کو شکست فاش ہوئی اور 237 مسلم نشستوں میں سے 223 جگتو فرنٹ نے جیت لیں اور صرف دس نشستیں مسلم لیگ کے ہاتھ آئیں۔ اب مشرقی پاکستان سے یہ مطالبہ ہونے لگا کہ موجودہ مرکزی قانون ساز اسمبلی عوام کی صحیح نمائندگی کا حق ادا کرنے کے قابل نہیں رہی، لہذا اس کے لئے بھی نئے انتخابات ہونے چاہئیں۔ مشرقی پاکستان میں مسلم لیگ کا حشر دیکھ کر مرکزی اسمبلی کے مسلم لیگی نمائندے نئے انتخابات کے نام سے ہی کانوں کو ہاتھ لگاتے تھے۔ اب انہیں یہ فکر دامن گیر ہوگئی کہ کہیں گورنر جنرل سچ مچ ہی مرکزی اسمبلی کو برخاست کر کے نئے انتخابات کا ڈول نہ ڈال دیں۔ اس کے علاوہ خواجہ ناظم الدین کی ناجائز برطرفی کا کانٹا بھی اب سترہ ماہ بعد اچانک ان کے حساس دل میں چبھنے لگا تھا۔ چنانچہ 21 ستمبر 1954ء کو آئین ساز اسمبلی نے گورنر جنرل کے وہ تمام اختیارات چھین لئے جنہیں استعمال کر کے وہ وزیراعظم یا کابینہ کو معطل کر سکتے تھے۔

گورنر جنرل کے اختیارات کم کرنے کا جو قدم اب اسمبلی نے اٹھایا، وہ نہایت مناسب اور صحیح تھا، لیکن جس طریقے سے یہ قدم اٹھایا گیا، وہ مضحکہ خیز تھا۔ اسمبلی کے ممبر مفلوج غلام محمد سے اس قدر خوفزدہ تھے کہ انہوں نے یہ کارروائی چوروں کی طرح دبے پاؤں چھپ چھپا کر کی۔ ترمیمات کا ریزولیوشن چھپوا کر ممبروں کو فوراً تقسیم نہ کیا گیا بلکہ آدھی رات کو اسمبلی میں ان کے پنجن ہولوں میں رکھوا دیا گیا۔ اگلی صبح اسمبلی کا اجلاس مقررہ وقت سے ایک گھنٹہ قبل شروع ہوا اور گورنر جنرل کے اختیارات کم کرنے کا ریزولیشن دس منٹ کے اندر اندر پاس ہو گیا۔ اس قرارداد کے بعد مسٹر غلام محمد کی پوزیشن بالکل کابینہ اور اسمبلی کے رحم و کرم پر منحصر ہوگئی۔ اس شب خون کا جواب گورنر جنرل نے 33 دن کے بعد دیا اور 24 اکتوبر 1954ء کو اچانک ملک بھر میں

Marfat.com

ہنگامی حالات کا اعلان کر کے قانون ساز اسمبلی کو برخاست کر دیا، کابینہ برطرف کر دی اور مسٹر محمد علی بوگرہ کی سرکردگی میں اپنی مرضی کی ایک نئی کیبنٹ تشکیل دے دی۔ مسٹر غلام محمد کے اس اقدام نے پاکستان میں جمہوریت کا رہا سہا بھرم بھی پامال کر دیا اور ذاتی اقتدار کی ہوس پر آئینی اور قانونی اصولوں کو بے دریغ پامال کرنے کی ایسی مثال قائم کی جس نے آگے چل کر ایسے سدا بہار گل کھلائے جو آج تک مرجھانے کا نام تک نہیں لیتے۔

قانون کی عظمت اور آئین کی حرمت چادر عصمت کے مترادف ہے۔ یہ اگر ایک دفعہ چاک ہو جائے تو اسے رفو کرنا انسان کے اختیار میں نہیں رہتا۔ ایک لغزش دوسری لغزش کا پیش خیمہ بن جاتی ہے اور اگر عقوبت کا تازیانہ شروع ہی میں اس کا راستہ نہ روکے تو ارتکاب جرم عادت ثانیہ بن جاتی ہے اور رفتہ رفتہ راج نراج، حکومت اور طوائف الملوکی، قانون اور بدنظمی، آئین اور آمریت کے فرق کا ادراک کمزور ہو جاتا ہے۔ نظام حکومت سے آئینی شائستگی رخصت ہو جاتی ہے اور نظم ونسق میں عدل وانصاف کا عنصر ماند پڑ جاتا ہے۔ آئین کا تقدس ختم ہو کر اس کی حیثیت ایک سرکاری سرکلر کے برابر رہ جاتی ہے جسے وقتی یا ذاتی مصلحتوں کے مطابق توڑا مروڑا جا سکتا ہے۔ معطل کر کے معرض التوا میں ڈالا جا سکتا ہے یا بالکل منسوخ کر کے کالعدم قرار دیا جا سکتا ہے۔ ملک کے دستور کا جب یہ حشر ہونے لگے تو دوسری بہت سی قابل احترام روایات اور اقدار کا تقدس بھی اسی تناسب سے کم ہونے لگتا ہے۔ سیاست کا عمل رک جاتا ہے یا روک دیا جاتا ہے یا غلط رخ اختیار کرنے لگتا ہے۔ سیاست کا میدان مثل باغیچہ ہے اس کی نشوونما کا عمل جاری رہے تو پھول اور کانٹے اپنے اپنے تناسب سے پیدا ہوتے ہیں۔ اگر آبیاری بند ہو جائے تو جھاڑ جھنکاڑ کے علاوہ اور کچھ باقی نہیں رہتا۔ ایسے حالات میں آئیڈیلزم کی جڑیں کمزور پڑ جاتی ہیں۔ جذبہ وطنیت قومیت کے فروغ میں وہ پہلا سا جوش وخروش باقی نہیں رہتا۔ بے یقینی تذبذب اور شکوک وشبہات کی فضا میں سانس لے کر معاشہ کلبیت ار یاسیت کا شکار ہونے لگتا ہے یا تخریب کاری کی راہ اختیار کر لیتا ہے۔ آئینی نظام کا نعم البدل صرف آئینی نظام ہے۔ اس کے علاوہ باقی سب دعوے باطل ہوتے ہیں اور عام طور پر چند محدود عناصر کے ذاتی مفادات کی فریب کاری کا نتیجہ ثابت ہوتے ہیں۔

مسٹر غلام محمد اپنے سہارے چل پھر سکتے تھے، نہ کچھ لکھ سکتے تھے اور نہ ان کی بات کوئی آسانی سے سمجھ ہی سکتا تھا ان تمام معذوریوں کے باوجود انہوں نے ملک بھر میں ہنگامی حالات کا اعلان کس برتے پر کیا؟ فیلڈ مارشل ایوب خان نے اپنی کتاب جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی میں لکھا ہے کہ ہنگامی حالات کا اعلان ہونے سے پہلے وہ پرائم منسٹر محمد علی بوگرہ، چودھری محمد علی اور اسکندر مرزا کے ساتھ امریکہ گئے ہوئے تھے۔ وہاں پر وزیر اعظم کو گورنر جنرل کا پیغام ملا کہ فوراً واپس آؤ۔ یہ پیغام پا کر اُن سب نے جلد سے جلد واپس آنے کی ٹھان لی۔ جب وہ لندن پہنچے تو معلوم ہوا کہ اس روز کوئی ہوائی جہاز مشرق کی طرف نہیں جا رہا، اس لئے انہوں نے کراچی کے لئے ایک ہوائی جہاز چارٹر کر لیا۔ اس کے بعد کے واقعات ایوب خان کے اپنے الفاظ میں اس طرح رونما ہوئے:

''لندن ائیرپورٹ پر گورنر جنرل نے مجھے ٹیلی فون پر بلوایا، لیکن ان کی بات میری سمجھ میں بالکل نہ آئی۔ میں نے ٹیلی فون اسکندر مرزا کو دے دیا۔ ہمیں بس اسی قدر معلوم ہو سکا کہ گورنر جنرل مجھے فوراً پاکستان بلانا چاہتے ہیں۔ انہیں دوسروں

Marfat.com

سے غرض نہ تھی......... اسکندر مرزا، چودھری محمد علی اور میں، ہم تینوں گورنر جنرل کی کوٹھی پر پہنچے......... گورنر جنرل اوپر کی منزل پر اپنی خوابگاہ میں لیٹے ہوئے تھے۔ ان کے خون کا دباؤ بڑھ گیا تھا اور پیٹھ میں بڑی سخت تکلیف تھی جس کی وجہ سے وہ سید ھے ایک تختے پر چاروں شانے چت لیٹنے پر مجبور تھے۔ وہ غصے سے آگ بگولہ ہو رہے تھے اور گالیوں کی بوچھاڑ تھی کہ تھمنے کا نام نہ لیتی تھی، لیکن خوش قسمتی سے یہ گالیاں کسی کی سمجھ میں نہ آتی تھیں۔ چودھری محمد علی نے جرات کر کے کچھ کہا، اس کے جواب میں ان پر بوچھاڑ کر دی۔ اس کے بعد اسکندر مرزا کچھ بولے ان پر بھی بوچھاڑ کر دی۔ ہم ان کی خدمت میں یہ گزارش کرنا چاہتے تھے کہ آپ (وزیراعظم) محمد علی (بوگرہ) کو ایک موقع اور دیں۔ اس کے جواب میں انہوں نے غرا کر کہا جاؤ۔ جاؤ۔ دور ہو جاؤ۔ ان کی زبان سے بار بار نہیں نہیں کے الفاظ نکلتے تھے وہ بس ہم کو بھگا دینا چاہتے تھے۔

ہم ایک کے پیچھے ایک ان کی خوابگاہ سے نکلے۔ آگے آگے اسکندر مرزا ان کے پیچھے چودھری محمد علی اور سب سے پیچھے میں۔ میں کمرے سے باہر قدم رکھنے ہی کو تھا کہ اس نرس نے جو ان کی خدمت پر مامور تھی میرا کوٹ پکڑ کر کھینچا۔ میں پلٹا۔ دیکھتا کیا ہوں کہ میں ایک بالکل مختلف آدمی سے دوچار ہوں۔ یہی ہمارے بیمار اور بوڑھے گورنر جنرل جو لمحہ بھر پہلے غصے سے دیوانے ہو رہے تھے اب ان کا چہرہ مسرت سے کھل اٹھا تھا اور وہ قہقہے لگا رہے تھے۔ میں نے دل میں کہا ''آپ بھی بڑے حضرت ہیں۔'' انہوں نے ایک خاص مسرت کی چمک آنکھوں میں لئے مجھے اشارہ کیا ''مسہری پر بیٹھ جاؤ''۔

اس کے بعد انہوں نے تکیے کے نیچے سے دو دو دستاویزیں نکالیں ان میں سے ایک پر کچھ اس قسم کی عبارت تھی ''میں غلام محمد فلاں فلاں وجوہ کی بنا پر فلاں فلاں اختیارات جنرل ایوب کو سونپتا ہوں اور انہیں حکم دیتا ہوں کہ وہ تین مہینے کے اندر اندر آئین تیار کریں۔'' میں نے اس کاغذ پر نظر ڈالی اور دل میں کہا ''خدا آپ سے سمجھے۔ پچھلے آٹھ برس تو آپ کو ہوش نہ آیا اور اب آپ چاہتے ہیں کہ میں تین مہینے میں دستور بنا کے پیش کر دوں۔''

دوسری دستاویز اس مضمون کی تھی کہ میں نے اس پیشکش کو قبول کر لیا ہے۔ لمحہ بھر کے لئے میں ان تاریخی دستاویزوں کو اپنے ہاتھ میں تھامے رہا۔

جیسے ہی میں نے ان کاغذوں پر نظر ڈالی، میرا تن بدن پکار اٹھا کہ نہیں، ہرگز نہیں۔ میں نے کہا ''آپ جلد بازی سے کام لے رہے ہیں۔ اس ملک کو سخت نقصان پہنچے گا میں فوج کی تعمیر میں مصروف ہوں۔ ہمارا ایک دشمن ہے ہندوستان جس کو رام کرنا بڑا دشوار ہے۔ ہم ہزار چاہیں کہ وہ ہمیں دشمن نہ سمجھے مگر وہ دشمن سمجھنے پر تلا ہوا ہے۔ میں اپنے پیشے میں رہ کر ملک کی بہتر خدمت کر سکتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ میں کچھ مفید کام سرانجام دے سکتا ہوں۔ آپ اپنی موجودہ ذہنی کیفیت میں کوئی بات کر گزرنا چاہتے ہیں جس کا نتیجہ آگے چل کر سوائے ملک کے نقصان کے اور کچھ نہیں ہوگا۔''

اسکے جواب میں انہوں نے مجھ پر گالیوں کی ایک اور بوچھاڑ کر دی، لیکن انہیں احساس ہو گیا کہ میں اس جلد بازی کے کام میں ان کا ساتھ نہیں دوں گا۔''

جو کمانڈر انچیف اپنے گورنر جنرل کو ایسی کھری کھری سنانے کی ہمت رکھتا ہو، اس کا یہ فرض بھی تھا کہ وہ اسے کوئی اور

Marfat.com

غیر جمہوری اور غیر آئینی قدم اٹھانے سے باز رہنے کی تلقین بھی کرے۔لیکن ایوب خان نے مسٹر غلام محمد کو ایسی کوئی وارننگ نہ دی بلکہ اس کے برعکس جب ہنگامی حالات کا اعلان ہوا اور اسمبلی کی برطرفی کے بعد نئی کابینہ بنی تو ایوب خان نے کمانڈر انچیف کے عہدہ کے ساتھ ساتھ اس میں وزیر دفاع کا منصب بھی قبول کر لیا۔اسکندر مرزا اس نئی کابینہ میں وزیر داخلہ مقرر ہوئے۔ان دونوں حضرات کی رفاقت مسٹر غلام محمد کے لئے بڑی زبردست پشت پناہی تھی اور غالباً یہی وہ شہ تھی جس کے زور پر انہوں نے اتنا بڑا قدم بھی اٹھایا تھا۔اس زمانے میں اس کابینہ کو Cabinet of Lent کہا جاتا تھا۔وطن عزیز ایسے جوہر نایاب سے خالی نہیں جو صرف ہنگامی حالات میں اپنا جوبن دکھاتا ہے اور کابینہ میں شامل ہو کر ملک کی خدمت کرنے میں ہچکچاہٹ سے کام نہیں لیتا۔یہ صورت حال آج تک جاری وساری ہے۔

میرے چارج لینے کے چند روز بعد نومبر میں کراچی میونسپل کارپوریشن نے گورنر جنرل کو ایک استقبالیہ پر مدعو کیا۔استقبالیہ سے چند گھنٹے قبل مجھے انٹیلی جنس کی ایک سپیشل رپورٹ موصول ہوئی جس میں یہ خدشہ ظاہر کیا گیا تھا کہ جب گورنر جنرل کارپوریشن کے استقبالیے میں شریک ہونے جائیں گے تو راستے میں شاید کچھ لوگ مظاہرہ کریں اور مخالفانہ نعرے لگائیں۔میں اس رپورٹ کو فوراً مسٹر غلام محمد کے پاس لے گیا۔اسے پڑھتے ہی ان کا رنگ زرد پڑ گیا۔وہ کچھ دیر سناٹے کے عالم میں رہے۔پھر بولے کہ میں یہ رپورٹ لے کر وزیر داخلہ اسکندر مرزا اور وزیر دفاع ایوب خان کے پاس جاؤں اور ان سے کہوں کہ وہ دونوں گورنر جنرل کے ساتھ ان کی گاڑی میں کراچی کارپوریشن چلیں۔

اسکندر مرزا صاحب کے دفتر پہنچ کر میں نے انہیں انٹیلی جنس کی رپورٹ دکھائی اور گورنر جنرل کا پیغام سنایا تو وہ اپنے مخصوص انداز میں خی خی کر کے خوب ہنسے اور بولے بڈھا بہت زیادہ ڈر گیا ہے اس قدر خوف کی بات نہیں چلو ایوب سے چل کر بات کرتے ہیں۔''

اسکندر مرزا صاحب کی گاڑی میں بیٹھ کر ہم ایوب خان کے پاس پہنچے۔دونوں پہلے کچھ دیر آپس میں کھسر پھسر کرتے رہے۔پھر زور سے قہقہے لگا کر گورنر جنرل کی خوفزدگی کا مذاق اڑاتے رہے۔پھر مجھ سے کہا کہ میں واپس جا کر مسٹر غلام محمد کو تسلی دوں کہ فکر کی کوئی بات نہیں۔وہ شوق سے کارپوریشن کے استقبالیہ میں تشریف لے جائیں۔

میں نے جواب دیا کہ گورنر جنرل میری زبانی بات پر یقین نہ کریں گے۔اگر وہ یہی بات لکھ کر دے دیں تو بہتر ہوگا۔

یہ سن کر اسکندر مرزا نے فوراً اپنا قلم نکالا اور انٹیلی جنس رپورٹ کے حاشیے پر ایک نوٹ لکھ دیا جس کا مفہوم یہ تھا کہ میں گورنر جنرل کو مکمل یقین دلاتا ہوں کہ حالات پوری طرح قابو میں ہیں، وہ بے فکری سے کارپوریشن کے جلسے میں جائیں راستے میں کوئی گڑبڑ نہ ہوگی۔

تیسرے پہر میں مسٹر غلام محمد کے ساتھ ان کی کار میں بیٹھا اور ہمارا قافلہ کراچی کارپوریشن کی طرف روانہ ہوا۔ہمارے آگے پیچھے مسلح پولیس کی اتنی کثرت تھی کہ معلوم ہوتا تھا کہ ہم استقبالیہ میں شریک ہونے نہیں جا رہے بلکہ کوئی مورچہ فتح کرنے جا رہے ہیں۔سڑکیں سنسان پڑی تھیں اور اکا دکا راہگیروں کو بھی پولیس والے لاٹھیوں سے کھدیڑ کر گلی کوچوں میں بھگا

Marfat.com

رہے تھے۔ راستے میں اس قدر امن و امان دیکھ کر مسٹر غلام محمد ایک دم شیر ہو گئے۔ انہوں نے اپنی چھڑی کا ہینڈل میری پسلیوں میں چھو کر مجھے اپنی طرف متوجہ کیا اور انٹیلی جنس والوں کو موٹی سی گالی دے کر کہا ''کہاں گئے میرے خلاف مظاہرہ کرنے والے؟ کہاں مر گئے میرے خلاف نعرے لگانے والے؟''

میں نے پولیس کے انتظام کی کچھ تعریف کی تو انہوں نے پولیس والوں کو بھی بڑی سخت گالی دی اور اپنی چھاتی پر ہاتھ مار کر بولے ''میں کسی سے ڈرنے والا نہیں۔ اگر کوئی میرے سامنے آئے گا، میں اس کی ٹانگیں توڑ دوں گا۔ اگر کوئی میرے خلاف نعرہ لگائے گا، میں اس کے منہ پر تھوک دوں گا۔ اپنے اس عزم کا عملی مظاہرہ کرنے کی خاطر مسٹر غلام محمد نے کار میں زور سے تھوکا جو اُچٹ کر ان کے کوٹ کے کالر پر گرا۔ اے۔ ڈی۔ سی اگلی سیٹ پر بیٹھا تھا۔ اس نے ایک ٹیکن مجھے دیا۔ میں نے اس سے کوٹ کا کالر صاف کرنے کی کوشش کی تو مسٹر غلام محمد نے چھڑی گھما کر مجھے غور سے گھورا اور کہنے لگے ''تم کشمیری ہو نا؟ کشمیری تو بڑے بزدل ہوتے ہیں۔ تم صبح سے سہمے ہوئے بیٹھے تھے سڑک پہ یہ ہو جائے گا، وہ ہو جائے گا، اب بولو کیا ہوا؟ غلام محمد کے سامنے کون کھڑا ہو سکتا ہے؟ تھو...... تھو...... تھو......'' انہوں نے نفرت سے کئی بار اور تھوکا اور کارپوریشن کے لان تک پہنچتے پہنچتے بڑی مشکل سے ان کے کوٹ کا کالر اور آستین صاف کی گئی۔

مسٹر غلام محمد کا معمول تھا کہ وہ دن کے گیارہ بجے اپنے عملے کے کچھ افراد کو اپنے ساتھ چائے پر اکٹھا کیا کرتے تھے۔ کارپوریشن کے استقبالیہ کے بعد کئی روز تک وہ چائے پر میرا مذاق اڑا کر مجھے رگیدتے رہے کہ انٹیلی جنس کی رپورٹ دیکھ کر اس شخص کی گھگھی بندھی ہوئی تھی اور یہ کار میں اس طرح سہما ہوا بیٹھا تھا جس طرح چوہا بلی کے ڈر سے تھر تھر کانپتا ہے تیسرے یا چوتھے روز انہوں نے مجھے مخاطب کر کے سوال کیا سچ سچ بتاؤ۔ ڈر کے مارے کار میں تمہارا پیشاب بھی خطا ہوا تھا یا نہیں؟''

میں نے سنجیدگی سے جواب دیا یور ایکسیلنسی اس روز مجھ پر کوئی خوف طاری نہ ہوا تھا۔

یہ جواب سن کر مسٹر غلام محمد سکتے میں آ گئے پھر غصے سے بولے تمہارا مطلب ہے کہ میں جھوٹ بول رہا ہوں؟''

میں خاموش رہا۔

ہاں ہاں۔ مسٹر غلام محمد چیخ کر بولے تمہارا یہی مطلب ہے کہ میں جھوٹ بکواس کر رہا ہوں۔''

میں پھر خاموش رہا۔ بس اب کیا تھا۔ گورنر جنرل غصے میں آپے سے باہر ہو گئے انہوں نے چائے کی پیالی قالین پر پٹخ دی اور چیخ چیخ کر اس بات کا ماتم کرنے لگے کہ اب دو دو ٹکے کے سرکاری ملازم بھی سربراہ مملکت کے منہ پر جھوٹ بولنے کا الزام لگانے کی جرات کرنے لگے ہیں۔ جو ملک کے سربراہ کا وفادار نہیں وہ ملک کا وفادار نہیں۔ ایسے غداروں کے متعلق انہوں نے بڑی ہولناک سزائیں تجویز کیں اور ہم سب منہ لٹکائے اپنے اپنے کمرے میں واپس آ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد مس بورل میرے کمرے میں آئی اور میری ڈھارس بندھانے لگی کہ اس گھر میں ایسے واقعات وقتاً فوقتاً رونما ہوتے رہتے ہیں۔ ان سے دربرداشتہ ہونے کی ضرورت نہیں وہ مسٹر غلام محمد کی نفسیات پر تبصرہ کر ہی رہی تھی کہ اچانک میرے کمرے کا دروازہ کھلا اور گورنر جنرل اپنی وہیل چیئر پر بیٹھے ہوئے اندر تشریف لائے۔ آتے ہی انہوں نے مس بورل سے پوچھا کہ وہ یہاں کیوں بیٹھی ہے؟

Marfat.com

اس نے جواب دیا کہ وہ میرے آنسو پونچھنے آئی تھی، کیونکہ میں چائے والے واقعہ پر سخت شرمندہ تھا اور اس وقت سے اب تک زار و قطار روتا رہا تھا۔

اچھا! مسٹر غلام محمد نے بچوں کی طرح خوش ہو کر پوچھا ''کتنا رویا ہے''؟

بکٹ فل ایکسیلنسی بکٹ فل۔ مس بورل نے ہاتھوں سے بڑی بالٹی کا سائز بنا کر کہا۔

کیا یہ اب ایک پیالی چائے کا مستحق ہو گیا ہے؟ گورنر جنرل نے پوچھا۔

" ہاں ایکسیلنسی، چائے کے ساتھ کیک کا بھی۔ مس بورل نے کہا۔

" نہیں، کیک تم کھانا۔" مسٹر غلام محمد نے مچل کر کہا" اس کو ہم صرف بسکٹ دیں گے۔"

اس مول تول کے بعد وہ دونوں مجھے اپنے ساتھ اوپر لے گئے۔ مسٹر غلام محمد نے چائے کے ساتھ مجھے گن کر صرف ایک بسکٹ دیا اور خود دو کیک کی کریم انگلیوں سے چاٹ کر کھاتے رہے۔

ایک رات میں اپنے گھر میں سویا ہوا تھا۔ آدھی رات کے قریب ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ میرا ڈپٹی سیکریٹری فرخ امین بول رہا تھا۔ اس نے کہا" آپ جس حالت میں اسی طرح فوراً گورنر جنرل ہاؤس آ جائیں۔

مسٹر غلام محمد بیمار تو رہتے ہی تھے۔ مجھے خیال گزرا کہ شاید اچانک انہیں کچھ ہو گیا ہے۔ میں نے فرخ امین سے پوچھا " بڑے میاں تو ٹھیک ہیں؟"

ٹیلی فون پر تھوڑی دیر کچھ کھسر پھسر ہوئی، پھر اس نے گول مول سا جواب دیا" ہاں" لیکن آپ فوراً یہاں پہنچ جائیں۔"

میں بھاگم بھاگ گورنر جنرل ہاؤس پہنچا اور سیدھا غلام محمد کے بیڈروم میں گیا جو تیز روشنیوں سے بقعہ نور بنا رہا تھا۔ لیکن گورنر جنرل اپنے بستر پر بہت سے تکیوں کا سہارا لئے بیٹھے تھے اور اس اسٹاف کے کئی ممبر کمرے میں ادھر اُدھر سہمے کھڑے تھے۔ میں کمرے میں داخل ہوا تو مسٹر غلام محمد کچھ دیر تک پیلی پیلی آنکھیں میرے چہرے پر گاڑے مجھے گھورتے رہے۔ پھر تلخ انداز میں بولے" مجھے زندہ دیکھ کر آپ کو بڑے مایوسی ہوئی ہوگی۔ آپ تو بڑے شوق سے میرا جنازہ اُٹھانے آ رہے تھے۔"

میں نے کچھ بولنے کی کوشش کی تو انہوں نے ڈانٹ کر مجھے چپ کرا دیا اور کہنے لگے جب تم ٹیلی فون پر فرخ امین سے بات کر رہے تھے۔ تو میں بھی ریسیور سے کان لگا کر سن رہا تھا۔ تم نے بڑے شوق سے پوچھا تھا کہ کیا یہ بڈھا مر گیا؟"

میں اپنی بات کی وضاحت کرنا چاہتا تھا۔ لیکن وہ کچھ سننے کیلئے تیار نہ تھے۔ دو ڈھائی گھنٹے تک انہوں نے اسی ایک بات کو طول دے کر بار بار ایسی رٹ لگائی کہ آخر میں بالکل نڈھال ہو کر تکیوں پر گر گئے۔ ہم نے ان کے ڈاکٹر کو بلایا۔ اس نے آ کر انہیں کچھ گولیاں کھلائیں اور ٹیکہ لگا کر سلا دیا۔

بعد میں معلوم ہوا کہ مسٹر غلام محمد یہ کچہری رات کے دس بجے سے لگائے بیٹھے تھے۔ ان کی ذاتی عملے کے کسی ملازم سے کوئی قصور سرزد ہو گیا۔ دس بجے سے اس پر مقدمے چل رہا تھا اور سزا تجویز ہو رہی تھی۔ آخر تنگ آ کر آدھی رات کے قریب کسی نے یہ تجویز پیش کی کہ یہ سارا کیس سیکریٹری صاحب کے سپرد کر دیا جائے، وہ پوری انکوائری کر کے رپورٹ گورنر جنرل کی

Marfat.com

خدمت میں پیش کریں۔ اس مقصد کے لئے مجھے بلایا اور جب میں حاضر ہوا تو اصل مقصد خارج ہو گیا۔ اور ایک بالکل نیا بکھیڑا کھڑا ہو گیا۔ اس زمانے میں مسٹر غلام محمد کا ذہن اسی طور پر کام کرتا تھا۔

ایک روز دفتر پہنچتے ہی پیغام ملا کہ گورنر جنرل یاد فرما رہے ہیں۔ میں ان کے بیڈ روم میں داخل ہوا تو فرش پر ایک فائل پڑی ہوئی نظر آئی۔ میں نے سوچا کسی سے بے خیالی میں گر گئی ہوگی۔ میں اسے اُٹھانے کیلئے جھکا تھا کہ گورنر جنرل نے اپنا ٹائم پیس تڑاخ سے میرے سر پر دے مارا اور گرج کر کہا" فائل کو ہاتھ نہ لگاؤ ٹائم پیس اُٹھا کر یہاں لاؤ۔ میں نے ٹائم پیس اُٹھا کر انہیں واپس دیا تو انہوں نے ٹٹول ٹٹول کر اس کا بغور جائزہ لیا کہ میرے سر سے ٹکرا کر اس کا کچھ بگڑا تو نہیں گیا۔ میرے سر میں اس کی ضرب سے گومڑ سا پڑ گیا۔ میں نے کسی قدر طنز سے کہا" یہ ٹائم پیس بڑا نازک اور قیمتی ہے۔ اس سے پتھر کا کام لینا جائز نہیں۔

" تمہارا سر بھی تو کنکریٹ سے بنا ہوا ہے۔ مسٹر غلام محمد سے مسکرا کر کہا۔

خیر سگالی کی اس گفتگو کے بعد انہوں نے مجھے مسہری پر بیٹھا لیا اور فرش پر پڑی ہوئی فائل کا قصہ سنایا۔ بات تو ہوئی کہ کل رات انہوں نے مس بورل کو ڈنر پر مدعو کیا تھا۔ وہ حسب معمول اپنی بوڑھی والدہ کو اپنے ساتھ لے کر آئی۔ یہ بات مسٹر غلام محمد کو پسند نہ تھی۔ ان کی خواہش تھی کہ مس بورل ڈنر پر تنہا آیا کرے، لیکن مس بورل اکثر ان کی اس آرزو کو پورا نہ کیا کرتی تھی۔ کل رات کے ڈنر کے درمیان مسٹر غلام محمد نے مس بورل کی والدہ کے ساتھ بڑی بے رخی کا برتاؤ کیا اور کچھ نازیبا کلمات بھی کہے۔ مس بورل نے اس بات کا بہت برا منایا۔ آج صبح گورنر جنرل نے اسے ایک فائل کے ساتھ اپنے کمرے میں طلب کیا۔ وہ منہ پھلائے ہوئے آئی۔ مسٹر غلام محمد نے اسے حکم دیا۔ کہ وہ صبح سویرے رونی صورت لے کر ان کے کمرے میں نہ آئے بلکہ مسکراتی ہوئی ان سے ملے۔ مس بورل اسی طرح منہ پھلائے کھڑی رہی۔ گورنر جنرل نے تحکمانہ انداز میں کئی بار اسے مسکرانے کا حکم دیا تو اس نے غصے سے فائل زمین پر دے ماری اور روتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

اب مسٹر غلام محمد نے میرے ذمہ یہ ڈیوٹی سپرد کی کہ میں مس بورل کو سمجھا بجھا کر یہاں واپس لاؤں۔ وہ مسکراتی ہوئی کمرے میں داخل ہو اور ہنسی خوشی فرش پر پڑی ہوئی فائل اٹھا کر گورنر جنرل کے حضور میں پیش کرے۔ میں مس بورل کے پاس گیا تو وہ غالباً اسی نوعیت کی طلبی کے انتظار میں بیٹھی تھی۔ وہ بڑی زیرک اور غمگسار طبیعت کی لڑکی تھی اور مسٹر غلام محمد کی معذوریوں کی وجہ سے ان کے ساتھ ایک خاص قسم کی ہمدردی تھی۔ میں نے اسے ٹائم پیس سمیت سارا واقعہ سنایا تو وہ فوراً میرے ساتھ چلنے پر آمادہ ہو گئی۔ گورنر جنرل کے کمرے میں داخل ہوتے ہی اس نے اپنی مسکراہٹوں کا فوارہ چھوڑا اور فرش پر پڑی ہوئی فائل اٹھا کر اسے بصد ادب و احترام ان کی خدمت میں پیش کیا۔ مسٹر غلام محمد کا چہرہ دودھ پیتے بچوں کی طرح کھل اٹھا اور ان کے منہ کے دونوں کونوں سے بے اختیار رالیں ٹپکنے لگیں۔ پھر اچانک ان کی نظر مجھ پر پڑی۔ ان کی پیشانی پر بل پڑ گئے اور غرا کر بولے" تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ تمہیں یہاں کس نے بلایا ہے؟ فوراً میری نظروں سے دور ہو جاؤ"

مسٹر غلام محمد نے کبھی یہ بات تسلیم نہ کی تھی کہ فالج کی وجہ سے ان کی زبان میں شدید لکنت ہے اور لوگ ان کی بات سمجھنے سے قاصر ہیں۔ غالباً وہ اس خوش فہمی میں مبتلا رہے کہ ان کی باتوں کا معیار اتنا بلند ہوتا ہے کہ کم فہم لوگ انہیں آسانی سے سمجھ نہیں

Marfat.com

پاتے یا کبھی وہ سمجھتے تھے کہ دوسرے لوگوں کی سماعت میں کوئی فتور ہے۔ایک روز ایک جائنٹ سیکریٹری اپنے وزیر کے ہمراہ گورنر جنرل کے پاس آیا ہوا تھا۔اس بیچارے کی سمجھ میں گورنر جنرل کی کوئی بات نہ آرہی تھی۔تنگ آکر مسٹر غلام محمد نے پوچھا ''کیا تم بہرے ہو؟''

جان بچانے کی خاطر جائنٹ سیکریٹری نے بہانہ بنایا جی ہاں سر۔آج کل میرے کانوں میں بڑی تکلیف ہے۔

اب کیا تھا۔گورنر جنرل نے ڈسپنسری سے کمپاؤنڈر کو بلوایا اور وہیں بیٹھے بیٹھے بیچارے جائنٹ سیکریٹری کے کانوں میں پچکاری لگوا کر صفائی کرادی۔

ایک بار عید کے موقع پر مسٹر غلام محمد کے سر پر یہ بھوت سوار ہو گیا کہ وہ قوم کے نام اپنا پیغام خود براڈ کاسٹ کریں گے۔ ریڈیو پاکستان کے ڈائریکٹری جنرل زیڈ۔اے۔بخاری کو یہ ترکیب سوجھی کہ پیغام ریکارڈ کر کے پہلے گورنر جنرل کو سنا دیا جائے وہ عقل مند آدمی ہے۔یہ اشارہ خود سمجھ جائیں گے کہ ان کی آواز اس قابل نہیں ہے کہ ریڈیو پر براڈ کاسٹ کی جائے چنانچہ بخاری صاحب کی سرکردگی میں بڑے اہتمام سے مسٹر غلام محمد کی تقریر ریکارڈ کی گئی۔اس کے بعد بخاری صاحب نے بڑے ادب سے پوچھا حضور! کیا آپ اپنی تقریر کا ریکارڈ سننا پسند فرمائیں گے؟

ضرور۔گورنر جنرل نے گرمجوشی سے جواب دیا۔

اب جو ریکارڈنگ کا ٹیپ چلایا گیا، تو اس سے خرخر، غرغر، غاں غاں کے ساتھ لپٹی ہوئی ایسی آوازیں برآمد ہونے لگیں جیسے پھٹے ہوئے پائپ سے بہت سی گیس بیک وقت خارج ہونے کی کوشش کر رہی ہو۔آدھا ٹیپ سن کر مسٹر غلام محمد آپے سے باہر ہو گئے اور انہوں نے بخاری صاحب کا ٹیٹوا پکڑ لیا کہ ریڈیو کا یہ کیسا اناڑی ڈائریکٹر جنرل ہے جو ایک تقریر بھی صحیح طور پر ریکارڈ نہیں کرسکتا؟ اس روز ہم لوگوں نے بڑی مشکل سے بخاری صاحب کو گورنر جنرل ہاؤس سے صحیح سلامت باہر نکالا اور مسٹر غلام محمد کافی عرصہ تک اپنے ملنے والوں سے ان کی نااہلی اور اناڑی پن کا رونا روتے رہے۔

کابینہ کے وزیر، غیر ملکی سفیر اور دوسرے ملاقاتی جب گورنر جنرل سے ملنے آتے تھے تو انہیں مسٹر غلام محمد کی گفتگو سمجھنے میں بڑی دشواری پیش آتی تھی۔ایسے موقعوں پر کوئی اے۔ڈی۔سی یا مس بورل یا میں موقع پر موجود ہو کر ترجمانی کے فرائض ادا کیا کرتے تھے۔ایک بار مصر کے صدر جمال عبدالناصر کسی دورے پر جاتے ہوئے ایک رات کے لئے کراچی میں رکے۔انہیں گورنر جنرل ہاؤس میں مہمان ٹھہرایا گیا۔رات کو ان کے اعزاز میں عشائیہ تھا ڈنر سے پہلے دونوں صاحبان کچھ دیر کے لئے ایک دوسرے سے ملے تو ان کے درمیان انگریزی میں گفتگو ہونے لگی بات چیت کا آغاز اس طرح ہوا۔

مسٹر غلام محمد: پچھلے سال میں بڑا شدید بیمار ہو گیا تھا۔

صدر ناصر: (کچھ نہ سمجھے بلکہ یہ قیاس کیا کہ رسم کے مطابق وہ ان کی خیریت دریافت کر رہے ہیں)
یس ایکسیلنسی۔گڈ۔ویری گڈ۔

مسٹر غلام محمد: میں اتنا سخت بیمار ہو گیا تھا کہ مرنے کے قریب تھا۔

Marfat.com

صدر ناصر: یس، ایکسیلینسی۔ گڈ۔ ویری گڈ

اس مرحلے پر ہمارے عملے کا ایک آدمی وہاں پہنچ گیا اور اس نے ترجمانی کا فریضہ سنبھال کر صورتحال کو مزید پیچیدگی سے بچا لیا۔

اسی زمانے میں ترکی کے صدر جلال بیار نے بھی پاکستان کا دورہ کیا۔ وہ انگریزی بالکل نہ سمجھتے تھے اور ان کا ذاتی ترجمان ہمیشہ ان کے ساتھ رہتا تھا۔ گورنر جنرل کے سرکاری ڈنر کے دوران ترجمان دونوں کے پیچھے کرسی پر بیٹھ گیا تا کہ مسٹر غلام محمد کی گفتگو کا ترجمہ ترکی میں اور جلال بیار کی باتوں کا ترجمہ انگریزی میں کرتا جائے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ پسینہ پسینہ ہو گیا اور سر پکڑ کر وہاں سے غائب ہو گیا کیونکہ مسٹر غلام محمد کی کوئی بات اس کی سمجھ میں نہ آ رہی تھی۔ میں نے اس سے دریافت کیا کہ میں اس کی کچھ مدد کروں؟ اس نے جواب دیا کہ صدر جلال بیار نے کہا ہے کہ وہ ترجمانی کے بغیر ہی صورتحال سے بخوبی نپٹ لیں گے۔ چنانچہ اس کے بعد کھانے کے دوران مسٹر غلام محمد مسلسل بولتے رہے اور ترکی کے صدر کبھی مسکرا کر، کبھی سر ہلا کر، کبھی آنکھیں گھما کر ان باتوں کا جواب اشاروں ہی اشاروں میں دیتے رہے۔ کھانے کی میز پر دو سربراہان مملکت کے درمیان اس قدر طویل یکطرفہ مکالمہ اور کہیں نہیں ہوا ہوگا۔

ایک روز کراچی کے چند مشہور و معروف شہریوں کی درخواست موصول ہوئی کہ اہالیان شہر کے نمائندوں کا ایک وفد گورنر جنرل ہاؤس میں ایک تقریب منعقد کر کے مسٹر غلام محمد کی خدمت میں محافظ قوم Saviour of the Nation کا خطاب پیش کرنا چاہتا ہے میں نے اس پر ایک لمبا چوڑا نوٹ لکھا کہ یہ لوگ خوشامدی ٹٹو ہیں چڑھتے سورج کی پوجا کرنا ان کا شیوہ ہے۔ ایسی تقریبات سے ان کا مقصد صرف یہ ہے کہ وہ ارباب حکومت کا قرب حاصل کر کے اپنا الو سیدھا کریں۔ یہ لوگ اپنی ذات کے سوا اور کسی کی نمائندگی نہیں کرتے اور ان کی طرف سے گورنر جنرل کو قومی خطاب دیا جانا بڑی مضحکہ خیز بات ہے، لہذا میں نے مشورہ دیا کہ اس درخواست کو بغیر کسی ہچکچاہٹ کے رد کر دیا جائے۔

میرا نوٹ پڑھ کر مسٹر غلام محمد سیخ پا ہو گئے۔ انہوں نے میرا نوٹ تو پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور ہاتھ دھو کر میرے پیچھے پڑ گئے کہ ساری قوم تو قدر شناسی کے طور پر ان کے سر پر عظمت کا تاج رکھنا چاہتی ہے۔ اور میں اس منصوبہ کو سبوتاژ کرنے کے لئے بے قرار ہوں۔ انہوں نے حکم دیا کہ میں اس معاملے کے ساتھ مزید کوئی سروکار نہ رکھوں اور اس خط کا جواب انہوں نے میرے ڈپٹی سیکریٹری سے تحریر کروا دیا کہ وہ لوگ بڑی خوشی سے تشریف لائیں اور قوم کی جانب سے Saviour of the Nation کا خطاب مسٹر غلام محمد کو مرحمت فرمائیں۔ گورنر جنرل اس اعزاز کو قبول فرمانے کے لئے بخوشی تیار ہیں۔

اس مقصد کے لئے جو تقریب منعقد ہوئی، وہ اسی نوعیت کی تھی جیسے چھوٹے چھوٹے بچے جھوٹ موٹ مل کر گڑیا گڈے کی شادی رچاتے ہیں۔ ایک کشادہ برآمدے میں قالین بچھائے گئے ان پر کرسیاں اور صوفے لگائے گئے۔ کراچی کے پچیس تیس جغادری خوشامدی ان پر ادب سے بیٹھ گئے۔ مسٹر غلام محمد کالی شیروانی اور جناح کیپ پہنے ایک کمرے سے نمودار ہوئے اور عاجزی سے مسکین سی صورت بنا کر ایک کرسی پر براجمان ہو گئے۔ ایک صاحب نے سنہری چوکھٹے میں فریم کیا ہوا کوئی ڈیڑھ فٹ لمبا توصیفی ایڈریس پڑھا اور مبالغے کے جملہ اصناف کو کام میں لا کر مسٹر غلام محمد کو پاکستانی قوم کا نجات دہندہ ثابت کیا۔

Marfat.com

جواب میں گورنر جنرل نے جذبات سے مغلوب ہو کر کچھ آنسو بہائے اور بھرائی آواز میں اپنے اس عزم کا اعلان کیا کہ وہ زندگی کے آخری سانس تک اپنے عزیز وطن اور قوم کی اسی طرح بے لوث خدمت سرانجام دیتے رہیں گے۔ حاضرین نے تالیاں بجائیں اور نجات دہندہ قوم...... زندہ باد کے نعرے لگائے۔ اس کے بعد سب نے چائے کے ساتھ کیک، پیسٹری اور سموسے کھائے اور اس ضروری کاروائی کے بعد وہ محفل برخاست ہوگئی جس میں جھوٹ، چاپلوسی اور خوشامد کی طمع سازی اتنی نمایاں تھی کہ اسے دیکھ کر گھن آتی تھی اور کراہت محسوس ہوتی تھی۔

اگر خوشامدیوں کی صحبت میسر آنا خوش قسمتی ہے تو اس باب میں مسٹر غلام محمد واقعی خوش قسمت تھے۔ ان کے قریب ترین اور عزیز ترین دوستوں میں ایک بھی ایسا نہ تھا جو گورنر جنرلی کے زمانے میں ان کی کھلے بندوں شرمناک حد تک خوشامد نہ کرتا ہو۔ ایک بار وہ اپنے دو تین دوستوں کو ساتھ لے کر کار میں ہوا خوری کے لئے نکلے۔ مجھے بھی اگلی سیٹ پر بٹھالیا ان دنوں کراچی میں غالباً پہلی آٹھ دس منزلہ عمارت قمر ہاؤس کے نام سے تعمیر ہو رہی تھی۔ جب ہم اس کے قریب سے گزرے تو مسٹر غلام محمد نے پوچھا کہ اتنی بڑی بلڈنگ کون بنوا رہا ہے؟ ان کے ایک دوست نے فوراً ادب سے سر جھکا کر کہا ''حضور کے اقبال سے بن رہی ہے۔ ایک مسجد سے کچھ لوگ مغرب کی نماز پڑھ کر باہر نکل رہے تھے دوسرے دوست نے گورنر جنرل کی توجہ ان کی طرف منعطف کروائی اور کہا حضور کے اقبال سے آج کل مسجدیں خوب آباد ہیں۔ اتنے نمازی پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آئے۔ سب آپ کی برکت ہے اس برکت کا نزول 27 یا 28 برس بعد آج تک جاری ہے!

ایک روز مسٹر غلام محمد نمونیے میں مبتلا تھے ان کے ایک عزیز دوست میرے پاس بکرے ذبح کرنے کی چھری لے کر آئے چھری چاندی کی طشتری میں دھری ہوئی تھی اور اوپر ایک سبز ریشمی رومال ڈالا ہوا تھا۔ انہوں نے کہا کہ میں اس چھری پر مسٹر غلام محمد کا ہاتھ پھرالاؤں کیونکہ وہ اس سے چند بکرے ذبح کر کے ان کی صحت اور سلامتی کے لئے صدقہ دینا چاہتے ہیں میں نے مسٹر غلام کو یہ بات بتائی تو انہوں نے بڑی خوشی سے چھری پر اپنے دونوں ہاتھ کئی بار پھیر دیئے۔ اس کے بعد میں نے کہا اگر آپ اجازت دیں تو میں ان صاحب کے ساتھ اپنا ڈپٹی سیکریٹری بھی بھیجنا چاہتا ہوں تاکہ صدقہ کی رسم چھری پر ہاتھ پھرانے تک ہی محدود نہ رہے بلکہ بکرے بھی ضرور ذبح ہوں۔

یہ بات سن کر مسٹر غلام محمد کی آنکھوں میں تیز تیز چمک آئی اور انہوں نے زندگی میں پہلی بار مجھے شاباش دے کر کہا ہاں، ہاں، ضرور بھیجنا۔ بعد میں مجھے رپورٹ بھی دینا۔ واپس آ کر جب میں نے ان صاحب کو بتایا کہ مسٹر غلام محمد کی خواہش ہے کہ صدقہ کے وقت ان کا ڈپٹی سیکریٹری بھی ان کی نمائندگی کرے تو ان کا منہ بن گیا اور وہ بڑے بدمزہ ہو کر میرے کمرے سے نکلے۔

خوشامد کی قینچی عقل و فہم کے پر کاٹ کر انسان کے ذہن کو آزادی پرواز سے محروم کر دیتی ہے۔ خوشامدیوں میں گھرا ہوا انسان شیرے کے قوام میں پھنسی ہوئی مکھی کی طرح بے بس اور معذور ہوتا ہے رفتہ رفتہ اس کے اپنے حواس معطل ہو جاتے ہیں اور وہ وہی کچھ دیکھتا، سنتا، بولتا، سونگھتا اور محسوس کرتا ہے جو خوشامدی کیڑے کو کون کی طرح گھس کر اس کے وجود میں پلتے رہتے ہیں۔ جس سربراہ مملکت کی کرسی کو خوشامد کی دیمک لگ جائے، وہ پائیدار نہیں رہتی۔ اس کے فیصلے ناقص ہوتے ہیں اور اس کی

Marfat.com

رائے دوسروں کے قبضہ میں چلی جاتی ہے۔ اگر سربراہ مملکت مسٹر غلام محمد کی طرح جسمانی طور پر بھی مفلوج ہو تو خوشامدیوں کے دوش پر سوار ہو کر وہ سارے ملک کو خطرے کی صلیب پر لٹکائے رکھتا ہے۔

پرائم منسٹر، وزراء، کمانڈر انچیف اور دیگر اعلیٰ حکام میں کوئی ایسا مائی کا لال نہ تھا جو مسٹر غلام محمد کے روبرو کسی جائز نکتے پر بھی اختلاف رائے کا اظہار کرتا ہو۔ وہ سب ان کی ہاں میں ہاں ملاتے تھے اور ان کے منہ پر جی حضوری کا دم بھرتے تھے، لیکن ان کی پیٹھ پیچھے سب ان کا مذاق اڑاتے تھے اور ان کے احکام کو یا تو بالکل نظر انداز کر دیتے تھے یا اپنی خواہش کے مطابق توڑ مروڑ کر عملی جامہ پہناتے تھے۔ کاروبار حکومت کی ہر سطح پر ذاتی پسند اور ناپسند اور شخصی بالا دستیوں کا دور دورہ تھا اور مرکز گریز عناصر کو من مانی کرروائیاں کرنے کی کھلی چھٹی تھی۔ خاص طور پر جو لاوا مشرقی پاکستان میں پکنا شروع ہو گیا تھا اس کی طرف توجہ دینے کی کسی کو فرصت نہ تھی۔ 1954ء کے انتخابات نے مشرقی پاکستان میں سیاست کو ایک نئے رُخ اور ایک نئی توانائی کو جنم دیا تھا۔ اس کے مقابلے میں گورنر جنرل نے مرکز میں کٹھ پتلیوں کا جو کھیل رچا رکھا تھا، اس کی حیثیت قرون وسطیٰ کے رنگ میں رنگے ہوئے کسی رجواڑے سے مختلف نہ تھی۔ مولانا بھاشانی نے کاگماری کے جلسہ عام میں مغربی پاکستان کو السلام علیکم کی دھمکی سنا کر ایک خطرناک علیحدگی پسند رجحان کو زبان دے دی تھی۔ مسٹر غلام محمد کی صدارت میں نت روز مرکزی کابینہ کے اجلاس ہوتے رہتے تھے لیکن ایسا اجلاس کبھی نہ ہوا جس میں مشرقی پاکستان کی نئی صورتحال کا سنجیدگی کے ساتھ سیاسی تجزیہ کیا جائے۔ کابینہ کا اجتماعی ذہن نوکر شاہی کی لکیر کا فقیر تھا۔ وہ مشرقی پاکستان میں ابھرتی ہوئی نئی سیاست کا جواب سیاست دے دینے کی اہلیت نہ رکھتے تھے۔ ان کے ہاتھ میں تو وہی فرسودہ نوآبادیاتی فارمولا تھا کہ اگر صوبائی حکومت پسند خاطر نہ رہے تو اسے برطرف کر کے صوبے میں گورنر راج نافذ کر دیا جائے۔

آئین ساز اسمبلی کے اسپیکر مولوی تمیز الدین خان نے اسمبلی کی برطرفی کو قبول نہ کیا تھا اور گورنر جنرل کے ہنگامی حالات کے خلاف سندھ ہائیکورٹ میں رٹ دائر کر رکھی تھی۔ سندھ ہائیکورٹ نے فیصلہ دیا کہ گورنر جنرل کو اسمبلی برطرف کرنے کا کوئی اختیار نہ تھا۔ حکومت نے اس فیصلہ کے خلاف فیڈرل کورٹ میں اپیل دائر کر دی۔ فیڈرل کورٹ نے اسمبلی برطرف کرنے میں گورنر جنرل کے فیصلے کو برقرار رکھا۔ اس کے بعد ایک طویل قانونی کشمکش کا آغاز ہوا جس کے دوران میں گورنر جنرل نے ایک ایمر جنسی پاورز آرڈیننس جاری کر کے کئی نئے اختیارات اپنے قبضہ میں لے لئے۔ ان میں ایک تو مغربی پاکستان میں ''ون یونٹ'' قائم کرنے کا اختیار تھا۔ دوسرا اختیار یہ تھا کہ آئین سازی کے متعلق گورنر جنرل ہر قسم کے انتظامات کرنے کا مجاز ہوگا۔ دراصل مسٹر غلام غلام محمد کا ارادہ یہ تھا کہ وہ آئین ساز اسمبلی کی جگہ اپنی مرضی کے کچھ لوگوں کو نامزد کر کے ایک Constituent Convention قائم کریں اور اس سے آئین سازی کا کام لیں یہ اختیار اسی ارادے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے حاصل کیا گیا تھا۔

اپنے ان اقدامات کے لئے قانونی آڑ حاصل کرنے کی نیت سے گورنر جنرل نے فیڈرل کورٹ کو ایک ریفرنس پیش کی کہ وہ اسمبلی کی برطرفی سے پیدا ہونے والی صورتحال کا جائزہ لے کر اس کے عوامل و عواقب کے متعلق انہیں اپنا مشورہ دے۔

Marfat.com

مولوی تمیز الدین کیس، یوسف پٹیل کیس اور گورنر جنرل کے ریفرنس کے نتیجہ کے طور پر فیڈرل کورٹ نے جو فیصلے دیئے وہ پاکستان کی تاریخ میں بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔

اول: اسمبلی کو برطرف کرنے کے لئے گورنر جنرل کا اختیار تسلیم کرلیا گیا۔

دوئم: گورنر جنرل کا یہ اختیار تسلیم نہ کیا گیا کہ وہ نامزد لوگوں کا کنونشن قائم کر کے آئین سازی کا کام اس کے سپرد کردے بلکہ عدالت نے اسے مشورہ دیا کہ وہ فوراً برطرف شدہ اسمبلی کی جگہ اسی طرز کی نئی اسمبلی قائم کرنے کے لئے انتخابات منعقد کرائے۔

سوئم: بہت سے ایسے قوانین تھے جو پچھلی اسمبلی کی طرف سے ابھی باضابطہ طور پر نافذ نہ ہوئے تھے۔ اسمبلی کی برطرفی کے بعد گورنر جنرل نے ایک آرڈیننس کے ذریعہ ان کی توثیق کردی تھی۔ فیڈرل کورٹ نے کہا کہ عبوری دور تک تو یہ توثیق کام آسکتی ہے۔ لیکن جب نئی اسمبلی قائم ہو تو وہ ان قوانین کی باضابطہ منظوری دے۔

ان فیصلوں کے پیچھے نظریہ ضرورت کی روح کارفرما تھی۔ ریفرنس کیس میں چیف جسٹس نے خود لکھا ہے:

"We have come to the brink of a chasm with only three alternatives before us: (1) to turn back the way we came by: (2) to cross the gap by a legal bridge:(3) to hurtle into the chasm beyond any hope of res cue."

(Federal Court of Pakistan, Report on the Special Reference made by His Excellency the Governor General of Pakistan "Lahore, 1955 : p-2)

''ہم ایک خندق کے کنارے آپہنچے ہیں جہاں ہمارے سامنے صرف تین راستے ہیں۔ (۱) جس راہ سے ہم یہاں تک آئے ہیں، اسی راہ واپس مڑ جائیں۔ (۲) خندق پر ایک قانونی پل تعمیر کر کے اسے عبور کرلیں۔ (۳) خندق میں چھلانگ لگا کر تباہی کا شکار ہو جائیں۔''

فیڈرل کورٹ نے مسٹر غلام محمد کی کھودی ہوئی اس خندق پر جو قانونی پل تعمیر کیا وہ Law of Necessity (قانون ضرورت) کے ستون پر کھڑا کیا گیا تھا۔ قانون کی یہ شاخ ہمارے امور سلطنت میں پہلی بار 1955ء میں داخل ہوئی اور بیس پچیس برس میں پھل پھول کر یہ ایسا تنومند درخت بن گئی جس کے سائے کے نیچے دب کر بہت سے دوسرے قوانین کی باڑھ ماری گئی۔

جس زمانے میں یہ ریفرنس فیڈرل کورٹ کے زیر غور تھا میں نے دیکھا کہ میرا ڈپٹی سیکریٹری فرخ امین ہر دوسرے تیسرے روز مجھے بتائے بغیر لاہور آجا رہا ہے۔ ایک روز میں نے اسے ڈانٹا کہ میری اجازت کے بغیر وہ اتنی بار لاہور کیوں آتا جاتا ہے؟ اس نے صاف گوئی سے کام لے کر مجھے بتایا کہ وہ گورنر جنرل کا کوئی خفیہ پیغام کوڈ ورڈز (Code words) کی صورت میں چیف جسٹس مسٹر منیر کے پاس لے جاتا ہے اور وہاں سے اسے اسی طرح کوڈ الفاظ میں چیف جسٹس کا پیغام

Marfat.com

گورنر جنرل کولا کر دے دیتا ہے۔فرخ امین نے مزید بتایا کہ غلام محمد صاحب کا تاکیدی حکم تھا کہ وہ یہ بات کسی کو ہرگز نہ بتائے۔ مجھے معلوم نہیں کہ گورنر جنرل اور فیڈرل چیف جسٹس کے مابین اس خفیہ پیغام رسانی کی کیا نوعیت تھی اور نہ یہ وثوق سے ہی کہا جاسکتا ہے کہ اس باہمی خفیہ پیغام رسانی نے فیڈرل کورٹ کے فیصلہ پر کوئی اثر ڈالا بھی تھا یا نہیں؟ البتہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسے موقع پر مملکت کے سربراہ اور عدلیہ کے سربراہ کا آپس میں خفیہ رابطہ قائم کرنا دونوں کو زیب نہ دیتا تھا۔

خدا خدا کر کے مسٹر غلام محمد نے کسی قدر بیزاری سے فیڈرل کورٹ کا مشورہ تسلیم کرلیا اور ایک آرڈیننس کے ذریعہ نئی آئین ساز اسمبلی قائم کرنے کا فیصلہ ہو گیا۔جس روز آرڈیننس تیار ہو رہا تھا، مسٹر غلام محمد نے مجھے حکم دیا کہ جس وقت بھی کاغذات مکمل ہو کر آجائیں، میں فوراً ان سے دستخط کروالوں۔اگر وہ سوئے ہوئے بھی ہوں تب بھی انہیں جگا کر دستخط لے لئے جائیں۔ میں اپنے دفتر میں بیٹھا انتظار کرتا رہا۔سارے کاغذات آدھی رات کے قریب موصول ہوئے میں انہیں لے کر مسٹر غلام محمد کے بیڈروم میں گیا۔وہ اپنے بستر پر گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔اس وقت ان کی قوت ارادی کا ڈائینمو بند تھا اور ان کا جسم بوسیدہ ہڈیوں کے ڈھانچہ کی طرح پلنگ پر بکھرا ہوا تھا، جیسے کسی پرانی قبر نے اپنے مُردے کو اگل کر باہر پھینک دیا ہو۔میں نے ان کے ذاتی ملازم کی مدد سے بڑی مشکل کے ساتھ انہیں جگایا۔بیداری کی لہر ان کے تن بدن میں اس طرح رک رک کر ٹھہر ٹھہر کر داخل ہوئی جیسے بہت سی چیونٹیاں روٹی کے ٹکڑے کو گھسیٹ گھسیٹ کر دیوار پر چڑھاتی ہیں اور وہ بار بار ان کی گرفت سے پھسل پھسل کر نیچے گرتا رہتا ہے۔مسٹر غلام محمد کافی دیر تک اپنی پیلی پیلی آنکھیں جھپکا جھپکا کر خلا میں گھورتے رہے۔پھر اچانک انہوں نے مجھے پہچانا اور اس کے ساتھ ہی وہ فوراً گورنر جنرل کے سنگھاسن پر براجمان ہو گئے۔پہلے انہوں نے وزارت قانون کو کچھ جلی کٹی سنائیں جو اتنی سست رفتاری سے کام کرتے ہیں کہ سربراہ مملکت چین کی نیند بھی نہیں ہو سکتا۔پھر انہوں نے کاغذات پر دستخط کیے اور چائے کے ساتھ انڈے کا حلوہ تیار کرنے کا آرڈر دیا۔یہ اس بات کی علامت تھی کہ اب سٹاف کے کچھ اور افراد کو بھی حاضری کا حکم دیا جائے اور اس کے بعد یہ محفل تین چار بجے اس وقت برخاست ہو گی جب انہیں نیند آور ٹیکہ لگا کر دوبارہ سلا دیا جائے گا۔میرے دستخط شدہ کاغذات وزارت قانون میں واپس پہنچانے کا بہانہ موجود تھا۔میں نے اسے کامیابی سے استعمال کیا اور وہاں سے کھسک کر گھر آ گیا۔

اسی عرصہ میں مرکزی کابینہ میں بھی دو بڑی اہمیت کے مالک نئے چہرے داخل ہو چکے تھے ایک تو صوبہ سرحد کے مشہور کانگریسی لیڈر ڈاکٹر خان صاحب تھے۔وہ منسٹر آف کمیونیکیشنز بنے دوسرے مسٹر حسین شہید سہروردی تھے جن کے سپرد وزارت قانون ہوئی۔

ڈاکٹر خان صاحب کی جنرل اسکندر مرزا سے ذاتی دوستی تھی اس دوستی کی ابتداء اس وقت ہوئی جب اسکندر مرزا صاحب پشاور کے ڈپٹی کمشنر تھے۔سنی سنائی روایت ہے کہ ایک بار کانگریسی لیڈر جلوس کی قیادت کر رہے تھے۔اسکندر مرزا نے جلوس منتشر کرنے کے لئے کوئی پولیس طلب نہ کی بلکہ اس کے خیر مقدم کے لئے جگہ جگہ ٹھنڈے شربت کی سبیلیں قائم کر دیں۔ ہر سبیل پر جلوس والوں کو بڑے تپاک سے شربت پیش کیا جاتا تھا۔گرمی کے دن تھے۔کانگریسوں نے بڑے شوق سے شربت پیا

Marfat.com

جس میں جمال گوٹہ ملایا ہوا تھا۔ کچھ دیر کے بعد سب کے پیٹ میں ایسا مروڑ اٹھا کہ ہزاروں کا جلوس آن کی آن میں منتشر ہو گیا۔

جب ڈاکٹر خان صاحب مرکزی کابینہ میں شامل ہو گئے تو ایک روز جنرل اسکندر مرزا نے چند افسروں کو برسبیل تذکرہ یہ نصیحت بھی کی کہ ڈاکٹر خان صاحب کو خوش رکھنے کا خاص خیال رکھا کرو۔ اس شخص نے ساری عمر جیل کی ہوا کھائی ہے یا پولیس کے ڈنڈے کھائے ہیں۔ ہم اسے بڑی مشکل سے گھیر گھار کر حکومت میں لائے ہیں۔ اب اسے گڈ لائف کا ایسا چسکا لگاؤ کہ وہ اس پنجرے سے باہر نہ نکل سکے۔

مسٹر سہروردی کہنے کو تو وزیر قانون تھے لیکن دراصل ان کی نظر وزارت عظمیٰ پر تھی وہ پرائم منسٹر محمد علی بوگرہ کو نا قابل توجہ سمجھ کر ان کے ساتھ کج خلقی سے پیش آتے تھے اور کابینہ کی میٹنگ میں اکثر ان کی سبکی کرتے رہتے تھے ایک بار کابینہ کے اجلاس میں وزیر اعظم کسی مسئلہ کی وضاحت کر رہے تھے۔ مسٹر سہروردی نے اپنی لاتعلقی اور بے التفاتی کا اظہار کرنے کے لئے اپنے بیگ سے بیٹری سے چلنے والا شیور نکالا اور وہیں بیٹھے داڑھی مونڈنے میں مصروف ہو گئے البتہ ایک راز انہوں نے بہت اچھی طرح پا لیا تھا۔ وہ یہ کہ جس طرز کا نظام حکومت اس وقت ملک میں رائج تھا، اس میں عروج حاصل کرنے کے لئے گورنر جنرل کی خوشنودی حاصل کرنا لازمی ہے۔ چنانچہ وہ اس کے لئے حسب توفیق ہاتھ پاؤں مارتے رہتے تھے۔ انہیں فوٹو گرافی کا بہت شوق تھا۔ وہ ساکت اور متحرک تصویریں کھینچنے کے کیمرے کندھے سے لٹکائے مختلف تقاریب میں مسٹر غلام محمد کی تصویر کشی میں نمایاں رہنے کی کوشش میں لگے رہتے تھے اس کے علاوہ گورنر جنرل ہاؤس میں بھی بہت آنے جانے لگے تھے۔ ہر مرتبہ آنے کا مقصد گورنر جنرل سے ملاقات کرنا نہ ہوتا تھا بلکہ وہ مس بورل کے کمرے میں بیٹھ کر کافی وقت خوش گپیوں میں گزارا کرتے تھے۔ مسٹر غلام محمد کی طرح مسٹر سہروردی بھی خوبصورت عورتوں کی محفل کے شوقین تھے۔ اڑتے اڑتے یہ خبر مسٹر غلام محمد تک پہنچی تو جذبہ رقابت نے ان کے سینے میں جوش مارا اور انہوں نے بلا کر میری جواب طلبی کی۔

''یہ سہروردی رُوتھ کے کمرے میں اتنی اتنی دیر آ کر کیوں بیٹھتا ہے؟'' مسٹر غلام محمد نے پوچھا۔

میں نے جواب دیا کہ میں تو اپنے کام میں مصروف رہتا ہوں۔ دوسروں پر چوکیداری کرنے کا مجھے وقت نہیں ملتا۔ اس پر وہ آتش زیر پا ہو گئے اور کڑک کر بولے جا کر اسے کہہ دو کہ اگر اس نے دوبارہ ایسی حرکت کی تو میں اس کی ٹانگیں توڑ دوں گا۔

سہروری صاحب سے میری قحط بنگال کے دنوں سے شناسائی تھی۔ میں اسی شام ان کی کوٹھی پر حاضر ہوا اور ان کو ساری روداد سنا ڈالی۔ اس کے بعد وہ کافی محتاط ہو گئے۔ مسٹر غلام محمد بھی کئی روز تک اپنی پہیوں والی کرسی پر بیٹھ کر دن میں متعدد بار مس بورل کے کمرے پر یہ دیکھنے کے لئے چھاپہ مارتے رہے کہ کہیں مسٹر سہروردی تو وہاں نہیں بیٹھے۔

نئی اسمبلی قائم کرنے کا حکم مان کر مسٹر غلام محمد کے دلی عزائم کو شکست فاش نصیب ہوئی تھی کیونکہ وہ تو اپنی مرضی کا ساٹھ رکنی آئین ساز کنونشن کھڑا کر کے کام چلانا چاہتے تھے۔ اس ذاتی ہزیمت کا غم غلط کرنے کے لئے انہوں نے اپنی کھوئی ہوئی جسمانی قوتوں کو بحال کرنے کی ٹھان لی۔ اس مقصد کے لئے لکھنو سے ایک حکیم صاحب طلب کئے گئے جو نابینا تھے اور ان کی عمر ایک سو پانچ برس سے اوپر بتائی جاتی تھی۔ ان کے ساتھ ان کا ایک بیٹا بھی تھا جس کی عمر دس برس کے قریب تھی۔ یہ برخوردار حکیم

Marfat.com

صاحب کی عمر کے پچانویں برس میں پیدا ہوا تھا، اس لئے اسے ان کی طبابت اور حذاقت کا جیتا جاگتا سرٹیفکیٹ تسلیم کیا جاتا تھا۔ حکیم صاحب کے آتے ہی گورنر جنرل ہاؤس کا ایک حصہ طبی دواخانے میں تبدیل ہو گیا۔ دب بھر ہاون دستہ چلتا تھا اور حکیم صاحب کی خواہش کے مطابق جڑی بوٹیاں حاضر ہوتی رہتی تھیں۔ دو تین بار انہوں نے سو سو زندہ اور صحت مند چڑوں کی فرمائش کی جو ہم نے بڑی مشکل سے کمشنر حیدر آباد کے ذریعہ مضافات سندھ حاصل کئے۔ چڑوں کو ذبح کر کے ان کا مغز تو کسی دوا میں استعمال ہوتا تھا اور گوشت کی یخنی بنا کر حکیم صاحب خود نوش فرما لیتے تھے۔ ایک بار انہوں نے بکری کا ایسا بچہ طلب فرمایا جسے پیدا ہونے کے بعد آنکھیں کھولنے سے پہلے ذبح کیا گیا ہو۔ گورنر ہاؤس کے کئی ملازم شہر کی حاملہ بکریوں کے سرہانے جا بیٹھے اور کسی نہ کسی طرح حکیم صاحب کی یہ فرمائش بھی پوری کی گئی۔ ان مغزیات اور لحمیات وغیرہ سے انواع و اقسام کی مقوی ادویات اور کشتہ جات تیار ہوتے تھے جنہیں مسٹر غلام محمد کو بڑے اہتمام سے کھلایا جاتا تھا۔ اس ساری کارروائی کا کوئی اور نتیجہ تو برآمد نہ ہوا، البتہ ان کا بلڈ پریشر مزید بڑھ گیا اور ایک روز وہ اچانک بے ہوش ہو کر کوما میں چلے گئے حکیم صاحب تو بستر بوریہ سنبھال کر رفو چکر ہو گئے اور گورنر جنرل کو آکسیجن لگا دی گئی۔

مسٹر غلام محمد کے ذاتی معالج کرنل (بعد میں بریگیڈیئر) سرور دن رات ان کے پاس رہے۔ اگلے روز شام کے چار بجے کے قریب انہوں نے مجھے بتایا کہ گورنر جنرل کی زندگی کا چراغ گل ہونے کے قریب ہے اس لئے میں پرائم منسٹر اور کابینہ کے دوسرے وزیروں کو اطلاع دے دوں کہ اگر وہ ان کا آخری دیدار کرنا چاہتے ہیں تو فوراً یہاں پہنچ جائیں۔ مسٹر غلام محمد کے بیڈ روم کے دروازے کھول دیئے گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے سارا کمرہ وزیراعظم سمیت کابینہ کے ممبروں اور گورنر جنرل کے ذاتی عملے سے کھچا کھچ بھر گیا۔ وزیر دفاع اور کمانڈر انچیف جنرل محمد ایوب خان فوجی وردی میں ملبوس تھے۔ انہوں نے بستر کے پاس کھڑے ہو کر گورنر جنرل کو الوداعی سلیوٹ کیا اور ان کی مدح میں چند فقرے کہے۔ ان کی دیکھا دیکھی چند دوسرے وزیر بھی اسی قسم کی تقریریں کرنے کے لئے پر تول رہے تھے کہ یکایک مسٹر غلام محمد کے منہ پر لگے ہوئے آکسیجن ماسک میں کچھ جنبش سی ہوئی۔ پھر ایک ہاتھ ہلا، پھر دوسرا ہاتھ ہلا اور کرنل سرور نے بڑی خوشی سے اعلان کیا کہ گورنر جنرل ہوش میں آ رہے ہیں۔ یہ سنتے ہی ساری کی ساری کیبنٹ سر پر پاؤں رکھ کر وہاں سے بھاگ گئی اور تھوڑی دیر کے بعد مسٹر غلام محمد تکیوں کے سہارے بیٹھے چائے اور کسٹرڈ پڈنگ نوش فرما رہے تھے اور ساتھ ہی اپنے اسٹاف کے ایک ایک فرد کو الگ الگ بلا کر تحقیق فرما رہے تھے کہ ان کی بے ہوشی کے دوران کون شخص کتنا خوش تھا اور کون کتنا غمگین۔

اس کے بعد مسٹر غلام محمد پر پے در پے نئی بیماریوں کے حملے شروع ہو گئے۔ کبھی تیز بخار، کبھی نمونیہ، کبھی پلورسی، کبھی بلڈ پریشر...... دو چار ہفتوں کے اندر اندر وہ بستر کے ساتھ چپک کر رہ گئے۔ اب فیصلہ ہوا کہ انہیں علاج کی خاطر زیورچ (سوئزر لینڈ) بھیج دیا جائے۔ ایک سپر کانسٹلیشن ہوائی جہاز چارٹر کیا گیا اور مسٹر غلام محمد کو سٹریچر پر لٹا کر خفیہ طور پر جہاز میں پہنچا دیا گیا۔ پرائم منسٹر محمد علی بوگرہ دوسرے چند وزیروں کے ساتھ میرے پاس آئے اور کہا کہ میں گورنر جنرل کی کار میں مسٹر غلام محمد کا روپ دھار کر ائیر پورٹ تک چلوں۔ مجھے یہ تجویز بڑی بے تکی اور مضحکہ خیز محسوس ہوئی اور میں نے یہ سوانگ رچانے سے صاف

Marfat.com

انکار کر دیا۔ اول تو مسٹر غلام محمد کی شکل وصورت کے ساتھ میری کوئی مشابہت نہ تھی۔ دوسرے انہیں پہلے ہی خاموشی سے ہوائی جہاز میں پہنچا دیا گیا تھا اور اب ان کی روانگی کا نقلی جلوس نکالنے کی بالکل کوئی ضرورت نہ تھی، لیکن وزیر اعظم اور ان کے رفقاء ہاتھ دھو کر میرے پیچھے پڑ گئے اور جب حکومت کا سربراہ اس قسم کا احمقانہ حکم صادر کرے تو سرکاری ملازم صرف احتجاج کر سکتا ہے، انکار نہیں کر سکتا۔ چنانچہ مجبور ہو کر میں نے کالا چشمہ لگا کر سیاہ رنگ کی جناح کیپ پہنی اور گورنر جنرل کی کار میں مسٹر غلام محمد کے انداز میں سکڑ کر بیٹھ گیا۔ ایک اے۔ ڈی۔ سی میرے ساتھ اور دوسرا اگلی سیٹ پر بیٹھا۔ کار پر ایک طرف گورنر جنرل کا فلیگ اور دوسری طرف پاکستان کا پرچم لگا دیئے گئے۔ ہمارے دائیں بائیں، آگے پیچھے موٹر سائیکل سوار فوجیوں کا دستہ تھا۔ پھر سیکورٹی پولیس کی گاڑیاں تھیں۔ اس کے بعد وزیر اعظم کی کار تھی۔ ان کے پیچھے دوسرے وزیروں اور افسروں کی گاڑیاں تھیں۔ ہمارا یہ قافلہ بڑی شان وشوکت سے روانہ ہوا، لیکن راستے بھر کسی نے اس کا کوئی نوٹس نہ لیا کیونکہ پولیس والوں کی مہربانی سے ایئر پورٹ تک ساری سڑک سنسان پڑی تھی۔ سارے راستہ مجھے یہی خیال آتا رہا کہ اس وقت ہم سب لوگ مل جل کر گورنر جنرل کے فلیگ اور پاکستانی پرچم کی جی بھر کر بے حرمتی کر رہے ہیں۔

ایئر پورٹ پر زیورچ جانے والا جہاز ہینگر کے اندر کھڑا تھا۔ وزیر قانون مسٹر سہروردی اپنے کیمروں سے لیس اس کے آس پاس منڈلا رہے تھے۔ ابھی تک انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ مسٹر غلام محمد جہاز کے اندر پہنچا دیئے گئے ہیں۔ جب ہمارا جلوس وہاں پہنچا تو وہ بڑے شوق سے گورنر جنرل کی مخصوص کار کی طرف لپکے اور رکتے ہی اس کا دروازہ بڑے احترام سے کھولا۔ کار سے مسٹر غلام محمد کی جگہ جب میں برآمد ہوا تو مسٹر سہروردی ہکا بکا رہ گئے انہوں نے حیرت سے پوچھا ''یہ کیا تماشا ہے؟''

میں نے انہیں سارا ماجرا سنایا تو مسٹر غلام محمد سے ملاقات کرنے ہوائی جہاز کی طرف لپکے، لیکن کرنل سرور نے انہیں یہ کہہ کر روک دیا کہ گورنر جنرل اس وقت کوما میں ہیں۔

زیورچ کے کلینک میں علاج معالجہ کے بعد ان کی طبیعت کچھ سنبھلی تو ایک روز وہ پکنک منانے ایک پُرفضا مقام پر گئے لنچ کے وقت ایک ریستوران میں اسٹاف کو الگ میز پر بٹھایا گیا اور مسٹر غلام محمد، مس بورل اور اس کی والدہ کے ساتھ علیحدہ ٹیبل پر بیٹھے۔ کھانے کے دوران ان پر فالج کا ایک اور حملہ ہوا اور انہیں ایمبولینس میں ڈال کر زیورچ والے کلینک میں داخل کر دیا گیا۔

کچھ عرصہ بعد جب مسٹر غلام محمد واپس کراچی آئے تو ان کی دماغی حالت اور بھی پیچیدگی اختیار کر چکی تھی۔ وہ صبح سویرے سوٹ بوٹ پہن کر کیبنٹ روم میں آجاتے تھے۔ اپنے اسٹاف کے مختلف افراد کو جمع کر کے ہر روز نئی کابینہ بناتے تھے۔ ان سے حلف اٹھواتے تھے۔ پورٹ فولیوز تقسیم کرتے تھے اور اس کے بعد گھنٹوں تک کیبنٹ میٹنگ ہوتی تھی جس میں وہ خود لگاتار ایسی باتیں بولتے رہتے تھے جو کسی کی سمجھ میں نہ آتی تھیں۔

ایک روز وزیر داخلہ کے پرائیویٹ سیکریٹری کا ٹیلی فون آیا کہ اسکندر مرزا صاحب نے شام کے پانچ بجے اپنے گھر چائے پر بلوایا ہے۔ وہاں پر جنرل ایوب خان، چودھری محمد علی اور گورنر جنرل کے معالج کرنل سرور پہلے سے موجود تھے۔ علیک سلیک کے بعد جو گفتگو ہوئی، وہ کچھ اس طرح کی تھی۔

Marfat.com

اسکندر مرزا: گورنر جنرل کی صحت کے بارے میں ہم نے بڑی تشویشناک خبریں سنی ہیں۔ ہمارا خیال ہے۔ اب انہیں مکمل آرام کی ضرورت ہے۔

جنرل ایوب خان: سوال یہ ہے کیا وہ رضا مندی سے استعفیٰ دینے پر تیار ہو جائیں گے؟

میں: خوشی سے تو تیار نہ ہوں گے، لیکن اگر انہیں سمجھا دیا جائے کہ اس کے بغیر اور کوئی چارہ نہیں تو شاید مان جائیں۔

اسکندر مرزا: ہم نے سنا ہے، وہ تم پر بہت اعتماد کرتے ہیں۔ وہ صرف اس کاغذ پر دستخط کرتے ہیں جو تم ان کے پاس لے جاؤ۔

میں: جی نہیں۔ ایسی بات نہیں۔ میرے علاوہ وہ مس بورل اور میرے ڈپٹی سیکریٹری فرخ امین پر بھی مکمل اعتماد کرتے ہیں۔

جنرل ایوب خان: مس بورل تو پاکستانی نہیں۔

اسکندر مرزا: مس بورل کو چھوڑ کر تم دونوں میں سے کون اس کام میں زیادہ مدد دے سکتا ہے؟

میں: جناب، میری حقیر رائے میں استعفیٰ کے معاملے میں گورنر جنرل کے ذاتی عملے کو بیچ میں نہیں لانا چاہیئے۔ اصولاً تو یہ فرض پرائم منسٹر کو سرانجام دینا چاہیئے۔ اگر کسی وجہ سے یہ ممکن نہ ہو تو یہ کام مسٹر غلام محمد کے اہلِ خاندان کے سپرد کر دینا چاہیئے۔ وہ سمجھا بجھا کر انہیں مستعفی ہونے پر رضامند کر سکتے ہیں۔

میرا خیال ہے کہ میری یہ بات جنرل اسکندر مرزا اور جنرل ایوب خان کو پسند نہ آئی اور وہ برا سا منہ بنا کر خاموش ہو گئے۔ لیکن چودھری محمد علی نے بڑی گرمجوشی سے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا اور کہا ''اچھا بھئی، شکریہ۔ تم نے صحیح رائے دی ہے۔''

چند ہفتوں کے اندر اندر مسٹر غلام محمد کی سبکدوشی کا مسئلہ طے ہو گیا۔ پہلے انہوں نے کچھ چھٹی لی اور پھر مستعفی ہو گئے۔ جس روز انہوں نے چارج چھوڑا مجھے حکم ملا کہ میں ان کی طرف سے قوم کے نام ایک پیغام لکھوں اور ریڈیو سے اسے براڈ کاسٹ بھی کروں۔ یہ بڑا مشکل کام تھا کیونکہ گورنر جنرل کے طور پر مسٹر غلام محمد نے کوئی ایسا تعمیری کارنامہ سرانجام نہ دیا تھا جسے ان کے الوداعی پیغام میں فخر کے ساتھ بیان کیا جا سکتا۔ میں نے پانچ منٹ کا ایک رسمی سا پیغام لکھا جو پرانی دہرائی ہوئی عامیانہ، فرسودہ اور پیش پا افتادہ باتوں اور اقوال پر مشتمل تھا۔ اس تقریر کا ڈرافٹ منظور کروانے کے لئے میں پرائم منسٹر سمیت کئی وزیروں کے پاس گیا، لیکن کسی نے اسے پڑھنے تک کی زحمت گوارا نہ کی کیونکہ کرسی سے اترتے ہوئے گورنر جنرل کے ساتھ کسی کو کیا دلچسپی ہو سکتی تھی؟ چنانچہ میں نے اسی غیر منظور شدہ ڈرافٹ کو شام کے وقت نیشنل ہک اپ میں ریڈیو سے براڈ کاسٹ کر دیا۔ ریڈیو اسٹیشن سے نکلا تو باہر سڑک پر مس بورل کی خوبصورت دورنگی کار کھڑی تھی۔ ماں بیٹی کار کے ریڈیو پر میرا براڈ کاسٹ سن کر زار و قطار رو رہی تھیں۔ اس روز مسٹر غلام محمد کے جانے پر شاید یہی چار آنکھیں تھیں جو اس قدر شدت سے اشکبار

Marfat.com

ہوئی ہوں اور یہ آنکھیں بھی پاکستانی نہ تھیں۔

گورنر جنرل کے عہدہ سے سبکدوش ہونے کے بعد مسٹر غلام محمد اپنی بیٹی کے ہاں کلفٹن منتقل ہو گئے۔ سرکاری ذمہ داریوں کا بوجھ اترتے ہی ان کی جسمانی اور دماغی صحت حیرت انگیز طور پر اچھی ہو گئی۔ کرنل سرور باقاعدگی کے ساتھ ان کا علاج کرتے رہے۔ کبھی کبھی اپنی خط و کتابت میں مدد دینے کے لئے وہ مجھے بھی بلا لیتے تھے اور بڑی شفقت سے پیش آتے تھے۔ ایک بار وہ مجھے اپنے ساتھ سینما دکھانے بھی لے گئے۔

وفات سے چند روز پہلے ان پر ایک عجیب دھن سوار ہو گئی۔ انہوں نے اپنے ڈاکٹر کرنل سرور سے کہا کہ وہ ہوائی جہاز چارٹر کر کے دیوا شریف جانا چاہتے ہیں۔ دیوا شریف لکھنؤ کے قریب کوئی جگہ ہے جہاں حاجی وارث علی شاہ دفن ہیں۔ یہ بزرگ غالباً بیسویں صدی کے اوائل میں فوت ہوئے تھے اور مسٹر غلام محمد کو ان کے ساتھ گہری عقیدت تھی۔ وہ ان کی فوٹو ہمیشہ اپنے بستر کے قریب تپائی پر رکھا کرتے تھے۔ انہوں نے ان کی ملفوظات اور سوانح حیات شائع کروانے میں بھی کافی حصہ لیا تھا اور تقسیم سے پہلے کئی بار دیوا شریف میں ان کے مزار پر حاضری دے چکے تھے۔ حاجی وارث علی شاہؒ کے حالات زندگی پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ وہ درویشانہ اور قلندرانہ وضع کے بزرگ تھے، لیکن ان کے مسلک نے مسٹر غلام محمد پر کچھ بھی اثر نہ کیا تھا کیونکہ وہ جب تک جئے حُبّ جاہ اور حُبّ دنیا کا عبرتناک مجسمہ بن کر جیے۔ اپنی زندگی کے آخری روز بھی ان کو دیوا شریف جانے کی لگن ہوئی تھی لیکن کارکنان قضا و قدر کو کچھ اور منظور تھا۔ اسی رات ان کا انتقال ہو گیا۔ ان کی وفات کی خبر سن کر جو لوگ تعزیت کے لئے آئے ان میں خواجہ ناظم الدین سرفہرست تھے جنہیں مسٹر غلام محمد نے وزیراعظم کے عہدہ سے غیر آئینی طور پر برطرف کر دیا تھا۔

گورنر جنرل کی حیثیت سے مسٹر غلام محمد کا دور پاکستان کے لئے بدشگونی کا زمانہ تھا جمہوری روایات اور اقدار کی بے دریغ پامالی کا سلسلہ ان کے ہاتھوں شروع ہوا۔ اسی کے ساتھ نظام سلطنت میں ''قانون ضرورت'' کے عمل دخل کی ابتدا ہوئی۔ حکومت میں شخصیت پرستی نے فروغ پایا۔ مشرقی پاکستان کی سیاست نے واضح طور پر ایک الگ رخ اختیار کیا لیکن مرکزی قیادت نوکر شاہی کے پٹے پٹائے نو آبادیاتی فارمولوں میں پابجولاں رہی۔ بری افواج کے کمانڈر انچیف نے اپنے عہدہ کے ساتھ وزیر دفاع کی خدمت شامل کر کے کابینہ میں شرکت حاصل کی اور اس طرح حکومت کے اندرونی کاروبار کی ٹریننگ حاصل کر کے مستقبل کے لئے اپنے عزائم کو پختہ کر لیا۔ اس دور کی مجموعی خصوصیت بے ثباتی، بے یقینی، بے اعتمادی اور بدنیتی تھی۔

مجھ سے کئی بار یہ سوال کیا گیا کہ مسٹر غلام محمد اس قدر شدید بیمار تھے کہ وہ چل پھر نہ سکتے تھے، بول نہ سکتے تھے، زیادہ لکھ پڑھ نہ سکتے تھے، لیکن اس کے باوجود وہ بڑے رعب داب سے حکمرانی کرتے رہے۔ ان کی طاقت کا اصلی راز کیا تھا؟

اس سوال کے دو جواب ہیں۔ ایک جواب یہ ہے کہ مسٹر غلام محمد کی طاقت کا سرچشمہ سیاستدانوں کی کمزوری تھی۔

اس کے علاوہ دوسرا جواب یہ بھی ہے کہ جنرل اسکندر مرزا کی شہ پر مسٹر غلام محمد کو کمانڈر انچیف ایوب خان کی پشت پناہی بھی حاصل تھی جو نظر نہ آنے والی روشنائی سے لکھی ہوئی تھی! مستقبل کے بارے میں ان دونوں حضرات کے اپنے اپنے عزائم تھے جو مسٹر غلام محمد کی طرز کے گورنر جنرل کی اوٹ لئے بغیر پروان نہ چڑھ سکتے تھے۔

Marfat.com

میجر جنرل اسکندر مرزا

اگست 1955ء میں میجر جنرل اسکندر مرزا نے گورنر جنرل کا عہدہ سنبھالا اور دستور کے مطابق اسی روز چارج چھوڑنے کی رپورٹ مکمل کر کے انکی خدمت میں بھیج دی تا کہ وہ اپنی پسند کا سیکریٹری منتخب کر لیں۔ اسکندر مرزا نے یہ خواہش ظاہر کی تم اسی جگہ کام کرتے رہو۔

اسکندر مرزا صاحب کو گورنر جنرل بنے تین روز ہوئے تھے کہ شام کے پانچ بجے مجھے گھر پر مسٹر سہروردی نے ٹیلی فون کر کے پوچھا پرائم منسٹر کے طور پر میرا حلف لینے کے لئے کون سی تاریخ مقرر ہوئی ہے؟

یہ سوال سن کر مجھے بڑا تعجب ہوا کیونکہ مجھے اس کے متعلق کچھ بھی معلوم نہ تھا۔ میں نے یہی بات ان کو بتائی تو مسٹر سہروردی غصے سے بولے تم کس طرح کے نکمے سیکریٹری ہو۔ فیصلہ ہو چکا ہے۔ اب صرف تفصیلات کا انتظار ہے۔ فوراً گورنر جنرل کے پاس جاؤ اور حلف اٹھانے کی تاریخ اور وقت معلوم کر کے مجھے خبر دو میں انتظار کروں گا۔

مجبوراً میں اسکندر مرزا صاحب کے پاس گیا۔ وہ اپنے چند دوستوں کے ساتھ برج کھیل رہے تھے موقع پا کر میں انہیں کمرے سے باہر لے گیا اور انہیں مسٹر سہروردی والی بات بتائی۔ یہ سن کر وہ خوب ہنسے اور اندر جا کر اپنے دوستوں سے بولے تم نے کچھ سنا؟ سہروردی وزیراعظم کا حلف لینے کا وقت پوچھ رہا ہے۔ اس پر سب نے تاش کے پتے زور زور سے میز پر مارے اور بڑے اونچے فرمائشی قہقہے بلند کئے۔ کچھ دیر اچھی خاصی ہڑبونگ جاری رہی۔ اس کے بعد گورنر جنرل نے مجھے کہا میری طرف سے تمہیں اجازت ہے کہ تم سہروردی کو بتا دو کہ حلف برداری کی رسم پرسوں منعقد ہوگی اور چودھری محمد علی وزیراعظم کا حلف اٹھائیں گے۔

وہاں سے میں سیدھا مسٹر سہروردی صاحب کے ہاں پہنچا اور ان کو یہ خبر سنائی۔ ایسا دکھائی دیتا تھا کہ ان کے ساتھ کچھ وعدے وعید ہو چکے تھے اس نئی صورتحال پر وہ بڑے جھلائے اور میرے سامنے انہوں نے بس اتنا کہا اچھا پھر وہی محلاتی سازش۔

دو روز بعد 11 اگست 1955 کو چودھری محمد علی نے وزارت عظمیٰ کا حلف اٹھا لیا۔ انکی حکومت مسلم لیگ اور یونائیٹڈ فرنٹ کی کولیشن سے بنی تھی شیر بنگال، مولوی اے۔ کے۔ فضل الحق پہلی بار کسی مرکزی کابینہ میں شامل ہوئے اور انہیں وزارت داخلہ ملی۔ کچھ عرصہ قبل ان پر بڑے زور و شور سے غدار اور ملک دشمن کا الزام لگ چکا تھا، لیکن اب وہی غدار اور ملک دشمن پاکستان کا وزیر داخلہ تھا۔ بدقسمتی سے کبھی کبھی ہماری سرکاری، سیاسی، سماجی اور ذاتی قوت برداشت بڑی ضعیف ثابت ہوتی ہے۔ حکومت وقت کے ساتھ اختلاف غداری بن جاتا ہے اور سیاسی اور سماجی امور میں رائے کا تصادم وطن دشمنی قرار پا سکتا ہے۔ اس فعل عبث میں حب الوطنی کی ساکھ کے علاوہ اور کسی کا کچھ نہیں بگڑتا۔

اس کابینہ میں ایک نیا چہرہ سید عابد حسین کا تھا وہ ضلع جھنگ میں شاہ جیونہ کے بہت بڑے زمیندار تھے اور بڑی خوبصورت، خوب سیرت، روشن خیال اور خوش اخلاق شخصیت کے حامل تھے۔ ان کے کردار میں میانہ روی، حیا داری اور

Marfat.com

راست بازی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اور ان کی گفتگو سادہ اور پرکشش ہوتی تھی۔ وہ ان معدودے چند لوگوں میں سے تھے جو دولت مند تو تھے لیکن دولت کی ریل پیل نے ان کے اخلاق میں کوئی کجی پیدا نہ کی تھی۔ جسمانی طور پر وہ صحت مندی کا قابل رشک نمونہ تھے اور ہر طرح کا لباس ان پر خوب پھبتا تھا۔ افسوس کہ انہوں نے زیادہ عمر نہ پائی۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔

چودھری محمد علی کے وزیر اعظم مقرر ہونے کے بعد دو ماہ کے عرصہ میں مغربی پاکستان کو ون یونٹ بنانے کا کام مکمل ہوگیا۔ اس منصوبے کی بنیاد تو اسی وقت پڑ چکی تھی، جب مارچ 1950ء میں مسٹر غلام محمد نے ویسٹ پاکستان (اسٹیبلشمنٹ) آرڈر جاری کر کے نواب مشتاق احمد گورمانی کو مجوزہ صوبے کا گورنر اور ڈاکٹر خان صاحب کو چیف منسٹر نامزد کر دیا تھا، لیکن اس قانون کا بل اسمبلی نے 30 ستمبر کو پاس اور 14 اکتوبر 1955ء کو مغربی پاکستان کا صوبہ باضابطہ طور پر معرض وجود میں آ گیا۔

انتظامی لحاظ سے یہ بڑا معقول اور قابل عمل منصوبہ تھا، لیکن جب اسے سیاسی اکھاڑے میں اتارا گیا تو اس کا حلیہ بگڑ کے رہ گیا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے زور و شور سے اس وقت کام شروع ہوا جب 1954ء میں مشرقی پاکستان میں مسلم لیگ کو بری طرح شکست ہو چکی تھی۔ اسی وقت سے کچھ لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ اب یہ خطرہ لاحق ہو گیا ہے کہ مغربی پاکستان کے چھوٹے صوبے مشرقی پاکستان کی نئی سیاسی پارٹیوں کے ساتھ گٹھ جوڑ کر کے مرکزی قیادت پر قبضہ حاصل کر لیں۔ ایسی ذہنیت کے لوگوں کے نزدیک ون یونٹ اس قسم کے خطرات کو روکنے کا موثر ذریعہ تھا۔

دوسری بات یہ ہے کہ پنجاب کا صوبہ اپنی آبادی، تعلیم اور ترقی کی وجہ سے ہمیشہ دوسرے صوبوں سے آگے رہا ہے۔ اس وجہ سے بین الصوبائی رقابتوں اور تعصبات نے بڑا فروغ پایا اور پنجاب کے خلاف چھوٹے صوبوں میں کچھ صحیح اور کچھ غلط اور فرضی شکایات اور الزامات کے دفتر کھل گئے۔ ون یونٹ کے منصوبے میں بھی چھوٹے صوبوں کو پنجاب کی بالادستی کی سازش نظر آنے لگی اور ان کو شبہ ہو گیا کہ اس سکیم کے ذریعہ پنجاب ان کے نظم و نسق پر بھی براہ راست قبضہ جمانا چاہتا ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ کچھ سیاستدانوں نے ون یونٹ کے خلاف کھلم کھلا محاذ قائم کر کے اس کی مخالفت میں ایک منظم تحریک چلانی شروع کر دی۔ اس میں خان عبدالغفار خان، پیر صاحب مانکی شریف، جی۔ ایم۔ سید، شیخ عبدالمجید اور سردار صمد خان اچکزئی پیش پیش تھے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ مسلم لیگ کے علاوہ اور کسی سیاسی پارٹی کا رویہ ون یونٹ کے حق میں واضح طور پر مثبت نہ تھا بلکہ اس بارے میں کئی چوٹی کے سیاستدانوں کا کردار حیرتناک حد تک متضاد اور متناقض تھا۔ صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ سردار عبدالرشید پہلے ون یونٹ کے حق میں تھے لیکن پھر اچانک اس کے خلاف ہو گئے۔ اس کی پاداش میں انکی وزارت برطرف کر دی گئی۔ پنجاب کے وزیر اعلیٰ ملک فیروز خان نون بھی پہلے ون یونٹ کے حمایتی تھے لیکن پھر مخالف ہو گئے۔ نتیجتاً ان کو بھی وزارت سے ہاتھ دھونا پڑا۔ سندھ کے پیر علی محمد راشدی کا شمار بھی ون یونٹ کے حمایتیوں میں ہوتا تھا، لیکن وہ بھی پینترا بدل کر اس اسکیم کے مخالفین کی صف میں جا کھڑے ہوئے، لیکن اس سلسلے میں سب سے بڑی قلابازی مسٹر سہروردی نے کھائی تھی۔ مسٹر غلام محمد کے

Marfat.com

زمانے میں جب وہ وزیر قانون تھے تو ون یونٹ قائم کرنے کا گورنر جنرل آرڈر انہی کی نگرانی میں تیار ہو کر جاری ہوا تھا۔ صرف چھ ماہ بعد جب یہی آرڈر بل کی صورت میں اسمبلی کے سامنے آیا تو مسٹر سہروردی نے اس کی ڈٹ کر مخالفت کی۔ کیا اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اب کابینہ کے رکن نہ رہے تھے؟ یا شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ وہ وزارت عظمیٰ حاصل کرنے میں ناکام ہو گئے تھے۔ سیاستدانوں کی اس آنکھ مچولی سے صاف ظاہر ہے کہ ان میں سے کسی کی نظر ون یونٹ کے قومی اور انتظامی فوائد اور نقصانات کی جانب نہ تھی۔ اس منصوبے کے متعلق اپنے رائے قائم کرنے میں وہ فقط اپنا ذاتی اور وقتی مفاد پیش نظر رکھتے تھے۔

پانچویں بات یہ ہے کہ ''ون یونٹ'' بنتے ہی چھوٹے صوبوں کی گورنریاں، وزارتیں اور اسمبلیاں ٹوٹ گئیں اور ان سطحوں کے سارے اختیارات لاہور منتقل ہو گئے۔ نظم و نسق میں Decentralization کا ایسا کوئی طریقہ رائج نہ کیا گیا جس کے ذریعہ مقامی معاملات مقامی طور پر ہی طے پاتے رہیں۔ یوں بھی بیوروکریسی کا روایتی مزاج ایسا ہے کہ جو طاقت ایک بار اس کے ہاتھ میں آ جائے، اسے واپس کر کے دوسروں میں تقسیم کرنا اس پر بڑا شاق گزرتا ہے۔ چنانچہ اب صورتحال یہ ہو گئی کہ بلوچستان، سندھ اور سرحد کے لوگوں کو دور دراز کا سفر اختیار کر کے اپنے بعض چھوٹے چھوٹے کاموں کے لئے بھی لاہور آنا پڑتا تھا۔ اس میں بڑی دشواریوں، پریشانیوں اور تکالیف کا سامنا تھا اس نے بھی بہت سے عناصر کے ذہن میں ''ون یونٹ'' کی افادیت کو مشکوک بنا دیا۔

چھٹی بات یہ ہے کہ صوبائی سطح کے سرکاری ملازمین کو یہ فکر دامن گیر ہو گئی کہ ''ون یونٹ'' بننے کے بعد شاید انکے تبادلے بھی مغربی پاکستان کے دور دراز علاقوں میں ہونا شروع ہو جائیں۔ تبادلوں کا یہ خوف شمشیر برہنہ کی طرح ان کے ذہن پر لٹک گیا اور اس طرح سرکاری ملازمین کی ایک کثیر تعداد کے دل میں ''ون یونٹ'' کے خلاف بدظنی نے راہ بنائی۔

ساتویں بات یہ ہے کہ ہر صوبے میں ایسے سیاست پسند لوگوں کی خاصی بڑی تعداد ہوتی ہے جو خود تو انتخابات نہیں لڑتے، لیکن مقامی سیاست میں کئی طریقوں سے سرگرم عمل رہتے ہیں۔ جب چھوٹے صوبوں کی اپنی اپنی اسمبلیاں نہ رہیں تو یہ میدان خالی ہو گیا اور عملی طور پر فعال لوگوں کی کثیر تعداد احساس محرومی کا شکار ہو گئی۔

نتیجہ یہ ہوا کہ سیاستدانوں کی محاذ آرائیوں، خود غرضیوں، اور قلا بازیوں، بیوروکریسی کی بے تدبیریوں اور کوتاہ اندیشیوں، بعض سرکاری ملازمین کی بدظنیوں اور عوام کے ایک بڑے طبقہ کی دشواریوں اور محرومیوں کی وجہ سے ''ون یونٹ'' کا انتظامی تجربہ کامیابی سے ہمکنار نہ ہو سکا۔

وزیر اعظم کے طور پر چودھری محمد علی کا سب سے بڑا کارنامہ 1956ء کے آئین کا نفاذ تھا۔ پچھلے نو برس میں خان لیاقت علی خان سے لے کر اب تک کسی وزیر اعظم نے آئین سازی کے کام کو آگے نہ بڑھایا تھا۔ چودھری محمد علی نے وزیر اعظم کا عہدہ سنبھالنے کے بعد پانچ ماہ کے اندر آئین کا مسودہ شائع کر دیا۔ جب یہ مسودہ آئین ساز اسمبلی میں پیش ہوا تو اس کی 245 دفعات کے لئے 670 ترامیم پیش ہوئیں۔ خاص طور پر مشرقی پاکستان میں بڑا طوفان اٹھا۔ وہاں پر Resistance Day بھی منایا گیا جس میں جلسے ہوئے جلوس نکلے اور ہڑتال ہوئی۔

Marfat.com

مولوی اے۔ کے۔ فضل الحق نے بڑی سخت تقریریں کیں۔ مولانا بھاشانی نے تو مشرقی پاکستان کو الگ کرنے تک کی دھمکی دے دی۔ اسمبلی کے اندر عوامی لیگ کے ایک لیڈر مسٹر ابو منصور نے یہاں تک کہہ دیا کہ مشرقی اور مغربی پاکستان کا ایک مذہب ہے اور دونوں نے ایک ہی تحریک کے ذریعے آزادی حاصل کی ہے۔ اس کے علاوہ ان دونوں حصوں میں کوئی قدر مشترک نہیں۔ دونوں حصے الگ الگ ملک اور الگ الگ قومیں ہیں۔ مسٹر سہروردی نے بھی آئین کی خوب مخالفت کی اور جب رائے شماری کا وقت آیا تو اسمبلی سے واک آؤٹ کر گئے۔ کچھ عرصے بعد جب یہی سہروردی اسی آئین کے تحت وزیر اعظم بنے تو انہوں نے بلا کسی جھجک کے یہ اعلان کر دیا کہ اس آئین میں مشرقی پاکستان کے اٹھانوے فیصد مطالبات پورے ہو گئے ہیں۔

آئین کے خلاف اس تمام محاذ آرائی، مخالفت اور مخاصمت کا سامنا چودھری محمد علی نے بڑے تحمل، بردباری اور مدبرانہ دانشمندی سے کیا۔ ان کی کوششیں بار آور ہوئیں اور 23 مارچ 1956ء کو پاکستان کا پہلا آئین نافذ ہو کر اسلامیہ جمہوریہ پاکستان کا قیام عمل میں آیا۔ نئے آئین کے تحت چودھری محمد علی نے وزیر اعظم کے طور پر حلف اٹھایا اور میجر جنرل اسکندر مرزا ملک کے پہلے صدر مقرر ہوئے۔

23 مارچ 1956ء کو جب ایوان صدر میں نیا آئین نافذ کرنے کی تقریب منعقد ہو رہی تھی، تو اس دوران دو بدشگونیاں ظہور میں آئیں۔ تقریب شروع ہونے سے کچھ دیر پہلے بڑے زور کی آندھی آئی اور تیز بارش ہوئی جس سے شامیانے کا کچھ حصہ چند مہمانوں کے اوپر گر گیا جن میں اسمبلی کے اسپیکر مولوی عبدالوہاب خان بھی شامل تھے۔ اس علامت سے شاید فطرت کے عناصر نے یہ پیشگوئی کر دی تھی کہ اٹھارہ ماہ بعد اس آئین کا بھی کچھ ایسا ہی حشر ہونے والا ہے۔ دوسری بدشگونی صدر کے طور پر میجر جنرل اسکندر مرزا کا تقرر تھا۔ نیا آئین اسلامی اور جمہوری اقدار کا حامل تھا، لیکن ملک کے پہلے صدر کو ان دونوں اقدار سے دور کا بھی کوئی واسطہ نہ تھا۔ نئے آئین کو اسکندر مرزا کی صدارت میں چلانا ویسا ہی تھا جیسے کہ دودھ کو بلی کی رکھوالی میں رکھنا۔

اسکندر مرزا صاحب جوڑ توڑ کے بادشاہ تھے۔ گورنر جنرل یا صدر کے طور پر آئینی بندشوں اور پابندیوں میں مقید ہو کے رہنا ان کے لئے ناممکن تھا۔ جب ان کے دوست ڈاکٹر خان صاحب مغربی پاکستان کے وزیر اعلیٰ نامزد ہوئے تو انہیں کسی سیاسی پارٹی کی حمایت حاصل نہ تھی۔ ان کی دستگیری کے لئے اسکندر مرزا صاحب نے ری پبلکن پارٹی کی داغ بیل ڈالی۔ اس پارٹی کی تشکیل گورنمنٹ ہاؤس میں براہ راست ان کی سربراہی میں ہوئی۔ جس وقت یہ پارٹی بن رہی تھی، ان دنوں اسکندر مرزا صاحب اس کام میں اس قدر منہمک تھے کہ انہیں فائلیں دیکھنے کا بھی وقت نہ ملتا تھا۔ دن میں کسی وقت وہ چند لمحوں کے لئے میرے کمرے میں آتے تھے اور کھڑے کھڑے ضروری ضروری فائلوں پر دستخط کر کے چلے جاتے تھے۔ کئی بار وہ اتنی عجلت میں ہوتے تھے کہ فائلوں کے فیتے تک نہ کھولتے تھے اور یونہی کاغذوں کو کھینچ کھانچ کر دستخط کر دیتے تھے۔ ری پبلکن پارٹی بنانے کا بھوت ان پر جس شدت سے سوار تھا، ویسے ذوق وشوق سے میں نے انہیں اور کام کرتے کبھی نہ دیکھا تھا۔

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ری پبلکن پارٹی بنانے میں مغربی پاکستان کے گورنر نواب مشتاق احمد گورمانی بھی برابر کے

Marfat.com

شریک تھے کہنے والے تو یہاں تک کہتے ہیں کہ پارٹی کا منشور اور آئین بھی انہوں نے ہی مرتب کئے تھے۔ یہ الزام ری پبلکن پارٹی کے ایک سابق جنرل سیکریٹری مسٹر عبدالقیوم نے خاص طور پر لگایا ہے۔ اس کے علاوہ مسٹر گورمانی کے خلاف جب ایبڈو کے تحت انکوائری ہو رہی تھی تو مغربی پاکستان کی اسمبلی کے سات ممبروں نے اپنی گواہی میں کہا تھا کہ ری پبلکن پارٹی صدر، وزراء اور گورنر گورمانی کے گٹھ جوڑ سے بنی تھی اور وہ اس میں گورنر کے دباؤ سے مجبور ہو کر شامل ہوئے تھے۔ ان گواہوں کے اسمائے گرامی جمیل حسین رضوی، گل نواز خان، چودھری محمد احسن، شیخ محمد سعد، رائے نوشیر خان، حکیم خورشید احمد اور قاضی مرید احمد تھے۔

ایک روز اسکندر مرزا نے مجھے قرآن مجید کا ایک نسخہ دیا کہ میں احتیاط سے اپنی خفیہ کاغذات رکھنے والی الماری میں مقفل کر کے رکھوں اور ان کے سوا اور کسی کو نہ دکھاؤں۔ اس نسخہ میں خاص بات یہ تھی کہ سرورق کی پشت پر جو خالی صفحہ ہوتا ہے اس پر درجن بھر سیاستدانوں نے اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر اس مقدس کتاب الٰہی کو گواہ بنا کر آپس میں تعاون کرنے کا عہد نامہ تیار کیا ہوا تھا۔ اس تحریر کے نیچے پاکستان کے بہت سے چوٹی کے لیڈروں کے دستخط تھے۔ چند ماہ کے اندر اندر یہ مقدس عہد نامہ بھی ٹوٹ پھوٹ گیا۔ افسوس کہ قرآن شریف کا وہ نادر نسخہ صدر مرزا نے مجھ سے واپس لے لیا ورنہ وہ اس قابل تھا کہ عبرت حاصل کرنے کے لئے اسے ہمارے قومی عجائب گھر میں رکھا جاتا۔

ری پبلکن پارٹی کے بنتے ہی صدر اسکندر مرزا کے ہاتھ میں جادو کی چھڑی آ گئی جسے گھما کر وہ سیاست میں جب چاہتے اپنی پسند کی تبدیلی لا سکتے تھے۔ آئین نافذ ہونے کے 13 ماہ بعد چودھری محمد علی وزیر اعظم کے عہدہ سے مستعفی ہو گئے۔ ہماری تاریخ میں یہ واحد مثال ہے جس میں کسی وزیر اعظم نے اپنے آپ کسی دباؤ کے بغیر اپنے عہدہ سے استعفیٰ دیا ہے۔ چودھری محمد علی انتھک کام کرنے کے عادی تھے۔ ان کی دیانت، امانت اور منصف مزاجی کا درجہ بھی اعلیٰ تھا۔

وزارت عظمیٰ سے سبکدوشی کے بعد انہوں نے نہایت صبر اور خاموشی سے زندگی گزاری۔ ایک بار انہیں علاج کے لئے بیرون ملک جانا ضروری ہو گیا، لیکن وسائل کی کمی ان کے راستے میں حائل تھی۔ جب صدر اسکندر مرزا کو اس صورتحال کا علم ہوا تو انہوں نے خود ان کے ہاں جا کر کوشش کی کہ ان کے اخراجات کے لئے وہ حکومت کی مالی امداد قبول کر لیں، لیکن چودھری صاحب نہ مانے۔ ان کا موقف یہ تھا کہ انہوں نے حکومت کے لئے جو خدمات سرانجام دی ہیں، ان کا انہیں پورا معاوضہ ملتا رہا ہے۔ اب وہ خواہ مخواہ پاکستان کے خزانے پر مزید بوجھ نہیں بننا چاہتے لیکن صدر مرزا کے مسلسل اصرار پر انہوں نے بیس ہزار روپیہ قرض حسنہ کے طور پر قبول کر لیا۔ بعد ازاں یہ رقم انہوں نے چند قسطوں میں واپس ادا بھی کر دی۔

اسی زمانے میں چودھری محمد علی نے صدر مرزا کو یہ مشورہ بھی دیا تھا کہ اپنا ہاتھ بٹانے کے لئے ایک وائس پریذیڈنٹ بھی رکھ لیں، لیکن یہ مشورہ قبول نہ کیا گیا۔ میرا اندازہ ہے کہ اگر چودھری صاحب جیسا فہیم شخص ایوان صدر میں ڈپٹی پریذیڈنٹ کے طور پر موجود ہوتا تو شاید ہماری تاریخ کا دھارا کوئی اور رخ اختیار کر لیتا۔ واللہ اعلم۔

چودھری صاحب کے بعد مسٹر سہروردی کی دیرینہ آرزو پوری ہوئی اور وہ وزیر اعظم بنے۔ ان کی حکومت ری پبلکن پارٹی اور عوامی لیگ کے اشتراک سے بنی تھی۔ تیرہ ماہ بعد ری پبلک پارٹی نے ان کا ساتھ بھی چھوڑ دیا اور صدر مرزا نے ان کا

Marfat.com

استعفیٰ طلب کرلیا۔اس کے بعد مسٹر چندریگر کی باری آئی ان کی حکومت چار سیاسی پارٹیوں کے دوش پر سوار ہو کر آئی اور بڑی مشکل سے فقط دو ماہ اقتدار میں رہ سکی۔

آخر میں چھ سیاسی پارٹیوں کو لیشن سے ملک فیروز خان نون نے وزیر اعظم کا عہدہ سنبھالا اور نو ماہ کے قریب حکومت کی۔ان کے زمانے میں کبھی کبھی ایسی نوبت بھی آجاتی تھی کہ وزیروں کی فوج ظفر موج وزارتوں کی تعداد سے کہیں آگے نکل جاتی تھی۔حلف لینے والے وزیروں کو معلوم ہوتا تھا کہ انکی وزارت کی چاندنی چند ماہ سے زیادہ نہ چمکے گی۔اس لئے محکموں کی تقسیم پر بڑا فساد ہوتا تھا۔اس زمانے میں خشک اور تر وزارتوں کی اصطلاح بڑی فراوانی سے استعمال ہوا کرتی تھی۔وزارت خزانہ، تجارت،صنعت، ورکس، خوراک وغیرہ کا شمار ''تر'' وزارتوں میں ہوتا تھا ایک بار ایک کابینہ نامزد تو ہوگئی لیکن کئی روز تک حلف نہ اٹھا سکی کیونکہ محکموں کی بندر بانٹ کا قضیہ کسی طور طے نہ پاتا تھا۔آخر خدا خدا کر کے یہ مسئلہ بھی طے ہوا اور جب سب لوگ حلف اٹھانے کے لئے ایوان صدر میں جمع ہوئے تو اچانک یہ معلوم ہوا کہ پورٹ فولیوز کی تقسیم کے دوران وزارت تعلیم پر کسی کی نظر انتخاب نہ پڑی تھی۔

آئین نافذ ہونے کے بعد تین سال کے عرصہ میں چار مرکزی حکومتیں اقتدار میں آئیں جن میں گیارہ سیاسی پارٹیوں نے حصہ لیا۔ری پبلکن پارٹی ان سب میں شامل تھی۔اس صورتحال کے رونما ہونے پر صدر اسکندر مرزا کے جوڑ توڑ کا بڑا عمل دخل تھا وہ تین باتیں ثابت کرنا چاہتے تھے۔اول یہ کہ نیا آئین قابل عمل نہیں۔دوئم یہ کہ ملک بھر میں ایک بھی ایسی سیاسی شخصیت موجود نہیں جو مستحکم حکومت بنا کر اسے خوش اسلوبی سے چلا سکے اور سوئم یہ کہ عملی سیاست میں کوئی ایسی سیاسی جماعت نہیں جو ملک کے دونوں حصوں کا اعتماد حاصل کر کے حکومت کا کاروبار سنبھال سکے۔تین سال کے عرصہ میں انہوں نے اپنا یہ مقصد بڑی حد تک حاصل کرلیا کیونکہ اس عرصہ میں ملک کی تقریباً سب بڑی بڑی سیاسی پارٹیاں اور اہم لیڈر یکے بعد دیگرے حکومت میں شامل ہو کر یا ناکام ہو چکے تھے یا ناکام کر دیئے گئے تھے۔

اس میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ صدر اسکندر مرزا جمہوریت سے خوفزدہ تھے اور اسے ناکام ثابت کر کے اپنی شخصی آمریت کا تسلط جمانا چاہتے تھے۔وہ شاہانہ ٹاٹھ باٹھ کے رسیا تھے اور بادشاہوں کے طور طریقوں کو دیکھ کر بے حد مرعوب ہو جاتے تھے۔ایک بار وہ افغانستان کے سرکاری دورے پر گئے ظاہر شاہ محض نام کا بادشاہ تھا۔وہاں پر اصل حکومت اس کے چچاؤں کی تھی۔سردار داؤد وزیر اعظم تھے اور اسی وقت سے در پردہ روس کے ساتھ پینگیں بڑھانے میں لگے ہوئے تھے ملک میں غربت،افلاس،اور پسماندگی کا دور دورہ تھا لیکن شاہی محلات میں طاؤس ورباب اور کباب وشباب کا زور تھا۔

بادشاہ کی سرکاری دعوت میں جو مینو کارڈ میز پر سجائے ہوئے تھے ان کے ایک طرف انگریزی طرز کے کھانوں کے نام تھے اور دوسری طرف افغانی کھانوں کی فہرست تھی۔میرا خیال تھا کہ ہر مہمان کی پسند کے مطابق اسے انگریزی یا افغانی کھانے کھلائے جائیں گے،لیکن ہوا یہ کہ پہلے سب کے لئے چھ کورس کے انگریزی کھانوں کا دور چلا۔اس کے بعد آٹھ دس قسم کے مرغن افغانی کھانے میز پر آئے۔کچھ لوگوں نے دونوں قسم کے کھانوں کے ساتھ بڑی بے تکلفی سے پورا پورا انصاف کیا۔

Marfat.com

کھانے کے بعد بادشاہ سلامت سب مہمانوں کو ساتھ لے کر باہر باغ میں آئے جہاں پانچ چھ سو معززین رات کے استقبالیہ میں شامل ہونے کے لئے کافی دیر سے جمع ہو رہے تھے یہ حضرات گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ سے بھوکے پیاسے ان میزوں کے گرد منڈلا رہے تھے جو انواع واقسام کے سامان خرد ونوش سے لدی ہوئی تھیں۔ دونوں ملکوں کے قومی ترانے بجتے ہی سارا مجمع کھانوں کی میزوں پر ٹڈی دل کی طرح چھا گیا۔ ہمارے اندر والے مہمان بھی اس میں بڑے شوق سے شامل ہوئے۔ بادشاہی دعوت کا یہ طریقہ صدر اسکندر مرزا کو بڑا پسند آیا اور واپس آ کر بہت عرصہ تک اس کی یاد ان کے دل میں چٹکیاں لیتی رہی۔

بغداد پیکٹ کی کانفرنسوں کے سلسلے میں صدر مرزا نے ایران، عراق اور ترکی کے بھی کئی دورے کئے۔ شاہ ایران سے ان کی خوب گاڑھی چھنتی تھی۔ ان دوروں میں بیگم ناہید مرزا، ملکہ ثریا کے ساتھ بزعم خود اپنی خوش لباسی اور حسن و جمال کا مقابلہ کرتی رہتی تھیں۔ وہ ہر روز طرح طرح کے رنگوں کی بھڑکیلی اور مرصع ساڑھیاں زیب تن کرتی تھیں اور ہر تصویر میں بڑے اہتمام سے مسکراتی ہوئی نظر آنے کی کوشش میں لگی رہتی تھیں۔ ایک روز انہوں نے شکایتاً کہا ملکہ ثریا کسی تقریب اور تصویر میں مسکراتی نظر نہیں آتی۔ میرا معاملہ اس کے برعکس ہے لیکن یہ اخ؛ والے سب اندھے ہیں۔ ہمارے درمیان اس فرق پر کوئی کچھ نہیں لکھتا۔

شاہ ایران کی ہر تقریب میں دو تین شوخ و شنگ لڑکیاں ہمہ وقت ان کے گرد منڈلایا کرتی تھیں۔ بسا اوقات یوں محسوس ہوتا تھا کہ وہ جان بوجھ کر ملکہ ثریا کو بر سر عام نظر انداز کر کے شاہ کی توجہ کا مرکز بننے کی کوشش کر رہی ہیں۔ رضا شاہ پہلوی کے اس وقت تک کوئی اولاد نہ تھی اور نجی محفلوں میں بعض اوقات وہ شاہی وقار کا رنگ و روغن اتار کر بڑی بے حجابی سے ایک گھٹیا سے پلے بوائے کا اوباشانہ روپ اختیار کر لیتے تھے وہ بلیو فلموں کے دلدادہ تھے اور یورپ اور امریکہ کے قحبہ خانوں، بیسواؤں اور فحش نگاروں کے متعلق انہیں بڑی وسیع معلومات حاصل تھیں۔ ایک روز شام کی چائے پر انہوں نے صدر اسکندر مرزا کو ڈیڑھ گھنٹہ تک جنسی علوم وفنون کے مختلف گوشوں سے آگاہ کیا اور آخر میں یہ فتویٰ صادر کیا معاشرے کی توانائی اور ترقی ناپنے کا صحیح پیمانہ یہ ہے کہ اس میں جنسی آزادی کو کتنا فروغ حاصل ہے۔

ایک بادشاہ ایران صدر مرزا اور بیگم ناہید مرزا کو ہمراہ لے کر اصفہان شیراز اور مشہد کی سیاحت پر گئے طویل فاصلے تو ہوائی جہاز سے طے کئے گئے لیکن مقامی سیر و سیاحت کے لئے شاہ کے جلوس میں موٹروں کا بڑا شاندار قافلہ چلتا تھا۔ موٹروں کا یہ شاہی جلوس جب کسی گاؤں یا قصبے سے گزرتا تھا تو کئی جگہ سڑک پر دور دور تک قالین ہی قالین بچھے ہوئے نظر آتے تھے۔ بعد میں یہ راز کھلا کہ قالین میں اگر بہت زیادہ گرد جم کر بیٹھ جائے تو اسے صاف کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ اسے چلتی ہوئی موٹر کار کے پہیوں کے نیچے روندا جائے۔ اس طرح گرد کی جمی ہوئی تہیں ٹوٹ جاتی ہیں اور تھوڑا سا جھاڑنے سے بھی قالین صاف ہو جاتا ہے۔ اس ترکیب سے شاہ کی گزرگاہ میں اپنا قالین بچھا کر اس کی وفادار رعایا ایک ہاتھ سے پہلوی خاندان کی ہر دلعزیزی پر اپنی مہر تصدیق ثبت کر دیتی تھی اور دوسرے ہاتھ سے اپنے پرانے قالینوں کی گرد جھاڑ لیتی تھی۔

شیراز میں ہم ایک رات ٹھہرے۔ وہاں پر جو کار مجھے ملی، اسے ایک نوجوان چلا رہا تھا جو یونیورسٹی کا طالب علم تھا۔ یہ کار بھی اس کی اپنی تھی اس نے مجھے بتایا کہ جب کبھی شاہ کے مہمان یہاں نازل ہوتے ہیں ان کے استعمال کے لئے کاریں

Marfat.com

اہلیان شہر سے جبراً ضبط کرلی جاتی ہیں۔ ڈرائیور بھی ان کے مالک ہی فراہم کرتے ہیں۔ اگر کسی کے پاس ڈرائیور نہ ہو تو کار کے مالک کو بیگار کے طور پر خود ہی یہ فرض انجام دینا پڑتا ہے۔ یہ نوجوان بڑے امیر اور معزز خاندان سے تعلق رکھتا تھا، لیکن اس وقت اسے سرکاری ڈرائیور کی وردی پہنا کر ہماری خدمت کے لئے مفت کی بیگار میں پکڑا ہوا تھا۔ وہ صبح سات بجے ڈیوٹی پر حاضر ہوتا تھا اور رات کے گیارہ بجے اپنی کار کو سرکاری مہمان خانے میں چھوڑ کر گھر واپس لوٹتا تھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ شیراز میں تقریباً سارا سال رات کو کرفیو نافذ رہتا ہے اور رات کو دس بجے کے بعد لوگ اپنے گھروں سے باہر نہیں نکل سکتے۔ ہر شہر اور علاقے پر مقامی فوجی گیریژن کا تسلط ہے اور خود گیریژن پر سیکرٹ سروس (Secret Service) والوں کا کنٹرول ہوتا ہے۔ سیکرٹ سروس کے شعبے براہ راست شاہ کی ماتحتی میں کام کرتے ہیں۔ یہ نوجوان بڑی شدت سے شاہ ایران کا مخالف تھا اور شاہ پر نظر پڑتے ہی اس کی آنکھوں میں خون اتر آتا تھا۔

شاہ ایران کی سرکاری دعوتیں بڑی شاندار ہوتی تھیں۔ ڈنر کے دوران نصف درجن اعلیٰ فوجی افسر تمغوں سے جگمگاتی ہوئی وردیاں پہنے شاہ کی کرسی کے پیچھے صف بستہ اٹینشن کھڑے رہتے تھے۔ ایک ڈنر کے بعد بیگم ناہید مرزا نے مجھے کہا شاہ کی نشست کے پیچھے جو افسر کھڑے تھے ان میں سے دو کا رینک جرنیل کے برابر تھا اور ادھر کراچی میں کپتان اور میجر رینک کے اے۔ ڈی۔ سی ہمارے ساتھ میز پر بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں۔ اس کے متعلق تم لوگوں کو کچھ سوچنا چاہیئے۔

ایک بار صدر اسکندر مرزا ایران، عراق اور سعودی عرب کے دورے پر ایسے وقت نکلے جبکہ نہر سوئز کے قضیہ پر مصر پر برطانیہ اور فرانس کا حملہ ہو چکا تھا۔ وزیراعظم سہروردی اور کمانڈر انچیف جنرل ایوب خان بھی ان کے ساتھ تھے۔ جمال عبدالناصر کی غیر معتدل پالیسیوں کی وجہ سے مشرق وسطیٰ کی بادشاہتیں ان سے بہت خوفزدہ اور ناراض تھیں اور اب سامراجی طاقتوں کے حملے سے ناصر کی شکست اور تباہی کی امید باندھ کر بہت سے شاہان ذی شان خوشی سے بغلیں بجا رہے تھے۔ خصوصاً بغداد کا سماں بڑا عبرتناک تھا۔ گلیوں اور سڑکوں پر جو عوام تھے ان کا دل مصر کے ساتھ تھا، لیکن سرکاری سطح پر خوشی کے شادیانے بج رہے تھے۔ عراق کے وزیراعظم نوری السعید پاشا ہمارے گیسٹ ہاؤس میں آئے اور صدر اسکندر مرزا اور مسٹر سہروردی کے پاس بیٹھ کر انہوں نے صدر ناصر کے خلاف دیر تک زہر اگلا۔ ناصر کا ہوا ان کی رگ وپے میں اس قدر شدت سے چھایا ہوا تھا کہ یا تو وہ اسے برملا گالی دے کر یاد کرتے تھے یا طنزیہ طور پر جمال عبدالناصر علیہ السلام کے نام سے پکارتے تھے۔ اسی نشست میں انہوں نے بڑے وثوق سے پیشگوئی کی کہ نہر سویز میں جمال عبدالناصر کی قبر مقدر ہو چکی ہے اور بہت جلد فرعون کی طرح اس کی لاش بھی پانی سے نکال کر مصر کے عجائب گھر میں رکھ دی جائے گی۔

نہر سویز کے سلسلے میں ہمارے عوام کا ردعمل بھی دوسرے مسلمانوں کی طرح مصر کے حق میں تھا، لیکن حکومت کا رویہ تذبذب، تامل، شش وپنج، لیس وپیش اور حیص وبیص کے تانے بانے میں الجھا ہوا تھا۔ صدر اسکندر مرزا اور وزیراعظم سہروردی اپنے عوام کے خوف سے برطانیہ اور فرانس کے حملے کی تائید تو نہ کر سکتے تھے لیکن وہ کھلے دل سے مصر کے حق میں کوئی قدم اٹھانے سے بھی قاصر تھے۔ جب ہم بغداد میں تھے تو وزیراعظم سہروردی نے اچانک مصر کا دورہ کرنے کا پروگرام بنایا۔ مصر کی حکومت

Marfat.com

فرانس اور برطانیہ کے حملے کی تباہ کاریوں کے مسائل میں الجھی ہوئی تھی۔ یوں بھی اس خاص موقع پر سہروردی صاحب کے مصر جانے کا کوئی جواز نہ تھا۔ اس لئے قدرتی طور پر مصری حکومت نے مسٹر سہروردی کے پروگرام کے متعلق سرد مہری سے کام لیا اور ان کے دورہ مصر کی حوصلہ افزائی نہ کی۔ تاہم ہمارے وزیر اعظم چند افسروں کو ساتھ لے کر بیروت تک ضرور گئے اور وہاں کچھ سیر و تفریح اور شاپنگ کر کے واپس آ گئے۔ شاپنگ کا جنون ہم لوگوں کی گھٹی میں پڑا ہوا ہے۔ لبنان کے ہمسائے میں مصری قوم تباہی کے دہانے پر کھڑی تھی۔ ہمارا سرکاری وفد ان کی ہمت بڑھانے قاہرہ تو نہ پہنچ سکا، لیکن بیروت کے بارونق بازاروں میں بڑے انہماک سے خرید و فروخت کے مشغلے میں مصروف ہو گیا۔ اگلے روز جب ہم بغداد سے پاکستان روانہ ہوئے تو کچھ حضرات اپنی بھاری بھرکم شاپنگ سینے سے لگائے جہاز کے اندر ہی لے آئے۔ ہوائی جہاز کے کپتان نے احتجاج کیا کہ اتنا زیادہ سامان کیبن میں رکھنا حفاظتی اصولوں کے خلاف ہے اور جب تک فالتو سامان کو ہولڈ میں منتقل نہیں کیا جاتا، وہ ہوائی جہاز اڑانے کا خطرہ مول لینے کو تیار نہیں ہے۔ باہر عراق کے شاہ فیصل، پرنس عبدالہ، وزیر اعظم نوری السعید اور دوسرے دیگر اکابرین ہماری روانگی کے منتظر کھڑے تھے۔ اندر سامان پر جھگڑا سر اٹھائے کھڑا تھا۔ صدر اسکندر مرزا اس قسم کے تنازعوں میں دخل دینے سے کوسوں دور بھاگتے تھے۔ وہ تو ایک اخبار اٹھا کر اسے پڑھنے میں مصروف ہو گئے اور وزیر اعظم سہروردی نے بیچ بچاؤ کر کے کسی طرح یہ معاملہ سلجھایا۔ خدا خدا کر کے ہمارا جہاز کافی تاخیر سے بغداد ائیرپورٹ سے روانہ ہوا اور باہر کھڑی ہوئی الوداعی پارٹی کی بھی گلوخلاصی ہوئی جسے غالباً یہ گمان تھا کہ شاید جہاز میں کوئی فنی خرابی واقع ہو گئی ہے۔

ایران، عراق اور سعودی عرب کے اس دورے میں یہ دلخراش حقیقت سامنے آئی کہ جمال عبدالناصر کے خلاف نفرت کی وجہ سے مصر کے غریب عوام بھی ان تینوں ملکوں کی حکومتوں کی ہمدردیوں سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ ایک اسلامی ملک پر مغرب کی دو بڑی طاقتیں متحد ہو کر حملہ آور ہوئی تھیں، لیکن اس کی مدد کے لئے دوسری اسلامی حکومتوں کے کان پر جوں تک نہ رینگی تھی۔ عالم اسلام میں نزاع و نفاق اور انتشار کی یہ کیفیت بے حد شرمناک، عبرتناک اور المناک تھی۔ اس ڈرامہ میں ہمارا کردار بھی کچھ ایسا نہ تھا جسے یاد کر کے ہم اپنا سر فخر سے اونچا کر سکیں۔

14 جولائی 1958ء کو ایک بار پھر اسکندر مرزا کمانڈر انچیف جنرل ایوب خان کو ہمراہ لے کر تہران کے لئے روانہ ہوئے۔ ہمارا جہاز علی الصبح چار بجے کے قریب کراچی سے روانہ ہوا۔ پروگرام یہ تھا کہ تہران میں چند گھنٹے شاہ ایران کے ساتھ مشورہ کرنے کے بعد ہم لوگ اسی شام استنبول روانہ ہو جائیں گے جہاں بغداد پیکٹ کے سلسلے میں پاکستان، ایران، عراق اور ترکی کے سربراہان مملکت کی کانفرنس منعقد ہو رہی تھی۔ تہران پہنچ کر شہنشاہ کے ساتھ ملاقات شروع ہوئی تھی کہ اچانک خبر ملی کہ بغداد میں ایک خون آشام فوجی انقلاب نے بادشاہت کا تختہ الٹ دیا ہے۔ یہ خبر سنتے ہی شاہ ایران سناٹے میں آ گئے اور کچھ دیر تک ان پر سکتہ سا طاری رہا۔ انہوں نے فارسی اور فرانسیسی زبان میں جمال عبدالناصر کو چند گالیاں دیں اور پھر دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کر کمرے میں ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر چکر کاٹنے لگے۔ ان کا ذہن اضطراب اور کرب پسینے کے قطروں کی طرح ان کے چہرے سے ٹپک رہا تھا۔ اور وہ بار بار اپنے عملے سے پوچھتے تھے کہ ٹیلی پرنٹر پر بغداد کے متعلق تازہ ترین کیا اطلاعات آ رہی ہیں۔

Marfat.com

ایک بادشاہ کا تختہ الٹنے پر دوسرے بادشاہ کا رنج والم کسی جذبہ ہمدردی اور غمگساری کا نتیجہ نہ تھا بلکہ یہ اس کے اپنے تاج وتخت کی خودحفاظتی اور فکرمندی کا عکس تھا۔ ہمدردی اور ایثار غریبوں کے ماتھے کا جھومر ہیں۔ بادشاہوں کے خزانے اس جنس نایاب سے خالی ہوتی ہیں۔

اسی روز ہم استنبول کے لئے روانہ ہوئے تو راستہ میں ترکی کی حکومت کا پیغام ملا کہ کانفرنس استنبول کی بجائے انقرہ میں منعقد ہوگی۔ شہنشاہ ایران بھی شام تک انقرہ پہنچ گئے اور اس طرح بغداد پیکٹ کی وہ تاریخی کانفرنس شروع ہوئی جس میں بغداد تو پیکٹ سے نکل گیا اور صرف پیکٹ ہی پیکٹ باقی رہ گیا جسے بعدازاں سینٹو Cento کا نام دے دیا گیا۔

انقرہ پہنچ کر عراقی انقلاب کی مزید تفصیلات معلوم ہوئیں۔ شاہ فیصل، پرنس عبدل الہ اور وزیر اعظم نوری السعید بڑی بے رحمی سے قتل کردیئے گئے۔ پرنس عبدل الہ اور نوری السعید کی لاشوں کو عوام نے دیر تک بغداد کی سڑکوں پر بھی گھسیٹا۔ ایک خبر یہ بھی تھی کہ جب پرنس عبدل الہ کے محل پر حملہ ہوا تو اس میں سے کئی نیم برہنہ یورپین لڑکیاں بھی چیختی چلاتی ہوئی برآمد ہوئیں۔ پرنس عیاش طبع آدمی تھے اور ان کے متعلق مشہور تھا کہ ان کے پاس مشرق وسطیٰ کا بہترین سردابہ شراب تھا اور وہ وقتاً فوقتاً یورپ کے نائٹ کلبوں سے نت نئی حسیناؤں کا انتخاب کر کے اپنے محل سرا کی زینت بناتے رہتے تھے۔ پرنس عبداللہ شاہ فیصل کے ماموں یا چچا تھے اور درحقیقت وہی عراق کے اصلی حکمران بھی تھے۔ جواں سال بادشاہ کو انہوں نے اپنے ہاتھ میں کٹھ پتلی بنا رکھا تھا اور رفتہ رفتہ اسے بھی اپنی طرز زندگی کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کر رہے تھے۔

ترکی کے متعدد دوروں میں ایک بات روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی۔ وہ یہ کہ اگر ایک بار کسی قوم کے دل میں اسلام کی روح پوری طرح سما جائے تو پھر اسے اس راہ سے منحرف کرنا قطعی ناممکن ہے۔ پچھلے پچاس برسوں کے دوران ماڈرن ازم اور سیکولرازم کے نام پر ترکی میں بہت بڑے طوفان آئے، لیکن ترک قوم کے سوادِ اعظم پر اس کا کوئی خاص اثر نہیں ہوا۔ صرف ملازمت پیشہ لوگ، شہری آبادیوں کا کچھ حصہ ڈھل مل یقین رکھنے والے نئی روشنی کے دلدادہ، تن آسان مرد، فیشن پرست عورتیں اور بیرونی افکار پر پھلنے پھولنے والے دانشور ہی زیادہ تر اس طوفان کی زد میں آئے۔ اس کے باوجود ترکی میں مسجد میں جا کر نماز پڑھنے والے مرد اور عورتوں کی تعداد بہت سے دوسرے اسلامی ممالک سے کہیں زیادہ ہے۔ کئی مسجدوں میں تو صفوں کے سامنے لکڑی کی کسی قدر اونچی تختیاں بھی بچھائی ہوتی ہیں تاکہ انگریزی طرز کی ٹوپیاں اوڑھ کر نماز پڑھنے والوں کو سجدہ کرنے میں وقت پیش نہ آئے۔ ترک عوام بڑے پکے اور سچے مسلمان ہیں اور پاکستان کے لئے ان کے دل میں خاص احترام کا جذبہ ہے۔ ترک قافلے جو حج پر جاتے ہیں، وہ بھی انتظامی بدوبست، خوش تدبیری، نظم وضبط اور ایمان وایقان میں اپنی مثال آپ ہوتے ہیں۔

جدید ترکی میں بہت سی اسلامی روایات اور اقدار کو از سر نو زندہ کرنے کا سہرا جلال بیار اور وزیر اعظم میندریس کے سر ہے۔ غالباً اسی جرم کی پاداش میں صدر معزول اور مقید ہوئے اور وزیر اعظم تختہ دار پر لٹکائے گئے، لیکن عوام کے دلوں پر ان کی حکمرانی آج بھی قائم ہے۔ لوگ مسٹر میندریس کو شہادت کا درجہ دیتے ہیں اور دیہات میں ان کے متعلق عجیب وغریب مافوق الفطرت کہانیاں جنم لیتی رہتی ہیں۔ ایک روایت جو طرح طرح کے رنگ لے کر متواتر گردش کرتی رہی ہے، یہ ہے کہ کئی لوگوں

Marfat.com

نے کئی بار دیکھا ہے کہ مسٹر میندریس سفید گھوڑے پر سوار ترکی کے بعض علاقوں میں گھوم رہے ہیں۔

وزیراعظم میندریس بڑے ہنس مکھ، خوش مزاج اور خوش اخلاق انسان تھے۔ان کی پرکشش شخصیت میں اعتدال، اعتماد اور عجز کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔وہ بڑے دھیمے لہجے میں بات کرتے تھے اور چھوٹے سے چھوٹے آدمی کے ساتھ گفتگو کے دوران بھی ان کی گردن میں تواضع کا ہلکا سا خم آجاتا تھا۔ایک بار انقرہ میں مسٹر میندریس نے مجھ سے دریافت کیا، کیا تم ترکی کی سیر سے مطمئن ہو؟

میں نے جواب دیا کہ میں مطمئن تو بہت ہوں لیکن ایک حسرت ضرور باقی ہے۔

وہ کیا؟ انہوں نے پوچھا۔

ابھی تک مولانا روم کے مزار کی زیارت نصیب نہیں ہوسکی۔میں نے کہا۔

بے شک قونیہ یہاں سے کافی دور ہے، لیکن اگر شوق تیز ہو تو لمبے سے لمبا فاصلہ آن کی آن میں طے ہو جاتا ہے۔ انہوں نے کسی قدر فلسفیانہ انداز سے کہا۔اس وقت تو ان کی بات میری سمجھ میں نہ آئی، لیکن کچھ دیر بعد اطلاع ملی کہ ٹرکش ائیرفورس کا ایک جہاز ہمیں قونیہ لے جانے کے لئے تیار کھڑا ہے۔پاکستان کی وزارت خارجہ کے سیکریٹری مسٹر اکرام اللہ اور میں چند دوسرے شائقین کے ساتھ اس جہاز میں سوار ہو کر قونیہ پہنچے۔اکرام اللہ صاحب بڑے اعلیٰ اور لطیف ادبی ذوق رکھتے تھے۔ ہوائی جہاز کی پرواز کے دوران انہوں نے ہمیں مثنوی مولانا روم کے بہت سے اشعار سنائے اور ان کے معانی پر روشنی ڈالی۔ انہیں اردو اور فارسی اساتذہ کے سینکڑوں اشعار یاد تھے اور موقع و محل کے لحاظ سے عین برجستہ شعر پڑھنے میں انہیں بڑا کمال حاصل تھا۔

قونیہ میں ٹرکش ائیرفورس کا مقامی کمانڈر ہمیں اپنی گاڑی میں مولانا روم کے مزار پر لے گیا۔فاتحہ پڑھنے کے بعد ہم نے وہاں کچھ دیر قرآن شریف کی تلاوت کی۔اس دوران ہم نے دیکھا کہ وردی پوش کمانڈر بھی مزار کے پاس مودب کھڑا ہے اور آنکھیں نیچی کئے زیر لب کچھ آہستہ آہستہ پڑھ رہا ہے۔واپسی پر اکرام اللہ صاحب نے اس سے پوچھا کہ وہ چپکے چپکے کیا پڑھ رہا تھا؟ اس سوال پر جواں سال کمانڈر کچھ جھینپ سا گیا جیسے اس کی کوئی چوری پکڑی گئی ہو۔پھر کسی قدر معذرت خواہانہ انداز میں اس نے بتایا کہ وہ بھی فاتحہ ہی پڑھ رہا تھا۔ائیرفورس کے اس افسر کی طرف ترکی میں ایک خاصا وسیع طبقہ ایسا بھی ہے جو باطن میں تو اسلامی اعمال اور اقدار پر پورا پورا یقین رکھتا ہے لیکن اسے برملا ظاہر کرنے سے یا تو از خود ہچکچاتا ہے یا کسی دباؤ کی وجہ سے مجبور ہے۔

ایک بار صدر اسکندر مرزا ترکی کے دورے پر تھے تو عیدالاضحیٰ کا دن انقرہ میں آ گیا۔اب ترکی حکومت کے رہنماؤں کو یہ تشویش لاحق ہوگئی کہ اگر پاکستانی وفد نے عید کی نماز پڑھنے پر اصرار کیا تو پروٹوکول کے مطابق ان کو بھی مجبوراً ان کا ساتھ دینا پڑے گا۔اگرچہ صدر جلال بیار اور وزیراعظم عدنان میندریس نے ترکی میں اسلامی اقدار کی از سر نو ترویج میں کافی پیش رفت کی تھی، لیکن غالباً ان میں بھی اتنی ہمت یا حمیت پیدا نہیں ہوئی تھی کہ وہ کھلے عام عید کی نماز میں شامل ہوں۔چنانچہ اس گتھی کا حل

Marfat.com

انہوں نے یہ نکالا کہ عید کے روز منہ اندھیرے ہمیں ایک اسپیشل ٹرین میں سوار کر کے استنبول روانہ کر دیا۔ سارا دن ہماری ٹرین ترکی کے بے شمار شہروں، قصبوں اور دیہاتوں سے گزری اور ہم نے ترک قوم کو بالکل اسی جوش و خروش سے عید مناتے ہوئے دیکھا جیسے کہ پاکستانی عوام مناتے ہیں۔ کوئی گاؤں ایسا نظر نہ آیا جس میں بلند میناروالی کم از کم ایک مسجد موجود نہ ہو۔ نئے نئے کپڑوں میں ملبوس مرد، عورتیں اور بچے جوق در جوق عید گاہوں میں جمع ہو رہے تھے اور جگہ جگہ سجے سجائے قربانی کے جانوروں کے گرد لوگوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ لگے ہوئے تھے۔ جب شام ہوئی تو کئی قصبوں اور آبادیوں میں عید کی خوشی میں چراغاں بھی نظر آیا۔ اگرچہ اس روز ہمیں خود عید کی نماز نہ مل سکی، لیکن ترک قوم کو عید مناتے ہوئے دیکھ کر بڑا روح پرور نظارا نصیب ہوا۔

استنبول میں جلیل القدر صحابی حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار پر بھی حاضری نصیب ہوئی یہاں پر ہر وقت زائرین کا تانتا بندھا رہتا ہے بچے مزار پر اپنی عقیدت مندی کا اظہار جس سنجیدگی رکھ رکھاؤ اور نظم وضبط کے ساتھ کرتے ہیں اسے دیکھ کر بڑا رشک آتا ہے۔

استنبول میں ایک صاحب مجھے محمد امام مرحوم کی قبر پر بھی لے گئے۔ مرحوم محمد امام اس وفد کے ساتھ استنبول آئے تھے جو سلطان ٹیپو نے 1787ء میں ترکی کے سلطان عبدالحمید خان اول کی خدمت میں بھیجا تھا۔ اس وفد کے سربراہ سید غلام علی تھے جو سلطان ٹیپو کی جانب سے کچھ خطوط اور تحائف بھی لایا تھا۔ وفد کا مقصد سلطنت عثمانیہ کے ساتھ انگریزوں کے خلاف اتحاد کرنا تھا جو بوجوہ پورا نہ ہو سکا۔ یہ خطوط آج تک استنبول میں صدارت عظمیٰ کی Archives میں محفوظ ہیں۔

اس وفد میں سیاسی نمائندوں کے علاوہ بہت سے سوار، پیادہ سپاہی اور خدمت گار تھے جن کی تعداد 501 بتائی جاتی ہے سردار محمد امام کے زیر کمان 100 پیادہ سپاہی تھے۔

استنبول میں قیام کے دوران وفد میں طاعون کی وبا پھوٹی۔ غالباً سردار محمد امام اسی مرض میں مبتلا ہو کر فوت ہوئے۔ قبر پر سر کی جانب ایک پتھر کی سل پر یہ کتبہ درج ہے۔

هوالخلاق الباقی

مرحوم و مغفور

محمد امام سردار

عسکر ایلچی ٹیپو سلطان ہندوروحنہ فاتحہ

1202 ہجری

صدر مرزا نے بیگم مرزا کے ساتھ سپین کا بھی طویل دورہ کیا تھا۔ سپین میں جس چیز نے ان دونوں کو سب سے زیادہ متاثر کیا تھا، وہ مسجد قرطبہ نہ تھی بلکہ جنرل فرانکو کی اپنے ملک پر آہنی گرفت تھی۔ اس دورے کے بعد بہت عرصہ تک صدر اسکندر مرزا اور ان کی بیگم سپین کے نظام حکومت کے متعلق رطب اللسان رہے۔ انہوں نے وزیراعظم کو ایک تجویز بھی ارسال کی تھی کہ سی۔ ایس۔ پی کے افسروں کو نظم و نسق کی ٹریننگ کے لئے جن ملکوں میں بھیجا جاتا ہے ان میں سپین بھی شامل کیا جائے۔

Marfat.com

ایک روز اچانک میرے کمرے میں آئے اور بولے ''تم زلفی کو جانتے ہو؟'' یہ نام میرے لئے قطعی اجنبی تھا۔ میں نے اپنی لاعلمی کا اظہر کیا تو وہ بڑے حیران ہوئے اور کہنے لگے ''تعجب ہے' تم زلفی کو نہیں جانتے۔ بڑا اسمارٹ لڑکا ہے۔ آج کل کراچی کی نائٹ لائف اسی کی وجہ سے چمکی ہوئی ہے''۔

میں نے کراچی کی نائٹ لائف کی رونق سے بھی اپنی محرومی کا اقبال کیا تو صدر اسکندر مرزا نے مجھے بتایا کہ ذوالفقار علی بھٹو ایک نوجوان بیرسٹر ہے۔ بڑا پڑھا لکھا آدمی ہے۔ سندھ کے امیر کبیر گھرانے سے تعلق رکھتا ہے۔ کتابیں جمع کرنے کا شوقین ہے۔ وہ ایوان صدر کی لائبریری میں سندھ کے متعلق جو بہت سی کتابیں ہیں، انہیں دیکھنا چاہتا ہے۔ صدر مرزا نے مجھے ہدایت کی کہ میں ٹیلی فون کر کے اس نوجوان کو اپنے پاس بلاؤں اور پریذیڈنٹ ہاؤس کی لائبریری استعمال کرنے میں ان کی مدد کروں۔

میرے بلاوے پر ایک چھریرے بدن کا ایک نہایت خوش لباس، خوبصورت، تیز طرار، شوخ اور سیماب صفت نوجوان میرے کمرے میں وارد ہوا۔ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو میں بلا کی ذہانت اور فطانت تھی اور انہیں بہت سے جدید علوم اور ان کے اظہار پر حیرت انگیز عبور حاصل تھا۔ چند ہی روز میں انہوں نے پریذیڈنٹ ہاؤس کی چھوٹی سی لائبریری کو کھنگال کے رکھ دیا۔ ایک روز وہ میرے کمرے میں بیٹھے کسی کتاب سے کچھ اقتباسات ٹائپ کروار ہے تھے کہ صدر اسکندر مرزا دن کے ایک بجے میری کھڑکی کے پاس آ کر رکے۔ بھٹو صاحب کو دیکھ کر انہوں نے بلند آواز سے کہا ''زلفی گڈ نیوز فار یو۔ تمہارا نام یو۔ این۔ او کے ڈیلی گیشن میں شامل ہو گیا ہے۔

یہ خبر سن کر بھٹو صاحب خوشی سے سرشار ہو گئے۔ صدر مرزا کے جانے کے بعد انہوں نے انگریزی ڈانس کی طرز پر میرے کمرے کے ایک دو چکر کاٹے اور پھر مجھے مخاطب کر کے اپنی مخصوص اردو میں کہا ''آپ صاحب دیکھو گے کہ اب میں اس راہ پر آیا ہوں تو فارن منسٹر کی کرسی تک دوڑ لگاؤں گا۔

بھٹو صاحب وزیر خارجہ کی منزل سے بہت آگے تک گئے، اور انجام کار اقتدار کے میدان کو یوں چھوڑا: ''جو کوئے یار سے نکلے تو سوئے دار چلے''۔

ابھی پہلی ملاقات ہی سے وہ مجھے ''آپ صاحب'' کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔ وزیر، وزیر اعظم اور صدر کی حیثیت سے بھی انہوں نے اس اسلوب تخاطب کو بڑی وضع داری سے نبھایا۔ ان کے عروج کے آخری دور میں بہت سے وزیروں اور اعلیٰ افسروں کو اکثر یہ شکایت رہتی تھی کہ بھٹو صاحب کابینہ اور دوسری میٹنگوں میں ان کے ساتھ بڑی سختی، بدسلوکی اور ہتک آمیز رویہ سے پیش آتے ہیں، لیکن ذاتی طور پر مجھے کبھی کوئی ایسا تجربہ نہیں ہوا۔ میں جیسا ''آپ صاحب'' شروع میں تھا، ویسا ہی آخر تک رہا۔

جون 1958ء کا اوائل تھا۔ میں اپنے دفتر میں بیٹھا کام کر رہا تھا۔ صدر اسکندر مرزا حسب دستور پورے ایک بجے اپنے کمرے سے اٹھ کر میرے دفتر کی کھڑکی کے پاس آئے اور پوچھا ''کوئی ضروری کام باقی تو نہیں؟'' میں نے نفی میں جواب دیا تو وہ خدا حافظ کہہ کر ایوان صدارت میں اپنے رہائشی حصے کی طرف روانہ ہو گئے۔ تھوڑی دور چل کر وہ اچانک رکے اور مڑ کر تیز

Marfat.com

تیز قدم چلتے میرے کمرے میں واپس آ گئے۔ میرے کمرے میں داخل ہوتے ہی وہ بولے ''میں ایک ضروری بات تو بھول ہی گیا'' یہ کہہ کر انہوں نے میری میز سے پریذیڈنٹ ہاؤس کی سٹیشنری کا ایک ورق اٹھایا اور وہیں کھڑے کھڑے وزیراعظم فیروز خان نون کے نام ایک دوسطری نوٹ لکھا کہ ہماری باہمی متفقہ رائے کے مطابق بری افواج کے کمانڈرانچیف کے طور پر جنرل محمد ایوب خان کی ملازمت میں دو سال کی توسیع کے احکام فوراً جاری کر دیئے جائیں۔ اس پر انہوں نے "Most Immediate" کا لیبل اپنے ہاتھ سے پن کیا اور مجھے حکم دیا کہ میں ابھی خود جا کر یہ نوٹ پرائم منسٹر کو دوں، ان کے عملے کے حوالے نہ کروں۔

یہ مختصر سا پروانہ بڑی عجلت اور کسی قدر لا پروائی کے عالم میں لکھا گیا تھا۔ صدر اسکندر مرزا کے ہونٹوں میں لٹکے ہوئے سگریٹ کی راکھ بھی اس پر دوبارہ گر چکی تھی، لیکن کاغذ کے اس چھوٹے سے پرزے نے ہمارے ملک کی تاریخ کا رخ موڑ دیا۔ اگر جون 1958ء میں جنرل محمد ایوب خان کی معیاد ملازمت میں دو سال کی توسیع نہ ہوتی تو پاکستان کی تقدیر کا ستارہ جس انداز سے چمکتا اس کا زائچہ تیار کرنے کے لئے خاص علم نجوم کی ضرورت نہیں ہے!

1958ء کا سال چڑھتے ہی اسکندر مرزا صاحب کی کرسی صدارت پر عام انتخابات کا خوف شمشیر برہنہ کی طرح لٹک گیا۔ انتخابات نومبر 1957ء میں منعقد ہونے تھے، لیکن کسی قدر ہیرا پھیری کے بعد 1958ء تک ملتوی ہو گئے۔ بعدازاں مزید ہیرا پھیری کے بعد 1959ء تک کھسک گئے۔ نئے آئین کے تحت کوئی صدر مسلسل دو میعادوں تک اس عہدے پر فائز نہیں رہ سکتا تھا۔ اگر انتخابات ہوتے تو میجر جنرل اسکندر مرزا کو صدارت سے دستبردار ہونا پڑتا یا اگر وہ دوبارہ صدر بننا چاہتے تو اپنے منصب سے استعفیٰ دے کر ازسرنو صدارتی انتخابات لڑ سکتے تھے۔ یہ دونوں صورتیں ان کے لئے سوہان روح تھیں، اس لئے انہوں نے اپنی تمام صلاحیتیں برائے کار لا کر انتخابات ہی سے پیچھا چھڑانے کی ٹھان لی۔

اس مقصد کے لئے انہوں نے کئی حربے استعمال کئے۔ اپنے دیرینہ دوست ڈاکٹر خان صاحب سے انہوں نے ایک شوشہ چھڑوایا کہ صدر مملکت کی سرکردگی میں ایک انقلابی کونسل قائم ہونی چاہئے جو مملکت کا سارا کاروبار خود چلائے۔ اس احمقانہ تجویز پر کسی نے کوئی دھیان نہ دیا اور سب نے یہی سمجھا کہ ایک پرانا کانگریسی لیڈر سٹھیا کر ایسے ہی دوراز کار بڑ ہانگ رہا ہے۔ ڈاکٹر خان صاحب تو لاہور میں ناگہانی طور پر قتل ہو گئے، لیکن صدر اسکندر مرزا کے کچھ نادان دوست اس بے تکی اور فضول سکیم پر بدستور جمے رہے۔ چنانچہ ملک کے کئی شہروں میں انہوں نے اس مضمون کے پوسٹر چھپوا کر دیواروں پر چسپاں بھی کئے جس کا نتیجہ صرف یہ نکلا کہ صدر مرزا کے خلاف سیاسی حلقوں میں بدظنی اور بڑھ گئی۔

قلات کے ''خان اعظم'' میر احمد یار خان بلوچ نے اپنی کتاب Inside Baluchistan میں صدر اسکندر مرزا کی ایک عجیب ساز باز کا حوالہ دیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ صدر نے ان کے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ وہ قلات 'ون یونٹ'' سے الگ کرنے میں ان کی پوری مدد کریں گے۔ اس کے عوض انہوں نے اپنے صدارتی انتخابات کے لئے ان سے پچاس لاکھ روپے کی رقم طلب کی تھی اور بہاولپور سے چالیس لاکھ اور خیر پور سے دس لاکھ حاصل کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ میر احمد یار خان

Marfat.com

کے بیان کے مطابق صدر اسکندر مرزا نے یہ منصوبہ بنایا تھا کہ وہ پاکستان میں مارشل لاء نافذ کر کے نواب بھوپال کو وزیراعظم بنا دیں گے اور خود صدارت کی کرسی پر بیٹھ کر آمرانہ طریقے سے حکومت کریں گے۔ اس مقصد سے انہوں نے نواب بھوپال کو کراچی بلا بھی لیا تھا، لیکن خان آف قلات کا مشورہ سن کر نواب صاحب نے یہ پیشکش قبول نہ کی۔

ایک بار راجہ صاحب محمود آباد نے مجھے خود بتایا تھا کہ صدر اسکندر مرزا نے انہیں بھی کچھ ایسا ہی سبز باغ دکھانے کی کوشش کی تھی، لیکن راجہ صاحب نے بڑے فراست و بصیرت انسان تھے، اس لئے ان کے چکر میں نہ آئے۔

ادھر ایوان صدارت میں میجر جنرل اسکندر مرزا اپنی محلاتی سازشوں میں مصروف تھے۔ ادھر باہر ملک کے طول وعرض میں سیاسی سرگرمیاں روز بروز بڑھتی جا رہی تھیں۔ جمہوریت کا خاصہ ہے کہ جس رفتار سے انتخابات کا وقت قریب آتا ہے، اسی رفتار سے سیاست کے رگ و ریشے میں خون کا دباؤ اور درجہ حرارت بڑھنے لگتا ہے۔ ہمارے وطن میں پہلے عام انتخابات آزادی کے گیارہ برس بعد ہونے والے تھے، اس لئے انتخابی بخار میں غیر معمولی جوش وخروش اور حدت وشدت بالکل قدرتی اور لازمی امر تھا۔ سیاسی جماعتیں، اپنی اپنی انتخابی مہم میں سرگرم عمل ہو گئیں۔ خاص طور پر مغربی پاکستان میں مسلم لیگ نے ایک نئے ولولے سے سر اٹھایا اور خان عبدالقیوم کی قیادت میں عوام الناس کے ساتھ اپنی وابستگی کے بڑے شاندار مظاہرے کئے۔ خان قیوم کی تقریروں میں صدر اسکندر مرزا کی سیاسی ریشہ دوانیوں کو خاص طور پر تنقید کا نشانہ بنایا جاتا تھا۔ یہ ساری کارروائی ایک خالص سیاسی عمل تھا جسے نوکر شاہی کی آغوش میں پلے ہوئے حکمران طبقے جمہوریت کی عینک سے دیکھنے سے قطعی طور پر قاصر تھے۔ سیاست میں اس طرح کی ارتقائی ترقی اور فروغ ان کی عقل وفہم سے سراسر بالا تھے۔ خاص طور پر صدر اسکندر مرزا کو اس میں شرپسندی اور ملک دشمنی کے علاوہ کچھ نظر نہ آتا تھا کیونکہ انتخابات کے نتیجہ میں ان کو خود اپنا سنگھاسن ڈولتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔

مشرقی پاکستان میں بھی سیاسی سرگرمیاں اپنے عروج پر تھیں۔ وہاں پر ایک افسوسناک واقعہ یہ پیش آیا کہ صوبائی اسمبلی کے ڈپٹی اسپیکر اسمبلی کے اندر ایک ہنگامے میں زخمی ہو کر وفات پا گئے۔ یہ حادثہ اپنی جگہ بڑا المناک بلکہ شرمناک تھا، لیکن جمہوریت کی تاریخ میں کوئی ایسا عجوبہ روزگار بھی نہ تھا۔ بڑے بڑے شائستہ، ترقی یافتہ، نستعلیق ممالک کی پارلیمانی نظام کے ارتقاء کی تاریخ اشتعال انگیزی، ہنگامہ آرائی، لپاڈگی اور تشدد کے واقعات سے پٹی پڑی ہے۔ صدر اسکندر مرزا جمہوریت سے اس وجہ سے خائف تھے کہ ان کے اپنے ذاتی مفاد پر زد پڑتی تھی۔ لیکن ملک کے مفاد کی آڑ لے کر ان کی حکومت نے اس ایک واقعہ پر سراسر غیر متناسب رنگ و روغن چڑھا کر اسے جمہوریت کے تابوت میں ایک موثر کیل کے طور پر گاڑنا شروع کر دیا۔

22 ستمبر 1958ء کو دن کے ایک بجے جب اسکندر مرزا اپنے دفتر سے اٹھے تو حسب معمول میرے کمرے کی کھڑکی کے پاس آ کر نہ رکے بلکہ مجھے باہر برآمدے میں اپنے پاس بلا بھیجا۔ ان کے ہاتھ میں پاکستان کے آئین کی ایک جلد تھی۔ انہوں نے اس کتاب کی طرف اشارہ کر کے مجھ سے پوچھا ''تم نے اس Trash کو پڑھا ہے؟

جس آئین کے تحت حلف اٹھا کر وہ کسی صدارت پر براجمان تھے، اس کے متعلق ان کی زبان سے Trash لفظ سن کر میرا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ میرے جواب کا انتظار کیے بغیر انہوں نے آئین پر تنقید و تنقیص کی بوچھاڑ شروع کر دی۔ ایسا معلوم

Marfat.com

ہوتا تھا جیسے وہ کوئی پہلے سے رٹا ہوا آموختہ دہرا رہے ہوں۔ کچھ دیر بولنے کے بعد وہ بڑی باقاعدگی سے ٹیپ کا یہ فقرا دہراتے تھے کہ یہ آئین بالکل ناقابل عمل ہے۔ اسی طرح تقریر کرتے کرتے وہ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر کی منزل میں اپنے رہائشی کمروں کے نزدیک پہنچ گئے۔ وہاں پر ان کے چند ذاتی دوست لنچ کے لئے آئے ہوئے تھے۔ صدر مرزا تو اپنی تقریر ادھوری چھوڑ کر ان میں کھل مل گئے اور میں واپس لوٹ آیا۔ آئین کے متعلق ان کے بہت سے فقرے ہتھوڑے کی طرح کھٹ کھٹ میرے کانوں میں بج رہے تھے۔ واپسی پر جب میں سیڑھیاں اتر رہا تھا تو اچانک میری ٹانگیں بے جان سی ہو گئیں اور مجھے یوں محسوس ہونے لگا جیسے ایکسیلیٹر کی طرح نیچے والی سیڑھیاں بڑی تیزی سے اوپر کی طرف آ رہی ہیں۔ میں دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر سیڑھیوں پر ہی بیٹھ گیا۔ سیکورٹی کا ایک آدمی بھاگتا ہوا آیا اور مجھے سہارا دے کر نیچے لایا۔ برآمدے میں صدر کے معالج کرنل سرور کھڑے تھے۔ انہوں نے جلدی جلدی میرا معائنہ کیا اور پھر کار میں ڈال کر جناح ہسپتال Intensive Care Unit میں داخل کر دیا۔

دو روز کے بعد جب مجھے Intensive Care Unit سے عام کمرے میں منتقل کیا گیا تو بیگم ناہید مرزا مجھے دیکھنے آئیں اور بولیں ''کرنل سرور نے ہمیں بتایا ہے کہ تمہارے ہارٹ کو زیادہ نقصان نہیں پہنچا۔ امید ہے تم دس بار روز میں ہسپتال سے فارغ ہو جاؤ گے۔ بڑا نازک وقت آنے والا ہے۔ جلدی جلدی ٹھیک ہو کر کام پر آنے کی کوشش کرو''۔ ایک بار صدر اسکندر مرزا بھی آئے اور اسی قسم کی گفتگو کر کے چلے گئے۔ 7 اکتوبر کو مجھے ہسپتال سے چھٹی ملی لیکن ڈاکٹر نے مشورہ دیا کہ فوراً دفتر جانا شروع نہ کروں بلکہ دو چار روز اور گھر پر آرام کروں۔ 7 اکتوبر کو میں نے اپنے دفتر ٹیلی فون کر کے کام کاج کا حال دریافت کیا تو میرے عملے نے بتایا کہ کئی روز سے دفتری کاروبار بند پڑا ہے۔ صدر مرزا زیادہ وقت جنرل محمد ایوب خان کے ساتھ ملاقاتوں میں گزارتے ہیں۔ فائلیں جوں کی توں پڑی رہتی ہیں۔ کئی روز سے کسی نے ان کو ہاتھ نہیں لگایا۔ اسی روز رات گئے ایک صاحب نے پریذیڈنٹ ہاؤس سے ٹیلیفون کر کے مجھے اطلاع دی کہ ابھی ابھی ملک بھر میں مارشل لاء نافذ ہو گیا ہے۔ آئین منسوخ کر دیا گیا ہے۔ مرکزی اور صوبائی حکومتیں اور اسمبلیاں توڑ دی گئیں ہیں اور جنرل محمد ایوب خان چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر مقرر ہو گئے ہیں۔

8 اکتوبر کی صبح کو میں اپنے دفتر میں گیا تو اسکندر مرزا صاحب ایوان صدر کی فضا میں کٹی ہوئی پتنگ کی طرح ڈول رہے تھے۔ آئین کو منسوخ کر کے انہوں نے اپنے ہاتھوں میں وہ درخت ہی کاٹ کر پھینک دیا تھا جس کے سائے میں بیٹھ کر انہیں صدارت کی کرسی نصیب ہوئی تھی۔ فوج کے شعبہ قانون کے ماہرین نے صاف طور پر یہ فیصلہ دے دیا تھا کہ آئین کی منسوخی کے ساتھ ہی صدر کا عہدہ بھی ختم ہو گیا ہے اور اب حکومت کا واحد سربراہ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر ہے۔ میجر جنرل اسکندر مرزا نے اپنی پوزیشن مستحکم کرنے کے لئے بڑے ہاتھ پاؤں مارے۔ کچھ سول افسروں کو ساتھ ملا کر انہوں نے کراچی کے مزدوروں سے اپنے حق میں ایک پھسپھسا سا مظاہرہ بھی کروایا تا کہ جنرل ایوب خان پر عوام میں اپنی ہردلعزیزی کا رعب گانٹھ سکیں۔ مسلح افواج میں پھوٹ ڈالنے کے لئے انہوں نے پاک فضائیہ کے ائیر کموڈر اور مقبول رب کے ذریعہ چند فوجی جرنیلوں کو گرفتار کرنے کی بھونڈی سی ناکام کوشش بھی کی۔ اس کے علاوہ انہوں نے جنرل ایوب خان کو اپنی راہ سے ہٹانے کے لئے اپنی روایتی محلاتی

Marfat.com

سازشوں کے تانے بانے بھی بڑی چالاکی سے بننا شروع کردیئے، لیکن جس محل سراپر آئین کا سایہ قائم نہ رہے، اس کی بنیادیں کھوکھلی ہوجاتی ہیں۔ مارشل لاء میں حکومت اس کی ہوتی ہے، جس کے ہاتھ میں طاقت ہو۔ یہ فوقیت ایوب خان کو حاصل تھی۔ چنانچہ عین بیس روز بعد رات کے وقت ایک دستے نے ایوان صدر کو گھیرے میں لے لیا۔ تین جرنیل اور ایک مسلح بریگیڈیئر اسکندر مرزا کے پاس گئے اور انہیں کرسی صدارت سے اتار کر پہلے کوئٹہ اور پھر لندن روانہ کردیا۔

26 اکتوبر 1958ء کی رات کو جب میجر جنرل اسکندر مرزا اپنی بیگم کے ساتھ پریذیڈنٹ ہاؤس سے آخری بار رخصت ہورہے تھے، انہوں نے ایک جرنیل کو ایک نیا فاؤنٹین پین دے کر کہا کہ وہ یہ الوداعی تحفہ ان کی طرف سے مجھے پہنچادیں اگلی صبح جب یہ تحفہ مجھے ملا تو مجھے ان کے اعصابی کس بل پر بڑا تعجب ہوا۔ جس وقت میجر جنرل اسکندر مرزا اور بیگم ناہید مرزا پریذیڈنٹ ہاؤس سے نکل رہے تھے تو انہیں وثوق سے یہ علم نہ تھا کہ یہاں سے انہیں جیل میں پہنچایا جائے گا یا کسی فوجی بارک میں نظر بند کیا جائے گا یا کہیں لے جا کر گولی سے اڑا دیا جائے گا یا واقعی کوئٹہ یا لندن بھیجا جائے گا۔ اس بے چینی اور روا داری کے عالم میں اپنے سیکریٹری کو یاد رکھنا اور اس کے لئے الوداعی تحفہ چھوڑنا بڑے دل گردے کا کام تھا۔

جمہوریت کو پامال کرنے کا جو عمل مسٹر غلام محمد نے شروع کیا تھا، میجر جنرل اسکندر مرزا نے اسے پایہ تکمیل تک پہنچادیا۔ اکتوبر 1958ء میں آئین منسوخ کرنے کا بالکل کوئی جواز نہ تھا۔ اس وقت پاکستان کسی غیر معمولی بیرونی خطرے سے دوچار نہ تھا۔ اندرونی خطرہ صرف یہ تھا کہ اگر انتخابات منعقد ہوجاتے تو غالباً اسکندر مرزا صاحب کو کرسی صدارت سے ہاتھ دھونا پڑتا۔ اپنی صدارت کو اس افتاد سے بچانے کے لئے انہوں نے یہ رٹ لگائی کہ 1956ء کا آئین ناقابل عمل ہے۔ یہ بڑا بھونڈا عذر لنگ تھا۔ آئین کو پرکھنے کی کسوٹی انتخابات اور منتخب اداروں کا کردار ہوتا ہے۔ اس آئین کے تحت ایک بھی الیکشن نہ ہوئی تھی، اس لئے اس پر ناقابل عمل ہونے کا الزام لگانا سراسر بے معنی اور بے بنیاد تھا۔ اپنے ذاتی اقتدار کی حفاظت کے لئے صدر اسکندر مرزا نے مارشل لاء کی راہ ہموار کی۔ جنرل ایوب خان پچھلے چار برس سے اسی نفسیاتی لمحے کا انتظار کررہے تھے۔ مارشل لاء نافذ کر کے انہوں نے سب سے پہلے صدر مرزا کو بیک بینی و دو گوش نکال باہر کیا۔ پھر اپنے بنے بنائے پلان کے مطابق حکمرانی شروع کردی۔ یہ پلان انہوں نے 4 اکتوبر 1954ء کی رات کو لندن کے ڈارچسٹر ہوٹل میں بیٹھ کر بنایا تھا اور اقتدار کے اگلے دو برس انہوں نے قریباً قریباً انہی خطوط پر اپنی صدارت کو استوار کیا۔

پاکستان میں جمہوریت پہلے ہی سسک سسک کر جی رہی تھی، آئین کی منسوخی نے اس کا گلہ اور بھی گھونٹ دیا۔ زندگی اور جمہوریت میں ایک قدر مشترک یہ ہے کہ پے در پے ناکامیوں کی وجہ سے دونوں منقطع نہیں ہوتیں بلکہ جوں جوں چلتی رہتی ہیں۔ اگر جمہوریت ناکام ہونے لگے تو نقل خون (Blood Transfusion) کی طرح اس کا واحد علاج مزید جمہوریت ہے۔ دوبارہ ناکام ہونے لگے تو اور بھی مزید جمہوریت۔ باقی سب طریقے عطائیوں، اناڑی ریفارمروں اور نیم حکیموں کے نسخے ہوتے ہیں، جو ملک اور قوم کے لئے خطرہ جان ثابت ہوسکتے ہیں۔ بدقسمتی سے جنرل ایوب خان نے دوسرا طریقہ اختیار کیا اور جمہوریت کے نام پر انہوں نے جس نظام کی داغ بیل ڈالی، اس نے ان کے دور صدارت کے ساتھ ہی دم توڑ دیا۔

Marfat.com

جمہوریت کا سکہ اسی وقت چلتا ہے جب تک وہ خالص ہو۔ جونہی اس میں کھوٹ مل جائے اس کی کوئی قدر و قیمت باقی نہیں رہتی۔ میجر جنرل اسکندر مرزا کی برطرفی کے بعد اگلی صبح میں اپنے دفتر گیا تو چاہا کہ سیکریٹری کی سیٹ سے استعفیٰ دے دوں پر صدر ایوب نے کہا کہ ہم نے انکوائری مکمل کر لی ہے۔ تم کسی چیز میں ملوث نہیں اس لئے میں نے تم کو اپنا سیکریٹری مقرر کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

صدر ایوب خان

اس نئے دور میں کام شروع کرتے ہی میرے دل میں یہ بات کھٹکی کہ مارشل لاء نافذ ہونے کے بعد اب تک جتنے سرکاری اعلانات قوانین اور ریگولیشن جاری ہوئے ہیں ان میں صرف حکومت پاکستان کا حوالہ دیا ہے، حکومت اسلامی جمہوریہ پاکستان کا کہیں ذکر نہیں آیا۔ پہلے تو میں نے سوچا کہ شاید ڈرافٹنگ میں غلطی سے ایک آدھ بار یہ فروگذاشت ہوگئی ہوگی، لیکن جب ذرا تفصیل سے جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ جس تواتر سے یہ فروگذاشت دہرائی جا رہی ہے، وہ سہواً کم اور التزاماً زیادہ محسوس ہوتی ہے۔ اس پر میں نے ایک مختصر سے نوٹ میں صدر ایوب کی خدمت میں تجویز پیش کی کہ اگر وہ اجازت دیں تو وزارت قانون اور مارشل لاء ہیڈ کوارٹر کی توجہ سے اس صورتحال کی طرف دلائی جائے اور ان کو ہدایت کی جائے کہ جاری شدہ تمام اعلانات اور قوانین کی تصیح کی جائے اور آئندہ کے لئے اس غلطی کو نہ دہرایا جائے۔

صدر ایوب کا قاعدہ تھا کہ وہ فائلیں اور دوسرے کاغذات روز کے روز نپٹا کر میرے پاس واپس بھیج دیا کرتے تھے لیکن معمول کے برعکس یہ نوٹ کئی روز تک میرے واپس نہ آیا۔ 5 نومبر کی شام کو میں اپنے دفتر میں بیٹھا دیر تک کام کر رہا تھا۔ باہر ٹیرس پر صدر ایوب اپنے چند رفیقوں کے ساتھ کسی معاملے پر گرما گرم بحث کر رہے تھے۔ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد جب سب لوگ چلے گئے تو صدر میرے نوٹ کا پرچہ ہاتھ میں لئے میرے کمرے میں آئے۔ وہ غیر معمولی طور پر سنجیدہ تھے، آتے ہی انہوں نے میرا نوٹ میرے حوالے کیا اور کہا ”تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے ڈرافٹنگ میں کسی نے کوئی غلطی نہیں کی بلکہ ہم نے سوچ سمجھ کر یہی طے کیا ہے کہ اسلامک ری پبلک آف پاکستان سے اسلامک کا لفظ نکال دیا جائے۔“

”یہ فیصلہ ہو چکا ہے یا ابھی کرنا ہے؟“ میں نے پوچھا۔

صدر ایوب نے کسی قدر غصے سے مجھے گھورا اور سخت لہجے میں کہا ”ہاں فیصلہ ہو گیا ہے۔ کل صبح پہلی چیز مجھے ڈرافٹ ملنا چاہئے۔ اس میں دیر نہ ہو“۔

اتنا کہہ کر وہ خدا حافظ کہے بغیر تیز تیز قدم کر کمرے سے نکل گئے۔ اگر مجھ میں ہمت ہوئی تو میں بھی ان کے پیچھے پیچھے بھاگتا اور انہیں روک کر پوچھتا کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان سے اسلامی کا لفظ حذف کرنے والے آپ کون ہوتے ہیں؟ لیکن اتنی ہمت مجھ میں نہ تھی، اس لئے میں بھی دم دبائے چپ چاپ گھر واپس آ گیا۔ بڑے سوچ بچار کے بعد صبح کے قریب میں نے پریس ریلیز تو تیار نہ کیا، بلکہ اس کی جگہ دو ڈھائی صفحوں کا ایک نوٹ لکھا جس کا لب لباب یہ تھا کہ پاکستان کو اسلام سے فرار ممکن

Marfat.com

نہیں۔اس ملک کی تاریخ پرانی، لیکن جغرافیہ نیا ہے۔ ہندوستان اور پاکستان کے درمیان ریڈ کلف لائن صرف اسی وجہ سے کھینچی گئی تھی کہ ہم نے یہ خطہ ارض اسلام کے نام پر حاصل کیا تھا۔اب اگر پاکستان سے اسلام کا نام الگ کر دیا گیا تو حد بندی کی یہ لائن معدوم ہو جائے گی۔ ہم پاکستانی صرف اسی وجہ سے بنے کہ ہم مسلمان تھے۔اگر افغانستان، ایران، مصر، عراق اور ترکی اسلام کو خیر باد کہہ دیں تو پھر بھی وہ افغانی، ایرانی، مصری، عراقی اور ترک ہی رہتے ہیں، لیکن ہم اسلام کے نام سے راہ فرار اختیار کریں تو پاکستان کا اپنا الگ کوئی وجود نہیں رہتا۔اس لئے اسلام ہماری طبع نازک کو پسند خاطر ہو نہ ہو، اسلام ہماری طرز زندگی کو راس آئے یا نہ آئے، ذاتی طور پر ہم اسلام کی پابندی کرتے ہوں یا نہ کرتے ہوں۔ حقیقت بہر حال یہی ہے کہ اگر آخرت کے لئے نہیں تو اسی چند روزہ زندگی میں خود غرضی کے طور پر اپنے وطن کی سلامتی کے لئے ہمیں اسلام کا ڈھول اپنے گلے میں ڈال کر بر سر عام ڈنکے کی چوٹ پر بجانا ہی پڑے گا، خواہ اس کی دھمک ہمارے حسن سماعت پر کتنی ہی گراں کیوں نہ گزرے۔ جمہوریہ پاکستان کے ساتھ اسلامک کا لفظ لگانے سے اگر کسی کا ذہن قرون وسطیٰ کی طرف جاتا ہے تو جانے دیں۔ دوسروں کی جہالت کی وجہ سے اپنے آپ کو احساس کمتری میں مبتلا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

ساتھ ہی میں نے ایک الگ کاغذ پر اپنا استعفیٰ بھی لکھ دیا کہ خرابی صحت کی بناء پر میں کام کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا، اس لئے میرا استعفیٰ منظور کر کے مجھے ریٹائر ہونے کی اجازت دی جائے۔

میں اپنے آفس وقت سے پہلے پہنچ گیا۔خیال تھا کہ صدر ایوب کے آنے سے پہلے اپنا نوٹ ٹائپ کروا کر رکھوں گا، لیکن وہاں دیکھا تو صدر ایوب صاحب پہلے ہی برآمدے میں ٹہل رہتے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی کمرے میں آگئے اور پوچھا ''ڈرافت تیار ہے''؟ میں نے جواب دیا کہ تیار تو ہے، لیکن ابھی ٹائپ نہیں ہوا۔

کوئی بات نہی۔انہوں نے کہا ''ایسے ہی دکھاؤ''۔ وہ میرے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئے اور میرے ہاتھ کا لکھا ہوا نوٹ پڑھنے لگے۔ چند سطریں پڑھ کر کچھ چونکے اور پھر از سر نو شروع سے پڑھنے لگے۔ جب ختم کر چکے تو کچھ دیر خاموش بیٹھے رہے۔ پھر آہستہ آہستہ سے بولے "Yes, Right you are" یہ فقرہ انہوں نے دوبارہ دہرایا اور پھر نوٹ ہاتھ میں لئے کمرے سے چلے گئے۔اس کے بعد اس موضوع پر پھر کسی نے کبھی کوئی بات نہیں کی۔

چند روز بعد میں کچھ فائلیں لے کر صدر ایوب کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ وہ اپنی ڈاک دیکھ رہے تھے۔ ایک خط پڑھ کر بولے۔کچھ لوگ مجھے خط لکھتے ہیں، کچھ لوگ ملنے بھی آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دنیا بدل گئی ہے۔اب ماڈرن ازم اور اسلام اکٹھے نہیں چل سکتے۔ میں ان سے کہتا ہوں Pakistan has no escape from Islam اس کے بعد انہوں نے پے در پے میرے نوٹ کے کئی اور فقرے بھی دہرائے۔ان میں یہ عجیب صلاحیت تھی کہ اگر کوئی بات واقعی ان کے دل میں گھر کر جاتی تھی تو وہ بڑی معصومیت سے اسے اپنا لیتے تھے۔

ایک روز وہ کہنے لگے کہ انہوں نے بچپن میں قرآن شریف ختم تو کیا ہے، لیکن رسماً اسکے معانی کو سمجھنے اور ان پر غور کرنیکا کبھی موقع نہیں ملا، اس لئے میں انہیں اردو کا کوئی آسان ترجمہ لا دوں۔ میں نے انہیں دو تین ماہ سادہ سادہ سے آسان

Marfat.com

مترجم قرآن شریف فراہم کر دیئے۔ ان کو انہوں نے بڑی محنت اور غور سے پڑھا۔ بنیادی عقائد، عبادات، نظام کائنات اور قصص القرآن تو وہ آسانی سے سمجھ گئے، لیکن زندگی کی کلیت اور مجموعیت کا احکام الٰہی کے ساتھ جو مربوط، مضبوط اور عملی رشتہ ہے، وہ پوری طرح ان کے فہم و ادراک کی گرفت میں نہ آسکا۔ کچھ عرصہ ان کے سر میں یہ سودا بھی سمایا رہا کہ قرآن مجید کو عقائد، عبادات، اخلاقیات، قوانین، تمثیلات، قصص وغیرہ کے عنوانات کے تحت بھی تدوین کر دینی چاہیے تاکہ ہر موضوع کے حوالہ جات تلاش کرنے میں آسانی ہو۔ اس خیال میں کچھ ایسے عناصر کی ہمت افزائی کرتے رہتے تھے جو دین کو انضباطی پابندیوں سے آزاد کر کے اسے سہل انگاریوں اور تن آسانیوں کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ جس طرح امتحان پاس کرنے کے لئے کتابوں کے خلاصے اور پاکٹ گائیڈ قبول ہوتے ہیں، اسی طرح اسلام کا یہ نظر ثانی شدہ آسان رنگ بھی صدر ایوب کو بڑی آسانی سے متاثر کر دیتا تھا لیکن عام طور پر یہ تاثر عارضی ہوتا تھا کیونکہ بنیادی طور پر وہ ایک اچھے اور سیدھے سادھے مسلمان تھے۔

1960ء میں جب وہ سعودی عرب کے سرکاری دورے پر جا رہے تھے تو عمرہ ادا کرنے کے لئے انہوں نے خاص طور پر تیاری کی۔ ان کی فرمائش پر میں نے انہیں دعاؤں کے مجموعے دیئے جن کا انہوں نے چند روز خوب مطالعہ کیا۔ جس روز روانگی کے لئے ہم ہوائی جہاز میں سوار ہوئے، انہوں نے دونوں مجموعے واپس کر دیئے اور "مجھے اپنے مطلب کی چیز مل گئی ہے۔ اب زیادہ لمبی چوڑی دعائیں یاد کرنے کی ضرورت نہیں۔

میرے استفسار پر انہوں نے جیب سے کاغذ کا ایک پرزہ نکالا جس پر ایک مختصر سی دعا اور دو ترجمہ کے ساتھ نقل کی ہوئی تھی۔ اس کا مفہوم یہ تھا کہ یا اللہ مجھے بغیر حساب کتاب کے ہی بخش دے!

مکہ معظمہ میں ایک روز ان کے لئے خانہ کعبہ بھی کھولا گیا۔ جب ہم اندر داخل ہوئے تو شاہی معلم نے کہا کہ چاروں طرف منہ کر کے دو دو رکعت نماز پڑھ لیں۔ یہ سنت پوری کرنے کے بعد صدر ایوب بڑے شاداں و فرحاں نظر آتے تھے۔ وہیں اندر کھڑے انہوں نے مجھے بتایا کہ چاروں طرف سجدہ کر کے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا بھی مانگی ہے کہ ہندوستان کے سامنے ہمارا سر خم نہ ہو۔ بیت اللہ شریف کے اندر مانگی ہوئی دعا کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔ 1965ء کی جنگ اس کا کھلا ثبوت ہے۔ مدینہ منورہ میں ہمیں روضہ رسول ﷺ کے حجرہ مبارک کے اندر جانے کی سعادت بھی نصیب ہوئی۔ اندر داخل ہوتے ہی صدر ایوب پر ہیبت اور رقت طاری ہو گئی۔ لمحہ بھر کے لئے انہوں نے دونوں ہاتھوں سے روضۂ رسول ﷺ کا غلاف تھام لیا اور ان کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ زندگی بھر میں نے انہیں صرف ایک بار اس طرح اشک بار دیکھا ہے۔

عمرہ سے واپس آ کر صدارت کا کام جنرل ایوب نے بڑی محنت، لگن، باقاعدگی اور سلیقے سے شروع کیا۔ سب فائلیں وہ غور سے پڑھتے تھے اور ان پر احکام بھی اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے۔ روز کی فائلیں نپٹا دیتے تھے۔ کچھ دن میں، کچھ رات کے وقت۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی فائل اگلے روز کے لئے اٹھا رکھی ہو۔ ہر روز اپنی ڈاک بھی پوری دیکھتے تھے۔ کچھ خطوط خود جواب

Marfat.com

دینے کے لئے منتخب کر لیتے تھے، باقی میرے حوالے کر دیتے تھے۔ اس زمانے میں صدر کے نام جتنے خط آتے تھے، ان سب کے جواب ضرور دیئے جاتے تھے۔

دفتر کے اندر اور دفتر کے باہر صدر ایوب کے سر پر ہمیشہ کام کی دھن سوار رہتی تھی۔ صدارت کا عہدہ سنبھالنے کے بعد مجھے ان کو کافی عرصہ تک کسی قدر قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ہے۔ میں نے انہیں کبھی ایسی باتوں میں زیادہ وقت ضائع کرتے نہیں پایا، جن کا تعلق کسی نہ کسی طرح کام کے کسی نہ کسی شعبے سے نہ ہو۔ ان کے پاس ہمیشہ ایک نوٹ بک رہتی تھی جس میں وہ تاریخ ڈال کر ہر بات درج کرتے جاتے تھے۔ جو اس روز ان کو خود سوجھتی یا کسی سے سنتے تھے یا کہیں پڑھ لیتے تھے۔ ہر اندراج کا نمبر شمار بھی لکھا جاتا تھا۔ جو نوٹ بک کے شروع سے آخر تک مسلسل چلتا تھا۔ اس طرح درج شدہ باتوں کو وہ کابینہ کے اجلاس، یا گورنروں یا وزیروں یا افسروں کے ساتھ اٹھاتے تھے اور جب ان پر عمل درآمد ہو جاتا تو اس پر نشان لگا دیتے تھے۔

شروع کے دو برس ان کی جو نوٹ بک ختم ہوتی تھی، اسے میں اپنے پاس لے کر رکھ لیتا تھا۔ میرے پاس اس قسم کی چار کاپیاں محفوظ ہیں۔ ان سب کو ملا کر ان کے اندراجات کی تعداد 1651 ہے۔ یہ سطور لکھنے کے لئے میں نے ان کا کسی قدر غور سے جائزہ لیا تو ملکی امور کے چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے بے شمار معاملات پر ان کا تفصیلی عبور دیکھ کر بے ساختہ داد دینے کو جی چاہا۔ گورنروں کی تقریریاں، وزیروں کے دورے، سفیروں سے گفتگو، امریکن ایڈ، نمایاں قابلیت کے چھوٹے بڑے افسروں کی نشاندہی، کسی جگہ کھاد کی سپلائی، کہیں پانی کی کمی، کسی کی پنشن کا معاملہ، بے شمار موضوعات ہیں جن سے یہ چاروں کاپیاں بھری پڑی ہیں۔ یہاں پر میں چند ایسے اندراجات نقل کر رہا ہوں جو ان کی شخصیت پر دلچسپ روشنی ڈالتے ہیں۔

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم ہو رزم حق و باطل تو فولاد ہے مومن

28-7-59

46 This just about describes me.

27-7-59

44 Why was Qasim Bhatty so lightly dealt with?

2-8-59

67 Minister's Railway Saoloons. Why they can't be hired to public when available? Some of the new rich will love to hire them to show off.

15-9-59

170 Dr. Salimuzzaman has developed a new insecticide from our coal. This should be developed at large scale.

20-9-59

202 Dr. Salimuzzaman's extension. I think he should be given 3 years.

Marfat.com

24-2-60

466 *We should name the new capital site. I think Islamabad would be a suitable name.*

5-7-60

207 *This is an excellent articel in the "Readers' Digest", June 60 on turning rubbish into useful manure. Governors and the head of K.D.A should study it for implementation.*

20-5-61

4 *Notes for Talk with Lyndon Johnson, Vice President U.S.A. My assessement of situation in Afghanistan. In a few years time the Russains will be able to take over the country and the Russians will be on our borders*

2-8-59

66 *Far too many policemen are employed on protection duty of the President and the Ministers. This is ostentatious and wasteful and should be rationalized.*

2-2-60

438 *In an attempt to isolate Nehru, the Chinese have settled border dispute with Burma. May be that they prepared to do the same with us due Hunza border.*

11-8-60

309 *It is highly improper for the Summary Military Courts to award lashing to Govt. servants. In any case, these sentences are meant for hardened criminals and should not be carried out before a case is reviewed.*

20-10-60

I would like the examination of the book, "India...The Most Dangerous Decades."... to be studied with a review to determining to what extent.

15-3-60

497 *My view is that Azam should replace Zakir as Governor East Pakistan.*

18-6-60

157 *Azam has gone to East Pakistan unwillingly. I hope this is not replaced in his work.*

Marfat.com

25-6-60

179 *I understand that pigs are multiplying at a great pace along the river beds and are doing a great danger to the crops. What is it that we can do about it?*

31-8-60

353 *Australia grows hundreds of types of Euclyptus which is quick growing tree. We should introduce these varieties in Pakistan.*

14-10-60

438 *Met Soekarno in transit last night of nice fellow, but very superficial. I wonder how his people have a faith in him.*

31-12-60

94 *Wajihuddin, P.A. Sandeman, struck me as a man of wide interests and knowledge. I feel he should fit in well in the National Reconstruction Bureau.*

18-5-61

19 *Is it possible for us to reduce our commitments in the SEATO?*

20 *Instead of importing cars why can't we import more cycles? It will give a lot of satisfaction to people.*

28-5-61

36 *Arrange for Quran Classes to be held in my houses.*

5-6-61

57 *We should show receding interest in SEATO and perhaps get out it.*

26-6-61

104 *There is a disturbing signal from New York to the effect that jute goods are treated with oil that induces cancer. this will be disastrous if no cared.*

5-7-61

127 *Mueenuddin has asked to attend a course in America connected with the administration of international rivers. What has that got to do with his job, which is wholetime.*

30-7-61

161 *What business said Hassan had to state that Pakistan will side with U.S in the event of War with Russia. All any one*

Marfat.com

can say is tha we shall stand by our commitments.

13-11-61

317 *Inform Mueen that Sheikh can take General Yahya's place on CDA by end November.*

اپنی اصلاحات کونافذ کرنے کے لئے صدر ایوب نے جو کمیشن اور کمیٹیاں قائم کیں، ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔

اصلاحی کمیشنوں کی فہرست

۱۔ زرعی اصلاحات
۲۔ جہاز رانی کمیشن
۳۔ اصلاح قانون کمیشن
۴۔ انتظامیہ کی تنظیم نو کے لئے کمیٹی
۵۔ کمیشن برائے قومی تعلیم
۶۔ صدر مقام کے محل وقوع کی کمیٹی
۷۔ تحقیقاتی کمیشن برائے قرضہ جات
۸۔ غذائی وزرعی کمیشن
۹۔ سائنس کمیشن
۱۰۔ تنخواہ ملازمت کمیشن
۱۱۔ کمپنی قانون کمیشن
۱۲۔ طبی اصلاحات کمیشن
۱۳۔ کھیل، ثقافت اور نژادنو کی کمیٹیاں
۱۴۔ پولیس کمیشن
۱۵۔ آئین کمیشن
۱۶۔ قیمتوں کے تعین کا کمیشن
۱۷۔ فلمی معلوماتی کمیشن
۱۸۔ فالتو فرادی طاقت کا کمیشن
۱۹۔ سماجی برائیوں کا کمیشن
۲۰۔ برقی طاقت کا کمیشن
۲۱۔ مالیاتی کمیشن
۲۲۔ قرضہ جاتی کمیشن
۲۳۔ رائے دہی کی کمیٹی
۲۴۔ قومی آمدی کمیشن
۲۵۔ قومی مالیاتی کمیشن
۲۶۔ اقلیتوں کا کمیشن
۲۷۔ نشریاتی کمیشن
۲۸۔ پریس کمیشن (یہ بہت پہلے قائم ہو چکا تھا، لیکن اس کی رپورٹ مئی 1959ء میں موصول ہوئی)
۲۹۔ شکر کمیشن (یہ بھی پہلے قائم ہو چکا تھا لیکن رپورٹ اگست 1959 میں موصول ہوئی)
۳۰۔ شادی وعائلی قانون کمیشن (یہ کمیشن 1954ء میں قائم ہوا تھا اس کی رپورٹ بھی 1956ء میں موصول ہو چکی تھی، لیکن اس پر عمل درآمد مارچ 1961ء میں ہوا)

صدر ایوب اور سیاستدان

صدر ایوب کا المیہ یہ ہے کہ وہ سیاستدانوں کے خلاف گرجتے برستے، ان پر لعن طعن کرتے اور انکے خلاف

Marfat.com

نفرت وحقارت کے نعرے لگاتے۔کرسی اقتدار پر قابض ہوئے، پھر دیکھتے ہی دیکھتے لنگر لنگوٹ کس کر بذاتِ خود سیاست کے اکھاڑے میں اتر آئے اور یہیں پر عوام، افواج اور سیاستدان کے داؤ پیچ نے انہیں چاروں شانے چت مار گرایا اور گھسیٹ کر اقتدار کے اکھاڑے سے نکال کر باہر پھینکا۔

سیاست اور سیاستدانوں کے خلاف فیلڈ مارشل کا رویہ کسی گہری سوچ بچار، کسی استدلالی چھان بین یا بالغ نظری کا نتیجہ نہ تھا۔ان کے ذہن نے بہت سے متفرق اکا دکا اور اتفاقی واقعات کو جو کہیں کہیں اور کبھی کبھی نمایاں ہو چکے تھے، یکجا کر کے کنٹھ مالا کی طرح گلے میں پہن رکھا تھا۔ان واقعات کی روشنی میں وہ سیاست اور سیاستدانوں کے خلاف ہر قسم کے الزامات، مفروضات اور نظریات قائم کر کے انہیں حد درجہ ناقص، ناکارہ اور بدراہ ثابت کرنے میں ہمہ وقت کمر بستہ رہتے تھے۔ بریگیڈیئر ایک۔آر۔خان کے بیورو آف نیشنل ری کنسٹرکشن سے انہوں نے خان لیاقت علی خان سے لے کر اپنے زمانے تک نئے اور پرانے چیدہ چیدہ سیاستدانوں کے کردار، گفتار اور اعمال کے متعلق تفصیلی یادداشتیں مرتب کروا رکھی تھیں جن کا حوالہ دے کر اس موضوع پر وہ اپنی گفتگو کو نہایت چٹخارے دار اور لچھے دار بنانے کے رسیا تھے۔وزیراعظم لیاقت علی خان کو وہ دوسرے سیاستدانوں کی نسبت زیادہ دانشمند، مدبر اور قابل احترام تسلیم کرتے تھے۔اس کے باوجود وہ مسٹر حسین شہید سہروردی کے بارے میں ان کا ایک واقعہ بار بار سنانے کے شوقین تھے۔

11 ستمبر 1950ء کو کراچی میں قائداعظم کے دوسرے یوم وفات کی یاد میں ایک بہت بڑا جلسہ عام منعقد ہوا تھا۔ اس جلسے کو خطاب کرنے والوں میں آئین ساز اسمبلی کے صدر تمیزالدین خان، سندھ کے محمد ایوب کھوڑو اور سید میراں محمد شاہ، سرحد کے یوسف خٹک کے علاوہ وزیراعظم لیاقت علی خان بھی شامل تھے۔

نوابزادہ لیاقت علی خان کی طویل تقریر میں مسٹر حسین شہید سہروردی کو خاص طور پر تنقید کا نشانہ بنایا گیا۔اس موضوع پر ان کی تقریر کے کچھ حصے جو اخبارات میں شائع ہوئے تھے، درج ذیل ہیں:۔

Pakistan Times, Lahore, 13 September, 1950

''مسٹر سہروردی آج کل ہر روز تقریریں کرنے اور بیانات جاری کرنے میں مصروف ہیں۔ یہ وہی صاحب ہیں جو ہندوستان کے مسلمانوں کا اتحاد پارہ پارہ کرنے کے بعد یہاں تشریف لائے ہیں۔دسمبر 1947ء میں جب آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کا آخری اجلاس دہلی میں منعقد ہوا تو اس میں فیصلہ کیا گیا تھا کہ اس جماعت کو انڈیا مسلم لیگ اور پاکستان مسلم لیگ کے نام سے دو حصوں میں بانٹ دیا جائے۔سہروردی نے مخالفت کر کے انڈیا مسلم لیگ کو قائم نہ ہونے دیا اور اپنے اس موقف کا پرچار شروع کر دیا کہ ہندوستان میں اب فرقہ وارانہ بنیادوں پر کسی جماعت کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ میں پوچھتا ہوں کہ کیا وہاں پر ہندو مہاسبھا اور سکھ اکالی دل جیسی فرقہ وارانہ پارٹیاں موجود نہیں تھیں؟ سہروردی کا مقصد صرف یہ تھا کہ ہندوستانی مسلمانوں کا اتحاد ختم کر دیا جائے اور آئندہ وہ اپنے اوپر ڈھائے گئے ظلم وستم کے خلاف آواز اٹھانے کے قابل نہ رہیں۔اب تک ان کا یہی سب سے بڑا اور شاندار کارنامہ ہے''۔

Marfat.com

اب پاکستان آنے کے بعد بھی مسٹر سہروردی اوران کی سیاسی جماعت عوامی مسلم لیگ پاکستانی مسلمانوں کے اتحاد اور یقین کو توڑنے مروڑنے میں مصروف عمل ہے۔ سہروردی کا دعویٰ ہے کہ پاکستان کے حالات روز بروز بد سے بدتر ہوتے جارہے ہیں۔۔۔ وہ اس قسم کی باتوں کا پرچار کر کے کس کو فائدہ پہنچانا چاہتے ہیں؟ بے شک ہمارے دشمنوں نے یہ کتے ہمارے خلاف بھونکنے کے لئے چھوڑے ہیں۔ یہ لوگ وطن کے غدار ہیں، جھوٹے ہیں، منافق ہیں۔۔۔''

"For whose benefit, I ask, is all this being said? The enemies o f Pakistan have let loose thse dogs who talk like this. I say they are traitors, liars and hypocrities.

وزیراعظم لیاقت علی خان کی تقریر کے مندرجہ بالا حصے صدر ایوب نے اپنی ایک ڈائری میں اردو، انگریزی دونوں زبانوں میں درج کر رکھے تھے۔ اقتدار میں آنے کے بعد کچھ عرصہ تک ان کا یہ دستور رہا کہ اپنے چیدہ چیدہ ملاقاتیوں نجی محفلوں میں وہ سیاست پر تنقید کرتے ہوئے اس تقریر کا یہ حصہ بھی نہایت چٹخارے لے لے کر سنایا کرتے تھے۔ یہ عمل وہ اتنی بار دہراہ چکے تھے کہ میرا اندازہ ہے کہ اس کے بہت سے فقرے انہیں زبانی یاد ہو گئے تھے۔ کئی بار ان کی یہ حرکت بڑی طفلانہ اور مضحکہ خیز نظر آتی تھی، لیکن ان کے ملاقاتیوں اور نجی محفلوں میں شریک ہونے والے افراد کی اکثریت جی حضوریوں پر مبنی تھی، اس لئے کسی میں یہ ہمت نہ تھی کہ وہ اپنے ممدوح کو اس بھونڈے اور بچگانہ فعل کی وجہ سے خواہ مخواہ سرمایہ تضحیک بننے سے روکتے۔

سیاست اور سیاستدانوں کو اپنی تنقید کا ہدف بنانے کے ضمن میں صدر ایوب وزیراعظم لیاقت علی خان کے زمانے کی ایک اور مثال بھی بڑے شوق سے بیان کرنے کے عادی تھے۔ جنوری 1949ء میں حکومت پاکستان نے ایک ایسا قانون نافذ کیا تھا جسے عرف عام میں ''پروڈا'' کہا جاتا تھا۔ اس قانون کا پورا نام یہ تھا Public and Representative Offices (Disqualification) Act. اس قانون کی زد میں مرکزی اور صوبائی حکومتوں کے ایسے وزیر، نائب وزیر اور پارلیمانی سیکریٹری آتے تھے جو جانبداری، اقربا پروری اور دیدہ دانستہ بدانتظامی کے مرتکب ہو رہے ہوں۔ اگرچہ یہ ایکٹ 6 جنوری 1949 کو جاری ہوا تھا، لیکن عملی طور پر اسے 14 اگست 1947ء سے نافذ العمل قرار دیا گیا تھا۔ یہ قانون سیاسی عہدیداروں کے سر پر ایک مستقل شمشیر برہنہ کی طرح آویزاں ہو گیا کیونکہ ان پر بدعنوانیوں کے الزامات عائد کر کے انکوائریاں شروع کروانا اس ایکٹ کی رو سے ہر کس و ناکس کی دسترس میں دے دیا گیا تھا۔ اگر پانچ افراد ایک ایک ہزار روپیہ چندہ کر کے پانچ ہزار کی رقم کے ساتھ کسی مرکزی یا صوبائی وزیر کے خلاف الزامات لگا دیں تو اسے نہایت آسانی سے ''پروڈا'' کی صلیب پر لٹکا یا جا سکتا تھا۔ الزامات ثابت ہونے کی صورت میں ''ملزم'' کو دس سال تک کے لئے کسی سیاسی عہدے سے معطل کرنے کی سزا مقرر تھی۔ اس قانون کا سب سے زیادہ استعمال صوبہ سندھ میں ہوا جہاں صرف ایک وزیر کو چھوڑ کر صوبائی کابینہ کے تمام وزرائے کرام یکے بعد دیگرے اس ایکٹ کی لپیٹ میں آئے۔ ایک جمہوری دور میں جبکہ صوبوں میں بھی ایک ہی سیاسی جماعت کی وزارتیں قائم تھیں، اس قسم کے قانون کا نفاذ بلاشبہ محل نظر ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ قانون ایک سیاسی ہتھیار کی حیثیت

Marfat.com

سے عالم وجود میں آیا تھا اور سیاسی مقاصد کے لئے استعمال بھی ہوا، لیکن ستمبر 1954ء میں جب آئین ساز اسمبلی کے لئے اسمبلی نے یہ قانون منسوخ کر دیا۔ اس مثال کو بار بار دہرا کر اس سے صدر ایوب یہ نتیجہ اخذ کیا کرتے تھے کہ وزیراعظم لیاقت علی خان سمیت پاکستان کی تاریخ کے کسی دور میں بھی حکمرانی کا کوئی بھی سیاسی نظام کبھی کامیاب نہیں ہوا۔ خاص طور پر برطانوی طرز جمہوریت کا تجربہ ہمیشہ ناکام رہا ہے۔

عنان اقتدار سنبھالتے ہی صدر ایوب نے سیاستدانوں کا قلع قمع کرنے کے لئے یکے بعد دیگرے دو قانون نافذ کئے۔

پہلا قانون عرف عام میں ''پوڈو'' کہلایا یعنی

Public Offices (Disqualification) Order, 21 March 1959.

اپنے پیشرو منسوخ شدہ ''پروڈا'' کی طرح اس کا اطلاق صرف سیاسی عہدیداروں پر ہوتا تھا اور فرد جرم ثابت ہونے پر پندرہ سال تک سیاسی عہدوں پر فائز ہونے سے نااہلیت کی سزا ملتی تھی۔

لیکن صدر ایوب کا مقصد صرف سیاسی عہدیداروں کی بیخ کنی ہی نہ تھا بلکہ وہ سیاست کے میدان میں سرگرم عمل تمام عناصر کو کانٹے کی طرح نکال کر باہر پھینک دینا چاہتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے بہت جلد ایک دوسرا قانون بھی نافذ کر دیا جسے ''ایبڈو'' کے مخفف نام سے شہرت عام نصیب ہوئی یعنی (*Elective Bodies Disqualification Order 7 August 1959*)۔ اس آرڈر کا اطلاق ان سب افراد پر ہوتا تھا، جو کسی سیاسی عہدے پر رہے ہوں۔ یا کسی منتخب شدہ اسمبلی یا ادارے کے رکن بنے ہوں۔ یہ قانون بھی 14 اگست 1947ء سے نافذ العمل قرار دیا گیا تھا، تاکہ نئے اور پرانے سب سیاستدان اس کے پھندے میں جکڑے رہیں۔

''ایبڈو'' کے تحت فرد جرم ثابت ہونے پر ملزم کو چھ برس تک سیاست سے کنارہ کش رہنے کی سزا ملتی تھی۔ البتہ اتنی رعایت ضرور تھی کہ اگر کوئی صاحب عدالت میں حاضر ہو کر اپنی صفائی پیش کرنا نہ چاہتے ہوں تو وہ رضا کارانہ طور پر چھ سال کے لئے سیاست سے دستبرداری کا اعلان کر کے اپنی گلوخلاصی کرا سکتے تھے۔

مشرقی پاکستان سمیت قومی اور صوبائی سطح کے 98 ممتاز سیاستدانوں کے خلاف ایبڈو کی کارروائی شروع کی گئی تھی۔ ان میں سے 70 نے رضاکارانہ طور پر چھ سال کے لئے سیاست سے توبہ کر کے اپنی جان چھڑالی۔ ان میں میاں ممتاز محمد خان دولتانہ، مسٹر محمد ایوب کھوڑو اور خان عبدالقیوم خان کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔ 28 سیاستدانوں نے اپنی صفائی پیش کر کے مقدمہ لڑا۔ 22 ہار گئے جن میں ایک سابق وزیراعظم مسٹر حسین شہید سہروردی، مغربی پاکستان کے سابق گورنر میاں مشتاق احمد گورمانی اور سید عابد حسین شامل تھے۔ صرف چھ سیاستدان ایسے تھے جو بری ہوئے۔

ان بڑے اور ممتاز سیاستدانوں کی فہرست پر نگاہ ڈالی جائے تو اس زمانے کی سیاست کی کوئی اہم شخصیت ''ایبڈو'' کی زد سے باہر نظر نہیں آتی۔ نمونہ کے طور پر صرف مغربی پاکستان کے چند چیدہ چیدہ نام درج ذیل ہیں۔

۱۔ ملک فیروز خان نون — سابق وزیراعظم
۲۔ سردار امیر اعظم خان — سابق مرکزی وزیر

Marfat.com

۳۔ حاجی مولا بخش سومرو	سابق مرکزی وزیر
۴۔ مسٹر یوسف اے۔ ہارون	سابق سفیر
۵۔ خان محمد جلال الدین	سابق مرکزی وزیر
۶۔ قاضی محمد عیسیٰ	سابق سفیر
۷۔ مسٹر حسین شہید سہروردی	سابق وزیر اعظم
۸۔ مسٹر سی۔ ای۔ گبن	سابق ڈپٹی سپیکر قومی اسمبلی
۹۔ مسٹر ممتاز حسن قزلباش	سابق چیف منسٹر خیرپور
۱۰۔ خان افتخار حسین خان آف ممدوٹ	سابق وزیر پنجاب
۱۱۔ پیرزادہ عبدالستار	سابق مرکزی وصوبائی وزیر
۱۲۔ قاضی فضل اللہ	سابق صوبائی وزیر
۱۳۔ پیر الٰہی بخش	سابق صوبائی وزیر
۱۴۔ میاں ممتاز حسین خان دولتانہ	سابق وزیر اعلیٰ پنجاب
۱۵۔ نواب مظفر علی خان قزلباش	سابق وزیر اعلیٰ مغربی پاکستان
۱۶۔ سید حسن محمود	سابق صوبائی وزیر
۱۷۔ مسٹر محمد ہاشم گزدر	سابق صوبائی وزیر
۱۸۔ صوفی عبدالحمید	سابق صوبائی وزیر
۱۹۔ خان غلام محمد خان لنڈ خور	صوبہ سرحد کے سیاستدان
۲۰۔ ارباب نیاز محمد	سابق کرنل پاکستان آرمی
۲۱۔ آغا غلام نبی پٹھان	سابق صوبائی وزیر
۲۲۔ قاضی محمد اکبر	سابق چیئرمین حیدرآباد میونسپلٹی
۲۳۔ مسٹر محمد ایوب کھوڑو	سابق وزیر اعلیٰ سندھ
۲۴۔ مسٹر محمد اکبر خان بگٹی	سابق صوبائی وزیر
۲۵۔ چودھری محمد حسین چٹھہ	سابق صوبائی وزیر
۲۶۔ کرنل محمد امیر خان آف ہوتی	سابق صوبائی وزیر
۲۷۔ ارباب نور محمد خان	سابق صوبائی وزیر
۲۸۔ سید ہادی علی شاہ	سابق میئر لاہور کارپوریشن
۲۹۔ سردار عبدالحمید خان دستی	سابق صوبائی وزیر اور وزیر اعلیٰ
۳۰۔ سید علمدار حسین شاہ گیلانی	سابق صوبائی وزیر
۳۔ میر علی نوا خان تالپور	سابق صوبائی وزیر

Marfat.com

۳۲۔ چودھری عبدالغنی گھمن	سابق صوبائی وزیر
۳۳۔ سید علی حسین شاہ گردیزی	سابق صوبائی وزیر
۳۴۔ سید عابد حسین	سابق صوبائی وزیر
۳۵۔ بیگم سلمٰی تصدق حسین	سابق صوبائی ڈپٹی منسٹر
۳۶۔ خان عبدالقیوم خان	سابق وزیراعلیٰ سرحد
۳۷۔ نواب مشتاق احمد گورمانی	سابق گورنر مغربی پاکستان
۳۸۔ سردار محمد خان لغاری	سابق صوبائی وزیر
۳۹۔ میاں افتخار الدین	سابق رکن مرکزی وصوبائی اسمبلی اور چیئرمین پروگریسو پیپرز لمیٹڈ۔لاہور

بڑے اور مشہور سیاستدانوں کے علاوہ مشرقی اور مغربی پاکستان میں دو ہزار سے اوپر نچلی سطح کے سیاسی کارکن بھی ''ایبڈو'' کا شکار ہوئے۔ یہ وہ حضرات تھے جو 1947ء سے لے کر 1958ء تک کسی وقت بھی کسی اسمبلی میونسپلٹی، ڈسٹرکٹ بورڈ یا دیگر منتخب شدہ ادارے کا رکن رہ چکے تھے۔

ان اعداد و شمار سے صرف ایک بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ ایک فوجی افسر چھاؤنیوں کی محدود فضا میں اپنی عمر عزیز کے باون سال گزارنے کے بعد اچانک مسلح افواج کے ناجائز استعمال سے ایک سول حکومت کو زبردستی نکال باہر کرتا ہے اور خود مسند اقتدار پر قبضہ جما کر بیٹھ جاتا ہے، لیکن اس ایک عمل سے یہ لازمی نہیں کہ اس پر عقل و دانش کی ایسی بارش شروع ہو جائے کہ وہ ملک بھر کے تمام اکابرین اور ہزاروں کارکنوں کو بیک جنبش قلم نااہل، ناکارہ اور نالائق ثابت کرنے میں حق بجانب بھی ہو۔

صدر ایوب کو یہ چسکا تھا کہ ''ایبڈو'' کی زد میں آئے ہوئے خاص خاص مشہور و معروف سیاستدانوں کی بداعمالیوں اور بدعنوانیوں کی تفصیلات ان کے اپنے علم میں بھی آئیں، اس مقصد کے لئے انہوں نے باسٹھ ناموں کا انتخاب کیا اور مجھے حکم دیا کہ ''ایبڈو'' کے تحت مقدمات سماعت کرنے والی خصوصی عدالتوں (Tribunals) سے میں ان سب کے مکمل ریکارڈ حاصل کروں اور ہر ایک کی بداعمالیوں اور بدعنوانیوں کا خلاصہ تیار کر کے ان کے ملاحظہ کے لئے پیش کروں۔

''ایبڈو'' کے ان باسٹھ بلند و بالا پہاڑوں کو جب میں نے کھود کھود کر دیکھا تو ان میں سے بداعمالیوں اور بدعنوانیوں کی ایسی چھوٹی چھوٹی چوہیاں برآمد ہوئیں جو آج کے ماحول میں انتہائی بے وقعت اور بے ضرر نظر آتی ہیں۔ چند سیاستدانوں پر ان کے مخالفین کی طرف سے وقتاً فوقتاً ''غداری'' کا الزام ضرور لگ چکا تھا، لیکن کسی فائل میں کسی کے خلاف وطن دشمنی کی نہ کوئی شہادت یا علامت تھی اور نہ کوئی ثبوت تھا۔ ملک کے مفاد کے خلاف کام کرنے کا الزام بھی جگہ جگہ چسپاں تھا، لیکن اس کی بنیاد بھی یا تو ذاتی عداوتیں اور مخاصمتیں تھیں یا سیاسی رقابتوں کی وجہ سے ایسے مبہم مفروضوں اور تہمتوں پر مبنی ہوئی تھی جو واقعات اور شواہد کی روشنی میں کسی صورت بھی قابل گرفت قرار نہ پاتی تھیں۔ اس کے علاوہ یہ باسٹھ نامور سیاستدان جو کسی نہ کسی وقت وزیر یا کسی اور عہدے پر فائز رہ چکے تھے ان کے خلاف الزامات کی نوعیت عموماً کچھ اس طرح کی تھی:

Marfat.com

☆ سرکاری ٹیلی فون اور سٹاف کار کا بے جا استعمال۔

☆ پی۔اے یا پرائیویٹ سیکریٹری کے لئے ان کے استحقاق سے زیادہ مراعات۔

☆ اپنے انتخابی حلقوں میں ترجیحی طور پر سڑکوں، سکولوں یا ڈسپنسریوں کی تعمیر۔

☆ اپنے بااثر دوستوں، رشتہ داروں یا سیاستدانوں کے علاقوں میں سڑکیں، سکول یا ڈسپنسریاں تعمیر کرنے میں ترجیحی سلوک۔

☆ اپنے بااثر دوستوں، رشتہ داروں، سیاستدانوں یا ووٹروں کے مفاد میں سرکاری افسروں پر دباؤ یا سفارشیں۔

☆ اپنے انتخابی حلقوں اور اپنے دوستوں اور سیاستدانوں کے علاقوں میں پٹواریوں، تھانیداروں، نائب تحصیلداروں اور دیگر سرکاری کارندوں کے تبادلوں اور تقرریوں میں دخل اندازی۔

☆ سرکاری تقرریوں میں پبلک سروس کمیشن کی سفارشات کو نظر انداز کرنے کا رجحان۔

☆ سرکاری دوروں پر سرکاری انتظامات کا سیاسی اغراض و مقاصد کے لئے استعمال۔

☆ محکمانہ اخراجات کا منظور شدہ بجٹ سے بڑھ جانے کی مثالیں۔

☆ ایسے منصوبوں کی مثالیں جن پر اخراجات منظور شدہ تخمینوں سے تجاویز کر گئے۔

☆ بے شمار مثالیں جن میں فلاں فلاں ٹیکس لگائے جا سکتے تھے، لیکن اس لئے نہ لگائے گئے کہ سیاسی حکمران ہر دلعزیز بنے رہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

باسٹھ چیدہ چیدہ چوٹی کے سیاستدانوں کے خلاف صدر ایوب نے جب اس قسم کی بے مزہ، پھیکی اور پھسپھسی سی فرد جرم پڑھی تو وہ بے حد حیران ہوئے۔ انہوں نے تعجب سے کئی بار یہ سوال دہرایا، بس اتنا کچھ ہی ہے؟

میں نے انہیں یقین دلایا کہ جو فائلیں مجھے دستیاب ہوئی ہیں، ان میں بس اتنا کچھ ہی ہے۔

''اگر یہ بات ہے۔'' صدر ایوب نے کسی قدر حیرت سے کہا ''تو یہ ساٹھ ستر جغادری سیاستدان دم دبا کر بھاگ کیوں گئے؟ مردانگی سے کام لے کر، ایبڈو کا مقدمہ کیوں نہ لڑے''؟

''شاید مارشل لاء سے ڈرتے ہوں'' میں نے کہا ''یا شاید عزت بچانے کی خاطر اپنے آپ ریٹائر ہو کر بیٹھ رہے ہوں''۔ ''یہ بات نہیں۔'' صدر ایوب نے فیصلہ صدر کیا'' تمہاری فائلیں ان کا جرم ثابت کریں یا نہ کریں، لیکن ان کے ضمیر مجرم ہیں۔ یہ بات ان کو بخوبی معلوم ہے''۔

کہنے کو تو انہوں نے یہ بات بڑے طمطراق سے کہہ دی، لیکن میرا انداہ ہے کہ یہ محض دکھاوے کی بہادری کا اُبال تھا۔ ایک تجربہ کار فوجی کی طرح ان میں خود حفاظتی اور خود بقائی کی رگ نہایت مضبوط تھی۔ چنانچہ انہوں نے ذہنی طور پر یہ بات گرہ باندھ لی کہ سیاستدان اتنی گلی سڑی فنا پذیر جنس نہیں جنہیں ''ایبڈو'' کی تلوار یا رضا کارانہ طور پر چھ سال کے لئے سیاست سے کنارہ کشی ہمیشہ کے لئے نیست و نابود کر دے۔ میں نے خاص طور پر نوٹ کیا کہ اس کے بعد رفتہ رفتہ انہوں نے موقع بے موقع سیاستدانوں کے خلاف بدکلامی، گالی گلوچ اور طعن و تشنیع کا برملا اظہار بہت کم کر دیا۔

Marfat.com

ساتھ ہی انہوں نے ''بنیادی جمہوریت'' کا نظام رائج کر کے سرتوڑ کوشش کی کہ ملک میں پرانی طرز سیاست کی جگہ ایک بالکل نئی اور انوکھی سیاست کو جنم دیا جائے۔ ان کو یقین تھا کہ بنیادی جمہوریتوں کے تحت جو اسّی ہزار نمائندے منتخب ہوں گے، ان میں کم از کم کچھ لوگ تو ایسے ضرور نکلیں گے جو قابلیت، ذہانت، وجاہت اور صلاحیت میں پرانے سیاستدانوں کے ہم پلہ یا ان سے بھی ارفع و اعلیٰ ہوں، لیکن ان کی یہ امید بر نہ آئی، البتہ لگے ہاتھوں بنیادی جمہوریتوں کے ان اسّی ہزار منتخب اراکین کا اتنا فائدہ ضرور اٹھایا گیا کہ ان کے ووٹ حاصل کر کے ایوب خان صاحب نے اپنی صدارت پر مہر تصدیق ثبت کرالی۔ اس استصواب رائے کا نتیجہ مجھے آدھی رات کے بعد معلوم ہوا۔ اس وقت صدر ایوب سو چکے تھے۔ اگلے روز صبح سویرے ان کے پاس گیا تو وہ بیگم ایوب کے ساتھ بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے۔ جب میں نے انہیں بتایا کہ ان کے حق میں 75283 ووٹ ڈالے گئے جو مجموعی تعداد کا 95.6 فیصد ہیں تو انہوں نے فوراً کاغذ پینسل لے کر 80,000 میں سے 75283 کا ہندسہ تفریق کیا اور کسی قدر مایوسی سے بولے ''بلکہ یوں کہو کہ 4717 ووٹ میرے خلاف بھی پڑے ہیں''۔ ان کے اس ردعمل سے مجھے محسوس ہوا کہ وہ اپنے دل کے نہاں خانے میں امید کا چراغ جلائے بیٹھے تھے کہ اس ریفرنڈم میں انہیں سو فیصد ووٹ سے کامیابی حاصل ہوگی۔ غالباً یہ خوش فہمی اِن کی فوجی تربیت کا نتیجہ تھی۔ جہاں کمانڈر کے ایک اشارے پر پوری پلٹن کی پلٹن بے چون و چرا ''فال ان'' ہو جاتی ہے!

اس ریفرنڈم کے دو روز بعد 17 فروری 1960ء کو انہوں نے صدر پاکستان کے طور پر از سر نو حلف اٹھایا اور اس کے فوراً بعد آئین سازی کی طرف متوجہ ہوئے۔ جسٹس شہاب الدین کی سرکردگی میں آئین کمیشن نے جو سفارشات پیش کیں، وہ صدر ایوب کو قابل قبول نہ تھیں۔ اب وہ چند ماہرین کو ساتھ لے کر بذات خود آئین کا خاکہ بنانے میں مصروف ہو گئے۔ یہ عمل بڑا طویل، صبر آزما اور بسا اوقات مضحکہ خیز بن جاتا تھا۔ صدر ایوب انتہائی سنجیدگی کا لبادہ اوڑھ کرسی پر بیٹھ جاتے تھے۔ ان کے ایک طرف وزیر خارجہ مسٹر منظور قادر آئینی مشیر کے طور پر جگہ سنبھالتے تھے۔ دوسری جانب ایک دو قانونی ماہر بیٹھتے تھے۔ سامنے چند ایسے افسر بٹھائے جاتے تھے جو رائے دینے کی ہمت اور اہلیت تو نہیں رکھتے تھے، البتہ نہایت سرگرمی سے ہاں میں ہاں ملانے کے خوب ماہر تھے۔ ایسی محفلوں کی روئیداد قلم بند کرنے کے صدر کے سیکریٹری کے طور پر مجھے بھی حاضر رہنا پڑتا تھا۔ کم و بیش گھنٹہ بھر صدر ایوب اپنے ''سیاسی فلسفہ'' پر تقریر فرماتے تھے۔ جی حضوری حاضری باش سر ہلا ہلا کر اور ہاتھ نچا نچا کر داد دیتے تھے اور منظور قادر صاحب کو یہ فریضہ سونپا جاتا تھا کہ وہ آج کے صدارتی ملفوظات کو آئینی شقوں میں ڈھال کر لائیں۔

ایک روز صدر ایوب نے حسب معمول اپنے ''سیاسی فلسفہ'' پر ایک طولانی تقریر ختم کی تو ایک سینئر افسر وجد کی کیفیت میں آ کر جھومتے ہوئے اٹھے اور سینے پر دونوں ہاتھ رکھ کر عقیدت سے بھرائی ہوئی آواز میں بولے ''جناب! آج تو آپ کے افکار عالیہ میں پیغمبری شان جھلک رہی تھی''۔

یہ خراج تحسین وصول کرنے کے لئے صدر ایوب نے بڑی تواضع سے گردن جھکائی۔ یہ سینئر افسر مرزائی عقیدہ سے تعلق رکھتے تھے۔ مجھے خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں صدر ایوب سچ مچ اس جھوٹ موٹ کے اڑن کھٹولے میں سوار ہو کر بھک سے اوپر کی

Marfat.com

طرف نہ اڑنے لگیں، چنانچہ اس غبارے کی ہوا نکالنے کے لئے میں بھی اسی طرح عقیدت سے سینے پر ہاتھ رکھ کر کھڑا ہو گیا اور نہایت احترام سے گزارش کی ''جناب! آپ ان صاحب کی باتوں میں بالکل نہ آئیں کیونکہ صرف خود ساختہ پیغمبروں کی شان کا تجربہ ہے''۔

بات بڑھنے لگی تھی، لیکن صدر ایوب نے بیچ بچاؤ کر کے معاملہ رفع دفع کر دیا اور حکم دیا کہ باہر جانے سے پہلے ہم ایک دوسرے کے ساتھ دوستانہ ہاتھ ملائیں اور گلے ملیں۔

اسی طرح کی چھان پھٹک اور لگاتار محنت کے بعد خدا خدا کر کے صدر ایوب کا آئین مرتب ہوا۔ اس کی نوک پلک درست کرنے کیلئے وقتاً فوقتاً بیرون ملک سے بھی کچھ ماہرین آتے رہے۔ 1962ء کے شروع ہی سے اس قسم کی خبروں اور افواہوں کا تانتا بندھ گیا کہ عنقریب نیا آئین نافذ ہوتے ہی مارشل لاء اٹھا جائے گا اور اس کے بعد ملک میں از سرِ نو سرگرمیوں کی اجازت مل جائے گی۔ غالباً 7 یا 8 فروری کا دن تھا۔ میں ایوان صدر راولپنڈی میں اپنے کمرے میں بیٹھا کام کر رہا تھا۔ اچانک صدر کا ہیڈ اردلی میرے لئے چائے کی پیالی لے کر آیا اور پریشانی کے لہجے میں راز داری سے بولا ''آج جی۔ ایچ۔ کیو سے کئی جرنیل صدر صاحب سے ملنے آئے ہوئے ہیں۔ گھنٹہ بھر سے میٹنگ چل رہی ہے۔ بیرا چائے لے کر گیا تو ڈانٹ کر نکال دیا کہ ابھی مت آؤ۔ کبھی کبھی اندر سے کافی بلند آواز سنائی دیتی ہے۔ اللہ خیر کرے''۔ یہ سن کر مجھے حیرت ہوئی کیونکہ فوجی جرنیلوں کے ساتھ اس قسم کی کوئی میٹنگ صدر کے آج کے پروگرام میں درج نہ تھی۔

اس بات کے کوئی نصف گھنٹہ بعد صدر ایوب نے مجھے اپنے پاس بلایا۔ وہ کسی قدر پریشان سے نظر آتے تھے۔ وہ پھیکے طور پر بددلی سے مسکرائے اور بولے ''چند روز قبل اخباروں میں کسی نجومی نے پیش گوئی کی تھی کہ دنیا عنقریب ختم ہونے والی ہے، لیکن آج جو باتیں میں نے سنیں، ان سے تو یہی ظاہر ہوتا تھا کہ دنیا کا خاتمہ آج ہی ہونے والا ہے''۔

صدر ایوب نے کسی قدر وضاحت سے مجھے بتایا کہ جی۔ ایچ۔ کیو کے سینئر افسران پر یہ زور دینے آئے تھے کہ آئین نافذ کر کے مارشل لاء ہرگز نہ اٹھانا۔ اگر ایسا کیا تو حالات بے حد بگڑ جائیں گے۔ زمین پھٹ جائے گی۔ آسمان گر پڑے گا۔ ان کا اصرار تھا کہ صدر ایوب کم از کم پانچ سال اور مارشل لاء کے زیر سایہ آرام سے حکومت کرتے رہیں''۔

آپ نے ان کو کیا جواب دیا؟ میں نے کسی قدر بے صبری سے پوچھا۔

صدر ایوب مسکرائے ''میں نے ان کی بات فوراً مان لی۔ اس شرط پر کہ وہ مجھے یہ گارنٹی لا دیں کہ میں پانچ سال ضرور زندہ رہوں گا!''۔

غالباً صدر ایوب اس بات پر خوش تھے کہ فوجی افسران کی دلیل سے لاجواب ہو کر واپس لوٹ گئے ہیں، لیکن حقیقت یہ تھی کہ اس وقت کے جرنیلوں میں ایسا کوئی مائی کا لال نہ تھا جو صدر ایوب کے سامنے خم ٹھونک کر کھڑا ہو جاتا اور اپنا مطالبہ رد ہوتا دیکھ کر علم بغاوت بلند کر دیتا۔ سول حکومت کے علاوہ فیلڈ مارشل کو اب تک فوج پر بھی پورا کنٹرول حاصل تھا۔ البتہ میرے ذہن میں یہ سوالیہ نشان اب تک باقی ہے کہ ملک میں امن و امان کی صورتحال بالکل درست تھی۔ کوئی بیرونی خطرہ بھی سر پر سوار نہ تھا۔

Marfat.com

آئین سازی کا مرحلہ طے ہو چکا تھا ایک محدود طرز کی لنگڑی لولی جمہوریت کی طرف پیش رفت جاری تھی۔ ایسے ماحول میں آئین نافذ کرنے اور مرشال لاء اٹھانے پر جی۔ ایچ۔ کیو کی اعلیٰ سطح کے جرنیلوں کو اگر اعتراض تھا تو کیوں تھا؟ یہ فروری 1962ء کی بات ہے۔ اس پس منظر میں بعد کے بہت سے واقعات کا زائچہ بنانے کے لئے کسی خاص علم نجوم کی حاجت باقی نہیں رہتی۔

خدا خدا کر کے یکم مارچ 1962ء کا روز آیا، جبکہ صدر ایوب نے ریڈیو پر تقریر کر کے اپنے نئے آئین کا اعلان کر دیا۔ اسی روز شام کو کراچی کے گورنر ہاؤس میں ایک پریس کانفرنس بھی بلائی گئی۔ مشرقی اور مغربی پاکستان سے قومی، صوبائی اور دوسری سطح کے اخبارات اور رسائل کے بہت سے مدیر جمع ہوئے۔ نئے آئین میں یہ درج تھا کہ آئین کے نفاذ کے دو برس بعد صدر مملکت کا از سرِ نو انتخاب ہوگا۔ کابینہ کے چند وزیروں کو یہ فکر دامن گیر ہوگئی کہ اگر صدر کا انتخاب دو برس کے بعد ہوا تو ان کی وزارت بھی دو برس کے قلیل عرصہ ہی میں ختم ہو جائے گی۔ چنانچہ اپنی وزارتی میعاد کو طول دینے کے لئے انہوں نے یہ چال چلی کہ انہوں نے حیلے بہانے سے صدر پر دباؤ پر ڈالنا شروع کر دیا کہ وہ آئین میں اپنا انتخاب دو کی بجائے پانچ برس کے بعد رکھیں۔ ان کا کہنا تھا کہ صدر نے بہت سی انقلابی اصلاحات کا ڈول ڈالا ہوا ہے۔ ان اصلاحات کی بیل منڈھے چڑھانے کے لئے دو برس کا وقفہ نہایت ناکافی ہے، اس لئے آئین کی رو سے صدر کا انتخاب پانچ برس کے بعد مقرر ہونا چاہئے۔ (اس نکتے پر جی۔ ایچ۔ کیو کے جرنیلوں اور کابینہ کے نامزد وزیروں میں مکمل ہم خیالی تھی) لیکن صدر ایوب اپنے ان خیر خواہ وزیروں کے دل کا اصلی مقصد بخوبی بھانپ گئے تھے، اس لئے انہوں نے کسی کی نہ سنی اور آئین میں اپنا انتخاب دو برس کے بعد رکھنے پر ہی مصر رہے۔ یکم مارچ کو پریس کانفرنس سے چند گھنٹے قبل یہ وزرائے کرام صدر مملکت کے ارد گرد شہد کی مکھیوں کی طرح بھنبھناتے رہے اور دو برس کا عبوری دور بڑھانے کے لئے طرح طرح کے جتن کرتے رہے۔ صدر نے انہیں بار بار ڈانٹا ڈپٹا اور ناراضگی کا اظہار بھی کیا، لیکن وہ حضرات بھی اپنی دھن کے پکے تھے۔ انتہائی مستقل مزاجی سے اپنی کوششوں میں لگاتار مصروف رہے۔ یہاں تک کہ دوسری منزل پر دربار ہال میں پریس کانفرنس میں جانے کے لئے جب ہم سیڑھیاں چڑھ رہے تھے تو ایک وزیر صاحب نے گھٹنے ٹیک کر صدر ایوب کا راستہ روک لیا اور ہاتھ جوڑ کر بولے "سر! خدا کے لئے عبوری دور کی مدت کچھ تو ضرور بڑھائیے"۔

"اچھا بابا اچھا" صدر ایوب نے جھنجھلا کر کہا "میری جان خلاصی کرو میں دو برس کی بجائے تین سال کا اعلان کر دوں گا"۔

یہ سن کر میں نے صدر سے کہا "سر! آئین کی جو کاپی ہم صحافیوں میں پہلے ہی تقسیم کر چکے ہیں، اس میں تو یہ مدت صریحاً دو سال درج ہے۔ اب اچانک بڑھا کر تین سال کا اعلان کرنا ایک خواہ مخواہ کی عجیب سی پس اندیشی نظر آئے گی"۔

صدر ایوب نے جھنجھلا کر میری طرف دیکھا اور غصے سے بولے "بس بس۔ اب تم بھی مجھے مزید نروس نہ کرو۔ میں صورتحال سے نپٹ لوں گا"۔

Marfat.com

اس کشمکش اور کھینچا تانی کے بعد صدر ایوب جب پریس کانفرنس میں پہنچے تو ان کا موڈ کافی خراب اور برہم تھا۔ دربار ہال اخباروں اور رسالوں کے ایڈیٹروں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ نئے آئین کے متعلق صدر نے اپنا تحریری بیان کسی قدر غصیلے لہجے میں اس طرح پڑھنا شروع کیا جیسے وہ محاذ جنگ پر بیٹھے دشمن پر گولہ باری کر رہے ہیں۔ جب انہوں نے یہ اعلان کیا کہ وہ تین برس کے بعد نیا انتخاب لڑیں گے تو ایک صاحب نے ٹوک کر پوچھا ''سر آئین کا جو ڈرافٹ ہمیں تقسیم ہوا ہے، اس میں دو برس کی مدت درج ہے''۔

''اسے آپ بھول جائیں'' صدر ایوب نے چڑ کر کہا، میں نے تین برس کا اعلان کیا ہے تو لازماً یہ مدت تین برس کی ہی ہوگی''۔

ایک اور ایڈیٹر نے کسی قدر طنزیہ انداز میں کہا ''سر! نئے آئین میں کیا ہم اس تبدیلی کو پہلی آئینی ترمیم شمار کرنے میں حق بجانب ہوں گے''۔

یہ سن کر صدر ایوب کا ناریل چٹخ گیا۔ انہوں نے جھلا کر آئینی ترمیم کی اصطلاح پر انتہائی سخت الفاظ استعمال کیے۔ یہ الفاظ سخت ہی نہ تھے بلکہ ان میں ایک دو غیر ثقہ اور فحش الفاظ بھی در آئے تھے جن کا استعمال بھری محفل میں بے حد غیر موزوں تھا۔ خاص طور پر جہاں ایک خاتون بھی موجود تھی۔ جونہی صدر ایوب کی نگاہ مشرقی پاکستان کی اس خاتون صحافی پر پڑی۔ وہ ٹھٹک کر جھینپ گئے اور انتہائی بے بسی سے زیر لب بڑبڑائے ''حماقت ہوگئی۔ اب کیا ہو سکتا ہے''۔

اس حادثہ کے بعد صدر ایوب کسی قدر سنبھل کر بیٹھ گئے اور صحافیوں کے سوالوں کے جواب نسبتاً تحمل سے دیتے رہے، لیکن بنگالی اخبار ''سنگ باد'' کے ایڈیٹر ظہور چودھری نے جب پوچھا کہ کیا اخبارات کو اس بات کی اجازت ہے کہ وہ آئین پر آزادانہ تنقید کر سکیں تو صدر صاحب کا مزاج پھر برہم ہوگیا۔ اس روز ساری پریس کانفرنس کے دوران ان کا پارہ بار بار چڑھا اور بار بار اترا۔ میرے تجربے میں اس پریس کانفرنس میں صدر ایوب کی کارکردگی انتہائی درجہ کی ہلکی، پست، ناکافی اور کمزور تھی۔

8 جون 1962ء کو صبح ساڑھے آٹھ بجے صدر ایوب نے نیشنل اسمبلی میں جا کر مارشل لاء اٹھانے کا اعلان کرنا تھا۔ آٹھ بجے وہ تیار ہو کر ایوان صدر کے برآمدے میں آئے تو جمیل الدین عالی اور میں ان کی تاک میں بیٹھے تھے۔ ہم نے کافی محنت سے کاپی رائٹ قانون کا ایک مسودہ تیار کر رکھا تھا۔ ہماری کوشش تھی کہ مارشل لاء کے دوران ہی یہ قانون آرڈیننس کے طور پر نافذ ہو جائے تو آسانی رہے گی، ورنہ بعد ازاں اسمبلی میں جا کر خدا جانے اس کا کیا حشر ہو، کیونکہ اس اسمبلی میں تو لازماً پبلشروں کی لابی بھی اس کے خلاف اپنا اثر ورسوخ بے دریغ استعمال کرے گی۔ چنانچہ جب صدر اپنی کار کی طرف روانہ ہوئے تو ہم نے انہیں روکا اور برآمدے میں کھڑے کھڑے ہی کاپی رائٹ آرڈیننس پر ان سے دستخط کروا لیے۔

پریس کانفرنس میں تو ایک صحافی نے آئین میں پہلی ترمیم کا چٹکلا چھوڑ کر صدر ایوب کو آزمائش زیر پا کر دیا تھا، لیکن اسمبلیوں کا کاروبار شروع ہوتے ہی آئین میں ترمیمات کا طوفان بدتمیزی امڈ آیا اور صدر ایوب بڑی خوش دلی سے ان پر برابر آمنا وصدقنا کہتے رہے۔ پہلی ترمیم آئین نافذ ہونے کے بعد چار روز کے اندر اندر عمل میں آ گئی۔ اس کے بعد یہ سلسلہ دراز سے دراز تر ہوتا گیا اور ایوب خان صاحب کے دور صدارت میں ان کے اپنے بنائے ہوئے آئین میں آٹھ بار ترمیم ہوئی۔ آئین کی

Marfat.com

39 دفعات تبدیل کی گئیں۔ ان میں سے چند دفعات تو کئی کئی بار تبدیل ہوئیں۔ ان میں بعض کا تعلق صدارتی انتخاب سے تھا اور ترامیم کا واحد مقصد یہ تھا کہ اگلے انتخاب میں ہر قیمت پر صدر ایوب کا پلہ بھاری رہے۔ اس کے علاوہ ایک پورے کا پورا باب تبدیل کر کے نئے سانچے میں ڈھال دیا گیا۔ جس سرعت اور تواتر سے ترمیم اور تجدید کا یہ عمل وقوع پذیر ہو رہا تھا، اس سے یہی شبہ پیدا ہوتا تھا کہ صدر ایوب کے احاطہ فکر میں آئین کے تقدس نام کی کوئی شے سرے سے موجود ہی نہیں۔

یوں بھی جن اصولوں کی آڑ لے کر صدر ایوب نے اپنا فوجی انقلاب برپا کیا تھا، بہت جلد وہ بھی ریت کی دیوار کی طرح اسی طرح معدوم ہونے لگے، جس طرح ان کے اپنے بنائے ہوئے آئین کا حلیہ تبدیل ہو رہا تھا۔ معاشرے کو سیاسی جماعتوں سے نجات دلانا ان کا ایک نہایت بلند بانگ دعویٰ تھا، لیکن مارشل لاء اٹھے ہوئے ابھی چالیس دن بھی پورے نہیں ہوئے تھے کہ صدر کی منظوری کے ساتھ پولیٹیکل پارٹیز ایکٹ جاری ہوا جس کی رو سے اسمبلیوں کے اندر اور باہر سیاسی جماعتیں از سر نو بحال ہو گئیں۔ اس قانون کے نافذ ہوتے ہی صدر ایوب اپنے نام نہاد انقلابی نصب العین کے بلند پایہ ستون سے لڑھک کر دھڑام سے نیچے گرے اور سیاست کی سی دلدل میں آ پھنسے جس کی سڑاند اور عفونت مٹانے کے لئے انہوں نے مارشل لاء کا سارا کھڑاگ کھڑا کیا تھا۔ اس نئی صورتحال میں صدر ایوب کا زاویہ نگاہ یکسر بدل گیا اور جو پرانے سیاستدان ''ایبڈو'' کی زد میں آ کر چھ سال کے لئے معطل ہو چکے تھے، ان کی نظر میں وہ لوگ بھی یکا یک پسندیدہ اور قابل اعتماد بن گئے۔ چنانچہ صدر ایوب کے ایما سے قومی اسمبلی میں ایک بل پیش کی گیا کہ ''ایبڈو'' کے تحت سیاستدانوں پر عائد کی ہوئی پابندیاں اٹھائی جائیں، لیکن اسمبلی میں آئے ہوئے نئے سیاستدانوں کو اس میں اپنے لئے شدید خطرات نظر آئے۔ چنانچہ انہوں نے اس بل کو مسترد کر دیا۔ ان نئے حالات میں صدر ایوب نے پہلے اپنی ایک نئی سیاسی جماعت بنانے کے امکانات کا جائزہ لیا۔ اس میں دال گلتی نہ دیکھی تو پھر ان کی نگاہ انتخاب مسلم لیگ پر پڑی۔ دل ہی دل میں وہ اس جماعت کی قیادت کو ایک طرح سے اپنی جائز وراثت بھی سمجھتے تھے۔ ان کے گرد روز افزوں بڑھتے ہوئے خوشامدیوں اور کاسہ لیسوں کا ایک گروہ رفتہ رفتہ انہیں اس غلط فہمی میں مبتلا کر رہا تھا کہ صدر ایوب، قائداعظم کے صحیح جانشین پیدا ہوئے ہیں اور جو کام قائداعظم ادھورا چھوڑ گئے ہیں انہیں پورا کرنا ایوب خان کے مقدر میں لکھا ہے۔ کبھی کبھی چند ایک پیشہ ور روحانی بزرگ بھی انہیں اس قسم کے نوشتۂ تقدیر کی خوشخبری سنا کر نذرانے میں اپنے لئے کوئی ٹرانسپورٹ روٹ پرمٹ یا امپورٹ لائسنس یا زمین کا پلاٹ حاصل کر لیتے تھے۔ سیاسی گماشتے اور دلال تو خیر کاسۂ گدائی ہاتھ میں لئے ہر وقت ان کے گرد منڈلانے کے لئے تیار ہی رہتے تھے۔

صدر ایوب ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ ہمارے ملک میں سیاست پیسے کا کھیل ہے۔ جس کے پاس دولت کی کمی ہے، وہ سیاست میں بھی ناکام ہے۔ چنانچہ انہوں نے بعض سیٹھ صاحبان سے چندہ جمع کر کے ایک اچھی خاصی رقم مسٹر اے۔ کے۔ کریم فضل القادر چودھری کے حوالے کی۔ مشرقی پاکستان کے یہ صاحب پرانے مسلم لیگی تھے۔ پہلے صدر ایوب کی کابینہ میں وزیر تھے۔ بعد ازاں قومی اسمبلی کے سپیکر رہے۔ ان کی یہ ڈیوٹی لگی کہ مسلم لیگ کی قیادت سنبھالنے کیلئے وہ صدر ایوب کی راہ ہموار کریں۔

Marfat.com

اُن دنوں مسلم لیگ کی سرگرمیوں کا مرکز ڈھاکہ بنا ہوا تھا۔ جماعت کی تنظیم نو کے لئے بزرگ مسلم لیگی لیڈر مولانا اکرم خان کے مکان پر پرانے رہنماؤں کے بہت سے اجتماع ہوئے اور مسلم لیگ کونسل کی ایک میٹنگ منعقد کرنے کا اعلان بھی جاری ہوا۔ یہ اعلان سن کر صدر ایوب کے سیاسی دلالوں پر مردنی چھا گئی کیونکہ ڈھاکہ مسلم لیگ کونسل میں بیشتر تعداد ان پرانے "متند اور کٹر رہنماؤں کی تھی جو صدر ایوب کو اپنی صفوں میں جگہ دینے کے لئے ہرگز تیار نہ ہوتے۔ چنانچہ اس کاروبار کو سبوتاژ کرنے کے لئے فضل القادر چودھری صاحب جملہ ساز و سامان سے لیس ہو کر بھاگم بھاگ ڈھاکہ پہنچے۔ تفصیلات کا تو مجھے علم نہیں، لیکن انہوں نے کسی نہ کسی طرح مولانا اکرم خان کو شیشے میں اتار لیا اور بغیر کوئی وجہ بتائے مولانا نے مسلم لیگ کونسل کے اجلاس کا اعلان منسوخ کر دیا۔ ساتھ ہی مسٹر چودھری نے ڈھاکہ سے میرے سیکروفون پر صدر کے لئے پیغام بھیجا کہ سیاسی مقاصد کے لئے جو فنڈ ان کے سپرد کیا گیا تھا وہ ختم ہو چکا ہے اور اب انہیں مزید پانچ لاکھ روپے کی فوری ضرورت ہے۔

ایک دو روز بعد یہ خبر بھی شائع ہوگئی کہ عنقریب مسلم لیگ کی ایک نمائندہ کنونشن راولپنڈی میں منعقد ہوگی جس میں ایک ہزار سے زیادہ لیڈر اور کارکن شرکت کریں گے۔ بعد ازاں اس کنونشن کا مقام انعقاد راولپنڈی سے تبدیل ہو کر کراچی مقرر ہو گیا۔ مولانا اکرم خان کو اس کنونشن کی صدارت کیلئے پھانسنے کے لئے سرتوڑ کوشش ہوئی۔ ان کے انکار پر چند وزیروں نے ان کے اخبار "آزاد" کو نقصان پہنچانے کی دھمکیاں دیں، لیکن مولانا بدستور اپنے انکار پر اڑے رہے۔

مولانا اکرم خان کی طرف سے مایوس ہو کر کنونشن کی صدارت راجہ صاحب محمود آباد کو پیش کی گئی۔ راجہ صاحب انتہائی سلجھے ہوئے، دیانتدار، پرخلوص اور پاکیزہ سیرت انسان تھے۔ جب انہوں نے بھی اس پیشکش کو ٹھکرا دیا تو ایک روز صدر ایوب نے مجھ سے کہا "یہ تمہارے دوست راجہ صاحب بھی صرف باتیں بنانا جانتے ہیں۔ ملک کی خدمت کے لئے اگر انہیں کوئی عملی کام سونپا جائے تو جان چھڑا کر بھاگتے ہیں۔ معلوم نہیں بے چارے قائداعظم ایسے بے عمل لوگوں کے ساتھ کیسے گزارہ کر لیتے تھے"۔

میں نے یہ بات راجہ صاحب کو سنائی تو وہ مسکرائے اور بولے "صدر صاحب کو تو میرا شکر گزار ہونا چاہئے کہ میں نے کنونشن کی صدارت کے لئے ایک نہایت کارآمد نام تجویز کر دیا ہے اور انہوں نے اسے منظور بھی کر لیا ہے؟

"وہ کونسا نام ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"چودھری خلیق الزمان۔" راجہ صاحب نے بتایا اس کام کے لئے ان سے زیادہ اور کون شخص موزوں ہو سکتا ہے؟

چودھری خلیق الزمان صاحب بھی پرانے منجھے ہوئے سیاستدان تھے۔ 1940ء کے تاریخی لاہور ریزولیشن کا متن انہی کا ڈرافت کردہ تھا۔ بعض وجوہات سے وزیراعظم لیاقت علی خان کے زمانے سے مسلم لیگ کے حلقوں میں چودھری صاحب کی حیثیت کسی قدر متنازعہ فیہ چلی آ رہی تھی، لیکن صدر ایوب کی بنائی ہوئی کنونشن مسلم لیگ کو انہوں نے نہایت چابکدستی اور ہنر مندی سے سنبھالا۔ اپنی شیریں بیانی، خوش کلامی اور حکمت عملی سے انہوں نے صدر ایوب کے دماغ سے مسل لیگ کی قیادت کا کیڑا نکال باہر پھینکا اور رفتہ رفتہ انہیں اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ مسلم لیگ میں شامل تو ضرور ہو جائیں، لیکن ایک عام رکن کی حیثیت سے! چنانچہ مئی 1963ء ایوان صدر راولپنڈی میں ایک خاص گورنر کانفرنس منعقد ہوئی۔ مرکزی وزیروں کے علاوہ بعض

Marfat.com

چیدہ چیدہ صوبائی وزیر بھی اس میں شامل ہوئے۔ کنونشن مسلم لیگ کے صدر چودھری خلیق الزمان خصوصی دعوت پر شریک محفل ہوئے۔ موضوع بحث یہ تھا کہ صدر ایوب کو کنونشن مسلم لیگ کی رکنیت اختیار کرنی چاہئے یا نہیں۔ چودھری خلیق الزمان نے ایک فصیح و بلیغ طولانی تقریر میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ صدر ایوب کا مسلم لیگ کی رکنیت اختیار کرنا ہی ملک اور قوم کے بہترین مفاد میں ہے۔ اس کے بعد کالا باغ سمیت تمام حاضرین نے یکے بعد دیگرے اس تجویز کی نہایت شدت سے تائید کی۔ چنانچہ مبارک سلامت کے غلغلے میں صدر نے دو فارموں پر دستخط کر کے کنونشن مسلم لیگ کی دہری رکنیت حاصل کر لی۔ ایک مشرقی پاکستان کی طرف سے، دوسری مغربی پاکستان کی جانب سے۔ اس کے بعد دعائے خیر ہوئی۔ پھر کسی من چلے نے رکنیت کا فارم نواب کالا باغ کے سامنے رکھ دیا کہ وہ بھی اس پر دستخط کر کے کنونشن مسلم لیگ میں شامل ہو جائیں۔ نواب صاحب نے جھٹک کر یہ فارم اس طرح کھینچ کر دور دے مارا، جیسے ان کے دامن پر کوئی بچھو آ گرا ہو، ساتھ ہی وہ کسی قدر ناراضگی سے بولے ''ارے بابا! مجھے معافی دو۔ مجھے خواہ مخواہ اس گندگی میں کیوں گھسیٹتے ہو۔

اتفاق یہ فقرہ صدر ایوب نے بھی سن لیا۔ حیرت اور شکایت کے ملے جلے انداز سے گھور کر وہ کچھ لب کشائی کرنے والے تھے کہ نواب صاحب نے گرگٹ کی طرح رنگ بدل لیا اور انتہائی لجاجت اور انکساری سے کسمسا کر بولے ''عالیجاہ! گورنر تو جناب کے لگائے ہوئے ادنیٰ غلام ہیں۔ میرا خیال ہے کہ دوسرے سرکاری ملازمین کی طرح گورنروں کو بھی سیاست سے الگ رکھنا ہی مناسب ہوگا''۔

یہ کہہ کر انہوں نے تائید حاصل کرنے کے لئے مشرقی پاکستان کے گورنر عبدالمنعم خاں کی طرف دیکھا جو ناک سکیڑے اور تیوریاں چڑھائے اپنے گلے سے فوں فاں، غوں غاں، شوں شاں قسم کی بے معنی سی آوازیں برآمد کرنے میں مصروف تھے۔ ان کے انداز سے کسی پر یہ عقدہ نہ کھل سکا کہ وہ نواب صاحب کے موقف کی تائید کر رہے ہیں یا تردید۔

اس کے چند روز بعد ایک شادی کی تقریب میں میری ملاقات چودھری خلیق الزمان سے ہوئی۔ وہ نہایت ہشاش بشاش اور خوشگوار موڈ میں تھے۔ مجھے دیکھتے ہی فرمانے لگے ''لو میاں شہاب! میں نے تمہارے فیلڈ مارشل کی فوجی وردی اتار کر انہیں مسلم لیگ کے دونی مارکہ کارکنوں کی صف میں لا کھڑا کیا ہے''۔

''چودھری صاحب! اب تو یہ فرمائیے کہ مسلم لیگ اور ایوب خان دونوں کا اپنا کیا حشر ہوگا؟ میں نے سوال کیا۔

چودھری خلیق الزمان نے چہک کر ایک زور کا قہقہہ لگایا اور پھر انہوں نے لہک لہک کر یہ شعر پڑھا:

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا

ہمارے قریب ہی ایک صاحب ہماری باتوں کی طرف کان لگائے ہمہ تن گوش کھڑے تھے۔ شعر سن کر وہ بد کے اور کان کھجاتے ہوئے ہمارے درمیان آ کھڑے ہوئے۔ آتے ہی انہوں نے اسی بحر، قافیہ اور ردیف میں ایوب خان اور مسلم لیگ کے متعلق ایسے فحش اور مغلظات سے بھرے ہوئے اشعار سنانے کا تانتا باندھ دیا کہ الحفیظ والامان۔ چودھری خلیق الزمان تو چپکے سے وہاں سے کھسک گئے، لیکن چند دیگر لوگوں نے آ کر ہمیں گھیر لیا اور ایک ایک فحش شعر پر بڑھ چڑھ کر داد دینے لگے۔ بعد میں

Marfat.com

معلوم ہوا کہ شعر سنانے والے صاحب چودھری خلیق الزمان کے بھائی تھے اور ان کا اسم گرامی غالباً مشفق الزمان تھا۔ سنا ہے کہ ان کے پاس بہت سے موضوعات پر فحش اور غلیظ اشعار کا بہت بڑا ذخیرہ موجود رہتا تھا اور ایسے اشعار سناتے وقت ترنگ میں آ کر وہ خواتین اور بچوں کی موجودگی کا بھی کوئی لحاظ نہ فرماتے تھے۔

میرے نزدیک بھی صدر ایوب کا سیاست کے خارزار میں قدم رکھنا ایک بہت المیہ تھا۔ بدشگونی کے طور پر انکا پہلا قدم ہی ایک پیچیدہ تخریب کا باعث بن گیا۔ وہ یہ کہ قائداعظم کی مسلم لیگ دو حصوں میں تقسیم ہو کر کنونشن مسلم لیگ اور کونسل مسلم لیگ بن گئی۔ اس طرح بٹ کر یہ جماعت مستقبل میں کوئی مؤثر کردار ادا کرنے سے قطعاً معذور ہو گئی۔ موجودہ زمانے میں مزید حصے بخرے ہو کر یہ تین گروہوں میں بکھر گئی ہے جن کا وجود اصولوں کے بجائے چند شخصیتوں کے ساتھ وابستہ ہے۔ قیوم مسلم لیگ، خواجہ خیر الدین مسلم لیگ اور پیر پگاڑا مسلم لیگ۔ ان تینوں گروہوں میں سے ایک بھی ایسا نہیں جو قومی سطح پر کسی سنجیدہ اور باوقار قیادت کا علمبردار ہو۔

سیاست میں داخل ہو کر مسلم لیگ کی شکست و ریخت کے علاوہ صدر ایوب نے کوئی قابلِ ذکر کارنامہ سرانجام نہیں دیا۔ سیاست پر انہوں نے اپنی الگ کوئی خاص چھاپ نہیں لگائی بلکہ اس کے برعکس وہ مروجہ سیاست کے انہی ٹیڑھے ترچھے سانچوں میں برضا و رغبت ڈھلتے گئے جن کی تطہیر کے لئے انہوں نے مارشل لاء کا سوانگ رچایا تھا۔

اگر 8 جون 1962ء کو مارشل لاء اٹھانے کے بعد صدر ایوب اپنا وضع کردہ آئین قومی اسمبلی کے سپرد کر کے کہتے کہ سپردم بتو مایہ خویش را۔ تو دانی حساب کم و بیش آرا۔ اور اس کے بعد خود کنارہ کش ہو کر گوشہ عافیت اختیار کر لیتے، تو شاید تاریخ کا دھارا کوئی اور رخ اختیار کرتا۔

فیلڈ مارشل کی وفات سے کئی ماہ پہلے یہی سوال میں نے ان کے سامنے اسلام آباد میں دہرایا تھا۔ وہ کچھ دیر سوچ میں ڈوبے رہے، پھر سنجیدگی سے بولے "تمہارے یہی سوال ہے کہ نا کہ مارشل لاء اٹھا کر اور نیا آئین نیشنل اسمبلی کے سپرد کر کے اگر میں آ بیٹھتا، تو پھر کیا ہوتا؟ میرا جواب سن لو کہ پھر یقیناً جنرل موسیٰ ہوتا"۔

جنرل موسیٰ اس زمانے میں پاکستانی فوج کے کمانڈر انچیف تھے۔

سات برس بعد جب صدر ایوب واقعی گھر آ کر بیٹھنے پر مجبور ہو گئے تو ان کی جگہ آئین کے مطابق قومی اسمبلی کے سپیکر نے نہ لی بلکہ جنرل یحییٰ آئین منسوخ کرنے کے بعد مارشل لاء لگا کر اقتدار سنبھال بیٹھے۔

یہ بھی تاریخ کی ایک عجیب ستم ظریفی ہے کہ پاکستان میں آئین بنتے ہی ایک نہ ایک فوجی جرنیل اس کا سر کچلنے کے لئے مارشل لاء کا گرز اٹھائے تیار کھڑا ہوتا ہے۔ چودھری محمد علی والا آئین تین برس چل کر جنرل ایوب خان کے ہاتھوں منسوخ ہو گیا۔ ایوب خان کا آئین سات برس بعد جنرل یحییٰ خان نے پاؤں تلے روند ڈالا۔ 1973ء کا ہمہ جماعتی متفقہ آئین بھی 1977ء سے جنرل ضیاء الحق کے مارشل لاء میں ہر چند کہیں ہے کہ نہیں ہے! آئین کی پے در پے پامالی کے بعد وطن عزیز میں اس افسوسناک اور تشویشناک صورتحال کی وجہ آخر کیا ہے؟ کیا اس کی وجہ آئین کی متواتر اور مزمن بے وقعتی ہے یا شعبہ سیاست کی

Marfat.com

کم مائیگی وبدحالی ہے یابرّی فوج کے کمانڈرانچیف کی نفسیات میں ایسے اجزاء شامل ہوگئے ہیں کہ سول حکومت پر قبضہ جمانے کی ترغیب کے سامنے اس کی قوت مزاحمت جواب دے جاتی ہے؟

صدر ایوب کے آئین کے نفاذ کے سوا سال بعد جب میں بطور سفیر تعینات ہوکر ہالینڈ جارہا تھا تو اس وقت کے برّی فوج کے کمانڈرانچیف جنرل موسیٰ کو خدا حافظ کہنے جی۔ایچ۔کیو گیا۔ باتوں باتوں میں مجھے یہ صاف اندازہ ہوگیا کہ جنرل موسیٰ بڑی بے چینی سے اس امر کا جائزہ لے رہے ہیں کہ اگر وہ مارشل لاء کے ذریعے صدر ایوب کی حکومت کا تختہ الٹ دیں تو اس کارروائی پر ملک بھر میں کیا ردعمل ہوگا؟ یہ دوسری بات ہے کہ اپنی ہمت کی کمی اور شخصیت کی کمزوری کہ وجہ سے وہ اس خواہش کو عملی جامہ پہنانے کے لئے کبھی کوئی معمولی سا قدم بھی اٹھانے میں معذور رہے، البتہ ان کے بعد آنے والے کمانڈرانچیف جنرل یحییٰ خان کا حال دوسرا تھا۔ جب کمانڈرانچیف کے طور پر یحییٰ خان کا انتخاب اخباروں میں شائع ہوا تو کئی خفیہ نویس اداروں نے صدر ایوب کو یہ رپورٹیں بھیجیں کہ اس خبر کے بعد ملتان، لاہور اور راولپنڈی میں یحییٰ خان کے قریبی رشتہ داروں نے بغلیں بجائیں، چراغاں کیا اور اس اعلان کے ساتھ مٹھائی بانٹی کہ ''اب صدارت ہمارے گھر میں آگئی ہے''۔

سی ایس پی سے استعفیٰ

جنرل یحییٰ کے اقتدار میں آتے ہی حالات نے کچھ ایسا رنگ اختیار کیا میں نے سول سروس آف پاکستان سے استعفیٰ دے دیا۔ جرنل یحییٰ اپنے وقت کا کرپٹ ترین انسان تھا۔

یونیسکو

''یو۔این۔او کا کردار اور مسلمانوں کے خلاف سازش''

پہلی جنگ عظیم کے بعد دنیا میں امن وامان کو فروغ دینے کے لئے لیگ آف نیشنز وجود میں آئی تھی، لیکن یہ انجمن کفن چوروں کی جماعت ثابت ہوئی اور اقوام عالم کی بہت سی قبریں آپس میں تقسیم کرنے کے بعد اس نے آرام سے جنیوا میں دم توڑ دیا۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد اقوام متحدہ کی تنظیم نو یو۔این۔او نے جنم لیا۔ اس ادارے کا رہنما اصول ''جس کی لاٹھی اس کی بھینس'' ہے۔ جب کوئی لاٹھی والا طاقتور ملک جارحیت سے کام لے کر کسی چھوٹے اور کمزور ملک کی بھینس کا زبردستی ہنکا کر لے جاتا ہے تو یو۔این۔او فوراً جنگ بندی کا اعلان کر کے فریقین کے درمیان سیز فائر لائن کھینچ دیتی ہے۔ جنگ بندی کے خط پر یو۔این۔او کی نامزدگی اور مبصر متعین ہوجاتے ہیں جو اس بات کی خاص نگہداشت رکھتے ہیں کہ مسروقہ بھینس دوبارہ اپنے مالک کے پاس واپس نہ پہنچنے پائے۔ اس کے بعد یہ سارا معاملہ جنرل اسمبلی اور سیکورٹی کونسل کی قراردادوں میں ڈھل ڈھل کر نہایت پابندی کے ساتھ یو۔این۔او کے سردخانوں میں جمع ہوتا رہتا ہے۔

نیویارک میں جگہ کی کمیابی کے باعث مختلف شعبوں کے اپنے اپنے سردخانے یو۔این۔او کے دم چھال بین الاقوامی

Marfat.com

اداروں کے نام سے بہت سے دوسرے یورپی ممالک میں قائم ہیں۔ غالباً سیاسی گرد و غبار، موسمیاتی تپش و حرارت اور ناخواندگی و افلاس کی گرم بازاری کے پیش نظر مشرق وسطیٰ اور مشرق بعید سمیت کسی افریقی اور ایشائی ملک کو اقوام متحدہ کے کسی بڑے ذیلی ادارے سے نہیں نوازا گیا البتہ ابھی حال ہی میں Environmental Programme کے متعلق ایک بین الاقوامی ادارہ نیروبی میں قائم ہوا ہے۔ جس کی وجہ سے غالباً یہی ہو سکتی ہے کہ وہ عین خط استوا کے قریب واقع ہے!

اقوام عالم میں تعلیم، سائنس اور ثقافت کی ترقی و تعمیر و ترویج کے لئے یو۔ این۔ او کا جو ادارہ پیرس میں قائم ہے۔ اس کا نام یونیسکو ہے۔

(United Nations' Education, Science and Culture Organization)

اس کا ایک خاص طرہ امتیاز یہ ہے کہ یہ ادارہ اپنے بجٹ کا تقریباً دو تہائی حصہ پیرس میں متعین اپنے ہیڈ کوارٹر سٹاف پر صرف کرتا ہے اور باقی ایک تہائی حصہ ساری دنیا تعلیم، سائنس اور ثقافت کے فروغ پر لگاتا ہے یعنی سارے عالم میں تیس روپے کی تعلیمی، سائنسی اور ثقافتی پروگراموں پر عمل درآمد کے لئے یونیسکو کا ہیڈ کوارٹر پیرس میں بیٹھے ہوئے اسٹاف پر ستر روپے خرچ کرتا ہے!

شروع میں یونیسکو کا ہیڈ کوارٹر ایک پانچ منزلہ عمارت میں سمایا ہوا تھا۔ جوں جوں یونیسکو کا بجٹ بڑھتا گیا، اس رفتار سے اس کے عملے میں بھی اضافہ ہو گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے نوبت بہ ایں جا رسید کہ ایک دوسری عمارت بھی تعمیر ہوئی جس کی بلندی 11 منزلہ ہے۔ سنا ہے کہ بتدریج بڑھتے ہوئے سٹاف کی ضروریات کے لئے یہ دو عمارتیں بھی اب ناکافی ثابت ہو رہی ہیں۔ اس کے علاوہ مضافات میں ایک نہایت خوبصورت محل نما وسیع و عریض بنگلہ بھی ہے جو خاص الخاص لوگوں کے لئے مناسب اوقات پر عیش و نشاط فراہم کرنے کے کام آتا ہے۔

یونیسکو کی یہ ترقی معکوس اس کے ایک فرانسیسی ڈائریکٹر جنرل موسیو رینے ماہیو کے زمانے میں ہوئی یہ صاحب نیچے درجے کی اسامیوں سے ترقی کرتے کرتے اس عہدہ جلیلہ پر پہنچے تھے اور پورے بارہ برس تک یونیسکو کے سیاہ و سفید پر چھائے رہے۔

یو۔ این۔ او کے دیگر بین الاقوامی اداروں کی طرح یونیسکو کی خود مختاری ہر نوعیت کے احتساب سے بالاتر ہے۔ رینے ماہیو جیسا کائیاں ڈائریکٹر جنرل یونیسکو میں دونوں سپر پاورز کی ترازو کے پلڑے قریباً ہم وزن رکھتا تھا۔ دوسرے ممالک کے نمائندے اگر کسی موضوع پر کوئی حرف شکایت زبان پر لاتے تھے تو ان کا منہ بند کرنے کیلئے سیکریٹریٹ میں ملازمتوں کی رشوت فوراً کام آتی تھی۔ کچھ لوگ دنیا بھر کے سفر کرنے والے کمیشنوں اور کمیٹیوں میں شمولیت پر ہی آسانی سے ٹرخا دیئے جاتے تھے۔ بعض لوگوں کی قیمت صرف اتنی تھی کہ وہ وقتاً فوقتاً یونیسکو کے خرچ پر پیرس آتے جاتے رہیں۔ ان حربوں سے ہر طرح کی تنقید و تنقیص کا راستہ بند کرنے کے بعد جنرل کانفرنس اور ایگزیکٹو بورڈ کا کوئی اجلاس ڈائریکٹر جنرل کا بال تک بیکا نہ کر سکتا تھا۔

خود حفاظتی کا یہ حصار کھینچ کر موسیو رینے نے 12 برس تک یونیسکو میں اپنی اندر سبھا قائم کئے رکھی۔ ان کا زمانہ اخلاقی

Marfat.com

اقدار کی پامالی، ناانصافی، خویش پروری اور جنسی بے راہ روی کا دور تھا۔ انہوں نے اپنی ایک داشتہ کو اپنے ذاتی عملے میں ایک بڑی آسامی پر مامور کر رکھا تھا۔ ان کی دیکھا دیکھی دوسرا بہت سا سٹاف بھی اس روش پر چل نکلا۔ جب میں پہلی بار یونیسکو کی جنرل کانفرنس مں شریک ہونے پیرس گیا تو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ دفتر کے بہت سے کابک نما کمروں میں ایک مرد کے سامنے ایک عورت سج دھج کر بیٹھی ہے اور دونوں ٹکٹکی باندھے ایک دوسرے کی جانب ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم کے مصداق لگا ر دیکھ رہے ہیں۔ یونیسکو کی غلامی گردشوں میں گھومتے پھرتے یہ بھی نظر آیا کہ کہیں کہیں یہ جوڑے اسی محویت کے عالم میں سارا سارا دن آمنے سامنے گلدانوں کی طرح سجے رہتے تھے۔ اس زمانے میں یہ دستور عام تھا کہ یونیسکو کے کئی من چلے انٹرنیشنل سول سرونٹ اپنی محبوباؤں کو سیکریٹری کے طور پر بھرتی کر کے اپنے دفتر کے کمرے کی زینت بنا لیتے تھے۔ انہی دنوں فرانس میں ایک اسٹیج ڈرامہ انتہائی مقبول ہو رہا تھا جس کا موضوع پیرس کی سڑکوں پر ٹریفک کے ہجوم کی وجہ سے مرد حضرات کی بے بسی اور بے چارگی تھا۔ ڈرامے کا مرکزی کردار ایک بین الاقوامی ادارے (غالباً یونیسکو) کا ملازم تھا جس کی ایک بیوی گھر میں منتظر ہوتی تھی۔ ایک داشتہ کو دفتر سے گھر پہنچانا ہوتا تھا اور اس کے بعد پیرس کے مضافات میں دوسری داشتہ سے ملنے کے لئے جانا بھی ہر روز لازمی تھا سڑکوں پر ٹریفک جام اس مظلوم عاشق مزاج بین الاقوامی سول سرونٹ کے پروگرام کو اس قدر درہم برہم کر دیتا تھا اس کی زندگی تلخ تر ہوتی جاتی تھی، جس میں شیرینی گھولنے کے لئے یونیسکو کا بجٹ ہر سال اس کی تنخواہ اور دیگر مراعات میں خاطر خواہ اضافہ کرتا رہتا تھا! جس طرح ڈائریکٹر جنرل اپنی من مانیاں کرنے میں خود مختار کل تھا، اسی طرح اس کا منظور نظر عملہ بھی اپنے ماتحتوں پر ہر طرح کی مشق ناز آزمانے میں آزاد تھا، لیکن ہر فرعونے راموسے۔ رینے ماہیو کی فرعونیت کا طلسم توڑنے کے لئے یونیسکو میں احتجاج اور مزاحمت کی جو آواز اٹھی، وہ ایک پاکستانی کے مقدر میں لکھی تھی۔ ان کا نام نسیم انور بیگ ہے۔

نسیم بیگ صاحب گورنمنٹ کالج لاہور کے ایک ممتاز طالب علم تھے۔ وہ اپنے زمانے کے نہایت نامور مقرر تھے اور طلباء کے آل انڈیا مباحثوں میں حصہ لے کر بہت سی ٹرافیاں جیت چکے تھے۔ اکنامکس میں ایم۔ اے کے بعد انہوں نے لاہور لاء کالج سے ایل۔ ایل۔ بی کا امتحان پاس کیا۔ طالب علمی کے زمانے میں وہ پنجاب مسلم سٹوڈینٹس فیڈریشن کے سرگرم کارکن بھی تھے اور تحریک پاکستان میں طلباء کے کردار کے بارے میں قائداعظم سے رہنمائی حاصل کرنے کے لئے ان کی خدمت میں کئی بار حاضر ہو چکے تھے۔ 1947ء میں لاہور میں خضر حیات ٹوانہ کی حکومت کے خلاف تحریک میں حصہ لے کر وہ کچھ عرصہ تک جیل میں بھی رہے تھے۔ 1954ء میں وہ انٹرنیشنل سول سروس میں داخل ہو کر یونیسکو کے ہیڈ کوارٹر میں آ گئے۔ یہاں پر وہ کئی برس متواتر یونیسکو سٹاف یونین کے صدر منتخب ہوتے رہے۔ ملازمین کے حقوق کی حفاظت کے لئے انہوں نے جس دور اندیشی اور جرأت مندی کا مظاہرہ کیا، اس کی دھوم یو۔ این۔ او کے تمام بین الاقوامی اداروں میں پھیل گئی اور یونائیٹڈ نیشنز کے تمام اداروں کی یونینوں کی فیڈریشن نے بھی ان کو کافی عرصہ تک اپنا مشترکہ صدر منتخب کئے رکھا۔ اس حیثیت میں نسیم بیگ کا یونیسکو کے آمرانہ ڈائریکٹر جنرل رینے ماہیو کے ساتھ کئی بار شدید ٹکراؤ ہوا۔ اس قسم کے ہر تصادم میں ڈائریکٹر جنرل نے ہمیشہ منہ کی کھائی، لیکن ذاتی سطح پر اس نے نسیم بیگ کی ملازمت میں ہر طرح کے رخنے ڈالنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ یہ نسیم بیگ صاحب کی ہمت تھی

Marfat.com

کہ ڈائریکٹر جنرل کی منتقمانہ کارروائیوں کو خاطر میں لائے بغیر وہ اپنے عدل وانصاف کے مؤقف پر کامیابی سے ثابت قدم رہے اور یونیسکو میں تیس سالہ بے لوث خدمت کی روایت چھوڑ کر ابھی حال ہی میں وہاں سے ریٹائر ہوئے ہیں۔

اکتوبر 1968ء میں مجھے پاکستانی وفد کا سربراہ بنا کر یونیسکو کی جنرل کانفرنس میں شرکت کے لئے پیرس بھیجا گیا تھا۔ وہاں پر میں نے یہ چلن دیکھا کہ تقریباً ہر ملک کے وفد کا قائد زبانی کلامی تو ڈائریکٹر جنرل کے خلاف بڑھ چڑھ کر تنقید کرتا ہے، لیکن سٹیج پر آ کر اپنی تقریر میں اس کی تعریف وتوصیف میں زمین وآسمان کے قلابے ملانا شروع کر دیتا ہے۔ بین الاقوامی سطح پر منافقت اور خوشامد کے اس گھٹیا معیار نے ایک بندھائی رسم کی صورت اختیار کر رکھی تھی۔ ریاکاری کی اس بدعت کو توڑنے کا موقع حسن اتفاق سے میرے ہاتھ آ گیا۔ میں نے اپنی تقریر میں اعداد وشمار اور حقائق وشواہد کو بنیاد بنا کر یونیسکو کی انتظامیہ میں پھیلی ہوئی بدنظمیوں، بدعملیوں، ناانصافیوں، فضول خرچیوں، بداعتدالیوں اور عیاشیوں کا تفصیل کے ساتھ پردہ چاک کیا۔ یہ باتیں سن کر چند لمحے تو ہال میں گہرا سناٹا چھایا رہا، لیکن اس کے بعد زبردست تالیوں کے ساتھ ایک ایک فقرے کی یوں پذیرائی جیسے مشاعروں میں اشعار پر داد ملتی ہے۔ ڈائریکٹر جنرل رینے ماہیو بھی سٹیج پر بیٹھا تھا۔ میری تقریر سن کر وہ اتنا بے چین ہوا کہ اس نے پے در پے اورنج جوس کے چار یا پانچ گلاس نوش کئے اور تقریر ختم ہوتے ہی غیظ وغضب کے عالم میں بھنایا ہوا اٹھ کر چلا گیا۔

اسی جنرل کانفرنس کے دوران ایگزیکٹو کی چند خالی نشستوں کے لئے انتخاب بھی منعقد ہونے والا تھا۔ ایک نشست کے لئے انتخاب لڑنے کا میں بھی امیدوار تھا۔ ہندوستان، روس اور امریکہ تینوں میری مخالفت پر کمربستہ تھے۔ ہندوستان تو صرف اس لئے میرے خلاف تھا کہ میں پاکستانی ہوں، لیکن روس اور امریکہ کے پاس ناراضگی کی یہ مشترکہ وجہ تھی کہ چین کو یونیسکو کا ممبر بنانے کی مہم میں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہا تھا۔ اس کے علاوہ امریکہ کو یہ شکایت بھی تھی کہ یروشلم اور مقبوضہ عرب علاقوں میں اسلامی تاریخی آثار اور اسلامی ثقافت کے نشان کو مسخ کرنے اور مٹانے پر میں اسرائیل کے خلاف شدید احتجاج کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتا تھا۔ اب اس پر مستزاد یہ کہ ڈائریکٹر جنرل بھی میری مخالفت پر آمادہ ہو گیا۔ اس نے اپنے حواریوں کو جمع کر کے حکم دیا کہ وہ ہر قیمت پر مجھے ایگزیکٹو بورڈ میں آنے سے روکیں۔

مخالفانہ قوتوں کی اس بھاری بھرکم صف آرائی کے مقابلے میں میرا بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر تھا۔ نسیم انور بیگ نے اپنا اثر ورسوخ بھی میرے حق میں بے دریغ استعمال کیا اور اپنے دفتر کا کمرہ عملی طور پر میری انتخابی مہم کے مرکز میں تبدیل کر دیا۔ پاکستانی وفد کے تین اراکین تنویر احمد خان، عبداللطیف مرحوم اور ڈھاکہ کی بیگم رقیہ کبیر نے دن رات کی محنت اور جانفشانی سے انتہائی مفید کام کیا۔ خوش قسمتی سے انہی دنوں عرب ممالک نے جنرل کانفرس میں یہ قرارداد پیش کر رکھی تھی کہ یونیسکو میں انگریزی، فرانسیسی، ہسپانوی اور روسی زبانوں کی طرح عربی کو بھی بین الاقوامی زبان کا درجہ دیا جائے۔ امریکہ، برطانیہ اور تمام یورپی ممالک اپنے حواریوں سمیت اس تجویز کی مخالفت پر تلے ہوئے تھے۔ کسی قدر تیاری اور محنت کے بعد میں نے ہر موقع پر عربی زبان کے حق میں ایسی تقریریں کیں کہ عرب ممالک کے وفود نے مطمئن ہو کر یونیسکو میں اس تحریک کی قیادت میرے اوپر چھوڑ دی۔ ساتھ ہی مجھے معلوم ہوا کہ ہر طرح کے دباؤ اور مخالفت کو نظرانداز کر کے عرب ممالک کا پورا گروپ

Marfat.com

ایگزیکٹو بورڈ کی الیکشن میں مجھے ووٹ دینے پر رضا مند ہے۔اسی طرح افریقہ اور لاطینی امریکہ کے گروپوں کی جانب سے بھی یہی اشارہ ملے کہ وہ بھی میرے حق میں ووٹ دینے پر متفق ہیں۔غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ ایگزیکٹو بورڈ میں وہ ایک ایسا شخص بھیجنا چاہتے تھے جو ڈائریکٹر جنرل کی آمریت اور بدعنوانیوں پر کھل کر بات کر سکے۔یہ ساری وجوہات، اندازے اور قیاس آرائیاں محض طفل تسلیاں تھیں۔اصل بات صرف یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کا فضل شامل حال رہا اور جب الیکشن ہوئے تو میں 117 میں سے 91 ووٹ حاصل کر کے چھ برس کے لئے ایگزیکٹو بورڈ کا ممبر منتخب ہو گیا۔

ایگزیکٹو بورڈ کے ممبر کی حیثیت سے مجھے یونیسکو کے ظاہر اور باطن کو اچھی طرح کھنگالنے کا موقع نصیب ہوا۔مجموعی طور پر میں نے اس کا اندر اور باہر کھوکھلا پن پایا۔گرمیٔ گفتار اس کی روح اور چھپا ہوا کاغذ اس کا پیرہن ہے۔اس کی چار دیواریوں میں ہر دوسرے برس تحریر اور تقریری الفاظ کا سیلاب طوفان نوح کی طرح اٹھتا ہے اور نیا بجٹ اور پروگرام منظور ہوتے ہی دفعتاً فرو ہو کر زیر زمین غائب ہو جاتا ہے۔یونیسکو کی تحریر اور تقریر کی اپنی مخصوص زبان، اپنا لہجہ، اپنی اصطلاح اور اپنا اسلوب ہے۔اس ادارے کا سب سے نمایاں خصوصی امتیاز یہ ہے کہ اس کے زیر سایہ تقریباً ڈھائی تین ہزار ملازمین پیرس کے سیکرٹریٹ میں اور تقریباً ڈیڑھ دو ہزار افراد دنیا کے دوسرے حصوں میں اچھی تنخواہوں پر آرام اور سکون کی زندگی بسر کرتے ہیں اور ریٹائرمنٹ کے بعد عمدہ پنشن پاتے ہیں۔یونیسکو کے اسی ایک کام کو غالباً اس کا سب سے بڑا فلاحی اور تعمیری درجہ دیا جا سکتا ہے!

ایک بار نوجوانوں کے مسائل پر سوچ بچار کرنے کے لئے یونیسکو کے زیر اہتمام پیرس میں ایک سیمینار منعقد ہوا۔اس میں حصہ لینے کے لئے دنیا بھر سے جو نمائندے مدعو کئے گئے، ان سب کی عمر ساٹھ برس سے اوپر تھی! ایگزیکٹو بورڈ کے ممبر کی حیثیت سے میں بھی اس میں شریک ہوا۔میری عمر بھی اس وقت 51 برس کے قریب تھی۔اس کے باوجود میں اس سیمینار کا سب سے کم عمر ڈیلیگیٹ تھا۔میں نے سیمینار کے افتتاحی اجلاس میں یہ پوائنٹ آف آرڈر اٹھایا کہ یہ انتہائی غیر نمائندہ اجلاس ہے کیونکہ پچاس ساٹھ برس سے اوپر والی عمر کے لوگ آج کل کی جوان نسل کے مسائل سمجھنے اور حل کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔اس پر بڑا ہنگامہ برپا ہو گیا۔تماشائیوں کی صف سے کچھ نوجوان کود کر ہال میں آ گئے اور انہوں نے الٹی میٹم دیا کہ جب تک نئی نسل کے نمائندوں کو اس سیمینار میں شامل نہیں کیا جاتا، وہ اس اجلاس کی کارروائی کو جاری رہنے نہیں دیں گے۔مجبوراً ان کی شرط مانی گئی اور نوجوانوں کی بعض تنظیموں کے نمائندوں کو بھی سیمینار کے اجلاس میں شامل کیا گیا۔

سیمینار میں ایک مقالہ میں نے بھی پڑھا۔اس کا ایک حصہ کچھ علمی طبقوں میں کسی قدر پسند کیا گیا۔خاص طور پر یورپ میں جوانوں کی کئی تنظیموں نے اس کی کئی زبانوں میں خاص تشہیر کی۔میرے مقالے کا وہ حصہ اس طرح تھا:

It has become quite fashinable to talk of the youth problem. But what is not equally fashionable is to identify who is really a p roblem, and to whom?

Is the youth a problem for the older generation, or, is it vice versa?

Marfat.com

The fact is that it not the youth who are a problem to anybody; but, on the contrary, it is we, their elders, who create problems for the youth; Individually at home; communally in the street; nationally in the states; and internationally in the whole world. Humanity is by and large, busy perfecting strangely odd values of hypocrisy in the garb of diplomacy, trade under the cloak of aid, double-facedness in the guise of cleverness, perfidy under cover of faith, war in the name of peace and peace on terms of power. How is the sensitive mind of the youth to react when he is caught in this spiderweb of human misconduct?

In old times, when yout revolted violently against its environment, it used to take strange forms.

Prophet Joseph passed the prime of his youth imprisoned in a deep and dark cell of a well because he revolted and ran away from the immodest overtures of his employer's wife.

Moses spent the entire span of his yout in tortuous exile roaming the desert with the mischief mongering tribe of Israel till his bones ached with fatigue and his hair turned grey.

Jesus Christ went to the Cross by the perfidy of some of his companions when he was barely 33.

Prophet Mohammad (Peace be upon him) revolted against the ills of the society around him and sought solitude in the cave of Hira where he spent the flower of his youth in the anguish of lonely meditation until he was 40.

Many other seers and sages who brought enlightenment and solace to manking did so after burning the assence of their youth in the crucible of violent reaction against the society around them. The youth of today too are in the same tradition of revolt. The spirit is the same but the style has changed. Now when the youth of today revolt against the insincerty, hypocrisy, and double-facedness of life around them, the turn "Hippy" and take to drugs in richer and stable societies, and resort to political or physical violence in poorer and non-stable ones. This is the modern way of expressing their anger and frustration against us for preaching one thing and practising another.

Marfat.com

یونیسکو کے سٹاف میں ایک آسامی ڈپٹی ڈائریکٹر جنرل کی بھی تھی۔ ایک بار موسیو ررینے ماہیو کے سر پر یہ بھوت سوار ہو گیا کہ اس کے نیچے ایک کے بجائے دو ڈپٹی ڈائریکٹر جنرل ہونے چاہئیں۔ دوسری اضافی اسامی کی نہ کوئی ضرورت تھی، نہ کوئی جواز تھا۔ بات صرف یہ تھی کہ وہ اپنے کسی منظور نظر کو خوامخواہ ترقی دے کر اس عہدے پر فائز کرنا چاہتے تھے۔ ڈپٹی ڈائریکٹر جنرل کی دوسری اسامی کی منظوری کے خلاف ایگزیکٹو بورڈ میں بڑی لے دے ہوئی۔ رینے ماہیو اس تجویز کو جنرل کونسل میں لے گیا۔ حسن اتفاق سے وہاں پر تقریر کرنے کے لئے پہلے میری باری آ گئی۔ میں نے انتظامی لحاظ سے اعداد و شمار کا تجزیہ کر کے اس تجویز کی شدید مخالفت کی اور اپنی تقریر ان الفاظ پر ختم کی:

"If you have two bottles necks instead of one, does it really double the capacity of the bottle? Please answer this question, Mr. Director General."

میری تقریر کا یہ فقرہ چل نکلا۔ میرے بعد بہت سے مندوبین جو اس مسئلہ پر تقریر کرنے آئے، ان میں سے ہر ایک نے اس سوال کو ضرور دہرایا۔ صبح سے شام تک سارا دن یہ فقرہ سنتے سنتے ڈائریکٹر جنرل کے اعصاب جواب دے گئے اور ووٹ اندازی سے پہلے ہی اس نے اپنی تجویز واپس لے لی۔

فلسطینی مہاجرین کے بچوں کے لئے یونیسکو نے اپنے خرچ پر یروشلم، دریائے اردن کے مغربی کنارے (West bank) اور غزہ کی پٹی (Ghaza Strip) میں بہت سے اسکول کھول رکھے تھے۔ ان اسکولوں میں تربیت یافتہ مسلمان اساتذہ بھی یونیسکو کی منظوری سے تعینات ہوتے تھے، اور ان میں جو درسی کتابیں پڑھائی جاتی تھیں، وہ بھی یونیسکو کی جانب سے منظور شدہ ہوتی تھیں۔ جب یروشلم سمیت ان علاقوں پر اسرائیل نے قبضہ کر لیا تو رفتہ رفتہ یہ خبریں آنے لگیں کہ اسرائیلی حکومت نے ان اسکولوں کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔ یونیسکو کے متعین کردہ مسلمان اساتذہ کو زبردستی گھر بٹھا دیا گیا ہے۔ ان کو تنخواہ تو باقاعدہ ملتی ہے، لیکن کسی اسکول کے قریب تک آنے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ اگر کوئی استاد کسی حرف شکایت زبان پر لاتا تو وہ اپنے بال بچوں سمیت ناقابل بیان مظالم اور تشدد کی زد میں آ جاتا ہے۔ ان مسلمان اساتذہ کی جگہ ہر اسکول میں اب کٹر یہودی اسٹاف فلسطینی مہاجر بچوں کو پڑھانے پر مامور ہو گیا ہے۔ اس کے علاوہ ہر اسکول سے یونیسکو کی منظور شدہ درسی کتابیں بھی نصاب میں خارج کر دی ہیں، اور ان کی جگہ اب ایسی کتابیں پڑھائی جاتی ہے جن میں اسلام، سیرت مبارکہ اور عرب تاریخ و ثقافت کے خلاف انتہائی گمراہ کن غلیظ اور شرمناک پروپیگنڈہ ہوتا ہے۔

ایگزیکٹو بورڈ کے ہر اجلاس میں عرب ممالک کے نمائندے اسرائیل کی ان مذموم حرکات کا کچا چٹھا کھولتے تھے اور اپنے ثبوت میں ان کتابوں کے نمونے بھی پیش کرتے تھے جو اس نے یونیسکو کے قائم کردہ اسکولوں میں زبردستی رائج کی ہوئی تھیں۔ صحیح حالات کا جائزہ لینے کی غرض سے دو بار ایک معائنہ ٹیم اسرائیل گئی، لیکن دونوں بار ہمیں یہ رپورٹ ملی کہ عربوں کے الزامات کی تصدیق میں مقامی طور پر کوئی ثبوت نہیں مل سکا۔ اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ یہ ٹیمیں اسرائیلی حکومت کے ساتھ پہلے سے

Marfat.com

اپنا پروگرام طے کر کے وہاں سے جاتی تھیں اور معائنہ کے روز اسرائیلی حکام متعلقہ اسکولوں میں یونیسکو کے منظور شدہ اساتذہ اور کتابوں کی نمائش کا ڈرامہ رچا دیتے تھے!

ایگزیکٹو بورڈ میں عرب نمائندوں کے ساتھ میرے بڑے گہرے ذاتی تعلقات تھے۔ ہم لوگ آپس میں مل جل کر اکثر ایسی تدبیریں سوچا کرتے تھے جن سے اسرائیل کی اس صریح دھاندلی اور اسلام دشمنی کا بھانڈا پھوڑا جائے۔ کافی سوچ بچار کے بعد سب کی یہی متفقہ رائے ہوئی کہ کسی قابل اعتماد شخص کو خفیہ مشن پر اسرائیل بھیجا جائے اور وہ وہاں اسرائیل کے خلاف عائد کردہ الزامات کا ایسا ثبوت فراہم کرے جو نا قابل تردید ہو۔ کئی ہفتوں کی چھان بین اور بحث مباحثہ کے بعد انجام کار قرعہ فال میرے نام نکلا۔ میں نے بھی اسے ایک چیلنج سمجھ کر قبول کر لیا۔ یہ بات نہیں کہ میں جیمز بانڈ کی طرح کسی خطرناک اور سنسنی خیز مہم میں کود کر جان کی بازی لگانے کا شوقین تھا بلکہ وجہ صرف یہ تھی کہ ملازمت سے استعفیٰ دینے کے بعد اس زمانے میں میرے پاس کچھ فالتو وقت تھا۔ اس کے علاوہ میرے دل میں ایک لگن یہ بھی تھی کہ شاید اس بہانے میرے ہاتھوں ہزاروں فلسطینی بچوں کی کوئی خدمت ہو جائے جو اسرائیل کے قبضہ اختیار میں آ کر ایسی کتابیں پڑھنے پر مجبور تھے جن میں دین اسلام اور رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارک پر انتہائی، بے بنیاد، غلیظ اور گمراہ کن جملے لکھے گئے تھے۔ چنانچہ میرا رابطہ ایک خفیہ تنظیم سے قائم ہو گیا۔ چند ہفتے مجھے پیرس، قاہرہ اور بیروت میں زیر تربیت رکھا گیا۔ اس کے بعد ایک جعلی ایرانی پاسپورٹ پر مجھے دس روز کے لئے اسرائیل بھیجنے کا پروگرام طے ہو گیا۔ اس زمانے میں سابق شاہ ایران کی حکومت نے اسرائیل کو تسلیم کیا ہوا تھا۔

ٹریننگ کے دوران میری سب سے بڑی کمزوری یہ پائی گئی کہ میں اپنا نام بھلا کر اپنا فرضی ایرانی نام اپنانے میں بار بار چوک جاتا تھا۔ زندگی میں پہلی بار مجھے احساس ہوا کہ انسان اپنی ذات کے گنبد میں اتنا اسیر ہوتا ہے کہ اپنے نام کی زنجیر تک سے چھٹکارا پانا محال ہے۔ میری اس کمزوری یا معذوری کو بھانپ کر میرے مددگاروں نے یہ فیصلہ کیا کہ اسرائیل میں قیام کے دوران میں سونے سے قطعاً پرہیز کروں۔ انہوں نے مجھے متنبہ کیا کہ نیند کے دوران یا نیند سے اچانک چونک کر میرے ذہن میں اپنے اصلی اور فرضی نام گڈمڈ ہونے کا شدید احتمال ہے، اس لئے خود احتیاطی اور عقل سلیم کا یہی تقاضہ ہے کہ میں وہاں پر اپنا تمام وقت عالم بیداری میں ہی گزاروں نیند سے بچنے کے لئے انہوں نے مجھے ایک خوبصورت سی ڈبیہ (Pill box) میں کچھ گولیاں دیں۔ پہلے روز ایک گولی، دوسرے روز دو گولی اور تیسرے روز تین۔۔۔ اسی طرح ہر روز ایک گولی بڑھانے سے رات بھر نیند نہ آنے کا قوی امکان تھا۔ ان گولیوں کے علاوہ اس ڈبیہ میں سرخ رنگ کا ایک کیپسول بھی تھا۔ یہ کیپسول دراصل موت کی پڑیا تھی۔ اسے نگلتے ہی انسان آناً فاناً ابدی نیند سو جاتا تھا۔ مجھے حکم تھا کہ اسرائیل میں اگر کسی وقت میرا راز فاش ہوتا ہوا محسوس ہو تو میں فوراً اس کیپسول کو نگل کر جان جان آفریں کے سپرد کر دوں کیونکہ اسرائیلیوں کے ہاتھ آ کر زندہ درگور ہونا انتہائی ذلت اور اذیت کی زندگی کو دعوت دینا تھا۔ اس کے علاوہ زندہ گرفتار ہونا خفیہ تنظیم کے وجود کو بھی خطرے میں ڈالنے کے مترادف تھا۔

ایک روز میں نے تربیت دینے والے ماہرین سے پوچھا کہ اسرائیل سے میرے صحیح سلامت واپس آجانے کا کتنے فیصد امکان ہے؟ انہوں نے کہا کہ ایسی مہمات میں عموماً پچاس فیصد کامیابی اور پچاس فیصد ناکامی کا تناسب رکھا جاتا ہے، لیکن

Marfat.com

اس تناسب کا تمہارے کیس پر اطلاق نہیں ہوتا کیونکہ اپنے اصلی نام سے مختلف رسالوں اور اخباروں وغیرہ میں تمہاری تصویریں شائع ہوتی رہیں ہیں، اس لئے دوسروں کی نسبت تمہارے پکڑے جانے کا خطرہ بہت زیادہ ہے۔

یہ سن کر میری ہمت کا غبارہ اندر سے پچک گیا۔ موت کے خوف سے میرے دل اور دماغ کی گھگھی بندھ گئی، دو تین روز میں ہوٹل کے کمرے میں دم سادھے یوں بے حس وحرکت پڑا رہا جیسے چڑیا کا بے بال و پر بچہ گھونسلے سے گر کر زمین پر چونچ کھولے سسک رہا ہو۔ خدمت اسلام کا نشہ ہرن ہو گیا اور فلسطینی مہاجر بچوں کی تعلیم کا مسئلہ بھی خوف و ہراس کے ملبے میں دب کے رہ گیا۔ پورے تین روز میں طرح طرح کے حیلے بہانے تراشتا رہا جنہیں آڑ بنا کر میں کسی طرح اس مہم سے کنارہ کشی اختیار کرلوں، لیکن چوتھے روز ایک اتفاقیہ حادثے نے میرے خوف زدہ اور پراگندہ ذہن کی سوچ کا دھارا بدل دیا۔ میں اپنے ہوٹل سے نکل کر سڑک عبور کرنے کے لئے ایک قریب ٹریفک لائٹ پر کھڑا تھا۔ جب ہمارے سامنے والی بتی سبز ہوئی تو بہت سے دوسرے راہگیروں کے ساتھ میں نے بھی ایک زیبرا کراسنگ پر سڑک کو پار کرنا شروع کر دیا۔ عین اس وقت سرخ بتیوں کی جانب سے ایک مرسڈیز کار اچانک نمودار ہوئی اور نہایت تیز رفتاری سے چار راہگیروں کو کچلتی ہوئی کچھ دور آگے جا کر رک گئی۔ کار کو ایک خاتون چلا رہی تھی جو کسی خطرناک نشے میں مدہوش تھی۔ دو راہگیر تو موقع پر ہی ہمارے سامنے ہلاک ہو گئے باقی دو شدید زخمی ہو کر سڑک پر اوندھے منہ پڑے تھے۔ میں نے حساب لگایا کہ اگر میں دو یا تین فٹ آگے ہوتا تو یقیناً میرا شمار بھی مرنے والوں یا زخمی ہونیوالوں میں ہوتا۔ اس المناک جائے وقوعہ پر دو لاشوں اور دو قریب المرگ ڈھانچوں کے درمیان میں کھڑے کھڑے میرے منطق گزیدہ دماغ کو زندگی میں پہلی بار اس بات کا یقین آ گیا کہ اگر موت مقدر میں ہے تو اسرائیل جانے یا نہ جانے سے اس کا تعلق نہیں بلکہ یہاں پیرس میں اپنے ہوٹل سے چند قدم کے فاصلے پر سبز ٹریفک لائٹ کی حفاظت میں زیبرا کراسنگ پر چلتے ہوئے بھی موت کا فرشتہ میرا اگلا دبوچنے کے لئے آناً فاناً غیب سے نازل ہو سکتا ہے۔ اس واقعہ کے بعد میری خود اعتمادی کسی قدر بحال ہوئی، اور میں نے اپنی ٹریننگ کا باقی حصہ بھی خوش اسلوبی سے طے کیا۔ چند آزمائشی مشقوں میں پورا اترنے کے بعد میں نے عفت اور ثاقب کے نام ایک مختصر سا وصیت نامہ لکھ کر اس مہم کے معتمد کے حوالے کیا، اور پھر ایک روز پیرس کے اورلی ہوائی اڈے پر تل ابیب جانے کے لئے اسرائیلی ہوائی کمپنی (El Al) کے جہاز پر سوار ہو گیا۔

جہاز میں بیٹھتے ہی مجھے یوں لگا جیسے میں واقعی سفر آخرت پر روانہ ہو رہا ہوں۔ یہ خیال آتے ہی میرے دل پر بزدلی، افسردگی اور مردنی کی برف جم گئی۔ خوف و ہراس نے ایک بار پھر مجھے اپنی گرفت میں دبوچ لیا۔ جب جہاز کا دروازہ بند ہوا تو میری حالت اس لاش کی طرح ہو گئی جس کے اوپر پتھر کی سلیں اور منوں مٹی ڈالنے کے بعد سب لوگ اسے اکیلا چھوڑ کر قبرستان واپس چلے گئے ہوں۔ زمین پر تاحدِ نگاہ پھیلے ہوئے مکانوں کے مکینوں پر مجھے رشک آنے لگا جو ہر خوف اور خطرے سے بے نیاز اپنے اہل و عیال کے ساتھ ہنسی خوشی گزار رہے تھے۔ مجھے بے اختیار اپنی بیوی، اپنا بیٹا، اپنا بھائی، اپنی بہن، اپنے سارے اعزہ اقارب، دوست یاد آنے لگے، جو ہر گزرتے ہوئے لمحوں کیساتھ ایک ایک کر کے ماضی کی کسی بے اتھاہ سرنگ میں غائب ہوتے جا رہے تھے۔ اگر یہ جہاز اسرائیلی ہوائی کمپنی کا نہ ہوتا تو شاید میں اپنی نشست پر کھڑا ہو کر زور زور سے چیخیں مار کر رونے لگتا۔

Marfat.com

ہوائی جہاز تھوڑی دیر کے لئے روم کے ہوائی اڈے پر بھی اترا۔ٹرانزٹ لاؤنج کی قد آمد کھڑکیوں سے میں نے باہر جھانکا تو دور تک ملک ملک اور کمپنیوں کے طرح طرح کے ہوائی جہاز قطار در قطار کھڑے نظر آئے۔ان میں ایک جگہ پی۔آئی۔اے کا ڈی سی 10 بھی دکھائی دیا۔پی۔آئی۔اے کے ہوائی جہاز کی جھلک میرے اضطراب پر تسلی اور سکون کی شبنم بن کر ٹپکی۔اس سکون بخش منظر نے میرے خوف زدہ وجود میں تحلیل نفسی کی ایسی اگر بتی سلگادی کہ معاً خجالت، ندامت، تشکر اور خود اعتمادی کے ملے جلے احساس سے میرا دل بھر آیا۔ایک قریب ٹائلٹ میں گھس کر میں نے اندر سے کنڈی چڑھالی۔پہلے خوب رویا، جب دل کی بھڑاس اچھی طرح نکل گئی تو میں نے اپنے پاؤں کا جوتا کھولا اور اسے ہاتھ میں لے کر سات آٹھ بار اپنے سر پر زور زور سے مارا۔غالباً اس جھاڑ پھونک سے خوف وہراس اور کمزوری اور بزدلی کے بھوت کا سایہ میرے سر سے اتر گیا!

تل ابیب کے ہوائی اڈے پر کسٹم والوں سے فارغ ہو کر جب میں نے اپنا سامان لئے باہر نکلا تو اسرائیل کی ٹورسٹ کارپوریشن کے ایک خوش لباس نوجوان نمائندے نے لپک کر مجھے خوش آمدید کہا۔گرم جوشی سے ہاتھ ملاتے ہوئے اس نے دبی زبان سے وہ شناختی الفاظ بھی ادا کئے جن کے متعلق مجھے پیرس میں آگاہ کر دیا تھا۔جواباً میں نے بھی اپنے مقرر کردہ شناختی الفاظ دہرائے۔اس کے بعد ''مصطفیٰ'' نے اگلے دس روز کے لئے میرا مکمل چارج سنبھال لیا۔

''مصطفیٰ'' اس نوجوان کا کوڈ کا نام تھا۔چھبیس ستائیس برس کا یہ پڑھا لکھا فلسطینی جوان کئی سال سے جان کی بازی لگا کر اسرائیل میں آزادی وطن کی خاطر طرح طرح کے خفیہ فرائض سرانجام دے رہا تھا۔اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک بجلی کی طرح کوندتی تھی اور اس کی رگ رگ میں جہاد کا جوش اور جنون سیماب کی مانند بے چینی سے گردش کر رہا تھا۔دن رات وہ میرے ساتھ سائے کی طرح لگا رہتا تھا اور قدم قدم پر انتہائی شفقت اور احترام سے میری رہنمائی اور خدمت کرتا تھا۔وہ ہمیشہ مجھے اخی اور سیدی کے القاب سے پکارتا تھا۔اسی کے زیر اہتمام میں نے یونیسکو کے قائم کردہ بہت سے اسکولوں میں گیا اور 113 شر انگیز کتابوں کے نسخے حاصل کئے جو اسرائیلیوں نے یونیسکو کے منتخب شدہ نصاب کی جگہ وہاں پر زبردستی رائج کر رکھے تھے۔ان کتابوں پر میں نے ہیڈ ماسٹروں اور کئی دیگر اساتذہ کے آٹو گراف بھی لئے۔یہ وہ یہودی ہیڈ ماسٹر اور اساتذہ تھے جنہیں اسرائیلیوں نے یونیسکو کو دھوکہ دے کر مسلمان اساتذہ کی جگہ تعینات کر رکھا تھا۔کئی جگہ میں نے انکی بہت سی خفیہ تصویریں اتاریں۔ایک دو اسکولوں میں وہاں کے یہودی سٹاف کے ساتھ میرا گروپ فوٹو بھی کھینچا گیا۔ایک اسکول میں ایک فلسطین بچے کو انتہائی بیدردی کے ساتھ نہایت کڑی اور ذلت آمیز سزا مل رہی تھی۔اس کا قصور صرف اتنا تھا کہ اس نے اپنی کتاب کا وہ حصہ پڑھنے سے انکار کر دیا تھا جس میں رسول کریم ﷺ کی شان میں انتہائی گستاخ الفاظ درج تھے۔ہم نے اپنے خفیہ کیمرے کی مدد سے اس سین کی پوری فلم اتار لی جس کی لمبائی دو سو فٹ سے کچھ اوپر تھی۔

اسرائیل میں آئے ہوئے مجھے پانچواں روز تھا کہ اچانک ''مصطفیٰ'' بولا ''یا اخی' اب تک تو تم نیند کے بغیر ٹھیک گزارہ کر رہے تھے، لیکن اب میں دیکھتا ہوں کہ تمہارے قدم لڑکھڑانے لگے ہیں اور تمہاری آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے پڑ گئے ہیں''۔

''اب کیا ہو سکتا ہے''۔میں نے کہا، ابھی پانچ روز باقی ہیں۔کام تو ختم کرنا ہے۔

Marfat.com

اس وقت تو وہ مسکرایا کر چپ ہوگیا، لیکن نمازِ عشاء کے وقت مجھے ایک ٹیکسی میں بٹھا کر مسجد اقصیٰ لے گیا۔ اس زمانے میں عشاء کے بعد اگلی اذان تک مسجد کے دروازے مقفل ہو جاتے تھے۔ الاقصیٰ کے کلید بردار ''مصطفیٰ'' کے ہمراز تھے۔ ان کے ساتھ ساز باز کر کے نماز کے بعد اس نے مجھے اندر اکیلا چھوڑ کر باہر تالا لگوا دیا اور یہ ہدایت کر گیا کہ میں رات بھر خوب اطمینان سے اپنی نیند پوری کرلوں۔ فجر کے بعد وہ مجھے اسی جگہ آ ملے گا۔

قبلہ اوّل کی چار دیواری کے اندر جب میں اکیلا رہ گیا تو تاریخ اور تقدس کے ایک مہیب سناٹے نے مجھے سر سے پاؤں تک غڑاپ سے نگل لیا۔ مجھے یوں محسوس ہونے لگا جیسے کسی پاکیزہ شیش محل میں ایک کتا غلطی سے بند ہوگیا ہے۔ لرزے کے بخار کی طرح میرے تن بدن پر کپکپی طاری ہوگئی اور دانت بے اختیار کٹ کٹ بجنے لگے۔ میں ایک ایسی ٹائم ٹنل میں جا گرا جہاں پر نسل انسانی کی ہزاروں سال کی خوابیدہ تاریخ انگڑائی لے کر بیدار ہوگئی اور کہکشاں کی طرح جگمگ جگمگ کرتی ہوئی شاہراہوں پر بڑے بڑے ذی ان پیغمبروں کے قدموں کی خاک سے نور کے چشمے پھوٹنے لگے۔ سیدنا ابراہیمؑ، حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمانؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور پھر اللہ کے آخری نبی خاتم النبیین رحمتہ اللعالمین حضرت محمد ﷺ جنہیں اللہ کی پاک ذات شب کے وقت مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گئی تاکہ ان کو اپنے کچھ عجائبات قدرت دکھائے۔ اسی مسجد میں فرش سے عرش تک نوری فرشتوں نے وہ راستہ منور کر دیا جس پر نبوت کا سفر اختیار کر کے حضور اکرم ﷺ نے رسالت کی معراج کو پایا۔

''سدرۃ المنتہیٰ کے پاس جس کے قریب جنت الماویٰ ہے، جس اس سدرۃ المنتہیٰ کو لپیٹ رہی تھیں جو چیزیں لپٹ رہی تھیں، نگاہ نہ تو ہٹی اور نہ بڑھی۔ انہوں نے اپنے پروردگار کے بڑے بڑے عجائبات دیکھے''۔

خبر نہیں یہ وصال کی گھڑی تھی یا فراق کا لمحہ کہ عین اس وقت فضا میں اذان کی آواز گونجی اور بچپن میں کہیں پڑھا ہوا یہ پرانا شعر مجھے بے اختیار یاد آیا

خدا سمجھے موذن سے کہ تُو کا عین عشرت میں — چھری مجھ پر چلا دی نعرۂ اللہ اکبر سے

خدا کا شکر ہے کہ پیرس واپس آنے کے بعد اسرائیل سے لائی ہوئی میری شہادتوں کو یونیسکو والوں نے تسلیم کرلیا۔ ڈائریکٹر جنرل نے ایسے اقدامات کئے کہ مقبوضہ عرب علاقوں میں یونیسکو کے قائم کردہ تمام اسکولوں میں عربوں کا منظور شدہ درسی نصاب از سر نو رائج ہوگیا اور اسرائیل کی لگائی ہوئی 133 شر انگیز کتابیں بھی منسوخ ہوگئیں۔ اس کے علاوہ آئندہ اس صورت حال پر کڑی نظر رکھنے کے لئے قابل اطمینان بندوبست کر دیا گیا۔

میری اسی حقیری سی خدمت کے اعتراف کے طور پر پیرس میں متعین تمام عرب سفیروں نے ایک مشترکہ تقریب منعقد کی۔ صدر ناصر کا ایک ذاتی نمائندہ اس تقریب میں شریک ہونے کے لئے خاص طور پر قاہرہ سے آیا۔ ان لوگوں کو معلوم تھا کہ ملازمت سے استعفیٰ دینے کے بعد میں ان دنوں بیروزگار تھا، اس لئے کئی سفیروں نے اشاروں کنایوں میں چند ایک نے کھلے بندوں میں مجھے منہ مانگے انعامات نذر کرنے کی پیشکش کی۔ ان سب خدمت میں میرا صرف یہ جواب تھا کہ یہ معمولی سا فرض میں نے کسی دنیاوی لالچ یا غرض و غایت سے ادا نہیں کیا۔ میں اسے اپنے لئے محض توشۂ آخرت سمجھتا ہوں۔

Marfat.com

چھوٹا منہ بڑی بات

دین اسلام کے ساتھ میری ذہنی اور جذباتی وابستگی چند خوش نصیبوں کا نتیجہ ہے۔ میری پہلی خوش قسمتی تو یہ ہے تھی کہ میں ایک مسلمان گھرانے میں پیدا ہوا۔ دوسری خوش قسمتی یہ ہے کہ اکبر اسلامیہ ہائی سکول جموں کی تیسری جماعت میں ہمارے دینیات کے مولوی صاحب نے ہمیں ایک ایسی نصیحت کی جو آج تک میرے دل و دماغ پر پتھر پر لکیر کی طرح ثبت ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ بچو! قرآن شریف جب پڑھو، سمجھ کر پڑھو۔ جو بات سمجھ میں آئے اسے حرف بہ حرف، لفظ بہ لفظ، حقیقی معنی میں سچ سمجھو اس میں استعاری، تشبیہی یا مجازی معانی ہرگز تلاش نہ کرو۔ جو بات سمجھ میں نہ آئے، اسے ایسے ہی پڑھ کر آگے بڑھ جاؤ۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ قرآن حکیم کا یہ اعجاز ہے کہ بار بار پڑھنے سے اس کے معنی قاری کی استعداد کے مطابق رفتہ رفتہ خود بخود منکشف ہوتے رہتے ہیں۔ بڑے ہو کر تفسیروں سے بھی ضرور استفادہ کرو، لیکن خود سمجھ کر قرآن کریم کی تلاوت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا براہ راست ناطہ ضرور قائم رکھو۔

دینیات کے مولوی صاحب کی اس نصیحت پر میں نے حتی المقدور عمل کرنے کی کوشش کی ہے۔ میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ پورے کا پورا قرآن میری سمجھ میں آ گیا ہے، لیکن یہ بات ضرور ہے کہ پچھلے ساٹھ سال کی قرآن حکیم کی تلاوت کے حوالے سے میری شعوری زندگی میں ہر برس اس کے معانی میں کچھ نہ کچھ وسعت اور گہرائی ضرور پیدا ہوتی رہی۔ ماہتاب کی طرح جس کی کرنیں بادلوں کی اوٹ سے چھن چھن کر لحظہ بہ لحظہ رات کی ظلمت میں اپنا نور پھیلاتی اور بڑھاتی رہتی ہے۔

مولوی صاحب کی ہدایت کا دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ قرآن کریم میں بیان کردہ ہر بات کو میرا دل اور دماغ بلا چون و چرا اور بغیر کسی شک وشبہ کی حرف بہ حرف سچ اور صحیح قبول کر لیتا ہے۔ اس بارے میں مجھے کبھی کسی قسم کی تاویلات یا تشبیہات کا سہارا لینے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ جدید عقیلت کے موجودہ دور میں قرآن پاک کی کسی آیت کے متعلق تشکیک سے محفوظ رہنے کو میں اپنی تیسری خوش نصیبی شمار کرتا ہوں۔

میری چوتھی خوش قسمتی کا تعلق ایک خواب سے ہے۔ اس کتاب کے ایک باب بعنوان ''راج کرے گا خالصہ باقی رہے نہ کو'' میں میرے ورنیکولر فائنل اور میٹریکولیشن کے امتحانات کا قصہ درج ہے۔ میری رہائش چمکور صاحب کے قصبہ میں تھی، لیکن دونوں امتحانوں کے سینٹر گیارہ میل دور روپڑ شہر میں تھے۔ میں ہر صبح گیارہ میل پیدل چل کر پرچہ دینے جاتا تھا اور شام کو اسی طرح پا پیادہ گھر واپس لوٹ آتا تھا۔ حسن اتفاق سے ہر روز بائیس میل پیدل سفر کاٹنے کا جو نسخہ میرے ہاتھ آیا، اس نے میری زندگی کی کایا پلٹ کے رکھ دی۔ وہ نسخہ یہ تھا کہ میں سارا راستہ کبھی زور زور سے پکار کر اور کبھی خاموشی سے آہستہ آہستہ درود شریف کا ورد کرتا رہتا تھا۔ دراصل یہ ورد میں نے ایک ہندو برہمن کو ستانے کے لئے مذاق ہی مذاق میں شروع کیا تھا، لیکن رفتہ رفتہ درود شریف کی برکت نے میرے ہوش وحواس اور میرے تن بدن کو ایک ردائے نوری سے ڈھانپ لیا۔ اس کے بعد عمر بھر کے لئے ہر روز ایک مقرر وقت تک درود شریف پابندی سے پڑھنا میری عادت ثانیہ بن گئی۔ آٹھویں جماعت والے ورنیکولر فائنل کے امتحان کے

Marfat.com

دوران جب میں نے منہ اندھیرے نہر سرہند کے کنارے مذاق ہی مذاق میں یہ ورد شروع کیا تھا تو چند روز بعد ایک عجیب خواب نظر آیا۔ خواب میں تحد نگاہ ایک وسیع وعریض صحراء پھیلا ہوا تھا۔ میں اس میں کسی جانب تیز رفتاری سے بھاگتا ہوا چلا جا رہا تھا۔ صحرا کی ریت اتنی گہری تھی کہ میری ٹانگیں گھٹنوں گھٹنوں تک اس میں دھنس دھنس جاتی تھیں۔ سانس پھول کر کپا ہوگئی جب مزید بھاگنا محال ہوگیا تو میں گھٹنوں کے بل گھسٹتا گھسٹتا آگے بڑھتا گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد جب گھٹنے بھی جواب دے گئے میں منہ کے بل ریت پر لیٹ گیا اور اپنی ٹھوڑی اور پنجے ریت میں گاڑ گاڑ کر پیٹ کے بل آگے کی جانب رینگنے لگا۔ اس شدید مشقت سے میرا سانس بری طرح پھول گیا تھا، میرے گھٹنے، پیٹ اور ہاتھ شل ہو گئے تھے اور میرے سینے میں درد کی شدید ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ اسی طرح رینگتے رینگتے اچانک ایک جائے نماز نما چٹائی کا ایک کونہ میرے ہاتھ میں آ گیا۔ وہ چٹائی ایک کھجور کے درخت کے نیچے بچھی ہوئی تھی اور حضور رسول کریم ﷺ اس پر دوزانو تشریف فرما تھے۔ حضور ﷺ نے ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ میری جانب دیکھا اور عین اس وقت میری آنکھ کھل گئی۔ فروری کا مہینہ تھا۔ اس کڑاکے کی سردی میں بھی میرا جسم پسینے سے شرابور تھا۔ سانس پھول کر دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔ گلا کانٹے کی طرح خشک تھا اور سینے میں دونوں جانب شدید درد کی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ وہ دن اور آج کا دن، سینے میں درد کی یہ ٹیسیں کبھی بند نہیں ہوئیں۔ ڈاکٹر صاحبان نے اسے انجائنا پیکٹورس تشخیص کیا ہے، لیکن علاج آج تک نہیں ہو سکا۔ یہ خواب دیکھ کر میں کچھ دیر اپنے بستر پر گم سم بیٹھا رہا۔ پھر مجھے بے اختیار رونا آ گیا۔ رونے کی آواز سن کر ماں جی بھی جاگ اٹھیں۔ وہ میری چارپائی پر آ کر بیٹھ گئیں اور پیار سے بولیں ''کیوں بچہ کوئی خواب دیکھا ہے؟''

''ہاں ماں جی ایک عجیب خواب دیکھا ہے''۔

ماں جی نے سونگھنے کے انداز میں چند لمبے لمبے سانس لئے اور بگڑ کر بولیں ''کتنی بار کہا ہے کہ رات کو خوشبو دار تیل نہ لگایا کرو۔ اب اگر ڈر نہ لگے تو اور کیا ہو؟ لیکن تم بات مانتے ہی نہیں''۔

میں نے انہیں یقین دلایا کہ میں نے کوئی خوشبو والا تیل استعمال نہیں کیا اور جلدی جلدی انہیں اپنا خواب من وعن سنا ڈالا۔ سنتے ہی انہوں نے مجھے گلے لگا لیا اور خود بھی بے اختیار رونے لگیں۔ ہم دونوں یونہی چپ چاپ بیٹھے روتے رہے۔ معلوم نہیں یہ خوشی کے آنسو تھے یا شکرانے کے آنسو تھے یا ظرف سے زیادہ نعمت عطا ہونے پر چھلک جانے کے آنسو تھے۔

اس واقعہ کو رونما ہوئے کم وبیش پچپن برس گزر چکے ہیں۔ زندگی کا یہ نصف صدی پر محیط صحرا میں نے اس خواب والی مشکل اور مشقت کی بجائے نہایت آرام وآسائش اور نشاط وانبساط سے عبور کیا ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ میری رسائی اس خوش نصیب چٹائی کے کونے تک نہیں ہو سکی، جس پر انسانیت کی معراج ﷺ دوزانو جلوہ گر تھی۔ کوئی محرومی سی محرومی ہے۔

خواب میں سرور دو عالم ﷺ کی جائے نماز کو نہ اپنے ہاتھ سے چھو لینے کے بعد مجھے یہ فکر دامن گیر ہوگئی کہ اب اگر میں نے خود نماز کی پابندی اختیار نہ کی تو یہ ایک بیٹھے بٹھائے ملی ہوئی نعمت عظیم کا کفران ہوگا۔ پابندی کا لفظ استعمال کر کے میں نے مبالغہ سے کام لیا ہے۔ جوں توں کر کے لشتم پشتم میں نے نماز ادا کرنے کی کوشش تو ضرور کی ہے لیکن سچی بات یہ ہے کہ میں اقیموا الصلوٰۃ کا اصل حق کبھی ادا نہ کر سکا۔ نماز کے ساتھ کسی قدر وابستگی پیدا کرنا میرے لئے کافی کٹھن مرحلہ ثابت ہوا۔ یہ بات تو آسانی سے میری سمجھ میں آ گئی۔

قرآن حکیم کی سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 256 میں ارشاد ہے۔۔۔۔ ''جو شخص شیطان سے بداعتقاد ہو اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ خوش اعتقاد ہو تو اس نے بڑا مضبوط حلقہ تھام لیا۔ جس کو کسی طرح کی شکستگی نہیں۔۔۔۔'' اس میں صاف دلیل ہے اس

Marfat.com

بات پر کہ نسبت مع اللہ حصول کے بعد منقطع اور شکستہ نہیں ہوتی۔

نسبت کا تعلق اگر چہ باطن سے ہے، لیکن باطن خلاء میں پرورش نہیں پاتا بلکہ انسان کے ظاہر کی چار دیواری میں مقید ہوتا ہے۔انسان کا ظاہر اور باطن ایک ہی گاڑی کے دو پہیے ہیں۔اگر دونوں پہیوں کی جسامت ناپ سائز گولائی اور صفائی برابر اور یکساں نہ ہوگی تو گاڑی اصل منزل مقصود پر ہرگز نہ پہنچ پائے گی۔اصل منزل مقصود حق تعالیٰ کو راضی کرنا ہے جس کا ذریعہ شریعت کے احکام کی پابندی ہے۔ان احکام میں بعض ظاہر کے متعلق ہیں جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، لین دین، شہادت، وصیت، وراثت اور دیگر جملہ حقوق العباد۔اور بعض باطن کے متعلق ہیں جیسے حب الٰہی، حبِ رسول، خوفِ خدا، یادِ خدا، تقویٰ اور توکل کو اپنانا اور تمام صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کے علاوہ کبر، عجب، شک، منافقت حسد، ریا، مکر، فریب، جھوٹ اور غیبت جیسے شمار مہین مہین رذائل سے نجات پانا ہے۔

سورۃ الانعام کی آیت نمبر 120 میں ارشاد ہے ''اور تم ظاہری گناہ کو بھی چھوڑ دو اور باطنی گناہ کو بھی چھوڑ دو۔۔۔۔۔''

اپنے ظاہر اور باطن کو شریعت کی راہ پر توازن اور اعتدال سے چلانے ہی سے عبدیت کا سفر طے ہوتا ہے۔اگر عبدیت میسر ہو جائے تو ولایت، اوتادیت، ابدالیت، قطبیت، غوثیت وغیرہ سب اس پر قربان ہیں۔

ایک غلط فہمی عام ہے کہ یہ تصوف کے مسائل ہیں۔دراصل یہ تصوف کے نہیں بلکہ شریعت کے مسائل ہیں۔دین کی اصلی شاہراہ شریعت ہے۔تصوف کے سارے سلسلے چھوٹی چھوٹی پگڈنڈیاں ہیں جو اپنے اپنے طریق سے انجام کار شریعت سے جا کر مل جاتی ہیں۔ان پگڈنڈیوں کی اپنی کوئی الگ منزل مقصود نہیں۔ان سب کی مشترکہ اور واحد منزل مقصود شاہراہ شریعت تک پہنچانا ہے۔اس شاہراہ پر مزید سفر کرنے سے وہ راہ سلوک طے ہوتی ہے جس کا مقصد نسبت باطنی، نسبت مع اللہ، معرفت الٰہی اور رضا الٰہی کا حصول ہے۔

کچھ لوگ ہمت مردانہ رکھتے ہیں اور خود بخود راہ شریعت پر گامزن ہو کر زندگی کا سفر بغیر کسی تکان، ہیجان اور خلجان کے پورا کر لیتے ہیں۔ان کی خوش قسمتی قابل رشک ہے اور میں انہیں دلی عزت واحترام سے سلام کرتا ہوں۔

لیکن بعض لوگ ایسے ہیں جن کے قدم شریعت کی راہ پر رواں ہونے سے ہچکچاتے اور ڈگمگاتے ہیں۔جس طرح کچھ بچے سکول میں داخل ہونے کے بعد پڑھنے سے گھبراتے اور کتراتے ہیں۔ان کے علاج کے لئے تعلیمی ماہرین نے کنڈرگارٹن (Kindergarten) اور مونٹیسوری (Montessori) جن میں بچوں کو کھیل کود اور کھلونوں وغیرہ سے بہلا پھسلا کر پڑھنے لکھنے سے مانوس کیا جاتا ہے۔یہ صرف چھوٹی جماعتوں کے سکول ہوتے ہیں۔ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ بچوں کا رجحان لکھنے پڑھنے کی طرف مائل کر کے وہ انہیں معاشرے کے عام تعلیمی نظام میں شامل کر دیں۔تصوف کے سلسلے بھی ایک طرح کے کنڈرگارٹن اور مونٹیسوری سکولوں کے مانند ہیں جو شریعت سے بھٹکے ہوئے بندوں کو طرح طرح کے اذکار، اشغال اور مراقبات کے انوار و آثار و تجلیات و برکات سے چکا چوند کر کے انہیں شاہراہ شریعت پر خوشدلی سے گامزن ہونے کے قابل بنا دیتے ہیں۔اس کے علاوہ تصوف اور کوئی مقصود نہیں۔

Marfat.com

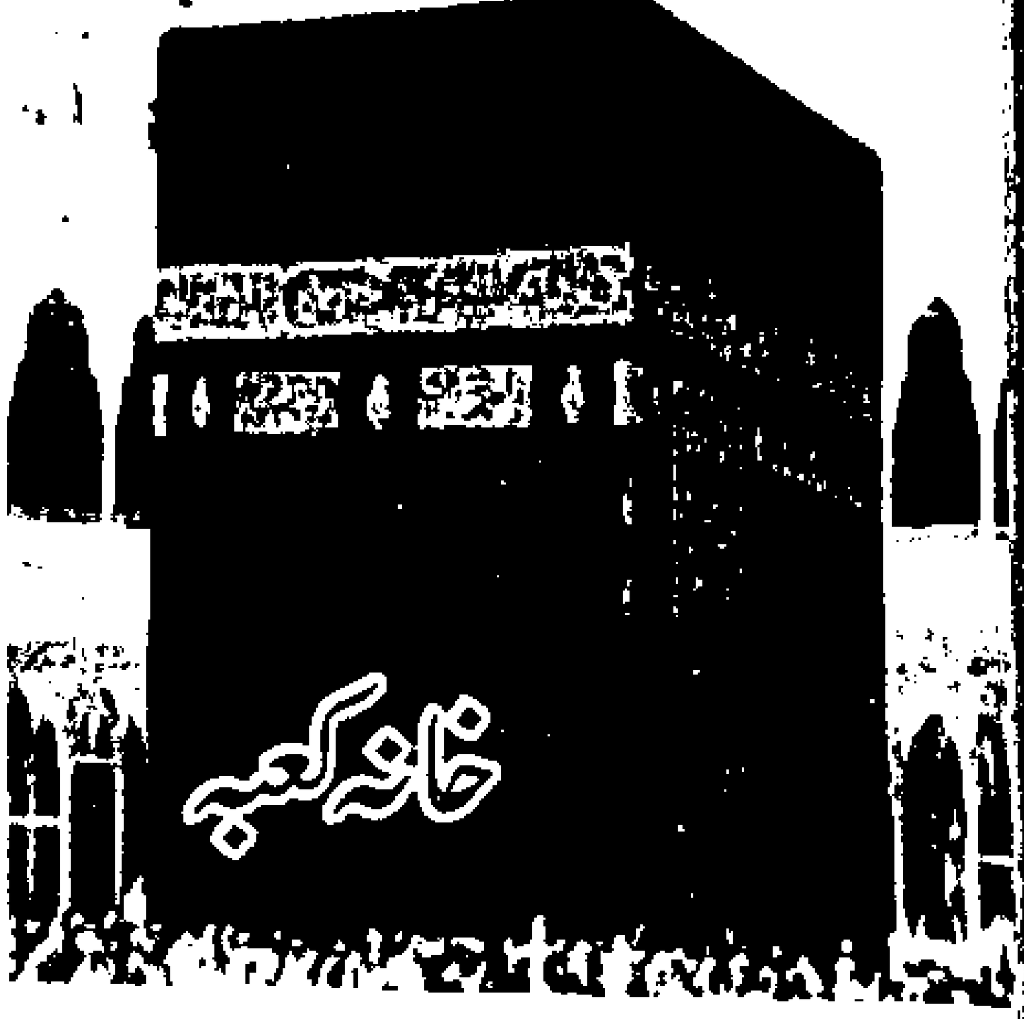
خانہ کعبہ

مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت علیؓ

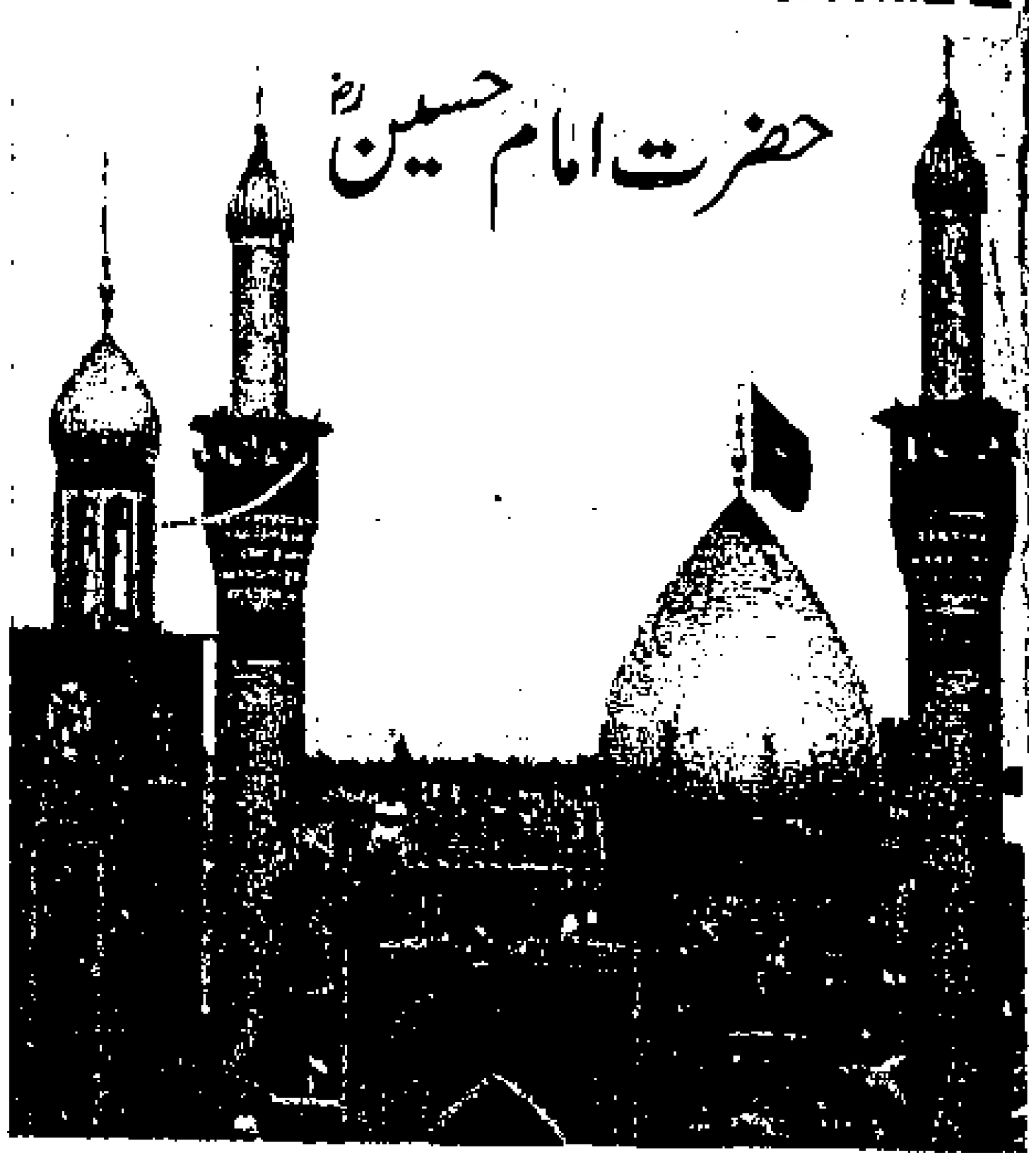
حضرت امام حسینؓ

قبر مبارک حضرت امام حسنؓ

قبر مبارک حضرت فاطمۃ الزہرہؓ

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ

حضرت اویس قرنیؓ

حضرت بلالؓ

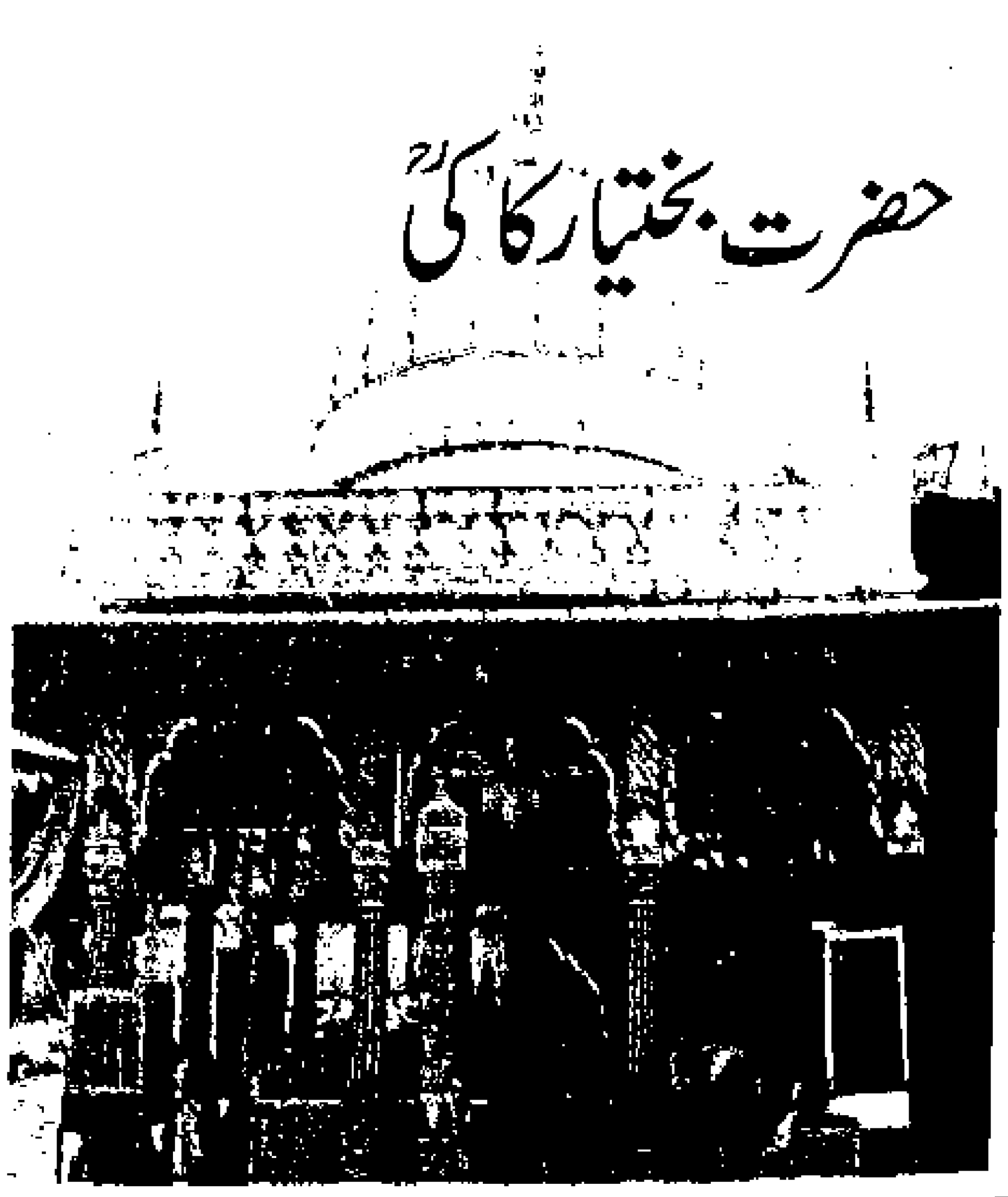
حضرت بختیار کاکیؒ

حضرت باقی باللہؒ

حضرت خواجہ غریب نوازؒ

Marfat.com

بابا تاج الدین ناگوریؒ

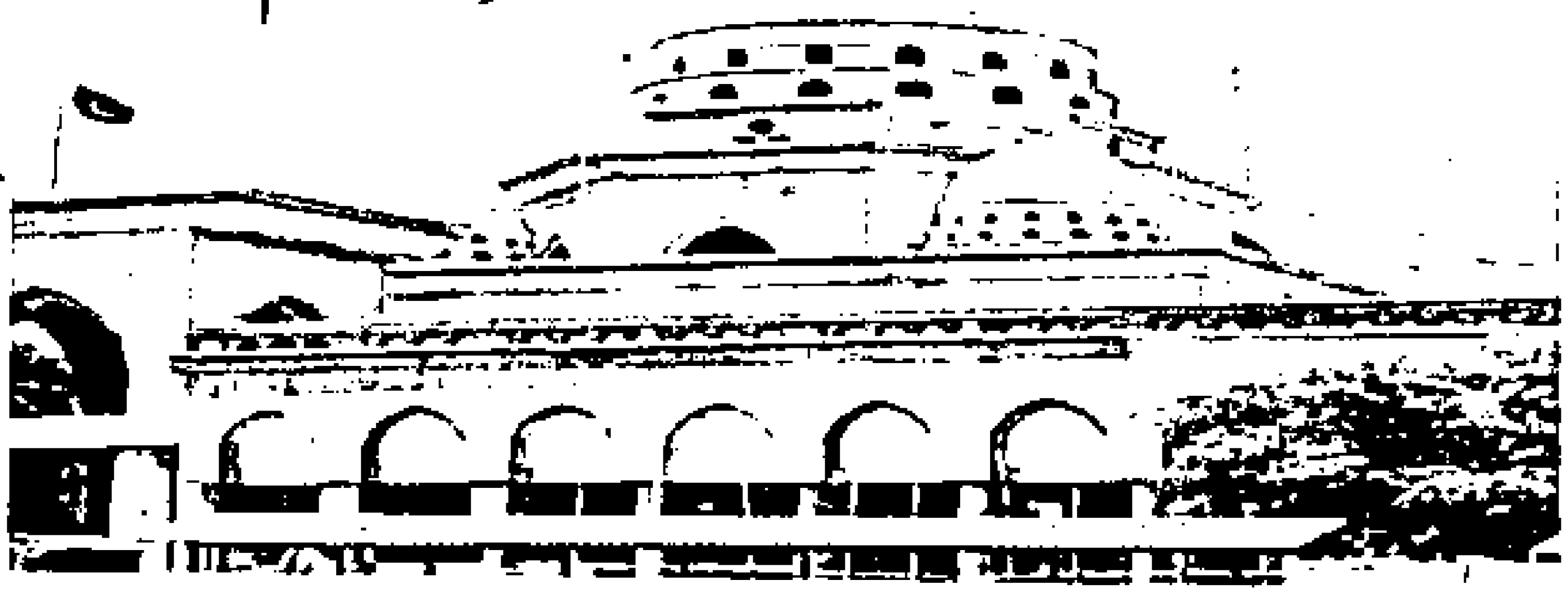

مزار امام بریؒ

صوفی برکت صاحبؒ

ڈاکٹر غلام مصطفٰے خانؒ کی آخری آرام گاہ

(المصطفٰے ٹرسٹ حیدر آباد 2005)

پیر معصوم خلیفہ حاجی امدادؒ

Marfat.com

ابتداء میں میرا شمار بھی ان انسانوں میں تھا جو شریعت کے نظم وضبط کی بندشوں سے بری طرح گھبراتے تھے۔اس زمانے میں اردو ادب میں آزاد نظم کا اسلوب نیا نیا وارد ہوا تھا۔اپنی کوتاہ اندیشی اور حماقت سے کچھ عرصہ تک میں اس خام خیالی میں مبتلا رہا ہے کہ جس طرح قافیہ اور ردیف کے بغیر چھوٹے بڑے مصرعوں میں بحر، وزن اور عروض کی ظاہری ناہمواریوں کے باوجود ایک نظم شاعری کے فن میں شامل سمجھی جاتی ہے ،اسی طرح فقط نماز اور روزہ نباہ کر خدا کا شکر ہے کہ ان دنوں ابھی نثری نظم کا چرچا شروع نہ ہوا تھا ورنہ شاید میں نماز اور روزہ کی شرط بھی اڑا دیتا۔

لیکن ایک بار پھر میری خوش قسمتی آڑے آئی۔اتفاق سے حضرت شہاب الدین سہروردیؒ کی تصنیف ''عوارف المعارف'' کہیں سے میرے ہاتھ آگئی۔بے حد دقیق کتاب تھی۔میں نے اسے کئی بار پڑھا، لیکن کچھ پلے نہ پڑا۔لیکن اتنا ضرور ہوا کہ میری سوچ کے ظلمت کدے میں ایک نیا روشن دان کھل گیا۔اس کے بعد میں نے حضرت غوث الاعظمؒ سے لے کر مولانا اشرف علی تھانویؒ تک درجنوں ایسی کتابیں کھنگال ڈالیں جوان بزرگان شریعت وطریقت کی اپنی تصانیف تھیں یا دوسروں نے ان کے حالات یا ملفوظات قلمبند کر رکھے تھے۔اس علمی ذخیرہ نے مجھے طریقت کے چاروں بڑے سلسلوں اور انکے علاوہ کئی چھوٹے چھوٹے ضمنی سلسلوں کے بارے میں کافی آگاہی بخشی، لیکن ساتھ ہی ایک الجھن بھی میرے دل میں پیدا ہوگئی۔یہ الجھن تلاش مرشد یا تلاش شیخ کے بارے میں تھی۔طریقت کے سارے سلسلوں میں ایک بات مشترک تھی۔وہ یہ کہ اس راستے پر قدم اٹھانے سے پہلے کسی مرشد کو اپنا رہنما بنانا لازمی ہے۔

مجھے یقین تھا کہ میرے آس پاس اور ارد گرد بہت سے ایسے بزرگان دین اور پیر طریقت موجود ہوں گے جنہیں میرا مرشد بننے کا حق حاصل تھا۔لیکن مرید کے طور پر اپنے شیخ کے سامنے بلا سوال جواب مکمل ذہنی اطاعت قبول کرنے کی جو شرط لازم تھی، اسے نباہنا میرے بس کا روگ نہ تھا، اس لئے میں نے تلاش شیخ کے لئے کوئی خاص کوشش نہ کی بلکہ اپنی نگاہ سلسلہ اویسیہ پر رکھی جس کے بارے میں بہت سے بزرگان سلف کی تصنیفات میں چھوٹے چھوٹے اشارے ملتے تھے، لیکن یہ کہیں درج نہ تھا کہ اس سلسلہ میں قدم رکھنے کے لئے کونسا دروازہ کھٹکھٹایا جاتا ہے اور نہ یہ معلوم تھا کہ اس میں داخل ہونے کے کیا کیا قواعد وضوابط اور آداب ہیں، لیکن ایک بار پھر یونہی بیٹھے بیٹھائے خوش قسمتی کی لاٹری میرے نام نکل آئی۔

ایک بار میں کسی دور دراز علاقے میں گیا ہوا تھا۔وہاں پر ایک چھوٹے سے گاؤں میں ایک بوسیدہ مسجد تھی۔میں جمعہ کی نماز پڑھنے اس مسجد میں گیا تو ایک نیم خواندہ سے مولوی صاحب اردو میں بے حد طویل خطبہ دے رہے تھے۔ان کا خطبہ گزرے ہوئے زمانوں کی عجیب وغریب داستانوں سے اٹا اٹ بھرا ہوا تھا۔کسی کہانی پر ہنسنے کو جی چاہتا تھا کسی پر حیرت ہوتی تھی، لیکن انہوں نے ایک داستان کچھ ایسے انداز سے سنائی کہ تھوڑی سی رقت طاری کر کے وہ سیدھی میرے دل میں اتر گئی۔یہ قصہ ایک باپ اور بیٹی کی باہمی محبت واحترام کا تھا۔باپ حضرت محمد ﷺ تھے اور بیٹی حضرت بی بی فاطمہؓ تھیں۔مولوی صاحب بتا رہے تھے کہ حضور رسول کریم ﷺ جب اپنے صحابہ کرامؓ کی کوئی درخواست یا فرمائش منظور نہ فرماتے تھے تو بڑے بڑے برگزیدہ صحابہ کرامؓ بی بی فاطمہؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کی منت کرتے تھے کہ وہ ان کی درخواست حضور ﷺ کی خدمت

Marfat.com

میں لے جائیں اور اسے منظور کروالائیں۔ حضور نبی کریم ﷺ کے دل میں بیٹی کا اتنا پیار اور احترام تھا کہ اکثر اوقات جب بی بی فاطمہؓ ایسی کوئی درخواست یا فرمائش لے کر حاضر ہوتی تھیں تو حضور ﷺ خوش دلی سے اسے منظور فرما لیتے تھے۔ اس کہانی کو قبول کرنے کے لئے میرا دل بے اختیار آمادہ ہو گیا۔

جمعہ کی نماز کے بعد میں اسی بوسیدہ مسجد میں بیٹھ کر نوافل پڑھتا رہا۔ کچھ نفل میں نے حضرت بی بی فاطمہؓ کی روح مبارک کو ایصال ثواب کی نیت سے پڑھے۔ پھر میں نے پوری یکسوئی سے گڑگڑا کے یہ دعا مانگی: ''یا اللہ میں نہیں جانتا کہ یہ داستان صحیح ہے یا غلط، لیکن میرا دل گواہی دیتا ہے کہ تیرے آخری رسول ﷺ کے دل میں اپنی بیٹی خاتون جنت کے لئے اس سے بھی زیادہ محبت اور عزت کا جذبہ موجزن ہوگا، اسی لئے میں اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ حضرت بی بی فاطمہؓ کی روح طیبہ کو اجازت مرحمت فرمائیں کہ وہ میری ایک درخواست اپنے والد گرامی ﷺ کے حضور میں پیش کر کے منظور کروالیں۔ درخواست یہ ہے کہ میں اللہ کی راہ کا متلاشی ہوں۔ سیدھے سادے مروجہ راستوں پر چلنے کی سکت نہیں رکھتا۔ اگر سلسلہ اویسیہ واقعی افسانہ نہیں بلکہ حقیقت ہے تو اللہ کی اجازت سے مجھے اس سلسلہ سے استفادہ کرنے کی ترکیب اور توفیق عطا فرمائی جائے۔

اس بات کا میں نے اپنے گھر میں یا باہر کسی سے ذکر نہ کیا۔ چھ سات ہفتے گزر گئے اور میں اس واقعہ کو بھول بھال گیا۔ پھر اچانک سات سمندر پار کی میری ایک جرمن بھابھی کا ایک عجیب خط موصول ہوا۔ وہ مشرف بہ اسلام ہو چکی تھیں اور نہایت اعلیٰ درجہ کی پابند صوم وصلوٰۃ خاتون تھیں۔ انہوں نے لکھا تھا:

The other might I had the good fortune to see "Fatima" daughter of the Holy Prophet (Peace be upon him) in my dream. She talked to me most graciously and said, "Tell your brother-in-law of Qudrat Ullah Shahab, that I have submitted his request to my exalted Father who has very kindly accepted it".

''اگلی رات میں نے خوش قسمتی سے فاطمہ بنت رسول ﷺ کو خواب میں دیکھا۔ انہوں نے میرے ساتھ نہایت تواضع اور شفقت سے باتیں کیں اور فرمایا کہ اپنے دیور قدرت اللہ شہاب کو بتادو کہ میں نے اس کی درخواست اپنے برگزیدہ والد گرامی کی خدمت میں پیش کر دی تھی۔ انہوں نے از راہ نوازش اسے منظور فرما لیا ہے''۔

یہ خط پڑھتے ہی میرے ہوش وحواس پر خوشی اور حیرت کی دیوانگی طاری ہو گئی۔ مجھے یوں محسوس ہوتا تھا کہ میرے قدم زمین پر نہیں پڑ رہے بلکہ ہوا میں چل رہے ہیں۔ یہ تصور کہ اس برگزیدہ محفل میں ان باپ بیٹیؓ کے درمیان میرا ذکر ہوا، میرے روئیں روئیں پر ایک تیز وتند نشے کی طرح چھا جاتا تھا۔ کیسا عظیم باپ ﷺ اور کیسی عظیم بیٹی! دو تین دن میں اپنے کمرے میں بند ہو کر دیوانوں کی طرح اس مصرعہ کی مجسم صورت بنا بیٹھا رہا۔

مجھ سے بہتر ذکر میرا ہے کہ اس محفل میں ہے!

Marfat.com

اس کے بعد کچھ عرصہ تک مجھے خواب میں طرح طرح کی بزرگ صورت ہستیاں نظر آتی رہیں، جن کو نہ تو میں پہچانتا تھا، نہ ان کی باتیں سمجھ میں آتی تھیں اور نہ ان کے ساتھ میرا دل ہی بھیگتا تھا۔ پھر ایک خواب میں مجھے ایک نہایت دلنواز اور صاحب جمال بزرگ نظر آئے جو احرام پہنے ایک عجیب سرور اور مستی کے عالم میں خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے۔ میرا دل بے اختیار ان کے قدموں میں بچھ گیا۔ وہ بھی مسکراتے ہوئے میری جانب آئے اور مطاف سے باہر حطیم کی جانب ایک جگہ مجھے اپنے پاس بٹھا لیا اور بولے ''میرا نام قطب الدین بختیار کاکی ہے۔ تم اس راہ کے آدمی تو نہیں ہو لیکن جس دربار گہربار سے تمہیں منظوری حاصل ہوئی ہے اس کے سامنے ہم سب کا سر تسلیم خم ہے''۔

قطب الدین بختیار کاکیؒ صاحب نے ایک پیالہ ہمارے درمیان رکھا، جس میں کھانے پینے کی کوئی چیز پڑی تھی۔ انہوں نے اچانک فرمایا۔ ''تم یہ زندگی چاہتے ہو یا وہ زندگی؟''

خواب میں بھی میرے دل کا چور انگڑائی لے کر بیدار ہو گیا اور اس نے مجھے گمراہ کیا کہ غالباً اس سوال میں فوری طور پر موت قبول کرنے کی دعوت ہے یعنی دنیاوی زندگی چاہتے ہو یا آخرت کی زندگی۔ مجھے ابھی زندہ رہنے کا لالچ تھا۔ اس لئے میں نے دل کی چور کی پیدا کی ہوئی بدگمانی کا شکار ہو گیا۔ ''حضرت کچھ یہ زندگی چاہتا ہوں، کچھ وہ''۔

میرا یہ کہنا تھا کہ میرے بائیں پہلو کی جانب سے ایک کالے رنگ کا کتا سا جھپٹا ہوا آیا اور آتے ہی سامنے پڑے ہوئے پیالے میں منہ ڈال دیا۔

قطب صاحب مسکرائے اور بولے ''افسوس یہ مفت کی نعمت تمہارے مقدر میں نہیں۔ تمہارا نفس تم پر بری طرح غالب ہے، اس لئے مجاہدہ کرنا ہوگا''۔

اس کے بعد کئی ماہ تک نہ کوئی خواب آیا اور نہ کسی قسم کا واقعہ ہی رونما ہوا۔ یہ تمام عرصہ میرے لئے ایک طرح سے عالم نزع کا سا زمانہ تھا۔ دل اور دماغ میں احساس محرومی کے پرنالے بہنے لگے۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے میں سب کچھ حاصل کر کے اچانک سب کچھ کھو بیٹھا ہوں۔ بار بار خودکشی کرنے کا خیال آتا تھا۔ ایک بار میں نے ڈوب کر خودکشی کا منصوبہ بھی بنا لیا۔ نہر میں چھلانگ لگانے کے لئے پل کی منڈیر پر جا بیٹھا۔ غالباً جذبہ جھوٹا تھا اس لئے بیٹھے کا بیٹھا ہی رہ گیا اور چند گھنٹے بعد زندہ سلامت گھر واپس آ گیا۔

اس عالم یاس و اضطراب میں تین سوا تین ماہ گزر گئے جو میرے باطنی وجود پر تین صدیوں کی طرح بھاری گزرے۔ اس کے بعد اچانک 9 جون کا مبارک دن طلوع ہوا۔ یہ دن میری زندگی کے دو یا تین اہم ترین ایام میں سے ہے۔ اس روز مجھے اچانک ''نائنٹی'' (Ninety) کا پہلا خط موصول ہوا۔ میں اسے فقط اسی کوڈ نام سے جانتا ہوں۔ میں نے اسے کبھی نہیں دیکھا اور نہ مجھے یہ معلوم ہے کہ وہ کون ہے؟ کیا ہے؟ اور کہاں ہے؟ ہماری خط و کتابت بذریعہ ڈاک فقط ایک بار ہوئی ہے۔ صرف اس کا پہلا خط بذریعہ ڈاک آیا تھا۔ لفافے پر ڈاک خانے کی جو مہر لگی ہوئی تھی، وہ یوں تھی۔ June 9, Jammu Market 9.30 a.m. ڈاکیہ اسی روز دن کے ساڑھے بارہ بجے یہ خط ڈلیور کر گیا تھا۔ شہر کے پوسٹل نظام میں ایسا ممکن ہی نہ تھا کہ صبح

Marfat.com

ساڑھے نو بجے کا پوسٹ کیا ہوا خط اسی روز دوپہر کے ساڑھے بارہ بجے مل جائے۔

تیرہ صفحات پر مشتمل اس خط میں میرے ظاہر اور باطن کی ایسی ایسی باریک ترین خامیوں، کوتاہیوں، خرابیوں اور کمزوریوں کو اس قدر تفصیل اور وضاحت سے بیان کیا گیا تھا، جن میں سے بعض کا علم مجھے اور صرف میرے خدا کے علاوہ اور کسی کو نہ تھا اور بعض کا مجھے خود بھی پورا علم نہ تھا۔ یہ خط اس طرز کی فصیح و بلیغ اور دقیق انگریزی زبان میں لکھا ہوا تھا کہ اسے سمجھنے کے لئے مجھے بار بار ڈکشنری کا سہارا لینا پڑتا تھا۔ نصف خط اس تجزیے پر مشتمل تھا اور باقی کا نصف احکام، ہدایات اور مستقبل کے لائحہ عمل سے پر تھا۔ آخر میں لکھنے والے کے نام کی جگہ فقط یہ درج تھا۔ A ninety years young fakir یعنی ایک نوّے سالہ جوان فقیر۔

اس خط میں ایک حکم یہ تھا کہ چند سوالات جو اس میں اٹھائے گئے تھے، ان کا مکمل جواب انگریزی میں لکھ کر اسے اپنی کتابوں والی الماری کے کسی خانے میں رکھ دو۔ میں نے فوراً تعمیل حکم کر دی۔ چند لمحوں کے بعد الماری کے پٹ کھولے تو میرا لکھا ہوا خط وہاں سے غائب تھا۔ اس خط کا جو جواب آیا۔ وہ اسی شب میرے تکیے کے نیچے پڑا ہوا ملا۔ جواب کے آخر میں ''ایک نوّے سالہ جوان فقیر'' کی جگہ فقط ایک لفظ (Ninety) درج تھا۔ اس حیرت ناک واقعہ سے میرے تن بدن پر شدید ہیبت اور گھبراہٹ طاری ہو گئی۔ کچھ عرصہ مجھ پر نیم بے ہوشی کا سا عالم طاری رہا۔ میری بے بسی اور بے کسی پر ترس کھا کر ''نائنٹی'' نے آئندہ میرے چھوٹے بھائی حبیب اللہ شہاب کو بھی میرا رفیق بنا دیا۔ حبیب کی رفاقت میرے لئے سونے پر سہاگہ ثابت ہوئی۔

اس کے بعد کم و بیش پچیس برس تک ہمارے درمیان اس عجیب و غریب خط و کتابت کا سلسلہ قریباً قریباً روزانہ جاری رہا۔ بعض اوقات ہمارے درمیان خطوط کی آمد و رفت دن اور رات کے دوران دو دو، تین تین یا چار چار بار تک پہنچ جاتی تھی۔ حبیب ہمارا پوسٹ آفس تھا۔ ہمارا لیٹر بکس کبھی الماری ہوتی تھی، کبھی اپنی جیب۔ کبھی کوئی کتاب یا کاپی، یا کبھی یونہی سر راہ چلتے چلتے ''نائنٹی'' کے تحریر کردہ خطوط ہوا کے دوش پر سوار پھول کی پتیوں کی طرح سر پر آ لگتے تھے۔

حکم تھا کہ اس کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہر تحریر کو جلد از جلد تلف کر دیا جائے۔ البتہ اتنی اجازت ضرور تھی کہ اس کے احکام اور اس کی ہدایات کو اپنے طور پر اپنے الفاظ میں اس طور پر بے شک محفوظ کر لوں کہ اگر یہ کاغذات کسی اور کے ہاتھ لگ جائیں تو یہ سب باتیں محض پراگندہ خیالی اور بے معنی رطب ہوں یا بس نظر آئیں۔ فقط ایک بار چھوڑ کر میں اس حکم کو بھی پوری پوری پابندی سے بجالاتا رہا۔

ایک روز میرے دل میں لالچ آیا کہ میں اپنے گمنام اور نادیدہ خضرِ راہ کا کم از کم ایک دستخط Ninety اس کے کسی خط سے پھاڑ کر نشانی اور برکت کے طور پر اپنے پاس محفوظ کر لوں یہ خیال آنا تھا کہ سزا کا تازیانہ فوراً نازل ہو گیا۔ رات کا وقت تھا بجلی کے بلب کے اردگرد چند پروانے منڈلا رہے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہاں پر ایک کاغذ منڈلانے لگا اور آہستہ آہستہ بل کھاتا ہوا نیچے میری گود میں آ گرا۔ اس میں تحریر تھا کہ حکم عدولی کا یہ منصوبہ فوری سزا کا مستحق ہے۔ سزا یہ تجویز ہوئی کہ بتیاں چند لمحوں کے بعد اپنے آپ گل ہو جائیں گی اور میرے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں نصف گھنٹہ تک ایک ایک زندہ سانپ سے باندھ کر رکھے

Marfat.com

جائیں گے۔ اس خوفناک سزا کا فیصلہ سن کر میں بے اختیار رو پڑا۔ میں نے جلدی جلدی اپنے ارادہ سے توبہ کی۔ دل کی گہرائیوں سے معافی مانگی اور غالب کا یہ شعر انگریزی ترجمہ کے ساتھ لکھ کر الماری میں رکھ دیا۔

حد چاہئے سزا میں عقوبت کے واسطے آخر گنہگار ہوں کافر نہیں ہوں میں

دیکھتے ہی دیکھتے بجلی کے بلب کی جانب سے نائنٹی کا جواب لہراتا ہوا میرے ہاتھ میں آیا جس میں تحریر تھا "ہاہاہا" بس دو زندہ سانپوں کے تصور سے ڈر گئے، بزدل ہو، چلو معاف کیا، لیکن یہ بات ہرگز نہ بھولو کہ قبر میں دیگر حشرات الارض کے علاوہ زندہ سانپ بھی موجود ہوں گے۔ وہاں پر نہ تو توبہ کرنے کا وقت ہوگا اور نہ توبہ ہی قبول ہوگی۔ او غافل بندے! تجھے کیا معلوم کہ دن رات تمہارے بدن اور باطن کے ساتھ کتنے خوفناک اژدہے زبانیں نکال نکال کر لپٹے رہتے ہیں اور وقت آنے پر زیر زمین کتنے اژدہے بے تابی سے تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ کاش کہ تم لوگ جانتے۔ نائنٹی"۔

ایک روز میں نے اپنے رہنما سے دریافت کیا۔ "آپ کون ہیں۔ کہاں ہیں؟ کیا کرتے ہیں؟ اور روحانیت کے کس مقام پر فائز ہیں؟

جواب ملا۔ "پہلے تین سوال فضول ہیں۔ ان کا جواب تمہیں کبھی نہیں ملے گا۔ باقی رہی روحانیت کے مقام کی بات۔ اس طویل راستے پر کہیں کہیں گھاٹیاں اور کہیں کہیں سنگ میل آتے ہیں اور گزر جاتے ہیں۔ منزل یا مقام کا کسی کو علم نہیں۔ اس سڑک پر سب راہی ہیں۔ کوئی آگے، کوئی پیچھے۔ منزل صرف ایک بشر کو ملی ہے جس کے بعد اور کوئی مقام نہیں۔ اس بشر کا نام ہے محمد ﷺ۔ تم اس کا نام رٹتے تو بہت ہو لیکن کیا کبھی اس کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کی ہے؟ اگر ایسا کرتے تو آج ایک کچی دیوار پر گوبر کے اپلے کی مانند چسپاں نہ ہوتے جس پر مکھیاں تک بھنبھنانا چھوڑ دیتی ہیں"۔

یہی میرا سلسلۂ اویسیہ تھا جس کی رہنمائی میں اس گنہگار نے راہ سلوک پر چند قدم ڈگمگانے کی سعادت حاصل کی۔ ڈگمگانے کا لفظ میں نے جان بوجھ کر استعمال کیا ہے کیونکہ جہاں کہیں کسی باطنی نعمت کا پیالہ نزدیک آتا تھا میرے نفس کا کالا چور فوراً دم ہلاتا ہوا جھپٹ کر اس میں منہ ڈال دیتا تھا۔ اس کوشش ناتمام کو بھی میں اپنی زندگی کا ایک اثاثہ ہی شمار کرتا ہوں۔ اس نے میرے بہت سے بل نکال دیئے اور چند پیچ در پیچ تجربات سے گزر کر زندگی کا رخ کسی قدر بدل گیا۔ البتہ یہ حسرت ضرور باقی ہے کہ میں اس عظیم نعمت کا حق کبھی ادا نہیں کر پایا، بلکہ بعض اوقات تو کفران نعمت تک نوبت آتی رہی ہے۔

زندگی کے اس طرح کے باطنی تجربات اور مشاہدات کو بیان کرنے کی سکت مجھ میں نہیں۔ البتہ مختصر طور پر ان کا تھوڑا سا ذکر کرتا ہوں۔ یہ موضوع میرے لئے اجنبی ہے، اس لئے اپنے بیان اور اظہار میں میں نے بزرگان سلف کی تصنیفات، مکتوبات، ملفوظات اور فرمودات کی زبان اور کلام سے بے دریغ استفادہ کیا ہے۔ تجربات اور مشاہدات میرے ہیں، ان کا اظہار حتی الوسع ان کے الفاظ میں ہے تاکہ سہواً یا اپنی کم فہمی کی وجہ سے کوئی فاش غلطی نہ کر بیٹھوں۔

خاص طور پر یہ بات مجھ پر بالکل صاف اور واضح ہوگئی کہ سلوک یا تصوف میں کسی قسم کا کوئی راز یا اسرار پوشیدہ نہیں۔ اذکار، اشغال اور مراقبات وغیرہ کوئی ڈھکی چھپی باتیں نہیں بلکہ عام طور پر جانے پہچانے معمالات ہیں، جو ہر سلسلے میں اپنے

Marfat.com

اپنے طریق پر اظہر من الشمس ہیں۔ البتہ اذکار، اشغال اور مراقبات کے دوران سالک جو کیفیات اور مشاہدات اپنی اپنی استعداد کے مطابق وارد ہوتے ہیں، ان کا ذکر کرنا بے معنی اور فضول ہے، اس لئے ان کا ذکر عام طور پر ممنوع قرار دیا جاتا ہے۔

شریعت کی طرف مائل کرنے کے لئے طریقت کا کنڈر گارٹن اسکول لذت و سرور کے علاوہ بعض انتہائی خوشگوار اور پر لطف انکشافات سے مالا مال ہوتا ہے۔ سالکوں کی ایک بڑی تعداد اس لذت و سرور کی مستی میں محو ہو کر یہیں کی ہو رہتی ہے اور اپنے اصلی مقصد یعنی شریعت کی جانب قدم بڑھانے کی بجائے جمود کا شکار ہو کر اپنی منزل کھوٹی کر بیٹھتی ہے۔ یہ بدقسمت لوگ کہیں ڈبہ پیر بن کر ابھرتے ہیں۔ کہیں مصنوعی دکانیں سجا کر تصوف کی بلیک مارکیٹ کرتے ہیں۔ کہیں طریقت کی آڑ میں شریعت کی خلاف ورزیاں کرتے ہیں۔ ان کی پیری فقیری جعلسازی کا گورکھ دھندا ہوتی ہے اور ان کا سارا کاروبار مداریوں اور بازیگروں کی طرح شعبدہ بازی کا کرتب بن جاتا ہے۔ جو لوگ اس راہ میں ان پر کشش اور پر فریب گڑھوں میں منہ کے بل گرنے سے بچ جائیں، ان کا انعام یہی ہوتا ہے کہ چلتے چلتے انجام کاران کے قدم شریعت کی شاہراہ پر گامزن ہو جاتے ہیں۔ سلوک اور تصوف کا اس کے علاوہ اور کوئی مقصد ہے نہ مفہوم۔ (شہاب نامہ)

ممتاز مفتی

ممتاز مفتی 11 ستمبر 1905 پیدا ہوئے وصال 27 اکتوبر 1995 کو ہوا۔ ممتاز مفتی اردو کے مصنف رہے ہیں اور اردو ادب میں کافی کام نظر آتا ہے۔ ان کی نثر میں ہمارے بلند پایہ نثر نگاروں کی گونج سنائی دیتی ہے۔ سول سروس سے منسلک رہے ہے اور پھر نظام تکوین نے ممتاز مفتی کو سلیکٹ کیا اور ان سے وہ راز فاش کروائے جس کی اہمیت اور نزاکت کو ہم نہیں جانتے تھے۔ پیش در پیش ایسے حالات ان کے ساتھ پیش آئے کہ وہ اپنی تحریروں میں اس کا ذکر کرتے چلے گئے۔ ممتاز مفتی نے پاکستان کی اہمیت، اور اس کے روحانی نظام کا پردہ فاش کیا تاکہ آنے والی نسلوں کو پاکستان کی اہمیت کے بارے میں آگاہ کیا جا سکے۔ اللہ نے کام لینے تھے اور عوام میں شعور بیدار کرنا تھا۔ ایک ایسے انسان کو جو مصنف تھے اللہ کے اس نظام کو جانتے نہیں تھے۔ ان کے ساتھ ایسے حالات کو پیدا کیا گیا کہ یہ سب اپنی تحریروں میں لانے پہ مجبور ہو گئے۔

کالا شاہ کاکو اسٹیشن

یہ واقعہ پاکستان بننے کے بعد کا ہے۔ مماز مفتی الکھ نگری میں لکھتے ہیں: جب پہلی دفعہ ایک بزرگ نے چلتی ٹرین کو رکوا کر ان کو اتروا دیا یہ سمجھے لاہور آ گیا لیکن لاہور دو اسٹیشن آگے تھا۔ اور یہ اسٹیشن اس وقت کالا شاہ کاکو کہلاتا تھا۔ تو اس اندھیرے ویرانے میں ایک آدمی آ کر ملا اور کہا کہ آپ کو ایک بابا نے بلوایا ہے آپ اسکے ساتھ ان کے کوارٹر میں چلے گئے۔ رسمی گفتگو میں کو یہ بات ظاہر کی کہ میں مشرقی پنجاب سے ہجرت کر کے آیا ہوں وہاں لاکھوں مسلمانوں کو شہید کر دیا گیا ہے۔ بابا نے فرمایا جو اللہ کی مرضی مسلمانوں کو شہادت نصیب ہوئی اور ہمارے بارڈر پر لاکھوں محافظ کھڑے ہو گئے۔ شہید مرتا نہیں نا۔ اللہ پاکستان کی

Marfat.com

حفاظت کر رہا ہے۔ جسے بنایا ہے اس کی حفاظت بھی کرنی پڑتی ہے۔

پھر حکم فرمایا کہ لاہور کے بجائے پنڈی چلے جاؤ۔ وہاں پر ایک لال رومی ٹوپی والے بزرگ تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ جستجو میں پھر پوچھا کہ کون بزرگ انہوں نے بولا وہی جو تمہارے ٹرک کو پاکستان میں لیکر آئے تھے اور میری آنکھوں میں امرتسر سے ہجرت کا نقشہ آنکھوں میں گھوم گیا۔ انہوں نے کہا کہ سب اپنی اپنی ڈیوٹی میں لگے ہوئے ہیں۔ امرتسر سے ہجرت کے وقت غنڈوں نے ٹرک کو روکنے کی کوشش کی تھی مگر ایک سرخ رومی ٹوپی والے بزرگ نے میرے پورے خاندان کو با حفاظت سرحد پار کروادی تھی۔ ان بابا کی بات سن کر میں چونک گیا۔ بابا بولے تجھے نہیں دِکھتا۔ یہ جو ملک بنایا ہے تو کسی بات کے لئے بنایا ہے ایسے ہی تو نہیں بنا دیا۔ اب اس ڈولتی کشتی کو پار بھی تو لگانا ہے کہ نہیں یہاں تخت بچھے گا پھر وہ آ کر اس پر بیٹھے گا وہی جو آنے والا ہے جس کے انتظار میں سب بیٹھے ہیں۔ تم سے ملنا ضروری تھا میں شہر نہیں جاسکتا تھا اس لئے ٹرین رکوا کے تمہیں اتروا دیا اور پیغام دے دیا۔

میرا ذہن اس بات کو سوچتا رہا کہ قیام پاکستان پر جتنا بھی کشت وخون ہوا تھا وہ پاکستان کی بنیادوں کو پختہ کر رہا تھا اس کے قیام کو مضبوط تر کر رہا تھا۔ اس نوزائیدہ مملکت کو استحکام بخش رہا تھا۔ قدرت نے ہندوؤں کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا تھا۔ عدم تشدد کے داعی کو تشدد پر ابھارا تھا اس نئی اسلامی مملکت کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی قوت حاصل ہو جائے۔ خون کا وہ کھیل جو ہندو سیاست مشرقی پنجاب میں کھیل رہی تھی۔ پاکستانی بھارت کے خلاف غصے سے کھول رہے تھے۔ ان کے دلوں میں بھارت کے خلاف نفرت کی ایک دیوار اُبھر رہی تھی۔ یہی نفرت کی دیوار پاکستان کے قیام کی ضامن تھی۔ بھارت کا کشمیر پر غاصبانہ قبضہ کر لینا یہ دونوں عمل پاکستان کے قیام کے ستون بن گئے تھے۔ اگر بھارت تقسیم کے وقت مسلم کشی کی پالیسی نہ اپناتا اور تقسیم کے عمل کو خندہ پیشانی سے تسلیم کر لیتا تو بھارت اور پاکستان کے درمیان نفرت کی دیوار استوار نہ ہوتی۔ اور عین ممکن تھا کہ صلح اور آشتی کے جذبات تقویت پاتے رہتے اور دونوں ملک میں اس قدر قربت آجاتی کہ پاکستان کا وجود متزلزل ہو کر رہ جاتا لیکن قدرت کو پاکستان کا قیام منظور تھا اس لئے ہندوؤں کی آنکھوں پر دبیز پردہ ڈال دیا گیا اور ان سے ایسی حرکات کا ارتکاب کرایا گیا جو بھارت کے منافی تھیں۔ رہا لاکھوں شہیدوں کا مسئلہ وہ پاکستان جو پنجاب میں صرف ایسے تہہ تیغ کر دیئے گئے تھے کہ وہ مسلمان تھے کلمہ گو تھے۔ یہ لاکھوں شہید مرے نہیں تھے چونکہ شہید مرتا نہیں یہ لاکھوں شہید پاکستان کی سرحدوں کے دائمی محافظ بن گئے تھے۔

پبلک سروس کمیشن کی ملازمت

اور پھر اللہ تعالیٰ نے ایسے حالات بنائے کہ مجھے پنڈی جانا پڑ گیا۔ میں نے پبلک سروس کمیشن کو ملازمت کے لئے درخواست دی تھی اور اس کا انٹرویو پنڈی میں تھا۔ انٹرویو سے ایک دن پہلے سڑک پر بیٹھے فقیر نے مجھے اشارہ کیا میں قریب گیا تو وہ بولا تو آ گیا اچھا کیا آ گیا۔ دیر سے آیا پر آ گیا اچھا ہوا اب جانا نہیں۔ بولا جا امتحان دے۔ مجھے کالا شاہ کاکو بابا کی بات یاد

Marfat.com

آ گئی۔ پنڈی جا۔ اوپر چلا جا جہاں پہاڑیاں ہیں تجھے وہاں جانا ہوگا اگلے روز پبلک سروس کمیشن نے انٹرویو کے فوراً بعد میرے ہاتھ میں ایک حکم نامہ دے دیا گیا کہ آپ فوراً وزارت کشمیر افیئرز کے ذیلی دفتر آزاد کشمیر پبلسٹی ڈائریکٹوریٹ میں اسسٹنٹ انفرمیشن آفیسر کی حیثیت سے جوائن کرلیں۔ اس حکم پر میں حیران تھا کیونکہ پبلک سروس کمیشن نے دستور سے ہٹ کر فیصلہ کیا تھا کشمیر پبلسٹی ڈائریکٹوریٹ صدر میں بائیس نمبر چورنگی سڑک پر سولجر ہوم میں واقع تھا یہ ایک چھوٹا سا دفتر تھا جس میں صرف 20, 25 آدمی کام کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کے نظام کے تحت جوب کرنے کے بعد کچھ وقت تو اچھا گذرا پھر حالات میرے خلاف ہوتے چلے گئے اور میں ان حالات کی وجہ سے خاصہ پریشان تھا۔ تو میرے دوست نے سرکار قبلہ کے دربار میں حاضری دلوائی۔

میری والدہ شروع سے اولاد کی وجہ سے پریشان رہتی تھیں اس کی وجہ سے دعا کے لئے بزرگوں کے پاس جایا کرتی تھیں۔ مجھے بھی کبھی بزرگوں کے پاس لے جاتی تھیں میں نے داتا صاحب کے پاس حاضری دی پھر دلی میں سلسلہ چشتیہ کے بزرگ کے پاس حاضری دی میری والدہ ان سے بیعت کروانا چاہتی تھی۔ مگر میں بیعت کرکے خود کو کسی کے حوالے نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ان کا نام حاجی رفیع الدین تھا اور دلی میں بلیماراں محلے میں رہتے تھے ان سے ملاقات پر انہوں نے عرض کی والدہ کو سلام عرض کرنا اور کہہ دینا جس کام سے آپ روکنا چاہتی ہیں وہ ہوکر رہے گا۔ آپ پریشان نہ ہوں اسی رضائے الٰہی سے مستقبل روشن ہے۔ انہیں بہت اچھے لوگ ملیں گے ان کا حصہ وہیں ہے۔ یہ باتیں میری ابتدائی دنوں کی ہیں۔ مگر جوب میں مسئلے کے بعد آخر مجھے اللہ تعالیٰ نے وہاں پہنچا دیا جہاں کے لئے حکم آیا تھا کہ لال رومی ٹوپی والے آپ کا انتظار کررہے ہیں۔

ان کا روضہ مبارک مریڑ روالپنڈی صدر ایک مصاف ہے مری روڈ سے ایک ویرانہ ہے ریل کی پٹڑی پار کرنے کے بعد ایک چھوٹا سا گاؤں تھا جس کے عقب میں قبرستان تھا اور قبرستان کے ایک طرف سرکار قبلہ کا روضہ مبارک تھا۔ جن کا نام سائیں عبداللہ بخش نقشبندی قلندری تھا۔ ہم دعا کہ بعد واپس آ گئے۔ پھر چھ دن کے بعد میرا دوست دوبارہ آیا اور بولا کہ ہم سے ایک غلطی ہوگئی ہے خواجہ جان محمد بٹ صاحب عرف (بھائی جان) نے بولا ہے کہ سائیں اللہ بخش جمعہ کے دن اپنے مزار پر نہیں ہوتے ہیں اس لئے دوبارہ حاضری دینا لازمی ہے۔ مجھے ایک دفعہ پھر قبر مبارک پر حاضری دینا پڑی وہاں سے واپسی پر جونہی کھیتوں میں داخل ہوا اور مجھ پر عجیب کیفیت طاری ہوئی اور میں پھوٹ پھوٹ کے رونے لگا اور یہ کیفیت سنبھلنے میں نہیں آئی اس آدھ میل کے فاصلے کے دوران مجھ پر جو دورے پڑے اور میں گھر آ کر خاموشی کے ساتھ کمرے میں چلا گیا۔ کمرے میں لیٹنے کے ساتھ دوبارہ بیکسی طاری ہوئی قبر مبارک نظر آنے لگی اور مرقد پر سر پر لال رومی ٹوپی وہاں تشریف فرما تھے۔ مجھے حاجی رفیع الدین صاحب کی بات یاد آ گئی کہ مجھے بہت اچھے لوگ ملے گے۔ امرتسر کی ہجرت دوبارہ یاد آ گئی چوک میں کھڑا سپاہی بھی غائب ہوگیا۔ اس کی جگہ رومی ٹوپی والا کھڑا ہوگیا اس نے ہمارے ٹرک کو راستہ دے دیا۔ امرتسر کے غنڈے ٹرک کے پیچھے بھاگے لیکن فوجی ڈرائیور نے رفتار تیز کردی۔ اور تیز اور تیز کردی۔

Marfat.com

میری زوجہ قرآن صلوٰۃ کی بڑی پابند تھی اس نے خواب دیکھا رات میں مجھے خواب میں اشارہ ہوا ہے۔ واقعی اس کے خواب میں اشارے ہوا کرتے تھے گھر میں کوئی بات وقوع پذیر ہوتی تو پہلے سے ہی اسے خواب میں اشارہ دے دیا جاتا تھا۔ خواب میں دیکھا ایک سبز پوش بزرگ اندر داخل ہوئے وہ مجھ سے کہنے لگے تیرے میاں نے جو بابا اب اپنایا ہے وہ صحیح ہے اس کے بعد مجھے سر پر رومی ٹوپی ہاتھ میں حقہ ان بابا سے مجھے ملوا دیا ہے۔

یہ سننے کے بعد مجھ پر پھر رقت طاری ہوگئی اور میرے اندر ایک ہلچل مچ گئی اور میں بے بسی میں اللہ کو پکارا یا اللہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ اور میں نے اس کا ذکر اپنے دوست سے کیا وہ اس معاملے کو سمجھ کر بولا یہ کیفیت طاری کی گئی ہے کیونکہ خواجہ جان محمد بٹ صاحب نے پہلے ہی مجھے بتا دیا تھا کہ جلد ہی آپ کا ایک قلم کار بھائی آ رہا ہے۔

یہ دنیا میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی اور یہ مستقل واقعات مجھے کس طرف لے جا رہے تھے میں سخت گھبرایا ہوا تھا میرے دوست نے کہا آپ اللہ والوں کی دنیا کی دہلیز پر بیٹھے ہیں ابھی تو پتہ نہیں آپ کو کیسے کیسے مشاہدات سے گذرنا ہوگا۔

سائیں اللہ بخش ''مرد قلندر''

آپ اعوان خاندان سے تھے۔ ابا کوٹلی سیالکوٹ سے آئے تھے۔ باپ کا نام عید محمد تھا۔ انہوں نے فن طبانی میں نام پیدا کیا تھا جب سردار ایوب خان شاہ کابل نظر بند ہو کر پنڈی لائے گئے تھے تو عید محمد کا تقرر شاہی مطبخ میں بطور باورچی ہو گیا تھا۔ مسجد میں آپ نے قرآن کی تعلیم پائی مدرسے میں پانچویں جماعت تک پڑھے۔ پھر تعلیم سے دل اچاٹ ہو گیا۔ بچپن سے ہی کشتی سے رغبت تھی اور بزرگوں کی خدمت میں حاضری دینے کا اشتیاق تھا۔

لال کڑتی میں فضل الدین نقشبندی رہتے تھے ان کی خدمت میں حاضری دی۔ ان سے عقیدت ہوگئی اور پھر بیعت کر لی۔ توجہ پہلوانی سے ہٹ کر عبادت کی طرف مبذول ہوگئی۔ ذکر الٰہی میں ایسا دل لگا اور دنیا سے رغبت ختم ہوگئی۔ والد نے مرنے سے پہلے اپنا فرض پورا کرنے کی غرض سے آپ کی شادی کر دی لیکن آپ پر استغراق کا عالم طاری تھا۔ شادی کے قیود و بند کے پابند رہنا ممکن نہ تھا اس لئے دو ہفتے کے بعد اہلیہ سے علیحدگی اختیار کر لی اور اسے آزاد کر دیا اس کے بعد 25 سال تجدید کی زندگی گذاری۔

اس کے بعد استغراق اس حد تک پہنچ گیا کہ خود پر اختیار نہ رہا۔ مسجد میں باجماعت نماز ادا کرتے، لیکن سجدے میں جاتے تو سر اٹھانے کا ہوش نہ رہتا۔ نماز ختم ہو جاتی، نمازی اپنے اپنے گھر پہنچ جاتے لیکن آپ وہیں سجدے میں پڑے رہتے۔ اس پر محلے والوں نے فیصلہ کیا کہ آپ کا مسجد نماز ادا کرنا مناسب نہیں۔ استغراق کی یہ شدت آپ کو اپنے ہادی سے ملی تھی۔ آپ کے ہادی فضل الدین نقشبندی نے ایک بار جہلم کے کنارے چلہ کشی کی تھی۔ وہاں سرکنڈوں کا جنگل تھا۔ آپ پر عالم استغراق اس شدت سے طاری ہوا کہ سرکنڈے آپ کے جسم میں پیوست ہو گئے اور آپ کو خبر ہی نہ ہوئی۔

Marfat.com

ہادی کے وصال کے بعد آپ قلعی گروں کے ایک ٹولے کے ساتھ شامل ہو کر لمبے پر سفر چلے گئے، کشمیر، گلگت، لداخ، غیر علاقہ اور افغانستان میں گھومے پھرے۔ اس سفر کا مقصد درگاہوں پر حاضری دینا اور اولیائے کرام سے اظہار عقیدت کرنا تھا۔ دو سال بعد آپ واپس منڈی پہنچے۔

بندوخان

اس دور میں آپ پر باوا احمد خان کی رفاقت کا بہت اثر ہوا۔ باوا صاحب فقر میں خاص مقام رکھتے تھے، آپ کو بندوخان کے لقب سے جانا جاتا تھا۔ بندوخان سے آپ کو بہت فیضان حاصل ہوا۔ پھر ایک ایسا واقع ہوا کہ آپ کی طبعی اور موروثی خصوصیات، شدت کو تازیانہ لگا جس کے زور پر آپ نے استغراق کی کیفیت پائی تھی۔

ہوا یوں کہ بندوخان نے ایک نو مسلم عیسائی خاتون سے عقد کر لیا۔ خاتون کی پچھ لگ بیٹی تھی، جو مشن والوں کے زیر اختیار رہتی تھی۔ ماں نے چاہا کہ بیٹی کو اپنے پاس بلالے۔ مشن والوں نے لڑکی کی ماں کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا۔ باوا صاحب نے عدالت میں چارہ جوئی کر دی۔ مقدمہ چلا۔ اس پر پنڈی کے مسلمانوں میں بڑا جوش و خروش پیدا ہوا، لیکن لڑکی چونکہ عیسائی باپ کی بیٹی تھی، اس لئے باوا صاحب کا دعویٰ خارج ہو گیا۔ مسلمان مقدمہ ہار گئے، مسلمانوں کی بہت تذلیل ہوئی۔

باوا صاحب نے فرمایا اللہ بخش، ایسا تو ہمارے ساتھ کبھی نہ ہوا تھا۔ دونوں بزرگوں میں غم و غصہ کا ایک طوفان اٹھا اور برطانوی حکومت پر مرکوز ہو گیا۔ کچھ دنوں بعد جنگ عظیم شروع ہوگئی۔ بہر صورت تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ مرد قلندر کی غم و غصہ بھری نگاہ حکومت برطانیہ پر مرکوز ہو چکی تھی۔ برطانیہ کا انحطاط شروع ہو گیا۔ اب صرف وقت کی دیر تھی۔ اس کے بعد مرد قلندر کی توجہ قیام پاکستان پر مبذول ہوگئی۔ اور پھر اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے مناظر سامنے آ گئے۔ سائیں اللہ بخش کی نگاہوں کے سامنے جب مستقبل کے مناظر جھلکیاں دکھاتے تو ان کے اظہار کے لئے انہوں نے شعر و سخن کو اپنا رکھا تھا۔ وہ اردو اور پنجابی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ تخلص حجام تھا۔

نمونہ کے طور پر اس قبیل کی ایک نظم درج ذیل ہے۔

اللہ کی اماں ہے

آج کل ہر چیز گراں ہے، اللہ اماں ہے — گرداب میں سارا جہاں ہے
پر جارا جوں سے بد گماں ہے — آثار قیامت کا نشاں ہے
ہندو ہندو مسلمان مسلمان ہے — عیش کوشی پر پیر مغاں ہے
سب خلق بے داماں ہے، اللہ کی اماں ہے — ہر مذہب کا الٹ بیاں ہے
شامت نفس سے چاک گریباں ہے — دھوکے پہ ہر دکاں ہے
ہر سو قتل کا ساماں ہے — کہیں بہار کہیں خزاں ہے

Marfat.com

ہر کس زیر داماں ہے
مرد خدا بھی بدگماں ہے

صغریٰ قیامت کا نشاں ہے
گلشن وو ہر بے اماں ہے

شہنشاہ کا فاسد ایماں ہے
ہمسر خالق لرزاں ہے

مسافر راہ رواں ہے
راہ کعبے کا گراں ہے

بدلا رنگ جہاں ہے
کھلی تیغ بر آں ہے

خون لہروں میں رواں ہے
چرخ گردوں گرداں ہے، اللہ کی اماں ہے

بلند مسلم کی اذاں ہے
کفر دھڑکے سے لرزاں ہے

گو ہر پتھر میں عیاں ہے
ہند کربل کا نشاں ہے

ہر سو آہ وفغاں ہے
لخت جگر ہراساں ہے

طوطی و مرغ حیراں ہے
کھلا جوہر جواں ہے

اٹھی گرد گرداں ہے
شجاعت صفت سجاں ہے

ہر سو عش کا بیاں ہے
میدان خوں کا نشاں ہے

غازی سر میداں ہے
در کفر شور وفغاں ہے

جام صراحی سے جدا ہے
شیروں نے چھوڑی چراگاہ ہے

عدل پہ مسلم کا نشاں ہے، اللہ کی اماں
آزاد تخت ایراں ہے

خوش شاہ ایراں ہے
بلند شرع کا نشاں ہے

آمد مہدی کا نشاں ہے
مہدی بالغ جواں ہے

اٹھا عربی نشاں ہے
سورۂ الحمد کا بیاں ہے

اللہ کی اماں ہے

45 سالہ تجربہ کی زندگی گزارنے کے بعد سائیں اللہ بخش نے نکاح ثانی کیا۔ حرم ثانی انہوں نے خوشی سے نہیں کیا تھا ظاہر تھا کہ سر تسلیم خم کر رہے ہیں۔ حرم ثانی بہت سی تلخیوں کا باعث بنا اور آپ نے ان تلخیوں کو بڑے حوصلے اور صبر سے برداشت کیا۔ 1953ء میں مئی کے آخری ہفتے میں مختصر سی بیماری کے بعد 31 مئی کو وصال سے ہمکنار ہو گئے۔

اگلے روز خواجہ جان محمد بٹ صاحب عرف (بھائی جان) سے ملاقات ہو گئی میں ان کی شخصیت سے کافی متاثر ہوا یہ ایک پر وقار انسان تھے۔ وہ ظاہری صورت والے بزرگ نہیں تھے کیونکہ میں Civil Service کا ملازم تھا۔ میرے لئے یہ دنیا بالکل الگ تھی اور پھر میں مصنف بھی تھا۔

بھائی جان میرے لئے ایک رہبر ثابت ہوئے اور مجھے وقفے وقفے سے اس دنیا کے بارے میں بتاتے رہے۔ ان کی باتوں میں دو ذکر ہمیشہ تھے سائیں اللہ بخش اور پاکستان۔ مفتی آپ پاکستان کی فکر نہ کریں پاکستان کے فکر کرنے والے موجود

Marfat.com

ہیں۔اللہ کا بوجھ آپ خود اٹھانے کی کوشش نہ کریں جس کا کام ہے اسی کو ساجھے۔آپ صرف یہ کریں کہ جب بھی کوئی قدم اٹھانے لگیں تو یہ سوچیں کہ آپ کا یہ قدم پاکستان کے لئے باعث نقصان تو نہیں ہوگا۔ان کا ایمان تھا پاکستان کے متعلق سرکار قبلہ کا ایک پروجیکٹ ہے جو ہو کر رہے گا۔راستے کے متعلق ان کا خیال تھا کہ راستہ تو بہت ہی سیدھا اور صاف ہے اس میں کوئی الجھاؤ نہیں۔کوئی ہیرا پھیری نہیں کوئی مشکل نہیں ایک تو اللہ سے اپنا تعلق بڑھاؤ۔اسے پاس بٹھائے رکھو۔اس سے باتیں کرو اسے انگلی لگا کر ساتھ لئے پھرو۔اس سے بہتر ساتھی کوئی نہیں ملے گا۔بس اتنی سی تو بات ہے۔سرکار قبلہ جلالی بزرگ ہیں۔اپنے روضے پر کسی کو بیٹھنے نہیں دیتے ہیں بھائی جان گذشتہ 25 سال سے سائیں اللہ بخش کے پاس حاضری دے رہے ہیں اور فیض حاصل کر رہے ہیں۔اور میری زندگی کا نظریہ بدلتا ہوا نظر آرہا تھا مجھے اللہ سے قربت محسوس ہو رہی تھی میں اللہ کی ذات کا مشاہدہ کر رہا تھا۔ میں اپنی جاب کے حالات سے پریشان تھا مجھ پر انکوائری چل رہی تھی میں نے اس کا ذکر بھائی جان سے کیا تو ہو خوش ہو گئے انہوں نے مجھے بتا دیا کہ اب آپ کی زندگی کا رخ کراچی کی طرف کیا جا رہا ہے انشاء اللہ سب کچھ سرکا قبلہ کے پروگرام کے مطابق ہوگا۔پاکستان کی عظمت کا دور آ کے رہے گا۔وہ دن دور نہیں جب پاکستان قابل نظارہ ہوگا۔سارے مسلم ممالک ایک ہو جائیں گے نشاۃ ثانیہ کا منظر ہوگا۔

کراچی ٹرانسفر

میں حیران تھا کہ کیا میں بھی اس پروگرام کا حصہ بن چکا ہوں۔انکوائری کے بعد میرا ٹرانسفر کراچی ہو گیا۔ابن انشاء اشفاق احمد سے تو دوستی تھی لیکن اللہ نے مجھے قدرت اللہ شہاب سے ملانے کے لئے کراچی بھیجا تھا۔قدرت اللہ شہاب صدر ایوب خان کے ساتھ ہوتے تھے ایک دن مجھ سے ملنے کی خواہش ظاہر کی اور ہماری پہلی ملاقات کے بعد عطیہ صاحبہ کا ذکر ہوا۔ قدرت اللہ شہاب نے بتایا کہ یہ ایک Seer ہے اسے مستقبل کی جھلیاں نظر آتی ہیں۔پاکیزہ خاتون ہے اور پھر ایک دن ہم تمام دوست عطیہ صاحبہ کے گھر حاضر ہو گئے انہوں نے مراقب ہو کر سب کے بارے میں کچھ نہ کچھ بتایا جو تجسس تھا میری باری آئی تو عطیہ صاحبہ نے بتایا کہ آپ کے متعلق قدرت اللہ شہاب نے ذکر کیا ہے۔

جب مراقب ہوئی تو مراقبے میں سائیں اللہ بخش خود تشریف لے آئے۔اونچے لمبے گورے چٹے، سر پر رومی ٹوپی تھی، ہاتھ میں حقہ تھا، پنجابی بولتے ہیں کہنے لگے۔تو رہن دے اسی آپئے سیدھا کراں گے۔میں سوچ میں پڑ گیا عطیہ صاحبہ کو کیسے پتہ چلا کہ وہ رومی ٹوپی پہنتے ہیں، حقہ پیتے ہیں، پنجابی بولتے ہیں خود کیسے آ گئے۔یہ کیسی دنیا ہے جہاں مرنے کے بعد بھی لوگ آزاد گھومتے پھرتے ہیں۔ساری زندگی کے اختتام پر بھی ٹوپی پہنتے پھرتے ہیں۔پھر خیال آیا کہ رقت طاری کرنے کے بعد بھی وہ مجھے سیدھا کر رہے ہیں۔کیا یہ عمل اب بھی جاری ہے نہیں ایسا تو نہیں کہ انہوں نے مجھے خود کراچی بھیجا ہے۔میرا ذہن یہ کہتا تھا کہ عطیہ صاحبہ صرف Seer نہیں ہیں پھر ایک اور واقعہ پیش آیا۔

عطیہ صاحبہ کو حکم ہوا قدرت اللہ شہاب کے گھر میں اعتکاف میں بیٹھنے کا وہ اچانک قدرت صاحب کے گھر آئیں یہ گھر

Marfat.com

اَلَیۡسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبۡدَہٗ بندے کے لیے اللہ کافی نہیں

I am Arab, but Arab is Not in me and i am not Hind but Hind (Pakistan)is in me.

Al Tibrani-Al Aust

نیز عرب قوم کے ہاتھوں میں نصرت اسلام

عن ابی هریرة قال رسول الله ﷺ اذا رقعت الملاحم بعثت الله بعثت من الموالی هم اکرم العرب فرسا واجوده سلاحاً یوید الله بهم الدین.

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''جب جنگوں پر جنگیں ہوں گی تو اللہ تعالیٰ غیر عرب اقوام سے ایک قوم کو اٹھا کر کھڑا کرے گا، وہ شہسواری میں (یعنی جنگی مہارت میں) عربوں سے بہتر اور اسلحہ میں ان سے برتر ہوں گے۔ان کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ اپنے دین کی مدد فرمائے گا'' (سنن ابن ماجہ حوالہ صفحہ ۵۲۹)

اولاً: اسلام کی نشاۃ ثانیہ بے حد کمزور، عیاش، دین سے دور عربوں کی بجائے غیر عرب قوم کے ہاتھوں ہوگی۔

دوم: وہ جنگی مہارت اور اسلحہ میں بھی عربوں سے برتر ہوں گے۔

سوم: اللہ ایک مردہ، بددل نصب العین سے بھٹکی ہوئی قوم کو زندہ کردیں۔اور وہ اسلام کی سربلندی (glory) میں اہم ترین کردار ادا کرے گی۔

حدیث کی روشنی میں مشاہدہ کیجئے کہ غیر عرب میں اس وقت کون سی مسلم قوم و ریاست ہے جو جنگی مہارت عالم اسلام میں سب سے زیادہ رکھتی ہے۔فوجی قوت جدید ترین جنگی ٹیکنالوجی سب سے بہتر کس کے پاس ہے۔کون سی قوم ایک نصب العین کے تحت اٹھی تھی۔اور اس نے اس نصب العین کے حصول کیلئے ایک ریاست قائم کی تھی۔

آپ کی نگاہ چارو ناچار فق ایک ریاست پر پڑے گی اور وہ ہے پاکستان۔ یہ ملک قائم ہی اللہ کے نظام کی سربلندی کیلئے ہوا تھا۔

UNITED STATES OF ISLAM

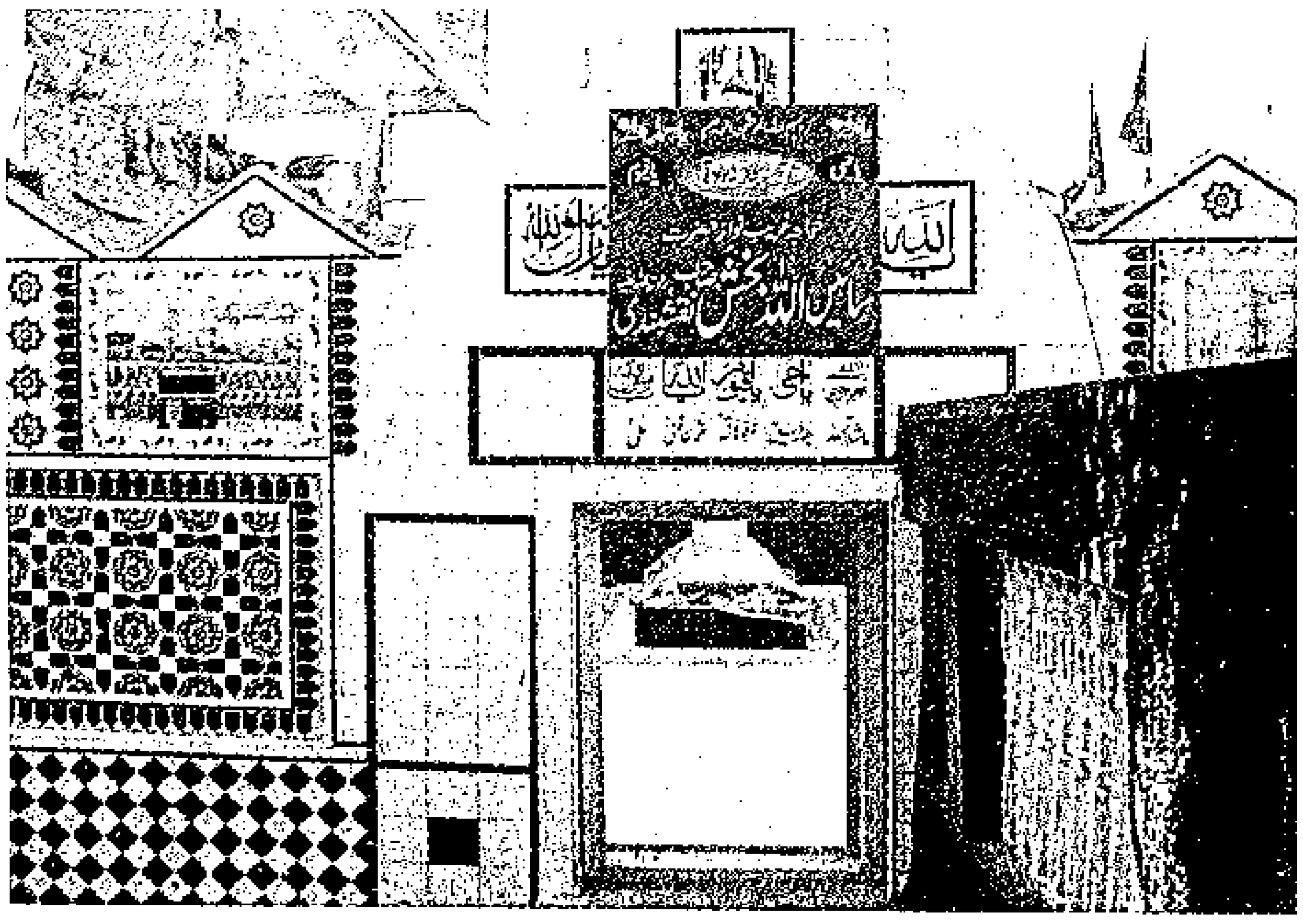

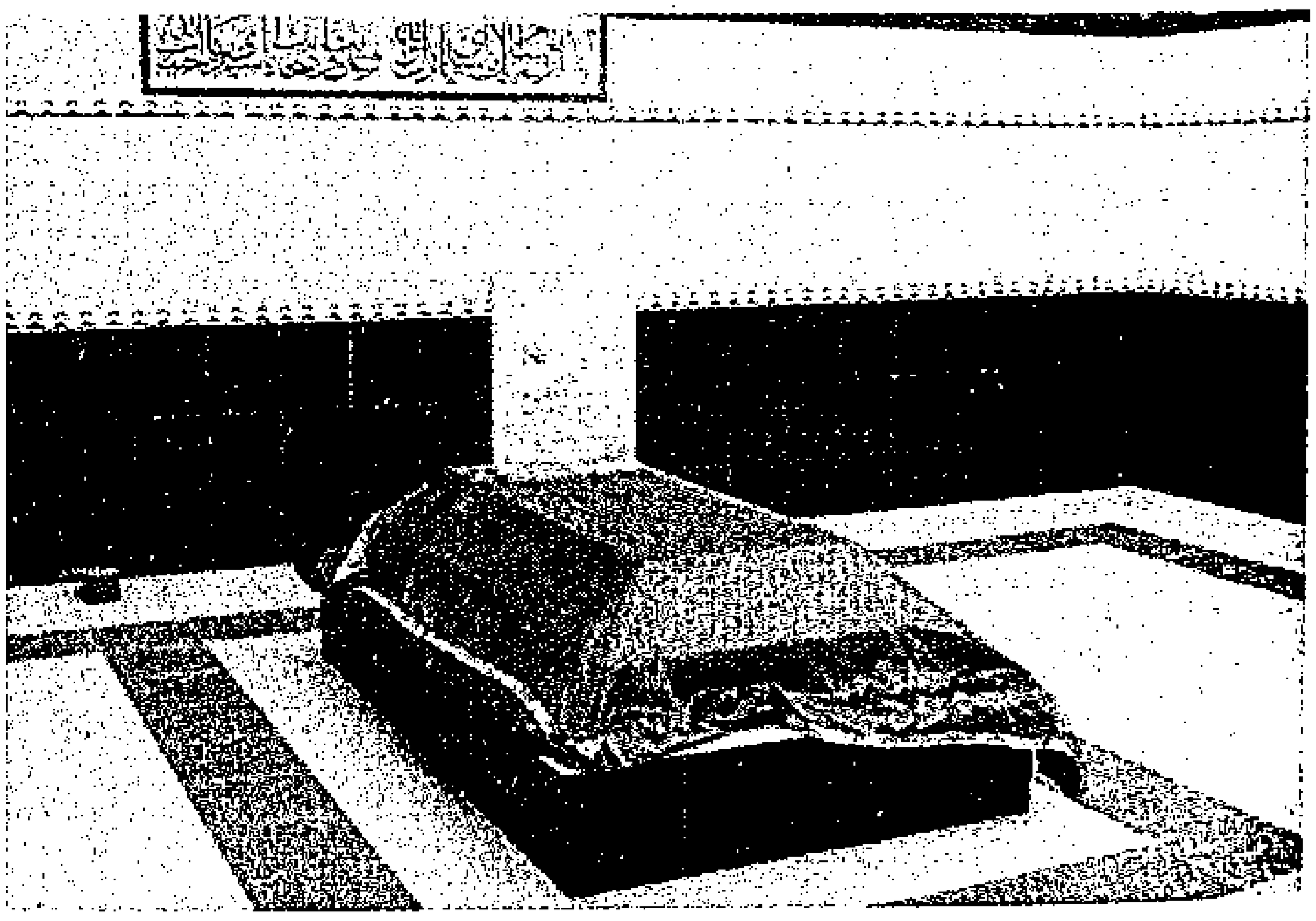

Marfat.com

اُترے زمیں پہ ہم تو زمیں بھی ٹھہر گئی ہم بھی شریکِ حکمت پروردگار تھے

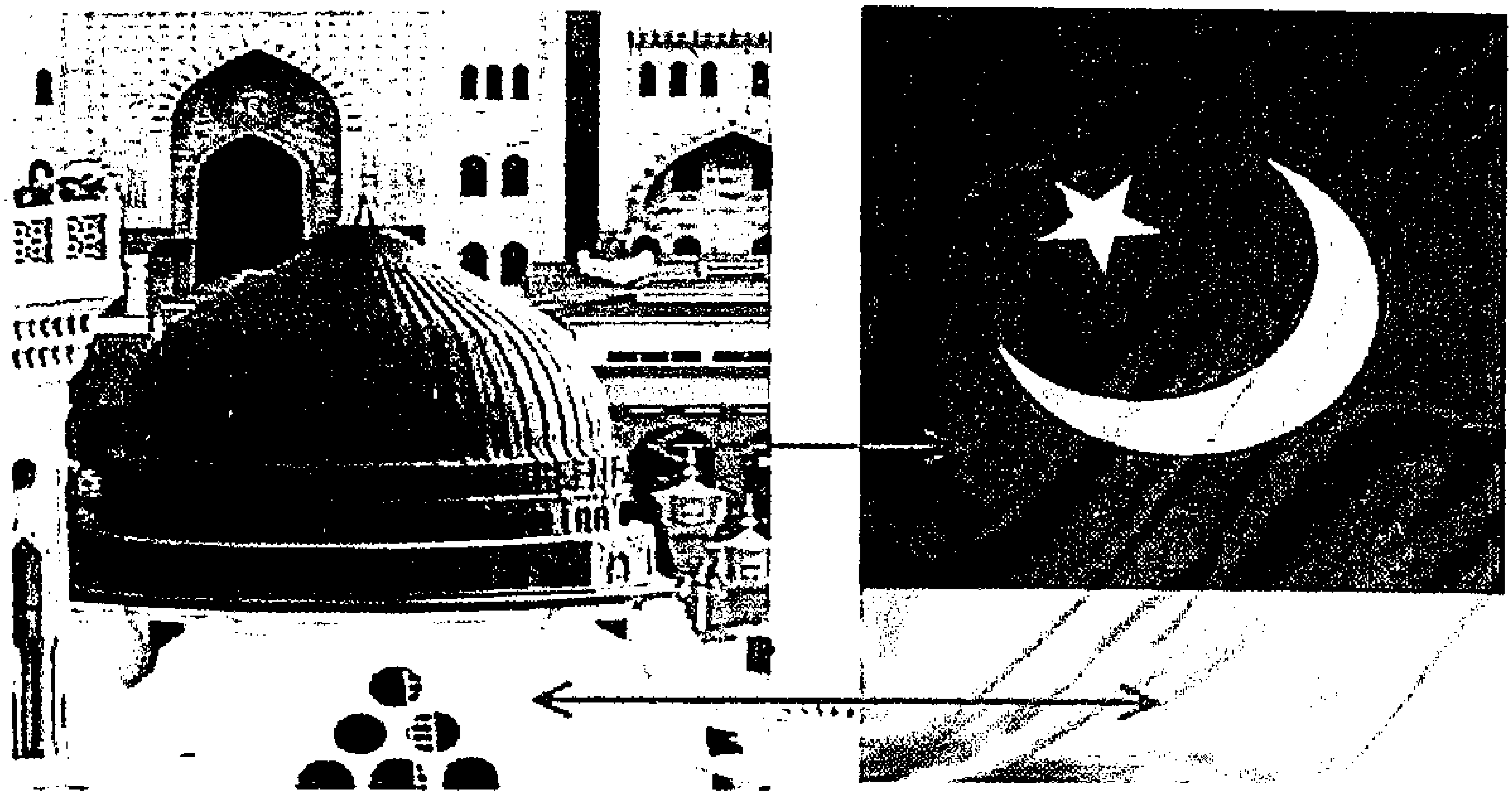

مدینہ طیبہ اور پاکستان کے الفاظ میں پایا جانے والا ایک خوبصورت تعلق

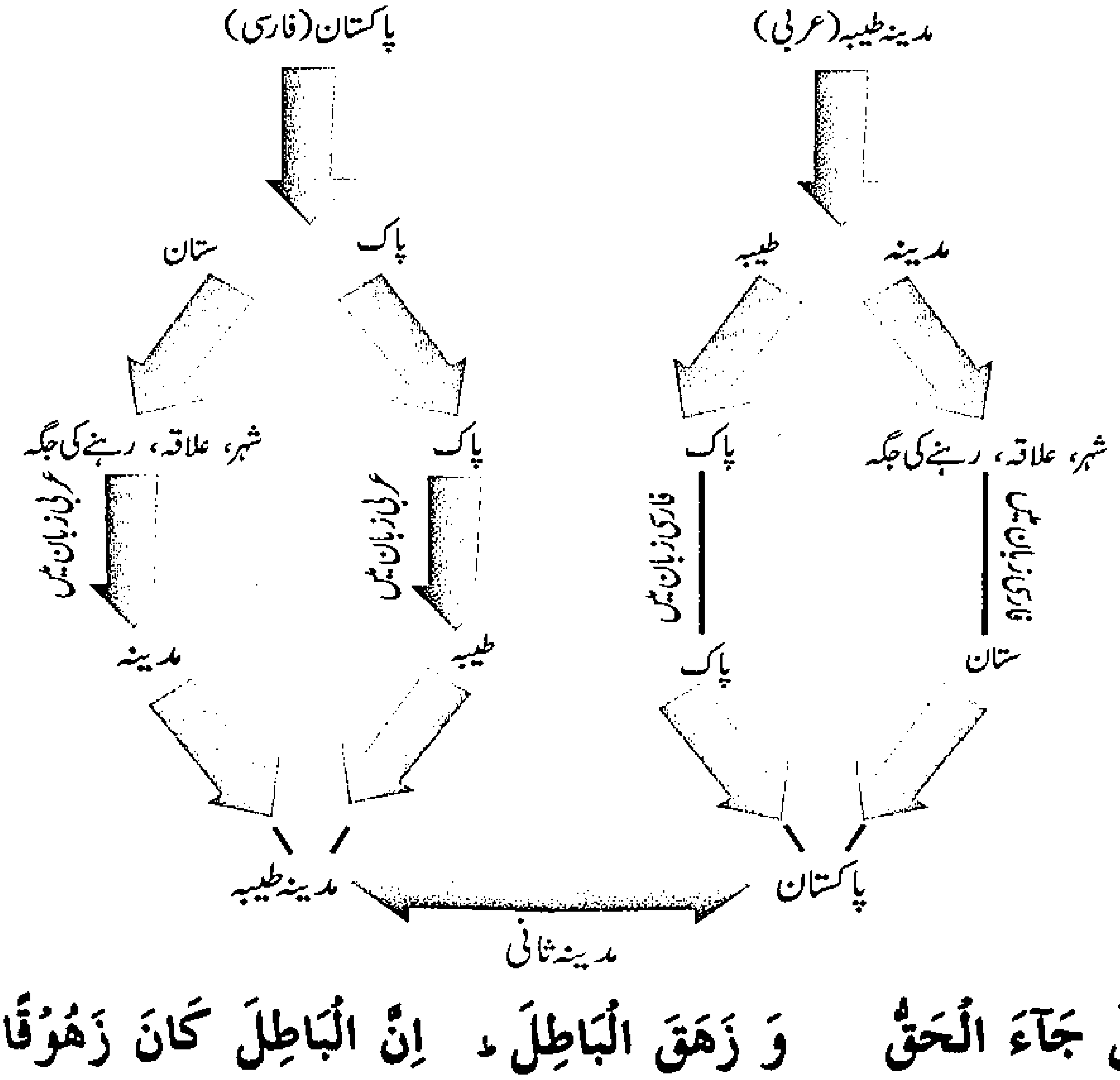

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ○

اور کہہ دو کہ حق آ گیا — باطل نابود ہو گیا — بے شک باطل نابود ہونے والا ہے۔

Marfat.com

مراقبے میں دیکھایا گیا ہے میں نے یہاں اعتکاف کرنا ہے اور پھر قدرت اللہ شہاب کے گھر دو دن اعتکاف کیا۔

پھر ایک دن عطیہ صاحبہ نے فون کر کے قدرت اللہ شہاب کو بلوایا اور بتایا کہ صدر ایوب کے خلاف سازش ہو رہی ہے ان کو زہر دیا جا رہا ہے اس سازش میں بڑے افسر ملوث ہیں۔ کل 3 بڑے کراچی پہنچ رہے ہیں جنہوں نے یہ کام سرانجام دینا ہے یہ کہتے ہوئے عطیہ صاحبہ نے آنکھیں بند کر لی اور افسران کی بیگمات بھی مجھے نظر آ رہی ہیں۔ خاتون نے تینوں بیگمان کی نشان دہی کر دی۔ انٹیلی جینس والوں سے بات کی گئی نشاندہی کے عین مطابق 3 بیگمات کراچی پہنچیں انٹیلی جنس نے ان سے پوچھ گچھ کی۔ انہوں نے سازش کا اقبال جرم کر لیا اور وہ گرفتار ہو گئی۔

قدرت اللہ شہاب سے اس بارے میں بات ہوئی تو کہنے لگے نہ تو میں پشین گوئی کو مانتا ہوں نہ کشف کو نہ اس بات پر ایمان رکھتا ہوں کہ (Finality Rests with God) اگر اس بات پر ایمان قائم ہو جائے تو کشف اور پیش گوئی بے معنی ہو جاتی ہے۔

کراچی آنے کے بعد بھی بھائی جان سے تعلق کم نہ ہوا میں نے خطوط میں قدرت اللہ شہاب کا ذکر ہوتا رہا۔ ایک دن ایسا خط آیا کہ جو تھوڑا سا مختلف تھا۔ جس میں ضمنی طور پر شہاب کا تذکرہ تھا جس میں بہت اپنائیت جو میرے لئے حیران کن تھی انہوں نے لکھا تھا (شہاب صاحب) ستارہ کو راز میں رکھو۔ ہلال گھٹتا بڑھتا رہتا ہے لیکن ستارہ سدا قائم رہتا ہے۔ بھائی جان کی اس بات نے میرے ذہن میں ہلچل مچا دی۔ شہاب کو ستارہ کا نام کیوں دیا گیا ہے۔ اسے راز رکھو۔ کیوں یہ نیا تعلق کیسے قائم ہوا۔ کیوں قائم ہوا ابھی میں سوچ میں گم تھا کہ بھائی جان کا دوسرا خط آ گیا اس میں تحریر فرمایا ہماری ملاقات تو ستارہ سے ہو ہی جائیگی لیکن اصل ملاقات قدرت اللہ شہاب کی سائیں اللہ بخش سے کروانی ہے۔ میرے دل میں بار بار یہ خیال آیا کہ قدرت اللہ شہاب کون ہے؟

پروگرام

پھر ایک دن پھر میری سوچ کا زاویہ بھائی جان کی طرف تھا۔ بھائی جان کہتے تھے مرد قلندر سائیں اللہ بخش کے بتایا کرتے ہیں ان کا ایک پروگرام ہے۔ یہ پروگرام پاکستان کے متعلق ہے مرد قلندر کے تذکرے میں اس بات کا ذکر ہے قیام پاکستان سے بہت پہلے 1936ء میں سائیں اللہ بخش نے ریاست حیدر آباد دکن کے نواب کو ایک خط لکھا تھا جس میں انہیں دعوت دی تھی کہ آؤ ہم تمہیں ایک اسلامی مملکت کا خلیفہ بنا دیں جس کے جواب میں نواب دکن نے اپنے ایک بڑے عہدیدار کو مرد قلندر کی خدمت میں بھیجا تھا جس سے سائیں اللہ بخش نے تخلیئے میں دو گھنٹے بات چیت کی تھی لیکن نواب صاحب پس و پیش میں پڑ گئے۔ گھبرا گئے اور تعاون پر آمادہ نہ ہوئے۔

بھائی جان کی شہاب کے ساتھ اپنائیت اور مرد قلندر سے ملاقات کی خواہش شاید اس پروگرام کے حوالے سے ہو۔ شہاب کا چناؤ اس کے عہدے کی وجہ سے کیا گیا ہے۔ مقصد صدر پاکستان سے رابطہ قائم کرنا ہو۔ اگر یہ مقصد ہوتا تو بھائی جان خط

Marfat.com

میں یہ نہیں لکھتے کہ ہلال تو ادلتا بدلتا رہتا ہے اور ستارہ ہمیشہ قائم رہتا ہے یہاں اس بات کا احساس ہوا کہ قدرت اللہ شہاب کی کوئی ذاتی حیثیت بھی ہوسکتی ہے۔

اس کے بعد ایک واقعہ رونما ہوا۔ ایک ادیب نعیم نے خانگی جھگڑے کی بناء پر غصے میں آکر اپنی بیوی کو۔ بے دردی سے قتل کر دیا تھا۔ کورٹ نے اسے موت کی سزا دی تھی اب اس کے والد نے صدر پاکستان ایوب خان سے رحم کی درخواست پیش کی تھی۔ نعیم کے والد عطیہ صاحبہ سے جا ملے عطیہ صاحبہ نے مراقبہ کیا اور بولا اگر دو مہینے کے لئے پھانسی کی سزا ٹل جائے تو پھر اسے پھانسی نہیں دی جا سکے گی۔ وفد کا مطالبہ تھا کہ کس طرح دو مہینے کے لئے پھانسی کی سزا کو عمل میں آنے سے روک دیا جائے۔ شہاب نے وفد سے کہا کہ عطیہ سے مل کر آپ کو بتا سکوں گا۔

اس سلسلے میں شہاب کے کہنے پر ابن انشاء عطیہ سے ملا عطیہ نے کہا یہ درست ہے اگر ڈیڑھ دو ماہ تک کوئی ایکشن نہ لیا گیا تو اسے پھانسی نہیں ہوگی۔ پھانسی کی سزا عمر قید میں بدل جائے گی۔

یہاں اس بات کا بھی پتہ چلتا ہے جہاں قدرت اللہ شہاب خود نہیں جاسکتے تھے وہاں ابنِ انشاء کو بھیج دیتے تھے۔ اس طرح ابن انشاء کا تعلق ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب سے تھا کیوں کہ ابن انشاء حضرت کے شاگرد تھے اور حضرت سے دنیاوی تعلیم کے علاوہ روحانی رشتہ بھی رکھتے تھے۔ جس کو ظاہر نہیں کیا گیا اور جو دو خطوط حضرت کے مکتوبات میں سے ملے وہ پاکستان کے لئے اور آئین کی سمت کو صحیح کرنے کے لئے تھے اور ابن انشاء قدرت اللہ شہاب تک پیغام رسانی کرتے تھے۔ اور اس راز کو صرف ابن انشاء اور قدرت اللہ شہاب جانتے تھے ممتاز مفتی کو اس بارے میں شاید علم نہ تھا۔ پھر یوں ہوا کہ ایک دن اچانک دو بارہ عطیہ صاحبہ کا فون قدرت اللہ شہاب کے پاس آیا اور انہوں نے ایک خوشخبری سنانے کے لئے شہاب کو فوراً اپنے پاس بلوایا۔ عطیہ صاحبہ بڑی کیفیت میں تھی کہنے لگی۔

''آج کل عرش پر بہت خوشیاں منائی جارہی ہیں۔ چراغاں ہو رہا ہے۔ حضور پاک ﷺ دولہا بنے ہوئے ہیں۔ پھولوں کے ہار پہنے ہوئے ہیں۔ گلاب کی پتیاں نچھاور ہو رہی ہیں سب خوشیاں منا رہے ہیں۔ کہتے ہیں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا دور شروع ہونے والا ہے عرش اور فرش ایک دوسرے کے قریب آجائیں گے۔ پاکستان اس دور کا گہوارہ ہوگا''۔

کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد دوبارہ بولیں صدر پاکستان کی کرسی خالی پڑی ہے وہاں کالا جھنڈا لگا ہوا ہے۔ جو شخص ان کی جگہ لے گا وہ بہت سخت گیر آدمی ہوگا۔ اس کی داڑھی گھنی ہوگی۔ آنکھیں سبز ہیں۔ میں دیکھ رہی ہوں کہ ایک خونی جنگ ہوگی ایسٹ پاکستان ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گا۔ کشمیر ہمیں مل جائے گا۔ پاکستان کے علاقے میں وسعت ہوگی۔ ہم دلّی پر قابض ہوجائیں گے۔ کچھ وقفے کے بعد بولیں نشاۃ ثانیہ کی بات تو ہو کر رہے گی۔ چاہے آج ہو یا چالیس سال بعد۔ اور پاکستان نشاۃ ثانیہ کا مرکز ہوگا یہ تو طے شدہ بات ہے۔

عطیہ صاحبہ کی باتیں سن کر پریشان ہوگیا کہ یہ نشاۃ ثانیہ کیا چیز ہے بھائی جان بھی اس کے بارے میں بات کرتے تھے تم پاکستان کی فکر نہ کرو پاکستان کی فکر کرنے والے اللہ کے بندے موجود ہیں تم جب بھی کوئی قدم اٹھانے لگو سوچو میرا یہ قدم

Marfat.com

پاکستان کے لئے باعث نقصان تو نہ ہوگا۔ میں عطیہ صاحبہ کی ذاتی زندگی جاننا چاہتا تھا اور میں یہ جاننے کے لئے ایک دن کے گھر چلا گیا۔

عطیہ ربانی

محترمہ، آپ کو مستقبل کی جھلکیاں کیسے نظر آتی ہیں۔ وہ مسکرائی، کہنے لگی، کبھی محسوسات کے ذریعے جھلکی نظر آتی ہے کبھی آنکھوں کے سامنے تصویر آجاتی ہے، کبھی آوازیں سنائی دیتی ہیں اور کبھی دیوار پر فلم چلنے لگتی ہے۔

کوئی ایک طریقہ مخصوص نہیں ہے کیا، میں نے پوچھا:

نہیں وہ بولیں

کب سے آپ یہ جھلکیاں دیکھ رہی ہیں؟

بچپن سے ہی، جب مجھے پوری طرح شعور نہیں تھا۔

کہنے لگی، شروع میں میں یہ جھلکیاں دیکھ کر ڈر جایا کرتی تھی کہ یہ کیا نظر آرہا ہے مجھے، مجھے تو یہ بھی پتہ نہیں تھا کہ یہ مستقبل کی جھلکیاں ہیں۔ پھر اس نے مجھے اپنی بچپن کی مختصری کہانی سنائی۔

کہنے لگی، میرے والد بہت پڑھے لکھے پروفیسر ہیں۔ انہیں مذہب سے کوئی دلچسپی نہیں تھی، یہاں تک کہ اللہ کو نہیں مانتے تھے، گھر پر بندش لگا رکھی تھی کہ کوئی مذہب کی بات نہ کرے، خدا کی بات نہ کرے، کسی کو نماز پڑھنے کی اجازت نہیں تھی۔ عطیہ ہنسنے لگی، پتہ نہیں کیوں، شاید اس بندش کی وجہ سے یا ویسے ہی مجھے بچپن ہی سے نماز پڑھنے کا شوق تھا۔ امی نے چوری چوری مجھے نماز سکھا دی تھی۔ پڑوس میں جا کر نمازیں پڑھا کرتی تھیں اور قرآن پڑھنا سیکھتی تھی۔ ایک دن پڑوسن کی ساس بیمار پڑگئی۔ اس نے شور مچایا کہ جاؤ ڈاکٹر کو بلالاؤ۔

اس وقت میں مریضہ کے پاس کھڑی تھی۔ میں نے مریضہ کی طرف دیکھا مجھے یوں نظر آیا جیسے وہ مرچکی ہو۔ میں نے باآواز بلند کہا؛ اب ڈاکٹر کو بلانے کا کیا فائدہ، یہ تو مرچکی ہے۔ کہہ کر میں گھر چلی آئی۔ ڈاکٹر کے پہنچنے سے پہلے مریضہ فوت ہوگئی۔

میری یہ بات سارے محلے میں مشہور ہوگئی۔ پھر لوگوں نے مجھ سے پوچھنا شروع کر دیا میرا بیٹا امتحان میں پاس ہو جائے گا کیا، مجھے نوکری مل جائے گی کیا۔ کیا ہم مقدمات جیت جائیں گے۔

جب میں نے ان کے سوالات پر توجہ دیتی تو مجھ پر محسوسات طاری ہو جاتے۔ اپنے محسوسات کے مطابق میں انہیں بتا دیتی کہ یہ ہو جائے گا یہ نہیں ہوگا۔

عطیہ مسکرائی کہنے لگی ان دنوں میں بچی تو تھی، مجھے احساس ہی نہ تھا کہ میں کیا کر رہی ہوں۔ مجھے ان باتوں کی اہمیت کا احساس نہ تھا، جو میں کہتی تھی وہ ہو جاتا تھا، اس پر سارے محلے میں میری دھوم مچ گئی مجھ سے ملنے لوگ دور دور سے آنے لگے تھے۔

Marfat.com

کہنے لگی، لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ امتیازی صلاحیت ہے، غلط سمجھتے ہیں، مستقبل کو جان لینا بڑی تکلیف دہ بات ہے۔ جب میرے والد فوت ہوئے، تب میں نے جانا تھا کہ کس قدر تکلیف دہ بات ہے۔

اس روز ناشتے سے فارغ ہو کر میں لیٹ گئی تھی۔ دفعتاً میں نے دیکھا کہ ایک کفن اڑتا اڑتا کھڑکی سے کمرے میں داخل ہو گیا، اور دوسری چارپائی آ کر ٹک گیا۔ ایک آدھ منٹ وہ وہاں پڑا رہا، پھر تحلیل ہو گیا میں نے شدت سے محسوس کیا کہ آج اس کمرے میں کوئی شخص فوت ہونے والا ہے۔

ان دنوں گھر میں صرف تین فرد تھے، میرے والد میرے میاں اور میں یعنی ہم میں سے ایک فوت ہو جانے والا ہے۔ وہ کون ہے رہ رہ کر مجھے خیال آتا۔

پھر یہ بھی ہے مفتی صاحب، وہ بولی کے کئی ایک مناظر جو میں دیکھتی ہوں، وقوع پذیر نہیں ہوتے۔ بہرحال اس روز دس بجے میں نے کفن کا منظر دیکھا تھا۔ دس بجے سے تین بجے تک مجھ پر گویا نزع کا عالم طاری رہا۔ مر مر کر جیتی رہی۔ اس وقت گھر میں، میں اکیلی تھی۔ میاں دفتر گئے ہوئے تھے، ابا کالج گئے ہوئے تھے۔ میں بار بار انہیں فون کرتی کبھی میاں کو کبھی ابا کو، اتنی بار فون کئے میں نے کہ انہیں شک پڑ گیا۔ آج کیا بات ہے تم اس قدر مضمحل کیوں ہو۔ خیریت تو ہے، میاں مجھ سے پوچھتے، لیکن مجھ پر ایک وحشت سوار تھی۔

تین بجے وہ دونوں گھر آ گئے تو مجھے تسلی سی ہو گئی۔

پھر چار بجے کے قریب ابا کے پیٹ میں درد اٹھا اور وہ اسی چارپائی پر لیٹ گئے جس پر کفن ٹکا رہا تھا۔ میرے میاں نے ڈاکٹر کو فون کیا، لیکن ڈاکٹر کی آمد سے پہلے ہی ابا رخصت ہو گئے۔ یہ قصہ سنانے کے بعد عطیہ دیر تک خاموش بیٹھی رہی۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ اس واقعہ کو پھر سے بیت رہی تھی۔

مستقبل کی جھلکیاں دیکھنے کے علاوہ کیا آپ کی زندگی میں کوئی ایسا واقعہ پیش آیا ہے، جسے مافوق الفطرت کہا جا سکے، میں نے پوچھا۔

ہاں، وہ بولیں، صرف ایک بار جب ہم نئے نئے ہجرت کر کے پاکستان آئے تھے۔ ان دنوں ہماری حالت ناگفتہ بہ تھی۔ کوئی ذریعہ آمدنی نہ تھا۔ ایک ٹوٹے پھوٹے گھر میں ہم لاوارثوں کی طرح پڑے تھے۔ ہاتھ پھیلانے کی عادت نہ تھی۔ فاقوں پر فاقے آ رہے تھے۔ ایک روز صبر و تحمل کا دامن میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا، آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ میرے دل سے نکلا، یا اللہ ہمارا کیا بنے گا، کیا یہی ہمارا انجام ہے۔ پھر مجھے کھڑ کھڑ کی آواز آئی۔ میں نے چھت کی طرف دیکھا۔ کیا دیکھتی ہوں کہ ایک کاغذ ہوا میں ڈول رہا ہے۔ وہ کاغذ نیچے آیا اور میں نے اسے دبوچ لیا۔ دیکھا کہ اس پر منور حروف میں ایک آیت لکھی ہوئی ہے نیچے اردو میں ترجمہ تھا۔

کیا مفہوم تھا، اس کا، میں نے پوچھا؟

اس میں امید بھرا پیغام تھا کہ مشکل کے دن ختم ہوئے۔ اللہ پر بھروسہ رکھنے والوں کو نوازا جاتا ہے۔

Marfat.com

بس اس روز کے بعد حالات بدلتے گئے۔ روزگار کا سلسلہ بندھ گیا۔ ایک معقول مکان مل گیا۔

عطیہ کی کہانی سن کر میں نے جان لیا کہ وہ خالی Seer نہیں بلکہ کچھ اور بھی ہے۔ میں گہری سوچ میں پڑ گیا۔

ستارہ

سائیں اللہ بخش کے عرس کے لئے میں پنڈی گیا تو اپنے دوست سے ملاقات ہوئی بھائی جان کا ذکر ہوا تو کہنے لگا آج کل بھائی جان صرف ستارہ کا نام لیتے ہیں۔ انہوں نے قدرت اللہ شہاب کا نام ستارہ رکھ دیا ہے۔ قدرت اللہ شہاب سی ایس پی آفیسر اور صدر ایوب کے سیکریٹری تھے۔

حفاظت کی خاطر یہ نام ضروری ہے اور یہاں یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ مجھے قدرت اللہ شہاب سے مراسم بڑھانے اور پنڈی تک لانا سرکار قبلہ سے ملوانا منظور تھا۔ جب میں دربار پر حاضر ہوا تو بھائی جان کی خوشی کیساتھ اضطرابی کیفیت تھی آپ آگئے اب وہ بھی آرہے ہیں۔ مستقل طور پر یہاں آرہے ہیں اب آپ کا کراچی رہنا بے معنی ہے اب آپ کو واپس آجانا چاہئے ہم سب کو احتیاط برتنی پڑے گی۔ (خط ملاحظہ فرمائیے) ان کا اصل نام ظاہر نہیں کرنا ہے ہمیں دوسروں کی موجودگی میں ان کی بات نہیں کرنی چاہئے۔ انہیں راز رکھو۔ یہ ظاہر نہ کرو ہمارا ان سے کوئی تعلق ہے اگر وہ خود تعلق کا اظہار کریں تو اور بات ہے۔ مرد قلندر کا پروگرام ہو کر رہے گا۔ کراچی پہنچ کر میں نے قدرت اللہ شہاب سے کہا کہ بھائی جان کہہ رہے ہیں آپ مستقل طور پر راولپنڈی آنے والے ہیں۔ ہاں اس بات کے امکانات پیدا ہو رہے ہیں شاید وفاقی حکومت اپنا ہیڈ کوارٹر راولپنڈی میں منتقل کر دیں بہت سے محکمے ختم ہو جائیں گے۔ یہاں شہاب کی بے حد کوشش کے بعد پاکستان کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان رکھ دیا گیا اور اس کو منظور کر دیا گیا۔

دارالخلافہ بدلنے کی تیاریاں شروع ہوگئی اور ایک بڑی ذمہ داری شہاب صاحب پر آگئی۔ جب عرس کی تفصیلات کا ذکر ستارہ سے ہوا تو میں نے عرض کر دی کہ آپ کا انتظار پنڈی میں ہو رہا ہے۔ یہ تمام کام روحانی بزرگ کر رہے ہیں دارالخلافہ کو بدلنے کا بھی۔ اس کے ساتھ ساتھ قدرت اللہ شہاب کو ہدایت اور حکم نامے آنے لگے ایک خط جنوبی ہند میں ملایم سے تھا اس میں تحریر تھا کہ مجھے یہ معلوم ہوا تھا کہ آپ ایک عظیم خدمت پر مامور رہیں اس لئے میں روز بلا ناغہ آپ کے لئے دعا کرتا رہا ہوں۔ اللہ کرے آپ اپنی کوششوں میں کامیاب ہوں اور وہ دور جس کا ہم سب کو انتظار ہے جلد آئے میرے ذہن میں پھر سوال ابھرا کہ قدرت اللہ کون سی عظیم خدمت پر مامور ہیں۔

پھر ایک اور انکشاف ان کے PA نے کیا کہ قدرت اللہ صاحب سے بزرگ ملنے آتے رہتے ہیں خطوں کے ذریعے کچھ نہ کچھ ان سے کہا جاتا ہے کل جو خط مجھے ملا اس میں ہدایت تھی کہ وہ مجھے ٹائپ کرنے کے لئے دیا وہ رائٹنگ سر کی نہیں تھی عطیہ صاحبہ کا فون آیا کہ حیدرآباد دکن سے ایک بزرگ ان سے ملنے آئے ہیں۔ جب ملاقات شروع ہوئی تو تیکھی آواز میں بول رہے تھے۔

Marfat.com

[illegible]

الکھ نگری صفحہ نمبر 786.785

جان محمد بٹ سے ممتاز مفتی کی خط و کتابت (قدرت اللہ شہاب سے لئے جانے والے تکوین کے کام)

Marfat.com

Flay you alive put Bran on you and put you in the sun.

We don't give warnings we just cut

The man out of the list you are a lucky chap

قدرت نے پوچھا آپ کون؟

Who are you, what are you credentials. I am a messenger sent to warm you that is Enough.

روحانی نظام

دنیاوی نظام کے ساتھ ایک روحانی نظام بھی چل رہا تھا۔ یہ نظام بالکل ایسا ہی ہے جیسے دنیاوی نظام۔ اس میں بھی درجے ہیں کارکن ہیں، افسر ہیں، اسٹیشن ہے۔ پراٹوکول ہے۔ فائلیں چلتی ہیں۔ روحانی نظام کے افسر بڑے طاقت ور ہیں وہ حالات بدل سکتے ہیں کوائف بدلنے پر قادر ہیں۔ ذہنیت رل سکتے ہیں، رخ بدل سکتے ہیں، تقدیر بدل سکتے ہیں۔ مجھے اب اس کا اندازہ ہونے لگا ہے۔

پھر اعلان ہوا کہ پاکستان کا دارالخلافہ کراچی کی جگہ راولپنڈی مقرر کیا گیا ہے۔ مرکزی حکومت کے دفاتر بہت جلد راولپنڈی میں منتقل کر دیئے جائیں گے۔ پھر نہ سمجھنے والی تحریر کا کیا ہوا خط قدرت کو دوبارہ ملا اور پھر اس کا PA پریشان تھا کہ اس کو کیسے ٹائپ کروں۔ پھر جیل کا واقعہ پیش آیا۔ قدرت صاحب کو کسی کام سے جیل جانا تھا جب ہم جیل پہنچے تو ایک قیدی شہاب صاحب کا نام لے کر ان کو بلا رہا تھا۔

جیلر سے پوچھا تو بولا مجھے پتہ نہیں کون ہے ادھر جو پھانسی والے ملزم ہیں ان میں ہے اس نے شور مچا رکھا کہ شہاب صاحب سے ملوں گا۔ مجھے شہاب صاحب سے ملاؤ۔ جب ہم سیل میں داخل ہوئے تو حیران ہوئے کہ قیدی ایک خواجہ سرا تھا اور وہ بول پڑا تجھے پتہ ہے کہ تجھ سے بات کرنے کے لئے ہمیں قید ہونا پڑا اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا ہمیں پتہ تھا تو آج جیل کا معائنہ کرنے کے لئے آئے گا۔ اسلئے ہم یہاں کوٹھڑی میں آ کے بند ہو گئے ہم تجھے بتانے آئے ہیں کہ تو ٹھیک سے کام نہیں کر رہا۔ تو سمجھتا ہے تو اس کا سکتر ہے تجھے اس کے حکم بجالاتے ہیں یہ غلط ہے تو یہاں اس لئے نہیں بھیجا گیا کہ اسکے حکم کی تعمیل کرے وہ فیصلہ کرے اور تو ان کی تعمیل کرے۔ تو یہاں اس لئے بھیجا گیا ہے کہ تو خود فیصلے کرے۔ اس کی فکر نہ کر وہ رکاوٹ نہیں بنے گا۔

میں نے تحقیق کی یہ قیدی کون ہے اس سے یہ پتہ چلا کہ جیل کے قریب جو آبادی ہے وہاں بازار پر کوئی شخص دنگا فساد کر رہا تھا۔ جیل کے وارڈ اس وقت وہاں سے گزرے تو لوگوں نے ان سے کہا کہ یہ شخص دنگا فساد کر رہا ہے وارڈ نے اسے سمجھایا لیکن الٹا وہ وارڈ سے لڑنے جھگڑنے پر آمادہ ہو گیا اس پر وارڈ اسے پکڑ کر لے گئے اور ویسے ہی دھونس جمانے کے لئے اسی 7 نمبر کے سیل میں بند کر دیا۔ آج صبح وہ سیل میں موجود نہ تھا پتہ نہیں کس نے اسے سیل سے نکال کر بھگا دیا تھا۔

Marfat.com

دارالخلافہ پنڈی شفٹ ہوگیا اس تمام معاملے میں بھائی جان بہت خوش تھے سارا کریڈٹ ستارہ کو دیتے ہیں یہ تو پروگرام کی پہلی شق تھی کون روک سکتا تھا لیکن کریڈٹ ستارہ کو جاتا ہے اور اب تو یہ پتھر کی لکیر ہوگئی ہے۔

یہاں پھر ایک بات ثابت ہوگئی کہ نظام تکوین نے کراچی سے دارالخلافہ شفٹ کروایا تھا۔ بھائی جان نے جواب میں قدرت اللہ شہاب کو حکم دیا کہ ممتاز مفتی کو بھی پنڈی جلد بلالیا جائے۔

دستار بندی

پنڈی پہنچنے کے بعد باقاعدہ طور پر قدرت اللہ شہاب صاحب کی دستار بندی کی گئی۔ ستارہ کو سرکار قبلہ کے دربار میں بلایا گیا اور پھر بھائی جان نے بتایا کہ سرکار قبلہ کے ساتھ 5 اولیاء کرام آئے تھے اور ستارہ کی دستار بندی کی گئی ہے۔ ایک منظر تھا دیکھنے والا منظر شکر ہے ہم اپنے فریضہ سے سبکدوش ہوگئے اب ستارہ جانے اور سرکار قبلہ جانیں لیکن سرکار کا پروگرام عمل آ کر رہے گا۔

اس کے بعد میرا تبادلہ صدر گھر اسلام آباد ہوگیا اور میں او۔ ایس۔ ڈی آفیسر ان اسپیشل ڈیوٹی قدرت اللہ شہاب صاحب کے ماتحت ہوگیا۔ بھائی جان کی خواہش تھی کہ آپ پنڈی میں ہی رہیں اس لئے یہ پوسٹ بنانی پڑی ہے۔

اگلے دن شہاب نے بلوایا آپ کام شروع کردیں۔ اس صندوقچی میں پچھلے ہفتے کے خطوط ہیں ان سب خطوط کو غور سے پڑھیں موضوع کے لحاظ سے انہیں ترتیب دیں اور سرخی بنادیں جو خط خصوصی توجہ کے قابل ہوں انہیں الگ کردیں۔

یہاں میں قدرت اللہ شہاب کی چند ایک خصوصیات جو نمایاں تھیں ان کا ذکر ضروری ہے وہ بے حد ذہین تھا۔ کم گو تھا اس میں برداشت کا عنصر بہت زیادہ تھا عجز و عاجزی نمایاں تھی خود کو ایک غلام سمجھتا تھا اور صدر ایوب خان کے پاس جب جاتا تھا تو اپنی حیثیت کو فنا کر کے جاتا تھا۔

ڈیوٹی کے مطابق میں نے پہلا خط کھولا تھا۔ قدرت کے لئے کسی بزرگ کا تھا۔ خط میں لکھا اے شاہ تو کتنا خوش نصیب ہے کہ تجھے پاکستان کی بادشاہی کی عزت ملی۔ دوسرا خط کھولا تو اور بھی حیران ہوا لکھا تھا خبردار دیکھ پاکستان میں آٹا مہنگا نہ ہونے دیجیو۔ تیسرا خط میں لکھا تھا وہ وقت دور نہیں جب پاکستان میں ایسا عالم ہوگا کہ مدینے کے رہنے والے دیکھ کر کہیں گے سبحان اللہ۔ کہنے والوں کے نام بھی مرقوم نہ تھے یہ خط دعا گو خادم یا عاجزی قسم کے ہوتے تھے ان میں چند خطوط معقول اور بامعنی بھی ہوتے۔ ایسے خط عام طور پر قدرت اللہ کے نام ہوتے باقی خط صدر مملکت کے نام ہوتے لکھا ہوتا کہ اللہ نے تجھے بادشاہ بنایا ہے تو تجھے اپنی رعایا کو عدل دینا ہوگا۔ غریبوں کو خیال رکھنا ہوگا۔

سانڈھنی سوار

پھر ایک واقعہ رونما ہوا۔

قدرت نے مجھے بلایا، اس وقت وہ کسی ضروری کام میں مصروف تھا۔ ان دنوں اس کی مصروفیات بہت بڑھ گئی تھیں۔ غالباً اس لئے کہ پاکستان کے آئین کا ڈھانچہ تیار ہو رہا تھا۔

Marfat.com

قدرت نے کہا سیکیورٹی سے ابھی ابھی فون آیا ہے۔ گیٹ پر کوئی دیہاتی مجھ سے ملنا چاہتا ہے۔ آپ گیٹ پر چلے جائیں، اس سے ملیں۔ پوچھیں کہ وہ کس سلسلے میں مجھ سے ملنا چاہتا ہے۔ اگر وہ ملنے کی بجائے پیغام دینے پر رضامند ہو جائے تو آپ اس سے پیغام لے لیں اگر وہ ملنے پر مصر ہو تو مجھے فون پر اطلاع دیں، میں گیٹ پر آ جاؤں گا۔

میں چلنے لگا تو قدرت نے کہا دیکھئے آپ اس سے علیحدہ میں بات کریں۔ سیکیورٹی کے سامنے نہیں۔

سیکیورٹی کے کمرے میں ایک دہقان قسم کا آدمی کھڑا تھا۔ میں اسے باہر لے گیا۔ اکیلے میں اس سے بات کی۔

میں نے کہا دیکھئے شہاب صاحب اس وقت کام میں مصروف ہیں، اگر آپ انہیں پیغام دینا چاہیں تو مجھے بتا دیں ورنہ میں نے ابھی جملہ ختم نہیں کیا تھا کہ وہ بولا، بابو جی مجھے صاحب سے مل کر کیا لینا ہے۔ مجھے اس سے کوئی کام نہیں ہے، میں تو اپنے گاؤں سے آ رہا تھا کہ اس کوٹھی کے پیچھے میدان میں مجھے ایک سانڈھنی سوار ملا۔ اس نے مجھے اشارہ کیا۔ میں رک گیا وہ کہنے لگا، میاں یہ جو کوٹھی ہے اس کا دروازہ ادھر ہے، وہاں جاؤ اس کوٹھی میں ایک صاحب ہیں شہاب صاحب، ان کو ہمارا پیغام دے دو۔ کہنا جو کاغذ آپ لکھ کر پھاڑ چکے ہیں، وہ درست تھا، جواب آپ لکھ رہے ہیں وہ غلط ہے۔ سانڈھنی سوار بزرگ صورت آدمی تھا۔ میں نے اس کی بات مان لی اور پیغام دینے ادھر چلا آیا۔ یہ پولیس والے مجھے اندر جانے ہی نہیں دیتے۔

میرا خیال تھا دیہاتی کا پیغام سن کر شہاب ہنس پڑے گا۔ لیکن جب میں نے اسے پیغام سنایا تو اس کا چہرہ زرد پڑ گیا اس پر سخت گھبراہٹ طاری ہو گئی۔ اس نے لپک کر ویسٹ پیپر باسکٹ اٹھا کر میز پر الٹ دیا اور پھٹے ہوئے کاغذوں کے پرزوں کو جوڑنے لگا۔

پھر بولا، آپ کو فرصت ہو تو میری مدد کریں۔

حیرت سے میرا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ یا اللہ یہ کیا اسرار ہے۔ یہ شخص جو اس قدر ذہین ہے، زیرک ہے کہ ہم بات کرنے کے لئے ابھی منہ ہی کھولتے تو ہمارا عندیہ سمجھ لیتا ہے، جو اس قدر صاحب رائے کہ سب کی سنتا ہے لیکن اپنی رائے پر قائم رہتا ہے، جس کے خیالات میں انفرادیت ہے، ندرت ہے، جو پٹے ہوئے رسمی خیالات سے دور رہتا ہے، جسے توہمات سے دور کا واسطہ نہیں۔ یہ ایک مشکوک اور مبہم سانڈھنی سوار کے پیغام کو، جو ایک دیہاتی لے کر آیا ہے، اتنی اہمیت کیوں دے رہا ہے۔

مسجد نبوی ﷺ کی بیل

صدر گھر کے اسٹاف کا ایک عزیز حج کر کے واپس آیا تو اس نے قدرت کو پیغام بھجوایا کہ جناب میں مدینہ منورہ میں حاضری دے کر آیا ہوں اور وہاں سے آپ کے نام ایک پیغام لایا ہوں۔ مجھے اجازت دی جائے کہ حاضر ہو کر پیغام پہنچاؤں قدرت نے اسے بلا لیا۔

وہ ایک عمر رسیدہ آدمی تھا۔ اس نے کہا، جناب یہ پیغام مجھے روضہ پاک ﷺ کے چابی بردار نے دیا ہے۔ وہ جہلم کے رہنے والے ہیں۔ فوج میں بھرتی ہو گئے تھے۔ جنگ میں شامل ہوئے۔ پھر رخصت لے کر مدینہ منورہ میں حاضری دی۔

Marfat.com

پھر پتہ نہیں کیا کیفیت طاری ہوئی کہ وہیں بیٹھ گئے۔ وہیں کے ہو رہے۔ اب وہ روضہ پاک ﷺ کے چابی بردار ہیں۔ یہ بہت بڑا عہدہ ہے، اعزاز ہے یہ پیغام انہوں نے آپ کے نام بھیجا ہے۔ فرماتے ہیں، جب پاکستان بننے والا تھا تو ہم نے خواب دیکھا کہ مسجد نبوی ﷺ سے ایک بیل پھوٹی اور بڑھتے بڑھتے دور نکل گئی۔ اور اس کے اس سرے پر سبز پتیاں نکل آئیں۔

پھر چند سال کے بعد ہم نے خواب میں وہی بیل دیکھی۔ دیکھا کہ پتے مرجھا گئے ہیں۔ لیکن بیل جوں کی توں قائم ہے۔ اور اس کی جڑیں مسجد نبوی ﷺ میں موجود ہیں۔

انہوں نے فرمایا ہے کہ: اب پھر ہم نے خواب میں وہی بیل دیکھی ہے۔ دیکھتے ہیں کہ بیل پھر سے سرسبز ہو رہی ہے۔ پھر دوسرے سرے پر ہری بھری کونپلیں پھوٹ رہی ہیں۔

انہوں نے فرمایا ہے، کہ شہاب صاحب سے مل کر ہماری طرف سے مبارکباد دینا اور کہنا کہ صدر صاحب کو ہمارا ایک پیغام پہنچا دیں۔ صدر صاحب سے کہیں، کہ بھیڑوں کا رکھوالا خود چھاؤں میں نہیں بیٹھتا۔

اس بوڑھے کے پیغام نے مجھ پر بے حد اثر کیا۔

مجھے اس بات پر حیرت ہوتی تھی کہ ایسے پیغامات قدرت کے نام کیوں آتے ہیں۔ قدرت کی تو کوئی حیثیت نہیں ہے وہ تو صدر کا پی اے ہی ہے نا۔ حکومت میں تو اس کا کوئی مقام نہیں۔ پھر قدرت کو اہمیت کیوں دی جاتی ہے۔

مسجد نبوی ﷺ کے چابی بردار، صاحبِ نظر تھے۔ ان کا پیغام پاکستان کے متعلق تھا اور پیغام تو مملکت کے سربراہ کے لئے تھا، لیکن انہوں نے یہ پیغام قدرت کو کیوں بھجوایا تھا۔ براہ راست صدر کو بھیجتے۔

علم جعفر

پھر ہندوستان سے ایک اور خط موصول ہوا۔ جو قدرت اللہ شہاب کے نام تھا۔ لکھنے والا کوئی ریٹائرڈ سب جج تھا۔ لکھا تھا میں کئی سال سے مفلوج پڑا ہوں۔ مجھے علم جعفر سے دلچسپی ہے۔ اس علم میں میرا مطالعہ خاصہ وسیع ہے۔ مجھے پاکستان سے دلچسپی ہے میں پاکستان کے مستقبل کے متعلق جعفر کی مدد سے دیکھتا رہتا ہوں۔ یہ خط میں آپ کے لئے نہیں لکھ رہا۔ بلکہ پاکستان کے لئے لکھ رہا ہوں۔

معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو پاکستان سے گہرا تعلق ہے، آپ کے متعلق مجھے چند ایک باتوں کا علم ہوا ہے۔

۱۔ آپ کا نام پہلے کچھ اور تھا، پھر بدل دیا گیا۔ ۲۔ آپ انقلاب کے تحت جئے ہیں۔

۳۔ اس وقت بھی آپ انقلاب کے موڑ پر کھڑے ہیں۔ ۴۔ یہی کیفیت ملک اور اس کے سربراہ کی ہے۔

۵۔ اندازہ ہے کہ یہ تبدیلی بہتر حالات پیدا کرے گی۔ ۶۔ پاکستان کے صدر کا قلب بدل دیا گیا ہے۔

۷۔ آپ کار خاص کے آدمی ہیں۔ ۸۔ لیکن ابھی آپ اس قدر پر اثر نہیں ہوئے جتنا ہو سکتے ہیں۔

۹۔ بہت جلد آپ پر اثر ہو جائیں گے۔ ۱۰۔ آپ کو بہت سے کام کرنے ہیں۔

Marfat.com

۱۱۔آپ اس ملک کی خدمت پر مامور ہیں۔

۱۲۔یہ صدر پاکستان کی خوش بختی ہے کہ انہیں آپ سا کارندہ حاصل ہے۔

۱۳۔جلد ہی وہ آپ کی نگاہ سے دیکھنے لگیں گے۔

۱۴۔وہ حوا کی بیٹی، جو اس وقت آپ کے قریب ہے، آپ کے دوش بدوش کام کرے گی۔

۱۵۔صدر مملکت کارنمایاں کریں گے۔

۱۶۔لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ یہ اعزاز کسی دوسرے سربراہ مملکت کے نصیب ہو۔

۱۷۔ اللہ کے کاموں میں کسی کو دخل نہیں۔

اس خط کے P.S میں شہاب کے عیب گنوائے گئے تھے۔لکھا تھا۔

۱۔نماز میں آپ اپنا راستہ خود کاٹتے ہیں۔

۲۔آپ دورخی کا شکار ہیں۔نہیں چاہتے کہ راستے میں رکاوٹ پیدا ہو۔پھر خود ہی رکاوٹ پیدا کر لیتے ہیں۔

۳۔بے شک آپ کا ایمان مضبوط ہے۔ ۴۔آپ کی انا معدوم ہے۔

۵۔آپ نیک نیت ہیں۔ ۶۔آپ کا قلب آلودہ نہیں۔

۷۔لیکن آپ کے اردگرد جو چمگادڑیں منڈلاتی رہتی ہیں۔آپ ان سے اثر قبول کرتے ہیں اور جان بوجھ کر ان کے اثرات کو زائل نہیں ہونے دیتے۔

خصوصی حیثیت

اس خط نے بات واضح کر دی کہ قدرت اللہ کو کوئی خصوصی حیثیت حاصل ہے۔وہ کامی ہے۔وہ کسی کام پر مامور ہے۔ اسے کوئی اسائن منٹ ملی ہوئی ہے، جس کی اس نے تکمیل کرنی ہے۔

بہر حال مجھے یہ علم نہ ہوسکا کہ اس اسائن منٹ کی نوعیت کیا ہے۔صرف اتنا ہی پتہ چلا کہ اس کام کو پاکستان سے تعلق ہے اور غالباً اسی وجہ سے قدرت کو سیکریٹری ٹو دی پریذیڈنٹ کے عہدہ پر فائز کیا گیا ہے۔

قدرت کے اس عہدے پر فائز ہونے کی کوئی صورت نہیں تھی۔وہ سینئر نہیں تھا۔تجربہ کار نہیں تھا۔اس کی ہسٹری شیٹ سرکار کی وفاداری کی غماز نہیں تھی۔الٹ اس کی پالیسی انقلابی تھی۔یہاں تک کہ امریکی حکومت کے کاغذات میں درج تھا کہ وہ کمیونسٹ خیالات کا مالک ہے۔

بھاگلپور میں اسسٹنٹ کمشنری کی حیثیت سے اس نے اپنے سینئر برٹش افسروں کو اس وقت حراست میں لے لیا تھا، جب اسے علم ہوا تھا کہ وہ گاؤں کو آگ لگانے کے لئے آئے ہیں۔

پھر قحط کے دوران اس نے عوام کو بچانے کے لئے سرکاری اناج کا ذخیرہ لٹا دیا تھا۔

Marfat.com

پاکستان میں جب وہ جنگ کا ڈپٹی کمشنر تھا تو اس نے کھلی کچہری لگائی تھی۔ جس پر انتظامیہ والے سخت زچ ہو گئے تھے۔ انہیں یہ گوارہ نہ تھا کہ عوام کو اس قدر قریب آنے دیا جائے اور یوں سر چڑھا لیا جائے۔

اس ہسٹری شیٹ کے افسر کو صدر مملکت کا سیکریٹری بنا لینا کہاں کی دانش مندی تھی۔ حیرت ہے کہ اس عہدے کے لئے اس کا چناؤ کیسے عمل میں آیا۔ قدرت نے کبھی اس عہدے کے حصول کے لئے کوشش نہ کی تھی، الٹا اسے یہ عہدہ ناپسند تھا۔

قدرت اللہ شہاب کا صدر مملکت کا سیکریٹری بننا تقرری

27 اکتوبر 1954ء کو میں ایک میٹنگ کے سلسلے میں لاہور سے کراچی گیا ہوا تھا۔ میٹنگ شروع ہوتے ہی ٹیلیفون آیا کہ کیبنٹ سیکریٹری مسٹر عزیز احمد مجھے اپنے دفتر میں بلا رہے ہیں۔ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے کہا کہ گورنر جنرل مسٹر غلام محمد تم سے ملنا چاہتے ہیں تم ابھی گورنر جنرل ہاؤس چلے جاؤ۔

غلام محمد صاحب کے ساتھ میری بالکل کوئی واقفیت نہ تھی۔ وزیر خزانہ کے طور پر انہیں فقط چند بار دیکھا تھا۔ میں نے مسٹر عزیز احمد سے اس بلاوے کا مقصد دریافت کیا تو انہوں نے قطعی لاعلمی کا اظہار کیا۔

غلام محمد صاحب کے ایک بھائی نے لاہور میں کسی فیکٹری کی الاٹ منٹ کے لئے درخواست دی ہوئی تھی۔ مجھے گمان گزرا کہ شاید گورنر جنرل اس سلسلے میں کوئی سفارش کرنے والے ہوں۔ میں نے اپنے اس خدشے کا مسٹر عزیز احمد سے ذکر کیا، تو انہوں نے اس سے بھی اپنی مکمل لاتعلقی کا اظہار کیا۔ ساتھ ہی انہوں نے مجھے مشورہ دیا کہ مسٹر غلام محمد سخت طبیعت کے آدمی ہیں، اس لئے میں ان کے ساتھ بات چیت میں احتیاط سے کام لوں۔

مسٹر عزیز احمد کا مشورہ پلے باندھ کر میں گورنر جنرل ہاؤس پہنچا۔ ایک اے ڈی سی مجھے اپنے ساتھ اوپر والی منزل میں لے گیا وہاں پر برآمدے میں قالین بچھا ہوا تھا اور اس پر صوفے لگے ہوئے تھے۔ درمیان میں ایک گول میز پر بڑے خوبصورت پھول سجے ہوئے تھے۔

مسٹر غلام محمد ایک گدے والی آرام کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے نیلے رنگ کا دھاری دار سوٹ پہنا ہوا تھا۔ رومال اور جرابیں ٹائی کے ہم رنگ تھیں۔ کوٹ کے کالر میں گلاب کا پھول ٹنگا تھا۔ سر پر کالی جناح کیپ تھی۔ ہاتھ میں سگریٹ تھا۔ ان کے قریب ولی کرسی پر گورنر جنرل کی پرسنل پرائیویٹ سیکریٹری مس روتھ بورل بیٹھی تھی۔ یہ بڑی طرح دار، نازک اندام، خوبصورت نیم امریکن، نیم سوس لڑکی تھی، جسے وہ واشنگٹن سے منتخب کر کے اپنے ساتھ پاکستان لائے ہوئے تھے۔ مس بورل پر نگاہ پڑتے ہی میں نے دل ہی دل میں مسٹر غلام محمد کے حسن انتخاب کی داد دی۔ اے ڈی سی نے میری آمد کا اعلان کیا تو دونوں نے نظریں گاڑ کر مجھے سر سے پاؤں تک گھورا۔ اس کے بعد مسٹر غلام محمد نے ہاتھ کے اشارے سے مجھے ایک کرسی پر بیٹھنے کو کہا۔ چند لمحے عجیب سی خاموشی طاری رہی پھر گورنر جنرل نے بچوں کی طرح غوں غاں کر کے کچھ بولنا شروع کیا۔ وہ کافی دیر تک اسی طرح بولتے رہے لیکن میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔ اور کس زبان میں گفتگو کر رہے ہیں۔

Marfat.com

جب وہ خاموش ہوئے تو مس بورل بولی ''ہزاایکسیلینسی فرماتے ہیں کہ انہوں نے آپ کو سیکریٹری ٹو گورنر جنرل کی پوسٹ کے لئے منتخب کیا ہے۔اس نازک زمانے میں یہ بڑی ذمہ داری ہے۔ایچ۔ای امید رکھتے ہیں کہ آپ ان کے اعتماد پر پورا اترنے کی کوشش کریں گے۔ایچ۔ای۔کا حکم ہے کہ آپ ابھی نیچے جائیں اور اپنی پوسٹ کا چارج سنبھال لیں''۔

یہ سن کر میرے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔صاف انکار کرنا تو مشکل تھا،اس لئے میں نے ایک عذر لنگ پیش کرنے کی کوشش کی۔''میں اس وقت پنجاب گورنمنٹ میں ڈائریکٹر آف انڈسٹریز کے طور پر کام کر رہا ہوں۔جب تک صوبائی حکومت مجھے وہاں سے فارغ نہ کرے کسی اور پوسٹ کا چارج لینا بڑی بے ضابطگی ہوگی''۔

یہ بات سن کر مسٹر غلام محمد غصے میں آگئے۔ان کا چہرہ سرخ ہو گیا اور انہوں نے کڑک کر کچھ دیر پھر غوں غاں کی،جس کا مفہوم مس بورل نے مجھے یوں سمجھایا ''ہزاایکسیلینسی فرماتے ہیں پنجاب گورنمنٹ جہنم میں جائے۔جس بے ضابطگی کا آپ نے ذکر کیا ہے وہ بھی آپ کے سمیت جہنم میں جائے۔پنجاب کے چیف منسٹر ملک فیروز خاں اتفاق سے نیچے بیٹھے ہیں۔انہیں ابھی یہاں بلایا جا رہا ہے تاکہ وہ آپ کو پنجاب سے فارغ کر دیں۔اس کے بعد آپ فوراً نیچے جا کر اپنی پوسٹ کا چارج سنبھال لیں''۔

یہ تیر نشانے پر نہ بیٹھا،تو میں نے ایک اور حربہ استعمال کیا۔''جناب میری والدہ اور سامان لاہور میں ہے۔چارج لینے سے پہلے کیا میں وہاں جا کر انہیں کراچی لاسکتا ہوں؟''۔

اب مسٹر غلام محمد کا پارہ بے حد اوپر چڑھ گیا اور وہ کرسی میں بل کھا کھا،زور زور سے چیخنے لگے۔ان کے منہ کے ایک کونے سے لعاب دھن کی پچکاری سی چلی اور کوٹ کی آستین پر گرگئی۔مس بورل نے نیپکن سے ان کا کوٹ صاف کیا اور مجھے مخاطب کر کے کہا''ہزاایکسیلینسی نے اپنی شدید خفگی کا اظہار کیاہ کہ آپ حجت بہت کرتے ہیں۔ایچ۔ای۔کا حکم ہے کہ آپ اس ناپسندیدہ عادت کو فوراً ترک کر دیں ورنہ آپ کو پچھتانا پڑے گا''۔

یہ سین ابھی ختم نہ ہوا تھا کہ ایک اے ڈی سی پنجاب کے چیف منسٹر ملک فیروز خان کو لے کر برآمدے میں نمودار ہوا۔ملک صاحب کو دیکھتے ہی،مسٹر غلام محمد نے ہاتھ سے میری طرف اشارہ کیا اور غاؤں غاؤں کر کے کچھ بولتے رہے۔مس بورل ترجمانی کے فرائض انجام دیتی رہی۔اس کے بعد چیف منسٹر نے مجھے کہا ''پوسٹنگ بڑے اعزاز کی بات ہے۔مبارک ہو۔فوراً چارج سنبھال لو۔باقی ضابطے کی کارروائیاں بعد میں ہوتی رہیں گی''۔

میں نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولنا چاہا تو چیف منسٹر نے آنکھ مار کر مجھے چپ کرا دیا۔اس طرح سربراہ مملکت سے میرا پہلا انٹرویو ختم ہوا اور میں اگلے نو برس کے لئے اس بیت الجن میں مقید ہو گیا۔ڈھائی سال میں شہاب کے او ایس ڈی کی حیثیت سے صدر گھر میں رہا پھر شہاب کو انفرمیشن سیکریٹری بنا دیا گیا اور میں اس کے وزارت اطلاعات میں چلا گیا۔1963ء میں شہاب کو ہالینڈ کا سفیر بنا کر ہیگ بھیج دیا گیا۔

امریکہ قدرت اللہ شہاب کو پسند نہیں کرتا تھا اور جب قدرت اللہ شہاب نے چین سے دوستی کے قیام کی وجہ سے دونوں

Marfat.com

سپر پاور شہاب کو اس عہدے سے ہٹانے کے لئے صدر ایوب پر دباؤ ڈالنے لگیں۔ دباؤ کے تحت قدرت اللہ شہاب کو سیکریٹری ٹو پریزیڈنٹ سے ہٹا کر وزارت اطلاعات کا سیکریٹری بنا دیا۔ اس تبدیلی سے کوئی فرق نہیں پڑا چوں کہ صدر ایوب اور شہاب کا رابطہ جوں کا توں قائم رہا۔ اس پر بیرونی دباؤ نے شدت اختیار کر لی اور صدر ایوب مجبور ہو گئے۔ شہاب نے تبادلے کا سنا تو استعفیٰ پیش کر دیا۔ صدر ایوب گھبرا گئے وہ نہیں چاہتے تھے کہ شہاب مستعفی ہو جائیں۔ آپ کوئی سی بھی وزارت میں بحیثیت سیکریٹری اپنی تعیناتی کروالیں۔ شہاب اپنی ضد پر اڑ گیا۔ صدر ایوب تحمل سے کام لے رہے تھے وقت کے ساتھ شہاب ضد چھوڑ دیں گے۔ لیکن بات بنتی نظر نہیں آ رہی تھی۔ روحانی دنیا کہ بزرگ کہہ رہے تھے کہ استعفیٰ مت دیں۔ صدر ایوب حالات کی نزاکت کو سمجھ نہیں رہے تھے بزرگ کا کہنا تھا کہ اگر صدر صاحب شہاب صاحب سے علیحدہ ہو گئے تو وہ تمام برکات جو ان کی وجہ سے آپ کو حاصل ہیں ختم ہو جائیں گی۔ یہ بات آپ کے لئے بھی نقصان دہ ہوگی اور ملک کے لئے بھی اس لئے بہتر ہے کہ آپ شہاب سے رابطہ قائم رکھیں اور کسی دباؤ کی پرواہ نہ کریں۔

قدرت اللہ شہاب دراصل سعودی عرب کا سفیر بننا چاہتے تھے مگر اس کے احکامات باقاعدہ مدینے سے ہوتے تھے جو پہلے سفیر تھے وہ جانے کو تیار نہ تھے اور قدرت اپنے مجاہدات اور تربیت کے لئے کسی دور مقام پر رہنا چاہتے تھے تا کہ اپنے کام مکمل کر سکے۔ شہاب نے داتا صاحب کے دربار سے باہر جانے کی اجازت لے لی۔ ان سارے حالات میں آخر قدرت اللہ شہاب کو ہالینڈ کا سفیر بنا کر بھیج دیا گیا۔ سب کا خیال تھا کہ شہاب جلد واپس آ جائے گا مگر ایسا ممکن نہ ہو سکا۔ دونوں فریق اپنی بات پر قائم رہے۔ مگر ملک اور صدر ایوب پر سخت وقت آنے والا تھا۔

کوتاہی

قدرت اللہ شہاب سے جو کام لینے تھے۔ ان کا وقت آنے والا تھا مگر حالات کی سختیوں نے شہاب کو فیصلہ کرنے پر مجبور کر دیا اور ملک چھوڑ کر جانا پڑ گیا۔

جتنے احکامات مراقبے میں اس جنگ کے لئے آ رہے تھے یہ عالم اسلام کی بہت بڑی کامیابی ہوتی لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا عوام نے اور قربانیاں دینی تھی شاید ایسٹ پاکستان کو ہاتھ سے جانا تھا۔ شہاب اور صدر ایوب کی دوری نے پاکستان کے خلاف سازشوں کا راستہ کھول دیا۔ اور 1965ء کی جنگ ہم پر مسلط کر دی گئی۔

قدرت صاحب ایک مہینے کی چھٹیوں پر پاکستان آئے تو مجھے امام بری کی درگارہ پر جانے کا بولنے لگے کہنے لگے ہالینڈ مین اسلامی کتابوں کی دنیا بھر میں سب سے بڑی لائبریری ہے۔ اس لائبریری میں بے شمار قلمی مسودات ہیں ایک قلمی مسودہ دیکھنے میں آیا جس میں لکھا تھا۔

حضرت شاہ عبداللطیف المعروف امام بریؒ

راولپنڈی میں مشہور و معروف ہستی حضرت امام بری نے ۳۰۰ سال پہلے فرمایا تھا کہ :

Marfat.com

"نور پور کے علاقے میں ایک اسلامی شہر آباد ہوگا جو دنیا کے اسلامی ملکوں کا مرکز بنے گا"

"۴۰۰سال بعد پوری دنیا نے اسلام آباد کو ایک اسلامی نظریاتی مملکت خداداد پاکستان کے دارالحکومت کی شکل میں دنیا کے نقشے پر ابھرتے دیکھا۔"

کچھ عرصے قیام کے بعد پھر شہاب صاحب ہالینڈ واپس چلے گئے۔

2 فروری 66ء کو غفور صاحب نے قدرت اللہ شہاب کو ہیگ میں ایک خط لکھا۔ اس خط کے چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیں۔

ہمارے حکمراں طبقے کو یہ علم نہیں کہ ملک میں روحانی انقلاب آ رہا ہے جس سے صرف پاکستان اور ہندوستان ہی متاثر نہ ہوں گے بلکہ پوری دنیا اس کی لپیٹ میں آجائے گی۔ خدا کا شکر ہے کہ ہمارے ملک میں درویشوں کی تعداد کثرت سے ہے یہاں ایسے لوگ بھی ہیں جو چشم زدن میں ہندوستان تو کیا، ان ملکوں میں انقلاب لا سکتے ہیں جہاں اسلام کا نام ونشان نہیں۔

سترہ روزہ جنگ ہند و پاک کے واقعات کو اگر آپ غور سے مطالعہ فرمائیں، تو انسانی عقل وفکر حیران رہ جاتی ہے۔

میرے بہت سے فوجی دوست کہتے ہیں کہ اس جنگ نے انہیں صحیح اور سچا مسلمان بنا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کرشمہ سازی اور نبی آخری الزماں ﷺ کی کرم نوازی ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ ہم اتنی شدید فوجی اور جنگی غلطیاں کر کے فتح حاصل کی ہے۔ یہ جنگ درویشوں کی کمانڈ کے تحت روحانی ایٹمی قوت سے لڑی گئی۔ غفور صاحب کا خط جن کی ڈیوٹی تھی کہ صدر صاحب کو حالات سے آگاہی کے لئے خط لکھتے رہا کریں اور وہ روحانی طور پر پابند تھے۔

28 اگست 66ء کو غفور صاحب راولپنڈی تشریف لائے۔ مجھ سے ملنے کے لئے میرے گھر آئے۔ انہوں نے مجھے بتایا، کہنے لگے، صدر ایوب سے ہم نے بہت سی امیدیں وابستہ کر رکھی تھیں، چوں کہ صدر ایوب کے کردار میں کئی ایک خوبیاں ہیں۔ وہ مخلص ہیں، نیک نیت ہیں۔ لوگوں کی بھلائی چاہتے ہیں، خود پسند نہیں، ذاتی مفاد کے قائل نہیں، لیکن طبعاً وہ سیکولر ہیں۔ ان میں اسلامی رجحان نہیں ہے اور وہ کچھ زیادہ ہی ریشنل ہیں۔ اس لئے ضروری تھا کہ قدرت اللہ انہیں گائیڈ کرتے رہیں۔ اب شہاب صاحب کے جانے کے بعد وہ چند ایسے لوگوں کے زیر اثر آ گئے ہیں۔ جو انہیں صحیح مشورہ نہیں دیتے۔ انہوں نے کہا اسی وجہ سے میری ڈیوٹی لگ گئی تھی کہ میں انہیں باقاعدہ خط لکھوں۔

غفور صاحب نے بتایا کہ جنگ کے بعد مکہ معظمہ میں تھا۔ مکہ شریف کے ایک مجذوب نے مجھے ایوب کے نام سے پکارا۔ میں نے کہا میں ایوب نہیں ہوں، غفور ہوں۔ اس نے میری بات پر توجہ نہ دی اور مجھے ایوب کہنے پر مصر رہا۔ پھر اس نے مجھے گالیاں دینی شروع کر دیں۔ بولا ایوب تم بزدل ہو۔ تم جہاد کرنے سے ڈرتے ہو۔ کافر سے جہاد نہیں کرو گے، بولو؟

غفور صاحب نے کہا، میں نے اس واقعہ کی خبر بذریعہ خط صدر پاکستان کو پہنچا دی تھی۔

بزرگوں کی میٹنگ

پھر مکہ معظمہ میں بزرگوں کی ایک میٹنگ ہوئی۔ اس میٹنگ میں زیادہ تر بزرگ صدر ایوب کے خلاف تھے۔ دو تین

Marfat.com

ایسے بھی تھے جو صدر ایوب کے حق میں تھے۔اور چاہتے تھے کہ انہیں ایک اور موقع دیا جائے۔

غفور صاحب نے کہا کہ میں نے اس واقعہ کی صدر ایوب کو اطلاع دی۔ میں نے صدر ایوب صاحب کو لکھا کہ اگر آپ کو ان باتوں کا یقین نہیں آتا تو فی الفور اپنا کوئی افسر بھیج دیجئے تا کہ وہ خود آ کر دیکھ لے کہ یہاں فضاء ان کے خلاف ہے۔

غفور صاحب نے کہ افسوس کہ صدر ایوب نے اپنا افسر بھیجنے میں بہت دیر کر دی۔انہوں نے اعوان صاحب کو بھیجا۔ اعوان صاحب جب مکہ معظمہ میں پہنچے تو میں وہاں سے آ چکا تھا۔

غفور صاحب نے کہا کہ مکہ شریف سے آنے سے پہلے مجھے مکہ کے ایک بزرگ نے تعویذ دیا کہ ایوب صاحب اسے پہنے رکھیں۔ پاکستان میں آ کر میں نے بہت کوشش کی وہ تعویذ صدر تک پہچاؤں، لیکن کوشش کے باوجود کامیاب نہ ہو سکا۔

یہ تو جملہ معترضہ تھا، میں غفور صاحب کے اس خط کے اقتباسات پیش کر رہا تھا جو انہوں نے 27 جنوری کو شہاب صاحب کو لکھا تھا۔ یہ ضمنی تفصیلات دینا اس لئے ضروری تھا تا کہ آپ غفور صاحب کے خط کے متن کو سمجھ سکیں۔ ہاں تو غفور صاحب نے شہاب کے نام اپنے خط میں لکھا تھا کہ؛

چوں کہ آپ کا اصرار تھا کہ آپ کو ایک مفصل خط تحریر کروں۔اس واسطے میں نے بالکل واشگاف الفاظ میں پوری جنگ کی کیفیت جو کہ میں واپسی از حج پر محترم اعوان صاحب کی معرفت صدر صاحب کو پہنچائی تھی، تحریر کروادی اور وہ تعویذ، جو میں صدر صاحب کے لئے مکہ شریف کے ایک مجذوب بزرگ سے لایا تھا، بھی بھجوادیا۔

وہ بزرگ جنہوں نے مجھے مکہ مکرمہ میں صدر صاحب کے لئے تعویذ دیا تھا، کئی بار خواب میں ملے ہیں، کہتے ہیں، ایوب نے وعدہ خلافی کی۔

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ

1966ء قدرت اللہ شہاب ہالینڈ سے واپس آ گئے پھر ایک دن کہا لاہور میں ایک بہت بڑے بزرگ ہیں جو 1857ء کے غدر میں شرکت کر چکے ہیں۔اس وقت نوجوان تھے۔اب ان کی عمر 140 کے قریب ہوگی۔ بینائی بالکل ٹھیک ہے دانت دوبارہ آ گئے ہیں بال سفید ہو کر دوبارہ کالے ہو گئے ہیں 54 حج کر چکے ہیں 55 ویں حج پر جا رہے ہیں۔

ان کا نام حاجی عبدالمعبود صاحب ہے جناب مہاجر امداد مکیؒ سے بیعت ہیں مہاجر امداد مکی صاحب بہت بڑے بزرگ ہیں۔1857ء کی غدر میں انہوں نے ہندوستان میں پہلی اسلامی ریاست قائم کی تھی۔ جو چند ماہ چلی پھر انگریزوں نے اسلحہ اور کمک حاصل کر لی اور اس اسلامی ریاست کو تسخیر کر لیا۔

قدرت اللہ نے کہا اس وقت جناب مہاجر مکی کو ایک مجذوب مست نے خبر دی تھی کہ تمہارے خواب کی تعبیر آج سے 90 سال کے بعد نکلے گی۔انگریزوں نے مہاجر مکی صاحب کو قید کر لیا لیکن ایک روز آپ نے دیکھا کہ جیل کے تمام دروازے کھلے ہیں۔آپ جیل سے باہر نکل آئے سیدھے کراچی کی طرف پیدل چل پڑے۔مہینوں چلتے رہے پھر جہاز میں سوار ہو کر

Marfat.com

مکہ مکرمہ پہنچے اور باقی زندگی وہی بسر کی اسی وجہ سے انہیں مہاجر مکیؒ کہتے ہیں۔

حاجی عبدالمعبود صاحب کے کوائف جان کر میں بے حد متاثر ہوا۔لیکن جب ملاقات ہوئی تو یہ بات سامنے آئی کہ انہوں نے اپنے شیخ سے درخواست کی تھی کہ قدرت اللہ شہاب سے ہمیں بھی ملوائیں۔ حاجی صاحب نے بارہا کہا کہ میں 45 سال خدمت کی حکم بجالائے لیکن حضرت ہم سے اتنے خوش نہیں جتنے آپ یعنی شہاب سے خوش ہیں۔

یہاں یہ بھی پتہ چلا کہ شہاب نے ہالینڈ میں حضرت مہاجر مکیؒ صاحب سے رابطہ پیدا کیا تھا اور وہ رابطہ اس قدر گہرا ہو گیا تھا کہ روبرو بیٹھ کر بات کرنے کی صورت پیدا ہو گئی تھی۔اور قدرت اللہ کو ان کی خوشنودی میسر آئی تھی۔

حج

میرے دل میں حج کرنے کی خواہش کبھی پیدا نہ ہوئی تھی۔ پر عجیب حالات رونما ہوئے۔ایک شام میں فوارہ چوک سے گزر رہا تھا اسی وقت بجلی فیل ہونے کی وجہ سے چوک میں خاصہ اندھیرا تھا۔ایک دم سے ایک سیاہ فام مست میرے سامنے آیا اس نے راستہ روک کر کھڑا ہو گیا پھر خوشی سے بولا ''تو حج پر جائے گا، تو حج پر جائے گا'' اور اس نے بہت ساری ریزگاری میرے ہاتھوں میں دے دی کہ حج پر ضرورت پڑے گی۔اس کے بعد خواب آنا شروع ہوا پھر میرے مرحوم چچا نے خواب میں بشارت دی کہ تو حج پر جا رہا ہے۔

پھر ایک دن ایلکن روڈ کے مست نے میرے گھر میں آ کر شور مچانا شروع کیا اور قدرت اللہ شہاب کو بولا اس کو حج کے بارے میں سمجھاؤ کہ حج کیا ہے یہ حج پر جائے گا۔ادھر مست لوگ مجھے حج پر جانے کی اطلاع دے رہے تھے اور ادھر 3 مہینے تک خوابوں میں حج پر جانے کا حکم آ رہا تھا۔

آخر قدرت اللہ شہاب نے مجھے حج کا مفہوم سمجھایا اور وعدہ کیا کہ میں جب بھی حج پر جاؤں گا آپ کو لے کر جاؤں گا۔ پھر ہم 1968ء میں حج پر روانہ ہوئے وہاں شہاب کی کیفیت بدلتی رہی وہاں اللہ پاک کی ذات کا مشاہدہ کیا ہر طرف اللہ ہی اللہ نظر آیا۔شہاب کے ساتھ حطیم میں نماز پڑھی لیکن نماز پوری نہیں کر سکا وہاں مجھے ڈانٹ پڑی اور میں خوب رویا اور اللہ اور کعبۃ اللہ سے لپٹ لپٹ کر دعا مانگی۔اس کے بعد ہم مدینے گئے جب شہدبدر کے پاس پہنچا۔میرا سر شرم سے جھکا ہوا تھا 1965 کی جنگ میں نبی پاک ﷺ اور شہدا بدر ہماری مدد کو پہنچے تھے لیکن ہم نے ان کا ساتھ نہ دیا تھا الٹا ہم نے جنگ بندی کا حکم دے دیا ان دنوں خوشاب کے بزرگ ایڈوکیٹ صاحب نے ایک خط صدر کے نام لکھا جس میں بار بار تاکید تھی کہ جنگ بندی کو تسلیم نہ کرنا۔ شہاب نے ہالینڈ سے مشورہ دیا تھا جنگ بندی سے متعلق مذاکرات کو غیر معمولی طول دے دیا جائے گفت وشنید میں جنگ بندی کے مقررہ وقت کو ٹال دیا جائے اگر جنگ بندی ضرور ہو تو عارضی تعطل کے فوری بعد لڑائی از سرنو چھیڑ دی جائے۔ پتہ نہیں کیوں پاکستان کے سربراہوں کو ہمیشہ بزرگوں کی طرف سے مشورے اور ہدایات موصول ہوتی رہتی ہیں۔ ہمارے سربراہوں نے ذاتیات کی بناء پر ہمیشہ جنگ کو ٹالنا چاہا۔صدر ایوب اقتدار ہاتھ سے جانے کے خوف سے جنگ کرنے کے حق میں نہیں تھے۔

Marfat.com

جنرل یحییٰ مغربی پاکستان میں اپنی حکومت قائم رکھنے کی غرض سے ایسٹ پاکستان کو دشمنوں کے حوالے کرنے کا پہلے سے ہی فیصلہ کر چکے تھے۔ پاکستان کو کوئی ایسا سربراہ نصیب نہ ہوا تھا جو مجاہدانہ شان سے اللہ کے نام پر جنگ کرتا جو شہیدان بدر کی امداد پر ایمان رکھتا اور ان کا ساتھ دیتا۔

شہدائے بدر سے ملاقات

اور ہم مدینہ پہنچ گئے دل و دماغ مسجد نبوی ﷺ میں جانے اور حاضر ہونے کے کچھ الگ ہی تھے میں نے شہاب پر نظر رکھی ہوئی تھی میں ان کے ساتھ رات میں مسجد جاتا اور انہی کے ساتھ واپس آجاتا تھا۔ پھر ایک واقعہ مسجد نبوی ﷺ میں رونما ہوا حج میں میرا سب سے بڑا مشاہدہ مرد قدیم تھے۔ مسجد نبوی ﷺ میں جب ہم فجر کی نماز کی تیاری کر رہے تھے تو مرد قدیم اس جانب سے تشریف لائے جدھر مسجد کا برآمدہ تھا ان کے چہرے کی طرف دیکھ کر میں حیران ہوا۔ ان کے چہرے پر آہنی عزم اور سنجیدگی تھی ایسا لگتا تھا جیسے وہ لوہے کے بنے ہوئے ہیں اور اس قدر قدیم ہوں کہ تاریخ کے کسی ورق سے نکل کر آتے ہوں۔ برآمدے سے وہ سیدھے ہماری جانب آئے۔ اس وقت ہم فجر کی نماز کے لئے کھڑے ہو چکے تھے پیچھے سے آکر انہوں نے ہم دونوں کو الگ کیا اور ہمارے درمیان آکھڑے ہوے۔ 15 ,20 منٹ ہمارے ساتھ رہے وہ باتیں کرتے رہے ان کے جسم میں محبت بھری لہریں تھیں۔ اپنائیت تھی، کرم نوازی تھی ان کی شخصیت سے عجیب سی وائبریشنز نکل رہی تھی وہ سراسر شفقت تھے ان کے وجود سے شفقت کی شعاعیں یوں نکل رہی تھی جیسے زمین سے کشش کی لہریں نکلتی ہیں دعا پڑھنے سے پہلے انہوں نے جیب سے ایک لکڑی نکالی۔ اس کے بعد احترام آنکھوں سے لگایا چوما اور ہاتھ دعا کے لئے پھیلا دیئے۔ دعا کے بعد کرم فرمائی انہوں نے بازو پھیلا کر مجھے آغوش میں لے لیا اور قریب تر کھینچ لیا۔ پھر انہوں نے دایاں بازو پھیلایا اور قدرت کو کھینچ کر قریب تر کر لیا پھر وہ میری طرف متوجہ ہو گئے۔ اپنے بائیں ہاتھ سے مجھے تھپکنے لگے نماز کے بعد میری طرف اپنے ہاتھ بڑھا دیئے اور میرا ہاتھ پکڑ کر پر جوش مصافحہ کیا۔ شہاب سے بھی مصافحہ کیا اس کے بعد وہ اٹھ بیٹھے اور بڑے وقار سے مسجد نبوی ﷺ کے ترکی برآمدے کی طرف چل پڑے۔ ان کی چال میں وہی وقار تھا وہی ٹھہراؤ تھا۔ وہی خود اعتمادی تھی۔

قدرت نے اس ہستی کے بارے میں مجھے نہیں بتایا کہ کون تھے۔ اس کے بعد شہاب کی حاضری روضہ رسول ﷺ پر ہوتی رہی بعد میں ایک دن بولے ''ہمارا کام ہو چکا ہے''۔

اور پھر ہم واپس پاکستان آگئے۔ یہاں آکر میں نے عطیہ صاحبہ سے اس معاملے کا ذکر کیا انہوں نے مراقبہ کیا اور پھر ہمیں بتایا کہ آپ بہت خوش نصیب ہیں وہ بزرگ شہدائے بدر میں سے تھے۔

جنرل یحییٰ حکومت

پھر جنرل یحییٰ حکومت کے سربراہ بن گئے انہوں نے آتے ہی مارشل لاء نافذ کر دیا۔

انہوں نے سیکریٹری کی ایک میٹنگ بلائی جس میں سول افسروں کو سخت جھاڑ پلائی۔ اپنی حکومت کے متعلق منہ پھاڑ کر دعوے

Marfat.com

کیئے۔اس پر شہاب نے معمولی مارشل لاء کا مذاق اڑایا۔آپ کے مارشل لاء کی کیا بات ہے۔ بالیاں صاف ہو رہی ہیں۔مکھیاں ماری جارہی ہیں، قصابوں کی دکانوں پر جالیاں لگوائی جارہی ہیں۔بس خاکروب بیکار پر سڑکیں صاف کر رہے ہیں۔ یہ سن کر جنرل یحییٰ کا پارہ چڑھ گیا اس نے سیکریٹریوں سے کہا کہ شہاب کا دماغ چل گیا ہے اسے سمجھاؤ ورنہ خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ بیوروکریٹس نے شہاب کو سمجھایا اگلے دن شہاب نے پھر استعفیٰ پیش کر دیا۔ادھر پھر اس کا تبادلہ ہوا بڑے ریونیو ممبر بنا دیا۔ جنرل یحییٰ جو چنک قسم کا آدمی یا عیاش پرست کہہ سکتے ہیں ساری رات شراب کے نشے میں رہتا تھا۔

خوش قسمتی سے ان دنوں شہاب کو یونیسکو سے بلاوا آ گیا۔ڈائریکٹروں کی ایک میٹنگ میں شرکت کے لئے وہ پیرس روانہ ہو گیا۔پیرس سے کال کر کے اپنی فیملی کو لندن بلا لیا۔جنرل کانفرنس کے دوران ایگزیکٹو کی چند خالی نشستوں کے لئے انتخاب کروائے گئے اور شہاب الیکشن جیت کر 6 برس کے لئے ایگزیکٹو بورڈ کا ممبر منتخب ہو گیا۔ یہ واقعہ 1968ء کے بعد کا ہے جب اسرائیل نے فلسطینی علاقے پر قبضہ کر لیا تو یونیسکو نے اس پر عائد کر دیا کہ وہ فلسطینی بچوں کو ان کی مذہبی تعلیم سے محروم نہ کریں۔ فلسطینی اساتذہ انہیں تعلیم دیں اور وہ کتابیں اسکولوں میں پڑھائی جائیں۔جو یونیسکو سے منظور شدہ ہے۔اسرائیل نے ہامی بھر لی لیکن عملی طور پر اس کی خلاف ورزی کی انہوں نے فلسطینی اساتذہ کو تنخواہیں دے کر گھروں میں بٹھا دیا اور یونیسکو کی منظور شدہ کتابوں کے بجائے ایسی کتابیں رائج کر دیں جن میں اسلام سیرت مبارکہ اور عربی تاریخ و ثقافت کے خلاف گمراہ کن پروپیگنڈہ رقم تھا۔ یونیسکو کی منظور شدہ کتاب میں The Holy Prophet of Islam لکھا ہوتا۔ جسے امریکی نعوذ باللہ The False Prophet of Islam میں بدل دیتے تھے۔عربوں کو اسرائیل کی اس چال کا پتہ چل گیا انہوں نے یونیسکو رپورٹ دی لیکن جب بھی یونیسکو کی انکوائری پارٹی اسرائیل جاتی تو اسرائیلی فلسطینی اساتذہ بلا لیتے اور اسکولوں سے اپنی کتابیں نکال لیتے اور یونیسکو کی منظور شدہ کتابیں بچوں میں بانٹ دیتے۔یونیسکو کا ادارہ سمجھتا تھا کہ عربوں کی شکایت تعصب پر مبنی ہے۔اس صورت حال میں عربوں نے قدرت اللہ شہاب سے درخواست کی کہ وہ اسرائیل کا خفیہ دورہ کرے اور اس بات کا ایسا ثبوت لے کر آئے کہ یونیسکو کو یقین آ جائے کہ عربوں کی شکایت درست ہیں۔ شہاب نے اس خفیہ دورے میں دو اہم کام کیئے۔

ا۔یونیسکو کے لئے تعلیمی ثبوت حاصل کیئے۔ ۲۔ایک رات مسجد اقصیٰ میں تن تنہا بسر کی

مسجد اقصیٰ

شہاب کا اسرائیل جانے کا اصل مقصد مسجد اقصیٰ میں ایک رات بسر کرنا تھا۔تعلیم سے متعلقہ ثبوت حاصل کرنے کے کام نے اسے موقع فراہم کیا۔اگر اس کا مقصد تعلیمی ثبوت حاصل کرنا ہوتا تو اسرائیل اس سے اس قدر خوفناک انتقام نہ لیتا اور قدرت دو سال کے لئے صیہونی جادو کے زیر اثر ایک اپاج بد بودار گوشت کا لوتھڑا نہ بنا رہتا اور جب پاکستان واپس آتا تو آدھا آدمی نہ ہوتا۔میں مسجد اقصیٰ میں صرف اس لئے گیا تھا کہ وہاں رات بھر سو کر اپنی نیند پوری کر سکوں۔ یہ بات قابل یقین نہیں ہے

Marfat.com

تن تنہا ایک عظیم الشان پر ہیبت مسجد میں جو ہمارا قبلہ اول ہے سونے کی غرض سے جانا۔ میری عقل اسے تسلیم نہیں کرتی۔ اس بارے میں شہاب کا اپنا بیان ہے کہ: قبلہ اوّل کی چار دیواری کے اندر جب میں اکیلا رہ گیا تو تاریخ اور تقدس کے مہیب سناٹے نے مجھے سر سے پاؤں تک غڑاپ سے نگل لیا۔ مجھے یوں محسوس ہونے لگا جیسے کسی پاکیزہ شیش محل میں ایک کتا غلطی سے بند ہو گیا ہے۔ لرزے کے بخار کی طرح میرے تن بدن پر کپکپی طاری ہو گئی اور دانت بے اختیار کٹ کٹ بجنے لگے۔ مرگی کے مریض کی مانند تشنج میں گرفتار ہو کر آناً فاناً لڑکھتا ہوا میں ایک ایسی ٹائم ٹنل میں جا گرا جہاں پر نسل انسانی کی ہزاروں سال کی خوابیدہ تاریخ انگڑائی لے کر بیدار ہو گئی اور کہکشاں کی طرح جگ مگ جگ مگ کرتی ہوئی شاہراہوں پر بڑے بڑے ذی شان پیغمبروں کے قدموں کی خاک سے نور کے چشمے پھوٹنے لگے۔ سیدنا ابراھیم علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور پھر اللہ کے آخری نبی خاتم النبین رحمت اللعالمین حضرت محمد ﷺ جنہیں اللہ کی پاک ذات شب کے وقت مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گئی تھی تاکہ ان کو اپنے کچھ عجائبات قدرت دکھائے۔

اسی مسجد میں فرش سے عرش تک نوری فرشتوں نے وہ راستہ منور کر دیا جس پر نبوت کا سفر اختیار کر کے حضور اکرم ﷺ نے رسالت کی معراج کو پایا۔ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس جس کے قریب جنت الماویٰ ہے۔ جب اس سدرۃ المنتہیٰ کو لپٹ رہی تھی۔ جو چیزیں لپٹ رہی تھیں نگاہ نہ تو ہٹی اور نہ بڑھی۔ انہوں نے اپنے پروردگار کے بڑے بڑے عجائب دیکھے۔

خبر نہیں وہ وصال کی گھڑی تھی یا فراق کا لمحہ کہ عین اس وقت فضا میں اذان کی آواز گونجی اور بچپن میں کہیں پڑھا ہوا یہ پرانا شعر مجھے بے اختیار یاد آ گیا۔

خدا سمجھے موذن سے کہ تُو کا عین عشرت میں　　　چھری مجھ پر چلادی نعرۂ اللہ ہو اکبر سے

جس شخص نے مسجد اقصیٰ کے متعلق یہ جذبات ہیں جو مندرجہ ذیل بالا کوٹیشن میں پیش کیئے گئے ہیں۔ وہ وہاں سونے کے لئے نہیں جائے گا۔

اسرائیلی جادو

اسرائیلی راہبوں کو اس بات کا علم ہو گیا کہ کوئی شخص مسجد اقصیٰ میں ایسا عمل کر گیا ہے جو اسرائیل کے لئے تباہی کا باعث ہو گا۔ اس لئے اسرائیلی جادو قدرت اللہ کے خلاف حرکت میں آ گیا۔ میری دانست میں تعلیمی نصاب کا مسئلہ اتنا بڑا مسئلہ نہ تھا چونکہ یونیسکو زیادہ سے زیادہ حکم جاری کر سکتا تھا لیکن اسرائیل کو اس پر عمل کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا تھا۔ تعلیمی مسئلہ اس قدر اہم نہ تھا کہ اسرائیلی قدرت اللہ کو خوف ناک جادو کی گرفت میں جکڑ لیتا۔

پھر یہ بھی ہے کہ قدرت اللہ نے شہاب نامہ میں اسرائیلی جادو کا تذکرہ کیوں نہ کیا حالاں کہ یہ قدرت اللہ کی زندگی کا المناک ترین واقعہ تھا۔ اسرائیلی جادو کی وجہ سے جب وہ وطن واپس لوٹا تو وہ آدھا آدمی تھا اور اسرائیلی جادو کی وجہ سے ڈاکٹر عفت فوت ہوئیں۔ میرا اندازہ ہے کہ قدرت اللہ نے شہاب نامہ میں اس کا تذکرہ اس لئے نہیں کیا کہ کہیں یہ بھید نہ کھل

Marfat.com

جائے کہ مسجد اقصیٰ میں اس رات کے دوران میں اس نے کیا عمل کیا اور یہ بھی کہ اس کے اسرائیلی دورے کا بنیادی مقصد مسجد اقصیٰ میں وہ عمل کرنا تھا۔

صرف میں ہی ان خیالات کا حامل نہیں ہوں اور لوگ بھی ہیں جنہیں قدرت اللہ کے قریب رہنے کا اتفاق ہوا اور وہ مجھ سے اتفاق کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر ذکرِ شہاب میں ذوالفقار احمد تابش اپنے مضمون قدرت اللہ شہاب میں لکھتے ہیں کہ:

ذوالفقار تابش (ڈائریکٹر بک کونسل پاکستان)

مجھے یہ شرف حاصل ہے کہ میں نے شہاب نامہ کے کئی اہم واقعات زیادہ تفصیل سے شہاب صاحب کی زبانی سنے ہیں اور بعض ایسے واقعات کا بھی سامع ہوں جو انہوں نے اپنی طبیعت اپنے مزاج اور اپنی افتادِ طبع کے باعث شہاب نامہ میں تحریر نہیں کیے مثلاً انہوں نے شہاب نامہ میں ان صوفیوں اور اہل اللہ کا بہت ہی کم ذکر کیا ہے، جن سے یورپ میں ان کی ملاقاتیں ہوئیں۔ انہوں نے اپنے خفیہ دورہ اسرائیل کی اصل غرض وغایت بیان نہیں کی۔

انہوں نے نہیں بتایا کہ ان کی بیوی ڈاکٹر عفت کی علالت کا اصل باعث کیا تھا اور یہ کہ علالت کے دوران عفت نے کس حیرت انگیز قوت برداشت، صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا تھا۔ مرض الموت میں انہوں نے کس طرح انگلستان کے ڈاکٹروں کو حیران کیا کہ ان کے ڈاکٹر انہیں WONDER LADY کہنے لگے تھے۔

شہاب صاحب نے اپنی کتاب میں یہ نہیں بتایا کہ دورہ اسرائیل کے بعد صیہونی ایجنٹوں نے کس طرح ان کا تعاقب کیا، ان پر تشدد کیا اور انہیں ایسی بیماریوں میں مبتلا کر دیا جن کے ساتھ انہیں باقی زندگی ایک مسلسل اذیت کے ساتھ گزارنی پڑی۔ شہاب صاحب نے اپنی آپ بیتی میں یہ بھی نہیں بتایا کہ پاکستان اور بیرون پاکستان کن روحانی ہستیوں سے ان کا رابطہ خاص تھا اور اس ربط کی نوعیت اور غایت کیا تھی۔

حجاب

یہ سب باتیں وہ کیوں ضبط تحریر میں نہیں لائے۔

میرا خیال ہے کہ شہاب صاحب اپنی ذات اور شخصیت کے بارے میں بات کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ اس کا باعث ان کی ذات کا انکسار اور خودشناسی کا احساس تھا۔ انہیں اپنی ذات کا بول بالا کرنے کا مطلق شوق نہ تھا۔ وہ ہر اس بات سے گریز کرتے تھے جو انہیں دوسروں میں نمایاں یا ممتاز کر سکتی ہو۔ وہ حجاب کے آدمی تھے اور حجاب میں رہنا انہیں اچھا لگتا تھا۔

چنانچہ شہاب نامہ میں ان کا لہجہ بڑا مودب، انکسار بھرا بلکہ معذرت خواہانہ سا ہے۔ وہ دوسروں کی تعریف اور توصیف اور ان کا کردار بیان کرنے پر تو خوب زورِ قلم دکھاتے ہیں، لیکن جونہی کوئی ایسا واقعہ سامنے آیا جس میں ان کی اپنی ذات کی کوئی برائی یا صفت ظاہر ہوتی ہو تو وہ طرح دے جاتے ہیں یا بہت ہی سپاٹ لہجے میں اسے بیان کر کے آگے بڑھ جاتے ہیں۔

شہاب نامہ میں انہوں نے جہاں اپنے خفیہ دورہ اسرائیل کا احوال بیان کیا ہے ان کا انداز بیاں قدرے دبا دبا ہے

Marfat.com

جیسے انہیں یہ فکر دامن گیر ہو کہ ان کی بڑائی ظاہر نہ ہو جائے۔ پھر وہ ہمیں یہ بھی نہیں بتاتے کہ وہ اسرائیل میں انہوں نے جو ایک شب مسجد اقصیٰ میں گزاری تھی، اس کا اصل مقصد کیا تھا۔

لفٹ

ان دنوں یونیسکو کی میٹنگ میں شرکت کے لئے قدرت اللہ کو پیرس میں رکنا پڑتا تھا۔ بڑی محنت کے بعد قدرت نے پیرس کے کسی کونے میں ایک چھوٹا سا گمنام ہوٹل ڈھونڈ نکالا تھا جس میں ایک چھوٹا سا کمرہ موجود تھا جس کا کرایہ بہت کم تھا۔ چونکہ وہ دن بڑی تنگ دستی کے تھے۔ سارے گھر کا خرچہ یونیسکو کے الاؤنس پر چلتا تھا۔ اس لئے قدرت کی کوشش ہوتی کہ پیرس کے قیام کے دوران کم سے کم خرچ ہو۔ ہوٹل کا مالک قدرت کی سادگی اور سچائی سے اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے حکم جاری کر دیا کہ یہ چھوٹا سا کمرہ کسی اور گاہک کو نہ دیا جائے، ایسا نہ ہو کہ مسٹر شہاب آ جائیں اور اس کے پاس رہنے کے لئے کوئی ٹھکانہ نہ ہو۔

اسرائیل سے واپسی کے بعد قدرت نے تمام ثبوت جو وہ اسرائیل سے لایا تھا۔ یونیسکو کے سامنے پیش کر دیئے۔ انہی دنوں جب وہ شاہراہ پر بس اسٹاپ پر کھڑا یونیسکو جانے کے لئے بس کا انتظار کر رہا تھا تو ایک لمبی کالے جھنڈے والی موٹر کار اس کے سامنے آ کر رک گئی۔ کار کا ڈرائیور باہر نکلا قدرت اللہ سے کہنے لگا آپ کو یونیسکو جانا ہے نہ۔ ہم بھی ادھر جا رہے ہیں۔ آیئے تشریف لایئے۔ یہ کہتے ہوئے اس نے پچھلا دروازہ کھول دیا۔ قدرت کار میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا کہ پچھلی سیٹ پر ایک صاحب بیٹھے ہوئے ہیں۔ قدرت اللہ ان کے پاس بیٹھ گیا۔ بیٹھنے کے فوراً بعد اس نے محسوس کیا کہ فضا مکدر ہے۔ ابھی وہ یہ سوچ رہا تھا کہ اس نے محسوس کیا کہ ایک لمبی سوئی اس کے جسم میں بھونک دی گئی ہے۔ پھر اسے ہوش نہ رہا۔ پتہ نہیں اس کے بعد قدرت کو کہاں لے جایا گیا، اس پر کیا عمل کیا گیا۔

اگلی صبح پولیس نے دیکھا کہ اسی شاہراہ پر بس سٹاپ پر قدرت اللہ بے ہوش پڑا ہے۔ اس کی جیب سے ہوٹل کا پتہ برآمد ہوا۔ پولیس پہلے اسے ہسپتال لے گئی۔ جب ہوش آیا تو ہوٹل میں پہنچا دیا۔

قدرت کا بیان ہے کہ جب سے وہ سوئی میرے جسم میں داخل ہوئی۔ میں محسوس کرنے لگا جیسے میں گوشت کا لوتھڑا ہوں۔ مجھ میں اٹھنے بیٹھنے چلنے کی ہمت نہ رہی۔ یوں جیسے ریڑھ کی ہڈی جسم سے نکال دی گئی ہو۔

شراب کی بوتلیں

ڈاکٹر عفت شہاب کی زوجہ کا بیان ہے کہ اسرائیلی جادو کا سب سے پہلا اثر یہ ہوا کہ ایک روز میں نے الماری کھولی تو اس میں دو شراب کی خالی بوتلیں پڑی تھیں۔ میں حیران ہوئی کہ یہ بوتلیں کہاں سے آئیں۔ میں دونوں بوتلیں اٹھائیں اور باہر کوڑا ڈرم میں پھینک دیا۔ اگلے روز میں نے یہ پھر الماری کھولی تو اس میں شراب کی دو اور خالی بوتلیں پڑی تھیں۔

ڈاکٹر عفت سوچ میں پڑ گئی۔ ادھر شہاب کی یہ کیفیت تھی کہ چارپائی پر لاش کی طرح پڑا رہتا تھا۔ ڈاکٹر عفت کے دل میں شکوک پیدا ہونے لگے۔ قدرت اللہ شہاب شراب کے نشے میں دھت تو نہیں رہتا۔ اگلے روز پھر الماری میں دو شراب کی

Marfat.com

united nations educational, scientific and cultural organization
organisation des nations unies pour l'éducation, la science et la culture

پیارے ممتاز -

السلام علیکم - وقت پر سے میرا خط مل گیا ہوگا -

[illegible]

الکھ نگری صفحہ نمبر 729.728.727

united nations educational, scientific and cultural organization
organisation des nations unies pour l'éducation, la science et la culture

[illegible]

ممتاز مفتی سے قدرت اللہ شہاب کی خط و کتابت

Marfat.com

بوتلیں پڑی ملیں۔ شکوک کو تقویت ملنے لگی۔ مجھے اس بات کا علم نہیں کہ قدرت نے بیگم کو اسرائیلی جادو کا واقعہ سنایا تھا یا نہیں۔ گمان غالب ہے کہ اس نے کالی موٹر اور لمبی سوئی اور بے ہوشی کی بات عفت سے نہیں کی تھی۔ عفت پہلے مصائب کا شکار تھی۔ بیٹے کے اغواء کے خوف کی وجہ سے وہ سوکھ کر کانٹا ہو گئی تھی۔ اس کے علاوہ مسلسل فاقوں سے اس کا برا حال تھا۔

ادھر شہاب حتی الوسع دوسروں کو اذیت دینے سے احتراز کرتا تھا۔ اس لئے گمان غالب ہے کہ قدرت نے عفت سے اسرائیلی جادو کی بات نہ کی تھی اور وہ خاموشی میں عذاب کو جھیل رہا تھا جو اسرائیلی جادو نے اس پر طاری کیا تھا۔

اور بات

پھر ایک روز بھید کھل گیا تھا۔ عفت الماری سے دو بوتلیں اٹھا کر باہر ڈسٹ بن میں پھینک کر واپس آئی اور اتفاق سے پھر الماری کھولی تو وہاں دو اور بوتلیں پڑی تھیں۔ پھر جتنی بار وہ الماری کھولتی اس میں دو بوتلیں پڑی ہوتیں۔ یہ دیکھ اس کے شکوک رفع ہو گئے اور اسے خیال آیا کہ یہ تو کوئی اور بات ہے۔ پھر وہ اور بات کھل کر سامنے آ گئی۔ ایک روز اس نے نلکا کھولا تو پانی کے بجائے خون چلنے لگا۔ عفت ڈر گئی پھر گھر میں جگہ جگہ بکرے کی کٹی ہوئی سریاں نظر آنے لگیں۔ ڈیڑھ دو سال قدرت جادو کے اس عذاب میں مبتلا رہا۔ اس کی ہڈیوں پر ہتھوڑے چلتے رہے۔ اس کے جوڑوں میں میخیں ٹھکتی رہیں۔ لوگوں کو اس کے جسم سے بدبو آتی تھی۔ بس میں بیٹھتا تو لوگ ناک پر رومال رکھ لیتے تھے۔ ڈیڑھ دو سال کے بعد جب اس نے اللہ کے حضور میں التجا کی تو جادو کا طلسم ٹوٹا اور پھر خیر کی طاقتوں نے اس کے اعضا کو جوڑنے کا عمل شروع کر دیا۔ جب تک جادو کا طلسم چلتا رہا اس نے اپنے خطوں میں اس کا ذکر نہ کیا۔ یہ جتنی تفصیلات اوپر دی گئی ہیں ان کا علم مجھے قدرت اور عفت کے واپسی پر ہوا۔ لیکن جب اسرائیلی طلسم ٹوٹا تو اس نے ایک خط میں کچھ تفصیلات لکھ بھیجیں جنہیں پڑھ کر میں حیرت میں ڈوب گیا۔ وہ ایک ہولناک خط تھا۔ اس خط کی عکسی نقل میں پیش کی جا رہی ہے۔ یہاں اس خط سے اقتباسات درج ہیں۔

کون سنے کون سنائے

4 مئی 1971ء پیارے ممتاز

السلامُ علیکم۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

پیارے ممتاز آپ کو معلوم ہے کہ میں اللہ کا نام لے کر اسرائیل چلا گیا تھا

میرا جو مقصد تھا وہ پورا ہو گیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

وہ دن اور آج کا دن۔ اللہ اللہ۔ غیب کا علم تو صرف خدا کے پاس ہے، لیکن جس دن میں نے یونیسکو میں اپنے دورے کا اعلان کیا اس دن سے یہودیوں کے ہاروتی ماروتی جادو نے مجھے بری طرح دبوچ لیا۔ مجھے بہت سے اچھے بھی اور برے بھی روحانی تجربے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک ہولناک تجربہ بملا کی روح کا تھا، جس کا ایک چھوٹا سا حصہ میں 18 سول لائن میں بیان کیا ہے۔ وہ تو ایک مری مظلوم لڑکی کی چیخ و پکار تھی جو صرف یہ چاہتی تھی کہ اس کی ہڈیوں کو اس کے اپنے دھرم کے مطابق سپرد آتش کیا

Marfat.com

جائے۔لیکن اب کے تو مجھ غریب کا واسطہ صیہونیت کے اس زندہ عفریت سے پڑا جو مادی اور دیگر اطوار پر ساری دنیا پر کسی نہ کسی طرح چھایا ہوا ہے۔

جو کچھ مجھ پر گزری۔وہ کون سنے اور کون سنائے۔میرے گوشت پوست کا ریشہ ریشہ بننے اور ٹوٹنے۔۔۔مکڑی کے جالے کی طرح۔بار بار بننے اور ٹوٹنے لگا۔میرے تن بدن میں میری ہڈی ہڈی کو سڑک کے پتھر توڑنے والے مزدور کھٹا کھٹ۔ کھٹا کھٹ توڑتے گئے۔

کھٹا کھٹ ہتھوڑا

جب میں چلتا تھا تو کوئی واقعی مجھے یوں لگتا تھا جیسے کوئی یک بازو، یک پا، یک چشم اپاہج ٹوٹی ہوئی ہڈیوں کے بورے کو گھسیٹتا ہوا، گرتا پڑتا، گالیاں کھاتا، گالیاں دیتا، اسی اپنے ایک پاؤں پر اسی ایک جگہ کھڑا ہوا۔

پیارے ممتاز۔۔۔میں کیسے بتاؤں مجھ پر کیا کیا بیتی اور کیسے بیتی۔جب میں اپنے اندر خوشبو پاتا تھا، لوگ مجھ یوں بھاگتے تھے جیسے میں سڑا ہوا کوڑھی ہوں۔۔۔سوائے عفت اور ثاقب کے۔ثاقب تو خیر بچہ ہے، لیکن عفت تو بہر کیف ڈاکٹر بھی ہے۔چند بار وہ ضرور بیوی کے سوالوں اور جوابوں سے دوچار ہوئی ہوگی۔تین دفعہ اس کی استفہامیہ نگاہوں نے مجھے گھورا اور اس کی زخم خوردہ مشکوک نظروں نے مجھے التزاماً دیکھا بھی، لیکن خدا اسے خوش رکھے انجام کار اس نے مجھے وہی گردانا جو میں واقعی ہوں یا نہیں ہوں۔

عفت واقعی گریٹ ہے۔اس سے اچھی بیوی کسی کو مل ہی نہیں سکتی۔اس کشمکش سے تنگ آ کر ایک روز میں نے اللہ میاں سے عرض کی کہ، الٰہی تیری بے شمار عادات میں سے ضرور یہ بھی ایک عادت ہوگی، لیکن میرے اللہ میں تو مر چلا۔اگر تو نے خودکشی حرام نہ کی ہوتی تو یا اللہ تیری قسم، میں ضرور خودکشی کر لیتا۔بس وہ دن اور آج کا دن وہ جادو ٹوٹ گیا۔مری کے گھروں کی چھتوں پر ٹائلیں دیکھیں ہیں آپ نے۔اب ہر روز یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہی سڑک کے پتھر کوٹنے والے مزدور میرے تن بدن کی شکستہ ٹائیلوں کو چونے اور سیمنٹ سے جوڑ جوڑ کر دوبارہ ٹھونک رہے ہیں۔ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا (خاکم بدہن)

رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت

یقین جانئے۔توڑنے اور جوڑنے کے عمل میں۔ہتھوڑی برابر کی چلتی ہے۔اذیت دونوں میں ہے ایک میں درد کی دوسرے میں لذت کی۔

آپ کا ق ---

قدرت اور میں

سوال یہ ہے کہ قدرت نے یہ خط مجھے کیوں لکھا؟

Marfat.com

اپنی قلبی واردات، روحانی مشاہدات اور وجدان کی کیفیات کو زبان پر لانے کی اسے عادت نہ تھی۔

میں نے اس نوعیت کی قدرت اللہ کی جتنی بھی باتیں اپنی تحریروں مین قلم بند کی ہیں، وہ میں نے بڑی چالاکی سے اگلوائی تھیں۔

جب بھی وہ کیفیت میں سرشار ہوتا۔ میں دیکھتا کہ پیالہ بھرا ہوا ہے۔ لبالب ہے۔ تو میں ایسی بات چھیڑ دیتا تھا جس سے چھلکن پیدا ہو چھینٹے اڑیں۔ ہم دونوں کا تعلق، عجیب سا تعلق تھا۔ وہ میرا ساتھی نہ تھا۔ ہمارے مشاغل الگ الگ تھے۔

وہ میرا مرشد نہیں تھا۔ مجھے کسی کو رہبر بنانے کی خواہش نہ تھی۔ میں اس کا مرید نہ تھا چوں کہ حوالگی یا سپردگی کے جذبے سے واقف نہ تھا۔ مجھ میں سپردگی کی اہلیت نہ تھی۔ ہمارے راستے الگ الگ تھے۔ وہ میرا دوست نہ تھا۔ ہم میں کوئی قدر مشترک نہ تھی۔

ادھر قدرت کے متعلق بڑی پریشان کن خبریں اڑ رہی تھی وہ لندن کے مضافات میں ایک چھوٹے سے گاؤں میں رہائش پذیر تھا۔ تنخواہ بند ہو چکی تھی۔ استعفیٰ منظور نہیں کیا گیا۔ پینشن کی ادائیگی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کوئی ذریعہ آمدنی نہ تھا۔ کوئی بینک اکاؤنٹ نہ تھا۔ یونیسکو کے ماہانہ اجلاس کے الاؤنس پر گزر بسر کرنا پڑا۔ یہ الاؤنس بہت کم تھا۔ قدرت کی زندگی بہت پراسرار تھی۔

جرنل یحیٰی نے کچھ فوجی افسروں کو لندن بھیجا تا کہ وہ قدرت اللہ کو گرفتار کر کے پاکستان لائیں اور اگر یہ پروجیکٹ ممکن نہ ہو تو اس کے بیٹے کو اغواء کر لیں۔ تا کہ وہ پاکستان آنے پر مجبور ہو جائے۔ یہ خبر قدرت اللہ شہاب کو پہنچ گئی چوں کہ لندن کے سرکاری حلقوں میں اس کے خیر خواہ بھی موجود تھے۔ قدرت کی گرفتاری کا امکان اسقدر تکلیف دہ نہ تھا جتنا اس کے بیٹے کا اغواء ہونا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ساتھ دیا اور یونیسکو کے لوگ بیچ میں آ گئے اور یہ معاملہ ختم ہو گیا۔

جب 3 سال بعد انگلستان سے واپس آئے تو ان کی اور کی زوجہ کی ظاہری حالت بہت خراب تھی صیہونی جادو نے اس کو توڑ کر رکھ دیا تھا۔

نائینٹی 90

نائینٹی کے نام سے ایک پراسرار شخصیت برسوں تک مسلسل قدرت اللہ شہاب کی رہنمائی کرتی رہی۔ رہنمائی کا یہ عجیب طریقہ قدرت جیسے روشن ضمیر اور راہ حق کے متلاشی کے ساتھ پیش آ سکتا تھا۔ 90 کے پیغامات کی تحصیل و ترسیل سے بھی کئی طرح سے مستفید ہوا۔

ایک دوست کے سامنے 90 ذکر نکلا تو انہوں نے کچھ گستاخی کے کلمات استعمال کیے فوراً اپنی بجلی کا بلب دھماکے سے ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو گیا۔ قدرت اللہ نے 90 کی شخصیت پر پردہ کیوں ڈالا۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ قدرت اللہ خوف زدہ تھا کہ اگر میں نے ان صاحب کا نام دے دیا تو لوگ کہیں اتنے بڑے بڑے بزرگ اس کی رہنمائی پر مامور ہوئے تھے۔ قدرت اللہ کون تھا۔ اس بھید کو کھولنے سے احساس تفاخر پیدا ہونے کا احتمال تھا۔ قدرت اللہ کو ہر بات گوارا تھی ماسوائے اس بات کے جو

Marfat.com

اس کے عجز کی دولت کو لوٹنے اس نے مجھے حکم دے رکھا تھا کہ اپنی تحریروں میں دو بزرگوں کے بارے میں کبھی بات نہ کرنا ایک حضرت بختیار کاکیؒ اور دوسرے جناب مہاجر امداد مکیؒ صاحب۔ حج کے دوران میں ان بزرگوں کے حوالے سے میں نے لبیک میں لکھا تھا تو شہاب نے 5 صفحات کاٹ دیئے۔ اور یورپ میں جن جن بزرگوں سے اس نے وہاں بیٹھ کر فیض حاصل کیا اس نے ان کا ذکر بھی منظر عام پر آنے نہیں دیا۔

اس کے بعد شدید اذیت میں شہاب کی بیوی وفات پا گئی پھر اچانک ایک نور بابا سے ملاقات ہوئی لاہور چھاؤنی میں کھیوڑی روڈ کی طرف رہتے تھے۔ پیشے کے حساب سے لوگوں کی خدمت کرتے تھے نور بابا غذا کے ذریعے علاج کیا کرتے تھے کہتے تھے کہ غذا دوا سے بہتر ہے۔ پھر ایک دن بولے پاکستان بننے سے پہلے ہندوستان کے بڑے بڑے بزرگوں کی ایک کانفرنس ہوئی تھی ہم بھی اس میں شامل تھے۔ وہاں فیصلہ ہوا تھا کہ اسلامی مملکت بنا دی جائے ہم نے بھی اس فیصلے پر دستخط کئے تھے۔ مجھے قدرت اللہ شہاب کے مقابلے میں جستجو تھی کہ وہ کون ہے صرف اتنا پتہ چلا کہ حضور ﷺ کا ادنیٰ ترین غلام ہے۔ بخش دینے والا ہے عجز سے بھرا ہوا ہے کسی عظیم شخصیت کی آمد کے لئے جگہ بنانے بھیجا گیا ہے اسے مستقل ہدایات ملتی ہیں۔ لیکن میں یہ نہیں جان سکا کہ کس عہدے پر فائز ہے۔ زوجہ کی وفات کے بعد 12 سال دن رات عبادت میں گزرے 5 وقت نماز مسجد میں پڑھتے تھے۔ تہجد پڑھنے کے بعد اسلام آباد کا چکر لگاتے ساتھ ساتھ کچھ پڑھتے تھے۔ صبح سے شام تک کے معاملات میں قرآن نفل اور مراقبے کیا کرتے تھے۔ فقط اللہ ہو، اللہ ہو، اللہ ہو۔ پھر ایک دن شہاب نے بولا صوفی برکت صاحب کے پاس سالا روالا جا کے سلام کر آئیں۔

جمعے کے نماز پڑھانے کے بعد صوفی صاحب نے فرمایا:

''لوگو جان لو! کہ ایک ایسا دن آنے والا ہے جب یو این او کوئی قدم اٹھانے سے پہلے پاکستان سے پوچھے گی۔ کیا میں قدم اٹھالوں؟ اس وقت ہم تو رخصت ہو چکے ہوں گے۔ اگر ایسا نہ ہو تو آ کر ہماری قبر پر تھوکنا''۔

مملکت خداداد

پاکستان ایک چھوٹا ملک ہے لیکن بڑا پُر بہار ہے۔ حسین مناظر سے مالا مال، رنگارنگی کا جواب نہیں۔ کسی جانب زرخیز مناظر اور میدان پھیلے ہوئے ہیں کسی جانب پہاڑوں کی سر بہ فلک چوٹیاں سر اٹھائے کھڑی ہیں۔ پہاڑوں کے دامن میں ہری بھری وادیاں لیٹی ہوئی ہیں۔ چشمے پھوٹ رہے ہیں۔ پھول ہی پھول رنگ برنگے پھول۔ کسی جانب ریت کے صحرا ہیں۔ کسی جانب سنگلاخی ویرانے۔ مناظر کے لحاظ سے پاکستان گوناگوں ہے، مالا مال ہے۔ یہاں ہر قسم کی آب و ہوا ملتی ہے۔ ہر قسم کی نباتات طرح طرح کے چرند پرند۔

یہ علاقہ بڑا قدیم ہے۔ پتہ نہیں کتنی تہذیبیں قائم ہوئیں، پھلی پھولیں اور پھر تباہ ہو گئیں۔ آج بھی یہاں جگہ جگہ ڈھیریاں موجود ہیں۔ جنہیں کھودو تو آثار کی دولت نکل آئے۔ میرا بیٹا عکسی مفتی حال ہی میں پیرس گیا، وہاں موسیو کیورئیل سے

Marfat.com

ملا۔موسیو کیوریئل بین الاقوامی شہرت کا مالک، آثار قدیمہ کا ماہر ہے۔قیام پاکستان کے وقت وہ یہاں کے آثار قدیمہ کا ڈائریکٹر جنرل تھا۔کراچی کا میوزم اسی نے بنایا تھا۔وہ عکسی سے مل کر بہت خوش ہوا۔کہنے لگا۔اچھا تو تم پاکستان سے آئے ہو بھئی پاکستان کا نام تو انڈیا ہونا چاہیے تھا۔یہ نام دراصل سکندر اعظم نے رکھا تھا۔دریائے سندھ کو انڈس کا نام دیا اور اس سے پچھلے کو انڈیا کا۔ موسیو نے کہا، پاکستان جدوجہد کا علاقہ ہے۔زندگی کا نشان ہے۔حرکت و برکت کا علاقہ ہے۔لوگ آتے رہے جاتے رہے۔ جرنیل آئے شہنشاہ آئے۔محققین آئے،صوفی آئے،سیاح آئے اس سے پچھلا علاقہ تو قیام کا علاقہ تھا۔ٹھہراؤ کا علاقہ۔

پھر موسیو نے عکسی سے پوچھا، کیوں نوجوان کیا تمہیں پاکستان کی اہمیت اور عظمت کا احساس ہے۔1981ء کی مردم شماری کے مطابق پاکستان کی آبادی ساڑھے آٹھ کروڑ کے لگ بھگ ہے۔سو میں سے 97 مسلمان ہیں سو میں سے 77 دیہات میں رہتے ہیں۔آبادی کے لحاظ سے پاکستان دنیا کے تمام ملکوں میں نویں نمبر پر آتا ہے کئی علاقوں میں آبادی گنجان ہے۔کئی بہت کم آباد ہیں۔کہیں مربع کلومیٹر میں 229 افراد بستے ہیں۔کہیں صرف 12 پاکستان پر اللہ کا بڑا کرم ہے یہاں عورتوں کا تناسب کم ہے۔یہ چھوٹی سی تفصیل ملک کے اخلاق پر بڑا اثر رکھتی ہے۔پاکستان چار صوبوں پر مشتمل ہے۔سندھ، پنجاب، سرحد اور بلوچستان۔

ہر صوبے کا رہن سہن اور روایات مختلف ہیں۔سرحد اور بلوچستان کے کلچر ایک دوسرے ملتے جلتے ہیں۔اسی طرح سندھ اور پنجاب کے رہن سہن میں مماثلت پائی جاتی ہے۔پھر یہ بھی ہے کہ ہر صوبے کے اندر ایسے خطے موجود ہیں جن کا رہن سہن اور روایات مختلف ہیں۔اس ہم آہنگی کا ماخذ اسلام ہے۔یوں سمجھ لیجئے کہ یہ رنگ برنگے پھول ایک دھاگے میں پروئے ہوئے ہیں اور یہ دھاگا اسلام کی روح ہے۔یہاں اسلام کے لئے جذبہ عام ہے۔یہ جذبہ ان علاقوں میں طاقتور ہے۔جنہیں آج کی اصطلاح میں پس ماندہ علاقے کہتے ہیں۔یہی وہ جذبہ ہے جو قیام پاکستان کا باعث بنا۔یہی جذبہ استحکام پاکستان کا ضامن ہے۔آج کل ساری دنیا میں ایک کھچڑا کلچر نے یورش کر رکھی ہے۔یہ کھچڑا کلچر شہروں میں اتنی دھول اڑا رہا ہے کہ دنیا کے تمام ممالک خوفزدہ ہیں۔انہوں نے ایک عالمی اکٹھ کیا۔کہنے لگے۔بھائیو! اگر یہ کھچڑا یونہی دھول اڑاتا رہا تو وہ دن دور نہیں جب ہمارے تمہارے کلچر اس دھول میں دب جائیں گے اور ان کا نشان تک نہیں رہے گا۔اس لئے آؤ ہم سب اپنے کلچر کو محفوظ کرلیں۔اس پر بہت سے ملکوں نے لوک ورثہ کے ادارے بنالئے۔خوش قسمتی سے پاکستان نے بھی لوک ورثہ کا ادارہ قائم کرلیا۔

پاکستان کے بڑے بڑے شہر بھی اس کلچر کی یلغار سے محفوظ نہیں رہ سکے۔اس کے علاوہ فرنگی یہاں سے رخصت ہوتے ہوئے نوآبادیاتی رواج کا بیج بو گیا جس کی وجہ سے گورا صاحب کے جانے کے بعد کالا صاحب نے اسکی گدی سنبھال لی۔فرنگیت ختم نہیں ہوئی اس نے روپ بدل لیا ہے۔ان تمام باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارے شہری علاقوں میں ہماری روایات کمزور پڑ گئی۔ ہماری مغربی طرز تعلیم نے روایت کو اور بھی کمزور کر دیا ہے۔پڑھے لکھے لوگوں کو یہ احساس ہی نہیں رہا کہ روایت ہی ہماری پہچان ہے۔ان سب باتوں کے باوجود حیرت کی بات ہے کہ پڑھے لکھے شہریوں میں جدیدیت کی گرد کے نیچے اسلامی جذبہ جوں کا توں قائم ہے اور ایمرجنسی کے وقت گرد کو جھاڑ کر یوں گرد سے باہر نکلتا ہے جیسے الہ دین کے چراغ سے رگڑ دیا ہو۔اگرچہ جذبہ عمل

Marfat.com

سے محروم ہے پھر بھی یہی جذبہ ہمارا طرۂ امتیاز ہے۔

پاکستان بنیادی طور پر ایک زرعی ملک ہے لیکن جہاں تک ڈویلپمنٹ کا سوال ہے۔ ارباب اختیار نے ہمیشہ شہری علاقوں کو ترجیح دی ہے۔ لینڈ ریفارم کئی بار آئیں، چمکیں، گرجیں، لیکن برسے بغیر چلی گئیں۔

ہماری ریاست کا انداز تعمیری نہیں بلکہ تخریبی ہے۔ ایسے لیڈر ہمیں بہت کم ملے جو ذات کو قومی مفاد پر قربان کرنے کا حوصلہ رکھتے تھے۔ ہمارے معاشرے کا نظام ابھی تک جاگیردارانہ ہے۔ اسلامی یا مغربی جمہوریت سے بیگانہ ہے۔ لہٰذا ہمارے زیادہ تر لیڈر وڈیرہ ذہنیت کے مالک ہیں۔ وہ حاکمیت کے دلدادہ ہیں اور ''میں'' کے حوالے کے بغیر سوچنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ اسی وجہ سے ہم نے اسی مملکت خداداد کا ایک بازو کٹوا دیا۔

ہمارے بہت سے بھائی روزی کمانے کے لئے ملک سے باہر گئے ہوئے ہیں۔ وہ حصول روزگار اور تنہائی کی صعوبتیں جھیل رہے ہیں۔ گاڑھے پسینے کی کمائی گھر بھیجتے ہیں لیکن گھر والے اپنے چاؤ پورے کرنے اور ناک اونچی رکھنے کے لئے بے دریغ خرچ کئے جا رہے ہیں۔

ہمارے تاجر نو دولتی ذہنیت کے مالک ہیں۔ ان میں صبر نہیں، استحکام نہیں، قیام پاکستان سے پہلے ہندوؤں نے مسلمانوں پر کاروبار میں داخل ہونے کے سب دروازے بند کر رکھے تھے۔ قیام پاکستان کے بعد یہ دروازے کھلے تو منافع دیکھ کر تاجروں کی آنکھیں پھٹ گئیں۔ وہ منافع کی شرح بڑھانے لگے۔ ذخیرہ اندوزی کرتے گئے۔ دراصل ابھی تک مسلمانوں کا مزاج کاروباری رنگ میں نہیں رنگا گیا۔ کاروبار میں وہ آج کے حوالے سے سوچتے ہیں۔ مستقبل بعید کے حوالے سے نہیں سوچتے۔ اسلئے قیمتیں بڑھتی جا رہی ہیں۔ بڑھتی جا رہی ہیں۔

سرکاری دفتروں میں رشوت ستانی زوروں پر ہے چھپ چھپ کر نہیں اعلانیہ رشوت لی جاتی ہے۔ اور پھر اس کے حصے آپس میں بانٹے جاتے ہیں۔ رشوت کے ماہانے مقرر ہیں۔ رشوت لینا رواج بن گیا ہے۔ اس پر کوئی اخلاقی سی سماجی بند نہیں رہی۔ وزیر مالیات نے حال ہی میں بیان دیا تھا کہ ہمارے ہاں اربوں روپے رشوت میں دیئے جاتے ہیں۔ تاجر لوگ بخوشی رشوت دیتے ہیں ایک تو ان کے جائز اور ناجائز کام جلد از جلد تکمیل پا جاتے ہیں۔ دوسرے رشوت کا بوجھ تاجر پر نہیں پڑتا بلکہ خریدار پر بانٹ دیا جاتا ہے۔ اہل کار مال باہر سے منگواتے ہیں چاہے وہ ملک میں موجود ہو، تاکہ کمیشن زیادہ ملے اور صیغہ راز میں رہے۔ کمیشن کا لالچ انہیں مال کی کوالٹی سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ اس وقت ملک کے حالات بہت مایوس کن ہیں۔ تاجر، اہلکار، عوام سب پاکستان کو کھا رہے ہیں، کھاتے جا رہے ہیں۔ سب جانے ان جانے میں اس ٹہنی کو کاٹنے میں مصروف ہیں جس پر ہمارا آشیانہ ہے۔ حالات کی طرف دیکھیں تو پاکستان کو عرصہ دراز سے صفحہ ہستی سے مٹ جانا چاہئے تھا لیکن حیرت کی بات ہے کہ یہ ملک ابھی تک قائم ہے اور صرف قائم نہیں بلکہ ہر طرح سے پھل پھول رہا ہے۔

بازاروں میں جاؤ تو کھوے سے کھوا اچھلتا ہے۔ سڑکوں کو دیکھو تو کاریں یوں چل رہی ہیں جیسے شہروں میں آوارہ کتے۔ خواتین کو خریداری کا بخار چڑھا ہوا ہے۔ کپڑے اور زیور کی دکانوں پر بھیڑ لگی ہوئی ہے۔ ہر چوتھی دکان کھانے پینے کی ہے

Marfat.com

لوگ کھا رہے ہیں، چکن تکہ کھا رہے ہیں، کباب کھا رہے ہیں، بالٹی گوشت کی کڑاہیاں سامنے رکھی ہوئی ہیں۔

پہلے گوشت پاؤ کے حساب سے بکتا تھا۔ اب کلو اور سالم بکروں کے حساب سے بکتا ہے۔ گھر گھر ڈیپ فریزر رکھے ہوئے ہیں۔ قصائی چھاتی نکال کر گردن اٹھا کر اور مونچھ مروڑ کر چلتا ہے۔ اسکولوں کالجوں میں داخلے کے لئے قصائی کی سفارش چلتی ہے۔ لوگوں کو دیکھئے چہروں پر چمک ہے، ہونٹوں پر فلمی گیت ہے۔ انداز میں سوواٹ ہے یوں گھومتے پھرتے ہیں جیسے میلے پر آئے ہوئے ہوں۔ پاکستانی ترقی کئے جا رہا ہے۔ معیار زندگی اونچا ہوتا جا رہا ہے۔ پر کیپیٹل Per Capital انکم بڑھتی جا رہی ہے۔ پاکستان کی بین الاقوامی حیثیت بڑھ رہی ہے۔ دنیا میں جگہ جگہ پاکستان کا ذکر ہو رہا ہے۔

ایسا کیوں ہے! یا اللہ یہ بھید کیا ہے؟

ایک طرف اتنی زبوں حالی دوسری جانب خوشحالی۔ ہم کانٹے بو رہے ہیں پھر پھول کیوں اگ رہے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پاکستان کے دو رخ ہیں۔ ایک تو حقائق کا رخ اور دوسرا پر اسرار رخ جو سمجھ میں نہیں آتا۔ حیران کن سہی مگر بہت واضح ہے حقائق کے زاویئے سے دیکھیں تو پاکستان ایک عام اسلامی ملک ہے جسے دوسرے اسلامی ممالک پر کسی لحاظ سے فضیلت حاصل نہیں۔

ہماری لیڈر شپ کی موجودہ کیفیت کسی امید افزا مستقبل کی غماز نہیں بلکہ گرد و پیش کے تیور ایسے ہیں کہ مستقبل ڈانواں ڈول نظر آتا ہے۔ حقائق سے ہٹ کر دیکھیں تو حیران کن باتیں سامنے آتی ہیں۔

پہلی بات یہ ہے کہ قیام پاکستان سے سالہا سال پہلے بزرگوں نے پاکستان بننے کی بشارت دی تھی۔ دنیا میں بیسویں اسلامی مملکتیں ہیں جو ماضی قریب میں وجود میں آئیں ہیں لیکن کبھی کسی بزرگ نے ان کے قیام کی بشارت نہیں دی تھی۔ کشمیر کے معروف باکمال بزرگ شاہ نعمت اللہ کی پیش گوئیوں سے برصغیر کے مسلمان اچھی طرح واقف ہیں۔ تقسیم سے بہت پہلے یہ پیش گوئیاں زبان زد عوام ہیں۔ یہ پیش گوئیاں فارسی اشعار کی صورت میں ہیں۔ ان میں گذشتہ عالمی جنگوں کا بھی تذکرہ ہے۔ فرنگ کے یہاں سے چلے جانے اور تقسیم ہند کا بھی ذکر ہے۔

انگریزوں نے ان پیش گوئیوں کی اشاعت کو غیر قانونی قرار دیا تھا۔ لیکن ان کی حیثیت ''سینہ بہ سینہ روایت سی' بن چکی تھی۔ اور روایت کو کون ''بین'' کر سکتا ہے۔ ان پیش گوئیوں میں بھارت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے، پاکستان کی عروج اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے متعلق بھی واضح اشارے ہیں۔

ہندوستان کی تقسیم کے متعلق شاہ نعمت اللہ فرماتے ہیں: انگریز ہندوستان کی حکمرانی چھوڑ دیں گے۔ لیکن اپنی برائیوں کا بیج بو جائیں گے۔ ہندوستان دو حصوں میں تقسیم ہو جائے گا، لیکن مکر و بہانہ کے باعث دونوں حصوں میں کشیدگی پیدا ہو جائے گی۔

نصرانیاں باشد ہندوستان سپارند | تخم بدی بکارند فسق جاودانہ
تقسیم ہند گردد در حصص ہویدا | آشوب و رنج پیدا از مکر از بہانہ

Marfat.com

ہندوستان کے عظیم بزرگ جو حضرت مہاجر مکیؒ کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ان سے متعلقہ کتابوں میں یہ واقعہ درج ہے کہ 1857ء میں جب ہندوستان میں پہلی جنگ آزادی لڑی گئی جسے فرنگی نے غدر کا نام دیا تھا۔تو جناب حضرت مہاجر مکیؒ نے ایک علاقہ قبضہ کر کے وہاں اسلامی حکومت قائم کر لی۔یہ اسلامی حکومت کچھ عرصہ کام کرتی رہی پھر انگریزوں نے اپنا بکھرا ہوا شیرازہ از سر نو جمع کیا۔انہوں نے حضرت مہاجر مکیؒ کی اسلامی ریاست کا محاصرہ کر لیا۔گولہ باری اور اس پر تسلط جما لیا۔ حضور مہاجر مکی کو گرفتار کر لیا گیا۔

حضرت مہاجر مکی کا مسلمانان ہند میں بڑا اثر و رسوخ تھا۔یہاں تک کہ غیر مسلم بھی ان کا احترام کرتے تھے۔انگریز ڈرتا تھا کہ حضور کی تذلیل کرے۔لہٰذا انگریز نے حضور کے ہاتھ باندھ دیئے اور بر سر عام ان کا جلوس نکالا۔ایک لحیم شحیم سیاہ فام مجذوب نے جلوس کا راستہ روک لیا وہ حضور سے مخاطب ہو کر بولا۔دیکھو۔۔۔۔یہ نہ سمجھو کہ تیری یہ کوشش ناکام ہو گئی ہے جو بیج تو نے بویا ہے نوے سال بعد اس میں کونپل پھوٹے گی۔نوے سال بعد قیام پاکستان عمل میں آیا۔

حضرت مہاجر مکیؒ صاحب کے آخری مرید جناب حاجی عبدالمعبود سے جن کا حال ہی میں اسلام آباد میں انتقال ہوا ہے میں چند ایک بار ملا ہوں، انہوں نے اس واقعہ کی تصدیق کی۔1857ء کی جنگ میں انہوں نے حصہ لیا تھا۔ان دنوں وہ جوان تھے۔

شاہ بری لطیفؒ نے آج سے ڈھائی تین سو سال پہلے فرمایا تھا کہ نور پور کے پاس ایک اسلامی شہر آباد ہو گا جو مستقبل میں دنیائے اسلام کا مرکز بنے گا۔ پاکستان کی اہمیت اور عظمت کے بارے میں بزرگان دین نے بار بار تذکرہ کیا ہے۔

صرف بزرگ ہی نہیں، نجومیوں اور جوتشیوں نے بھی بہت پہلے پاکستان کے قیام کی خبر دی تھی۔1940ء میں مغرب کے ایک معروف ستارہ شناس ایک آرنیلر کی پیش گوئی روزنامہ ٹریبون میں چھپی تھی کہ آرنیلر نے لکھا تھا کہ ہندوستان تقسیم ہو گا۔ مسلمانوں کی مملکت قائم ہو گی پھر دونوں ملکوں میں اختلافات رہیں گے۔ان کے باہمی تعلقات 1999ء سے پہلے دوستانہ نہیں ہوں گے۔ہند اندرونی انتشار کا شکار ہو جائے گا اور مسلمان دلی تک قابض ہو جائیں گے۔

مغربی ستارہ شناس عرصہ دراز سے پیش گوئی کر رہے ہیں کہ دنیا میں ایک صلح، امن اور خوشحالی کا دور آنے والا ہے اس کو دور کو وہ ایکوریرین ایج یا دی گولڈن ایج کہتے ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ دنیا پر عجیب و غریب اور مبارک ستاروں کا کانسٹی لیشنز اکھٹے ہو رہے ہیں۔مسلمان اس دور کو نشاۃ ثانیہ کہتے ہیں۔بزرگوں کا کہنا ہے کہ اس دور کے آنے سے پہلے برصغیر پر زبردست تباہی آئے گی۔

پاکستان کے جوتشی بھی انہیں خطوط پر پیش گوئیاں کر رہے ہیں۔ان میں راولپنڈی کے منجم غازی پیش پیش ہیں۔
اب لیجئے قیام پاکستان کی بات۔قیام پاکستان عجیب حالات میں عمل میں آیا۔انگریز اس کے حق میں نہ تھے۔ہندو اس کے خلاف تھے۔مسلمانوں کی چند تنظیمیں بھی اس کے حق میں نہ تھیں۔

ایسے حوصلہ شکن حالات میں پاکستان کا قیام ایک معجزے سے کم نہ تھا۔

Marfat.com

قیام پاکستان کے لئے قدرت نے ایک ایسے فرد سے کام لیا جو انگریز شخصیت کا مالک تھا۔ جو سیاسی ہیرا پھیری سے ناواقف تھا۔ جو پاکستانی کلچر سے بے گانہ تھا۔ قائداعظم میں سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ بلند کردار کے مالک تھے۔ ان کے مدمقابل گاندھی تھا۔ پٹیل تھا نہرو تھا۔ جو سیاسی ہیرا پھیری میں بہت مشتاق تھے۔ سیاسی روش میں بلند کردار کامیابی کا ضامن نہیں ہوتا۔ الٹا بہت بری رکاوٹ ثابت ہوتا ہے۔ لیکن اللہ جسے چاہے عزت دے جسے چاہے کامیابی عطا کرے۔

مولانا اشرف علی تھانوی نے صورت حال کا جائزہ لیا کہ قائداعظم کو ایک اسلامی مملکت کا سربراہ بننا ہے تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ قائداعظم کے لئے اسلامی بنیادی تعلیم از بس ضروری ہے۔ وہ قائد سے بمبئی میں ملے قائد نے ان کا مشورہ مان لیا اس کے بعد مولانا اشرف علی تھانوی اور ان کے ساتھی قائد کو اسلامی تعلیم دیتے رہے۔

کٹیا والے بابا

صوفی صاحب سے ملنے کے بعد لاہور سے واپسی پر میں حیران ہو رہا تھا کہ یا اللہ اتنا بڑے بزرگ اور اتنا بڑا دعویٰ، قدرت اللہ کا تو کہنا ہے کہ دعویٰ کرنا بزرگ کا کام نہیں۔

پھر ایک دن کٹیا والے بابا کا واقعہ پیش آ گیا۔

ایک دن اچانک سفر کرتے ہوئے راستہ بھول گیا۔ موٹر سائیکل کا ٹائر پنکچر ہو گیا۔ آس پاس کوئی گاؤں ہے تو میں موٹر سائیکل بنوالوں سامنے ایک جھونپڑا دیکھا میں اس میں چلا گیا جس میں چٹائی بچھی ہوئی تھی۔ ایک کونے میں چادر سی لپٹی پڑی تھی۔ دوسرے کونے میں پانی کا گھڑا تھا۔ میں نے پانی پیا اور پھر دروازے کے سامنے بیٹھ گیا۔ چادر میں حرکت ہوئی اور ایک دبلا پتلا سفید ریش چہرہ باہر نکل آیا اٹھتے ہی بولا تو آ گیا۔

بے حیثیت

''مجھے بلایا ہے؟ میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔

''اور کیا تو خود آیا ہے یہاں؟'' وہ بولا۔

''ہمیں یہاں تیرا انتظار کرنا پڑا۔ ہمیں تو پتا تھا کہ تو آئے گا۔ اور تو آ گیا''

''لیکن میرا کیا قصور ہے بابا؟'' میں غصے میں آ گیا۔

''ہاں تیرا قصور ہے''۔ وہ بولا ''جن باتوں کو تو نہیں سمجھتا، نہیں جانتا، ان کے بارے میں کیوں بات کرتا ہے؟ کیوں اللہ کی خلقت کو گمراہ کرتا ہے؟''

''میں نے کب دعویٰ کیا ہے میں سمجھتا ہوں، جانتا ہوں۔ میری تو کوئی حیثیت نہیں بابا'' میں نے جواب دیا۔ جو تو بے حیثیتی ہے تو بے حیثیتی بن کے رہ۔ بہتی باتاں نہ بگھار، شیخیانہ مار، پر تو بھی ان جیسا ہے، وہ اپنی بات بنانے کے لئے، اپنی حیثیت قائم رکھنے کے لئے، اسلام کا نام برت رہے ہیں تو بھی اپنی حیثیت بنانے کے لئے پاکستان کی وڈیائی کی باتیں کر رہا ہے''۔

Marfat.com

''غلط ہے، بالکل غلط غصے سے میری کنپٹیاں بجنے لگیں'' میں تو صرف وہ باتیں لکھ دیتا ہوں جو تمہارے جیسے باباؤں کی زبانی سنتا ہوں۔ میں کبھی اپنی طرف سے بات نہیں کی۔ میں نے کبھی بڑھا چڑھا کر بات نہیں کی۔ میں نے کبھی دعویٰ نہیں کیا کہ میں جانتا ہوں۔ تو بتا کیا سالار والا کے اس بابے نے مسجد میں جمعہ کی نماز کے بعد دواڑھائی سولوگوں سامنے نہیں کہا تھا کہ ایک دن آنے والا ہے جب یواین اور ہر قدم اٹھانے سے پہلے پاکستان سے پوچھے گی، کیا مجھے قدم اٹھانے کی اجازت ہے اور انہوں نے کہا تھا اگر ایسا نہ ہوا تو تم آکر میری قبر پر تھوکنا۔۔۔۔ بتا کیا اس بابے نے جھوٹ بولا تھا؟ بول بابا۔ چپ کیوں ہو گیا؟

وہ دیر تک سر جھکائے بیٹھا رہا۔ پھر سر اٹھا کر کہنے لگا ''نہیں، وہ بابا جھوٹ نہیں بولتا''۔

''کیا نور پور کے بابے نے اڑھائی سو سال پہلے نہیں کیا تھا کہ یہاں ایک اسلامی شہر آباد ہوگا، جو عالم اسلام کا مرکز بنے گا'' بول۔

''کہا تھا'' اس نے کچھ توقف کے بعد کہا۔

''کیا دو صدیوں کے بابے یہ کہتے نہیں آرہے کہ ایک دن آنے والا ہے جب ساری دنیا میں اسلام کا ڈنکا بجے گا''؟

وہ خاموش رہا۔

''کیا مریڑ کے بابا نے جس کے حضور مجھے بھیجا گیا تھا، پاکستان بننے سے پہلے شاہ دکن کو دعوت نہیں دی تھی کہ آ تجھے شہنشاہ ہند بنادیں۔ کیا دکن کے سی این سی پنڈی میں آکر بابا سے نہیں ملے تھے؟ بابا نے نشاۃ ثانیہ کی خبر نہیں سنائی تھی۔ پاکستان کی مرکزی حیثیت کی بات نہیں کی تھی؟ بتا'' میں غرایا۔

''تو نہیں سمجھتا'' وہ بولا بزرگوں کی باتیں برحق ہیں، لیکن تجھ میں سمجھ کی کمی ہے۔ تو ان کی بات کے رخ کو نہیں سمجھتا اور انہیں اس طرح بیان کرتا ہے کہ لوگوں کے دلوں میں غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اللہ تجھے سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ دیکھ، وہ توقف سے بولا ''پاکستان کی کوئی حیثیت نہیں، کچھ حیثیت نہیں۔ ایک چھوٹا سا عام سا غریب ملک۔ ساری اہمیت اللہ کے دین کی ہے۔ وہ دن آنے والا ہے جب اللہ کے دین سے دنیا منور ہوگی۔ اور اللہ کا بھیجا ہوا وہ بندہ جس کے وجود سے دنیا منور ہوگی، پاکستان آئے گا۔ ان کا قیام پاکستان میں ہوگا۔ انشاء اللہ، پاکستان کی عظمت ان کے قیام سے وابستہ ہے۔ بذات خود نہیں، وہ خاموش ہو گیا۔

پھر تڑپ کر بولا ''دیکھ ضروری نہیں کہ وہ صاحب پاکستانی نژاد ہوں۔ کیا پتا کہ وہ یورپ کے ہوں یا افریقہ کے ہوں یا کہیں کے ہوں، البتہ ان کا قیام پاکستان میں ہوگا اور یہ پاکستان کی بہت بڑی خوش قسمتی ہے، وڈیائی ہے۔ دیکھ وہ بولا ''کوئی بابا حتمی بات نہیں کرسکتا۔ کسی کو مجاز نہیں کہ وہ حتمی بات کرے۔ وہ قادر مطلق ہے، جو چاہے کرے۔ آخری فیصلہ اس کے ہاتھ میں ہے''۔

وہ خاموش ہو گیا۔ پھر کچھ دیر کے بعد بولا ''آئندہ سے بڑوں کی باتوں پر قلم نہیں اٹھانا سمجھا''؟ اس نے مجھے ڈانٹا۔ پھر وقفے کے بعد دھیمی آواز میں بولا ''ہم تمہیں دو لفظ دیتے ہیں۔ ان کا ورد کرتے رہنا۔ قریب پڑے چند کاغذات سے اس نے کاغذ کا ایک ٹکڑا اٹھایا۔

Marfat.com

''میں عربی نہیں پڑھ سکتا'' میں نے کہا۔

''اچھا'' وہ رک گیا۔ پھر بولا ''ٹھیک ہے'' اور کچھ کہنے لگا۔ لکھنے کے بعد اس نے کاغذ کا ٹکڑا ایک پرانے لفافے میں ڈالا اور وہ لفافہ مجھے پکڑا دیا۔ کہنے لگا ''گیارہ مرتبہ صبح اور گیارہ مرتبہ سوتے وقت اس کا ورد کیا کر۔ اب تو جا۔ اللہ تجھے سمجھنے کی توفیق عطا کرے''۔

میں اٹھ بیٹھا۔ باہر میرا اسکوٹر سڑک کے قریب کھڑا تھا۔ میں سکوٹر اسٹارٹ کیا اور وہ چل پڑا۔

کچھ دور جا کر دفعتاً مجھے یاد آیا کہ میرے سکوٹر کا پہیہ تو پنکچر تھا۔ میں سکوٹر روک کر نیچے اترا۔ پہیے کو دیکھا۔ ہوا ٹھیک ٹھاک تھی، پھر میں نے سٹفنی کو دیکھا وہ بھی ہوا سے بھری ہوئی تھی۔ یہ کیسے ہوا؟ مجھ پر حیرت طاری ہوگئی۔ دیر تک اسی عالم میں چلتا رہا، پھر جو نگاہ اٹھائی تو دیکھا کہ راستہ مانوس تھا۔

شک و شبہ

ساری رات میں سوچتا رہا۔ بات سمجھ میں نہ آئی۔ اگلی شام کو میں پھر سکوٹر لے کر چل پڑا تا کہ اس سڑک کا پتہ لگاؤں جس پر میں غلطی سے مڑ گیا تھا۔

کچھ دیر تلاش کرنے کے بعد وہ سڑک مل گئی۔ میں اس پر چل پڑا۔ بڑ کے درخت کو دیکھ کر مجھے تسلی ہوگئی، لیکن بڑ کے آس پاس جھونپڑا دکھائی نہ دیا۔ بڑ کے نیچے ایک آدمی نماز پڑھ رہا تھا۔ میں اسکے پاس جا بیٹھا۔ جب وہ فارغ ہوا، تو میں نے پوچھا، ''یہاں ایک جھونپڑا تھا''

''جھونپڑا''؟ اس نے حیرت سے میری طرف دیکھا ''نہیں تو'' وہ بولا ''یہاں کوئی جھونپڑا نہیں''۔

''تو ادھر کب آیا تھا''؟ میں نے پوچھا۔

''بابو، میں رکھ میں کام کرتا ہوں۔ روزانہ ادھر سے گزرتا ہوں۔ دو بار۔ میں نے کبھی جھونپڑا نہیں دیکھا۔

''میں کل آیا تھا''۔ میں نے کہا ''بڑی دیر اس جھونپڑے میں بیٹھا رہا تھا''۔ اس نے حیرت سے میری طرف دیکھا جیسے میں پاگل خانے سے چھوٹ کر آیا تھا۔

یہ واقعہ اس زمانے کا ہے جب میں نے پاکستان پر مضمون لکھا تھا۔ اسے شائع ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا۔

میں ایک منہ زبانی مسلمان ہوں۔ میری زندگی عمل سے یکسر خالی ہے۔ میری زندگی میں چار ایک ایسے واقعات ہوئے ہیں جنہیں بیت کر مجھے پتا چلا کہ ہماری دنیاوی زندگی کے متوازی ایک روحانی نظام بھی چل رہا ہے۔ لیکن بنیادی طور پر میں ایک ادیب ہوں، دانشور ہوں۔ میرا باطن شکوک و شبہات سے اٹا پڑا ہے۔ ایسے واقعے سے میں چند ایک روز متاثر ہوتا ہوں، پھر منکر ہو جاتا ہوں۔

چند ایک روز میں سوچتا رہا، پھر شکوک و شبہات نے گھیر لیا۔ سوچا، شاید میں نے خواب دیکھا ہو یا شاید وہ جھونپڑا اور

Marfat.com

وہ بوڑھا میرے ذہن کی اختراع ہو۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ سڑک پر آنے جانے والوں نے وہ جھونپڑا نہ دیکھا ہو۔ ضرور یہ میرے ذہن کی اختراع ہوگی۔ یوں میں نے خود کو مطمئن اور محفوظ کرلیا۔ پھر دو ایک ماہ کے بعد میں نے اپنی واسکٹ کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈالا تو اک مڑا ہوا لفافہ برآمد ہوا۔ اس میں کاغذ کا ایک ٹکڑا تھا، اوپر بسم اللہ لکھی ہوئی تھی۔ نیچے لکھا تھا: گیارہ بار صبح جاگتے وقت اور گیارہ مرتبہ رات سوتے وقت ورد کرو۔ اس کے نیچے لکھا تھا: چھوٹا منہ بڑی بات۔

جب میرے مضامین کا مجموعہ رام دین شائع ہوا تو میں نے اپنے مضمون پاکستان میں یہ واقعہ بھی شامل کر دیا۔ پھر ایک دن ایک مجذوب سے ملا۔ مبشر صاحب ایک مجذوب کیفیت کے مالک تھے ایک دن انہوں نے کہا کہ ہم نے تمہیں اسلام آباد کی بادشاہت بخشی تھی کچھ دن بعد ایک اور بابا قاضی صاحب نے شکر پڑیاں کا بابا بنانے کا حکم جاری کر دیا ہے۔

میں اس بات سے پریشان ہوگیا سیدھا قدرت اللہ شہاب کے پاس گیا۔ لیکن شہاب نے معاملے کی نوعیت سمجھتے ہوئے کوئی راستہ نکلوا دیا۔ آخری ایام میں قدرت اللہ کے معمولات میں شہاب نامہ کا اضافہ ہوگیا۔ شہاب نامہ پرنٹنگ میں چلا گیا تو ایک دن مجھ سے بولا کہ اللہ کی دو کرم نوازیاں مجھ پر ہوگئی ہیں اس کی آنکھ میں فاتحانہ چمک لہرائی۔ مجھے کھانے پینے اور سونے سے بے نیاز کر دیا گیا ہے اس نے فرطِ انبساط سے کہا۔

24 جولائی کو اسکو دل کا دورہ پڑا اور جان لیوا ثابت ہوا۔ آخر کار 24 جولائی 1986ء کو یہ پردہ فرما گئے۔

میرے اللہ کی مجھ پر سب سے بڑی کرم نوازی ہے کہ قدرت اللہ شہاب کو مجھ سے ملایا اور وفات کے بعد بھی اس نے میرا ساتھ نہیں چھوڑا۔ ہر قدم پر رہنمائی کرتا رہا۔ اور زندگی کے 9 سال سے پسِ پردہ وہ میرا ساتھ دیتا رہا۔ قدرت کی وفات کے بعد جب شہاب نامہ شائع ہوا تو اس کا آخری باب چھوٹا منہ بڑی بات پڑھ کر حیران رہ گیا۔ 26 سال سے ہدایات موصول ہوتی رہتی تھی۔ میں نے دو، ایک پیغامات سنے بھی تھے۔ جو قدرت اللہ کو پراسرار طریقے سے دیئے گئے تھے اسے وارننگ دی گئی تھی۔ ایک خط بھی دیکھا تھا جو کبوتر کی شکل میں اڑتا ہوا آرہا تھا اور اس کے قدموں میں گر کر خط کی صورت اختیار کر لی تھی لیکن مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ اسے مسلسل ہدایات ملتی رہتی ہیں۔

میں سوچ میں پڑ گیا کہ قدرت اللہ یہ باب کیوں لکھا انھوں ایک دم اتنا بڑا بھید کیوں کھول دیا۔ پھر مجھے یہ یاد آیا کہ شہاب نامہ میں آخری باب شامل کرنے کا ارادہ نہ تھا۔ جب شہاب نامہ کی کتابت ہو رہی تھی تو قدرت نے اسلام پر ایک باب لکھنے کا فیصلہ کیا تھا شاید یہ فیصلہ بھی ہدایت پر مبنی ہو۔ اس پر میں نے سوچا کہ مجھ پر لازم کہ الکھ نگری لکھوں اور لوگوں کو بتاوں کہ یہ آخری باب کا درویش حقیقت تھا اور قدرت اللہ کی تمام تر زندگی پر حاوی تھا۔ اگر شہاب نامہ میں آخری باب شامل نہ کیا جاتا تو میں الکھ نگری نہ لکھتا۔ میں قدرت اللہ شہاب کو سیکریٹریٹ سے منسلک سمجھتا ہوں۔ عام طور پر ولی فیلڈ افسر ہوتے ہیں۔

میرا ایمان ہے کہ میری تمام زندگی کا سب سے بڑا مشاہدہ قدرت اللہ شہاب ہے۔

آخر کار ممتاز مفتی بھی 27 اکتوبر 1995ء کو اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اس خواہش کے ساتھ کے قدرت اللہ شہاب کا کام دوبارہ کب اور کیسے شروع ہوگا اور پاکستان کا مستقبل جو مجھ سے اولیاء اور مجذوب اور مست نے بولا وہ اللہ تعالیٰ کب پورا فرمائے گا۔

Marfat.com

باب: سترہواں

۱۹۶۵ء کی جنگ کے حقائق

Marfat.com

۱۹۶۵ کی جنگ کے حقائق

پاکستان کی خارجہ پالیسی

چند بنیادی عناصر

ایوب خان کی شخصیت کو قدرت نے مردانہ وجاہت و جمال سے نہایت فیاضی سے نوازا تھا۔ شخصیتوں کی کشش افراد پر تو ضرور کسی قدر اثر انداز ہوتی ہے، لیکن ملکوں اور ریاستوں کی پالیسیوں پر عموماً اس کا جادو چلنے نہیں پاتا۔ یہ صدر ایوب کی خوش قسمتی تھی کہ انہیں اچھے، قابل، سمجھدار اور دیانتدار وزیر خارجہ میسّر آتے رہے۔ ان کے پہلے وزیر خارجہ شیخ منظور قادر تھے جن کا شمار اپنے دور کے نامور دانشوروں میں ہوتا تھا۔ وہ انتھک کام کرنے کی علاوہ ایک انتہائی ذہین، پڑھے لکھے اور بااصول ماہر قانون بھی تھے۔ اُن کے بعد وزارتِ خارجہ کا قلمدان مسٹر محمد علی بوگرہ کے سپرد ہوا۔ چند برس پیشتر وہ پاکستان کے وزیر اعظم بھی رہ چکے تھے۔ وہ ایک مرنجان مرنج، منجھے ہوئے سیاستدان تھے اور سفارت کاری کے میدان میں بھی ان کو وسیع تجربہ حاصل تھا، لیکن ذہنی طور پر وہ امریکن حکومت کی زلفِ دوتا کے اسیر تھے اور خارجہ پالیسی میں مغرب پرستی کی پٹی پٹائی لکیروں سے باہر نکلنے کی کوئی صلاحیت نہ رکھتے تھے۔ ان کی وفات کے بعد قرعہ فال جواں سال مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کے نام نکلا۔ بھٹو صاحب ذہانت، فطانت، امنگ، اولوالعزی اور سیماب صفتی کا جیتا جاگتا پیکر تھے۔ امور خاجہ کا چارج سنبھالتے ہی انہوں نے اس وزارت کی سوچ اور عمل کو ایک نئے اور مستحکم سانچے میں ڈھال دیا۔ بنیادی طور پر صدر ایوب لکیر کے فقیر تھے اور بندھی بندھائی پٹی پٹائی راہوں پر چلنے میں ہی عافیت اور سکون ڈھونڈنے کے عادی تھے۔ یہ بھٹو صاحب کی ہی سعی پیہم کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے وزارت خارجہ پر چھائے ہوئے جوں کے توں کے جمود (Status quo) کو توڑا اور ہماری خارجہ پالیسی کو چند نئی راہوں پر چلنے کا موقع فراہم کیا۔

صدر ایوب کے دور کی خارجہ پالیسیوں کا جائزہ لیتے وقت چند بنیادی عناصر کو پیش نظر رکھنا مناسب ہوگا۔ اولاً یہ کہ وہ ایک سچے اور پکے محب وطن تھے۔ وہ کسی پالیسی کو محض سفارکارانہ مہارتوں، ظاہری خیر سگالیوں یا وقتی مصلحتوں کے اثر میں آکر اپنانے کے حق میں نہ تھے بلکہ ہر ہر حکمت عملی کے پس منظر میں یہ حساب کتاب جوڑا کرتے تھے کہ اس سے پاکستان کو کیا فائدہ، کس قدر نفع اور کتنی ترقی حاصل ہونے کی توقع ہے۔ اگر ان کی ذاتی اٹکل اور سمجھ بوجھ سے انہیں یہ اندازہ ہو جاتا تھا کہ کسی بات سے پاکستان پر آنچ آنے کا خطرہ ہے تو وہ اسے کسی طور پر منظور نہ کرتے تھے۔ دوئم ان پر یہ بات روز روشن کی طرح عیاں تھی کہ ہندوستان نے پاکستان کے وجود کو کبھی دل سے تسلیم نہیں کیا، اس لئے وہ ہندوستان کو پاکستان کا دائمی دشمن سمجھتے تھے البتہ ایک حقیقت شناس اور تجربہ کار فوجی کی طرح وہ بھارت کے ساتھ امن اور صلح کے تعلقات قائم رکھنا چاہتے تھے۔ وہ ہندو ذہنیت سے اچھی طرح واقف ہونے کے باوجود شروع ہی سے پنڈت جواہر لال نہرو سے کچھ ایسی توقعات لگا بیٹھے تھے جنہیں پورا کرنا پنڈتانہ کردار کا ہرگز کوئی حصہ نہ تھا۔ سوئم، صدر ایوب کے نزدیک ہندوستان اور پاکستان کے درمیان اصلی خیر سگالی کی کنجی تنازعہ

Marfat.com

کشمیر کے منصفانہ حل میں تھی۔ تاہم وہ ہمیشہ یہ کہا کرتے تھے کہ تنازعہ کشمیر حل کرتے ہوئے ہمیں کبھی کوئی ایسا قدم ہرگز نہ اٹھانا چاہئے جس سے پاکستان کا وجود خطرے میں پڑ جائے۔ چہارم، صدر ایوب تعلیمی، تربیتی اور ذہنی لحاظ سے مغربی رجحانات کے زیر اثر تھے اور عالمی سیاسیات اور معشیات میں امریکی بالادستی کے زیر نگیں تھے۔ پنجم، عالم اسلام سمیت دیگر ممالک کے ساتھ صدر ایوب اس طرح کے تعلقات قائم رکھنا چاہتے تھے جنہیں امریکن حکومت کی خوشنودی حاصل ہو۔ ششم، لیکن بھارت اور چین کے معاملے میں صدر ایوب نے امریکہ کی خوشنودی اور دباؤ کو یکسر نظرانداز کر کے اپنی خارجہ پالیسی انہی خطوط پر استوار کی جو پاکستان کے بہترین مفاد میں تھی۔ ان کی یہ ''باغیانہ'' جسارت امریکی حکمرانوں کو بے حد ناگوار گزری جس کی پاداش میں رفتہ رفتہ صدر ایوب کو بھاری قیمت ادا کرنا پڑی۔ (شہاب نامہ: صفحہ نمبر ۶۲۰)

بھارت

جولائی 1959ء کا مہینہ تھا۔ گرمیاں گزارنے کے لئے صدر ایوب اپنا دفتر نتھیا گلی لے گئے۔ وہاں پر ایک اتوار کے روز میں اپنے معمول کے مطابق صبح سویرے پہاڑی راستوں پر لمبی سیر کے لئے نکل گیا۔ دوپہر کے قریب واپس لوٹا تو پیغام ملا کہ صبح سے کئی بار صدر ایوب کا بلاوا آ چکا ہے۔ یہ سن کر مجھے کسی قدر حیرت ہوئی کیونکہ تعطیل کے روز کسی کام کے لئے مجھے بلانا ان کا معمول نہ تھا۔ ان دنوں جمعہ کی بجائے اتوار کو چھٹی ہوا کرتی تھی۔ میں جلدی جلدی گورنر ہاؤس پہنچا تو دیکھا کہ وہ باغ کے وسیع و عریض لان میں کسی قدر بے صبری اور بے چینی سے تیز تیز ٹہل رہے ہیں۔ مجھے دیکھتے ہی انہوں نے بغیر کسی تمہید کے سوال کیا ''اگر میں پنڈت جواہر لال نہرو سے کہوں کہ میں کسی وقت ڈھاکہ آتا جاتا تھوڑی دیر کے لئے دہلی میں رُک کر اس سے ملنا چاہتا ہوں تو تمہارے خیال میں اس کا ردعمل کیا ہوگا؟''

اس اچانک اور عجیب سوال کا میرے پاس کوئی فوری جواب تو موجود نہ تھا، اس لئے میں نے یونہی ایک گول مول سا جواب دیا۔ ''میرے خیال میں وہ پروٹوکول کا ضابطہ پورا کرنے کے لئے آپ کی خواہش کا ضرور احترام کریں گے''۔

''میں پروٹوکول کی بات نہیں کرتا۔'' صدر ایوب نے جھنجھلا کر کہا ''ایک عملی سیاستدان اور مدبّر کی طرح اس کا کیا ردعمل ہونا چاہئے''۔

''وزیراعظم اور سیاستدان کے علاوہ ایک کشمیری پنڈت بھی ہے''۔ میں نے کسی قدر سوچ کر جواب دیا ''اس لئے وہ اس ملاقات کی تقریب کے حوالے سے اپنا ردعمل سوچ سمجھ کر مرتب کرے گا''

''تقریب وقریب کوئی نہیں۔ صدر بولے۔ کیا یہ کافی نہیں ہے کہ ایک ملک کا صدر اپنے ہمسایہ ملک کے وزیراعظم سے خیرسگالی کی بنیاد پر ملاقات کرنا چاہتا ہے''۔

اس معاملے میں صدر ایوب کی سادہ لوحی اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ بعض اوقات اس میں طفلانہ بھولپن اور بچگانہ آرزو مندی کا رنگ غالب آ جاتا تھا۔ دل ہی دل میں انہوں نے اپنے طور پر یہ امید باندھ لی تھی جونہی وہ جواہر لال نہرو کے ساتھ

Marfat.com

گرمجوشی سے ہاتھ ملائیں گے، ویسے ہی پنڈت جی کے دل میں سرد مہری کی جمی ہوئی برف پگھل پگھل کر خوش سگالی کی آب جو میں ڈھل جائے گی، لیکن وہ یہ بات بھلا بیٹھے کہ پنڈت نہرو کے دل میں پاکستان کی وہی قدر و قیمت تھی جو کانگریس ورکنگ کمیٹی کے ریزولیشن 950 مورخہ 14 جون 1947ء میں بیان کی گئی تھی۔ اس کے علاوہ ان کی نگاہ میں صدر ایوب کی اپنی حیثیت بھی کسی خاص وقعت اور احترام کی حامل نہ تھی۔ آٹھ نو ماہ پیشتر جب صدر ایوب اقتدار میں آئے تو پنڈت جی نے کسی قدر خفگی، ناگواری اور کراہت کے انداز میں اسے ''ننگی فوجی آمریت'' کے لقب سے نوازا تھا۔ بعدازاں جب صدر ایوب نے ''جائنٹ ڈیفنس'' (برصغیر کے مشترکہ دفاع) کا آزمائشی غبارہ ہوا میں چھوڑا تھا، تو پنڈت نہرو نے بے ساختہ طنز واستہزا سے پوچھا تھا کہ جائنٹ ڈیفنس کس کے خلاف؟

پنڈت جواہر لال نہرو کی اس نخوت پسندانہ رکھائی اور بے رخی کے باوجود اگر صدر ایوب اس کی جانب کے خیر سگالی کی آس لگائے بیٹھے تھے تو یہ ان کی سادہ لوحی اور کوتاہ اندیشی تھی۔ غالباً ان کو اپنی قوت استدلال پر ضرورت سے زیادہ بھروسہ تھا کہ مسئلہ کشمیر وہ سیدھے سادے منطقی طور پر پیش کر کے پنڈت نہرو کو راہ راست پر لانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ یہ ان کی خوش فہمی اور خام خیالی تھی۔ اس کے علاوہ میرا خیال ہے کہ صدر ایوب دل ہی دل میں اس پروپیگنڈے سے بھی ضرور متاثر تھے۔ جس نے پنڈت نہرو کی انسان دوستی کا ڈھنڈورا پیٹ کر اسے انسانی ہمدردی کے ایک مثالی پیکر کے رنگ میں پیش کر رکھا تھا۔ اس میں کلام نہیں کہ تقریر و تحریر کے آئینے میں پنڈت کا عام طور پر یہی عکس جھلکتا ہوا نظر آتا تھا، لیکن یہ حقیقت بھی اپنی جگہ مسلّم ہے کہ پاکستان کے بارے میں عموماً اور کشمیر کے بارے میں خصوصاً وہ انصاف، سچائی اور انسانیت کا لبادہ پھاڑ کر بغل میں چھری اور منہ میں رام رام والے ننگ دھڑنگ برہمن کا روپ دھارنے سے نہ کبھی شرماتے تھے، نہ ہچکچاتے تھے۔ پاکستان کے متعلق پنڈت نہرو کی اس گرگٹ نما متلون مزاجی سے صدر ایوب ابھی تک ناآشنا تھے۔

چنانچہ مروجہ سفارت کاری کے ذرائع کو کام میں لا کر یہ بندوبست ہو گیا کہ یکم ستمبر 1959ء کی صبح کو کراچی سے ڈھاکہ کی جانب پرواز کرتے ہوئے صدر ایوب کا جہاز دہلی کے ہوائی اڈے پر اترے گا اور پنڈت نہرو پالم ایئر پورٹ پر کچھ دیر ان سے ملاقات کریں گے۔

یکم ستمبر کی صبح ہم صدر ایوب کے ساتھ پی۔ آئی۔ اے کے وائی کاؤنٹ جہاز ''سٹی آف لاہور'' نامی میں سوار ہوئے تو کراچی میں ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ راستے میں موسم صاف تھا، لیکن دہلی کا مطلع ابھی ابر آلود تھا۔ پالم ایئر پورٹ پر پنڈت جواہر لال نہرو نے صدر ایوب کا استقبال کیا۔ وہ سفید شیروانی، گاندھی ٹوپی اور چوڑی دار پاجامہ میں ملبوس تھے۔ انہوں نے جرابوں کے بغیر ایک ڈھیلی ڈھالی سی سیاہ چپل پہنی ہوئی تھی اور شیروانی کے کاج میں ایک سرخ گلاب کا پھول آویزاں تھا۔ ایسے موقعوں پر پروٹوکول کا سوئچ دبا کر چہرے پر ایک رسمی سی مسکراہٹ پیدا کرنے کا جو عام دستور ہے، پنڈت جی نے ان آداب و رسوم کو نباہنے کی ہرگز کوشش نہ کی اور اپنا رخ زیبا مسکراہٹ سے قطعاً عاری رکھنے میں مکمل طور پر کامیاب رہے۔ پنڈت نہرو سے ہاتھ ملانے کے بعد صدر ایوب کو بھارتی صحافیوں اور فوٹو گرافروں کے ایک گروہ نے اپنے نرغے میں لے لیا۔ صحافیوں کی بھیڑ

Marfat.com

بھاڑ میں ایک تیز طرار جامہ زیب لڑکی بھی بری طرح دھکے کھا رہی تھی۔ صدر ایوب نے پکار کر صحافیوں سے کہا "ذرا اس بیچاری کا دھیان رکھیئے، وہ آپ کے ہجوم میں پسی جا رہی ہے"۔

پنڈت نہرو بولے "اس کا فکر نہ کریں" وہ اپنا بچاؤ خود کرنا خوب جانتی ہے"۔ یہ کہہ کر پنڈت جی نے صدر ایوب کو صحافیوں کے ہجوم سے نکالا اور اپنے ساتھ وی۔ آئی۔ پی لاؤنج کی طرف راونہ ہو گئے۔ لاؤنج میں جانے کے لئے ایک طویل برآمدے سے گزرنا پڑتا تھا۔ وہ دونوں ابھی برآمدے ہی میں تھے کہ ان کی توجہ ایک بھاری بھرکم جلوس کی طرف منعطف ہو گئی جو ائیر پورٹ کے ساتھ والی سڑک پر گزرتا ہوا چیخ چیخ کر "ہندی چینی بھائی بھائی" کے نعرے لگا رہا تھا۔ پنڈت جواہ لال نہرو نے ہاتھ ہلا ہلا کر جلوس کے نعروں پر اپنی خوشنودی کا اظہار کیا اور فخریہ انداز میں صدر ایوب کو آگاہ کیا کہ ہندوستان اور چین کے درمیان بھائیوں بھائیوں جیسے خوشگوار تعلقات ہیں۔ ایک گھنٹہ اور چالیس منٹ کے بعد دونوں صاحبان لاؤنج سے برآمد ہوئے تو صحافیوں نے ایک بار پھر صدر ایوب کو اپنے گھیرے میں لے لیا اور پنڈت نہرو کے ساتھ بات چیت کے متعلق ان پر طرح طرح کے سوالات کی بوچھاڑ کر دی میرے خیال میں بھارتی صحافیوں کا اسطرح صدر ایوب کے گرد ٹوٹ کر گرنا پنڈت جی کو ناگوار گزرا۔ وہ کسی قدر بیزاری اور کراہت سے ایک طرف کھڑے ہو گئے۔ میں ان کی ہرکات وسکنات اور چہرے بشرے کا جائزہ لینے کے لئے ان کے گرد منڈلاتا رہا۔ تین چار منٹ بعد ان کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا۔ اور انہوں نے اپنے چیف آف پروٹوکول کو قریب بلا کر کسی قدر سختی سے کہا "بس کافی ہو گیا۔ اب یہ تماشا ختم کرو"۔

اس کے بعد دیکھتے ہی دیکھتے صحافیوں اور فوٹو گرافروں کا مجمع چھٹ گیا۔ اور چند منٹ بعد پنڈت نہرو کو الوداع کہہ کر ہم لوگ بھی صدر ایوب کے ہمراہ اپنے جہاز میں واپس آکر بیٹھ گئے۔ اندر ایک خوبصورت ٹوکری بھری تھی جس میں کچھ مٹھائیاں تھیں۔ کچھ سیب، ناشپاتیاں اور کیلے تھے۔ اور نگدار شربت کی ایک بوتل تھی۔ رسم میزبانی کے طور پر یہ پنڈت جی کا تحفہ تھا۔ اس سے قبل ملاقات کے وقت صدر ایوب بھی انہیں پاکستانی پھلوں کا ایک بھاری بھرکم ٹوکرا پیش کر چکے تھے۔

ہمارا جہاز ڈھاکہ کی جانب روانہ ہوا تو راستے میں ہمیں صدر ایوب نے ہمیں پنڈت نہرو کے ساتھ اپنی گفتگو کی مکمل تفصیل سنائی۔ اس روئیداد کو میں نے اور وزیر خارجہ مسٹر منظور قادر نے لفظ بہ لفظ قلم بند کر لیا۔ اس سے یہ بات منکشف ہوئی کہ گفتگو کا انداز مجموعی طور پر یکطرفہ رہا۔ پنڈت نہرو نے زیادہ تر سننے پر اکتفا کیا۔ جائنٹ ڈیفنس کے سوال پر پنڈت جی کا یہ جواب تھا کہ ہندوستان کی جانب سے "نو وار ڈیکلیریشن" کی پیش کش ہر قسم کے دفاع کی کافی ضمانت ہے۔ پاکستان اسے قبول کرنے میں پس وپیش کیوں کر رہا ہے؟ صدر ایوب نے مسئلہ کشمیر اور دیگر تنازعات پر روشنی ڈال کر کہا کہ جب تک یہ جھگڑے طے نہ ہو جائیں اس وقت تک ہندوستان کی طرف سے عدم جارحیت کی پیش کش بے معنی ہے کیونکہ اس پیشکش کے ساتھ ساتھ بھارت نہایت تیز رفتاری سے اپنی مسلح فوجی قوت بڑھانے میں بھی ہمہ تن مصروف نظر آتا ہے۔ کشمیر کے مسئلہ کو پنڈت جی صرف اتنا کہہ کر ٹال گئے کہ فی الحال دونوں ملکوں کے درمیان مفاہمت کو فروغ دینا اور سرحدوں پر فائرنگ کی وارداتوں کو روکنا مناسب ہے۔ میرا یہ تاثر تھا کہ مجموعی طور پر یہ ملاقات بے ثمر اور لاحاصل رہی۔ البتہ اس ملاقات کا یہ فائدہ ضرور ہوا کہ پنڈت جواہر لال نہرو کی

Marfat.com

مثالی قیادت اور عظمت کا جو ہوا بین الاقوامی سطح پر چھایا ہوا تھا، اس کا نفسیاتی رعب، دباؤ اور دبدبہ صدر ایوب کے دل سے کسی قدر اٹھ گیا۔ انہیں پنڈت جی کی شخصیت میں اس تصوریت اور مثالیت پسندی کا کوئی خاص پرتو نظر نہ آیا جو انسان کو عام دنیاوی ضدا ضدی اور کشاکشی کی دلدل سے اٹھا کر اسے عدل، برداشت اور ایثار کی کسی خاص امتیازی مسند پر لا بٹھاتا ہے۔ اپنی مشہور عالم عالی دماغی، روشن خیالی، انسانیت نوازی اور کشادہ دلی کے باوجود پنڈت جی پاکستان کے بارے میں بے حجابانہ ڈنڈی مارتے نظر آئے تو صدر ایوب بھی ان کی قدر عرفی کسی حد تک پہچان گئے اور حقیقت شناسی سے کام لے کر انہوں نے پاک بھارت مسائل میں ان سے کسی غیر معمولی مصالحت کی توقع اپنے دل و دماغ سے نکال باہر پھینکی۔

اس ملاقات کے کچھ روز بعد میں نے انگریزی میں ایک مضمون (The Meeting at Palam) کے عنوان سے لکھ کر اخبارات میں شائع کر دیا۔ اس میں صرف دو باتیں درج تھیں جو صدر ایوب نے اس ملاقات میں کہیں تھیں۔ پنڈت نہرو کی جانب سے ان کی گفتگو کا کچھ ذکر نہ تھا۔ شائع کرنے سے پہلے میں نے یہ مضمون صدر ایوب سے بھی منظور کروا لیا تھا تاکہ کسی غلطی یا غلط فہمی کا احتمال نہ رہے۔ یہ مضمون بھارت کے ایک دو اخباروں میں بھی شائع ہو گیا۔ لوک سبھا میں کسی ممبر نے سوال کیا کہ صدر ایوب نے جو باتیں کی تھیں، پنڈت نہرو نے ان کا کیا جواب دیا تھا۔

پنڈت جی نہایت ڈھٹائی سے صاف مکر گئے کہ اس مضمون میں جو باتیں درج ہیں، وہ سب غلط ہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہوئی ہی نہیں۔ یہ خبر پڑھ کر صدر ایوب بڑے سٹپٹائے اور بولے "میرے تصور میں بھی نہ تھا کہ ایسا مشہور لیڈر اس قدر جھوٹ بھی بول سکتا ہے"۔

چنانچہ ایک برس کے بعد جب پنڈت جواہر لال نہرو سے صدر ایوب کی دوسری بار ملاقات ہوئی تو اس کا رنگ پہلی ملاقات سے کافی حد تک مختلف تھا۔ ستمبر 1960 میں پنڈت جی (Indus Basin Water Treaty) پر دستخط کرنے پاکستان آئے تو صدر ایوب کے دل سے ان کی غیر معمولی قائدانہ صلاحیت کا بھرم اٹھ چکا تھا۔ اس کے علاوہ ایوب خان کی اپنی خود اعتمادی بھی کافی حد تک بڑھ چکی تھی۔ معاہدے پر دستخط کرنے کی تقریب تو کراچی میں منعقد ہوئی تھی، لیکن ان دنوں مری کا موسم نہایت خوشگوار تھا۔ صدر ایوب نے خاص اہتمام کے ساتھ پنڈت جی کو مری میں اپنا مہمان بنا کر رکھنے کی دعوت دی۔ کراچی سے راولپنڈی تک ہوائی جہاز کے سفر کے دوران میں پنڈت نہرو کے عملے کے ایک رکن کے پاس بیٹھ گیا۔ ہماری نشستیں پنڈت جی اور صدر ایوب کے عین پیچھے تھیں۔ باتوں باتوں میں میں نے اس افسر سے مسٹر ٹی۔ این۔ کول کی بابت پوچھا جو مجھ سے چند برس قبل پرنس آف ویلز کالج جموں سے آئی۔ سی۔ ایس کے مقابلے میں کامیاب ہوا تھا۔ اس نے کہا کہ ٹی۔ این۔ کول کے پاس مداری کی خاص پٹاری ہے۔ وہ طرح طرح کے کرتب ایسی مہارت سے دکھاتا ہے کہ پنڈت نہرو کی آنکھ کا تارا بنا بیٹھا ہے۔ کول کی چالاکیوں اور چالبازیوں پر ہم دونوں کچھ پھبتیاں اڑا رہے تھے کہ ہماری باتوں کی کچھ بھنک پنڈت جی کے کانوں میں بھی پڑ گئی۔ انہوں نے گردن موڑ کر ہماری جانب دیکھا اور اپنے افسر سے مخاطب ہو کر بولے "یہ آپ دونوں کے درمیان ٹی۔ این۔ کول کا تذکرہ کیسے آ گیا؟ ہندوستانی افسر نے انہیں بتایا کہ میں بھی جموں میں کول کے کالج ہی میں پڑھ چکا ہوں۔

Marfat.com

پنڈت جی مسکرائے اور بولے ''ان کو بھی تو کبھی کشمیر آنے کی دعوت دو۔ ہماری طرف سے خاطر تواضع میں کوئی کمی نہ ہوگی''۔

میں نے نہایت احترام سے گذارش کی ''سر! اگر آپ کی توجہ سے کشمیر کا مسئلہ ہی حل ہو جائے تو اس سے بڑی خاطر تواضع اور کیا ہوسکتی ہے؟ یہ سنتے ہی پنڈت جی کے تیور بگڑ گئے جیسے ان کے منہ میں زبردستی کڑوی گولیاں ٹھونس دی ہوں۔ انہوں نے بے اعتنائی گردن گھمائی اور منہ دوسری جانب موڑ کر بیٹھ گئے۔

مری میں صدر ایوب نے پنڈت جی کے ساتھ خاص خاطر داری سے کام لیا، لیکن اس تواضع اور تپاک نے بھارتی وزیر اعظم کے دل میں جمی ہوئی سرد مہری پر گرم جوشی کی ایک ہلکی سی آنچ بھی نہ ڈالی۔ صدر ایوب نے نقشوں کی مدد سے پاکستان کے لئے کشمیر کی دفاعی اور معاشیاتی اہمیت پر پوری پوری روشنی ڈالی اور کہا کہ پنڈت جواہر لال نہرو ہندوستان کے مسلمہ لیڈر ہیں۔ پاکستان میں بھی لوگ میری بات سنتے ہیں، اس لئے اگر ہم نے اپنی زندگی میں قضیہ کشمیر کا حل تلاش نہ کیا تو یہ موقع بھی ہاتھ سے نکل جائے گا اور پھر شاید کبھی دوبارہ ایسا موقع ہاتھ نہ آئے۔

پنڈت جی نے صدر ایوب کی تمام باتیں نہایت توجہ اور انہماک سے سنیں۔ پھر سوچ سوچ کر ایک ایک لفظ تول تول کر انہوں نے نہایت صاف گوئی سے اپنا موقف اس طرح واضح کیا کہ کشمیر کا مسئلہ بہت سی غیر معمولی پیچیدگیوں میں الجھا ہوا ہے۔ اسے جوں کا توں پڑا رہنے دیا جائے تو اسی میں ہم سب کی عافیت ہے۔ کشمیر میں دوبار انتخابات منعقد ہو چکے ہیں، اب عنقریب تیسرا انتخاب بھی آنے والا ہے وہاں پر حالات امن وامان کی فضا میں مستحکم ہو رہے ہیں۔ ان حالات کو دگرگوں کرنے کی کوشش کرنا بھڑوں کے چھتے کو چھیڑنے کے مترادف ہوگا۔ اس کے علاوہ ہندوستان میں مسلمانوں کی اقلیت کو بھی ہرگز نظر انداز نہ کرنا چاہئے۔ انہیں ہندوستانی قوم میں ضم کرنے کا عمل جاری ہے۔ اگر کشمیر میں موجودہ صورت حال کو الٹ پلٹ کیا گیا تو اس عمل میں شدید رکاوٹ پیدا ہونے کا احتمال ہے۔ دوسرے الفاظ میں پنڈت نہرو نے صدر ایوب کے سامنے ہندوستانی مسلمانوں کو مسئلہ کشمیر کا یرغمالی بنا کے بٹھا دیا یعنی اگر مسئلہ کشمیر کو از سر نو چھیڑنے کی کوشش کی گئی تو سارے ہندوستان میں مسلمانوں کا وجود خطرے میں پڑ جائے گا۔ صدر ایوب کے پاس اس کھلی دھمکی اور انوکھی منطق کا کوئی جواب نہ تھا، اس لئے وہ اپنا سا منہ لے کر رہ گئے اور اس طرح مری سات ہزار فٹ کی بلندی پر مسئلہ کشمیر ایک بار پھر برف دان میں ڈال کر سر بمہر کر دیا گیا۔

کشمیر کے معاملے میں پنڈت نہرو کی خواہشات اور عزائم نے ایک نیا گل اس وقت کھلایا جب 1964ء میں شیخ عبداللہ اور مرزا افضل بیگ پاکستان کے دورے پر تشریف لائے۔ ان دنوں میں ہالینڈ میں بطور سفیر متعین تھا۔ میری واپسی کے بعد ایک بار مجھے صدر ایوب نے خود بتایا کہ چکلالہ کے ہوائی اڈے پر اترتے ہی انہوں نے پے در پے ایسے بیانات دینا شروع کر دیئے کہ جن میں بھارت کی نام نہاد سیکولرازم، دوستی اور امن پسندی کی مبالغہ آمیز تعریف وتوصیف کا پرچار تھا۔ اس کے علاوہ ان دونوں حضرت نے پنڈت نہرو کے گن گا گا کر برملا یہ تجویز بھی پیش کی تھی کہ تین آزاد ممالک یعنی ہندوستان، پاکستان اور کشمیر کی ایک فیڈریشن بنانا ہی ہمارے تمام مسائل کا واحد حل ہے۔ صدر ایوب کا کہنا تھا کہ یہ سن کر وہ ان دونوں سے بے حد مایوس ہوئے اور ان سے کہا کہ اگر آپ ہندوستان کی طرف سے یہی مشن لے کر آئے ہیں تو آپ سے کسی معاملے پر کوئی سنجیدہ گفتگو کرنا

Marfat.com

بے کار ہے۔ البتہ آپ ہمارے معزز مہمان ہیں، جہاں جی چاہے خوشی سے گھومئیے پھریئے، جس کے ساتھ جی چاہے آزادی سے ملئے جلئے۔ ہماری طرف سے آپ کے لئے ہر طرح کی سہولت حاضر ہے۔

شیخ عبداللہ اور مرزا افضل پاکستان کے دورے پر ہی تھے کہ پنڈت جواہر لال نہرو دہلی میں سرگباش ہو گئے۔ اگر واقعی کنفیڈریشن کا خناس ان کے ذہن میں سمایا ہوا تھا تو یہ فتنہ بھی ان کی موت کے ساتھ اپنے آپ ختم ہو گیا۔

مری میں قیام کے دوران پنڈت نہرو نے صدر ایوب سے پوچھا کہ کیا یہ صحیح ہے کہ آپ چین کے ساتھ کسی قسم کا سرحدی معاہدہ طے کرنے کے لئے گفت وشنید کر رہے ہیں؟ صدر ایوب نے سچ سچ بتا دیا کہ اس موضوع پر بات چیت ضرور ہو رہی ہے، لیکن یہ معاملہ ابھی تک بالکل ابتدائی مراحل میں ہے۔ پنڈت جی نے اپنی شاطرانہ چال کو ہمدردانہ لہجے میں لپیٹ کر وہ نقشہ دیکھنے کی فرمائش کی جس کی بنیاد پر ہم چین کے ساتھ اپنی سرحدیں طے کرنا چاہتے ہیں۔ صدر ایوب نے بغیر سوچے سمجھے انتہائی سادہ لوحی سے متعلقہ نقشہ کھول کر ان کے سامنے بچھا دیا۔ پنڈت جی نے ایک اور داؤ کھیلا اور درخواست کی کہ کیا آپ اس نقشے کی ایک نقل مجھے عطا فرما سکتے ہیں۔ صدر ایوب نے پھر بغیر سوچے سمجھے سادہ لوحی سے فوراً حامی بھر لی۔ ان دونوں کے درمیان یہ گفتگو سراسر ذاتی، غیر رسمی اور دوستانہ سطح پر ہوئی تھی، لیکن دہلی واپس پہنچتے ہی پنڈت نہرو نے بات کا بتنگڑ بنا ڈالا اور چین اور پاکستان کے مابین سرحدی گفت وشنید کو ملی بھگت قرار دے کر اس کے خلاف کڑی تنقید شروع کر دی۔ ساتھ ہی سرکاری سطح پر بھارتی حکومت نے احتجاجی انداز میں انداز میں وہ نقشہ بھی طلب کر لیا جس کی بنیاد پر پاکستان چین کے ساتھ اپنے سرحدی معاملات طے کرنا چاہتا تھا۔ یہاں پر ہماری متعلقہ وزارتوں کا مشورہ تھا کہ بھارت کا یہ رویہ ناجائز ہٹ دھرمی کا نتیجہ ہے، اس لئے انہیں نقشہ فراہم کرنے کی ہرگز کوئی ضرورت نہیں، لیکن صدر ایوب مُصر تھے کہ انہوں نے پنڈت نہرو سے وعدہ کر لیا ہے اور اب وہ اس معاملے میں کسی قسم کی وعدہ خلافی بالکل نہیں کر سکتے۔ چنانچہ مجبوراً مطلوبہ نقشے کی نقل سرکاری طور پر بھارتی حکومت کو ارسال کر دی گئی۔

پنڈت جواہر لال نہرو کی تمام چالبازیوں، قلابازیوں، وعدہ خلافیوں اور ہٹ دھرمیوں کے باوجود غالباً صدر ایوب کے دل میں امید کی یہ کرن ٹمٹماتی رہی کہ شاید دنیا کے دوسرے بڑے لیڈر پنڈت جی پر اپنا اثر ورسوخ استعمال کر کے پاکستان کے بارے میں انہیں راہ راست پر لانے میں کامیاب ہو جائیں۔ اس زمانے میں امریکہ میں صدر کینیڈی کی ایک نئی اور جوان قیادت ابھری تھی۔ اقتدار سنبھالتے ہی صدر کینیڈی نے پنڈت نہرو کے ساتھ قومی اور ذاتی سطح پر پینگیں بڑھانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگانا شروع کر دیا۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے اپنے خاص معتمد اور معاشیات کے بین الاقوامی ماہر پروفیسر گالبریتھ کو بھارت میں امریکن سفیر کے طور پر متعین بھی کر دیا۔ جولائی 1961ء میں صدر کینیڈی کی دعوت پر صدر ایوب امریکہ کے سرکاری دورے پر گئے۔ مسز جیکولین کینیڈی خصوصاً صدر ایوب کی شخصیت سے غیر معمولی طور پر متاثر ہوئیں اور دونوں میاں بیوی نے ان کی پذیرائی کے لئے انتہائی پُروقار اور شاندار تقریبات منعقد کیں۔ ایک روز لنچ سے پہلے ہلکی پھلکی گفتگو ہو رہی تھی۔ صدر ایوب نے اچانک کسی قدر جذباتی انداز میں صدر کینیڈی اور مسز کینیڈی کو مخاطب کر کے کہا ''آپ دونوں ایک مثالی جوڑا

Marfat.com

ہیں۔ آپ کے حسن صورت اور حسن سیرت کے جادو سے کوئی نہیں بچ سکتا۔ کیا آپ یہ جادو چلا کر پنڈت نہرو کو مسئلہ کشمیر حل کرنے پر آمادہ نہیں کر سکتے؟ اس سے ہماری بہت سی مشکلات رفع ہو جائیں گی''۔

مسز کینیڈی تو یہ سن کر تھوڑا سا جھینپی اور تھوڑا سا مسکرائی۔ لیکن صدر کینیڈی زور سے ہنسے اور بولے ''مسٹر پریذیڈنٹ! پنڈت جواہر لال نہرو دنیا کے ہر موضوع پر نہایت عالمانہ گفتگو کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں، لیکن جونہی کشمیر کا ذکر آئے اور وہ فوراً جھا کر اپنی نگاہیں شیروانی کے کاج میں ٹنگے ہوئے پھول پر گاڑ کر چپ سادھ لیتے ہیں اور یوگیوں کی طرح آسن جما کر کسی گہرے مراقبے میں ڈوب جاتے ہیں''۔

ایک تو وہ زمانہ تھا جب پنڈت نہرو کے نخوت بھرے ناز و نخرے سر آنکھوں پر اٹھانے کے لئے دنیا کے بہت سے چھوٹے اور بڑے ملک ہر وقت چشم براہ رہتے تھے، لیکن چین اور بھارت کے درمیان سرحدی جنگ کے دوران پنڈت جی کی ناقابل تسخیر شخصیت کی قلعی ایک دم کھل گئی اور چینی یلغار کے ایک تھپیڑے سے ان کی عظمت اور بہادری کے ملمع کا بھرم چشم زدن میں آناً فاناً اٹھ گیا۔

''ہندی چینی بھائی بھائی'' کا بلند بانگ نعرہ کافی عرصہ سے سرد پڑ چکا تھا اور اکتوبر 1962ء کے اوائل ہی سے پنڈت نہرو یہ گیدڑ بھبکیاں دے رہے تھے کہ ہندوستانی فوجیں چینیوں کو لداخ اور نیفا کے متنازعہ علاقوں سے بہت جلد باہر نکال پھینکیں گی۔ اسی ماہ کی غالباً 20 تاریخ تھی کہ میں ہارلے سٹریٹ راولپنڈی میں اپنے گھر سویا پڑا تھا۔ رات کے ڈھائی بجے تھے کہ اچانک میری کوٹھی کے کمپاؤنڈ میں ایک کار داخل ہونے کی آواز سنائی دی۔ چند لمحوں بعد میرے ملازم نے اندر آ کر مجھے بتایا کہ ایک چینی آپ سے فوراً ملنا چاہتا ہے۔ غالباً وہ چینی پاکستان میں اردو زبان سیکھنے آیا ہوا تھا اور پہلے بھی مجھ سے کئی تقریبوں میں مل چکا تھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ بھارت نے چینی سرحدوں پر پے در پے حملے کر کے چین کو جوابی کارروائی پر مجبور کر دیا ہے اور چینی فوجی چند مقامات پر بھارت میں داخل ہو کر آگے بڑھ رہی ہے اور وہ اس وقت مجھے یہی اطلاع دینے آیا ہے۔

میں نے پوچھا ''کیا آپ نے یہ بات ہماری وزارت خارجہ تک بھی پہنچا دی ہے''۔

چینی مسکرایا اور بولا ''ہمارا خیال ہے کہ شاید صدر ایوب کو اس خبر میں خاصی دلچسپی اور اہمیت محسوس ہو۔ ہمارے اندازے کے مطابق آپ یہ خبر ان تک فوری طور پر پہنچانے میں زیادہ کام آ سکتے ہیں، اسی لئے ہم نے آپ کو ایسے بے وقت جگا کر یہ تکلیف دی ہے۔ یہ میرا ذاتی فعل ہے، سفارت خانے کی جانب سے نہیں''۔ سفارت کاری کے فن میں چینیوں کا اپنا ہی ایک خاص اور نرالا انداز ہے۔ وہ اپنے دوستوں پر بھی اپنی رائے یا مشورہ یا نصیحت خواہ مخواہ برملا ٹھونسنے کے عادی نہیں ہیں، لیکن اشاروں کنایوں میں اپنا عندیہ نہایت خوش اسلوبی سے واشگاف طور پر ظاہر کر دینے میں انتہائی مہارت رکھتے ہیں۔ میرا اندازہ ہے کہ رات کے ڈھائی بجے مجھ جگا کر غالباً وہ اپنے مخصوص انداز میں یہ پیغام پہنچا رہے تھے کہ جنگ کے یہی چند ابتدائی گھنٹے انتہائی اہم ہیں، ہندوستانی فوج کے پاؤں اکھڑ گئے ہیں اور چینیوں کے خوف سے سر پر پاؤں رکھ کر ہر محاذ سے بھاگ رہی ہے۔ اگر پاکستان اس موقع سے کوئی فائدہ اٹھانا چاہتا ہے تو ہرگز وقت ضائع نہ کریں۔

Marfat.com

میں نے فوراً لباس تبدیل کیا اور اپنی کار نکال کر تیز رفتاری سے ایوانِ صدر جا پہنچا۔ اس وقت کوئی تین بجے کا عمل تھا۔ کسی قدر تگ و دو کے بعد مجھے صدر ایوب کی خواب گاہ تک رسائی حاصل ہوگئی۔ میں نے انہیں چینی کے ساتھ اپنی گفتگو تفصیلاً سنائی تو انہوں نے بے ساختہ کہا ''یہ کوئی غیر متوقع خبر ہرگز نہیں، لیکن اتنی رات گئے تمہیں صرف یہ خبر سنانے کے لئے آنے سے اس کا اصلی مقصد کیا تھا؟ میں نے اپنا قیاس بیان کیا کہ شاید اس کا مقصد یہ ہو کہ ہم ان لمحات کو اپنے حق میں کسی فائدہ مندی کے لئے استعمال میں لے آئیں۔

''مثلاً صدر ایوب نے پوچھا۔

''مثلاً۔ میں نے اناڑیوں کی طرح تجویز پیش کی ''اسی لمحے اگر ہماری افواج کی نقل و حرکت بھی مقبوضہ کشمیر کی سرحدوں کے خاص خاص مقامات کی جانب شروع ہو جائے تو۔۔۔۔''

صدر ایوب نے تیز و تند لہجے میں میری بات کاٹ کر کہا ''تم سویلین لوگ فوجی نقل و حرکت کو بچوں کا کھیل سمجھتے ہو۔ جاؤ اب تم بھی جا کر آرام کرو۔ مجھے بھی نیند آرہی ہے۔

آج تک میرا یہی خیال ہے کہ اس رات صدر ایوب نے اپنی زندگی اور صدارت کا ایک اہم ترین سنہری موقع ہاتھ سے گنوا دیا۔ اگر ان کی قائدانہ صلاحیتوں پر نیند کا غبار نہ چھایا ہوتا اور ان کے کردار میں شیوۂ دیوانگی اور شیوۂ مردانگی کا کچھ امتزاج بھی موجزن ہوتا تو غالباً اس روز ہماری تاریخ کا دھارا ایک نیا رخ اختیار کر سکتا تھا۔

سیلاب کے ریلے کی مانند جس طرح چینی فوجیں ہندوستان میں آگے بڑھی تھیں، بھارتی فوج کی اچھی طرح گوشمالی کرنے کے بعد اسی طرح تیزی سے واپس بھی لوٹ گئیں۔ پنڈت جواہر لال نہرو کی بے بسی، بے کسی اور شکست خوردگی اپنے مفاد کے سانچے میں ڈھالنے کے لئے صدر کینیڈی نے صدر ایوب پر زور ڈالنا شروع کر دیا کہ پنڈت جی کو فوراً ایک ذاتی پیغام بھیج کر انہیں یہ یقین دلائیں کہ چین کے ساتھ جنگ کے دوران ہندوستان کی سرحدوں پر پاکستان کی جانب سے ہرگز ہرگز کوئی گڑبڑ رونما نہ ہوگی۔ صدر ایوب نے پنڈت نہرو کو اس نوعیت کا پیغام تو کوئی نہ بھیجا، لیکن پاکستان میں اپنے طرز عمل سے ہندوستان کو ہماری طرف سے ہر قسم کے خطرات اور شکوک وشبہات سے بے نیاز کر دیا۔

ہندو بنیوں میں ایک کہاوت ہے کہ چمڑی جاتی ہے تو جائے، لیکن دمڑی ہاتھ میں آجائے۔ چین کے ہاتھوں ہندوستان نے شکست تو نہایت شرمناک کھائی لیکن اس داغ کو غیر ملکی امداد کی ریل پیل سے دھونے کے لئے پنڈت نہرو ساری دنیا کے سامنے نہایت بے حجابی سے چینی جارحیت کا ایک مظلوم اور معصوم پیکر بن کر کھڑے ہو گئے۔ چنانچہ اس بت کو رام کرنے کئے امریکہ اور انگلستان نے مل کر ہر قسم کی فوجی امداد اور جدید ترین اسلحہ جات نہایت بھاری پیمانے پر ہندوستان کو دینے کے لئے اپنے خزانوں کے منہ کھول دیئے۔ پاکستان نے دبے لفظوں میں تھوڑا احتجاج تو ضرور کیا، لیکن کسی نے ہماری باتوں کی طرف کوئی خاص توجہ نہ دی۔ ہر کوئی ہمیں بس اتنا کہہ کر ٹال دیتا تھا کہ یہ فوجی امداد ہندوستان کو صرف چین کے خلاف استعمال کرنے کے لئے دی جارہی ہے۔ پاکستان کو اس سے کسی قسم کا کوئی خطرہ ہرگز لاحق نہ ہوگا۔

Marfat.com

امریکہ کے اس رویئے پر پاکستانی اخبارات میں بڑا شدید ردعمل شروع ہو گیا۔ خود امریکہ میں بھی چند اخبارات نے یہاں تک لکھ دیا کہ ہندوستان کو بڑے پیمانے پر فوجی امداد دیتے وقت اسے قضیۂ کشمیر کو حل کرنے پر پابند کرنے کا یہی ایک مناسب موقع ہے۔ غالباً یہ اسی قسم کے دباؤ کا نتیجہ تھا کہ اچانک ایک اعلیٰ سطح بین الاقوامی وفد راولپنڈی میں آوارد ہوا۔ اس وفد میں برطانیہ کے کامن ویلتھ سیکریٹری مسٹر ڈنکن سینڈز (Mr. Duncan Sandys) اور امریکہ کے اسسٹنٹ سیکریٹری آف سٹیٹ مسٹر ایورل ہیریمن (Mr. Averell Harriman) ڈنکن سینڈز نے ایک زمانے میں ونسٹن چرچل کے داماد بھی رہ چکے تھے اور مسٹر ایورل ہیریمن دوسری جنگ عظیم کے دوران روز ویلٹ کے خصوصی ایلچی کے طور پر عالمی شہرت حاصل کر چکے تھے۔

29 نومبر 1962ء کی ایک چمکیلی صبح تھی۔ ایوان صدر راولپنڈی کے لان میں نہایت خوشگوار دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ یہ دونوں حضرت صدر ایوب کے ساتھ باہر دھوپ میں بیٹھ گئے اور کوئی گھنٹہ بھر کی محنت کے بعد انہوں نے ایک نہایت بے اثر، بے ثمر اور بوگس قسم کے اعلان کا ڈرافٹ تیار کیا جس کا متن یہ تھا۔

RESOLUTION

The President of Pakistan and the Prime Minister of India, have agreed that a renewed effort should be made to resolve the outstanding difference between their two countries on Kashmir and other related matters, so as to enable and Pakistan to live side by side in peace and friendship.

In consequence, they have decided to start discussions at an early date with the object of reaching and honourable and equitable settlement.

These will be conducted initially at the miniserial level, at the appropriate stage direct talk will be held between Mr. Nehru and President Ayub.

صدر ایوب نے تو بلا چون و چرا اس معاہدے پر دستخط کر دیئے اور مسٹر ڈنکن سینڈز اس دستاویز کو سینے سے لگا کر پنڈت نہرو کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے لنچ کے فوراً بعد دہلی روانہ ہو گئے۔ پروگرام یہ تھا کہ جونہی پنڈت نہرو اس دستاویز پر اپنے دستخط ثبت فرمائیں ''مسٹر سینڈز فوراً ٹیلیفون پر یہ خوشخبری راولپنڈی پہنچائیں گے۔ یہ تو معلوم نہیں کہ دہلی پہنچ کر مسٹر ڈنکن سینڈز نے نہرو جی کے ہاتھوں کیا گزری، لیکن یہاں راولپنڈی میں شام کے پانچ بجے ہی مسٹر ایورل ہیریمن ایوان صدر کے ڈرائنگ روم میں ہمہ تن انتظار ہو کر بیٹھ گئے۔ بے تابی کے عالم میں وہ کمرے میں اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر ٹہلتے رہے، بار بار اپنی گھڑی دیکھتے رہے اور پھر بت بن کر عالم سکتہ میں کرسی پر بیٹھ جاتے تھے۔ پورے سوا دو گھنٹے وہ اسی طرح آتش زیر پا حالت اضطراب میں مبتلا رہے، خدا خدا کر کے سوا سات بجے نئی دہلی سے ٹیلیفون آیا کہ پنڈت جواہر لال نہرو نے ٹھیک سات بج کر دس منٹ پر معاہدے پر دستخط کر دیئے ہیں۔ یہ سنتے ہی مسٹر ایورل ہیریمن مسرت و شادمانی سے ایسے سرشار ہو گئے جیسے انہوں نے ماؤنٹ ایورسٹ کی چوٹی سر کر لی ہو۔ انہوں نے گرمجوشی سے اٹھ کر صدر ایوب کے ساتھ ہاتھ ملایا، انہیں مبارک باد دی (کس بات کی؟ یہ مجھے آج تک معلوم نہیں ہو سکا) اور کامیابی اور کامرانی (کس کی؟) کے لمحات منانے کے لئے شمپین کی بوتل کھولنے کی فرمائش کی۔ شمپین کا دور چل رہا تھا کہ مسٹر اوورل ہیریمن نے کسی قدر بلند آواز میں صدر ایوب کو مخاطب کر کے کہا۔

Marfat.com

''مسٹر پریذیڈنٹ۔ آج کا دن ایک تاریخ ساز دن ہے۔ اس سے پورا فائدہ اصل کرنے کے لئے آپ کی وزارت خارجہ کو اب ایسے خطوط پر چلنا پڑے گا کہ امریکہ اور ہندوستان دونوں کے ساتھ یکساں صاف گوئی سے بات چیت کی جاسکے''۔

صدر ایوب حیرت سے کسی قدر چونکے اور بولے ''مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کی بات کا مفہوم صاف صاف نہیں سمجھ سکا''

مسٹر ہیریمن نے کہا ''میرا مطلب ہے، آپ کو اپنا فارن سیکریٹری تبدیل کر لینا چاہئے۔ کم از کم ہمارا سفارتخانہ ان کے ساتھ آزادانہ گفتگو کرنے میں شدید ہچکچاہٹ محسوس کرتا ہے''۔

ان دونوں مسٹر ایس۔ کے۔ دہلوی ہماری وزارت خارجہ کے سیکریٹری تھے۔ مسٹر اوریل ہیریمن کے احکام کی پیروی میں صدر ایوب نے انہیں بہت جلد سفیر متعین کر کے قاہرہ بھیج دیا۔

29 نومبر 1962ء کے معاہدے پر پنڈت نہرو کے دستخطوں کی مہم سر کرتے ہی مسٹر ڈنکن سینڈز فتح و نصرت کے جھنڈے لہراتے دہلی سے بسوئے لندن روانہ ہو گئے۔ ابھی وہ کراچی تک ہی پہنچ پائے تھے کہ پنڈت جی نے ہندوستان کی لوگ سبھا میں صدر ایوب کے ساتھ اپنے معاہدہ کی وضاحت میں منافقت سے بھرا ہوا ایک عجیب وغریب بیان دے ڈالا جس کا لب لباب یہ تھا کہ حالات کی نزاکت کے پیش نظر یہ محض ایک رسمی سی کارروائی تھی اور اس معاہدہ کی وجہ سے کشمیر کے متعلق ہندوستان کے رویئے میں ہرگز کسی قسم کی کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی۔ یہ سنتے ہی مسٹر ڈنکن سینڈز نے لندن کا سفر منسوخ کیا اور کراچی سے صدر ایوب کو بتایا کہ وہ ابھی نئی دہلی واپس جارہے ہیں اور پنڈت نہرو کو اس بے معنی اور مفسدانہ بیان کی تردید کرنے پر مجبور کریں گے اسی شام ایک بار پھر ایوان صدر راولپنڈی کا ڈرائنگ روم زحمت انتظار کی لپیٹ میں بری طرح آ گیا۔ کل کی طرح آج بھی مسٹر ایورل ہیریمن مٹی کا مادھو بنے ایک کرسی پر آکر گم سم بیٹھ گئے۔ بے چینی سے اٹھ اٹھ کر کمرے میں بدحواسی سے ٹہلتے تھے، بار بار گھڑی دیکھتے تھے اور پھر یوگیوں کی طرح آسن جما کر بے حس وحرکت بیٹھ جاتے تھے۔ گزشتہ شام ہم سب نے اس ماحول میں سوا دو گھنٹے گزارے تھے، لیکن آج انتظار کی یہ گھڑیاں بے حد طویل ہو گئیں۔ رات کے گیارہ بجکر بیس منٹ پر ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ پہلے صدر ایوب نے مسٹر ڈنکن کے ساتھ چند منٹ گفتگو کی، پھر مسٹر ایورل ہیریمن نے بے تابی سے لپک کر ریسیور تھاما اور کافی طویل عرصہ تک ان کے ساتھ بات چیت کرتے رہے۔ ٹیلی فون کی اس ساحرانہ گھنٹی نے کمرے پر چھائی ہوئی مُردنی کو مکڑی کے جالے کی طرح اتار پھینکا اور ڈرائنگ روم میں ازسرنو چہل پہل کی رونق واپس آ گئی۔

مسٹر ڈنکن سینڈز کے ٹیلیفون سے یہ عقدہ کھلا کہ انہوں نے رات گئے پنڈت نہرو کو ایسے وقت جا پکڑا جب وہ شب خوابی کا لباس پہن کر سونے کے لئے اپنے پلنگ پر لیٹنے کی تیاری کر رہے تھے۔ پہلے تو وہ صاف مکر گئے کہ انہوں نے کوئی ایسی بات کہی ہے جس سے کسی قسم کی غلط فہمی یا بدگمانی پیدا ہونے کا اندیشہ ہو۔ پھر ڈنکن سینڈز کے پرزور اصرار پر انہوں نے آئیں بائیں شائیں کر کے حیلے بہانوں سے لوک سبھا میں اپنے بیان کو توڑ مروڑ کر کچھ عذر لنگ پیش کرنے کی کوشش کی، لیکن مسٹر سینڈز نے جب ان کی نرم ونازک کلائی کو کسی قدر مزید مروڑا تو پنڈت جی حسب عادت فوراً یہ وعدہ کر لیا کہ وہ بہت جلد ایک ایسا بیان جاری کر دیں گے جس سے ہر قسم کی غلط فہمی اور بدگمانی کا پورا پورا ازالہ ہو جائے۔

Marfat.com

لیکن پنڈت جی کے دوسرے بہت سے وعدوں کی طرح ان کا یہ وعدہ بھی ایک بھونڈا سا مذاق ہی ثابت ہوا۔ دوروز کے بعد انہوں نے بغیر کسی سیاق وسباق کے ایک ایسا گول مول سا بیان جاری فرمایا جس سے تنازعہ کشمیر کے حل کی جانب تو بالکل کوئی راستہ وا نہ ہوا البتہ برطانیہ اور امریکہ کی جانب سے ہندوستان کی جھولی میں مالی اور فوجی امداد بدستور بڑھتی گئی۔ اس میں شک نہیں کہ اپنا اُلو سیدھا کرنے اور دوسروں کو کامیابی سے اُلو بنانے میں پنڈت جواہر لال نہرو کو خاص مہارت حاصل تھی۔

لیکن یہ بھی درست ہے کہ پنڈت جی تمام تر چالبازیوں، ہیرا پھیریوں اور منافقتوں کے باوجود ان کا نفسیاتی ہوّا صدر ایوب کے دل ودماغ پر کسی نہ کسی حد تک چھایا رہا۔ میرے تجربے میں ایسا کوئی موقع دیکھنے میں نہیں آیا، جب وہ پنڈت جی کے سامنے اکثر اوقات دبے دبے سے مرعوب ہوتے ہوئے نظر آ رہے ہوں، لیکن پنڈت جواہر لال نہرو کی وفات کے بعد یہ صورت حال یکلخت تبدیل ہوگئی۔ جب شری لال بہادر شاستری بھارت کی وزارتِ عظمیٰ پر براجمان ہوئے تو صدر ایوب اچانک خود اپنی ہی نظر میں قد آور ہوگئے۔ پنڈت نہرو کی موجودگی میں وہ بلاوجہ احساس کمتری میں مبتلا رہا کرتے تھے، لیکن لال بہادر شاستری کے آتے ہی وہ اسی طرح بلاوجہ احساس برتری کا شکار ہوگئے۔ یہ نفسیاتی زیروبم ان کے کردار کا ایک ایسا المیہ تھا جس نے رفتہ رفتہ انہیں غلط راستوں اور غلط فیصلوں پر گھسیٹ گھسیٹ کر انجام کار زوال کے قعرِ مذلت میں جا پھینکا۔

اکتوبر 1964ء میں وزیراعظم لال بہادر شاستری قاہرہ میں غیر جانبدار ممالک کی ایک کانفرنس میں شرکت کے بعد واپسی پر مختصر سے قیام کے لئے کراچی ائیر پورٹ پر رُکے تو صدر ایوب نے انہیں ہوائی اڈے پر ہی لنچ کھلایا۔ شاستری جی چھوٹے قد کے دبلے پتلے اور نحیف سے آدمی تھے، ملاقات خوشگوار ماحول میں ہوئی لیکن نفسیاتی طور پر صدر ایوب بیٹھے بٹھائے بلاوجہ شیر ہوگئے۔ اب وہ جگہ جگہ موقع بے موقع جہاں کہیں لال بہادر شاستری ذکر آتا، ان کو تمسخر وتضحیک کا نشانہ بناتے اور اکثر اوقات کہا کرتے تھے کہ ’’اس بالشت ڈیڑھ بالشت کے آدمی کے ساتھ کوئی سنجید گفتگو کرنا بیکار وقت ضائع کرنا ہے‘‘۔

مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے مجھے تاشقند کا ایک واقعہ سنایا تھا۔ بھارت اور پاکستان کے باہمی مذاکرات ایک مقام پر آ کر شدید تعطل کا شکار ہوگئے تھے۔ روس کے وزیراعظم کوسیجن نے کئی بار آ کر صدر ایوب پر زور دیا کہ وہ مذاکرات کو ناکام نہ ہونے دیں اور مسٹر شاستری کے ساتھ اپنی گفتگو جاری رکھیں۔ ایک بار صدر ایوب مذاق مذاق میں مسٹر کوسیجن سے یہ کہہ بیٹھے ’’مجھے ہرگز یہ توقع نہیں کہ اس بالشت ڈیڑھ بالشت کے منحنی سے شخص کے ساتھ کوئی فیصلہ کن گفتگو ہوسکے۔ مسٹر بھٹو کا کہنا تھا کہ یہ سنتے ہی مسٹر سیجن سیخ پا ہوگئے اور انہوں نے نہایت سختی سے صدر ایوب سے کہا ’’مسٹر شاستری ایک عظیم قوم کے مسلمہ اور عظیم لیڈر ہیں، ہم ان کی دل سے عزت کرتے ہیں۔ آپ کو یہ ہرگز زیب نہیں دیتا کہ میرے سامنے ان کی شان میں اس قسم کے گھٹیا الفاظ استعمال کریں۔

مسٹر بھٹو کا کہنا تھا کہ وزیراعظم کوسیجن کی اس ایک ڈانٹ نے صدر ایوب کے دل ودماغ سے خوداعتمادی کا غبارہ بھک سے اڑا کر نکال باہر پھینکا، اور اس کے بعد وہ معاہدہ تاشقند میں شاستری جی کی ہر ضد کے سامنے بلاپس وپیش ہتھیار ڈالتے چلے گئے۔

Marfat.com

تاشقند میں تو خیر جو ہوا سو ہوا، لیکن اس میں شک نہیں کہ شروع ہی سے صدر ایوب کی نگاہ شری لال بہادر شاستری کی کوئی خاص وقعت نہ تھی۔ اس پر مستزاد یہ کہ جنوری 1965ء میں انہوں نے تقریباً تمام سیاسی پارٹیوں کی اجتماعی مخالفت کے باوجود مس فاطمہ جناح کے مقابلے میں صدارتی انتخاب جیت لیا تھا۔ اس مقابلے میں فیلڈ مارشل کو مس جناح سے تقریباً اکیس ہزار (21,000) ووٹ زیادہ ملے۔ چنانچہ اب وہ اپنے آپ کو واقعی قوم کا مسلمہ اور منتخب صدر سمجھنے لگے اور اپنے ہر قول و فعل کو ملک و قوم کی متفقہ آواز کی صدائے بازگشت قرار دینے لگے۔ اس پس منظر میں جس تناسب سے ان کے اندر خود اعتمادی کا احساس فروغ پاتا گیا، اسی رفتار سے ان کے اردگرد ایسے خودغرض خوشامدیوں اور جی حضوریوں کا حلقہ بھی وسیع تر ہوتا چلا گیا جو چرب زبانی سے ان کی ہاں میں ہاں ملا کر انہیں صحیح اور غلط راہوں پر ڈالنا اپنے بائیں ہاتھ کھیل سمجھتے تھے۔

صدارتی انتخاب جیتنے کے چند ماہ بعد رن آف کچھ کا سانحہ پیش آ گیا۔ یہ تنازعہ آٹھ دس برس سے چلا آ رہا تھا، لیکن بھارت نے اچانک یہ الزام تراشی شروع کر دی کہ رن آف کچھ کو آڑ بنا کر پاکستان گجرات میں زمین تیل کے کچھ علاقوں کو ہضم کرنا چاہتے ہے۔ بھارتی اور پاکستانی فوجوں کے درمیان ایک ہنگامی جھڑپ میں ہمارا پلّہ کافی بھاری رہا اور ہندوستانی فوج کا کچھ ساز و سامان بھی ہمارے قبضہ میں آ گیا۔ برطانیہ نے ثالثی اختیار کر کے 350 مربع میل کا علاقہ پاکستان کے حوالے کر دینے کا فیصلہ دے دیا۔ اس پر بھارت میں بڑا شور و غوغا ہوا اور وزیر اعظم لال بہادر شاستری پر کڑی نکتہ چینی شروع ہو گئی۔ ان واقعات نے صدر ایوب کے دل میں بھارتی فوج پر پاکستانی فوج کی برتری کے متعلق نہایت مبالغہ آمیز تصورت کو جنم دیا اور لال بہادر شاستری کی قائدنہ صلاحیت ان کی نظر میں بھی زیادہ گر گئی۔ شاستری جی نے ایک موقع پر یہ اعلان فرمایا کہ رن آف کچھ کے واقعہ کو وہ ہرگز نہیں بھلا سکتے بلکہ اپنی مرضی کے وقت اور مقام پر وہ اس کا حساب ضرور بے باق کر کے رہیں گے۔

اس کے بعد ہندوستان اور پاکستان کے درمیان کشیدگی کی رفتار روز افزوں بڑھتی چلی گئی۔ 1965ء کے وسط ہی میں لال بہادر شاستری اور ان کے وزیر خارجہ نے ڈنکے کی چوٹ یہ صاف صاف اعلان کر دیا کہ جموں کشمیر کی ریاست بھارت کا اٹوٹ انگ ہے اور پاکستان کا اس کے کسی حصہ پر کسی قسم کا کوئی حق نہیں۔

اس صورت حال میں صدر ایوب کو کیا راستہ اختیار کرنا چاہئے تھا؟ وہ یہ معاملہ از سر نو یو۔ این۔ او کی سیکورٹی کونسل میں لے جا سکتے تھے، لیکن یہ امر یقینی تھا کہ اگر سیکورٹی کونسل کوئی ایسا فیصلہ کرنا چاہتی جو بھارت کو نا قابل قبول ہوتا تو روس ضرور اس کے خلاف اپنا ویٹو استعمال کرتا۔ 23 جون 1962ء تک روس پہلے ہی اس مسئلہ پر ہندوستان کے حق میں اور پاکستان کے خلاف 100 مرتبہ اپنا ویٹو استعمال کر چکا تھا۔

ہندوستان کے ساتھ براہ راست یا کسی تیسرے ملک کی نگرانی میں گفت و شنید کے ذریعہ مسئلہ کشمیر کا حل تلاش کرنا بھی ایک دور از کار بات ہوتی کیونکہ ماضی میں اس سلسلے میں ہماری تمام کوششیں ناکام اور تلخ ثابت ہو چکی تھیں۔

جہاں تک اس مسئلہ پر جنگ کرنے کا تعلق ہے، پہلے تو صدر ایوب جنگ کا نام لیتے ہی کانوں کو ہاتھ لگایا کرتے تھے اور ہمیشہ یہی کہا کرتے تھے کہ تنازعہ کشمیر کا حل ہم نے پاکستان کے مفاد کی خاطر ڈھونڈھنا ہے۔ اس حل کی تلاش میں پاکستان کو

Marfat.com

داؤ پر نہیں لگاتا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ انہوں نے یکا یک ایسے اقدامات شروع کر دیئے جن کا قدرتی اور منطقی نتیجہ وہ جنگ بھی جو ستمبر 1965ء میں بھارت اور پاکستان کے درمیان لڑی گئی۔

یہ جنگ اب تک میرے لئے ایک معمّہ ہے۔ اُن دنوں میں ہالینڈ میں بطور سفیر متعین تھا، اس لئے اس جنگ کے اندرونی اسباب اور سیاق و سباق کا مجھے ذاتی طور پر کوئی علم نہیں رہا۔ اگر صدر ایوب چاہتے تو وہ نہایت آسانی سے اپنی کتاب ''جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی'' (Friends not Masters) میں خود اس موضوع پر خاطر خواہ روشنی ڈال سکتے تھے۔ یہ کتاب 1967ء میں شائع ہوئی تھی اور دیباچہ میں ان کے اپنے بیان کے مطابق اس کا مسودہ 1965ء کے دوران بھی ان کے زیر غور تھا۔ یہ جنگ ان کے عہد صدارت کا ایک نہایت اہم تاریخی واقعہ تھا، اس لئے یہ امر میرے لئے باعث حیرت ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب میں اس کا ذکر تک کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

اگرچہ اس جنگ میں پوری پاکستانی قوم نے صدر ایوب کا بھرپور ساتھ دیا تھا، تاہم ممکن ہے کہ پیچھے کی طرف مڑ کر وہ اس جنگ کو اپنی فوجی مہارت، تدبر، سیاسی بصیرت، دور اندیشی اور دانشمندی کا کوئی خاص امتیازی نشان نہ سمجھتے ہوں یا یہ بھی ممکن ہے کہ جنگ بندی کے بعد معاہدہ تاشقند کے خلاف مسٹر بھٹو کی شدید مہم کا کھلا کھلا دوٹوک مقابلہ کرنے سے وہ اپنے آپ کو کسی قدر قاصر پاتے ہوں۔ صدارت کی کرسی انسان کو بااختیار تو ضرور بنا دیتی ہے، لیکن بعض معاملات میں حالات کی نزاکت ان سے زبان بندی کا تقاضہ بھی ضرور کرتی ہے۔

فوجی یا کسی دوسرے ادارے کی جانب سے ابھی تک اس جنگ کی کوئی مستند تاریخ، تجزیہ اور جائزہ ہمارے سامنے نہیں آیا۔ ریٹائرڈ مارشل اصغر خان کی کتاب (The First Round) اس موضوع پر ایک اچھی اور دلچسپ تصنیف ہے۔ اصغر خان صاحب ایک سچے، دیانتدار اور پرخلوص انسان ہیں، اس لئے جو واقعات انہوں نے قلمبند کیے ہیں، انہیں صحیح اور معتبر تسلیم کرنے میں مجھے بالکل کوئی ہچکچاہٹ نہیں، البتہ کہیں کہیں ان کی رائے کا توازن اعتدال کی حد سے باہر نکلتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔

مثلاً ایک مقام پر انہوں نے لکھا ہے کہ یکم یا دوئم ستمبر 1965ء کو مسٹر ذوالفقار علی بھٹو چین کے وزیر خارجہ مارشل چین یی سے کراچی کے ہوائی اڈے پر تھوڑی دیر کے لئے ملے تھے۔ مارشل چن یی اس وقت پیرس جا رہے تھے۔ اس ملاقات کے بعد مسٹر بھٹو اور وزارت خارجہ کے سیکریٹری مسٹر عزیز احمد نے مارشل چن یی کے حوالے سے صدر ایوب کو یقین دلایا تھا کہ مقبوضہ کشمیر میں ہم اپنے گوریلا لڑاکوں اور مجاہدین اور دیگر فوجی دستوں کو بھیج بھیج کر جو کارروائیاں جی چاہے کرتے رہیں، بھارت کسی صورت میں بھی یہ جرأت نہ کرے گا کہ وہ بین الاقوامی سرحد توڑ کر پاکستان پر حملہ آور ہو۔ اس واقعہ کو مثال بنا کر اصغر خان صاحب نے اپنی ذاتی رائے سے خود ہی یہ نتیجہ نکال لیا کہ بھٹو صاحب کو اپنی جگہ یہ یقین تھا کہ ایسے حالات میں ہندوستان لازمی طور پاکستان پر براہ راست حملہ کرے گا لیکن وہ جان بوجھ کر صدر ایوب کو گمراہی کے راستے پر ڈال رہے تھے تاکہ ہندوستان کے ہاتھوں پاکستان کو شکست فاش نصیب ہو اور اس کے بعد بھٹو صاحب بذات خود پاکستان کی مسند صدارت پر قبضہ جما کر بیٹھ جائیں۔ ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ۔

Marfat.com

غالباً بھٹو دشمنی کے اسی جذبۂ بے نیام کے تحت اصغر خان صاحب اپنی کتاب میں مزید فرماتے ہیں کہ برسر اقتدار آنے کے لئے 1965ء میں تو بھٹو صاحب کے عزائم شرمندۂ تکمیل نہ ہو سکے، لیکن چھ برس بعد اُن کی آرزو پوری ہوگئی جب 1971ء میں پاکستان کو زبردست فوجی شکست ہوئی، جنرل یحییٰ خاں معزول ہوئے، ملک دو نیم ہوا اور انجام کار مسٹر بھٹو صدر اور چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر کے عہدے سنبھال کر برسر اقتدار آ گئے۔ بین السطور غالباً ریٹائیرڈ ایئر مارشل صاحب یہی تاثر دینا چاہتے ہیں کہ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی ذمہ داری تمام تر مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی ذات پر تھی اور وہ اس تخریبی کارروائی میں 1965ء ہی سے مصروف عمل تھے۔

1965ء کی جنگ کی بابت ایک دوسری کتاب جو میری نظر سے گزری ہے، وہ جنرل موسیٰ کی تصنیف (My Version) ہے۔ اس کتاب کو پڑھنا نہایت کٹھن اور صبر آزما کوشش ہے۔ اس جنگ کے متعلق عوام الناس کے ذہن میں جو سوالات ہیں، یہ کتاب ان میں سے کسی کا بھی کوئی جواب فراہم نہیں کرتی اور کسی نکتے پر کوئی خاص یا مزید روشنی نہیں ڈالتی۔ پاکستان کی برّی فوج کے ایک سابق کمانڈر انچیف کے قلم سے اس سے کہیں بہتر تحریر کی توقع رکھنی چاہئے تھی، خاص طور پر جو اس جنگ کے دوران برّی فوج کا سربراہ بھی رہ چکا ہو۔

اس جنگ کے متعلق ان دو کتابوں کے علاوہ عوام اور خواص کے مختلف طبقوں میں طرح طرح کی قیاس آرائیوں کا کوئی شمار نہیں۔

کچھ لوگوں کا یہ خیال تھا یہ جنگ قادیانیوں کی سازش کا نتیجہ ہے۔ اس لئے فوج کے ایک نہایت قابل قادیانی افسر میجر جنرل اختر حسین ملک نے مقبوضہ کشمیر پر تسلط قائم کرنے کے لئے ایک پلان تیار کیا جس کا کوڈ نام ''جبرالٹر'' تھا۔ صاحبان اقتدار کے کئی افراد نے ان کی مدد کی۔ ان میں مسٹر ایم۔ ایم۔ احمد سر فہرست بتائے جاتے ہیں جو خود بھی قادیانی تھے اور عہدے میں بھی پلاننگ کمیشن کے ڈپٹی چیئر مین ہونے کی حیثیت سے صدر ایوب کے نہایت قریب تھے۔ جنرل اختر ملک نے اپنے پلان کے مطابق کارروائی شروع کی اور اکھنور کو فتح کرنے کے قریب ہی تھے کہ فوج میں جنرل موسیٰ سمیت کئی اور جرنیل بھی تشویش میں پڑ گئے کہ اختر ملک کی مہم کامیاب ہوگئی تو وہ ایک فوجی ہیرو کی حیثیت سے ابھریں گے۔ صدر ایوب سمیت غالباً باقی بہت سے فوجی اور غیر فوجی صاحبان اقتدار یہ نہیں چاہتے تھے کہ میجر جنرل اختر ملک اس جنگ کے ہیرو بن کر ابھریں اور فوج کے اگلے کمانڈر انچیف کے عہدے کے حقدار بن سکیں کیونکہ یہ عہدہ صدر ایوب نے ذہنی طور پر پہلے ہی جنرل یحییٰ خان کے لئے محفوظ کر رکھا تھا۔ چنانچہ عین اس وقت جب میجر جنرل اختر حسین ملک انتہائی کامیابی سے چھمب اکھنور سیکٹر پر تیزی سے آگے بڑھ رہے تھے، انہیں معاً ان کی کمانڈ سے ہٹا دیا گیا اور ان کی جگہ جنرل یحییٰ خان کو یہ کمانڈ سونپ دی گئی۔ غالباً اسی لئے کہ وہ پاکستانی فوج کو اکھنور فتح کرنے کی کوشش سے باز رکھ سکیں۔ یہ فریضہ انہوں نے نہایت کامیابی سے سرانجام دیا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ بھارت کے عزائم سے ہمارے فوجی اور سول ادارے اتنے بے خبر تھے کہ انہیں ہندوستان کے حملے کا اس وقت علم ہوا جب رات کے اندھیرے میں بھارتی فوج ہماری سرحد کو پار کرنے کے بعد تیزی سے لاہور کی طرف بڑھ رہی تھی۔ انٹیلی جنس بیورو کے ایک اعلیٰ افسر نے مجھے خود بتایا کہ ان کا ایک ایجنٹ اپنے معمول کے مطابق سرحد کی طرف کسی

Marfat.com

خفیہ مشن پر جارہا تھا۔اچانک اس نے دیکھا کہ اگلی جانب سے تیز تیز روشنیاں بڑھتی ہوئی چلی آرہی ہیں۔کسی قدر چھان بین کے بعد اسے معلوم ہوا کہ بھارتی فوج کے ٹینک سرحد پار کر کے لاہور پر چڑھائی کر رہے ہیں۔وہ بھاگم بھاگ واپس آیا۔اس نے اپنے کسی پولیس افسر کو یہ خبر دی، پولیس افسر نے کسی فوجی افسر کو ٹیلی فون کیا۔فوجی افسر نے لاہور کے جی۔او۔سی کو جگا کر خبر دار کیا۔کہتے ہیں کہ جی۔او۔سی نے فوری طور پر اس خبر کو سچ ماننے سے کسی قدر ہچکچاہٹ سے کام لیا۔

''ایک بار میں نے نواب آف کالا باغ سے اس جنگ کے متعلق کچھ دریافت کرنے کی کوشش کی تو انہوں نے فرمایا ''بھائی شہاب! یہ جنگ پاکستان کی جنگ ہرگز نہ تھی، دراصل یہ جنگ اختر ملک، ایم۔ایم۔احمد، بھٹو، عزیز احمد اور نذیر احمد نے شروع کروائی تھی''۔

جب میں نے پوچھا کہ جنگ شروع کروانے سے ان حضرات کا کیا مقصد تھا تو نواب صاحب نے جواب دیا ''یہ لوگ ایوب خان کو شکنجے میں کس کر اپنی طاقت بڑھانا چاہتے تھے۔اس عمل میں اگر پاکستان کا ستیاناس ہوتا ہے تو ان کی بلا سے''۔میں بالکل نہیں کہہ سکتا کہ اصلی حقیقت کیا ہے، لیکن اس جنگ میں ہماری فوج کی ہائی کمانڈ نے برسر عام اپنی ہمت، مہارت اور اہلیت کا کوئی خاص مظاہرہ نہ کیا۔بھارتی حملے کو روکنے اور پسپا کرنے کا سہرا ہماری ایئر فورس اور فوجی نوجوان افسروں اور جوانوں کے سر ہے۔جنہوں نے سردھڑ کی بازی لگا کر حیرت انگیز جواں مردی دکھائی اور بعض نے وطن عزیز کے دفاع میں جام شہادت نوش کیا۔

پاکستان پر ہندوستان کے حملے کی خبریں نے ہالینڈ کے دارالخلافہ ہیگ میں سب سے پہلے بی بی سی لندن کے ایک براڈ کاسٹ میں سنی۔اس میں کہا گیا تھا کہ ہندوستانی ہائی کمیشن لندن کے ایک اعلان کے مطابق بھارتی افواج نے لاہور پر قبضہ کرلیا ہے۔میں نے فوراً ہالینڈ کے ریڈیو اور ٹی وی کے اداروں کو ٹیلیفون کیا اور درخواست کی کہ وہ فوراً اس خبر کی تصدیق یا تردید کر کے مجھے مطلع فرمائیں۔چند منٹ کے بعد انہوں نے مجھے بتایا کہ بھارت کے وزیر اعظم لال بہادر شاستری نے لوک سبھا میں یہ اعلان کیا ہے کہ لاہور ہندوستانی فوج کے ہاتھوں میں آگیا ہے۔

لاہور کے متعلق بی بی سی کی خبر اور لال بہادر شاستری کا اعلان بالکل غلط اور جھوٹ ہیں۔ہندوستان نے بغیر اعلان جنگ کے پاکستان پر حملہ ضرور کیا ہے، لیکن پاکستانی افواج نہایت بہادری سے ہر محاذ پر ان کا بھرپور مقابلہ کرتی رہی ہیں۔

کئی گھنٹوں کی تگ و دو کے بعد بڑی مشکل سے ٹیلی فون کے ذریعہ میرا رابطہ پہلے اپنے وزیر خارجہ مسٹر بھٹو اور پھر صدر ایوب کے ساتھ قائم ہوا۔دونوں کی آواز میں ہمت اور خود اعتمادی کا وزن تھا۔ان کی ہدایات کے مطابق اگلے روز میں نے ہالینڈ کے وزیر اعظم اور وزیر خارجہ سے ملاقات کی۔ان دونوں نے نہایت خوشدلی سے وعدہ کیا کہ یو۔این۔او اور سیکورٹی کونسل میں جہاں بھی ضرورت پڑی، وہ پاکستان کی بھرپور حمایت کریں گے۔وزیر خارجہ نے تو میری موجودگی ہی میں نیویارک ٹیلی فون کیا اور یو۔این۔او میں ہالینڈ کے نمائندے کو اس بارے میں نہایت واضح ہدایات دے دیں۔

اسی شام ہالینڈ کی ایک بڑی صنعت کے چند انجینئر ہمارے سفارت خانے میں آئے اور ہمارے ڈرائنگ روم میں چند ایسے حساس آلات نصب کر گئے جن کا ایک بٹن دبا کر ہم ریڈیو پاکستان کی نشریات کسی وقت بھی نہایت آسانی سے سن سکتے تھے۔

Marfat.com

اگلے روز معلوم ہوا کہ یہ بندوبست ہماری سہولت کے لئے میرے ولندیزی دوست اور وزیر کی فرمائش پر کیا گیا ہے۔

اس کٹھن آزمائش کے عین دوران ہمارے دیرینہ آقا اور مربی امریکہ نے یہ اعلان کر دیا تھا کہ پاکستان کو ہر قسم کا جنگی سامان فراہم کرنا بند کر دیا جائے۔ اس وقت بھی ہالینڈ کے وزیر خزانہ Witteveen نے چند فوری ضروریات پورا کرنے میں ہماری کافی مدد فرمائی۔ یہ سامان میری طرف سے Diplomatic Bags کی حیثیت سے ک۔ ایل۔ ایم کی عام پروازوں سے وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو کے نام کراچی پہنچایا جاتا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ فقط کاغذات کے تھیلے نہ ہوتے تھے۔

اس جنگ کے دوران ایران اور ترکی نے بھی حسب توفیق ہماری مدد کی، لیکن انڈونیشیا کے صدر ڈاکٹر احمد سویکارنو نے کئی لڑاکا ہوائی جہاز، چند میزائل بردار سمندری جہاز اور دو جنگی آبدوزیں فراہم کر کے ہمارا بھرپور ساتھ دیا۔ اس کے علاوہ چین نے بھارت کے ساتھ شمالی سرحد پر اپنی فوجوں کے اجتماع کا مظاہرہ کر کے اور ہندوستان کو ایک سخت الٹی میٹم دے کر اس جنگ کا نہ صرف رنگ بدلنے کی دھمکی کی بلکہ ہمارے ساتھ اپنی گہری دوستی کا عملی ثبوت بھی دیا۔

اس کے برعکس امریکہ اور برطانیہ کا رویہ ہمارے ساتھ بالکل مختلف تھا۔ میں نے سنا ہے کہ جس شب ہندوستان نے لاہور کی جانب حملہ شروع کیا تھا، اسی صبح سب سے پہلے امریکن سفیر راولپنڈی کے ایوان صدر میں آ دھمکے۔ اس وقت غالباً صدر ایوب ناشتہ کر رہے تھے۔ سفیر صاحب اپنے ہاتھوں کا شکنجہ سا بنا کر صدر ایوب کی گردن کے قریب لے گئے اور کسی قدر سخت لہجے میں بولے "مسٹر پریذیڈنٹ! ہندوستان نے آپ کو گلے سے دبوچ رکھا ہے۔ ان کے ساتھ صلح کرنے میں جلدی کیجئے"۔ برطانوی ہائی کمشنر مورس جمیز بھی وقتاً فوقتاً کبھی کھلم کھلا، کبھی چوری چھپے صدر ایوب سے ملتے رہتے تھے اور ہندوستان کے ساتھ کسی قیمت پر بھی جنگ بند کرنے کا مشورہ دیتے رہتے تھے۔

ہالینڈ میں بیٹھ کر پہلے چند روز تو جنگ کا نقشہ ہمارے حق میں بڑا حوصلہ افزا نظر آتا رہا، لیکن پھر یکایک جمود کی کہر چھا گئی اور اس کے بعد طرح طرح سے جنگ بندی کی باتیں سننے میں آنے لگیں۔ اسی زمانے میں افغانستان کا ایک دو رکنی وفد کسی تجارتی مشن پر ہیگ آیا ہوا تھا۔ ایک لنچ کی دعوت میں میری ان سے ملاقات ہوئی تو میں نے وفد کے سربراہ سے پوچھا کہ پاکستان ہندوستان کے ساتھ جنگ کی مصیبت میں مبتلا ہے۔ ایسے نازک زمانہ میں افغانستان میں عام لام بندی اور فوجی ملازمین کو فوری طور پر رخصت سے واپس بلا لینے کے اعلان کی وجہ سے ہماری تشویش میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا ہے۔ یہ افغانی وزیر صاحب فارسی اور فرانسیسی زبان بولتے تھے۔ ان کے مترجم نے کہا کہ وفد کے رئیس آپ کی بات کا شافی جواب دینا چاہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہاں سے فارغ ہونے کے بعد وہ ہوٹل میں اپنے کمرے میں آپ کا انتظار کریں گے۔ آپ وہاں تشریف لے آئیں اور ہمارے ساتھ کافی نوش فرمائیں۔

لنچ کے فوراً بعد میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو ہو نہایت مروت اور شفقت سے پیش آئے۔ ان کے ساتھ میں کوئی پون گھنٹہ رہا۔ اس عرصہ میں انہوں نے اپنی گفتگو میں جو کچھ فرمایا، اس کا خلاصہ کچھ اس طرح کا تھا کہ ریاستوں کے درمیان سیاسی تعلقات ہوتے ہیں، مسلمانوں کے درمیان اسلامی تعلقات ہوتے ہیں، اس لئے اگر ہماری ریاست چاہے بھی تو ہمارے

Marfat.com

مسلمان عوام ہمیں ہرگز یہ اجازت نہ دیں گے کہ ہم ایسے نازک موقع پر اپنے اسلامی برادر ملک پاکستان کی پیٹھ میں چھرا گھونپ دیں۔اس وقت افغانستان میں جو اقدامات آپ کے لئے باعث تشویش نظر آرہے ہیں، وہ ہمارے اندرونی اور کچھ بیرونی سیاسی تقاضے ہیں۔ان کی وجہ سے آپ کے دل میں پاکستان کے لئے کوئی مزید خطرہ ہرگز نہ ابھرنا چاہئے۔عام طور پر افغانیوں کی سیاسی اور سفارتی گفتگو کسی قدر ذومعنی یا مبہم یا پیچدار ہوا کرتی ہے لیکن اس گفتگو میں مجھے کسی قدر خلوص کے رنگ کی جھلک محسوس ہوئی۔گھر آتے ہی میں نے راولپنڈی میں صدر ایوب کے ساتھ ٹیلیفون پر رابطہ قائم کیا۔اسوقت پاکستانی ٹائم کے مطابق رات کے تقریباً دس یا پونے دس بجے ہوں گے،لیکن صدر ایوب کی آواز میں غیر معمولی تھکاوٹ کے آثار نمایاں تھے۔میں نے انہیں افغانی وزیر کے ساتھ اپنی گفتگو کا لب لباب سنایا تو چڑ سے گئے اور تیز لہجے میں صرف اتنا کہہ کر ٹیلیفون بند کر دیا کہ ''یہ ایک چال بھی ہوسکتی ہے۔ہر ایرے غیرے نتھو خیرے کی چکنی چپڑی باتوں میں آکر میں پاکستان کو تباہی کے غار میں ہرگز نہیں دھکیل سکتا''۔

صدر ایوب کی اس جھنجلاہٹ اور اس غصیلے رویے سے یہی اندازہ لگتا تھا کہ وہ کسی شدید الجھن میں مبتلا ہیں اور جنگ کے غیر معمولی تقاضوں کے سامنے بے اختیار ہتھیار ڈالنے والے ہیں۔اس کے برعکس جب ہم ٹیلیویژن پر وزیر خارجہ مسٹر بھٹو کو سیکورٹی کونسل میں بڑھ چڑھ کر جوشیلی تقریریں کرتے ہوئے دیکھتے تھے،صورت حال بالکل مختلف نظر آتی تھی۔مملکت کا سربراہ جلد از جلد جنگ بندی کی طرف مائل تھا،لیکن ان کا وزیر خارجہ اقوام متحدہ کی کونسل میں ہندوستان کے ساتھ طویل سے طویل یہاں تک کہ ہزار سالہ جنگ تک دھمکیاں دے رہا تھا۔اس تضاد اور تصادم میں قدرتی طور پر پلہ صدر ایوب کا ہی بھاری رہا اور 23 دسمبر کو جنگ بندی کا اعلان ہوگیا۔جس طرح اس جنگ کے آغاز کے متعلق طرح طرح کی قیاس آرائیاں وقتاً فوقتاً اڑتی رہتی ہیں۔اسی طرح اس کے اچانک اختتام پر بھی مختلف قسم کی قیاس آرائیوں کی گنجائش موجود ہے۔کوئی کہتا ہے کہ امریکہ اور برطانیہ کے دباؤ میں آکر صدر ایوب حوصلہ ہار بیٹھے تھے۔کسی کا خیال ہے کہ ہماری فوجی ہائی کمانڈ بھی اس لڑائی کا بوجھ اٹھانے سے معذور تھی اور جلد از جلد اس جنگ کے جنجال سے باہر نکلنا چاہتی تھی۔(شہاب نامہ ۶۳۹ تا ۶۲۱)

1965ء کی جنگ کے روحانی عوامل

ممتاز مفتی اس جنگ کے حوالے سے لکھتے ہیں: میرے دوست نے خواب دیکھا کہ آج صبح فجر کی نماز کے وقت دیکھتا ہوں کہ بھائی جان گھوڑے پر سوار ہیں ہاتھ میں تلوار ہے۔سائیں کرم دین دوڑ کر آتے ہیں۔ہم سب کو اکٹھا کرتے ہیں مجھے کہتے ہیں آجاؤ آجاؤ کشمیر جانے کا وقت آگیا ہے۔

جنگ

خواب کے ایک ہفتے کے بعد بھارت نے پاکستان پر حملہ کر دیا۔یہ حملہ اتنا اچانک تھا کہ سارا پاکستان سناٹے میں آگیا۔چھ ستمبر کی رات کو سارے لاہور کو جگا دیا گیا،اعلان کر دیا گیا کہ انٹیلی جنس کی رپورٹ کہ کل صبح بھارت لاہور پر حملہ کرے

Marfat.com

گا۔اس لئے لاہور کے عوام کوخبر دار کیا جاتا ہے کہ بتیاں بجھا دو، گھروں سے باہر میدانوں میں نکل آؤ تاکہ بم باری سے جانی نقصان نہ ہو۔اس اعلان کو سن کر لاہور والے ڈر کر پناہ لینے کے بجائے جہاد کے نعرے لگانے لگے۔لاہور پر بم باری ہوئی تو لاہوریئے خندقوں میں پناہ لینے کے بجائے چھتوں پر چڑھ گئے اور بھارتی ہوابازوں کو مکے دکھانے لگے۔یوں لگتا تھا جیسے میں میں کرنے والوں کے دلوں سے، میں معدوم ہوگئی ہواور پاکستان کی محبت ازسر نو جاگ اٹھی ہو۔چاروں طرف سے پاکستان کا مطلب کیا لا اِلٰہ الا اللہ کے نعرے گونج رہے تھے۔پاکستان اور اسلام کا تعلق جوگرد آلود ہو چکا تھا پھر سے ابھر آیا تھا۔

پاکستانی افواج میں تو یہ جذبہ کبھی گرد آلود نہ تھا۔ان میں شہادت کے لئے تازہ تڑپ پیدا ہوگئی تھی۔جب صدر ایوب نے ریڈیو پر بھارت کے حملے کا اعلان کیا حیرت سے میرا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا مجھے یقین نہیں آرہا تھا کہ صدر ایوب بول رہے ہیں۔

ان کے انداز میں گھبراہٹ تھی، ہچکچاہٹ تھی۔ایسا لگتا تھا جیسے ان کے گھٹنے تھر تھر کانپ رہے تھے۔وہ جہاد کی بات نہیں کررہے تھے، جنگ کی بات کررہے تھے۔وہ مملکت خداداد کی بات نہیں کررہے تھے۔بلکہ ملک کی بات کررہے تھے ان کے لہجے میں اسلامی جوش نہ تھا۔میں نے بھائی جان سے بات کی میں نے کہا، بھائی جان ساری امیدیں جو میں نے صدر ایوب سے استوار کررکھی تھیں، خام میں مل گئی ہیں۔لگتا ہے وہ عظمت جو پاکستان کے کسی ایک سربراہ کو ملنی والی ہے، صدر ایوب کے نصیب میں نہیں ہے۔سب اللہ کے ہاتھ میں ہے ،وہ مالک ہے جو چاہے کرے۔ہم تو اس کے چاکر ہیں، لیکن مفتی صاحب، شاید آپ نے صدر صاحب کو مناسب طور پر نہ جانچا ہو۔بھائی جان آپ دیکھ رہے ہیں۔نا، میں نے کہا، راتوں رات عوام کا قلب بدل گیا ہے۔تقسیم کے بعد پہلی مرتبہ ہم نے محسوس کیا ہے کہ ایک اسلامی ملک ہے، لیکن بھائی جان، صدر صاحب کا رویہ عوام سے ہم آہنگ نہیں تھا۔بھائی جان بولے، بھئی ہم تو حکم کے پابند ہیں۔ہمیں حکم ہے کہ صدر ایوب کو سپورٹ کرنا ہے، اللہ صدر کو توفیق عطا فرمائے۔

معجزات

اگر میں مرد قلندر کے دربار پر جا کر دعا نہ کرتا۔اگر مجھ پر رقت طاری نہ ہوتی۔اگر میں بھائی جان سے عقیدت نہ پالیتا۔اگر مجھے قدرت اللہ شہاب سے ملنے کا موقعہ نہ ملتا تو میں بھی ان خبروں کو افواہ سے زیادہ حیثیت نہ دیتا۔

جو بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔جو بات قدرت کے ظاہری اصولوں سے ہٹ کر ہوتی ہے، جس بات کا سائنس کی لیب میں تجربہ نہیں کیا جاسکتا، اس کو ہم دانش ور افواہ سمجھتے ہیں۔حالانکہ ہم اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہماری عقل محدود ہے، کہ قدرت کے کچھ اصول ایسے بھی ہیں جن کا ہمیں ادراک نہیں ہے اور صرف چند حقائق ایسے ہیں جن کا سائنسی لیب میں تجربہ کیا جاسکتا ہے۔بہرحال اب ان مشاہدات کے بعد میرے لئے وہ افواہیں نہیں بلکہ خبریں تھیں۔

لاہور کا ایک مست جو کبھی نہیں بولا تھا۔اور جسے لوگ چپ شاہ کہتے تھے، گلی کوچوں میں گھوم پھر کر چلانے لگا لوگو! دیکھو اللہ تعالیٰ کیا کیا معجزے دکھاتے ہیں۔ڈرو نہیں فتح ہماری ہوگی۔

Marfat.com

سیالکوٹ سے آنے والے لوگوں نے بتایا کہ ہم نے سینکڑوں سفید گھڑ سوار دیکھے جو سفید وردیاں پہنے ہوئے تھے، ہاتھوں میں تلواریں تھیں۔ کہتے تھے کہ ہم محاذ پر جارہے ہیں۔

روزنامہ جنگ کو مدینہ منورہ سے خط موصول ہوا۔ لکھا تھا، جس روز لاہور پر حملہ ہوا۔ اسی رات مدینہ منورہ میں مقیم دو افراد نے خواب میں دیکھا کہ حضور اکرم ﷺ گھوڑے پر سوار ہو کر جارہے ہیں۔ پوچھا حضور ﷺ اتنی جلدی میں کہاں جارہے ہیں فرمایا، پاکستان میں جہاد کے لئے جارہے ہیں۔

معروف حکیم نیر واسطی ان دنوں مدینہ منورہ میں مقیم تھے۔ وطن واپس آکر انہوں نے ایک نشریئے میں کہا کہ لاہور کی ایک خاتون جو اٹھارہ سال سے مدینہ منورہ میں مقیم ہے اور روز روزہ مبارک کی جالی کے پاس بیٹھی رہتی ہے، اس نے 6 ستمبر کو بتایا، میں حضور اکرم ﷺ کو دیکھا سخت گھبراہٹ اور عجلت میں باہر نکلے۔ لٹیں کھلی تھیں، گیسو پریشان تھے۔ میں کبھی ان کو ایسی عجلت اور پریشانی کے عالم میں نہیں دیکھا تھا۔

ایک اور بزرگ نے نیر واسطی کو بتایا کہ تمام شہداء، شہداء بدر کی معیت میں گھوڑوں پر سوار ہو کر پاکستان گئے ہیں۔

وقار النساء کالج کی پرنسپل کے بھائی نے جو پی اے ایف پشاور میں ملازم تھا، بتایا، کہ بم پٹرول کے ٹینک میں گرا اور حیرت کی بات ہے کہ بجھ گیا۔

سیالکوٹ پر حملہ کرنے والی بھارتی فوج محاذ کو خالی دیکھ کر خود بخود رک گئی۔ انہوں نے سمجھا کہ محاذ کا خالی ہونا۔ پاک فوج کی چال ہے۔ مقصد بھارتی فوج کو گھیرے میں لینا ہے۔

برق صاحب نے اپنے بیان میں کہا کہ سرگودھا پر بہت سے بم گرائے گئے صرف دو بم پھٹے جو ٹارگٹ سے دور پھٹے حالانکہ سرگودھا کے اڈے پر سارے ہوائی جہاز باہر تھے۔

پھر اکتوبر 1965 میں روزنامہ جنگ میں کئی خبریں اس موضوع پر شائع ہوتی تھی جن میں بھارتی قیدیوں کے بیانات بھی شامل ہیں۔ ان بیانات کے مطالعہ سے ظاہر تھا کہ بھارتی سپاہی پاکستان کی اس فوج سے خائف تھے جو تلواروں سے لڑی تھی اور جس کی تلواروں سے بجلی کے شعلے نکلتے تھے۔

متعدد لوگوں نے خواب دیکھا کہ حضور ﷺ عجلت میں گھوڑے پر سوار ہو کر پاکستان تشریف لا رہے ہیں جنگ بدر کے شہدا محاذوں پر پہنچ چکے ہیں۔ حضرت علیؓ، حضرت امام حسینؓ اور حضرت امام حسنؓ سفید ملبوسات پہنے سیالکوٹ کے قریب و جوار میں محاذ کی طرف جاتے ہوئے دیکھے گئے ہیں۔ ایک محاذ کے بھارتی قیدی کا بیان تھا کہ سفید پیراہن والی پاکستانی فوج بھارتیوں کو تحس نحس کر رہی تھیں۔ ان کے تلواروں سے شعلے نکل رہے تھے۔ دوسرے محاذ کے قیدی کا بیان تھا کہ سرخ ٹوپیوں اور چھوٹے قد والے پاکستانی فوجیوں نے بھارتی سینا کا ناطقہ بند کر رکھا تھا۔ بھارتی توپچی نے کہا کہ گولے پھینکنا بے کار ہے۔ ایک سفید ریش انسان میرے گولے کیچ کر کے پھینک دیتا ہے۔ بھارتی ہوابازوں کا بیان تھا کہ جب وہ گولے پھینکتے تھے تو سفید ریش بزرگ انہیں ہاتھوں میں پکڑ کر زمین پر یوں رکھ دیتے کہ وہ پھٹتے نہ تھے۔

Marfat.com

پاکستان اور دُعا

ہم نے قاضی صاحب سے عرض کہ پاکستان کے لئے دعا کریں۔ قاضی صاحب بولے، مفتی صاحب آپ کے لئے دعا کرسکتا ہوں۔ دوسروں کے لئے دعا کرسکتا ہوں پاکستان کے لئے دعا کرنے کی میری کوئی حیثیت نہیں ہے۔ پاکستان کے لئے بڑے بزرگ کام کر رہے ہیں۔ میں تو ایک چھوٹا آدمی ہوں۔ بڑے کام بڑوں کے لئے مخصوص ہوتے ہیں۔ بڑے بزرگ میدان جنگ میں پاکستان کی حفاظت کر رہے ہیں ورنہ یہ کیسے ہوتا کہ پنڈی میں 21 بم گرائے جائیں اور ان میں سے صرف پانچ پھٹیں۔

ہمیں کیا پتہ ہے کہ ہمارے پانچ سو جوان محاذ پر بھارتیوں کو پانچ ہزار دکھائی دیتے ہیں یا پانچ لاکھ۔ البتہ میں اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ فتح ہماری ہوگی۔ بھارتی قیدیوں کے بیان حیران کن تھے۔

انہوں نے کہا کہ تلواروں والی فوج نے ہمیں بڑا نقصان پہنچایا۔ ان کی تلواروں سے بجلی نکلتی تھی۔ سیالکوٹ میں پکڑے جانے والے قیدیوں نے پوچھا کہ پاک فوج میں دو سفید وردیوں والے کون تھے۔ کھیم کرن کے قیدی نے کہا، سرخ وردیوں کے گھڑ سواروں نے بھارتی فوج کو زچ کر دیا۔ ایک بھارتی پائیلٹ قیدی نے کہا ملتان میں تین بوڑھے بھارتی بم کیچ کر کے پرے پھینک دیتے تھے۔

بھارتی پائلٹ

بھارت کے ایکس ای این کا پائلٹ بیٹا، جو بیل آؤٹ کر گیا تھا۔ پکڑا گیا تو اس نے بتایا کہ پتہ نہیں کیا ہوا۔ مجھے چاروں طرف سے آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ بیل آؤٹ حالانکہ کوئی پاکستانی جہاز میرا پیچھا نہیں کر رہا تھا۔ میں اس قدر کنفیوز ہو گیا کہ بیل آؤٹ کر دیا۔

بھارتی جرنیل کری آپا کا بیٹا جو پائلٹ تھا، پکڑا گیا تو اس نے بیان میں کہا کہ میں راوی کے پل کو تباہ کرنے کے لئے جا رہا تھا۔ دریا پر پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ دریا پر ایک نہیں بلکہ چھ پل ہیں۔

ایک اور پائلٹ قیدی نے بتایا کہ ہم دوارکا پر حملہ کرنے آئے تھے۔ مطلع بالکل صاف تھا۔ حالات سازگار تھے لیکن جونہی ہم دوارکا پہنچے تو پتہ نہیں ایک گاڑھا بادل کہاں سے آ گیا اس نے دوارکو چھپالیا۔

پاکستان کے صحافی اور ادیب جو مختلف محاذوں کا دورہ کر کے آئے تھے، انہوں نے بتایا کہ جہاں بھی بھارتیوں نے ہتھیار ڈالے، وہ محض غلط فہمی کی وجہ سے ڈالے چونکہ پاک فوجیوں کی تعداد بہت کم تھی، لیکن بھارتی فوج نے سمجھا کہ پاک فوج تعداد میں بہت زیادہ ہے۔

سیز فائر

جنگ 6 ستمبر سے شروع ہوئی تھی۔ 23 کو سیز فائر ہوگئی۔

Marfat.com

سیز فائر کے احکامات سن کر فوجی کمانڈر بہت سٹپٹائے، اس لئے کہ پاکستان کی فوجیں جگہ جگہ بھارت کے علاقے کے اندر دور تک پیش قدمی کر چکے تھیں۔ ان کے نقطہ نظر کے مطابق سیز فائر منظور کر لینا، سخت حماقت تھی۔ چوں کہ سیز فائر کا فیصلہ دباؤ کے تحت کرنا پڑا تھا۔ غفور ایڈووکیٹ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا کہ جنگ میں میری ڈیوٹی سرگودھا پر لگی ہوئی تھی۔ میں نے نقصان ہونے نہیں دیا، اللہ کا احسان ہے۔

کہنے لگے، میں نے بروقت صدر صاحب کو خط لکھ کر بتایا تھا کہ سیز فائر کے لئے دباؤ پڑے گا آپ ٹالتے رہیے۔ اگر آپ کو تسلیم کرنا پڑے تو بے شک منہ زبانی تسلیم کر لیں۔ عمل کرنے میں تاخیر کریں اور فرض کیجیے سیز فائر عملی طور پر کرنا پڑے تو صرف دو یا تین گھنٹے کا ہو، لیکن صدر صاحب نے اس تجویز کے کسی حصے پر بھی عمل نہ کیا۔

بزرگوں کا خیال تھا کہ اس جنگ میں پاکستان کا پلہ بھاری تھا۔ پاکستان کو غیبی امداد حاصل تھی۔ لیکن صدر صاحب میں جذبہ جہاد نہیں تھا، اس لئے بات بن کر بگڑ گئی۔ ان کا خیال تھا کہ پاکستان کے سربرہ میں جب تک اسلام اور جہاد کے لئے جذبہ نہ ہوگا، کچھ نہ ہو سکے گا چونکہ پاکستان کی تمام تر اہمیت صرف اسلام کے حوالے سے ہے۔

اکتوبر 65ء میں قدرت اللہ کا خط ملا جو انہوں نے 20ء کو لکھا تھا۔ اس خط میں قدرت اللہ نے جنگ کے متعلق اظہار خیال کیا۔

آزمائش کا دور

ا۔ اللہ تعالیٰ نے پاکستان پر جو فضل کیا ہے وہ مقام شکر بھی ہے اور مقام عبرت بھی۔ ہم لوگ جیسے جھوٹے سچے مسلمان ہیں، وہ تو ظاہر ہے۔ اس پر بھی خدا نے ہمارے نمائشی ایمان کی لاج رکھ لی۔

آزمائش کے وقت جو خوارق وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ وہ مصلحتاً ہوتے ہیں۔ عادتاً نہیں، اس لئے ان پر شادیانے بجانا یا آئندہ کے لئے ان پر تکیہ کرنا مناسب نہیں۔ اصلی چیز تو تیاری ہے۔ اسلحہ بندی کے علاوہ ایمان کی تیاری بھی۔

۲۔ افراد اور قوموں کی زندگی میں دعا بھی بڑا اثر رکھتی ہے۔ کچھ لوگ اپنے لئے دعا کرتے ہیں، اور کچھ دوسروں کے لئے، یہ سب دعائیں اپنی اپنی جگہ جائز، ضروری اور موثر ہیں، لیکن کچھ لوگ۔ خال خال۔ ایسے بھی ہیں جو محض اللہ کی رضا کیلئے اس کی عبادت کرتے ہیں۔ جب تک کسی ملک یا قوم میں ایسے لوگ موجود ہیں، اس ملک پر مصیبت تو آ سکتی ہے، لیکن تباہی نہیں، دعا اور کوشش کریں کہ پاکستان میں ایسے لوگ ہمیشہ موجود رہیں۔

۳۔ ہندوستان کے تیور ٹھیک نہیں ہیں۔ بین الاقوامی منڈی میں بھی انصاف اور ایمانداری بہت کم یاب ہے۔ ہمارے لئے ابھی آزمائش کا دور شروع ہوا ہے ختم نہیں ہوا۔ قدرت اللہ اپنے خطوط یا بیانات میں ضبط سے کام لینے کا عادی تھا۔ اس نے کبھی بڑھا چڑھا کر بات نہ کی تھی۔ اس کی بات مختصر ہوتی۔ غیر ضروری تفصیلات کو قدرت اللہ حذف کر دیتا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ شدت اور جذباتیت روحانی دنیا میں Disqualificaiton سمجھی جاتی ہیں۔ اس کے برعکس غفور صاحب کھل کر بات کر دینے کے عادی تھے اور ان کا انداز جذباتی تھا۔

Marfat.com

غفور کا خط

غفور کا کہنا تھا کہ یہ جنگ پاکستان کے لئے ایک زریں موقع تھا جو صدر صاحب کی بے حسی کی وجہ سے ضائع ہو گیا۔ 2 فروری 66ء کو غفور صاحب نے قدرت اللہ شہاب کو ہیک میں ایک خط لکھا۔ اس خط کے چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیں۔

ہمارے حکمراں طبقے کو یہ علم نہیں کہ ملک میں روحانی انقلاب آ رہا ہے جس سے صرف پاکستان اور ہندوستان ہی متاثر نہ ہوں گے بلکہ پوری دنیا اس کی لپیٹ میں آ جائے گی۔ خدا کا شکر ہے کہ ہمارے ملک میں درویشوں کی تعداد کثرت سے ہے یہاں ایسے لوگ بھی ہیں جو چشم زدن میں ہندوستان تو کیا، ان ملکوں میں انقلاب لا سکتے ہیں جہاں اسلام کا نام ونشان نہیں۔

سترہ روزہ جنگ ہندو پاک کے واقعات کو اگر آپ غور سے مطالعہ فرمائیں، تو انسانی عقل وفکر حیران رہ جاتی ہے۔

ایم ایم عالم کا کارنامہ

ایم ایم عالم نے فضائیہ کی تاریخ میں ایک منٹ میں ۶ طیارے انڈیا کے گرا کر ورلڈ ریکارڈ قائم کیا۔

میرے بہت سے فوجی دوست کہتے ہیں کہ اس جنگ نے انہیں صحیح اور سچا مسلمان بنا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کرشمہ سازی اور نبی آخری الزمان ﷺ کی کرم نوازی ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ ہم نے اتنی شدید فوجی اور جنگی غلطیاں کر کے فتح حاصل کی ہے۔ یہ جنگ درویشوں کی کمانڈ کے تحت روحانی ایٹمی قوت سے لڑی گئی۔

جنگ ختم ہو گئی قبرستان سے گذرتے ہوئے ایک مست مجذوب اپنے آپ سے کہہ رہا تھا کہ ابھی کیا ہے ابھی تو خون کی ندیاں بہیں گی۔ بہت مریں گے۔ بہت لاشیں ہی لاشیں۔ پھر بڑی فتح ہو گی پھر بڑی فتح ہو گی اور پھر سبحان اللہ، سبحان اللہ وہ خوشی میں تالیاں بجا رہا تھا، میں اس کو دیکھ رہا تھا۔

پاکستان کی اپنی ایک خاص حیثیت ہے یہ تو ثابت ہو گیا لیکن ایک بڑی جنگ باقی ہے جس سے مسلمانوں کو فتح ہو گی۔

ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خان صاحبؒ فضل کبیر میں لکھتے ہیں

1965ء کی جنگ (پاک وہند) کے زمانے میں والد صاحب کو خواب میں دیکھا کہ فوجی لباس میں ہیں۔ میں نے کہا آپ کو فوجی لباس سے کیا تعلق؟ فرمایا کہ ''کچھ کام تھا'' بڑی خوشی ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی فوج میں شامل فرمایا۔

صاحب خدمت بزرگ

یہ ۱۹۶۵ء کا واقعہ ہے۔ پاک بھارت جنگ اپنی پوری ہولناکیوں کے ساتھ جاری تھی۔ روزانہ بھارتی ریڈیو پر یہ اعلان ہو رہا تھا کہ کراچی کے فلاں فلاں علاقوں پر بمباری کی گئی۔ کراچی کے رہنے والوں نے یہ خبر بھی سنی کہ لالوکھیت کا ہوائی اڈہ تباہ کر دیا گیا ہے۔ لوگوں میں سراسیمگی اور خوف ودہشت دیکھ کر میں نے بابا صاحب سے عرض کیا ''اب کیا ہو گا؟''

فرمایا ''اللہ تعالیٰ کی حفاظت ونصرت پاکستان کے ساتھ ہے۔ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ حکم ہے کہ پاکستان کی حفاظت کی جائے۔ چنانچہ تعمیل ارشاد میں اہل تکوین نے ایک صاحب خدمت مقرر کیا ہے۔ جو گاندھی گارڈن میں بیٹھا ہے۔

Marfat.com

اس کے سپرد یہ خدمت ہے کہ کراچی کو بمباری سے نقصان نہ پہنچے" میں شوق کے عالم میں اس بندے کے پاس پہنچا۔ اور سلام کیا۔ بندے نے سر اٹھا کر سرخ سرخ آنکھوں سے مجھے دیکھا اور کہا "یہاں سے چلے جاؤ"۔

صحیح یاد نہیں، غالباً دوسرے یا تیسرے دن وہ بندہ سورج نکلنے سے پہلے گھر پر حاضر ہوا۔ میں نے جب ان کو دیکھا تو نہایت حیرت کے عالم میں باباصاحب نے عرض کیا۔ "حضور! وہ گارڈن والے صاحب آئے ہیں"۔

فرمایا! عزت واکرام کے ساتھ انہیں اوپر لے آؤ۔

یہ صاحب اوپر تشریف لائے۔ فوجی سیلیوٹ کی طرح سلام کیا اور اپنی کارکردگی کی رپورٹ پیش کی۔

حضور قلندر باباؒ اولیاء نے فرمایا "جلدی سے چائے لے آؤ"۔ چائے کے ساتھ میں نے ڈبل روٹی کے توس یا پاپے بھی پیش کئے۔ اس بندہ خدا نے صرف چائے پی۔ جب میں نے اصرار کیا کہ آپ ناشتہ کرلیں تو باباصاحب نے فرمایا "ان کو ایک ہفتے تک صرف چائے پینے کی اجازت ہے"۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کے مطابق انہیں چائے کے علاوہ کوئی اور چیز کھانے کو نہیں دی جائے گی تاکہ پیٹ بھرا ہونے کی بناء پر انہیں نیند یا غنودگی نہ آجائے"۔ (تذکرہ قلندر باباؒ اولیاء)

۱۹۶۵ء کی جنگ ہندوستان کے متعلق خواب میں قبل از وقت فتح پاکستان کی بشارت

سید طاہر حسین صاحب عبداللہ پوری (ضلع شیخوپورہ) جو حضرت میاں محمد شیر محمد صاحب شرقپوری کے مرید اور خاندان نقشبندیہ کے ایک مقبول درویش ہونے کے علاوہ حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کی ذات سے غائبانہ ارادت رکھتے ہیں، ماہ ربیع الثانی ۱۳۸۵ھ اگست ۱۹۶۵ء میں عرس شریف حضرت غوث الاعظم کے موقعہ پر گولڑہ شریف حاضر ہوئے۔ اور خواب میں حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کی زیارت سے مشرف ہونے کا واقعہ تفصیل سے بیان کیا کہ "میں دیکھتا ہوں حضرت قبلہ عالم گولڑوی قدس سرّہ ایک بلند مقام پر تشریف فرما ہیں اور وہ وعظ فرما رہے ہیں، آپ کے برابر اسٹیج پر پانچ اور حضرات کرسیوں پر رونق افروز ہیں۔ سامنے میدان میں بے شمار مسلمان حاضر ہیں اور وعظ سن رہے ہیں میں بھی ان میں شامل ہوں۔ حضرتؒ آیت **سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی** کی تفسیر بیان کر کے خاتمہ سخن پر فرماتے ہیں کہ انشاء اللہ العزیز اللہ سبحانہ وتعالیٰ پاکستان کو فتح عطا فرمائے گا۔ اس وقت ایک شخص پاس سے مجھے ان پانچ کرسی نشین حضرات کی نشان دہی کر کے بتاتا ہے وہ صدر نشین حضور غوث الاعظمؒ ہیں۔ اور ان کے اردگرد حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، خواجہ فرید الدین مسعود گنج شکر اور خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی رحمہم اللہ علیہم تشریف فرما ہیں۔

اس خواب کے چند روز بعد یکم ستمبر کو افواج پاکستان کے ساتھ کشمیر کے محاذ پر ہندوستانیوں کی جنگ چھڑ گئی۔ اور ۶ ستمبر کو بھارت نے پاکستان پر بھرپور حملہ کر دیا۔ ہر محاذ پر اللہ تعالیٰ نے پاکستانی افواج کو حیرت انگیز فتوحات عطا فرمائیں۔ حالانکہ تعداد اور اسلحہ کے لحاظ سے ہندوستانیوں کو کم از کم پانچ گنا اکثریت حاصل تھی۔ غیر ملکی مبصرین کی نظر میں بھی ہندوستان کو دس گنا زیادہ جانی، مالی اور ملکی نقصان اٹھانا پڑا۔

Marfat.com

فرض شناسی

ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خان صاحب 1965ء کی جنگ کے حوالے سے تحریر کرتے ہیں:

ترجمہ: اور ہم نے آدم کی اولاد کو عزت دی اور ہم نے ان کو خشکی اور دریا میں سوار کیا۔ اور نفیس نفیس چیزیں ان کو عطا کیں۔ اور ہم نے ان کو اپنی بہت سی مخلوقات پر فوقیت دی۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا اور اپنی تمام مخلوقات پر فضیلت بخشی اور اسی فضیلت کے سبب سے اس پر ذمہ داریاں عائد کیں جو شخص جس قدر اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرے گا اور جتنا اپنے فرض کو پہنچانے گا اتنا ہی وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک معزز ہوگا۔ قرآن پاک نے اسی اصول کو ایک جگہ اس طرح بیان کیا ہے۔

ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم (سورۃ حجرات)

یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سے باعزت وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ تقویٰ والا ہے۔ اور تقویٰ سے مراد یہ ہے کہ انسان ہر عمل میں اس پر غور کرے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کا حکم کیا ہے اور اس معاملے میں ہمارے فرائض کیا ہیں۔ اور جس قدر ان فرائض کی بجا آوری کی جائے گی۔ اسی قدر عزت و کامیابی حاصل ہوگی۔ قرآن ان حقوق و فرائض ہی کی تفصیل کے لئے نازل کیا گیا تاکہ بندے اپنے فرائض کا علم حاصل کریں۔ معاشرتی زندگی کو تین قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے ایک تو بشر کی انفرادی زندگی ہے دوسرے گھریلو زندگی۔ تیسرے گھر سے باہر کے تعلقات ہیں۔ کامیاب انسان وہی ہے جو ان تینوں کے تعلقات اور اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآمد ہو۔

اگر افراد اپنے فرائض کو پہچانیں گے تو فرد کی حیثیت سے کامیاب ہوں گے اور جو معاشرہ اس قسم کے افراد پر مشتمل ہوگا وہ معاشرہ صالح ہوگا۔ اور سعادت سے پر ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے تمام لوگوں کو فرض کا احساس اس طرح دلایا کہ:

الا فکلکم راع فکلکم مسئول عن رعیۃ

"تم میں سے ہر شخص راعی ہے۔ اس لئے تم میں سے ہر شخص سے اس کی رعیت کے متعلق باز پرس ہوگی"۔ گویا ہر فرد اپنی اپنی جگہ پر ذمہ دار ہے۔ اور وہ اپنی ذمہ داریوں کا جواب دہ ہے۔ اگر ان حقوق کی جواب دہی کرنی ہے جن کا تعلق صرف اللہ تعالیٰ سے ہے تو گھریلو زندگی کے متعلق بھی باز پرس ہوگی کہ شوہر کی حیثیت سے، بیوی کی حیثیت سے، باپ کی حیثیت سے وہ کیا ہے۔ رشتہ داروں، اہل محلہ اور اہل شہر کے حقوق کا لحاظ کس قدر کرتا ہے۔ اگر حاکم وقت ہے تو محکوموں کے ساتھ اور محکوم ہے تو حاکموں کے ساتھ اس کے تعلقات کی نوعیت کیا ہے؟ ان تعلقات کو پیش نظر رکھنا اور ان کا پاس رکھتے ہوئے ان کے مطابق عمل کرنا فرض شناسی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان حقوق کو اتنا لازم کر دیا ہے کہ عبادات میں کوتاہی اور غفلت کو تو اس نے اپنے ارادہ اور مشیت کے مطابق قابل معافی قرار دیا ہے۔ لیکن حقوق العباد میں کوتاہی کی معافی اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں نہیں رکھی، بلکہ ان بندوں کے ہاتھوں میں رکھی ہے، جن کے حق میں کوتاہی ہوئی ہو۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس بھائی نے دوسرے

Marfat.com

بھائی پر کوئی ظلم کیا ہو تو اس ظالم بھائی کو چاہیے کہ اسی دنیا میں اپنے مظلوم بھائی سے اس کو معاف کرالے ورنہ وہاں تاوان ادا کرنے کے لئے کسی کے پاس کوئی درہم یا دینار نہ ہوگا۔ صرف اعمال ہوں گے۔ ظالم کی نیکیاں مظلوم کو مل جائیں گی اور نیکیاں نہ ہوں گی تو مظلوم کی بدیاں ظالم کے نامہ اعمال میں لکھ دی جائیں گی۔

اس سے معلوم ہوا کہ انسانی معاملات میں جو تجاوز اور ظلم ہوگا اس کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں پر حج اس وقت تک فرض نہیں کیا جب تک وہ اہل وعیال کے نفقہ کا پورا سامان نہ کرلے اور زکوٰۃ اسی مال میں فرض کی گئی ہے جو اس کے مالک اور اہل وعیال کے مصارف سے زیادہ ہو۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اپنا حق اس وقت تک بندے پر واجب نہیں کیا جب تک وہ بندوں کے حقوق سے عہدہ برانہ ہولے۔ لیکن ان تمام حقوق کی ادائیگی میں خاص ترتیب کا لحاظ رکھا گیا ہے اور ہر ایک کا درجہ اور مرتبہ الگ الگ مقرر کردیا گیا ہے۔ ایک حیوان کے مقابلہ میں انسان کو، اجنبی کے مقابلہ میں دوست کو، غیروں کے مقابلے میں عزیزوں کو، اور عزیزوں میں جو زیادہ قرابت رکھتے ہوں ان کو تقدم حاصل ہے اور جس طرح ایک انسان پر دوسرے انسان کے حقوق ہیں اسی طرح انسان کا خود اپنے اوپر بھی حق ہے۔

چنانچہ جس طرح رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تیری بیوی کا تجھ پر حق ہے۔ تیرے ملاقاتی کا تجھ پر حق ہے۔ اسی طرح یہ بھی فرمایا کہ بے شک تیری جان کا تجھ پر حق ہے۔ تیرے بدن کا تجھ پر حق ہے۔ تیری آنکھوں کا تجھ پر حق۔ یہی وجہ ہے کہ اپنے آپ کو ان اعمال کی تکلیف دینے کی مخالفت کی گئی جو اس کی سکت سے باہر ہوں۔ خود اللہ تعالیٰ نے اس دعا کی تعلیم دی کہ:

ربنا ولا تحملنا مالا طاقة لنا به

''یعنی اے ہمارے پروردگار ہم پر کوئی ایسا بار نہ ڈال جس کی ہم کو سہار نہ ہو''۔ پھر ایک جگہ فرمایا:

لا یکلف اللہ نفساً الا وسعها

''اللہ تعالیٰ کسی شخص کو مکلف نہیں بناتا مگر اسی کا جو اس کی طاقت اور اختیار میں ہو''۔

غرض جملہ حقوق کو اپنے اپنے موقع پر ادا کرنا اور ہر حق میں ان کی ترتیب کا لحاظ رکھنا فرض شناسی کی دلیل ہے۔ اور یہ فرض شناسی دنیاوی اور اخروی نعمتوں سے مالا مال کرتی ہے۔

ہم اس کی برکتوں کا حالیہ جنگ میں مشاہدہ کرچکے ہیں۔ تاجروں نے تجارت میں، مجاہدوں نے میدان جہاد میں، شہریوں نے شہری دفاع میں، ملازمین نے ملازمت میں، اساتذہ طلبہ نے تعلیم گاہوں میں، مزدوروں نے کارخانوں میں۔ غرض کہ ہر شخص نے اپنے اپنے میدان ہائے عمل میں جس فرض شناسی کا ثبوت دیا اس کی مثال شاید ہی تاریخ میں کہیں مل سکے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں شاندار کامیابی عطا فرمائی۔

اللہ تعالیٰ ہم پاکستانیوں اور جملہ مسلمانان عالم کو اپنے اپنے فرائض پہچاننے کی توفیق عطا فرمائے۔

Marfat.com

باب: اٹھارہواں

سقوطِ ڈھاکہ

Marfat.com

سقوطِ ڈھاکہ

المیہ مشرقی پاکستان

انداز سیاست توڑ چکا اک شاخ، مگر جو باقی ہے اس شاخ کے نازک پتوں، پر حشرات سیاست آج بھی ہیں۔

بابائے قوم نے فرمایا: "ہمارے درمیان ایسے لوگ بھی موجود ہیں۔ جنہیں بیرونی اداروں سے امداد مل رہی ہے اور وہ شر و فساد بپا کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ پاکستان کو برباد کریں اور تباہ کر دیں۔ میں آپ کو آگاہ کرتا ہوں کہ آپ خبردار رہیں اور اچھوتے نعروں کی لپیٹ میں نہ آجائیں"

حضرت قائداعظم مسلمانان پاکستان کی اصل اساس یاد دلاتے ہوئے اور دشمنان پاکستان کے عزائم کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا: "پاکستان کے دشمن قیام پاکستان کو روکنے میں ناکام ہو چکے ہیں اس کا انہیں انتہائی صدمہ ہے وہ اس ریاست کو تباہ کرنا چاہتے ہیں۔ اس کا ذریعہ انہوں نے یہ نکالا ہے کہ وہ پاکستان کے مسلمانوں کے درمیان پھوٹ ڈالیں۔ اگر آپ اپنے آپ کو مضبوط ملت بنانا چاہتے ہیں تو پھر خدا کے لئے صوبائیت کو خیرباد کہیں"۔

جب تک آپ لوگ اس زہر کو اپنے قومی جسم کے اندر سے نکال کر نہیں پھینکیں گے۔ اس وقت تک آپ اپنے آپ کو صحیح طور پر قوم بنانے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم بنگالی، سندھی، بلوچی، پٹھان وغیرہ کا ذکر نہ کریں۔۔۔۔ یہ ہمارے ملک کے حصے ہیں۔ کیا آپ وہ سبق بھول گئے ہیں جو آپ کو تیرہ سو سال قبل سکھایا گیا تھا۔۔۔ یہ کہنے کا کیا فائدہ کہ ہم بنگالی ہیں یا سندھی یا پٹھان یا پنجابی ہیں۔ ہرگز نہیں۔ ہم مسلمان ہیں۔ (قائداعظم۔ تقاریر بحیثیت گورنر جنرل۔ ص:۸۴)

مشرقی پاکستان کی علیحدگی

۱۴ اگست 1947ء کو پاکستان دو حصوں میں وجود میں آیا، یعنی مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان۔ ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے وقت تک یہ ایک ہی ملک رہا۔ مشرقی پاکستان کے زوال یا علیحدگی کے اسباب مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ مشرقی اور مغربی پاکستان کا جغرافیائی محل وقوع

پاکستان کے ان دونوں حصوں کے درمیان تقریباً سولہ سو کلومیٹر کا فاصلہ تھا اور درمیان میں بھارت اور سمندر حائل ہے اسی لئے دونوں حصوں کے عوام ایک دوسرے کے زیادہ قریب نہیں آسکے۔ اس کی وجہ سے مشرقی اور مغربی پاکستان کے عوام کے درمیان غلط فہمیاں پیدا ہو گئیں۔ بھارت نے کبھی بھی برصغیر کی تقسیم اور قیام پاکستان کو دل سے قبول نہیں کیا تھا اس نے ان غلط فہمیوں کا فائدہ اٹھانا شروع کر دیا اور مشرقی پاکستان کے لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے اس نے مغربی پاکستان کے خلاف من گھڑت اور جھوٹا پروپیگنڈہ شروع کر دیا۔ اس پروپیگنڈہ نے دونوں صوبوں کے عوام میں بداعتمادی پیدا کر دی جس سے شدید نقصان پہنچا۔

Marfat.com

۲۔ معاشرتی اور سماجی ڈھانچے میں فرق

دونوں صوبوں کے عوام کے مسائل بہت مختلف تھے۔ اس لئے ان کے مابین ایک دوسرے سے آگاہی پروان نہیں چڑھ سکی۔ مشرقی پاکستان کے افسران کا رویہ زیادہ دوستانہ تھا اور وہ عوام کے زیادہ قریب تھے۔ انہوں نے اپنے عوام کے مسائل حل کرنے کی کوشش کی۔ اس کے مقابلے میں مغربی پاکستان کے افسران مشرقی پاکستان میں تعینات کئے جاتے تھے۔ ان کا رویہ مشرقی پاکستان کے عوام کے ساتھ بالکل مختلف اور جداگانہ ہوتا تھا۔ وہ عوام سے فاصلہ کے اصول پر عمل کرتے تھے۔ اس کی وجہ سے مغربی پاکستان کے خلاف نفرت کا احساس پیدا ہوا۔ مشرقی پاکستان کے عوام یہ سمجھتے تھے کہ انہیں حکومت کے عمل دخل اور نظم و نسق میں جائز اور حقیقی حصہ دار نہیں بنایا گیا۔

۳۔ مارشل لاء

بار بار مارشل لاء کے نفاذ نے بھی مشرقی پاکستان کے عوام میں احساس محرومی پیدا کر دیا تھا۔ جنرل محمد ایوب خان سیاستدانوں کو یہ الزام دیتے تھے کہ وہ پارلیمانی نظام حکومت کی ناکامی کے ذمہ دار ہیں جب کہ عوام رہنما یہ یقین رکھتے تھے کہ پارلیمانی نظام حکومت کے قیام میں مارشل لاء سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ اس طرح ملک میں جمہوریت پروان نہیں چڑھ سکی۔

۴۔ زبان کا مسئلہ

سرکاری زبان کے مسئلے پر مشرقی پاکستان کے عوام کو وفاقی حکومت کی پالیسی سے اختلاف تھا۔ حکومت کے خلاف مظاہرے ہوئے اور کئی بنگالی طلباء کی جان قربان ہوگئی۔ اس سے بھی بنگالیوں کے ذہنوں میں اشتعال پیدا ہوا۔

۵۔ صوبائی خودمختاری

مشرقی پاکستان مکمل صوبائی خودمختاری چاہتا تھا۔ اس مطالبہ کو اس وقت تک تسلیم نہیں کیا گیا جب تک بھارت نے ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان پر حملہ نہیں کر دیا۔ اگر یہ مطالبہ پہلے ہی تسلیم کر لیا جاتا تو شاید مشرقی پاکستان علیحدہ نہ ہوتا۔

۶۔ معاشی اور اقتصادی محرومی اور پروپیگنڈہ

عوامی لیگ کے قائد شیخ مجیب الرحمٰن نے بنگال میں یہ پروپیگنڈہ اور تشہیر کرنا شروع کر دیا کہ بنگالیوں کو معاشی اور اقتصادی طور پر محروم رکھا گیا ہے۔ اس نے مشرقی پاکستان کے علیحدہ اقتصادی نظام کا مطالبہ کر دیا۔ اس نے عوامی لیگ کا چھ نکاتی منشور پیش کیا۔ ملک کی دیگر جماعتوں نے شیخ مجیب الرحمٰن کی تجاویز کو رد کر دیا۔ اس نے بھارت کے ساتھ خفیہ تعلقات جوڑنے شروع کر دیئے۔ آل انڈیا ریڈیو نے اپنے پروگراموں کے ذریعے بنگالیوں کے دلوں میں مغربی پاکستان کے عوام کے خلاف نفرت پیدا کر دی۔

Marfat.com

۷۔ ہندو اساتذہ کا کردار

مشرقی پاکستان کے تعلیمی اداروں میں اساتذہ کی ایک کثیر تعداد پڑھا رہی تھی۔ انہوں نے ایسا ادب اور لٹریچر تیار کیا جس کی بدولت بنگالیوں کے ذہنوں میں مغربی پاکستان کے عوام کے خلاف منفی جذبات اور خیالات پروان چڑھے۔

۸۔ بین الاقوامی سازشیں

مشرقی پاکستان میں تقریباً دس ملین ہندو اقلیت آباد تھی۔ ہندوؤں کے مفادات کے تحفظ کے لئے بھارت نے ان کی پشت پناہی کرتا تھا۔ بھارت مشرقی پاکستان کو علیحدہ کرنا چاہتا تھا تاکہ ہندوؤں کی معاشی اور اقتصادی حیثیت مزید مستحکم ہو سکے۔ بے شمار ہندو بھارت کے لئے جاسوسی کرتے تھے۔ روس بھی پاکستان کا مخالف تھا۔ کیونکہ پاکستان نے امریکہ کو اپنے ہاں فوجی اڈے قائم کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ دوسری جانب خود امریکہ بھی مشرقی پاکستان کی علیحدگی چاہتا تھا۔ ان حالات میں روس نے پاکستان پر بھارت کے حملے اور جارحیت کی کھلی حمایت کردی۔

۹۔ 1970ء کے انتخابات میں شیخ مجیب الرحمٰن کی اکثریت

1970ء کے عام انتخابات میں شیخ مجیب الرحمٰن کی عوامی لیگ نے مشرقی پاکستان میں واضح اکثریت اور برتری حاصل کرلی اور 162 نشستوں میں سے 160 پر کامیابی حاصل کرلی۔ ان کے علاوہ عوامی لیگ نے خواتین کے لئے مخصوص تمام نشستوں پر بھی کامیابی حاصل کرلی۔ انتخابات میں اکثریت حاصل ہونے کے بعد شیخ مجیب الرحمٰن نے اپنے مطالبات میں اضافہ کرنا شروع کردیا لیکن اس وقت کے فوجی حکمرانوں نے ان مطالبات کو نظرانداز کردیا۔

۱۰۔ مشرقی پاکستان میں فوجی کارروائی

دسمبر 1970ء کے عام انتخابات کے بعد مشرقی پاکستان میں امن و امان کی صورتحال بد سے بدتر ہوتی چلی گئی۔ اس [illegible] وقت کی نزاکت کو مدنظر رکھتے ہوئے [illegible] جنرل یحییٰ خان نے عوامی لیگ کو غیر قانونی جماعت قرار دے دیا اور عوامی لیگ کی سیاسی سرگرمیوں پر پابندی عائد کردی۔ اس نے بھڑکتے ہوئے شعلوں کو مزید ہوا دی۔ عوامی لیگ کی علیحدگی کی تحریک کے خلاف فوج نے کارروائی شروع کردی۔ اس کے نتیجے میں بنگالیوں میں زبردست نفرت پیدا ہوگئی اور انہوں نے بھی مسلح جدوجہد شروع کردی۔

۱۱۔ بھارت کا حملہ

فوجی کارروائی کے نتیجے میں عوامی لیگ کے رہنما اور بنگالیوں کی ایک کثیر تعداد بھارت فرار ہوگئی۔ بھارت نے پاکستان کے اندرونی معاملات میں مداخلت شروع کردی۔ بھارت نے یہ گمراہ کن پروپیگنڈہ شروع کردیا کہ مشرقی پاکستان کے لاکھوں پناہ گزینوں کی وجہ سے اس کی سلامتی کو خطرہ لاحق ہوگیا ہے۔ مشرقی پاکستان میں فوجی کاروائی کو بھارت نے اپنے اوپر حملہ قرار دیا۔ شیخ مجیب الرحمٰن نے مکتی باہنی (آزادی کی فوج) کے نام سے ایک نیم فوجی دستہ ترتیب دیا تھا۔ اس دستے نے پاکستانی

Marfat.com

فوج کے خلاف گوریلا جنگ کا آغاز کر دیا۔ اس کی حمایت میں بھارت نے بھی پاکستانی فوج پر حملے شروع کر دیئے۔ ۳ دسمبر ۱۹۷۱ء کو پاکستان اور بھارت کے درمیان باقاعدہ جنگ کا آغاز ہو گیا۔ اندرون ملک عوام کی حمایت نہ ہونے اور رسد اور ملک کے انتظامات نہ ہونے کی وجہ سے ۱۶ دسمبر ۱۹۷۱ء کو پاکستان کی فوج نے بھارتی فوج کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ جبکہ مغربی پاکستان کے محاذ پر بغیر کسی بڑے حملے بند کر دی گئی۔ ۱۶ دسمبر کو مشرقی پاکستان بنگلہ دیش کے طور پر ایک آزاد ملک بن گیا۔

بنگلہ دیش کو تسلیم کرنا

دنیا کے اکثر ممالک نے بنگلہ دیش کو فوراً ہی ایک آزاد و خود مختار ملک کی حیثیت سے تسلیم کر لیا لیکن مشرقی پاکستان کی علیحدگی اور بنگلہ دیش کے قیام سے مغربی پاکستان کے محب وطن عوام کو شدید صدمہ پہنچا۔ وہ اس کو پاکستان کے لئے ایک عظیم المیہ تصور کر رہے تھے اور اس سے پاکستان کی وحدت اور اتحاد کو شدید دھچکہ پہنچا تھا۔ تاہم لاہور میں ۲۲ فروری تا ۲۴ فروری ۱۹۷۴ء کو لاہور میں دوسری اسلامی سربراہ کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس میں مسلم ریاستوں کے تقریباً چالیس وفود نے شرکت کی۔ یہ پاکستان کے لئے ایک بہت بڑا موقع تھا۔ اپنے بہت سے اعلیٰ مرتبت سربراہان مملکت کے دورے پر آئے ہوئے تھے۔ یہ پہلا موقع تھا اسلامی اخوت، دوستی اور بھائی چارے کے اثر انگیز مناظر نظر آئے۔ اس سربراہی کانفرنس میں مسلم دنیا کو درپیش تمام مسائل زیر بحث آئے۔ مشرقی وسطیٰ کا مسئلہ بہت تفصیل سے زیر بحث آیا۔ اخوت اور بھائی چارے کے جذبات کو مدنظر رکھتے ہوئے بنگلہ دیش کو بھی اس کانفرنس میں مدعو کیا گیا۔ اس موقع پر پاکستان نے بنگلہ دیش کو بطور آزاد مملکت تسلیم کر لیا۔ شیخ مجیب الرحمٰن کو سربراہ کانفرنس میں خوش آمدید کہا گیا۔ اور آج بھی ڈھائی لاکھ پاکستانی کیمپوں میں مقیم ہیں اور آج تک خود کو پاکستانی کہلاتے ہیں۔

ہنگامے اور فسادات

عوامی لیگ کے حامی فوجیوں نے جو ایسٹ بنگال رجمنٹ اور ایسٹ پاکستان رائفلز کی حیثیت سے ان علاقوں میں جن پر ان کا عارضی قبضہ ہو گیا تھا اپنے ہم وطن پاکستانیوں کے خلاف قتل و غارت اور بربریت کا ایسا مظاہرہ کیا جس نے سیاسی نسل کشی (GENOCIDE) کی شکل اختیار کر لی۔ یکم مارچ ۱۹۴۰ء کے بعد سے عوامی لیگ نے باقاعدہ قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا۔ یہاں تک کہ شرپسندوں کا ایک بڑا جلوس فارم گیٹ سے گزر رہا تھا۔ جہاں نئے صدر مقام، ایئر پورٹ اور شہر کو جانے والی سڑکیں ملتی ہیں تو اس کے قریب سے فوج کی ایک اکیلی گاڑی گزری۔ جلوس کے شرکاء نے گاڑی میں بیٹھے ہوئے جوانوں پر پتھراؤ کیا۔ پھبتیاں کستے ہوئے ان کی تذلیل کی۔ اس ہجوم کو منتشر کرنے کے لئے فوجیوں کو تین ہوائی فائر کرنا پڑے۔ جب فارم گیٹ پر ہنگامہ ہو رہا تھا۔ اتفاق سے اسی وقت یونیورسٹی کے علاقے میں ایک طالبعلم کی ۰۲۲ ۵ رائفل سے غیر ارادی طور پر ایک انسٹرکٹر جان بحق ہو گیا۔ طلباء کو ایک بہانہ مل گیا۔ وہ اس انسٹرکٹر کی لاش کو شہر بھر میں پھرے اور فوج کو اس کے قتل میں ملوث کرتے رہے۔ قومی پرچم اور قائد اعظم کی تصاویر کو کھلے عام جلایا گیا۔ عمارتوں پر سیاہ پرچم لہرائے گئے۔ کئی جگہوں پر

Marfat.com

بنگلہ دیش کا جھنڈا بھی دیکھا گیا۔ نیشنل عوامی پارٹی اور بنگالہ نیشنل لیگ کے لیڈر بھی ان ہنگاموں میں شریک ہو گئے۔ جناح ایونیو، نواب پور روڈ، ٹھٹیری روڈ، شانتی نگر اور دوسری جگہوں پر واقع غیر بنگالیوں کی دکانوں کو لوٹ کر جلا دیا گیا۔ بیت المکرم کے نواح میں اسلحہ کی دو دکانیں میمن سنگھ میں شالیمار ہوٹل اور جناح ایونیو میں واقع گلستان سینما پر حملے کئے گئے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہاں ہنگامے زور پکڑتے گئے اور ایک لاکھ افراد کی جانیں تلف ہو گئیں۔ جن میں مرد، عورتیں اور بچے شامل تھے۔ ایک سرکاری ترجمان نے مشرقی پاکستان کا تفصیلی دورہ کرنے کے بعد جو اعداد و شمار کئے وہ یہ ہیں:

کھلنا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ بشمول کریسنٹ پیپلز جوٹ ملز ۶۰۰۰ افراد موت کے گھاٹ اتارے گئے۔ کریسنٹ جوٹ ملز کے ۶۰۴ خاندان مکمل طور پر ختم کر دیئے گئے جبکہ اور اسٹار جوٹ ملز کے ۵۰۰ خاندان مکمل طور پر ہلاک کر دیئے گئے۔

جھم جھم پور۔۔۔۔۔۔۔۔۔ دو ہزار افراد کی بستی تھی ۱۵۰۰ افراد زندہ بچے۔

اسلام نگر۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۳۹ افراد ہلاک ہوئے۔

مبارک گنج۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۲۵۰ افراد میں سے ۱۲ افراد زندہ بچے۔

جھیدہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۵۰۰ افراد میں سے ۱۲۸ افراد زندہ بچے۔

لگورا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۵۰۰ افراد میں سے ایک فرد بھی زندہ نہ بچا۔

تارا گنج۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۰۰ افراد میں سے ۱۶۱ افراد زندہ بچے۔

جیسور۔۔۔۔۔۔۔۔۔ جیسور سیکٹر کے چھوٹے چھوٹے اسٹیشنوں کے تمام افراد ہلاک کر دیئے گئے۔ ضلع بھر میں ہلاک شدگان کی مجموعی تعداد ۵۹۸ ۴ افراد تھی۔

کشتیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۵۰۰ افراد ہلاک ہوئے جن میں ۱۵۰ فوجی بھی شامل ہیں۔ عورتوں کے ساتھ انتہائی انسانیت سوز سلوک کیا گیا۔ ان کو نزائل جیل میں لے جا کر ہلاک کر دیا گیا۔ سینکڑوں عورتیں اور جوان لڑکیاں لاپتہ ہو گئیں۔

چواڈنگہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۳۰۰۰ کی آبادی میں سے ۳۰۰ زندہ بچے۔ ان میں مرد صرف ۷ تھے۔ چھوٹے بچے بھی ہلاک کر دیئے گئے۔

درشنا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۵۰۰۰ کی آبادی میں سے ۲۲۸ زندہ بچے۔

اتھلی۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۱۰۰ افراد کی بستی مکمل طور پر ختم کر دی گئی۔

پبنہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ شہر میں سو افراد ہلاک کر دیئے گئے۔

ایشرڈی۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۲۵ افراد ہلاک کر دیئے گئے۔

سراج گنج۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۵۰۰ کی آبادی میں سے صرف ۱۱۰۰ افراد زندہ بچے۔

Marfat.com

گوپال پور.......... ۱۱۰۰ افراد ہلاک کر دیئے گئے۔

پاکسی.......... ۱۲۰۰ افراد ہلاک کر دیئے گئے۔ چھوٹے بچوں اور لڑکیوں کو بھی نہ چھوڑا گیا۔ سینکڑوں لڑکیاں لاپتہ ہو گئیں۔

راجشاہی.......... ۱۵۰۰ افراد نواب گنج جیل میں ہلاک کر دیئے گئے۔

نٹور.......... ۱۵۰۰ کی آبادی میں سے صرف ۵۰۰ زندہ بچے۔

بوگرہ.......... ۱۱۵۰ افراد ہلاک کر دیئے گئے۔

سنتاہار.......... ۲۲۰۰۰ کی آبادی میں سے ۲۰۰۰ زندہ بچے۔

جے پور ہاٹ.......... ۱۲۰۰۰ افراد ہلاک کر دیئے گئے۔

چرکاتی.......... ہلاک شدگان کی مجموعی تعداد ۱۲۸۶۵۰ افراد۔

میمن سنگھ.......... ۲۲۰۰۰ کی آبادی میں سے کل ۷۰۰۰ افراد زندہ بچے۔

جمال پور.......... ۱۰۰۰ افراد میں سے ۱۵ عورتیں اور ۱۰ بچے زندہ بچے۔

بھیرپ بازار.......... ۱۰۰۰ افراد میں سے ۱۵۰ زندہ بچے۔

کومیلا.......... اکھوڑہ میں ڈیڑھ ہزار افراد مکمل طور پر ختم کر دیئے گئے۔

چاند پور.......... ۱۳۰ افراد ہلاک کر دیئے گئے۔

برہمن باڑیہ.......... بھیرپ بازار کے لوگوں کو یہاں لا کر قتل کیا گیا۔ ضلع بھر میں ہلاک شدگان کی تعداد ۵۲۰ افراد

سلہٹ.......... ۱۵۰۰ افراد ہلاک کر دیئے گئے۔

شمشیر نگر.......... چائے کے باغات کے علاقے میں ۱۰۰۰ افراد ہلاک ہوئے۔

نواکھالی.......... اس ضلع میں اردو بولنے والوں کی تعداد ایک ہزار تھی۔ جن میں سے ایک فرد بھی زندہ نہ بچا۔ ۱۷ اپریل تک ہنگامہ رہا۔ سینکڑوں لڑکیاں اغوا کر لی گئیں۔

چاٹگام.......... ۱۴۰۰۰ افراد ہلاک کر دیئے گئے۔

پیپر ہاٹ.......... ۱۳۰۰ افراد ہلاک کر دیئے گئے۔

کالوگھاٹ.......... ۱۵۰۰ افراد ہلاک کر دیئے گئے۔

رانگامائی جیل.......... ۱۸۰۰ افراد ہلاک کر دیئے گئے۔

چندر گھونا.......... ۱۵۰۰ افراد ہلاک کر دیئے گئے۔

کپتائی.......... ۱۳۰۰ افراد ہلاک کر دیئے گئے۔

دیناج پور.......... ۳۰۰۰۰ کی آبادی میں سے ۸۰۰۰ زندہ بچے۔

Marfat.com

ٹھاکرگاؤں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۸۰۰۰ کی آبادی میں سے ۱۲۶ افراد زندہ بچے۔

شتاب گنج۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۷۰۰ افراد ہلاک ہوئے۔

پیر گنج۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۰۰۰ میں سے صرف ۲۰۰ افراد زندہ بچے۔

پھول باڑی اور پاربتی پور۔۔۔۔۔ ۲۰۰ افراد ہلاک ہوئے۔

سید پور اور رنگ پور۔۔۔۔۔ ۵۰۰ افراد ہلاک ہوئے۔

ڈومر اور سال ڈنگہ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۵۰۰ افراد میں سے ۷۵ زندہ بچے۔

نلنا ماری۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۰۰ افراد ہلاک ہوئے۔

بونا پاڑہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۵ افراد ہلاک ہوئے۔

فرید پور۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۵۰۰ افراد ہلاک ہوئے۔

گوالندو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۲۰۰ کی آبادی میں سے ۳۵۰ بیوائیں زندہ رہیں۔

راجباڑی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۲ افراد ہلاک ہوئے۔

گوپال گنج۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۵۰ افراد ہلاک ہوئے۔

اس کے علاوہ سرکاری و نجی عمارتوں، نقل و حمل، مواصلات اور صنعتی اداروں کو بے انتہا نقصان پہنچایا گیا۔ مسلح بھارتی مداخلت کاروں کی مدد سے ایسے ایسے مظالم بھی ڈھائے گئے جن کا بیان ممکن نہیں۔

المیہ مشرقی پاکستان ایک جائزہ

پاکستان کی اساس علاقائیت، نسلیت یا وطنیت نہیں تھی بلکہ یہ ملک ایک آفاقی اُمّت اور آفاقی نظریہ کی اساس پر وجود میں آیا تھا۔ سندھی، بلوچی، پنجابی، پٹھان، مہاجر اور بنگالی کی بجائے ایک کلمہ طیبہ باہمی اشتراک کی بنیاد بنا۔ یہی وجہ تھی کہ بنگال، بھارت، اور مغربی پاکستان کی عوام اسلامیان نے بلاتفریق رنگ و نسل و وطن، نظریہ پاکستان کو ووٹ دیا۔ ملک قائم ہو گیا اور اس شان سے قائم ہوا کہ یہ جغرافیائی طور پر دو الگ الگ خطوں پر مشتمل تھا جبکہ بیچ میں ہزاروں کلومیٹر طویل دشمن ملک بھارت تھا۔

چوہدری رحمت علی کا پاکستان اور اقبال کا تصور مغربی پاکستان کے موجودہ علاقہ پر ایک اسلامی ریاست کا قیام تھا یعنی اس وقت کا شمال مغربی ہند، لیکن قدرت نے اپنے فیاضی سے ہمیں بونس میں بنگال کا خطہ بھی عنایت کر دیا۔

قائد نے قیام پاکستان کے بعد آج بنگلہ دیش اور اس وقت کے مشرقی پاکستان کا دورہ کیا۔ وہاں انہوں نے سب سے زیادہ زور نظریہ اسلام پر دیا اور علاقائیت اور صوبائیت کے زہر سے قوم کو متنبہ کیا۔ اسلامی اخوت و بھائی چارے کی ضرورت و اہمیت کو واضح کیا۔ جس کی بناء پر یہ ریاست وجود میں آئی۔ قائد کی جلد رحلت کے بعد نظریہ اسلام کو بالائے طاق رکھ دیا گیا۔ بدقسمتی سے مملکت پر ایک پست غلام ذہنیت کا طبقہ غلام محمد اور سکندر مرزا کی شکل میں مسلط ہو گیا جس نے اس پاک سرزمین پر

Marfat.com

بے ایمانی اور نفاق کے بیج بوئے اور ریاست کو نفرتوں کے الجھاؤ اور تفرقے کی آگ میں جھونک دیا۔ آنے والے دنوں میں یہ چنگاریاں مزید بھڑکتی چلی گئیں۔

خواجہ ناظم الدین جیسے درویش منش حکمراں کو اقتدار سے رسوا کر کے الگ کر دیا گیا۔ خواجہ صاحب کا تعلق بنگال سے تھا انہوں نے مغربی پاکستان کی نسبت بنگال کی آبادی زیادہ ہونے کے باوجود اپنے بنگالی بھائیوں سے دونوں خطوں کی مساوی نمائندگی تسلیم کرائی۔ اقتدار کی اس رسہ کشی کے دوران ایوب خان اقتدار پر قابض ہو گئے۔ (وہ بھی اس رسہ کشی میں شروع دن سے ملوث رہے تھے) ایوب نے ریاستی متفقہ آئین کو پامال کر دیا اور اپنا نیا صدارتی آئین نافذ کر دیا۔ موصوف اپنی ہی کابینہ سے فیصلہ کرا کر فیلڈ مارشل بن گئے۔ 1965ء کے صدارتی انتخابات میں محترمہ فاطمہ جناح نے ایوبی آمریت کا مردانہ وار مقابلہ کیا محترمہ کو دونوں یونٹس (مغربی و مشرقی پاکستان) میں زبردست مقبولیت حاصل تھی، خصوصاً مشرقی پاکستان (بنگال) میں۔ ایوب خان نے وسیع پیمانے پر دھاندلی کے ذریعہ الیکشن میں فاطمہ جناح کو شکست دی۔

فاطمہ جناح دونوں خطوں میں ہر دل عزیز اور قابل قبول شخصیت تھیں مگر انہیں ایک منظم سازش کا نشانہ بنایا گیا اور یوں دونوں یونٹوں کے اتحاد کا یہ نادر موقع ضائع کر دیا گیا۔ ایوب خان نے 1969ء میں عوامی دباؤ اور اپنی شخصی کمزوریوں کے تحت اقتدار چھوڑ دیا مگر خود ہی اپنے بنائے ہوئے آئین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اقتدار قومی اسمبلی کے سپیکر جناب نور الامین (جو بنگال سے منتخب ہوئے تھے) کو دینے کے بجائے ایک بے کردار اور عیاش شخص یحییٰ خان کے سپرد کر دیا۔ ایوب کے دور آمریت میں مشرقی پاکستان میں مغربی پاکستان کے خلاف شدید تعصب اور نفرت پھیلی۔ علاقائی جماعتوں نے خوب زور پکڑا۔ اس صورتحال میں بنگال کی ہندو آبادی اور بھارتی ایجنٹوں نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور ایک علیحدگی پسند تحریک شیخ مجیب الرحمٰن کی قیادت میں مشرقی پاکستان کے طول وارض میں پھیل گئی۔ اس خوفناک صورتحال میں 1970ء میں یحییٰ خان نے الیکشن کرائے۔ بنگال سے کلین سویپ کرتے ہوئے شیخ مجیب الرحمٰن واحد رہنما بن کر ابھرے جبکہ مغربی پاکستان میں ذوالفقار علی بھٹو کی پیپلز پارٹی جیت گئی۔

شیخ مجیب الرحمٰن نے مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان میں یکجہتی کے لئے 6 نکات پیش کیے جو کہ ایک ڈھیلی ڈھالی فیڈریشن کا تصور اور علیحدگی کی جانب ایک قدم تھا۔ اس صورتحال میں یحییٰ خان نے بنگلہ دیش میں فوجی ایکشن کرایا جس سے وہاں شدید نفرت کی آگ بھڑک اٹھی۔ اس صورتحال کا فائدہ اٹھاتے ہوئے بھارت نے بنگلہ دیش پر فوجی کارروائی کی۔ پاک فوج کی کمان جرنل عبداللہ خان نیازی کے ہاتھ میں تھی۔ انہوں نے بھارتی افواج کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے اور بغیر لڑے بھارت نے بنگلہ دیش فتح کر لیا۔

ہمیں تاریخ اسلامی کی ایک بدترین شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ اندرا گاندھی نے اس موقع پر کہا تھا کہ ہم نے اپنی ہزار سالہ شکست کا بدلہ لے لیا ہے۔

Marfat.com

حمودالرحمٰن

سانحہ مشرقی پاکستان کے اسباب جاننے کے لئے جسٹس حمودالرحمٰن کی براہی میں ایک عدلیہ کا کمیشن بٹھایا گیا جس نے تفصیلی تحقیقات کے بعد اپنی رپورٹ مرتب کی اور اس سانحہ کی ذمہ دار شخصیات کی نشاندہی کی اور ان کی سزائیں بھی مقرر کیں ۔مگر افسوس کہ تیس برس تک اس رپورٹ کو شائع نہ کیا گیا۔ بھارت نے اس خفیہ رپورٹ کے کچھ حصے شائع کر دیئے جس کے نتیجے میں حکومت پاکستان نے ایک ادھوری رپورٹ شائع کی جس میں سے بعض حصے حذف کر دیئے گئے۔ اس سات حصوں پر مشتمل رپورٹ میں دو حصے تو کلیتاً منظر عام پر نہیں لائے گئے۔ یہ حصے بیرونی ممالک کے کردار سے متعلق تھے جنہوں نے اس سانحہ میں اہم کردار ادا کیا۔ اس میں روس، امریکہ اور بھارت وغیرہ شامل ہیں۔

چند برس قبل سابق امریکی سیکریٹری آف سٹیٹ ہنری کسنجر نے جو یہودی لابی سے تعلق رکھتے ہیں اپنی اوپن Statement میں کہا کہ مشرقی پاکستان کی علیحدگی ہماری (امریکی) پالیسی کے مطابق ہوئی۔

سادگی مسلم کی دیکھ، غیروں کی عیاری بھی دیکھ

حقیقت

سابق ایئر مارشل نور خان صاحب نے حالیہ شائع شدہ حمودالرحمٰن کمیشن رپورٹ پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں 1965ء اور 1971ء میں شرمناک شکستوں کا سامنا کرنا پڑا۔ انہوں نے اس وقت کی فوجی و سیاسی قیادت کے بارے میں کہا کہ ان کی بدترین حرکتیں آج بھی ہمارے سر شرم سے جھک جاتے ہیں۔ سابق ایئر مارشل نے مطالبہ کیا کہ سابق سینئر فوجی و سول افسران پر مشتمل ایک سیٹ اپ بنا کر 71ء کی شکست کے ذمہ داروں کو عبرتناک سزا دی جائے۔

پاکستان کو نہ صرف 71ء کی جنگ میں شکست ہوئی۔ جنرل اسلم بیگ جب آرمی چیف تھے تو انہوں نے 6 ستمبر کو بیان دیا کہ ہمیں 1965ء کی جنگ شکست ہوئی۔

سقوطِ ڈھاکہ کا شرمناک پہلو

جنرل ایوب خان کے وزیر جسٹس منیر اپنی کتاب ''فرام جناح ٹو ضیاء'' کے صفحہ 92 پر رقمطراز ہیں۔ (جسٹس منیر نے وزیر کی حیثیت سے ایوب خان کو مشرقی پاکستان کے مقررین کے حکومت پر الزامات سے باخبر کیا تو)

" I spoke to Ayub and suggested that there could be no fusion or common goal beween the two Provinces and asked him whether it would be better that instead of putting up with this nonsense, to ask East Pakistan to take their affiars in their own hands. He suggested to me that i should talk about it to some influential leaders from East.

Marfat.com

ایوب خان نے کہا کہ یہ بکواس پہنچانے کی کیا ضرورت ہے۔ مشرقی پاکستان سے کہو کہ اپنے معاملات اور حکومت خود سنبھالیں۔

اسفند یار ولی نے حمودالرحمن رپورٹ پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک سیمینار میں کہ کہ ایک موقع پر ایوب خان نے ولی خان کو مخاطب کر کے کہا: ''ہمیں مشرقی پاکستان کو بھولنا ہوگا۔ بنگالیوں کو جانے دو''

اسی طرح انہوں نے جنرل یحییٰ خان کے مجیب کو ایک ٹیلی گرام کا حوالہ دیا جس میں درج تھا: ''مجیب، تم مجھے ڈھاکہ پہنچنے دو، میں تمہیں تمہارے چھ نکات سے کہیں زیادہ دوں گا''۔

سانحہ مشرقی پاکستان کے عینی شاہد جنرل نصیراللہ بابر نے بھی کئی واقعات اس تناظر میں بیان کیے ہیں جن میں کراچی کے ایک مشہور کاروباری خاندان کا تذکرہ کیا جس کے اکثر افراد کو گورنر بنایا جا رہا تھا۔ اس خاندان نے مجیب کی پرورش میں اہم کردار ادا کیا۔ اس خاندان کو اعلیٰ القابات سے نوازا جاتا رہا اور قائد کے ساتھیوں میں سے قرار دیا جاتا رہا۔ مجیب انہی کی کمپنی کا ملازم تھا اور انہی سے فنڈ کھاتا جاتا۔

جنرل صاحب نے سانحہ مشرقی پاکستان کے بارے میں اہم انکشافات کرتے ہوئے بتایا کہ ''جب جنرل اروڑہ مشرقی پاکستان کا ''چارج'' لینے ڈھاکہ پہنچا تو جنرل نیازی نے احکامات دیئے کہ تمام افسران اپنی بیگمات کے ہمراہ تقریب میں آئیں۔ دنیا میں اس سے پہلے بھی شکستیں ہوئیں اور ہتھیار ڈالے گئے لیکن یہ پہلا اور منفرد سرنڈر تھا جس میں شکست خوردہ افواج کے کمانڈر نے فاتح افواج کا ''ریڈ کارپٹ'' پر استقبال کیا۔ جنگوں میں شکست پر افواج اپنے اسلحے، گولا و بارود کو تباہ کر ڈالتی ہیں کہ وہ کہیں دشمن کے ہاتھ نہ لگے لیکن یہ نیازی صاحب کا کمال تھا کہ تمام ہتھیار پالش کر کے دشمن کے حوالے کر دیئے گئے۔

ممتاز صحافی اور کالم نویس جاوید چوہدری صاحب فرماتے ہیں کہ چند برس پیشتر سابق ائیر چیف مارشل ذوالفقار سے ان کی ملاقات ہوئی جس میں انہوں نے بتایا کہ 1971ء میں وہ ایک جونیئر آفیسر تھے۔ جب جنگ شروع ہوئی تو وہ پاک فضائیہ کے ان آفیسروں میں شامل تھے جنہیں بھارت پر پہلے فضائی حملے کا موقع ملا۔ فضائیہ کی روایت کے مطابق پہلے ائیر اٹیک کے وقت کمانڈر انچیف خود ائیر بیس پر جا کر افسروں کو رخصت کرتا ہے۔ یہ افسر بھی بیس پر تیار کھڑے ہو گئے۔ بڑی دیر انتظار کے بعد جب کمانڈر انچیف یعنی صدر پاکستان جنرل یحییٰ خان ائیر بیس پر تشریف لائے تو وہ نشے میں اس قدر دھت تھے کہ ان سے سیدھا کھڑا نہیں ہوا جا رہا تھا۔ انہیں دو جوانوں نے دونوں طرف سے پکڑ رکھا تھا۔ صدر ہمارے قریب آئے بڑی مشکل سے گردن سیدھی کی پورے جسم کی قوت جمع کر کے ''اٹیک'' کا حکم دیا اور پیچھے گر گیا۔ سقوط ڈھاکہ کے عینی شاہد جنرل ایچ۔ ایم۔ انصاری کہتے ہیں کہ سانحہ مشرقی پاکستان کے حالات و واقعات اور فوج و حکمرانوں کی حالت اور شب و روز دیکھ کر سر شرم اور ندامت سے جھک جاتا ہے۔ افواج پاکستان کی اعلیٰ ترین قیادت عیاشی اور بدکرداری میں ملوث ہو چکی تھی۔ بدنام زمانہ عورتیں اور ملک کی معروف گلوکاراؤں سے ان کے مراسم قائم تھے جن کے بارے میں بہت سی تفاصیل چھپ چکی ہیں۔ یہ تاریخ اسلام کا بدترین اور شرمناک ترین سانحہ تھا۔ اس سانحہ نے سقوط بغداد اور سقوط غرناطہ کی یاد تازہ کر دی۔

Marfat.com

سقوط ڈھاکہ کے ملزمان آج بھی پوری ڈھٹائی اور بے شرمی سے کھلے عام دندناتے پھرتے ہیں۔ کسی سے کوئی جواب طلبی نہیں ہوئی، کسی کو اتنے بڑے جرم کے بعد سزا نہیں ہوئی حالانکہ انہیں عبرت ناک سزائیں دی جانی چاہیئے تھیں۔ قدرت قوموں کو بار بار مواقع نہیں دیا کرتی۔

انداز سیاست توڑ چکا اک شاخ مگر جو باقی ہے　　　اس شاخ کے نازک پتوں پر حشرات سیاست آج بھی ہیں

آج اگر سقوط ڈھاکہ کے حالات اور اسباب کا تجزیہ کیا جائے تو ایک بات بہت واضح طور پر سامنے آتی ہے وہ یہ کہ سانحہ مشرقی پاکستان کے وقت بدترین قیادت کا سیٹ اپ تھا۔ اسی طرح دشمنوں کے لئے نہایت سازگار، سیاسی حالات و واقعات مجتمع ہو چکے تھے۔ نیز عالمی طاقتوں کا بھی پاکستان توڑنے پر اجماع ہو چکا تھا۔

عیاش و مے نوش قیادت کے ہاتھوں میں ریاست اور عساکر کی باگ ڈور اسی طرح مشرقی پاکستان میں بھی بدترین لیڈر شپ ابھری۔ تمام بڑی طاقتیں روس، امریکہ اور پھر دشمن ملک بھارت ہماری برسر اقتدار قیادت اور مشرقی پاکستان کی قیادت یہ تمام اس بات پر متفق تھے کہ ملک دولخت ہو جانا چاہیئے۔

پاکستان میں آج تک کوئی جنگ بھی آزاد و خودمختار حیثیت سے نہیں لڑی گئی۔ 1948ء کی جنگ میں انگریز آرمی چیف نے غداری کی جبکہ اس کے بعد کی تمام جنگیں مغرب کے غلامی زدہ طبقے نے بیرونی Dictation پر لڑے۔

سقوط ڈھاکہ میں بیرونی طاقتوں کا کردار

جیسا کہ بیان کیا گیا کہ امریکی یہودی لابی کے سابق سیکریٹری آف سٹیٹ ہنری کسنجر 90ء کی دہائی میں ایک سے زائد بار واضح لفظوں میں Public Statement میں اعلان کر چکے ہیں کہ مشرقی پاکستان کی علیحدگی امریکی پالیسی کے مطابق ہوئی۔

''یہ بالکل صحیح ہے کہ 1971ء کی پاک بھارت جنگ کے دوران ہم نے بھارت کی طرف سے استعمال کئے جانے والے طریقوں کی مخالفت کی۔ اس وقت جو مشرقی بنگال تھا اور اب بنگلہ دیش ہے، اسے حقِ علیحدگی اور حقِ خود اختیاری حاصل ہوا اور ہم سمجھتے تھے کہ فوجی کارروائی غیر ضروری تھی''۔ امریکی وزیر خارجہ ہنری کسنجر نے یہ انکشاف 7, 10 اور 11 ستمبر 1973ء کو امریکی سینیٹ کی کمیٹی برائے امور خارجہ کے سامنے بطور شہادت کے دیا۔ ان کا یہ بیان امریکی مرکز اطلاعات نے ''یونائیٹڈ اسٹیٹس پالیسی سٹیٹمنٹ سیریز 1973ء میں شائع کیا۔ امریکی سرگرمیاں خفیہ رہیں۔

مقصد

بعض تحقیقی اسکالرز نے یہ حقائق تحریر کئے ہیں کہ ویت نام لاؤس اور کمبوڈیا میں عبرت ناک شکست کھانے کے بعد امریکہ کو جنوب مشرقی ایشیاء میں فوجی اڈے کی ضرورت تھی جس کے لئے مشرقی پاکستان موزوں ترین جگہ تھی۔ نتیجتاً امریکی خفیہ ایجنسی CIA نے ایک جامع منصوبہ بندی کی جس کے تحت 10 اگست 1969ء مشرقی پاکستان میں ''اعلان آزادی'' ہونا تھا

Marfat.com

لیکن 1968ء کی عظیم عوامی تحریک کے باعث CIA کا یہ منصوبہ برباد ہو گیا۔ اتفاق سے CIA کی یہ خفیہ دستاویز نیشنل عوامی پارٹی کے صدر مولانا عبدالحمید بھاشانی کے ہاتھ لگ گئی۔ یکم نومبر 1969ء کو ڈھاکہ پریس کلب میں مولانا بھاشانی نے اس پلان کا انکشاف کیا۔ مولانا بھاشانی نے بتایا کہ وہ اس خفیہ دستاویز کی نقلیں صدر پاکستان یحییٰ خان اور صوبائی گورنر کو روانہ کر چکے ہیں۔

مولانا کے اس بیان پر حکومت وقت نے کوئی ردعمل اور کوئی تبصرہ نہ کیا اور نہ ہی تردید جاری ہوئی اور نہ امریکہ سے احتجاج کیا گیا۔ امریکہ نے پاکستان کو دھوکہ دینے کے لئے اپنا ساتواں بحری بیڑا چیونٹی کی رفتار سے پاکستان کی مدد کے لئے روانہ کیا جو کبھی پہنچ نہ سکا۔

صدر پاکستان جنرل یحییٰ خان نے یوم شکست (سقوط ڈھاکہ) کے دن 16 دسمبر 1971ء کی اپنی پہلی نشر تقریر میں امریکہ کا شکریہ ادا کیا اور پریس ایڈوائس جاری کی کہ امریکہ کے خلاف کچھ نہ لکھا جائے۔ اس کے برعکس امریکہ نے افواج پاکستان سے ہتھیار ڈلوانے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ جنرل نیازی نے ڈھاکہ میں مقیم امریکی قونصلر کے ذریعہ بھارتی حکومت سے گفت وشنید کی۔

27 دسمبر 1971ء کو "ٹائم" کو انٹرویو دیتے ہوئے صدر نکسن نے مشرقی پاکستان کی علیحدگی سے سلسلے میں کہا "جنوبی ایشیاء میں جنگ شروع ہونے پر ہمیں روس سے اختلاف تھا مگر جنگ کے اختتام پر اختلاف نہیں رہا"۔ یعنی صدر نکسن کا بھی مقصد بنگلہ دیش کا قیام ہی تھا۔ صدر نکسن نے مزید کہا کہ "روس مشرقی پاکستان کے زوال کے بعد جنگ بندی کرانے پر تعریف کا مستحق ہے ورنہ اس کے بعد مغربی پاکستان کا فتح ہونا ناگزیر تھا۔۔۔۔ہم نے روس کے تعاون سے ایک تعمیری کردار ادا کیا ہے"۔ امریکہ نے پاکستان سے ہر مشکل مرحلہ پر منہ پھیرا اور زک پہنچانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ مگر ہمارے حکمران ہیں کہ پہلے بھی اسی کی گود میں بیٹھنے میں عافیت سمجھتے رہے ہیں اور آج بھی سمجھ رہے ہیں۔

3-1956 کا آئین

جون 1955ء میں دوسری دستور ساز اسمبلی منتخب ہوئی اور آئین سازی کا کام شروع ہوا اور ایک سال سے بھی کم عرصے میں ملک کا آئین تیار کیا گیا، جو 23 مارچ 1956ء کو نافذ ہوا۔

3-1956 کے آئین کے نمایاں خدوخال

۱۔ اس آئین کے ابتدائیہ میں یہ کہا گیا کہ حاکمیت اور اقتدار اعلیٰ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور پاکستان کو اسلامی جمہوریہ قرار دیا گیا۔

۲۔ ملک میں وفاق پارلیمانی نظام حکومت کا قیام کیا گیا۔

۳۔ گورنر کی جگہ صدر نے لے لی۔

Marfat.com

۴۔حکومت کے وفاقی نظام کے تحت مرکز اور پاکستان کے دونوں صوبوں یعنی سابقہ مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کے درمیان اختیارات کا تعین کیا گیا۔

۵۔اس بات کی ضمانت دی گئی کہ مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات کے مطابق زندگی گزارنے کے تمام مواقع مہیا کئے جائیں گے۔

۶۔حکومت پاکستان دنیا کے تمام مسلم ممالک سے قریبی اور دوستانہ تعلقات قائم کرے گی۔

۷۔سربراہ مملکت ایک مسلمان ہوگا۔

۸۔ کوئی ایسا قانون نافذ نہیں کیا جائے جو اسلامی اصولوں (قرآن وسنت) کے خلاف ہو اور اگر ایسا کوئی قانون موجود ہوگا تو اس میں ترمیم کی جائے گی۔

۹۔ صدر پاکستان ایک کمیشن تشکیل دیں گے جو تمام موجودہ قوانین کا جائزہ لے گا اور ان میں ضروری ترامیم کی سفارش کرے گا۔

۱۰۔غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق کو مناسب تحفظ فراہم کیا گیا۔

1956ء کا آئین بدقسمتی سے صرف ڈھائی سال تک نافذ رہا۔ سیاسی سازشوں، باہمی چپقلس اور ملک کی بدتر اقتصادی صورت حال نے فوج کو یہ موقع فراہم کیا کہ وہ ملک کا نظم ونسق سنبھال لے۔ 7اکتوبر 1958ء کو مارشل لاء نافذ کر دیا گیا۔افواج پاکستان کے سپہ سالار (کمانڈر انچیف) جنرل محمد ایوب خان نے حکومت پاکستان کے اختیارات سنبھال لئے۔ 1956ء کا آئین منسوخ کر دیا گیا اور تمام وفاقی اور صوبائی اسمبلیاں توڑ دی گئیں۔اس طرح پاکستان پھر تقریباً تین سال آٹھ ماہ تک بے دستور ملک رہا۔

1962ء کا آئین

جنرل محمد ایوب خان نے ایک نیا آئین تیار کروایا جسے یکم مارچ 1962ء کو ملک میں نافذ کیا گیا ملک سے مارشل لاء اٹھا لیا گیا۔اس آئین کو 1962ء کا آئین کہا جاتا ہے۔

1962ء کے آئین کے نمایاں خدوخال

۱۔ قرارداد مقاصد۔1949ء کو آئین کے ابتدائیہ (Preamble) میں شامل کیا گیا۔

۲۔ عوامی نمائندے قرآن وسنت کی مقرر کردہ حدود کے اندر اپنے اختیارات استعمال کرسکتے ہیں۔

۳۔ 1962ء کے آئین میں پاکستان کو اسلامی جمہوریہ قرار دیا گیا تھا۔

۴۔ قرآن وسنت کے خلاف کوئی قانون نافذ نہیں کیا جائے گا۔عوام کو تمام مواقع اور سہولتیں مہیا کی جائیں گی تاکہ وہ قرآن وسنت کی تعلیمات کے مطابق اپنی زندگی گزار سکیں۔

۵۔ اسلامی مشاورتی کونسل قائم کی گئی جس کا مقصد یہ تھا کہ قوانین میں غیر اسلامی دفعات کی نشاندہی کرے اور ان قوانین میں ایسی ترامیم کی سفارش کرے جو انہیں اسلامی اصولوں (قرآن وسنت) کے مطابق ڈھال دے۔

Marfat.com

۶۔ تمام اختیارات ایک فرد یعنی صدر کی ذات میں جمع کر دیئے گئے۔

۷۔ ملک میں صدارتی طرزِ حکومت رائج کیا گیا۔

۸۔ بنیادی جمہوریت کے نظام آئین کا حصہ بنا دیا گیا۔

۹۔ صدر، قومی و صوبائی اسمبلی کے اراکین کے لئے انتخابات کا بالواسطہ نظام رائج کیا گیا۔

5-1973 کا آئین

مارچ 1969ء میں مارشل لاء کے نفاذ کے وقت یہ وعدہ کیا گیا تھا کہ بالغ رائے دہی کی بنیاد پر منتخب پاکستان کی نئی دستور ساز اسمبلی ایک نیا آئین تیار کرے گی۔ اس مقصد کیلئے مارچ 1970ء میں ''لیگل فریم ورک آرڈر'' (ایل ایف او) جاری کیا گیا۔ ایل ایف او میں صوبائی اور قومی اسمبلی کے اراکین کی کل تعداد اور انتخابات کے انعقاد کے لئے ہدایات فراہم کی گئی تھیں اور آئین کی تیاری کے لئے بنیادی اصول طے کر دیئے گئے۔

مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے بعد مغربی پاکستان کے منتخب اراکین کو نیا آئین بنانے کے لئے کہا گیا۔ حکومت اور حزبِ اختلاف کے نمائندوں پر مشتمل 25 اراکین اسمبلی کی ایک کمیٹی بنائی گئی جس کے سپرد یہ کام دیا گیا کہ وہ ملک کے لئے مستقل آئین کا مسودہ تیار کرے۔ کمیٹی کا تیار کردہ مسودہ اپریل 1973ء میں منظور کر لیا گیا اور 14 اگست 1973ء کو یہ آئین ملک میں نافذ کر دیا گیا۔

1973 کے آئین کے نمایاں خدوخال

۱۔ 1973ء کے آئین کی بنیاد بھی قراردادِ مقاصد پر رکھی گئی تھی۔

۲۔ ملک کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان رکھا گیا اور اسلام کو ریاست کا سرکاری مذہب قرار دیا گیا۔

۳۔ مسلمان کی تعریف کو آئین کا حصہ بنایا گیا اور یہ کہا گیا کہ ''ایسا شخص مسلمان ہے جو اللہ اور آپ ﷺ کو اللہ کا آخری نبی ہونے پر کامل ایمان رکھتا ہو۔

۴۔ سربراہِ مملکت یعنی صدر اور سربراہ حکومت یعنی وزیرِاعظم مسلمان ہوں گے۔

۵۔ قراردادِ مقاصد کو آئین میں ابتدائیہ (Preamble) کے طور پر شامل کیا گیا جس میں یہ کہا گیا ہے کہ تمام کائنات کا مالک، حاکمِ اعلیٰ اور مقتدرِ اعلیٰ اللہ تعالیٰ ہے اور عوام کے پاس اختیار و اقتدار اللہ کی امانت ہے جس کو وہ اللہ کی مقرر کردہ حدود کے اندر رہتے ہوئے استعمال کر سکتے ہیں۔

۶۔ ملک میں وفاقی پارلیمانی نظام رائج کیا گیا۔ وزیرِاعظم کو بہت زیادہ اختیارات دیئے گئے۔ صدرِ مملکت کے اختیارات کو بہت محدود کر دیا گیا۔ عملی طور پر صدرِ مملکت وزیرِاعظم کی رضامندی کے بغیر اہم احکامات جاری نہیں کر سکتا تھا۔

Marfat.com

۷۔ پاکستان میں پہلی مرتبہ دوایوانوں پرمشتمل پارلیمان قائم کی گئی۔ایوان بالا کا نام سینیٹ اور ایوان زیریں کا نام قومی اسمبلی رکھا گیا۔

۸۔ صوبائی حکومت کوصوبائی خودمختاری دی گئی۔

۹۔ عوام کے حقوق کے تحفظ کے لئے عدلیہ کی آزادی کے لئے ضروری تحفظات مہیا کئے گئے۔

۱۰۔آئین کی رو سے ایک اسلامی نظریاتی کونسل قائم کی گئی تاکہ وہ اسلامی اصولوں کے مطابق حکومت کی رہنمائی کرے۔یہ ایک مشاورتی ادارہ ہے جو وفاقی اور صوبائی حکومتوں کے ایسے اقدام کے لئے سفارشات پیش کرتا ہے جو مسلمانوں کو اسلامی اصولوں و ضوابط کے مطابق زندگی گزارنے میں مددگار ثابت ہوں۔یہ کونسل موجودہ قوانین کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے لئے بھی اپنی رائے دے سکتی ہے۔

۱۱۔ مسلم ممالک سے قریبی تعلقات قائم کرتے ہوئے اسلامی اتحاد واتفاق و یک جہتی کو پروان چڑھانا۔

۱۲۔ اسلامی تعلیمات اور عربی زبان کوفروغ دینے کے لئے ضروری اقدامات کرنا۔

Marfat.com

باب: اُنیسواں

ایٹمی دھماکہ

Marfat.com

ایٹمی دھماکہ

پاکستان کی ایٹمی قوت

سقوطِ ڈھاکہ کے بعد جہاں ہندوستان میں سطوتِ ثانیہ کا جذبہ جاگزیں ہوا اور ہندو انتہا پسند تنظیموں نے تیزی سے جڑیں پکڑیں۔ اور بھارت کو ایک زبردست فوجی قوت میں بدلنے کی سعی کی جانے لگی۔ وہاں پاکستان میں بھی کچھ مثبت کام ہوئے۔ پاکستان نے ایٹمی ٹیکنالوجی میں خود کفالت حاصل کر لی۔ سوویت یونین کے خاتمہ میں نمایاں کردار ادا کیا۔ جہاں تک ہماری ایٹمی صلاحیت کا معاملہ ہے اس سلسلہ میں ذرا تاریخ پاکستان کا جائزہ لے لیا جانا چاہیے۔

قائداعظم نے کراچی میں نیول بیس پر 23 جنوری 1948ء کو خطاب میں پاکستان کے ایٹمی صلاحیت حاصل کرنے کا عندیہ دے دیا تھا۔ یہ حقائق منظر عام پر آچکے ہیں کہ نہرو نے ابتداء ہی سے ایٹمی صلاحیت کے لئے تگ و دو شروع کر دی تھی۔ قائد بھی ان حقائق سے باخبر تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اب دنیا میں کوئی قوم بھی اس صلاحیت کے بغیر Survive نہیں کر سکتی۔

بعض مورخین نے تحریر کیا ہے کہ جنرل ایوب خان کے دور میں کینیڈا سے سستی ایٹمی صلاحیت میسر آسکتی تھی مگر اس کی اہمیت نہ سمجھی گئی اور لینے سے انکار کر دیا گیا۔ (اس سلسلہ میں امتیاز رفیع بٹ کی تحریریں مفید مطالعہ ہیں) سقوط ڈھاکہ کے بعد 1974ء میں بھارت نے ایٹمی دھماکہ کر دیا۔ اس صورتحال میں پاکستان کا استحکام خطرے میں پڑ گیا۔ ان حالات میں ایٹمی صلاحیت کے حصول کی اہمیت کے پیش نظر سابق وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو نے اس سلسلہ میں اہم اور کلیدی کردار ادا کیا۔ ایک طرف تو فرانس سے Reprocessing پلانٹ لینے کے معاہدے کئے تو دوسری جانب بعض عرب ممالک سے امداد سے اور وسائل اکٹھے کر کے، خود انحصاری کی بنا پر ملک ہی میں ایٹمی قوت کے حصول پر کام شروع کرا دیا۔ دراصل یہود اور امریکہ کو ان کی موجودگی بعض امور کی وجہ سے ناپسند تھی۔ مثلاً ایٹمی صلاحیت کا حصول اور مسلم امہ کی یکجہتی وغیرہ۔ نتیجتاً ذوالفقار علی بھٹو کو 1979ء میں پھانسی دے دی گئی۔ لیکن اصل وجہ بھٹو کو پھانسی دینے کی ملک سے غداری تھی۔ یہ بات نہ تو عوام جانتی ہے نہ ہمارے ملک میں حقائق سامنے لانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اگر بھٹو اتنے وفادار تھے تو مجیب الرحمٰن کی اکثریت ہونے پر ملک کا صدر چنتے اور اسی خودغرضی کی وجہ سے ملک درلخت ہوا۔ جنرل ضیاء نے انہیں پھانسی کی سزا دی۔ اقتدار ختم کیا گیا۔ قتل عام، لڑکیوں کا اغواء، مہاجرین کا قتل عام، جائیدادوں پر قبضہ، اقتدار کی ہوس نے حکمرانوں کو اندھا کر دیا تھا۔ 1965ء، 1971ء کی جنگ میں بھٹو کا ہاتھ تھا۔

اس صورتحال میں یقیناً پاکستان کا ایٹمی پروگرام ختم کر دیا جاتا ہے اور امریکہ کا بے حد دباؤ بھی تھا۔ آغا شاہی جو کہ بھٹو صاحب اور جنرل ضیاء الحق کے ادوار میں وزیر خارجہ رہے ان کے بیان کے مطابق جنرل ضیاء نے انہیں امریکہ سے معاملات نمٹانے کو کہا۔ وہ کہتے ہیں کہ اس صورتحال میں ان کے لئے یہ سخت پریشانی بنی ہوئی تھی کہ ان حالات سے کیسے نمٹا جائے۔ اس صورتحال میں قدرت کی طرف سے خصوصی مدد حاصل ہوئی۔ روس نے افغانستان پر حملہ کر دیا۔ امریکہ نے روس کو تباہ کرنے کیلئے پاکستان کو مورچہ بنایا اور یہاں سے افغانستان میں جنگ لڑی گئی۔

Marfat.com

اس صورتحال میں امریکہ پاکستان کو ایٹمی پروگرام ختم کرنے کا کہہ نہیں سکتا تھا کیونکہ اس کے اپنے مفادات آڑے آئے ہوئے تھے۔ جنرل اسلم بیگ کے ایک اخباری بیان کے مطابق پاکستان نے 1983ء میں ایٹمی صلاحیت حاصل کر لی۔ اب دیکھئے 1987ء میں روس افغانستان سے شکست کھا کر پسپا ہوا اور ساتھ ہی سوویت یونین کا شیرازہ بکھر گیا اور ساتھ ہی کیمونزم کا خاتمہ بھی ہو گیا۔ نتیجتاً وسطی ایشیائی ریاستیں آزاد ہو گئیں۔ نتیجتاً دیوار برلن بھی گر گئی وغیرہ وغیرہ۔

1987ء میں جنیوا معاہدے کے بعد افغانستان وار کی امداد کے سلسلہ میں اسلحہ ڈپو تباہ کیا گیا اور اوجڑی کیمپ کا سانحہ عمل میں آیا۔ اور پاکستان کو ایٹمی پروگرام کے ضمن میں بھی پریشر بڑھایا گیا۔ اسی برس پاکستان کے اوپر اسلحہ کی بندش کیلئے پریسلر ترمیم نافذ ہوئی اور اس کے کچھ ہی عرصے کے اندر جنرل ضیاء الحق کو ساتھیوں سمیت فضائی حادثے کا شکار کر دیا گیا۔ ذرا غور کریں تو ان واقعات کی تمام کڑیاں مل کر امریکی مفادات کو پورا کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ اس تمام صورتحال کے باوجود بحر حال پاکستان عالم اسلام کی پہلی اور دنیا کی ساتویں ایٹمی قوت بن کر ابھرتا ہے۔

ایٹمی دھماکہ اور ہماری ذمہ داریاں

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب ؒ نے پاکستان کے ایٹمی دھماکے کے بعد جمعۃ المبارک صفر المظفر ۱۴۱۹، ۲۹ مئی ۱۹۹۸ بمقام المصطفی مسجد، پرانی سندھ یونی ورسٹی، حیدر آباد نمازِ شکرانہ ادا کر کے اس شام عصر کے حلقے میں تقریر فرمائی۔ اس تقریر کو تحریر کیا جا رہا ہے۔

آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ اللہ کے فضل سے پاکستان نیوکلیر پاور کے سلسلے میں خود مختار ہو گیا ہے۔ دشمن بغلیں جھانکنے لگا ہے اور وہ صلح پر آمادہ ہو رہا ہے۔ آپ سے ہو سکے تو دو رکعت نمازِ شکرانہ ادا کر لیں۔

میرے بزرگوں اور عزیزو!

اَلْقَارِعَةُ مَاالْقَارِعَة ہ وَمَآ اَدْرٰکَ مَاالْقَارِعَة ہ یَوْمَ یَکُوْنُ النَّاسُ کَاالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْث ہ

ترجمہ: ایک وقت ایسا آئے گا قیامت کا کہ یہ پہاڑ اس طرح اُڑیں گے کہ دھنکی ہوئی روئی (روئی جو ہوتی ہے کپاس میں) وہ زمانہ آ رہا ہے۔

ہم کو اب بھی آنکھیں کھول لینی چاہئیں۔ توبہ کرنی چاہیئے۔ اللہ سے معافی مانگنی چاہیئے۔ شریعت پر چلنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ حضور اکرم ﷺ کے احکام پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ کیا جانے کیا ہوتا ہے۔ دشمن آپ پر حملہ کر دے۔ کب کیا ہو جائے۔ اس لئے ہر لمحہ کو خوب غنیمت سمجھیں۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے رہیں کہ اللہ پاک ہمیں معاف کر دے۔ مرنا تو ہے ہی اس میں کوئی شک نہیں۔ مرنے کا وقت تو اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ وقت ہے۔ لیکن ہم کتنی ہی دور چلے جا رہے ہیں شریعت سے۔

شریعت سے محبت نہیں، پڑوسیوں کے حقوق ادا کرنے کا شوق نہیں۔ اپنے عزیزوں کی خدمت کرنے کا شوق نہیں۔ پڑوسیوں کی خدمت کے لئے حضور انور ﷺ نے کتنا زور دیا ہے۔ بار بار فرماتے ہیں کہ ان کی ہر تکلیف میں انکے ساتھ رہو۔

Marfat.com

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو گمان ہونے لگتا تھا کہ کہیں حضور انور ﷺ پڑوسیوں کو وارث نہ بنا دیں یعنی وارثت کا حق نہ دے دیں۔ اتنا زیادہ پڑوسیوں کا حق ہے۔ اپنے بھائی مسلمانوں کا حق ادا کرنا چاہیئے۔ سب کا خیال رکھنا چاہیئے۔ سب کی خدمت کرنی چاہیئے۔ یہی کام آئے گا۔ اپنا پیٹ بھرلیا۔ حرام ورشوت وغیرہ سے۔ اور کسی طرح شرم نہ آئی۔ ایک صاحب کے بارے میں معلوم ہوا کہ انہوں نے کہا پیسے لاؤ مجھے حج کرنے جانا ہے، یعنی حرام میں حج کریں گے۔ اس قدر رشوت، اس قدر خرابیاں پیدا ہوگئی ہیں ہمارے معاشرے میں کہ ایک دوسرے کی ہم کو پرواہ نہیں۔ ہم جو چاہیں کریں۔ ہم جائز سمجھتے ہیں، ظلم کرنا تو ہمارے لئے بالکل آسان ہوگیا ہے۔ ذرا سا کسی کو کمزور پایا تو اس کی اچھی طرح سے خبر لے لی۔

میرے بزرگو! وقت کا کچھ پتہ نہیں کب آجائے۔ بیٹھے بیٹھے ہم ختم ہوسکتے ہیں۔ اس کا حکم ہو تو۔ دشمن تو یہی چاہتا ہے کہ آپ کو ختم کردے۔ لیکن اللہ پھر بھی ہم پر شفقت اور مہربانی فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے پاکستان کو ایک نامور حکومت عطا کی ہے۔ جس کو سب تسلیم کرتے ہیں، بڑی سے بڑی طاقتیں بھی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمارا کچھ بگاڑ نہیں سکتیں۔

پاکستان کی حکومت اللہ تعالیٰ نے اتنی عزت دی ہے کہ دوسری حکومتیں ان سے مشورے کرتی ہیں۔ ہم لوگوں نے کیا کیا حرام کھانے کی کوشش کی ہے۔ ہر طرح سے برائیاں خریدی ہیں۔ ہم کمزور کو خوب ستاتے ہیں کہ جتنا ہوسکے ان سے وصول کیا جائے۔ یہ کیا کر رہے ہیں ہم لوگ؟ سوچئے تو کیا کر رہے ہیں آپ؟ شرافت سے کوئی تعلق نہیں۔ حقوق ادا کرنے کی ہمیں کوئی پرواہ نہیں۔ اپنے عزیزوں کا خیال کرنے کی کوئی پرواہ نہیں۔ جھوٹ بولنا، رشوت لینا، دھوکہ دینا ہم سب کا عام طور پر شیوہ بن گیا ہے۔ ہمیشہ توبہ کریں اور زیادہ سے زیادہ استغفار پڑھیں۔ معلوم نہیں کب وقت آجائے۔ دشمن اگر اچانک حملہ کردے تو کیا ہو۔ اس لئے اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑیں۔ وہی آپ کو بچائے گا، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ یہی سب سے بڑی چیز ہے۔ ورنہ آپ اور ہم کچھ نہیں کرسکتے۔ ہم میں کیا طاقت ہے۔۔

میرے بزرگو! ہر چیز ہم نے شریعت کے خلاف کرنا شروع کردی ہے۔ حضور انور ﷺ کا ایک جوڑا کپڑا رہتا تھا اسی کو دھوکر پہن لیتے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ دو جوڑے کافی ہیں۔ ایک سردی سے بچنے کے لئے دوسرا گرمی سے بچنے کے لئے۔ ہم دیکھتے ہیں ہماری بھنگن آتی ہے۔ روز نئے کپڑے بدلتی ہے، ملازمائیں ہیں حیرت ہوتی ہے کہ کم سے کم پچاس پچاس جوڑے تو ہوں گے ان کے پاس۔ اسراف ہے۔ ہمارے پاس کہیں سے بھی آجائے ہم تو کپڑے بنالیں بس۔ نئے کپڑے بنا کر کچھ دن پہنیں گے۔ کئی کئی ہزار کا ایک جوڑا، ایک دن پہنا فوراً دوسرے کو دے دیا۔ آپ کی شان کے خلاف ہے، دوبارہ پہننا۔ اگر کسی نے دیکھ لیا کہ آپ نے یہ کپڑا پہنا ہے، اب آپ کی شان کے خلاف ہے دوبارہ پہننا۔ یہ ہماری ذہنیت بن گئی ہے۔ کتنا اسراف ہے، بہت زیادہ۔ کیا بتاؤں۔ کسی کو پیش کریں آپ شربت، آپ بوتل پیش کریں تو وہ ایک دو گھونٹ پئیں گے اس کے بعد رکھ دیں گے۔ شان ہے۔ آپ کو پرواہ نہیں کتنی قیمتی بوتل ہے کتنا قیمتی شربت ہے ہم تو سمجھتے ہی نہیں۔ دعوتوں میں جاتے ہیں تو بہت سا کھانا لیتے ہیں لیکن چند لقمے کھا کر اسے چھوڑ دیتے ہیں تاکہ لوگ سمجھیں کہ ہم کتنی شان والے ہیں۔

Marfat.com

کہیں جاتے ہیں ہم لوگ خاص طور سے عورتیں سب بلب جلدی جلدی اون (کھولتے ہیں) کرتے ہیں۔ سب کے سب جلیں گے اکھٹے۔ جب اٹھیں گی تو سب ویسے کا ویسے چھوڑ کر چلی جائیں گی۔ ٹشو پیپر نکلا ہے۔ جہاں دل چاہے پھینک دیا۔ یعنی آپ سنبھالئے اس کو۔ کس قدر اسراف ہے کس قدر جھوٹی شان پیدا ہوگئی ہے۔ یہ سب ہمارے یہاں بالکل ممنوع ہیں حرام ہیں یہ چیزیں۔ ہم لوگ ذرا اپنی زندگی پر تو غور کریں کہ ہم نے کتنا اسراف کر رکھا ہے۔ شریعت کی ہم نے پرواہ ہی نہیں کی۔ اپنے بچوں کی ہم نے تربیت نہیں کی۔ بس ہم نے سمجھ لیا کہ ڈگریاں مل جائیں بس کافی ہے۔ ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے کی ہم میں ہمت نہیں رہی۔ ہمت کیا شوق ہی نہیں۔ توفیق حاصل نہیں۔ شیطان کے قبضے میں ہم لوگ آگئے ہیں۔ ناگہانی آفتیں جو آرہی ہیں اب بھی سنبھل جائیں۔ اب بھی ہم اللہ کو پکڑیں اب بھی توبہ کرلیں۔ ہمیشہ استغفار پڑھیں۔ قرآن کی تلاوت کریں۔ اور اپنے گناہوں کی، اپنے عزیزوں کی، اپنے پڑوسیوں، اپنے محلّہ والوں اور شہر والوں کی اور کل مسلمانوں کے گناہوں کی معافی مانگیں۔ اسی میں خیر و برکت ہے اور کوئی چیز نہیں ہے خیر و برکت کی۔ حضور انور ﷺ کی غلامی کو اختیار کریں نہ معلوم کب وقت آجائے۔ ہم پیش ہوں گے قبر میں پوچھیں گے منکر نکیر، آپ کا دین کیا ہے؟ آپ انکو پہچانتے ہیں قبر میں حضور انور ﷺ کی شبیہ مبارک دکھائی جائے گی۔ کیا آپ ان کو جانتے ہیں؟ ہم نے اپنی صورت، اپنا عمل ویسا بنایا ہی نہیں ہے تو ہم ان کو پہچانیں گے کیسے پھر تو جہنم کی طرف جھونک دیئے جائیں گے۔ ذرا آپ خیال تو کریں۔ اپنے دین کو پکڑیں، اللہ کو پکڑیں، حضور انور ﷺ کو پکڑیں۔ اسی میں فائدہ ہے۔ اور کسی چیز میں فائدہ نہیں۔ کہنے کے لئے بہت کچھ ہے لیکن اب مختصر عرض کردیا۔ کہ زیادہ سے زیادہ شریعت پر عمل کریں۔ زیادہ سے زیادہ استغفار کریں۔ عزیزوں اور محلّہ والوں، پڑوسیوں اور مسلمانوں کے حقوق ادا کریں۔ جھوٹی شان پیدا کرنے کی کوشش نہ کریں۔ اپنے گناہوں کی معافی مانگیں۔ سب سے معافی مانگیں کہ بھائی ہم سے کوئی غلطی ہوگئی ہو تو آپ معاف کردیں۔ یہی چیزیں کام آئیں گی اور کچھ کام نہ آئے گا۔

یہی تو کام کا وقت ہے

مکتوب مبارک امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ: یہ وہ زمانہ ہے کہ آں سرور ﷺ نے (ایسے وقت میں) غربائے اہل اسلام کو بشارت دی ہے۔

نیز فرمایا ہے کہ: ''زمانہ فتنہ میں عبادت کرنا ایسا ہے جیسا کہ میری طرف ہجرت کرنا''

تم کو معلوم ہے کہ غلبہ فتنہ و فساد کے وقت سپاہی اگر تھوڑی سی بھی جرأت کرتے ہیں تو (بادشاہ کے دل میں) بہت کچھ وقعت پیدا کرلیتے ہیں۔ امن و امان کے وقت اگر ہزار دوڑ دھوپ کریں بے اعتبار ہے پس کام کرنے اور کام کے قبول ہونے کا وقت یہی ہے جو فتنوں کا وقت ہے اگر چاہتے ہو کہ (قیامت میں) مقبولان خدا میں محشور ہو تو مرضیات حق تعالیٰ کے لئے اپنی تمام مرضیات سے دست بردار ہو جاؤ اور سنت سنیہ کی متابعت کے علاوہ کسی چیز کو اختیار نہ کرو۔

(دیکھو) اصحابہ کہف، غلبہ فتنہ کے وقت صرف ایک عمل ہجرت سے اتنے اونچے، درجے کو پہنچ گئے۔ تم تو محمدی ہو اور

Marfat.com

داخل خیر الامام ہو، تم اپنے وقت کو لہو ولعب میں ضائع نہ کرو اور بچوں کی طرح معمولی چیزوں کی طرف متوجہ نہ ہو۔

دادیم ترا ز گنج مقصود نشاں　　　گر ما نہ رسیدیم تو شاید برسی

ترجمہ: تم کو ہم نے مقصود کے خزانے کا پتا بتا دیا　　　اگر ہم اس تک نہ پہنچے تو شاید تم اس تک پہنچ جاؤ

دعا مبارک

الحمد للہ رب العالمین و العاقبت اللمتقین و الصلاۃ و السلام علی رسولہ الکریم و علیٰ آلہ و اصحابہ واخوانہ اجمعین۔

یا اللہ اپنی رحمت کاملہ کے صدقہ سے، حضور انور ﷺ، کل انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام، کل بزرگان دین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے صدقے سے یا اللہ ہم سب کے مرحوم رشتہ داروں کو، کل مسلمانوں کی کلی مغفرت فرما۔ مسلمانوں کو فتح ونصرت عطا فرما۔ یا اللہ! تیرا وعدہ ہے کہ ہم اگر ایک بھی ہوں تو تو اسے دس پر بھاری کردے گا۔ لیکن تیرے فضل سے ہم نے دیکھا لیا ہے کہ ہم بیس بیس پچیس پچیس پر غالب رہے ہیں۔ اے اللہ تو ہم کو ایمان عطا فرما اتحاد طاقت اور محبت عطا فرما۔ ہماری معاشی ومالی حالت درست فرمادے۔ دشمنوں کے شر سے ہم سب کو محفوظ فرمادے۔ ہم سب کو ڈٹ کر مقابلہ کرنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمادے۔ یا اللہ ہم سب کو ایمان کامل عطا فرما۔ سب کے دکھ درد سب کی پریشانیاں بیماریاں آزاریاں دور فرمادے۔ ڈاکٹر عبدالقدیر صاحب اور سب حضرات جو پیش پیش رہے ہیں یا اللہ ان سب کو اسلام کے لئے قائم ودائم رکھ۔ دشمنوں کو پسپا کردے دشمنوں کو مغلوب کردے۔ ہمیشہ کے لئے تباہ وبرباد کرے۔ یا اللہ ہم سب کو ایمان کامل ومحبت واتفاق سے رکھ۔ یا اللہ سب کے جائز اور نیک مقاصد میں اعلیٰ سے اعلیٰ کامیابی عطا فرما۔ سب بچوں بچیوں کے حق میں بہتری وفلاح عطا فرما۔ یا اللہ سب بیماروں کو جلد شفاء کامل عطا فرما۔ سب کے دکھ درد کی پریشانیاں آزاریاں دور فرما۔ ہم سب کو ایمان کامل عطا فرما کفر کا مقابلہ کرنے کا حوصلہ وہمت عطا فرما۔ یا اللہ ایمان کامل کے ساتھ اس دنیا سے رخصت فرما۔ یا اللہ ہمارے آقا حضور انور ﷺ، کل انبیاء علیہم الصلوٰۃ کل آل واصحاب وازواج مطہرات کے صدقے میں میں ہم سب کے گناہوں کو معاف فرما۔

یا اللہ اپنی رحمت کاملہ کے صدقے سے اپنے پیاروں کے صدقہ میں ہم سب کے گناہوں کو معاف فرما۔ یا اللہ ہماری خطاؤں کوتاہیوں کو درگزر فرما۔ حضور انور ﷺ کی سچی محبت وغلامی عطا فرما۔ شریعت پر چلنے کی زیادہ سے زیادہ توفیق عطا فرما۔ مسلمانوں کو آپس میں محبت اتحاد اور اتفاق عطا فرما۔ تمام پریشانیاں تمام دکھ درد دور فرما۔ تمام بچے بچیوں کے حق میں بہتری فرما۔ یا اللہ اس موجودہ دور کی پریشانیاں دور فرما۔ شریعت پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔ استغفار پڑھنے کی توفیق عطا فرما۔ ایمان کامل عطا فرما۔ یا اللہ پاکستان، افغانستان، کشمیر، فلسطین، ترکی، سعودی عرب، بوسنیا اور عراق سب کو شیطانوں کی فتنوں سے بچا۔ آپس میں اتحاد، اتفاق اور محبت عطا فرما۔ یا اللہ ہمیں صحیح معنوں میں مسلمان بنادے۔ (آمین)

Marfat.com

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم وتب علینا انک انت التواب الرحیم. وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد علی الہ واصحابہ و ذریاتہ واھل بیتہ اجمعین برحمت یا ارحم الراحمین (آمین. ثمہ آمین).

بھارتی ایٹمی دھماکے اور تازہ ترین اسرائیلی معائدات

بھارت نے اچانک مئی ۱۹۹۸ء میں اکٹھے پانچ ایٹمی تجربات کیے جن کا جدید ترین نظام کے باوجود بظاہر امریکہ اور یورپی ممالک کو علم نہ ہوا۔ راجھستان کے مقام پکھران پر یہ کیے گئے ایٹمی دھماکے میڈیا کے مطابق ایٹمی ہائیڈروجن اور نیوٹران بموں پر مشتمل تھے۔

ماہرین کے مطابق ہائیڈروجن اور نیوٹران بم کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ یہ خبریں آئیں کہ یہ دوقسم کے دھماکے اسرائیلی تجربات تھے جس سے ان دونوں کی قربت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ (اس ضمن میں منو بھائی صاحب کے کالموں سے استفادہ کیا جاسکتا ہے) نیز بھارتی ٹی وی دوردرشن کے مطابق روس کے ساتھ دو ہزار میگاواٹ کے ایٹمی ری ایکٹر لینے کے معائدات ہوئے مزید برآں روس کے ساتھ مل کر اینٹی بلاسٹک میزائل بھی تیار کیے جائیں گے۔

ایک موقع امریکی جریدے ''ڈیفنس نیوز'' کے مطابق: ''دونوں ممالک نے اربوں ڈالر کے مشترکہ منصوبہ کے آغاز کا اسی سال سے فیصلہ کیا ہے، جس کے تحت جدید ریموٹ کنٹرول طیارے اور تیز رفتار جنگی کشتیاں تیار کی جائیں گے۔ امریکی جریدے نے دونوں ممالک کے حوالے سے رپورٹ میں بتایا کہ ابھی مزید بات چیت دونوں ممالک کے مابین چل رہی ہے۔ اسرائیل بھارت کو جدید ریموٹ کنٹرول، ''ہیرون'' طیارے اسی سال دسمبر میں فراہم کرے گا۔ علاقہ ازیں یہ طیارے بھارت میں بھی تیار ہوں گے ٹیکنالوجی اسرائیل فراہم کرے گا، رپورٹ کے مطابق یہ طیارے بھاری پے لوڈ، اٹھا کر طویل فاصلے تک پرواز کرسکتے ہیں۔ علاوہ ازیں بھارت کو جدید اور تیز ترین جنگی کشتیاں سپر ڈورا یم ایم کے ۱۱ بھی فراہم کرے گا۔ دونوں ممالک بھارت میں ایسی ۸۰ کشتیاں تیار کریں گے

پاکستان کے ایٹمی دھماکے

بھارت نے یکدم پانچ دھماکے کرکے پاکستان کی سیکیورٹی خطرہ میں ڈال دی اور اس پر متضاد ایڈوانی کی جانب سے آزاد کشمیر پر سخت حملہ کی دھمکیاں، صورتحال سخت گھمبیر ہوگئی۔ علاقائی دفاعی توازن بگڑ گیا۔ نیز پاکستان کی ایٹمی تنصیبات پر حملہ کے امکانات بھی بہت بڑھ گئے اور بھارت کے سلامتی کونسل کا ممبر بننے کا بھی امکان ہوگیا۔ پاکستان کیلئے سوائے ایٹمی قوت کے اظہار کے کوئی راستہ نہ چھوڑا۔ یوں پاکستان پہلی اسلامی ایٹمی قوت کی حیثیت سے ابھرا۔

بھارتی راہنماؤں کے تاثرات

قیام پاکستان کے بعد ۱۸ اگست ۱۹۴۷ء میں انڈین نیشنل کانگریس کے صدر اچاریہ کرپلانی نے یہ بیان دیا کہ

Marfat.com

''ہندوستان کی قوم اور کانگریس دونوں متحدہ ہندوستان کے اپنے دعویٰ سے دست بردار نہیں ہوئے''

(بحوالہ کتاب ڈاکٹر برہان الدین اور لاثانی قائد اور نقوش عظمت اور عبدالقادر صحافی روزنامہ جنگ)

ممتاز اسکالر ڈاکٹر برہان الدین احمد فاروقی کی کتاب ''اقبال اسلام اور مسلمانوں کے زندہ مسائل'' اور عبدالقادر حسن کی تحریری نقوش عظمت ۱۹۷۶ء مظفر مرزا کا ''لاثانی قائد'' سے مندرجہ ذیل حوالہ جات لئے گئے ہیں۔

سوراج کے کتنے ہی معنی بتاؤں مگر میرے نزدیک سوراج کے معنی صرف ایک ہیں یعنی ہندو راج" (گاندھی)

''ہندوؤں کو چاہیے اپنے دشمن مسلمانوں کو کچل ڈالیں" (ترہندریہ شاد سکینہ ۲۴ فروری ۱۹۳۷ء)

''مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ واپس اپنے ملک عرب چلے جائیں اور وہاں جا کر ریت پھانکیں" (رام سوامی)

''مسلمانوں کو ختم کرو، انہیں ہندوستان سے نکال دو بھارت کی پوتر دھرتی پر ان کے لئے کوئی جگہ نہیں"

(سوامی پورن مل ۱۴ جولائی ۱۹۴۳ء)

''مسلمان جرمنی کے یہودیوں کی طرح ہیں ان کے ساتھ ویسا ہی سلوک ہونا چاہیے" (ڈاکٹر مونجے)

(بحوالہ نقوش عظمت ۱۹۷۶ء)

''سنٹر ماورکر، مونجے اور مکرجی کا مشورہ۔ آریوں کو چاہیے کہ ہندوستان میں ایک مسلمان بھی باقی نہ رہنے دیں"

(رسالہ آریہ سماج صفحہ ۸)

''ہندو مہا سبھا کے صدر اور اہم ہندو نیتا شنکر اچاریہ نے کھلے لفظوں میں اعلان کیا"

پراچین یا اکھنڈ بھارت منصوبہ

ہندو امپیریل ازم کے زیر تسلط علاقے سے ظاہر کیے گئیں۔ ہندو مزہبی علامت اوم مشوائے۔

عظیم تر بھارت

پنڈت نہرو نے بمبئی ۲۳ مارچ ۱۹۴۸ء کو تقریر کرتے ہوئے اپنے مذموم عزائم کا کچھ اس طرح اظہار کیا کہ ہماری دلچسپی کے مرکز ''نیپال'' پاکستان، افغانستان، چین، برما، انڈونیشیا اور سری لنکا میں ہندوستان بہت پھیلا ہوا ہے۔ سنگاپور اور نہر سوئز بھارت کے دروازے ہیں، اور ان دروازوں پر بھارت کا تصرف ہونا چاہیے۔ اگر ہم اس میں کامیاب نہ ہوئے تو بھارت کی آزادی کو خطرہ لاحق ہو جائیں گے''

(پنڈت جی نے اپنی کتاب "Discovery of India" میں اکھنڈ بھارت کے خواب کا اظہار کیا ہے۔)

''ہندوستان ہندوؤں کا ہے مسلمان یہاں مہمان ہیں اگر انکو یہاں رہنا ہے تو ان کو چاہیے کہ مہمانوں کی طرح رہیں''

(بھارت کے اہم ترین لیڈروں کے مسلمانوں کے خلاف عزائم کے اظہار کی فہرست بے حد طویل ہے یہاں فقط چند بیانات قلمبند کیے گئے ہیں)

Marfat.com

اپریل ۱۹۹۷ء کو حکومت کی جانب سے پارلیمنٹ سے اعتماد کا ووٹ لینے سے ایک روز قبل وزیر دفاع ملائم سنگھ یادیو نے بحث کے دوران کہا کہ:

''بھارت' پاکستان اور بنگلہ دیش کی کنفیڈریشن بنا دینی چاہیئے آزادی سے قبل یہ تینوں ایک ہی ملک تھے۔ایک نہ ایک دن ان کی کنفیڈریشن بن کر رہے گی۔خواہ پچاس سال بعد بنے یہ ہمارا خواب ہے''

چند برس پیشتر بھارتی وزیر خارجہ نے اپنے مستقبل کے عزائم کا اظہار کیا کہ ان کا پروگرام چل رہا ہے۔ بھارت اس وقت عظیم بھارت کا خواب دیکھ رہا ہے۔وہ عظیم تر بھارت یا پراچین بھارت بنانا کے خواب دیکھ رہے ہیں جو کہ افغانستان سے لیکر انڈونیشیا تک کے علاقے پر مشتمل ہوگا۔اندر کمار گجرال کا گجرال ڈاکٹرین بھی اسی کی کڑی ہے جبکہ BJP کے عزائم اب کسی سے ڈھکے چھپے نہیں۔

کتاب The War That Never Was کے مصنف نے اس میں کہا کہ بھارت کے بعد خطے میں سب سے طاقتور ملک پاکستان ہے، پاکستان پر غلبہ پانے کے بعد یعنی اس پر قبضہ کے بعد بغیر حیل وحجت اور محنت ومشقت کے خطے کے باقی ممالک خود بخود ہمارے ساتھ ملحق ہو جائیں گے اس کتاب میں بھارتی مصنف نے اکھنڈ بھارت کے بارے میں ہندو لیڈروں کے عزائم کا تزکرہ کیا ہے کہ کون کون سے خطے شامل کرنا چاہتے ہیں۔

Marfat.com

باب: بیسواں

ورلڈ ٹریڈ سینٹر

Marfat.com

ورلڈ ٹریڈ سینٹر

یہود اور قرآن

(یہود کا عالمی حکمرانی کا خواب)

قرآن پاک یہودی نفسیات اور انکی منصوبہ بندی بے نقاب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ "وہ اپنی چالیں چل رہے تھے اور اللہ اپنی چال چل رہا ہے اور اللہ سب سے بہتر چال چلنے والا ہے" (آیت ۳۰ سورۃ الانفال)

اسرائیلی ریاست کے بانی بن گورین نے مستقبل کی پیش بینی کرتے ہوئے کہا کہ:

(Ben Gurion, one of the great founders of Israel, first President and than Prime Minister recorded in as astonishing article in "LOOK" Magazine. Ben Gurion predicted, ONE WORLD SYSTEM presided over by JERUSALEM, All Continents will become united in a World alliance , at whose disposal will be an international Police Force. All Armies will be abolished, and there will be no more war.

In Jerusalem, the United Nation's a (truly United Nations) will build a Shrine of the Prophets to serve the Federated Union of all Continents. This will be the seat of the Supreme Court of Mankind to settle all controversies among the federated continents as prophesied by Isalah).

"مستقبل قریب میں ایک عالمی نظام کا اجراء یروشلم سے ہوگا۔ تمام براعظم عالمی اتحاد میں متحد ہو جائیں گے، اور اسکی اختیار میں ایک بین الاقوامی پولیس فورس ہوگی۔ تمام افواج (Armies) ختم کر دی جائیں گی اور مزید کوئی جنگ نہیں ہوگی۔

یروشلم میں اقوام متحدہ (U.N) حقیقی معنوں میں اقوام متحدہ ہوگی وہ نبیوں کیلئے درگاہ (Shrine) تعمیر کرے گی۔ تاکہ تمام براعظموں کے وفاقی اتحاد (کو چلانے کی) خدمت کیلئے۔ یہ انسانیت کی سپریم کورٹ (عالمی حتمی عدالت) کی نشست ہوگی، وفاقی براعظموں کے تمام تنازعات کا تصفیہ کرے گی، جیسا کہ Isaiah (بائبل، عہد نامہ عتیق) میں پیشن گوئی کی گئی ہے"

(Ben Gurian Artical & Statement, LOOK, January 16, 1962 P20)

حضرت اقبال کی نظر بینا نے یہود کے کردار اور عزائم کو بھانپتے ہوئے امت کی راہنمائی فرمائی۔

وہ یہودی فتنہ گر، وہ روح مزدک کا بروز ہر قبا ہونے کو ہو، اس کے جنوں سے تار تار

Marfat.com

یہود کا پلان

نظریہ پاکستان کی نظریاتی ضد قومِ یہود اور اسکی نظریاتی ریاست اسرائیل کے ایجنڈے کا جائزہ لیا جائے تو بہت سے حقائق سے پردہ اٹھتا ہے۔ یہود اپنے آپ کو اللہ کی برگزیدہ قوم سمجھتے ہیں۔ اور باقی تمام انسانیت کو گویم اور جینٹائل کا نام دیتے ہیں، یعنی انسان نما جانور۔ یہ وجہ ہے کہ عالمی اقتدار کو اپنی وراثت گردانتے ہیں۔ یہودیوں نے اپنی کتب مقدسہ کی ان خبروں کی روشنی میں اپنی سرگرمیاں تیز تر کردیں۔ جن میں پوری کرہ ارضی پر قیام حکومت کا عندیہ دیا گیا۔

یہودی فلسفہ کی تنقید اور عالمی ایجنڈے کا ارتقاء

یہود جنہوں نے پچھلے دو ہزار سالوں میں اپنے سودی کاروبار اور اسی کی بناء پر اپنا وضع کردہ عالمی نظام معیشت کے ذریعہ اور بے پناہ مالی اسباب پر کنٹرول حاصل کرلیا تھا۔ اس فیصلہ کن مالیاتی استعمار اور منظم میسنری تحریک کے سبب مسیحی دنیا پر فیصلہ کن اقتدار حاصل کرلیا۔ اہل یورپ کا تمام نظام حیات یہود کے ہاتھوں میں یرغمال ہو کر رہ گیا۔ یورپی ممالک کی پالیسی سازی ان کے قبضہ میں چلی گئی۔ نتیجتاً ان کی معاشی، معاشرت، سیاست اور ابلاغ کو یہ لوگ متشکل کرنے لگے۔ اس وقت صورتحال یہ ہے کہ اہل یورپ، امریکہ اور روس وغیرہ پر بالخصوص اور پوری دنیا پر بالعموم یہود نے پنجہ گاڑھ رکھا ہے۔ جس کی بناء پر یہود اپنے پوری دنیا پر براہ راست اقتدار کا خواب دیکھ رہے ہیں۔ وہ اپنی مذہبی پیشگوئیوں کی روشنی میں عالمی اقتدار اور مسیحا کے ظہور کیلئے سرگرم ہیں۔ اپنے اس مجوزہ ایجنڈا کی تکمیل کیلئے وہ مستقبل کی حکومت کیلئے خدوخال اور Global Reforms وضع کررہے ہیں۔ پوری دنیا کی سیاسیات، معاش اور معاشرت کو Shape دے رہے ہیں۔ درحقیقت یہی وہ فتنہ دجال ہے۔ جس کی خبریں دی گئی ہیں جو کہ Devine Law یعنی قرآنی نظام یا خدائی نظام کے مقابلہ میں عظیم سرکشی ہے۔

یہود کی براہ راست عالمی حکمرانی کے منصوبہ کے جو خدوخال واضح ہو رہے ہیں ان کے مطابق اسرائیل کی سرکاری ویب سائیٹ کے Archieves میں Temple mount Faith.com میں اپنا مستقبل کا ایجنڈا دے رکھا ہے۔ ذرا ملاحظہ فرمایئے:

Vision of Redemption

The Temple Mount and Land of Israel Faithfull Movement understands the phenomenon of modern Israel as teh beginning of the redemption of the world. Two and one-half millennia ago, the Hebrew prophets spoke that in the "last days" G-d would regather His people from all the lands where He had scattered them (Yeshayahu (Isaiah) 43:5-7 for the last 100 years the jewish people have been returning to and rebuilding Zion.

Marfat.com

Today Israel is again the dynamic center of jewish life across the world. The regathering is not yet complete. Ezekiel prophesied the G-d would" leave none of them there any longer" [Yechezkiel (Ezekie) 39:28b]

It is the view of the Temple Mount and Land of Israel Faithful that the redemption will proceed in an orderly fashion according to G-d's plan.

* *First is the foundation of the modern state of Israel and the miraculous victories that G-d gave the people of Israel in the wars against 22 Arab enemy states.*

* *Second is the regathering of the people of Israel from all over the world the promised Land.*

* *Third is the Liberation and consecration of the Temple Mount and fourth is the Building of the Third Temple.*

* *The final step is the coming of the King of Israel, Messiah/Ben David.*

یہود کی کتاب حزقی ایل میں یہ بھی درج ہے کہ ''کیونکہ تم کو ان قوموں میں سے نکال لوں گا اور تمام ملکوں میں سے فراہم کروں گا اور تم کو تمہارے وطن میں واپس لاؤں گا'' (حزقی ایل، ۳۶:۲۴)

مختصراً ان کے Steps دیکھے جائیں تو یہ صورتحال ہمارے سامنے آتی ہے کہ سب سے قبل ریاست اسرائیل کا قیام اور عرب حریفوں پر کنٹرول اور فتح پانا۔ پھر ارضِ موعود پر تمام دنیا سے یہود کو اکٹھا کر کے آباد کرنا۔ پھر مسجد اقصیٰ کی بازیابی اور اسکا انہدام۔ پھر ہیکل سلیمان کی تیسری مرتبہ تعمیر۔ اور آخری مرحلہ اسرائیل کے مسیحا اور عالمی بادشاہ، مسیح بن داؤد کی آمد اور اسکی عالمی شہنشاہیت کا قیام۔

بن گورین اور یہود کا عالمی حکومت کا خواب

Theodor Herzl جو کہ یہودیوں کا ایک بہت بڑا راہنما اور عالمی صیہونیت (Zionism) کے بانیوں میں شمار ہوتا ہے۔ اس یہودی تنظیم کے قیام اور اس صیہونی تحریک کے آغاز کے بعد، یہود کی تاریخ ایک نئے دور میں داخل ہوئی۔ تھیوڈ ہرزل نے سرزمین فلسطین پر ایک یہودی سلطنت کے قیام کا خواب دیکھا اور اس سلسلہ میں تیزی سے پیشرفت کا آغاز کیا۔ اس نے 1896ء میں "The Jewish State" کے عنوان سے کتاب بھی رقم کی۔ تھیوڈور کو بن گوریان کی مانند، اسرائیل کے بانیوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس کا خطہ فلسطین پر یہودی ریاست کے قیام کا یہ خواب بن گورین کی قیادت میں تکمیل کو پہنچا۔

Marfat.com

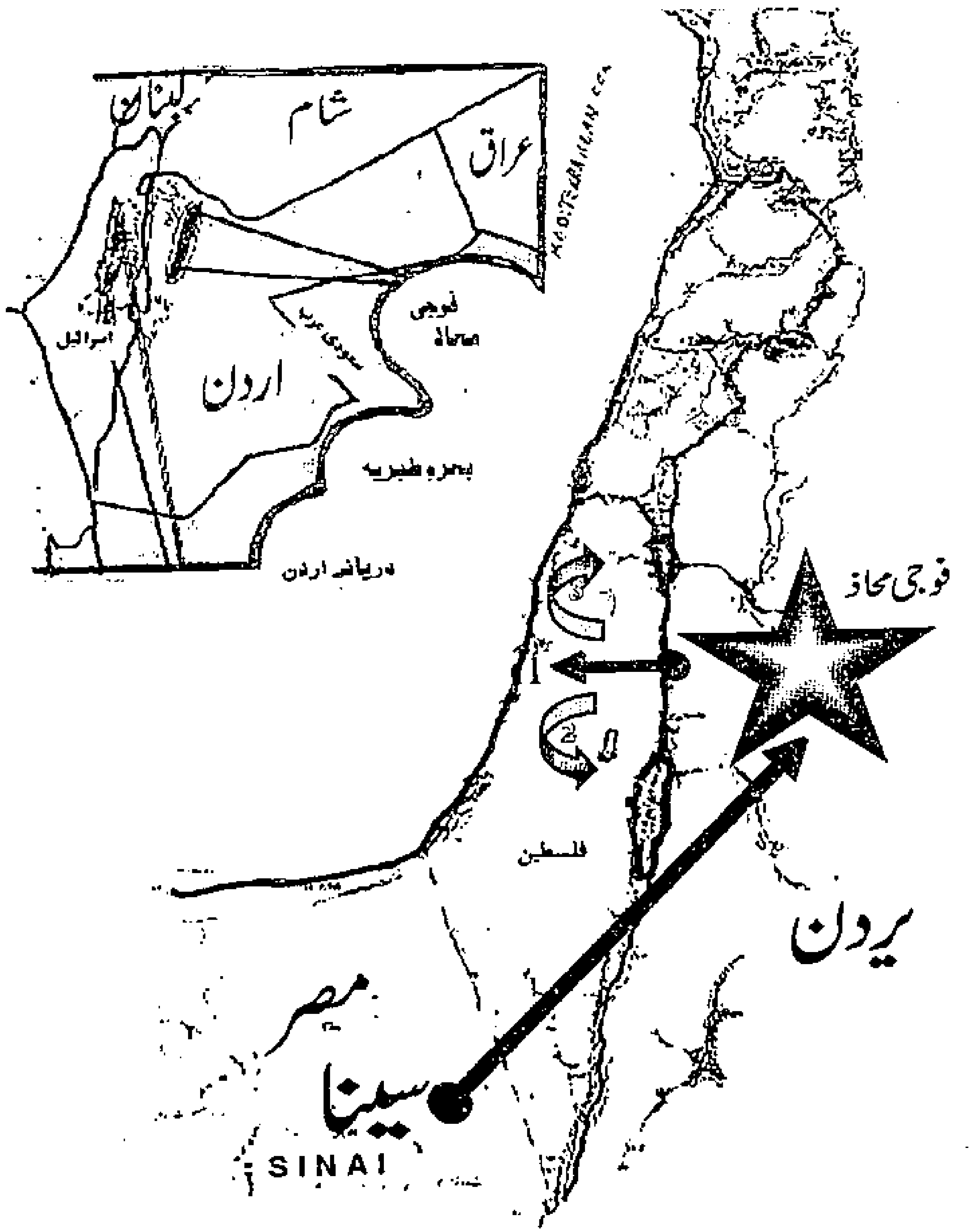

اردن کے محاذ سے یوشع کی تین فوجی مہمات

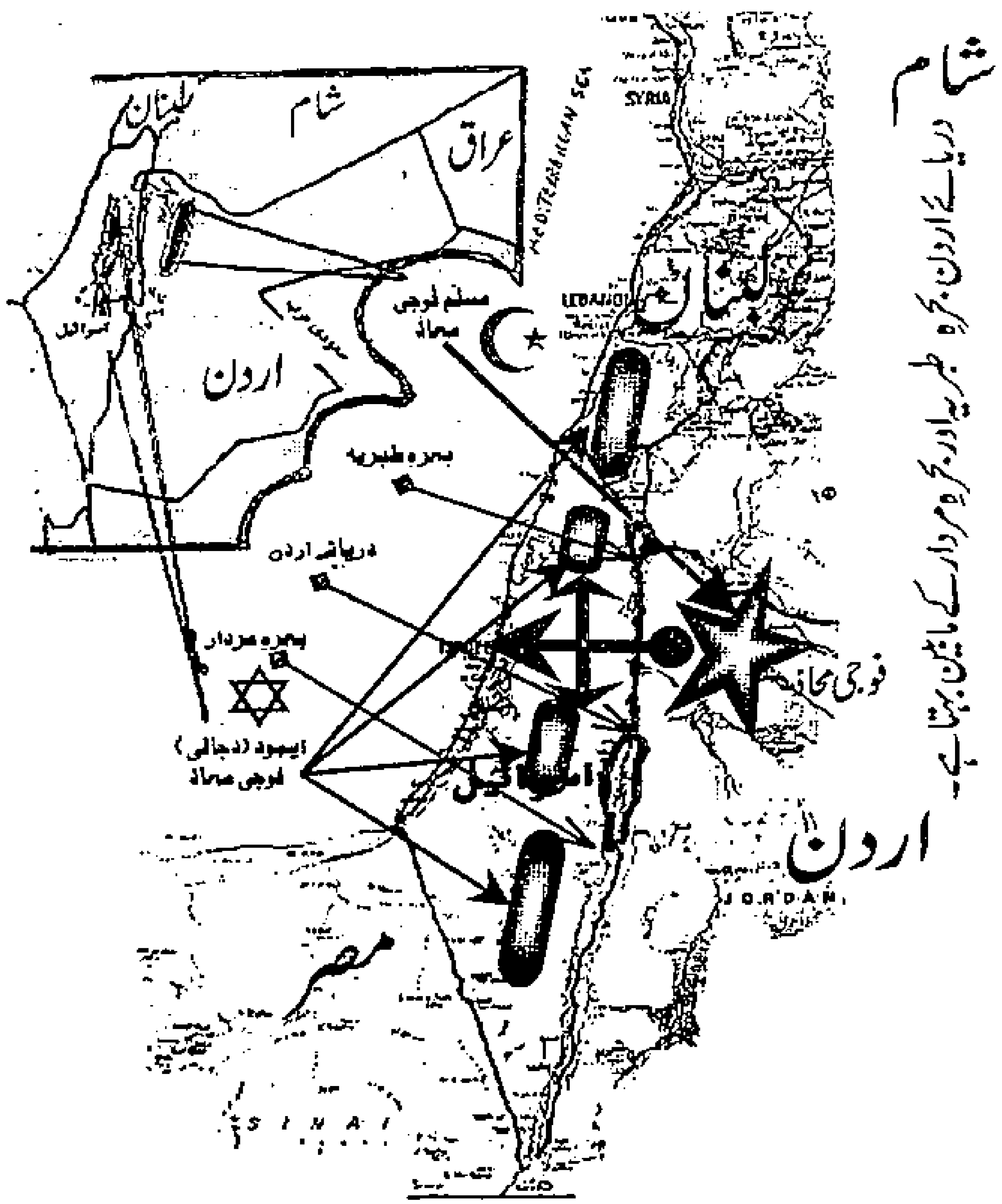

شام دریائے اردن، بحرہ طبریہ اور بحرہ مردار کے مابین بہتا ہے۔

اسرائیل کے خلاف، اردن کے محاذ سے تین متوقع، مستقبل کی مسلم فوجی مہمات

Marfat.com

JEWS PLAN FOR GLOBAL GOVERNMENT

The System of DAJJAL

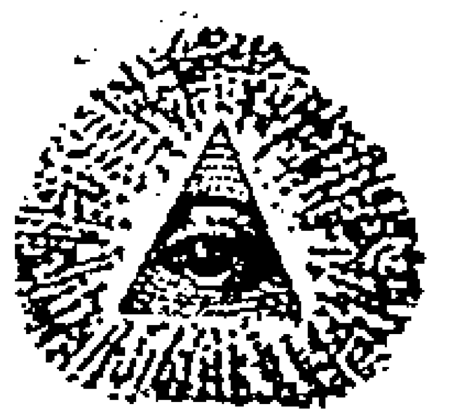

Eye of Lucifer (Satan)
Symbol of last decisive person (Horus)

THE PHAROAH'S PYRAMID

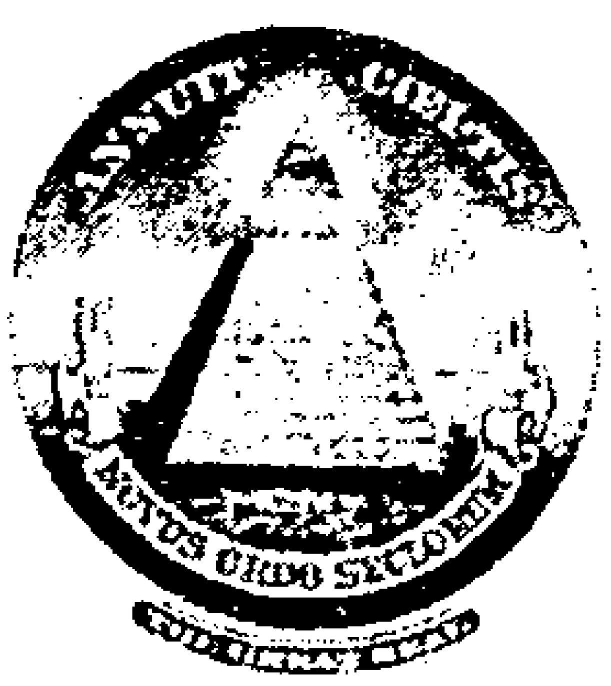

وہ یہودی فتنہ گر وہ روح مزدک کا بروز
ہر قبا ہونے کو ہے اس کے جنون سے تار تار
(اقبالؒ)

Ben Gurion, one of the great founders of Israel, first President and than Prime Minister recorded in as astonishing article in" LOOK" Magazine. Ben Gurion predicted, One World system presided over by Jerusalem,

"All Continents will become united in World alliance, at whose disposal will be an international Police force. All Armies will be abolished, and there will be no more War.

In Jerusalem, the United Nation's a (truly United Nations) will build a Shrine of the Prophets to serve the Federated Union of all Continents: This will be the seat of the Supreme Court of Mankind, to settle all controversies among the federated Continents as prophesied by Isaiah."

"LOOK" Jan. 16, 1962. p-20

WORLD ZIONISM
Greater Israel & Uni Global Power, Global Headquarters Solomon Temple

JERUSELIM
(Global Capital)
Global Supreme Court
UNITED NATION's Head Quarters in Jerusalem, Global Parliament, Treasure Hoard Floating Capital

GLOBAL DATABASE
Complete information about the every kind of facts & figures of the World. Which includes information of every person of the globe. Info. of Nations, their Economical conditions and other informations of every individual and states.

Global Media Control
TV, Film, Cable networks, Music, Internet, News agencies etc.

MASONIC
European Union, African Union, Asian Union, American Union under division of small units of world states.

ONE GLOBAL CURRENCY | **ONE GLOBAL** ORDER | **ONE GLOBAL** RELIGION

MASONIC

World Police Role — UN, NATO, India etc.
One Int. Economic & Political States Control System
Industry & Trade — Agro. & Health etc.

Global Weather & Climate Control

State governments Capitalists

FORCES
Limited weaponry Army, Intelligence, Police Global Strategic Area's Cntrol

Constitution & Law
NATIONAL DATABASE
Computerized information of every individual of the State.

SOCIOLOGY
Global Rules of Ethics & Western Culture & Civilization

LOCAL LEVEL GOVERN SYSTEM
Small Area, District Level Administrative Control System

AGRICULTURE
Depended WHO, controlled Agriculture.

POPULATION
Controlled Population according to their economic needs

CREDIT CARD SYSTEM
It is essential to monitor and fully control all the activities of all individuals of the states.

LOCAL BASED TAXATION SYSTEM
District level taxing system for involving every community & person of the State

WELFARE
Local & World NGO's setup

TRADE
Controlled trade & Industry

EDUCATION
Controlled innovative & skill based education. According to their need of industry and trade.

HUMANS | **ANIMALS** | **EARTH** | **SPACE**

THE GLOBAL GOVERN SYSTEM & ONE EYED SATANIC CONTROL MECHANISM

Prophet Muhammad (S.A.W) teaches us that "Dajjal" is One Eyed but your God (Allah) is not One Eyed. He will declare himself first as Prophet and than God. He will reach & control all the places on Earth except Harmaan. (These Places are in Allah's own protection).

Israel is the first stage of Satan's plan to take this world out from God's hand and give it to the Anti Christ' Israel's false Messiah (Dajjal). According to Jews, he will rule the world from Jerusalem.

(This scenario can watch in Ben Gurion's Statement).

This Diagram is derived from these books ;
"WTO by Bashir Ahmed and The book "Usuary "Dajjal the Anti-Christ" by Ahmed Thomson انگریزی کتب
"فری میسنری تحریک" از بشیر احمد ۔ "دجال" از اسرار عالم" یا "ساری انجیل" از اسرار عالم کتاب "مغربی میڈیا اور اس کے اثرات"

Marfat.com

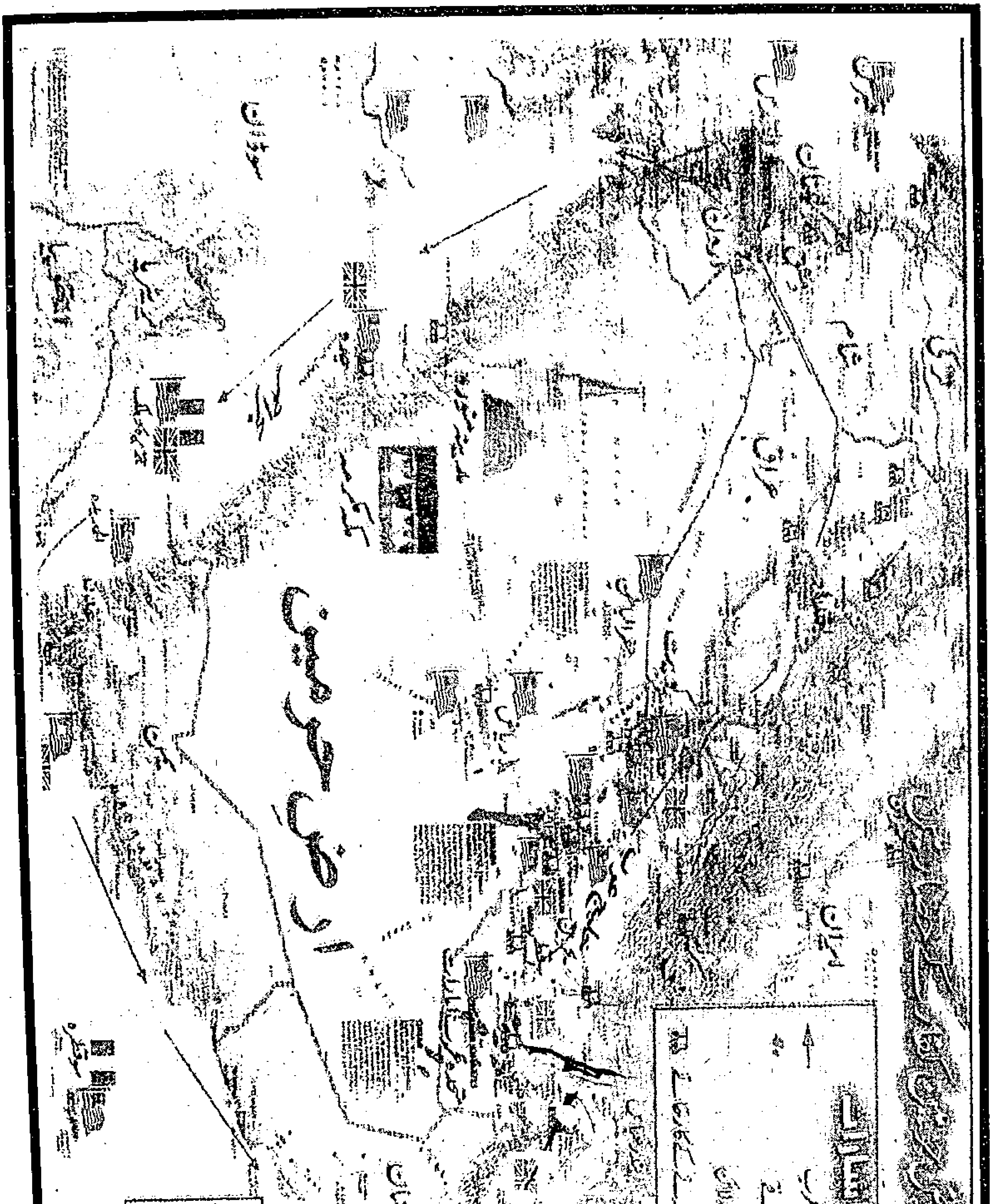

Marfat.com

اسرائیل کے قیام کے بعد یہودی زعماء نے پانے اگلے اہداف کی نشاندہی کی۔ ۱۹۶۲ء میں بن گورین Look میگزین کے اپنے آرٹیکل میں، یہود کے مجوزہ عالمی تسلط کے خواب کی تکمیل کے ضمن میں، وہ مستقبل کی پیش بینی کرتا ہے جس میں وہ یروشلم سے یہود کی عالمی حکومت کے اجراء کی خبر دے رہا ہے۔ وہ یہ بھی بتاتا ہے کہ تمام براعظموں میں وفاقی کنفیڈیشنیں وجود میں آئیں گی۔ ور یہ براعظمی اتحاد ایک عالمی حکومت کے تحت کام کریں گے۔ انسانیت اور قوموں کے تنازعات عالمی دارالخلافہ، یروشلم میں، مجوزہ عالمی سپریم کورٹ طے کرے گی۔ اقوام متحدہ کے تمام تر مراکز اسی شہر میں منتقل کر دیئے جائیں گے۔ اور اسی طرح سے ان کی مذہبی پیشین گوئیاں بھی تکمیل پذیر ہوسکیں گی۔ جن میں یہود کے عالمی استعمار کی خبریں دی گئی ہیں۔

یہ حقیقت آج سب پر عیاں ہو چکی ہے کہ اس کے فراہم کردہ خاکے کے مطابق عالمی حالات و واقعات مشکل ہو رہے ہیں۔ ان کے اس پلان کے مطابق یورپی یونین قائم ہو چکی ہے۔ یورپ کا اتحاد عمل میں آچکا ہے۔ افریقن یونین کی بھی تنظیم وجود میں آچکی ہے۔ جس نے یورپی یونین کی طرز پر افریقی وفاق قائم کرنے کا اعلان کیا ہے۔ اس طرح کا کام ایشیاء میں بھی جاری ہے۔

یہود نے اپنے عالمی ایجنڈا کی تکمیل کے لئے اپنی منصوبہ بندی کا مرکز، سب سے بڑی میسنری ریاست، امریکہ میں قائم کیا۔ اس ریاست کے نظام کو جدید بنیادوں پر Establish کیا گیا ہے۔ یہ حیرت انگیز امر ہے کہ امریکی تہذیب ومعاشرہ کو مصری روایات کے تحت استوار کیا گیا ہے۔ جو کہ کلی طور پر یہودی ذہنیت کا عکاس ہے۔ ممتاز اسکالر حمزہ یوسف کے ایک آڈیو لیکچر میں ۱۹۶۰ء کے اوائل میں چھپنے والی ایک انگریزی محقق کی کتاب کے حوالے سے انکشاف کیا گیا ہے کہ امریکی دارالحکومت واشنگٹن ڈی سی (Washington D.C.) کو فرعونی ماڈل کی طرز پر تعمیر کیا گیا ہے۔ اس کا حدود اربع ۱۰ مربع میل ہے۔ یہ ایک عظیم اور وسیع (فرعونی اہرام) Pyramid پر بنا ہے۔ جہاں عالمی سربراہان فخر سے آکر حاضری دیتے ہیں۔ اسی طرح امریکی دارالحکومت اور اس کے کئی قومی فن پاروں اور تزئین و آرائش میں قدیم مصری (فرعونی عہد کی) علامتیں دیکھی جاسکتی ہیں۔

جمعیت اقوام (UN) کی حقیقت

اسرائیلی ریاست کے موسس ڈیوڈ بن گورین نے اقوام متحدہ کو یہودی ذہن کی تخلیق قرار دیا۔ ڈیوڈ بن گورین کے ایک بیان کے مطابق جو کہ ۱۲ اگست ۱۹۴۸ء کے ٹائم میں شائع ہوا۔ ''یہ بالکل واضح ہے کہ اقوام متحدہ کا تصور یہودیوں کا عطا کردہ ہے''۔

اقوام متحدہ درحقیقت یہودی فکر پر قائم کردہ ادارہ ہے اور یہ یہودیوں کی عبوری عالمی حکومت کی شبیہ ہے۔ اس ادارہ کی ذریعہ عالمی سطح پر اسرائیل کے قیام اور اس کو تسلیم کرنے کی راہ ہموار کی گئی۔ اقوام متحدہ کے ذریعہ عالمی سطح پر پالیسیوں اور اصلاحات کو وضع کرنا اور اس کا نفاذ کرنا آسان ہو گیا۔

Marfat.com

نیویارک کے معروف یہودو کیل Henry Klein کا تبصرہ ہے کہ صیہونیت دنیا پر حکمرانی کر رہی ہے۔1948ء میں وہ اپنے اس ضمن میں کام Zion Rule the World میں رقم طراز ہے کہ اقوام متحدہ صیہونی ہے اور یہ کہ یہ بالادست حکومت ہے۔ "Th United Nations is Zionism. It is the Super Government"

یہودی نے اپنی Super Government کا پہلا مرحلہ اقوام متحدہ کی صورت میں لانچ کیا۔اس کے ذریعہ یہود کی عالمی سلطنت کی سرزمین اسرائیل کا قیام عمل میں لایا۔اس ادارے کی ساخت ہیکل سلیمانی کی طرز پر رکھی گئی ہے۔اس کے اہم ترین حصہ یعنی سلامتی کونسل کی ڈیزائننگ ہیل سلیمانی کے اندر کے حصہ کی شبیہ پر ہے۔یہود کے ستر بزرگوں سند ہیدرنز کے مطابق، ستر نشستیں رکھی گئی ہیں۔درحقیقت جب یہ ادارہ یروشلم منتقل کیا جائے گا تو اس کے اجلاس ہیکل سلیمانی کے اندر منعقد کیئے جائیں گے۔اور وہ درحقیقت یہود کی مذہبی حکومت ہوگی۔(اس سلسلہ میں اسرار عالم صاحب کی کتاب ''دجال'' ایک مفید مطالعہ ہے)۔عالمی حکومت کے خدوخال اس مرکزی ادارے اور اس کے ذیلی اداروں، عالمی بینک، آئی۔ایم۔ایف، ڈبلیو۔ایچ۔او، ڈبلیو۔ٹی۔او وغیرہ کے ذریعہ مشترکہ عالمی پالیسیاں مرتب ومسلط کی جارہی ہیں۔ان اداروں کے ذریعہ یہود نے تمام دنیا کے ممالک پر اپنی مضبوط گرفت حاصل کر لی۔

علامہ اقبال کا نقطہ نظر

لیگ آف نیشن جو کہ بڑی طاقتوں پر مشتمل عالمی ادارہ تھا وہ عالمی بالادستی کے لئے تشکیل دیا گیا۔جنگ عظیم کے شروع ہونے کے باعث جلد ہی دم توڑ گیا۔جنگ عظیم کے بعد اس فلسفہ کو مزید Meature کر کے اقوام متحدہ کا ادارہ قائم کیا گیا۔

اس ادارہ کے ذریعہ یہ عالمی کفن چور، سلامتی کونسل کو وجود میں لائے۔جس کی مستقل نشستیں اور ویٹو کا اختیار بڑی مغربی طاقتوں کے ہاتھ میں رکھ دی گئی۔اور بقیہ عالمی برادری دیگر ممالک کی محض رکنیت سازی رکھی گئی اور انہیں اس کے فیصلوں کا پابند کر دیا گیا تا کہ پوری دنیا Sense of Participation محسوس کرے۔مگر ویٹو پاور کے ذریعہ اصل طاقت کا سرچشمہ مغربی امپیریلسٹ اقوام ہی رہیں۔یہ لیگ آف نیشن کی Modified شکل ہی تھی۔جسے مغربی میسزی ممالک نے وجود بخشا۔علامہ اقبال نے مسلمانوں کو ان الفاظ میں متنبہ کیا کہ ''یہ اقوام کی جمعیت نہیں بلکہ چوروں کی جمعیت ہے لہذا اس سے الگ رہیں''۔حضرت اقبال نے اقوام متحدہ کے بنیادی فلسفہ پر تنقید کرتے ہوئے اسلام کی رو یعنی فطرت کے نظام کی روح سے متصادم قرار دیا۔اسلام اور قرآن کا پیغام جمعیت آدم ہے۔کیونکہ تمام انسانیت نسل آدم سے ہے۔سب کی اصل ایک ہی ہے۔اقبال اپنی معروف نظم ''مکہ اور جنیوا'' میں فرماتے ہیں:

اس دور میں اقوام کی صحبت بھی ہوئی عام — پوشیدہ نگاہوں سے رہی وحدت آدم

تفریق ملل حکمت افرنگ کا مقصود — اسلام کا مقصود فقط ملتِ آدم

یہودی فلسفہ پر تشکیل پانے والا یہ ادارہ یہودی مفادات کا محافظ بن کر ابھرا۔علامہ نے اس کی فکر وفلسفہ کا اسلامی فکر

Marfat.com

سے موازنہ کرتے ہوئے فرمایا:

مکہ نے دیا خاک جنیوا کو یہ پیغام　　　جمعیتِ اقوام یا جمعیتِ آدم

حضرت علامہ اقبال کے متذکرہ بصیرت افروز بیان کا مشاہدہ ہم اس کے قیام سے لے کر آج تک کرتے آرہے ہیں کہ یہ صرف یہودی اور مغربی طاقتوں کے مفادات کا ہی محافظ ادارہ ہے۔

یہودی دجالی نظام اور اس کی آرمی

فرمان نبوی کی رو سے یہود کی تخلیق کردہ دجالی نظام کی افواج میں نہ صرف یہود ہوں گے بلکہ دنیا بھر کی نسلوں اور خطوں اور اقوام کے افراد شامل ہوں گے۔ نیز اس کی آرمی کا ایک لازم حصہ خواتین پر بھی مشتمل ہوگا۔ اس کا آج مشاہدہ اقوام متحدہ کے ادارہ کی آرمی میں کیا جاسکتا ہے۔ حالیہ جنگ خلیج میں مختلف ممالک کی افواج نے یہودی مقاصد کے حصول کے لئے UN کی کماں کے تحت حصہ لیا۔ جس میں ایک حصہ خواتین کی افواج پر مشتمل تھا۔

''اللہ کا دشمن (دجال) ظاہر ہوگا، اور اس کے ساتھ یہودیوں اور مختلف قسم کی عورتوں اور مردوں کی فوج ہوگی'' (کنزل الاعمال)

ہادی برحق ﷺ نے دجالی افواج کی شناخت کے لئے ایک نشانی یہ بھی بتائی ہے کہ طبرانی کی روایت ہے کہ:

''دجال کی افواج کے ہیلمٹ نیلے رنگ کے ہوں گے''

آج ہم یہ دلچسپ مشاہدہ اسرائیل اور اقوام متحدہ کی افواج میں کر سکتے ہیں۔ دونوں ہی کی افواج کے ہیلمٹ نیلے رنگ کے ہیں۔

سرد جنگ کے خاتمے کے بعد مسلم انتہا پسندی کے عنوان سے اس نظام کی مخالف نظریہ کی حامل مسلم قوم نشانہ بنی ہوئی ہے۔ اگلے مرحلے میں دکھائی دے رہا ہے کہ مشرقی وسطیٰ سے اسرائیل مخالف، مسلم مزاحمت کا مکمل خاتمہ۔ اور عسکری اعتبار سے مضبوط ایٹمی پاکستان کو ختم کرنا ہے۔ تاکہ عظیم تر اسرائیل کا قیام اور یہود کا عالمی ایجنڈا پایہ تکمیل تک پہنچ سکے۔

یہود کے عالمی کنٹرول کے نظام کے خدوخال درج ذیل ہیں۔

۱۔ عظیم تر اسرائیل نیل سے فرات تک قائم کرنا

۲۔ یروشلم کو عالمی دارالخلافہ بنانا

۳۔ مسجد اقصیٰ کی شہادت اور ہیکل سلیمانی کی تعمیر نو

۴۔ تمام دنیا کو بے ضرور چھوٹی ریاستوں میں تقسیم اور جدید سائنسی بنیادوں پر مکمل کنٹرول

۵۔ Single World Currency ایک عالمی کرنسی کا اجراء جس کے پہلے مرحلے یورپی یونین کے ذریعہ یورپ میں Single Currency رائج کی جارہی ہے۔ یہی کام بقیہ براعظموں میں جاری ہے

Marfat.com

۶۔ ایک عالمی حکم World Order (عالمی ایجنڈا) کا اجراء

۷۔ تمام ممالک کی محدود آرمی اور محدود اسلحہ کی اصلاحات

۸۔ عالمی ڈیٹا بیس World Database کا قیام اور تمام ممالک کے National Database جن کے ذریعہ پوری دنیا کے تمام افراد کو اور ان ممالک کے وسائل کو کمپیوٹرائزڈ کرنا

۹۔ ضلع سطح پر Local Based Tax System کا قیام

۱۰۔ رعایا پر مکمل کنٹرول کے لئے منظم مقامی حکومتی نظام Local Governments کا قیام

۱۱۔ یروشلم میں عالمی مجلس Global Assembly کا قیام

۱۲۔ عالمی قدرتی ومعدنی وسائل پر براہ راست تسلط

۱۳۔ عالمی میڈیا اور مواصلاتی نظام پر براہ راست تسلط، اخبارات وجرائد اور نیوز پر کنٹرول

۱۴۔ عالمی Treasurer Board

۱۵۔ New Social Order نئے معاشرتی حکم کا اجراء، مغربی طرز کا معاشرتی نظام

۱۶۔ فلاحی اداروں کا سیٹ اپ بذریعہ NGO's

۱۷۔ محدود اور کنٹرولڈ تعلیمی پالیسی کا اجراء۔ سیکس ایجوکیشن

۱۸۔ عالمی آبادی پر کنٹرول Controlled World Population

۱۹۔ زراعت پر مکمل کنٹرول ادویات اور بیج کا عالمی اداروں کے ذریعہ اجراء

۲۰۔ عالمی موسمیات پر کنٹرول

۲۱۔ آزاد منڈی کی معیشت Free Market Economy

۲۲۔ تمام انڈسٹری اور اہم اداروں کی مکمل نجکاری

۲۳۔ عالمی معاہدوں کے تحت Multi Nationals کو مکمل Free Hand وغیرہ

۲۴۔ کنٹرولڈ تجارت اور صنعتکاری

یہ وہ اقدامات اور اصلاحات ہیں جن کے ذریعہ وہ ایک مکمل کنٹرولڈ عالمی حکومت کا خواب دیکھ رہے ہیں۔ اسرائیلی حکمران برملا یروشلم کو اپنا دارالخلافہ قرار دیتے ہیں۔ متعدد ممالک کے سفارت خانے بھی اسی شہر میں کھلے ہوئے ہیں۔ کئی عالمی راہنما اور خود فلسطینی راہنما یروشلم کو عالمی دارالخلافہ قرار دینے کی بات کر چکے ہیں۔ بش کی نئی امریکی انتظامیہ کے سیکریٹری آف سٹیٹ، وزیر خارجہ کولن پاول نے مقبوضہ بیت المقدس کو ایوان نمائندگان کی کمیٹی برائے بین الاقوامی تعلقات میں یروشلم کو اسرائیل کا دارالحکومت قرار دیا۔ (New world order the Thrown of anti Christ) کا مصنف اپنی تصنیف کے صفحہ ۱۱۹ پر تحریر کرتا ہے کہ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ برسوں سے سیاسی صیہونیوں کا یہ پلان ہے کہ یروشلم کو

Marfat.com

واحد عالمی دارالحکومت کے انتظامی دارالخلافہ بنایا جائے۔ نیز اس سلسلہ میں فری میسنری عازئم اور یروشلم کو عالمی دارالخلافہ بنانے کے ضمن میں آئی ایس آئی کے سربراہ جنرل حمید گل صاحب بھی اپنے لیکچرز اور آرٹیکلز میں متعدد بار تذکرہ کر چکے ہیں۔

عالمی حکومت اور یہودی مذہبی بشارتیں

گلوبلائزیشن: Globalization

مسیحؑ کی عالمی حکومت کے قیام کے متعلق بائبل روشنی ڈالتی ہے جسے یہود اپنی دجالی حکومت پر منطبق کرتے ہیں۔

''جنگی کمان توڑ ڈالی جائے گی اور وہ قوموں کو صلح کا مژدہ دیگا اور اس کی سلطنت سمندر سے سمندر تک اور دریائے فرات سے انتہائی زمیں تک ہوگی'' (زکریا ۹۵:۱۰)

کتاب قدیمہ صفر تقویم حصہ نمبر ۱۵ آیہ ۱۸ میں ان کی قوم کی سلطنت کی حدود کا تعین ان الفاظ میں کیا گیا۔

''اسی روز خداوند نے ابراہام سے عہد کیا اور فرمایا کہ یہ ملک (یہ سرزمین) دریائے مصر (نیل) سے لے کر اس بڑے دریا یعنی فرات تک، تیری اولاد کو دے دی گئی ہے''۔

یہود کی مذہبی کتب میں انہیں یہ خبریں دی گئی ہیں کہ ان کا مسیحا جب آئے گا تو اس کی سلطنت عالمی ہوگی۔ اور وہ یروشلم سے حکومت کرے گا۔ اور ہیکل سلیمانی اس کا صداتی مقام ہوگا۔

''میں قوموں کو تیری میراث کے لئے اور زمین کے انتہائی حصے تیری ملکیت کے لئے بخشوں گا'' (زبور ۲:۷:۱۱)

''میں تجھ کو قوموں کے لئے نور بناؤں گا کہ تجھ سے میری نجات زمین کے کناروں تک پہنچے'' (یسعیا ۴۹:۶)

متذکرہ دونوں مقامات پر یہود کو عالمی سلطنت کی خبر دی گئی ہے۔ یہود نے انہی خبروں کو اپنے ایجنڈا پر رکھا ہوا ہے۔

اس وقت دنیا کی دو ہی پارلیمان ہیں جن کے اوپر ان کا ایجنڈا یا نظریہ درج ہے ایک پاکستان اور دوسرا اسرائیل۔ پاکستان کی پارلیمان پر نظریہ اسلام کا عکاس کلمہ طیبہ تحریر ہے۔ جبکہ یہود کی پارلیمان نے جو MOTO اختیار کیا ہے وہ یہ کہ

''اے اسرائیل تمہاری سرحدیں فرات سے نیل تک پھیلی ہیں''۔

اسی طرح اسرائیلی پرچم میں بھی دو متوازی نیلی پٹیاں ڈالی گئی ہیں جو متذکرہ دونوں دریاؤں کو ظاہر کرتی ہیں جبکہ بیچ David Sta ہے۔

مسیحیت اور بائبل کا نقطہ نظر

مسیحی لٹریچر میں ہمیں فتنہ مخالف مسیح کی تفاصیل ملتی ہیں۔ اس کی بابت معلوم ہوتا ہے کہ ہیکل کی تعمیر ہوگی اور مخالف مسیح کا اہم ترین مرکز ہوگا جہاں سے وہ دنیا پر حکم جاری کرے گا۔ ''وہ خدا کے مقدس میں بیٹھ کر اپنے آپ کو خدا ظاہر کرتا ہے''

(تھیسلنکیوں ۲:۳،۴)

مسیحی لٹریچر میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ وہ حقیقی حکومت ''ہیکل سلیمانی سے کرے گا۔ نیز اس کے ظہور کے وقت زبردست

Marfat.com

تباہی اور بدامنی کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ (مسیحی لٹریچر میں اس سلسلہ میں مزید تفاصیل دیکھی جاسکتی ہیں)۔ مسیحی سکالر ڈاکٹر اے۔ آرٹوڈی بیان کرتے ہیں: ''خدا کے کلام میں صاف طور پر بیان کیا گیا ہے کہ شیطان کا ذاتی نمائندہ ایک طاقتور بادشاہ اس زمین پر آئے گا جو کہ تمام دنیا میں ایک بہت بڑی طاقت اور سلطنت کریگا۔ اس کی حکومت کے دن نہایت ہی خوفناک ہوں گے۔ لیکن اس کی حکومت تھوڑے ہی عرصہ ہوگی اور وہ بری شکست کھائے گا''۔

بعض عیسائی سکالرز کے نزدیک مخالف مسیح، یہود کے دان قبیلے سے آئے گا۔

یہودیت اور قیام اسرائیل، اسلامی نقطہ نظر

۱۔ قرآن پاک اور احادیث نبوی ﷺ میں آخری دور میں ایک یہودی دجّالی ریاست کے قیام کی خبر دی گئی ہے۔ روایات نبویہ میں اس کا مفصل تذکرہ ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہے:

وقلنا من بعده لبنی اسرائیل اسکنو االارض فاذا جآء وعد الاخره جئنا بکم لفیفا.

ترجمہ: اور اس کے بعد نبی اسرائیل سے کہا کہ اب تم زمین میں بسو پھر جب آخرت کے وعدے کا وقت آن پورا ہوگا تو ہم تم سب کو ایک گروہ کی صورت میں (مختلف اقوام سے سمیٹ کر ایک جگہ) لا کھڑا کردیں گے۔ (قرآن ۱۰۷: ۱۷)

لفیفا کے معنی ہوتے ہیں، جیسے جھاڑو سے اچھی طرح سمیٹ کر اکٹھا کر دیا جانا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ اپنی منصوبہ بندی کے تحت، یہود کو تمام دنیا سے سمیٹ کر قیامت سے قبل، ایک مرکز پر (فلسطین یعنی موجودہ اسرائیل میں) لے آئیں گے۔

قرآن پاک یہ بھی بتاتا ہے کہ یہود جہاں بھی دنیا میں رہیں گے ذلیل وخوار ہوں گے۔ پچھلے دو ہزار برس کی عالمی تاریخ اس کی شاہد ہے۔ خصوصاً ایک صدی پیشتر مسیحی یورپ اور مسیحی روس کے مختلف خطوں سے یہ ذلت ورسوائی کا شکار ہو کر نکلتے رہے۔ اس سلسلہ میں یوسف ظفر کی کتاب یہودیت عمدہ مطالعہ ہے۔ اس صدی میں ہٹلر نے جو سلوک ان کے ساتھ کیا وہ بھی سب پر عیاں ہے۔ یہ بھی بتایا گیا کہ انہیں وطن نصیب نہ ہوگا تاوقت کہ یہ اللہ پر ایمان لے آئیں یعنی مسلمان ہو جائیں۔ یا کوئی تیسرا فریق ان کو آباد کرے۔ ازروئے قرآن محض اپنے اوپر انحصار کر کے نہ یہ ریاست قائم کر سکتے ہیں اور نہ ہی وہ قائم رہ سکتی ہے۔

قرآن پاک فرماتا ہے کہ ''ان (یہودیوں) پر ذلت مسلط کردی گئی جہاں بھی ہو پائے جائیں بجز اس کے کہ کہیں ان کو اللہ کی طرف سے اور انسانوں کی طرف سے تحفظ مل جائے''۔ (القرآن ۳: ۱۱۲)

آج یہ حقیقت سب پر عیاں ہے کہ اسرائیل کو وجود بخشنے والی مغرب کی مسیحی طاقتیں ہیں۔ اور وہی اس کی محافظ بھی ہیں۔ جس دن یہ چھتری ان سے ہٹی یہ تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ دوم قرآن کی متذکرہ آیہ بھی قیام اسرائیل اور اس میں ان کے حتمی انجام کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔

۲۔ صحیح الجامع کی روایت میں مسجد اقصیٰ کی شہادت کی خبر دی گئی ہے۔ اسی طرح دیگر متعدد روایات اس ضمن میں موجود ہیں۔

۳۔ متعدد احادیث نبویہ میں خطہ فلسطین پر یہودی ریاست کے قیام اور اس کے ساتھ مسلمانوں کی جنگ کی خبر ہے۔

Marfat.com

۴۔ حدیث نبویہ میں بتایا گیا ہے کہ یہود عظیم سرکشی کے مرتکب ہوں گے۔ اور وہ اپنے راہنما کو عالمی بادشاہ کے طور پر کھڑا کریں گے پھر وہ اسے مسیح یعنی نبی ہونے کا مدعی ہوگا۔ پھر وہ یہودی راہنما اپنے آپ کو دنیا کا مالک اور رب (خدا) کہے گا۔ جسے مسیح الدجال یعنی جھوٹا مسیح کہا گیا ہے۔

یہودی کا عالمی غلبہ

یہود کا برپا کردہ یہ فتنہ تاریخ انسانی کا سنگین ترین آزمائش ہوگی۔ فرامین نبوی ﷺ کے مطابق سائے حرمین کے تمام دنیا پر یہودی دجالی نظام کا تسلط قائم ہوگا۔ فرمان نبوی ﷺ ہے کہ: ''حضرت آدمؑ کی پیدائش سے لے کر قیامت کے آنے تک دجال سے بڑا فتنہ اور آزمائش اور کوئی نہیں ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح)۔'' جب دجال ظاہر ہوگا تو دنیا کا کوئی حصہ ایسا نہ ہوگا جہاں وہ غلبہ حاصل نہ کرے گا۔ مگر سوائے مکہ اور مدینہ کے شہروں کے''۔ (کنز الاعمال۔ جلد ہفتم)

اسی طرح سودی نظام معاش کے عالمی اجراء کی خبر دی گئی ہے حتیٰ کہ ایک شخص بھی اس نظام سے بچنا چاہے گا تو نہ بچ پائے گا۔ کیونکہ اس نظام کا عالمی غلبہ ہوگا اور ساری معاش اسی کے تحت پروان چڑھے گی۔ اور آج یہ حقیقت ہمارے سامنے عیاں ہو چکی ہے۔ سودی نظام ہی کی بدولت یہود نے عالمی ذرائع معاش پر بھرپور گرفت حاصل کر لی ہے۔

یہود کا یہ علامی حکمرانی پر مبنی ابلیسی سلطنت کا خواب بالآخر ناکامی سے دوچار ہوگا۔

''جب دجال ظاہر ہوگا اور ساری دنیا کو اپنے جھوٹے عقائد، مکروفریب کے جال اور اقتدار کے تحت لانے میں ناکام رہے گا'' (مشکوٰۃ المصابیح)

اسلامی لٹریچر کے مطابق فتنہ دجال، یہود کا فتنہ ہے۔ وہ اس کے ذریعہ فرعون کی مانند الوہیت کا دعویٰ کریں گے اور اپنے مجوزہ عالمی راہنما کے ذریعہ عالمی حکومت کے قیام کی کوشش کریں گے۔ ہم دیکھ سکتے ہیں کہ اس عالمی ایجنڈے کا اعلان نیو ورلڈ آرڈر کی صورت میں کیا گیا ہے۔ یعنی دنیا پر اب کسی اور قانون کو Divine Law نہیں چلے گا۔ بلکہ یہود کا مرتب کردہ ابلیسی نظام جیو ورلڈ آرڈر چلے گا۔

مالی دسترس

پیغمبر اسلام ہادی برحق ﷺ نے امت کی راہنمائی کے لئے فتنہ دجال کی تفاصیل بتائی ہیں۔ آپ ﷺ کے فرامین اور قرآن پاک کی روشنی میں دیکھا جائے تو اس فتنہ کی اساس مادہ پرستی ہے۔ اور اس یک چشمی (روحانیت سے خالی) آزمائش میں مادی علوم پر زبردست دسترس ہوگی۔ دنیا بھر کے خزانوں اور مادی و معدنی وسائل پر ان (دجال کے پیروؤں) کی دسترس ہوگی۔ تیز ترین بری، بحری اور فضائی ذرائع آمدورفت ان کی دسترس میں ہوں گے۔ ذرائع ابلاغ میں یہ انقلاب برپا کریں گے اور ان کی آواز دنیا کے ہر کونے میں آباد لوگ سن سکیں گے۔ مصنوعی بارش برسانے پر قدرت رکھتے ہوں گے، زرعی پیداوار پر عبور، جدید فارمنگ، میڈیکل سائنس میں بے پناہ ترقی، ماضی کے لاعلاج امراض کا علاج کر سکنا۔ جیسے پیدائشی اندھوں اور

Marfat.com

جذام کے مریضوں کے علاج کی مکمل دسترس رکھنا۔ جو ماضی میں ناممکنات میں سے تھا۔ دنیا کی اقوام ان کی پیروی کرنے والی ہوں گی۔ مادر و پدر آزاد معاشرت کو فروغ دیں گے۔ جدید موسیقی کی شکل ایجاد کریں گے جس کی دھن پر بچے، بوڑھے اور خواتین جھومیں گی۔ بتایا گیا ہے کہ خواتین بڑی تعداد میں اس فتنہ دجال کا شکار ہوں گی، نیز انہیں جنسی آزادی ہوگی اور ناجائز اولادوں کی کثرت ہوگی۔

ایک اور نہایت اہم علامت یہ بتائی گئی ہے کہ اسے بے پناہ اختیارات حاصل ہوں گے۔ وہ اپنے مخالفین کو زبردست ایذا پہنچانے کی قدرت رکھتا ہوگا۔ جنگ خلیج میں عراق پر جو تباہی نازل کی گئی وہ سب پر عیاں ہے اور اب جو افغانستان میں ہو رہا ہے وہ بھی کسی سے ڈھکا چھپا نہیں۔ اس کے بعد بالترتیب دیگر نافرمان مسلم ممالک، گروہوں اور افراد نشانہ بننا ہے۔ آنے والا وقت مومن مسلمانوں کے لئے بہت کڑا ہوگا۔ عالمی ابلیسی نظام کی محافظ طاقتیں اپنے Smooth عالمی کنٹرول کے لئے ایسے مسلم فیکٹرز کو جڑ سے مٹانے کے درپے ہیں۔ جو ان کی راہ میں مزاحم ہیں۔

ایسی صورتحال میں مسلمان لاچار ہو کر رہ جائیں گے۔ Survival مشکل تر ہوتا چلا جائے گا۔ اور بہتوں کی نوبت کفر تک بھی پہنچے گی۔ فتنہ دجال کی بیشتر علامت اس وقت پوری ہو چکی ہیں۔ اس سلسلہ میں یہ راہنمائی بھی دی گئی ہے کہ دجال کے پاس جنت اور جہنم کی مثل ہوگی۔ اور اس کے اختیار میں وسیع رزق ہوگا۔ جس اس کی، اس کے الحاد کے باوجود اطاعت کریں گے وہ دنیا میں اس کی جنت میں داخل ہوں اور جو اس کی مخالفت کریں گے انہیں جہنم واصل کیا جائے گا۔ جو دنیا میں واصل جہنم ہوں گے وہ آخرت میں جنت کے حقدار ہوں گے۔ اور جو دنیا میں اس کی مثل جنت میں جائیں گے وہ آخرت میں جنت سے محروم رہیں گے۔ آج اس اللہ کے مقابل جدید تہذیب اور نظام کو جو چیلنج کرتا ہے اسے Sanctions، تنہائی اور فوجی اقدام کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اور اس کا رزق بھی روک لیا جاتا ہے۔ اور جو ان کی حمایت کرتا ہے اس پر دنیاوی آسائشوں اور ڈالروں کی بارش ہوتی ہے۔ اور وہ دنیا میں جنت کی مثل ''ایمان کی قیمت پر مزے لوٹتا ہے۔ اسی تناظر میں ایسے لوگوں کی نشاندہی میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ '' کچھ لوگ دجال کے ساتھ ایسے ہوں گے، جو کہیں گے، ہم اس (دجال) کے ساتھ ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ وہ ملحد ہے، لیکن پھر بھی اس کے ساتھ ہیں تا کہ اس کا رزق کھا سکیں''۔ (کنز الاعمال)

یہ روایات درج ذیل آیہ قرآنی کی تفسیر بیان کرتی دکھائی دیتی ہے۔ جس میں فرمایا گیا ہے کہ: ''اے ایمان والو! یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنا دوست (مددگار) نہ بناؤ (اصل میں) وہ خود ہی ایک دوسرے کے دوست اور پشت پناہ ہیں! تو تم میں سے جو کوئی بھی انہیں دوست بنائے گا۔ وہ (اللہ کے نزدیک) ان ہی میں سے شمار ہوگا۔ اور اللہ ایسے ظالموں کو (زبردستی) ہدایت نہیں دیتا۔ تو تم دیکھتے ہو کہ جن لوگوں کے دلوں میں روگ (نفاق) ہے۔ وہ ان ہی کی خوشنودی کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہمیں اندیشہ ہے کہ ہم پر کوئی بڑی مصیبت نازل نہ ہو جائے۔ تو امید ہے کہ اللہ (اہلِ ایمان کو) فتح دے دے یا کوئی اور ایسا معاملہ ظاہر کر دے کہ جس پر یہ لوگ اس چیز پر نادم ہو کر رہ جائیں۔ جو وہ اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں۔

(المائدہ آیات: ۵۱، ۵۲)

Marfat.com

(یہود و نصاریٰ کی گٹھ جوڑ کی پیشین گوئی ہے جو آج کے دور میں آ کر پوری ہوئی ہے۔آج عالم اسلام کے حکمران اور مقتدر طبقات اس کی عملی تفسیر بن چکے ہیں)

یہ روش آج، خصوصاً تیسری دنیا کے ممالک اور عموماً ہر اس ملک کی ہو چکی ہے۔جو عالمی یہودی مالیاتی اداروں کے معاشی غلام بن چکے ہیں۔نیز ان ممالک کے مقتدر طبقات اور حکمرانوں کے معاشی مفادات، اسی عالمی دجالی نظام سے وابستہ ہیں۔ہمارا ملک بھی مقتدر طبقات نے عالمی یہودی اداروں کا گروی بنا ڈالا ہے۔اس ملک پر وزیراعظم اور وزراء خزانہ بھی وہاں سے درآمد کئے جاتے رہے ہیں۔یہاں ان لوگوں کی بھی نشاندہی ہوتی ہے جو باہر سے ڈالر کھانے والا Planted طبقہ ہے۔ جو بیرونی اشاروں پر، بیرونی مفادات کے لئے کام کرتا ہے۔

یہود و ہنود اتحاد اور قرآن

یہودیوں کے بارے میں قرآن پاک میں ارشاد پاک ہے کہ :(یہود)جن کو کتاب آسمانی (Divine Book) سے ایک حصہ دیا گیا اس کے باوجود بت پرستوں اور طاغوت کی حمایت کرنے لگ گئے اور کہتے ہیں کہ مسلمانوں سے کفار بہتر ہیں یہ وہ لوگ (یہود) ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے پھٹکار دیا ہے۔ (۴:۵۲۔۵۵)

بیت المقدس پر اسرائیل قبضہ کے بعد جون ۱۹۶۷ء میں پیرس کی ساربون یونیورسٹی کی ایک تقریب میں، اسرائیل کے بانی بن گورین نے خطاب میں کہا:''عالمی صیہونی تحریک کو اس خطرہ سے غافل نہیں ہونا چاہئیے۔جو اسے پاکستان کی طرف سے لاحق ہے۔اب پاکستان ہی ہمارا پہلا ہدف ہونا چاہئیے کیونکہ یہ نظریاتی مملکت ہمارے وجود کے لئے خطرہ ہے۔پاکستان کے عوام بلا اشتباہ یہودیوں سے نفرت اور عربوں سے محبت کرتے ہیں۔عربوں سے ان کی یہ محبت ہمارے لئے خود عربوں سے زیادہ خطرناک ثابت ہوگی۔چنانچہ عالمی صیہونی تحریک کے لئے لازم ہے کہ پاکستان کے خلاف فوری اقدامات کرے۔جزیرہ نمائے ہندوستان کے باشندے ہندو ہیں۔ان کے دلوں میں ہمیشہ مسلمانوں کی نفرت موجزن رہی ہے۔چنانچہ پاکستان کے خلاف کام کرنے کیلئے ہندوستان ہی ہمارے لئے موزوں ترین کمین گاہ ہے۔ہمیں چاہئیے کہ اس کمین گاہ سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں۔یہودیوں اور صیہونیوں کے دشمن پاکستانیوں پر اس ٹھکانے (یعنی ہندوستان کے ذریعہ) سے ضرب لگا کر کچل دینے کے لئے ڈھکے چھپے اور خفیہ منصوبہ اختیار کریں'' (حوالہ اول ڈیوڈ بن گورین نوائے وقت، جمعرات ۱۲ مئی ۱۹۹۴ء از کلیم اللہ ملک)

قیام پاکستان، ریاست اسرائیل کا نظریاتی جواب
(اسرائیل اور قائداعظم کا جرأت مندانہ موقف)

۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو برعظیم سے مسلمانان ہند نے، اسلام کی اساس پر ایک عظیم تحریک آزادی کا آغاز کیا۔جس میں دو قومی نظریہ کی اساس پر تقسیم ہند کا مطالبہ کیا گیا۔اس غیر معمولی تحریک میں مشیت ایزدی حرکت میں آئی، کیونکہ پوری ملت ہند نے خدا کی موعود قوم بن کر اسلام کو اپنی منزل مقصود قرار دیا۔اور اقبال کی عظیم فکر اور قائد کے عزم صمیم نے انہونی کو ہونا مقدر کر دیا

Marfat.com

قائد نے نہ صرف مسلمانانِ ہند کی فلاح اور تحفظ کیلئے کام کیا۔ بلکہ سارے عالم اسلام کے مسائل بھی ان پر عیاں تھے۔ خصوصاً فلسطینی مسلمانوں کے ساتھ کی جانے والی صریحی بددیانتیوں پر انہوں نے جارحانہ موقف اپنایا۔

قائداعظم نہ صرف مسلمانانِ ہند کے قائد تھے بلکہ ان کیلئے دنیا بھر کے مسلمانوں کے مسائل یکساں تھے۔ ان کا دل پوری مسلم امہ کیلئے دھڑکتا تھا۔ قائد نے برطانوی حکومت سے تحریری طور پر مفتی اعظم فلسطین کی رہائی کا مطالبہ بھی کیا۔ جواب میں برطانوی حکومت نے مفتی صاحب کو حکومت کا باغی قرار دیتے ہوئے قائد کا مطلبہ مسترد کر دیا۔ اس پر قائد نے فرمایا:

''یہودیوں کو آباد کرنے کے لئے فلسطین کا چھوٹا سا علاقہ ہی کیوں دیا گیا ہے، انہیں امریکہ، کینیڈا، اور آسٹریلیا میں کیوں نہیں آباد کیا جاتا میں صدر ٹرومین سے پوچھتا ہوں وہ یہودیوں کو فلسطین میں کیوں آباد کرانا چاہتے ہیں، امریکی حکومت کے عربوں سے وعدہ کو کیا ہوا۔ شاید انہیں کمزور اور بے بس سمجھ کر دبایا جا رہا ہے۔ وہ اور امریکی حکومت مجرم ہیں، جو اپنی طاقت کے بل پر انصاف کا خون کر رہے ہیں''

قیام پاکستان کے کچھ عرصے کے بعد یہود کی اسرائیلی سلطنت یعنی دجالی ریاست وجود میں لائی گئی۔ حضرت قائداعظم اس صورتحال میں فلسطینی مسلمانوں کے مستقبل کیلئے بیحد متوشش تھے۔ انہوں نے اپنا واحد بین الاقوامی دورہ ۱۹۴۶ء میں فلسطینی مسلمانوں کی اس انتہائی نازک صورتحال کے پیش نظر کیا تھا۔ قائد مصر تشریف لے گئے۔ ان دنوں ایک عالمی صیہونی سازش کے ذریعہ ریاستِ اسرائیل کا قیام عالمی طاقتوں کی ایماء پر عمل میں لایا جا رہا تھا۔ قائد نے اس سلسلہ میں فلسطینی زعماء سے بات چیت کی اور اس منصوبہ کو ناکام کرنے کیلئے فلسطینی بھائیوں سے ہر طرح سے مکمل تعاون کا اعلان اور ان سے اظہار یکجہتی کیا۔ اس دورے میں آپ نے اس وقت کی تازہ ترین صورتحال کا مشاہدہ کے علاوہ بطور خاص مفتی اعظم فلسطین اور دیگر مسلم زعماء اور اسکالرز سے ملاقاتیں بھی کیں۔

مسئلہ فلسطین کے ضمن میں قائد کا بیان ۱۸ اپریل ۱۹۳۹ء کو Star of India میں شائع ہوا۔

"No Geographical Limits can divide the children of Islam. About our Ideals there was no doubt now"

قائد نے اسلام کا آفاقی نظریہ کس قدر خوبصورتی سے اور کھول کر بیان فرمایا کہ: ''کوئی جغرافیائی سرحدیں اسلام کے بچوں کو تقسیم نہیں کر سکتیں۔ ہمارے ان معیارات سے متعلق کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں'' جب یہودی ریاست قائم کی جا رہی تھی تو قائد اس وقت بستر مرگ پر سخت تشویشناک حالت میں پڑے تھے۔ اس حالت میں قائد ۱۷ اگست ۱۹۴۸ء کو مسلم سربراہوں کے نام پیغام میں حالات کی سنگینی کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا کہ: ''مسلمان ممالک کیلئے میرا یہ پیغام محبت اور دوستی کا پیغام ہے، اس وقت مسلمان نہایت ہی نازک دور سے گزر رہے ہیں، بین الاقوامی سیاسی سازشیں جو ڈرامہ فلسطین، انڈونیشیا اور کشمیر میں کھیل رہی ہیں وہ ہماری آنکھیں کھولنے کیلئے کافی ہے، ان سازشوں سے ہم صرف اس صورت میں بچ سکتے ہیں کہ ہم میں کامل اتحاد ہو، اس وقت ساری دنیا میں ہماری آواز کو سنا جائے گا''۔

Marfat.com

یہ بدنصیبی تھی کہ ہمیں قائد کے بعد اس معیار اور اوصاف کی قیادت میسر نہ آئی۔ اور نہ ہی ایسا امت کیلئے درد دل رکھنے والا راہنما ہی میسر آیا۔ تاریخ پاکستان کا جائزہ لیں تو یہ ریاست اپنے جنم کے دن ہی سے اسلام دشمن قوتوں کی ریشہ دوانیوں کا متواتر نشانہ بنی ہوئی ہے۔

یہود و ہنود عزائم اور ہمارے ذمہ داری

یہود و ہنود کے عزائم سمجھنے سے قبل یہ ضروری ہے کہ پہلے دور حاضر کی عالمی تبدیلیوں، معروضی حالات اور Strategic صورتحال سمجھ لی جائے۔

NATO کا دفاعی ادارہ جو کمیونسٹ روس کے خلاف وجود میں لایا گیا تھا۔ سویت یونین کے حصے بخرے ہونے اور کمیونزم کے خاتمے کے بعد، اب اس ادارے کی تشکیل جدید عمل میں لائی گئی ہے۔ یہ ادارہ صرف مسیحی ممالک پر مشتمل ہے۔ اور اب روس کو بھی اس کا باقاعدہ رکن بنالیا گیا ہے۔ نصف صدی کے بعد، ۲۲ اپریل ۱۹۹۹ء کو اس ادارے کے نئے اہداف، مقاصد اور ترجیحات کا اعلان کیا گیا۔

ان نئے اہداف کے تعین میں بنیادی شق دہشت گردی کا خاتمہ قرار دیا گیا۔ یہود جو یورپ، امریکہ اور روس کی معاشیات اور سیاسیات میں فیصلہ کن حیثیت کے حامل ہیں۔ وہ ان ممالک کے ذریعہ اپنا ایجنڈا تیزی کے ساتھ آگے بڑھا رہے ہیں۔ نیو ورلڈ آرڈر کا پہلے ہی اعلان کیا جا چکا ہے۔ اس جدید عالمی استعمار نے انسانیت کی دو حصوں میں واضح طور پر منقسم کر دیا ہے۔ اور یہ تقسیم نظریاتی بنیادوں پر ہے۔

مغرب مسلمانوں کو اپنے، عالمی ایجنڈا کی راہ میں اصل رکاوٹ سمجھتا ہے۔ مغربی تہذیب کا جواب سوائے اسلام کے، دنیا میں کسی دوسرے کے پاس موجود نہیں۔ اس بدلتی دنیا کے تناظر میں ممتاز سکالر جناب اسرار عالم صاحب نے ''یا سای الجبل'' میں یوں تبصرہ فرمایا ہے۔

"Out-law or terrorist orders countries, Socities, Groups & Indiv iduals"

کا خاتمہ کرنے کی کوشش کرے گا۔ تا کہ روئے زمین پر ایک ہمہ گیر اجارہ داری All-Pervading & all comprehensive Monocracy کا قیام ہو سکے''۔

NATO کی تشکیل نو اور نئے اہداف

امریکی دارالخلافہ واشنگٹن میں NATO تنظیم کی تشکیل نو کے ضمن میں ایک خصوصی کانفرنس ۲۵ اپریل ۱۹۹۹ء کو منعقد ہوئی۔ جس میں NATO کے لئے نئے عالمی حالات اور صف بندی کی روشنی میں نئی حکمت عملی وضع کی گئی۔ اور آئندہ نصف صدی کے اہداف کا تعین بھی کیا گیا۔ نیز اس میں دس برس تک کے اہداف کی ابتدائی تیاری بھی کر لی گئی۔

اسرار عالم صاحب حکمرانی کے لئے یہودی ایجنڈا کی تکمیل کے ضمن میں اسلام کو اگلا ٹارگٹ قرار دیتے ہیں۔ اور

Marfat.com

NATO کی وجید شقوں کا موازنہ اس تناظر میں کرتے ہیں۔

"To Confront crises beyond their borders protection from terrori sm and weapons of mass destruction."

اس خصوصی ترکیب سے بیان کئے جانے والے یثاق کا سیدھا مطلب ہے۔ا۔اسلام دہشت گردی ہے۔ ۲۔مسلمان دہشت گرد ہیں۔۳۔اسلام پر چلنے والی حکومتیں دہشت گرد حکومتیں ہیں۔۴۔اسلام کے نفاذ کے لئے کوشاں اجتماعیت، دہشت گرد گروہ ہیں۔ ۵۔ امت مسلمہ کے ذریعہ نیوکلیائی اور دیگر اسلحوں کی دریافت اعلیٰ ترین دہشت گردی ہے۔لہذا ان تمام کا قلع قمع NATO کی اگلی ذمہ داریاں ہیں۔

ظاہر ہے کہ اس کا سیدھا مطلب قانونی اصطلاح میں ہوتا ہے۔

(Liquidation of outlaw or terrorist systetm, terrorist countries , terrorist socities, terrorist Groups & outfits, terrorist Personalities, and terrorist individuals)

دہشت گرد نظام کا خاتمہ، دہشت گرد ملکوں کا خاتمہ، دہشت گرد معاشروں کا خاتمہ، دہشت گرد گروہوں کا خاتمہ، دہشت گرد شخصیات کا خاتمہ اور دہشت گرد افراد کا خاتمہ۔

عالم اسلام میں مسلم نشاۃ ثانیہ کے لئے سرگرم افراد، گروہوں اور اس کو پروموٹ کرنے والے ممالک اور معاشروں کا تذکرہ ہے۔اس معاہدہ میں یہ بات نہایت اہم ہے جو کہا گیا کہ .Beyond their Borders یعنی سرحدوں سے بعید۔ امت مسلمہ اس وقت فی الواقعہ نہایت سنگین حالات سے گزر رہی ہے۔اور انہیں اس صورتحال کا احساس نہیں ہے۔ان کے سروں پر مستقبل قریب کے شدید سانحات کے خطارت منڈلا رہے ہیں۔

ان متذکرہ الفاظ سے واضح ہو جاتا ہے کہ ان یورپی مسیحی ممالک، امریکہ اور اسرائیل کی سرحدوں سے دور دہشت گردی کا خاتمہ چاہتے ہیں۔چاہے وہ افراد ہوں، جماعتیں، ادارے یا ممالک اسی طرح یہ بڑی طاقتیں، اپنے علاوہ دیگر ممالک سے بڑے پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کا خاتمہ چاہتی ہیں۔

سرد جنگ کے بعد طویل مغرب اور یہود کا اپنے عالمی ایجنڈے کے عزائم کو Smooth طریقہ سے پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے اپنا اگلا نشانہ بالفعل اسلام کو قرار دیا۔اس کی وجہ کیا ہے؟

ایک چیز جواب کھل کر سامنے آچکی ہے، وہ تہذیبی جنگ ہے (War of Civilization) امریکہ میں گیارہ ستمبر کے واقعات کے بعد اگلے روز سابق اسرائیلی وزیراعظم احد بارک نے اسے دو تہذیبوں کا ٹکراؤ قرار دیا۔اسلام کے خلاف صف بندی کا عندیہ دیا۔اس وقت دنیا کے مختلف خطوں پر نظر دہرائی جائے تو ہر جگہ مسلمان ہی برسرپیکار نظر آتے ہیں۔اور انہیں بدترین تشدد کا نشانہ بنایا جارہا ہے۔کشمیر، فلسطین، چیچنیا، بوسنیا، فلپائن، برما وغیرہ کی صورتحال عیاں ہے۔

Marfat.com

اسرار عالم صاحب مئی ۱۹۹۹ء میں پانی عالمی حالات پر غیر معمولی نظر کے پیش نظر اہداف پر درج ذیل تبصرہ فرمایا۔

''اس شکار کی ابتداء کیا ہوگی۔ اور اس کی آخری صورت کس طرح سامنے آئے گی۔ واقعہ یہ ہے کہ تمام دہشت گرد ملکوں کا حال ابتداً وہی ہوگا۔ جو موجودہ عراق کا ہو رہا ہے۔ اور تمام تر دہشت گرد سائیٹیوں کا وہی حال ہوگا۔ جو مصر میں اخوان کا ہوتا تھا۔ تمام دہشت گرد شخصیات کا وہی حال ہوگا۔ جو بن لادن جیسے لوگوں کا ہو رہا ہے''۔ (یا ساری الجبل صفحہ ۴۴)

اسرار عالم صاحب نے بہت عمدہ اور درست تجزیہ کیا ہے۔ اور اب اگلا ہدف افغانستان اور پاکستان بن رہا ہے۔ افغانستان پر شدید بمباری اور زمینی ناکہ بندی اور دیگر پابندیاں سختی سے جاری ہیں۔ اسرار عالم صاحب کے بیان کے مطابق ایک مرحلہ اسی ... ل میں ایسا بھی آئے گا جو مومن اسلام کے کسی حکم پر چلے گا وہ بھی دہشت گرد قرار پائے گا۔ اسلام کے بنیادی ارکین جبراً معطل کئے جائیں گے۔ دینی تعلیم اور دینی مدرسے بند کر دیئے جائیں گے۔ ان واقعات کی طرف روایات میں بھی اشارہ ملتا ہے۔

وقت کا اہم ترین تقاضا

ان سنگین حالات میں یہ ضروری ہو چکا ہے کہ ہمارے معاشرے کے بانظر، ہوش مند اور اہل درد افراد کو بلا تخصیص مسلک و وابستگی ایک پلیٹ فارم پر متحد کیا جائے۔ ملک کے تمام علاقوں میں عوامی سطح پر Think Tanks بنانے کی ضرورت ہے۔ اس میں ڈاکٹرز، انجینئرز، قانون دان، ادیب، ریٹائرڈ فوجی اور سول سروس کے افراد اور اساتذہ وغیرہ کو شامل کیا جائے۔ جو حالات کی سنگینی کو سمجھتے ہوں۔ جو عالمی حالات کو بھی پیش نظر رکھیں اور رسول ﷺ کی راہنمائی کو بھی۔ اس امر کی اشد ضرورت ہے، مسلمان قرآن سے ٹوٹا تعلق دوبارہ قائم کرے اور ایک پکا اور سچا باکردار مسلمان بنے۔ نیز یہ فکری بیداری کا کام عوامی اور ریاستی، دونوں سطح پر ہونا چاہیے۔ اہل فکر دانش، سیاسی و مذہبی وابستگیوں سے بالاتر ہو کر ان حالات میں ملی خدمات انجام دیں۔

اس کے علاوہ کرنے کا کام یہ بھی ہے کہ ایک تو عالمی و ریاستی حالات کا تفصیلی تجزیہ کیا جائے۔ اور ان سے متواتر Update رہا جائے۔ اور عوام میں شعور، فکر اور بیداری کے لئے یہ تجزیئے اور گائیڈ لائن متواتر فراہم کی جائے۔ تاکہ آنے والے سنگین دنوں کے لئے پہلے سے عوام کی ذہن سازی اور فکر تطہیر کے ساتھ آنے والے حالات سے نبرد آزما ہونے کی تیاری بھی کی جائے۔ نیز اپنی ریاست پر یا عالم اسلام پر وقوع پذیر، کسی بھی بڑی آفت سے نبرد آزما ہونے کے لئے بھرپور فکری معاونت فراہم کی جائے۔

نیز ہنگامی صورتحال سے عہدہ براہ ہونے کے لئے، پہلے سے ممکنہ پابندیوں اور دیگر متوقع مسائل جیسے دفاع، شہری امور، پبلک مورال، راشن کی صورتحال، فنڈز، ایندھن، کمیونیکیشن، مواصلات اور طبی ضروریات وغیرہ کا جائزہ لے کر ہر ممکن بندوبست کرلیا جائے۔

Marfat.com

پاکستان کی خصوصی اہمیت

پاکستان جس کا وجود نظریہ اسلام کی بنا پر ہوا۔ ہماری قوم (By Nature) اسلام پسند قوم ہے۔ قدرت نے اس خطہ زمین کو خصوصی رول دیا ہے۔ دفاعی اعتبار سے پاکستان نے عالم اسلام میں ایک خصوصی مقام حاصل کیا ہے۔ پاکستان عالم اسلام کی پہلی ایٹمی قوت بن کر ابھرا ہے اور اس نے میزائل ٹیکنالوجی میں بھی خاصی پیش رفت کی ہے۔ اس صورتحال میں یہ اسلام دشمن قوتوں کی نگاہ میں کانٹے کی طرح کھٹک رہا ہے۔ اور یہ پاکستان دشمن قوتیں کسی مناسب موقع کی متلاشی ہیں جس کی آڑ میں وہ ہماری قوت برباد کرنا چاہتی ہیں۔ جس میں وہ اس کی قوت کو برباد کر دیں۔ یہود و ہنود کے مابین نہایت قریبی دفاعی تعلقات قائم ہیں۔ ان کی گٹھ جوڑ کیا رنگ لاتی ہے یہ بھی عیاں ہو جائے گی۔ بھارت ہمارا ازلی دشمن ہے۔ اس نے کبھی ہمیں دل سے تسلیم نہیں کیا۔ وہ روز اول سے اکھنڈ بھارت میں عظیم ہندو ایمپائر کا خواب دیکھ رہا ہے۔ نیز مسلم دشمنی وہ پیش پیش ہے اور مسلمانان ہند کو ہندو وانا چاہتا ہے۔ ہندوستان کے اسرائیل اور روس، امریکہ اور مغربی مسیحی ممالک سے نہایت قریبی تعلقات استوار ہو چکے ہیں۔ تمام اسلام مخالف قوتیں اس وقت مجتمع ہیں۔

ایک نہایت ہولناک پاک بھارت جنگ وقت کی دہلیز پر دستک دے رہی ہے۔ مقبوضہ کشمیر میں نہتے مسلمانوں پر ظلم و بربریت کی بدترین داستانیں رقم ہو رہی ہیں۔ بھارت کے کئی نیتا پاکستان سے ایک فیصلہ کن معرکہ کا عندیہ دے چکے ہیں۔ اس وقت بھارتی سیاست اور ریاست پر اسلام دشمن دشمنی میں پیش پیش ہندو تنظیموں کا راج ہے۔ وہ اپنے انتہا پسند عزائم کی تکمیل کے لئے مناسب وقت اور موقع کی تلاش میں ہیں۔ جس میں وہ عظیم تر بھارت کے خواب کو شرمندہ تعبیر کر سکیں اور مسلمانوں سے اپنی ماضی کی طویل غلامی کا انتقام لے سکیں۔

ملت پاکستانیہ پر عالمی یہودی اور ہندو ذرائع ابلاغ نے زبردست یلغار کر رکھی ہے۔ جس کے ذریعہ پاکستان اور مسلمانوں کے خلاف بھرپور پروپیگنڈہ مہم کی جاتی ہے۔ اور اپنے اہداف کے تعین کے لئے عالمی رائے عامہ کو ہموار کیا جاتا ہے۔ نیز ہمیں زبردست ثقافتی یلغار کا سامنا ہے۔

اس وقت ضرورت اس امر کی ہے کہ جلد از جلد اور زیادہ سے زیادہ دفاعی صلاحیت حاصل کی جائے۔ ایٹمی اسلحہ کے علاوہ، حیاتیاتی، اور کیمیاوی ہتھیار بھی تیار کئے جائیں۔ ایٹمی صلاحیت کیلئے موثر ڈیلیوری سسٹم، اس کی راہنمائی اور دشمن کے اہداف کے ٹھیک ٹھیک تعین کے لئے جدید خلائی مواصلاتی نظام کی ضرورت ہے۔ سفارتی محاذ کو بھرپور انداز سے متحرک کرنے کی بھی ضرورت ہے۔ تاکہ عالمی حالات و واقعات میں زیادہ سے زیادہ کردار اور رائے عامہ ہموار ہو سکے۔ اس کی بھی شدت سے ضرورت ہے کہ عالم اسلام کو جدید، معیاری اور پروفیشنلز پر مبنی عالمی سطح پر اپنا میڈیا نیٹ ورک اور متعدد زبانوں میں ابلاغی چینلز قائم کرے۔ اس وقت عالمی میڈیا پر سارا ٹریفک One Way چل رہا ہے۔

اس زمانہ میں ہمیں کم سے کم صلاحیت کے لئے ان شعبوں پر فوری توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ اس وقت دفاعی

Marfat.com

ضروریات کے تناظر میں ممتاز اسکالر اسرار عالم صاحب راہنمائی فرماتے ہیں کہ: ''جنگِ خلیج'' روئے زمین پر پہلی نیوکلیائی، حیاتیاتی، کیمیاوی اور خلائی جنگ تھی۔ اب کوئی جنگ اس سے نچلی سطح پر لڑی نہیں جاسکتی۔ حدف یہی ہوسکتا ہے کہ روئے زمین پر ایک ایسی جنگ ہو، جو عالم گیر نیوکلیائی، حیاتیاتی، کیمیاوی، الیکٹرونی اور خلائی جنگ ہو۔ ایسی جنگ سالوں نہیں بمشکل مہینوں دور ہے''(یاساری الجبل از اسرار عالم)

مستقبل کی جنگ کا جائزہ لینے سے ایک ہولناک نقشہ سامنے آتا ہے۔ ایک جانب، مسلم دشمن اقوام کے ہاتھ علوم اور ٹیکنالوجی اور وسائل کے انبار ہیں۔ تو دوسری جانب مسلمان ان لوازمات سے خالی ہے۔ ان حالات کو مدِنظر رکھ کر ہمیں مستقبل کا لائحہ عمل تیار کرنا ہے۔ ان حالات میں ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم جتنی جلد ہو سکے ملی بیدار اور قومی خودی اور کردار سازی کے لئے سرگرم ہوں۔ اور اپنے مقتدر طبقات کو حالات کی سنگینی سے باخبر کیا جائے اور انہیں پاکستان کے قیام کے مقاصد کی جلد از جلد تکمیل کے لئے Motivate کیا جائے۔

فلیش پوائنٹس

اکثر اسکالرز اس بات کا برملا اظہار کر چکے ہیں کہ اس وقت عالمی فلیش پوائنٹس دو مراکز ہیں۔ اور پچھلی نصف صدی کے حالات و واقعات بھی اس کے شاہد ہیں۔ یہ دو جگہیں کشمیر اور بیت المقدس ہیں۔ کشمیر کو بھارت اپنا اٹوٹ انگ قرار دیتا ہے۔ سات لاکھ سے زائد بھارتی افواج اس چھوٹے سے خطہ میں موجود ہیں۔ بھارت کے لئے یہ علاقہ دردسر بنا ہوا ہے۔ بھارت مقبوضہ کشمیر ہی نہیں آزاد کشمیر پر بھی اپنا ادھیکار جتلاتا ہے۔ اور اس پر قبضہ کی کئی مرتبہ دھمکی بھی دے چکا ہے۔ نیز وہ پاکستان کے خاتمہ کے ذریعہ مسلمانان ہند کا قضیہ بھی ہمیشہ کے لئے ختم کرنا چاہتا ہے۔ لہذا کشمیر پر بھارت کی کوئی اشتعال انگیزی اور غیر ذمہ دارانہ اقدام، پاک بھارت کے مابین ایک ہولناک اور زبردست تباہی کی حامل جنگ کا موجب بن سکتا ہے۔ بھارتی نیتاؤں نے پاکستان کو روز اول ہی سے صدق دل سے قبول نہیں کیا۔ وہ اسے مقبوضہ پاکستان قرار دیتے ہیں۔ بھارت کے اہم اور بڑے اسکالرز کے آرٹیکلز ہندو ذہنیت کی غماضی کرتے ہیں۔ وہ کشمیر کو رایشو نہیں بلکہ پاکستان کو گورایشو کہتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ مسلمانان پاک و ہند انہی کی زبان بولتے ہیں کلچر اور نسل ایک ہے تو پھر مسلمان علیحدہ قوم کس طرح سے ہیں۔ یہ وہی دلائل ہیں جو چودہ سو برس قبل مشرکین عرب دیتے تھے۔ یعنی اصل جھگڑا دوقومی نظریہ پر ہے۔ نصف صدی سے کچھ زائد مدت پر محیط تاریخ پاک و ہند اس کی شاہد ہے۔ بھارت پاکستان سے بدترین دشمنی رکھتا ہے اور وہ ہمیشہ اسے زک پہنچانے کا کوئی موقع فروگزاشت نہیں کرتا۔ بھارت کے کئی سیاسی اور عسکری نیتا پاکستان سے فیصلہ کن جنگ، اور اسے صفحہ ہستی سے مٹانے کا عندیہ دے چکے ہیں۔ حالیہ جنگ افغانستان کے بعد، پاکستانی سرحد پر افواج کی زبردست تعیناتی اور بھرپور فوجی تیاری وہاں کے انتہا پسند نیتاؤں کے عزائم اور جنگی جنون کی غماضی ہے۔ اس سلسلہ میں اسرائیل کی بھی بھارت کو بھرپور تائید اور شہ حاصل رہی ہے۔ بھارت آج عالمی دہشت گردی کی بنائی گئی فضاء کا بھرپور فائدہ اٹھانے کی کاوش میں لگا ہے تاکہ اس صورتحال کا بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے

Marfat.com

پاکستان کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا جائے۔ تازہ ترین پاک بھارت جنگی فضاء میں اسرائیل کے سابق وزیر اعظم اور موجودہ وزیر خارجہ شمعون پیریز نے بھارت کا خصوصی دورہ کیا ہے۔ اور بھارت کے انتہا پسند نیتاؤں کی مکمل حمایت اور ان سے یکجہتی کا اظہار کیا ہے۔ کشمیر اور دہشت گردی اور پاکستان سے متعلق بھارتی موقف کی بھی حمایت کی ہے۔ اور بڑے پیمانے پر بھارت سے فوجی تعاون کا اعلان کیا ہے۔ اور پاکستان سے بھارت کی جنگ کی صورت میں بھارت کو بھرپور تعاون کا یقین دلایا ہے۔ اس سلسلہ میں پیریز کی ۸ جنوری ۲۰۰۲ء کی پریس کانفرنس ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ جس کو ۹ جنوری کی اشاعت میں بیشتر اخبارات نے شائع کیا ہے۔

یہ تو بات ہوئی بھارت اور اس کے جنگی جنون کی، جس نے خطہ کشمیر کو عالمی سطح پر فلیش پوائنٹ بنا رکھا ہے اسی قسم کے عزائم کی حامل دوسری ریاست اسرائیل کی ہے جو کہ عالمی حکمرانی کے خواب کی تکمیل کے لئے عالمی سیاسیات کے تانے بانے بن رہی ہے۔ اس نے کشمیر کی مثل فلسطین میں ظلم و جبر کا بازار گرم یہاں تیسری مرتبہ اپنا ہیکل تعمیر کر سکیں۔ اس خطہ میں شام اور عراق نے تا حال اسرائیل کو تسلیم نہیں کیا۔ اور یہ ممالک اس سلسلہ میں مزاحمت کر رہے ہیں۔ جنگِ خلیج کے اگلے مرحلہ میں ممکنہ طور پر ان دونوں ممالک کے خلاف کسی بڑی صلیبی جنگ کا آغاز ہو سکتا ہے۔

ورلڈ ٹریڈ سینٹر کا سانحہ اور قرآن کریم کی پیش خبری

سورۃ التوبہ کی ایک اور آیت مقدسہ میں ارشاد خداوندی ہے:

"لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِىْ بَنَوْا رِيْبَةً فِىْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّاۤ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ" (التوبہ۔۱۱۰)

ترجمہ: یہ عمارت جو انہوں نے بنائی ہے ہمیشہ ان کے دلوں میں موجب خلجان رہے گی اور ان کو متردد رکھے گی۔ تا وقتیکہ ان کے دل ہی پاش پاش ہو جائیں۔ اللہ نہایت ہی باخبر اور حکیم و دانا ہے۔

اس آیت مبارکہ کا شان نزول تو "مسجد ضرار" کا وہ تاریخ ساز واقعہ ہے۔ جو نو ہجری کو پیش آیا۔ مگر اسے حیرت انگیز اتفاق کہئے، خدائی حکمت سے اسے تعبیر کیجئے، خدائے علیم و خبیر و بصیر کا کوئی سربستہ راز قرار دیجئے، خدائے لم یزل کی لامحدود حکمت کا کوئی اشارہ سمجھئے، اللہ قادر مطلق کے کائناتی منصوبہ کی کوئی کڑی قرار دیجئے یا اٹل اور ناقابل تبدل قرآنی پیش خبری کہ یہ آیت مقدسہ اللہ خالق و مالک کی طرف سے اکیسویں صدی عیسوی میں کرۂ ارض پر بسنے والے انسانوں کو اس صدی کے پہلے تحفے کے طور پر کو عطا ہوئی اور انسانیت کے دشمن یہود و ہنود و نصاریٰ کے اعلیٰ دماغوں کی تیار کردہ گھناؤنی اور تباہ کن سازش۔۔۔ جو ۲۰۰۱ء بمطابق ۱۴۲۲ھ کو سپر پاور امریکہ کی رعونت و فرعونیت، معاشی و حربی برتری کی علامت ورلڈ ٹریڈ سینٹر کی تباہی کا باعث بنی۔۔۔ ورلڈ ٹریڈ سینٹر کے اس سانحہ پر بھی بعینہ اسی طرح منطبق ہوتی ہے جس طرح ساتویں صدی عیسوی میں وقوع پذیر ہونے والے مسجد ضرار کے وقوعہ پر۔ اور جس طرح مسجد ضرار کی گھناؤنی اور گہری سازش کے پیچھے اسلام دشمن طاقتوں کا دین حق اور مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹا دینے کا ایک بڑا مربوط اور انتہائی خطرناک منصوبہ تھا بالکل اسی طرح ورلڈ ٹریڈ سینٹر کی اس خود ساختہ واردات کا مقصد بھی دین حق اسلام اور ملت اسلامیہ پر کاری ضرب لگانا اور صفحہ ہستی سے مٹا دینا تھا۔ اس خود ساختہ

Marfat.com

واردات کی آڑ میں اسلام دشمن طاقتوں نے دنیا کی واحد سپر پاور امریکہ کی قیادت وکمان میں متحد ہو کر اسلام کے خلاف صلیبی جنگ کا آغاز کیا اور دو آزاد خود مختار اسلامی ممالک، افغانستان اور عراق کو انسانی سوز بربریت کا نشانہ بنا کر تہس نہس کرنے کے ساتھ ساتھ یہ صلیبی عفریت آٹھ برس کی اس چنگیزیت میں پندرہ لاکھ سے زائد معصوم مسلمانوں کا لہو پی چکا ہے مگر ابھی تک اس کی پیاس نہیں بجھی۔ انگنت انسان زندگی بھر کے لئے معذور ہو چکے ہیں، لاکھوں یتیموں، بیواؤں اور بے سہارا لوگوں کی ایک کھیپ دنیا بھر کے انسانی ضمیر کے لئے ایک چیلنج بن چکی ہے اور ہزاروں آباد شہری ہنستی بستی بستیاں راکھ کے ڈھیروں اور کھنڈرات میں تبدیل ہو چکی ہیں ۔۔۔۔ مگر جو تا فیم کروسیڈی بش (Bush) کا صیہونی ڈگڈگی کی تھاپ پر شروع کیا گیا یہ ابلیسی رقص کسی بھی طور تھمنے میں نہیں آ رہا!

حیرت انگیز مماثلت

اللہ علیم وخبیر وبصیر نے مسجد ضرار کی سازش کے حوالے سے بین السطور اپنے پیارے حبیب اقدس واکرم ﷺ کو آپ ﷺ کے واسطے سے امت مسلمہ کو پندرھویں صدی ہجری میں وقوع پذیر ہونے والی دین حق اور ملت اسلامیہ کے خلاف ''الکفر ملت واحدۃ'' کے زرخیز دماغوں کی تیار کردہ ورلڈ ٹریڈ سینٹر کی اس گہری اور خطرناک سازش اور اس کے انجام وعواقب سے بھی چودہ سو سال پہلے آگاہ کر دیا تھا، مبہم اشاراتی انداز میں نہیں بلکہ بڑے واضح اور ٹھوس انداز میں ۔۔۔۔ ان دونوں سازشی وارداتوں کے مابین انتہائی مماثلت اس الہامی سچائی کا بیّن ثبوت ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

۱۔ سورۃ التوبہ قرآن حکیم کے گیارھویں سپارے کی نویں سورۃ ہے۔ یعنی ۹/۱۱ (نائن الیون) اور یہ زیر بحث آیت سورۃ التوبہ کی ۱۱۰ ویں آیت ہے اور گیارہ ستمبر ۲۰۰۱ء کو تباہی کا شکار ہونے والی ورلڈ ٹریڈ سینٹر کی عمارت کی بھی ۱۱۰ ہی منزلیں تھیں۔

۲۔ 11 ستمبر اور ۲۲ جمادی الثانی کو یہ خود ساختہ واردات ہوئی۔ ۲۲ کا ہندسہ بھی دراصل 11 ہی کی ایک شکل ہے۔ (۱۱x۲=۲۲)

۳۔ مسجد ضرار کی سازش کا وقوعہ ۹ ویں ہجری کا ہے اور اس اکیسویں صدی عیسوی کی یہ عمارت ضرار (ورلڈ ٹریڈ سینٹر) کا سانحہ بھی، جس نے پوری مسلم دنیا کو بالخصوص اور دنیا بھر کو بالعموم اپنے خونی پنجوں میں جکڑ رکھا ہے، ۱۴۲۲ھ کو ہوا اور ۱۴۲۲ھ کا مفرد عدد بھی ۹ ہے۔ ۲ + ۲ + ۴ + ۱ = ۹

۴۔ سورۃ التوبہ کی زیر بحث آیت آغاز قرآن یعنی الحمد شریف سے سورۃ التوبہ تک قرآن کریم کی ۱۳۵۱ ویں آیت بنتی ہے اور ورلڈ ٹریڈ سینٹر کی بلندی بھی ٹھیک ۱۳۵۱ ہی فٹ تھی۔

۵۔ جو ہوائی جہاز ورلڈ ٹریڈ سینٹر کے ٹون ٹاورز (Twin Towers) سے ٹکرایا تھا اس کا فلائٹ نمبر ۱۱ تھا۔

۶۔ اور ٹکرانے والے حملہ آور اور ہوائی جہاز میں موجود عملہ کی تعداد بھی ۱۱ تھی۔

۷۔ امریکہ کے جس شہر میں یہ عمارت واقع تھی اس شہر کے حروف کے اعداد کا مجموعہ بھی ۱۱ بنتا ہے۔

New Yark = 5+5+6+1+1+2+2+ = 22-11

Marfat.com

۸۔ جس طرح مسجد ضرار کی سازش تیار کرنے والی اسلام دشمن طاقتوں کا بنیادی مقصد تیزی سے ابھرتی ہوئی اسلامی طاقت اور دین حق کو مٹانا تھا، اسی طرح چودہ صدیاں بعد بننے والی اس عمارت کی۔۔۔ جو وقت کی واحد سپر پاور کی فوجی، معاشی، عسکری طاقت و برتر کی علامت ہے۔ ورلڈ ٹریڈ سینٹر کی تباہی کی خود ساختہ واردات کی گھناؤنی سازش تیار کرنے والی "الکفر ملت واحدۃ" کا مقصد وحید بھی ملت اسلامیہ، خصوصاً تیزی سے ابھرتی ہوئی ایٹمی طاقت پاکستان کو زیر کر کے اس پر تسلط قائم کرنا، ملت اسلامیہ کے بے پناہ قدرتی وسائل پر قبضہ کرنا اور عالم اسلام کا معاشی واخلاقی، تہذیبی، ثقافتی، دینی اور سیاسی استحصال تھا۔

۹۔ مسجد ضرار کے سازشی واقعہ کی ناکامی کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد جس طرح اس وقت کی سپر پاور رومن (Roman Empire) کا غرور خاک میں مل گیا تھا اور سلطنت پارہ پارہ ہوگئی تھی اور اس سازش میں شریک کفار و مشرکین و منافقین کا وجود بھی جزیرۃ العرب سے مٹ گیا تھا۔ بالکل اسی طرح تاریخ آج پھر اپنے آپ کو دہرا رہی ہے اور آج کی واحد سپر پاور کی کمان اور سامراجی باطل طاقتوں کی دین حق ملت اسلامیہ کو مٹا ڈالنے اور دنیا پر بلا شرکت غیرے تسلط اور حکمرانی کا خواب بھی ٹوٹنا اور چکنا چور ہونا شروع ہو گیا ہے اور وہ دن اب زیادہ دور نہیں جب نہ صرف موجودہ سپر پاور کے وجود سے بھی دنیا پاک ہو جائے گی بلکہ "الکفر ملت واحدۃ" کا شیرازہ بھی بکھر جائے گا کہ باطل کا مقدر ہی مٹ جانا ہے۔ "اللہ باطل کی جڑ کاٹ دیتا ہے اور حق کو اپنے فرمانوں کے ذریعے حق ثابت کر دکھاتا ہے" (الشوریٰ۔۲۴)

۱۰۔ عالم اسلام پر مسلط کی گئی اس کروسیڈی جنگ میں جدید ترین سائنسی ٹیکنالوجی کے استعمال، وسیع تباہی پھیلانے والے مہلک ترین جدید ترین ہتھیاروں کے بے دریغ استعمال، موثر اور بھرپور پروپیگنڈا مشین، اربوں کھربوں ڈالر جنگ کی آگ میں جھونک دینے، لاکھوں معصوم، بے گناہ نہتے مسلمانوں کا خون بہانے، ان کے شہروں، قصبوں اور ہنستی بستیوں کو کھنڈروں میں تبدیل کر دینے، اپنے ہزاروں فوجی مروانے اور اپاہج کروانے کے باوجود اور بیشتر مسلم ممالک کے مسلمان نما ایمان فروش، ملت فروش، وطن فروش، دولت واقتدار کی ہوس کی دیوی کے چرنوں میں سر جھکائے دین فروش، منافق، فاسق، غدار سربراہوں، لیڈروں جرنیلوں، پیشواؤں کی بھرپور حمایت و معاونت کے باوجود امریکی سامراج اور اس کے حواری افغانستان، عراق، پاکستان، لبنان، فلسطین، ہر محاذ پر شکست سے دوچار اور پسپائی پر مجبور ہیں۔ نسلوں تک یہ کروسیڈی جنگ لڑنے کا دعویٰ کرنے والوں کی یہی پسپائی انشاء اللہ! بہت جلد ان کی مکمل شکست و ریخت پر منتج ہوگی۔ اس ازلی ابدی تاریخی سچائی کی اب انہیں اچھی طرح سمجھ آنے لگی ہے کہ۔۔۔۔ ان الباطل کان زھوقاً۔ (باطل ہے ہی مٹ جانے کے لئے) اور ان کے اندر خوف، یہی خلجان اور یہی تردد ہے جو قرآن حکیم کی متذکرہ بالا پیش خبری کے عین مطابق ان کے لئے سوہان روح بنا ہوا ہے اور ان کے دلوں کو پارہ پارہ کر رہا ہے۔

مسجد ضرار کی سازش کا پس منظر

مسجد ضرار کی تعمیر اور اس کے پس منظر کی گھناؤنی سازش اور جدید دور کے ورلڈ ٹریڈ سینٹر کی ۲۰۰۱/۹/۱۱ کے واقعہ کے

Marfat.com

سیاسی، مذہبی، تہذیبی اور معاشی پس منظر میں گہری مماثلت ہے۔ چودہ صدیاں گزرنے کے باوجود دونوں تاریخ ساز اور انقلاب آفرین واقعات کے پیچھے ایک ہی قسم کا ذہن کام کرتا اور صاف دکھائی دیتا ہے۔ دونوں واقعات کے پس پردہ اہم بنیادی اور لیڈنگ رول (Leading Role) ادا کرنے والے کرداروں میں طویل زمانی و مکانی بعد اور شکل وصورت کا فرق ہے ورنہ مقصد اور نوعیت کے اعتبار سے دونوں کے مقاصد اور اہداف اور مطمع نظر میں مکمل یکسانیت ہے۔ تاریخ انسانی اور خاص طور پر ملت اسلامیہ پر گہرے اور دور رس تاریخی، تہذیبی، مذہبی، تمدنی، معاشی، سیاسی اثرات چھوڑنے والے ان دونوں واقعات کے پیچھے کارفرما مماثل سازشوں کے درست تجزیئے اور سازشی کرداروں کے مذموم مقاصد کے مکمل ادراک اور ان کی تہہ تک پہنچنے کے لئے تفصیلی اور گہرے تجزیئے کی ضرورت ہے۔

قبیلہ بنی خزرج کا ابو عامر، جو عیسائیت قبول کر کے راہب بن گیا تھا اور اس نے مدینہ منورہ اور گرد و نواح میں کافی اثر و رسوخ پیدا کر لیا تھا، حضور اکرم ﷺ کی مدینہ تشریف آوری سے اس کی بزرگی اور پیری مریدی کا دھندا ماند پڑنے لگا تو وہ حسد کی آگ میں جلنے لگا اور آپ ﷺ کا سخت دشمن ہو گیا۔ غزوہ بدر سے لے کر جنگ یرموک تک کفر و اسلام کے درمیان جتنی جنگیں لڑی گئیں یہ شخص پیش پیش رہا۔ جنگ حنین میں جب مشرکین و منافقین کو شکست فاش ہوئی اور ابو عامر کو یقین ہو گیا کہ اب جزیرۃ العرب میں ایسی کوئی طاقت نہیں رہی جو اس ابھرتی ہوئی اسلامی طاقت کا مقابلہ کر سکے تو وہ فوجی کارروائی کے لئے اس قت کی عیسائی سپر پاور قیصر روم کے پاس جا پہنچا۔

رومی سلطنت کے ساتھ مسلمانوں کی کشمکش فتح مکہ کے بعد کافی تیز ہو چکی تھی۔ اس دوران پیش آنے والے کچھ واقعات نے اس کشمکش کو اور تیز کر دیا۔ بصرہ کے سردار شرجیل اور شام کی سرحد سے متصل عیسائی عرب قبائل کی طرف، جو رومی سلطنت کے زیر اثر تھے، حضور اقدس ﷺ نے اپنا ایلچی اور تبلیغی وفد روانہ کیا۔ ان لوگوں نے آپ ﷺ کے ایلچی اور تبلیغی وفد کے پندرہ ارکان کو شہید کر دیا۔ چنانچہ ان لوگوں کو سزا دینے کے لئے حضور پاک ﷺ نے آٹھ ہجری کو تین ہزار جان فروش مجاہدین پر مشتمل ایک لشکر سرحدی شام کی طرف روانہ کیا۔

شرجیل ایک لاکھ کے لشکر کے ساتھ مقابلہ کیلئے آیا۔ خود قیصر روم نے جو اس وقت حمص کے مقام پر خیمہ زن تھا اپنے بھائی تھیوڈور کی قیادت میں مزید ایک لاکھ فوج روانہ کی۔ مگر مسلمان مجاہدین کا صرف تین ہزار کا دستہ اتنی بڑی مسلح فوج سے خوف زدہ ہونے کی بجائے آگے بڑھ کر موتہ کے مقام پر دشمن سے جا ٹکرایا۔ تین مسلمان جرنیلوں، حضرت زیدؓ، حضرت جعفر بن ابی طالبؓ، اور حضرت عبداللہ رواحہ رضوان اللہ اجمعین کی یکے بعد دیگرے شہادت کے بعد سیف اللہ حضرت خالد بن ولیدؓ نے اسلامی لشکر کی کمان سنبھالی اور سارا عرب، شام اور شرق اوسط یہ دیکھ کر ششدرہ گیا کہ عیسائیوں کا اتنا بڑا اور پوری طرح مسلح لشکر بھی مٹھی بھر مسلم جانفروشوں کو شکست دینے میں بری طرح ناکام ہوا۔ اس اہم ترین اور حیران کن واقعہ نے قیصر روم کو جو کہ اپنی سپر پاور کے نشہ میں بدمست تھا، بری طرح چونکا کر اس حقیقی خطرے کی اہمیت کا پوری طرح احساس دلا دیا کہ جو جزیرۃ نما عرب سے اٹھ کر بڑی تیزی سے اس کی سلطنت کی طرف بڑھ رہا تھا۔ حالات کی نزاکت کے پیش نظر قیصر روم نے ابو عامر کی بات کو

Marfat.com

اہمیت دی اور شام کی سرحدی پر فوجی تیاریاں شروع کیں۔

منصوبہ بندی کچھ اس طرح کی گئی کہ قیصر روم خود اپنی قیادت میں ایک لشکر جرار کے ساتھ سامنے سے مسلمانوں پر حملہ آور ہوگا، عرب کے اندر کے مشرکین وعیسائی سردار اندر سے حملہ کریں گے اور مدینہ اور اطراف مدینہ کے منافقین، مشرک، یہودی وغیرہ متحد ہو کر بغل میں چھرا گھونپنے کا ارادہ کریں گے اور یوں مسلمانوں کی ابھرتی ہوئی طاقت (نعوذ باللہ) ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دی جائے گی۔ ان ساری سازشوں اور ریشہ دوانیوں اور منصوبہ بندیوں کا گڑھ مدینہ منورہ کے نواح میں مسجد ضرار نامی ایک عمارت تھی جسے اسلام دشمن طاقتوں نے اس گھناؤنے مقصد کے لئے تیار کیا تھا۔

اللہ کے حبیب حضرت محمد ﷺ نے پیغمبرانہ فہم وفراست اور خداداد بصیرت ووجدان سے دشمن کی گہری چال اور منصوبہ بندی کو بروقت بھانپ کو فوری طور پر جنگ کی تیاری شروع کر دی اور انتہائی نامساعد حالات کے باوجود قلیل ترین مدت کے اندر تیس ہزار مجاہدین کے لشکر کی خود قیادت فرماتے ہوئے سرحد شام کی طرف روانہ ہو گئے اور سرحد شام کے قریب یرموک کے مقام پر خیمہ زن ہو گئے۔ سپر پاور کا شہنشاہ قیصر روم جو جنگ موتہ میں صرف تین ہزار جانثاران اسلام کی قوت ایمانی کا مشاہدہ کر چکا تھا تیس ہزار کے اسلامی لشکر سے، اور وہ بھی خود پیغمبر وقت حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی اپنی قیادت میں، اس قدر خوف زدہ ہوا کہ میدان ہی چھوڑ کر بھاگ گیا۔ یوں اسلام کے خلاف دشمن کی سازش نہ صرف بری طرح ناکام ہوئی بلکہ انہی پر الٹ گئی۔ اور حضور پاک ﷺ کی اس مدبرانہ فوجی کارروائی کے نتیجے میں بہت سے عیسائی عرب قبائل جو رومی سلطنت کے زیر اثر تھے یا تو مسلمان ہو گئے یا اسلامی سلطنت کے زیر اثر آ گئے۔ اور یوں اللہ نے مسلمانوں کو بغیر جنگ فتح مبین عطا کر دی۔ غزوہ یرموک سے واپسی پر حضور اکرم ﷺ نے وحی الٰہی کے عین مطابق مسجد ضرار کو ڈھا دینے اور جلا دینے، مشرکین وکفار ومنافقین کو قرار واقعی سزا دینے کے احکامات جاری فرما کر اس فتنہ پر ایسی کاری ضرب لگائی کہ صدیوں تک دوبارہ باطل کو ایسے اقدام کی جرأت نہ ہوئی اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اپنی مذموم سازشوں اور منصوبہ بندیوں کے لئے بنائی گئی یہ عمارت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خود کے اپنے دلوں کا روگ بن کر رہ گئی۔

ورلڈ ٹریڈ سینٹر کی سازشی واردات کا حقیقی پس منظر

چودہ صدیاں بعد۔۔۔ مسلمانوں کی اپنی نااہلیوں، کوتاہیوں اور کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر اسی دیرینہ دشمن کو اسلام اور ملت اسلامیہ کے خلاف سر اٹھانے کی دوبارہ جرأت ہوئی اور اس نے پھر وہی پرانی چال نئے انداز سے چلنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ نویں صدی ہجری کی سازشوں کا مرکز مسجد ضرار تھی اور اس پندرھویں صدی ہجری کی سازش کا مرکزی نقطہ ورلڈ ٹریڈ سینٹر کو بنایا گیا ہے۔ اس سازش کے کرتا دھرتاؤں نے 9/11 کی خود ساختہ واردات کا تعلق مسلمانوں سے جوڑ کر اسلام کی، جو امن وسلامتی، انصاف رواداری اور محبت وبھائی چارہ کا دین ہے اور ساری انسانیت کے لئے ہے۔ بے پناہ وسائل اور بھرپور پروپیگنڈہ کے زور پر، دہشت گردی سے منسلک کر کے اور مسلمانوں کو بدنام کر کے اپنے مذموم مقاصد کے حصول کے لئے راہ ہموار کرنے کی

Marfat.com

بڑی بھرپور ناکام کوشش کی ہے۔

مذموم مقاصد

۱۔ دنیا پر یہودی ساختہ نیوورلڈ آرڈر (New World Order) کا جبری تسلط۔

۲۔ وسیع تر اسرائیلی ریاست (Greater Israel) کا قیام ممکن بنانا۔

۳۔ نئی اور مرضی کی سرحدوں کے حامل مشرق وسطیٰ کے صیہونی منصوبہ کو عملی شکل دینا۔

۴۔ دنیائے اسلام کے مرکزی علاقوں پر مستقل تسلط کا منصوبہ اور اس کی تکمیل۔

۵۔ پوری دنیا پر سپر پاور امریکہ کا قائدانہ کردار تسلیم کروانا اور امریکہ ہی کی وساطت سے یہودی بالادستی قائم کرنا۔

۶۔ اکھنڈ بھارت یا مہا بھارت کے دیرینہ ہندو خواب کی تعبیر کا حصول تا کہ بھارت کو خطہ کا تھانیدار بنا کر امریکہ، اسرائیل اور اتحادیوں کے اس خطہ کے ممالک سے وابستہ تجارتی، صنعتی، معاشی، سیاسی اور فوجی مفادات کا تحفظ یقینی بنایا جا سکے۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اقوام عالم میں یہود و ہنود دو قومیں ایسی ہیں جن میں بہت سی اقدار مشترک ہیں اور ان کا ایک خاص متعصبانہ اور متکبرانہ مزاج ہے جو انہیں دنیا کی دیگر اقوام سے جدا کرتا ہے اور ان کے اندر ایک خاص قسم کی مشمانہ سوچ پرورش کرتا ہے۔ یہ دونوں قومیں نسلی اعتبار سے خود کو دوسری قوموں سے اعلیٰ و ارفع سمجھتی ہیں اور یہی متعصبانہ غیر فطری، غیر انسانی سوچ اکثر و بیشتر فساد فی الارض اور دنیا میں منظم ریاست دہشت گردانہ کارروائیوں کا موجب بنتی رہی ہیں اور بن رہی ہیں اور یہی چیز انہیں شدت پسندی پر مجبور کرتی ہے۔ جس طرح اسرائیل امریکہ کے کندھوں پر سوار ہو کر اپنے پڑوسی مسلم ممالک پر غاصبانہ تسلط جما کر گریٹر اسرائیل کے قیام کے سرسام میں مبتلا ہے اس طرح ہندو بنیا اپنے گرد و پیش کے ممالک پر بندوق کے زور پر قبضہ کر کے اکھنڈ بھارت کے اپنے دیرینہ منصوبہ کو عملی شکل دینے کے لئے جنون کی حدوں کو پھلانگ رہا ہے۔ ان کے ان منصوبوں کی تکمیل میں واحد اسلامی ایٹمی طاقت، اس کی مسلح افواج اور اسلام کی مدافعتی جہادی طاقت حائل ہے۔ اسلئے یہ سب ایک پلیٹ فارم پر اکٹھے ہو کر امریکن جھنڈے تلے اسلام کی اس مدافعتی طاقت کو کچل دینے کے درپے ہیں۔ بھارت کی خفیہ دہشت گرد تنظیم را (Raw) اسرائیل کی موساد (Mosad) اور امریکن سی۔آئی۔اے (C.I.A) مشترکہ طور پر پاکستان، افغانستان، عراق، ایران اور دیگر اسلامی ممالک میں خطرناک قسم کی دہشت گردانہ کارروائیوں میں ایک دوسرے کے ساتھ بھرپور تعاون کر رہے ہیں۔ بھارت کے ایک اہم اتحادی اور سرپرست امریکہ کے ایک ادارے نیشنل کاؤنٹر ٹیررزم سنٹر اتحادی (National Counter Terrorism Centre) جس کا ہیڈ کوارٹر واشنگٹن میں ہے، اپنی ایک حالیہ رپورٹ میں دعویٰ کیا ہے کہ "بھارت علاقے کا سب سے بڑا دہشت گرد ملک ہے بھارت کے اندر دہشت گردی کے ۱۳۷ تربیتی کیمپ موجود ہیں"۔

۷۔ چین۔ جو مستقبل کی ابھرتی ہوئی سپر پاور ہے۔ کے گرد گھیرا تنگ کرنا۔

Marfat.com

۸۔ پاکستان، افغانستان اور دوسرے اسلامی ممالک میں اسلامی غیرت، حمیت، روحانی واخلاقی اقدار، ملکی، ملی اور مذہبی آزادی اور جذبہ جہاد سے سرشار، سربکف اسلامی، مدافعتی، جہادی طاقت کمزور کرنا یا ختم کرنا۔

۹۔ سارے اسلامی ممالک پر بالعموم مگر افغانستان، عراق اور ایٹمی پاکستان پر ان کے جغرافیائی محل وقوع اور تزویراتی اہمیت (Strategic Importance) کے پیش نظر بالخصوص کنٹرول حاصل کرنا اور یہاں مرضی کی تابعداری حکومتیں قائم کرنا۔

۱۰۔ مسلم ودیگر عسکری لحاظ سے کمزور ریاستوں کے معدنی وسائل پر جبری قبضہ کرنا۔

۱۱۔ وسطی ایشیائی ریاستوں کے قدرتی وسائل پر قبضہ اور اس واسطے سے گرم پانیوں تک محفوظ زمینی راستوں پر مکمل کنٹرول حاصل کرنا۔

۱۲۔ آسمانی کتابوں کے حامل دو بڑے مذاہب۔۔۔اسلام اور عیسائیت کی علمبردار۔۔دو بڑی قوموں کے درمیان دشمنی کی آگ بھڑکا کر انہیں ایک دوسرے کے خلاف صف آراء کرنا۔

۱۳۔ بے پناہ وسائل اور پروپیگنڈہ کے زور پر امن وسلامتی اور محبت و بھائی چارے کے دین اسلام کو دہشت گردی سے منسلک کر کے اس کو بدنام کرنا اور اپنے مذموم مقاصد کا حصول آسان بنانا۔

۱۴۔ مسلم ممالک کے سربراہوں، حکمرانوں اور قائدین میں سے بیشتر کو خوفزدہ کر کے، لالچ دے کر ان کے اپنے ہی ملک کی دینی قوتوں کے مقابل صف آراء کر کے اپنے مذموم مقاصد کے حصول کو آسان بنانا۔

مگر اللہ جو علیم وخبیر وحکیم ہے، جس طرح نو ہجری کی سازش اور اس کے انجام سے بذریعہ وحی خفی وجلی اپنے حبیب اقدس ﷺ کو آگاہ کر دیا تھا بعینہ اسی طرح اس چودھویں صدی ہجری کی سازش اور سازشیوں کے بھیانک انجام سے بھی اللہ نے قرآن اور اللہ کے حبیب اقدس ﷺ نے اپنی احادیث کی پیش خبریوں کے ذریعے امت مسلمہ کو پوری طرح باخبر کر دیا ہوا ہے۔ اور یہ کرشمہ قدرت ہی تو ہے کہ جھوٹ، دھوکہ اور مکر وفریب کی ناپائیداری گھاٹی پر استوار یہ سازشی لنکا آج خود ان کے اندر کے بھیدیوں نے ہی ڈھا دی ہے اور اس کا سارا ملبہ انہی پر ڈال دیا ہے۔ اس حوالے سے یوں تو بے شمار تحقیقاتی رپورٹیں سامنے آ چکی ہیں مگر چند تازہ ترین تحقیقاتی اور تجزیاتی رپورٹوں نے ساری دنیا کو چونکا کر رکھ دیا ہے:

۱۔ فرانسیسی محقق وتجزیہ نگار جان فرینک لکھتا ہے: جن دلائل واسباب کی بنیاد پر امریکہ نے اپنی اس جنگ کی عمارت کھڑی ہے وہ اسباب ہی بے بنیاد ہیں۔ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ افغانستان اور پھر عراق کی جنگ کا فیصلہ تو بہت پہلے ہی کیا جا چکا تھا۔ اس کے آغاز کے لئے ایک مناسب موقع اور بہانے کی ضرورت تھی اور 9/11 کی کارروائی سے بہتر اور کوئی جواز ہو ہی نہیں سکتا تھا جس میں مختلف شخصیات کا تعلق مخصوص مسلم ممالک سے جوڑ کر انہیں دہشت گرد قرار دیا جائے اور بہانے ان پر حملہ کر دیا جائے۔۔۔ دنیا کے لئے اس خود ساختہ سانحہ کی حقیقت جاننا ضروری ہے تاکہ دیگر ممالک امریکہ کے اس وسیع تر منصوبہ کی بھینٹ نہ چڑھ سکیں جو دنیا میں تیل کے ذخائر سے مالا مال علاقوں پر قبضہ کی غرض سے روبعمل لانا چاہتا ہے اور لا رہا ہے۔ اگر خدانخواستہ ایسا ہوا تو ہر ملک ایک دوسرا عراق بن جائے گا"۔

Marfat.com

مسٹر فرینک مزید لکھتا ہے:

''تحقیقاتی اور تجزیاتی نقطہ نظر سے یہ نقطہ بڑا اہم ہے کہ عطا محمد نامی ایک دہشت گرد کا پاسپورٹ صحیح سالم سانحہ کے صرف بارہ گھنٹے بعد ورلڈ ٹریڈ سینٹر کے ملبہ سے مل جاتا ہے جب کہ اسکا ہوائی جہاز، پوری عمارت، جہاز کا پائلٹ، عملہ، سارے مسافر حتیٰ کہ بلیک بکس تک سب کچھ جل کر راکھ ہو گیا مگر پینٹا گون والوں کے لئے ایک مبینہ دہشت گرد کا پاسپورٹ اتنی شدید آگ بھی نہ جلا سکی اور پھر وہ آناً فاناً ان تک پہنچ بھی گئے۔ اور انہوں نے کسی بھی قسم کی تحقیق کی ضرورت کو محسوس کئے بغیر اس کی تصویر کو میڈیا پر جاری بھی کر دیا۔ کیا خوبصورت سائنٹیفک تحقیقات ہیں پینٹا گون والوں کی؟

۲۔ سکالرز فار نائن الیون ٹروتھ (Scholars for 9/11 Truth) ایک گروپ ہے جس میں دنیا بھر کے سائنسدان اور محققین شامل ہیں۔ اس گروپ کے تمام ممبران کی متفقہ رائے ہے کہ 9/11 کی سازشی عمارت کے سارے آرکیٹیکٹر ز اس وقت کے امریکی صدر بش انتظامیہ کے اندر موجود تھے۔ مشہور یہودی نواز امریکی چینل ''فاکس نیوز'' پر ان سکالرز نے ریکارڈ شدہ آوازوں اور تصاویر پر مبنی اپنی جدید ترین تحقیقاتی کاوش کی مدد سے اس تلخ حقیقت کو آشکار کیا ہے۔ اسی گروپ سے تعلق رکھنے والے فزکس کے دو پروفیسروں، امریکی یونیورسٹی وسکونسن کے پروفیسر ہیوٹ اور یونیورسٹی آف مینی سونا کے پروفیسر جیمز فٹنر ز نے اپنی جدید تحقیقات کے حوالے سے 9/11 کے واقعہ کو امریکہ کے اندرونی کارنامہ قرار دیا ہے۔ یہودی نواز امریکی چینل ''فوکس نیوز'' پر آ کر ان دونوں پروفیسروں نے ببانگ دہل کہا کہ بش حکومت نے 9/11 کی واردات کے ذریعے نہ صرف مسلمانوں کو بلکہ خود امریکی عوام کو دہشت گردی کے لئے تختہ مشق بنایا ہے۔

۳۔ ورلڈ ٹریڈ سینٹر بنانے والوں کے دعوے کے مطابق انجینئرنگ کا یہ ایک ایسا نادر شاہکار تھا جس کی بنیادیں ہزاروں ٹن لوہے پر رکھی گئی تھیں تاکہ کوئی زلزلہ اسے ہلا سکے اور نہ ہی کوئی آفت اسے نقصان پہنچا سکے۔ پوری عمارت مکمل طور پر لوہے کے فریم (Steel Frame Structure) پر تعمیر ہوئی تھی۔ اس لئے برمنگھم ینگ یونیورسٹی آف امریکہ کے فزکس کے مشہور پروفیسر ڈاکٹر جونز نے اپنی تحقیق سے ثابت کیا ہے کہ اس عمارت کی تباہی کا جو انداز سامنے آیا ہے وہ یہ ثابت کرتا ہے کہ یہ تباہی جہاز کے ٹکرانے سے نہیں ہوئی۔ اس نوعیت کی تباہی صرف کنٹرولڈ دھماکے سے ہی ممکن ہے۔ اسلئے 110 منزلہ مضبوط عمارت کا دس منٹ کے اندر زمین بوس ہونا کسی بھی سائنسی اصول سے ممکن نہیں ڈاکٹر ز جونز کا بڑا ہی وزنی استدلال ہے کہ تباہ ہونے والے ٹاورز میں استعمال ہونے والا اسٹیل کم از کم پانچ ہزار فارن ہائیٹ پر ہی پگھل سکتا ہے جبکہ جیٹ جہاز میں استعمال ہونے والے لوہے کو پگھلانے کے لئے درکار ہے۔ ڈاکٹر جونز کہتے ہیں کہ دنیا کا بڑے سے بڑا ماہر فزکس اب تک دنیا میں کوئی ایسا اصول وضع نہیں کر سکا جس کے مطابق کسی جیٹ طیارے کے ٹکرانے سے کسی ایسی مضبوط بلڈنگ کی اس طرح سے تباہی اور انہدام ممکن ہو سکے یہ فزکس کی مبادیات کے ہی خلاف ہے۔

۴۔ یکم ستمبر ۲۰۰۴ء کو جرمنی میں منعقد ہونے والی ایک سائنس کانفرنس۔۔۔ جس میں یورپ بھر کے ممتاز ترین سائنسدان شرکت کرتے ہیں۔ اختتام پر اس کانفرنس میں شریک ایک سو سائنسدانوں کی طرف سے ان کے دستخطوں کے ساتھ ایک اعلامیہ

Marfat.com

جاری کیا گیا جس میں 9/11 خود ساختہ سانحہ کے بارے میں امریکہ کی اس وقت کی بش حکومت کے سرکاری موقف کو جھوٹ کا پلندہ قرار دے کر مکمل طور پر مسترد کر دیا گیا اور اصل حقائق اور پس پردہ کردار سامنے لانے کا پرزور مطالبہ کیا گیا تھا۔

۵۔امریکہ کے ایک پروگریسو میگزین (Prograssive Magazine) ٹومارو (Tomorrow) کے ایڈیٹر میتھیو روتھ شیلڈ (Methew Ruth Shield) نے اپنی مشہور زمانہ کتاب ''اینف آف دی 9/11 کانسپریسی (Enough of the Conspiracies 9/11)میں اس وقت کی امریکین حکومت کے اس بدنام زمانہ سیاہ کارنامے (Inside Job) کی مکمل تفصیلات درج کی ہیں اور اسے امریکن کی خطرناک ترین تباہ کن اندرونی سازش قرار دیا ہے جس کے بل بوتے پر بش حکومت نے نہ صرف پوری دنیا کو سالوں یرغمال بنائے رکھا، اس کے لاکھوں پرامن معصوم شہریوں کا خون بہایا بلکہ خود امریکہ کی عوام اور ساری دنیا کو دہشت زدہ کئے رکھا جس کا شدید ترین ردعمل حالیہ امریکی انتخابات میں آچکا ہے۔

۶۔ میٹرکس (Matrix) امریکہ کے مشہور و معروف امریکی ادارے ہالی ووڈ کا جادوئی طاقتوں کے حامل کرداروں پر مشتمل ایک فلمی سلسلہ جو امریکہ کے علاوہ دنیا بھر میں بڑی دلچسپی سے دیکھا جاتا ہے۔اس فلمی سلسلہ کے طرز پر امریکہ میں (9/11 Matrix) ''نائن الیون میٹریکس'' کے نام سے ایک ڈاکومینٹری نہ صرف امریکہ بلکہ دنیا بھر کے عوام کی توجہ کا مرکز بنی ہوئی ہے۔ اس ڈاکومینٹری میں ثابت کیا گیا ہے کہ کس طرح امریکی اور صیہونی ایجنسیوں نے تمام واقعات کو میٹرکس فلم کے طرز پر ترتیب عوام کے ٹیکسوں کی کمائی اور دنیا بھر کی جانوں، ان کے معصوم بچوں، جوانوں، بوڑھوں، عورتوں کے خون، املاک کی تباہی، ان کے تیل و دیگر معدنی وسائل پر ناجائز تسلط اور ساری دنیا کو عدم تحفظ کے عذاب میں مبتلا کر نیکی قیمت پر اس وقت کی بش انتظامیہ نے صیہونی مکروفریب کی سکرین پر چلا کر اپنی بین الاقوامی سیاسی اور معاشی لوٹ کھسوٹ کی دکان چمکانے کی مذموم کوشش کی ہے۔

۷۔ ورلڈ ٹریڈ سینٹر کے ملبے کے نیچے دب کر مرنے والوں میں تقریباً سبھی مذاہب و ملکوں کے لوگ شامل تھے، مگر ایک بھی یہودی نہ تھا۔حالانکہ ورلڈ ٹریڈ سینٹر میں کام کرنے والے یہودیوں کی تعداد چھ سو سے لگ بھگ بتائی جاتی ہے۔

۸۔ دنیا کے دو بڑے آسمانی کتابوں کے حامل مذاہب اسلام اور عیسائیت کے مابین موجود کشمکش میں 9/11 کی واردات کے بعد یک دم جو طوفانی تیزی آئی ہے اور اسے کروسیڈی رنگ دینے کی جو کامیاب کوشش کی گئی ہے اس کا سارا فائدہ یہودیوں کو ہوا ہے۔اور اس ساری صورتحال کو بڑی ہی کامیابی سے اپنے حق میں موڑ لینے کی کامیاب سازش اور منصوبہ بندی پر خوشی کے شادیانے بجانے میں وہ بجا طور پر حق بجانب ہیں۔

عالمی صیہونی منصوبہ

افغانستان میں مجاہدین کی شکل میں اسلام کی ناقابل شکست مدافعتی طاقت کے ہاتھوں عبرتناک شکست کے بعد روس جب ایک متوازی سپر پاور کی حیثیت سے ختم ہو گیا اور امریکہ دنیا کی واحد سپر پاور بن گیا تو انسانیت کو مسلسل عذاب میں رکھ کر

Marfat.com

پانے مذموم مقاصد، سیاسی و معاشی مفادات اور اپنی دیرینہ روایات کے عین مطابق دنیا کو فساد فی الارض کے جہنم میں جھونک کر دنیا کی حکمرانی کا خواب دیکھنے والے عالمی صیہونی منصوبہ سازوں نے اسلام کو عیسائیت کے حریف کے طور پر پیش کر کے اور تہذیبوں کے تصادم کا فلسفہ تراش کر مغرب کے لئے ان منصوبہ سازوں کو ایک خونی واردات کی ضرورت تھی جس کا حل ان کے زرخیز دماغوں نے یوں نکالا کہ امریکہ چونکہ دنیا کی سب سے بڑی عسکری طاقت ہے جو خود کو ناقابل تسخیر بھی سمجھتا ہے۔ اسلئے اسلام کے خطرے کا ٹھیک ٹھاک تاثر جمانے اور اس خطرے کو اہل مغرب کے ذہنوں کے اندر تک اتارنے کے لئے انہوں نے اسی سپر پاور کی عظمت کے نشان ورلڈ ٹریڈ سینٹر کو اپنے مذموم مقصد کے لئے چنا۔ نشانہ منصوبہ سازوں کے اندازے کے مطابق ٹھیک بیٹھا اور یوں آسمانی کتابوں کے حامل مذاہب کی دو بڑی قوموں کو ایک دوسرے کے مدمقابل صف آراء کر دیا گیا۔

وقتی اور عارضی کامیابی

ا۔ 9/11 کی اس خونی واردات سے یہ عالمی منصوبہ ساز بیک وقت تین بڑے مقاصد حاصل کرنے میں کامیاب دکھائے دیتے ہیں۔ اگرچہ یہ کامیابی عارضی ہے۔ ایک تو وہ دو بڑے آسمانی مذاہب کی حامل اقوام اسلام اور عیسائیت میں باہمی دشمنی کی خلیج حائل کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔

۲۔ بے پناہ وسائل اور موثر پر زور پروپیگنڈہ کے زور پر دین فطرت دین اسلام کو۔۔۔ جو امن و سلامتی، عدل و انصاف، محبت و بھائی چارہ، رحمت و رافت، انسان نوزی اور فلاح انسانی کا دین ہے۔۔۔ دہشت گردی کا مذہب قرار دلوانے کی چال میں کسی حد تک کامیاب ہوئے ہیں۔

۳۔ اپنی اس بین الاقوامی دہشت گردی کی آڑ میں تیسرا بڑا مقصد جسے حاصل کرنے میں یہ منصوبہ ساز کامیاب دکھائی دیتے ہیں وہ مسلمان ممالک کے غیر جمہوری یا نیم جمہوری حکمرانوں کو رشوت ولالچ کے ذریعے یا مختلف تخریبی ہتھکنڈوں کے ذریعے خوفزدہ کر کے انہیں اپنے ہی ملک کی دینی قوتوں اور اسلام کی مدافعتی جہادی طاقتوں کے خلاف صف آراء کرنے کی مذموم کوشش ہے جسے ایک گھناؤنی سازش کہنا زیادہ مناسب ہے۔ اس عالمی صیہونی سازش کے زیر اثر امریکہ اور اس کے اتحادی کسی نہ کسی انداز میں پوری اسلامی دنیا پر حملہ آور ہیں۔ لاکھوں فرزندان اسلام ان کے ظلم و بربریت کا نشانہ بن چکے ہیں اور بن رہے ہیں۔ ہنستے بستے شہر، قصبے گاؤں، بستیاں، زندگی سے بھرپور شاداب وادیاں کھنڈروں میں تبدیل کر دی گئی ہیں اور کی جا رہی ہیں باوجود حق کو مٹانے میں کامیاب نہیں ہو سکا تاریخ کی گواہی ریکارڈ ہے کہ باطل کسی بھی دور میں اپنے بے پناہ مادی طاقت اور وسائل کے باوجود حق کو مٹانے میں کامیاب نہیں ہو سکا اور نہ ابد تک ہو سکے گا۔

صوفی برکت صاحبؒ فرماتے ہیں:

''اے مسلمان! کیا تجھے پتہ نہیں کہ تجھے مٹانے کے لئے اللہ کے دشمن صدیوں سے درپے ہیں؟ کیا تو نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ ساری دنیا کی باطل طاقتیں تجھے مٹانے کے لئے ایک مرکز پر متحد ہیں۔ لیکن تو کسی بھی طرح مٹ نہ سکا! تو

Marfat.com

توحیدورسالت کا علمبردار ہے تو مٹ سکتا ہی نہیں اور نہ ہی کوئی تجھے مٹا سکتا ہے۔ اللہ کے دین اسلام کی دشمن طاقتیں تیری تاک اور تیری گھات میں ہیں۔ مگر وہ تجھے کبھی مٹا نہیں سکتیں۔ اس لئے کہ تو مٹنے کے لئے نہیں، مٹانے کے لئے آیا ہے۔ یہ ہچکولے تیری بیداری کے لئے ہیں۔ زندگی جہاد ہے۔ جہاد میں لڑنا مجاہد کا کام ہے۔ فتح ونصرت اللہ کے ہاتھ میں ہے!

اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں، اللہ موجود ہے رحمت بھی موجود ہے۔ دنیا بھر کی باطل طاقتیں ملکر بھی حق کو مٹا نہیں سکتیں، اس چراغ کو بجھا نہیں سکتیں۔ اس سفینے کو ڈبو نہیں سکتیں، یہ ابتلا، یہ مصائب ومشکلات، یہ ہچکولے صرف تیری بیداری کے لئے ہیں۔

افغانستان، پاکستان پر امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے حملہ کا اصل پس منظر

اس حملے کی دو بنیادی وجوہات ہیں۔ پہلی وجہ ان ممالک کے قدرتی وسائل (تیل وگیس) پر قبضہ۔ 1997ء میں طالبان اور امریکی تیل کمپنی ''یونوکیل'' کے نمائندوں کے درمیان وسطی ایشائی ریاستوں سے براستہ افغانستان پائپ لائن بچھانے کے لئے امریکی شہر ٹیکساس میں مذاکرات ہوئے جو بالآخر ناکام ہو گئے۔ ناکام ہونے کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ افغانستان کی طالبان حکومت پائپ لائن بچھانے میں اپنا حصہ زیادہ چاہتی تھی۔ جبکہ امریکی تیل کمپنی اتنا حصہ دینے کے لئے تیار نہ تھی۔ اس کے بعد طالبان نے ارجنٹائن کی تیل کمپنی برائڈاس (Bridas) سے معاہدہ کرنے کے لئے مذاکرات کا آغاز کیا۔ طالبان اور مغرور وخودسر امریکی حکومت کے درمیان ناراضگی اور تلخی کا سبب یہی مذاکرات بنے۔ فروری 1998ء میں ۱۰۵ء ویں کانگرس کے ایوان PTO کے نمائندگان کی کمیٹی برائے بین الاقوامی تعلقات کی سب کمیٹی برائے ایشیاء بحر الکاہل کا تاریخی اجلاس ہوا جس کے دوررس اثرات مرتب ہوئے اور دنیا کے لئے انتہائی تباہ کن بھی۔ اجلاس میں تین امور کی نشاندہی کی گئی:

۱۔ توانائی کے ذخائر تک رسائی میں سب سے بڑی رکاوٹ طالبان کو ختم کرنا۔

۲۔ افغانستان، القاعدہ اور اسامہ بن لادن کے معاملات کو ڈیل کرنے کی حکمت عملی۔

۳۔ وسطی ایشیاء سے ملتان اور پھر گوادر تک پائپ لائن بچھانے کے منصوبہ کو ممکن بنانا اور پھر اس پائپ لائن کے تحفظات کو یقینی بنانا۔

کیسپین دنیا کی سب سے بڑی سمندری جھیل ہے جس کے اردگرد تیل کی دولت سے مالا مال وسطی ایشیاء ریاستیں، ترکمانستان، قازقستان، آذربائیجان، جارجیا، رشین فیڈریشن اور ایران وافغانستان وغیرہ واقع ہیں۔ ترکمانستان سے گیس وتیل کی پائپ لائنوں کو افغانستان کے راستے ملتان اور گوادر تک لایا جانا اس منصوبہ کا اہم حصہ تھا اور ان پائپ لائنوں کے راستہ میں سب سے بڑی رکاوٹ افغانستان کے طالبان، وزیرستان، وانا وغیرہ کے حریت پسند مجاہد قبائل تھے۔ طالبان کو ابتدا میں مذاکرات کے ذریعہ جال میں پھنسانے کی بھرپور کوشش کی گئی مگر اللہ کے یہ مجاہد باطل کے جال میں نہیں پھنسے۔ طالبان کے اس جرأت مندانہ فیصلہ کے بعد ان معصوم لوگوں کو دہشت گرد قرار دیکر ان کے خلاف دہشت گردی کی جنگ کا نقشہ تیار کیا گیا اور ان

Marfat.com

مجاہدوں اور مسلم حریت پسندوں کو دہشت گرد قرار دیئے جانے کا فیصلہ ہوا اور اس کے جواز کیلئے 9/11 کی خود ساختہ واردات کا ڈرامہ رچایا گیا۔

جون 1998ء میں اس وقت کے امریکی نائب صدر ڈک چینی نے ۔۔۔ جو توانائی کے شعبہ میں دنیا کی سب سے بڑی تیل کمپنی ''ہیلی برٹن'' کے سربراہ بھی تھے ۔۔۔ کیٹو انسٹیٹیوٹ کے زیر اہتمام تیل و گیس کی صنعت سے متعلق منعقدہ سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے کیسپین جھیل کے ذخائر کے حوالے سے کہا تھا کہ ہمیں بزنس کے لئے طاقت کے بل بوتے پر وہاں بھی جانا پڑتا ہے جہاں عمومی حالات میں کوئی جانے کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ ان حقائق و شواہد سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ 9/11 کی خود ساختہ واردات کو افغانستان پر حملے کا جواز بنایا گیا۔ اسی طرح جس طرح 2001ء اور 2003ء میں عراق کے تیل و گیس کے ذخائر پر قبضہ کیلئے وہاں وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والے مہلک ہتھیاروں کی موجودگی کا جھوٹ اور فریب پر مبنی ڈرامہ رچایا گیا۔ افغانستان کی صدارتی کرسی پر بٹھائے جانے والے امریکی کٹھ پتلی حامد کرزئی اور امریکی سفیر کی حیثیت سے کابل میں متعین زلمے خلیل زاد دونوں ڈک چینی کی تیل کمپنی کے ملازم رہ چکے ہیں۔ ان ٹھوس حقائق و شواہد کے بعد یہ کہنا کہ امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے افغانستان پر حملہ اس لئے کیا کہ یہ عالمی دہشت گردی کا گڑھ تھا، فریب و جھوٹ کی بھونڈی اور بدترین مثال اور دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے سوا کچھ نہیں۔

اس حملے کی دوسری اہم وجہ یہ ہے کہ آسمانی کتب و صحائف میں درج اللہ کے نبیوں، رسولوں، پیغمبروں اور دوسری برگزیدہ ہستیوں کی متذکرہ بالا اوان کے علاوہ دوسری بہت سی مسلسل اور پے در پے (اس آخری جنگ عظیم اور اس کے نتائج کے بارے میں) کی گئی پیش خبریوں کے آئینہ میں یہودیوں، ہندوؤں، عیسائیوں اور ان کے اتحادیوں کو اس اٹل اور ابدی حقیقت کا بھرپور اور پورا ادراک تھا کہ اسرائیل کی تباہی، اس کے ''گن مین'' امریکا اور اس کے اتحادیوں کی فیصلہ شکست کا موجب شمال مشرق (افغانستان، پاکستان وغیرہ) سے آنے والے ''سیاہ جہادی جھنڈوں والے لشکر'' بنیں گے۔ اس لئے وہ 9/11 کی خود ساختہ واردات کا ہوّا کھڑا کر کے 2001ء میں افغانستان پر براہ راست اور پاکستان پر بالواسطہ حملہ آور ہوئے۔ مربوط، منظّم اور انتہائی گہری منصوبہ بندی (Planning) کے بعد کیے گئے اس حملے کا مقصد یہ تھا کہ بزعم خویش یہاں پر موجود اسلامی جذبۂ جہاد سے سرشار اسلام کی اس تجربہ کار مدافعتی قوت کو ۔۔۔ جس نے روس جیسی سپر پاور کو پاش پاش کر دیا تھا ۔۔۔ یہیں پر ختم کر دیں یہ سیاہ جہادی جھنڈوں والی خدائی فورس فلسطین پہنچ کر حضرت امام مہدیؓ کی معاون و مددگار بن کر ان کی تباہی و بربادی کا باعث نہ بن سکے۔ یہود و ہنود و نصاریٰ یعنی حزب الشیطان کی اللہ رب العالمین کے کائناتی ورلڈ آرڈر (تقدیر الٰہی) کو بدل دینے یا مٹا ڈالنے کی یہ ایک شیطانی کوشش ہے جس میں ظاہر ہے کہ وہ بری طرح ناکام ہوئے ہیں اور ان کی اپنی شروع کی ہوئی یہ آخری کروسیڈی جنگ عظیم بڑی تیزی سے اپنے منطقی انجام کی طرف بڑھ رہی ہے۔ دین حق اپنی حقانیت کے زور پر ہمیشہ سے قائم ہے اور ہمیشہ قائم رہے گا۔ اسے مٹانے کے لئے میدان میں نکلنے والوں کا مٹ جانا ایک فطری عمل ہے اور یہی حزب الشیطان کا مقدر ہے۔ **''وقل جآء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا''**

Marfat.com

(آپ ﷺ فرما دیجئے کہ حق آیا اور باطل بھاگ گیا۔ بے شک باطل ہے ہی بھاگنے کے لئے مٹنے کے لئے)

اور غلبہ وکامرانی حزب اللہ کی تقدیر ہے، اور یہی اللہ احکم الحاکمین کا دستور، اس کا امر، اس کی سنت اور ازلی اور ابدی ورلڈ آرڈر ہے: "فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ" (المائدۃ۔۵۶) (بے شک اللہ کی جماعت) لشکر ہی وہ جماعت ہے جو انجام کار غالب آنے والی ہے۔

اور صوفی برکت صاحب فرماتے ہیں:

"اسلام حق ہے اور حق مٹنے کے لئے نہیں مٹانے کے لئے آیا ہے۔۔۔ دبنے کے لئے نہیں دبانے کے لئے ہے۔۔۔ ہارنے کے لئے نہیں ہرانے کے لئے آیا ہے۔۔۔ بھاگنے کے لئے نہیں بھگانے کے لئے ہے۔۔۔ گرنے کے لئے نہیں گرانے کے لئے ہے۔۔۔۔ دنیا بھر کی باطل قوتیں مل کر بھی حق کو مٹانا چاہیں تو کبھی مٹا نہیں سکتیں کہ حق کبھی ناپید نہیں ہوتا اس کی نمود ہو کر رہتی ہے۔ بارود بن کر پھٹتا ہے، موج بن کر ابھرتا ہے، نخل بن کر اگتا ہے۔۔۔ حق کی تقدیر بن کر باطل کی تدبیر پہ چھا جاتا ہے۔ اور۔۔۔ اللہ خالق کون ومکاں اسے ابدی حیات کا مژدہ جانفزا سنا دیتا ہے"۔

سورۃ الفجر کی آیت ۶ تا ۱۴ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: "تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے رب نے کیا سلوک کیا اونچے ستونوں والے عاد ارم کے ساتھ کہ جن کی مانند (ترقی یافتہ اور طاقتور) کوئی بھی قوم دنیا کے ملکوں میں پیدا نہیں کی گئی تھی؟ اور ثمودیوں کے ساتھ جنہوں نے وادی میں (اپنی رہائش) کے لئے چٹانیں تراشی تھیں۔ اور اہراموں والے فرعونوں کے ساتھ بھی۔ یہ لوگ تھے جنہوں نے دنیا کے ملکوں میں بڑی سرکشی اختیار کی تھی اور بہت دہشت گردی اور فساد پھیلایا تھا۔ آخر کار تمہارے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسا دیا۔ حقیقت یہ ہے تمہارا رب گھات لگائے ہوئے ہے"۔

قوموں کے عروج وزوال عذاب وانعام اور جزا اور سزا کے سلسلے میں اللہ احکم الحاکمین کا یہ ابدی اور اٹل قانون ہمیشہ رو بعمل رہا ہے کہ جب بھی کوئی قوم اس ناقابل تبدیل، خدائی قوانین، بندھے ٹکے ضوابط خدائی اقدار اور خدائی ورلڈ آرڈر کو توڑنے کی جسارت کرتی ہے۔ اس کی فطری رفتار میں رکاوٹ بننے کی حماقت کرتی ہے، اپنی بڑائی، مادی طاقت اور سپر پاور ہونے کے نشہ میں بدمست دوسروں کے حقوق پر ڈاکہ ڈالتی ہے، انہیں پامال کرتی ہے، ظلم وجبر، قتل وغارت گری اور ریاستی دہشت گردی کا بازار گرم کرنے کی مرتکب ہوتی ہے تو ایسی قوم پر خدائے قہار وجبار کا کوڑا برسنا شروع ہو جاتا ہے، اسے صفحہ ہستی سے مٹا کر دوسری قوموں کے لئے آنے والی نسلوں کے لئے نشان عبرت بنا دیا جاتا ہے کہ یہی قدرت کا اٹل قانون ہے۔۔۔ اس سارے عمل میں انسانوں اور قوموں کی آزمائش بھی ہو جاتی ہے، کھرے کھوٹے کی پہچان بھی اور پھر اسی کے نتیجہ کے مطابق ان کا حشر ہوتا ہے۔

اصل دہشت گردی

عالمی صیہونیت، دنیا کی واحد سپر پاور امریکا اور اس کے اتحادیوں کی بے پناہ مادی اور حربی طاقت کے بل بوتے پر بزعم

Marfat.com

خود اللہ القوی العزیز کے ورلڈ ٹریڈ (Divine World Order) کو بدل کر اس کی جگہ خود ساختہ جیو ورلڈ آرڈر (Jew World Order) کو دنیا بھر کے آزادی پسند، آزاد و خود مختار ممالک اور بطور خاص عالم اسلام پر زبردستی مسلط کرنے کے لئے خود ساختہ اسلامی دہشت گردی، بنیاد پرستی اور عسکریت پسندی سے دنیا کو بچانے کی آڑ میں اپنی لونڈی یو۔این۔او (U.N.O) کے ذریعہ بالواسطہ پورے عالم اسلام پر حملہ آور ہے اور اپنے مفادات و مقاصد کے حصول کے لئے اپنی روایتی ریاستی دہشت گردی اور قتل و غارت گری سے پوری دنیا کو جہنم کدہ بنا کر رکھ دیا ہے اور ظلم و بربریت کی انتہا ہے کہ اسکی اپنی اس دہشت گردی اور بربریت کا شکار مظلوموں کو اپنے بے پناہ سرمایہ، مادی وسائل، حربی طاقت اور مؤثر ترین پروپیگنڈا مشین کے زور پر دنیا بھر میں دہشت گرد باور کروانے کی پرزور، مربوط و منظم مہم چلائی جا رہی ہے۔ حالانکہ دنیا جانتی ہے اور صدیوں پر پھیلی تاریخ انسانی کی گواہی بھی ریکارڈ پر ہے کہ فساد فی الارض اور ریاستی دہشت گردی ہر دور میں انہی کی شیطانی فطرت کا حصہ رہی ہے۔

اس تلخ تاریخی سچائی کا اعتراف ان کے اپنے قدرے غیر متعصب، انصاف پسند اور صحیح الرائے لوگوں نے بھی کسی نہ کسی انداز میں کیا ہے۔ مثال کے طور پر:

۱۔ پہلے ایٹم بم کے موجد نابغہ روزگار یہودی سائنسدان البرٹ آئین سٹائن (Albert Einstein) نے اسرائیلی ریاست کا پہلا وزیر اعظم بننے کی پیشکش رد کرتے ہوئے ۱۰ اپریل 1948ء کو "امریکن فرینڈز آف دی فائٹرز فار فریڈم آف سرائیل (American Friends of The Fighters For Freedom of Israel) کے ایگزیکٹو ڈائریکٹر کو دو ٹوک الفاظ میں لکھا:

"جس دن مصیبت واقعی ہمارے سروں پر آن پڑے گی تو اس کا پہلا سبب برطانیہ اور دوسری وجہ ہماری اپنی (یہودیوں کی) صفوں میں سے اٹھنے والی دہشت گرد تنظیمیں ہوں گی؛ اس لئے میں ہرگز ہرگز نہیں چاہوں گا کہ خود کو یا کسی اور ان کو دہشت گرد، جرائم پیشہ، فتنہ پرور لوگوں اور تنظیموں سے جڑا دیکھوں"۔

۲۔ بنجمن فرینکلن، امریکی تاریخ کے میلینیم مین (Millennium Man) نے 1789ء میں یہودی امیگریشن" کے موضوع پر ایک آئینی کنونشن کو خطاب کرتے ہوئے بحیثیت امریکی صدر، کہا تھا: "امریکہ کو سب سے بڑا خطرہ اسلام سے ہے اور نہ کسی اور سے۔ بلکہ یہودیوں سے ہے صرف یہودیوں سے، اس لئے کہ تاریخ انسانی کی گواہی ریکارڈ پہ ہے کہ یہودی جس بھی سرزمین پر بستے ہیں وہاں نہ صرف اپنی اخلاقی پستی، مالی بدعنوانیوں کے گہرے نشانات چھوڑتے ہیں بلکہ اپنی ازلی فطرت کے عین مطابق اس سرزمین کو فتنہ فساد سے بھر دیتے ہیں۔ وہ ریاست کے اندر ریاست بنا لیتے ہیں اور جب انہیں ایسا کرنے سے روکا جائے تو اپنی بے پناہ دولت کے بل بوتے پر اقتصادی اور معاشی طور پر اس ریاست کا گلا گھونٹ دیتے ہیں۔ پرتگال سپین اور کئی ممالک اس کی زندہ مثالیں ہیں۔ اگر ہم امریکیوں نے آئینی طور پر ان یہودیوں کو ملک سے نہ نکالا تو یہ ایک سو سال سے بھی کم عرصہ میں ہمارے ملک پر چھا جائیں گے اور ہم پر حکومت کریں گے اور بالآخر ہمیں اور ہمارے ملک کو تباہ کر دیں گے۔

Marfat.com

میں آج آپ کو متنبہ کرتی ہوں کہ اگر ہم نے آج آئینی طور پر یہودیوں سے چھٹکارا حاصل نہ کیا جائے تو آپ کے بچے اوران بچوں کے بچے نسل درنسل آپ کو اور مجھے قبروں میں قیامت تک بددعائیں دیتے رہیں گے۔ یہودیوں کے خیالات امریکی سوچ سے مطابقت نہیں رکھتے؛ اس لئے یہودی اس سرزمین کے لئے سب سے بڑا خطرہ ہیں۔ اگر ان کو آئینی طور پر امریکا میں داخلے کی اجازت مل گئی تو یہ یہاں اداروں کو تباہ کر دیں گے، ان پر تسلط جمالیں گے اور اداروں کی تباہی اور تسلط بالآخر امریکی تباہی پر منتج ہوگی۔ اس لئے میں زور دے کر کہتا ہوں کہ یہودیوں کو یہاں آئینی تحفظ ہرگز ہرگز نہیں ملنا چاہئے''۔

امریکہ کے بانیوں میں ایک اہم مقام رکھنے والے سابق امریکی صدر فرینکلن کی متذکرہ بالا تنبیہ کو ذہن میں رکھتے ہوئے اسرائیل کے ایک سابق وزیراعظم ایریل شیرون کے ۳ نومبر 2001ء کو اپنے ایک وزیر کو کہے گئے ان تحکمانہ الفاظ پر غور کریں:

''میں آپ پر یہ حقیقت واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ آپ اسرائیل پر امریکی دباؤ کی قطعی فکر کریں نہ پرواہ۔ اسلئے کہ امریکہ کو بھی ہم یہودی ہی کنٹرول کرتے ہیں۔ اور امریکیوں کو بھی اس حقیقت کا ادراک واحساس ہونا چاہئے''۔

''اسرائیلی ریاست اور یہودیوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ دوسروں کا مواخذہ، ٹرائیل اور استحصال کریں مگر دنیا میں کسی اور کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ یہودیوں اور ان کی سلطنت اسرائیل کے خلاف کوئی مقدمہ قائم کرے۔۔۔ اور میں ڈنکے کی چوٹ پر کہتا ہوں کہ اگر میں سویلین (Civilian) اسرائیلی ہوتا اور مجھے کوئی فلسطینی مل جاتا تو مار دینے سے پہلے اس پر تشدد کرتا اور پھر اسے جلا کر بھسم کر دیتا''۔

یہودیوں کی فتنہ پرور جبلی فطرت اور شیطانیت کے بارے میں اس وقت کے امریکی صدر فرینکلن نے 1789ء میں جو کچھ کہا تھا ٹھیک ۱۴۴ برس بعد ایسے ہی خیالات کا اظہار اور عملی اقدامات اس وقت کے جرمن چانسلر ہٹلر نے کئے تھے۔ جب اس نے جرمنی کی ساری بدحالی اور معاشی ومعاشرتی خرابیوں کی جڑ یہودیوں کو قرار دیا تھا اور اس نے کہا تھا:

"Jews are cancer on the breast of Germany urgent operation of which is must for health, betterment and Development of Germany"

''یہودی جرمنی کے لئے چھاتی کا کینسر ہیں اور جرمنی کی صحت اور فلاح وترقی کے لئے اس کینسر کا کاٹ پھینکنا اشد ضروری ہے''۔

موجودہ دور کے ایک معروف تجزیہ نگار اور ''تہذیبوں کے تصادم (Clash of Civilization) کے مصنف سیموئل ہنٹنگ ٹن (Sameul.P.Huntington) جیسے متعصب کو بھی اس تاریخی سچائی کا اعتراف کرنا پڑا کہ:

مغرب نے دنیا کی قیادت، اپنی اعلیٰ فکر، بہترین اقتدار، اخلاقیات یا مذہب کے بل بوتے پر نہیں بلکہ منظم ریاستی دہشت گردانہ کاروائیوں کے ذریعے حاصل کی ہے۔ اہل مغرب تو شاید اس تلخ حقیقت کو بھول جاتے یا نظرانداز کر جاتے ہوں مگر غیر مغربی اسے کبھی نہیں بھول سکتیں''۔

Marfat.com

ہٹلر سے کسی نے پوچھا کہ آپ نے لاکھوں یہودیوں کو مار دینے کے اس ظالمانہ فعل کا ارتکاب کیوں کیا؟ تو اس کا جواب تھا کہ میرا ارادہ سارے یہودیوں کو مار دینے اور ان کا بیج بھی باقی نہ چھوڑنے کا تھا۔۔مگر میں نے کچھ یہودیوں کو اس لئے زندہ چھوڑ دیا کہ بعد میں آنے والی ہماری نسلیں خود اس تلخ تجربے سے گزر کر اس بات کا اندازہ کر سکیں کہ میں نے ان کو مارنا اور ختم کرنا کیوں ضروری سمجھا تھا۔۔اور آج پوری دنیا اور عالم اسلام بطور خاص اس تکلیف دہ تجربے سے گزر کر اس حقیقت کا بخوبی اندازہ کر چکا ہے کہ آج جرمنی کی چھاتی کا یہ کینسر مشرق وسطیٰ بلکہ پورے عالم اسلام کی چھاتی کا کینسر بن چکا ہے۔

صدیوں پر پھیلی انسانی تاریخ، آسمانی صحائف وکتب میں درج پیش خبریں، امریکی صدر فرینکلن، جرمن کے ہٹلر، ہنٹنگ ٹن اور دوسرے لوگوں کی پیش خبریوں اور تاریخی حقائق کا گہرا اور غیر جانبدار تجزیہ اس حقیقت کو روز روشن کی طرح عیاں کر دیتا ہے کہ اصل دہشت گردی کیا ہے اور حقیقی دہشت گرد کون ہیں؟ وہ کون ہیں جنہوں نے:

☆ اپنی ہی قوم ونسل کے ایک دو نہیں سینکڑوں نبیوں کا بہیمانہ قتل کیا؟

☆ مکر وفریب کے نت نئے ہتھکنڈے استعمال میں لا کر کس نے بار بار کرۂ ارض کو فساد فی الارض سے بھرا؟

☆ ملک کے اصلی باشندوں ریڈ انڈین، کی دہشت گردانہ نسل کشی کس نے کی کہ آج ان کے آثار قدیمہ بھی ناپید ہیں!

☆ لاکھوں افریقیوں کو صدیوں تک ظلم وجبر سے غلامی کی زنجیروں میں کس نے جکڑے رکھا؟

☆ پہلی اور دوسری جنگ عظیم میں کروڑوں انسانی جانوں کے اتلاف کا ذمہ دار کون تھا؟

☆ انسانی تاریخ میں پہلی بار ایک یہودی کے ایجاد کردہ ایٹمی اسلحہ سے دہشتگردانہ حملہ کر کے جاپان کے دو ہنستے بستے شہروں کو صفحہ ہستی سے کس نے مٹایا؟

☆ ہوس ملک گیری کے لئے لاکھوں بے گناہ ویتنامیوں کو کس کی ریاستی دہشت گردی نے لقمہ اجل بنایا؟

☆ فلسطینیوں کے ۷۶ فیصد رقبہ پر ظلم وجبر اور دہشت گردانہ کاروائیوں کے ذریعے ناجائز قبضہ کس نے کیا؟

☆ ۵۳۔۱۹۵۰ء میں مسلط کی گئی کوریائی جنگ کس کی ریاستی دہشت گردی کا نتیجہ تھی؟

☆ 1991ء کی خلیجی جنگ (Gulf War) میں لاکھوں بے گناہ کس کی ریاستی دہشت گردی کا شکار ہوئے؟

☆ 1982ء میں شتیلہ وصابرہ فلسطینی مہاجر کیمپوں کے اندر دہشت گردانہ بمباری کر کے ۵۰۰ معصوم فلسطینیوں کا قتل کس نے کیا؟

☆ مہلک ہتھیاروں کی تلاش کے بہانے ایک آزاد خود مختار ملک عراق پر دوبار 1991ء اور 2003ء میں حملوں کی شکل میں کی گئی ریاستی دہشگردی کس کا کارنامہ؟

☆ 1948ء۔1945ء میں چین پر بلا جواز حملہ کس کی ریاستی دہشت گردی تھی؟

☆ 1953ء میں اور پھر 1960ء میں پر امن ملک گوئٹے مالا پر حملہ ہوس ملک گیری کے لئے کس کی ریاستی دہشت گردی تھی؟

☆ 1958ء میں انڈونیشیا کے امن کی تباہی کس کی دہشت گردی کا نتیجہ تھی؟

Marfat.com

☆ 61-1959ء کی کیوبا کے خلاف جارحیت کس کی ریاستی دہشت گردی تھی؟

☆ 1964ء میں پرامن ملک کانگو پر چڑھائی کس کا دہشت گردانہ کارنامہ ہے؟

☆ 1965ء میں پیرو پر بلاجواز حملہ کس کی دہشت گردی تھی؟

☆ 73-1964ء کی طویل نو سالوں پر پھیلی جارحیت کس کی ریاستی دہشت گردی کا شاخسانہ تھی؟

☆ 70-1969ء کولمبوڈیا پر غاصبانہ بزدلانہ حملہ کس کی دہشت گردی کا کارنامہ تھا؟

☆ 1983ء میں گریناڈا پر حملہ کس کی ریاستی دہشت گردی کا ہولناک منصوبہ تھا؟

☆ 84-1983ء میں لبنان اور شام کو ریاستی دہشت گردی کا نشانہ کس نے بنایا؟

☆ 1986ء میں آزاد اسلامی ملک لیبیا کے خلاف بلاجواز کارروائی کس کی دہشت گردی تھی؟

☆ 1980ء میں ایل سلواڈور، 1980ء ہی میں نکاراگورا، 1987ء میں ایران، 1989ء میں پانامہ، 1991ء میں عراق اور کویت، 1993ء میں صومالیہ، 1994ء میں بوسنیا، 1998 میں سوڈان، 1999ء میں یوگوسلادیہ، 2001ء میں افغانستان اور اب آزاد ملک پاکستان پر حملے اور دہشت گردانہ کاروائیاں کس کی توسیع پسندی اور ریاستی دہشت گردی ہے؟ کیا ریاستی دہشت گردی پوری انسانیت کا قتل نہیں ہے۔۔۔؟

☆ القاعدہ اور اسامہ کی تلاش اور انہیں ختم کرنے کے بہانے افغانستان کا کارپٹ بمباری کے ذریعے تورا بورا بنا دینا، پاکستان کے اندر تخریب کاری اور دہشت گردانہ کارروائیوں اور ڈرون حملوں کا لامتناہی سلسلہ، امریکا اور یورپ کی مدد سے اسرائیل کی مشرق وسطیٰ میں نصف صدی پر پھیلی تباہ کن ریاستی دہشت گردی کا سفاکانہ سلسلہ پکار پکار کا زبان حال سے کہہ رہا ہے کہ اصل دہشت گردی کیا ہے اور حقیقی دہشت گرد کون ہیں۔

☆ مختلف حیلوں بہانوں سے جدید مہلک ہتھیاروں کے زور پر مسلم ممالک کے قدرتی معدنی وسائل پر غاصبانہ قبضہ کی ہلاکت خیز کارروائی کیا ریاستی دہشت گردی کی بدترین شکل نہیں؟

☆ کتوں کو شرمندہ کر دینے والی اپنی ننگ انسانیت مغربی تہذیب کو بندوق کے زور پر دوسروں پر مسلط کرنا کیا ریاستی دہشت گردی اور انسانیت کش کارروائی نہیں؟

☆ کہیں نام نہاد دہشت گردی، شدت پسندی کے نام پر اور کہیں نام نہاد انسانی آزادی کی آڑ میں اور کہیں جمہوری روایات کی خودساختہ حمایت میں، کہیں اعتدال پسندی کا نعرہ لگا کر ریاستی دہشت گردی کے ذریعے فساد فی الارض اور دنیا کے امن کی تباہی کا مرتکب کون ہو رہا ہے؟

☆ عراق، افغانستان، فلسطین، لبنان، کشمیر، بوسینیا اور پاکستان کے مختلف گنجا۔ آباد علاقوں میں ڈیزی کٹر بموں، ڈرونز حملوں لیزر گائیڈڈ میزائل حملوں اور دیگر خودکش حملوں کے ذریعے پرامن لوگوں کا وحشت ناک ریاستی دہشت گردی کے ذریعے معصوم خون کون بے دردی سے بہا رہا ہے۔

Marfat.com

☆ عورتوں بوڑھوں اور معصوم بچوں کے چہرے کون بگاڑ رہا ہے؟ کون مسخ کر رہا ہے؟

☆ ظالمانہ ریاست دہشت گردی کے ذریعے پرامن مسلمانوں کے گھر تباہ کر کے ان کے معصوموں کو خاک وخون میں نہلا کر انہیں متقمانہ کارروائیوں کے ذریعے انفرادی انتقام پر کون مجبور کر رہا ہے؟

☆ موساد، سی۔آئی۔اے، را، خاد، بلیک واٹر یا زی سروسز کے غنڈوں کے ذریعے اسلامی ممالک خاص طور پر ایٹمی پاکستان میں خودکش حملوں اور دھماکوں، وسیع پیمانوں پر ہلاکتوں کے ذریعے مسلم نوجوانوں کو انتقامی کارروائیوں پر کون ابھار رہا ہے؟

☆ وہ کون سے خفیہ ہاتھ ہیں جو اپنے مذموم مقاصد کے لئے صرف مسلمانوں ہی کو دہشت گرد قرار دلوانے پر تلے ہوئے ہیں اور مسلمانوں کے اندر سے جذبہ جہاد ختم کرنے کے در پے ہیں؟ حالانکہ جہاد نہ دہشت گردی ہے نہ شدت پسندی ہے بلکہ یہ تو بنیادی اسلامی فلسفہ اور ایک مسلمان کے ایمان کا لازمی حصہ ہے! اسلام جو ایک امن وسلامتی کا دین ہے اپنے ہر مجاہد اور پیروکار کو یہ درس دیتا ہے کہ ایک انسان کا بلاوجہ قتل پوری انسانیت کا قتل ہے اور ایک انسان کی زندگی بچانا پوری انسانیت کو بچانا ہے۔

(غزوۂ ہند اور سلطانِ جہاں)

ملت کو دشمنوں کے عزائم اور عالمی استعمار سے تنبیہ

حکیم محمد سعید صاحب ملت کو ریاست پاکستان کے خلاف جاری بیرونی سازشوں سے متواتر متنبہ فرماتے رہے۔ خصوصاً کراچی شہر کے بارے میں، جس کے لئے کی جانے والی بین الاقوامی یہود وہنود کی سازشوں پر حکیم صاحب بے حد متفکر تھے۔ حکیم صاحب نے اپنی حیات کے آخری ایام میں ان عالمی سازشوں، اور قوم فروشوں سے متعلق بہت کھل کر بولنا اور لکھنا شروع کر دیا تھا۔ نتیجتاً انہیں ملک دشمنوں سے قتل کی دھمکیاں مل رہی تھیں۔ حالات سے آگہی اور عملی کردار ان کا جرم قرار پایا۔ اور انہیں سچے مسلمان اور سچے پاکستانی ہونے کی پاداش میں شہید کر دیا گیا۔

واشنگٹن شہر جس کی تعمیر یہود۔ نے فرعونی Pyramid کی طرز پر کی ہے۔ جہاں دنیا بھر کے راہنما آ کر حاضری دیتے ہیں۔ ریاست متحدہ امریکہ کا یہ دارالخلافہ یہودی فکر کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ اس شہر سے عالمی ایجنڈے کی تیاری اور گرفت سے متعلق حکیم سعید شہید فرماتے ہیں کہ: ''امریکی CIA کا ادارہ جس عمارت میں قائم ہے۔ اس کا نام پینٹا گون ہے۔ جہان 27 ہزار آدمی کام کرتے ہیں۔ یہاں سات ہزار ماہرین نفسیات کام کر رہے ہیں۔ ان کے پاس ہر ملک کے ہر لیڈر کی فائل موجود ہے''۔

حکیم صاحب کئی مرتبہ یہ بھی انکشاف کرتے رہے ہیں کہ عالم اسلام کے تمام راہنماؤں کے علاوہ جتنی اہم جماعتیں ہیں اور جتنی اہم سرکردہ شخصیات ہیں ان کا ریکارڈ اس ادارہ میں اکٹھا کیا جاتا ہے اور یہ ماہرین نفسیات ان شخصیات کا مکمل تجزیہ کرتے ہیں۔ اور اس حاصل مطالعہ کی روشنی میں پالیسیاں تشکیل دیتے اور ان لوگوں سے نپٹنے اور اپنے اہداف متعین کرتے ہیں۔ ان کے مقابلے میں ہم ہیں کہ جو اپنی ہی صورت بگاڑنے میں لگے ہوئے ہیں۔ ہمیں آزادی کی قدر وقیمت کا احساس نہیں۔ ہم نصف صدی سے اس نعمت عظمیٰ کی تکذیب میں لگے رہے۔ قیام پاکستان کے بعد قائد نے ایک موقع پر قوم کو اس ضمن میں متنبہ فرمایا تھا کہ ''کیا اب پاکستان حاصل کر لینے کے بعد اپنی کم نگاہی کے ذریعہ اسے برباد کر دیں گے؟''

Marfat.com

احساس عنایت کا آثارِ مصیبت کا　　امروز کی شورش میں اندیشہ فردا دے

منی پاکستان کی تباہی

پاکستان کا دارالخلافہ اور اہم تجارتی مرکز کراچی۔ جو پاکستان کا سب سے بڑا شہر ہونے اور پاکستان میں مقیم تمام نسلوں کا باسی ہونے کے ناطے منی پاکستان کہلاتا ہے۔ یہ شہر پاکستان کی معیشت میں ریڑھ کی ہڈی کا درجہ رکھتا ہے۔ اس شہر عظیم کو معمولی اور عام درجہ کا شہر بنانے کی سازش ملک سے باہر تیار کی گئی ہے۔

مشرقی اور مغربی طاقتوں نے اس فیصلہ کن قول کا اظہار کیا ہے۔ کہ پاکستان معاش اور اقتصاد میں قرار نہیں پا سکتا۔ پاکستان کی صلاحیت، عظمت و رفعت دیکھ کر وہ اسے ملک کی سطح پر لانا چاہتے ہیں۔ اس سلسلہ میں حکیم سعید شہید فرماتے ہیں۔

''کراچی کے بارے میں اہل یہود اور اہل مغرب کا یہ فیصلہ ہے کہ اس شہر کو تباہ کر دینا ضروری ہے۔ اگر ایسا نہ ہوا تو پاکستان کی تباہی ممکن نہیں ہوگی۔ اس شہر کو تباہ کرنے میں ہم اور غیر دونوں، رات دن مصروف ہیں''

ایک اور مقام پر حکیم سعید اپنے مشاہدے اور معلومات کی روشنی میں شہر کراچی پر اپنے دردِ دل اور قومی بے بسی و بے حسی پر اظہار ان الفاظ میں فرمایا: ''کراچی پورے تسلسل کے ساتھ تباہ کیا جا رہا ہے۔ اس کی اکانومی روز پاش پاش ہو رہی ہے اور کوئی زبان صدق سے کہنے کو تیار نہیں ہے کہ یہ یہودی سازش ہے۔ شہر کراچی کو تباہ کرنے میں معاون خود ہم ہوئے ہیں اور یہودی کے منشا کو پورا کر رہے ہیں۔ ان کا نام زبان پر لانے والا اس ملک میں نہ کوئی مولوی ہے، نہ کوئی سیاست دان اور نہ کوئی صاحب قلم۔ اس صورتحال پر میرا دل دکھی ہے''

حکیم صاحب ملت پاکستانیہ کو حالات کی سنگینی اور مقتدر طبقات کے رویوں سے متنبہ فرماتے ہیں اور انتہائی گھمبیر مسائل سے گھرے پاکستان کے بارے میں فرماتے ہیں۔

''پاکستان کے حالات اس قدر نازک ہو گئے ہیں کہ ان کو سنبھالنا اس قیادت اور سیاست کے بس کی بات نہیں رہی''

اسلام دشمن قوتوں کا جائزہ لیجئے کہ مغربی طاقتیں، اسرائیل اور امریکہ ہرگز پاکستان کو تنومند ہوتا نہیں دیکھ سکتے۔ وہ متواتر اسے ناکام ریاست ہونے کا عندیہ دے رہے ہیں۔ وہ اس ریاست کو انارکی کا شکار کر کے اسے تباہ کرنے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ حکیم صاحب فکر و آگہی کا جو دیا روشن کر کے گئے ہیں اس سے روشنی لی جائے اور نئے دیئے روشن کئے جائیں۔ قوم اور قیادت کو حالات کی سنگینی اور ملی نظریہ حیات کا احساس دلایا جائے۔ ہر اہل درد اور اہل نظر حالات کی سنگینی پر سخت دل گرفتہ ہے۔

یہاں صرف آنکھیں پرنم تھیں اب عارض بھی غدار ہوئے

Marfat.com

باب: اکیسواں

بھارت کا خاتمہ

Marfat.com

بھارت کا خاتمہ

تقسیم ہند اور ہندو عقیدہ

تقسیم ہند

ہندوؤں کے عقیدے کی روشنی میں جب 1947ء میں برصغیر کی تقسیم عمل میں آئی تو ہندوؤں کا دیوتا تقسیم ہو گیا اور کئی حصوں میں بکھر گیا ان کے ہاتھ لگا وہ بھارت یا ہند ٹھہرا۔ بھارت کے ترانہ ''بندے ماترم'' میں اس دیوتا کو مخاطب کیا جاتا ہے۔

پروفیسر محمد منور مرزا صاحب اپنی کتاب Dimension of Pakistan Movement میں لکھتے ہیں۔

لالہ ہردیال PhD اپنے رسالہ ''میرے وچار'' میں لکھتے ہیں: ''میں اعلان کرتا ہوں کہ پنجاب اور ہندوستان میں بسنے والے ہندوؤں کی نسل کی بقاء کا انحصار ان چار باتوں پر ہے۔

۱۔ ہندو سنگھٹن۔ ہندو اتحاد کامل

۲۔ ہندو راج

۳۔ مسلمان شدھی

۴۔ افغانستان اور سرحدی علاقوں کی فتح اور شدھی جب تک وہ ہندو قوم یہ چار کام سرانجام نہیں دے دیتی ہمارے بچوں ہمارے پوتوں اور پوتوں کے پوتوں کے بچوں کا وجود ہمیشہ خطرے میں رہے گا۔

ان دونوں مذہبوں کو شدھ کر لینا چاہیے۔ تاکہ ہندوؤں کی آنکھوں میں یہ بیرونی مواد کھٹکتا نہ رہے۔ افغانستان اور سرحد کے کوہستانی خطے مع دماضی میں ہندوستان کا حصہ تھے۔ مگر آج ان پر اسلام کا غلبہ ہے افغانستان کی مثال نیپال کی سی ہے جہاں آج بھی ہندو مذہب رائج ہے۔ کوہستانی قبائل ہر دم آمادہ جنگ ہیں اور بھوکے بھی ہیں اگر انہوں نے ہمارے ساتھ دشمنی ٹھان لی تو نادر شاہ اور زمان شاہ کا دور از سر نو شروع ہو جائے گا۔ اگر وہ اپنا تحفظ چاہتے ہیں تو لازم ہے کہ وہ افغانستان اور سرحدی علاقوں کو فتح کریں اور تمام پہاڑی قبائل کو ہندو بنائیں۔

بھارت ماتا یا دھرتی ماتا کا مندر

''سفرنامہ ہند'' کے مصنف پروفیسر محمد اسلم ہندوؤں کے مقدس ترین شہر بنارس کے بارہ میں لکھتے ہیں کہ اس میں ۱۲۰۰ مندر ہیں جن میں سے ایک مندر بھارت ماتا کا ہے 1955ء میں بنارس کے سفر میں اس مندر کی شہرت سن کر اسے دیکھنے گئے پروفیسر سعید الدین احمد ڈار بھی ان کے ہمراہ تھے۔

''ایک بڑے ہال میں ایک تالاب میں اغلبا پلاسٹر آف پیرس سے بھارت کا نقشہ بنایا ہوا ہے جس میں پاکستان اور بنگلہ دیش بھی شامل ہیں اس نقشہ پر عقیدت مندوں نے پھول بھی چڑھائے ہوئے تھے۔ ہندو وہاں آتے تو دونوں ہاتھ جوڑ کر

Marfat.com

اور سر جھکا کر بھارت ماتا کے ساتھ اپنی عقیدت کا اظہار کرتے تھے۔ (بحوالہ دیوار برہمن صفحہ ۲۲۸ حوالہ کتاب لاثانی قائد)

ہندوؤں کا خواب

اس منقسم دھرتی کے ماتا کے دیوتا کے ٹکڑوں اس کے الگ کئے ہوئے ہاتھوں بازوؤں، ٹانگوں وغیرہ کو جوڑ کر پھر سے مکمل دیوتا بنانا ہندوؤں کے نزدیک مذہبی فریضہ اور ان کا خواب ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ہندوستان نے بنگلہ دیش کو پاکستان سے جدا کیا اور اسے اپنے تابع رکھا مزید برآں نیپال اور بھوٹان پر بھی اپنی بالادستی قائم کی سری لنکا اور مالدیپ میں فوجی مداخلت کی جبکہ وہ پاکستان اور افغانستان پر نگاہیں جمائے بیٹھا ہے پورے خطے پر مکمل کنٹرول میں حائل رکاوٹ پاکستان ہے جو کہ اس کی نگاہوں میں سخت کھٹک رہا ہے۔

ہندو قوم اپنے پارینہ رفتہ اور سطوت گزشتہ کا خواب دیکھ رہی ہے وہ ایک عظیم سلطنت قائم کرنا چاہتے ہیں، وہ تمام علاقوں جو ماضی میں ہند کے ساتھ منسلک رہے، انہیں بزور شمشیر فتح کرنا چاہتے ہیں ہندوستان اس مقصد کے لئے ان چھوٹے پڑوسیوں میں سازشیں کر کے انہیں کمزور کرنے کے علاوہ بے پناہ فوجی طاقت بھی بڑھا رہا ہے۔ انڈیا نے 2015ء میں اپنا دفاعی بجٹ 41 کھرب مختص کیا ہے جو گذشتہ سال کے مقابلے میں جنگی بجٹ میں اضافہ ہے۔ (جنگ اخبار کیم مارچ 2015)

آزادی بھارت کے بعد مسلمانوں کی حالت

بھارت کی آزادی کے بعد پہلے سے تعلیمی و معاشی میدان میں تباہ حال مسلمانوں کو مزید تباہی سے دوچار کر دیا گیا۔ آئے دن روز کے مسلم کش فسادات کے ذریعہ مسلمانان ہندی کی زندگی مفلوج کر دی گئی۔ کشمیر اور چند دیگر علاقوں میں بھارتی افواج کے بدترین مظالم اور بربریت وظلم کی ایک نئی داستان رقم کر رہے ہیں۔ مسلمانان ہند کو ہر شعبہ زندگی میں ایک منظم منصوبہ بندی کے تحت پیچھے دھکیلا جا رہا ہے۔ معاشی اعتبار سے وہ قلاش رہیں، سیاست میں ان کی نمائندگی تقریباً صفر ہے۔

کچھ عرصہ قبل بھارتی وزیراعظم ڈیوگوڈا نے مسلمانوں کی حالت زار کا اعتراف کرتے ہوئے کہا

''بھارتی مسلمان تمام حقوق سے محروم ہیں۔ سیاسی جماعتوں نے ووٹ بینک کی خاطر ہمیشہ مسلمانوں کو دھوکہ دیا۔ اور ان کی خیر سگالی کا استحصال کیا''۔

آئے دن مسلمانوں کو مختلف حیلوں بہانوں سے تنگ کیا جاتا ہے۔ کوئی نہ کوئی نیا مسئلہ اٹھا دیا جاتا ہے۔ تازہ حقائق میں بہت سی مسلم لڑکیوں کی شادیاں ہندو لڑکوں سے کی جا رہی ہیں غربت انسان کو کفر تک لے جاتی ہے درحقیقت انتہا پسند ہندو مسلمانوں کو ہندو بنانا چاہتا ہے اور مسلمانوں کو نابود کر دینا چاہتا ہے۔ دو برہمن زادوں نے ۱۰ اپریل ۱۹۸۵ء کو کلکتہ ہائی کورٹ میں یہ رٹ داخل کرائی کہ قرآن حکیم کے عرب نسخے اور تراجم قانون کے خلاف قرار دے ضبط کئے جائیں۔ وجہ یہ بیان کی گئی کہ قرآن اہل مسلم کو کفار کے خلاف جہاد کا حکم دیتا ہے۔ (بحوالہ الدعوۃ) بھارت میں ایسے پوسٹر لگائے گئے ہیں جن پر درج تھا کہ ''قرآن چھوڑ دو یا ہندوستان چھوڑ دو'' جبکہ قرآن اہل ایمان کو ظلم سے روکنے اور مظلومین کے حقوق کے لئے جہاد کا حکم دیتا ہے۔

Marfat.com

مسلم پرسنل لاء

مسلم پرسنل لاء برہمن سماج اور ہندو نیتاؤں کی آنکھ میں کانٹے کی مانند کھٹکتے ہیں۔ کیونکہ یہ ان کے علیحدہ قومی تشخیص کی علامت ہیں۔ ان کی بدولت وہ اپنا مذہب کسی درجہ میں قائم رکھے ہوئے ہیں۔ ان کو ختم کرنے کا مقصد مسلمانوں کو عملاً ہندو معاشرت وسماج میں مدغم کر دینا ہے، اس کی بدولت ہندو غیر مسلمانوں سے مسلمانوں کی شادیاں وغیرہ اور دیگر پابندیوں کو قانونی سطح پر ختم کر دینا چاہتے ہیں۔ بال ٹھاکرے نے اپنے دل کی آہ! ان الفاظ میں نکالی۔

''انگریز اگر مسلم پرسنل لاز ختم کر دیتے تو۔ پاکستان کبھی نہ بن سکتا''۔

بھارتی مسلمانوں کا محاصرہ

بھارتی وزیر قانون کے مطابق انڈین پرنسپل لاء تمام فرقوں پر لاگو ہوگا اور مسلم پرسنل لاء کو ہمیشہ کے لئے دفن کر دیا جائے گا۔ اسی طرح کے اعلانات بال ٹھاکرے بھی کر چکا ہے یہ بل اسمبلی سے پاس کرانے کی تیاریاں کی جارہی ہیں جس پر بال ٹھاکرے نے کہا کہ ''جو مسلمان مسلم پرسنل لاء کے حامی ہیں اور اسکی جگہ ملک کی قانون کی مخالفت کر رہے ہیں ان کے لئے بہتر ہے کہ وہ پاکستان چلے جائیں''۔ BJP نے ایک ذیلی کمیٹی بنادی ہے جو بھارت میں رہنے والے مسلمانوں کے بدیسی (عرب) ناموں کی جگہ دیسی ناموں کے فروغ اور ترویج کیلئے جلد رپورٹ پیش کر دے گی''

BJP یا RSS

BJP کی بھارتی حکومت انتہا پسند احیائی جماعت جس کا تعلق راشٹریہ سیوک سنگھ RSS سے ہے واجپائی اور ایڈوانی منجھے ہوئے پرانے سیاستدان ہیں۔ نوعمری سے وہ RSS کے رکن بنے۔ اس دہشت گرد تنظیم سے تربیت حاصل کی اور فعال رہے RSS کے نئے پرانے اراکین پیلی بنیان، قمیض کے نیچے پہنتے ہیں۔ ان کا سیلوٹ ترچھا ہاتھ بازو اٹھا کر سینہ کے پاس لاکر کرتے ہیں۔

نصب العین

بھارت کے سرحدوں کو افغانستان سے انڈونیشیا تک پھیلانا ہے نیز یہاں سے مسلمانوں کا خاتمہ پاکستان کے خاتمہ کے ساتھ کرنا ہے دوبارہ اکھنڈ بھارت میں ہندو احیاء کرنا۔

آریہ تہذیب وتمدن کی بازیابی

یہ ہیں اہداف جو RSS کے منچلے جارحانہ طریقہ سے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

نتھورام گوڈسے

RSS کا کارکن نتھورام گوڈسے جس نے گاندھی کی عیاری ومکاری کو نہ سمجھا، Poisioning Slow کی بجائے

Marfat.com

وہ سخت جذبات اور جارحانہ عزائم رکھتا تھا۔ پاکستان کے قیام کو روکنے میں ناکامی پر اس نے گاندھی کو گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ قتل کے مقدمہ میں اس کا عدالتی بیان مسلم دشمنی کا منہ بولتا ثبوت ہے، نیز اس نے ان سب اسباب سے بھی پردہ اٹھایا جن کے تحت اس نے گاندھی جی کو قتل کیا۔ اس نے وصیت کی کہ اس کی چتا جلا کے گنگا میں نہ بہائی جائے بلکہ پاکستان فتح کرنے کے بعد (چونکہ یہ ملیچھ ناپاک ہو گیا ہے مسلمانوں نے اسے پلید کر دیا ہے) دریائے سندھ میں بہائی جائے۔ کیونکہ دریا پورے پاکستان سے بہتا ہوا بحرہ عرب میں گرتا ہے اس عمل سے یہ خطہ پھر سے پاک ہو جائے گا ہندو انتہا پسندوں RSS نے اس کی راکھ اب تک محفوظ رکھا ہوا ہے۔ اور ہر سال اس کے گھر پر وہ اکٹھے ہو کر اس کے ساتھ کئے عہد کی تجدید کرتے ہیں ان کے نظریات کی رو سے اصل آریہ ورت وادی سندھ ہے، پانچ دریاؤں کی سرزمین، ہندوستان کا پوتر دریا گنگا نہیں بلکہ دریائے سندھ ہے جس کے کنارے چاروں مقدس وید نازل ہوئے۔

جہادِ ہند اور پاکستان کا کردار

بت کدے میں برہمن کی پختہ زناری بھی دیکھ: ''اسلام دشمنی کی کچھ باتیں بعض اوقات ان کی زبان سے (بے اختیار) نکل جاتی ہیں ورنہ جو کچھ ان کے دلوں میں چھپا ہے، وہ ان (باتوں) سے زیادہ شدید ہے'' (القرآن: ۱۱۷/۳)

جہاد ہند اور قائد کا جذبہ جہاد قائداعظم کا بری فوج سے خطاب: ''خدا کی قسم جب تک ہمارے دشمن ہمیں اٹھا کر بحیرہ عرب میں نہ پھینک دیں، ہم ہار نہیں مانیں گے۔ پاکستان کے حفاظت کیلئے میں تنہا لڑوں گا۔ جب تک میرے ہاتھوں میں سکت اور میرے جسم میں خون کا آخری قطرہ بھی موجود ہے۔ مجھے آپ سے یہ کہنا ہے کہ اگر کوئی ایسا وقت آجائے کہ پاکستان کی حفاظت کے لئے جنگ لڑنی پڑے، تو کسی صورت میں ہتھیار نہ ڈالیں۔ اور پہاڑوں میں، جنگلوں میں، میدانوں میں اور دریاؤں میں جنگ جاری رکھی۔

بتکدے میں برہمن کی پختہ زناری بھی دیکھ

سقوط ڈھاکہ کے بعد ہندوؤں میں اپنی عظمت رفتہ کی بحالی کا نیا جذبہ پیدا ہوا، اندرا گاندھی نے پاکستان کی اس بڑی شکست کو اپنی ہزار سالہ غلامی کا بدلہ اتار دینے کے مترادف قرار دیا۔ اس واقعہ کے بعد انتہا پسند ہندو جماعتیں مزید منظم و متحرک ہو گئیں ان کا مقصد بھارت میں ہندو راشٹر اور اکھنڈ یا پراچین بھارت کا قیام ہے۔ یہ جماعتیں اس وقت ہندوستانی سیاست و حکومت پر چھا چکی ہیں۔ BJP اور شیو سینا نے کانگرس کے پچاس سالہ طویل اقتدار کے سورج کو غروب کر دیا۔ کینیڈا سے چھپی ایک اہم کتاب Brotherhood of Safron میں ان کے منظم اور تربیت یافتہ کارکنوں کی تعداد ۲۵ لاکھ بتائی جاتی ہے۔

بابری مسجد کی شہادت

تاریخی بابری مسجد کو نام نہاد ڈرامہ رچا کر شہید کر دیا گیا، کہا گیا کہ یہ جگہ رام کی جنم بھوی ہے، کیونکہ ایک پجاری کو خواب میں اس کا الہام ہوا ہے کہ رام یہاں پیدا ہوا۔ رام کی ایودھیا میں پیدائش کی بے شمار کہانیاں ہیں کسی کو نہیں معلوم کہ یہ جگہ کہاں ہے

Marfat.com

خود ہندوؤں کے دانشور اسے پکھنڈ قرار دیتے ہیں۔(کتاب دیوارِ برہمن اور اگر اب بھی نہ جاگے تو)

دراصل بابری مسجد کی شہادت کے ذریعہ مسلمان کو ان کے حشر اور انجام سے خبردار کرنا مقصود تھا کہ یہاں ہندوستان سے ہم ان کا صفایا کر دینا چاہتے ہیں۔کئی ہزار مساجد اس وقت ان انتہا پسند ہندوؤں کی ہٹ لسٹ پر ہیں۔اس سے قبل تقسیم ہند کے فوراً بعد سومنات کی جامع مسجد کو گرا کر مندر میں بدلا گیا، یہی حرکت دیگر بہت سی مساجد سے کی گئی۔

ان انتہا پسند ہندو جماعتوں کی تنظیم و تربیت اور نظم وضبط کا اندازاس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ ان کے تین لاکھ کارکن بابری مسجد کو گرانے کی غرض سے دسمبر 1992ء پہلے ہفتہ میں ایودھیہ میں اکٹھے ہوئے (یہ ملک کے کونے کونے سے آئے) مسجد کو شہید کرنے کے دوران جذبات سے بے قابو ہو کر، یا مسلمانوں کے خلاف مشتعل ہو کر، ان کے جان و مال اور عزت پر ہاتھ ڈالنے کا کوئی واقعہ پیش نہ آیا۔ نیز نہ ہی مسجد گرانے کے عمل میں شریک لاکھوں افراد کے عظیم اجتماع کے باوجود کوئی افراتفری یا بھگدڑ وغیرہ کا کوئی واقعہ ہوا اس عمل میں کوئی کارکن ہلاک نہ ہوا۔ چند ایک معمولی زخمی ہوئے۔اس سے ان کے منظم ہونے کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

اس واقعہ کے بعد BJP نے زبردست مقبولیت حاصل کی اور حکومت کے ایوانوں پر قابض ہوگئی۔اس سانحہ کے بعد بھارتیا جنتا پارٹی ملک گیر جماعت بن گئی۔ جہاں اور جن علاقوں میں وہ پہلے موجود نہ تھی وہاں پر یہ خاصی مضبوط ہو کر ابھری، نیز بھارتی مسلح افواج کے بڑی تعداد میں سینئر ریٹائرڈ افسران اور جوان اس میں شامل ہو چکے ہیں۔RSS اس کی نیم فوجی ذیلی تنظیم ہے۔

ایودھیا کی اصل حقیقت (بابری مسجد یا خانہ کعبہ؟)

بعض ہندو سکالرز اصل حقیقت سے آشنا ہیں۔ان سرکردہ ہندو راہنماؤں اور سکالرز نے اسے یوں بیان کیا ہے کہ اصل ایودھیا پر مسلمان قابض ہیں۔ بھارتی ہندو انتہا پسند جماعتیں جو سطوتِ گزشتہ کی بازیابی کے لئے متحرک ہیں، ان کی قیادت کے سینوں میں یہ آرزو پل رہی ہے کہ اصل ایودیہ کو مسلمانوں کے تسلط سے آزاد کرایا جائے۔ جب وہ اس انتہائی پوشیدہ راز کو چھپا نہیں پاتے تو بے اختیار ان کی زباں پر بھی یہ بات آ ہی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بھی بت پرست مشرکین کے بارے میں بتایا ہے کہ انجانے میں ان کے منہ سے ان کے دل کی بات نکل جاتی ہے اور اس طرح مسلمانوں اور اسلام کے خلاف ان کے دل کا عناد اور دشمنی ظاہر ہو جاتی ہے۔قد بدت البغضاء من افواههم و ما تخفی صدورهم اکبر (۳/۱۱۷)

ترجمہ: ''اسلام دشمنی کی کچھ باتیں بعض اوقات ان کی زبان سے (بے اختیار) نکل جاتی ہیں ورنہ کچھ ان کے دلوں میں چھپا ہے وہ ان سے کہیں زیادہ شدید ہے''

انتہا پسند ہندو تحریک میں شامل ایک اہم جماعت شیوسینا کے قائد بال ٹھاکرے صاحب نے ایک مرتبہ صاف گو ہندہ ہفت روزہ بلٹز جو بمبئی سے شائع ہوتا ہے۔ جناب ساجد حسن صاحب کو اپنے انٹرویو میں بابری مسجد کے

Marfat.com

تناظر میں بات کرتے ہوئے اس خواہش کو پہلے تو زباں پر لائے پھر دبا گئے۔انٹرویو کا ذہن بھی ادھر منتقل نہ ہوا اور اس نے مزید نہیں کریدا۔بابری مسجد پر کلیم کے ایک سوال کے جواب میں بال ٹھاکرے نے کہا:''دیکھئے آپ اتنا پیچھے مت جایئے۔ابھی کی بات کیجئے۔تاریخ میں بہت پیچھے جائیں گے تو میں آپ کو بہت سی ایسی مسجدیں بتا سکتا ہوں جو پہلے مندر تھے۔جن کے نشانات ابھی باقی ہیں۔کیا آپ انہیں ہندوؤں کو دینے کے لئے تیار ہیں۔میں کہنا تو نہیں چاہتا اور نہ میں ادھیکار جتا رہا ہوں۔آپ کی بات پر کہہ رہا ہوں،اگر آپ بہت پیچھے جائیں گے تو آپ کا جو مکہ ہے اس میں پہلے بت تھے۔اب اگر ہم کہیں کہ پہلے ہمارے لوگوں کے بت تھے اس لئے یہ ہم کو دوں تو کیا آپ اس بات کو مانیں گے۔میں کہتا ہوں آج کی بات کرو،پرانی بات چھوڑو''۔

(ہفت روزہ بلٹز ۲۱ مارچ 1987ء صفحہ نمبر ۱۴۔۱۵''اگر اب بھی نہ جاتے گو'' صفحہ نمبر 184)

''بال ٹھاکرے نے بابری مسجد گرائے جانے پر کہا کہ آپ بابری مسجد کی بات کرتے ہیں بابری مسجد تو بہت دور کی بات ہے۔یہ معاملہ تو مسجد حرام تک پہنچتا ہے''۔عام ہندو ان حقائق سے باخبر نہیں ہندو خواص سینہ بہ سینہ مسلم اور ہندو عوام سے ان Secrets کا اظہار نہیں کرتے لیکن اب ان باتوں سے عام ہندو بھی باخبر ہونے لگے ہیں۔ہندو پنڈت تبدیلی کے وقت کو قریب بتاتے ہیں۔جب ہندو قوم کو اپنے دین کا اصل چہرہ دکھے گا اور وہ دین فطرت اسلام سے اس کا موازنہ کریں گے تو دین حق کی حقانیت ان پر آشکار ہو جائے گی۔ان کا موجودہ صورت میں یعنی بت پرستی کے نقطہ نظر سے 360 بتوں والی ایودھیا کا عقیدہ باقی نہ رہے گا جب آمد اسلام والی تاریخ مشرکین مکہ کی مانند مشرکین ہند سے دہرائی جائے تو اہم اصل ایودھیا (کعبہ) کو سنت کی تعمیل میں لوٹا دیں گے۔

رتھ یاترا

بابری مسجد کا مسئلہ جب اپنے جوبن پر تھا۔تو BJP کے سربراہ ایل کے ایڈوانی نے رتھ یاترا کا جلوس نکالا۔موصوف نے گجرات کاٹھیواڑ سے اپنی مارچ شروع کی جس کا اختتام ایودھیا پر ہوا۔اس کو عالمی میڈیا پر بھی کافی کوریج ملی۔

انتہا پسند راہنما رتھوں پر بیٹھ کر ہاتھوں میں بھالے اور مہا بھارت کے زمانے کا جنگی سامان لے کر نکلے،یہ یاترا کی قدیم ہندوؤں کی تاریخ میں جب ان کے مذہبی ہستیاں جنگ پر جس شان سے،جس طرح لشکر کے ساتھ اسلحہ کے ساتھ نکلتیں،یہ اس کا عکس تھا در حقیقت مسلمانوں کو اپنی فیصلہ کن جنگ سے خبردار کیا گیا اور یہ اعلان کیا گیا سطوت رفتہ کی بحالی کے لئے وہ پرانی آب وتاب سے جنگ کے میدان میں اتر آئے ہیں۔ (بحوالہ روزنامہ جنگ 18.6.1998 از معین باری)

رام مندر کی تعمیر

بھارتی حکومت اقلیتوں اور دیگر سیکولر حکومت مخالف جماعتوں کی پرواہ کئے بغیر عدلیہ کی سماعت اور سابقہ رولنگز کو بالائے طاق رکھتے ہوئے چوری چھپے رام مندر کی تعمیر کا دھاکہ کرنے کی تیاریوں میں ہے۔رام مندر کے مکمل عمارتی نقشے اور ماڈلز بھارتی میڈیا شائع کر چکا ہے رام مندر کی آرائشی اشیاء کی تیاری تیزی سے جاری ہے۔

Marfat.com

راجستھان سے وہ پتھر جس میں ایٹمی دھماکے کئے گئے خصوصی طور پر ایودھیا لایا جا رہا ہے۔

(حوالہ روزنامہ پاکستان از قاضی جاوید 22.6.1998)

ان بھارتی تیاریوں کی تفاصیل اب راز نہیں رہی خود بھارتی میڈیا، ان کے رسائل و جرائد نیز انٹرنیشنل میڈیا خصوصاً BBC نے اسی پر فلمیں اور انٹرویو نشر کئے۔ ہر شے ریڈی میٹ تیار کی جا رہی ہے تا کہ مندر کی عمارت کھڑی کرنے اور جلدی سے فوری تعمیر انتہائی کم وقت میں ہو سکے۔

یہود مدینہ کی مانند آج بھی یہود اسلامی نظریاتی اساس سے شدید بغض رکھتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کی نگاہوں میں پاکستان بری طرح سے کھٹک رہا ہے چونکہ یہ اللہ کی حاکمیت کے لئے قائم ہو لہذا یہود نے اس کی تباہی اپنے اوپر فرض کر رکھی ہے۔

اسرائیل نے 1967ء میں عرب ممالک کو بہت بڑی شکست سے دوچار کیا۔ جنگ کے اختتام تک بہت سے علاقے یہود کے زیر تسلط آ گئے اور ایک بہت بڑا المیہ یہ ہوا کہ بیت المقدس (یروشلم) بھی اسرائیل کے قبضہ میں چلا گیا اسرائیلی وزیر اعظم بن گورین نے اس جنگ کے فوری بعد انگلینڈ میں ''جیوش کرانیکل'' نامی یہودی پرچے کو انٹرویو دیتے ہوئے انکشاف کیا کہ وہ ''پاکستان کو اپنا دشمن نمبر ایک (ا) سمجھتے ہیں اور پاکستان کی تباہی کو وہ فرض کا درجہ دیتے ہیں'' (حوالہ حکایت مئی 1947)

یہود ہندو گٹھ جوڑ

چونکہ یہود اور ہنود ایک جیسی آئیڈیالوجی کے حامل ہیں اور دونوں پاکستان کی نظریاتی اساس کے دشمن ہیں لہذا دونوں میں دوستی اور انتہائی قریبی تعلقات فطری امر ہے۔

کشمیر میں بھی اسرائیلی کمانڈوز کی تحریک آزادی کچلنے کے سلسلے میں بھارت کی معاونت اور موجودگی کی خبریں منظر عام پر آ چکی ہیں۔

نیو ورلڈ آرڈر میں بھارت کا کردار

یہودیوں کے مجوزہ براہ راست عالمی حکومت کے ایجنڈے پر بڑی تیزی کے ساتھ عمل درآمد کیا جا رہا ہے۔ امریکہ، یورپی ممالک اور اقوام متحدہ اس کی تکمیل میں پیش پیش ہیں۔ اقوام متحدہ اور اسرائیل کی افواج درحقیقت براہ راست یہود کی افواج ہیں۔ جبکہ امریکہ، نیٹو کے ساتھ ساتھ بھارت کو بھی مستقبل کے سیٹ اپ کے لئے خصوصی رول دیا گیا ہے۔ بھارت کو جنوبی ایشیاء کے لئے پولیس میں منتخب کیا جا چکا ہے۔ قرآن کے مطابق مشرکین اور یہود کا اسلام کے خلاف اتحاد فطری ہے۔

BJP کے سربراہ ایل کے ایڈوانی کا انٹرویو

1994ء میں بھارتیا جنتا پارٹی کے سربراہ جناب ایڈوانی نے ایک برطانوی صحافی کو انٹرویو دیا جس میں انہوں نے صاف لفظوں میں دوٹوک کہا: **''ہم پاکستان سے صرف جنگ چاہتے ہیں''**

Marfat.com

اس استفسار پر کہ جنگ نہ جیت سکے مسٹر ایڈوانی نے کہا:

''جنگ نہ بھی جیت پائے تو کم از کم اپنے ووٹروں کو ہم یہ تو کہہ سکیں گے کہ ہم اکھنڈ بھارت کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں''

اقوام متحدہ کے بارے میں کہا کہ ''وہ ضرور مانیں گے۔ اہل دنیا کو زمین کے اس علاقہ میں ایک پولیس مین چاہئے اور یہ اعزاز ہمیں ملا ہے۔ اس کے معنی ہیں جو کوئی سر اٹھائے گا ہم کچل دیں گے۔ جنوبی ایشیاء میں ہم نے ہر ملک کے ساتھ اس طرح ہی کیا اور اہل دنیا نے ہمارے اس اقدام کو سراہا''۔

کشمیر پر بھارتی افواج کے مظالم کے جواب میں کہا: ''اسرائیل والے ہر روز تقریباً ایسے ہی مظالم کرتے ہیں اسرائیل پر کبھی کوئی فرق نہیں آیا۔ ایک یورپ والے کو اگر تم ہلاک کر دو تو شور مچ جاتا ہے اگر تم ایک ہزار کشمیر قتل کر دو تو کسی کے ماتھے پر شکن نہیں پڑے گی''۔ (اتوار ۲۲ مئی روزنامہ جنگ بھارت کا جنگی جنون چند اہم انکشافات میں)

خوش ونت سنگھ

خوشونت سنگھ نے اپنی کتاب بھارت کا خاتمہ میں انڈیا میں ہونے والے حالات کا تفصیل سے جائزہ لیا ہے۔ یہ مضمون اسی سے ماخوذ ہے۔

1951ء میں ہڈالی، پنجاب میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے گورنمنٹ کالج لاہور، کنگر کالج اور انر ٹیمپل لندن سے تعلیم حاصل کی۔ انہوں نے لاہور ہائی کورٹ میں کئی برس بطور وکیل پریکٹس کی اور 1947ء میں ہندوستان کی وزارت خارجہ میں ملازمت اختیار کر لی۔ انہیں کینیڈا اور لندن میں سفارتی عہدوں پر فائز کیا گیا، بعد ازاں انہوں نے پیرس میں یونیسکو میں خدمات انجام دیں۔

انہوں نے صحافی کی حیثیت سے اپنی غیر معمولی پیشہ ورانہ زندگی کا آغاز 1951ء میں آل انڈیا ریڈیو سے کیا۔ وہ ''یوجنا'' کے بانی مدیر تھے۔ انہوں نے ''دی السٹریٹڈ ویکلی آف انڈیا''، ''نیشنل ہیرالڈ'' اور ہندوستان ٹائمز کی ادارت کی ذمہ داریاں بھی ادا کیں۔ آج وہ ہندوستان کے معروف ترین کالم نویس اور صحافی ہیں۔

خوش ونت سنگھ ایک انتہائی کامیاب ادیب بھی ہیں۔ ان کی مطبوعہ کتابوں میں کلاسیک کا درجہ حاصل کر لینے والی دو جلدوں پر مشتمل THE HISTORY OF SIKHS کے علاوہ متعدد فکشن اور نان فکشن کتابیں شامل ہیں۔ ان کے ناول ''ٹرین ٹو پاکستان'' کو 1954ء میں بہترین ناول کا گرووپریس ایوارڈ ملا۔ ان کے دیگر ناولوں کے نام درج ذیل ہیں۔

1. I SHALL NOT HERA THE NIGHTINAGLE

2. DEHLI

3. THE COMPANY OF WOMEN

Marfat.com

ان کتابوں کے علاوہ انہوں نے دہلی، فطرت (Nature) اور حالات حاضرہ کے حوالے سے متعدد کتابوں کے تراجم بھی کیے ہیں۔

خوش ونت سنگھ 1980ء سے 1986ء تک پارلیمنٹ کے رکن رہے۔ انہیں ہندوستان کے صدر نے 1974ء میں پدم بھوشن کا اعزاز عطا کیا، جسے انہوں نے 1984ء میں مرکزی حکومت کی طرف سے گولڈن ٹیمپل امرتسر کے محاصرے پر احتجاج کرتے ہوئے واپس کر دیا۔

تعارف

بھارت بربادی کا شکار ہو چکا ہے اور کوئی معجزہ ہی بچائے تو بچائے ورنہ ملک ٹوٹ جائے گا۔۔۔۔۔1990ء تک آر ایس ایس کے اراکین کی تعداد دس لاکھ سے تجاوز کر چکی تھی جن میں دوسروں کے علاوہ اٹل بہاری واجپائی، ایل کے ایڈوانی، مرلی منوہر جوشی، اوما بھارتی اور نریندر مودی بھی شامل تھے۔۔۔میں نے ایڈوانی سے کہا: تم نے اس ملک میں نفرت کے بیج بوئے جن کا نتیجہ بابری مسجد کی شہادت کی صورت میں نکلا۔۔۔ ہر ہوش مند ہندوستانی کا فرض ہے کہ وہ ہندو جنونیوں کو تاریخ کے کوڑے دان میں پھینکے''۔۔۔ہم گجرات میں 'ہار' چکے ہیں''۔

بھارت تاریک زمانے سے گزر رہا ہے۔ باپو گاندھی کی آبائی ریاست گجرات میں 2002ء کے اوائل میں ہونے والی قتل و غارت گری اور اس کے نتیجے میں نریندر مودی کی زبردست انتخابی فتح ہمارے ملک کو تباہی اور بربادی کے غار میں دھکیل دے گی۔ ہندو جنونیوں کا فاشسٹ ایجنڈا ہماری جدید تاریخ کے ہر تجربے سے مختلف ہے۔ تقسیم کے بعد میرا خیال تھا کہ ہم اس طرح کے قتل عام سے دوبارہ دوچار نہیں ہوں گے۔ مہان (عظیم) بننا تو دور کی بات ہے، بھارت بربادی کا شکار ہو چکا ہے اور کوئی معجزہ ہی بچائے تو بچائے ورنہ ملک ٹوٹ جائے گا۔ یہ پاکستان یا کوئی دوسری غیر ملکی طاقت نہیں ہوگی کہ جو ہمیں نیست و نابود کرے گی۔ بلکہ ہم خودکشی کریں گے۔

جب 1947ء میں ہندوستان نے آزادی حاصل کی تو کسی ہندوستانی نے اس خطرے کی پیش بینی نہیں کی تھی۔ ان کو تو بائیں بازو والوں کی فکر تھی۔ انہوں نے پیشگوئی کی تھی کہ کمیونسٹ چند برس کے اندر اندر ملک پر قبضہ کر لیں گے۔ تنگ نظر مارکسی پرچارک ہر اس شخص کو، جو ان کی بات پر کان دھرنے کی زحمت گوارا کرتا تھا، یہ یقین دلاتے تھے کہ ہندوستان ایک ایسا گلاسٹر اسیب ہے، جو ایک کٹی ہوئی شاخ سے لٹک رہا ہے اور ہلکی سی جنبش سے بھی ٹوٹ سکتا ہے۔ امیر اور مراعات یافتہ لوگ قلیل تعداد میں تھے جب کہ لاکھوں کروڑوں لوگ غریب، غیر مراعات یافتہ اور مجبور و مظلوم تھے۔ ان دونوں طبقات کے درمیان نابرابری اور عدم مساوات کی خلیج بہت زیادہ گہری اور وسیع ہو چکی تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ کسان اور محنت کش صدیوں پرانے جبر و استبداد کی زنجیریں توڑ ڈالیں گے اور امیر لوگوں کو سمندر کی بپھری ہوئی موجوں کے حوالے کر دیں گے۔ مستقبل میں مارکسی انقلاب برپا ہونے کے لئے کافی و شافی دلائل اور جواز موجود تھے۔ 1939ء سے 1945ء کے درمیانی عرصے کے جرم میں جیل کی سلاخوں کے پیچھے تھے

Marfat.com

اور کمیونسٹوں کو جو کہ فاشسٹوں کے خلاف برطانیہ اور اس کے اتحادیوں کی مدد کر رہے تھے، اپنی قوت میں اضافہ کرنے کی چھوٹ دے دی گئی تھی۔ انہوں نے پورے ملک میں محنت کشوں کی ٹریڈ یونینوں پر تسلط جما لیا اور کسان تنظیمیں قائم کیں، جنہوں نے زمینداروں سے اضافی زمینیں چھین لینے کا عزم اور عہد کیا ہوا تھا۔ ہر یونیورسٹی میں مارکس طلباء یونین وجود میں آ چکی تھی، ترقی پسند ادیبوں کی تنظیمیں، عوامی تھیٹر تنظیمیں کام کر رہی تھیں۔ وہ بری، بحری اور فضائی افواج میں داخل ہو چکے تھے۔ انہیں بھرپور اعتماد و یقین تھا کہ جنگ ختم ہونے اور برطانیہ کے روانہ ہونے کی دیر ہے۔ وہ ملک کی باگ ڈور سنبھال لیں گے۔

ان کے سب اندازے غلط ثابت ہوئے کیونکہ انہوں نے عوام کے مزاج کو سمجھنے میں کوتاہی کی تھی۔ جونہی جنگ ختم ہوئی اور کانگرسی رہنماؤں کو رہائی ملی، عوام نے نفرت انگیز برطانیہ سے کمیونسٹوں کے ربط و تعاون پر انہیں ملامت کرنا شروع کر دیا۔ نیتا جی سبھاش چندر بوس اور کالعدم ''ہندوستانی قومی فوج'' (INDIAN NATIONAL ARMY) کے دوسرے رہنما عوام کے نئے ہیرو بن گئے، جنہوں نے جاپان کی طرف سے برطانیہ سے جنگ لڑی تھی۔ کمیونسٹوں نے ہندوستانی عوام پر مہاتما گاندھی کی گرفت کا بھی غلط اندازہ لگایا تھا۔ مہاتما گاندھی بھگوان کو نہ ماننے والے کمیونسٹوں کے لئے کوئی ہمدردی نہیں رکھتے تھے۔ سب سے بڑھ کر ہندوستان کے پہلے وزیر اعظم نہرو نے ہندوستان کو ایک سوشلسٹ ملک بنا کر کمیونسٹوں کے غبارے سے ہوا نکال دی۔ کمیونسٹوں نے جو قوت اکٹھی کی تھی، وہ زائل ہو چکی تھی۔ ایک مرتبہ کنگسلے مارٹن نے جو کہ بائیں بازو کے ''نیو سٹیٹسمین'' اور ''نیشن'' کے مدیر اور نہرو کے دوست تھے، ہندوستان کے ایک دورے میں مجھے کہا: ''میرے عزیز دوست! آپ ہندستانی کمیونسٹوں کو سنجیدگی سے کس طرح لے سکتے ہیں؟ وہ تو کمیونسٹ دشمنوں کی کرکٹ ٹیموں کے ساتھ میچ کھیلتے ہیں''۔

اس کے ساتھ ساتھ ایک نیا خطرہ دھیرے دھیرے مگر یقینی طور پر فروغ پاتا جا رہا تھا۔ نہرو اس دور کے پہلے اور شاید واحد ہندوستانی رہنما تھے جنہیں ادراک تھا کہ کمیونزم ہندوستان جمہوریت کو چیلنج نہیں کرے گا بلکہ یہ چیلنج تو مذہبی جنونیت کے احیاء سے درپیش ہوگا۔ انہوں نے جیل میں گزرے ہوئے اپنے نو برسوں کا اچھا خاصا حصہ ہندوستانی اور عالمی تاریخ کے مطالعے میں گزارا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ ہر منظم دھرم ایک تخیلاتی عظیم الشان ماضی کی پرستش اور تبدیلی کی مخالفت کرتا ہے۔ یورپ میں سیکولر قوتوں کو چرچ کے ساتھ جنگیں لڑنا پڑیں اور اسے اپنی سرگرمیوں کا دائرہ روحانی معاملات تک محدود رکھنے پر مجبور کرنا پڑا۔ اسلامی دنیا میں ایسا نہیں ہوا۔ نتیجتاً مسلمان قومیں پس ماندہ اور بہت حد تک غیر جمہوری رہیں۔ ہندو اکثریت والے ہندوستان کا کیا بنے گا، اب وہ صدیوں میں پہلی مرتبہ حقیقتاً آزاد ہوا تھا؟ ہندوستانی جمہوریت آبگینوں کی طرح نازک تھی اور جب تک اس کی سیکولر جڑیں مضبوط نہیں ہوتیں، اس کے ٹوٹ گرنے کے خدشات بہت زیادہ تھے۔ ہندوستان میں اقلیتیں بھی موجود تھیں۔ مسلمان بارہ فیصد، عیسائی تین فیصد اور ان سے زیادہ سکھ تھے۔ مسلمان اور عیسائی پورے ملک میں بکھرے ہوئے تھے اور ان کا مسائل کھڑے کرنا یقینی نہیں تھا۔ سکھ پنجاب میں مرتکز ضرور تھے مگر ان کی تعداد قلیل تھی۔ ہندوؤں سے ان کا تعلق بہت نزدیکی تھا اسلیئے انہیں قابو کیا جا سکتا تھا۔ ہندوستان کی سیکولر جمہوریت کے لئے بڑا خطرہ ہندوؤں میں، جو کہ آبادی کا اسّی فیصد تھے۔ مذہبی بنیاد پرستی کا احیا تھا۔ جب ڈاکٹر راجندر پرشاد سومنات کے نو تعمیر شدہ مندر کا افتتاح کرنے پر راضی ہو گئے تو نہرو نے انہیں

Marfat.com

شدید احتجاجی مراسلہ بھیجا کہ ایک سیکولر ریاست کے سربراہ کو مذہبی معاملات سے کوئی سروکار نہیں رکھنا چاہئے۔ بدقسمتی سے نہرو کے بعد آنے والے رہنما ان کی طرح دیانتدار، مخلص اور سرگرم سیکولر نہیں تھے۔ یوں تو ہندو انتہا پسند گروہ تقویت پانے لگے۔ پورے ہندوستان میں نوجوانوں کے ذہنوں میں مذہبی جنونی تصورات کا زہر بھرا جانے لگا۔ انہیں مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کے خلاف لڑنے اور ان کا قتل عام کرنے کے لئے جنگی تربیت دی گئی۔ مسلح گروہ قائم ہو گئے جو معصوم اور نہتے شہریوں کو ہراساں کرتے رہتے تھے۔ تعلیمی اداروں، انتظامیہ، فوج اور صحافت میں ہندو مذہبی جنونی داخل ہونے لگے۔ ہندوستانی حکمران اپنے مفادات پورے کرنے کے چکر میں رہے اور ہندوستان ہندو جنونیت کی دلدل میں دھنستا چلا گیا۔

ہندو انتہا پسندوں نے عام ہندوؤں کے ذہنوں میں یہ احساس راسخ کر دیا کہ انہیں غیر ملکیوں نے صدیوں تک لوٹا کھسوٹا اور ان کی تذلیل کی ہے۔ مسلمان تقریباً آٹھ سو سال تک ہندوستان کے مندروں کو مسمار کرواد یا تھا، ہندوؤں کو جبراً مسلمان بنایا تھا اور غیر مسلموں کو جزیہ لگا دیا تھا۔ حالانکہ مسلمان حکمرانوں ہی پر یہ الزام نہیں لگایا جا سکتا۔ تمام قدیم اور وسطی زمانے کے معاشروں میں ایسا عموماً ہوا کرتا تھا مثال کے طور پر ہندو بادشاہوں اور راجاؤں نے بھی بدھوں اور جینوں قتل عام کروایا اور ان کی پرستش گاہوں (PLACES OF WORSHIP) کو مسمار کروا دیا۔ مغلوں کے بعد ہندوستان پر حکومت کرنے والے برطانویوں نے نہ صرف ہندوؤں اور مسلمانوں کو یکساں طور پر ظلم وستم کا نشانہ بنایا بلکہ عیسائی مشنریوں کو چھوٹ دی کہ وہ پورے ہندوستان میں سکول، کالج اور ہسپتال کھولیں، بائبل کی تعلیمات کا پرچار کریں اور لوگوں کو عیسائی بنائیں۔

برطانوی دور حکومت ہی میں ہندو قوم پرستی نے جنم لیا انتہائی طاقتور تحریک ''آریہ سماج'' سوامی دیانند سرسوتی (1883ء۔1824ء) کی رہنمائی میں شروع ہوئی۔ اس کے ''ویدوں کی طرف واپسی'' کے نعرے کو زبردست قبولیت حاصل ہوئی اور شمالی ہندوستان میں تو اس نظریئے کو بالخصوص قبولیت حاصل ہوئی۔ ''آریہ سماج'' کے ماننے والوں میں ایک پنجابی لالہ لاجپت رائے (1928ء۔1865ء) بھی تھا جو کہ ایک کٹر اور انڈین نیشنل کانگرس کا رکن تھا۔ مہاراشٹر کے بال گنگا دھر تلک (1920ء۔1856ء) کا معاملہ بھی ایسا ہی تھا۔ اس نے گن پتی کے مسلک کا احیا کیا اور ''سوراج (آزادی) ہمارا پیدائشی حق ہے'' کا نعرہ وضع کیا۔ ادھر مسلح ہندو تنظیمیں وجود میں آ چکی تھیں۔ ان میں سب سے زیادہ اہم راشٹریہ سیوک سنگھ (آر ایس ایس) تھی۔ اس کی بنیاد 1925ء میں کیشو بلی رام ہجوار (1940ء۔1889ء) نے ناگپور میں رکھی تھی۔ اس نے ایک ہندو راشٹر یعنی ہندو ریاست کے نظریئے کا پرچار کیا۔ وہ مسلمانوں کا دشمن تھا۔ وہ مہاتما گاندھی کا بھی مخالف تھا، کیونکہ مہاتما گاندھی تمام مذاہب کے مساوی حقوق کے لئے جدوجہد کرتے تھے۔ کیشو بلی رام کا جانشین ایم۔ ایس۔ گول واکر تھا، جس کا جانشین بالا صاحب دیوراس تھا۔ ان سب رہنماؤں نے، جو کہ کرشماتی لیڈر تھے اور شرمناک حد تک فرقہ پرست تھے، آر ایس ایس کو فاشسٹ پروپگنڈے کے ذریعے مضبوط کیا۔ انہوں نے آر ایس ایس میں سخت نظم وضبط قائم رکھا اور زلزلوں اور قحط جیسے المیوں اور تقسیم کے دوران ہندوؤں میں نہ صرف سماجی فلاح کے کام کئے بلکہ دوران تقسیم تو انہوں نے ہزاروں بے بس مسلمان بچوں، بوڑھوں، عورتوں اور نہتے جوانوں کو بے دردی کے ساتھ قتل کر دیا اور ان کے اثاثے لوٹ لئے۔

Marfat.com

1990ء تک آر ایس ایس کے اراکین کی تعداد دس لاکھ سے تجاوز کر چکی تھی، جن میں دوسروں کے علاوہ اٹل بہاری واجپائی، ایل کے ایڈوانی، مرلی منوہر جوشی، اوما بھارتی اور نریندر مودی بھی شامل تھے۔ اوما بھارتی، ایل کے ایڈوانی اور مری منوہر جوشی تو 6 دسمبر 1992ء کو بابری مسجد شہید کرنے کے نامزد ملزم ہیں۔ نریندر مودی نے گجرات میں مسلمانوں کا منظم قتل عام کروایا ہے آر ایس ایس مسلمانوں، عیسائیوں اور بائیں بازو والوں کی دشمن تھی اور ہے۔ جب تک وہ مرکزی دھارے کی سیاست کے کناروں پر تھی تو اسے جنونی قرار دے کر نظر انداز کیا جا سکتا تھا، تاہم اب ایسا نہیں ہو سکتا۔ آر ایس ایس کی بغل بچہ بھارتیا جن سنگھ، جو آج بھارتیہ جنتا پارٹی کہلاتی ہے، 1984ء میں لوک سبھا میں صرف دو رکن تھے لیکن 1991ء میں لوگ سبھا میں اس کے اراکین کی تعداد 117 ہو گئی۔ اپنے اتحادیوں کے ساتھ ملک پر حکومت کر رہی تھی۔

اب آر ایس ایس سے زیادہ نہیں تو اسکی جتنی عسکریت پسند کئی مزید ہندو تنظیمیں وجود میں آ چکی ہیں۔ ایسی ہی ایک تنظیم شیو سینا ہے، جس کا رہنما بال ٹھاکرے تھا۔ وی ایڈولف ہٹلر کا مداح ہے۔ اس نے ''مہاراشٹر مہاراشٹریوں کا ہے'' نامی تحریک کے ذریعے اپنی جنونیت پسندانہ سرگرمیوں کا آغاز کیا۔ مذکورہ تحریک کا مقصد بمبئی سے جنوبی ہندوستانیوں کو نکالنا تھا۔ اب اس کا مشن مسلمانوں کو ہندوستان سے نکالنا ہے۔ گزشتہ دہائی میں اس نے اپنی جڑیں پورے ملک میں پھیلا لی تھیں اور اس کے ''فوجیوں'' (SAINIKS) نے ایودھیا میں بابری مسجد کو شہید کرنے میں مرکزی کردار ادا کیا تھا۔ شاید اسی ''کارنامے'' کے انعام میں اسے مرکزی حکومت میں متعدد وزارتیں دی گئی ہیں۔ شیو سینا سے بھی زیادہ شر انگیز اور فتنہ پرور تنظیمیں، بجرنگ دل اور وشو ہندو پریشد ہیں۔ یہ تنظیمیں آج کل ہندوستان میں احتجاجی تحریک چلا رہی ہیں۔ جس کا مقصد اب شہید بابری مسجد کی جگہ رام جنم بھومی تعمیر کرنا ہے۔ انہیں حکومت یا عدلیہ کی کوئی پروا نہیں ہے کہ وہ اس معاملے میں کیا کہتی ہیں۔ یہ ان کی خاصیت ہے۔ توسیع شدہ سنگھ پریوار کے بیشتر اراکین اپنے آپ کو ملکی قانون سے بالاتر تصور کرتے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو ایک ارب ہندوستانیوں کی تقدیر کا فیصلہ کرنے والا سمجھتے ہوئے تکبر کا شکار ہیں۔

ہم ہندوستانی پیدائشی طور پر جس نسل، مذہب اور ذات سے تعلق رکھتے ہیں، ہمیشہ اس کو ہندوستانی قومیت پر ترجیح دیتے آئے ہیں۔ جب سے بی جے پی اور اس کے اتحادی اقتدار میں آئے ہیں، اس وقت سے علیحدگی کے احساس میں ایک شر انگیز جہت کا اضافہ ہو گیا ہے۔ اس بات پر یقین کرنا دشوار ہے کہ سنگھ پریوار کے گماشتے ہندوؤں کی ایک اچھی خاصی تعداد کو ملکی آبادی کا بیاسی فیصد ہیں۔ یہ باور کرانے میں کامیاب ہو گئے ہیں کہ انکے ساتھ دوسرے درجے کے شہریوں والا برتاؤ کیا جاتا رہا ہے۔ یہ احساس کمتری کس وجہ سے ہے؟ نریندر مودی، پراوین ٹوگاڈیا، اشوک سنگل اور گری راج کشور جیسے لوگ کس طرح ہندوؤں کو یہ باور کرانے میں کامیاب ہو گئے کہ ان کے ساتھ امتیاز برتا گیا ہے، جبکہ ان کے دعوے کو ثابت کرنے والے شواہد ہی موجود نہیں؟

ہندو بنیاد پرستی کا جگن ناتھ عدم رواداری کے مندر اور اس کی یاترا سے نمودار ہوا ہے۔ اس کے راستے میں جو بھی آئے گا وہ اس کے بھاری پہیوں تلے کچلا روندا جائے گا۔ ہم فخر کے ساتھ کہا کرتے تھے کہ ہندو مت تو سب مذہبوں کے ساتھ مصالحت

Marfat.com

کرنے والا دھرم ہے اور ہندوستان، جو کثیر ہندو آبادی والا ملک ہے، اقلیتوں کے ساتھ برتاؤ کے حوالے سے دنیا کی تمام قوموں میں سب سے زیادہ روادار ہے۔ سوامی ویویک آنند، سری اروبندو، جدو کرشنا مورتی، سوامی پربھوپد اور اوشو جیسے ہندو سنت اور ''رام کرشنا مشن'' کے سادھو ہندومت کا پیغام دوسرے ملکوں میں لے گئے، انہوں نے مندر تعمیر کئے اور بے شمار لوگوں کو ہندو بنایا۔ دنیا کے پہلے سب سے بڑے مذہب عیسائیت اور دوسرے سب سے بڑے مذہب اسلام کے پیروکار اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ ہندومت ایک ایسا منفرد مذہب ہے، جو اپنے پیروکاروں کو چھوٹ دیتا ہے کہ وہ ہستی کی صداقت تک مختلف طریقوں اور راستوں سے پہنچ سکتے ہیں اور ہر شخص کو حق ہے کہ وہ بھگوان کو اپنے اپنے طریقے سے پالے۔ یہ روحانی معاملات پر اجارہ داری کا دعویٰ نہیں کرتا اور ادعا پسندی اور تعصب سے خالی ہے۔ حالیہ برسوں میں اس تاثر کو شدید ٹھیس لگی ہے۔ مسلمانوں کے ساتھ امتیاز بابری مسجد کی شہادت کے ساتھ اپنی انتہا کو پہنچ گیا اور پھر گجرات میں ہندو دہشت گردوں نے مسلمانوں کا قتل عام کر کے اس تصور کو تباہ کر ڈالا کہ ہندومت ایک زیادہ روادار دھرم ہے۔ عیسائی مشنریوں کے قتل، گرجا گھروں اور اسکولوں پر حملوں اور بائبل کو نذر آتش کرنے سے عیسائیوں میں بھی ہندومت کے تاثر کو ایسا ہی نقصان پہنچا ہے۔

ہر مذہب کا بدترین دشمن وہ جنونی ہوتا ہے، جو اس کی پیروی کا جھوٹا دعویٰ کرتا ہے اور اپنے عقیدے کے ذاتی تصور کو دوسروں پر ٹھونسنے کی کوشش کرتا ہے۔ لوگ مذاہب کے بارے میں ان کے پیغمبروں کی تعلیمات یا ان کے طرز زیست سے نہیں بلکہ ان کے پیروکاروں کے عمل سے فیصلہ کرتے ہیں۔ عیسائیت کو اپنے محتسبوں کے بارے میں صفائی پیش کرنے میں بڑی مشکل اٹھانی پڑی تھی، جنہوں نے اپنے ہم مذہب عیسائیوں کے علاوہ مسلمانوں اور دیگر مذاہب کے ماننے والوں پر غیر انسانی ظلم وستم روا رکھے تھے۔ اور اب ہندومت کے بارے میں اوما بھارتی، سادھوی رتھمبرا اور پراوین ٹوگاڈیا جیسے لوگوں کی تقریروں اور دارا سنگھ، نریندر مودی اور بال ٹھاکرے جیسے لوگوں کے عمل کے پیش نظر فیصلہ کیا جائے گا۔

فاشزم ہمارے ملک میں اپنی جڑیں مضبوط کر چکا ہے۔ اس کا الزام ہم صرف خود ہی کو دے سکتے ہیں۔ ہمی نے جنونیوں کو کسی احتجاج کے بغیر اپنی انتہا پسندانہ سرگرمیاں جاری رکھنے کا موقع دیا۔ انہوں نے اپنی ناپسندیدہ کتابوں کو جلایا، انہوں نے اپنے مخالف صحافیوں کو مارا پیٹا، انہوں نے اپنی ناپسندیدہ فلمیں دکھانے والے سینماؤں کو جلایا، انہوں نے ایک ممتاز مسلمان مصور کے سٹوڈیو میں بدمعاشی کی اور ان کی تصاویر کو تباہ کر دیا، انہوں نے تاریخ کی کتابوں کو اپنے نظریات کے مطابق ڈھالنے کے لئے ان کے متن میں تحریف کی۔ ہم نے انہیں یہ سب کچھ کرنے کی چھوٹ دی، گویا ہمیں اس سے کوئی سروکار ہی نہ ہو۔ اب وہ صرف اس جرم میں لوگوں کو ذبح کر رہے ہیں کہ وہ ایک مختلف خدا کو مانتے ہیں۔ وہ اپنے سے اختلاف کرنے والے ہر شخص سے گالم گلوچ کرتے ہیں۔ ہم ان کے لئے جعلی سیکولر ہیں۔ ہم جوابی حملہ کرنے میں ناکام ہوئے ہیں، کیونکہ ہم نے اپنی قوت مجتمع نہیں کی اور اپنے ملک کو جنونیوں کے ہاتھوں میں جانے دینے کے خطرات کا ادراک نہیں کیا۔ ہم اپنی اس کوتاہی کا خمیازہ بھگت رہے ہیں۔ گیتا ہری ہرن نے اپنے ناول IN TIMES OF SIEGE میں ایک جرمن پادری ریورنڈ مارٹن نیمولر کا حوالہ دیا ہے، جسے نازیوں نے سزائے موت دے دی تھی:

Marfat.com

''جرمنی میں پہلے وہ کمیونسٹوں کے خلاف حرکت میں آئے اور میں نے آواز نہیں اٹھائی کیونکہ میں کمیونسٹ نہیں تھا۔
پھر انہوں نے یہودیوں کے خلاف اقدام کیا اور میں نے آواز نہیں اٹھائی کیونکہ میں یہودی نہیں تھا۔
پھر انہوں نے ٹریڈ یونینوں کا قلع قمع کیا اور میں نے آواز نہیں اٹھائی کیونکہ میں ٹریڈ یونسٹ نہیں تھا۔
پھر انہوں نے ہم جنس پرستوں کو نیست ونا مود کیا اور میں نے آواز نہیں اٹھائی کیونکہ میں ہم جنس پرست نہیں تھا۔
پھر انہوں نے کیتھولکوں پر ظلم وستم کیے اور میں نے آواز نہیں اٹھائی کیونکہ میں پروٹسٹنٹ نہیں تھا۔
پھر انہوں نے میرا رخ کیا۔۔۔مگر اس وقت کوئی بچا ہی نہیں تھا جو میرے لئے آواز اٹھاتا۔

میں اپنی مدافعت میں صاف ضمیر کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ جب کبھی مذہبی بنیاد پرستی اور جنونیت ابھری میں نے اس کے خلاف لازماً آواز اٹھائی۔ جب جرنیل سنگھ بھنڈرانوالہ نے ہندوؤں کے خلاف نفرت بھری تقریریں کیں تو میں نے اسکی مذمت کی۔ میں اس کی اور خالصتانیوں کی ہٹ لسٹ (Hit List) پر تھا اور مجھے پندرہ برس تک زیر حفاظت رہنا پڑا۔ کانگرس کی حقیقت سے آشنا ہونے کے بعد میں نے 1989ء میں نئی دہلی سے رکن پارلیمنٹ کے لئے ایل کے ایڈوانی کا نام دیا تھا مگر جب اس نے سومنات سے ایودھیا تک اپنی بدنام رتھ یاترا شروع کی تو میں نے اسے بھی نہیں بخشا۔ ایک مرتبہ ایک عوامی جلسے میں میرا اور اس کا سامنا ہو گیا۔ میں نے اس کے منہ پر کہا: ''تم نے اس ملک میں نفرت کے بیج بوئے، جن کا نتیجہ بابری مسجد کی شہادت کی صورت میں نکلا''۔

اب اپنے کالموں کے جواب میں مجھے ہندو بنیاد پرستوں کی طرف سے نفرت آمیز خط موصول ہو رہے ہیں۔ کوئی ہفتہ ایسا نہیں گزرتا جب مجھے کوئی ایسا خط یا پوسٹ کارڈ نہ موصول ہوتا ہو جس میں مجھے سکھ مت اور ہندوستان کے لئے لعنت نہ قرار دیا گیا ہو یا پاکستانی ایجنٹ نہ لکھا گیا ہو۔۔۔ اور ایسی ایسی گالیاں لکھی ہوتی ہیں جو کہ ناقابل اشاعت ہیں۔ مجھ پر اس گندے پانی کی بارش کا ذرا بھی اثر نہیں ہوتا۔ میں نہ تو پہلے اپنی روش سے ہٹا ہوں اور نہ آئندہ ہٹوں گا کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ میرے ملک کی طرف سے مجھ پر فرض ہے کہ میں جب تک ممکن ہو، ان کی شرکی طاقتوں کے ساتھ لڑتا رہوں۔

میں اپنے منہ میاں مٹھو نہیں بن رہا۔ میں کوئی سورما نہیں ہوں۔ میں تو بزدل سا بندہ ہوں تاہم جب میرے سامنے میرے ملک کے حقیقی دشمن ہوں تو میں اپنے خیالات کا بے خوف ہو کر اظہار ضرور کرتا ہوں۔ یہ کم سے کم ہے جو میں کر سکتا ہوں، ایک طویل عرصے سے میں مذہبی بنیاد پرستی کے لئے ایک موزوں لفظ کو تلاش کر رہا ہوں، آخر کار میں نے اسے گیتا ہری رہن کے ناول میں پالیا۔ وہ انہیں ''فنڈوز'' (FUNDOOS) کہتی ہے اور ان کی بالکل درست تعریف یوں متعین کرتی ہے:

''فنڈو ایک عرفیت ہے، جسے بینا روانی سے ادا کرتی ہے۔ ایک پالتو کے لئے، ایک پالتو دشمن کے لئے ایک عرف۔ شناسا گارڈن ورائٹی نفرت پھیلانے والا، جس سے بچنا محال ہے کیونکہ وہ تمہارے اپنے عقبی صحن میں جڑ پکڑ چکا ہے۔ فنڈو، فنڈا مینٹلسٹ۔ فاشسٹ۔ تاریکی پھیلانے والے۔ دہشت گرد۔ اور میڈ ان انڈیا برانڈ، فرقہ پرست۔ دوسری کمیونٹی سے نفرت کرنے والے پیشہ وروں کا فریب کارانہ بے ضرر نام''۔

Marfat.com

جب میں نے محسوس کیا کہ ہم ''فنڈوز'' کے خلاف جنگ ہار چکے تو شدید ذہنی کرب، غصے اور مایوسی کے عالم میں اس کتاب میں شامل مضامین کو لکھا۔ ہم گجرات میں ہار چکے ہیں، ہوسکتا ہے ہم کچھ دوسری ریاستوں میں ہار جائیں اور ''فنڈوز'' زبانی کلامی سیکولرازم کا ذکر کرتے ہوئے۔۔۔ یا تو یہ ہے کہ اس کے بغیر بھی۔۔۔ ہم پر حکومت کر سکتے ہیں۔ تاہم مجھے اب بھی امید ہے کہ ان کے خلاف ذہنی انقلاب برپا ہوگا، لوگ ان سے برگشتہ ہوں گے اور بالآخر انہیں تاریخ کے کوڑے دان میں پھینک دیا جائے گا، جہاں سے ان کا تعلق ہے، ہر ہوش مند ہندوستانی کا فرض ہے کہ وہ ہندو جنونیوں کو تاریخ کے کوڑے دان میں پھینکے۔

(بھارت کا خاتمہ، تحریر خوش ونت سنگھ فروری 2003)

گجرات کا مقدمہ

یہ امر واضح ہے کہ گودھرا میں ٹرین پر حملہ پہلے سے طے شدہ منصوبے کے مطابق ہوا تھا۔ ملزموں سے آہنی ہاتھوں سے نمٹنے کی بجائے حکومت شرانگیزوں سے مل گئی اور اس کی پولیس اور وزیر اعلیٰ بدلے اور انتقام کے جنون میں مبتلا ہو گئے۔۔۔ انتقام انتہائی شیطانی اور مؤثر تھا۔

ایسے دن بھی آتے ہیں جب میں اپنے نیتاؤں اور نام نہاد سنتوں کی تقریروں کو سنتا ہوں تو مایوسی مجھ پر اس قدر غلبہ پالیتی ہے کہ میرے اندر سے ایک چیخ ابھرتی ہے: ''جہنم میں جائیں یہ سب۔ میں ان کی بکواسیات پر مضطرب ہو کر اپنی زندگی کیوں برباد کروں''۔

جب میں ڈپریشن پر غلبہ پالیتا ہوں تو میرے اندر غصے کی ایک لہر ابھرتی ہے اور میں اپنے آپ سے کہتا ہوں: ''یہ میری مادر وطن ہے، میں عہد وسطیٰ کی ذہنیت والے ان جنونیوں کو کسی مندر کی درست جگہ بنیاد رکھنے کے لایعنی جھگڑے میں بیش قدر برس ضائع کرنے میں کامیاب نہیں ہونے دوں گا۔ میں تو کھلم کھلا چیخ چیخ کر احتجاج کروں گا''۔

اور اب ہندو جنونیوں نے گجرات میں معصوم اور نہتے مسلمانوں کا قتل عام کیا ہے۔

2002ء کے بلوؤں کے بارے میں بہت کچھ لکھا اور کہا جا چکا ہے۔ میں ایک پرانی دستاویز کا حوالہ دینا پسند کروں گا۔ جج میڈن نے 1970ء میں بھیوانڈی اور جل گاؤں میں ہونے والے فسادات کے بعد مہاراشٹر حکومت کے لئے اپنی رپورٹ کے آخر میں لکھا تھا: ''یہ نفرت اور تشدد، تعصب اور دروغ حلفی کی سرزمین پر ایک تنہا، مشقت طلب اور تھکا دینے والا سفر تھا۔ راستے میں ملنے والے لوگ شقی القلب اور انسانوں کے خون کے پیاسے تھے۔ اس سفر میں وہ سیاستدان ملے جو فرقہ ورانہ نفرت اور مذہبی جنونیت کا دھندا کرتے ہیں، ایسے مقامی رہنما ملے جو تفرقے اور تلخی کے بیج بو کر اقتدار تک رسائی پاتے ہیں، ایسے پولیس افسر اور سپاہی ملے جو اپنی وردی کی حرمت نہیں کرتے تھے، بے ضمیر تفتیش کار افسر ملے، جھوٹ اور فریب کاری پر کاربند لوگ اور قتل و خونریزی کا بیوپار کرنے والے ملے''۔

شاید وہ نریندر مودی کے گجرات کے حوالے سے لکھ رہا تھا۔ تاہم کم از کم ایس۔ بی چاون کی مہاراشٹر حکومت نے

Marfat.com

جج میڈن کی رپورٹ کواس کی تمام تجاویز وسفارشات سمیت قبول کرلیا تھا۔مودی کی حکومت نے تو قومی انسانی حقوق کمیشن کی رپورٹ کونادرست اور متعصّبانہ قرار دے کر رد کر دیا ہے۔مرکزی حکومت کا طرز عمل بھی کوئی مختلف نہیں تھا۔ارون جیتلے جیسے وزیروں نے شرمناک انداز میں مودی کے موقف کی تائید کی۔ان کے مطابق یہ جعلی سیکولر لوگوں کا محض پروپیگنڈا تھا۔

انسان کسی ایسی حکومت سے کیا توقع کرسکتا ہے جوکہ کھلم کھلا قاتلوں کی حمایت کر چکی ہو؟ یہ امر واضح ہے کہ گودھرا میں ٹرین پر حملہ پہلے سے طے شدہ منصوبے کے مطابق ہوا تھا۔ملزموں سے آہنی ہاتھوں سے نمٹنے کی بجائے حکومت شرانگیزوں سے مل گئی اوراس کی پولیس اور وزیراعلیٰ بدلے اور انتقام کے جنون میں مبتلا ہو گئے۔یہ امر بھی واضح ہے کہ انتقام انتہائی شیطانی اور موثر تھا کیونکہ اس کا منصوبہ بھی پہلے بنالیا گیا تھا۔باوثوق رپورٹیں موجود ہیں کہ گودھرا والے واقعے کے بعد چند گھنٹوں کے اندراندر گجرات کے مختلف حصوں میں مسلح گروہ سڑکوں پر نکل آئے تھے اور انکے پاس مسلمانوں کے گھروں اور املاک کی فہرستیں تھیں۔سینکڑوں مسلمانوں کوشدید زدوکوب کر کے قتل کر دیا گیا یا زندہ جلا دیا گیا،مسلمان عورتوں کی آبروریزی کی گئی،گھروں اور دکانوں کولوٹا اور جلایا گیا۔میں پہلے بھی 1947ء اور 1984ء میں اپنی آنکھوں کے سامنے یہ سب ہوتے دیکھ چکا ہوں۔پولیس قتل عام کو''تماش بینوں'' کی طرح دیکھتی رہی تھی۔یقیناً انہیں حکم دیا گیا تھا کہ وہ مداخلت نہیں کریں بلکہ لٹیروں اور قاتلوں کو بے بس مردوں،عورتوں کوایسا سبق سکھانے دیں کہ جسے وہ کبھی فراموش نہیں کرسکیں۔

گجرات میں وہ اس سے کئی قدم آگے چلے گئے۔پولیس صرف بے حرکت ہی نہیں رہی۔بلکہ جب فوج پہنچی تو پتا چلا کہ پولیس بھیجی ہی نہیں گئی تھی۔فلیگ مارچ اتنے مضحکہ خیز تھے کہ انہوں نے شرانگیزوں پر کوئی اثر نہیں ڈالا۔انہیں صرف یہ احکامات ڈراسکتے تھے کہ شرانگیزوں کو دیکھتے ہی گولی ماردی جائے مگر یہ احکامات بہت تاخیر سے جاری کیے گئے۔اس وقت تک سینکڑوں نہتے اور بے بس مسلمانوں کوموت کے گھاٹ اتارا جاچکا تھا اوران کے اثاثے لوٹ کران کی جائیدادوں کونذر آتش کیا جا چکا تھا۔جن افسروں نے اپنا فرض ادا کرنے کی کوشش کی اور دہشت گردوں کے منصوبوں میں رخنہ اندازی کی،ان کا تبادلہ کر دیا گیا۔حدتو یہ تھی کہ بلوؤں کے متاثرین کے لئے بنائے گئے کیمپوں میں بھی خوف وہراس پھیلا ہوا تھا۔

اس امر میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ وزیراعلیٰ،اس کے ساتھی وزراء اور آئی جی پولیس نے اپنے فرائض ادا کرنے میں کوتاہی کی۔فسادات ہوئے سال ہو چلا ہے مگر بے شمار مسلمان بے گھر ہیں۔جو مسلمان اپنے گھروں کولوٹ چکے ہیں،انہیں مجبور کیا گیا کہ وہ پولیس میں درج کردہ تمام شکایات واپس لے لیں۔وہ اپنے ہندو ہمسایوں کے رحم وکرم پر ہیں جنھوں نے انہیں خبردار کر دیا ہے کہ وہ اپنی ماتحت حیثیت کوکبھی فراموش مت کریں۔اگر گجرات کے مسلمانوں پر مذہبی ٹیکس لگا دیا جائے تو مجھے کوئی حیرت نہیں ہوگی۔

ستم ظریفی تو یہ ہے کہ مسلمانوں اور عیسائیوں پر تشدد کے بدترین واقعات گجرات میں ہوئے ہیں،جوکہ باپو گاندھی کی آبائی ریاست ہے۔ایسا برسوں سے ہورہا ہے۔2002ء کے فسادات سے پہلے ریاست کے قبائلی علاقوں میں عیسائی مشنریوں پر حملے ہوئے تھے۔

Marfat.com

ہر روز حملوں اور ڈرانے دھمکائے جانے کی خبریں آرہی تھیں۔ہم ایسی خبریں آئندہ بھی سنیں گے۔

1990ء کی دہائی کے اواخر سے اخبارات اس فرقہ واریت کا الزام سنگھ پریوار کے نئے فاشسٹ اراکین کو دے رہے تھے یعنی آر ایس ایس، وشو ہندو پریشد، بجرنگ دل اور شیو سینا مع بی جے پی کی حکومت کے۔اقلیتی کمیشن کی رپورٹ نے قومی اخبارات میں شائع ہونے والی خبروں کی توثیق کر دی۔جو لوگ دلچسپی رکھتے ہوں ان کے لئے تباہ شدہ گرجا گھروں، درگاہوں، مسلمانوں کے گھروں اور دوکانوں کی تصویری شہادت دستیاب ہے۔سب سے زیادہ مہمل ریاست کی حمایت سے کی جانے والی یہ کوشش ہے کہ مسلمانوں کی یادگاروں کو نیست و نابود کر دیا جائے۔میں نے پہلی مرتبہ اس کا مشاہدہ 1998ء میں کیا۔گجرات کے دارالحکومت احمد آباد کی طرف جانے والی مرکزی ہائی وے پر نصب سنگ ہائے میل MILESTONE پر سے احمد آباد کو مٹا کر ایمد اواد (AMDAVAD) لکھ دیا گیا تھا۔

گجرات ہندوتوا کی لیبارٹری کس طرح بنا؟ ایسا راتوں رات نہیں ہوا۔سنگھ اور اس کے ہمدردوں نے آزادی کے فوری بعد گجرات میں زہر پھیلانا شروع کر دیا تھا۔حد تو یہ ہے کہ کانگرس نے بھی انتخابی مفادات کے لئے احمقانہ انداز میں آر ایس ایس کی مدد کرتے ہوئے گجراتی معاشرے کو تقسیم کرنے والی تباہ کن فضا سے فائدہ اٹھایا۔1969ء میں احمد آباد میں ہونے والی فسادات گجرات میں آر ایس ایس کی پہلی کامیابی تھے۔اس کے بعد اس کی قسمت چمکنا شروع ہو گئی۔

میں 1970ء میں احمد آباد گیا، فسادات کے پانچ ماہ بعد۔میں نے وہاں سے واپس آ کر جو مضمون لکھا تھا، اس سے ایک اقتباس درج کرتا ہوں: ''میں نے خود مشتمل ایک ایک شخصی کمیشن بنایا اور تین دنوں میں جو کچھ جان سکتا تھا جانا اور میں اپنا فیصلہ اپنے قارئین کے سامنے پیش کر رہا ہوں''۔

میرا مقصد یہ دریافت کرنا نہیں تھا کہ کیا ہوا ہے۔۔۔بلکہ یہ کہ کیوں ہوا ہے؟ اور یہ کہ آج احمد آباد کے لوگ کیا سوچتے ہیں اور اگر آئندہ کوئی ایسا واقعہ دوبارہ ہوا، جس نے شہر کی نوے فیصد ہندو اور دس فیصد مسلمان آبادی کے تعلقات کشیدہ کر دیئے تو وہ کیا کریں گے؟ میں اپنی تفتیش کا آغاز جگن ناتھ مندر کے دورے سے کرتا ہوں۔۔۔۔مجھے توڑ پھوڑ کا کوئی سراغ نہیں ملا۔

تسلی کرنے کے لئے میں نے ایک پروہت سے پوچھا۔اس نے مجھے باہر دیکھنے کو کہا۔میں باہر گیا اور دیکھا۔داخلی دروازے کے اوپر کسی مہنت کی شبیہہ کو ڈھانپنے والا شیشہ تھا۔وہ شیشہ تین جگہ سے تڑخا ہوا تھا۔میں برگد کے درخت کے تلے انگ بھبھوت رمائے منتر جاپتے سادھوؤں کے پاس پہنچا اور ان سے پوچھا کہ کیا کوئی نقصان ہوا ہے۔۔۔انہوں نے ناپاک زبان میں اپنا آپ ظاہر کیا۔

میں بازار سے گزرتا ہوا اس درگاہ پر پہنچا۔کہا جاتا ہے کہ فساد یہیں سے شروع ہوا تھا۔۔۔مندر کی گایوں کے ریوڑ نے عرس کے لئے جانے والے زائرین میں بھگدڑ مچا دی تھی۔درگاہ کا دروازہ بند تھا۔اس پر کانسٹیبل پہرا دے رہے تھے۔میں نے باہر بیٹھے ہوئے نگران سے پوچھا کہ کیا یہی وہ جگہ ہے؟ اس نے مشتبہ نظروں سے مجھے دیکھا۔پولیس سب انسپکٹر نے مجھے گندی نظروں سے دیکھا۔میں پولیس والوں کو پسند نہیں کرتا پس میں وہاں سے کھسک لیا۔

Marfat.com

میں سندھی بازار چلا گیا۔ اس میں بہت سی چھوٹی چھوٹی دکانیں ہیں، جو پلائی ووڈ (PLYWOOD) اور ٹین کی چادروں سے بنائی گئی ہیں۔ قطار اندر قطار چھوٹی چھوٹی دکانوں میں کپڑے کی گانٹھیں پڑی تھیں اور رنگ۔ برنگ کی ساڑھیاں لٹکی ہوئی تھیں۔ وہ جگہ انڈین آئل کے پٹرول بردار کی طرح آگ پکڑنے والی دکھائی دیتی ہے۔ مجھے بتایا گیا کہ اس بازار کو نذر آتش کر دیا گیا تھا۔ میں اس بات پر یقین کر سکتا تھا۔ تاہم مجھے نقصان کا کوئی نشان بھی نظر نہیں آیا۔ سندھی باہمت اور مہم جو نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ انہوں نے ضرور اس کو دوبارہ تعمیر کر کے کاروبار دوبارہ کر دیا ہوگا۔ میں نے اپنے اوپر ہلہ بول دینے والے دکانداروں میں سے ایک کی دعوت قبول کر لی کہ کچھ خریداری کیجئے۔۔۔ مجھے معلومات کے لئے دھوتی خریدنا پڑی۔ مجھے نفرت سننا پڑی۔

میں نے ایک اسکوٹر کرائے پر لیا۔ میٹر پر روغن سے لکھے ہوئے 786 کے عربی اعداد سے مجھے پتا چل گیا کہ ڈرائیور کا عقیدہ کیا ہے۔ دوستانہ مکالمے کے لئے اسکوٹر بہترین ذریعہ سفر نہیں ہے۔ میں نے چلا کر ''برے دنوں'' پر تبصرہ کیا۔ ڈرائیور پیچھے مڑا: ''تم مجھے کریدنا چاہتے ہو؟ میں جانتا ہوں تم کس کے ساتھ ہو!'' اس نے زبان سے تو یہ لفظ ادا نہیں کئے تھے تاہم اس کی غمناک آنکھیں یہی کہہ رہی تھیں۔ میں نے پان والوں، چنے والوں، پھل فروشوں سے پوچھنے کی کوشش کی۔ نتیجہ وہی ہے۔ اگر وہ بولیں تو جان لو کہ وہ ہندو ہیں۔ اگر وہ چپ رہیں تو سمجھ لو کہ وہ مسلمان ہیں۔ گفتگو اور خاموشی سے معمور ہیں۔۔۔

میں خود اپنا مشن یاد دلاتا ہوں۔ یہ مردہ ماضی کو کریدنا نہیں ہے بلکہ جاری مزاج کا اندازہ لگانا اور یوں مستقبل کی پیشگوئی کرنا ہے۔ تاہم ستمبر کے گزرتے ہوئے کل ہمیشہ میرے ساتھ رہتے ہیں۔ میں صابر مفتی کے ساتھ ساتھ احمد آباد سے باہر آتا ہوں۔ میں ملبے کے ایک ڈھیر کے پاس سے گزرتا ہوں۔ ایک آدھا ٹوٹا ہوا مینار اس ملبے کی حقیقت بتا دیتا ہے۔

میں قبروں کے پاس سے گزرتا ہوں جن کے کتبے ٹوٹے ہوئے ہیں۔ میں ضبط کھو بیٹھا ہوں اور آنسو میری آنکھوں سے بہنے لگتے ہیں۔ وہ کیسے عفریت تھے جنہوں نے نہ تو عبادت گاہوں کو چھوڑا اور نہ قبروں کو؟ میں نے اپنے دورے کے اختتام پر احمد آباد کے اس وقت کے میئر کو بتایا کہ میں نے کیا دیکھا ہے اور کیا سنا ہے۔ اسنے مجھے تسلی دی: ''جو ہونا تھا وہ چکا ہے۔ آئندہ کبھی ایسا نہیں ہوگا۔'' مجھے امید تھی کہ وہ درست کہہ رہا ہے۔ تاہم مجھے پورا یقین نہیں تھا۔ بلاشبہ دوبارہ ضرور ایسا ہوا، ایک سے زیادہ مرتبہ اور فروری 2002ء میں تو انتہائی المناک انداز میں۔ میں نے تیس سال سے زیادہ مدت پہلے جن تفریقوں کو دیکھا تھا انہیں ختم نہیں ہونے دیا گیا۔ سنگھ والے لوگوں کو ایک دوسرے قریب لانے میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتے۔

گجرات میں، جو کہ ایک سرحدی ریاست ہے، انہوں نے ریاست کی دس فیصد مسلمان آبادی کو دہشت گردی کا نشانہ بنایا ہے اور بیگانہ بنا دیا ہے۔ وہ جس نقصان کا باعث بنے ہیں، تاریخ اس کا فیصلہ کرے گی، تاہم یہ تو مستقبل میں ہوگا۔ اس دوران وہ فاتح مودی جیسے اپنے گروؤں کی پیروی میں گجرات والا تجربہ پورے ہندوستان میں دہرائیں گے، تاوقتیکہ ہم انہیں نہیں روکتے۔

Marfat.com

سنگھ اور اس کے راکھشس

''اگر ہندوستان کو ایک قوم کے طور پر باقی رہنا ہے اور ترقی کرنی ہے تو اسے لازماً ایک ملک رہنا ہوگا، اپنے سیکولر تشخص کو دوبارہ اپنانا ہوگا اور فرقہ واریت کی بنیاد پر قائم پارٹیوں کو سیاسی میدان سے نکال دینا ہوگا۔۔۔۔اگر بنیاد پرستوں کا کوئی مذہب ہے تو وہ ہے نفرت''۔

تمام مذاہب میں ایسے متعصب لوگ ہوتے ہیں اور ہوتے رہیں گے جو کہ ان مذاہب کے بانیوں اور ان کی تعلیمات کی رسوائی کا باعث بنتے ہیں۔عیسائیوں میں مذہبی محتسب تھے، جنہوں نے بے گناہ مردوں اور عورتوں کو کافر قرار دے کر زندہ جلوادیا۔مسلمانوں میں ایسی اسلامی برادریاں ہیں جن کے لیڈر لوگوں کے قتل کے فتوے صادر کرتے ہیں۔سکھوں میں بھنڈرانوالہ جیسے لوگ تھے۔ جو مردوں کو اپنی داڑھیاں رنگنے سے اور عورتوں کو ساڑھیاں اور جینز پہننے سے اور ماتھوں پر بندی لگانے سے منع کرتے تھے، جو دھوتی ٹوپی والوں یعنی ہندوؤں کے بارے میں غلط باتیں کرتے تھے۔ ہندو بھی کسی سے پیچھے نہیں رہے۔ ان کے بھی اپنے جنونی ہیں جو عیسائیت اور اسلام کو پردیسی مذہب قرار دے کر ان کی مذمت کرتے ہیں اور جہاں کرۂ ارض کے سب سے زیادہ روادار دھرم کے پیروکار ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، وہاں عیسائی مشنریوں کو ہراساں اور مسلمانوں کی عبادت گاہوں کو تباہ و برباد کرتے ہیں۔شری رام کے نام پر انہوں نے ایودھیا میں بابری مسجد کو شہید کر دیا جبکہ گجرات نے مذہبی انتہاپسندی کے بدترین چہرے کی عکاسی کی ہے۔

بابری مسجد کی شہادت، گراہم سٹینز اور اس کے بچوں کے جلائے جانے اور گجرات میں وحشیانہ قتل عام جیسے واقعات مذہب اور سیاست کے متعفن امتزاج کا نتیجہ ہیں۔ میں ہمیشہ کہا کرتا ہوں کہ مذہب اور سیاست ساتھ ساتھ نہیں چل سکتے۔ انہیں ہر قیمت پر الگ الگ رکھنا ہوگا۔تاہم ہندوستانی سیاست کی ہندوائزیشن (HINDUIZATION) ہندوشاونسٹ پارٹیوں کی افراط اور مرکزی سٹیج پر بے جے پی کا پہنچ جانا، یہ سب عوامل ایک خطرناک حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہیں: مذہب کے گرد گھومنے والی سیاست یہاں موجود رہے گی اور اس کے شر میری تمہاری سوچ سے بھی زیادہ نقصان پہنچائیں گے۔

ہندو قوم پرستی نے 1886ء میں بنگالی نشاۃ ثانیہ کے دوران ہندو میلوں میں جنم لیا تھا۔ان میلوں کا اولین مقصد ہندو نوجوانوں کو عسکری فنون، لٹھ بازی، خنجر چلانے اور شمشیر زنی کی تربیت دینا تھا۔ جو لوگ ہندو نہیں ہوتے تھے، انہیں شرکت کی اجازت نہیں تھی۔ وہاں سوامی دیانند سرسوتی کی آریا سماج تحریک بھی تھی، جو شُدھی پر زور دیتی تھی۔شدھی دیانند کا مقصد تھا، جس کے تحت وہ ہندومت کے سنہری دور کو واپس لانا چاہتا تھا۔اس نے مسلمانوں اور عیسائیوں کو دوبارہ ہندو بنانے کی مہم چلائی۔ مہاراشٹر میں بال گنگا دھر تلک نے گن پتی اور شیوجی تہواروں کو بحال کیا۔ جب بھی یہ تہوار منائے جاتے ہندو مسلم فسادات چھڑ جاتے۔اسی زمانے میں بنگال میں انوسلان سمیتیاں (انتظامی تنظیمیں) تھیں، جو ریاست کی تقسیم کو روکنا چاہتی تھیں۔ان سمیتیوں میں غیر ہندوؤں (Non-Hindus) کو رکن نہیں بنایا جاتا تھا۔ ہندو سبھائیں، جو شروع میں گئور کھشا

Marfat.com

(COW PROTECTION)، ہندی کے قومی زبان کے طور پر فروغ اور حکومت خود اختیاری کے لئے بنی تھیں، باقاعدہ طور پر 1922ء میں ''ہندومہاسبھا'' میں ڈھل گئیں۔ تاہم 1936ء میں وی۔ ڈی۔ ساورکر کے ''ہندومہاسبھا'' کے صدر بن جانے کے بعد ہی ایسا ہوا کہ اس تنظیم نے ایک ممتاز ہندو نظریہ، ایک ہندو قوم کا نظریہ اپنایا۔ اس نظریئے کی بنیاد ساورکر کی کتاب ''ہندوتوا'' تھی، جو 1923ء میں شائع ہوئی۔

ساورکر کا کہنا تھا کہ ہندو وہ شخص ہے جو ہندوستان کو اپنی پتر وبھومی (FATHERLAND) اور پنیا بھومی (HOLYLAND) تسلیم کرتا ہے۔ آیا وہ مرد یا عورت سناتن دھرم سے تعلق رکھتی ہے، یہ امر غیر اہم ہے۔ ہر شخص جو ہندو ہے یا جس کے آباؤ اجداد غیر منقسم ہندوستان میں ہندو تھے اور وہ لوگ جو ہندو سے مسلمان یا عیسائی ہو گئے تھے اگر وہ ہندوستان کو اپنی پتر وبھومی اور پنیا بھومی تسلیم کرلیں تو انہیں واپس ہندومت میں قبول کرلیا جائے گا۔ تاہم بھارت ماتا کی محبت ہندو ذات پات کے نظام میں کافی نہیں۔ ایک ہندو کو ہندو سنسکرتی سے مجموعی طور پر محبت کرنا اور اس کو قبول کرنا ہوتا ہے۔ اس طرح مسلمان اور عیسائی خود کار انداز میں خارج ہو جاتے ہیں، کیونکہ جہاں ان کی اور ہندوؤں کی پتر وبھومی ایک ہی ہے، وہاں ان کی پنیا بھومی کہیں اور ہے۔ ہندوتوا میں سنسکرت اور دوسری ہندوستانی زبانوں کو پوری طرح تسلیم کیا جاتا ہے مگر اردو یا انگریزی کے لئے کوئی جگہ نہیں۔ جہاں بدھوں، جینیوں اور سکھوں کو قبول کرلیا جاتا ہے کہ ان کے مذاہب کی بنیاد ہندوستان میں ہی رکھی گئی تھی، وہاں مسلمانوں، عیسائیوں اور پارسیوں کو خارج کر دیا جاتا ہے کہ وہ ''اعدادی اقلیتیں'' ہیں۔

ساورکر پہلا شخص ہے، جس نے دوقوموں کا نظریہ پیش کیا تھا، جس میں ہندوؤں اور مسلمانوں کو دو الگ الگ قومیں قرار دیا تھا۔ دوقوموں کے اس نظریئے کو تسلیم کرنے والے دوسرے ہندو لیڈروں میں ہندومہاسبھا کا ڈاکٹر مونجی، بنارس ہندو یونیورسٹی کا بانی پنڈت مدن موہن مولویہ، لالہ لاجپت رائے، بھائی پرم آنند اور سوامی شردھا آنند شامل تھے۔ ممتاز بنگالی ادیب بنکم چندر چٹوپادھیائے نے بھی اس نظریئے کی حمایت کی۔

ہندو علیحدگی پسندی کی ندی، پاتال گنگا کے مانند برطانیہ کے مغلیہ خاندان کی حکومت ختم اور پورے ہندوستان پر اپنی حکومت قائم کرتے ہی بہنا شروع ہوگئی تھی۔ اس نے ہندوستان میں مسلمانوں کے حقیقی اور تخیلاتی ''غلط کاموں'' کی یادوں کو تازہ کرنے اور بڑھا چڑھا کر پیش کرنے سے تیزی پکڑی۔ ان ''غلط کاموں'' میں شامل تھا: ہندو راجاؤں کی میدان جنگ میں تذلیل، ہندوؤں کے مندروں کی بربادی، غیر مسلموں پر جزیہ کا نفاذ اور انہیں دوسرے درجے کے شہری سمجھنا۔ مسلمان حکمرانوں کی مزاحمت کرنے والے پرتھوی راج چوہان، گرو گوبند اور شیوا جی جیسے ہندو اور سکھ جنگجوؤں کو قومی ہیروؤں کے طور پر پیش کیا گیا۔

ایک عمومی احساس ابھارا گیا کہ ماضی میں مسلمان فاتحین نے جو غلط کام کئے تھے، انہیں درست کیا جائے۔ ہندوستانی تحریک آزادی برطانویوں کے علاوہ مسلمانوں کے خلاف بھی تعصب رکھتی تھی۔ جس وقت برطانیہ نے ہندوستان چھوڑنے کا فیصلہ کیا، اسی وقت ہندوؤں کی ایک اچھی خاصی تعداد محسوس کرتی تھی کہ انہیں اپنے آباؤ اجداد کے ورثے کا مالک ہونا چاہئے

Marfat.com

جبکہ مسلمانوں کی اکثریت محسوس کرتی تھی کہ ہندو اکثریت والے ملک میں ان کا کوئی مستقل نہیں ہوگا۔ اس کے بعد ملک کی ہندوستان اور پاکستان میں تقسیم ناگزیر تھی۔ ہندوستان خود کو ایک ہندو ریاست قرار دے سکتا تھا کیونکہ اس کی اسّی فیصد سے زیادہ آبادی ہندو تھی اور اس کے تمام ہمسایہ ملکوں نے خود کو مذہبی ریاستیں قرار دے لیا تھا، اسلامی (پاکستان) بدھ (سری لنکا اور برما) اور ہندو (نیپال)۔ تاہم گاندھی، نہرو، آزاد اور دوسرے رہنماؤں کے زیر اثر فیصلہ کیا گیا کہ ہندوستان ایک جدید سیکولر ریاست ہوگا، جہاں تمام مذاہب کو برابر کے حقوق حاصل ہوں گے۔

یہ تصور زیادہ عرصہ برقرار نہیں رہا۔ نہرو کے دور میں ثانوی اہمیت کی حامل پارٹیوں یعنی آر ایس ایس، ہندو مہاسبھا، جن سنگھ، شیو سینا اور بجرنگ دل نے قوت مجتمع کر لی اور سیکولر طاقتوں کی بڑی دشمن بن گئیں۔ ساورکر کے ہندوتوا کے تصور سے فیضان پا کر، جسے وہ اپنے عقیدے کا ایک جزو تصور کرتے تھے، انہوں نے تاریخ جھٹلایا، مسجدوں کو شہید کیا، گرجا گھروں کو جلایا اور مشنریوں پر حملے کئے اور انہوں نے منظم قتل و غارت کی۔ وہ موجودہ حکمرانوں کی پیدل فوج ہیں۔ تاہم اگر ہندوستان کو ایک قوم کے طور پر باقی رہنا ہے اور ترقی کرنی ہے تو اسے لازماً ایک ملک رہنا ہوگا، اپنے سیکولر تشخص کو دوبارہ اپنانا ہوگا اور فرقہ واریت کی بنیاد پر قائم پارٹیوں کو سیاسی میدان سے نکال دینا ہوگا۔

جو ملک اپنی مذہبی رواداری کی روایت پر فخر کرتا ہے اور دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت ہے، اسے ان طاقتوں سے نبرد آزما ہونا پڑے گا، جو ہمارے ماضی اور حال کے لئے خطرہ ہیں نیز جنہوں نے ہمارے مستقبل کے خوابوں کو برباد کر دیا ہے۔ ان طاقتوں کو بآسانی پہچانا جا سکتا ہے۔ یہ سنگھ پریوار کے جنونی حاشیہ بردار ہیں۔۔۔ شیو سینا، وی ایچ پی، بجرنگ دل اور خودکش دستوں کو جنم دینے والی نئی تنظیمیں۔ کسی بھی باوقار ریاست کو اپنی سرزمین پر نجی فوجوں کو عمل نہیں کرنے دینا چاہئے۔

سابق رکن پارلیمنٹ اور ''بی جے پی ٹوڈے'' کا سابق مدیر پرفل گورادیا آر ایس ایس کے رہنماؤں (ہیجو اور اور گول واکر سے لے کر آج تک کے رہنماؤں)، شیو سینا کے بال ٹھاکرے، وی ایچ پی، بجرنگ دل اور سنگھ پریوار کے دوسری پارٹیوں (بشمول بے جے پی) کے رہنماؤں کی طرح ساورکر کی ہندوتوا میں یقین رکھتا ہے۔ زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ وہ نہرو، گاندھی خاندان کا سرگرم مداح تھا اور راجیو گاندھی کے دور حکومت میں کانگرس کی ٹکٹ کا امیدوار بھی تھا۔ اسی گورادیا نے ایک کتاب لکھا ہے *Thus Spoke Indira Gandhi*۔ ماضی میں وہ جو کچھ تھا، اب وہ ہندوتوا کا نیا ماننے والا ہے، بی جے پی کے تھنک ٹینک کا کرن ہے اور اس نے ہندوتوا میں اپنے جذباتی یقین کا اظہار *The Saffron Book* شائع کروا کر کیا ہے۔

ہندوتوا کے دوسرے حامیوں کی طرح گورادیا بھی محمود غزنوی سے لے کر اورنگ زیب تک مسلمان حکمرانوں کے مظالم کی جھوٹی سچی کہانیاں سنا کر ہندوؤں کی موجودہ نسل میں مسلم دشمنی کو راسخ کر رہا ہے۔ وہ تسلیم کرتا ہے کہ ایسا کرنے سے ہندوؤں کا خون غصے سے کھولنے لگتا ہے۔ ہم کتنا عرصہ اپنے خون کو کھولنے دے سکتے ہیں اور قوم کی صحت پر اس کے کیا اثرات ہوں گے؟ گورادیا تسلیم کرتا ہے کہ دور حاضر کے مسلمانوں سے صدیوں پہلے ان کے آباؤ اجداد کے اعمال کی بنا پر مسلسل نفرت کرتے رہنے سے الٹ نتائج پیدا ہوں گے۔ تاہم اس کا حل سادہ اور یقین سے ماورا ہے۔ وہ لکھتا ہے: ایک سیدھا سا طریقہ یہ

Marfat.com

ہے کہ ہندوستانی مسلمان رہنماؤں کی ایک کانگرس بلائی جائے۔ انہیں اس کتاب میں بیان کردہ سات بے حرمتیوں کا ازالہ کرتے ہوئے ان مقامات کو اٹھائے جانا چاہئے کیونکہ اس طرح غلط کاریوں کا کوئی شبہ باقی نہیں رہے گا"۔

گورادیا لازماً جانتا ہوگا کہ مسلمان رہنما ان مسجدوں کو ہندوؤں کے حوالے نہیں کر سکتے جن میں صدیوں سے نمازیں ادا کی جارہی تھیں۔ بلاشبہ سنگھ پریوار کے ہندوستانی سیاست میں عروج پا جانے سے پہلے کبھی اس قسم کے مطالبے نہیں کیے گئے تھے۔ گورادیا صرف یہی نہیں کہتا کہ ہندوستانی مسلمان ماضی کی خطاؤں پر معافی مانگیں بلکہ وہ ہندوستان میں عیسائیوں کی موجودگی پر بھی ایسے تحفظات رکھتا ہے، وہ نہرو کے سیکولرازم اور سوشلزم اور بہت سی چیزوں کے بارے میں تحفظات رکھتا ہے۔ اس کی کتاب پڑھے جانے کے قابل ہے کیونکہ یہ ہمیں ہندو بنیاد پرستوں کی ذہنیت اور سوچوں سے آشنا کرواتی ہے۔

جب پراوین ٹوگاڈیا اور گری راج کشور سہ شخصی الیکشن کمیشن پر (جس کے دو رکن ہندو ہیں) تنقید کرتے ہیں تو ان کا اشارہ جے۔ ایم۔ لنگڈو کی جانب ہوتا ہے کیونکہ وہ عیسائی ہے اور وہ اسے "ہندو دشمن" قرار دیتے ہیں۔ میں ان لوگوں کو چلا کر بتانا چاہتا ہوں کہ: لنگڈو ہندو دشمن نہیں ہے۔ وہ ایک مہذب جنٹلمین ہے، فرقہ وارانہ تعصبات سے بالاتر ہے۔ یہ تو تمہارے جیسے لوگ ہیں جو ہندو دشمن ہیں کیونکہ تم نے ہندومت کو رسوا کر دیا ہے"۔

اگر بنیاد پرستوں کا کوئی مذہب ہے تو وہ ہے نفرت۔ وہ دلیل اور منطق کی بجائے جھوٹ اور گالی سے زیادہ کام لیتے ہیں۔ ان کی نجی فوجیں سیاسی ایجنڈے کے بزور قوت نفاذ اور فرقہ ورانہ فسادات میں استعمال کے لئے تیار کی گئی ہیں۔ لا اینڈ آرڈر قائم کرنا سادھوؤں اور مسلح ٹھگوں کا نہیں بلکہ عدلیہ اور پولیس کا کام ہے۔ تاہم یہ واضح طور پر بی جے پی کا اچھی حکمرانی (گڈ گورنینس) کا نظریہ نہیں ہے۔

چند سال پہلے تک میں سوچتا تھا کہ میں اپنے ملک کو اجاڑنے والے فاشزم کی بلا کو اپنے بیمار ذہن کے وہم کے طور پر نظر انداز کر سکتا ہوں۔ لیکن اب میں مزید ایسا نہیں کر سکتا۔ ہندوستانی برانڈ والا فاشزم ہمارے دروازے پر پہنچ گیا ہے۔ ہندوستان فاشزم کا مہا ڈھونڈورچی نائب وزیراعظم ایل۔ کے ایڈوانی ہے، جو ایمرجنسی کے دوران جیل میں ایڈولف ہٹلر کی MEIN KAMPF پڑھا کرتا تھا۔ بھارتیہ فاشزم پر عمل کرنے والا بدترین شخص بال ٹھاکرے ہے، جو شیو سینا کا سربراہ ہے اور جو کھلم کھلا ہٹلر کو سپرمین قرار دے کر اس کی تعریفیں کرتا ہے۔ اس کا جلاد اعظم ہے نریندر مودی، وزیراعلیٰ گجرات اور بلاشبہ دو ٹکے کے سنگل، گری راج، شکور، ٹوگاڈیا اور دوسرے مجمعے باز ہیں۔

جرمن ایک پڑھی لکھی قوم ہے لیکن اس کے باوجود وہ انتہائی منطقی قسم کے نسلی تعصب کا شکار ہو گئے تھے۔ ہم تو بہت زیادہ جاہل ہیں اور ہمارے عوام کی پست ترین جبلتوں کو انگیخت کر کے ان پر اپنی مرضی بآسانی چلائی جا سکتی ہے۔ حقائق کو مسخ کرو، اپنی نسل اور مذہب پر فخر کرو، دوسروں کی نسل اور مذہب کے خلاف تعصب برتو اور ان کی مذمت کے ٹیکے لگاؤ اور تمہیں نفرت کا ایک جادوئی گھان ہاتھ آجائے گا جسے آسانی سے کھولایا جا سکتا ہے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ کس طرح بھنڈرانوالہ نے نفرت کا پرچار کر کے سکھ عوام پر غلبہ پالیا تھا۔ آج ہم قومی سطح پر نفرت کے ویسے ہی پرچار کے عینی شاہد ہیں۔ نازیوں کا نشانہ یہودی اور جپسی

Marfat.com

تھے۔ ہمارے فاشسٹوں کا نشانہ ہماری مذہبی اقلیتیں ہیں۔ اس بات کا ثبوت اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ بی جے پی کے سربراہ ونکایاہ نائیڈو نے مسلمانوں کے خلاف مودی کی نفرت بھری تقریروں اور اس کے ساتھیوں کے مسلمانوں پر ظلم وستم کا پر جوش دفاع کیا۔ نائیڈو نے کہا کہ مودی پر مسلمانوں کے قتل عام کا الزام لگانا درست نہیں ہے جبکہ خود اسکے ہاتھ 1984ء میں بہائے جانے والے معصوم سکھوں کے خون سے رنگے ہوئے ہیں۔ واضح بات ہے کہ ان دونوں کے نزدیک اقلیتوں کی وہی حیثیت ہے جو نازیوں کے لئے ہوا کرتی تھی۔

بی جے پی اور اس جیسی دوسری ہندو انتہا پسند تنظیمیں عہد وسطیٰ کے ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے ہندو مخالف اعمال کا ڈھنڈورا پیٹ کر ہندو اکثریت کو اشتعال دلاتی ہیں۔ لیکن ہماری تو پوری تاریخ ہی اس صداقت کی آئینہ دار ہے کہ لوگ نسل اور مذہب کے نام پر تقسیم تھے اور ہر طبقہ تشدد اور تہذیب سوزی کے ذریعے دوسرے پر غالب آنے کی کوشش کرتا تھا۔ کوئی گروہ دوسرے پر الزام نہیں لگا سکتا۔ اگر مسلمانوں نے قتل وغارت کی اور تباہی وبربادی پھیلائی تھی تو غیر مسلموں (راجپوتوں، جاٹوں، مرہٹوں اور سکھوں) نے بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ ہماری تاریخ صرف ہندو مسلم جھگڑوں کی ہی تاریخ نہیں ہے۔ اگر سب نہیں تو بیشتر جھگڑوں کی ہی تاریخ نہیں ہے۔ اگر ہم مسخ حقیقت، فسانے اور مغالطہ آمیز دلائل کے اس زہریلے آمیزے سے نوجوان نسل کا برین واش (BRAINWASH) کریں گے تو ہم ہمیشہ فرقہ واریت کے حقیقی محرک رہیں گے۔ اگر ہم خود کو ایک قوم بنائے رکھنے میں ناکام رہے تو ہم خود اس ناکامی کے ذمہ دار ہوں گے۔ اور ہم خود ہندوستان کی موت کے حقیقی مجرم ہوں گے۔

فرقہ واریت کی مختصر تاریخ

''نویں اور دسویں صدی میں بدھوں کا قتل عام ہوا اور ان کی عبادت گاہوں کو مسمار کر دیا گیا۔۔۔ آزادی کے ساتھ تقسیم عمل میں آئی اور ہندوستان کی تاریخ کا بدترین فرقہ وارانہ تشدد ہوا۔۔۔ آزادی کے بعد ہونے والے تمام ہندو مسلم فسادات میں ستر فیصد جانی ومالی نقصان مسلمانوں کا ہوا''۔

یہ دو ہزار سال سے زیادہ عرصہ پہلے کی بات ہے۔ بدھ مت ہندوستان میں عروج پر تھا۔ شہنشاہ اشوک بدھ مت قبول کرنے والا سب سے زیادہ مشہور انسان تھا۔ جب برہمنی ہندومت نے شاہی خاندانوں میں دوبارہ قبولیت حاصل کی، خصوصاً نویں اور دسویں صدی میں، تو بدھوں کا قتل عام ہوا اور ان کی عبادت گاہوں کو مسمار کر دیا گیا۔ بعد ازاں بہت سے مسلمان حکمرانوں کے دور میں ہندوؤں سے امتیاز برتا گیا۔

برطانیہ ''لڑاؤ اور حکومت کرو'' کی پالیسی پیرا تھا۔ تاہم ہندوستان میں لوگوں کو تقسیم کرنا اور لڑانا کبھی مشکل نہیں رہا تھا۔ وقتاً فوقتاً ہندو مسلم [illegible] ہوتے رہتے تھے اور برطانیہ کے لئے یہ صورت حال اس وقت گوارا تھی کہ جب تک ان کی سلطنت کو کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوتا۔ عیسائی فطری طور پر برطانوی اقتدار کے دوران اپنے آپ کو زیادہ محفوظ محسوس کرتے تھے۔ تاہم اس

Marfat.com

دور میں مذہب کے نام پر حکومت نے کوئی دارو گیر نہیں کی۔ امتیاز کی بنیاد نسلی تھی۔

آزادی کے ساتھ تقسیم عمل میں آئی اور ہندوستان کی تاریخ کا بدترین فرقہ وارانہ تشدد ہوا۔ میں اس پاگل پن کا عینی شاہد ہوں اور میرا خیال تھا کہ قوم اپنے انجام کے قریب پہنچ گئی ہے۔ میں اگست 1947ء کے پہلے ہفتے میں لاہور میں تھا۔ میں اسی مہینے کے دوسرے نصف حصے میں دہلی میں تھا مجھے نہیں پتا کہ میں کس ملک سے تعلق رکھتا ہوں۔۔۔ ہندوستان سے یا پاکستان سے۔ میں ایک ایسی بستی میں پیدا ہوا تھا جو آج کے پاکستان کے قلب میں واقع تھی۔ میں اپنی باقی زندگی لاہور میں گزارنا چاہتا تھا۔ مجھے ان مسلمانوں سے ہمدردی تھی جو اپنے لئے ایک الگ ریاست کے خواہش مند تھے اور میں اسی مسلم ریاست میں زندگی بسر کرنے کے لئے اپنے آپ کو آمادہ کر چکا تھا۔ مجھے ایسا کرنے کا موقع نہیں دیا گیا۔ میرے لاہور چھوڑنے سے ایک ہفتے پہلے میرے دائیں بائیں والے ہمسایوں نے اپنی مذہبی شناخت اپنے گھروں کی دیواروں پر بڑے بڑے الفاظ اور علامات میں عیاں کر دی۔ میری بائیں طرف والی دیوار پر اردو میں لکھا تھا: پارسی کا مکان۔ دوسری دیوار پر بہت بڑی صلیب بنائی گئی تھی، جو اس امر کا اظہار تھا کہ اس گھر کے مکین عیسائی ہیں۔ انہیں یہ تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ نزدیکی علاقے مزنگ کے لوگوں نے ہندوؤں اور سکھوں کے گھروں کو لوٹنے اور ان پر زبردستی قبضہ کرنے کے لئے نشان زد کرنا شروع کر دیا تھا۔ مجھ پر روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ پاکستان میں میرے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ اس کی وجہ کوئی اور نہیں صرف یہ تھی کہ میں سکھ تھا۔

نئی سرحد کے مشرق میں کلکتہ میں ہونے والے طویل ہندو مسلم فسادات بہار میں مسلمانوں کے قتل عام کا پیش خیمہ بنے، جس کے جواب میں مشرقی بنگال میں نواکھالی میں ہندوؤں کو مارا گیا۔ ہندوؤں اور سکھوں کے قافلے تحفظ کے لئے سرحد پار جانے لگے۔ بیشتر راستے ہی میں مارے گئے۔

کچھ وقت کے لئے اپنے گھر سے محروم ہونے اور ہزاروں لوگوں کی ہلاکت اور لاکھوں کی بے گھری کا صدمہ نئی نئی حاصل ہونے والی آزادی کی خوشی نے دھیما کر دیا۔ میں 14/15 اگست 1947ء کو آدھی رات کے وقت پارلیمنٹ ہاؤس کے سامنے جمع ہو جانے والے بہت بڑے ہجوم میں شامل تھا۔ کامل سکوت میں ہم نے سچیتا کرپلانی کو وندے ماترم گاتے اور پنڈت نہرو کی تقریر سنی۔ ہم وہاں صبح طلوع ہونے تک موجود رہے۔ ''بھارت ماتا کی جے'' اور ''مہاتما گاندھی کی جے'' جیسے نعرے لگا لگا ہمارے گلے بیٹھ گئے۔

جب وہ وقت گزر گیا تو دھیرے دھیرے مجھ پر سچ عیاں ہونے لگا۔ کیا یہی وہ آزادی ہے، جس کا ہمیں اتنا انتظار تھا؟ فیض احمد فیض کی اگست 1947ء میں لکھی ہوئی نظم مجھے یاد آ رہی ہے:

یہ داغ داغ اجالا، یہ شب گزیدہ سحر — کہ انتظار تھا جس کا، یہ وہ سحر تو نہیں
یہ وہ سحر تو نہیں جس کی آرزو لے کر — چلے تھے یار کہ مل جائے کہیں نہ کہیں
فلک کے دشت میں تاروں کی آخری منزل

میں لاکھوں دوسرے پناہ گزینوں کی نسبت زیادہ خوش قسمت تھا کہ لاہور والا گھر کھو دینے کے بعد یہاں میں اپنے باپ

Marfat.com

کے گھر آ گیا تھا۔ جلد ہی مجھے وزارت خارجہ میں نوکری مل گئی۔ تاہم تقسیم کے فسادات کی یادیں مجھے دہشت زدہ کرتی رہیں۔

آزاد ہندوستان میں حالات معمول پر آنے لگے۔ میرا خیال تھا کہ ہم بدترین حالات دیکھ چکے ہیں اور مجھے امید تھی کہ ہندو مسلم فساد دوبارہ کبھی نہیں ہوں گے۔ برطانیہ نے اپنے اقتدار کے دوام کے لئے برادریوں کو جدا جدا رکھا تھا۔ اب جب کہ وہ چلے گئے ہیں تو ہم مذہبی، لسانی اور ذات پات کی تفریقوں پر حاوی آ کر ایک مشترک ہندوستانی تشخص وضع کریں گے۔ مجھے امید تھی کہ تقسیم کے وقت بہنے والے بے پناہ خون کے ساتھ ہمارے جسموں میں موجود فرقہ واریت کا زہر بھی نکل گیا ہوگا۔

افسوس! چند سال کی خاموشی کے بعد فرقہ واریت کا وائرس ملک کے مختلف حصوں میں دوبارہ نمودار ہو گیا۔ کمیشن آف انکوائری نے صریح الفاظ میں کہا کہ آزادی کے بعد ہونے والے تمام ہندو مسلم فسادات میں ہونے والا اسی فی صد جانی و مالی نقصان مسلمانوں کا ہوا۔ فرقہ وارانہ تشدد پر قابو پانے میں پولیس کی غیر جانبداری پر مجھے اکثریتی برادری کی طرف سے بہتر کارکردگی کی امید تھی۔ پولیس اپنے فرائض ادا کرنے میں ناکام رہی اور سیاستدانوں نے اس کا فائدہ اٹھایا۔

اندرا گاندھی کے وزیراعظم بننے کے بعد مذہب کا سیاست میں عمل دخل زیادہ ہونے لگا۔ مذہب اور برادری کی بنیاد پر قائم سیاسی پارٹیاں سیاسی فائدے کے لئے لوگوں کے مذہبی اور فرقہ وارانہ جذبات سے کھیلنے لگیں۔ انہیں اپنے وحشیانہ ترین خوابوں سے بھی زیادہ کامیابی حاصل ہوئی۔ ہم ایک ایسے موڑ پر آ چکے ہیں کہ جہاں ہندوستانی سیکولرازم کو ''نام نہاد'' کہنا مبالغہ آرائی نہیں ہوگی۔ برطانوی حکمرانی کے دوران فرقہ وارانہ تشدد صرف ہولی، عید الاضحیٰ اور گن پتی تہوار جیسے مواقع پر ہندو مسلم تصادمات تک ہی محدود تھا۔ فسادات صرف چند فساد زدہ شہروں ہی میں ہوتے تھے۔ آج فسادات ہندوؤں اور مسلمانوں، ہندوؤں اور سکھوں، ہندوؤں اور عیسائیوں، بڑی ذات کے ہندوؤں اور ہریجنوں، قبائلیوں اور غیر قبائلیوں، بنگالیوں اور آسامیوں، مہاراشٹریوں اور کناڈیگوں میں ہوتے ہیں۔ پورا ملک فساد زدہ بن گیا ہے۔ ہر شخص کا ہاتھ اپنے ہمسائے کے گریبان پر ہے کیونکہ وہ اپنے ہمسائے کی ہر شے حاصل کر لینا چاہتا ہے۔ اس کی زمین، اس کی ملازمت یا اس کا کاروبار نسلی، مذہبی اور لسانی اختلافات ایسا کرنے کے لئے بہانہ بن جاتے ہیں۔ تعلیم یافتہ درمیانے طبقے کے تاجر (درمیانہ بطقہ ہی بی جے پی کا حلقۂ انتخاب ہے) اور سیاستدان (شاید کمیونسٹوں کے استثنا کے ساتھ) فسادیوں کو تحریک دیتے ہیں۔ ان کا آلہ کار بنتے ہیں بے عقل لوگ اور تعلیم یافتہ بے روزگار اور جیسا کہ 2002ء میں گجرات نے ہمیں دکھا دیا، وہ محروم لوگ جنہیں جذباتی تقریروں، دلکش کذب و افترا اور نقد رقوم کی خطرناک کاک ٹیل کے ذریعے قتل و غارت گری پر آمادہ کیا جا سکتا ہے۔

صرف بی جے پی ہی نہیں

''صرف بی جے پی نے جس انتہا پسندی اور شاونیت کو عروج پر پہنچایا ہے اس کا آغاز کانگرس نے کیا تھا۔۔۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ بی جے پی کے اقتدار میں آنے کے بعد مسلمانوں کو ہمیشہ سے زیادہ ظلم و ستم کا نشانہ بنایا گیا ہے۔۔۔ انہوں نے اس امر کا اہتمام کیا کہ مسلمان بھی دلتوں کی طرح مفلس اور غیر محفوظ رہیں''۔

Marfat.com

اس امر کو یاد رکھنا ہم سب کے مفاد میں ہے کہ بی جے پی نے جس انتہا پسندی اور شاونیت کو عروج پر پہنچایا ہے اس کا آغاز کانگرس نے کیا تھا۔ گجرات سے پہلے پولیس کی دہشت گردی سے چشم پوشی کی بدترین مثال مسز گاندھی کے قتل سے اگلے دو دنوں کے دوران دیکھنے میں آئی۔ پولیس کے ایک ریٹائرڈ ڈائریکٹر جنرل این۔ ایس۔ سکسینہ نے اپنی کتاب TERRORISM: History and Facts in the World and in India میں لکھا ہے:

''دہلی، کانپور، غازی آباد وغیرہ کی پولیس کا تاثر یہ تھا کہ سکھوں کے خلاف بلوؤں کو حکومت کی منظوری حاصل ہے''۔

اس وقت کے وزیر داخلہ نے پارلیمنٹ میں تسلیم کیا کہ صرف دہلی میں 2400 سے زیادہ افراد قتل ہوئے ہیں (حقیقی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہے)۔ دہلی پولیس نے صرف 359 رپورٹیں درج کیں۔ مجسٹریسی نے بھی ایسی ہی مجرمانہ غفلت سے کام لیا اور اپنے فرائض سے کوتاہی برتی۔ ناقابل ضمانت الزامات کے ننانوے فیصد ملزموں کو ضمانت پر رہا کر دیا گیا اور انہوں نے مقتولین کے ورثا کو دہشت زدہ کیا اور اپنے خلاف گواہی نہ دینے پر مجبور کیا۔ سکسینہ نے دانش مندی کے ساتھ تبصرہ کیا:

''دہشت گردی کافی حد تک سرکاری شعبے کا کاروبار ہی ہے''۔

جس دہشت گردی پر آہنی ہاتھوں سے صرف چند گھنٹوں ہی میں قابو پایا جا سکتا تھا اسے بہتّر گھنٹے جاری رہنے کی شعوری طور پر چھوٹ دی گئی۔ اس کی مذمت کرنا تو درکنار راجیو گاندھی نے وزیر اعظم کی حیثیت سے اپنی پہلی تقریر میں کہا:

''جب کوئی بڑا درخت ٹوٹتا ہے تو زمین ہل جاتی ہے''۔

ان فسادات کے بعد ہونے والے انتخابات میں کانگرس کا طرز عمل انتہائی لائق مذمت تھا۔ کانگرس کے انتخابی پوسٹروں میں واضح طور پر سکھ دشمن تعصب سے کام لیا گیا تھا۔ اسی طرح کے ایک اشتہار کی عبارت یہ تھی: ''کیا آپ کسی ایسی ٹیکسی میں اپنے آپ کو محفوظ تصور کرتے ہیں، جسے کسی دوسری کمیونٹی کا فرد ڈرائیو کر رہا ہو؟'' خود راجیو کو اپنے حلقے امیٹھی میں پانی سکھ سالی مانیکا سے انتخابی مقابلہ کرنا پڑا۔ اس کی انتخابی مہم میں لگائے جانے والے نعروں میں سے ایک نعرہ تھا: ''بیٹی ہے سردار کی، قوم ہے غدار کی، کانگرس پارٹی نے سکھ دشمن جذبات کو بھڑکا کر زبردست کامیابی حاصل کی۔

تاہم کانگرس کی حکمرانی میں ہونے والے فرقہ وارانہ فسادات صرف 1984ء میں نہیں ہوئے تھے۔ جن جن ریاستوں میں کانگرس نے حکومت کی ہے، ان کا ریکارڈ بھی داغدار ہے۔ ہاشم پوری میں ستر سے زیادہ مسلمانوں کو گولی ماردی گئی۔ احمد آباد، بھیوانڈی اور جل گاؤں، مدھیہ پردیش کے قصبوں اور بھاگل پور میں ہونے والے مسلم کش فسادات نے کانگرس کے سیکولرازم کے دعوؤں کو جھوٹ ثابت کر دیا ہے۔

آپ کو سیاسی پارٹیوں کے ظاہری دعوؤں اور اعلیٰ آدرشوں کے حامل منشوروں سے دھوکا نہیں کھانا چاہئے۔ آپ کو ان کے اعمال و افعال کو سامنے رکھ کر فیصلہ کرنا چاہئے۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ بی جے پی کے اقتدار میں آنے کے بعد مسلمانوں کو ہمیشہ سے زیادہ ظلم و ستم کا نشانہ بنایا گیا ہے۔

تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ انہیں کانگرس کے دور اقتدار میں بھی سکھ کا سانس نہیں لینے دیا گیا۔ اندرا گاندھی اور اسکے بعد

Marfat.com

راجیو گاندھی نے مسلمانوں کو محض ووٹ بینک کے طور پر استعمال کیا۔ انہوں نے اس امر کا اہتمام کیا کہ مسلمان بھی دلتوں کی طرح مفلس اور غیر محفوظ رہیں تا کہ وہ کانگرس کو اپنی واحد نجات دہندہ تصور کرتے رہیں۔

مجھے 1970ء کے عشرے کے وسط میں علی گڑھ کا ایک دورہ یاد ہے۔ میں نے جو کچھ وہاں دیکھا، اس سے واضح ہو گیا کہ کانگرس نے پورے ہندوستان میں مسلمانوں کے ساتھ کیا کیا ہے۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں مختصر سے قیام کے بعد دہلی واپس آتے ہوئے میں نے مسلمان کاشتکاروں کی ''ترقی'' کی ایک جھلک دیکھی۔ غازی آباد سے کچھ میل دور کچھ بستیاں تھیں، جن کی ساری آبادی مسلمانوں پر مشتمل تھی۔ میں سب سے بڑی بستی میں گیا۔ اس کا نام داسنا تھا۔ اس بستی کی آبادی 2300 افراد پر مشتمل تھی۔ گھر تو کافی صاف ستھرے دکھائی دیئے تاہم گلیاں ناقابل یقین حد تک غلیظ تھیں۔ گندے پانی کی نالیوں میں انتہائی بدبودار کیچڑ بھری ہوئی تھی، جس کی وجہ سے گندا پانی گلی میں بہہ آیا تھا۔ گلیوں میں بہت کم بجلی کے بلب لگے ہوئے تھے۔

اگرچہ ہر شخص قریب قریب آباد تھا تاہم مسجد کے مینار پر ایک لاؤڈ اسپیکر نصب تھا۔ میں نے داسنا میں صرف ایک اسکول دیکھا، ایک ہائی اسکول، مجھے بتایا گیا کہ اس اسکول میں صرف تیس بچے پڑھنے آتے ہیں۔ ایک نوجوان نے، جس کا خاندان پورے علاقے کے ٹریکٹر کے مالک تین خاندانوں میں سے ایک تھا، مجھے کہا: ''وہ پڑھ کر کیا کریں گے؟ وہ مسجد میں قرآن شریف پڑھتے ہیں، بس اتنا ہی کافی ہے۔ اور ہم لڑکیوں کو پڑھانے کے قائل نہیں ہیں۔ میرے ساتھ آئے ہوئے تحصیل داروں نے بتایا کہ اس علاقے میں بہبود آبادی کی گزشتہ مہم کے دوران داسنا اور اس کے اردگرد کی تمام بستیوں کے کسی ایک مرد یا عورت نے بھی خود کو رضا کارانہ طور پر نس بندی کے لئے پیش نہیں کیا۔

کانگرس نے مسلمانوں کی سادہ لوحی، پسماندگی، مذہب پر سختی سے عمل کرنے کی عادت اور تعلیم کی کم شرح کی وجہ سے استحصال کرتے ہوئے اس کمیونٹی کو ایک دانشورانہ اور سماجی گیٹو بنا ڈالا ہے۔ مسلمانوں نے اپنے ذہنوں کو بند کر لیا ہے۔ وہ کچھوے کی طرح اپنے ہی خول میں سکڑ گئے ہیں۔ بی جے پی نے اس صورت حال کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مسلمانوں کو بے رحمی کے ساتھ غیر انسانی مظالم کا نشانہ بنایا ہے۔

تلخ حقیقت

غیر مسلموں نے ہمیشہ مسلمانوں کو متعصب، جنونی اور غدار تصور کیا ہے۔۔۔ جناح نے دوقومی نظریہ پیش کیا تو وہ غلط نہیں تھے۔ ہم اپنے مذہب کی خامیوں کو دیکھنے سے قاصر ہیں۔۔۔ جب ہم اپنے اندر کے شریر لوگوں کو دیکھ لیں گے تب ہم اپنے مستقبل کے تحفظ کی طرف پہلا قدم بڑھائیں گے۔

مسلمانوں کا رویہ صرف ایک سیاسی نہیں بلکہ قومی مسئلہ ہے۔ ہم نے 1947ء کے بعد انہیں قومی مرکزی دھارے میں لانے کی کوشش ہی نہیں کی۔ غیر مسلموں نے ہمیشہ مسلمانوں کو متعصب، جنونی اور غدار تصور کیا ہے۔ ہمیں بچپن میں پرتھوی راج چوہان، مہارانا پرتاب، گرو گربند سنگھ اور چھترپتی شیوجی کی کہانیاں سنائی گئیں۔ ہمارے سب ہیرو غیر مسلم تھے،

Marfat.com

جنہوں نے مسلمانوں سے جنگیں لڑی تھیں۔ ہماری دیو مالا میں کوئی ایک بھی مسلمان نہیں تھا۔ اکبر محض ایک نمائشی شخصیت تھا۔ ہمیں صرف یہی بتایا جاتا تھا کہ مسلمان فاتحین نے ہمارے مندر مسمار کیے، ہمارے لوگوں کو ہلاک کیا اور جزیہ وصول کیا۔ اگرچہ برطانیہ کی حکومت قائم ہونے کے بعد یہ سب ختم ہو گیا مگر ہم نے مسلمانوں پر بے اعتمادی جاری رکھی۔ چند زیادہ لبرل غیر مسلموں نے مسلمانوں سے دکھاوے کی دوستی قائم کی، تاہم ان کی موجودگی میں نہ تو ہم سکون محسوس کرتے تھے نہ کھل کر بات کرتے تھے۔ ہم نے ان سے ہمیشہ منافقت برتی۔ وہ ہندوستانی مرکزی دھاری کا حصہ نہیں تھے۔ محمد علی جناح کو دوقومی نظریہ وضع نہیں کرنا پڑا تھا، یہ تو ہر ایسے شخص کے لئے پہلے سے موجود تھا، جو آنکھیں رکھتا ہوں۔ ہم ہی تھے جنہوں نے مسلمانوں کو ایک الگ قوم بنائے رکھا۔ ہم نے ہی انہیں تہذیبی، معاشی اور سیاسی اعتبار سے ایک الگ اکائی قرار دیئے رکھا۔ چنانچہ جناح نے دوقومی نظریہ پیش کیا تو وہ غلط نہیں تھے کیونکہ ان سے پہلے ہم خود عملی طور پر مسلمانوں کو ایک الگ قوم تصور کرتے تھے۔ انگریز برادریوں کے درمیان فاصلے کو بھانپنے میں بہت تیز تھے اور ہر غیر ملکی طاقت کی طرح انہوں نے اسے اپنے مفاد میں استعمال کیا۔

ستم ظریفی تو یہ ہے کہ زعفرانی لباس میں ملبوس ان قوم پرستوں نے بھی وہی کیا جو انگریزوں نے ہم پر حکومت کرنے کے لئے کیا تھا۔ وہ مسلمانوں کو محدود رکھنے کے لئے جو کچھ ان کے اختیار میں ہے، کریں تا کہ وہ ''دوسرے'' رہیں۔ اس سے ہندو بنیاد پرست بڑی آسانی کے ساتھ ہم سے جھوٹ بول سکتے ہیں۔ وہ ہمیں بتاتے ہیں کہ ایک سے زیادہ شادیاں کرنے والے مسلمان اپنی تعداد کو اتنی خطرناک شرح سے بڑھا رہے ہیں کہ ہندو ایک اقلیت بن کر رہ جائیں گے۔ ستم تو یہ ہے کہ ہم ان کی ایسی بے پر کی باتوں پر یقین کر لیتے ہیں حالانکہ مردم شماری کے نتائج واضح طور پر بتاتے ہیں کہ ہندو آبادی میں اضافے کی شرح ہمیشہ اونچی رہی ہے۔ وہ ہمیں بتاتے ہیں کہ مسلمان حکمران اپنی ہندو رعایا کی نسل کشی کرتے تھے، حالانکہ یہ تاریخ کی مصدقہ حقیقت ہے کہ مسلمانوں نے ہندوستان میں ہندوؤں کی نسبت مسلمانوں کا لہو زیادہ بہا ہے۔ وہ ہمیں بتاتے ہیں کہ آج کے مسلمان ہندوستان کے حکمران نہ ہونے پر پچھتاوے کا شکار ہیں اور عدم رواداری اور تشدد پسند ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ آزادی کے بعد ہونے والے ہر فرقہ وارانہ تصادم میں مسلمانوں کا جانی و مالی نقصان ہندوؤں کی نسبت دس گنا زیادہ ہوا ہے۔

بی جے پی بہت سے ہندوؤں کو قائل کرنے میں کامیاب رہی ہے کہ کانگرس کے پورے دور اقتدار میں مسلمانوں کو لاڈ پیار سے رکھا گیا اور یہ کہ کانگرس ان کی حمایت کرتی تھی۔ میں پہلے ہی نشاندہی کر چکا ہوں کہ کانگرس نے مسلمانوں سے حقیقتاً کیسا لاڈ پیار کیا تھا۔ مزید ثبوت کے طور پر میں دوبارہ جج میڈن کی رپورٹ کا حوالہ دوں گا۔ جج میڈن نے مذکورہ رپورٹ بھیوانڈی میں ہونے والے فسادات کے بعد پیش کی تھی۔ اس وقت مرکز مہاراشٹر میں کانگرس کی حکومت تھی۔ ان فسادات میں ایک سو اکیس افراد ہلاک ہوئے، جن میں سو سے زیادہ مسلمان تھے، جتنی لوٹ مار ہوئی، اس کا نوے فیصد نشانہ مسلمان بنے۔ اس کے باوجود کہ مسلمان ستم رسیدہ تھے۔ ان کی بڑی تعداد کو گرفتار کر لیا گیا۔ اس کے برعکس چند ایک ہندوؤں کو ہی گرفتار کیا گیا۔ مہاراشٹر پولیس نے مسلمانوں کے خلاف تعصب کا مظاہرہ کر کے اپنی وردی کے وقار کو خاک میں ملا دیا۔ انہوں نے مسلمان قیدیوں پر بے پناہ تشدد کیا اور ان کا کھانا پانی چھین کر ہندو قیدیوں کو دے دیا۔ جج میڈن کی رپورٹ یہ بھی انکشافات کرتی ہے کہ فرقہ وارانہ

Marfat.com

فسادات سے نمٹنے کے لئے وزارت داخلہ کے جاری کردہ ایک سرکلر میں مسلمانوں کو فرقہ وارانہ تناؤ بڑھانے والے قرار دیا گیا ہے، جیسا کہ بیشتر غیر مسلم ان پر الزام لگاتے ہیں۔ مذکورہ سرکلر میں کہا گیا تھا کہ مسلمانوں کی نقل و حرکت پر کڑی نظر رکھی جائے۔

دائیں بازو کے ہندوؤں نے عیسائیوں کو بھی نشانہ بنایا ہے۔ انتہا پسند ہندو ہمیں بتاتے ہیں کہ عیسائیوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہو رہا ہے جس کی وجہ سے ہندوؤں کا عیسائی ہونا ہے۔ ستم تو یہ ہے کہ ہم میں سے بہت سے لوگ اس بات کو سچ بھی مانتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ہندوستان میں عیسائیوں کی تعداد میں کمی ہوئی ہے۔ اور انتہا پسند ہندو یہ کیوں نہیں تسلیم کرتے کہ مشنریوں نے ان کی نسبت زیادہ اچھے کام کیے ہیں۔ عیسائی مشنری صرف زبانی کلامی پرچار تک محدود نہیں رہے بلکہ انہوں نے پورے ملک میں بہترین قسم کے اسکول، کالج اور ہسپتال کھول کر اپنے عقیدے کو عمل کا روپ دیا ہے۔ ہمارے ملک میں اکثر رونما ہونے والے قدرتی المیوں میں عموماً عیسائی امدادی کارکن متاثرہ افراد کی مدد کے لئے پہنچتے ہیں۔ وہ ان بیمار افراد کی خدمت کرتے ہیں، جن کو ہمارا معاشرہ دھتکار دیتا ہے۔

الزام لگایا جا رہا ہے کہ عیسائی ادارے اس حقیقت سے حوصلہ پا کر اپنی سرگرمیاں بڑھا رہے ہیں کہ سونیا گاندھی جو اقتدار کی کشمکش میں شامل ہو چکی ہے، کیتھولک ہے۔ یہ سراسر بکواس ہے۔ راجیو سے شادی کے بعد سونیا نے اپنی تقدیر اپنے خاوند کی کمیونٹی سے منسلک کر دی تھی اور لاکھوں غیر عیسائیوں کی طرح مدر ٹیریسا (TERESA) کو خراج عقیدت ادا کرنے کے علاوہ مذہبی تنظیموں سے دور رہی۔ اس نے ہندوستان کو اپنا گھر منتخب کیا اور اپنے بچوں کی ہندو کے طور پر پرورش کی، حالانکہ اسے انہیں عیسائیوں کے طور پر پروان چڑھانے کا پورا پورا حق تھا۔

ارون شوری اور پرافل گورادیا نے اپنی کتابوں اور کالموں میں ایسے ہی جھوٹے دلائل اور من گھڑت باتیں لکھیں ہیں۔ وہ ذہین اور وسیع المطالعہ افرد ہیں اور اگر وہ مصدقہ حقائق کی بجائے ہمیں جھوٹی باتیں سناتے ہیں تو وہ ایسا ایک مقصد کے تحت کرتے ہیں۔ ان کا مقصد اکثریتی کمیونٹی میں نفرت پھیلا کر، اختلافات پر زور دے کر اور خدشات کو بڑھا کر انتخابات میں فتح حاصل کرنا ہے۔

میرے نزدیک شوری اور گورادیا کلاسیک مومیفیئٹ ہیں۔ وہ ہندوستان کو تباہ کر دیں گے۔ ہم نے اپنے تعصب کی طویل تاریخ سے ٹکراؤ نہ لے کر ایسے لوگوں کی مدد کی ہے۔ ہر ہندوستانی برادری نے خود کو دوسروں سے الگ تھلگ رکھا ہے۔ آج ہمیں اس حقیقت کو تسلیم کر لینا چاہئے۔ فرقہ وارانہ تناؤ کے ختم کرنے کا روایتی طریقہ "رام رحیم یا ایشور اللہ تیرو نام" والی سوچ ہے۔ یعنی یہ پرچار کرنا ہے کہ سب مذاہب انسانوں سے محبت کی تلقین کرتے ہیں۔ یہ سوچ اس وقت کارگر تھی جب ہمارے درمیان مہاتما گاندھی جیسے لوگ تھے کیونکہ انہوں نے اپنی شخصیت کو اس سانچے میں ڈھال لیا تھا۔ آج یہ سوچ کارگر نہیں ہے۔ سی راج گوپال اچاری کہا کرتے تھے کہ بھگوان ہمارا بہترین سپاہی POLICEMAN ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ ایک سچے مذہبی انسانوں کے اندر نفرت نہیں ہوتی۔ تاہم ایسے انسان تو اب خواب خیال ہو چکے ہیں جبکہ مذاہب کے درمیان اختلافات پر زور دے کر اپنی مذہبیت کی نمائش کرنے والے لوگ بہت زیادہ ہو چکے ہیں۔ ہم میں سے بیشتر لوگ فیصلے کے دہرے معیارات

Marfat.com

رکھتے ہیں یعنی ہم اپنے مذہب کی خامیوں کو دیکھنے سے قاصر ہیں اور دوسرے لوگوں کے عقیدوں میں مین میخ نکالنے کے بے حد شائق ہیں۔رام رحیم والی سوچ تو محض ایک دھوکہ ہے۔

جب ہم اپنے اندر کے شریر لوگوں کو دیکھ لیں گے تب ہم اپنے مستقبل کے تحفظ کیطرف پہلا قدم بڑھائیں گے۔

کیا کوئی حل ہے؟

''مذہب کے پروپیگنڈے کے لئے آل انڈیا ریڈیو اور دوردرشن کا غلط استعمال لازماً روک دیا جانا چاہئے۔اگر کوئی علاقہ ہندو اکثریت والا ہو تو وہاں پولیس میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہونی چاہئے۔فسادیوں کے خلاف مقدمے فوری سماعت والی عدالتوں میں چلائیں۔اپنے بھجن اور شبد گاؤ مگر اپنے گھروں میں یا عبادت گاہوں کے اندر''۔

جتنی ہماری تعداد بڑھتی ہے، اتنا ہی ہمارے مسائل میں اضافہ ہوتا ہے۔مجھے کامل یقین ہے کہ ہندوستان میں بڑھتی ہوئی فرقہ وارانہ کشیدگی کی وجہ ہماری آبادی میں اضافے کی خودکش شرح ہے۔ ہمارے شہروں اور چھوٹے قصبوں کی آبادی خوفناک حد تک بڑھ چکی ہے۔یہاں لاکھوں لوگ انتہائی غلیظ اور آلودہ ماحول میں رہتے ہیں۔وسائل کی قلت ہے اور ملازمتیں عنقا ہیں۔فطری سی بات ہے۔ذرا سی تحریک پر کشیدگی جنم لے لیتی ہے۔لوگ فوراً مشتعل ہو جاتے ہیں اور تشدد پر اتر آتے ہیں۔ ایسے شخص کی مخالفت کی بجائے کہ جس سے تمہیں کوئی خدشہ ہو، تمہارا اپنی کمیونٹی کے افراد کے ساتھ مل جتھہ بندی کر لینا اور ان لوگوں کے پیچھے پڑ جانا آسان ہے، جو کہ تمہاری کمیونٹی سے تعلق نہیں رکھے۔

ہر کمیونٹی کے فرقہ پرست گروہوں نے ہمیشہ اس بات کا فائدہ اٹھایا ہے۔فرق اب یہ ہے کہ ہندو فرقہ پرست گروہ ہندوؤں کو متحد کرنے کی کوششیں کر رہے ہیں۔ ہندو ملکی آبادی کا بیاسی (82) فیصد ہیں لیکن روایتی طور پر متعدد باہم دست و گریباں ذاتوں اور لسانی گروہوں میں تقسیم رہے ہیں۔انتہا پسند ہندو انہیں ایک مشترکہ دشمن کے خلاف متحد کر رہے ہیں۔ان انتہا پسندوں کے بقول یہ مشترکہ دشمن ''غیر ملکی'' ہیں۔یعنی مسلمان اور عیسائی۔ وہ کہتے ہیں کہ انہیں یا تو غلامانہ حیثیت میں رہنے پر مجبور کیا جائے یا ان کی اکثریت کو تہ تیغ کر دیا جائے یا ملک سے نکال دیا جائے۔

گجرات میں ہم نے دیکھ لیا ہے کہ سنگھ نے کس طرح غریبوں اور بے روزگاروں کے خدشات کو مستقل طور پر عدم تحفظ کے شکار اور سنی سنائی باتوں پر یقین کر لینے والے درمیانے طبقے کو اپنا شیطانی ایجنڈا پورا کرنے کے لئے استعمال کیا۔ ہندوستان میں معاشی محرومیوں کی وجہ سے تشدد کے امکانات ہمیشہ موجود رہے ہیں اور اقلیتیں ہمیشہ اس قسم کے تشدد کا نشانہ بنی ہیں۔مراد آباد میں میں ہونے والے فسادات کو دوسرے شہروں سے آنے والوں نے بھڑکایا تھا جو پیتل کے برتنوں کی صنعت پر مسلمانوں کی اجارہ داری کو توڑنا چاہتے تھے۔جل گاؤں اور بھیونڈی (مہاراشٹر) میں بھی ایسا ہی ہوا تھا کہ جہاں باہر سے آنے والوں، خصوصاً سندھی اور پنجابی ہندوؤں نے مسلمان جولاہوں کے کاروبار ہتھیانے کے لئے انہیں تباہ و برباد کر دیا۔پنجاب میں سکھ دہشت گردی پر ہریانہ کے ہندوؤں نے یوں ردعمل ظاہر کیا کہ پانی پت، کرنال اور یمنا نگر میں سکھ دکانداروں کو نشانہ بنایا گیا۔

Marfat.com

فسادزدہ حیدرآباد میں ہندو بلوائیوں نے مسلمانوں کی املاک کو نقصان پہنچایا، جس میں ایک مسلمان کی ملکیت ایسی عمارت بھی شامل تھی جس میں کھڈیوں پر کپڑا بنایا جاتا تھا۔ان تاریخی حقائق کی روشنی میں جب گجرات کے واقعات کو دیکھا جاتا ہے تو حیرت نہیں ہوتی کہ مسلمانوں کی ملکیتی دکانوں اور فیکٹریوں کو جلا دیا گیا جبکہ بستیوں میں آدی واسیوں نے مسلمان ساہوکاروں کو لوٹنے کی کھلی چھوٹ دے دی گئی۔

اس مسئلے کی سنگینی میں اضافے کرنے والا ایک اور عامل ہے تعلیم یافتہ بے روگاروں کی تعداد میں مسلسل اضافہ۔ پنجاب میں دہشت گردوں کی اکثریت تعلیم یافتہ بے روزگار نوجوانوں پر مشتمل تھی۔ کشمیر کا بھی یہی معاملہ ہے۔ گجرات میں بہت سے ہندو دہشت گرد، جنہوں نے اپنے ہم وطن ہندوستانیوں کو قتل کیا اور عورتوں کی عصمت دری کی، وہ بھی بے روزگار نوجوان تھے۔ وہ بینکوں کو لوٹ کر، امیروں سے دولت چھین کر اور دہشت پھیلا کر اپنے آپ کو طاقتور محسوس کرتے ہیں۔

منظر خوفناک ہے اور ہر گزرتے دن کے ساتھ مزید خوفناک ہو رہا ہے۔اس سلسلے میں کیا کیا جاسکتا ہے؟

پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمیں اس کے ساتھ جینا سیکھنا پڑے گا۔جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں ہم فرقہ واریت کے ختم ہونے کی دعا نہیں کر سکتے۔ہم یہ دکھاوا نہیں کر سکتے کہ فرقہ وارانہ اختلافات محض فسادات کے دوران دکھائی دیتے ہیں اور بصورت دیگر وجود نہیں رکھتے۔ وہ ہمیشہ موجود رہے ہیں اور مستقبل میں بھی رہیں گے۔لہذا ہم سب کو، ہندوؤں کو، مسلمانوں کو، عیسائیوں کو اور سکھوں کو لازماً دوسری کمیونٹیوں کے حوالے سے ایک نئے تصورات پر کسی نہ کسی حد تک لازماً غالب آنا ہوگا۔ہمیں کمیونٹی کی بنیاد پر بننے والی ہاؤسنگ سوسائٹیوں، اسکولوں اور کلبوں سے دور رہنا ہوگا۔ ہندوؤں اور سکھوں کو اس حقیقت کا ادراک ضرور کرنا ہوگا کہ ہندوستان کے مسلمانوں سے ماضی کے بعض حکمرانوں کی غلطیوں کا بدلہ لینا ناانصافی ہے کیونکہ درحقیقت وہ حکمران مذہب سے زیادہ اپنی سلطنتوں کو بچانے کے لئے فکرمند تھے۔ ہندوستان پر مسلمانوں کا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا کسی دوسری کمیونٹی کا۔اگر مسلمان غیر ملکی ہیں تو ہم سب بھی غیر ملکی ہی ہیں۔صرف آدی واسی ہی ہندوستان کے اصل باشندے ہیں، جنہیں ہم سب نے نابود کر دیا ہے۔

مذہب کے پروپیگنڈے کے لئے سرکاری ذرائع ابلاغ یعنی آل انڈیا ریڈیو اور دوردرشن کا غلط استعمال لازماً روک دیا جانا چاہئے۔اس عمل نے کمیونٹیوں کو مزید الگ تھلگ کر کے اور سائنسی ترقی کو تنزلی میں بدل کر بے پناہ نقصان پہنچایا ہے۔ میں ہندو بنیاد پرستی کے احیا کا بہت حد تک ذمہ دار ''رامائن'' اور ''مہابھارت'' جیسے سلسلہ وار ڈراموں کو ٹھہراتا ہوں۔ مذہب پر عمل کو صرف اور صرف عبادت گاہوں تک محدود کر دیا جانا چاہئے اور اسے سرکاری ذرائع ابلاغ، لاؤڈ سپیکروں، جلسے جلوسوں اور عوامی پارکوں میں اجتماعات کر کے دوسروں پر ٹھونسنا نہیں چاہئے۔

جب فرقہ وارانہ جنون ہمارے چاروں طرف ہلاکتیں پھیلا رہا ہو تو ہمیں کون سی حفاظتی اور تعزیتی تدابیر کرنی چاہئیں؟

سب سے اہم حفاظتی تدبیر تو یہ ہے کہ ہم اپنی ذہانت کو مضبوط کریں۔ یہ ایک فرسودہ جملہ (کلیشے) بن چکا ہے تاہم یہ ہے بہت اہم بات۔ ہماری ذہانت اتنی کمزور ہو چکی ہے کہ ہم وقت سے پہلے بمشکل ہی خبردار ہوتے ہیں کہ فرقہ وارانہ جنون

Marfat.com

پیدا ہو رہا ہے۔صرف کچھ لوگوں کو چھرے گھونپے جانے، چند گھروں کو جلائے جانے کے بعد ایسا ہوتا ہے کہ پولیس حرکت میں آتی ہے، جیسا کہ ہمارے اخبارات کہتے ہیں۔

ہمیں اپنی پولیس فورس کی بھی لازماً تنظیم نو کرنا ہوگی۔ہمیں صرف اس سادہ سے اصول کو تسلیم کرنا ہوگا کہ اقلیتوں کو زیادہ نمائندگی دی جانی چاہئے۔اگر کوئی علاقہ مسلمانوں کی اکثریت والا ہو تو وہاں پولیس میں ہندوؤں کی تعداد زیادہ ہونی چاہئے۔اگر کوئی علاقہ ہندو اکثریت والا ہو تو وہاں پولیس میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہونی چاہئے۔ایسا کیا جانا ضروری ہے کیونکہ اس سے اقلیتوں میں اعتماد دوبارہ ابھرے گا کہ اقلیت کے خوف ہی تمہیں ختم کرنا ہیں۔اسی امر کا بالخصوص باحتیاط اہتمام کرنا ہوگا کہ سب انسپکٹر لازماً اقلیتی برادریوں سے تعلق رکھتے ہوں کیونکہ وہ کسی خاص علاقے میں رونما ہونے والی صورت حال سے نمٹنے والے سب سے زیادہ اہم افسر ہوتے ہیں۔

جب کوئی فساد برپا ہو جائے تو اس وقت ہمیں کیا کرنا چاہئے؟

دھرم کو زندگی کے ہر شعبے میں گھسیٹا جا رہا ہے۔اسے لازماً روکنا ہوگا۔یہ پاگل پن کی طرف جانے والا راستہ ہے۔اپنے بھجن اور شبد گاؤ، جتنا بھی چاہے گاؤ، مگر اپنے گھروں میں یا اپنی عبادت گاہوں کا اندر۔یہ تمہاری روح کی نجات کے لئے ہے۔قوم کی روح کو ہمارے آئین اور قانون پر چھوڑ دو۔

ہندوستان کو ایک نئے دھرم کی ضرورت ہے

''جب ہم بھگوان کو مہربان اور مصنف کے طور پر بیان کرتے ہیں تو تضاد بیانی کر رہے ہوتے ہیں۔تم بھگوان پروشواس کیے بغیر ایک نیک انسان ہو سکتے ہو۔۔۔کام پوجا ہے پوجا کام نہیں۔۔۔تشدد گھٹیا پن کی گھناؤنی ترین صورت ہے اور ہمیں اس سے زبانی اور عملی طور پر دور رہنا ہوگا''۔

بلاشبہ ہندوستان کے مسئلے کا حل یہی ہے کہ وہ ایک نئے مذہب کو اپنا لے۔میں جانتا ہوں کہ میں ایک غیر حقیقت پسندانہ بات کر رہا ہوں تاہم میں اپنے قارئین کو اپنے اس خیال سے آگاہ ضرور کرنا چاہوں گا۔ہوسکتا ہے کہ آپ میں سے کچھ لوگ اچھے شعور کی طرف مائل ہو جائیں اور میں ''فنڈوز'' (FUNDOOS) تھوڑی بہت زک پہنچانے میں کامیاب ہو جاؤں۔برنارڈ شاہ نے ایک مرتبہ لکھا تھا کہ ہر ذہن اپنا مذہب خود بناتا ہے گو کہ اس کے ایک سو روپ (VERSION) ہوتے ہیں۔میں ساری زندگی اپنے لئے ایک مذہب تخلیق کرنے کی جدوجہد کرتا رہا ہوں۔میں اسے علامہ اقبال کے الفاظ میں پیش کرتا ہوں:

ڈھونڈتا پھرتا ہوں اے اقبالؔ اپنے آپ کو　　آپ ہی گویا مسافر آپ ہی منزل ہوں میں

کئی برس اپنے پیدائشی مذہب سکھ مت کو پڑھنے، دنیا کے دیگر بڑے مذاہب کے صحائف اور ان کے بانیوں کی زندگی کا مطالعہ اور امریکی یونیورسٹیوں میں تقابلی مذاہب (COMPARATIVE RELIGIONS) کی تدریس کے بعد

Marfat.com

میں محسوس کرتا ہوں کہ میں ان ہندوستانیوں کے لئے، کہ جو اپنی خاطر غور وفکر کرنے کی جرأت سے مالا مال ہیں، ایک نیا دھرم پیش کرنے کی اہلیت رکھتا ہوں۔ میرے اس خیال کی بنیاد یہ مفروضہ ہے کہ بیشتر لوگوں کو کسی قسم کے عقیدے کی ضرورت ہوتی ہے، کہ کسی شخص کو جذباتی تسکین وطمانت اس عقیدے سے ملتی ہے کہ جس میں وہ پیدا ہوتا ہے، کہ جس کی رسومات نے کسی شخص کی پرورش میں جوہری کردار ادا کیا ہے۔ آج جس چیز کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ پیدائشی مذہب کی بنیاد کو قبول کیا جائے اور جھاڑ جھنکاڑ کو صاف کر دیا جائے، جو اس کے ارد گرد جمع ہو گیا ہے اور عقل اور کامن سینس (COMMON SENSE) سے محاذ آرائی کرتا ہے۔ میں نئے دھرم کے تصور کو اپنے بہت باشعور ہم وطنوں کے سامنے غور وتبصرہ کرنے کے لئے پیش کرتا ہوں۔

سب سے پہلے میں پانچ موضوعات پر بات کروں گا جنہیں دھرم کے ستون تصور کیا جاتا ہے۔ پرماتما (GOD) پر ایمان، اوتاروں اور گروؤں کا احترام، دھرم پستکوں کا مقام اور استعمال، پرستش گاہوں کا تقدس اور پوجا پاٹ۔ چونکہ مجھے ان موضوعات پر جو کچھ کہنا ہے ممکن ہے، وہ بظاہر منفی انداز میں تنقیدی محسوس ہو، اس لئے میں بعض تصورات کو مثبت قبولیت کے لئے مثبت انداز میں پیش کروں گا۔

ہندومت اور سکھ مت میں بھگوان کا تصور اور نام مختلف ہیں تاہم صفات مشترک ہیں۔

بھگوان پیدا کرنے والا، بچانے والا اور تباہ کرنے والا ہے۔ وہ سب کچھ جانتا ہے اور سب کچھ کر سکتا ہے۔ وہ منصف اور مہربان ہے، تاہم وہ نافرمان لوگوں کے ساتھ سختی بھی کرتا ہے۔ جب ہم بھگوان کے تصور پر غور وفکر کرتے ہیں تو ہمیں ان سوالوں کا جواب دینا پڑتا ہے جو ایک ہزار سال سے زیادہ عرصہ پہلے آدی شنکر نے اپنے آپ سے دریافت کئے تھے: کستوم؟ کوہم کناہ آیتاہ؟ کومیں جانی؟ کومیں تتاہ؟ (میں کون ہوں؟ میں کہاں سے اور کس طرح آیا ہوں؟ میرے حقیقی ماں باپ کون ہیں؟)

بنیادی سوالات، جو کہ تقاضائے جواب کرتے ہیں، وہ یہ ہیں: ہم کہاں سے آئے ہیں؟ کیوں آئے ہیں؟ جب مرجاتے ہیں تو کہاں چلے جاتے ہیں؟

مختلف مذاہب نے ان سوالات کے مختلف جواب دیئے ہیں۔ ان جوابات کو دو گروپوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ (۱) ایسے جوابات جو یہودیت، عیسائیت اور اسلام نے دیئے ہیں۔ (۲) ایسے جواب جو ہندومت، جین مت، بدھ مت اور سکھ مت نے دیئے ہیں۔ یہودیت، عیسائیت اور اسلام کے مطابق خدا نے دنیا کو تخلیق کیا، نوع انسان اور زندگی کی تمام دوسری صورتوں کو بڑھانے کے لئے آدمؑ اور حواؑ کو بھیجا، ایک دن تمام زندگی ختم ہو جائے گی، قیامت کے دن سب انسانوں کو قبروں سے اٹھایا جائے گا اور دنیا میں ان کے اچھے برے اعمال کے حوالے سے حساب کتاب لیا جائے گا اور انہی کے مطابق جنت یا جہنم میں بھیج دیا جائے گا۔ یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں کا تصور زندگی خطی ہے: یہ آغاز، وسط اور انجام رکھتی ہے۔ جبکہ ہندو دائروی (CYCLICLE) نظریئے کے مطابق نہ کوئی آغاز ہے اور نہ انجام بلکہ پیدائش موت اور دوبارہ پیدائش کا ایک لامختتم چکر (سمسار) ہے۔ انسان کو اس کے اعمال کی سزا یا جزا دوبارہ پیدائش کے وقت حاصل ہونے والے روپ سے ملتی ہے۔ ایک مرحلے پر انسان سمسار سے آزاد ہو کر بھگوان میں مل جاتا ہے۔ (یوگ) اسے موکش یعنی نجات کہا جاتا ہے۔

Marfat.com

یہودیت، عیسائیت اور اسلام کے سادہ تصور کے مقابلے میں سمسار کا تصور پیچیدہ ہے۔ اپنی گزشتہ زندگیوں کی باتوں کو یاد رکھنے والے بچوں کی کہانیاں طفلانہ تصورات ہیں اور زیادہ تر ہندومت، سکھ اور جین مت وغیرہ کو ماننے والے گھرانوں تک محدود ہیں۔ سائنسدانوں نے مابعد النفسیات (پیرا سائیکالوجی) کے جتنے بھی معاملات کی چھان پھٹک کی سب فراڈ نکلے۔ سادہ سی صداقت یہ ہے کہ ہم نہیں جانتے ہم کہاں سے آئے ہیں، اور ہماری ہستی کا کوئی مقصد ہے بھی یا نہیں، ہم نہیں جانتے مرنے کے بعد کہاں چلے جاتے ہیں۔ شاد عظیم آبادی نے اس بات کو بڑے خوبصورت انداز میں ایک شعر میں بیان کیا ہے:

سنی حکایتِ ہستی تو درمیاں سے سُنی — نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم

والٹیئر کا کہنا ہے کہ وہ مشکل سے ہی یہ یقین کرے گا کہ ایک گھڑی ہو اور اس کو بنانے والا گھڑی ساز نہیں ہو۔ پھر وہ کہتا ہے: "اگر کوئی خدا نہیں ہے تو اسے ایجاد کرنا ضروری ہے"۔ خدا کی تلاش لا حاصل کی جستجو ہے۔ جو برٹ نے پوچھا تھا: "کیا میں یہ کہہ سکتا ہوں؟ خدا کو با آسانی جانا جا سکتا ہو بشرطیکہ اس کی تعریف متعین کرنا ضروری نہ ہو"۔ میں ایک مرتبہ پھر ایک اردو نظم سے اقتباس دیتا ہوں:

کوئی ملنے کو تیرا نشاں بھی ہے؟ — کوئی رہنے کو تیرا مکان بھی ہے؟
تیرا چرچا جہاں کی زبانوں پہ ہے — تیرا شہرہ زمانے کے کانوں میں ہے
مگر آنکھوں سے دیکھا تو پردہ نشیں — کہیں تو نہ ملا، تیرا گھر نہ ملا

ایک اردو شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

تو دل میں تو آتا ہے، سمجھ میں نہیں آتا — بس جان گیا کہ تیری پہچان یہی ہے

زمین پر زندگی کے آغاز کے حوالے سے ڈارون کے نظریئے کو مان لینا بہتر ہے۔ کم از کم یہ ہمیں امیبا تک تو لے جاتا ہے۔ نہ تو سائنسدان یہ جاننے کے اہل ہیں کہ امیبا کو کس نے تخلیق کیا تھا، کون سورج، چاند اور ستاروں کو وجود میں لایا تھا۔ نہ ہی سائنس دان اور ماہرین روحانیت اب تک اس قابل ہو سکے ہیں کہ موت کے اسرار سے پردہ اٹھا سکیں۔ ان حالات میں کوئی ذہن انسانی اس سوال کا "کیا بھگوان ہے"؟ یہی دیانتدارانہ جواب دے سکتا ہے کہ "میں نہیں جانتا"۔

یاد رکھنے والی اہم بات یہ ہے کہ بھگوان پر وشواس کا اچھے یا برے ہونے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ تم بھگوان پر وشواس کیے بغیر ایک نیک انسان ہو سکتے ہو اور اس پر وشواس رکھتے ہوئے بھی ایک لائق نفرت ولن ہو سکتے ہو۔

ہر مذہب میں خدا سے زیادہ اس مذہب کے بانی کا احترام کیا جاتا ہے، اسکی سادہ سی وجہ یہ ہے کہ لوگ اپنے اوتاروں اور گروؤں کے بارے میں بھگوان کی نسبت قدرے زیادہ جانتے ہیں۔ وہ ماورائے انسانی (SUPERHUMAN) قوتوں کے حامل انسان ہوتے ہیں، جن کے ذریعے وہ ان گنت لوگوں کو متاثر کرتے ہیں۔ فطری سی بات ہے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کے پیروکاران کے بارے میں بہت سی ایسی کہانیاں بنا لیتے ہیں کہ وہ انسان سے کچھ سوا دکھائی دینے لگتے ہیں۔

جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہے تو ہم نے پانے اوتاروں کو بھگوان کی تجسیم، اس کے منتخب شدہ انسان اور اس تک

Marfat.com

براہ راست رسائی رکھنے والے قرار دے دیا ہے۔ حقیقت معاملہ تو یہ ہے کہ ہمیں ان کے بارے میں کوئی ٹھوس اور مصدقہ معلومات مشکل ہی سے حاصل ہوں گی کہ وہ کس طرح کے انسان تھے۔ انہیں لا انسانی بناتے ہوئے (DEHMANIZING) ہم نے انہیں سراسر نیک اور انسانی خطاء سے ماورا قرار دے کران کے ساتھ ناانصافی کی ہے۔ ہم اس عمل کی ایک مثال مہاتما گاندھی کے اس تصور میں ملاحظہ کر سکتے ہیں جو ہندوستانیوں نے ان کے بارے میں وضع کر رکھا ہے۔ بلاشبہ وہ دنیا کے ایک عظیم ترین انسان تھے، تاہم وہ انسان کمزوریوں کے بھی حامل تھے۔ ان کے چار بیٹوں میں سے کوئی بھی ان پر نہیں گیا بلکہ ایک نے توان پر تھوکتے ہوئے اسلام قبول کرلیا۔ وہ خود پسند تھے اور اپنے خلاف ہلکا سا تبصرہ سن کر طیش میں آجاتے تھے اور وہ ایسے خبطی تھے کہ نوجوان لڑکیوں کو ننگا اپنے قریب بٹھا کر اس امر کو یقینی بناتے تھے کہ وہ اپنی شہوانی خواہشات پر غالب آچکے ہیں۔ ان تمام خامیوں نے انہیں ایک عام سا انسان بنا دیا۔ نیز وہ اتنے بلند بھی ہو گئے کہ انسانیت کے لئے ایک مثال بن گئے،، لیکن ہم نے انہیں پوجا استھان میں اونچائی پر رکھ کرانہیں ان کی انسانی حیثیت اور رتبے سے محروم کر دیا۔ یہی وقت ہے کہ ہم اپنے اوتاروں کو ایسی تاریخی شخصیات کی حیثیت سے ان کا موزوں مقام دیں جنہوں نے انسانیت کی بھلائی کے لئے کام کیا تھا۔ اس کے سوا کچھ نہیں۔

تاہم پوتر پستکوں کے حوالے سے یہ میرا ذاتی خیال ہے اور میں جن جن سے ملا ہوں کوئی اس سے اتفاق نہیں کرتا۔ بیشتر لوگ روحانی انکشافات سے گہرا اثر قبول کئے ہوئے ہیں۔ لہذا میں انہیں یہ بتانے والا کون ہوں کہ ان کا ردعمل مسلسل تلقین کا پیدا کردہ ہے؟ تاہم وہ اس وقت مجھے غلط قرار نہیں دے سکتے جب میں یہ کہتا ہوں کہ ان پستکوں کی قدر و قیمت خواہ کچھ ہی ہو مگر ان کا مطالعہ کیا جانا چاہئے اور انہیں سمجھا جانا چاہئے، تاہم ان کی پوجا نہیں کرنی چاہئے۔ اس تناظر میں سب سے زیادہ مشکل امر یہ ہے کہ بتوں کی پوجا نہ کرنے والے سکھوں کے اپنی دھرم پستک کے ساتھ برتاؤ کی توضیح کی جائے۔ وہ اپنی دھرم پستک کو سوتے میں بستر پر ساتھ رکھتے ہیں، صبح جاگتے ہیں تو اسے پڑھتے ہیں، اس کے اوپر عالیشان چھتر تانتے ہیں، اس کے مطالعے کے دوران مورچھل جھلتے ہین۔ اس کے لئے بڑے بڑے جلوس نکالتے ہیں۔ وہ اس کے مسلسل (NONSTOP) پڑھے جانے (اکھنڈ پاٹھ) کا اہتمام کرتے ہیں، جس میں بہت سے لوگ دو دن اور رات اسے پڑھتے چلے جاتے ہیں (انہیں اکثر مختلف مقاصد کے لئے مختلف شرح معاوضہ پر لایا جاتا ہے) اور انہیں یقین ہوتا ہے کہ ان کے دوسرے کمرے میں مزے سے سوئے ہونے کے باوجود اس کے پڑھے جانے سے انہیں فائدہ ہوگیا۔ میں اکثر سوچتا ہوں کہ جن گروؤں کی تحریریں گرنتھ صاحب کے روپ میں اکٹھی کی گئی ہیں اپنے پیروکاروں کے بارے میں کیا کہتے ہوں گے، جن سے بہت کم ان کے پیغام کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

میرا ایمان ہے کہ پوجا کا سب سے جائز استھان گھر ہے۔ تاہم ایسے مذاہب ہیں جو مخصوص عبادت گاہوں میں عبادت کرنے کی تاکید کرتے ہیں۔ سکھوں کے ٹیمپل اور گورودوارے ہیں جن کے بغیر کیرتن اور کتھا اپنا اثر کھو دیں گے۔ ایک ایسے ملک میں کہ جہاں کلبوں، شراب خانوں اور پکچر ہاؤسز جیسی جگہیں کم ہیں، پوجا استھان آزادانہ و بے ضرر تفریح اور ایک سی

Marfat.com

سوچ رکھنے والے افراد کی رفاقت مہیا کرتے ہیں۔

تاہم حالیہ برسوں میں پوجا استھان لڑائی کے میدان بن گئے ہیں اور انہیں دوسرے مذاہب کے خلاف پروپیگنڈے کے لئے استعمال کیا جارہا ہے۔ گولڈن ٹیمپل، بالخصوص اکال تخت، بندوق برداروں کے کنٹرول میں رہا۔ جو اپنے گروؤں کی طرح محبت کا پیغام پھیلانے کی بجائے نفرت کا پرچار کرتے تھے اور رام جنم بھومی، بابری مسجد تنازعے میں بے شمار جانیں ضائع ہو چکی ہیں۔ حکومت کو ایسی پالیسی بنانی چاہئے جس کے تحت مزید پوجا استھانوں کا تعمیر کیا جانا ممنوع قرار دے دیا جائے۔ ہمارے پاس پہلے ہی بہت زیادہ پوجا استھان موجود ہیں۔ حکومت کو عوامی پارکوں یا کھلی جگہوں میں مذہبی اجتماعات کی اجازت بالکل نہیں دینی چاہئے اور اگر کوئی پوجا استھان جھگڑے فساد کا باعث بن رہا ہو یا اسے ناپسندیدہ عناصر غلط استعمال کر رہے ہوں تو اس کو حکومت فوراً اپنے قبضے میں لے لے۔

ایک پنجابی صوفی شاعر نے اس موضوع پر میرے احساسات کی ترجمانی کرتے ہوئے کیا خوب کہا تھا:

مسجد ڈھادے، مندر ڈھادے، ڈھادے جو کجھ ڈھیندا

اک کسے دا دل نہ ڈھاویں، رب دلاں وچ رہندا

اس بات سے کسی کو اختلاف نہیں ہو سکتا کہ ہم ہندوستانی دنیا کے تمام دوسرے لوگوں کی نسبت مذہبی رسومات میں زیادہ وقت صرف کرتے ہیں۔ ہندو ضرب المثل ''سات وار آٹھ تہوار'' مبالغہ آرائی نہیں ہے۔ ہم ایک سال میں جتنی مذہبی چھٹیاں کرتے ہیں ذرا انہیں شمار تو کیجئے۔ پھر ان میں ان گھنٹوں کو جمع کیجئے جو لوگ پوجا استھانوں میں، یاتراؤں پر، ست سنگوں میں شریک ہو کر، پروچنوں، کیرتنوں، بھجنوں وغیرہ کو سننے میں ضائع کرتے ہیں۔ حاصل جمع ہوشربا نکلے گا۔ خود سے پوچھئے کہ کیا ہندوستان جیسا کوئی ترقی پذیر ملک مادی فائدے نہ پہنچانے والے کاموں میں اتنا زیادہ وقت ضائع کرنے کا متحمل ہو سکتا ہے۔ خود سے یہ بھی پوچھئے کہ کیا کوئی شخص مالا پھیر کر بہتر انسان بن سکتا ہے؟ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ ڈاکو بھی لوٹ مار نکلنے سے پہلے اپنی کامیابی کے لئے پراتھنا کرتے ہیں؟ اور یہ کہ بدترین چور بازاری کرنے والے اور ٹیکس چرانے والے اکثر و بیشتر پوجا پاٹھ میں سرگرمی سے حصہ لیتے ہیں؟

میں اس بات سے اتفاق کرتا ہوں کہ ہر عورت اور مرد اپنے وقت کو اپنی مرضی سے استعمال کرنے کا پورا پورا حق رکھتا ہے۔ اگر انہیں پوجا پاٹھ سے تسکین و طمانیت ملتی ہے تو انہیں ایسا کرنے کا پورا حق حاصل ہے۔ تاہم مذہبی لوگوں کو اس بات کا کوئی حق نہیں ہے کہ دوسرے لوگوں پر اپنے مذہب کو تھوپیں کیرتن اور بھجن منڈلیوں کے لئے لاؤڈ اسپیکر کا استعمال دوسروں پر اپنے مذہب کو تھوپنے کے مترادف ہے۔ سب سے زیادہ غیر ہوش مندانہ مثال شب بھر کا جاگرن ہے، جو پورے علاقے کے خوابیدہ لوگوں کو بے آرام رکھتا ہے۔ ریڈیو اور ٹی وی جیسے سرکاری ذرائع ابلاغ سے مذہبی تہواروں اور مذہبی گیتوں کو نشر کرنے سے مذہب کی ترویج ہوتی ہے لہٰذا اس سلسلے کو ختم کر دینا چاہئے۔ بارونق بازاروں میں جلوس لے کر گزرنا اور شہری زندگی کو درہم برہم کر دینا بھی دوسروں پر اپنے مذہب کو تھوپنے کے برابر لہٰذا اس کی بھی حوصلہ شکنی کی جانی چاہئے۔

Marfat.com

اس تناظر میں عدم تشدد منفی نہیں ہے بلکہ ایک مثبت تصور ہے، جو نیک اندیشی کے فروغ اور تحفظ حیات کے لئے ضروری ہے۔ تشدد گھٹیاپن کی گھناؤنی ترین صورت ہے اور ہمیں اس سے زبانی اور عملی طور پر دور رہنا ہوگا۔

ہمارے دھرم کو مستقبل کے لئے بہتر عمل کرنا چاہئے۔ اسے بہبود آبادی کرنی چاہئے۔ دو بچوں کی پیدائش کے بعد والدین کو نس بندی کروا دینی چاہئے۔ ہمیں کوئی حق نہیں ہے کہ ایک ایسے ملک پر آبادی کا بوجھ بڑھائیں جو پہلے ہی انتہائی گنجان آباد ملک ہے۔ اسی طرح درختوں کی کٹائی، جھیلوں، دریاؤں اور سمندروں کو آلودہ کرنے کو غیر مذہبی اعمال تصور کیا جانا چاہئے۔ زمین کو تو ویسے بھی اعادۂ شباب کی انتہائی ضرورت ہے۔ ہم جنگلات کو کاٹ کر زمین کو برہنی اور شکستہ کر رہے ہیں اور کیمیائی کھادیں استعمال کر کے اس کی زرخیزی کو برباد کر رہے ہیں اور کیڑے مار ادویات استعمال کر رہے ہیں۔ جن انسان مر جائیں تو انہیں زمین کو ہی لوٹا دیا جانا چاہئے کہ بیشتر مذاہب کے مطابق وہ زمین ہی سے تخلیق کئے گئے تھے۔ تعمیراتی استعمال کے لئے لکڑی کے حصول کی خاطر جنگلوں کی کٹائی کو فی الفور روک دیا جانا چاہئے۔ جہاں گیس اور الیکٹرک چتا سوز نہیں ہیں وہاں لاشوں کی تدفین کی جانی چاہئے۔ زمین کو غیر پیداواری بنا دینے والی مستقل قبروں میں نہیں بلکہ اس مقصد کے مخصوص کھلی جگہوں میں۔ اور ہر تیسرے سال اس زمین پر ہل چلا دیئے جانے چاہئیں اور اسے دوبارہ زراعت کے لئے استعمال کیا جانا چاہئے۔

میں اپنے عقیدے کو اس پیش پا افتادہ جملے میں سمونا چاہوں گا: اچھی زندگی واحد دھرم ہے۔ انگرسول نے اس بات کو زیادہ موزوں الفاظ میں کہا ہے: ''خوشی واحد نیکی ہے، خوش ہونے کی جگہ یہی ہے، خوش ہونے کا وقت یہی ہے، خوش ہونے کا طریقہ دوسروں کی مدد کرنا ہے۔'' ایلا ویلر لاکس نے اسی خیال کو سادہ لفظوں میں یوں بیان کیا ہے: ''اتنے بہت سے دیوتا، اتنے بہت سے عقیدے، اتنے بہت سے راستے کہ سر گھوم کر رہ جاتا ہے۔ جبکہ صرف مہربانی برتنے کا فن ہی وہ سب ہے کہ جس کی اس دنیا کو ضرورت ہے''۔ (بھارت کا خاتمہ)

پاکستان کے خاتمہ کی صیہونی منصوبہ بندی

بابائے قوم نے پاکستان کے مستقبل کے بارے میں فرمایا تھا کہ: ''ہمیں پاکستان اور اسلام کی آبرو بچانے کے لئے بہادری سے سامنا کرنا چاہئے۔ مسلمانوں کیلئے ایک اعلیٰ مقصد کیلئے شہادت کی موت سے بڑی کوئی راہ نجات نہیں۔ اپنا فرض بجالائیں اور اللہ پر ایمان رکھیں صفحہ زمین پر کوئی طاقت ایسی نہیں جو پاکستان برباد کر سکے۔ پاکستان قائم رہنے کے لئے وجود میں آیا ہے'' (لاثانی قائد صفحہ ۲۴)

انڈین سپر سٹیٹ پلان INDIA SUPER STATE PLAN

اسے ہم اکھنڈ بھارت کا منصوبہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ امریکی وزارت دفاع نے ایک رپورٹ شائع کی ہے۔ جولائی و اگست ۱۹۹۹ء میں امریکی حکومت کی جانب سے ایک سیمینار کا انعقاد کیا گیا۔ بعنوان ''ایشیاء ۲۰۲۵''۔ اسے امریکہ کے انڈر سیکریٹری ڈیفنس نے آرگنائز کیا۔ اس ۱۴۷ صفحات پر مشتمل سٹڈی کی نقول مخصوص امریکہ اداروں کو دی گئیں۔ اس عسکری دفاعی

Marfat.com

سٹریٹجی کی سٹڈی کی تفاصیل بھارت کے میگزین Out Look کے ۱۸ ستمبر ۲۰۰۰ء کے شمارہ میں چھپیں۔

اس رپورٹ پر پاکستان میں بعض دانشوروں نے بہت عمدہ آرٹیکلز تحریر کئے جن میں پروفیسر خورشید احمد، ریٹائرڈ میجر معین باری اور دیگر صاحبان شامل ہیں۔

(یہ رپورٹ امریکی وزارت دفاع نے تیار کرائی۔ نیز امریکی سینٹ، وائٹ ہاؤس اور کانگریس کی مختلف ماہرین پر مشتمل کمیٹیاں اس ضمن میں خاصی متحرک رہیں۔ ایک ۲۸ رکنی کمیشن نے بھی سابق سینیٹر گیری ہارٹ ارین روڈ مین کی سربراہی میں کام کیا)

اس سٹڈی میں بتایا گیا کہ رینڈ کارپوریشن کا Ashley Tells ان ۱۵ ٹاپ رینک کے امریکیوں میں سے ہے جنہوں نے اس مطالعہ میں حصہ لیا۔ یہ شخص امریکی پالیسی میکرز میں سے ہے۔ موصوف نے بتایا کہ یہ سٹڈی Naval War College New Port Rhode Island جولائی اگست ۱۹۹۹ء میں منعقد ہوئی۔ جس کے مقاصد اس بات کا تعین تھا کہ امریکہ کو ایشیاء سے ۲۰۲۵ء تک کن کن خطرات کا سامنا ہے۔

مسز ٹیلسز نے **"Out Look"** کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ "پاکستان اقتصادی بدحالی فرقہ واریت، لسانی جھگڑوں اور امن عامہ کی خطرناک صورت کے باعث ۲۰۱۰ء میں ختم ہو جائے گا"

پاکستان کے خاتمہ سے متعلق موضوع "نیو ایشین آرڈر" میں زیر بحث آیا ہم اس سٹڈی کو نکات کی صورت میں دیکھ لیتے ہیں۔

مقصد: امریکی عسکری ماہرین اب اپنی توجہ کا مرکز یورپ کی بجائے ایشیاء پر مرکوز کر دینا چاہتے ہیں جس کے تحت وہ معاشی و اقتصادی طاقت کے طور پر ابھرتے ہوئے چین کو واپس بوتل میں لانا چاہتے ہیں اس Achievement کیلئے امریکہ کو بھارت کے بہت قریب آنا پڑے گا۔

سٹڈی کے نکات

New Asian Order کے تحت بتایا گیا ہے کہ:

۱۔ سندھ، بلوچستان اور سرحد کے پختون خطے پاکستانی وفاق کے خلاف بغاوت کر دیں گے۔ نیز مہاجر سڑکوں پر نکل آئیں گے۔ اسلامک انتہا پسند، ریاست کی جڑوں کو ہلا کر رکھ دیں گے۔

۲۔ کشمیر میں مجاہد گروپوں کی کاروائیں شدت اختیار کر جائیں گی۔ جس کے نتیجے میں، بھارت پاکستان کو وارن کریگا۔

۳۔ پاکستان کی عدم کاروائی میں ہندوستانی افواج آزاد کشمیر میں داخل ہو جائیں گی۔

۴۔ جواباً پاکستان بھارتی افواج کو آزاد کشمیر سے نکل جانے کیلئے متنبہ کریگا کہ بصورت دیگر وہ ایٹمی جنگ کیلئے تیار ہو جائے گا۔

۵۔ چائنہ جارحانہ انداز میں بھارتی سرحدوں پر اپنی افواج تعینات کرے گا اور فوجی کاروائی کی بھارت کو دھمکی دیگا۔

۶۔ اس صورتحال میں امریکی بحری بیڑی خلیج بنگال میں آجائے گا۔

Marfat.com

الف۔امریکہ چین کو انڈو پاک معاملات میں عدم مداخلت کا عندیہ دھمکی کے ذریعہ دے گا۔

۷۔اس صورتحال میں ہندوستان اپنے زوایتی ہتھیاروں سے پاکستانی نیوکلیئر تنصیبات پر کاروائی کریگا۔تا کہ پاکستان ایٹمی جنگ کرنے سے باز رہے۔

۸۔پاکستان بھارت کے خلاف بعض فوجی محازوں پر ایٹمی حملہ کریگا۔

الف۔اس صورتحال میں پاکستان میں انتہا پسند جماعتیں ایٹمی اسلحہ اور حکومت پر قابض ہونے کی کوشش کریں گی۔

۹۔امریکہ اس صورتحال میں پاکستان کی ایٹمی تنصیبات پر بھرپور فضائی حملہ کرے گا۔جس میں امریکی Carpet Bombing کرنے والے B52 طیارے،حصہ لیں گے۔انتہائی گہرائی تک یہ نیوکلیائی صلاحیت تباہ و برباد کردی جائے گی۔

مسز ٹیلسز کے بقول اس سٹڈی کے شرکا اس نتیجہ پر پہنچے کہ

۱۰۔اس تباہی کے بعد ریاست پاکستان بربادی و انارکی کا منظر پیش کرتی دکھائی دیگی ایسے میں ہندوستانی افواج پاکستان میں امن وامان کے قیام کی غرض سے داخل ہو جائیں گی۔پاکستان ٹوٹ جائے گا اور اسکے حصے بخرے ہو جائیں گے۔

۱۱۔سندھ، بلوچ اور سرحد کی اسمبلیاں ۳۲ بھارت سے کنفیڈریشن کے قیام کی منظوری دے دیں گی اور یہ بھارت کے ساتھ صوبوں کی کنفیڈریشن قائم ہو جاتی ہے۔

۱۲۔مغربی پنجاب تنہا رہ جاتا ہے اور پھر چاروناچار یہ بھی بھارتی پنجاب سے ملکر ''عظیم تر پنجاب'' قائم کرلیتا ہے اور بھارت کنفیڈریشن بن جاتا ہے۔

۱۳۔بھارت دیرینہ خواب کی تکمیل کیلئے کنفیڈریشن کی وحدتوں کو زیادہ سے زیادہ داخلی خودمختاری دے دیتا ہے۔

۱۴۔افغانستان ٹکڑوں میں منقسم ہو کر مختلف حصوں میں ایران، ازبکستان اور تاجکستان وغیرہ کے ساتھ ضم ہو جاتا ہے۔

اسٹڈی کے شرکاء کا اس بات پر اتفاق ہوتا ہے کہ:

۱۵۔۲۰۲۰ء تک پاکستان بھارت میں ضم ہو چکا ہوتا ہے اور ہندوستان ایک ''سپر سٹیٹ کی صورت'' میں ابھر آتا ہے۔

(جمعہ ۱۵ ستمبر 2000ء کو امریکی وزارت دفاع اور امریکی تھنک ٹینک کی رپورٹ بھارتی جریدہ Out look کے حوالے سے شائع ہوئی)

کیا ہنود قوم نوح ہیں؟

یورپی محقق A.J. Dubois اور شمس نوید عثمانی صاحب کی یہ جدید اور قابل قدر تحقیق سامنے آئی ہے کہ ہندو قوم نوح ہے۔Dubois جو کہ ہندو قوم کے مذہب تہذیب، تمدن اور رسم و رواج پر تحقیق کے حوالے سے دنیا بھر میں سب سے مستند مانا جاتا ہے۔اس نے ہندو مذہب پر معرکتہ آراء کتاب تصنیف کی ہے۔ Hindu Manners, Customs & Ceremonies۔ڈوبائس نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ ہندو مذہب کی تحقیق اور مشاہدہ پر صرف کیا۔ہنود کا اصل مذہب ان

Marfat.com

کے وید ہیں، جو سینہ بہ سینہ نسل در نسل چل رہے ہیں۔ ہنود کے مذہبی پیشوا انہیں کیس دوسرے کو نہیں سکھاتے، Dubois نے پہلے سنسکرت سیکھی اور ساتھ ہی مختلف ذرائع سے ویدوں تک رسائی حاصل کی اور انہیں تحریری شکل میں لانے کے بعد، پھر اس نے ان کا ترجمہ کیا۔ ہندو مذہب پر اس نے سب سے جامع اور مستند کتاب تحریر کی۔

شمس نوید عثمانی صاحب نے اپنی معرکۃ الآراء تصنیف ''اگراب بھی نہ جاگے تو!'' میں ہندوؤں کے متعلق ان شواہد اور حقائق کو مجتمع کیا اور اس پر مفصل اور دلچسپ علمی بحث قرآن وسنت اور تاریخ کی روشنی میں فرمائی ہے۔ اور یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ہندو، قوم نوح ہیں، اور ایک فرمان نبوی ﷺ نقل کیا گیا ہے جس کی رو سے قوم نوح (ہنود) تک اسلام پہنچانا امتِ محمد ﷺ کی ذمہ داری ہے۔ مزید برآں ویدوں اور بھاگوت میں خاتم النبیین ﷺ کا تذکرہ اور بشارتیں بھی موجود ہیں۔ ان کے علاوہ عقیدہ آخرت، جنت اور دوزخ کی تفاصیل، ویدک دھرم نے کعبہ کی حقیقت، آنحضرت ﷺ کا مقام محمود، بیان دجّال، علامات قیامت وغیرہ کے بیانات موجود ہیں۔

ہندوؤں کے ویدوں میں حضرت نوحؑ اور سیلاب نوحؑ کا تذکرہ

حضرت نوحؑ کا عظیم طوفان جس کے نتیجہ میں وسیع وعریض کرہ ارضی زیر آب آ گیا۔ اور اس کا نتیجہ میں فقط محدود تعداد میں افراد بچے۔ اور اس طرح پھر سے دنیا کی آبادی کا سلسلہ چلا۔ حضرت نوحؑ جنہیں پہلا رسول کہا جاتا ہے اور جن کی امت موجودہ دنیا کی قدیم ترین امت ہے۔

اسلامی روایات کا تذکرہ کرنا چاہے۔ الدر المنثور فی التفسیر بالماثور۔ الاصدار ۳۴، ۱ میں ہے۔

"فکان اول من اسس البیت وصلی فیه وطاف آدم علیه السلام، ولم یقرب الطوفان ارض السند والهند، فدرس موضعه الطوفان، حتی بعث الله ابراهیم واسماعیل علیهما السلام، فرفعا قواعده واعلامه، ثم بنتة قریش بعد ذالک وهو بحذاء البیت المعمور، لو سقط ما سقط الاعلیه".

ترجمہ: ''زمین میں گھر (بیت اللہ) بنا کر اس کا طواف کرنے والے پہلے شخص حضرت آدمؑ تھے۔ یہاں تک طوفان پہنچا وہاں سے آدم کی خوشبو چلی آئی۔ طوفان نوح سرزمین سندو ہند کے قریب نہیں آیا۔ چنانچہ اس طوفان نے خانہ کعبہ کی جگہ کو مٹا دیا۔ یہاں تک کہ جب حضرت ابراہیمؑ اور اسماعیل علیہ السلام مبعوث ہوئے تو خانہ کعبہ کی دیواریں اور علامتیں بلند کیں۔ پھر اس کو قریش نے تعمیر کیا۔''

اس روایت اور اس طرح کی دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ طوفان نوح کے نتیجہ میں سرزمین پاک وہند محفوظ رہی۔ اور اسی سرزمین سے جہاں آدم علیہ السلام کا نزول ہوا، حیات انسانی کا پھر سے آغاز ہوا۔ ہندو جو اپنے مقدس ویدوں کو الٰہی کلام تسلیم کرتے ہیں۔ ان کے مقدس ویدوں میں سیلاب نوح کی تفاصیل موجود ہیں۔ ایک مشہور ہندوؤں کی شخصیت اس سے وہ بہت عقیدت رکھتے ہیں جسے وہ مہانوو (MAHA NUVU) کے نام سے جانتے ہیں۔ (سیلاب کی) تباہی سے ایک

Marfat.com

کشتی کے ذریعے بچ نکلی۔ جس میں سات مشہور رشی بھی سوار تھے۔ مہانو دو الفاظ سے مل کر بنا ہے، مہا کے معانی عظیم اور نو و بلاشک وشبہ (حضرت) نوحؑ ہی ہیں۔ (Hindu Manners, Customs & Ceremonies P-48)

''عملی طور پر یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ ہندوستان اسی سیلاب عظیم کے فوراً بعد آباد ہوا تھا، جس نے پوری دنیا کو ویران کر دیا تھا''۔ (Hindu Manners, Customs & Ceremonies P-100)

ویدوں میں تذکرہ نوحؑ (۷۵) مقامات پر آیا ہے۔ بھاگوت اور مارکنڈیہ پران میں سے اس کا نہایت واضح بیان ہے ''اس (سیلاب کے) حادثے میں تمام نسل انسانی ختم ہوگئی تھی۔ سوائے سات مشہور عبادت گزار رشیوں کے جن کا میں نے بہت جگہوں پر تذکرہ کیا ہے۔ یہ سات رشی پر بیٹھ کر عالم گیر تباہی سے بچ سکتے تھے۔ اس کشتی کو وشنوس چلا رہا تھا۔ اور ایک عظیم شخصیت جو بچ جانے والوں میں تھی، وہ منوں کی تھی۔ جس کو متعدد بار مقامات پر ثابت کیا گیا ہے کہ وہ نوحؑ کے سوا کوئی نہیں تھی۔

وید کے ایک منتر میں آنے والے ایک لفظ منو کی تشریح ویدوں کا انگریز مفسر گرفتھ اس طرح کرتا ہے۔ ''منو (نوح) لاجواب شخصیت اور انسانوں کے نمائندے تھے۔ تمام نسل انسانی کے باپ (عذاب آب کے بعد آدم ثانی) اور پہلی شریعت کا آغاز کرنے والے تھے: ''تب بھگوان منو سے یوں بولے ٹھیک ہے تم نے مجھے اچھی طرح پہچان لیا ہے۔ اے زمین کے رکھوالے! تھوڑے ہی عرصے میں پہاڑ، جنگل اور کانوں سمیت یہ زمین پانی میں ڈوب جائے گی۔ اس لئے اے زمین کے سردار تمام جانداروں کی حفاظت کرنے کے لئے تمام دیوتاؤں کے ذریعہ اس کشتی کو تعمیر کیا گیا ہے۔ اے وفا شعار۔۔۔ جتنے بھی قسم کے جاندار ہیں ان سبھی بے سہاروں کو اس کشتی میں چڑھا کر تم ان کی حفاظت کرنا''۔ (حوالہ متیہ پران دھیائے، اشلوک ۲۹ تا ۳۵)

''تب ساتوں سمندر موجزن ہو کر آپس میں مل جائیں گے اور تینوں دنیاؤں کو پوری طرح سے ایک کر دیں گے۔ اے وفا شعار! اس وقت تم اس دیدروپی کشتی کو حاصل کر کے اس پر تمام جانداروں اور بیجوں کو سوار کر دینا۔۔۔''

(حوالہ متیہ پران دھیائے ۲، اشلوک ۱۰ تا ۱۱)

جب سیلاب (پانی کے عذاب) کا وقت ہوا اس کے بارے میں یوں فرمایا کہ:

''اس سے نوح نامی بیٹا پیدا ہوا۔ اس نے پانچ سو سال تک راج کیا ہے۔ اس کے سیم، شام اور بھاؤ تین بیٹے ہوئے۔ وشنو کا بندہ نوحؑ وحدت الوجود کے دھیان میں محو تھا۔ ایک بار وشنو نے اسے خواب میں بتایا کہ اے پیارے نوحؑ سنو! ساتویں دن حشر برپا ہوگا۔ تم لوگوں کے ساتھ کشتی میں فوراً بیٹھ جانا۔ اے اندر کے بھگت اپنی جان بچاؤ، تم سر بلند ہو گے۔ اسی طرح مان کر اس بزرگ ہستی نے تین سو ہاتھ گہری خوبصورت کشتی ایجاد کی۔ سبھی جانداروں کے جوڑوں اور اپنے اہل خاندان کے ساتھ سوار ہو کر وشنو کے دھیان میں محو ہو گیا۔۔۔ چالیس دن تک زبردست بارش ہوئی۔ بھارت ورش پانی میں ڈوب گیا اور چاروں سمندر مل گئے اور بے کراں ہو گئے۔۔۔ اللہ والا برگزیدہ نوحؑ اپنے اہل خاندان کے ساتھ طوفان ختم ہونے پر وہاں رہنے لگا۔ نوحؑ کے بیٹے سام حام اور یاقوت کے نام سے مشہور ہو گئے۔۔۔ اس کے بیٹے تین ابراھیم، ہنور اور ہارن اسطرح ملیچھ (غیر ہند) نسل کے سردار ہوں گے۔

Marfat.com

یہ ترجمہ بھوشہ پران کے پرتی سگ پرو، اکھنڈ اڈھیائے ۴ کے اشلوکوں کا ہے۔ (کتاب اگر اب بھی نہ جاگے تو صفحہ ۱۲۷)

ان اشلوکوں میں مندرجہ ذیل سنسکرت کے اصل الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

نوحؑ کی جگہ نیوح، سام کی جگہ سم، حام کی جگہ حم اور یاقوت کی جگہ یاقوت کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

اسی طرح ابراہیمؑ کی جگہ ابرام لفظ استعمال ہوا ہے۔

تورات کے مطابق حضرت ابراہیمؑ کا پہلے نام ابرام ABRAM تھا اور بعد ازاں اللہ نے ان کا نام ابراہیمؑ ABRAHAM رکھ کر کہا کہ تم تمام نسل انسانی کے سردار ہو گے ہارونؑ کی جگہ ہارن آیا نام ابراہیم رکھ کر کہا تم تمام نسل انسانی کے سردار ہو گے ہارونؑ کی جگہ ہارن آیا ہے۔ ملیچھ سے مراد غیر ہندوستانی Out sider ہیں۔ حضرت نوحؑ کے سیلاب و دیگر تفاصیل قرآن پاک کے علاوہ بائبل میں بھی مذکور ہیں۔

حضرت نوحؑ کی قدامت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ ہنود اپنی طویل مدتی اکائیوں کا شمار دور نوحؑ سے کرتے ہیں۔ حضرت نوحؑ سے اس قدر قریبی رشتہ اور واضح تعلق کے باوجود ہنود بحیثیت قوم عمومی طور پر نوحؑ سے بے خبر ہیں۔

ویدوں میں تذکرہ نوحؑ 75 مقامات پر آیا ہے۔

؎ جنس نایاب محبت کو پھر ارزاں کر دے　　　ہند کے دیر نشینوں کو مسلماں کر دے

اسلام اور ہندو میں مماثلتیں

ہندو عالمی طور پر قدیم ترین قوم، ہندومت قدیم ترین شریعت والا مذہب اور ہند قدیم ترین زندہ تہذیب و تمدن ہے۔ اس کے مقابلے پر اسلام آخری شریعت، حضرت محمد ﷺ آخری نبی اور مسلمان منفرد تہذیب و تمدن کے حامل اللہ کی آخری امت ہیں۔

موازنہ

یہ بہت اہم اور بڑی حقیقت ہے جو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔ A.J. DUBIOS رقمطراز ہے کہ: "بڑے بڑے مندروں کا طرز تعمیر اور ڈھانچہ چاہے وہ نئے ہوں یا پرانے ہر جگہ بالکل ایک اور یکساں ہے۔۔۔ داخلے کا صدر (مرکزی) دروازہ پورب کے رخ میں کھلتا ہے۔ اور یہ ایک ایسی نوعیت ہے جس کا مکمل خیال ان کے سب منادر اور معابد میں کیا گیا ہے چاہے وہ بڑے ہوں یا چھوٹے۔۔۔

(Hindu Manners Customs and Ceremonies by A.J.Dubios p-579)

اسلام میں مسلمان قوم کو کعبہ کی سمت رخ کر کے نماز ادا کرنے کا حکم ہے۔ ہنود کے منادر کے قبلہ رو ہونے کی جو بھی توجیہ کی جائے بہر کیف یہ ان کے کعبہ کے ساتھ دیرینہ تعلق، اٹوٹ انگ کو ظاہر کرتا ہے۔ جس کی اصل حقیقت وہ خرافات میں گم کر بیٹھے۔

Marfat.com

ان چند بیان کردہ حقائق کے علاوہ بھی بہت سی مماثلتیں دونوں اقوام میں پائی جاتی ہیں ۔ ہندوؤں کے مقدس ویدوں، اور قرآن وحدیث کے اقوال میں بھی بہت سی مماثلتیں موجود ہیں۔ ہنود کا کعبہ کے ساتھ نہایت گہرہ رشتہ موجود ہے۔ ہندوؤں کی بہت سی حقیقتیں تاریخ میں اور خرافات، میں کھوگئیں ۔لیکن اب بھی بہت اہم ثبوت اور حقائق دونوں بچھڑی ہوئی اقوام کے ملانے میں سنگِ میل ہوسکتے ہیں۔قرآن وحدیث کے واضح اشارے موجود ہیں جن کے مطابق قوم نوح علیہ السلام تک اسلام پہنچانا امت مسلمہ کی ذمہ داری ہے۔ (کتاب وفا کا کعبہ)

مردِ مومن

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان، نئی آن
گفتار میں، کردار میں، اللہ کی بُرہان!

قہاری وغفاری وقدّوسی وجبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان

ہمسایۂ جبریلِ امیں بندۂ خاکی
ہے اس کا نشیمن نہ بخارا نہ بدخشاں

یہ راز کسی کو معلوم نہیں کہ مومن
قاری نظر آتا ہے، حقیقت میں ہے قرآن

قدرت کے مقاصد کا عیار اس کے ارادے
دنیا میں بھی میزان، قیامت میں بھی میزان

جس سے جگرِ لالہ میں ٹھنڈک ہو، وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں، وہ طوفان

فطرت کا سرودِ ازلی اس کے شب وروز
آہنگ میں یکتا صفتِ سورۂ رحمٰن

بنتے ہیں مری کارگہِ فکر میں انجم
لے اپنے مقدر کے ستارے کو تو پہچان

(اقبال ضربِ کلیم)

Marfat.com

باب: بائیسواں

اہلِ اللہ کے انکشافات

Marfat.com

اہلِ اللہ کے انکشافات

جہادِ ہند اور فرامینِ نبویہ

رسول اللہ ﷺ نے بت پرست معاشرہ میں آنکھ کھولی۔ اس وقت پورا خطہ عرب مشرکوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ ان حالات میں رسول اللہ ﷺ نے پہلی مسلم قوم تشکیل کی اور سے منظم کیا۔ پھر نظام توحید کے قیام کیلئے اولاً اسلام کی مرکزیت مدینہ میں قائم فرمائی اور اس مرکز سے ایک عالمگیر نظام توحید کی بنیاد رکھی۔ اس نظام کے اجراء سے تمام باطل قوتیں لرزاں ہوگئیں۔ اس نظام کے ہوتے ہوئے انہیں اپنا غیر انسانی نظام برباد ہوتا ہوا نظر آیا کیونکہ الٰہی نظام نے انسانوں کے مابین تمیز بندہ و آقا ختم کر کے رکھ دی۔ اس آسمانی ہدایت یعنی قرآن پر مبنی نظام نے تمام انسانیت کو شرف و توقیر قائم ہوئی اور استحصال پر مبنی نظام معیشت، سیاست، معاشرت اور نظام عدل کا بالفعل خاتمہ کر دیا گیا۔ انسانی حاکمیت کا کلیتاً خاتمہ کر کے حاکمیت اعلیٰ عملاً پروردگار کے سپرد کر دی گئی۔ اور عدل وانصاف، اخوت اور مساوات پر مبنی ایک خوبصورت معاشرہ تشکیل دیا گیا۔

کفار کو معلوم تھا کہ اگر یہ ریاست سنبھل گئی تو ان کے قائم کردہ نظام کا کچھ بھی نہیں بچے گا۔ جو علاقائی، لسانی اور نسلی تعصّبات اور معاشی مفادات اور مذہبی توہمات پر مبنی تھا جس نے انسانیت کو ان گنت غلامیوں کی زنجیروں میں جکڑ رکھا تھا۔ ان حالات میں باطل نظام کی حامل قوتوں نے ضروری سمجھا کہ کسی طرح مدینہ کی تاریکیوں میں روشن ہونے والے اس دیئے کو بجھا دیا جائے۔

مکہ کے بت پرستوں اور یہود کے مابین فطری اتحاد قائم ہوا۔ معزول قوم یہود، اس ریاست کے ازلی دشمن تھے۔ مدینہ طیبہ میں قائم ہونے والی رحمانی ریاست کے خلاف عالم کفر یکجا ہوگیا۔ اس ریاست کو ڈھانے اور ناکام کرنے کی ہر ممکن سعی کی گئی۔ اس کی انتہا اہل مکہ کی مسلط کردہ جنگی یورش تھی۔ ان کڑے لمحات میں اس رحمانی ریاست کو خصوصی تائید خداوندی حاصل رہی۔ مٹھی بھر مسلمانوں نے اپنے ایمان، عزم، نظم اور اتحاد سے تاریخ کا دھارا موڑ دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان اہم فیصلہ کن لمحوں میں ساتھ دینے والے نفوس کو، گناہوں کی معافی اور اعلیٰ درجات کی بشارت دی۔ غزواتِ بدر وحنین میں شہید ہونے والوں کو افضل الشہداء قرار دیا۔ ان جنگوں میں شریک صحابہ کو تاحیات خصوصی امتیازی سٹیٹس دیا گیا۔

یہ کس قدر تعجب انگیز بات ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے مثل کچھ خبریں ایک اور جنگ کیلئے بھی دی ہیں۔ یعنی جہاد ہند رسول اللہ ﷺ نے اس جہاد مقدس میں شریک ہونے والوں کو بھی افضل الشہداء قرار دیا۔ جنگ میں شریک مسلمانوں کو دنیا ہی میں جہنم سے بریت کی خبر بھی دی ہے۔ اور انہیں خصوصی مقام اور اسٹیٹس بھی دیا گیا۔

پاکستان کی ریاست بھی اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے تحت وجود میں آئی ہے۔ اسی لئے یہ یہود و ہنود کی نظروں میں روز اول سے کھٹک رہی ہے۔ ہم جس روز اللہ کی حاکمیت کا اعلان کریں گے، یعنی قرآن کو سپریم لاء کا درجہ دیں گے۔ ہم آسمانی ہدایت کی روشنی میں، نظام سیاست، نظام معاش اور دیگر نظام تشکیل دیں گے تو یہ ملک عالمی نظام ابلیس کیلئے چیلنج بن جائے گا۔ پاکستان میں

Marfat.com

انہیں معروف معنوں میں سیکولر ریاست قبول ہے۔ تو پاکستان بھی قبول ہے۔ انہیں تکلیف ہے تو Devine Law پر مبنی ریاست سے ہے۔ جب ملت پاکستانیہ ملی نصب العین کے تحت قرآنی ریاست قائم کریں گے تو عالم کفر اسے ناکام کرنے کیلئے تمام حربے بروئے کار لائے گا۔ مشرکین ہند کے ذریعہ اس رحمانی ریاست کو ڈھانے کی کوشش کی جائے گی۔ جس کے نتیجہ میں فیصلہ کن معرکہ جہاد ہند کی صورت میں وقوع پذیر ہوگا۔ جس کی خبریں رسول اللہ ﷺ نے دے رکھی ہیں۔

نیز عرب قوم کے ہاتھوں میں نصرت اسلام

عن ابی هريرة قال رسول الله ﷺ اذا رقعت الملاحم بعثت الله بعث من الموالی هم اکرم العرب فرسا واجوده سلاحاً يويد الله بهم الذين.

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''جب جنگوں پر جنگیں ہوں گی تو اللہ تعالیٰ غیر عرب اقوام سے ایک قوم کو اٹھا کر کھڑا کرے گا، وہ شہسواری میں (یعنی جنگی مہارت میں) عربوں سے بہتر اور اسلحہ میں ان سے برتر ہوں گے۔ ان کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ اپنے دین کی مدد فرمائے گا'' (سنن ابن ماجہ حوالہ صفحہ ۵۲۹)

اولاً: اسلام کی نشاۃ ثانیہ بے حد کمزور، عیاش، دین سے دور عربوں کی بجائے غیر عرب قوم کے ہاتھوں ہوگی۔

دوم: وہ جنگی مہارت اور اسلحہ میں بھی عربوں سے برتر ہوں گے۔

سوم: اللہ ایک مردہ، بددل نصب العین سے بھٹکی ہوئی قوم کو زندہ کر دیں۔ اور وہ اسلام کی سربلندی (glory) میں اہم ترین کردار ادا کرے گی۔

حدیث کی روشنی میں مشاہدہ کیجئے کہ غیر عرب میں اس وقت کون سی مسلم قوم و ریاست ہے جو جنگی مہارت عالم اسلام میں سب سے زیادہ رکھتی ہے۔ فوجی قوت جدید ترین جنگی ٹیکنالوجی سب سے بہتر کس کے پاس ہے۔ کون سی قوم ایک نصب العین کے تحت اٹھی تھی۔ اور اس نے اس نصب العین کے حصول کیلئے ایک ریاست قائم کی تھی۔

آپ کی نگاہ چاروناچار فق ایک ریاست پر پڑے گی اور وہ ہے پاکستان۔ یہ ملک قائم ہی اللہ کے نظام کی سربلندی کیلئے ہوا تھا۔ افواج پاکستان کی جنگی مہارت اور عوام کا جذبہ جہاد ڈھکی چھپی شے نہیں۔ آرمی نو آبادیاتی دور میں منظم طریقے استوار ہوئی۔ نیز پاکستان عالم اسلام کی واحد ایٹمی قوت ہے، ہتھیار سازی اور میزائل ٹیکنالوجی میں بھی پاکستان عالم اسلام کو لیڈ کر رہا ہے۔ ملت پاکستانیہ واضح نصب العین نہ ہونے اور استعماری دور کے بے حمیت افسر شاہی کے طبقہ کے ہاتھوں مصائب کے باعث بددلی اور پژمردگی کا شکار ہے۔ قومی بیداری، نصب العین کا شعور اور باکردار قیادت انشاءاللہ قوم میں نئی روح پھونک دے گی۔ یہ قوم پوری ملت اسلامیہ کیلئے نصرت کا پیغام بن سکے گی۔

اس میں ہندوستان جیسی منی سپر پاور کی حامل ریاست پر پاکستان کی فتح بھی، اس کی بے بہا عسکری قوت بڑھا سکتی ہے۔ اسلام کی سربلندی اور عرب کا زکی نصرت کیلئے عسکری قوت کی فراہمی کے ضمن میں متذکرہ روایت اور دیگر روایات سے

Marfat.com

اظہار ہوتا ہے کہ یہود کی دجالی سلطنت اسرائیل کی سرکوبی کیلئے یہیں سے مدد روانہ ہوتی ہے۔ عالم اسلام کی سپاہ اللہ کے فضل سے پاکستان کی افواج ہیں۔

۲۸. کتاب تواریخ المتقدمین من الانبیاء و المرسلین

هذا حديث صحيح على شرط الشيخين (١) ولم يخرجاه. (٣٠٥٢). اخبرنی احمد بن يعقوب الثقفی ثنا موسى بن هارون ثنا عمرو بن على ثنا عمران ابن عيينة انبأ عطاء (٢) بن السائب عن سعيد بن جبير عن ابن عباسؓ قال: ان أول ما أهبط الله آدم الى ارض الهند.

هذا حديث صحيح الاسناد ولم يخرجاه

حدثنا محمد بن الحسن الكارزى ثنا على بن عبد العزيز ثنا حجاج بن منهال ثنا حماد بن سلمة عن حميد عن يوسف بن مهران عن ابن عباسؓ قال: قال على بن ابى طالب: اطيب ريح فى الارض الهند، اهبط بها آدمؑ، فعلق شجرها من ريح الجنة.

هذا حديث صحيح. على شرط مسلم ولم يخرجاه

جہاد (قتال) کی فرضیت اور مدینہ ثانی کا کردار

تاریخ اسلام کے ابتدائی دور میں مکہ میں رہتے ہوئے مسلمانوں کیلئے یہ ممکن نہ تھا کہ کفار کے تحت رہتے ہوئے، ریاستی نظام وضع کرتے۔ یعنی کفار جو اللہ اور اسکی نازل کردہ کتاب پر ایمان ہی نہیں رکھتے۔ ان کے مقتدر ہوتے ہوئے آسمانی احکام پر مبنی ریاست تشکیل دینا ناممکن العمل تھا۔ حضور نے مدینہ میں ریاست کے ذریعہ اسلام کی مرکزیت قائم فرمائی۔ جہاد اور قتال کا سلسلہ ایک منظم ریاست کے ذریعے ہوا۔ جس کا مقصد انسانیت کو انسانی ہدایت کی روشنی میں، ہر طرح کے ظلم و جبر سے نجات دلانا تھا۔ جہاد (قتال) کی فرضیت کے احکام اس وقت تک نازل نہ ہوئے، جب تک مسلمانوں کی ریاست قائم نہ ہوگئی۔ علامہ اشرف علی تھانوی نے اس نقطہ کی وضاحت کرتے ہوئے پاکستان کا قیام ناگزیر قرار دیا۔

''مسلمانوں کا مکہ میں مرکز کوئی نہ تھا اور جہاد کیلئے مرکز ضروری ہے، ہجرت کے بعد جب مسلمانوں کو مرکز حاصل ہوگیا، تب اس کی اجازت ہوئی، اب اس وقت بھی مسلمانوں کیلئے دشواری یہ ہے کہ مسلمانوں کا کوئی مرکز نہیں لہٰذا اب ضروری ہے کہ مسلمانوں کا کوئی مرکز قائم ہو'' (علامہ اشرف علی تھانوی اور تحریک پاکستان صفحہ ۱۵۰)

بعینہ علامہ عثمانی نے بھی نہ صرف مرکزیت کے قیام پر زور دیا کہ بلکہ متحدہ قومیت کے دھاڑے میں بہنے کو خودکشی کے مترادف قرار دیا۔ حضرت قائداعظم بھی رسول اللہ ﷺ کی حیات کے دونوں نمایاں ادوار سے بخوبی آگاہ تھے۔۔ قیام پاکستان کے بعد اس ریاست کے دفاع کی غرض سے وہ ملت پاکستانیہ کو نصیحت فرماتے ہوئے فرماتے ہیں۔

Marfat.com

''میرا یہ پیغام جس جس شخص تک پہنچے وہ اپنے دل میں عہد کرلے کہ ضرورت پڑنے پر وہ پاکستان کو اسلام کی پشت پناہ اور دنیا کی عظیم قوم بنانے میں اپنا سب کچھ قربان کردے گا۔ مسلمان کیلئے اس سے بہتر ذریعہ نجات نہیں ہوسکتا کہ وہ حق کی خاطر شہید ہوجائے''

علامہ شبیر احمد عثمانی کا عزم

رفیق قائداعظم علامہ شبیر احمد عثمانی نے اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ وہ پاکستان کو کرہ ارضی میں جنت ارضی بنانے کے آرزومند ہیں۔ اور وہ پاکستان کے ذریعے خلافت اسلامیہ کا قیام واحیاء چاہتے ہیں۔ اور یہی نہیں بلکہ وہ پاکستان ہی کے ذریعے عہد صحابہ کے اسلامی اور قرون اعلیٰ کے مسلمانوں کے حیات افروز عہد کی یاد تازہ کرنا چاہتے ہیں۔

علامہ عثمانی نے اپنے عزم و یقین بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ: ''ہمارا تو یقین ہے کہ انشاء اللہ پاکستان کے ذریعہ ہی تمام اسلامی مملکتوں کا اتحاد اور خلافتِ اسلامیہ کا قیام عمل میں آئے گا۔

ہماری تاریخ کے اہم موڑ
احیائے دین کی تحریک

(ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خان صاحب کی تقریر آہنگ۔ ریڈیو پاکستان ستمبر ۱۹۸۸)

برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کی تاریخ میں ایسی ہستیاں بکثرت گزری ہیں جو عہد آفرین تھیں اور جنہوں نے زمانے کے دھارے کا رخ موڑ دیا ہے۔

سب سے پہلے محمد بن قاسم جو اٹھارہ سال کی عمر میں برصغیر پر حملہ آور ہوئے۔ اسباب کچھ بھی ہوں لیکن ان کے نتائج اور عواقب یہ ہوئے کہ وہ سندھ جو وحشیانہ اور غیر متمدن خصائل کا آجامگاہ تھا شائستہ اور مہذب شہریت کا حامل بن گیا۔ عربی علوم وفنون، تاریخ، منطق، فلسفہ اور جغرافیہ وغیرہ کے بکثرت علماء اور فضلا کا ذکر ابن حوقل اور مقدسی کی کتابوں میں ملتا ہے۔

ابن خردادبہ اور اصطخری نے یہاں کی مہذب اور متمدن زندگی کی تفصیل بیان کی ہے جو اسلام سے متاثر تھی اور اثرات و برکات کا نتیجہ تھی جن سے محمد بن قاسم اپنے وطن طائف میں حضور انور ﷺ کے بعض صحابہؓ اور تابعینؒ سے مستفیض ہوئے تھے۔

ان کے بعد غزنوی سلاطین کا زمانہ آتا ہے، جب کہ محمود غزنوی جو حضرت شیخ ابوالحسن خرقانیؒ کا تربیت یافتہ تھا، ہندوستان پر حملہ آور ہوتا ہے، اس کی شجاعت اور سپہ سالاری کے کارنامے اپنی جگہ تھے لیکن اس کے حسن انتظام اور رواداری کے واقعات سے وہ فرنگی مورخین بھی دنگ رہ جاتے ہیں جو مسلمانوں کی عیب جوئی کو اپنا شعار بنائے ہوئے ہیں۔ ELPHINSTONE KEENE دونوں نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ محمود اور اس کے جانشینوں نے اپنے مذہبی جوش کے باوجود کسی شخص کو زبردستی مسلمان نہیں بنایا اور نہ جنگ کے علاوہ کسی کو قتل کیا۔ محمود عہد آفرینی سے متعلق صرف اتنا کہنا

Marfat.com

کافی ہے کہ موجودہ علوم وفنون بالخصوص معاشیات، عمرانیات، طب وجراحت اور فارسی ادب کی تاسیس سب کی سب اس کی مرہون منت ہے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ جنہوں نے شیخ ابوالقاسم قنسیریؒ کا زمانہ پایا ہے، اوران سے استفادہ بھی کیا ہے، اسی زمانے میں تھے اور آج بھی وہ برصغیر کے سب سے پہلے صوفی قرار دیئے جاتے ہیں۔

پھر غوری اور شمسی سلاطین کا زمانہ آتا ہے، اور وہ اکثر وبیشتر شریعت پر کاربند تھے لیکن اسی زمانے میں یعنی چھٹی صدی ہجری میں سب سے نمایاں ہستی سلطان الہند خواجہ غریب نواز اجمیریؒ کی ہے جنہوں نے اپنے زمانے کی تاریخ کو یکسر بدل دیا۔ اور اپنے اخلاق وکردار سے برصغیر میں ایسے اثرات چھوڑے ہیں جو شاید رہتی دنیا تک قائم رہیں گے۔ محبت، اخوت، رواداری، تواضع، خیر خواہ وغیرہ بے شمار کمالات کا فروغ اور ابلاغ حضرت خواجہ صاحبؒ کا کارنامہ ہے جوان کی عہد آفرینی اور تاریخ سازی کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔ پھر ان کے متبعین نے ملک کے طول وعرض میں ایسے اثرات چھوڑے ہیں کہ جن کی بدولت ہر مذہب وملت کے لوگ باہمی خلوص اور محبت کے پاکیزہ اوصاف کو اپنائے ہوئے ہیں۔

شمسی، خلجی، تغلق اور لودھی خاندان کے بعد مغلوں کا زمانہ آتا ہے۔ چوتھی صدی ہجری تک تمام عالم اسلام کی مملکتوں میں عربی رائج تھی۔ (محمود غزنوی کے زمانے میں فارسی کو فروغ ہوا۔ بابر کے زمانے میں ترکی رائج تھی) چنانچہ ان تمام زبانوں میں تصوف کی کتابیں بھی لکھی جانے لگیں۔ امیر تیمور حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندی بخاریؒ کے پیر بھائی تھے۔ بابر بھی اسی سلسلے میں منسلک تھے۔ بلکہ ہمایوں کی بیماری کا سلب کرنا بھی اسی روحانی قوت کا مظہر تھا۔ لیکن بعد میں تصوف فلسفہ بن گیا اور منطق وفلسفے پر اتنا زیادہ زور دیا جانے لگا کہ علم کلام کی باریکیاں اور فقہی موشگافیاں ہی دل چسپی کا سامان بن گئیں۔

آخری نویں صدی ہجری میں ردعمل کے طور پر سید محمد جونپوری کی تحریک مہدویت شروع ہوئی جس کا مقصد علماء کی ظاہر پرستی اور عوام کی بدعت پسندی کا انکار تھا، لیکن اس تحریک سے فائدہ کم ہوا اور نقصان یہ ہوا کہ انہوں نے خود کو مہدی آخری الزماں کہلوایا۔ چنانچہ علماء نے ان کی مخالفت کی اور انہیں مجبوراً فراہ کی طرف فرار ہونا پڑا۔

سندھ میں اس تحریک کا اثر ضرور رہا۔ لیکن یہاں ایسے فقہاء اور علماء موجود تھے جن کے آگے اس تحریک کا چراغ نہ جل سکا۔ میر علی شیر قانع تتوی کی تحفۃ الکرام (جلد سوم) میں سندھ اور ملتان کے سینکڑوں بزرگوں کو موضع وار تذکرہ ملتا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دین کا غلبہ کس قدر قائم ہو چکا تھا۔ لیکن وقت گزرنے سے یہ جذبہ کم ہونے لگا۔

ادھر دور اکبری کے فتنے شروع ہونے لگے۔ اکبر کے حرم میں ہندو رانیاں تھیں ان کے اثر سے ہندوانہ رسم ورواج، مشرکانہ عقائد کو فروغ ہوا۔ عبدالقادر بدایونی نے کھلم کھلا اور ابوالفضل نے پردہ داری کے ساتھ ان تمام عقائد اور رواج کا ذکر کیا ہے۔ ڈاڑھیوں کا صفایا باقاعدہ جشن کے ساتھ کیا جانے لگا۔ شراب نوشی جائز کی گئی۔ تخت کے گرد کتے اور سور قیمتی جھولیں پہنا کر بٹھائے جانے لگے۔ سرکاری مدارس میں عربی موقوف اور علوم عقلی رائج کرنے کا حکم ہوا۔ شمسی سال اور زرتشتی عیدیں رائج کی گئیں۔ سلام کے بجائے ''اللہ اکبر'' اور جواب میں ''جلا جلالہ'' کی رسم جاری ہوئی۔ ملا شیری سیالکوٹی نے بھی کہا ہے کہ ''بادشاہ امسال دعوائے نبوت کردہ است'' گر خدا خواہد پس از سالے خدا خواہد شدن''۔

Marfat.com

اسی زمانے میں حضرت مجدد الف ثانیؒ ان فتنوں کے خلاف تن تنہا کھڑے ہو گئے۔ اور قید و بند کی تکلیفوں کو برداشت کرتے ہوئے شریعت کے نفاذ کے لئے کوشاں رہے۔

برصغیر کی دینی تاریخ کا سب سے اہم انقلاب غالباً انہی کے ہاتھوں وقوع پذیر ہوا۔ ان کی قربانیوں سے سجدہ تعظیمی موقوف ہوا۔ گائے کا ذبیحہ پھر رائج ہوا۔ کافرانہ رسمیں جو دربار میں یا باہر رائج تھیں ختم کی گئیں، جو مسجدیں منہدم کرادی گئی تھی وہ دوبارہ تعمیر ہوئیں۔ خلاف شرع قوانین منسوخ ہوئے۔ پھر حضرت مجدد کو اوران کے تلامذہ کی وجہ سے دربار میں علماء اور فضلا کو جگہ ملی۔ شاہ جہاں اور اورنگ زیب آپ ہی کے خاندان کے تربیت یافتہ تھے اورنگ زیب کے عہد میں فتاویٰ عالمگیری آپ ہی کے تربیت یافتگان کے خاندان والوں نے لکھی۔ آپ ہی کے شاگردان سلسلہ میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ، حضرت مظہر جان جاناںؒ، شاہ غلام علیؒ، قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ، مولانا خالد رومیؒ صاحب فتاویٰ شامی، شاہ عبدالغنی مجددیؒ جن کے شاگرد بانی دارالعلوم دیوبند مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا مظہر سہارنپوری تھے اور علماء دیوبند و بریلی وغیر پیدا ہوئے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے بعد ان کے سلسلے کے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی اصلاحی تحریک بھی بہت اہم ہے۔ انہوں نے مسلمانوں کو تقلیدی روایات اور بدعات سے روک کر کتاب اور سنت پر چلانے کی کوشش کی۔ ادھر مرہٹوں کی قوت کو توڑنے کے لئے شاہ صاحب نے احمد شاہ ابدالی کو ہندوستان پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ اور اس کو خط لکھے۔ اگر احمد شاہ ابدالی اپنی فتح ونصرت کے بعد ہندوستان میں اپنے قدم جمالیتا تو شاہ صاحب کی تحریک کو بڑی تقویت حاصل ہوتی۔ لیکن اس کے چلے جانے سے اس کے متبعین میں بھی قوت نہ رہی۔ البتہ شاہ صاحب کے متبعین اپنا کام کرتے رہے۔ شاہ صاحب کے صاحبزادوں کے علاوہ ان کے پوتے شاہ اسمٰعیل دہلوی نے اپنے پیرو سید احمد بریلوی کے ساتھ مل کر دین کی تاریخ میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

پنجاب کے مسلمانوں پر سکھوں کے مظالم کے واقعات عرصے سے سنے جا رہے تھے۔ سید احمد صاحب اور شاہ اسمٰعیل نے سکھوں اور انگریزوں کے خلاف پورے ملک کے گوشے گوشے میں تحریک چلائی اور ہر جگہ اپنے مرکز قائم کئے۔ ٹونک، دہلی، کرنال، تھانسیر، لیر کوٹلہ، بھاولپور، خیر پور میرس (جہاں موجودہ پیر پگاڑا کے جدامجد تھے) وغیرہ سے خاصی امداد حاصل کی۔

سکھوں سے مقابلہ اور مقاتلہ جاری رہا۔ آخر بڑھتے بڑھتے بالاکوٹ میں ان کو سخت ہزیمت ہوئی۔ اور وہیں دونوں بزرگ شہید ہوئے۔ گویا اس طرح مسلمانوں کی ایک عہد آفریں تحریک کا خاتمہ ہوا۔ لیکن اس تحریک نے پورے ملک میں جوش اور ولولہ پیدا کر دیا تھا۔ اور یہ آگ سلگتے سلگتے شیخ الہند محمود حسنؒ کے زمانے میں پھر بھڑک اٹھی۔

احیائے دین کے لئے علماء کی ان خدمات کے علاوہ سراج الدولہ اور سلطان ٹیپو کی خدمات بھی یادگار ہیں۔ سراج الدولہ کے ساتھ میر جعفر نے کیا کیا، اور ٹیپو کے خلاف میر صادق نے کیا سازش کی۔ تاریخ کے صفحات محو نہیں ہو سکتے۔ علامہ اقبال کا یہ شعر ان کے کردار کی صحیح تصویر ہے:

ے جعفر از بنگال و صادق از دکن — ننگ ملت، ننگ دیں، ننگ وطن

Marfat.com

شاید بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ حیدر علی اور ٹیپو سلطان کی حیثیتیں محض دینی جذبے کی وجہ سے تھیں۔ ان کا عَلَم جواب بھی انڈیا آفس لندن میں محفوظ ہے، اس میں نقشبندی بزرگوں کے نام کندہ ہیں۔ اور حضرت عبدالقادر جیلانیؒ کا نام بھی کندہ ہے۔ وہ ان بزرگوں کے ناموں کی برکت پر یقین رکھتے تھے۔ لیکن سراج الدولہ کی طرح ٹیپو سلطان کے ساتھ دھوکا ہوا اور وہ بھی سازش کا شکار ہوا۔

صاحبان تخت وتاج میں بہادر شاہ ظفر بھی شامل ہیں۔ ان کی کوئی جنگ، احیائے دین کی خاطر نہ سہی لیکن جرم دین کی وجہ سے وہ معتوب ضرور ہوئے۔ اور انہیں یقین تھا کہ ہندوستان کی فوج سے اب توقع رکھنا فضول ہے وہ کہتے ہیں:

اعتبار صبر وطاقت، خاک میں رکھوں ظفرؔ ۔۔۔ فوج ہندوستان نے کب ساتھ ٹیپو کا دیا

بہرحال بہادر شاہ ظفر کے احیائے دین کے لئے ایک آخری جنگ شیخ الہند محمود حسنؒ نے ضرور کی ہے۔ ہوا یہ کہ یورپ کی بڑی طاقتوں کی شہ پا کر بلقان کی ریاستوں نے (اکتوبر ۱۹۱۳ء میں) ترکوں پر حملہ کر دیا تاکہ ان سے مقدونیہ چھین لیا جائے۔ انہوں نے آخر ADRIAROPOL بھی لے لیا۔ اور دوسرے علاقوں پر بھی قبضہ کر لیا۔

پہلی جنگ عظیم میں ترکوں کے بہت سے مقبوضات سے محرومی ہوئی۔ یہاں تک کہ حجاز بھی ان کے ہاتھ سے نکل گیا۔ تمام واقعات ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے بہت روح فرسا تھے۔ انہوں نے اپنے طور پر انگریزوں کے خلاف اپنے غم وغصہ کا اظہار کیا ہے۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا شبلی، مولانا ظفر علی خاں، علامہ اقبال، مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی وغیرہ نے دامے، درمے، سخنے انگریزوں کی مخالفت میں اپنے ترک بھائیوں کی حمایت کی۔ چندے کئے، وفود بھیجے، طبی امداد کی، اور شیخ الہند محمود حسن نے خاموشی سے انگریزوں کے خلاف اپنے شاگردوں کے ذریعے روس، افغانستان اور ترکی کو اپنے پیغامات بھیجے۔ لیکن خود ان کے حلقہ ارادت میں ایسے لوگ بھی تھے جو چند ٹکوں کی خاطر انگریزوں کی طرف سے جاسوسی کرنے لگے۔ شیخ الہند اور ان کے چند رفقاء مالٹا میں قید کر دیئے گئے۔ اس دور کی سیاست کی تاریخ بہت طویل ہے۔ مختصر یہ ہے کہ برصغیر کے مسلمانوں نے انگریز کے کردار کو خوب پرکھ لیا تھا اور انہیں یقین ہو گیا تھا کہ اس قوم کی عیاری کی وجہ سے مسلمانوں کو ان کے حقوق کبھی حاصل نہ ہو سکیں گے اور برادران وطن ہمیشہ دغا کریں گے۔

اس لئے تاریخ کا ایک اہم موڑ اس طرح ظہور پذیر ہوا کہ قائد اعظم محمد علی جناحؒ نے پاکستان اور ایک علیحدہ مملک کا مطالبہ کر کے ۱۹۴۷ء میں اسے قائم بھی کر دیا۔ لیکن ان کا مقصد صرف اسلامی حکومت کا قیام تھا۔۔۔۔ خدا کرے کہ ہم اپنی تاریخ کے اصل مقصد اور اصل غرض وغایت تک پہنچ سکیں، اور اس کے خوں چکاں داستاں کی تکمیل وتتمیم کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔۔۔۔ علامہ اقبال نے اس داستان کے متعلق خوب فرمایا ہے:

غریب وسادہ ورنگیں ہے داستان حرم ۔۔۔ نہایت اس کی حسینؓ ابتدا ہے اسمٰعیلؑ

ہماری انفرادی قربانی سے لے کر اجتماعی قربانی تک داستان دنیا کی تاریخ کو ازبر ہے۔ کاش ہم اس حقیقت تک پہنچ سکیں۔ اللہ کی رحمت سے کچھ بعید نہیں۔ (اوراق گم گشتہ صفحہ نمبر ۶۰ تا ۶۶)

Marfat.com

پاکستان کے کچھ اہم زمینی حقائق یا نظامِ ریاست کا زوال

چینی کہاوت ہے کہ مچھلی سڑتی ہے تو اپنے سر سے سڑتی ہے یعنی کسی بھی معاشرہ کی Elite کلاس کا بگاڑ پورے معاشرے اور قوم کے بگاڑ اور فساد کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔

کسی معاشرہ میں عدل وانصاف کا جب یہ عالم ہو کہ وقت امراء اور بااثر افراد جب کسی جرم کے مرتکب ہوں تو انہیں چھوڑ دیا جائے۔ اور اسی جرم کا ارتکاب عام شخص کرے تو اسے پوری سزا دی جائے۔ ایسا نظام جو ظلم پر مبنی ہو، کبھی دیرپا نہیں ہوتا لازماً تباہی سے دوچار ہوتا ہے۔ چرچل نے خوبصورت بات کہی تھی کہ اسے اس وقت تک ملک وقوم کا کوئی غم نہیں جب تک اس کی عدالتیں عدل کرتی رہیں گی۔

معاشرتی اور قومی زوال کی دوسری اہم صورت یہ ہے کہ جب معاشرتی کردار زوال پذیر ہو جاتا ہے۔ معاشرتی اقدار بدل جاتی ہیں۔ ریاستی اداروں اور امورِ مملکت سے میرٹ کو خیر باد کہہ دیا جاتا ہے۔ نااہل افراد کو اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوں تو اس کا لازماً نتیجہ ایک خوشامدی کلچر کی صورت میں نکلتا ہے جو اوپر سے نیچے تک سفر کرتا ہے۔ اور جو دیانتدار شخص اس سرکل میں نہ آئے تو اسے اس کی قیمت ادا کرنا پڑتی ہے۔ ممتاز دانشور مختار مسعود صاحب، قیام پاکستان کے بعد کی صورتحال کا ان بلیغ الفاظ میں نقشہ کھینچتے ہیں۔

''اس کے بعد برِ اعظم میں نہ جانے مسلمانوں پر کیا افتاد پڑی کہ نہ دیوانے پیدا ہوئے اور نہ فرزانے''

ہمارے حصہ میں تو بس ایک ہجوم آیا سرگزشتہ اور برگزشتہ ۱۸۷۰ء کی دہائی میں پیدا ہونے والوں کی عظمت کا یہ عالم تھا کہ ۱۹۱۰ء سے ۱۹۴۵ء کی ربع صدی میں دنیا کا ہر بڑا کام نہ ان کے بغیر چل سکتا تھا نہ بند ہو سکتا تھا۔ اس رعایت سے مجھے پاکستان میں ان لوگوں سے توقعات تھیں جو بیسویں صدی کے پہلے بیس برس میں پیدا ہوئے تھے۔ ساری توقعات عبث ثابت ہوئیں۔ شاید ان بیس سالوں میں مائیں صرف افسر اور تاجر جنتی رہیں۔

ممکن ہے کہ قدرت اس فیاضی کا جو اس نے انیسویں صدی کی ساتویں دہائی میں دکھائی تھی حساب لے رہی ہے۔ جو ملک اور قومیں اس میزان پر پورے اتریں انہیں مزید بڑے آدمی عطا ہوئے اور جو ناکام رہیں انہیں سزا کے طور پر ایسے لوگ ملے جو شامتِ اعمال ہوا کرتے ہیں'' (آواز دوست صفحہ نمبر 75-74)

ہماری قیادت اور افسر شاہی بلاشبہ، ہماری ملی شامت اعمال ہی کی عکاس رہی ہے۔ ہماری اسٹیبلشمنٹ کا فکری قبلہ مغرب کے دانش کدے رہے ہیں۔ اسی مستعار دانش اور ہمارے ملی مزاج اور ضروریات سے ناآشنا، ہماری افسر شاہی کی غیر حقیقت پسندانہ قومی پالیسیاں اور منصوبے بھی قومی انتشار کا باعث رہے ہیں۔ یہ ہماری ضروریات اور حالات سے ہم آہنگ نہیں رہے۔

ہماری ایلیٹ کا المیہ ہے کہ وہ مغرب کی فکری غلامی میں مبتلا ہیں۔ ہم انہی کا معاشی، اقتصادی، سیاسی اور معاشرتی نظام

Marfat.com

اپنائے ہوئے ہیں۔ اور انکی اندھا دھند پیروی میں لگے ہوئے ہیں جبکہ مغرب کا دجالی معاشرہ روحانی اقدار سے خالی، محض میٹریل کا تگ ودو میں جتا ہوا ہے۔اہل مغرب کی زندگیوں کی تمام تر تگ ودو دنیاوی مفادات کے گرد گھومتی ہے۔ یہ یک رخی اور یک چشمی نظریہ حیات ہے۔اس ذہنیت نے تمام کرہ ارض میں، انسان کی فکری ونظر میں فساد برپا کر رکھا ہے۔

تکمیل پاکستان کیسے

دوسری جنگ عظیم کے بعد جب نو آبادیاتی نظام کے خاتمے کا آغاز ہوا تو پاکستان بارانِ رحمت کا پہلا قطرہ تھا جو سب سے پہلے اللہ کی تکبیر بلند کر کے آزاد ہوا۔اس کے ساتھ ہی عالمی نو آبادیوں کی آزادی کے سلسلہ کا آغاز ہو گیا۔اور سامراج سے آزادی کا یہ سلسلہ نصف صدی سے جاری ہے اور وسطی ایشیاء ریاستوں کی آزادی کے بعد یہ بہت حد تک یہ مکمل ہو چکا ہے۔اب صرف ہی مسلم آبادیاں آزادی کیلئے برسرپیکار ہیں جو کفار کے اندر پھنسی ہوئی ہیں۔

دوقومی نظریہ جو برصغیر سے اٹھا تھا اور جس نے اس کی نظریاتی وجغرافیائی تقسیم عمل میں لائی۔اب عالمی ہو چکا ہے۔اور اس نے عصر حاضر میں دنیا کو عملاً دو نظریات اور دو اقوام میں منقسم کر دیا ہے۔یعنی ایک وہ طبقہ جو اللہ اور کتاب اللہ پر ایمان رکھنے والے ہیں اور دوسرے وہ جو ان پر ایمان نہیں رکھتے۔

عالم اسلام مغربی استعمار سے زمینی ٹکڑوں کی صورت میں آزاد ہو گیا۔یعنی گھر بنانے کیلئے ہمیں پلاٹ میسر آگئے۔ سامراجیوں کی براہ راست غلامی سے نجات مل گئی۔لیکن ان کا تیار کردہ غلامانہ ذہنیت کا وفادار طبقہ، اسٹبلشمنٹ کی صورت میں اور ان کا چھوڑا ہوا نظام ریاست جوں کا توں چلتا رہا ہے۔یہ طبقہ اور اسکی اولادیں آج بھی پرانے آقاؤں اور ان کے پڑپوتوں کی وفادار ہیں۔یہی وجہ ہے کہ عالم اسلام کی قیادتیں مغرب کے آگے سجدہ ریز ہیں۔

انہی قوم فروشوں اور مغرب کے تنخواہ داروں کے باعث یہود کے بچھائے ہوئے اقتصادی اور معاشی جال میں ہم بری طرح پھنسائے گئے ہیں۔آج عملاً .I.M.F عالمی بینک کی پالیسیاں کارفرما ہیں۔ ہمارا سیاسی اور فکری قبلہ، مدینہ کی بجائے Washington بنا ہوا ہے۔

دراصل یہی طبقہ اور نظام اور نظام ریاست، ریاست کے عدم استحکام بدعنوانی، معاشی بدحالی، بے راہروی، قومی بے حسی اور عوامی ابتری کا باعث ہے۔موجودہ صورتحال میں ہماری ریاست تیز رفتاری سے مکمل معاشی Collapse اور انارکی جانب سے بڑھ رہی ہے۔ہمارا معاشرہ کھڑے پانی کی مانند جمود اور ٹھہراؤ کا شکار ہے اور ان میں سے کوئی پتھار یدار اور اس نظام کا محافظ کسی کو اس میں پتھر مارنے کی اجازت نہیں دیتا۔شرفاء وصلحا اور فکر ودانش خود کو تبدیلی لانے کے نا قابل سمجھ بیٹھے ہیں۔جبکہ اس دور میں صالحین اور حق بات کہنے والوں کو ٹھٹھہ معمول بن چکا ہے۔ایسی صورتحال میں ''جب وقت کے فراعین اور ان کی فکر ودانش حامل، مقتدر طبقات مطمئن بیٹھے ہوں اور اپنی کرسی اور اقتدار کو مضبوط سمجھتے ہوں تو وہ ایسے ہی حالات میں فرعون خود موسیٰ پالنے لگتا ہے۔ایسے ہی حالات میں تبدیلی بھی متوقع ہوتی ہے۔

Marfat.com

اس وقت ہم نہایت گھمبیر اور نازک دور سے گزر رہے ہیں۔ یہ ریاست پہلی اسلامی ایٹمی طاقت بن چکی ہے۔ بین الاقوامی مسلم دشمن قوتیں اس ریاست کو ناکام کرنے کیلئے، اندرونی و بیرونی محاذ پر سرگرم عمل ہیں۔ پاکستان کی سرحدیں اوپن کی جارہی ہیں۔ بھارت اور اسرائیل جیسے بدترین ابدی دشمنوں سے گلے ملوائے جارہے ہیں، نظریہ پاکستان اور علیحدہ قومیت کے تشخص کی خلاف آوازیں بلند کی جارہی ہیں۔ کفار اپنی چال چل رہے ہیں اور اللہ اپنی، اور بے شک اللہ بہترین چال چلنے والا ہے۔ یہ فرسودہ نظام اور اسکی عمارت ہماری ضروریات سے ہم آہنگ نہیں۔ نئی عمدہ، پائیدار، خوبصورت اور قومی ضروریات سے ہم آہنگ عمارت کی تعمیر کیلئے ضروری ہے کہ پہلے پرانی عمارت گرائی جائے۔ نوآبادی دور کا بوسیدہ نظام ریاست ختم کر کے تمام انسانوں کی فلاح کا ضامن فطرت کے نظام سے ہم آہنگ جدید اسلامی فلاحی ریاست کا قیام عمل میں لایا جائے۔ جو ایک آزاد خود مختار مسلم قوم کے شایانِ شان اور مسلم امہ کی حقیقی ترجمان ہو۔ جس میں حاکمیت اعلیٰ اللہ کی ہو جو کسی سے Dictation نہ لے۔ جو ریاستی اور معاشرتی نظام حیات میں مثالی، فلاحی نظام متشکل کر کے اہل عالم کو دکھائے۔

پاکستان کی روحانی نمود

قائداعظم نے ارشاد فرمایا: ''یاد رکھیں کہ ہم ایسی مملکت کی تعمیر کر رہے ہیں جو پورے عالم اسلام کی تقدیر بنانے میں اہم ترین کردار ادا کرنے والی ہے'' (۲۲ اپریل ۱۹۳۹ء اسلامیہ کالج پشاور میں خطاب)

اللہ تعالیٰ سورۃ الانفال آیت 24 میں ارشاد فرماتے ہیں: ''اے ایمان لانے والو اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی پکار پر لبیک کہو جب کہ رسول ﷺ تمہیں اس چیز کی طرف لا رہا ہے، جو تمہیں زندگی بخشنے والی ہے اور جان رکھو کہ اللہ آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہے''

''فرماتے ہیں کہ اللہ آدمی اور اسکے دل کے درمیان حائل ہے اور اسی کی طرف تم سمیٹے جاؤ گے اور بچو اس فتنے سے جس کی شامت مخصوص طور پر صرف انہی لوگوں تک محدود نہ رہے گی جنہوں نے تم میں سے گناہ کیا ہو اور جان رکھو اللہ سخت سزا دینے والا ہے''

اے ملتِ پاکستانیہ!

قرآن پاک کی سورۃ الانفال (آیت ۲۶ سے ۲۹) میں پھر ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ: ''یاد کرو وہ وقت جب کہ تم تھوڑے تھے۔ زمین میں تمکو بے زور سمجھا جاتا تھا۔ تم ڈرتے تھے کہ کہیں لوگ تمہیں مٹا نہ دیں پھر اللہ نے تم کو جائے پناہ مہیا کر دی۔ اپنی مدد سے تمہارے ہاتھ مضبوط کئے تمہیں اچھا رزق پہنچایا شاید کہ تم شکر گزار بنو۔ اے ایمان لانے والو جانتے بوجھتے اللہ اور اسکے رسول ﷺ کے ساتھ خیانت نہ کرو اپنی امانتوں میں غداری کے مرتکب نہ ہو اور جان رکھو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد حقیقت میں سامانِ آزمائش ہیں اور اللہ کے پاس اجر دینے کے لئے بہت کچھ ہے اے ایمان لانے والو اگر تم خدا ترسی اختیار کرو گے تو تمہارے لئے کسوٹی باہم پہنچا دے گا، فرقان عطا کرے گا، اور تمہاری برائیوں کو تم سے دور کرے گا اور تمہارے قصور معاف کرے گا اللہ بڑا فضل فرمانے والا ہے''

Marfat.com

مسلمانانِ ہند کی جاہ پناہ

پاکستان بلاشبہ منشہ اور حکم، الہٰی ہے۔ خداوند کریم نے مسلمانان ہند کو مرکزیت اور جائے پناہ فراہم کی۔ یہ ریاست ایک مورچے کی صورت، مسلمانان برعظیم کیلئے ایک پناہ گاہ بنا۔ جس کی بدولت قائد کے اس خواب کی تعبیر کیلئے ایک موقع میسر آیا جس کے تحت ہم اسلام کے اصول حریت عدل عمرانی کو متشکل کر کے ایک رول ماڈل کی صورت میں دنیا کے سامنے رکھ سکتے ہیں۔ قدرت نے اپنی ظاہری اور باطنی نعمتوں اور فیاضیوں کی انتہا کر کے، بنی اسرائیل کی مانند ہمیں بھی، آزمائش میں مبتلا کر دیا گیا، کہ اب ہم اپنے اللہ سے کئے گئے عہد و پیمان کا کیا کرتے ہیں۔

تقسیم ہند کے زمانے کے حالات کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ پاکستان کا قیام درحقیقت مسلمانانِ ہند کیلئے زندگی اور موت کا مسئلہ تھا۔ قیام پاکستان کے وقت، مسلمان برِاعظم میں قریباً 22% تھے۔ اور انکے آئینہ تحفظ کیلئے قائداعظم کا مطالبہ یہ تھا کہ انہیں 33% تسلیم کیا جائے (دیکھئے چودہ نکات) ہندو قوم، نہ صرف اس بنیادی حق سے، بلکہ کسی بھی قسم کی مراعات اور آئینی تحفظ دینے سے انکاری تھی۔ ہندو اس وقت معاش، سیاست، تعلیم اور الغرض ہر میدان حیات میں، ہر پہلو سے غلبہ حاصل کئے ہوئے تھے۔ مسلمان ان تمام میدانوں میں پسماندگی کا شکار تھے۔ تاریخ کے ان نازک ترین لمحات میں اگر مسلمان اپنی بقاء کی جنگ لڑنے میں ناکام رہتے، تو بالآخر ہندوستان میں اپنے وجود سے بھی ہمیشہ کیلئے ہاتھ دھو بیٹھتے۔ تقسیم ہند کے بعد کے حالات اور واقعات نے اس بات کی توثیق بھی کر دی۔ قائد کی بصیرت نے اصل صورتحال کا ادراک کر لیا تھا۔ قائد نے اپنے 10 اپریل 1946ء مجلس قانون ساز مسلم لیگ کنونشن سے خطاب میں، تاریخ ہند کے اس فیصلہ کن موڑ کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

"اگر اکھنڈ ہندوستان قائم ہو جائے اور ہندو اس آئین کو تبدیل کرنا چاہیں تو آپ کیا کریں گے، انہیں کون روک سکے گا؟ اگر پانچ یا دس سال کے بعد وہ کہیں کہ ہم جداگانہ طریق انتخاب کو ختم کرتے ہیں، تو پھر ان کے ہاتھ کون پکڑے گا؟ وہ روز افزوں طاقتور ہوتے جائیں گے۔ اور آپ اکھنڈ ہندوستان میں کمزور ہوتے جائیں گے اور تمام تحفظات یکے بعد دیگرے نیست و نابود کر دیئے جائیں گے۔ (کتاب تاریخ منہاج القران)

قائد کا یہ کس قدر دانش مندانہ اور بصیرت افروز تجزیہ ہے جو تقسیم ہند کے بعد، وارد ہونے والے حالات و واقعات کی حرف بہ حرف توثیق کرتا ہے۔

متذکرہ آیہ مبارکہ میں جائے پناہ سے مراد پاکستان ہے: قیام پاکستان مسلمانان ہند کیلئے زندگی اور موت کا مسئلہ بن چکا تھا۔ پاکستان کا قیام نہ صرف مسلمانان ہند کیلئے جائے پناہ بنا بلکہ پورے مشرق وسطیٰ، افغانستان اور ایران وغیرہ کو بھی پاکستان کے قدرتی حصار کی بدولت ہندو امپیریل ازم سے تحفظ میسر آیا۔ بالفاظ دیگر پاکستان کو نہ صرف نظریاتی اساس کی بناء پر حصار اسلام کی حیثیت حاصل ہے بلکہ جغرافیائی اعتبار سے بھی یہ عالم اسلام کیلئے قدرتی قلعہ کا کام کر رہا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ قائد کو پاکستان کی اس جغرافیائی اور نظریاتی اہمیت کا بخوبی احساس تھا۔ کہ اگر یہ ملک قائم نہ ہوا تو اس کے کس قدر بھیانک نتائج

Marfat.com

مسلمانوں پر وارد ہو سکتے ہیں۔ اگست ۱۹۴۶ء میں قائد نے دوٹوک اعلان فرمایا کہ پاکستان مسلمانوں کیلئے زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔

''خواہ ہمیں کتنی ہی مصیبتوں اور آزمائشوں سے گزرنا پڑتا ہے ہم پاکستان لیکر رہیں گے، پاکستان کے بغیر مسلمانان ہند تباہ و برباد ہو جائیں گے''

قیام پاکستان نہ صرف مسلمانانِ ہند کیلئے مژدہ جانفزا لیکر آیا بلکہ دنیا بھر کے مسلمانوں کی آرزوؤں کا مرکز بن گیا۔ متذکرہ آیہ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ملی نصب العین اور فلاح کو چند باتوں سے مشروط کیا ہے۔ جن پر چل کر حقیقی پاکستان کا خواب پایہ تکمیل کو پہنچ سکتا ہے۔ مگر اولاد اور مال کی محنت ہماری ملی زندگی میں، ہمارے آڑے آ گئی۔ پوری قوم سونے کے بچھڑے کی پجاری بن گئی۔ مال و اسباب کی ہوس نے ہمیں روحانی اعتبار سے اندھا کر دیا۔ ہم خالق کائنات سے اپنا تعلق بھول گئے۔ ہمارا ملی کردار گہنا کر رہ گیا۔ اگر ہم پھر سے اپنی اصل کی جانب پلٹیں گے، تقویٰ اختیار کریں گے اور اللہ کی شکر گزار قوم بنیں گے تو متذکرہ آیہ کی روشنی میں وہ ہمیں تین چیزوں سے نوازے گا۔

۱۔ فرقان (عطا ہوگا) نیکی اور بدی کی تمیز (نظام عدل)

(میدان بدر کے روز یوم فرقان سے تعبیر کیا گیا کیونکہ اس روز اہل ایمان اور جو ایمان نہیں رکھے، کے مابین لائن کھچ گئی۔ دو صفیں بن گئیں۔ اب بھی یہی ہوگا۔)

۲۔ برائیوں کو اللہ ہٹا دے گا (شفاف نظام ریاست اور پاکیزہ و صالح معاشرہ کا قیام)

۳۔ مغفرت فرما دے گا۔

آزادی کے وقت سے لیکر آج تک ہمارے ہاں، بدستور، سامراجی دور کا (غلام قوم کیلئے) تخلیق کردہ نظام ریاست اور قانون رواں دواں ہے۔ انگریز کے تیار کردہ قوم فروش طبقات آج بھی ہم پر جوں کے توں مسلط ہیں۔ ہمارے معاشرے اور نظام میں عدل نام کی کوئی شے نہیں بچی۔ آج یہ اللہ کے نام پر لی جانے والی ریاست ظلم اور نفاق کی تصویر بنی ہوئی ہے۔ جہاں کسی کے جان، مال اور آبرو کا تحفظ نہیں رہا۔ ہمیں ناشکر گزار قوم ہونے کی سزا مل رہی ہے۔ ہم اللہ اور رسول ﷺ سے عہد شکنی اور غداری کے مرتکب ہوئے۔

اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے، اگر ہم راستی اور خدا خوفی اختیار کریں گے۔ بلند کرداری، صدق اور امانت کو قومی اور انفرادی زندگی میں شعار بنائیں گے۔ تو اللہ ہمارے انفرادی اور قومی زندگی سے ہر طرح کی بدعنوانیں اور کرپشن ختم کر دیں گے۔ عدل و انصاف کا نظام قائم ہوگا۔ تمام تر معاشرتی امتیازات اور انسانی تفریقیں رفع ہو جائیں گے۔ اللہ کی اس امانت کو جائے پناہ سے جائے امتیاز بنانا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

Marfat.com

ملت پاکستان کا دوسرا رخ دنیا کی بہترین اور باصلاحیت قوم

اللہ تعالیٰ نے ملتِ پاکستانیہ کو بے پناہ صلاحیتوں اور ذہانت سے نوازا ہے۔ غیر سازگار حالات کے باوجود جس شعبہ میں بھی ہماری قوم کے افراد کو اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوانے کا موقع ملا تو انہوں نے اپنی برتری ثابت کی۔ خصوصاً وہ لوگ جو اپنے دیس میں سازگار حالات اور مواقع نہ ملنے کے باعث وطن سے باہر چلے جاتے ہیں وہ اپنی صلاحیتوں کا لوہا تعلیم، بزنس، تکنیکی مہارت غرض کہ ہر شعبہ میں منواتے ہیں۔

ملک میں جن شعبہ جات میں بھی کچھ سہولیات میسر ہیں وہاں اپنی صلاحیتیں عالمی سطح پر ثابت کی ہیں۔ چاہے وہ کھیل کا میدان ہو یا علم وحکمت یا ادب یا سائنس کا۔ حضرت علامہ اقبالؒ نے اس ملت کی خوابیدہ حرارت کو بھانپ لیا۔ اور اس ملت کی آئندہ نسلوں میں اس کے اظہار کی پیش بینی فرما کر گئے ہیں۔

پاکستانی قوم کے نوجوانوں میں بے پناہ صلاحیتیں اور Potential اس بات کی دلیل ہے کہ قدرت نے اس قوم سے کوئی بڑا کام لینا ہے۔ بقول پروفیسر سعید راشدؒ کے کہ ہماری مٹی میں سونے کے ذرات ہیں۔ سازگار حالات اور مواقع کے تعین کی بات ہے وقت ثابت کرنے والا ہے کہ یہ قوم دنیا کی بہترین قوم ہے۔ ذہانت، لیاقت، صلاحیت اور عزم میں اس قوم میں کوئی کمی نہیں۔ بس ذرا نم ہونے کی دیر ہے۔ حضرت علامہ اقبالؒ نے نوجوانوں کے لئے دعا یا انداز میں، انہیں اپنے اعلیٰ کردار کی ترغیب دلائی فرماتے ہیں:

خود کو غلامی سے آزاد کر — جوانوں کو پیروں کا استاد کر

پھر فرماتے ہیں کہ اشیاء اور واقعات کی اصل حقیقت اور نظر و فراست انہیں عطا کر۔ اقبالؒ فرمان کے مطابق جس طرح وہ مسلمانوں کی نشاۃِ ثانیہ اور بلند کرداری کا خواب (Vision) دیکھ رہے ہیں وہ دیکھنے اور سمجھنے کی نظر اس امت کے اصل سرمایہ نوجوانانِ ملت کو بھی بخش دے۔

جوانوں کو سوزِ جگر بخش دے — مرا عشق، میری نظر بخش دے

پاکستان عالم اسلام کا فکری وروحانی مرکز

فرمان نبوی ﷺ کی رو سے ہر صدی کے سرے پر اللہ تعالیٰ ایسا شخص بھیجتے ہیں جو دین پر پڑنے والے غبار دور کر کے اصل چہرہ کو پھر سے تازہ کر کے لوگوں کے سامنے رکھتا ہے۔ پہلے ہزار برس کے تمام تر مجددین امت عرب میں پیدا ہوئے۔ جنہوں نے فکری وروحانی محاذ پر عظیم خدمات انجام دیں۔ اور پھر اس کے بعد اہل عرب کے دور عروج کا اختتام ہوا۔ اور یہ مرکز علم وفکر عرب سے دوسرے ہزار سال کے شروع میں منتقل ہو گیا۔

پاکستان عظیم کائناتی روحانی حقیقت (مملکت پاکستانیہ ایک آسمانی ریاست)

پاکستان قائد اعظم اور اقبال اللہ تعالیٰ کا خصوصی عطیہ تھے۔ غیر معمولی وجدان والا عظیم فکر، مجدد اور حکیم الامت

Marfat.com

حضرت علامہ اقبال جو زمانے کی شورشوں اور فکری الجھاؤ میں بھی اصل مسئلہ کو پہچان گئے۔ اللہ نے انہیں بے بہا وجدان کی نعمت سے نواز رکھا تھا۔ عظیم قائد ملا جس نے اپنے عزم اور حوصلے سے بدترین دشمنوں کو انکی key positions پر ہونے کے باوجود شکست فاش دی اور باطل کی صفوں کو وہ یکتا و تنہا روندھتا چلا گیا۔ ایسا صاحب کردار کہ جنکے بدترین دشمنوں نے بھی انکے عظمت کردار کو گواہی دی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ہر ایک کی نگاہوں میں نگاہیں ڈال کر بات کر سکتا تھا۔ صدیوں بعد قدرت ملت اسلامیان ہند پر مہربان ہوئی۔ اور ایسی بلند پایہ رہنما شخصیات اور اپنی نعمتوں سے مالا مال خطہ اراضی پاکستان دیا۔

روحانی پس منظر میں پاکستان

پاکستان اہل جنوں کی پروردگار سے فریادوں اور لگن کا ثمر ہے۔ یہ سرزمین اس لئے حاصل کی گئی کہ ممالک کے مابین مسجد قرار پائے۔ یاد رکھئے یہ ریاست اللہ کی امانت ہے اور اسی نے ہمیں دی ہے، جو کوئی بھی اس کی املاک پر بری نظر ڈالے گا منتقم مزاج فطرت اس کو بالآخر رسوائی سے دوچار کرے گی۔ انشاء اللہ وہ وقت دور نہیں۔ جب مجرم اپنے انجام کو پہنچیں گے ایک میدان حشر تو آخرت میں لگے گا لیکن ایک اس دنیا میں بھی قائم ہوگا۔

یہ مملکت اپنے عظیم روحانی پس منظر اور نظریاتی اساس، اسلام کی فکری و روحانی مرکز ہونے کے ناطے حرمین کے بعد دنیا کا اہم ترین اور پاک خطہ ہے، یہ وہ مقام ہے جہاں سے دین ابھرا اور پھر ابھرے گا۔

پاکستان کا عالمی کردار اور اقبال کے جہانِ نو کے نمود کی سرزمین

علامہ اقبال نے جو حیات نو کا تصور دیا اور نظر و فکر کا تذکرہ فرمایا یہ جہان تازہ کا تصور جس سرزمین پر پنپا اور جہاں سے اس نے نمو پائی وہ سرزمین پاکستان ہے۔

حضرت اقبال کے نزدیک انسان کا تاریخی شرف وجلال اور اس کی رفعت وعظمت پھر سے عالم پر جلوہ گر ہوگی۔ انسان پھر سے خود کو اپنی عظمتوں اور رفعتوں کا اہل ثابت کر دیگا۔ پھر سے انسان کی حقیقی وراثت اور خلافت کا عالم میں دور دورا ہوگا۔ جس کے لئے تخلیق انسانی ہوئی۔

علامہ اقبال کے فلسفہ اور تصور کے تحت ریاست پاکستان کا مطلب و مقصد لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ تھا اور احکام الٰہی کے سائے میں اقدار الٰہی کا احیاء، نیز اخلاق الٰہی کا رواج ریاست کا مقصود تھا۔

پاکستان کو قدرت نے اس لئے وجود بخشا، تاکہ یہاں بسنے والے انسان، عالم انسانیت کو کا فرانہ نظروں اور ان کے استبداد کی زنجیروں سے خلق خدا کو آزاد کرائیں۔ ایسی ریاست جس میں علم وفن کا دور دورا ہو۔ عالم کی قدردانی ہو۔ نور علم سے جہاں کے اندھیرے چاک ہوں۔ شرف انسانیت کا اہتمام ہو، انسان کی عظمت، رفعت، عزت آبرو جان اور مال کا اگر ہو۔ قدرت کی عطا کردہ نعمتوں کو عام کر دیا جائے۔ یہی حقیقی پاکستان ہے۔

مجدد وقت حضرت اقبال نے اسی سرزمین سے فلسفہ خودی عنایت کیا۔ شارح اقبال جناب ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم

Marfat.com

اپنی تصنیف 'حکمت اقبال' میں فرماتے ہیں کہ: ''قرآئن بتارہے ہیں کہ فلسفہ خودی کا عالمگیر اشاعت کا کام سب سے پہلے پاکستان سے آغاز کریگا۔ ورخدااور سائنس کاالحاق سب سے پہلے پاکستان میں انجام پائے گا۔ کیونکہ اس دور میں پاکستان ہی وہ ملک ہے جو خدا کے نام پر بنایا گیا ہے۔۔۔ پاکستان ہی وہ ملک ہے جہاں آئندہ کی عالمگیر ریاست کی داغ بیل ڈالی جاچکی ہے۔ اور وہ زمانہ دور نہیں جب یونیورسٹیوں کے نصابی کتب کے اندر خدااور سائنس کے الحاق سے خودی کا علم اس قدر عام ہوگا کہ حاکم اور محکوم کی مرضیوں کے درمیان مکمل موافقت پیدا ہوگی۔ رفتہ رفتہ پاکستان کی تخلیقی اور تبلیغی سرگرمیوں کی وجہ سے دنیا بھر میں خودی یاروح کے خواص کا سائنسی علم اس قدر واضح اور مشکوک وشبہات سے اس قدر بالا ہوجائے گا کہ تمام نوع انسانی بآسانی اس کی صداقت کا اعتراف کرنے لگے گی، یہاں تک کہ اس اعتراف کی وجہ سے وہ پاکستان کی قیادت میں ایک عالمگیر ریاست کی صورت میں متحد اور منظم ہوجائے گی۔ چونکہ ایسی ریاست ایک واضح ورروشن نظام حکمت پر مبنی ہوگی لہٰذا اس کے قائد اور عوام کے درمیان اختلاف ناممکن ہوگا۔ اقبال کے نزدیک یہ صورت حال غیر متوقع یا عجیب نہیں، کیونکہ خدا کا عقیدہ جب سائنس کے ساتھ مل جاتا ہے تو ایک عالمگیر انقلاب پیدا ہوجاتا ہے''

عشق چوں بازیرکی ہمبر بود — نقشبند عالم دیگر شود!

اقبال کا مردِ راہداں اور خضرِ وقت

علامہ اقبال نے جہاں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی الہامی کیفیات بیان فرمائی ہیں وہاں ایک عظیم قائد اور خضر وقت کے ظہور کی بھی نوید دی۔ اقبال خضر وقت کے منتظر اور متلاشی تھے۔ جونہیں حضرت قائداعظم کی صورت میں جلوہ گر نظر آ گیا۔ اقبال کے اس ضمن میں ان پانچ اشعار سے بالکل واضح ہوجاتا ہے کہ اقبال کو بالکل خبر تھی کہ کوئی قائد امت مسلمہ کے اس حصے کو میسر آنے والا ہے۔ دوم نہ صرف ہند کے مسلمانوں کی غلامی ختم ہونے والی ہے بلکہ انہیں حکومت واقتدار بھی عطا ہونیوالا ہے۔ اقبال جیسی بصیرت اور فراست اس وقت کسی کو حاصل نہ تھی۔ اقبال نے خبر دی کہ ہندی مسلمانوں کا انقلاب غیر معمولی نظریاتی انقلاب ہوگا۔

خضر وقت از خلوت دشتِ حجاز آید بروں — کاروان زیں وادی دور دراز آید بروں
من بہ سیمائے غلاماں فر سلطان دیدہ ام — شعلہ محمود از خاک ایاز آید بروں
سالہا درکعبہ وبت خانہ می نالد حیات — تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں
طرح نومی افگند اندر ضمیر کائنات — نالہ ہا کز سینہ اہل نیاز آید بروں

چنگ را گیرید از دستم کہ کار از دست رفت
نالہ ام خوں گشت واز رگ ہائے ساز آید بروں

اقبالیت کے ممتاز ماہر پروفیسر منور مرزا اسکی تشریح میں رقم طراز ہیں۔

''دشتِ حجاز سے امت مسلمہ مراد ہے۔ خلوت سے مقصود، گوشہ ہے۔ انہوں نے زاں وادی دور دراز نہیں کہا

Marfat.com

اور برعظیم پاک و ہند مرکز اسلام سے ایک طرف ہے۔ آخر وحق گو اور بے باک مخلص اور مستقبل مزاج عالی تصور پیکر امانت و دیانت قائد کون تھا۔ جو خضر وقت ہونے کا اہل تھا؟ کیا وہ قائداعظم نہیں؟ جن کی خدمت میں انہوں نے یہ لکھا کہ برعظیم کے مسلمانوں کی کشتی کو کنارہ عافیت تک فقط آپ ہی پہنچا سکتے ہیں۔۔۔ ساتھ ہی بار بار زور دیا کہ وہ کنار عافیت برعظیم کی تقسیم ہے۔ اقبال نے قائد کی عظمت کردار کی خود گواہی دی اور ان کی قیادت میں ادنیٰ سپاہی ہونے پر فخر کیا۔

اقبال اور جناح کے ربانی مشن

یہ کونسا مشن تھا، جس کی تکمیل کیلئے قدرت نے اقبال اور جناح کا انتخاب فرمایا تھا؟ جس کے ایک حصہ کی تکمیل حکیم الامت، حضرت اقبال، حضرت اقبال فرماتے ہیں، جبکہ دوسرا حصہ قائداعظم کے ہاتھوں مکمل ہوتا ہے۔

اُمت مسلمہ اور ملت اسلامیان ہند اپنی تاریخ کا بدترین زوال دیکھ رہی تھی۔ اس وقت تقریباً تمام عالم اسلام مغربی استعمار کے براہ راست کنٹرول میں تھا۔ ان حالات میں امت کے سینے میں، پھر سے اپنے تابناک ماضی کو جلوہ گر دیکھنے کیلئے، ایک اضطراب پل رہا تھا۔ ایسے میں قدرت اسلامیان ہند کا انتخاب فرماتی ہے، دعاؤں کی قبولیت ملتی ہے۔ پھر سے دوقومی نظریہ اور ملت واحد کا تصور اجاگر ہوتا ہے۔ قدرت اپنے اس خصوصی کام کی تکمیل کیلئے، اپنے دو محبوب بندو کا انتخاب فرماتی ہے۔ یہ حضرت اس نظریہ کے سب سے بڑے داعی بن کر ابھرتے ہیں۔ ان دو شخصیات کی فراست امت کیلئے ایک پناہ گاہ اور حصار کی حیثیت رکھتی ہے۔ اقبال ایک نئے زمانے کا خواب دیکھتے ہیں، جس نے دور حاضر کی جگہ لینی ہے، جسے وہ جہان نو سے تعبیر فرماتے ہیں۔ جبکہ موجودہ مغربی دجالی عہدہ کو وہ عہد کہن کا نام دیتے ہیں۔

جہاں نو ہو رہا ہے پیدا، وہ جہان پیر مر رہا ہے ۔۔۔ جسے فرنگی مقامروں نے بنا دیا ہے قمار خانہ

اقبال اسلام کے حقیقی چہرے کو پھر سے دنیا کے سامنے لانے کیلئے ایک آزاد و خود مختار مسلم ریاست کا تصور دیتے اور اسکی تصویر کشی کرتے ہیں، اسی طرح جناح بھی پاکستان کو اسلام کی عملی تجربہ گاہ قرار دیتے ہیں۔ بعض شخصیات تاریخ ساز ہوتی ہیں وہ ربانی مشن کے تحت تاریخ کا دھارا موڑ دیتیں ہیں جسے متذکرہ دونوں شخصیات ہیں۔

علامہ اقبال کا ربانی مشن

حضرت اقبال اللہ کے ان خاص بندوں میں سے تھے، اللہ نے جنہیں مستقبل بینی کی صفت ودیعت کی تھی۔ ان کو بہت بڑی فراست سے نوازا گیا۔ ان کی شاعری محض شاعری نہیں، بلکہ الہامی کلام محسوس ہوتا ہے۔ امت مسلمہ اور ملت ہند کیلئے اقبال نے بہت بڑا اور اہم کردار ادا کیا۔ ایک مجدد وقت کا فریضہ ادا کرتے ہوئے اقبال نے دین کا اصل چہرہ امت کا بتایا، تیرہ سو برس کے بعد دوقومی نظریہ کو پھر سے زندہ کیا۔ امت کے امراض اور اسکی پوشیدہ حرارت، اور صلاحیتوں کی نشاندہی فرمائی۔ یہی نہیں بلکہ تمام عالم میں رائج نظام اور عالمی طاقتوں کے نظام اور فلسفہ حیات کا انتہائی گہرائی سے تجزیہ فرمایا۔ موجودہ مغربی دجالی فتنہ کا سب سے قبل ادراک حاصل کیا۔ ان کے منطقی انجام کی اپنی بصیرت کی بنا پر خبر دی (ایک پاکستان کی صورت میں) مدینہ ثانی کا تصور

Marfat.com

دیا، جسکے ذریعہ اسلام کے حقیقی چہرے کو دورِ ملوکیت کی قباحتوں سے پاک کر کے دنیا کو دکھایا جا سکے۔ نیز اسلام اور دنیا کے مستقبل کو اپنی الہامی کیفیات میں بیان فرمایا۔ یہ تمام انتہائی بلند فکری اور تجدید کا کام ماسوائے ایک مجدد کے اور کوئی انجام نہیں دے سکتا۔

حضرت اقبال جب بستر مرگ پر تھے تو ایک وفد ان کی صحتیابی کی دعا کیلئے آیا، اقبال نے ان سے فرمایا تھا کہ "میں اپنا کام پورا کر چکا ہوں، میں نے اپنا مشن مکمل کر دیا ہے، میرے لئے دعا کرنے کی بجائے اب جناح کے لئے دعا کیجئے انہیں ابھی اپنا مشن پورا کرنا ہے" (عظیم قائد عظیم تحریک ص 642)

علامہ نے مردِ راہداں کی نشاندہی ہی نہیں فرمائی بلکہ انہیں بطور قائد ملت ہند کیلئے منتخب فرمایا جس کے سہارے مسلمان اپنی منزل تک پہنچ سکیں گے۔ اقبال نے قائد کے بارے میں خبر دیتے ہوئے کہا:

می رسد مردے کہ زنجیرِ غلاماں بشکند　　　دیدہ ام از روزنِ دیوارِ زندانِ شما

قائد کے انتخاب کے سلسلہ میں تحریک آزادی کے ایک اور عظیم رہنما علامہ محمد علی جوہر کا بھی وفات سے قبل یہی تجزیہ تھا کہ مسلمانوں کی قیادت کی اہلیت قائد کے سوا کوئی دوسرا نہیں رکھتا۔ علامہ جوہر حصول آزادی کے سلسلہ میں مذاکرات کے لئے جب گول میز کانفرنس میں شرکت کی غرض سے لندن گئے۔ جبکہ انکی جسمانی صحت اس سفر کیلئے شدید معذور تھی۔ سخت بیماری کے عالم میں (سٹریچر پر) برطانیہ گئے، جو کہ انکی زندگی کا آخری سفر ثابت ہوا۔ ان سے وہاں پوچھا گیا کہ اب ان کے بعد کون مسلمانوں کی قیادت کرے گا تو انہوں نے دعائیہ انداز میں فرمایا تھا کہ:

"کاش خداوندِ عالم جناح کے دل میں ڈال دے کہ مسلمانوں کی راہنمائی اب کر سکے، ان کے سوا کوئی دوسرا نہ کر سکے گا"

(مقالہ احترام قائد اعظم از محمد سلیم ساقی صفحہ نمبر 24)

محمد علی جناح کا ربانی مشن

اقبال کی وفات کے بعد اس ربانی مشن کا اگلا مرحلہ حضرت قائد اعظم نے مکمل فرمایا۔ جس کا تذکرہ علامہ نے وفات سے قبل کیا تھا۔ جس مسلم ریاست کو اقبال نے تقدیر کا اٹل فیصلہ قرار دیا اور جس میں قرآنی نظام کے عملی نفاذ کا خواب دیکھا۔ اس منزل کے حصول کیلئے راہنما کا انتخاب بھی اقبال خود فرمایا۔ اور انہوں نے اس عظیم قائد کو خضرِ وقت سے تعبیر فرمایا۔

اقبال کے خواب کی اس سرزمین کی بناء اسی مردِ راہداں کے ہاتھوں پڑی۔ یہ دونوں اصحاب درحقیقت انتخاب الٰہی تھے۔ مدینہ ثانی کی تخلیق کیلئے قدرت نے قائد کو منتخب فرمایا۔ اس الٰہی مشن کی تکمیل پر قائد نے فرمایا:

"قدرت نے جو کام میرے سپرد کیا تھا میں نے پورا کر دیا"

معالج قائد کرنل الٰہی بخش کے بیان کے مطابق قائد کے آخری شدید علالت کے ایام میں، فاطمہ جناح اور کرنل صاحب نے انتہائی کوشش کی کہ قائد تندرست ہو جائیں، جتنے کہ اس وقت سے سات آٹھ برس قبل تھے۔ قائد ان کے یہ

Marfat.com

خیالات جان کر مسکرائے اور فرمایا: ''چند سال قبل یہ یقیناً میری آرزو تھی کہ میں زندہ رہوں، میں اسلیئے زندگی کا طالب نہیں تھا کہ مجھے دنیا کی تمنا تھی اور میں موت سے خوفزدہ تھا بلکہ اسلیئے زندہ رہنا چاہتا تھا کہ قوم نے جو کام میرے سپرد کیا ہے اور قدرت نے جس کیلئے میرا انتخاب کیا ہے، میں اسے پایہ تکمیل تک پہنچا سکوں۔ وہ کام پورا ہو گیا ہے، میں اپنا فرض ادا کر چکا ہوں، پاکستان بن گیا ہے، اس کی بنیادیں مضبوط ہیں۔ چند ماہ سے مجھے ایسے خیالات آتے رہے ہیں کہ میں اپنا فرض ادا کر چکا ہوں، قوم کو جس چیز کی ضرورت تھی وہ اسے مل گئی ہے۔ حکومت کا نظم ونسق دیانتداری اور محنت سے چلائے، میں طویل سفر کے بعد تھک گیا ہوں، آٹھ سال تک مجھے قوم کے اعتماد و تعاون پر عیار اور طاقتور دشمن سے لڑنا پڑا ہے۔ میں نے اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر ان تھک کوشش اور محنت کی ہے اور اپنے خون کا آخری قطرہ تک حصول پاکستان کیلئے صرف کر دیا ہے۔ میں اب تھک گیا ہوں، آرام چاہتا ہوں، اب مجھے زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے''

کرنل الٰہی بخش (جو کہ اس وقت King Edward Medical College کے پرنسپل تھے) کی سربراہی میں قائد کی صحت یابی کیلئے ایک پینل تشکیل دیا گیا۔ جس کے ایک اہم رکن اسی کالج کے ڈاکٹر ریاض علی شاہ بھی تھے۔ جو کہ قائد کے معالج کی حیثیت سے آخری ایام میں قائد کے ساتھ رہے۔ ڈاکٹر ریاض علی شاہ صاحب کا ''ماہ نو'' مطبوعہ'' کراچی (قائداعظم نمبر نومبر ۱۹۴۸ء میں مضمون چھپا جس سے یہ لیا گیا ہے)۔

(بحوالہ کتاب ''سیرت قائداعظم صفحہ ۴۲۳ از پروفیسر رفیع اللہ شہاب) (کتاب صفحہ ۳۳ مقالہ احترام قائداعظم از محمد سلیم باقی)

پاکستان کی روحانی نمود (پاک و ہند کی چار سو سالہ تاریخ، ۱۰۰۰ھ تا ۱۴۰۰ھ)

اسلام کے پہلے ہزار سال دور میں امت کا فکری اور سیاسی مرکز خطہ عرب ہی رہا۔ (دور نبوی تا ۱۰۰۰ ہجری) یعنی یہ دور عرب کا ہزار سالہ فکری و سیاسی بالادستی کا دور ہے۔ اس عرصہ میں بہت بڑی بڑی نامور مسلم شخصیات نے خطہ عرب میں جنم لیا اور نمو پائی۔ جن میں بڑے بڑے قائدین، سپہ سالار اور اسکالرز شامل ہیں۔ جنہوں نے مختلف علوم اور سائنس میں بیش بہا خدمات انجام دیں۔ امت کے دوسرے ہزار سالہ دور کے آغاز پر ہم دیکھتے ہیں کہ عرب، بدترین، زوال کا شکار ہوئے، مسلمانوں کا سیاسی وحدت کا مرکز، عرب سے شفٹ کر کے عجم میں منتقل ہوا۔ ترکی میں عثمانی سلطنت پورے جاہ وجلال کے ساتھ وجود میں آ گئی۔ جبکہ اسلام کی فکری اور علمی ترویج کا مرکز برصغیر پاک و ہند بنا۔ پچھلے چار سو برس میں اس خطہ کی فکری محاذ پر خدمات غیر معمولی ہیں۔ اس خطہ نے بعض غیر معمولی اور لاثانی شخصیات بھی پیدا کیں۔ جن کی نظیر اس مدت میں پورے عالم اسلام میں نہیں ملتی۔

☆ حضرت مجدد الف ثانی یعنی دوسرے ہزار برس کا پہلا مجدد، آپ کا اصل نام شیخ احمد سرہندی تھا۔ آپ نے گیارہویں صدی ہجری میں اسلام کیلئے، اپنی عظیم خدمات انجام دیں۔ علمی و فکری محاذ پر دین کا دفاع کیا۔ ہند میں مسلم قومیت کو ان کے حقیقی تصورات کے ساتھ محفوظ کیا۔ اس مقصد کیلئے انہیں سخت ترین مصائب کا سامنا بھی کرنا پڑا، مگر حق کے پرچم کو سرنگوں نہ ہونے دیا۔

Marfat.com

☆ بارہویں صدی ہجری میں حضرت شاہ ولی اللہ کی غیر معمولی شخصیت تھی۔ جو مجدد امت کی حیثیت سے ابھرے۔ پہلی مرتبہ فارسی زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ کیا۔ دین کی تفہیم کو عوام الناس کیلئے سہل بنایا۔ دین کی اصل روح اور فکری احیاء کیلئے قابل قدر خدمات انجام دیں۔ ملت ہند کے نازک ترین وقت میں جب مرہٹوں نے بے پناہ قوت پکڑی اور مسلمانوں کے ہند سے مکمل صفایہ کا اعلان کیا تو حضرت شاہ ولی اللہ نے اپنی اعلیٰ بصیرت سے حالات کو بھانپتے ہوئے، احمد شاہ ابدالی کی خدمات حاصل کیں اور مرہٹوں کے فتنہ کی سرکوبی کی اور اسلام کو برصغیر سے مٹنے سے بچالیا۔

☆ تیرہوں صدی ہجری میں سید احمد بریلویؒ کی غیر معمولی شخصیت تھی۔ جنہوں نے اسلامی ریاست کے قیام کی کوشش میں جام شہادت نوش کیا۔

☆ چودہویں صدی ہجری میں حضرت علامہ اقبال تھے۔ جنہیں اللہ نے غیر معمولی وجدان عنایت کیا تھا۔ اللہ نے انہیں حالات وواقعات کو گہرائی سے سمجھنے کی غیر معمولی قوت وصلاحیت بخشی تھی۔ اقبال نے امت کے امراض کی تشخیص بھی کی اور علاج بھی بتلایا۔ اپنے وژن، مستقبل بینی کی صلاحیت سے ریاست پاکستان کے قیام کی خبر دی۔ نیز امت کو ایک انتہائی روشن مستقبل کی نوید، اپنے غیر معمولی وجدان کی بنا پر دی۔

اقبال نے تیرہ سو برس کے بعد دوقومی نظریہ کو پھر سے زندہ کیا۔ وحدت امت اور وحدت آدمیت کا درس دیا۔ دین کی اصل بنیادوں یعنی ریاست مدینہ کی بنیادوں پر اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا خواب دیکھا اور فلسفہ خودی عنایت کیا۔

زمانے کے سب سے بڑے بت وطنیت، سے سب سے قبل آگاہ ہوئے۔ جس کا پجاری مسلمانوں سمیت سارا عالم بنا ہوا تھا۔ بڑے بڑے مسلم علماء اس کے حق میں قصیدہ خواں تھے۔ اس کی نفی اور دین کا اصل چہرہ سامنے لانے کے لئے جنوبی ایشیاء میں آزاد مسلم ریاست کا خواب دیکھا اور اس مقصد کیلئے ایک عظیم اور باکردار قائد کا انتخاب بھی کیا۔

ان چار صدیوں کی یہ چار مسلم شخصیات، جو فکر میں لاثانی تھیں۔ ان کے پایہ (Caliber) کی کوئی شخصیت بقیہ عالم اسلام میں، ہمیں ان چار سو برسوں کی تاریخ میں نظر نہیں آتی۔

بیسویں صدی عیسوی میں امت مسلمہ کی سیاسی وحدت کی علامت ترکی کی بادشاہت تھی جسے خلافت عثمانیہ بھی کہا جاتا ہے، کا خاتمہ ہوا۔ اور امت حکمتِ افرنگ سے لاتعداد ٹکڑوں اور نسلی قومیتوں میں بٹ گئی۔ سلطنت عثمانیہ کے خاتمہ سے اسلامی وحدت واتحاد کا مرکز ختم ہوا۔

قوموں کے لئے موت ہے مرکز سے جدائی

اسکے بعد اسلام کی مرکزیت اور نشاۃ ثانیہ کی جدوجہد کا آغاز برصغیر سے شروع ہوتا ہے۔ اقبال کے نالے امت کے اجڑے گلستاں کی منظر نگاری کرتے ہیں۔ مسلمانوں میں ایک نئی صبح کی تڑپ، آرزو اور حصول منزل کا احساس پیدا کرتے ہیں۔ ملت میں اسلام کا حقیقی تصور پھر جاگزیں ہوتا ہے۔ پوری قوم ایک نئی بیداری اور ولولہ کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوتی ہے اور اس عظیم نصب العین کے حصول کیلئے پاکستان قائم کر لیتی ہے۔

Marfat.com

صوفیائے کرام

صنم خانہ ہند میں دین حق کی ترویج کے لئے وسطی ایشیائی ریاستوں سے ہجرت کر کے آنے والے صوفیا کرام نے اسلام کی تبلیغ واشاعت میں عظیم خدمات انجام دیں۔ اولیاء کرام کا یہ ایک طویل سلسلہ ہے اور ان کیا سماء اور خدمات کی طویل فہرست ہے۔ ان بزرگان دین کی تزکیہ نفس کے لئے۔ روحانی مشقتیں اور انکی تعلیمات، ہماری تہذیب وثقافت میں رچی بسی ہیں۔

دینی دانشور و علماء

ان میں سے چند اہم اور نمایاں شخصیات میں شاہ اسماعیل شہید اور ان کی تحریک شہیدین، تیتومیر، بنگال کے حاجی شریعت اللہ، علامہ محمود الحسن اسیر مالٹا، علامہ عبداللہ سندھی، علامہ شبیر احمد عثمانی، علامہ اشرف علی تھانوی، علامہ غلام احمد، حسرت موہانی اور نواب بہادر یار جنگ شامل ہیں۔ یہاں میں بہت بڑے مسلم اسکالر نو مسلم ڈاکٹر محمد اسد بھی تھے۔ یہ مرد درویش یہودیت سے مسلمان ہوا۔ ڈاکٹر اسد آسٹروی نژاد تھے۔ قبولیت اسلام کے بعد چند برس حرمین میں قیام کیا۔ پھر شخصیت اقبال کی کشش انہیں لاہور لے آئی۔ ڈاکٹر صاحب بلند پایہ عالم اور مفسر قرآن تھے۔ انہوں نے قرآن کی ایک بلند پایہ تفسیر Message of Quran کے عنوان سے تحریر کی۔ اسی طرح ان کی ایک اور اہم اور خوبصورت تصنیف Road to Mekkah ہے۔ ڈاکٹر اسد نے تحریک پاکستان میں عملی حصہ لیا اور ایک مجلّہ عرفات کے عنوان سے لاہور سے جاری کیا۔ ڈاکٹر صاحب، اپنی ماضی کے تمام نسلی اور علاقائی تعلق توڑتے ہوئے فخر کے ساتھ اپنے آپ کو پاکستانی کہتے تھے۔ اور ایک جدید، خوبصورت اور مثالی اسلامی ریاست، سرزمین پاکستان میں دیکھنے کیلئے متمنی تھی۔

درویش صفت حکمران

اس میں زیادہ نمایاں خاندان غلامان ہے جس میں سلطان ناصر الدین محمود، التمش پھر مغلوں میں اورنگزیب عالمگیر وغیرہ شامل ہیں۔

مجاہدین جنگ آزادی

حضرت ٹیپو سلطان شہید، نواب سراج الدولہ وغیرہ یہ حکمرانوں کی سطح پر ہیں۔ اسی طرح عوامی سطح پر نظام لوہارؒ المعروف نظام کو وغیرہ اور ان کے علاوہ دیگر ہزاروں عظیم دانشور، علماء، مجاہدین اور لاکھوں شہداء نے جرأت اور بہادری کی تاریخ رقم کردی

مجاہدین تحریک آزادی

محمد علی جوہر جمال الدین افغانی، حالی، حکیم اجمل، سردار عبدالرب نشتر، نواب بہادر یار جنگ اور سر سید جیسی بلند پایہ شخصیات نے تحریک آزادی کو اپنے اخلاص اور اسلام دوستی سے روشن کیا۔ اور ملت کی بیداری میں اہم خدمات انجام دیں۔ اسی طرح تحریک آزادی میں نامور مسلم خواتین میں بی اماں اور محترمہ فاطمہ جناح کے نام زیادہ نمایاں ہیں۔

Marfat.com

قدرت کی منصوبہ بندی

برصغیر پاک و ہند کی چار سو سالہ تاریخ کا جائزہ لینے سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ قدرت نے یہاں فکر و تحقیق کے کام کے علاوہ اسلام کی بدترین حالات میں خصوصی حفاظت کے اسباب مہیا کیے۔ کسی نہ کسی صورت دین کو محفوظ کیا۔ برصغیر کے مخصوص علاقوں میں مسلمانوں کی اکثریت کے باعث، قیام پاکستان کا مروجہ جمہوری اصولوں کے تحت جواز بن سکا۔ اگر مسلمان بکھرے ہوتے تو خدا جانے مسلمانوں کا کیا حشر ہوتا۔ مخصوص علاقوں میں مسلمانوں کی واضح اکثریت قدرت کی طرف سے مرکزیت کے قیام کیلئے واضح اشارہ تھا۔

تاریخ کی عظیم ہجرت

قیام پاکستان کے وقت، ہجرت مدینہ کی پیروی میں، دین کی خاطر تاریخ کی سب سے بڑی ہجرت عمل میں آئی۔ تاریخ کے ہولناک مظالم نہتے مسلمانوں پر ڈھائے گئے۔ ہندو قوم نے ہمارے لاکھوں مرد و زن اور بچے قتل کیے، گھر لوٹے، پورے پورے محلے اور بستیاں اجاڑ دیں۔ انہیں آگ لگا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیا۔

دلخراش سانحات اور آگ و خوں کا دریا پار کر کے مسلمان اپنی تمناؤں کی سرزمین پر پہنچے دو کروڑ کے قریب افراد نے نہایت کسمپرسی و بے سروسامانی کی حالت میں نومولود ریاست میں ہجرت کی۔

عقدہ قومیت مسلم کشود — از وطن آقائے ما ہجرت نمود
حکمتش یک ملتِ گیتی نورد — بر اساسِ کلمۂ تعمیر کرد

مجاہدین آزادی

جنگ آزادی خصوصاً ۱۸۵۷ء میں مسلمانان ہند، مجاہدین و علماء نے عظیم جانی و مالی قربانیاں دیں۔ لاکھوں کو جنگ آزادی میں ناکامی کے بعد انگریزوں نے چن چن کر شہید کر دیا۔ دہلی کے گرد و نواح میں کوئی درخت ایسا نہ تھا جس پر کسی مجاہد یا عالم کی لاش نہ لٹکی ہو۔ جنگ آزادی میں شکست کے بعد انگریزوں نے صرف پندرہ روز میں دو لاکھ مجاہدین اور علماء کو شہید کیا۔ انگریز بہادر نے نامی گرامی علماء و مجاہدین آزادی کو جیسے سید احمد شہید وغیرہ کے ساتھ تھے، جو انگریز سے متواتر ٹکراتے رہے، ان پر بدترین مظالم ڈھائے، یک طرفہ مقدمات چلائے۔ جس کا ایک واضح ثبوت ۱۸۷۰ء کا مقدمہ انبالہ ہے۔ ان صاحبان کو سزا کے طور پر کالا پانی کی سزائیں بھی دی گئیں۔ (مولانا جعفر تانیسری مرحوم کی کتاب ''کالا پانی'' ایک بہترین تحریر ہے)

جعفر دودایوف شہید کی وصیت

چیچنیا کے عظیم مسلم رہنما اور فوجی جنرل حضرت جعفر دودایوف شہید جنہوں نے بہادری کی عظیم داستانیں رقم کیں۔ ایک بہت بڑی عالمی سازش کے نتیجہ میں شہید کر دیئے گئے۔ شہادت سے قبل انہوں نے قوم کی وصیت فرمائی کہ وہ ان کے بعد اللہ پر اور پھر قوم پاکستان پر بھروسہ کریں۔ اس بات کا انکشاف دورہ پاکستان پر آئے، چیچنیا کے سابق صدر زیلم خان نے کیا۔

Marfat.com

اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ عالم اسلام کو پاکستان سے کیا توقعات وابستہ ہیں۔اور یہ خطہ اُمہ کی امیدوں اور امنگوں کا محور بنا ہوا ہے۔

ابوالحسن علی ندوی اور پاکستان

برصغیر کے معروف اور جید مسلم عالم دین سید ابوالحسن علی ندوی کو سرزمین پاکستان سے بہت سی توقعات وابستہ تھیں۔ انہوں نے اس خطہ سے اسلام کی نصرت اور سربلندی کے قیام کا اظہار فرمایا۔انہیں اپنے حرمین میں قیام کے دوران زیارت نبوی ﷺ ہوئی۔جس میں خطہ پاکستان کے خصوصی رول کا اظہار تھا۔اسی بناء پر وہ ۸۰ء کی دھائی میں بھارت سے پاکستان تشریف لائے۔اور یہاں کے حکمرانوں سے خصوصی طور پر ملے۔

حضرت واصف علی واصفؒ

۱۔ پاکستان میں ایک ایک عظیم روحانی دور آنے والا ہے سب ٹھیک ہو جائے گا۔اندیشہ نہیں کرنا چاہئے۔

۲۔ میری نگاہ میں موجودہ دنیا کی تباہی کی صورتحال ہے۔اس گرد وغبار سے کوئی شہسوار نمودار ہوگا۔ (اقتباس کتاب ''مکالمہ'')

سرفراز علی شاہ صاحب

ہم ہی میں سے ایک آدمی اٹھے گا جو اس قوم کو آئینہ دکھائے گا اور انشاءاللہ تعالیٰ ہم ترقی کی طرف چلے جائیں گے۔

(اقتباس کتاب ''لوح فقیر صفحہ 302)

تاریخ پاکستان کا روشن باب

مسلمانان ہند کی تاریخ کا یہ تابناک پہلو ہے کہ ہم نے قیام پاکستان کی اہم ترین تحریک میں جس نے تاریخ کا دھارا موڑ کر رکھ دیا۔تمام تر عصبیتیں ترک کر کے اللہ کے نام پر اٹھ کھڑے ہوئے۔نسلی وعلاقائی عصبیتوں میں بٹی دنیا جنکا سیاسی نصب العین جرمن، فرنچ، اٹالین یا مصری، عربی اور ایرانی وغیرہ ہے ان کے برخلاف ہم نے اپنی وحدت کا نظریہ اللہ کے ایمان کو بنایا۔ ہماری ملی بیداری اسلام سے لگاؤ اور روشن فکر ونظر کی حامل عظیم مسلم قیادت کی مرہون منت تھی۔جس نے ملت مسلمانان ہند بنیان مرصوص بنا ڈالا۔صدیوں کے چشم فلک نے مسلمانوں میں ایسا اتحاد اور یکجہتی کو دیکھا۔صدیوں کے بعد مسلمانوں نے اقبال اور قائد نے جیسی مومنانہ فراست کی حامل عظیم قیادت دیکھی۔ہم اس وقت نہ پنجابی رہے، نہ سندھی، نہ بلوچی، نہ پٹھان نہ کشمیری اور نہ ہندوستانی مہاجر۔ہم سب مسلمان بن گئے۔ہم سب انسان بن گئے۔

پاکستان بنا تو قرارداد مقاصد پاس ہوئی۔جس کے ذریعہ ہم نے اللہ کی حاکمیت کا اقرار کرلیا۔یعنی اس ریاست کی Official ترجیحات کا اعلان ہوگیا۔اس کو ابھی تک آئین میں فعال نہیں کیا گیا۔کیونکہ بانیان پاکستان کی رخصتی کے بعد یہ ملک ایک مخصوص لابی کے ہاتھوں یرغمال چلا آیا ہے۔جس کو بانیان پاکستان اور نظریہ پاکستان سے کوئی نسبت نہیں رہی۔

اس سب کے باوجود پاکستان کو اسلامی جمہوریہ قرار دیا گیا۔جدید اسلامی ریاست کے قیام کیلئے فکری محاذ پر بھی کافی

Marfat.com

کام ہوا۔ وفاقی شرعی عدالت نے سودی قوانین کو غیر اسلامی قرار دے دیا۔ عدالتی اور پارلیمانی محاذ پر تحریک ختم نبوت کامیاب ہوئی۔ اگر اہل عالم سے موازنہ کیا جائے تو بقیہ اسلامی دنیا کی نسبت اسلام یہاں زیادہ زندہ و تابندہ ہے۔ دین کی خاطر مرمٹنے کا جذبہ اب بھی موجود ہے۔ پاکستان نے بعض نہایت اہم شعبوں میں خود کفالت حاصل کرلی ہے، جس میں نیوکلیئر اور میزائل صلاحیت سرفہرست ہے۔ انفرادی سطح پر جدید فنون، ادب اور دیگر شعبہ حیات میں بہت اچھا کام ہو رہا ہے۔

اسلامی دنیا میں پاکستان واحد ملک ہے جہاں سب سے زیادہ تحریر و تقریر کی اجازت ہے۔ تمام دینی تنظیموں اور گروپوں کو اور سیاسی جماعتوں کو عوام تک اپنی بات پہنچانے کی آزادی ہے۔

اس ریاست کی تخلیق کے زمانے سے سرگرم تخریبی قوتوں کی کارستانیوں نیز یہود و نصاریٰ اور ہنود کے گٹھ جوڑ اور ڈھکی، چھپی اور ظاہری سازشوں کے باوجود یہ ملک قائم دائم ہے۔ اس ملک کو بین الاقوامی سازشوں کا گڑھ بنایا جا رہا ہے اور نار کی جانب دھکیلا جا تا رہا ہے۔ جبکہ معاشی محاذ پر اسے بیرونی قرضوں میں جکڑ دیا گیا ہے۔ ان حالات میں اس کا Survive معجزہ سے کم نہیں ہے۔ ایک اور صفت جو پاکستانی مسلم ملت میں پائی جاتی ہے۔ جو کہ بقیہ عالم اسلام سے بہت نمایاں ہے وہ یہ کہ، چاہے چیچنا، کشمیر، فلسطین، بابری مسجد کی شہادت یا مسجد اقصیٰ کی بے حرمتی ہو، عراق پر امریکہ اور اسکے واریوں کی کاروائی ہو حکمران طبقے کی پرواہ کئے بغیر قوم نے مسلمانوں کے حق میں بھرپور جذبات کا اظہار کیا ہے۔ یہ زبردست جوش و جذبہ کہیں اور دکھائی نہیں دیتا۔

روحِ مسلماں میں ہے آج وہی اضطراب　　　رازِ خدائی ہے یہ کہہ نہیں سکتی زباں　　　(اقبالؒ)

دوقومی نظریہ اور قرآنی مثالیں

دوقومی نظریہ درحقیقت قرآنی نظریہ ہے۔ کلام اللہ نسل انسانی کو دو حصوں اور اقوام میں منقسم کرتا ہے۔ ایک وہ جو اللہ کو احد مانتے رسول اللہ ﷺ کو اپنا رہبر تسلیم کرتے ہیں۔ ایسے صالحین کو قرآن حزب اللہ کہتا ہے۔ دوسرے وہ جو دین حق کے باغی ہیں۔ واضح ہدایات اور دلائل آنے کے باوجود اللہ کی اطاعت نہیں کرتے۔ خلاف فطرت امور کے باعث فساد کا سبب ہیں۔ اللہ انہیں حزب الشیطان کہتا ہے۔

یہ نظریہ اس حقیقت کا غماض ہے کہ تمام طرح کا کفر اسلام کے مقابلہ میں متحد ہو جاتا ہے۔ یہ معاملہ روز اول سے موجود رہا ہے۔ حضرت نوحؑ ہی کو دیکھئے کہ وہ ایک طرف تھے اور ان کا حقیقی بیٹا دوسری جانب۔ حضرت لوطؑ کی بیوی ان پر ایمان نہ لائی اللہ کے احکام سے انکار کر دیا۔ وہ بھی اپنوں میں سے نہیں بلکہ غیروں میں سے تھی اسلئے اس کا حشر مغضوب قوم کے ساتھ ہوا۔

(القرآن ۱۱/۱۰۱-۶۶)

حضرت ابراہیمؑ کے باپ نے توحید اور حق کے راستے کو ماننے سے انکار کر دیا تو آپؑ نے اپنے باپ اور قوم سے یہ کہہ کر قطع تعلق کیا کہ: ''میں تم اور جنہیں تم خدا کے سوا پکارتے ہو ان سب سے الگ ہوتا ہوں''　　　(۱۹/۴۸۔ القرآن)

Marfat.com

كَفَرْنَا بِكُمْ ''ہم تم سے ہر رشتے کا انکار کرتے اور بیزاری کا اعلان کرتے ہیں''

وبدينا وبينكم العداوة والبعضاء ابدا

ترجمہ: ''ہم میں اور ہم میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کھلی کھلی عداوت اور نفرت رہے گی''

جس نفرت عداوت کا یہاں تذکرہ آیا ہے اسے محبت میں بدلنے کے لئے (القرآن ۶۰/۴ اور ۱۴/۳۶) اصول دیا گیا کہ اپنوں اور بیگانوں کا معیار، کون، رنگ، نسل یا وطن سے رشتہ نہیں۔ جو شخص ایک اللہ کے پیچھے چلنے والا ہے وہ سب بھائی بھائی ہیں۔ ''مسلمانوں کو چاہئے کہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کفار کو اپنا دوست نہ بنائیں اور جو کوئی ایسا کرے گا اللہ کے منکرین کی قرآن ذہنی کیفیت اور خواہش بیان کرتے ہوئے قرآن متنبہ کرتا ہے کہ: ''کافر تو یہی چاہتے ہیں کہ تم بھی کافر ہو جاؤ اسی طرح جیسے وہ خود ہیں'' (القرآن: سورۃ النساء آیت ۸۹)

آج سے چودہ سو برس قبل اس نظریہ کی بنیاد رکھی گئی۔ جب کفار کے جم غفیر سے چند مٹھی بھر لوگوں نے الگ ہو کر اپنی علیحدہ شناخت قائم کی تھی۔ اس وقت دنیا واضح طور پر دو اقوام میں منقسم ہوگئی تھی ایک مسلمان اور دوسرے کفار۔ آج چودہ سو برس کے تہذیبی معاملہ عالمی صورت اختیار کر چکا ہے۔ ایک طرف مسلمان ہیں تو دوسری جانب تمام کفار، چاہے کسی مذہب کے پیرو ہوں آپس میں بے پناہ اختلافات کے باوجود گٹھ جوڑ کر لیتے ہیں۔

الكفر ملة واحده (الحدیث) ''کفر اصل میں ایک ہی ملت (قوم) ہے''

رسالت مآب ﷺ کا زمانہ دیکھئے کہ حبش کے بلالؓ (ایک ادنیٰ تھے) روم کے صہیبؓ فارس کے سلمان محمد عربی کی اپنی قوم ٹھہرے اور حضور کا حقیقی چچا ابولہب، ابوجہل، غیر قوم۔ جنگ بدر میں چشم فلک نے یہ نظارہ کیا کہ حضرت ابوبکر ایک جانب اور انکا بیٹا دوسری جانب، حضرت خدیفہ ادھر اور ان کا باپ عتبہ ادھر حضرت علی ادھر تو ان کا بھائی عقیل ادھر۔ حضور ﷺ خود ایک جناب اور ان کے مقابلہ پر حقیقی چچا عباس اور داماد العاص دوسری جانب تھے۔

میثاق مدینہ کے اختتامی الفاظ میں آپ ﷺ نے فرمایا: **انهم امتة واحدة من دون الناس...**

''مسلمان دوسرے لوگوں (کفار و مشرکین) کو چھوڑ کر سب ایک قوم ہیں''

یہ تقسیم انسانیت صرف دین کی بنیاد پر تھی نسلیت، قومیت، وطنیت، رشتہ داروں سے بلند مقام پر۔ ایمان و کفر کا معرکہ۔ یہی امت محمدیہ ﷺ اور ملت اسلامیہ ہے۔

دوقومی نظریہ اور قائداعظمؒ

مسٹر گاندھی نے ۱۵ ستمبر ۱۹۴۴ء کے نام خط میں لکھا۔

گاندھی جی کا فرمان: ''دنیا میں ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کسی قوم کے افراد صرف مذہب تبدیل کرنے سے اصل قوم سے کٹ کر کوئی نئی قوم بن گئے ہوں''

Marfat.com

جوبات گاندھی جی نے کی وہی مشرکین مکہ بھی کیا کرتے تھے کہ ہم ایک نسل، قبیلہ کے ہیں، خون ایک ہے تو پھر علیحدہ قوم کیسے۔ لیکن جب کوئی شخص اسلام قبول کرتا ہے تو اس کی تمام زندگی، تمام ترجیحات، فکر، نظریہ، ہر شے بدل جاتی ہے۔ قائد نے متعدد بار دوقومی نظریہ کو کھل کر بیان فرمایا۔ تقسیم ہند کے وقت ہم دس کروڑ کی جماعت تھے جو کبھی اقلیت نہیں ہوسکتی، ہم قومیت کی ہر تعریف کی روح سے ایک مستقل قوم ہیں جس کا خمیر اقوام عالم سے بالکل جدا ہے جس کی بنیاد اور ترتیب نسل و رنگ جغرافیہ اور ہر اعتبار سے ممیز ہے۔ ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کے تاریخی جلسہ میں قائد نے دوقومی نظریہ کو واضح کرتے ہوئے فرمایا: ''حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں مذہب نہیں بلکہ ایک دوسرے سے مختلف دو معاشرتی نظام ہیں اور متحدہ قومیت ایک ایسا خواب ہے۔ جو کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکتا'' (ارشادات قائداعظم)

حضرت شاہ احمد سعید دہلویؒ

سعید البیان (۱۹۶۵ء) یہ بھی حضرت سعید دہلویؒ (م، ۱۲۷۷ھ) کا رسالہ ہے اس کے مقدمے میں حضرت ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحبؒ نے پانچ رسائل کا مختصر تعارف پیش کیا ہے۔ جن کی ترتیب یہ ہے۔ الانہار الاربعہ در بیان سلاسل اربعہ، فوائد ضابطہ در اثبات رابطہ، الحق المبین فی ردّ الوابیین، سعید البیان فی مولا سید الانس والجان ﷺ، الذکر شریف در اثبات مولانا حنیف، مکتوبات شریف ''مکتوبات تحفۂ زواریہ کے نام سے ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب نے ہی شائع کئے ہیں۔

تحفہ زواریہ

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحبؒ تحفہ زواریہ تحریر فرماتے ہیں یہ حضرت شاہ احمد سعیدؒ (م، ۱۲۷۷ھ) کے ۱۳۷، مکتوبات کا مجموعہ ہے۔ جو انہوں نے اپنے خلیفہ حضرت دوست محمد قندھاری (یوسف زئی) (م، ۱۲۸۴) کو لکھے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کو یہ مکتوبات موسیٰ زئی شریف سے ملے تھے۔ اس مجموعے کی ابتداء میں خلاصہ مکتوبات (فارسی) ہماری مرتب نے محققانہ انداز میں لکھا ہے۔ مکتوبات نگار اور مکتوب الیہ کے مختصر حالات بھی اس میں درج کر دیئے گئے ہیں اور خطوط کے مطالعے سے اس تذکرے کو مصدقہ بنادیا ہے۔

ان مکتوبات سے دو فائدے ہوئے ہیں۔ پہلا تو یہ کہ سلوک کی تعلیمات سے مرصع یہ مجموعہ تشنگان سالکین کی سیرابی کا ذریعہ بنے اور دوسرا یہ کہ دو عظیم نقش بند بزرگوں کے حالات زندگی محققانہ انداز میں محفوظ ہوئے اس مجموعے سے سلسلہ نقشبندیہ میں علمی خدمات اور ''پاکستان میں صوفیانہ تحریکیں'' جیسی کتابوں کے علاوہ دیگر کتابوں نے استفادہ کیا ہے۔

یہ بزرگ (حضرت احمد سعید قدس سرہ) یکم ربیع الاول ۱۲۱۷ء (تاریخی نام ''مظہر یزدان'') مصطفیٰ آباد (رام پور) میں پیدا ہوئے۔ بعد میں دہلی آئے، قرآن شریف حفظ کیا۔ دس سال کی عمر میں تیرھویں صدی کے مجدد حضرت مولانا عبداللہ المعروف شاہ غلام علی رحمتہ اللہ علیہ سے طریقت حاصل کی اور آپ سے کتب تصوف جیسے رسالۂ قشیریہ، عوارف المعارف، احیاء العلوم، مکتوبات شریف اور مثنوی مولانا روم پڑھیں اور انکے حلقے سے استفادہ کیا۔ اپنے وقت کے علماء سے بھی کتب معقول

Marfat.com

ومنقول پڑھیں۔ جیسے مولوی فضل امام اور مولوی رشید الدین خان علیہما الرحمہ اور حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ سے حدیث کی سند حاصل کی۔ حضرت شاہ رفیع الدین محدث اور شاہ عبد القادر محدث رحمتہ اللہ علیہما سے بہت زیادہ علمی استفادہ کیا۔ پندرہ سال تک حضرت شاہ غلام علی قدس سرہ سے فیض یاب ہوئے اور ان کے منہ بولے بیٹے بن گئے۔ ان کی (۱۲۴۰ھ) میں ظاہری جدائی کے بعد اپنے والد ماجد سے معنوی کسب کیا۔ (۱۲۵۰ھ میں) اپنے والد بزرگوار کی وفات کے بعد ارادت و ارشاد کے سجادہ پر ان کے قائم مقام بنے۔

ہندوخراسان اور بلخ وبدخشان سے طالبان حق نے آں جناب کی طرف رخ کیا اور فیض پایا۔ ملک عرب کے طالبوں کو بہت زیادہ فیوض پہنچائے۔ آپ نے مدینہ منورہ میں رہائش اختیار کی۔ بالآخر آپ کا وصال ظہر اور عصر کے مابین بروز منگل ۲ ماہ ربیع الاول ۱۲۷۷ھ ہوا۔ اس مبارک شہر میں سیدنا ومولانا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قبے کے پہلو میں قبلے کی جانب دفن ہوئے۔

نقل ہے کہ جب حضرت احمد سعید رحمتہ اللہ علیہ بیس سال کے ہوئے تو حضرت شاہ غلام علی قدس سرہ نے رسالہ میں لکھا ''حضرت احمد سعید فرزند ابوسعید علم وعمل، حفظِ قرآن مجید اور نسبتِ شریف کے احوال میں اپنے والد ماجد کے قریب ہیں''۔

نقل ہے کہ حضرت شاہ غلام علی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ نے تحریر فرمایا ہے کہ حضرت امام مہدی علیہ السلام ہماری اولاد سے نسبت حاصل کریں گے اور مجھے (حضرت شاہ غلام علی کو) کشفی نظر میں معلوم ہوتا ہے کہ امام مہدی اس بیٹے (حضرت احمد سعیدؒ) کی اولاد سے وہ نسبت حاصل کریں گے۔

قیامت سے قبل ہندوستان سے جہاد ہوگا

حضرت ثوبانؓ جو رسول اللہ ﷺ کے مولیٰ یعنی آزاد کردہ غلام تھے رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ:

قَالَ عِصَابَتَانِ مِنْ أُمَّتِي أَحْرَزَهُمَا اللهُ مِنَ النَّارِ..... میری اُمت میں سے دو جماعتیں ایسی ہیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے (جہنم کی) آگ سے محفوظ کر دیا ہے۔ **عِصَابَةٌ تَغْزُو الْهِنْدَ وَعِصَابَةٌ تَكُونُ مَعَ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ** ایک وہ جماعت جو ہندوستان سے جہاد کرے گی اور ایک وہ جماعت جو عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے ساتھ ہوگی (نسائی کتاب الجہاد، مسند احمد، کنزل العمال بحوالہ المختار ومجمع الزوائد بحوالہ اوسط طبرانی)۔

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو ہندوستان میں اسلام کے داخلے اور غلبے کی خبر دی ہے۔ ہندوستان پر سب سے پہلا جہاد تو پہلی صدی ہجری 711ء میں محمد بن قاسم نے کیا جس میں بعض صحابہ اور اکثر تابعین کی شرکت نقل کی جاتی ہے اور اسکے بعد سے آج تک مختلف زمانوں میں ہندوستان کے کفار کے خلاف جہاد ہوتے رہے ہیں۔ لہٰذا سوال پیدا ہوتا ہے کہ حدیث میں ہندوستان سے جس جہاد کی یہ فضیلت بیان فرمائی گئی ہے اس سے مراد صرف پہلا جہاد ہے یا جتنے جہاد ہو چکے ہیں یا آئندہ ہوں گے وہ سب اس میں شامل ہیں؟ الفاظ حدیث میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کے الفاظ عام ہیں۔

Marfat.com

اس کو کسی خاص جہاد کے ساتھ مخصوص ومقید کرنے کی کوئی وجہ نہیں ۔۔۔ اس لئے جتنے جہاد کفار ہندوستان کے مختلف زمانوں میں ہوتے رہے یا آئندہ ہوں گے انشاءاللہ وہ سب اس عظیم الشان بشارت میں شامل ہیں ۔ (آثار قیامت)

ہندوستان کے صدر کی مجاہدین کے ہاتھوں گرفتاری کی نبوی بشارت

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہندوستان کا ذکر کیا اور فرمایا کہ تمہارا ایک لشکر ہندوستان سے جنگ کریگا اللہ تعالیٰ انہیں فتح نصیب فرمائیں گے۔

بِمُلُوْكِ الْهِنْدِ مَغْلُوْلِيْنَ فِي السَّلَاسِلِ فَيَغْفِرُ اللّٰهُ لَهُمْ ذُنُوْبَهُمْ

حتی کہ وہاں کے حکمرانوں کو بیڑیوں میں جکڑ کر لائیں گے اللہ تعالیٰ ان کے گناہ بخش دیں گے۔

فَيَنْصَرِ فُوْنَ اِلَى الشَّامِ فَيَجِدُوْنَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِالشَّامِ

پھر وہ واپس آئیں گے جب واپس آئیں تو ابن مریم کو وہ شام میں پائیں گے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہندوستان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: کہ تمہارا ایک لشکر ہندوستان سے جہاد کرے گا جس کو اللہ تعالیٰ فتح دے گا، چنانچہ یہ لشکر ہند کے حکمرانوں کو زنجیروں اور ہتھکڑیوں میں جکڑ کر لائیگا۔ اللہ تعالیٰ اس لشکر کے گناہوں کو معاف فرمادے گا۔ یہ سن کر حضرا بو ہریرہؓ نے فرمایا: اگر میں نے اس جہاد (ہند) کو پالیا تو میں اپنی تمام نئی اور پرانی ملکیت فروخت کردوں گا اور ہندوستان سے جہاد کروں گا۔ سو جب اللہ ہمیں فتح دے دے گا اور ہم واپس آئیں گے تو میں جہنم سے آزاد ابو ہریرہ ہوں گا اور وہ (ابو ہریرہ) شام آئے گا تو وہاں عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کو پائے گا۔ چنانچہ میں (ابو ہریرہ) (عیسیٰ ابن مریم) سے قریب ہونے کیلئے انتہائی بے قرار ہوں گا۔ میں انکو خبر دوں گا کہ رسول اللہ ﷺ (عیسیٰ ابن مریم) میں آپ کے ساتھ شامل ہوگیا ہوں۔ راوی کہتے ہیں کہ (حضرت ابو ہریرہ) کی اس بات پر نبی کریم ﷺ مسکرائے اور ہنسے پھر فرمایا بہت دور، بہت دور۔ (الفتن نعیم بن حماد ۱، ۹، ۱۰، ۴)

فائدہ: مذکورہ حدیث کی شرح بیان کرتے ہوئے مولانا عاصم عمر صاحب لکھتے ہیں: ہندوستان کے خلاف جہاد کی اہمیت کا اندازہ ان احادیث سے لگایا جاسکتا ہے کہ ان مجاہدین کی فضیلت اس جماعت کے ساتھ بتائی گئی ہے جو عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مل کر دجال سے جہاد کرے گی۔ یہ آپ ﷺ نے غالباً اس لئے فرمایا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ سارے مجاہدین حضرت مہدی کے ساتھ جہاد کے شوق میں عرب میں جمع ہوجائیں اور ہندوستان سے غافل ہوجائیں۔ حالانکہ ہندوستان سے جہاد بھی اسی مشن کا حصہ ہے جس کیلئے حضرت مہدی جہاد کررہے ہوں گے۔ سو مجاہدین ہند کی بھی وہی فضیلت بتائی گئی جو دوسری جماعت کی ہوگی۔

پھر ساتھ ساتھ یہ خوشخبری بھی دی گئی کہ ہندوستان فتح کرکے آنے والوں کو یہ ملال بھی نہ رہے کہ انہیں حضرت مہدی یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جہاد کا موقع نہ مل سکا۔ اس لئے فرمایا کہ واپس آکر وہ حضرت عیسیٰؑ کو پالیں گے۔

(حوالہ تیسری جنگ عظیم اور دجال ۸۰۶)

Marfat.com

حضرت کعبؓ نے فرمایا کہ بیت المقدس کا ایک بادشاہ ہندوستان کی جانب ایک لشکر روانہ کرے گا۔

فَيَفْتَحُهَا وَيَأْخُذُ كُنُوزَهَا فَيَجْعَلُهُ حِلْيَةً لِبَيْتِ الْمَقْدِسِ وَيَقْدِمُوْ عَلٰى مُلُوْكِ الْهِنْدِ مَغْلُوْلِيْنَ

چنانچہ وہ لشکر ہندوستان فتح کرے گا اور اسکے خزانے حاصل کرے گا تو وہ بادشاہ اس خزانے سے بیت المقدس کو آراستہ کرے گا اور وہ مجاہدین ہندوستان کے بادشاہوں کو قیدی بنا کر لائیں گے۔

يُقِيْمُ ذٰلِكَ الْجَيْشُ فِي الْهِنْدِ اِلٰى خُرُوْجِ الدَّجَّالِ

یہ لشکر ہندوستان میں دجال کے آنے تک قیام کرے گا۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا ہم سے رسول اللہ نے ہندوستان سے جہاد کا وعدہ فرمایا (حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ) اگر اس جہاد کو میں نے پالیا تو میں اپنی جان و مال اس (جہاد) میں قربان کردوں گا۔ چنانچہ اگر میں شہید ہوگیا تو میں افضل شہدا میں سے ہوں گا اور اگر واپس آگیا تو جہنم سے آزاد ابو ہریرہ ہوں گا۔ (سنن نسائی 42/6)

پاکستان کی ہاں اور ناں میں اقوام عالم کے فیصلے

(صوفی محمد برکت علیؒ کی بشارت کی وضاحت) حضرت ابو انیس محمد برکت علی لودھیانوی قدس سرہ العزیز

ذیل میں ہم ابوالانیس صوفی محمد برکت علیؒ کی پاکستان کے بارے میں بشارت کو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی پیش خبری کی مدد سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ علامہ اقبال کی نصیحت ہے کہ اے مسلمان نگاہ پیدا کر، جس میں روح کو (یعنی ظاہر میں باطن) کو دیکھ۔ (ارمغان حجاز فارسی)

حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی پیش خبری

صوفی محمد برکتؒ کی علمی فضیلت اور روحانی مقام کی ایک دنیا معترف ہے۔ آپ چالیس سال تک، مقالات حکمت، اور دیگر کتب کی تصنیف و تالیف میں مشغول رہے۔ موجودہ دور میں ان کی پاکستان کے بارے میں بشارت سبھی لوگوں کے علم میں ہے۔ آپ نے متعدد بار فرمایا ہے کہ

"۔۔اس سے بہتر کوئی کلام نہیں ہے۔ پاکستان کی ہاں اور ناں میں تمام اقوام عالم کے فیصلے ہوا کریں گے۔ طریقت کا یہ قول کبھی فیل نہ ہوگا۔ انشاءاللہ، میں پاکستان کا محب ہوں۔ اور یہی میرے کہنے کا حق تھا اور میں نے حق ادا کر دیا۔ میں نے حق ادا کر دیا کہ پاکستان کی ہاں اور ناں میں اقوام عالم کے فیصلے ہوا کریں گے۔ یہ میرا حق تھا میں نے حق پورا کر دیا ہے"

صوفی برکت علیؒ نے بار بار دہرایا کہ یہ میرا حق تھا جو میں نے ادا کر دیا ہے۔ تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ حق کیا تھا۔ اس حق کو کتاب "تذکرہ انوار صابری" میں درج حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی پیش خبری کی مدد سے سمجھتے ہیں۔

حاجی محمد بشیر انبالوی جو صوفی برکتؒ کے مرید اور صاحب علم شخصیت تے اور انہوں نے صوفی برکت علیؒ کی سرپرستی میں کتاب 'تذکرہ انوار صابری' لکھی۔ ان کا کہنا ہے کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے آج سے 9 سال پہلے جو خبر فرمائی تھی اس

Marfat.com

میں سلسلہ صابریہ کے جس ''مجدد'' کا چودھویں صدی ہجری (بیسویں صدی عیسویں) میں آنے کا ذکر ہے وہ صوفی برکت علیؒ ہیں۔ اور یہ زمانہ قریب حضرت امام مہدیؑ کا ہے یعنی صوفی برکت علیؒ وہ مجدد ہیں جو اس مخفی راز (پیش خبری) کو ظاہر کریں گے تا کہ منکروں کی ظاہر و باطن میں سرکوبی ہو اور دین اسلام کی دوبارہ ترقی ہو۔

Not only that the Maktub-i-Nitab has recorded in it to the effect that during the advent of Fourteenth Century AH the evils will raise their ugly head and a man will be bom who will succeed and inherit the offices held by Al-Gangohi and endeavour hard to dispel the disaffection prevelant. Haji Muhammad Bashir Ambalvi concludes that for all the astronomical and chronometric calculations and the circumstances of the Din and Morality of the believer as described in Maktub-i-Nitab point to Hadrat Abu Anees Muhammad Barkat Ali as Mujaddad of the time rule has flowed from the stars, Satum and Mercury.

Incidentally, Siddiqui Sadiq, as great devotee of Hadrat Abu Anees, has in his Mujaddad-i-Duran rationalized the present day Muslim state of affaris and the role Hadrat Abu Anees has played and has consquently come to the same conclusion as of Haji Ambalvi's.

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے آج سے 9 سال پہلے موجودہ دور کے بارے میں جو کچھ فرمایا تھا، تمام حالات و واقعات اسی طرح ظہور پذیر ہو رہے ہیں۔ آپ کے مکتوب نطاب، قربت الوحدت، میں یہ پیش خبری درج ہے کہ 1400 ہجری یعنی 1980ء کے آغاز سے طرح طرح کے فتنے پوری دنیا میں ظاہر ہوں گے۔ 1400 ہجری کے وسط کے قریب تک یہ حسد (نفرت) کے واقعات کثرت سے ظاہر ہوں گے۔ (آج کل 1433 ہجری ہے یعنی کم وبیش اسی دور کا ذکر ہے) گناہ کبیرہ زیادہ اور گناہ صغیرہ کم ہوں گے۔ ابدال زمین پر بہت کم نزول کریں گے۔ نجیب ونقیب (یعنی وقت کے اہل تکوین) سارے عالم کے دنیاداروں کو بددعا دیں گے۔ دنیاداروں کے ایمان سلب ہو چکے ہوں گے مگر وہ لوگ جو عارف مرفوع (وہ بزرگ جن کو بلند مرتبہ عطا کیا گیا ہو) کی باتوں پر عمل کریں گے وہ لوگ محفوظ رہیں گے۔ ستارہ عطارد و مریخ سے ایک مجدد کی حکومت جاری ہوگی۔ یہ زمانہ قریب حضرت امام مہدیؑ کے ہوگا اور سوائے اس (امام مہدیؑ) کے مقلدین (پیروی کرنے والے) کے کوئی ان باتوں کو سمجھنے والا نہ ہوگا، فقرائے غیر مرفوع کی حالت یہاں تک ہوگی کہ بموجب حدیث مبارک حضرت مخبر صادق ﷺ دین کی بجائے دنیا کو اختیار کریں گے۔ (کتاب تذکرہ انوار صابری ص 140 اور کتاب حقیقت گلزار صابری، ص 216)

Marfat.com

یہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی بہت اہم پیش خبری ہے جس میں حضرت امام مہدیؑ کے زمانے کا تعین ہوتا ہے اور یہ بھی پتا چلتا ہے کہ آج کل کا زمانہ شدید ترین گمراہی، فساد، ہنگاموں اور مکر و فریب کا دور ہے جو دجال کی نشانیاں ہیں اور حضرت امام مہدیؑ کی آمد سے پہلے کا وقت ہے کیونکہ متعدد احادیث میں ہے کہ:

ا۔ عن ابی سعید الخدریؓ قال قال رسول اللہ ﷺ المھدی منی اجلی الجبھۃ الانف یملا الارض قسطا وعدلا کما ملئت ظلما وجورا ویملک سبع سنین.

ت: حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مہدی مجھ سے ہوں گے یعنی میری نسل سے ہوں گے ان کا چہرہ خوب نورانی، چمک دار اور ناک ستواں وہ بلند ہوگی۔ زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے، جس طرح پہلے وہ ظلم و جور سے بھری ہوگی۔ (مطلب یہ ہے کہ مہدی کی خلافت سے پہلے دنیا میں ظلم و زیادتی کی حکمرانی ہوگی اور عدل و انصاف کا نام و نشان تک نہ ہوگا) (ابوداؤد، السنن ۴: ۱۰۷، رقم: ۴۲۸۵)

صوفی برکت علیؒ کی پاکستان کے بارے میں بشارت سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ آپ ہی وہ بزرگ تھے جن کی پیش خبری حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے فرمائی تھی اور جو حضرت امام مہدیؑ کے دور کے قریب ہو گزرے اور انہوں نے اس راز کو ظاہر کر دیا کہ اسی لئے آپ بار بار دہراتے ہیں ''یہ میرا حق تھا میں نے حق ادا کر دیا'' حق ادا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ روحانی طور پر یہ فیصلہ ہو چکا ہے اور صوفی صاحب نے سب کو اس فیصلہ سے آگاہ کر دیا ہے کہ آنے والے دور کا مرکز پاکستان ہوگا۔

Tazkira Anwar-e-Sabri (A biography of Hazrat Ali Ahmed Sabir Kaliyari RA) was written by Haji Muhammad Bashir Ambalvi bestowal by his spiritual Mentor Abu Anees Muhammad Barkat Ali (QSA).

Important Spiritual Prediction / Forecast (Paish Khabri) by Hazr at Shaykh Abdul Qadir Jilani (R.A) is presented from this book. According to Tazkirah Anwar-e-Sabri, this predection is originally in Maktoob-e-Nitab, "Qurbat-ul-Wahdat" written by shaykh Muhiyyudin Abdul Qadir Jilani RA (Qutab and Ghwath of te Eternal Lord)

Please Read this same Prediction From a book published in 1886 here

Also Read predection of Sufi Barkat Ali RA about Pakistan related to this post here.

Complete event in which Hazrat Baba Fariduddin Masud Ganjshakar RA ordered to view this forecast is given in book. please remember below

Marfat.com

mentioned dated while reading the prediction, also read its English translation & Chishti Sabri order as it is very relevant to this post.

1. *Ghaus-e-Azam Hazrat Syed Abdul Qadir Jilani RA*
   (1077.1166 AD/CE) - (470 - 561 Hijri)

2. *Hazrat Fariduddin Masud Ganjshakar RA respectfully Baba Sahib RA*
   (1188.1280 AD) - (584 - 679 Hijri)

3. *Hazrat Ali Ahmad Sabir Kaliyari RA Makhdoom-e-Do Jahan/Sabir Pak*
   (1196.1291 AD) - (592 - 690 Hijri)

4. *Hazrat Abdul Quddus Gangohi RA*
   (1456.1537 AD) - (860 - 944 Hijri)

5. *Abu Anees Sufi Muhammad Barkat Ali (Qudus Sirruhul Aziz)*
   (1911.1997 AD) - (1329 - 1417 Hijri)

PART 1: Paish Khabari By Hazrat Syed Abdul Qadir Jilani (RA)

تذکرہ انوار صابریؒ

علیم اللہ ابدال کا عریضہ لیجانا اور جناب بابا صاحب کا فرمان

علیم اللہ ابدال سرکار مخدوم دو جہاں کا عریضہ لے کر جس میں واقعۂ کلیر درج تھا۔ اسی شام جناب بابا صاحب کے پاس پاکپتن تشریف پہنچے۔ نماز عشاء کا وقت ہو رہا تھا۔ مریدین اور اولیاء کرام ان کی خدمت میں حاضر تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ''علیم اللہ ابدال سے سب حضرات احوال گزشتہ کلیر معہ نقشہ جامع مسجد اپنے اپنے مکاتیب میں منتقل کرلو اور جب مزاج پرسی کو کلیر جاؤ تو وہاں کا حال بالشرح تحریر کرنا۔ ان سب تحریروں سے میرے مخدوم کا احوال مِنْ اَوَّلِہٖ اِلٰی اٰخِرِہٖ ان کے خلیفہ کے پاس جمع کیا جائے گا اور ساڑھے سات سو برس یہ حال مخفی رہے گا۔

''اس کے بعد اس سلسلۂ صابریہ کا ایک مجدد جو اولادِ حضرت امام ابو حنیفہؒ سے ہوگا، اپنے زمانہ اجتہاد میں اس کو ظاہر کرے گا اور مشتہر کرے گا'' (تذکرہ انوار صابری صفحہ 217)

بَعدہٗ سب حضراتِ اعلیٰ خلفائے بابا صاحبؒ نے عرض کی کہ حضور! سرزمین کلیر پہ اس قدر قہر الٰہی ہونے کا سبب کیا تھا؟ حضرت بابا صاحبؒ نے یہ سن کر حضرت سید نظام الدین بدایونیؒ سے فرمایا کہ ''ان حضرات کو مکتوب نطاب قربت الوحدت تصنیف حضرت قطب ربانی غوث الصمدانی شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی محبوب سبحانی کریم الطرفین حسنی والحسینیؒ کا معائنہ کراؤ تاکہ یہ سب حضرات اس پیش خبری کو دیکھ کر تسکین حاصل کریں''۔

چنانچہ بموجب ہدایت جناب بابا صاحب سب حضرات نے مکتوب نطابِ متذکرہ معائنہ کیا، جس میں حضرت

Marfat.com

قطب ربانی غوث الصمدانی شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی محبوب سبحانی کریم الطرفین حسنی والحسینیؒ نے پیش خبری تحریر فرمائی تھی کہ جناب مخدوم علی احمد صابریؒ کا شہر ہرات میں قریب ۵۹۲ھ ہجری المقدس ظہور ہوگا اور پرورش پا کر طریق چشتیہ میں خلافت حاصل کر کے بت پرستوں کے شہر میں قیام ہوگا۔ ان کے جلال سے جل کر وہ زمین سیاہ ہو جائے گی اور پھر وصال کے بعد ان کے جسم دو پتھروں کے درمیان قائم رہے گا۔ جو صاحب نطاب حرز مرتضوی قیومی روحی کا ایک معجزہ ہوگا اور حضرت عزیرؑ کے معجزہ کے بدل میں کرامت عزیری شمار کی جائے گی جس کے بارہ میں سردار انبیاء شہنشاہ دوسرا حضرت محمد ﷺ بھی فرما چکے ہیں۔

اس فرمان علی جو حضرت بندگی عبدالقدوس گنگوہیؒ دفینہ حضرت مخدوم پاکؒ بالتفصیل ظاہر کریں گے۔ مخدوم علی احمدؒ کا دفینہ قریب ۹۰۰ھ ہجری المقدس۔ کے ایک اولوالعزم والمرتبہ مجدد زمانہ خاندان چشتیہ صابریہ کے دست حق پرست سے جو اولاد میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ سراج الامت سے ہوگا عمل میں آئے گا۔ اور حال مخدوم علی احمد صابریؒ ہمارے زمانہ سے عرصہ نو سال بعد کیفیت ظہور باطن میں ایک مجدد وقت اسی سلسلہ صابریہ کا کہ وہ بھی اولاد حضرت امام ابوحنیفہ سراج الامت سے ہوگا اس راز کو افشا کرے گا۔ وہ زمانہ قریب حضرت امام مہدیؑ کے ہونے والا ہے اور اس احوال راز مخفی کے افشا کرنے کا کیفیت ظہور باطن میں سبب یہ ہوگا کہ منکروں کی ظاہر و باطن سے سرکوبی ہو۔ اور اسلام کی پھر ترقی ہو۔ اس وقت طرح طرح کے فتنے ہفت اقلیم میں ظہور میں آئیں گے اور ۱۳۰۰ھ ہجری کے بعد آغاز ۱۴۰۰ھ ہجری سے یہ امر بطون سے ظہور میں آئیں گے۔

اس وقت عارف مجاز مرفوع الاجازت والاکرام والمرتبہ کو اس کا علم ہوتا رہے گا۔ سوائے اس کے مقلدین کے کوئی اس کا علیم نہ ہوگا اور اقطاب واغیاث تمام روئے زمین آغاز ۱۴۰۰ھ ہجری میں مشترک قہر اور رحم کے ہوں گے۔ روئے زمین پر ابدال بہت کم نزول کریں گے۔ نقیب و نجیب تمام عالم کے دنیاداروں کو بددعا دیں گے ان کے ایمان سلب ہو چکے ہوں گے مگر وہ جو عارف مرفوع سے واسطہ رکھتے ہوں گے، محفوظ رہیں گے۔ شغل نوری میں شبانہ روز باجازت شیخ کامل مصروف ہوں گے۔ سلب ایمان سے مامون و محفوظ رہیں گے۔

اس مجدّد کی حکومت ستارہ عطارد و مریخ سے جاری ہوگی اور یہ ستارے متعلق غوث قہری اور رحم مشتری قطب کے ہیں اور قریب ہے کہ ۱۴۰۰ھ ہجری کے وسط میں حسد کثرت سے ظہور پکڑے اور بغض بھی بکثرت ہو۔ گناہ کبیرہ زیادہ اور صغیرہ کم ہوں گے۔ اس زمانہ کے عارف صاحب مجاز بھی کذب گوئی میں بکثرت مشغول رہیں گے۔ مثالیں عارفوں کی خفیف و ضعیف ہوں گی اور ان کے شیخ بھی ان کو ہرگز ہرگز نہ سمجھیں گے۔ ہاں اگر مرفوع الاجازت فقیر کے روبرو عین اور غیر جو مثالیں ظاہر کریں گے اور وہ از روئے قوت باطن اس کو سمجھیں گے اور جواب تسکین آمیز دیں گے۔ فقرائے غیر مرفوع کی نوبت یہاں تک ہوگی کہ بموجب قول مبارک حضرت مخبر صادق ﷺ دنیا کو بجائے دین اختیار کریں گے۔

حضرت عبدالقدوس گنگوہی کی مزار شریف پر حاضری

آخر ایک مدت بعد ایک بزرگ حضرت بندگی عبدالقدوس گنگوہیؒ جناب صاحب دو جہاںؒ کے مزار شریف پر حاضری

Marfat.com

کے لئے جانے لگے تو انہیں بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ بغیر بادلوں کے بجلیاں کوندنے لگتی تھیں۔ حضرت عبدالقدوس گنگوہیؒ نے رقت سے عرض کی: ''حضرت! اب تو اپنے جلال میں کمی فرمائیں لوگوں نے اس جلال کی وجہ سے آپ سے دوری اختیار کی تھی اور اب آپ کے پردہ کرنے کے بعد بھی آپ کے پاس نہیں آسکتے۔ اب بندگان خدا پر اپنے جمال کا اظہار فرمائیں تاکہ لوگ آپ کے پاس حاضری دے سکیں''۔

حضرت عبدالقدوس گنگوہی مزار شریف پر پہنچ گئے تو اب کسی قسم کے نقصان یا آزار سے بھی محفوظ رہے۔ رات کو انہوں نے خواب میں دیکھا کہ مخدوم دوجہاں صابر احمد کلیری نے ان سے فرمایا: ''عبدالقدوس! اب تیری استدعا پر اس جلال میں کمی آگئی ہے اب جمال کا ظہور ہوگا۔ اب لوگ ہمارے پاس حاضری دے سکتے ہیں''۔

کہتے ہیں کہ یہ حضرت عبدالقدوس گنگوہی وہی بزرگ ہیں جن کے بارے میں بابا صاحبؒ نے فرمایا تھا کہ وہ سلسلہ صابریہ کا مجدّد ہوگا اور میرے صابرؒ کی دوبارہ تجہیز و تکفین کرے گا جس کا ظہور ۹۰۰ ہجری کے قریب ہوگا۔

بہر حال اسی کے مطابق ہوا۔ انہوں نے مزار مقدس تعمیر کرایا اور سالانہ عرس مبارک کا بھی انتظام فرمایا۔ یہ واقعات اور تحریر اکتسابی علم کے عالم کے لئے ایک معمہ اور صاحب نظر کے لئے **تقویۃ الایمان** ہیں۔

خبر کتاب سے اور نظر، نظر سے حاصل ہوتی ہے۔

خبر ظاہر اور نظر باطن ہے۔

ظاہر باطن کے تابع ہے۔

خبر کسبی اور نظر وہبی ہے۔

سلطان الہند خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کا وصیت نامہ

''حقیقت گلزار صابری'' کا مختصر تعارف اور مستقبل سے متعلق دو روحانی پیش خبریاں لکھ چکے ہیں۔ اب درج ذیل میں سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین سنجری چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کا وصیت نامہ، حکومت باطنی عرب وعجم اور انتظام تخت نشینی و معزولی یا تغیر و تبدل حکمرایان ملک کا ذکر کیا جائے گا۔ مولف کتاب حقیقت گلزار صابری، جناب شاہ محمد حسن صابری چشتیؒ، خود ایک عارف باللہ اور ان باطنی رازوں کے شریک حال تھے انہوں نے ہر خاص وعام کی خیر خواہی کے لئے ان باتوں کو تحریر کیا تاکہ صاحب حکومت اور سربراہ سبق حاصل کرے اور دنیا و آخرت میں رسوائی سے بچے۔ کیونکہ بہت سے پڑھنے والوں کے لئے یہ باتیں نئی ہوں گی اس لئے پہلے چند نہایت ضروری گزارشات عرض کی جاتی ہیں تاکہ سیاق و اسباق سمجھ میں آسکے اور موجودہ حالات میں ہر طرف چھائے ہوئے گھٹا ٹوپ اندھیرے اور غبار میں آنے والے دور کی واضح تصویر دیکھی جاسکے۔

پاکستان کے روحانی تقاضے اور مستقبل، چند ضروری گزارشات سب سے پہلے ذکر کرتے ہیں اس کالم کا جس نے ہمیں، خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے وصیت نامہ، کی طرف متوجہ کیا۔

Marfat.com

کالم

سورج، سورج مکھی اور روحانی تقاضے (ارشاد احمد عارف جنگ اخبار مورخہ ۱۰ نومبر ۲۰۱۱) سے اقتباس

''سال ڈیڑھ سال قبل روحانی سکالر سید سرفراز صاحب نے ایک محفل میں مایوسی کے بحر بیکراں اور ملکی حالات سے دلبرداشتہ دانشوروں کو مژدہ سنایا کہ تبدیلی اس ملک کا مقدر ہے اور نوجوان نسل ہی یہ کارنامہ سرانجام دے گی تو بہت کم نے یقین کیا، آئین نو سے ڈرنا، طرز کہن پہ اڑنا، منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں، شاہ صاحب نے فرمایا تبدیلی تو آ کر رہے گی مگر ہمیں یہ بحیثیت قوم اپنے آپ کو اس کا اہل ثابت کرنا ہوگا۔۔۔تبدیلی کی نوید سنانے والے بزرگ نے تبدیلی کے اخلاقی اور روحانی تقاضوں کا ذکر کیا تھا مگر کسی کو یاد نہیں۔

اسی طرح ایک اور روحانی شخصیت پروفیسر احمد رفیق اختر نے ایک محفل میں بات کا رخ سید ہجویر مخدوم امم ؒ کی ہندوستان آمد اور روحانی فتوحات کی طرف موڑ دیا اور۔۔۔یہ معنی خیز بات کہی، پاکستان کے روحانی تقاضوں سے بغاوت کرنے والا لیڈر مارا جائے گا۔ (نوٹ یہ بات سب سربراہوں کے لئے ہے اس کی وجہ نیچے بیان کی جائے گی)

ایک اہم روحانی تقاضا جو لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہے وہ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری ؒ کا وصیت نامہ ہے، جو کسی نہ کسی ذرائع سے ہر حکمراں تک پہنچ جاتا ہے اور عمل نہ ہونے کی صورت میں کچھ مہلت کے بعد معزولی و ہلاکت پر انجام ہوتا ہے۔

کچھ ضروری باتیں پہلے ہی واضح کر دیں تاکہ روحانی نظام اور وصیت کی اہمیت کو سمجھا جاسکے۔

فقیر باغ حسین کمال رحمۃ اللہ کے خطبات کا ایک فقرہ ذہن میں رہے کہ صوفیا اولیا اللہ کے احوال و حالات پڑھیں تو لگتا ہے قصے کہانیاں ہیں لیکن یہ سب حقائق ہیں۔ (خطبات کمال، صفحہ 555)

اور ممتاز مفتی اپنی کتاب الکھ نگری میں لکھتے ہیں: ایثار راعی صاحب نے انہیں بتایا کہ قدرت اللہ شہاب جب جھنگ میں ڈپٹی کمشنر تھے تو ایک موچی کے پاس سر بازار دو گھنٹے بیٹھے رہتے تھے اور پوچھنے پر بتاتے تھے کہ وہ موچی نہیں، وہ کبھی اس علاقے کا ڈپٹی کمشنر ہے، میں ڈپٹی کمشنر ہوں، فرق صرف اتنا ہے کہ وہ اصلی ہے، میں جعلی ہوں۔ (الکھ نگری، صفحہ 665)

ممتاز مفتی روحانی نظام کے بارے میں لکھتے ہیں کہ: دنیاوی نظام کے ساتھ ساتھ ایک روحانی نظام بھی چل رہا ہے۔ یہ نظام بالکل ایسا ہی ہے جیسے دنیاوی نظام، اس میں بھی درجے ہیں۔ کارکن ہیں، افسر ہیں، سٹیٹس ہے، پروٹوکول ہے، فائلیں چلتی ہیں، روحانی نظام کے افسر بڑے طاقت ور ہیں، وہ حالات بدل سکتے ہیں، کوائف بدلنے پر قادر ہیں، ذہنیت بدل سکتے ہیں، رخ بدل سکتے ہیں، تقدیر بدل سکتے ہیں، اتنا ہی فیورٹ ازم ہے جتنا کہ دنیاوی حاکموں میں ہے۔ (الکھ نگری، صفحہ 511)

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بے مثال تصنیف کشف المحجوب، میں مخفی اولیاء کی تعداد اور اقسام گنوادی ہیں۔ جناب شاہ محمد حسن صابری چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب، حقیقت گلزار صابری، میں حضرات اہل خدمات باطنی (رقبا، نقباء، نجباء، ابدال، اوتاد، اقطاب، اغیاث) کے احوال و افعال کے بارے میں کھل کر بتایا ہے مگر رجال الغیب کے بارے میں بتایا ہے کہ ان کا احوال قابل تحریر نہیں۔

Marfat.com

بقول علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ:

ے کسے خبر کہ ہزاروں مقام رکھتا ہے　　　وہ فقر جس میں ہے بے پردہ روح قرآنی　(ضرب کلیم۔ سلطانی)

ے عشق کی تقویم میں، عصرِ رواں کے سوا　　　اور زمانے بھی ہیں جن کا نہیں کوئی نام

عشق فقیہ حرم، عشق امیر جنود　　　عشق ہے ابن السبیل، اس کے ہزاروں مقام (بال جبریل۔ مسجد قرطبہ)

پاکستان کی ہاں اور ناں میں اقوام عالم کے فیصلے

صوفی محمد برکت علی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ، وہ دن دور نہیں جب پاکستان کی ہاں اور ناں میں اقوام عالم کے فیصلے ہوا کریں گے اور اگر ایسا نہ ہوا تو میری قبر پر آ کر تھوکنا، تو یہ صرف کشف نہیں کہ جس کی بنیاد پر کوئی بزرگ اتنا بڑا دعویٰ کرے۔ یہ وہ خبر ہے جو اولیاء اللہ کو اوپر سے چلی جاتی ہے۔ (یعنی وہ علم صوفیا میں سینہ بہ سینہ مکاتیب نطاب کی صورت منتقل ہے)

صوفی محمد برکت علی رحمتہ اللہ نے مزید فرماتے ہیں کہ یہ بات ہم اللہ ہی کی طرف سے کہہ رہے ہیں ورنہ ہمارا کیا قول ہے اور دنیا میں کوئی فیصلہ نیا نہیں، جو فیصلہ ہوا ہے اسی پر عمل درآمد ہوگا۔ ظاہر، باطن کے تابع ہے اور بقول سید سرفراز احمد شاہ صاحب پاکستان سے وہ کام لے لیا جائے گا جس کے لئے اسے بنایا گیا ہے۔ نوجوانوں کا ایک گروہ ملک کی باگ دوڑ سنبھال لے گا اور بہت ہی نیک لوگ یہ فرض سرانجام دیں گے۔ (وقت کا تعین خدا کی ذات خود کرتی ہے)

وصیت کے پس منظر میں جانے سے پہلے کچھ اہم باتیں جو ہمیں کتاب، حقیقت گلزار صابری، سے پتا چلی ہیں وہ ہو بہو یہاں لکھ رہے ہیں۔ عقلمند کو اشارہ کافی ہے، سیاق و اسباق نیچے دیا گیا ہے۔ یاد رہے یہ کتاب عارف باللہ نے تقریباً 125 سال سے زائد عرصہ پہلے بحکم باطن لکھی تھی۔

۱۔ حکومت تمام ہندوستان پر زمانہ حضرت امام مہدی علیہ السلام تک شاہان اسلام کی نہ ہوگی۔ (صفحہ 627)

۲۔ (1279ھ) بادشاہت ماتحت فرنگ بھی موقوف کر کے قومِ فرنگ مستقل حکمران کر دی جائے کہ زمانہ حضرت امام مہدی علیہ السلام کا قریب ہے، کفر ترقی پکڑے تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن خلق اللہ ظلم سے محفوظ رہے۔ (صفحہ 633) صفحہ 261 اور 497 پر کچھ اہم باتیں درج ہیں جن کا یہاں ذکر کرنا مناسب نہیں۔

خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کا ہندوستان تشریف لانا اور شہاب الدین غوری کا دہلی فتح کرنا

(بادشاہ اول دہلی، شہاب الدین غوری، سے بادشاہ آخر، بہادر شاہ ظفر، تک انتظام تخت نشینی و معزولی کا دلچسپ بیان)

کتاب، حقیقت گلزار صابری، میں جناب شاہ محمد حسن صابری چشتی رحمتہ اللہ علیہ نے تمام واقعات تفصیلاً بیان فرما دیئے ہیں مگر کچھ باتیں مختصراً یہ ہیں۔ (صفحہ 559, 560)

معز الدین سام عرف شہاب الدین غوری بادشاہ اول دہلی نے خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی روحانی اعانت سے دہلی فتح کیا اور فتح کے چند روز بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر زر و جواہر پیش کئے اور دعا کی درخواست کی۔۔۔

Marfat.com

خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ نے ارشاد فرمایا: ''فقیر کو ہادی کا نام کافی ہے، تیری دولت تجھے مبارک ہو، فقیر کی تیرے حق میں دعائے خیر یہی ہے ترقی اسلام کی کوشش کرنا اور وصیت نامہ کار کار بند رہنا بلکہ اپنی اولاد میں بھی وصیت کر دینا جو حکمراں سلطنت ہو یا جو کوئی حکمراں، شہنشاہ، بادشاہ، راجہ، نواب، امیر ہندو، مسلمان، یہودی ونصاریٰ، مجوس، آتش پرست جس پر اطلاق حکومت کا ہو (کیوں کہ حضرت سرور عالم فخر دو عالم ﷺ) نے فرمایا ہے کہ جس ماتحت چار آدمی بھی ہوں اس سے بھی عدالت وانصاف کا مواخذہ ہوگا بلکہ ہر گھر والا اپنے گھر کا منصف وعادل ہے۔ وہ بھی اس وصیت نامے گا پابند رہے اور چونکہ حضرت سرور عالم ﷺ نے فقیر معین الدین کو بمراتب حقیقت معنوی کے محدودہ سرحد کاشغر سے کابل تک اور جنوبی کنارہ سمندر سے شمالی سمندر برفان تک جس قدر ممالک اور شہر و دیار ہیں اس کا شہنشاہ کیا ہے اور یہ (میرے بعد درجہ بہ درجہ) تاقیام عالم محیط اور حکمران رہے گی اور جو اس وصیت نامہ کی پابندی اختیار کرے گا وہ دین و دنیا میں سرسبز رہے اور جو اس سے انحراف کرے گا وہ دنیا میں حکومت کے ذائقہ سے محروم رہے گا اور عقبیٰ میں روسیاہی کا طوق ڈالا جائے گا۔ (اس کے بعد صفحہ 561 پر وصیت نامہ ہے)

معزالدین سام عرف شہاب الدین غوری بادشاہ اول دہلی نے تقریباً پندرہ سال اس وصیت نامہ پر عمل کیا بعد میں انحراف پر کم باندھی اور ظلم و فسق فجور شروع کیا، اسی روز حضرت احمد بن عبدالواسع صاحب سردار حنفیہ نے بموجب فرمان خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ (پورا واقعہ صفحہ 563 پر درج ہے) شہاب الدین غوری کی جگہ قطب الدین ایبک کو تخت نشینی فرمایا (غلط فہمی نہ رہے یہ عرض کیا جاتا ہے کہ یہ تمام اللہ کے ہی حکم سے ہو رہا تھا یہ اس کی ظاہری و باطنی تفصیل ہے)

قطب الدین ایبک وصیت کا نامہ کا مکمل پابند رہا اور اس کا خاتمہ بخوبی ہوا

سردار حنفیہ سے مراد عارف صاحب مرفوع الاجازت علوم العزم المرتبہ ہیں جو ایک کی وفات کے بعد دوسرے منتخب ہوتے رہے ہیں اور باطنی حکومت کے زمانے کے شہنشاہ ہوتے ہیں۔ (جناب محمد حسن صابری چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب کے آخری حصے میں ان کا تفصیل سے ذکر فرمادیا ہے، ہماری بار بار گزارش ہے عارف باللہ کے کتاب کو غور سے پڑھیں کیونکہ ہم پہلے یہ پیش خبری پڑھ چکے ہیں کہ شاہ محمد حسن صابری چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ کوئی ولی یہ راز کھولنے کا مجاز نہیں تھا اس کی وجہ مولف نے کتاب میں فرمادی ہے)

اب ہم آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کا ذکر کرتے ہیں کہ بہادر شاہ ظفر نے عوام پر ظلم وستم کی حد کر دی تھی طرح طرح کا ٹیکس لگا کر عوام کا جینا دوبھر کر دیا تھا اور اپنے گرد خوشامد پسندوں اور مفاد پرستوں کے ٹولے جمع کر لئے تھے۔ جو عوام پر ظلم کر رہے تھے، فسق و فجور عام تھا (حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی جو محترمہ ضیاء تسنیم بلگرامی نے لکھے، ان میں بھی شاہ اسحاق صاحب نے آخری بادشاہ بہادر شاہ ظفر کے زوال اور ہندوستان کی تباہی اور بربادی کے یہی اسباب ہیں۔

1857 سے پہلے کا دور کے سردار حنفیہ نے بار بار بہادر شاہ ظفر کو فسق و فجور سے روکا اور وصیت نامے کی طرف ظاہری

Marfat.com

و باطنی طریقے سے توجہ دلائی اور 27 سال بار بار مہلت دیئے جانے کے بعد جب بادشاہ باز نہ آیا تو ہمیشہ کے لئے ہندوستان سے مغلیہ حکومت کا خاتمہ کر کے بحکم سروری (ﷺ) حکوت شاہ فرنگ کے ماتحت کر دی، باطن میں یہ تجویز 100 سال پہلے سے تھی کہ بادشاہ بے ادب ہوتے ہیں عوام سے غافل اور عیش وعشرت اور فسق و فجو دمیں مصروف ہوتے ہیں اس لئے بجائے ان کے قوم فرنگ کو مسلط کر دو۔ (بعد میں بہادر شاہ ظفر کو ہندوستان میں دفن ہونے کی جگہ بھی نہ ملی) (صفحہ 619 تا 634)

عرب وعجم ممالک کے باطنی شہنشاہ غوث الاعظم سید عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ اور خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ ہیں اور حکومتوں کی تبدیلی، تغیر وتبدل عرب وعجم ممالک اسی قانون و قاعدے سے ہوتی ہے۔

(تفصیل نیچے، بیان حکومت باطنی عرب وعجم میں پڑھیں)

بقول علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ:

خودی کی جلوتوں میں مصطفائی — خودی کی خلوتوں میں کبریائی
زمین و آسمان و کرسی و عرش — خودی کی زد میں ہے ساری خدائی

یہ نکتہ میں میں نے سیکھا بوالحسن سے — کہ جاں مرتی نہیں مرگ بدن سے
عالم ہے فقط مومن جاں باز کی میراث — مومن نہیں جو صاحب لولاک ﷺ نہیں ہے (بال جبریل)

نوٹ: درج ذیل میں جلوس سے مراد، تخت نشینی، ہے اور اگر کسی کو ان واقعات پر ابھی بھی کوئی شبہ تو تو وہ علامہ اقبالؒ کی کتاب ''اسرار خودی'' سے بوعلی قلندر رحمتہ اللہ علیہ کا واقعہ ملاحظہ کر لے۔

پاکستان کا مستقبل

پاکستان کے مصروف صوفی بزرگ، ابوانیس صوفی محمد برکت علی لدھیانوی رحمتہ اللہ علیہ فیصل آباد کے قریب سالار والا اور دالووال میں قیام پذیر رہے۔ 26 جنوری 1997ء کو آپ نے وصال فرمایا۔ آپ سے جب پاکستان کے مستقبل کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا: ''بندے (انسان) بنتے رہیں گے اور مرتے رہیں گے۔ یہ قول کبھی فیل نہ ہوگا۔ طریقت کی یہ آواز قوموں کو گرمایا کریں گی۔ بین الاقوامی قوموں کو درس دیا کریں گی کہ ایک دیوانہ، ایک جنگ میں تنکے چن رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ وہ دن دور نہیں کہ پاکستان کی ہاں اور نہ میں اقوام عالم کے فیصلے ہو کریں گے۔ بندے بنتے رہیں گے مٹتے رہیں گے یہ قول جو ہم اللہ ہی کیطرف سے کہہ رہے ہیں۔۔۔۔ ہمارا کیا قول ہے!۔۔۔ ہم اللہ ہی کی طرف سے کہہ رہے ہیں، بادشاہو! کہ وہ دن دور نہیں جب پاکستان کی ہاں اور ناں میں اقوام عالم کے فیصلے ہوا کریں گے۔ ماشاء اللہ، وما توفیق الا باللہ۔ السلام علیکم''۔

جناب صوفی صاحب نے ایک اور موقع پر اسی قسم کے سوال کے جواب میں فرمایا: ''اس سے بہتر کلام کوئی نہیں! پاکستان کی ہاں اور ناں میں تمام اقوام عالم کے فیصلے ہوا کریں گے، انشاء اللہ تعالیٰ۔ اور میں پاکستان کا محب ہوں۔ ٹھیک ہے کہ

Marfat.com

نہیں؟ اور یہی میرے کہنے کا حق تھا۔ اور (میں نے) حق ادا کر دیا۔ میں پاکستان کا محبّ ہوں اور یہ میرا حق تھا اور میں نے حق ادا کر دیا ہے۔ میں اپنا حق ادا کر دیا ہے کہ پاکستان کی ہاں میں اور نا میں اقوام عالم کے فیصلے ہوا کریں گے۔ یہ میرا حق تھا میں نے پورا کر دیا ہے۔

آپ کے لئے دعا کی، آپ سب کے لئے۔ یہ جو آگ لگی ہوئی ہے دنیا میں جس کا کوئی علاج نہیں نا پتہ لگا۔ **سبحان اللہ و بحمدہ** پڑھو۔ ہر ایک گھر میں ہر ایک پنڈ (گاؤں) میں یہ آگ لگی ہوئی ہے، آگ لگی ہوئی ہے نا گھر گھر میں جھگڑا، فساد، اللہ پاک وہ ٹھنڈی کر دیں۔

(دوبار فرمایا) یہ میرا حق تھا، میں پاکستان کا محبّ ہوں نا! میں نے یہ حق ادا کر دیا ہے۔ ایک دیوانہ ایک جنگل میں تنکے چن رہا تھا اور یہ کہہ رہا تھا کہ وہ دن دور نہیں کہ کسی دن پاکستان کی ہاں اور نا میں اقوام عالم کے فیصلے ہوا کریں گے۔ اور یہ میرا حق تھا، وہ میں نے ادا کر دیا۔ ٹھیک ہے کہ نہیں؟ ہاں! میں نے حق ادا کر دیا (پھر پنجابی زبان میں فرمایا) تسی وسدے پھرو۔۔۔ تسی بسدے رہو۔۔۔؛ اسی چلدے رہیئے۔۔۔ ماشاءاللہ۔۔۔ السلام علیکم"۔

استقرار پاکستان میں حضرت کے افادات اور برکات کا حصہ

بلاشبہ ہمارے حضرتؒ کے اس غیر متزلزل موقف کا اعتراف کہ ہندو اور مسلمان دو الگ قومیں ہیں اور اس کا آپس میں تعاون ممکن نہیں، پاکستان کو جود میں لانے کا باعث ہوا۔ اور کچھ تعجب نہیں کہ ملت کے احساس عمومی کی یہ رہنمائی آپ کے ہی خداداد استقرار سلطنت اسلامیہ اسی قطب دوراں کی کرامت استقامت اور اسی غوث زماں کے انفاس قدسیہ کی برکات کا انعام ہو۔

پاکستان کے لئے دعا

مولوی ظفر علی خاں صاحب حضرتؒ کے ساتھ اپنی تاریخی ملاقات میں جب خلافت اور ہجرت کی بحث میں کامیاب نہ ہوئے تو ذہن رسا نے انہیں ایک کام کی بات سمجھائی۔ عرض کیا۔ میں تو اس دربار میں ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے سلطنت مانگنے آیا ہوں فرمایا۔ میں دعا کرتا ہوں، آپ بھی میرے ساتھ دعا میں شریک ہوں۔

پاکستان کی پیش گوئی

میاں محمد سعید صاحب قریشی افسر جیل خانہ جات بیان کرتے ہیں کہ عالم استغراق کے دوران ایک روز حضرت قبلہ عالم قدس سرہ نے جناب میاں محبوب عالم صاحب اور میرے روبرو فرمایا تھا کہ عنقریب اس ملک میں سب مسلمان ہوں گے اور مشرق کی طرف ہاتھ اٹھا کر فرمایا کہ اسکی طرف کے مسلمانوں کو مصیبت پیش آئے گی۔ چنانچہ ۱۹۴۷ء میں تقسیم ہندوستان پر ایسا ہی دور آیا۔ (Maani-e-Mehre Munir Page No. 600)

آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئیاں

کتاب ایام الصلح میں مرزا صاحب نے آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئیوں کے بیان میں لکھا تھا کہ پیشین گوئیوں میں

Marfat.com

قبل از وقوع ملہم کی رائے بھی خلاف نفس الامر مائل ہو جاتی ہے۔ مگر ایسا قبل از وقوع ہی ہوتا ہے نہ بعد از وقوع۔ اس کا جواب دیتے ہوئے حضرت فرماتے ہیں۔ ازالۃ الخفا میں شاہ ولی اللہ صاحب نے تصریح کی ہے کہ چونکہ سلسلہ تکوین میں آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی مبعوث ہونا مقدر نہ تھا لہذا حکمت الہیہ کا اقتضا ہوا کہ ان واقعات کے احکام بھی آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک پر جاری ہوں جو قیامت تک ہونے والے ہیں اور ان کے متعلق حق تعالیٰ کی رضا یا عدم رضا بھی ظاہر ہو تا کہ نعمت الٰہی تمام ہو اور حجت قائم۔ پس وہ سب وقائع منکشف ہو گئے اور آنحضرت ﷺ نے بعض کی نسبت بہ تقریبات اطلاع دی تا کہ بعد آنحضرت ﷺ کے امت مرحومہ تاریکی میں نہ رہے۔ اتنے میں کہتا ہوں احادیث نزول میں بھی بڑی بڑی تاکیدات اور بیان نشانات سے اس لئے ارشاد فرمایا گیا ہے تا کہ امت مرحومہ جھوٹے مسیحوں سے بچے اور کشف عینی والی پیشین گوئیوں کی یہی علامت ہے کہ ان میں بڑی توضیح و تشریح و تاکید و بیان حلفی سے کام لیا جاتا ہے بخلاف اجمالی کے ان میں بایں طرز بیان نہیں کیا جاتا۔ نزول مسیح وغیرہ اشراط الساعۃ والی پیشین گوئیاں بوجہ ہونے کے مناط احکام و رضا۔ عدم رضا و کفر ایمان نہایت مہتم بالشان ہیں۔ ان کو مقیس علیہا ٹھہرانا دوسری اقسام کے لئے جہالت ہے۔

اللہ کا جلال، سبز آنکھوں والا مجاہد اور پاکستان کا مستقبل

پروفیسر مقصود الٰہی نقشبندی فرماتے ہیں، کچھ لوگ ناامید ہو جاتے ہیں مسلمانوں کا حال دیکھ کر، کمزوریاں دیکھ کر، یہ تباہیاں بربادیاں دیکھ کر، ناامیدی دیکھ کر، ناامید نہ ہوں، ایک وہ وقت بھی تھا کہ مدارس کے اندر صرف وہ داخلہ لیتا تھا جو کانا ہوتا تھا اندھا ہوتا تھا یا لنگڑا ہوتا تھا۔ والدین کہتے تھے اب یہ اسکول میں تو پڑھ نہیں سکتا مدرسے میں داخل کرا دو، اور آج الحمد اللہ انقلاب آ چکا ہے۔ انقلاب کے تکمیل کی صرف دیر ہے، انقلاب آ چکا ہے، جو لوگ اس اللہ کے دین کے انقلاب کو پسند نہیں کرتے ، وہ ہیں بڑے بے چین بڑے بے قرار لیکن یہ سن لیں پروگرام تو میرے رب کا چلے گا تمہارا پروگرام نہیں چلے گا۔ یہاں فواد بیٹے موجود ہیں، میں نے عرض کی تھی بیٹے، سب سے پہلا کام یہ ہونا ہے کہ امریکہ یہاں سے جائے گا اور انڈیا کو ہینڈ اوور (Handover) کریگا، میں کوئی بڑا کمال کی بات نہیں کر رہا ہوں، میرے اللہ نے ایک پروگرام بنایا ہوا ہے اور وہ پروگرام بڑا بہترین سرعت سے چل رہا ہے۔ کل یا پرسوں ایگریمنٹ (Agreement) ہو گیا انڈیا کا افغانستان کے ساتھ، روئے زمین پر جو اصل مشترک ہیں جو میرے بنی پاک ﷺ کے زمانے میں بتوں کی پوجا کرتے تھے اب صرف ہندوستان میں رہ گئے ہیں۔ اصل کفر یہ ہے کہ میرے محبوب پاک ﷺ کی حدیث پاک ہے، میرے آقا ﷺ فرماتے ہیں کہ اس جنگ میں جو شریک ہوگا، میں اس کو جنت کی بشارت دیتا ہوں۔

اب یہ کوہسار کے جوان، یہ پہاڑی مجاہد اب ان کا رخ (امریکہ تو بھاگ جائے گا، چلا جائے گا)، اب رہ جائے گا بنیا۔ اب اس بیٹے کی دھوتی پھاڑنے کا وقت آ گیا ہے انشاء اللہ، لیکن اس میں جو رکاوٹ کے انداز ہیں بڑے مختلف ہیں۔ فوج کے خلاف اکسائیں گے۔ دین کے خلاف اکسائیں گے۔ یہ جو انتہا پسند ہیں ان کی مثال دے کر اسلام کے خلاف اکسائیں

Marfat.com

گے۔ یہ میں آپ کو بتادوں، یہ میرے رب کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے اس اسلام کی باگ دوڑ، مجاہدوں کی کمان اللہ تعالیٰ نے پاک فوج کے حوالے کی ہے، یہ وقت بہت قریب ہے اور آپ دیکھ رہے ہیں۔ ایک وقت تھا کہ لوگ فوج کو گالیاں دیتے تھے کہ فوج میں غیرت نہیں ہے۔ فوج میں حیا نہیں ہے۔ ہمارے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ یہ کوئی جواب نہیں دیتی۔ کوئی بات نہیں کرتی۔ آپ نے دیکھا کہ فوج کے تیور بدل گئے ہیں۔ یہ میرے رب کا فضل اور میرے نبی پاک ﷺ کی نظر ہے اور وہ کمان بننے میں دیر نہیں ہے اور جو بندہ اب آئے گا، خدا کی قسم اللہ کا جلال بن کر آئے گا۔ مصلحتیں، مفاہمت یہ چیز ختم ہو جائے گی، جو اللہ کے دین کے خلاف اٹھے گا۔ وہ اس کو زمین میں گھسیڑ دے گا اور اس کی آنکھیں سبز ہوں گی۔ سن لو، وہ سبز آنکھوں والا مجاہد جب نگاہ اٹھائے گا، خدا کی قسم ظالموں کو ظلم کرنے نہیں دے گا۔ چند سالوں (صدیاں نہیں کہہ رہا ہوں)، چند سالوں کے اندر اندر اللہ نے اس پاک فوج کو عظمت دینی ہے، وہ شان دینی ہے، وہ مقام دینا ہے۔ یہ کوہسار کے لوگ، یہ جو ایجنسیاں ہیں پہاڑی لوگ ہیں۔ یہ ان کے دائیں بائیں ہوں گے۔ یہ اللہ کے مجاہد بندے کھڑے ہوں گے۔ کشمیر فتح ہوتے ہوئے ہندوستان فتح ہو جائے گا۔ کہیں ایسا نہ ہو یہ قافلہ اللہ کے قریب ہو رہا ہے اور آپ دائیں بائیں کھڑے ہو کر وقت گزار دیں، وقت ضائع کر دیں۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے مکتوب ہیں کہ حضرت امام مہدیؑ میرے طریقے میں پیدا ہوں گے اور ان کا دور میرے محبوب نے فرمادیا یہ میرا بیٹا ہوگا وہ دنیا میں عدل قائم کرے گا، زمین خزانے ابل دے گی۔ پوری دنیا میں کوئی زکوۃ لینے والا نہ ہوگا۔ یہ میرا بیٹا ایسا عدل پیدا کرے گا لوگ اللہ کے ولیوں کا مذاق اڑا رہے ہیں اور یہ بھی عرض کر دوں کہ خانہ کعبہ کی دیوار سے ٹیک لگا کر امام مہدی تشریف فرما ہوں گے اور شام کے ابدال سب سے پہلے آ کر آپ کی بیعت کریں گے۔ یہ خوش خبریاں ہیں ساری، لیکن اگر ہم بے عمل ہو گئے تو جیسا شروع میں عرض کر دی کہ کلمہ شریف پڑھ کر نجات نہیں ہوتی، ہمیں عمل کر کے دکھانا ہے، عمل کرنے کا طریقہ، اپنے آپ کو بدلنے کا طریقہ۔ پہلے علامہ مولانا اشرف علی صاحب سے یہ حدیث سنی ہے کہ انسان کے جسم میں گوشت کا ٹکڑا ہے، جب اس کی اصلاح ہو جاتی ہے تو وہ ٹھیک ہو جاتا ہے تو پورا جسم ٹھیک ہو جاتا ہے اور جب اس میں فساد ہوتا ہے تو اس میں خرابی ہوتی ہے پورا جسم گندا غلیظ ہو جاتا ہے۔ رب کے رسول ﷺ نے فرمایا، ''الا وھی القلب'' خبردار، تو جان، وہ تیرا دل ہے، دل پاک ہوگا، دل مصفا، مزکے (پاک) ہوگا۔ دل میں اللہ کا نور آئے گا۔ دل برکا گھر بنے گا، دل میں اللہ جلوہ گھر ہوگا، پھر تو خدا کی ولی بنے گا۔ گناہ چھوٹ جائیں گے۔ نیکی کی توفیق ہوگی۔

الا وان فی الجسد مضغة ازا صلحت صلح الجسد كله ، واذا فسدت الجسد كله ، ألا وهي القلب

ترجمہ: خبردار ہو جاؤ! کہ بدن میں ایک ٹکڑا گوشت کا ہے، جب وہ سنور جاتا ہے تو تمام بدن سنور جاتا ہے اور جب وہ خراب ہو جاتا ہے تو تمام بدن خراب ہو جاتا ہے، سنو وہ ٹکڑا دل ہے۔ (بخاری و مسلم حدیث)

Beware! There is a piece of flesh in the body if it becomes good (reformed) the whole body becomes good but if it gets spoilt the whole body gets spoilt and that is the heart.

Marfat.com

علامہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مقصود الٰہی نقشبندی (المعروف محبوب سائیں کی پاکستان کے بارے میں بشارت سالانہ اجتماع، کراچی، 18 اکتوبر 2011)

تکمیل پاکستان اور عالمی مستقبل علامہ اقبال کی نظر میں

عطا مومن کو پھر درگاہ حق سے ہونے والا ہے ۔۔۔ شکوہ ترکمانی، ذہنِ ہندی، نطق اعرابی (اقبال)

قیام پاکستان سے قریباً سترہ برس قبل حضرت علامہ محمد اقبالؒ نے ارشاد فرمایا: ''شمال مغربی برصغیر میں مسلم ریاست کا قیام مسلمانوں کا مقدر بن چکا ہے'' (خطبہ الہٰ آباد۔ حالی پبلشرز نیو دہلی)

قائداعظم نے اقبال کے کام اور فکر کا تجزیہ ان الفاظ میں فرمایا اور ان کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا:

"Every great movement has a philosopher and Iqbal was the philospher of the national reniassance of Muslim India. He, in his works has left an Exasutive and most valuable legacy behind him, and a message not only for the Musalmans but for all the other nations of the world.
Iqbal was a poet who inspired... India with a spirit and determination to restore Islam its former glory, and although he is no more with us, his his memory will grow younger and younger with the progress and development of Muslim India.
His works should, therefore, be read and digested by every Musalman and we should all try to create solidarity and organise the Muslims through out India, economically, eduationally, socially and politcally"
(Speeches, statements & emssages of Quaid-e-Azam volII p-1433)

اقبال مفکرِ فردا

عالم نو ہے ابھی پردہ تقدیر میں ۔۔۔ میری نگاہوں میں ہے اس کی سحر بے حجاب

ہر عظیم تحریک اور اور انقلاب و احیاء نو کی پشت پر کسی بڑے فلسفی کی فکر کارفرما ہوتی ہے۔ حضرت علامہ اقبال مسلم ہند کی نشاۃ ثانیہ اور بیداری کے محرک تھے۔ اقبال کی فکر صرف ان کے اپنے عہد تک محدود نہیں رہی بلکہ قوم کی راہنمائی کیلئے ان کے افکار کا قیمتی اثاثہ اور ان کا جاری کردہ کام آج بھی اسی طرح تحریک اور تقویت کا باعث ہے۔ اقبال کا پیغام نہ صرف ہم مسلمانان ہند کیلئے ہے بلکہ تمام اہل عالم کیلئے ہے۔ علامہ ایک آفاقی شاعر اور مفکر کا درجہ رکھتے ہیں، ان کا پیغام انسانوں کی تخلیق کردہ سرحدوں سے ماوراء ہے۔ ہمارے عظیم قائد اور بانی پاکستان محمد علی جناح نے ایک موقع پر فرمایا تھا کہ اگر قیام ریاست کے بعد اگر

Marfat.com

ان کے سامنے، ریاست کے سربراہی یا اقبال میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنے کو کہا جائے تو ریاست وہ کی بجائے اقبال کو ترجیح دیں گے۔ یہ قائد کے اس عظیم مفکر کیلئے بہت بڑے Compliments ہیں۔

حضرت اقبال کا یہ کمال ہے کہ انہوں نے امت کے انتہائی مایوس کن حالات میں بھی امید کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب قریباً تمام عالم اسلام مغرب کی براہ راست غلامی میں جکڑا ہوا تھا۔ ان حالات میں وہ مرد قلندر مسلمانوں کو روشن مستقبل کی نوید دے رہا تھا۔ اور انہیں پھر سے اعلیٰ کردار، حریت و صداقت کی بحالی کا کہہ رہا تھا اور پھر سے قومی خودی کے اسباق پڑھنے کی تلقین کر رہا تھا۔ تا کہ وہ اس ذمہ داری عہدہ برآہ ہوسکیں جو تقدیر اب ان پر ڈالنے والی ہے۔

اقبال کے نزدیک قدرت نے اب دنیا کی امامت مسلم امہ کو دینے کا اشارہ دے دیا ہے۔

سبق پھر پڑھ صداقت کا، امامت کا، شجاعت کا　　　لیا جائے گا تم سے کام دنیا کی امامت کا

علامہ اقبالؒ نے مسلمانوں کی آزادی اور اور نشاۃ ثانیہ کا جو تصور دیا ہے۔

ا۔ اسلامی ریاست کیلئے آزاد خطہ ارضی کا حصول　　　(یعنی اسلامی مرکزیت کا قیام)

۲۔ اس ریاست میں ریاست مدینہ کی طرز پر، اسلامی اصول وضوابط، ور قوانین کی آزمائش اور اجتہاد نو کا عمل

۳۔ سرزمین ایشیا کا عالمی تناظر میں خصوصی کردار

۴۔ تمام مسلم امہ کا اتحاد اور اسکے ساتھ ہی پھر عالمی غلبہ اور عالمی بھائی چارہ یعنی جمعیت آدم کا قیام

علامہ فرماتے ہیں:　　　دیکھتا ہوں دوش کے آئینے میں فردا کو میں

حضرت اقبال کے تصور ریاست ان کے فلسفہ ور خواب (Vision) کو روبہ عمل لانے کیلئے انہی کی نشاندہی کردہ کرہ ارضی میں، مسلمانان ہند نے قائداعظم کی قیادت میں پاکستان حاصل کرلیا۔ ہمیں قدرت نے ایک وسیع وعریض اور قدرتی فیاضیوں سے مالا مال ملک دے دیا۔ جہاں ہم اپنی ملی امنگوں کے مطابق ایک خوبصورت گھر تعمیر کرسکتے تھے۔ جس کا خواب اقبال نے دیکھا تھا۔

اقبال کی مستقبل بینی اور شناسی کی عکاس اس نظم کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

عشق کو فریاد لازم تھی سو وہ بھی ہو چکی　　　اب ذرا دل تھام کر فریاد کی تاثیر دیکھ
تو نے دیکھا ہے سطوتِ رفتارِ دریا کا عروج　　　موجِ مضطر کس طرح بنتی ہے اب زنجیر دیکھ
عام حریت کا جو دیکھا تھا خواب اسلام نے　　　اے مسلماں آج تو اس خواب کی تعبیر دیکھ
اپنی خاکستر سمندر کو ہے سامانِ وجود　　　مر کے پھر ہوتا ہے پیدا یہ جہانِ پیر دیکھ

جیسا کہ بیان ہوا کہ علامہ اقبال نے اس ریاست کے قیام کو مسلمانوں کا مقدر قرار دیا تھا۔ اقبال اسلام کی نشاۃ ثانیہ کیلئے اولاً ایک خود مختار خطہ میں مسلمانوں کی مرکزیت قائم کرنے کے خواں تھے۔ اقبال کے فلسفہ کی روشنی میں ہم نے یہ مدینہ ثانی سرزمین ہند میں، نظریہ اسلام کی بنا پر حاصل کرلیا۔ اقبال کی اس خطہ میں مسلم ریاست کے قیام کی یہ پیش بینی ان کی وفات کے

Marfat.com

تقریباً ۱۰ برس کے بعد ان ہی کے منتخب کردہ قائد کے ہاتھوں پوری ہو گئی۔ اقبال کے مشن کا اگلا مرحلہ یعنی پاکستان میں حکومت الٰہیہ کا قیام اور اجتہادِ نو کے عمل کا آغاز اسلامی اقوانین واصول وضوابط کی آزمائش کا مرحلہ ابھی باقی ہے۔

سرزمیں دلی کی مسجودِ دلِ غم دیدہ ہے ۔۔۔ ذرے ذرے میں لہو اسلاف کا خوابیدہ ہے
پاک اس اجڑے گلستاں کی نہ ہو کیونکر زمیں ۔۔۔ خانقاہِ عظمت اسلام ہے یہ سر زمیں
سوتے ہیں اس خاک میں خیرالامم کے تاجدار ۔۔۔ نظمِ عالم کا رہا جن کی حکومت پر مدار
دل کو تڑپاتی ہے اب تک گرمیِ محفل کی یاد
جل چکا حاصل مگر محفوظ ہے حاصل کی یاد
ہے زیارت گاہ مسلم گو جہان آباد بھی ۔۔۔ اس کرامت کا مگر حق دار ہے بغداد بھی
یہ چمن وہ ہے کہ تھا جس کے لیے سامانِ ناز ۔۔۔ لالہ صحرا جسے کہتے ہیں تہذیبِ حجاز
خاک اس بستی کی ہو کیونکر نہ ہمدوشِ ارم ۔۔۔ جس نے دیکھے جانشینانِ پیمبر کے قدم
جس کے غنچے تھے چمن ساماں، وہ گلشن ہے یہی
کانپتا تھا جن سے روما، ان کا مدفن ہے یہی
ہے زمیں قرطبہ بھی دیدۂ مسلم کا نور ۔۔۔ ظلمتِ مغرب میں جو روشن تھی مثلِ شمعِ طور
بجھ کے بزمِ ملتِ بیضا پریشاں کر گئی ۔۔۔ اور دیا تہذیبِ حاضر کا فروزاں کر گئی
قبر اس تہذیب کی یہ سر زمینِ پاک ہے
جس سے تاکِ گلشنِ یورپ کی رگ نم ناک ہے
خطہ قسطنطنیہ، یعنی قیصر کا دیار ۔۔۔ مہدیِ امت کی سطوت کا نشانِ پائدار
صورتِ خاکِ حرم یہ سرزمیں بھی پاک ہے ۔۔۔ آستانِ مسند آرائے شہِ لولاک ہے
نکہتِ گل کی طرح پاکیزہ ہے اس کی ہوا ۔۔۔ تربتِ ایوب انصاریؓ سے آتی ہے صدا
اے مسلماں! ملت اسلام کا دل ہے یہ شہر
سیکڑوں صدیوں کی کشت خوں کا حاصل ہے یہ شہر
وہ زمیں ہے تو مگر اے خواب گاہِ مصطفیٰ ۔۔۔ دید ہے کعبے کو تیری حجِ اکبر سے
خاتمِ ہستی میں تو تاباں ہے مانندِ نگیں ۔۔۔ اپنی عظمت کی ولادت گاہ تھی تیری زمیں
تجھ میں راحت اس شہنشاہ معظم کو ملی ۔۔۔ جسکے دامن میں اماں اقوام عالم کو ملی
نام لیوا جس کے شہنشاہِ عالم کے ہوئے ۔۔۔ جانشیں قیصر کے وارث مسندِ جم کے ہوئے
ہے اگر قومیتِ اسلام پابند مقام ۔۔۔ ہند ہی بنیاد ہے اس کی، نہ فارس ہے نہ شام

Marfat.com

آہ یثرب! دیس ہے مسلم کا تو، ماوا ہے تو　　　نقطۂ جاذب تاثر کی شعاعوں کا ہے تو
جب تک باقی ہے تو دنیا میں، باقی ہم بھی ہیں
صبح ہے تو اس چمن میں گوہرِ شبنم بھی ہیں　　　(بانگِ درا)

اہل مشرق اور مسلم ممالک کی فکر تقلید اور ذہنی غلامی کا مرکز مغرب کے دانش کدے اور تہذیب وتمدن بنے ہوئے ہیں۔ اور اس کی فطری وجہ ہے اور وہ یہ کہ ہم ان کی طویل عرصہ براہ راست غلامی میں رہے وہ اثرات بدستور ہم میں قائم ہیں۔ ہمارا مسئلہ اقبال ہی کے بقول یہ ہے کہ

یہاں مرض کا سبب ہے غلامی وتقلید　　　وہاں مرض کا سبب ہے نظام جمہوری
نہ مشرق اس سے بری ہے، نہ مغرب اس سے بری　　　جہاں میں عام ہے قلب ونظر کی رنجوری!

نیز مغرب کی غیر معمولی مادی ترقی نے بھی تیسری دنیا کی نظروں کو خیرہ کر رکھا ہے۔

مشرق کے خداوند سفیدانِ فرنگی　　　مغرب کے خداوند درخشندہ فلزات

(یعنی مشرق مغرب کا پجاری ہے اور اہل مغرب مادے Material کی غلامی میں جتے ہوئے ہیں)

مسلمانوں کی فکری وذہنی غلامی کی شدت اس قدر ہے کہ بقول اقبال اگر انگریز اسلام بھی قبول کرلیں تو بھی یہ کم نظر اور غلام ذہن مسلمان مغرب کا غلام رہے گا۔

اگر قبول کرے دینِ مصطفیٰ انگریز!　　　سیاہ روز مسلماں رہے گا پھر بھی غلام

اہل مغرب کی تمام فکر یک چشمی ہے اور صرف مادی مفادات کے گرد گھومتی ہے۔ اور اس وقت ساری دنیا کم نظری کا باعث پست کرداری اور مادی مفادات کی غلامی ہے۔ اسی کا شاخسانہ نظام سرمایہ داری اور سودی معیشت کا اجراء ہے جس نے افراد اور اقوام میں غریبی اور وسائل کی وسیع خلیج کھڑی کر دی ہے۔ بانی پاکستان نے حکومت الٰہیہ کے قیام کے سلسلہ میں کام کا آغاز کر دیا تھا۔ مگر ان کی جلد رحلت کے باعث یہ کام پایہ تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔ اسکے بعد علامہ کی تشخیص کردہ مرض ہی اب تک ہماری اس سلسلہ میں ناکامی کا سبب بنی ہے۔ نصف صدی سے مقتدر غلام زدہ نسل کی جگہ ایک آزاد نسل اب اس ریاست میں پروان چڑھ رہی ہے اور فکر اقبال کا یہ مرحلہ بھی انشاء اللہ بہت جلد طے ہوگا۔ یہ خوش آئند امید ہے کہ پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد آئینہ سطح پر اس سلسلہ میں کچھ پیشرفت ہوئی ہے۔ نیز غیر سرکاری سطح پر بھی اسلام کی فکری تجدید کے حوالے سے بھی خاصہ کام ہوا ہے۔ ریاست اور معاشرتی سطح پر اسلامی حریت، عدل اور مساوات اور اصول سیاست ومعاش کی تنفیذ ورواج کا کام ابھی باقی ہے۔ قومی شعور اور خودی کی بیداری کے کارِ عظیم کا مرحلہ ابھی طے کرنا باقی ہے۔ ملی نصب العین کے تحت، ایک ایسی جدید مثالی اسلامی ریاست کا قیام جو تمام عالم کیلئے مشعل راہ ثابت ہو بھی ملت پاکستانیہ کی ذمہ داری ہے۔

Marfat.com

جمعیتِ آدم

اسلام کا مقصود جمعیتِ آدم

تمام کرہ ارضی پر موجود نسل انسانی ایک آدم کی اولاد ہے۔ اور اس ناطے یکساں قابل تکریم ہے۔ اقبال کے نزدیک اسلام کا اور الٰہی کلام یعنی قرآن کا یہ مطالبہ اور یہ ایک خواب ہے کہ تمام نسل آدم ایک ہو جائیں اور ان میں ایک مثالی اخوت ومحبت قائم ہو جائے جس کیلئے چشم فلک ایک زمانے سے دیکھنے کو ترساں ہے۔ اقبال اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور اسکے عالمی غلبہ کی نوید دیتے ہیں۔ اقبال کے Vision اور الہامی کیفیات کی رو سے پورا عالم ایک پروردگار کے آگے سربسجود ہوگا اور انسانیت کو ہر طرح کے استحصال اور طبقاتی اور نفسی غلامیوں سے نجات مل جائے گی۔ تمام نسل آدم مساوی حیثیت سے ایک نظام کے تابع اپنی جمعیت تشکیل دے گی۔

ہند میں جب سرزمین پاک پر آسمانی نظام عملی صورت میں جلوہ گر ہوگا تو تمام انسانیت کیلئے وہ موجب ہدایت بنے گا۔ یہی ابتدا قائم ہونے والا رول ماڈل پھر عالمی صورت اختیار کرے گا۔ یہ ریاست، انشاءاللہ دنیائے اسلام میں قائم تمام تر مصنوعی سرحدی مسمار کر ڈالے گی۔ کیونکہ نظریاتی ریاست کا یہ خاسہ ہے کہ اس کا روحاً اور جمعاً پھیلاؤ ہوتا ہے۔ وہ وقت دور نہیں جب تمام مسلمانان عالم ایک مرکز کے نیچے متحد ومنظم ہو جائیں گے۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کیلئے   نیل کے ساحل سے لیکر تابخاکِ کاشغر

خطبہ حجتہ الوداع میں رحمتہ اللعالمین ﷺ نے تمام انسانیت کو بنیادی انسانی حقوق کا ایک ایجنڈا اور منشور عطا کیا، اس خطبہ کے مخاطبین تمام بنی نوع آدم ہیں۔ اب اس کی عملی تنفیذ ہوگی۔ کیونکہ قوموں کی تشکیل نبی کرتے ہیں اور محمد ﷺ کو تمام انسانیت کیلئے مبعوث فرمایا گیا۔ ان کا یہ مشن پورا ہونے کا مرحلہ باقی ہے اور قریب بھی۔

علامہ اقبال دنیا کے معروضی حالات کی یکسر تبدیلی اور ایک جہان تازہ کا تصور دیتے ہیں۔ علامہ اس سیم وزر کی پجاری دنیا کے زاویہ نگاہ اور قدریں تبدیل ہونے کا تذکرہ فرماتے ہیں۔ جب عالمی حریت کا قیام عمل میں آئے گا تو حید انسانیت کے ہر شعبہ زندگی کا احاطہ کرے گی اور صرف خالقِ انساں اور خالقِ کائنات کی عبادت وتکریم ہوگی۔

اقبال کا کلام نسلیت اور وطنیت کی حدود سے ماورا ہے۔ علامہ اقبال ایک آفاقی شاعر ہیں۔ اقبال کے کلام نے جہاں مسلمانان ہند کے قلب میں حریت اور حقیقی اسلامی روح، بیداری اور وحدت تشکیل دی۔ اور سوچنے سمجھنے اور خودشناسی وفکر وتدبر کی آگ بھڑکائی۔ وہاں بقیہ عالم اسلام بھی اقبال کی فکر کے زیر اثر آیا۔ اقبال کے فارسی کلام نے امت کے بہت بڑے حصے کو جھنجوڑا ہے خطہ ایران اور وسطی ایشیائی ریاستیں اس کی فیوض کی لپیٹ میں آئیں۔ اقبال نظریہ اسلام کے حوالے سے پوری امت کے حقیقی نمائندہ بن کر ابھرے۔ اقبال اپنے رول اور افکا کی تاثیر سے بخوبی آشنا تھے۔ فرماتے ہیں۔

اک ولولہ تازہ دیا میں نے دلوں کو   لاہور سے تا خاکِ بخارا وسمرقند

Marfat.com

امت کی زبوں حالی اور مغربی استعمار کے تسلط کو علامہ وقتی قرار دیتے ہیں اور حالات وعوامل کے گہرے تجزیہ اور اپنی مومنانہ فراست کی بنا پر نوید دیتے ہیں کہ ملت کا ایک روشن مستقبل سامنے کھڑا ہے۔اور ضروریات اس امر کی ہے کہ مسلمانوں کو چاہیئے کہ خود کو اس عالمی منصب پر پورا اترنے کیلئے تیار کریں۔ یہ ظاہری مایوس کن حالات چھٹنے والے ہیں۔

~ کب ڈرا سکتا ہے غم کا عارضی منظر مجھے   ہے بھروسہ اپنی ملت کے مقدر پر مجھے

اقبال دوش کے آئینے میں فردا کا دلنشین نظارہ فرماتے ہیں۔ جس میں ایک نئی دنیا اور اس کا نیا سیٹ اپ ہوگا۔ جس کے فطرت پر مبنی معیارات ہوں گے۔ جہاں امن ہی امن ہوگا جہاں اہل ہنر اور تخلیق کاروں کا دور دورا ہوگا۔ اور اخوت، محبت اور مساوات پر مبنی ایک جنتی معاشرہ تشکیل پائے گا۔ جس کیلئے ایک زمانے سے دنیا سرگرداں رہی ہے۔ آج کی دنیا سے یکسر مختلف ایک نئی اہل جنوں کی دنیا جسے وہ اپنے خون جگر سے تعمیر کریں گے۔

~ آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں   محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

اقبال کی چشم بینا

(دیکھتا ہوں دوش کے آئینے میں فردا کو میں)

علامہ اپنی بصیرت کی بناء پر اس جہان پیر یعنی مغربی امپیریل ازم کا خاتمہ بالخیر نہیں بتاتے، انسانیت پر عظیم سانحات اور صدموں سے گزرنے کے بعد ایک حسین دنیا میں قدم رکھے گی اور اسکی وجہ عالمی سطح پر قائم نظام ابلیس ہے جو ٹوٹتے ٹوٹتے بھی انسانیت پر زبردست قہر برسائے گا۔ عصر حاضر میں مسلمانوں کی علمی حالت کے حوالے سے اقبال ملت کی زبوں حالی کا رونا روتے ہیں کہ تمام علوم اور ٹیکنالوجی کا مرکز مغرب بنا ہوا ہے۔ جس نے اسے ساری دنیا کی فضاؤں کا باسی بنا رکھا ہے۔ خلائی تحقیق ہو یا زیر سمندر چلنے والی آبدوزیں یا سطح پر چلنے والے بحری جہاز یا کمپیوٹر ٹیکنالوجی جس نے ساری دنیا میں انقلاب برپا کر دیا ہے۔ مصنوعی سیارے جن کی بدولت ساری دنیا کے وسائل ان کی نظروں میں ہیں۔ جبکہ مسلمان علوم اور ٹیکنالوجی میں بھکاری بن کے رہ گئے ہیں۔ مغرب کی یک رخی ترقی اور روحانی نظام کے انہدام نے انہیں اخلاقی اعتبار سے نہایت پست درجہ پر پھنسا دیا ہے اور ان کے اس فیصلہ کن تسلط کے باعث ساری زمین جوئے کا اڈہ بن چکی ہے۔ اقبال اپنی مشہور نظم ''زمانہ'' میں حالات کے قدرتی ارتقاء کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

مری صراحی سے قطرہ قطرہ نئے حوادث ٹپک رہے ہیں   میں اپنی تسبیح روز و شب کا شمار کرتا ہوں دانہ دانہ
مرے خم و پیچ کو نجومی کی آنکھ پہچانتی نہیں ہے   ہدف سے بیگانہ تیر اس کا نظر نہیں جس کی عارفانہ
ہوائیں ان کی فضائیں ان کی، سمندر ان کے جہاز ان کے   گرہ بھنور کے کھلے تو کیونکہ بھنور ہے تقدیر کا بہانہ
جہان نو ہو رہا ہے پیدا وہ عالم پیر مر رہا ہے   جسے فرنگی مقامروں نے بنا دیا ہے قمار خانہ

آج رفتار زمانہ بہت بڑھ چکی ہے۔ عالمی حالات وواقعات اور تبدیلیوں کی رفتار نہایت تیز تر ہو چکی ہے۔ پہلے جو کام

Marfat.com

صدیوں میں وقوع پذیر ہوتے تھے، اب مہینوں اور دنوں میں ہونے لگے ہیں۔ علم اور ٹیکنالوجی میں عظیم انقلاب برپا ہو چکا ہے۔ ہر شے تیزی کے ساتھ تغیر پذیر ہے۔ اسی تناسب سے حادثات زمانہ اور امور عظیمہ کا ظہور بھی سرعت رفتاری سے جاری ہے۔ ٹریفک بہت بڑھ چکا ہے اور ہر مقام پر حادثہ کا ڈر ہے اور ٹریفک کا بہاؤ اور ٹکراؤ شدت کے ساتھ بڑھتا ہی جا رہا ہے، دنیا آئے روز نئے نئے سانحات کا شکار ہے۔ عالمی حالات و واقعات میں نہایت تیز رفتاری تبدیلیوں نے سیاسیات عالم میں ایک زبردست ہیجان برپا کر رکھا ہے۔ ہر صاحب نظر ان حالات میں تشویش کا شکار ہے۔

زمانہ اپنے حوادث چھپا نہیں سکتا! ترا حجاب ہے قلب و نظر کی ناپاکی!

قدرت کا ایک اپنا نظام ہے۔ جس کے تحت رات (اندھیرے) میں سے دن (اُجالا) برآمد ہوتا ہے۔ حالات و واقعات کا نئے رخ اور ڈگر پر چلنا اور انکے ذریعہ نئے حقائق اور ترجیحات کا ظہور، خالق کائنات کی قدرت اور اصولوں کے تابع ہے۔

زمین کو فراغ نہیں زلزلوں سے نمایاں ہیں فطرت کے باریک اشارے

جہاں یہ عالمی حادثات عظیم تباہی و بربادی کا باعث ہیں۔ وہیں فطرت کی ان میں بھلائی بھی مضمر ہے اور ایک تازہ جہاں کی آبادی بھی ممکن ہے۔ بقول اقبال

زلزلے سے وادیوں میں تازہ چشموں کی نمود

بہر صورت ان عظیم سانحات سے گزر کر انسانیت ایک نئی دنیا میں داخل ہوگی۔ جہاں انسانیت کے شرف کا نیا سورج طلوع ہوگا۔ جہاں اہل ہنر اور اہل نظر تازہ بستیاں آباد کریں گے۔

مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ

علامہ اس عالمی تناظر میں جب دنیا بشمول مسلمانوں کے زبردست بے کرداری اور خودداری سے محروم ہو چکی ہے۔ وہ مسلمان کو تعمیر خودی کی تلقین فرماتے ہیں۔ کہ اپنے عزت نفس کے معیار، حمیت، خودداری اور بلند نظری قائم کرو۔ غلامانہ سوچ اور فکر کو ترک کر کے اپنی دنیا آپ پیدا کرو اور پھر دیکھو کہ قدرت تمہیں کیسا نوازتی ہے۔ اس کے برعکس ملاطفہ و جہد اور محنت کے تمہیں جنت فردوس جیسی عظیم نعمت بھی خیرات میں دیجائے تو تمہاری کسی کی نگاہ میں کوئی قدر و قیمت ہوگی۔ انسان کی تخلیقی صلاحیت، محنت اور قربانی میں اسکی جنت پوشیدہ۔ وہ جیسی دنیا چاہے دنیا تخلیق کرے۔

ناپید ترے بحرِ تخیل کے کنارے پہنچیں گے فلک تک تری آہوں کے شرارے
تعمیرِ خودی کر، اثر آہ رسا دیکھ؟ خورشید جہاں تاب کی ضوء تیرے شرر میں ہے
آباد ہے اک تازہ جہاں تیرے ہنر میں جچتے نہیں بخشے ہوئے فردوس نظر میں
جنت تیری پنہاں ہے ترے خون جگر میں اے پیکر گل کوشش، پیہم کی جزاء دیکھ

Marfat.com

اقبالؒ کی غیر معمولی الہامی کیفیات

حضرت اقبال اس بدترین دور میں جب مسلمان بری طرح پس رہا ہے۔ جیسا کہ پہلے بھی ذکر آیا کہ وہ امت کی نبض اور الہام الٰہی کی بناء پر کہہ رہے ہیں کہ اب اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی تعبیر سب دیکھ لیں گے اور اس کا وقت اب قریب آ پہنچا ہے۔ حضرت اقبال کی موجودہ پسماندگی اور خستہ حالی اور مایوسی سے نکل کر عمل کی تلقین فرماتے ہیں۔ اقبال کے نزدیک ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم جلد از جلد اپنا کھویا وقار دوبارہ حاصل کرنے کیلئے اپنے اخلاق و کردار اور اقدار کو جلد از جلد بحال کریں، تا کہ پھر سے ہم اشرف المخلوقات کے منصب پر فائز ہوں۔

ے
ستارے جس کی گردِ راہ ہوں وہ کارواں تو ہے
پرے ہے چرخِ نیلی فام سے منزل مسلماں کی

حضرت اقبال کو قدرت نے قوم کے باطن میں جھانکنے اور اس کی خاکستر میں پوشیدہ صلاحتیں اور حرارت دیکھنے کی صلاحیت ودیعت فرمائی تھی۔ اقبال سمجھتے ہیں کہ امت کے خمیر میں پوشیدہ چنگاریاں کسی لمحہ پھر سے بھرپور بھڑ کنے والی ہیں۔

ے
جس خاک کے ضمیر میں ہو آتشِ چنار
ممکن نہیں کہ سرد ہو وہ خاکِ ارجمند

مسلمانوں میں نشاۃ ثانیہ کا خوابیدہ جذبہ دیکھ کر فرماتے ہیں۔

ے
روحِ مسلماں میں ہے آج وہی اضطراب
راہ خدائی ہے یہ کچھ کہہ نہیں سکتی زبان

دنیا بھر کے بکھرے ہوئے اور باہم کٹے ہوئے مسلمان سب اہل درد ایک مرکز کے نیچے ایک ہو جائیں گے۔ اور جدائی کی شب تاریک اب ڈھل جائیگی۔ اقبال فرماتے ہیں کہ اس ملت بیضا کی پھر شیرازہ بندی ہونے کو ہے اور یہ شاخ ہاشمی جو خزاں زدہ پھر سے برگ و بر پیدا کرنے کو ہے۔ اور دنیا میں منقسم ٹکڑوں میں بٹے مسلمان پھر باہم ایک ہونے کو ہیں۔

ے
پھر آملیں گے سینہ چا کان سے سینہ چاک

ایک اور مقام پر اس کیفیت کو ایام جدائی کی تعبیر سے یوں واضح فرمایا:

اس جلوہ بے پردہ کو پردوں میں چھپا دیکھ
ایامِ جدائی کے ستم دیکھ جفا دیکھ

امت کی طویل خزاں کے بعد اب بہار کے آثار اندرونی و بیرونی طور پر شروع ہو چکے ہیں۔ ظاہری اور غیبی اشارے اور نبی آخر الزماں ﷺ کی دی ہوئی خبروں کا ظہور شروع ہو چکا ہے۔ مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ اور اتحاد مرکزیت کے بارے میں فرماتے ہیں:

خلیل اللہ کے دربار میں ہوں گے پھر گھر پیدا

ے
کتاب ملت بیضا کی پھر شیرازہ بند ہے
یہ شاخِ ہاشمی کرنے کو ہے پھر برگ و بر پیدا

اپنی بصیرت وجدان کی بناء پر مستقبل مسلم کا نظارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ے
کھول کر آنکھیں میرے آئینہ گفتار میں
آنے والے دور کی دھندلی سی تصویر دیکھ

حضرت اقبال مسلمانوں کی بے چینی اضطراب اور بے قراری کا حل پھر سے اصل اور حقیقی صورت میں، احیاء دین الٰہیہ سمجھتے ہیں۔

Marfat.com

یعنی نبوت سے ماخوذ نظام کا قیام جو کہ نظام فطرت پر مبنی ہے۔ اور تمام انسانیت دکھوں کا مداوا ہے۔ یہ نظام کسی انسان کا بنایا ہوا نہیں بلکہ کائنات اور انسان کے تخلیق کار Manufacturer کا Original Manual ہے۔ جو اس نے اس مشینری اور نظام کے بہترین اور عمدہ مصرف کیلئے۔ یعنی انسان کی بہترین کارکردگی کیلئے مہیا کیا ہے۔ جس سے بہتر یا آگے کا تصور ممکن نہیں۔

حضرت اقبال ہر خاص و عام کو آنے والے دور کیلئے تیار کرتے ہیں جس کا نظارہ وہ اپنے وجدان اور چشم بینا سے کر رہے ہیں۔ جس میں موجودہ مغربی نظام شدید بحران سے شکار ہو کر لپٹنے والا ہے۔

آبِ روانِ کبیر، تیرے کنارے کوئی! دیکھ رہا ہے کسی اور زمانے کا خواب
عالم نو ہے ابھی پردہ تقدیر میں! میری نگاہوں میں ہے اسکی سحر بے حجاب
پردہ اٹھادوں اگر چہرہ افکار سے! لا نہ سکے گا فرنگ میری نواؤں کی تاب

علامہ ملت کو حرکت کی تلقین فرماتے ہیں۔ نیا جہاں وہی لوگ پیدا کرتے ہیں جو اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہیں۔ اپنا خون جگر دیئے بغیر نغمہ حیات میں درد اور سوز پیدا نہیں ہوتا۔ امت کی حالت کا احساس کرتے ہوئے، اس کے لئے آہ سحر گاہی کرنے والے اپنا خون جگر جلانے والے اہل عشق ہی اس صبح کی نوید بنتے ہیں۔

زندگی انسان کیلئے قدرت کا عظیم عطیہ ہے مگر کم ایسے ہیں جو اس کی عملاً قدر کرتے ہیں۔ اللہ نے انسان کو بے مصرف پیدا نہیں کیا بلکہ اس سے ہر نعمت کی اور اسکی مہیا کیے گئے مخصوص وقت کی پوچھ ہونا ہے۔ انسان کا سفر ہر لحہ کی موت سے گزر کر رواں۔ زندگی تغیر سے عبارت ہے۔ جمود کی زندگی اور فکس، سوچ و فکر سے عاری زندگی تو حیوانات کی ہے اگر انسان، انسان ہوتے ہوئے مقصد حیات سے عاری روٹین کی زندگی بسر کرے تو وہ انسان ان ادنیٰ حیوانات سے بھی پست درجہ پر چلا جاتا ہے کیونکہ جانور وہ شعور، علم اور آگہی نہیں رکھتے جو قدرت نے انسان کو نوازی ہے۔

زندگی زندہ دلی اور ہر دم جستجو سے عبارت ہے۔ انسان وہی انسانیت کے منصب پر ہے جس کا ہر آنے والا لحہ گزرتے لمحے سے بہتر ہو۔ اگر یہ نہیں تو مایوس اور بے مقصد زندگی کو اقبال موت سے تعبیر فرماتے ہیں۔ دنیا میں بڑی تبدیلی اور نیا جہاں کے پیدا گر اہل جنوں ہوا کرتے ہیں۔ حالات و واقعات کی سنگینی اہل دور میں فکر و تدبر کی ترغیب پیدا کرتی ہے۔ اپنی ذات سے بالا ملت کیلئے اور انسانیت کے مصائب و آلام محسوس کرنے کیلئے اہل درد اور اہل جنوں کے نالے ان کے دل کا کرب اور سوز ان میں نظر پیدا کرتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں انہیں اشیاء کی حقیقت سے آگاہی اور سمجھ پیدا ہو جاتی ہے۔ بصیرت سے محروم انسان صرف بھٹکتا رہتا ہے۔

جس میں نہ ہو انقلاب موت ہے وہ زندگی روحِ امم کی حیات کشمکش انقلاب
نقش ہیں سب ناتمام خون جگر کے بغیر! نغمہ ہے سودائے خام، خون جگر کے بغیر!

اور ان اہل جنوں اہل نظر اور انسانیت کے دکھوں سے آشنا لوگ ایک نئی صبح طلوع کریں گے اور پھر سے خالق و مخلوق میں مکمل روابط استوار ہو جائیں گے۔

Marfat.com

شب گریزاں ہوگی آخر جلوہ خورشید سے　　یہ چمن معمور ہوگا نغمہ توحید سے

پاک چین دوستی اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ

گراں خواب چینی سنبھلنے لگے　　ہمالہ کے چشمے ابلنے لگے

پاکستان جغرافیائی طور پر ایک بڑا خوش نصیب ملک ہے۔ پاکستان کی ایک طرف تو وسطی ایشیاء کے ساتھ واخان کی پٹی کے ذریعہ سرحدیں ملتی ہیں۔ اور اس وسطی ایشیائی خطہ کو پاکستان کے راستے ہی گرم پانیوں تک رسائی حاصل ہے۔ دوسری جانب ایران کے ساتھ بڑی سرحد ملتی ہے اور بحرہ عرب کے ذریعہ سے وہ عرب دنیا سے منسلک ہے۔ پاکستان کا شمال، اسے عظیم چینی قوم سے تاریخی رشتوں میں باندھے ہوئے ہے۔ تاریخی شارع ریشم انہی رشتوں کی یادگار ہے۔

عوامی جمہوریہ چین کے ۵۰ سالہ جشنِ آزادی کے موقع پر ۲۵ ستمبر ۱۹۹۸ء کو کراچی میں منعقدہ ایک بہت بڑی تقریب سے خطاب کرتے حکیم محمد سعیدؒ نے فرمایا تھا:

''مشرق کی عظمت وعروج کا وقت آنے والا ہے۔ چودہ سو سال پیشتر، پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ نے فرمایا تھا کہ ایک وقت آئے گا۔ جب چینی ایک متحدہ قوم کی حیثیت سے ابھریں گے۔ جس کے نتیجہ میں مشرق کو عظمت حاصل ہوگی۔ انہوں نے مزید فرمایا کہ ''رسول اللہ ﷺ کی پیشن گوئی کے مطابق، چینی قوم مسلمانوں سے اتحاد کرے گی اور ان کا یہ اتحاد دنیا میں امن وخوشحالی کا دور لائے گا''۔ حکیم صاحب نے فرمایا کہ انہیں یقین ہے کہ ''اس عظیم اتحاد کا وقت آ پہنچا ہے اور ماضی قریب میں چین کے اپنے دوروں میں انہوں نے اپنے لیکچروں اور ٹی وی پر انٹرویوز میں اس اتحاد پر بہت زور دیا تھا''۔

حکیم صاحب کی اس تحقیق اور بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ میں اہلیان چین کا بھی اہم کردار ہے۔ اور عملاً بھی ہم دیکھتے ہیں کہ اس وقت عالمی سطح پر دنیا اسلام میں پاکستان کی ممتاز دفاعی صلاحیت اور خصوصی اہمیت کے ساتھ کھڑا ہے۔ اس پوزیشن کے حصول میں ہمیں چین کا تعاون ہمیشہ شامل حال رہا ہے۔ ہمارا دفاعی پروگرام بھی چین کا مرہونِ منت ہے۔ چین ایسا ہمسایہ رہا ہے جو ہمیشہ قابل بھروسہ رہا۔ نیز اہلیانِ چین ایک پرامن اور عدم جارحیت کے مزاج کی حامل قوم ہیں۔ اپنے کام سے سروکار رکھتے ہیں۔ کسی کے خلاف جارحانہ عزائم نہیں رکھتے۔ پچھلے چند برسوں سے چینیوں نے اقتصادی شعبہ میں زبردست ترقی کی ہے اور اس اعتبار سے چین دنیا میں ایک بڑی قوت کی شکل میں ابھر رہا ہے۔ پاکستان کے لئے بہترین چوائس یہ ہے کہ وہ امریکی غلامی سے چھٹکارہ حاصل کرے اور اپنے دفاع اور معاش کی مضبوطی کے لئے چین سے مشترکہ دفاعی معائدہ کرے۔

مسلم دنیا میں آج صرف پاکستان ہی ایک ایسا ملک ہے جس کے چائنہ جیسے عظیم ملک کے ساتھ غیر معمولی تعلقات قائم ہیں۔ معروف امریکی اسکالر ہارورڈ یونیورسٹی کے سیموئیل ہنٹگٹن کا مشہور مضمون (Clash of Civilizations) بھی متذکرہ بحث کی توثیق کرتا ہے۔ جس میں مغربی تہذیب کو اسلام اور چینی قوم سے شدید خطرہ قرار دیا ہے۔

Marfat.com

ڈنڈے والی سرکار

نوائے وقت سنڈے میگزین میں مذکورہ بالا عنوان کے تحت ایک مضمون شائع ہوا ہے مضمون نگار ہیں۔ جناب پروفیسر محمد یوسف عرفان صاحب اور یہ میگزین نومبر ۲۰۰۹ء کا کوئی میگزین ہے۔ اس مضمون میں ڈاکٹر نذیر احمد قریشی متوفی ۱۴ نومبر ۱۹۹۰ھ کی پیش گوئیاں درج کی گئی ہیں، ڈاکٹر صاحب مرحوم کسی روحانی بزرگ سے فیض یافتہ ہیں، جناب پروفیسر محمد یوسف عرفان صاحب فرماتے ہیں کہ مورخہ ۲۸ دسمبر ۱۹۷۹ء کے دن ڈاکٹر صاحب مرحوم نے فرمایا: روسی افواج افغانستان سے شکست کھا کر واپس جائیں گی، روسی شکست دریخت کے بعد امریکی عالمی بالا دستی اور سپر پاور ہونے کا دورانیہ مختصر ہوگا، امریکہ کی پچاس ریاستیں ہیں اور یہ پچاس ریاستوں میں بٹ جائے گا پولینڈ کو ابھی آزادی نہیں ملے گی بلکہ افغان مزاحمت کے صدقے پولینڈ اور مشرقی یورپ آزاد ہوگا کابل ایک چیونٹی ہے جو روسی ہاتھی کی سونڈ میں گھس کر ہاتھی کو گرادے گی۔ روسی شکست کے بعد مزاحمتی مجاہدین کی حکومت نہیں بنے گی بلکہ کابل میں مجاہدین اور استہزائی یعنی غیر مجاہدین عناصر کی ملی جلی حکومت بنے گی۔ افغانستان میں اس وقت ٹھیک یہی صورت حال ہے یعنی صوبوں میں گورنر کرزئی کے اور قانون طالبان کا اور پاکستان کی حلیف اسلامی حکومت قائم کریں گے جو وسطی ایشیائی اسلامی ریاستوں کی جانب رُخ کریں گے، پاکستان سپر پاور طاقت بن جائے گا مگر اس سے پہلے پاکستان میں حالات انتہائی دگرگوں ہو جائیں گے، قانون اور حکومت نام کی کوئی چیز باقی نہیں رہے گی، قتل وغارت معمول بن جائے گی جو جس کو چاہے قتل کرتا پھرے گا کوئی مقدمہ درج نہیں ہوگا پورا ملک لاقانونیت کی لپیٹ میں ہوگا مگر ڈنڈے والی سرکار دنوں میں حکومتی رٹ قائم کردے گی، مذکورہ سرکار کو غیر ملکی امداد نہیں ملے گی اور سہ ملکی وسائل اور پاکستان لوٹنے والوں کی دولت واپس لے کر پاکستان کا نظام کامیابی سے چلائے گی سرحدیں سیل کردیں گے اور ذرائع ابلاغ مسدود کردیں گے پاکستان کے اندر ہر قسم کی غیر ملکی مداخلت ختم کردی جائے گی، پاکستان کو لوٹنے اور نقصان پہنچانے والوں کا قلع قمع کردیں گے، پاکستان امن و سکون، سلامتی اور قانون کی بالا دستی ہوگی، ناانصافی کا تصور بھی نہیں ہوگا، مساجد بھی یک رنگ ہوں گی یعنی اذانیں مختلف نہیں ہوں گی ڈنڈے والے سرکار سے پہلے پاکستان پارلیمان مچھلی منڈی بن جائے گی، وزیر اعظم ادلتے بدلتے رہیں گے۔ سیاسی جوڑ توڑ زوروں پر ہوگا، کشمیر خود مختار بن چکا ہوگا جو کبھی پاکستان اور کبھی بھارت سے الحاق کرتا پھرے گا، بالآخر ڈنڈے والی سرکار کشمیر کا پاکستان سے حتمی الحاق کرے گی نئی حکومت افغانستان کے معاملات پاکستانی مفادات کے مطابق سنوارے گی، پاکستان بلکہ خطے میں بھارتی مداخلت کے خاتمے کے لئے بھارت سے کامیاب جنگ کرے گی، لال قلعہ پر پاکستانی جھنڈا لہرائے گا مگر بین الاقوامی دباؤ کے تحت پاکستان دلی چھوڑ دے گا مگر اجمیر شریف اور بھٹنڈا پاکستان کا حصہ بن جائے گا پہلی جنگ کے نتیجے کے طور پر بھارتی پنجاب میں پاکستان کی حلیف سکھ خالصہ حکومت بن جائے گی، جس کا وجود پاکستانی ڈنڈے والی سرکار کی خوشنودی پر منحصر ہوگا، جنوبی بھارت میں مسلمان، اچھوت قومیں دیگر اقلیتیں متحد ہو کر آزاد ریاست بنانے میں کامیاب ہو جائیں گی، شمالی بھارت کے برہمن ہندو یوپی کے مسلمانوں پر ظلم وستم کی انتہا کردیں گے، ڈنڈے والی سرکار بھارت سے دوبارہ جنگ

Marfat.com

کرے گی اور کائنات سے ہندو ریاست وحکومت نام کی چیز ہمیشہ کے لئے ختم کردے گی۔

اندرا گاندھی کے قتل سے چند ماہ پہلے ڈاکٹر صاحب مرحوم نے کہا کہ: اندرا گاندھی بڑی تیزی سے چتا کی جانب چلی جارہی ہے اور فرمایا راجو گاندھی بھارت میں نہرو خاندان کا آخری حکمران ہوگا اس کے بعد نہری خاندان بھارت میں کبھی برسر اقتدار نہیں آئے گا۔ اسی طرح بینظیر بھٹو خاندان بھٹو کی آخری سربراہ ہوگی اس کے بعد بھٹو خاندان پاکستان میں حکمران کے طور پر ختم ہوجائے گا۔ بے نظیر کی پرتشدد موت ہوگی بعدزاں بھٹو خاندان عبرت کا نشان بن جائے گا۔ دنیا میں جمہوری حکومتیں ختم ہوجائیں گی، رضا شاہ پہلوی جس دن ایران سے جارہا تھا اس روز ڈاکٹر صاحب مرحوم نے فرمایا تھا کہ ایران میں بادشاہت واپس آئے گی، اسی طرح عراق اور صدام کے بارے میں جو کچھ کہا وہ من وعن پورا ہوا، مشرق وسطی کے بارے میں کہا کہ یہاں بڑی ریاست یعنی ایمپائر قائم ہوگی جو بالآخر اسرائیل کا وجود ختم کردے گی، ڈاکٹر صاحب نے اپنی گفتگو میں اس با کا بار بار اعادہ کیا کہ پاکستان قائم ودائم رہیگا، پاکستان کے محبّ وطن وارث ملے گا۔۔۔۔۔۔

حسن اخریٰ سید محمد عظیم برخیاؔ

حسن اخریٰ

حضور بابا صاحبؒ کا خطاب ہے۔ یہ خطاب بطریق اویسیہ سیدنا حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس سے عطا ہوا۔ اور بارگاہ رسول اللہ ﷺ میں ان ہی مقدس کلمات سے حضور بابا جیؒ مخاطب بخطاب فرمائے جاتے ہیں۔

محمد عظیم

حضور بابا جیؒ کی پیدائش کے بعد رکھا گیا تھا۔ آپ نجیب الطرفین سادات میں سے ہیں۔ اور آپ کا خاندانی سلسلہ حضرت امام حسن عسکری سے جاملتا ہے۔ اس لئے آپ سید کہلائے جاتے ہیں۔

برخیاؔ

آپ کا تخلص ہے۔ تکمیل وابستگی شوقِ شعروسخن کے لئے حضور بابا صاحبؒ نے برخیاؔ کا تخلص اختیار کیا تھا۔

قلندر بابا اولیاءؒ

حضور بابا صاحب کا عرف ہے۔ مرتبہ قلندریت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہونے کی وجہ سے ملائکہ وسماوی اور حاملان عرش میں ''قلندر بابا اولیاء'' کے نام سے مشہور ہیں اور یہی عرفیت یعنی ''قلندر بابا اولیاء''، عامۃ الناس میں زبان زد عام ہے۔

جائے پیدائش

حضور قلندر بابا اولیاء 1898 میں قصبہ خورجہ، ضلع بلند شہر، یو۔پی (بھارت میں) پیدا ہوئے۔

Marfat.com

تعلیم وتربیت

حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے قرآن پاک اور ابتدائی تعلیم محلّہ کے مکتب میں حاصل کی۔ کہتے ہیں کہ ہونہار پوت کے پاؤں پالنے میں نظر آجاتے ہیں۔ چنانچہ حضور قلندر بابا اولیاءؒ بچپن ہی سے انتہائی، باادب، خلیق اور ملنسار تھے اور اچھے برے کی تمیز رکھتے تھے۔ پڑھنے کے وقت نہایت توجہ سے پڑھتے اور ساتھیوں کے ساتھ محبت اور سلوک سے پیش آتے تھے۔

حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے ابتدائی تعلیم خورجہ میں حاصل کرنے کے بعد ہائی اسکول تک بلند شہر میں پڑھا اور پھر انٹر میں داخلہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں لیا۔

روحانی تربیت

علی گڑھ میں قیام کے دوران آپ کی طبیعت میں درویشی کی طرف میلان بہت زیادہ بڑھ گیا۔ اور وہاں مولانا کابلیؒ کے پاس قبرستان کے حجرے میں زیادہ وقت گزارنے لگے۔ صبح تشریف لیجاتے اور رات گئے واپس آتے۔ اسی اثناء میں حضور قلندر بابا اولیاءؒ اپنے نانا بابا تاج الدین ناگپوریؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ناناؒ نے انہیں وہاں روک لیا۔ حضور قلندر بابا اولیاءؒ کے والد صاحب کو جب یہ پتہ چلا تو وہ ناگپور تشریف لئے گئے اور بابا تاج الدینؒ صاحب سے عرض کیا کہ اس کی تعلیم نامکمل رہ جائے گی۔ اسے واپس علی گڑھ بھیج دیئے۔ استادوں کے استاد، واقف اسرار ورموز، حامل علم لدنی بابا تاج الدینؒ نے فرمایا کہ اس کو اگر اس سے زیادہ پڑھایا گیا جتنا یہ اب تک پڑھ چکا ہے تو یہ میرے کام کا نہیں رہے گا۔ حضور قلندر بابا اولیاءؒ کے والد صاحب نے ایک مشفق باپ کی طرح بیٹے کو سمجھایا اور جب دیکھا کہ بیٹے کا میلان طبع فقر کی طرف مائل ہے تو انہوں نے یہ کہہ کر "بیٹے! تم خود سمجھدار، جس طرح سے چاہو، اپنا مستقبل تعمیر کرو"۔ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا۔

حضور قلندر بابا اولیاءؒ اپنے نانا تاج الدین اولیاء کے پاس نو سال تک مقیم رہے۔ نو سال کے عرصے میں بابا تاج الدینؒ نے ان کی روحانی تربیت فرمائی۔ تربیت کے زمانے میں بے شمار واقعات میں سے چند واقعات کا تذکرہ اور اس کی علمی توجیہہ ابدال حق قلندر بابا اولیاءؒ نے کتاب "تذکرہ تاج الدین باباؒ میں فرمائی ہے"۔

نسبت فیضان

پیش گوئی

اللہ تعالیٰ کے نظام ہائے تکوین سے متعلق گفتگو کے دوران ایک مرتبہ حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے ایک بچہ کی ولادت کی پیشن گوئی کی جس کو جون ۱۹۶۰ء میں پیدا ہونا تھا۔ جون ۱۹۶۰ء کی تاریخ آئی تو میں نے دوبارہ استفسار کیا، جس کے جواب میں مجھے بتایا گیا کہ وہ بچہ عالم ارواح سے عالم ناسوت میں آگیا ہے۔ جب یہ چالیس سال کی عمر کو پہنچے گا تو دنیا کے تمام مذاہب میں ایک انقلاب برپا کردے گا۔ مذاہب کی گرفت ٹوٹ جائے گی اور وہ خالص مذہب باقی رہے گا جس کو اللہ تعالیٰ نے دین حنیف قرار دیا ہے۔ سائنس کی بڑی بڑی ایجادات کے فارمولے اسے ازبر ہوں گے۔ سائنسدان اور دانشور اس کی علمی فضیلت

Marfat.com

سے لرزہ براندام ہوں گے جب کہ اس کی تعلیم زیادہ نہیں ہوگی۔ اس کی روحانی قوت کا یہ عالم ہوگا کہ اس کی نگاہ کے اشارے سے ہواؤں کا رخ بدل جائے گا۔ امن وسکون کے متلاشی نوع انسان اس کے اردگرد اس طرح جمع ہو جائے گی جس طرح شمع کے گرد پروانے۔ یہ بچہ فخر عالم سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وارث ہوگا۔

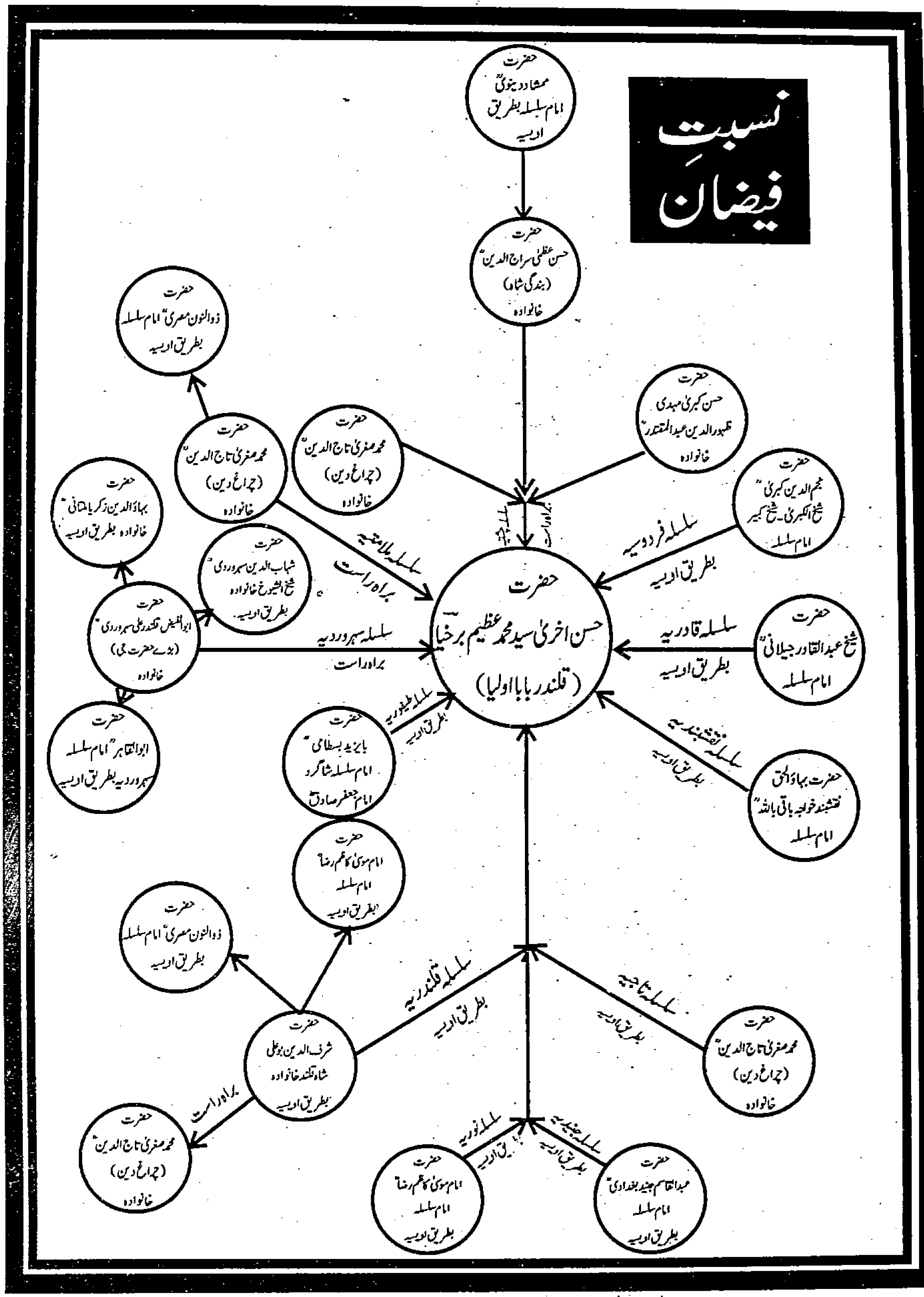

Marfat.com

حضرت عبدالعزیز مکی قلندرؒ پاک پتن (اجودھن)

حضرت عبدالعزیز مکی قلندرؒ نے آقائے نامدار، تاجدار مدینہ، سرکار دوجہاں ﷺ کے دست حق پرست پر اسلام قبول کیا۔ نبی مکرم ﷺ نے حضرت عبدالعزیز مکی کو ''قلندر'' کے نام سے مشرف کیا۔

آپ رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہیں اور اسلام میں سب سے پہلے قلندر ہیں۔ قلندر سریانی زبان میں اللہ تعالیٰ کے اسم حسنیٰ میں ایک اسم مقدس ہے۔ سیدنا عبدالعزیز مکی قلندرؒ کو سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے قلندر فرمایا۔ اسی لئے آپ کے سلسلے کے مریدین کو قلندریہ کہتے ہیں۔ آپ حضرت صالحؑ کی اولاد میں سے تھے ان کو جب آنحضرت ﷺ کی خوشخبری ملی تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے التجا کی کہ مجھے اتنی بڑی عمر عطا فرما کہ میں حضرت خاتم النبیین ﷺ کا زمانہ پا سکوں اللہ نے ان کی یہ دعا قبول فرمائی اور آپ نے آقائے نامدار ﷺ کا زمانہ پایا اور حضور پاک ﷺ کے دست حق پرست پر مشرف با اسلام ہوئے حضور پاک ﷺ نے آپ کو قلندر کے نام سے مشرف فرمایا۔ مناقب قلندریہ میں لکھا ہے کہ مسجد نبوی ﷺ کے قریب صفہ ایک چبوترہ تھا وہاں پر فقراء اور مساکین صحابہ کرامؓ رہتے تھے جو اصحاب صفہ کہلاتے تھے۔ حضرت عبدالعزیز مکی قلندرؒ بھی ان میں سے ایک تھے۔ آپ ایمان لاکر اصحاب صفہ میں داخل ہو گئے۔ اکابر صوفیہ کے نزدیک آپؒ کی عمر چھ سو سال ہوئی ہے۔ آپ سلسلہ قلندریہ، مداریہ، طہوریہ کے سرخیل و سرتاج ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے جس بندے کو قلندر کا مقام عطا کرتا ہے وہ زمان و مکان کی قید سے آزاد ہوتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے یہ نیک بندے غرض، ریا، طمع، حرص، لالچ اور منافقت سے پاک ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق جب ان سے رجوع کرتی ہے تو یہ ان کی رہنمائی کرتے ہیں۔ ان کی پریشانیوں کا تدارک بھی کرتے ہیں کیونکہ قدرت نے انہیں اسی کام کے لئے مقرر کیا ہے۔

یہی وہ پاکیزہ اور قدسی نفس اللہ کے بندے ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''میں اپنے بندوں کو دوست رکھتا ہوں اور ان کے کان، آنکھ اور زبان بن جاتا ہوں۔ پھر وہ میرے ذریعے سنتے ہیں۔ میرے ذریعے بولتے ہیں اور میرے ذریعے چیزیں پکڑتے ہیں''۔ آپ رسول اللہ ﷺ کے علمبردار لشکر میں رہے ہیں۔ عبدالعزیز مکیؒ بعض سفروں میں آپ ﷺ کا علم اٹھایا ہے۔ اسی سبب علمبردار مشہور ہیں۔ حضرت عبدالعزیزؒ پر اکثر سُکر طاری رہتا تھا اور اسی حالت میں آپ نے، مہینے اور سال گزر جاتے تھے۔ حضرت مولانا عبدالقادر باسطؒ اپنے رسالہ ''ربط المشائخ'' میں لکھا ہے کہ آپ حضور پاک ﷺ کے ہمراہ غزوہ میں نکلے کے راستے میں آپ پر سُکر طاری ہو گیا۔ تیس سال بعد اس وقت ہوش آیا جب سیدنا حضرت علیؓ امیر معاویہ کے خلاف جنگ سبطین کے لئے نکلے ہیں۔ آپ نے حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کی اور صفین میں شریک ہوئے۔

جناب مسعود علی صاحب قلندرؒ نے ایک کتاب فصول مسعودیہ کے نام سے لکھی ہے: اس میں تحریر کیا گیا کہ حضرت عبدالعزیز مکیؒ اپنے رفقا کے ساتھ کہیں سفر میں تھے کسی مروح مقام پر پہنچے تازہ وضو کیا اور تحیۃ وضو کی باندھی کہ سُکر طاری ہو گیا۔ اور پھر چالیس سال بعد ہوش آیا۔ اسی حالت سُکر میں لوگوں نے مغالطے میں تین دفعہ آپ کو دفن کیا۔ اور آپ چالیس سال کے

Marfat.com

بعد اپنی قبر سے باہر آگئے۔ اور چوتھی مرتبہ موجود سرتابہ پاک پتن شریف میں یہ کہہ کر داخل ہوئے تھے کہ اب امام مہدیؒ کے وقت میں باہر آؤں گا۔ راوی نے بیان کیا کہ حضرت عبدالعزیز مکیؒ کی چار قبریں ہیں۔ ہر قبر میں چالیس سال رہے۔ لوگ سمجھتے انہوں نے وفات پائی حالانکہ وفات نہیں پاتے تھے اور قبر سے نکل کر تمام روئے زمین کا دورہ کرتے تھے۔ اسی طرح تین مرتبہ کیا اور ہر قبر سے چالیس سال کے بعد باہر نکلے۔ اور چوتھی قبر وہ ہے جس کے قریب بابا فرید گنج شکرؒ کا مزار ہے۔ (کتاب انوار الفریدیہ 131,132,133,136,137)

خراسان سے کالے جھنڈے والے لشکر کے امیر مہدی ہوں گے

حضرت ثوبانؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم خراسان کی طرف سے سیاہ نشان (کالے جھنڈے) آتے دیکھو تو ادھر متوجہ ہو جاؤ۔ یعنی ان لوگوں میں شامل ہو جاؤ اس لئے کہ ان نشانوں میں اللہ کا خلیفہ مہدی ہوگا۔
(مسند احمد، بیہقی، کنز العمال 261/14، الفتح الربانی بالترتیب مسند احمد 51/24)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کالے جھنڈے والے خراسان سے آئیں گے، اور کوئی بھی انہیں پسپا نہیں کر سکے گا، یہاں تک کہ وہ اپنے پرچم ایلیا (یروشلم) پر لہرا دیں گے۔ (سنن ابن ماجہ)

حضرت ابو طفیلؒ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے فرمایا: اے عامر! جب تو سنے کہ کالے جھنڈے خراسان کی طرف سے آرہے ہیں اور تجھے کسی صندوق میں بند کر کے تالا لگایا گیا ہو تو اس تالے کو اور صندوق کو توڑ کر باہر نکل آنا۔ تاکہ تو ان کالے پرچموں کے نیچے جنگ کرتا ہوا قتل ہو جائے۔ اگر تجھ سے یہ نہ ہو سکے تو گھسٹتے، رینگتے پہنچ جانا تاکہ تجھے ان پرچموں کے سائے میں قتل ہونے کا اعزاز حاصل ہو جائے۔ (کنز العمال: 278/11)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ فرمایا جب مشرق سے کالے جھنڈے اور مغرب سے پیلے جھنڈے آئیں حتیٰ کہ وہ ملک شام میں برسرپیکار ہو جائیں گے بس مصیبت یہیں ہے۔ (کنز العمال: 352/11) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کالے جھنڈے خراسان سے نکلیں گے اور کوئی چیز ان کا راستہ نہیں روک سکے گی۔ حتیٰ کہ انہیں بیت المقدس کے شہر ایلیا میں گاڑ دیا جائے گا۔ (کنز العمال: 161/14)

نیک شخص کا خواب سچا ہوگا

علامات قیامت میں ایک علامت سرور دو عالم ﷺ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ: میرے بعد نبوت میں سے کوئی بھی چیز باقی نہیں رہے گی سوائے مبشرات (خوشخبری) کے۔ صحابہؓ نے آپ ﷺ سے پوچھا: مبشرات (خوشخبری) سے کیا مراد ہے؟

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: **الرؤیا الصالحۃ یراھا الرجل او ترٰی لہ**

ترجمہ: نیک اور اچھا خواب جسے نیک دل انسان دیکھے گا یا اسے دکھایا جائے گا۔ (مسند احمد بن حنبل 129/6 صحیح بخاری)

مومن کا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے

جب قیامت کا زمانہ قریب آجائے گا تو مسلمان کا خواب کم ہی جھوٹا ہوگا۔ جس کا خواب زیادہ سچا ہوگا وہ بات میں بھی زیادہ سچا ہوگا۔ مومن کا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔ (مسند احمد 507/2)

مذکورہ حدیث کی شرح میں محدثین نے لکھا ہے کہ یہ علامت اس وقت ظاہر ہوگی جب ایمان والوں کی تعداد کم ہو جائے گی۔ واللہ اعلم۔

Marfat.com

مسلمان دنیا کی سب سے بڑی فوج بنا سکتے ہیں

1998ء میں کلنٹن کے حکم پر امریکہ نے افغانستان میں دہشت گردوں کے کیمپوں پر میزائلوں سے حملے کئے۔

1998۔2001 تک امریکہ بغداد سمیت عراق کے مختلف شہروں پر مسلسل حملے کرتا رہا جن میں لاکھوں معصوم شہری ہلاک ہو گئے اور آخر میں امریکہ نے 7 اکتوبر 2001ء سے اپریل 2002ء تک افغانستان پر 61 ہزار چھوٹے بڑے حملے کئے جس میں دو لاکھ ساٹھ ہزار پاؤنڈ بارود استعمال ہوا۔ جب کہ ڈیزی کٹر جیسے انتہائی مہلک بم پھینکے گئے اور B-52 نامی انتہائی جدید اور سبک رفتار طیارے استعمال کئے گئے۔ 2002ء کے آخر میں آخر میں امریکہ نے عراق پر حملے کا قصد کیا تو اسلامی دنیا نے بھی کسی نہ کسی حد تک احتجاج کیا لیکن کمزور معیشت اور اخلاق گراوٹ نے انہیں زیادہ اونچی آواز میں بولنے نہ دیا، لہٰذا یوں مارچ 2003ء آ گیا اور امریکہ نے 9 اطراف سے عراق پر حملہ شروع کر دیا۔ اس وقت عراق پر نسلِ انسانی کا انتہائی خوفناک اسلحہ آزمایا جا چکا ہے۔ بغداد، بصرہ، موصل اور نجف پر اتنا بارود پھینکا جا چکا ہے جتنا دنیا میں کبھی نہیں پھینکا گیا۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ اگر اس تمام بارود کے ڈائنامائٹ بنائے جاتے تو وہ پورے ہمالیہ کو میدان بنانے کے لئے کافی تھے۔ عراق پر حملے کے ساتھ ہی یہ بات طے ہو گئی کہ اب مسلم دنیا کے پاس دو ہی راستے ہیں: 61 اسلامی ممالک ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر متحد ہو جائیں یا پھر ایک دائمی غلامی اور نسلوں تک محیط بے عزتی برداشت کریں۔ اس جنگ کے ساتھ ہی عالم اسلام مارو یا مر جاؤ کی اسٹیج پر آ گیا ہے۔ دنیا میں اس وقت 61 اسلامی ممالک ہیں ۔ آذر بائیجان، آیوری کوسٹ، اردن، ازبکستان، افغانستان، البانیہ، الجزائر، انڈونیشا، ایتھوپیا، ایران، بحرین، برکینا فاسو، برونائی، بنگلہ دیش، بوسنیا، پاکستان، تاجکستان، ترکمانستان، ترکی، تنزانیہ، تیونس، ٹوگو، جبوتی، چاڈ، سری نام، سعودیہ، سوڈان، سیرالیون، سینیگال، شام، صومالیہ، عراق، عمان، فلسطین، قزقستان، قطر، ترکمانستان، کمور، کویت، کیمرون، گنی، گنی بساؤ، گیانا، گیبون، گیمبیا، لبنان، لیبیا، ماریطانیہ، مالدیپ، امارات، مراکش، مصر، ملائیشیا، موزمبیق، نائجیریا، وسطی افریقہ، یمن اور یوگنڈا شامل ہیں۔ ان 61 اسلامی ممالک کی آبادی ایک ارب 40 کروڑ 31 لاکھ 51 ہزار ہے ان کے پاس 3 کروڑ 48 لاکھ 19 ہزار 790 کلومیٹر رقبہ ہے۔ ان ممالک کے پاس 66 لاکھ 79 ہزار 560 ٹرینڈ فوجی ہیں۔

یہ تمام ممالک ہر سال اپنے دفاع پر 76 ارب 950 ملین ڈالر خرچ کرتے ہیں۔ صرف سعودی عرب اپنی فوج پر 21 ارب 876 ملین ڈالر خرچ کرتا ہے۔ ترکی کا دفاعی بجٹ 10 ارب ڈالر ہے۔ ایران کا پونے 6 ارب ڈالر ہے، پاکستان کا ساڑھے تین ارب ڈالر، کویت سوا تین ارب ڈالر، ایتھوپیا سوا تین ارب، الجیریا 3 ارب، مصر پونے 3 ارب، عراق، مراکش عمان اور قطر 2,2 ارب ڈالر خرچ کرتے ہیں۔ یہ 61 ممالک اگر مشترکہ فوج بنا لیں، اپنے دفاعی بجٹ کا صرف ایک چوتھائی حصہ مشترکہ فوج کو دے دیں، اپنی ایک تہائی فوج الگ کر دیں تو یہ دنیا کی سب سے بڑی اور مضبوط فوج ہو گی، ایک ایسی فوج جس کے پاس جذبہ بھی ہو گا تیکنیک اور قوت بھی۔ اور ایمان ہی وہ طاقت ہے جس سے یہود و نصاریٰ ڈرتے ہیں کہ جس دن ان کا ایمان زندہ ہو گیا تو یہ صحابہ کرامؓ کی طرح ہمارے حاکم بن جائیں گے۔

Marfat.com

باب: تیئسواں

حالاتِ حاضرہ

Marfat.com

حالات حاضرہ

ایران کا جوہری پروگرام

فروری 2006ء میں ویانا میں ہونے والے جوہری توانائی کے عالمی ادارے کے بورڈ آف گورنرز کے اجلاس میں ایران کے جوہری پروگرام کا معاملہ سلامتی کونسل میں بھیجنے پر رضامندی ظاہر کی گئی۔ قبل ازیں اجلاس کا بار بار التوا ہوا جس کی وجہ مصر کی طرف سے پیش کی جانے والی قرارداد تھی جس میں مصر نے مطالبہ کیا تھا کہ مشرق وسطیٰ کو جوہری ہتھیاروں سے پاک علاقہ قرار دیا جائے۔ امریکہ نے اس تجویز کی مخالفت کی کیوں کہ اس تجویز سے امریکہ کے اتحادی اسرائیل کے مفادات اور جوہری پروگرام پر زد پڑتی تھی۔ جس کی وجہ سے اسے بھی جوہری پروگرام ختم کرنا پڑتا۔ بورڈ اراکین کی اکثریت ایران کا معاملہ سلامتی کونسل بھیجنے پر متفق مگر مسودہ کی زبان میں نرمی کا مطالبہ کر رہی تھی۔ مصر کی طرف سے مشرقِ وسطیٰ کو جوہری ہتھیاروں سے پاک علاقہ قرار دینے کی تجویز منظور تو نہ ہوسکی مگر مسودہ قرارداد میں استعمال کی گئی زبان میں تبدیلی کر کے اسے نرم بنا دیا گیا۔

ایران پانچواں ملک ہے جس کا جوہری پروگرام سلامتی کونسل میں بھیجنے کے متعلق بات ہوئی۔ لیبیا اور رومانیہ کی طرف سے جوہری سرگرمیوں کے اعتراف پر انہیں سلامتی کونسل میں بھیجا گیا تھا مگر دونوں ممالک نے اپنے جوہری ممالک سے دستبرداری کا اعلان کر کے بین الاقوامی برادری سے سہولتیں حاصل کر لیں جب کہ دوسرے دو ممالک شمالی کوریا اور عراق تھے۔

بین الاقوامی ادارہ برائے جوہری توانائی کا ہنگامی اجلاس 2 تا 4 فروری 2006 کو ہوا۔ اجلاس میں ایران کے جوہری پروگرام کا معاملہ سلامتی کونسل میں لے جانے پر رضامندی نظر آئی لیکن اتفاق رائے نظر نہیں آیا۔ 35 رکنی بورڈ میں سے وینز ویلا، کیوبا اور شام نے اس تجویز کی مخالفت کی۔ معاملے کو متفقہ طور پر سلامتی کونسل میں بھیجنے کی عالمی طاقتوں کی کوششیں بار آور ثابت نہ ہوسکیں۔ ایران کا موقف یہ رہا ہے کہ جوہری عدم پھیلاؤ کے معاہدے کے رکن کی حیثیت سے جوہری توانائی کا پرامن مقاصد کے لیئے حصول ایران کا حق ہے۔ ایران نے یورینیم افزودگی کا عدم پھیلاؤ کے معاہدے کے رکن کی حیثیت سے جوہری توانائی کا پرامن مقاصد کیلئے حصول ایران کا حق ہے۔ ایران نے یورینیم افزودگی کا کام معطل کر رکھا تھا لیکن اسے عالمی اداروں کے معائنہ کاروں کے کام کے بعد پھر شروع کر دیا۔ امریکہ اور یورپی ممالک ایران پر الزامات عائد کرتے رہے ہیں۔ کہ اس کا جوہری پروگرام پرامن مقاصد کیلئے نہیں ہے بلکہ ایران جوہری ہتھیاروں کی تیاری میں مصروف ہے۔

ایرانی جوہری معاملے پر تیار شدہ مسودہ

بین الاقوامی جوہری توانائی کے بورڈ آف گورنرز کے اجلاس میں پیش کئے جانے والے مسودے کے مندرجات یہ ہیں۔

۱۔ ایران اپنی تمام جوہری سرگرمیاں فی الفور معطل کر دے۔

۲۔ بھاری پانی کے ری ایکٹر کی تعمیر کا کام فوری طور پر روک دیا جائے۔

۳۔ عالمی ادارے کے معائنہ کاروں کو زیادہ اختیارات کے ساتھ معائنے کی اجازت دی جائے۔

Marfat.com

ایران.........تاریخ کے آئینے میں

1907ء : نیا آئین بنایا گیا جس کے تحت پانچ صدیوں سے برسر اقتدار شاہی خاندان کے اختیارات میں کمی کی گئی۔

22 فروری 1921ء : فوجی کمانڈر رضا پہلوی نے اقتدار پر قبضہ کر لیا۔

1923ء : رضا خان وزیراعظم بنے۔

12 دسمبر 1925ء : پارلیمان

1935ء : فارس کے نام سے پکارے جانے والے ملک کو ایران کا نام دے دیا گیا۔

1941ء : دوسری جنگ عظیم کے بعد شاہ کو اقتدار سے ہٹا کر اس کے بیٹے محمد رضا شاہ کو بادشاہ بنا دیا گیا۔

1950ء : علی رضمارا وزیراعظم بنے مگر 9 ماہ بعد ہی قتل کر دیئے گئے۔ ان کے بعد محمد مصدق وزیراعظم بنا دیئے گئے۔

1951ء : پارلیمنٹ نے تیل کی صنعت کو قومیا لیا۔ شاہ اور مصدق کے درمیان اقتدار کی جنگ شروع ہو گئی۔

1953ء : ایران کے تیل میں دلچسپی رکھنے والی مغربی طاقتوں کی مدد سے شاہ نے ایک جنرل فزلولہ زاہدی کے فوجی انقلاب کے ذریعے مصدق کی حکومت کا خاتمہ کیا۔

ستمبر 1978ء : شاہ کے آمرانہ رویہ کے خلاف فسادات، ہڑتالیں اور مظاہرے شروع ہو گئے جس کی وجہ سے مارشل لاء لگا دیا گیا۔

16 جنوری 1979ء : ملک میں حالات ابتر ہو گئے اور شاہ اور ان کے خاندان کو ملک سے فرار ہونا پڑا۔

یکم فروری 1979ء : آیت اللہ خمینی 14 سال کی عراق اور فرانس میں ملک بدری کے بعد ملک واپس آ گئے۔

یکم اپریل 1979ء : ایران کو ایک ریفرنڈم کے بعد اسلامی جمہوریہ ایران بنا دیا گیا۔

4 نومبر 1979ء : اسلامی انتہا پسندوں نے تہران میں امریکی سفارتخانے پر قبضہ کر کے 52 امریکیوں کو یرغمال بنا لیا۔ ان کا مطالبہ تھا کہ شاہ کو ایران کے حوالے کیا جائے۔ جو امریکہ میں زیر علاج تھے۔

25 جنوری 1980ء : ابوالحسن بنی صدر اسلامی جمہوریہ ایران کے پہلے صدر بنے۔

27 جولائی 1980ء : شاہ رضا پہلوی کینسر کی وجہ سے مصر میں انتقال کر گئے۔

22 ستمبر 1980ء : عراق میں شط العرب کے تنازعے کی وجہ سے ایران پر حملے کر دیا جس سے آٹھ سالہ لمبی جنگ کا آغاز ہوا۔

Marfat.com

1981ء	:	سفارتخانے میں 444 دن یرغمال رہنے کے بعد امریکی رہا کئے گئے۔
22 جون 1981ء	:	بنی صدر کو برخاست کردیا گیا۔ بعد میں وہ فرانس چلے گئے۔
1988ء	:	امریکی بحری بیڑے نے غلطی سے ایران کے مسافر طیارے کو میزائل مار کر تباہ کردیا۔ ایران ائر کے طیارے میں عملے کے علاوہ 290 مسافر سوار تھے۔
20 جولائی 1988ء	:	ایران اور عراق میں جنیوا مذاکرات کے بعد جنگ بندی ہوگئی۔
14 جولائی 1989ء	:	آیت اللہ خمینی نے برطانوی مصنف سلمان رشدی کے خلاف اس کی کتاب "سٹینک ورسس" کی وجہ سے موت کا فتویٰ سنایا۔
3 جون 1989ء	:	آیت اللہ خمینی انتقال کر گئے۔ 4 جون کو صدر خامنہ ای کو ایران کا سپریم لیڈر بنادیا گیا۔
17 اگست 1989ء	:	علی اکبر رفسنجانی ایران کے نئے صدر بنے۔
3 نومبر 1989ء	:	امریکہ نے ایران کے منجمد کئے ہوئے 567 ملین ڈالر کے اثاثے واپس کردیئے۔
21 جون 1990ء	:	ایران میں تباہ کن زلزلے کی وجہ سے 40,000 افراد جاں بحق ہوگئے۔
11 ستمبر 1990ء	:	ایران اور عراق کے درمیان سفارتی تعلقات بحال ہوئے۔
1995ء	:	امریکہ نے دہشت گردی اور جوہری اسلحہ کے حصول کے الزام میں ایران پر تیل اور تجارت کی پابندی لگادی۔
23 مئی 1997ء	:	محمد خاتمی ایران کے صدارتی انتخاب جیت گئے۔
جون 2001ء	:	صدر خاتمی دوسری مرتبہ صدر منتخب ہوئے۔
جنوری 2002ء	:	صدر بش نے ایران، عراق اور شمالی کوریا کو برائی کا محور قرار دیا۔
ستمبر 2002ء	:	روسی ماہرین نے ایران کے پہلے جوہری پلانٹ کی تعمیر شروع کی۔
اکتوبر 2003ء	:	شیریں عبادی نوبل انعام حاصل کرنے والی پہلی ایرانی بنیں۔ وکیل اور انسانی حقوق کی علمبردار شیریں عبادی 1975ء میں ایران کی پہلی خاتون جج بنی تھیں۔ انہیں 1979ء کے اسلامی انقلاب کے بعد اپنے عہدے سے استعفیٰ دینا پڑا تھا۔
2003ء	:	ایران میں جوہری پروگرام کے شواہد نہیں ملے: آئی اے ای اے کی رپورٹ۔
دسمبر 2003ء	:	ایران کے شہر بام میں شدید زلزلہ آیا جس میں چالیس ہزار افراد جاں بحق ہوئے۔
جنوری 2004ء	:	ایران میں متنازعہ انتخابات کے بعد قدامت پسندوں نے پارلیمان میں اکثریت حاصل کرلی
23 جون 2005ء	:	محمود احمدی نژاد ایران کے نویں صدر منتخب ہوگئے۔

Marfat.com

اپریل 2006ء : وسیع پیمانے پر جنگی مشقوں کے دوران جدید ترین اسلحہ، میزائل اور جنگی ساز وسامان کے کامیاب تجربات کیئے۔

9 اپریل 2009ء : ایران نے نتانز میں 7000 سنٹری فیوجز پر مشتمل پہلے جوہری پلانٹ کا افتتاح کیا۔

5 اگست 2009ء : محمود احمدی نژاد دوسری بار ایران کے صدر منتخب ہوئے۔

16 دسمبر 2009ء : اسرائیل و مشرقی یورپ تک مار کرنیوالے دور مار میزائل "سجیل ٹو" (رینج 2 ہزار کلومیٹر) کا کامیاب تجربہ۔

2 فروری 2010ء : ایران نے صرف 10 کلوگرام وزنی پہلا ہلکا ہیلی کاپٹر تیار کیا جو دوران پرواز تصاویر اور ویڈیو بنانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اسے ٹریفک کنٹرولر اور فائر فائٹر کے طور پر استعمال کیا جا سکے گا۔

3 فروری 2010ء : ایران نے خلا میں تین راکٹ اور سٹیلائٹ راکٹ کیریئر بھیجنے کا کامیاب تجربہ کیا۔ امریکی اپاچی ہیلی کاپٹروں کو مار گرانے کے لیئے خصوصی ہتھیار بنانے کا دعویٰ۔

6 فروری 2010ء : ایران میں دو نئے میزائل ساز پلانٹس کا افتتاح۔ زمین سے فضا میں مار کرنے والے میزائل پلانٹ کو "قاسم" اور زمین سے زمین پر مار کرنے والے میزائل ساز پلانٹ کو "طوفان 5" کا نام دیا گیا۔ "قاسم میزائل" درمیانی اور زیادہ اونچائی پر پرواز کرنے والے ہیلی کاپٹر کو نشانہ بنانے کے لیئے ڈیزائن کیا گیا جبکہ "طوفان 5 میزائل" ٹینکوں اور دوسری جنگی گاڑیوں کو نشانہ بنا سکے گا۔

7 فروری 2010ء : ایرانی صدر محمود احمدی نژاد نے 20 فیصد یورینیم کی افزودگی کا عمل شروع کرنے کے احکامات جاری کر دیے۔

8 فروری 2010ء : ایران نے بڑے پیمانے پر ڈرون طیاروں کی پیداوار شروع کر دی۔ طیارے جاسوسی آپریشنز کے ساتھ اہم اہداف کو نشانہ بنائیں گے۔ راڈار پر نظر نہ آنے والے مچھلی نما جدید طیارے کا کامیاب تجربہ۔

9 فروری 2010ء : 20 فیصد یورینیم کی افزودگی شروع، باقاعدہ تحریری طور پر عالمی جوہری ایجنسی کو آگاہ کرا دیا گیا

11 فروری 2010ء : ایران نے 20 فیصد یورینیم افزودہ کر لی بیلسٹک میزائل حملے ناکام بنانے والا نیا نظام تیار کرنے کا دعویٰ۔ ایرانی فضائیہ نے موثر اور طویل فاصلے تک مار کرنے والے ہتھیاروں کی تیاری میں کامیابی حاصل کر لی۔

19 فروری 2010ء : ایران نے مقامی تیار کردہ کشتی "نیول ڈسٹرائر جمران" خلیج فارس میں اتار دی۔ کشتی جدید ریڈار، الیکٹرانک صا اور زمین سے فضا میں مار کرنے والے میزائل سے لیس ہے۔

Marfat.com

22 فروری 2010ء :	ایران کا یورینیم افزودگی کیلئے مزید 2 پلانٹس لگانے کا اعلان۔ ان پلانٹس میں جدید ترین سنٹر فیوجز استعمال کئے جائیں گے۔ ممکنہ حملے سے بچنے کیلئے یہ پلانٹس پہاڑوں کے درمیان قائم کئے جائیں گے۔
7 مارچ 2010ء :	تہران میں کم فاصلے تک مار کرنے والے ''نصر ا میزائل'' پلانٹ کا افتتاح۔
10 اپریل 2010ء :	یورینیم افزودہ کرنے والے سنٹری فیوجز کی تھرڈ جنریشن کا افتتاح۔ ۶۰ ہزار نئے سنٹروں فیوجز پلانٹ میں نصب کیے جائیں گے جن سے ایک سال تک 16 ایٹمی پلانٹس کے لیے ایندھن حاصل کیا جاسکتا ہے۔
11 اپریل 2010ء :	فضائی حدود کی نگرانی کیلئے جدید ترین فضائی دفاعی میزائلوں کی تیار شروع۔
22 اپریل 2010ء :	ایران نے دمن کو بڑے پیمانے پر نقصان پہنچانے والی جنگی کشتی کی آزمائش کی جو راڈار پر نظر نہیں آتی۔
24 اپریل 2010ء :	ایران نے فضائی حملے کرنے کی صلاحیت والے مقامی تیار کردہ جدید جاسوس طیارے (ڈرون) بنا لیے۔
2 مئی 2010ء :	کروش میزائل کے ممکنہ حملے کا مقابلہ کرنے کے لیے مختصر فاصلے تک مار کرنے والا میزائل دفاعی نظام تیار' ایک منٹ میں 4 ہزار راؤنڈ فائر کرسکتا ہے۔
10 مئی 2010ء :	ایران فوج کا زمین سے سمندر میں مار کرنے والا ''فجر 5 میزائل'' کا کامیاب تجربہ 75 کلومیٹر تک ہدف کو نشانہ بنا سکتا ہے۔
9 جون 2010ء :	اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے ایران پر نئی فوجی' مالی اور تجارتی پابندیوں کے خلاف قرارداد بھاری اکثریت سے منظور کرلی۔ ایران پر بھاری اسلحہ خریدنے نے پر پابندی ہوگی۔ ایرانی اٹامک انرجی ایجنسی کے سربراہ سمیت 40 اداروں کے سفر پر پابندی اور اثاثے اس قرارداد کی رو سے منجمد کیے جاسکیں گے۔
16 جون 2010ء :	ایران نے زیادہ طاقتور ری ایکٹر کی تیاری شروع کردی جس میں ریڈیائی آئسوٹوپس بنائے جاسکیں گے۔
17 جون 2010ء :	امریکہ نے ایران پر باضابطہ پابندیاں لگادیں۔ ایران کے جوہری اور میزائل پروگرام کو فنڈز فراہم کرنے میں مدد کرنے والے درجنوں اداروں اور شخصیات کو بلیک لسٹ کردیا گیا۔
18 جون 2010ء :	یورپی کونسل نے ایران کے 14 بینکوں کو بلیک لسٹ کرکے اثاثے منجمد کردیئے۔ ایران یورپی یونین کے 27 ممالک اور سلامتی کونسل کے رکن ممالک سے درآمد یا برآمد کرنے کے لیے

Marfat.com

رابطہ نہیں کر سکے گا۔

20 جون 2010ء : ایران میں 21 کھرب 90 ارب مکعب فٹ قدرتی گیس کے ذخائر دریافت ہوئے۔

2 ستمبر 2010ء : ایرانی جوہری سائنسدانوں نے تیزی رفتار جوہری سسٹم سے لیس 3 آبدوزیں تیار کر لیں۔

29 ستمبر 2010ء : ایرانی بحریہ نے 11 فلائنگ بوٹس اپنے بحری بیڑے میں شامل کر لیں۔

17 جنوری 2011ء : ایران کی ایوی ایشن یونیورسٹی کے طلباء نے افقی پرواز کرنے والا جدید ڈرون تیار کر لیا' ''کرار۔110'' نامی طیارہ دفاع کیلئے استعمال کیا جائے گا۔ پانی پر بھی اتر سکتا ہے۔ یہ جنگ میں دشمن کو بآسانی نظر نہیں آئے گا۔ طیارہ فوجی' سیاحتی' نقشہ بنانے' کھیتوں اور چراگاہوں کی حفاظت' آگ بجھانے اور زرعی مقاصد کیلئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔

31 جنوری 2011ء : ایران کا زمین سے فضا میں مار کرنے والا جدید میزائل ''ہاک سیم'' کا تجربہ' ہدف کو کامیابی سے نشانہ بنایا۔

11 اپریل 2011ء : ایران نے 5 مزید ایٹمی ری ایکٹرز قائم کرنے کا اعلان کر دیا۔

22 مئی 2011ء : ایران نے قیام میزائل سمیت فوج کو نیا بیلسٹک نظام فراہم کیا۔

15 جون 2011ء : ایران نے سیٹلائٹ رصدون خلا میں بھیج دیا جو زمین کی تصاویر لے گا۔

28 جون 2011ء : ایران نے بیلسٹک میزائل شہاب سوئم کا تجربہ کیا جو 2 ہزار کلومیٹر تک اپنے ہدف کو نشانہ بنا سکتا ہے۔

4 ستمبر 2011ء : ایران کے پہلے جوہری پاور پلانٹ کو نیشنل گرڈ کے ساتھ منسلک کر دیا گیا

یکم جنوری 2012ء : ایران نے نیوکلیئر فیول راڈز تیار کر لیں۔

4 اگست 2012ء : ایران نے جدید میزائل ''فتح 110'' کا کامیاب تجربہ کیا۔

4 نومبر 2012ء : ایران نے جدید ڈرون بنا لیا جو بغیر رن وے کے سیدھا اوپر اڑ سکتا ہے۔

16 اپریل 2013ء : ایران نے زمین سے سمندر میں مار کرنے والے میزائل کا کامیاب تجربہ کر لیا۔

10 جون 2013ء : ایران نے بھاری پانی سے چلنے والے جوہری ری ایکٹر کو کامیابی سے نصب کر لیا۔

18 نومبر 2013ء : ایران نے اسرائیل تک مار کرنے والے سب سے بڑا ڈرون 'فطرس'' بنا لیا جو 2 ہزار کلومیٹر تک ہدف کو نشانہ بنا سکتا ہے۔

20 جنوری 2014ء : ایران نے 20 فیصد یورینیم افزودگی روک دی' یورپی یونین نے پابندیاں معطل جبکہ امریکہ نے نرم کر دیں۔

11 مئی 2014ء : ایران کا امریکی جاسوس طیارے کی نقل تیار کرنے کا دعویٰ' ٹیکنالوجی ڈی کوڈ کر لی۔

Marfat.com

184 ممالک کی تنظیم ''انٹرپول''

بین الاقوامی سطح پر ہونے والے جرائم کی روک تھام اور بیرون ملک فرار ہونے والے ملزموں کی متعلقہ ممالک واپسی کے لئے ایک ادارہ بنایا گیا ہے جسے ''انٹرنیشنل کریمنل پولیس آرگنائزیشن'' (آئی سی پی او) کا نام دیا گیا۔ اسے انٹرپول یا انٹرنیشنل پولیس کہا جاتا ہے۔

انٹرپول کی بنیاد 24 ممالک نے مناکو میں 1921ء میں رکھی تاہم اس کے رکن ممالک کی تعداد بڑھتی رہی اور اب یہ تعداد 184 ہے۔ انٹرپول 11 علاقہ جات کو کنٹرول کرتی ہے۔ انٹرپول میں سب سے زیادہ افریقی ممالک ہیں۔ اس کے بعد براعظم یورپ' ایشیا' امریکہ اور آسٹریلیا کے ممالک کی تعداد ہے۔

انٹرپول میں شمولیت کے لئے امیدوار ملک انٹرپول کے سیکرٹری جنرل کو درخواست دیتا ہے۔ جس پر انٹرپول کی جنرل اسمبلی میں ووٹنگ کرائی جاتی ہے۔ 66 فیصد ووٹ ملنے پر وہ ملک تنظیم کا رکن بن جاتا ہے۔ اگر تنظیم کا کوئی رکن اس کے دستور کی خلاف ورزی کرے تو جنرل اسمبلی کے ارکان اس کی رکنیت معطل کر سکتے ہیں۔ یوگوسلاویہ کی رکنیت اسی بنیاد پر معطل کر دی گئی تھی تاہم معاملات طے پا جانے کے بعد رکنیت بحال کر دی گئی۔ انٹرپول ایک خودمختار ادارہ ہے۔ اس کا تحریری آئین 50 دفعات اور 56 ضوابط پر مشتمل ہے۔

انٹرپول کے چار براعظموں یورپ' امریکہ' ایشیا اور افریقہ میں الگ الگ ادارے بنائے گئے ہیں جن کا سال میں کم از کم ایک اجلاس ضرور طلب کیا جاتا ہے۔ انٹرپول کے اخراجات کو پورا کرنے کے لئے رکن ممالک ہر سال ایک متعین رقم تنظیم کو ادا کرتے ہیں۔ انٹرپول کے تین اہم بنیادی اداروں میں جنرل اسمبلی' ایگزیکٹو کمیٹی اور سیکرٹریٹ شامل ہیں جو فیصلوں کا نفاذ اور انتظامی معاملات کو کنٹرول کرتے ہیں۔ ہر رکن ملک میں تنظیم کا ایک ذیلی دفتر ہوتا ہے جسے نیشنل سنٹر بیورو ''این سی بی'' کہا جاتا ہے۔ انٹرپول کی ایگزیکٹو کمیٹی 13 ارکان پر مشتمل ہوتی ہے۔ اس میں ایک صدر اور 3 نائب صدر ہوتے ہیں جن کا انتخاب الگ الگ براعظموں سے کیا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ اس کمیٹی کے 9 ارکان ہوتے ہیں۔ ایگزیکٹو کمیٹی کے صدر کا انتخاب جنرل اسمبلی 4 سال کے لئے کرتی ہے۔ نائب صدور اور دیگر ارکان کو تین تین سال کے لئے منتخب کیا جاتا ہے۔

انٹرپول میں سیکرٹریٹ مستقل انتظامی تکنیکی ادارہ ہے۔ جنرل اسمبلی' ایگزیکٹو کمیٹی اور انٹرپول کے دوسرے ذیلی اداروں کا انتظام سنبھالنے کے لئے سیکرٹریٹ مرکزی کردار ادا کرتا ہے۔ سیکرٹریٹ کا سربراہ سیکرٹری جنرل کہلاتا ہے جس کا تقرر جنرل اسمبلی اور ایگزیکٹو کمیٹی کے ارکان 5 سال کے لئے کرتے ہیں۔ سیکریٹری جنرل اپنے معاملات میں جنرل اسمبلی کو جواب دہ ہوتا ہے۔ اس عہدہ پر متعین ہونے والا فرد اعلیٰ پیشہ دارانہ مہارت اور تجربہ رکھنے والی شخصیت ہوتا ہے۔

انٹرپول نے 1945ء کے بعد اقوام متحدہ کے ساتھ مل کر کام کرنا شروع کیا۔ 1971ء میں معاشی وسماجی کونسل کے ساتھ اس کا معاہدہ ہوا۔ 1996ء میں انٹرپول کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں مبصر کی حیثیت ملی۔

Marfat.com

تنظیم عالمی سطح پر ہونے والی دہشت گردی کے تدارک کے لئے اس میں ملوث افراد کی نشاندہی کر کے انہیں متعلقہ ممالک کے حوالے کرنے کا بندوبست کرتی ہے یا متعلقہ افراد کی گرفتاری کے لئے ریڈ وارنٹ (عالمی گرفتاری کا اجازت نامہ) جاری کرتی ہے۔ اگر رکن ممالک کے درمیان مجرموں کے تبادلے کا معاہدہ ہو تو انٹرپول اس پر عملدرآمد کرواتی ہے۔ منشیات اور نشہ آور اشیاء کی اسمگلنگ روکنے کے لئے انٹرپول خصوصی کاوشیں کرتی ہے۔ بعض ممالک سے بچوں اور خواتین کو جنسی وجسمانی زیادتی کے لئے اسمگل کیا جاتا ہے۔ اس کے تدارک کے لئے انٹرپول نے خصوصی ونگ بنا رکھا ہے۔ انٹرپول نے عالمی جرائم کو مختلف حصوں میں تقسیم کر کے ان کے سدباب کے لئے رکن ممالک کو معلومات فراہم کی جاتی ہیں۔ بعض جرائم میں ملزم اعلیٰ ذہانت اور جدید آلات کو استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً کمپیوٹر وائرس حملے' سائبر کرائم' پے منٹ کارڈ اور کریڈٹ کارڈ فراڈ اور ای میل کے ذریعے دھوکہ دے کر رقم بٹورنے والے ملزموں کے بارے میں انٹرپول رکن ممالک کو آگاہ کرتی ہے۔ ان کے بارے میں معلومات' ان کے سابقہ جرائم کی تفصیلات مہیا کرتی ہے۔ انٹرپول مختلف سامان سٹاک رکھنے والوں' ادویات ساز اداروں' انٹرنیٹ مہیا کرنے والے اداروں' سافٹ ویئر کمپنیوں اور مرکزی بنکوں سے تعاون کر کے صارفین کو مجرموں کے ہاتھوں لٹنے سے بچانے میں کردار ادا کر رہی ہے۔ انٹرپول گاڑیاں چوری کرنیوالے ملزموں کے خلاف بھی خصوصی کوششیں کر رہی ہے۔ ایک رپورٹ کے مطابق ہر سال مختلف ممالک سے 31 لاکھ گاڑیاں چوری ہو جاتی ہیں جن کی مالیت 22 ارب ڈالر بنتی ہے۔ انٹرپول گاڑیاں چوری کرنے اور جعلی ادویات کی سمگلنگ کرنے والے ملزموں کا باقاعدہ ڈیٹا اکٹھا کر کے ان کے ماضی کی وارداتوں کی تفصیلات متعلقہ ممالک کو فراہم کرتی ہے۔ اس طرح ان معلومات سے رکن ممالک کو ملزم گرفتار کرنے میں آسانی رہتی ہے۔ انٹرپول کی کارروائیاں 3 عوامل پر مشتمل ہیں۔ اول بین الاقوامی سطح پر بنائی گئی پولیس فورس کے رابطوں کو تحفظ فراہم کرنا' دوئم دنیا بھر کی پولیس کو ایک مشترکہ پلیٹ فارم فراہم کرنا اور سوئم 24 گھنٹے دنیا بھر کی پولیس کے درمیان کمیونیکیشن کا نظام بغیر کسی رکاوٹ کے جاری رکھنا۔

انٹرپول اپنے ڈیٹا کو اپ ڈیٹ کرتی رہتی ہے۔ اس مقصد کے لیئے بین الاقوامی سطح پر مجرموں کے نام' پتہ' فنگر پرنٹس' تصاویر' ڈی این اے اور چرائی گئی پراپرٹی' پاسپورٹس' گاڑیوں آرٹ کے نمونوں اور دوسری اشیاء کی تفصیلات اکٹھی کر کے رکن ممالک کو فراہم کی جاتی ہیں۔

اپنے ملک سے فرار ہونے والے ملزموں کی ان کے ملک حوالگی کے لیئے انٹرپول بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ انٹرپول مفرور ملزموں' خفیہ ہتھیاروں' القاعدہ اور طالبان سے تعلق رکھنے والے افراد اور نعشوں کی شناخت کے لیئے 7 مختلف رنگوں کے نوٹس جاری کرتی ہے۔ ہر نوٹس کا رنگ مختلف اہمیت ظاہر کرتا ہے۔ ان نوٹسوں کو چار زبانوں عربی' ہسپانوی' انگلش اور فرانسیسی میں تحریر کر کے تمام رکن ممالک کی ویب سائٹ پر جاری کر دیا جاتا ہے۔

کچھ عرصہ قبل بینظیر بھٹو اور ان کے شوہر آصف علی زرداری کے بارے میں انٹرپول نے سرخ نوٹس جاری کیا تھا۔ سرخ نوٹس بین الاقوامی گرفتاری کا وارنٹ نہیں ہوتا (کیونکہ گرفتاری کے لیئے ریڈ وارنٹ جاری کیا جاتا ہے)۔ سرخ نوٹس

Marfat.com

ظاہر کرتا ہے کہ ملک بدر شخص بین الاقوامی کریمنل ٹریبونل کو مطلوب ہے اور انٹرنیشنل پولیس ان بارے میں اس ملک کی قومی پولیس فورس کو آگاہ کرتی ہے یا وہ جگہ بتاتی ہے جہاں ایسا شخص موجود ہوتا ہے یا چھپا ہوتا ہے۔ سرخ نوٹس بین الاقوامی سطح پر تمام رکن ممالک کو جاری کیا جاتا ہے تا کہ مطلوبہ فرد کی نشاندہی ممکن ہو سکے۔ سرخ نوٹس کی دو اقسام ہیں۔ اول قسم ایسے افراد کے بارے میں استعمال ہوتی ہے جنہیں گرفتار کر کے عدالتی کارروائی کرنا مقصود ہوتا ہے۔ دوسرا سرخ نوٹس وہ ہوتا ہے جو کسی ملک بدر شخص کے خلاف عدالتی فیصلہ ہو جانے کے بعد اس کی گرفتاری کے لیئے استعمال کیا جاتا ہے باقی 6 رنگوں کے نوٹسوں کی تفصیل اس طرح ہے:

ا۔ عادی جرائم پیشہ اور کسی مافیا سے تعلق رکھنے والے ملزموں کے بارے میں ضروری اطلاعات اور خبردار کرنے کے لئے ''سبز نوٹس'' جاری کیا جاتا ہے۔

۲۔ ایسے ملزموں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیئے جو لاپتہ ہوں یا جن کے بارے میں انٹرپول کے پاس معلومات کم ہوں' انٹرپول ''پیلا نوٹس'' جاری کرتی ہے۔

۳۔ اگر کسی مفرور ملزم کے بارے میں اضافی معلومات درکار ہوں تو انٹرپول اس کے بارے میں ''نیلا نوٹس'' مشتہر کرتی ہے۔

۴۔ ''زرد نوٹس'' پارسل بموں' خفیہ ہتھیاروں اور خطرناک مواد کے بارے میں ملنے والی معلومات تمام رکن کو فراہم کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

۵۔ القاعدہ اور طالبان سے تعلق رکھنے والے افراد کے بارے میں معلومات فراہم کرنے کے خصوصی نوٹس کے ''سفید نوٹس'' بھی کہا جاتا ہے۔

۶۔ دہشت گردوں اور بعض ملزموں کی ہلاکت کے بعد ان کی نعشوں کی شناخت کروانے کے لیئے رکن ممالک کو ان کی تصاویر' فنگر پرنٹس اور دوسری معلومات پر مبنی نوٹس جاری کیئے جاتے ہیں۔ ان نوٹسوں کا ''کالا نوٹس'' کہا جاتا ہے۔

بعض نوٹسوں کے ذریعے متعلقہ اشخاص کو وارننگ دی جاتی ہے تاہم جرم ثابت ہونے تک انہیں بے گناہ تصور کیا جاتا ہے۔ انٹرپول اپنی ویب سائٹ پر تمام مطلوبہ افراد کی لسٹ جاری نہیں کرتی بلکہ وہ نوٹس ویب سائٹ پر دکھائے جاتے ہیں جن کی تصدیق ہو چکی ہو۔

انٹرپول بین الاقوامی سطح پر ملزموں یا مفروروں کی گرفتاری کے لیئے ''ریڈ وارنٹ'' جاری کرتی ہے۔ 11 ستمبر 2001ء کے نیویارک دھماکوں کے بعد ایف بی آئی اور امریکی وزارت انصاف کی جانب سے قرار دیئے جانے والے 22 مبینہ دہشت گردوں کے خلاف انٹرپول نے فوری گرفتاری کے لیئے ''ریڈ وارنٹ'' جاری کیئے تھے۔

بعض ممالک اپنی وزارت داخلہ کی رپورٹ کو بنیاد بنا کر انٹرپول کو مطلوب افراد کی فہرست پیش کرتے ہیں تاہم یہ ضروری نہیں کہ تمام متعلقہ ممالک ایسے افراد کو فوری طور پر مطلوب ملک کے حوالے کر دیں۔ انٹرپول نے بین الاقوامی سطح پر دہشت گردی کے سدباب کے لیئے رکن ممالک کو ملکی سطح پر جرائم پیشہ افراد کے ڈی این اے کا ڈیٹا بیس تیار کرنے کے لئے بھی

Marfat.com

معلومات فراہم کی ہیں۔ انٹرپول کے سیکریٹری جنرل رونالڈ کے نوبل کے مطابق 41 رکن ممالک نے قومی سطح پر ملزموں کے ڈی این اے سے متعلق معلومات کا ریکارڈ اکٹھا کرنے کی کوششوں کا آغاز کیا ہے جب کہ 33 ممالک 55 ہزار سے زائد افراد کا ریکارڈ انٹرپول کو فراہم کر چکے ہیں۔ دہشت گردوں کی طرف سے بم دھماکوں' بڑے پیمانے پر تباہی پھیلانے والے کیمیائی ہتھیاروں کے استعمال کے سدباب کے لیئے بھی انٹرپول نے ایک خصوصی ونگ بنا کر تمام رکن ممالک کو ضروری معلومات فراہم کی ہیں۔ انٹرپول نے ٹیررسٹ واچ لسٹ کے نام سے دنیا بھر میں چوری ہونے والے ہزاروں پاسپورٹوں کا بھی ریکارڈ اکٹھا کیا ہے کیوں کہ بعض دہشت گردان چوری شدہ پاسپورٹوں کے ذریعے دنیا کے مختلف ممالک میں سفر کرتے ہیں۔ طالبان اور القاعدہ سے تعلق رکھنے والے 300 سے زائد مبینہ دہشت گردوں کی بھی لسٹ تیار کی گئی ہے۔

مسئلہ کشمیر

پاکستان بننے کے بعد ریاست جموں و کشمیر میں تحریک پاکستان کے نام پر پورے 15 ماہ مسلح جدوجہد جاری رہی جس کے نتیجہ میں 32 ہزار مربع میل پر پھیلا ہوا علاقہ آزاد ہوا۔ اس علاقے کو آزاد کشمیر' گلگت اور بلتستان کہتے ہیں۔ یہ پورا حصہ 60 برسوں سے پاکستان کے زیرِ انتظام ہے۔ 1947ء سے اب تک کسی ایسی قابل لحاظ تحریک کو تو کیا' کسی ایسے ایک بھی عوامی مظاہرے کا حوالہ نہیں دیا جا سکتا جس سے ظاہر ہوتا کہ کشمیریوں نے پاکستان کے خلاف کوئی آواز اٹھائی ہے۔ مقبوضہ کشمیر کے مسلمان 1947ء کے بعد مسلسل سراپا احتجاج بنے ہوئے ہیں اور انہوں نے بھارت کے قبضے کو قبول نہیں کیا۔

ان کی یہ جدوجہد اس بات کا اعادہ ہے کہ برصغیر میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان جو تنازع چل رہا ہے' اس میں ان کی وابستگی مسلمانوں کے ساتھ ہے اور وہ بھارت کے قومی دھارے میں شامل ہونے کو تیار نہیں۔ کشمیریوں نے بھارت مردہ باد' پاکستان زندہ باد کے نعرے لگائے ہیں۔ انہوں نے ہر فورم پر بھارت کو مسترد کیا اور پاکستان کو اپنی امنگوں کا مرکز سمجھا۔ بھارت ہر سال اپنے فوجی اخراجات کے لیئے اربوں ڈالر مختص کر رہا ہے جو اس کی مجموعی قومی پیداوار کے 2.7 فیصد کے لگ بھگ ہے۔ وہ مقبوضہ کشمیر پر قبضہ برقرار رکھنے کے لیئے دنیا کی تیسری سب سے زیادہ فوج کا بوجھ برداشت کرنے کی غرض سے اپنے عوام کو بھوکوں مارنے اور غربت و افلاس کے وسیع سمندر میں غرق کرنے سے بھی گریز نہیں کرتا۔ اس کی بحری فوج اور فضائیہ کا بوجھ بھی بری افواج سے کم نہیں ہے۔ ادھر کشمیریوں کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے۔ یوں تو وہ برہمن سامراج کے چنگل سے نجات حاصل کرنے کے لیئے مسلسل جدوجہد کر رہے ہیں لیکن 1989ء کے بعد سے اس جدوجہد میں بے مثال تیزی آئی ہے۔ ان کی اس جدوجہد کی بدولت کشمیر کا مسئلہ فلیش پوائنٹ بن گیا ہے۔ مقبوضہ کشمیر میں اس جدوجہد کو کچلنے کے لیئے سات لاکھ بھارتی فوجی اور نیم فوجی دستے انسانیت سوز مظالم کا بازار گرم کیئے ہوئے ہیں لیکن کشمیریوں کے جذبہ حریت کو دبایا جا سکا ہے نہ اس میں کمی آئی ہے۔

بھارتی مظالم کے خلاف کشمیریوں کی جدوجہد سنہرے حروف میں لکھے جانے کے قابل ہے' اگرچہ انہیں ناقابل بیان

Marfat.com

آلام ومصائب سے گزرنا پڑا' پھر بھی ان کے پائے ثبات میں کبھی لغزش نہیں آئی۔ان کی پیشانیوں پر بل نہیں پڑے'ان کے حوصلے نہیں ٹوٹے'ان کے عزم واستقلال اوران کے جرات اقدام میں کوئی کمی نہیں آئی۔کشمیری خواتین کو جان کے لالے پڑے ہوئے ہیں'ان کی چادراور چاردیواری کے گرد بھارتی فوجیوں کی ہوس رانی کے حصار ہیں۔ان کے بیٹوں' بھائیوں اورشوہروں کے جنازے اٹھ رہے ہیں' پھر بھی وہ عزم واستقلال کی کوہ ہمالیہ بنی ہوئی ہیں۔بھارتی فوجی تلاشیوں کے بہانے مردوں کو باہر نکال کرجمع کرتے ہیں اوراوران کی شناخت پریڈ کرتے ہیں' گھروں کی تلاشیاں لی جاتی ہیں۔جموں وکشمیر کی 41 لاکھ 61 ہزار 140 کنال اراضی پر قبضہ کر کے فوجیوں نے حراستی وتفتیشی مراکز قائم کر رکھے ہیں جہاں سی آر پی ایف' بی ایس ایف اور دیگر فورسز غیرقانونی قابض ہیں۔کٹھ پتلی حکومت نے اراضی کے حقوق بھی ایجنسیوں کو منتقل کر دیئے ہیں۔

70 لاکھ کشمیریوں کی جاسوسی کے لیئے 16 بھارتی خفیہ ایجنسیاں کام کر رہی ہیں۔اب تک 95 ہزار سے زائد افراد کو شہید کیا جا چکا ہے جن میں عورتوں' بچوں اورنوجونوں کی بڑی تعداد شامل ہے۔ہزاروں کی تعداد میں کشمیری بھارتی فوج کے مظالم اس اپاہج ہوئے سینکڑوں نوجوانوں کو دوران حراست اذیتیں دے کرشہید کیا گیا۔خواتین کی بے حرمتی کی لاتعداد واقعات بھی لاتعداد ریکارڈ پر موجود ہیں۔کشمیریوں کی اکثریت اقلیت میں بدلنے کے لیئے ایک لاکھ ہندوؤں کومقبوضہ کشمیر میں آباد کیا گیا۔بھارتی تسلط کے خلاف مقبوضہ کشمیر میں اتنے بڑے پیمانے پر مظاہرے ہوتے رہے ہیں جن کی ملکوں میں جاری آزادی کی تحریکوں میں نظیرنہیں ملتی۔1988ء میں تو پورے سری نگر کی آبادی سڑکوں پر نکل آئی تھی۔

اب تک سینکڑوں درخواستیں اقوام متحدہ کے فوجی مبصرین کو پیش کی جاچکی ہیں جو اس بات کا ثبوت ہے کہ کشمیری پر امن جدوجہد پر یقین رکھتے ہیں۔بھارت نے اس تحریک کو دبانے کے لیئے ہمیشہ تشدداور جبر کا سہارا لیا ہے اور وہ یہ ظاہر کرنے کی کوشش کرتا رہا ہے کہ کشمیری حریت پسند دہشت گرد ہیں۔غیر جانبدار مبصرین ان بھارتی دعوؤں پر یقین نہیں رکھتے بلکہ وہ سمجھتے ہیں کہ دہشت گردوں کو اتنے بڑے پیمانے پر عام لوگوں کی حمایت حاصل نہیں ہوتی۔یہ تحریک آزادی کشمیریوں کی اپنی شروع کردہ ہے۔جولائی 1988ء سے جنوری 2005ء تک 90 ہزار سے زائد افراد بھارتی فوج کے ہاتھوں شہید ہوئے'اس کے باوجود کشمیریوں کے جذبہ آزادی کو تقویت ملی ہے۔

کشمیر پاکستان کی شہ رگ ہے'اس کے تین بڑے سندھ' جہلم اور چناب کشمیر سے بہہ کرتے ہیں۔راوی' ستلج اور بیاس کے منبع بھی کشمیر میں ہیں۔ریاست کی 903 میل لمبی سرحد پاکستان کے ساتھ ملحق ہے۔بھارت کے ساتھ اس کی سرحد کی لمبائی صرف 317 میل ہے۔تقسیم ہند کے وقت جو سڑکیں کشمیر کو باقی دنیا سے ملاتی تھیں،وہ سب پاکستان کی طرف سے کشمیر میں جاتی تھیں۔کشمیراور بھارت کا حصہ بننے والے علاقوں کے درمیان کوئی باقاعدہ سڑک موجود نہ تھی۔

مقبوضہ کشمیر کو بھارت سے ملانے کے لیے پٹھان کوٹ' ضلع گورداسپور سے جموں تک سڑک بعد میں تعمیر کی گئی۔اسی طرح ریلوے لائن بھی بعد میں بنائی گئی۔اب یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ گورداسپور، بٹالہ اورانبالہ کے مسلم اکثریتی علاقے بھارت میں شامل کرانے کے لیے لارڈ ماؤنٹ بیٹن سے سازش کی گئی تھی اور مہاتما گاندھی اس سازش کا مرکزی کردار

Marfat.com

تھے، الغرض بھارت کے ساتھ اس کا ملنا ایک طبعی اور فطری امر ہے۔ حقیقت پسندی کے تقاضے کے طور پر بلا خوف یہ کہا جاسکتا ہے کہ کشمیر پاکستان کا جزولاینفک ہے اس لیے تمام انصاف پسند قوتوں کو اس مسئلہ کے حل کی جانب ٹھوس کوششیں کرنی چاہئیں تا کہ بھارتی ظلم وتشدد میں بسنے والے کشمیری عوام آزادی کی نعمت سے مستفید ہوسکیں۔

بینظیر بھٹو کی شہادت۔۔۔۔پاکستان کی تاریخ کا بڑا سانحہ

27 دسمبر 2007ء کو پاکستان پیپلز پارٹی کی چیئر پرسن محترمہ بینظیر بھٹو لیاقت آباد راولپنڈی میں انتخابی جلسہ عام سے خطاب کے فوراً بعد اسلام آباد روانگی کے موقع پر فائرنگ اور خودکش بم دھماکہ میں شہید ہوگئیں۔ اس واقعہ میں پاکستان پیپلز پارٹی کے کارکنوں سمیت 26 افراد جاں بحق جبکہ درجنوں شدید زخمی ہوئے۔ محترمہ بینظیر بھٹو پر خودکش حملہ سے قبل فائرنگ ہوئی جب وہ اپنی گاڑی میں کھڑے ہوکر کارکنوں کے پرجوش نعروں کا جواب دے رہی تھیں۔ انہیں شدید زخمی حالت میں راولپنڈی جنرل ہسپتال پہنچایا گیا جہاں انہیں فوری طبی امداد فراہم کی گئی لیکن وہ جانبر نہ ہوسکیں۔ یہ دھماکہ شام 5 بجکر 7 منٹ پر ہوا۔ تقریباً 4 بجکر 55 منٹ پر وہ تقریر ختم کرنے کے بعد جب جلسہ گاہ سے روانہ ہوئیں تو کارکنوں نے ان کی گاڑی کو گھیرے میں لے کر وزیراعظم بینظیر کے فلک شگاف نعرے بلند کرنا شروع کیے جس پر وہ نعروں کا جواب دے رہی تھیں کہ ان کی گاڑی کے بالکل قریب کھڑے ایک شخص نے ان پر فائرنگ کی۔ اس سے قبل کہ اس شخص کو قابو کیا جاتا اس نے اپنے آپ کو دھماکے سے اڑا دیا۔ خودکش بم دھماکے کی شدت اس قدر زیادہ تھی کہ انسانی اعضاء دور دور تک بکھر گئے اور نزدیکی کئی منزلہ عمارت پر یہ اعضاء پائے گئے اس دھماکہ میں پی ایس ایف کے نوجوانوں کی زیادہ تعداد جاں بحق ہوئی اور زخمی ہوئی۔ نجی ٹی وی نے بتایا کہ خودکش دھماکے سے پہلے بینظیر فائرنگ سے گولیاں ان کی گردن میں سانس کی نالی میں لگیں۔ ڈاکٹروں کا کہنا تھا کہ پیپلز پارٹی کی چیئر پرسن بینظیر بھٹو کو دو گولیاں لگیں تھیں جو کہ بہت قریب سے ماری گئیں۔ ایک گولی پیشانی اور دوسری گردن پر لگی تھی۔ ان کا بہت زیادہ خون بہہ گیا تھا جس کے باعث جانبر نہ ہوسکیں۔ ماہرین کے مطابق خودکش حملہ آور کے پاس چار کلو کے قریب دھماکہ خیز مواد موجود تھا جس نے وہاں تباہی مچادی۔ عینی شاہدین کے مطابق بینظیر جلسہ کے اختتام پر اپنی گاڑی میں بیٹھ کر جارہی تھیں تو انہوں نے گاڑی میں کھڑے ہوکر پارٹی کارکنوں کے نعروں کا جواب دیا۔ اس دوران ایک نوجوان نے ان پر فائرنگ کردی۔

ابتدائی تحقیقات سے یہ بات سامنے آئی کہ حملہ آور تین یا پانچ تھے جنہوں نے جدید لیزر سے محترمہ کو نشانہ بنایا۔

مختلف موقف: پیپلز پارٹی نے محترمہ کی شہادت کو ٹارگٹ کلنگ جبکہ وزارت داخلہ اور حکومت نے القاعدہ اور بیت اللہ محسود (طالبان لیڈر) پر قتل کی ذمہ داری ڈال دی جسے پیپلز پارٹی کے ساتھ ساتھ متعدد حلقوں اور ماہرین نے بھی ماننے سے انکار کر دیا۔ بم کا ٹکڑا لگا اور پھر کہا گیا کہ ان کی موت گاڑی کے سن روف کا لیور زور سے لگنے سے واقع ہوئی۔

تحقیق اور سوگ: نگراں وزیراعظم محمد میاں سومرو نے سانحہ لیاقت آباد کی اعلیٰ سطح عدالتی تحقیقات کا حکم دیا جبکہ نگراں وزیراعلیٰ پنجاب جسٹس (ر) اعجاز نثار نے ایڈیشنل آئی جی پولیس کی سربراہی میں اعلیٰ اختیاراتی تحقیقاتی کمیٹی تشکیل دے دی۔ سانحہ کے سوگ میں پیپلز پارٹی نے 40 روزہ جبکہ صدر پرویز مشرف نے 3 روزہ قومی سوگ منانے اور پرچم سرنگوں کرنے کا حکم

Marfat.com

دیا۔حکومت نے پیپلز پارٹی اور دیگر اپوزیشن جماعتوں کے شدید دباؤ پر برطانوی پولیس سکاٹ لینڈ یارڈ کو تحقیقات کے لیے بلایا برطانوی پولیس کی ٹیم نے 3 جنوری 2008ء کو پاکستان پہنچ کر تفتیش کا آغاز کیا۔

سکاٹ لینڈ یارڈ کی تفتیشی رپورٹ: 8 فروری 2008ء کو سکاٹ لینڈ یارڈ (برطانوی پولیس) کی تفتیشی ٹیم نے حتمی رپورٹ پیش کرتے ہوئے کہا کہ محترمہ کی شہادت دھماکے سے ہوئی۔دھماکہ 9 ہزار میٹرفی سیکنڈ ولاسٹی سے ہوا،جس کی شدت کے باعث محترمہ کا سر انتہائی زور سے گاڑی کے سن روف کی پچھلی سائیڈ سے لگا۔موت زیادہ خون بہنے سے ہوئی۔پاکستان پیپلز پارٹی نے یہ رپورٹ مسترد کرتے ہوئے گولی لگنے سے ہی محترمہ کی شہادت پر زور دیا۔پارٹی نے تحقیقات اقوام متحدہ سے کرانے پر بھی زور دیا۔

تدفین: 28 دسمبر 2007ء کو بینظیر بھٹو کے جسد خاکی کو گڑھی خدا بخش (سندھ میں اپنے والد ذوالفقار علی بھٹو کے پہلو میں سپرد خاک کر دیا گیا۔اس مزار میں بھٹو فیملی کی 70 ویں قبر بنی۔ان سے پہلے ان کے دادا، دادی، والد، دونوں بھائیوں (شاہنواز، مرتضیٰ) کے علاوہ دیگر عزیز و اقارب مدفون ہیں۔جنازے کے لاکھوں شرکاء تدفین کے وقت دھاڑیں مار مار کر روتے رہے۔سابق وزیراعظم کا جسد خاکی پیپلز پارٹی کے پرچم میں لپیٹا گیا تھا۔آصف زرداری، بلاول، نادر مگسی اور رحمٰن ملک نے لحد میں اتارا۔

عوامی ردعمل: سانحہ کے فوراً بعد پیپلز پارٹی کے کارکن اور دل گرفتہ عوام روتے پیٹتے اور سینہ کوبی کرتے گلی کوچوں اور سڑکوں پر نکل آئے۔خودکش دھماکے میں شہادت کی خبر پورے ملک میں آناً فاناً پھیل گئی جس سے ملک بھر کی فضا سوگوار اور بوجھل ہو گئی۔پورے ملک میں سائن بورڈز بند کر دیئے گئے اور بلیک آؤٹ کی کیفیت طاری ہو گئی۔ملک بھر میں شدید ہنگاموں، جلاؤ گھیراؤ، توڑ پھوڑ، فسادات اور لوٹ مار کے واقعات پیش آئے۔سینکڑوں گاڑیاں، موٹر سائیکلیں، عمارات، بینک، سی این جی سٹیشن، پٹرول پمپس، ریستوران، نجی و سرکاری املاک، ٹرینیں 95 ارب روپے سے زائد کی املاک کا نقصان ہوا۔سٹاک مارکیٹ بدترین مندی کا شکار رہی سرمایہ کاروں کے کھربوں روپے ڈوب گئے متعدد کمپنیوں کے حصص کی قیمتوں کی مجموعی مالیت میں بھی کمی دیکھنے میں آئی۔سندھ میں ہولناک صورتحال کے پیش نظر رینجرز اور فوج کو طلب کرنا پڑا۔چودھری شجاعت حسین، پرویز الٰہی، مونس الٰہی، شیخ رشید، راؤ سکندر، لیاقت جتوئی، میاں اظہر اور دیگر رہنماؤں کے دفاتر، گھروں، جلسہ گاہوں اور املاک پر حملے کیے گئے یا انہیں نقصان پہنچانے کی کوشش کی گئی۔ق لیگ کے انتخابی نشان سائیکل والے بورڈز اور بینرز کو توڑ پھوڑ کر آگ لگا دی گئی۔

اپوزیشن کا ردعمل: بینظیر کی شہادت اور سانحہ لیاقت باغ پر اپوزیشن کی تمام سیاسی و مذہبی جماعتوں کے سربراہان مسلم لیگ (ن) کے شہباز شریف، امیر جماعت اسلامی، قاضی حسین احمد، جمعیت علمائے اسلام (ف) کے مرکزی امیر مولانا فضل الرحمٰن، تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان پاکستان ڈیموکریٹک پارٹی کے رہنما نوابزادہ منصور احمد، مرکزی جمعیت اہلحدیث

Marfat.com

کے امیر ساجد میر قائد خاکسار تحریک حمید مشرقی، اے پی ڈی ایم کے رہنما محمود اچکزئی سمیت دیگر نے گہرے رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے اسے ملک وقوم کے لیے عظیم سانحہ اور جمہوریت کا قتل قرار دیا۔انہوں نے صدر پرویز مشرف سے مستعفی ہونے کا مطالبہ بھی کیا۔نواز شریف نے مسلم لیگ (ن) کی طرف سے الیکشن بائیکاٹ کا اعلان کیا جو بعد ازاں آصف زرداری کی درخواست اور پیپلز پارٹی کی طرف سے الیکشن میں حصہ لینے کے فیصلے پر بدل دیا۔نواز شریف سانحہ کی خبر سنتے ہی راولپنڈی جنرل ہسپتال پہنچ گئے جہاں انہیں جیسے ہی محترمہ کی شہادت کی خبر ملی تو دھاڑ مار کر رونے لگے۔اس موقع پر ملکی اور غیر ملکی میڈیا نے ان سے اس افسوسناک واقع پر تاثرات جاننے کی کوشش کی تو ان سے بات نہ ہوسکی وہ اس موقع پر انتہائی دکھی اور اداس دکھائی دے رہے تھے۔

عالمی ردعمل: عالمی رہنماؤں نے بینظیر بھٹو کی شہادت پر اظہار افسوس کرتے ہوئے خبردار کیا کہ دہشت گردوں کو پاکستان کو عدم استحکام نہیں کرنے دینا چاہیے۔مختلف رہنماؤں اور عالمی سربراہان نے بینظیر بھٹو کی شہادت پر انہیں شاندار الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا اور ان کے اہلخانہ اور کارکنوں سے اظہار افسوس کیا چین، امریکہ، برطانیہ، فرانس، سعودی عرب، فلپائن، اور بنگلہ دیش، بھارت، جاپان، افغانستان، سری لنکا، جرمنی، ترکی، امارات، یورپی کمیشن، عرب لیگ اقوام متحدہ نے تعزیتی پیغام ارسال کیے۔اس موقع پر اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں متفقہ قرارداد مذمت بھی پاس ہوئی۔

راولپنڈی۔۔۔۔۔۔۔بدقسمت مقام: راولپنڈی کو پاکستان کی تاریخ میں اس لحاظ سے بھی اہمیت حاصل رہے گی کہ یہاں پاکستان کے تین وزرائے اعظم کی شہادت ہوئی۔سب سے پہلے 16 اکتوبر 1951ء میں پہلے وزیراعظم خان لیاقت علی خان کو کمپنی باغ میں جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے گولیوں کا نشانہ بنایا گیا۔اس کے بعد دوسرے وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کو جیل میں پھانسی دی گئی اور اب سابق وزیراعظم بینظیر بھٹو کو خودکش بم دھماکے کا نشانہ بنا گیا۔تینوں وزرائے اعظم کی میتیں صوبہ سندھ لیجائی گئیں۔جہاں لیاقت علی خان کو مزار قائداعظم میں دفنایا گیا جبکہ ذوالفقار علی بھٹو کو لاڑکانہ میں اور بےنظیر کو بھی ان کے آبائی قبرستان میں ذوالفقار علی بھٹو، شاہنواز اور مرتضیٰ بھٹو کے پہلو میں دفنایا گیا۔

بدقسمت بھٹو خاندان: بھٹو خاندان کی سیاست ملکی تاریخ کا اہم حصہ ہے۔4 اپریل 1979ء کو ذوالفقار علی بھٹو کو ضیاء حکومت نے پھانسی پر چڑھا دیا۔ذوالفقار علی بھٹو کے سب سے چھوٹے بیٹے شاہنواز بھٹو 18 جولائی 1985ء کو پیرس میں اپنے فلیٹ میں مردہ پائے گئے۔۔خیال تھا کہ انہیں زہر دیا گیا۔دوسرے بھائی میر مرتضیٰ بھٹو کو 1996ء میں کراچی میں ان کی رہائش گاہ 70 کلفٹن سے چند گز دور چند پولیس اہلکاروں اور افسران نے 6 ساتھیوں سمیت قتل کر دیا تھا۔بینظیر اپنے خاندان کی چوتھی فرد تھیں، جنہیں غیر فطری طور پر موت نے اپنے شکنجے میں جکڑا۔

Marfat.com

خودکش دھماکے

مفہوم

خودکش دھماکہ یا حملہ سے مراد عسکری یا شہری ہدف کو اس طرح نشانہ بنانا ہے۔ کہ اُس میں حملہ آور دوسروں کی جان لینے کے ساتھ ساتھ اپنی جان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ یہ حملہ اکثر دھماکہ خیز مواد سے بھری گاڑی کو ہدف سے ٹکرانے، مسافر بسوں، ویگنوں، ٹرینوں، طیاروں میں خود کو بارود اُڑانے یا دھماکہ خیز مواد جسم پر باندھ کر بٹن دبا کر پھٹنے کی صورتوں میں ہوسکتا ہے۔ خودکش حملہ آور کیلئے ''خودکش بمبار'' یا ''فدائی حملہ آور'' کی اصطلاحات بھی استعمال ہوتی ہیں۔ خودکش حملہ صرف اُسی صورت میں ''خودکش'' کہلاتا ہے۔ جس میں ''حملہ آور'' کی اپنی بھی موت واقع ہو جائے۔

تاریخی پس منظر

انسانی تاریخ پر نگاہ دوڑانے سے پتہ چلتا ہے کہ سب سے پہلے سیمسن نے آج سے ہزاروں برس قبل فلسطینی مندر کے ستون اپنے انتہائی طاقتور بازوؤں کی مدد سے ڈھا کہ چھت نیچے گراتے ہوئے بادشاہ اور اُس کے درباریوں کے ساتھ ساتھ اپنی جان بھی لے لی تھی۔ صلیبی جنگوں کے دوران صلیبی سورماؤں نے اپنا ہی بحری جہاز تباہ کر ڈالا جس میں 140 عیسائی تو مارے ہی گئے لیکن تقریباً 1400 مسلمان قیدی بھی جاں بحق ہو گئے۔ بلجیئن انقلاب کے دوران ڈچ لیفٹیننٹ جان وان سپیجک نے بلجیئم کے دستوں کے ہاتھوں گرفتاری سے بچنے کیلئے اینٹورپ کی بندرگاہ میں اپنے آپ کو بحری جہاز میں اُڑا لیا۔ 18 اپریل 1864ء کو جنگ ڈائبول میں ڈینش قلعہ بندی کے دوران پروشیا کے فوجی کارل کلنکی نے خود کو گرفتاری سے بچانے کیلئے ایک سرنگ میں اڑا لیا تھا۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران 1944 اور 1945 میں جاپانی خودکش پائلٹوں (جنہیں جنگ کے دوران 2 سے 3 ماہ تک ہی زندہ رہنے کی گارنٹی دی جاتی تھی) نے قومی مفاد کی خاطر اپنے طیارے دشمن خصوصاً امریکی اہداف سے ٹکرا کر خوب تباہی مچائی اور دشمن پر ہیبت طاری کر دی۔ یہ پائلٹ روایتی بمباری کی بجائے بارود، دھماکہ خیز مواد بموں اور میزائلوں سے لیس طیارے دشمن، بحری جہازوں اور اڈوں سے ٹکرا کر بڑے پیمانے پر تباہی مچا دیتے تھے۔

جدید دور میں خودکش حملہ کو سیاسی مقصد کیلئے پہلی بار 1881ء میں اُس وقت استعمال کیا گیا جب روس کے زار الیگزینڈر II کو سینٹ پیٹرز برگ میں ونٹر پیلس کے نزدیک گشت کے دوران پول اگناسی نامی خودکش حملہ آور نے بم دھماکہ کرتے ہوئے شدید زخمی کر دیا اور زار چند گھنٹوں کے بعد ہی زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے چل بسا۔

جنگ برلن میں 17 سے 20 اپریل 1945 کے دوران لیفٹیننٹ کرنل ہیز لیگی کی قیادت میں جرمن ''لیوڈیناس سکواڈرن'' کے پائلٹوں نے ''ٹوٹل مشن'' کے دوران روس کے 17 دریائی پلوں کو اپنے طیارے گرا کر تباہ کر دیا تھا۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد فرانسیسی نو آبادیاتی فوج کے خلاف ویت منہہ کے خودکش رضا کاروں نے اپنی شہری تنصیبات کو بچانے کیلئے فرانسیسی ٹینکوں کو اڑا دیا۔ 1972 میں پاپولر فرنٹ فار دی لبریشن آف فلسطین کی حامی جاپانی دہشت گرد تنظیم ''جاپنیز ریڈی آرمی''

Marfat.com

(جے آر اے) کے تین گوریلوں نے تل ابیب (اسرائیل) کے لاڈ ائرپورٹ کے ہال میں دستی بموں اور آٹومیٹک رائفلوں کا استعمال کرتے ہوئے 26 اسرائیلیوں کو ہلاک اور متعدد کو زخمی کر دیا تھا۔ جے آر اے 1969 میں تشکیل پائی تھی۔ اس طرح کے دہشت گردانہ حملے کے بعد اسرائیل میں اس نوعیت کا کوئی دوسرا واقعہ نہیں ہوا۔ جے آر اے کے مارشل آرٹس اور خودکش حملوں کی تکنیک رکھنے والے گوریلوں نے خودکش اور فدائی حملوں کی تکنیک مشرق وسطیٰ میں متعارف کرائی۔

1980ء کے بعد خودکش حملے

اسی کی دہائی میں خودکش حملوں میں تیزی وجدت لانے میں لبنانی خانہ جنگی کے متحارب فریقین اور سری لنکا کے تامل ٹائیگرز پیش پیش رہے۔ دسمبر 1981 میں بیروت میں عراقی سفارتخانے پر ''اسلامی دعوۃ پارٹی'' کی طرف سے کار بم حملہ ''حزب اللہ'' نامی لبنانی گوریلا تنظیم کی طرف سے بیروت میں اپریل 1983ء میں امریکی سفارتخانے اور پھر اکتوبر 1983 میں فرانسیسی بیرکوں پر حملوں نے دنیا بھر میں خودکش دھماکوں کو نمایاں مقام عطا کیا۔ ان حملوں میں تقریباً 300 امریکی میرینز اور فرانسیسی فوجی ہلاک ہوئی۔ نتیجتاً امریکی وفرانسیسی دستوں کو لبنان سے نکلنا پڑا۔ اس کے بعد آئرش ری پبلکن آرمی، سری لنکا کے تامل گوریلوں، فلسطینی فدائین اور القاعدہ کے مجاہدین نے خودکش حملوں کو اپنے اپنے مقاصد کیلئے استعمال کرتے ہوئے خوب دہشت پھیلائی۔ سری لنکا کے تامل گوریلوں کے یونٹ ''بلیک ٹائیگر'' نے 1980 سے 2000 کے دوران دنیا بھر میں ہونے والے خودکش دھماکوں میں سے نصف دھماکے کئے۔ اُس کے اہم شکاروں کی فہرست میں بھارتی وزیراعظم راجیو گاندھی اور سری لنکن صدر رانا سنگھا پریما داسا شامل ہیں۔ 1993 کے بعد سے مختلف فلسطینی تنظیموں حماس، اسلامی جہاد، الاقصیٰ شہداء بریگیڈ کے فدائین نے خاصی شہرت حاصل کی جنہوں نے خودکش بیلٹ یا دھماکہ خیز مواد جسم سے باندھ کر خود کو اڑایا۔ کردستان ورکرز پارٹی نے 1984 میں ترک سیکورٹی فورسز کے خلاف خودکش حملوں کا استعمال کرتے ہوئے بغاوت شروع کی۔ کرد خودکش حملہ آور خصوصاً سیاحتی موسم کے دوران سیاحوں، دیہی محافظوں، فوجی تنصیبات، تجارتی مراکز وغیرہ کو اپنے حملوں کا نشانہ بنایا۔

اکیسویں صدی اور خودکش حملے

اکیسویں صدی میں سب سے پہلے اور نمایاں دہشت گردانہ حملے 11 ستمبر 2001 کو امریکہ میں ہوئے جب مسافر ہوائی جہازوں کو اغوا کر کے نیویارک میں۔ ورلڈ ٹریڈ سینٹر کے ٹوئن ٹاورز اور پینٹاگان پر گرا دیا گیا۔ ان حملوں میں ہوائی جہازوں کے سینکڑوں مسافروں سمیت متاثر مقامات پر ہزاروں افراد ہلاک وزخمی ہو گئے تھے۔ یہ تاریخ انسانی کے سب سے بڑے خودکش حملے کہے جا سکتے ہیں۔ جن میں 19 ہائی جیکرز ملوث تھے۔ مسلمان تنظیم ''القاعدہ'' کو امریکہ نے ان حملوں کا ذمہ دار گردانتے ہوئے افغانستان اور عراق پر چڑھائی کرتے ہوئے لاکھوں مسلمان مردوں، عورتوں، بچوں، بوڑھوں کو خاک و خون میں نہلا دیا۔ لاکھوں کو بے گھر ہونا پڑا۔ لاکھوں کو معذور واپاہج بنا کر زندگی بھر کیلئے سسکنے پر مجبور کر دیا گیا۔ افغانستان اور

Marfat.com

عراق پر امریکی واتحادی حملے اور پھر قبضے کے بعد القاعدہ، طالبان اور دیگر مسلمان عسکریت پسند تنظیموں کو وطن اور ہم وطنوں کے تحفظ کیلئے خودکش بمبار بننے پر مجبور ہونا پڑا۔ اب تک دونوں ممالک سینکڑوں خودکش حملوں میں امریکی واتحادی افواج کے ساتھ ساتھ شہری آبادی کو بھی خاصا نقصان اٹھانا پڑا ہے۔ یہودیوں کی یہ اپنی سازش تھی۔

اب تک درج ذیل ممالک میں خودکش حملے ہو چکے ہیں۔

افغانستان، الجزائر، ارجنٹائن، بنگلہ دیش، چین، کولمبیا، کروشیا، مصر، بھارت، انڈونیشا، عراق، اسرائیل، اردن، کینیا، کویت، مراکش، پاکستان، فلسطین، پانامہ، فلپائن، قطر، روس، سعودی عرب، صومالیہ، سری لنکا، تنزانیہ، تیونس، ترکی، امریکہ، برطانیہ، ازبکستان، یمن، ایران، سپین، تھائی لینڈ۔

خودکش دھماکے اور پاکستان

پاکستان میں پہلا خودکش حملہ 19 نومبر 1995 کو اسلام آباد میں قائم مصر کے سفارتخانہ میں ہوا۔ مصری حملہ آور نے بارود سے بھرا ٹرک سفارتخانے کے احاطے میں اڑا دیا۔ جسکے نتیجے میں چودہ افراد جاں بحق ہو گئے۔ 1995 سے 2006 تک پاکستان میں مجموعی طور پر سولہ خودکش حملے ہوئے۔ 14 جون 2002 کو کراچی میں امریکی سفارتخانے کے سامنے بارود سے بھرا ٹرک اڑا دیا گیا۔ اس حملے میں بارہ افراد جاح بحق ہوئے۔ دو ہزار تین میں ایک خودکش حملہ 25 دسمبر کو راولپنڈی میں صدر مشرف کے قافلے پر ہوا۔ جس میں پانچ افراد جاں بحق ہوئے۔ ان میں وزیر اعظم شوکت عزیز پر اٹک میں ہونے والا خودکش حملہ بھی شامل تھا۔ دو ہزار پانچ میں دو خودکش حملے ہوئے جن میں اکتیس افراد جاں بحق ہوئے۔ 2006 میں چھ خودکش حملے ہوئے۔ جن میں چالیس افراد جاں بحق ہوئے۔ اس سال ان حملوں میں امریکی سفارتخانے اور سیکوریٹی اہلکاروں کو نشانہ بنایا گیا۔ 2007ء تک پاکستان میں مجموعی طور پر 72 خودکش حملے ہوئے۔ جن میں آٹھ سو کے قریب افراد جاں بحق ہوئے۔ ان حملوں میں 27 دسمبر 2007 کو راولپنڈی کے لیاقت باغ میں ہونے والا خودکش حملہ بھی شامل ہے۔ جس میں سابق وزیر اعظم محترمہ بے نظیر بھٹو سمیت تیس کے قریب افراد جاں بحق ہو گئے تھے۔ 2008 میں پاکستان میں تقریباً 66 خودکش دھماکے/حملے ہوئے جن میں 965 سے زائد افراد جاں بحق 2,412 زخمی ہوئے۔ 2009 میں پاکستان میں 76 خودکش دھماکے ہوئے جن میں 949 افراد جاں بحق 2,356 زخمی ہوئے۔ 2010 میں 48 خودکش دھماکے ہوئے جن میں 1121 افراد جاں بحق 2119 زخمی ہوئے۔ 2011 میں 41 خودکش حملوں میں 637 افراد جاں بحق، 1185 زخمی ہوئے۔ 2012 میں 39 خودکش دھماکوں میں 394 افراد جاں بحق، 668 زخمی ہوئے۔ دسمبر 2014 میں آرمی پبلک اسکول پشاور پر حملہ کیا گیا۔

پانی کی تقسیم پر پاک بھارت معاہدے اور تنازعات

قیام پاکستان سے قبل برصغیر میں انگریز دور کا بنا ہوا نہری نظام تھا۔ آزادی کے بعد پانی کی تقسیم پر دونوں ممالک کے درمیان کئی مسائل نے جنم لیا۔ بھارت سے گزر کر جو دریا پاکستان میں بہتے تھے۔ سندھ اور پنجاب کی زرعی زمینوں کو سیراب

Marfat.com

کرتے اور کراچی کے جنوب میں بحیرہ عرب میں جا کر گرتے تھے۔ نہروں کا وسیع نظام اور پانی کے ذخائر سے قریباً 26 ملین ایکڑ رقبہ سیراب ہوتا تھا۔ تقسیم ہند کے بعد پانی کے معاملے پر ایک تنازع پیدا ہو گیا۔ 1947 میں جب پنجاب دونوں جانب تقسیم کیا گیا تو بھارت کی طرف نہروں کا وسیع نظام تھا جبکہ پاکستان کے لئے کافی مسائل پیدا کر دیئے گئے ۔ یکم اپریل 1948 کو بھارت نے اپنے ہاں سے پاکستان کو آنے والی تمام نہروں کا پانی بند کر دیا۔ پاکستان نے اس پر احتجاج کیا تو بھارت نے 4 مئی 1948 کو ایک عارضی معاہدہ پاکستان کے ساتھ کیا جس کی رو سے بھارت پاکستان کی حکومت سے سالانہ رقم کی ادائیگی کے عوض پاکستانی علاقوں کو پانی فراہم کرتا تھا۔ مگر یہ کوئی مستقل حل نہیں تھا۔ پاکستان نے معاملے کو عالمی عدالت انصاف تک لے جانا چاہا مگر بھارت اس سے انکاری تھا۔ 1951ء میں امریکی ایٹمی کمیشن کا چیئرمین (David Lilienthal) برصغیر کے دورے پر آیا اس نے اپنے آرٹیکل میں پاک بھارت پانی کے مسئلے کو اجاگر کیا اور عالمی بینک سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنے دفاتر میں دونوں ممالک کو مذاکرات کیلئے بلائے اور انڈس ترقی پروگرام کیلئے مالی معاونت کرے ۔ ورلڈ بینک نے اس کی تجویز کو خوش آئند قرار دیا اور اس طرح اس پر کام شروع ہو گیا معاملے کے پائیدار حل کیلئے دونوں ممالک کے درمیان عالمی بینک کے دفاتر میں مذاکرات ہوئے ۔ آخر کار ستمبر 1960 میں جب پاکستان میں صدر محمد ایوب خان کا دور تھا اور بھارت میں وزیر اعظم جواہر لال نہرو تھے تو یہ معاہدہ طے پا گیا جسے ''انڈس واٹر ٹریٹی'' کا نام دیا گیا۔

سندھ طاس معاہدے کے مندرجات

بھارت اور پاکستان کی حکومتیں پانی کی ضروریات کو پورا کرنے اور اس کے استعمال کی مساوی طور پر خواہشمند رہتے ہوئے اپنی ضروریات کو پہچان کر دوستی اور جذبہ خیر سگالی کے تحت معاہدے کی شرائط کو پورا کرنے میں ایک دوسرے کے حقوق و فرائض کا خیال کریں گے ۔ اور تعاون کی فضا قائم رکھیں گی۔ مشرقی دریاؤں کا تمام پانی بغیر کسی پابندی کے بھارت استعمال کرے گا ماسوائے اس کے جو اس آرٹیکل میں واضح طور پر فراہم کئے گئے ہیں۔ پاکستان وعدے کے تحت دریاؤں کے بہاؤ میں رکاوٹ نہیں ڈالے گا۔ دریائے ستلج اور راوی جہاں سے یہ دونوں بہتے ہیں اور مکمل طور پر پاکستان کو عبور نہیں کرتے ، وہاں تک پاکستان اس میں مداخلت نہیں کرے گا۔ سوائے گھریلو وزرعی استعمال کے اور پاکستان وعدے کی پاسداری کرتے ہوئے کسی قسم کی مداخلت کا مجاز نہیں ہوگا۔ پاکستان میں بہتے ہوئے تمام دریا اپنے قدرتی رخ پر کسی باج گزار یا نالے کو ساتھ ملاتے ہوئے چاہے وہ راوی کا پانی ہو یا ستلج کا، ان کا پانی پاکستان بغیر پابندی کے استعمال کرے گا۔ ایک تبادلہ کا وقت یا ٹرانزیشن پیریڈ کے دوران بھارت زرعی استعمال کیلئے اپنی پابندی یا حدود سے دستبردار ہوگا، ذخیرہ کرنے کیلئے پانی کا استعمال محدود کرے گا اور مشرقی دریاؤں سے پاکستان کو پانی مہیا کرے گا۔ یہ ٹرانزیشن پریڈ یکم اپریل 1960 سے شروع ہوگا اور 31 مارچ 1970 کو ختم ہوگا۔ اس وقت کے دوران پاکستان بغیر کسی پابندی کے مشرقی دریاؤں کا پانی استعمال کریگا۔ ٹرانزیشن پیریڈ کے خاتمے کے بعد پاکستان کسی قسم کا دعویٰ یا احتجاج بھارت سے نہیں کرے گا۔ مشرقی دریاؤں کے جاری شدہ پانی کو پاکستان استعمال کر سکے گا۔

Marfat.com

مغربی دریاؤں سے متعلق شرائط میں کہا گیا کہ پاکستان بغیر کسی پابندی کے مغربی دریاؤں کا سارا پانی استعمال کرے گا اور بھارت شرائط کے تحت ان کے بہنے میں رکاوٹ کھڑی نہیں کرے گا اور بغیر کسی چھیڑ چھاڑ کے جہلم، چناب اور سندھ کا پانی پاکستان کو پہنچنے دے گا۔ ماسوائے مندرجہ ذیل ضروریات کے گھریلو استعمال، زرعی استعمال اور پانی سے بجلی پیدا کرنے کیلئے پاکستان بغیر کسی رکاوٹ کے مغربی دریاؤں کو استعمال کرے گا جبکہ بھارت استعمال نہیں کرے گا۔ ماسوائے بیان کردہ ضروریات کے۔ بھارت نہ تو پانی ذخیرہ کرے گا اور نہ ذخیرہ کرنے کیلئے کوئی تعمیر کرے گا۔

معاہدے میں یہ بھی کہا گیا کہ بھارت اور پاکستان دونوں اپنے تئیں یہ کوشش کریں گے اور اپنے حصے والے دریاؤں کو نکاسی کیلئے بہتر بنائیں گے کہ جو جگہ دریا گھیرتے ہیں وہ گنجائش کم نہ ہونے دیں۔ اگر بھارت محسوس کرے کہ نالوں کو گہرا یا وسیع کیا جائے تو پاکستان کو اس سے متفق ہو کر اس پر توجہ دینا ہوگی جبکہ اخراجات بھارت پر عائد ہوں گے۔ فریقین (بھارت اور پاکستان) اپنے اطراف کے دریاؤں کو بہتر حالت میں رکھنے کے ذمہ دار ہوں گے۔ ان دریاؤں کے بہاؤ میں کوئی مزاحمت، کوئی رکاوٹ دوسری پارٹی کے نقصان کا سبب بن سکتی ہے۔ لاہور اور مادھو پور کے درمیان راوی یا ہرکے اور سلیمانکی کے درمیان ستلج کے مڑ جانے کے اثرات پر کوئی پارٹی احتجاج نہیں کرے گی اور دوسرے کو مورد الزام نہیں ٹھہرائے گی۔ سیلاب یا فاضل پانی کے نکاس کیلئے دریاؤں کے قدرتی دھارے کے استعمال پر کسی پارٹی پر دوسری پارٹی دعویٰ نہیں کرے گی۔ البتہ ہر پارٹی دوسری کو مطلع ضرور کرے گی۔ اگر ایسی کوئی صورتحال پیش آتی ہے تو پیشگی اطلاع ہونی چاہئے تا کہ دوسری پارٹی اس کے نقصان سے جتنا ممکن ہو، بچاؤ کرے۔ ہر دو میں سے ایک پارٹی اپنے ڈیموں، بیراجوں اور آبپاشی کیلئے کینال وغیرہ سے آگاہ کرے گی جو اس کے ہائیڈرالک نظام کے عام آپریشن پر مشتمل ہوں گے۔ ہر پارٹی حفاظت کیلئے اپنی تجاویز دوسری پارٹی کو بتائے گی اور بے جا پانی کی آلودگی نہیں پھیلائے گی جبکہ ضروری اقدام کے حوالے سے اپنی سفارشات سے آگاہ کرے گی جس کیلئے صنعتی فضلے کو دریاؤں میں بہنے کی اجازت ہوگی مگر اس کی ٹھوس اور مثبت وجوہات ہونی چاہئیں۔ دریاؤں میں عمارتی لکڑی اور دیگر اشیاء بہانے پر مالکان کو ادائیگی یقینی بنائی جائے گی۔ مندرجہ بالا شرائط کے علاوہ معاہدہ کسی ریاستی حقوق یا پانی پر کسی قسم کی ریاستی تشریح کا حامل نہیں ہے۔

معاہدہ میں یہ بھی طے پایا کہ بھارت اور پاکستان سندھ طاس کمیشن کیلئے ایک مستقل آسامی برائے کمشنر مہیا کریں گے اور اسے تعینات کریں گے۔ یہ ایسا شخص ہوگا جو ہائیڈرولوجی کی فیلڈ میں ماہر انجینئر ہوگا۔ دونوں میں سے ہر کمشنر اس معاہدے پر اٹھنے والے تمام معاملات کیلئے اپنی حکومت کی نمائندگی کرے گا۔ یہ کمیشن اس معاہدے کی عمل داری سے متعلق معاملات پر باقاعدہ رابطے کا ذریعہ بن کر کام کرے گا۔ کمشنر کی ذمہ داریوں، فرائض اور اس کے معیار کا تعین اس کی حکومت کرے گی۔ دونوں کمشنر مل کر مستقل انڈس کمیشن کو حتمی شکل دیں گے۔ معاہدے کے تحت کمیشن قائم کرنے کا مقصد دریاؤں کے پانی کو ترقی دینے اور پارٹیوں کے درمیان باہمی تعاون کو اجاگر کرنا قرار دیا گیا۔

سندھ طاس معاہدے کے مطابق کسی بھی قسم کے تضادات اور اس معاہدہ کے حوالے سے اٹھنے والے تمام سوالات

Marfat.com

پہلے تجزیہ کے لئے کمیشن کے سامنے پیش کئے جائیں گے جن کے سدباب کا معاہدے کے تحت حل نکالا جائے گا۔ اگر کمیشن کو آگاہ کرے گا تو تضاد کو ایک تنازع کے تضادات کو کسی تیسرے ماہر کے ذریعے جو غیر جانبدار ہوگا، حل کرایا جائے گا اگر غیر جانبدار ماہر کمیشن کو آگاہ کرے گا تو تضاد کو ایک تنازع کے طور پر غور کیا جائے اور اس کے حل کی طرف توجہ دی جائے گی۔ دونوں جانب کی حکومتوں سے اس ضمن میں رپورٹ طلب کی جائے گی۔ جس میں دونوں کمیشنر کے مذاکرات ہوں گے، معاملہ کو حل کرنے کی مکمل سعی کی جائے گی اور ایک ثالثی فیصلہ کی عدالت جھگڑے یا تنازع کے حل کی خاطر قائم کی جائیگی۔

افسوسناک حقیقت

بھارت معاہدہ سندھ طاس کی شروع دن سے ہی خلاف ورزی کرتا چلا آ رہا ہے۔ 2008 میں بھارت نے دو دفعہ دریائے ستلج میں سیلاب ریلے چھوڑ کر ہزاروں ایکٹر اراضی پر مکئی، کپاس اور دھان کی فصلیں تباہ کر دیں جبکہ کسانوں کو بے گھر ہونا پڑا۔ دوسری طرف بھارت نے سندھ طاس معاہدے کی دھجیاں بکھیرتے ہوئے دریائے چناب کا پانی روک دیا جس سے ہیڈ مرالہ ہیڈ بیراج پر اچانک پانی کی سطح 53 ہزار کیوسک کے مقابلے میں صرف 20 ہزار کیوسک رہ گئی۔ بھارت نے بگلیہار ڈیم بھرنے کیلئے پانی کی چوری اور سینہ زوری کا کھلا مظاہرہ کیا اور پاکستان کے شدید احتجاج کو بھی خاطر میں نہ لایا۔ پاکستانی دریاؤں کا پانی روکنے کا یہ پہلا واقعہ نہیں۔ قیام پاکستان کے فوراً بعد ہی بھارت نے پاکستان کی طرف بہنے والے تمام دریاؤں کا پانی روک دیا تھا۔ پاکستان کے خلاف بھارت کا واٹر بم انتہائی سٹریٹجک اہمیت کا حامل ہے۔ جس کا استعمال بھارت بھرپور انداز میں کر کے پاکستان صحرا میں تبدیل کرنے اور خوراک کے بحران سے دوچار کرنے کے عزائم پر عملدرآمد کی حکمت عملی اپنائے ہوئے ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ کینیڈا امریکہ واٹر کنٹریکٹ کی طرز پر حکومت پاکستان بھارت سے واٹر کنٹریک کرے تاکہ ملک میں پانی کی ضروریات پوری ہو سکیں۔

بھارت کی آبی جارحیت

گزشتہ کچھ برسوں سے دریاؤں کے پانی کی تقسیم اور بھارت کی جانب سے پاکستان کے حق تصرف والے دریاؤں پر ڈیموں کی تعمیر نے انتہائی سنجیدہ رخ اختیار کر لیا ہے۔ بھارت کا یہ اقدام ورلڈ بینک کی ثالثی میں طے پائے جانے والے معاہدے کی کھلی خلاف ورزی ہے۔ گزشتہ چند سالوں سے بھارت نے پاکستان کی جانب سے احتجاج کے باوجود ہٹ دھرمی دکھاتے ہوئے متعدد ڈیموں کی تعمیر کا کام شروع کر رکھا ہے۔ بھارت نے دریائے چناب پر بگلیہار ڈیم کی تعمیر اور اس میں پانی کی بھرائی کیلئے دریائے چناب کا پانی روک رکھا ہے جس سے پاکستان کو جو ایک زرعی ملک ہے انتہائی منفی اور مضر اثرات پہنچنا شروع ہو گئے ہیں۔ جس طرح بھارت پاکستان کے حصہ میں آنے والے دریاؤں چناب، جہلم اور دریائے سندھ کا رخ موڑ رہا ہے۔ اس طرح وہ پاکستان کو آبی ذخائر سے کلی طور پر محروم کر دے گا جس کیلئے فوری اور جامع حکمت عملی ناگزیر ہو چکی ہے۔

سندھ طاس معاہدے کے تناظر میں خلاف ورزیاں بھارت کا معمول بن چکی ہیں۔ بگلیہار ڈیم کی تعمیر سے قبل

Marfat.com

بھارت وولر بیراج اور کشن گنگا کے منصوبوں کے حوالوں سے بھی سندھ طاس معاہدے کی خلاف ورزی کرتا رہا ہے۔ بھارت نے دریائے چناب کا پانی مسلسل بند کر رکھا ہے جس سے پنجاب کے چاروں زون کی فصلیں تباہ ہو جائیں گی اور صوبہ سندھ کو بھی ناقابل تلافی نقصان پہنچے گا۔

بھارت پاکستانی دریاؤں پر ڈیموں کی تعمیر کیلئے آج سے نہیں بلکہ گزشتہ دو دہائیوں سے عمل پیرا ہے۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ پاکستانی اسٹیبلشمنٹ نے بھارت کے ان عزائم کے افشا ہو جانے کے باوجود خاموشی اختیار کیے رکھی، اگر کبھی احتجاج بھی کیا تو وہ بھی رسمی سا۔ اگر پاکستانی اسٹیبلشمنٹ 90 کی دہائی میں ہی پرزور احتجاج کرتی تو شاید بھارت کو پانچ درجن سے زائد منصوبوں پر کام کرنے کا موقع نہ ملتا۔ بھارت کی جانب سے بگلیہار ڈیم مکمل کرنے میں پاکستانی اسٹیبلشمنٹ کی خاموشی بھی اہم وجہ ہے۔

مئی 1992 میں بھارت نے ایک مراسلہ پاکستانی حکومت کو بھیجا تھا جس میں کہا گیا کہ وہ جموں سے 150 کلومیٹر دور 450 میگاواٹ پیداواری صلاحیت کا حامل پراجیکٹ شروع کرنا چاہتا ہے۔ جو سندھ طاس معاہدے کی خلاف ورزی نہیں ہے۔ اگر پاکستانی حکومت کو کوئی اعتراض ہے تو وہ اس جگہ کا معائنہ کر سکتی ہے۔ ذرائع کا کہنا ہے کہ پاکستان کی اسٹیبلشمنٹ نے اس پر ''پراسرار خاموشی'' اختیار کیے رکھی۔ یہاں تک کہ بھارت نے ڈیم بنانے کا ابتدائی کام شروع کر دیا۔ اس کے باوجود یہاں سے احتجاج نہیں ہوا۔ بعد ازاں پاکستانی خفیہ ایجنسی کی معلومات پر معلوم ہوا کہ انڈیا نے ایک ایسا ڈیم بنانا شروع کر دیا ہے۔ جس میں پانی ذخیرہ کرنے کی صلاحیت ہے۔ اب بھی پاکستانی حکومت خاموش رہی۔ 2003 تک جب اس ڈیم کا 60 فیصد کام مکمل ہو گیا تو پاکستانی حکومت نے ایک دم احتجاج شروع کر دیا اور مطالبہ کیا کہ غیر جانبدار ماہرین سے معائنہ کرایا جائے۔ یہاں تک کہ 2005 میں بگلیہار ڈیم مکمل ہو گیا۔ جبکہ 10 اکتوبر 2008 کو بھارتی وزیر اعظم منموہن سنگھ نے مقبوضہ کشمیر میں متنازعہ بگلیہار ڈیم کا افتتاح کر دیا۔ 27 دسمبر 2008 کو بھارتی کابینہ نے مقبوضہ کشمیر میں متنازعہ کشن گنگا پاور پراجیکٹ سمیت متعدد منصوبوں کی منظوری دیدی۔ اس منصوبے پر 3640 کروڑ روپے کی لاگت آئیگی۔

کشن گنگا پروجیکٹ

مقبوضہ کشمیر میں دریائے نیلم 'کشن گنگا' کہلاتا ہے۔ اسی دریا پر بھارتی 330 میگاواٹ بجلی پیدا کرنے والا کشن گنگا ڈیم بنانا چاہتے ہیں۔ یہ ڈیم مظفر آباد سے 160 کلومیٹر دور تعمیر کیا جائے گا۔ منصوبے کے تحت دریائے نیلم کا رخ موڑ کر دریائے جہلم کے بونار مدھومتی نامی نالے کی سمت ہو جائے گا۔ اس سلسلے میں ایک 22 کلومیٹر طویل سرنگ بنائی جائے گی۔ ڈیم کا بجلی گھر بن کوٹ نامی علاقے میں تعمیر ہو گا جب کہ پانی بذریعہ وولر جھیل دریائے جہلم میں شامل کیا جائے گا۔ رُخ موڑنے سے دریائے نیلم کا راستہ تقریباً 100 کلومیٹر بدل جائے گا۔ یوں پھر بذریعہ وولر جھیل دریائے نیلم کا پانی مقبوضہ کشمیر کے ضلع بارہ مولا میں بندی پور کے مقام پر دریائے جہلم میں گرے گا۔ فی الوقت دونوں دریا مظفر آباد کے نزدیک دو میل کی جگہ آپس میں ملتے ہیں۔

Marfat.com

100 کلومیٹر تک راہ بدلنے سے پاکستان کی سرسبز و شاداب وادی نیلم پانی نہ ملنے کے باعث خشک و بنجر ہو جائے گی۔

پاکستانی حکومت کا کہنا ہے کہ سندھ طاس معاہدے کی رو سے بھارتی دریائے جہلم کے معاون دریا پر ڈیم تعمیر نہیں کر سکتے۔ اس کی وجہ سے پاکستان آنے والے پانی میں کمی واقع ہو جائے گی۔ مزید برآں خود پاکستان نے دریائے نیلم پر "نیلم۔ جہلم پاور پراجیکٹ" شروع کر رکھا ہے جو 969 میگاواٹ بجلی پیدا کرے گا۔

بھارت کا کہنا ہے کہ کشن گنگا پروجیکٹ کوئی غیر قانونی منصوبہ نہیں کیونکہ دریائے نیلم کا پانی بالآخر جہلم ہی میں گرے گا..... صرف نیلم کا راستہ تبدیل کیا جائے گا۔ مگر بھارتی حکومت پاکستان کے اس سوال کا شافی جواب نہیں دے پاتے کہ پھر پاکستانی نیلم جہلم پاور پروجیکٹ کا کیا ہوگا؟

پاکستانی ماہرین کے مطابق کشن گنگا ڈیم بننے سے دریائے جہلم میں 27 فیصد پانی کم ہو جائے گا جو بہت بڑی مقدار ہے۔ پھر درج بالا ہمارا ڈیم مطلوبہ بجلی بھی پیدا نہیں کر سکے گا۔ ان وجوہ کی بنا پر پاکستان کشن گنگا ڈیم کے سخت خلاف ہے۔

زراعت کا پانی پر انحصار

پچھلے 65 سال میں گو پاکستانی حکومتوں نے زراعت کے ساتھ نامناسب سلوک روا رکھا لیکن اب بھی یہ شعبہ خام قومی پیداوار (جی ڈی پی) میں 25 فیصد حصہ ڈالتا ہے۔ تقریباً 45 فیصد افرادی قوت اسی شعبے سے وابستہ ہے۔ پاکستانی معیشت اور معاشرت کا دار و مدار زراعت پر ہی استوار ہے اور پاکستان میں اسی کی نشوونما و بقا میں پانی بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔

پاکستان کا تقریباً آٹھ کروڑ ہیکٹر رقبہ ناقابل کاشت ہے۔ اس میں سے دو کروڑ ہیکٹر رقبے پر کاشت کاری ہوتی ہے۔ اس میں سے ایک کروڑ سولہ لاکھ ہیکٹر رقبہ آب پاشی کا محتاج ہے۔ یعنی اس رقبے پر دریاؤں سے نکلنے والی نہروں کے پانی سے کاشت کاری ہوتی ہے۔ ماہرین کا اندازہ ہے کہ پاکستان میں 90 فیصد کھیت دریائی پانی لیتے اور پھر فصلیں اُگاتے ہیں۔

ان حقائق سے عیاں ہے کہ دریاؤں میں پانی کی کمی ہمارا نظام زراعت تباہ و برباد کر سکتی ہے۔ اناج نہیں رہے گا تو پاکستانی دانے دانے کے محتاج ہو جائیں گے۔ بھوک ہزاروں لاکھوں غریبوں کو مار ڈالے گی کیونکہ آبادی کی 80 فیصد خوراک مقامی طور پر ہی پیدا ہوتی ہے۔

ہماری بیشتر آبادی کی بنیادی غذا گندم اور چاول ہے۔ ایک زمانے میں پاکستان گندم کے سلسلے میں خود کفیل تھا لیکن اب ہر سال ہمیں لاکھوں ٹن گندم باہر سے منگوانا پڑتی ہے۔ گندم کی پیداوار میں کمی کی ایک بڑی وجہ پانی دستیاب نہ ہونا ہے۔

بدقسمتی سے ہماری تمام دریاؤں کے سرچشموں پر بھارتی قابض ہیں' لہٰذا وہ اس ہتھیار کے ذریعے ہمیں سرنگوں کرنا چاہتے ہیں۔ پاکستانی دریاؤں پر بیسیوں ڈیموں کی تعمیر سے وہ اپنے خوفناک منصوبے کو عملی جامہ پہنانے لگے ہیں۔ ادھر پاکستانی عوام اور حکومت لمبی تان کر سوئے ہوئے ہیں۔

سردیوں میں کھیتوں کو ڈیموں سے پانی دیا جاتا ہے۔ یہ ہماری حکومتوں کی مجرمانہ غفلت ہے کہ وہ تربیلا اور منگلا کے

Marfat.com

بعد کوئی بڑا ڈیم نہ بنا سکیں ان ڈیموں میں بھی پانی ذخیرہ کرنے کی گنجائش تیزی سے کم ہو رہی ہے۔ ہر سال چار کروڑ ایکڑ فٹ دریائی پانی سمندر میں چلا جاتا ہے۔ اور کھیتوں کو پانی نہیں مل پاتا۔ پانی کی کمی کے کچھ ذمہ دار ہمارے کسان بھی ہیں۔ وہ بلا سوچے سمجھے پانی کا استعمال کرتے ہیں اور اس قیمتی مائع کو بچانے کے لیے کوئی اقدامات نہیں اپناتے۔ اس کے باوجود پاکستان میں فی ہیکڑ پیداوار دیگر ممالک کے مقابلے میں کہیں کم ہے۔ مثلاً پاکستانی کسان ایک ہیکڑ میں 2500 کلو گندم اُگاتا ہے جب کہ آسٹریلوی کسان اسی رقبے پر 80000 کلو گندم اُگا لیتا ہے۔ وجہ یہی ہے کہ وہ پانی بچانے اور کھیتی باڑی کے جدید طریقوں سے آشنا ہے۔

پاکستان میں پانی کی بڑھتی کمی

جب پاکستان آزاد ہوا تو اس کے ہر شہری کو 5600 کیوبن میٹر پانی دستیاب تھا۔ گویا اس وقت زراعت اور پینے کے لیے پانی کی کوئی کمی نہ تھی مگر بڑھتی آبادی، موسمیاتی اثرات کے باعث کم ہوتے پانی کے ذخائر اور بد انتظامی کی وجہ سے اب پاکستان رفتہ رفتہ اس قدرتی نعمت سے محروم ہوتا جا رہا ہے۔ تازہ جائزوں کے مطابق اب ہر پاکستانی کو 1200 کیوبک میٹر پانی دستیاب ہے اور اقوام متحدہ کی رو سے جب ملک میں فی کس 1000 کیوبن میٹر پانی دستیاب ہو وہ اس ضمن میں بحران کا شکار ہے۔

دریاؤں میں آنے والا پانی زراعت میں کھپتا ہے جبکہ شہری جھیلوں اور ڈیموں سے آنے یا زیر زمین سے نکالا جانے والا پانی پیتے ہیں۔ پانی کے یہ دونوں ذرائع مختلف وجوہ کی بنا پر تیزی سے کم ہوتے جا رہے ہیں۔ مثلاً بھارتی ہمارے دریاؤں کا پانی کم کرنے لگے ہیں۔ اوپر سے ریت، مٹی، گارے وغیرہ نے ہمارے ڈیموں میں پانی ذخیرہ کرنے کی گنجائش کم کر دی ہے۔

بڑھتی آبادی نے پانی کی طلب بھی بڑھا دی ہے۔ حقیقتاً کراچی اور لاہور پانی کی مانگ، رسد سے بڑھ گئی ہے۔ پھر زیادہ سے زیادہ وہ کسان ٹیوب ویل نکال کر زمین کے نیچے سے میٹھا پانی نکال رہے ہیں۔ یہ پانی پینے کے بجائے کھیتوں میں استعمال ہوتا ہے۔ یوں آہستہ آہستہ زیر زمین پانی کی سطح گر رہی ہے اور وہ وقت دور نہیں جب اسے نکالنا مسئلہ بن جائے گا۔

یہ گھمبیر صورتحال فوری عمل کی متقاضی ہے۔ حکومت کو چاہیئے کہ وہ دریاؤں پر ڈیم تعمیر کرے اور جہاں پانی کی شدید کمی ہے، وہاں ذخائر آب بنائے۔ حکومت کو یہ بھی چاہیے کہ وہ شہری، صنعتی اور زرعی پانی صاف کرنے کے واسطے ٹریٹ منٹ پلانٹ لگائے۔ اس طرح بہت سا قیمتی پانی دوبارہ استعمال کے قابل ہو جائے گا۔ فی الوقت کراچی اور لاہور میں ایسا کوئی پلانٹ نصب نہیں۔ سونے پر سہاگہ یہ بیشتر پاکستانیوں کو ناصاف پانی ملتا ہے، اسی لیے وہ آئے دن مختلف بیماریوں میں مبتلا رہتے ہیں۔

بھارتی ڈیمز سے پاکستان کو درپیش مشکلات

بھارت سندھ طاس معاہدہ کی بعض شقوں اور دفعات کی پرواہ کئے بغیر لاتعداد بڑے اور چھوٹے ڈیمز کے حوالے سے بنانے میں مصروف ہے یعنی وہ اپنی زراعت اور معیشت کی ترقی میں تو مصروف ہے مگر اپنے پڑوسی ملک کی زراعت اور معیشت کو

Marfat.com

تباہ کرنے کی سازش میں بھی چناب اور جہلم پر 48 ڈیموں کی تعمیر میں مصروف ہے۔ بھارت آبی جارحیت کے اس منصوبے سے پوری دنیا کو آگاہ نہیں کر رہا حالانکہ وہ جانتا ہے کہ وہ اس جارحیت سے آئندہ پانچ سات سالوں میں پاکستان کو غذائی قلت کے بدترین بحران سے دوچار کرنے کی سازش میں مصروف ہو جائے گا۔ بھارتی عزائم کی حالیہ مثال بگلیہار ڈیم کی تعمیر ہے جو سندھ طاس معاہدہ کی بعض شقوں کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بنایا گیا۔

سندھ طاس واٹر کونسل کا نقطہ نظر

سندھ طاس واٹر کونسل کے مطابق بھارت دریائے سندھ پر تین نہیں بلکہ چھوٹے بڑے 16 ڈیم بنا رہا ہے۔ دریائے چناب اور جہلم پر پہلے 48 اور اب مزید 4 ڈیموں کی تعمیر بھی شروع کر دی گئی ہے جن میں بگلیہار ڈیم سمیت 4 بڑے اور 16 چھوٹے ڈیم مکمل ہو چکے ہیں۔ 2 بڑے اور 11 چھوٹے ڈیم مکمل ہو جائیں گے جن کی تکمیل کے بعد دریائے چناب اور جہلم بھارت کی حدود میں مکمل طور پر بند ہو جائیں گے۔ ان دونوں دریاؤں کا ایک گھونٹ پانی پاکستان کی طرف نہیں آسکے گا۔ بھارت نے وادئ کشمیر میں مزید 10 ڈیموں کی فزیبلٹی رپورٹ تیار کرنے کا کام بھی شروع کر دیا ہے۔ بھارت اب 54 ارب ڈالر کی لاگت سے ناردرن لنک کینال پروگرام کے نام سے دنیا کا سب سے بڑا آب پاشی کا نظام قائم کر رہا ہے جس کے تحت تمام دریاؤں کو نہروں کے ذریعے آپس میں جوڑ کر پاکستانی سرزمین کو اس کے پانی سے محروم کر دیا جائے گا۔

دریائے سندھ مقبوضہ کشمیر میں 395 کلومیٹر کے علاقے تک بہتا ہے۔ بھارت دریائے سندھ پر لداخ کے علاقے میں تین ڈیم بنا رہا ہے۔ ان ڈیموں سے 219 میگاواٹ بجلی پیدا کی جائے گی جس کا بنیادی مقصد سیاچن میں موجود بھارتی افواج کو بجلی فراہم کرنا ہے۔ پاکستان کا 38 ملین ایکڑ فٹ پانی سمندر میں گر رہا ہے جس سے بھارت کو پاکستانی دریاؤں کے پانی کو روکنے کا حوصلہ ہوا۔ یہ ایک افسوس ناک امر ہے کہ پاکستان میں کالا باغ ڈیم جیسے بڑے آبی منصوبے کو سیاست کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اگر اس منصوبے کو بروقت مکمل کر لیا گیا ہوتا تو اس وقت جو ملک میں پانی اور بجلی کا شدید بحران ہے' اس کا سامان نہ کرنا پڑتا اور ساتھ ہی ساتھ ربیع اور خریف کی فصلوں کے لیے پانی کی کمی بھی نہ ہوتی۔ دوسری طرف بھارت بھی ان دریاؤں پر ڈیم بنانے کی جرأت نہ کرتا ہے۔ پاکستان بنیادی طور پر زرعی ملک ہے' زراعت کے لیے پانی ناگزیر ہے' یہ ضرورت نہری پانی سے پوری کی جاتی ہے۔ تین دریا تو ایوب خان نے بھارت کے حوالے کر دیئے تھے اور اب تین دریاؤں کا پانی بھارت نے معاہدوں کی خلاف ورزی کرتے ہوئے روکنا شروع کر دیا ہے جس کے باعث پاکستان میں بہنے والی نہریں خشک ہو رہی ہیں۔ بھارت کے دھڑا دھڑ ڈیم بنانے سے انسان اور جانور پانی کی شدید کمی کا شکار ہیں۔ کرہ ارض پر اکثر دریا ایسے ہیں جو ایک سے زائد ملکوں کو سیراب کرتے ہیں۔ ہر ملک اپنے حصے کا پانی عالمی قوانین کے مطابق حاصل کر رہا ہے۔ دریائے نیل تین ملکوں میں سے ہو کر گزر رہا ہے۔ بہتر ہوتا کہ پنجاب کے تین مشرقی دریاؤں پانی کا جائز حصہ وصول کیا جاتا اور جو دریا پاکستان کے حصے میں آئے تھے ان کی حفاظت کی جاتی۔ دریائے ستلج' بیاس اور راوی کے بند ہونے سے ان علاقوں میں آباد تقریباً 5 کروڑ انسان پینے کے

Marfat.com

صاف پانی سے محروم ہو گئے۔ اس کمی کو 5 لاکھ ٹیوب ویلوں کے ذریعے پورا کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے جس سے پانی کی سطح خطرناک حد تک نیچے جا چکی ہے اس سے زیر زمین آلودہ پانی کی آمیزش ہوئی جس سے کئی قسم کی بیماریاں پھیل چکی ہیں۔ دریائے سندھ کا پانی ٹنل کے ذریعے ڈائیورٹ کیا جا رہا ہے۔ دریائے چناب پر بگلبار ڈیم آپریشنل ہو چکا ہے۔ اس طرح پاکستان کا 2 ملین کیوسک پانی بھارت کی سمت ڈائیورٹ ہو چکا ہے۔ دریائے جہلم پر وولر بیراج مکمل ہو چکا ہے۔

بھارت میں 12 ڈیم دریائے چناب سے نکلنے والی نہروں اور نالوں پر تعمیر ہو رہے ہیں۔ 40 ڈیم دریائے جہلم اور اس کی نہروں پر بن رہے ہیں۔ بھارت پاکستانی دریاؤں پر درجنوں ڈیمز بناتا چلا جا رہا ہے' مگر ہم نے خود اپنے دریاؤں پر گزشتہ دہائی میں کسی نئے آبی منصوبے کو پایہ تکمیل تک نہیں پہنچایا۔

آبی چوری کا بھارتی اعتراف

2011 میں نیپال میں ہونے والی ''فیڈریشن آف ایسوسی ایشن آف ساؤتھ اینڈ سینٹرل ایشین کنٹریز'' میں بھارتی انجینئرز نے پانی چوری کا اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ نئے ڈیموں کی تعمیر سے بھارت کے پاس اتنی وافر مقدار میں بجلی ہو گی کہ پاکستان سمیت پانچ ہمسایہ ملکوں کو برآمد کر سکتا ہے۔ بھارت نے یہ دھمکی دی کہ وہ 2020 تک پاکستان کا پانی مکمل طور پر بند کر سکتا ہے۔ بھارت نے ہائیڈل سے بجلی بنانے اور ڈیمز کی تعمیر کا کام بھی تیز کر دیا ہے۔ اس وقت بجلی بنانے کیلئے کشمیر میں بہنے والے دریاؤں پر انحصار کیا جا رہا ہے جن میں زیادہ تر پاکستانی دریا سندھ، چناب اور جہلم شامل ہیں۔ بھارتی آبی ماہرین کی ہٹ دھرمی پر انجینئر سلطان محمود کا کہنا ہے کہ بھارتیوں نے برملا تسلیم کیا ہے کہ دریائے جہلم پر 40 ڈیم تکمیل کے آخری مراحل میں ہیں اور بھارت دنیا کا تیسرا بڑا ڈیم کارگل کے مقام پر بنا رہا ہے جس کیلئے دریائے سندھ کا 45 فیصد پانی سرنگ کے ذریعے ناجائز طور پر موڑا جا رہا ہے۔

اس حوالے سے بھارتی کی مکاری ملاحظہ کیجئے کہ وہ پاکستان کی جانب سے بہنے والے ندی نالوں کا رخ بھی اپنی طرف موڑ رہا ہے۔ مقبوضہ کشمیر میں چھوٹے بڑے 62 ڈیمز زیر تکمیل ہیں جس کی وجہ سے دو تین سالوں کے اندر ہی پاکستان شدید قحط سالی کا شکار ہو جائے گا۔ زراعت کی بات الگ رہی، پینے کیلئے بھی پاکستانیوں کو پانی میسر نہیں ہو گا۔ دارالحکومت اسلام آباد میں زیر زمین پانی 40 فیصد کم ہو گیا ہے اور پانی کی راشن بندی کے بارے میں سوچا جا رہا ہے۔ یہی حال لاہور کا بھی ہے جہاں پانی کی شدید کمی پیدا ہوتی جا رہی ہے۔ دو دو تین تین دن پانی بند رہتا ہے۔ تو آگے کیا ہو گا؟ ہماری بدقسمتی یہی ہے کہ ہمارا ازلی دشمن ہمارے پانیوں پر ڈیم بنانے میں مصروف ہے اور ہم غفلت برت رہے ہیں۔

فلسطین پر اسرائیلی قبضہ کے 66 برس (1948 تا حال)

صیہونی ریاست اسرائیل نے 14 مئی 2014ء کو اپنے قیام کی 66 ویں سالگرہ منائی۔ 14 مئی 1948ء کو اسرائیل کے پہلے وزیر اعظم بن گوریان نے اسرائیل کے معرض وجود میں آنے کا خفیہ اعلان کیا تھا۔ اسرائیل اور اسرائیل نواز

Marfat.com

طاقتوں نے 14 مئی 2014 کو اس غیر قانونی ریاست (جو کسی قاعدے اور قانون سے ریاست کے معیار پر پورا نہیں اترتی) کا "یوم قیام" منایا۔ اگر چہ اقوام متحدہ میں اسرائیلی جارحیت کے خلاف بے شمار قراردادیں منظور ہو چکی ہیں۔ مگر امریکہ اور برطانیہ کے حکمرانوں نے ان قراردادوں پر عمل نہیں ہونے دیا۔ اگر کبھی سلامتی کونسل میں کوئی قرارداد پیش کی گئی تو اسے وجود کرنے والے ملک کا "اعزاز" بھی امریکہ کو حاصل ہے جو دنیا بھر میں امن کا پرچار بھی کرتا ہے اور جنگ کے اسباب بھی پیدا کرتا ہے۔ یعنی ایک جانب وہ کسی عمل کی حمایت کرتا ہے تو دوسری جانب اس عمل کی نفی بھی کر رہا ہوتا ہے۔

مشرقی وسطیٰ میں صیہونی ریاست کے طرف دار امریکہ کو سلامتی کونسل میں اسرائیل کے خلاف قرارداد پیش کرنے کا عمل سخت ناپسند ہے۔ امریکہ کبھی بھی اسرائیل کی دم پر کسی کو پیر رکھتے نہیں دیکھنا چاہتا۔ یہی وجہ ہے کہ مشرقی وسطیٰ میں جاری تنازع میں اسرائیل کے بعد جس ملک پر سب سے زیادہ تنقید کی جاتی ہے۔ وہ امریکہ ہے جو تل ابیب کی ظالمانہ کاروائیوں کو تحفظ دیتا رہتا ہے۔ نصف صدی سے زائد عرصے تک جاری رہنے والے اسرائیلی ظلم وستم کا سلسلہ ختم ہوتا نظر آ رہا ہے۔ اسرائیل نے اس تمام عرصے میں ہمسایہ ممالک اور فلسطینی عوام کے خلاف محاذ جنگ کھولے رکھا۔ مختلف جنگوں کے نتیجے میں لاکھوں عربوں کو شہید زخمی اور اپاہج کیا۔ ان کی زمینیں اور جائیدادیں چھین لیں۔ ان کو اپنے گھروں اور علاقے سے بے دخل کر دیا۔ یہ کاروائیاں اکیسویں صدی میں بھی جاری ہیں لیکن عالمی برادری اور اقوام متحدہ میں سے کسی کو جرأت نہیں کہ وہ اس کے خلاف اقدامات کرے۔ آزاد ذرائع کے مطابق گزشتہ 65 سال میں اسرائیل کی ظالمانہ کاروائیوں کے نتیجے میں 8 لاکھ فلسطینی شہید ہو چکے ہیں۔ 2000 سے 2007 کے دوران 4304 فلسطینی اسرائیلی جارحیت کی بھینٹ چڑھے جبکہ اس عرصے میں 704 اسرائیلی مارے گئے۔ 9 دسمبر 1987 سے 28 ستمبر 2000 تک 1378 فلسطینی شہید ہوئے۔ گزشتہ 20 سال میں تقریباً 2 ہزار کمسن فلسطینی بچے زندگی کی بازی ہار گئے۔ اور بیشتر وہ معصوم تھے جنہیں صیہونی فوج نے اپنے طاقت کے نشے میں ختم کیا اور ان کا قصور بس اتنا تھا کہ انہوں نے چند پتھر اسرائیل کے ٹینکوں پر پھینکے تھے جس پر ان کم سن غازیوں کو موت کی وادی میں اتار دیا گیا گزشتہ کچھ عرصے سے غزہ کے شہریوں پر صیہونی ریاست نے ظلم وستم کے پہاڑ توڑ رکھے ہیں۔ وہاں کا پانی، بجلی، تیل تک بند کر دیا ہے ناکہ بندی کے نتیجے میں اجناس اور سبزیاں وغیرہ علاقے میں نہیں جا رہیں۔ نیز ادویات اور بچوں کی ضرورت کی اشیاء کی ترسیل بھی روک دی ہے۔ ہسپتالوں میں ضروری آلات اور ادویات کا فقدان ہے۔ بجلی نہ ہونے سے آپریشن نہیں ہو رہے۔ لیبارٹریاں کام نہیں کر رہیں۔ سکول و کالج بند ہیں۔ سرکاری دفاتر کا حال ابتر ہے مہنگائی ہے کہ سر چڑھ کر بول رہی ہے۔ یہ وہ زمینی حقائق ہیں جو امریکہ اور یورپ کی ترقی پسند حکمرانوں کو نظر نہیں آ رہے بلکہ وہ اہلیان فلسطین کے رہے سہے اکاؤنٹ منجمد کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ ان کی امداد بند کر دی جاتی ہے تاکہ مظلوم فلسطینی رقم اور امداد نہ ملنے کے باعث تڑپ تڑپ کر جان دے دیں۔

اسرائیل فلسطینیوں کی مقبول قیادت کو بھی منظر سے ہٹانے کے منصوبے پر گامزن ہے۔ ٹارگٹ کلنگ کے اصول پر اس نے سب سے پہلے 2004 میں الفتح کے سربراہ اور مقبول رہنما یاسر عرفات کو زہر دے کر بڑی خوب صورتی سے منظر سے ہٹایا۔

Marfat.com

اس کے بعد حماس کے سربراہ شیخ احمد یٰسین جو پہلے ہی ہاتھوں اور ٹانگوں سے معذور تھے۔ ان کو میزائل حملے کے ذریعے نشانہ بنایا اور پھر حماس کے ایک اور رہنما عبدالعزیز الرنتیسی کو میزائل حملے سے نشانہ بنا کر انہیں بھی شہیدوں کے قبرستان کا مکین بنا دیا۔ واضح رہے کہ رنتیسی کے قتل پر سوائے امریکہ کے دنیا کے تمام اہم ممالک نے شدید مذمت کی تھی۔

جارح اسرائیل نے نا صرف فلسطینی قیادت اور شہریوں کو مارنے کا سلسلہ جاری رکھا ہوا ہے بلکہ وہ گزشتہ 65 سال سے وقتاً فوقتاً فلسطینیوں کے گھر بھی مسمار کر رہا ہے اور ان کی جگہ یہودی بستیاں تعمیر کر رہا ہے۔ 1948 سے اب تک اسرائیل نے اہلیان فلسطین کے 78 فیصد علاقے پر قبضہ کیا ہوا ہے۔ جس کے باعث 85 فیصد شہریوں کو بے گھر ہونا پڑا۔ اسرائیل کے ظالمانہ کارروائیوں کے نتیجے میں 46 لاکھ سے زائد فلسطینی باشندے بے گھر ہو چکے ہیں جبکہ فلسطینیوں کی نصف سے زائد آبادی خط غربت سے نیچے زندگی بسر کر رہی ہے۔ 9750 سے زائد فلسطینی باشندے اسرائیلی جیلوں میں قید ہیں۔ فلسطینی کے مرکزی ادارہ برائے شماریات کے مطابق اسرائیلی فوج نے فلسطینیوں کو سزا دینے کی غرض سے 2001 سے جنوری 2005 تک 668 گھر منہدم کئے جس سے 4182 افراد بے گھر ہوئے۔ دوسری جانب اسرائیلی انتظامیہ وقتاً فوقتاً قابض علاقوں میں نئی بستیاں اور مکانات بنانے کے منصوبے بناتی رہتی ہے۔ اگست 2004 میں اسی قسم کا ایک منصوبہ غرب اردن میں قائم ایک بڑی یہودی بستی میں مزید 200 گھر بنانے کا تھا۔ جس کی تعمیر اسرایلی بستی میں ہونا تھی۔ غرب اردن اور غزہ میں بنی تمام یہودی بستیاں بین الاقوامی قوانین کے تحت غیر قانونی ہیں مگر اسرائیل یہ بات ماننے سے مسلسل انکار کرتا چلا آ رہا ہے۔ اسی طرح مارچ 2008 میں صیہونی وزیر اعظم ایہود اولمرٹ نے غرب اردن میں ہی مزید یہودیوں کی آبادکاری کے منصوبے کی منظوری دی۔

غرب اردن میں 2 لاکھ اسی ہزار یہودی آباد ہیں۔ واضح رہے کہ قیام امن کے بین الاقوامی منصوبے یعنی روڈ میپ کے تحت اسرائیل نے یہودی بستیوں میں مزید کام نہ کرنے کا وعدہ کر رکھا ہے۔ معروف یہودی دانشور نوم چومسکی نے حقیقت نگاری سے کام لیتے ہوئے بالکل درست کہا کہ ''فلسطین میں عربوں کیلئے زندگی ایک ڈراؤنا خواب بن گئی ہے۔ حقوق سے محروم فلسطینیوں کو تابعدار بنانے کیلئے امریکہ کروڑوں ڈالر خرچ کر رہا ہے۔'' اسرائیل کی ظلم کی داستان یہیں ختم نہیں ہوتی۔ وہ گزشتہ 65 سال سے اسلامی شعائر اور اسلامی شناخت کو ختم کرنے کے منصوبے پر بھی کام کر رہا ہے۔ اسرائیل نے اس عرصے میں 600 سے زائد تاریخی مقامات کے اسلامی نام بدل کر عبرانی نام رکھ دیئے ہیں۔ مساجد کی بے حرمتی معمول بن گئی ہے۔ مساجد کو شہید کیا جاتا ہے۔ 21 اگست 1969ء کو ایک کارروائی میں مسجد الاقصیٰ کے ایک حصے کو آگ لگا دی گئی جس سے دنیا بھر کے مسلمانوں کو شدید ٹھیس پہنچی اور اب قبلہ اوّل کو شہید کر کے وہاں ہیکل سلیمانی نصب کرنے کا منصوبہ ہے۔ مسلم نوجوان کو اسلامی عبادت گاہوں سے دور رکھنے کی سعی بھی کی جاتی ہے۔ یہودی ریاست کے جنگی طیاروں، ٹینکوں، توپوں اور میزائلوں کے توڑ کیلئے فلسطینیوں کے پاس چند کم رینج والے راکٹ، کلاشنکوف اور ڈھیر سارے پتھر اور غلیل ہیں۔ جو اسرائیلی جارحیت کے سامنے سینہ سپر ہیں۔ جبکہ دشمن الزام لگاتا آ رہا ہے کہ فلسطینیوں کو اسلحہ و گولہ بارود ایران، شام، لبنان وغیرہ فراہم کر رہے ہیں جن کی ان

Marfat.com

ممالک نے ایک سے زائد بار تردید کی ہے۔اب کچھ عرصہ سے مشرقِ وسطیٰ میں فدائی حملہ آور پیدا ہو رہے ہیں۔جن میں خواتین بھی شامل ہیں۔یہ ایک ایسا ہتھیار ہے۔جو بعض اوقات محدود جگہ پر تباہی مچاتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ فلسطینی فدائی حملہ آوروں نے ایک سے زائد بار اسرائیلی شہروں میں جا کر وہاں اپنے اہداف کو نشانہ بنایا۔ہولوکاسٹ کا واویلا کرنے والی قوم کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنی مظلومیت کا غصہ فلسطینیوں کا ہولوکاسٹ کر کے ٹھنڈا کرے۔ سابق امریکیہ صدر جمی کارٹر نے اپنی کتاب ''Palestine: Peace and Apartheid'' میں صورتحال کا بڑا غیر جانبدارانہ تجزیہ کیا ہے کہ ''مشرقِ وسطیٰ وہ نازک خطہ ہے۔جس کا عدم استحکام عالمی امن کیلئے خطرہ بنا رہے گا۔امریکی حکومت کی جانب سے سنجیدہ اقوام کا فقدان مسئلے کے حل کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے''۔

عرب اسرائیل جنگیں

اسرائیلی مظالم کا سلسلہ 15 مئی 1948 سے شروع ہوا جب عرب اسرائیل پہلی جنگ کا آغاز ہوا۔اس جنگ میں 5 عرب ریاستیں ایک جانب تھیں جبکہ اسرائیل دوسری جانب تھا۔تاہم اسے امریکہ اور برطانیہ کی ہمہ وقت مدد حاصل رہی۔ جنگ میں اسرائیلی فوجیوں کی تعداد 115000 تھی جبکہ عربوں کی جانب سے مصر 10 ہزار، عراق 5 ہزار، شام 2 1/2 ہزار، لبنان 1 ہزار اور سعودی عرب 800 فوجیوں کے ساتھ اس جنگ میں شریک ہوا۔مارچ 1949 تک جاری رہنے والی اس جنگ میں دونوں جانب کے ہزاروں فوجی مارے گئے جبکہ اسرائیل نے فلسطین کے 22 فیصد علاقے پر قبضہ کر لیا۔ 1948 کی جنگ کے بعد 1956 میں نہر سویز کے مسئلے پر بھی کشیدگی پیدا ہوئی۔تاہم 1967 میں ہونے والی 6 روزہ جنگ میں غاصب قوم کو جارحیت میں اہم پیش رفت حاصل ہوئی۔یہ جنگ 5 جون تک لڑی گئی۔اس جنگ میں اسرائیل کے 264000 فوجیوں نے حصہ لیا جبکہ لندن اور واشنگٹن کی پشت پناہی اسے بدستور حاصل تھی۔دوسری جانب مصر، شام، اردن، لبنان اور عراق کے فوجیوں نے اسرائیل جارحیت کو روکنے کی کوشش کی مگر وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے اور اسرائیل نے غزہ کا علاقہ مصر کا کچھ علاقہ، مغربی کنارہ، بشمول مشرقی یروشلم، اردن اور گولان کی پہاڑیاں شام سے چھین لیا۔اس جنگ میں عربوں اور اسرائیلیوں کو خاصا جانی اور مالی نقصان اٹھانا پڑا۔تاہم اسرائیل کا پلہ ''بھاری'' رہا اور اس نے عربوں سے ایک بڑا علاقہ چھین لیا۔ 1970 میں بلیک ستمبر وار ہوئی۔اسی طرح 6 اکتوبر 1973 سے 20 روزہ جنگ کا آغاز ہوا۔1982 میں لبنان اسرائیل جنگ چھڑی جو 5 ہفتوں تک جاری رہی جس میں اسرائیلی فوج کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ 27 دسمبر 2008 تا 18 جنوری 2009 اسرائیل کی 23 روزہ جنگی کارروائی میں 1300 سے زائد فلسطینی شہید ہوئے۔5500 سے زائد زخمی، ایک لاکھ بے گھر ہوئے جبکہ حماس نے 80 غاصب فوجی ہلاک، 2 گرفتار اور 47 ٹینک اور گاڑیاں تباہ کرنے کا دعویٰ کیا۔

فلسطینی تنظیمیں اور معاہدات

اسرائیلی جارحیت کو روکنے کیلئے فلسطین میں مختلف تنظیمیں قائم ہوئیں جن میں پی ایل او (الفتح) اور حماس قابلِ ذکر ہیں۔

Marfat.com

جنہوں نے فلسطینیوں کے اندر مزاحمت کی قوت کو بیدار رکھا۔ اس سلسلے میں 18 دسمبر 1987 کو پہلی اور 28 ستمبر 2000 کو دوسری انتفادہ تحریک کا آغاز ہوا جس نے صیہونی فوجیوں کو ناکوں چنے چبوائے۔ عرب رہنماؤں نے مشرق وسطیٰ کو پر امن بنانے کیلئے اسرائیلی قیادت سے وقتاً فوقتاً مختلف مذاکرات اور معاہدے کئے جن میں 1949 میں ہونے والا آرم سٹیک معاہدہ ، 1979 میں کیمپ ڈیوڈ میں ہونے والا مصر اسرائیل امن معاہدہ ، 13 ستمبر 1993 کو اوسلو معاہدہ ، 26 اکتوبر 1994 کا اردن اسرائیل امن معاہدہ ، جولائی 2000 کی کیمپ ڈیوڈ سمٹ اور 27 نومبر 2007 کو واشنگٹن میں ہونے والا معاہدہ قابل ذکر ہیں جس میں 2008 کے آخر تک فلسطین اور اسرائیل کی صورت میں دو ریاستوں کا قیام شامل تھا لیکن ان تمام معاہدات ، مذاکرات ، بات چیت اور امن عمل کا کوئی فائدہ نہیں ہوا کیونکہ اسرائیلی قیادت نے کبھی فلسطینیوں کو انسان تصور نہیں کیا۔ وہ معاہدے کرتا ہے اور توڑ دیتا ہے۔ بات چیت کرتا ہے اور ڈیڈ لاک پیدا کر دیتا ہے۔

فلسطینیوں کی حالتِ زار

اگر ہم اسرائیلی جارحیت کے نتیجے میں بے گھر اور مہاجر بننے پر مجبور ہونے والے فلسطینیوں کو دیکھیں تو ان کی حالت انتہائی قابلِ رحم ہے وہ اپنے ملک ، اپنی سرزمین پر بے گھر اور بے یار و مددگار ہیں۔ صرف 1967 کی جنگ میں اسرائیلی مظالم سے تنگ آ کر 9 لاکھ فلسطینی بے گھر ہوئے۔ اس جنگ کے 20 سال بعد تک مزید 57 ہزار افراد کو اپنی جائیداد سے ہاتھ دھونا پڑا۔ فلسطینیوں کیلئے قائم اقوام متحدہ کی ایجنسی ''یونائیٹڈ نیشن ریلیف اینڈ ورکس ایجنسی'' (UNRWA) کے اعداد و شمار کے مطابق یہودیوں کے مظالم کے باعث 70 لاکھ سے زائد فلسطینی مہاجر بننے پر مجبور ہوئے ہیں جن میں سے 45 لاکھ نے اقوام متحدہ کو امداد کیلئے باقاعدہ درخواست دے رکھی ہے۔ یہ فلسطینی غزہ ، مغربی کنارے ، اردن ، لبنان اور شام کے 59 مہاجر کیمپوں میں آباد ہیں۔ جبکہ فلسطینیوں کی ایک بڑی تعداد نے ایشیاء کے دوسرے ملکوں کے علاوہ یورپ اور امریکہ کا بھی رخ کیا ہوا ہے۔ ایجنسی نے اس امر کا بھی اعتراف کیا کہ دنیا کا ہر تیسرا مہاجر فلسطینی ہے۔ اسرائیل اپنے توسیع پسندانہ عزائم کو لے کر زمانہ امن اور جنگ دونوں میں معصوم فلسطینی شہریوں کو وقتاً فوقتاً قید کرتا ہے جس سے ان کے خاندان کو شدید ذہنی اذیت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ انہیں معلوم نہیں ہوتا کہ ان کے عزیز کو کہاں اور کس حال میں رکھا گیا ہے جبکہ اسرائیل ان کو دہشت گردوں کے کھاتے میں ڈال کر فلسطینی قیادت پر دباؤ ڈالتا رہتا ہے اور اپنے مطالبات منوانے کیلئے کبھی 100, 200 یا پھر 500 کے قریب ان فلسطینی قیدیوں کو رہا کر دیتا ہے جن پر نہ تو کوئی مقدمہ چلایا گیا ہوتا ہے اور نہ سزا دی جاتی ہے۔ انسانی حقوق کی تنظیمیں ان عقوبت خانوں پر سے وقتاً فوقتاً پردہ اٹھاتی رہتی ہیں۔ حالیہ اعداد و شمار کے مطابق اس وقت اسرائیلی عقوبت خانوں میں 12 ہزار سے زائد فلسطینی نوجوان اور بچے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر رہے ہیں۔

امریکی و برطانوی پشت پناہی

2008 میں امریکہ اور اسرائیل کے دس سالہ دفاعی معاہدے کے تحت امریکہ ہر سال اسرائیل کو تین ارب ڈالر مالیت

Marfat.com

کے جدید ہتھیار فراہم کرنے کا پابند رہے گا۔اس کے علاوہ امریکہ، برطانیہ اور ہالینڈ کی معروف اسلحہ ساز کمپنیوں کے اشتراک سے جدید طیارے، راکٹ، میزائل، لیزر اور کیمیائی ہتھیار تیار کئے جا رہے ہیں۔اسرائیل کی جدید صنعتی قوت تین ہزار سے زائد جدید صنعتوں پر مشتمل ہے جس میں جدید اسلحہ سازی کے کارخانوں کا ایک سلسلہ پھیلا ہوا ہے۔اسرائیل سالانہ پانچ ارب ڈالر سے زائد مالیت کا اسلحہ فروخت کرتا ہے۔2007 میں بھارت نے بھی دو ارب ڈالر کا اسلحہ درآمد کیا تھا۔اس حوالے سے دنیا کے تمام امن پسند اور غیر جانبدار حلقے اس امر پر متفق ہیں کہ مشرق وسطیٰ میں اسرائیل کا وجود اور اس کے مہلک ہتھیاروں کے انبار نہ صرف اس خطے بلکہ پوری دنیا کے امن کیلئے خطرہ ہیں اسرائیل نہ صرف مغربی ممالک سے اسلحہ اور امداد بٹورتا ہے۔ بلکہ ان ممالک کے عوامی حلقوں کی ہمدردیاں بھی حاصل کرنے کی سعی کرتا ہے۔دنیا کی ساڑھے چھ ارب افراد پر مشتمل آبادی میں تمام یہودیوں کی تعداد ڈیڑھ کروڑ سے بھی کم ہے۔1917 میں بالفور اعلامیہ کے وقت دنیا میں یہودیوں کی کل تعداد 38 لاکھ کے قریب تھی اور اس وقت یورپ کے بعد ارجنٹائن میں یہودی زیادہ آباد تھے۔اس لئے آسٹریلیا کے یہودی دانشوروں نے بالفور اعلامیہ سے پچیس برس قبل یہودی ریاست کے قیام کا تصور پیش کرتے ہوئے ارجنٹائن کا انتخاب کیا تھا۔ بعدازاں ایک یہودی سکالر نے مشرقی افریقہ کے ملک کینیا میں یہودی ریاست کے قیام کا نقشہ پیش کیا مگر اسی اثنا میں برطانیہ کی طرف سے فلسطین میں یہودی ریاست کے قیام کے اعلان نے یورپی اقوام کو چونکا دیا تھا۔

برطانیہ نے 1918 سے 1948 تک فلسطینی عوام پر انتہائی مظالم ڈھائے۔ مقامی آبادیوں کے بنیادی اور انسانی حقوق سلب کر کے انہیں اپنے گھروں اور زمینوں سے بے دخل کیا۔یورپی ممالک میں آباد یہودیوں کو لا کر فلسطین میں بسانے کا سلسلہ دراز کیا۔1948 میں برطانیہ نے یہ خطہ اسرائیل کے حوالے کر دیا اور یہودیوں نے اپنی باقاعدہ حکومت کا اعلان کیا۔ سب سے پہلے امریکہ اور اس کے بعد روس نے اس کو تسلیم کرنے کا اعلان کیا۔یہودی ریاست کے قیام کے اعلان کے ساتھ ہی پورے خطے میں خونریز ہنگامے پھوٹ پڑے مگر امریکہ اور برطانیہ نے نوزائیدہ یہودی ریاست کی حفاظت کے بہانے بدترین طاقت کا استعمال کر کے ہزاروں فلسطینی اور عرب باشندوں کو شہید اور زخمی کر دیا۔بارہ لاکھ سے زائد فلسطینی باشندے اپنا گھر بار چھوڑ کر ہجرت پر مجبور ہوئے۔تب سے آج تک اسرائیلی حکومت اپنے مغربی حلیف حلقوں کی حوصلہ افزائی، مالی امداد اور جدید اسلحہ کی فراہمی کے سبب پورے خطے میں کھلی جارحیت کی مرتکب ہوتی چلی آ رہی ہے۔اسرائیل کی اس کھلی جارحیت، ڈھٹائی اور جنونیت کے دو اسباب ہیں، ایک مشرق وسطیٰ میں امریکہ، برطانیہ اور دیگر یورپی قوتوں کے مفادات کی نگرانی کرنا اور دوسرا عربوں کے خلاف یہودی باشندوں میں نفرت اور خوف کو ہوا دے کر اپنی قومی یکجہتی قائم رکھنا اور اپنے عوام کو اپنے ہر اقدام کی تائید پر مجبور کرنا۔مگر 2006 کے بعد سے اب تک کے مختلف جائزوں اور تجزیوں سے یہ بات آئی ہے کہ اسرائیل کی نصف سے زائد آبادی جنگ سے عاجز آ چکی ہے اور وہ اپنے مستقبل کے بارے میں مایوسی اور غیر یقینی کیفیات کا شکار ہوتی جا رہی ہے۔ خاص طور پر 20 سے 40 سال کی عمر کے افراد کی بڑی تعداد عدم تحفظ کے احساس اور اعصابی دباؤ کا شکار ہو چکی ہے۔اسرائیلی نوجوان لازمی فوجی تربیت سے فرار حاصل کرنے کیلئے سوچنے کرنے لگے ہیں۔گزشتہ تین برسوں میں اسرائیل میں سرمایہ کاری کا

Marfat.com

گراف نیچے آیا ہے۔ اسرائیلی خفیہ اداروں کے بعض جائزوں میں یہ انکشاف کیا گیا ہے کہ یورپی سائنس دان ٹیکنو کریٹس اور ماہرین ان اسرائیل ہجرت کرنے یا یہاں طویل عرصے قیام کرنے میں محتاط رویوں کا اظہار کر رہے ہیں اور وہ اب خود کو یہاں غیر محفوظ تصور کرنے لگے ہیں۔

عراق پر امریکی جارحیت۔۔۔۔ تازہ ترین صورتحال تک

عراق پر امریکی حملے کا پس منظر

1991 کی خلیج (عراق کویت) جنگ کے بعد اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے قرارداد نمبر 687 میں عراق سے مطالبہ کیا کہ وہ کیمیائی، جراثیمی، ایٹمی اور دور مار میزائیل تلف کر دے۔ اس مقصد کیلئے سلامتی کونسل نے اقوام متحدہ کا سپیشل کمیشن تشکیل دیا۔ اقوام متحدہ کی طرف سے متعین کردہ عالمی معائنہ کاروں نے رچرڈ ٹیلر کی زیر قیادت عراق میں وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والے کیمیائی و جراثیمی ہتھیاروں کی تلاش شروع کی۔ عالمی معائنہ کاروں کی رپورٹ کی روشنی میں اقوام متحدہ نے 8 ستمبر 2002 کو امریکہ کو عراق پر حملے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ اس کے باوجود امریکہ کا اصرار تھا کہ عراق کے پاس وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیار موجود ہیں۔ جن سے امریکی سلامتی کونسل کو خطرات لاحق ہیں۔ انہی ہتھیاروں کی موجودگی کو جواز بنا کر امریکی صدر جارج ڈبلیو بش نے متعدد اتحادی ممالک کے ساتھ مل کر 20 مارچ 2003 کو عراق پر بمباری شروع کر دی۔ اس آپریشن کو جسے امریکہ نے "Shock and Awe" کا نام دیا، میں عراق کے تمام بڑے شہروں اور نمایاں مقامات کو نشانہ بنایا جن میں بغداد، ام قصر، بصرہ، تکریت، موصل، فلوجہ، صدر سٹی، حدیثیہ وغیرہ شامل تھے۔

امریکی حملے کے مقاصد

امریکی صدر بش نے عراق پر حملے کے تین مقاصد بیان کیے۔

۱۔ وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کا خاتمہ

۲۔ صدر صدام حسین کی حکومت کا خاتمہ

۳۔ عراق میں حقیقی اور عوام کی نمائندہ جمہوریت کا نفاذ۔

یکم مئی 2003 کو امریکی صدر بش نے عراق جنگ ختم کرنے کا اعلان کیا لیکن 2 اکتوبر 2003 کو اعتراف کیا کہ عراق میں وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیار نہیں ہیں۔ حالانکہ اس سے قبل عالم جوہری توانائی ایجنسی (IAEA) کے ماہرین نے عراقی جوہری تنصیبات کا متعدد بار دورہ کر کے واضح کیا تھا کہ عراق کے پاس ایسے ہتھیار موجود نہیں۔ اس کے باوجود امریکی بش انتظامیہ نے ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے من مانی کی اور 9 اپریل 2003 کو صدام حکومت کا خاتمہ کر کے عراق کا کنٹرول سنبھال لیا۔ جنگ ختم ہو گئی، عراق پر اس کا قبضہ ہو گیا لیکن آج تک اسے وسیع پیمانے پر پھیلانے والے ہتھیار ملے نہ اتحادی فورسز کے خلاف عراقیوں کی مزاحمت ختم ہو سکی۔

Marfat.com

امریکی جارحیت کے نو سال پر ایک نظر

20 مارچ 2003.........امریکی فوج نے اتحادیوں کے ساتھ مل کر علی الصبح عراق پر فضائی حملے شروع کر دیئے۔

9 اپریل 2003.........امریکی فوج نے بغداد کے وسط میں صدام حسین کا بڑا مجسمہ گرا کر صدام حکومت کے خاتمے کا اعلان کر دیا۔

یکم مئی 2003.........امریکی صدر جارج ڈبلیو بش نے عراق میں جنگ کے خاتمے کا اعلان کیا۔

22 جولائی 2003.........صدام کے دونوں بیٹے اودے حسین اور قصے حسین امریکی فوج کے ساتھ لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔

3 ستمبر 2003.........صدام حکومت کے بعد پہلی عراقی کابینہ نے حلف اٹھا لیا۔

12 اکتوبر 2003.........امریکہ نے عراق سے وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیار نہ ملنے کا اعتراف کیا۔

13 دسمبر 2003.........امریکی فوجیوں نے مخبری پر صدر صدام حسین کو ان کے آبائی علاقہ تکریت میں زیر زمین ٹھکانے سے گرفتار کر کے ان کے قبضہ سے ساڑھے 7 لاکھ امریکی ڈالر برآمد کر لئے۔

28 اپریل 2004.........ابوغریب جیل (بغداد) میں عراقی قیدیوں سے بدسلوکی کی تصاویر کی عالمی میڈیا پر اشاعت سے امریکہ کے خلاف شدید ردعمل سامنے آیا۔

3 جون 2004.........صدام حسین اور بعث پارٹی کے 11 سرکردہ رہنماؤں کو جنگی جرائم اور نسل کشی کے اقدامات میں مقدمہ چلانے کے لئے عبوری عراقی حکومت کے حوالے کر دیا گیا۔

30 جنوری 2005.........عراق میں 50 سال بعد پہلی بار کثیر جماعتی عام انتخابات کا انعقاد ہوا لیکن سنی عربوں نے ان انتخابات کا بائیکاٹ کیا۔

6 اپریل 2005.........عراق کی تاریخ میں پہلی بار ایک کرد جلال طالبانی کو صدر کے عہدے کیلئے منتخب کیا۔

15 دسمبر 2005.........نئے پارلیمانی انتخابات میں یونائیٹڈ عراقی الائنس نے اکثریت حاصل کر لی۔ ابراہیم جعفری [illegible] صدام کے مخالفین میں ہوتا تھا۔ وزیراعظم بنے۔ وہ 1970 اور 1980 کے عشرے میں صدام حکومت کے خلاف بغاوت کے نتیجے میں 30 سال جلاوطن رہے تھے۔

22 فروری 2006.........سامرا میں بم دھماکوں سے حضرت امام علی نقی اور حضرت امام حسن عسکری کے [illegible] جاں بحق ہوئے۔

7 جون 2006.........عراق میں القاعدہ رہنما ابومصعب الزرقاوی ایک امریکی فضائی حملے میں شہید ہوئے۔

22 نومبر 2006.........عراق اور شام کے 25 سال بعد سفارتی تعلقات بحال ہوئے۔

30 دسمبر 2006.........بروز ہفتہ صبح 6:05 بجے عراقی وقت کے مطابق سابق صدر صدام حسین کو بغداد [illegible]

Marfat.com

گئی۔آخری وقت صدام نے نقاب پہننے سے انکار کرتے ہوئے اللہ اکبر کے نعرے لگائے اور نہایت اطمینان سے پھندہ قبول کیا۔وہ 28 اپریل 1937 کو تکریت میں پیدا ہوئے۔یتیم تھے اور کسان گھرانے سے تعلق تھا۔1979 میں احمد حسن بکر کی جگہ صدر بنے۔ان کے 2 بیٹے اور 3 بیٹیاں تھیں۔

31 دسمبر 2006......صدام کو تکریت کے قریب آبائی گاؤں میں عوجہ میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

10 جنوری 2007......بش نے 30 ہزار مزید امریکی فوجی عراق بھجوانے کا اعلان کیا۔

دسمبر 2008......عراقی پارلیمنٹ نے عراق میں امریکی فوجیوں کی موجودگی کے بارے معاہدے کی منظوری دی جس کے مطابق 31 دسمبر 2011 تک امریکی فوج عراق میں رہے گی۔لیکن 30 جون 2009 تک وہ عراق کے تمام شہروں سے نکل کر چھاؤنیوں تک محدود کر دی جائے گی۔

14 دسمبر 2008.....عراق کے الوداعی دورے کے دوران بغداد میں عراقی وزیراعظم نوری المالکی کے ساتھ مشترکہ پریس کانفرنس میں امریکی صدر بش کو عراقی صحافی منتظر الزیدی نے دو جوتے مارے جو بش کے پیچھے لگے امریکی پرچم کو جا لگے۔دنیا بھر کے میڈیا میں واقعہ کو نمایاں کوریج ملی۔منتظر اسلامی دنیا کا ہیرو بن گیا۔امریکی ذرائع ابلاغ نے واقعہ کو بش پالیسیوں کا نتیجہ قرار دیا۔

یکم جنوری 2009......امریکہ نے بغداد کے گرین زون اور دیگر حساس تنصیبات کا کنٹرول عراقی انتظامیہ کے حوالے کر دیا۔

27 فروری 2009.....امریکہ نے عراق میں 31 اگست 2010 تک تمام امریکی جنگی آپریشنز ختم کرنے اور 2011 کے آخر تک تمام فوجیوں کے انخلا کا اعلان کر دیا۔

30 اپریل 2009.....برطانوی فوج نے بصرہ میں جنگی آپریشن ختم کر دیا۔برطانیہ کے 179 فوجی ہلاک ہوئے۔

30 جون 2009.....عراقیوں نے امریکی فوج کے ملک کے تمام شہروں اور آبادیوں سے نکل کر فوجی اڈوں اور چھاؤنیوں تک محدود ہونے پر جشن مناتے ہوئے 30 جون کو قومی خود مختاری کا دن منایا۔

یکم ستمبر 2010....امریکہ نے عراق میں جنگی مشن ختم کرنے کا باضابطہ اعلان کیا۔البتہ عراقی فورسز کو تربیت اور ہدایات دینے کیلئے 30 ہزار امریکی فوجی موجود رہیں گے۔عراقی فورسز نے تمام صوبوں کا کنٹرول سنبھال لیا۔

15 دسمبر 2011.....امریکی صدر بارک اوباما نے عراق جنگ کے خاتمے کا اعلان کیا۔بغداد سے رسمی طور پر امریکی پرچم باضابطہ طور پر اتار لیا گیا۔ 9 سالہ جنگ پر امریکہ کے 22 کھرب امریکی ڈالر خرچ ہوئے۔اس جنگ میں 4,488 امریکی فوجی ہلاک، تقریباً 32 ہزار زخمی ہوئے۔عراقیوں نے اس موقع پر سڑکوں پر آ کر اپنے ملک سے امریکی فوجیوں کے انخلا کا جشن منایا، امریکہ اور اسرائیل کے پرچم نذر آتش کئے گئے۔اس جنگ میں ایک اندازے کے مطابق ایک لاکھ 90 ہزار عراقی باشندے جاں بحق ہوئے۔فوج کی واپسی کے بعد بھی بغداد میں امریکی سفارت خانے میں بڑا عملہ رہے گا۔اس کے علاوہ شمالی کرد علاقے، اربل اور بصرہ میں قونصلیٹ رہیں گے۔ہزاروں پرائیویٹ ٹھیکیدار بھی گارڈ اور عراقی فوج کے ٹرینر

Marfat.com

کے طور پر کام کرتے رہیں گے۔امریکی فوجی ساز وسامان جیسے ٹینک اور ایف 16 جنگی جہاز استعمال کرتے رہیں گے۔

قومی تعلیمی پالیسی (2009)

9 ستمبر 2009 کو 4 سالہ طویل اور جامع مشاورتی عمل کے بعد نئی قومی تعلیمی پالیسی 2009 کا اعلان کیا گیا۔ جس کے مطابق 2015 تک مجموعی قومی پیداوار کا 7 فیصد تعلیمی بجٹ مختص کرنے کے علاوہ شرح خواندگی 86 فیصد تک کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ تعلیمی پالیسی پر عملدرآمد کی نگرانی کیلئے وفاق کی سطح پر بین الصوبائی وزراء تعلیم فورم کو ادارہ جاتی شکل دی گئی ہے۔ جو ریگولیٹری باڈی ہوگی، ایلیمنٹری کی سطح تک اساتذہ کی تقرری کیلئے بی ایڈ اور بیچلر ڈگری لازمی قرار دے دی گئی ہے۔ تمام پرائمری اسکولوں کو مڈل کا درجہ دینے کے علاوہ پہلی جماعت سے انگریزی لازمی قرار دے دی گئی ہے۔ ضلع کی سطح پر تعلیمی بورڈ قائم کئے جائیں گے۔ جن کیلئے عملہ کی بھرتی صوبے کریں گے۔

تعلیمی پالیسی کے بنیادی نکات

۱۔ پرائمری تعلیم کے لیے سرکاری سطح پر عمر 6 سے 10 سال ہوگی، تمام پرائمری اسکولوں کو مڈل کی سطح پر اپ گریڈ کیا جائے گا۔

۲۔ نئی تعلیمی پالیسی کے مطابق گیارہویں اور بارھویں جماعت کالج تعلیم کا حصہ نہیں ہوگی اور اسے اسکول ایجوکیشن میں ضم کر دیا جائے گا۔

۳۔ اسکولوں اور اعلیٰ تعلیم کی سطح پر ڈراپ آؤٹ شرح کم کرنے کے لیے ہر ممکنہ اقدامات کئے جائیں گے۔

۴۔ حکومت چاروں صوبوں میں اپنا گھر رہائشی سکولوں کا قیام عمل میں لائے گی۔

۵۔ ابتدائی طور پر چاروں صوبوں میں طلباء اور طالبات کے لئے الگ الگ ماڈل اسکول قائم کئے جائیں گے جہاں غریب طالب علموں کو معیاری تعلیمی سہولیات مفت فراہم کی جائیں گی۔

۶۔ اعلیٰ تعلیم کی سطح پر موجودہ انرولمنٹ 4.7 فیصد سے بڑھا کر 2015ء تک 10 فیصد اور 2020ء تک 15 فیصد تک کی جائیگی

۷۔ کلاس اول میں داخلہ پر بچے کا خصوصی شناختی کارڈ بنایا جائے گا جو اس کے تعلیمی کیریئر تک ساتھ چلے گا۔

۸۔ تعلیمی پالیسی کے تحت تعلیمی اداروں میں مینجمنٹ اور تدریس کے لئے الگ الگ سٹاف متعین ہوگا۔

۹۔ دوہرے اور طبقاتی نظام کے خاتمے کے لئے مرحلہ وار اقدامات اٹھائے جائیں گے۔ جس کے تحت 2010ء تک سرکاری تعلیمی اداروں کا معیار اے لیول اور او لیول کی سطح پر لایا جائے گا۔ طبقاتی نظام کو مرحلہ وار ختم کیا جائے گا۔ اعلیٰ تعلیمی پالیسی کے تحت دینی مدارس کو بھی قومی دھارے میں لایا جائے گا۔ یہاں کے طالب علموں کو اعلیٰ تعلیم اور تحقیق کی سہولیات فراہم کی جائیں گی جبکہ انہیں روزگار اور دینی مدارس سے حاصل ہونیوالی ڈگریوں کو یونیورسٹیوں کی ڈگریوں کے برابر درجہ دیا جائیگا۔

۱۰۔ ہر سال تعلیمی بجٹ میں ایک فیصد اضافہ کیا جائے گا جسکے بعد 2015ء تک تعلیمی بجٹ مجموعی قومی پیداوار کا سات فیصد ہوگا۔

Marfat.com

۱۱۔ اساتذہ کی تربیت پر خصوصی توجہ دینے کے ساتھ ساتھ آئندہ پرائمری اور مڈل کی سطح پر اساتذہ کی تقرریاں بی اے، بی ایڈ اور ایم اے، ایم ایس سی، ایم ایڈ کے حامل امیدواروں سے کی جائیں گی جبکہ پی ٹی سی اور سی ٹی اساتذہ کو مرحلہ وار تعلیمی قابلیت میں اضافے کی طرف راغب کیا جائے گا۔

۱۲۔ تعلیمی اداروں کے نصاب کو دورِ جدید کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے لیے پاکستان انجینئرنگ کونسل اور پاکستان میڈیکل اینڈ ڈینٹل کونسل کی طرز پر پیشہ ورانہ اداروں سے رہنمائی لی جائے گی۔

۱۳۔ وفاقی اور صوبائی سطح پر سکولوں کی لائبریریوں میں کتب کی فراہمی کو یقینی بنانے کے لیے فنڈز میں اضافہ کیا جائے گا۔

۱۴۔ امتحانی نظام کو بہتر بنایا جائے گا۔

۱۵۔ 2012ء تک سکولوں میں کھیلوں کے میدان بنائے جائیں گے۔

۱۶۔ ہونہار طالب علموں کے لیے تعلیم کے مواقع فراہم کرنے کے لیے نیشنل میرٹ پروگرام متعارف کرایا جائے گا۔

۱۷۔ نئی تعلیمی پالیسی میں فنی تعلیم کو بنیادی اہمیت دی جائے گی اور معیاری تکنیکی وفنی تعلیم کی فراہمی کو یقینی بنایا جائے گا۔فنی و وکیشنل تعلیم کے نصاب پر نظرِ ثانی کی جائے گی۔

۱۸۔ اعلیٰ تعلیم بجٹ میں 20 فیصد کیا جائے گا۔

۱۹۔ نئی تعلیمی پالیسی میں صوبہ سندھ سمیت ملک کے پسماندہ علاقوں میں تعلیمی اداروں سے ڈراپ آؤٹ کی شرح کم کرنے کے لئے خصوصی اقدامات کئے جائیں گے۔

۲۰۔ اساتذہ کی تربیت کے لئے سپیشل کیڈر تشکیل دیا جائے گا۔

پاکستان میں امریکی جاسوس طیاروں کے حملے

جاسوس (ڈرون) طیارہ

دنیا کے ترقی یافتہ ممالک جاسوسی کے لیے مختلف طیارے استعمال کرتے ہیں۔ان جاسوس طیاروں میں امریکہ کا ''کیو نائن ریپر'' نمایاں ہے اس طیارے کا وزن 2,223 کلوگرام اور پروں کی چوڑائی 66 فٹ ہے۔اس میں 900 ہارس پاور کا انجن نصب ہوتا ہے۔یہ طیارہ 602 گیلن ایندھن اور 1701 کلوگرام وزنی میزائل لے کر 50 ہزار کی بلندی پر اڑ سکتا ہے ۔میزائل فائر کرنے کے لیے اس طیارے کا 25 ہزار فٹ کی بلندی پر پرواز کرنا ضروری ہے۔یہ طیارہ لیزر گائیڈڈ میزائلوں سے لیس ہوتا ہے یہ لیزر ٹیکنالوجی کی مدد سے تصاویر لے کر اپنے اہداف تلاش کرتا اور لیزر نیویکیشن کے ذریعے ہر موسم میں اپنے اہداف کو نشانہ بنا سکتا ہے۔

امریکی جاسوس طیارہ بغیر پائلٹ کے پرواز کرتا ہے۔اس کی پرواز کو مقررہ راستے پر رکھنے اور بوقت ضرورت کسی ہدف پر میزائل داغنے کے لیے کم از کم 2 افراد کا کسی محفوظ مقام پر واقع مرکز میں ڈیوٹی انجام دینا ضروری ہوتا ہے۔ایک آدمی طیارے کو

Marfat.com

زمین سے کنٹرول کرتا ہے اور دوسرا انفرا ریڈ سہولت سے مزین کیمرے کی مدد سے میزائل فائر کرتا ہے عموماً 4 بغیر پائلٹ (ڈرون) طیاروں کو ایک گروپ کی صورت میں اڑایا جاتا ہے۔

پاکستان پر حملے

2001ء کے 9/11 کے بعد امریکہ نے شمالی اتحاد کی مدد سے افغانستان پر حملہ کر کے طالبان حکومت ختم کر دی اور بعد ازاں نیٹو کے فوجی دستوں کے ساتھ مل کر افغانستان کو میدان جنگ کے جہنم میں دھکیل دیا۔ اس وقت بھی امریکہ اور 40 دیگر ممالک کی لگ بھگ 2 لاکھ ہتھیار بند افواج افغانستان میں موجود ہے جو وہاں کاروائیاں کرنے کے لیے ڈرون طیاروں کی ٹیکنالوجی بھی بروئے کار لا رہی ہیں گزشتہ 5 برس سے امریکہ نے پاکستان کے قبائلی علاقوں پر بھی ڈرون حملوں سے وحشت و بربریت کا بازار گرم کر رکھا ہے۔

امریکی انتظامیہ نے 2005ء میں پاکستان کے قبائلی علاقوں پر براہ راست فضائی حملوں کا آغاز کیا۔ اس مقصد کے لیے جاسوس طیارے اور ہیلی کاپٹر استعمال کیے جا رہے ہیں۔ پاکستانی علاقوں پر سب سے پہلا حملہ 13 مئی 2005ء کو کیا گیا۔ اس کے بعد سے اب تک بیشمار حملے کیے جا چکے ہیں۔ پہلا حملہ 13 مئی 2005ء کو کیا گیا جس میں القاعدہ کے رہنما ہاشم جاں بحق ہوئے۔ دوسرا حملہ 3 دسمبر 2005ء کو قبائلی علاقے میں ہی کیا گیا۔ 2006ء میں، 2007ء میں، 2008ء میں 34 اور 2009ء میں 44 ڈرون حملے کیے گئے۔ اعداد و شمار کے مطابق 2006ء میں امریکی ڈرون حملوں میں 98، 2007ء میں 67، 2008ء میں 385 جبکہ 2009ء میں 708 افراد جاں بحق ہوئے۔ 2010ء میں 113 ڈرون حملوں میں 935 افراد جاں بحق ہوئے۔ 2005ء سے 2009ء تک پاکستان کے مختلف علاقوں میں امریکہ نے مجموعی طور پر 85 ڈرون حملے کیے جن میں تقریباً 1260 افراد جاں بحق ہوئے۔ یوں اوسطاً ہر سال 314 افراد مارے گئے اور ہر ڈرون حملے میں 15 ہلاکتیں ہوئیں۔ پاکستانی حکام کے مطابق ان حملوں میں ہلاک ہونے والے 98 فیصد افراد معصوم تھے جن میں اچھی خاصی تعداد عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کی تھی۔ 2005ء سے 2009ء تک ان 85 حملوں میں صرف 15 مطلوبہ ''دہشت گرد'' مارے گئے باقی تمام افراد بے گناہ تھے۔

2010ء میں امریکہ نے پاکستانی قبائلی علاقوں میں ڈرون حملوں کی بھرمار کرتے ہوئے 97 حملے کیے جن میں ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان کے مطابق 900 سے زائد افراد جاں بحق ہوئے۔ اسی طرح 2011ء میں امریکہ نے 52 حملوں میں 520 سے زائد افراد کو لقمہ اجل بنایا۔ 2012ء میں 46 حملوں میں 344 جبکہ 2013ء میں 24 حملوں میں 158 افراد جاں بحق ہوئے۔

مبینہ طور پر زیادہ تر حملے پاکستانی اور افغان قبائلیوں کی جانب سے ملنے والی انسانی انٹیلی جنس کی بنیادوں پر کیے گئے مذکورہ قبائلی افغانستان میں امریکی قیادت میں موجود اتحادی افواج کے لیے جاسوسی کرتے ہیں۔

Marfat.com

این آر او۔۔۔۔۔۔قومی مصالحتی آرڈیننس

صدر پرویز مشرف نے 5 اکتوبر 2007ء کو ''قومی مصالحتی آرڈیننس 2007ء'' جاری کیا' جو فوری طور پر نافذ العمل ہوا۔ آرڈیننس کے مندرجات کے مطابق سیاستدانوں کے خلاف بیرون ملک مقدمات سے دستبردار ہونے کا فیصلہ کیا گیا جس میں سربراہ پاکستان پیپلز پارٹی بینظیر بھٹو کی رضامندی شامل تھی۔ آرڈیننس کے مطابق نیب اور دیگر ادارے کسی سیاستدان کے خلاف کارروائی نہیں کر سکیں گے۔ محترمہ بینظیر بھٹو کے خلاف سوئٹزرلینڈ اور سپین میں مقدمات واپس لیے گئے۔ تیسری بار وزیر اعظم بننے کی شرط قومی مفاہمتی آرڈیننس میں شامل نہیں تھی۔ پانچ صفحات پر مشتمل اس آرڈیننس کا مقصد قومی مفاہمت کو فروغ دینا' سیاسی مخالفین کو نشانہ بنانے کی روایات ختم کرنا اور انتخابی عمل کو زیادہ شفاف بنانا تھا۔ آرڈیننس کے تحت وفاقی اور صوبائی حکومتیں یکم جنوری 1986ء سے لے کر 12 اکتوبر 1999ء کی مدت کے دوران قائم کیے گئے تمام مقدمات واپس لینے کی مجاز تھیں۔ جو سیاسی مخالفین کو نشانہ بنانے کے لیے قائم کیے گئے اور یہ مقدمات عدالتوں میں زیر سماعت تھے۔

آرڈیننس کے تحت کسی ملزم کے خلاف دوران غیر حاضری کسی عدالت کی طرف سے سنایا گیا کوئی بھی غیر موثر ہو گا اور اس پر عملدرآمد نہیں کیا جا سکے گا۔ آرڈیننس کی منظوری 120 دن کے اندر پارلیمنٹ سے لینا لازمی قرار پائی۔ دس سال تک جن مقدمات کا ٹرائل نہیں ہوا وہ ختم ہوئے۔ آصف علی زرداری اور بینظیر بھٹو کے خلاف کل گیارہ کرپشن کیسز تھے۔ نیب آرڈیننس کے تحت سیاستدانوں کے خلاف مقدمات سیاسی بنیادوں پر بنے تھے۔

16 دسمبر 2009ء کو سپریم کورٹ کے 17 رکنی فل کورٹ بنچ نے این آر او کو کالعدم قرار دیتے ہوئے اس کے ذریعے ختم کیے گئے تمام مقدمات 5 اکتوبر 2007ء کی پوزیشن پر بحال کر دیے۔ بیرون ملک ختم کیے گئے مقدمات کی بحالی اور منتقل کی گئی رقم کے حصول کے لیے حکومت کو اقدامات اٹھانے کا حکم دیا گیا۔ عدالت نے سوئٹزرلینڈ میں جاری مقدمات ختم کرانے کے لیے بغیر اختیار کے خط لکھنے پر سابق اٹارنی جنرل ملک قیوم کے خلاف کارروائی کرنے اور عدالت کی درست معاونت نہ کرنے پر چیئرمین نیب، پراسیکیوٹر اور ڈپٹی پراسیکیوٹر جنرل نیب کو تبدیل کرنے کا حکم دیا۔ چیف جسٹس کی سربراہی میں 17 رکنی بنچ نے این آر او کے خلاف دائر مقدمات کی سماعت مکمل ہونے کے بعد اپنا مختصر فیصلہ سنایا گیا جو متفقہ تھا اور کسی جج نے اختلافی نوٹ نہیں لکھا۔

عدالت نے اپنے فیصلے میں قرار دیا کہ این آر او کا اجرا قومی مفاد کے منافی تھا۔ عدالت نے قرار دیا کہ این آر او کا اجرا قومی مفاہمت نہیں تھا، این آر او ابتداء سے ہی غیر آئینی قرار دیا جاتا ہے، اس کے تحت اٹھائے گئے تمام اقدامات اور دیے گئے احکامات بشمول مقدمات سے بریت ختم کیے جاتے ہیں اور یہ اقدامات ایسے تصور ہوں گے جیسے وہ کبھی تھے ہی نہیں۔ این آر او کے سیکشن 2 اور 7 کے تحت جو فائدہ اٹھایا گیا تھا، وہ 5 اکتوبر 2007ء سے پہلے کی سطح پر بحال ہوں گے اور ان کی قانونی کارروائی وہیں سے شروع ہو گی جہاں این آر او کے تحت ختم کی گئی تھی۔

Marfat.com

عدالت نے وفاقی وصوبائی حکومتوں، احتساب بیورو اور استغاثہ کے حکام کو حکم دیا کہ وہ بحال کیے گئے مقدمات کی عدالتی کاروائی میں معاونت کریں۔ عدالت نے این آر او کے تحت مقدمات کی تفتیش بھی بحال کردی۔ عدالت نے احتساب آرڈیننس کا سیکشن 31A جو این آر او کے تحت فعال کردیا گیا تھا، دوبارہ فعال کردیا جبکہ این آر او کے سیکشن 6 کے تحت حاصل کردہ فوائد ختم کر دیے۔ عدالت نے کہا کہ این آر او کا گہرائی سے مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ قومی مفاہمت نہیں تھی جس طرح 1973ء میں آئین ساز اسمبلی نے اختیار کی تھی۔ عدالت نے سوئٹزر لینڈ سمیت بیرون ملک زیر سماعت مقدمات سے الگ ہونے اور قانونی معاونت سے دستبردار ہونے کے سابق اٹارنی جنرل ملک قیوم کو ایسا خط تحریر کرنے کا اختیار نہیں تھا کیونکہ عدالت کے سامنے پیش کردہ ریکارڈ سے بھی یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ کسی مجاز اتھارٹی نے مقدمات واپس لینے کا کوئی حکم نہیں دیا تھا لہٰذا ملک قیوم کے خلاف وفاقی حکومت سمیت متعلقہ حکام قانون کے مطابق کاروائی عمل میں لائیں۔ عدالت نے سوئٹزر لینڈ سمیت بیرون ملک مقدمات میں ختم کی گئی کاروائی کے حوالے سے معاہدہ کی بحالی اور ان مقدمات میں منی لانڈرنگ سے متعلقہ رقم کے حصول کے دعویٰ کی بحالی کا حکم دیا۔ وفاقی حکومت کو اس سلسلے میں اقدامات اٹھانے کی ہدایت کی اور قرار دیا کہ قانونی معاونت کے معاہدہ اور رقم کے حصول کے دعوے سے دستبرداری کو موجود ہی نہ سمجھا جائے۔ عدالت نے چیئرمین نیب نوید احسن، پراسیکیوٹر جنرل نیب ڈاکٹر دانشور ملک اور ڈپٹی پراسیکیوٹر جنرل عبدالبصیر قریشی کے خلاف ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور کہا کہ ان افراد نے سماعت کے دوران عدالت کی ایماندارانہ معاونت نہیں کی جسکے بعد وہ ان عہدوں پر برقرار رہنے کے اہل نہیں ہیں، اس لیے ان کی جگہ قابل اور نیب آرڈیننس کے سیکشن 3 کے تحت اچھی ساکھ رکھنے والے افسران کا تقرر عمل میں لایا جائے۔ تاہم جب تک نئی تقرریاں عمل میں نہیں لائی جاتیں یہ عہدیدار اپنے عہدوں پر برقرار رہ سکتے ہیں مگر وہ ہفتہ وار بنیادوں پر رپورٹ سپریم کورٹ کے مانیٹرنگ سیل کو بھیجنے کے پابند ہوں گے عدالت نے قرار دیا کہ جو مقدمات بحال ہوئے ہیں ان کے خلاف عدالتی کاروائی عمل میں لانے کے لیے عدالتی مانیٹرنگ سیل قائم کیے جائیں گے۔ نیب کے تحت بحال ہونے والے 248 مقدمات کی عدالتی کاروائی عمل میں لانے کے لیے عدالتی مانیٹرنگ سیل قائم کیے جائیں گے۔ نیب کے تحت بحال ہونے والے 248 مقدمات کی عدالتی کاروائی کو مانیٹر کرنے کے لیے سپریم کورٹ کے چیف جسٹس یا ان کا نامزد کردہ جج مقرر کیا جائے گا اسی طرح تمام صوبوں میں صوبائی احتساب عدالتوں کی تعداد بڑھانے کے لیے اقدامات اٹھائے جائیں۔ فیصلے میں کہا گیا کہ سپریم کورٹ نے اپنے 31 جولائی 2009ء کے فیصلے میں این آر او سمیت دیگر آرڈیننس منظوری کے لیے پارلیمنٹ کو بھیجے تھے مگر پارلیمنٹ نے این آر او منظور نہیں کیا جس کے بعد این آر او کے خلاف درخواستیں سپریم کورٹ میں آئیں۔ دوران سماعت یہ بات معلوم ہوئی کہ این آر او کے تحت قتل، کرپشن، زیادتی، اور دیگر فوجداری مقدمات میں ملوث افراد کے مقدمات ختم کیے گئے تھے این آر او سے ایک مخصوص گروہ کے افراد نے فائدہ حاصل کیا۔ اس حوالے سے صوبوں اور نیب نے فہرستیں عدالت میں پیش کیں۔ تین صوبوں پنجاب، سرحد اور بلوچستان کی حکومتوں نے بتایا کہ ان کے صوبوں میں کسی بھی شخص نے این آر او سے فائدہ حاصل نہیں کیا۔

Marfat.com

سپریم کورٹ نے 19 جنوری 2010ء کو این آر او کا تفصیلی فیصلہ جاری کرتے ہوئے صدر مملکت آصف علی زرداری کو حاصل استثنیٰ سے محروم کر دیا۔ سپریم کورٹ نے قرار دیا کہ متعلقہ عدالتیں این آر او کے تحت ختم مقدمات کے ملزمان کو طلب اور مقدمات اسی مرحلے سے شروع کریں جہاں انہیں ختم کیا گیا تھا۔

این آر او مقدمہ کی سماعت کے لیے چیف جسٹس آف پاکستان کی سربراہی میں 17 رکنی بنچ میں جسٹس جاوید اقبال، جسٹس سردار رضا خان، جسٹس خلیل الرحمٰن رمدے، جسٹس میاں شاکر اللہ جان، جسٹس تصدق حسین جیلانی، جسٹس ناصر الملک، جسٹس راجہ فیاض، جسٹس چودھری اعجاز احمد، طارق پرویز اور جسٹس غلام ربانی شامل تھے۔ مقدمہ کی سماعت کے دوران سوئس مقدمات کا ریکارڈ طلب کیا گیا اور این آر او کے تحت فائدہ حاصل کرنے والوں کی فہرست بھی عدالت میں جمع کرائی گئی۔

این آر او سے مستفید ہونیوالے بڑے نام

آصف علی زرداری، رحمٰن ملک، احمد مختار، مشتاق اعوان، آغا سراج درانی، رانا نذیر احمد، بدر، نواب یوسف تالپور، آفتاب شیر پاؤ، ذوالفقار مرزا، واجد شمس الحسن، سلمان فاروقی، عثمان فاروقی، اسلم حیات قریشی، منصور علی خان لغاری، سراج الدین، جاوید احمد قریشی، بابر خان غوری، ڈاکٹر فاروق ستار، نصرت بھٹو، ایم بی عباسی، طارق انیس وغیرہ نے اس بدنام زمانہ آرڈیننس سے استفادہ کیا۔ این آر او کی مدت سے 2 سال 2 ماہ 11 دن رہی۔

بلیک واٹر

Black Water World Wide یا Xe Service کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ دنیا کی بدلحاظ ترین Mercenaries یعنی کرائے کے قاتلوں کی فوج ہے (لغت میں بھاڑے کا ٹٹو کہا گیا ہے)۔ امریکہ کی ریاست کیرولینا کے شمالی علاقے میں اس کا صدر دفتر ہے اس کی طاقت اور اثر ونفوذ کا یہ عالم ہے کہ دنیا کی اکلوتی سپر پاور تک اس پر قابو پانے سے قاصر ہے اور یہ غالباً اسی لیے وہ اس کو ایسے ناروا کاموں کے لیے استعمال کرتی ہے جو وہ اپنی باقاعدہ فوج سے کرانے میں عار محسوس کرتی ہے، اس اس فرم کا کاروبار بظاہر حرب وضرورت کی تربیت فراہم کرنا ہے۔ یہاں سے ہر سال 40 ہزار افراد تحصیل ہوتے ہیں۔ کمپنی کا دعویٰ ہے کہ وہ دنیا کی بہترین تربیت اور سروس فراہم کرتی ہے بتایا جاتا ہے کہ زی آرمی فوج کے ریٹائرڈ، بدکردار اور جرائم پیشہ لوگوں کو دنیا بھر سے بھرتی کرتی ہے اس مقصد کے لیے اس کا خاص ہدف ایشیا اور افریقہ کے غریب ممالک ہوتے ہیں۔ یہ غریب ملکوں میں این جی اوز اور بہبود وفلاحی تنظیموں کے طور پر کام کرتی ہے چھپے ہوئے بداعمال لوگوں پر خصوصاً مہربان رہتی ہے اور انہیں ان کے خوابوں کی سرزمین یعنی امریکہ کے لیے منتخب کرتی ہے یہ آرمی ان علاقوں میں جہاں آفات سماوی مثلاً زلزلہ یا سیلاب یا سونامی جیسے حالات ہوں سب سے پہلے پہنچ کر امدادی کاموں میں حصہ لیتی ہے۔

بلیک واٹر یو ایس اے ایک نجی ملٹری کمپنی ہے جس کا صدر دفتر امریکی ریاست شمالی کیرولینا میں ہے۔ ان کی بنیاد ایرک پرنس اور رال کلارک نے 1997ء میں ڈالی۔ اکتوبر 2007ء میں کمپنی کے نام میں تبدیلی کر کے اسے بلیک واٹر ورلڈ وائیڈ

Marfat.com

(Black Water World Wide) کر دیا گیا، عام طور پر اسے بلیک واٹر ہی کے نام سے پکارا جاتا ہے 13 فروری 2009ء کو کمپنی کو نیا نام XE (زی) دیا گیا زی، امریکی محکمہ خارجہ کی تین سکیورٹی ٹھیکے دار فرموں میں سب سے بڑی ہے۔اس کی آمدنی کا 90 فیصد حکومتی ٹھیکوں سے حاصل ہوتا ہے ان میں سے دو تہائی ٹھیکے بغیر بولی کے اس فرد کو دیے جاتے ہیں اریک پرنس ایک دولت مند باپ کا بیٹا ہے ۔اس نے ورثے میں ملنے والی دولت سے شمالی کیرولینا کے وسیع دلدلی علاقے (Great Dismal Swamp) میں 24 مربع کلومیٹر پر پھیلا ہوا ایک دلدلی رقبہ خریدا اور اس پر اپنی تربیتی کمپنی کی بنیاد رکھی۔اس علاقے کے پانی کا رنگ کالا ہے اور کمپنی کا نام اسی مناسبت سے اس نے Black Water USA رکھا۔اس کمپنی کا روبار فوج اور نفاذ قانون کے اداروں کو تربیتی خدمات فراہم کرنا تھا۔2002ء میں کمپنی نے بلیک واٹر سکیورٹی کنسلٹنگ (BSC) کا ادارہ تشکیل دیا۔یہ ان متعدد کمپنیوں میں سے ایک ہے جن کی خدمات امریکا نے افغانستان پر حملے کے بعد حاصل کیں اور یہ ان 60 پرائیویٹ سکیورٹی کمپنیوں میں بھی شامل ہے جنہیں جنگ عراق میں تعینات کیا گیا تھا۔اسکے فرائض میں امریکی عہدیداروں اور امریکی تنصیبات کی حفاظت کرنا، عراق کی نئی فوج اور پولیس کو تربیت دینا اور قابض افواج کی معاونت کرنا شامل تھا۔بلیک واٹر کی خدمات امریکہ میں قطرینہ نامی طوفان کی تباہیوں سے نمٹنے کے لیے بھی حاصل کی گئی تھیں۔یہ خدمات نہ صرف امریکی ہوم لینڈ سکیورٹی کونسل نے حاصل کیں بلکہ انفرادی گاہکوں، مواصلاتی، پیٹرو کیمیکل اداروں اور بیمہ کمپنیوں نے بھی حاصل کی۔کمپنی سرکاری ٹھیکوں سے کمپنی کو ایک ارب ڈالر سے زیادہ کی آمدنی ہوئی ہے۔بلیک واٹر 9 ڈویژن اور ایک ذیلی اداروں بلیک واٹر وہیکل پر مشتمل ہے۔کمپنی کے مختلف ذیلی ادارے ہیں جن میں BSC کے علاوہ بلیک واٹر K9، بلیک واٹر ایئر شپس، ایل ایل سی، بلیک واٹر آرمرڈ وہیکل، بلیک واٹر میری ٹائم سولیوشنز، ریون ڈویلپمنٹ گروپ یا ایوی ایشن ورلڈ وائیڈ (پریذیڈنشل ایرلائنز اسی کا حصہ ہے) ایس ٹی آئی ایوی ایشن اور گرے سٹون لمیٹڈ وغیرہ شامل ہے۔

بلیک واٹر پر الزام ہے کہ یہ بلاوجہ قتل و غارت کے واقعات میں ملوث ہے۔کمپنی کے خلاف بیان حلفی داخل کرانے والے اس کے ایک سابق اہلکار کا کہنا ہے کہ کمپنی اور اس کے بانی اریک پرنس کے نزدیک ایسی سرگرمیوں سپورٹس کی حیثیت رکھتی ہیں۔ایسے الزامات کے علاوہ اس کمپنی پر بنیاد پرست عیسائی تنظیم ہونے کا الزام بھی لگا ہے۔کسی بھی شخص کا بنیاد پرست ہونا کوئی بہت بڑا جرم نہیں ہے تاہم بنیاد پرستی اپنی انتہائی صورتوں میں خطرناک ذہنی مرض بن سکتی ہے۔اس مرض میں مبتلا افراد روئے ارض پر کسی دوسرے مذہب اور اس کے پیروکاروں کا وجود برداشت نہیں کرتے بلیک واٹر کے بانی اریک پرنس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ خود کو کرسچن کروسیڈر یعنی صلیبی جنگ جو قرار دیتا ہے یہ اصطلاح قرآن وسطی میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان جنگوں کے دوران سامنے آئی 2 مارچ 2009ء کو اریک پرنس نے بلیک واٹر کے CEO کی حیثیت سے باقاعدہ مستعفی ہونے کا اعلان میڈیا پر کیا لیکن کمپنی کے بورڈ میں وائس چیئرمین کی حیثیت سے کام کرتا رہا۔

Marfat.com

بلیک واٹر نیٹ ورک

XE کے موجودہ تمام ارکان فوج اور پولیس کے محکمے سے تعلق رکھتے ہیں اس سکیورٹی کمپنی کے پاس 30 سے زائد مختلف ہیلی کاپٹرز اور جہاز ہیں۔XE اپنے تمام افراد کو خنجر چلانے سے لے کر ڈرون طیاروں تک تربیت دیتی ہے۔اس کے تربیت یافتہ لوگ دنیا بھر میں ٹارگٹ کلنگ میں مہارت رکھتے ہیں۔سابقہ بلیک واٹر اور موجودہ XE امریکی سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ اور Central Intelligence Agency (CIA) سے براہ راست تعلق رکھتی ہے۔یہ خفیہ ایجنسی اس وقت پوری دنیا میں اپنا نیٹ ورک پھیلا چکی ہے۔بہت سے ممالک میں این جی اوز اور فلاحی اداروں کے نام سے یہ کمپنی اپنے خفیہ مفادات حاصل کرتی ہے۔نائن الیون کے بعد سے یہ ایجنسی عراق اور افغانستان میں سرگرم ہے جبکہ حالیہ عرصے میں پاکستان کے صوبہ سرحد، دارالحکومت اسلام آباد اور دیگر مختلف شہروں میں اس کی موجودگی کے شواہد ملے ہیں۔بلیک واٹر (XE) کا دنیا کے مختلف ممالک میں طریقہ واردات اپنی خاص نوعیت کا ہے۔بعض ممالک میں یہ سیکورٹی کمپنی کے طور پر کام کرتی ہے۔اور بعض ممالک میں خفیہ ایجنسی کے طور پر امریکی سی آئی اے کے مشن پر حساس امور سر انجام دیتی ہے۔بلیک واٹر کے ایک اہلکار کی تنخواہ ایک لاکھ ڈالر سے زائد ہوتی ہے۔

بلیک واٹر کے بظاہر مقاصد

بلیک واٹر بظاہر ایک سکیورٹی کمپنی کی حیثیت سے لبادہ اوڑھے ہوئے ہے۔جس کے مقاصد درج ذیل ہیں۔

۱۔ لوگوں کو عسکری تربیت کی فراہمی

۲۔ حملے میں پہل کی صلاحیت پیدا کرنا

۳۔ مختلف نوعیت کے آپریشنز خصوصاً اہم عمارات اور شخصیات کو تحفظ کی فراہمی

۴۔ قابض علاقوں میں موجود امریکی افواج کی معاونت

۵۔ مختلف ممالک میں جاری جنگ میں امریکی مفادات کا تحفظ

۶۔ پولیس اور آرمی کی جدید عسکری تربیت

بلیک واٹر کے خفیہ مقاصد

۱۔ عیسائی مشن کی ترویج

۲۔ غیر عیسائی مذاہب بالخصوص مسلمانوں کے مابین مسالک کی جنگ کو ہوا دے کر مذہبی انتشار پھیلانا

۳۔ شیعہ سنی فسادات کے ذریعے مذموم استعماری مقاصد کا حصول

۴۔ مسلم ممالک میں نام نہاد عسکری گروپس کو اسلحہ اور تربیت کی فراہمی کے ذریعے خانہ جنگی کی آگ بھڑکانا

۵۔ مختلف ممالک میں خفیہ نیٹ ورک کے ذریعے امریکہ مخالف افراد کی ٹارگٹ کلنگ کروانا

Marfat.com

۶۔ مغرب نواز این جی اوز کے سیکولر عناصر کی پشت پناہی کے ذریعے اسلام پسند طبقات کے خلاف مہم جوئی کروانا۔

۷۔ جرائم پیشہ اور دہشت گرد عناصر میں افرادی قوت کی فراہمی اور اسلحہ کی تقسیم کر کے امن وامان تباہ کرنا۔

افغانستان اور پاکستان میں خفیہ مقاصد

افغانستان اور پاکستان کے اندر مختلف دہشت گردانہ کارروائیوں اور تخریبی عوامل کیلئے سرگرم امریکی عناصر کے چند اہم مقاصد یہ ہیں۔

ا۔ القاعدہ کے ارکان کو چن چن کر مارنا

۲۔ مذہبی جماعتوں کے اہم راہنماؤں کی ٹارگٹ کلنگ

۳۔ مسالک کی بنیاد پر مذہبی جماعتوں میں کشیدہ صورتحال پیدا کرنا۔

۴۔ انتہاپسند گروپوں کو اسلحہ سے لیس کر کے خانہ جنگی کی صورتحال پیدا کرنا۔

۵۔ مذہبی گیٹ اپ استعمال کر کے امریکہ کے خلاف جاری جہاد کو بدنام کرنا۔

۶۔ مغرب نواز این جی اوز کے ذریعے ملک میں روشن خیالی کے نام پر عوامی ذہنیت سازی کرنا۔

۷۔ امریکہ مخالف مذہبی وسیاسی حلقوں کو ڈراؤ دھمکاؤ اور سول سوسائٹیز کے چند مراعات یافتہ طبقات کو سڑکوں پر لانا۔

۸۔ میڈیا اور نام نہاد دانشور طبقے پر ڈالروں کی بارش کر کے امریکی مزاحمت کے مقابلے میں قوم کی ذہنیت سازی کرنا۔

۹۔ خودکش دھماکوں کے ذریعے پاکستان کو ناکام سیاست بنانے کی کوشش کرنا۔

یہ تمام وہ مقاصد ہیں جن کے شواہد بدرجہ اتم افغانستان، بلوچستان، فاٹا اور اسلام آباد میں پائے جا چکے ہیں۔

کالاباغ ڈیم

وطن عزیز پانی اور بجلی کی نایابی جیسے جن بحرانوں سے دوچار ہے، ان سے صرف ہمارے گھر ہی اندھیروں میں نہیں ڈوب گئے بلکہ قوم کو بھی قحط سالی اور زرعی وصنعتی معیشتوں کی تباہی کا سامنا ہے۔ قوم اور ملک کو ان سنگین بحرانوں سے نکالنے کیلئے کالاباغ ڈیم کی فوری تعمیر ناگزیر ہے۔

قوموں کی ترقی میں ڈیمز کی اہمیت

قدرت کو معلوم تھا کہ زمین پر جیسے جیسے انسانی، حیوانی اور نباتاتی آبادیاں بڑھیں گی۔ انہیں زیادہ سے زیادہ مقدار میں پانی کی ضرورت پڑے گی۔ چنانچہ قدرت نے دریاؤں کی گزرگاہوں پر زمین کی ساخت اس طور ڈیزائن کی کہ انسان آنے والے وقتوں میں وافر پانی کو روک کر ذخیرہ کر سکے تاکہ دریاؤں میں پانی کی کمی کے وقت ذخیرہ شدہ پانی کو زیر استعمال لا سکے۔ شروع شروع میں جب آبادیاں بہت کم تھیں تو لوگ ٹوبے بنا کر بارش کے پانی کو ذخیرہ کرتے تھے لیکن آبادیاں بڑھنے کے ساتھ ساتھ جب انسان نے آبی انجینئرنگ میں بھی ترقی کی تو پھر اس نے دریاؤں پر ڈیم تعمیر کر کے پانی کو سٹور کرنا شروع

Marfat.com

کر دیا۔ آج کے دور میں قوموں کی زرعی اور معاشی ترقی اور ڈیمز کا بہت اہم کردار ہے۔ جن اہم مقاصد کیلئے ڈیم تعمیر کئے جاتے ہیں، وہ مذکورہ ذیل ہیں۔

۱۔ مون سون کے موسم میں دریاؤں میں وافر پانی کو ذخیرہ کر کے اسے سمندر میں ضائع ہونے سے بچانا اور خشک سالی کے دنوں میں اس پانی کو زرعی، صنعتی اور گھریلو استعمال میں لانا۔

۲۔ طغیانی کے موسم میں فالتو پانی کو ذخیرہ کر کے سیلاب کی تباہ کاریوں سے بچنا

۳۔ ذخیرہ شدہ پانی کی قوت سے نہایت سستی بجلی پیدا کرنا۔

۴۔ ڈیم کی جھیل سے زیرزمین پانی کے ذخیرہ کو بڑھانا

۵۔ جھیل میں مچھلی کے افزائش کرنا وغیرہ۔

1950 میں قوم کے ہر فرد کیلئے 5000 مکعب میٹر پانی دستیاب تھا۔ اس کی مقدار اب گھٹ کر 1000 مکعب میٹر فی پاکستانی رہ گئی ہے۔ جو کہ بین الاقوامی معیار کے مطابق نہایت خطرناک سطح ہے۔ اس دوران اربوں ایکٹر فٹ نہایت قیمتی پانی سمندر میں گر کر ضائع ہو چکا ہے۔

کالا باغ ڈیم کا مختصر تاریخی پس منظر

کالا باغ ڈیم کی تاریخ 1953 سے شروع ہوتی ہے۔ جب سب سے پہلے اس کے ایک قابل عمل منصوبہ ہونے کی شناخت کی گئی۔ 1960 میں جب جنرل ایوب خان نے سندھ طاس معاہدہ کی رو سے تین مشرقی دریاؤں (ستلج، بیاس اور راوی) کے بدلے دریائے جہلم اور دریائے سندھ پر ڈیمز قبول کئے تو ابتداء میں دریائے جہلم پر منگلا اور دریائے سندھ پر کالا باغ ڈیم کے مقام پر ڈیم بنانے کی منصوبہ بندی کی گئی تاہم بعد میں نامعلوم وجوہ کی بنا پر آخری لمحوں میں کالا باغ ڈیم کی بجائے تربیلا کے مقام پر ڈیم بنانے کا فیصلہ کیا گیا۔ 1984 میں حکومت پاکستان نے جب کالا باغ ڈیم کی تعمیر کا منصوبہ بنایا تو صوبہ سرحد کی ایک پارٹی نے سب سے پہلے اس کی مخالفت میں آواز اٹھائی اور نوشہرہ اور چارسدہ میں گھروں کی دیواروں پر نشان لگا کر عام لوگوں کو گمراہ کیا گیا کہ کالا باغ ڈیم کی تعمیر سے یہ شہر اس سطح تک سیلاب میں ڈوب جائیں گے۔

1991ء میں جب چاروں صوبوں نے دریائی پانی کی تقسیم کی معاہدہ (Water Apportionment Accord) پر اتفاق کیا اور اس معاہدہ کی شق نمبر 6 کے تحت یہ طے ہو گیا کہ دریائے سندھ، چناب اور جہلم پر جہاں جہاں قابل عمل ہوں، نئے ڈیم تعمیر کئے جائیں تو صوبہ سندھ سے بھی کچھ نام نہاد نیشنلسٹ عناصر نے اس پراجیکٹ کی مخالفت شروع کر دی اور یہ موقف اختیار کیا کہ کالا باغ ڈیم بننے سے صوبہ سندھ ایک صحرا میں تبدیل ہو جائے گا۔ سال 2002 میں جب حکومت نے کالا باغ ڈیم کے حق میں رائے عامہ ہموار کرنے کی کوشش کی تو صوبہ سندھ کی طرف سے اس کی مخالفت ہوئی اور مخالفین نے یہ موقف اختیار کیا کہ جب تک پانی کی تقسیم کے معاہدہ 1991 کی کلاز نمبر 7 کے مطابق یہ طے نہیں ہو جاتا کہ کوٹری سے نیچے ایکو سسٹم کو برقرار

Marfat.com

رکھنے کیلئے سالانہ کتنا پانی درکار ہے۔ اس وقت تک وافر یا مزید ڈیموں کیلئے دستیاب پانی کی مقدار کا تعین نہیں کیا جا سکتا۔ اکتوبر 2004 میں حکومت نے بین الاقوامی ماہرین کے ایک پینل کو یہ سٹڈی تفویض کی۔ اس پینل نے نومبر 2005 میں اس کا تعین کر دیا کہ (صوبہ سندھ کے 10 ملین ایکٹر فٹ کے مطالبہ کی بجائے) ایکو سسٹم کو برقرار رکھنے کیلئے کوٹری سے نیچے ملین ایکٹر فٹ سالانہ پانی کی ضرورت ہوگی تاہم اس کے باوجود کالا باغ ڈیم کی مخالفت شد و مد سے جاری رہی۔ حکومت نے یہ پراجیکٹ یہ کہہ کر معرض التوا میں ڈال دیا کہ جب تک رائے عامہ کو اس کو حق میں ہموار نہیں کر لیا جاتا۔ اس وقت تک یہ پراجیکٹ زیر عمل نہیں لایا جائے گا۔ اس کے بعد سندھ، بلوچستان اور سرحد کی اسمبلیوں نے اس پراجیکٹ کے خلاف قرار دادیں پاس کیں 2009ء میں پیپلز پارٹی کی حکومت نے اچانک یہ اعلان کر دیا کہ کالا باغ پراجیکٹ کو ہمیشہ کیلئے ترک کر دیا گیا ہے۔

کالا باغ ڈیم پر اعتراضات کی حقیقت

اس پراجیکٹ پر کیے گئے اہم ترین اعتراضات اور ان کے جواب مذکور ذیل ہیں۔

ا۔ کالا باغ پراجیکٹ پر سب سے پہلا اعتراض سرحد کی پارٹی کی قیادت کی طرف سے یہ ہوا کہ شدید طغیانی کی صورت میں نوشہرہ اور چارسدہ سیلاب سے ڈوب جائیں گے۔ اس پروپیگنڈہ کا بے بنیاد ہونا اس سے ثابت ہے کہ کالا باغ ڈیم کے ڈیزائن میں 19 لاکھ کیوسک تک کا سیلابی ریلا گزارنے کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ تاریخ ریکارڈ کے مطابق دریائے سندھ میں کالا باغ کے مقام پر سب سے بڑا سیلابی ریلا 1929 میں گزرا تھا جب اس کا سائز 12 لاکھ کیوسک تھا۔

۲۔ اس پراجیکٹ پر دوسرا اعتراض یہ تھا کہ کالا باغ ڈیم کی جھیل کی سطح اتنی بلند ہوگی کہ اس سے مردان، صوابی اور صوابی کا ڈرینج سسٹم بیکار ہو جائے گا۔ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ کالا باغ ڈیم کی جھیل کی بلند ترین سطح سمندر سے 915 فٹ بلند ہوگی جب کہ مردان سطح سمندر سے 970 فٹ بلند ہے۔ صوابی 962 فٹ اور صوابی 1000 فٹ کی بلندی پر واقع ہیں۔ ان حقائق کی موجودگی میں مذکورہ بالا اعتراض ڈس انفارمیشن ہے۔

۳۔ صوبہ سندھ کے نیشنلسٹ عناصر کا ڈیم پر اولین اعتراض یہ ہے کہ دریائے سندھ پر مزید ڈیم بنانے کیلئے فالتو پانی ہی دستیاب نہیں ہے۔ اس اعتراض کا سیدھا سا جواب یہ ہے کہ اگر دریائے سندھ میں وافر پانی دستیاب نہیں تھا تو پھر وہ تقریباً 40 ملین ایکٹر فٹ پانی کہاں سے آ گیا جو 1975 سے 1995 کے دوران اوسطاً ہر سال سمندر میں گر کر ضائع ہوتا رہا جبکہ کالا باغ ڈیم تو صرف 6.1 ملین ایکٹر فٹ پانی ذخیرہ کرنے کا پراجیکٹ ہے۔ سمندر سے ضائع ہونے والے 40 ملین ایکٹر فٹ پانی سے تو کالا باغ ڈیم جیسے 6 ڈیم بنائے جا سکتے ہیں۔

اس اعتراض کا دوسرا جواب یہ بھی ہے کہ کالا باغ سے اوپر اور بھاشا سے نیچے دریائے سندھ میں دریائے سوات، دریائے کنہار، دریائے کابل اور بیشمار دوسرے ندی نالے آ کر گرتے ہیں جن کی وجہ سے کالا باغ پر دریائے سندھ کا بہاؤ کہیں زیادہ ہوتا ہے۔ اب اگر کالا باغ ڈیم کے مقام پر ڈیم بنانے کیلئے دریائے سندھ میں پانی دستیاب نہیں ہے۔ تو پھر بھاشا ڈیم

Marfat.com

بنانے کیلئے پانی کہاں سے دستیاب ہو گیا ہے؟ جب کہ بھاشا ڈیم کا ذخیرہ تو کالا باغ جھیل سے بھی 3 لاکھ ایکڑ فٹ بڑا ہے۔ سندھ سے کالا باغ ڈیم کے مخالفین کی طرف سے بھاشا ڈیم کے معاملہ میں پانی کی عدم دستیابی کا اعتراض کبھی سننے میں نہیں آیا۔

۴۔ سندھ سے کالا باغ ڈیم کے مخالفین کا یہ پروپیگنڈا رہا ہے کہ یہ ڈیم بنانے سے صوبہ کا پانی کم ہو جائے گا اور یوں صوبہ سندھ ایک صحرا میں تبدیل ہو جائے گا۔

اس پروپیگنڈا کا جواب یہ ہے کہ جب دریائے سندھ پر کوئی ڈیم نہ بنا تھا (یعنی تربیلا سے پہلے) تب سندھ کو 1960 سے 1977 کے درمیان ہر سال اوسطاً 35.6 ملین ایکڑ فٹ پانی ملا جبکہ تربیلا ڈیم بننے کے بعد اسے 1977 سے 1995 کے دوران اوسطاً ہر سال 44.5 ملین ایکڑ فٹ پانی ملا جو کہ تربیلا سے قبل کے حصہ سے تقریباً 25 فیصد زیادہ ہے۔ کالا باغ ڈیم کے بننے سے تو چاروں صوبوں کو مزید 40 سے 50 لاکھ ایکڑ رقبہ زیر کاشت لانے کیلئے پانی میسر ہو گا۔

۵۔ صوبہ سندھ سے ہی کالا باغ ڈیم پراجیکٹ مخالفین نے یہ پروپیگنڈا کیا کہ پنجاب صوبہ سندھ کا پانی چوری کرتا ہے۔ یہ اعتراض جھوٹ اور بہتان پر مبنی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دریائی پانی کی تقسیم کا معاہدہ ہو یا عام حالات، پنجاب نے ہمیشہ بڑا بھائی بن کر اپنے حصہ کے پانی کی قربانی دی ہے۔ مثلاً دریائی پانی کی تقسیم کے معاہدہ 1991 کے مطابق وافر پانی میں اس نے اپنا حصہ 37 فیصد قبول کیا جب کہ تاریخی اعتبار اور رقبہ کے لحاظ سے اس کا حصہ 47.67 فیصد بنتا تھا۔ چنانچہ پنجاب نے اپنے جائز حصہ کا تقریباً 20 فیصد دوسرے صوبوں کو دے دیا۔ پنجاب نے اسی جذبہ کے تحت حالیہ NFC ایوارڈ میں اپنے جائز حصہ سے کم پر قبول کر کے قربانی دی جس کا اعتراف دوسرے صوبوں کے وزرائے اعلیٰ نے برملا کیا۔

پنجاب کے خلاف اس الزام کا محض بہتان ہونا اس سے بھی ثابت ہے کہ پانی کی تقسیم اور ریگولیشن ارسا کی اتھارٹی کرتی ہے جس میں صوبہ سندھ کی نمائندگی کسی بھی دوسرے صوبہ سے زیادہ ہے۔ اس الزام کا بے وقعت ہونا اس سے بھی ثابت ہے کہ صوبہ سندھ کے مطالبہ پر ہی ارسا نے 40 کروڑ روپے کی خطیر رقم سے تمام بیراجوں اور ریگولیشن پوائنٹس پر ٹیلی میٹری سسٹم نصب کرایا ہے جو ہر لمحہ ہر بیراج سے گزرنے والے پانی کی مقدار ارسا اور چاروں صوبوں کو پہنچاتا ہے۔

۶۔ صوبہ سندھ سے اس پراجیکٹ کی اس بنیاد پر بھی شدید مخالفت کی گئی کہ اس سے سمندری پانی کا دخول (Sea Water Intrusion) بڑھ جائے گا مینگروز کے جنگلات سوکھ جائیں گے، کوٹری سے نیچے سیلابہ کے علاقہ میں زراعت، جنگلات اور دوسری حیاتیات کو نقصان پہنچے گا وغیرہ وغیرہ۔ ان نقصانات سے بچنے کیلئے دریائی پانی کی تقسیم کے معاہدہ کے وقت سندھ کے نمائندوں نے کوٹری سے نیچے سالانہ 10 ملین ایکڑ فٹ کا مطالبہ کیا۔

اکتوبر 2004 میں حکومت پاکستان کے مقرر کردہ بین الاقوامی ماہرین کے ایک پینل نے نومبر 2005 میں اپنی تحقیق کے بعد میں سفارش کی کہ صوبہ سندھ کے مذکورہ بالا تمام خدشات کا تحفظ کرنے کیلئے سالانہ اوسطاً 5 ملین ایکڑ فٹ یا کم از کم 5 ہزار کیوسک پانی مسلسل کوٹری بیراج سے نیچے بہنا چاہئے۔ اس غیر جانبدارانہ اور ماہرانہ فیصلہ کے بعد یہ اعتراض بھی ختم ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

۷۔ کالاباغ پراجیکٹ پر یہ اعتراض بھی کیا جاتا ہے کہ اس سے تقریباً ایک لاکھ کی آبادی کو نقل مکانی کرنا پڑے گی۔
اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ دنیا کا کوئی بھی ڈیم ایسا نہیں جس کیلئے لوگوں کی ایک آبادی کو نقل مکانی نہیں کرنا پڑی۔ چین میں تھری گارجز ڈیم کیلئے تین لاکھ کی آبادی کے ایک پورے شہر کو دوسری جگہ بسانا پڑا۔ برازیل میں زیر تعمیر ایک ڈیم کیلئے اس سے بڑی آبادی والے ایک پورے شہر کو دوسری جگہ آباد کیا گیا ہے جبکہ کالاباغ ڈیم پراجیکٹ میں اس کا خصوصی اہتمام کیا گیا ہے کہ نقل مکانی کرنے والی آبادی کیلئے جھیل کے اردگرد سکولوں اور ہسپتالوں سمیت ماڈل رہائشی دیہات تعمیر کیے جائیں گے اور لوگوں کو جھیل کے اندر آنے والی زمینوں کے بدلے زمینیں دی جائیں گی۔ اس تمام ریسٹلمنٹ پلان کیلئے پراجیکٹ میں ایک خطیر رقم مخصوص کی گئی ہے۔

کالاباغ ڈیم فوری بنانا کیوں ناگزیر ہے؟

مذکورذیل وجوہات سے کالاباغ ڈیم کی فوری تعمیر انتہائی ناگزیر ہے۔

۱۔ منگلا اور تربیلا ڈیمز پر پانی سٹور کرنے کی صلاحیت بوجہ سلٹیشن 15 ملین ایکٹر فٹ سے کم ہو کر 11.5 ملین ایکٹر فٹ رہ گئی ہے۔ ماہرین کے تخمینہ کے مطابق سال 2025 تک یہ گنجائش مزید کم ہو کر تقریباً 10 ملین ایکٹر فٹ رہ جائے گی جس کی وجہ سے پانی اور بجلی کے بحران سنگین سے سنگین تر ہوں گے۔

۲۔ کالاباغ ڈیم کی فزیبلٹی اور ڈیزائن عرصہ دراز سے تیار ہیں۔ اگر حکومت آج یہ ڈیم بنانے کا فیصلہ کرے تو صرف ٹینڈر کرنے کا ہی مرحلہ باقی رہ جاتا ہے۔

۳۔ کالاباغ ڈیم زیادہ سے زیادہ 7/8 سال کے عرصہ میں مکمل ہو جائے گا جبکہ بھاشا ڈیم کو مکمل ہونے میں 10/12 سال لگیں گے۔ ہم پانی اور بجلی کے جن بحرانوں کا شکار ہیں۔ کیا ان سے نکلنے کیلئے ہم مزید 12 سال انتظار کر سکتے ہیں۔

۴۔ کالاباغ ڈیم کے مکمل ہونے تک کل لاگت 10 ارب ڈالر سے زیادہ نہ ہو گی جبکہ بھاشا ڈیم مکمل ہونے تک اس کی لاگت 17 سے 18 ارب ڈالر تک پہنچ جائے گی۔ جبکہ دونوں ڈیموں سے ہونے والے فائدہ کی مالیت تقریباً برابر ہے۔

امریکہ نے کولوریڈو دریا پر اتنے ڈیم بنالئے ہیں کہ اگر 900 دن تک بارش نہ ہو تب بھی ان ڈیموں کے پانی سے دریا چلتا رہے، چین نے اپنے دریاؤں پر 200 دن کا سٹوریج بنالیا ہے۔ بھارت نے اپنے دریاؤں پر 170 دن کا ذخیرہ کرلیا ہے جبکہ پاکستان کے پاس صرف 30 دن کا ذخیرہ ہے۔ ہم اور ہمارے حکمران آخر کب جاگیں گے؟

مسئلہ سر کریک

پاکستان اور بھارت کے دیرینہ تنازعات میں ایک سر کریک بھی ہے۔ یہ معاملہ دونوں ملکوں میں 6 دہائیوں سے چلا آ رہا ہے۔ مگر حقیقتاً یہ اس سے بھی قدیم ہے، جب سندھ کے صوبے اور راجستھان کی ریاست بھج کے درمیان تصفیہ کی کوششیں برطانوی دور میں ناکام رہی تھیں۔ دونوں ملکوں کے خارجہ اور ڈیفنس عہدیدار بارہا مذاکرات کی میز پر بیٹھ چکے ہیں لیکن مسئلہ اپنی

Marfat.com

جگہ موجود ہے۔

سر کریک کہاں واقع ہے؟اس تنازعے کی نوعیت کیا ہے؟اس پر بھارتی موقف کتنا درست ہے اور پاکستان اسے اپنا حصہ کیوں بتاتا ہے؟ یہ سوالات اور ان کے جواب ہر پاکستانی کیلئے بہت ضروری ہیں کیونکہ سندھ کی ساحلی پٹی پر 17 کریک ہیں جن سے ایک ''سر'' بھی ہے۔ کریک کسی کھاڑی، خلیج یا دریا کے معاون ندی نالے یا شاخ کو بھی کہتے ہیں۔ سر کریک بھارت میں رن آف کچھ اور پاکستان میں صوبہ سندھ کے درمیان ضلع ٹھٹھہ کی تحصیل جاتی اور ضلع بدین کے تعلق گولارچی کے سنگم پر واقع ہے۔ یہ 60 کی دہائی میں متنازعہ علاقے کے طور پر سامنے آیا۔ یہ دلدلی علاقہ ہے۔ ایک رپورٹ کے مطابق یہاں تیل و گیس کے وسیع ذخائر واقع ہیں۔ جس کے باعث بھارت اسے حساس گردانتا ہے۔ یہاں پانی کا 60 میل طویل دھارا ہے۔ جو 60 کے عشرے کے دوران متنازعہ علاقے کے طور پر پہچانا گیا اور اس کے حل کی کوششیں شروع ہوئیں۔ اس کے ایک حصے پر پاکستان کا کنٹرول ہے تو دوسری طرف بھارت قبضہ جمائے ہوئے ہے اور اس کی بحری تنصیبات ہیں۔ پاکستان ساحلی پٹی کے تمام یعنی 17 کریک اپنے بتاتا ہے۔ جبکہ بھارت سر کریک کی نصف ملکیت کا دعویدار ہے۔ آئے روز بھارت اور پاکستان ایک دوسرے کے ماہی گیروں کو سمندری حدود کی خلاف ورزی کے الزام میں پکڑتے ہیں۔

1964 کے بعد سے اب تک دو طرفہ مذاکرات کے کم و بیش 10 ادوار ہو چکے ہیں۔ لیکن ہنوز ملکیت کے تنازعے کا تصفیہ نہیں ہو سکا۔ حالانکہ 1914 میں بمبئی صوبہ کے زیر انتظام سندھ کمشنری اور ریاست کچھ کے درمیان یہ معاملے طے پا چکا تھا۔ 24 فروری 1914 کو بمبئی صوبہ کی قرارداد 1192 کے ذریعے اس معاملے کو تسلیم کیا گیا جس کے تحت حدود کا تعین اور دستاویزات کا تبادلہ بھی ہوا۔ بھارت جو ایک طرف کشمیر کے بڑے حصے، حیدر آباد دکن، جونا گڑھ، سیاچن اور کارگل ہتھیائے ہوئے ہے وہیں سر کریک پر بھی اپنا حق جتلاتا ہے حالانکہ یہ علاقہ پاکستان کے صوبہ سندھ کا حصہ ہے، جو اسے 1914 کے معاہدے کی رو سے ملا تھا۔ رن آف کچھ کے دلدلی علاقہ میں یہ چھ میل طویل دہانہ ہے جہاں مدوجزر کی لہریں ٹکراتی ہیں۔ یہ علاقہ ہندوستانی ریاست گجرات اور پاکستانی صوبہ سندھ کے درمیان سرحد پر واقع ہے۔ 1965 کی لڑائی کے بعد یہ معاملہ ٹریبونل کے حوالے کیا گیا۔ سرحدی ٹریبونل نے 19 فروری 1968 کو یہ فیصلہ سنایا کہ پورے رن کے 90 فیصد حصہ پر ہندوستان کا دعویٰ صحیح ہے۔ پاکستان کو صرف تھوڑا سا علاقہ دیا گیا فریقین نے ''کچھ'' ٹریبونل (68-1965) کے سامنے یہ اعتراف کیا کہ وہ کچھ کے رن پر تنازعہ صرف شمال میں سرحد تک محدود رکھیں گے جبکہ جنوب میں سرحد کا فیصلہ ہو گیا تھا جو سر کریک کے اوپری کنارے سے شروع ہوئی اور 24 ویں عرض البلد پر تھوڑی دور مشرق کی طرف جاتی ہے تاہم ہندوستان کا یہ دعویٰ ہے۔ کہ یہ لائن آگے چل کر داہنی طرف مڑ کر ان کی شمالی سرحد سے مل جاتی ہے۔ پاکستان چاہتا ہے کہ اس لائن کو اور آگے مشرق کی طرف ہی بڑھایا جائے اور وہ 24 ویں متوازی خطہ تک آدھے رن پر دعویٰ کرتا ہے۔ اس لئے اب سارا معاملہ یہ ہے کہ کیا جس سرحد پر اتفاق ہوا تھا وہ سر کریک کے کنارے سے سیدھی مشرق کی طرف جاتی ہے۔ یا پھر مغرب کی طرف مڑ کر شمال میں رن کی آخری حد تک چلی جاتی ہے؟ ٹریبونل نے ہندوستان کے دعوے کو منظور کیا تھا کہ وہ شمال کی طرف مڑتی ہے اور سارا کا سارا

Marfat.com

علاقہ ہندوستان کا ہے۔ یہ متنازعہ سرحد سر کریک کے دہانہ سے سر کریک کے اوپری سرے اور زمین پر سر کریک کے مشرقی کنارے کے بارے میں کیونکہ سرحد کی صحیح نشاندہی نہیں ہے۔

یہ بھارت اور پاکستان کے درمیان دیگر تنازعات کی نسبت زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ ایک تو اس کی فوجی اور دفاعی اہمیت ہے مگر سر کریک کے جھگڑوں کا سلامتی کے علاوہ معاشی اور انسانی پہلو بھی ہے۔ دفاعی ماہرین کہتے ہیں کہ سر کریک کا معاملہ سلجھنے سے نہ صرف پاکستان کے ساتھ بحری معاملات درست ہو جائیں گے بلکہ اس سے دونوں ملکوں کے ماہی گیروں کے کام کو بھی استحکام ملے گا۔ 8 ستمبر 2004 کو پاکستانی وزیر خارجہ خورشید محمود قصوری نے دورہ ہند کے اختتام پر بیان دیا کہ دونوں فریق سر کریک علاقہ میں سرحدی ستونوں کا مشترکہ سروے کرنے پر آمادہ ہیں۔ 1924 میں اس وقت کے سندھ اور کچھ کے حکام نے اس کی نشاندہی کی تھی۔ کچھ کے رجواڑہ اور صوبہ سندھ کے حکام نے جو 1914 میں ممبئی پریذیڈنسی میں آچکا تھا۔ اس زمانہ میں سروے مکمل کر لیا تھا۔ اس وقت کل 67 ستون نصب کئے گئے تھے۔ جن میں سے 56 اب بھی موجود ہیں۔

ایک بھارتی عہدیدار کے مطابق سر کریک کی سرحدوں کا تعین 24 فروری 1914 کو ہو گیا تھا۔ کچھ رجواڑہ اور صوبہ سندھ کے مابین سمجھوتہ ہو جانے کے بعد قرارداد کے ساتھ اصلی نقشہ بھی شائع کیا گیا تھا۔ کچھ کے مہاراجہ اور سندھ کے انگریز ایجنٹ کے مابین 1914 میں سمجھوتہ ہونے کے بعد 1924 میں گجرات اور سندھ کے مابین سر کریک سرحد کا تعین کیا گیا تھا۔ کریک کے علاقہ میں 133 ستون نصب کئے گئے جن میں سے 66 خشکی پر اور بقیہ خلیج پر تھے۔ خشکی پر صرف 46 ستون برقرار ہیں۔ پانی والے ستون غائب ہو چکے ہیں۔ پانی میں واقع یہ ''غیر نشان زدہ'' خطہ ماہی گیری کے دنیا کے بہترین مقامات میں سے ایک ہے

1925 کی قرارداد میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ کچھ کے تمام علاقے اور کچھ کے سرحدی علاقے سے متعلق دستاویزات چیف کمشنر حکومت ہند کے حوالے کی جا چکی ہیں اور آزادی کے بعد کچھ کا انڈین یونین میں انضمام عمل میں آیا۔ یہ دستاویزات برطانوی محکمہ آثار قدیمہ اور پاکستانی عہدیداروں دونوں کے پاس رکھی گئی تھیں۔ جنیوا میں جس ٹریبونل نے پاکستان کو اس علاقے کا دس فیصد یعنی ساڑھے تین سو مربع میل رقبہ دیا جبکہ بھارت کے حصے میں ساڑھے تین ہزار مربع میل حصہ لیا۔ اس فیصلے کے خلاف پاکستان 1989 سے احتجاج ریکارڈ کراتا آرہا ہے۔ اور مذاکرات کا لامتناہی سلسلہ جاری ہے۔

ایبٹ آباد آپریشن اور اسامہ بن لادن

2 مئی 2011 بروز سوموار ایبٹ آباد میں اسامہ بن لادن نائن الیون حملوں کے تقریباً 10 سال بعد امریکی سپیشل فورسز کے ایک آپریشن میں جاں بحق ہو گئے اس کارروائی میں اسامہ کا ایک بیٹا اور تین ساتھی بھی جاں بحق ہوئے جبکہ ان کی دو بیویوں سمیت 6 افراد کو گرفتار کر لیا گیا۔ اسامہ ایبٹ آباد میں ملٹری اکیڈمی کاکول کے قریب بلال ٹاؤن میں مقیم تھے۔ آپریشن میں چار ہیلی کاپٹرز نے حصہ لیا جن میں سے ایک تباہ ہوا۔ بعض اطلاعات کے مطابق انتہائی حساس انتہائی حساس آپریشن میں اپاچی ہیلی کاپٹر استعمال کئے گئے۔ امریکی ٹی وی کے مطابق آپریشن کے دوران گرنے والا ہیلی کاپٹر امریکی تھا تاہم اس میں کوئی

Marfat.com

امریکی ہلاک یا زخمی نہیں ہوا۔اس کے بعد سپیشل فورسز نے کمپاؤنڈ کے اندر داخل ہو کر آپریشن کیا اسامہ کے سر میں گولیاں لگیں جبکہ ان کے سامنے آنے والی ایک اہلیہ کو گولی مار کر زخمی کر دیا گیا۔(یہ بھی امریکہ کی سازش تھی اسامہ بن لادن کو کئی برس پہلے ہی مار دیا گیا تھا)۔

امریکی صدر کا موقف

امریکی صدر بارک اوباما وائٹ ہاؤس میں امریکی قوم سے براہ راست خطاب کرتے ہوئے القاعدہ رہنما اسامہ بن لادن کی پاکستان میں ایک آپریشن میں موت کی تصدیق کی۔صدر اوباما نے اپنے خطاب میں کہا کہ انہوں نے گزشتہ سال اگست میں اس مقصد کیلئے خصوصی احکامات جاری کیے تھے۔ہماری انٹیلی جنس ٹیم نے اطلاعات حاصل کیں اور ایک ہفتہ قبل ہمیں اسامہ کی پاکستان موجودگی کی اطلاع ملی۔اس آپریشن سے متعلق معلومات پر پاکستان سے تبادلہ خیال کیا گیا اور اسلام آباد نے اس میں مدد کی۔انہوں نے کہا کہ ہمارے پاس ثبوت موجود تھے کہ اسامہ ایک مکان میں موجود ہے۔جس پر میں نے ہدایت دی اور ایبٹ آباد میں ٹارگٹڈ آپریشن کیا گیا۔یہ آپریشن ایک چھوٹی ٹیم نے کیا جس میں کوئی اہلکار زخمی ہوا نہ کوئی شہری مارا گیا۔اوباما کا کہنا تھا کہ امریکیوں کے تحفظ کیلئے ہر جگہ کارروائی کا وعدہ سچ کر دکھایا ہے۔امریکی عوام کو محفوظ بنانے کیلئے ہر ممکن کاروائی کریں گے امریکی قوم جان لے کہ ہم اپنی سلامتی کو کوئی خطرہ برداشت نہیں کریں گے۔اسامہ کی موت پاکستان اور امریکہ کیلئے بہت بڑی کامیابی ہے۔پاکستان دہشت گردی کے خلاف جنگ میں امریکہ کا اتحادی ہے۔القاعدہ کے خلاف پاکستان کے ساتھ تعاون جاری رہے گا۔میری ٹیم پاکستان کے تعاون کی شکر گزار ہے۔

نجی ٹی وی کی رپورٹ کے مطابق القاعدہ کے سربراہ اسامہ بن لادن کو ٹارگٹ بنانے کیلئے دو امریکی اپاچی ہیلی کاپٹر 120 کلومیٹر کا فاصلہ طے کر کے بگرام ائربیس سے آئے تھے۔پاکستانی راڈار سسٹم مکمل طور پر جام کیا گیا۔کہیں سے بھی ہیلی کاپڑوں کے داخلے کی اطلاع یا اشارہ نہیں ملا۔ایک ہیلی کاپٹر نے تین منزلہ کمپاؤنڈ پر کریش لینڈ کیا۔جبکہ دوسرا ہیلی کاپٹر مسلسل چکر لگاتا رہا۔امریکی کمانڈوز نے اسامہ کو سر میں گولی ماری ان کے ساتھیوں کی طرف سے مزاحمت بھی کی گئی۔آپریشن کے بعد خواتین سمیت متعدد افراد کو ہتھکڑیاں لگا کر باہر لایا گیا۔پاکستانی فضائیہ انٹیلی جنس حکام اور فوج وقوعہ پر موجود نہیں تھی۔

اسامہ کی ڈی این اے ٹیسٹ سے بھی موت کہ تصدیق ہوئی۔ایک اطلاع کے مطابق آپریشن میں حصہ لینے والے فوجی ایبٹ آباد سے کچھ فاصلے پر موجود تربیلا غازی کے فوجی اڈے سے آئے تھے جہاں امریکی میرینز کا بھی اڈا ہے۔امریکی ٹی وی سی بی ایس نیوز کے مطابق اعلیٰ ترین سطح پر کلیئرنس ملنے کے بعد امریکی بحریہ کی تقریباً دو درجن اہلکاروں پر مشتمل ایلیٹ سیل ٹیم تشکیل دی گئی جس کی نگرانی سی آئی اے کے سربراہ لیون پنیٹا خود کر رہے تھے۔یہ ٹیم دو بلیک ہاک ہیلی کاپٹروں میں موقع پر پہنچی جبکہ مزید دو درجن اہلکاروں پر مشتمل ایک دوسری ٹیم بھی قریب ہی محو پرواز رہی۔امریکی اہلکاروں نے کمپاؤنڈ میں اپنا آپریشن چالیس منٹ سے بھی کم وقت میں مکمل کیا۔اسامہ کی اطلاع دینے والے کے لیے امریکہ نے 5 کروڑ ڈالر انعام دینے کا اعلان کر رکھا تھا۔

Marfat.com

امریکی دستے کا تعارف

ایبٹ آباد میں کاروائی کرنے والے امریکی فوجیوں کا تعلق ''یونائیٹڈ سٹیٹس آرمی سپیشل فورسز'' کے دستوں سے تھا۔اس فورس کو''گرین بیرٹس''یعنی سبز ٹوپیوں والے بھی کہا جاتا ہے۔اس فورس کو چھ بنیادی باتوں کو سامنے رکھتے ہوئے تشکیل دیا گیا ہے،جن میں غیر روایتی جنگ میں مہارت بیرونی جارجیت کے خلاف داخلی دفاع میں مہارت انتہائی خفیہ معلامات کے حصول میں مہارت دوبدو لڑائی میں مہارت اغوا شدہ افراد کی رہائی کے مشن مکمل کرنے میں مہارت اور دہشت گردی کی کاروائیوں کا توڑ کرنے اور جواب دینے کی صلاحیت شامل ہیں۔ان سب صلاحیتوں کے حصول اور ان میں مہارت حاصل کرنے کے لیے ان فوجیوں کو دوسری اقوام کی فوجوں کے ساتھ مل کر کاروائی کرنے کے قابل بنایا جاتا ہے۔سپیشل فورسز کے کام کرنے کے طریقوں اور تیکنیکس کو خفیہ رکھا جاتا ہے۔

سپیشل فورسز کے دستے افغانستان میں بھی موجود ہیں لیکن یہ دستے افغانستان میں موجود زمینی افواج کے کمانڈر کے ماتحت نہیں بلکہ براہ راست امریکہ میں موجود مرکزی کمان کے ماتحت ہیں۔یہ وہیں سے احکامات موصول کرنے اور اسی کمان کو جواب دہ ہوتے ہیں۔امریکی خفیہ ایجنسی سی آئی اے انتہائی حساس اور خفیہ کاروائیوں کے لیے بنائے گئے سپیشل آپریشن گروپ (SOG) کے لئے آرمی سپیشل فورس کے جوانوں اور افسروں سے کام لیتی ہے۔

آرمی سپیشل فورس کے جوانوں کے پاس خصوصی یونیفارم' قریب سے حملہ کرنے کے خصوصی ہتھیار' مقامات کا درست پتہ چلانے' اپنے ہیڈ کوارٹرز سے رابطہ رکھنے کے خصوصی آلات اور رات کے اندھیرے میں دیکھنے کے آلات موجود ہوتے ہیں' جو انتہائی طاقتور دشمن کے خاف بھی سپیشل فورس کو تکنیکی برتری فراہم کردیتے ہیں۔

اسامہ کا مختصر تعارف

اسامہ بن لادن 10 مارچ 1957ء کو ریاض (سعودی عرب) میں پیدا ہوئے۔ان کا تعلق سعودی عرب کے معروف خاندان لادن سے تھا۔وہ بچپن سے مختلف طبیعت و میلان رکھتے تھے۔تعلیم میں بھی تیز تھے۔ابتدائی تعلیم الطاغر ماڈل سکول جدہ' سیکنڈری سکول آف جدہ اور ایلیٹ سیکولر سکول جدہ سے حاصل کی۔1979ء میں ریاض کی شاہ عبدلعزیز یونیورسٹی سے سول انجینئرنگ میں ڈگری حاصل کی۔اسامہ نے ٹنل انجینئرنگ میں بھی خصوصی مہارت حاصل کی۔اس شعبے میں ان کی دلچسپی کی وجہ سعودی سرزمین میں چھپے خزانے تھے۔ان کا خیال تھا کہ سعودی عرب قدرتی و معدنی وسائل کے اعتبار سے دنیا کا امیر ترین خطہ ہے اور وہ ٹنل انجینئرنگ میں خصوصی مہارت سے یہ معدنی دولت زمین سے باہر نکالیں گے۔تعلیم مکمل کرنے کے بعد اسامہ اپنے خاندان کے دیگر افراد کے ساتھ کاروبار میں شامل ہوگئے۔

اسامہ اور افغانستان

1979ء میں سودیت یونین نے افغانستان پر حملہ کیا تو انھوں نے مجاہدین کی مالی امداد شروع کی۔1982ء میں

Marfat.com

اسامہ نے افغانستان جانے کا فیصلہ کیا۔ وہ اپنے ساتھ بڑی تعداد میں تعمیراتی مشینری بھی لے کر گئے جو انھوں نے مجاہدین کے حوالے کر دی۔ بعد ازاں انھوں نے زیادہ سے زیادہ وقت افغانستان میں گزارنا شروع کر دیا۔ وقتاً فوقتاً وہ جنگ میں حصہ لیتے رہے۔ ساری دنیا سے مجاہدین کو افغانستان لانے کی ذمہ داری بھی انہی کے کندھوں پر تھی۔ 1989ء تک اسامہ نے 100 سے زیادہ جھڑپوں اور چھوٹے آپریشنز میں حصہ لیا۔ وہ سال میں آٹھ ماہ سے زیادہ افغانستان میں گزارتے تھے۔

1984ء میں انہوں نے افغانستان میں اپنی موجودگی کو مضبوط کیا۔ پشاور میں ''بیت النصر'' کے نام سے ایک مہمان خانہ قائم کیا۔ اس گھر کو عرب مجاہدین کا پہلا مرکز کہا جاتا تھا جہاں وہ افغانستان کے محاذ پر جانے سے پہلے ٹھہرا کرتے تھے۔

1986ء میں اسامہ نے فیصلہ کیا کہ وہ افغانستان میں اپنے کیمپ قائم کریں۔ وہ سال کے اندر انہوں نے 6 سے زیادہ کیمپ بنا لئے۔ اسامہ نے اپنے محاذ قائم کرنے' اپنی جنگ لڑنے اور خود کمان کا فیصلہ کیا۔ عرب جنگجوؤں میں ان کے پاس سابقہ فوجی تھے جن کا تعلق شام اور مصر کی افواج سے تھا۔ چھوٹی چھوٹی جھڑپوں کے علاوہ ان کا سوویت یونین کی افواج سے پہلا براہ راست ٹکراؤ پکتیا کے صوبے میں ہوا۔ ان کو 1988ء میں احساس ہوا کہ وہ تنظیمی اعتبار سے کمزور ہیں۔ اسامہ نے فیصلہ کیا کہ اس سارے کام کو باقاعدہ طور پر منظم کیا جائے۔ انہوں نے تمام آنے والوں کے بارے میں تحریری ریکارڈ رکھنا شروع کیا کہ آیا وہ مجاہدین تھے' رضا کار تھے یا صرف دورہ کرنے والے تھے۔ ان کی تحریک کو باقاعدہ ضابطہ تحریر میں لایا گیا جسے ''القاعدہ'' کا نام دیا گیا۔ القاعدہ ایک عربی لفظ ہے جس کا مطلب ہے ''بنیاد''۔

1989ء میں افغانستان سے روسی فوجوں کے انخلا کے بعد وہ عام دورے پر سعودی عرب گئے جہاں ان کے سفر کرنے پر پابندی لگا دی گئی اور نظر بند کر دیا گیا۔ کویت پر عراقی حملے کے بعد تحفظ کے نام پر امریکی سعودی عرب آ گئے تھے۔ امریکی فوج کی سعودی عرب میں موجودگی پر اسامہ اور شاہی خاندان میں اختلافات پیدا ہو گئے۔

1991ء میں اسامہ نے سعودی شہریت چھوڑ دی اور 1992ء میں سوڈان چلے گئے۔ اسامہ نے سعودی عرب میں امریکی فوج کی موجودگی کے خلاف نہ صرف عرب نوجوانوں میں تحریک پیدا کی بلکہ دنیا بھر میں موجود دیگر تحریکوں سے رابطے کئے۔ اسی دوران اسامہ نے دنیا بھر میں موجود امریکی مفادات پر حملوں کا فتویٰ بھی جاری کیا۔ 1996ء میں اسامہ دوبارہ افغانستان پہنچے تو طالبان کے امیر ملا عمر نے انہیں سیاسی پناہ دی۔ اسامہ نے تورا بورا (افغانستان) میں جہادی کیمپ قائم کئے۔ 1997ء میں امریکی صدر بل کلنٹن نے اسامہ کی حوالگی کے لئے طالبان پر دباؤ ڈالا مگر ان کی یہ کوشش کامیاب نہ ہو سکی۔ 1998ء میں امریکہ نے اسامہ کو مارنے کے لئے افغانستان اور سوڈان میں کروز میزائلوں سے حملے کئے۔

اسامہ پر الزامات

اسامہ پر نیروبی دھماکوں سے لیکر ورلڈ ٹریڈ سنٹر اور پینٹاگون پر حملوں کے الزامات لگائے گئے۔ 2001ء میں نائن الیون کے بعد اسامہ امریکہ کو سب سے زیادہ مطلوب شخص کی حیثیت اختیار کر گئے۔ اسامہ کو پناہ دینے کے جرم میں امریکہ نے

Marfat.com

افغانستان کی طالبان حکومت کے خلاف جنگ شروع کو تو اسامہ القاعدہ قیادت کے ساتھ روپوش ہو گئے۔ دس برس سے امریکی فوج انہیں تلاش کر رہی تھی اور وہ امریکہ کو انتہائی مطلوب دس افراد کی فہرست میں پہلے نمبر پر تھے۔ ان کے سر کی قیمت 5 کروڑ ڈالر مقرر کی گئی تھی۔

اسامہ کے انتقال کی مختلف اطلاعات

2001ء سے 2010ء تک اسامہ بن لادن کے انتقال کی 7,8 مختلف اطلاعات اور شہادتیں سامنے آئیں۔ سب سے پہلے 26 دسمبر 2001ء کو فاکس نیوز نے ان کے انتقال کی خبر شائع کرتے ہوئے دعویٰ کیا کہ وہ جگر کی خرابی کی وجہ سے انتقال کر چکے ہیں۔ اس کی تصدیق میں مصر کے ایک اخبار "الوفد" نے اسامہ کے جنازے کی خبر بھی شائع کی۔ دوسری خبر 18 جولائی 2002ء کو اس وقت سامنے آئی جب ایف بی آئی کے سربراہ ڈوئل واٹسن نے بی بی سی کو انٹرویو دیتے ہوئے انکشاف کیا کہ اسامہ وفات پا چکے ہیں۔ تیسری خبر 16 اکتوبر 2002ء کو "ٹیلیگراف" نے اسرائیلی انٹیلی جنس کے حوالے سے شائع کی۔ 2005ء، 2006ء، 2007ء اور 2009ء میں بھی ان کے انتقال کی خبریں آتی رہیں۔ ان کے انتقال کی آخری خبر 23 دسمبر 2010ء کو امریکی اخبار "واشنگٹن ٹائمز" نے جاری کی۔ اس خبر میں اسامہ کی قبر کی بھی نشاندہی کر دی گئی تھی۔

اسامہ اور موت کی آنکھ مچولی

اسامہ ایک نڈر اور بہادر سپاہی تھے۔ بارہا انہوں نے اپنے آپ کو موت کے منہ میں دیکھا لیکن ان کی بہادری اور شجاعت کے سامنے موت منہ چھپائے پھرتی رہی۔ اسامہ نے ایک واقعہ سناتے ہوئے کہا کہ جہاد افغانستان کے دوران جاجی کے محاذ میں روسیوں نے شدید حملہ کر دیا۔ سامنے سے ٹینک آ گئے۔ اوپر سے ائرفورس بمباری کر رہی تھی۔ ایک گولہ بالکل ان کے قریب آ کر گرا لیکن پھٹا نہیں۔ کئی دن تک وہ ایک مورچے میں محصور رہے۔ دشمن کے قدموں کی چاپ بھی سنائی دیتی تھی۔ اس دوران میں انہیں نیند آ گئی۔ وہ مورچے میں سو گئے۔ جب آنکھ کھلی تو دشمن غائب تھا۔ بعد ازاں چار راکٹ ان کے بیڈ کو ہٹ کر گزرے لیکن وہ بھی نہ پھٹے۔ ایک دفعہ طورخم کی سرحد کے قریب شہداء کے قبرستان کے پاس ایک سکڈ میزائل ان کے بہت قریب گرا لیکن وہ محفوظ رہے۔

امریکی صحافی کا نرالا دعویٰ

18 مئی 2011ء کو ایک امریکی اخبار "ویٹرنز ٹوڈے" کے ایڈیٹر گورڈن ڈف نے دعویٰ کیا کہ ایبٹ آباد میں اسامہ بن لادن کے کلون کو قتل کیا گیا جو ریمنڈ ڈیوس کے زیر اثر کام کرتا تھا۔ ایبٹ آباد آپریشن اسامہ کی موت کا ایک تیسرے درجے کا ڈرامہ تھا۔ اسامہ کی لاش دراصل 2001ء میں افغانستان سے ملی تھی جسے امریکی فوج نے کسی سرد خانے میں رکھ کر اس کا کلون تیار کیا تھا۔

لاہور میٹرو بس سروس

10 فروری 2013ء کو لاہور میں افتتاح کے بعد ملکی تاریخ کی پہلی میٹرو بس چل پڑی۔ وزیر اعلیٰ پنجاب محمد شہباز شریف

Marfat.com

نے تختی کی نقاب کشائی کر کے عظیم منصوبے کا افتتاح کیا اور دعا مانگی۔ افتتاحی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ شہباز شریف نے کہا کہ میٹرو بس منصوبہ معاشرے سے طبقاتی تفریق کم کرنے کے لیے بڑا قدم ہے۔ امیر، غریب ایک ساتھ سفر کریں گے۔ افتتاحی تقریب میں نواز شریف، شہباز شریف، مریم نواز، چودھری نثار اور صوبائی وزراء اور 50 ممالک کے سیاسی رہنماؤں، سعودی عرب، کویت، ایران، افغانستان، سوڈان، فرانس، ملائیشیا، جاپان، قطر، مصر، امریکہ اور برطانیہ سمیت دیگر ممالک کے سفیروں نے بھی شرکت کی۔ لاہور میں نئی پہچان دینے والا میٹرو بس کا منصوبہ صرف 11 ماہ میں مکمل کر لیا گیا۔ بس کے 27 کلومیٹر لمبے ٹریک کو خوبصورتی کے ساتھ سجایا گیا۔ پارکس اینڈ ہارٹیکلچر اتھارٹی نے فیروز پور روڈ کو پھولوں اور آرائشی پودوں کے ساتھ سجایا۔ پل کے نیچے اور سڑک کے اطراف کیاریوں میں اگے پھول تروتازگی کے ساتھ لاہور کی خوبصورتی کو چار چاند لگا رہے تھے۔

ترکی نے برادرانہ تعلقات اور پاکستانیوں سے محبت کا ثبوت دیتے ہوئے نہ صرف میٹرو منصوبے میں تکنیکی معاونت فراہم کی بلکہ میٹرو پروجیکٹ میں بسوں کی فراہمی بھی ترک کمپنی نے کی۔ میٹرو منصوبے پر 30 ارب روپے کی سرمایہ کاری کی گئی جو ساڑھے 4 سال میں پوری ہو جائے گی۔ ہمارے ناقدین جو یہ کہتے ہیں کہ اس منصوبے کی لاگت 70 یا 90 ارب روپے بنتی ہے۔ ان میں سے ایک ''مہمان'' آج کل لاہور میں وقت گزار رہے ہیں۔ اگر وہ اور ان کے حواری یہ منصوبہ شروع کرتے تو 90 کی بجائے 200 ارب روپے لگ جاتے پھر بھی کبھی قیامت تک یہ منصوبہ مکمل نہ ہوتا۔ انہوں نے کہا کہ کاش یہ منصوبہ کراچی میں بھی شروع کیا جاتا جو روشنیوں کا شہر ہے۔ دو کروڑ سے زائد آبادی والا شہر اور پاکستان کی معیشت اور انڈسٹری کا گڑھ ہے تاہم اس جانب کوئی توجہ نہ دی گئی۔ کراچی کی ٹرانسپورٹ کا جو حشر ہے وہ ہماری معیشت کی کمزوری کی بڑی وجہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ میٹرو منصوبے کا ویژن اپنے قائد میاں نواز شریف سے لیا جو موٹروے کے معمار ہیں۔ میٹرو بس سسٹم امیر اور غریب کی تقسیم کو کم کرنے میں معاون ثابت ہوگا۔ جس میں محنت کش، صنعتکار، ڈاکٹر اور نرسیں، علماء، ورکرز، لیڈران اور یہ خادم بھی سفر کرے گا جس سے وقت اور روپے دونوں کی بچت ہوگی جبکہ ٹریفک بند ہونے کی شکایات اور رش میں بھی کمی ہوگی۔ انہوں نے کہا کہ 100 سے 150 گاڑیوں کی جگہ ایک بس کام دے گی۔

گوادر بندرگاہ۔۔۔۔۔۔۔ چین کے حوالے

18 فروری 2013ء کو پاکستان اور چین کے درمیان گوادر پورٹ کا نظام چین کے سپرد کرنے کا معاہدہ طے پا گیا۔ معاہدے پر دستخط کی تقریب ایوان صدر میں منعقد ہوئی۔ چیئرمین گوادر پورٹ اتھارٹی ڈاکٹر پرویز عباس، نیشنل لاجسٹک سیل کے میجر جنرل اصغر نواز، چیئرمین اے کے ڈی سیکیورٹی عقیل کریم ڈھیڈی، چائنا اوورسیز ہولڈنگ لمیٹڈ کے لیو فو نگ اور سنگا پور اتھارٹی کے نمائندے فیصل جاوید نے معاہدے پر دستخط کیے۔ معاہدے کے بعد سنگاپور گوادر پورٹ خالی کر دے گا اور چین کی ہاربر کمپنی فوری طور پر نظام سنبھال لے گی۔ دنیا کی بہت بڑی شپنگ لائن ''کوسکو شپنگ'' اور ٹرمینل آپریٹر ''چائنا مرچنٹ'' دونوں

Marfat.com

مل کر گوادر پورٹ کو چلائیں گی۔ معاہدے سے بلوچستان میں ترقی کا نیا دور شروع ہوگا۔ گوادر پورٹ سے نہ صرف پاکستان اور چین کے بلکہ پورے خطے میں تجارتی سرگرمیاں بڑھیں گی۔ چین کے کئی علاقوں سے گوادر ان کی اپنی بندرگاہوں سے زیادہ قریب ہے جبکہ وسط ایشیائی ممالک کے لیے بھی گوادر کی بندرگاہ انتہائی اہم ہے۔

پاکستان کی تیسری اہم بڑی اہم ترین بندرگاہ ''گوادر پورٹ'' ملک کے رقبے کے لحاظ سے سب سے بڑے صوبے بلوچستان میں بحیرہ عرب پر جہاز رانی اور مال برداری کا بہت بڑا منصوبہ ہے۔ گوادر بندرگاہ کراچی سے تقریباً 533 کلومیٹر اور ایران کے بارڈر سے 120 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس بندرگاہ کا فاصلہ سلطنت آف عمان سے تقریباً 380 کلومیٹر ہے اس طرح جغرافیائی لحاظ سے یہ بندرگاہ اہم ترین مقام پر واقع ہے۔ گلف سے جاپان اور مغربی ممالک کو ترسیل کی جانیوالی پٹرولیم مصنوعات کا یہ اہم ترین بحری راستہ ہے۔ گوادر پورٹ کی تکمیل اور مکمل طور پر آپریشنل ہو جانے کے بعد مغربی چین اور وسطی ایشیائی ممالک کے لیے زیادہ تر کارگو اس بندرگاہ سے خشکی کے راستے بہت آسانی سے بھیجا جا سکتا ہے۔ اس راستے سے چین اور وسط ایشیائی ممالک کو کارگو کی ترسیل نہ صرف ان ممالک کے لیے بہت آسان اور کم خرچ ہوگی بلکہ اس سے پاکستان کو بھی سالانہ اربوں ڈالر کی آمدنی حاصل ہوگی۔ گوادر پورٹ کارگو ترسیل کے لیے اس خطے میں مرکز کی حیثیت اختیار کر سکتا ہے۔ گوادر پورٹ خلیج فارس کے بالکل دہانے پر آبنائے ہرمز کے قریب خلیج فارس کے بہترین شپنگ روٹ پر واقع ہے۔ اس بندرگاہ کے قریبی علاقوں میں دنیا کے دوتہائی تیل کے ذخائر موجود ہیں۔ گوادر پورٹ کی اہمیت اس لحاظ سے بھی بڑھ جاتی ہے کہ یہ بندرگاہ سمندر کی نعمت سے محروم (لینڈ لاک) لیکن توانائی کے وسیع ذخائر رکھنے والے وسطی ایشیائی ممالک اور افغانستان کے انتہائی قریب گہرے سمندر پر واقع ہے۔ افغانستان اور بیشتر وسطی ایشیائی ممالک کی حدود کسی سمندر سے نہیں ملتی۔ جس کی وجہ سے ان کی تمام تر تجارت کا دارومدار دیگر پڑوسی ممالک کی بندرگاہوں پر ہوتا ہے۔

معاہدے کے مطابق گوادر بندرگاہ کا مکمل انتظام چین کی کمپنی سنبھالے گی تاہم اس کی ملکیت پاکستان ہی کے پاس رہے گی۔ معاہدے کی رو سے چین کی کمپنی گوادر میں فری اکنامک زون اور بندرگاہ سے رتوڈیرو تک دورویہ سڑک کی تعمیر کرے گی۔ ڈی جی پورٹس اینڈ شپنگ اظہر شمیم نے کہا کہ گوادر پورٹ کے شیئرز چائنا پورٹ ہولڈنگ کو منتقل ہو گئے ہیں۔ ذرائع کے مطابق شیئرز کی مالیت 3 کروڑ 50 لاکھ ڈالر ہے۔

صدر مشرف کے دور اقتدار میں وزیر اعظم شوکت عزیز نے گوادر کی بندرگاہ سنگاپور کی ایک کمپنی کو دی لیکن سنگاپور کی یہ کمپنی اس بندرگاہ کو تجارتی مقاصد کے لیے متحرک کرنے میں ناکام رہی۔ راز دانوں کا کہنا ہے کہ گوادر کی بندرگاہ سنگاپور کے حوالے کروانے میں امریکی آشیرباد شامل تھی۔ اس کا مقصد محض اور محض چین کو گوادر سے دور رکھنا تھا۔ اس عظیم قومی منصوبے کو قابل عمل بنانے کے معاملے کو قومی مفاد کی بجائے اس دور کے حکومتی مفاد (اپنی حکومت کے لیے امریکی حمایت حاصل کرنا) کو سامنے رکھ کر کیا گیا۔ ایک دہائی سے زائد عرصے تک پاکستان اس اہم ترین منصوبے سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکا۔ اس کا حساب کون دے گا اور یہ حساب کس طرح لیا جائے گا؟ اس کا جواب عوام مانگ رہے ہیں اس مجرمانہ فعل کے مرتکب افراد کے خلاف

Marfat.com

قانون کے مطابق کاروائی ہونی چاہیئے۔

گوادر پورٹ تعمیر کے منصوبے کے لیے پہلی مرتبہ 1954ء میں اس وقت سروے کیا گیا تھا جب یہ علاقہ ابھی سلطنت آف عمان کا حصہ تھا اس مقصد کے لیے اس علاقے کی کوسٹ لائن کا سروے کرنے کے لیے یونائیٹڈ سٹیٹس جیولوجیکل سروے کی خدمات بھی حاصل کی گئی تھیں۔اس ادارے کی سروے رپورٹ میں اس مقام کو بندرگاہ کی تعمیر کے لیے موزوں قرار دیا گیا تھا جس کے چار سال بعد پاکستان نے مسلسل مذاکرات کے نتیجے میں گوادر کا علاقہ سلطنت آف عمان سے 8 ستمبر 1958ء کو تیس لاکھ ڈالر میں حاصل کر لیا۔اس وقت گوادر ایک چھوٹا سا اور پسماندہ فشنگ گاؤں تھا جس کی آبادی محض چند ہزار تھی۔

گوادر تاریخی اعتبار سے کئی دلچسپ حقائق کے لیے ہے۔تاریخی حوالے بتاتے ہیں کہ قیام پاکستان سے پہلے قلات کے نواب، نے گوادر کو مسقط کے ایک شہزادے کو (جوان کا داماد بنا) اپنی بیٹی کو جہیز میں دے دیا تھا۔1958ء میں بھارت گوادر کو مسقط سے خریدنا چاہتا تھا لیکن پاکستان نے جغرافیائی اہمیت کی بناء پر ایسا نہ ہونے دیا۔وزیر اعظم فیروز خان کے زمانے میں گوادر کو مسقط سے خرید لیا گیا اور یوں گوادر دوبارہ پاکستان کا حصہ بن گیا۔

پاکستان ان دنوں جن حالات اور مشکلات کا شکار ہے اس پس منظر میں گوادر بندرگاہ کا انتظام چین کے حوالے کرنا ایک خوش آئند اور احسن اقدام ہے۔ایران، پاکستان گیس پائپ لائن معاہدہ اور گوادر کا انتظام چین کے حوالے کرنا موجودہ حکومت کے دو ایسے فیصلے ہیں جو ہماری معیشت کو مستقبل میں مستحکم کرنے میں کلیدی کردار ادا کر سکتے ہیں۔شرط صرف یہ ہے کہ ان منصوبوں پر عمل درآمد ترجیحی بنیادوں پر ہو۔پاک چین معاہدے کی رو سے گوادر کی بندرگاہ پاکستان کی ملکیت ہی رہے گی۔چین کی کمپنی صرف اس کا انتظام و انصرام کرے گی اور جو منافع حاصل ہوگا اس میں وہ بھی حصہ دار ہوگی۔

گوادر پاکستان میں سمندری حیات، مچھلی اور جھینگوں کا مرکز ہے۔گوادر سے حاصل ہونے والی مچھلی اور جھینگے میں دنیا بھر کے شائقین بڑی دلچسپی سے رکھتے ہیں۔یہاں پائی جانے والی ٹونا مچھلی "Tuna Fish" بین الاقوامی مارکیٹ میں فروخت ہونیوالی انتہائی قیمتی مچھلی ہے۔خاص طور پر جاپان اور گلف کی ریاستوں میں اس مچھلی کی بڑی مانگ ہے۔اس مچھلی کو یخ بستہ Containors میں ڈال کر کراچی کے راستے بحری جہازوں کے ذریعے جاپان اور دوسرے ممالک بھیجا جاتا ہے جہاں اس کی پروسیسنگ processing کے بعد "Tin Pack" کر کے انتہائی قیمت پر عالمی مارکیٹ میں فروخت کیا جاتا ہے۔گوادر کی بندرگاہ سے حاصل ہونیوالی مچھلی اور جھینگوں کو تجارتی بنیادوں پر محفوظ بنانے کے لیے Economic Zone میں Processing اور Packing کی سہولتیں فراہم کرنے کے منصوبے پر عمل درآمد بھی ہونا چاہیئے۔اس کی تکمیل سے ماہی گیری کی صنعت کو جدید تقاضوں کے مطابق ڈھالنے کے ساتھ ساتھ ماہی گیری سے پاکستان کو لاکھوں ڈالرز بھی حاصل ہوں گے۔

عصر اور مغرب کے درمیانی وقفے میں گوادر شہر کی ساحلی پٹی پر ماہی گیر اپنی دن بھر کی کمائی ساحلی ریت پر ڈال دیتے ہیں۔ہر کشتی سے سینکڑوں من مچھلی اور جھینگے ساحل سمندر پر ڈھیر کر دیے جاتے ہیں۔ملکی اور بین الاقوامی تاجران کی خرید

Marfat.com

فروخت میں مصروف نظر آتے ہیں۔ پاکستان میں سالانہ 6 سے 8 لاکھ میٹرک ٹن سمندری مچھلی اور جھینگے حاصل ہوتے ہیں۔ جن میں سے 70 فیصد پیداوار سندھ اور بلوچستان کی ساحلی پٹی سے حاصل ہوتی ہے۔ گوادر اور کراچی کے ساحل سے 80 ملین ڈالرز کے جھینگے حاصل کیے جاتے ہیں۔ سنگاپور، گلف، یورپی یونین، جاپان اور امریکہ سبھی گوادر کے ساحل سے حاصل ہونے والے جھینگوں کی تجارت میں خصوصی دلچسپی رکھتے ہیں اور اس صنعت میں سرمایہ کاری کے لیے شریک کار بننے کے خواہشمند ہیں۔

چین اپنی ضروریات کا ساٹھ فیصد تیل خلیجی ممالک سے درآمد کرتا ہے۔ گوادر کی بندرگاہ کا انتظام سنبھالنے سے چین کو خلیجی ممالک سے تیل کے حصول اور بحری تجارت میں بڑی آسانی ہوگی۔ چین آبادی کے اعتبار سے دینا کا سب سے بڑا ملک اور زمینی اعتبار سے دنیا کا چوتھا بڑا ملک ہونے کے باوجود گرم پانیوں کی بندرگاہ سے محروم ہے۔ چین کو بحری تجارت کے لیے شنگھائی کی بندرگاہ استعمال کرنا پڑتی ہے۔ چین کے تجارتی جہازوں کو سامان لانے اور لیجانے کے لیے سولہ ہزار کلومیٹر تک کا سفر دو سے تین ماہ میں طے کرنا پڑتا ہے۔ سفر کے دوران تجارتی جہازوں کو بحری قزاقوں، متحارب سیاسی قوتوں اور شدید موسموں کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے۔ گوادر کے گرم پانیوں سے چین کا تجارتی فاصلہ صرف ڈھائی ہزار کلومیٹر ہے اور گوادر کی بندرگاہ سارا سال کام کرتی ہے۔ چین گوادر کی ترقی میں خصوصی دلچسپی رکھتا ہے جبکہ امریکہ اور بھارت ہر ممکن کوشش ہے کہ چین گوادر تک نہ آسکے۔ مستقبل کی تجارت، صنعت اور جہاز رانی کے مرکز گوادر کی ترقی میں پاکستان کا خوشحال مستقبل بھی پوشیدہ ہے۔ اگر یہاں ترقی کی رفتار منصوبے کے مطابق جاری رہی تو آئندہ چند برسالوں میں پاکستان کی بحری تجارت تین گنا بڑھ جائے گی جو نہ صرف پاکستان بلکہ ہمسایہ ممالک کی بحری تجارت میں بھی تبدیلی کا باعث بنے گی۔ مشرق وسطیٰ اور جنوبی ایشیا کے سنگم میں واقع گوادر کو دبئی کا متبادل تجارتی مرکز قرار دیا جاتا ہے۔ یوں گوادر کی بندرگاہ کئی اعتبار سے پاکستان اور چین کی معاشی اور دفاعی حکمت عملی میں بڑی اہمیت رکھتی ہے۔

عام انتخابات 2013ء کا انعقاد

11 مئی 2013ء کو ملک میں چودھویں اسمبلی کے لیے عام انتخابات کا انعقاد کیا گیا۔ یہ انتخابات ریکارڈ ٹرن آؤٹ اور پولنگ کے لیے زبردست جوش وخروش کے حوالے سے یادگار رہے۔ قومی اسمبلی کے ابتدائی غیر سرکاری نتائج کے مطابق پاکستان مسلم لیگ (ن) نے 125 نشستوں پر برتری حاصل کی تھی جبکہ تحریک انصاف اور پیپلز پارٹی پیچھے تھیں۔ تحریک انصاف 30 اور پیپلز پارٹی 32 پر سبقت لیے ہوئے تھی، الیکشن میں حصہ لینے والی کئی برج الٹ گئے۔ ایم کیو ایم نے 17، جے یو آئی (ف) نے 10، مسلم لیگ (ف) اور جماعت اسلامی نے 4،4، پختونخواہ ملی عوامی پارٹی نے 3 نیشنل پارٹی نے 2،2، جبکہ اے این پی اور مسلم لیگ (ق) نے ایک نشست حاصل کی۔

پاکستان مسلم لیگ ن نے قومی اسمبلیل اور پنجاب اسمبلی میں واضح اکثریت حاصل کی۔ وہ مرکز اور پنجاب میں حکومت سازی کی پوزیشن میں آگئی۔ پاکستان مسلم لیگ ن قومی اسمبلی میں سنگل لارجسٹ پارٹی بن کر سامنے آئی۔ قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلیوں کے چند حلقوں میں انتخابی امیدواروں کے انتقال / قتل کے باعث پولنگ ملتوی ہوئی۔ عام انتخابات میں واضح شکست

Marfat.com

نے پاکستان پیپلز پارٹی کو علاقائی جماعت بنا دیا اور وہ صرف اندرون سندھ تک ہی محدود ہو کر رہ گئی۔ پاکستان تحریک انصاف نے خلاف توقع صوبہ خیبر پختونخواہ سے واضح کامیابی حاصل کی۔ وہاں پی پی اور اے این پی کو بدترین شکست سے دوچار ہونا پڑا۔

یورپی یونین کے مطابق پاکستان میں انتخابات میں دھاندلی کے الزامات نہیں لگائے جا سکتے۔ پرامن انتقال اقتدار پاکستان کی بڑی کامیابی ہو گی۔ البتہ یورپی یونین مبصر مشن کے سربراہ گاہلر نے انتخابات کے روز دہشت گردی اور پرتشدد واقعات پر گہری تشویش کا اظہار کیا۔ کراچی، کوئٹہ، پشاور، نصیر آباد، چمن اور مستونگ میں انتخابی تشدد، دھماکوں اور فائرنگ سے 63 افراد جاں بحق اور 177 زخمی ہو گئے چیف الیکشن کمشنر فخر الدین جی ابراہیم کے مطابق ملک بھر میں ٹرن آؤٹ 60 فیصد رہا۔ بھرپور عوامی شرکت کے باعث ملک بھر میں پولنگ کا وقت ایک گھنٹہ اور کراچی کے 20 حلقوں میں 3 گھنٹے بڑھایا گیا۔ گزشتہ انتخابات میں ٹرن آؤٹ 45.67 فیصد رہا تھا۔

میاں محمد نواز شریف (تیسری بار وزیر اعظم بننے کا اعزاز)

5 جون 2013ء کو پاکستان مسلم لیگ (ن) کے صدر میاں محمد نواز شریف 13 سال بعد تیسری بار دو تہائی اکثریت سے زائد ووٹوں سے ملک کے وزیر اعظم منتخب ہو گئے۔ نومنتخب قائد ایوان میاں محمد نواز شریف نے 317 ارکان میں سے 244 ووٹ حاصل کیے جبکہ پیپلز پارٹی کے مخدوم امین فہیم کو 42 اور تحریک انصاف کے مخدوم جاوید ہاشمی کو 31 ووٹ ملے۔ متحدہ، پختونخوا ملی عوامی پارٹی، جے یو آئی (ف)، جماعت اسلامی، قومی وطن پارٹی، مسلم لیگ ضیاء اور فنکشنل لیگ سمیت فاٹا کے ارکان نے بھی قائد ایوان کے انتخاب کے لیے مسلم لیگ (ن) کے صدر محمد نواز شریف کو ووٹ دیئے۔

قومی اسمبلی میں میاں نواز شریف، مخدوم امین فہیم اور مخدوم جاوید ہاشمی کے درمیان مذاکرات وزارت عظمیٰ کے لیے مقابلہ ہوا۔ سپیکر قومی اسمبلی سردار ایاز صادق نے ارکان کو قائد ایوان کے انتخاب کے لیے شیڈول اور طریقہ کار سے آگاہ کیا جس کے بعد پانچ منٹ کے لیے گھنٹیاں بجانے کے بعد ایوان میں داخلے کے تمام دروازے بند کر دیے گئے۔ سپیکر نے ارکان کو اپنے اپنے امیدوار کو ووٹ ڈالنے کے لیے تین تین لابیوں میں تقسیم کر دیا۔ میاں نواز شریف کو ووٹ ڈالنے والوں کو لابی اے، مخدوم امین فہیم کو ووٹ ڈالنے والوں کو لابی بی اور جاوید ہاشمی کو ووٹ ڈالنے والوں کو لابی سی میں جانے کے لیے کہا گیا۔ تینوں لابیوں کے داخلی دروازے پر قومی اسمبلی کا عملہ ارکان کے ناموں کا اندراج کرتا رہا۔ وزارت عظمیٰ کا انتخاب ڈویژن کی بنیاد پر ہوا۔ جب ایوان میں موجود تمام ارکان اپنی اپنی لابیوں میں اپنے اپنے امیدواروں کو ووٹ ڈالنے کے لیے جا چکے تو اسپیکر نے ایک بار پھر ایوان میں دو منٹ کے لیے گھنٹیاں بجوائیں تاکہ اگر کوئی ارکن ووٹ ڈالنے سے رہ گیا ہو تو وہ ووٹ ڈال سکے۔ اس کے بعد اسپیکر نے عملہ سے کاؤنٹ مہرست منگوائی جس کے بعد انہوں نے ارکان ایوان میں واپس آنے کے لیے کہا۔ تقریباً نصف گھنٹے میں پولنگ کا عمل مکمل ہو گیا۔ سیکرٹری قومی اسمبلی کرامت حسین نیازی نے نتائج مرتب کیے۔ تینوں امیدواروں کے پولنگ ایجنٹوں نے بھی گنتی کے عمل کی نگرانی کی۔ قائد ایوان کے انتخاب میں کل 317 ارکان قومی اسمبلی نے حصہ لیا۔ سپیکر ایاز صادق نے

Marfat.com

نواز شریف کے وزیر اعظم منتخب ہونے کا اعلان کیا کہ میاں نواز شریف نے 244، امین فہیم نے 42، جاوید ہاشمی نے 31، ووٹ حاصل کیے ہیں۔نواز شریف نے وزیر اعظم کی حیثیت سے 5 جون 2013ء کی شام ایوان صدر اسلام آباد میں حلف اٹھایا۔ پاکستان کے صدر آصف علی زرداری نے ایک تقریب میں ان سے حلف لیا۔

ممنون حسین کے بارہویں صدر منتخب

30 جولائی 2013ء کو حکمران مسلم لیگ (ن) کے ممنون حسین 432 ووٹ لیکر اگلے 5 سال کے لئے ملک کے 12 ویں صدر منتخب ہوئے۔تحریک انصاف کے جسٹس وجیہ الدین کو شکست ہوئی انہوں نے 77 ووٹ حاصل کئے۔پیپلز پارٹی، این این پی اور بی این پی عوامی نے بائیکاٹ کیا۔مسلم لیگ (ن) نے مرکز میں بائیکاٹ کیا، بلوچستان اسمبلی میں (ق) لیگ کے اراکین نے ممنون حسین کے حق میں ووٹ ڈالا۔پارلیمنٹ ہاؤس اور چاروں صوبائی اسمبلیوں میں پولنگ صبح 10 بجے سے سہ پہر 3 بجے تک ہوئی۔ انتخاب خفیہ رائے شماری سے ہوا۔ اسلام آباد ہائی کورٹ اور چاروں ہائی کورٹس کے چیف جسٹز نے پریزائیڈنگ افسران کے فرائض ادا کئے۔ممنون حسین کی کامیابی پر قومی اسمبلی ہال میں اراکین نے زبردست ڈیسک بجائے۔ وزیر اعظم میاں محمد نواز شریف اور دیگر اراکین نے گلے لگا کر ممنوں حسین کو ملک کا نیا سربراہ مملکت منتخب ہونے پر مبارکباد دی۔

پارلیمنٹ ہاؤس میں کل 314 ووٹ ڈالے گئے، 311 ووٹ درست تھے اور 3 ووٹ مسترد ہو گئے۔مسلم لیگ (ن) کے صدارتی اُمیدوار ممنون حسین کو 277 ووٹ ملے جبکہ تحریک انصاف کے اُمیدوار وجیہ الدین احمد کو 34 ووٹ ملے۔ سندھ اسمبلی میں کل 69 ووٹ کاسٹ ہوئے، 64 ممنون حسین کو اور 5 وجیہ الدین احمد نے حاصل کئے۔خیبر پختونخواہ اسمبلی میں کل 110 ووٹ کاسٹ ہوئے، ممنون حسین کو 41 تحریک انصاف کے امیدوار جیہ الدین احمد کو یہاں سب سے زیادہ 69 ووٹ ملے۔ بلوچستان اسمبلی میں 56 ووٹ کاسٹ ہوئے، 55 ممنوں حسین کو اور ایک ووٹ وجیہہ الدین احمد نے لیا۔ پنجاب اسمبلی میں کل 338 ووٹ ڈالے گئے، 332 ووٹ درست ہوئے، 6 ووٹ مسترد گئے، ممنون حسین نے 309 جبکہ وجیہ الدین احمد نے 23 ووٹ حاصل کئے۔خفیہ رائے شماری کے باعث پولنگ کے دوران اراکین پارلیمنٹ موبائل فون پولنگ بوتھ میں لے جانے کی اجازت نہیں کی تھی۔قومی اسمبلی اور سینٹ کے مشترکہ اجلاس میں سب سے پہلا ووٹ سینٹر عباس آفریدی نے کاسٹ کیا۔وزیر اعظم میاں محمد نواز شریف اور وزیر داخلہ چوہدری نثار علی خان نے اختتامی لمحات میں ووٹ کا استعمال کیا

چیف الیکشن کمشنر فخر الدین جی ابراہیم نے صدارتی انتخابات کے سرکاری نتائج کا اعلان کرتے ہوئے بتایا کہ مسلم لیگ (ن) ممنون حسین 432 ووٹ لیکر صدر پاکستان منتخب ہوئے جبکہ ان کے مخالف پی ٹی آئی کے جسٹس (ر) وجیہ الدین نے 77 ووٹ حاصل کئے۔انہوں نے صدارتی انتخابات 5 مقامات پر منعقد ہوئے۔ ووٹرز کی تعداد 1174 تھی جن میں 50 سیٹیں خالی جبکہ رجسٹرڈ ووٹرز کی تعداد 1124 تھی جن میں سے 887 ووٹرز نے حق رائے دہی استعمال کیا اور 9 ووٹ مسترد ہو گئے۔کابینہ ڈویژن نے ممنون حسین کی کامیابی کا نوٹیفکیشن جاری کر دیا۔

Marfat.com

1956ء کے آئین کے نافذ العمل ہونے کے بعد سے لیکر اب تک صدر بننے والی بارہ شخصیات میں سے سات سویلین اور پانچ جرنیل شامل ہیں۔ میجر جنرل سکندر مرزا، فیلڈ مارشل جنرل محمد ایوب خان، جنرل یحییٰ خان، جنرل ضیاء الحق اور جنرل پرویز مشرف کا تعلق فوج سے جبکہ سویلین صدور میں ذوالفقار علی بھٹو، چوہدری فضل الرحمٰن، غلام اسحٰق خان، سردار فاروق خان لغاری، محمد رفیق تارڑ ور آصف علی زرداری کے اب ممنون حسین صدر منتخب ہوئے ممنون حسین 2 مارچ 1940ء کو بھارت کے شہر آگرہ میں پیدا ہوئے 1954ء میں وہ ہجرت کر کے پاکستان آ گئے اور کراچی کو اپنا مسکن بنایا۔ 1960ء میں انسٹیٹیوٹ آف بزنس ایڈمنسٹریشن سے گریجویشن کی۔ وہ ایوان صنعت وتجارت کراچی کے صدر 1999ء میں گورنر سندھ کے عہدہ پر بھی فائزرہ چکے ہیں۔ ممنون حسین نے 9 ستمبر 2013ء کو اپنے عہدے کا حلف اُٹھایا۔

وزیراعظم نواز شریف کا کامیاب دورۂ چین

3 تا جولائی 2013ء وزیراعظم پاکستان میاں محمد نواز شریف نے اپنا پہلا غیر ملکی سرکاری دورہ کیا۔ وزیراعظم شریف اور چینی وزیراعظم کی چیانگ کے درمیان اہم ملاقات ہوئی۔ دونوں وزرائے اعظم کے درمیان ون ٹو ون ملاقات ہوئی جو ایک گھنٹہ جاری رہی بعد ازاں وفود بھی ملاقات میں شریک ہو گئے۔ ملاقات میں خطے کی صورتحال، دہشت گردی کے خاتمے، علاقائی ترقی، تجارت ومعیشت کے سرمایہ کاری میں اضافے پر اتفاق کیا۔ اس موقع پر 8 اہم معاہدوں، سمجھوتوں اور مفاہمتی یادداشتوں پر دستخط کئے گئے۔ چینی وزیراعظم لی کی چیانگ نے میڈیا سے گفتگو کرتے ہوئے نواز شریف کی چینی عوام سے گہری محبت اور خلوص کو خراج تحسین پیش کیا۔ نواز شریف نے کہا کہ پاک چین دوستی ہمالیہ سے اونچی سمندروں سے گہری اور شہد سے میٹھی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ وزارت عظمٰی کا منصب سنبھالنے کے لئے پہلے غیر ملکی دورے کے لئے چین کا انتخاب کیا ہے۔ جوان کے لئے باعث فخر ہے۔ دونوں وزرائے اعظم نے دوطرفہ تعلقات مزید بہتر بنانے اور دونوں ملکوں کے درمیان معاہدوں کو عملی جامہ پہنانے پر اتفاق کیا۔ مذاکرات کے بعد چینی وزیراعظم نے وزیراعظم نواز شریف اعزاز میں گریٹ ہال میں روایتی ظہرانہ دیا۔
8 معاہدوں اور مفاہمت کی یادداشتوں میں تجارتی اور اقتصادی راہداری قائم کرکے سمیت دیگر معاملات شامل ہیں۔

ملاقات میں علاقائی سیکورٹی کی صورتحال بالخصوص افغانستان سے امریکی فوجوں کے انخلاء کے بعد کی صورتحال پر غور کیا۔ چینی وزیراعظم نے کہا کہ چین پاکستان کی جغرافیائی حیثیت کو سمجھتا ہے اور امن واستحکام کے ساتھ پاکستانی عوام اور خطے کی ترقی وخوشحالی کیلئے مل کر تیار ہیں۔ پاکستان اور چین معاشی تعاون کو خطے کے دیگر ممالک تک پھیلانے کیلئے 18 ارب ڈالر کاشغر سے گوادر تک راہداری قائم کرنے، 3 سال میں 44 کروڑ ڈالر سے کاشغر سے اسلام آباد تک فائبر آپٹک سسٹم بچھانے، معاشی وفنی تعاون کو فروغ دینے، پاکستان کو پولیو فری ملک بنانے کیلئے تعاون، تعلیم کے لئے سود سے پاک قرضے، ٹیکسٹائل میں تعاون، قدرتی آفات سے نمٹنے کے لئے معاہدوں کے علاوہ کراچی سے لاہور تک موٹروے سے متعلق مفاہمت کی ایک یادداشت پر دستخط کئے۔ اس کے علاوہ پنجاب میں انڈر انرجی سمیت مختلف تعمیراتی منصوبوں ۲ ہزار میگاواٹ کو کوئلے کے منصوبے

Marfat.com

پر بھی تعاون کے معاہدے کیے گئے۔نواز شریف کی بہت پر چینی وزیر اعظم لی کی چیانگ نے پاکستان کو ساورن گارنٹی سے مستثنیٰ قرار دیا۔چینی وزیر اعظم کے اس فیصلے سے پاکستان کو کروڑوں کی چھوٹ مل جائے گی۔

نواز شریف سے چائنہ اوور سیز ہولڈنگ کمپنی کے وفد نے بھی ملاقات کی۔چینی کمپنی نے گوادر پورٹ کی تعمیر ،لنک روڈ اور ایئرپورٹ رسائی کیلئے سڑکیں بنانے پر رضامندی ظاہر کی ہے۔نارینکو کمپنی کے وفد نے ملاقات میں انڈر گراؤنڈ میٹرو سسٹم اور ٹرانزٹ اسکیم کے تحت میں تبادلہ خیال کیا۔

پہلا معاہدہ پاک چین اقتصادی راہداری سے متعلق تقریباً ۲۰۰ کلو میٹر طویل سرنگوں کی تعمیر سمیت ۱۸ ارب ڈالر مالیت کا شاندار منصوبہ ہے۔اس پر وفاقی وزیر منصوبہ بندی و ترقی احسن اقبال اور چین کے قومی ترقی و اصلاحات کمیشن کے چیئرمین شاؤنتی نے کیے۔چینی وزیر اعظم نے کہا کہ چین کو اس راہداری میں سٹریٹجک دلچسپی ہے۔پاکستان اور چین کے درمیان اقتصادی،اور تیکنیکی تعاون میں بھی معاہدے میں بھی طے پایا۔جس پر وزیر اعظم کے معاون خصوصی برائے خارجہ امور طارق فاطمی نے دستخط کیے۔ٹیکسٹائل غزائی سہولت ور آفات سے نمٹنے کیلئے تربیتی کورسوں اور پولیو کے خاتمے کے لئے ساز و سامان کی فراہمی کے بارے میں ۲ دستاویزات پر دستخط کیے مسلم لیگ (ن) اور کمیونسٹ پارٹی آف چائنا کے درمیان تعاون اور تبادلوں کے لئے ایک اور مفاہمتی یادداشت پر دستخط ہوئے۔وزیر اعظم خصوصی طارق فاطمی نے انسٹی ٹیوٹ آف سٹریٹجک سٹڈیز اور چینی ادارہ برائے عصری علوم کے درمیان تعاون کی مفاہمتی یادداشت پر پاکستان اور چین میں مواصلاتی رابطہ قائم کرنے کیلئے فائبر آپٹک بچھانے کیلئے پاکستان کی سٹریٹجک کیمونی نیکشن آرگنائزیشن اور ہوائی کمپنی نے دستاویز پر دستخط کیے۔پنجاب کے وزیر توانائی چودھری شیر علی نے لوکل ہومز سولر سلوشن پراجیکٹ کے بارے میں ایم او یو پر کیے۔

وزیر اعظم نواز شریف نے ہدایت کی کہ لاہور، کراچی موٹروے منصوبے کی ۳ ماہ میں فزیبلٹی سٹڈی کو حتمی شکل دینے کے بعد منصوبے سال کے اندر مکمل کیا جائے۔نہ صرف پاکستان کیلئے ایک منصوبہ ہے بلکہ اس سے کراچی سے لاہور، ملتان، اسلام آباد اور پشاور والی ٹریفک چند گھنٹوں میں اپنا سفر مکمل کرے گی۔گوادر کاشغر موٹروے کو کراچی لاہور موٹروے کے ساتھ منسلک کیا جائے گا۔قبل ازیں کنسٹرکشن انجینئرنگ کے کارپوریشن کے چیئرمین ژی جن نے وزیر اعظم کے ساتھ ملاقات میں پشاور اور کراچی کے درمیان مجوزہ بلٹ ترین منصوبے کی تعمیر کے لئے اپنی کمپنی کی خدمات بھی پیش کیں۔

مشترکہ اعلامیہ

پاکستان اور چین نے نئے دور میں سٹریجک شراکت داری مزید مضبوط بنانے کیلئے مشترکہ ویژن کے بارے میں ۴۰ مشترکہ اعلامیہ جاری کیا جس میں دونوں ممالک تمام شعبوں میں عملی تعاون کو مزید گہرا کرنے اور علاقائی و عالمی معاملات میں رابطے و تعاون بڑھانے کا فیصلہ کیا۔وزیر اعظم نواز شریف کے پہلے دورہ چین کے موقع پر جاری مشترکہ اعلامیہ میں کہا گیا کہ مرکوز پالیسیوں پر عمل درآمد کے عزم کا اعادہ کیا جن سے غربت میں کمی آئے، سماجی اور اقتصادی ترقی کو فروغ ملے اور لڑائی کے

Marfat.com

اسباب دور ہوں۔ پاکستان نے ایک چین کی پالیسی کی جاری رکھے، تائیوان اور تبت کی آزادی کی مخالفت، اور انتہا پسندی، دہشت گردی اور علیحدگی پسندگی کی برائیوں کے خاتمے کیلئے چینی کوششوں کی حمایت جاری رکھنے کا اعادہ کیا اور کہا کہ ہم مشرقی پاکستان تحریک کو اپنا مشترکہ خطرہ سمجھتے ہوئے وراس اس لعنت کے سدباب کے لے متحد ہیں۔

حسن روحانی ایران کے نئے صدر منتخب

۱۵۔ جون۔۲۰۱۳ء کو سامنے آنے والے صدارتی الیکشن کے حتمی نتائج کے مطابق اصلاح پسند، حسن روحانی ایران کے صدر منتخب گئے۔ ایران کے صدارتی انتخاب میں چھ اُمیدوار مدمقابل تھے جن میں سے بیشتر قدامت پسند تھے۔ تاہم صدارتی انتخاب لڑنے کیلئے امیدواروں میں ۶۴ سالہ حسن روحانی اصلاح پسند کے طور پر سامنے آئے۔ حسن روحانی کی مغربی ممالک سے نئے روابطہ قائم کرنے کی ضرورت پر کی جانے والی تقریر کے بعد انہیں بھرپور عوامی پزیرائی ملی۔ قدامت پسند امیدواروں میں جوہری مزاکرات کار سعید جلیل اور تہران کے میئر محمد باقر قالیبات شامل تھے۔ نئے صدر کیلئے ملک کی مہنگائی اور بے روزگاری کے باعث ملک کی مشکل اقتصادی صورتحال کو درست کرنا۔ ایران کو اپنے متنازع جوہری پروگرام کے باعث کئی بین الاقوامی پابندیوں کا سامنا ہے۔ بڑے پالیسی سازی کے فیصلوں کا اختیار ملک کے رہبر اعلیٰ کے پاس رہے گا سپریم رہنما آیت اللہ خامنہ ای نے روحانی کو مبارکباد دی۔ حسن روحانی نے 51 فیصد جبکہ تہران کے میئر قدامت پسند محمد باقر قالیاف نے ۱۶ فیصد، سعید جلیلی نے ۱۱ فیصد اور پاسداران انقلاب کے سابق کمانڈر محسن رضائی نے بھی ووٹ حاصل کیے۔ نومنتخب صدر حسن روحانی نے ایک کروڑ ۸۶ لاکھ ۱۳ ہزار ۳۲۹ ووٹ حاصل کیے۔ صدارتی اُمیدوار محمد باقر نے شکست تسلیم کرتے ہوئے نتائج قبول کر لئے۔ وزیر داخلہ مصطفیٰ محمد نجار نے میڈیا کو بتایا کہ نومنتخب صدر حسن روحانی نے پچاس فیصد سے زائد ووٹ حاصل کیے ہیں اس لئے اب ان آف مرحلے کی ضرورت نہیں رہی ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ انتخابات مکمل طور پر صاف شفاف ہوئے اور حکومت نے بھی صدارتی اُمیدوار کی حمایت نہیں کی۔ ان کا کہنا تھا کہ مغربی حکام نے ایران پر انتخابات میں دھاندلی کے الزامات عائد کئے تھے تاہم سب نے دیکھا کہ انتخابات میں کسی قسم کی دھاندلی کی گئی تو نہ حکومتیں اثر ورسوخ استعمال کیا گیا۔ محمد باقر قالیباف ۲۵ لاکھ ۶۰ ہزار سے زائد ان کے بعد محسن رضائی کا نمبر ہے جنہیں ۱۲ لاکھ اور سعید جلیل کو ۱۹ لاکھ کے قریب ووٹ ملے۔

حسن روحانی کا مختصر تعارف

ایران کے نومنتخب صدر حسن روحانی ۱۲۔ نومبر ۱۹۴۸ء کو سمنان کے قریب قصبہ سورفیہ میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے سکاٹ لینڈ گلاسکو کیلڈین یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ آف لاء کی ڈگری لی۔ کنسٹرکشن پارٹی اہم عہدوں پر فائز رہے۔ دیگر سیاسی جماعتوں سے بھی اتحاد کیا، ان کے ۴ بچے ہیں۔ یونیورسٹی آف تہران میں پڑھے اور امریکہ سے تعلقات بحال کے خواہاں رہے۔ وہ کئی وزارتی عہدوں پر فائز ہیں اور جوہری پروگرام کی ثالثی کے سربراہ کے طور پر بھی کام کر چکے ہیں۔ ۱۹۷۹ء میں اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد ڈاکٹر حسن پارلیمنٹ کے رکن بنے اور ۲۰۰۰ء تک مسلسل پانچ بار اسمبلی کے رکن منتخب ہوتے رہے۔

Marfat.com

وہ پارلیمنٹ کے ڈپٹی سپیکر، دفاعی اور خارجہ امور متعلق پارلیمانی کمیٹی کے سربراہ جیسے اہم عہدوں پر بھی کرتے رہے۔ عراق، ایران، جنگ کے دوران وہ ۱۹۸۰ء سے ۱۹۸۸ء تک اعلیٰ کونسل کے رکن، ایئر ڈیفنس کمانڈر اور فورسز کے ڈپٹی کمانڈر انچیف بھی رہے۔ سپریم نیشنل سیکورٹی کی تشکیل کے بعد اس کونسل میں انقلاب اسلامی نے اپنا نمائندہ مقرر کیا۔ وہ ۱۶ سال تک یہ ذمہ داریاں نبھاتے رہے۔ ڈاکٹر حسن روحانی ۱۹۸۹ء سے ۱۹۹۷ء یعنی ہاشمی کے دور صدارت سے لیکر سید محمد خاتمی کے دور صدارت تک سپریم نیشنل سیکورٹی کونسل کے سیکریٹری رہے۔ وہ ۱۹۹۱ء سے ایکسپڈینسی کونسل ے رکن چلے آرہے ہے۔ حسن روحانی کے ساتھ انگریزی، عربی اور فارسی بولتے ہیں۔ اور انہوں نے اب تک سو سے زائد کتابیں اور مقالے تحریر کیۓ جبکہ ۷۰۰ سے زائد ریسرچ پیپرز پر کام کیا۔

قومی توانائی پالیسی۔۲۰۱۳

۳۱۔ جولائی ۲۰۱۳ء کو مشترکہ مفادات کونسل (سی سی آئی) نے قومی اور پالیسی کی منظوری دی جس کے تحت پاکستان آئندہ ۳ سے ۴ سال کے دوران اپنی بجلی کی ضروریات پوری کرنے کے قابل ہو جائے گا۔ پاور پالیسی کے تحت 2015ء تک ۴۰۰ میگاواٹ کے ہائیڈل منصوبے مکمل ہونگے۔ حکومت نے کول کوریڈور منصوبہ تیار کرلیا ہے، جس کے تحت کوئلے سے ۷ ہزار میگاواٹ بجلی پیدا ہوگی، بجلی اور گیس چوروں کے خلاف یوٹیلٹی عدالتیں قائم کرنے کے سخت سزادی گئی وزیر اعظم نواز شریف کی زیر صدارت مشترکہ مفادات کونسل کے اجلاس کے بعد پریس بریفنگ میں وزیر پانی و بجلی خواجہ آصف نے نئی توانائی پالیسی کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ آئندہ گردشی قرضوں سے بچنے کیلئے بجلی کی قیمت میں اضافے کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ تجارتی اور صنعتی صارفین لئے بجلی کی نئی قیمت یکم اگست جبکہ گھریلو صارفین لئے نئی قیمت کا اطلاق اکتوبر سے ہوگا۔ ۲۰۰ یونٹ تک بجلی استعمال کرنے والے صارفین اضافے سے مستثنیٰ ہونگے۔ صوبوں کی مشاورت سے مارکیٹوں کے وقت کا تعین کیا جائیگا۔ فرانس آئل پر چلنے والے بجلی گھروں کو کوئلے پر منتقل کیا جائے گا۔ انہوں نے بتایا کہ مشترکہ مفادات کونسل نے آئندہ سال تک سبسڈی کم کردی جائے گی اگر بجلی کی قیمت میں ردوبدل نہ کیا گیا تو آئندہ سال ۶۰۰ سے ۷۰۰ ارب تک کا گردشی قرضے کا مسئلہ دوبارہ پیدا ہوسکتا ہے۔ خواجہ آصف نے کہا کہ حکومت نے ۴۸۰ ارب روپے کا گردشی قرضہ ادا کیا اور پن بجلی ی پیداوار میں اضافہ اور دوسرے اقدامات کیۓ ہیں جن سے گذشتہ روز (۳۰ جولائی ۱۲۰۳) بجلی کی پیداوار ۱۶۱۷۰ میگاواٹ تک پہنچ گئی جو ملکی تاریخ میں ایک نیا ریکارڈ ہے۔ ملک بھر میں تمام مارکٹیں ایک وقت میں بند کرنے کا فیصلہ کیا جائیگا ملک بھر میں اوسطاً ۸ سے ۹ گھنٹے تک لوڈشیڈنگ ہورہی ہے، بجلی چوری کی سزائیں سخت کردی گئی ہیں اجلاس کے دوران چاروں صوبائی وزرائے اعلیٰ نے اپنے تحفظات اور خدشات بیان کیۓ سندھ کی جانب سے گیس کے ذخائر پہلا حق صوبے کے عوام کو دیئے جانے کا موقف اختیار کیا گیا جبکہ وزیر اعظم خیبر پختونخواہ نے ملک میں غیر مساوی لوڈشیڈنگ کا معاملہ اُٹھایا۔ اجلاس میں چاروں صوبوں نے واپڈا کے بلنگ سسٹم پر اعتراض کیا جس پر وزارت پانی و بجلی نے صوبوں کے تمام اعتراضات تسلیم کیۓ۔

Marfat.com

ایران ایٹمی معاہدہ

۲۴۔نومبر ۲۰۱۳ جنیوا میں ایران اور ۶ عالمی طاقتوں کے درمیان ایران کے ایٹمی پروگرام پر معاہدہ طے پایا گیا۔جس کے تحت ایران اپنا جوہری پروگرام محدود کردیگا۔معاہدہ کا اعلان ایرانی وزیر خارجہ جواد ظریف اور یورپی یونین کی اعلیٰ عہدیدار کیتھرین آشٹن نے کیا۔معاہدہ کے تحت ایران یورینیم کی افزودگی کم سے کم سطح پر رول بیک کرے گا ذخائر میں کمی کرتے ہوئے اپنی جوہری تنصیبات کو بروقت عالمی معائنہ کے لئے کھلا رکھے گا۔اس کے بدلے میں امریکہ سمیت عالمی برادری اسے ۷ ارب ڈالر فراہم کریگا۔آئندہ ۶ ماہ تک ایران پر کوئی پابندی عائد نہیں کی جائے گی۔معاہدہ کے تحت ایران اس بات پر رضامندی ظاہر کی ہے کہ وہ ۶ ماہ تک یورنیم ۵ فیصد سے زیادہ حد تک افزدہ نہیں کریگا۔ایران آئی اے ای کے انسپکٹر اپنے تناز راور فردو نیوکلس پلانٹس کے روزانہ معائنہ کی اجازت دے گا۔نئے سینٹری فیوجز نہیں لگائے گا اور عالمی معائنہ کاروں کو آراک کی جوہری تنصیبات تک رسائی دے گا۔

ایران اور دوسری جانب امریکہ، برطانیہ، فرانس، جرمنی، روس اور چین کے درمیان چار روز سے جاری رہنے والے مزاکرات کے بعد یہ ڈیل طے پائی جس کے تحت ۲۰ فیصد سے زیادہ افزودہ یورنیم کا ذخیرہ ۶ ماہ میں تلف کر دیا جائے گا سینٹری فیوجر کی تعداد بڑھائی جائے گی اور نہ ہی جدید سینٹری فیوجر کا استعمال کیا جائے گا۔ایران کی جوہری تنصیبات عالمی جوہری ادارے کے معائنہ کے لئے ہر وقت کھلی رہے گی یعنی وہ تمام اقدامات کیے جائیں جن سے جوہری ہتھیار بنانے کا اندیشہ نہ رہے۔اسکے بدلے میں مغربی ممالک ایران کو سات ارب ڈالر فراہم کریں گے۔آئندہ چھ ماہ تک کوئی نئی پابندی عائد نہیں کی جائے گی۔تیل کی درآمد کی اجازت میں موجودہ حد تک برقرار رہے گی۔پیٹروکیمیکل اور آٹو سیکٹر میں تجارت پر نرمی سے ایران کو ڈیڑھ ارب ڈالر کا زرمبادلہ حاصل ہوگا۔

جنیوا میں ہونے والے مذاکرات کے بعد جرمنی سمیت تمام ممالک نے خوشی کا اظہار کیا۔امریکی صدر بارک اوباما نے کہا کہ معاہدہ دنیا کو محفوظ بنانے میں مزید محفوظ رہیگی۔اوباما نے کہا کہ معاہدہ کے تحت ایران کو چار ارب 20 کروڑ ڈالر ملیں گے۔ایران نے پروگرام کی صلاحیت کو محدود کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ہمارا مقصد مسئلہ کا پر امن حل تھا۔معاہدہ کی خلاف ورزی پر ایران سے واپس لیا جائے گا۔ایران کا جوہری پروگرام پر امن مقصد کیلئے ہونا چاہئے۔پر امن جوہری توانائی کا حصول ہر ملک کا حق ہے۔ماضی میں کانگریس نے ایران پر پابندیاں لگائیں۔یہ وقت ایران پر مزید پابندیاں لگانے کا نہیں۔معاہدہ پر مزید چھ ماہ بعد بات چیت جاری رہے گی۔ایران کو چاہئے کہ معاہدہ پر عملدرآمد کرے۔تنازعہ کے جامع حل کی راہ ہموار ہوگئی ہے۔معاہدے سے ایران کو تجارتی معاہدے جاری رکھنے کا موقع ملے گا۔معاہدے کے تحت ایران نئے مشینری فیوجز نصب نہیں کریگا۔آئی اے ای اے اہلکاروں کو رسائی ملے گی دنیا کے کسی بھی ملک کی طرح ایران کو پر امن جوہری توانائی کے حصول کا حق حاصل ہے۔اوباما نے کہا کہ معاہدہ کے نتیجہ میں ایران کیجانب سے جوہری ہتھیاروں کی تیاری ناممکن ہوجائیگی۔

Marfat.com

ایرانی وزیر خارجہ جواد ظریف نے جنیوا میں پریس کانفرنس سے خطاب میں کہا کہ جوہری معاہدہ مسائل کے حل کی چابی ہے۔ایران جوہری پروگرام کی پاسداری کریگا۔ یہ معاہدہ اہم پیش رفت ہے۔ان کا کہنا ہے کہ جوہری توانائی ایران کا حق ہے۔ چین اور برطانیہ، فرانس، روس اور جرمنی نے مذاکرات کے بعد یہ اعلان کیا کہ ایران کے ساتھ تاریخی معاہدہ طے پایا گیا ہے۔ یورپی یونین وزیر خارجہ اور فرانس نے اس معاہدہ کی تصدیق کی۔ایرانی صدر حسن روحانی نے کہا تھا کہ مذاکرات کی کامیابی کیلئے مذاکرات کاروں نے اہم کردار ادا کیا۔معاہدے کے بعد نئے دور کا آغاز ہوگا۔ان کا کہنا تھا کہ معاہدہ روشن خیال ایرانی عوام کی وجہ سے طے پایا۔

امریکی وزیر خارجہ جان کیری نے کہا کہ معاہدے کے بعد خطہ میں اسرائیل سمیت ہمارے اتحادی محفوظ ہو گئے ہیں۔ ہمارا مقصد ایران کو ایٹمی ہتھیار بنانے سے روکنا تھا۔ عالمی برادری کئی مرتبہ اپنے تحفظات کا اظہار کر چکی تھی۔ ایرانی حکومت مذاکرات کی میز پر نہ آئی تو معاہدہ ممکن نہیں تھا۔معاہدہ کے لئے ایرانی وزیر خارجہ نے اہم کردار ادا کیا۔اقتصادی پابندیاں ایران کو مذاکرات کی میز پر لائیں۔امریکہ ایران پر پابندیوں میں نرمی کرے گا۔ ہماری ذمہ داری ہے کہ سفارتی طریقہ سے معاہدہ پر عمل درآمد کرائیں۔ایران چھ ماہ میں اپنا یورینیم سٹاک ختم کر دیگا۔ ہمارا مقصد صرف اور صرف دنیا کو محفوظ بنانا تھا۔صدر اوباما ایران کے ساتھ بات چیت جاری رکھنے میں مخلص تھے۔ معاہدہ کے بعد اب ایران سے مزید چھ ماہ تک بات چیت ہوگی۔ایران کو یورینیم کی افزودگی کا حق نہیں ہوگا۔جوہری پروگرام رول بیک ہو جائیگا۔ایران کے پاس اب ۱۹ ہزار سینٹری فیوجز ہیں ایران سے معاہدہ نہ ہوتا تو اس کا ایٹمی پروگرام مزید آگے بڑھ جاتا۔ واضح رہے کہ معاہدہ کے نتیجہ میں ایران کو غیر ملکی بینکوں میں موجود اربوں ڈالر مالیت کے منجمد اثاثے واپس مل جائیں گے۔ معاہدہ طے پانے کے بعد ایرانی صدر حسن روحانی نے ایران میں ٹیلی ویژن پر خطاب میں اس معاہدے کا خیر مقدم کرتے ہوئے ایران کا حق ہے کہ وہ یورینیم کی افزودگی کا منصوبہ جاری رکھے ایران کی یورینیم کی افزودگی ماضی کی طرح جاری رہے گی ایران کے سپریم لیڈر آیت علی خامنائی نے جوہری معاہدے کو سراہتے ہوئے اسے تسلیم کیا اور مزاکراتی ٹیم کو مبارکباد دی۔سپریم لیڈر نے ایرانی مذاکراتی ٹیم کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ ٹیم نے ایرانی قوم کے مفادات کو مدنظر رکھا اور ان پر کوئی سمجھوتہ نہیں کیا۔ یہ سب سے بڑی کامیابی ہے کہ ایران کے پرامن جوہری پروگرام کے حقوق کو تسلیم کیا گیا ہے۔ایران اپنے پرامن جوہری پروگرام کے حق میں کبھی پیچھے نہیں ہٹ سکتا۔ایرانی وزیر خارجہ جواد ظریف نے کہا کہ امریکی کانگریس نے پابندیاں لگائیں تو ہم معاہدہ کی پابندی نہیں کریں گے۔

ملک کے سب سے بڑے جوہری بجلی گھر کا سنگ بنیاد

۲۶۔نومبر ۲۰۱۳ء کو کراچی میں ملک کے سب سے بڑے جوہری بجلی گھر کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔وزیر اعظم میاں محمد نواز شریف نے کہا کہ ملک میں بجلی کا بحران حل کرنے کے لئے ایٹمی توانائی پر انحصار کیا جائے گا اور مزید 6 ایٹمی بجلی گھر لگائیں جائیں گے۔پاکستان ایٹمی توانائی کمیشن مقامات کی نشاندہی کرے۔ یہ باتیں وزیر اعظم نے چین کی مدد سے ملک کے سب سے بڑے

Marfat.com

۲۲۰۰ میگاواٹ بجلی کی پیداوار کے حامل سول نیوکلیئر پاور پلانٹ پراجیکٹ کا سنگ بنیاد رکھنے کی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے کہیں۔ انہوں نے کہا کہ حکومت ایٹمی توانائی کمیشن کی نشاندہی کے بعد ایٹمی بجلی گھروں کو لگانے میں ہر قسم کی معاونت کریگی توانائی وژن ۲۰۵۰ء پروگرام پر عمل درآمد کر کے ایٹمی توانائی سے ۴۰ میگاواٹ بجلی حاصل کی جائے گی۔ چینی سرمایہ کار پاکستان میں توانائی سمیت مختلف شعبوں میں سرمایہ کاری کریں۔ حکومت انہیں ہر طرح کا تحفظ اور مراعات فراہم کریگی۔ توانائی کے بحران کے جن پر قابو نہ پایا گیا تو ملک اندھیروں میں چلا جائے گا اور پھر معاشی ترقی ایک خواب بن کر رہ جائے گی۔ اس موقع پر گورنر سندھ ڈاکٹر عشرت العباد خان، وزیر اعلیٰ سندھ سید قائم علی شاہ پاکستان میں چین کے سفیر وفاقی وزراء احسن اقبال، خواجہ آصف، پاکستان اٹامک انرجی کمیشن کے چیئرمین عنصر جاوید اور دیگر بھی موجود تھے۔ اس جوہری توانائی کے منصوبے کو چین کے تعاون سے ۷۲ ماہ میں مکمل کیا جائے گا اور یہ جوہری توانائی سے بجلی حاصل کرنے کا پاکستان کا سب سے بڑا منصوبہ ہے۔

تقریب سے خطاب کرتے ہوئے وزیر اعظم نے کہا کہ ملک کے سب سے بڑے جوہری توانائی منصوبے کا سنگ بنیاد رکھنے کراچی آیا ہوں۔ ۲۲۰۰ میگاواٹ بجلی کے منصوبے کی تعمیر توانائی بحران کے خاتمے میں اہم سنگ میل ثابت ہوگی۔ پاک چین تعاون توانائی سمیت مختلف شعبوں میں پھیلا ہوا ہے۔ وزیر اعظم نے کہا عالمی فورمز پر چین کی جانب سے پاکستان کی غیر متزلزل حمایت ہمارے لئے باعث فخر ہے۔ چین کے تعاون سے چشمہ کے پہلے بجلی گھر کی تعمیر میرے دور حکومت میں شروع ہوئی اور چشمہ پاور ون ایٹمی بجلی گھر کا منصوبہ ملک میں دیگر جوہری بجلی گھروں کی تعمیر میں بنیاد بنا۔ وزیر اعظم نے کہا کہ جب میں نے کچھ ماہ قبل وزیر اعظم کا منصب سنبھالا تو سب سے پہلے چین کے وزیر اعظم نے مجھے اپنے ملک کے دورے کی دعوت دی دیامیر بھاشا اور داسو ڈیموں کے منصوبوں پر بیک وقت کام شروع کریں گے۔ بونجی ڈیم سمیت پن بجلی گھروں کے منصوبوں پر بھی کام کیا جائے گا۔ وزیر اعظم نے کہا کہ گڈانی میں پاور پارک کے منصوبے کے تحت کوئلے سے ۶۶۰۰ میگاواٹ بجلی حاصل کرنے کیلئے مختلف بجلی گھروں کی تعمیر پر کام جاری ہے۔ وزیر اعظم نے کہا کہ ملک میں گیس کا بحران حل کرنے کے لئے قدرتی مائع گیس کی درآمد آئندہ برس شروع کر دی جائے گی۔ ایٹمی توانائی کے حصول میں کے۔ ٹو۔ اور کے۔ تھری۔ منصوبے اہم کردار ادا کریں گے۔ ۴۰ ہزار میگاواٹ بجلی کے حصول کیلئے ایٹمی توانائی کے وژن ۲۰۵۰ء پر کام کرنا ہوگا۔

وزیر اعظم نے اعلان کیا کہ ملک میں مزید ۶ ایٹمی بجلی گھر تعمیر کئے جائیں گے۔ کوسٹل پاور پراجیکٹ ۷۲ ماہ میں مکمل ہوگا۔ میں بھی چین کے دورے پر گیا تھا چینی وزیر اعظم سے ملاقات ہوئی تو ان میں سے درخواست کی کہ یہ ۷۲ کی بجائے ۶۰ ماہ میں مکمل کر کے دے دیا جائے۔ وزیر اعظم نے کہا کہ سستی بجلی کے ۶ منصوبے ۲۰۱۷ میں مکمل ہو جائیگی۔

جنرل راحیل شریف نئے آرمی چیف مقرر

وزیر اعظم محمد نواز شریف نے ۲۷ نومبر ۲۰۱۳ء کو صوابدیدی اختیار استعمال کرتے ہوئے لیفٹننٹ جنرل راحیل شریف کو جنرل کے عہدے پر ترقی دے کر چیف آف آرمی سٹاف مقرر کر دیا۔ انہوں نے ۲۹ نومبر کو اپنے عہدے کا چارج

Marfat.com

سنبھالا۔ لیفٹننٹ جنرل راشد محمود کو جنرل کے عہدے پر ترقی دے کر چیئرمین جوائنٹ چیف اسٹاف کے عہدے پر تعینات کیا گیا۔ دونوں لیفٹننٹ جرنلز کو جنرل کے عہدے پر ترقی دینے کیلئے سیکریٹری دفاع نے سمری بھیجی۔ وزیر اعظم نے اسکی منظوری دی اور صدر مملکت ممنون حسین کو ایڈوائس دی جنہوں نے حتمی منظوری دی۔ جنرل راحیل شریف نے آرمی چیف جنرل اشفاق پرویز کیانی کی جگہ لی جس کیلئے کمان کی تبدیلی کی باضابطہ تقریب جی ایچ کیو راولپنڈی کے باہر اسٹیڈیم میں ۲۹ نومبر کو ہوئی۔ چیئرمین جوائنٹ چیف جسٹس آف اسٹاف کمیٹی کا عہدہ خالی تھا اور اس اضافی چارج جنرل اشفاق پرویز کیانی کے پاس تھا۔ آئین کے تحت وزیر اعظم آرمی چیف اور چیئرمین جوائنٹ چیف اسٹاف کمیٹی کی تقرری کے لئے ایڈوائس صدر مملکت کو بھیجتے ہیں جو اس کی منظوری دیتے ہوئے لیکن یہ رسمی منظوری ہوتی ہے کیونکہ اصل اختیار وزیر اعظم ہے۔

جنرل راحیل شریف میجر شریف شہید نشان حیدر کے بھائی ہیں۔ وزیر اعظم نے دونوں تقرریوں میں سنیارٹی کے اصول کو اپنایا بلکہ صوابدیدی اختیارات استعمال کیے۔ وزیر اعظم محمد نواز شریف نے راحیل شریف اور جنرل راشد محمود سے ملاقات کی نئی تعیناتی پر مبارکبادی دی اور نئی ذمہ داریوں پر تبادلہ خیال کیا۔ دونوں افسران نے اعتماد کا اظہار کرنے پر وزیر اعظم کا شکریہ ادا کیا ہے آرمی چیف اور چیئرمین جوائنٹ چیف آف اسٹاف کی تقرری سے سنیئر موسٹ لیفٹننٹ جنرل ہارون اسلم سپرسیڈ ہو گئے۔ دونوں تقرریاں سے ملک میں جاری بحث ختم ہوگئی اور آرمی میں بھی اس کی منتقلی کا عمل خوش اسلوبی سے مکمل ہو گیا۔ پاک فوج کے سنیئر ترین جرنل لیفٹیننٹ جنرل ہارون اسلم نے نئے جنرل راشد محمود کو چیئرمین جے سی ایس سی اور جنرل راحیل شریف کو آرمی چیف مقرر ہونے پر مبارکباد دیتے ہوئے ان کے لئے اپنے نیک خواہشات کا اظہار کیا۔

جنرل راحیل شریف ۱۶۔ جون۔ ۱۹۵۶۔ کو میجر محمد شریف کے ہاں کوئٹہ میں پیدا ہوئے۔ نشان حیدر اور ستارہ جرات حاصل کرنے والے میجر شبیر شریف شہید، کیپٹن ممتاز شریف (ستارہ بسالت) کے چھوٹے بھائی اور نشان حیدر میجر عزیز بھٹی شہید کے بھانجے ہیں۔ اس اعتبار سے وہ فوجی خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ وہ گورنمنٹ کالج لاہور کے فارغ التحصیل ہیں۔ انہوں نے فوجی تربیت اسی کاکول سے حاصل کی۔ اکیڈمی کے ۵۴ ویں لانگ کورس کے فارغ التحصیل ہیں۔ انہوں نے اکتوبر ۱۹۷۶ء میں فوج میں کمیشن لیا۔ انہیں فرنٹیئر فورس کی معروف چھٹی بٹالین میں متعین کیا گیا۔ میجر شبیر شریف شہید کا اسی بٹالین سے تعلق تھا۔ نوجوان افسر کی حیثیت سے انہوں نے انفنٹری بریگیڈ میں گلگت میں فرائض سرانجام دیئے۔ بعد ازاں پاکستان ملٹری اکیڈمی کاکول کے ایجوٹینٹ ہے۔ کمپنی کورس جرمن سے پاس کیا۔ اسکول آف انفنٹری اینڈ ٹیکٹکس میں انسٹرکٹر کے طور پر خدمات سرانجام دیں۔ اعزاز کے ساتھ کمانڈر اینڈ کالج کینیڈا سے اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ راحیل شریف کمانڈر سٹاف اور انسٹرکشنل تقرریوں کا وسیع تجربہ رکھتے ہیں۔ وہ انفنٹری بریگیڈ کے میجر رہے اور وہ انفنٹری کمانڈر یونٹوں کی کمان کی جن میں کشمیر میں چھ فرنٹیئر فورس، رجمنٹ اور سیالکوٹ بارڈر پر ۲۶ فرنٹیر فورس، رجمنٹ ہیں۔ راحیل شریف کمانڈ اینڈ سٹاف کالج کوئٹہ کی فیکلٹی میں شامل تھے۔ انہوں نے نیشنل ڈیفنس یونیورسٹی اسلام آباد میں ۱۹۹۸ء میں آرمڈ فورسز وار کورس میں شرکت کی۔ بریگیڈیر کی حیثیت سے انہوں نے انڈیپنڈنٹ انفنٹری گروپ سمیت دو انفنٹری بریگیڈز کی کمان کی۔ انہیں سیکنڈ کور کے چیف اسٹاف ہونے کا

Marfat.com

اعزاز حاصل ہے جن میں ۳۰ کور اور ۱۲ کور شامل ہیں۔ وہ برطانیہ کے رائل کالج آف ڈیفنس سٹڈیز کے گریجویٹ ہیں۔ وہ انفنٹری ڈویژن کے جنرل آفیسر کمانڈنگ اور پاکستان ملٹری اکیڈمی کے کمانڈر رہے۔ لیفٹننٹ جنرل کی حیثیت سے انہوں نے انسپکٹر جنرل ٹریننگ اینڈ ایوالویشن سے قبل دو سال تک ۳۰ کوز کے کور کمانڈر کے خدمات سرانجام دیں۔ راحیل شریف شادی شدہ ہیں اور انکے دو بیٹے اور ایک بیٹی ہیں انہیں مطالعہ، تیراکی اور شکار سے شغف ہے۔ وہ کور کمانڈر گوجرانوالہ اور پاکستان ملٹری اکیڈمی کاکول کے کمانڈنٹ کے عہدوں پر بھی کام کرچکے ہیں۔

پاکستانی مصنوعات بغیر ڈیوٹی برآمد کرنے کی اجازت

۱۲۔ دسمبر۔ ۲۰۱۳ء کو یورپی پارلیمنٹ نے پاکستان کو جی ایس پی پلس کا درجہ دیدیا۔ جسکی وجہ سے پاکستان ۲۷ یورپی ممالک کو بغیر ڈیوٹی ادا کئے ٹیکسٹائل مصنوعات برآمد کرسکے گا۔ اس سے پاکستان کو سالانہ ایک ارب ڈالر یا ایک کھرب روپے کا فائدہ حاصل ہوگا۔ اسکے علاوہ روزگار کے نئے مواقع پیدا ہونگے۔

یورپی پارلیمنٹ کے ۵۵۸ ارکان نے رائے شماری میں حصہ لیا جن میں سے ۴۰۶ نے پاکستان کے حق جبکہ ۱۸۲ نے پاکستان کی مخالفت میں ووٹ ڈالا۔ جی۔ ایس۔ پلس سٹیس کا اطلاق یکم جنوری ۲۰۱۴ء کو ہوا۔ پاکستان کو یہ رعایت تین سال کیلئے 2017 تک حاصل رہے گی۔ جی۔ ایس۔ پلس۔ درجہ سے پاکستان کی ساڑھے تین ہزار مصنوعات ڈیوٹی فری یورپی یونین کے ممالک کو برآمد کی جاسکیں گی۔ جن پر اس وقت ۱۱ فیصد ڈیوٹی عائد ہے۔

تھرکول پاور پراجیکٹ کا آغاز

۳۱۔ جنوری ۲۰۱۴ء کو وزیراعظم پاکستان میاں محمد نواز شریف نے سابق صدر آصف علی زرداری کے ساتھ مل کر تھرپارکر میں ''تھرپارکر پاور پراجیکٹ'' کا سنگ بنیاد رکھا۔ اس موقع پر وزیراعظم نواز شریف نے کہا کہ آصف علی زرداری کے ساتھ تھرکول پاور منصوبے کا مشترکہ طور پر سنگ بنیاد رکھنے سے پیغام گیا ہے کہ جب بھی ملک کی ترقی کا معاملہ ہو سیاسی قیادت کو متحد ہونا چاہئے اب سیاسی رہنماؤں کو اپنے اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر پہلے ملک کے بارے میں سوچنے کی ضرورت ہے پاکستان میں ترقی وخوشحالی، غربت و بے روزگاری کے خاتمے، عوام کی خدمت کیلئے ہم سب کو ایک راستے پر ہونا چاہئے۔ آج کا منظر دیکھ کر پاکستان اور عوام مخالف قوتوں کو شاید اچھا نہ لگے لیکن پاکستان کی ترقی پر یقین رکھنے والے آج کے منظر دیکھ کو خوش ہوں گے۔

پراجیکٹ کے اہم نکات

ا۔ علاقے میں مقامی کوئلے کی کان کنی اور بجلی کے منصوبوں کی ترقی کی حوصلہ افزائی کیلئے اکتوبر ۲۰۱۰ء میں حکومت پاکستان نے ای سی سی کے ذریعے اس منصوبے کی ترقی کیلئے متعدد مراعات کی منظوری دی۔ ان میں تھرکول فیلڈ اسپیشل اکنامک زون قرار دیا اور منصوبے کے سرمایہ کاروں کو 20 تا 20.5 فیصد ضمانت کی واپسی کی یقین دہانی اور متعدد ٹیکسز ومحصولات سے استثنٰی ہیں۔

Marfat.com

۲۔ پہلے مرحلے میں کوئلے کی کان کنی کا جامع طریقہ اور بجلی کے منصوبے کی ترقی ہے جس میں بالترتیب 3.5 ملین ٹن سالانہ تک اور ٦٦٠ میگاواٹ کی صلاحیت ہے۔ 3.5 ملین ٹن سالانہ اور ٦٠٠ میگاواٹ کان کنی کے جامع طریقے اور بجلی کے منصوبے پر تخمینہ شدہ لاگت 1.6 بلین امریکی ڈالر ہے۔ سرمایہ کاری کے اختتام پر اسکی تکمیل کی معیاد 3.5 سال ہے۔ پھر اس منصوبے میں اگلے دو سالوں میں 6.5 ملین ٹن سالانہ اور ١٢٠٠ میگاواٹ تک توسیع کردی جائے گی۔

۳۔ دوسرے مرحلے میں کان کنی کے منصوبے میں 13.5 ملین ٹن اور 19.5 ملین ٹن سالانہ کی توسیع کے ساتھ بجلی کی پیداوار کے منصوبے میں ٢٤٠٠ میگاواٹ اور ٣٦٠٠ میگاواٹ کی توسیع کی جائے گی۔

۴۔ حکومت سندھ علاقے میں منصوبے کا بنیادی ڈھانچہ فراہم کرنے کیلئے فعال طریقے پر کام کر رہی ہے۔ جس میں صاف پانی کی فراہمی، رفع ضنعتی فضلات کا انتظام، سڑکوں کی مرمت و بحالی اور تھر میں ہوائی اڈے کی تعمیر جیسے امور شامل ہیں۔

۵۔ منصوبے کے تحت اسلام کوٹ کے ہوائی اڈے کی تعمیر (سائٹ سے ٢٠ کلومیٹر کے فاصلے پر) کا کام جاری ہے۔

٦۔ بجلی کی پیداوار کے چند ابتدائی منصوبوں کا انحصار زمینی پانی پر ہے۔ آر ڈبلیو ای کی تحقیق کے مطابق پاور پلانٹ کی ضرورتوں کو پورا کرنے کیلئے زیر زمین پانی وافر مقدار میں موجود ہے۔

۷۔ تھر بلاک ٹو میں دو ملین ٹن کوئلے کے ذخائر موجود ہیں جن میں سے 1.57 بلین ٹن سے بھرپور فائدہ اُٹھایا جاسکتا ہے۔ جس سے ٥٠ سال تک ٥٠٠٠ میگاواٹ بجلی پیدا کی جاسکتی ہے۔

۸۔ پاکستان میں بجلی کی پیداوار کی کل موجودہ صلاحیت ٢٣،٥٣٨ میگاواٹ ہے، جس میں تھرمل اور پلانٹس کا حصہ ٦٨ حصہ، اسکے بعد ہائیڈل پاور پلانٹس کا حصہ 28.5 فیصد اور نیوکلیئر کا 3.3 فیصد ہے۔

۹۔ این ٹی ڈی سی کے مطابق بجلی کی مانگ بڑھنے کی شرح ١٠ سالوں میں ٥ سے ٦ فیصد کے گرد گھومتی ہے۔ سن ٢٠٢٠ء میں طلب کی یہ شرح زیادہ استعمال کے اوقات میں ٣٦٠٠٠ میگاواٹ تک پہنچ سکتی ہے۔

١٠۔ تھرمل پاور کی بہ نسبت تھر کول ایک سستا اور قابل عمل انتخاب ہے۔ قدرتی وسائل کی بہ کثرت دستیابی کی بدولت تھر کول کے ذریعے بجلی کی پیداوار سے مقامی معیشت اثرات مرتب ہونگے۔ مقامی ایندھن پر انحصار کھربوں ڈالر کے زرمبادلہ کی بچت میں معاون ثابت ہوگا جو اس وقت گراں قدر فرنس آئل کی درآمد پر صرف ہو رہے ہیں۔

١١۔ تھر کی ترقی کے نتیجے میں خطے کو وسیع سماجی و معاشی فوائد حاصل ہونگے، ہنرمند، نیم ہنرمند اور بے ہنر لوگوں کیلئے روزگار کے مواقع میسر ہونگے اور تھر کے رہائشی عوام کی فی کس آمدنی میں اضافہ ہوگا۔

ترک وزیراعظم رجب اردگان کا دورہ پاکستان

پاکستان اور ترکی نے باہمی منفرد تعلقات کو دنیا میں بے مثال قرار دیتے ہوئے سٹریجک پارٹنرشپ کو مزید مضبوط بنانے، دہشگردی، منظم جرائم، تجارت، معیشت، سیاحت، تعلیم و تربیت کے شعبوں میں تعاون کے فروغ اور علاقائی

Marfat.com

امن وسلامتی کیلئے مل کر کام کرنے کے عزم کا اظہار کیا اور فیصلہ کیا کہ سیاسی مشاورتی عمل کے فروغ کیلئے ارکان پارلیمنٹ، تاجروں، سول سوسائٹی اور میڈیا کے نمائندوں کے وفد کا باقاعدہ تبادلہ ہوگا۔اپنے ہاں دوسرے ملک کے نجی شعبے کی سرمایہ کاری کی جائے گی۔دونوں ملکوں میں ایک دوسرے کے نجی بینک شاخیں کھولیں گے۔استنبول اسلام آباد، کنٹینر ٹرین کے آپریشن کو یقینی بنایا جائے گا۔انجینئرنگ ٹیکنالوجی اور دیگر شعبوں میں طلباء کے تعلیمی وظائف میں اضافے پر بھی اتفاق کیا گیا۔

24 دسمبر 2013ء کو ترک وزیر اعظم رجب طیب اردگان کے دورہ پاکستان کی تکمیل پر 8 نکات پر مشتمل جاری ہونے والے مشترکہ علامیہ میں کہا گیا کہ پاکستان اور ترکی کے درمیان منفرد تعلقات کی دنیا میں کوئی مثال نہیں۔ ہمارے باہمی تعلقات دوطرفہ احترام، یکجہتی اور دونوں ملکوں کے عوام کے مشترکہ جذبے کی مضبوط بنیادوں پر قائم ہیں جو ہر آزمائش پر پورے اترے۔مشترکہ اعلانیہ کے مطابق دونوں وزرائے اعظم کے دوطرفہ علاقائی اور عالمی امور پر دوستانہ انداز میں بات چیت کی۔ مذاکرات میں دونوں وزرائے اعظم نے باہمی سٹرٹیجک پارٹنرشپ پر اطمینان کا اظہار کیا۔انہوں اس عزم کو دہرایا کہ باہمی دلچسپی کے تمام شعبوں خاص طور پر تجارتی ومعاشی شعبوں میں باہمی تعلقات کو جامع انداز میں فروغ دیں گے۔دونوں وزرائے اعظم نے جمہوریت کی مضبوطی پر، مکمل یقین کا اظہار کرتے ہوئے دونوں ملکوں کے برادر عوام کے مفاد میں جمہوری نظریات کے فروغ میں تعاون کے عزم کا اظہار کیا۔انہوں نے عوام کی سماجی واقتصادی ترقی کے عزم کو بھی دہرایا اور دونوں ملکوں میں استحکام اور عوام کا معیار زندگی بلند کرنے کے لئے پالیسیوں میں پیش رفت پر اتفاق کیا۔مشترکہ اعلامیہ کے مطابق انہوں نے دہشتگردی کی مذمت کرتے ہوئے اس لعنت اور منظم جرائم کے خلاف باہمی تعاون بڑھانے کے عزم کو بھی دہرایا اور ثقافت، تعلیم اور سیاحت کے شعبوں میں تعاون کو وسعت دینے کی خواہشات کا اظہار کیا۔دونوں وزرائے اعظم نے سماجی شعبوں میں تعاون بڑھانے کا بھی فیصلہ کیا جس کے تحت عوامی رابطوں کو فروغ دیا جائے گا۔

دورے کے دوران مفاہمت کی یادداشتوں اور تعاون کے ایک سمجھوتے پر دستخط کئے گئے۔2014ء کے پہلے نصف عرصے میں پاکستان، ترکی ترجیحی تجارتی سمجھوتے کو حتمی شکل کا بھی اتفاق کیا گیا۔اعلانیہ کے مطابق دونوں ملکوں نے نجی شعبے کی سرمایہ کاری بڑھانے کے لئے ہر قسم کی سہولت فراہم کرنے کا بھی فیصلہ کیا۔پاکستان توانائی خاص طور پر کوئلہ، پن بجلی، ہوا سے بجلی بنانے سمیت موٹرویز، سڑکوں، ہوائی اڈوں، کم لاگت مکانوں کی تعمیر، پبلک ٹرانسپورٹ اور ٹھوس فضلات کے انتظام کے حوالے سے میونسپل سروسز کے شعبوں میں ترکی کی سرمایہ کاری کی حوصلہ افزائی کرے گا۔دونوں ملک سکیورٹی اور انسداد دہشتگردی کے شعبوں میں تعاون وشراکت داری کو مضبوط بنائیں گے۔مشترکہ دفاعی پیداواری اور تحقیق وترقی کے شعبوں میں دفاعی تعاون کو فروغ دیا جائے گا۔ترقی اور فنی تربیتی پروگراموں میں ایک دوسرے کے تجربات سے استفادہ کیا جائے گا۔دونون ملک تعلیمی اداروں کے درمیان تعاون بڑھائیں گے۔سیاحت مقامات کا تحفظ یقینی بنانے کے لئے بھی تعاون کریں گے۔علاقائی امن وسلامتی کے لیے باہمی اور کثیر ملکی سطح پر رابطہ ومشاورت قائم رہے گی۔

اعلامیہ کے مطابق وزیر اعظم رجب طیب اردگان نے وزیر اعظم محمد نواز شریف کو ترکی کے دورے کی دعوت دی

Marfat.com

جوانہوں نے شکریہ کے ساتھ قبول کر لی۔ مشترکہ پریس کانفرنس سے خطاب میں وزیراعظم نواز شریف نے کہا کہ حکومت پاکستان کی ترجیح امداد نہیں تجارت ہے۔ ترک سرمایہ کار مواقع سے فائدہ اُٹھائیں۔ ترک وزیراعظم رجب طیب اردگان کا کہنا ہے کہ دوطرفہ تجارتی حجم بڑھانا چاہتے ہیں۔ پاکستان کے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر چلیں گے۔

نواز شریف نے ذرائع ابلاغ سے گفتگو میں اس اعتماد کا اظہار کیا کہ اقتصادی فریم ورک دونوں ممالک کو تجارتی سہولیات میں مدد دے گا۔ دونوں اطراف سے توانائی کے شعبے، تعمیرات اور انفراسٹرکچر کی ترقی کے لئے تعاون کو فروغ دینے پر اتفاق کیا گیا۔ پاکستان میں سرمایہ کاری کے وسیع مواقع موجود ہیں۔ ترک وزیراعظم کا دورہ پاکستان اہم سنگ میل ہے۔ ٹرین سروس تجارتی تعلقات میں اضافے کا باعث بنے گی۔ مختلف عالمی اُمور پر دونوں ممالک کا نکتہ نظر یکساں ہے۔ دونوں ممالک مشترکہ تاریخی اور ثقافتی ورثے میں بندھے ہیں۔ ترک وزیراعظم نے کہا کہ پاکستان میں توانائی سمیت مختلف شعبوں میں سرمایہ کاری کے مواقع موجود ہیں۔ پاکستانی عوام کی میزبانی قابل تعریف ہے۔ پاکستان کے ساتھ ہر سطح پر تعاون جاری رہے گا۔ نواز شریف نے اپنا دوسرا دورہ ترکی کا کیا جس پر خوشی ہے۔ ان کا ملک پاکستان کے ساتھ معیشت، تجارت، سرمایہ کاری جیسے بڑے منصوبوں سمیت تمام شعبوں میں تعاون بڑھانا چاہتا ہے۔ اس سے پہلے وزیراعظم ہاؤس پہنچنے پر نواز شریف معزز مہمان کا پرتپاک استقبال کیا۔ ترکی کے وزیراعظم کے اعزاز میں باضابطہ استقبالیہ تقریب منعقد کی گئی۔ وزیراعظم نواز شریف سے ترک وزیراعظم طیب اردگان نے ون آن ون ملاقات بھی کی۔ ترکی کے وزیراعظم نے ایوان صدر میں صدر ممنون سے بھی ملاقات کی جسمیں پاک ترک تعلقات اور باہمی تعاون سمیت دیگر اُمور پر تبادلہ خیال کیا۔ ملاقات میں علاقائی و عالمی مسائل پر تبادلہ خیال کیا گیا ہے۔ صدر مملکت ممنون حسین نے ترک وزیراعظم کے اعزاز میں ظہرانہ بھی دیا۔

پاک بحرین پندرہ معاہدوں پر دستخط

۱۸۔ مارچ ۲۰۱۴ء کو بحرین کے بادشاہ احمد بن عیسیٰ بن سلمان الخلیفہ تین روزہ سرکاری دورے پر اسلام آباد پہنچے تو ان کا نہایت پرتپاک کیا گیا۔ وزیراعظم محمد نواز شریف اور اسکی کابینہ کے ارکان نے نورخان ایئربیس پر ان کا پرجوش خیر مقدم کیا۔ وزیراعظم پنجاب شہباز شریف، چیئرمین جوائنٹ چیف آف سٹاف، تینوں مسلح افواج کے سربراہان، وزیر مہمانداری شجاعت عظیم اور دیگر اعلیٰ حکام بھی اس موقع پر موجود تھے۔ اکیس توپوں کی سلامی کے بعد تینوں مسلح افواج کے چاق و چوبند دستے نے شاہ احمد بن عیسیٰ الخلیفہ کو سلامی پیش کی۔ انہوں نے گارڈ آف آنر کا معائنہ کیا۔ اس موقع پر دونوں ممالک کے قومی ترانے بجائے گئے۔ بعدازاں دونوں رہنماؤں کے درمیان وزیراعظم ہاؤس میں ون آن ون ملاقات ہوئی۔ اس موقع پر گفتگو کرتے ہوئے وزیراعظم نے کہا کہ پاکستان اور بحرین کے درمیان باہمی اعتماد اور مفاہمت پر مبنی قریبی دوستانہ تعلقات ہیں۔ پاکستان سرمایہ کاری کیلئے بہتر ماحول فراہم کر رہا ہے۔ بحرینی سرمایہ کاروں کو بہترین منافع کے لئے اس موقع سے فائدہ اُٹھانا چاہیے۔ انہوں نے کہا کہ ہم بحرینی سرمایہ کاروں کا توانائی آئل انڈسٹری، بندرگاہوں کی تعمیر، کان کنی و معدنیات، بنیادی ڈھانچے، بینکاری اور مالیاتی شعبوں

Marfat.com

میں میگا پروجیکٹس میں سرمایہ کاری کا خیر مقدم کریں گے۔

وزیراعظم محمد نواز شریف نے مشترکہ کمیشن کے باقاعدہ اجلاسوں کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے کہا کہ اس سے دوطرفہ اقتصادی تجارتی تعاون کا جائزہ لینے کیلئے اچھا پلیٹ فارم میسر آتا ہے۔ جبکہ دونوں ممالک کے درمیان وزیراعظم ہاؤس میں چھ دستاویزات پر دستخط کیے گئے۔ جن میں دوطرفہ تعاون کے لئے مشترکہ وزارتی کمیشن کا قیام اور سرمایہ کاری کے تحفظ و فروغ، فوڈ سیکورٹی میں تعاون، فضائی سروسز، بجلی اور پانی کے شعبوں میں تعاون کے معاہدے شامل ہیں۔ بعدازاں وزیراعظم نواز شریف نے بحرین کے شاہ اوران کے وفد کے اعزاز میں عشائیہ دیا۔ ۱۹۔ مارچ کو دونوں ممالک کے درمیان مزید معاہدوں اور سمجھوتوں پر دستخط کیے گئے۔ دونوں ممالک تجارتی و کاروباری برادری نے توانائی ٹرانسپورٹ، بینکنگ، سیاحت، فارماسوٹیکل، قیمتی پتھروں اور زیورات، بنیادی ڈھانچے کی ترقی و تعمیرات، ہنرمند افرادی قوت کی فراہمی، ٹیکسٹائل، تیل و گیس، خوراک، سبزیوں اور پھلوں کی برآمدات بڑھانے پر اتفاق کیا۔

ساؤتھ ایشیاء ویمن سمٹ 2014ء لاہور

سارک کے ممبر ممالک کے درمیان دوطرفہ تجارتی اور معاشی تعلقات کو مزید فروغ دینے کی ضرورت ہے اور اس مقصد کے لئے سارک چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری کے ساتھ سارک چیمبر آف ویمن انٹر پرینرز کونسل کو فعال کردار ادا کرنا ہوگا۔ پاکستان کی ۵۰ فیصد سے زائد آبادی خواتین پر مشتمل ہے اور خواتین کو ترقی کے دھارے میں شامل کیے بغیر خوشحالی کا خواب پورا نہیں ہوسکتا۔ میری خواتین سے اپیل ہے کہ وہ عملی میدان میں آئیں اور قومی تعمیر میں اپنا بھرپور کردار ادا کریں۔ اگر ملک نے ترقی کرنی ہے تو خواتین کو عملی میدان میں اپنا بھرپور کردار ادا کرنا ہوگا اور مزید آگے آنا ہوگا۔ ان خیالات کا اظہار وزیراعلیٰ پنجاب شہباز شریف نے ۲۰ مارچ ۲۰۱۴ء کو ساؤتھ اشیاء ویمن کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔ کانفرنس میں جنوبی ایشیاء کے ۷ ممالک کے مندوبین نے شرکت کی۔

شہباز شریف نے کہا کہ پاکستانی خواتین انتہائی باصلاحیت اور زندگی کے مختلف شعبوں میں نمایاں خدمات سرانجام دے رہی ہیں۔ سیاست ہو یا صحت، تعلیم ہو یا کھیل کے میدان، خواتین نے تمام شعبوں میں اپنا لوہا منوایا ہے۔ لیکن خواتین کو عملی میدان میں مزید آگے آنا ہوگا۔ پنجاب ایجوکشنل انڈوومنٹ فنڈ لیپ ٹاپ اسکیم اور چھوٹے قرضوں کی فراہمی کے پروگرامز سے خواتین بھی پوری طرح مستفید ہو رہی ہیں۔

جوہری عدم پھیلاؤ کانفرنس۔۔۔۔ مارچ ۲۰۱۴ء

جوہری توانائی کانفرنس نے ایٹمی ممالک پر زور دیا ہے کہ وہ افزودہ یورینیم کے انبار کم کرکے جوہری توانائی القاعدہ جیسی شدت پسند تنظیموں کے ہاتھ لگنے سے بچائیں۔ دوروزہ جوہری عدم پھیلاؤ کانفرنس ۲۵۔ مارچ۔ ۲۰۱۴ء کو اختتام پزیر ہوا۔ اگلی جوہری عدم پھیلاؤ کانفرنس ۲۰۱۶ء میں امریکی شہر شکاگو میں ہوگی۔ ہالینڈ کے شہر دی ہیگ میں جاری جوہری عدم پھیلاؤ کے

Marfat.com

حوالے سے کانفرنس کے اختتام پر جاری مشترکہ اعلامیے میں کہا گیا کہ اعلیٰ افزودگی کے یورینیم والے ذخائر کم کیے جائیں اور ایٹمی ہتھیار اور یورینیم کو کم افزودگی میں تبدیل کیا جائے۔

اجلاس میں شریک ۳۵ ممالک نے عزم ظاہر کیا کہ وہ جوہری تحفظ کے عالمی ضوابط کو ملکی قوانین میں تبدیل کریں گے۔ ان ممالک میں اسرائیل قازقستان اور ترکی شامل ہیں جبکہ سمجھوتے میں روس۔ چین۔ بھارت اور پاکستان شامل ہیں۔

تیسری جوہری کانفرنس کے اختتام پر پاکستان کی جانب سے جاری کیے گئے جوہری سلامتی قومی ذمہ داری۔ پاکستان جوہری مقاصد کے تحفظ کیلئے پرعزم ہے اور عالمی برادری کے ساتھ جوہری سلامتی اور تحفظ کے لئے مل کر کام کر رہا ہے۔ جوہری سلامتی کانفرنس شرکاء کو فیصلوں پر عملدرآمد کا موقع فراہم کرتی ہے جوہری سلامتی کا عالمی نظام موجود ہے اسلئے متوازی نظام وضع کرنے کی ضرورت نہیں۔ پاکستان کا جوہری نظام پانچ ستونوں پر مشتمل ہے جس میں نیشنل کمانڈ اتھارٹی کے تحت مربوط کمانڈ اینڈ کنٹرول نظام موجود ہے اور اسکے ساتھ ساتھ جوہری اثاثوں کی حفاظت کیلئے تہہ در تہہ نظام بھی موجود ہے۔ مواد۔ تنصیبات اور ممکنہ تابکاری سے بچاؤ کیلئے سخت حفاظتی نظام موجود ہے۔ جوہری برآمدات کے بارے میں پاکستان کا نظام نیوکلیئر سپلائرز کے عین مطابق ہے۔

اختتامی سیشن سے خطاب میں میزبان ملک ہالینڈ کی وزیراعظم کا کہنا تھا کہ ایٹمی دہشت گردی کی روک تھام پوری دنیا کا معاملہ ہے۔ امریکی صدر بارک اوباما کا کہنا تھا کہ کانفرنس کا اہم نکتہ باتیں نہیں بلکہ اقدامات ہیں۔ امریکی صدر بارک اوباما نے اعلان کیا کہ جوہری تحفظ کانفرنس ۲۰۱۶ء شکاگو میں منعقد ہوگی۔

خطرناک مواد دہشت گردوں کے ہاتھوں میں جانے سے روکے جانے کے حوالے سے اجلاس میں ۱۳۵ ممالک نے نیوکلیئر سیکورٹی مزید سخت بنانے کے عزم کا اظہار کیا۔ نیوکلیئر سیکورٹی سمٹ کی سائیڈ لائن پر جاری کیے گئے ایک مشترکہ بیان میں ۳۵ ممالک نے اس حوالے سے مل کر کام کرنے کا عہد کیا اور اپنے حساس نیوکلیئر معاملات پر گاہے بگاہے نظرثانی کرنے کا عزم ظاہر کیا۔ روس کو نکال کر اسرائیل، قازقستان، مراکش اور ترکی سمیت ان ممالک نے آئی اے ای اے کی جانب سے نیوکلیئر مواد کی حفاظت کیلئے بنائے گئے معیارات کو قبول کرنے اور آگے بڑھانے کے ارادے کا اظہار کیا۔ یہ ممالک افزودہ یورینیم کے ذخائر میں کمی کے اقدامات کریں گے۔

تیسری نیوکلیئر سمٹ کے مشترکہ اعلامیہ میں کہا گیا ہے کہ جوہری توانائی والے افزودہ یورینیم کے ذخیرے کو کم کریں جوہری مواد کو القاعدہ جیسی شدت پسند تنظیموں کے ہاتھ لگنے سے بچائیں اور ایٹمی سیکورٹی یقینی بنائی جائے۔ ۵۳ ممالک کے رہنماؤں نے ایٹمی ہتھیاروں کیلئے افزودہ یورینیم کو کم کرنے کا مطالبہ کیا تاکہ القاعدہ طرز کی عسکریت پسند تنظیمیں ایٹمی ہتھیاروں تک رسائی حاصل نہ کرسکیں۔ رہنماؤں نے کہا کہ ۲۰۱۰ء میں پہلی جوہری کانفرنس کے بعد ۴ برسوں میں اس حوالے سے کافی پیشرفت ہوئی تاہم افزودہ یورینیم، پلوٹونیم اور دوسرا خطرناک مواد غلط ہاتھوں میں جانے سے ابھی مزید کوششوں کی ضرورت ہے۔ اجلاس کے اختتام پر جاری ہونے والے مواد میں کہا گیا ہے کہ جن ممالک نے عالمی رہنما اُصولوں کے نفاذ کا وعدہ کیا ہے وہ

Marfat.com

اپنے غیر جانبدار ماہرین سے اپنے جوہری مواد کے تحفظ کے اقدامات کے جائزے پر بھی تیار ہو گئے ہیں۔ بیان کے مطابق یہ ۳۵ ممالک انتہائی افزودہ یورینیم کی مقدار کم سے کم رکھنے پر بھی تیار ہو گئے ہیں۔ اجلاس سے خطاب کے دوران امریکی صدر براک اوباما نے کہا کہ ۱۲ ممالک اور دنیا بھر میں دو درجن جوہری تنصیبات سے انتہائی افزودہ یورینیم پلوٹونیم سے چھٹکارا حاصل کرلیں گے۔

پرویز مشرف پر فرد جرم عائد

خصوصی عدالت نے سابق صدر پرویز مشرف پر سنگین غداری کے کیس میں ۳۱۔ مارچ۔ ۲۰۱۴ء کو فرد جرم عائد کی۔ خصوصی عدالت میں جسٹس طاہرہ صفدر نے ۵ نکات پر مشتمل فرد جرم پڑھ کر سنائی۔ پرویز مشرف نے صحت جرم سے انکار کر دیا۔ پراسکیوریشن نے واضح کیا کہ پرویز مشرف کے خلاف ملک سے غداری نہیں بلکہ دستور اور قانون شکنی کا مقدمہ ہے۔ خصوصی عدالت کو پرویز مشرف کو ملک سے باہر جانے دینے کا اختیار حاصل نہیں۔

نئے وکیل فروغ نسیم نے وکالت نامہ جمع کرانے کے بعد پیروی شروع کی۔ پرویز مشرف پر عائد کی گئی فرد جرم میں کہا گیا کہ پرویز مشرف نے بطور آرمی چیف ۳ نومبر ۲۰۰۷ء کو ایمرجنسی نافذ کی، بنیادی حقوق معطل کیے غیر آئینی اور غیر قانونی طور پر پی سی او جاری کیا آئین تہس نہس کر کے سنگین غداری کا ارتکاب کیا گیا فرد جرم آرڈر کے تحت آئین میں ۲۷۰ ٹرپل اے کو شامل کیا گیا آرڈر کے تحت آرٹیکل ۱۷۵۔ ۱۸۶۔اے۔ ۱۹۸۔ ۲۱۸۔ ۲۷۰۔ میں ترمیم کی گئی۔ ۲۰ نومبر ۲۰۰۷ء میں بطور صدر آئینی وغیر قانونی طور پر ترمیمی آرڈر جاری کیا، پی سی او کے تحت چیف جسٹس سمیت اعلیٰ عدلیہ کے کئی ججز کو برطرف کر دیا۔ مشرف نے بطور صدر ججوں کے حلف کا غیر آئینی اور غیر قانونی حکم جاری کیا۔ پرویز مشرف نے فرداً فرداً تمام الزامات کی صحت سے انکار کر دیا۔

پرویز مشرف پر جو الزامات عائد کیے گئے تھے ان میں ۳ نومبر کو ایمرجنسی نافذ کر کے آئین کو معطل کرنا، ججوں کو گرفتار کرنا، ججوں کو پی سی او پر حلف اٹھانے پر مجبور کرنا، آئین میں ترمیم کرنا شامل ہیں۔ چارج شیٹ میں کہا گیا ہے کہ پرویز مشرف نے آئین کو تہس نہس کر دیا اور تین نومبر کی ایمرجنسی لگائی۔ عدالت نے فرد جرم میں کہا کہ پرویز مشرف غداری کے مرتکب قرار پائے اور انہوں نے آئین توڑا ہے۔ پرویز مشرف نے فرد جرم پر دستخط کیے۔

بنچ کے سربراہ نے جسٹس طاہرہ صفدر سے کہا کہ وہ فرد جرم پڑھیں۔ انہوں نے فرد جرم کا پہلا نقطہ پڑھا تو پرویز مشرف نے کہا کہ I didnot did it اجب دوسرا لفظ بنیادی حقوق معطل کرنے کے بارے میں پڑھا گیا تو پرویز مشرف نے کہا کہ Not guilty۔ تیسرا لفظ پی سی او کے تحت ججوں کو حلف اُٹھانے کا حکم دینے اور ججوں کو نظر بند کرنے کے حوالے سے پڑھا گیا تو پرویز مشرف نے کہا کہ Not guilty دیگر دو نکات آئین میں ترمیم کے حوالے سے پڑھے تو پرویز مشرف نے کہا Not guilty فرد جرم عائد ہونے کے بعد پرویز مشرف نے کہا کہ میں کچھ کہنا چاہتا ہوں تاہم عدالت نے انہیں کہا کہ پہلے وہ

Marfat.com

چارج شیٹ پر دستخط کریں پھر بعد میں موقع دیا جائے گا۔ پرویز مشرف نے اپنے وکیل کی موجودگی میں چارج شیٹ پر دستخط کئے تو عدالت نے انہیں بولنے کی اجازت دی۔ خصوصی عدالت نے سابق صدر پرویز مشرف کو بیرون ملک جانے کی درخواست پر فیصلہ سناتے ہوئے کہا کہ حکومت چاہے تو پرویز مشرف کو بیرون ملک جانے کی اجازت دے سکتی ہے۔ پرویز مشرف کو بیرون ملک جانے عدالت نے روکا۔ پرویز مشرف گرفتار نہیں بلکہ آزاد ہیں۔ ملزم گرفتار نہ ہو تو اسے بیرون ملک سفر سے نہیں روکا جاسکتا۔ پراسیکوٹر اکرم شیخ نے پرویز مشرف کی طرف سے ای سی ایل سے نام نکالنے کی درخواست کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ یہ خصوصی عدالت کا دائرہ اختیار نہیں کہ ای سی ایل سے نام نکلوانے کا حکم دیا جائے۔ خصوصی عدالت نے مشرف کی بیرون ملک جانے کی درخواست نمٹادی۔ خصوصی عدالت کے فیصلے میں کہا گیا کہ وفاقی حکومت نے سابق صدر پرویز مشرف کو عدالت میں حاضری سے استثنٰی بھی دے دیا۔ عدالت نے کہا کہ ملزم عدالت کی تحویل میں ہیں نہ عدالت نے ان کا نام ای سی ایل میں شامل کیا۔ وہ چاہیں تو اس کیلئے آئین کے آرٹیکل ۱۹۹ کے تحت وزارت داخلہ اور ہائیکورٹ سے رجوع کر سکتے ہیں۔ خصوصی عدالت کئی ماہ کی کوششوں کے بعد مشرف کے خلاف ۳ نومبر کی ایمرجنسی کے نفاذ آئین معطل کرنے کے اقدامات پر ان کے خلاف فرد جرم عائد کرنے میں کامیاب رہی۔ گرفتاری کے دوٹوک احکامات نے ڈکیٹیٹر پرویز مشرف کو پیش ہونے پر مجبور کر دیا۔

چنیوٹ میں لوہے کے وسیع ذخائر کی دریافت

۱۲ اپریل ۲۰۱۴ء کو پنجاب حکومت اور چین کی کمپنی میٹالرجیکل کارپوریشن کے مابین چنیوٹ کے علاقے رجوعہ میں خام لوہے کے ذخائر کی دریافت کے حوالے سے معاہدے پر دستخط ہوئے جس کی رو سے چین کی کمپنی ۱۰ ماہ میں زیر زمین لوہے کے معیار اور مقدار کا حتمی تعین کرے گی۔

چنیوٹ میں ہونے والی تقریب میں وزیر اعلیٰ شہباز شریف، وزیر معدنیات چوہدری شیر علی، پنجاب منرل کارپوریشن کے چیرمین ثمر مبارک مند، سیکریٹری منرل ڈولپمنٹ ڈاکٹر ارشد محمود اور چین کی کمپنی کے حکام موجود تھے۔

شہباز شریف نے میونسپل ہاکی سٹیڈیم چنیوٹ میں عوامی اجتماع سے خطاب میں کہا کہ ایک طرف ہمارا ملک زیر زمین لاکھوں ٹن معدنی وسائل سے مالا مال ہیں اور دوسی طرف بد قسمتی سے ہم کشکول اُٹھائے مارے مارے پھرتے رہیں لیکن اب ہم اس روش کو ترک کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں سے فائدہ اُٹھا کر ملک کو ترقی کی بلندیوں تک پہنچائیں گے۔

جنوبی کورین وزیر اعظم کا دورہ پاکستان (اپریل ۲۰۱۴)

جنوبی کوریا کے وزیر اعظم چنگ ہانگ وان ۱۳۔ اپریل ۲۰۱۴ء کو پاکستان کے دورے پر تشریف لائے۔ اس دوران دونوں ممالک نے سرمایہ کاری، تجارت، توانائی، ٹیلی مواصلات، صنعت، بنیادی ڈھانچے کے شعبوں میں باہمی تعاون کو مزید فروغ دینے پر اتفاق کیا۔ وزیر اعظم نواز شریف نے کہا کہ پاکستان جمہوریہ کوریا کے ساتھ آزادانہ تجارت معاہدہ چاہتا ہے، دونوں ممالک آئندہ تین سال کیلئے کنٹری پارٹنر شپ کی جامع حکمت عملی طے کریں۔ کورین کمپنیاں پاکستان میں گڈانی پاور پارک

Marfat.com

قائداعظم شمسی پارک، نائع قدرتی گیس کے ٹرمینل کی تعمیر سمیت دیگر ترقیاتی سکیموں میں سرمایہ کاری کریں۔ پاکستان جنوبی کوریا کی ترقی اور تجربے سے استفعادہ کرنا چاہتا ہے۔ باہمی تجارت کے فروغ کیلئے وفود کا تبادلہ تسلسل کے ساتھ قائم رہنا چاہیئے۔ مشترکہ بزنس، فورم، صحت، توانائی، مواصلات، بنیادی ڈھانچے سمیت دیگر شعبوں میں تعاون کو فروغ ملے گا۔

وزیراعظم نواز شریف اور جنوبی کوریا کے وزیراعظم کے درمیان اعلیٰ سطح پر مذاکرات ہوئے۔ پاکستانی وفد میں مشیر خارجہ، سرتاج عزیز، وزیراعظم کے معاون خصوصی طارق فاطمی، سیکریٹری خارجہ، اعزاز احمد، وفاقی وزیر تجارت خرم دستگیر، وفاقی وزیر ترقی ومنصوبہ بندی احسن اقبال شامل تھے جبکہ جمہوریہ کوریا کے وفد میں نائب وزیر خارجہ، مشیر خارجہ، نائب وزیر اطلاعات، نائب تجارت وتوانائی اور نائب وزیر قومی ایجنڈا سمیت دیگر اعلیٰ حکام شریک تھے۔ اس موقع پر دونوں ممالک کے درمیان سرمایہ کاری، تجارت، توانائی، اور صنعت کے شعبے میں تعاون کی مفاہمتی یادداشتوں پر بھی دستخط کیے گئے۔ سیکریٹری تجارت محمد شہزاد ارباب اور کوریا کے نائب وزیر تجارت وتوانائی ہان جن ہیون نے مفاہمتی یادداشت پر دستخط کیے۔ بعدازاں اعلیٰ سطحی وفود کی ملاقات میں سرمایہ کاری، تجارت، اقتصادی توانائی، صنعت، بنیادی ڈھانچے کے شعبوں میں باہمی تعاون کو فروغ دینا ہوگا۔ دونوں ممالک میں باہمی تجارت کے فروغ کیلئے تجارتی وفود کا تبادلہ باقاعدگی کے ساتھ ہوتے رہنا چاہیئے۔

وزیراعظم محمد نواز شریف اور جنوبی کوریا کے وزیراعظم کے درمیان ون آن ون ملاقات بھی ہوئی۔ وزیراعظم نواز شریف نے کہا کہ ہم دونوں ممالک کے درمیان سفارتی تعلقات کے قیام کے ۳۱ سال بعد کوریا کے وزیراعظم کی آمد پر خوش ہیں۔ وزیراعظم نے 900 پاکستانی طلبہ کی دیکھ بھال کرنے پر کوریا کی حکومت کا شکریہ ادا کیا۔ جنوبی کوریا کے وزیراعظم نے کہا کہ دونوں ممالک میں سرمایہ کاری، تجارت اور توانائی کے سیکٹر میں تعاون بڑھنا چاہیئے۔ اس سلسلے میں نجی شعبوں کے درمیان روابط کو بڑھانا چاہئے۔ وزیراعظم نواز شریف نے کوریا سمیت تمام غیر ملکی سرمایہ کاری کو پاکستان میں سرمایہ کاری کی دعوت دیتے ہوئے کہا کہ پاکستان چین فری اقتصادی زون سے سرمایہ کاری کے مزید مواقع پیدا ہونگے۔ غیر ملکی سرمایہ کاری بلاجھجک سرمایہ لگائیں۔ وزیراعظم نواز شریف نے دورہ کرنے والے کوریائی وفد کے اعزاز میں ظہرانہ بھی دیا۔ مفاہمت کی یادداشتیں پاکستان بزنس کونسل اور کوریا کے وفاق ہائے صنعت اور دونوں ملکوں کے وفاق ہائے ایوان صنعت وتجارت کے درمیان اسلام آباد میں پائیں۔ ایک مفاہمتی یادداشت کے تحت جنوبی کوریا ایک ہزار میگاواٹ کے گول پور پن بجلی کے منصوبے مٰں سرمایہ کاری کرے گا۔ پاکستان جنوبی کوریا تجارت 1.3 ملین ڈالر ہو چکی ہے۔ باہمی تجارت کو فروغ دے کر اس میں اضافہ کیا جا سکتا ہے۔ جنوبی کوریا پاکستان کے ساتھ انفراسٹرکچر آٹو موبائل کیمیکلز کے شعبوں میں تعاون بڑھانے کیلئے کوشاں ہے۔ اس سلسلے میں ٹھوس اقدامات کیے جائیں گے۔

عالمی عدالتی کانفرنس، اسلام آباد (۲۰۱۴)

سپریم کورٹ میں ہونے والی عالمی عدالتیں کانفرنس کے شرکاء نے پاکستان میں فرقہ وارانہ دہشتگردی سمیت مختلف

Marfat.com

موضوعات پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ فرقہ واریت دہشت گردی کے واقعات کے سدباب کیلئے عدلیہ پارلیمنٹ کو قانون سازی کے لئے کہہ سکتی ہے۔ آئین اور قانون پر عمل درآمد صرف عدلیہ، ججز، اور وکلاء کی ذمہ داری نہیں بلکہ یہ ہر ریاستی ادارے اور ہر شہری کا فرض ہے کہ ۱۹۔اپریل ۲۰۱۴ کو سپریم کورٹ میں دوروزہ انٹرنیشنل جوڈیشل کانفرنس کے اعلامیہ میں کہا گیا ہے کہ عوام کے بنیادی کا تحفظ بنایا جائے گا پاکستان سمیت دنیا بھر میں عدالتی آئین کی بالادستی اور قانون کی حکمرانی کیلئے کام کر رہی ہیں، عدالتی جائزہ کا اختیار آئین وایک متحرک دستاویز کے طور پر محفوظ رکھتا ہے۔ یہی جائزہ کا اختیار صحت، تعلیم اور رہائش جیسے انسانی حقوق کا تحفظ بھی بناتا ہے۔ عدالتی نظام کسی بھی ملک میں سرمایہ کاری کے فروغ کے لئے استعمال ہوتا ہے تاہم عدالتی جائزہ کے اس اختیار کا استعمال لامحدود نہیں ہونا چاہئے اور اس سے انتظامی پالیسیاں متاثر نہیں ہونی چاہیں اسکے استعمال کے دوران یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ اس سے متفقہ پر لوگوں کا اعتماد متزلزل نہ ہو جبکہ ازخود کے مقدمات میں اداروں کے درمیان توازن برقرار رہنا چاہئے۔

گدو پاور پلانٹ کا افتتاح

۲۱ اپریل 2014ء کو وزیراعظم محمد نواز شریف نے گدو میں گیس سے بجلی پیدا کرنے والے ۴۸۶ میگاواٹ کے ۲ نئے یونٹس افتتاح کر دیا۔ اس موقع پر خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ بہت جلد پاکستان سے تاریکیوں کا خاتمہ ہونے والا ہے۔ پاکستان کو ترقی یافتہ ممالک کی صف میں کھڑا کرنا حکومت کا مشن ہے۔ اس کیلئے حکومت تمام وسائل بروئے کار لا رہی ہے۔ حکومت کو پہاڑ جیسے چیلنجز کا سامنا ہے مگر ہمارے عزائم بلند ہیں اور نا اُمید نہیں ہے۔ ماضی میں منصوبوں کی بروقت تکمیل نہ ہونے کی وجہ سے ملک کو نہ صرف کھربوں روپے کا نقصان برداشت کرنا پڑا بلکہ توانائی کی کمی سے اقتصادی مسائل پیدا ہوئے۔

منصوبے کا ۲۶۱ میگاواٹ کا تیسرا یونٹ آئندہ ماہ پیداوار شروع کریگا جس کے بعد ۷۴۲ میگاواٹ بجلی نیشنل گرڈ میں شامل ہو جائے گی۔ ان منصوبوں سے گدو سے بجلی کی مجموعی پیداوار ۱۶۵۵ میگاواٹ سے بڑھ کر ۲۴۰۲ میگاواٹ ہو جائے گی۔ اس منصوبے پر 59.78 ارب روپے کی مجموعی لاگت آئے گی۔ اس سے حاصل شدہ بجلی ساڑھے ۷ روپے فی یونٹ پڑے گی۔

پاکستان تھرڈ جنریشن اور فورتھ جنریشن ٹیکنالوجی میں داخل

پاکستان ٹیلی کمیونیکیشن کے زیرانتظام تھری جی کے ۴ اور فورجی سپیکٹرم کے ایک لائسنس کی نیلامی کا عمل ۲۳ اپریل 2014ء کے روز مکمل ہو گیا۔ نیلامی سے حکومت کو ایک ارب ۱۱ کروڑ ۲۸ لاکھ ۲۰ ہزار ڈالر سے زیادہ کی رقم حاصل ہوگی۔ فورجی کا ایک لائسنس بعد میں نیلام ہو گیا۔ کمپنیاں ۵۰ فیصد ڈاؤن پے منٹ کرینگی۔ ۵ قسطیں دیں گی، جبکہ ۱۰، ۱۰ فیصد کی تین قسطوں میں ادائیگی ہوگی اور ان پر تین فیصد مزید دینا ہوگا۔ نیلامی میں چار کمپنیوں نے حصہ لیا۔ زونگ تھری جی کے ۱۰ میگاہرٹز فورجی کے ۱۰ میگاہرٹز لائسنس حاصل کر کے سب سے کامیاب کمپنی رہی۔ موبی لنک نے تھری جی کے ۱۰ میگاہرٹز ٹیلی نار اور یوفون نے 5.5 میگاواٹ کے لائنس کیلئے کامیابی حاصل کی۔ تھری جی کے لائنس کی نیلامی کے دوران پہلے سے موجود تھے کم ازکم مقررہ قیمت میں

Marfat.com

ایک کروڑ ۸۷ لاکھ ۲۰ ہزار ڈالر اضافہ جبکہ اگلے چار مرحلوں میں کمپنیوں کی طرف سے بولی میں اضافہ نہ کیا گیا تو نیلامی کے اختتام کا اعلان کر دیا گیا۔ تھری جی کے ۱۰ اور ۵ میگاواٹ کے چار بلاکس کیلئے ۹۰ کروڑ ۲۸ لاکھ ۲۰ ہزار ڈالر کی بولی لگائی گئی جبکہ فور جی کا ۱۰ میگاواٹ کا ایک لائسنس بیس پرائس یعنی کم از کم مقررہ قیمت پر فروخت ہوا جس سے حکومت کو مزید ۲۱ کروڑ ڈالر حاصل ہوئے۔ نیلامی کے دوران ۱۰ میگاووٹ کے بلاک اے اور دی میں کمپنیوں نے زیادہ دلچسپی دکھائی اور انہی کی بولی میں اضافہ ہوا جبکہ ۵ میگاواٹ کے دونوں کم از کم مقررہ قیمت پر ہی فروخت ہوئے۔ نیلامی کے دوران ۱۰ میگاواٹ فور جی ایک لائسنس بیس پرائس پر ہی زونگ نے خریدا۔

چیئرمین پی ٹی اے ڈاکٹر اسماعیل شاہ نے بتایا کہ فور جی کا فروخت نہ ہونے والا لائسنس بھی جلد ہی نیلام کر دیا جائیگا اس موقع پر وفاقی وزیر خزانہ اسحٰق ڈار نے کہا کہ کامیابی نیلامی سے پوری قوم مبارکباد کی مستحق ہے۔ تھری جی اور فور جی کی نیلامی سے ہزاروں لوگوں کو نوکریاں ملیں گی۔ بجٹ میں موبائل فون پر عائد ٹیکسز میں عوام کو ریلیف دیا جائے گا۔ ہم نے بجٹ میں سپیکٹرم آکشن کے حوالے سے ۱۲۰ ارب روپے رکھے تھے۔ ۱۲۱ ارب روپے کا فور جی کا ۱۰ میگاواٹ کا ایک لائسنس ابھی فروخت ہونا باقی ہے۔ سپکٹرم کی نیلامی سے ملک میں جدید ٹیکنالوجی ہم پر بیس پرائس کے حوالے سے بہت زیادہ دباؤ تھا۔ اس سے جہاں پاکستانی عوام کو جدید ٹیکنالوجی ملے گی وہاں معیشت میں بہت زیادی تیزی آئیگی۔ اور پاکستان ترقی کے راستے پر داخل ہو جائیگا۔ انہوں نے کہا کہ معاشی طور پر ۴۴ ملکوں میں سے ۱۸ واں ملک بننے جا رہا ہے۔ ۲ مئی ۲۰۱۴ء کو وارد نے فور جی سپیکٹرم کا لائسنس حاصل کیا۔ ۲۲ مئی ۲۰۱۴ء کو اسلام آباد میں تھری جی اور فور جی لائنس دینے کی باضابطہ تقریب وزیراعظم پاکستان محمد نواز شریف کی زیر صدارت منعقد ہوئی۔

پاکستان کے پہلے سولر پاور پراجیکٹ (بہاولپور) کا سنگ بنیاد

۹ مئی ۲۰۱۴ء کو وزیراعظم پاکستان نے چولستان کے صحرا میں جنوبی ایشیاء کے سب سے بڑے سولر پاور منصوبے کا سنگ بنیاد رکھ دیا۔ اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور میں قائداعظم سولر پارک میں ۱۰۰ میگاواٹ کے پہلے سولر پاور پراجیکٹ کے افتتاح کے بعد خطاب کرتے ہوئے وزیراعظم نواز شریف نے کہا کہ عوام نے بہت سی مصیبتیں برداشت کیں، اب ملک کو ترقی کرنے کیلئے مجھے پاکستان بہت تیزی سے آگے بڑھتا ہوا نظر آ رہا ہے۔ اسے آگے بڑھنے سے مت روکیں پاکستان میں اس وقت سب سے بڑا مسئلہ ہے بجلی نہ ہونے کی وجہ سے ہماری زراعت، برآمدات، درآمدات، اور صنعتوں کو شدید نقصان اور ہماری معیشت کا پہیہ جام ہو گیا۔ ماضی میں کسی بھی حکومت نے بجلی کے مسئلے پر توجہ نہیں دی لیکن ہم پاکستان کو اندھیروں سے نکالنا چاہتے ہیں۔ ہم نے انتخابات کے دوران اس بات کا وعدہ کیا تھا کہ اپنے دور حکومت میں بجلی کے بحران پر قابو پالیں گے، اور آج ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ ہم بہت جلد اس مسئلے پر قابو پالیں گے۔ لوڈ شیڈنگ کے خاتمے کا کوئی ٹائم فریم نہیں دے سکتا لیکن ہماری حکومت کی معیاد پوری نہ ہونے سے پہلے اسکا خاتمہ کر دیں گے۔ بہاولپور کے سولر پاور پراجیکٹ سے صرف ۷ ماہ میں ۱۰۰ میگاواٹ حاصل ہونا

Marfat.com

شروع ہوجائیگی۔ پھراس منصوبے کو۱۰۰۰میگاواٹ تک بڑھایاجائیگا۔

اس منصوبے سے پہلے مرحلے میں ۱۰۰ میگاواٹ بجلی حاصل کی جائے گی، جبکہ سولر پاور منصوبے سے ۲۰۱۶ء تک ۱۰۰۰ میگاواٹ بجلی حاصل کی جائے گی۔ قائداعظم سولر پارک کے سولر پاور پراجیکٹ سے حاصل ہونے والی بجلی نیشنل رڈسٹیشن میں شامل کی جائے گی۔ اس موقع پر وزیراعلیٰ پنجاب شہبازشریف، وزیرقانون، رانا ثناءاللہ اور چینی کمپنی ٹی بی ای کے صدر سمیت علاقائی عہدیدار بھی بڑی تعداد میں موجود تھے۔ وزیراعظم نے کہا ہم نے بجلی پر قابو پانے کیلئے پچیس سال کی منصوبہ بندی کرلی ہے۔ آٹھ سال میں ۱۲۰۰۰ میگاواٹ پیدا کرنے کی منصوبہ بندی ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس منصوبے کے لئے چین ۳۵ ارب ڈالر کی سرمایہ کاری کریگا۔ اس موقع پر چین کے سفیر نے اعلان کیا کہ چین ہمیشہ پاکستان کا ساتھ دے گا اس منصوبے کی تکمیل میں معیار برقرار رکھا جائے گا۔ چین اور پاکستان میں بجلی کا بحران حل کرنے میں ہر ممکن تعاون کریگا۔

قائداعظم سولر پارک کے منصوبے سے ۲۵ برس تک بجلی حاصل ہوگی۔ تیل اور گیس کا کوئی خرچہ نہیں ہوگا۔ یہ منصوبہ صرف سورج کی شعاؤں سے چلے گا جس سے مجموعی طور پر ایک ہزار میگاواٹ بجلی ملے گی۔ جس سے علاقے میں ترقی وخوشحالی کا نیا دور شروع ہوگا اور بے شمار افراد کو روزگار کے نئے مواقع ملیں گے۔ قائداعظم سولر پارک میں ۱۰۰ میگاواٹ کا منصوبہ ملک کو روشنیوں کی جانب لے جانے کی ابتداء ہے۔ ۱۰۰ میگاواٹ سولر بجلی کا منصوبہ دسمبر ۲۰۱۴ء میں مکمل ہوگا۔

وزیراعظم نواز شریف کا دورہ ایران (۲۰۱۴)

پاکستان اور ایران کی قیادت نے گیس پائپ لائن منصوبہ بندی جاری رکھنے، باہمی تجارت ۵ ارب ڈالر تک لے جانے۔ سرحد پر سیکورٹی انتظامات مزید سخت کرنے پر اتفاق کیا۔ اس اتفاق رائے کا اظہار وزیراعظم نوازشریف ورایرانی صدر حسن روحانی کے درمیان ۱۱ مئی ۲۰۱۴ء کو ہونے والی ملاقات میں کیا گیا۔ ملاقات میں دونوں ممالک کے درمیان باہمی تعلقات کے فروغ، خطہ کی صورتحال، افغان صدارتی انتخابات، نیٹو اور امریکی افواج کے افغانستان سے انخلاء کے بعد کے معاملات، مشرق وسطیٰ اور خاص طور پر ایران سعودی عرب تعلقات پر تفصیلی تبادلہ خیال کیا گیا۔

ملاقات میں پاکستان کی طرف سے بعض سرحدی معاملات، ہر ایرانی قیادت کی پاکستان پر الزام تراشی ور دھمکیوں کو افسوسناک قرار دیتے ہوئے کہا کہ پاکستان نے کبھی ایسا رویہ نہیں اپنایا۔ ایرانی صدر نے وزیراعظم کو یقین دلایا کہ وہ اس کا نوٹس لیں گے۔ ملاقات میں پاکستان اور ایران گیس پائپ لائن منصوبے کا تفصیلی سے جائزہ لیا گیا۔ دونوں طرف سے اپنے تحفظات کا اظہار کیا۔ پاکستانی وفد میں شامل مشیر خارجہ، خزانہ اور پیٹرولیم وقدرتی وسائل کے وفاقی وزراء نے ایران پر عالمی پابندیوں سمیت دیگر ایشوز پر بات کی۔ ایرانی حکام نے اپنے موقف کا کھل کر اظہار کیا۔ گیس کی قیمتوں کے حوالے سے پاکستان نے اپنے اعتراضات اٹھائے۔

وزیراعظم نوازشریف نے کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ دوطرفہ تجارت کا حجم پانچ ارب ڈالر تک بڑھایا جائے' ایرانی صدر

Marfat.com

نے اس سے اتفاق کیا۔ وزیراعظم نواز شریف نے کہا کہ پاکستان ایران کے ساتھ تعلقات کا نیا باب کھولنا چاہتا ہے۔ ہم اپنے دوستانہ اور برادرانہ تعلقات کو نئی بلندیوں تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ ایرانی صدر نے پاکستانی عوام اور قیادت کے لیئے خیر سگالی کے جذبات کا اظہار کیا۔ وزیراعظم نواز شریف نے ایرانی صدر کو دورہ پاکستان کی دعوت دی جسے انہوں نے قبول کرلیا۔ پاکستان اور ایران کی اعلیٰ قیادت میں گیس پائپ لائن منصوبے پر کسی بھی قسم کا دباؤ خاطر میں نہ لانے کا عزم کرتے ہوئے منصوبے میں پیش رفت کے لیئے اقدامات پر اتفاق ہوا۔ ملاقات میں علاقائی و عالمی صورتحال پر بات ہوئی۔ ایرانی قیادت نے وزیراعظم پاکستان کا انتہائی گرمجوشی سے خیر مقدم کیا۔ ایران سے بجلی کی درآمد کی سہولت کے لیئے بھی بات چیت کی گئی۔ وزیراعظم نواز شریف نے ایران کے نائب صدر اسحاق جہانگیری سے ملاقات کی جس میں دوطرفہ تعلقات اور مختلف شعبوں میں تعاون پر تبادلہ خیال کیا گیا اس سے پہلے ایران کی مسلح افواج کے دستے نے وزیراعظم کو گارڈ آف آنر پیش کیا۔

پاکستان اور ایران نے وزیراعظم محمد نواز شریف کے دورہ تہران کے دوران 8 معاہدوں اور مفاہمت کی یادداشتوں پر دستخط کیے جن میں مجرمین کی حوالگی کا معاہدہ شامل ہے۔ اس میں وہ قیدی شامل ہیں جنہوں نے سزا کی مدت پوری کرلی ہے۔ مجرمین کی حوالگی سے متعلق معاہدہ پر دستخط وزیراعظم کے مشیر سرتاج عزیز اور ایران کے وزیر انصاف نے کیئے۔ ایک معاہدے کے تحت غیر قانونی طریقوں سے پیسوں کی منتقلی کی روک تھام کے لیئے دونوں ممالک ایک دوسرے سے تعاون کریں گے۔ اس معاہدے پر دستخط وزیر خزانہ اور ان کے ایرانی ہم منصب نے کیئے۔ مشترکہ سرحد کمیشن کے مفاہمت کی یادداشت پر سرتاج عزیز اور ایران کے وزیر خارجہ نے دستخط کیئے۔ ثقافتی پروگراموں کے تبادلے شماریات کے شعبے میں تعاون' کھیلوں کے فروغ' بحری جہازوں سے ماحولیاتی آلودگی سے کنٹرول میں تعاون اور تجارتی تنظیموں کے مابین تعاون سے متعلق بھی مفاہمت کی یادداشتوں پر دستخط کیئے گیئے۔

بھارتی انتخابات میں بی جے پی کامیاب' نریندر مودی وزیراعظم منتخب

بھارت میں منعقد ہونے والے دنیا کے سب سے بڑے پارلیمانی انتخابات کے نتائج کا اعلان 16 مئی 2014ء کو کیا گیا جس کے مطابق بھارتیہ جنتا پارٹی نے تاریخ ساز فتح حاصل کرتے ہوئے حکمران جماعت کانگریس سمیت دیگر جماعتوں کا صفایا کردیا۔ نریندر مودی بھارت کے آئندہ وزیراعظم منتخب' 21 مئی کو عہدے کا حلف اٹھایا۔ من موہن سنگھ 17 مئی 2014 کو عہدے سے سبکدوش ہوئے۔ بھارتی انتخابات کی تاریخ میں کانگریس کو بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ لوک سبھا کی 543 نشستوں میں سے بھارتیہ جنتا پارٹی نے ریکارڈ 283 نشستیں جیت کر زیادہ اکثریت حاصل کرلی۔ دہلی' گوا' گجرات' ہماچل پردیش' گجرات' راجھستان اور اترکھنڈ میں بی جے پی نے کلین سویپ کیا۔ حکمران جماعت کانگریس میں صرف 43 نشستیں حاصل کرسکی۔ مودی کے علاوہ بی جے پی کے اہم رہنما ایل کے ایڈوانی' راج ناتھ سنگھ بھی کامیاب رہے۔ کانگریس کی چیئرپرسن سونیا گاندھی نے رائے بریلی اور راہول گاندھی نے امیٹھی سے کامیابی حاصل کی۔ عام آدمی پارٹی دہلی سے کوئی نشست حاصل نہ

Marfat.com

کر سکی۔ اروند کجریوال کو نریندر مودی نے بنارس میں تین لاکھ ووٹ سے شکست دے دی۔ نریندر مودی نے بنارس اور اور ودودرا کی دونوں نشستوں پر کامیابی حاصل کی۔

بھارت کے نئے وزیراعظم نریندر مودی نے کہا کہ وہ ملک 1.2 ارب لوگوں کی خواہشوں کا احترام کریں گے۔ انہوں نے مزید کہا کہ حکومت چلانا بہت بڑی ذمہ داری ہوتی ہے اور عوام نے بھارت کے روشن مستقبل کے حق میں فیصلہ دیا ہے۔ دوسری جانب کانگریس کی صدر سونیا گاندھی اور پارٹی کے نائب صدر راہول گاندھی نے ناکامی کی ذمہ داری قبول کر لی۔ سونیا گاندھی کا کہنا تھا کہ وہ عوام کے فیصلے کی قدر کرتی ہیں اور امید ہے کہ نئی آنے والی حکومت ملکی مفاد اور عوام کو متحد رکھنے کے لیئے کام کرے گی۔ انہوں نے بھارتیہ جنتا پارٹی کو مبارکباد دی۔ سونیا گاندھی نے کہا کہ ہار جیت جمہوریت کا حصہ ہیں۔

پاکستانی وزیراعظم نواز شریف نے بھی نریندر مودی کو کامیابی پر مبارکباد دی۔ نواز شریف نے ٹیلی فون پر مودی کو مبارکباد دیتے ہوئے نریندر مودی کو پاکستان پر دورے کی دعوت بھی دی۔

حتمی نتائج کے مطابق نیشنل ڈیموکریٹک الائنس جس میں بی جے پی سمیت 4 جماعتیں شامل ہیں، اس اتحاد نے مجموعی طور پر 337 نشستیں حاصل کیں۔ یونائیٹڈ پروگریسو الائنس جس میں کانگریس اور دیگر جماعتیں شامل ہیں، اس اتحاد نے مجموعی طور پر 58 نشستیں حاصل کیں۔ عام آدمی پارٹی صرف چار نشستیں جیت سکی اور یہ چاروں سیٹیں اس نے پنجاب سے حاصل کیں، دہلی سے وہ کوئی سیٹ نہ جیت سکی۔ دیگر سیاسی جماعتوں نے مجموعی طور پر 144 نشستیں حاصل کیں۔

انتہا پسند بی جے پی کی زبردست کامیابی کے بعد نریندر مودی نے 26 مئی 2014 کو بھارت کے 15 ویں وزیر اعظم کے طور پر حلف اٹھالیا۔ اس تقریب میں وزیراعظم میاں محمد نواز شریف اور افغان صدر حامد کرزئی کے علاوہ جنوبی ایشیا تعاون کی تنظیم سارک کے کئی سربراہ شریک تھے۔ تقریب کے لیئے تین ہزار لوگوں کو دعوت نامے بھیجے گئے تھے جس کی وجہ سے حلف برداری کا انتظام راشٹرپتی بھون کے سبزہ زار میں کیا گیا۔ اس موقع پر بھارت کے سابق وزیراعظم من موہن سنگھ، کانگریس کی صدر سونیا گاندھی، نائب صدر راہول گاندھی سمیت ملک کی تقریباً پوری اعلیٰ قیادت موجود تھی۔ 62 سربراہان مملکت کو مدعو کیا گیا تھا۔ وزیراعظم نواز شریف کو من موہن سنگھ کے دائیں جانب سیٹ پر بٹھایا گیا۔ حامد کرزئی من موہن کے بائیں جانب بیٹھے۔ مودی کی حلف برداری کے بعد نریندر مودی کابینہ نے حلف اٹھایا۔ نریندر مودی کی 45 رکنی کابینہ میں 24 وزیر، 10 وزرائے مملکت اور 11 جونیئر وزیر ہوں گے۔ راج ناتھ سنگھ وزیر داخلہ سشما سوراج کو وزیر خارجہ مقرر کیا گیا۔

ساہیوال کول پاور پلانٹس کا سنگ بنیاد

ساہیوال میں 30 مئی 2014ء کو 2 کول پاور پلانٹس کا سنگ بنیاد رکھ دیا گیا۔ اس موقع پر وزیراعظم میاں محمد نواز شریف نے کہا کہ بجلی بحران پر قابو پانے کے لیئے حکومت دن رات محنت کر رہی ہے۔ 8 سے 10 سال میں 21 ہزار میگاواٹ بجلی سسٹم میں شامل ہو جائے گی، آئندہ تین سال میں بجلی کی کمی نہیں ہوگی، گوادر بندرگاہ کو دبئی، سنگاپور کی طرز پر بنائیں گے۔

Marfat.com

قادر آباد کے مقام پر چین کے تعاون سے کوئلے سے بجلی پیدا کرنے والے 1320 میگاواٹ کے دو منصوبوں کا سنگ بنیاد رکھنے کی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ساہیوال میں بجلی کے دو منصوبے لگانا خوش آئند ہے۔ منصوبوں میں چین کا تعاون باعث مسرت ہے۔ پاکستان چین اقتصادی راہ داری خطے کی صورتحال تبدیل کردے گی۔ خطے میں انقلاب آئے گا' چین کی کمپنی کو ایک سال قبل پاکستان میں سرمایا کاری کرنے کی دعوت دی تھی جو انہوں نے قبول کرلی۔ چینی کمپنی نے کم سے کم مدت میں ساہیوال منصوبے کا سنگ بنیاد ممکن بنایا جو ہمارے لیئے باعث مسرت ہے۔ آج ہم نے اس کا سنگ بنیاد رکھ دیا ہے۔ کراچی لاہور موٹروے بھی ساہیوال سے گزرے گی اور جلد اس کا افتتاح کریں گے۔ اس منصوبے پر 55 ارب روپے کی لاگت آئے گی۔ 1320 میگاواٹ کے دو منصوبوں کا سنگ بنیاد رکھنے پر ساہیوال پاکستان کے سب سے زیادہ بجلی پیدا کرنے والے شہروں میں شامل ہو گیا ہے۔ دونوں توانائی منصوبے 2016 میں مکمل ہوں گے۔ توقع ہے کہ ضلع ساہیوال میں ان پلانٹس کے چلنے سے لوڈشیڈنگ میں نمایاں کمی واقع ہوگی' یہاں کے لوگوں کو روزگار کے مواقع مہیا ہوں گے۔ چینی کمپنی کے تعاون سے ساہیوال کول پاور پلانٹس جدید ترین ٹیکنالوجی سے آراستہ ہیں۔ جن سے ماحولیاتی آلودگی کا کوئی خطرہ نہیں' عوام کو سستی بجلی فراہم کرنے کے لیئے کوئلہ سے چلنے والے بجلی گھر لگائے جارہے ہیں۔ اس طرح کے منصوبے پنجاب کے دوسرے شہروں میں بھی لگائے جائیں گے۔ ساہیوال کول فائرڈ پاور پراجیکٹ بجلی بحران کے خاتمہ میں اہم کردار ادا کرے گا۔ مستقبل میں ساہیوال جی ڈی پی اور جی این پی کی گروتھ میں بھرپور کردار ادا کرے گا۔ چین کی معروف کمپنیوں کے تعاون سے کوئلے سے چلنے والا یہ پہلا منصوبہ ہے جو پنجاب میں لگایا جارہا ہے۔ چین کی دو معروف کمپنیاں شینگ ڈونگ، رویائی اور شینگ ڈونگ ہیوانگ مشترکہ طور پر سرمایہ کاری کررہی ہیں۔ چینی کمپنیوں نے ساہیوال کول پاور پراجیکٹ دسمبر 2016ء تک مکمل کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ دنیا میں آج تک کول پاور پلانٹ کا اتنا بڑا منصوبہ دو یا اڑھائی برس میں مکمل نہیں کیا جاسکا۔ یہ منصوبہ چاہے 30 ماہ میں مکمل ہو یا 24 ماہ میں دونوں صورتوں میں یہ عالمی ریکارڈ ہوگا۔

نندی پور پاور پراجیکٹ کا افتتاح

نندی پور پاور پراجیکٹ کی پہلی ٹربائن کا افتتاح 31 مئی 2014ء کو وزیراعظم میاں محمد نواز شریف نے کیا۔ 95 میگاواٹ بجلی نیشنل گرڈ میں شامل کرنے کے لیئے پہلی ٹربائن کا افتتاح کے موقع پر ان کے ساتھ وزیراعلیٰ پنجاب شہباز شریف' وزیر مملکت پانی و بجلی عابد شیر علی' چین کی کمپنی ڈانگ فانگ کے چیئرمین وانگ جی' عوامی جمہوریہ چین کے پاکستان میں سفارتخانے کے اکنامک و کمرشل قونصلر لی شاؤ فانگ بھی تھے۔ نندی پور پاور پراجیکٹ سے بجلی نیشنل گرڈ میں شامل کیے جانے کے موقع پر خصوصی تقریب کا اہتمام کیا گیا۔

وزیراعظم نواز شریف نے کہا کہ غازی بروتھا بھی ہم نے بنایا لیکن اب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے منگلا اور تربیلا سے زیادہ بڑا منصوبہ دیامر بھاشا ڈیم کی صورت میں شروع کررہے ہیں۔ یہ پاکستان کا بہت بڑا منصوبہ ہوگا۔ پانی ہماری زراعت کے

Marfat.com

استعمال میں آئے گا۔وہ پانی پاکستانی زمینوں کو سیراب کرے گا اور اجناس بڑھیں گی۔ چار روز پہلے ہم نے زمین خریدنے کے لیے 40 ارب روپے دیئے ہیں۔اس میں انٹرنیشنل ڈونرز ایجنسیز بھی اپنا حصہ ڈالیں گی۔ داسو پاور پراجیکٹ کا بھی فیصلہ کیا ہے۔ داسو پراجیکٹ سے 4500 میگاواٹ بجلی میسر ہوگی۔ دونوں منصوبوں 9000 میگاواٹ بجلی پیدا ہوگی۔ کسی جگہ بجلی کا کارخانہ بن رہا ہے۔ کسی جگہ سڑک بن رہی ہے' موٹروے بن رہا ہے یا میٹرو بس پر کام جاری ہے' مجھے خیبر سے لے کر کراچی تک اور خنجراب سے لے کر گوادر تک اپنی قوم عزیز ہے۔ ہم ریلوے کو بھی اپ گریڈ کر رہے ہیں۔ اسلام باد سے مظفر آباد تک ایک نئی ریلوے لائن بچھا رہے ہیں' انشاءاللہ یہ اسی دور میں بنے گی۔

الیکشن کمیشن کا پانچ سالہ سٹریٹجک پلان

الیکشن کمیشن نے 5 جون 2014ء کو دوسرا پانچ سالہ سٹریٹجک پلان جاری کیا جس کے مطابق آئندہ عام انتخابات میں الیکٹرانک ووٹنگ مشین متعارف کرائی جائے گی' نئی حلقہ بندیاں جی آئی ایس سسٹم کے تحت ہوں گی' ولنگ سٹیشنوں کی سکیم چار ماہ قبل تیار ہوگی' انتخابی عملے کو جوابدہ بنایا جائے گا۔

غزہ میں اسرائیلی جارحیت

تقریباً ایک ماہ کی جارحیت کے بعد 14 اگست 2014ء کو اسرائیل اور حماس 72 گھنٹوں کی جنگ بندی کیلئے رضامند ہوگئے جس کا آغاز 15 اگست سے ہوا۔ عالمی دباؤ اور مصری حکام کی محنت ایک بار پھر کام کر گئی۔ اسرائیل اور حماس نے باضابطہ طور پر جنگ بندی تسلیم کرنے کا اعلان کیا۔ اسرائیل حکام کا کہنا ہے کہ وزیراعظم نجمن نتن یاہو کی کابینہ نے سیز فائر کا فیصلہ کیا ہے۔ قبل ازیں اسرائیل وزیراعظم نے کہا تھا کہ غزہ میں طویل المدت سیکورٹی مقاصد کیے جانے تک فوجی آپریشن جاری رہے گا۔ امریکا بھی جنگ بندی کا خیر مقدم کیا۔ نائب مشیر برائے قومی سلامتی ٹونی بلنکن نے کہا کہ یہ حماس کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ جنگ بندی جاری رکھے۔ 29 روز سے جاری اس جنگ میں اسرائیل نے درندگی کی انتہائی کر دی۔ اسرائیلی معصوم بچوں اور خواتین سمیت 2 ہزر سے زائد فسطینیوں کو شہید کیا گیا۔ حماس نے بھی کارروائیاں کیں جس کے باعث 64 اسرائیلی فوجی اور 3 اسرائیلی شہری ہلاک ہوئے۔

3 اگست کو بھی اسرائیل نے جنگ بندی کی خلاف ورزی کرتے ہوئے فضائی حملے میں ایک بچی جاں بحق اور 30 سے زائد افراد زخمی بھی ہوئے۔ اسرائیلی فوج کی وحشیانہ بمباری نے ہنستے ہنستے غزہ شہر کو کھنڈر میں تبدیل کر دیا۔ جگہ جگہ تباہی اور بربادی کے مناظر اسرائیلی مظالم کی داستان سناتے رہے۔ خاندانوں کے خاندان اسرائیلی جارحیت کی نذر ہوگئے لیکن فلسطینیوں کی نسل کشی روکنے میں کوئی عالمی دباؤ اپیل کامیاب نہ ہوئی۔

دوسری طرف اسرائیل کی ظالمانہ کارروائیوں کے خلاف دنیا بھر میں احتجاج کیا گیا۔ ترکی' پاکستان' مقبوضہ کشمیر' بھارت' انگلینڈ' امریکا' فرانس' ملائیشیا اور وینزویلا میں غزہ پر اسرائیلی جارحیت کے خلاف مظاہرے ہوئے۔ واشنگٹن ڈی سی میں

Marfat.com

امریکی صدر کی رہائش گاہ وائٹ ہاؤس کے سامنے ہزاروں شہریوں نے اسرائیلی جارحیت کے خلاف بھرپور مظاہرہ کیا۔ مظاہرین نے امریکہ کی جانب سے اسرائیل کو دی جانے والی امداد کے خلاف اور آزاد فلسطین کے حق میں نعرے لگائے۔ وینزویلا کے دارالحکومت کراکس میں سرکاری سطح پر ہزاروں افراد نے غزہ پر اسرائیلی بمباری کے خلاف ریلی نکالی۔ فرانس میں اسرائیل مخالف ریلی کے دوران پولیس اور مظاہرین کے درمیان تصادم کے بعد حکومت کی جانب سے پیرس میں ریلی نکالنے کی اجازت دے دی گئی جس کے بعد ہزاروں افراد نے مظاہرہ کیا۔ مظاہرین نے اسرئیل کی حمایت کرنے پر حکومت کو سخت تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے ڈرامائی انداز میں فلسطینیوں کے غم کی ترجمانی کی۔ ملائیشیا کے دارالحکومت کوالالمپور میں لوگوں نے اسرائیل کی جانب سے معصوم بچوں اور عورتوں قتل عام کو فوری طور پر بند کرنے کا مطالبہ کیا۔ بھارت کے دارالحکومت نئی دلی میں عام آدمی پارٹی کے زیر اہتمام فلسطینیوں سے یکجہتی کے لیئے مظاہرہ کیا گیا۔ مظاہرین نے ہاتھوں میں شمعیں اٹھارکھی تھیں۔

آئی ایس آئی ایس ....داعش

دولتِ اسلامیہ فی عراق والشام (آئی ایس آئی ایس) ایک جہادی گروہ کا نام ہے جو عراق اور شام میں سرگرم عمل ہے۔ یہ تنظیم اپریل 2013ء میں عراق میں القاعدہ سے وجود میں آئی۔ القاعدہ سے علیحدہ ہونے کے بعد یہ ایک بڑا جہادی گروپ بن کر سامنے آیا ہے۔ شام میں سرکاری فوجوں کے خلاف برسرپیکار ہے اور عراق میں بھی سرکاری فوجوں کے مقابلے میں پیش قدمی کرتا جا رہا ہے۔

اس اصل افرادی قوت کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا لیکن خیال کیا جاتا ہے کہ یہ ہزاروں جنگجوؤں پر مشتمل ہے جن میں بہت سے غیر ملکی جہادی بھی شامل ہیں۔ نامہ نگاروں کے مطابق یہ القاعدہ کو پیچھے چھوڑ کر دنیا کا سب سے خطرناک گروپ بنتا جا رہا ہے۔ اس تنظیم کی سربراہی ابوبکر بغدادی کر رہے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ وہ بغداد کے شمالی علاقے سامرا میں 1971ء میں پیدا ہوئے اور 2003 میں امریکی حملے کے خلاف شروع ہونے والی مزاحمت میں شامل ہوئے۔ بغدادی میدان جنگ کے سالار اور منصوبے ساز سمجھے جاتے ہیں۔ مبصرین کے خیال میں یہ بات انہیں اور آئی ایس آئی ایس کو ایمن الظواہری اور القاعدہ کے مقابلے میں نوجوانوں کے لیئے زیادہ پرکشش بناتی ہے۔ واضح رہے کہ ایمن الظواہری ایک عالم ہیں۔

مغربی ملکوں سے شام کی جنگ میں شامل ہونے والے 80 فیصد جنگجو اس گروپ میں شامل ہیں۔ آئی ایس آئی ایس کا دعویٰ ہے کہ اس کی صفوں میں برطانیہ، فرانس، جرمنی اور دیگر مغربی ملکوں کے علاوہ امریکہ، عرب دنیا اور کوہ قاف سے تعلق رکھنے والے جنگجو بھی شامل ہیں۔ شام میں دیگر باغی گروپوں کے برعکس آئی ایس آئی ایس عراق اور شام کے حصوں پر مشتمل ایک علیحدہ آزاد ریاست قائم کرنا چاہتی ہے۔

اس گروپ نے نا قابل ذکر فوجی کامیابیاں حاصل کی ہیں۔ اس نے مارچ 2013 میں شام کے شہر رقہ پر قبضہ کر لیا تھا باغیوں کے ہاتھوں میں جانے والا یہ پہلا صوبائی مرکزی شہر تھا۔ جنوری 2014 میں اس نے عراق میں شیعہ حکومت اور سنی آباد

Marfat.com

کے درمیان کشیدگی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے انبار کے صوبے میں واقع فلوجہ شہر کا کنٹرول حاصل کرلیا۔ اس نے صوبائی دارالحکومت رماوی کے بڑے حصہ پر بھی قبضہ کرلیا اور شام اور ترکی کی سرحد کے قریب واقع کئی علاقوں میں اپنا اثر بڑھالیا۔ اپنے زیراثر علاقوں میں اس کی ساکھ ایک انتہائی جابر قوت کے طور پر بن چکی ہے۔ امریکہ کے مطابق عراق کے دوسرے بڑے شہر پر اس کے قبضے سے پورے خطے کو خطرات لاحق ہوگئے ہیں۔

یہ گروہ شام میں دیگر جہادی گروپوں مثلاً العصار فرنٹ (جو القاعدہ سے منسلک گروہ ہے) سے علیحدہ ہوکر سرگرم ہے اور اس کے ان گروپوں سے تعلقات بھی کشیدہ ہیں۔ بغدادی نے العصار کے ساتھ اپنی تنظیم کا ادغام کرنے کی کوشش کی تھی لیکن کام نہ ہوسکا جس کے بعد سے دونوں گروپ علیحدہ علیحدہ کارروائیاں کر رہے ہیں۔ ایمن الظواہری نے آئی ایس آئی ایس سے کہا تھا کہ وہ شام چھوڑ کر اپنی کارروائیاں عراق تک محدود رکھے لیکن بغدادی اور اس کے جنگجوؤں نے القاعدہ کے سربراہ کی نافرمانی کرتے ہوئے شام میں بھی کارروائیاں جاری رکھیں۔ شام میں رفتہ رفتہ دونوں گروپوں کے درمیان اختلافات میں اضافہ ہوتا چلا گیا اور باغی گروہوں کے درمیان لڑائیاں بھی ہوتی رہیں۔

جولائی 2014 میں مغرب کے حمایت یافتہ اور اسلامی گروپوں نے مل کر آئی ایس آئی ایس کے خلاف یلغار کی تاکہ انہیں شام سے نکالا جاسکے۔ اس لڑائی میں ہزاروں افراد مارے گئے۔

ابوبکر البغدادی کا تعارف: ابوبکر البغدادی کا پورا نام ابوبکر ابراہیم البغدادی ہے۔ وہ موجودہ بعض عراقی وشامی علاقوں پر قابض جبکہ عراق اور شام میں اسلامی ریاست نامی تنظیم وریاست کے سربراہ ہیں۔ ان کو اکثر ان کی کنیت ابوبکر البغدادی سے بلایا جاتا ہے اور امیر المومنین اور خلیفہ ابراہیم بھی کہا جاتا ہے۔ 29 جون 2014 کو عراق اور شام میں اسلامی ریاست کا پہلا خلیفہ ہونے کا اعلان کیا۔ ان کو گرفتاری کی صورت یا مارنے کے لیئے امریکہ نے دس ملین ڈالر انعام رکھا ہے۔ امریکہ نے اس وقت سب سے زیادہ انعام القاعدہ کے سربراہ ایمن الظواہری کے سر پر رکھا ہے جو ۲۵ ملین ڈالر ہے اور اس کے بعد ابوبکر البغدادی پر دس ملین ڈالر ہے۔

سکاٹ لینڈ ریفرنڈم

برطانیہ سے علیحدگی حاصل کرنے یا ساتھ رہنے کے لیئے 19 ستمبر 2014 کو ہونے والے تاریخی ریفرنڈم میں سکاٹ لینڈ کے عوام نے برطانیہ کے حق میں فیصلہ دے کر علیحدگی کو مسترد کردیا۔ 55 فیصد نے برطانیہ سے علیحدگی کی مخالفت کی جبکہ 45 فیصد نے تاج براطانیہ سے علیحدگی کے حق میں ووٹ دیا۔ 32 کونسلز میں سے 26 نے ''نہ'' کے حق میں ووٹ دیا جس سے سکاٹش نیشنل پارٹی کو عبرتناک شکست ہوئی۔

ریفرنڈم میں ووٹروں سے پوچھا گیا تھا کہ کیا سکاٹ لینڈ کو آزاد ملک ہونا چاہیئے۔ اس پر ہاں یا نہ میں جواب مانگا گیا تھا۔ نتائج کے مطابق 2,001,926 ووٹرز نے ''نہ'' اور 1617,989 نے ''ہاں'' کے حق میں ووٹ دیا۔ اس عمل سے

Marfat.com

برطانیہ دوٹکڑے ہونے سے بچ گیا۔ دوسری جانب برطانیہ کے وزیراعظم ڈیوڈ کیمرون نے ریفرنڈم کے نتائج کے بعد خطاب میں کہا کہ انہیں اس بات خوشی ہوئی کہ برطانیہ متحد رہے گا اور اضافی اختیارات دینے کے وعدوں کا احترام کیا جائے گا۔

جنرل اسمبلی کے 69 ویں اجلاس سے وزیراعظم نواز شریف کا خطاب

26 ستمبر 2014 کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے 69 ویں اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے وزیراعظم نواز شریف نے مسئلہ کشمیر کو بھرپور طریقے سے اٹھاتے ہوئے اسے اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق حل کرنے پر زور دیا۔ وزیراعظم نے کہا کہ 6 دہائیاں پہلے اقوام متحدہ نے کشمیر میں استصواب رائے کے لیئے قرارداد منظور کی تھی' کشمیر کے عوام آج بھی اس وعدے کی تکمیل کے منتظر ہیں۔ کشمیریوں کی کئی نسلوں نے زندگیاں قبضے' تشدد اور بنیادی حقوق کے استحصال کے سائے میں بسر کیں' خاص طور پر کشمیری خواتین کو بے پایاں مصائب اور تذلیل کا سامنا کرنا پڑا۔ انہوں نے کہا کہ کشمیری عوام کے حق خودارادیت کی حمایت کرنا مسئلے کا فریق ہونے کے ناطے پاکستان کی ذمہ داری ہے۔ پاکستان مذاکرات کے ذریعے مسئلہ کشمیر کے حل کے لیئے کام کرنے کو تیار ہے۔ انہوں نے کہا کہ کشمیریوں کو ان کے حقوق سے محروم رکھا جارہا ہے۔ ہندوستان کے زیرانتظام کشمیر میں لوگ تشدد کے زیراثر زندگی گزار رہے ہیں' کشمیری عوام کے حقوق سلب کیئے گئے ہیں۔

وزیراعظم نے کہا کہ جنوبی ایشیا میں تنازعات کے حل نہ ہونے کی وجہ سے عوام نے ترقی وخوشحالی کے مواقع گنوائے ہیں۔ آج ہمارے پاس موقع آیا ہے ہم اسٹیٹس کو جاری رکھیں یا پھر تمام حل طلب مسائل کو حل کرنے کا نادر موقع حاصل کریں اور تعاون کے لیئے اپنی تمام تر توانائیوں کو بروئے کار لائیں۔ ریاست کی سطح پر اس عظیم تدبر کی راہ اختیار کرنے کے لیئے ہمیں زیادہ سے زیادہ مذاکرات اور سفارتکاری کا راستہ اختیار کرنا ہوگا۔ [illegible] مساوات کی بنیاد پر حقوق اور دانش کا احترام کرنا ہوگا۔ ہمیں مساوات کی بنیاد پر تعلقات' احترام اور شفافیت کا راستہ اختیار کرنا ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان خطے میں اسلحہ کی دوڑ میں شامل نہیں ہوگا' ایٹمی اثاثوں کی حفاظت کے لیئے مربوط نظام موجود ہے۔ توانائی بحران کے حل کے لیئے سول نیوکلیئر تعاون چاہتے ہیں۔ پاکستان امن کے لیئے عالمی برادری تعاون جاری رکھے گا۔ وزیراعظم نے کہا کہ شام کی تاریخی زمین پر دونوں فریقوں کو مذاکرات کے ذریعے مسائل حل کرنا چاہیئے۔ مشرق وسطیٰ میں بڑھتی ہوئی شدت پسندی عالمی امن کے لیئے خطرہ ہے۔

ایشین انٹرنیشنل بینک کا قیام

24 اکتوبر 2014 کو 50 ارب ڈالر سرمائے سے نیا ایشین انٹرنیشنل بینک قائم کر دیا گیا جسے ورلڈ بنک اور ایشیائی ترقیاتی بینک کے لیئے ایک چیلنج سمجھا جارہا ہے۔ امریکہ نے ایسے فیصلے کو ورلڈ بینک جیسے عالمی اداروں کا غیرضروری حریف ادارہ کھڑا کرنے کی کوشش قرار دیا۔ چینی دارالحکومت بیجنگ کے گریٹ ہال آف دا پیپل میں 21 ممالک کے نمائندوں نے ایشین انفراسٹکچر انوسٹمنٹ بنک (AIIB) کا انفراسٹرکچر تیار کرنے کے لیئے مفاہمت کی ایک یادداشت پر دستخط کیئے۔

نیا بینک چین کی علاقائی سطح پر سرمایہ کاری کو فروغ دینے کی خواہش کے علاوہ امریکا کے ساتھ اس کے مسابقت پر مبنی

Marfat.com

تعلقات کا بھی عکاس ہے۔ خیال رہے کہ ورلڈ بینک' آئی ایم ایف یا عالمی مالیاتی فنڈ اور ایشین ڈویلپمنٹ بینک جیسے اداروں پر امریکا' جاپان اور یورپی ممالک کی اجارہ داری ہے۔ نیا بینک ایشیا میں سڑکوں' ریلوے' پاور پلانٹس اور ٹیلی کمیونیکیشن نیٹ ورکس کی تعمیر جیسے منصوبوں کے لیے سرمایہ فراہم کرے گا۔ عالمی مالیاتی ماہرین کے مطابق یہ چیز علاقے کی معیشتوں کے لیے ضروری ہے۔ جن ممالک نے اس نئے بینک کے قیام کی یادداشت پر دستخط کیے ہیں' ان میں پاکستان اور بھارت کے علاوہ سنگاپور' ویت نام' فلپائن' منگولیا' قازقستان' کویت' لاؤس' ملائیشیا' میانمار' نیپال' عمان' قطر' سری لنکا' تھائی لینڈ اور ازبکستان شامل ہیں۔

پہلی بین الاقوامی سرمایہ کاری کانفرنس' اسلام آباد

27,28 اکتوبر 2014 کو بین الاقوامی سرمایہ کاری کانفرنس میں حکومت نے ملکی وغیر ملکی سرمایہ کاروں کو توانائی' انفراسٹرکچر اور دیگر شعبوں میں پرکشش مراعات کی پیشکش کرتے ہوئے کہا کہ بجلی کے منصوبوں میں سرمایہ کاری پر 17 سے 20 فیصد انوسٹمنٹ ریٹرن گارنٹی دیں گے' قدرتی گیس کی تلاش اور پیداوار پر 6.3 ڈالر' شیل گیس 12 ڈالر فی ایم ایم بی ٹی یو ٹیرف دیا جائے گا۔ بجلی کی تقسیم کار کمپنیوں (فیسکو' آئیسکو' لیسکو' گیسکو) کے ساتھ ساتھ جینکوز کی تیز تر نجکاری اور توانائی کے شعبے میں ڈی ریگولیشن کا اعلان کیا گیا اور کہا گیا کہ سرمایہ کاری کے لیے پاکستان محفوظ ملک ہے۔ ہم نے پہلے ہی چین کے تعاون سے پاکستان چین اقتصادی راہداری سمیت 10400 میگاواٹ بجلی پیدا کرنے کے منصوبے شروع کر رکھے ہیں۔ ملکی وغیر ملکی سرمایہ کاروں کے پاس ان منصوبوں پر سرمایہ کاری کے لیے بہترین موقع ہے' یہ باتیں وفاقی وزیر منصوبہ بندی احسن اقبال' وزیر مملکت برائے پیٹرولیم وقدرتی وسائل جام کمال' وزیراعظم کے مشیر توانائی ڈاکٹر مصدق ملک' چیئرمین سرمایہ کاری بورڈ ڈاکٹر مفتاح اسماعیل اور دیگر اعلیٰ حکام نے کانفرنس اندرون و بیرون ملک سے آنے والے سرمایہ کاروں کیلئے ہر لحاظ سے معاون و مددگار ثابت ہوگی۔ پاکستان میں ڈیموں اور رن آف ریور منصوبوں کے ذریعے 80 ہزار میگاواٹ بجلی پیدا کرنے کے مواقع موجود ہیں۔ صوبہ سندھ کے علاقہ تھر میں کوئلے کے وسیع تر ذخائر موجود ہیں جن کی مالیت 90 کھرب ڈالر بنتی ہے۔ بلوچستان میں دنیا کے بہترین تانبے اور سونے کے ذخائر ہیں۔

پانی و بجلی کے لیے وزیراعظم کے معاون خصوصی مصدق ملک نے کہا کہ اس شعبے میں سرمایہ کاری کے لیے اس سے زیادہ اچھا موقع نہیں مل سکتا۔ توانائی کی پیداوار کم ترین سطح پر ہے جبکہ اس کی طلب آسمان کو چھو رہی ہے۔ بجلی کی چوری اور گردشی قرضہ جات عروج پر ہیں۔ بجلی کی ترسیل کا نظام ناکارہ ہو چکا ہے۔ یہی وہ وقت ہے جب سرمایہ کاری اس شعبے میں سرمایہ کاری کی جانی چاہیے۔ قلیل اور طویل مدت کے منصوبے تیار ہیں۔ دنیا میں کوئی ملک یہ ضمانت نہیں دے سکتا۔ سرمایہ کاری میں ملک سے باہر جانے والے سرمایہ کاروں کو لبھانے کے لیے اعداد و شمار کے ذریعے پاکستان کو دنیا میں سب سے زیادہ منافع بخش ملک قرار دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ پاکستان میں سرکاری طور پر طے شدہ شرح منافع 17 سے 20 فیصد ہے اور حکومت اس منافع کو بیرون ملک منتقل کرنے سے نہیں روکتی۔ سینٹرل بینک کے ذریعے ایسا کرنے کی ضمانت بھی فراہم کرتی ہے۔

Marfat.com

کانفرنس میں امریکہ، یورپ اور مشرقی وسطی سمیت مختلف ملکوں کے سرمایہ کار شریک ہوئے جو پاکستان میں سرمایہ کاری کے مواقع اور قوانین کو کافی حد تک سمجھتے تھے تاہم پاکستان کی سکیورٹی اور ملکی سیاست کے حوالے سے یہ سرمایہ کار غیر یقینی کا شکار تھے۔ ڈاکٹر مفتاح اسماعیل نے کہا کہ کانفرنس کے انعقاد کا مقصد غیر ملکی اور ملکی سرمایہ کاروں کو مختلف شعبوں میں سرمایہ کاری کی ترغیب ،ور مراعات دینا ہے۔ پاکستان میں غیر ملکی سرمایہ کاری کے بے پناہ مواقع موجود ہیں جن سے فائدہ اٹھانے کی ضرورت ہے۔

بین الاقوامی سرمایہ کاری کانفرنس میں 231 کمپنیوں کے 241 نمائندوں نے شرکت کی 169 سرمایہ کار بیرون ملک جبکہ 72 پاکستان کے مختلف شہروں سے کانفرنس میں شریک ہوئے۔ روس کی مختلف کمپنیوں کے 12 نمائندے، ہانگ کانگ سے 29 جبکہ بحرین کے 30 نمائندوں سمیت کل 169 غیر ملکی سرمایہ کاروں نے شرکت کی۔ اندرون ملک مختلف شہروں سے 72 سرمایہ کار شریک ہوئے۔

وزیراعظم نواز شریف کا کامیاب دورۂ چین (2014)ء

8 نومبر 2014 کو وزیراعظم نواز شریف کے دورۂ چین کے موقع پر پاکستان اور چین کے درمیان 42 ارب ڈالر کے معاہدوں پر دستخط ہو گئے۔ معاہدوں میں تمام سرمایہ کاری چین سے کی جائے گی جبکہ توانائی پراجیکٹس میں کوئی قرضہ یا امداد نہیں دی جائے گی۔ 19 معاہدوں اور 2 مفاہمت کی یادداشتوں پر دستخط کیئے گئے۔ معاہدوں کے تحت چینی حکومت کی اپنی کمپنیاں پاکستان میں بجلی کے 4 نئے منصوبے لگائیں گی۔

وزیراعظم میاں نوز شریف نے بیجنگ میں چینی صدر شی جن پنگ اور چینی وزیراعظم لی کی چیانگ سے ملاقاتیں کیں۔ ملاقاتوں کے دوران دونوں ممالک کے درمیان توانائی اور دیگر شعبوں میں ترقی و تعاون پر تبادالہ خیال کیا گیا۔ چینی صدر سے ملاقات میں دونوں رہنماؤں نے دوطرفہ تعلقات کو مزید فروغ دینے اور دیگر اہم معاملات پر تبادالہ خیال کیا۔ دونوں طرف سے عزم کا اظہار کیا گیا کہ مل کر ترقی کی راہ پر گامزن اور دوستی میں کوئی رکاوٹ نہیں آنے دیں گے۔ توانائی، معیشت اور دیگر شعبوں مین تعاون کو تیزی سے فروغ دینے کا فیصلہ کیا گیا۔ دونوں ممالک کے درمیان آپٹک فائبر بچھانے کیلئے آسان شرائط پر قرضے اور اقتصادی وفنی تعاون کے معاہدوں پر دستخط بھی کیئے گئے، تھر بلاک ٹو میں 65 لاکھ میٹرٹن کوئلہ نکالنے اور 870 میگاواٹ سکھی کیناری ہائیڈرو پاور پروجیکٹ کے معاہدوں پر دستخط ہوئے۔ بہاولپور میں قائداعظم سولر پارک میں شمسی توانائی پیدا کرنے ساہیوال میں کوئلے سے 1320 میگاواٹ بجلی پیدا کرنے کے معاہدوں پر دستخط ہوئے۔ ایک اور معاہدے کے تحت فیصل آباد میں صنعتی پارک بنایا جائیگا۔ اس کے علاوہ تھر پر (سندھ) میں ہوا100 میگاواٹ بجلی پیدا کرنے کے معاہدوں پر دستخط ہوئے۔

چینی قیادت کے ساتھ ملاقات کے دوران وزیراعظم نواز شریف نے کہا کہ پاکستان ون چائنہ پالیسی کی حمایت کرتا ہے۔ چین کیساتھ مضبوط اقتصادی اور تجارتی شراکت داری راہداری منصوبہ پاکستان اور چین کے مضبوط تعلقات کا عکاس ہے۔

Marfat.com

اس موقع پر بات کرتے ہوئے چینی صدر اور وزیراعظم کا کہنا تھا کہ اس دورے سے دوطرفہ تعلقات مزید مضبوط ہوں گے اور اقتصادی راہداری منصوبہ کی تکمیل کی راہ ہموار ہوگی۔

34 ارب ڈالر توانائی سے متعلقہ منصوبوں جبکہ 11 ارب ڈالر بنیادی ڈھانچے کی ترقی کے منصوبوں پر خرچ ہوں گے۔ان میں رائی کوٹ سے اسلام آباد تک 440 کلومیٹر طویل قراقرم ہائی وے دوم کی تعمیر' کراچی لاہور موٹروے' حویلیاں ڈرائی پورٹ کراس بارڈر آپٹیکل فائبر کیبل سمیت دیگر معاہدے بھی کیے گئے۔لاہور' کراچی موٹروے منصوبے پر چینی صدر کے دورہ پاکستان کے دوران دستخط ہوں گے۔

جی 20 سربراہی اجلاس برسبین (2014ء)

16 نومبر 2014ء کو برسبین میں جاری دوروزہ جی 20 کا سربراہی اجلاس اختتام پذیر ہوگیا جس میں رکن ممالک کے رہنماؤں نے معیشت میں ترقی کا عہد کیا۔آسٹریلوی وزیراعظم ٹونی ایبٹ نے کہا کہ اس عہد کی پابندی کی گئی تو عالمی معیشت میں آئندہ پانچ برس میں 2.1 فیصد ترقی ہوگی جو ہدف سے زیادہ ہے۔

جی 20 کے رہنماؤں نے عالمی اقتصادی ترقی کیلئے 2 کھرب ڈالر کا منصوبہ پیش کردیا۔مجموعی اقتصادی پیداوار میں اضافہ کیلئے مختص کی جانیوالی 2 کھرب ڈالر کی رقم آئندہ پانچ سال کے دوران استعمال کی جائے گی۔

مشترکہ اعلامیہ میں عالمی اتصادی ترقی کی مزید 2.1 فیصد تک بڑھانے کا عزم ظاہر کیا گیا۔اس مقصد کے لیے عالمی رہنماؤں نے اصلاحی اقدامات اٹھانے کے ساتھ 2 کھرب ڈالر کا منصوبہ پیش کیا جو 2018ء تک کیلئے ہوگا۔اس موقع پر کثیر الملکی کمپنیوں کے ٹیکس بچانے کے خلاف عالمی سطح پر کریک ڈاؤن کی بھی حمایت کی گئی۔اعلامیہ میں مغربی افریقی ممالک میں ایبولا وائرس پر قابو پانے کیلئے تمام ممکنہ اقدامات کرنے کا بھی عزم ظاہر کیا گیا۔

26 واں ایپک اجلاس بیجنگ (2014ء)

8 تا 10 نومبر 2014ء کو بیجنگ (چین) میں ایپک ممالک کے اجلاس میں اتفاق کیا گیا کہ آزاد تجارتی خطہ قائم کیا جائے گا اور بدعنوان عناصر کو پناہ نہیں دی جائے گی چین نے سلک روڈ انفراسٹرکچر فنڈ کے قیام کیلئے 40 ارب ڈالر دینے کا اعلان کیا جس سے مواصلاتی نظام مستحکم بنانا چاہتے ہیں۔ایپک ممالک نے بدعنوان عناصر کو پناہ نہ دینے پر اتفاق کیا۔معلومات کے تبادلے کیلئے نیٹ ورک بنایا جائے گا اور بیرون ملک فرار ہونے والے افراد کے خلاف کارروائی ہوگی۔امریکا نے چینی تجویز کو خوش آئند اور اہم قدم قرار دیا۔تفصیلات کے مطابق چینی صدر شی جن پنگ نے کہا کہ چین نئی سلک روڈ کے قیام کیلئے 40 ارب ڈالر کا انفراسٹرکچر فنڈ قائم کرے گا۔انہوں نے یہ اعلان شاہراتی روابط مستحکم بنانے سے متعلق ڈائیلاگ کے دوران کیا جس میں تاجکستان' بنگلہ دیش' پاکستان' میانمار' منگولیا' کمبوڈیا' لاؤس کے رہنماؤں اور اقوام متحدہ کی سماجی واقتصادی تنظیم کے نمائندوں نے شرکت کی۔

Marfat.com

پاک روس دفاعی معاہدہ

20 نومبر 2014ء کو پاکستان اور روس کے درمیان دفاعی شعبے میں تعاون بڑھانے کے معاہدے پر دستخط ہو گئے۔ معاہدے پر دستخط کی تقریب وزارت دفاع راولپنڈی میں ہوئی۔ روسی وزیر دفاع سرگئی شوگو اور پاکستانی وزیر دفاع خواجہ آصف نے معاہدے پر دستخط کیے روسی وزیر دفاع 41 رکنی وفد کے ساتھ پاکستان کے ایک روزہ دورے پر آئے تھے۔

معاہدے کے مطابق ماسکو اسلام آباد کو دہشت گردی کے خلاف جنگ میں استعمال کیلئے ایم آئی 35 گن شپ ہیلی کاپٹر فراہم کرے گا۔ معاہدے کے موقع پر وزیر دفاع خواجہ آصف کا کہنا تھا کہ پاکستان اور روس کے درمیان دفاعی معاہدہ تاریخی سنگ میل ہے۔ پاکستان کے ساتھ تعلقات کے فروغ کیلئے روس کے اقدامات قابل تحسین ہیں۔

پاکستانی سکوک بانڈز کی کامیابی

وفاقی حکومت نے نو سال بعد 26 نومبر 2014ء کو بین الاقوامی مارکیٹ میں ایک ارب ڈالر مالیت کے سکوک بانڈز جاری کر دیئے جنہیں یورو سے زیادہ پذیرائی ملی۔ وزیر خزانہ اسحٰق ڈار نے دبئی اور لندن سمیت دیگر ممالک میں ان سکوک بانڈز کی فرخت کیلئے روڈ شوز کیے جن کے نتیجے میں بین الاقوامی سرمایہ کاروں نے سکوک بانڈز خریدنے میں دلچسپی ظاہر کی لیکن حکومت پاکستان نے دو ارب تیس کروڑ ڈالر کی پیش کشوں میں سے ایک ارب ڈالر کی پیش کشیں منظور کی ہیں۔ اس سے پاکستان کے زرمبادلہ کے ذخائر میں اضافہ اور روپے کی قدر میں بہتری آئے گی جبکہ حکومت کو غیر ملکی قرضوں کی ادائیگی میں پانچ ارب روپے کی سالانہ بچت ہوگی۔

پاکستان کے پانچ سالہ سلوک بانڈز 6.75 فیصد منافع پر بین الاقوامی مارکیٹ میں فروخت کیے گئے۔ حکومت 50 کروڑ ڈالر کے سکوک بانڈز فروخت کرنا چاہتی تھی لیکن سرمایہ کاروں کی دلچسپی کے باعث سکوک بانڈز ایک ارب ڈالر کے فروخت کیے گئے۔ وفاقی وزیر خزانہ سینٹر اسحاق ڈار کی قیادت میں پاکستانی ٹیم نے پہلے مرحلے میں ابوظہبی اور دبئی میں الگ الگ کانفرنسوں کا اہتمام کیا جن میں سرمایہ کاروں نے سکوک بانڈ کی خریداری میں گہری دلچسپی ظاہر کی۔ دوسرے مرحلہ میں یورپی سرمایہ کاروں کے لئے لندن میں کانفرنس کا انعقاد کیا گیا۔

لندن میں سرکردہ سرمایہ کاروں' بینکوں اور مالیاتی اداروں کے اجلاسوں سے خطاب میں وفاقی وزیر نے شرکاء کو معیشت کے اہم اشاریوں سے متعلق آگاہ کیا۔ انہوں نے سکوک بانڈز میں سرمایہ کاروں کی گہری دلچسپی کو سراہا۔ خیال رہے کہ موڈیز نے حکومت کی جانب سے عالمی سطح پر جاری ہونے والے سکوک بانڈز کو ابتدائی طور پر سی اے اے ون ریٹنگ دی ہے۔

اٹھارویں سارک کانفرنس' کھٹمنڈو (2014)

کھٹمنڈو (نیپال) میں اٹھارویں سارک کانفرنس 26 تا 27 نومبر 2014 منعقد ہوئی۔ کانفرنس میں خطے کے ممالک نے توانائی کی شراکت کے بارے میں ایک معاہدے پر دستخط کیئے۔ کانفرنس کے اختتام پر 36 نکات پر مشتمل مشترکہ اعلامیہ

Marfat.com

''اعلان کھٹمنڈو'' جاری ہوا جس میں علاقائی تعاون بڑھانے' جنوبی ایشیائی اقتصادی یونین کے قیام' سارک ڈویلپمنٹ فنڈ کے قیام اور سارک ممالک کو ایک دوسرے سے زمینی رابطوں کے ذریعے روابط بڑھانے پر اتفاق ہوا۔

نیشنل ایکشن پلان 2014ء

16 دسمبر کو پشاور آرمی پبلک اسکول میں 150 سے زیادہ بچوں کی شہادت کے بعد 24 دسمبر 2014ء کو وزیراعظم نواز شریف کی زیر صدارت پارلیمانی جماعتوں کے اجلاس میں فوری طور پر خصوصی فوجی عدالتوں کے قیام پر اتفاق رائے ہو گیا۔ وزیراعظم نواز شریف نے 10 گھنٹے جاری رہنے والے اجلاس کے بعد رات گئے قوم سے خطاب میں بتایا کہ ایسی جماعتوں کی میعاد 2 سال سے زیادہ نہیں ہوگی اور ان میں خطرناک دہشتگردوں کے خلاف مختصر ترین عرصے میں مقدمات کی سماعت ہوگی۔ اس آمد کے لیئے تمام سیاسی جماعتوں نے متعلقہ قوانین اور آئین میں ترمیم پر اتفاق کیا ہے۔ اجلاس میں تمام شرکا نے پشاور کے سانحے کی بھرپور مذمت کرتے ہوئے دہشتگردی اور انتہا پسندی کی تمام اقسام سے لڑنے کا عزم کیا۔ اس ضمن میں ایک قرارداد منظور کی گئی جس میں حکومت کو دہشتگردی انتہا پسندی کے خاتمے کے لیئے فیصلہ کن انداز میں اقدامات کرنے کا مینڈیٹ دیا گیا۔ اجلاس میں پارلیمانی کمیٹی کی پیش کردہ 18 سفارشات پر اتفاق رائے کیا گیا جس کے تحت ملک میں کسی مسلح گروہ کا کام نہیں کرنے دیا جائے گا۔ نیکٹا کو مضبوط اور فعال بنانا' نفرت انگیز تقاریر اور انتہا پسند مواد کی روک تھام' دہشتگردوں اور دہشتگرد تنظیموں کو دوبارہ فعال ہونے سے روکنا' موثر انسداد دہشتگردی ان کی تشکیل اور تعیناتی مذہبی بنیادوں پر کسی کے خلاف کارروائیوں کی روک تھام' مدارس کی رجسٹریشن اور ریگولیشن' پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے دہشتگردوں اور دہشتگرد تنظیموں کی تشہیر پر پابندی' آئی ڈی پیز کی فوری واپسی کے لیئے فاٹا میں ترقیاتی اصلاحات' دہشتگرد تنظیموں کے مواصلاتی نیٹ ورک کا خاتمہ اور سوشل میڈیا کا دہشتگردی کے لیئے استعمال روکنا' پنجاب میں عسکریت پسندی کے خلاف زیرو ٹالرنس' کراچی میں آپریشن کو منطقی انجام تک پہنچانا' بلوچستان میں سیاسی مصالحت' فرقہ وارانہ دہشتگردی سے سختی سے نمٹنا' افغان مہاجرین کے مسئلے سے نمٹنے کے لیئے جامع پالیسی' کریمنل جسٹس سسٹم میں اصلاحات تاکہ انسداد دہشتگردی کے ادارے مضبوط ہوں' شامل ہیں۔

وزیراعظم نواز شریف کی سربراہی میں منعقد اے پی سی میں بیس نکاتی متفقہ جامع ایکشن پلان تیار کیا گیا۔

۱۔ حکومت نے سانحہ پشاور کے فوری بعد پھانسی کی سزاؤں پر عملدرآمد کا فیصلہ کیا۔

۲۔ ماضی میں مجرم قانونی نظام کی بعض کمزوریوں کے باعث سزاؤں سے بچتے رہے لہٰذا فوجی افسروں کی سربراہی میں سپیشل ٹرائل کورٹس قائم کی جارہی ہیں تاکہ ایسے عناصر کو جلد انجام تک پہنچایا جاسکے۔ ان خصوصی عدالتوں کی مدت دو سال ہوگی۔

۳۔ ملک بھر میں عسکری تنظیموں اور مسلح جتھوں کی اجازت نہیں ہوگی۔

۴۔ انسداد دہشتگردی کے ادارے نیکٹا کو مضبوط اور فعال بنایا جارہا ہے۔

Marfat.com

۵۔ نفرتیں ابھارنے، گردنیں کاٹنے، انتہا پسندی اور فرقہ واریت کو فروغ دینے والے لٹریچر، اخبارات اور رسائل کے خلاف بھرپور کارروائی کا فیصلہ کیا گیا۔

٦۔ دہشتگرد اور دہشتگرد تنظیموں کی مالی معاونت اور فنڈنگ کے تمام وسائل مکمل طور پر ختم کر دیئے جائیں گے۔

۷۔ کالعدم تنظیموں کو کسی دوسرے نام سے کام کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔

۸۔ سپیشل اینٹی ٹیررسٹ فورس کے قیام کا فیصلہ کیا گیا۔

۹۔ مذہبی انتہا پسندی کو روکنے اور اقلیتوں کو تحفظ کو یقینی بنایا جا رہا ہے۔

۱۰۔ دینی مدارس کی رجسٹریشن اور ضابطہ بندی کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔

۱۱۔ پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا پر دہشتگردوں اور ان کے نظریات کی تشہیر پر مکمل پابندی ہوگی۔

۱۲۔ آئی ڈی پیز کی واپسی کو پہلی ترجیح بناتے ہوئے فاٹا میں انتظامی اور ترقیاتی اصلاحات کا عمل تیز کیا جائے گا۔

۱۳۔ دہشتگردوں کے مواصلاتی نیٹ ورک کا مکمل خاتمہ کیا جائے گا۔

۱۴۔ انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا پر دہشتگردوں کے نظریات کے فروغ کو روکنے کے فوری اقدامات کیئے جا رہے ہیں اور مواصلاتی نیٹ ورک کا مکمل خاتمہ کیا جائے گا۔

۱۵۔ پنجاب سمیت ملک کے کسی بھی کونے میں انتہا پسندی کی گنجائش نہیں چھوڑی جائے گی۔

۱٦۔ کراچی میں جاری آپریشن کو منطقی انجام تک پہنچایا جائے گا۔

۱۷۔ وسیع تر سیاسی مفاہمت کے لیئے تمام سٹیک ہولڈرز کی جانب سے حکومت بلوچستان کو مکمل اختیار دیا جا رہا ہے۔

۱۸۔ فرقہ واریت پھیلانے والے عناصر کے خلاف فیصلہ کن کارروائی کا فیصلہ کر لیا گیا۔

۱۹۔ افغان مہاجرین کی رجسٹریشن کے ابتدائی مرحلے میں ان کے لیئے جامع پالیسی بنائی جا رہی ہے۔

۲۰۔ صوبائی انٹیلی جنس اداروں اور دہشتگردوں کے مواصلاتی رابطے تک رسائی دینے اور انسداد دہشتگردی کے نظام کو مزید مضبوط بنانے کے اقدامات کا فیصلہ کیا گیا۔ فوجداری عدالتی نظام میں اصلاحات کا عمل تیز کیا جا رہا ہے۔

افغانستان، نیٹو کا جنگی مشن ختم

28 دسمبر 2014ء کو افغانستان میں امریکہ کی قیادت میں نیٹو افواج نے جنگی مشن ختم کرتے ہوئے باضابطہ طور پر ملک کی سیکورٹی افغان فورسز کے حوالے کر دی۔ نیٹو فورسز نے کابل میں ہونے والی تقریب میں ملکی سیکورٹی افغان فورسز کے حوالے کی۔ (ایساف) مشن کا جھنڈا افغانستان اور نیٹو کے اعلیٰ فوجی افسروں کی موجودگی میں 13 سال کے بعد اتارا گیا۔ اس مشن کے اختتام کے باوجود امریکی فوج کا ایک افغان سیکورٹی فورسز کی دہشت گردوں کے خلاف کارروائیوں میں مدد کرے گا۔

13 سال کے اس مشن کے باوجود طالبان ملک کے زیادہ تر حصوں میں موجود ہیں اور ان کی کارروائیوں میں تیزی آئی

Marfat.com

ہے۔ 2003ء کے بعد رواں سال سب سے زیادہ شہریوں کی ہلاکت ہوئی ہے۔ افغان دارالحکومت میں سیکورٹی خدشات کے باعث یہ تقریب ایک خفیہ مقام پر ایک جمنزیم میں ہوئی جس میں کامیابی کا جشن بھی منایا گیا تاہم کسی اخبارنویس کو اس تقریب میں نہیں بلایا گیا۔ یکم جنوری سے امریکی قیادت میں نیٹو مشن نے انٹرنیشنل سیکورٹی اسسٹنس فورس (ایساف) لڑاکا مشن کی جگہ تربیتی ذمہ داریاں سنبھالیں۔ جو افغان فوج کو تربیت اور سپورٹ فراہم کرے گا۔ نیٹو فورسز نے افغانستان میں دہشتگردی کے واقعات کے باوجود 13 سال بعد باضابطہ طور پر منعقدہ تقریب میں دہشتگردی کیخلاف جاری جنگ کو ختم کرنے کا اعلان کیا۔ یاد رہے کہ امریکہ میں نائن الیون واقعہ کے بعد امریکی قیادت میں نیٹو فورسز نے 2001ء میں دہشتگردی کے خلاف جنگ کا طبل بجاتے ہوئے افغانستان پر چڑھائی کردی تھی۔ نیٹو فورسز کے انخلا کے باوجود امریکیوں سمیت 13000 غیر ملکی فوجی افغانستان میں موجود رہیں گے۔ وہ براہ راست طالبان کے خلاف فوجی کارروائیوں میں شریک نہیں ہوں گے تاہم افغان فوج اور پولیس کو جنگی تربیت فراہم کریں گے۔

الوداعی تقریب امریکی اور نیٹو کمانڈز جنرل جان کیمبل کی زیرصدارت کابل میں ایساف ہیڈکوارٹر میں ہوئی نیٹو ممالک سے تعلق رکھنے والے ایک لاکھ تیس ہزار فوجی نیٹو افواج میں شامل رہے ہیں۔ طالبان کے ترجمان ذبیح اللہ مجاہد کے مطابق خفیہ مقام پر ہونے والی تقریب سے ظاہر ہوتا ہے کہ نیٹو مشن مکمل طور پر ناکام رہا ہے۔ ایساف کے امریکی کمانڈر جنرل جان کیمبل نے فوجیوں سے خطاب کرتے ہوئے نیٹو کی 13 سال کے دوران حاصل ہونے والی کامیابیوں کو سراہا لیکن تمام تر اقدامات کے باوجود افغانستان میں عسکریت پسندی کا خاتمہ نہیں ہوسکا۔ 2001ء سے افغان جنگ میں اب تک 3500 غیر ملکی فوجی مارے گئے۔ ان میں 2200 امریکی فوجی شامل ہیں۔ تقریب کے دوران افغان صدر اشرف غنی نے امریکہ اور نیٹو کے ساتھ دوطرفہ سیکورٹی معاہدے پر دستخط کئے جس کے ذریعے اس فوجی موجودگی کا خاتمہ کیا گیا۔ اس اقدام سے افغانستان میں امریکی اور نیٹو کی جنگ کا رسمی طور پر خاتمہ ہوگیا۔

7 اکتوبر 2001 کی شام امریکی سامراج نے افغانستان پر جارحیت کی تھی۔ جارحیت کے وقت امریکہ نے اعلان کیا تھا کہ وہ دوچار ہفتوں میں طالبان کا صفایا کرکے حکومت افغانستان کے منتخب افراد کو سونپ کر چلتا بنے گا۔ جب 32 دن تک تمام اعلیٰ ترین ٹیکنالوجی کے باوجود نہتے طالبان پر فتح حاصل نہ کرسکا تو امریکہ نے حکمت عملی بدلی، غدار تلاش کئے اور شمالی اتحاد کے کاندھوں پر بیٹھ کر کابل میں داخل ہوا۔ 12 نومبر 2001ء کو جب طالبان کا سقوط ہوا تو عالمی برادری کو یہ توقع تھی کہ امریکہ افغانستان میں ایک مستحکم جمہوری اور عوامی نمائندگی کی حامل حکومت قائم کرکے ایک آدھ سال میں چلتا بنے گا کیونکہ امریکہ افغانستان میں ''جمہوریت کی بحالی، تعمیرنو اور استحکام و ترقی'' کے نام پر آیا تھا۔

امریکہ اپنے اتحادیوں کے ساتھ طالبان کو شکست دینے میں ناکام رہا تو اس کا سارا ملبہ پاکستان پر ڈال دیا گیا کہ وہ طالبان کی پشت پناہی پر ہے اور طالبان قیادت کوئٹہ میں بیٹھ کر کمانڈ کر رہی ہے۔ حقیقت ہرگیز ایسی نہ تھی۔ افغانستان کی تاریخ گواہ ہے کہ غیرملکی حملہ آوروں کو ہمیشہ ہی سے افغانستان کے حریت پسندوں کی جانب سے غیرمعمولی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔

Marfat.com

افغانستان نے اپنی آزادی کے تحفظ کے لئے انگریزوں سے تین جنگیں لڑیں۔ 11 ستمبر 2001ء کو امریکہ کے جڑواں ٹاورز مین بوس ہوگئے۔ 12 ستمبر کو امریکہ کے اس وقت کے نائب وزیر خارجہ آرمیٹج نے طالبان حکومت کے خلاف پاکستان سے تعاون مانگا اور سات مطالبات پیش کر دیئے۔ انکار کی صورت میں پتھر کے زمانے میں دھکیل دینے کی دھمکی دی۔ جس کو پرویز مشرف نے قبول کرلیا اور پھر آگے نہ ختم ہونے والے مطالبات مانتا ہی چلا گیا۔ 13 ستمبر 2001ء کو افغانستان پر خونیں یلغار کے لئے 7 ہزار مختلف افراد کو ایف بی آئی میں بھرتی کیا۔ 7 اکتوبر 2001ء کو حملہ کر دیا اور افغان عوام پر خونیں جنگ مسلط کر دی۔ 35 دن تک امریکہ کے مقابلے میں نہتے طالبان نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ جب امریکہ اس طرح کامیاب نہ ہوا تو پھر اس نے شمالی اتحاد کی مدد سے اندرونی مداخلت کروائی۔ بالآخر 12 نومبر 2001ء کو سقوط کابل ہوگیا۔ طالبان شہروں سے نکل کر پہاڑوں پر چلے گئے اور وہیں گوریلا جنگ لڑنے کا اعلان کر دیا۔

23 جون 2001ء کو امریکی صدر باراک اوباما نے افغانستان سے امریکی فوج کی مرحلہ وار واپسی کے پروگرام کا باضابطہ اعلان کیا۔ جس کے مطابق جولائی 2011ء میں 10 ہزار 2012ء میں 23 ہزار اور 2014ء میں باقی تمام امریکی فوجیوں کا انخلا اُس وقت تک جاری رہے گا جب تک سکیورٹی کی تمام ذمہ داری افغان فورسز نہیں سنبھال لیتیں۔ دسمبر 2013ء کے اختتام تک افغانستان میں مارے جانے والے امریکی فوجیوں کی تعداد 2301 جبکہ دسمبر 2014ء کے اختتام تک ہلاک امریکی فوجیوں کی تعداد 2356 ہو چکی تھی۔

سعودی بادشاہ عبداللہ بن عبدالعزیز کی وفات

سعودی عرب کے بادشاہ عبداللہ بن عبدالعزیز 23 جنوری 2015ء کو 91 برس کی عمر میں انتقال کر گئے۔ شاہ عبداللہ کئی ہفتوں سے علیل تھے۔ پھیپھڑوں کے انفکیشن کی وجہ سے انہیں کئی روز سے ٹیوب کے ذریعے سانس دلایا جا رہا تھا۔ سعودی عرب کے سرکاری ٹی وی چینل نے شاہ عبداللہ کے انتقال کی خبر نشر کرتے ہوئے بتایا کہ وہ جمعرات اور جمعہ کی درمیانی رات مقامی وقت کے مطابق ایک بجے چل بسے۔

شاہ عبداللہ کی جگہ بادشاہت ان کے سوتیلے بھائی 79 سالہ شاہ سلمان بن عبدالعزیز نے سنبھالی جنہیں دو برس قبل شہزادہ نائف بن عبدالعزیز کی وفات کے بعد ولی عہد کا منصب ملا تھا۔ شاہ عبداللہ کے ہی ایک اور سوتیلے بھائی شہزادہ کو مقرن بن عبدالعزیز ولی عہد مقرر ہوئے۔ سرکاری ٹی وی کے مطابق نئے بادشاہ نے شاہی خاندان کو وفادار کونسل سے کہا ہے کہ وہ شہزادہ کو مقرن کو ولی عہد مقرر ہونے کی توثیق کرے۔

پاکستان کے وزیراعظم نواز شریف سمیت عالمی رہنماؤں نے سعودی شاہ کی وفات پر دکھ اور افسوس کا اظہار کیا۔ امریکی صدر اوباما نے شاہ عبداللہ کے انتقال پر اپنے تعزیتی پیغام میں مشرق وسطیٰ میں استحکام کے لئے ان کی خدمات کو سراہا جبکہ برطانیہ کے وزیراعظم ڈیوڈ کیمرون نے کہا کہ قیامِ امن کیلئے شاہ عبداللہ کی کوششوں کی وجہ سے انہیں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

Marfat.com

شاہ عبداللہ نو برس سے زیادہ عرصے تک سعودی عرب کے بادشاہ رہے۔ انہوں نے ملک کی سربراہی سنہ 2005ء میں اپنے ایک اور سوتیلے بھائی شاہ فہد بن عبدالعزیز کی وفات کے بعد سنبھالی تھی۔ انہیں سعودی عرب میں قدرے اعتدال پسند حکمران تصور کیا جاتا تھا۔ ان کے دور میں میڈیا کو حکومت پر کسی حد تک تنقید کرنے کی اجازت تھی۔ انہوں نے یہ عندیہ بھی دیا تھا کہ خواتین کو کام کرنے کی اجازت ہونی چاہیے۔

ایک لمبے عرصے سے شاہ عبداللہ کے منظر عام نہ آنے سے سوشل میڈیا پر گذشتہ سال سے ان کی طبیعت انتہائی ناساز ہونے کی افواہیں گردش کرنے لگی تھیں۔ کمر میں تکلیف کے باعث ان کے دو آپریشن ہو چکے تھے جن میں 13 گھنٹے کا ایک طویل آپریشن بھی شامل تھا۔ 2010ء میں وہ تین ماہ امریکہ میں بھی زیر علاج رہے تھے۔

شاہ عبداللہ اگست 1924ء میں ریاض میں پیدا ہوئے تھے۔ وہ سعودی عرب کے بانی شاہ عبدالعزیز کے 37 بیٹوں میں سے 13 ویں نمبر پر تھے۔ ان کی جگہ لینے والے سعودی عرب کے نئے شاہ سلمان سعودی عرب کے بانی شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز کے ان سات بیٹوں میں سے دو ہیں جنہیں سدیری سات کہا جاتا ہے۔ انہیں یہ نام اس لئے دیا جاتا ہے کہ وہ سب ابن سعود کی سب سے زیادہ چہیتی اہلیہ حصہ السدیری کے بطن سے پیدا ہوئے۔ نئے سعودی شاہ سلمان کو ذہنی انحطاط کا مرض ڈیمنشیا لاحق ہے تاہم شاہ عبداللہ کی انتہائی خراب صحت کے باعث گذشتہ کچھ عرصے سے وہی مختلف تقریبات میں ان کی نمائندگی کر رہے تھے۔

اہم قومی وبین الاقوامی واقعات

اہم قومی واقعات 2014ء

جنوری

۲ جنوری۔ پرویز مشرف کو اچانک دل کی تکلیف، عدالت جانے کے بجائے ہسپتال منتقل۔

۴۔ کراچی میں ٹارگٹ کلنگ، 3 پولیس اہلکاروں سمیت 15 افراد جاں بحق۔

۹۔ کراچی بم حملہ، سی آئی ڈی افسر چوہدری اسلم شہید، 14 افراد زخمی۔

۱۲۔ انٹرنیشنل ہیومن رائٹس کمیشن نے خودکش بمبار کو سکول میں داخلے سے روکنے والے شہید اعتزاز حسن کو بہادری کا عالمی ایوارڈ دیا۔

۱۵۔ نواب شاہ میں خونی حادثہ، ڈمپر نے سکول وین کو کچل دیا، 17 بچوں سمیت 22 افراد جاں بحق۔

۱۶۔ منڈی بہاؤالدین میں فضائیہ کا طیارہ گر کر تباہ، 3 افسران شہید۔

۱۷۔ راجن پور میں ریلوے ٹریک پر دھماکہ، 7 بوگیاں الٹ گئیں، 4 مسافر جاں بحق۔

۱۸۔ وزیراعظم نے میڈیا ہاؤسز اور صحافیوں کے تحفظ کے لئے خصوصی کمیٹی قائم کر دی۔

Marfat.com

۱۹۔ بنوں میں فورسز کے قافلے پر دھماکہ، 23 اہلکار شہید، 66 زخمی۔

۲۰۔ جی ایچ کیو کے قریب طالبان کو خودکش حملہ، 7 فوجیوں سمیت 14 افراد شہید، 33 زخمی۔

۲۲۔ مستونگ، زائرین کی بس پر خودکش حملہ، 28 افراد جاں بحق۔

۲۳۔ وفاقی حکومت کے کوئٹہ میں مظاہرین سے مذاکرات کامیاب، ملک بھر میں دھرنے ختم کرنے کا اعلان۔

فروری

۲ فروری۔ پشاور میں قصہ خوانی بازار کے قریب سینما گھر میں 2 دھماکے، 5 افراد جاں بحق، 34 زخمی۔

۴۔ پشاور کے ہوٹل پر خودکش حملہ، 10 افراد جاں بحق، 53 زخمی۔

۹۔ رحیم یار خان میں گیس پائپ لائنیں دھماکے سے تباہ، پنجاب کو سپلائی متاثر۔

۱۲۔ پشاور میں سربراہ امن لشکر کے گھر پر حملہ، 9 افراد جاں بحق۔

۱۳۔ کراچی میں طالبان کا پولیس بس پر حملہ، 13 کمانڈوز شہید، 47 زخمی۔

۱۵۔ 29 پاکستانیوں نے لاہور میں سب سے بڑا انسانی پرچم بنانے کا عالمی ریکارڈ قائم کیا۔

۱۶۔ جیکب آباد ریلوے ٹریک پر دھماکہ، خوشحال ایکسپریس کی 3 بوگیاں تباہ، 9 افراد جاں بحق، 50 زخمی۔

۱۸۔ غداری کیس، پرویز مشرف عدالت میں پیش۔

۱۹۔ میر علی میں آپریشن شروع، پاک فضائیہ کی بمباری، متعدد طالبان ہلاک۔

۲۱۔ کروڑوں ڈالر کے تھری جی، 2 جی لائسنز کی نیلامی کا پلان منظور۔

۲۴۔ شمالی وزیرستان، گاڑی پر فائرنگ، طالبان کمانڈر عصمت اللہ شاہین 3 ساتھیوں سمیت ہلاک۔

۲۷۔ کراچی میں ٹارگٹ کلنگ، پروفیسر ہادی تقی سمیت 9 افراد جاں بحق۔

مارچ

۱ مارچ۔ طالبان کا ایک ماہ کیلئے جنگ بندی کا اعلان۔

۳۔ اسلام آباد کچہری پر خودکش حملہ اور فائرنگ، جج سمیت 11 افراد شہید، 37 زخمی۔

۵۔ کرم ایجنسی میں ایف سی کے قافلے پر ریموٹ کنٹرول بم حملہ، 6 اہلکار شہید، 10 زخمی۔

۸۔ تھر میں قحط سالی، غذائی قلت کے باعث ہلاک ہونے والوں کی تعداد 125 ہوگئی۔

۱۰۔ وزیراعظم کا تھر متاثرین کے لئے ایک ارب روپے امداد کا اعلان۔

۱۳۔ وزیراعظم نواز شریف کی ذاتی گارنٹی، سعودی عرب نے پاکستان کو ڈیڑھ ارب ڈالر گرانٹ کے طور پر دے دیئے۔

۱۵۔ حکومت نے سانگھڑ اور خیرپور کے 21 دیہات کو آفت زدہ قرار دے دیا۔

Marfat.com

۱۷۔ سپریم کورٹ نے ای او بی آئی میں کی جانے والی 238 تقرریوں کو کالعدم قرار دیا۔

۲۲۔ حب میں خوفناک حادثہ، دو بسوں اور ٹرک میں تصادم، 42 افراد جاں بحق۔

اپریل

یکم اپریل۔ قومی اسمبلی کی داخلہ کمیٹی نے تحفظ پاکستان آرڈی نینس منظوری دے دی۔

۷۔ وزیرستان میں طالبان کے دو گروپوں میں تصادم، کمانڈر سمیت 20 افراد ہلاک۔

۸۔ سبی سٹیشن پر ٹرین میں دھماکا، 17 مسافر جاں بحق، 74 زخمی۔

۹۔ اسلام آباد فروٹ منڈی میں دھماکا، 24 افراد جاں بحق، 139 زخمی۔

۱۶۔ طالبان کا جنگ بندی میں توسیع سے انکار وزیر اعظم نے نیشنل سیکورٹی کونسل کا اجلاس طلب کر لیا۔

۲۰۔ پنو عاقل کے قریب قومی شاہراہ پر 2 خوفناک ٹریفک حادثات، 45 افراد جاں بحق، 30 زخمی۔

۲۴۔ کراچی میں خودکش دھماکا، ایس ایچ او شفیق تنولی سمیت 4 افراد جاں بحق۔

۳۰۔ کراچی میں دہشت گردی، کمانڈر نیوی کے گن مین سمیت 9 افراد ہلاک۔

مئی

۵ مئی۔ عالمی ادارہ صحت نے پولیو کی خطرناک صورتحال پر پاکستانیوں کے لئے بیرون ملک سفر سے قبل پولیو ویکسین لازمی قرار دے دی۔

۶۔ خفیہ معلومات کے تبادلے کیلئے پاک ایران ہاٹ لائن قائم کرنے پر اتفاق۔

۷۔ کراچی ائرپورٹ سے اسلحہ سمیت گرفتار ایف بی آئی ایجنٹ جوئیل کاکس 10 لاکھ روپے کی ضمانت پر رہا کر دیا گیا۔

۸۔ پاکستان کا حتف تھری غزنوی بیلسٹک میزائل کا کامیاب تجربہ۔

۱۱۔ پشاور میں آئی ڈی پیز رجسٹریشن سینٹر پر خودکش حملہ، 5 افراد جاں بحق۔

۲۱۔ شمالی وزیرستان میں جنگی طیاروں کو بمباری، 80 طالبان جنگجو ہلاک، کئی ٹھکانے اور اسلحہ فیکٹریاں تباہ۔

۲۴۔ مہمند ایجنسی میں بارودی سرنگ کا دھماکا، 8 سیکورٹی اہلکار شہید، طالبان نے ذمہ داری قبول کر لی۔

۲۶۔ وزیر اعظم نواز شریف کی بھارتی ہم منصب نریندر مودی کی تقریب حلف برداری میں شرکت۔

۲۹۔ دہشت گرد حملوں کا خطرہ، سندھ کی حفاظت کے لئے انٹرنل سیکیورٹی فورس قائم کرنے کا فیصلہ۔

جون

۴ جون۔ باجوڑ میں افغان جنگجوؤں کا پاکستانی چوکیوں پر حملہ، 7 اہلکار شہید۔

۵۔ ڈیرہ بگٹی میں سکیورٹی فورسز کا آپریشن، 30 جنگجو مارے گئے۔

Marfat.com

۸۔ کراچی ائرپورٹ پر حملہ، 7 دہشت گرد ہلاک، 13 اہلکار شہید۔

۱۱۔ شمالی وزیرستان میں امریکی ڈرون حملہ، 16 افراد ہلاک۔

۱۲۔ بحیرہ عرب میں سمندری طوفان، کراچی، ٹھٹھہ اور بدین کی ساحلی پٹی پر طغیانی، 34 دیہات زیر آب۔

۱۷۔ پولیس اور عوامی تحریک میں تصادم، فائرنگ کے نتیجے میں 14 کارکن جاں بحق۔

۲۰۔ شہباز شریف نے صوبائی وزیر قانون رانا ثناء اللہ سے استعفیٰ لے لیا۔

۲۳۔ طاہر القادری کو اسلام آباد کے بجائے لاہور پہنچا دیا گیا، 5 گھنٹے احتجاجاً طیارے میں بیٹھے رہے۔

۲۴۔ پشاور، لینڈنگ کے دوران پی آئی اے کے طیارے پر فائرنگ، خاتون مسافر ہلاک، 2 افراد زخمی۔

۲۵۔ ملتان ائرپورٹ پر فوجی ہیلی کاپٹر گر کر تباہ، دونوں پائلٹ شہید۔

جولائی

یکم جولائی۔ افغانستان نے ملا فضل اللہ کو پاکستان کے حوالے کرنے کا مطالبہ مسترد کر دیا۔

۲۔ تحفظ پاکستان بل منظور، پولیس کو کسی بھی مشکوک شخص کو گولی مارنے کا اختیار مل گیا۔

۱۵۔ سوئس بینکوں میں پاکستانیوں کے 200 ارب ڈالرز کی واپسی کے لئے کاروائی شروع۔

۱۶۔ شمالی وزیرستان میں طالبان کے اجلاس پر امریکی ڈرون حملہ 20 جنگجو ہلاک۔

۲۱۔ میرپور سے سہنسی جانے والی بس گہری کھائی میں جا گری، 17 مسافر جاں بحق۔

۲۳۔ کراچی میں ٹارگٹ کلنگ جاری، علامہ طالب جوہری کے داماد سمیت 5 افراد قتل۔

۲۴۔ عمران خان بے بنیاد الزامات پر معافی مانگیں، سابق چیف جسٹس نے 20 ارب ہرجانے کا نوٹس بھیج دیا۔

۲۷۔ میر علی دہشت گردوں سے کلیئر کرا لیا گیا، اسلحہ اور بارود بنانے والی مزید 2 فیکٹریاں پکڑی گئیں۔

۲۸۔ قائد ملت لیاقت علی خان کے بڑے بیٹے اشرف 77 برس کی عمر میں انتقال کر گئے۔

اگست

۳ اگست۔ قومی اسمبلی کی سابق ڈپٹی سپیکر بیگم اشرف عباسی 89 برس کی عمر میں وفات پا گئیں۔

۴۔ ڈیرہ اسماعیل خان میں دھماکا، تحریک انصاف کے رہنما فقیر جمشید احمد ڈرائیور اور محافظ سمیت جاں بحق۔

۷۔ لیبیا میں پھنسے پاکستانیوں کیلئے خصوصی پروازیں چلائی جائیں۔

۱۴۔ عمران خان اور طاہر القادری کے مارچ لاہور سے اسلام آباد کی طرف روانہ۔

۱۸۔ تحریک انصاف کا خیبر پختونخوا کے سوا تمام اسمبلیوں سے مستعفی ہونے کا اعلان۔

۲۱۔ وزیراعظم استعفیٰ دیں گے نہ پارلیمنٹ تحلیل ہوگی، قومی اسمبلی میں متفقہ قرارداد منظور۔

Marfat.com

۲۴۔ خیر پور، کوچ اور وین میں خوفناک تصادم 11 افراد جاں بحق، 15 زخمی۔

۲۷۔ سیاسی بحران میں اضافے کے بعد وزیراعظم نواز شریف نے دورہ ترکی منسوخ کر دیا۔

۳۰۔ عوامی تحریک اور تحریک انصاف کے مظاہرین کی وزیراعظم ہاؤس میں گھسنے کی کوشش، پولیس کی شیلنگ، 40 اہلکاروں سمیت 275 افراد زخمی۔

۳۱۔ تحریک انصاف میں ٹوٹ پھوٹ، جاوید ہاشمی اور 3 ارکان اسمبلی کو پارٹی سے نکال دیا گیا۔

ستمبر

یکم ستمبر۔ عوامی تحریک اور تحریک انصاف کے مظاہرین کا پی ٹی وی ہیڈ کوارٹر پر قبضہ جھڑپوں میں 50 افراد زخمی۔

۸۔ کراچی، نیوی کے جہاز پر دہشت گردوں کا حملہ ناکام، 2 حملہ آور ہلاک، افسر شہید۔

۹۔ لاہور میں مسجد کی چھت گرنے سے 29 نمازی شہید۔

۱۴۔ سیلاب میں کشتی ڈوب گئی، فوجی اہلکار اور دولہا سمیت 18 جاں بحق، دلہن سمیت 14 افراد کو بچا لیا گیا۔

۱۵۔ طاہر القادری نے کرنسی نوٹوں پر مخالفانہ نعرے لکھنے کی مہم ایک دن کے بعد ہی واپس لے لی۔

۱۶۔ افغانستان سے دہشت گردوں کا پاکستانی چوکی پر حملہ، 13 اہلکار شہید، 11 حملہ آور ہلاک۔

۲۰۔ امریکا نے پاکستان کو 19 کروڑ 80 لاکھ ڈالر کی 16 بکتر بند گاڑیاں فروخت کرنے کی منظوری دے دی۔

۲۴۔ شمالی وزیرستان، امریکی ڈرون حملہ میں 10 ازبک ہلاک۔

۲۶۔ ایٹمی صلاحیت کے حامل زمین سے زمین پر مار کرنے والے حتف 9 نصر کا، کامیاب تجربہ۔

۲۸۔ متاثرین آپریشن کے کیمپ میں بم دھماکا، 9 افراد شہید، 14 زخمی۔

اکتوبر

یکم اکتوبر۔ جاوید ہاشمی پی ٹی آئی کی صدارت سے مستعفی۔

۵۔ کراچی میں پولیس مقابلہ، 7 طالبان دہشت گرد ہلاک، چوہدری اسلم پر حملے میں ملوث تھے، پولیس۔

۸۔ کراچی کے مختلف علاقوں میں عید پر کچی شراب پینے سے 23 افراد ہلاک۔

۹۔ بارڈر پر بھارتی فوج کی فائرنگ، 17 پاکستانی شہری شہید۔

۱۰۔ ملتان میں پی ٹی آئی کے جلسے میں بھگدڑ مچنے سے 7 افراد جاں بحق، 43 زخمی ہو گئے۔

۱۳۔ گھر سے سینٹرل جیل کراچی تک بنائی جانے والی سرنگ پکڑی گئی۔ 45 میٹر طویل سرنگ کھودی جا چکی تھی۔

۱۴۔ کالعدم تحریک طالبان پاکستان کے ترجمان شاہد اللہ سمیت 6 طالبان کمانڈرز نے داعش میں شمولیت کا اعلان کر دیا۔

۲۱۔ طاہر القادری کا اسلام آباد دھرنا ختم کرنے کا اعلان۔

Marfat.com

۲۳۔ کوئٹہ میں خودکش حملہ، مولانا فضل الرحمٰن بال بال بچ گئے۔ بم دھماکے اور فائرنگ میں 14 افراد جاں بحق۔

۲۶۔ کراچی میں نیشنل ہائی وے پر آپریشن، 9 دہشت گرد ہلاک، محرم میں دہشت گردی کا منصوبہ ناکام۔

۲۹۔ سمندری طوفان نیلوفر کا خطرہ، ائرپورٹ پر ہائی الرٹ، سندھ اور بلوچستان میں ایمرجنسی۔

۳۰۔ سمندری طوفان نیلوفر کا خطرہ ٹل گیا، کراچی سے نہیں ٹکرایا، شدید بارش ہوئی۔

نومبر

۲ نومبر۔ لاہور، واہگہ بارڈر پر خودکش حملہ، 60 افراد شہید، 125 سے زائد زخمی۔

۱۱۔ خیرپور میں بس ٹرک سے ٹکرا گئی، 58 افراد جاں بحق۔

۱۲۔ پارلیمنٹ و سرکاری ٹی وی حملہ کیس، عمران خان، طاہر القادری و دیگر کی گرفتاری کے وارنٹ جاری۔

۱۳۔ پاکستان کا حتف سیریز کے ایٹمی میزائل شاہین ٹو کا کامیاب تجربہ۔

۱۶۔ دتہ خیل میں جھڑپ و بمباری 34 جنگجو ہلاک، میجر سمیت 5 فوجی شہید۔

۱۹۔ سپریم کورٹ نے 13 سال بعد سپاہ صحابہ اور تحریک جعفریہ پر عائد پابندی ختم کر دی۔

۲۱۔ پاک فضائیہ کا میراج طیارہ گڈاپ میں گر کر تباہ، سکواڈرن لیڈر تنویر احمد شہید۔

۲۸۔ خیبر ایجنسی، وادی تیراہ میں جیٹ طیاروں کی بمباری، 13 شدت پسند ہلاک۔

۲۹۔ سکھر دہشت گردوں کی فائرنگ، جے یو آئی کے رہنما ڈاکٹر خالد محمود سومرو مسجد میں شہید۔

دسمبر

۴ **دسمبر**۔ جسٹس (ر) سردار رضا خان چیف الیکشن کمشنر مقرر۔

۶۔ پاک فوج کی کامیاب کاروائی، امریکہ کو مطلوب القاعدہ کمانڈر عدنان الشکری ہلاک۔

۷۔ شمالی وزیرستان، حافظ گل بہادر کے ٹھکانے پر بمباری، 30 جنگجو ہلاک۔

۱۰۔ ملالہ یوسف زئی نے نوبل اوسلو (ناروے) میں امن انعام وصول کر لیا۔

۱۵۔ لاہور میں پی ٹی آئی کے دھرنے کے باعث سڑکیں بند 5 مریض ایمبولینسوں میں دم توڑ گئے۔

۱۶۔ آرمی پبلک سکول پشاور پر دہشت گردوں کا حملہ، بیشتر بچوں سمیت 150 افراد شہید، 3 روزہ سوگ کا اعلان۔

۱۷۔ جنرل راحیل شریف کا ہنگامی دورۂ کابل، افغان صدر اور ایساف کمانڈر سے ملاقات، ملا فضل اللہ کی حوالگی کا مطالبہ۔

۱۸۔ 17 مجرموں کو فوری پھانسی دینے کا فیصلہ، 6 دہشت گردوں کے ڈیتھ وارنٹ پر دستخط۔

۱۹۔ دہشت گردی کے مقدمات جلد نمٹانے کیلئے فوجی عدالتیں قائم کرنے کی منظوری، 2 دہشت گردی کو پھانسی۔

۲۰۔ وادی تیراہ میں بمباری، 3 شہروں میں آپریشنز، 28 دہشت گرد ہلاک۔

Marfat.com

۲۱۔ شوال، سکیورٹی چیک پوسٹ پر حملہ ناکام، 25 دہشت گرد ہلاک، 4 مجرموں کو پھانسی۔

۲۲۔ کراچی، پولیس وردیوں میں ملبوس 13 دہشت گرد مقابلے میں ہلاک، ایک خودکش بمبار گرفتار۔

۲۴۔ 2 سال کیلئے فوجی عدالتیں قائم کرنے اور انسداد دہشت گردی فورس تشکیل کا فیصلہ۔

۲۵۔ کوٹ لکھپت جیل پر حملے کا منصوبہ ناکام، 2 خواتین سمیت 4 دہشت گرد گرفتار، راکٹ لانچر برآمد۔

۲۶۔ شمالی وزیرستان اور کرزئی ایجنسی اور سوئی میں بمباری و جھڑپیں، 40 دہشت گرد ہلاک، 3 اہلکار شہید۔

۲۸۔ کراچی، ٹمبر مارکیٹ میں ہولناک آتشزدگی، درجنوں گودام سینکڑوں مکانات تباہ، کروڑوں کا نقصان۔

۲۹۔ انارکلی لاہور کے پلازہ میں خوفناک آگ، 13 افراد جاں بحق، 40 دکانیں تباہ۔

۳۱۔ پٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں 14 روپے لٹر تک کمی، آٹا بھی سستا۔

بین الاقوامی واقعات 2014ء

جنوری

یکم جنوری۔ عراق، پرتشدد واقعات میں 23 افراد جاں بحق پولیس سٹیشن پر حملہ، 101 قیدی فرار۔

۳۔ عراق القاعدہ کے خلاف آپریشن شدید جھڑپیں، 71 جنگجو اور 32 شہری جاں بحق۔

۵۔ بنگلہ دیش 20 جماعتوں کے بائیکاٹ کے باوجود ڈھونگ انتخابات پولیس سے تصادم میں 18 افراد جاں بحق۔

۶۔ عراق 4 بم دھماکے، 40 افراد جاں بحق۔ روس نے عراق کو 13 ایم آئی 28 ہیلی کاپٹر دیئے۔

۸۔ برطانیہ میں امریکی بلیک ہاک ہیلی کاپٹر تباہ 4 فوجی ہلاک۔

۹۔ بغداد، فوجی بھرتی مرکز پر خودکش حملہ، 13 ریکروٹس جاں بحق، 30 سے زائد زخمی۔

۱۰۔ جوہری معاہدے پر عملدرآمد کیلئے ایران اور یورپی یونین میں معاملات طے پا گئے۔

۱۱۔ اسرائیل کا سابق جلاد وزیراعظم ایریل شیرون 8 سال کومے میں رہنے کے بعد مر گیا۔

☆ افغانستان صوبہ پکتیا میں بھارتی تعمیراتی کمپنی کے ہیڈکوارٹر پر طالبان کا حملہ 6 انجینئرز سمیت 14 افراد ہلاک۔

۱۲۔ بنگلہ دیش، حسینہ واجد نے متنازعہ انتخابات کے بعد تیسری بار وزارت عظمٰی کا حلف اٹھالیا۔

۱۵۔ عراق، 7 کار بم دھماکے نماز جنازہ کے دوران خودکش حملہ 75 افراد جاں بحق 52 زخمی۔

۱۶۔ لبنان حزب اللہ کے گڑھ میں خودکش کار بم دھماکہ 4 افراد جاں بحق 32 زخمی، کئی عمارتوں کو نقصان۔

۱۷۔ بوہری جماعت کے روحانی پیشوا برہان الدین 104 سال کی عمر میں ممبئی میں انتقال کر گئے۔

۱۸۔ کابل، ریستوران پر طالبان کا خودکش حملہ و فائرنگ 22 افراد ہلاک 13 غیر ملکی تھے۔

۱۹۔ وسطی افریقی جمہوریہ میں باغیوں کے حملوں میں بچوں سمیت 22 مسلمان جاں بحق 50 زخمی۔

Marfat.com

۲۰۔ بھارت نے چار ہزار کلومیٹر کے فاصلے تک مار کرنے والے جوہری میزائل اگنی 5 کا تجربہ کرلیا۔

☆ ایران نے 20 فیصد یورینیم افزودگی روک دی، یورپی یونین کی پابندیاں معطل، امریکہ نے نرم کرنے کی منظوری دے دی۔

۲۳۔ چین کا امریکہ تک مار کرنے والے جوہری میزائل کا تجربہ رینج 8 ہزار کلومیٹر ہے۔

☆ عراق، پرتشدد واقعات میں القاعدہ جنگجوؤں سمیت 88 افراد جاں بحق 11 افراد کو پھانسی۔

۲۴۔ مصر، پولیس ہیڈ کوارٹر پر خودکش حملہ، 2 بم دھماکے اور جھڑپیں، 17 افراد جاں بحق، متعدد زخمی۔

۲۵۔ مصر، بم دھماکوں، مظاہروں اور جھڑپوں میں 29 افراد جاں بحق 80 زخمی۔

۲۷۔ نائجیریا، چرچ اور مارکیٹ پر عسکریت پسندوں کے حملے، 67 افراد ہلاک، بیسیوں زخمی۔

۲۸۔ چینی بندرگاہ پر بھارتی آئل ٹینکر میں دھماکہ، 7 مزدور ہلاک 3 لاپتہ۔

۲۹۔ امریکہ برفباری سے 14 افراد ہلاک، 5 ریاستوں میں ایمرجنسی، ہزاروں پروازیں منسوخ۔

۳۰۔ عراق جنگجوؤں کا وزارت ٹرانسپورٹ کی عمارت پر حملہ، 45 افراد جاں بحق، 6 حملہ آور بھی شامل۔

☆ جماعت اسلامی بنگلہ دیش کے امیر مطیع الرحمٰن نظامی سمیت 14 افراد کو سزائے موت سنا دی گئی۔

فروری

کیم فروری۔ یمن کے قریب کارگو جہاز ڈوب گیا، عملے کے 12 بھارتی ارکان ہلاک، طوفان کے باعث حادثہ پیش آیا۔

۲۔ شام، جنگی ہیلی کاپٹروں کی حلب پر ہولناک بمباری سے 83 افراد جاں بحق۔

۳۔ عراق خودکش حملہ اور 4 کار بم دھماکے، 24 شہری اور 57 جنگجو جاں بحق۔

۵۔ عراق، گرین زون کے قریب 3 بم دھماکے، 35 افراد جاں بحق، 60 زخمی۔

۷۔ بھارتی حکومت نے کنٹرول لائن پر دیوار برلن سے بھی بڑی دیوار تعمیر کرنے کی منظوری دے دی، 179 کلومیٹر طویل ہوگی۔

۱۱۔ عراق، فوج کیمپ پر مسلح افراد کا حملہ، 16 اہلکار جاں بحق۔

۱۴۔ شام، حلب میں فضائی حملے، 55 افراد جاں بحق، کئی عمارتیں زمین بوس۔

۱۵۔ شام، خونریزی میں مزید 27 افراد جاں بحق، جنیوا امن مذاکرات کا دوسرا دور بے نتیجہ ختم۔

۱۶۔ نائجیریا شدت پسندوں کے حملے میں 90 افراد ہلاک، اکثریت عیسائی تھی۔

۱۷۔ عراق، 4 بم دھماکے اور فائرنگ، پولیس کرنل سمیت 24 افراد جاں بحق۔

۱۸۔ عراق، 3 کار بم دھماکے، 50 افراد جاں بحق، وزارت کھیل کی عمارت پر حملہ۔

۱۹۔ لبنان، ایرانی ثقافتی مرکز پر 2 خودکش حملے 6 افراد جاں بحق، 100 سے زائد زخمی۔

۲۰۔ یوکرائن، پولیس فائرنگ، جھڑپوں اور ہنگاموں میں 65 افراد جاں بحق، 300 زخمی۔

Marfat.com

۲۶۔ عراق،5 بم دھماکے اور جھڑپیں، 11 فوجیوں سمیت 33 افراد جاں بحق 72 زخمی۔

۲۷۔ یورپی پارلیمنٹ نے ڈرون حملوں کو غیر قانونی قرار دے دیا، قرارداد بھاری اکثریت سے منظور۔

مارچ

یکم مارچ۔ چین، ٹرین سٹیشنوں پر چاقو برداروں کا حملہ، 33 افراد ہلاک 109 زخمی۔

۲۔ افغانستان، بارود لوڈ کرتے کار میں دھماکہ، پاکستانیوں سمیت 15 طالبان جاں بحق۔

۳۔ نائجیریا، 2 بم دھماکوں میں خواتین اور بچوں سمیت 100 افراد جاں بحق۔

۵۔ عراق، 9 بم دھماکوں میں 21 افراد جاں بحق، 60 زخمی۔

۶۔ عراق، 3 کار بم دھماکوں اور پرتشدد واقعات میں 26 افراد جاں بحق۔

۷۔ پاکستانی نژاد جج علی نواز چوہان گیمبیا کے چیف جسٹس بن گئے۔

۸۔ کوالالمپور سے بیجنگ جانے والا ملائشین طیارہ سمندر میں گر کر تباہ 239 مسافر ہلاک۔

۹۔ عراق، خودکش دھماکہ میں 45 افراد جاں بحق 147 زخمی 50 کاریں تباہ۔

۱۰۔ عراق، بم دھماکے و فائرنگ بریگیڈئر جنرل سمیت 24 افراد جاں بحق 75 سے زائد زخمی۔

۱۳۔ چین کیمیائی مواد سے بھرے 2 ٹینکروں میں تصادم 32 افراد ہلاک 11 لاپتہ۔

۱۴۔ افغانستان بم دھماکے و فائرنگ 14 افراد جاں بحق درجنوں زخمی۔

۱۶۔ کریمیا میں ریفرنڈم 93 فیصد عوام روس سے الحاق کے حامی، ٹرن آؤٹ 80 فیصد رہا۔

۱۷۔ روس نے کریمیا کو آزاد ریاست تسلیم کر لیا، کریمین پارلیمنٹ کی روس سے الحاق کی درخواست۔

۱۸۔ پوٹن نے کریمیا سے الحاق کے معاہدے پر دستخط کر دیئے، روس کی جی ایٹ رکنیت معطل۔

۲۰۔ ''ٹرین ٹو پاکستان'' End of India کے مصنف اور معروف بھارتی دانشور خوشونت سنگھ 99 برس کی عمر میں چل بسے۔

۲۱۔ عراق، خودکش حملہ، فائرنگ و پرتشدد واقعات، 27 افراد جاں بحق 50 زخمی۔

۲۳۔ روسی فوج نے کریمیا میں قائم یوکرائن نے فوجی اڈوں کا کنٹرول سنبھال لیا۔

۲۵۔ افغانستان الیکشن کمیشن دفتر اور بنک پر خودکش حملے، 12 افراد جاں بحق 24 زخمی۔

۲۶۔ بھارت کا 2 ہزار کلومیٹر سے زائد رینج کے زیرآب نیوکلیئر میزائل کا تجربہ۔

۲۷۔ شہزادہ مقرن بن عبدالعزیز سعودی ولی عہد مقرر وہ نائب وزیراعظم بھی ہیں۔

۲۸۔ ''ڈرون حملے عالمی قوانین کے پابند کیے جائیں'' انسانی حقوق کونسل میں پاکستان کی پیش کردہ قرارداد منظور۔

Marfat.com

اپریل

۴اپریل۔ بابری مسجد جنونی ہندوؤں نے منظم سازش کے تحت شہید کی بھارتی ویب سائٹ ''کوبراپوسٹ'' کا انکشاف۔

۵۔ بھارت اور اسرائیل کا مشترکہ بیلسٹک میزائل نظام بنانے پر اتفاق۔

۶۔ عراق بم دھماکے اور بارودی مواد پھٹنے کے واقعات میں 20 فوجی جاں بحق۔

۷۔ شام کے شہر حمص میں بارود سے بھری موٹر گاڑی پھٹنے سے 29 افراد جاں بحق۔

۹۔ شام 2 کار بم دھماکے 25 افراد جاں بحق 107 زخمی۔

۱۰۔ شام، فورسز اور باغیوں میں خونریز جھڑپیں 51 افراد جاں بحق۔

۱۲۔ بھارت ماؤ نواز باغیوں کے حملے 7 فوجی اور انتخابی حملے کے 7 ارکان ہلاک 12 زخمی۔

۱۳۔ شام فورسز اور باغیوں میں شدید جھڑپیں، 40 اہلکاروں سمیت 50 افراد جاں بحق، بیسیوں زخمی۔

۱۴۔ نائجیریا، بس سٹیشن پر 2 بم دھماکے، 89 افراد ہلاک 124 زخمی، 30 گاڑیاں اور کئی عمارات تباہ۔

۱۵۔ بھارتی سپریم کورٹ نے ہیجڑوں کو تیسری صنف قرار دے دیا، بھارت یہ فیصلہ کرنے والا پہلا ملک بنا۔

۱۶۔ جنوبی کوریا کا بحری جہاز غرق، تقریباً 300 افراد ہلاک، طلبا سیاحتی جزیرے کی طرف جا رہے تھے۔

۱۷۔ نوبل انعام یافتہ ناول نگار گبریل گارشیا مارکیز 87 سال کی عمر میں انتقال کر گئے۔

۱۸۔ ماؤنٹ ایورسٹ پر برفانی تودہ گرنے سے 13 نیپالی گائیڈ ہلاک، 3 زخمی 7 لاپتہ۔

۲۰۔ یمن امریکی ڈرون کا القاعدہ کے ٹھکانے پر حملہ، 30 جنگجو جاں بحق ایک گاڑی مکمل تباہ۔

۲۱۔ جنوبی سوڈان، باغیوں کا مسجد پر حملہ 200 پناہ گزین قتل 400 زخمی۔

۲۲۔ عراق، خودکش دھماکوں، فائرنگ اور دیگر واقعات میں 33 افراد جاں بحق، 80 زخمی۔

۲۳۔ کانگو، ٹرین پٹڑی سے اترنے سے 56 افراد ہلاک 69 زخمی۔

۲۴۔ کابل افغان گارڈ کی فائرنگ سے 3 امریکی گارڈ ہلاک 2 افراد زخمی۔

۲۵۔ عراق انتخابی ریلی میں یکے بعد دیگرے 3 بم دھماکے 28 افراد جاں بحق درجنوں زخمی۔

۲۶۔ افغانستان، اتحادی فوج کا ہیلی کاپٹر گر کر تباہ، 5 نیٹو اہلکار ہلاک۔

۲۷۔ شام حلب میں بیرل بم حملوں میں بچوں سمیت 88 افراد جاں بحق۔

۲۸۔ مصر عدالت نے مظاہروں اور سکیورٹی فورسز پر حملوں کے الزام میں اخوان کے مرشد عام سمیت 683 افراد کو سزائے موت سنا دی۔

☆ الجزائر کے 77 سالہ صدر عبدالعزیز چوتھی بار ملک کے صدر منتخب حلف اٹھا لیا۔

Marfat.com

۲۹۔ شام کار بم دھماکہ اور مارٹر حملے 70 افراد جاں بحق، کئی گاڑیاں اور کار لج مکمل تباہ۔

مئی

یکم مئی۔ افغانستان، خودکش کار بم دھماکہ اور جھڑپیں 19 پولیس اہلکاروں سمیت 31 افراد جان بحق 14 زخمی۔

۲۔ امریکہ کی جنوبی ریاستوں میں طوفانی بگولوں سے تباہی، 40 افراد ہلاک متعدد مکانات تباہ۔

۳۔ افغانستان بدخشاں صوبہ میں مٹی کے تودے گرنے سے 2700 افراد جاں بحق ہزار مکانات تباہ۔

۵۔ شام باغی گروپوں میں لڑائی سے 63 افراد جاں بحق۔

۶۔ یوکرائن فورسز کی کاروائی روس کے 30 حامی ہلاک 4 یوکرائنی فوجی بھی مارے گئے۔

۷۔ تھائی لینڈ، اختیارات کے ناجائز استعمال پر عدالت نے وزیر اعظم ینگ لک شیناوترا کو عہدے سے برطرف کر دیا۔

۸۔ شام حلب میں بم دھماکے میں 50 فوجی جاں بحق، تاریخی ہوٹل سمیت کئی عمارات تباہ۔

۱۱۔ چین اور بھارت میں بارشیں 30 افراد ہلاک درجنوں زخمی کھڑی فصلیں تباہ۔

☆ ایران کا امریکی جاسوس طیارے RQ-170 کی نقل تیار کرنے کا دعویٰ ٹیکنالوجی ڈی کوڈ کر لی۔

۱۲۔ افغانستان طالبان نے ''بہار آپریشن'' کا آغاز کر دیا، کئی صوبوں میں حملوں میں 26 ملکی و غیر ملکی فوجی ہلاک کرنے کا دعویٰ۔

۱۳۔ بدعنوانی پر سابق اسرائیلی وزیر اعظم ایہود اولمرٹ کو 6 برس قید بھاری جرمانہ۔

۱۴۔ ترکی کوئلے کی کان میں دھماکہ 288 افراد جاں بحق 75 زخمی 450 کانکنوں کو بچا لیا گیا۔

۱۵۔ شام حکومت مخالف تنظیم نے حضرت اویس قرنیؓ کے مزار کو دھماکہ خیز مواد سے شہید کر دیا۔

۱۶۔ بھارتی انتخابات میں بی جے پی کامیاب کانگریس کا صفایا، اپوزیشن بنچوں پر بیٹھنے کا اعلان۔

۱۷۔ لاؤس کا فوجی طیارہ گر کر تباہ نائب وزیر اعظم سمیت 6 حکومتی عہدیدار ہلاک 3 شدید زخمی۔

۱۸۔ شام باغیوں کا بیس پر حملہ شدید جھڑپ میں فضائیہ کے سربراہ جنرل حسین اسحاق جاں بحق۔

۱۹۔ سربیا اور بوسنیا میں صدی کا بدترین سیلاب 44 افراد ہلاک 40 لاکھ متاثر۔

۲۰۔ نائجیریا یکے بعد دیگرے 2 دھماکوں میں 118 افراد ہلاک 56 زخمی۔

☆ تھائی لینڈ میں مارشل لا نافذ بعض ٹی وی چینلز پر پابندی عائد۔

۲۱۔ مصری عدالت نے غبن پر سابق صدر حسنی مبارک کو 3 جبکہ 2 بیٹوں کو 4، 4 برس قید کی سزا سنا دی۔

۲۲۔ سنکیانگ، کار بم دھماکے میں 31 افراد جاں بحق 95 زخمی۔

۲۳۔ شام بشارالاسد کے حق میں ریلی پر باغیوں کی شیلنگ سے 39 افراد جان بحق 200 سے زائد زخمی۔

۲۶۔ بھارت بی جے پی کے نریندر مودی نے 15 ویں وزیر اعظم کی حیثیت سے 45 رکنی کابینہ سمیت حلف اٹھا لیا۔

Marfat.com

۲۸۔ عراق متعدد بم دھماکوں اور فائرنگ کے واقعات میں 65 افراد جاں بحق درجنوں زخمی۔

۲۹۔ مصر سابق فوجی سربراہ عبدالفتاح السیسی 97.7 فیصد ووٹ لے کر صدر منتخب اخوان کا نتائج تسلیم کرنے سے انکار۔

۳۱۔ شام چیک پوسٹ کے قریب سرنگ میں دھماکہ 20 فوجی جاں بحق متعدد عمارتیں تباہ۔

جون

یکم جون۔ امریکہ نجی طیارہ رن وے پر آگ لگنے سے تباہ 10 مسافر ہلاک۔

۲۔ شام حلب میں بم دھماکہ 10 افراد جاں بحق۔

۳۔ عراق کے شہر فلوجہ میں شیلنگ سے 33 افراد جاں بحق بیسیوں زخمی۔

۴۔ شام بشارالاسد 88.7 فیصد ووٹ لے کر تیسری بار 7 سالہ مدت کے لیے صدر منتخب۔

۶۔ افغان صدارتی امیدوار عبداللہ خود کش حملے میں بچ گئے گارڈ سمیت 6 افراد ہلاک 26 زخمی۔

۸۔ عراق بم دھماکے اور فائرنگ سے 29 افراد جاں بحق 74 زخمی۔

۹۔ عراق پولیس چوکی پر ٹرک بم حملہ 35 افراد جاں بحق 115 زخمی۔

۱۰۔ افغانستان صوبہ زابل میں نیٹو کی بمباری سے 5 امریکی فوجی ہلاک۔

۱۱۔ عراق بم دھماکوں اور خودکش حملوں میں 37 افراد جاں بحق اور متعدد زخمی۔

۱۴۔ روسی حامیوں نے یوکرائن کا فوجی طیارہ مار گیا 49 اہلکار ہلاک۔

۱۶۔ کینیا عسکریت پسندوں کے پولیس سٹیشن ہوٹلوں اور کئی عمارات پر حملے 64 افراد ہلاک۔

۱۸۔ وسطی چین میں ہتھیاروں کے گودام میں دھماکے سے 17 فوجی ہلاک۔

۲۲۔ عراق جنگجوؤں کا 3 قصبات پر قبضہ بمباری و جھڑپوں میں 30 فوجی سمیت 70 افراد جاں بحق۔

۲۳۔ عراق عسکریت پسندوں کے حملے میں فوجی قافلے میں جانے والے 69 قیدی جاں بحق۔

۲۴۔ وسط افریقی جمہوریہ میں عیسائیوں کے حملے میں 17 مسلمان جاں بحق۔

۲۶۔ عراق جنگجوؤں کے ٹھکانوں پر حملے خودکش حملے 26 افراد جاں بحق۔

۲۷۔ عراق سکیورٹی فورسز کی کارروائی میں 90 داعش جنگجو جاں بحق۔

۲۷۔ چین نے امریکہ تک مار کرنے والا بین البراعظمی بیلسٹک میزائل تیار کر لیا 12 ہزار کلومیٹر رینج ہے۔

۲۹۔ عراق جنگجوؤں نے نظام خلافت قائم کر دیا جھڑپوں میں 60 افراد جاں بحق۔

جولائی

یکم جولائی۔ نائیجریا مارکیٹ میں بم دھماکہ 20 افراد ہلاک۔

Marfat.com

۲۔ کابل فوجی بس پر خودکش حملہ فضائیہ کے 5 اہلکاروں سمیت 8 افراد جاں بحق 18 زخمی۔

۳۔ سوڈان 2 گروپوں میں تصادم 150 افراد جاں بحق 100 زخمی۔

۴۔ یوکرائن گھسان کی لڑائی میں 150 باغی اور 2 فوجی ہلاک درجنوں زخمی۔

۵۔ مصر اخوان المسلمون کے مرشد عام محمد بدیع کو 36 ساتھیوں سمیت عمر قید۔

۶۔ کینیا 2 ساحلی دیہات میں الشباب کے حملے 29 افراد ہلاک۔

۷۔ اشرف غنی احمد زئی افغانستان کے نئے صدر منتخب۔

۸۔ بھارت کا سپر سانک براہموس میزائل کا تجربہ رینج 290 کلومیٹر۔

۹۔ اسرائیلی حملوں میں خواتین اور بچوں سمیت 27 فلسطینی شہید 370 زخمی۔

۱۰۔ اسرائیلی بربریت جاری مزید 37 فلسطینی شہید 600 زخمی۔

۱۱۔ اسرائیل کا مسجد پر حملہ بمباری مزید 24 فلسطینی شہید۔

۱۲۔ عراق یکے بعد دیگرے 2 دھماکے 28 افراد جاں بحق 24 زخمی۔

۱۳۔ اسرائیلی فوج غزہ میں داخل زمینی کارروائی میں 20 فلسطینی شہید 2 مساجد بھی شہید۔

۱۴۔ غزہ اسرائیلی بمباری اور زمینی کارروائی میں مزید 14 فلسطینی شہید حماس کا ہیڈکوارٹر تباہ۔

۱۵۔ افغانستان بم دھماکہ اور خودکش حملے میں 30 فوجیوں سمیت 119 افراد جاں بحق اور 100 سے زائد زخمی۔

☆ لیبیا ائرپورٹ پر راکٹ حملہ 12 طیارے تباہ جھڑپ میں 15 افراد جاں بحق۔

۱۶۔ غزہ اسرائیلی حملوں میں 6 بچوں سمیت 27 فلسطینی شہید۔

۱۷۔ یوکرائن میں ملائیشیا کا طیارہ میزائل حملے میں تباہ 295 مسافر ہلاک بیشتر افراد چینی تھے۔

۱۸۔ اسرائیلی بمباری و گولہ باری سے 48 فلسطینی شہید ایک صیہونی فوجی ہلاک۔

☆ شام داعش کا آئل فیلڈ پر قبضہ 115 افراد جاں بحق۔

۱۹۔ غزہ اسرائیلی بربریت میں مزید 49 فلسطینی شہید حماس نے 3 یہودی فوجی مار دیئے۔

۲۰۔ غزہ بدترین اسرائیلی کارروائیوں میں 100 فلسطینی شہید حماس نے 18 یہودی فوجی مار دیئے۔

۲۱۔ غزہ اسرائیلی بربریت میں 134 فلسطینی شہید 7 صیہونی فوجی ہلاک۔

۲۲۔ غزہ مزید 50 فلسطینی شہید جھڑپوں میں 13 اسرائیلی فوجی ہلاک۔

۲۳۔ غزہ اسرائیلی جارحیت میں مزید 75 فلسطینی شہید 3 صیہونی فوجی ہلاک۔

☆ تائیوان کا مسافر طیارہ گر کر تباہ 151 افراد ہلاک 7 زخمی۔

۲۴۔ اسرائیلی حملوں مزید 126 فلسطینی شہید اقوام متحدہ کا سکول بمباری سے تباہ۔

Marfat.com

☆ الجزائر کا مسافر طیارہ مالی میں گر کر تباہ، 116 افراد جاں بحق۔

۲۵۔ غزہ، اسرائیلی سفاکی میں مزید 80 فلسطینی شہید، سعودی عرب کی 10 کروڑ ارب ریال کی امداد۔

۲۶۔ اسرائیلی وحشیانہ بمباری سے 130 فلسطینی شہید، جھڑپوں میں 3 اسرائیلی فوجی ہلاک۔

☆ عراق، داعش نے حضرت شیثؑ کا مزار شہید کر دیا، شام میں 85 سکیورٹی اہلکار قتل کر دیئے۔

۲۷۔ اسرائیلی بمباری سے مزید 22 فلسطینی شہید، ایک اسرائیلی فوجی ہلاک۔

۲۸۔ اسرائیلی بمباری سے 27 فلسطینی شہید، راکٹ حملے میں 4 اسرائیلی فوجی ہلاک۔

۳۱۔ اسرائیلی حملوں میں 345 فلسطینی شہید، 5 اسرائیلی فوجی ہلاک۔

اگست

۲ اگست۔ اسرائیلی طیاروں اور ٹینکوں کے حملے، 100 سے زائد فلسطینی شہید، 7 ہزار زخمی۔

☆ عراق، بم دھماکوں اور جھڑپوں میں 191 افراد جاں بحق، درجنوں زخمی۔

۳۔ اسرائیل کی بمباری سے 150 فلسطینی شہید، 9 ہزار سے زائد زخمی ہو گئے۔

۴۔ اسرائیل کی بمباری سے 30 فلسطینی شہید، فلسطینی ڈرائیور نے ایک اسرائیلی شہری قتل کر دیا۔

۵۔ کابل، افغان فوجی کی فائرنگ، امریکی میجر جنرل سمیت 3 نیٹو اہلکار ہلاک، 15 امریکی فوجی زخمی۔

۶۔ بغداد، 5 دھماکوں میں 30 افراد جاں بحق، 70 سے زائد زخمی۔

۷۔ عراق، 8 بم دھماکے، 92 افراد جاں بحق، باغی تنظیم داعش نے 15 قصبوں پر قبضہ کر لیا۔

۸۔ افغانستان، عبداللہ اور اشرف غنی میں مخلوط حکومت کے قیام کا معاہدہ۔

۹۔ غزہ، اسرائیلی بمباری سے 38 فلسطینی شہید، شہادتیں 1960 ہو گئیں۔

۱۰۔ تہران، ایرانی مسافر بردار طیارہ گر کر تباہ، عملے کے 8 ارکان سمیت 48 افراد جاں بحق۔

☆ ترکی، پہلی بار براہ راست صدارتی انتخابات میں رجب طیب واضح اکثریت سے کامیاب۔

۱۳۔ شام، داعش نے 6 دیہات پر قبضہ کر لیا، جھڑپوں میں 39 جنگجو ہلاک۔

۱۴۔ برازیل، نجی طیارہ گر کر تباہ ہونے سے صدارتی امیدوار ایڈورڈو کیمپوس سمیت 10 ہلاک۔

۱۵۔ شام، کار بم دھماکہ اور ہیلی کاپٹر سے بمباری، 32 افراد جاں بحق۔

۱۶۔ عراق، داعش کے جنگجوؤں نے 100 یزیدیوں کو قتل کر دیا، بچوں اور عورتوں کو قیدی بنا لیا۔

۱۷۔ روس نواز علیحدگی پسندوں نے یوکرائن جنگی کا طیارہ مار گیا۔

۲۱۔ تھائی لینڈ، قومی اسمبلی نے فوجی سربراہ کو نیا وزیر اعظم منتخب کر لیا۔

Marfat.com

۲۳۔ بغداد، انٹیلی جنس ہیڈکوارٹر اور فوجی گاڑی پر خودکش حملے، 26 اہلکار جاں بحق۔

۲۴۔ اسرائیلی جارحیت میں غزہ میں 12 فلسطینی شہید، 5 زخمی، حماس کے راکٹ حملے میں 4 اسرائیلی ہلاک۔

۲۵۔ عراق، امام بارگاہ پر خودکش حملہ، 11 افراد جاں بحق، 32 زخمی۔

۲۶۔ غزہ، اسرائیلی طیاروں کی بمباری سے 9 فلسطینی شہید، حماس کے ساتھ طویل المدتی جنگ بندی معاہدہ۔

۲۸۔ ترکی، رجب طیب نے صدارت کا حلف اٹھالیا، وہ پہلے عوامی منتخب صدر ہیں۔

۲۹۔ امریکہ کا آواز سے 5 گنا تیز ہائپرسونک ہتھیار کا کامیاب تجربہ، برق رفتاری سے حملہ کر سکے گا۔

۳۱۔ عراق، خودکش حملہ میں 22 سکیورٹی اہلکاروں سمیت 37 افراد جاں بحق۔

ستمبر

یکم ستمبر۔ یوکرائن، سرکاری فوج اور روس نواز باغیوں میں جھڑپیں، 37 افراد جاں بحق۔

۲۔ روس جارحیت سے بچنے کے لیئے نیٹو نے نئی ریپڈ ایکشن فورس بنانے کی منظوری دیدی۔

۳۔ روس اور یوکرائن مستقل جنگ بندی پر راضی، باغیوں کے ساتھ جھڑپوں میں یوکرائن کے 87 فوجی ہلاک۔

۴۔ غزنی، خفیہ ادارے کے دفتر اور پولیس پر طالبان کا حملہ، 18 افراد جاں بحق، 160 زخمی۔

۵۔ سول نیوکلیئر معاہدے پر دستخط، آسٹریلیا بھارت کو یورینیم برآمد کرے گا۔

۶۔ شامی فضائیہ کی داعش کے ٹھکانوں پر بمباری، 35 افراد ہلاک۔

۸۔ عراق، داعش مخالف جرگے پر خودکش حملہ، 18 افراد جاں بحق، 50 زخمی۔

۹۔ یوکرائن میں مداخلت کا الزام، یورپی یونین نے روس پر نئی پابندیاں لگادیں، تیل کمپنیاں زیادہ متاثر ہونگی۔

☆ عراق، سنی، شیعہ اور کردوں پر مشتمل اتحادی حکومت قائم، حیدر العبادی وزیراعظم مقرر۔

۱۲۔ شامی فضائیہ کے طیاروں کی بمباری، 42 افراد جاں بحق، 7 بچے بھی شامل۔

۱۶۔ افغانستان، نیٹو قافلے پر خودکش حملہ، تین فوجی ہلاک، 18 زخمی، ننگرہار میں نیٹو کے کئی ٹینکر نذر آتش۔

۱۷۔ امریکی ایوان نمائندگان نے شامی باغیوں کو مسلح کرنے اور تربیت دینے کے بل کی منظوری دے دی۔

۱۸۔ چین بھارت میں 20 ارب ڈالر کی سرمایہ کاری کرے گا، 12 معاہدوں پر دستخط۔

۱۹۔ برطانیہ ٹوٹنے سے بچ گیا، سکاٹ لینڈ عوام کا ریفرنڈم میں علیحدگی کے خلاف فیصلہ۔

۲۰۔ امریکہ نے گوانتاناموا اور بگرام جیلوں کے 14 قیدی رہا کر کے پاکستان کے حوالے کر دیئے۔

۲۱۔ اشرف غنی نئے صدر، عبداللہ عبداللہ چیف ایگزیکٹیو مقرر، شراکت اقتدار کا معاہدہ۔

۲۲۔ شام، باغیوں کے زیر قبضہ علاقے میں فورسز کا فضائی حملہ، 16 بچوں سمیت 42 شہری ہلاک۔

Marfat.com

۲۳۔ شام، داعش کے ٹھکانوں پر پہلی بار امریکی حملے، 120 جنگجو ہلاک، 300 زخمی۔

۲۴۔ امریکی فضائیہ کا بین البراعظمی بیلسٹک میزائل کا کامیاب تجربہ، 4200 میل دور ہدف کو نشانہ بنایا۔

۲۵۔ چین، سنکیانگ میں پے در پے دھماکے، 140 افراد ہلاک، 54 زخمی۔

۲۹۔ اشرف غنی نے افغانستان کے تیرھویں صدر، عبداللہ نے پہلے چیف ایگزیکٹیو کے عہدوں کا حلف اٹھالیا۔

۳۰۔ 10 ہزار غیر ملکی فوجی 2014ء کے بعد بھی افغانستان میں رہیں گے، امریکہ افغان سلامتی معاہدے پر دستخط۔

اکتوبر

یکم اکتوبر۔ شام میں کار بم دھماکے، 48 افراد جاں بحق۔

۲۔ بوکوحرام کے رہنما ابوبکر شیخو کی نئی ویڈیو منظر عام پر آگئی، ہلاکت کی تردید۔

۴۔ عراقی صوبے انبار کے قصبے پر داعش کا کنٹرول، شامی سرحد پر اتحادیوں کی بمباری، آئی ایس کو بھاری نقصان۔

۱۰۔ شام، اتحادی طیاروں کی بمباری بے سود، کوبانی میں کرد فورسز کے ہیڈ کوارٹر پر داعش کا قبضہ۔

۱۱۔ عراق میں 2 کار بم دھماکے، 34 افراد ہلاک۔

☆ قاہرہ ڈونرز کانفرنس، غزہ کی تعمیر نو کے لیئے ایک ارب 84 لاکھ کروڑ امداد کا اعلان۔

۱۵۔ نیپال، ہمالیہ کے پہاڑ پر برفانی تودہ گرنے سے 24 کوہ پیما ہلاک، متعدد لاپتہ، 40 کو بچالیا گیا۔

۱۶۔ بغداد میں خودکش سمیت 5 دھماکے، 47 افراد ہلاک، 123 زخمی۔

۲۰۔ ترکی کا داعش کے خلاف عراقی کردوں کی مدد کا اعلان۔

۲۴۔ مصر، صحرائے سینا میں کار بم دھماکا، 29 اہلکار جاں بحق۔

۲۵۔ عراقی فورسز نے 12 اہم قصبے داعش سے چھین لیئے۔

۲۶۔ امریکہ اور برطانیہ نے افغانستان میں جنگی مشن ختم کردیا۔

نومبر

۲ نومبر۔ بغداد میں زائرین کے خیمے پر بم حملہ، 14 افراد شہید 29 زخمی۔

۳۔ ترکی کے ساحل کے قریب تارکین وطن کی کشتی ڈوب گئی، 24 افراد ہلاک۔

۷۔ امریکی فضائیہ کا ایف 16 طیارہ میکسیکو میں حادثے کا شکار، پائلٹ ہلاک۔

۱۰۔ نائیجریا، سکول پر خودکش حملہ 48 طلبہ جاں بحق۔

۱۲۔ امریکا نے تبت کو چین کا حصہ تسلیم کرلیا۔

۱۴۔ عراقی فوج نے اہم حصہ داعش سے چھین لیا، قصبے میں موجود دہشتگرد فرار۔

Marfat.com

۱۶۔ مغربی ممالک کی تنقید پر برہم روسی صدر پوٹن برسبین (آسٹریلیا) سے جی 20 اجلاس چھوڑ کر چلے گئے۔

۲۲۔ امریکا مزید ایک سال افغانستان میں فوجی کارروائیاں کرے گا، اوباما کا حکم جاری۔

۲۳۔ افغانستان، والی بال میچ کے دوران خودکش دھماکا، 50 افراد جاں بحق 100 زخمی۔

۲۷۔ کابل میں برطانوی سفارتخانے کی گاڑی پر خودکش حملہ، 6 افراد ہلاک۔

۲۸۔ نائجیریا میں نماز جمعہ کے دوران خودکش دھماکے اور فائرنگ سے 120 جاں بحق، 270 زخمی۔

۲۹۔ مصر حسنی مبارک سینکڑوں مظاہرین کے قتل کے الزام سے بری، حامیوں کا جشن۔

۳۰۔ شام کوبانی میں شدید لڑائی، 50 داعش جنگجو ہلاک۔

دسمبر

۲ دسمبر۔ کینیا میں القاعدہ سے منسلک گروپ الشباب کے باغیوں نے 63 غیر مسلم کارکنوں کو قتل کر دیا۔

۳۔ مصر اخوان المسلمون کے 188 حامیوں کو سزائے موت کا حکم۔

۴۔ لبنان نے ابوبکر البغدادی کو بیوی اور بیٹی کو پکڑنے کی تصدیق کر دی۔

۶۔ شام داعش کا دیرالزور کے فوجی اڈے پر حملہ، 7 جنگجو اور 15 فوج ہلاک۔

۷۔ سعودی عرب میں کریک ڈاؤن، 62 غیر ملکیوں سمیت 531 افراد گرفتار۔

۸۔ فلپائن سمندری طوفان سے تباہی، 32 افراد ہلاک۔

۱۰۔ مقبوضہ بیت المقدس، اسرائیلی پولیس کے تشدد سے فلسطینی وزیر ابوعین جاں بحق۔

۱۲۔ مسلمانوں کو مذہب تبدیل کرنے پر مجبور کرنے کی تحریک پر شدید تنقید، بھارتی لوک سبھا میں ہنگامہ۔

۱۳۔ افغانستان خودکش حملہ فائرنگ 2 امریکی فوجیوں سمیت 20 افراد ہلاک۔

۱۴۔ افریقی ملک جمہوریہ کانگو میں ٹانگا میں مسافر کشتی ڈوبنے سے 129 افراد ہلاک ہو گئے۔

۱۵۔ آسٹریلیا کے شہر سڈنی میں 16 گھنٹے کے بعد کیفے کا محاصرہ ختم، حملہ آور سمیت 3 ہلاک۔

۱۶۔ شام، فوجی اڈوں پر قبضے کے لئے جنگ، 20 اہلکار اور 80 باغی مارے گئے۔

۱۷۔ افغانستان میں بینک پر طالبان کا خودکش حملہ 5 اہلکاروں سمیت 10 افراد ہلاک، 14 زخمی۔

۱۸۔ نائجیریا کے گاؤں پر دہشت گردوں کا حملہ، 33 افراد قتل، 100 اغوا۔

۲۰۔ اقوام متحدہ میں فلسطینیوں کے حق خودارادیت کی قرارداد بھاری اکثریت سے منظور۔

۲۳۔ آسام، باغیوں کے حملوں میں 13 بچوں سمیت 48 افراد ہلاک۔

۲۴۔ جاپان، شنزو ایبے بھاری اکثریت سے دوبارہ وزیراعظم منتخب۔

Marfat.com

۲۵۔ شام، جھڑپوں اور بمباری سے داعش کے 44 جنگجوؤں سمیت 65 افراد ہلاک، درجنوں زخمی۔

۲۶۔ اسرائیلی سپریم کورٹ کا مقبوضہ فلسطینی علاقے میں سب سے بڑی غیر قانونی یہودی بستی گرانے کا حکم۔

۲۸۔ افغانستان، امریکی قیادت میں نیٹو کا 13 سالہ جنگی مشن ختم، سیکیورٹی مقامی فورسز کے سپرد۔

۳۰۔ میانمار روہنگیا مسلمانوں کو شہریت اور حقوق دے، اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں متفقہ قرارداد۔

2015 کے حالات

۱۔ چین پاکستان راہداری کی تکمیل

۲۔ انڈیا کی پاکستان کے ساتھ جارحیت

۳۔ یمن کی جنگ

۴۔ صفورہ پر دہشت گردی

۵۔ مشرق وسطیٰ کے حالات

۶۔ انڈیا کی پاکستان کے لئے جنگ کی تیاری 41 کھرب کا دفاعی بجٹ

۷۔ برما کے مسلمانوں کا قتلِ عام

۸۔ ضربِ عضب کے آپریشن کی کامیابی

تجزیہ

پاکستان کے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے جنرل راحیل کو ایک اور قدم اٹھانا چاہیے۔ ملک کی باگ ڈور سنبھالنی چاہیے۔ تاکہ پاکستان قائم ودائم رہ سکے۔ پوری قوم صرف ان کی طرف دیکھ رہی ہے۔ عالمِ اسلام کو ایک بے لوث لیڈر کی ضرورت ہے۔

قُم باذنِ اللہ

جہاں اگرچہ دگرگوں ہے، قُم باذن اللہ
وہی زمیں، وہی گردوں ہے، قُم باذن اللہ

کیا نوائے اناالحق کو آتشیں جس نے
تری رگوں میں وہی خون ہے، قُم باذن اللہ

غمیں نہ ہو کہ پراگندہ ہے شعور ترا
فرنگیوں کا یہ افسوں ہے، قُم باذن اللہ

(اقبال ضربِ کلیم)

Marfat.com

باب: چوبیسواں

نشاۃ الثانیہ

Marfat.com

نشاۃ الثانیہ

ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خان صاحب "نظریہ پاکستان کے مضمون میں پاکستان کی نشاۃ الثانیہ کے ہونے کا اشارہ دیتے ہیں کہ مسلمانوں نے ہمیشہ رواداری کو اپنا شیوہ بنایا ہے لیکن جب کفر والحاد اپنا غلبہ حاصل کرنا چاہتا ہے تو مسلمان اس کے مقابلے کیلئے ڈٹ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ بادشاہ اکبر کی بے جا رواداری اور ملکی سیاست میں ہندوؤں کے عمل دخل کی وجہ سے ملک میں کافرانہ طور طریقے اس قدر رائج ہو گئے تھے کہ مسلمانوں کی آزادی خود انکے دینی معاملات میں بھی ختم ہو گئی تھی۔ چنانچہ اکبر کے آخری دور میں اسلام کی سربلندی کیلئے حضرت مجدد الف ثانی" کھڑے ہوئے۔ آپ نے جہانگیر کے زمانے میں محض دین کی خاطر قید و بند کی سختیاں جھیلیں اور اسلامی قدروں کو نئے سرے سے فروغ دیا۔ ان کے اثر سے شاہ جہاں اور اسکے بعد اس کا بیٹا اورنگ زیب، دین کا خادم بنا لیکن اورنگ زیب کے بعد ہی اس کے بیٹوں کے باہمی نفاق اور کمزوری کی وجہ سے مغلیہ سلطنت کا زوال شروع ہو گیا۔ مرہٹوں اور ہندوؤں کے کئی گروپ نے سر اٹھایا، انگریزوں نے اپنے قدم جمائے اور ملک میں انتشار پھیل گیا لیکن ایسے گئے گزرے حالات میں بھی قوم کو فروغ دینے اور اسلام کو سربلند کرنے کے لئے میسور کے سلطان حیدر علی اور اسکے بیٹے سلطان ٹیپو نے ہندوؤں اور انگریزوں کا مقابلہ کیا بلکہ افغانستان، ترکی اور پھر فرانس کو بھی اپنے ساتھ شامل کرنے کی کوشش کی لیکن ملک کے دوسرے سرداروں نے ساتھ نہیں دیا اور انہیں کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔

اسی زمانے میں شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کے صاحبزادوں نے مسلمانوں کی اخلاقی اور معاشرتی برائیوں کو دور کرنے کی تحریک شروع کی۔ پھر ان کے پوتے شاہ اسمٰعیل نے اپنے مرشد سید احمد بریلوی کے ساتھ اسلامی اُصولوں کو دوبارہ رائج کرنے اور ملک کو غلامی سے آزاد کرانے کی کوشش میں سن ۱۸۳۱ء میں اپنی جانیں قربان کر دیں۔ تاہم انہوں نے مسلمانوں کے دلوں میں جوش اور ولولہ پیدا کر دیا تھا۔ چنانچہ سن ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں مسلمانوں نے پھر اپنے قدم جمالئے انہیں کامیابی نہ ہو سکی۔ اس زمانے میں سرسید نے مجبوراً انگریزوں سے مفاہمت کو غنیمت جانا اور مسلمان قوم کی اخلاقی اور تہذیبی اصلاح پر توجہ اور اُن کے دلوں سے احساس کمتری کو دور کرنے کی کوشش بھی کی۔ ۱۸۸۵ء میں ہندوؤں نے کانگریس کی بنیاد ڈالی اور ظاہر یہ کیا کہ وہ ملک کی تمام قوموں کو ان کے حقوق دلوائیں گے۔ لیکن بعد میں پتہ چلا کہ وہ صرف اپنے حقوق کو تحفظ چاہتے ہیں۔ انہوں نے مسلمانوں کو ان کے کاروبار سے بھی محروم کرنے کی کوشش کی اور وہ سرکاری ملازمتوں پر بھی قابض ہو گئے۔ نیز انہوں نے مسلمانوں کی مشترکہ زبان اُردو کے مقابلے میں ہندی کو قائم کر دیا۔ سرسید نے مسلمانوں کو ہندوؤں کی اس کانگریس اور ان کی سیاست سے علیحدہ کرنے کی کوشش کی اور ان کے ایک دوست مولانا محمد قاسمؒ نے دیوبند میں مسلمانوں کی دینی تعلیم کی طرف توجہ دی۔ پھر سرسید کے ایک رفیق نواب محسن الملک نے سن ۱۹۰۶ء میں کل ہند مسلم لیگ کے نام سے مسلمانوں کی ایک الگ تنظیم کی بنیاد ڈالی۔ یہ تنظیم ڈھاکے میں قائم ہوئی تھی جہاں ہندوؤں نے سازش کر کے مسلمانوں کو زک پہنچانے کے لئے مشرقی بنگال اور آسام کا وہ صوبہ جس میں مسلمانوں کی اکثریت تھی ختم کرایا اور سن ۱۹۱۱ء میں اسی علاقے کو پھر بنگال میں شامل کرا دیا۔

Marfat.com

اسی زمانے میں پہلی جنگ عظیم چھڑ گئی جس میں انگریز کا مقابلہ جرمنی سے ہوا اور ترکی نے جرمنی کا ساتھ دیا۔ ہندوستان کے مسلمان چوں کہ ترکی کے سلطان کو حجاز کی خدمت کرنے کی وجہ سے خلیفۂ اسلام سمجھتے تھے اس لئے انہوں نے مالی اور طبی امداد بہم پہنچائی جس کی وجہ سے حکومت برطانیہ کو مسلمانوں سے عناد پیدا ہو گیا لیکن انہوں نے یہاں کے مسلمانوں سے یہ وعدہ کیا کہ اگر ہم کو اس جنگ میں فتح حاصل ہو گی تو ہم کسی طرح بھی ترکی کو مزید نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ یہ وہ محض فریب تھا چنانچہ جب انگریزوں کو فتح حاصل ہو گئی تو وہ اپنے وعدے سے پھر گئے اور انہوں نے ترکی کی وسیع سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ یہاں کے مسلمانوں کو اس فریب کی وجہ سے بہت تکلیف پہنچی اور انہوں نے خلافت کے تحفظ کے لئے مولانا محمد علی جوہر اور انکے بڑے بھائی مولانا شوکت علی کی رہنمائی میں تحریک خلافت شروع کی لیکن اس زمانے میں ہندوؤں نے مسلمانوں کو ہندو بنانے کے لئے شدھی کی تحریک شروع کی اور ان کو ختم کرنے کیلئے سنگھٹن کی تحریک بھی شروع کی۔ پھر سن ۱۹۲۸ء میں کانگریس نے جو نہرو رپورٹ شائع کی اس میں مسلمانوں کے لئے علیحدہ نمائندگی کا اصول جو وہ بارہ سال پہلے تسلیم کر چکے تھے بالکل نظر انداز کر دیا۔ پھر تو مسلمانوں میں بڑا جوش پیدا ہوا اور انہیں یقین ہو گیا کہ چونکہ ان کا دین، اُن کی تہذیب اور ان کی معاشرت سب کچھ غیر مسلموں سے مختلف ہے، اس لئے کسی حالت میں ہندوؤں سے تعاون نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ۱۹۳۰ء میں مسلم لیگ کے الہ آباد والے اجلاس میں علامہ اقبال نے مسلمانوں کے لئے ایک علیحدہ وطن (پاکستان) بنانے کی تجویز پیش کی۔ چار سال کے بعد مستقل عہدہ قبول کیا تو انہوں نے اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش شروع کر دی۔ آخر کار ۲۳ مارچ سن ۱۹۴۰ء کو انہوں نے لاہور کے اجلاس میں واضح طور پر اعلان کر دیا کہ جن علاقوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے وہاں ایک آزاد مسلم ریاست قائم کی جائے۔ اس اعلان کو "قرارداد پاکستان" کہتے ہیں جس کی رو سے مسلمانوں کی آزاد اور خود مختار حکومت قائم کرنے کا فیصلہ ہوا۔

یہاں یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ دنیا میں قومیت کی تشکیل کی دو بنیادی ہیں۔ ایک وہ جو مغربی مفکرین نے قائم کی ہے۔ دوسری وہ جو رسولِ مقبول ﷺ کی قائم کی ہوئی ہے۔ اہل مغرب نے خاندانی، نسلی اور قبائل بنیادوں میں ذرا وسعت پیدا کر کے قومیت کی بنیادیں جغرافیائی حدود پر استوار کیں اور کہا کہ قوم وطن سے بنتی ہے۔ اس نظریے کی وجہ سے دنیا کے انسانوں کے درمیان تباہی کا جو دروازہ کھلا وہ دو عالمی جنگوں کے ہونے سے بخوبی ظاہر ہے۔ یہ وطنی قومیت ہی کی بنیاد پر لڑی گئی تھیں اور یہ وطنی قومیت جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کو تحفظ دینے میں تو بالکل ہی ناکام تھی کیونکہ جنوبی ایشیا کے مسلمان اس نظریے کے تحت ایک مجبور اقلیت بن جاتے۔

قومیت کی دوسری بنیادی وہ ہے جو رسول مقبول ﷺ نے ملت اسلامیہ کی تشکیل کرتے وقت قائم فرمائی اور جو مغرب کے تصور قومیت سے جدا ہے، جیسا کہ علامہ اقبال نے بھی فرمایا ہے:

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر — خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ﷺ ہاشمی
اُن کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار — قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری

Marfat.com

مسلمانوں کی قومیت ایک نظریاتی قومیت ہے جو لا الہ الا اللہ پر قائم ہے۔ یعنی یہ کہ نسل، رنگ اور وطن کی بنیاد پر نہیں بلکہ ایک نظریہ ہے۔ ایک عقیدے، ایک کلمے کی بنیاد پر وجود میں آئی ہے اور اس نظریاتی پہلو کو نمایاں کرنے کے لئے اسے ملت کہا گیا ہے۔ ایسی نظریاتی قومیت میں ہر نسل، ہر رنگ اور ہر جغرافیائی خطے کے لوگوں کے لئے جگہ ہوتی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ جنوبی ایشیاء کے مسلمان جن میں ہر نسل، ہر رنگ اور مختلف جغرافیائی خطوں کے لوگ شامل تھے۔ اُن کو ایک ایسی قوم کے ماتحت اقلیت بن کر رہنا منظور نہ تھا جو اسلامی قومیت کے برعکس ذات پات، چھوت چھات اور بت پرستی کے بندھنوں میں جکڑی ہوئی تھی۔ چنانچہ انہوں نے اپنی جداگانہ قومیت یعنی اسلامی قومیت کی بنیاد پر اپنے لئے زندگی، اپنے طرز معاشرت کے مطابق زندگی بسر کرسکیں اور ایک مسلمان کی حیثیت سے دور جدید کے چیلنج کا مقابلہ کرکے اپنے مستقبل کو سنوار سکیں۔

(ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خان صاحب نظریہ پاکستان تحریر فرماتے ہیں ہمیں اس بات کو بھی اچھی طرح ذہن نشین کرلینا چاہیئے نظریہ پاکستان میں اسلامی زندگی اور قدروں کو تصور بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ اُخوت، مساوات، عدل، دیانت، خداترسی، انسانی ہمدردی اور عظمت کردار کے بغیر نظریہ پاکستان کو فروغ نہیں ہوسکتا۔ نظریہ پاکستان کا مقصد محض ایک حکومت قائم کرنا نہیں تھا کیوں کہ مسلمانوں کی حکومتیں ایشیاء اور افریقہ میں پہلے سے موجود تھیں۔ نظریہ پاکستان کا مقصد اسلامی اُصولوں کی ترویج و اشاعت اور اہل عالم کیلئے مثالی مملکت کا نمونہ فراہم کرنا ہے)

پاکستان قائم کرنے کا فیصلہ ہندوؤں کو بہت ناگوار گذرا۔ انہوں نے پوری کوشش کی کہ یہ مملکت قائم نہ ہونے پائے۔ انکے پاس دولت اور طاقت تھی۔ جنوبی ایشیاء میں انکی اکثریت تھی لیکن چوں کہ قیام پاکستان کا مطالبہ حق اور انصاف پر مبنی تھا اس لئے حکومت برطانیہ کو مجبور ہونا پڑا اور قائداعظم محمد علی جناحؒ کی پُرخلوص قیادت، مسلمانوں کے یقین، اتحاد اور عمل پیہم کی وجہ سے ۱۴ اگست سن ۱۹۴۷ء کو پاکستان معرضِ وجود میں آ گیا۔

پاکستان نے اپنے قیام سے اب تک بڑی ترقی کی ہے اور اس کا شمار دنیا کے اہم ملکوں میں ہوتا ہے۔ اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ پاکستان اور زیادہ ترقی کرے اور ہمیشہ ترقی کرے تو ہمیں نظریہ پاکستان کو وقت پیش نظر رکھنا پڑے گا۔ اس کی بدولت ہم پاکستان کو زیادہ مستحکم اور شاندار بنا سکتے ہیں۔

(نظریہ پاکستان کا مقصد پاکستان کو ایک اسلامی اور فلاحی مملکت بنانا ہے۔ ہمیں ایسا کوئی قدم نہیں اُٹھانا چاہیئے جس کی وجہ سے خدا اور اسکے رسول ﷺ کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے۔ ہمارا جینا اور مرنا پاکستان کے لئے ہونا چاہیئے۔ قومی مفاد کے سامنے ذاتی مفاد کو دل سے نکال دینا چاہیئے۔ ہر قسم کی گروہ بندی سے بالاتر ہو کر تمام پاکستانیوں کی فلاح و بہبود کی کوشش کرنا نظریہ پاکستان کو فروغ دینا ہے۔ اگر ہم نے نظریہ پاکستان کو پیش نظر رکھا اور اپنی سیرت اور کردار کو اس کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی تو دنیا کی دوسری قوموں میں بھی ہمیں امتیاز حاصل ہوگا اور ہم اسلامی اُصولوں کی روشنی میں پاکستان کو توانا، مستحکم، شاندار اور پُرعظمت بنانے میں پوری طرح کامیاب ہوں گے)

Marfat.com

نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا
کہنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہوگا

نشاۃ الثانیہ

نشاۃ الثانیہ کی اصطلاح مسلمانوں کے لئے وہ معنی نہیں رکھتی جو یورپ کی تحریک نشاۃ الثانیہ کی بنیاد بنا تھا۔مغرب میں نشاۃ الثانیہ کے تمام نتائج دین کے مخالف رخ پر نکلے اور اس تحریک میں ایک رو اسلام دشمنی کی بھی تھی۔ایک تہذیبی تناظر میں یورپی نشاۃ الثانیہ میں اسلام دشمنی کے کسی عنصر کی موجودگی ہمارے لئے کوئی بڑا انتباہ نہیں ہے بشرطیکہ وہ تحریک عیسائیت کے کسی مذہبی تصور کے دفاع اور اس کی تشکیل وتجدید کے لئے اٹھتی لیکن ایسا کچھ نہیں تھا۔اس تحریک نے عیسائیت کے مذہبی جوہر کو منہا کر کے یونانی انداز تعقل کو نئے سرے سے اختیار کیا اور اس فلسفیانہ عقل پرستی کو مذہبی مابعد الطبیعی مباحث اور حقائق کی شناخت کا واحد مستند ذریعہ قرار دے دیا۔اس کا جو نتیجہ نکلنا تھا وہ نکلا اور اس تحریک کو جس مقصد کا حصول درکار تھا وہ مقصد بھی حاصل ہو گیا یعنی دین اور دنیا کی جدائی۔جدید مغرب اسی تحریک کے شجر کا پھل ہے۔مسلم نشاۃ الثانیہ،ظاہر ہے کہ ان محرکات اور نتائج کو کسی ادنی درجے میں بھی قبول نہیں کر سکتی۔مسلم نشاۃ الثانیہ کے تصور کا حقیقی سیاق وسباق کیا ہے تو اس معاملے میں ہمیں بہت احتیاط اور تفکر کے ساتھ اپنے وسائل اور مقاصد متعین کرنے پڑیں گے۔سردست یہ ایک سیاسی تصور بن گیا ہے اور اس میں بھی رومانیت کی آمیزش زیادہ ہے۔نشاۃ الثانیہ کا مروجہ تصور،جس سے ہم بہت زیادہ مانوس ہو چکے ہیں،یہ ہے کہ ملت اسلامیہ اقوام عالم پر اپنی بالا دستی،نظام زندگی کے ہر شعبے میں،نہ صرف یہ کہ ثابت کردے بلکہ ماضی میں جس طرح یہ حاصل تھی اسے پھر سے قائم کر کے دکھادے۔ہم یہ نہیں کہتے کہ مسلم نشاۃ ثانیہ کا تصور رکھنے والے تمام اذہان اس کی مذکورہ بالا تعبیر تک محدود ہیں لیکن جب یہ دیکھتے ہیں کہ دیگر تصورات پوری طرح مکمل ہو کر نہ تو بیان ہوئے ہیں اور نہ وسیع پیمانے پر معروف ہو سکے ہیں تو ہمیں اپنا یہ خیال درست محسوس ہونے لگتا ہے کہ اس تصور سے موافقت رکھنے والا ذہن بنیادی طور پر سیاسی ہے مثلاً احیاء خلافت کا تصور یعنی خلافت راشدہ کو اس کی سوچ کے مطابق دوبارہ روبعمل لانا۔اس تصور کا اگر باریک بینی سے جائزہ لیا جائے تو اس میں خلافت راشدہ کی ساری حیثیت اور حقیقت سیاسی رنگ لئے ہوئے ہیں۔

اسی طرح نشاۃ الثانیہ کا ایک دوسرا تصور یہ ہے کہ ہم سائنس،ٹیکنالوجی اور مختلف علوم وفنون میں پیچھے رہ جانے کی وجہ سے زوال کا شکار ہیں۔ہمیں چاہئے کہ ان شعبوں پر ترقی یافتہ اقوام کی طرح دسترس حاصل کریں اور خود ان کو ان اقوام کی صف میں لانے کی کوشش کریں۔یہ تصور مذہبی حلقوں سے باہر پایا جاتا ہے اور لوگوں میں اس کی مقبولیت پہلے نظریئے کے مقابلے میں زیادہ ہے یا یوں کہہ لیجئے کہ زیادہ تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ہماری رائے میں نشاۃ الثانیہ کی یہ دونوں تعبیرات جزوی فائدے اور کلی نقصان پر منتج ہو سکتی ہیں۔

یہ بات نشاۃ الثانیہ کی ترکیب سے ظاہر ہے کہ مسلمان امت تاریخ کے کس مرحلے پر کمال یافتہ تھی اور اب حالت زوال سے نکل کر اسے وہی کمال دوبارہ مطلوب ہے یہاں تک پوری بات ٹھیک ہے۔اس سے آگے بڑھ کر پہلے ہی قدم پر یہ طے کرنا ہوگا کہ اس امت کو جو کمال حاصل تھا اس کے واقعی اسباب کیا تھے؟ان اسباب کی بالکل کلینکل انداز میں تشخیص ہونی چاہئے۔

Marfat.com

ایک اور ضروری نکتہ یہ ہے کہ عروج زوال کے تاریخی عوامل کیا، ہمیں بعض مظاہر عروج کی باز آفرینی کا موقع دیں گے؟ مذہبی قوانین تاریخ سے مناسبت نہ رکھنے کی وجہ سے اکثر ناگزیر اور بدیہی رکاوٹوں کی طرف سے آنکھ بند کر لیتا ہے۔ اس روش کا ازالہ کیے بغیر نشاۃ الثانیہ محض ایک خواہش کی سطح سے اوپر نہیں اٹھ سکتی۔ زندگی کے نئے اسالیب خصوصاً انسان کی جدید تہذیبی اور نفسیاتی ساخت کسی عقیدے یا نظریئے کی لفظی اور قانونی تعیم کو قبول نہیں کر سکتی۔ قبول نہ کر سکنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی مستقل عقیدے یا نظریئے کی طرف ذہنی میلان ہو بھی جائے تو بھی زندگی کے موجودہ اسالیب واطوار اس عقیدے کو ذہن سے نکال کر اپنے اندر سرایت کر جانے کا راستہ نہیں دیں گے۔ اس صورت حال میں نشاۃ الثانیہ کے کسی بھی تصور کو عملی صورت دینے کی کوشش کرتے وقت اس عالمگیر مجبوری کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے یعنی اس فکر کے حاملین کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس مزاحمت یا عدم قبولیت کا پیشگی ازالہ کرنے کی کوئی واضح صورت نکالیں ورنہ دیگر تصورات کی طرح یہ تصور بھی اپنے اطلاق کے امکان کو مستقلاً گنوا بیٹھے گا۔

مسلمانوں میں نشاۃ الثانیہ کا حقیقی مقصود یہ ہے کہ آدمی اپنی بنیادوں کی طرف واپس لوٹ جائے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ترقی وخوشحالی کا کوئی گزشتہ دور واپس آجائے۔ بالفاظ دیگر مسلمانوں میں نشاۃ الثانیہ کا ہر وہ تصور بے معنی ہے جس کا مقصود مسلم ماڈل کی نئی تشکیل کے علاوہ کوئی بات ہو یعنی ہماری اصل ضرورت حضرت عمرؓ ہیں نہ کہ ان کا دور حکومت۔

خود مغربی نشاۃ الثانیہ کی تحریک آدمی کی تبدیلی کی تحریک تھی جو بڑی حد تک کامیاب ہوگئی۔ وہ لوگ جانتے تھے کہ انسان میں تبدیلی لائے بغیر حالات کو نہیں بدلا جا سکتا۔ ہمارا سادہ لوح دماغ اس وہم میں مبتلا ہے کہ حالات کو انتظامی، سیاسی یا معاشی طور پر بدل کے یعنی خلافت راشدہ جیسا نظام حکومت لا کر آدمی خود بخود بدل جائے گا جب کہ بات اس کے برعکس ہے۔ آدمی بدلے گا تو حالت بدلیں گے۔ یہ بات ہم رسول اللہ ﷺ کے مجموعی اسوۂ مبارکہ کو پیش نظر رکھ کر کہہ رہے ہیں اور اس کے علاوہ انسانوں میں تجدید واحیاء وغیرہ کی جتنی کامیاب تحریکیں چلی ہیں، ان کے طریق کار سے بھی اس کے علاوہ کچھ بھی ثابت نہیں ہوتا۔

جدید مسلم ذہن تاریخ کا کوئی واضح تصور نہیں رکھتا۔ اس کے علاوہ یا اس کی وجہ سے ہم حیات انسانی کے مکینیکل مظاہر (یعنی وہ چیزیں جو زندگی میں خود بخود آتی ہیں) پر بھی کوئی موقف نہیں رکھتے۔ تہذیب، علم، دنیا، عروج وزوال، نفسیات وغیرہ کے بارے میں ہم اگر کچھ کچے پکے تصورات رکھتے بھی ہیں تو انہیں اپنی اساس ہستی اور اپنے مقصد حیات سے کسی بلند سطح پر ہم آہنگ نہیں کر پاتے یا اس کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتے۔ اس کمی کے ہمیں کم از کم دو بڑے نقصانات اٹھانے پڑے۔ ایک تو یہ کہ ہمارا تصور دین سطحی اور یک رُخا ہو کر رہ گیا دوسرے یہ کہ ہم کوئی ایسا تصور انسان قائم اور پیش کرنے کے قابل نہیں رہے جو انسان کو موضوع بنانے والے کسی بھی علم کے مقابلے میں رکھا جا سکے۔ مثال کے طور پر جدید فلسفۂ قانون پڑھ لیں تو ہمارا موجودہ فقہی ذہن اور اس کا تخلیق کردہ لٹریچر بچوں کا کھیل معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح علم بشریات، نفسیات اور بیشتر سماجی علوم نامعلوم اور بالکل اجنبی ہیں۔ حالانکہ ان گہرائیوں کی دریافت ہمارا کام ہونا چاہئے تھا تا کہ ہم انسان تک دین کی رسائی کا بڑا دائرہ بنا سکتے۔ ایسے پسماندہ ذہن میں بننے والے تصورات فطری طور پر تصور کی حیثیت سے بھی ناقص ہوتے ہیں اور علمی جہت سے بھی ناممکن

Marfat.com

العمل ہوتے ہیں۔یہی وجہ سے ہے نشاۃ الثانیہ کا تخیل بھی ذرا سے غور کے بعد خواب کی طرح معلوم ہوتا ہے جس سے تھوڑی دیر کو سکون تو مل جاتا ہے لیکن اس کی طرف عملی پیش رفت خود اس خواب میں رہنے والے کے لئے ناممکن ہوتی ہے۔

نشاۃ الثانیہ کا کوئی تصور اس وقت تک مسلمانوں کے لئے بامعنی نہیں ہے جب تک اس کے اندر مندرجہ ذیل امور کا ادراک نہ پایا جائے:

۱۔ عقیدے اور تاریخ کا تعلق

۲۔ انسان میں تبدیلی کی صلاحیت

۳۔ انسان کا وہ مرکز جو کسی بات کو قبول کر کے اسے تمام سطحوں پر محفوظ کر لیتا ہے اور حالات کی تبدیلی سے متاثر نہیں ہوتا

۴۔ تہذیب کے اصول تشکیل اور ان کا دین سے تعلق

۵۔ بنی نوع انسان میں انفرادیت اور اجتماعیت کا نقطۂ اشتراک

۶۔ فضائل انسانی اور ان کی Manifestation کا تنوع

۷۔ انسانی زندگی اور قانون

۸۔ انسان کی مستقل اور عارضی ضروریات

۹۔ تقدیر اور تاریخ

۱۰۔ تقدیر اور انسانی اختیار کے حدود

۱۱۔ انسانی اختیار اور تاریخ کا قانون جبر وتغیر

۱۲۔ انسانوں کے اجتماعی نظام کی معنویت

۱۳۔ نظام زندگی: استقلال اور لچک

۱۴۔ نفس انسانی: استعداد اور محرکات

۱۵۔ دین کا مقصد اصلی

مندرجہ بالا امور پر ایسا دینی موقف اختیار کرنا جو مبنی بر واقعیت ہو، اس کے لئے ضروری ہے کہ ان مباحث کی طرف علمی سفر سے آغاز کیا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ اس علم کو ایک نظام تربیت بنایا جائے۔اس کے بعد کہیں جا کر نشاۃ الثانیہ کا عمل خارج میں اظہار پذیر ہونا شروع ہوگا۔لہذا پہلی ضرورت یہ ہے کہ ہمارا نظام تعلیم پوری طرح بدلا جائے اور تعلیم کے مقاصد کو دنیا سے منقطع کیے بغیر دین کے تابع رکھا جائے۔

موجودہ دور چھوٹی بڑی تمام چیزوں کو ایک نظریاتی کل اور نامیاتی وحدت میں اس طرح ڈھالنا چاہتا ہے کہ ایک ہی تعریف (Definition) سب پر صادق آسکے۔اقوام متحدہ کے زیادہ تر منصوبے مثلاً گلوبلائزیشن وغیرہ دراصل اسی ہمہ گیر تقاضے کے مظاہر ہیں ۔اسکے علاوہ مغربی استعمار کی طرف سے دیگر اقوام کو اپنے تابع کرنے کی جو نہایت باضابطہ کوششیں کی

Marfat.com

جا رہی ہیں وہ محض اس لئے نہیں ہیں کہ ان کے چند سیاسی یا معاشی مفادات کا حصول ممکن ہو جائے بلکہ اس کے پیچھے ایک نظریہ کارفرما ہے۔ وہ نظریہ یہ ہے کہ انسان اور اس کے تمام متعلقات یعنی علم، تہذیب وغیرہ کو ایک ہی اصل پر مبنی اور ایک ہی مقصود سے وابستہ ہونا چاہیے۔ اس میں پہلی ضرورت یہ ہے کہ جو ترقی یافتہ اقوام اس اصل اور مقصود کا ادراک رکھتی ہیں یا انہیں وضع کر چکی ہیں وہ پسماندہ اور غیر ترقی یافتہ قوموں کو اپنے برابر لانے کی بجائے اپنے بنائے ہوئے دائرے میں رکھنا چاہتی ہیں اور اس کے لئے ان کی ہر نظریاتی اور تہذیبی تحدید کو توڑنے کے درپے ہو چکی ہیں۔ کیونکہ ان کی نظر میں قوموں کی سطح پر نظریاتی اور تمدنی انفرادیت کا اظہار اور اس پر اصرار بنی نوع انسان کی ہم اصلی اور ہم مقصدی کے اس تصور کو عمل میں نہیں لانے دے گا جو ان طاقتور اقوام کے پیش نظر ہے۔ عالم اسلام میں اس خطرے کا احساس اور ادراک بالکل مفقود تو نہیں ہے لیکن جس سطح پر ہے وہ قطعی غیر موثر ہے۔ اور زندگی کی کسی نظریاتی تشکیل میں کوئی بامعنی کردار ادا کرنے کے قابل نہیں ہے۔ ہمارا بہت بڑا المیہ ہے یہ کہ ہمارے نظریہ زندگی اور زندگی میں مطابقت کا ہر پہلو غیر موجود ہے۔ ظاہر ہے کہ انسان نظریئے یا عقیدے اور زندگی کی پوری عدم مطابقت کو زیادہ دیر تک برقرار نہیں رکھ سکتا۔ اسے ان دو غیر متعلق امور میں سے ایک کو لازماً چھوڑنا پڑتا ہے۔ ابھی وہ صورت حال تو نہیں آئی کہ ہم ترک وقبول کے عمل میں ایک حتمی مقام پر پہنچ گئے ہوں تاہم ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی کا رخ جس طرف ہو چکا ہے اس کے پیش نظر یہ بات بہت بعید از قیاس نہیں ہے کہ ہم محض زندہ رہنے پر قانع ہو جائیں اور زندگی کے بارے میں تصورات کو فراموش کر دیں۔ موجودہ حالات میں ایسا ہو جانا تقریباً یقینی دکھائی دیتا ہے اور تاریخ وانسان کے مطالعے کا کوئی طریقہ ہمارے اس خوف کو زائل نہیں کرتا کہ مستقبل میں ہم دنیا کو اپنا علانیہ مقصود بنا کر دین کو ایک غیر ضروری رکاوٹ قرار دے کر اسے عین اس طرح نظر انداز کر بیٹھیں جس طرح جدید مغرب نے عیسائیت کو کر رکھا ہے۔ اس رویے میں دین کی اتنی بھی وقعت نہیں پائی جاتی کہ اس کا انکار کرنے کا تکلف پالا جائے بلکہ اتنا ہی کافی ہے کہ اسے فرد کا ذاتی مسئلہ قرار دے کر زندگی کے مرکزی دھارے سے الگ کر دیا جائے۔ فی زمانہ جدید مسلم ذہن اسی روش پر چلنے پر راضی نظر آتا ہے کہ دین ہر فرد کا ذاتی معاملہ ہے اور اسے کاروبار زندگی میں مخل نہیں ہونے دینا چاہیے۔ مشکل یہ ہے کہ ہماری مذہبی فکر اس بات کا ایک تحکمانہ قانونی اور سیاسی جواب دے کر مطمئن ہو جاتی ہے اور یہ نہیں دیکھتی کہ جس ذہن میں ایسا خیال آ سکتا ہے وہ بھلا فتوے یا خطاب کو قبول کرے گا؟ احیائے امت کی کسی بھی کوشش میں ابتدائی طور پر ہی اس روز افزوں ذہنیت کا مکمل تجزیہ کر کے اسے ایک گمراہی کی بجائے ایک مرض کے طور پر دیکھنا ہوگا اور اس ازالے کا طریق کار بھی مناظرے کی جگہ معالجے پر مبنی رکھنا ہوگا۔ یہاں معالجے کا مطلب وعظ ونصیحت نہیں ہے بلکہ کسی خرابی کے بنیادی اسباب کی تشخیص کے بعد ان اسباب کا ایسا ازالہ کرنا ہے کہ ان کی دوبارہ پیدائش کا احتمال نہ رہے اور ان کی کشش انسانوں کے اندر سے ختم ہو جائے۔ انسان کا خاصہ ہے کہ اس کی عمومی زندگی کے تقریباً تمام اہداف حق و باطل اور صحیح وغلط کے معیارات پر اتنے استوار نہیں ہوتے جتنے کہ پسند وناپسند پر ہوتے ہیں۔ زندگی انسان کی جس استعداد یا سطح سے فوری اور فطری مناسبت رکھتی ہے وہ ذہن نہیں ہے بلکہ طبیعت ہے۔ یہ قانون مسلمانوں کے لئے بدل نہیں جاتا۔ لہذا ضروری ہے کہ مسلمات کی قبیل میں رکھ کر اس کی اپنے نظریات کے مطابق تراش خراش کی جائے یعنی مسلم نشاۃ الثانیہ اگر ایک

Marfat.com

سلسلہ عمل ہے تو اسے سلسلے کی ابتدائی کڑیوں میں سے ایک کڑی یہ ہے کہ زندگی اور طبیعت کا جبری تلازم پورے انسان اور پوری زندگی پر حاوی نہ آجائے یعنی مسلمان اپنے منہاج حیات میں طبیعت تک محدود ہو کر نہ رہ جائے لیکن مشکل یہ ہے کہ طبیعت کو نظر انداز کر کے آدمی کے اندر ذہنی یا اخلاقی مقاصد سے مستقلاً وابستہ رہنے کی قوت باقی نہیں رہتی چونکہ طبیعت منہا ہو جائے تو بڑی سے بڑی چیز بھی اپنی کشش کھو بیٹھتی ہے اور محض اس کی بڑائی کا ادراک انسان کو اس کے ساتھ جوڑے نہیں رکھ سکتا۔ ہماری اولین ذمہ داری یہ ہونی چاہئے کہ ہم اپنے عقیدے کے عملی اور اطلاقی مظاہر کو انسانی نفس اور طبیعت کے لئے ہی قابل قبول بنادیں تاکہ حق کے ساتھ ہماری وابستگی کی قوت میں ضعف نہ پیدا ہو جائے۔

اس انتہائی بنیادی ضرورت سے عہدہ برآمد ہونے کے لئے ضروری ہے کہ مندرجہ ذیل امور کو خوب غور و فکر کے ساتھ پیش نظر رکھا جائے۔

۱۔ دین کی دنیاوی افادیت بھی ثابت کی جائے، علمی سطح پر بھی اور عملی سطح پر بھی۔

۲۔ قرآن وسنت سے بلا تاویل مستنبط ہونے والے تصور انسان کو انسان فہمی کے مروجہ معیارات پر حقیقی بنا کر دکھایا جائے اور انسانیت کے اس ٹائپ کو معاشرے میں مدار فضیلت بنایا جائے۔

۳۔ وہ علوم جو کائنات اور انسان کی حقیقت سے بحث کرتے ہیں انہیں دین کی ثابت شدہ غایات اور مقاصد کے اس طرح تابع رکھا جائے کہ ان علوم کے اپنے اپنے معیارات پر کوئی ضرب نہ لگے۔ مثال کے طور پر نفسیات وغیرہ میں ان تحقیقات کی کوئی حیثیت نہیں جو اس علم کے مسلمہ معیار سے کمتر ہیں۔ ہمارے دور میں اسلامائزیشن آف نالج کی کوششیں اسی لئے دین کی سبکی کا سبب بنی ہیں کہ انہوں نے تمام علوم پر اناڑیوں کی طرح دست اندازی کی ہے۔ انسان کی دنیاوی فلاح کے لئے قائم کیا جانے والا ہر نظام واضح طور پر دینی اساس پر مبنی ہونا چاہئے اور وہ اساس محض قانون کے دائرے تک محدود نہیں ہونی چاہئے۔

۴۔ مسلم نشاۃ الثانیہ کا تصور جن اغراض سے پھوٹا ہے ان میں ایک کڑی غرض مسلمانوں کے مفوضہ کائناتی کردار کی بازآفرینی ہے یعنی ہم ساری دنیا کے لئے داعی الی الحق بنیں۔ اس دعوت کی داخلی بناوٹ علمی سے زیادہ عملی اور نظریاتی سے زیادہ معاشرتی ہونی چاہئے۔ دین کو معاشرت میں منتقل کیے بغیر نشاۃ الثانیہ کا ہر تصور مہمل ہے۔

احیائے امت کی کسی بھی تحریک کا انحصار اسی آزمودہ منہج پر ہونا چاہئے جس پر اس کا قیام عمل میں آیا تھا۔ اس منہج کے دو پہلو ہیں، علمی اور عملی۔ علمی منہج جس کی بنیاد عقیدہ ہے، اس کے ضروری اجزا یہ ہیں:

۱۔ تقویم امت کے حقیقی اصول کی معرفت

۲۔ اس سوال کا جواب کہ امت کیا ہے اور مسلمانوں کی مختلف تہذیبی اور قومی وحدتیں امت کی وحدت میں ضم ہوتی ہیں یا ہو سکتی ہیں۔

۳۔ اسلام اور مسلمانوں کے موجودہ حالت کی درست تشخیص اور ان کے محرکات۔

Marfat.com

۴۔ اسلام اور اہل اسلام کو درپیش مخالفتوں، مزاحمتوں اور مجبوریوں کی شناخت اور ان کا تجزیہ۔ اس تجزیے کے نتائج کو عروج و زوال کے تاریخی اور نقص و کمال کے اخلاقی قوانین کے اندر رہتے ہوئے مطلوبہ نتائج کے حصول کی ذہنی اور عملی کوششوں کی بنیاد بنانا۔

عملی منہج جس کی بنیاد اسوۂ رسول ﷺ کا اتباع ہے اس کے بنیادی عناصر یہ ہیں:

۱۔ زندگی کے موجود مقاصد اور دین کے مطلوبہ مقاصد کے درمیان پیدا ہو جانے والے فاصلے کو ختم کرنا۔

۲۔ دین کی کلچرلائزیشن

۳۔ موجودہ معاشرتی اور دین کے نظام فضائل میں ہم آہنگی پیدا کرنا

۴۔ غربت اور ناانصافی کا ازالہ اور بے تحاشا امارت وغیرہ محدود ملکیت کا خاتمہ

۵۔ عورتوں میں مظلومیت اور بے حیائی دونوں کا علاج

یہ تمام مناہج جس علمی قانون اور اخلاقی اصول پر مبنی ہیں ان کا تقاضا ہے کہ مسلم نشاۃ الثانیہ کے عمل میں فرد اور اجتماع دونوں کی یکساں ذمہ داریاں ہیں جن میں بعض مشترک ہیں اور بعض منفرد۔ علمی ذمہ داریوں کا اکثر افراد سے تعلق رکھتا ہے، قانونی فرائض بیشتر اجتماعی نوعیت کے ہیں اور اخلاقی ذمہ داریاں دونوں میں مشترک ہیں یعنی نشاۃ الثانیہ کی تیاری جس درست علم، محکم ارادے اور خالص نیت پر موقوف ہے انہیں حاصل کرنے کے عمل میں خود کو ڈالے بغیر ہم اپنے مطلوبہ نتائج کی طرف پہلا قدم بھی نہیں اٹھا سکیں گے۔

خلاصہ یہ کہ مسلمہ نشاۃ الثانیہ صدر اول کے حالات کی بازیابی کا نام نہیں ہے بلکہ اس انسان کے حصول کا نام ہے جسے صدر اول نے ایک مستقل نمونے کے طور پر عملاً تشکیل دیا تھا۔ گویا جب ہم نشاۃ الثانیہ کی آرزو کرتے ہیں تو اس کا واحد مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہم اپنے موجود ہونے کی تمام بنیادوں کو رسول اللہ ﷺ سے اخذ کر کے انہیں زندگی کے تمام شعبوں میں حالات کی یکسر تبدیلی کے باوجود فنکشنل بنانا چاہتے ہیں۔ نشاۃ الثانیہ کا یہ محرک اتنا جامع اور مانع ہے کہ اس میں کسی چیز کی کمی کی جا سکتی ہے نہ اضافہ۔

انسانوں کے بارے میں اللہ کی اسکیم

قوموں کے عروج و زوال کے بارے میں اللہ کی سنت کو ہم اس وقت تک نہیں سمجھ سکتے جب تک ہم انسانوں کے بارے میں اللہ کی اسکیم کو نہ سمجھ لیں۔

قرآن حکیم سے انسانوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی جو اسکیم ہمارے سامنے آتی ہے وہ یہ ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا ہے اور وہی اس کا خالق و مالک اور رب ہے۔

Marfat.com

۲۔ انسان کی حیثیت اللہ کے مقابلے میں عبد (بندہ غلام) کی ہے اور اسے یہی زیبا ہے کہ وہ ہر حال میں اپنے مالک و آقا کی خوشنودی چاہے اور اس کی عبادت و اطاعت کرے۔ (۲)

۳۔ اس زمین اور کائنات کی ہر چیز کا خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہے اور ہر چیز اللہ تعالیٰ کی عبد ہے۔ (۳)

۴۔ زمین اور کائنات کی ہر چیز طبعاً (Per Force) اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت کر رہی ہے صرف انسان اور جن دو مخلوقات ایسی ہیں جنہیں یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ اپنی آزاد مرضی سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کریں۔ (۴)

۵۔ انسان کو زمین اور کائنات میں تصرف کا اختیار دیا گیا ہے اور ہر چیز اس کی دسترس میں رکھی گئی ہے۔ (۵)

(۱۔ الحجرات ۴۹:۱۳، ص ۳۸:۷۱۔ ۲۔ البقرۃ ۲:۲۰۷، الذاریات ۵۱:۵۶، الفتح ۴۸:۲۹۔ ۳۔ حم سجدہ ۴۱:۳۲، الرعد ۱۳:۱۶، البقرۃ ۲:۱۱۶۔ ۴۔ آل عمران ۳:۸۳، الرحمٰن ۵۵:۳۳۔ الحج ۲۲:۲۵، لقمان ۳۱:۳۰)

انسان عبد ہونے کے باوجود خلیفۃ اللہ انہی معنوں میں ہے کہ اسے مذکورہ بالا دونوں طرح کے اختیارات حاصل ہیں: ایک تو یہ کہ وہ اپنی زندگی گزارنے میں خود مختار ہے، چاہے تو اپنی مرضی سے گزارے اور عبد ہونے کا انکار کر دے اور چاہے تو اللہ کی مرضی کے مطابق گزارے۔ دوسرے یہ کہ وہ چاہے تو کائنات میں تصرف کرے اور چاہے تو نہ کرے یا چاہے تو اپنی مرضی سے تصرف کرے اور اللہ کی الوہیت سے صرف نظر کر لے یا چاہے تو یہ تصرف اللہ کی مرضی کے مطابق کرے۔

(الکہف ۱۸:۲۹، الدھر ۷۶:۳)

اللہ نے انسان کے عبد ہونے کی حقیقت کا احساس اس کی فطرت میں رکھا ہے یعنی انسان اگر اپنی مرضی سے اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت کا رویہ اختیار نہیں کرتا تو گویا اپنی فطرت سے لڑتا ہے اور اس کا یہ رویہ کائنات کی ہر شے کے رویے سے متصادم اور اس سے عدم آہنگ ہوتا ہے۔ (الاعراف ۷:۱۷۲)

انسان اپنی مرضی سے پیدا ہوتا اور نہ اپنی مرضی سے مرتا ہے بلکہ یہ دونوں کام اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھے ہیں اور اس کا نظام یہ ہے کہ انسان کمزور پیدا ہوتا ہے، پھر وہ بتدریج قوت پکڑتا ہے، پھر خود بخود اس کے قویٰ میں انحطاط آنا شروع ہو جاتا ہے اور بالآخر وہ مر جاتا ہے۔ (آل عمران ۳:۲، غافر ۴۰:۲۸)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ بھی بتایا ہے کہ دنیا کی یہ مختصر زندگی اس کے لئے ایک امتحان گاہ ہے اور اس کا امتحان اس امر میں ہے کہ وہ اپنی آزاد مرضی سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا رویہ اختیار کرتا ہے یا نہیں۔ اس کو صحیح فیصلے تک پہنچنے میں مدد دینے کے لئے اللہ تعالیٰ انسانوں ہی میں سے بعض کو اپنے نمائندے کے طور پر مقرر کرتا ہے اور انہیں تفصیلی رہنمائی مہیا فرماتا ہے تاکہ وہ انسانوں کو اچھی طرح سمجھا سکیں۔۔۔۔ تاکہ انسان درست فیصلہ کر سکیں۔ (الملک ۶۷:۲، النساء ۴:۶۴، الکہف ۱۸:۱۱۰)

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتا دیا ہے کہ دنیا کی اس عارضی زندگی کے بعد ایک اور زندگی آنے والی ہے جو ہمیشہ کی زندگی ہوگی، وہاں انسان کو دنیوی زندگی میں اختیار کردہ رویئے اور اعمال کا حساب دینا ہوگا۔ (الانبیاء ۲۱:۱۰۲، القارعہ ۱۰۱:۱۔۱۱)

اور یہ بھی کہ انسان اگر یہ دنیوی زندگی اللہ کے احکام کی اطاعت کرتے ہوئے گزارے گا تو اُخروی زندگی میں اسے

Marfat.com

اللہ کی خوشنودی حاصل ہوگی اور اسے ہر قسم کی اعلیٰ ترین نعمتوں سے نوازا جائے گا۔ اور اگر انسان یہ دنیوی زندگی اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہوئے گزارے گا، اور اپنی مرضی سے یا اللہ کے سوا کسی اور کی مرضی کے مطابق گزارے گا، تو اسے اخروی زندگی میں اللہ کی ناراضی کا سامنا کرنا ہوگا اور وہ بدترین سزا کا مستحق ہوگا۔ (المائدہ ۵:۱۱۹، طٰہٰ ۲۰: ۷۵،۷۴)

انسانوں کے بارے میں اللہ کی اسکیم کے ان بنیادی نکات کی وضاحت کے بعد آیئے اب غور کرتے ہیں کہ انسانوں کے عروج وزوال کے بارے میں اس کی سنت کیا ہے؟ یہاں ہمیں فرد اور معاشرے میں فرق کرنا ہوگا کیونکہ دونوں کے بارے میں اللہ کی سنت الگ الگ ہے۔ (الحج ۲۲:۱۹،۲۲، المؤمن ۴۰:۷۰۔۷۷)

افراد کے عروج وزوال کے بارے میں اللہ کی سنت

اللہ کے سامنے انسان کی ذمہ داری اور آزمائش اس کی انفرادی حیثیت سے ہے اور آخرت میں ہر انسان کو اپنے ذاتی اعمال کے بارے میں جواب دہی کرنا ہوگی نہ کہ دوسروں کے بارے میں۔ گویا یہ ذمہ داری انفرادی ہے اجتماعی نہیں اور فرد مسئول ہوگا نہ کہ قوم اور معاشرہ۔ (بنی اسرائیل ۱۷:۱۵، فاطر ۳۵:۱۸)

فرد کی صلاحیتوں کا عروج وانحطاط اکتسابی نہیں طبعی ہے یعنی کسی انسان کے بس میں نہیں کہ وہ جوان نہ ہو یا پھر بوڑھا نہ ہو اور اسے موت نہ آئے بلکہ یہ سب کچھ قانون قدرت کے تحت طبعی طور پر اور خود بخود ہوتا رہتا ہے۔

(الرحمٰن ۵۵:۲۶، المائدہ ۵:۱۱۰، النحل ۱۶:۷۰)

اس عروج وانحطاط کا انسان کے اچھا یا برا ہونے سے کوئی تعلق نہیں۔ اگر انسان اپنے رب کی اطاعت کی زندگی گزارے اور نیک و پرہیزگار ہو تو پھر بھی وہ جوان ہوگا، بوڑھا ہوگا اور بالآخر مر جائے گا اور اگر انسان اللہ کے احکام کا انکار کردے یا ان کے مطابق زندگی نہ گزارے اور برا اور بدقماش ہو تو پھر بھی اس پر عروج وانحطاط اور زندگی وموت کے یہی ادوار گزریں گے کہ وہ جوان ہوگا، بوڑھا ہوا اور پھر مر جائے گا۔

دنیا میں اللہ تعالیٰ اسباب زندگی سب انسانوں کو فراہم کرتا ہے خواہ کوئی اس کے ساتھ اطاعت کا رویہ اختیار کرے یا بغاوت کا۔ یعنی ایسا نہیں ہوتا کہ اگر آدمی مسلمان اور نیک ہو تو اسے خوب اسباب زندگی ملیں گے اور اگر کوئی کافر و بدکار ہو تو اس پر اسباب زندگی کے دروازے بند ہو جائیں گے۔

البتہ اس کا تعلق معاشرے سے ضرور ہے۔ ایک فرد اگر اللہ کی اطاعت کے رستے پر چل رہا ہو اور معاشرہ بھی اسی راہ پر گامزن ہو تو فرد کو معاشرے کی حمایت اور پشت پناہی حاصل ہو جائے گی اور دنیا میں بھی وہ ترقی وعروج اور اطمینان قلب کی دولت سے سرفراز ہوگا اور انشاء اللہ آخرت میں بھی اسے کامیابی ملے گی۔ لیکن اگر فرد اللہ کی اطاعت کا دم بھرتا ہو اور معاشرہ اللہ سے نافرمانی کی راہ پر چل رہا ہو تو ظاہر ہے یہ فرد دنیا میں ترقی وعروج نہیں پا سکتا بلکہ اسے معاشرے کی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑے گا اور اغلب یہ ہے کہ دکھ اور تکلیف کی زندگی بسر کرنا پڑے گی، گو اسے یہ اطمینان قلب حاصل ہوا کہ وہ مقدور بھر اللہ کی

Marfat.com

اطاعت کر رہا ہے۔ (الرعد ۱۳: ۲۸) اور آخرت کی کامیابی تو انشاء اللہ اس کے لئے ہو گی ہی۔

(آل عمران ۳: ۱۸۵، المائدہ ۵: ۱۱۹)

یہی صورت اس وقت ہو گی جب فرد نفاق کی زندگی بسر کر رہا ہو یعنی وہ دعویٰ تو اللہ کی اطاعت کرے لیکن عمل اس پر نہ کرے تو اس صورت میں بھی اگر معاشرہ اسلام پر چل رہا ہو تو وہ فرد دنیا میں ترقی نہیں کر سکے گا کیونکہ معاشرہ اس کی مزاحمت کرے گا۔ اور اللہ اطاعت نہ کرنے کی وجہ سے وہ اطمینان قلب سے بھی محروم رہے گا اور آخرت میں بھی ناکام ہو گا۔ اور اگر معاشرہ بھی نفاق کی اسی روش پر چل رہا ہو تو فرد کو معاشرے کی حمایت حاصل ہو جائے گی اور وہ دنیا میں تو ترقی کرلے گا لیکن اطمینان قلب کی دولت سے محروم رہے گا اور آخرت میں اللہ کی خوشنودی بھی اس کے حصے میں نہیں آئے گی۔

(طٰہٰ ۲۰: ۱۲۴، آل عمران ۳: ۷۷)

یہاں یہ یاد رہے کہ اسلام کے نزدیک کامیاب انسان وہ ہے جو آخرت میں کامیاب ہو خواہ دنیا میں اسے اسباب زندگی وافر نہ بھی ملیں اور یہاں وہ ترقی وعروج نہ بھی پا سکے بلکہ خواہ اسے یہاں دکھ اور تکلیفیں ہی کیوں نہ برداشت کرنی پڑیں۔ (الرعد ۱۳: ۲۴، الانعام ۶: ۳۴، النحل ۶: ۹۶) ۔ اسی طرح اسلام کے نزدیک ناکام انسان وہ ہے جو آخرت میں ناکام ہو خواہ دنیا میں بظاہر وہ ترقی وعروج پر ہے، اسے اسباب دنیا وافر ملیں اور وہ دنیا کی نعمتوں سے خوب بہرہ ور ہو۔ (الکہف ۱۸: ۲۸، ۲۹) اس اسلامی اصول کی وجہ نہایت معقول اور منطقی ہے اور وہ یہ کہ اسلام کے نزدیک یہ دنیا عمل کی جگہ ہے نتیجے کی نہیں۔ لہذا عمل کی جگہ پر کامیابی یہ ہے کہ آدمی اللہ کے احکام کے مطابق عمل نہ کرے۔ رہے اسباب دنیا تو جیسے کہ پہلے ذکر ہو چکا وہ تو کافر اور مسلم سب کے لئے اللہ نے فراہم کیے ہیں کیونکہ اس کے بغیر دنیا کی زندگی کا امتحان گاہ ہونا بے معنی ہو جاتا۔

ایک فرد اگر اللہ کی اطاعت کے رستے پر چلے اور معاشرے کی مزاحمت کی وجہ سے وہ دنیا میں ترقی نہ کر سکے اور اسباب دنیا اسے وافر مہیا نہ ہو سکیں یا معاشرے کی طرف سے اسے دکھ اور تکلیفیں ملیں تو اس بناء پر ناکامی کے باوجود وہ ایک دولت سے ضرور بہرہ ور ہوتا ہے اور وہ ہے اطمینان قلب اور ذہنی سکون کی دولت۔ یہ اطمینان قلب اس شعور اور یقین کا نتیجہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی بساط بھر اللہ کی اطاعت کی زندگی گزار رہا ہے اور یہ کہ آخرت میں انشاء اللہ اسے ضرور اجر وخوشنودی سے نوازا جائے گا۔ دنیا میں ترقی اور اسباب دنیا کی وافر فراہمی کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کے طے کردہ کچھ معروضی اصول ہیں۔ اللہ کی اطاعت کرنے والا فرد (بشرطیکہ معاشرہ اس کا ہم خیال اور پشت پناہ ہو) جب اسلامی احکام پر عمل کرتا ہے تو ترقی کے ان معروضی اصولوں پر خود بخود عمل ہو جاتا ہے اور وہ دنیا میں ترقی کرنے لگتا ہے۔ اسی طرح ایک کافر جو بنیادی طور پر اللہ کے احکام کی اطاعت نہیں کرتا، وہ بھی اگر ترقی کے ان معروضی اصولوں پر عمل کرے تو وہ دنیا میں ترقی کر سکتا ہے، بشرطیکہ معاشرہ اس کی مزاحمت نہ کرے۔

قرآن وسنت پر تدبر کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ایک فرد کے لئے دنیا میں ترقی وعروج کے اہم معروضی اصول بشرطیکہ معاشرہ اس کی مزاحمت نہ کرے، یہ ہیں:

۱۔ کسی نظریۂ حیات سے محکم وابستہ ۲۔ تعلیم وتربیت

Marfat.com

۳۔ محنت ۴۔ تنظیم و منصوبہ بندی ۵۔ مستقل مزاجی

قوموں/تہذیبوں کے عروج وزوال کے بارے میں اللہ کی سنت

افراد کے عروج وترقی کے بارے میں اللہ کی سنت بیان کرنے کے بعد اب ہم قوموں اور تہذیبوں کے عروج وزوال کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی سنت بیان کریں گے:

۱۔ افراد کی طرح اقوام کی زندگی، موت اور ضعف وعروج بھی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہوتا ہے اور وہی اپنی مشیت سے اس بارے میں جب چاہے اور جو چاہے فیصلے کرتا ہے۔(الاعراف ۷:۳۴، الحجر ۱۵:۴، الاسراء ۱۷:۵۸)

۲۔ تاہم افراد کی طرح اقوام کی زندگی اور موت طبعی نہیں بلکہ اکتسابی ہوتی ہے یعنی جس طرح فرد بچپن، جوانی اور بڑھاپے کے ادوار سے گزر کر لازماً فنا کے گھاٹ اتر جاتا ہے اور ان مراحل میں سے کسی مرحلے پر رک جانا یا اس سے واپس آجانا اس کے لئے ممکن نہیں ہوتا، اقوام کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہوتا ہے۔ایک قوم زوال کے بعد دوبارہ عروج کی طرف بھی آسکتی ہے اور وہ اپنی بقاء استحکام کے زمانے کو طویل تر بھی بنا سکتی ہے۔(الانفال ۸:۵۳، بنی اسرائیل ۱۷:۴۔۸)

قوموں/تہذیبوں کا عروج

قرآن حکیم کے مطابق قوموں کی ترقی عروج کے کچھ معروضی اصول ہوتے ہیں۔جن کا اصل الاصول حیات سے وابستگی ہے۔اگر کسی قوم کا نظریہ حیات صحیح (یعنی اسلامی) ہو اور وہ عملاً اس نظریہ حیات پر عمل پیرا ہو تو وہ حتماً ترقی وعروج سے ہمکنار ہوگی کیونکہ اسلامی احکام پر عمل کرتے ہوئے ان معروضی اصولوں پر خود بخود عمل ہو جاتا ہے۔

کسی قوم کا نظریہ حیات غلط ہو لیکن وہ اس سے محکم طور پر وابستہ ہو کر ترقی وعروج کے معروضی اصولوں پر عمل کر رہی ہو تو وہ بھی حتماً ترقی وعروج سے ہمکنار ہوگی۔

قوموں کے عروج وترقی کے معروضی اصول

ہر قوم کی قوت کا بنیادی منبع اس کی کسی نہ کسی نظریہ حیات سے محکم وابستگی ہوتا ہے۔اس وابستگی کی بنیاد پر وہ تین قسم کے وسائل کو ترقی دے کر عروج سے ہمکنار ہو سکتی ہے:

۱۔ انسانی وسائل (Human Resources)

۲۔ نموئی یا ترقیاتی وسائل (Developmental Resources)

۳۔ مادی وسائل (Material Resources)

اب ہم ان وسائل کی کچھ وضاحت کرتے ہیں:

انسانی وسائل

جنہیں کسی حد تک اخلاقی وسائل بھی کہا جا سکتا ہے۔ان میں سے زیادہ اہم پانچ ہیں:

Marfat.com

۱۔ **محنت:** نظریہ حیات پر پختہ یقین قوم کو قوت عمل مہیا کرتا ہے اور اس کے فرد کو محنت کا درس دیتا ہے۔

۲۔ **اتحاد:** نظریہ حیات سے وابستہ افراد متحد ہو جاتے ہیں اور فکر و نظر اور علم و عمل کا اتحاد قوم کے لئے ترقی و عروج کے دروازے کھولتا ہے۔

۳۔ **تنظیم و منصوبہ بندی:** نظریہ حیات سے وابستگی افراد قوم کو منظم ہونے میں مدد دیتی ہے اور وہ ہر کام منصوبہ بندی سے کر کے بہترین نتائج حاصل کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔

۴۔ **پابندئ قانون:** اس نظریہ حیات کے تحت زندگی گزارنے کے جو قواعد و ضوابط بنائے جاتے ہیں، افراد قوم ان پر بخوشی پوری قوت سے عمل کرتے ہیں۔

۵۔ **ایثار و قربانی:** نظریہ حیات سے وابستگی افراد قوم میں ایثار کا جذبہ پیدا کرتی ہے۔ ایثار کا مطلب ہے ذاتی مفاد کو اجتماعی مفاد پر قربان کر دینا۔ نیز یہ وابستگی انسان کو قربانی دینے پر آمادہ کرتی ہے اور افراد قوم اپنے ذاتی مفاد کو تج کر نظریئے کی بالادستی کے لئے ہر قسم کی جانی اور مالی قربانی دینے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔

نموئی وسائل

یہ وہ وسائل ہیں جو بیک وقت انسانی وسائل کو بھی ترقی دیتے ہیں اور مادی وسائل کو بھی۔ زیادہ اہم نموئی وسائل چار ہیں:

۱۔ **تعلیم و تربیت:** تعلیم سے مراد یہ ہے کہ فرد کو اس نظریہ حیات اور اس کے تقاضوں کی اچھی معرفت حاصل ہو جائے جس پر وہ ایمان رکھتا ہے اور تربیت سے مراد یہ ہے کہ افراد قوم کی صلاحیتوں کی نموء اس نظریئے کے مطابق ہو تاکہ اس کے تقاضوں پر عمل فرد کے لئے آسان اور مرغوب ہو جائے۔

۲۔ **تحقیق:** تحقیق سے مراد یہ ہے کہ افراد قوم اپنی زندگی گزارتے ہوئے خصوصاً انسانی، نموئی اور مادی وسائل کی ترقی کے وقت روایتی اور تقلیدی ذہن سے کام نہ کریں بلکہ ان کی اپروچ تخلیقی و تحقیقی ہو تاکہ وہ اس سے بہترین نتائج حاصل کر سکیں اور کمال (Excellence) کا حصول ان کا طرۂ امتیاز بن جائے۔

۳۔ **سیاسی استحکام:** جب تک معاشرہ منظم نہ ہو اور اس کی قیادت کا نظام کار محکم نہ ہو، کسی قوم کے ترقی کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ اس کے بغیر نہ انسانی وسائل کو ترقی دی جا سکتی ہے اور نہ مادی وسائل کے حصول کا خواب دیکھا جا سکتا ہے۔

۴۔ **ابلاغ:** اس سے مراد یہ ہے کہ قوم کو اپنا نظریہ حیات اپنے افراد اور دوسری اقوام تک پہنچانے کا ہنر بخوبی آتا ہو کیونکہ جو قوم اس خوبی سے محروم ہو وہ نہ تو اپنے افراد کو اس نظریہ پر مطمئن رکھ سکتی ہے اور نہ دوسروں کو اس کی افادیت اور عظمت کا قائل کر سکتی ہے۔

Marfat.com

مادی وسائل

یعنی وہ وسائل جو تسخیر کائنات کا براہ راست سبب بنتے ہیں۔ان میں سے زیادہ اہم تین ہیں:

ا۔سائنس وٹیکنالوجی: اس سے مراد یہ ہے کہ تعلیم اور تحقیق کا رخ تسخیر کائنات کی طرف موڑ دیا جائے تا کہ نت نئی ایجادات کی جاسکیں اور تسخیر کائنات کا موثر اور فعال نظام وجود میں آجائے۔

۲۔ معاشی صلاحیت: معاشی صلاحیت کی افزائش کا بنیادی ذریعہ انسانی اور نموئی وسائل ہیں۔اسی طرح سائنس وٹیکنالوجی بھی اس میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔معاشی وسائل کو ترقی دیئے بغیر دنیوی ترقی کا خواب دیکھنا ممکن ہی نہیں۔اور یہ بھی ذہن میں رہے کہ معاشی ترقی ہی نموئی وسائل کی افزائش کا سبب بھی بنتی ہے۔

۳۔ حربی قوت: قوموں کی طاقت کا ایک بڑا ذریعہ ان کی حربی صلاحیت ہوتی ہے۔اگر چہ انسانی اور نموئی وسائل کا کردار بھی اہم ہے لیکن حربی قوت کے بغیر کوئی قوم نہ تو اپنا وجود برقرار رکھ سکتی ہے اور نہ اس کے بغیر اپنے نظریہ حیات کی حفاظت اور دوسروں تک اس کے موثر ابلاغ کا سوچ سکتی ہے۔

دنیا میں قوموں / تہذیبوں کے عروج وترقی کے معروضی اصول

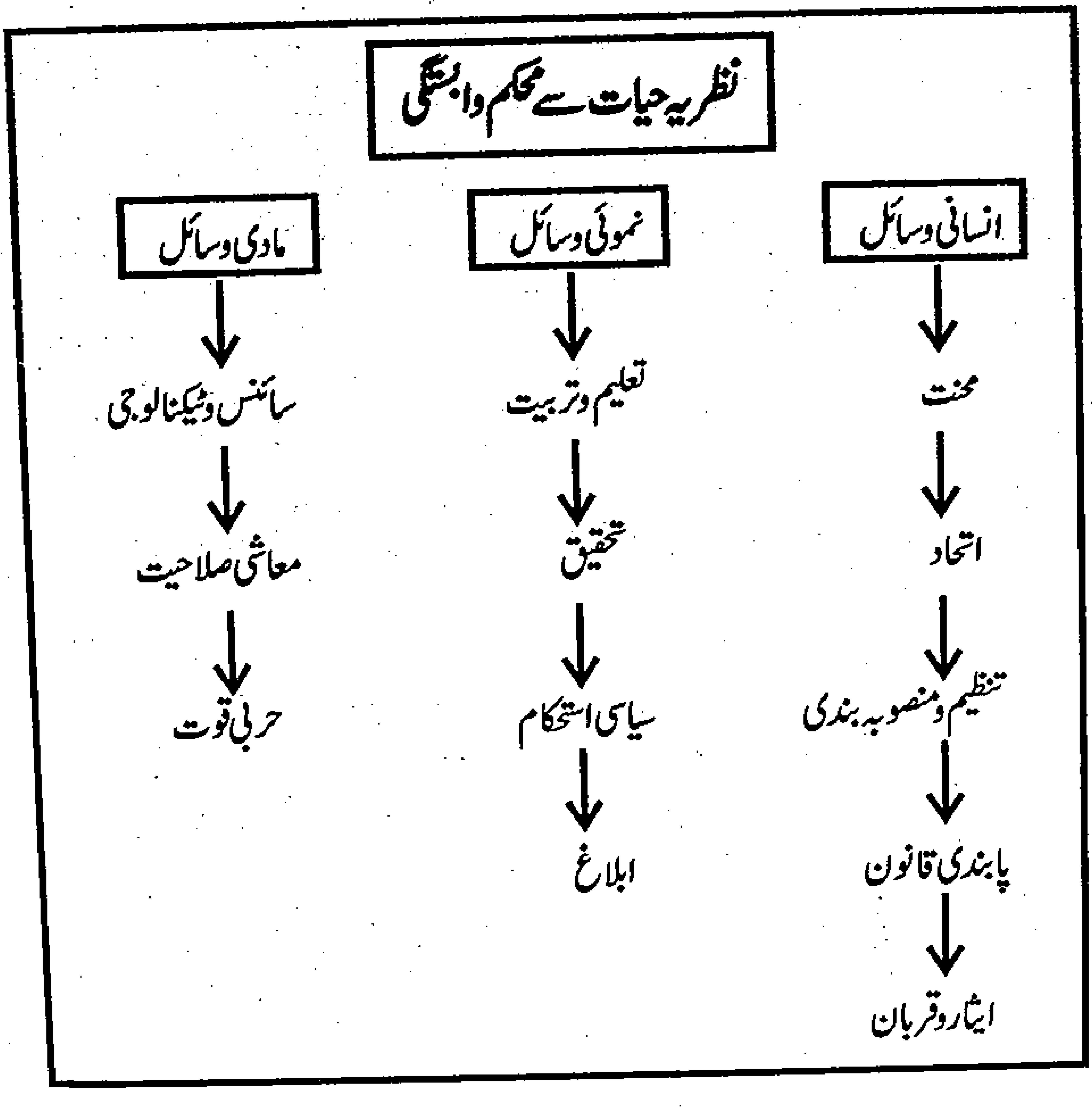

Marfat.com

میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیرِ امم کیا ہے
شمشیر وسناں اوّل، طاؤس ورباب آخر

نہیں ہے نا اُمید اقبال اپنی کشتِ ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

مسلمانوں کا عروج اور نشاۃ الثانیہ کے امکانات

قوموں کے عروج وزوال کے بارے میں اللہ کی سنت کا ذکر کیا ہے کہ قوموں کے عروج وترقی کے کچھ فطری اور معروضی اصول ہوتے ہیں۔ جو قوم بھی ان پر عمل کرے گی وہ دنیا میں قوت حاصل کرلے گی، ترقی کرے اور بام عروج پر پہنچ جائے گی۔ اگر کسی قوم کا نظریۂ حیات صالح (اطاعت رب پر مبنی) ہوگا تو وہ قوم اس وقت تک قوی وغالب رہے گی جب تک وہ اپنے نظریۂ حیات پر ثابت قدمی سے عمل کرتی رہے گی کیونکہ اس صالحہ نظریۂ حیات پر عمل کرنے سے عروج کے فطری اور معروضی اصولوں پر خود بخود عمل ہوجائے گا اور وہ زوال پذیر اس وقت ہوگی جب اپنے نظریۂ حیات سے دست بردار ہوجائے یا اس نظریۂ حیات سے زبانی وابستگی کا دعویٰ تو کرے لیکن اس کی تعلیمات پر عمل نہ کرے۔ تاہم اس کا نظریۂ حیات چونکہ ہوتا ہے، اس لئے جب بھی وہ اس کی طرف مراجعت کرے گی اور اس سے حقیقی وابستگی اختیار کرلے گی، وہ دوبارہ ترقی وعروج سے ہمکنار ہوجائے گی۔

اسی طرح اگر کسی قوم کا نظریۂ حیات صالح نہ ہو لیکن وہ عروج وترقی کے مذکورہ معروضی وفطری اصولوں پر عمل کرے گی تو وہ دنیا میں عروج وترقی سے ہمکنار ہوگی لیکن نظریۂ حیات کے غیر صالح ہونے کی بناء پر جلد ہی فساد فی الارض میں مبتلا ہوجائے گی اور اپنی بقاء اور استحکام کی بنیادوں سے محروم ہوکر فنا ہوجائے گی اور دوبارہ حیات نو کی طرف نہ لوٹ سکے گی کیونکہ اس کی بنیاد ہی غیر صالح نظریۂ حیات پر تھی۔

عروج وزوال کے ان فطری ومعروضی اصولوں کا انطباق امت مسلمہ پر کس طرح ہوتا، ہمیں ایک بہت بنیادی اور انتہائی اہم بات کہتا ہے اور وہ یہ کہ اسلام محض دنیوی ترقی کے لئے نہیں آیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام مسلم امت کو دنیا میں حتمی طور پر ترقی عروج کی ضمانت دیتا ہے اور علی الاعلان کہتا ہے کہ **وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین** (آلِ عمران ۳:۱۴۳) یعنی تمہیں غالب رہوگے بشرطیکہ تم (سچ مچ) مومن بن جاؤ۔ یعنی صرف ایک شرط ہے اور وہ یہ کہ اسلام پر عمل کرو لیکن اس کے باوجود اسلام کا بنیادی ترین اصول یہ ہے کہ وہ محض دنیوی کی ترقی وعروج کے لئے نہیں آیا بلکہ دراصل وہ اخروی ترقی وعروج کے لئے آیا ہے۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ وہ دنیا وآخرت دونوں کی ترقی کے لئے آیا ہے لیکن اگر ہم یہ ذہن میں رکھیں کہ سارا قرآن اس بات سے بھرا پڑا ہے کہ آخرت دنیا سے بہتر ہے اور یہ کہ آخرت کے لئے دنیا کی قربانی دی جاسکتی ہے لیکن دنیا کے لئے آخرت کی قربانی نہیں دی جاسکتی تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ اسلام میں آخرت کو دنیا پر حتمی ترجیح حاصل ہے۔ لہذا یہ کہنا زیادہ موزوں ہے کہ اسلام اصلاً آخرت کی کامیابی کے لئے آیا ہے۔ لیکن اگر ہم اس بات کی تعلیمات پر عمل کریں تو دنیا میں بھی کامیابی حاصل ہوجاتی ہے۔

Marfat.com

پھر یہ بھی ذہن میں رہے کہ دنیا میں ترقی کا حتمی وعدہ مسلم امت سے ہے نہ کہ ہر مسلم فرد سے۔ یعنی مسلمان دنیا میں ضرور ترقی وعروج حاصل کریں گے بشرطیکہ مسلمانوں کی اکثریت اسلام کے رستے پر عملاً چلے اور وہ بحیثیت مجموعی اسلامی اصولوں پر کاربند ہوں۔ اگر مسلمان بحیثیت مجموعی اسلام پر عمل نہ کریں (محض دعویٰ ایمان کریں) اور حقیقی معنوں میں تھوڑے سے مسلمان ہی اسلامی تعلیمات پر عمل کریں تو بے عمل مسلمانوں کی یہ اکثریت آخرت میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی سے محروم رہی گی اور دنیا میں بھی نکبت ورسوائی اس کا مقدر رہے گی اور جو مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا، گو وہ آخرت میں انشاءاللہ کامیاب ہوں گے۔

تو خلاصہ یہ کہ اگر مسلمان بحیثیت مجموعی اسلامی تعلیمات پر عمل کریں تو اللہ تعالیٰ انہیں دنیا میں حتماً کامیابی وترقی کی بشارت دیتا ہے لیکن اس کے باوجود ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ اسلام محض مسلمانوں کی دنیوی ترقی کا خواہاں نہیں بلکہ اس کے نزدیک اصل کامیابی تو آخرت ہی کی کامیابی ہے اور جو وہاں کامیاب ہوگا وہی درحقیقت کامیاب ہے خواہ وہ بحیثیت فرد (معاشرے کی اکثریت کے اسلامی تعلیمات پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے) دنیا میں ناکام ہی کیوں نہ ہوا ہو۔

مسلمانوں کے عروج کے اسباب

۶۱۱ء کے ایک روشن دن جب فرشتے نے حضرت محمد بن عبداللہ (ﷺ) پر پہلی وحی نازل کی تو اس وقت آپ ﷺ اسلام کے واحد علمبردار تھے۔ گھر جا کر آپ ﷺ نے اپنی اہلیہ (حضرت خدیجہؓ) سے ذکر کیا تو وہ اسلام لے آئیں، قریبی دوست (ابوبکرؓ) نے سنا تو انہوں نے بھی اسلام قبول کر لیا اور یچازاد بھائی (علیؓ) کو، جو ان کے ساتھ رہتا تھا، پتہ چلا تو انہوں نے بھی ساتھ دیا۔ اس طرح یہ قافلہ ایک سے دو، دو سے تین اور تین سے چار افراد پر مشتمل ہو گیا۔ پھر یہ تعداد آہستہ آہستہ بڑھتی رہی لیکن برسوں ضعف اور کس مپرسی کی کیفیت رہی۔ شعب ابی طالب میں بھوکے رہنا پڑا، طائف میں پتھر کھانے پڑے اور واپسی پر یہ کیفیت تھی کہ آپ ﷺ کو شہر میں داخلے کا یارا نہ تھا، جان بچانے کے لئے کچھ لوگ ملک چھوڑ کے حبشہ چلے گئے حتیٰ کہ پیغمبر ﷺ کو بھی اپنا شہر چھوڑ کر دوسری جگہ پناہ لینا پڑی اور وہاں بھی یہ عالم تھا کہ ہفتوں پیغمبر کے گھر چولہا نہ جلتا تھا اور جب دشمن نے حملہ کر دیا تو دفاع کے لئے تین سو تیرہ سے زیادہ آدمی میسر نہ آئے اور اس میں بھی اسباب کا یہ عالم تھا کہ دو سے تیسرا گھوڑا میسر نہ تھا لیکن جب پیغمبر ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے تو مدینے کی سلطنت جزیرہ نما عرب کے بڑے حصے تک پھیل چکی تھی اور پھر اسی نسل نے یہ دیکھا کہ کسریٰ کا تاج ایک بدو سراقہ بن مالکؓ نے پہنا اور مدینے کی مسجد مال وغنیمت سے بھر گئی اور پھر وہ دن بھی جلد ہی آگئے جب زکوٰۃ دینے کے لئے مساکین ڈھونڈنا پڑتے تھے اور حدِ نظر تک زمین کو مجاہدین کے گھوڑوں نے روند ڈالا اور ہمارے شاعر کو کہنا پڑا کہ

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحرِ ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

چنانچہ معلوم دنیا کے ایک بڑے حصے پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا اور سطوت ان کے گھر کی لونڈی بن گئی یہ کوئی افسانہ نہیں تاریخ نے ایک ہزار سال تک مسلمانوں کی تمکنت اور عظمت کا باچشم تر مشاہدہ کیا ہے۔ اور اس کے آثار آج بھی موجود ہیں۔

Marfat.com

مسلمانوں کو یہ عروج کیونکر ملا؟ اس کی کئی توجیہیں کی جاسکتی ہیں اور کئی رنگ سے اس مضمون کو باندھا جاسکتا ہے۔ لیکن ہم یہی کہیں گے کہ جب مسلمان دل و جان سے اپنے نظریۂ حیات سے وابستہ ہوگئے اور انہوں نے قولاً وعملاً اس کو اپنا لیا تو اللہ کی اطاعت کے نتیجے میں، آخرت تو انشاء اللہ ان ہی کے لئے ہے، دنیا میں بھی ان کو عزت و سربلندی ملی کیونکہ اسلامی اصولوں پر عمل کرنے سے ان فطری اور معروضی اصولوں پر خود بخود عمل ہوجاتا ہے جن پر عمل کسی بھی قوم کو ترقی و عروج سے ہمکنار کرسکتا ہے۔

نظریہ حیات سے وابستگی

کسی بھی قوم کی ترقی کی بنیاد اس بات پر ہوتی ہے کہ وہ کسی نظریہ حیات پر پختہ یقین اور اس کے محکم وابستگی رکھتی ہو۔ اس بات کو ہلکا نہ سمجھا جائے کیونکہ اس سے نا صرف فرد کی تکوین ہوتی ہے اور قوم اور ملت وجود میں آتی ہے بلکہ فرد ہو یا قوم اس کے اعمال و کردار اس کے کامیابی و ناکامی کا انحصار بھی اسی پر ہوتا ہے۔ اس بات کو سمجھنے کے لئے یہ ذہن میں رکھئے کہ انسانی شخصیت اور سیرت کی بنیاد ان تصورات پر قائم ہوتی ہے جو ذہن میں پوری قوت کے ساتھ راسخ ہوجائیں۔ اور اتنا غلبہ حاصل کریں کہ انسان کی ساری عملی قوتیں انہی کے زیر اثر رہ کر کام کرنے لگیں گویا انسانی سیرت کا منظّم اور منضبط ہونا اس بات پر منحصر ہے کہ کچھ خیالات کے پختہ یقین کے نتیجے میں اس کی ایک مستقل اور متعین سیرت بن جائے۔ کسی مستقل سیرت کے بغیر انسان کی عملی زندگی پراگندہ، متلون اور ناقابل وثوق رہتی ہے۔ اب ظاہر ہے کہ جس طرح کے یہ تصورات ہوں گے اسی طرح کی سیرت بنے گی۔ اور ان تصورات پر یقین جتنا کمزور یا پختہ ہوگا اتنی ہی کمزور یا مضبوط سیرت بنے گی۔

یہ تو تھا فرد کی سیرت کا معاملہ، یہی صورت حال قوم و ملت پر بھی منطبق ہوتی ہے یعنی جس طرح فرد کے اعمال کو پراگندگی سے نکال کر ضبط اور نظم کے دائرے میں لانے کے لئے کسی نظریہ حیات سے وابستگی کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح اشخاص کے مجموعے (قوم و ملت) کو انتشار اور تفرقے کی حالت سے نکل کر منظّم اور متحد جمعیت بننے کے لئے بھی یہی چیز درکار ہوتی ہے کہ سب افراد امت ایک ہی نظریہ حیات سے وابستہ ہوں اور ایک ہی جیسے تصورات پر پختہ یقین رکھتے ہوں۔ اس وابستگی کے نتیجے میں قومی سیرت بنتی ہے اور سیرت کے زیر اثر افراد کے اعمال زندگی میں ہم آہنگی اور یک رنگی پیدا ہوتی ہے۔

اب جس قوم یا ملت کے اصول حیات عمدہ اور تعمیری ہوں تو وہ قوم جب تک ان سے وابستہ رہتی ہے کامیاب و کامران رہتی ہے اور اگر اس کے اصول حیات ناقص اور غیر تعمیری ہوں تو خواہ وہ ان سے وابستہ ہی کیوں نہ رہے، وہ بہت جلد فساد فی الارض میں مبتلا ہوکر نابود ہوجاتی ہے۔

نظریہ حیات سے وابستگی اور اس کے اثرات کے بارے میں مذکورہ اصول قرآن وسنت سے مستنبط شدہ ہیں صرف اس فرق کے ساتھ کہ قرآن وسنت ان حقائق کو اپنی مخصوص اصطلاحات میں بیان کرتے ہیں جب کہ ہم نے انہیں عمومی اصولوں کی شکل دے دی ہے۔ اسلامی اصطلاح میں زندگی گزارنے کے اصولوں (یعنی نظریہ حیات یا اصولی حیات) کو عقیدہ کہتے ہیں اور ان اصولوں کو تسلیم کرنے کو ایمان لانے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور یہ بات بدیہی ہے کہ کوئی شخص جب تک ایمان نہ لائے وہ

Marfat.com

مسلمان نہیں ہوسکتا بلکہ لغت اور اصطلاح میں مسلمان کہتے ہی اس شخص کو ہیں جو اسلام قبول کرلے اور اسلامی اصولوں پر ایمان لے آئے۔ چنانچہ ہر پیغمبر اپنے مخاطبین سے پہلا تقاضا یہی کرتا ہے کہ وہ ایمان لائیں:

وما لکم لا تؤمنون باللّٰہِ ج والرسول یدعوکم لتؤمنوا بربکم... (الحدید ۵۸: ۸)

ترجمہ: اور تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم اللہ پر ایمان نہیں لاتے حالانکہ رسول ﷺ تمہیں بلا رہا ہے کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ۔

فاٰمنوا باللّٰہِ ورسولہٖ والنور الذیٓ انزلنا.... (التغابن ۶۴: ۸)

ترجمہ: اے لوگو! ایمان لاؤ اللہ پر، اس کے رسول پر اور اس نور (کتاب) پر جو ہم نے نازل کیا ہے۔

یہ مضمون قرآن حکیم میں کثرت سے آیا ہے مثلاً دیکھئے البقرۃ ۲: ۴۱، آل عمران ۳: ۱۷۹، النساء ۴: ۴۷، ۱۷۰، المائدہ ۵: ۱۱۱، الاعراف ۷: ۱۵۸ اور الحدید ۵۷: ۷ وغیرہ

پھر قرآن کہتا ہے کہ ایمان ہی وہ مضبوط بنیاد مہیا کرتا ہے اور وہ الحبل المتین اور العروۃ الوثقیٰ ہے جس کے سہارے آدمی صحیح زندگی بسر کرسکتا ہے اور ایمان ہی وہ نور ہے جس کی روشنی میں آدمی راہ راست پر چل سکتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

فمن یکفر بالطاغوت ویؤمن با اللّٰہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقیٰ ق لا انفصام لہا ط واللّٰہ سمیع علیم. اللّٰہ ولی الذین اٰمنوا یخرجہم من الظلمٰت الی النور ط والذین کفروٓا اولیٰٓہم الطاغوت یخرجونہم من النور الی الظلمٰت ط اولٰٓئک اصحٰب النار ج ہم فیہا خالدون. (البقرۃ ۲: ۲۵۶-۲۶۷)

ترجمہ: پس جو طاغوت کو چھوڑ کر اللہ پر ایمان لے آیا اس نے ایک مضبوط رسی تھام لی جو ٹوٹنے والی نہیں ہے۔ اور اللہ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ اللہ ان لوگوں کا مددگار ہے جو ایمان لائے۔ وہ ان کو تاریکیوں سے روشنی میں نکال لاتا ہے اور جو کافر ہیں ان کے مددگار شیطان ہیں۔ وہ ان کو نور سے تاریکیوں کی طرف لے جاتے ہیں، وہ دوزخی ہیں اور دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔

پھر قرآن کہتا ہے کہ ایمان اور عمل صالح کا لازمی نتیجہ اللہ کی نصرت اور دنیاوی خوشحالی ہے چنانچہ فرمایا:

ولو ان اہل القرٰٓی اٰمنوا واتقوا لفتحنا علیہم برکٰت من السمآءِ والارض ولکن کذبوا فاخذنٰہم بما کانوا یکسبون. (الاعراف: ۷: ۹۶)

اگر بستیوں کے لوگ ایمان لاتے اور تقویٰ کی روش اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے مگر انہوں نے جھٹلایا لہٰذا ہم اس نے اس بری کمائی کے حساب میں ان کو پکڑ لیا جو وہ سمیٹ رہے تھے۔

یہی بات سورۃ ھود ۱۱: ۳، ۵۲ میں بھی وضاحت سے کہی گئی ہے۔ اس کے بعد قرآن کہتا ہے کہ آدمی ایمان لائے بغیر جو اعمال بجا لائے وہ بے وزن اور ناقابل قبول ہیں اور ان کا نتیجہ بہرحال خسران اور ناکامی ہے:

قل ہل ننبئکم بالاخسرین اعمالا ط الذین ضل سعیہم فی الحیٰوۃ الدنیا وہم یحسبون انہم یحسنون صنعا. اولٰٓئک الذین کفروا باٰیٰت ربہم ولقآئہٖ فحبطت اعمالہم فلا نقیم لہم یوم القیٰمۃ وزنا ق ذٰلک جزآؤہم جہنم بما کفروا واتخذوٓا اٰیٰتی ورسلی ہزوا. (الکہف ۱۸: ۱۰۳، ۱۰۶)

Marfat.com

ترجمہ: ان سے کہو کیا ہم تمہیں بتائیں کہ اپنے اعمال کے لحاظ سے کون لوگ سب سے زیادہ نامراد ہیں؟ وہ جن کی کوششیں دنیوی زندگی میں بے کار صرف ہوگئیں اور وہ سمجھتے رہے کہ ہم بہت اچھے کام کر رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کی آیات کا انکار کیا اور یہ تسلیم نہ کیا کہ انہیں اس کے پاس حاضر ہونا ہے۔ اس وجہ سے ان کے اعمال اکارت گئے۔ قیامت کے دن ہم ان کے اعمال کو کوئی وزن نہ دیں گے اور وہ دوزخ میں جائیں گے۔ یہ بدلہ ہے اس کا کہ انہوں نے کفر کیا اور میری آیات اور میرے رسولوں کا مضحکہ اڑایا۔

اور بحیثیت ملت بھی ان کے بارے میں یہی فرمایا کہ ان کے درمیان اخوت کی بنیاد ایمان ہی ہے۔

انما المؤمنين اخوة..... (الحجرات ۴۹: ۱۰) اور دنیا میں ان کی عزت اور سربلندی بھی ایمان ہی کی بدولت ہے۔

وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنين. (آل عمران ۳: ۱۳۹)

ان آیات سے صاف ظاہر ہے کہ اسلام میں بھی بنیادی اہمیت ایمان ہی کو حاصل ہے (یعنی اس بات کو کہ مسلمان کچھ بنیادی تصورات کو مانیں اور ان پر عمل کرتے ہوئے زندگی گزاریں) یہی ایمان ان میں انفرادی سطح پر تعمیر سیرت کی بنیاد ہے اور یہی ان کے درمیان اجتماعی سطح پر اخوت کی اساس ہے اور اسی پر دنیا و آخرت میں ان کی کامیابی اور ناکامی کا دارومدار ہے۔ اور یہی ہمارا مقدمہ ہے جو ہم ثابت کرنا چاہ رہے تھے کہ کوئی بھی قوم صرف اسی وقت قوم بنتی ہے اور اسی وقت دنیا میں عروج حاصل کر سکتی ہے جب وہ کچھ اصولوں کو مانے اور ان کے مطابق زندگی گزارے۔

انسانی وسائل

ا۔ محنت

لکوئی قوم جب تک قوت عمل نہ رکھتی ہو، ترقی نہیں کر سکتی اور یہ قوت عمل نتیجہ ہوتی ہے اس کے تصور حیات سے اس کی وابستگی کا۔ اگر کسی قوم کا تصور زندگی یہ ہو کہ دنیا بری چیز ہے اور اس میں دلچسپی لینا برا ہے تو رہبانیت اور مذمت دنیا کا یہ وطیرہ اسے زندگی میں جدوجہد پر کیسے ابھار سکتا ہے؟ اسی طرح اگر کسی قوم کا نظریہ حیات اسے عمل پر ابھارتا ہو لیکن وہ اس نظریہ حیات پر عمل ہی نہ کرے تو وہ دنیا میں ترقی کیسے کر سکتی ہے؟ اسلام کس طرح ہمیں عمل اور محنت پر ابھارتا ہے۔

اسلامی تعلیمات کی رو سے یہ دنیا انسان کے لئے پیدا کی گئی ہے اور اسی کے لئے تسخیر کی گئی ہے:

الم تر ان الله سخر لكم ما فى الارض والفلك تجرى فى البحر بامره ويمسك السمآء ان تقع على الارض الا باذنه ط ان الله بالناس لروف رحيم. (الحج ۲۲: ۶۵)

ترجمہ: کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے زمین کی تمام چیزوں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے اور کشتی کو بھی جو اس کے حکم سے سمندر میں چلتی ہے۔ وہی اپنے حکم سے آسمان کو زمین پر گرنے سے تھامے ہوئے ہے۔ بے شک اللہ لوگوں پر نرمی کرنے والا اور مہربان ہے۔

Marfat.com

لہذا انسان کا فرض ہے کہ دنیا کو استعمال کرے اور اس سے اپنا حصہ وصول کرے:

ولا تنس نصیبک من الدنیا . (القصص ۲۸:۷۷)   ترجمہ: اور اس دنیا میں سے اپنے حصے کو نہ بھولو

اس کے ساتھ ہی قرآن نے مسلمانوں کو عمل پر اکسایا لیکن ساتھ ہی خبردار بھی کر دیا کہ جو کچھ کرو گے اس کے نتائج کے ذمہ دار تم ہی ہو گے:

وقل اعملوا فسیری اللہ عملکم ورسولہ المؤمنون وستردون الی علم الغیب والشھادۃ فینبئکم بما کنتم تعملون. (التوبہ: ۹: ۱۰۵)

ترجمہ: اور اے نبی ﷺ آپ ان سے کہیں کہ تم اپنی جگہ عمل کرتے رہو اور تمہارے عمل کو اللہ، اس کا رسول ﷺ اور اہل ایمان دیکھیں گے اور تم جلد اس خدا کے سامنے پیش کئے جاؤ گے جو ظاہر اور غیب کا علم رکھتا ہے پھر وہ تمہیں بتا دے گا، جو تم کرتے رہے تھے۔ اور عمل صالح کو ایمان کا لازمی نتیجہ اور جزو لاینفک قرار دیا۔

ان الذین امنوا وعملوا الصلحت انا لا نضیع اجر من احسن عملا. (الکھف ۱۸: ۳۰)

ترجمہ: بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے تو ایسے نیکو کاروں کے اجر کو ہم ضائع نہیں کریں گے۔

ان تعلیمات سے صاف ظاہر ہے کہ قرآن ہمیں دنیا برتنے اور اس میں آگے بڑھنے کا حکم دیتا ہے اور اس کے لئے محنت و عمل پر ابھارتا ہے (یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ جب اسلام ہمیں دنیا سے محبت نہ کرنے کا کہتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آخرت کے مقابلے میں دنیا سے محبت نہ کرو نہ یہ کہ دنیا کو برتو ہی نہیں) مذکورہ بالا قرآنی تعلیمات کی روشنی میں نبی کریم ﷺ نے صحابہ کی اس طرح تربیت کی کہ ایک دفعہ آپ ﷺ نے چند لوگوں سے بیعت لی تو انہیں اپنے کام خود کرنے اور لوگوں سے سوال نہ کرنے کی تلقین کی۔ ان لوگوں کی یہ حالت تھی کہ اگر سواری پر جاتے ہوئے ہاتھ سے (جانور کو ہنکارنے والی) چھڑی بھی گر جاتی تو سواری کھڑی کر کے اترتے اور خود اٹھاتے، کسی کو تکلیف نہ دیتے۔ (سنن ابی داؤد، کتاب الزکاۃ، باب کراھیۃ المسألۃ) اور وہ واقعہ تو بہت مشہور ہے ہی جس میں ایک صحابی نے آپ ﷺ سے مالی امداد کا سوال کیا تو آپ ﷺ نے برا منایا اور کہا تمہارے گھر میں کچھ ہے؟ اس نے کہا غریب آدمی ہوں میرے گھر میں کیا رکھا ہے سوائے ایک چادر اور پانی کے پیالے کے۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہی لے آؤ۔ وہ لے آیا تو آپ ﷺ نے انہیں نیلام کر دیا اور جو پیسے ملے اسے دیتے ہوئے کہا کہ کچھ سے گھر کی ضرورت پوری کرو اور باقی سے کلہاڑا اور رسی خریدو اور جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر بیچا کرو۔ اس نے یہ محنت کا کام شروع کر دیا اور بآسانی گھر کا خرچ چلانے لگا۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا مانگنے سے یہ بہتر نہیں کہ تم اس طرح محنت کر کے کماؤ اور کھاؤ۔ (سنن ابی داؤد، کتاب الزکاۃ، باب ما تجوز فی المسألۃ)

۲۔ اتحاد

کوئی قوم اور معاشرہ جب تک ہر سطح پر، ملی سطح پر، قومی سطح پر، خاندان سطح پر، سیاسی طور پر، معاشی طور پر غرض ہر لحاظ سے

Marfat.com

پوری طرح متحد اور یکجان نہ ہو وہ نہ تو طاقتور ہو سکتا ہے اور نہ قوموں کی برادری میں اس کی کوئی عزت اور وقار ہو سکتا ہے۔ اتحاد کی برکات کا مظاہرہ ہم اپنی روزمرہ زندگی میں بھی عموماً کرتے رہتے ہیں اور بچپن سے وہ کہانی پڑھتے آئے ہیں کہ ایک بوڑھا باپ بیٹوں کو سمجھانے کے لئے چھڑیوں کا ایک گٹھا لایا اور کہا کہ انہیں توڑو، کوئی بیٹا بھی انہیں نہ توڑ سکا اور جب اس نے کہا کہ ایک ایک چھڑی کر کے توڑو تو ہر ایک نے آسانی سے انہیں توڑ لیا۔ اتحاد کی انہیں برکات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو متحد رہنے کا حکم دیا اور فرمایا: **واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا.** (العمران ۳: ۱۰۳)

ترجمہ: اور سب مل کر اللہ کے دین کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہو اور باہمی اختلاف سے الگ الگ نہ ہو جاؤ۔

ما وصٰی بہ نوحا والذین اوحینا الیک وما وصینا بہ ابراھیم وموسیٰ و عیسیٰ ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ. (الشوریٰ ۴۲: ۱۳)

ترجمہ: اللہ نے تمہارے لئے وہی دین مقرر کیا ہے جس کا اس نے نوحؑ کو حکم دیا تھا اور اے نبی ﷺ اسی دین کی وحی نے آپ کی طرف کی ہے اور اسی پر چلنے کا حکم ہم نے ابراہیمؑ کو، موسیٰؑ کو اور عیسیٰؑ کو دیا تھا کہ اس دین پر قائم رہو اور اس میں اختلاف نہ پیدا کرو۔

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مومنوں کے باہمی تعلق کی مثال جسم انسانی کی سی ہے کہ اگر جسم کے کسی ایک حصے میں تکلیف ہو تو سارے جسم کو بخار اور بے آرامی ہوتی ہے۔ (صحیح بخاری، کتاب الادب، باب رحمۃ الناس والبہائم)

''مسلمانوں کی مثال ایک عمارت کی سی ہے جس کی اینٹیں باہم دگر پیوست ہو کر ایک دوسرے کو تقویت پہنچاتی اور عمارت بناتی ہیں''۔ (صحیح مسلم، کتاب البر، باب تراحم المومنین وتعاطفھم وتعاضدھم)

اسلام کی انہی تعلیمات کا نتیجہ تھا کہ مسلمان کفر کے مقابلے میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئے اور آپس میں ایک دوسرے کے لئے ان کے ایثار و قربانی کا یہ عالم تھا کہ ایک جنگ میں ایک شخص ایک زخمی کو پانی پلانے لگا تو قریب سے آواز آئی، پانی۔ اس نے اشارہ کیا کہ میرے بھائی کو پانی پلاؤ۔ وہ وہاں پہنچ کر زخمی کو پانی پلانے لگا تو ایک تیسرا زخمی پکار اٹھا 'پانی' اس زخمی نے کہا کہ پہلے میرے دوسرے بھائی کو پانی پلاؤ۔ وہ وہاں پہنچا تو اس کی روح اعلیٰ علیین میں پہنچ چکی تھی۔ وہ پانی پلانے والا واپس پہلے زخمی کے پاس پہنچا تو وہ بھی واصل بحق ہو چکا تھا۔ وہ دوسرے زخمی کی طرف لوٹا تو وہ بھی اللہ کو پیارا ہو چکا تھا۔ اتحاد و ایثار کی یہ مثالیں تاریخ میں یکتا ہیں اور جب مسلمانوں میں اتحاد کی یہ سپرٹ پیدا ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں یاد دلایا کہ یہ تمہاری دانش و منصوبہ بندی کا نتیجہ نہیں بلکہ تم پر مہربانی اور ہماری بھیجی ہوئی تعلیمات کا نتیجہ ہے:

واذکروا نعمت اللہ علیکم اذ کنتم اعدآء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہٖ اخواناًوکنتم علیٰ شفا حفرۃ من النار فانقذکم منھا کذٰلک یبین اللہ لکم اٰیٰتہٖ لعلکم تھتدون. (العمران ۳: ۱۰۳)

ترجمہ: اور اللہ کا یہ انعام نہ بھولو جو اس نے تم پر کیا کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، پھر اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور اس کے فضل سے تم آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔ اس سے پہلے تم دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر کھڑے تھے مگر اللہ نے

Marfat.com

تمہیں اس سے بچالیا۔ اس طرح اللہ تمہارے لئے اپنی آیتیں کھول کھول بیان کرتا ہے تا کہ تم ہدایت پاؤ۔

انہی تعلیمات نے مسلمانوں کو رنگ، نسل، زبان، خاندان، علاقے کے اختلاف کے باوجود ایک متحد امت بنا دیا یہاں تک کہ قریش کا نامور سردار اور عربوں کا عظیم قائد (عمرؓ ابن خطاب) افریقہ کے ایک حبشی غلام کو سیدنا بلالؓ کہہ کہ پکارتا تھا اور عباسی خلیفہ مستعصم غصے سے لبیک کہتا ہوا اٹھ کر کھڑا ہو گیا جب اسے پتہ چلا کہ ایک مسلمان بچی نے سندھ کے پانیوں سے اسے مدد کے لئے پکارا ہے اور اس نے ایک لشکر جرار اس بچی کی فریاد رسی کے لئے بھیجا جس نے راجہ داہر کی سلطنت کی اینٹ سے اینٹ بجادی جس نے مسلمانوں کے لئے فتح ہند کے دروازے کھول دیئے۔

۳۔ تنظیم

کوئی قوم اس وقت ترقی نہیں کر سکتی جب تک وہ منظم نہ ہو کیونکہ قوت تنظیم ہی سے پیدا ہوتی ہے۔ جس جماعت میں تنظیم نہ وہ اس میں قوت عمل پیدا ہو ہی نہیں سکتی بلکہ ایک مضبوط ریاست کا نظم و نسق بھی اگر ڈھیلا پڑ جائے اور اس کی انتظامی مشینری فعال نہ رہے تو اسے بگڑنے اور تباہ ہونے میں زیادہ وقت نہیں لگتا۔ اسلام کے سارے اصول اور ادارے مسلمانوں کو منظم کرتے ہیں خواہ ان کا تعلق عبادات سے ہو یا اخلاق و معاشرت سے۔ نماز ہی کو لیجئے، مسلمانوں پر با جماعت نماز دن میں پانچ مرتبہ فرض کی گئی جس میں محلے کے لوگ اکٹھے ہوتے ہیں۔ پھر ہر ہفتے جمعہ فرض کیا گیا جس میں ساری آبادی جمع ہوتی ہے سال میں دو بار عید فرض کی گئی جس میں اردگرد کی ساری آبادیاں جمع ہوتی ہیں، پھر حج فرض کیا گیا جس میں ہر سال ساری امت اور سارے مسلم ممالک کے لوگ جمع ہوتے ہیں اور ان ساری سطحوں پر منظم اجتماعات سے باہمی اخوت میں اضافہ ہوتا ہے اور مسائل کی تنقیح اور حل کے مواقع پیدا ہوتے ہیں۔ پھر نماز میں صف بندی کا حکم دیا گیا اور صفوں کو سیدھا رکھنے کی سختی سے تاکید کی گئی پھر صفوں میں بھی ترتیب رکھی گئی کہ پہلے بڑے کھڑے ہوں پھر بچے اور آخر میں عورتیں۔ پھر یہ حکم دیا کہ ارکان نماز میں سختی سے امام کی پیروی کرو۔ نہ اس سے پہلے رکوع و سجود کرو اور نہ اس کے رکوع و سجود کے بعد اس کی پیروی میں تاخیر کرو۔ (صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب تحریم سبق الامام برکوع اور بسجود ونحوھا)۔ معاشرت میں دیکھئے تو معاشرے کی بنیادی اکائی کے طور پر خاندان کو منظم کیا گیا اور وہاں ہر فرد کا دائرہ کار متعین کیا گیا اور میاں بیوی اور والدین و اولاد سب کے حقوق و فرائض صراحت سے طے کر دیئے گئے۔ سیاسی حوالے سے دیکھئے تو اسلام نے ریاست و حکومت کے قیام کو مسلم معاشرے کے لئے فرض قرار دیا اور ایک حکومت اور ایک حکمران کا تصور دیا اور یہاں تک فرمایا کہ ایک آئینی حکمران کے ہوتے کوئی دوسرا دعویٰ حکمرانی کرے تو وہ واجب القتل ہے۔ (صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب اذا بویع لخلیفتین) اسلام نے تنظیم کا یہاں تک حکم دیا کہ اگر دو آدمی سفر پر نکلیں تو ایک کو ضرور امیر بنالیں۔ (صحیح بخاری، کتاب الجہاد، باب سفر الاثنین)

اسلام کی انہی تعلیمات کا اثر تھا کہ وہ عرب جو اپنی خودسری میں ضرب المثل تھے اور جزیرہ نما عرب میں کسی حکومت کا وجود تک نہ تھا، مدینہ منورہ میں آنحضرت ﷺ کی اطاعت میں اتنے منظم ہو گئے کہ کوئی دوسری قوم اتنی منظم نہ تھی۔ اس تنظیم کا یہ

Marfat.com

اثر تھا کہ مدینہ پہنچتے ہی اپنی حکومت وہاں قائم کر لی اس کے باوجود کہ مسلمان اس وقت اکثریت میں نہ تھے۔ بعد کی ساری فتوحات اور کامیابیاں بھی اس تنظیم کی بدولت تھیں۔

۴۔ منصوبہ بندی

یہ کائنات جس میں ہم رہ رہے ہیں اللہ تعالیٰ کی بے نظیر منصوبہ بندی کا ایک شاہکار ہے۔ جس طرح تدریج کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو پیدا کیا اور پھر ان میں ہر وہ چیز پیدا کی جس کی انسان کو ضرورت پڑنے والی تھی، اس کی منصوبہ بندی کے بارے میں اگر انسان غور کرے تو عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ اس حقیقت کی طرف اللہ تعالیٰ نے انسان کو بھی توجہ دلائی ہے، چنانچہ فرمایا:

الذی خلق سبع سمٰوٰت طباقاً ما تری فی خلق الرحمن من تفوت . فارجع البصر هل تری من فطور . ثم ارجع البصر کرتین ینقلب الیک البصر خاسئاً وهو حسیر . (الملک ۶۷: ۳ تا ۴)

ترجمہ: اس نے اوپر تلے سات آسمان بنائے تم خدائے رحمٰن کی اس تخلیق میں کوئی نقص نہیں دیکھو گے۔ پھر نگاہ ڈال کر دیکھ لو کہیں تمہیں کوئی نقص دکھائی دیتا ہے؟ پھر بار بار نگاہ دوڑا کر دیکھو، تمہاری نظر تھک ہار کر ناکام واپس لوٹ آئے گی۔

پھر آفاق سے انفس کی طرف آیئے تو بھی انسان اللہ تعالیٰ کی منصوبہ بندی دیکھ کر ششدر رہ جاتا ہے بشرطیکہ وہ چشم بصیرت استعمال کرے۔ دیکھئے عورت و مرد کے اعضاء کا توالد و تناسل کے لئے موزوں بنانا، پھر نطفے کو رحم میں پہنچانا، وہاں کئی مرحلوں میں اس کی پرورش کرنا، پھر انسان کی پیدائش، طفولت کی کمزوریاں، جوانی کا زور، پھر بڑھاپے کے عوارض پھر فنا لیکن نسل کا تسلسل جاری رہنا، یہ کیسی عظیم منصوبہ بندی ہے!

پھر انسانوں کی ہدایت کے لئے اللہ نے پیغمبروں کو ماڈل بنایا اور ان کے ذریعے لوگوں کی ہدایت کا سامان کیا۔ اگر آپ اس منہج کی تفصیلات پر غور کریں کہ اللہ نے ان کو ماڈل کس طرح بنایا تو اللہ تعالیٰ کی منصوبہ بندی پر دنگ رہ جائیں گے۔ حضرت ابراہیمؑ کو دیکھئے کہ انہیں ایک بت تراش کے گھر پیدا کیا، ان کے ہاتھوں سے بتوں کو تڑوا دیا، انہیں آگ میں ڈالا گیا، آپ کی مساعی کو دیکھئے کہ ہجرت کی اور ساری معلوم دنیا میں اپنی اولاد کو پھیلا دیا۔ عرب کے صحرا میں حضرت اسماعیلؑ کو آباد کیا، فلسطین میں حضرت اسحٰقؑ کو اور مشرق میں بھتیجے حضرت لوطؑ کو۔ اس منصوبہ بندی کے اثرات دنیا میں آج بھی دیکھے جاسکتے ہیں حضرت موسیٰؑ کی مثال لیجئے کہ کس طرح ان کو طفولت میں قتل ہونے سے بچایا، بدترین دشمن کے گھر میں ان کی پرورش کی، سگی ماں کے دودھ کا انتظام کیا پھر جب بڑے ہوگئے تو حسن تربیت کے لئے اس گندے ماحول سے نکال کر ایک پیغمبر کے پاس پہنچا دیا، واپسی پر پیغمبری سے سرفراز کیا اور بنی اسرائیل کو فرعونی مظالم سے نجات دلوائی۔ اور ہاں! حضرت یوسفؑ کا واقعہ بھی کم حیرتناک نہیں، کنویں میں ڈالا جانا، عزیز مصر کے گھر میں پرورش، جیل کی سختی، عورتوں کے فتنے سے بچنا، پھر خود عزیز مصر بن جانا اور کمال منصوبہ بندی سے لوگوں کو قحط سے بچانا وغیرہ۔

Marfat.com

خود نبی کریم ﷺ کا معاملہ لیجئے۔آپ ﷺ کو بنی اسماعیل میں پیدا کیا اور وہ بھی صحرا کے بدوؤں میں جہاں کرداری اوصاف بدرجہ اتم موجود تھے۔آپ ﷺ کو مشقت میں پروان چڑھا کر کندن بنایا (باپ، ماں پھر دادا کا فوت ہو جانا اور پرورش کرنے والے چچا کا غریب ہونا وغیرہ) پھر ایک مالدار خاتون سے شادی، تجارت کا تجربہ، آپ ﷺ کے انسانی اوصاف کا اثبات کہ بعثت سے پہلے صدیق وامین کہلائے۔پھر اللہ تعالیٰ کی رہنمائی میں آنحضرت ﷺ کی منصوبہ بندی پر غور کیجئے: پسے ہوئے طبقے (غلاموں وغیرہ) کو منظم کرنا، مکہ میں مظالم بڑھنے پر صحابہ کو ہجرت حبشہ کا حکم دینا، مکہ میں دعوت کی زرخیزی کم دیکھ کر طائف میں پاؤں جمانے کی کوشش کرنا، مدینہ کی صورت میں متبادل مرکز قائم کرنا۔ہجرت کی منصوبہ بندی دیکھئے: کافروں کو جل دینے کے لئے غار میں چھپ جانا، مدینہ جانے کیلئے عام راستہ چھوڑ کر غیر معروف راستہ اختیار کرنا تاکہ کوئی پکڑ نہ سکے، مدینہ میں مواخات کا نظام قائم کرنا اور یہودیوں کو ساتھ ملا لینا، کفار مکہ کی اقتصادی شہہ رگ پر ہاتھ ڈالنا، مدینہ کے معاشرے اور ریاست کے سارے شعبوں کو منظم کرنا پھر بلا آخر بغیر کشت وخون کے مکہ کو فتح کر لینا، پھر ساری دنیا کے حکمرانوں کو دعوت اسلام دینا، مسلمانوں کو متحد کرنا۔غرض ایک ایک بات پر غور کرتے جایئے تو عقل کام نہیں کرتی کہ کس حیرت انگیز منصوبہ بندی سے آپ ﷺ نے یہ سارے کام کیے۔

پھر آپ ﷺ کے تتبع میں کس طرح حضرت ابوبکرؓ نے معاملات کو سنبھالا، سیاسی قیادت کا مسئلہ بغیر کشت وخون حل کیا، بغاوتوں کو دبایا، امن وامان قائم کیا، انتقال سے پہلے حضرت عمرؓ جیسے دلیر اور عاقل آدمی کو نامزد کر کے اس کی بیعت کروائی۔ پھر حضرت عمرؓ کے کارناموں پر نظر ڈالئے: فتوحات کی کثرت، مسلمانوں کی تعلیم وتربیت کا اہتمام، سوشل سیکیورٹی کے نظام کا قیام، باقاعدہ فوج بنائی، چھاؤنیاں قائم کیں، فوجی اور سول بیوروکریسی کا ڈھانچہ قائم کیا۔عدالتی نظام کھڑا کیا، جیلیں بنائیں۔ غرض آپ جتنا بھی غور کرتے جائیں گے، عقل دنگ رہ جائے گی کہ ایک بدو عرب میں اتنی عقل، اتنی فراست اور اتنی منصوبہ بندی کہاں سے آ گئی؟

۵۔ پابندیٔ قانون

کوئی قوم اور جماعت اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتی جب تک وہ برضاء ورغبت ان قوانین اور قواعد وضوابط کی پابندی نہ کرے جو حکومت نے قوم کے اختیار کردہ نظریۂ حیات کے نفاذ کے لئے وضع کیے ہوں۔یاد رہے کہ تعزیر اور سزا کے ڈر سے قانون کی پابندی کرنا اطاعت کا آخری اور ناپسندیدہ ترین درجہ ہے۔اطاعت کا حسن اور نتیجہ خیزی اس امر میں مضمر ہے کہ افراد معاشرہ قانون پر خوشی ورضامندی سے عمل کریں۔

اسلام نے اپنے ماننے والوں میں اللہ کی محبت اور اس کی خشیت کی بنیاد پر یہی سیرت پروان چڑھائی اور مسلمانوں کے اندر یہ شعور پیدا کیا کہ اگر تم اللہ کے احکام کی اطاعت کرو گے تو وہ تم سے خوش ہو گا اور ابدی نعمتوں سے نوازے گا اور اگر سول نافرمانی کرو گے تو اس کی ناراضی اور عذاب شدید مول لینا پڑے گا۔اس تعلیم سے مسلمانوں کے ضمیر اتنے بیدار ہو گئے کہ دنیوی

Marfat.com

نقصان سے قطع نظران کے لئے اللہ کے کسی حکم کی نافرمانی ممکن ہی نہ رہی اور اسی تربیت کے نتیجے میں عہد نبوی اور دور صحابہ میں مسلمانوں نے خوشی و رغبت سے پابندیٔ قانون کی ایسی حیرتناک مثالیں پیش کیں کہ اس کی نظیر انسانی تاریخ سے پیش نہیں کی جاسکتی۔ اس کی ایک مثال حضرت ماعزؓ کا واقعہ ہے کہ جن سے جرم زنا سرزد ہو گیا تھا۔ وہ آپ ﷺ کے پاس آئے اور صراحت سے کہا کہ ان سے یہ جرم سرزد ہو گیا ہے اور وہ اس کا اقرار اس لئے کر رہے ہیں کہ دنیا ہی میں اس کی سزا کاٹ لیں اور آخرت میں اللہ کی سزا سے بچ جائیں چنانچہ انہیں سنگسار کر دیا گیا۔ (صحیح مسلم، کتاب الحدود، باب من اعترف علی نفسہ بالزنیٰ)۔ اور اس سے زیادہ حیرتناک واقعہ غامدیہ کا ہے کہ جس سے یہی جرم سرزد ہوا اور جب حضور ﷺ نے اسے ٹالنے کی کوشش کی تو اس نے کہا ماعز کی طرح مجھے ٹالیئے نہیں میں تو پاک ہونا چاہتی ہوں۔ اسے کہا گیا کہ وضع حمل کے بعد آنا۔ وہ بچے کی پیدائش کے بعد آئی تو اسے کہا گیا کہ بچے کی پرورش کرو پھر آنا، پھر وہ اس حالت میں حضور ﷺ کے پاس آئی کہ اس کا بچہ روٹی کا ٹکڑا کھا رہا تھا۔ اس نے کہا کہ اب تو آپ ﷺ کے پاس کوئی عذر مجھے پاک نہ کرنے کا نہیں رہا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے سنگسار کرنے کا حکم دیا۔ پھر جب اسے سنگسار کیا گیا تو خون کے چند چھینٹے حضرت خالد بن ولید کے کپڑوں پر پڑے تو انہوں نے کراہت کا اظہار کرتے ہوئے اس خاتون کے بارے میں نازیبا الفاظ منہ سے نکالے۔ حضور ﷺ نے جب وہ الفاظ سنے تو ناراض ہوئے اور فرمایا اللہ کی قسم! اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ سارے مدینہ کے لئے کافی ہو۔

(سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، باب فی المراۃ التی امر النبی رجمھا من جھینہ)

اور اسی طرح کا حیرتناک واقعہ حضرت ابو محجن ثقفی کا ہے جو شاعر تھے اور مدح شراب کے جرم میں قید تھے۔ قادسیہ کی جنگ جاری تھی۔ حضرت محجن نے سالار کی اہلیہ کی منت کی کہ انہیں جہاد میں حصہ لینے کے لئے آزاد کرے اور وعدہ کیا کہ اگر وہ زندہ رہے تو واپس آکر خود ہتھکڑی پہن لیں گے۔ ان کی منت سماجت سے متاثر ہو کر سپہ سالار کی اہلیہ نے انہیں آزاد کر دیا۔ حضرت ابو محجنؓ نے بہادری کے جوہر دکھائے اور بیسیوں کافروں کو تہہ تیغ کیا اور شام کے وقت واپس آکر جیل کے کمرے میں بیٹھ گئے اور ہتھکڑی پہن لی۔ ان کو لڑتے ہوئے پہچان لیا گیا اور سپہ سالار کی تفتیش پر واضح ہو گیا کہ وہی لڑنے کے لئے گئے تھے۔ سپہ سالار (حضرت سعدؓ بن ابی وقاص) نے خوش ہو کر ان کی سزا معاف کر دی اور انہوں نے بھی وعدہ کیا کہ آئندہ اپنے شعروں میں شراب خانہ خراب کی مدح نہ کریں گے۔ (۲۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج ۷ ص ۸۵، مکتبہ المعارف بیروت ۱۹۶۶ء) اس واقعے میں عظمت و عبرت کے کئی پہلو ہیں، ہم نے اس حوالے سے یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ حضرت ابو محجنؓ جیل سے رہا ہونے کے بعد اپنی مرضی سے واپس آئے اور آکر خود ہتھکڑیاں پہن لیں۔

۶۔ ایثار و قربانی

کسی جماعت کے افراد میں جب تک اپنے ذاتی مفاد کو جماعتی مفاد پر قربان کرنے کا جذبہ پیدا نہ ہو وہ ترقی نہیں کر سکتی کیونکہ ایک آدمی کا ذاتی مفاد خواہ وہ بظاہر بڑا ہی کیوں نہ ہو، اجتماعی مفاد کے مقابلے میں حقیر ہوتا ہے، خواہ وہ چھوٹا ہی کیوں نہ

Marfat.com

ہو ہمیشہ ایثار پیشہ ہوتے ہیں، خواہ وہ خود ضرورت مند ہی کیوں نہ ہوں:

ویؤثرون علیٰ انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ ومن یوق شحّ نفسہٖ فاولٰئک ھم المفلحون.

(الحشر ۵۹:۹)

ترجمہ: اور وہ انہیں اپنی ذات پر ترجیح دیتے ہیں چاہے خود ضرورت مند ہی کیوں نہ ہوں اور جنہوں نے اپنے لالچ سے محفوظ رکھا وہی فلاح پائیں گے۔

اس کا بہترین نمونہ انصار نے اس وقت پیش کیا جب مہاجرین کی ایک خاصی تعداد مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آ گئی تو ظاہر ہے اتنے آدمیوں کے لئے خوراک اور رہائش کا فوری انتظام کرنا ناممکن تھا۔ اس کا آپ ﷺ نے یہ حل سوچا کہ مہاجرین و انصار میں مواخات کرا دی یعنی ایک مہاجر کو ایک انصاری کا بھائی قرار دے کر اسے اس کا کفیل بنا دیا کہ اس کی رہائش اور روزگار اب اس کی ذمہ داری ہے۔ اس موقع پر ایثار کے ایسے ایسے عظیم الشان واقعات پیش آئے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ اکثر انصار نے اپنے مال و اسباب کا نصف اپنے مہاجر بھائی کو پیش کر دیا اور ایک صاحب نے تو یہاں تک کہ کہا کہ میری دو بیویاں ہیں، ان میں سے جو تمہیں پسند ہو، اس کو طلاق دے دیتا ہوں، تم اس سے نکاح کر لو۔ یہاں تک کہ وراثت کے قوانین نازل ہونے سے پہلے اس طرح کی مواخات میں وراثت بھی منتقل ہوتی تھی۔

قرآن نے مسلمانوں میں یہ سپرٹ پیدا کی کہ وہ دوسروں کی ضرورتوں کا خیال رکھیں چنانچہ مومنوں کی یہ صفت گنوائی کہ وہ:

ویطعمون الطعام علی حبہٖ مسکیناً ویتیماً و اسیرًا (الدھر ۷۶:۸)

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کی راہ میں مسکینوں، یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔

چنانچہ ان کے ایثار کا یہ عالم تھا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک صحابی کو اس کے کسی دوست نے بکری کی سری بھیجی۔ انہوں نے یہ سوچ کر کہ فلاں اس کا مجھ سے زیادہ ضرورت مند ہے اس کو بھجوا دی۔ اس نے بھی یہی سوچ کر آگے کسی اور بھائی کو بھجوا دی۔ اس طرح سات گھروں کے چکر لگا کر وہ سری پھر اسی آدمی کے پاس پہنچ گئی۔

(مولانا جلیل احسن ندوی، زادِ راہ، ص ۳۴۲، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور ۱۹۸۷ء)

اور اس میں مسلم و غیر مسلم کی تمیز بھی نہ تھی چنانچہ بدر میں جو مشرکین مکہ گرفتار کئے گئے اور کفالت کے لئے مختلف مسلمان گھروں میں بانٹ دیئے گئے، ان میں سے بعض نے گواہی دی کہ مسلمان ہمیں کھانے کو سالن روٹی دیتے تھے اور خود کھجوریں کھا کر گزارہ کرتے تھے۔ (ابن کثیر، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۴۷۵، عیسی بابی الحلبی القاہرۃ ۱۳۸۴ھ)

کسی اعلیٰ سے اعلیٰ نظریۂ حیات کا محض جان لینا اور مان لینا کافی نہیں ہوتا جب تک آدمی اس پر پختہ یقین نہ رکھے اور ثابت قدمی سے اس پر ڈٹا نہ رہے اور اس پر عمل اور اسکے نفاذ کے لئے ہر قسم کی جانی اور مالی قربانی دینے پر تیار نہ ہو چنانچہ قرآن کہتا ہے: **ان الذین قالوا ربنا اللہ ثمّ استقاموا تتنزل علیھم الملائکۃ الا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون.** (فصلت ۴۱:۳۰)

Marfat.com

ترجمہ: بے شک جن لوگوں نے کہا کہ اللہ ہمارا رب ہے پھر وہ ثابت قدم رہے تو یقیناً ان پر فرشتے اترتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ تم اندیشہ نہ کرو اور غم نہ کرو اور اس جنت کی بشارت سے خوش ہو جاؤ جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔

یہاں استقامت سے مراد ہے ثابت قدم رہنا، ہر حال میں اس پر ڈٹے رہنا، اس کے لئے ہر قسم کی قربانی دینے سے دریغ نہ کرنا۔

ولنبلونکم بشئی ء من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات وبشر الصابرین. (البقرۃ ۲: ۱۵۵)

ترجمہ: اور ہم تمہیں بعض آزمائشوں میں ضرور مبتلا کریں گے جیسے دشمن کا خطرہ، فاقے کا ڈر، مال کا نقصان، جان کی ہلاکت اور قحط کی مصیبت اور پھر خوشخبری ہے ان کے لئے جو ثابت قدم رہیں۔

غزوۂ احد میں جب مسلمانوں کو اپنی بعض کمزوریوں اور غلطیوں کی وجہ سے زک پہنچی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس پر دل شکستہ ہونے کی ضرورت نہیں کہ تمہارے سامنے تو ایک بڑا مقصد ہے (یعنی اللہ کی رضا جوئی) جبکہ کافر جن کے سامنے کوئی بڑا مقصد حیات نہیں وہ بھی تو شکستیں کھانے کے باوجود تم سے برابر مقابلہ کیے جا رہے ہیں۔

ولا تھنوا فی ابتغآء القوم ان تکونوا تالمون فانھم یالمون کما تالمون و ترجون من اللہ مالا یرجون وکان اللہ علیما حکیما. (النساء ۴: ۱۰۴)

ترجمہ: اور دشمن کا پیچھا کرنے سے ہمت نہ ہارو۔ اگر تم دکھ اٹھاتے ہو تو تمہارا دشمن بھی تمہاری طرح دکھ اٹھاتا ہے لیکن اللہ سے اجر وثواب کی جو امیدیں تم رکھتے ہو وہ نہیں رکھتے اور اللہ سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

اور عملاً دیکھئے کہ نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ نے دین پر قائم رہنے کے لئے کتنی مصیبتیں اٹھائیں اور تکلیفیں سہیں۔ ان کو گلیوں میں گھسیٹا گیا۔ تپتے صحرا میں لٹا کر سینے پر پتھر رکھ دیئے جاتے، مارا پیٹا جاتا۔ معاشی اور معاشرتی بائیکاٹ کیا گیا یہاں تک کہ لوگ جانیں بچانے کے لئے شہر چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ پھر جب مدینے میں ان کو ذرا سہارا ملا تو وہاں بھی ان کو نیست ونابود کرنے کے لئے ان پر مسلح حملے کئے گئے۔ غرض کون سی قربانی ہے جو نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کو نہ دینا پڑی یہاں تک کہ سختیوں سے گھبرا کر اور جدوجہد کا کوئی مثبت نتیجہ نہ نکلتے دیکھ کر بعض لوگ مضطرب ہو گئے اور پکار اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ اس وقت آنحضرت ﷺ کعبہ کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھے تھے، روایت میں آتا ہے کہ یہ سن کر آپ ﷺ کا چہرہ شدت جذبات سے سرخ ہو گیا۔ آپ ﷺ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور فرمایا: تم سے پہلے وہ لوگ ہو گزرے ہیں جنہیں زندہ حالت میں آرے سے چیر کر دو ٹکڑے کر دیا گیا یا لوہے کی کنگھی سے زندہ حالت میں ان کا گوشت ہڈیوں سے جدا کر دیا گیا لیکن وہ اپنے ایمان پر قائم رہے۔ خدا کی قسم! وہ وقت آنے والا ہے جب ایک شخص اکیلا صنعاء سے چل کر حضر موت تک پہنچے اور اسے اللہ کے سوا کسی کا ڈر نہ ہوگا مگر تم جلدی کرتے ہو۔

(صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی الاسلام)

(مطلب یہ ہے کہ اپنے ایمان پر قائم رہو، اللہ کی مدد ضرور آئے گی) اور جب اللہ تک یہ فریاد پہنچی تو حکم صادر ہوا:

Marfat.com

ام حسبتم ان تدخلوا الجنة ولمّا یأتکم مثل الذین خلوا من قبلکم مستھم الباساء والضراء وزلزلوا حتیٰ یقول الرسول والذین اٰمنوا معه متیٰ نصر اللّٰہِ آلا ان نصر اللّٰہِ قریب. (البقرۃ ۲: ۲۱۴)

ترجمہ: کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ آرام اور مزے سے جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی تم پر وہ حالات نہیں گزرے جن سے پہلے لوگوں کو سابقہ پیش آیا تھا وہ مالی پریشانیوں میں مبتلا ہوئے، انہیں جسمانی اذیتیں دی گئیں اور خوف و ہراس نے انہیں جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ یہاں تک کہ وقت رسول اور اس کے اہل ایمان ساتھی پکار اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ (کہو) اللہ کی مدد (بہت) قریب ہے۔

اور پھر غزوۂ بدر میں، جو حق و باطل کا پہلا معرکہ تھا، حضرت مقدادؓ اور حضرت سعد بن معاذؓ کے یہ الفاظ تاریخ کا حصہ بن چکے ہیں کہ اے اللہ کے رسول (ﷺ)! ہم قوم موسیٰ کی طرح نہیں کہ کہیں، جاؤ تم اور تمہارا خدا جا کر لڑو، بلکہ ہم تو عرض کرتے ہیں کہ ہماری جانیں حاضر ہیں چاہے صحرا میں لڑایئے چاہے سمندر میں، آپ ﷺ ہمیں پیچھے نہیں پائیں گے۔

(ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج ۳ ص ۲۶۲، مکتبۃ المعارف بیروت)

غرض یہ کہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ محض ایمان نہیں لائے تھے بلکہ جس نظریئے پر وہ ایمان لائے تھے اس پر عمل کے لئے اور اسے نافذ کرنے کے لئے انہوں نے ہر قربانی دی، اس کے لئے جانیں لڑا دیں تب جا کر غلبہ عطا ہوا تھا اور ہماری یہ حالت ہے کہ محض نام کے مسلمان ہیں اور دینی احکام پر عمل کرنے کے لئے ذرا سی بھی مشقت برداشت کرنے اور قربانی دینے کے لئے تیار نہیں تو پھر اللہ کی طرف سے نصرت اور غلبہ کیسے آئے؟

نموئی وسائل

ا۔ تعلیم و تربیت

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ دنیا کی کوئی قوم اور معاشرہ ترقی نہیں کر سکتا۔ جب تک اس میں تعلیم عام نہ ہو۔ تعلیم سے مراد ہے شیوع علم اور اس میں ہر قسم کی تعلیم شامل ہے۔ دینی اور دنیوی۔ بنیادی اور اعلیٰ، نظری اور عملی، تجربہ و تحقیق پر مبنی ہو یا عقل و فکر پر۔

حسن اتفاق دیکھیے کہ اللہ تعالیٰ نے آخری نبی ﷺ کے طور پر جس شخص کا انتخاب کیا وہ لکھنا پڑھنا نہ جانتا تھا (اور اللہ بہتر جانتا تھا کہ اس نے کس کو منتخب کرنا ہے (الانعام ۶: ۱۲۴) لیکن اس کے باوجود اس نے اپنے اس پیغمبر پر پہلی وحی بھیجی تو اسے پڑھنے ہی کا حکم دیا۔ (ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج ۳ ص ۲۶۲، مکتبۃ المعارف بیروت ۱۹۶۶ء)

اقرأ وربک الاکرم الذی علم بالقلم، علم الانسان ما لم یعلم. (العلق ۹۶: ۳۔۵)

ترجمہ: ''پڑھو اور یقین رکھو کہ تمہارا رب بڑا کریم ہے۔ وہی ہے جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا اور انسان کو وہ علم دیا جو وہ نہیں جانتا تھا، یعنی پیغام ہدایت بھیجنے والا بھی معلم اور العلیم اور جو پیغام بھیجا گیا وہ یہ کہ ''پڑھو'' اور پھر ڈیوٹی یہ لگائی کہ دوسروں کو پڑھاؤ۔

Marfat.com

كما ارسلنا فيكم رسولا منكم يتلوا عليكم ايتنا ويزكيكم ويعلمكم الكتب والحكمة ويعلمكم مالم تكونوا تعلمون . (البقرة ۲: ۱۵۱)

ترجمہ: ''اور ہم نے تمہارے درمیان ایک رسول ﷺ بھیجا ہے جو تمہیں ہماری آیات پڑھ کر سناتا ہے۔ تمہارا تزکیہ کرتا ہے۔ تمہیں کتاب وسنت کی تعلیم دیتا ہے اور ایسی باتیں سکھاتا ہے جنہیں تم نہیں جانتے تھے۔

چنانچہ اس پیغمبر کی ساری عمر تعلیم میں ہی گزر گئی اور تحدیث نعمت اور اظہار حقیقت کے طور پر فرمایا کہ میں تو ہوں ہی معلم (انما بعثت معلما) (سنن ابن ماجہ، المقدمہ، باب فضل العلماء علی طلب العلم)۔ اور آخری عمر میں جب حج کے موقع پر سارے مسلمان اکٹھے تھے تو آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ کیا میں نے پہنچانے کا حق ادا کر دیا ہے؟ تو سب نے کہا ''ہاں''۔

اس پر آپ ﷺ نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور عرض کیا ''اے اللہ! گواہ رہنا۔

(صحیح بخاری، کتاب العلم، باب لیبلغ العلم الشاہد الغائب) یہ تھے پیغمبر اسلام، معلم انسانیت۔

اور اسلام میں علم کی یہ اہمیت کیوں ہے اس لیے کہ صحیح علم کے بغیر آدمی خدا کو پہچان سکتا ہے اور نہ اس کائنات میں اپنی حیثیت کو۔

والرسخون فی العلم یقولون امنا به کل من عند ربنا وما یذکرو الا اولوا الاباب

(آل عمران: ۴:۷)

ترجمہ: ''اور جو لوگ پختہ علم رکھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم (متشابہ آیات پر بھی) ایمان رکھتے ہیں کیونکہ سبھی طرح کی آیتیں اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہیں اور نصیحت وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو عقل والے ہوں''۔

انما یخشی اللہ من عبادہ العلمؤ ان اللہ عزیز غفور. (فاطر ۳۵: ۲۸)

''بے شک اللہ سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو صاحب علم ہوں''۔ (فاطر ۳۵:۲۸)

اسی لیے قرآن نے فرمایا کہ عالم اور جاہل برابر نہیں ہو سکتے۔ (الزمر ۳۹:۹)

بلکہ اہل علم کا درجہ تو بہت بلند ہے (یوسف ۱۲:۷۶)

اور اسی لیے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اتنا علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ جس سے وہ حق و باطل میں تمیز کر سکے چنانچہ حدیث کے الفاظ ہیں۔ طلب العلم فریضہ علی کل مسلم ۔ (سنن ابن ماجہ، المقدمہ، باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم)۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ اس حکم میں صرف دینی علم حاصل کرنا فرض قرار دیا گیا ہے بلکہ بنیادی علم یعنی لکھنا پڑھنا جاننا بھی اس سے مراد ہے جس کی مثال یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی بعثت کے وقت عربوں میں لکھنے پڑھنے کا رواج کم تھا اور مدینے میں بھی ایسے لوگ کم تھے اور آنحضرت ﷺ کو اس کمی کو پورا کرنے کا اتنا خیال تھا کہ بدر میں جو پڑھے لکھے قیدی تھے ان کا فدیہ مقرر کیا گیا کہ وہ مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں چنانچہ حضرت زیدؓ بن ثابت جیسے عالم نے اس موقع پر ہی لکھنا پڑھنا سیکھا تھا۔ (ابن سعد، الطبقات الکبری، ج ۲ ص ۱۴ القاہرہ، ۱۳۷۹ھ)

Marfat.com

اسی میں سائنس تعلیم بھی شامل ہے چنانچہ اللہ قرآن میں فرماتا ہے:۔

قل سیرو فی الارض فا نظر و کیف بدا الخلق. (العنکبوت ۲۹: ۲۰)

ترجمہ: 'اے نبی ﷺ ان سے کہو کہ تم زمین میں گھومو پھرو اور دیکھو کہ کس طرح اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا۔

اور مسلمانوں کو مظاہر فطرت کے مشاہدے پر ابھارتا ہے:

ان فی خلق السمٰوٰت والارض واختلاف اللیل والنهار والفلک التی تجری فی البحر بما ینفع الناس وما انزل اللّٰه من السمآء من مآء فاحیا به الارض بعد موتها وبث فیها من کل دآبة و تصریف الریٰح والسحاب المسخر بین السمآء والارض لاٰیٰت لقوم یعقلون. (البقرة ۲: ۱۶۴)

ترجمہ: 'بے شک آسمانوں اور زمین کا پیدا ہونا، دن اور رات کا بدلنا، سمندر میں کشتیوں اور جہازوں کا تیرنا اور ان سے لوگوں کا فائدہ اٹھانا، آسمان سے بارش کا برسنا اور اس کے ذریعے مردہ زمین کا زندہ ہو جانا، روئے زمین پر طرح طرح کے جانوروں کا پایا جانا، ہواؤں کا چلنا اور زمین و آسمان کے درمیان بادلوں کا حکم کے تابع ہونا، یہ ان لوگوں کے لیے اللہ کی کھلی نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں۔

اور مسلمانوں کو کائنات کی تعلیم دیتے ہوئے کہتا ہے کہ میں نے یہ سب کچھ تمہارے لیے ہی تو بنایا ہے۔

الم ترو ا ان اللّٰہ سخرلکم مافی السمٰوٰت وما فی الارض. (لقمان: ۳۱:۲۰)

ترجمہ: 'کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے تمہارے لیے آسمانوں اور زمینوں کی تمام چیزوں کو مسخر کر دیا ہے'۔

وهو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعاً. (البقرة: ۲:۲۹)

ترجمہ: 'اور اسی (اللہ) نے تمہارے لیے وہ سب کچھ پیدا کیا جو زمین میں ہے'۔

اس میں دوسری بانیں سیکھنا بھی شامل ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت زید بن ثابتؓ کو حکم دیا کہ عبرانی سیکھو تو انہوں نے تھوڑے سے عرصے میں عبرانی زبان سیکھ لی۔ (ابوداؤد، کتاب العلم، باب روایۃ حدیث اہل الکتاب)۔

اس میں دینی تعلیم کے علاوہ دوسرے امور میں غیروں سے اسفادہ بھی شامل ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے کہ:

کلمة الحکمة ضالة المومن فحیث وجدها فهو احق بها.

ترجمہ: یعنی علم وحکمت مومن کی گم شدہ میراث ہے جہاں سے بھی ملے وہ دوسروں کی نسبت اس کا زیادہ حق دار ہے۔

(سنن ترمذی، کتاب العلم، باب (ماجاء) فی فضل الفقه علی العبادۃ)

اس میں نظری تعلیم ہی نہیں عملی فنون بھی شامل ہیں چنانچہ آپ ﷺ نے مدینہ میں نیزہ بازی اور تیر اندازی کی مشقوں کی تحسین فرمائی۔ (صحیح بخاری، کتاب الجہاد باب التحریض علی الرمی)

اس میں تربیت وتزکیہ بھی شامل ہے یعنی تعلیم سے مقصود محض علم دینا نہیں بلکہ اس علم کے مطابق شخصیت کی عملاً بھی ہے

Marfat.com

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں بھی پیغمبرﷺ کے فرائض گنوائے وہاں تعلیم کے ساتھ تزکیئے کا ذکر ضرور کیا ہے دیکھے بطور مثال:

لقد من اللّٰہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم یتلوا علیھم ایٰتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتٰب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلٰل مبین. (العمران ۳: ۱۶۴)

ترجمہ: 'بے شک اللہ نے اہل ایمان پر احسان کیا کہ انہی میں سے ان کے درمیان ایک رسول بھیجا جو انہیں اللہ کی آیات سناتا، ان کا تزکیہ کرتا اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے جبکہ اس کی بعثت سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔

قرآن وسنت کی ان تعلیمات اور ان پر عمل ہی کا یہ اعجاز تھا کہ بہت جلد مسلمانوں میں شرح خواندگی سو فیصد ہوگئی، جگہ جگہ مدارس کھل گئے بلکہ ہر مسجد ایک مدرسہ بن گئی اور آنے والی صدیوں میں مسلمانوں نے نظری اور سائنس علوم میں محیر العقول ترقی کی۔

۲۔ تحقیق

تحقیق کی بنیاد تین امور ہیں: ایک حریت فکر، دوسرے غور وفکر اور تیسرے مشاہدہ وتجربہ۔ کس طرح قرآن وسنت ان تینوں رویوں کی آبیاری کرتے ہیں۔

حریت فکر

حریت فکر سے مراد یہ ہے کہ آدمی چیزوں کو روایتی طور پر محض اس لیے تسلیم نہ کرلے کہ یہ پہلے سے اسی طرح سے چلی آرہی ہیں بلکہ انہیں ٹھونک پرکھ کے اور ثبوت ودلیل (Reason and Retionality) کے ساتھ مانے۔ چنانچہ قرآن کفار کے اس روّیے کی مذمت کرتا ہے کہ وہ میرٹ پر پرکھے بغیر اسلام کی تعلیم کو محض اس لیے رد کردیتے ہیں کہ یہ ان کے آباؤاجداد کی تعلیم کے خلاف ہے۔

واذا قیل لھم اتبعوا ما انزل اللّٰہ قالوا بل نتبع ما الفینا علیہ اٰبآءنا اولو کان اٰبآؤھم لا یعقلون شیئاً ولا یھتدون. (البقرۃ: ۲:۱۷۰)

ترجمہ: 'اور جب مشرکوں سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو ہدایت نازل کی ہے اس پر چلو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو اس راہ پر چلیں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو چلتے دیکھا ہے۔ تو کیا اس صورت میں بھی وہ اپنے باپ دادا کی پیروی کریں گے جب کہ وہ عقل سے کام لیتے تھے اور نہ سیدھی راہ جانتے تھے'۔

اور قرآن حکیم کا یہ مستقل اسلوب ہے کہ وہ جب بھی کوئی دعویٰ کرتا ہے تو ساتھ دلیل دیتا ہے اور جب بھی کوئی حکم دیتا ہے تو ساتھ ہی اس کی حکمت بیان کرتا ہے۔ اس اسلوب سے سارا قرآن بھرا پڑا ہے۔ ہم صرف نمونے کی خاطر ایک دو مثالیں دینے پر اکتفا کرتے ہیں۔

Marfat.com

توحید اسلام کا مرکزی تصور ہے۔ قرآن نے بار بار اس کا ذکر کیا ہے اور جہاں بھی اس کا ذکر کیا ہے دلائل کے انبار لگا دیئے ہیں۔

امن خلق السمٰوٰت والارض وانزل لکم من السمآء مآ ء فانبتنا بہ حدآئق ذات بھجۃ ما کان لکم ان تنبتوا شجرھا ، ء الٰہ مع اللّٰہ بل ھم قوم یعدلون. امن جعل الارض قرار ا وجعل خللھآ انھٰر وجعل لھا رواسی وجعل بین البحرین حاجزا ء الٰہ مع اللّٰہ بل اکثرھم لا یعلمون. (النمل: ۲۸: ۶۰_۶۱)

ترجمہ: 'بھلا وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تمہارے لیے آسمان سے پانی اتارا؟ پھر اس نے خوشنما باغات اگائے جبکہ تمہارے بس میں نہ تھا کہ تم ان کو اگا سکتے۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور اللہ بھی ہے؟ بلکہ ایسا سمجھنے والے راہ راست سے ہٹے ہوئے ہیں۔ بھلا کس نے زمین کو رہنے کے قابل بنایا۔ اس میں دریا جاری کیئے اور پہاڑ کھڑے کیئے اور سمندروں میں بیٹھے اور کھاری پانی کو باہم مختلط ہونے سے بچایا۔ کیا اللہ کے علاوہ کوئی اور اللہ بھی ہے جو یہ کچھ کرسکتا مگر اکثر لوگ سمجھ کر نہیں دیتے۔

ان الصلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشآء والمنکر. (العنکبوت: ۲۹: ۴۵)

ترجمہ: 'بے شک نماز بے حیائی سے اور برے کاموں سے روکتی ہے۔

روزے کا حکم دیا تو فرمایا:

یآ یھا الذین اٰمنو کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون

(البقرۃ:۲:۱۸۳)

ترجمہ: 'اے ایمان والو! تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے جیسے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا تا کہ تم پرہیز گار بن جاؤ۔

حج کا حکم دیا تو فرمایا:

لیشھدوا منافع لھم ویذکروا اسم اللّٰہ فی ایام معلومٰت علی ما رزقھم من بھیمۃ الانعام فکلوا منھا واطعموا البآئس الفقیر. (الحج: ۲۲: ۲۸)

ترجمہ: 'تا کہ وہ مقامات حج پر (تجارت سے) فائدے حاصل کریں اور اللہ نے جو مویشی انہیں دے رکھے ہیں۔ ان خاص دنوں میں ان کی قربان کریں اور ان کا گوشت خود بھی کھائیں اور مسکینوں محتاجوں کو بھی کھلائیں۔

غور وفکر

یہ بھی قرآن کا مستقل اسلوب ہے کہ وہ مسلمانوں کو غور وفکر کی دعوت دیتا ہے۔ بطور نمونہ صرف دو مثالیں دیکھیے۔

ایک جگہ مومنوں کی صفات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

الذین یذکرون اللّٰہ قیاما وقعود وعلی جنوبھم ویتفکرون فی خلق السمٰوٰت والارض.

(العمران:۳:۱۹۱)

Marfat.com

ترجمہ: 'جو کھڑے بیٹھے اور لیٹے ہر وقت اللہ کو یاد کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق پر غور کرتے ہیں۔

دوسری جگہ غور وفکر کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا:

اولم یتفکروا فی انفسھم ما خلق اللہ السمٰوٰت والارض وما بینھما الا بالحق واجال مسمًی.

(الروم: ۳۰:۸)

ترجمہ: 'کیا یہ اپنے وجود کے بارے میں غور وفکر نہیں کرتے؟ (اگر کرتے تو سمجھ جاتے کہ ان کی طرح) اللہ نے زمین وآسمان اور اس سب کچھ کو جو ان کے درمیان ہے۔ایک خاص مقصد سے پیدا کیا ہے۔

تجربہ ومشاہدہ

جیسا کہ سطور بالا میں آپ نے دیکھا کہ قرآن لوگوں کو لکیر کا فقیر اور سنے سنائے اندھے مقلد مسلمان نہیں بناتا بلکہ ان کو دلائل دیتا ہے۔احکام کی حکمتیں بتاتا ہے، غور وفکر پر اکساتا ہے۔اسی طرح وہ ان کو تجربہ ومشاہدہ کی ترغیب دیتا ہے۔چنانچہ فرمایا:

وفی الارض ایٰت للمؤقنین . وفی انفسکم افلا تبصرون . (الذاریات: ۵۱:۲۰۔۲۱)

ترجمہ: 'اور زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں یقین کرنے والوں کے لیے اور خود تمہارے اپنے اندر بھی۔کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟

قل سیروا فی الارض فانظروا کیف بدا الخلق . (العنکبوت: ۲۹:۲۰)

ترجمہ: 'اے نبی ﷺ ان سے کہو زمین میں گھومو پھرو اور دیکھو کہ کس طرح اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا۔

قل سیروا فی الارض ثم انظروا کیف کان عاقبۃ المکذبون . (الانعام: ۶:۱۱)

ترجمہ: 'اے نبی ﷺ ان سے کہو کہ زمین میں گھومو پھرو اور دیکھو کہ حق کو جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا؟۔

اس طرح اسلام آزادانہ سوچ، غور وفکر اور تجربہ ومشاہدہ کی حوصلہ افزائی کرکے انہیں تحقیق پر ابھارتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمان علم وتحقیق میں دنیا سے بہت آگے نکل گئے اور ان کے قائم کردہ معیار علم وتحقیق کا کوئی قوم صدیوں تک مقابلہ نہ کرسکی اور ایسا صرف سائنس وٹیکنالوجی ہی میں نہیں ہوا بلکہ دینی وسماجی علوم میں بھی مسلمانوں کا یہی رویہ تھا یہاں تک کہ علامہ اقبال حضور ﷺ کے ابن صیاد کے مشاہدے کو نفسیات کی پہلی تجربی تحقیق قرار دیتے ہیں۔

(*Allama Iqbal, The Reconstruction of Religious. Thought in Islam, p-13, Iqbal Academy Lahore, 1989*)

۳۔ سیاسی استحکام

اسلام نام ہے اللہ کے احکام کو سربسر تسلیم کرنے کا اور ان احکام کی نوعیت یہ ہے کہ وہ حقوق اللہ اور حقوق الناس دونوں پر مشتمل ہیں اور ان کا مقصد یہ ہے کہ دنیا کی زندگی اللہ کے احکام کے مطابق گزاری جائے تاکہ آخرت میں، جو دار الجزاء ہے۔ اللہ ہمیں اپنی خوشنودی اور اپنی نعمتوں سے نوازے۔اب دنیا کی زندگی گزارنے کے لیے اللہ نے جو احکام دیئے ہیں وہ انفرادی

Marfat.com

نوعیت کے بھی ہیں اور اجتماعی نوعیت کے بھی۔ ان اجتماعی نوعیت کے احکام پر اس وقت تک عمل نہیں ہوسکتا جب تک حکومتی اقتدار ان لوگوں کے ہاتھ میں نہ ہو جو دنیا کی زندگی اللہ کے احکام کے مطابق گزارنا چاہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اسلام نے مسلمانوں کے لیے قیام ریاست وحکومت کو واجب قرار دیا ہے اور قرآن بتاتا ہے۔ کہ انبیاء اس کے لیے ہمیشہ دعا گو اور کوشاں رہے ہیں چنانچہ دیکھیے کہ حضرت لوط پر اسلامی احکام پر عمل کے حوالے سے جب مشکل وقت آپڑا تو انہوں نے کہا: کاش مجھے اقتدار کی پشتیابی حاصل ہوتی (ہود ۱۱:۸۰) اور حضرت موسیٰ نے بعثت کے بعد فرعون کو ہدایت کی طرف بلاتے ہوئے پہلا مطالبہ ہی یہ کیا کہ بنی اسرائیل کے اقتدار اعلیٰ کو بحال کرو (الاعراف ۷:۱۰۴، ۱۰۵) اور مکہ میں جب حق و باطل کی کشمکش تیز ہوگئی تو نبی کریم ﷺ نے یہ دعا سکھائی کہ۔

وقل رب ادخلنی مدخل صدق و اخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنک سلطٰناً نصیرا
(بنی اسرائیل: ۱۷:۸۰)

ترجمہ: ''کہو اے اللہ میں جہاں بھی جاؤں عزت سے جاؤں اور جہاں سے بھی نکلوں عزت سے نکلوں اور مجھے اپنی جناب سے فاتحانہ غلبہ نصیب فرما۔

۴۔ میڈیا

میڈیا کا کردار یہ ہے کہ اپنی بات احسن اور موثر انداز میں دوسروں تک پہنچائی جائے تا کہ ان پر آپ کا نقطۂ نظر خوب واضح ہو جائے اور وہ اس کے قائل ہو جائیں یا اگر آپ کے مخالف آپ کے خلاف جھوٹا پروپیگنڈہ کریں تو اس کا اس طرح توڑ کیا جائے کہ آپ کو کم سے کم نقصان پہنچے۔ یہ چیزیں ہمیں قرآن وسنت نے خوب سکھائی ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کو دیکھیے، فرماتے ہیں۔

قال رب انی دعوت قومی لیلا ونھارا ، فلم یزدھم دعآءی الا فرارا . وانی کلما دعوتھم لتغفر لھم جعلوا اصابعھم فی اذانھم واستغشوا ثیابھم واصروا واستکبروا اسکتبارا. ثم انی دعوتھم جھارا ثم انی اعلنت لھم واسررت لھم اسرارا . فقلت استغفروا ربکم انه کان غفارا . (نوح: ۷۱:۵۔۱۰)

ترجمہ: 'اور حضرت نوح علیہ السلام نے کہا اے میرے رب میں اپنی قوم کو رات اور دن بلاتا رہا مگر میرے بلانے سے وہ اور زیادہ بھاگنے لگے۔ میں نے جب بھی انہیں بلایا کہ تو انہیں معاف کردے تو انہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں۔ اپنے اوپر کپڑے لپیٹ لیے، ضد کی اور بڑا غرور کیا۔ پھر میں نے انہیں برملا پکارا، انہیں کھلی تبلیغ کی اور انہیں چپکے سے بھی سمجھایا۔ میں نے کہا اپنے رب سے معافی مانگو بے شک وہ بڑا معاف کرنے والا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مثال لیجئے انہیں جب اللہ نے خلعت نبوت سے سرفراز فرمایا تو انہوں نے کہا کہ میری زبان میں تو لکنت ہے۔ اپنی بات عمدگی سے نہ کہہ سکوں گا چنانچہ ان کے بھائی ہارون کو ان کا نائب بنا دیا گیا۔ پھر انہیں حکم دیا گیا

Marfat.com

کہ فرعون کے پاس جاؤ لیکن اپنی بات نرمی اور دھیمے انداز میں کہنا:

اذ هبآ الی فرعون انه طغیٰ . فقولا له قولا لینا لعله ، یتذکرہ او یخشیٰ . (طٰہٰ: ۲۰:۴۳-۴۴)

ترجمہ: '(اے موسیٰ! تم اور تمہارے بھائی) دونوں فرعون کے پاس جاؤ کہ وہ سرکش ہو گیا ہے۔ اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا شائد وہ نصیحت قبول کرے یا اپنے برے انجام سے ڈر جائے۔

اسی طرح اللہ نے نبی کریم ﷺ کو ہدایت دی کہ:

ادع الی سبیل ربک بالحکمة والمؤعظة الحسنة وجادلهم بالتی هی احسن. (النحل:۱۶:۱۲۵)

ترجمہ: 'اے نبی ﷺ! آپ اپنے رب کے راستے کی طرف لوگوں کو حکمت سے بلائیں، عمدہ طریقے سے انہیں نصیحت کریں اور اچھے طریقے سے ان سے بحث کریں۔

یہ بھی فرمایا کہ ان کے بتوں کو برا بھلا نہ کہو مبادا کہ وہ تمہارے اللہ کو برا بھلا کہیں۔

ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدوا بغیر علم. (الانعام:۶:۱۰۸)

ترجمہ: 'اے مسلمانو! جو لوگ اللہ کے سوا دوسروں کو پکارتے ہیں تم ان کے معبودوں کو برا بھلا نہ کہ ورنہ وہ بھی حد سے گزر کر جہالت کی بناء پر اللہ کو برا بھلا کہنے لگیں گے۔

خود آنحضرت ﷺ بہترین مقرر تھے۔ آپ ﷺ کی آواز بلند اور پاٹ دار تھی۔ تیز نہ بولتے تھے تاکہ مخاطب اچھی طرح سمجھ جائیں۔

مادی وسائل

دنیا کی بہتری چاہتا اور مسلمانوں کو تسخیر کائنات پر ابھارتا ہے۔

الم تروا ان اللہ سخر لکم مافی السمٰوٰت وما فی الارض... (لقمان ۳۱:۲۰)

ترجمہ: کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے زمین و آسمان میں جو کچھ ہے، تمہارے لئے مسخر کر رکھا ہے۔

ھو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا . (البقرة ۲:۲۹)

ترجمہ: اس (اللہ) نے تمہارے لئے پیدا کیا ہے وہ سب کچھ جو زمین میں ہے،

۱۔ تعلیم و تعلم کی حوصلہ افزائی کرتا ہے

۲۔ فرمان نبوی ﷺ ہے کہ علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے (سنن ابن ماجہ، المقدمہ، باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم) نیز آپ ہمیشہ دعا فرماتے تھے کہ اے اللہ! میرے علم میں اضافہ فرما (سنن ابن ماجہ، ابواب الدعاء، باب دعاء رسول ﷺ)

وسخر لکم مافی السمٰوٰت وما فی الارض جمیعا منه ان فی ذٰلک لاٰیٰت لقوم یتفکرون .

(الجاثیه ۴۵:۱۳)

Marfat.com

ترجمہ: اور اسی نے تمہارے لئے زمین و آسمان کی سب چیزوں کو مسخر کیا۔ بے شک اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو غور وفکر کرتے ہیں۔

تجربہ و مشاہدہ کی حمایت کرتا ہے:

قل سیر وا فی الا رض فا نظر وا کیف بدا ا لخلق . (العنکبوت ۲۹:۲۰)

ترجمہ: 'اے نبی ﷺ ان سے کہو تم زمین میں گھومو پھرو اور دیکھو کہ کس طرح اللہ نے مخلوقات کو پیدا کیا'۔

امور کو ان کی بہترین شکل میں انجام دینے کی تلقین کرتا ہے۔ یعنی Excellence کا حکم دیتا ہے چنانچہ حدیث جبریل میں ہے کہ حضرت جبریلؑ نے پہلے آپ ﷺ سے پوچھا کہ ایمان کیا ہے؟ (یعنی عقیدہ) پھر پوچھا کہ اسلام کیا ہے؟ یعنی اعمال اور اس کے بعد پھر پوچھا کہ احسان کیا ہے؟ یعنی اعمال کو بہترین طریقے سے انجام دینے کا طریقہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے وہ طریقے بتادیا یعنی اللہ کی حضوری کا تصور۔ (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب سوال جبریل النبی عن الایمان والاسلام والاحسان)

ایک دوسری جگہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ 'ان اللہ کتب الاحسان علی کل شیٔ' (صحیح مسلم، کتاب الصید، باب الامر بی الاحسان الذبح والقتل) یعنی اللہ نے تم پر یہ فرض کیا ہے کہ ہر کام بہترین طریقے سے کرو اور یہاں مہمات امور کی بھی قید نہیں کہ نماز، روزہ اور جہاد جیسے امور بہترین سے انجام دو بلکہ فرمایا کہ چھوٹا سے چھوٹا کام ہو تو بھی بہترین طریقے سے کرو چنانچہ فرمایا:

'اگر جانور ذبح کرنا ہو تو بھی اچھی طرح کرو اور چھری پہلے اچھی طرح تیز کرلو' (صحیح مسلم، کتاب الصید، باب الامر بی الاحسان الذبح والقتل) اب آپ فرمایئے کہ مسلمانوں کو سائنس و ٹیکنالوجی پر ابھارنے کے لیے ان چیزوں (یعنی تسخیر کائنات کا جذبہ، علم و تحقیق، غور وفکر، تجربہ و مشاہدہ، ایکسی لینس وغیرہ) کے علاوہ بھی کسی چیز کی ضرورت ہے؟ ہر صاحب عقل اس کا جواب نفی میں دے گا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ نبی کریم ﷺ جس معاشرے میں مبعوث کیے گئے تھے وہ صحرائی خطہ ہونے کی وجہ سے متمدن آبادیوں سے دور تھا لہذا سائنسی میدان میں تقدم کے لیے مسلمانوں کو کچھ عرصہ ضرور لگا، جیسا کہ تاریخ شاہد ہے کہ وہ جلد ہی سائنسی و ٹیکنالوجی میں بھی باقی دنیا سے آگے نکل گئے۔

۲۔ معاشی صلاحیت

اسلامی احکام انسان کی دنیوی بہتری کے لیے نازل کے گئے ہیں (ایسی دینوی بہتری جس کا نتیجہ اخروی بہتری ہو) تو اس کا لازمی تقاضا یہ تھا کہ وہ احکام انسان کے سارے مسائل سے بحث کریں اور ان کا حل بتائیں چنانچہ اسلامی احکام سارے انسانی مسائل سے بحث کرتے اور ان کے دوٹوک حل بتاتے ہیں۔ انسان کے بڑے مسائل میں سے ایک اس کا معاشی مسئلہ بھی ہے۔ چنانچہ اسلام نے مسلمانوں کے معاشی استحکام اور معاشی ترقی کے لیے واضح اور متعین ہدایات دی ہیں جن میں سے چند اہم یہ ہیں۔ دولت کی چند ہاتھوں میں ترکیز سے منع کیا اور اس کی تقسیم کا اس طرح معقول انتظام فرمایا کہ اس کا رخ دولت مندوں سے ضرورت مندوں کی طرف ہوگیا:

Marfat.com

وما أفاء الله على رسوله من أهل القرى فلله وللرسول ولذي القربى واليتامى

والمساكين وابن السبيل كي لا يكون دولة بين الأغنياء منكم ...... الحشر: ۷

ترجمہ: [illegible] اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو [illegible] وہ اللہ کا اور رسول ﷺ کا [illegible] تاکہ [illegible] ہاتھوں میں [illegible] ہے۔

[illegible] محنت و مشقت [illegible] (صحیح بخاری [illegible])

[illegible]

[illegible]

[illegible]

چوری

والسارق والسارقة فاقطعوا أيديهما جزاء بما كسبا نكالا من الله ...... المائدة: ۳۸

ترجمہ: اور چور مرد اور چور عورت کے ہاتھ کاٹ دو ان کے کئے کی سزا اللہ کی طرف سے عبرتناک سزا ہے۔

ڈکیتی

إنما جزاء الذين يحاربون الله ورسوله ويسعون في الأرض فسادا أن يقتلوا أو يصلبوا أو تقطع أيديهم وأرجلهم من خلاف أو ينفوا من الأرض ذلك لهم خزي في الدنيا ولهم في الآخرة عذاب عظيم

المائدة: ۳۳

ترجمہ: اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور ملک میں فساد پھیلانے کو دوڑتے پھرتے ہیں ان کی سزا یہی ہے کہ قتل کر دیے جائیں یا سولی پر چڑھا دیے جائیں یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف سمت سے کاٹ دیے جائیں یا ملک سے نکال دیے جائیں یہ ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔

شہادت

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے وہ شہید ہے۔

(صحیح بخاری، کتاب المظالم، باب من قاتل دون ماله)

یہ معاشی تعلیمات انقلابی نوعیت کی تھیں اور ناممکن تھا کہ ان کا مثبت نتیجہ نہ نکلتا ہے۔ چنانچہ جب صحابہ ہجرت کر کے مدینہ گئے تو اس وقت مالی طور پر قلاش تھے اور آنحضرت ﷺ سمیت سب کو فقرہ وفاقہ کا سامنا تھا لیکن آنحضرت کی وفات تک دس سال ہی میں حالات بہت سدھر گئے اور حضرت عمرؓ کے زمانے تک پہنچتے دولت کی ریل پیل ہوگئی اور سوشل سیکیورٹی کا فعال نظام قائم کر دیا گیا۔ یہاں تک حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانے میں ایک وقت وہ آیا کہ بعض بستیوں میں زکوۃ لینے والا کوئی نہ رہا۔

۳۔ حربی قوت

جنگ کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر دو چیزوں کو آلات حرب پر ترجیح دیتا ہے۔

ایک اللہ کی نصرت کی توقع اور دوسرے انسان اور ان دونوں کی اہمیت کا کافر بھی تسلیم کرتے ہیں۔ پہلی بات کو فوج کے مورال کی اساس ہونے کی بناء پر اور دوسری اسلیئے کہ اسلحہ کے مقابلے میں لڑنے والا آدمی بہر حال اہم تو ہوتا ہے کیونکہ اگر فرد میں لڑنے کا جذبہ نہ ہو تو انتہائی مہلک اور قیمتی اسلحہ بھی اس کے لئے بیکار ہے۔ اس لئے اسلام لڑنے والے آدمی کے سامنے اللہ کی رضا جوئی اور اعلاء کلمۃ اللہ کا اتنا بڑا مقصد رکھ دیتا ہے کہ وہ اسکی خاطر جان دینے کو سعادت سمجھتا ہے اور زندہ رہنے پر مرنے کو ترجیح دیتا ہے۔ یہی دو عناصر مسلمانوں کی جنگی قوت کا اصل سبب ہیں اور دشمنوں کے ساتھ ان کی مڈبھیڑ میں فیصلہ کن کردار ادا کرتے ہیں۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اسلام اسلحے اور آلات حرب کو اہمیت نہیں دیتا بلکہ اسلام کی تو مستقل پالیسی ہے یہ ہے کہ تمام دنیوی معاملات میں اپہلے اسباب فراہم کرنے کی مقدور بھر کوشش کرو پھر اللہ کی نصرت کی امید رکھو۔ چنانچہ ایک آدمی نے آپؐ سے توکل کے بارے میں پوچھا تو آپؐ نے فرمایا کہ پہلے اونٹ کا گھٹنا باندھو اور پھر اللہ پر توکل کرو (کہ وہ گم نہیں ہو جائے گا) (سنن ترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ، باب حدیث اعقلھا وتوکل) اسی طرح پہلے آپؐ نے بدر کے میدان میں ساری زندگی کی جمع پونجی لا کر حاضر کردی پھر (جذب کے عالم میں) کہا کہ اے اللہ! یہ لوگ اگر آج مٹ گئے تو تیرا نام کون لے گا؟ (صحیح مسلم، کتاب الجہاد، باب الامداد بالملائکہ فی غزوہ بدر) یہ دعا گھر بیٹھے نہیں مانگ لی حالانکہ آپؐ اللہ کے محبوب پیغمبر تھے اور اللہ کی رحمت کے مستحق تھے۔ چنانچہ جنگ کے حوالے سے بھی قرآن کہتا ہے کہ تمہارے پاس اتنا اسلحہ ضرور ہونا چاہئے جس سے کافروں پر تمہارا رعب بیٹھ جائے۔

واعدو لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدكم واخرين من دونهم لا تعلمو نهم الله يعلمهم. (الانفال ۸۔۲۰)

ترجمہ: اور اے مسلمانو! جس قدر تم سے ہو سکے فوجی قوت اور گھوڑے تیار رکھو جس سے اللہ کے دشمنوں پر، تمہارے دشمنوں پر اور ان لوگوں پر تمہاری ہیبت رہے جنہیں تم نہیں جانتے مگر اللہ جانتا ہے۔

Marfat.com

اس ہدایت اور سپرٹ کے تقاضوں کو سمجھتے ہوئے مسلمان اسلحے میں بھی ہمیشہ اپنے دشمنوں سے آگے رہے ہیں۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ کے حکم پر مدینہ میں شام کے وقت کھلے میدان میں تیراندازی اور نیزہ بازی کی مشق کی جاتی تھی (صحیح بخاری، کتاب الجہاد، باب التحریض علی الرمی) اور روایات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ فتح مکہ کے بعد جب آپؐ نے طائف کا محاصرہ کیا تو اس وقت منجنیق استعمال کی (ابن سید الناس، عیون الاثر، ج ۲ ص ۲۰۰، القاہرۃ، ۱۳۶۷ھ) جو اس زمانے کے اسلحہ جنگ میں جدید ترین ہتھیار تھا پھر حضرت امیر معاویہؓ کے عہد میں بحری بیڑا بنالیا گیا جس نے سمندروں میں مسلمانوں کی بالادستی کو مستحکم کر دیا۔

مسلم نشأۃ ثانیہ کے امکانات

مسلمان گو اس وقت زوال کا شکار ہیں لیکن ان کے اصول حیات صحیح اور صالح ہیں اور ان کے پاس محفوظ ہیں لہذا اگر وہ ان اصولوں پر سچ مچ عمل کرنے لگیں تو ان کے دوبارہ غالب آنے کے سو فیصد امکانات موجود ہیں۔ لیکن اکثر ایسے لوگوں کو جو قنوطی ہیں حالات کے دباؤ کا شکار ہیں یا جن کی نظر صرف حال پر ہوتی ہے۔ اور جنہوں نے قوموں کے عروج و زوال کے قرآنی فیصلے پر کبھی غور نہیں کیا، انھیں مسلمانوں کے زوال سے نکلنے اور دوبارہ غالب آنے کے امکانات کہیں نظر نہیں آتے۔ مسلمانوں ے حالات خراب ضرور ہیں لیکن اتنے بھی خراب نہیں کہ آدمی بالکل ہی مایوس ہو جائے کہ اس مرد بیمار کے سنبھلنے کے کوئی امکانات نہیں۔ متعدد وجوہ کی بناء پر مسلم تہذیب میں یہ منفرد خصوصیت موجود ہے کہ وہ انتہائی ضعف کمزوری کی حالت سے نکل کر دوبارہ تندرست و توانا ہو سکتی ہے۔ تیسرے یہ کہ کمیونزم کے زوال کے بعد دنیا ایک نظریاتی خلا میں مبتلا ہے اسے ایک عادلانہ ورلڈ آرڈر کی ضرورت ہے اور یہ ورلڈ آرڈر مغرب کی لادینی تہذیب اسے نہیں دے سکتی لہذا اس خلاء کو اسلامی تہذیب با آسانی پر کر سکتی ہے۔ اور چوتھے یہ کہ مغرب اپنی طاقت کے زعم میں جو ظلم و ستم مسلم اقوام پر ڈھا رہا ہے اس کے نتیجے میں مسلم دنیا میں بالآخر جو رد عمل پیدا ہوگا وہی مغرب کے ظلم و ستم کو بہالے جائے گا اور اس طرح گویا خود مغرب ہی مسلمانوں کی نشأۃ ثانیہ کا سبب بنے گا۔

مسلم امہ۔۔۔ تصویر کے کچھ روشن پہلو

مسلم امہ بلاشبہ اس وقت ہر لحاظ سے زبوں حالی کا شکار ہے۔ نظریاتی طور پر دیکھیے تو یہ اپنے نظریہ حیات سے وابستہ نہیں بلکہ ذہنی افلاس کا شکار ہ دوسرے نظریات سے مرعوب اور ان پر عمل کی خواہاں ہے سیاسی لحاظ سے دیکھیے تو بظاہر آزادی حاصل کر لینے کے باوجود یہ اپنے فیصلے خود نہیں کر سکتی بلکہ اس کے فیصلے واشنگٹن، لندن اور پیرس میں ہوتے ہیں۔ اس کے اکثر حکمران مغرب کے گماشتے ہیں۔ معیشت کے لحاظ سے اکثر مسلمان ممالک بین الاقوامی یہودی اور مغربی معاشی اداروں اور حکومتوں کے مقروض کی اصل دولت مغربی بینکوں میں پڑی ہے اور مغربی ممالک کے کام آرہی ہے جب کہ بہت سے غریب مسلم ممالک کے عام نان جویں کو ترس رہے ہیں۔ خط غربت سے نیچے بسر کرنے والے مسلمانوں کی تعداد ۴۵ کروڑ سے بھی زیادہ

Marfat.com

ہے۔ جو کل مسلم آبادی کی ایک تہائی سے بھی زیادہ ہے۔ دفاعی لحاظ سے دیکھئے تو اسلامی دنیا اسلحے میں خود کفیل نہیں بلکہ مغرب کی محتاج ہے۔ مسلم ممالک کے درمیان کوئی دفاعی معاہدہ نہیں اور طاقتور مغربی ممالک جب چاہتے ہیں مسلمان ممالک کو نرم چارے کی طرح کھا جاتے ہیں۔ صنعت و حرفت کا یہ حال ہے کہ کوئی مسلمان ملک بھاری مشینری یا الیکٹرانک مصنوعات نہیں بنا سکتا۔ یہ سب ترقی یافتہ ممالک سے درآمد کرنی پڑتی ہیں۔ سارے مسلم ممالک کی مجموعی قومی پیداوار دنیا کے مجموعی قومی پیداوار کا محض ۴ فیصد ہے۔ تعلیم کا یہ حال ہے کہ اکثر مسلم ممالک میں شرح تعلیم تیس چالیس فیصد سے زیادہ نہیں۔ تربیت کا کہیں اہتمام ہی نہیں اخلاقی ابتری کا یہ حال ہے کہ کرپٹ ترین ممالک میں ہمیشہ اسلامی ملکوں کا نام سرفہرست ہوتا ہے۔ گویا ہم اسلام کے نام لیوا رشوت 'فراڈ' دھوکہ دہی اقربا پروری بددیانتی میں سب سے آگے ہیں۔ ہماری سماجی حالت یہ ہے کہ ہم کافروں جیسا بننا چاہتے ہیں۔ ان جیسا لباس پہن کر اتراتے ہیں۔ تمدن و ثقافت میں غیروں اور دشمنوں کی پیروی کرنا چاہتے ہیں۔ ہماری گلیاں گندی شہر گنجان اور دیہات ویران ہیں۔ زراعت میں مسلم دنیا خود کفیل نہیں اور پیٹ بھرنے جیسی بنیادی ترین ضرورت کو پورا کرنے کے لئے بھی ترقی یافتہ ممالک کی محتاج ہے۔ مسلمان ممالک کے نزدیک سائنس و ٹیکنالوجی کی یہ اہمیت ہے کہ یہ اپنی قومی مجموعی آمدنی کا صرف 0.5 فیصد سائنس و ٹیکنالوجی پر صرف کرتے ہیں۔ دنیا کے ۷۵ فیصد کے لگ بھگ معدنی وسائل کی مالک اسلامی دنیا مفلوک الحالی کا شکار ہے۔ اس پر ۷۰۰ ارب ڈالر سالانہ ہے جب کہ فرانس کی قومی پیداوار تقریباً ۱۲ ہزار ارب ڈالر سالانہ ہے ،جرمنی کی ۲۴ ہزار ارب ڈالر اور جاپان کی ۵۵ ہزار ارب ڈالر سالانہ ہے۔

صرف ان تین ممالک کی کا جی ڈی پی ۹۴ ہزار ارب ڈالر بنتا ہے۔ جو سارے اسلامی ممالک کے مجموعی جی ڈی پی سے تقریباً آٹھ گنا زیادہ ہے۔ انڈونیشیا سے مراکش تک پھیلے اسلامی ممالک کی آبادی دنیا بھر کی آبادی کا تقریباً چوتھا حصہ ہے۔ عالم اسلام لگ بھگ تین کروڑ مربع کلومیٹر رقبے پر محیط ہے۔ صرف پانچ اسلامی ممالک سعودی عرب، عراق، متحدہ عرب امارات، کویت اور ایران کے دریافت شدہ تیل کے ذخائر ۳ء۲۵۸ بلین بیرل ہیں لیکن دنیا کی برآمدات میں ہمارا حصہ صرف ۵ء۷ فیصد ہے۔ عالمی معیشت میں ہمارا حصہ ۵ فیصد سے بھی کم ہے۔ اتحاد و یک جہتی کا عالم یہ ہے کہ مسلم ممالک کی باہمی تجارت ان کی مجموعی تجارت کا صرف ۱۰ فیصد ہے گویا ۹۰ فیصد تجارت پر اغیار قابض ہیں۔

آج سے کم و بیش نصف صدی پیشتر اکثر ممالک غلام تھے، استعمار کے شکنجے میں جکڑے ہوئے تھے آج وہ آزاد ہیں۔ مغربی استعمار نے ترکی کو شکست دے کر ۱۹۲۴ء میں مسلمانوں کی مرکزیت (خلافت) کا خاتمہ کر دیا تو ۱۹۴۹ء میں موتمر عالم اسلامی کے ذریعے عالم اسلام کو متحد کرنے کی کوشش ہوئی۔ ۱۹۲۶ء میں رابطہ عالم اسلامی قائم کی گئی اور پھر ۱۹۶۹ء میں سارے مسلمان ممالک نے سرکاری سطح پر اسلامی کانفرنس تنظیم OIC کے پلیٹ فارم پر جمع ہو کر امت کے اجتماعی مسائل پر آواز اٹھائی۔ اس ادبار کے دور میں دین کے سیاسی غلبے کے لئے امام حسن البناء نے ۱۹۳۸ء میں الاخوان المسلمون قائم کی جو دیکھتے دیکھتے اکثر عرب ممالک میں پھیل گئی۔ برصغیر میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے ۱۹۴۱ء میں جماعت اسلامی قائم کی اور اس وقت کئی مسلم ممالک میں اس نام سے جماعتیں قائم ہیں اور ان کی جدوجہد کے اثرات سارے عالم اسلام میں محسوس کئے جا رہے ہیں ۱۹۶۲ء

Marfat.com

میں برصغیر ہی سے مسلمانوں کو دین کے قریب لانے کے لئے تبلیغی جماعت اٹھی جس کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ چار دانگ عالم میں ۱۲ مہینے ہر وقت کہیں نہ کہیں تبلیغی جماعت کے لوگ متحرک ہوتے ہیں۔ انڈونیشیاء میں دینی تحریک نہضۃ العلماء کے ارکان کی تعداد تین کروڑ ہے۔ غرض آپ جس مسلمان ملک میں بھی جائیں وہاں آپ کو ایسی تحریکیں، تنظیمیں، ادارے اور افراد ملیں گے جو لوگوں کو دین کے قریب لانے کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں۔ ایسی تنظیمیں اور ادارے بھی ہیں جو غیر مسلموں تک دین پہنچا رہے ہیں۔ امریکہ، فرانس، برطانیہ اور بہت سے دوسرے مغربی ممالک میں مسلمان دوسری بڑی قوم بن چکے ہیں اور وہاں قبول اسلام کی رفتار اتنی تیز ہے کہ اسلام دشمن حلقے اس پر پریشان ہیں جن کا اظہار عالمی جرائد اور نشریاتی اداروں کی رپورٹوں سے ہوتا ہے۔

مسلمانوں کی تعداد اس وقت ڈیڑھ ارب سے زیادہ ہے گویا دنیا کا ہر چوتھا فرد مسلمان ہے اور مسلمانوں کی آبادی میں اس تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے کہ عالم کفر پریشان ہیں۔ ۵۷ ممالک اسلامی کانفرنس تنظیم کے رکن ہیں۔

مسلم دنیا کی سٹریٹیجک لوکیشن کا اندازہ کیجئے۔ مسلم انڈونیشیا بحرالکاہل کے ساحل پر سنتری کی طرح کھڑا ہے تو مسلم مراکش بحر متوسط کے نکڑ کا پہرے دار ہے اور آج اگر جبل الطارق مسلمانوں کے قبضے میں نہیں ہے تو اس کے مقابلے میں مراکش کا شہر طنجہ مسلمانوں کی اہم چوکی ہے۔ دنیا کا سب سے بڑا براعظم افریقہ مسلم اکثریت کا براعظم ہے یہاں باسٹھ فیصد سے زیادہ آبادی مسلمانوں کی ہے۔ یونان، اٹلی، سپین اور فرانس سے قطع نظر کیجئے اور دیکھئے تو بحر متوسط (بحیرہ روم) عالم اسلام کا گھریلو تالاب نظر آتا ہے۔ اس کا ۶۵ فیصد حصہ آج بھی مسلمانوں کی ہیں اور وہ خلیج فارس بھی، جس پر ایک مدت سے بڑی طاقتوں کی حریصانہ نظریں لگی ہوئی ہیں، مسلمانوں ہی کی ہے۔ اور باب المندب بھی مسلمانوں ہی کا ہے اور درہ دانیال اور باسفورس پر ترکی بیٹھا ہوا ہے۔ مشرق میں آتے ہوئے دیکھئے۔ انڈونیشیا اور ملائیشیا کا محل وقوع ایسا ہے کہ جس کسی کو بھی گزرنا ہے، انہی دونوں کے بیچ سے گزرنا ہے۔ پھر آبنائے ملا کا بھی مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے اور جزائر مالدیپ بھی۔ اسی طرح مشرق و مغرب کے درمیان بحر عرب کے ساحل پر پاکستان کھڑا ہے اور خلیج بنگال میں بنگلہ دیش۔

مسلم ممالک کی دفاعی افواج کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ نیٹو اور وارسا پیکٹ کی مشترکہ فوجوں سے بھی زیادہ ہے۔ صرف پاکستان کو دیکھئے جو ایٹمی ملک بھی ہے اور روایتی اسلحہ برآمد کر رہا ہے۔ کئی دوسرے مسلم ملک ایٹمی قوت بننے کے قریب ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ مسلمان ممالک اسلحے کی برتری میں اپنے حریفوں سے بہت پیچھے ہیں لیکن یہ بھی تو دیکھئے کہ اس کمزوری کے باوجود انہوں نے اپنے جذبہ جہاد سے جارح قوتوں کے دانت کھٹے کیئے ہیں۔ فلسطین، کشمیر، چیچنیا، بوسنیا، فلپائن میں مسلمانوں نے جو مزاحمتی جدوجہد کی ہے اور کر رہے ہیں وہ خود تاریخی حیثیت کا حامل ہے۔ افغانستان اور عراق کو دشمن نے پچھاڑ دیا لیکن وہاں گوریلا جنگ جاری ہے اور انشاء اللہ ایک دن کامیاب ہو کر رہے گی۔ پاکستان بھارت کے مقابلے میں چھوٹا سا ملک ہے لیکن وہ اس کے مقابلے میں تن کر کھڑا ہے۔

۵۷ ممالک تقریباً ڈیڑھ ارب کی آبادی بہترین سٹریٹیجک لوکیشن، سمندروں تک رسائی، زرخیر میدان، بلند و بالا پہاڑ

Marfat.com

صحرا اور جنگل معدنیات کے ذخائر، ہر قسم کی صنعتوں کے لئے خام مال وافر، زرعی اجناس بفراغت، بہترین افرادی قوت موجود ہے۔ البتہ یہ اس کی سنت نہیں ہے کہ یہ چیزیں اڑ کر ہمارے منہ میں پہنچ جائیں، کھانے کی مشقت تو ہمیں کرنی ہی پڑے گی۔

پھر اس وقت لاکھوں افراد کو سینکڑوں جماعتیں، تنظیمیں اور ادارے مسلمانوں کو دین سے وابستہ رکھنے میں کوشاں ہیں۔ دین کے سیاسی غلبے کے لئے مسلم ممالک میں بیسیوں تحریکیں کام کر رہی ہیں۔ غیر مسلموں میں اسلام کی تبلیغ کو اشاعت کا کام بھی خاصا ہو رہا ہے۔ اتحاد امت کے لئے تین بین الملی تحریکیں کام کر رہی ہیں۔ اور اسلام دشمن قوتوں کے شر سے بچنے اور ان سے مقابلے کی کوششیں بھی ہو رہی ہیں۔ ان ساری جہات میں جو کام ہو رہا ہے وہ بلاشبہ اتنا منظم، بھرپور، موثر اور نتیجہ خیز نہیں جتنا ہونا چاہئے لیکن اس کے باوجود امت کا اجتماعی شعور، غلبہ امت کی ان جہات امت کے مثبت عناصر کو متحرک رکھے ہوئے اور بلاشبہ ان کوششوں کے مثبت اثرات بھی موجود ہیں۔

باقی رہی یہ بات کہ جب افغانستان یا فلسطین میں ظلم ہوتا ہے اور ہم اللہ سے گڑگڑا کر دعا مانگتے ہیں کہ اے اللہ ان کی مصیبت ٹل جائے تو وہ کیوں نہیں ٹلتی۔۔؟ تو یاد رکھئے کہ دعاؤں کی قبولیت کے بارے میں بھی اللہ کی ایک سنت ہے جس پر غور کرنا چاہئے۔ ویسے یہ بتائے کہ حکیم جب آپ کو کڑوی دوا اپنانے کے لئے دیتا ہے تو کیا تو ظلم کرتا ہے؟ مالی جب شاخوں کی کانٹ چھانٹ کرتا ہے اور کچھ کو کاٹ کر نیچے پھینک دیتا ہے (تازہ سائنسی انکشاف یہ ہے کہ درخت بھی جاندار ہوتے ہیں) تو کیا وہ زیادتی کرتا ہے؟ جب بچہ بازار کا ہر کھلونا خریدنے کی ضد کر کے روتا ہے اور ماں خرید کر نہیں دیتی تو کیا وہ ظلم کرتی ہے؟

اس میں شک نہیں کہ اس وقت ہم مسلمانوں کے لئے حالات نامساعد ہیں۔ انتشار، اخلاص اور جہالت ہمارے پاؤں کی بیڑیاں بنے ہوئے ہیں۔ مغربی فکر و تہذیب کے غلبے نے نوجوانوں اور حکمرانوں کے دل و دماغ کو مفتوحہ کر رکھا ہے۔ ہمارے اجتماعی اداروں میں دشمن کے ایجنٹوں کی بھرمار ہے۔ اور حالات اتنے حوصلہ شکن ہیں کہ بظاہر ہم بند گلی میں کھڑے ہیں۔ لیکن یہ مایوسی کا مقام نہیں بلکہ اسی میں تو ہماری بیدار مغزی کا امتحان ہے کہ ہم اس بند گلی سے نکلنے کا راستہ اختیار کر پاتے ہیں یا نہیں؟ اللہ نے کوئی ایسی بیماری پیدا نہیں کی جس کا علاج نہ ہو۔ کوئی ایسی مشکل پیدا نہیں کی جس کا حل نہ ہو کیونکہ یہ اس کا وعدہ ہے کہ۔ لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا (البقرۃ ۲:۲۸۶) لہذا ہمیں اپنی مشکلوں کا حل ڈھونڈنا ہے اور اپنی بیماری کی دوا ایجاد کرنا ہے۔ مشکل حالات کا مقابلہ کرنے کا طریقہ یہ نہیں کہ آدمی مایوس ہو کر ہاتھ پیر چھوڑ بیٹھے کہ ہم تو ڈوب گئے بلکہ مشکل حالات سے عہدہ برآ ہونے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ آدمی اپنے اعصاب پر قابو رکھے، اپنی قوتوں کو مجتمع کرے، اور زور لگا کر ذلت کے گھڑے سے باہر نکل آئے۔

یہ بلاشبہ مشکل کام ہے لیکن دنیا کی سیادت بزدلوں، کمزوروں اور نامردوں کے ہاتھ میں کب آئی ہے؟ بلاشبہ اس کے لئے چیتے کا جگر اور شاہین کی نظر چاہئے۔ دریا کے بہاؤ کے خلاف تیرنے کا حوصلہ چاہئے اور جو یہ حوصلہ نہیں رکھتا اسے چاہئے کہ وہ چوڑیاں پہن کر گھر بیٹھے اسے کس نے کہا ہے کہ حق اور اس کے غلبے کی باتیں کرے۔ یہاں کا تو دستور ہی یہ ہے کہ۔۔

جس کو ہو جان و دل عزیز — اس کی گلی میں جائے کیوں؟

Marfat.com

یا یہ کہ

ـ اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق میں ایک جاں کا زیاں ہے سوا یسا زیاں نہیں

یا پھر یہ کہ

ـ جہاں بھی دی دی ہوئی اسی کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

مسلمان، جب تک اسے اپنے مسلمان ہونے کا یقین وادراک ہو، مایوس نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ اپنے خدا سے مایوس نہیں ہوسکتا ہے۔۔۔وہ خدا جو عرض وسماں کا خالق ہے جو بحرو بر کا مالک ہے۔جس کے سامنے زمین وآسمان باندھے کھڑے ہیں کہ کب ان کا حکم ہوتو وہ اسے بجالائیں۔ایسے خالق ومالک کا ماننے والا کب مایوس ہوسکتا ہے۔؟ ہمیں یقین ہے۔۔۔اتنا ہی پختہ یقین جتنا اس بات کا کہ اس وقت ہم یہ تحریر لکھ رہے ہیں۔۔۔کہ مسلمانوں کا مستقبل روشن اور تاب ناک ہے۔یہ محض دیوانے کی بڑ نہیں بلکہ سارے Indicators اسی کی طرف اشارہ کررہے ہیں کہ سحر طلوع ہونے کو ہے، رات کی تاریکی چھٹنے کو ہے۔اور یہ باطل کے اندھیروں کے مقدر میں ہے کہ وہ چھٹ کر رہیں۔سچ فرمایا اللہ سبحان وتعالیٰ نے اور اس سے بڑھ کر سچی بات کس کی ہوسکتی ہے۔

جاء الحق وزھق الباطل ط ان الباطل کان زھوقا (بنی اسرائیل ۱۷:۸۱)

ترجمہ: (حق آ گیا اور باطل مٹ گیا۔بیشک باطل ہے ہی مٹ جانے والی چیز)

انشاءاللہ وہ وقت دور نہیں جب

ـ شب گریزاں ہوگی آخر جلوہ خورشید سے یہ چمن معمور ہوگا نغمہ توحید سے

زوالِ مسلم

ـ اگر چہ زر بھی ہے جہاں میں قاضی الحاجات جو فقر سے ہے میسر تو نگری سے نہیں
سبب کچھ اور ہے تو جن کو خود سمجھتا ہے زوال بندۂ مومن کا بے زری سے نہیں

مسلم تہذیب میں تجدید حیات کی منفرد خصوصیات

اگر کسی تہذیب کو قوم کا نظریہ حیات صحیح ہو اور وہ اس کے پاس محفوظ وموجود ہو اور وہ اس لئے روبہ زوال ہو کہ وہ اس نظریے سے وابستگی میں کمزور ہوگئی ہے اور اس کے نتیجے میں اس کے اندر اسباب دنیا مہیا کرنے کی صلاحیت بھی مضمحل ہوگئی ہے تو ایسی تہذیب وقوم دوبارہ عروج حاصل کرسکتی ہے۔باشرطیہ وہ دوبارہ اس صحیح نظریے سے اس طرح وابستہ ہوجائے جیسا کہ اس کا حق ہے کیونکہ اس وابستگی کے نتیجے میں اس کے اندر اسباب دنیا مہیا کرنے کی صلاحیت دوبارہ قوت سے ابھر آئے گی۔اور اس کے دوبارہ عروج حاصل کرنے میں کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہے گی۔

اس کائنات اور اس میں انسان کے کردار کے حوالے سے ہم مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ انسان اور کائنات کو ایک

Marfat.com

خالق اللہ نے پیدا کیا ہے اور وہی اس کائنات کو چلا رہا ہے لہذا انسان کے لئے صحیح سیدھا اور فطری راستہ یہی ہے کہ وہ اس کائنات میں زندگی اسی طرح گزارے جس طرح اس کا خالق چاہتا ہے۔ انسان کا زمین میں اللہ کی مرضی کے مطابق زندگی گزارنا ہی اسلام ہے اور اللہ کے بھیجے ہوئے پیغمبر ابتدائے آفرینش سے انسان کو اسلام کی تلقین کرتے آئے ہیں یہاں تک کے زندگی اختتام کے قریب آ پہنچی اور انسانی ذہن طویل تجربات اور تمدنی ترقی وتدریج ارتقار کے نتیجے میں اس سطح تک آ پہنچا کہ اب زمین پر انسان کی باقی ماندہ مدت کے لئے زندگی گزارنے کے بنیادی اصولوں کے ڈھانچے (شریعت) میں کسی بڑی تبدیلی کی ضرورت نہ رہی۔ چنانچہ خالق کائنات نے اعلان کر دیا کہ یہ جو پیغمبر میں نے بھیجا ہے وہ آخری ہے اور اس کے بعد میں کوئی پیغمبر نہیں بھیجوں گا۔ (الاحزاب ۳۳:۴۰) اور جو شریعت (زندگی گزارنے کے اصولوں کی تنظیم) میں نے اس پیغمبر کے ذریعے بھیجی ہے وہ بھی آخری ہے اور اب اس کے بعد میں کوئی نئی شریعت نہیں بھیجوں گا۔ (العمران ۳:۷۵)۔ کہ اب اس کی ضرورت ہی نہیں رہی۔ اس کے ساتھ ہی اس نے زمین پر انسان کی باقی ماندہ مدت کی زندگی میں سامان ہدایت کی بقاء کے لئے تین انتظامات کئے:

۱۔ اس نے انسانی ہدایات کے لئے بھیجی گئی کتاب (القرآن الحکیم) کی متن کی حفاظت کا ذمہ خود لیا۔ (الحجرہ ۱۵:۹) اس کے لئے اس نے ایک طرف تو مسلمانوں کے دل اس کتاب کے زبانی حفظ اور تحریری حفاظت کے لئے کھول دیئے اور دوسری طرف اس نے مسلمانوں کو یہ بھی توفیق بخشی کہ انھوں نے اسناد، اسماء، الرجال، اور الجرۃ اور تعدیل جیسے عظیم الشان علوم ایجاد کئے اور یوں نہ صرف اللہ کی کتاب مسلمانوں کی کتاب ویسی ہی محفوظ ہے جیسے وہ آج سے چودہ سو سال پہلے حضرت محمدؐ پر نازل ہوئی تھی بلکہ اللہ کے فرستادہ رسول حضور ﷺ کی سیرت اور ان کی سنت بھی ان کے پاس موجود ہے جو کہ اللہ کی کتاب کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی بنیاد مہیا کرتی ہے۔

۲۔ اللہ نے مسلمانوں کو زندگی گزارنے کا جو ڈھانچا دیا (شریعت) اسے لچک دار رکھا تا کہ اس کے اصول وقوانین زمان ومکان اور حالات کی تبدیلی سے پیدا ہونے والے چیلنج کا سامنا کر سکیں اس کی یہ صورت اللہ سبحان وتعالی نے اختیار فرمائی کہ جن اصولوں پر انسانی معاشرے کی بقاء واستحکام کا انحصار ہے اور انھیں بدلنے کی ضرورت نہیں پڑتی ان میں حتی الامکان مکمل تفصیلات مہیا کر دیں اور انھیں ناقابل تاخیر قرار دے دیا (مثلاً حدود اور اہل زندگی کے قوانین) اور جن امور پر زمان ومکان ہر حالات کی تبدیلی اثر انداز ہو سکتی تھی وہاں اللہ سبحان وتعالیٰ نے محض پولیسی کے اصول مہیا فرما دئے اور تفصیلات کا تعین مسلمانوں پر چھوڑ دیا کہ وہ اپنے حالات کے مطابق ان کا تعین ان بنیادی اصولوں کی روشنی میں خود کر لیں (مثلاً سیاسی، معاشی، عدالتی نظام وغیرہ)۔ یہ دوسری دوسری صورت اسلام میں اجتہاد کہلاتی ہے۔ یوں شارع سبحان تعالیٰ نے بیک وقت جہاں ضرورت تھی وہاں قوانین کو ناقابل تغیر اور جہاں ضرورت تھی وہاں قابل تغیر قرار دے کر آخری شریعت کو اس قابل کر دیا کہ وہ قیامت تک کے لئے ہر معاشرے میں اور ہر زمانے اور ہر ماحول میں قابل عمل رہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ حکم دیا کہ اب نیا پیغمبر اور نئی شریعت تو نہیں آئے گی لیکن اب یہ تمہاری ذمہ داری ہے کہ اس دین

Marfat.com

پر خود بھی قائم رہو اور اسے دوسروں تک بھی پہنچاؤ گویا دعوت وتبلیغ ،امر بالمعروف ونہی المنکر ،شہادت حق اور اقامت دین امت مسلمہ پر واجب ہے اس فریضہ کو حاصل کرنا نہ صرف اس دین کی دائمی حفاظت کی اللہ کی اسکیم کا منشا ہے بلکہ خود مسلمانوں کی اپنی بقاء واستحکام کا انحصار بھی اسی پر ہے کہ وہ خود اسی دین پر قائم رہیں اور دوسروں کو اسے اپنانے پر آمادہ کریں۔

مسلمانوں کا نظریہ حیات صحیح ہے، صالح ہے قابل عمل ہے اور فطری ہے کیونکہ وہ خالق کائنات کا عطا کردہ ہے۔ ہزاروں سالوں سے انسان کا آزمودہ ہے اور وہ مسلمانوں کے پاس محفوظ ومامون وموجود ہے۔ پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ خود اس پر عمل کرکے اس کے نتائج دیکھ چکے ہیں ان کی اپنی ہزار سالہ تاریخ اس کی گواہ ہے کہ اس نظریہ حیات پر عمل اس دنیا میں سربلندی عطا کرتا ہے۔ وہ عروج کی ضمانت دیتا ہے بشرطیہ یہ کہ اس پر صدق دل سے عمل کیا جائے۔ اس نظریہ حیات پر عمل کرنے کا یہ نتیجہ نکل چکا ہے کہ زکوۃ لینے والا نہیں ملتا تھا، یہ عہد عمر بن عبدالعزیزؒ میں ہوا یہ انسان کو وہ عروج بخشتا ہے کہ ایک مسلمان حاکم نے ایک دفعہ کہا تھا کہ ایک بادلو جہاں چاہو برسو جہاں بھی برسوگے اس زمین کا خراج مجھ تک پہنچے گا۔ یہ الفاظ ہارون الرشید کے ہیں۔ یہ انسان کو وہ جذبہ عطا کرتا ہے کہ ایک مسلمان سپہ سالار بستیوں پر بستیاں فتح کرتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ زمین ختم ہوگئی اور سمندر آگیا اور اس نے سمندر میں اپنا گھوڑا ڈال دیا اور پانی کو چیرتا چلا گیا۔ پھر اس نے سر اٹھا کر کہا کہ اے اللہ یہ پانی اگر راہ میں حائل نہ ہوتا تو جہاں تک تیری زمین ہوتی میں اس میں تیرے دین کا جھنڈا گاڑتا چلا جاتا یہ الفاظ حضرت عقبہ بن نافعؓ کے ہیں جن کے رستوں میں بحر اوقیانوس آگیا تھا۔ اور یہ حضرت امیر معاویہؓ کے عہد کی بات ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے پاس ایک ایسا صالح نظریہ حیات موجود ہے جس پر عمل دنیا میں حتماً عروج بخشتا ہے۔ ضرورت فقط اس بات کی ہے کہ وہ اس نظریہ پر عمل کرنے کا حق ادا کریں۔ جب بھی وہ حق ادا کریں گے وہ دنیا میں بھی قائم ہوجائیں گے اور آخرت کی کامیابی تو انشاء اللہ ان کے لئے ہے ہی۔ انشاء اللہ

آسماں ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش — اور ظلمت رات کی سیماب پا ہوجائے گی
اس قدر ہوگی ترنم آفریں بعد بہار — نکہت خوابیدہ غنچے کی نوا ہو جائے گی
آملیں گے سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاک — بزمِ گل کی ہم نفس باد صباء ہوجائے گی
پھر دلوں کو یاد آجائے گا پیغام سجود — پھر جبیں خاک حرم سے آشناء ہوجائے گی
آنکھ جو کچھ دیکھتی ہیں لب پہ آسکتا نہیں — محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہوجائے گی
شب گریزاں ہوجائے گی آخر جلوۂ خورشید سے — یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے

(اقبالؒ)

مغرب کا ظلم وستم

مسلم امت کی نشاۃ ثانیہ کے امکانات موجود ہیں۔ یہ امکانات محض ہماری خوش فہمی کی پیداوار نہیں بلکہ عملاً ان

Marfat.com

امکانات کے بہت سے روشن پہلو موجود ہیں۔ مسلم امت کے حالات واقعی برے ہیں لیکن اتنے بھی برے نہیں کہ آدمی اچھی توقعات کا تصور بھی نہ کر سکے۔ مسلم تہذیب کے فکری ماخذ نہ صرف محفوظ و موجود ہیں بلکہ ان کے اندر مسلمانوں کو متحرک کرنے کا پورا Potential موجود ہے۔ کمیونزم کے زوال کے بعد عالمی سطح پر ایک فکری و تہذیبی خلا پیدا ہو چکا ہے جسے مغربی تہذیب اس لئے پورا نہیں کر سکتی کہ اس میں بگاڑ (فساد فی الارض) انتہا کو پہنچ رہا ہے لہٰذا اس امر کے روشن امکانات موجود ہیں کہ اسلامی فکر اس خلا کو پر کر سکے کیونکہ اس کے اندر اس کی مکمل صلاحیت ہے۔ لیکن اسلامی فکر کے اس غلبے میں سب سے بڑی رکاوٹ مسلمان ہیں جن کے قول و فعل میں تضاد ہے اور جو اسلام سے حقیقی معنوں میں وابستہ نہیں ہیں۔ مسلمانوں کی اس کمزوری کو دور کرنے کے لئے مسلم معاشرے میں اصلاحی تحریکیں کام کر رہی ہیں لیکن ابھی ان کی قوت اتنی زیادہ نہیں کہ یہ پہاڑ آسانی سے سر ہو سکے۔ اس کا حل ایک ہی ہے کہ مسلم امت کی بے حسی کو توڑنے کے لئے اسے بجلی کے جھٹکے دیے جائیں۔ وہ ایسی تکلیف، دکھ اور ذلت سے دوچار ہو کہ اس کی بے حسی باقی نہ رہ سکے اور وہ خواب غفلت سے بیدار ہو جائے۔ چنانچہ اللہ ہم پر بڑا مہربان ہے اور اس نے اس کا انتظام کر دیا ہے اور وہ انتظام یہ ہے کہ دنیا کہ سب سے بڑی طاقت امریکہ کے اندر ایسے حالات پیدا کر دیے ہیں (وہاں اس کے لئے موزوں قیادت برسر اقتدار لا کر اور یہودیوں کا نفوذ وہاں بڑھا کر) کہ وہ مسلم دنیا کو مٹانے اور برباد کرنے پر تل گیا ہے وہاں کی قیادت کو تکبر اور مسلم دشمنی مین مبتلا کر دیا ہے چنانچہ وہ مسلمانوں پر ہر قسم کا ظلم و ستم ڈھانے پر شیر ہو گئی ہے اور اسلام اور مسلمانوں کو ختم کرنے کے لئے آخری حدوں تک جانے پر تیار ہو گئی ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ سٹیج اللہ تعالیٰ نے اس لئے تیار کی ہے کہ اس طرح مسلمانوں کو بجلی کے جھٹکے دیے جا سکیں اور انہیں خواب غفلت سے بیدار کیا جا سکے اور ان کی بے حسی ختم کی جا سکے۔

اگر چہ ایک مسلمہ، فطری، فکری اور بین الاقوامی حقیقت ہے کہ کسی بھی نظریے کو زبردستی نہیں دبایا جا سکتا بلکہ اسے جتنا بھی دبایا جائے وہ اتنا ہی زیادہ ابھرتا ہے لیکن یہ مثال اسلام پر خاص طور پر صادق آتی ہے کیونکہ وہ اللہ کی طرف سے نازل کردہ سچا دین ہے اور فطری دین ہے لہٰذا جب کسی فرد کے دل میں اس کی حقیقت اور اس کی محبت اتر جاتی ہے تو وہ پھر جان دے دیتا ہے لیکن اس دین کی حلاوت کو ترک نہیں کرتا۔ یہ بات ویسے ہی قابل فہم ہے لیکن اگر کوئی اس کے لئے دلائل اور ثبوت چاہے تو وہ بھی حاضر ہیں:

ہماری پہلی دلیل یہ ہے کہ اس امت کا ماضی اس فارمولے کی تصدیق کرتا ہے۔ دیکھیے جب نبی کریم ﷺ نے لوگوں کو اسلام کی طرف بلانا شروع کیا تو آپ ایک کمزور فرد واحد تھے پھر جو لوگ آپؐ پر ایمان لائے ان میں اسے اکثر غریب، کمزور اور سماجی و معاشی لحاظ سے کچلے ہوئے طبقے کے افراد تھے چنانچہ وڈیروں، سرمایہ داروں اور سرداروں نے ان پر ظلم و ستم ڈھانا شروع کیا، ان کو وہ تعذیب دی جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، یہاں تک کہ کچھ لوگ جان اور ایمان بچانے کے لئے ملک چھوڑ کر چلے گئے لیکن کفار مکہ کی پوری کوشش کے باوجود اس قافلہ سخت جاں کی تعداد بڑھتی گئی۔ پھر ایک وقت ایسا آیا کہ خود داعیٔ حق کی زندگی خطرے میں پڑ گئی اور اسے شہر چھوڑ کر دوسرے جگہ جانا پڑا۔ اہل کفر نے وہاں بھی اس کا پیچھا کیا اور ساری قوت جمع کر کے اس نوخیز پودے کو بیخ و بن سے اکھاڑنے کی کوشش کی لیکن اہل کفر کی ان ساری کوششوں کا ایک ہی نتیجہ نکلا کہ:

Marfat.com

جاء الحق وزھق الباطل ط ان الباطل کان زھوقا (بنی اسرائیل ۱۷:۸۱)

ترجمہ: حق غالب آ گیا اور باطل مفتوح ہو گیا۔ یہ اس دین کی ابتداء تھی۔

اب اس دین کا وسط دیکھیے۔ جب یہ دین ایک معاشرے اور تہذیب کی صورت میں ڈھل گیا اور اس کی ضیاء پاشیوں نے اقطار عالم کو منور کر دیا تو پھر شیطان کی چالیں کامیاب ہونے لگیں اور دنیا کی محبت اور لذتوں نے مسلمانوں میں کمزوری پیدا کرنی شروع کی۔ اس حالت میں منگولوں کا سیلاب اٹھا اور مسلم تہذیب کے مرکز اور ایک بڑے خطے کو بہا کر لے گیا۔ لوگ روتے رہ گئے، بستیاں ویران ہو گئیں اور شہر اجڑ گئے بلکہ ہر شہر میں مسلمانوں کی کوپریوں کے مینار بن گئے۔ اب بظاہر یہ اس دین اور اس تہذیب کا خاتمہ تھا لیکن اچانک یہ زخمی اور ہزیمت خوردہ شیر جاگ اٹھا اور وہی منگول جو اسلام کو فتح کرنے آئے تھے اس کے سامنے مفتوح ہو گئے اور اسلام اور مسلم تہذیب پھر غالب آ گئی چنانچہ ابن خلدون کہتا ہے کہ یہ منگولوں کا حملہ تھا جس نے مسلمانوں کو خواب غفلت سے جگایا اور انہیں حیات نو بخشی۔ (ابن خلدون، کتاب العبر (تاریخ)، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

ہم کہتے ہیں جب اس مسلم تہذیب کی ابتداء یہ تھی کہ اس کے ماننے والے کمزور تھے پھر دشمنوں کے ظلم وستم نے اسے طاقت بخش دی۔ جب اس کا وسط یہ ہے کہ جب منگولوں نے اس عظیم الشان عمارت کی اینٹ سے اینٹ بجادی تو ان کے ظلم وستم نے ایک نئی مسلم قوم کو جنم دیا جو ان پر غالب آ گئی۔ تو اب اس تہذیب کے آخری دور میں یہ کیوں نہیں ہو گا کہ اس پر ظلم وستم کرنے والے مٹ جائیں گے اور اس ظلم وستم کے نتیجے میں یہ تہذیب پہلے زیادہ توانا اور طاقتور ہو کر ابھرے گی۔ منطق کا کوئی فارمولہ ہمارے اس دعوے کو رد نہیں کر سکتا۔ جو پہلی صدی ہجری میں سچ تھا، جو ساتویں صدی ہجری میں سچ تھا وہ آج پندرھویں صدی ہجری کی ابتداء میں سچ کیوں نہیں ہو سکتا؟

ہماری دوسری دلیل یہ ہے کہ کہ خود مغربی مفکر و دانشور اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ اسلام پر جتنا ظلم وستم ڈھایا جائے یہ اتنا ہی ترقی کرتا ہے چنانچہ مستشرق اگسٹ نمر جونیئر نے آکسفورڈ انسائیکلو پیڈیا آف ماڈرن اسلامک ورلڈ کی چوتھی جلد میں تنزانیا پر مقالہ لکھتے ہوئے اعداد و شمار کی بنیاد پر اس امر کو تسلیم کیا ہے کہ مشرقی افریقہ خصوصاً تنزانیا میں اشاعت اسلام کی رفتار سب سے زیادہ تیز اس زمانے میں تھی جب مغربی قومیں وہاں کے مسلمانوں پر ظلم وستم کے پہاڑ دھا رہی تھیں۔ خلاصہ یہ کہ

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے — اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ دبا دیں گے

لہٰذا مسلمانوں کو نہ مایوس ہونے کی ضرورت ہے اور نہ خوفزدہ ہونے کی۔ انہیں بس یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ ان کی بقاء، ان کا استحکام، ان کی ترقی ان کی عظمت اور ان کے عروج کا صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ اپنی اصل کی طرف پلٹ جائیں۔ جوں ہی انہوں نے یہ کر لیا وہ بازی جیت جائیں گے۔ پھر مغربی تہذیب کے سانپ انہیں رسیاں نظر آنے لگیں گے اور اسلام کا اژدھا ان سب کو نگل جائے گا۔ اور اس میں انشاء اللہ بہت دیر بھی نہیں لگے گی۔ نبی کریم ﷺ نے یہ پورا انقلاب ۲۳ برس میں مکمل کر دیا تھا۔ ہمارا ایمان اور ایقان یہ کہتا ہے کہ جس دن مسلم امت کی اکثریت اللہ کی اطاعت کے راستے پر یکسو

Marfat.com

ہوگئی اسے انشاء اللہ ۲۳ سال سے ایک دن زیادہ نہیں لگے گا اور اسلام اور مسلمان غالب آجائیں گے۔ تاہم شرط یہ ہے کہ ہم مسلمان بدلیں کیوں کہ جب تک ہم نہیں بدلتے اس وقت تک یہ گھائی سر نہیں ہوگی کیونکہ اللہ کی سنت ہی یہ ہے کہ:

انا اللّٰہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما با نفسھم (الرعد ۱۳:۱۱)

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی   نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

جب ہم مسلمان اس شرط کو پورا کر دیں گے تو پھر اللہ تعالیٰ اس کی کوئی بھی صورت پیدا فرما دیں گے یا تو موجودہ مسلمان قوموں میں سے اللہ کسی کو لیڈر شپ کی توفیق وصلاحیت دے دے گا یا پھر اللہ تعالیٰ اہل مغرب کے سینے اسلام کے لئے کھول دے گا اور جیسا کہ خود مغربی ذرائع ابلاغ تسلیم کررہے ہیں کہ اگر امریکہ میں اسلام کے پھیلنے کی موجودہ رفتار برقرار رہی تو ۲۰۲۳ء میں وہاں مسلمانوں کی اکثریت ہو جائے گی (حوالہ CNN نے ۲۳ جولائی ۲۰۰۲ کو اپنے نشریے میں یہ تسلیم کیا کہ اسلام مغرب میں سب سے زیادہ تیزی سے پھیلنے والا مذہب ہے اور 9/11 کے بعد پچھلے ایک سال سے بھی کم عرصے میں ۳۲ ہزار امریکی اسلام قبول کر چکے ہیں اور اگر اسلام کے پھیلنے کی یہی رفتار جاری رہی تو، ربع صدی کے اندر مسلمان امریکہ میں اکثریت میں ہو جائیں گے۔ (نوائے وقت ۲۴/۷/۲۰۰۲ء سجاد میر کا کالم ''پاسبان مل گئے'')۔

تو یوں دوسری صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ موجود طاقتور مغربی حکومتوں میں سے کوئی اسلام قبول کرے اور وہ اسلام کی علمبردار بن کر اٹھ کھڑی ہو۔

ومازلک علی اللّٰہ بعذیز.

مسلمانوں کا نظریہ حیات انہیں دنیا و آخرت دونوں میں کامیابی کی ضمانت دیتا ہے۔ مسلمانوں نے جب تک دین اسلام کی تعلیمات پر سنجیدگی سے عمل کیا، وہ دوسری قوموں تہذیبوں سے بہتر طور پر اسباب دنیا مہیا کرنے پر قادر رہے اور ایک ہزار برس تک عروج وترقی نے ان کے قدم چومے۔ پھر جب ان کی وابستگی دین سے کمزور ہوگئی تو انہیں زوال وادبار نے آلیا۔ آج بھی اگر وہ اپنے دین کی طرف پلٹ جائیں اور اس سے حقیقی وابستگی اختیار کر لیں تو وہ دوبارہ عروج سے ہمکنار ہو سکتے ہیں۔ اس وقت دنیا کے حالات ایسے ہیں کہ نہ صرف نظری طور پر بلکہ عملی طور بھی مسلمانوں نشاۃ ثانیہ کے امکانات روشن ہیں۔

اس باب کی گزارشات کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا نظریۂ حیات انہیں دنیا و آخرت دونوں میں کامیابی کی ضمانت دیتا ہے۔ مسلمانوں نے جب تک دین اسلام کی تعلیمات پر سنجیدگی سے عمل کیا، وہ دوسری قوموں / تہذیبوں سے بہتر طور پر اسباب دنیا مہیا کرنے پر قادر رہے اور ایک ہزار برس تک عروج وترقی نے ان کے قدم چومے۔ پھر جب ان کی وابستگی دین سے کمزور ہوگئی تو انہیں زوال وادبار نے آلیا۔ آج بھی اگر وہ اپنے دین کی طرف پلٹ جائیں اور اس سے حقیقی وابستگی اختیار کر لیں تو وہ دوبارہ عروج سے ہمکنار ہو سکتے ہیں۔ اس وقت دنیا کے حالات ایسے ہیں کہ نہ صرف نظری طور پر بلکہ عملی طور بھی مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کے امکانات روشن ہیں۔

Marfat.com

مسلمانوں کے متوقع عروج کے امکانات

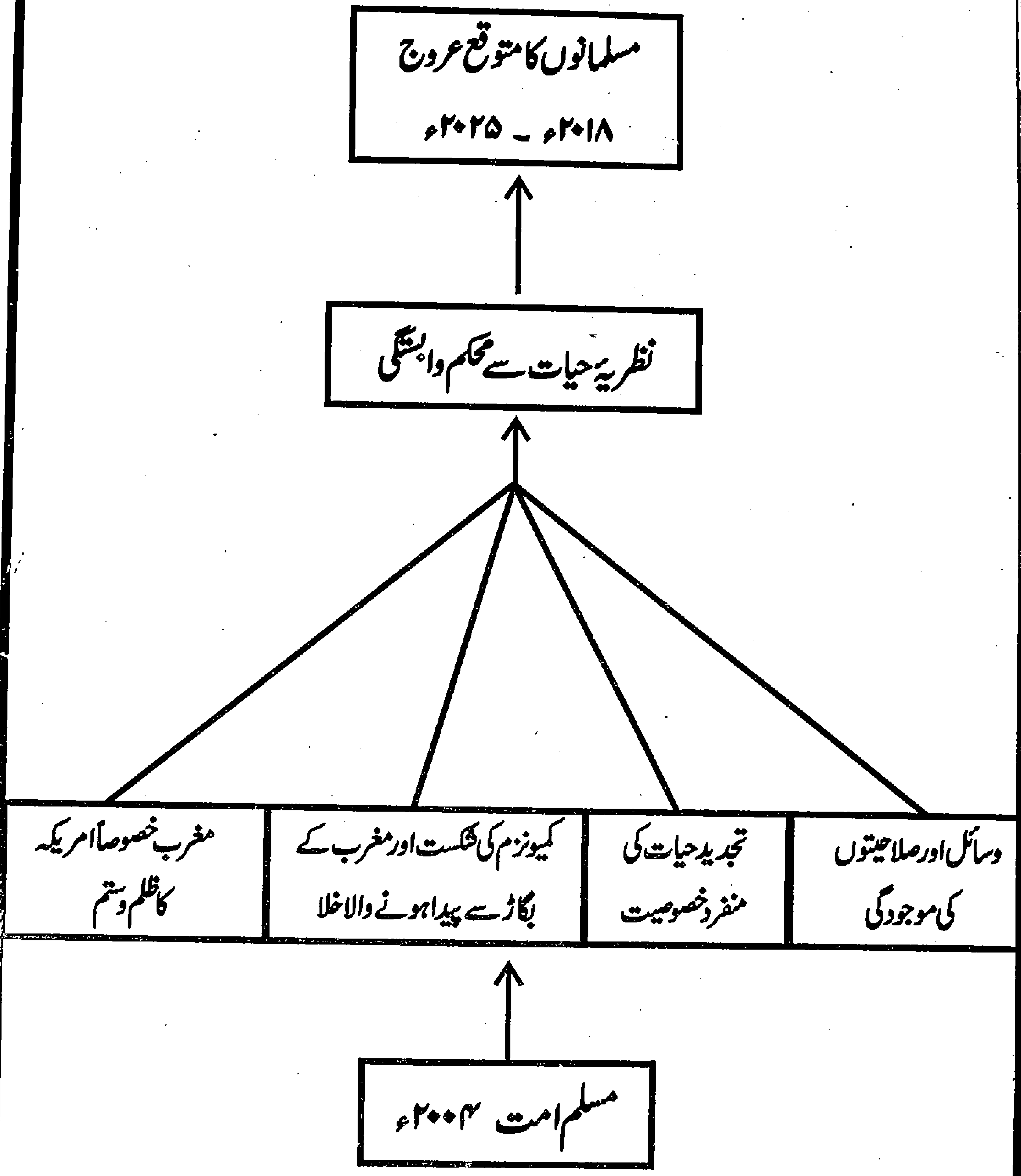

Marfat.com

مغرب کے عروج کے اسباب

یورپ میں بہت روشنی علم و ہنر ہے
حق یہ ہے کہ بے چشمہ حیوان ہے یہ ظلمات
رعنائی تعمیر میں، رونق میں، صفا میں
گرجوں سے کہیں بڑھ کے ہیں بنکوں کے عمارات
ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جوا ہے
سود ایک کا لاکھوں کے لئے مرگ مفاجات
یہ علم، یہ حکمت، یہ تدبر، یہ حکومت
پیتے ہیں لہو دیتے ہیں تعلیم مساوات
بے کاری و عریانی و مے خواری و افلاس
کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کے فتوحات
جو قوم کہ فیضان سماوی سے ہو محروم
حد اس کے کمالات کی ہے برق و بخارات
ہے دل کے لئے موت مشینوں کی حکومت
احساس مروت کو کچل دیتے ہیں آلات

مغربی تہذیب اس وقت بلا شک وشبہ دنیا کی غالب و برتر تہذیب ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کے لئے دلائل دینے کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ یہ حقیقت تو اندھوں کو بھی نظر آ رہی ہے۔ البتہ ایک مسلمان کے لئے جو بات بسا اوقات الجھن کا باعث بنتی ہے وہ یہ کہ غلبہ تو مسلمانوں کا حق ہے کیونکہ اسلام اللہ کا سچا دین ہے اور مسلمان اللہ کو ماننے والے ہیں لہٰذا غلبہ اور برتری ان کی ہونی چاہیے نہ کہ اہل مغرب کی جو کافر اور اسلام دشمن ہیں۔

دنیا میں ترقی کا انحصار اس امر پر نہیں ہے کہ آدمی کا عقیدہ صحیح ہو اور وہ اللہ و رسول کو مانتا ہو بلکہ اس کا انحصار اس امر پر ہے کہ آدمی اسباب دنیا فراہم کرنے پر قادر ہو جائے۔ لہٰذا جو قوم اور تہذیب بھی دوسروں سے بڑھ کر اسباب دنیا فراہم کرنے پر قادر ہو وہی طاقتور اور غالب ہوتی ہے۔ اور دنیا میں اسباب زندگی فراہم کرنے کیلئے عقائد کا صحیح ہونا یا اصول حیات کا صالح ہونا بھی ضروری نہیں بلکہ جو بھی اسباب دنیا فراہم کرنے کے اصولوں پر عمل کرے وہ دنیا میں طاقتور اور برتر ہو سکتا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ دنیا میں اس طرح کے عارضی غلبے کے باوجود یہ قوم آخرت کے عذاب سے دوچار ہوگی اور دنیا میں اس کا اقتدار بھی تھوڑے عرصے کے لئے ہوگا کہ غلط نظریہ حیات جلدی ہی اسے فساد فی الارض کے گڑھے میں گرا کر اس کی فوت کا سبب بن جائے گا۔

وہ معروضی اصول جن پر عمل کر کے کوئی بھی قوم دنیا میں فراہمی اسباب پر قادر ہو سکتی اور طاقتور و بالا دست ہو سکتی ہے۔ ان اصولوں پر اہل مغرب کا عمل بھی کوئی پوشیدہ یا متنازعہ بات نہیں بلکہ اس کا مشاہدہ ہم میں سے ہر فرد بچشم سر کر رہا ہے۔ تاہم موقع کی مناسبت سے ہم ان اصولوں پر اہل مغرب کے عمل کا ذکر مختصر طور پر کیے دیتے ہیں۔

ترقی کے مذکورہ معروضی اصول یہ ہیں:

اصل الاصول: نظریہ حیات سے وابستگی

انسانی وسائل: محنت، اتحاد، تنظیم و منصوبہ بندی پابندی قانون، ایثار و قربانی

Marfat.com

نموئی وسائل: سیاسی استحکام، تعلیم وتربیت، تحقیق، ابلاغ

مادی وسائل: سائنس وٹیکنالوجی، معاشی صلاحیت، حربی قوت

نظریہ حیات کے ساتھ وابستگی

یہ دنیا میں ترقی کا بنیادی ترین سبب اوراس کا اصل الاصول ہے۔اہل مغرب نے (تحریف شدہ) عیسائیت کو جب دنیوی ترقی میں مزاحم پایا تواس کا جوا گردن سے اتار پھینکا۔تحریف شدہ عیسائیت ویسے بھی اسلام کی طرح دنیا وآخرت میں جامع تعلیمات کی حامل نہ تھی بلکہ وہ محض چند دینیاتی واخلاقی مباحث کا مجموعہ تھی اوراس میں دنیوی زندگی کے بارے میں تفصیلی لائحہ عمل سرے سے موجود ہی نہ تھا چنانچہ اہل مغرب نے بڑی آسانی سے خدااور مذہب دونوں کواپنی زندگیوں سے نکال دیا۔انہوں نے جو نئے اصول زندگی اختیار کیے وہ یہ تھے:

ا۔انسانوں کی اجتماعی زندگی میں خدااور مذہب کا کوئی دخل اور کردار نہیں ہے،اگرکوئی اپنی ذاتی زندگی میں خدا آخرت کو ماننا چاہتا ہے تو مان لے (سیکولرزم)

۲۔یہ کہ انسان خودمختار ہے کہ اپنی زندگی جیسے چاہے گزارے،اس پر خدایا مذہب کی کوئی بالادستی نہیں ہے (ہیومنزم)

۳۔ریاست کی بنیاداس نظم اجتماعی پر ہے جس کی بنیاد رنگ،نسل،زبان اور علاقے کے اشتراک جیسے اصولوں پر ہو (نیشنلزم)

۴۔عوام کے نمائندے پارلیمنٹ میں جو قانون چاہیں بنائیں اور جس فعل کو چاہیں حلال یا حرام قرار دے لیں (جمہوریت)

۵۔ہرفرد کو سرمایہ بڑھانے کی لامحدود آزادی حاصل ہے (سرمایہ داری یا کیپٹلزم)

۶۔مذہب،اخلاق اور سماج کے صرف وہ اصول قابل تسلیم ہیں جو تجربے اور مشاہدے کے سائنسی اصولوں پر پورے اتریں (امپریسزم)

انسانی وسائل

ا۔محنت

مذکورہ بالا اصولوں سے شدید وابستگی ہی اہل مغرب کے فکر کی بنیاد ہے۔یہی چیز اس کے افراد کی شخصیتوں کی تعمیر کر رہی ہے اور یہی چیز ان کو قوت مہیا کررہی ہے۔اوران کو مسلسل محنت پر اکساتی ہے۔آپ امریکہ اور یورپ میں کہیں چلے جائیں کام کے اوقات میں ہر آدمی اپنے کام میں جتا نظر آئے گا۔کاہلی اور کام چوری کا وہاں کوئی تصور نہیں۔دفتری اوقات میں وہاں آپ کو کوئی آدمی اخبار پڑھتا یا گپیں ہانکتا نظر نہیں آئیگا۔وہ لوگ ہفتے میں پانچ دن کام کرتے ہیں اور جان مار کر کام کرتے ہیں اور یہی ان کی عزت وعظمت کی بنیاد ہے۔

۲۔اتحاد

اہل مغرب کی ترقی وطاقت کا راز ان کے تحت میں پوشیدہ ہے۔براعظم یورپ،امریکہ،آسٹریلیا سب کو مغربی فکر

Marfat.com

وتہذیب متحد کیئے ہوئے ہیں۔آج اگر امریکہ کی ریاستیں فیڈریشن سے الگ ہو جائیں تو اس کی طاقت ختم ہو جائے۔اگر یورپ امریکہ کا مخالف ہو جائے تو مغربی تہذیب کی ہوا اکھڑ جائے لیکن جمہوریت شخصی آزادی سرمایہ داری سیکولرزم وغیرہ جیسے فکری اساسات کا اشتراک ہی اقوام مغرب کو متحد کیئے ہوئے ہے۔اوران کا یہ اتحاد ہی ان کی قوت اور ترقی کا ایک بڑا سبب ہے۔

۳۔تنظیم ومنصوبہ بندی

مغربی اقوام کی ترقی وقوت کا ایک بڑا سبب ان کی تنظیم ومنصوبہ بندی ہے۔ان کے منظم ہونے کی وجہ سے ان کی قوت کا رضائع ہوتی ہے اور نہ صلاحیتوں اور وقت کا ضیاع ہوتا ہے بلکہ جس کام میں بھی وہ ہاتھ ڈالیں اس سے بہترین نتائج وہ حاصل کرلیتے ہیں۔یہودیوں نے انیسویں صدی میں پروٹوکولز تیار کر کے مستقبل کی منصوبہ بندی کی اور آج تک کامیابی سے ان پر عمل کررہے ہیں۔۱۹۷۳ء میں شاہ فیصل نے مغربی قوموں کی زیادتیوں کے مقابلے میں تیل کا ہتھیار استعمال کیا۔اس کے بعد امریکہ اور مغربی اقوام نے ایسی منصوبہ بندی کی کہ آئندہ کبھی مسلمان مغرب کے خلاف تیل کا ہتھیار استعمال نہ کرسکیں۔چنانچہ شاہ فیصل کو قتل کرادیا گیا۔عراق اور کویت کو سازش سے لڑا کر امریکہ نے یورپی اتحادیوں کی مدد سے سعودی عرب اور خلیج کے تیل پر قبضہ کرلیا اور وہاں اپنی فوجیں اتار دیں۔اسی طرح اس نے یورپی اتحادیوں کو ساتھ ملا کر حیلے بہانے افغانستان میں مداخلت کی اور وسط ایشیائی ریاستوں کے تیل وگیس کے ذکائر تک پہنچ گیا۔اسی طرح اس نے حیلے بہانے عراق میں مداخلت کر کے اس کے تیل کے وسیع ذخائر پر بھی قبضہ جمالیا۔غرض مغربی اقوام بہتر تنظیم اور منصوبہ بندی سے اپنے حریفوں پر غلبہ پائے ہوئے ہیں۔

۴۔پابندی قانون

اہل مغرب نے جو اصول حیات اپنائے ہیں اور انکی روشنی میں جو بھی قواعد وضوابط بنائے ہیں وہ ان پر سختی سے عمل کرتے ہیں۔ان کے ہاں ٹیکس چوری کوئی نہیں کرتا انتظامی حکام اور پولیس کو رشوت دے کر قانون سے کوئی نہیں کھیلتا، یہاں تک کہ کوئی آدمی ٹریفک قوانین کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ہم نے بار بار دیکھا کہ رات کا وقت ہے ٹریفک کا رش نہیں، ٹریفک پولیس چیک کرنے کے لئے موجود نہیں۔پھر بھی لوگ صبر سے ٹریفک کے اشارے پر رکتے ہیں اور کوئی آدمی اشارے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔یہ لوگ قانون کی خلاف ورزی اس لئے نہیں کرتے کیونکہ وہ اپنے قوانین کا احترام کرتے ہیں اپنے اصول حیات سے انکی وابستگی مستحکم ہے اور وہ دل وجان سے ان کی پیروی کرنا چاہتے ہیں۔

۵۔ایثار وقربانی

اہل مغرب نے اپنے نظریات اور اپنی تہذیب کی بقاء واستحکام بلکہ اس کی بالادستی کے لئے جتنی قربانیاں دی ہیں اور اب بھی دے رہے ہیں۔وہ عظیم الشان اور محیر العقول ہیں۔پہلی اور دوسری جنگ عظیم میں برطانیہ فرانس اور امریکہ نے کھربوں ڈالر اور کروڑوں انسانی جانوں کی قربانی دی۔کمیونزیم کے خلاف سرد اور گرم جنگ امریکہ اور یورپ نے ذاتی جنگ کے طور پر لڑی۔صرف نیٹو کے بجٹ اور جنگ ویتنام میں امریکہ کے جانی ومالی نقصانات کا اندازہ کیجیے اور اب اسلام اور

Marfat.com

مسلمانوں کے خلاف افغانستان اور عراق میں امریکہ کے کھربوں ڈالر خرچ ہوئے اور ہو رہے ہیں اور جانی نقصان الگ ہو رہا ہے اور ہزاروں امریکی ان جنگوں میں مارے جا چکے ہیں۔ اور ابھی بھی روزانہ ان کا جانی نقصان ہو رہا ہے۔ لیکن امریکہ رائے عامہ اپنی حکومت کی پشت پناہ ہے۔ وہ بخوشی ٹیکس دیتی ہے اور اس کی کامیابیوں پر فخر کرتی ہے۔ اور امریکی حکومت اپنی نظریاتی بالادستی کے لئے مزید جانی و مالی قربانیاں دینے کے لئے تیار ہے جیسا کہ ایران، شام، اور شمالی کوریا کے خلاف اس کے بیانات سے ظاہر ہے۔ یہودیوں کو لیجئے وہ دنیا کی ایک چھوٹی سی کیمونٹی ہیں۔ لیکن اسرائیل کو قائم رکھنے کے لئے ہر یہودی باقاعدگی سے اپنی آمدنی کا دس فیصد اسرائیل کو دیتا ہے اور اسرائیل کو ڈیڑھ ارب ڈالر سالانہ صرف امریکی یہودیوں کے ہاں سے آتا ہے۔

نموئی وسائل

تعلیم وتربیت

امریکہ میں شرح تعلیم اس وقت ۹۹ فیصد ہے اور وہاں چار ہزار یونیورسٹیاں اور اعلیٰ تعلیمی ادارے ہیں جو کہ ایک ریکارڈ ہے کیونکہ اتنی یونیورسٹیاں دنیا کے کسی اور ملک میں موجود نہیں۔ وہ تعلیم اپنے GDP کا ۱ء۷ فیصد اور ۵۰۰ء ۵۹۵ ملین ڈالر (تقریباً ۳۵۷ء کھرب روپے) سالانہ خرچ کرتا ہے یہی حال یورپی ممالک کا ہے۔ برطانیہ فرانس اور جرمنی میں بھی شرح تعلیم ۹۹ فیصد ہے۔ برطانیہ پر اپنے GDP کا ۵ فیصد (۵۰ بلین ڈالر) فرانس اپنے بجٹ کا ۱۱ فیصد (۵۹ بلین ڈالر) اور جرمنی اپنے بجٹ کا ۵۹ فیصد (۱۷۰ بلین ڈالر) خرچ کرتا ہے۔ امریکہ کی ایک ایک یونیورسٹی کا بجٹ سارے پاکستان کے بجٹ سے زیادہ ہے۔

تحقیق

دنیا میں اس وقت سب سے زیادہ تحقیق امریکہ میں ہو رہی ہے۔ امریکہ میں تحقیقی سرگرمیوں پر اخراجات کا اندازہ اس سے کیجئے کہ امریکہ اپنی کل آمدنی کا 2.8 فیصد ریسرچ اینڈ ڈویلپمنٹ پر خرچ کرتا ہے۔ اس کے بعد سب سے زیادہ تحقیق یورپی ممالک میں ہو رہی ہے۔ مسلم ممالک کی یہ حالت ہے کہ پاکستان اس مد میں اپنی آمدن کا صفر اعشاریہ چار (۰۴ء) فیصد خرچ کرتا ہے اور ترکی ایک فیصد۔ پھر اگر یورپ و امریکہ سائنس و ٹیکنالوجی میں ساری دنیا سے آگے ہیں تو اس میں حیرانی کی کیا بات ہے۔

سیاسی استحکام

مغرب میں سیاسی نظام مستحکم ہے اور اسی میں ان کی طاقت کا راز ہے۔ امریکہ و برطانیہ میں دو جماعتی نظام آسانی سے چل رہا ہے۔ کسی فوجی کمانڈر کی ہمت نہیں کہ سیاسی نظام کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ سکے۔ خود سیاسی جماعتیں عوامی منڈیت کا اتنا احترام کرتی ہیں کہ ایک سیاسی جماعت صرف ایک ووٹ کی اکثریت سے پوری ٹرم نکال جاتی ہے۔ امریکہ میں ۱۷۸۷ء میں آئین بنا تھا آج تھا اس میں صرف ۲۷ ترامیم ہوئی ہیں۔

Marfat.com

ابلاغ

مغرب کی پروپیگنڈا مشینری اتنی بڑی اور موثر ہے کہ وہ جس جھوٹ کو چاہے سچ بنا کر پیش کرسکتی ہے۔ اور اسے سچ ثابت کرسکتی ہے۔ افغانستان اور عراق کے خلاف کوئی ٹھوس ثبوت نہ رکھنے کے باوجود امریکہ نے اپنی پروپیگنڈا مشینری کے زور سے انہیں مجرم ٹھہرایا اور اپنے عوام سمیت ساری دنیا کو گمراہ کر کے دھونس سے اپنے ساتھ چلایا اور جو چاہا کیا۔ چند سال پہلے جن لوگوں کو اس نے مجاہد کے طور پر دنیا کے سامنے پیش کیا تھا۔ جب اپنا مفاد بدلا تو انہی لوگوں کو دہشت گرد ثابت کر دیا۔ مسلمانوں کے خلاف نفرت پھیلانے اور انہیں لوگوں کو دہشت گرد ثابت کرنے میں ہالی وڈ کی فلموں نے بھی اہم کردار ادا کیا ہے۔ جن لوگوں نے ڈیلٹا فورس، نیوی سیلز، آئرن ایگل، ٹرولینز، سیج اور ایگزیکٹوڈی شیئن نامی فلمیں دھیان سے دیکھی ہیں وہ ہماری اس بات کی گواہی دے سکتے ہیں۔ (سید مواحد حسین شاہ، ہالی وڈ سے مسلمانوں کے خلاف نفرت کا پرچار، نوائے وقت ۱۱/۶/۲۰۰۴)

مادی وسائل

سائنس وٹیکنالوجی

امریکہ یورپ کی برتری کی بنیادی ترین وجہ سائنس وٹیکنالوجی میں ان کی ترقی ہے اور سائنس وٹیکنالوجی میں ان کی ترقی کا سبب یہ ہے کہ دنیا میں ترقی ہی کو انہوں نے اپنا مطمح نظر بنایا اور سیاسی طور پر مستحکم حکومتوں نے تعلیم وتحقیق کے لئے وافر فنڈز مہیا کیے اور بہترین سہولتیں مہیا کی جن کے نتیجے میں انسانی صلاحیتوں کو جلا ملی اور وہاں ایجادات کی حوصلہ افزائی ہوئی۔ پھر سائنس وٹیکنالوجی کی ترقی صنعتوں کے انقلاب کا پیش خیمہ بنی اسی نے ان کو حربی تفوق عطا کیا اور وہ دنیا کے امام بن گئے۔

معاشی صلاحیت

مغرب کی معاشی برتری اور تفوق اظہر من الشمس ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ سائنس وٹیکنالوجی کی ترقی وہاں مشینی انقلاب کا سبب بنی جس نے صنعتی انقلاب کو جنم دیا۔ یوں پیداوار کی کثرت اور منڈیوں کی وسعت کثرت دولت کا سبب بنی۔ مغرب کے معاشی استحکام کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ سیاسی اور حربی برتری کی وجہ سے اس نے کمزور ممالک پر قبضہ کرلیا اور ان کے خام مال اور معاشی وسائل کا استحصال کیا پھر قرضے دے کر انہیں کنگال کر دیا اور اپنا معاشی غلام بنالیا۔

حربی قوت

سائنس وٹیکنالوجی میں تقدم کا ایک نتیجہ حربی تفوق کی صورت میں نہ نکلا۔ اہل مغرب نے وہ ہتھیار تیار کر لئے جو دوسری قوموں نے پاس موجود نہ تھے یہاں تک کے دوسرے جنگ عظیم میں اس نے ایٹم بم ایجاد کرلیا اور اپنے مخالفوں کو بدترین شکست دی۔ اس وقت بھی امریکہ جنگی ٹیکنالوجی میں ساری دنیا سے آگے ہے اور اس کے بعد یورپ کا نمبر ہے۔ افغانستان وعراق کی جنگ میں دنیا نے دیکھا کہ اس کے بغیر پائلٹ طیارے ہزاروں فٹ بلندی سے صحیح نشانے لگاتے تھے۔ سینکڑوں میل دور سمندر سے میزائلوں کی بارش کی گئی۔ غاروں میں ایسے بم استعمال کیئے گئے جو وہاں آکسیجن ختم کر کے ہر جاندور کو موت کے

Marfat.com

گھاٹ اتار دیتے تھے۔ظاہر ہے افغان مجاہدین پورے جذبہ ایمانی کے باوجود اس اسلحے کا مقابلہ مقامی بنی ہوئی کلاشنکوفوں سے نہ کر سکتے تھے۔اور نہ کر پائے حالانکہ انہی افغانوں نے جب ان کے پاس مؤثر امریکی اسلحہ تھا۔روسیوں کو مار بھگایا تھا۔

مغرب کے متوقع زوال کے اسباب

دنیاوی ترقی وعروج کے یہ وہ معروضی اصول تھے جن پر عمل کرتے ہوئے اہل مغرب آج دنیا پر حکمران ہیں۔ان کی تہذیب دینا کی غالب تہذیب ہے اور مغرب کا نمائندہ ملک امریکہ اس وقت دنیا کی واحد سپر پاور ہے۔یہود وہنود اس کے ساتھ ہیں اور اہل اسلام کے ہاتھوں کمیونزیم کی شکست کے بعد روسی بلاک بھی اس کے ساتھ جاملا ہے۔دنیا کو کنٹرول کرنے والے معاشی اور سیاسی ادارے (آئی ایم ایف ورلڈ بنک،اقوام متحدہ وغیرہ) بھی امریکہ میں اور اس کے دباؤ میں ہیں۔تعلیم وتربیت، سائنس وٹیکنالوجی،صنعت وتجارت اور اسلحہ جنگ میں وہ سب سے آگے ہے۔ان سب باتوں نے امریکہ کو غالب وبالا دست اور بظاہر نا قابل شکست قوت بنا دیا ہے۔اور وہ خود بھی فرعون کی طرح انا ولا غیری کا نعرہ پورے زور سے لگا رہے ہیں۔

یہ سب سب حقائق جنہیں ہم تسلیم کرتے ہیں اور کسی کو بھی ان کا انکار نہیں کرنا چاہئے لیکن ان سے امریکہ نے ایک غلط نتیجہ نکالا ہے اور اپنے طاقتور ذرائع ابلاغ سے اسے دنیا کے ذہن وقلب پر تھوپ دیا ہے اور دنیا خصوصاً مسلمانوں میں سے مرعوب ذہنوں نے اسے تسلیم بھی کر لیا ہے اور وہ غلط نتیجہ یہ ہے کہ امریکہ اور اس کی بالا دستی کا سبب اس کے نظریہ حیات کا برحق اور اعلیٰ وبرتر ہونا ہے لہذا ساری دنیا کو اسی نظریہ حیات (جمہوریت،سیکولرزم،مارکیٹ اکونومی فرد کی لامحدود آزادی۔۔۔وغیرہ) کو مان لینا چاہئے۔اور مسلمان ہی وہ واحد ملت ہیں جو اپنی ساری کمزوریوں کے باوجود مغربی تہذیب کی بالا دستی کو تسلیم کرنے اور اسلام کو ترک کرنے پر تیار نہیں۔

لیکن مسلم ممالک میں آمریتوں کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔وہ انصاف اور مساوات کا علمبردار ہے لیکن مسلم معاشرے کے حوالے سے وہ ناانصافی سے کام لیتا ہے اور وہاں انصاف کا نظام قائم بھی نہیں ہوتے دیتا۔وہ علم کا علمبردار ہے لیکن مسلمان معاشروں کو جاہل اور پسماندہ رکھنے کا ذمہ دار بھی ہی ہے۔یہاں تک کہ مسلم دہشت گردی کے بہانے اس نے خود امریکی معاشرے میں آزادی،حریت اور رواداری وغیرہ کا جنازہ نکال دیا ہے جس پر خود امریکی احتجاج کر رہے ہیں۔گویا امریکی معاشرہ اس لحاظ سے بھی مستحق زوال ہو چکا ہے کہ وہ اپنے طے کردہ نظریہ حیات سے اب وابستہ نہیں رہا۔

پہلا مقدمہ: اہل مغرب کا نظریہ حیات حتماً غلط ہے

ہم مغرب کے نظریہ حیات کو غلط ثابت کریں۔

مغربی تہذیب کی بنیاد جن نظریات پر ہے ان میں سے اہم ترین یہ ہیں

ا۔ خدا کے مقابلے میں انسانی خود مختاری بلکہ اس کی خدائی کا اعلان: ہیومنزم یا انسان دوستی بلکہ انسان پرستی (humanism) اور موجودیت (Existentialism)

Marfat.com

۲۔ آخرت کے مقابل میں دنیا کی زندگی پر اصرار اور دنیوی زندگی پر خدائے کے اقتدار کا خاتمہ: سیکولزم یا دنیویت (Materialism

۳۔ مذہبی اور اخلاقی زندگی کی بجائے مادی اور جسمانی ضروریات کی ترجیح: میٹریلزم یا مادہ پرستی (materialism)

۴۔ وحی اور عقل کی بجائے حسی تجربے اور مشاہدے سے حاصل ہونے والے علم کی برتری یعنی تجربیت (Empiricism)

اور اسی ضمن میں ہم ذکر کریں گے ایجابیت (Positivism) نتائجیت (Pragmatisim) اور افادیت پسندی (Utilitarianism) کا بھی۔

ان اصطلاحات کی کچھ وضاحت:

ہیومنزم (Humanism)

سادہ الفاظ میں ہیومنزم کا مطلب ہے وہ نظریہ جس میں انسان اور اس کی آزادی اقدار اور خواہشات کو مرکزی حیثیت دی گئی ہو۔ چنانچہ اس نظریے کے جو آثار ہمیں یونانی فلسفے سے منتقل ہوتے نظر آتے ہیں۔ ان میں ہیومنزم کا مفہوم انسانیت نوازی کا ہے۔ چودھویں صدی میں اس لفظ کا استعمال اطالوی ہیومنسٹ Petrarch نے کیا جس نے انسانیت کے حوالے سے قدیم لاطینی دانش کے احیاء کے لئے کامیاب کوششیں کیں لیکن تحریک احیائے علوم اور مغرب میں سائنسی طرز فکر کے غلبے کے بعد انیسویں اور بیسویں صدی میں اس نظریے میں سیکولرزم اور دین دشمنی کے رجحانات غالب نظر آتے ہیں۔ (گو بعض ایسے ہیومنسٹ بھی ہیں جو مذہب کی تردید نہیں کرتے)۔ رواں صدی میں ہیومنزم کا اظہار کئی صورتوں میں ہوا ہے۔ موجودیت (Existentialism) اور مظہریت (Phenomenology) بھی اسی کا ایک پرتو ہیں۔

سائنٹفک ہومنزم کے علمبردار مذہب کو دیس نکالا دے کو سائنسی علوم کے ذریعے فرد کی آزادی اور اس کی بہتری کے لئے کام کرنے کے دعویدار ہیں۔ عیسائی مذہب میں یقین رکھنے والے جن دانشوروں نے ہیومنزم کا علم سنبھالا (جیسے اروِنگ بابط (Irving Babbitt) اور جیکوئز ماریتان (Jacques Martain) انہوں نے خدا چرچ عبادت اور دعا جیسی مذہبی اصطلاحات کو ان کے روایتی مفاہیم سے الگ کر کے انہیں نئے معانی پہنانے کی کوشش کی (ا) کیرک گرڈ، کارل جاسپرز اور جبریل مارسل نے بھی موجودیت اور عیسائی مذہب کے درمیان تلفیق کی ناکام کوشش کی تاہم مارٹن ہائیڈیگر اور ژاں پال سارتر نے کھلم کھلا موجودیت کو الحادی رنگ دے دیا۔ ہائیڈیگر کے نزدیک انسان ایک شے نہیں بلکہ ایسا وجود ہے جو صاحب اختیار ہے اور قوت فیصلہ رکھتا ہے۔ وہ انسان کو صداقت کا موجد بھی سمجھتا ہے اور انسان کے مقابلے میں خدا کا بھی قائل نہیں ہے۔

سارتر نے اپنی تالیف (Existentialism as Humanisim) میں ہیومنزم کا موجودیاتی تصور پیش کیا ہے۔ وہ ہیومنزم کو انسان دوستی کی بجائے انسان پرستی تک پہنچا دیتا بلکہ اسے خود خدا بنا دیتا ہے چنانچہ وہ کہتا ہے میرا عقیدہ یہ ہے کہ سوائے انسان کائنات کے کوئی کائنات نہیں ہے اور یہ ہمارا ہیومنزم ہے جس سے ہم انسان کو یاد دلاتے ہیں کہ سوائے انسان

Marfat.com

کے کوئی اس کے لئے قانون نہیں بنا سکتا۔ ہم نے مذہب کو کھو دیا ہے۔ لیکن ہیومنزم کو پالیا ہے۔ اب اس بات کی ضرورت ہے کہ انسان کو آزاد کرایا جائے اسے قادر مطلق سمجھا جائے ہم نے خدا کے وجود سے انکار کر دیا ہے تا کہ انسان خود انسان کے لئے وجہ منطق بن جائے۔

1. Paul A. Kurtz, Forbiden Fruit; The Ethics of Humanism, P.108 Prometheus Books, New York, 1988.2. Jean Paul Sartrem, Existentialism as Humanism, P. 284 (Tr. Philip Mairet) Routledge, London, 1977

سارتر کی مابعد الطبیعات کا ایک اہم تصور یہ ہے کہ کائنات میں کسی قسم کا نظم و تناسب موجود نہیں ہے۔ اس میں جو موافق نظر آتا ہے وہ خود انسان کے ذہن کا دیا ہوا ہے۔ وہ اس بات کا بھی قائل نہیں ہے کہ کائنات عدم سے وجود میں آئی ہے۔ وہ خدا کے وجود کا منکر ہے اور اپنے فلسفے کو ملحدانہ انسان پسندی کا نام دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ خدا کا وجود تسلیم کر لیا جائے تو انسان فاعل خود مختار نہیں رہتا ہے۔ اس کے خیال میں یوں انسان فاعل خود مختار ہے خدا کا محتاج نہیں ہے۔ اور مجبور ہے وہ پہلی بات کا قائل ہے۔ وہ خدا کا اس لئے بھی قائل نہیں ہے کہ وہ کسی ایسی ذی شعور ہستی کو تسلیم نہیں کر سکتا جو بیک وقت کائنات میں جاری و ساری بھی ہو اور اس سے ماورا بھی ہو جیسا کہ اہل مذہب کا ادعاء ہے وہ معروضی اقدار کا بھی منکر ہے اور کہتا ہے کہ انسان اپنی ضرورت اور مرضی سے اپنی اخلاقی قدریں خود تخلیق کرتا رہتا ہے۔ اس وجہ سے سارتر کے نظام فکر میں کسی قسم کی ازلی و ابدی صداقتوں کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے۔

1. Jean Paul Sarte, Being and Northingness, P-12,.. Philosophica l Library, New York 1956

سارتر کے ان اقوال کو سامنے رکھا جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ ہیومنزم صرف انسان دوست یا انسان نوازی نہیں بلکہ یہ خدا کی خدائی کا انکار اور فرد کی خدائی کے اثبات کا نام ہے۔ یہ صرف وحی اور مذہب کی برتری کا انکار نہیں بلکہ خود اس کی جگہ لینے کا ادعاء بھی ہے۔

سیکولرزم (Secularism)

سیکولرزم کے مفاہیم انسان کی فکری تاریخ کا ایک حصہ رہے ہیں تاہم کہا جا سکتا ہے کہ ماضی قریب میں اس نام کے بغیر اس کی ابتداء سولہویں صدی کے انگلستان میں اس وقت ہوئی جب وہاں سیاسی اقتدار مذہبی حلقوں سے سیاسی حلقوں کو منتقل ہوا اور فیصلے مذہبی عدالتوں کی بجائے سول عدالتوں میں ہونے لگے۔ اس تحریک کی ابتداء اس نام سے انیسویں صدی کے وسط میں انگلستان میں ہوئی۔ اس کا بانی جارج جیکب ہولیوک (Holyoake) تھا۔ جو ۱۸۱۷ء میں برمنگھم میں پیدا ہوئی۔ ۱۸۴۱ء میں جب اس کا یقین خدا پر سے اٹھ چکا تھا۔ اسے مذہبی تعلیمات کی توہین کے الزام میں جیل بھیج دیا گیا تھا۔ وہ چونکہ اسے ناانصافی گردانتا تھا اس لئے اس وقت کے مذہبی سیاسی اور اخلاقی نظام کے خلاف اس کے دل میں کدورت پیدا ہوگئی۔ اس کے ساتھیوں میں سے چارلس ساؤتھ ویل، براڈے چارلس واٹ وغیرہ معروف ملحد تھے لیکن ہولیک سیکولرزم اور الحاد کو مترادف نہ

Marfat.com

گردانے پر اصرار کرتا تھا۔تا کہ مذہب کے ماننے والوں میں سے آزاد خیال لوگ اس کی تحریک میں شامل ہوسکیں۔

سیکولرزم کا فلسفہ یہ ہے کہ موجودہ دینوی زندگی اور اس کی بہتری اور خوشحالی ہی ہمارا مطمح نظر ہونا چاہئے۔آخرت کی زندگی سے ہمیں کوئی سروکار نہیں کیونکہ وہ ہمارے پر اثر انداز نہیں ہوتے تو ہمیں ان سے بھی کوئی سروکار نہیں ہمارا مقصد یہ ہے کہ انسان کو ہر طرح کی مکمل آزادی ہونی چاہئے کہ وہ اس دنیا کی زندگی کے مسائل حل کر سکے اور اپنی مرضی اور خوشی سے جیسے چاہے جی سکے دوسرے لفظوں میں یہ کے مذہب کو موجودہ نیوی زندگی اور اس کے مختلف شعبوں (سیاست، معیشت، قانون تعلیم وغیرہ) میں مداخلت نہیں کرنی چاہئے اور نہ اجتماعی زندگی کے ان شعبوں میں مذہبی تعلیمات کا کوئی کردار ہونا چاہئے اپنی انفرادی زندگی میں اگر کوئی فرد خدا یا آخرت کو مانتا ہے تو اس پر ہمیں اعتراض نہیں۔

3. R. Flint, Anti-Theistic Theories, P- 211 ff

تصور پر موجودہ زندگی کی تنظیم کرتا ہے۔اس طرح سیکولرزم نے بالواسطہ طور پر نہ صرف روایتی مذہب کی نفی کی ہے۔بلکہ خود عملاً اس کی جگہ لے لی ہے۔ (1.John Summerville, The Secularization of Early Modern Engliand P.8)

اس نے مذہب کے دائرہ کار کو محدود کرنے اور اسے غیر موثر کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

سیکولرزم کا مطلب ہی یہ ہے کہ خدا کا اقتدار مطلق اور لامحدود نہیں ہے۔مغرب کا انسان دنیا کی زندگی خدا کی مرضی کے مطابق نہیں بلکہ اپنی مرضی سے گزارنا چاہتا ہے گویا دنیا کی زندگی میں وہ خود اپنا خدا ہے۔ظاہر کہ یہ رویہ نہ صرف خدا اور وحی کی برتری کی نفی اور مذہب سے انکار کے مترادف ہے بلکہ یہ انسان کی اپنی خدائی کا اعلان بھی ہے۔

2. Encyclopaedia of Religion and Ethics, s.v Secularisim, vol. 1 1, p-347-Edinburgh, 1908-26

میٹریلزم (Materialism)

میٹریلزم کا ترجمہ مادہ پرستی پر کیا جاتا ہے جو اردو میں بھی عام مستعمل ہے اور اس کا مفہوم مذہبی و اخلاقی تعلیمات (جو آخرت اور اعلیٰ انسانی اقدار پر زور دیتی ہیں) کے مقابلے میں یا ان کے علی الرغم دینوی زندگی ہی کو سب کچھ سمجھنا اور اسے ترجیح دینا ہوتا ہے۔چنانچہ علمی اردو لغت میں مادہ پرست کے معنی لکھے ہیں مادے کو سب کچھ سمجھنے والا، دہریہ، خدا کا منکر۔(وارث سرہندی، علمی اردو لغت، بذیل، مادہ پرست، ص۱۳۲۲، علمی کتاب خانہ لاہور، ۱۹۷۹ء)، مادہ پرستی کا نظریہ شروع ہی سے مذہبی نقطہ نظر کے برعکس اور بالمقابل سمجھا جاتا رہا ہے۔چنانچہ یونانیوں کے ہاں مادہ پرستی کے مفاہیم میں یہ عناصر شامل تھے۔

۱۔ مادہ ازلی اور غیر فانی ہے۔

۲۔ علام میں کوئی ذہن یا شعور کارفرما نہیں ہے یعنی اس پر کوئی یزدانی قوت متصرف نہیں ہے۔

۳۔ عالم میں کوئی مقصد و غایت نہیں ہے۔

نشاۃ ثانیہ کی ابتداء چونکہ اہل مذہب نے فکری آزادی کی مخالفت کی لہذا سائنسدانوں کو مذہب کو رد کرنا پڑا اور مادہ پرستی کی طرف آنا پڑا تھا مس ہوبز (۱۶۷۹ء) نے مکمل مادیت کا ابلاغ کیا۔اس کی رائے میں انسان سمیت کائنات کی ہر شے

Marfat.com

مادی ہے۔ وہ حیات کے سوا کسی چیز کو علم کا ماخذ تسلیم نہیں کرتا اس نے روح کے وجود سے انکار کیا اور مذہب کو غیر مری فرضی قوتوں کی دہشت قرار دیا۔ وہ قدر و اختیار کا بھی منکر تھا۔ (L. Zusne, Names in the History of Psychology. P-23, Wiley, New York, 1975) تاہم جدید مادیت پسندی کا بانی ڈیکارٹ (۱۶۵۰ء) کو سمجھا جاتا ہے جو ذہن اور مادے کو مستقل بلذات مانتا ہے اس کے نزدیک حیوانات کا جسم ایک خودکار کل کی مانند ہے اور جسمانی لحاظ سے انسان بھی حیوان ہی کی طرح کی ایک کل ہے۔

اٹھارویں صدی میں سائنس کی ہمہ گیر ترقی نے عقلیت پسندی کو جنم دیا۔ فرانسیسی مادہ پرست قاموسیوں (Encyclopaedians) نے وحی کے بغیر ہیومنزلم کی بنیاد پر ایک مذہب مرتب کرنے کی کوشش کی۔ لامتری نے انسانی قلب و ذہن کے تمام اعمال کو میکانکی قرار دیتے ہوئے اسے دیگر حیوانوں کی طرح ایک حیوان قرار دیا۔ ہولباخ نے اس مادی نظریے کو باقاعدہ مابعد الطبیعیات کی شکل دی۔ اس نے روح کے وجود سے انکار کیا اور مادے کو غیر فانی قرار دیا۔ اس نے کہا کہ: فطرت چند اٹل قوانین کے تحت کام کر رہی ہے۔ جن مں کوئی مقصدیت پنہاں نہیں۔ برٹرینڈ رسل نے اٹھارویں صدی کے مادی نقطہ نظر کا خلاصہ تین نکات کی صورت میں پیش کیا ہے۔

(B.Russel, History of Western Philosophy, P387, Goerge Allen & Unwin, London, 1976)

۱۔ حقائق مشاہدے پر مبنی ہونے چاہئیں نہ کہ ایسی سند پر جو عقیدے کے تحکم پر مبنی ہو۔

۲۔ مادی دنیا کی ایسا نظام ہے جو خودکار ہے اور جس میں تمام تغیرات طبیعی قوانین کے تحت ہوتے ہیں۔

۳۔ کرۂ ارض کائنات کا مرکز نہیں ہے اور نہ اس کا کوئی مقصد و معنی ہے۔

انیسویں صدی میں ہیگل اور ڈارون نے مادی نقطۂ نگاہ کو مزید آگے بڑھایا۔ ہیگل نے کہا نیچر وہ ہے جس کا ادراک ہم حواس خمسہ سے کرتے ہیں۔ نیز اس نے شعور و ذہن کی تشریح عضویاتی پہلو سے کی۔ ڈارون نے حیاتیات کے مطالعے سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ انسان حیوان ہی سے ارتقاء پذیر ہوا ہے۔ سپنسر نے کہا کہ انسان سمیت سب جانداروں پر طبیعی قوانین کا اطلاق ہونا چاہئے۔

بیسویں صدی میں اگرچہ مادہ بحیثیت ایک شے کے غائب ہو گیا جب شراڈنگر پلانک اور ہائزن برگ نے نظریہ مقادیر عنصری پیش کرتے ہوئے کہا کہ مادہ اور توانائی ایک دوسرے میں تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ آئن سٹائن کی تحقیقات اور نظریہ اضافت نے ثابت کر دیا کہ مادہ ٹھوس نہیں ہے اور زمان و مکان کے قدی تصورات بھی تحلیل ہو گئے لیکن بایں ہمہ مادہ پرستی کی روح (جس کا خلاصہ خدا کی خدائی کی نفی اور اس کی جگہ فطرت کو فعال ماننا وحی کی برتری کا بطلان اور حسی علم کو اس کی جگہ دینا حیوانات کے قوانین کا اطلاق انسان پر کرنا اور آخرت کے مقابلے میں دنیا اور مظاہر دنیا کو ترجیح دینا وغیرہ) مغرب کے ہر فکر و عمل میں ہر سو جاری ہے۔

Marfat.com

تجربیت(Empiricism)

تجربیت سے مراد ہے وحی اور عقل سے حاصل ہونے والے علم کے مقابلے میں حسیات سے حاصل ہونے والے علم کو برتر و یقینی اور قابل عمل ماننا۔ یہ تقابل شروع ہی سے فکر انسانی میں موجود رہا ہے۔ وحی کی برتری کو ماننے والے اہل مذاہب ہیں۔ عقل کو منبع علم سمجھنے والے اکثر غیر مذہبی فلسفی ہیں جب کہ سائنس دان (اور سائنسی نہج پر مبنی دیگر علوم کے ماہرین) حسی علم کو حتمی اور یقینی منہج سمجھتے ہیں۔ یونان قدیم کے سوفسطائی حسیات کو علم انسانی کا ماخذ سمجھتے تھے جب کہ افلاطون اور اس کے ہم خیال یہ سمجھتے تھے کہ ذہن بذات خود (حسی تجربے اور مشاہدے کی صداقت کے بغیر) صداقت کے انکشاف پر قادر ہے۔ رومیوں اور قرون مظلمہ سے گزر کر جب یہ علمی روایت مغرب میں احیائے علوم کے دور میں واضح ہوئی تو کائنات کی حقیقت سے متعلق دو نظریے وجود میں آئے۔ ایک وہ جو افلاطون اور ارسطو کی ہدایت کی یادگار تھا اور جس کی رو سے امثال حقیقی ہیں اور دوسرا وہ جس کی رو سے کائنات کی حقیقی اشیاء خاص ہیں جو ہمارے تجربے اور مشاہدے میں آتی ہے۔ پہلی روایت سے (عیسائی) مذہب نے اپنی تصدیق کا کام لیا اور دوسری روایت نے جدید سائنس کی بنیادیں استوار کیں۔ سائنس میں گلیلیو اور فلسفے میں فرانس بیکن ان رجحانات کے ترجمان سمجھے جاتے ہیں۔

بیکن کے نزدیک علم کا ماخذ حسیات ہیں اور علم صرف انسانی تجربے سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اس نے فلسفے کو مذہب سے جدا کر کے علم کلام کو بے مصرف اور بے ثمر رجحان قرار دیا۔ تھامس ہوبز نے بھی حسیات ہی کو علم کا ماخذ قرار دیا اور اور بے ثمر رجحان قرار دیا۔ تھامس ہوبز نے بھی حسیات ہی کو علم کا ماخذ قرار دیا اور سائنس اور فلسفے کو مذہب (علم الکلام) سے نجات دلانے کی دعوت دی۔ نیوٹن کی طرح جان لاک بھی تجربے اور مشاہدے سے علمی نتائج اخذ کرنا چاہتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ ازلی وابدی صداقتوں کا کوئی وجود نہیں ہے اور حس ہی ہمارے علم کا ماخذ ہے اس نے ضمیر کے وجود کا بھی انکار کیا اور کہا کہ اخلاقی قوانین جبلی نہیں ہوتے بلکہ حسیات کے واسطے سے حاصل کئے ہوئے علم کی روشنی میں ہم جو رائے (صحیح یا غلط) قائم کرتے ہیں وہی ضمیر ہے۔ سیاست میں وہ عوام کی حاکمیت کے نظریے کا علمبردار تھا۔ John Locke, An Essay Concerning (Human Understanding, P-275, ff, William Tegg & Co. London, 1689.

ہیوم نے جو اٹھارویں صدی کے تشکک کا امام تھا لاک کے فلسفہ تجربیت کو منطقی انجام تک پہنچا دیا۔ اس نے کہا کہ انسانی تجربہ ہی انسانی علم کا ماخذ ہے اور صرف انہی اشیاء کا وجود جن کا ادراک کیا جاسکے۔ اس بناء پر اس نے نفس انسانی روح اور خدا انکار کردیا کیونکہ یہ تصورات قابل ادراک نہیں ہیں(David, Hume, An Enquiry Concering the Principal of Morals, P-298, London 1939) انیسویں صدی میں کومتے بینتھم اور ولیم جیمز نے ہیوم کے اثرات قبول کئے۔

کومتے کو ایجابیت (Positivism) کا بانی کہا جاتا ہے۔ جو تجربیت ہی ایک صورت ہے۔ اس کے نزدیک کائنات اور کائنات میں انسان کے مقام کا تعین انسانی مشاہدے اور تجربے ہی کی روشنی میں کیا جاسکتا ہے۔ اس اساس پر وہ

Marfat.com

انسانی انسان کو مرکز کائنات سمجھتا ہے کیونکہ خدا پر ایمان لانا اور کسی وجود مطلق کو ماننا انسانی تجربے سے متجاوز ہے لہذا اس کے نزدیک ایک ہی وجود مطلق ہے اور وہ ہے انسانیت عالیہ لہذا صرف انسان کی فلاح و بہبود کی کوشش ہی نیکی ہے۔ اسی طرح کومتے کے نزدیک انسانی ذہن تین مراحل سے گزرا ہے مذہب مابعد الطبیعیات اور مرحلہ موجودہ ایجابیت یا سائنس۔ اس کے نزدیک مذہب اور مابعد الطبیعات قصہ پارینہ بن چکے ہیں۔ اور اب سائنس کی خدائی کا دور ہے۔

(E.A. Esper, A History of Psychology, P-212, Saunders, London, 1964)

امریکہ کے نتائجیت فلسفیوں پسند ولیم جیمز اور ڈیوی اور دوسرے دور کے تجربیت پسندوں میں سے جان اسٹوارٹ مل اور بینتھم کومتے کے افکار سے بہت متاثر ہیں۔ اسی طرح درخائیم لیوی بروہل تیان اور رینان نے کومتے کے عمرانی نظریات کو بیسویں صدی میں نیا آہنگ دیا ہے۔

جان اسٹوارٹ مل بھی جرمی بینتھم کی طرح افادیت (Utilitarianism) کا قائل ہے اور اس کی طرح زیادہ سے زیادہ انسانوں کو زیادہ سے زیادہ مسرت بہم پہنچانے کو اخلاقیات کا نصب العین قرار دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ چونکہ صرف لذت کی خواہش کی جاتی ہے اس لئے لذت ہی مستحسن ہے جب کہ بینتھم تو یہاں تک کہتا ہے کہ لذت ہی خیر ہے اور اذیت ہی شر ہے اور افادیت ہی ہر شے کا معیار ہے۔

امریکی نتائجیت پسندی (Pragmatism) کا شارح ولیم جیمز ہے جو لاک ہیوم کانٹ اور کومتے کے افکار کا جامع تھا۔ ولیم جیمز کسی صداقت مطلق کا قائل نہیں تھا اور وجود مطلق کو مابعد الطبیعی عفریت کا نام دیتا تھا اس کے خیال میں صرف وہی اشیاء موضوع بحث بن سکتی ہے۔ جو انسانی تجربے سے لی گئی ہوں۔ انسانی تجربہ ہی حقیقت ہے اور صرف انسانی مشاہدہ اور تجربہ ہی علم کا اصل ماخذ ہے۔ اس کے نزدیک نتائجیت ایک طریق فکر ہے جس کا مقصود کسی نوع کی ازلی صداقتوں کا کھوج لگانا نہیں ہے وہ کہتا ہے کہ اس بات سے انسانی تجربے یا طرز عمل میں کچھ فرق نہیں پڑتا کہ آیا وجود مطلق ہے یا نہیں جیمز کی افادیت اور نتائج پسندی کا یہ عالم ہے کہ وہ مذہب کو بھی نتائج پسندی کا یہ عالم ہے کہ وہ مذہب کو بھی نتائج کی کسوٹی پر پرکھتا ہے۔ اس کے نزدیک ایمان کا جوہر نہ جذبہ ہے نہ عقل بلکہ ایمان لانے کا ارادہ ہے جسے سائنسی طریقوں سے ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ مذہب میں کسی صداقت مطلق کا کھوج نہیں لگایا جا سکتا۔ البتہ یہ سوال پوچھا جا سکتا ہے کہ کیا خدا حیات بعد الموت اور قدر و اختیار پر عقیدہ رکھنے سے ہمیں کوئی عملی (دینوی) فائدہ پہنچ سکتا ہے؟ اگر جواب اثبات میں ہو تو ان عقائد کے اختیار کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

(L, Zusne, Names in the History of Psychology, P-98, Wiley, New Y ork, 1975)

نتائجیت کا ایک اور مشہور شارح جان ڈیوی ہے جو جیمز ہی کی طرف فکر انسانی کو محض ایک آلہ سمجھتا ہے اس کے نزدیک کسی نظریے کی عملی کامیابی کی طرف رہنمائی ہی اس کی صداقت کا واحد معیار ہے۔ انگلستان کے پروفیسر شلر نے نتائجیت کو انسان پسندی سے مربوط کرنے کی کوشش کی۔ اس کے نزدیک جو کچھ بھی انسان کے لئے صحیح ہے اسے کسی مافوق الفطرت ہستی کی بجائے انسانی مفاد ہی کی پرورش کرنی چاہئے۔ گویا خدا کو بھی صرف اس لئے مانو کہ اس سے دنیوی فائدہ ہوتا ہے۔ ظاہر ہے اس

Marfat.com

سے بڑے کر سیکولرزم اور لادینیت کا تصور کیا ہو سکتا ہے کہ عملی کامیابی نتیجہ خیزی اور افادیت کو افکار کی صداقت کا واحد معیار قرار دیا جائے بلکہ یہ تو محض کاروباری ذہنیت کی عکاسی ہے۔

تجربیت اور اس کے بعض ذیلی شاخوں کے اس مختصر بیان سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ تجربیت نے نہ صرف مذہب اور وحی کی برتری کو رد کیا بلکہ ادراک حقائق کا انحصار محض انسانی مشاہدے اور حسی تجربے کو قرار دے کر اسے ایک متبادل مذہب اور نظریہ حیات بنا کر پیش کیا۔ اس نقطہ نظر نے انیسویں اور بیسویں صدی میں نہ صرف سائنس کو پروان چڑھایا بلکہ سائنسی نقطہ نظر کو دوسرے علوم وفنون پر بھی غالب کر دیا اور انہیں لادینی بلکہ دین دشمنی کے رنگ میں رنگ دیا۔

سطور بالا میں ہم نے جو کچھ کہا ہے اگر ہم اس کی تلخیص کرنا ہیں تو کہہ سکتے ہیں کہ اہل مغرب کا دین یعنی جن نظریات کے مطابق وہ زندگی بسر کر رہے ہیں۔ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ انسان اپنا خدا خود ہے۔ وہ اپنے فیصلے خود کر سکتا ہے (وحی اور خدا کی نفی اور مذہب کا انکار)

۲۔ اگر کوئی خدا اور مذہب کو ماننا چاہتا ہے تو یہ اس کا انفرادی معاملہ ہے۔ اجتماعی زندگی میں بہر حال خدا کا کوئی کردار نہیں (محدود انفرادی مذہبی زندگی کے سوا اجتماعی زندگی کے سارے شعبوں سے خدا کی خدائی کا انکار)

۳۔ حقیقت صرف وہ ہے جس کا ہم تجربہ اور مشاہدہ کر سکیں (علم کا ماخذ وحی نہیں صرف سائنسی طریق کار ہے)

۴۔ زندگی صرف دنیا کی یہ زندگی ہی ہے لہذا ہمیشہ اسی کے فائدے اور یہاں کی ترقی اور کامیابی کا سوچنا (مادہ پرستی انکار آخرت اور دنیا پرستی)

۵۔ انسان بنیادی طور پر دوسرے حیوانوں کی طرح ایک حیوان ہی تو ہے (اعلیٰ انسانی افکار واقدار کی نفی)

ایک مسلمان ان خیالات پر نظر ڈالتے ہی کہہ دے گا کہ یہ خلاف اسلام اور خلاف قرآن ہیں۔

مغربی تہذیب کہہ رہی ہے کہ انسان اپنا خدا خود ہے جب کہ قرآن کہتا ہے کہ خدا ایک ہی ہے **قل ھو اللّٰہ احد** (اخلاص (۱:۱۱۲) اس کے سوا کوئی خدا ہے ہی نہیں **مالکم من الہ غیرہ** (آل عمران ۷:۵۹) اور نہ کوئی اس جیسا ہو سکتا ہے **ولم یکن لہ کفوا احد** (اخلاص ۴:۱۱۲) لہذا انسان بے چارہ خدا کیا ہو گا وہ تو اس کے مقابلے میں اس کی ایک حقیر مخلوق ہے **خلق الانسان من نطفۃ** (النحل ۴:۱۶) اور اس کو یہی زیبا ہے کہ وہ اللہ کی بندگی غلامی اور تابعداری کرتا رہے **وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون** (الذریات ۵۱:۶۵)۔

مغربی فکر یہ ہے کہ انسان اپنی زندگی اپنی مرضی سے گزارنے کا حق رکھتا ہے اور وہ اس کیلئے کسی خدا کی ہدایت کا محتاج نہیں۔ قرآن کہتا ہے کہ انسان اگر محض اپنی مرضی سے زندگی گزارے اور خدا کی ہدایت کا اتباع نہ کرے تو یہ عین گمراہی ہے۔ **ومن اضل ممن اتبع ھواہ بغیر ھدی من اللّٰہ** (القصص ۲۸:۵۰)

مغرب کہتا ہے کہ علم صرف وہ ہے جو مشاہدے پر مبنی ہو اور وحی کی برتری کو رد کرتا ہے جب کہ قرآن کہتا ہے کہ وحی کے علم کے بغیر آدمی ایسے ہے جیسے نابینا کہ راہ ہدایت اسے سوجھ بوجھ ہی نہیں سکتی۔ "**ان اتبع الا ما یوحی الی قل ھل یستوی**

Marfat.com

الاعمی والبصیر افلا تتفکرون (الانعام ۶: ۵۰) اور قرآن کہتا ہے کہ جو سماعی اور مشاہداتی علم، علم الٰہی کے مطابق نہ ہو وہ سرے سے علم ہی نہیں ولا تقف ما لیس لک به علم ان السمع والبصر والفواد کل اولئک کان عنه مسئولا (بنی اسرائیل ۱۷: ۳۶)

مغرب کہتا ہے کہ جس نے اپنی نجی اور انفرادی زندگی میں خدا کو ماننا ہے وہ مان لے لیکن خدا کو یہ اختیار بہر حال نہیں دیا جاسکتا کہ وہ ہماری اجتماعی زندگی میں دخل دے اور ہمیں بتائے کہ ہمارا سیاسی معاشی سماجی عائلی۔۔۔۔نظام کیسا ہونا چاہئے۔ قرآن کہتا ہے کہ اپنی ساری کی ساری زندگی اللہ کے حکم کے مطابق گزارو یا ایھا الذین امنو اادکلو افی السلم کافة (البقرہ ۲: ۲۰۸) اور قرآن کہتا ہے کہ جو اللہ کے بعض احکام کو مانے اور بعض کو نہ مانے وہ اسے دنیا میں رسوا کریگا اور آخرت میں شدید عذاب دے گا۔افتو منون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض فما جزاء من یفعل ذلک منکم الا خزی فی الحیاۃ الدنیا ویوم القیامة یردون الی اشد العذاب (البقرۃ ۲: ۸۵)

مغرب کہتا ہے کہ زندگی بس دنیا ہی کی زندگی ہے اسی کی فکر کرو اسی میں لگے رہو اسی کا فائدہ سوچو۔قرآن کہتا ہے کہ نہیں! دنیا کی زندگی تو محض چند روزہ چکا چوند ہے" انما الحیاۃ الدنیا لعب ولھو وزنیه (الحدید ۵۷: ۲۰) اور یہ محض مہلت عمل کے لئے ہے " الذی خلق الموت والحیلة لیبلوکم ایکم احسن عملا (الملک ۶۷: ۲) اور اصل زندگی تو آخرت کی ہے جو ابدی اور پائیدار ہے وان الدار الخرۃ لھی الحیوان (العنکبوت ۲۹: ۶۴) اور وہاں کی کامیابی ہی اصل کامیابی ہے فمن زحزح عن النار وادخل الجنة فقد فاز (آل عمران ۳: ۱۸۵) اور جو دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دے اس کا ٹھکانہ جہنم ہے فاما من طغی واثر الحیاۃ الدنیا فان الجحیم ھی الماوی (النازعات ۷۹: ۳۸)

مغربی نظریات عقلاً بھی غلط ہیں

تو خلاصہ یہ کہ مغربی تہذیب کا سارا فکری ڈھانچہ اسلام کی عین ضد ہے۔ یہ بنیادی طور پر خدا رسول اور آخرت کے انکار پر مبنی ہے اور قرآن حکیم کے مطابق سو فیصد غلط ہے لہذا ایک مسلمان جب تک وہ مسلمان ہے اور اس کے ہوش و حواس قائم ہیں وہ مغربی نظریات کو صحیح سمجھ ہی نہیں سکتا۔اور گو ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ ایک فکر جب صریحاً خلاف قرآن ہے تو لامحالہ وہ غلط ہے لیکن ہم تفہیم مزید کی خاطر عرض کرتے ہیں کہ خدا اور رسول و آخرت کے انکار کا رویہ عقلی لحاظ سے بھی غلط ہے کیونکہ۔

۱۔ بحیثیت انسان ہمارا تجربہ اور مشاہدہ یہ ہے کہ اللہ کی پیاس اور اسے پانے کی جستجو انسان کی فطرت میں ہے لہذا ایک انسان جب خدا اور اس کے ہدایت کا انکار کرتا ہے تو وہ گویا اپنی فطرت سے لڑتا ہے اور اپنے فکری وجود کی نفی کرتا ہے۔اس رویے سے اس کی شخصیت کے اندر ایک کشش شروع ہو جاتی ہے جو بسا اوقات دنیا میں بھی اس کے لیے ضرر رساں ہوتی ہے۔

۲۔ انسانی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ ہر عہد میں انسانوں کی ایک بڑی اکثریت اللہ کے وجود کو تسلیم کرتی رہی ہے کہ کفار مکہ بھی اللہ کو

Marfat.com

مانتے تھے۔ یہاں تک کہ آج کے سائنسی اور ماڈرن دور میں بھی انسانوں کی ایک بڑی تعداد کسی نہ کسی رنگ اور شکل میں اللہ تعالیٰ کو مانتی ہے۔

۳۔ کائنات کی ہر چیز چاند سورج، شجر و حجر، پرند و چرند غرض ہر چیز بالطبع خدا کی اطاعت و فرمانبرداری کر رہی ہے لہٰذا اس کائنات کا ایک جز ہونے کی حیثیت سے انسان اگر اس کائنات سے ہم آہنگ رویہ اور طرز زندگی اختیار کرنا چاہتا ہے تو اس کی ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ وہ بھی کائنات سے ہم آہنگی اختیار کرے اور اللہ کی اطاعت کے رستے پر چلے۔

۴۔ اس کائنات کی معلوم تاریخ کے وہ بہترین افراد جن کے اخلاق و کردار اور عقل و فراست پر دنیا کے کروڑوں افراد اعتماد کرتے رہے ہیں اور آج بھی کرتے ہیں (یعنی پیغمبر) ان سب کا متفقہ طور پر یہ کہنا ہے کہ خدا ہے اور ہمیں اس کی اطاعت کرنی چاہئے۔

لہٰذا نہ صرف اسلام اور قرآن کی رو سے مغربی فکر حتماً غلط ہے بلکہ عقل کی رو سے بھی یہ صحیح نہیں ہے اور یہی ہمارا پہلا مقدمہ تھا کہ مغربی فکر حتماً غلط ہے۔

مغرب کی گمراہی کے بارے میں چند شبہات اور ان کا ازالہ

اگرچہ ہم مطمئن ہیں کہ ہم نے پہلا مقدمہ ثابت کر دیا کہ مغربی فکر حتماً غلط ہے لیکن آگے بڑھنے سے بیشتر مناسب محسوس ہوتا ہے کہ ان چند شبہات کا ازالہ بھی کر دیا جائے جو ہمارے اس موقف پر بعض قارئین کے ذہنوں میں پیدا ہو سکتے ہیں جن میں سے ایک تو یہ ہے کہ:

۱۔ مغرب کی فکر اگر غلط ہے تو وہ غالب کیوں ہے؟

دنیا میں ترقی اور غلبے کا انحصار انسان کے خدا اور کائنات کے بارے میں صحیح تصویر پر نہیں ہے بلکہ دنیا کے اسباب مہیا کر سکنے کی صلاحیت پر ہے۔ اگر دنیا میں ایسی کوئی قوت موجود نہ ہو جو خدا اور کائنات کے بارے میں صحیح رویے کی حامل اور اس پر عمل ہو تو دنیا کی امامت ایسی قوم/تہذیب کے پاس جا سکتی ہے جس کا خدا اور کائنات کے بارے میں رویہ تو غلط ہو اور اسے جہنم میں لے جانے والا ہو لیکن اگر وہ ان اصولوں پر عمل پیرا ہو جو اسباب دنیا مہیا کرتے ہیں وہ دنیا میں غالب آ سکتی ہے بلکہ حتماً وہ غالب آتی ہے۔ اگر مسلمان پچھلی کئی صدیوں سے ان اصولوں پر عمل نہیں کر رہے جو دین و دنیا میں ان کی سیادت کی ضمانت دیتے ہیں تو لامحالہ اس خلا کو کسی طرح تو پُر ہونا تھا چنانچہ دنیا کی امامت پر مغربی اقوام فائز ہو گئیں جن کا نظریہ حیات تو قرآن کی رو سے حتماً غلط ہے لیکن چونکہ وہ لوگ اسباب دنیا مہیا کرنے پر دوسروں سے بہتر طور پر قادر ہیں لہٰذا دنیا کی امامت انہی کے حصے میں آئے گی۔

۲۔ مغرب تو عیسائی ہے اور عیسائیت ربانی دین ہے؟

خود قرآن کے نزدیک سابقہ ادیان، ''اسلام'' ہی تھے لہٰذا ہم مسلمان انہیں اصولاً غلط نہیں کہتے لیکن یہاں سمجھنے کی پہلی بات تو یہ کہ موجودہ عیسائیت وہ دین عیسائیت نہیں ہے جو حضرت عیسیٰؑ پر وحی ہوا تھا۔ وہ دین جو حضرت عیسیٰؑ پر نازل ہوا تھا اگر

Marfat.com

اپنی صحیح شکل میں محفوظ رہتا تو اسے رد ومنسوخ کر کے نئی رسالت کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ رسالت محمدیؐ کا ظہور اس بات کا اعلان تھا کہ اصل دین عیسوی میں اتنی تحریف ہو چکی ہے کہ اس کا وجود اور عدم برابر ہے۔ یہ کہ جو محرف شدہ اور برا بھلا دین عیسوی موجود تھا، موجودہ عیسائی دنیا تو صدیاں ہوئیں اسے بھی متروک قرار دے چکی ہے ہم اتنے برے مسلمان نہیں جتنے برے وہ عیسائی ہیں۔ مطلب یہ کہ موجودہ مغرب کو اگر ہم عیسائی کہیں تو وہ عیسائیت پر اتنا بھی عمل نہیں کرتے جتنا اسلام پر ہم مسلمان کرتے ہیں لہذا عیسائی مغرب اپنے مذہب پر عمل کرنے میں ہم سے بھی گیا گزرا ہے لہذا یہ ان کے لیے وجہ تفریق نہیں ہوسکتا۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ موجودہ مغربی تہذیب کی حقیقی بنیاد وہ اصل ہیں سیکولرزم، ہیومنزم، کیپٹل ازم، نیشنل ازم، ڈیموکریسی وغیرہ نہ کہ عیسائیت کے محرف شدہ مذہبی عقائد۔ لہذا یہ کہنا کہ مغرب کے نزدیک ان کی موجودہ ترقی کا راز ہی یہ ہے کہ انہوں نے ازمنہ وسطی کے غلط عیسائی نظریات سے جان چھڑالی اور اپنی زندگی کو نئے اصولوں پر استوار کرلیا۔

۳۔ مغرب کی موجودہ سوچ تو سائنسی اصولوں پر مبنی ہے لہذا وہ کیسے غلط ہوسکتی ہے؟ یہ مفروضہ کئی لحاظ سے غلط ہے؟

اولاً۔ اصل چیز علم نہیں تصور علم ہے۔ علوم خواہ وہ سماجی ہوں (جیسے سیاسیات) معاشیات، سماجیات، نفسیات، فلسفہ وغیرہ) یا سائنسی (جیسے طبیعیات، حیاتیات، کیمیا، وغیرہ) ان کی بنیاد تصور علم پر ہوتی ہے۔ اگر تصور علم صحیح ہو تو علم کی نمو صحیح رخ پر ہوتی چلی جاتی ہے اور اگر تصور علم غلط ہو تو علوم کی نمو غلط رخ پر ہوتی چلی جاتی ہے۔ اب یہ دیکھیے کہ مغرب میں جب تحریک احیائے علوم کا آغاز ہوا تو اس وقت وہاں کے اہل دانش اپنی دینی قیادت کی غلط روش کے خلاف جنگ لڑ رہے تھے۔ انہوں نے ردعمل کی انتہا پسندی میں دین عیسائیت اور اس کی نمائندہ پاپائیت کو بحیثیت مجموعی رد کر دیا۔ اس کے نتیجے میں جو تصور علم وہاں پروان چڑھا وہ الحاد پر مبنی تھا۔ اس کے نتیجے میں جتنے علوم بھی مغرب میں پروان چڑھے، خواہ وہ سماجی ہوں یا سائنسی، ان سب پر الحاد کا غلبہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کے اکثر سائنسدان منطقی طور پر ملحد ہیں۔ بلاشبہ ان میں سے بعض خدا پر یقین بھی رکھتے ہیں لیکن ان میں سے بعض تو وہ ہیں جو روایتی طور پر عیسائی ہونے کے لاشعوری اثرات کی وجہ سے خدا کو مانتے ہیں اور ایسے بہت ہی کم ہیں جو شعوری طور پر سائنسی منہج کی وجہ سے خدا کو مانتے ہوں۔ اس کے برعکس یہ دیکھیے کہ مسلمانوں میں جب سائنس عروج پر تھی تو ان کے ہاں کوئی سائنس دان بھی ایسا نہیں تھا جو خدا کے وجود میں شک کرتا ہو۔ وجہ اس کی یہی تھی کہ مسلمانوں کا تصور علم توحید پر مبنی تھا لہذا اس تصور علم سے جتنے بھی علوم کے چشمے پھوٹے وہ سب توحید کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔

ثانیاً: سائنس کے بارے میں ہمارا عام تصور یہ ہے کہ چونکہ وہ تجربے اور مشاہدے پر مبنی ہوتی ہے لہذا وہ غلط نہیں ہوسکتی۔ بظاہر یہ بات صحیح لگتی ہے لیکن اس میں مغالطہ یہ ہے کہ ہر مشاہدہ اور تجربہ ٹھوس ریاضیاتی حقیقت نہیں رکھتا مثلاً اس میں کوئی شک نہیں کہ دو اور دو چار ہی ہوتے ہیں پانچ نہیں ہوسکتے لیکن یہ کہنا کہ فرائیڈ کا یہ نظریہ کہ جنس انسان کی مرکزی جبلت ہے اور اس کی ساری فکر اور سارے رویے اس کے تابع ہوتے ہیں، یہ بھی اسی طرح کی ایک ریاضیاتی حقیقت ہے جس طرح کہ دو اور دو چار ہوتے

Marfat.com

ہیں، یہ صحیح نہیں ہے گو کہ فرائیڈ کا دعویٰ یہی ہے کہ اس کی تھیوری بنیاد اس کے بعد بھی بیسیوں ماہرین نفسیات نے مشاہدے اور تجربے ہی کی بنیاد پر فرائیڈ کے نظریہ جنس کو غلط ثابت کیا۔ یہی حال ڈارون کی تھیوری کا ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ مغرب کے وہ سارے علوم جنہیں بظاہر سائنسی کہا جاتا ہے اصلاً دو اور دو چار کی طرح کے ریاضیاتی فارمولوں پر مبنی نہیں ہوتے بلکہ ان پر قیاسات، اندازوں اور صاحب مشاہدہ تجربہ کے علمی و مذہبی پس منظر اور معاصر تہذیبی و فکری رویوں سب کا عکس پڑتا ہے، گو اس میں مشاہدے اور تجربہ کا دخل بھی ہوتا ہے۔اس لحاظ سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ مغرب اپنے جن رویوں کو سائنسی کہتا ہے، وہ ریاضی کے حتمی فارمولوں کی طرح ناقابل تردید حقائق پر مبنی نہیں ہوتے۔اگرچہ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان کے پیچھے تجربات و مشاہدات بھی ہوتے ہیں اور انہیں پیش کرنے والے بھی سائنس دان ہوتے ہیں۔

ثالثاً: بعض اشخاص اپنی محنت وصلاحیت، تعلیم و تربیت اور طبعی رجحان کی وجہ سے زندگی کے بعض شعبوں میں بہت آگے نکل جاتے ہیں اور اس میں عظیم کارنامے سرانجام دیتے ہیں لیکن کسی دوسرے شعبہ زندگی میں مطالعہ و تحقیق اور طبعی رجحان نہ ہونے کی وجہ سے ہو سکتا ہے، وہ محض صفر ہوں مثلاً آئن سٹائن ایک نابغہ روزگار شخص تھا لیکن، معاف کیجئے گا، صرف فزکس میں۔ یہ کہنا کہ مذہب کے بارے میں اس کی آراء اسی طرح حتمی، اعلیٰ اور برتر تھیں جتنی فزکس کے بارے میں، تو یہ خوش فہمی اور فکری آرزومندی تو ہو سکتی ہے لیکن اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔اسی طرح یہ کہنا کہ آئن سٹائن جتنا بڑا آدمی جب مذہب کے بارے میں بات کرے گا تو غلط یا بودی کیسے ہو سکتی ہے؟ بھی محض ایک نوع کا حسن ظن ہے کیونکہ کسی ایسے شعبے کے بارے میں جس کے بارے میں آئن سٹائن کا کوئی مطالعہ اور تجربہ نہ ہو، اس کی رائے ایک عام آدمی کی طرح ہی ناپختہ اور غلط ہو سکتی ہے اور فزکس میں اس کی اعلیٰ مہارت اور برتری کو زندگی کے دوسرے شعبوں میں منتقل نہیں کیا جا سکتا۔اور اگر کوئی ایسا کرے تو یقیناً یہ رویہ بالکل غیر سائنسی اور غیر منطقی بلکہ سراسر غلط ہوگا۔

رابعاً: خود تجربہ اور مشاہدہ ہمیں یہ بتاتا ہے کہ صرف تجربے اور مشاہدے سے حاصل ہونے والا علم بعض اوقات صحیح نہیں ہوتا مثلاً دور سے دیکھا جائے تو چیزیں چھوٹی نظر آتی ہیں حالانکہ وہ چھوٹی نہیں ہوتیں۔ پانی سے بھرے گلاس میں پنسل ڈالی جائے تو وہ ٹیڑھی نظر آتی ہے حالانکہ وہ ٹیڑھی نہیں ہوتی۔ بجلی اور ہوا ہمیں نظر نہیں آتیں لہٰذا بظاہر ہمیں ان کے وجود کا انکار کر دینا چاہیے لیکن ہم جانتے ہیں کہ وہ موجود ہوتی ہیں لہٰذا ہم ان کے وجود کا انکار نہیں کر سکتے اس کا مطالب یہ ہے کہ صرف حسی اور سائنسی رویہ میں ہمیشہ صحیح اور حتمی علم نہیں دیتا نہیں دے سکتا۔

خامساً: سوال یہ ہے کہ اگر تجربے اور مشاہدے سے حاصل ہونے والے علم کے حتمی طور پر صحیح ہونے کی گارنٹی نہیں دی جا سکتی تو حتمی طور پر صحیح علم کیسے حاصل ہو سکتا ہے؟ ہمارے نزدیک اس کا صحیح، منطقی، عقلی، سائنسی اور حتمی جواب یہ ہے کہ وہ علم جو ہمیں خالق کائنات سے قابل اعتماد ذریعے (پیغمبر) سے ملے کیونکہ جس نے انسان اور کائنات کو تخلیق کیا ہے وہی ان کے بارے میں صحیح اور حتمی علم رکھتا ہے اور العلیم کہلانے کا مستحق ہے۔لہٰذا وحی کے علاوہ ہر وہ علم حتماً صحیح ہے (خواہ اس کا منبع تجربہ و مشاہدہ ہو یا عقل و

Marfat.com

وجدان) جو العلیم کے دیے گئے علم کے مطابق ہو اور جو علم، العلیم کے دیے گئے علم کے مطابق نہ ہو وہ حتماً غلط ہے خواہ وہ تجربہ و مشاہدہ پر ہی مبنی کیوں نہ ہو کیونکہ وہ العلیم کے دیئے گئے علم کے مطابق نہیں ہے۔

سادساً: نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ'' راس الحکمة مخافة اللّٰہ'' (کنز العمال حدیث نمبر ۵۸۷۳) یعنی حکمت و دانائی کا سب سے بڑا مظہر یہ ہے کہ آدمی اللہ سے ڈرتے ہوئے زندگی گزارے۔ اس کا مطلب اللہ کے انکار اور اس کی عدم اطاعت کی زندگی گزارنا احمقانہ اور جہالت پر مبنی رویے خواہ ایسا کرنے والا آئن سٹائن یا ٹائن بی جیسا نابغہ روزگار ہی کیوں نہ ہو، اور اللہ کی اطاعت پر مبنی رویے عاقلانہ اور عالمانہ رویے ہے خواہ یہ رویہ اختیار کرنے والا ایک بدو اور ان پڑھ دیہاتی ہی کیوں نہ ہو۔

سابعاً: انسان کے لیے صحیح اور مفید علم وہ ہے خواہ وہ جس ذریعے سے بھی حاصل ہو، جو اس کی انسانی فطرت کے مطابق ہو اور جو کائنات کی فطرت کے مطابق ہو۔ اب کائنات کی فطرت یہ ہے کہ ساری کائنات یعنی چاند اور سورج، شجر و حجر اور ہر قسم کے طیور و حیوانات سب اللہ کی اطاعت پر مبنی زندگی بسر کر رہے ہیں لہٰذا انسان کی فطرت سے آہنگ رویہ یہی ہے کہ وہ بھی اللہ کی اطاعت پر مبنی زندگی گزارے تاکہ اس کا رویہ کائنات کے رویے سے ہم آہنگ ہو جائے کیونکہ وہ بھی کائنات کا حصہ ہے۔ لہٰذا ہر وہ علم اور ہر وہ رویہ غلط ہے جو انسان کو اللہ کی اطاعت سے دور کر دے لہٰذا مغرب کا علم اور رویہ بھی غلط ہے کیونکہ وہ غیر فطری ہے اور کائنات سے غیر آہنگ ہے خواہ اس کا منبع کچھ بھی ہو۔

مندرجہ بالا بحث سے واضح ہے کہ مغرب کا علم غلط ہے خواہ بظاہر اس کا منبع سائنس اور تجربہ و مشاہدہ ہی کیوں نہ ہو۔

دوسرا مقدمہ: غلط نظریہ حیات حتماً فساد فی الارض کا سبب بنتا ہے

اپنا پہلا مقدمہ (یہ کہ مغربی فکر حتماً غلط ہے) قرآن حکیم اور عقل سے ثابت کرنے کے بعد اب ہم اپنا دوسرا مقدمہ قرآن حکیم سے ثابت کریں گے کہ غلط فکر ہمیشہ فساد فی الارض کو جنم دیتی ہے۔ یہاں اس وقت تک کی بحث سے واضح ہے کہ غلط فکر سے مراد وہ فکر ہے جو اللہ و رسول اور آخرت کے انکار پر مبنی ہو۔ یہ بنیادی گمراہی ہے۔ باقی ساری فکری و عملی گمراہیاں بنیادی گمراہی کی شاخیں اور پھل پھول ہیں۔ کس طرح قرآن کے نزدیک اس بنیادی فکری گمراہی اور اس کے نتیجے میں پھیلنے والی دوسری گمراہیاں فساد فی الارض کو جنم دیتی ہیں۔ اس فکری گمراہی کے نتیجے میں پیدا ہونے والی عملی گمراہیاں وہی ہیں جنہیں ہم نے قوموں کے زوال کے اسباب میں گنوایا ہے یعنی قتل و خونریزی، ظلم و جبر، استحصال، نفع آوری کا خاتمہ، انسانی رشتوں کی پامالی، جنسی انارکی اور اصلاحی قوتوں کی پسپائی وغیرہ۔

اللہ پر ایمان نہ لانا موجب فساد ہے

'ام نجعل الذین امنوا و عملوا الصالحات کالمفسدین فی الارض ام نجعل المتقین کالفجار (ص ۳۸: ۲۸)

ترجمہ: تو کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ان کے برابر کر دیں گے جو زمین میں فساد کرنے والے ہیں؟ یا ہم پرہیزگاروں کو بدکاروں جیسا کر دیں گے؟

Marfat.com

اللہ کی عبادت واطاعت سے انکار فساد فی الارض ہے

ادعوا ربکم تضرعا و خفیه ، انه لا یحب المعتدین و لا تفسدو افی الارض بعد اصلاحها و ادعوه خوفا و طمعا ان رحمة الله قریب من المحسنین ' (الاعراف ۷: ۵۵، ۵۶)

ترجمہ: پکارو اللہ کو عاجزی کے ساتھ اور چپکے چپکے۔ بے شک اللہ پسند نہیں کرتا حد سے بڑھنے والوں کو۔ اور جب (اس اطاعت رب کے نتیجے میں) زمین کی اصلاح ہو چکی ہو تو اس میں فساد نہ پھیلاؤ بلکہ اللہ ہی کو پکارو خوف ورجاء کے ساتھ بے شک اللہ کی رحمت نیک کام کرنے والوں کے بہت قریب ہے۔

قرآن کا انکار موجب فساد ہے

' و منهم من یومن به و منهم من لا یومن به و ربک اعلم بالمفسدین ' (یونس ۱۰:۴۰)

ترجمہ: ان میں سے بعض اس (قرآن) پر ایمان لے آئیں گے اور بعض ایمان نہیں لائیں گے اور آپ کا رب ان مفسدوں کو خوب جانتا ہے

شرک فساد فی الارض سبب ہے

ام اتخذوا الهة من الارض هم ینشرون لو کان فیهما الهة الا الله لفسدتا ج فسبحن الله رب العرش عما یصفون . (الانبیاء۔۲۱:۲۱،۲۲)

ترجمہ: ان لوگوں نے زمین میں جن کو خدا بنا رکھا ہے کیا وہ مردوں کو زندہ کر سکتے ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ اگر زمین وآسمان کا اللہ کے سوا کوئی اور اللہ بھی ہوتا تو ان میں بہت فساد واقع ہوتا۔ پس اللہ پاک ہے ان باتوں سے جو یہ اس کے بارے میں بتاتے ہیں

خدا کی بجائے اپنی مرضی کرنا فساد الارض ہے

و لو اتبع الحق اهو آء هم لفسدت السموت و الارض و من فیهن بل اتینهم بذکرهم فهم عن ذکرهم معرضون . (المومنون ۲۳:۷۱)

ترجمہ: اور اگر حق ان کی خواہشوں کے تابع ہوتا تو زمین وآسمان اور جو کچھ ان میں ہے سب فساد سے بھر جاتا مگر ہم نے ان کے لئے (کتاب) نصیحت بھیجی ہے۔ مگر وہ اس سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔

انکارِ آخرت موجب فسار فی الارض ہے

وابتغ فیما اتاک الله الدار الاخرة ولا تنس نصیبک من الدنیا واحسن کما احسن الله الیک ولا تبغ الفساد فی الارضط ان الله لا یحب المفسدین. (القصص ۲۸:۷۷)

ترجمہ: (مومنین بنی اسرائیل نے قارون سے (تجھ کو اللہ نے جتنا (مال) دے رکھا ہے اس میں عالم آخرت کی بھی جستجو کیا کر اور دنیا سے اپنا حصہ (آخرت میں لے جانا) فراموش مت کر اور جس طرح اللہ نے تیرے ساتھ بھلائی کی ہے تو بھی بندوں کے ساتھ

Marfat.com

بھلائی کیا کر اور دنیا میں فساد کا خواہاں مت ہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ اہل فساد کو پسند نہیں کرتا۔

دنیا میں مگن ہو جانا اور آخرت کو بھول جانا باعث فساد فی الارض ہے

اتتركون في ما ههنا امنين. في جنت وعيون، وزروع ونخل طلعها هضيم. وتنحتون من الجبال بيوتا فرهين. فاتقو الله واطيعون . ولا تطيعو امر المسرفين. الذين يفسدون في الارض ولا يصلحون.

(الشعراء ۲۶:۱۴۶:۱۵۲)

ترجمہ: (حضرت صالحؑ نے اپنی قوم سے کہا) کیا تم سمجھتے ہو کہ تم ہمیشہ امن چین سے اسی دنیا میں عیش کرو گے ان باغوں اور کھیتوں میں جہاں پانی وافر ہے اور خوب پھل دینے والے کھجوروں کے درخت ہیں۔ اور اسی بھرے میں تم پہاڑوں کو تراش تراش کر خوبصورت مکان بناتے ہو۔ اور ان پہ نازاں ہو (نہیں بلکہ یہ سب کچھ یہیں رہ جائے گا اور قیامت ضرور آئے گی) لہذا اللہ سے ڈرو اور میری باتیں مانو اور اپنے گمراہ سرداروں کی پیروی نہ کرو جو زمین میں فساد پھیلاتے ہیں اور بھلائی کی طرف نہیں آتے۔

ان آیات سے واضح ہو کہ زمین میں فساد فی الارض کا بنیادی سبب اللہ کو نہ ماننا اس کی اطاعت نہ کرنا اور اس کے مقابلے میں اپنی مرضی کرنا نیز دنیا کی زندگی ہی کو سب کچھ سمجھنا اور آخرت کو جھٹلانا ہے۔ اس بنیادی غلطی کے نتیجے میں انسانوں میں وہ رویے جنم لیتے ہیں جو زمین کو فساد سے بھر دیتے ہیں۔ ان میں سے چند اہم رویے مندرجہ ذیل ہیں۔

قتل وخونریزی

قتل وخونریزی کی وجہ انکار حق کا رویہ ہے

ان الذين يكفرون بايت الله ويقتلون النبين بغير حق ويقتلون الذين يامرون بالقسط من الناس فبشرهم بعذاب اليم . (آل عمران ۳:۲۱)

ترجمہ: جو لوگ اللہ کے احکام وہدایت کو ماننے سے انکار کرتے ہیں اور اس کے پیغمبروں کو ناحق قتل کرتے ہیں اور ایسے لوگوں کی جان کے درپے ہو جاتے ہیں جو خلق خدا میں سے عدل وراستی کا حکم دینے کے لئے اٹھیں، ان کو دردناک سزا کی خوش خبری سنا دو۔

قتل وخونریزی فساد فی الارض ہے

وكان في المدينة تسعة رهط يفسدون في الارض ولا يصلحون قالو تقاسمو بالله لنبيتنه واهله ثم لنقولن لوليه ما شهدنا مهلك اهله وانا لصدقون (النمل ۲۷:۴۸:۴۹)

ترجمہ: اور شہر میں نو سردار تھے جو زمین میں فساد پھیلاتے تھے اور اصلاح نہ کرتے تھے۔ انہوں نے خدا کی قسم کھا کر باہم وعدہ کیا کہ ہم صالحؑ اور ان کے لوگوں کو رات کے وقت خاموشی سے ہلاک کر دیں گے اور پھر ان کے وارثوں سے کہہ دیں گے کہ ہم تو بے گناہ ہیں ہم تو اس موقع پر موجود ہی نہ تھے۔

Marfat.com

ظلم و جبر

ظلم کی بنیادی وجہ انکار حق اور حدود اللہ سے تجاوز کرنا ہے

ومن یتعد حدود اللہ فاولیک ھم الظا لمون. (البقرہ ۲:۲۲۹)

اور جو حدود اللہ سے تجاوز کریں وہی ظالم ہیں۔

والکفرون ھم الظلمون .. (البقرہ ۲:۲۵۴)

اہل کفر ہی دراصل ظالم ہیں۔

ظلم و جبر فساد فی الارض ہے

والذین اذا اصابھم البغی ھم ینتصرون. وجزئو سیئة مثلھا ج فمن عفاواصلح فاجرہ علی اللہ انہ لا یحب الظلمین ولمن انتصر بعد ظلمہ فاولئک ما علیکھم من سبیل انما السبیل علی الذین یظلمون الناس ویبغون فی الارض بغیر الحق اولئک لھم عذاب الیم . (الشوریٰ ۴۲: ۳۹.۴۲)

ترجمہ:(مومن تو وہ لوگ ہیں) جن پر اگر ظلم وتعدی ہوتو (مناسب طریقے سے) بدلہ لیتے ہیں۔اور برائی کا بدلہ تو اسی طرح کی برائی ہے مگر جو درگزر کرے اور (معاملے کو) درست کردے تو اس کا بدلہ خدا کے ذمہ ہے۔اس میں شک نہیں کہ وہ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔اور جس پر ظلم ہوا ہو اگر وہ اس کا بدلہ لے تو اس پر کچھ الزام نہیں۔الزام تو ان لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور ملک میں ناحق فساد پھیلاتے ہیں۔یہی لوگ ہیں جن کو تکلیف دینے والا عذاب ہوگا۔

اس کے علاوہ قرآن کے نزدیک حق کا انکار بھی ظلم ہے (الاعراف ۷:۱۰۳) معاشی حوالے سے زیادتی بھی ظلم ہے (البقرہ ۲:۲۷۹) اور ظلم کی وجہ سے عام طور پر قوت واقتدار کا غلط استعمال ہوتا ہے (النمل ۲۷:۳۴)

استحصال

استحصال سے مراد ہے ناجائز استفادہ۔یہ ایک جدید اصطلاح ہے اس لئے قرآن میں مذکورہ نہیں۔البتہ استحصال کی جتنی صورتیں ہیں ان کا منبع انکار حق ہے یعنی خدا اور رسول وآخرت کو نہ ماننا اور کسی آسمانی اخلاقی ضابطے کے آگے سر نہ جھکانا۔ قرآن نے استحصال کی ساری صورتوں کو خواہ وہ سیاسی ہوں، معاشی ہوں، دینی ہوں فساد فی الارض کا موجب قرار دیا ہے۔ طوالت سے بچنے کی خاطر ہم آیات نمبر کا حوالہ دینے پر اکتفا کرتے ہیں۔

۱۔ سیاسی استحصال فساد فی الارض ہے۔(القصص ۲۸:۴)

۲۔ معاشی استحصال کی ساری صورتیں فساد فی الارض ہیں مثلاً رہزنی وڈکیتی (المائدہ ۵:۳۳) چوری (یوسف ۱۲:۷۳) دھوکہ دہی (البقرہ ۲:۱۱:۱۲) ناپ تول میں کمی (الاعراف ۷:۵۸ ہود ۱۱:۸۵) وغیرہ

۳۔ دینی استحصال (انکار حق ،لوگوں کو جان بوجھ کر گمراہ کرنا۔ان کو حق سے روکنا۔وغیرہ) بھی فساد فی الارض ہے (النحل ۱۶:۸۸)

Marfat.com

۴۔ استحصال کا بنیادی سبب قوت کا غلط استعمال ہے جو فساد فی الارض کا سبب بنتا ہے۔ (البقرۃ ۲:۲۰۵)

انسانی رشتوں کی کی پامالی ماجب فساد فی الارض

قرآن حکیم کے نزیک ہر وہ عمل جس سے انسانی رشتے پامال ہیں یعنی جس سے خاندانی نظام کمزور ہو، انسانی مساوات کوزک پہنچے بچوں عورتوں اور کمزوروں سے شفقت کا داعیہ مجروح ہو والدین اساتذہ اور بزرگوں کا ادب نہ ہو لوگوں کو ان کے بنیادی حقوق سے محروم کر دیا جائے انہیں غلام بنا لیا جائے اس طرح کے سارے اعمال بالآخر فساد فی الارض تک لے جاتے ہیں۔ ان باتوں کو قرآن اپنی مخصوص اصطلاحات میں بیان فرماتا ہے مثلاً قطع رحمی فساد فی الارض کا سبب ہے اور اس کی وجہ احکام الٰہی کی عدم اطاعت ہے۔

والذین ینقضون عهد الله من بعد میثاقه ویقطعون ما امر الله به ان یوصل ویفسدون فی الارض اولئک لهم للعنة ولهم سوء الدارِ. (الرعد ۱۳ : ۲۵)

ترجمہ: جو لوگ اللہ سے مضبوط عہد باندھنے کے بعد اسے توڑ دیتے ہیں اور صلہ رحمی کے بجائے قطع رحمی کرتے ہیں۔ ان پر (دنیا میں بھی) اللہ کی لعنت ہے اور (آخرت میں بھی) ان کا انجام بہت برا ہوگا۔

یہی بات اس سے ملتے جلتے الفاظ میں البقرۃ ۲:۲۷ اور سورۃ محمد ۴۷:۲:۲۲ میں کہی گئی ہے۔

قرآن نے فرعون کو فساد فی الارض کا مجرم قرار دیا کیونکہ اس نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا تھا اور ان کی نسل کشی کرتا تھا (ان کے لڑکوں کو قتل کر دیتا تھا) اور اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ اس نے اللہ کے مقابلے میں سرکشی کا رویہ اختیار کیا تھا (القصص ۲۸:۴) قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے قارون کو بھی فساد فی الارض کا مرتکب قرار دیا کیونکہ انکار حق کی بناء پر وہ اپنی دولت کی وجہ سے تکبر میں مبتلا ہو گیا تھا اور لوگوں سے حسن سلوک سے پیش نہ آتا تھا (القصص ۲۸:۷۶:۷۸)۔

اور چوری ڈکیتی رہزنی وغیرہ اس لحاظ سے بھی فساد فی الارض ہیں (ان کے فساد فی الارض ہونے کے بارے میں آیات اوپر گزر چکیں) کہ ان سے انسانوں کے حقوق ضائع ہوتے ہیں ان کا امن و سکون برباد ہوتا ہے اور ان کی جان و مال کا ضیاع ہوتا ہے۔ پرامن معاشرتی زندگی اور انسانوں کے درمیان ہم آہنگی کو اسلام اتنی اہمیت دیتا ہے کہ وہ لوگوں کی پرائیوسی میں مداخلت کو بھی فساد فی الارض قرار دیتا ہے چنانچہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا **انک ان اتبعت عورات الناس افسدتهم**

جنسی انارکی فساد فی الارض کا سبب ہے

جنسی انارکی کی ساری صورتیں مثلاً فحاشی زنا ہم جنسیت اور مغرب میں اس فتنے کا در کھولنے والے سارے ذرائع جیسے معاشرت میں عورت کا غیر متوازن مقام مخلوط معاشرت کی حوصلہ افزائی کرنا، شادی کے بغیر مرد کے ساتھ رہنے کی اجازت دینا، حلالی اور حرامی میں بچوں میں فرق نہ کرنا۔۔۔وغیرہ) شراب نوشی کی اجازت فحش فلمیں ڈرامے جنسی تعلیم مخلوط تعلیم۔۔۔وغیرہ جو آج کل مغرب میں عام ہیں۔۔۔قرآن حکیم کے نزدیک فساد فی الارض کا موجب ہیں۔

Marfat.com

فحاشی اور ہم جنسیت فساد فی الارض ہیں اور ان کی وجہ خوف خدا سے بے نیازی ہے۔

ولوطا اذقال لقومه انكم لتاتون الفاحشة ما سبقكم بها من احد من العلمين. ائنكم لتاتون الرجال وتقطعون السبيل وتاتون فی ناديكم المنكر ط فما كان جواب قومه الا ان قالو ائتنا بعذاب الله ان كنت من الصدقين . قال رب انصرنی علی القوم المفسدين . (العنکبوت ۲۹: ۲۸: ۳۰)

ترجمہ: اور ہم نے لوط کو بھیجا جب اس نے قوم سے کہا تم وہ فحش کام کرتے ہو جو تم سے پہلے دنیا والوں میں سے کسی نے نہیں کیا ہے۔ کیا تمہارا حال یہ ہے کہ مردوں کے پاس جاتے ہو اور رہزنی کرتے ہو اور اپنی مجلسوں میں (کھلے عام) برے کام کرتے ہو؟ پھر کوئی جواب اس کی قوم کے پاس اس کے سوا نہ تھا کہ انہوں نے کہا لے آ اللہ کا عذاب اگر تو سچا ہے لوطؑ نے کہا اے میرے رب ان مفسدوں کے مقابلے میں میری مدد فرما۔

ولا تقربو الزنی نه كان فاحشة وساء سبيلا (بنی اسرائیل ۱۷: ۳۲)

ترجمہ: اور زنا کے قریب بھی نہ بھٹکو۔ بیشک یہ فحش کام ہے اور برا راستہ ہے۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ وہ عورتوں سے یہ بیعت لیں کہ وہ اللہ کی اطاعت کریں گی اور زنا کے قریب نہیں بھٹکیں گی (الممتحنہ ۶۵: ۱۲) اور صالح معاشرت کی حفاظت کے لئے مومن مردوں/عورتوں کو حکم دیا کہ وہ زنا میں ملوث عورتوں/مردوں سے شادی نہ کریں (النور ۲۴: ۳) اور جو کوئی زنا کرے اسے سخت ترین سزا دی جائے (رجم کی اور کوڑے مارنے کی) (النور ۲۴: ۲)

اصلاحی قوتوں کی ناکامی

کوئی معاشرہ ان عقائد و اعمال سے روگردانی کرنے لگے جن میں وہ یقین رکھتا ہے تو اس کے اندر ایسے لوگوں کی ایک معتدبہ تعداد ایسی ہونی چاہئے جو اسے انحراف سے روکے۔ اصلاح کا یہ کام (جسے شرع اسلامی کی اصطلاح میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کہا جاتا ہے) جب تک موثر طریقے سے ہوتا رہے تو معاشرہ فساد فی الارض اور زوال سے بچا رہتا ہے لیکن جب اصلاحی قوتیں کمزور اور غیر موثر ہو جائیں تو پھر فساد پھیل جاتا ہے۔ یہ بات قرآن حکیم میں کئی انداز سے کہی گئی ہے مثلاً سورۃ ھود میں پچھلی قوموں کا ذکر کرنے کے بعد ان پر تبصرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فلو لا كان من القرون من قبلكم اولو ابقية ينهون عن الفساد فی الارض ال قليلا ممن انجينا منهم واتبع الذين ظلمو ما اتر فو افيه وكانو امجرمين (ھود ۱۱: ۱۴)

ترجمہ: پھر کیوں نہ ان قوموں میں جو تم سے پہلے گزر چکی ہیں ایسے اہل خیر موجود رہے جو لوگوں کو زمین میں فساد برپا کرنے سے روکتے؟ ایسے لوگ نکلے بھی تو بہت کم جن کو ہم نے ان قوموں سے بچا لیا۔ ورنہ ظالم لوگ تو انہی مزوں کے پیچھے پڑے رہے جن کے سامان فراوانی کے ساتھ دیئے گئے اور وہ مجرم بن کر رہے۔

Marfat.com

یہ بات سورہ النحل ۴۸:۲۷ اور الشعراء ۱۵۲:۲۶ میں بھی کہی گئی ہے۔ اور اس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ وہ پیغمبروں کی تعلیمات کو جھٹلاتے تھے۔ نیز المائدہ ۵:۷۸۔۹۷ میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر پیغمبروں کی طرف سے لعنت بھیجنے کا ذکر کیا ہے جو نہی عن المنکر نہیں کرتے تھے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ معاشرے کی زندگی کا دارومدار اصلاحی کوششوں پر ہوتا ہے اور اس کے لئے کشتی کی مثال دی ہے کہ اگر نچلی منزل والے پانی لینے اوپر عرش پر جانے کی بجائے کشتی میں سوراخ کر کے پانی حاصل کرنے کی کوشش کریں اور انہیں کوئی نہ روکے تو کشتی غرق ہو جائے گی اور وہ سب بھی جو اس پر سوار ہیں لیکن اگر اوپر والے انہیں اس حرکت سے روکیں گے تو پھر سب لوگ بچ جائیں گے (بخاری، کتاب الشرکۃ، باب ہل یقرع فی القسمۃ والاستھام فیہ)۔

عدم نفع آوری سبب زوال ہے

یہ بھی اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ وہ قرار ثابت یہاں اسی تہذیب وتمدن اور فکر وعمل عطا کرتا ہے جو لوگوں کے لئے فائدہ بخش اور نفع آور ہو اور جو چیز لوگوں کے لئے نقصان دہ اور سبب فساد ہوا سے وہ مٹا دیتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ افکار واعمال باطلہ کی مثال جھاگ کی سی ہے جو زائل ہو جاتی ہے اور افکار واعمال صالحہ کی مثال پانی کی سی ہے جو زمین میں جذب ہو کر نباتات وحیوانات کے لئے زندگی کا سبب بنتا ہے۔

انزل من السماء ماء فسالت اودیۃ بقدر ھا فحتمل السیل زبدا رابیا ط ومما یوقدون علیہ فی النار ابتغاء حلیۃ او متاع زبد مثلہ ط کذلک یضرب اللہ الحق والباطل ط فاما ازبد فیذھب جفاء ج واما ما ینفع الناس فیمکت فی الارض ط کذلک یضرب اللہ الامثال (الرعد ۱۳:۱۷)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ جب بارش برساتے ہیں تو سیلاب آتا ہے ندی نالے بہتے ہیں اور پانی پر جھاگ آجاتا ہے اسی طرح جب دھاتوں کو پگھلایا جائے زیور یا برتن بنانے کے لئے تو ان پر بھی جھاگ آتا ہے اور جھاگ اڑ جایا کرتا ہے اور جو چیز انسانوں کے لئے نافع ہو (یعنی پانی) وہ زمین میں ٹھہر جاتی ہے۔ ایسی مثالوں ہی سے اللہ حق وباطل کو واضح کرتا ہے۔

قرآن کی رو سے یہ ثابت ہے کہ جس قوم اور تہذیب کا نظریہ حیات خدا، رسول اور آخرت کے انکار پر مبنی ہو وہ قتل وخونریزی ظلم وجبر استحصال انسانی رشتوں کی پامالی اور جنسی انارکی میں مبتلا ہو کر رہی ہے اس کے اعمال سے نفع آوری ختم ہو جاتی ہے اور وہاں اصلاحی قوتیں ناکام ہو جاتی ہیں اور ان سب امور کے نتیجے میں وہاں فساد فی الارض پھیل کر رہتا ہے۔ اور یہ کوئی مفروضہ یا اتہام نہیں کہ مغربی قومیں (خصوصاً یورپ وامریکہ) فساد فی الارض کے مہلک مرض میں مبتلا ہو چکی ہیں اور ان کی تہذیب کو گھن لگ چکا ہے بلکہ یہ ہم سب کا تجربہ اور مشاہدہ ہے۔

قتل وخونریزی

خود مغرب کے اپنے مہیا کردہ اعداد وشمار کے مطابق پہلی جنگ عظیم میں ۸۴ لاکھ افراد اور دوسری جنگ عظیم میں ۴ سے

Marfat.com

چھ کروڑ افراد قتل ہوئے ۔ (برٹانیکا، انسائیکلو پیڈیا ۱۹ واں ایڈیشن میکرو پیڈیا، ج ۹ صفحہ ۱۰۱۳) آزادی کی تحریکوں کے دوران ہندوستان، شراق اوسط، مشرق بعید اور افریقہ میں اہل مغرب نے ہزاروں مسلمان تہہ تیغ کر دیے۔ خود ہمارے دیکھتے افغانستان وعراق میں ہزاروں لوگ بمباری کر کے بے دردی سے شہید کر دیئے گئے۔ امریکہ ظلم وجبر اور دوسرے ملکوں میں مداخلت کی ایک طویل تاریخ رکھتا ہے تفصیل میں جائیے بغیر اگر ان کی ایک جھلک دیکھنی ہو تو وہ یہ ہے۔

۱۔ غیر ملکی زمین پر غیر قانونی قبضہ

یہ سولہویں صدی کا واقعہ ہے جب برطانیہ نے اپنے ملک کے تمام جرائم پیشہ افراد قاتلوں، ڈاکوؤں اور سمندری قزاقوں کو جمع کیا اور انہیں نو دریافت شدہ براعظم امریکہ میں دھکیل دیا۔ ان مسلح قانون شکن عناصر نے بڑے پیمانے پر مقامی باشندوں جنہیں ریڈ انڈیز کہا جاتا تھا بے دردی کے ساتھ قتل کر کے ان کی زمینوں پر قبضہ کر لیا ان کے مال واسباب لوٹ لئے خواتین کی بے حرمتی کی اور اس ملک کی معدنیات بالخصوص سونے کی کانوں کو اپنے قبضے میں لے لیا۔

۲۔ غلاموں کی تجارت

موجودہ امریکیوں کے ظالم آباؤ اجداد نے انسانیت کے خلاف دوسرا شرمناک جرم یہ کیا کہ انسانوں کو اغوا کر کے غلام بنانے اور ان کی تجارت کا قبیح سلسلہ شروع کر دیا۔ یہ ظلم افریقہ کے ساحلوں پر اترتے اور اسلحہ کے زور پر نوجوان افریقیوں کو اغوا کر لیتے اس دوران مزاحمت پر ہزاروں معصوم انسان ان کے ہاتھوں بے دردی کے ساتھ مارے گئے۔

امریکی حملہ آوروں نے ان بھوکے پیاسے مادرزاد ننگے غلاموں، مردوں اور عورتوں کو جانوروں کی طرح جہاز میں بھر کر امریکہ پہنچایا اور پھر زندگی بھر کی غلامی ان کا مقدر قرار پائی۔ ان سے ہر طرح کے شرمناک کام لئے جاتے اور معاضے کے طور پر ایک پیسہ بھی نہ دیا جاتا۔ امریکہ میں آج جو کالے ہیں یہ دراصل انہی مظلوموں کی اولاد ہیں۔

۳۔ جنگ آزادی

جب ان جرائم پیشہ لوگوں کو امریکہ میں قوت حاصل ہو گی تو انہوں نے برطانوی شہنشاہیت سے بغاوت کر کے آزادی حاصل کر لی اور اس خونریز بغاوت کے دوران ہی متعدد ریاستیں وجود میں آئیں۔

۴۔ امریکی خانہ جنگی

آزادی حاصل کرنے کے بعد وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کینیڈا کے علاوہ شمالی امریکہ کی دیگر ریاستیں دو گروہوں میں تقسیم ہو گئیں۔ جنوب کی ریاستیں جنرل لی اور شمالی ریاستیں جنرل جارج واشنگٹن کے جھنڈے تلے جمع ہو گئیں۔ اور ایک دوسرے پر تسلط قائم کرنے کے لئے ان دونوں کے درمیان شدید لڑائیں ہوئیں جن میں لاکھوں انسان تہ تیغ ہوئے اور بالآخر واشنگٹن نے میدان مار لیا۔ جنگ کے ان بادلوں سے یونائیٹڈ اسٹیٹ آف امریکہ برآمد ہوا اور جارج واشنگٹن اس مملکت کے ہیرو قرار پائے جن کے نام سے آج کا امریکی دار الحکومت موسوم ہے۔

Marfat.com

۵۔ ایٹم بم کی تیاری

آئن سٹائن دراصل ایک جرمن یہودی سائنسدان تھا جس نے اپنے وطن سے غداری کی اور اپنے ساتھیوں اور اٹامک انرجی کے شعبے میں جرمن سائنسدانوں کے کیے ہوئے سارے تحقیقی کام سمیت امریکہ چلا آیا اور پھر انہی سائنسدانوں نے بعد ازاں ایٹم بم ایجاد کیا جو انسانیت کی تاریخ میں پہلی اور تا حال آخری بار امریکیوں کے ہاتھوں ناگاساکی اور ہیروشیما کے معصوم انسانوں پر استعمال کیا گیا۔ اس حملے میں 30 ہزار انسان جل کر راکھ ہو گئے۔ 20 ہزار نے حملے کے بعد جان بچانے کے لئے دریا میں چھلانگ لگا دی اور ڈوب کر ہلاک ہو گئے۔ 60 ہزار معصوم بچے مردہ جب کہ 50 ہزار سے زائد معذور پیدا ہوئے۔ یہی نہیں آج بھی دنیا کا سب سے بڑا نیوکلیئر، نائٹروجن ہائیڈروجن، نیوٹراجن بموں اور وار ہیڈز کا ذخیرہ امریکہ کے پاس موجودہ ہے جس کی تعداد 11 ہزار سے تجاوز ہے۔ اس کے علاوہ اس کے پاس ہزاروں یورینیم وار ہیڈز کروز ٹام ہاک، ڈیزی کیٹر میزائل اور بڑے پیارے پر تباہی پھیلانے والے کیمیکل اور بائیولوجیکل اسلحوں کے انبار ہیں۔

٦۔ دیگر ممالک میں مداخلت اور حکومتوں کا خاتمہ

دیگر ممالک کے معاملات میں ٹانگ اڑانے، ان کی حکومتوں کے تختے الٹنے اور حکمرانوں کو قتل کرنے کے امریکی جرائم کا جائزہ لیا جائے تو 1890ء سے اب تک وہ 32 آزاد خود مختار ممالک میں 100 سے زائد بار مداخلتیں کر چکا ہے۔ ان ممالک میں ارجنٹائن 1890، چلی 1891، ہیٹی 1890 ہوائی، 1893، نگاراگور 1880، پیورٹوریکو 1898، ہنڈراس 1903، ڈومینکن ری پبلک 1903، میکسیکو 1914، چین 1945، یونان 1947، کوریا 1950، گوئٹے مالا 1954.60.67، پیرو 1966، لاؤس 1964، ویتنام 1961، کمبوڈیا 1969، گرینیڈا 1983، لبنان 1984، لیبیا 1986، ایل سلواڈور 1980، پانامہ 1989، سوڈان 1988، عراق 1991,2003، افغانستان 1998 شامل ہیں۔

امریکہ کی خفیہ ایجنسی سی آئی اے نے کھلے عام متعدد منتخب سربراہان مملکت کے خلاف سازش کر کے انہیں اقتدار سے ہٹایا۔ ایران کے مصدق 1953 یا گوئٹے مالا کے اربنز 1954 انڈونیشیا کے سوئیکارنو 1965 ہوں یا گرینیڈا کے مورس بشپ 1983 سب سی آئی اے کا شکار ہوئے۔ یہی نہیں یہ امریکی ایجنسی معروف طور پر کم از کم چھ مقبول حکمرانوں کے قتل میں ملوث ہے جن میں افریقہ کے مرتلا محمد چلی کے ایلنڈے، سعودی عرب کے شاہ فیصل شامل ہیں۔ 1910ء میں امریکہ نے چھ لاکھ فلپائنوں کو قتل اور ان کی خواتین کو بے آبرو کیا تھا جب کہ ویت نام میں تقریباً تیس لاکھ انسانوں امریکیوں کے ہاتھوں ذبح ہوئے۔ یہ نام نہاد امریکی تہذیب کی مختصر تاریخ ہے جو ان کی خونخواری و خونریزی، زر، زن اور زمین کی ہوس اور سازشوں سے عبارت ہے اور جس سے ان کے فکر و عمل کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

ظلم و جبر

ظلم کس کو کہتے ہیں یہ گوانتاموبے اور ابوغریب جیل کے قیدیوں سے پوچھیے یہ لوگ کس طرح جہازوں میں بیڑیوں میں

Marfat.com

جکڑ کے لٹا کر ذلیل کر کے لے جائے گئے۔ وہاں ان کے لئے مخصوص پنجرے بنائے گئے۔ عدالت وانصاف کے سب دروازے ان پر بند کردیئے گئے اور دنیا کے سب سے مہذب ملک امریکہ کی پارلیمنٹ نے خاص اس غرض کے لئے خصوصی قوانین بنائے۔ جنگ آزادی کے دوران حریت پسندوں پر ہندوستان، الجزائر، انڈونیشیا میں کیا کیا ظلم نہیں ڈھائے گئے۔ صرف ۱۸۵۷ء میں ایک دن میں چھ چھ سو علماء کو درختوں کے ساتھ پھانسی دی جاتی تھی۔ افغانستان پر حملے میں مسلمان مجاہدوں کو کنٹینروں میں بند کر کے مارا گیا۔ ان کے منہ میں پیٹرول کی بوتلیں گھسیڑی گئی۔ عراق پر حالیہ حملے میں ۶۰ ہزار مسلمان شہید اور ۴۰ ہزار خواتین متاثر ہوئیں، ۵ ارب ڈالر سے زائد رقم اور ۱۷ ہزار زیورات لوٹے گئے۔ ۸ ہزار شہری اغوا کیئے گئے ۶ ہزار مسلم خواتین کی عصمت دری گئی۔ ۱۵۵۰ بچیوں کی جبری آبروریزی ہوئی اور ۴۵۰ بچوں کے ساتھ عمل قوم لوط کیا گیا۔ یہ چند وہ اعداد وشمار ہیں جو انسانی حقوق کی تنظیموں کے ذریعے باقاعدہ رپورٹ ہوئے اور جو رپورٹ نہیں ہوئے وہ اس سے کہیں زیادہ ہیں 2015 تک یہ اعداد وشمار ڈبل ہو چکے ہیں۔

استحصال

برصغیر میں ہر سو خوشحالی تھی۔ ڈھاکے کی ململ کا ایک تھان انگوٹھی سے گزر جاتا تھا۔ ان کاریگروں کے ہاتھ کٹوا دیئے گئے۔ سارا خام مال ہندوستان سے برطانیہ کی فیکٹریوں میں لے جایا جاتا تھا۔ افغانستان پر حملہ کیا صرف اسامہ کے لئے ہوا؟ اسامہ تو ایک بہانہ تھا۔ وسط ایشیا کی ریاستوں کے تیل کے کنوؤں پر قبضہ کیا جائے اور وہ کر لیا گیا۔ اب عراق کو روندا گیا ہے اور اس کے تیل وگیس کے کنوؤں پر قبضہ کرلیا گیا ہے۔ شاہ فیصل کو قتل کرایا گیا کیوں کہ وہ تیل کے رستے میں مزاحم تھا۔ ضیاء الحق کو جلوایا گیا کیونکہ وہ افغانستان تک پہنچنے میں حائل تھا۔ عراق کی حالیہ جنگ سے پہلے لاکھوں امریکیوں کے اور دنیا بھر کے امن پسندوں نے احتجاجی ریلیوں میں تیل کے لئے اس جنگ کی مخالفت کی نیلسن منڈیلا نے رسالہ نیوز ویک میں اسے کھلم کھلا تیل کی جنگ قرار دیا۔ باب ووڈ وارڈ نے اپنی کتاب Plan of Attack میں، رابرٹ جینن (ٹیکساس یونیورسٹی میں جرنلزم کے پروفیسر) نے ہیوسٹن کرانیکل میں اپنے ایک مضمون اس حماقت کو یہیں روک دیجئے میں اور دوسرے بہت سے امریکی وغیر امریکی مصنفین نے اسے تیل کے لئے جنگ قرار دیا۔

(Francis Fukoyama, The End of History and the Last Man, New York, 1992)

رشتوں کی پامالی اور جنس انارکی

مغرب نے خاندان کا نظام تباہ کر دیا۔ ماں باپ اور اولاد ایک دوسرے سے دور ہو گئے۔ بوڑھے اولڈ ہاؤسز میں اور بچے نرسریوں میں رل گئے۔ عورت مرد کا رشتہ کھیل بن گیا عورت کو حق طلاق مل گیا۔ مرد کو مرد سے اور عورت کو عورت سے شادی کی اجازت دے دی گئی۔ عورت ومرد کو بغیر نکاح اکھٹے رہنے کی اجازت مل گئی۔ اشتہار بازی اور سیلز پروموشن نے عورت کی عصمت کو متاع بازار بنا دیا۔ عورت بچے پیدا کرنا بوجھ سمجھتی ہے۔ مغرب میں ناجائز اولاد کی تعداد حلالیوں سے بڑھ گئی ہے۔

Marfat.com

فحاشی کے کلب بن گئے ہیں۔ اسقاط حمل حق بن گیا ہے۔ انٹرنیٹ نے فحاشی کی رہی سہی کسر پوری کر دی ہے عریانی فلموں کو دنیا کے ہر بچے اور بڑے کی دسترس تک پہنچا دیا ہے۔

نفع آوری کا خاتمہ

یہ ٹھیک ہے کہ نت نئی ایجادات سے لوگوں کو سہولتیں مل رہی ہیں لیکن لوگوں کی زندگیوں کی خوشی صرف مادی پیمانے سے تو نہیں ناپی جا سکتی۔ مغرب نے وہ سارے اصول اور ادارے ختم کر دیے جو انسان کی خوشی کا سبب بنتے ہیں۔ ماں باپ اولاد کو نہیں دکھ سکتے ان کے ساتھ رہ نہیں سکتے۔ انسانوں کو اللہ سے دور کر دیا گیا اور وہ روحانی بے چینی سے بھٹک رہے ہیں۔ کبھی یہی بن جاتے ہیں کبھی خودکشی کر لیتے ہیں کبھی مذہبی شاطروں کے ہاتھوں میں کھیلنے لگتے ہیں لیکن سیکولرزم اور ہیومنزم کے نام پر خدا کو معاشرت سے دیس نکالا دے دیا گیا ہے۔ جہاں ماں باپ بچے پالنے کو بوجھ سمجھیں جہاں عورت سارا دن نوکری کرے وہاں بچہ ماں کی ممتا سے کیوں محروم نہ ہوگا غرض نفع سے محرومی مغرب میں عام ہے۔

اصلاحی قوتوں کی ناکامی

قرآن نے ہمیں بتایا کہ جب فساد فی الارض انتہا تک پہنچتا ہے تو فساد اتنا خوشنما بنا دیا جاتا ہے۔ اور جھوٹ کو سچ سے اس طرح ملا دیا جاتا ہے کہ مفسدین دعویٰ کرنے لگتے ہیں کہ انما نحن مصلحون یعنی ہم جو کچھ کر رہے ہیں محض اصلاح کی خاطر کر رہے ہیں۔ چنانچہ دیکھئے یہودی ابلاغ قوتوں کا کمال کہ امریکی رائے عامہ کو بش اور اس کے ساتھیوں کی جنگی مجرموں جیسی چالوں کو اتنا خوشنما بنا کر دیکھایا کہ وہ ان کے حامی بن گئے۔ ہم افغانستان میں دہشتگردی کو کچلنا چاہتے ہیں ہم عراق میں جمہوریت بحال کرنا چاہتے ہیں۔ ہم عراق میں تباہی کے ہتھیار ختم کرنا چاہتے ہیں یہ سب کتنے خوبصورت الفاظ ہیں اور یہ اس لیے استعمال کئے جاتے ہیں کہ تا کہ لوگوں کو اور اپنے عام کو دھوکہ دیا جائے اصلاحی قوتوں کو ناکام بنایا جائے چنانچہ عراق پر امریکی برطانوی حملے سے پہلے دنیا بھر کے لاکھوں لوگوں نے بڑے بڑے مظاہرے کئے لیکن ان کی کسی نے ایک نہ سنی اور امریکی پروپیگنڈے باز جھوٹ پر جھوٹ بولتے رہے اور بالآخر اپنی مرضی کر گزرے۔ اصلاحی قوتوں کی ناکامی اسی طرح قوموں اور تہذیبوں کے زوال کو روک نہیں سکتی۔ اور لطف کی بات یہ ہے کہ یہ سب کچھ مذہب کے نام پر ہو رہا ہے اور مذہبی جذبے سے ہو رہا ہے۔ صدر بش نے علی الاعلان افغانستان کے خلاف جنگ میں کروسیڈ (صلیبی جنگ) کا لفظ استعمال کیا۔ دائیں بازو اور پادریوں سے ان کے تعلقات اور ان کے مذہبی رجحان پر اب بہت سا لٹریچر امریکہ میں چھپ چکا ہے۔ دوسری ٹرم کے لئے صدر بش کی انتخابی مہم میں ان کا مذہبی رجحان کھل کر سامنے آ گیا ہے۔ ری پبلکن پارٹی کے ۲۹ اگست صدارتی نامزدگی کی توثیق کی گئی، بہت سے پادریوں نے بھی شرکت کی۔ اسرائیلی اخبار ہارٹز، (شمارہ ۱۸ اپریل ۲۰۰۳) کے مطابق فلسطینی وزیر اعظم محمود عباس نے بتایا کہ صدر بش نے انہیں کہا کہ انہیں خدا نے افغانستان اور عراق پر حملے کا حکم دیا تھا جو انہوں نے پورا کیا اب وہ مشرق اوسط کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں۔

Marfat.com

(David Dowke, God Willing Political Fundamentalism in the White House, Pluto Press, London 2004)

مقدمہ نمبرا میں ہم نے قرآن حکیم سے اور عقل سے ثابت کیا کہ مغرب کا نظریہ حیات غلط ہے۔اس دوسرے مقدمے میں ہم نے قرآن حکیم سے ثابت کیا کہ غلط نظریہ حیات فساد فی الارض کو جنم دیتا ہے اور اپنے تجربے و مشاہدے سے اس پر گواہی لی کہ مغرب غلط نظریہ حیات کی وجہ سے عملاً فساد فی الارض میں ، مبتلا ہے اور اب ہم تیسرا مقدمہ ثابت کریں گے کہ فساد فی الارض کے نتیجے میں قومیں اور تہذیبیں مٹ کر رہتی ہیں۔

مقدمہ نمبر۳۔ فساد فی الارض میں مبتلا قوم / تہذیب مٹ کر رہتی ہے۔

پہلے دو مقدمات ثابت کرنے کے بعد اب ہم قرآن حکیم ہی سے یہ ثابت کریں گے کہ جو قوم / تہذیب اپنی باطل فکر اور عمل کی وجہ سے فساد فی الارض کا سبب بنتی ہے وہ مٹ کر رہتی ہے۔

شرک کی وجہ سے ہونے والے فساد فی الارض کا نتیجہ تباہی

ظہر الفساد فی البرو والبحر بما کسبت ایدی الناس لیذیقهم بعض الذی عملو لعلهم یرجعون قل سیرو فی الارض فانظروا کیف کان عاقبة الذین من قبل،کان اکثرهم مشرکین .

(الروم ۳۰:۴۱،۴۲)

ترجمہ: جن لوگوں نے اپنے ہاتھوں سے خشکی اور تری میں فساد پھیلایا ہے ، اللہ انہیں یہیں بعض اعمال کی سزا دے گا شاید کہ وہ حق کی طرف رجوع کریں۔اے پیغمبر! انہیں کہو ذرا زمین میں ان گزشتہ قوموں کے کھنڈرات دیکھو جنہیں شرک ہی کی وجہ سے عذاب دیا گیا تھا۔

ظلم کا نتیجہ ہلاکت و بربادی ہے

قل ارء یتکم ان اتکم عذاب الله بغتة أو جهرة هل یهلک الا القوم الظالمون. (الانعام ٦ : ٤٧)

ترجمہ: کہو! کبھی تم نے سوچا کہ اگر اللہ کی طرف سے اچانک یا اعلانیہ تم پر عذاب آجائے تو کیا ظالم لوگوں کے سوا کوئی اور ہلاک ہوگا؟

عاد، ثمود اور فرعون کی طاقتور قومیں فساد فی الارض کی وجہ سے تباہ کر دی گئیں۔

الم تر کیف فعل ربک بعاد ارم ذات العماد التی لم یخلق مثلها فی البلاد وثمود الذین جابو الاصخر بالواد وفرعون ذی الاوتاد الذین طغوا فی البلاد فاکثرو فیها الفساد فصب علیهم ربک سوط عذاب.

(الفجر ۸۹:٦:۳)

ترجمہ: کیا تم لوگ نہیں دیکھتے کہ اللہ نے بلند قامت والے عاد ارم کا جو اپنی قوت وحشمت میں لاثانی تھے اور آل ثمود کا جو پہاڑوں

Marfat.com

کو تراش کر مکان بناتے تھے اور بڑے ٹھسے والے فرعون کا کیا حشر کیا؟ کیونکہ یہ لوگ زمین میں من مانی کرتے تھے اور انہوں نے بڑا فساد مچا رکھا تھا لہٰذا اللہ کے عذاب کا کوڑا ان پر برس کر رہا۔

زمین کو فساد سے پاک کرنے کے لئے اللہ اہل باطل کو شکست سے دوچار کرتا ہے

فھزموھم باذن اللہ وقتل داود جالوت واتہ اللہ الملک والحکمۃ وعلمہ مما یشاء ولو لا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لفسدت الارض ولکن اللہ ذو فضل علی العلمین (البقرہ ۲:۲۵۱)

ترجمہ: طالوت کے لشکر نے اللہ کی نصرت سے جالوت کے لشکر کو شکست دی اور جالوت حضرت داودؑ کے ہاتھوں مارا گیا جنہیں اللہ نے سلطنت اور حکمت سے نوازا اور وسیع علم دیا۔ اور اگر اللہ اپنی رحمت سے (اچھے) لوگوں کے ذریعے (برے) لوگوں کو ہٹاتا نہ رہتا تو زمین فساد سے بھر جاتی۔

فساد فی الارض کے نتیجے میں اللہ قوموں کے عروج کو زوال سے بدل دیتا ہے

وقضینا الی بنی اسرائیل فی الکتب لتفسدن فی الارض مرتین ولتعلن علوا کبیرا فاذا جاء وعد اولھما بعثنا علیکم عبادا لنا اولی باس شدید فجاسو خلل الدیار وکان وعد امفعولا ثم رددنا لکم الکرۃ علیھم وامددنکم باموال وبنین وجعلنکم اکثر نفیرا ان احسنتم احسنتم لا نفسکم وان اساتم فلھا ط فاذا جاء وعد الاخرۃ لیسئو وجوھکم ولیدخ خلوا المسجد کما دخلوہ اول مرۃ ولیتبروا ما علو تتبیر عسی ربکم ان یرحمکم ج وان عدتم عدنا وجعلنا للکفرین حصیرا . (بنی اسرائیل ۱۷:۴-۸)

ترجمہ: اور اے بنی اسرائیل! ہم نے تمہاری تقدیر میں لکھ دیا تھا کہ تم دو مرتبہ زمین میں فساد عظیم برپا کرو گے اور بڑی سرکشی دکھاؤ گے۔ چنانچہ جب پہلی سرکشی کا موقع آیا تو ہم نے تمہارے مقابلے میں ایسے بندے اٹھائے جو نہایت زور آور تھے، اور وہ تمہارے ملک میں گھس کر ہر طرف پھیل گئے اور ہماری بات پوری ہو کر رہی۔ اس کے بعد ہم نے تمہیں ان پر غلبے کا موقع دیا اور مال و اولاد سے تمہاری مدد کی اور تمہاری تعداد پہلے سے بڑھ گئی۔ یوں اگر دیکھو تو تمہارا راست روی کا فائدہ بھی تمہیں ہی پہنچا اور غلط روی کا نقصان بھی۔ پھر جب دوسرے وعدے کا وقت آیا تو ہم نے دوسرے دشمن کو تم پر مسلط کیا جنہوں نے تمہارے چہرے بگاڑ دیے اور وہ بیت المقدس میں اسی طرح گھس گئے جیسے پہلے دشمن گھسے تھے اور جس چیز پر قابو پایا اسے تباہ کر کے رکھ دیا۔ ہو سکتا ہے کہ اب تمہارا رب تم پر رحم کریں لیکن اگر تم نے سابقہ روش کا اعادہ کیا تو ہم بھی تمہیں پھر سزا دیں گے اور آخرت میں تو تم جیسے منکرین حق کا ٹھکانہ جہنم ہے ہی۔

آل فرعون بھی انکار حق کی وجہ سے مفسد قرار پائے اور تباہ کیے گئے

فلما جاء تھم ایتنا مبصرۃ قالوا ھذا سحر مبین وجحد وابھا واستقنتھآ انفسھم ظلما وعلوا فانظر کیف کان عاقبۃ المفسدین (النحل ۲۷:۱۳-۱۴)

ترجمہ: جب ہماری کھلی کھلی نشانیاں (موسیٰ کے ذریعے آل فرعون کے) سامنے آئیں تو انہوں نے کہا یہ تو صریح جادو ہے۔ انہوں

Marfat.com

نے سراسر ظلم اور غرور کی راہ سے ان نشانیوں کا انکار کیا حالانکہ ان کے دل قائل ہو چکے تھے۔ پھر دیکھ لو کہ ان مفسدوں کا انجام کیا ہوا؟ غرض یہ ہے کہ جو قومیں فساد الارض کی کی مرتکب ہوتی ہیں وہ قرآن کی رو سے دنیا ہی میں تباہ کر دی جاتی ہیں۔

دوسرے مقدمے میں ہم یہ ثابت کر چکے ہیں کہ مغرب فساد فی الارض میں مبتلا ہے لہٰذا ان دونوں کا حتمی نتیجہ یہ نکلنا چاہئے کہ مغرب زوال پذیر ہوا اور چونکہ خدا کا کلام برحق ہے (اور تاریخ اس کی شاہد اور عقل اس کی موید ہے) لہٰذا مغرب کا زوال پذیر ہونا بھی حتمی ہے گویا: ؎ دل کا جانا ٹھہر گیا ہے صبح گیا یا شام گیا

مغرب کا زوال حتمی ہے

مغربی تہذیب کا زوال حتمی ہے لیکن ممکن ہے کسی ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ مغرب پچھلی تین صدیوں سے غالب ہے اور اس وقت بھی دنیا کی کوئی قوم اور تہذیب اس کی ٹکر کی نہیں خصوصاً مسلمان تو اس کے پاسنگ بھی نہیں اور ابھی تک قعر ذلت میں ڈوبے ہوئے ہیں تو پھر مغرب کیسے زوال پذیر ہوگا اور خصوصاً یہ کہ کب ہوگا؟ کہ ہماری طرح زوال مغرب کی پیشین گوئیاں کرنے والے اقبال کو یہ کہے ہوئے بھی پون صدی گزر گئی کہ:

؎ تمہاری تہذب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی — جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائدار ہوگا
دیارِ مغرب کے رہنے والو! خدا کی بستی دکاں نہیں ہے — کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ زر کم عیار ہوگا

اس کے جواب میں چند باتیں ذہن میں رکھنی چاہئیں۔

ا۔ اللہ کی تقویم میں یا یوں کہئے کہ تاریخ کے سفر میں تین صدیاں کوئی بہت طویل عرصہ نہیں ہے۔ آنحضرت ﷺ اللہ کے آخری نبی ہیں اور آپؐ نے قیامت کو نہایت قریب قرار دیتے ہوئے قیامت سے اپنے فاصلے کو دو انگلیوں سے تشبیہ دی۔

(مسند احمد بن حنبل، ج ۳ ص ۲۲۳)

چودہ صدیاں گزر چکی ہیں اور اب بھی خدا جانے قیامت کب آئے گی؟ پھر مسلمان کمزور پڑنے کے باوجود پچھلی صدی تک مغرب کے مقابلے کی طاقت تھے کہ سقوط خلافت عثمانیہ کا حادثہ تو ۱۹۲۴ء ہی میں پیش آیا ہے۔ خود برصغیر کی مثال دیکھئے کہ گو کمزوریاں پہلے سے تھیں لیکن دلی کی مسلم حکومت کا مکمل خاتمہ ۱۸۵۷ء میں ہوا اور پاکستان ۱۹۴۷ء میں قائم ہوا۔ گویا برصغیر کے مسلمانوں نے خواہ وہ جیسے کیسے بھی تھے ایک صدی سے بھی کم عرصے میں انگڑائی لی اور انگریز کو نکالنے اور اپنا الگ وطن بنانے میں کامیاب ہو گئے۔ لہٰذا تین صدیوں تک مغربی تہذیب کے غلبے کا یہ مطلب نہیں لینا چاہئے کہ وہ کبھی بھی زوال پذیر نہ ہوگی۔

۲۔ ظاہر بین نظریں حالت کا سطحی مطالعہ کرتیں اور ان سے غلط نتائج استنباط کرتی ہیں۔ بسا اوقات یوں ہوتا ہے کہ کسی ڈھانچے کو اندر سے دیمک چاٹ چکی ہوتی ہے اور وہ گرنے کے قریب ہوتا ہے لیکن دور دیکھنے والے سمجھتے ہیں کہ ماضی میں شان و شوکت کے جوہر دکھانے والا یہ ڈھانچہ ابھی تک اسی آب و تاب سے قائم ہے۔ یکا یک ناموافق حالات کا ایک ہی دھکا اسے یوں بکھیر کر رکھ دیتا ہے جیسے کبھی وہ کھڑا ہی نہ تھا بالکل جیسے گرتی ہوئی دیوار کو ایک معمولی دھکا کافی رہتا ہے۔ نوجوان مجاہدوں کی ایک تنظیم نے

Marfat.com

ہمیں اپنے ایک مقامی اجلاس میں شمولیت کی دعوت دی جو لاہور کے ایک محلے میں ہو رہا تھا۔ ہم کسی وجہ سے دیر سے پہنچے جب آخری مقرر کی تقریر ختم ہو رہی تھی۔ اس کے بعد کسی نے ایک بزرگ سے اختتامی دعاء کے لئے کہا جو اتفاق سے میرے ساتھ بیٹھے تھے لیکن میں انہیں نہیں جانتا تھا۔ نشست فرشی تھی۔ اس بزرگ نے بڑے الحاج اور زاری سے دعا کی یہاں تک کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے شدت جذبات سے وجود کانپ رہا تھا۔ وہ معمولی لباس پہنے ہوئے تھے داڑھی کے بال بکھرے ہوئے تھے ان کے بازو کے بٹن کھلے ہوئے اور کف میلے تھے وہ روتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے اے اللہ کافروں کو شکست دے اے اللہ! ماسکو پر اسلام کا جھنڈا لہرا دے۔ اے اللہ اسلام کو غلبہ عطا فرما۔۔۔ اے اللہ!۔۔۔ اے اللہ!۔۔۔ میں جب اس اجتماع سے واپس آیا تو دل ہی دل میں مولانا صاحب کی سادگی پر خنداں تھا کہ افغانستان میں تو روسیوں کی شکست کے کوئی آثار نہ تھے کجا کہ ماسکو پر اسلام کا جھنڈا لہرانے لگتا۔ لیکن پھر ہم نے دو تین سال بعد ہی ان گنہگار آنکھوں سے دیکھا کہ روس شکست کھا کر افغانستان سے بھاگا اور پھر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور اس کے بطن سے پانچ عظیم الشان مسلم سلطنتیں برآمد ہوئیں اور وہ وقت بھی دور نہیں جب خاص ماسکو پر بھی اسلام کا جھنڈا لہرائے گا۔ انشاء اللہ العزیز۔۔۔! بعد میں ہمیں پتہ چلا کہ اس بزرگ کے بارے میں یہ معروف ہے کہ وہ مستجاب الدعوۃ۔ مغرب خصوصاً امریکہ کے زوال کے بہت سے اسباب موجود ہیں۔ بس مشیت کے فیصلے کی دیر ہے جس دن اس کا فیصلہ ہو گیا بس ایک دھکے کا بہانہ درکار ہو گا۔ اور امریکہ ٹون ٹاورز کی طرح دھڑام سے نیچے آگرے گا۔

۳۔ اگر ہم عالم اسباب کو سامنے رکھتے ہوئے اس معاملے پر غور کریں تو اللہ کی مشیت کی (اس مشیت کی کہ وہ مغرب کے کفر اور اس کی فساد فی الارض کے باوجود کیوں اسے ڈھیل دیئے جا رہا ہے) کچھ وجوہ سمجھ میں آتی ہیں۔

ایک تو یہ کہ اللہ کو بہر حال اس کائنات کا نظام چلانا ہے اور اس کا اصول یہی ہے کہ وہ انسانوں کا ایک ایسا گروہ ہونا چاہئے جو اس انتظام کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اب دینیوی نظام چلانے کے لئے اللہ تعالیٰ اگر مغرب کو Replace کرنا چاہے تو ضروری ہے کہ اس کا بہتر متبادل موجود ہو۔ اللہ کے فیصلے اللہ بہتر جانتا ہے۔ لیکن جو چیز اس وقت ہمیں کھلی آنکھوں نظر آتی ہے یہ کہ دنیوی صلاحیتوں کے لحاظ سے مغرب خصوصاً امریکہ سے بہتر متبادل موجود نہیں ہے۔ مسلمان اپنے آپ سے غافل پڑے ہیں کمیونزم ایک متبادل بن کر ابھرا تھا لیکن وہ مغرب سے بھی بدتر نکلا لہذا قدرت پہلے بہتر متبادل کا انتظام کرے گی تو پھر ہی مغرب کے قلعے کو زمین بوس کرے گی۔

دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ جس طرح بندوں کے درمیان انصاف کرنے ے لئے آخرت میں میزان عدل قائم کریں گے اسی طرح یہ کیسے ممکن ہے کہ دنیا میں انہوں نے فیصلے کرنے کے لئے میزان عدل نہ قائم کر رکھی ہو۔ اب ایک قوم یا تہذیب کو اللہ تعالیٰ نے اسلئے زمین میں غلبہ دیا کہ وہ دنیوی زندگی میں اسباب مہیا کرنے میں دوسروں سے برتر تھی۔ اور پھر ایک وہ وقت آیا کہ اس کی یہ صلاحیت گھٹتی گئی وہ فساد فی الارض میں مبتلا ہوتی گئی۔ تو اب یقیناً خدا کی میزان حرکت میں ہو گی اور جب وہ دیکھی گی کہ اس قوم/تہذیب کی نفع آوری اب کم ہو گئی ہے۔ اور مقابلتاً فساد بڑھ گیا ہے تو اس کے عذاب کا کوڑا حرکت میں آجائے گا۔

Marfat.com

۴۔اللہ کو اپنے فیصلے کرنے میں دیر نہیں لگتی وہ بس کن کہتا ہے اور کام ہو جاتا ہے۔ وہ جب بادشاہوں کو غلام اور غلاموں کو بادشاہ (آج کل کی اصطلاح میں ایک سپر پاور کو معمولی ملک اور ایک معمولی ملک کو سپر پاور) بنانا چاہتا ہے تو اسے دیر نہیں لگتی جیسا کہ قرآن حکیم نے آل فرعون کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔

ونرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض ونجعلھم ائمۃ و نجعلھم الوارثین. ونمکن لھم فی الارض ونری فرعون وھامن وجنودھما منھم ما کانوا یحذرون (القصص ۲۸:۶۵)

ترجمہ: اور ہم یہ ارادہ رکھتے تھے کہ مہربانی کریں ان لوگوں پر جو زمین میں ذلیل کر کے رکھے گئے تھے اور انہیں پیشوا بنادیں اور انہی کو وارث بنائیں اور زمین میں ان کو اقتدار بخشیں اور ان سے فرعون وہامان اور ان کے لشکروں کو وہی کچھ دکھلائیں جس کا انہیں ڈر تھا۔

قرآن حکیم کے فیصلے کے مطابق مغرب کا نظریہ حیات غلط اور باطل ہے اس نے فساد فی الارض کو جنم دیا لہذا مغرب کا زوال طے ہے۔

۱۹۸۰ء تک امریکہ دوسرے ممالک کو قرض دیا کرتا تھا لیکن عالمی امن کا ٹھیکیدار بننے کی خواہش میں دفاعی بجٹ بڑھانے اور دیگر عوامل سے ۱۹۸۵ء میں وہ مقروض ہو گیا۔

ایئر کمپنیاں بند: 9/11 کے واقعے کے نتیجے میں لوگوں نے ڈر کر ہوائی جہازوں سے سفر کرنا بند کر دیا جس کے نتیجے میں 2001ء میں اس انڈسٹری کو 20 لاکھ سے زائد مسافروں کا نقصان ہوا۔ چھوٹی ہوئی کمپنیاں جیسے میڈاوی ایئرلائنز نقصان برداشت نہ کرنے کی وجہ بند ہو گئیں اور کئی بڑی کمپنیاں جیسے یو ایس ایئرویز اور یونائیٹڈ ایئرلائنز دیوالیہ ہو گئیں۔ اس سے امریکہ کو 7 ارب ڈالر کا نقصان ہوا۔

انشورنس بزنس: انشورنس کمپنیوں کو فوری طور پر 15 ارب ڈالر کا نقصان ہوا اور بعد میں بھی اس نقصان میں کئی گنا اضافہ ہوا۔

بیروزگاری میں اضافہ: 9/11 کے دو ہفتوں کے اندر فضائی کمپنیوں کو 58 ہزار ملازمین کو فارغ کرنا پڑا جو امریکہ کی تاریخ میں بیروزگاری کا سب سے بڑا واقعہ تھا۔ بعد میں فضائی کمپنیوں سے مزید ہزاروں لوگ نکالے گئے۔ ماہر اقتصادیات پروفیسر ڈیوڈ پس کے مطابق 2001ء سے 2003ء تک 27 لاکھ اسامیاں ختم کر دی گئیں اور مزید ملازمت کے مواقع پیدا نہ کئے جا سکے وال سٹیٹ جرنل کے مطابق 9/11 کے بعد صرف ایک سال کے اندر تقریباً ڈیڑھ لاکھ امریکی نوکری سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

ڈالر کی قیمت میں کمی: 9/11 کے واقعے کے نتیجے میں امریکی ڈالر کی قیمت میں فوراً 10% فیصد کی واقع ہوئی جس سے وہ 121 جاپانی ین کے برابر ہو گیا اور اس کے مقابلے میں یورو کا ریٹ ایک سال میں 5ء97 فیصد بڑھ گیا۔

سونے اور پٹرول کی قیمت میں اضافہ: 9/11 کے واقعے کے نتیجے میں نہ صرف ڈالر کی قیمت کم ہوئی بلکہ سونے اور پٹرول کی قیمتوں میں بھی فوری اضافہ ہوا۔ شرح سود گر گئی اور سونے کی قیمت میں 20 ڈالر فی اوقیہ کا اضافہ ہوا جب کہ پٹرول کی قیمت 30 ڈالر فی بیرل تک پہنچ گئی۔

Marfat.com

دیوالیہ کمپنیاں: امریکی روزنامہ وال سٹیٹ جرنل کے مطابق 9/11 کے بعد ایک سال کے اندر 20 ہزار کمپنیاں دیوالیہ ہوگئیں نیویارک آڈٹ ڈیپارٹمنٹ کے مطابق 9/11 کے بعد صرف چھ ماہ کے اندر 255 امریکی کمپنیوں نے اپنے دیوالیہ ہونے کا اعلان کیا۔ دیوالیہ ہونے والی ان کمپنیوں میں انرون جیسی کمپنی بھی شامل ہے جس کا شمار امریکہ کی سات بڑی کمپنیوں ہوتا تھا، جس پر اس وقت کے فرانسیسی وزیر خارجہ نے تبصرہ کیا تھا کہ انرون کا دیوالیہ ہونا امریکہ کا دیوالیہ ہونے کے برابر ہے۔ دیوالیہ ہونے والے میں اوکوڈ ہومز جیسی کمپنی بھی شامل ہے جو امریکہ کی دوسری بڑی تعمیراتی کمپنی سمجھی جاتی تھی۔

جنگی اخراجات: امریکہ کے جنگی اخراجات کا اندازہ اس سے کیجئے کہ صدر بش نے عراق پر حملے کے لئے 75 ارب ڈالر کی منظوری لی تھی لیکن اس میں سے 62 ارب ڈالر تو امریکی فوجوں اور سامان حرب کو خلیج منتقل کرنے میں لگ گئے چنانچہ مزید 62 ارب ڈالر کی مزید منظوری لینا پڑی۔ 2003ء میں امریکی فوج کا عراق میں خرچہ 3 ارب ڈالر ماہانہ تھا۔ تازہ اعداد وشمار کے مطابق عراق وافغانستان میں میں امریکہ کا ماہانہ خرچ 5 ارب ڈالر (یعنی 300 ارب یا تین کھرب روپے) ماہانہ کو چھونے لگا ہے۔

اور یہ روٹین کے دفاعی بجٹ سے الگ ہے۔ امریکہ کا دفاع بجٹ اس وقت ساری دنیا کے مجموعی بجٹ کے تقریباً برابر جارہا ہے۔ صدر بش نے 2005 کے لئے 417 ارب ڈالر کے دفاع تخمینے کی منظوری دی ہے۔ اس کا مطلب ہے ایک ارب پندرہ کروڑ ڈالر روزانہ اور ہزار ڈالر فی سیکنڈ۔

تجارتی خسارہ: امریکی اقتصادی جائزہ رپورٹ کے مطابق 2002 میں امریکی درآمدات 2001 کے مقابلے میں 3.8 فیصد بڑھ کر 10 کھرب 41 ارب ڈالر تک تجارتی خسارہ میں 5ء21 فیصد اضافہ ہوا جو 4 کھرب 25 ارب ڈالر کے برابر تھا۔ 2003ء میں یہ تجارتی خسارہ 5 کھرب ڈالر سے بھی بڑھ گیا۔ صرف چین کے ساتھ تجارتی خسارہ 2003ء کے دوران 103 ارب ڈالر تک پہنچ گیا۔

بجٹ خسارہ: 2002ء میں امریکہ کا بجٹ خسارہ 158ء ارب ڈالر تھا جو 2003ء میں 374 ارب ڈالر تک جا پہنچا۔ ایف پی کے مطابق 29 جنوری 2004ء کو امریکی کانگرس کے بجٹ آفس کے اعلان کے مطابق امریکہ کا سال رواں کا بجٹ خسارہ 477ء ارب ڈالر سے بھی زیادہ ہوگا (اندازاً 500 ارب ڈالر)۔ حکام کا اندازہ تھا کہ اگر بجٹ خسارہ اس رفتار سے بڑھتا رہا تو اگلے عشرے میں یہ 24 کھرب ڈالر سے بھی بڑھ جائے گا۔

اسرائیل اور یہودیوں کی وجہ سے خسارہ: امریکہ چونکہ یہودیوں کے زیر اثر ہے لہٰذا امریکہ سب سے زیادہ مالی امداد اسرائیل کو دیتا ہے جس کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ ستر کی دہائی میں اسرائیل کے لئے امریکی مدد 16 ارب ڈالر 80 کی دہائی میں 82 ارب ڈالر اور نوے کی دہائی میں 100 ارب ڈالر تھی۔ شال انسٹی ٹیوٹ کویت کی رپورٹ کے مطابق اسرائیل کی وجہ سے امریکہ کو سالانہ 20 سے 25 ارب ڈالر نقصان ہوتا ہے۔ مسلمانوں اور عربوں کی طرف سے یہودی کمپنیوں

Marfat.com

کے بائیکاٹ کی وجہ سے خسارہ اس کے علاوہ ہے جس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ صرف اپریل 2002 میں امریکی کمپنیوں کو 200 ملین ڈالر کا خسارہ ہوا۔ صرف مصر میں میکڈونلڈ کو بائیکاٹ سے 260 ملین مصری پاؤنڈ کا خسارہ ہوا۔

اس وقت امریکہ دنیا کا 3 کھرب ڈالر کا مقروض ہے جس میں 50 ارب سالانہ کا اضافہ ہو رہا ہے۔ امریکی معیشت کے بارے میں یہ اعداد و شمار اتنے ہوشربا ہیں کہ آدمی حیران رہ جاتا ہے کہ امریکہ اب تک زندہ کیسے ہے؟ افسوس کی بات یہ ہے کہ اس کو زندہ رکھنے والے بھی مسلمان ہیں اس کا اندازہ اس سے کیجیے کہ صرف سعودی حکومت اور سرمایہ کاروں کے 750 ملین ڈالر امریکی بنکوں میں جمع پڑے ہوئے ہیں۔(۱) اسی طرح عراقی جنگ کی وجہ سے سعودی عرب، کویت اور امارات نے امریکہ کو اس کی خدمات کے عوض بلا معاوضہ پٹرول دینے کا اعلان کر دیا۔ امریکہ، اس امر کے باوجود وہ ساری دنیا کا استحصال کر کے توانائی کے ذخیروں پر قابض ہے اور قابض رہنا چاہتا ہے، اس مالی بوجھ کو زیادہ عرصے تک برداشت نہیں کر سکے گا اور وہ وقت جلد آنے والا ہے جب اس کی معیشت روس کی معیشت کی طرح اچانک بیٹھ جائے گی۔

اس زوال کو آخری دھکا کب لگے گا اس کا فیصلہ اس عزیز و مقتدر نے کرنا ہے تاہم قرئن سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ وقت قریب آ لگا ہے کیونکہ مغرب کے باطل رویے نے کرۂ ارض کو فساد سے بھر دیا ہے لہٰذا ہمارے اندازے کے مطابق اب Count Down شروع ہو جانا چاہیے۔ بلکہ یہ شروع ہو چکا ہے۔ پروفیسر سیموئل ہنٹگٹن جو امریکی تہذیب کے غلبے کا علمبردار ہے اور جس نے بالواسطہ امریکہ کو اکسایا کہ وہ اپنی حریف مسلم تہذیب کو جڑ بنیاد سے اکھاڑ پھینکے، خود تسلیم کرتا ہے کہ مغربی تہذیب روبہ زوال ہے اور زیادہ سے زیادہ ایک صدی مزید غلبے کا نکال سکے گی۔ اس کے علاوہ بہت سے امریکی اور مغربی دانشور اور سیاستدان ایسے ہیں جو امریکہ کے ممکنہ زوال پر لکھ رہے ہیں اور اس کی پیش گویاں کر رہے ہیں ان میں چند اہم یہ ہیں:

1-Zbigniew Brzezinski, Out of Control Clobal Turmoil on the Eve of 21st Century.

یہ صاحب کارٹر حکومت میں نیشنل سیکورٹی کونسل کے ایڈوائزر تھے۔ انہوں نے 1987ء میں روس کے زوال پر ایک کتاب لکھی۔ اب امریکی زوال کی پیشین گوئی کر رہے ہیں۔

2-Charles A Kupchan, The End of the American Era

جارج ٹاؤن یونیورسٹی میں انٹرنیشنل ریلیشنز کے پروفیسر، سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کی ایڈوائزری کونسل کے سابق ممبر اور کلنٹن حکومت میں نیشنل سیکورٹی کونسل کے ایڈوائزر۔

3-Paul Kennedy, The Rise and Fall of Great Powers.

پروفیسر یل یونیورسٹی امریکہ

4-Emanual Twidd, Apres L empire Essai sur La Decom position du s ysteme American.

Marfat.com

فرانسیسی مفکر جس نے ستر کی دہائی میں کتاب لکھ کر روسی زوال کی بھی پیشین گوئی کی تھی۔

5-Michael Ignatieff, El Nuevo Imperio Americano, American Imperiliasm Educuibes Ouadim Uverucam 2004.

6-Bob Murphy, The roots of American Downfall

مصنف Chaos Theory پی ایچ ڈی معاشیات نیویارک یونیورسٹی۔

7-Joseph Farah, Taking America Back, WND Books, Nashville, TN, 2 003

بی بی سی لندن نے ۳ فروری ۲۰۰۴ء میں ایج آف ایمپائر کے عنوان سے کئی قسطوں میں ایک تجزیاتی سیریز پیش کی جس میں نامور دانشوروں اور تجزکاروں نے حصہ لیا اور وہ سب اس نتیجے پر پہنچے کہ امریکہ کا موجودہ غلبہ بالکل عارضی ہے، اس کی معیشت ریت کی دیوار کی طرح ہے اور اس کا زوال بالکل قریب ہے۔ (رپورٹ نوائے وقت، لاہور ۲ مارچ ۲۰۰۴ء)

بعض مسلمان دانشوروں نے بھی امریکی زوال کے موضوع پر سوچنا شروع کر دیا ہے جیسے اردن کے سابق وزیر اعظم وقاف عبدالسلام کی کتاب طوفان سے بچو اور مسجد اقصیٰ کے مدرس شیخ صلاح الدین کا مقالہ، امیر کہ کی تباہی، قرآن حکیم کی رو سے اور محمد صالح مغل کی اردو کتاب امریکہ کا زوال۔ (مطبوعہ دار الحقائق لاہور، ۲۰۰۴ء)

ان میں سے بعض لوگ نجومیوں کے سے انداز میں کہتے ہیں کہ امریکہ فلاں سنہ میں ختم ہو جائے گا جیسا کہ مسٹر برسنسکی (محولہ بالا) نے دعویٰ کیا ہے کہ امریکہ ۲۰۰۶ء میں ختم ہو جائے گا یا بعض لوگوں نے کہا کہ Niibru ستارہ ۲۰۰۴ء میں کرۂ ارض کے پاس سے گزرے گا جو امریکہ کی تباہی کا سبب بنے گا۔ تاہم ظاہر ہے کہ اس طرح کی پیشین گوئیاں لغو ہیں اور کسی متعین سنہ کی پیش گوئی کرنا ممکن نہیں (سوائے نجومیوں جوتشیوں کے) جو ہم بہرحال نہیں ہیں۔ تاہم قرائن سے ظاہر ہوتا ہے کہ امریکہ اکیسویں صدی کے ربع اول ہی میں زوال پذیر ہو جائے گا جسے ہم نے احتیاط کی خاطر مزید ایک ربع صدی کی مہلت دے دی ہے اور ہماری رائے کے مطابق اگر امریکہ ربع صدی نکال بھی گیا (جو ہماری رائے میں نہیں نکال سکے گا) تو زیادہ سے زیادہ نصف صدی نکال سکے گا۔

وما ذالک علی اللہ بعزیز

عالم ہمہ ویرانہ ز چنگیزیٔ افرنگ — معمار حرم باز بہ تعمیر جہاں خیز

مٹایا قیصر و کسریٰ کے استبداد کو جس نے — وہ کیا تھا؟ زورِ حیدرؓ، فقرِ بوذرؓ، صدقِ سلمانیؓ

Marfat.com

مغرب (خصوصاً امریکہ) کے متوقع زوال کے اسباب

غلط نظریۂ حیات سے وابستگی
۱۷۰۰ء ـ ۲۰۰۰

↓

فساد فی الارض

↓

قتل وخونریزی

↓

ظلم وجبر

↓

استحصال

↓

معاشرتی بگاڑ / جنسی انارکی

↓

نفع آوری کا خاتمہ

↓

اصلاحی قوتوں کی ناکامی

↓

زوال
۲۰۰۰ء ـ ۲۰۲۵

Marfat.com

مسلم نشاۃ ثانیہ کی اساس

اس دنیا میں کسی قوم کی کامیابی اور عروج کا انحصار اس بات پر ہوتا ہے کہ وہ اپنے نظریہ حیات سے کتنی محکم طور پر وابستہ ہے۔ اگر یہ وابستگی پختہ اور اعلیٰ درجے کی ہوگی تو یہ وابستگی اس کے اندر ان اوصاف کو ابھار دے گی جو اس دنیا میں اسباب زندگی مہیا کرنے پر قدرت مہیا کرتے ہیں چنانچہ وہ قوم دنیا میں ترقی کرے گی اور عروج پائے گی۔ اس کے برعکس اگر کوئی قوم تہذیب اپنے طے کردہ نظریہ حیات سے وابستگی کھو دے تو اس کے اندر سے وہ اوصاف کمزور ہو جائیں گے جو دنیا میں اسباب زندگی مہیا کرنے پر قدرت مہیا کرتے ہیں چنانچہ وہ قوم تہذیب کمزور ہو کر محکومی اور ذلت کا شکار ہو جائے گی۔ اگر مذکورہ نظریہ حیات غیر صالح اور غیر فطری ہوگا تو اس کے ماننے والوں میں جلد یا بدیر ایسے عوارض کو جنم دے گا جو اس کے عروج اور غلبے کے خاتمے سبب بن جائیں گے اور اگر وہ نظریہ حیات صالح اور فطری ہوگا تو اس پر عامل قوم کو دنیا میں کبھی زوال نہ آئے گا۔ (الاّ یہ کہ وہ اس نظریہ سے وابستگی کھو کر اس پر عمل ترک کر دے) اور آخرت میں بھی اسے کامیابی ملے گی۔

ہم مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا نظریہ حیات صالح اور فطری ہے۔ ہمارا نظریہ حیات ہے کیا؟ ایمان باللہ، ایمان بالرسالت اور ایمان بالآخرت۔ اس نظریئے سے محکم وابستگی نہ صرف اس دنیا میں مسلم امت کی کامیابی اور عروج کی ضامن ہے۔ (جیسا کہ عملاً ہم نے معلوم دنیا کے ایک بڑے حصے پر ایک ہزار سال تک حکمرانی کی ہے) بلکہ اس کے ہر فرد کے لئے آخرت میں بھی فوز و فلاح کی ضمانت ہے۔ آج اگر مسلمان امت دنیا میں کامیاب و کامران نہیں ہے تو اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے نظریہ حیات سے محکم وابستگی کھو چکی ہے لہذا محکومی، کمزوری اور ذلت و رسوائی اس کا مقدر بن چکی ہے۔ سادہ لفظوں میں یہ کہ مسلم امت کے عروج کا سبب اسلامی تعلیمات پر کما حقہ عمل کرنا تھا اور اس کے زوال کا سبب یہ ہے کہ اس نے اسلام پر عمل ترک کر دیا ہے اور اس کے دوبارہ عروج و غلبے کی ایک صورت ہے کہ وہ اسلام پر صحیح معنوں میں عامل ہو جائے۔

اس دنیا میں ترقی کا انحصار اس امر پر ہے کہ قوم میں اسباب دنیا مہیا کرنے کی طاقت و صلاحیت اعلیٰ پیمانے کی ہو۔ مسلمان جب اسلامی تعلیمات پر عمل کرتے ہیں تو ان میں یہ قوت بدرجہ اتم پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ قرن اولیٰ میں جب مسلمانوں نے اسلامی تعلیمات پر عمل کیا تو اسباب دنیا مہیا کرنے میں بھی وہ ساری دنیا سے آگے نکل گئے اور یوں مسلمان ایک ہزار سال تک ساری دنیا پر غالب رہے۔ اس وقت ان کی تہذیب اور ان کا تمدن ساری دنیا سے ارفع تھا۔ وہ علم و تحقیق، سائنس و ٹیکنالوجی، دفاع، معیشت، معاشرت غرض سارے شعبہ ہائے حیات میں ساری اقوام سے بالاتر تھے۔

کسی بھی قوم کی قوت عمل کا انحصار اس کی فکری قوت پر ہوتا ہے اور فکری قوت کا انحصار اس امر ہو پوتا ہے کہ اس کے فکری ماخذ محفوظ و مامون ہوں اور اس کی فکر صالح اور فطرت سے اہم آہنگ ہو۔ یہ دونوں خوبیاں اسلام میں موجود ہیں کیونکہ اس کے فکری ماخذ (قرآن وسنت) محفوظ و موجود ہیں اور چونکہ اسلامی تعلیمات اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہیں اس لئے ان کے صالح اور فطری ہونے میں کوئی کلام ہو ہی نہیں سکتا۔

Marfat.com

کسی بھی قوم کی قوت عمل کا انحصار اس کے اپنے نظریۂ حیات سے جڑے رہنے پر ہوتا ہے کہ کیونکہ جس نظریہ حیات کو وہ مانتی ہے اس پر پختہ یقین اور اس کا صحیح فہم ہی اس کے لئے قوت محرکہ بنتا ہے۔ مسلمان چونکہ اسلامی تعلیمات کی حقانیت پر ایمان رکھتے ہیں لہذا ان کے لئے قوت محرکہ صرف یہی چیز ہوسکتی ہے کہ وہ ان تعلیمات سے حقیقی وابستگی اختیار کریں۔

اسلام کے علاوہ اس وقت جتنی بھی تہذیبیں ہیں ان کے پیش نظر صرف دنیا کی ترقی ہے۔ مسلمانوں کی مجبوری یہ ہے کہ جس نظریۂ حیات پر وہ یقین رکھتے ہیں اس کی رو سے انہیں محض دنیا کی ترقی مطلوب نہیں بلکہ دنیا و آخرت دونوں میں ترقی و کامیابی مطلوب ہے۔ اب کسی دوسرے نظریۂ حیات پر عمل بالفرض اگر ترقی کی ضمانت دیتا بھی ہو تو وہ مسلمانوں کے لئے فضول ہے کیونکہ وہ آخرت کی ترقی کی ضمانت نہیں دیتا اور مسلمان اپنے عقیدے کی رو سے یہ ماننے پر مجبور ہے کہ 'من یبتغ غیر الاسلام دینا، فلن یقبل منه' (آل عمران ۳:۸۵) لہذا آخرت میں نجات کا انحصار صرف اسلام پر ہے عمل کرنے میں ہے۔ یوں ایک مسلمان مجبور ہے کہ دنیا کی ترقی کے لئے صرف اسلام کی طرف رجوع کرے۔

اپنے نظریۂ حیات کو غالب کرنے کا جذبہ ہی افراد کو قربانی دینے پر اکساتا ہے۔ دوسری قوموں میں یہ جذبہ صرف دنیوی ترقی کی خاطر پیدا ہوتا ہے جب کہ ایک مسلمان کے سامنے دنیوی ترقی کے علاوہ آخرت میں اللہ کی خوشنودی اور جنت کی پائیدار نعمتیں ہوتی ہیں لہذا اس کا جذبہ قربانی دوسروں سے بڑھ کر قوی ہوتا ہے۔

ایک مسلمان اسی وقت مسلمان ہوتا ہے جب وہ اپنے مخصوص نظریۂ حیات پر ایمان رکھتا ہو، لہذا وہ مجبور ہے کہ وہ کسی دوسرے نظریۂ حیات کو نہیں اپنا سکتا۔ پھر اس وقت اسلام کے علاوہ دنیا میں کوئی صالح اور فطری نظریۂ حیات موجود ہی نہیں یعنی ایسا نظریۂ جو خدا، رسول اور آخرت کو بھی مانتا ہو اور دینوی ترقی کا بھی ضامن ہو۔ آج کے مسلمان میں عمل کے لحاظ سے ہزار کمزوریاں موجود ہیں لیکن وہ اپنے اسلام کی قیمت نہیں چکا سکتا۔ اس گئی گزری ایمانی حالت میں بھی مسلمانوں کی اکثریت کا یہ حال ہے کہ انہیں کہا جائے کہ اسلام چھوڑ دو، ہم تمہیں مال دیتے ہیں، گاڑی دیتے ہیں، بنک بیلنس دیتے ہیں، کار کوٹھی دیتے ہیں تو وہ ہرگز نہیں مانیں گے اور اسلام کو ترک نہیں کریں گے۔ گویا مسلمان اس دنیا میں ترقی ضرور کرنا چاہتے ہیں لیکن ایمان اور اسلام کی قیمت پر نہیں۔ اب دیگر ادیان اور تہذیبیں چونکہ اسلام مخالف ہیں اور اسلام کا رخ لامحالہ بیک وقت مغرب اور مشرق کی طرف تو نہیں چل سکتا اور اگر چلنے کی کوشش کرے گا تو ظاہر ہے کہ وہ کہیں بھی نہیں پہنچے گا اور اس کی محنت رائیگاں جائے گی لہذا ایک مسلمان غیر اسلام پر عمل کر کے کبھی بھی دنیا میں ترقی و عروج نہیں پاسکتا، اور اگر وہ ترقی و عروج چاہتا ہے تو یہ اس کی مجبوری ہے کہ وہ اپنے نظریۂ حیات یعنی اسلام سے جڑ جائے اور اس سے محکم طور پر وابستہ ہو جائے کیونکہ اس کے علاوہ اس کے پاس کوئی آپشن ہی نہیں۔

مغربی تہذیب مسلم نشاۃ ثانیہ کی اساس نہیں بن سکتی

مسلم امت اگر اس دنیا میں ترقی کرنا چاہتی ہے، اگر وہ یہاں غلبہ اور کامیابی کی خواہاں ہے تو اس کی اساس صرف اور

Marfat.com

صرف اسلام ہی ہوسکتا ہے، کوئی دوسرا نظریہ حیات یا کسی دوسری تہذیب کی پیروی نہیں۔ یہ ہماری سوچی سمجھی اور پختہ رائے ہے اور ہمارے نزدیک یہی منطقی، مدلل اور صحیح رائے ہے۔ لیکن ہمارے یہاں بہت سے لوگ ایسے ہو سکتے ہیں جنہیں اس رائے پر شرح صدر حاصل نہ ہو۔ ایسے لوگ تو شائد ہمارے ہاں نہ ہوں جو ہمارے اس موقف پر براہ راست اعتراض کریں اور یہ موقف اختیار کریں کہ اسلام اللہ کا سچا دین نہیں یا ہمارے زوال کا سبب ہے یا اس پر عمل کر کے ہم کامیاب نہیں ہو سکتے (یا اگر ہیں بھی تو وہ اتنے کم ہیں کہ ان کا موقف بیان کر کے ہمیں اس کی تغلیط کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی) البتہ ہمارے ہاں ایسے لوگ کافی تعداد میں ہو سکتے ہیں اور ہیں جو ہمارے اس موقف پر مغربی تہذیب کے حوالے سے بالواسطہ اعتراض کریں۔ یہ اعتراضات کچھ اس طرح کے ہو سکتے ہیں:

ا۔ ہم نے اسلام کی جن باتوں پر عمل چھوڑ دیا ہے، انہی اچھی باتوں پر مغرب والے عمل کر رہے ہیں لہذا اگر ہم اہل مغرب کی پیروی کریں تو یہ درحقیقت اسلامی اصولوں پر ہی عمل ہوگا۔

۲۔ اسلام کی رجعت پسندانہ تعبیر کی جائے ترقی پسندانہ اور روشن تعبیر کی ضرورت ہے جس کے لئے اجتہاد ناگزیر ہے اور ماضی کے اجتہادی قوانین کو (اور ہمارا قانونہ، سیاسی، معاشی، سماجی ڈھانچہ اکثر و بیشتر ان اجتہادی قوانین ہی پر مبنی ہے) آج کے جدید حالات اور ضروریات کے مطابق بدلنے کی ضرورت ہے لہذا مغرب کی جو چیزیں خلاف اسلام نہ ہوں انہیں اپنا لینے میں کوئی حرج نہیں تاکہ مسلمان بھی مغرب کی طرح ترقی کر سکیں۔

۳۔ اسلام بلاشبہ سچا دین ہے لیکن کیا ہم اسلام کو چھوڑے بغیر مغرب سے اچھی چیزیں نہیں لے سکتے؟ مثلاً سائنس اور ٹیکنالوجی۔ اسلام اس میں رکاوٹ کہاں بنتا ہے؟ نیز یہ کہ ہم نماز، روزہ، حج، زکوۃ اور ایسی ہی دوسری اسلامی باتوں پر عمل کر کے آخرت میں کامیاب ہو سکتے ہیں لیکن جہاں تک دنیا کا تعلق ہے اس میں اہل مغرب کامیاب ہیں تو دینوی امور میں ان کی پیروی کر کے ہم کیوں کامیابی حاصل نہ کریں؟ جب کہ ان امور میں مغرب کی پیروی ہمارے نماز روزے اور آخرت میں بھی حائل نہیں ہوتی؟

فاتح قومیں صرف ملک فتح نہیں کرتیں دل و دماغ کو بھی فتح کرتی ہیں۔۔۔ مغربی استعمار نے جب مسلم علاقوں پر قبضہ کیا تو اپنا قبضہ مستحکم کرنے اور اسے جاری رکھنے کے لئے مسلمانوں کے دل و دماغ کو فتح کرنے کی بھی پلاننگ کی۔ اس غرض کے لئے اس نے مسلمانوں کا نظام زندگی خصوصاً نظام تعلیم و تربیت بدل ڈالا۔ اسے قدیم اور از کار رفتہ قرار دے کر اپنا نظام تعلیم جاری کیا۔ اس سے نہ صرف یہ ہوا کہ جدید درسگاہوں میں قرآن و سنت اور عربی فارسی کی جگہ انگریزی اور جدید علوم نے لے لی بلکہ اپنے نصاب، نصابی کتب، اساتذہ اور ہم نصابی سرگرمیوں کے ذریعے انگریز نے اپنا مقصد زندگی اور اپنا تصور علم بھی مسلمانوں پر ٹھونس دیا اور چونکہ اس مغربی فکر و عمل کو پیش کرنے والے فاتح اور حاکم تھے اس لئے مغربی فکر و تہذیب کی چکا چوند سے ہمارے نوخیز طالب علموں کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں اور استعمار کے منصوبے کے مطابق وہ نام کے مسلمان تو رہے لیکن اپنی فکر و سوچ کے حوالے سے اپنے افرنگی آقاؤں جیسے ضرور ہو گئے۔ یہی لوگ بیوروکریسی میں تھے اور یہی جاگیردار اور سیاستدان بن کر معاشرے میں معزز اور محترم تھے۔ پھر جب مسلمان معاشروں میں آزادی کی تحریکیں چلیں تو ان کے آخری مرحلے میں انہوں

Marfat.com

نے اپنے آقاؤں کے اشارے پر اپنی قینچی بدل لی اور خون لگا کر شہیدوں میں شامل ہو گئے اور اس طرح استعمار نے جاتے ہوئے اقتدار انہی کو منتقل کیا اور اب یہ ہشت پا کی طرح مسلمان معاشرے پر قابض ہیں اور معاشرے میں اسلام کے حق میں کسی انقلابی تبدیلی کے سب سے بڑے دشمن ہیں۔ ان کی چالوں کی کامیابی کا یہ عالم ہے اور سادہ لوح مسلم عوام ان کے سحر میں اس طرح جکڑے ہوئے ہیں کہ عوام آج بھی انگلش میڈیم اسکولوں میں پانے بچوں کو پڑھانا چاہتے ہیں، ولایتی چیزیں خریدنے کو ترجیح دیتے ہیں، مغربی لباس پہن کر اتراتے ہیں۔ غرض ان کو مغربی فکر و تہذیب کے شکنجے میں جکڑے رکھنے کا پوری طرح بندوبست کیا گیا ہے۔

یہ محبت وطن اور بیدار مغز دینی اور سیاسی قیادت کا کام تھا کہ اس ماحول کو بدلتیں، اپنے نظام تعلیم و تربیت اور ذرائع ابلاغ کو بدلتیں تا کہ مسلم عوام کے ذہن سے مغرب سے مرعوبیت کے پردے اتر جاتے، وہ اپنی فکر اور تہذیب پر فخر کرنا سیکھ لیتے بقول اقبال: ؎ دل توڑ گئی اس کا دو صدیوں کی غلامی دارو کوئی سوش اس کی پریشاں نظری کا

لیکن افسوس کہ مسلم معاشرے کی کارفرما قوتوں نے یہ سب کچھ کرنے کی طرف دھیان نہیں دیا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے جدید تعلیم یافتہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ترقی کے لئے مغرب کی پیروی کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ ظاہر ہے کہ انہیں یہی بتایا اور سکھایا گیا ہے تو وہ اس سے ہٹ کر کیسے سوچیں؟

یہاں یہ سمجھنے کی بھی ضرورت ہے کہ اسلام اور مغربی تہذیب میں کون سے اختلافات بلکہ تضادات ہیں اور وہ ایک دوسرے کے کتنا قریب آسکتے ہیں؟

ا۔ مغربی تہذیب کی فکری اساس الحادی ہے۔ سیکولرازم اور ہیومنزم وغیرہ کا مطلب اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ ہر شخص مادر پدر آزاد ہے اور ہو جیسے چاہے زندگی گزار سکتا ہے۔ خدا اگر کوئی ہے بھی تو اس کا ان کی اجتماعی زندگی میں کوئی دخل نہیں اور زندگی بس یہی دنیا کی زندگی ہے اسی کی فکر کرنی چاہئے۔ ان افکار کے نتیجے میں یہ بآسانی سمجھا جاسکتا ہے کہ اہل مغرب کی زندگی میں خدا، رسول اور آخرت وغیرہ کا کوئی کردار نہیں اور یہ کہ ان کے سارے علوم اور ان کے سارے اجتماعی رویے اسی نکتہ نظر پر مبنی ہیں۔ لہذا اس امر میں کسی شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں کہ اسلام اور مغربی تہذیب کے راستے ایک دوسرے سے مختلف ہی نہیں، ایک دوسرے کے بالکل الٹ ہیں، لہذا ان دونوں کا اجتماع ممکن ہی نہیں کہ یہ اجتماع ضدین ہے۔ اسلام اور مغربی تہذیب کی مثال دو متوازی بہنے والے دھاروں کی ہے جو کبھی مل نہیں سکتے۔

۲۔ مغرب کے پیش نظر صرف دنیا ہے اور اسلام کے پیش نظر دنیا اور آخرت دونوں ہیں۔ مغرب کی فکر چونکہ الحادی ہے لہذا مسلمان اگر مغربی تہذیب کی پیروی کریں گے تو آخرت سے بہر حال جائیں گے۔ رہی دنیا تو مسلمان دنیا میں بھی اس تہذیب کی پیروی کر کے ترقی نہیں کر سکتے کیونکہ الحاد اور اسلام یکجا ہو ہی نہیں سکتے۔ اس سے مسلمان شخصیت کا فکری انتشار، ذہنی عدم یکسوئی اور نظریاتی کشمکش کا شکار ہو جانا لابدی ہے اور ان وجوہ سے مستحکم مسلم شخصیت جنم لے ہی نہیں سکتی یہی وجہ ہے کہ آج کی مسلم دنیا علمی و عملی دونوں لحاظ سے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے اور مغربی تہذیب کی پیروی نے ان کا کوئی مسائلہ حل نہیں کیا۔

Marfat.com

۳۔ مغرب کی اسلام دشمنی اب روز روشن کی طرح واضح ہوگئی ہے۔افغانستان اور عراق کا حشر سب کے سامنے ہے۔شام اور ایران کی باری قریب آتی نظر آرہی ہے۔یورپ وامریکہ میں مسلمان اہل مغرب کی نفرت وحقارت اور بدسلوکی کی بلکہ ظلم وستم کا شکار ہورہے ہیں اور جو مسلمان ممالک بے غیرت بن کر امریکہ کا ساتھ دے رہے ہیں ان کی باری بھی کسی نہ کسی بہانے آنے والی ہے کیونکہ بھیڑیا میمنے کو کھانے کے لئے بھی بہانہ تراش سکتا ہے اور جس معاشرے میں جنگل کا یہ قانون نافذ ہوجائے کہ جس کی لاٹھی اس کی بھینس وہاں کوئی دلیل کارگر نہیں ہوسکتی۔

اس مسلم دشمنی بلکہ مسلم کشی کے کئی عوامل ہیں۔یہودی،امریکہ کو مسلمانوں سے لڑا کر دونوں کو کمزور کررہے ہیں تاکہ اپنے مذموم مفادات حاصل کرسکیں۔سیموئیل ہنٹنگٹن اور فوکویاما جیسے دانشور اہل امریکہ کو سمجھا رہے ہیں کہ صرف اسلام ہی ان کے تہذیبی غلبے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔امریکہ ساری دنیا خصوصاً مسلم معاشروں کے معاشی وسائل پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔امریکہ میں عیسائی بنیاد پرست زور پکڑ رہے ہیں بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ ان سب عوامل کے پیچھے اہل مغرب کا صلیبی بخار پوشیدہ ہے۔مغرب آج بھی مسلمانوں سے نفرت کرتا ہے اور ان کو مٹا دینا چاہتا ہے۔

ان حالات میں بھی اگر مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ انہیں مغربی تہذیب کی پیروی کرنی چاہئے یا یہ کہ وہ مغرب کے تعاون سے ترقی کرسکتے ہیں تو یہی کہا جاسکتا ہے کہ:

اسلامی نقطہ نظر یہ ہے کہ ایسے تغیر پذیر اجتماعی معاملات میں، جیسے کہ سیاست ہے، خالق حقیقی نے اپنی رحمت سے ہمیں کوئی تفصیلی اور معین نظام نہیں دیا بلکہ محض پالیسی اصول دیے ہیں اور یہ امت اور اس کے اہل علم پر چھوڑ دیا ہے کہ وہ اپنے ماحول اور معاشرے کی ضرورت کے مطابق اس کی تفصیلات خود طے کرلیں۔اس کا مطلب یہ ہے کہ خلافت کا نظام ختم ہونے کے بعد اور استعمار کی غلامی سے آزاد ہونے کے بعد اب مسلمان ممالک گویا آزاد ہیں کہ اسلام کے سیاسی اصولوں کی روشنی میں اپنے ہاں تفصیلی سیاسی نظام تشکیل دے لیں۔اب یہاں یہ تو نہیں ہوسکتا اور نہ ہونے چاہیے کہ ہم مغربی جمہوریت کو، جیسی کہ وہ مغرب میں مروج ہے، من وعن اپنے ہاں رائج کرلیں کیونکہ اس کا تو بنیادی فلسفہ ہی غیر اسلامی ہے (مثلاً یہ اصول کہ انسان اللہ کی ہدایت اور اس کے طے کردہ حلال وحرام سے بے پرواہ ہوکر اپنی مرضی سے پارلیمنٹ میں جو قانون چاہے بنا سکتا ہے۔وغیرہ) البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ ہم اپنے ہاں اجتہاد کرتے ہوئے اور نیا سیاسی ڈھانچہ تشکیل دیتے ہوئے مغرب کے سیاسی تجربے کو بھی، بطور ایک بڑے انسانی تجربے کے، اپنے سامنے رکھیں اور خصوصاً عصری ضروریات اور تقاضوں کے حوالے سے اس سے استفادہ کرلیں۔

سائنسی علوم اور ٹیکنالوجی کے ساتھ البتہ یہ معاملہ نہیں ہے کیونکہ ان کا زیادہ تر انحصار تجربے اور مشاہدے پر ہوتا ہے اور وہ اصلاً معروضی ہوتے ہیں مثلاً ایک کمپیوٹر پروگرام یا ایک الیکٹرانک مشین بناتے ہوئے اس بحث سے سابقہ نہیں پڑتا کہ خدا ہے یا نہیں اور قیامت آئے گی یا نہیں؟ دوسرے لفظوں میں سائنس کا براہ راست مذہب سے کوئی واسطہ نہیں اور سائنس اصلاً نہ دینی

Marfat.com

حقائق کی تائید کرتی ہے نہ تردید لہٰذا بادی النظر میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ مسلمان سائنس اور ٹیکنالوجی مغرب سے لے سکتے ہیں اور اس میں دینی اور شرعی لحاظ سے کوئی ہرج نہیں۔ لیکن یہاں کچھ باتیں نہایت اہم ہیں جو اس فیصلے کو مخدوش بنا سکتی ہیں۔

۱۔ سائنس کا کوئی مذہب نہیں ہوتا لیکن ہر سائنسدان بہر حال انسان ہوتا ہے اور اس کا ایک مذہب ہوتا ہے (اور مغرب کی علمی و عملی فضا چونکہ الحاد و بے دینی پر مبنی ہے لہٰذا وہاں کے اکثر سائنسدان بھی اس رنگ میں رنگے ہوئے ہوتے ہیں، جن سے استفادے کے لئے گئے ہوئے مسلمان طلبہ ان اساتذہ سے متاثر ہوسکتے ہیں اور مشاہدہ یہ ہے کہ ہوتے ہیں۔

۲۔ مغرب کی علمی روایت چونکہ الحاد پر مبنی ہے لہٰذا ان کا تصور علم بہر حال سرایت کرتا رہتا ہے اور اس کے اثرات ان کے معروضی مطالعے اور سائنسی حقائق میں بھی در آتے رہتے ہیں اور دینی اصول و حقائق کو نقصان پہنچاتے ہیں مثلاً اگر ہم بالفرض یہ مان بھی لیں کہ ڈارون ایک سنجیدہ اور غیر جذباتی بائیلوجسٹ تھا اور اس نے سائنسی انداز سے تحقیق کر کے ارتقا کا نظریہ پیش کیا اور جب وہ خود تسلیم نہیں کرتا کہ اس کے پیش نظر تخلیق کے مذہبی تصور کو جھٹلانا تو ہمارے پاس کوئی ایسا پیمانہ نہیں جس سے ہم یہ ثابت کرسکیں کہ اس کا ذہن شعوری یا لاشعوری طور پر مغرب کے ملحدانہ تصور علم سے متاثر تھا اور نہ ہمارے پاس یہ کہنے کا کوئی جواز ہے کہ وہ اندر سے مذہب دشمن تھا لیکن عملاً ڈارون کے اس نظریے اور اس تحقیق کا نتیجہ کیا نکلا؟ یہ کہ نظریہ ارتقاء مغرب میں مذہب کو فرسودہ، لایقینی اور بیکار ثابت کرنے کا سمبل بن گیا اور اس عہد میں مغرب میں دین اور دینی اصول و اقدار کو اس نظریے نے جتنا نقصان پہنچایا ہے شاید ہی اتنا نقصان کسی اور نظریے نے پہنچایا ہو۔ اور لطف کی بات یہ ہے کہ ان مغربی سائنسدانوں کی بات کسی نے نہیں سنی جنہوں نے سائنسی بنیادوں پر ہی ڈارون کے نظریے کو غلط ثابت کیا بلکہ معاشرے کی عمومی فضا چونکہ مذہب بیزاری پر آمادہ تھی اس لئے ڈارون کے نظریے کو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا اور دیکھتے دیکھتے یہ نظریہ ایک سائنسی حقیقت بنا دیا گیا جبکہ وہ محض ایک نظریہ تھا، دو اور دو چار کی طرح کوئی ریاضی کا فامولا نہ تھا۔

یہی حال فرائیڈ کا ہے جو ایک سنجیدہ ماہر نفسیات تھا اور جس کا دعویٰ یہ ہے کہ اس کے جنسی نظریات معروضی حقائق پر مبنی اور اس کے کلینیکل تجربات کا نتیجہ ہیں اور بالفرض اگر ہم اس پر اصرار نہ بھی کریں کہ فرائیڈ کے پیش نظر مذہب کے نظریہ عفت کو ختم کرنا تھا یا یہ معاشرے میں جنسی انارکی پھیلانے کی یہودی سازش تھی یا اس کے نظریات مغرب کے ملحدانہ تصور علم کا براہ راست نتیجہ تھے لیکن عملاً اسکے نظریات کا نتیجہ کیا نکلا؟ یہ کہ مغربی معاشرے میں اس کا یہ نظریہ کہ انسان ایک جنسی حیوان ہے اور اس کی جنسی ضرورت پوری کرنے پر کوئی بھی پابندی ذہنی بیماری کو جنم دیتی ہے، فوراً مقبول ہوگیا اور مذہب کا یہ نظریہ کہ انسان زمین میں اللہ کا خلیفہ اور اشرف المخلوقات ہے اور نکاح اور خاندان کے ادارے اللہ کی طرف سے عطا کردہ ہیں، ہوا میں تحلیل ہوگیا اور آج یہ بات بلاخوف تردید کی جاسکتی ہے کہ مغرب آج جنسی بے راہ روی میں جہاں تک پہنچ چکا ہے (باہمی رضامندی سے زنا کی قانوناً اجازت ہے، لواطت پر کوئی پابندی نہیں بلکہ اب تو ہم جنسوں کے نکاح رجسٹر بھی ہونے لگے ہیں، بغیر نکاح کے ازدواجی زندگی گزارنے کی عام اجازت ہے غرض حیا اور عفت کے تصورات قصہ ماضی بن چکے ہیں) اس میں ایک بڑا کردار فرائیڈ کے سائنسی تجربات، پر مبنی نفسیاتی نظریات کا ہے۔

Marfat.com

ان حالات میں یہ کہنا کہ مغرب کے سائنسی نظریات اور سائنسی حقائق معروضیت پر مبنی ہیں اور خالصتاً سائنسی تجربہ و مشاہدہ کا نتیجہ ہیں اور ان پر مغرب کے ملحدانہ تصور علم کے اثرات بالکل نہیں ہیں، نہایت کمزور موقف ہے جس کی تائید نہیں کی جا سکتی۔

۳۔ مغرب کی اسلام دشمنی بھی اب ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے۔ بدقسمتی سے مغرب اسلام اور مسلمانوں کو اپنا حریف سمجھتا ہے۔ مسلمان ملکوں نے مغربی استعمار سے جو آزادی حاصل کی ہے وہ انہیں پلیٹ میں رکھ کر پیش نہیں کی گئی بلکہ انہوں نے لڑکر، ظلم وستم سہہ کر اور قربانیں دے کر حاصل کی ہے۔ مسلمان ممالک کی آزادی کے بعد بھی مغرب کی خواہش وکوشش یہی ہے کہ مسلمان ممالک ان کے دست نگر اور ان کے خوشہ چین رہیں۔ اس لئے اب بھی جب وہ مسلمان ممالک کی مدد کرتے ہیں، وہاں سماجی اور سائنسی ترقی کی بات کرتے ہیں تو وہ محض مالی اور تکنیکی مدد نہیں دیتے بلکہ ساتھ اپنے نظریات بھی برآمد کرتے ہیں۔ پھر تکنیکی مدد استعمال کنندہ (End Users) بنے رہیں:۔ وہ اس طرح کی تکنیکی مدد نہیں کرتے کہ مسلمان ممالک ٹیکنالوجی میں خود کفیل ہو جائیں اور اپنے پیروں پر کھڑے ہو جائیں۔ پھر یہ مالی اور تکنیکی مدد محض ہماری آپشن نہیں رہتی وہ ہمارے گلے پڑ جاتی ہے یوں کہ ہم کمبل کو چھوڑنا چاہیں بھی تو کمبل ہمیں نہیں چھوڑتا اور جو اس چنگل میں نہ پھنسے اسے سزا دی جاتی ہے جیسے لیبیا، ایران اور ملائیشیا کو دی گئی اور جو ذرا اکڑ فوں دکھائے اس کا وہ حشر کیا جاتا ہے جو عراق اور افغانستان کا کیا گیا۔ اور بعض مغربی دانشور تو لگی لپٹی کے بغیر صاف کہتے ہیں کہ اگر مسلمان ہم سے سائنس وٹیکنالوجی لینا چاہتے ہیں تو انہیں پھر ہمارے نظریات بھی لینا ہوں گے اور مغرب کی بالادستی بھی تسلیم کرنا ہوگی۔

۴۔ مغربی ممالک میں معاشرتی بے راہروی، لامحدود جنسی آزادی اور پرکشش مادی زندگی کے جو حالات ہیں ان میں جو مسلمان طلبہ سائنس وٹیکنالوجی کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے وہاں جائیں گے، اس کا خاص امکان ہے کہ وہاں جا کر وہ انہیں برائیوں میں مبتلا ہو جائیں گے یا مغربی سوسائٹی کا حصہ بن جائیں گے، اسی کی خدمات کریں گے اور واپس مسلم ممالک میں جانے کا نام نہ لیں گے یا واپس جا کر مغرب کے انٹیلی جنس اداروں کے مہرے بن جائیں گے اور صرف ایک چوتھائی امکان یہ ہے کہ وہ مضبوط کردار اور یکسوذہن رکھنے والے مسلمان کی حیثیت سے واپس جا کر اپنے اسلامی املک کی خدمت کریں گے۔

سماجی وسائنسی علوم میں مسلمانوں کو مغربی ممالک سے کتنا اخذ واستفادہ کرنا چاہیے؟ نظری بات یہ ہے کہ محتاط اخذ و استفادہ میں کوئی حرج نہیں لیکن عملی بات یہ ہے کہ مسلم ممالک کو سارا زور اس پر لگا دینا چاہیے کہ وہ سب مل کر جلد سے جلد عظیم الشان تحقیقی ادارے اور یونیورسٹیاں بنائیں جہاں اعلیٰ پائے کی تدریس وتحقیق کا انتظام ہو اور جتنی جلد ممکن ہو وہ سارے سماجی علوم کی اسلامی تناظر میں تشکیل نو کریں اور سائنس وٹیکنالوجی میں اپنے پیروں پر کھڑے ہو جائیں تاکہ علم وتحقیق اور سائنس و ٹیکنالوجی میں مسلمان مغرب کے محتاج نہ رہیں۔

مسلمانوں کے لئے اس دنیا میں ترقی کی اساس صرف اور صرف اسلام ہے۔ اگر وہ اسلامی اصولوں پر عمل کریں گے تو ان ضوابط پر خود بخود عمل ہو جائے گا جو دنیا میں انسان کو اسباب زندگی مہیا کرنے پر قدرت بخشتے ہیں لہٰذا وہ دنیا میں بھی ترقی کریں

Marfat.com

گے اور آخرت میں تو ان کا اجر، اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے کی وجہ سے، ان شاء اللہ محفوظ ہوگا ہی۔ اگر وہ دنیا میں ترقی کے لئے اسلام کے سوا کسی اور نظریے پر عمل کریں گے یا کسی دوسرے غالب تہذیب کی پیروی کریں گے جس کا نظریہ حیات غلط ہے اور محض اسباب دنیا مہیا کرنے کے اصولوں پر عمل کی وجہ سے وہ غالب ہے تو ان کی شخصیت کنفیوژن کا شکار ہو جائے گی اور حق و باطل کی کشمکش میں کچلی جائے گی۔

لہٰذا مسلمان اگر دنیوی ترقی کے لئے مغرب کی پیروی کریں گے تو ان پر وہ مثل صادق آئے گی کہ کوا چلا ہنس کی چال اپنی بھی بھول گیا بلکہ یہ کہ دھوبی کا کتا نہ گھر کا نہ گھاٹ کا، لہٰذا مسلمانوں کے لئے دنیا میں ترقی کا صرف ایک ہی طریقہ ہے اور وہ ہے یک درگیر و محکم گیر یعنی اسلام کے مستحکم وابستگی۔

ترکی نے ۷۵ برس قبل مغربی تہذیب کی پیروی شروع کی تاکہ وہ مغرب کی طرح ترقی یافتہ ہو جائے تو کیا وہ اس طویل مدت بعد ترقی کر کے مغرب کے برابر آ چکا ہے؟ کیا شاہ کا ایران مغرب کی پیروی کر کے ترقی کی معراج پر پہنچ گیا تھا؟ کیا پاکستان نے مغرب کی پیروی کر کے نصف صدی میں ترقی کر لی ہے جہاں پانچ کروڑ افراد خط غربت سے نیچے زندگی بسر کر رہے ہیں اور روز خودکشیاں کرتے ہیں؟ ہاں مغربی تہذیب کی پیروی کر کے جاپان نے ترقی کر لی ہے، جرمنی نے ترقی کر لی ہے، کیونکہ ان قوموں کا نظریہ حیات مغرب سے ٹکراتا نہیں تھا۔ ہم مسلمانوں کا مسئلہ دوسرا ہے۔ ہمارے اصول حیات مغرب کے اصول حیات سے ٹکراتے ہیں لہٰذا ہم مغرب کی پیروی کر کے کبھی ترقی نہیں کر سکتے کیونکہ اس سے دونوں نظریہ ہائے حیات میں تصادم شروع ہو جاتا ہے۔ لہٰذا کوئی مسلمان معاشرہ مغرب کی پیروی کر کے ترقی نہیں کر سکتا، آج تک نہیں کر سکا اور نہ آئندہ کر سکے گا۔ یہ ایک اصولی، حتمی اور دوٹوک حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ مسلمانوں کے لئے ترقی کا صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ کہ اپنے نظریہ حیات کی طرف لوٹ جائیں اللہ سے وابستہ ہو جائیں، اس کے دین سے جڑ جائیں تو وہ دنیا میں بھی ترقی کریں گے اور ان شاء اللہ آخرت میں بھی کامیاب ہوں گے۔

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گذرگاہوں کا — اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا — زندگی کی شبِ تاریک سحر کر نہ سکا

مسلم نشاۃ ثانیہ کی حکمت عملی

مسلم امت کے دکھوں کا علاج صرف اسلام میں ہے اور صرف اس کی تعلیمات پر عمل کر کے ہی مسلمان دنیا میں ترقی کر سکتے ہیں اور آخرت میں کامیاب ہو سکتے ہیں، اب ہمارے سامنے سوال یہ ہے کہ دین اسلام سے محکم وابستگی اور اس پر کما حقہ عمل کرنے کی صلاحیت مسلمان کیسے حاصل کر سکتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ اس سوال کا جواب بہت اہم ہے اور دنیا میں ترقی کر سکنے کی کسی بھی سٹریٹجی پر عمل کر سکنے کا انحصار بھی اسی بات پر ہے کہ مسلمانوں میں دین پر عمل کرنے کی قوت پیدا ہو جائے۔ اسی لیے ہم اس ہدف کو حاصل کرنے کی حکمت عملی کو ترقی کا لائحہ عمل بیان کرنے سے پہلے لائے ہیں۔

Marfat.com

بنیادی حکمت عملی۔ تعلیم و تزکیہ

جہاں تک مذکورہ، حکمت عملی کی دریافت یا تلاش کا تعلق ہے تو اس کے لئے ہمیں سر کھپانے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ اس کا ذکر اللہ کی کتاب قرآن حکیم میں موجود ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے کئی جگہ اپنے آخری پیغمبر کو لوگوں کی اصلاح کا طریقہ کار بتایا ہے چنانچہ سورۃ بقرہ میں فرمایا:

کما ارسلنا فیکم رسولا منکم یتلوا علیکم ایاتنا ویز کیکم ویعلمکم الکتاب و الحکمة (البقرہ۲:۱۵۱)

ترجمہ: (پھر ہم نے تمہارے درمیان ایک رسول بھیجا جو تمہیں ہماری آیات پڑھ کر سناتا ہے، تمہارا تزکیہ کرتا ہے اور تمہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے)۔

بلکہ قرآن نے آگے جا کر یہ بھی ذکر کیا ہے کہ پہلے پیغمبروں کا طریق کار بھی یہی تھا

قد افلح من تزکی و ذکر اسم ربه فصلی ..ان ھذا لفی الصحف الاولی صحف ابراھیم و موسیٰ

(الاعلیٰ ۸۷: ۱۴، ۱۵ اور ۱۸، ۱۹)

تحقیق کامیاب ہوا وہ جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا، جو اپنے رب کا ذکر کرتا رہا اور نماز پڑھتا رہا۔ یہی نصیحت پہلے صحیفوں میں موجود تھی، ابراہیمؑ اور موسیٰؑ کے صحیفوں میں۔

گویا یہ دو نکاتی سادہ اور بنیادی فارمولا ہے:

۱۔ کتاب و حکمت کی تعلیم اور ۲۔ تزکیۂ نفس

یعنی پیغمبروں کو یہ بتایا گیا کہ لوگوں کو سچا مسلمان بنانے کا نسخہ یہ ہے کہ ان کو تعلیم دو اس کتاب کی جو اللہ نے ان کی رہنمائی کے لئے بھیجی ہے اور انہیں عقل و دانش کی تلقین کرو اور ان کے نفوس کی ایسی تربیت کرو کہ ان الٰہی تعلیمات پر عمل کرنا ان کے لئے آسان اور مرغوب ہو جائے۔ گویا اس نسخے کا خلاصہ ہے تعلیم و تربیت یعنی لوگوں کو جو تعلیم دی جائے اس کا بنیادی جزو قرآن ہو نیز اس سے یہ بھی ظاہر ہے کہ اگر دنیا میں دوسرے علوم کی تعلیم دی جائے تو ضروری ہے کہ وہ الٰہی ہدایت (قرآن) کے خلاف نہ ہو بلکہ قرآن ہی پر مبنی ہو اور اسی کے مطابق ہو۔ حکمت (Wisdom) کا لفظ معروف بھی ہے اور وسیع معنوں کا حامل بھی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارا خالق یہ چاہتا ہے کہ دنیا میں ہمارے سارے رویے عقل و دانش (Reason and Rationality) پر مبنی ہوں بے عقلی، بے اعتدالی اور سستی جذباتیت پر مبنی نہ ہوں۔ نیز اس سے یہ بھی متبادر ہوتا ہے کہ تعلیم کتاب اور تزکیۂ نفس کا جو کام کیا جائے وہ بھی حکمت و دانش پر مبنی ہونا چاہیے۔ انہی معنوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرز عمل (یعنی سنت رسولؐ) کو بھی حکمت کہا جاتا ہے جو آپؐ نے لوگوں کو قرآن کی تعلیم اور ان کے نفوس کا تزکیہ کرنے کے لئے اختیار کیا۔

تزکیہ نفس سے مراد یہ ہے کہ اللہ کا بندہ بننے کا جو علم انسان حاصل کرے وہ محض علم و معرفت (Knowledge)

Marfat.com

نہ رہے بلکہ اس کی شخصیت کا عملاً حصہ بن جائے۔ دوسرے لفظوں میں انسان کی شخصیت اس علم کے مطابق ڈھل جائے۔ لغوی لحاظ سے تزکیے میں دو مفہوم ہوتے ہیں ایک میل کچیل سے پاک صاف کرنا اور دوسرے اس صفائی کو جلا دینا اور اور بڑھانا۔ گویا تزکیۂ نفس یہ ہے کہ آدمی اپنے نفس کو ہر قسم کی اخلاقی گندگی، بے راہ روی، برے کاموں اور گناہ و نافرمانی سے بچائے اور ہر قسم کے اچھے کاموں، عمدہ اخلاق، اعلیٰ خصائل اور نیکی کے اعلیٰ درجے کو اپنے اندر پروان چڑھائے۔ اب ظاہر ہے ایک مسلمان کے نزدیک اچھے اور برے کا معیار وہی ہے جو اس کے خالق و مالک نے اسے بتایا ہے، گویا تزکیۂ نفس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی ان سارے برے کاموں سے بچنے کی اپنے نفس کو تربیت دے جن سے بچنے کا اللہ نے حکم دیا ہے۔

قرآن حکیم کی تعلیم اور تزکیے کا اکٹھے ذکر کرنے سے یہ بھی متبادر ہوتا ہے کہ تزکیے کا یہ عمل قرآن حکیم کی تعلیمات کے مطابق ہونا چاہیے اور انہی پر مبنی ہونا چاہیے اور یہ بھی کہ خود قرآن کی تعلیم بھی گویا ایک وسیلہ ہے صحیح تربیت نفس کا۔ دوسرے لفظوں میں آخری ہدف تزکیہ ہی ہے کیونکہ وہ علم بیکار محض ہے جس پر عمل نہ کیا جائے اور حکمت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ علم محض جان لینے کے لئے نہ ہو بلکہ عمل کرنے کے لئے ہو۔

قرآن حکیم کے انداز سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کوئی وقتی فارمولا نہیں بلکہ ایک مستقل طریق کار ہے جو ہمیشہ کے لئے قابل عمل ہے۔ پہلے انبیاء کے لئے بھی یہی راہ عمل تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حکم دیا گیا کہ اسی کو اپنی حکمت عملی کی اساس بنائیں اور انبیاء کے تتبع میں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین اور امت محمدیہ کے خیر امت ہونے اور کار نبوت کے جاری رکھنے کے لئے مستقبل میں بھی جو لوگ دعوت، واصلاح اور فرد اور معاشرے کو بدلنے کا کام کرنا چاہیں ان کے لئے بھی راہ عمل یہی ہے۔ یہی بات امام مالکؒ نے فرمائی کہ جس نسخے سے عہد اول میں امت کی اصلاح ہوئی تھی اسی نسخے پر عمل کرنے سے بعد کے ادوار میں بھی امت کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ لہٰذا یہ بات یقین اور قطعیت کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ آج بھی ہمارے زوال کا علاج اور ہمارے دیگر مسائل کا حل اسی نسخے میں ہے کہ قرآن حکیم کی تعلیم کے ذریعے اور قرآنی تعلیمات کی روشنی میں نفوس کا تزکیہ کی جائے اور ایسے افراد تیار کیے جائیں جو اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت برضا و رغبت اور یکسوئی و دل جمعی سے کریں۔ اگر اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کیا جائے تو اس کے نتیجے میں انسانوں کی صلاحیتیں بیدار ہو جاتی ہیں اور ایسے افراد تیار ہو جاتے ہیں جو اسباب زندگی مہیا کرنے پر بہتر طور پر قادر ہوتے ہیں اور وہ وسائل کو استعمال کرنے کے بھی اہل ہو جاتے ہیں جو دنیا میں ترقی و عرج کے ضامن ہیں لہٰذا دنیا میں کامیابی ان کے قدم چومتی ہے اور آخرت میں بھی ان شاء اللہ وہی کامیاب ہوں گے۔ ہمارے زوال کے علاج کی بنیادی ضرورت انسان سازی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن کی تعلیم اور قرآن کے ذریعے تزکیے (یعنی صحیح نظام تعلیم و تربیت) سے ایسے افراد تیار کیے جائیں جو زندگی کے ہر چھوٹے بڑے معاملے میں اللہ کی اطاعت کریں، جو دین سے مستحکم وابستگی رکھتے ہوں اور جو اس کے لئے ہر قربانی دینے پر آمادہ ہوں۔ ایسے افراد ہی اسلامی غلبے کی ضمانت دیں گے اور امت کے ہر مسئلے کا حل ثابت ہوں گے۔

Marfat.com

کیاتعلیم وتزکیہ سارے مسائل کا حل ممکن ہے؟

یہاں کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ کیاتعلیم وتزکیہ کے صحیح اسلامی تصور پر عمل پیرا ہونے سے ہمارے سارے مسائل حل ہوجائیں گے؟ ہم کہتے ہیں کہ یقیناً حل ہوجائیں گے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے مسائل متنوع ہیں ۔جہالت ،غربت نااتفاقی ،بداخلاقی ،سیاسی عدم استحکام ،معاشرتی بے راہ روی ،کرپشن ،بددیانتی وغیرہ وغیرہ لیکن اگر ہم لوگوں کو قرآن کی تعلیم اور قرآن پر مبنی تعلیم حکمت سے دین اور قرآنی تعلیمات کے مطابق حکمت سے ان کے نفوس کا تزکیہ کریں تو ایک ایسی شخصیت پروان چڑھے گی جو جس شعبے میں بھی جائے اس کے مسائل حل کردے گیا۔

اور یہ کوئی مفروضہ نہیں ۔آنحضرت صلی اللہ علی وسلم نے جو آدمی تیار کیے وہ اس کا جیتا جاگتا ثبوت ہیں ۔آنحضرت ﷺ کے تعلیم یافتہ اور تربیت یافتہ افرد جہاں بھی گئے جس شعبے میں بھی گئے انہوں نے اس شعبے کے سارے مسائل حل کردیے۔ حضرت ابوبکرؓ جیسا مدبر ،حضرت عمرؓ جیسا منتظم ،حضرت عثمانؓ جیسا سرمایہ دار ،حضرت علیؓ جیسا فقیہ ،حضرت خالدؓ جیسا سپہ سالار ، حضرت ابیؓ بن کعب جیسا قاری ،حضرت انسؓ جیسا خادم ،حضرت عائشہؓ جیسی خاتون خانہ ،غرض زندگی کے جس شعبے کا بھی نام لیجیے وہاں ایسے درخشاں تاروں کے نام آپ کو ملیں گے جن کی مثال پیش کرنے سے انسانی تاریخ عاجز ہے۔

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کے اندر جو صفات اور بے پناہ قوتیں اور صلاحیتیں اللہ نے رکھی ہیں صحیح اسلامی تعلیم و تربیت ان ک کو نکھارتی اور انہیں جلا دیتی ہے جس کے کے نتیجے میں وہ انسانی جوہر ابھر کر سامنے آجاتا ہے جو ہر شخص میں خفتہ ہوتا ہے ۔یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض تربیت سے ایسے لوگ تیار ہوئے جن کی مثال پیش کرنے سے تاریخ قاصر ہے اور پھر ان کا تسلسل صدیوں جاری رہا یہاں تک کہ صدیوں کے سفر میں پہلے مسلمانوں کے نظام تعلیم و تربیت میں کمزوریاں درآئین اور بالا اخران کمزوریوں نے ان پر غلبہ پالیا نتیجتاً ان میں رجال کار پیدا ہونے بند ہوگئے اور معاشرہ زوال کا شکار ہوگیا۔

تزکیہ نفس اور تصوف

ا۔تزکیۂ نفس نہ ہماری اصطلاح ہے نہ صوفیوں کی بلکہ یہ خالص دینی اور قرآنی اصلاح ہے۔مسلمانوں کی علمی اور عملی روایت میں چونکہ اس کا ذکر اکثر اہل تصوف کے ہمیں ملتا ہے اور تصوف ایک ادارہ ہے جو مسلمانوں نے تزکیۂ نفس کے لئے قائم کیا اس لئے عام لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ تزکیۂ نفس محض صوفیوں کی اصطلاح ہے۔

۲۔ہم نے تزکیہ نفس کا جو مفہوم سطور بالا میں بیان کیا ہے یعنی نفس انسانی کی ایسی تربیت کہ وہ اللہ کے احکام بجالائے ،اس کی معصیت سے بچ سکے اور نیکی کے کام اعلی درجے میں سرانجام دے سکے ،وہ وسیع مفہوم کا حامل ہے جو اسلام کی اساس اور روح ہے اور دین کے سارے شعبے (یعنی عقائد ؛عبادات ،اخلاق اور معاملات وغیرہ) پر حاوی ہے۔بدقسمتی سے آج کل اکثر صوفیاء کے ہاں تزکیہ نفس کا جو مفہوم رائج ہو چکا ہے (اور عام لوگ اسے ہی تزکیہ نفس سمجھتے ہیں) وہ نہایت ناقص ہے اور اس سے مراد

Marfat.com

محض ذکر، اوراد، چلّے اور عبادات سے کشف مراد لیا جاتا ہے، دین اور اس کے سارے شعبوں پر کما حقہ عمل نہیں۔ ظاہر ہے یہ خرابی مروجہ تصوف کی ایک خرابی ہے جس کے ذمہ دار اس عہد کے صوفی ہیں لیکن اس کا مطلب تھوڑی ہے کہ اس خرابی سے الرجک ہو کر ہم اس تزکیہ نفس ہی کو رد کر دیں جو خالص قرآنی چیز ہے اور عملاً ہمارے دین کی اساس اور ہمارے سارے دینی اعمال کی بنیاد اور روح ہے۔

۳۔ صدر اسلام میں جب مسلمانوں میں خرابیاں اور کمزوریاں پیدا ہونے لگیں تو علماء و صلحاء نے ان کی اصلاح کی کوششیں شروع کر دیں یہ کوششیں بالآخر ایک ادارے کی صورت میں منظم ہو گئیں جس کا نام تصوف پڑ گیا جس کے پیش نظر یہ تھا کہ مسلمانوں کی تعمیر سیرت اور تزکیہ نفس کا کام اسلامی تعلیمات کے مطابق سرانجام دیا جائے۔ متقدمین صوفیاء نے اس کے لیے جو حکمت عملی وضع کی وہ دو بنیادی اصولوں پر مبنی تھی ایک صحبت صالح اور دوسرے اللہ کا ذکر اور یہ دونوں اصول قرآن وسنت سے مستنبط ہیں لہٰذا اپنی اصل میں نہ یہ ادارہ غیر اسلامی ہے اور نہ اس کے بنیادی اصول و مقاصد۔ تاہم اس میں کوئی شک نہیں کہ تصوف کی ابتداء کے جلد ہی بعد اس میں غیر اسلامی افکار و رسوم کی آمیزش ہونے لگی اور اس وقت جو تصوف ہمارے ہاں مروج ہے وہ خرابیوں اور غیر اسلامی باتوں سے بھرا پڑا ہے لیکن جیسا کہ ہم نے پہلے کہا کہ کسی صحیح کام یا ادارے میں اگر خرابی پیدا ہو جائے تو اسے مذموم قرار دے کر رد اور ختم نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس کے اندر در آنے والی غلطیوں اور کمزوریوں کی اصلاح کی کوشش کی جاتی ہے تا کہ وہ صحیح اور اصل مقاصد (جو عین اسلامی ہیں) صحیح طریقے سے حاصل ہونے لگیں۔ لہٰذ التصوف کے ادارے سے مایوس اور اس سے الرجک ہونے کی ضرورت نہیں اس کی اصلاح اور تجدید کی ضرورت ہے تا کہ زندگی کے سارے شعبوں کی اصلاح کے لیے صحیح تزکیہ نفس کے جس عظیم الشان مقصد کی خاطر یہ ادارہ قائم کیا گیا تھا اسے وہ مؤثر صورت میں انجام دینے لگے۔

تعلیم وتزکیہ پر ترکیز سیاسی جدوجہد کے منافی نہیں

جو لوگ دعوت و اصلاح اور تعلیم و تزکیہ پر اصرار کرتے ہیں وہ مسلم معاشرے کی اصلاح کے لیے اجتماع اور سیاسی جدوجہد کو 'دنیاداری' کہہ کر اس سے اعتناء نہیں کرتے۔ ہمارے نزدیک یہ رویہ بالکل غلط ہے کیونکہ مسلمانوں ریاستوں کو صحیح اسلامی ریاستیں بنانے کے لیے سیاسی جدوجہد ضروری ہے اور اس کام کی ایک شرعی حیثیت ہے لیکن یہ جدوجہد نہ تعلیم و تزکیہ کے اس مفہوم کی نقیض ہے جس کا ذکر ہم نے ابھی سطور بالا میں کیا اور نہ اس کی نعم البدل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ:

۱۔ مسلمانوں کو قرآن کی تعلیم اور قرآن پر مبنی تعلیم دینا اور اس تعلیم کے مطابق ان کے نفوس کا تزکیہ کرنا یہ ایک بنیادی اور وسیع تر نوعیت کا کام ہے۔ سیاسی جدوجہد کا اس سے کوئی مقابلہ نہیں نہ سیاسی جدوجہد اس کا نعم البدل ہے۔

۲۔ جب تک مسلم عوام کی مذکورہ مفہوم میں تعلیم و تربیت کا انتظام نہ کیا جائے انہیں صحیح اسلامی حکومت کے قیام کے لیے نہ تو متحرک کیا جا سکتا ہے اور نہ ان کی فعال اور نتیجہ خیز نتائج حاصل کی جا سکتی ہے اور جب تک مسلم عوام کی حمایت میسر نہ آئے کوئی پائیدار اور دوررس سیاسی تبدیلی معاشرے میں نہیں لائی جا سکتی اور بالفرض اگر کسی دوسرے ذریعے سے یہ تبدیلی آ بھی جائے تو اسے عوامی

Marfat.com

حمایت کے بغیر زیادہ برقرار رکھا جا سکتا۔

۳۔ تعلیم وتزکیہ کے مذکورہ نظام کے بغیر سیاسی قیادت کا وہ کیڈر مہیا ہو ہی نہیں سکتا جو مسلم معاشرے میں دین نافذ کر سکے۔ ہاں دین کے نام پر سیاست ضرور کی جا سکتی ہے اور کچھ لوگوں کی لیڈری کا سکہ ضرور چل سکتا ہے جس سے دین کا کچھ بھلا، ظاہر ہے، نہیں ہو سکتا۔

۴۔ تعلیم وتزکیے کے مذکورہ نظام کے بغیر نہ تو موجودہ مسلم حکمرانوں کے کردار میں کسی اسلامی تبدیلی کی توقع کی جا سکتی ہے اور نہ یہ امید کی جا سکتی ہے کہ آئندہ کوئی صحیح الخیال مسلم قیادت ابھر کر سامنے آ سکے گی۔

خلاصہ یہ کہ مسلم معاشرے میں مذکورہ بالا تعلیمی وتربیتی کیے بغیر کوئی تبدیلی لائی ہی نہیں جا سکتی یہ تو بالکل ایسے ہی ہے جیسے مضبوط بنیادوں کے بغیر ایک بلند وبالا عمارت کھڑی کرنے کوشش کی جائے۔ ظاہر ہے کہ اول تو ایسی عمارت کھڑی ہی نہ کی جا سکے گی اور اگر کر بھی لی جائے تو وہ اتنی ناپائدار ہوگی کہ ناموافق حالات کا ایک ہلکا سا جھٹکا برداشت نہیں کر سکے گی۔

یہی وجہ ہے کہ اس کام کا حق ادا کیے بغیر پچھلی نصف صدی مین اسلامی تحریکوں نے مسلم ممالک میں جہاں بھی سیاسی تبدیلی لانے کی کوشش کی انہیں ناکامی ہوئی۔ لہٰذا ہم سمجھتے ہیں کہ اسلامی حوالے سے سیاسی تبدیلی کے لیے بھی مذکورہ مفہوم میں تعلیم وتزکیہ کا کام ناگزیر ہے۔

تعلیم سے ہماری مراد صرف دینی تعلیم نہیں

یہاں کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ تعلیم سے ہماری مراد صرف دینی تعلیم ہے کیونکہ اسلام میں دین اور دنیا کی کوئی تفریق نہیں بلکہ دنیا کا ہر وہ کام جو اخروی اور دینی مقاصد کے لیے کیا جائے عین دینی کام ہے، نیکی کا کام ہے اور آدمی اس پر مستحق اجر ہے اس کی عمدہ ترین مثال وہ حدیث ہے جس کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ فرمایا کہ ایک آدمی اگر حلال طریقے سے جنسی حظ حاصل کرتا ہے تو وہ مستحق اجر ہے۔ صحابہ نے حیران ہو کر پوچھا وہ کیسے؟ (ان کے ذہن میں تھا کہ یہ تو خالص ذاتی اور دنیاوی کام ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (یہ سوچو) کہ اگر یہی کام وہ حرام طریقے سے کرتا تو کیا ہوتا؟ (۱) یعنی دنیا میں کتنے مفاسد کا سبب بنتا اور آخرت میں عذاب کا مستحق بھی ہوتا۔ لہٰذا اگر اس نے وہ کام اللہ کے بتائے ہوئے حلال طریقے سے اس طرح کیا ہے کہ وہ ان سارے مفاسد سے بچ گیا ہے تو وہ مستحق ثواب کیوں نہ ہوا؟۔ اسی طرح اگر کوئی شخص دنیاوی تعلیم وسیع تر شخصی، دینی اور ملی مقاصد کے لیے حاصل کرے تو وہ عین دینی کام ہے، کار ثواب ہے اور آدمی اس پر ان شاء اللہ مستحق اجر ہے۔

پھر اگر تعلیم کی غایت آپ کے سامنے ہو تو دینی اور دنیاوی تعلیم کے فرق کی حقیقت آپ کے ذہن میں مزید واضح ہو جائے گی۔ دینی تعلیم کی غایت یہ ہے کہ آدمی وہ علم حاصل کرے جس سے راہ ہدایت اس پر واضح ہو جائے اور وہ اللہ کے احکام کے مطابق زندگی بسر کر سکے۔ علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض عین ہیں۔ اس سے زائد دینی علوم میں مہارت حاصل کرنا یا دنیوی ضرورتوں کے لیے مختلف علوم وفنون میں مہارت حاصل کرنا تو یہ فرض کفایہ ہے۔ فرض کفایہ سے مراد یہ ہے کہ یہ ہر فرد پر فرض نہیں بلکہ

Marfat.com

پورے معاشرے پر فرض ہے لہذا معاشرے کے اتنے افراد گر یہ علم حاصل کرلیں جس سے معاشرے کی ضرورت پوری ہو جائے تو گویا معاشرے کے ہر فرد نے فرض ادا کر دیا اور اگر معاشرے کے اتنے ارکان یہ فرض ادا نہ کریں جس سے معاشرے کی حسب ضرورت سائنس اور ٹیکنالوجی اور میڈیکل وانجینئرنگ وغیرہ کی تعلیم حاصل کرنا بھی عین اسلامی ہے اور اسلامی نظام تعلیم حصہ ہے۔ بشرطیکہ ضروری اسلامی علوم اور اسلام نہ ہو بلکہ یہ تعلیم اسلامی نظام زندگی اور اسلامی تعلیم سے ہم آہنگ ہو۔

دراصل تعلیم میں ہم جس چیز کو غیر اسلامی کہہ سکتے ہیں وہ دنیاوی علوم نہیں بلکہ علوم کو اس طرح حاصل کرنا ہے کہ اس سے تعلیم کی اس بنیادی غایت کی نفی ہوتی ہو جس غایت کے لئے شریعت نے علم حاصل کرنا فرض قرار دیا ہے یعنی خداشناسی وخود شناسی کرنا وہ عناصر جو تعلیم کو غیر اسلامی بنا دیتے ہیں مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ اگر مواد تعلیم ایسا ہو جس میں وہ بنیادی مواد شامل نہ ہو جس کو سیکھنا اسلامی زندگی گزارنے کیلئے ہر مسلمان پر فرض ہے۔

۲۔ اگر مواد تعلیم ایسا ہو جس سے اسلامی عقائد واعمال پر ایمان متزلزل ہوتا ہو، ان کی حقانیت کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا ہوتے ہوں یا ان پر غیر اسلامی افکار وعمال کی برتری ثابت ہوتی ہو۔

۳۔ اگر طریق تربیت ایسا ہو کہ وہ اسلامی احکام پر عمل کی ترغیب نہ دے یا الٹا غیر اسلامی افکار واعمال سے مرعوبیت سکھائے یا ان پر عمل کی ترغیب دے۔

۴۔ اگر استاد ایسے ہوں جو طلبہ کے سامنے غیر اسلامی افکار واعمال کا نمونہ پیش کریں۔

۵۔ اگر دینی تعلیم قرآن وسنت کی بجائے معاون علوم پر ترکیز کرے یا فرقہ واریت اور مناظرہ بازی سکھائے، امت میں تفرقہ پیدا کرے اور احسن انداز میں معاشرے کی دینی ضروریات پوری نہ کرے تو بھی ناقص اور غلط ہے۔

اسلامی تعلیم کے اس معیار کے لحاظ سے جانچیں تو مسلم ممالک میں مروج جدید تعلیم کا بڑا حصہ غیر اسلامی ہے کیونکہ وہ مغربی افکار کی نقالی، ان سے مرعوبیت اور خوشہ چینی پر مبنی ہے۔ اس میں ضروری اسلامی علوم اور اسلامی تربیت شامل نہیں ہے، غیر دینی علوم کو اسلامی تناظر میں پیش نہیں کیا گیا، (یعنی نصاب غیر اسلامی ہے) تربیت اساتذہ کا منہج بھی اسلامی مقاصد کے لحاظ سے ناقص ہے۔۔وغیرہ وغیرہ۔

اس فصل کے مضامین کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلم نشاۃ ثانیہ کی بنیادی ضرورت یہ ہے کہ صحیح اسلامی نظام تعلیم وتربیت کے ذریعے مسلم معاشرے میں انسان سازی کا کام کیا جائے، تعمیر سیرت وکردار کا کام کیا جائے اور زندگی کے ہر شعبے کے لئے ایسے افراد تیار کیے جائیں جو دین سے محکم طور پر وابستہ ہوں، جو ہر معاملے میں اللہ کی اطاعت کریں، جو اس سے محبت کریں، جو صرف اسی سے ڈریں جو اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے ہر قربانی دینے پر آمادہ ہوں۔ ایسے افراد زندگی کے جس شعبے میں بھی جائیں گے خواہ وہ سائنس و ٹیکنالوجی کا شعبہ ہو یا معیشت وسیاست کا، وہاں اسلامی تبدیلی لے آئیں گے اور اس قابل ہوں گے کہ مسلمانوں کے زوال کو عروج میں اور ان کی ذلت ونکبت کو عزت وعظمت میں بدل دیں۔

Marfat.com

مسلم نشأۃ ثانیہ کا لائحہ عمل

یہودی دانشوروں نے پروٹوکولز مدون کرر کھے ہیں اور وہ برسوں پہلے سے ہر چیز کی منصوبہ بندی کرتے ہیں۔ عیسائی مغرب میں بھی بہت سے تھنک ٹینک بنے ہوئے ہیں جو وہاں کے معاشرے کو درپیش مسائل کی تنقیح کرتے اور ان کے مناسب حل پیش کرتے ہیں۔ بدقسمتی سے مسلمانوں کے ہاں اس قسم کی منظم سوچ اور مستقل ادارے کم ہیں جب کہ ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلم نشاۃ ثانیہ جیسے اہم موضوع پر منظم طریقے سے سوچا جائے اس کے لئے ہماری تجویز یہ ہے کہ ایک مرکز مطالعہ مسلم نشاۃ ثانیہ (Muslim Renaissance Study Center) کے نام سے بننا چاہیے جو امت مسلمہ کے خلاف مغرب (نصاریٰ اور یہود و ہندو) کی سازشوں اور ریشہ دانیوں کو سمجھتے اور اپنے نتائج فکر مسلم امت کے سامنے پیش کرتا رہے تاکہ ان سازشوں کا توڑ بھی ہوتا رہے اور مسلم عوام و خواص کی فکری تربیت بھی ہوتی رہے۔

ملت اسلامیہ کی نشاۃ ثانیہ کے لیے مختلف شعبہ ہائے زندگی سے متعلق ایک لائحہ عمل پیش کرتے ہیں تاکہ وہ امت کے فہیم عناصر کے لیے مزید سوچ کی ترغیب کی بنیاد بن سکے اور اس طرح امت کے سامنے ایسا لائحہ عمل آ سکے جو کسی عملی پیشرفت کی بنیاد بن سکے۔

مجوزہ لائحہ عمل

یہ لائحہ عمل مندرجہ ذیل بارہ نکات پر مبنی ہے:

۱۔ اتحاد امت	۲۔ سیاسی و تزویراتی امور	۳۔ دفاع	۴۔ تعلیم و تربیت
۵۔ معیشت	۶۔ قانون و انصاف	۷۔ دعوت و اصلاح	۸۔ میڈیا
۹۔ معاشرت	۱۰۔ صحت	۱۱۔ صنعت	۱۲۔ زراعت

ہر شعبہ حیات کے بارے میں لائحہ عمل کو ہم نے پرائیویٹ اور پبلک سیکٹر میں تقسیم کیا ہے۔ پرائیویٹ سیکٹر سے ہماری مراد یہ ہے کہ وہ مسلم جماعتیں اور ادارے جن کے پاس حکومتی اقتدار نہیں ہے وہ اس شعبے میں کیا کر سکتی ہیں اور پبلک سیکٹر سے ہماری مراد یہ ہے کہ اگر کسی مسلم ملک میں اقتدار ایسے لوگوں کے پاس ہو جو مسلم نشاۃ ثانیہ کے لئے کام کرنا چاہتی ہو تو وہ کیا کرے؟

۱۔ اتحاد امت

پرائیویٹ و پبلک سیکٹر

اتحاد امت مطلوب ہے کیونکہ یہ نہ صرف ایک شرعی تقاضا ہے بلکہ عروج امت اور مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کا بنیادی ذریعہ بھی اتحاد امت کے موجودہ ادارے چونکہ فعال طریقے سے کام نہیں کر رہے اس لیے اتحاد اور اتحاد کے فوائد حاصل کرنے کے لئے یہ کیا جا سکتا ہے کہ پہلے مرحلے میں اتحاد کے موجودہ پلیٹ فارموں کو استعمال کیا جائے اور انہیں فعال بنانے کی تگ و دو کی جائے۔

Marfat.com

موتمر عالم اسلامی

موتمر موزوں ترین پلیٹ فارم ہے جس کے ذریعے اتحاد کے کاز کو آگے بڑھایا سکتا ہے۔ موتمر کو فعال بنانے کے لئے اس سے دو سطحوں پر کام لیا جاسکتا ہے۔ ایک تو یہ کہ اس کے ذریعے مسلم عوام میں اتحاد امت کی تحریک چلائی جائے تاکہ گراس روٹ لیول پر اتحاد کے جذبات کو فروغ ملے جس کا اثر لازماً امت کے سوچنے سمجھنے والے اور مقتدر عناصر پر پڑے گا۔ دوسرے، مو تمر کے مؤثر ارکان کے ذریعے مسلم حکمرانوں تک پہنچنے کی کوشش کی جائے اور ان میں سے جو لوگ تعاون کریں، ان کے ذریعے اتحاد امت کے مقصد کا آگے بڑھایا جائے۔

رابطہ عالم اسلامی

رابطہ کے ذریعے دعوت و اصلاح اور تعلیم و تربیت کے کاموں کو موثر بنایا جاسکتا ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ تحریک کو انتظامی اور مالی لحاظ سے سعودی عرب کے اثر سے نکال کرامت کا ایک آزاد، متحرک، اور فعال پلیٹ فارم بنایا جائے اور اسے خفیہ ایجنسیوں کے اثرات سے پاک کیا جائے۔

اسلامی کانفرنس تنظیم

اسلامی کانفرنس تنظیم کو موثر اور فعال بنانے کے لئے مندرجہ زیل اقدامات کیے جائیں۔

۱۔ ان مسلمان ملکوں کو منظم کیا جائے جو اتحاد امت کے سنجیدہ حامی ہیں اور مسلم دشمن قوتوں کے ہتھکنڈوں کو سمجھتے ہیں اور ان کا ایک مضبوط گروپ بنایا جائے تاکہ انُ سے کام لیا جاسکے۔

۲۔ تنظیم کو سعودی عرب کے مالی و انتظامی شکنجے سے نکالا جائے۔

۳۔ اسے مغربی ممالک اور ان کی ایجنسیوں کے اثرات سے پاک کیا جائے۔

۴۔ تنظیم کو اقوام متحدہ کی سیکوریٹی کونسل کی مستقل نشست دلائی جائے۔

۵۔ اس کے ذریعے مسلم امہ کی نشاۃ ثانیہ کی مجوزہ سٹریٹیجی پر عمل درآمد کی کوشش کی جائے جیسے مشترکہ دفاع، مشترکہ کرنسی و تجارت، مشترکہ سائنسی و تحقیقاتی ادارے، مشترکہ نیوز ایجنسی اور ٹی وی چینل کا قیام وغیرہ۔

اگر مذکورہ تنظیموں کے ذریعے کام نہ چلایا جاسکے تو دوسرے مرحلے میں مسلم نشاۃ ثانیہ کے لئے اسلامی ممالک کے دینی حمیت رکھنے والے عناصر اور حکمرانوں کے ذریعے ایک نئی بین الملی تنظیم بنائی جائے جو مسلم ممالک کے درمیان موثر اتحاد قائم کرے اور اس کتاب میں پیش کئے گئے لائحہ عمل کے مطابق مسلم نشاۃ ثانیہ کے لئے جدوجہد کرے اور دفاع، سیاست، تجارت، تعلیم، صنعت، میڈیا وغیرہ سب شعبوں میں فعال اور موثر بین الملی اور مشترکہ ادارے قائم کرے۔

Marfat.com

۲۔ سیاسی وتزویراتی امور

مسلم ممالک کی داخلی سیاست

پرائیویٹ سیکٹر

۱۔مسلم ممالک کے حکمرانوں کو توجہ دلانا کہ وہ خدا کی خوشنودی اور مسلم عوام کی خواہش کے مطابق اپنے اپنے ملک میں نافذ کریں۔

۲۔مسلم ممالک میں ان سیاسی قوتوں اور دینی تحریکوں کی حوصلہ افزائی کرنا جو اپنے علاقے میں اسلام نافذ کرنا چاہتی ہیں۔

۳۔مسلم حکمرانوں اور مسلم ممالک کے سیاسی واسلامی عناصر کو اسلام ومسلم دشمن قوتوں کی سازشوں اور مغربی فکر وتہذیب کی بالادستی کی کوششوں اور ان کے نتائج وعواقب سے آگاہ کرنا۔انہیں اتحاد امت کی ضرورت کا احساس دلانا اور اس غرض کے لئے انہیں محترک کرنا۔

۴۔جن مسلم ممالک میں حکمران سیکولرسٹ،مغرب پرست،اشترا کی اور بے دین ہیں اور اسلامی عناصر کو کچلنے کی کوشش کرتے ہیں وہاں مقامی مسلم عوام کی بیداری اور اتحاد کی حوصلہ افزائی کرنا کہ وہ اپنی مرضی کے حکمران چن سکیں۔

پبلک سیکٹر

۱۔حکومت وسیاست کے اسلامی تصورات (مثلاً حاکمیت الٰہ،شوریٰ،عدل ومساوات،اطاعت امام وغیرہ) کو مخلص اور لائق مجتہدین ماہرین کی مدد سے جدید اداروں کی شکل دینا اور مغرب سے اگر الحکمۃ ضالۃ المومن کے اصول کے تحت اور انسانی تجربات کے طور پر امور مباحہ میں سے کچھ لینا ہی ہو تو اسے مکمل اسلامی قالب میں ڈھالنا۔ان اداروں کی منظوری مسلم عوام سے لینا اور ان کے تعاون سے ان پر عمل درآمد کرنا۔

۲۔حکومت وسیاست کے مغربی نظام اور مغربی فکر پر مبنی سیاسی اداروں کو رد کرنا جیسے قوم پرستی،وطنیت،جمہورت،انتخابات،پارلیمنٹ،سیاسی جماعتی وغیرہ (مقصد یہ نہیں کہ یہ ادارے حرام ہیں بلکہ یہ ہے کہ اس طرح کے اداروں کی تشکیل اسلامی اصولوں پر کی جائے نہ کہ مغربی اصولوں پر۔

۳۔اگر چہ مذکورہ بالا نمبر سطر (۱) اور (۲) پر جامع ہیں تاہم ضرورت محسوس ہوتی ہے۔کہ بطور وضاحت اسلام کے بعض اہم سیاسی اصولوں کا ذکر کر دیا جائے جن پر ہر مسلمان حاکم کو عمل کرنا چاہیے۔

الف۔یہ مسلم عوام کا حق ہے کہ جسے چاہیں حاکم بنائیں اور اسے جب چاہیں معزول کر دیں۔

ب۔اسلام کا مزاج شورائی ہے اور اس مین اقتدار طلبی اور جاہ پسندی کی کوئی گنجائش نہیں

ج۔سیاسی آزادی ہر مسلمان کا ناقابل تنسیخ حق ہے اور کسی حکمران کو کسی صورت بھی مسلم عوام پر جبر واستبداد کی اجازت نہیں۔

د۔ملازمین (فوجی کمانڈ وزاو وسول بیوروکریسی وغیرہ) کا کام سیاسی حکمران کی اطاعت کرنا ہے نہ کہ اس کے مدمقابل اگر زبردستی حکومت پر قبضہ کر لینا۔

Marfat.com

ہ۔قیام نظام صلوۃ وزکوۃ،عدل ومساوات اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور تبلیغ واشاعت دین ہر مسلم حکومت کا بنیادی فریضہ ہے
و۔اتحاد وغلبہ امت کے لئے کام کرنا بھی ہر مسلم حکمران کا دینی فرض ہے۔
ی۔مسلم عوام کی حمایت سے اقامت دین،عوامی مصالح اور مسلم نشاۃ ثانیہ کے لئے جدوجہد کرنا۔

۳۔ سیاست خارجہ

ا۔بنیادی اصول

الف۔قرآن کہتا ہے کہ کفار مسلمانوں کے دشمن ہیں اور انہیں دین سے برگشتہ کرنا چاہتے ہیں اور مسلمانوں سے جس ظاہری دشمنی کا ان سے اظہار ہوتا ہے ان کی باطنی نفرت اس سے بھی شدید تر ہے۔(ا)اور نبی کریم ﷺ سے یہ قول منسوب کیا جاتا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا، **الکفر ملة واحدة** (۲) یعنی سارے کفار(مسلمانوں کے مقابلے میں)ایک امت ہیں لہذا عالم کفر(امریکہ، یورپ، روس، چین، اسرائیل، بھارت وغیرہ)کے بارے میں کسی مسلمان کو یہ غلط فہمی کبھی لاحق نہیں ہونی چاہئے کہ یہ مسلمانوں کے دوست ہیں یا ہوسکتے ہیں بلکہ ان کی مسلم واسلام دشمنی ہر قسم کے شک وشبہ سے بالاتر ہے۔ان کے آپس میں کچھ اختلافات ہوسکتے ہیں لیکن اسلام اور عالم اسلام دشمنی کے معاملے میں یہ ہمیشہ یک جان ہوتے ہیں۔
ب۔نبی برحق حضرت محمد ﷺ کا یہ بھی فرمان ہے کہ '**الحرب خدعه**'(ا)یعنی جنگ میں دشمن کو شکست دینے کے لئے ہر طرح کی سٹریٹجی اختیار کی جاسکتی ہے اور لاریب اس وقت امہ حالت جنگ میں ہے اور یہ جنگ عالم کفر نے اس پر زبردستی تھوپی ہوئی ہے اور یہ امت کی بقاء کی جنگ ہے۔یہ جنگ فلسطین،افغانستان،کشمیر،چیچنیا،بوسنیا،عراق،برما،سوڈان،فلپائن۔۔۔غرض ہر جگہ لڑی جارہی ہے۔اس لئے مسلم امہ کو حق پہنچتا ہے کہ وہ جارح دشمن قوتوں کے خلاف ہر طرح کے اقدامات کرے تاکہ دشمن کمزور اور ناکام ہو اور مسلمان اس کے شر سے محفوظ رہیں۔
ج۔اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ غیر مسلموں کا مسلمانوں پر سب سے بڑا حق یہ ہے کہ وہ انہیں اسلام کی تبلیغ کریں اور اسلام سمجھائیں تاکہ اللہ ان کے دل اسلام کے لئے کھول دے۔لہذا مسلمانوں کا یہ فرض ہے کہ دعوت کا یہ فریضہ سرانجام دیں اور اس کے لئے پوری قوت صرف کیں۔اسی طرح اسلام چونکہ امن وسلامتی کا دین ہے لہذا مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ غیر مسلم افراد اور قوموں کے ساتھ امن وآشتی سے رہیں لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ جو اسلام دشمن قوتیں اسلام اور مسلمانوں کو ختم کرنے کے لئے جدوجہد کررہی ہیں، ہم انہیں صرف قرآن وحدیث کے وعظ سناتے رہیں، بلکہ ہمارا یہ بھی کام ہے کہ اپنی اور جسد ملت کی حفاظت کے لئے ان کا مقابلہ کریں اور اس کام سے کبھی پیچھے نہ ہٹیں جیسا کہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کا اسوہ ہے۔

۲۔ امریکہ

اگرچہ یہود، ہنود اور اشترا کی بھی اسلام ومسلم دشمنی میں کسی سے پیچھے نہیں اور ان کے ساتھ ایسا معاملہ ضروری ہے کہ وہ

Marfat.com

مسلمانوں کو نقصان نہ پہنچا سکیں تاہم یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ رأس الکافرین اور رأس الشیاطین کا درجہ اس وقت امریکہ کو حاصل ہے جو مغربی فکر و تہذیب کا نمائندہ اور اس وقت دنیا کی واحد سپر پاور بنا ہوا ہے اور اس کا رویہ خالصتاً فرعونیت اور شرک (انا ولا غیری) کا ہے لہذا اس کے خلاف ایسے اقدامات ضروری ہیں کہ وہ مستقبل میں مسلم ممالک کو مزید نقصان نہ پہنچا سکے۔اس کے لئے ہم درج ذیل اقدامات تجویز کرتے ہیں۔

الف۔کالے امریکیوں کو زیادہ سے زیادہ مسلمان کر کے منظم کیا جائے۔گوروں میں بھی اسلام کی تبلیغ زیادہ سے زیادہ کی جائے۔

ب۔مسلمان زیادہ سے زیادہ امریکہ ہجرت کریں۔وہاں الگ الگ رہنے کی بجائے مجمعات اور اپنی الگ بستیوں اور محلوں میں رہیں۔اپنے آپ کو ملکی سطح پر منظم کریں اور طاقت کے مراکز تک پہنچنے کے لئے کوشاں رہیں۔

ج۔امریکیوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی جائے کہ یہودی لابی امریکی مفادات کے خلاف کام کر رہی ہے۔

د۔یہ کوشش کی جائے کہ اگر مستقبل میں کوئی جنگ ہو تو وہ مسلم ممالک کی بجائے امریکہ و یورپ میں ہو اور اگر کہیں اور ہو تو بھی امریکہ کا افعال فریق ہو تاکہ اس جنگ کے نتیجے میں وہ کمزور ہو جائے۔بہتر ہوگا کہ یہ جنگ امریکہ اور یورپ یا امریکہ اور چین کے درمیان ہو کیونکہ امریکہ کے بعد یہی دونوں دنیا کی سپر پاور بننے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔اس جنگ کا نتیجہ یہ ہونا چاہئے کہ امریکہ سپر پاور نہ رہے اور نہ چین و یورپ سپر پاور بن سکیں اور مسلم امہ کو اس خلا میں سپر پاور بننے کا موقع مل جائے۔

ح۔امریکہ و یورپ اور امریکہ و چین میں اختلافات سے فائدہ اٹھایا جائے۔

ذ۔مسلم ممالک و افراد، امریکی (و یورپی) بنکوں سے اپنا سرمایہ فوراً واپس منگوالیں۔

ز۔ہر مسلم ہر مسلم حکومت کا پہلا ہدف یہ ہونا چاہئے کہ وہ امریکی دباؤ سے نکلنے اور آزاد پالیسیاں اپنائے۔امریکہ خدا نہیں ہے۔لیبیا اور ایران نے اس کی علی الاعلان مخالفت کی تو امریکہ نے ان کا کیا بگاڑ لیا؟لہذا ہر مسلم حکمران کو امریکہ کی سیادت سے انکار کر دینا چاہئے۔جس مسلم ملک میں حکمران امریکی ایجنٹ اور پٹھو ہوں، وہاں ان کے خلاف مسلم عوام میں نفرت پیدا کی جائے تاکہ ان کی بجائے ایسے حکمران برسر اقتدار آسکیں جو امریکہ کے غلام نہ ہوں اور اسلامی ذہن رکھتے ہوں۔اس غرض کے لئے ضروری ہے کہ جو مسلم ممالک امریکہ مخالف ہیں ان کو، دیگر اختلافات سے قطع نظر، صرف اسی ایک نقطے پر متحد کیا جائے کہ وہ دیگر مسلمان ممالک سے امریکی اثرات ختم کرنے کے لئے جدوجہد کریں۔

۳۔ چین

اس امر سے ہرگز غافل نہ ہوا جائے کہ چین ہم مسلمانوں کا دوست نہیں ہے۔آج اسکا رویہ، اپنی بعض مصلحتوں کی وجہ سے مسلمانوں سے کچھ نرم ہے لیکن چینی ترکستان میں مسلمانوں پر مظالم، وسط ایشیائی ریاستوں میں اسلامی قوتوں کا راستہ روکنے اور روس و امریکہ کی ان ساری کوششوں کا وہ آج بھی حامی ہے جو وہ مسلمانوں کو کچلنے کے لئے کر رہے ہیں اور مستقبل میں اس کا رویہ اسی طرح اسلام دشمنی ہوگا جیسے آج امریکہ اور روس ہے۔

Marfat.com

۴۔روس

کمیونزم کی شکست وریخت کے باوجود روس آج بھی دوسرے درجے کے عالمی طاقت ہے اور امریکہ وچین دونوں کی اشیر باد اسے حاصل ہے۔ چیچنیا اور تاتارستان میں مظالم، وسط ایشیائی ریاستوں میں اس کا اسلام دشمن کردار اور عالمی سطح پر یہود و ہنود و نصاریٰ کی حمایت اور اسلام دشمنی آج بھی اس کا شیوہ ہے لہذا اس کے خلاف مزاحمت اور اسے کمزور کرنا عالمی اسلامی غلبے کے لئے بہت ضروری ہے۔

۵۔یورپی یونین

بالکل یہی حال یورپی یونین کا ہے اور اس کے بارے میں ہمارا رویہ بھی ویسا ہی ہونا چاہئے جیسے امریکہ، روس اور چین کے خلاف۔

۶۔اسرائیل

اسرائیل کی ساری اچھل کود امریکہ ومغرب کے سہارے پر ہے۔ اس بارے میں بھی دوسری رائے نہیں ہوسکتی کہ یہود اور اسرائیل مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن ہیں۔ اسرائیل کا خاتمہ ہر مسلمان کی اولین آرزو بلکہ حسرت ہے اور اس کے لئے ہر قسم کے سیاسی اور فوجی اقدامات جائز ہیں خصوصاً اسرائیل کے ہمسایہ عرب ممالک کا اسلامی بنیادوں پر حقیقی اور مؤثر اتحاد اور فوجی لحاظ سے ان کی مضبوطی تاکہ وہ مل کر اس کا خاتمہ کرسکیں۔

۷۔بھارت

بھارت صرف کشمیریوں پر ہی مظالم نہیں ڈھارہا اور اندرون ملک مسلمان اقلیت (آبادی تقریباً ۲۰ کروڑ) ہی پر ظلم وستم نہیں کر رہا بلکہ وہ اہم اسلامی ملک پاکستان کا بھی جانی دشمن ہے اور اسے بہر قیمت ختم کرنا اور جھکانا چاہتا ہے۔ وہ اسلام دشمن قوتوں (امریکہ، روس، اسرائیل) کے ساتھ مل کر بنگلہ دیش، افغانستان اور وسط ایشائی ملکوں کے اسلامی مستقبل کے خلاف بھی سازشیں کر رہا ہے لہذا اسے توڑنے اور کمزور کرنے کے لئے بھی مسلمانوں کو مشترکہ کوششیں کرنا ہوں گی۔

۳۔ دفاع

پرائیویٹ سیکٹر

۱۔ نوجوانوں میں روح جہاد پیدا کرنا

۲۔ مسلمان حکومتوں کو دفاع کے معاملے میں مشترکہ کوششوں پر ابھارنا

۳۔ کسی مسلم ملک پر کفار کے حملے اور غلبے کی صورت میں عوام کو مزاحمت کے لئے تیار کرنا

Marfat.com

پبلک سیکٹر

۱۔ مسلمان ممالک کے درمیان مشترکہ دفاع کا معاہدہ کروانا جس میں کسی ایک مسلمان ملک پر حملہ سب پر حملہ تصور کیا جائے اور سب اس کے دفاع کے پابند ہوں۔

۲۔ مسلم ممالک کے مشترکہ سرمائے سے روایتی اور جدید اسلحہ سازی (تحقیق ومینوفیکچرنگ) خصوصاً ایٹمی صلاحیت، میزائل و لیزر ٹیکنالوجی، طیارہ سازی وغیرہ کے مشترکہ ادارے قائم کرنا۔

۳۔ مشترکہ بحری بیڑہ قائم کرنا جو میزائلوں، طیارہ بردار جہازوں اور ایٹمی اسلحہ سے لیس آبدوز پر مشتمل ہو۔

۴۔ جدید اسلحے سے لیس مسلم ممالک کی مشترکہ سریع الحرکت فوج قائم کرنا جس میں سب مسلم ممالک کے فوجی ہوں تاکہ وہ بوقت ضرورت کسی بھی مسلم ملک کی مدد کر سکے۔

۵۔ جن مسلم ممالک کے پاس ایٹمی صلاحیت ہے وہ اسے دوسرے مسلم ممالک کو منتقل کریں۔

۶۔ ہر مسلمان نوجوان کو لازمی فوجی تربیت دینا۔

۷۔ افواج کی تربیت اسلامی نقطۂ نظر سے کرنا تاکہ ہر سپاہی اور افسر پختہ ایمان کا حامل، عملی مسلمان اور جذبہ جہاد سے سرشار ہو۔

۸۔ مضبوط فوج (بری، بحری اور ہوائی) کی تیاری جو ہر قسم کے جدید اسلحہ سے لیس ہو۔ جو اپنوں کے لئے باعث قوت اور دشمنوں کے لئے باعث ہیبت ہو۔

۴۔ تعلیم وتربیت

پرائیویٹ سیکٹر

۱۔ مسلمان حکومتوں کو توجہ دلانا کہ وہ نظام تعلیم وتربیت کو اسلامی بنیادوں پر استوار کریں۔

۲۔ مسلم کمیونٹی کو متحرک کر کے اور اس کی مدد سے جہاں تک ہو سکے مسلم ممالک میں مروج نظام تعلیم کی اصلاح کرنا اور تعلیم و تربیت کے صحیح اسلامی تصور کے مطابق تعلیمی وتربیتی ادارے قائم کرنا۔

۳۔ نیچے پبلک سیکٹر میں تعلیم وتربیت کے حوالے سے ہم نے مسلم حکومتوں کے کرنے کے جو کام گنوائے ہیں ان میں اکثر ایسے ہیں جو پرائیویٹ سیکٹر بھی انجام دے سکتا ہے۔

پبلک سیکٹر

۱۔ جدید علوم کے نصابات کی اسلامی تصور علم کے مطابق تدوین وتشکیل نو کرنا اور ضروری دینی علوم کو جدید تعلیم کا لازمی حصہ بنانا۔

۲۔ جب دینی تعلیم ایک تخصص کے طور پر دی جائے اس میں عصری علوم وفنون کی تفہیم کا بھی انتظام کرنا۔

۳۔ طلبہ کی تربیت وتزکیہ کو تعلیم کا لازمی جز بنانا۔

۴۔ مغربی فکر وتہذیب کے رد وابطال کو ہر سطح کی تعلیم کے قالب وروح میں شامل کرنا۔

Marfat.com

۵۔ مسلم معاشرے میں سوفیصد خواندگی کے لئے ہرممکن وسیلہ استعمال کرنا (مثلاً جی ڈی پی کا ۵ سے ۱۰ فیصد تک اس غرض کے لئے مختص کرنا، مساجد کو مرکز بنانا، کمیونٹی کو اس غرض سے متحرک کرنا۔۔۔وغیرہ)

۶۔ پرائیویٹ سیکٹر میں تعلیمی اداروں کی حوصلہ افزائی اور ان میں رابطے، اشتراک اور تعاون کی صورتیں پیدا کرنا۔

۷۔ اعلیٰ تعلیم (خصوصاً سائنس وٹیکنالوجی) میں اور حل تحقیق کی ضمانت، حوصلہ افزائی اور اس کے لئے وافر وسائل مہیا کرنا۔

۸۔ اسلامی حدود میں رہتے ہوئے اور ماضی کے تجربات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے تعلیمی اداروں میں تربیت وتزکیہ کا فعال نظام قائم کرنا کیونکہ فرد ہی اجتماعیت کی بنیادی کڑی ہے اور اس کی اصلاح پر ہی سارے معاشرے کی اصلاح کا دارومدار ہے۔

۹۔ ہر شعبہ زندگی میں صحیح الفکر علما اور سکالر پیدا کرنے کے لئے ایسے تعلیمی اداروں کا فروغ جہاں رسوخ فی العلم، حریت فکر، تجربہ وتحقیق، تزکیہ وتربیت اور عصری تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے کا احساس غالب ہو۔

۱۰۔ جدید تعلیم کے اس نظام کا انہدام جو ملحد مغربی فکر پر مبنی ہے اور اسلامی اصولوں پر اس کی تشکیل نو خصوصاً انگریزی ودیگر مغربی زبانوں کی بالادستی کا خاتمہ

۱۱۔ مسلم ممالک کے مشترکہ سرمائے سے اتنے اعلیٰ پائے کے تعلیمی وتحقیقی اداروں کا قیام خصوصاً سائنس وٹیکنالوجی کے شعبے میں جوامت کی تیز رفتار ترقی کا سبب بنیں تا کہ ہمیں اپنے بچوں کو یورپ وامریکہ نہ بھجوانا پڑے اور اگر بھجوانا پڑے تو اس امر کا انتظام کہ جو بچے وہاں جائیں، وہ وہاں کے معاشرے کو متاثر کریں نہ کہ خود وہاں سے متاثر ہو کر واپس آئیں۔

۱۲۔ تعلیم وتربیت کے شعبے میں مغرب اور اس کے ایجنٹوں اور اداروں کی مداخلت کا خاتمہ

۱۳۔ مندرجہ بالا اصولوں پر نصابات کی تدوین نو اور اساتذہ وطلبہ کے نظام تربیت وتزکیہ کی تشکیل جدید

۱۴۔ اسلامی تناظر میں اساتذہ کی تربیت کا اہتمام کرنا تا کہ فن تعلیم کے علاوہ وہ یہ بھی سیکھ سکیں کہ خود اچھا مسلمان کیسے بننا ہے اور بچوں کو اچھا مسلمان کیسے بنانا ہے؟

۱۵۔ مخلوط تعلیم کا خاتمہ اور بچیوں کے لئے ہر سطح پر الگ تعلیم کا انتظام کرنا، ان کے لئے خصوصی نصاب کی تیاری اور خصوصی تعلیمی ماحول قائم کرنا۔

۱۶۔ تعلیم کے معیار کو بلند کرنا تا کہ مسلم معاشرے کو ذہین اور لائق افراد کار میسر آسکیں۔

۵۔ معیشت

پرائیویٹ سیکٹر

۱۔ مسلم حکمرانوں کو توجہ دلانا کہ وہ اپنی معیشت کو اسلامی بنیادوں پر استوار کریں۔

۲۔ ایسے علمی، تحقیقی اور تعلیمی ادارے قائم کرنا جہاں اعلیٰ پیمانے پر اسلامی معیشت کی تدریس وتحقیق کا انتظام ہو اور دنیا پر یہ ثابت کیا جائے کہ اسلامی معاشی اصول آج بھی قابل عمل ہیں اور دنیا کا ہر مسئلہ حل کر سکتے ہیں۔

Marfat.com

۳۔ ملکی قوانین کے تحت جو معاشی ادارے قائم کیے جاسکتے ہوں وہ قائم کرنا مثلاً بلاسود بینک، تجارتی کمپنیاں، زکوٰۃ کی جمع و تقسیم کا انتظام ---وغیرہ

پبلک سیکٹر

۱۔ خود انحصاری کی پالیسی اپنانا اور یہود و نصاریٰ کے مالیاتی اداروں اور سودی قرضوں کے چنگل سے نکلنا۔

۲۔ تمام مسلم ممالک کے ایک مشترکہ معاشی اور مالیاتی پالیسی بنانا خصوصاً دنیا کے جن حصوں میں وہ مجمعات (گروپوں) کی صورت میں ہیں، وہاں وہ لازماً مشترکہ منڈیاں بنائیں، کرنسی بھی ایک کردیں---وغیرہ وغیرہ جیسے افریقی ممالک، عرب ممالک، مشرق بعید کے ممالک، وسط ایشیائی ممالک وغیرہ۔

۳۔ مسلم ممالک کی ایک مشترکہ مضبوط کرنسی تاکہ کسی مسلم ملک کو ڈالر، یورو وغیرہ سے اپنی کرنسی ملحق نہ کرنی پڑے۔

۴۔ مسلم ممالک کے ایک مشترکہ مستحکم بینک کا قیام جس میں مسلم افراد اداروں حکومتوں کا سرمایہ محفوظ رہے اور انہیں اس کے لئے امریکی و یورپی بینکوں سے رجوع نہ کرنا پڑے۔

۵۔ مختلف مسلم ممالک کے صنعتکار مل کر ایسی ملٹی نیشنل کمپنیاں بنائیں جو ساری اسلامی دنیا میں کام کریں اور غیر مسلم ملٹی نیشنل کمپنیوں کی جگہ لیں۔

۶۔ مسلم ممالک کو درکار افرادی قوت کے لئے باہم تعاون کرنا تاکہ مسلمان ماہرین ماہرین کو مغربی ممالک میں جا کر کام نہ کرنا پڑے اور وہ غیروں کی بجائے مسلم ملت کے کام آئیں نیز مسلمان ممالک کو غیر مسلم ماہرین کی محتاجی نہ رہے۔

۷۔ نظام معیشت کو اسلامی بنیادوں پر استوار کرنا خصوصاً نظام زکوٰۃ و عشر کا فوری نفاذ اور سود کا فوری خاتمہ

۸۔ ملک میں تقسیم دولت کے نظام کو منصفانہ بنانا، اس طرح کہ دولت مندوں کے وسائل کا بہاؤ ناداروں کی طرف ہو جائے۔

۹۔ ہر سطح پر سادگی کو رواج دینا اور اسراف سے بچنا خصوصاً حکمرانوں کا ایک عام آدمی جیسی زندگی بسر کرنا۔

۱۰۔ غیر مسلم ممالک سے درآمدات پر پابندی لگانا۔

۱۱۔ غیر مسلم ممالک کو خام مال کی برآمد بند کر دینا اور اسے خود استعمال کرنے کی صلاحیت پیدا کرنا یا ضرورت مند مسلم ممالک کو بیچنا۔

۱۲۔ ہر قیمت پر اپنی معیشت کو خود کفیل بنانا خصوصاً زراعت و صنعت کو۔

۱۳۔ غیر مسلم ممالک اور اداروں خصوصاً ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف سے قرض لینے کا سلسلہ فوراً بند کر دینا۔

۱۴۔ آئی ایم ایف، ورلڈ بینک اور ایسے ہی دوسرے اداروں سے معذرت کرنا کہ ہم فوری طور پر سود ادا کر سکتے ہیں اور نہ اصل زر جب تک کہ ہمارے عوام کی معاشی حالت نہ سنبھل جائے۔ اس طرح حاصل ہونے والی رقوم عوام کی بہبود اور ضروریات زندگی بآسانی اور کم قیمت پر فراہم کرنے پر صرف کرنا تاکہ مسلم عوام کی مہنگائی سے جان چھوٹے اور انہیں نان جویں کی محتاجی سے

Marfat.com

نجات ملے۔

۱۵۔ امریکی ویورپی بینکوں سے اپنا سرمایہ فوراً نکال لینا اور مسلم امہ کے مجوزہ مشترکہ بینک میں جمع کروانا۔

۱۶۔ ملکی معیشت خصوصاً بینکوں کا نظام فوراً غیر سودی بنیادوں پر چلانے کا انتظام کرنا۔ یہ بہت مشکل نہیں ہے اس میں سب سے بڑی رکاوٹ وہ نام نہاد ماہرین معیشت ہیں جو آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک جیسے یہودی مالیاتی اداروں کے پروردہ ہیں اور جو ہر مسلم ملک کی وزارت مالیات میں براجمان ہیں۔ ان ماہرین سے جان چھڑالی جائے اور ان کی جگہ ایسے ماہرین کا تقرر کیا جائے تو اسلامی اور قومی مفاد کو ہر دوسری چیز سے مقدم سمجھیں۔

۶۔ قانون وانصاف

۱۔ مسلم حکمرانوں کو توجہ دلانا کہ وہ اپنا نظام قانون وانصاف اسلامی تعلیمات پر استوار کریں، شریعت کو سپریم لاء بنائیں اور مغربی آئین وقوانین اور عدالتی نظام کو رد کر دیں۔

۲۔ ایسے تعلیمی ادارے قائم کرنا جہاں اسلامی اور جدید قوانین دونوں کا بھرپور مطالعہ ہو تا کہ ہماری مجالس قانون ساز، وزارت قانون، بنچ اور بار کو ایسے سیاسی لیڈر، بیوروکریٹ، جج، وکیل اور مفتی میسر آسکیں جو جدید قانون کے ساتھ اسلامی قانون کے ماہر ہوں۔

پبلک سیکٹر

۱۔ مسلم ممالک کی مشترکہ مجلس فقہ واجتہاد بنانا۔

۲۔ مسلم مالک کی مشترکہ پارلیمانی یونین اور مشترکہ چیف جسٹس کمیٹی بنانا تا کہ ایک دوسرے کے تجربات سے فائدہ اٹھایا جا سکے۔

۳۔ مسلم ممالک کی مشترکہ عدالت بنانا جس سے باہمی تنازعات کے فیصلے کے لئے رجوع کیا جاسکے۔

۴۔ ہر مسلم ملک کے آئین میں بصراحت اس چیز کا ذکر کرنا چاہئے کہ:

الف۔ حاکمیت صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ انسان اس کے بندے ہیں جنہیں فقط بندگی ہی زیبا ہے۔

ب۔ اسلامی مملکت کا سرکاری مذہب ہوگا۔

ج۔ قرآن وسنت سپریم لاء ہیں اور ان کے خلاف ہر قانون ناقابل عمل اور قابل تنسیخ ہے۔

د۔ شریعت کی روشنی میں مملکت کے کلی اختیار کے مالک مسلمان عوام ہیں اور انہیں حکمرانوں کے عزل واختیار کا لامحدود حق حاصل ہے۔

۵۔ قانون سازی کے عمل کو اسلامی بنانا تا کہ پارلیمنٹ کوئی قانون خلاف اسلام نہ بنا سکے نیز موجود غیر اسلامی قوانین کو فوری طور پر اسلام کے مطابق ڈھالنا۔

Marfat.com

۶۔ عدالتوں کو صرف قانون شریعت کے مطابق فیصلے کرنے کی اجازت دینا۔
۷۔ ہر مسلمان کو یہ حق ہونا کہ وہ کسی بھی قانون کو خلاف شریعت ہونے کی بنا پر عدالت عظمٰی میں چیلنج کر سکے جسے یہ آئینی اختیار ہو کہ وہ کسی بھی قانون کو خلاف شریعت قرار دے کر ختم کر سکے۔
۸۔ قانون کی تعلیم کو اسلام کے مطابق بنانا یعنی اسلامی قانون اور عربی زبان کی تدریس کا اہتمام کرنا اور غیر اسلامی قوانین کا محض تعارفی مطالعہ کروانا، بطور تقابلی مطالعے کے۔
۹۔ جج اور بار کے مغربی نظام کا خاتمہ، ججوں کی اسلامی معیار کے مطابق تقرری، مفتیوں اور مشیروں سے استفادہ۔
۱۰۔ ہر سطح کے عدالتی نظام کو سادہ، باوقار، فعال اور موثر بنانا تا کہ عوام کو سستا اور فوری انصاف میسر آ سکے۔
۱۱۔ حکمرانوں کا عدالتوں میں قابل مواخذہ ہونا اور قانون کی نظر میں ایک عام مسلمان کے برابر ہونا۔

۷۔ دعوت واصلاح

پرائیویٹ سیکٹر

۱۔ مسلم معاشرہ کے اندر دعوت وتزکیہ کا کام کرنا اور پہلے سے ہونے والے کاموں کو منظّم ومربوط کرنا۔
۲۔ دعوت کے لئے جدید ذرائع ابلاغ کا استعمال جیسے آڈیو، وڈیو، سی ڈی، انٹرنیٹ وغیرہ۔
۳۔ تعلیم وتربیت کے موجودہ اداروں کی اصلاح کر کے انہیں موثر اور فعال بنانا اور نئے ادارے قائم کرنا۔
۴۔ غیر مسلموں میں اشاعت وتبلیغ اسلام کے کام کو منظّم کرنا۔ جو تنظیمیں اور ادارے اس شعبے میں پہلے سے کام کر رہے ہیں ان کو باہم مربوط ومتحد کرنا اور مسلم حکمرانوں کو توجہ دلانا کہ وہ اس غرض کے لئے زیادہ سے زیادہ فنڈ زمہیا کریں۔
۵۔ نومسلموں کی بحالی اور تعلیم وتربیت کے لئے ادارے قائم کرنا، ان کے لئے موزوں لٹریچر مہیا کرنا، ان کے روزگار کا انتظام کرنا وغیرہ۔
۶۔ غیر مسلم ممالک میں مسلم اقلیتوں کو منظّم ہونے اور اسلامی احکام پر عمل درآمد کے لئے ادارے قائم کرنے میں ان کی مدد کرنا۔

پبلک سیکٹر

۱۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے کام کو سرکاری سطح پر منظّم کرنا۔
۲۔ مسلم عوام (چھوٹوں، بڑوں، عورتوں مردوں سب) کی ایسی فکری، دینی اور قلبی تربیت کرنا کہ شریعت پر عمل اور دین کی اطاعت ان کی خواہش ورغبت بن جائے۔ اس غرض سے تعلیم وتربیت کے موجودہ اداروں کو فعال بنانا اور نئے ادارے قائم کرنا۔
۳۔ ملک بھر میں ہر سطح کی اسلامی تربیت گاہوں کا جال پھیلانا اور تربیت کے موجودہ اداروں کی اسلامی تناظر میں تشکیل نو کرنا۔
۴۔ مسلم معاشرے میں اسلامی تعلیمات کو موثر اور مدلل انداز میں پیش کرنا تا کہ ایک یکسو مسلم شخصیت پروان چڑھ سکے۔

Marfat.com

۵۔ غیر مسلموں میں تبلیغ اسلام کے کاموں کو منظم کرنے کے لئے خاطر خواہ فنڈز مہیا کرنا اور اس کے لئے ضروری اقدامات کرنا جیسے دعاۃ کی تیاری، لٹریچر کی اشاعت، اسکولوں اور ہسپتالوں کا قیام وغیرہ۔

میڈیا

پرائیویٹ سیکٹر

۱۔ مسلمان حکومتوں کو توجہ دلانا کہ وہ اپنی میڈیا پالیسی اسلامی اصولوں کے مطابق تشکیل دیں، اپنی تہذیب وتمدن کو ابھاریں اور اس میدان میں مغرب کی نقالی ترک کردیں؛ مشترکہ نیوز ایجنسی اور ٹی وی چینل قائم کریں۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف یہود وہنود ونصاریٰ اور اشتراکیوں کے جھوٹے پروپیگنڈے کا ابطال کریں؛ مل کر عمدہ پروگرام تیار کریں اور پروگراموں کا باہم تبادلہ کریں؛ الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا دونوں کی اصلاح کریں مغرب میں میڈیا کے اسلام اور مسلم دشمنی ایجنڈے کو غیر موثر بنانے کے لئے اقدامات کریں۔

۲۔ اسلامی اور تعمیری فلمیں، ڈرامے اور دیگر تفریحی پروگرام تیار کرنا۔

۳۔ ماس کمیونیکیشن کے تعلیمی ادارے قائم کرنا جہاں سے ایسے ہنرمند افراد تیار ہوسکیں جو پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا میں اسلامی نقطہ نظر سے کام کرسکیں۔

۴۔ آڈیو، وڈیو، سی ڈی، انٹرنیٹ، ریڈیو، ٹی وی وغیرہ جیسے ذرائع ابلاغ سے دعوت واصلاح کا کام لینا۔

پبلک سیکٹر

۱۔ اپنی میڈیا پالیسی کو اسلامی اصولوں پر تشکیل دینا اور اسلامی ومقامی تہذیب وتمدن کو فروغ دینا۔

۲۔ سطور بالا میں پرائیویٹ سیکٹر کے حوالے سے کرنے کے جو کام گنوائے گئے ہیں ان پر عمل درآمد کرنا۔

۳۔ ذرائع ابلاغ سے ان افراد کو نکال باہر کرنا جو اسلامی نظریہ حیات کے مخالف ہوں۔

۴۔ مغرب کی میڈیا پالیسی کو رد کرنا اور سنسر کیے بغیر ان پروگراموں کو مسلم عوام تک نہ پہنچنے دینا۔

۵۔ اسلام ومسلم دشمن قوتوں کے پروپیگنڈے کا توڑ کرنا اور ان کی فلمیں، ڈراموں اور گانوں کی درآمد پر پابندی لگانا۔

۶۔ ایسی فلمیں، ڈرامے اور دیگر پروگرام تیار کرنا جو ذہنوں میں اسلامی اصولوں کو راسخ کریں اور تعمیر سیرت کا کام کریں۔

۷۔ ریڈیو، ٹی وی اور انٹرنیٹ سے اشاعت دین اور اشاعت تعلیم کا کام لینا۔

۸۔ میڈیا کے سارے پروگراموں سے غیر اسلامی عناصر خصوصاً ناچ گانے، فحاشی اور عورت کا استحصال کا خاتمہ۔

معاشرت

پرائیویٹ سیکٹر

۱۔ مسلم حکومتوں کو توجہ دلانا کہ وہ مسلم معاشرے میں مغربی تہذیب وثقافت کو پھیلنے سے روکیں اور معاشرت کو اسلامی اصولوں

Marfat.com

پر قائم رکھنے کے لئے جدوجہد کریں۔
۲۔ دعوت واصلاح اور تعلیم وتربیت کے اداروں کے ذریعے عوام کو اسلام کے معاشرتی اصولوں سے آگاہ کرنا اور انہیں ان پر عمل کی ترغیب دلانا۔

پبلک سیکٹر

۱۔ معاشرت میں اسلامی اصول واقدار اور رسوم ورواج کو فروغ دینے کے اقدامات کرنا۔
۲۔ معاشرت کے غیر اسلامی رجحانات خصوصاً مغربی تہذیب کی اندھادندھ پیروی کے رجحان کا خاتمہ کرنا اور اس سلسلے میں خود حکمرانوں کو اپنے آپ کو بطور ماڈل پیش کرنا۔
۳۔ ستر وحجاب کی اسلامی تعلیمات پر عمل کرانا، خاندانی نظام کو مضبوط کرنا، مخلوط تعلیم وتعمیری پروگرام اور لٹریچر پیش کرنا۔
۴۔ تعلیم میں اسلام کے معاشرتی اصولوں پر زور دینا۔
۵۔ غیر مسلم ممالک سے فلموں، ڈراموں اور دوسرے مخرب اخلاق پروگراموں اور خاندانی منصوبہ بندی کے پروگراموں کو رد کرنا وغیرہ۔
۶۔ مغرب اور دیگر غیر مسلم ممالک اقوام متحدہ کی آڑ میں تحدید آبادی اور عورتوں کے حقوق کے نام پر معاشرت کے جو غیر اسلامی اصول وقوانین منظور کررہے ہیں ان کی مزاحمت کرنا اور عالمی سطح پر معاشرت کے اسلامی نقطہ نظر کو منوانا اور عالمی قانون کا حصہ بنوانا۔

صحت

پرائیویٹ سیکٹر

۱۔ مسلم حکومتوں کو یہودی مغربی ملٹی نیشنل دواساز کمپنیوں کے چنگل سے نکلنے کا احساس دلانا۔
۲۔ مسلمان صنعتکاروں کو توجہ دلانا کہ وہ ایسی دواساز ملٹی نیشنل کمپنیاں بنائیں جو طب نبوی ﷺ اور مقامی طریق علاج پر مبنی ہو۔
۳۔ مسلم حکومتوں کو متوجہ کرنا کہ وہ مشترکہ سرمائے سے میڈیکل کی تعلیم وتحقیق کے لئے اعلیٰ پائے کی یونیورسٹیاں بنائیں تاکہ اس شعبے میں مغرب پر انحصار ختم ہوسکے۔

پبلک سیکٹر

۱۔ پرائیویٹ سیکٹر میں گنوائے گئے اقدامات کے علاوہ ایلوپیتھک طریقہ علاج اور دواساز یہودی مغربی ملٹی نیشنل کمپنیوں کے سحر سے نکلنے کے اقدامات کرنا۔
۲۔ طب نبوی ﷺ اور مقامی طریق ہائے علاج کو سرکاری سرپرستی میں فروغ دینا، ان کے کالج اور ہسپتال قائم کرنا،، فارغ التحصیل اطباء کو ہسپتال میں تعینات کرنا اور ادویات مہیا کرنا۔

Marfat.com

۳۔ ہر شہری کو بلا معاوضہ علاج معالجے کی سہولت بہم پہنچانا، خصوصاً دیہات میں۔
۴۔ خواتین کے علاج کے لئے خواتین ڈاکٹروں اور نرسوں کی فراہمی اور خواتین کے الگ ہسپتال بنانا۔
۵۔ ڈاکٹروں، نرسوں اور دواؤں کی فراہمی میں مسلم ممالک کا ایک دوسرے سے تعاون کرنا تاکہ غیر مسلم ممالک پر انحصار ختم ہو سکے۔

صنعت وتجارت

پرائیویٹ سیکٹر

۱۔ مسلم حکمرانوں کو توجہ دلانا وہ صنعت وتجارت میں مغرب کی غلامی سے نکلیں، مسلم ملت کے مفادات کو ترجیح دیں اور خود انحصاری اپنائیں۔
۲۔ مسلم صنعتکاروں کو ترغیب دلانا کہ اگر حکومتیں مندرجہ ذیل لائحہ عمل پر عمل درآمد نہ بھی کریں تو وہ خود اپنے طور پر، جہاں تک ہو سکے، اسلام اور مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کے لئے ان پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔

پبلک سیکٹر

۱۔ مسلم ممالک کے چیمبرز آف کامرس کے صدور کی ایک مشترکہ کمیٹی بنانا جو خام مال اور موزوں افرادی قوت کی فراہمی جائزہ لے کر مسلم ممالک کے مشترکہ صنعتی یونٹ خصوصاً دفاع، ہیوی مشینری، الیکٹرانکس وغیرہ کے شعبوں میں لگانے کی منصوبہ بندی۔
۲۔ مسلم ممالک کے صنعتکاروں اور سرمایہ داروں پر مشتمل ایک مشترکہ کمیٹی کا قیام جو مسلم ممالک میں ترقیاتی کام کرنے کی منصوبہ بندی کریں اور اس غرض کے لئے ملٹی نیشنل کمپنیاں بنائیں جو غیر مسلم ملٹی نیشنل کمپنیوں کی جگہ لیں۔
۳۔ ہر مسلم ملک میں صنعتی ڈھانچہ کھڑا کرنا۔
۴۔ خود انحصاری کے اصول پر صنعتوں کو فروغ دینا تاکہ غیر ممالک سے کوئی چیز درآمد نہ کرنی پڑی۔
۵۔ دیہی علاقوں میں گھریلو اور چھوٹی صنعتوں کو فروغ دینا تاکہ بیروزگاری کم ہو اور بڑے شہروں کی طرف نقل مکانی میں کمی آئے۔
۶۔ تجارت، خام مال اور ماہرین کی برآمد ودرآمد میں مسلم ممالک کو دوسروں پر ترجیح دینا۔
۷۔ مسلم ممالک کی تجارت کا غالب حصہ خود مسلم ممالک کے درمیان ہونا چاہئے۔
۸۔ مشترکہ منڈیاں، مشترکہ بنک اور مشترکہ کرنسی کے ذریعے مسلم ممالک کے درمیان تجارت کو سہل اور منافع بخش بنانا۔
۹۔ تجارت کو اسلامی اصولوں پر منظم کرنا اور بلاسود معیشت کو فروغ دینا۔

Marfat.com

زراعت

پرائیویٹ سیکٹر

۱۔ مسلم ممالک کو توجہ دلانا کہ وہ خوراک کی فراہمی میں خود انحصاری اور خود کفالتی کو یقینی بنائیں۔

۲۔ کسی مسلم ملک میں خوراک کی کمی ہو تو دوسرے مسلم ممالک مل کر اس کی کمی کو پورا کریں۔

پبلک سیکٹر

۱۔ زراعت میں خود کفالتی اور خود انحصاری کے لئے اقدامات کرنا مثلاً زیادہ سے زیادہ رقبہ زیر کاشت لانا، کسانوں کو غیر سودی قرضے فراہم کرنا، اجناس کی قیمتوں کو کنٹرول کرنا وغیرہ۔

۲۔ زرعی تحقیق کے ادارے قائم کرنا تاکہ پانی، عمدہ کھادوں، بیجوں اور دواؤں کی فراہمی یقینی بنائی جا سکے۔ پیداوار کو بڑھایا جا سکے اور نئی فصلوں کے تجربات کیے جا سکیں۔

۳۔ زرعی تعلیم کی یونیورسٹیاں قائم کرنا تاکہ زرعی سائنسدان اور ٹیکنیشن فراہم ہو سکیں۔

۴۔ مسلم ممالک کے زرعی ماہرین پر مشتمل ایک کمیشن قائم کرنا جو مسلم ممالک کے زراعت و خوراک کے مسائل کو حل کرنے کی کوشش کرے۔

مسلم نشاۃ ثانیہ۔ موانع اور ان کا حل

مسلم نشاۃ ثانیہ کے لائحہ عمل سے متعلق ہم نے پہلے مسلم نشاۃ ثانیہ کی اساس کو واضح کیا، پھر اس کی حکمت عملی پر بات کی اور تیسری فصل میں مختلف شعبہ ہائے حیات سے متعلق مجوزہ لائحہ عمل پر روشنی ڈالی اور اب اس آخری فصل میں یہ بات زیر بحث آئے گی کہ اس لائحہ عمل پر عمل درآمد میں کون سی رکاوٹیں حائل ہیں اور ان رکاوٹوں کو دور کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ اور اس کے ساتھ ہی مسلم نشاۃ ثانیہ کے حوالے سے ہماری گفتگو مکمل ہو جائے گی۔

جہاں تک مسلم نشاۃ ثانیہ کی مجوزہ تجاویز پر عمل درآمد میں موانع کا تعلق ہے تو یہ موانع بنیادی طور پر تین ہیں۔

۱۔ داخلی مانع ۲۔ خارجی مانع ۳۔ عملی مانع

داخلی مانع اور اس کا حل

یہ اصولی اور بنیادی مانع ہے اور باقی دونوں موانع بھی اس کی توسیع اور فروع ہیں۔ داخلی مانع سے ہماری مراد ہے مسلمانوں کی اپنے نظریہ حیات سے بے وفائی، اس کے تقاضوں پر عمل نہ کرنا اور اس کے لئے قربانی نہ دینا۔ اس نکتے کی تشریح کئی طرح سے کی جا سکتی ہے، اس کے لئے بے شمار اسلوب اپنائے جا سکتے ہیں اور کئی طرح کی اصطلاحات استعمال کی جا سکتی ہیں مثلاً کہا جا سکتا ہے کہ

۱۔ مسلمان نفاق میں مبتلا ہیں اور ان کے قول و فعل میں تضاد ہے۔ ۲۔ وہ آخرت کو دنیا پر ترجیح نہیں دیتے۔

Marfat.com

۳۔ وہ دنیا کی محبت میں مبتلا ہیں۔
۴۔ وہ توحید کے صحیح تصور پر عمل نہیں کرتے۔
۵۔ وہ حب رسول اللہ ﷺ کے تقاضے پورے نہیں کرتے۔
۶۔ ان کا تقدیر کا تصور غلط ہے۔
۷۔ ان کا ایمان کمزور ہو گیا ہے۔
۸۔ وہ قرآن کا حق ادا نہیں کرتے۔
۹۔ وہ نماز نہیں پڑھتے اور دوسری عبادات بجا نہیں لاتے۔
۱۰۔ انہوں نے ذکر اللہ سے منہ موڑا ہوا ہے۔
۱۱۔ انہوں نے دعوت و تبلیغ کا کام چھوڑ رکھا ہے۔
۱۲۔ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہیں کرتے۔
۱۳۔ وہ جہاد نہیں کرتے۔
۱۴۔ وہ بدعات میں مبتلا ہو گئے ہیں۔
۱۵۔ ان کا تصور دنیا مسخ ہو گیا ہے۔
۱۶۔ وہ سائنس و ٹیکنالوجی میں پیچھے رہ گئے ہیں۔
۱۷۔ وہ کاہل اور کام چور ہیں، محنت نہیں کرتے۔
۱۸۔ ہر معاملے میں بددیانت ہیں۔
۱۹۔ پلاننگ اور منصوبہ بندی چھوڑ بیٹھے ہیں۔
۲۰۔ غیروں کی تقلید کرتے ہیں۔
۲۱۔ عورتوں کو تعلیم نہیں دلاتے۔
۲۲۔ عورتوں کے حقوق ادا نہیں کرتے۔
۲۳۔ غریبوں، مسکینوں، یتیموں، بیواؤں سے حسن سلوک نہیں کرتے۔
۲۴۔ وہ مالی طور پر پسے ہوئے ہیں۔
۲۵۔ ان کے پاس جدید اور ترقی یافتہ ہتھیار نہیں ہیں۔
۲۶۔ وہ میڈیا اور پروپیگنڈے میں دوسروں سے پیچھے ہیں۔
۲۷۔ ان میں باہم اتحاد اور اخوت نہیں ہے۔
۲۸۔ وہ حکمرانوں کی اطاعت نہیں کرتے۔
۲۹۔ مسلمان حکمران عوامی رائے عامہ کا احترام نہیں کرتے۔
۳۰۔ صنعت و تجارت میں پیچھے ہیں۔
۳۱۔ زراعت کو اہمیت نہیں دیتے۔
۳۲۔ علم و تحقیق میں گئے گزرے ہیں۔
۳۳۔ ان کے ہاں شرح خواندگی بہت کم ہے، تعلیم نہیں ہے۔
۳۴۔ تعلیم ہے تو اسکا معیار کوئی نہیں۔
۳۵۔ غریب اور امیر میں فرق بہت زیادہ ہے۔
۳۶۔ جاگیرداری اور سرمایہ داری ہے۔
۳۷۔ ان کے پاس جدید اور ترقی یافتہ اسلحہ نہیں
۳۸۔ ان کو احساس زیاں نہیں۔
۳۹۔ وہ خودی اور خودشناسی کے بحران میں مبتلا ہیں۔
۴۰۔ تزکیہ نفس سے غافل ہیں۔
۴۱۔ کردار کے کھوکھلے ہیں۔
۴۲۔ بے حمیت ہیں۔
۴۳۔ حسن اخلاق سے عاری ہیں۔
۴۴۔ ان کے ہاں عدل و انصاف نہیں۔
۴۵۔ یہ سیاست کو نہیں سمجھتے۔
۴۶۔ رزق حلال سے محروم ہیں۔
۴۷۔ ان کے ہاں زنا عام ہے۔
۴۸۔ منشیات فروشی یہ کرتے ہیں۔
۴۹۔ دغلے اور دو چہرے والے ہیں۔

Marfat.com

۵۰۔ اخلاص سے محروم ہیں۔
۵۱۔ ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچتے ہیں۔
۵۲۔ یہ دین کو نہیں سمجھتے۔
۵۳۔ انہوں نے اپنے اپنے مسلک کو دین بنالیا ہے۔
۵۴۔ یہ تقلید کے خوگر ہیں۔
۵۵۔ اجتہاد چھوڑ رکھا ہے۔
۵۶۔ مسلم حکمران صدیوں سے استبداد سے کے خوگر ہیں۔
۵۷۔ لوگ کاسہ لیس اور چاپلوس ہیں۔
۵۸۔ ان میں فکری حریت نہیں۔

غرض آپ جو بھی لہجہ اختیار کریں، جو بھی اسلوب اپنائیں، جس رنگ میں بھی اس مضمون کو باندھیں، سو باتوں کی ایک بات یہ ہے کہ ہم اچھے مسلمان نہیں رہے، ہم اسلامی تعلیمات پر عمل نہیں کرتے۔

اس کا حل کیا ہے؟

اس کا حل ایک ہی ہے کہ ہم اسلام کے ساتھ سچ مچ وابستہ ہوجائیں، اسلامی تعلیمات کو ترز جاں بنائیں، ان کے تقاضوں پر عمل کریں۔ اس مضمون کو بھی سو رنگ میں باندھا جاسکتا ہے لیکن اس کا مرکزی مضمون بہرحال یہی ہوگا۔

اس کی عملی صورت کیا ہو؟

اس کی پہلی ضرورت یہ ہے کہ ہمیں احساس زیاں تو ہو، ہم اپنی بیماری کو تسلیم تو کریں، ہم اپنا احتساب تو کریں، ہم خود تنقیدی کے مرحلے سے تو گزریں۔

پھر ہمیں یہ ایقان بھی چاہئے کہ ہمیں واشنگٹن اور لندن نہیں کعبے کو جانا ہے۔ ہم اندھیرے میں ہیں ہمیں نور اسلام کی ضرورت ہے۔ ہم بحر ظلمات میں ہیں کنارے پہنچنے کے لئے ہمیں کشتی ایمان کی ضرورت ہے۔

پھر ہمیں اس دلدل سے نکلنے کے لئے نیت خالص اور عزم محکم درکار ہے، ایسا عزم جو پہاڑوں کے سینے شق کردے اور صحراؤں کے دامن سمیٹ دے۔ اس کے جزوی حل بھی ہیں اور وہ جزواً موثر بھی ہوسکتے ہیں؛ گو دیگر امراض باقی رہیں گے۔

کچھ وقتی حل بھی ہیں جن سے کچھ دیر کے لئے مرض میں افاقہ ہوجائے گا لیکن ہمیشہ کے لئے آرام نہیں آئے گا۔

لیکن اس مہلک مرض کا اصولی، بنیادی، کلی اور پائیدار حل صرف وہ ہے جو ہمیں خالق کائنات نے بتایا ہے۔

تعلیم کتاب وحکمت سے شخصیت کا تزکیہ کرکے ایسے انسان تیار کئے جائیں جو قرآن اور اسلام کو مطلوب ہیں۔ اسے آپ تعمیر سیرت وکردار، انسان سازی یا چاہیں تو جدید اصطلاح میں Human Resources Development کہہ سکتے ہیں۔ ایسے اشخاص جب آپ کے معاشرے میں ڈھل کر تیار ہوکر نکلیں گے تو آپ کی مشکلات کے حل کا دروازہ کھل جائے گا کیونکہ یہ نسخہ کیمیا ہے، یہ شہ کلید (Master Key) ہے، اس کے آگے کوئی تالا نہیں ٹھہر سکتا۔ آزمائش شرط ہے۔

تاریخ اس کا مشاہدہ کرچکی ہے۔ چودہ سو سال پہلے احمد مجتبیٰ نبی مکرم (ﷺ) نے تعلیم کتاب وحکمت اور تزکیہ سے ایسے افراد تیار کیے تھے، پھر چشم فلک نے دیکھا کہ وہ طوفان بن کر اٹھے اور گھٹا کی طرح چھا گئے۔ دنیا کی سپر پاورز ان کے سامنے

Marfat.com

ریت کے گھروندے کی طرح بیٹھتی چلی گئیں کہ وہ علم و عمل کے سچے تھے۔ان کے دن گھوڑے کی پیٹھ پر اور راتیں مصلے پر گزرتی تھیں۔اپنے مقصد کی خاطر مرنا انہیں اتنا عزیز تھا کہ وہ اس کے لئے دعائیں مانگتے تھے چنانچ ان کی زندگی ایسی تھی کہ لوگ ان پر رشک کرتے تھے۔وہ دور پھر لوٹ سکتا ہے بشرطیکہ ہم چاہیں، بشرطیکہ ہم صبغتہ اللہ میں اسی طرح رنگ جائیں جیسے رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو رنگا تھا۔آج بظاہر رسول اللہ ﷺ ہم میں موجود نہیں ہیں لیکن ان کی لائی ہوئی کتاب اور سنت تو ہمارے پاس موجود ہے۔

خارجی مانع اور اس کا حل

یہ خارجی مانع بھی اصلاً ایک ہی ہے اور وہ ہے مغربی فکر وتہذیب کا غلبہ اور اسلام دشمنی یہ مانع ذہنی بھی ہے اور فکری بھی یعنی اہل مغرب اپنی منصوبہ بندی اور کوشش ومحنت سے خصوصاً تعلیم اور ذرائع ابلاغ کے ذریعہ بہت سے مسلمانوں کے دل و دماغ کو فتح کر چکے ہیں۔وہ مسلمان ہیں، مسلمانوں جیسے نام رکھتے ہیں مسلمان معاشرے میں رہتے ہیں اور ان میں سے بہت سے نمازیں بھی پڑھتے ہیں مسلمان روزے بھی رکھتے ہیں لیکن وہ مغربی تہذیب سے مرعوب ہیں، ان کی آنکھیں مغربی تہذیب کی چکا چوند سے خیرہ ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ مغربی تہذیب کامیاب ہے، ترقی یافتہ ہے لہٰذا انہیں بھی اس کی پیروی کرنی چاہئے اور دنیا میں ترقی کا نسخہ فقط یہی ہے کہ مغربی فکر وتہذیب کی تقلید کی جائے۔

یہ مانع عملی اور مادی بھی ہے یعنی بہت سے مسلمان خاص کر ان کے حکمران اور بالا دست طبقے، مغرب کے محض ذہنی غلام نہیں بلکہ عملاً بھی اسی کے غلام ہیں اور اہل مغرب نے ہماری سیاست، معیشت، معاشرت، دفاع، تعلیم غرض سارے شعبہ ہائے زندگی کو اس طرح جال میں جکڑا ہوا ہے کہ مغرب کے شکنجے سے نکلنا اگر ناممکن نہیں تو محال ضرور ہے۔ہمارے حکمران طبقے اکثر مغرب کے پروردہ ہیں، وہ عوامی قوت پر انحصار کرنے کی بجائے اقتدار کے حصول اور اس کے دوام کے لئے مغرب پر انحصار کرتے ہیں اور ان کی ساری شرطیں دل وجان سے مانتے ہیں۔ہمارے وزرا مالیات اکثر وبیشتر آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک سے برآمد کئے جاتے ہیں اور وہ انہی کی پالیسیاں نافذ کرتے ہیں۔یہی حال ہمارے وزرائے تجارت اور وزرا خارجہ کا ہے۔ہماری فوجوں کے سارے جرنیل مغرب کے تربیت یافتہ ہوتے ہیں اور انہی کا ذہن رکھتے اور انہی کی مرضی کے فیصلے کرتے ہیں۔ہمارے ٹی وی اور ریڈیو مغربی فلموں، ڈراموں اور دوسرے پروگراموں کو نشر کرنے کو ہی فن کی معراج سمجھتے ہیں۔ہمارے دانشوروں کے ذہن بھی اسی محبوب کے اسیر ہیں اور ان کے نزدیک فکر و دانش کی معراج یہی ہے کہ مغربی افکار کی جگالی کی جائے۔غرض مسلم معاشرے کے سارے کارفرما طبقات علمی وعملی طور پر مغرب کے حاشیہ نشین اور خوشہ چین ہیں۔

ہم نے مغربی فکر وتہذیب کے غلبے کا ذکر کیا ہے اگر چہ اس میں عملاً ساری مغربی اقوام (امریکہ ویورپ) شامل ہیں لیکن مغربی فکر وتہذیب کا غلبہ صرف مغربی ممالک تک محدود نہیں بلکہ اس میں دنیا بھر کے وہ ممالک شامل ہیں جو اس تہذیب کے نیچرا اور حمایتی ہیں اور مختلف وجوہات کی بنا پر ان کا رویہ خلاف اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہے مثلاً مشرق وسطیٰ میں اسرائیل،

Marfat.com

جنوب مشرق ایشیاء میں بھارت، مشرق بعید میں جاپان، یورپ میں روس، بلکہ اس میں چین کو بھی شامل سمجھنا چاہئے۔ جو بارہ کروڑ سے زیادہ مسلمانوں کو غلام بنائے بیٹھا ہے۔

ا۔ فراست

یہ مانع دراصل داخلی مانع ہی کی ایک توسیع شدہ شکل ہے یعنی مسلمان اس لئے مغربی فکر و تہذیب سے مرعوب ہیں کہ وہ اپنے نظریہ حیات سے وابستہ نہیں ہیں، وہ اس پہ مطمئن نہیں ہیں اور انہیں اس سے وابستگی پر فخر نہیں ہے۔ اگر صحیح تعلیم و تربیت سے وہ سچ مچ دین اسلام سے وابستہ ہوجائیں تو ان کی یہ کمزوریاں جاتی رہیں گے۔ انہیں اپنی سچ اور اپنی تہذیب پہ فخر ہوگا اور وہ اس پر عمل کرنا چاہیں گے نہ کہ غیر مسلم نظریات سے وابستہ ہونا چاہیں گے۔ اس لئے اس مانع کا پہلا حل تو یہی ہے کہ مسلمان فراست سے کام لیں اور اپنے دین سے حقیقتاً وابستہ ہوجائیں۔

۲۔ دعوت

اس کا دوسرا مرحلہ دعوت ہے، جو اپنی کنہہ میں دفاعی (Defensive) کی بجائے اقدامی (Offensive) نوعیت کا ہے کہ دفاعی حکمت عملی ہے ماہرین اس امر پر متفق ہیں کہ اقدام بہترین دفاع ہوتا ہے (Offensive is the Best Defence)۔ دعوت کا مطلب یہ ہے کہ ہم ساری غیر مسلم دنیا خصوصاً اہل مغرب تک دین حق کی دعوت پہنچائی اور انہیں بتائیں کہ اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے سے ان کی ساری مشکلات حل ہوجائیں گی اور وہ حقیقی خوشی سے متمتع ہوں گے۔

مسلمان بنیادی طور پر حق کے داعی ہیں۔ محمد رسول اللہ ﷺ چونکہ اللہ کے آخری نبی ﷺ ہیں لہذا اب امت مسلمہ کا تاقیامت یہ فرض ہے کہ لوگوں کو دین حق کی طرف بلاتی رہے۔ گویا سارے غیر مسلم ہمارے لئے امت دعوت ہیں اور ہم پر واجب ہے کہ ان تک حق پہنچائیں لہذا اہل مغرب کا رویہ ہمارے ساتھ جو بھی ہو، وہ ہمارے لئے امت دعوت ہیں اور ہمیں بہرحال موثر طریقے سے ان تک حق کا پیغام پہنچانا ہے۔ اہل مغرب تک دین پہنچانے کے کچھ تقاضے ہیں جنہیں ہم پورا نہیں کر رہے ان میں سے کچھ باتوں کی طرف ہم یہاں توجہ دلائیں گے۔

داعی برائی سے نفرت کرتا ہے برے آدمی سے نہیں۔ اگر ایک مسلمان داعی غیر مسلموں سے نفرت کرے گا تو ان تک دعوت کیسے پہنچائے گا۔

داعی کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ امت دعوت کے حالات کو سمجھتا ہو۔ سوال یہ ہے کہ مسلمان ممالک میں ایسے ادارے کتنے ہیں جہاں مغرب پر تحقیق ہوتی ہے؟ جہاں اہل مغرب کے رویوں، ان کی پالیسیوں اور ان کے منصوبوں کا مطالعہ کیا جاتا ہو؟

دعوت پہنچانے کا ایک ابتدائی تقاضا یہ ہے کہ **کلمو ا الناس علی حسب عقولھم**۔ یعنی لوگوں سے ان کی ذہنی

Marfat.com

افتاد کے مطابق گفتگو کرو۔ ہمارے ہاں جن مدارس میں علماء تیار کیے جاتے ہیں کیا وہاں علماء کو مغرب میں دین پہنچانے کے قابل بنایا جاتا ہے مثلاً انہیں وہاں کی زبان (انگریزی، فرانسیسی، جرمن۔۔۔وغیرہ) سکھائی جاتی ہے؟ کیا انہیں وہاں کے طور طریقے اور معاشرت کی تفصیلات بتائی جاتی ہیں؟ کیا انہیں بتایا جاتا ہے کہ اہل مغرب کا طرز تعلیم اور طرز فکر کیا ہے؟ کیا انہیں وہاں کے طور طریقے اور معاشرت کی تفصیلات بتائی جاتی ہیں؟ کیا انہیں بتایا جاتا ہے کہ اہل مغرب کا طرز تعلیم اور طرز فکر کیا ہے؟ وہاں کے معروف نظریات (سیکولرزم، ہیومنزم، نیشنلزم، کیپٹل ازم۔۔۔وغیرہ) کیا ہیں اور اسلامی حوالے سے ان نظریات کی علمی سطح پر کیسے تردید کی جاسکتی ہے؟ پاکستان (بلکہ سارے عالم اسلام میں) اس طرح کے دینی مدارس اور تعلیمی ادارے کتنے ہیں جو اس پائے علما تیار کرتے ہوں جو مغرب کے جا کر وہاں کے معاشرے میں گھل مل جائیں اور ان کی ذہنی سطح کے مطابق دین حق کو پیش کر سکیں اور دین حق کا تفوق ان کے نظریات پر ثابت کر سکیں؟

۳۔ مزاحمت

مغربی غلبے سے نمٹنے کا تیسرا حل مزاحمت ہے۔ دراصل مغرب اس وقت طاقتور ہے، اسلحے کے لحاظ سے بھی، معیشت کے لحاظ سے بھی اور سیاست کے لحاظ سے بھی، بلکہ تسلیم کرنا چاہئے کہ وہ ہر لحاظ سے طاقتور ہے اور اس کے مقابلے میں مسلم ملت اس وقت کمزور ہے۔ اسلحے کے لحاظ سے، معیشت کے لحاظ سے، سیاسی قوت کے لحاظ سے غرض ہر طرح کمزور ہے اور دنیا کا دستور یہی ہے کہ طاقتور کو کمزور پر خواہ مخواہ غصہ آجاتا ہے۔ وہ اگر ذرا بھی اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کی کوشش کرے، ذرا بھی حکم عدولی کرنے، ذرا بھی اپنی مرضی کرنا چاہے تو طاقتور کو غصہ آتا ہے اور اس کا یہی جی چاہتا ہے کہ ذرا اس کی ٹھکائی کی جائے تا کہ اس کا دماغ درست ہو جائے۔ ایسی حالت میں، مسلمان کیا کریں؟ کیا ہنسی خوشی اور خاموشی سے نپٹتے رہیں؟ ہماری رائے یہ ہے کہ انہیں خاموشی سے نہیں بیٹھنا چاہئے بلکہ مزاحمت کرنی چاہئے۔

مغرب کے ظلم و جور کے مقابلے کے حوالے سے اس وقت امت تین حصوں منقسم ہے۔ امت کا ایک بڑا حصہ ابھی تک بے حس ہے، وہ ہر قسم کے احساس زیاں سے عاری ہے، صدیوں سے مسلط حکومتی استبداد نے اس کے قویٰ شل کر رکھے ہیں۔ پھر اہل مغرب اور اس کے مقامی حکمران گماشتوں نے اسے دال روٹی کے چکر میں الجھا رکھا ہے۔ اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پالنا ہی ان کا سب سے بڑا مسئلہ ہے، دینی حمیت کا بھی اسے کوئی خاص احساس نہیں۔ افغانستان پر آگ برس رہی ہو یا عراق پر، وہ افسوس کا اظہار کر کے خاموش ہو جاتا ہے۔ اس دفعہ جب عراق پر دوسرا امریکی حملہ ہوا تو دنیا کے بے شمار ممالک میں بلکہ خود مغرب میں لاکھوں لوگ سڑکوں پر نکل آئے اور انہوں نے جنگ کی مذمت کی لیکن مسلم ممالک کے عوام کو سانپ سونگھے رکھا۔ وہ احتجاج کے لئے سڑکوں پر نہیں آسکے کیونکہ وہ ظلم پر صبر کرنے اور اسے خاموشی سے سہنے کے عادی ہو چکے ہیں۔

دوسرا رویہ مسلم ممالک کے اکثر حکمرانوں کا ہے جو امریکہ اور مغرب کے گماشتے ہیں اور ان کی مدد سے برسر اقتدار رہنا چاہتے ہیں۔ وہ حیلے بہانے امریکہ اور اس کے حواریوں کی حمایت کرتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ ہم دوسرے ملکوں کے ٹھیکیدار

Marfat.com

نہیں، پہلے اپنے ملک کو بچائیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ اسلام اعتدال پسند اور روشن خیال دین ہے اور وہ دہشت گردی کا مخالف ہے لہذا ہم بھی دہشت گردی کے خلاف ہیں اور امریکہ چونکہ دہشت گردوں کے خلاف جنگ کر رہا ہے لہذا ہم بھی اس کے ساتھ ہیں۔ یہ لوگ اندر خانے یہ بھی کہتے ہیں کہ جب ہم امریکہ کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو اپنا ملک کیوں برباد کروائیں۔ بہتر یہ ہے کہ سر نیچا کر لو اور خاموش رہ کر گزارا کرو اور جب تک ہو سکے، بلا کو سر سے ٹالے رکھو۔

تیسرا رویہ جہادی گروپوں کا ہے وہ کہتے ہیں کہ جہاد کا مطلب یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے اقدام کر کے اسلام کے دشمنوں کا سر کچل دیا جائے۔ امریکہ کا رویہ اسلام دشمنی پر مبنی ہے لہذا ہر امریکی شہری قابل قتل ہے، خواہ وہ سفیر ہی کیوں نہ ہو۔

یہ تینوں رویے صحیح نہیں ہیں اور انتہا پسندی پر مبنی ہیں لہذا ضروری ہے کہ جس رویے کو ہم صحیح سمجھتے ہیں اور جسے ہم نے مزاحمت کا عنوان دیا ہے۔

عملی مانع اور اس کا حل

مسلم نشاۃ الثانیہ کے رستے میں ایک بہت بڑی رکاوٹ یہ ہے کہ اس کے لئے کام کرنے کی خاطر کوئی ادارہ اور تنظیم موجود نہیں ہے ظاہر ہے کہ دنیا کی کوئی اسکیم اور کوئی منصوبہ ایسا نہیں ہے جو روبہ عمل آجائے جب تک اس پر غور و فکر کرنے اور اس غور و فکر پر عمل درآمد کے لئے کوئی ادارہ یا تنظیم موجود نہ ہو، جس کی ذمہ داری ہی یہ ہو کہ وہ یہ کام کرے۔

یہاں کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ اس وقت مسلمانوں میں اس غرض سے ملی سطح کی کئی تنظیمیں موجود ہیں۔ اگر شک ہو تو ذرا ایک نظر موجودہ ملی تنظیموں اور ان کی کارکردگی پر ڈال لیجئے تو آپ کی خوش فہمی ہوا ہو جائے گی۔

ا۔ ان تنظیموں میں سب سے قدیم موتمر عالم اسلامی ہے جو غیر حکومتی سطح پر مسلم دانشوروں اور سیاست دانوں کو متحد کرنے کا ایک پلیٹ فارم ہے۔ پھر سعودی عرب نے رابطہ عالم اسلامی قائم کی جس کا زیادہ تر میدان کار دعوت و تبلیغ ہے۔ پھر اسلامی کانفرنس تنظیم وجود میں آئی جو اگرچہ ساری مسلم حکومتوں کا ہے اور اس میں دو رائیں نہیں ہو سکتیں کہ سعودی عرب مغرب (امریکہ و یورپ) کے زیر اثر ہے۔ لہذا اول الذکر تنظیم اپنے دائرہ کار کی بناء پر غیر موثر ہے (خصوصاً اسلامی کانفرنس تنظیم کے وجود میں آنے کے بعد سے) اور آخری دونوں تنظیمیں مغربی ایجنڈے کے زیر اثر نیم مردہ ہو چکی ہیں۔ ان تنظیموں کی بے عملی کا یہ حال ہے کہ جب افغانستان کی اینٹ سے اینٹ بجائی جا رہی تھی تو موتمر اپنا اجلاس تک نہ بلا سکی۔ اسلامی کانفرنس تنظیم نے صرف ایک اجلاس بلایا اور اس میں کوئی ایکشن لینا تو رہا ایک طرف وہ امریکہ اور اس کے حمایتیوں کے خلاف قرارداد مذمت بھی نہ پاس کر سکی اور اس نے صرف یہ قرارداد پاس کرنے پر اکتفا کر لیا کہ افغانستان کے بعد کسی دوسرے مسلم ملک پر حملہ نہ کیا جائے۔ فلسطین، چیچنیا، بوسنیا، کشمیر، فلپین غرض مسلمانوں کے کسی مسئلے پر بھی یہ تنظیم حرکت میں نہیں آسکی اور یہ محض ایک بے جان لاشہ ہے۔ مسلم نشاۃ ثانیہ کے کسی پروگرام پر عمل درآمد کے حوالے سے ان تنظیموں سے کسی اعلیٰ کارکردگی کی توقع ہی فضول ہے۔

۲۔ پھر ہمیں یہ بھی نہیں بھولنا چاہئے کہ مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ اور عروج امت ان تنظیموں کا ہدف کبھی نہیں رہا۔ یہ تنظیمیں زیادہ

Marfat.com

سے زیادہ مسلمانوں کے مسائل اور اتحاد کی بات کرتی ہیں (اگر چہ ان کے ناموں سے اس امر کا بھی اظہار نہیں ہوتا)

☆ موتمر عالم اسلامی (موتمر کا مطلب ہوتا ہے کہ کانفرنس یعنی عالم اسلام کی کانفرنس)

☆ رابطۃ العالم الاسلامی (یعنی عالم اسلام میں رابطے کی تنظیم)

☆ اسلامی کانفرنس تنظیم (عربی میں منظمیہ الموتمر الاسلامی) یعنی وہ تنظیم جو اسلامی کانفرنس نے بنائی ہے۔

اب ان ناموں سے کن مقاصد کا اظہار ہوتا ہے۔

۳۔ امہ کے مسائل کے حل اور اتحاد امت کے لئے آج تک جو تنظیمیں بنائی گئی ہیں وہ نفسیاتی طور پر مدافعتی نوعیت کی رہی ہیں۔ مفتی امین الحسینی نے فلسطین کو ہاتھوں سے نکلتے دیکھا تو ہاتھ پاؤں مارنے کے لئے امت کے پاس دوڑے کہ فلسطین کو بچانے کے لئے کچھ کرو۔ جب مسجد اقصیٰ جلائی گئی تو پھر امت کو اکٹھا کیا گیا کہ ہمارے مذہبی مقامات کا تقدس اور سالمیت خطرے میں ہے۔ لیکن یہ نقطۂ نظر کہ ہم نے اپنی فکر و تہذیب کو بالا دست بنانا ہے ایک ہجوم (Offensive) نفسیات کا تقاضا کرتا ہے، جس پر آج تک کام ہی نہیں ہوا۔

۴۔ حق آج تک اس طرح کبھی غالب نہیں آیا کہ حق کا نام لینے والے سب کہہ وماہ اور مخلصوں اور بہادروں کے ساتھ کمزوروں، بزدلوں اور منافقوں سب کو جمع کیا جائے اور سب کا ایک لشکر بنایا جائے بلکہ حق اکثر اس قلیل اقلیت کے ذریعے ہی غالب آیا ہے جو اخلاص کے ساتھ جان وشاری پر تل جائے۔ اس پر قرآن وسنت کی گواہی بھی موجود ہے اور تاریخ بھی۔

نئی تنظیم کی ضرورت

مندرجہ بالا مختصر تجزیئے سے ظاہر کہ امہ کے مسائل کے حل اور اتحاد کے لئے قائم کی گئی مندرجہ بالا تنظیمیں غیر موثر اور غیر فعال ہو چکی ہیں۔ نیز مسلم نشاۃ ثانیہ کبھی ان کا ہدف ہی نہیں رہی اس لئے آج ہمیں ایک ایسی ملی تنظیم کی اشد ضرورت ہے جس کا ہدف مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ ہو نہ کہ محض اتحاد امت اور امت کے مسائل حل کرنا۔ اس سے پیشتر ہم نے کتاب میں ایک جگہ، مرکز مطالعہ مسلم نشاۃ ثانیہ، قائم کرنے کی تجویز پیش کی ہے وہ محض ایک تھنک ٹینک اور تحقیقی و تجزیاتی ادارے کی تجویز تھی۔ اس وقت جو بات ہو رہی ہے وہ ایک بڑی تنظیم قائم کرنے کی بات ہو رہی ہے جو مسلم نشاۃ ثانیہ کے منصوبے پر عمل درآمد کی ذمہ دار ہو (گویا مذکورہ مطالعاتی مرکز اس مجوزہ تنظیم کا ایک جزدی یا ذیلی اداہ ہو سکتا ہے)

طریق تشکیل

ظاہر ہے کہ ملی سطح پر اس طرح کی تنظیم قائم کرنا بچوں کا کھیل نہیں خصوصاً اس صورت میں جب کہ مسلم حکومتیں اس کی ہمنوا نہ ہوں۔ اندریں حالات ہماری تجویز یہ ہے کہ:

۱۔ مسلم نشاۃ ثانیہ کے تصور کو امت کے سر برآوردہ حلقوں تک پہنچایا جائے اور جو افراد اس سے متفق ہوں انہیں ایک تنظیم کی صورت میں منظم کیا جائے۔ اسے کوئی بھی موزوں نام دیا جا سکتا ہے مثلاً، اسلامی یکجہتی محاذ (عربی میں، جبهة التضامن

Marfat.com

الاسلامی، اور انگریزی میں Islamic Solidarity Front)

۲۔ اس گروپ میں ان افراد/ حکمرانوں کو بطور خاص شامل کیا جائے جو مذکورہ بالا تینوں تنظیموں میں شامل ہیں لیکن ان کی بے عملی سے نالاں ہیں۔

۳۔ گروپ کا طریق کار انتہائی منضبط محتاط اور مربوط ہونا چاہیے تاکہ دشمن کے ایجنٹ اس میں نہ گھس سکیں۔

۴۔ اس گروپ کی تشکیل میں جلدی نہ کی جائے۔ اس میں کسی خاص علاقے، زبان، مسلک و حکمران کو ترجیحی اہمیت نہ دی جائے۔ ترجیح ہو تو صرف اس بات کی کہ کون اس کے لئے اخلاص کے ساتھ زیادہ سے زیادہ جدوجہد کرتا اور قربانیاں دیتا ہے۔

۵۔ اگر دوسری ملی تنظیمیں فعال نہ ہوئیں اور یہ گروپ فعال ہو گیا تو اس امر کا امکان موجود ہے کہ یہی گروپ بعد میں ان ساری تنظیمیں کی جگہ لے لے گا۔

ہدف

اس گروپ کا ہدف ایک ہی ہو، مسلم نشاۃ ثانیہ یعنی اس امر پر غور و فکر اور عملی اقدامات کہ کن طریقوں سے امت مسلمہ کے مسائل کو حل کر کے اسے عروج سے ہمکنار کیا جائے۔

وسائل

یہ گروپ اپنے ہدف کو حاصل کرنے کے لئے مندرجہ ذیل ذرائع سے کام لے گا:

۱۔ مسلمان ممالک کے عوام اور حکمرانوں کو متحد کرنے کے لئے موثر اقدامات کرنا۔

۲۔ مسلم معاشروں میں مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے میں مدد دینے کے لئے دعوت و اصلاح اور تعلیم و تزکیہ کا کام کرنے والے افراد/ اداروں/ تحریکوں/ تنظیمیں/ جماعتوں کو باہم مربوط و منظم کرنا اور فعال کرنا۔

۳۔ مسلمان ممالک میں نفاذ اسلام کے لئے کام کرنے والی سیاسی قوتوں کو مربوط و منظم کرنا۔

۴۔ غیر مسلموں میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے کام کو منظم و فعال کرنا اور بڑھانا

۵۔ اسلام اور مسلم دشمن قوتوں کی سازشوں کو ناکام بنانا

۶۔ مسلم نشاۃ ثانیہ کے لئے ہر طرح کے اقدامات کرنا۔

مسلم نشاۃ ثانیہ کی تکمیل

۱۔ آج امت کے جو حالات ہیں ان میں مسلم نشاۃ ثانیہ کی بات کرنا بظاہر ایک دیوانے کا خواب لگتا ہے لیکن اگر ذرا گہرائی سے سوچا جائے تو ایسے امکانات نظر آتے ہیں جن کی رو سے آج کے اس خواب کو کل کی حقیقت میں بدلا جا سکتا ہے۔

۲۔ زوال کا وقت ہی وہ مناسب وقت ہوتا ہے جب عروج کے لئے پلاننگ کی جائے۔

Marfat.com

۳۔ دل گرفتگی اور مایوسی کسی مسئلے کا حل نہیں ہوتی اور پر امیدی اور خوش امیدی زندہ رہنے اور جدوجہد کرتے رہنے پر اکساتی ہے

۴۔ قومیں/تہذیبیں عام طور پر ضعف وادبار کے بعد دوبارہ اٹھ سکتیں لیکن مسلم تہذیب اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ اس کے نظریاتی ماخذ محفوظ اور موجود ہیں جو اس کی نشاۃ ثانیہ کی بنیاد بننے کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں۔

۵۔ مسلمانوں کے زوال کا بنیادی داخلی سبب اپنے نظریہ حیات سے عدم وابستگی اور اس کے تقاضوں کو پورا نہ کرنا ہے۔ اس کے زوال کا بنیادی خارجی سبب مغربی تہذیب کی اسلام اور مسلم دشمنی اور مسلمانوں کی اس تہذیب سے مرعوبیت اور اس کی پیروی کرنے کا رجحان ہے۔

۶۔ مسلم امت کے زوال سے نکلنے اور عروج کی طرف بڑھنے کا بنیادی نسخہ یہ ہے کہ انسان سازی کا کام کیا جائے یعنی اسلامی اصولوں پر تعمیر شخصیت و کردار اور فکری و تحقیقی بالا دستی کا کام، جس کا ذریعہ ہے صحیح اصولوں پر تعلیم و تربیت/تزکیہ اور دعوت و اصلاح کرنا ہو۔

۷۔ سطح بین لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ عروج کا راستہ ہے سائنس و ٹیکنالوجی اور مادی وسائل کی کثرت، اور چیزوں کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ مغرب کی پیروی کی جائے کیونکہ اسے یہ دونوں چیزیں حاصل ہیں جبکہ مسلمانوں کو یہ حاصل نہیں ہے۔ وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ مادی وسائل کی کثرت اور سائنس و ٹیکنالوجی میں ترقی نتیجہ ہوتے ہیں انسانی وسائل کے صحیح استعمال کا اور انسانی وسائل کا تحرک نتیجہ ہوتا ہے نظریہ حیات سے وابستگی کا۔ لہٰذا ہمارا موقف یہ ہے کہ اصولاً مسلمانوں کے عروج کا ایک ہی راستہ ہے کہ وہ اخلاص سے اپنے نظریہ حیات سے وابستہ ہو جائیں، مادی وسائل اور سائنسی ترقی انہیں خود بخود حاصل ہو جائے گی جیسا کہ ماضی میں ہو چکا ہے۔

۸۔ یہ کہنا کہ ہم تو اسلام پر عمل کر رہے ہیں اور اس کے باوجود دنیا میں ذلیل و خوار ہیں لہٰذا اس بات میں کوئی وزن نہیں کہ اگر ہم اسلام پر عمل کریں گے تو خود بخود معاشی و دفاعی طور پر مضبوط ہو جائیں گے اور ہمیں سائنسی ترقی حاصل ہو جائے گی، محض ایک غلط فہمی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم بحیثیت فرد اور معاشرہ اسلامی اصولوں پر صحیح طریقے سے اور کما حقہ عمل نہیں کر رہے ہیں جس کا نتیجہ ہے ذلت و خواری۔ اگر صحیح طریقے سے عمل کریں تو ترقی کے عوامل ہمیں خود بخود حاصل ہو جائیں گے جیسا کہ ماضی میں ہوئے ہیں۔

۹۔ مغرب کی ساری پالیسیاں اسلام اور مسلم دشمنی پر مبنی ہیں۔

۱۰۔ یہ سمجھنا کہ مغرب کی پیروی سے مسلمان دنیا میں ترقی کر سکتے ہیں ایسے ہی ہے جیسے جانا مشرق کو ہو اور جایا مغرب کو جائے۔

۱۱۔ مسلمانوں کا ایک المیہ یہ بھی ہے کہ وہ متحد نہیں۔

۱۲۔ اور یہ کہ مسلم حکمرانوں کی سوچ اور عمل مسلم عوام کی سوچ اور عمل کے برعکس ہے۔ کیونکہ یہ حکمران دین سے دور ہیں، حب دنیا، جاہ و منصب میں مبتلا ہیں اور اپنے اقتدار اور مفادات کے لئے مغرب کے گماشتے بنے ہوئے ہیں۔

۱۳۔ مسلم علماء، دینی ادارے، جماعتیں اور تحریکیں بھی زیادہ تر صحیح رخ میں کام نہیں کر رہیں۔

Marfat.com

۱۴۔ جہاد کا مطلب ہے دین پر عمل اور اس کے نفاذ و غلبے کے لئے ہر نوع کی جدوجہد کرنا اور ہر قسم کے ایثار و قربانی سے کام لینا۔ اس کا پہلا مرحلہ ہے جہاد بالنفس یعنی خود دین پر عمل کرنا۔ دوسرا مرحلہ ہے جہاد بالقلم واللسان یعنی دوسروں تک دین کی دعوت پہنچانا اور آخری مرحلہ ہے قتال۔ ہم مسلمانوں کی کیفیت یہ ہے کہ ہم جہاد بالنفس کرنے پر تیار نہیں کہ ہم اصلاح کریں اور غیر مسلموں کے لئے نمونہ بنیں۔ دعوت کے کام کا حق بھی ہم ادا نہیں کرتے، نہ داخلی محاذ پر اور نہ خارجی پر۔ داخلی محاذ یعنی مسلم معاشرے میں دعوت اصلاح کا موجودہ کام ناکافی بھی ہے، غیر موثر بھی اور اس کی سمت بھی درست نہیں۔ اسی طرح خارجی محاذ پر یعنی غیر مسلم دنیا میں دوعتی جدوجہد کے لئے ہمارے ہاں ایسے موثر ادارے موجود ہی نہیں جو ایسے اہل افراد پیدا کر رہے ہوں جو اہل مغرب کو دین ان کی زبان میں ان کی ذہنی سطح کے مطابق اور ان کے حالات کے تناظر میں پیش کرسکیں۔ مسلمان حکومتیں دین پر عمل نہیں کرتیں کہ ہمارا معاشرہ اور ریاست کفار کے لئے نمونہ بنیں۔ پھر ہم نے بحیثیت امت جہاد کے آخری درجے کے لئے تیاری ہی نہیں کی اا اور نہ ہم میں اتنی سکت ہے کہ دشمن کے خلاف لڑسکیں۔ ہمیں یہ سب کرنا ہوگا۔ تاہم اقدامی جہاد سے قطع نظر، اپنی زمین اور ملک کا دفاع ہم پر واجب ہے، ردنیا کا ہر قانون اس کی اجازت دیتا ہے لیکن دشمن طاقتور ہے لہذا کامیابی اس میں بھی کم ہوگی اور قربانیاں زیادہ دینا پڑیں گی۔

۱۵۔ اگر مسلمان حکمت عملی سے کام لیں تو مغرب کے ساتھ دعوت و ڈائیلاگ اور جہاں مجبوری ہو وہاں مزاحمت کی پالیسی بیک وقت بھی اپنائی جاسکتی ہے اور اپنائی جانی چاہئے۔

۱۶۔ خلافت کے خاتمے کے بعد جدید اسلامی تحریکوں کی یہ حکمت عملی کہ غیر صالح مسلم حکمرانوں کو قوت سے بے دخل کر کے دینی مفاد کے لئے خود اقتدار ہاتھ میں لے لیا جائے، بعض فائدوں کے باوجود عملاً ناکام ثابت ہوئی ہے لہذا ان تحریکوں کو چاہئے کہ وہ اپنی حکمت عملی پر نظر ثانی کریں اور اسے تبدیل کریں۔ سیاسی اقتدار پر قبضے کے ذریعے اسلامی اصلاح کی بجائے سیاسی اقتدر پر قبضہ بذریعہ عوام کی اسلامی اصلاح کی پالیسی پر عمل کریں تاکہ انسان سازی اور فکر و عمل کی تبدیلی کے ذریعے مسلم فرد اور معاشرے میں پائدار تبدیلی کی بنیاد رکھی جاسکے۔

۱۷۔ دینی مدارس کو، جو ایسے علماء پیدا کر رہے ہیں، جنہیں حالات کے تقاضوں کی خبر ہے اور نہ وہ مغربی افکار اور اس حوالے سے مسلم دنیا کو درپیش چیلنجز کو سمجھتے ہیں، اپنا طریق کار بدلنا چاہئے۔

۱۸۔ اسی طرح وہ تبلیغی و اصلاح جماعتیں جو ایسے اسلام کی تبلیغ کرتی ہیں جو زندگی کے مسائل و کشاکش سے بحث نہیں کرتا انہیں بھی اپنی حکمت عملی تبدیل کرنی چاہئے۔

۱۹۔ مسلمان اگر آگے بڑھنا چاہتے ہیں تو انہیں کردار سازی کے ساتھ تعلیم و تحقیق میں آگے بڑھنا ہوگا۔ شرط یہ ہے کہ یہ تعلیم و تحقیق نہ مغرب سے مرعوبیت پر مبنی ہو اور نہ لکیر کے فقیر ہو بلکہ اس میں اجتہادی شان اور تخلیقیت پائی جاتی ہو۔

۲۰۔ ضرورت ہے امت کی سطح پر ایک تجزیاتی و تحقیقی ادارے اور تھنک ٹینک (مرکز مطالعہ مسلم نشاۃ ثانیہ) کی جو مسلمانوں کے زوال کے اسباب اور عروج کے طریق کار پر مسلسل کام کرتا رہے اور اپنے نتائج فکر سامنے لاتا رہے۔ اسی طرح ہمیں ایک مرکز

Marfat.com

مطالعہ مغرب' جیسے تجزیاتی و تحقیقی ادارے کی بھی ضرورت ہے جو مسلمانوں اور اسلام کے خلاف مغرب اور یہود و ہنود و نصاریٰ کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کو سامنے لاتا رہے اور ان کا تجزیاتی و تحقیقی مطالعہ امت کے سامنے پیش کرتا رہے تا کہ مسلم عوام و خواص کی ذہنی فکری تربیت بھی ہو اور ان سازشوں کا بروقت تدارک بھی کیا جا سکے۔

۲۱۔ 'مرکز مطالعہ مسلم نشاۃ ثانیہ' اور مرکز مطالعہ مغرب' جیسے مجوزہ ادارے جس حکمت عملی اور لائحہ عمل کی نشان دہی کریں اس پر عمل درآمد کے لئے امت کی سطح پر ایک 'اسلامی یک جہتی محاذ' یا اسلامک سالیڈریٹی فرنٹ' ان عناصر کو بنانا چاہئے جو مسلم نشاۃ ثانیہ کے خواہش مند اور علمبر دار ہیں۔ اس فرنٹ کو بتدریج اتنا موثر اور طاقتور ہو جانا چاہئے کہ وہ امت کی نمائندگی اور امت کے مفادات کا تحفظ کر سکے اور امت کی بقاء، استحکام اور غلبے کو ممکن بنا سکے۔

۲۲۔ اگر ان خطوط پر کام کیا جائے تو امت کی بقاء، استحکام اور غلبے کا کام جو آج ایک خواب نظر آتا ہے کل (یعنی مستقبل قریب میں) حقیقت کا روپ دھار سکتا ہے، انشاءاللہ۔

Marfat.com

کتابیات

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف/مؤلف
۱۔	تفسیرِ عثمانی	علامہ شبیر احمد عثمانی
۲۔	قرآن کا ترجمہ اور تفسیر	علامہ اشرف علی تھانوی
۳۔	بیان القرآن	علامہ اشرف علی تھانوی
۴۔	سیرت النبی ﷺ	علامہ شبلی نعمانی اور سید سلمان ندوی
۵۔	اللہ ذات والا صفات والا	حافظ محمد عبد الودود ذاکر علیمی
۶۔	معارف القرآن	مفتی محمد شفیع
۷۔	غزوۃ الہند اور سلطانِ جہاں	صدیق صادق
۸۔	کلوننگ	مفتی محمد صالح اوکاڑوی
۹۔	مصنف عبد الرزاق	عبد الرزاق معمر
۱۰۔	قصص الانبیاء	حامد سلطان قادری
۱۱۔	نبی الخاتم	مولانا مناظر احسن گیلانی
۱۲۔	سیرت النبی ﷺ	سید سلمان منصور پوری
۱۳۔	سیرت المصطفیٰ	مولانا محمد ادریس کاندھلوی
۱۴۔	معجزات رسول ﷺ	مولانا امداد اللہ انور
۱۵۔	اسوۂ رسول اکرم ﷺ	حضرت مولانا ڈاکٹر عبد الحی
۱۶۔	اسلامیات ایم اے، القرآن الحکیم، الحدیث شریف، تقابل ادیان، تاریخ اسلام	غلام مصطفیٰ اور مسز حریم مصطفیٰ
۱۷۔	عمدۃ السلوک	سید زوار حسین شاہ
۱۸۔	زبدۃ الفقہ	سید زوار حسین شاہ
۱۹۔	تبرکات نبوی ﷺ	مولانا ارسلان بن اختر میمن
۲۰۔	تبرکات خلفاء راشدین	مولانا ارسلان بن اختر میمن
۲۱۔	مقاماتِ صحابہؓ	مولانا ارسلان بن اختر میمن
۲۲۔	مقاماتِ حسن و حسینؓ	مولانا ارسلان بن اختر میمن

Marfat.com

۲۳۔	علماء دیوبند	حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب
۲۴۔	نہج البلاغہ	حضرت علیؓ
۲۵۔	سلطانِ کربلا	ابوالوفا قاری فیض المصطفیٰ اعتقی شرقپوری
۲۶۔	الامام الحسینؓ	فضیلۃ الشیخ عبدالواحد خیاری
۲۷۔	تذکرہ حضرت امام حسینؓ	قبلہ شاہ اکرام حسین سیکری
۲۸۔	امام حسین کی حقانیت	علامہ پروفیسر محمد حسنین آسی
۲۹۔	شہداء کربلا پر افترا	مولانا محمد عبدالرشید نعمانی
۳۰۔	الدر المستطاب	الشیخ حامد بن علی بن ابراھیم الدمشقی الحنفی العمادی
۳۱۔	صحیح بخاری کتاب الایمان	امام بخاری
۳۲۔	العمریز	شاہ عبدالعزیز دباغؒ
۳۳۔	احسان اور تصوف	خواجہ شمس الدین عظیمی
۳۴۔	بیان حضرت خواجہ غریب نوازؒ	ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب
۳۵۔	اوراقِ گم گشتہ	ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب
۳۶۔	ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں حالات، علمی و ادبی خدمات	ڈاکٹر مسرور احمد زئی
۳۷۔	فضلِ کبیر	ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب
۳۸۔	اقوالِ مصطفائی	ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب
۳۹۔	سلسلۂ مطبوعات: مشاہیرِ اُردو (ڈاکٹر صاحبؒ)	زینت افشاں
۴۰۔	وفا کا کعبہ	حسن محمود
۴۱۔	فتوح الہند	مولانا مفتی محمد شفیع صاحب
۴۲۔	تاریخ فرشتہ	محمد قاسم فرشتہ
۴۳۔	شرح کشف المحجوب	حضرت سید علی بن عثمان الہجویریؒ
۴۴۔	ہمارا علم و ادب	ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب
۴۵۔	تاریخ ہندو پاک	سید محمد سعید
۴۶۔	تعبیر پاکستان	ایس۔ ایم شاہد
۴۷۔	سندھ کے نقشبندی اولیاءؒ	ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب
۴۸۔	انوار الفرید	سید مسلم نظام دہلوی

Marfat.com

۴۹۔	شرح الصدور	علامہ جلال الدین سیوطیؒ
۵۰۔	مقدمہ ابن خلدون	علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدون
۵۱۔	تحریک پاکستان اور مشائخ عظام	محمد صادق قصوری
۵۲۔	پاکستان منزل بہ منزل	محمد علی چراغ
۵۳۔	تذکرہ انوار صابری	حاجی محمد بشیر انبالوی
۵۴۔	حضرت نعمت اللہ شاہ ولی اللہ کی آٹھ سو پچاس سالہ پیش گوئی	نواب زادہ نیاز دل خان
۵۵۔	تحریک پاکستان افکار و مسائل	پروفیسر انصار زاہد، ابوسلیمان شاہجہاں
۵۶۔	تحریک پاکستان تہذیبی عوامل، فکری سمتیں، حقیقی اسباب	شمیم احمد
۵۷۔	حصول پاکستان	پروفیسر احمد سعید
۵۸۔	قائد اور اسلام	محمد حنیف شاہد
۵۹۔	حضرت امیر ملت اور تحریک پاکستان	محمد صادق قصوری
۶۰۔	تصور پاکستان	شریعہ اکیڈمی اسلام آباد
۶۱۔	غزوۃ الہند ایک مبارک الہامی پیش گوئی	پروفیسر ڈاکٹر عصمت اللہ
۶۲۔	بیت الرسول ﷺ میں ایک دن	ابومحمد عبدالمالک
۶۳۔	مطالب القرآن	ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں
۶۴۔	My Brother	فاطمہ جناح
۶۵۔	محمد علی جناح	ہیکٹر بولیتھو
۶۶۔	پاکستان میں آئین کی تدوین اور جمہوریت	پروفیسر خورشید احمد
۶۷۔	شہاب نامہ	قدرت اللہ شہاب
۶۸۔	یا خدا	قدرت اللہ شہاب
۶۹۔	لبیک	ممتاز مفتی
۷۰۔	الکھ نگری	ممتاز مفتی
۷۱۔	رام دین	ممتاز مفتی
۷۲۔	تلاش	ممتاز مفتی

Marfat.com

۷۳۔ پیاز کے چھلکے — ممتاز مفتی
۷۴۔ ابنِ انشاء احوال و آثار — ڈاکٹر ریاض احمد ریاض
۷۵۔ یادگار خطوط ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کے نام — خالد محمود
۷۶۔ مکتوبات جلد اول جلد دوئم — خالد محمود
۷۷۔ آشوبِ پاکستان — ثناء اللہ بھٹا
۷۸۔ اقبال اور تصوف — ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب
۷۹۔ ایٹمی دھماکہ ہماری ذمہ داری — ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب
۸۰۔ مخزن ادب — پروفیسر احسان اللہ
۸۱۔ کون کیا ہے؟ — شاہد محمود ڈوگر
۸۲۔ مسلم نشاۃ ثانیہ اساس اور لائحہ عمل — ڈاکٹر محمد امین
۸۳۔ بھارت کا خاتمہ — خوشونت سنگھ
۸۴۔ تحفہ زوّاریہ — ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں
۸۵۔ دھند ٹوٹ گیا — مولانا سید سبط شبر زیدی
۸۶۔ بانگِ درا — علامہ اقبال
۸۷۔ کلیاتِ اقبال — علامہ اقبال
۸۸۔ بابِ جبرئیل — علامہ اقبال
۸۹۔ مکتوبات امام ربانی — مولانا قاضی عالم الدین
۹۰۔ الرغبۃ الی القرآن راحۃ للقلوب — پروفیسر ڈاکٹر صاحبزادہ فاروق احمد رفیقی
۹۱۔ ایک سو ایک اولیاء اللہ خواتین — خواجہ شمس الدین عظیمی
۹۲۔ اقبال پراسرار — زید حامد
۹۳۔ زندہ رود — ڈاکٹر جاوید اقبال
۹۴۔ علامات قیامت — محمد ارسلان
۹۵۔ فتنہ دجال اور نزول حضرت عیسیٰؑ — محمد ارسلان
۹۶۔ اثبات النبوۃ — ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب
۹۷۔ تحقیقی جائزہ مجدد الف ثانیؒ — ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب
۹۸۔ تفسیر شیخ الہند — مولانا محمود الحسن

Marfat.com

نظامِ کائنات، غزوۂ ہند اور وجودِ پاکستان

"United States of Islam"

Marfat.com